وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم: ۳۴)

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

شرح صحیح البخاری کے نام "**نِعم الباری**" کی توجیہ

میں نے 18 رجنوری 2006ء کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ کی مشہور زمانہ کتاب "المسند الصحیح الجامع المعروف به صحیح البخاری" کی شرح لکھنے کا آغاز کیا، میں نے ابتداءً اس کا نام انعام الباری رکھا تھا، بعد ازاں مجھے معلوم ہوا کہ شیخ محمد تقی عثمانی بھی اس نام سے صحیح البخاری کی شرح لکھ رہے ہیں اور اس وقت تک انعام الباری کی چار جلدیں ہو چکی تھیں، اس لیے میں نے اس کا نام بدل کر نعمۃ الباری رکھ دیا اور فرید بک اسٹال لاہور سے اس کی سات جلدیں لکھنے کا معاہدہ کیا اور 14 ستمبر 2010 کو میں نے نعمۃ الباری کی ساتویں جلد مکمل کر کے سید محسن اعجاز شاہ صاحب کے حوالہ کر دی اور یوں میری حد تک اس معاہدہ کی تکمیل ہو گئی۔

بعد ازاں میرا رابطہ ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز سے ہوا اور میں نے محترم محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب سے شرح صحیح البخاری لکھنے کا معاہدہ طے کیا اور اب آٹھویں جلد سے میں نے اس کا نام نعمۃ الباری کے بجائے "**نِعم الباری**" رکھ دیا ہے تاکہ معاندین اور مفسدین کے لیے کسی شر کی گنجائش نہ رہے اور وہ یہ نہ کہیں کہ نعمۃ الباری کا معاہدہ تو ہم سے تھا اب یہ ضیاء القرآن اس کو کیوں شائع کر رہا ہے۔ اس لیے میں نے اس کا نام ہی بدل دیا ہے اور بجائے نعمۃ الباری کے اس کا نام "**نِعم الباری**" رکھ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ میرا اور ضیاء القرآن پبلی کیشنز کا حافظ اور ناصر ہو اور ہمیں معاندین اور مفسدین کے شر اور فساد سے محفوظ اور مامون رکھے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلی الہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ الف الف صلوات وتسلیمات دائما ابدا۔

غلام رسول سعیدی

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی 38

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم ۳۴)

نعم الباری

فی

شرح صحیح البخاری

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نعم الباری

فی

شرح صحیح البخاری

علامہ غلام رسول سعیدی

الجزء حادی عاشر

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم: ۳۴)

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری

جلد حادی عاشر (۱۱)

الاحادیث: ۵۳۵۱ ــــ ۵۶۷۷

کتاب النفقات، کتاب الاطعمہ، کتاب العقیقہ، کتاب الذبائح والصید
کتاب الاضاحی، کتاب الاشربہ، کتاب المرضیٰ

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

نام کتاب	نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد حادی عاشر (۱۱)
تصنیف	علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی
سال اشاعت	جنوری 2013ء
بار	اول
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	HS24

ملنے کا پتہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی
فون:۔ 021-32212011-32630411۔ فیکس:۔ 021-32210212
e-mail:- info@zia-ul-quran.com
Website:- www.ziaulquran.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فہرست مضامین

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری (جلد عاشر)

افتتاحیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله ربّ العالمين، الّذى جعلنا من المسلمين، ووصفنا بخير امّة من الأمم الماضين، و انعم علينا بتنزيل القرآن الكريم و هدانا به الى الصراط المستقيم، و الصلوٰة والسّلام على اشرف الانبياء والمرسلين قائد الغرّ المحجّلين، الذى شرح الفرقان باحاديثه و بيانه القويم، و كشف عن اسراره و غوامضه لهداية الناس اجمعين، و انقذنا بحسن سيرته من الظلمات والضلال المبين، و على اله الطيبين واصحابه الطاهرين الذين قاموا باشاعة الدين المتين مع كمال الخلوص والجهد العظيم، و على ازواجه الطاهرات امهات المؤمنين، و على جميع الائمة التابعين من المفسرين والمحدثين المخلصين الكاملين الى يوم الدّين۔

و بعد فيقول العبد الفقير الى مولاه القدير غلام رسول السعيدى دائم الاحتياج الى كرم ربه السرمدى انّى بعد الفراغ من التفسير قد شرعت فى شرح الصحيح للامام البخارى (عليه نعم البارى) توكّلا على رحمة الله و فضله العميم۔ ولا يكون تحريره و تقريره و تكميله الّا نعمته العظمىٰ۔ فلذا سمّيته بنعمة البارى فى شرح الصحيح للبخارى۔ (تقبّله الله بلطفه و تغمدنى بغفرانه بمحض فضله)

اشهد ان لا اله الّا الله وحده لا شريك له واشهد انّ سيّدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله۔ اعوذ بالله من شرور نفسى و من سيئات اعمالى۔ من يهده الله فلا مضلّ له و من يّضلله فلا هادى له۔ اللهم ارنى الحق حقاً وارزقنى اتباعه۔ اللهم ارنى الباطل باطلاً وارزقنى اجتنابه۔ اللهم اجعلنى فى تصنيف هذا الكتاب على صراط مستقيم واجعله موافقاً باسمه واحفظه من شرور الاشرار والحاسدين۔ اللهم اجعله خالصا لوجهك الكريم و مقبولاً عندك وعند رسولك الرؤف الرحيم واجعله شائعاً و مستفيضاً و مفيضاً و مرغوباً فى اطراف العالمين الى يوم الدين واجعله لى ولجميع من انتسب الى من المسلمين صدقة جارية الى يوم القيامة وارزقنى زيارة النبىّ الكريم ﷺ فى الدنيا و شفاعته فى الاخرة واحينى على الاسلام بالسلامة و امتنى على الايمان بالكرامة۔ اللهم انت ربّى لا اله الا انت خلقتنى وانا عبدك وانا على عهدك ووعدك ما استطعت۔ اعوذ بك من شرّما صنعت ابوٴ لك بنعمتك علىّ وابوٴ لك بذنبى فاغفرلى فانه لا يغفر الذنوب الا انت۔ ربّ اوزعنى ان اشكر نعمتك التى انعمت علىّ و على والدىّ وان اعمل صالحاً ترضٰه۔ آمين يا ربّ العالمين بجاه سيد المرسلين ﷺ۔

ترجمہ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہیں، جس نے ہمیں مسلمان بنایا اور سب سے بہترین امت کا لقب عطا فرمایا، قرآن کریم نازل فرما کر ہم پر احسان کیا اور اس کتاب کے ذریعہ ہمیں سیدھی راہ دکھائی۔ حمد کے بعد سب سے افضل اور بلند رتبہ پیغمبر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام ہو، جو سفید رو اور سفید ہاتھ پیروں والوں کے قائد ہیں، جنہوں نے اپنی احادیث اور مستحکم بیان سے قرآن مجید کی تشریح فرمائی اور تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے اس کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھایا اور ہمیں اپنا بہترین نمونہ عمل عطا کر کے ظلمت و گمراہی سے نجات بخشی۔ آپ کے بعد آپ کی اولاد پاک اور صحابہ کرام پر رحمتوں کا نزول ہو جو پورے اخلاص اور محنت کے ساتھ اشاعت دین میں مصروف رہے، اور آپ کی ازواج مطہرات پر رحمتوں کا نزول ہو جو مسلمانوں کی مائیں ہیں اور ان سب کے بعد تا قیام قیامت آنے والے مخلص اور باکمال ائمہ مفسرین اور محدثین پر رحمتیں نازل ہوں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد رب کائنات کے دائمی کرم کا بندۂ محتاج غلام رسول سعیدی غفرلہٗ عرض پرداز ہے کہ میں تفسیر تبیان القرآن سے فارغ ہونے کے بعد اللہ عزوجل کی رحمت اور اس کی عنایت پر بھروسا کرتے ہوئے صحیح بخاری کی شرح کا آغاز کر چکا ہوں۔ چونکہ ظاہری قویٰ اس عظیم کام کے متحمل نہیں ہیں اس لیے تصنیف کے جملہ مراحل سے گزر کر پایۂ تکمیل کو پہنچنے تک اس شرح کا مکمل دارومدار صرف اور صرف اللہ عزوجل کی خصوصی نعمت اور احسان پر ہے۔ اسی لیے میں نے اس شرح کا نام ''نعم الباری فی شرح صحیح البخاری'' رکھا ہے۔ (اللہ تعالیٰ اپنے لطف و عنایت سے اس تصنیف کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور محض اپنے فضل و کرم سے مجھے اپنی بخشش میں ڈھانپ لے)۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ عزوجل کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی راہ راست پر نہیں لاسکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح فرما اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور باطل کو مجھ پر منکشف فرما اور اس سے بچنے کی توفیق مرحمت فرما۔ اے اللہ! مجھے اس شرح کی تصنیف میں صراط مستقیم پر گامزن فرما اور اس شرح کو اسم بہ مسمّٰی کر دے اور اسے شریروں کے شر اور حاسدوں کے حسد سے محفوظ فرما۔ اے اللہ! اس تصنیف میں صرف اپنی رضا مقدر فرما دے اور اس کو اپنی اور اپنے مہربان رسول (سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں مقبول بنا دے، اور صبح قیامت تک اس کو اکناف عالم میں مشہور و مقبول، مرغوب و محبوب اور اثر آفرین بنا دے، اس کو میرے لیے اور میرے جملہ مسلمان متعلقین کے لیے قیامت تک صدقۂ جاریہ بنا۔ مجھے دنیا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرما۔ مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندگی اور عزت کے ساتھ ایمان پر خاتمہ نصیب فرما۔ اے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور تجھ سے کیے ہوئے وعدہ پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں ان کا میں اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ میری بخشش فرما، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے، پروردگار! تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر جو انعامات فرمائے ہیں ان پر مجھے ہمیشہ شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما اور مجھے ایسے نیک اعمال کی توفیق دے جو تجھے محبوب اور پسند ہوں۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

٦٩ ـ كِتَابُ النَّفَقَاتِ

بیوی کے خرچ کا بیان

نِعَم الباری جلد حادی عشر "کتاب النفقات" سے شروع ہو رہی ہے، کتاب کا معنی ہے: ان مسائل کا مجموعہ جن مسائل کی جنس واحد ہو اور انواع اور اصناف مختلف ہوں، اور النفقات، النفقۃ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: خرچ کرنا۔

ہم اس مبحث کے شروع میں پہلے النفقۃ کا لغوی معنی مستند اور محقق اہل لغت کے حوالہ جات سے نقل کریں گے، اور پھر نفقہ کے متعلق قرآن مجید کی آیت اور مستند اور محقق مفسرین کی تفاسیر کو نقل کریں گے، پھر خرچ کرنے کی فضیلت اور بخل کی مذمت میں احادیث کا ذکر کریں گے، اور نفقہ کے متعلق مذاہب اربعہ کے فقہاء کی آراء کو نقل کریں گے، اور پھر اس کے بعد امام محمد بن اسماعیل بخاری المتوفی ٢٥٦ھ نے جو النفقات کے متعلق احادیث ذکر کی ہیں، ان کا ذکر کریں گے اور صحیح البخاری کے مشہور شارحین نے جو ان احادیث کی شرح کی ہے، اس کو پیش کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق۔

نفقہ کے لغوی معنی از مستند و محقق اربابِ لغت

امام خلیل بن احمد الفراہیدی المتوفی ١٧٥ھ، نفقہ کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نفقہ وہ ہے جس کو تم خود اپنے اوپر خرچ کرو اور اپنے عیال (زیر پرورش لوگوں) پر خرچ کرو یا تم سے ان کا خرچ طلب کیا جائے۔ (کتاب العین ج ٣ص ١٨٢٥، المطبعہ باقری، قم (ایران)، ١٤١٤ھ)

امام ابوالقاسم الحسین بن محمد المعروف بہ راغب الاصفہانی المتوفی ٥٠٦ھ، نفقہ کے متعلق لکھتے ہیں:

"نفق الشيئ مضی ونفد"، یعنی کسی چیز کو خرچ کرنا یہ ہے کہ وہ چیز ختم ہو جائے، یا تو فروخت کرنے سے، جیسے کہا جاتا ہے: "نفق البيع نفاقا"، یعنی کسی بھی چیز کو فروخت کر کے اس کو ختم کر دیا، اور اسی سے ماخوذ ہے "نفاق الايم"، یعنی بیوہ کا خرچ۔

اور انفاق مال میں ہوتا ہے کبھی دوسری چیزوں میں اور کبھی انفاق یعنی خرچ کرنا واجب ہوتا ہے اور کبھی نفل ہوتا ہے۔

انفاق کے متعلق قرآن مجید کی درج ذیل آیات ہیں:

وَ اَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ (البقرہ: ١٩٥) اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔

اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰکُمۡ (البقرہ: ٢٥٤) ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں۔

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ۬ؕ وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ ﴿۹۲﴾ (آل عمران: ٩٢) تم ہرگز نیکی نہیں حاصل کر سکو گے حتیٰ کہ تم ان چیزوں میں سے خرچ کرو جن کو تم پسند کرتے ہو، اور تم جس چیز کو بھی خرچ کرتے ہو، اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے O

وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَھُوَ یُخۡلِفُهٗ ۚ (سبا:۳۹)
اور تم جو کچھ بھی (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہو، وہ اس کا بدل مہیا کر دے گا۔

لَا یَسۡتَوِیۡ مِنۡکُمۡ مَّنۡ اَنۡفَقَ مِنۡ قَبۡلِ الۡفَتۡحِ (الحدید:۱۰)
(اے مسلمانو!) تم میں سے کوئی بھی ان کے برابر نہیں ہو سکتا جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا۔

قُلۡ لَّوۡ اَنۡتُمۡ تَمۡلِکُوۡنَ خَزَآئِنَ رَحۡمَۃِ رَبِّیۡۤ اِذًا لَّاَمۡسَکۡتُمۡ خَشۡیَۃَ الۡاِنۡفَاقِ ؕ (بنی اسرائیل:۱۰۰)
آپ کہیے: اگر تم (بالفرض) میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تم خرچ کے ڈر سے ان کو روک کے رکھتے۔

(المفردات فی غریب القرآن، ج ۲ ص ۶۵۰، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

امام مجد الدین ابو السعادات المبارک بن محمد بن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ نفقہ کے معنی کے متعلق لکھتے ہیں:

کہا جاتا ہے: "نفقة السلعة فهي نافقة" یعنی سودا چل پڑا اور کہا جاتا ہے: "انفقتها" یعنی جب میں نے سودا کو خرچ کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جھوٹی قسم سودا کو چلانے والی ہوتی ہے اور برکت کو مٹانے والی ہوتی ہے۔

(صحیح البخاری: البیوع، ۲۶، صحیح مسلم: المساقات: ۱۳۱، مسند احمد: ج ۲ ص ۲۳۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص دوسروں کے لیے خرچ نہ کرے۔ (سنن ترمذی، البیوع: ۴۱)

اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو رغبت دلانے کے لیے اپنے سودے کی قیمت کم نہ لگائے تاکہ خریدار اس کی زیادہ قیمت لگائے، اور یہ اس کے سودا فروخت کرنے کا سبب بن جائے۔

احادیث میں نفاق کا ذکر بہ کثرت ہے اور جو اس سے اسم اور فعل مشتق ہے اس کا ذکر بھی بہت کثیر ہے، اور یہ اسلامی اسم ہے، عرب اس کے معنی مخصوص کو نہیں جانتے تھے، منافق اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنا کفر چھپاتا ہے اور ایمان کو ظاہر کرتا ہے، اگرچہ اس کی اصل لغت میں معروف ہے، کہا جاتا ہے: "نافق ینافق منافقة ونفاقا"، یہ الیربوع کے بل کے لیے کہتے ہیں، "الیربوع" اس چوہے کو کہتے ہیں جس کے اگلے پاؤں چھوٹے اور پچھلے پاؤں لمبے ہوتے ہیں۔ جب اس کو تلاش کیا جائے تو یہ بل کے ایک منہ میں داخل ہو کر بل کے دوسرے منہ سے نکل جاتا ہے۔ اور اسی سے "النفق" ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: سرنگ، جس میں کوئی شخص چھپ جاتا ہے، کیونکہ منافق بھی ایمان کو ظاہر کر کے اپنے کفر کو چھپا لیتا ہے، اس سلسلہ میں درج ذیل احادیث ہیں:

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "نافق حنظلة" یعنی حنظلہ منافق ہو گیا"۔ (صحیح مسلم، التوبہ: ۱۲، مسند احمد ج ۴ ص ۳۴۶)

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا ارادہ یہ تھا کہ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں تو ان میں بہت زیادہ اخلاص ہوتا ہے اور دنیا سے بہت بے رغبتی ہوتی ہے اور جب وہ آپ کی مجلس سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو ان کی پہلی کیفیت زائل ہو جاتی ہے اور وہ پھر دنیا میں راغب ہو جاتے ہیں تو گویا کہ یہ بھی ایک قسم کا ظاہر اور باطن کا اختلاف تھا، اس لیے انہوں نے اپنے آپ کو منافق کہا۔

نیز حدیث میں ہے: "اس امت کے اکثر منافق قرآن کی قراءت کرنے والے ہیں"۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۰، ج ۴ ص ۱۵۵، ۱۵۱، مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

اس حدیث میں نفاق سے مراد ریا کاری اور دکھاوا ہے، کیونکہ نفاق اور ریا کاری دونوں میں باطن کے خلاف ظاہر کیا جاتا

ہے۔ (النہایہ فی غریب الحدیث والاثر، ج ۵ ص ۸۵-۸۶، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

امام ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصری المتوفی ۷۱۱ھ نفقہ کے متعلق لکھتے ہیں:

نفقہ کا معنی ہے: کسی چیز کا ناقص ہونا اور کم ہونا اور یہ بھی کہا گیا ہے: کسی چیز کا فنا ہونا اور ختم ہو جانا، اور کہا جاتا ہے: ''انفق الرجل'' جب وہ محتاج ہو جائے۔ اور ''انفق المال'' اس کا معنی ہے: مال کو خرچ کرنا، قرآن مجید میں ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ (یٰس: ۴۷) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان چیزوں میں سے بعض کو خرچ کرو جو اللہ نے تمہیں دی ہیں۔

نفقہ کا معنی ہے: جو خرچ کیا جائے اور اس کی جمع نفاق ہے، جو آدمی بہت زیادہ خرچ کرتا ہو اس کو ''رجل منفاق'' کہا جاتا ہے، اور نفقہ کا معنی ہے: جس مال کو انسان اپنے اوپر اور اپنے اہل و عیال کے اوپر خرچ کرے، اور جب کسی بیوہ کے پاس نکاح کے پیغام بہ کثرت آئیں تو کہا جاتا ہے: ''نفقة الایم'' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

من حظ المرء نفاق ایمه۔ یعنی کسی مرد کی سعادت یہ ہے کہ اس کی بیٹیوں اور بہنوں کے رشتے بہ کثرت آئیں۔

اور ''النفق'' کا معنی ہے: جو چیز بہت جلد منقطع ہو جائے اور ''فرس نَفِقٌ'' کا معنی ہے: جو گھوڑا بہت تیزی سے قدم اٹھا کر دوڑتا ہو، اور ''النفق'' کا معنی ہے: زمین میں سرنگ بنانا، قرآن مجید میں ہے:

فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ (الانعام: ۳۵) تو آپ اگر زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی تلاش کر سکتے ہیں۔

اور کہا جاتا ہے: ''انفق الضب والیربوع'' جب گوہ اور جنگلی چوہا ایک سوراخ سے نکل کر دوسرے سوراخ میں داخل ہو جائیں اور اسی سے منافق کا اسم ماخوذ ہے، کیونکہ وہ بھی گوہ اور جنگلی چوہے کی طرح اپنے کفر کو چھپا کر ایمان کو ظاہر کرتا ہے، اور نفاق کہتے ہیں: ایک طریقہ سے اسلام میں داخل ہونا اور دوسرے طریقہ سے اسلام سے نکل جانا، اور اسی اعتبار سے دکھاوے کے لیے قرآن پڑھنے والوں کو بھی حدیث میں منافقین کہا گیا ہے۔ (لسان العرب لابن منظور، ج ۱۴ ص ۳۲۶-۳۲۷، دار صادر، بیروت ۲۰۰۳ء)

امام محمد بن ابی بکر بن عبد القادر الرازی الحنفی المتوفی ۶۶۰ھ نفقہ کے معنی کے متعلق لکھتے ہیں:

''نفقت الدابة'' یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب سواری مر جائے ''نفق البیع'' یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب سودا چل پڑے، اور نفاق، منافق کے فعل کو کہا جاتا ہے اور منافق وہ شخص ہے جو اپنے کفر کو چھپائے اور اسلام کو ظاہر کرے اور ''انفق الرجل'' اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص محتاج ہو جائے اور ''النفق'' کا معنی ہے: زمین میں سرنگ۔

(مختار الصحاح ص ۳۸۷، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

غلام احمد پرویز متوفی ۱۹۸۵ء نفقہ کے متعلق لکھتے ہیں:

نفق اس سرنگ کو کہتے ہیں جس کے داخل ہونے اور نکلنے کے دونوں راستے کھلے ہوں، (جس سرنگ میں نکلنے کا راستہ نہ ہو اسے سَرَب کہتے ہیں)، النُّفقة، والنافیقاء جنگلی چوہے کے بل کے متعدد سوراخوں میں سے ایک سوراخ کو کہتے ہیں جس پر وہ مٹی کی

باریک سی پٹری بچھا کر اسے بند رکھتا ہے اور اسے اس وقت سر مار کر کھول لیتا ہے جب اس کا کوئی دشمن اسے بل کے اندر سے پکڑنے کی کوشش کرے، نَیْفَق اس نیفہ کو کہتے ہیں جس کے دونوں کنارے کھلے ہوں، (بعض کا خیال ہے کہ یہ نیفہ سے معرب ہے) اسی لئے منافق اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی نظام (یا سوسائٹی) میں داخل ہونے سے پہلے یہ دیکھ لے کہ اس سے باہر نکلنے کا راستہ کون سا ہے؟ نَفَقَتِ السّوق، بازار گرم ہوا، اور اس کے سامان کی مانگ ہوئی، (یعنی جو اشیاء کی درآمد اور برآمد کے لئے ہر وقت کھلا رہے، ہر وقت مال آتا رہے اور اس کا نکاس ہوتا رہے) البذا انفاق کے معنی ہیں: اپنی دولت کو کھلا رکھنا، عام کر دینا، باقی نہ رکھنا، ختم کر دینا (تاج وابن فارس) قرآن کریم نے اس کے مقابل میں ''امساک'' (روک رکھنے) کا لفظ لا کر اس کے معانی کو واضح کر دیا ہے۔

چونکہ روپے کو کھلا رکھنے کا نتیجہ سرمایہ کی نفی (ختم ہو جانا) یا کمی ہوتا ہے، اس لئے نفاق کے معنی کسی چیز کے کم ہو جانے یا ختم ہو جانے کے بھی لئے گئے، یہاں تک کہ ان معانی کو بنیادی معنی کی سی اہمیت حاصل ہوگئی، چنانچہ ''اَنْفَقَتِ الْاِبِل'' اس وقت کہتے ہیں جب موٹاپے کی وجہ سے اونٹوں کی اون جھڑ جائے، یعنی منتشر اور پراگندہ ہو کر ضائع ہو جائے۔

قرآن کریم میں انفاق کے بنیادی معنی اپنی محنت کے ماحصل کو ربوبیت عالمی کے لئے کھلا رکھنا ہیں، ''وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ'' (البقرہ:۲۱۹) یہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہم کس قدر مال و دولت (ربوبیت عامہ کے لیے) کھلا رکھیں، ان سے کہو کہ جس قدر تمہاری ضرورت سے زائد ہے، سب کا سب، یعنی فاضل دولت (Surplus money)، جو سرمایہ داری کی بنیاد ہے،، سب کی سب ربوبیت عامہ کے لیے وقف ہونی چاہیے، یہ کسی کی ذاتی ملکیت میں نہیں رہ سکتی۔

یہ قرآنی نظام کا بنیادی نقطہ ہے، مومن کی ہمیانی کے دونوں سرے کھلے رہتے ہیں اور یہ ہمیانی نظام کے ہاتھ میں رہتی ہے، اس میں ہر فرد اپنی محنت کا ماحصل ڈالتا جاتا ہے اور نظام ربوبیت اسے نوع انسانی کی نشوونما کے لئے صرف کرتا جاتا ہے، چونکہ اس نظام میں ہر فرد کی تمام ضروریات زندگی کی ذمہ داری خود نظام پر ہوتی ہے، اس لئے کسی فرد کو کچھ بچا کر رکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی، نہ ہی اسے اپنے یا اپنی اولاد کے مستقبل کے متعلق کوئی خدشہ یا اندیشہ رہتا ہے، یہ تمام ذمہ داریاں نظام کے سر ہوتی ہیں جو قوانین خداوندی کے مطابق قائم ہوتا ہے۔

بنا بریں ان مقامات میں انفاق کے معنی خرچ کرنے کی بجائے کھلا رکھنا زیادہ مناسب ہیں؛ ''کھلا رکھنے'' کا مطلب ہوگا: نوع انسانی کی ربوبیت عامہ کے لئے نظام خداوندی کی تقسیم میں رکھنا، نَفَقَةٌ ہر وہ چیز جسے اس طرح کھلا رکھا جائے، بعض مقامات میں اس کے معنی خرچ کرنے کے بھی آئیں گے۔

نَافَقَ، منافق ہونا، معاشرہ میں منافق سب سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں، ایک تو وہ لوگ ہیں جو دل کے پورے جھکاؤ کے ساتھ نظام خداوندی سے وابستہ ہو جاتے ہیں، یہ مومن ہیں، دوسرے وہ ہیں جو کھلے بندوں اس نظام سے باہر رہتے اور اس کی مخالفت کرتے ہیں، انہیں کافر کہیے، تیسرے وہ ہیں جو محض اپنی مطلب براری کے لئے جماعت مومنین کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں، منافع میں ان کے برابر کے شریک رہتے ہیں اور جہاں کسی مشکل کا سامنا ہوا، تو یا جماعت کا ساتھ چھوڑ کر صاف نکل گئے، اور یا اس میں بد دلی پھیلانے اور فتنہ پردازی کرنے لگ گئے، یہ منافق ہیں اور بدترین خلائق، اسی لئے قرآن کریم نے ان کا مقام جہنم کا سب سے نچلا طبقہ بتایا ہے، قرآن کریم نے (سورہ فاتحہ کے بعد) سب سے پہلے انہی تینوں جماعتوں (مومن، کافر، منافق) کا ذکر

واضح الفاظ میں کیا ہے، اس کے بعد، سارے قرآن کریم میں ان تین جماعتوں کا ذکر ہے، یہ جماعتیں زمانہ نزول قرآن تک محدود نہ تھیں، یہ ہمیشہ رہی ہیں اور ہمیشہ رہیں گی، ان کی خصوصیات اس قدر طویل ہیں کہ ان کی تفصیل بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔

(لغات القرآن، ج ا ص ۱۶۵۱-۱۶۵۳، ادارہ طلوع اسلام لاہور)

نفقہ کے متعلق قرآن مجید کی آیت مبارکہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ (البقرہ:۲۱۹) یہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں؟ آپ کہیے: جو چیز ضرورت سے زائد ہو (وہ اللہ کی راہ میں خرچ کریں)۔

البقرہ:۲۱۹ کی تفسیر از علامہ ماتریدی حنفی

امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''الْعَفْوَ'' کا معنی ہے: جو چیز انسان کی روزی یا اس کے خرچ سے زائد ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ کاشت کار لوگ اپنی زراعت میں سے ایک سال کی خوراک سے جو زراعت زائد ہوتی تھی اس کو صدقہ کر دیا کرتے تھے اور جو تاجر ہوتے تھے، ان کی ایک مہینہ کی آمدنی میں سے ان کے اخراجات میں سے جو مقدار زائد ہوتی تھی اس کو صدقہ کر دیا کرتے تھے، اور محنت کش لوگ ایک دن کی کمائی میں سے ان کے اخراجات میں سے جو مقدار زائد ہوتی تھی، اس کو صدقہ کر دیا کرتے تھے، پھر یہ معاملہ منسوخ کر دیا گیا، کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زکوٰۃ نے ہر صدقہ کو منسوخ کر دیا اور رمضان کے مہینہ کے روزوں نے ہر نفلی روزہ کو منسوخ کر دیا اور قربانی نے ہر نفلی قربانی کو منسوخ کر دیا۔

(سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۸۱، سنن بیہقی ج ۹ ص ۲۶۲)

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ صدقات زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے تھے۔ (تفسیر جامع البیان: ۷۱۲-۴۰۶، ۱۲)

ضرورت سے زائد تمام مال کو صدقہ کرنے کا استحباب

اس میں یہ دلیل ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس اس دور سے لے کر آج تک بہت زیادہ اموال تھے اور وہ اموال ان کی ملکیت سے نہیں نکلے تھے، اور نہ وہ ان تمام اموال کا صدقہ کرتے تھے اور نہ ان پر کسی نے انکار کیا تو اس سے معلوم ہو گیا کہ اس آیت میں جو حکم ہے کہ ضرورت سے زائد چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو، یہ حکم اب منسوخ ہو گیا ہے، یا پھر یہ حکم استحباب پر محمول ہے۔

سوشلسٹ لوگوں کا البقرہ:۲۱۹ سے نجی ملکیت کے خلاف استدلال کرنے کا بطلان اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی اس مسئلہ میں اجتہادی خطا کا بیان، اضافہ از مصنف

میں کہتا ہوں: جو مسلمان سوشلسٹ اور اشتراکی نظریات کے حامل ہیں، وہ اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ تمام مسلمانوں پر اس آیت میں یہ فرض کر دیا گیا ہے کہ وہ اپنی ضرورت سے زائد تمام چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیں، اور اسی بناء

پر وہ نجی ملکیت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے پاس جو مال ان کی ضرورت سے زائد ہے، اس سب کو قومی ملکیت میں لے لیا جائے، لیکن علامہ ماتریدی کی اس تفسیر سے یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ حکم اب منسوخ ہو چکا ہے، اسی لیے نجی ملکیت کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں اور اسلام میں اشتراکی نظریہ کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا بھی یہی نظریہ تھا، وہ فرماتے تھے کہ مسلمانوں کے پاس جو مال ان کی ضرورت سے زائد ہو، ان پر واجب ہے کہ وہ اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیں اور مال کو جمع کرنا جائز نہیں ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے اس نظریہ کی وجہ سے مسلمانوں میں کافی اختلاف ہو گیا تھا اور انتشار ہو گیا تھا، اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس فتنہ کا سد باب کرنے کے لیے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو ربذہ (مدینہ کے قریب ایک ریگستانی علاقہ) میں جلا وطن کر دیا تھا، اور کہا تھا کہ آپ کا کلام بہت بلند و بالا ہے اور عام لوگ آپ کے کلام کو سمجھ نہیں سکتے۔

نیز اگر نجی ملکیت کا انکار کر دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ انسان کے پاس ضرورت سے زائد جس قدر مال ہو، اس سب کا صدقہ کرنا واجب ہے، تو پھر زکوۃ کی فرضیت کی ضرورت نہیں رہے گی، کیونکہ زکوۃ تو مسلمان پر اس وقت واجب ہوتی ہے جب اس کے پاس سارا سال مال جمع رہے تو اس کے اخراجات نکالنے کے بعد اس میں سے ڈھائی فیصد زکوۃ اس پر واجب ہوتی ہے، اور ڈھائی فیصد زکوۃ نکالنے کے بعد اس کے لیے مال کو جمع کرنا جائز ہو جاتا ہے، اسی طرح قربانی بھی مسلمان پر اس وقت واجب ہوتی ہے، جب دس ذی الحجہ کو اس کے پاس اس کی ضروریات سے زائد بقدر نصاب رقم جمع ہو، جو یا تو دو سو درہم کی مالیت ہے، یا اس کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا ہو، یا ساڑھے باون تولہ چاندی ہو۔ اسی طرح صدقہ فطر بھی اسی وقت واجب ہوتا ہے جب عید کے دن مسلمان کے پاس اس کی ضروریات سے زائد بقدر نصاب مال ہو اور حج اگرچہ زندگی میں ایک سال میں فرض ہوتا ہے لیکن یہ بھی اسی وقت فرض ہوگا جب اس کے پاس اتنا مال ہو کہ وہ حرمین شریفین کے آنے جانے کا خرچ اٹھا سکے اور ایام حج میں حرمین شریفین میں رہائش کا خرچ اٹھا سکے اور اس دوران جن کی کفالت اس پر واجب ہے ان کا خرچ ادا کر سکے، اور اگر اس پر کوئی قرض ہو تو وہ ادا کر دے، تو اگر اپنی ضرورت سے زائد تمام مال کا صدقہ کرنا فرض ہو اور نجی ملکیت بالکل جائز نہ ہو تو حج کی فرضیت کا کوئی معنی نہیں ہوگا نہ زکوۃ کی فرضیت کا کوئی معنی ہوگا نہ قربانی اور صدقہ فطر کے وجوب کا کوئی معنی رہے گا، اسی طرح اسلام میں جو چوری اور ڈاکہ کی حدود مقرر کی ہیں، وہ بھی اس وقت نافذ ہوں گی جب انسان کے پاس اتنا مال ہوگا کہ جس کی چوری ہو سکے یا جس پر ڈاکہ ڈالا جا سکے، تو اسلام کے تمام احکام نجی ملکیت کے جواز کے اوپر موقوف ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ اسلام میں نجی ملکیت جائز نہیں ہے اور ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنی ضرورت سے زائد ہر چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تو پھر اسلام کے یہ تمام احکام ساقط ہو جائیں گے اس لیے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا یہ اجتہادی نظریہ بھی صحیح نہیں ہے اور نہ اشتراکیت کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے اور اب عملاً دنیا میں اشتراکی نظریہ دم توڑ چکا ہے، پاکستان میں بھی ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں نجی ملکیت کا خاتمہ کر دیا گیا تھا اور بڑے بڑے کارخانوں اور فیکٹریوں کو قومیا لیا گیا تھا، لیکن بالآخر یہ نظریہ ناکام ہو گیا اور ان تمام قومیائی گئی فیکٹریوں اور کارخانوں کو بحال کر دیا گیا اور نجی ملکیت کو جائز قرار دے دیا گیا، لہذا علامہ ماتریدی نے جو تفسیر کی ہے وہی صحیح ہے اور ہر ضرورت سے زائد چیز کو صدقہ کرنا فرض نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

رواں سال میں زکوٰۃ کا نصاب

رواں سال اسلامی زکوٰۃ کا نصاب اکیاون ہزار چھیاسی روپے (51,086) روپے مقرر کیا گیا ہے۔ (روزنامہ ایکسپریس کراچی ۱۹ جولائی ۲۰۱۲ء، ۲۸ شعبان ۱۴۳۳ھ، صفحہ اول)

اس حساب سے دوسو درہم اکیاون ہزار چھیاسی روپے کے برابر ہیں اور ایک درہم کی قیمت 255.43 روپے ہے۔ اور دس درہم کی قیمت 2554.3 روپے ہے اور یہ کم از کم شرعی مہر کی مقدار ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ (البقرہ: ۲۱۹-۲۲۰) اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات بیان فرماتا ہے تاکہ تم تدبر کرو ○ دنیا اور آخرت کے کاموں میں۔

علامہ ماتریدی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ تم کو دنیا میں یہ آیات بیان فرماتا ہے تاکہ تم جان لو کہ یہ دنیا دار البلاء اور دار الفناء ہے اور آخرت دار جزاء اور بقا ہے، سو تم غور وفکر کرو اور دار جزاء اور دار البقاء کے لیے عمل کرو۔ حسن بصری نے کہا ہے یعنی جس نے یہ تفکر کیا کہ دنیا دار البلاء ہے اور آخرت دار البقاء ہے تو وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہو گیا۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۲ ص ۱۱۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

البقرہ: ۲۱۹-۲۲۰ کی تفسیر از امام بغوی

''العفو'' کا معنی اور ضرورت سے زائد مال کو خرچ کرنے کے متعلق احادیث میں ہدایات

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو صدقہ کرنے پر برانگیختہ کیا تو مسلمانوں نے پوچھا کہ ہم کیا خرچ کریں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''العفو''۔

''العفو'' کے معنی میں اختلاف ہے، قتادہ، عطاء اور السدی نے کہا ہے کہ ''العفو'' کا معنی ہے: جو چیز ضرورت سے زائد ہو اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین محنت مزدوری کر کے مال کو حاصل کرتے تھے اور اپنے خرچ کی مقدار کو رکھ لیتے تھے اور باقی مال کو صدقہ کر دیتے تھے، تاکہ اس آیت کے حکم پر عمل ہو، پھر اس آیت کو زکوٰۃ کی آیت سے منسوخ کر دیا گیا ہے، اور مجاہد نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب آدمی کی پشت خوشحال ہو اس وقت وہ صدقہ کرے تاکہ اپنا سارا مال صدقہ کر کے وہ لوگوں پر بوجھ نہ بن جائے۔

حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو غنی کی پشت سے دیا جائے، اور اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے اور تم اپنے زیر کفالت لوگوں کو دینے سے خرچ کی ابتداء کرو۔

(صحیح البخاری: ۵۳۵۵، ۵۳۵۶، ۱۴۲۶، مسند احمد ج ۲ ص ۴۰۲، ۴۷۸، ۴۷۶، ۵۲۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۶۶، ۴۷۱، سنن نسائی ج ۵ ص ۶۹، صحیح ابن حبان: ۳۳۶۳، ۴۲۴۲، شرح السنہ: ۱۶۷۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! میرے پاس ایک دینار ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو اپنے اوپر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو اپنی اولاد کے اوپر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کو اپنے اہل کے اوپر خرچ کرو یعنی اپنی بیوی پر، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے تو آپ نے فرمایا: اس کو اپنے خادم پر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کے متعلق اپنے علم سے خرچ کرو۔

(سنن ابوداؤد: ۱۶۹۱، مسند الشافعی ج ۲ ص ۶۳-۶۴، صحیح ابن حبان: ۴۲۳۳، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۴۱۵، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۶۶، سنن نسائی ج ۵ ص ۶۲، مسند احمد ج ۲ ص ۴۷۱، ۲۵۱، شرح السنہ: ۱۶۷۹)

علامہ بغوی فرماتے ہیں: اس آیت میں ارشاد ہے:

''اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات بیان فرماتا ہے تا کہ تم تدبر کرو O دنیا اور آخرت کے کاموں میں''۔ (البقرہ: ۲۲۰-۲۱۹)

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے، لیکن یہ خطاب تمام امت کو شامل ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَآيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ۔ (الطلاق ۱)

اے نبی مکرم! (مومنوں سے کہیے:) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو۔

اس آیت میں بھی خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن یہ حکم تمام امت کے لیے ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے لیے نفقہ یعنی خرچ کرنے کے حکم کو بیان فرماتا ہے تا کہ تم دنیا اور آخرت میں غور کرو، تو تم اپنے اموال میں سے اس طرح خرچ کرو جو تمہارے لیے دنیا کی معاش میں اصلاح کا باعث ہو اور باقی اموال کو خرچ کرنے میں تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے اموال کو ان مدات میں خرچ کرو جس سے تم کو آخرت میں فائدہ ہو۔

اور اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیات کو بیان فرماتا ہے تا کہ تم یہ غور و فکر کرو کہ دنیا زائل ہونے والی ہے اور فناء ہونے والی ہے، سو تم دنیا میں رغبت نہ کرو اور آخرت کی طرف متوجہ ہو جو باقی رہنے والی ہے اور آخرت میں فائدہ دینے والے کاموں میں رغبت کرو۔ (معالم التنزیل ج ۱ ص ۲۸۱-۲۸۳ ملخصاً، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ)

البقرہ: ۲۱۹-۲۲۰ کی تفسیر از علامہ ابن عطیہ اندلسی

علامہ ابو محمد عبد الحق بن عطیہ الاندلسی المتوفی ۵۴۱ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''العفو'' کا معنی ہے: نفلی نفقات اور البقرہ ۲۱۹ کا زکوٰۃ مفروضہ سے منسوخ ہونا اور اس آیت کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال اور ضرورت سے زائد مال کو خرچ کرنے کے متعلق احادیث

قیس بن سعد نے کہا ہے: یہ آیت زکوٰۃ مفروضہ سے متعلق ہے، یعنی ''العفو'' کا معنی ہے: ''زکوٰۃ مفروضہ''۔ اور جمہور علماء نے کہا ہے: بلکہ اس سے مراد نفلی نفقات ہیں اور بعض مفسرین نے کہا کہ یہ آیت فرضیت زکوٰۃ سے منسوخ ہوگئی ہے، اور بعض مفسرین نے کہا: بلکہ یہ آیت محکمہ ہے اور مال میں زکوٰۃ کے سوا بھی حقوق ہیں۔

''اَلْعَفْو'' کا معنی ہے: جس مال کو مرد اپنی محنت سے حاصل کر کے خرچ کرے اور اس کے متعلق مفسرین کی عبارت یہ ہے کہ ''اَلْعَفْو''، ''عفاالشی'' سے ماخوذ ہے، یعنی جب کوئی چیز بہت زیادہ ہو جائے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمہاری ضروریات سے زائد جو مال ہو اس کو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اس خرچ کی وجہ سے تم اپنی جانوں کو ایذاء نہ دو حتی کہ تم تنگدست ہو جاؤ۔

اور روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس آدمی کے پاس ضرورت سے زائد مال ہو، وہ اس کو اپنے اوپر خرچ کرے، پھر ان پر خرچ کرے جو اس کے زیر کفالت ہوں، پھر بھی اگر مال بچ جائے تو اس کو صدقہ کرو۔

اور نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے کہ جس کے بعد مسلمان خوش حال رہے اور دوسری حدیث میں ہے کہ بہترین صدقہ وہ ہے کہ جو آدمی خوشحالی کی پشت سے ادا کرے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو یہ بیان کیا ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں غور وفکر کریں اور یہی نجات کا طریقہ ہے۔

(المحرر الوجیز فی تفسیر کتاب العزیز ص ۱۹۳، دار ابن حزم ۱۴۲۳ھ)

البقرہ:۲۱۹ کی تفسیر از علامہ زمخشری

علامہ ابوالقاسم جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَلْعَفْو''، مشقت کی ضد ہے، یعنی مسلمان اس مال کو خرچ کرے جس کے حصول میں اس کو کوئی مشقت نہ اٹھانی پڑی ہو اور زیادہ کوشش نہ کرنی پڑی ہو۔

''اَلْعَفْو'' کا معنی اور تمام مال کو صدقہ کرنے کی مذمت

جو زمین نرم اور سہل ہو اس کو ''اَلْعَفْو'' کہا جاتا ہے۔

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد آیا جس کو کسی غزوہ میں سونے کا انڈا ملا تھا تو اس مرد نے کہا: آپ اس سونے کے انڈا کو لے لیجئے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض فرمایا، تو وہ دائیں جانب سے آیا، پھر اسی کی مثل کہا، آپ نے پھر اعراض فرمایا، پھر وہ بائیں جانب سے آیا، آپ نے پھر اس سے اعراض فرمایا، پھر آپ نے ناراض ہو کر فرمایا: لاؤ، سونے کا انڈا دو اور اس کو لے کر آپ نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، پھر فرمایا: تم میں سے کوئی مرد اپنا تمام مال لے کر آتا ہے تا کہ وہ اس کو صدقہ کرے پھر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے لیے بیٹھ جاتا ہے، صدقہ صرف وہی عمدہ ہے جس کے بعد انسان خوشحال رہے۔

(سنن دارمی: زکوٰۃ ۳۹، ۲۵)، (تفسیر الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل ص ۱۲۸، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۳۰ھ)

البقرہ:۲۱۹ کی تفسیر از علامہ ابن الجوزی حنبلی

الامام ابوالفرج جمال الدین عبد الرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفقہ کے متعلق سوال کرنے والے صحابی کا نام، اور العفو کا لغوی معنی اور ''اَلعفو'' کے متعلق مفسرین کے پانچ اقوال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا: جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفقہ کے متعلق سوال کیا، ان کا نام حضرت عمرو بن

الجموح رضی اللہ عنہ تھا، علامہ ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ اس آیت میں نفقہ سے مراد صدقہ اور عطاء ہے۔

الزجاج نے کہا ہے کہ لغت میں العفو کا معنی ہے: الکثرۃ اور الفضل یعنی کسی چیز کا ضرورت سے زائد ہونا۔ کہا جاتا ہے: ''قد عفا القوم'' جب لوگ بہت زیادہ ہو جائیں اور العفو اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر مشقت کے حاصل ہو، اور علامہ ابن قتیبہ نے کہا ہے: العفو وہ مال ہے جو سہولت سے حاصل ہو، کہا جاتا ہے: ''خذ ما عفات'' یعنی جو مال تمہارے پاس سہولت سے آیا ہو اور اس میں تم کو کوئی جبر اور مشقت اٹھانی نہ پڑی ہو، اس کو لے لو۔

مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں العفو سے مراد پانچ اقوال ہیں:

(۱) جو مال مرد کی اپنی اور اپنے عیال کی ضرورت سے زائد ہو، اس قول کو مقسم نے از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے۔

(۲) جس مال کو لوگ اپنی خوشی سے عطا کریں، خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر ہو، اس قول کو عطیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

(۳) جس مال کو اسراف اور اقتار یعنی فضول خرچی اور بخل کے بغیر خرچ کیا جائے، یہ قول حسن بصری، عطاء اور سعید بن جبیر کا ہے۔

(۴) اس سے مراد صدقۂ مفروضہ ہے یعنی زکوۃ، یہ مجاہد کا قول ہے۔

(۵) یعنی جس مال کو خرچ کرنے کی مقدار لوگوں پر منکشف نہ ہو، کیونکہ عرب کہتے ہیں: ''عفا الاثر'' جب کوئی چیز مخفی ہو اور مٹ جائے۔ اس قول کو ہمارے شیخ نے متعدد مفسرین سے نقل کیا ہے۔

البقرہ:۲۱۹ کے متعلق الناسخ والمنسوخ کی بحث

السدی نے اپنے شیوخ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت زکوۃ سے منسوخ ہو گئی ہے، یعنی پہلے ہر ضرورت سے زائد چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم تھا، پھر جب زکوۃ کا حکم نازل ہوا تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اور دوسرے مفسرین نے اس کے منسوخ ہونے کا انکار کیا ہے۔

اور بعض مفسرین نے تفسیر کی ہے انہوں نے کہا کہ جب البقرہ:۲۱۹ سے ہر زائد مال کو صدقہ کرنا فرض ہو گیا تو زکوۃ کی آیت نازل ہونے کے بعد یہ آیت منسوخ ہو گئی، اور جب ہم یہ کہیں کہ یہ آیت زکوۃ مفروضہ پر محمول ہے جیسا کہ مجاہد نے کہا یا صدقہ مستحبہ پر محمول ہے تو پھر یہ آیت محکمہ ہے۔ (زاد المسیر فی علم التفسیر ص ۱۲۹، دار ابن حزم، بیروت ۱۴۲۳ھ)

البقرہ:۲۱۹ کی تفسیر از علامہ سیوطی شافعی

حافظ جلال الدین سیوطی الشافعی متوفی ۹۱۱ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

البقرہ:۲۱۹ کی تفسیر میں صحابہ کرام اور فقہاء تابعین کے اقوال اور تاویلات اور البقرہ:۲۱۹ کے حکم کا منسوخ ہونا

امام ابن اسحاق اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب صحابہ کرام کی ایک جماعت کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا گیا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، سو انہوں نے کہا: ہم از خود نہیں جانتے کہ یہ کونسا نفقہ ہے جس کو ہمیں اپنے اموال میں سے خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تو ہم اپنے اموال میں سے کس چیز کو خرچ کریں؟ تب یہ

آیت نازل ہوئی:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ۔ (البقرہ:۲۱۹) یہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں؟ آپ کہیے: جو چیز ضرورت سے زائد ہو، (وہ اللہ کی راہ میں خرچ کریں)۔

اور اس سے پہلے مسلمان اپنے مال میں سے خرچ کرتے تھے اور ان کو یہ پتا نہیں چلتا تھا کہ وہ کتنا مال صدقہ کریں اور کتنے مال میں سے از خود کھائیں۔

اور امام ابن ابی حاتم نے از ابان از یحییٰ روایت کی ہے کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہما دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، پس ان دونوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہمارے پاس غلام بھی ہیں اور ہمارے گھر والے بھی ہیں تو ہم اپنے اموال میں سے کتنا صدقہ کریں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اور امام ابن جریر اور امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم اور امام النحاس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا کہ العفو سے مراد وہ مال ہے جس کے خرچ کرنے کی مقدار تم کو معلوم نہیں ہے، اور یہ حکم زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے نازل ہوا تھا۔

اور امام وکیع، سعید بن منصور، عبد بن حمید، امام ابن جریر، امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم وغیرہ نے امام الطبرانی اور امام بیہقی سے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: العفو سے مراد وہ چیز ہے جو تمہارے گھر والوں کی ضروریات سے زائد ہو اور دوسری روایت میں مذکور ہے کہ العفو سے مراد وہ مال ہے جو تمہارے بال بچوں کی ضروریات سے زائد ہو۔

اور امام ابن المنذر نے از عطاء بن دینار الہذلی روایت کی ہے کہ عبد الملک بن مروان نے حضرت سعید بن جبیر کو خط لکھا اور ان سے ''العفو'' کے متعلق سوال کیا تو حضرت سعید بن جبیر نے کہا: العفو کے تین معانی ہیں: (۱) گناہ سے درگزر کرنا (۲) میانہ روی سے خرچ کرنا (۳) لوگوں کے ساتھ احسان کرنا اور نیکی کرنا، مثلاً تنگ دست بیماروں کا علاج کرنا، ضرورت مندوں کو قرض دینا اور اپنے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کی مدد کرنا۔

امام عبد بن حمید نے از ابن ابی نجیح از طاؤس روایت کی ہے: العفو کا معنی ہے: ہر چیز میں آسان خرچ کرنا۔

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ العفو کے متعلق کوئی مقدار معین نازل نہیں ہوئی، پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ (الاعراف:۱۹۹) آپ عفو و درگزر کا طریقہ اختیار کیجئے اور نیکی کا حکم دیجئے۔

پھر اس کے بعد فرائض سے متعلق احکام نازل ہوئے۔

امام ابن جریر نے السدی سے روایت کی ہے کہ البقرہ:۲۱۹ کو زکوٰۃ کی آیت نے منسوخ کر دیا۔

(الدر المنثور فی التفسیر بالماثور ج ۱ ص ۵۶۸-۵۶۹، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

البقرہ: ۲۱۹، کی تفسیر از پیر محمد کرم شاہ الازہری

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری الحنفی المتوفی ۱۹۹۸ء اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جو تمہاری ضروریات سے زیادہ ہو یا جس کا خرچ کرنا تمہاری طبیعتوں پر بوجھ نہ ہو" العفو ماسهل وتيسر وفضل ولم يشق على القلب اخراجه" (قرطبی)، ایک شخص سونے کا انڈا لیے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میری طرف سے یہ صدقہ قبول فرمائیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا، وہ بار بار اصرار کرتا رہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعراض فرماتے رہے۔ جب وہ باز نہ آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ انڈا اس سے لے کر غصے سے دور پھینک دیا، اور اگر وہ اسے لگ جاتا تو اس کا سر پھوڑ دیتا، پھر اس حکیم و مشفق استاد اور مربی نے فرمایا: تم میں سے کوئی آتا ہے اور اپنا سارا مال خیرات کر دیتا ہے اور پھر لوگوں سے بھیک مانگنے لگتا ہے، صدقہ تو تب ہے جب احتیاج نہ ہو، نیز اس لفظ میں ان لوگوں کے لیے بھی درس عبرت ہے جن کے پاس بے حساب دولت ہے اور ان کے گرد و نواح اور پڑوس میں کئی غریب، مسکین اور محتاج زندگی کی اہم ضروریات کے لیے بھی ترس رہے ہوتے ہیں، وہ بھی یہ نہ سمجھیں کہ زکوٰۃ ادا کر کے اب وہ ہر قسم کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے ہیں بلکہ ان کی ضروریات سے زیادہ جو سرمایہ ہے، اس سے وہ اپنے اسلامی بھائیوں کی ضرور مدد کریں۔ بعض کا خیال ہے کہ زکوٰۃ سے پہلے یہ حکم تھا کہ ضرورت سے زیادہ مال صدقہ کر دیا کرو، لیکن زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں کہ یہ رائے درست نہیں کیونکہ آیتِ زکوٰۃ جو سورۂ بقرہ کی ابتداء میں ہے، اس آیت سے پہلے نازل ہوئی، اس لیے وہ اس آیت کی ناسخ نہیں بن سکتی۔ (مظہری) نیز یہاں نسخ کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ زکوٰۃ فرضی صدقہ ہے اور یہ آیت نفلی صدقات کے بارے میں ہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن، جلد اول ص ۱۵۰، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

البقرہ: ۲۱۹، کی تفسیر از مصنف

اب ہم اس آیت کو ذرا زیادہ گہرائی سے دیکھتے ہیں، اس آیت میں لفظ "عفو" سے استدلال کیا گیا ہے، ہم نے ائمہ تفسیر سے اس لفظ کے تین معانی نقل کیے ہیں: زائد از ضرورت، میانہ روی اور آسان۔ جن صحابہ، تابعین اور ائمہ تفسیر نے اس کا معنی زائد از ضرورت بیان کیا ہے انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ زائد از ضرورت مال خرچ کرنے کا حکم زکوٰۃ کی فرضیت اور اس کی مقدار بیان کرنے سے پہلے تھا، اور اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا، اور جن ائمہ تفسیر نے یہ بیان کیا کہ اس کا معنی ہے: راہِ خدا میں میانہ روی سے خرچ کرو یا جس کا خرچ کرنا آسان ہو اس کو خرچ کرو، سو اس معنی میں یہ حکم اب بھی باقی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر "عفو" کا معنی زائد از ضرورت ہے تو زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا اور اگر اس کا معنی ہے: میانہ روی سے خرچ کرنا یا جس کو خرچ کرنا آسان ہو اس کو خرچ کرنا تو یہ حکم اب بھی باقی ہے، ہم نے جو کچھ لکھا اس کی تائید حسب ذیل احادیث سے ہوتی ہے:

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام بخاری اور امام نسائی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوشحالی رہے، اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے (یعنی سارا مال صدقہ نہ کرو کہ اس کے بعد بھیک مانگتے پھرو) خرچ کی ابتداء اپنے اہل و عیال سے کرو، بیوی کہے گی: یا مجھے نفقہ دو یا مجھے طلاق دو، خادم کہے گا: مجھے کھانا دو اور مجھ سے کام لو، بیٹا کہے گا: مجھے

کھلاؤ! تم مجھے کس پر چھوڑتے ہو؟

اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ اپنی ضروریات سے زائد کل مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا شرعاً محمود اور مستحسن بھی نہیں ہے۔ اگر ہر شخص پر یہ لازم ہوتا کہ وہ اپنی ضرورت سے زائد چیز خدا کی راہ میں دے دے تو کوئی شخص صاحب نصاب نہ ہوتا نہ کسی کے نصاب پر سال گزرتا اور پھر زکوٰۃ کا فرض کرنا بالکل لغو اور بے فائدہ ہوتا، نہ کسی شخص پر قربانی واجب ہوتی نہ کسی پر حج فرض ہوتا، نہ صدقۂ فطر ہوتا تو پھر قربانی اور حج کی مشروعیت کے احکام بھی عبث ہوتے، کیونکہ جب مال جمع کرنا شرعاً جائز ہی نہیں ہے تو پھر ان احکام کے کیا معنی؟ اور عشر اور نصف عشر کے احکام صحیح نہ ہوتے، یہ حکم نہ ہوتا کہ اپنی زرعی پیداوار کا دسواں حصہ راہ خدا میں دو بلکہ یہ حکم ہوتا کہ اپنی ضرورت کا غلہ رکھ کر باقی سارا غلہ راہِ خدا میں دے دو، چور کا ہاتھ کاٹنا بھی غلط ہوتا بلکہ الٹا چور مالک سے باز پرس کرتا کہ تم نے اتنا مال جمع ہی کیوں کیا جس کو چرایا جا سکے، غرضیکہ سوشلسٹ علماء کے مزعوم کے مطابق اگر اس آیت کی (بزعم خود غلط) تفسیر کی گئی تو ساری شریعت اسلامیہ ہی غلط ہو جائے گی، العیاذ باللہ! (تبیان القرآن ج اول ص ۷۷۹-۸۰۷ فرید بک اسٹال لاہور)

نفقات کے متعلق احادیث اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے محامل اور مصارف اور خرچ کرنے کی فضیلت میں چالیس (۴۰) احادیث مبارکہ

(۱) امام بخاری اور امام نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے افضل صدقہ وہ ہے جس کے بعد انسان خوشحال رہے اور اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے اور جب تم خرچ کرو تو اپنے زیر پرورش لوگوں سے ابتداء کرو، عورت کہے گی: یا تو تم مجھے کھلاؤ اور یا مجھے طلاق دو اور نوکر کہے گا: تم مجھے کھانا کھلاؤ یا مجھ سے کام کراؤ اور بیٹا کہے گا: مجھے کھانا کھلاؤ، تم مجھے کس کے سپرد کرتے ہو؟

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۵۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۳۴، باب الصدقۃ عن ظہر غنی)

(۲) امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد اور امام نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے جو خوش حالی سے دیا جائے اور اپنے زیر پرورش لوگوں سے ابتداء کرو۔

(صحیح البخاری: ۱۴۲۶، صحیح مسلم: ۱۰۳۴، سنن نسائی: ۲۵۴۳، سنن ابوداؤد: ۱۶۷۶، مسند احمد: ۷۰۹۸، سنن دارمی: ۱۶۵۱)

(۳) امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن جریر، امام ابن حبان اور امام حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کا حکم دیا تو ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! میرے پاس ایک دینار ہے، آپ نے فرمایا: اس کو اپنے اوپر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ نے فرمایا اس کو اپنی اولاد پر خرچ کرو، اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ نے فرمایا: اس کو اپنی بیوی پر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے، تو آپ نے فرمایا: اس کو اپنے خادم پر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے، تو آپ نے فرمایا: اس کے متعلق تم خود بصیرت رکھتے ہو۔

(سنن ابوداؤد: ۱۶۹۱، مسند الشافعی ج ۲ ص ۶۳-۶۴، صحیح ابن حبان: ۴۲۳۳، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۴۱۵، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۶۶، سنن نسائی ج ۵ ص ۶۲، مسند احمد ج ۲ ص ۴۷۱، ۲۵۱، شرح السنۃ: ۱۶۷۹)

(۴) امام محمد بن اسحاق، امام ابوداؤد اور امام حاکم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو آپ کی خدمت میں ایک مرد حاضر ہوا اور وہ کبوتر کے انڈے کے برابر سونا لے کر آیا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے یہ سونا معدنیات میں سے ملا ہے، آپ نے فرمایا: اس کو تم رکھ لو، اس نے کہا: یہ صدقہ ہے اور میں اس کے علاوہ اور کسی چیز کا مالک نہیں ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض فرمایا، وہ پھر آپ کے پیچھے سے آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سونے کو لے کر پھینک دیا، اور اگر وہ سونا اس مرد کو لگ جاتا تو اس کو بہت تکلیف ہوتی یا وہ مرد زخمی ہو جاتا، پھر آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس چیز کو لے کر آتا ہے جو اس کی ملکیت میں ہوتی ہے، پھر کہتا ہے کہ یہ صدقہ ہے، پھر صدقہ کرنے کے بعد وہ بیٹھ کر لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائے گا، بہترین صدقہ وہ ہے جو خوش حالی کے بعد کیا جائے اور اپنے زیر پرورش لوگوں سے خرچ کرنے کی ابتداء کرو۔ (سنن ابوداؤد: ۱۶۷۳، سنن نسائی: ۲۵۳۶)

(۵) امام بخاری اور امام مسلم نے از حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے اور تم خرچ میں اپنے زیر کفالت لوگوں سے ابتداء کرو اور بہترین صدقہ وہ ہے جو خوش حالی کے بعد ہو، اور جو سوال سے رکتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو روک کے رکھتا ہے اور جو لوگوں سے مستغنی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو غنی کر دیتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۲۷، صحیح مسلم: ۱۰۳۴، سنن نسائی: ۲۵۴۴، سنن ابوداؤد: ۱۶۷۶، مسند احمد: ۸۹۷۰، سنن دارمی: ۱۶۵۱)

(۶) امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد سے فرمایا: تم اپنے آپ سے خرچ کی ابتداء کرو اور اپنے اوپر صدقہ کرو، پس اگر کوئی چیز بچ جائے تو وہ تمہارے اہل کے لیے ہے، پھر اگر کوئی چیز بچ جائے تو وہ تمہارے رشتہ داروں کے لیے ہے، پھر دیگر رشتہ داروں کے لیے ہے۔

(صحیح مسلم: ۹۹۷، سنن نسائی: ۲۵۴۲، مسند احمد: ۱۴۲۷۷، ۱۴۹۷۴)

(۷) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد مسجد میں داخل ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ اس کے لیے کپڑے پھینکیں، تو صحابہ نے کپڑے پھینکے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ ان میں سے دو کپڑے لے لو، پھر آپ نے صحابہ کو صدقہ کرنے پر برانگیختہ کیا، پھر ایک مرد آیا اور اس نے دو کپڑوں میں سے ایک کپڑا پھینکا تو آپ نے اس مرد سے فرمایا: تم ان کپڑوں میں سے ایک کپڑا اٹھا لو۔ (سنن ابوداؤد: ۱۶۷۵، سنن ترمذی: ۵۱۱، سنن نسائی: ۲۵۳۵)

(۸) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا، اس دن اتفاق سے میرے پاس بہت مال تھا تو میں نے دل میں کہا: اگر میں کسی دن ابوبکر پر سبقت کر سکتا ہوں تو آج صدقہ کروں گا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کتنا رکھا ہے، میں نے عرض کیا: اتنا ہی رکھا ہے، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے، اور وہ جتنا بھی مال تھا سب لے آئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا بچا کر رکھا ہے، تو انہوں نے کہا: میں نے اللہ اور اس کے رسول کو ان کے لیے بچا کر رکھا ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے دل میں کہا کہ میں ابوبکر پر کبھی بھی سبقت نہیں کر سکوں گا۔ (سنن ابوداؤد: ۱۶۷۸، سنن ترمذی: ۳۶۷۵)

(۹) امام ابن عدی اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے ابن عوف! تم مال دار لوگوں میں سے ہو اور جنت میں جو بھی جائے گا وہ سرین کے بل گھسٹتا ہوا جائے گا، سو تم اللہ کو

قرض دو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے قدموں سے چلنا آسان کردے، انہوں نے پوچھا: یارسول اللہ! میں کیا قرض دوں؟ آپ نے فرمایا: تمہیں شام کو جو سونا حاصل ہوا ہے، وہ اللہ کی راہ میں دو، انہوں نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا میں اپنا تمام مال اللہ کی راہ میں خرچ کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، پھر حضرت ابن عوف چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکر میں تھے تو آپ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہا: عبدالرحمٰن بن عوف کو حکم دو کہ وہ مہمان کی مہمان نوازی کریں اور مساکین کو کھانا کھلائیں اور سائل کو عطا کریں اور اپنے زیر کفالت لوگوں سے خرچ کی ابتداء کریں، سو جب انہوں نے ایسا کرلیا تو اس سے ان کا تزکیہ ہو جائے گا۔

(کنز العمال: ۱۶۱۴۳، مسانید ج ۲ ص ۵۶۸)

نفقات کے متعلق دیگر احادیث، خرچ کرنے کی فضیلت اور خرچ نہ کرنے کی مذمت اور صدقہ کی فضیلت

(۱۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہوتا تو مجھے اس سے خوشی ہوتی کہ مجھ پر تین راتیں نہ گزریں اور میرے پاس ان میں سے کچھ بھی باقی رہے، سوا اس چیز کے جس کو میں قرض کی ادائیگی کے لیے رکھ لوں۔ (صحیح البخاری: ۲۳۸۹، صحیح مسلم: ۹۹۱، سنن ابن ماجہ: ۴۱۳۲، مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۶)

(۱۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر روز جب بندے صبح کرتے ہیں تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ان میں سے ایک دعا کرتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس مال کا بدلہ عطا فرما اور دوسرا دعا کرتا ہے: اے اللہ خرچ نہ کرنے والے کے مال کو ضائع کردے۔ (صحیح البخاری: ۱۴۴۲، صحیح مسلم: ۱۰۱۰، مسند احمد: ج ۲ ص ۳۰۵)

(۱۲) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم خرچ کرو اور گن گن کے نہ رکھو، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے لیے گن گن کے رکھے گا اور تم مال کو جمع نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے لیے مال کو جمع کرے گا اور جتنا ہو سکتا ہے تم خرچ کرو۔ (صحیح البخاری: ۲۵۹۱، صحیح مسلم: ۱۰۲۹، مسند احمد: ج ۶ ص ۳۵۴)

(۱۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم! تم خرچ کرو، میں تم پر خرچ کروں گا۔ (صحیح البخاری: ۵۳۵۲، صحیح مسلم: ۹۹۳، مسند احمد: ج ۲ ص ۲۴۲)

(۱۴) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن آدم! تم ضرورت سے زائد چیز کو خرچ کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم اس کو روک کے رکھو گے تو یہ تمہارے لیے شر ہے، اور بقدر ضرورت خرچ کرنے پر تمہیں ملامت نہیں کی جائے گی اور خرچ کرنے کی ابتداء اپنے زیر کفالت لوگوں سے کرو۔ (صحیح مسلم: ۱۰۳۶)

(۱۵) حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ کرو، کیونکہ تم پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ایک مرد اپنے صدقہ کو لے کر جائے گا تو اس سے اس صدقہ کو قبول کرنے والا کوئی شخص نہیں ملے گا اور کوئی شخص یہ کہے گا: اگر تم کل آتے تو میں یہ صدقہ قبول کر لیتا لیکن آج مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۱۱، صحیح مسلم: ۱۰۱۱، سنن نسائی: ۲۵۵۵، مسند احمد: ج ۴ ص ۳۰۶)

(۱۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے کہا: یارسول اللہ! کون سے صدقہ کا سب سے زیادہ اجر ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اس وقت صدقہ کرو جب تم تندرست ہو اور تمہیں مال کی ضرورت ہو اور تمہیں فقر کا خوف ہو اور تمہیں خوش حالی کی امید

ہو اور صدقہ کرنے کو مہلت نہ دیتے رہو حتیٰ کہ جب تمہاری روح حلقوم تک پہنچ جائے تو تم کہو یہ مال فلاں کے لیے ہے اور یہ مال فلاں کے لیے ہے اور یہ تو اب فلاں کے لیے ہو ہی جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۱۴۱۹، صحیح مسلم: ۱۰۳۲، سنن نسائی: ۲۵۴۲، مسند احمد: ج ۲ ص ۲۳۱)

(۱۷) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے، جب آپ نے مجھے دیکھا تو فرمایا: رب کعبہ کی قسم! وہ ضرور نقصان اٹھانے والے ہیں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے باپ اور میری ماں قربان ہوں، وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو بہت زیادہ مال جمع کرتے ہیں، سوا ان کے جو اس طرح اور اس طرح اور اس طرح خرچ کرتے ہیں، اپنے آگے سے، اپنے پیچھے سے اور اپنی دائیں جانب سے اور اپنی بائیں جانب سے، اور فرمایا: یہ بہت کم لوگ ہیں۔

(صحیح البخاری: ۶۶۳۸، صحیح مسلم: ۹۹۰، سنن ترمذی: ۶۱۷، سنن نسائی: ۲۴۴۰، مسند احمد: ج ۵ ص ۱۵۲)

(۱۸) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سخی مرد اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے اور جنت کے قریب ہوتا ہے، اور لوگوں کے قریب ہوتا ہے اور دوزخ سے دور ہوتا ہے اور بخیل مرد اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے اور جنت سے دور ہوتا ہے اور لوگوں سے دور ہوتا ہے اور دوزخ کے قریب ہوتا ہے اور جاہل سخی اللہ تعالیٰ کے نزدیک عبادت گزار بخیل سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری: ۱۹۶۱)

(۱۹) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں ایک درہم خرچ کرے یا صدقہ کرے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ موت کے وقت سو درہم صدقہ کرے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۸۶۶)

(۲۰) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی مثال جو اپنی موت کے وقت صدقہ کرتا ہے یا غلام آزاد کرتا ہے، اس شخص کی طرح ہے جو سیر ہونے کے بعد صدقہ کرتا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۳۹۶۸، سنن ترمذی: ۲۱۲۳، سنن نسائی: ۳۶۱۴، سنن دارمی: ۳۲۲۶، مسند احمد: ج ۵ ص ۱۹۷)

(۲۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن میں دو خصلتیں جمع نہیں ہوتیں، بخل اور بد خلقی۔ (سنن ترمذی: ۱۹۶۲)

(۲۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں دغا باز داخل نہ ہوگا، اور نہ بخیل داخل ہوگا اور نہ احسان جتلانے والا داخل ہوگا۔ (سنن ترمذی: ۱۹۶۴، مسند احمد: ج ۱ ص ۷)

(۲۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرد کی بدترین خصلت یہ ہے کہ وہ بخیل اور ڈرپوک ہو اور بزدل ہو اور اپنی جگہ سے ہٹنے والا ہو۔ (سنن ابوداؤد: ۲۵۱۱، مسند احمد: ج ۲ ص ۳۰۲)

(۲۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مرد نے کہا: میں ضرور صدقہ کروں گا، وہ اپنا صدقہ لے کر گھر سے نکلا اور کسی چور کے ہاتھ میں رکھ دیا تو صبح لوگ باتیں کرنے لگے کہ آج رات ایک چور پر صدقہ کیا گیا، اس مرد نے کہا: اے اللہ! تیرے لیے حمد ہے کہ میں نے چور پر صدقہ کیا، میں ضرور صدقہ کروں گا، پھر وہ صدقہ لے کر نکلا اور ایک زانیہ کے

ہاتھ پر صدقہ رکھ دیا تو صبح لوگوں نے باتیں کیں کہ آج رات ایک زانیہ پر صدقہ کیا گیا، اس نے کہا: اے اللہ! تیرے لیے حمد ہے کہ میں نے ایک زانیہ پر صدقہ کیا، میں ضرور صدقہ کروں گا، پھر وہ نکلا اور اس نے ایک مالدار کے ہاتھ پر صدقہ کر دیا، پھر لوگوں نے باتیں کیں کہ آج رات ایک مالدار پر صدقہ کیا گیا، اس نے کہا: اے اللہ! تیرے لیے حمد ہے کہ میں نے ایک چور پر صدقہ کیا، اور زانیہ پر صدقہ کیا اور ایک مالدار پر صدقہ کیا، پھر اس کے پاس ایک فرشتے نے آ کر بتایا: تم نے جو چور پر صدقہ کیا تو شاید کہ وہ چوری سے باز آ جائے، اور تم نے جو زانیہ پر صدقہ کیا، شاید کہ وہ زنا سے باز آ جائے، اور تم نے جو مالدار پر صدقہ کیا تو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے جو مال دیا ہے، وہ اس میں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۲۱، صحیح مسلم: ۱۰۲۲، سنن نسائی: ۲۵۲۳، مسند احمد: ج ۲ ص ۳۲۲)

(۲۵) حضرت ام بجید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک مسکین میرے دروازہ پر کھڑا ہوتا ہے حتیٰ کہ مجھے حیاء آتی ہے اور میں اپنے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتی جو اس کے ہاتھ پر رکھ دوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کچھ بھی تمہارے ہاتھ میں ہے، وہ اس کو دو، خواہ وہ بکری کا جلا ہوا پایا کیوں نہ ہو۔

(سنن ابوداؤد: ۱۶۶۷، سنن ترمذی: ۶۶۵، سنن نسائی: ۲۵۷۴، مسند احمد: ج ۶ ص ۳۸۳)

(۲۶) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد شدہ غلام نے بیان کیا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو گوشت کا ایک پارچہ صدقہ کیا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت پسند تھا، تو انہوں نے خادم سے کہا: اس کو گھر میں رکھ دو شاید کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو کھائیں، تو انہوں نے گوشت کے اس پارچہ کو گھر کے ایک طاق میں رکھ دیا اور ایک سائل آ کر دروازہ پر کھڑا ہوا، اس نے کہا: صدقہ کریں اللہ تعالیٰ آپ کو اس میں برکت دے گا، تو گھر والوں نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے، وہ سائل چلا گیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے، آپ نے پوچھا: اے ام سلمہ! کیا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! انہوں نے خادم سے کہا: جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہ گوشت کا پارچہ لے آؤ، وہ خادمہ گئیں تو اس طاق میں صرف پتھر کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا پایا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہی گوشت ہے جو پتھر کا ٹکڑا بن گیا کیونکہ تم نے سائل کو گوشت نہیں دیا تھا۔ (مشکوٰۃ: ۱۸۸۰، بحوالہ دلائل النبوۃ للبیہقی)

(۲۷) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بدترین مرد کون ہے؟ عرض کیا گیا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: جس شخص سے اللہ تعالیٰ کے نام سے سوال کیا جائے اور وہ اس کو نہ عطا کرے۔ (سنن نسائی: ۲۵۶۹، سنن دارمی: ۲۳۹۵)

(۲۸) حضرت عقبہ بن الحارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں مدینہ میں عصر کی نماز پڑھی، آپ نے سلام پھیرا، پھر آپ جلدی سے کھڑے ہو گئے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے نکلے اور اپنی ازواج کے کسی حجرہ میں چلے گئے، سو لوگ آپ کے جلد جانے سے گھبرائے، پھر لوگ آپ کے پاس آئے اور آپ نے فرمایا: تم کو میرے جلد جانے سے تعجب ہوا ہے، آپ نے فرمایا: مجھے یاد آیا کہ میرے پاس سونے کا ایک ٹکڑا ہے، میں نے ناپسند کیا کہ وہ سونے کا ٹکڑا مجھے اپنے پاس مشغول رکھے تو میں نے حکم دیا کہ اس سونے کو تقسیم کر دیا جائے۔ (صحیح البخاری: ۱۴۳۰، سنن نسائی: ۱۳۶۵، مسند احمد: ج ۴ ص ۷)

(۲۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کی بیماری کے ایام میں چھ یا سات دینار تھے، رسول

اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کو تقسیم کروں، پھر میں رسول اللہ ﷺ کی بیماری کی وجہ سے مشغول رہی، پھر آپ نے مجھ سے ان دیناروں کے متعلق سوال کیا کہ تم نے ان چھ یا سات دیناروں کا کیا کیا؟ انہوں نے بتایا کہ اللہ کی قسم! میں آپ کی مرض کی وجہ سے مشغول رہی، پھر رسول اللہ ﷺ نے ان دیناروں کو منگوایا اور ان کو ہاتھوں میں رکھا اور آپ نے فرمایا: اللہ کے نبی کے متعلق کیا گمان کرتی ہو کہ وہ اللہ سے ملاقات کرے اور ان کے پاس یہ دینار ہوں۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۴)

(۳۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کے پاس کھجوروں کا ایک ڈھیر تھا، آپ نے پوچھا: اے بلال یہ کیسا ڈھیر ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یہ وہ کھجوریں ہیں جن کو میں نے کل کے لیے ذخیرہ کر کے رکھا ہے، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس سے نہیں ڈرتے کہ کل قیامت کے دن تم جہنم کی آگ میں دھوئیں کو دیکھو۔ اے بلال! خرچ کرو اور عرش والے سے کمی کرنے کا خوف نہ کرو۔ (شعب الایمان للبیہقی: ۱۳۴۶)

(۳۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سخی مردوں کے لیے جنت میں ایک درخت ہے، سو جو شخص سخی ہوگا وہ اس درخت کی ایک شاخ کو پکڑے گا، پھر اس شاخ کو نہیں چھوڑے گا حتیٰ کہ وہ شاخ اس کو جنت میں داخل کر دے گی، اور بخیل کے لیے دوزخ میں ایک درخت ہے، سو جو شخص بخیل ہوگا وہ اس کی ایک شاخ کو پکڑے گا، پھر جب وہ اس شاخ کو چھوڑے گا تو وہ شاخ اس کو دوزخ میں داخل کر دے گی۔ (شعب الایمان للبیہقی: ۱۰۸۷۶)

(۳۲) حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صدقہ کرنے میں جلدی کرو، کیونکہ مصائب صدقات سے تجاوز نہیں کرتے۔ (شعب الایمان للبیہقی: ۳۳۵۳)

(۳۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مجھے عطا فرما رہے تھے تو میں کہتا: آپ فلاں مرد کو دے دیں وہ مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے، آپ فرماتے: تم اس مال کو لے لو، جب تمہارے پاس یہ مال اس حال میں آئے کہ تم اس مال کی طرف جھکنے والے نہ ہو، نہ سوال کرنے والے ہو، تم اس مال کو لے کر اپنی ملکیت میں رکھو، پھر اگر چاہو تو سارا مال رکھو اور اگر چاہو تو اس کو صدقہ کر دو، اور جو اس طرح نہ ہو تو تم اس مال کے درپے نہ ہو، سالم بن عبداللہ بن عمر نے کہا: پس اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کسی شخص سے سوال نہیں کرتے تھے اور جو شخص ان کو کوئی چیز دیتا تو اس کو رد نہیں کرتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۷۱۶۴، صحیح مسلم: ۱۰۴۵، سنن نسائی: ج ۵ ص ۱۰۵)

(۳۴) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، وہ شخص ملعون ہے جس نے اللہ کے نام سے سوال کیا، اور وہ شخص ملعون ہے جس سے اللہ کے نام سے سوال کیا گیا، پھر اس نے سائل کو منع کر دیا۔

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۰۳)

(۳۵) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے نام سے صرف جنت کا سوال کیا جائے۔

(سنن ابوداؤد: ۱۶۷۱، المقاصد الحسنہ: ۱۳۲۳)

(۳۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنی حلال کمائی سے کھجور کا ایک ٹکڑا صدقہ کیا، اور اللہ تعالیٰ صرف حلال کی کمائی سے صدقہ کو قبول فرماتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس صدقہ کو بڑھاتا رہتا ہے جیسے تم میں کوئی شخص اپنے

گھوڑے کی مالش کر کے اس کو بڑھاتا ہے، حتیٰ کہ وہ کھجور کا ٹکڑا پہاڑ کی طرح ہو جاتا ہے۔
(صحیح البخاری: ۱۴۱۰، صحیح مسلم: ۱۰۱۴، سنن نسائی: ج ۵ ص ۵۷، سنن ترمذی: ۶۶۱، سنن ابن ماجہ: ۱۸۴۲، صحیح ابن خزیمہ: ۲۴۲۵)

(۳۷) حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ بندہ روٹی کے ایک ٹکڑہ کو صدقہ کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑھتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ احد پہاڑ جتنا ہو جاتا ہے۔ (مجمع الزوائد: ج ۳ ص ۱۱۰-۱۱۱)

(۳۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ کرنے سے مال میں کمی نہیں ہوتی اور معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ عزت کو زیادہ کرتا ہے اور جو شخص بھی اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے، اللہ عزوجل اس کا مرتبہ بلند کرتا ہے۔
(صحیح مسلم: ۲۵۸۸، سنن ترمذی: ۲۰۲۹)

(۳۹) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے لوگو! مرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو اور نیک اعمال میں سبقت کرو اور اللہ تعالیٰ کا کثرت کے ساتھ ذکر کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو اور ظاہر اور پوشیدہ صدقہ بہ کثرت کرو، تمہیں رزق دیا جائے گا اور تمہاری مدد کی جائے گی اور تمہارے نقصان کو پورا کیا جائے گا۔
(سنن ابن ماجہ: ۱۰۸۱، الترغیب والترہیب: ۱۷۹)

(۴۰) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ان کے گھر والوں نے ایک بکری کو ذبح کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اس میں سے کیا باقی ہے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: صرف ایک دستی باقی ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کل باقی ہے، سوا اس دستی کے، (یعنی جو اللہ کی راہ میں دے دیا جائے وہ باقی ہے اور جو اپنے لیے رکھ لیا جائے وہ فانی ہے)۔ (سنن ترمذی: ۲۴۷۰)

نفقات یعنی خرچ کرنے کی فضیلت اور خرچ نہ کرنے کی مذمت میں احادیث بہت زیادہ ہیں، لیکن ہم نے صرف چالیس احادیث کے ذکر کرنے پر اکتفاء کی ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: اس کے لیے بشارت ہے کہ جو شخص میری امت کو میری چالیس حدیثیں پہنچائے گا، قیامت کے دن اس کا حشر علماء میں کیا جائے گا، اس بشارت کے پیش نظر میں نے تبیان القرآن اور نعمۃ الباری میں متعدد عنوانات پر چالیس احادیث کو جمع کیا ہے، اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو بخش دے اور میرا حشر قیامت کے دن علماء اور فقہاء کے گروہ میں کرے۔ آمین یا رب العالمین

نفقات کے متعلق فقہاء شافعیہ کے نظریات، نفقات کے مسائل اور دیگر تحقیقات

علامہ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر الشافعی النیشا پوری المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

زیر کفالت لوگوں پر مال خرچ نہ کرنے پر وعید

وہب بن جابر بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے پاس تھا تو ان کا غلام کھانا لے کر آیا، انہوں نے پوچھا: تم نے اپنے گھر والوں کو کھانا دے دیا ہے؟، اس نے کہا: نہیں! انہوں نے فرمایا: جاؤ ان کو کھانا دو، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: کسی آدمی کے گناہ گار ہونے کے لیے کافی ہے کہ جن کی روزی اس پر واجب ہے اس کو وہ ضائع کر دے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۶۸۹، مسند احمد: ج ۲ ص ۱۶۰، مسند الحمیدی: ۵۹۹)

عورتوں اور بیویوں کے ساتھ احسان کرنے کی ترغیب کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومنوں میں سب سے کامل ایمان والا یا سب سے افضل ایمان والا وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں، اور تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنی بیویوں کے ساتھ بہترین ہو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۶ ص ۸۸، سنن ابوداؤد: ۴۶۸۲، سنن ترمذی: ۱۱۶۲، مسند احمد: ج ۲ ص ۲۵۰، صحیح البخاری: ۳۵۵۹، صحیح مسلم: ۲۱۲۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہو۔ (سنن ترمذی: ۳۸۹۵، سنن دارمی: ۲۲۶۰، صحیح ابن حبان: ۴۱۷۷)

میانہ روی سے خرچ کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝ (الفرقان: ۶۷)

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ وہ فضول خرچ کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا میانہ روی سے ہوتا ہے ۝

از ابوالاحوص از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میانہ روی سے کام لیا، وہ فقر میں مبتلا نہیں ہوگا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۶ ص ۲۵۲، المعجم الاوسط: ۵۰۹۴، مسند احمد: ج ۱ ص ۴۴۷، المعجم الکبیر: ۱۰۱۱۸، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۵۵)

خوش حال اور تنگدست کے خرچ کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ شوہر کے اوپر بیوی کا کتنا خرچ دینا فرض ہے، امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ وہ ہر روز ایک کلو گندم اپنی بیوی کو خرچ دے۔ (المنتقیٰ ج ۵ ص ۴۳۸، باب فی قدر النفقۃ)

اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے: جو شخص تنگ دست ہو وہ اپنے شہر کی روزی سے اس کو گندم دے یا جو دے یا جوار دے یا زیتون کا تیل دے یا گھی دے، جو تقریباً تیس کلو کے برابر ہو، اور یہ خرچ خوش حال شخص کے لیے اپنی وسعت کے مطابق ہے اور تنگ دست کے لیے اپنی گنجائش کے مطابق ہے۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۱۲۹)

علامہ ابراہیم بن المنذر شافعی متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ جو فقہاء بیوی کے خرچ میں تحدید کو فرض نہیں قرار دیتے، ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہند سے فرمایا کہ تم ابوسفیان کے مال سے اتنا لے لیا کرو جتنا تمہارے لیے اور تمہاری اولاد کے لیے دستور کے مطابق کافی ہو۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۷۱۸۰، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۷۱۴)

اور فقہاء احناف نے یہ کہا ہے: اس کی کوئی مقدار معین نہیں ہے، یہ ہر شخص کی حیثیت کے مطابق ہے۔

والدین پر خرچ کرنے کے احکام

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پاکیزہ رزق وہ ہے جو مرد اپنی کمائی سے کھاتا ہے اور اس کی اولاد بھی اس کی کمائی سے ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۲۰، سنن ابن ماجہ: ۲۱۳۷، سنن نسائی: ۴۴۶۱، سنن ابوداؤد: ۳۵۲۲)

علامہ ابراہیم بن المنذر الشافعی النیشا پوری متوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں کہ امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور سفیان ثوری اور حسن بن صالح اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور ان کے اصحاب نے کہا اور اسی طرح امام احمد اور اسحاق اور ابوثور نے کہا کہ کسی شخص کے لیے اپنے والدین کے اوپر خرچ کرنا واجب ہے، اور اس مسئلہ میں ہمیں کسی اختلاف کا علم نہیں ہے۔

(بدائع الصنائع، ج ۴ ص ۳۰ (فصل فی نفقۃ الاقارب)، کتاب الام للشافعی ج ۵ ص ۱۲۸، المدونہ ج ۲ ص ۲۶۳ (باب فی نفقۃ الولد علی والدیہ).)

باپ کے اوپر اولاد کے خرچ کا واجب ہونا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ہند ام معاویہ رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا: یا رسول اللہ! ابوسفیان بخیل مرد ہیں اور وہ مجھے اتنا نہیں دیتے جو میرے اور میرے بچوں کے لیے کافی ہو مگر وہ جو میں چپکے سے ان کے مال سے نکال لوں اور ان کو علم نہ ہو، کیا اس سے مجھ پر کوئی حرج ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اتنی مقدار لے لو جو تمہارے اور تمہاری اولاد کے لیے دستور کے مطابق کافی ہو۔ (مسند الشافعی ص ۲۸۸، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۷۰، صحیح البخاری: ۷۱۸۰، مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۹، صحیح مسلم: ۱۷۱۴)

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، ج ۹ ص ۵۲-۸۴ ملخصاً وملتقطاً، دار الفلاح، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

نفقات کے متعلق فقہاء حنبلیہ کے نظریات، نفقات کے مسائل اور دیگر تحقیقات

علامہ موفق الدین ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۶۲۰ھ، ان مسائل کے متعلق لکھتے ہیں:

بیوی کا نفقہ یعنی اس پر خرچ کرنا، کتاب، سنت اور اجماع سے واجب ہے، کتاب کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۖ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ (الطلاق: ۷)

صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے، اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا ۝

اور اس کے متعلق حدیث درج ذیل ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو خطبہ دیا، پس فرمایا: تم لوگ اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرو، کیونکہ وہ بیویاں تمہاری مددگار ہیں، تم نے ان کو اللہ کی امانت کے ساتھ لیا ہے، اور تم نے ان کی فروج کو اللہ کے حکم سے حلال کیا ہے اور ان بیویوں کے لیے تم پر ان کا رزق اور ان کا لباس دستور کے مطابق واجب ہے۔ (صحیح مسلم: ۸۹۲، سنن ابوداؤد: ۱۹۰۵)

حضرت عمرو بن الاحوص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! تمہارے لیے تمہاری بیویوں کے حقوق ہیں اور تمہاری بیویوں کے تم پر حقوق ہیں، تمہارا تمہاری بیویوں پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر اس کو نہ آنے دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو اور وہ تمہارے گھروں میں اس کو نہ آنے دیں جس کے آنے کو تم ناپسند کرتے ہو اور سنو تم پر تمہاری بیویوں کا حق یہ ہے کہ تم ان کے لباس میں اور ان کے طعام میں ان کے ساتھ احسان کرو۔

(سنن ترمذی: ۱۱۶۳، سنن ابن ماجہ: ۱۸۵۱، سنن نسائی: ۲۸۷، زاد المعاد ج ۵ ص ۹۷، مسند احمد ج ۵ ص ۷۳، ۷۲، الارواء الالبانی: ۲۰۳۰)

نیز اس مسئلہ میں حضرت ہند زوجہ ابوسفیان رضی اللہ عنہا کی بھی حدیث ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۳۶۴، صحیح مسلم: ۱۷۱۴، سنن نسائی: ج ۸ ص ۲۴۷، سنن ابن ماجہ: ۲۲۹۳، مسند احمد: ج ۶ ص ۳۹، سنن بیہقی: ج ۷ ص ۴۶۶، ج ۱۰ ص ۱۴۱، ۲۷۰)

رہا اس مسئلہ میں اجماع، تو تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ بیویوں کے نفقات ان کے شوہروں پر واجب ہیں، سوا اس کے کہ ان کی بیویاں نافرمان ہوں۔

بیویوں پر خرچ کرنے کی مقدار اور امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس خرچ کی کوئی مقدار معین نہیں ہے

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، نے کہا ہے کہ بیویوں پر خرچ کرنا انسان کی حیثیت کے مطابق فرض کیا گیا ہے اور انسان کی حیثیت کے اعتبار سے یہ حکم مختلف ہوتا ہے۔

امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ غریب شخص کے اوپر ایک کلو طعام دینا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفارہ قسم میں ایک مد کو واجب کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ (المائدہ: ۸۹) جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو۔

نیز امام شافعی نے کہا کہ جو شخص خوشحال ہو اس پر دو کلو طعام دینا ہر روز واجب ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس میں مقدار معین نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہند رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم ابوسفیان کے مال سے اتنا لے لو جو تمہاری اور تمہاری اولاد کے لیے دستور کے مطابق کافی ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خرچ میں کسی مقدار کو معین نہیں فرمایا۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرہ: ۲۳۳) جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کی ماؤں کا روٹی اور کپڑا ہے جو دستور اور رواج کے مطابق ہو۔

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے بچوں کی ماؤں کے لیے کسی خرچ کی مقدار کو معین نہیں فرمایا۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیویوں کے لیے تم پر ان کا رزق اور ان کا لباس دینا دستور کے مطابق واجب ہے۔ (صحیح مسلم: ۸۹۲، سنن ابوداؤد: ۱۹۰۵)

اس حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کے خرچ کے لیے کسی مقدار کو معین نہیں فرمایا۔

(المغنی ج ۱۱ ص ۱۷۴-۱۷۷، ملخصاً وملتقطاً، دار الحدیث القاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

نفقات کے متعلق فقہاء احناف کے نظریات، نفقات کے مسائل اور دیگر تحقیقات

علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

مصنف نے کہا: خاوند کے اوپر بیوی کا نفقہ واجب ہے، مسلمان ہو یا کافرہ ہو۔ جب بیوی نے اپنے نفس کو خاوند کے گھر میں سپرد کر دیا تو خاوند کے اوپر اس کا نفقہ یعنی خرچ اور اس کا لباس اور اس کی رہائش واجب ہے، اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ (الطلاق:۷)

صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے، عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کردے گا ۝

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ (البقرہ:۲۳۳)

جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کی ماؤں کا روٹی اور کپڑا ہے جو دستور اور رواج کے مطابق ہو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حجۃ الوداع میں یہ ارشاد ہے:

حضرت عمرو بن الاحوص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! تمہارے لیے تمہاری بیویوں کے حقوق ہیں اور تمہاری بیویوں کے تم پر حقوق ہیں، تمہارا تمہاری بیویوں پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر اس کو نہ آنے دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو اور وہ تمہارے گھروں میں اس کو نہ آنے دیں جس کے آنے کو تم ناپسند کرتے ہو اور سنو تم پر تمہاری بیویوں کا حق یہ ہے کہ تم ان کے لباس میں اور ان کے طعام میں ان کے ساتھ احسان کرو۔

(سنن ترمذی:۱۱۶۳، سنن ابن ماجہ:۱۸۵۱، سنن نسائی:۲۸۷ ج ۷ ص ۹، زاد المعاد ج ۵ ص ۷۳، ۷۲، مسند احمد ج ۵ ص ۷۳، ۷۲، الارواء للالبانی:۲۰۳۰)

اور عقلی دلیل یہ ہے کہ نفقہ یعنی خرچ بیوی کو روکنے کی جزا ہے، پس ہر وہ شخص جو کسی غیر کے مقصود کی وجہ سے رکا ہوا ہو، تو اس کا نفقہ اس شخص پر واجب ہے، اور صدقات کے عامل کا بھی خرچ واجب ہے اور ان دلائل کے اندر مسلمان عورت اور کافر عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں اور اس میں ان دونوں کے حال کا اعتبار کیا جائے گا۔

العبد الضعیف نے کہا ہے کہ یہ امام خصاف کا مختار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور اس کی تفسیر یہ ہے کہ جب شوہر اور بیوی دونوں مالدار ہوں تو بیوی کے لیے خوشحالی کا نفقہ واجب ہے، اگر وہ دونوں غریب ہوں تو پھر غربت کا نفقہ واجب ہے اور اگر عورت غریب ہو اور مرد مالدار ہو تو عورت کا نفقہ مال دار عورتوں کے نفقہ سے کم ہوگا اور غریب عورتوں کے نفقہ سے زیادہ ہوگا اور امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ شوہر کے حال کا اعتبار کیا جائے گا اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ (الطلاق:۷)

صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے، اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کردے گا ۝

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت ہند سے فرمایا: تم اپنے خاوند کے مال سے اتنا لے لو جتنا تمہارے لیے اور تمہاری اولاد کے لیے دستور کے مطابق کافی ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت معاویہ کی والدہ حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ! ابوسفیان کنجوس مرد ہیں اور

وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو مجھے اور میری اولاد کے لیے کافی ہو، سوا اس کے کہ میں از خود ان کے مال سے نکال لوں اور ان کو علم نہ ہو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے اور اپنی اولاد کے لیے دستور کے مطابق لے لو۔

(صحیح البخاری، البیوع باب: ۹۵، النفقات باب ۱۴، ۹، الاحکام، باب: ۲۸ صحیح مسلم: حدیث: ۷، سنن ابوداؤد: البیوع باب ۸۹ حدیث: ۳۵۳۳، سنن نسائی، کتاب القضاۃ باب ۳۱: حدیث: ۵۰۱۰، سنن ابن ماجہ: التجارات، باب: ۶۵، حدیث: ۲۲۹۳، سنن دارمی: باب ۵۴، مسند احمد ج ۶ ص ۳۹، ۵۰، ۲۰۶)

اس دلیل کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرچ کے معاملہ میں عورت کے حال کا اعتبار کیا (مرد کی مالی حالت کا اعتبار نہیں کیا جیسا کہ امام شافعی نے کہا ہے)، کیونکہ خرچ بطریق کفایت واجب ہوتا ہے اور جو عورت فقیرہ ہو وہ مال دار عورتوں کی کفایت کی محتاج نہیں ہوتی، لہٰذا اس کو زیادہ خرچ دینے کی کوئی وجہ نہیں۔

اور رہی قرآن مجید کی نص صریح، تو ہم بھی اس کے مطابق کہتے ہیں کہ مرد اپنی حیثیت کے مطابق مخاطب ہے، اور جو باقی خرچ ہے وہ اس کے ذمہ قرض ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ دستور کے مطابق اس کا خرچ واجب ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ متوسط خرچ، اور اس سے واضح ہو گیا کہ خرچ کی مقدار کا تعین کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے، کہ انہوں نے کہا: جو مالدار ہو، اس پر ہر روز دو کلو طعام دینا واجب ہے اور جو غریب ہو اس پر ہر روز ایک کلو طعام دینا واجب ہے اور جو متوسط ہو اس پر ڈیڑھ کلو طعام دینا واجب ہے، کیونکہ جو چیز بہ طور کفایت واجب ہے، اس کی شریعت میں کوئی مقدار متعین نہیں ہوتی۔

اور اگر بیوی اپنا نفس سپرد کرنے سے انکار کرے حتیٰ کہ اس کا پورا مہر دے دیا جائے تب بھی اس کا نفقہ اور خرچ واجب ہے، کیونکہ منع کرنا اس کا حق ہے اور نفقہ اور خرچ اس وجہ سے واجب ہوتا ہے کہ اس نے اپنے نفس کو اپنے خاوند کے لیے ٹھہرایا ہوا ہے۔

اگر بیوی نافرمانی کرے تو اس کے لیے نفقہ اور خرچ نہیں ہو گا حتیٰ کہ وہ اپنے شوہر کے گھر واپس آ جائے، کیونکہ شوہر کے گھر میں قیام کا فوت ہونا عورت کی جہت سے ہے اور اگر عورت لوٹ آئے اور وہ شوہر کے گھر میں ٹھہرے تو اس کا نفقہ واجب ہو گا۔ اس کے برخلاف اگر وہ گھر میں شوہر کو اپنے نفس پر قادر نہ ہونے دے تب بھی اس پر نفقہ واجب ہو گا کیونکہ شوہر جبراً اس کے ساتھ جماع کر سکتا ہے۔

اور اگر بیوی کم سن ہو اور شوہر اس سے مباشرت پر قادر نہ ہو تو پھر اس کم سن بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہو گا، کیونکہ بیوی کا شوہر کے گھر میں ٹھہرنا اس لیے ہوتا ہے کہ نکاح سے جو مقصود ہے وہ حاصل ہو، اور جب وہ مقصود حاصل نہیں ہوا تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہو گا۔

اور امام شافعی نے کہا: کم سن بیوی کا بھی نفقہ واجب ہو گا، کیونکہ نفقہ ملکیت کے عوض میں سے ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ مہر ملکیت کا عوض ہے اور ایک معوض کے دو عوض جمع نہیں ہوتے۔

اور اگر شوہر کم عمر ہو اور وہ جماع پر قادر نہ ہو اور عورت بڑی عمر کی ہو تو شوہر کے مال سے اس پر بھی نفقہ اور خرچ واجب ہو گا کیونکہ وہ اپنے آپ کو شوہر کے سپرد کر چکی ہے اور جماع سے عاجز ہونا شوہر کی طرف سے ہے، تو یہ ایسا ہے جیسے کوئی شوہر مقطوع الذکر ہو یا نامرد ہو، تب بھی اس کا نفقہ بیوی کے لیے واجب ہوتا ہے۔

اگر بیوی شوہر کے گھر میں بیمار ہو جائے تو اس کے لیے نفقہ واجب ہوگا، اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے لیے نفقہ واجب نہ ہو، کیونکہ جب مرد بیمار ہو اور وہ جماع نہ کر سکے تو پھر بھی مرد پر خرچ واجب ہوتا ہے اور الاستحسان کی وجہ یہ ہے کہ بیوی جب شوہر کے گھر ٹھہر گئی تو شوہر اس کے ساتھ مانوس ہوگا اور اس کو چھوئے گا اور بیوی اس کے گھر کی حفاظت کرے گی، اور بیوی کا بیمار ہونا ایک عارضہ کی وجہ سے ہے، سو یہ حیض کے مشابہ ہے، کیونکہ حالت حیض میں بھی مرد بیوی سے جماع نہیں کر سکتا لیکن اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہوتا ہے۔ (الہدایہ مع نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۹۶-۳۹۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

نفقات کے متعلق مذاہب اربعہ کا خلاصہ

صاحب تکملۃ المجموع شرح المہذب اس بحث میں لکھتے ہیں:

نفقہ کا لغوی معنی ہے کہ انسان اپنے اوپر یا دوسرے کے اوپر جو درا ہم خرچ کرتا ہے۔

اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک نفقہ کا اصطلاحی معنی ہے: وہ طعام جو بیوی اور اس کے خادم کے لیے اس کے خاوند کے اوپر فرض کیا جاتا ہے یا ان کے غیر کے لیے جن کا تعلق اصل اور فرع اور غلام اور حیوان سے ہو، اتنی مقدار جو ان کے لیے کافی ہو۔

اس تعریف میں جو طعام کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد وہ طعام ہے جو عرف کے مطابق ہو اور اس میں لباس اور رہائش بھی داخل ہے۔

اور فقہاء احناف کے نزدیک نفقہ کا اصطلاحی معنی ہے کہ بیوی کو ایسی چیز مہیا کرنا اور اس کے لیے خرچ کرنا جس سے اس کی بقاء کا حصول ہو، اور بقاء سے مراد وہ ہے جو امور ضروری ہوں یعنی طعام، لباس اور رہائش۔

اور فقہاء مالکیہ کے نزدیک نفقہ کی اصطلاحی تعریف ہے: اتنی مقدار خرچ کرنا جس سے عادتاً آدمی زندگی گزار سکے۔ یعنی اس کو اتنی روزی دینا جس سے اس کی زندگی بسر ہو اور اس میں طعام اور لباس اور جمیع ضروریات شامل ہیں، اور فقہاء حنبلیہ کے نزدیک نفقہ کی تعریف یہ ہے کہ بیوی کو اتنا خرچ مہیا کرنا جس سے وہ روٹی اور سالن اور لباس اور رہائش اور دیگر ضروریات پوری کر سکے۔

(تکملۃ المجموع شرح المہذب ج ۲۲ ص ۲۱۱-۲۱۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۳ھ)

ہم نے کتاب النفقات کی شرح کے شروع میں لکھا تھا کہ ہم اس کی شرح میں نفقات کے لغوی معنی بیان کریں گے، سو ہم نے مستند اہل لغت کے حوالوں سے نفقہ کے لغوی معنی بیان کیے ہیں، پھر ہم نے لکھا تھا: ہم اس کے بعد نفقہ کے متعلق قرآن مجید کی آیات اور محقق مفسرین کے حوالوں سے ان کی تفسیر ذکر کریں گے، پھر ہم نے لکھا تھا: پھر ہم اس کے بعد نفقہ کے متعلق احادیث کا ذکر کریں گے، سو ہم نے اس سلسلہ میں چالیس احادیث باحوالہ بیان کیں، پھر ہم نے لکھا تھا: ہم اس کے بعد نفقات کے سلسلہ میں فقہاء مذاہب کی آراء بیان کریں گے، سو ہم نے تفصیل کے ساتھ یہ چاروں امور بیان کر دیئے۔ اب ہم ان شاء اللہ العزیز صحیح البخاری میں کتاب النفقات کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کی شرح کریں گے۔

۱- بَابُ: فَضْلِ النَّفَقَةِ عَلَى الْأَهْلِ — بیوی پر خرچ کرنے کی فضیلت

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ — یہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں؟ آپ کہیے: جو

اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (البقرہ:۲۱۹-۲۲۰)

چیز ضرورت سے زائد ہو، (وہ اللہ کی راہ میں خرچ کریں)، اسی طرح اللہ تمہارے لیے (اپنی) آیات بیان فرماتا ہے تاکہ تم تدبر کرو O دنیا اور آخرت کے کاموں میں۔

وَقَالَ الْحَسَنُ الْعَفْوُ الْفَضْلُ۔

حسن بصری نے کہا: العفو کا معنی ہے الفضل یعنی جو مال ضرورت سے زائد ہو۔ (تفسیر جامع البیان ج ۲ ص ۳۶۹)

تنبیہ: اس آیت کی تفسیر ہم کتاب کے شروع میں متعدد مفسرین کے حوالہ جات سے بیان کر چکے ہیں۔

۵۳۵۱- حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ يَزِيدَ الْأَنْصَارِيَّ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ فَقُلْتُ عَنِ النَّبِيِّ فَقَالَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِذَا أَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلَى أَهْلِهِ وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةً۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عدی بن ثابت، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن یزید الانصاری رضی اللہ عنہ سے سنا از حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا: از نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو انہوں نے کہا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جب کوئی مسلمان اپنی بیوی پر خرچ کرے اور اس میں وہ ثواب کی نیت کرے تو یہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۵، ۴۰۰۶، ۵۳۵۱، صحیح مسلم: ۱۰۰۲، سنن نسائی: ۲۵۴۵، مسند احمد: ۱۶۶۳۴، سنن دارمی: ۲۶۶۴)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ کتاب نفقات کے احکام کے بیان میں ہے اور اپنے گھر والوں پر خرچ کرنے کی فضیلت کے بیان میں ہے۔

علامہ عینی البقرہ: ۲۱۹-۲۲۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں فرمایا ہے: ''قل العفو''، اس آیت کے نزول کا سبب وہ ہے جس کو امام ابن ابی حاتم نے سند مرسل کے ساتھ از یحییٰ بن ابی کثیر روایت کیا ہے کہ حضرت معاذ بن جبیر اور حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہما کو جب یہ آیت پہنچی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: بے شک ہمارے پاس غلام بھی ہیں اور ہمارے گھر والے بھی ہیں تو ہم اپنے اموال میں سے کیا خرچ کریں؟ تو پھر یہ آیت نازل ہوئی کہ تم ''العفو'' یعنی زائد از ضرورت کو خرچ کرو۔

''العفو'' کی تفسیر میں اختلاف ہے، پس سالم اور قاسم سے روایت ہے کہ العفو سے مراد ہے: وہ زائد مال جس کو خوشحالی کے ساتھ صدقہ کیا جائے، اور مجاہد سے روایت ہے کہ یہ صدقہ مفروضہ ہے اور زجاج نے کہا کہ لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ زائد مال کو خرچ کریں حتیٰ کہ زکوٰۃ فرض کر دی گئی، پھر جو لوگ روزانہ مشقت کر کے کمائی کرتے تھے، وہ ہر روز کی کمائی میں سے جو ان کی ضروریات کے لیے کافی ہوتا اس کو رکھ لیتے اور باقی کو صدقہ کر دیتے اور جو مالدار لوگ سونا اور چاندی رکھتے تھے، وہ پورا سال سونے اور چاندی

کو خرچ کرتے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''العفو'' کا معنی ہے کہ جو سہولت سے دیا جا سکے اور یہ اس حدیث کے مطابق ہے کہ سب سے افضل صدقہ وہ ہے جس کو خوش حالی کی پشت سے دیا جائے اور اس آیت میں فرمایا ہے: ''لعلکم تتفکرون'' تا کہ تم غور وفکر کرو اور تم یہ جان لو کہ دنیا پر آخرت کی فضیلت ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ تمہارے لیے دنیا اور آخرت کے احکام بیان کرتا ہے تا کہ تم غور وفکر کرو۔

اور امام بخاری نے اپنی تعلیق میں کہا ہے: ''العفو'' سے مراد ہے: ''الفضل''۔

حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ نے کہا ہے کہ ''العفو'' کا معنی ہے: زائد چیز، یعنی جو مال انسان کی ضرورت سے زائد ہو، اور اس تعلیق کو امام عبد بن حمید نے سند موصول کے ساتھ روایت کیا ہے اور حسن بصری سے روایت ہے: تم اتنا مال خرچ نہ کرو کہ پھر تم مشقت میں پڑ جاؤ اور لوگوں سے سوال کرو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، صحیح البخاری: ۵۱۵۳، کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابو مسعود انصاری البدری رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نفقہ کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: جب مسلمان اپنے گھر والوں پر ثواب کی نیت سے صدقہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے۔

ائمہ لغت کے نزدیک اہل وعیال کا مصداق

صاحب المغرب نے کہا ہے کہ گھر والوں سے مراد مرد کی بیوی اور اس کی اولاد ہیں اور وہ لوگ جو اس کے زیر پرورش ہیں اور اسی طرح اس کا ہر بھائی یا ہر بہن یا چچا یا چچا کا بیٹا یا وہ اجنبی بچہ جو اس کے گھر میں زیر پرورش ہے۔

اور الازہری نے کہا ہے کہ گھر والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو مرد کے ساتھ مخصوص ہیں اور اس کی جمع اھلین اور اھالی خلاف قیاس آتی ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ الاھل میں اس کی بیوی اور اس کے رشتہ داروں کا احتمال ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ گھر والوں کے ساتھ بیوی مخصوص ہے، کیونکہ بیوی پر خرچ کرنا واجب ہے اور دوسروں کی بہ نسبت واجب کا ثواب زیادہ اولیٰ ہے۔

اس سوال کا جواب کہ بیوی پر خرچ کرنا تو واجب ہے، پھر اس کو صدقہ کیوں فرمایا؟

اگر تم یہ سوال کرو کہ مرد کا اپنی بیوی کو کھلانا کس طرح صدقہ ہوگا حالانکہ مرد پر واجب ہے کہ وہ بیوی کو کھلائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صدقہ عام قرار دیا ہے خواہ فرض ہو یا نفل ہو اور مرد کو اس کے قصد کے اعتبار سے جزا ملے گی، اور اس میں کوئی منافات نہیں ہے کہ صدقہ واجبہ پر صدقہ نفلی کا اطلاق کر دیا جائے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ شارع نے فرض صدقہ پر نفل کا اس لیے اطلاق کیا ہے تا کہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ واجب پر عمل کرنے سے ان کو اجر نہیں ہوتا۔

اہل وعیال پر خرچ کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

اور المہلب المالکی نے کہا ہے کہ اہل وعیال پر خرچ کرنا بالاجماع واجب ہے۔

اور امام طبری نے کہا ہے کہ جب تک اولاد نابالغ ہو اس وقت تک اولاد پر خرچ کرنا بھی فرض ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد ہے کہ تم خرچ کی ابتداء ان سے کرو جو تمہارے زیر پرورش ہوں اور اولاد جب تک کم سن اور نابالغ ہے وہ مرد کے زیر پرورش ہے۔

اور علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ مرد کی اولاد میں سے جو نابالغ ہوں اور ان کے پاس مال نہ ہو اور نہ وہ کمائی کر سکتے ہوں تو ان پر خرچ کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، فقہاء کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ باپ پر واجب ہے کہ وہ اپنی صلبی اولاد پر خرچ کرے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائیں اور بیٹیوں پر خرچ کرے حتیٰ کہ وہ ان کا نکاح کر دے، اور اگر بیٹیوں کو رخصتی سے پہلے طلاق دے دی جائے تو ان کا خرچ بھی اس کے ذمہ ہے، اور اگر ان کو رخصتی کے بعد طلاق دی یا ان کا خاوند فوت ہو گیا تو پھر باپ کے اوپر ان کا نفقہ لازم نہیں ہے اور نہ پوتوں کا نفقہ دادا پر لازم ہے، یہ امام مالک کا قول ہے۔

بہنوں اور بھائیوں اور محارم پر خرچ کرنے کے متعلق فقہاءِ اسلام کی عبارات

اور ہمارے نزدیک بھائیوں اور بہنوں اور چچاؤں، پھوپھیوں اور خالاؤں پر خرچ کرنا بھی واجب ہے بشرطیکہ وہ عاجز ہوں اور ان کو ضرورت ہو، لیکن چچاؤں کی اولاد اور پھوپھیوں کی اولاد پر خرچ کرنا عام علماء کے نزدیک واجب نہیں ہے، اس میں ابن ابی لیلیٰ کا اختلاف ہے۔

اس حدیث میں فرمایا ہے: کہ وہ ثواب کی نیت سے خرچ کریں، یعنی محض اللہ کی رضا کے لیے خرچ کریں۔ علامہ نووی نے کہا ہے کہ یعنی وہ یہ یاد کرے کہ اس کے اوپر ان کا خرچ کرنا واجب ہے اور اس واجب کو ادا کرنے کے لیے وہ خرچ کرے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اس باب اور اس حدیث کی شرح میں کوئی زائد بات نہیں لکھی، ان کی شرح وہی ہے جس کو ہم اس سے پہلے علامہ بدر الدین عینی حنفی سے نقل کر چکے ہیں۔

صحیح البخاری: ۵۳۵۱ کی شرح از علامہ ابن بطال مالکی

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اپنے نفس اور اپنے اہل و عیال اور دیگر ضرورت مندوں پر خرچ کرنے کی تفصیل

اللہ تعالیٰ نے بعض صدقات فرض قرار دیے ہیں اور بعض صدقات نفل قرار دیے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ فرض کو ادا کرنا نفل کو ادا کرنے سے افضل ہے، پس جب مرد کے پاس اس کی روزی کی مقدار ہو اور اس کے پاس اس کی اپنی روزی سے زائد کوئی چیز نہ ہو اور اس کو اپنے اوپر خرچ کرنے کی ضرورت ہو اور اس کو یہ خطرہ ہو کہ اگر وہ دوسروں پر خرچ کر کے ایثار کرے گا تو وہ ہلاک ہو جائے گا یا اور کچھ ہو جائے گا یا اس کا غیر ایسا ہو کہ اس کی ضرورت بھی اس کی اپنی ضرورت کے مثل ہو خواہ وہ اس کا والد ہو یا اس کی اولاد ہو یا اس کی بیوی ہو یا اس کا خادم ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ پہلے اپنے نفس کو زندہ رکھے، پھر اگر اس کے پاس زائد مال ہو تو دوسروں پر خرچ کرے جن پر خرچ کرنا اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے اور اگر اس کے پاس اس سے زائد مال ہو جو اس کی اپنی ضروریات اور اس کے اہل و عیال کی ضروریات سے زائد ہو تو پھر وہ ان پر بھی خرچ کرے اور اگر اس کے پاس اس سے بھی زائد مال ہو کہ جن پر

خرچ کرنا اس پر واجب نہیں ہے ان پر بھی خرچ کرسکتا ہو اور اس کو یہ خطرہ ہو کہ اگر اس نے ان پر بھی خرچ کیا تو وہ اور اس کے گھر والے ہلاکت میں پڑ جائیں گے تو پھر اس پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ ان پر خرچ کرے اور اگر اس کے پاس وسعت اور گنجائش ہو اور اس کو اپنے اوپر اور اپنے اہل وعیال پر خطرہ نہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ ان پر خرچ کرے جن پر خرچ کرنا اللہ تعالیٰ نے اس کے مال سے واجب کیا ہے، پھر زائد مال کو خرچ کرنے میں وہ چاہے تو نفلی صدقہ کی نیت کرلے اور اگر چاہے تو اس مال کا ذخیرہ کر لے اور اپنی بیوی پر خرچ کرنا نفلی صدقہ کرنے سے افضل ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۵۳۵، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ''یحتسبھا'' کا لفظ ہے، یہ احتساب سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: اجر کے طلب کا قصد کرنا۔

اور صدقہ سے مراد ثواب ہے اور بیوی کے اوپر خرچ کرنے کو جو صدقہ فرمایا ہے، یہ مجاز ہے اور اس پر اجماع ہے کہ اگر اس کی بیوی ہاشمیہ ہو تو اس پر بھی خرچ کرنے کا اس کو ثواب ملے گا، اور اس میں اصل ثواب کی تشبیہ ہے، اس کی مقدار اور کیفیت میں تشبیہ نہیں ہے۔

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اجر اس عمل پر ملتا ہے جو عبادت کی نیت کے ساتھ ملا ہوا ہو، اسی وجہ سے امام بخاری نے اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا ہے کہ ''اعمال کا مدار نیات پر ہے''۔ اور اس حدیث میں اجر کی مقدار کا ذکر نہیں فرمایا تاکہ یہ قلیل اور کثیر اجر کو شامل ہو۔ اس حدیث میں اہل سے مراد بیوی اور رشتہ دار ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ اہل کا لفظ بیوی کے ساتھ مخصوص ہو اور دیگر لوگ اس میں بہ طریق اولیٰ شامل ہوں، کیونکہ جب واجب کو ادا کرنے پر ثواب ملے گا تو جن پر خرچ کرنا اس پر واجب نہیں ہے ان پر خرچ کرنے سے اس کو بہ طریق اولیٰ ثواب ملے گا۔

امام ابوجعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ اہل پر خرچ کرنا واجب ہے اور جو اہل پر عبادت کے قصد سے خرچ کرے گا، اس کو اجر دیا جائے گا اور اس میں کوئی منافات نہیں ہے کہ جو خرچ واجب ہو، اس پر صدقہ کا اطلاق کردیا جائے بلکہ یہ نفلی صدقہ سے افضل ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۴۹۸، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۴۹، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۱، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے الفاظ کی شرح

اس حدیث میں ارشاد ہے: ''علی اھلہ'' یعنی جب مسلمان اپنے اہل پر خرچ کرے۔

اہل سے مراد اس کی بیوی اور اس کی اولاد ہے اور وہ لوگ جو اس کے زیر پرورش ہوں یا اس کے رشتہ دار ہوں مثلاً بھائی اور بہن اور چچا، اس کے بعد اس حدیث میں ارشاد ہے: ''یحتسبھا'' اس کا معنی ہے: وہ اس خرچ سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ کرے اور اس خرچ پر اللہ تعالیٰ سے ثواب کو طلب کرے۔

حدیث مذکور کے مطالب

رسول اللہ ﷺ الصادق المصدوق نے خبر دی ہے کہ جو مسلمان اپنی بیوی پر اور اپنی اولاد پر خرچ کرے اور ان رشتہ داروں پر خرچ کرے جو اس کے زیر کفالت ہوں اور اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا قصد کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو زیر پرورش لوگوں پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اور رشتہ داروں پر خرچ کرنے کا بھی حکم دیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۗ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۗ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۗ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ (الطلاق:۷)

صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے، اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کردے گا ۝

سو یہ خرچ اس کے لیے صدقہ ہو جائے گا، گویا کہ اس نے غرباء پر صدقہ کیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندۂ مومن کے اوپر کرم اور فضل ہے کہ وہ اس کو بندہ کی نیت صالحہ پر اجر و ثواب عطا فرماتا ہے حالانکہ بندہ کے اوپر اس کی بیوی اور اولاد کا خرچ واجب ہے، لیکن جب وہ اس حکم پر عمل کرنے میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی نیت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو صدقہ کرنے کا کامل اجر عطا فرمائے گا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے جب آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ بے شک تم جو بھی خرچ کرو گے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی نیت کرو گے تو تمہیں اس پر اجر دیا جائے گا حتیٰ کہ تم جو اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ رکھتے ہو، اس پر بھی تم کو اجر دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری:۵۶، صحیح مسلم:۱۶۲۸، سنن ترمذی:۲۱۱۶، سنن ابوداؤد:۲۸۶۴، مسند احمد:۱۵۴۹، موطا امام مالک:۱۴۹۵)

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اجر اور ثواب محض عمل پر مرتب نہیں ہوتا بلکہ ضروری ہے کہ عمل کے ساتھ نیت صالحہ بھی کی جائے۔

(۲) اہل پر خرچ کرنا واجب ہے اور مرد جو اپنے رشتہ داروں پر خرچ کرتا ہے اس پر بھی اس کو اجر ملے گا۔

(۳) اہل کے اوپر خرچ کرنے کو جو صدقہ فرمایا ہے یہ مجاز ہے اور اس سے مراد ثواب ہے، کیونکہ اہل پر خرچ کرنا فرض لازم ہے اور صدقۂ نافلہ جو ہے اس کا تعلق احسان کے ساتھ ہے۔

(الشرح المیسر المسمی الدرر واللآلی بشرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۴۰، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

صحیح البخاری باب: ۶۹ کے عنوان کی شرح از علامہ قسطلانی

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں امام بخاری نے کہا ہے: ''کتاب النفقات'' نفقه کا لفظ نفوق سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: ہلاک ہونا، کہا جاتا ہے: '' نفقت الدابة تنفق نفوقا'' جب سواری ہلاک ہو جائے۔ اور کہا جاتا ہے ''نفقة الدراهم تنفق نفقا'' جب دراہم خرچ ہو جائیں۔ اور کہا جاتا ہے: ''انفق الرجل'' جب مرد محتاج ہو جائے اور اس کا تمام مال چلا جائے۔

علامہ ابوالقاسم جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ ھ نے کہا ہے: ہر وہ مادہ جس میں فاء کلمہ نون ہو اور اس کا عین کلمہ فاء ہو، وہ نکلنے اور جانے پر دلالت کرتا ہے جیسے نفق، نفر، نفخ، نفس اور نفذ، اور شریعت میں نفقہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کو بیوی پر یا رشتہ دار پر یا نوکر اور غلام پر خرچ کرنا واجب ہو اور اس کی جمع نفقات اس وجہ سے ہے کہ اس کی انواع مختلف ہیں یعنی بیوی پر خرچ کرنا، رشتہ دار پر خرچ کرنا اور نوکر و غلام پر خرچ کرنا۔

صحیح البخاری: ۵۳۵۱ میں مذکور ہے کہ حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ جو مسلمان اپنی بیوی پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے وہ اس کے لیے صدقہ ہوگا۔

ثواب کی نیت سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ عزوجل کی رضا جوئی کا ارادہ کرے بایں طور کہ یہ یاد کرے کہ اس کے اوپر واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی پر خرچ کرے تو وہ اس نیت سے خرچ کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو ادا کرنے کے لیے خرچ کر رہا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ یہ نفقہ اس کے لیے صدقہ ہو جائے گا یعنی یہ ثواب میں صدقہ کی مثل ہوگا اور اس سے مراد صدقہ واجبہ نہیں ہے، ورنہ اگر اس کی بیوی ہاشمیہ اور مطلبیہ ہو تو ان پر تو صدقہ واجبہ نہیں لگتا تو اس سے مراد صرف ثواب ہے۔

المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ ھ نے کہا ہے کہ بیوی پر خرچ کرنا اجماعاً واجب ہے اور شارع علیہ السلام نے اس کو صدقہ اس لیے فرمایا ہے کہ لوگ یہ گمان کریں گے کہ واجب پر عمل کرنے سے اجر نہیں ہوتا اور لوگوں کو معلوم ہے کہ صدقہ کرنے میں بہت اجر ہوتا ہے، اسی لیے آپ نے لوگوں کو یہ بتایا کہ یہ ان کے لیے صدقہ ہے حتیٰ کہ لوگ اس کو اپنی بیوی کے غیر کے اوپر خرچ نہ کریں، سوا اس صورت کے کہ وہ غیر بھی ان کے زیر کفالت ہوں۔

علامہ ابن المنیر نے کہا ہے کہ بیوی پر خرچ کرنے کو صدقہ اس طرح فرمایا ہے جیسے بیوی کے مہر کو ''نحلة'' فرمایا ہے، کیونکہ مرد کو عورت کی احتیاج اس سے لذت حاصل کرنے کے لیے اور اس سے انس حاصل کرنے کے لیے اور اپنا گھر بسانے کے لیے اور اولاد کو طلب کرنے کے لیے ہوتی ہے، تو اصل یہ تھی کہ عورت پر اس کے لیے کوئی چیز واجب نہ ہوتی مگر اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فضیلت دی ہے کیونکہ مرد اس کے قیام کا انتظام کرتا ہے، اس وجہ سے مردوں کا عورتوں پر درجہ بلند رکھا ہے اور اسی وجہ سے مہر کے اوپر نحلة کا اطلاق ہوتا ہے اور نفقہ پر صدقہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ (ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ج ۱۲ ص ۱۴۰۰-۱۳۹، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری باب: ۶۹، کتاب النفقات کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

النفقات سے مراد ہے طعام: مشروب، لباس اور مسکن، اور یہ ہر حال میں بیوی کو دینا مرد پر واجب ہے، عام ازیں کہ بیوی مالدار ہو یا فقیر ہو، کیونکہ یہ نفقہ اس کے معاوضہ میں ہے جو اس نے بیوی سے استمتاع کیا ہے اور رہے بیوی کے غیر اور دوسرے رشتہ داران پر خرچ کرنا کئی شرائط کے ساتھ واجب ہے، یعنی جو رشتہ دار ضرورت مند ہو اور مرد کے پاس اتنا مال ہو کہ وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد اس پر خرچ کر سکے اور وہ خوشحال ہو اور اس مرد اور رشتہ دار دونوں کا دین مساوی ہو اور وہ رشتہ دار یا اس کا وارث ہو یا عصبہ ہو، سو رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی یہ چار شرائط ہیں، مگر چوتھی شرط سے اس کے اصول اور فروع مستثنیٰ ہیں، کیونکہ اصول اور فروع میں باہمی وراثت کی شرط نہیں ہے، ان کی قوت قرابت اور صلہ رحم کی وجہ سے۔

پس خاوند پر واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی پر ہر حال میں خرچ کرے، خواہ خاوند اس کا وارث ہو یا وارث نہ ہو اور خواہ اس کی بیوی مالدار ہو یا فقیر ہو، لیکن رشتہ داروں میں یہ چار شرطیں ہیں:

(۱) خرچ کرنے والا غنی ہو۔

(۲) جس پر خرچ کیا جائے وہ ضرورت مند ہو۔

(۳) دونوں دین میں متفق ہوں۔

(۴) خرچ کرنے والا اس کا وارث ہو جس پر خرچ کیا جائے، سوا اصول اور فروع کے۔

حدیث مذکور کی شرح

اس حدیث میں ارشاد ہے کہ جو مسلمان اپنی بیوی پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے تو یہ اس کا صدقہ ہے، ثواب کی نیت کی قید لگانے سے وہ خرچ نکل گیا جو مرد اپنی بیوی پر غفلت سے خرچ کرے، یعنی اس کو روٹی، سالن، گوشت اور طعام لا کر دے اور اس میں ثواب کی نیت نہ کرے، تو اس کو اس میں کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوگی اور یہ اس کے لیے صدقہ نہیں ہوگا لیکن جب وہ اس میں ثواب کی نیت کرے گا تو پھر یہ اس کے لیے صدقہ اور باعث ثواب ہوگا اور اکثر لوگ اس سے غافل ہیں، وہ بے پرواہی سے اور غفلت سے اپنی بیوی کو کھانے پینے کی اور اس کی ضروریات کی چیزیں لا کر دیتے ہیں اور اس میں ثواب کی نیت نہیں کرتے اور وہ عادتاً بیوی پر خرچ کرتے ہیں۔

اور یہ حدیث ان تمام احادیث کے لیے مقید ہے جن میں علی الاطلاق خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، خواہ بندہ اپنے نفس پر خرچ کرے یا بیوی پر یا رشتہ داروں پر خرچ کرے اور اس میں ثواب کی نیت نہ کرے، تو اجر و ثواب کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس میں ثواب کی نیت کرے۔

شیخ عثیمین کی شرح پر مصنف کا رد اور اس کی تحقیق کہ ہر نیک اور جائز کام پر مسلمان کو اجر ملتا ہے خواہ وہ کام عبادت کی نیت سے کرے یا عادتاً کرے یا غفلت سے کرے

شیخ عثیمین نے لکھا ہے کہ اگر کوئی انسان ثواب کی نیت سے کوئی جائز یا نیک کام کرے پھر اس کو اجر ملتا ہے، اور اگر ثواب کی نیت کے بغیر کوئی جائز یا نیک کام کرے تو پھر اس کو اجر نہیں ملتا، شیخ عثیمین کی یہ شرح صراحتاً حدیث کے خلاف ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مال دار لوگ اجر لے گئے، وہ نماز پڑھتے ہیں اور روزہ رکھتے ہیں اور حج کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: تم بھی نماز پڑھتے ہو، روزے رکھتے ہو اور حج کرتے ہو، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ صدقہ کرتے ہیں اور ہم صدقہ نہیں کرتے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے کاموں میں بھی صدقہ کا اجر ہے، تم راستے سے کوئی ہڈی اٹھا لو تو یہ بھی صدقہ ہے، تم کسی کو راستہ دکھا دو تو یہ بھی صدقہ ہے اور تم کسی کمزور آدمی کو اپنی فاضل روزی دو تو یہ بھی صدقہ ہے، اور کسی کو نا معلوم چیز کا بیان کرنا یہ بھی صدقہ ہے اور تمہارا اپنی بیوی کے ساتھ جماع کرنا یہ بھی صدقہ ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! اگر ہم اپنی شہوت کے ساتھ اپنی بیوی کے ساتھ جماع کریں، پھر بھی ہمیں اجر ملے گا؟ تو آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ

اگر تم اپنی شہوت کو حرام طریقے سے پورا کرتے تو کیا تم گناہگار ہوتے؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: سو تم کو شر پر سزا ملے گی اور خیر پر جزا نہیں ملے گی؟

(سنن بیہقی ج ۶ ص ۸۲، شعب الایمان للبیہقی: ۷۶۱۹، الادب المفرد للبخاری: ۸۹۱، مسند احمد: ج ۵ ص ۱۶۷-۱۶۸، موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی سے قضاء شہوت کے لیے جماع کرے اور اس میں ثواب کی نیت نہ کرے، پھر بھی اس کا یہ عمل صدقہ ہے اور اس کو اجر ملے گا، تو جو شخص اپنی بیوی کو عادتاً کھانے پینے کی چیزیں اور لباس اور رہائش مہیا کرے گا تو اس کا یہ عمل صدقہ کیوں نہیں ہوگا؟ (سعیدی غفرلہٗ)

مسند احمد کی یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی مذکور ہے اور اس کا متن درج ذیل ہے:

امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری النیشاپوری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! مالدار لوگ تو اجور لے گئے، وہ نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں، وہ روزہ رکھتے ہیں جس طرح ہم روزہ رکھتے ہیں اور وہ اپنے فاضل اموال سے صدقہ کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے صدقہ مقرر نہیں کیا، ہر سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے اور اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے اور ہر الحمد للہ کہنا صدقہ ہے اور ہر لا الٰہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے اور ہر نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے اور ہر برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے، اور تم میں سے کوئی مرد جو اپنی بیوی کی فرج میں جماع کرتا ہے اس میں بھی صدقہ ہے، تو صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر ہم میں سے کوئی مرد اپنی بیوی کے پاس اپنی شہوت کے تقاضے کو پورا کرنے کے لیے جائے تو کیا اس میں بھی اس کو اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر وہ یہ کام حرام جگہ میں کرتا تو کیا اس پر گناہ ہوتا؟ اسی طرح جب وہ اپنی شہوت کو حلال طریقہ سے پورا کرے گا تو اس کو اس کا اجر ملے گا۔

(صحیح مسلم: ۱۰۰۶، الرقم المسلسل: ۲۲۱۹، مسند احمد: ۲۱۵۲۹، ۲۱۵۳۸)

حدیث مذکور کی شرح از مصنف

اس حدیث کے فوائد حسب ذیل ہیں:

(۱) تسبیح (سبحان اللہ کہنا) اور تہلیل (لا الٰہ الا اللہ کا پڑھنا) کی طرح نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے، یاد رہے کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا فرض کفایہ ہے اور اگر مسئلہ جاننے والا منفرد ہو تو پھر فرض عین ہے اور فرض کا ثواب ہر حال میں نفل سے زیادہ ہوتا ہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل تزویج (اپنی بیوی سے جماع کرنا) کو بھی صدقہ قرار دیا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مباح کام بھی حسن نیت سے مستحب ہو جاتا ہے، جب مسلمان عمل تزویج کرتے وقت عورت کا حق ادا کرنے کی نیت کرے یا نیک اولاد کی طلب کی نیت کرے یا خود کو اور بیوی کو گناہ سے دور رکھنے کی نیت کرے یا اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کی نیت کرے تو یہ فعل بھی عبادت بن جاتا ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ قضاء شہوت کی نیت سے بھی عمل تزویج ثواب ہے کیونکہ ناجائز طریقہ سے قضاء شہوت جب گناہ ہے، تو جائز طریقہ سے یہ کام ثواب ہوگا، آپ نے اس ارشاد میں قیاس فرمایا اور یہ حدیث قیاس کے حجت ہونے کی واضح

دلیل ہے، اس حدیث میں جس قیاس کا ذکر ہے اس کو فقہ کی اصطلاح میں قیاس عکس کہتے ہیں۔

(شرح صحیح مسلم جلد دوم، ص ۹۳۸-۹۳۹، مرکز اہل سنت برکات رضا، امام احمد رضا روڈ پور بندر گجرات انڈیا، ۱۴۲۳ھ)

حدیث مذکور کی شرح از قاضی عیاض مالکی

امام ابوالفضل عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں سبحان اللہ، اللہ اکبر، الحمد للہ اور لا الہ الا اللہ، پڑھنے کو بھی صدقہ فرمایا ہے، کیونکہ ان کے پڑھنے سے صدقہ کرنے کا اجر ملتا ہے اور یہ کام اجور میں صدقات کی مثل ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بندہ نے ان کلمات کو پڑھ کر اپنے نفس کے ایمان کی تصدیق کی۔

آیا فقراء افضل ہیں یا مالدار؟

بعض اصحاب معانی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں فقراء کی جوان اجور کے ساتھ تخصیص کی ہے اور ان کلمات کے پڑھنے کو صدقات کا قائم مقام قرار دیا ہے، تو اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ فقراء کو اُمراء پر فضیلت حاصل ہے، لیکن دوسری احادیث میں ہے کہ مالدار بھی یہ تسبیحات پڑھتے ہیں تو ان کو زائد اجر ملتا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا فرمائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مالداروں کو فقراء پر فضیلت حاصل ہے اور یہی صحیح بات ہے۔

مباح کاموں کا بھی حسنِ نیت سے عبادات ہو جانا

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایک جو اپنی بیوی کی فرج میں جماع کرتا ہے، اس میں بھی صدقہ ہے، اس میں یہ بیان ہے کہ مباح کام بھی نیتِ صادقہ سے عبادات بن جاتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قیاس فرمایا کہ جب حرام طریقہ سے شہوت پوری کی جائے تو اس سے بندہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو اگر وہ جائز طریقہ سے شہوت پوری کرے گا تو اس کو اجر ملے گا۔

بعض محققین کا مذہب ہے کہ شریعت میں کوئی کام مباح نہیں ہے

امام مازری نے کہا ہے: الکعبی کا مذہب یہ ہے کہ شریعت میں کوئی کام مباح نہیں ہے، کیونکہ ہر وہ کام جس کو بندہ کرے مثلاً وہ چلے پھرے، یا کھائے پیے اور گناہ سے مجتنب رہے تو اس میں اس کو اجر ملے گا، کیونکہ اس کے یہ افعال معصیت سے مجتنب ہیں، اور اسی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ جب کوئی انسان زنا میں مشغول ہونے کی وجہ سے کسی اور گناہ سے مجتنب ہو تو اس پر بھی اس کو اجر ملے گا، لیکن اس کا محققین نے رد کر دیا ہے کیونکہ اجر اس وقت ملے گا جب اس کا ارادہ یہ ہو کہ وہ حلال کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے حرام کام سے مجتنب ہے اور اگر وہ کسی مباح کام کے قصد سے معصیت سے منقطع ہونے کا ارادہ کرے تو اس پر وہ ماجور ہوگا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ذہنوں میں اس مسئلہ کو سمجھانے کے لیے یہ بتایا کہ کیا یہ بات نہیں ہے کہ تمہاری عقول میں یہ مرقوم ہے کہ زنا کے فعل سے لذت حاصل ہوتی ہے جب کہ اس سے بندہ گناہگار ہوتا ہے حالانکہ یہ امر طبعی ہے، اسی طرح سے یہ بعید نہیں ہے کہ جب بندہ اس لذت کو حلال طریقہ سے حاصل کرے تو ہر چند کہ یہ بھی امر طبعی ہے لیکن اس پر بھی وہ اجر کا مستحق

ہوگا۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم، ج ۳ ص ۵۲۶-۵۲۸، ملخصاً، دارالوفاء، بیروت)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ اُبی مالکی

امام محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی المالکی متوفی ۸۲۷ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحابہ نے جو بیوی سے جماع پر اجر کے استحقاق کے متعلق سوال کیا، اس سوال کی توجیہ

صحابہ نے جو پوچھا کہ اگر ہم میں سے کوئی مرد شہوت پوری کرنے کے لیے اپنی بیوی کے پاس جائے تو کیا اس میں بھی اس کو اجر ملے گا؟، دراصل صحابہ نے اس کو بعید سمجھا تھا کہ کوئی شخص بغیر عبادت کی نیت کے قضاء شہوت کرے تو اس پر بھی وہ اجر کا مستحق ہوگا۔ اور یہ نہ کہا جائے کہ ان کو اس پر اجر کے استحقاق کو بعید سمجھنا معتزلہ کے مذہب کو ثابت کرتا ہے، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ حسن اور قبح عقلی ہوتا ہے، کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ صحابہ نے اس وجہ سے اس اجر کو بعید سمجھا ہو کہ ان کو معلوم ہے کہ شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ انسان کو بقدرِ مشقت اجر ملتا ہے، اور یہ فعل ایسا ہے جس سے لذت حاصل ہوتی ہے اور طبیعت اس کی طرف میلان کرتی ہے، اور ان کا یہ سوال کرنا وحی کا انکار نہیں تھا بلکہ ان کو یہ اشکال ہوا کہ اجر تو کسی مشقت والے کام پر ملتا ہے اور یہ مشقت والا کام نہیں ہے بلکہ لذت والا کام ہے تو اس کو سمجھنے کے لیے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص محض قضائے شہوت کے لیے اپنی بیوی کے پاس جائے تو کیا اس کو بھی اجر ملے گا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ طورِ قیاس فرمایا کہ اگر وہ لذت حرام طریقہ سے حاصل کرتا تو گناہ کا مرتکب ہوتا؟ سو اسی طرح جب وہ حلال طریقہ سے اپنی شہوت کو پورا کرے گا تو وہ اجر کا مستحق ہوگا۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۳ ص ۴۶۷-۴۶۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ)

ہر جائز کام کرنے پر مسلمان اجر کا مستحق ہوگا خواہ وہ کام غفلت سے کرے یا عادتاً کرے

صحیح مسلم کی حدیث مذکور اور شارحین نے جو اس کی شرح کی ہے، اس سے یہ واضح ہوگیا کہ شیخ عثیمین کا یہ کہنا غلط ہے کہ اگر کوئی شخص غفلت سے اپنی بیوی کو کھانا کھلائے یا عادتاً کھانا کھلائے اور اس میں ثواب کی نیت نہ کرے تو اس کو اجر نہیں ملے گا، جب کہ اس حدیث مذکور سے واضح ہوا کہ انسان جو بھی جائز کام کرے، خواہ اس میں ثواب کی نیت نہ کرے تو وہ ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور یہ تو بہت بعید ہے کہ انسان ہر ہر کام کے اندر ثواب کی نیت کرے، مثلاً انسان چلتا پھرتا ہے، سوتا جاگتا ہے، کھاتا پیتا ہے، اعزاء اور اقرباء سے ملاقات کرتا ہے، محنت مزدوری کرتا ہے، کاروبار کرتا ہے، ملازمت کرتا ہے، سفر کرتا ہے، تو ان میں سے ہر ہر کام کے اوپر بلکہ چلنے پھرنے میں ہر ہر قدم کے اوپر اور کسی سے کلام کرنے میں ہر ہر بات کے اوپر وہ ثواب کی نیت کرے تو یہ عادتاً مشکل اور متعذر ہے بلکہ جب وہ ان تمام کاموں کے اندر حرام سے مجتنب رہے گا، مثلاً اس کا چلنا پھرنا کسی جائز مقصد کے لیے ہوگا، اس کا کھانا پینا حلال چیز سے ہوگا، سفر کرنا جائز ذرائع سے ہوگا، ملازمت اور محنت مزدوری جائز ذرائع سے ہوگی تو وہ ان کاموں کے اندر اجر اور ثواب کا مستحق ہوگا، خواہ وہ ان تمام افعال میں ہر ہر فعل کے اوپر ثواب کی نیت نہ کرے، کیونکہ انسان دن اور رات میں ہزاروں کام کرتا ہے اور ہزاروں باتیں کرتا ہے اور ہر ہر کام اور ہر ہر بات میں ثواب کی نیت کرنا بہت مشکل اور متعذر ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۱، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یحتسبھا کا لفظ ہے، اس کا مصدر الاحتساب ہے، یعنی وہ جو کام کرے اس میں یہ نیت کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کے لیے وہ کام کر رہا ہے یا جو کام اس نے واجب کیا ہے اس کو ادا کرنے کے لیے وہ کر رہا ہے، اور اس کے صدقہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس پر وہ ثواب مرتب ہوگا جو صدقہ کا ثواب ہوتا ہے۔

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ ایک دینار تم غلام کو آزاد کرنے کے لیے دیتے ہو اور ایک دینار تم کسی مسکین کو دیتے ہو اور ایک دینار تم اللہ کی راہ میں دیتے ہو اور ایک دینار تم اپنی بیوی پر خرچ کرنے کے لیے دیتے ہو، پس وہ دینار جو تم اپنی بیوی پر خرچ کرنے کے لیے دیتے ہو، اس کا سب سے زیادہ اجر ہے۔ (صحیح مسلم: ۹۹۵، کتاب الزکوۃ، باب فضل النفقۃ علی العیال)

میں کہتا ہوں کہ خلاصہ یہ ہے کہ آدمی ہر نئے کام سے پہلے یہ نیت کرلے کہ وہ اس کام کو اللہ کی رضا کے لیے کر رہا ہے اور اس کے حکم پر عمل کرنے کے لیے کر رہا ہے، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ہر ہر جزی کام سے پہلے یہ نیت کرے، بلکہ اس کے دل و دماغ میں اجمالاً یہ معنی مرکوز ہو کہ وہ کسی بھی نئے کام کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرے گا اور اس کام میں گناہ اور ممانعت سے اجتناب کرے گا۔ (سعیدی غفرلہ) (الکوثر الجاری، ج ۹ ص ۶۸، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

۵۳۵۲۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ قَالَ اللهُ أَنْفِقْ يَا ابْنَ آدَمَ أُنْفِقْ عَلَيْكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم خرچ کرو، میں تم پر خرچ کروں گا۔

(صحیح البخاری: ۴۶۸۴، ۵۳۵۲، ۷۴۱۱، ۷۴۱۹، ۷۴۹۶، صحیح مسلم: ۹۹۳، سنن ترمذی: ۳۰۴۵، سنن ابن ماجہ: ۱۹۷، مسند احمد: ۷۲۵۶)

حدیث مذکور کا مکمل متن

میں کہتا ہوں امام بخاری نے صحیح البخاری: ۵۳۵۲ میں اس حدیث کو مختصراً ذکر کیا ہے اور اس حدیث کی تفصیل صحیح البخاری: ۴۶۸۴ میں ہے، اس کا متن درج ذیل ہے:

امام بخاری کہتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے خبر دی از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: تم خرچ کرو، میں تم پر خرچ کروں گا، اور آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے، اس کے ہاتھ میں کسی پر خرچ کرنے سے کمی نہیں ہوتی، وہ رات اور دن سخاوت کرتا ہے، یہ بتاؤ کہ جب سے اس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ کتنا خرچ کر چکا ہے اور اس خرچ کے باوجود جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے اس میں کمی نہیں ہوئی، اور اس کا عرش پانی پر تھا اور اسی کے ہاتھ میں میزان ہے جس کو وہ جھکاتا ہے اور بلند کرتا ہے۔

اس متن کے بعد امام بخاری نے قرآن مجید میں مذکور چند الفاظ کے معانی ذکر کیے ہیں۔

صحیح البخاری: ۵۳۵۲ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، ان کا نام ہے اسماعیل بن ابی اویس اور ابوالزناد کا ذکر ہے، ان کا نام ہے عبداللہ بن ذکوان، اور الاعرج کا ذکر ہے ان کا نام ہے عبدالرحمٰن بن ہرمز، امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کی صرفی اور نحوی تحقیق

اس حدیث میں ''انفق'' کا لفظ ہے، اس میں الف پر زبر ہے اور یہ انفاق کا امر ہے یعنی خرچ کرو، اس کے بعد مذکور ہے: ''أنفق علیك'' یہ مضارع کی بحث سے متکلم کا صیغہ ہے اور امر کے جواب میں ہے یعنی تم خرچ کرو تو میں تم پر خرچ کروں گا، اور صحیح مسلم میں از ہمام از ابوہریرہ ان الفاظ کے ساتھ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا: تم خرچ کرو میں تم پر خرچ کروں گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

حدیث مذکور کی شرح میں مصنف کا اضافہ، بندہ مخلوق کے ساتھ جیسا عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اسی طرح کی جزا دے گا

اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ ہے، وہ فرماتا ہے: فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ ''سو تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا''۔ (البقرہ: ۱۵۲)

اور فرماتا ہے: اَوْفُوْا بِعَهْدِیْۤ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ''تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا''۔ (البقرہ: ۴۰)

اور فرماتا ہے: اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ ''دعا کرنے والا جب دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا کو قبول کرتا ہوں''۔ (البقرہ: ۱۸۶)

نیز حدیث میں ہے: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: تم گن گن کر نہ دو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم کو بھی گن گن کر دے گا۔ (صحیح البخاری: ۱۴۳۳، صحیح مسلم: ۱۰۲۹، سنن ترمذی: ۱۹۶۰، سنن نسائی: ۲۵۵۱، سنن ابوداؤد: ۱۶۹۹، مسند احمد: ۲۶۳۴۷)

اسی طریقہ سے اس حدیث میں بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے ابن آدم! تم خرچ کرو تو میں تم پر خرچ کروں گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو یہ تلقین کی ہے کہ تم اس کے بندوں کے ساتھ جیسا سلوک کرو گے اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ویسا سلوک کرے گا، نیز اللہ تعالیٰ بندوں کو یاد کرتا ہے تو بندوں کو بھی چاہیے کہ وہ اس کو یاد کریں، اللہ تعالیٰ بندوں سے کیا ہوا وعدہ پورا فرماتا ہے تو بندوں کو بھی چاہیے کہ اس سے کیا ہوا وعدہ پورا کریں، نیز اللہ تعالیٰ بندوں کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے تو بندوں کو بھی چاہیے کہ وہ اس کے احکام پر عمل کریں۔

صحیح البخاری: ۵۳۵۲ کی شرح از علامہ القسطلانی

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے خرچ کرنے اور بندوں کے خرچ کرنے میں محض صوری مشاکلت ہے ورنہ بندہ جس مال سے خرچ کرتا ہے وہ متناہی اور منقطع ہے اور اللہ تعالیٰ کے خزانے غیر متناہی اور غیر منقطع ہیں

شرح مشکوٰۃ میں مذکور ہے کہ یہ حدیث باب مشاکلۃ سے ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے خرچ کرنے اور بندوں کے خرچ کرنے میں زمین وآسمان سے زیادہ فرق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے خزانے میں سے کوئی چیز کم نہیں ہوتی جیسا کہ حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے اور خرچ کرنے سے اس میں کمی نہیں ہوتی اور قرآن مجید میں ہے:

مَاعِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَاعِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (النحل:۹۶) جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا۔

النحل:۹۶ کی تفسیر، آخرت کی نعمتوں کی برتری کی وجوہ

آخرت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے دو وجوہات کی بناء پر افضل ہیں، ایک وجہ یہ ہے کہ جس شخص کے پاس اعلیٰ درجہ کی دنیا کی نعمتیں ہوں تو جس وقت وہ نعمتیں اس کے پاس ہوں گی اس وقت بھی وہ بہت فکر اور پریشانی میں ہوگا کہ کہیں وہ نعمتیں اس کے پاس سے چھن نہ جائیں، گم نہ ہو جائیں اور ضائع نہ ہو جائیں اور جب وہ نعمتیں اس کے پاس سے چھن جائیں گی تو اس کا دن رات غم وغصہ، حسرت اور افسوس میں گزرے گا، کاش! وہ ان نعمتوں کی حفاظت کرتا، کاش وہ اس کے پاس سے نہ جاتیں، پس واضح ہو گیا کہ آخرت کی نعمتیں ہی بہتر ہیں جن کو فنا نہیں ہے، جو دائمی اور غیر منقطع ہیں اور اگر دنیا کی نعمتیں اعلیٰ درجہ کی نہیں ہیں، بہت معمولی قسم کی ہیں تو پھر ظاہر ہے کہ جنت کی نعمتیں بہت اعلیٰ اور بہت افضل ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اس حدیث میں ابنِ آدم سے مراد خصوصاً نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں یا عام افرادِ امت، اس کی تحقیق

علامہ قسطلانی لکھتے ہیں:

صحیح مسلم میں از ہمام از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابن آدم! تم میرے لیے خرچ کرو میں تمہارے لیے خرچ کروں گا، اور ابنِ آدم سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں یا بنو آدم کی جنس ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اضافت کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ آپ تمام مسلمانوں کے سردار ہیں، تو آپ کی طرف خطاب متوجہ ہوا تا کہ آپ اس خطاب کے مطابق عمل کریں اور اپنی امت کو تبلیغ کریں۔ (ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ج ۱۲ ص ۱۴۱، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۲ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کا مشروط ہونا

اس حدیث میں جو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم خرچ کرو، میں تم پر خرچ کروں گا، اس حدیث کا منطوق یہ ہے کہ جب تم خرچ کرو گے تو اللہ تم پر خرچ کرے گا، اور اس کا مفہومِ مخالف یہ ہے کہ اگر تم خرچ نہیں کرو گے تو اللہ تم پر خرچ نہیں کرے گا، اور اس کی نظیر یہ حدیث ہے:

از ہشام از فاطمہ از حضرت اسماء رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جمع کر کے نہ رکھو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر جمع کر کے رکھے گا۔ (صحیح البخاری: ۱۴۳۳، صحیح مسلم: ۱۰۲۹)

اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''انفق'' یعنی میں خرچ کروں گا، یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ پر اس فعل کے اسم کا اطلاق کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کو ''المنفق'' کہا جائے، کیونکہ صفات کا باب اسماء سے زیادہ وسیع ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۱۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

شیخ عثیمین کی شرح میں مصنف کا اضافہ

میں کہتا ہوں: کہ اللہ تعالیٰ کے افعال سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ان افعال سے مشتق اسماء کا بھی اطلاق کیا جائے، مثلاً قرآن مجید میں مذکور ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ۔ (البقرہ: ۳۱) اور اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھا دیے۔

لیکن علم کے اطلاق سے اللہ تعالیٰ پر معلم کا اطلاق لازم نہیں آتا، کیونکہ قرآن اور حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے معلم کا لفظ نہیں ہے اور اس میں معنوی سقم یہ ہے کہ معلم اس کو کہتے ہیں جو معاوضہ لے کر تعلیم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بلا معاوضہ تعلیم دیتا ہے، اسی طرح قرآن مجید میں علام کا لفظ ہے:

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ (المائدہ) بے شک تو ہی تمام غیبوں کا جاننے والا ہے۔

لیکن علام کے اطلاق سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر علامہ کا بھی اطلاق کیا جائے، حالانکہ علامہ کے لفظ میں تاء کا اضافہ ہے اور زیادتی لفظ زیادتی معنی پر دلالت کرتی ہے، تو علامہ کے لفظ میں علام کی بہ نسبت زیادہ مبالغہ ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذات پر علامہ کا اطلاق جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں تاء کا بھی ذکر ہے اور تاء تانیث کے لیے بھی آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہر قسم کے عیب اور نقص سے بری ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کی ذات پر علام کا اطلاق جائز ہے کیونکہ وہ قرآن مجید میں مذکور ہے اور علامہ کا اطلاق جائز نہیں ہے۔

پس واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں، قرآن اور حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر جن اسماء کا اطلاق آ گیا ہے، انہی اسماء کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر جائز ہے۔ یہاں پر یہ شبہ نہ ہو کہ پھر اللہ تعالیٰ کو خدا بھی نہیں کہنا چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اسماء کے توقیفی ہونے کا قاعدہ اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات میں ہے اسماء اعلام میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو کسی بھی زبان میں جس لفظ سے تعبیر کیا جائے، اس کا اطلاق جائز ہے اور لفظ خدا سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا ارادہ کیا جاتا ہے نہ کہ اس کی کسی صفت کا، اس لیے اللہ تعالیٰ کی ذات پر خدا کا اطلاق کرنا جائز ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۲ کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور میں خرچ کرنے کی ترغیب

اس حدیث میں خرچ کرنے کی ترغیب ہے اور خرچ نہ کرنے سے تنفر فرمایا ہے اور محققین و مشائخ نے یہ کہا ہے کہ متوکل وہ ہے جس کا اعتماد اس پر ہو جو اللہ کے پاس ہو، نہ اس پر اعتماد ہو جو بندہ کے پاس ہو، کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ لازوال ہے اور جو بندہ کے پاس ہے وہ زوال پذیر ہے، اس حدیث میں اگرچہ ابنِ آدم کو خطاب ہے یعنی آدم کے بیٹوں کو لیکن آدم کی بیٹیاں بھی اس خطاب میں شامل ہیں، کیونکہ یہ حقیقتِ عرفیہ ہے یا قیاس ہے۔

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری، ج۹ ص ۶۸-۶۹، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۹ھ)

۵۳۵۳ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوِ الْقَائِمِ اللَّيْلَ الصَّائِمِ النَّهَارَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن قزعہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از ثور بن یزید از ابوالغیث از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: بیوہ اور مسکین کے لیے سعی (کوشش) کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثل ہے یا اس کی مثل ہے جو رات کو قیام کرتا ہے اور دن کو روزہ رکھتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۳۵۳، ۶۰۰۶، ۶۰۰۷، صحیح مسلم: ۲۹۸۲، سنن ترمذی: ۱۹۶۹، سنن نسائی: ۲۵۷۷، سنن ابن ماجہ: ۲۱۴۰، مسند احمد: ۸۵۱۵)

صحیح البخاری: ۵۳۵۳ کی شرح از شیخ وحید الزمان غیر مقلد

شیخ وحید الزمان کا مسلمانوں کے طرزِ عمل سے شکوہ

شیخ وحید الزمان غیر مقلد المتوفی ۱۳۲۸ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یتیم خانہ یا محتاج خانہ بنواؤ گے، یتیموں اور بیواؤں اور محتاجوں کی پرورش بھی مسلمانوں نے بالکل چھوڑ دی ہے، نصاریٰ نے اپنے ملکوں میں اس کا بھی انتظام خوب کیا ہے، ان کی قوم کا کوئی شخص محتاجی کی وجہ سے دوسری قوموں میں جا کر نہیں ملتا اور مسلمانوں کی لاپرواہی کی وجہ سے ان کی بیوائیں اور یتیم بچے مجبور ہو کر عیسائیوں میں جا کر مل جاتے ہیں، مسلمان ریاستوں میں جا کر دیکھو تو عجب منظر نظر آتا ہے، بڑے بڑے امراء اور رئیس اور ان کے عالیشان محل اور مکانات، اور پرتکلف سواریوں پر سوار ہو کر نکلتے ہیں، کئی رئیس دن بھر میں چار جوڑے بدلتے ہیں اور رات دن گانوں بجانوں اور ناچ کے جلسوں میں اور شادی بیاہ میں ہزار ہا روپیہ لٹاتے ہیں مگر خود انہی کے محلوں میں ہزار ہا یتیم لڑکے مسلمانوں کے اور بیوائیں بھوکی مرتی ہیں، ان کی خبر تک نہیں لیتے، جس اسلامی ریاست میں جا کر دیکھو نہ کوئی محتاج خانہ نظر آتا ہے نہ کوئی یتیم خانہ نہ کہیں بیوہ فنڈ کا سراغ ملتا ہے، غرض عجب اندھا دھند ہے یہ اللہ کا قہر نہیں ہے تو کیا ہے، ان کی عقل اوندھی ہو گئی ہے۔ (تیسیر الباری شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۶۱ نعمانی کتب خانہ لاہور، جون ۱۹۹۰ء)

شیخ وحید الزمان کی شرح پر مصنف کا تبصرہ اور یہ کہ مسلمانوں نے بھی فلاحی ادارے قائم کیے ہیں اور یتیموں اور بیواؤں کی دادرسی کے لیے مختلف شعبہ جات قائم کیے ہیں

میں کہتا ہوں کہ شیخ وحید الزمان نے مسلمانوں کی بے حسی اور لا پرواہی کی جو تصویر کشی کی ہے فی الواقع ایسا نہیں ہے، اگر چہ اسلامی ممالک میں یورپ کی طرح بے روزگاری فنڈ نہیں ہوتا پھر بھی مسلمانوں نے یتیم خانے بھی قائم کیے ہوئے ہیں، محتاج خانے بھی قائم کیے ہوئے ہیں۔ ہمارے شہر کراچی میں سیلانی ویلفیئر ٹرسٹ کے متعدد شعبہ جات قائم ہیں جہاں پر صبح شام غریبوں اور فقراء کو مفت کھانا کھلایا جاتا ہے، اور اسی طرح عالمگیر ٹرسٹ ہے، اس میں بھی صبح وشام غریبوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے، اور ملک اور بیرون ملک ضرورت مندوں، سیلاب زدگان اور مصیبت زدہ لوگوں کے لیے ضرورت کے سامان کی ترسیل کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح المصطفیٰ ویلفیئر ٹرسٹ ہے جو غریب مریضوں کا مفت علاج کرتے ہیں اور دیگر فلاحی کام کرتے ہیں، اسی طرح عبدالستار ایدھی کا ٹرسٹ ہے جو انواع واقسام کے فلاحی کام کرتے ہیں، اور لاوارث مرنے والوں کی اور ضرورت مند لوگوں کی میتوں کی تجہیز وتکفین کرتے ہیں، اور شہر میں جو مختلف حوادث اور ٹارگٹ کلنگ کی وجہ سے مختلف مقامات پر لاشیں پڑی ہوتی ہیں، ان لاشوں کو اٹھاتے ہیں اور ان کی تجہیز وتکفین کرتے ہیں، اور نادار لڑکیوں کی شادیاں کراتے ہیں، بیماروں کا علاج کرتے ہیں اور یتیموں کی کفالت کرتے ہیں، اسی طرح 2005ء میں جب زلزلہ آیا تو سعودی عربیہ اور دیگر مسلمان ممالک کی طرف سے مسلمانوں کی بڑے پیمانے پر امداد کی گئی، ان کے لیے خیمے مہیا کیے گئے اور کھانے پینے کے لیے راشن مہیا کیا گیا، اسی طرح چند سال پہلے جب پاکستان میں سیلاب آیا تو سیلاب زدگان کی امداد کے لیے خود پاکستانی قوم نے اور دیگر اسلامی ممالک نے سیلاب زدگان کی بڑے پیمانے پر امداد کی، تو ایسا نہیں ہے کہ مسلمان قوم بالکل ہی بے حس ہوگئی ہو اور اس نے غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کی دادرسی کا بالکل انتظام نہ کیا ہو اور قرآن مجید اور احادیث کے احکام کو کلیۃً فراموش کر دیا ہو، مگر شکوہ ہے تو حکومت سے یعنی جو کام حکومت کی طرف سے ہونا چاہیے تھا وہ مسلمان اہل ثروت اور درمیانہ طبقہ کے لوگ کر رہے ہیں۔ اگر ان کو حکومتی سرپرستی حاصل ہو تو مزید کارِ خیر انجام دیے جا سکتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۳ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ثور کا ذکر ہے، یہ لفظ ثاء کے ساتھ ہے اور ابوالغیث کا ذکر ہے یہ سالم ہیں جو ابن مطیع القرشی کے آزاد شدہ غلام ہیں۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں ''الارملة'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: بیوہ عورت جس کا خاوند فوت ہوگیا ہو۔ اور اس حدیث میں ''او القائم اللیل'' کا ذکر ہے، یہ راوی کو شک ہے اور سنن ابن ماجہ کی روایت میں واؤ کے ساتھ ہے، اور ''القائم اللیل'' میں تینوں حرکات

جائز ہیں جیسے الحسن الوجہ میں ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۳ کی شرح از علامہ القسطلانی

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت

اس باب کا عنوان ہے: ''اہل پر خرچ کرنے کی فضیلت'' اور اس حدیث میں بیوہ اور مسکین پر خرچ کرنے کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے، اس کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ جب بیوہ اور مسکین پر خرچ کرنے کا ایسا مرتبہ ہے کہ جو آدمی دن کو روزہ رکھتا ہو اور رات کو قیام کرتا ہو جب کہ بیوہ اور مسکین اس کے اہل میں سے نہیں ہیں تو پھر اپنے اہل پر خرچ کرنے کا ثواب بہ طریقِ اولیٰ زیادہ ہوگا۔ (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۴۲، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۳ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بیوہ اور مسکین کی کفالت بھی اللہ تعالیٰ کا انعام ہے

اس حدیث میں جن لوگوں کا ذکر کیا ہے، ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو بیواؤں اور یتیموں کی کفالت کرتے ہیں اور ان کی اصلاحِ احوال کے لیے انتظامی امور سر انجام دیتے ہیں، کیونکہ جو ان لوگوں کی کفالت کرے تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہو یا راتوں کو قیام کرتا ہو اور دن کو روزہ رکھتا ہو اور یہ بندہ کے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ وہ اپنی اولاد پر خرچ کرے اور اپنی بیوی پر خرچ کرے اور اس خرچ کرنے کی وجہ سے وہ مجاہد اور روزہ دار کے ثواب کو پالے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۱۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۳ کی شرح از شیخ محمد علی صابونی

شیخ محمد علی صابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

رشتہ داروں کو صدقہ دینے کا عظیم اجر ہونا

کمزوروں اور بیواؤں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ احسان کرنا اللہ تعالیٰ کی عظیم قربات اور عبادات میں سے ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے جس نے کسی بیوہ عورت کی مدد کی اور جس نے کسی کمزور مسکین پر خرچ کیا تو وہ مجاہدین فی سبیل اللہ کے مرتبہ میں ہے، کیونکہ اس احسان کے ذریعہ ان کمزور لوگوں کی حیات کے حصول کا سبب ہے تو ایسا شخص اس مرد کی طرح ہے جو رات کو اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اور دن میں روزہ رکھتا ہے، اور اس میں اجرِ عظیم ہے، اور وہ کتنا عظیم اجر ہے جس کو مومن آخرت میں حاصل کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ

پس آپ قرابت داروں کو ان کا حق ادا کریں، اور مسکینوں کو اور مسافروں کو، یہ ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کا ارادہ

الْمُفْلِحُوْنَ۝ (الروم) کرتے ہیں اور وہی کامیاب ہیں O

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جب مالدار لوگ غریبوں کی مدد کریں تو اس میں ترجیح یہ ہے کہ پہلے اپنے قرابت داروں کو دیں کیونکہ اس میں صلہ رحم ہے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کیا کرو، خواہ زیورات سے کیا کرو، حضرت زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور ان سے کہا: آپ خالی ہاتھ اور مفلس ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ دینے کا حکم دیا ہے، آپ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کریں کہ اگر آپ کو دینا بھی ادائیگی صدقہ کے لیے کافی ہو تو فبہا ورنہ میں آپ کے سوا کسی اور کو صدقہ دے دیتی ہوں، حضرت زینب بیان کرتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: تم خود جاؤ، حضرت زینب بیان کرتی ہیں کہ میں گئی تو میں نے دیکھا کہ انصار کی ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر کھڑی ہے اور اس کو بھی یہی مسئلہ درپیش تھا اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مرعوب رہتے تھے، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ باہر آئے تو ہم نے کہا: آپ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں کہ دو عورتیں دروازہ پر یہ معلوم کرنے کے لیے کھڑی ہیں کہ وہ اپنے شوہروں اور ان کی گود میں جو یتیم بچے ہوں اور وہ ان کو صدقہ دیں تو کیا ان کا صدقہ ادا ہو جائے گا؟ اور یہ نہ بتانا کہ ہم کون ہیں۔ حضرت بلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ سے یہ مسئلہ معلوم کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے پوچھا: وہ عورتیں کون ہیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ ایک انصار کی عورت ہے اور دوسری زینب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کونسی زینب؟ انہوں نے بتایا کہ عبداللہ بن مسعود کی بیوی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں دو اجر ملیں گے، ایک اجر قرابت کا اور ایک اجر صدقہ کا۔ (صحیح البخاری: ۱۴۶۶)

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں کمزوروں اور خصوصاً بیواؤں اور مسکینوں پر خرچ کرنے کی فضیلت اور ترغیب ہے۔

(۲) ان ضرورت مندوں پر خرچ کرنے کا اجر اس مجاہد کے اجر کی مثل ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اور اس روزہ دار کے اجر کی مثل ہے جو دن میں روزہ رکھتا ہے اور رات کو اٹھ کر نمازیں پڑھتا ہے اور اس کو سستی عارض نہیں ہوتی۔ اور حدیث قدسی میں ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اے ابن آدم! خرچ کرو، میں تم پر خرچ کروں گا''۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر واللآلی بشرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۴۱، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۵۳۵۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ سَعْدٍ رضی الله عنه قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَعُودُنِي وَأَنَا مَرِيضٌ بِمَكَّةَ فَقُلْتُ لِي مَالٌ أُوصِي بِمَالِي كُلِّهِ قَالَ لَا قُلْتُ فَالشَّطْرِ قَالَ لَا قُلْتُ فَالثُّلُثِ قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ أَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ فِي أَيْدِيهِمْ وَمَهْمَا أَنْفَقْتَ فَهُوَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از سعد بن ابراہیم از عامر بن سعد از حضرت سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت فرما رہے تھے اور میں مکہ میں بیمار تھا تو میں نے عرض کیا: میرے پاس مال ہے، میں اپنے تمام مال کی وصیت کر دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے کہا: تو کیا میں آدھے مال کی وصیت کر دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں

لَكَ صَدَقَةٌ حَتَّى اللُّقْمَةَ تَرْفَعُهَا فِي فِي امْرَأَتِكَ وَلَعَلَّ اللهَ يَرْفَعُكَ يَنْتَفِعُ بِكَ نَاسٌ وَيُضَرُّ بِكَ آخَرُونَ۔

نے کہا: پھر میں تہائی مال کی وصیت کردوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تہائی مال، اور تہائی مال بہت زیادہ ہے، اگر تم اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑو تو وہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو فقراء چھوڑو، وہ لوگوں کے سامنے اپنے ہاتھوں کو پھیلائیں اور تم جو بھی خرچ کرو گے تو وہ تمہارے لیے صدقہ ہوگا حتیٰ کہ لقمہ جو تم اپنی بیوی کے منہ میں رکھو، وہ بھی صدقہ ہوگا اور یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارا مرتبہ بلند کرے گا (یعنی تم کو حاکم بنائے گا)، اور تم سے لوگوں کو نفع ہوگا (یعنی مسلمانوں کو) اور دوسروں کو (یعنی کافروں کو) تم سے نقصان پہنچے گا۔

(صحیح البخاری: ۵٦، ۱۲۹۵، ۲۷۴۲، ۲۷۴۴، ۳۹۳٦، ۴۴۰۹، ۵۳۵۴، ۵٦۵۹، ۵٦٦۸، ٦۳۷۳، ٦۷۳۳، صحیح مسلم: ۱٦۲۸، سنن ترمذی: ۲۱۱٦، سنن ابوداؤد: ۲۸٦۴، مسند احمد: ۱۵۴۹، موطا امام مالک: ۱۴۹۵)

امام بخاری نے صحیح البخاری: ۵٦ میں اس حدیث کا مکمل متن نہیں لکھا، اس حدیث کا مکمل متن صحیح البخاری: ۱۲۹۵ میں مذکور ہے جو درج ذیل ہے:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے سال مجھے شدید درد تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے، سو میں نے کہا: مجھے سخت درد ہو رہا ہے اور میں مالدار ہوں اور میری وارث صرف میری ایک بیٹی ہے، کیا میں اپنا دو تہائی مال صدقہ کردوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! پھر میں نے پوچھا: میں آدھا مال صدقہ کردوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! پھر آپ نے فرمایا: تم تہائی مال صدقہ کردو، تہائی مال بھی بہت زیادہ ہے، بے شک اگر تم اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو فقراء چھوڑو وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے رہیں، اور بے شک تم جو بھی خرچ کرو گے جس سے تم اللہ کی رضا جوئی کا ارادہ کرو گے تو تم کو اس پر اجر ملے گا حتیٰ کہ تم جو کچھ اپنی بیوی کے منہ میں رکھو گے (اس پر بھی تم کو اجر ملے گا)، پس میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ، کیا میں اپنے اصحاب کے پیچھے رہ جاؤں گا، آپ نے فرمایا: تم بے شک ہرگز پیچھے نہیں چھوڑے جاؤ گے، تم جو بھی نیک کام کرو گے اس سے تمہارا درجہ اور بلند ہوگا، پھر یقیناً تم پیچھے چھوڑے جاؤ گے حتیٰ کہ ایک قوم تم سے نفع حاصل کرے گی اور دوسری قوم تم سے نقصان اٹھائے گی، اے اللہ! میرے اصحاب کی ہجرت کو جاری رکھنا اور ان کو ان کی ایڑھیوں پر نہ لوٹانا، لیکن بے چارہ (حضرت) سعد بن خولہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لیے افسوس کر رہے تھے کیونکہ وہ مکہ میں فوت ہو گئے تھے۔

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن الملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر مرثیہ پڑھا یعنی اظہار افسوس کیا، کیونکہ وہ مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد مکہ میں ہی فوت ہو گئے تھے۔

فوت شدہ لوگوں پر مرثیہ کرنے کی ممانعت

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرثیہ پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔

(المستدرک ج ۱ ص ۳۸۳ (کتاب الجنائز)۔)

قاضی عیاض نے کہا ہے: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حدیث میں جو ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ان کی وفات پر اظہارِ افسوس کر رہے تھے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہ ہو، کیونکہ ایک روایت میں ہے لیکن سعد بن خولہ بے چارہ اس زمین میں فوت ہو گیا جس زمین سے اس نے ہجرت کی تھی اور اس میں مرثیہ کا لفظ نہیں ہے۔ (اکمال المعلم ج ۵ ص ۳۶۷)

حضرت سعد بن ابی وقاص کا تذکرہ

علامہ عزالدین ابن الاثیر ابوالحسن علی بن محمد الجزری المتوفی ۶۳۰ ھ، لکھتے ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص کا نام سعد بن مالک بن وہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن نضر بن کنانہ القرشی الزہری ہے، ان کی والدہ کا نام حمنہ بنت ابی سفیان بن امیہ ہے۔

یہ قدیم الاسلام صحابی ہیں، یہ چھ افراد کے بعد مسلمان ہوئے تھے، ایک قول یہ ہے کہ چار افراد کے بعد مسلمان ہوئے تھے، جس وقت انہوں نے اسلام قبول کیا ان کی عمر سترہ سال تھی، یہ ان عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی اور ان چھ صحابہ میں سے ہیں جن کو حضرت عمر نے مجلس شوریٰ میں شامل کیا تھا، جن کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ شہادت دی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے وقت ان سے راضی تھے۔ بدر، احد، خندق اور تمام غزوات میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر رہے ہیں، یہ وہ صحابی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے راہِ خدا میں خون بہایا، یہ وہ صحابی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اللہ کی راہ میں تیر چلایا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں پہلا عرب ہوں جس نے راہِ خدا میں تیر چلایا، بخدا! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں جاتے تھے اور درختوں کے پتوں کے سوا ہمارے کھانے کے لیے کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔

امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نماز پڑھنے کے بعد پہاڑ کی گھاٹیوں میں کفار قریش کے خوف سے چھپ جاتے تھے، ایک مرتبہ ایک گھاٹی میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ چند صحابہ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے اچانک کچھ مشرکین آ گئے، انہوں نے مسلمانوں کی مذمت کی اور ان کے دین کو برا کہا، پھر ان سے لڑائی چھڑ گئی، حضرت سعد نے اونٹ کے جبڑے کی ایک ہڈی ایک مشرک کو مار کر اس کا سر پھاڑ دیا، اسلام کی راہ میں یہ پہلا خون بہایا گیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فارسیوں کے خلاف جو فوج بھیجی تھی، اس کا امیر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بنایا تھا، حضرت سعد نے ایرانیوں کو قادسیہ کے مقام پر شکست دی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ہی مدائن کسریٰ کو عراق میں فتح کیا، کوفہ کی بنیاد رکھی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو عراق کا گورنر بنایا گیا، پھر معزول کر دیا گیا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو شوریٰ میں رکھا تھا تو فرمایا: اگر ان کو خلیفہ بنا دیا جائے تو فبہا، ورنہ میرے بعد جو بھی شخص خلیفہ بنے میں اس کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ سعد کو گورنر بنائے، کیونکہ میں نے سعد کو کسی عجز یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا تھا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا گورنر بنایا، پھر ان کو معزول کر کے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو کوفہ کا گورنر بنا دیا۔

قیس بن حازم، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ سعد! کی دعاؤں کو قبول فرما، حضرت سعد رضی اللہ عنہ جب بھی دعا کرتے تھے، ان کی دعا قبول ہوتی تھی، لوگوں کو اس کا علم تھا اور وہ حضرت سعد کی دعاء ضرر سے ڈرتے تھے، جب حضرت عثمان شہید کر دیے گئے اور مسلمانوں کے دو گروہوں میں جنگ ہوئی تو حضرت سعد بن ابی وقاص فتنہ سے الگ رہے اور اپنے گھر میں بیٹھے رہے، ان کے بیٹے اور بھتیجوں نے یہ چاہا کہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد حضرت سعد لوگوں کو اپنی خلافت کی دعوت دیں لیکن انہوں نے یہ بات نہیں مانی اور سلامتی کو طلب کیا، حضرت معاویہ نے انہیں اپنے ساتھ ملانا چاہا لیکن حضرت سعد نے انکار کر دیا۔

حضرت سعد نے ۵۵ھ میں وفات پائی، مروان نے نماز جنازہ پڑھائی، مہاجرین میں سے فوت ہونے والے آپ آخری صحابی تھے۔
(اسد الغابہ، ج ۲ ص ۴۵۶-۴۵۲، ملخصاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت سعد بن خولہ کا تذکرہ

حافظ ابو عمر یوسف بن عبد البر القرطبی المالکی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

موسیٰ بن عقبہ نے حضرت سعد بن خولہ کا تذکرہ بدریین میں کیا ہے اور یہ حضرت سُبیعہ اسلمیہ کے خاوند تھے، جن کے ہاں ان کی وفات کے چند راتوں کے بعد بچہ پیدا ہوا تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اب تمہاری عدت پوری ہوگئی ہے اب تم جس سے چاہو نکاح کرو۔

امام عبد الرزاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ مروان نے حضرت عبد اللہ بن عتبہ کو حضرت سبیعہ بنت الحارث کے پاس بھیجا اور ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو کیا فتویٰ دیا تھا؟ تو انہوں نے بتایا کہ وہ حضرت سعد بن خولہ کے نکاح میں تھیں، وہ حجۃ الوداع میں فوت ہو گئے اور وہ بدری صحابی تھے اور ان کی وفات کے چند راتوں بعد ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہاری عدت پوری ہوگئی ہے اب تم جس سے چاہو نکاح کرو۔

اور اس میں اختلاف نہیں ہے کہ حضرت سعد بن خولہ مکہ میں حجۃ الوداع میں فوت ہوئے تھے، سوا اس کے کہ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ ۷ ہجری میں فوت ہوئے تھے اور صحیح یہ ہے کہ وہ حجۃ الوداع میں فوت ہوئے تھے۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۲ ص ۱۵۳-۱۵۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مریض کی عیادت کرنا مستحب ہے، اور امام اور سربراہ ملک کا اپنے اصحاب کی عیادت کرنا مستحب ہے، خواہ وہ سفر میں ہوں اور حضر میں عیادت کرنا زیادہ بہتر ہے۔ نیز حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی شخص کو مرض کی شدت پہنچے تو وہ اس کا اظہار کرے، نہ بہ طور ناراضگی اور شکایت کے بلکہ اس لیے کہ اس کے لیے دوا حاصل کی جائے اور علاج کیا جائے یا کوئی مرد صالح اس کے لیے دعا کرے یا وصیت کرے یا وہ اپنے حال کے متعلق فتویٰ حاصل کرے اور یہ اس کے مرض کے اجر کے منافی نہیں ہے، اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال کو جمع کرنا مباح اور جائز ہے، اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ میرے پاس بہت مال ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۶۲۸)

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مالداروں کے لیے صدقہ کرنا مستحب ہے اور وصیت میں وارث کی رعایت کرنی چاہیے اور وارث کے لیے تہائی مال کی وصیت کرنا مخصوص ہے اور اس میں ظاہریہ کا اختلاف ہے اور ان کا قول غلط ہے جنہوں نے کہا کہ تہائی مال کی وصیت اس کے لیے جائز ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو، جو اس کے ترکہ سے مال حاصل کرے۔

(۳) وصیت کرنے میں تہائی مال کی وصیت کرنا کثرت کی حد ہے اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس کا وارث ہو تو اس کی وصیت تہائی مال سے زیادہ میں جائز نہیں ہے، اور جس کا کوئی وارث نہ ہو تو ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس کے لیے تہائی مال سے زیادہ وصیت کرنا جائز نہیں ہے، اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام اسحاق بن راہویہ اور امام احمد بن حنبل نے ایک روایت میں اس کو جائز قرار دیا ہے۔ (الشرح الکبیر ج ۱۷ ص ۲۱۷، احکام القرآن للجصاص ج ۲ ص ۱۱۲)

(۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وارثوں کے لیے خوش حالی کو طلب کرنا اس پر راجح ہے کہ ان کو حالِ فقر میں چھوڑ دیا جائے، اور اسی وجہ سے غنی شاکر کو فقیر صابر پر فضیلت دی گئی ہے۔

(۵) اس حدیث میں صلۂ ارحام اور اقارب کی طرف احسان کو برانگیختہ کیا ہے، اور یہ کہ اقارب میں سے جو بتدریج قریب ہو اس کے ساتھ بتدریج احسان کیا جائے۔

(۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ثواب کے حصول میں اور نیکی کے کام میں خرچ کرنے میں اخلاص شرط ہے، اور مباح بھی نیت صالحہ کے ساتھ عبادت ہو جاتا ہے کیونکہ بیوی کے منہ میں لقمہ رکھنا انسان کی عادت ہے جب وہ اپنی بیوی کے ساتھ دل لگی کرتا ہے، لیکن اس میں بھی اللہ کے حکم پر عمل کرنے کی نیت کی جائے تو اس پر بھی اس کا ثواب ملے گا۔

(۷) کبھی انسان کے مقاصد دینیہ ہوتے ہیں اور وہ مصائب میں مبتلا ہوتا ہے، پھر وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا انجام بخیر کرے اور اس حدیث میں طویل عمر کی بھی فضیلت ہے تاکہ طویل عمر کی وجہ سے انسان نیک کام زیادہ کرے۔

(۸) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ظاہرہ ہیں، کیونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ حضرت سعد کی عمر طویل ہوگی تو وہ شہروں کو فتح کریں گے اور کچھ قومیں ان سے فائدہ حاصل کریں گی یعنی مسلمان قومیں اور کچھ قوموں کو ان سے ضرر ہوگا یعنی کافر قومیں، اور اس حدیث میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی منقبت اور فضیلت ہے اور اس حدیث میں اور بھی بے شمار فضائل ہیں کہ نیکی کے کاموں کی طرف سبقت کرنا چاہیے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر کمال شفقت کا بیان ہے اور ہجرت کی تعظیم کا بیان ہے۔

(۹) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے لیے وصیت کریں اور یہ تو اس حدیث میں خبر ہے کہ ان کی وارث صرف ان کی بیٹی تھی، اور اگر رشتہ داروں کے لیے وصیت منسوخ نہ ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد کو یہ حکم دیتے کہ تم باقی رشتہ داروں کے لیے بھی وصیت کرو، اس سے معلوم ہوا کہ یہ رشتہ داروں کے لیے وصیت منسوخ نہیں ہے، لیکن عام علماء کے نزدیک رشتہ داروں کے لیے وصیت کرنا منسوخ ہو چکا ہے۔

اور شعبی اور نخعی نے کہا ہے کہ رشتہ داروں کے لیے وصیت کرنا مستحب ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور آپ نے رشتہ داروں کے لیے وصیت نہیں کی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کی بیماری کے ایام میں آپ کے پاس گئے، انہوں نے ارادہ کیا کہ آپ ان کے لیے وصیت کریں تو آپ نے ان کو منع فرمایا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۹۳۶، کتاب الوصایا، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۲۷۳-۲۷۴)

(۱۰) صحیح مسلم میں یہ حدیث مذکور ہے، اس میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت سعد نے کہا: مجھے یہ خوف ہے کہ میں اس زمین میں فوت ہو جاؤں گا جس سے مجھے ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا تھا، تو آپ نے تین مرتبہ دعا فرمائی: اے اللہ! سعد کو شفا عطا فرما، اور اس میں یہ بھی اضافہ ہے کہ تمہارا اپنے مال سے صدقہ کرنا بھی صدقہ ہے، اور تمہارا اپنے عیال پر بھی صدقہ کرنا یہ بھی صدقہ ہے اور تمہاری بیوی جو تمہارے مال سے کھائے وہ بھی صدقہ ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۶۲۸، کتاب الوصیت، باب الوصیۃ بالثلث)

اور حاکم کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ میری پیشانی پر رکھا، پھر آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینے اور پیٹ پر پھیرا اور پھر آپ نے دعا کی: اے اللہ! سعد کو شفا عطا فرما اور اس کی ہجرت کو مکمل فرما۔

(المستدرک ج ۱ ص ۳۴۲، کتاب الجنائز، باب ثواب عیادۃ المریض)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۹ ص ۵۴۲-۵۵۱، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: اس حدیث کی شرح نعمۃ الباری ج ۳ ص ۴۴۸-۴۵۱ میں گزر چکی ہے، وہاں ہم نے اس کی شرح عمدۃ القاری اور شرح ابن بطال کے حوالہ سے کی تھی اور یہاں اس کی شرح علامہ ابن الملقن کی التوضیح کے حوالہ سے کی ہے اور یہ شرح پہلی شرح سے زیادہ مفصل اور زیادہ محقق ہے اور اس وقت ہمارے پاس قطر سے علامہ ابن الملقن کی التوضیح نہیں پہنچی تھی، سو یہاں ہم نے علامہ ابن الملقن کی اس شرح کو تفصیل سے ذکر کر دیا اور یہ تنبیہ اس لیے کر دی ہے کہ قارئین میں سے کسی کو شرح کی تکرار کا وہم نہ ہو۔

صحیح البخاری: ۵۳۵۴ کی شرح از شیخ وحید الزمان غیر مقلد

شیخ وحید الزمان غیر مقلد متوفی ۱۳۳۸ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسی امید ظاہر فرمائی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کو پورا کیا، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ آنحضرت کی وفات کے بعد مدت دراز تک زندہ رہے، عراق کا ملک انہوں نے ہی فتح کیا، کافروں کو زیر کیا، مدتوں عراق کے حاکم رہے۔

(تیسیر الباری شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۶۲ نعمانی کتب خانہ لاہور، جون ۱۹۹۰ء)

شیخ وحید الزمان غیر مقلد کی شرح پر مصنف کا تبصرہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کا ثبوت

میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں جب لَعَلَّ کا لفظ آئے تو اس کا معنی شاید یا امید نہیں ہوتا بلکہ یقین ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق جو پیش گوئی فرمائی تھی، یہ کسی امید یا احتمال کی وجہ سے نہیں فرمائی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کے ذریعہ علم غیب سے مطلع فرما دیا تھا اور آپ نے جان لیا تھا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اس بیماری میں فوت نہیں ہوں گے اور مدت دراز تک زندہ رہیں گے اور عراق ان کے ہاتھوں پر فتح ہوگا اور ان کی وجہ سے اسلامی مملکت میں اضافہ ہوگا، مسلمان فتحیاب ہوں گے اور کفار خائب و خاسر اور ناکام ہوں گے اور ان کو شکست ہوگی، سو اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا ثبوت ہے اور چونکہ شیخ وحید الزمان غیر مقلد ہیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عطائی علم غیب کے قائل نہیں ہیں، اس لیے انہوں نے یہاں علم غیب کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ صرف یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امید پوری ہوگئی۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۴ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے لغوی معانی، نحوی ترکیب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کا بیان

یہ حدیث کتاب الجنائز باب رثاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں گزر چکی ہے، امام بخاری نے وہاں اس حدیث کو از عبد اللہ بن یوسف از مالک از ابن شہاب از عامر بن سعد بن ابی وقاص از والد خود روایت کی ہے اور وہاں اس حدیث کی زیادہ تفصیل ہے۔

علامہ عینی نے اس حدیث کی عربی عبارات کی ترکیب بیان کی ہے اور لغوی معنی بیان کیا ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ "شطر" کا معنی ہے: نصف اور یہ منصوب ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الثلث"، یعنی تم تہائی دے دو، اور تہائی دینا تمہیں کافی ہوگا۔ پھر علامہ عینی نے لکھا ہے کہ جب تم اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ رکھو گے تو اس پر بھی تمہیں اجر ملے گا، حالانکہ بیوی کے منہ میں لقمہ رکھنا اللہ تعالیٰ کی عبادت کے قبیل سے نہیں ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کی وجہ سے بیوی کے منہ میں لقمہ رکھنے سے بھی اجر ملے گا تو جو بندہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرے گا تو اس کو تو بہ طریق اولیٰ زیادہ اجر ملے گا۔

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں معجزہ ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کے مطابق حضرت سعد بن ابی وقاص زندہ رہے حتیٰ کہ انہوں نے عراق کو فتح کیا اور ان سے مسلمانوں کو ان کے دین اور دنیا میں نفع پہنچا اور کفار کو اپنے عقائد میں ضرر پہنچا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰-۲۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۴ کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عنقریب کتاب الادب میں یہ حدیث آئے گی، اس میں یہ الفاظ ہیں: اس کا اجر اس شخص کی طرح ہے جو رات کو قیام کرتا ہو اور سست نہ ہوتا ہو اور دن کو اس روزہ دار کی طرح ہے جو روزہ چھوڑتا نہ ہو اور سعی کا معنی یہ ہے کہ جو بیوہ اور مسکین کے لیے آتا اور جاتا ہے اور "الارملة" کا معنی ہے: جو عورت فوت ہو جائے اور اس کا خاوند نہ ہو۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۹۹، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۱۰ ص ۵۵۰، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۴ کی شرح از علامہ کورانی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو مکہ میں بیمار ہو گئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عیادت کی، اور اس میں تہائی مال کی وصیت کرنے کا حکم ہے اور یہ ارشاد ہے کہ اپنے ورثاء کو فقراء نہ چھوڑو کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں، کہ لوگ ان کے ہاتھوں میں اپنے صدقات عطا کریں۔ یہ حدیث کتاب الوصایا میں گزر چکی ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۷۴۲)

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری، ج ۹ ص ۶۹، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

۲۔ بَابُ: وُجُوبِ النَّفَقَةِ عَلَى الْأَهْلِ وَالْعِيَالِ — بیوی اور بچوں پر خرچ کرنے کا وجوب

باب مذکور کے عنوان کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اہل کا نفقہ مرد کے اوپر واجب ہے اور اہل سے یہاں مراد بیوی ہے اور اس پر العیال کا عطف ہے، اور یہ عام کا خاص پر عطف ہے، اور عیال سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر مرد خرچ کرتا ہے اور ان کو روزی مہیا کرتا ہے اور جوہری نے کہا ہے: عیال کا واحد عیّل ہے، اور اس کی جمع عیائل ہے، جیسے جید اور جیاد اور جیائید ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۳۵۵۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ رضى الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ مَا تَرَكَ غِنًى وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ تَقُولُ الْمَرْأَةُ إِمَّا أَنْ تُطْعِمَنِي وَإِمَّا أَنْ تُطَلِّقَنِي وَيَقُولُ الْعَبْدُ أَطْعِمْنِي وَاسْتَعْمِلْنِي وَيَقُولُ الِابْنُ أَطْعِمْنِي إِلَى مَنْ تَدَعُنِي فَقَالُوا يَا أَبَا هُرَيْرَةَ سَمِعْتَ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ لَا هَذَا مِنْ كِيسِ أَبِي هُرَيْرَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو خوشحالی کو چھوڑے اور اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے اور خرچ کرنے کی ابتداء اپنے زیر کفالت لوگوں سے کرو، بیوی کہے گی: یا تو مجھے تم کھلاؤ یا تم مجھے طلاق دو اور نوکر یا غلام کہے گا: مجھے کھلاؤ اور مجھ سے کام لو، اور بیٹا کہے گا: مجھے کھلاؤ، تم مجھے کس کے سپرد کرتے ہو؟ لوگوں نے پوچھا: اے ابو ہریرہ! کیا تم نے یہ پوری حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، انہوں نے کہا: نہیں، یہ ابو ہریرہ کی فراست سے مستفاد ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۲۶، ۱۴۲۸، ۵۳۵۵، ۵۳۵۶، صحیح مسلم: ۱۰۳۴، سنن نسائی: ۲۵۴۴، سنن ابوداؤد: ۱۶۷۶، مسند احمد: ۸۹۷۰، سنن دارمی: ۱۶۵۱)

صحیح البخاری: ۵۳۵۵ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے رجال

اس حدیث کی سند مذکور ہے کہ عمر بن حفص اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، ان کے والد کا نام حفص بن غیاث ہے اور اس سند میں مذکور ہے کہ وہ الاعمش سے روایت کرتے ہیں، اس سے مراد ہیں سلیمان الاعمش: پھر مذکور ہے کہ وہ ابو صالح سے روایت

کرتے ہیں اور ابو صالح کا نام ہے ذکوان السمان۔

"الکیس" کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے: یہ کیس ابو ہریرہ سے ہے یعنی یہ ابو ہریرہ کا قول ہے، یہ صاحب التوضیح نے کہا ہے اور علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ الکیس میں کاف کے نیچے زیر ہے یعنی کیس اور اس سے مراد ہے ظرف اور اس قول سے حضرت ابو ہریرہ نے ان پر انکار کیا ہے جو ان سے اس حدیث سے متعلق سوال کرتے تھے یعنی یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی عقل اور فراست سے تفصیل مستفاد ہے اور بعض شارحین نے کہا: یہ حدیث مدرج ہے۔

حدیث مذکور سے استنباط شدہ مسائل اور احکام

(۱) مرد کا حق دوسروں کے حقوق پر مقدم ہے۔

(۲) اولاد اور بیوی کا خرچ فرض ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(۳) نوکر اور غلام کا خرچ بھی واجب ہے۔

اگر کوئی شخص افلاس کی وجہ سے بیوی کو خرچ نہ دے تو بیوی کی اپنے شوہر سے علیحدگی کے متعلق فقہاء کا اختلاف

(۴) اس حدیث میں ارشاد ہے: "بیوی کہے گی: یا تو مجھے کھلاؤ یا مجھ کو طلاق دو"، اس سے بعض فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر مرد بیوی کو اپنی غربت اور افلاس کی وجہ سے خرچ نہ دے سکے اور عورت اس سے علیحدگی چاہے تو ان میں تفریق کر دی جائے گی۔

بعض علماء نے کہا ہے اور یہی جمہور علماء کا قول ہے اور مخالف نے کہا ہے کہ عورت پر لازم ہے کہ وہ صبر کرے اور عورت کا خرچ مرد کے ذمہ لازم ہے اور جمہور فقہاء کا استدلال درج ذیل آیت سے ہے:

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا (البقرۃ: ۲۳۱) اور ان کی بیویوں کو ضرر پہنچانے کے لئے نہ روکے رکھو تا کہ تم ان پر زیادتی کرو۔

اور فقہاء احناف نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اگر اس صورت میں شوہر اور بیوی کے درمیان مفارقت واجب ہوتی تو اگر عورت اس تنگدستی میں رہنے پر راضی ہوتی تو ان کے درمیان نکاح کی بقاء جائز نہ ہوتی اور اس پر یہ رد کیا گیا ہے کہ ان کا اجتماع ان کی بقاء کے جواز پر دلالت کرتا ہے بشرطیکہ عورت راضی ہو جائے اور جب عورت راضی نہ ہو تو وہ ممانعت کے عموم پر باقی ہے اور اس کا قیاس ہے غلام اور حیوان پر، کیونکہ جو شخص غلام کو اپنی غربت کی وجہ سے نہ کھلا سکے تو اس کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس غلام کو فروخت کر دے۔

جمہور فقہاء کے دلائل کا علامہ عینی کی طرف سے جواب

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ فقہاء احناف نے جو کہا ہے وہی عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ کا قول ہے، اور ابن شبرمہ اور ابو سلیمان اور عمر بن عبد العزیز متوفی ۱۰۱ھ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ سے بھی یہی منقول ہے اور عبد الوارث نے از عبید اللہ بن عمر از نافع از ابن عمر اسی طرح روایت کی ہے اور انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لشکر کے

امراء کی طرف مکتوب لکھا کہ فلاں اور فلاں کو بلاؤ، کیونکہ کچھ لوگ مدینہ سے منقطع ہو گئے اور مدینہ سے سفر کر کے چلے گئے یا تو وہ اپنی بیویوں کے پاس واپس جائیں یا اپنی بیویوں کا نفقہ ان کی طرف بھیجیں اور یا ان کو طلاق دے دیں اور جو پچھلا نفقہ گزر چکا ہے وہ بھی ادا کریں، اور اس کے علاوہ اور کسی چیز سے انہوں نے تعارض نہیں کیا اور اس معترض نے جو کہا ہے کہ مخالف نے کہا ہے اگر اس سے اس کی مراد امام ابوحنیفہ ہیں تو امام ابوحنیفہ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے جب کہ بہ کثرت فقہاء تابعین اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے، اور اس کا یہ قول محض اس کے تعصب کی بناء پر ہے، اور اگر معترض کی مراد بالخصوص امام ابوحنیفہ نہیں ہے تو اس کو چاہیے تھا کہ وہ یوں کہتا کہ مخالفین نے یہ جواب دیا ہے اور ان کا استدلال البقرہ: ۲۳۱ سے مکمل نہیں ہوتا، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد اور مسروق اور حسن بصری اور قتادہ اور ضحاک اور ربیع اور مقاتل بن حیان اور متعدد فقہاء تابعین نے کہا ہے کہ یہ آیت اس مرد کے متعلق ہے جو اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے اور جب وہ عدت کے قریب پہنچ جاتی ہے تو اس سے رجوع کر لیتا ہے تا کہ بیوی کو ضرر پہنچائے اور وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کر سکے، پھر اس کو طلاق دیتا ہے، پھر وہ عدت گزارتی ہے، پھر جب وہ عدت پوری ہونے کے قریب پہنچتی ہے تو پھر اس کو طلاق دے دیتا ہے تا کہ اس کی عدت مسلسل طویل ہوتی جائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس فعل سے منع کر دیا اور ان پر وعید سنائی اور فرمایا:

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ (البقرہ: ۲۳۱) اور جس نے ایسا کیا تو بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

یعنی اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی اور اپنی جان پر ظلم کیا، لہٰذا جمہور فقہاء کا اس آیت سے استدلال کرنا باطل ہو گیا۔ اور اس ممانعت کا عموم اس طرح نہیں ہے جس طرح انہوں نے بیان کیا ہے، بلکہ یہ ممانعت اس مرد کے متعلق ہے جو مرد اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں روکے رکھنے کے لیے طلاق دیتا ہے اور عدت پوری ہونے سے پہلے پھر رجوع کر لیتا ہے تا کہ بیوی کو تنگ کرے، اور ان کا غلام اور حیوان پر قیاس کرنا، قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ غلام اور حیوان کسی چیز کے مالک نہیں ہوتے اور نہ غلام کو ایسا شخص میسر ہوتا ہے جو اس کی کفالت کے لیے اس کو قرض دے اور وہ خرچ نہ ملنے پر صبر نہیں کر سکتا، اس کے برخلاف بیوی صبر کر سکتی ہے اور بیوی کے ذمہ جو اس کا خرچ ہے اس کے لیے قرض لے سکتی ہے اور اس لیے کہ اگر شوہر اور بیوی کے درمیان اس صورت میں طلاق لازم ہو تو بیوی کا حق باطل ہو جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

فقہاء احناف کے مذکورہ مسلک پر ایک اشکال اور اس کا حل

یہ درست ہے کہ جو مرد عورت کو تنگ کرنے کے لیے طلاق دیتے ہیں اور عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع کر لیتے ہیں، اس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ تم بیویوں کو ضرر پہنچانے کے لیے اپنے نکاح میں نہ روکے رکھو، اور جو ایسا کرے گا وہ یقیناً اپنی جان پر ظلم کرے گا اور گناہ گار ہوگا اور ایسی صورت میں عورت کو یہ چاہیے کہ وہ صبر کرے اور خاوند کے ذمہ جو اس کا خرچ ہے اتنی مقدار کسی سے قرض لے کر اپنا گزارہ کرے، لیکن ہمارے زمانے میں بالعموم ایسا ہوتا ہے کہ شوہر بیوی کو اس کا خرچ نہیں دیتا اور طلاق بھی نہیں دیتا کہ وہ کسی اور سے نکاح کر کے اپنا گزارہ کر لے اور اس کو کوئی ایسا کفیل میسر نہیں ہوتا جو اس کو ایک طویل مدت تک بہ طور قرض خرچ دیتا رہے، عورت اس صورت میں خلع کا مطالبہ کرتی ہے اور عدالت میں شوہر کے خلاف دعویٰ دائر کرتی ہے تو شوہر پیش نہیں ہوتا، تو فقہ حنفی میں تو اس کی اجازت نہیں ہے کہ عورت ایسی صورت میں خلع کر لے اور اس ظالم خاوند سے نجات حاصل کر لے، لیکن

ائمہ ثلاثہ نے اس صورت میں اجازت دی ہے کہ وہ عورت ائمہ ثلاثہ کے مذہب پر خلع حاصل کرلے اور دوسری جگہ نکاح کرلے، کیونکہ اس پرآشوب دور میں عورت کا ملازمت کے لیے نکلنا اور جوان عورت کا عرصۂ دراز تک اپنی خواہشات پر قابو پانا بہت مشکل ہے اور یہ ایک مشکل صورت حال ہے اور اس سے نجات کی صورت یہی ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے مذہب پر عدالت سے خلع حاصل کرلیا جائے اور وہ مظلوم اور مجبور عورت دوسری جگہ نکاح کرلے۔

میں نے اس مسئلہ میں کافی تفصیل سے گفتگو کی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں ان مسائل میں جو عورتیں اور ان کے متعلقین پریشان پھرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ بتلایئے جب خاوند عورت کو نہ آباد کرے نہ طلاق دے تو وہ کیا کرے؟ اسلام میں اس کا کیا حل ہے، یا ایک جوان عورت کا شوہر مفقود الخبر ہو گیا ہو یا پاگل ہو گیا یا کسی اور لا علاج مرض میں مبتلا ہو گیا یا کسی جرم کی وجہ سے اس کو عمر قید کی سزا ہو گئی اور اس کی بیوی کے خرچ کی کوئی سبیل نہیں، شوہر طلاق دینے کا اہل نہیں یا دیتا نہیں، اور اس پرفتن دور میں وہ عورت عزت و آبرو کے ساتھ کسب معاش نہیں کر سکتی، بتلایئے وہ عورت کیا کرے؟ اسلام میں اس کا کیا حل ہے؟ تو ہمارے زمانے کے مفتی یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ وہ اسی شوہر کے نکاح میں بیٹھی رہے، جب تک وہ طلاق نہیں دیتا وہ دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی، فقہ حنفی کا یہی حکم ہے اور اگر وہ عورت عدالت میں چلی جائے اور شوہر پیش نہ ہو اور عدالت طلاق دے دے تو ہمارے زمانے کے فقہاء اس کو تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ غیر اسلامی طلاق ہے، اس وجہ سے میرے دل میں مدت سے یہ تڑپ تھی کہ میں اس مسئلہ کا حل پیش کروں، صحیح مسلم میں نان و نفقہ سے متعلق حدیث کے تحت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں نے یہ واضح کر دیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے اقوال میں بے شک اس مسئلہ کا حل نہیں ہے لیکن امام اعظم کے اقوال سے ہی فقہاء حنفیہ نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ ضرورت کے وقت مذہب غیر پر فتویٰ دینا، قضاء کرنا اور عمل کرنا جائز ہے، سو اس قاعدہ کی روشنی میں میں نے ائمہ ثلاثہ خصوصاً امام مالک اور امام احمد کے اقوال کے مطابق ان مسائل کا حل بیان کیا ہے، اور میں نے صرف ان اقوال پر اکتفا نہیں کی بلکہ قرآن مجید، احادیث مبارکہ، آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے ان مسائل کو ثابت کیا ہے، میری یہ کاوش صرف اس لیے ہے کہ کوئی شخص اسلام کو نا قابل عمل دین نہ سمجھے بلکہ یہ یقین رکھے کہ اسلام میں ہر پیش آمدہ مشکل کا حل موجود ہے، اگر ہم اس حل کو تلاش نہیں کر سکے تو یہ ہماری فہم اور مطالعہ کی کمی ہے، اسلام میں کوئی کمی نہیں ہے۔

اے اللہ! اس مقالہ کو نافع بنا، اسے قبول عام فرما، اس کے مصنف، قاری اور معاون کی خطاؤں سے درگزر کر اور ان کے لیے دارین کی خیر اور سعادت کو مقدر کر دے۔ والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد خاتم النبیین سید المرسلین قائد غر المحجلین وعلیٰ الہ واصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

صحیح البخاری: ۵۳۵۵ کی شرح از علامہ ابن ملقن

ہر مسئول سائل سے افضل نہیں ہوتا

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سے پہلے اوپر والے ہاتھ اور نیچے والے ہاتھ کی تفسیر میں اقوال گزر چکے ہیں اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اوپر والا ہاتھ دینے والا ہے اور نیچے والا ہاتھ سوال کرنے والا ہے، اور ہر وہ شخص جس سے سوال کیا جائے وہ سائل سے افضل نہیں ہوتا، کیونکہ حضرت

موسیٰ اور حضرت خضر علیہ السلام نے بستی والوں سے کھانے کو طلب کرنے کے لیے سوال کیا حالانکہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام دونوں نبی تھے اور انبیاء علیہم السلام عام لوگوں سے ہر حال میں افضل ہوتے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر آئے تو آپ نے سوال کیا کہ کوئی کھانے کی چیز ہے، تو گھر والوں نے بتایا: کچھ نہیں، آپ نے فرمایا: وہ دیگچی میں جو گوشت ہے، تو گھر والوں نے بتایا وہ تو بریرہ پر صدقہ کیا گیا ہے، تو آپ نے فرمایا: اس کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔ یہاں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر والوں سے کھانے کی چیز کے متعلق سوال کیا تھا حالانکہ آپ گھر والوں سے افضل تھے۔

شوہر کے افلاس کی وجہ سے نکاح کے فسخ ہونے کے متعلق مذاہب فقہاء

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ عورت یہ کہے گی کہ مجھے کھانا کھلاؤ ورنہ مجھ کو علیحدہ کردو۔ (السنن الکبریٰ للنسائی: ۹۲۱۱)

اس حدیث سے امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر شوہر مفلس ہو اور بیوی کو کھانا نہ کھلا سکے تو ان کے درمیان نکاح فسخ کردیا جائے گا اور اس میں امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کا اختلاف ہے۔ (مختصر الطحاوی ص ۲۲۳، الموطا للامام مالک ص ۳۶۴، کتاب الام للامام الشافعی ج ۵ ص ۹۶، الہدایہ للمرغینانی ج ۲ ص ۳۲۲)

فقہاء مالکیہ کے نزدیک افلاس کی مدت میں اختلاف ہے، آیا وہ ایک مہینہ ہے یا تین مہینے ہیں یا چند ایام ہیں، سوا اس صورت کے کہ مرد نے اس عورت سے حالتِ فقر میں نکاح کیا ہو اور عورت اس کے حال سے واقف ہو تو اب نکاح فسخ نہیں ہوگا۔ (المنتقی ج ۴ ص ۱۳۱)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ (الطلاق: ۶)

ان مطلقہ عورتوں کو اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو اور ان پر تنگی کرنے کے لیے ان کو ضرر نہ پہنچاؤ۔

سو افلاس کی حالت میں عورت کو نکاح میں روکے رکھنا اس پر ضرر کی حالت ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بیوی کا خرچ اس سے حصولِ نفع اور حصولِ لذت کی بناء پر واجب ہوتا ہے، کیونکہ اگر عورت نافرمانی کرے اور اس کو جماع کا موقع نہ دے تو اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہوتا، اور جیسا کہ اگر شوہر نامرد ہو تو اس سے مفارقت ہو جاتی ہے، اسی طرح جب شوہر بیوی کو خرچ دینے پر قادر نہ ہو اور اس کو نکاح میں روکے رکھے تو اب بھی مفارقت واجب ہو جائے گی۔

بیوی اور بچوں پر خرچ کرنے کے وجوب پر اجماع

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے دعویٰ کیا ہے کہ مرد پر اہل اور عیال کا خرچ واجب ہے، اور حدیث اس مفہوم میں ظاہر ہے، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اور تم اپنے زیر کفالت لوگوں سے صدقہ کی ابتداء کرو'' اور آپ نے صرف صدقہ کا ذکر کیا ہے، اس میں یہ دلیل ہے کہ مرد اپنے زیرِ کفالت افراد پر یعنی اپنی بیوی پر اور اپنی اولاد پر جو خرچ کرتا ہے اس کا شمار بھی صدقہ میں ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بیوی پر خرچ کرنے کے حکم سے ابتداء کی ہے، تاکہ یہ گمان نہ کیا جائے کہ بیوی پر خرچ کرنے پر کوئی اجر نہیں ہوتا، پس لوگوں کو بتایا کہ بیوی پر خرچ کرنا بھی ان کے لیے صدقہ ہے، یعنی اس حدیث میں جو بیوی اور بچوں پر خرچ کو صدقہ

فرمایا ہے اس سے یہ گمان نہ کیا جائے کہ یہ خرچ کرنا واجب نہیں ہے بلکہ نفلی صدقہ کی طرح ہے، سو اس کی توجیہ یہ ہے کہ اگرچہ بیوی اور بچوں پر خرچ کرنا واجب ہے لیکن اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے صدقہ فرمایا ہے کہ اس واجب پر عمل کرنے سے بھی صدقہ کا اجر و ثواب ملتا ہے۔

جس شخص کو اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے کی ضرورت ہو، اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دوسروں کی ضروریات کو پورا کرے الا یہ کہ اس کے پاس اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات سے زیادہ مال ہو

اس حدیث میں ارشاد ہے "کہ تم اپنے عیال پر صدقہ کرنے سے ابتداء کرو"، یہ آپ نے اس لیے ارشاد فرمایا کہ انسان پر یہ واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے کے بعد سب سے پہلے اپنے نفس کے حقوق کو ادا کرے، اور جب یہ صحیح ہے تو جس شخص کو اپنے نفس پر خرچ کرنے کی ضرورت ہے اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مال کو کسی اور پر خرچ کرے، کیونکہ کسی شخص کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے نفس اور اپنے اہل و عیال کے نفوس کو ضائع کر کے دوسروں کے نفوس کو زندہ کرے، ہاں اس کے لیے دوسروں پر خرچ کرنا اس وقت جائز ہے جب اس کے پاس اس کی اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات کو پورا کرنے سے زائد اور فارغ مال ہو، تو پھر وہ دوسروں کی ضروریات کو بھی پورا کرے، کیونکہ اس کے اوپر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے اوپر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے اور اس پر یہ فرض نہیں ہے کہ وہ دوسروں کے اوپر بھی خرچ کرے، البتہ یہ نفل ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فرض پر عمل کرنا نفلی عبادات کو ترجیح دینے سے افضل ہے۔

بیٹے اور خادم پر خرچ کرنے کا وجوب

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اولاد پر خرچ کرنا بھی فرض ہے جب کہ وہ اولاد کم سن اور نابالغ ہو، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ "بیٹا یہ کہے گا کہ آپ مجھے کس کے سپرد کرتے ہیں اور اسی طرح غلام اور نوکر یہ کہے گا کہ مجھے کھلاؤ اور مجھ سے کام لو"، اس سے معلوم ہوا کہ ان پر خرچ کرنا بھی واجب ہے، علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں: اسی طرح اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کہ اپنے عیال پر صدقہ کرنے کی ابتداء کرو"، بلکہ یہ زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ اس کا بیٹا اور اس کا خادم بھی اس کے عیال میں سے ہیں۔

بیوی پر خرچ کرنے کا وجوب

بیوی پر خرچ کرنا بھی قرآن مجید اور حدیث کی نصوص سے واجب ہے، اور نصوص میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عرفہ کو فرمایا: "ان بیویوں کا تم پر رزق اور لباس دستور کے مطابق واجب ہے"۔ (صحیح مسلم: ۱۲۱۸، کتاب الحج، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)، نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت ہند رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "تم ابوسفیان کے مال سے اتنا لے لو جو تمہارے اور تمہاری اولاد کے لیے دستور کے مطابق کافی ہو"۔ (صحیح البخاری: ۲۲۱۱)

جو بچے مالدار نہ ہوں، ان پر خرچ کے وجوب میں فقہاء اسلام کے اقوال

اس پر بھی اجماع قائم ہے کہ مرد پر اپنے کم سن بچوں کا خرچ واجب ہے جن بچوں کے پاس نہ مال ہو اور نہ وہ کمانے پر قادر ہوں۔

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ جو اولاد بالغ ہو اور مالدار نہ ہوں اور نہ وہ کمائی پر قادر ہوں، ان کے خرچ میں بھی اختلاف ہے۔

فقہاء مالکیہ نے کہا ہے کہ باپ پر واجب ہے کہ وہ اپنی صلبی اولاد پر خرچ کرے

فقہاء کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ باپ پر واجب ہے کہ اپنی صلبی اولاد میں سے جو نابالغ مرد ہوں ان پر خرچ کرے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائیں اور بیٹیوں پر خرچ کرے حتیٰ کہ ان کا نکاح کر دے اور ان کی رخصتی ہو جائے، اگر ان کا شوہر رخصتی کے بعد طلاق دے دے یا فوت ہو جائے تو پھر باپ کے ذمہ اس کا خرچ نہیں ہے، اور اگر اس نے رخصتی سے پہلے طلاق دی تو پھر باپ کے ذمہ اس کا خرچ ہے، اور امام مالک کے نزدیک بیٹے کی اولاد کا خرچ دادا پر واجب نہیں ہے۔ (المدونہ ج ۲ ص ۲۵۲)

امام شافعی کے نزدیک نابالغ اولاد پر خرچ کرنا ضروری ہے اور جب وہ بالغ ہو جائیں تو پھر ان پر خرچ کرنا ضروری نہیں ہے سوا اس کے کہ وہ اپاہج ہو جائیں

اور فقہاء کے دوسرے گروہ نے کہا ہے کہ وہ اپنی اولاد پر اس وقت تک خرچ کرے حتیٰ کہ لڑکے کو احتلام ہو جائے اور لڑکی کو حیض آ جائے، یعنی دونوں بالغ ہو جائیں، پھر باپ کے اوپر ان کا نفقہ واجب نہیں ہے، سوا اس صورت کے کہ اس کی اولاد اپاہج ہو، برابر ہے کہ وہ مرد ہو یا عورت جب تک کہ ان کے پاس اموال نہ ہوں اور اس میں بیٹا اور بیٹے کی اولاد کا حکم ایک ہی ہے، جب تک کہ ان کے لیے ان کا باپ ان پر خرچ پر قادر نہ ہو اور یہ امام شافعی کا قول ہے، اور الثوری نے کہا: مرد کو اس کی کم سن اولاد کے خرچ پر مجبور کیا جائے گا اور مردوں کے خرچ پر بھی مجبور کیا جائے گا لڑکا ہو یا لڑکی، پس اگر وہ بڑے ہوں تو لڑکیوں کے نفقہ پر مجبور کیا جائے گا اور لڑکوں کے نفقہ پر مجبور نہیں کیا جائے گا سوا اس کے کہ وہ اپاہج ہوں۔

اور فقہاء کے ایک اور گروہ نے کہا ہے کہ تمام بچوں کا خرچ دینا ضروری ہے، خواہ لڑکا اور لڑکی بالغ ہوں یا نہ ہوں اور ان کے پاس اموال ہوں، خواہ وہ خرچ سے مستغنی ہوں یا نہ ہوں، جیسا کہ حضرت ہند کی ظاہر حدیث کا تقاضا ہے اور انہوں نے بالغ کا استثناء نہیں کیا۔

علامہ ابن الملقن کہتے ہیں کہ حضرت ہند کی حدیث میں ایک واقعہ کا ذکر ہے اور اس میں عموم نہیں ہے، اور اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ بیٹا کہے گا: مجھے کھلاؤ مجھے کس کے سپرد کرتے ہو، یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ بیٹا یہ اس وقت کہے گا جب اسے روزی کمانے اور محنت مزدوری کی طاقت نہ ہو اور جو بلوغت کی عمر کو پہنچ گیا وہ ایسا نہیں کرے گا، کیونکہ جو چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچ گیا اور کمانے کی عمر کو پہنچ گیا تو پھر اس کا خرچ واجب نہیں ہوگا، کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ (النساء:٦)

اور یتیموں کا (بہ طور تربیت) امتحان لیتے رہو، حتیٰ کہ وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں۔

اس آیت میں نکاح کی حد تک پہنچنے کو بلوغت کی حد قرار دیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶، ص ۱۵-۱۸، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۵ کی شرح از علامہ ابن بطال مالکی

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی الشافعی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اہل اور عیال کے نفقہ کے وجوب پر فقہاءِ اسلام کی عبارات

المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ اہل وعیال کا نفقہ بالا جماع واجب ہے، اور یہ حدیث جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''تم اپنے عیال سے خرچ کی ابتداء کرو''۔ الحدیث۔ اس سلسلہ میں حجت ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے عیال سے خرچ کی ابتداء کرو اور صرف صدقہ کا ذکر فرمایا ہے یہ اس کی دلیل ہے کہ مرد پر ان کا نفقہ واجب ہے جو اس کے زیر کفالت ہوں اس کی بیوی ہو اور اس کی اولاد، اور ان پر خرچ کو صدقہ میں شمار کیا گیا ہے، اور اس کو صدقہ سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو کہ بیوی اور اولاد پر خرچ کرنے سے بھی وہی اجر ملتا ہے جو صدقہ کرنے کا اجر ہوتا ہے۔

امام ابوجعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے عیال سے خرچ کی ابتداء کرو۔ یہ اس لیے فرمایا ہے کہ مرد پر سب سے زیادہ حق تو اس کے اپنے نفس کا ہوتا ہے اور جب یہ صحیح ہے تو کسی محتاج پر اسے خرچ کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ کیونکہ کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو ضائع کر کے دوسروں پر خرچ کرے اور اس کے لیے دوسروں پر خرچ کرنا اس وقت جائز ہوگا کہ جب اس کو خطرہ نہ ہو کہ اگر اس نے اس مال کو اپنے آپ پر اور اپنے اہل اور اپنی اولاد پر خرچ نہیں کیا تو وہ ضائع ہو جائے گا، کیونکہ اس کے اوپر اپنے اہل وعیال کا خرچ فرض ہے اور دوسروں پر خرچ کرنا اس پر فرض نہیں ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فرض پر عمل کرنا دوسروں پر نفلی ایثار کرنے سے زیادہ اولیٰ ہے۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب تک اولاد کم سن ہو تو ان پر خرچ کرنا فرض ہے، کیونکہ بیٹا کہتا ہے تم مجھے کس کے سپرد کرو گے، اسی طرح نوکر اور خادم کا خرچ کرنا بھی مرد پر لازم ہے۔

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ اس کے جو بیٹے بالغ ہوں اور ان کے پاس مال نہ ہو اور نہ وہ کمائی کرنے پر قادر ہوں تو ایک گروہ نے کہا ہے کہ باپ پر لازم ہے کہ اپنے صلبی بیٹوں پر خرچ کرے، حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائیں اور عورتوں پر خرچ کرے حتیٰ کہ ان کا نکاح کر دے اور ان کی رخصتی ہو جائے، پس اگر رخصتی کے بعد ان کے شوہر نے طلاق دے دی یا ان کا شوہر فوت ہو گیا تو باپ پر اس کا کوئی نفقہ واجب نہیں ہے اور اگر رخصتی سے پہلے طلاق دے دی تو اس کا نفقہ باپ پر لازم ہوگا۔

شوہر کے افلاس کی وجہ سے شوہر اور اس کی بیوی کے درمیان مفارقت کے متعلق اختلافِ فقہاء

اگر شوہر مفلس ہو تو آیا اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان خرچ نہ ہونے کی وجہ سے مفارقت کر دی جائے گی، تو امام مالک، اللیث، الاوزاعی، امام شافعی، امام احمد، اسحاق اور ابوثور نے کہا کہ جب شوہر بیوی کو خرچ دینے سے عاجز ہو تو پھر بیوی کو اختیار ہے کہ وہ اس کے پاس رہے یا نہ رہے اور بیوی کا کوئی خرچ شوہر کے ذمہ نہیں ہوگا۔ اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ وہ شوہر سے علیحدگی کو طلب کرے گی یا نہیں اور حاکم ان کے درمیان تفریق کرے گا یا نہیں؟ صحابہ میں سے حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابوہریرہ

رضی اللہ عنہم، اور تابعین میں سے سعید بن المسیب نے کہا ہے کہ یہ سنت ہے، یعنی حاکم ان کے درمیان تفریق کر دے گا۔

اور فقہاء کے ایک دوسرے گروہ نے کہا ہے کہ ان کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی اور عورت پر لازم ہے کہ وہ صبر کرے اور عورت کے نفقہ کا حاکم حکم دے گا کہ وہ مرد کے ذمہ لازم ہے، یہ عطاء بن ابی رباح، الزہری کا قول ہے اور فقہاء احناف اور ثوری کا بھی یہی مذہب ہے اور ان کی دلیل قرآن مجید کی درج ذیل آیت ہے:

وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ (البقرہ: ۲۸۰) اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو اس کو فراخ دستی تک مہلت دو۔

پس واجب ہے کہ شوہر کو مہلت دی جائے حتیٰ کہ وہ خرچ ادا کرنے پر قادر ہو جائے، اور نیز ان کا استدلال درج ذیل آیت سے ہے:

وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔ (النور: ۳۲) اور تم اپنے بے نکاح (آزاد) مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دو اور اپنے نیک غلاموں اور باندیوں کا نکاح کر دو، اگر وہ فقراء ہیں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔

اس آیت میں بھی یہ فرمایا ہے کہ اگر وہ فقراء ہیں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا، اور اس میں فقہاء احناف کی یہ دلیل ہے کہ عورت کو صبر کرنا چاہیے کہ اگر اس کا شوہر مفلس اور محتاج ہے تو عنقریب اللہ تعالیٰ اس کو غنی کر دے گا اور جب وہ اس کو غنی کر دے گا تو وہ بیوی کو اس کا خرچ ادا کر دے گا۔

اور جمہور فقہاء نے فقہاء احناف کے خلاف اس سے استدلال کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ بیوی کہے گی: یا تو تم مجھے کھلاؤ یا تم مجھے طلاق دو، اور اس موضعِ اختلاف کے اندر یہ حدیث نصِ قاطع اور نص صریح ہے، یعنی شوہر پر فی الفور ضروری ہے کہ وہ بیوی کو اس کا نفقہ ادا کرے۔ اور اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ عورت کو اس وقت تک صبر کرنا چاہیے حتیٰ کہ اس کا شوہر اس کا خرچ ادا کرنے پر قادر ہو جائے۔

اور النور: ۳۲ میں یہ فرمایا ہے کہ اگر وہ فقراء ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو غنی کر دے گا، اس سے وہ فقیر مراد نہیں ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، بلکہ اس سے وہ فقیر مراد ہے جس کی حالت خوش حال مرد سے کم ہو، اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے نکاح کو مستحب قرار دیا ہے اور اس پر اجماع ہے کہ جو مرد بیوی کے نفقہ پر قادر نہ ہو اس کا نکاح کرنا مندوب اور مستحب نہیں ہے۔

اور البقرہ: ۲۸۰ میں جو فرمایا ہے کہ اگر وہ غریب ہے تو اس کو خوش حالی تک مہلت دو، اس کا تعلق نکاح سے نہیں ہے، اس کا تعلق قرض سے ہے، اور جمہور فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے البقرہ: ۲۳۱ میں فرمایا ہے کہ عورتوں کو ضرر پہنچانے کے لیے نہ روکو، اور جب مرد بیوی پر خرچ نہیں کرے گا تو وہ اس کو ضرر پہنچائے گا، تو اس پر واجب ہے کہ وہ بیوی کو خود سے علیحدہ کر دے اگر بیوی مطالبہ کرے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۲۶-۴۲۷، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۵ کی شرح از علامہ القسطلانی الشافعی

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نفقہ کے وجوب کے اسباب

مرد کی عیال میں وہ لوگ ہیں جو اس کے زیر کفالت ہوں اور جن پر وہ خرچ کرے اور اس حدیث میں خرچ کی ابتداء بیوی سے کی گئی ہے، کیونکہ اس کا اس پر خرچ کرنا زیادہ قوی ہے، کیونکہ وہ بیوی سے جماع کر کے خرچ کے ذریعہ اس کا عوض ادا کرتا ہے اور بیوی اس کے ساتھ جو غمگساری کرتی ہے، اس کا معاوضہ ادا کرتا ہے، نیز اس لیے کہ بیوی کا خرچ ساقط نہیں ہوتا خواہ مدت گزر جائے یا مرد عاجز ہو جائے، اس کے برخلاف دوسروں پر جو خرچ کیا جاتا ہے وہ زیادہ مدت کے گزرنے اور عجز کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے، اور نفقہ کے وجوب کے دو سبب ہیں، ایک سبب نسب ہے اور دوسرا سبب ملکیت ہے، پس نسب کی وجہ سے درج ذیل نفقات واجب ہوتے ہیں:

نسب اور ملکیت کی وجہ سے نفقات کا وجوب

(۱) آزاد مرد اور اس کے آباء اور اس کے امہات پر خرچ کرنا واجب ہے اور آزاد ماں اور اس کے آباء اور اس کی امہات پر خرچ کرنا واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا۔ (لقمان: ۱۵) اور دنیا میں ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔

(۲) آزاد اولاد اور ان کی اولاد کا خرچ بشرطیکہ وہ اس قدر خوش حال ہو کہ وہ اپنی بیوی پر خرچ کے بعد ان پر خرچ کر سکے۔

(۳) اور بیوی کے خادم پر خرچ کرنا اور اپنے خادم پر خرچ کرنا اور اس کی اولاد پر خرچ کرنا اور اس خرچ میں لباس اور رہائش کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔

اور ملکیت کی وجہ سے بھی چند نفقات واجب ہوتے ہیں:

(۱) بیوی کا خرچ (۲) بیوی کی باندی کا خرچ (۳) عدت گزارنے والی عورت کا خرچ اگر اس کو طلاقِ رجعی دی ہو یا اس کی بیوی حاملہ ہو اور اس کی باندی کا خرچ۔

پس بیوی کے لیے غنی کے اوپر ایک کلو طعام دینا واجب ہے، اور اس کے خادم کے لیے تین پاؤ طعام دینا واجب ہے، اور متوسط پر واجب ہے کہ وہ نصف کلو اور چوتھائی کلو خرچ دے۔

اور ہم نے جس کے لیے نفقہ واجب کیا ہے اس کے لیے لباس اور رہائش کو بھی واجب کیا ہے، اور ایک مدت تک اگر کوئی نفقہ ادا نہیں کیا تو بیوی کے سوا دوسروں کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے اور بیوی کا نفقہ ساقط نہیں ہوتا بلکہ شوہر کے ذمہ قرض ہوتا ہے، کیونکہ بیوی کا نفقہ اس معاوضہ میں ہے کہ بیوی نے شوہر کو جماع کی پیش کش کی اور دوسروں کا نفقہ غم خواری کے قبیل سے ہے۔

جس نفقہ کی مدت گزر گئی ہے اس کے وجوب کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب

فقہاء احناف نے کہا ہے کہ جس نفقہ کی مدت گزر گئی ہے وہ نفقہ واجب نہیں ہوگا، کیونکہ یہ صلہ ہے اور بغیر قبضہ کے عورت اس کی مالک نہیں ہوگی سوائے اس صورت کے کہ قاضی اس کے لیے نفقہ کو مقرر کر دے یا بیوی شوہر سے نفقہ کی کسی مقدار کے اوپر صلح کر لے، کیونکہ اس میں دو حق ہیں، بیوی کا حق بھی ہے اور شریعت کا حق بھی ہے، چونکہ بیوی نے اس کو جماع کا موقع دیا ہے تو یہ بیوی کا

حق ہے اور اس کو شہوت پوری کرنے کا حق دیا ہے تو یہ بھی بیوی کا حق ہے اور اس حیثیت سے کہ نکاح کی وجہ سے اولاد کا حصول ہوتا ہے اور فریقین میں سے ہر ایک زنا سے بچا رہتا ہے تو یہ شریعت کا حق ہے، تو مرد کے حق کے اعتبار سے یہ معاوضہ ہے اور شریعت کے حق کے اعتبار سے یہ صلہ ہے، پس جب معاملہ ان دو چیزوں میں متردد ہو گیا تو اس میں قاضی کے حکم کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۴۳، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۵ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب شوہر فقیر ہو تو بیوی کو اس سے طلاق کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے

بیوی پر خرچ کرنا اس سے جماع کا فائدہ حاصل کرنے کے معاوضہ میں ہے، اس کے باوجود شوہر کو اس پر خرچ کرنے کا اجر ملتا ہے لیکن ماں باپ اور بہن بھائیوں پر خرچ کرنا محض فضل اور احسان ہے۔

سوال: جب شوہر فقیر ہو تو کیا اس کی بیوی کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ صبر کرے یا طلاق کا مطالبہ کرے؟

جواب: افضل یہ ہے کہ وہ صبر کرے، اس میں کوئی شک نہیں ہے، بلکہ جب وہ طلاق کا مطالبہ کرے گی تو طلاق تو عورت کے اختیار میں نہیں ہے، طلاق کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے اور یہ اکثر اہل علم کا مذہب ہے، اور قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے:

وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۗ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۗ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ (الطلاق: ۷)	اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے، اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا۝

اس آیت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ طلاق کا مطالبہ کرے۔

میں کہتا ہوں: فقہاء احناف کا بھی یہی مسلک ہے جیسا کہ شیخ عثیمین حنبلی نے لکھا ہے، البتہ امام مالک اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ ایسی صورت میں عورت خاوند سے طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۲۰)

صحیح البخاری: ۵۳۵۵ کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اپنا تمام مال صدقہ کرنے کے جواز کا محمل

اس حدیث میں مذکور ہے کہ افضل صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوشحالی باقی رہے، یعنی صدقہ کرنے کے بعد بھی صدقہ کرنے والا خوش حال رہے، اس کا محمل یہ ہے کہ جب اس کے پاس قوت نہ ہو اور مقامِ توکل میں صبر نہ ہو اور اس سے کوئی حقِ واجب فوت نہ ہو، کیونکہ حدیث میں ہے:

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: افضل صدقۃ جہد المقل ہے، (یعنی وہ صدقہ ہے جو تنگ دست کی مشقت

سے دیا جائے)۔(سنن ابوداؤد: ۱۶۷۷، کتاب الزکوٰۃ، باب الرخصۃ فی ذالک)۔

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا تمام مال اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا تھا اور اپنے لیے کچھ باقی نہیں رکھا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع نہیں فرمایا۔(سنن ترمذی: ۳۶۷۵، سنن ابوداؤد: ۱۶۷۸، سنن دارمی: ۱۶۶۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر آدمی اپنا سارا مال بھی صدقہ کر دے حتیٰ کہ اس کے پاس کچھ مال باقی نہ بچے تو یہ بھی جائز ہے لیکن یہ اس وقت ہے کہ جب کسی شخص میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح قوت توکل ہو اور فقر پر برداشت کرنے کی قوت ہو اور اس کو یہ خطرہ نہ ہو کہ اتنا مال صدقہ کرنے سے وہ اور اس کے اہل وعیال کسی ناگہانی مصیبت سے دوچار ہو جائیں گے، لیکن جب اس کو علاج معالجہ کی اور طعام کے لیے مال کی ضرورت ہو یا دیگر ضروریات زندگی کے لیے مال کی ضرورت ہو اور اس کو کسی کا قرض نہ دینا ہو اور اس میں اس درجہ کا صبر اور توکل نہ ہو تو پھر اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو خطرہ میں ڈالے اور لوگوں کا جو قرض اس نے دینا ہے ان کے مال کو خطرہ میں ڈالے اور اپنا سارا مال خرچ کر کے بیٹھ جائے۔

۵۳۵۶۔حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ خَالِدِ بْنِ مُسَافِرٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ۔

۵۳۵۶۔امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الرحمن بن خالد بن مسافر نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از ابن المسیب از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوشحالی رہے اور خرچ کی ابتداء ان سے کرو جو تمہارے عیال ہیں۔

(صحیح البخاری: ۱۴۲۶، ۱۴۲۸، ۵۳۵۵، ۵۳۵۶، صحیح مسلم: ۱۰۳۴، سنن نسائی: ۲۵۴۴، سنن ابوداؤد: ۱۶۷۶، مسند احمد: ۷۰۹۷، سنن دارمی: ۱۶۵۱)

صحیح البخاری: ۵۳۵۶ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوش حالی باقی رہے، اس سے مراد یہ ہے کہ اس مال کو صدقہ کرے جو اس کے زیر پرورش لوگوں پر خرچ کرنے سے زائد ہو۔(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۶ کی شرح از علامہ قسطلانی شافعی

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

غنی کی پشت کے معانی

صاحب شرح السنہ نے کہا ہے: یعنی صدقہ کرنے کے بعد وہ ایسا غنی رہے جو پیش آمدہ مشکلات اور مصائب کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔

علامہ التورپشتی نے کہا ہے: یہ ان کے اس قول کی مثل ہے جیسے وہ کہتے ہیں کہ وہ ایسی سواری کی پشت پر ہے، جس کی پشت سلامت رہے، اور یہ اس قسم کے الفاظ ہیں جن سے اس معنی کی تعبیر کی جاتی ہے کہ وہ حالات کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔

علامہ طیبی نے کہا ہے: خرچ کرنے کے لیے صدقہ کے لفظ کا استعارہ کیا گیا ہے، تا کہ خرچ کرنے پر برانگیختہ کیا جائے اور خرچ کرنے والا اس میں عظیم ثواب کی توقع رکھے۔ نیز اس حدیث میں ارشاد ہے کہ خرچ کرنے کی ابتداء اپنے عیال سے کرو، اس میں نفلی صدقہ اور واجب صدقہ دونوں شامل ہیں، اور اس میں یہ بتایا ہے کہ صدقہ اصل مال سے نہ کیا جائے بلکہ اصل مال کے نفع سے کیا جائے۔ (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۴۵، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۶ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کا ایک دوسری حدیث سے تعارض کا جواب

اس حدیث میں ارشاد ہے کہ بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوش حالی رہے، اس کے برخلاف دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا صدقہ سب سے افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''جهد المقل'' یعنی تنگ دست جو مشقت اٹھا کر صدقہ کرے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۶۷۶، سنن نسائی: ۲۵۴۴)

ان میں اس لیے تعارض نہیں ہے کہ اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوش حالی رہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کے بعد انسان بہت زیادہ خوش حال رہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ کرنے کے بعد اس کے پاس اتنا مال ہو جس سے وہ اپنی ضروریات کو پورا کر سکے، تو وہ بھی غنی ہے اگر چہ لوگوں کے نزدیک وہ تنگدست ہو، یعنی اس کے پاس زیادہ مال نہیں ہے اور وہ فی نفسہٖ تنگ دست ہے لیکن وہ اپنی ضروریات پوری کر سکتا ہے تو اس اعتبار سے اس کو المقل فرمایا اور چونکہ وہ اپنی ضروریات پوری کرنے میں لوگوں کا محتاج نہیں ہے اس اعتبار سے اس کو غنی اور خوش حال فرمایا۔

(شرح صحیح البخاری: ج ۵ ص ۱۲۰، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۔ بَابُ: حَبْسِ نَفَقَةِ الرَّجُلِ قُوتَ سَنَةٍ عَلَى أَهْلِهِ وَكَيْفَ نَفَقَاتُ الْعِيَالِ؟

مرد کا اپنے اہل وعیال کے لیے ایک سال کے خرچ کو روک لینا، اور اہل وعیال کے خرچ کی کیفیت

یہ باب اس حدیث کے خلاف نہیں ہے جس میں مذکور ہے کہ آپ کل کے لیے کچھ نہیں رکھتے تھے، کیونکہ دوسری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ خاص اپنے لیے کچھ نہیں رکھتے تھے، اور جس روایت میں مذکور ہے کہ وفات کے وقت آپ کی زرہ چند جَو کے عوض ایک یہودی کے پاس گروی تھی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ سال بھر کا خرچ اہل وعیال کے لیے نکال رکھتے مگر غیر معمولی مہمانوں کے آجانے سے وہ مال پہلے ہی خرچ ہو جاتا تو قرض لینے کی ضرورت پڑ جاتی، علامہ قسطلانی نے کہا ہے کہ اہل وعیال پر خرچ کرنے کے لیے سال بھر کا غلہ فراہم کرنا اور رکھ لینا توکل کے خلاف نہیں ہے کیونکہ سید المتوکلین نے ایسا کیا ہے اور اسباب کا ترک کرنا توکل کے لیے ضروری نہیں ہے بلکہ ممنوع ہے، توکل کی تعریف یہ ہے کہ اسباب حاصل کر کے اس کا نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے جو کہ

مسبب الاسباب ہے، یہی توکل ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مرد کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ایک سال کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے خرچ کو ذخیرہ کر کے رکھ لے، یعنی اپنے اہل وعیال کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ایک سال کی روزی جمع کر کے رکھ لے، اور اہل وعیال پر خرچ کرنے کی کیا کیفیت ہے؟ اور کیفیت نفقات کی صفات کی طرف راجع ہے یعنی وہ نفقات واجبہ ہوں یا غیر واجبہ ہوں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۵۷۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ قَالَ قَالَ لِي مَعْمَرٌ قَالَ لِي الثَّوْرِيُّ هَلْ سَمِعْتَ فِي الرَّجُلِ يَجْمَعُ لِأَهْلِهِ قُوتَ سَنَتِهِمْ أَوْ بَعْضِ السَّنَةِ قَالَ مَعْمَرٌ فَلَمْ يَحْضُرْنِي ثُمَّ ذَكَرْتُ حَدِيثًا حَدَّثَنَاهُ ابْنُ شِهَابٍ الزُّهْرِيُّ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسٍ عَنْ عُمَرَ رضی الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَبِيعُ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ وَيَحْبِسُ لِأَهْلِهِ قُوتَ سَنَتِهِمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے خبر دی از ابن عیینہ، انہوں نے بیان کیا کہ مجھ سے معمر نے کہا، انہوں نے کہا: مجھ سے الثوری نے کہا: کیا تم نے اس کے متعلق کوئی حدیث سنی ہے کہ ایک مرد اپنے گھر والوں کے لیے ایک سال کی روزی جمع کرتا ہے یا سال کے بعد حصہ کی روزی جمع کرتا ہے تو معمر نے کہا: مجھے یہ مستحضر نہیں ہے، پھر مجھے وہ حدیث یاد آئی جو ہمیں ابن شہاب زہری نے بیان کی تھی از مالک بن اوس از حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کے درختوں کے کھجوروں کو فروخت کرتے تھے اور اپنے اہل وعیال کے لیے ایک سال کی روزی جمع کرتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۲۹۰۴، ۳۰۹۴، ۴۰۳۳، ۴۸۸۵، ۵۳۵۷، ۵۳۵۸، ۶۷۲۸، ۷۳۰۵، صحیح مسلم: ۱۷۵۷، سنن ترمذی: ۱۷۱۹، سنن نسائی: ۴۱۴۰، سنن ابوداؤد: ۲۹۶۵، مسند احمد: ۲؍۱۷۲)

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے صحیح البخاری: ۵۳۵۷ میں اس حدیث کا مکمل متن ذکر نہیں کیا، اس حدیث کا مکمل متن صحیح البخاری: ۲۹۰۴ میں مذکور ہے اور وہ درج ذیل ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو نضیر کے اموال اس قسم میں سے تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ طور فئے عطا کیا تھا۔ (مالِ فے کا مطلب یہ ہے کہ دشمنانِ اسلام اپنا جو ترکہ مسلمانوں کے پاس چھوڑ کر چلے جائیں تو مسلمانوں کا اس پر قبضہ کرنا اور اس کو خرچ کرنا جائز ہے، جیسے برصغیر کی تقسیم کے وقت ہندو اور سکھ جو اپنی جائیدادا اور دکانیں اور اموال چھوڑ کر بھارت منتقل ہو گئے تو ہجرت کے بعد مسلمانوں نے ان پر قبضہ کر لیا تو یہ بھی مالِ فے ہے اور ان کا یہ قبضہ کرنا اور اس کو اپنی ضروریات پر خرچ کرنا جائز تھا، اسی طرح جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کو ان کی سازشوں اور اسلام دشمنی کی وجہ سے مدینہ سے جلا وطن کر دیا تو وہ بنو نضیر میں اپنے باغات کو چھوڑ کر چلے گئے، اور ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبضہ کر لیا، سعیدی غفرلہ)۔ یہ مال اس قبیل سے تھا کہ جس

کے حصول کے لیے مسلمانوں نے اپنے گھوڑے اور اپنے اونٹ نہیں دوڑائے تھے تو یہ اموال خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مال سے اپنے اہل کے اوپر سال بھر خرچ کرتے تھے، پھر باقی اموال سے ہتھیار اور گھوڑے خریدتے تھے جو کہ جہاد فی سبیل اللہ میں کام آتے تھے۔ (صحیح البخاری: ۲۹۰۴)

صحیح البخاری: ۵۳۵۷ کی شرح از علامہ عینی

بنونضیر کا مصداق اور حدیث مذکور سے مستنبط مسائل

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بنونضیر: اس لفظ میں نون پر زبر ہے اور ضاد کے نیچے زیر ہے اور راء کے نیچے بھی زیر ہے، اور یہ خیبر کے یہود کا ایک قبیلہ ہے جو عرب میں داخل ہو گئے تھے اور ان کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف ہے۔

بنونضیر کو مدینہ سے جلاوطن کرنے کا سبب

میں کہتا ہوں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ہجرت فرمائی تو بنونضیر سے معاہدہ کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف کفار قریش کی مدد نہیں کریں گے، لیکن انہوں نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور مسلمانوں اور خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء رسانی کی کوشش کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی وجہ سے ان کو مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیا۔ وہ اپنے باغات چھوڑ کر چلے گئے اور ان باغات کو مالِ فئے قرار دیا گیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اہل وعیال پر خرچ کرنے کے لیے مال کو جمع کرنا جائز ہے، اور یہ ذخیرہ اندوزی نہیں ہے، اور انسان جو اپنے کھیتوں میں سے یا اپنے باغات میں سے یا پھلوں میں سے سال بھر کے خرچ کے لیے نکال لے تو اس کو ذخیرہ اندوزی نہیں کہا جاتا اور اس میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ان صوفیاء کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ کل کے لیے بچا کر رکھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ جو انسان کل کے لیے مال بچا کر رکھے وہ اپنے رب پر توکل نہیں کرتا اور اس قول کا فساد مخفی نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۴، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

توکل کی تعریف میں مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں کہ توکل کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز کے حصول کے لیے جو اسباب عادتاً مقرر ہیں، ان اسباب کو حاصل کر کے نتائج کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا مثلاً انسان کھیتوں کی فصل کے لیے زمین میں ہل چلاتا ہے، بیج بوتا ہے، زمین میں پانی دیتا ہے، پھر جو اس کے بس میں ہے وہ کرتا ہے اور نتیجہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ سورج کی گرمی سے غلہ کو پکاتا ہے، چاند کی کرنوں سے اس میں ذائقہ پیدا کرتا ہے اور نرم و نازک بیج سخت زمین کو چیر کر اس میں سے پودا نکالتا ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو بڑھاتا رہتا ہے، حتیٰ کہ کبھی وہ تناور درخت بن جاتا ہے اور کبھی اس سے فصل تیار ہو جاتی ہے، تو اسی طرح ہر معاملہ میں اسباب کو اختیار کر کے نتائج کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا چاہیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید المتوکلین ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے دشمنوں سے آپ کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ (المائدہ:٦٧) اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا۔

اس بشارت کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زرہ پہن کر میدانِ جہاد میں جاتے تھے اور ہتھیار اپنے ساتھ رکھتے تھے اور بعض اوقات صحابہ آپ کے گھر کے باہر آپ کی حفاظت کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ کسی مقصود کے حصول کے لیے اسباب کو اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ اسی لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ امتحان کی تیاری کے لیے دن رات محنت کریں اور رزق کی تلاش کے لیے محنت مزدوری کریں اور ملازمت کریں اور صرف یہ نہ سوچیں کہ اللہ تعالیٰ رزاق ہے اور ہمیں صرف اس پر توکل کرنا چاہیے کہ وہی رزق دے گا، اسی طرح بیماریوں میں علاج کرنا چاہیے اور قدرتی آفات اور مصائب میں اللہ تعالیٰ سے گڑ گڑا کر دعا کرنی چاہیے اور یہ تمام امور توکل کے خلاف نہیں ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۷ کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ اپنے اہل وعیال کے خرچ کے لیے ایک سال کی روزی کو جمع کرنا جائز ہے، دوسری احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کل کے لیے کوئی چیز ذخیرہ نہیں کرتے تھے، ان احادیث کا اس باب کی حدیث سے تعارض ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لیے کسی چیز کو کل کے لیے بچا کر نہیں رکھتے تھے اور اس باب کی حدیث میں ہے کہ آپ دوسروں کے لیے یعنی اپنے اہل وعیال کی ضروریات پر خرچ کرنے کے لیے ایک سال کا مال جمع کر کے رکھتے تھے۔

اور اس حدیث میں امام ابوجعفر طبری کے رد کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ مطلقاً مال جمع کرنا جائز ہے، برخلاف ان لوگوں کے جو مطلقاً مال جمع کرنے کو منع کرتے ہیں، لیکن امام طبری کا استدلال قوی ہے اور اس حدیث کے اندر جو ایک سال کے خرچ کو جمع کرنے کا جواز ہے یہ ضرورت کی بناء پر ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا تو کھجوروں کو جمع کرتے تھے یا جَو کو جمع کرتے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عیال کی روزی کے لیے ایک سال کی روزی کو جمع کرتے تھے اور سال کے درمیان میں بسا اوقات جو آپ کے پاس سائلین آتے آپ ان پر خرچ کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ کی زرہ چند جَو کے عوض یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۰۳ ملخصاً، دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۵۳، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۷ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جو چیزیں سال بھر محفوظ رہ سکتی ہوں، ان کو ایک سال کے خرچ کے لیے جمع کر کے رکھنے کا جواز

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو وسعت دی ہو، اور اس کے لیے آسان ہو کہ وہ اپنے گھر والوں کے لیے ایک سال کا خرچ جمع کر کے رکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے گھر والوں کے لیے ایک سال کا خرچ جمع کر کے رکھے، تاہم جو

دن رات خرچ کرنے والی چیزیں ہیں مثلاً روٹی سالن وغیرہ، توان کوایک سال تک جمع کر کے رکھنا ممکن نہیں ہے، لیکن جن چیزوں کو ایک سال تک جمع کر کے رکھنا ممکن ہوان کوایک سال کے خرچ کے لیے جمع کر کے رکھنا چاہیے جیسے گندم، جو، چاول اور کھجوریں وغیرہ۔

ایک سال کے لیے خوراک کو محفوظ کرنا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ پورا سال وہ خوراک محفوظ رہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کے لیے ایک سال کی خوراک کو جمع کر کے رکھتے تھے، سو کیا یہ لازم ہے کہ آپ سال کے اخیر تک خوراک کو جمع کر کے رکھتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لازم نہیں ہے، کیونکہ احادیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی مرد مہمان آیا تو آپ نے اس کو اپنے گھر بھیجا اور وہ آپ کے نو گھروں میں گیا اور وہاں پر سوائے پانی کے اور کوئی چیز نہیں ملی، اس میں یہ دلیل ہے کہ اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سال کے لیے خوراک کو جمع کر کے رکھتے تھے لیکن کبھی وہ خوراک ختم ہو جاتی تھی اور باقی نہیں رہتی تھی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرم نوازی کے ساتھ معروف تھے اور مہمانوں پر خرچ کرتے تھے، ضرورت مندوں کو عطا کرتے تھے حتیٰ کہ وہ سال بھر کی خوراک سال سے پہلے ختم ہو جاتی تھی۔

کم سن اولاد اور بڑی عمر کی اولاد کے متعلق خرچ کو چھوڑنے کی تحقیق

سوال: بعض لوگ اپنی بالغ اولاد کا اس وقت نکاح کر دیتے ہیں جب وہ نکاح کرنے کی عمر کو پہنچ جائے اور ان کی کم سن اولاد بھی ہوتی ہے، تو وہ اپنی کم سن اولاد کے لیے مہر کی مقدار کے برابر وصیت کر دیتے ہیں، آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ حرام ہے، اور کسی انسان کے لیے وصیت کو نافذ کرنا اس کے بغیر جائز نہیں ہے کہ باقی ورثاء اس پر راضی ہو جائیں اور اس لیے کہ نکاح اس خرچ کی مثل ہے جو اس کی حاجتِ اصلیہ پر زائد ہے، ہاں چھوٹا بچہ جو ابھی زیرِ پرورش ہو اور پنگوڑے میں ہو تو اس کے لیے خرچ کو چھوڑنا جائز ہے، لیکن جو بڑا بیٹا بالغ ہو اور خود کما سکتا ہو اس کے لیے خرچ کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔

(شرح صحیح البخاری: ج ۵ ص ۱۲۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۷ کی شرح از علامہ کورانی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنونضیر کے کھجوروں کے درخت کو فروخت کر دیتے تھے: یہ اس وقت کی بات ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کو مدینہ سے جلا وطن کر دیا تھا اور ان کے اموال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے (بہ طورِ فئی) مخصوص ہو گئے تھے۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مال کو جمع کرنا توکل کے منافی نہیں ہے اور اس حدیث میں جو ایک سال کی قید ہے وہ خصوصیت سبب کی وجہ سے ہے، کیونکہ کھجوروں کے درختوں کے پھل صرف ایک سال کے لیے حاصل ہوتے ہیں اور اس حدیث میں ایک سال سے زائد مال کو رکھنے کی ممانعت نہیں ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ دوسری حدیث میں تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کل کے لیے کوئی چیز بچا کر نہیں رکھتے تھے۔

(سنن ترمذی: ۲۳۶۲، کتاب الزہد، باب ماجاء فی معیشۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحیح ابن حبان: ۶۳۵۶، شعب الایمان للبیہقی: ۱۴۷۸)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لیے کوئی چیز بچا کر نہیں رکھتے تھے اور اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ آپ

اپنے اہل وعیال کے لیے ایک سال کے خرچ کو جمع کرتے تھے۔

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری، ج ۹ ص ۱۷۱، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

۵۳۵۸۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مَالِكُ بْنُ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ وَكَانَ مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ ذَكَرَ لِي ذِكْرًا مِنْ حَدِيثِهِ فَانْطَلَقْتُ حَتَّى دَخَلْتُ عَلَى مَالِكِ بْنِ أَوْسٍ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ مَالِكٌ انْطَلَقْتُ حَتَّى أَدْخُلَ عَلَى عُمَرَ إِذْ أَتَاهُ حَاجِبُهُ يَرْفَا فَقَالَ هَلْ لَكَ فِي عُثْمَانَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَالزُّبَيْرِ وَسَعْدٍ يَسْتَأْذِنُونَ قَالَ نَعَمْ فَأَذِنَ لَهُمْ قَالَ فَدَخَلُوا وَسَلَّمُوا فَجَلَسُوا ثُمَّ لَبِثَ يَرْفَا قَلِيلًا فَقَالَ لِعُمَرَ هَلْ لَكَ فِي عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ قَالَ نَعَمْ فَأَذِنَ لَهُمَا فَلَمَّا دَخَلَا سَلَّمَا وَجَلَسَا فَقَالَ عَبَّاسٌ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ اقْضِ بَيْنِي وَبَيْنَ هَذَا فَقَالَ الرَّهْطُ عُثْمَانُ وَأَصْحَابُهُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ اقْضِ بَيْنَهُمَا وَأَرِحْ أَحَدَهُمَا مِنَ الْآخَرِ فَقَالَ عُمَرُ اتَّئِدُوا أَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ الَّذِي بِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ يُرِيدُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ نَفْسَهُ قَالَ الرَّهْطُ قَدْ قَالَ ذَلِكَ فَأَقْبَلَ عُمَرُ عَلَى عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ فَقَالَ أَنْشُدُكُمَا بِاللّٰهِ هَلْ تَعْلَمَانِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ذَلِكَ قَالَا قَدْ قَالَ ذَلِكَ قَالَ عُمَرُ فَإِنِّي أُحَدِّثُكُمْ عَنْ هَذَا الْأَمْرِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ قَدْ خَصَّ رَسُولَهُ ﷺ فِي هَذَا الْمَالِ بِشَيْءٍ لَمْ يُعْطِهِ أَحَدًا غَيْرَهُ قَالَ اللّٰهُ ﴿وَمَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿قَدِيرٌ﴾ فَكَانَتْ هَذِهِ خَالِصَةً لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَاللّٰهِ مَا احْتَازَهَا دُونَكُمْ وَلَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عُفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عُقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے مالک بن عوف بن الحدثان نے خبر دی اور محمد بن جبیر بن مطعم نے مجھ سے اس حدیث کا کچھ ذکر بیان کیا تھا، پس میں گیا حتیٰ کہ میں مالک بن اوس کے پاس پہنچا، میں نے ان سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو مالک بن اوس نے کہا: میں گیا حتیٰ کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس داخل ہوا، جب ان کے پاس ان کا دربان یرفا آیا، اس نے کہا: آپ کی حضرت عثمان، حضرت عبد الرحمٰن، حضرت زبیر اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم کے متعلق کیا رائے ہے، وہ آپ سے اجازت طلب کر رہے ہیں، حضرت عمر نے فرمایا: ہاں! پس ان کو ملاقات کی اجازت دے دی، یرفا نے کہا: وہ لوگ آئے اور انہوں نے سلام کیا، پس وہ بیٹھ گئے، پھر یرفا تھوڑی دیر ٹھہرے تو انہوں نے حضرت عمر سے کہا: آپ کی حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق کیا رائے ہے، آپ نے فرمایا: ہاں! پس ان کو بھی ملاقات کی اجازت دے دی، پھر وہ دونوں آئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اے امیر المومنین! میرے اور اس شخص (یعنی حضرت علی) کے درمیان فیصلہ کر دیجئے، تو حضرت عثمان اور دیگر صحابہ کی جماعت نے بھی کہا کہ اے امیر المومنین ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور ان دونوں کو ایک دوسرے سے راحت میں رکھیے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ٹھہرو، میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کی قسم دیتا ہوں، جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں! کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہمارا (گروہِ انبیاء کا) کوئی وارث نہیں بنایا جاتا، ہم نے جو کچھ بھی چھوڑا

اسْتَأْثَرَ بِهَا عَلَيْكُمْ لَقَدْ أَعْطَاكُمُوهَا وَبَثَّهَا فِيكُمْ حَتَّى بَقِيَ مِنْهَا هَذَا الْمَالُ فَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُنْفِقُ عَلَى أَهْلِهِ نَفَقَةَ سَنَتِهِمْ مِنْ هَذَا الْمَالِ ثُمَّ يَأْخُذُ مَا بَقِيَ فَيَجْعَلُهُ مَجْعَلَ مَالِ اللهِ فَعَمِلَ بِذَلِكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَيَاتَهُ أَنْشُدُكُمْ بِاللهِ هَلْ تَعْلَمُونَ ذَلِكَ قَالُوا نَعَمْ قَالَ لِعَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ أَنْشُدُكُمَا بِاللهِ هَلْ تَعْلَمَانِ ذَلِكَ قَالَا نَعَمْ ثُمَّ تَوَفَّى اللهُ نَبِيَّهُ ﷺ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللهِ فَقَبَضَهَا أَبُو بَكْرٍ يَعْمَلُ فِيهَا بِمَا عَمِلَ بِهِ فِيهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَنْتُمَا حِينَئِذٍ وَأَقْبَلَ عَلَى عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ تَزْعُمَانِ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَذَا وَكَذَا وَاللهُ يَعْلَمُ أَنَّهُ فِيهَا صَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ ثُمَّ تَوَفَّى اللهُ أَبَا بَكْرٍ فَقُلْتُ أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ فَقَبَضْتُهَا سَنَتَيْنِ أَعْمَلُ فِيهَا بِمَا عَمِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ ثُمَّ جِئْتُمَانِي وَكَلِمَتُكُمَا وَاحِدَةٌ وَأَمْرُكُمَا جَمِيعٌ جِئْتَنِي تَسْأَلُنِي نَصِيبَكَ مِنِ ابْنِ أَخِيكَ وَأَتَى هَذَا يَسْأَلُنِي نَصِيبَ امْرَأَتِهِ مِنْ أَبِيهَا فَقُلْتُ إِنْ شِئْتُمَا دَفَعْتُهُ إِلَيْكُمَا عَلَى أَنَّ عَلَيْكُمَا عَهْدَ اللهِ وَمِيثَاقَهُ لَتَعْمَلَانِ فِيهَا بِمَا عَمِلَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَبِمَا عَمِلَ بِهِ فِيهَا أَبُو بَكْرٍ وَبِمَا عَمِلْتُ بِهِ فِيهَا مُنْذُ وُلِّيتُهَا وَإِلَّا فَلَا تُكَلِّمَانِي فِيهَا فَقُلْتُمَا ادْفَعْهَا إِلَيْنَا بِذَلِكَ فَدَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا بِذَلِكَ أَنْشُدُكُمْ بِاللهِ هَلْ دَفَعْتُهَا إِلَيْهِمَا بِذَلِكَ فَقَالَ الرَّهْطُ نَعَمْ قَالَ فَأَقْبَلَ عَلَى عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ فَقَالَ أَنْشُدُكُمَا بِاللهِ هَلْ دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا بِذَلِكَ قَالَا نَعَمْ قَالَ أَفَتَلْتَمِسَانِ مِنِّي قَضَاءً غَيْرَ ذَلِكَ فَوَالَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ لَا أَقْضِي فِيهَا قَضَاءً

ہے وہ صدقہ ہے، رسول اللہ ﷺ کی مراد آپ کی اپنی ذات تھی، تو جماعتِ صحابہ نے کہا: بے شک آپ نے اس طرح فرمایا تھا، پس حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح فرمایا تھا؟ ان دونوں نے کہا: بے شک آپ نے اس طرح فرمایا تھا، حضرت عمر نے کہا: پس اب میں تمہیں اس معاملہ کے متعلق حدیث بیان کرتا ہوں، بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس مال (اموال بنو نضیر) میں سے چند چیزوں کے ساتھ خاص کر لیا تھا، اور وہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے سوا اور کسی کو نہیں دی تھیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور اللہ نے جو اموال ان (کافروں) سے نکال کر اپنے رسول پر لوٹا دیئے، حالانکہ تم نے ان کے حصول کے لیے نہ گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ، لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جن پر چاہے مسلط فرما دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے○ پس یہ اموالِ فئے خالص رسول اللہ ﷺ کی ملکیت تھے، اور اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے تمہیں چھوڑ کر ان اموالِ فئے کو اپنے لیے جمع نہیں کیا اور نہ رسول اللہ ﷺ نے ان اموالِ فئے کو اپنے ساتھ مخصوص کیا، بے شک رسول اللہ ﷺ نے ان اموال میں سے تم کو بھی عطا کیا ہے اور یہ اموال تمہارے درمیان تقسیم کر دیئے حتیٰ کہ ان اموال میں سے اب یہ مال باقی بچ گیا ہے (یعنی اموالِ بنو نضیر)، پس رسول اللہ ﷺ ان اموال میں سے اپنے گھر والوں کو ایک سال کا خرچ دیتے تھے، پھر جو باقی بچ جاتا اس کو اللہ تعالیٰ کا مال قرار دیتے، سو رسول اللہ ﷺ اپنی پوری حیات میں اسی طرح عمل کرتے رہے، میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا تم کو اس کا علم ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا: میں تم دونوں کو قسم دیتا ہوں کیا تم اس بات کو جانتے ہو، تو ان دونوں نے کہا: جی ہاں،

غَيْرَ ذٰلِكَ حَتّٰى تَقُومَ السَّاعَةُ فَإِنْ عَجَزْتُمَا عَنْهَا فَادْفَعَاهَا فَأَنَا أَكْفِيكُمَاهَا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات دے دی، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی اور خلیفہ ہوں، پھر ان اموالِ فئے پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قبضہ کر لیا اور اس میں وہی عمل کرتے رہے جس طرح ان اموالِ فدک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرتے تھے، اور اب تم دونوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے، یعنی اب تم دونوں یہ گمان کرتے ہو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسے تھے اور ایسے تھے، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ سچے تھے، نیک تھے، ہدایت یافتہ تھے اور حق کی پیروی کرنے والے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کو وفات دے دی تو میں نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کا خلیفہ ہوں، پس میں نے دو سال تک ان اموال (اموالِ بنونضیر) کو اپنے قبضہ میں رکھا اور میں ان میں وہی عمل کرتا رہا جو ان اموال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عمل کرتے تھے، پھر تم دونوں میرے پاس آئے اور تم دونوں ایک بات کر رہے تھے اور تمہارا معاملہ متفق علیہ تھا، حتیٰ کہ تم (یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ) میرے پاس آئے اور تم نے ان اموالِ بنونضیر میں سے اپنا اور اپنے بھتیجے کا حصہ طلب کیا اور یہ (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) آئے اور یہ ان اموال میں سے اپنی زوجہ کا حصہ جو ان کو ان کے والد کی طرف سے ملا ہے، وہ طلب کرتے ہیں، سو میں نے کہا: اگر تم چاہو تو میں یہ اموالِ بنونضیر تمہارے حوالہ اس شرط پر کر دیتا ہوں کہ تم دونوں پر یہ ذمہ ہے کہ تم دونوں اللہ تعالیٰ کے عہد اور میثاق کو پورا کرتے رہو اور تم دونوں ان اموال میں وہی عمل کرو جو ان اموال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا تھا اور حضرت ابوبکر نے عمل کیا تھا اور جو میں نے ان اموال میں عمل کیا ہے، جب سے میں ان اموال کا متولی ہوا ہوں، ورنہ تم دونوں ان اموال کے متعلق مجھ سے کلام نہ کرو، پس تم دونوں نے کہا کہ یہ اموال ہمارے سپرد کر دیں، تو میں نے یہ

اموال تم دونوں کے سپرد کر دیئے، اب میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں
کیا میں نے اس شرط کے ساتھ یہ اموال تمہارے حوالہ کیے تھے،
تو جماعت صحابہ نے کہا: ہاں! پھر حضرت عمر، حضرت علی اور
حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے پس فرمایا میں تم
دونوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا میں نے تم کو یہ اموال اس شرط
کے ساتھ حوالہ کیے تھے، ان دونوں نے کہا: جی ہاں، حضرت عمر
نے کہا: کیا اب تم مجھ سے اس کے سوا کوئی اور فیصلہ چاہتے ہو، پس
اس ذات کی قسم جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں میں ان
اموالِ بنونضیر میں اس کے سوا اور کوئی فیصلہ نہیں کروں گا حتیٰ کہ
قیامت قائم ہو جائے، پس اگر تم دونوں ان اموال میں کسی طرح
تصرف کرنے سے عاجز ہو جاؤ تو پھر تم یہ اموال میرے سپرد کر دو،
میں تمہاری جگہ ان میں تصرف کروں گا۔

(صحیح البخاری: ۳۰۹۴، صحیح مسلم: ۱۷۵۷، سنن ابوداؤد: ۲۹۶۳، سنن ترمذی: ۱۶۱۰، مسند احمد: ۱۷۸۵)

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مالک بن اوس کی حدیث کے فقہی فوائد

(۱) ہر قبیلہ پر واجب ہے کہ وہ اپنے معاملات کو اپنے قبیلے کے سردار کے سپرد کر دے، کیونکہ وہ سرداران معاملات کو تمام مردوں سے زیادہ جاننے والا ہے، جیسا کہ اموالِ فدک کے معاملات کو صحابہ کرام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا تھا۔

(۲) خلیفہ المسلمین کے دربان کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی معزز مرد کو اس کے نام کے ساتھ پکارے اور اس میں اس معزز آدمی کی کوئی کمی نہیں ہے اور نہ یہ اس کے لیے باعثِ عار ہے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربان یرفا نے کہا کہ آپ کی حضرت عثمان، اور عبد الرحمن اور زبیر اور سعد (رضی اللہ عنہم) کے متعلق کیا رائے ہے؟ وہ آپ سے ملاقات کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔

(۳) اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ خلیفہ اور امام دربان کو مقرر کر سکتا ہے، تا کہ کوئی معزز آدمی ہو یا غیر معزز ہو وہ خلیفہ کی اجازت کے بغیر اس سے ملنے نہ آسکے۔

(۴) اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ جب دو فریق کسی معاملہ میں جھگڑا کریں تو کوئی شخص امام اور خلیفہ سے ان کے درمیان صلح کی سفارش کر سکتا ہے، جیسا کہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اموالِ بنونضیر کے متعلق ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے کہ ان کی تولیت کون کرے گا، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ آپ حضرت عباس اور حضرت علی کے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے راحت دلائیے، کیونکہ صحیح البخاری: ۴۰۳۳ میں یہ مذکور ہے کہ حضرت علی اور حضرت عباس نے بنونضیر کے اموال کے معاملہ میں ایک دوسرے کو برا کہا۔

(۵) اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ خلیفۃ المسلمین اور امام اپنے فیصلہ کے اوپر لوگوں کو گواہ بنالیں۔

حضرت عباس اور حضرت علی کے درمیان منازعت اور جھگڑے کی تفصیل

حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تھے اور ان سے یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک کی زمین میں جو ترکہ چھوڑا ہے، اور جو خیبر کی زمین میں آپ کا حصہ ہے اور جو مدینے میں آپ کے صدقات ہیں، ان کی وراثت میں سے ان کو حصہ عطا کریں، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ مطالبہ کیا تھا، کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ سے ان کی وراثت کو تقسیم کریں، جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اموالِ فئے عطا کیے تھے، اس میں سے ان کا حصہ دیں۔ (صحیح البخاری: ۳۰۹۳، ۴۲۴۰، ۴۰۳۵، ۴۲۴۰، ۶۷۲۵، صحیح مسلم: ۱۷۵۹)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو اس کا جواب دیا تھا، وہ درج ذیل حدیث میں ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم کسی کو وارث نہیں بناتے، ہم نے جو بھی ترکہ چھوڑا وہ صدقہ ہے تو سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوگئیں اور انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چھوڑے رکھا اور اس وقت تک ان سے ملاقات نہیں کی حتیٰ کہ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چھ ماہ تک زندہ رہیں تھیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ترکہ میں سے حصہ طلب کرتی تھیں جو خیبر کی زمین میں تھا اور جو مدینہ کے صدقات میں تھا تو حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا سے انکار کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس زمین میں جو کچھ بھی کرتے تھے میں اس کو ترک کرنے والا نہیں ہوں، بلکہ میں اس میں وہی عمل کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں کرتے تھے، کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیے ہوئے عمل میں سے کسی چیز کو ترک کیا تو میں گمراہ ہو جاؤں گا، پھر رہا مدینہ کا صدقہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے سپرد کر دیا اور رہا خیبر اور فدک کا حصہ تو اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روک لیا اور کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کے لیے خاص ہے اور آپ کی ضروریات کے لیے اور ان کی تولیت کا معاملہ اسی کی طرف مفوض ہوگا جو آپ کا خلیفہ ہو، اور اب تک اس زمین کے معاملات اسی طرح قائم ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۰۱۲، ۳۰۹۳، ۴۲۴۱، ۴۰۳۶، ۶۷۲۶، صحیح مسلم: ۱۷۵۹)

حضرت سیدہ فاطمہ کے حضرت ابوبکر سے وراثت کے سوال کرنے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر سے مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ کا سوال کیا، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ کس طرح ان صدقات کو طلب کرتی تھیں، حالانکہ وہ تمام مومنین کے لیے صدقہ تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اس صدقہ کو طلب کر رہی تھیں جو ان کے گمان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت تھا، حضرت ابوبکر نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا وارث نہیں بنایا جاتا، اس جگہ یہ اعتراض ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے تو پھر حضرت سیدہ نے حضرت ابوبکر سے وراثت کا سوال کیوں کیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سیدہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا علم نہیں تھا۔

نیز علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئی تھیں اور فدک اور خیبر اور ان کے علاوہ بنو نضیر کے صدقات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث سے سوال کرتی تھیں، اور فدک کی زمینیں اس قبیل سے تھیں جس زمین میں مسلمانوں نے اپنے گھوڑے نہیں دوڑائے تھے، سو اس میں خمس جائز نہیں اور رہا خیبر تو زہری نے بھی ذکر کیا ہے کہ خیبر کی بعض زمینیں صلح سے فتح ہوئی تھیں اور بعض زمینیں جنگ سے فتح ہوئی تھیں، سو ان میں خمس جاری ہو سکتا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے، ہمارا جو بھی ترکہ ہے وہ صدقہ ہے، اس کو حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے بھی تسلیم کر لیا تھا اور باقی صحابہ نے بھی تسلیم کر لیا تھا۔

حدیث مذکور کے بقیہ فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنی ذات کی مدح کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جب کہ اس کی مدح حق اور صواب پر مبنی ہو، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ میں اس زمین میں وہی عمل کرتا رہا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت ابوبکر نے عمل کیا تھا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں اپنی اس بات میں سچا ہوں، نیک ہوں، ہدایت یافتہ ہوں اور حق کے تابع ہوں۔

(۲) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مرد اپنے لیے اور اپنے گھر والوں کے لیے ایک سال کی روزی کو جمع کر کے رکھ سکتا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا، جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے اوپر بنو نضیر اور فدک کی زمینوں کو فتح کر دیا تو آپ نے ان زمینوں کی آمدنی سے اپنے گھر والوں کے لیے ایک سال کا خرچ جمع کر لیا اور اس میں ان جاہل صوفیوں کا رد ہے جو مال جمع کرنے سے منع کرتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ جس نے کل کے لیے مال جمع کیا اس نے اپنے رب کے ساتھ بدگمانی کی اور اس نے اللہ تعالیٰ پر ایسا توکل نہیں کیا جو توکل کرنے کا حق تھا۔

(۳) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس اور حضرت فاطمہ کے خلاف اس حدیث سے فیصلہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا کوئی وارث نہیں بنایا جاتا اور آپ نے اس سلسلہ میں کسی اور سے محاکمہ نہیں کیا، اسی طرح واجب ہے کہ حکام اور ائمہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ کریں جب کہ ان کو یہ معلوم ہو کہ انہوں نے جو فیصلہ کیا ہے وہ صحیح ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۱۸، ص ۲۷۳-۲۷۴، ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۸ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سوال کا جواب کہ جب حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو علم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ صدقہ ہے، تو پھر وہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے کیوں آئے؟

علامہ حمد بن محمد خطابی متوفی ۳۸۸ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ جب حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما

دونوں معترف تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ہمارا کوئی وارث نہیں بنایا جاتا، ہم نے جو بھی ترک کیا ہے وہ صدقہ ہے، تو پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کیوں آئے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بنو نضیر اور فدک کی زمین کا انتظام اور تولیت حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں کے سپرد کر دی تھی کہ آپ دونوں مل کر اس میں اس طرح انتظام کریں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان زمینوں میں انتظام کرتے تھے، اور ان دونوں کو اس میں شرکت پسند نہیں تھی، اور ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ وہ اس انتظام کرنے میں منفرد اور مستقل ہو، تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ مطالبہ کیا کہ ان دونوں کو الگ الگ انتظام کرنے کا متصرف بنا دے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے منع کیا کہ کہیں اس سے یہ دروازہ نہ کھل جائے کہ جو مال وقف ہو اس کا کسی کو مالک بنایا جا سکتا ہے، اور پھر جب زمانہ طویل ہو جائے تو لوگ یہ سمجھیں کہ یہ حضرات ان زمینوں میں تصرف کرنے کے مالک ہیں، حالانکہ یہ زمینیں از قبیل وقف تھیں اور وقف کا کوئی مالک نہیں ہوتا، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے مطالبہ کو تسلیم نہیں کیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۸ کی شرح از علامہ کورانی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے مطالبہ کو تسلیم نہ کرنے کی توجیہ

یہ حدیث ابواب الخمس میں مکرر گزر چکی ہے، (صحیح البخاری: ۳۰۹۴)۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقات جو بنو نضیر اور فدک کی زمینوں سے متعلق تھے، وہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں میں تھے کہ وہ غور و فکر سے ان زمینوں کی پیداوار کو تقسیم کریں، پھر ان میں سے ہر فریق نے یہ ارادہ کیا کہ ان کو الگ الگ مستقل طور پر ان زمینوں میں تصرف کرنے کی اجازت دی جائے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں زیادہ وقت گزرنے کے بعد ان میں سے ہر ایک کی ذریت یہ دعویٰ نہ کرے کہ وہ ان زمینوں کی مالک ہے، اس کا سدِ باب کرنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے مطالبہ کو تسلیم نہیں کیا۔ (الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری، ج ۹ ص ۲۷، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

۴۔ باب:

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَ اِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا

۴۔ باب:

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ (حکم) اس کے لیے جو دودھ پلانے کی مدت کو پورا کرنا چاہے، اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ دستور کے موافق ان (ماؤں) کا کھانا اور پہننا ہے، کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کیا جائے گا، نہ ماں کو اس کی بچے کی وجہ سے ضرر دیا جائے گا اور نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے ضرر دیا جائے گا اور وارث پر بھی اسی طرح لازم ہے، پھر اگر ماں اور باپ باہمی مشورہ اور رضامندی سے دودھ

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

(البقرہ: ۲۳۳)

چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی حرج نہیں ہے اور اگر تم دائیوں سے اپنے بچوں کو دودھ پلوانا چاہو تو تم پر کوئی حرج نہیں ہے، بہ شرطیکہ تم (ان کو) دستور کے مطابق اجرت ادا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور یقین رکھو کہ اللہ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے O

(البقرہ: ۲۳۳)

وَقَالَ: وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا۔

(الاحقاف: ۱۵)

اور اس کو پیٹ میں اٹھانا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس ماہ میں تھا۔ (الاحقاف: ۱۵)

وَقَالَ: وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى ۝ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۗ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۗ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۗ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝

(الطلاق: ۷۔۶)

اور اگر تم دونوں کوئی دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلادے گی O صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے، اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کردے گا O (الطلاق: ۷۔۶)

باب مذکور کی تعلیق

وَقَالَ يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ نَهَى اللّٰهُ أَنْ تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَذٰلِكَ أَنْ تَقُولَ الْوَالِدَةُ لَسْتُ مُرْضِعَتَهُ وَهِيَ أَمْثَلُ لَهُ غِذَاءً وَأَشْفَقُ عَلَيْهِ وَأَرْفَقُ بِهِ مِنْ غَيْرِهَا فَلَيْسَ لَهَا أَنْ تَأْبَى بَعْدَ أَنْ يُعْطِيَهَا مِنْ نَفْسِهِ مَا جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَيْسَ لِلْمَوْلُودِ لَهُ أَنْ يُضَارَّ بِوَلَدِهِ وَالِدَتَهُ فَيَمْنَعَهَا أَنْ تُرْضِعَهُ ضِرَارًا لَهَا إِلَى غَيْرِهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَسْتَرْضِعَا عَنْ طِيبِ نَفْسِ الْوَالِدِ وَالْوَالِدَةِ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا بَعْدَ أَنْ يَكُونَ ذٰلِكَ عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فِصَالُهُ فِطَامُهُ۔

اور یونس نے کہا از زہری، اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے ضرر دیا جائے، اور یہ اس وقت ہے کہ جب ماں یہ کہے کہ وہ دودھ نہیں پلائے گی، اور ماں کا دودھ بچہ کے لیے غذا اور شفقت اور ملائمت کے اعتبار سے دوسری عورتوں کے دودھ کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہے، پس ماں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جب بچہ کا باپ اس کو اپنی طرف سے دودھ پلانے کی اجرت دے وہ دودھ پلانے سے انکار کرے، حالانکہ ماں کا دودھ بچہ کی اچھی غذا ہے اور ماں کو جو اپنے بچہ پر شفقت اور محبت ہوتی ہے وہ دوسری عورت کو کہاں سے ہونے لگی تو ماں کو دودھ پلانے سے انکار کا حق نہیں پہنچتا جب بچہ کا باپ اس کا حق ادا کرے (روٹی کپڑا دے)، اسی طرح فرمایا: یعنی باپ اپنے بچہ کی وجہ سے ماں کو نقصان نہ پہنچائے، اس کی صورت یہ ہے مثلاً باپ بچہ کی ماں کو دودھ پلانے سے روکے، اور کسی دوسری عورت کو دودھ

پلانے کے لیے مقرر کرے، البتہ اگر ماں باپ دونوں اپنی خوشی سے کسی دوسری عورت کو دودھ پلانے کے لیے مقرر کریں تو دونوں پر کچھ گناہ نہ ہوگا۔ اگر ماں اور باپ دونوں اپنی خوشی سے مشورہ کر کے بچہ کا دودھ چھڑانا چاہیں تب بھی ان پر کچھ گناہ نہ ہوگا، جب کہ وہ دونوں اپنی خوشی سے مشورہ کر کے اپنے بچہ کا دودھ چھڑائیں، تب بھی ان پر کچھ گناہ نہ ہوگا (خواہ ابھی مدتِ رضاعت باقی ہو) اور فصالہ کا معنی ہے: دودھ چھڑانا۔

تعلیق مذکور کی شرح از علامہ عینی

یعنی یونس بن یزید القرشی الایلی نے کہا از محمد بن مسلم زہری۔

اس تعلیق کی عبداللہ بن وہب نے اپنی جامع میں از یونس سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔

البقرہ: ۲۳۳ کی تفسیر میں مذکور ہے کہ کوئی ماں اپنے بچہ کی وجہ سے اپنے شوہر کو ضرر نہ دے بایں طور کہ بچہ کو اپنے سے دور کردے تاکہ اس کے باپ کو ضرر پہنچائے، لیکن اس کے لیے اس بچہ کو دور کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ بچہ اس سے پیدا ہوا ہے، حتیٰ کہ اس کو دودھ پلائے کیونکہ عموماً بچہ ماں کے دودھ کے بغیر زندہ نہیں رہتا، پھر دودھ پلانے کے بعد وہ اگر چاہے تو بچہ کو اپنے سے دور کر سکتی ہے، لیکن اگر اس سے بچہ کے باپ کو ضرر ہو تب بھی بچے کی ماں کے لیے یہ جائز نہیں ہے، جیسا کہ باپ کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بچہ کو ماں سے چھین لے۔

اور بچہ کی ماں کا بچہ کو دودھ پلانا اس کے لیے بچہ کی غذا کے اعتبار سے زیادہ افضل ہے، کیونکہ بچہ کی ماں بچہ کے اوپر دوسروں کی بہ نسبت زیادہ شفیق ہوتی ہے۔

اور جب بچہ کا باپ بچے کی ماں کو اس کا خرچ اور دودھ پلانے کی اجرت دے تو پھر بچہ کی ماں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس کو دودھ پلانے سے انکار کردے۔

اگر بچہ کے ماں باپ دونوں اس پر متفق ہو جائیں کہ دو سال سے پہلے بچہ کو دودھ چھڑا دیں اور اس میں وہ باہمی مشورہ سے کوئی مصلحت دیکھیں اور ان کا اس پر اتفاق ہو تو اس میں ان پر کوئی حرج نہیں ہے، اور بغیر باہمی مشورہ کے ان میں سے کسی ایک کا فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔

فِصَالُهُ: کا معنی ہے: بچہ کا دودھ چھڑانا، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر ہے جس کی امام طبری نے روایت کی ہے، اور لفظِ الفِصال مصدر ہے، کہا جاتا ہے: ''فاصلته وفاصله مفاصلة وفصالا'' یہ اس وقت کہا جاتا ہے کہ جب دو مردوں کے درمیان جو چیز مشترک ہو، اس سے علیحدگی کا ارادہ کیا جائے، اور بچہ کا فصال یہ ہے کہ بچہ کو دودھ پینے سے منع کیا جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۷۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

البقرہ: ۲۳۳ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس آیت کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں جملہ خبریہ ہے اور اس کا معنی امر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے اور یہ لازم کیا ہے کہ مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں، یعنی ان کے شوہروں سے جو اولاد پیدا ہوئی ہے، وہ ان کو دودھ پلائیں اور ان کو دودھ پلانے کی وہ زیادہ حق دار ہیں اور یہ حکم بہ طورِ وجوب اور فرضیت کے نہیں ہے، جب کہ اس بچہ کا باپ زندہ ہو اور خوشحال ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الطلاق میں یہ فرمایا ہے:

فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ (الطلاق:٦) اور اگر وہ (تمہارے بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو۔

اور اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں مراد وہ مائیں ہیں جو فقط مجوتات ہوں یعنی جن کو طلاقِ بائنہ ہو چکی ہو، اور اس پر اجماع ہے کہ دودھ پلانے کی اجرت خاوند کے ذمہ ہے، جب مطلقہ عدت سے نکل جائے اور اس میں اختلاف ہے کہ جو مائیں شوہر والیاں ہوں تو کیا ان کو بچہ کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا؟ ابن ابی لیلیٰ نے کہا: ہاں جب تک وہ اس کی بیوی ہے، اس کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا اور یہی امام مالک اور ابوثور کا مذہب ہے، اور ثوری اور فقہاء احناف اور امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ عورت پر دودھ پلانا لازم نہیں ہے، اور دودھ پلانے کی اجرت ہر حال میں خاوند کے ذمہ ہے اور ابن القاسم مالکی نے کہا ہے کہ شوہروں کو دودھ پلانے کی اجرت دینے پر مجبور کیا جائے گا، سوا اس صورت کے کہ ان ماؤں کی مثل کوئی اور عورت ہو جو بچہ کو دودھ پلائے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ یعنی دودھ پلانے کی اجرت دو سال ہے۔

اور الاحقاف: ۱۵، میں فرمایا ہے، حمل کی مدت اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے، اس آیت کریمہ کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ اس مدت کو بیان کیا جائے جس میں دودھ پلانا واجب ہے اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ کم سے کم حمل کی مدت چھ ماہ ہے، کیونکہ دودھ پلانے کی مدت پورے دو سال ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے البقرہ: ۲۳۳ میں حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ فرمایا، یعنی دودھ پلانے کی مدت پورے دو سال ہے، پس حمل کے لیے چھ ماہ باقی بچے۔

بعجہ بن عبداللہ الجہنی روایت کرتے ہیں کہ ہم میں سے ایک مرد نے ایک عورت سے نکاح کیا، سو چھ ماہ کے بعد اس کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا، وہ مرد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو رجم کرنے کا حکم دیا، تو ان کے پاس حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا یعنی حمل کی مدت اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے، اور فرمایا کہ دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہے، کیونکہ سورہ لقمان میں ارشاد ہے: وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ (لقمان: ۱۴) اور دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب دودھ پلانے کی مدت کو منہا کر لیا جائے تو پھر حمل کی مدت چھ ماہ رہ جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کے ہاں نکاح کے چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہو جائے تو اس بچہ کا نسب ثابت ہوگا اور اس عورت کو رجم نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے اختلاف اسی بنیاد پر کیا تھا۔ (سعیدی غفرلہ)

البقرہ: ۲۳۳ کی شرح از پیر محمد کرم شاہ الازہری

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری الحنفی المتوفی ۱۹۹۸ء اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہاں طلاق کے بعد یہ سوال طبعاً سامنے آتا ہے کہ اگر طلاق والی عورت کی گود میں شیر خوار بچہ ہو تو اس جدائی کے بعد اس کی پرورش کا کیا طریقہ ہوگا، اس لیے ضروری تھا کہ بچہ کی پرورش کی ذمہ داریاں جو ماں باپ پر ہیں انہیں اس موقع پر بیان فرمادیا جائے، لہٰذا یہاں ان مسائل کا بیان ہوا۔

مسئلہ: ماں خواہ مطلقہ ہو یا نہ ہو اس پر اپنے بچے کو دودھ پلانا واجب ہے بشرطیکہ باپ کو اجرت پر دودھ پلوانے کی قدرت واستطاعت نہ ہو یا کوئی دودھ پلانے والی میسر نہ آئے یا بچہ ماں کے سوا اور کسی کا دودھ قبول نہ کرے، اگر یہ باتیں نہ ہوں یعنی بچہ کی پرورش خاص ماں کے دودھ پر موقوف نہ ہو تو ماں پر دودھ پلانا واجب نہیں مستحب ہے۔ (منقول از حاشیہ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ مراد آبادی)

مسئلہ: اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ کو طلاق دی اور عدت گزر چکی تو وہ اس بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے۔

(حاشیہ صدر الافاضل)

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۱ ص ۱۶۱، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

البقرہ: ۲۳۳ کی شرح از مصنف

دودھ پلانے کے شرعی احکام

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے طلاق کے احکام بیان کیے جس سے فرقت واقع ہوئی ہے، اور اب ان چیزوں کے احکام بیان کیے جو نکاح کے نتیجہ میں واقع ہوتی ہیں، کیونکہ بعض مطلقہ عورتوں کے دودھ پیتے بچے ہوتے ہیں اور کبھی کبھی ماں باپ کے جھگڑوں کی وجہ سے دودھ پیتے بچے ضائع ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات باپ سے انتقام لینے کے لیے ان کی مائیں دودھ نہیں پلاتیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ماؤں کو یہ نصیحت کی کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلائیں اور یہ کہ باہمی رضامندی سے وہ بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں، اور بچوں کے باپ پر یہ لازم کیا کہ وہ اپنی طاقت اور وسعت کے مطابق دودھ پلانے والیوں کو کھانے اور کپڑوں کا خرچ مہیا کریں اور یہ کہ بچوں کی وجہ سے ماں باپ میں سے کوئی فریق دوسرے پر زیادتی نہ کرے، مثلاً ماں بچوں کو پالنے اور پرورش کرنے کی وجہ سے باپ کو ضرر پہنچائے اور کھانے اور کپڑوں کا دستور سے زیادہ خرچ طلب کرے، یا ماں بچوں کو دودھ پلانا چاہتی ہے اور باپ زبردستی بچوں کو ماں سے چھین لے یا اس کو دودھ پلانے پر مجبور کرے یا اس کے خرچ میں قدر معروف سے کمی کرے، اس تفسیر کی بناء پر اس آیت میں وہ مطلقہ عورتیں مراد ہیں جن کی ان کے خاوندوں سے اولاد ہو، اور اجنبی دائیوں کی بہ نسبت دودھ پلانے کی وہ زیادہ حق دار ہیں اور بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ اس آیت میں مطلقاً دودھ پلانے والی مائیں مراد ہیں خواہ وہ مطلقہ عورتیں ہوں یا منکوحہ عورتیں ہوں۔

امام مالک کے نزدیک ماں پر دودھ پلانا واجب ہے خواہ وہ منکوحہ ہو یا مطلقہ اور جمہور کے نزدیک ماں پر اس وقت دودھ پلانا واجب ہے جب بچہ کسی اور عورت کا دودھ نہ پیے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دودھ پلانے کی مکمل مدت دو سال ہے، کیونکہ

اس مدت میں بچہ کو اپنی نشوونما کے لیے دودھ کی حاجت ہوتی ہے، نیز اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ کم از کم دودھ پلانے کی کوئی حد نہیں ہے، کیونکہ ماں باپ باہمی مشورہ سے جتنے عرصہ تک چاہیں دودھ پلائیں اور اس کے بعد دودھ چھڑا دیں۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دودھ پلانے والی کے کھانے اور کپڑے کا خرچ باپ کے ذمہ ہے اور دایہ کی اجرت بھی باپ کے ذمہ ہے اور امام شافعی کے نزدیک بچہ کی ماں کا بھی دودھ پلانے کی اجرت طلب کرنا جائز ہے، خواہ وہ نکاح میں ہو یا عدت میں، اور بچہ کا خرچ بھی باپ کے ذمہ ہے اور اگر باپ زندہ نہ ہو تو باپ کے وارث کے ذمہ بھی یہی احکام ہیں، اس پر لازم ہے کہ وہ دودھ پلانے والی کے کھانے اور کپڑے کا خرچ دے اور دودھ پلانے کی اجرت دے اور دودھ پلانے والی کو ترک نہ کرے۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک یہ آیت محارم کے نفقہ کے وجوب کی اصل ہے، ان کے نزدیک ہر ذورحم محرم پر خرچ واجب ہے مثلاً ماموں اور پھوپھی پر اور امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک بچوں کا خرچ صرف والدین پر واجب ہے، بچہ کا خرچ باپ پر واجب ہے، باپ فوت ہو گیا ہو تو اس کے ترکہ سے خرچ کرنا واجب ہے اور اگر اس کا مال نہ ہو تو پھر ماں پر واجب ہے، قرآن مجید کی اس آیت سے امام ابوحنیفہ اور امام احمد کی رائے کی تاکید ہوتی ہے، کیونکہ قرآن مجید نے باپ کے بعد وارث پر بچہ کے خرچ کو واجب کیا ہے۔

دودھ پلانے کی مدت میں ائمہ مذاہب کی آراء

علامہ ماوردی شافعی لکھتے ہیں: دو سال کی مدت کی تفسیر میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ جس عورت کے ہاں چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہو جائے، وہ دو سال دودھ پلائے تا کہ تیس مہینے پورے ہو جائیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا۔ (الاحقاف:۱۵) اور حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور عطاء اور ثوری کا قول یہ ہے کہ ہر بچہ کو دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے۔

(النکت والعیون ج ۱ ص ۳۰۰ مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت)

قاضی ابوبکر بن العربی مالکی نے لکھا ہے کہ دودھ پلانے کی کم از کم مدت کی کوئی حد نہیں ہے اور زیادہ سے زیادہ حد دو سال ہے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۲۷۳ مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے لکھا ہے کہ دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابوہریرہ، حضرت عائشہ کے علاوہ باقی ازواج مطہرات، امام مالک، امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد، شعبی، اوزاعی اور ابو ثور کا یہی مسلک ہے۔ (المغنی ج ۸ ص ۱۴۲ مطبوعہ: دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

علامہ المرغینانی الحنفی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دودھ پلانے کی مدت تیس مہینے ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک دو سال ہے، امام شافعی کا بھی یہی قول ہے اور امام زفر کے نزدیک یہ مدت تین سال ہے، کیونکہ دو سال کے بعد بچے کو دفعۃً دودھ سے غذا کی طرف لانا مشکل ہے، اس لیے بعد کے ایک سال میں دودھ کے ساتھ اس کو غذا کا عادی بنایا جائے اور تین سال کے بعد مکمل دودھ چھڑا دیا جائے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔ (الاحقاف:۱۵) اور کم از کم حمل کی مدت چھ ماہ ہے تو دودھ چھڑانے کے لیے دو سال باقی بچے، امام دار قطنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طفولیت کی دو سال کی عمر کے بعد دودھ

پلانے کا عمل نہیں ہے۔ (سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۷۴) اس حدیث کو امام عبدالرزاق اور امام مالک نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہی آیت ہے اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں ذکر کیں (حمل اور دودھ چھڑانا) اور دونوں کی ایک مدت ذکر فرمائی یعنی تیس مہینے، لہٰذا ان میں سے ہر ایک کی مدت مکمل تیس ماہ ہوگی لیکن ان میں ایک یعنی حمل کی مدت ایک حدیث سے دو سال متعین ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ بچہ ماں کے پیٹ میں دو سال سے زیادہ نہیں باقی رہتا۔ (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۳۲۲ مطبوعہ: ملتان، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۴۳ مطبوعہ ملتان)

ان میں سے ایک کی مدت اس حدیث کی بناء پر دو سال رہ گئی تو دوسرے یعنی دودھ چھڑانے کی مدت اپنی اصل پر تیس ماہ رہے گی، نیز دو سال تک بچہ کو دودھ پلانے کے بعد فوراً غذا کی طرف راجع کرنا مشکل ہوگا اس لیے اس کو بقیہ چھ مہینے میں بہ تدریج غذا کا عادی بنایا جائے گا اور اڑھائی سال کے بعد کلی طور پر دودھ چھڑا دیا جائے گا اور سورۂ بقرہ میں جو ارشاد ہے: اور مائیں اپنے بچوں کو مکمل دو سال دودھ پلائیں۔ (البقرہ: ۲۳۳) اور حدیث میں ہے: دو سال کے بعد دودھ پلانا نہیں ہے، اس آیت اور اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ دو سال سے زیادہ بچے کو دودھ پلانے کا استحقاق نہیں ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۳۵۰-۳۵۱ مطبوعہ: مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

ہر چند کہ امام اعظم اور صاحبین دونوں کے قول مفتیٰ بہ ہیں لیکن علامہ حصکفی نے امام اعظم کے قول کو ترجیح دی ہے۔

(درمختار علی ہامش الرد ج ۲ ص ۴۰۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(تبیان القرآن ج ۱ ص ۸۴۴-۸۴۵ مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، ۱۴۳۰ھ)

الطلاق: ۶-۷ کی تفسیر از علامہ عینی

وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَىٰ ۝ لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ ۖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ۝ (الطلاق: ۶-۷)

اور اگر تم دونوں کوئی دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی ۝ صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے، اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا ۝

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ سے خرچ کرنے کی مقدار کی طرف اشارہ کیا ہے، اور یہ بتایا ہے کہ خرچ کرنے کی مقدار خرچ کرنے والے کی حیثیت کے اعتبار سے ہے، پھر فرمایا: اگر تم کو دودھ پلانے میں دشواری ہو اور شوہر بیوی کو دودھ پلانے کی اجرت دینے سے انکار کرے اور ماں زائد اجرت کے بغیر دودھ پلانے سے انکار کرے تو شوہر کے لیے عورت کو دودھ پلانے پر مجبور کرنے کا حق نہیں ہے، سو کوئی اور عورت بچہ کو دودھ پلا دے گی، اور یہ مشکل نہیں ہے کہ بچہ کی ماں کے علاوہ کوئی اور عورت بچہ کو دودھ پلائے، اس کے بعد فرمایا: کہ جو شخص خوشحال ہو وہ اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے، اور جو شخص تنگدست ہو وہ اپنی گنجائش کے مطابق خرچ کرے، اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس کو دیا ہے اس کے مطابق خرچ کرے، اگر اس کی گنجائش کم ہے تو اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ مشکل کے بعد آسانی پیدا فرما دے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۶-۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی شرح کا خلاصہ

میں کہتا ہوں کہ باب مذکور کی شرح کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلی آیت سے امام بخاری نے یہ استدلال کیا ہے کہ ماں پر اپنے بچہ کو دودھ پلانا واجب ہے، یہ اس صورت میں ہے جب بچہ کسی دوسری عورت کا دودھ نہ پئے یا کوئی دوسری عورت نہ ملے، یا باپ محتاج ہو اور دودھ پلانے والی کے خرچ کو اٹھانے کی طاقت نہ رکھتا ہو، اس آیت میں یعنی وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ (البقرہ: ۲۳۳) ماؤں سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کو ان کے خاوند نے طلاق دے دی ہے، تو ایسی عورتوں کو دودھ پلانے کی اجرت خاوند کو دینی ہوگی۔ اور دوسری آیت یعنی وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا (الاحقاف: ۱۵)، میں دودھ پلانے کی مدت کا ذکر ہے، اس آیت کو اور سورۂ لقمان کی آیت وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ (لقمان: ۱۴) ان دونوں آیتوں کو ملا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ نتیجہ نکالا کہ حمل کی کم از کم مدت چھ مہینے ہیں، اور تیسری آیت یعنی (الطلاق: ۷۔۶) میں مذکور ہے کہ خاوند دودھ پلانے کی اجرت اپنی طاقت کے مطابق دے۔

باب: ۴ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

البقرہ: ۲۳۳ میں جملہ خبریہ ہے، اور اس کا معنی امر اور حکم ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ لازم کیا ہے کہ مائیں اپنی اس اولاد کو جو ان کے خاوند سے پیدا ہوئی ہے دودھ پلانے کی زیادہ حق دار ہیں اور یہ واجب نہیں ہے جب کہ بچہ کا باپ زندہ ہو اور خوش حال ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الطلاق میں فرمایا ہے:

وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰی ۝ لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۚ وَمَنْ قُدِرَ عَلَیْهِ رِزْقُهٗ فَلْیُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰهُ اللّٰهُ ۚ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰهَا ۚ سَیَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ یُّسْرًا ۝ (الطلاق: ۷۔۶)

اور اگر تم دونوں کوئی دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی O صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے، اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا O

یعنی اگر شوہر اور بیوی پر اجرت دشوار ہو تو کوئی اور عورت بچہ کو دودھ پلا دے۔

اور البقرہ: ۲۳۳ میں دو سال کا ذکر فرمایا ہے، کیونکہ یہ شارع کے نزدیک دودھ پلانے کی انتہائی مدت ہے۔

اور اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں ماؤں سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کو فقط طلاق بائن دی جا چکی ہو۔

اور اس پر اجماع ہے کہ دودھ پلانے کی اجرت خاوند کے ذمہ ہے جب مطلقہ عورت عدت سے نکل جائے۔

امام مالک نے کہا ہے کہ اگر خاوند نے بیوی کو طلاقِ رجعی دی ہو تو پھر عورت کے ذمہ بچہ کو دودھ پلانا ہے، جب تک کہ عدت پوری نہ ہو، پس اگر مطلقہ رجعیہ کی عدت پوری ہوگئی ہے تو پھر باپ کے ذمہ دودھ پلانے کی اجرت ہے، اسی طرح جب طلاقِ بائن ہو تب بھی خاوند کے ذمہ دودھ پلانے کی اجرت ہے، خواہ عدت پوری نہ ہوئی ہو اور ماں دودھ پلانے کے زیادہ لائق ہو، اور اگر بچہ

کسی اور عورت کا دودھ نہ پیے اور بچہ کی جان کو خطرہ ہو تو پھر اس کی ماں کو دودھ پلانے کی اجرت رواج کے مطابق ملے گی، اور ماں کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا۔ (المدونہ ج ۲ ص ۲۹۵)

اور اس میں اختلاف ہے کہ جو عورت شوہر والی ہو، کیا اسے بچہ کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا؟

ابن ابی لیلیٰ نے کہا: ہاں! مجبور کیا جائے گا جب تک وہ اس کی بیوی ہے، یہ امام مالک اور ابوثور کا قول ہے، اور الثوری اور فقہاء احناف اور امام شافعی نے کہا ہے کہ اس عورت کو بچہ کے دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اور دودھ پلانے کا خرچ ہر حال میں شوہر کے ذمہ ہے۔

اور علامہ ابن القاسم مالکی نے کہا: عورت کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا، سوا اس صورت کے کہ اس عورت کی مثل کوئی دودھ نہ پلائے، تو اس صورت میں دودھ پلانے کا خرچ شوہر کے ذمہ ہے۔

جن لوگوں نے کہا ہے کہ دودھ پلانا ماں کے ذمہ ہے، ان کا اس آیت سے استدلال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ** (البقرہ: ۲۳۳) یعنی بچہ کے باپ کے ذمہ دودھ پلانے والی کا رزق ہے، پس جو منکوحہ عورتیں مائیں ہیں، انہیں دودھ پلانے کا حکم دیا ہے اور ان کے خاوندوں پر یہ لازم کیا ہے کہ ان کو خرچ اور کپڑے وغیرہ دیں، اس آیت میں دودھ پلانے کی اجرت کا ذکر نہیں کیا، صرف یہ ذکر کیا ہے کہ دودھ پلانے والیوں کا خرچ شوہر کے ذمہ ہے۔

اس کے بعد علامہ ابن الملقن نے وہی مباحث تفصیل سے لکھے ہیں جن کو ہم علامہ عینی کی شرح میں ذکر کر چکے ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۳۲-۳۴، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

باب: ۴ کی شرح از علامہ ابن بطال مالکی

دودھ پلانے کی اجرت کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک بن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام مالک نے کہا ہے: اگر شوہر نے اپنی بیوی کو طلاقِ رجعی دی ہو، تو جب تک عدت پوری نہ ہوئی ہو، عورت پر لازم ہے کہ وہ بچہ کو دودھ پلائے، اور اگر عدت پوری ہو گئی ہو تو پھر باپ کے ذمہ دودھ پلانے کی اجرت ہے اور اسی طرح اگر مرد نے عورت کو تین طلاقیں دی ہوں، پھر بھی اس کے ذمہ دودھ پلانے کی اجرت ہے اور اگر عدت پوری نہیں ہوئی تو ماں دودھ پلانے کی زیادہ حق دار ہے، سوا اس صورت کے کہ باپ کو عورت کے سوال کے بغیر کوئی اور دودھ پلانے والی میسر ہو جائے، اب اس کو اختیار ہے کہ ماں سے دودھ پلوائے یا کسی اور عورت سے، ہاں اگر بچہ دوسری عورت کا دودھ قبول نہ کرے اور بچہ کی موت کا خطرہ ہو تو پھر اس پر لازم ہے کہ وہ بچہ کی ماں کو دودھ پلانے کی اجرت دے اور اس کی ماں کو اس صورت میں دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا۔

اور جو عورت شوہر والی ہو، اس کے متعلق اختلاف ہے، کیا اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنے بچہ کو دودھ پلائے؟ تو ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ ہاں اس کو مجبور کیا جائے گا جب تک کہ وہ اپنے شوہر کی بیوی ہے اور یہ امام مالک اور ابوثور کا بھی قول ہے۔

اور فقہاء احناف، ثوری اور امام شافعی نے کہا ہے کہ اس عورت پر دودھ پلانا لازم نہیں ہے، دودھ پلانے کی اجرت ہر حال میں شوہر کو دینا لازم ہے، اور ابن القاسم مالکی نے کہا: عورت کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا، سوا اس صورت کے کہ ایسی عورت دودھ

نہ پلاسکتی ہو، پر اس صورت میں اس کے شوہر کو اختیار ہے۔

(شرح ابن بطال ج ۷ ص ۴۲۹-۴۳۰، ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۵۔ بَابُ: نَفَقَةِ الْمَرْأَةِ إِذَا غَابَ عَنْهَا زَوْجُهَا وَنَفَقَةِ الْوَلَدِ

جب بیوی کا شوہر غائب ہو تو اس کا اور اس کی اولاد کا خرچ

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان صرف اولاد کے خرچ میں ظاہر ہے، کیونکہ اس وقت حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ شہر میں موجود تھے اور شہر سے غائب نہیں تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۵۹۔ حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ رضى الله عنها قَالَتْ جَاءَتْ هِنْدٌ بِنْتُ عُتْبَةَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ مِسِّيكٌ فَهَلْ عَلَيَّ حَرَجٌ أَنْ أُطْعِمَ مِنَ الَّذِي لَهُ عِيَالَنَا قَالَ لَا إِلَّا بِالْمَعْرُوفِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عروہ نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا آئیں، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ابو سفیان کنجوس مرد ہیں، پس کیا مجھ پر کوئی حرج ہے اگر میں اپنی اولاد کو ان کے مال سے کھلاؤں، آپ نے فرمایا نہیں، مگر دستور کے مطابق۔

(صحیح البخاری: ۲۲۱۱، ۲۴۶۰، ۳۸۲۵، ۵۳۵۹، ۵۳۶۴، ۵۳۷۰، ۶۶۴۱، ۷۱۶۱، ۷۱۸۰، صحیح مسلم: ۱۷۱۴، سنن نسائی: ۵۴۲۰، سنن ابوداؤد: ۳۵۳۲، سنن ابن ماجہ: ۲۲۹۳، مسند احمد: ۲۵۱۸۵، سنن دارمی: ۲۲۵۹)

میں کہتا ہوں: امام بخاری نے اس حدیث کا پورا متن ذکر نہیں کیا، اس حدیث کا پورا متن حسبِ ذیل ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ہند جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی والدہ ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور انہوں نے کہا: بے شک (حضرت) ابو سفیان بخیل مرد ہیں، کیا مجھ پر کوئی گناہ ہوگا اگر میں ان کے مال میں سے چپکے سے نکال لوں، آپ نے فرمایا: تم لو اور تمہارے بیٹے لیں جو تمہیں دستور کے مطابق خرچ کے لیے کافی ہو۔

حدیث مذکور کی شرح از علامہ عینی

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبد اللہ کا ذکر ہے، اور وہ عبد اللہ بن المبارک المروزی ہیں۔

حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ ہے۔

ہند میں ہا پر پیش ہے اور نون پر جزم ہے، اور عتبہ سے مراد ہے: عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ نے فتح مکہ کے سال اپنے شوہر حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام قبول کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو ان کے نکاح پر قائم رکھا اور حضرت ہند رضی اللہ عنہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں فوت ہوگئی تھیں، جس دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تھے، اور حضرت ابوسفیان کا نام صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ہے، ان کا تینتیس (۳۳ھ) میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں انتقال ہوا اور ان کے بیٹے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت عثمان نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی، ان کو البقیع میں دفن کیا گیا تھا، اس وقت ان کی عمر ۸۸ سال تھی اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس وقت ان کی عمر ۹۲ سال تھی۔

مسیک کا معنی: اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ہند نے کہا کہ ابوسفیان مسیک مرد ہیں، یعنی بخیل ہیں جو اپنے مال میں سے کچھ دیتے نہیں ہیں، اور مسیک فاعل کا وزن ہے جو فاعل کے معنی میں ہے۔

حضرت ہند نے پوچھا: کیا مجھ پر کوئی حرج ہے یعنی کیا مجھ پر کوئی گناہ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو صرف دستور کے مطابق کھلاؤ، یعنی تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ اور تم ان کے مال میں سے صرف دستور کے مطابق خرچ کرو، اور یہ وہ مقدار ہے جو عرف میں لوگ اپنی اولاد پر بغیر اسراف کے خرچ کرتے ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے کہ تم اسراف نہ کرو اور دستور کے مطابق کھلاؤ۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اولاد پر خرچ کرنا واجب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۹ کی شرح از علامہ ابن الملقن

علامہ سراج الدین ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن الملقن کا علامہ ابن البطال پر تعاقب

علامہ ابن بطال نے اس حدیث سے قضاء علی الغائب پر استدلال کیا ہے، یعنی جو شخص شہر میں موجود نہ ہو بلکہ شہر سے غائب ہو، اس کے خلاف فیصلہ کرنا لیکن ان کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ مکہ سے غائب نہیں تھے، حتیٰ کہ اس حدیث سے قضاء علی الغائب پر استدلال کیا جائے، بلکہ وہ مجلسِ حاکم سے غائب تھے، یعنی حضرت ہند نے حضرت ابوسفیان کی غیر موجودگی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ چونکہ وہ پورا خرچ نہیں دیتے تو کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں ان کے مال میں سے کچھ نکال کر ان کی اولاد پر خرچ کروں، اور امام بخاری نے جو اس حدیث کے عنوان میں یہ کہا ہے کہ ''بیوی کا خرچ جب اس سے اس کا شوہر غائب ہو'' تو اس سے امام بخاری کی مراد یہ نہیں ہے کہ اس کا شوہر شہر سے غائب ہو بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ اس کا شوہر مجلس حاکم سے غیر حاضر ہو، اور شوہر کی غیر موجودگی میں بیوی شوہر کے مال سے خرچ کرنے کے متعلق سوال کرے۔

حدیث مذکور کی تائید میں ایک اور حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب عورت اپنے شوہر کی کمائی سے اس کے حکم کے بغیر خرچ

کرے تو بیوی کو بھی شوہر کا نصف اجر ملتا ہے۔

(صحیح البخاری:۲۰۶۶، ۵۱۹۲، ۵۱۹۵، ۵۳۶۰ صحیح مسلم:۱۰۲۶، سنن ابوداؤد:۱۶۸۷، مسند احمد:۲۷۴۰۵)

سو یہ حدیث نفلی صدقات کے متعلق ہے اور حضرت ہند کی حدیث انصاف کے حصول کے متعلق ہے، جب بیوی اپنے اس حق کو حاصل کرے جس سے اس کو روک دیا گیا ہو۔

اور ان دونوں حدیثوں میں امرِ مشترک یہ ہے کہ جس طرح عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ اپنے شوہر کے مال سے اس کے حکم کے بغیر صدقہ کرے، جب کہ عورت کو یہ معلوم ہو کہ اس کا شوہر بھی اس قسم کے مال کا صدقہ کرتا ہے، اور وہ صدقہ کرنا نہ شوہر پر واجب ہو اور نہ اس کی بیوی پر واجب ہو اور وہ اس کے مال سے صدقہ کردے، گویا وہ شوہر کے مال سے کچھ مال اس کی اجازت کے بغیر نکالے اور جو مال شوہر نے قرض خواہوں کو دینا ہو یا جن کا حق شوہر پر واجب ہو اس میں اس عورت کا خرچ کرنا بہ طریق اولیٰ جائز ہے، اور یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ بیوی اور بچوں کا خرچ شوہر پر واجب ہے، اور شوہر پر یہ خرچ کرنا لازم ہے، اگرچہ وہ مجلسِ حاکم سے غائب ہو جب کہ اس کا مال شہر میں موجود ہو۔

شوہر کی غیر موجودگی میں اس کے مال سے خرچ کرنے کے متعلق فقہاءِ اسلام کا اختلاف

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن بصری نے یہ کہا ہے کہ عورت کا خرچ شوہر کی غیر موجودگی میں بھی شوہر پر ثابت ہے اور ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مذہب ہے، سوائے امام ابوحنیفہ کے، کیونکہ انہوں نے کہا: عورت کے لیے اس وقت تک خرچ ثابت نہیں ہوگا جب تک کہ سلطان یا سربراہِ ملک اس کے لیے اس خرچ کو مقرر نہ کردے، اور اگر عورت شوہر کے اوپر قرض لے اور شوہر موجود نہ ہو تو عورت کے لیے کچھ مقرر نہیں کیا جائے گا، اور ائمہ میں سے اسحاق اور ابوثور نے امام ابوحنیفہ کی موافقت کی ہے۔

(مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۳۷۰)

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے:

بیوی کا خرچ شوہر کے اوپر فرض ہے، اور یہ خرچ اس پر واجب ہے اور یہ اس کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگا مگر صرف ایک صورت میں اور وہ یہ ہے کہ عورت شوہر کی نافرمانی کرتی ہو، اور اس کو جماع کا موقع نہ دیتی ہو، سو اس صورت میں اس پر اجماع ہے کہ بیوی کا خرچ شوہر سے ساقط ہو جاتا ہے، سوائے الحکم بن عتیبہ اور ابن القاسم مالکی کے، اور ان کا قول شاذ ہے، اور جن کا قول جماعت سے شاذ ہو ان کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے فرض کر دیا ہے اور سنت سے اس کی فرضیت ثابت ہے اس میں حاکم کے حکم کی ضرورت نہیں ہے، اور فرائض اور قرض وغیرہ کا ادا کرنا واجب ہے، اسی طرح نذر کو پورا کرنا بھی واجب ہے، اسی طرح جنایات میں جو اموال واجب ہوتے ہیں ان کا پورا کرنا بھی واجب ہے، اسی طرح حج میں بھی مال کو خرچ کرنا واجب ہے، اور حاکم کے حکم نہ ہونے کی وجہ سے ان کا وجوب ساقط نہیں ہوگا۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) عورت کے لیے اپنے بچوں کے خرچ کے اوپر قبضہ کرنا جائز ہے۔

(۲) اگر کوئی شخص کسی کے حق کی ادائیگی میں کمی کرے تو وہ پسِ پشت اس کے حق میں کمی کرنے کو بیان کرسکتا ہے، اور یہ غیبت نہیں

ہے۔ نیز حاکم کے سامنے اپنے حق کے وصول کا معاملہ پیش کرنا اور جو حق دار کو اس کا حق نہ دے اس کے حق نہ دینے کو بیان کرنا تا کہ انصاف کا حصول ہو، یہ بھی غیبت نہیں ہے۔

(۳) اس حدیث میں فرمایا: کہ اگر تم دستور اور عرف کے مطابق اپنے اوپر اور اپنی اولاد کے اوپر خرچ کرو تو اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے، یعنی تم اسراف نہ کرنا اور غیر ضروری اخراجات نہ کرنا، مثلاً کھانے پینے، لباس اور رہائش میں تو خرچ کرنا اور سامان تعیش کے حصول میں خرچ نہ کرنا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۳۷-۳۸، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۹ کی شرح از شیخ وحید الزمان غیر مقلد

مشہور غیر مقلد عالم شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر خاوند کہیں چل دیا ہو اور اس کا پتا معلوم نہ ہو تو عورت اپنے شہر کے قاضی کے پاس جائے، وہ اس شہر کے قاضی کو لکھ کر اس کے خاوند پر جو عورت کا خرچ ہے وہ منگوا دے، اگر پیام ممکن نہ ہو تو جیسے ہمارے زمانہ میں ہے کہ ہر ایک ایک پر کافر مسلط ہیں اور بے چارے قاضیوں کو ایک دمڑی برابر اختیار ان کافروں نے نہیں دیا ہے تو عورت اپنے شہر کے قاضی کو اطلاع دے اور وہ نکاح فسخ کر دے، اسی پر فتویٰ ہے، اگر خاوند کا بالکل پتا نہ ہو تب بھی قاضی نکاح کو فسخ کر سکتا ہے، اسی طرح خاوند اگر مفلس ہو اور نان نفقہ نہ دے سکتا ہو تب بھی یہی قول ہے، حنفیہ نے جو مذہب اختیار کیا ہے وہ صریح ظلم ہے عورتوں پر تکلیف مالا یطاق ہے، اور اس زمانہ میں کوئی عورت اس پر نہیں چل سکتی، وہ کہتے ہیں: خاوند مفلس ہو یا غائب ہر حالت میں عورت صبر کیے بیٹھی رہے، البتہ اس کے نام پر قرض لے کر کھا سکتی ہے، بتلائیے مفلس یا غائب کو کون قرض دے گا، اس زمانہ میں تو مالداروں کو بھی بغیر گروی کے کوئی قرض نہیں دیتا۔ (تیسیر الباری ج ۵ ص ۲۶۸-۲۶۹، نعمانی کتب خانہ، لاہور، جون ۱۹۹۰ء)

شیخ وحید الزمان کی شرح پر مصنف کا تبصرہ، اس حدیث کا قضاء علی الغائب سے تعلق ہے نہ مفقود الخبر سے اور نہ متعنت سے، متعنت وہ شخص ہے جو سرکشی کی بناء پر نہ عورت کو خرچ دے اور نہ اس کو طلاق دے

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی شرح میں شیخ وحید الزمان نے سخت مغالطہ آفرینی کی ہے، اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ حضرت ہند نے حضرت ابوسفیان کی غیر موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میں اگر ابوسفیان کے مال میں سے کچھ لے کر اپنے اوپر اور اپنی اولاد پر خرچ کروں تو کچھ حرج تو نہیں ہے؟ تو حضرت ابوسفیان اس وقت مکہ سے غائب نہیں تھے مکہ میں موجود تھے، صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر نہیں تھے، اس لیے شیخ وحید الزمان نے اس حدیث کی شرح میں جو مفقود الخبر کا مسئلہ بیان کیا ہے، وہ اس حدیث سے متعلق نہیں ہے، نیز انہوں نے جو یہ لکھا ہے کہ احناف یہ کہتے ہیں کہ اگر مرد عورت کو خرچ نہ دے تو عورت اس کے اوپر صبر کرے، یہ بھی انہوں نے محض فقہاء احناف پر طعن کرنے کے لیے لکھا ہے، ورنہ اگر کوئی مرد بیوی پر ظلم کرے، نہ اس کو خرچ دے اور نہ اس کو طلاق دے کر آزاد کرے تا کہ وہ کسی دوسری جگہ نکاح کر سکے تو اس صورت میں متاخرین فقہاء نے عورت کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ عدالت میں خلع کی درخواست دے اور عدالت شوہر کو حکم دے کہ وہ عدالت میں پیش ہو کر یا تو بیوی کو خرچ دے اور یا اس کو طلاق دے، اور اگر شوہر بار بار بلانے پر بھی عدالت میں پیش نہ ہو تو متاخرین فقہاء احناف نے کہا ہے کہ ائمہ ثلاثہ

کے مذہب پر عدالت کا فیصلہ نافذ ہو جائے گا اور عدالت جو خلع کا فیصلہ کرے گی، وہ طلاقِ بائن کے قائم مقام ہوگا اور اس فیصلہ کی بنیاد پر عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

صحیح البخاری: ۵۳۵۹ کی شرح از علامہ قسطلانی

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد بن القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال لینے کا جو حکم دیا ہے، یہ امرِ اباحت ہے

علامہ قرطبی مالکی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اس کے مال سے بقدرِ ضرورت لے لو، یہ امرِ اباحت ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ اباحت اگرچہ لفظاً مطلقہ ہے لیکن معناً مقید یہ ہے، گویا کہ آپ نے فرمایا کہ اگر تم نے جو ذکر کیا ہے وہ صحیح ہے تو پھر تم بقدرِ ضرورت لے سکتی ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ہند کو جو حضرتِ ابو سفیان کے مال سے بقدرِ ضرورت خرچ کرنے کی اجازت دی تھی، آیا یہ فتویٰ تھا یا قضاء تھی؟

اور ہمارے اصحاب کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا کسی عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ضرورت کے وقت قاضی کی اجازت کے بغیر از خود شوہر کے مال سے خرچ لے سکے؟ اور اس کی دو صورتیں ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو حضرت ہند کو لینے کی اجازت دی تھی، یہ فتویٰ تھا یا قضاء تھی، اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ فتویٰ تھا، پس یہ ہر اس صورت میں جاری ہوگا جو حضرت ہند کے معاملہ کے مشابہ ہو، اور اگر یہ قضاء ہو تو یہ حضرت ہند کے علاوہ اور کسی کے لیے جائز نہیں ہوگا، سوائے قاضی کے اذن کے، اور ابن دقیق العید نے اس کی تائید کی ہے کہ یہ فتویٰ تھا، کیونکہ جس حکم میں کسی ایسے سبب کو ثابت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جو غیر کے مال کے لینے کو جائز قرار دیتا ہو اور اس میں فتویٰ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ اس وقت شہر میں حاضر تھے، اور اس حدیث میں قضاء علی الغائب کا ثبوت نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابو سفیان کو مجلس حاکم میں حاضر کرنا اور ان کا دعویٰ سننا یہ ممکن تھا۔ (ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، ج ۱۲ ص ۱۵۳)

صحیح البخاری: ۵۳۵۹ کی شرح از علامہ ابن بطال مالکی

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اہل و عیال کے خرچ کے وجوب کے متعلق فقہاءِ اسلام کے اقوال

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر شوہر غائب ہو اور اس کا مال موجود ہو تو اس کے اہل اور عیال کا خرچ شوہر کے ذمہ واجب ہے اور شوہر پر لازم ہے۔

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ کا مذہب یہ ہے کہ جب شوہر موجود نہ ہو اور مال موجود ہو تو اس کے اہل و عیال کا خرچ شوہر پر واجب ہے، اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور ابو ثور کا بھی یہی مذہب

ہے، اور امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ عورت کے لیے از خود نفقہ واجب نہیں ہوتا مگر یہ کہ سلطان یا سربراہِ ملک اس کے لیے خرچ کو مقرر کردیں اور اگر عورت شوہر پر قرض لے اور شوہر غائب ہو تو عورت کے لیے کچھ مقرر نہیں کیا جائے گا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۳۰-۴۳۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

تنبیہ: علامہ ابن بطال مالکی نے اس کے بعد علامہ ابن المنذر کی عبارت پیش کی ہے جس کا ذکر التوضیح لشرح الجامع الصحیح میں علامہ ابن الملقن نے کردیا ہے، اس لیے ہم نے اس کو چھوڑ دیا ہے، اور علامہ ابن بطال نے حضرت ہند کی اس حدیث میں اور حضرت ابو ہریرہ کی اس حدیث میں جس میں مذکور ہے کہ عورت اپنے شوہر کی کمائی سے اس کی اجازت کے بغیر خرچ کرے تو شوہر کو نصف اجر ملتا ہے، ان دونوں میں تطبیق بیان کی ہے، اس کا ذکر بھی علامہ ابن ملقن کی شرح میں آچکا ہے۔

۵۳۶۰- حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رضى الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ كَسْبِ زَوْجِهَا عَنْ غَيْرِ أَمْرِهِ فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الرزاق نے حدیث بیان کی از معمر از ہمام، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا از نبی ﷺ، آپ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی عورت اپنے شوہر کی کمائی سے اس کے حکم کے بغیر خرچ کرے تو شوہر کو نصف اجر ملتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۰۶۶، ۵۱۹۲، ۵۱۹۵، ۵۳۶۰، صحیح مسلم: ۱۰۲۶، سنن ابو داؤد: ۱۶۸۷، مسند احمد: ۷۴۰۵)

صحیح البخاری: ۵۳۶۰ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس اعتراض کا جواب کہ حدیث مذکور باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے

اس باب کا عنوان ہے کہ شوہر کی غیر موجودگی میں بیوی کا اپنے اوپر اور اپنی اولاد کے اوپر خرچ کرنا اور حدیث مذکور کی اس عنوان کے ساتھ مطابقت نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جب عورت شوہر کے مال سے اس کے حکم کے بغیر خرچ کرے گی تو اس سے معلوم ہوگیا کہ وہ شوہر کے مال میں اس قسم کی سخاوت کرسکتی ہے اور یہ اس پر واجب نہیں ہے، کیونکہ شوہر کا جو خرچ واجب ہے جب وہ اس کو اس کی غیر موجودگی میں لے سکتی ہے تو جو خرچ شوہر پر واجب نہیں ہے، اس کو بھی اس کی غیر موجودگی میں بہ طریق اولیٰ لے سکتی ہے۔

شوہر کو نصف اجر ملنے کی توجیہ

اس حدیث میں فرمایا ہے کہ جب بیوی شوہر کے مال سے خرچ کرے گی تو شوہر کو بھی نصف اجر ملے گا، اس کی توجیہ یہ ہے کہ جو طعام گھر میں موجود ہے، وہ شوہر اور بیوی دونوں کے خرچ کے لیے ہے، تو بیوی اس مال سے خرچ کرسکتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ شوہر کے صراحتاً امر کے بغیر بیوی خرچ کرے تو اس کو نصف اجر ملے گا، لیکن جب یہ معمول ہو کہ بیوی

شوہر کے مال سے خرچ کرتی رہتی ہے یا اس پر قرائن موجود ہوں کہ بیوی شوہر کے مال سے خرچ کرے تو شوہر کو اعتراض نہیں ہوتا تو پھر شوہر کو نصف اجر ملے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۸-۲۹، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ہر نیک اور جائز کام سے پہلے اس کی خصوصی نیت کا ضروری نہ ہونا

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو نیک اور جائز کام معمول کے مطابق کیا جائے، اس پر اجر و ثواب ملتا ہے خواہ خصوصیت سے اس میں ثواب کی نیت نہ کی جائے، کیونکہ ہم دن اور رات میں سینکڑوں نیک اور جائز کام کرتے ہیں اور ان کاموں سے پہلے بالخصوص ان کاموں میں ثواب کی نیت نہیں کرتے جیسے نمازیں پڑھنا، نمازوں کے بعد تسبیحات پڑھنا، خرید و فروخت کرنا، درس و تدریس کرنا، اور دیگر اس طرح کے نیک اور جائز کام ہیں، تاہم ان کاموں سے پہلے ان میں ثواب کی نیت کرنا مستحب ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حدیث مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

میں کہتا ہوں: یہ حدیث صحیح البخاری: ۵۱۹۵ میں بھی مذکور ہے، وہاں اس کی شرح میں حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

خاوند کی اجازت کے بغیر بیوی کے خرچ کرنے کے متعلق متعدد احادیث کی شرح اور ان میں باہمی تعارض کی تطبیق

اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر خرچ کرے، اس سے مراد ہے اس کی صریح اجازت کے بغیر خرچ کرے اور آیا شوہر کی رضا کی علامات بھی اس کی تصریح کے قائم مقام ہیں یا نہیں، سو اس میں بحث ہے، کیونکہ کتاب النفقات میں یہ حدیث ہے کہ جب کوئی عورت اپنے شوہر کی کمائی سے اس کے حکم کے بغیر خرچ کرے تو اس کو نصف اجر ملتا ہے۔

اور علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اگر عورت مقدارِ واجب سے زیادہ شوہر کی کمائی سے خرچ کرے تو جتنا زیادہ وہ خرچ کرے گی، اس پر اس کا تاوان ہوگا اور مقدارِ واجب کے مطابق خرچ کرنے کے جواز کی دلیل حضرت ہند کی حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ تم ابوسفیان کے مال سے دستور کے مطابق لے کر اپنے اوپر اور اپنی اولاد پر خرچ کرو۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے کہ حدیث میں جو ارشاد ہے، شوہر کے حکم کے بغیر، اس سے مراد ہے کہ شوہر کے صریح حکم کے بغیر مقدارِ معین میں خرچ کرے اور یہ اس کو منافی نہیں ہے کہ اس سے پہلے اس کے شوہر نے اس کو اذنِ عام دیا ہو جو اس مقدار کے خرچ کرنے کو بھی شامل ہو، یا صراحتاً حکم دیا ہو یا عرف سے وہ حکم ثابت ہو۔

اور یاد رکھنا چاہیے کہ خرچ کرنے کی یہ تمام صورتیں معمولی مقدار میں ہیں، اس معمولی مقدار سے عرفاً مالک کی رضا معلوم ہو، پس اگر اس معمولی مقدار سے زیادہ عورت اس کو خرچ کرے تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ کتاب الزکوٰۃ اور کتاب البیوع میں یہ حدیث ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب عورت گھر کے کھانے کو خرچ کرے اور اس کھانے کو خراب کرنے والی نہ ہو تو اس کو اجر ملے گا، کیونکہ یہ معلوم ہے کس قسم کے خرچ میں شوہر کی رضا عادتاً معلوم ہوتی ہے، اور طعام کے لفظ میں یہ تنبیہ ہے کہ عادتاً طعام کو

خرچ کر دیا جاتا ہے بخلاف سونا چاندی کے۔

اور اس تقیید کی تائید یہ ہے کہ سنن ابوداؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے: کسی نے پوچھا کہ عورت اپنے خاوند کے گھر سے صدقہ کرے؟ تو آپ نے فرمایا: نہیں! صرف خوراک میں سے خرچ کرے اور اجر دونوں کو ملے گا، اور عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ شوہر کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر خرچ کرے۔

نیز امام ابوداؤد اور امام ابن خزیمہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے کہا: اے اللہ کے نبی! ہم اپنے ماں باپ کو اور اپنے شوہروں کو اور بیٹوں کو کھلاتے ہیں، ان کے اموال میں سے ہمارے لیے کیا چیز حلال ہے تو آپ نے فرمایا: جو تازہ اور تر کھجوریں ہوں، وہ تم کھلا بھی سکتی ہو اور ہدیہ بھی دے سکتی ہو۔

اور امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابو امامہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر کی کسی چیز کو خرچ نہ کرے مگر خاوند کی اجازت سے، پوچھا گیا: طعام کو بھی خرچ نہ کرے؟ فرمایا: وہ تو ہمارے افضل اموال میں سے ہے۔ بہ ظاہر اس حدیث کا حدیث سابق سے تعارض ہے، کیونکہ حدیثِ سابق میں یہ تصریح ہے کہ تازہ اور تر کھجوریں تم کھلا بھی سکتی ہو اور ہدیہ بھی دی سکتی ہو، اور ان میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ ان چیزوں کو خاوند کی اجازت کے بغیر صدقہ کیا جا سکتا ہے جن کو اگر گھر میں رکھا جائے تو ان کے خراب اور فاسد ہونے کا اندیشہ ہو، لیکن جن چیزوں کو گھر میں رکھنے سے ان کے خراب اور فاسد ہونے کا یا سڑ جانے کا خطرہ اور خدشہ نہ ہو جیسے گندم یا چاول وغیرہ یا سونا چاندی تو ان کو خاوند کی اجازت کے بغیر خرچ کرنا جائز نہیں ہے، تاہم اگر خاوند کی طرف سے ان چیزوں کے خرچ کرنے کی ممانعت نہ ہو اور عورت ان چیزوں کو خرچ کرتی ہو اور خاوند منع نہ کرتا ہو تو پھر ان کا خرچ کرنا بھی جائز ہوگا، کیونکہ ہر چیز کے خرچ کرنے میں صراحتاً اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۲۹۶-۲۹۷، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور پاکستان، فتح الباری ج ۶ ص ۳۸۷-۳۸۸، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۶۰ کی شرح از شیخ وحید الزمان

مشہور غیر مقلد عالم شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلا کہ ضرورت کے وقت عورت خاوند کا مال بے اس کی اجازت کے خرچ کر سکتی ہے، شافعیہ کے اس میں دو قول ہیں، بعضوں نے کہا کہ قاضی سے اجازت لے کر خرچ کرے۔ (تیسیر الباری ج ۵ ص ۲۶۹، نعمانی کتب خانہ جون ۱۹۹۰ء)

شیخ وحید الزمان کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

فقہاء شافعیہ کے اس مسئلہ میں ایسے دو قول نہیں ہیں جو شیخ وحید الزمان نے ذکر کیے ہیں، البتہ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے خرچ کی یہ تفصیل ذکر کی ہے کہ جس طعام کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو، اس کو تو عورت خاوند کی صراحتاً اجازت کے بغیر خرچ کر سکتی ہے اور جس طعام یا جس مال کے خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو، اس میں شوہر کی اجازت کی ضرورت ہے یا صراحتاً اجازت ہو یا عرفاً اجازت ہو۔ (سعیدی غفرلہ)

٦ـ بَابُ: عَمَلِ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا

عورت کا خاوند کے گھر میں کام کاج کرنا

٥٣٦١ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ قَالَ حَدَّثَنِي الْحَكَمُ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى حَدَّثَنَا عَلِيٌّ أَنَّ فَاطِمَةَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ أَتَتِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم تَشْكُو إِلَيْهِ مَا تَلْقَى فِي يَدِهَا مِنَ الرَّحَى وَبَلَغَهَا أَنَّهُ جَاءَهُ رَقِيقٌ فَلَمْ تُصَادِفْهُ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لِعَائِشَةَ فَلَمَّا جَاءَ أَخْبَرَتْهُ عَائِشَةُ قَالَ فَجَاءَنَا وَقَدْ أَخَذْنَا مَضَاجِعَنَا فَذَهَبْنَا نَقُومُ فَقَالَ عَلَى مَكَانِكُمَا فَجَاءَ فَقَعَدَ بَيْنِي وَبَيْنَهَا حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ قَدَمَيْهِ عَلَى بَطْنِي فَقَالَ أَلَا أَدُلُّكُمَا عَلَى خَيْرٍ مِمَّا سَأَلْتُمَا إِذَا أَخَذْتُمَا مَضَاجِعَكُمَا أَوْ أَوَيْتُمَا إِلَى فِرَاشِكُمَا فَسَبِّحَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَاحْمَدَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَكَبِّرَا أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمَا مِنْ خَادِمٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از شعبہ، انہوں نے کہا: مجھے حکم نے حدیث بیان کی از ابن ابی لیلیٰ، انہوں نے کہا کہ ہمیں حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور وہ شکایت کر رہی تھیں جو چکی پینے سے ان کے ہاتھوں میں تکلیف اور مشقت پہنچی ہے اور حضرت فاطمہ کو یہ خبر معلوم ہوئی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ غلام آئے ہیں، پس حضرت فاطمہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہیں ہوئی، سو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا پھر اس بات کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا جب آپ گھر میں تشریف لائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور اس وقت ہم اپنے بستروں میں لیٹ چکے تھے، ہم کھڑے ہونے لگے تو آپ نے فرمایا: تم اسی طرح لیٹے رہو، پس آپ آئے اور میرے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان بیٹھ گئے حتیٰ کہ میں نے آپ کے پیروں کی ٹھنڈک اپنے پیٹ پر محسوس کی، پس آپ نے فرمایا: کیا میں تمہاری رہنمائی اس چیز پر نہ کروں جو تمہارے کیے ہوئے سوال سے بہتر ہے؟ جب تم اپنے لیٹنے کی جگہوں پر جاؤ یا فرمایا: جب تم اپنے بستروں پر جاؤ تو تم دونوں تینتیس بار سبحان اللہ پڑھو، اور تینتیس بار الحمد للہ پڑھو، اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھو، تو یہ تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۱۱۳، ۳۷۰۵، ۵۳۶۱، ۵۳۶۲، ۶۳۱۸، صحیح مسلم: ۲۷۲۷، سنن ترمذی: ۳۴۰۸، سنن ابوداؤد: ۵۰۶۲، مسند احمد: ۱۱۴۵، سنن دارمی: ۲۶۸۵)

صحیح البخاری: ۵۳۶۱ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا چکی پیستی تھیں، جس سے ان کے ہاتھوں میں مشقت اور تکلیف ہوتی، اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کے کام کاج کرتی تھیں، چکی میں آٹا پیستی تھیں اور آٹا گوندتی تھیں اور روٹی پکاتی تھیں اور یہ گھر کے وہ کام ہیں جو عورتیں اپنے خاوند کے گھروں میں کرتی ہیں۔

حدیث مذکور کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے اور وہ ابن سعید القطان ہیں، اور اس حدیث کی سند میں الحکم کا ذکر ہے اور یہ ابن عتیبہ ہیں اور عتیبہ تصغیر کا صیغہ ہے اور اس میں ابن ابی لیلیٰ کا ذکر ہے، ان کا نام عبدالرحمٰن ہے اور ابولیلیٰ کا نام یسار ہے، جو یمین کی ضد ہے۔

حدیث مذکور کی شرح اور خلاصہ از مصنف

خلاصہ یہ ہے کہ چکی کی سختی سے جو حضرت سیدہ کے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے تھے اور حضرت سیدہ کو معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی آئے ہیں جن کو آپ نے غلام بنا کر صحابہ میں تقسیم کیا ہے تو انہوں نے چاہا کہ کوئی غلام بہ طور خادم کے انہیں بھی دے دیا جائے تا کہ وہ غلام چکی میں آٹا پیسے اور سیدہ فاطمہ چکی میں آٹا پیسنے کی مشقت سے راحت پالیں، جب حضرت سیدہ آئیں تو اس وقت گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما نہیں تھے، بعد ازاں حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ کسی کام سے حضرت سیدہ فاطمہ آئیں تھیں اور آپ نہیں ملے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ام المومنین عائشہ اور حضرت سیدہ فاطمہ زہراء کے درمیان بہت الفت اور یگانگت تھی جبھی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سیدہ کے آنے کی خبر دی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از راہِ کرم خود ان کے گھر تشریف لے گئے، اور آپ نے حضرت سیدہ کے آنے کا سبب معلوم کیا، جب آپ تشریف لائے تو حضرت مولیٰ علی اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا دونوں آپ کے استقبال کے لیے کھڑے ہونے لگے اور اس میں قیامِ تعظیمی کے جواز کا ثبوت ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اسی طرح اپنے بستروں میں لیٹے رہو، اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مسئلہ کا حل بیان فرمایا۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غلام آئے تو آپ نے وہ صحابہ میں تقسیم کر دیے اور اپنی ضرورت مند بیٹی کو نہیں دیے، جن کے ہاتھوں میں خود چکی پیسنے سے چھالے پڑ جاتے تھے، آج ہمارا حال یہ ہے کہ اگر کسی افسر کے پاس کہیں سے کوئی مال آئے تو سب سے پہلے تو وہ اس سے اپنا گھر بھرے گا، پھر اپنے رشتہ داروں کو دے گا، پھر اگر کچھ بچ گیا تو مستحقین کو بھی اس میں سے دے دے گا، زمانہ قریب میں جب زلزلہ آیا یا سیلاب آیا تو زلزلہ زدگان اور سیلاب زدگان کی امداد کے لیے جو دنیا بھر سے امداد آئی اس امداد کا بیشتر حصہ تو تقسیم کاروں نے اپنے گھر والوں میں، رشتہ داروں میں، دوستوں اور عزیزوں میں تقسیم کیا اور خانہ پُری کے لیے کچھ ضرورت مند لوگوں کو بھی دے دیا۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر کوئی کیسے یقین کرے گا کہ یہ اسی نبی کو ماننے والی امت ہے جس کے پاس غلام اور خدام آئے تو سب کو دے دیے نہیں دیا تو صرف اپنی ضرورت مند بیٹی کو نہیں دیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اس سوال کا جواب کہ حضرت سیدہ فاطمہ کو تو خادم کی ضرورت تھی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے حل کے لیے ان کو تسبیحات پڑھنے کا حکم دیا، ان تسبیحات سے حضرت سیدہ فاطمہ کی ضرورت کیسے پوری ہوگی؟

علامہ عینی اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ شاید اللہ تعالیٰ تسبیح پڑھنے والے کو ایسی قوت عطا فرمائے، جس کی وجہ سے وہ از خود گھر کے کام کاج کرنے پر خادم کی بہ نسبت زیادہ قوت پائے یا اس کے لیے گھر کے کام کاج کرنا سہل اور آسان ہو جائے، یا اس کا معنی یہ ہے کہ تسبیح کا نفع آخرت میں ملے گا اور خادم کا نفع دنیا میں ملے گا، وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ۝ (الاعلیٰ) اور آخرت ہی بہت عمدہ اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے O''۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹-۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۶۱ کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ کے ذکر کو لازم رکھو گی تو اللہ تعالیٰ تم کو ایسی قوت عطا فرمائے گا جو خادم کو عطا کرنے سے زیادہ مفید ہوگی یا تم پر کام آسان ہو جائیں گے حتیٰ کہ تمہیں خادم کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اسی طرح بعض شارحین نے اس حدیث کے مسائل میں بیان کیا ہے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ تسبیح کا نفع آخرت کے ساتھ مختص ہے اور خادم کا نفع دنیا کے ساتھ مختص ہے اور آخرت زیادہ بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۰۷، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، فتح الباری ج ۶ ص ۵۵۵، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۶۱ کی شرح از علامہ ابن بطال مالکی

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

قدر و منزلت والی خاتون کے لیے بھی گھر کے کام کرنے کا ثبوت

علامہ ابن حبیب نے کہا ہے کہ جب شوہر تنگدست ہو اور اس کی بیوی قدر و منزلت اور فضیلت والی ہو تو اس کی بیوی پر گھر کے کاموں کی خدمت کرنا لازم ہے مثلاً آٹا گوندھنا، روٹی پکانا، گھر کی صفائی کرنا اور دیگر اس قسم کے کام کرنا، اسی طرح اس حدیث کی ابن الماجیشون اور اصبغ نے روایت کی، علامہ ابن الحبیب نے کہا: اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو گھر کے کاموں میں خدمت کرنے کا حکم دیا، اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کو ظاہری کاموں میں خدمت کرنے کا حکم دیا، اور میرے بعض مشائخ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو احادیث ثابتہ ہیں، ان میں ہمیں یہ چیز معلوم نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خدمتِ باطنہ کا حکم دیا، ان کا نکاح صرف حسنِ معاشرت کے طریقہ سے ہوا تھا، رہا یہ کہ عورت کو گھر کی خدمت پر مجبور کیا جائے تو اس کی اصل سنت میں نہیں ہے، بلکہ اس پر اجماع ہے کہ خاوند کے اوپر بیوی کی تمام مشقتوں کی ذمہ داری ہے۔

امام طحاوی نے کہا ہے: اس میں اختلاف نہیں ہے کہ عورت پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اپنی خدمت کرے اور زوج پر یہ لازم ہے کہ وہ ان کاموں میں اپنی بیوی سے کفایت کرے اور اگر بیوی کے ساتھ کوئی خادم ہو تو خاوند کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس خادم کو گھر سے نکالے، پس خاوند کے ذمہ لازم ہے کہ وہ خادم کی ضروریات کو پورا کرے اور ابن حکم نے از امام مالک یہ روایت کی ہے کہ

بیوی کے اوپر خاوند کی خدمت کرنا لازم نہیں ہے۔

علامہ ابو جعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو عورتیں گھروں میں روٹی پکاتی ہیں یا آٹا پیستی ہیں یا گھروں میں اور ایسے کام کرتی ہیں جس میں گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت نہیں ہوتی، تو ان کاموں کے کرنے کا اس کا خاوند مکلف نہیں ہے، جیسا کہ اس کی بیوی بیمار ہو یا اپاہج ہو اور پھر وہ کام نہ کرے تو اس کا خاوند اس کا مکلف نہیں ہے کہ اس سے وہ کام کرائے، کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ شکایت کی کہ چکی میں آٹا پیسنے سے اور آٹا گوندھنے سے ان کو مشقت ہوتی ہے اور انہوں نے ان کاموں کے لیے خادم کا سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو کوئی خادم مہیا کریں جو یہ کام کر سکے اور نہ یہ حکم دیا کہ تم اجرت پر کوئی خادم مقرر کرو، بلکہ یہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے میری بیٹی! صبر کرو، کیونکہ عورتوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کو نفع پہنچائے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں یہ واضح دلیل ہے کہ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا ان خدمات کو انجام دینے کے باوجود بعض پر مشقت کاموں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدد کرتی تھیں۔ اور اگر حضرت علی کے اوپر یہ واجب ہوتا کہ وہ ان کاموں میں حضرت فاطمہ کے لیے کسی خادم کو مہیا کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا حکم دیتے، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو حکم دیا تھا کہ حضرت فاطمہ کا مہر ادا کرو اور فرمایا تھا: تمہاری زرہ کہاں ہے؟، اور یہ جائز نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو تو محاسن اخلاق کی تعلیم دیں اور گھر والوں کے لیے فرائض کے بیان کو ترک فرمادیں، کیونکہ آپ نے حضرت علی کو مہر دینے کا حکم دیا تھا، حالانکہ مہر کی ادائیگی میں تاخیر بھی جائز ہے۔

جب خاوند خوش حال ہو تو اس کو چاہیے کہ گھر کے کاموں کے لیے کسی خادم کا خرچ دے

اہلِ ظاہر کا یہ قول شاذ ہے کہ مرد پر یہ لازم نہیں ہے کہ جب وہ خوش حال ہو تو اپنی بیوی کو خادم مہیا کرے یا جب اس کی بیوی ان عورتوں میں سے ہو کہ ان جیسی عورتیں گھر کے کام کاج نہیں کرتیں اور دیگر فقہاء کی دلیل یہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (النساء:۱۹) اور تم ان کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

اور جب عورت کو خادم کی ضرورت ہو اور اس کا خاوند اس کو خادم مہیا نہ کرے تو وہ اس کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا نہیں ہے۔

اور امام مالک بن انس، اللیث اور محمد بن حسن شیبانی نے کہا ہے کہ خاوند بیوی کے لیے اور اس کے خادموں کے لیے خرچ مہیا کرے جب کہ اس کی بیوی شرف اور مرتبہ والی ہو۔

اور فقہاء احناف اور امام شافعی نے کہا ہے کہ وہ بیوی کے لیے اور اس کے خادم کے لیے نفقہ مقرر کرے۔

عام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ جو مرد تنگ دست ہو اور خادم کا خرچ نہ اٹھا سکتا ہو، تو اس مرد اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی، خواہ اس کی بیوی قدر و منزلت والی ہو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر یہ لازم نہیں کیا کہ وہ اپنی تنگدستی میں بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے کوئی خادم مہیا کریں اور نہ ان کو یہ حکم دیا کہ وہ چکی سے آٹا پیسنے میں ان کی مدد کریں۔

اور المہلب مالکی نے کہا ہے: اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جو عورت بلند مرتبہ والی ہو اس کو گھر کے کام مثلاً چکی سے آٹا پیسنا اور روٹی پکانے کی مشقت برداشت کرنی چاہیے، کیونکہ کوئی عورت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سے زیادہ بلند مرتبہ والی نہیں ہے

،اور یہ حضرات آخرت کو ترجیح دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید کے اوپر اس کی عبادت میں تواضع کرتے تھے۔
نیز اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ دنیا کی تھوڑی مقدار پر کفایت کرنی چاہیے اور دنیا سے بے رغبتی کرنی چاہیے اور آخرت کے ثواب میں رغبت کرنی چاہیے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کیا میں تم کو ایسی چیز پر رہنمائی نہ کروں جو تم دونوں کے سوال سے بہتر ہو، پھر آپ نے ان کو سبحان اللہ، الحمد للہ، اور اللہ اکبر پڑھنے کی طرف رہنمائی فرمائی۔
(شرح ابن بطال ج ۷ ص ۵۳۳-۵۳۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۶۱ کی شرح از علامہ القسطلانی شافعی

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بیویوں کو چاہیے کہ وہ از خود گھر کا کام کاج کیا کریں، اور اس میں عار اور بوجھ نہ سمجھیں

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چند کلمات ہیں جن کی مجھے حضرت جبریل علیہ السلام نے تعلیم دی ہے، پس تم دونوں اپنے بستروں پر جاؤ تو تینتیس مرتبہ سبحان اللہ کہو اور تینتیس مرتبہ الحمد للہ کہو اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر کہو، تو یہ تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے، اس حدیث سے یہ مستفاد ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر کو لازم رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اتنی قوت عطا فرماتا ہے جتنی قوت کے ساتھ کوئی خادم اس کے لیے عمل کرتا ہے، یا اس سے مراد یہ ہے کہ تسبیح مختص ہے دارِ آخرت کے ساتھ اور خادم کا نفع مختص ہے دارِ دنیا کے ساتھ اور آخرت زیادہ بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی ہے۔
اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خاوند پر یہ بھی لازم نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کے لیے خادم یا خادمہ کو مہیا کرے، جب کہ بیوی گھر کے کام کاج از خود کرتی ہو، روٹی پکاتی ہو آٹا گوندتی ہو اور گھر کی صفائی کرتی ہو اور جب کہ حضرتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے خادم کا سوال کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ حضرت فاطمہ کو خادم یا خادمہ مہیا کریں، اور ابن حبیب نے اصبغ سے روایت کی ہے اور انہوں نے امام مالک سے کہ بیوی پر لازم ہے کہ وہ گھر کے کام کاج کرے خواہ وہ بہت بلند مرتبہ کی ہو جب کہ اس کا خاوند تنگ دست اور غریب ہو، اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بلند مرتبہ والی خاتون کون ہوگی، پس جب وہ اپنے گھر کا کام کرنے میں عار محسوس نہیں کرتی تھیں اور اس کو بوجھ نہیں سمجھتی تھیں تو عام عورتوں کو بدرجہ اولیٰ گھر کے کام کاج کرنے چاہئیں اور اس کو اپنے اوپر عار اور بوجھ نہیں سمجھنا چاہیے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات اور آپ کی صاحبزادیوں کا یہی اسوہ اور یہی طریقہ ہے۔
(ارشاد الساری شرح صحیح البخاری ج ۱۲ ص ۱۵۵، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۶۱ کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خادم کی ضرورت ہونے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم عطا نہ کرنے کی توجیہات

اگر تم یہ سوال کرو کہ جب حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خادم کی ضرورت تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خادم مہیا کرنے سے

کیوں منع فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم تھا کہ سیدہ فاطمہ اس مشقت والے کام پر قدرت رکھتی ہیں اور وہ مجبور نہیں ہیں اور فقراء صحابہ ان سے زیادہ ضرورت مند تھے، یا آپ کو یہ علم تھا کہ سیدہ فاطمہ ان پر مشقت کاموں پر صبر کر سکتی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور حدیث میں یہ ارشاد ہے: میں ایک مرد کو عطا کرتا ہوں اور دوسرا مرد مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ جس کو میں عطا نہیں کر رہا، اس کی طبیعت کے اندر غنا ہے۔ (صحیح البخاری: ۹۲۳، مسند احمد: ۲۰۱۴۹)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی کے گھر میں کام کاج کرتی تھیں اور یہ اگرچہ ان پر واجب نہیں تھا، کیونکہ جب وہ یہ کام کرتی تھیں تو ان کے خاوند کو اس پر عار محسوس نہیں ہوتا تھا۔ (الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری ج ۹ ص ۷۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کی سادہ اور بے تکلف زندگی

میں کہتا ہوں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی نے اس طرح سادگی سے زندگی بسر کی ہے کہ اپنے ہاتھ سے چکی پیستی تھیں، پانی بھر کر لے آتی تھیں، تو ان کے مقابلہ میں دوسری دنیا دار عورتوں کی کیا حقیقت ہے جو اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر ان کاموں کو ننگ و عار محسوس کریں، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بازار سے چیزیں خرید کر اپنے ہاتھ میں اٹھا کر لاتے تھے، حالانکہ صدہا خدام اپنی جان کو آپ پر نچھاور کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سادہ زندگی اور آپ کی صاحبزادی کی پر مشقت زندگی کو دیکھ کر بھی کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نبی ہونے پر شک کرے تو اس سے بڑا بدنصیب کون ہوگا۔ (سعیدی غفرلہ)

۷- بَابٌ: خَادِمِ الْمَرْأَةِ

عورت کا خادم

۵۳۶۲- حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي يَزِيدَ سَمِعَ مُجَاهِدًا سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي لَيْلَى يُحَدِّثُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَام أَتَتْ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم تَسْأَلُهُ خَادِمًا فَقَالَ أَلَا أُخْبِرُكِ مَا هُوَ خَيْرٌ لَكِ مِنْهُ تُسَبِّحِينَ اللهَ عِنْدَ مَنَامِكِ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَتَحْمَدِينَ اللهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَتُكَبِّرِينَ اللهَ أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ ثُمَّ قَالَ سُفْيَانُ إِحْدَاهُنَّ أَرْبَعٌ وَثَلَاثُونَ فَمَا تَرَكْتُهَا بَعْدُ قِيلَ وَلَا لَيْلَةَ صِفِّينَ قَالَ وَلَا لَيْلَةَ صِفِّينَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن ابی یزید نے حدیث بیان کی، انہوں نے مجاہد سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے سنا، وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں، اور آپ سے خادم کا سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: کیا میں تمہیں خبر نہ دوں جو تمہارے لیے اس سے زیادہ بہتر ہے، تم سونے کے وقت تینتیس مرتبہ سبحان اللہ پڑھو، اور تینتیس مرتبہ الحمد للہ پڑھو اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھو، پھر سفیان نے کہا: ان میں سے ایک چونتیس مرتبہ ہے، پھر میں نے ان تسبیحات کو کبھی ترک نہیں کیا، کہا گیا: اور آپ نے صفین کی رات میں بھی ترک نہیں کیا، حضرت علی

رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ میں نے صفین کی رات میں بھی اس کو ترک نہیں کیا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۱۳، ۳۷۰۵، ۵۳۶۸، ۵۳۶۲، ۶۳۱۸، مسند احمد: ۷۴۰ صحیح مسلم: ۶۹۱۵)

صحیح البخاری: ۵۳۶۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ وہی حدیث ہے جو اس سے پہلے مذکور ہے، لیکن اس کا سیاق زیادہ مختصر ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے: اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جو عورت گھر کے کام کاج کرنے اور گھر کی خدمت کرنے کی طاقت رکھتی ہو مثلاً روٹی پکا سکتی ہو، چکی میں آٹا پیس سکتی ہو، آٹا گوندھ سکتی ہو اور اس طرح کے کام کر سکتی ہو تو اس کے خاوند پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کے لیے کوئی خادمہ رکھے، جب کہ یہ معلوم ہو کہ اس جیسی عورت اس قسم کے کام از خود کر لیتی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب اپنے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خادم کا سوال کیا تو آپ نے ان کے شوہر کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ سیدہ فاطمہ کے لیے کوئی خادم مہیا کریں، یا اجرت پر کوئی خادم مہیا کریں، یا خود ان کے ساتھ مل کر یہ کام کریں، اور اگر حضرت علی کے لیے ان کاموں کے کرنے میں کفایت ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہ کے لیے خادم مہیا کرنے کا حکم دیتے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے اور باب کے عنوان کی وضاحت کرتی ہے، کیونکہ امام بخاری نے جو باب کے عنوان میں کہا ہے: ''خادم المرأة'' یعنی عورت کا خادم اور یہ مبہم ہے اور باب کی حدیث میں اس کی وضاحت کر دی۔

علامہ ابن بطال مالکی نے بعض شیوخ سے نقل کیا ہے کہ ہم کو کسی حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ فیصلہ کیا ہو کہ وہ گھر کے کام کاج کیا کریں اور یہ چیز عرف پر مبنی ہے اور حسنِ معاشرت پر مبنی ہے اور عمدہ اخلاق پر مبنی ہے، رہا یہ کہ عورت کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ گھر کے کام کاج کیا کرے تو اس کی کوئی اصل نہیں ہے، بلکہ اجماع اس پر منعقد ہے کہ خاوند کے ذمہ ہے کہ وہ عورت کے تمام پُر مشقت کاموں کی ذمہ داری قبول کرے اور امام طحاوی نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ خاوند پر یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کی خادمہ کو گھر سے نکال دے، بلکہ خاوند پر یہ لازم ہے کہ بیوی کی خادمہ کا بھی حسب ضرورت حق ادا کرے۔

اور فقہاء احناف اور امام شافعی نے کہا ہے کہ خاوند پر لازم ہے کہ وہ خادم کا اور اس کی بیوی کا خرچ مقرر کرے۔

سفیان نے کہا کہ حضرت علی نے صفین میں بھی ان تسبیحات کے پڑھنے کو ترک نہیں کیا، اور صفین کے لفظ میں صاد کے نیچے زیر ہے اور فاء پر تشدید ہے اور نون سے پہلے یاء ہے اور یہ عراق اور شام کے درمیان ایک جگہ ہے، جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان عظیم معرکہ برپا ہوا تھا، اور سفیان کی مراد یہ ہے کہ اس رات میں اتنی عظیم جنگ کے باوجود اور اتنے سنگین معاملات ہونے کے باوجود میں نے ان تسبیحات کو پڑھنا نہیں چھوڑا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۰-۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۶۲ کی شرح از علامہ ابن الملقن

علامہ سراج الدین ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن التوفی ۸۰۴ ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر مومنات کو اپنی صاحبزادی پر ترجیح دی، کیونکہ آپ کی صاحبزادی کی شان بہت بلند تھی۔

ابن حبیب نے کہا ہے کہ جب خاوند تنگ دست ہو اور اس کی بیوی عظیم المرتبت اور عظیم القدر ہو تب بھی اس کی بیوی پر لازم ہے کہ وہ خدمتِ باطنہ یعنی گھر کے کام کاج کرے، آٹا گوندھے، روٹی پکائے، گھر کی صفائی کرے اور اس قسم کے دیگر کام کاج کرے۔
نیز علامہ ابن حبیب نے کہا ہے: اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خدمتِ باطنہ کا حکم دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدمتِ ظاہرہ کا حکم دیا یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تو گھر کے کام کاج کریں اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ گھر کی ضروریات پوری کرنے کے لیے گھر کے باہر حصولِ رزق کی تگ و دو کریں۔

امام عبدالرزاق اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے میری بیٹی صبر کرو، کیونکہ عورتوں میں سے بہترین عورت وہ ہے جو اپنے گھر والوں کو نفع پہنچائے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۲۰۵۹۴)

عام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ جب مرد تنگ دست ہو اور وہ بیوی کی خادمہ کا خرچ نہ اٹھا سکتا ہو تو اس مرد اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی خواہ اس کی بیوی شرف اور مرتبہ والی ہو، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر شارع علیہ السلام نے یہ لازم نہیں کیا کہ وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے ان کی تنگدستی میں کوئی خادمہ مہیا کریں۔

اور المہلب مالکی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جو عورت بلند مرتبہ والی ہو، اس کے لیے بھی اپنے خاوند کی خدمت کرنے میں مشقت کو برداشت کرنا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سے بڑھ کر تو کوئی خاتون نہیں ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے تھے اور گھر کے کام کاج کرنے میں عار نہیں سمجھتے تھے، اور عبادت میں تواضع کرتے تھے، اور اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ دنیا کی تھوڑی چیزوں پر کفایت کرنی چاہیے اور دنیا میں بے رغبتی کرنی چاہیے اور ثواب میں رغبت کرنی چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ فرمایا: کہ خادمہ کے حصول سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ تم رات کو سونے سے پہلے سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھو۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۴۱-۴۳ ملخصاً وملتقطاً وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، ۱۴۳۱ھ)

تنبیہ: علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ ھ نے اپنی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ ھ کی شرح سے استفادہ کیا ہے اور ہم نے اس میں سے قدرے ضروری کو ذکر کیا ہے۔

صحیح البخاری: ۵۳۶۲ کی شرح از علامہ قسطلانی شافعی

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی التوفی ۹۱۱ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ خاوند پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کے لیے خادمہ کو مہیا کرے، لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس

حدیث کو اس پر محمول کیا جائے جو حُسنِ معاشرت اور عمدہ اخلاق کا تقاضا ہے، ورنہ خاوند پر واجب ہے خواہ وہ تنگدست ہو یا غلام ہو کہ وہ آزاد عورت کی خدمت کے لیے خواہ وہ عورت ذمیہ ہو تو وہ کسی خادمہ کو مہیا کرے جو اس کے گھر کے کام کاج کرے کیونکہ یہ بھی حسنِ معاشرت میں سے ہے اور عرف کے مطابق ہے۔ (ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، ج ۱۲ ص ۱۵۶، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۸۔ بَابُ: خِدْمَةِ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ

مرد کا اپنے گھر کے کام کاج کرنا

۵۳۶۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عُتَيْبَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رضى الله عنها مَا كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَصْنَعُ فِي الْبَيْتِ قَالَتْ كَانَ يَكُونُ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ فَإِذَا سَمِعَ الْأَذَانَ خَرَجَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عرعرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از حکم بن عتیبہ از ابراہیم از اسود بن یزید، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں کیا کرتے تھے، تو انہوں نے بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر کے پر مشقت کاموں میں مصروف رہتے تھے، پھر جب آپ اذان کو سنتے تو گھر سے باہر تشریف لے جاتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۶۷۶، ۵۳۶۳، ۶۰۳۹، سنن ترمذی: ۲۴۸۹، مسند احمد: ۲۴۷۰۶)

صحیح البخاری: ۵۳۶۳ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے، اس باب میں ''جو شخص اپنے گھر میں مصروف ہو، پھر نماز کی اقامت کہی جائے تو وہ گھر سے باہر جائے''۔

اس حدیث میں ''المھنۃ'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: خدمت۔

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ گھر کی خدمت کرنا اور گھر والوں کی خدمت کرنا اللہ کے نیک بندوں کی سنت اور ان کا طریقہ ہے اور اس حدیث میں جماعت سے نماز پڑھنے کی فضیلت ہے، کیونکہ اس حدیث میں ذکر ہے کہ جب آپ اذان کو سنتے تو گھر سے باہر چلے جاتے یعنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے چلے جاتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں کام کاج کرنے کے متعلق مزید احادیث

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ شمائل میں روایت کرتے ہیں:

عمرہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں کیا کرتے تھے، تو انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشروں میں سے بشر تھے، اپنے کپڑے سے جوئیں چن لیتے تھے اور بکری کا دودھ دوہ لیتے تھے اور گھر والوں کی خدمت کرتے تھے۔ (الشمائل المحمدیہ: ۳۴۲، دار المنہاج للنشر والتوزیع، المدینۃ المنورہ، ۱۴۲۸ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑوں میں جوؤں کی تحقیق

امام فقیہ ابراہیم بن محمد الباجوری الشافعی المتوفی ۱۲۷۷ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ بشروں میں سے ایک بشر تھے، یہ بطور تمہید ہے اور اس میں کفار کے اس عقیدہ کا رد ہے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منصب اس کے منافی ہے کہ آپ وہ کام کریں جو کام عام لوگ کرتے ہیں، آپ کی شان کے یہ لائق ہے کہ آپ بادشاہوں کی طرح رہیں اور عام لوگوں سے اپنے آپ کو بلند و بالا رکھیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: "یفلی ثوبه" یعنی جوں نکال کر پھینک دیتے تھے، یعنی اپنے کپڑے سے جوؤں کو تلاش کرتے تا کہ اس کو نکال کر پھینک دیں، اس کا معنی ہے کہ کپڑوں میں کانٹوں کی مثل کوئی چبھنے والی چیز ہوتی تو اس کو نکال دیتے، یا کپڑا کہیں سے پھٹا ہوا ہوتا تو اس میں پیوند لگا لیتے تھے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کے کپڑوں میں فی الواقع جوں ہوتی تھی، کیونکہ جوں تعفن کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور آپ کے بدن میں تعفن نہیں تھا، اور جوں اکثر پسینے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور آپ کا پسینہ پاکیزہ اور خوشبودار تھا، اسی وجہ سے شراحِ شفاء میں سے ابنِ سبع نے کہا ہے کہ آپ کے بدن اور کپڑے میں جوئیں نہیں تھیں، کیونکہ آپ نور تھے اور جس نے کہا کہ آپ کے کپڑے یا بدن میں جوئیں تھیں اس نے آپ کی تنقیص کی، یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کے کپڑے میں جوئیں تھیں لیکن وہ آپ کو ایذاء نہیں پہنچاتی تھیں اور آپ کپڑوں سے جوئیں اس لیے نکالتے تھے کہ آپ کو ان سے گھن آتی تھی۔ (میں کہتا ہوں کہ پہلا قول صحیح ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

اور اس حدیث میں مذکور ہے آپ اپنی خدمت کرتے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ اپنا کپڑا سی لیتے تھے اور اپنی جوتی کی مرمت کر لیتے تھے اور ایک اور روایت میں ہے کہ آپ اپنے کپڑوں میں پیوند لگا لیتے تھے اور وہ تمام کام کرتے تھے جو مرد اپنے گھروں میں کرتے ہیں، پس مرد کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ اپنی اور اپنے گھر والوں کی خدمت کرے، کیونکہ اس میں تواضع ہے اور تکبر کو ترک کرنا ہے۔ (المواہب اللدنیہ علی الشمائل المحمدیہ، ص ۵۴۸-۵۴۹، دار المنہاج للنشر والتوزیع، ۱۴۲۸ھ)

دیگر روایات کے حوالہ جات

(مصنف عبد الرزاق: ۲۰۴۹۲، مسند احمد: ج ۶ ص ۱۶۷، ۱۲۱، ۱۰۶، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۱۳۸۴، مسند ابویعلیٰ: ۴۶۵۳، صحیح ابن حبان: ۲۱۳۳، شرح السنہ: ۳۶۷۵، ۳۶۷۸)

صحیح البخاری: ۵۳۶۳ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر والوں کی خدمت میں رہتے تھے اور جب اذان سنتے تو گھر سے باہر نکل جاتے۔ (صحیح البخاری: ۶۷۶)، یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے اور کتاب الادب میں آئے گی۔ (صحیح البخاری: ۶۰۳۹)

علامہ مہلب مالکی نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر کے کام کاج بہ طور تواضع کرتے تھے تا کہ آپ کی امت کے لیے گھر کے کاموں کا کرنا سنت ہو جائے، اور سنت سے یہ ہے کہ انسان اپنے گھر کے کام کرے جو اس کے گھر میں دنیاوی ضروریات سے متعلق ہوں اور جن کاموں سے اسے اس کے دین پر مدد حاصل ہو اور اپنے آپ کو ان کاموں سے بلند سمجھنا یہ قابلِ تعریف نہیں ہے اور نہ یہ

صالحین کا طریقہ ہے، یہ تو عجمی بادشاہوں کا طریقہ ہے، اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا سب سے مؤکد سنت ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے شدید بیماری کی حالت کے جماعت کو ترک نہیں فرمایا اور آپ نماز باجماعت کی بہت زیادہ حفاظت فرماتے تھے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۴۴، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۹۔ بَابٌ: إِذَا لَمْ يُنْفِقِ الرَّجُلُ فَلِلْمَرْأَةِ أَنْ تَأْخُذَ بِغَيْرِ عِلْمِهِ مَا يَكْفِيهَا وَوَلَدَهَا بِالْمَعْرُوفِ

جب مرد خرچ نہ کرے تو عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ مرد کے علم کے بغیر اتنی مقدار لے لے جو اس کے اور اس کی اولاد کے لیے دستور کے مطابق کافی ہو

۵۳۶۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ هِنْدَ بِنْتَ عُتْبَةَ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ وَلَيْسَ يُعْطِينِي مَا يَكْفِينِي وَوَلَدِي إِلَّا مَا أَخَذْتُ مِنْهُ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ فَقَالَ خُذِي مَا يَكْفِيكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوفِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از ہشام، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، کہ حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا آئیں اور انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! بے شک ابوسفیان بخیل مرد ہیں، وہ مجھے خرچ کی اتنی مقدار نہیں دیتے جو میرے لیے کافی ہو اور میری اولاد کے لیے کافی ہو، سوا اس کے کہ جو میں ان کے مال سے نکال لوں اور ان کو اس کا علم نہ ہو، تو آپ نے فرمایا: تم اتنی مقدار لے لو جو تمہارے اور تمہاری اولاد کے لیے دستور کے مطابق کافی ہو۔

(صحیح البخاری: ۲۲۱۱، ۲۴۶۰، ۳۸۲۵، ۵۳۵۹، ۵۳۶۴، ۵۳۷۰، ۶۶۴۱، ۷۱۶۱، ۷۱۸۰، صحیح مسلم: ۱۷۱۴، سنن نسائی: ۵۴۲۰، سنن ابوداؤد: ۳۵۳۲، سنن ابن ماجہ: ۲۲۹۳، مسند احمد: ۲۵۱۸۵، سنن دارمی: ۲۲۵۹)

صحیح البخاری: ۵۳۶۴ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لفظ ھند کو منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح سے پڑھنے کا جواز

اس حدیث میں مذکور ہے: ''ان ھندا بنت عتبۃ'' یہ لفظ منصرف ہے، کیونکہ اس پر تنوین داخل ہے اور اس سے پہلی حدیث میں جو کتاب المظالم میں گزر چکی ہے یہ لفظ غیر منصرف ہے، اور یہ معلوم ہے کہ اس لفظ کا درمیانی حرف ساکن ہے اور جب کسی اسم کا درمیانی حرف ساکن ہو تو اس کو منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھنا جائز ہے، جیسا کہ نوح میں۔

شحیح کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ابوسفیان شحیح ہیں، شحیح کا معنی بخیل ہے، اور اس سے پہلی روایت میں مذکور ہے کہ وہ

مسّیک ہیں، یعنی وہ کم خرچ کرتے ہیں۔

مرد پر اس کی اولاد کے نفقہ کا لزوم

اس حدیث سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ مرد پر اس کی اولاد کا نفقہ لازم ہے، خواہ وہ بڑی عمر کی ہو اور اس استدلال کو رد کیا گیا ہے کہ یہ خصوصی واقعہ ہے اور اس میں افعال کا عموم نہیں ہے، اور ہو سکتا ہے کہ یہ اس وقت ہو جب اولاد کم سن ہو یا بڑی عمر کی ہو اور اپاہج ہو اور کمانے سے عاجز ہو اور بعض مالکیہ نے کہا ہے کہ مرد پر اولاد کا نفقہ لازم ہے جب اس کی اولاد اپاہج ہو۔

حدیث مذکور کے بعض دیگر مسائل

جب کسی انسان کا دوسرے انسان پر حق ثابت ہو اور اس سے اس کا حق ملنا دشوار ہو تو پھر اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کی لاعلمی میں اپنا حق وصول کر لے یا جب وہ غیر موجود ہو تو اپنا حق وصول کر لے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہند کو حضرت ابوسفیان کے مال سے بقدرِ ضرورت لینے سے منع نہیں فرمایا۔

اس حدیث سے بعض شافعیہ نے فقہاء احناف کے خلاف یہ استدلال کیا ہے کہ فقہاء احناف قضاء علی الغائب کو ناجائز کہتے ہیں، یعنی جو شخص موجود نہ ہو اس کے خلاف فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے اور اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ حضرت ابوسفیان موجود نہیں تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فیصلہ فرمایا، تو اس حدیث میں قضاء علی الغائب کا ثبوت ہے۔ فقہاء احناف اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ کا ہے اور اس وقت حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں موجود تھے۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ عورت اور اس کی اولاد کے خرچ کی کتنی مقدار شوہر پر مقرر کی جائے، تو امام مالک نے کہا ہے کہ اتنی مقدار فرض کی جائے جو اس کے لیے تنگی اور فراخی میں کافی ہو، اور اس میں عورت اور مرد دونوں کے حال کا اعتبار کیا جائے گا اور امام ابوحنیفہ نے کہا: اس کی کوئی مقدار معین نہیں اور امام شافعی نے کہا: اس کی مقدار کا تعین کرنا حاکم اور قاضی کی رائے اور اس کے اجتہاد پر موقوف ہے اور حاکم خرچ کی مقدار متعین کرتے وقت مرد کی حالت کا اعتبار کرے گا نہ کہ عورت کی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱-۳۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۶۴ کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ہند کے اسلام لانے کی تفصیل

حضرت ہند کا نام ہے ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔

انس بن عیاض نے ہشام سے روایت کی ہے کہ حضرت ہند رضی اللہ عنہا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں اور جب حضرت ہند کے باپ عتبہ اور ان کے چچا شیبہ کو قتل کر دیا گیا اور ان کے بھائی ولید بن عتبہ کو غزوہ بدر کے دن قتل کر دیا گیا تو ان پر یہ چیز بہت شاق اور دشوار تھی، پس غزوہ احد کے دن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا تو یہ اس سے بہت خوش ہوئیں اور انہوں نے حضرت حمزہ کا پیٹ چاک کیا اور ان کا کلیجہ (جگر) نکالا، پھر اس کو چبایا، پھر اس کو تھوک دیا، پس جب فتح مکہ کا دن ہوا تو حضرت ابوسفیان مکہ میں مسلمان

ہو کر داخل ہوئے، جب ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے سواروں نے گرفتار کرلیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو پناہ دی، تو حضرت ہند حضرت ابوسفیان کے اسلام لانے پر بہت ناراض ہوئیں اور ان کی ڈاڑھی کو پکڑ لیا، پھر بعد میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ٹھہر گئے تو یہ آپ کے پاس آئیں اور انہوں نے اسلام قبول کیا اور آپ سے بیعت کرلی، اور اواخر مناقب میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! پہلے روئے زمین کے اوپر مجھے اس سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں تھی کہ آپ کے گھر والے ذلیل وخوار ہوں، اور اب روئے زمین پر میرے نزدیک سب سے زیادہ معزز اور محبوب آپ کے گھر والے ہیں۔

اور اسی حدیث میں ہے کہ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! بے شک ابوسفیان بخیل مرد ہے، اور حافظ ابن عبدالبر مالکی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ہند چودہ (۱۴) ہجری محرم میں فوت ہوئی تھیں جس دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تھے۔ اور امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے الطبقات الکبریٰ میں ایک روایت ذکر کی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اس کے بعد بھی زندہ رہی ہیں۔

اور علامہ الواقدی نے از ابن ابی سبرہ از عبداللہ بن ابی بکر بن حزم، روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ کو ان کے بھائی کی جگہ عامل مقرر کیا تھا، پھر حضرت معاویہ حضرت عمر کی طرف سے والی اور گورنر رہے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید کردیے گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے اور انہوں نے حضرت معاویہ کو اس منصب پر برقرار رکھا اور ان کو شام کی پوری سلطنت کا مستقل گورنر بنادیا، اور حضرت ابوسفیان حضرت معاویہ کی طرف روانہ ہوئے اور ان کے ساتھ ان کے دو بیٹے عتبہ اور عنبسہ تھے، تو حضرت ہند نے حضرت معاویہ کو لکھا کہ تمہارے پاس تمہارے باپ اور تمہارے دو بھائی آرہے ہیں، تم اپنے باپ کو گھوڑے پر سوار کرنا اور اس کو چار ہزار درہم دینا اور عتبہ کو ایک خچر پر سوار کرنا اور اس کو دو ہزار درہم دینا اور عنبسہ کو دراز گوش پر سوار کرنا اور ان کو ایک ہزار درہم دینا، تو حضرت معاویہ نے اسی طرح کیا، پس حضرت ابوسفیان نے کہا: میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ حضرت ہند نے اپنی رائے سے کہا تھا۔

اور ''الامثال المیدانی'' میں مذکور ہے کہ حضرت ہند حضرت ابوسفیان کی وفات کے بعد بھی زندہ رہیں، اور اس میں یہ قصہ مذکور ہے کہ ایک مرد نے حضرت معاویہ سے سوال کیا کہ وہ اپنی والدہ کی شادی اس کے ساتھ کردیں، تو حضرت معاویہ نے کہا کہ اب حضرت ہند اس عمر سے گزر چکی ہیں کہ ان کے ہاں بچے ہوں اور حضرت ابوسفیان کی وفات ۳۲ھ میں ہوئی تھی۔

حضرت ابوسفیان کا تذکرہ

حضرت ابوسفیان کا نام ہے صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس۔ انہوں نے حضرت ہند سے واقعہ بدر کے بعد نکاح کیا تھا، اور واقعہ بدر کے بعد یہ قریش کے سردار تھے اور قریش کو لے کر یہ جنگ احد میں روانہ ہوئے تھے، پھر جنگ احزاب میں انہوں نے قیادت کی، پھر جنگ خندق میں قیادت کی، پھر فتح مکہ کی شب کو انہوں نے اسلام قبول کیا۔ اس کا تفصیل سے ذکر کتاب المغازی میں ہو چکا ہے۔

شحیح اور بخیل کا فرق

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوسفیان کے متعلق حضرت ہند نے کہا: ''وہ رجل شحیح ہیں''، اور تین ابواب پہلے گزر

ہے "وہ رجل مسیک ہیں"، اور شح کا معنی ہے۔ وہ بخل جس کے ساتھ حرص بھی ہو، اور شح بخل سے زیادہ عام ہے، کیونکہ بخیل وہ شخص ہے جو مال سے منع کرتا ہے اور شحیح وہ شخص ہے جو ہر چیز کو منع کرتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ شح طبعی وصف ہے اور لازم ہے اور بخل غیر لازم ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) انسان کا ذکر تعظیم کے ساتھ کرنا جائز ہے، مثلاً لقب کے ساتھ اور کنیت کے ساتھ اس کا ذکر کیا جائے، مگر اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت ابوسفیان اپنی کنیت کے ساتھ مشہور تھے نہ کہ اسم کے ساتھ، پس حضرت ہند کا یہ قول اس پر دلالت نہیں کرتا کہ انہوں نے ابوسفیان کا لفظ ذکر کر کے ان کی تعظیم کا ارادہ کیا ہے۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دو فریقوں میں سے کسی ایک فریق کا کلام دوسرے کی غیر موجودگی میں سننا جائز ہے۔

(۳) حضرت ہند نے حضرت ابوسفیان کے مال سے ان کی موجودگی میں خرچ کرنے کی اجازت طلب کی، اور اس کا عذر بھی بیان کیا کہ حضرت ابوسفیان ان کو ان کا اور ان کے بچوں کا پورا خرچ نہیں دیتے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص اپنی طرف کسی کمی کی نسبت کرے تو اسے چاہیے کہ اس کا عذر بھی بیان کر دے۔

(۴) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حاکم اور مفتی کے سامنے کسی اجنبی عورت کی بات سننا جائز ہے، اور یہ ان کے مذہب پر ہے جو کہتے ہیں کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے، اور یہاں پر ضرورت کی بناء پر اجنبی عورت کا کلام سننا جائز ہے۔

(۵) جب عورت خرچ پر قبضہ کرنے کے متعلق کہے تو اس میں صرف عورت کا قول معتبر ہوگا، کیونکہ اگر یہاں مرد کا قول معتبر ہوتا اور مرد موجود نہیں تھا تو اس پر گواہی کی ضرورت ہوتی، اور علامہ مازری نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس بحث کا تعلق فتویٰ کے ساتھ ہے نہ کہ قضاء کے ساتھ۔

(۶) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ بیوی کا خرچ واجب ہے، اور اس کی مقدار وہ ہے جو اس کی ضروریات کے لیے کافی ہو، اور یہی اکثر علماء کا قول ہے۔

(۷) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اولاد کا خرچ بھی مرد کے ذمہ واجب ہے، جب اس کی ضرورت ہو اور امام شافعی کے نزدیک یہ اس وقت ہے کہ جب اولاد کم سن ہو یا اپاہج ہو۔

(۸) اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی خادمہ کا خرچ بھی مرد کے ذمہ ہے، علامہ خطابی نے کہا ہے کیونکہ حضرت ابوسفیان اپنی قوم کے سردار تھے اور یہ بعید ہے کہ وہ اپنی بیوی اور اولاد کو خرچ دینے سے منع کرے، پس گویا کہ وہ حضرت ہند کو اور ان کی اولاد کو بقدر کفایت دیتے تھے اور ان کے خادموں کا خرچ نہیں دیتے تھے، تو حضرت ہند نے خادموں کے خرچ کو بھی اپنی ذات کی طرف منسوب کیا، کیونکہ عورت کا خادم بھی اس کے حقوق میں داخل ہوتا ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۰۷-۵۰۹، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۵۶-۵۵۷، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

• ١٠ ـ بَابُ: حِفْظِ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا فِي ذَاتِ يَدِهِ وَالنَّفَقَةِ

عورت کا اپنے خاوند کے مال کی اور اس کے دیے ہوئے خرچ کی حفاظت کرنا

٥٣٦٥ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ وَأَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الْإِبِلَ نِسَاءُ قُرَيْشٍ وَقَالَ الْآخَرُ صَالِحُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ أَحْنَاهُ عَلَى وَلَدٍ فِي صِغَرِهِ وَأَرْعَاهُ عَلَى زَوْجٍ فِي ذَاتِ يَدِهِ وَيُذْكَرُ عَنْ مُعَاوِيَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم۔

(صحیح البخاری: ٣٤٣٤، صحیح مسلم: ٢٤٠٧، مسند احمد: ٩١١٣)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن طاؤس نے حدیث بیان کی از والد خود اور ابوالزناد نے از الاعرج از ابوہریرہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین عورتیں جو اونٹوں پر سواری کرتی ہیں، وہ قریش کی عورتیں ہیں اور دوسرے نے کہا کہ قریش کی عورتوں میں صالح وہ ہیں جو اپنے بچوں پر ان کے بچپن میں شفیق ہوں اور اپنے خاوند کا جو مال خاوند کے پاس ہے اس کی زیادہ رعایت اور حفاظت کرنے والی ہوں اور از حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ حدیث ذکر کی جاتی ہے۔

صحیح البخاری: ٥٣٦٥ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن عبداللہ کا ذکر ہے، جو ابن المدینی کے نام سے معروف ہیں، اور سفیان سے مراد ہیں سفیان بن عُیینہ، اور ابن طاؤس کا نام عبداللہ ہے، اور ابوالزناد کا نام عبداللہ بن ذکوان ہے، اور الاعرج سے مراد عبدالرحمٰن بن ہرمز ہیں۔

حدیث مذکور میں اونٹوں سے مراد گدھے ہیں

اس حدیث میں مذکور ہے کہ بہترین عورتیں جو اونٹوں پر سواری کرتی ہوں وہ قریش کی عورتیں ہیں اور سعید بن المسیب نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ یہ کہتے تھے کہ حضرت مریم ابنۃ عمران کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: بہترین عورتیں جو اونٹوں پر سوار ہوئی ہوں، اور صاحب النجم الثاقب نے کہا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا تھا کہ بعیر کا لفظ بھی ابل سے ہے، یعنی بعیر سے مراد بھی اونٹ ہیں، حالانکہ بعیر کبھی گدھے کو بھی کہتے ہیں:

وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ۝ (یوسف: ٧٢)

اور جو اس کو لے کر آئے گا اس کو غلہ سے لدا ہوا ایک اونٹ ملے گا اور میں اس کا ضامن ہوں۝

ابن خالویہ نے کہا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی سواریوں میں صرف گدھے تھے اور ان کے پاس اونٹ نہیں تھے، اور وہ اپنے سفر وغیرہ میں صرف گدھوں پر آتے جاتے تھے، اسی طرح مجاہد نے کہا ہے کہ ''البعیر'' سے یہاں پر مراد ''الحمار'' ہے یعنی اونٹ سے مراد یہاں گدھے ہیں اور یہ بھی ایک لغت ہے جس کی الکواشی نے یہاں حکایت کی ہے۔

اونٹوں پر سواری کرنے والی قریش کی عورتوں کے متعلق دیگر روایات

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی جو روایت ہے اس کی امام احمد اور امام طبرانی نے از زید بن ابی عتاب از حضرت معاویہ روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے اور وہ ابن طاؤس کی روایت کے مثل ہے جس میں مذکور ہے کہ قریش کی عورتیں صالحات ہیں اور وہ اپنے بچوں پر زیادہ مہربان اور شفیق ہیں۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کی امام احمد نے از شہر بن حوشب روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوم کی ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا جس کا نام سوداء تھا، جس کے اس کے شوہر سے پانچ یا چھ بچے تھے جو فوت ہو چکا تھا، اس نے آپ سے کہا کہ مجھے کیا چیز منع کرے گی کہ میں آپ سے نکاح کروں جب کہ آپ میرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں، مگر میں چاہتی ہوں کہ آپ میری اس بچی کو اپنے سر کے پاس رکھیں، تو آپ نے اس عورت سے فرمایا: اللہ تم پر رحم فرمائے، بہترین عورتیں وہ ہیں جو اونٹوں کے پچھلے دھڑ پر سواری کرتی ہیں۔ الحدیث

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ عورت ام ہانی تھیں اور شاید ان کا لقب سودہ تھا، علامہ عینی فرماتے ہیں: مشہور یہ ہے کہ ان کا نام فاختہ تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا نام ہند تھا، یہ وہ سودہ نہیں ہیں جو سودہ بنت زمعہ ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے بہت پہلے مکہ میں نکاح کیا تھا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد، اور ان کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دخول سے پہلے دخول کیا تھا اور حضرت سودہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں فوت ہو گئی تھیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲-۳۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری ۵۳۶۵ کی شرح از علامہ ابن الملقن شافعی

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کی تحقیق کہ بعیر کا معنی صرف اونٹ نہیں ہوتا بلکہ گدھا بھی ہوتا ہے

یہ حدیث اوائل نکاح میں ابو زناد کی سند سے گزر چکی ہے، اس کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ ''صالح نساء قریش'' یعنی قریش کی عورتوں میں عمدہ وہ ہیں، اور دوسری روایت میں ہے قریش کی عورتیں کم سن بچوں پر ان کی کم سنی میں شفیق ہوتی ہیں، اور ابن المسیب کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کے بارے میں کہتے تھے کہ حضرت مریم ابنۃ عمران کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: بہترین عورتیں وہ ہیں جو اونٹوں پر سواری کرتی ہیں۔

(صحیح مسلم: ۲۵۲۷، کتاب فضائل الصحابہ، باب من فضائل نساء قریش)

صاحب النجم الثاقب نے ذکر کیا ہے کہ قریش کے مناقب میں جو احادیث وارد ہیں ان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا ہے کہ البعیر کا معنی فقط اونٹ ہے، اور اس طرح نہیں ہے بلکہ البعیر کا معنی گدھا بھی ہوتا ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ۝ اور جو اس کو لے کر آئے گا اس کو غلہ سے لدا ہوا ایک اونٹ (گدھا) ملے گا اور میں اس کا ضامن ہوں ۝ (یوسف:۷۲)

ابن خالویہ نے کہا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی سواریوں میں صرف گدھے تھے اور ان کے پاس اونٹ نہیں تھے، اور وہ اپنے سفر وغیرہ میں صرف گدھوں پر آتے جاتے تھے، اسی طرح مجاہد نے کہا ہے کہ ''البعیر'' سے یہاں پر مراد ''الحمار'' ہے یعنی اونٹ سے مراد یہاں گدھے ہیں اور یہ بھی ایک لغت ہے جس کی الکواشی نے یہاں حکایت کی ہے۔

اور حضرت ابوہریرہ کی مراد یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ مستفاد نہیں ہوتا کہ قریش کی عورتیں حضرت مریم سے افضل ہیں کیونکہ حضرت مریم کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں، اور شارع علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بہترین عورتیں وہ ہیں جو اونٹ پر سوار ہوتی ہیں۔

قریش کی عورتوں کی دوسری عورتوں پر فضیلت

اس حدیث میں قریش کی عورتوں کی عرب کی باقی عورتوں پر دو وجہ سے فضیلت ہے:

(۱) قریش کی عورتیں بچوں پر شفیق ہوتی ہیں اور بچوں کی عمدہ طریقہ سے تربیت کرتی ہیں۔

(۲) شوہر کی ملک میں جو مال ہوتا ہے، قریش کی عورتیں اس کی بہت عمدہ طریقہ سے حفاظت کرتی ہیں اور اسی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک عورت کی فضیلت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے اس عورت کی مدح کی جو دہر کے خلاف مدد کرتی ہے اور دہر اس کے خلاف مدد نہیں کرتا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۱۷۱۴۱)

اور ابن التین نے کہا ہے: یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے بچوں کی پرورش کے لیے قائم رہتی ہیں اور دوسرا نکاح نہیں کرتیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۴۸-۴۹، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے اس حدیث کی شرح میں قریش کی عورتوں کی باقی عرب کی عورتوں پر فضیلت کی یہی دو وجہیں بیان کی ہیں۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری، ج ۷ ص ۴۳۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں حضرت معاویہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی حدیث کو بیان کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس کی حدیث میں جس عورت کا ذکر ہے ہوسکتا ہے وہ ام ہانی ہوں۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۱۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، فتح الباری ج ۶ ص ۵۵۹، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۱۔ بَابُ: كِسْوَةِ الْمَرْأَةِ بِالْمَعْرُوفِ — دستور کے مطابق عورت کا لباس مہیا کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خاوند پر واجب ہے کہ وہ عورت کو دستور کے مطابق لباس مہیا کرے۔

۵۳۶۶۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَيْسَرَةَ قَالَ سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ عَنْ عَلِيٍّ رضي الله عنه قَالَ آتَى إِلَيَّ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم حُلَّةً سِيَرَاءَ فَلَبِسْتُهَا فَرَأَيْتُ الْغَضَبَ فِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عبدالملک بن میسرہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے زید بن وہب سے سنا از حضرت علی

وَجْهِهِ فَشَقَّقْتُهَا بَيْنَ نِسَائِي.

رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک ریشمی حلہ عطا فرمایا، سو میں نے اس کو پہن لیا، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر ناراضگی کے آثار دیکھے، پس میں نے اس کو پھاڑ کر اپنی عورتوں میں تقسیم کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۶۱۴، ۵۳۶۶، ۵۸۴۰، صحیح مسلم: ۲۰۷۱، سنن نسائی: ۵۲۹۸، سنن ابوداؤد: ۴۰۴۳، مسند احمد: ۷۵۷)

صحیح البخاری: ۵۳۶۶ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حُلّہ اور سیراء کا معنی اور جن عورتوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان ریشمی چادروں کو تقسیم کیا تھا ان کا بیان

حلہ کا معنی ہے: دو چادریں، ایک اوپر اوڑھنے کی چادر اور ایک تہبند۔ امام ابوعبید نے کہا ہے کہ حُلہ اس وقت کہا جاتا ہے جب دو کپڑے ہوں، اور اس حدیث میں سیراء کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: وہ چادر جس میں زرد رنگ کی دھاریاں ہوں اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ریشمی کپڑا ہے، اس حدیث میں مذکور ہے کہ میں نے اس کپڑے کو پھاڑ کر اپنی عورتوں میں تقسیم کر دیا، اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مراد ہے کہ انہوں نے اس کپڑے کو حضرت فاطمہ اور ان کے قرابت داروں میں تقسیم کر دیا، کیونکہ اس وقت علی رضی اللہ عنہ کے عقد میں صرف حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا تھیں اور کوئی بیوی نہ تھی اور نہ کوئی باندی تھی۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت کے لیے خاوند کے ذمہ خرچ کے ساتھ لباس بھی لازم ہوتا ہے جو اس کی ضرورت کے لیے کافی ہو اور یہ اس کی تنگدستی اور خوشحالی کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ بدرالدین عینی نے لکھا ہے کہ حلہ کی تقسیم درج ذیل طریقہ سے ہوئی:

امام ابن ابی الدنیا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی نے فرمایا: میں نے اس حلہ کو پھاڑ کر چار دوپٹے بنائے، ایک دوپٹہ اپنی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد کے لیے، دوسرا دوپٹہ اپنی زوجہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے، تیسرا دوپٹہ حضرت فاطمہ بنت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما کے لیے، چوتھے کو راوی بھول گیا۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ حق کے مشابہ یہ ہے کہ چوتھا دوپٹہ حضرت فاطمہ بنت شیبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہما کے لیے تھا جو حضرت علی کے بھائی عُقیل کی زوجہ تھیں اور ابوالعلاء بن سلیمان نے کہا ہے کہ یہ حضرت ام ہانی ءفاختہ بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا کے لیے تھا، اس کے علاوہ دو قول اور ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۲۳۷-۲۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری ۵۳۶۶ کی شرح از علامہ ابن الملقن شافعی

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر ہے، جنہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ریشمی حلہ عطا فرمایا تو میں نے اس کو پہنا، تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ میں غضب کے آثار دیکھے تو میں نے اس کپڑے کو پھاڑ کر اپنی عورتوں کے دوپٹے بنا لیے۔

مرد پر عورت کے نفقہ اور لباس کا وجوب

اس پر اجماع ہے کہ مرد کے ذمہ عورت کا خرچ اور اس کا لباس دستور کے مطابق واجب ہے، اور بعض اہل علم نے یہ ذکر کیا ہے کہ مرد پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کو اس شہر کے کپڑے پہنائے، اور صحیح یہ ہے کہ عرف کے مطابق جس شہر کے کپڑے بیوی کو پہنائے جاتے ہیں، وہ کپڑے پہنائے اور یہ مرد کی خوشحالی اور تنگدستی کے اعتبار سے ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حلہ کو پھاڑ کر اپنی عورتوں کے درمیان تقسیم کر دیا جب کہ وہ اس پر قادر نہیں تھے کہ ان عورتوں میں سے ہر ایک کو الگ الگ حلہ دیں، میں کہتا ہوں کہ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عقد میں صرف حضرت سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا تھیں، اگرچہ حدیث میں یہ لفظ ہے کہ میں نے اپنی عورتوں میں تقسیم کر دیا، اور حدیث کے یہ الفاظ اس شرح کے خلاف ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۵۰، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے بھی مرد پر عورت کے کپڑوں کے وجوب کے متعلق وہی لکھا ہے جو ہم علامہ ابن الملقن شافعی کی شرح سے نقل کر چکے ہیں۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۶۶ کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرفہ کے دن خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اور عورتوں کے لیے تم پر ان کا رزق اور ان کا لباس دستور کے مطابق واجب ہے، لیکن جب کہ یہ حدیث امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں تھی تو انہوں نے اس دوسری حدیث سے عورتوں کے لباس کے وجوب کے حکم کو مستنبط کیا، جس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ریشمی حلہ دیا اور انہوں نے اس کو پہنا اور جب انہیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے ریشمی حلہ پہننے کی وجہ سے ناراض ہیں تو انہوں نے اس کو پھاڑ کر اپنی عورتوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد حافظ ابن حجر نے عورتوں کے لباس کے وجوب کے متعلق وہی احکام بیان کیے ہیں جن کو ہم اس سے پہلے علامہ ابن الملقن اور ابن بطال اور علامہ عینی کے حوالہ سے ذکر کر چکے ہیں۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۱۲-۵۱۳، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۰۷، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۲- بَابُ: عَوْنِ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا فِي وَلَدِهِ — عورت کا اپنے شوہر کے بچوں کی خدمت میں مدد کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عورت کا اپنے شوہر کے بچوں کی خدمت میں مدد کرنا مستحب ہے۔

۵۳۶۷- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرٍو عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضي الله عنهما قَالَ هَلَكَ أَبِي وَتَرَكَ سَبْعَ بَنَاتٍ أَوْ تِسْعَ بَنَاتٍ فَتَزَوَّجْتُ امْرَأَةً ثَيِّبًا فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم تَزَوَّجْتَ يَا جَابِرُ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ بِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا قُلْتُ بَلْ ثَيِّبًا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از عمرو از جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد شہید ہو گئے اور انہوں نے سات بیٹیاں چھوڑی تھیں یا نو بیٹیاں چھوڑی تھیں، میں نے ایک بیوہ عورت سے نکاح کیا،

قَالَ فَهَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ وَتُضَاحِكُهَا وَتُضَاحِكُكَ قَالَ فَقُلْتُ لَهُ إِنَّ عَبْدَ اللهِ هَلَكَ وَتَرَكَ بَنَاتٍ وَإِنِّي كَرِهْتُ أَنْ أَجِيئَهُنَّ بِمِثْلِهِنَّ فَتَزَوَّجْتُ امْرَأَةً تَقُومُ عَلَيْهِنَّ وَتُصْلِحُهُنَّ فَقَالَ بَارَكَ اللهُ لَكَ أَوْ قَالَ خَيْرًا

(صحیح مسلم: ۷۱۵، سنن ترمذی: ۱۱۰۰، سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۰، مسند احمد: ۱۴۴۴۷، سنن دارمی: ۲۲۱۶)

پس مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے جابر! تم نے نکاح کرلیا ہے، میں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: کنواری سے نکاح کیا ہے یا بیوہ سے، میں نے عرض کیا: بیوہ عورت سے نکاح کیا ہے، آپ نے فرمایا: پس تم نے کیوں نہ ایک لڑکی سے نکاح کیا، تم اس کے ساتھ کھیلتے وہ تمہارے ساتھ کھیلتی، تم اس کے ساتھ ہنستے اور دل لگی کرتے اور وہ تمہارے ساتھ ہنستی اور دل لگی کرتی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا: میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے والد حضرت عبداللہ شہید ہو گئے اور انہوں نے بیٹیاں چھوڑیں اور میں نے ناپسند کیا کہ میں ان کے پاس ان کی ہم عمر عورت کو لے آؤں تو میں نے ایسی عورت سے نکاح کیا جو ان کی حفاظت کرے اور ان کی اصلاح کرے، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تم کو برکت دے یا اللہ تعالیٰ تم کو نیکی عطا کرے۔

صحیح البخاری: ۵۳۶۷ کی شرح از علامہ ابن بطال مالکی

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خاوند کی اولاد کی خدمت کرنے کا استحباب

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ شوہر کی اولاد کی خدمت کرنا عورت پر واجب نہیں ہے، یہ حسنِ صحبت کا تقاضا ہے اور معاشرت کی خوبی ہے اور نیک خواتین کی سیرت ہے کہ جو ان میں سے فضیلت والی تھیں وہ اپنے خاوند کی اولاد کی خدمت کرتی تھیں۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

تنبیہ: باقی شارحین نے اس حدیث کی مطلقاً شرح نہیں کی، علامہ کورانی حنفی متوفی ۸۹۳ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ حدیث متعدد بار گزر چکی ہے، اور صحیح البخاری: ۲۰۹۷ میں اس حدیث کی مفصل شرح کی جا چکی ہے۔

۱۳۔ بَابُ: نَفَقَةِ الْمُعْسِرِ عَلَى أَهْلِهِ

مفلس مرد پر اس کی بیوی بچوں کا خرچ

۵۳۶۸۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه قَالَ أَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم رَجُلٌ فَقَالَ هَلَكْتُ قَالَ وَلِمَ قَالَ وَقَعْتُ عَلَى أَهْلِي فِي رَمَضَانَ قَالَ فَأَعْتِقْ رَقَبَةً قَالَ لَيْسَ عِنْدِي قَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن شہاب نے حدیث بیان کی از حُمید بن عبدالرحمٰن از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد آیا، سو اس نے کہا: میں ہلاک

فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا أَسْتَطِيعُ قَالَ فَأَطْعِمْ سِتِّينَ مِسْكِينًا قَالَ لَا أَجِدُ فَأُتِيَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ فَقَالَ أَيْنَ السَّائِلُ قَالَ هَا أَنَا ذَا قَالَ تَصَدَّقْ بِهَذَا قَالَ عَلَى أَحْوَجَ مِنَّا يَا رَسُولَ اللهِ فَوَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا أَهْلُ بَيْتٍ أَحْوَجُ مِنَّا فَضَحِكَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم حَتَّى بَدَتْ أَنْيَابُهُ قَالَ فَأَنْتُمْ إِذًا۔

ہوگیا، آپ نے پوچھا: کس وجہ سے؟، اس نے کہا: میں نے رمضان میں اپنی بیوی کے ساتھ جماع کرلیا، آپ نے فرمایا: تم ایک غلام کو آزاد کرو، اس نے کہا: میرے پاس غلام نہیں ہے، آپ نے فرمایا: تم دو ماہ کے مسلسل روزے رکھو، اس نے کہا: میں اس کی طاقت نہیں رکھتا، آپ نے فرمایا: تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، اس نے کہا: میرے پاس اتنا مال نہیں ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجوروں کا ایک ٹوکرا یا تھیلا آیا، تو آپ نے پوچھا: وہ سائل کہاں ہے؟، اس نے کہا: میں یہاں پر موجود ہوں، آپ نے فرمایا: ان کھجوروں کو صدقہ کردو، اس نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم سے بھی زیادہ محتاج پر؟ پس اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے: مدینہ کی ان دو سیاہ پتھروں والی زمینوں کے درمیان کوئی گھر ہم سے زیادہ محتاج نہیں ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں، آپ نے فرمایا: پھر تم ہی خرچ کرلو۔

(صحیح البخاری: ۱۹۳۶، ۱۹۳۷، ۲۶۰۰، ۵۳۶۸، ۶۰۸۷، ۶۱۶۴، ۶۷۰۹، ۶۷۱۰، ۶۷۱۱، ۶۸۲۱، صحیح مسلم: ۱۱۱۱، سنن ترمذی: ۷۲۴، سنن ابوداؤد: ۲۳۹۰، سنن ابن ماجہ: ۱۶۷۱، مسند احمد: ۷۲۸۸، موطا امام مالک: ۶۶۰، سنن دارمی: ۱۷۱۶)

صحیح البخاری ۵۳۶۸ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: "تنگدست کا اپنے اہل پر خرچ کرنا"۔ کیونکہ اس خرچ کو کفارہ پر مقدم کیا ہے، کیونکہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جائز قرار دیا کہ وہ ان کھجوروں کو اپنے اہل کو کھلا دے اور کفارہ نہ دے۔

(اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریعت میں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جو شخص عمداً رمضان کا روزہ توڑ دے، تو وہ یہ کفارہ ادا کرے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار دیا ہے کہ آپ اگر چاہیں تو اس قاعدہ کی وضاحت فرما سکتے ہیں، آپ نے اس شخص کی مجبوری کی حالت کو دیکھتے ہوئے اس کو یہ اجازت دی کہ صدقہ میں جو کھجوریں آپ کے پاس آئی تھیں، وہ کھجوریں وہ اپنے اہل کو کھلا دے اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ تنگدست آدمی کو جہاں سے بھی کوئی چیز مل جائے، وہ اس چیز کو اپنے اہل کو کھلائے تاکہ اہل کا نفقہ ادا ہو جائے، اور کفارہ کو مؤخر کر دے۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: کہ یہ حدیث کتاب الصوم کے دو ابواب میں گزر چکی ہے۔ ایک باب ہے "جب کسی شخص نے رمضان میں جماع کیا" اور دوسرا باب ہے "رمضان میں جماع کرنے کا حکم"۔ اور اس کی مفصل شرح وہیں کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں ''عرق'' کا لفظ ہے، جس میں عین پر زبر ہے، یہ ایسا ٹوکرا ہے جس میں پندرہ صاع (یعنی ساٹھ کلو گرام) چیزیں رکھنے کی گنجائش ہوتی ہے، اور اس حدیث میں دوسرا لفظ ہے: ''لا بتیھا''، یعنی مدینہ کی دو طرفوں میں پتھریلی زمینیں جنہوں نے مدینہ کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ اور اس حدیث کے آخر میں یہ لفظ ہے ''فانتم اذا'' یعنی پھر تم ان کھجوروں کے زیادہ حق دار ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۶۸ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تنگدست پر اہل وعیال کے خرچ کا لزوم

امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ تنگ دست پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے اہل پر خرچ کرے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تنگ دست مرد پر یہ مباح کیا کہ آپ کے پاس جو کھجوریں آئی تھیں وہ اپنے بیوی بچوں کو کھلا دے اور آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ تم کو کفارہ ادا کرنے سے کافی ہوگا، کیونکہ اس مرد کے اوپر اپنے اہل کا خرچ دینا فرض تھا اور جب اس کو وہ کھجوریں مل گئیں تو اپنے اہل کو خرچ دینا اس کے اوپر کفارہ سے زیادہ لازم تھا۔

اس تنگدست مرد سے کفارہ ساقط نہیں ہوا بلکہ اس کی تنگدستی کی وجہ سے اس کی ادائیگی مؤخر ہوگئی

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے یہ کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا اور ثوری کا قول یہ ہے کہ قیاس یہ ہے کہ کفارہ اس کے ذمہ قرض ہے جو اس کی تنگدستی کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگا، اور یہی امام مالک اور عام علماء کا قول ہے، اور اس کی اصل یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کا ادا کرنا خوشحالی میں لازم ہو تو وہ اس کے ذمہ لازم رہے گی جب تک اس کو خوشحالی میسر ہو۔

رمضان میں عمداً جماع کرنے اور بھولے سے جماع کرنے کے شرعی احکام

اس تنگدست مرد نے کہا: میں ہلاک ہو گیا، اس میں یہ دلیل ہے کہ اس مرد نے رمضان میں عمداً جماع کیا تھا، کیونکہ اگر اس نے بھولے سے جماع کیا ہوتا تو وہ یہ نہ کہتا کہ میں ہلاک ہو گیا، دوسرا قول یہ ہے کہ جب اس کو کھجوروں کا ٹوکرا دے دیا گیا اور وہ ضرورت مند تھا تو اس کے لیے ان کھجوروں میں سے صدقہ کرنا جائز نہیں تھا، کیونکہ صدقہ کرنے میں افضل یہ ہے کہ خوش حالی سے صدقہ کیا جائے، پس جب وہ اس میں سے ایک دن کی خوراک کھالے گا تو وہ صدقہ کم ہو جائے گا تو اس کا کھانا جائز نہیں رہے گا اور کفارہ اس کے ذمہ لازم رہے گا اور جو شخص بھول کر رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کرلے تو امام مالک اور امام شافعی نے کہا ہے اس پر کفارہ نہیں ہے۔ (المدونہ ج ۱ ص ۱۸۵، کتاب الام ج ۲ ص ۸۵)

اور ابن نافع اور ابن الماجشون نے کہا ہے: اس پر کفارہ لازم ہے۔ (النوادر والزیادات، ج ۲ ص ۴۹) اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے، کیونکہ اس حدیث میں یہ واضح نہیں ہے کہ اس نے یہ جماع عمداً کیا تھا یا بھول کر کیا تھا، (میں کہتا ہوں کہ فقہاء احناف کے نزدیک بھی رمضان میں بھول کر جماع کرنے والے پر بھی کفارہ لازم ہے اور اس کو رمضان میں بھول کر کھانے پینے پر

قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ جماع کرنے میں ایسے افعال ہوتے ہیں جن سے انسان کو یاد رہتا ہے کہ وہ یہ کام کر رہا ہے حالانکہ وہ روزہ سے ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفارہ کی ادائیگی میں جن امور کو بیان فرمایا آیا ان میں ترتیب لازم ہے یا نہیں؟

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''پس تم غلام آزاد کرو''، اس مرد نے کہا: میرے پاس غلام نہیں ہے، آپ نے فرمایا: پھر تم دو ماہ کے مسلسل روزے رکھو، اس سے ظاہر یہ ہے کہ اس میں ترتیب ہے یعنی پہلے غلام آزاد کرے اور غلام میسر نہ ہو تو پھر دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔

اور ابن حبیب مالکی کا بھی یہی قول ہے، اور امام مالک نے کہا کہ اس کو اختیار ہے اور اس کو کھانا کھلانا مستحب ہے۔

مسکین کو کفارہ ادا کرنے کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف

اور حدیث میں مذکور ہے کہ ''تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ'' اور امام مالک کے نزدیک اس کی مقدار یہ ہے کہ ہر مسکین کو ایک کلو طعام کھلائے جیسا کہ قسم کے کفارہ میں ہے، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ ہے کہ وہ ہر مسکین کو دو کلو گندم یا اس کی قیمت دے۔

(المدونہ ج ۱ ص ۱۹۱، المبسوط للسرخسی ج ۷ ص ۱۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

''العَرق'' کا معنی

اور اس حدیث میں ''العرق'' کا لفظ ہے، یہ عین کی زبر کے ساتھ ہے اور مشہور یہ ہے کہ یہ ایسا تھیلا ہے یا ایسا ٹوکرا ہے جس میں پندرہ (۱۵) صاع یعنی ساٹھ (۶۰) کلو سے لے کر بیس (۲۰) صاع یعنی اسی (۸۰) کلو تک کی گنجائش ہو، ایک حدیث میں اس کی تفسیر المکتل ہے اور یہ بھی زنبیل (یعنی تھیلے) کی ایک قسم ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''اس تھیلہ میں کھجوریں تھیں'' اور یہ گزر چکا ہے کہ اس میں پندرہ (۱۵) صاع سے لے کر بیس (۲۰) صاع تک کھجوریں تھیں اور اسی طرح الموطا (ص ۱۹۸) میں مذکور ہے، اور اس کی ابن حبیب مالکی نے امام مالک سے روایت کی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ اس میں بیس (۲۰) صاع کھجوریں تھیں۔ (سنن ابوداؤد: ۲۳۹۵)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں''۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کے ہنسنے کی وجہ یہ ہو کہ اس مرد کے اوپر کفارہ دینا واجب تھا تا کہ وہ ان کھجوروں کو نکال کر کفارہ ادا کرتا اور اس نے ان کھجوروں کو لے لیا اور اٹھا کر لے گیا اور اس کے باوجود وہ گناہ گار نہیں ہوگا اور یہ ہمارے رب (عزوجل) کے احسانات میں سے ہے۔

فقہاء کا اس میں اختلاف کہ اس تنگدست مرد کے کھجوروں کے کھا لینے سے اس کا کفارہ ادا ہوا یا نہیں؟

کیا اس کا ان کھجوروں کو کھانا اس کے کفارہ کو ادا کرنے سے کفایت کرے گا؟ زہری نے کہا: ان کھجوروں کو کھانا اس کے ساتھ مخصوص تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اس کو کفایت نہیں کرے گا اور اس کو جو کھجوریں کھانے کی اجازت دی گئی وہ اس کی ضرورت کی وجہ سے تھی اور کفارہ اس کے ذمہ باقی ہے، اور ہمارے نزدیک یہی زیادہ ظاہر ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جب آپ نے اس کو کھجوریں دیں کیونکہ وہ ضرورت مند تھا تو اس کے لیے ان کھجوروں کو صدقہ کرنا جائز نہ

تھا، کیونکہ افضل صدقہ وہ ہے جو خوشحالی کی حالت میں دیا جائے، پس جب وہ اس میں سے ایک دن کی خوراک کھالیتا تو وہ صدقہ اپنی مقدار سے کم ہو جاتا، پھر یہ کفارہ اس کے ذمہ باقی رہا، یہ تمام امور پہلے بیان کیے جا چکے ہیں، لیکن ان کو دہرانے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ ان کا بیان کافی دور ہو چکا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۵۳-۵۵، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۶۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر ہے جس میں اس مرد کا قصہ ہے جس نے رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا تھا اور اس کی مفصل شرح کتاب الصیام میں گذر چکی ہے، علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے کہ امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ تنگدست کے اوپر بھی اپنے اہل وعیال کا خرچ دینا لازم ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے کھجوریں مباح کر دی تھیں اور یہ نہیں فرمایا تھا کہ تمہارے لیے ان کھجوروں کو کھانا تمہارے کفارہ سے کفایت کرے گا کیونکہ اس کے اوپر اس کے اہل وعیال کا خرچ دینا لازم تھا اور جب اسے کھجوریں مل گئیں تو ان کھجوروں کو اپنے اہل وعیال کو کھلانا کفارہ کی بہ نسبت زیادہ لازم تھا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: علامہ ابن بطال کا یہ دعویٰ دلیل کا محتاج ہے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ جب آپ نے اسے کھجوریں دیں کہ وہ کفارہ ادا کرے اور اس مرد نے کہا: مجھ سے زیادہ محتاج تو کوئی ہے نہیں، تو اگر اس پر کفارہ ادا کرنا ضروری ہوتا تو آپ فرماتے کہ تم پہلے کفارہ ادا کرو۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۱۴، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۶۱، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۶۸، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث ابواب الصوم میں گزر چکی ہے، اور حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تنگدست مرد سے فرمایا کہ تم ان کھجوروں کو صدقہ کرو تو اسے چاہیے تھا کہ وہ ان کھجوروں کو صدقہ کرنے میں جلدی کرتا، اس سے معلوم ہوا کہ اس پر ان کھجوروں کو صدقہ کرنا واجب نہیں تھا، علامہ کورانی فرماتے ہیں: اس تفصیل کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ اس کا سبقت کرنا کسی حکم شرعی پر دلالت نہیں کرتا بلکہ دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ حکم دیا کہ اپنے گھر والوں کو وہ طعام کھلائے، تو اس میں یہ دلیل ہے کہ تنگدست کے اوپر بھی اپنے اہل وعیال کا خرچ دینا واجب ہے، ورنہ اس کے لیے کفارۂ واجبہ کو ترک کرنا جائز نہ ہوتا۔

(الکوثر الجاری، ج ۹ ص ۷۹، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

۱۴۔ بَابٌ: وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۭ وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں، یہ (حکم) اس کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت کو پورا کرنا چاہے، اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ دستور کے موافق ان (ماؤں) کا کھانا اور پہننا ہے، کسی شخص کو

وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ (البقرہ: ۲۳۳)

اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کیا جائے گا، نہ ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے ضرر دیا جائے اور نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے ضرر دیا جائے اور وارث پر بھی اسی طرح لازم ہے۔

وَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْهُ شَيْءٌ

کیا عورت کے اوپر بھی بچوں کی کفالت کے لیے خرچ کرنا واجب ہے؟

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (النحل: ۷۶)

اور اللہ (ایک اور) مثال بیان فرماتا ہے، دو مرد ہیں ان میں سے ایک گونگا ہے جو کوئی کام نہیں کر سکتا اور وہ اپنے مالک پر بار ہے اس کا مالک اسے جہاں بھی بھیجے وہ کوئی خیر کی خبر نہیں لاتا، کیا یہ شخص اس کے برابر ہو جائے گا جو نیکی کا حکم دیتا ہے اور وہ راہِ راست پر ہے O

اس باب کے عنوان کا خلاصہ یہ ہے کہ دودھ پلانے والی کو خرچ دینے کے مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، اور امام بخاری کا مختار یہ ہے کہ عورت کی مثال گونگے مرد کی سی ہے، اور گونگے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورۂ نحل میں فرمایا ہے کہ وہ کسی چیز پر قادر نہیں ہوتا عورت پر بھی کوئی خرچ واجب نہیں ہوگا۔

باب مذکور کے عنوان کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

البقرہ: ۲۳۳ کی تاویل میں علماء کا اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ''مثلُ ذٰلك'' کا معنی یہ ہے کہ بچہ کے رشتہ دار کو اس کی وجہ سے ضرر نہیں دیا جائے گا، اور یہی مجاہد، شعبی اور ضحاک کا قول ہے۔ اور فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جب بچہ کا مال نہ ہو تو اس کے وارث کے اوپر دودھ پلانے والی کی اجرت کو دینا لازم ہے اور جمہور فقہاء نے کہا ہے کہ وارثوں میں سے کسی ایک پر بھی تاوان نہیں ہے، اور ان کے اوپر بچہ کا نفقہ بھی لازم نہیں ہے۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ وارث سے مراد کون ہے، حسن بصری اور نخعی نے کہا ہے کہ مردوں اور عورتوں میں سے جو بھی بچہ کے باپ کا وارث ہو، اس سے وہ مراد ہے، اور یہی امام احمد اور امام اسحاق کا قول ہے، اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ وارث سے مراد وہ ہے جو بچہ کا ذو رحم محرم ہو، اور قبیصہ بن ذؤیب، نے کہا ہے کہ اس سے مراد خود وہ مولود ہے یعنی بچہ، اور زید بن ثابت نے کہا ہے کہ جب اس نے ماں یا چچا کو چھوڑا ہو تو ان میں سے ہر ایک کے اوپر بچہ کے دودھ پلانے کا خرچ لازم ہے

مقدار سے وہ اس بچہ کا وارث ہوگا اور یہی ثوری کا قول ہے۔

اور امام بخاری نے کہا کہ عورت کے اوپر بھی بچہ کے دودھ پلانے کا خرچ لازم ہے اور یہاں پر نفی استفہام کے لیے ہے، اور امام بخاری نے اپنے اس قول سے ثوری کے قولِ مذکور کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے اور عورت کی جو وارث کی طرف سے میراث ہے، اس کو گونگے کے منزلہ میں قرار دیا ہے جو کسی متکلم سے بولنے پر قادر نہیں ہوتا، اور اس آیت میں اس کو اپنے پرورش کرنے والوں پر بار قرار دیا ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ امام بخاری نے اس قول سے ثوری کے قول کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے، پس اللہ تعالیٰ نے وارث کی عورت کو گونگے مرد کے مرتبہ میں قرار دیا ہے۔

علامہ الزمخشری نے النحل: ۷۶ کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین سے فرماتا ہے:

تم جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو شریک کرتے ہو اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی آدمی اپنے اس غلام کو جو تصرف کرنے سے عاجز ہو، آزاد مرد کے مساوی قرار دیا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کو مال عطا کیا ہو جس میں اس نے تصرف کیا ہو اور جس میں وہ مال خرچ کرتا ہو، اس آیت میں فرمایا: اس کا مالک اس کو جہاں بھی بھیجے وہ کوئی خیر کی خبر نہیں لاتا، یعنی وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے اسے جہاں بھی بھیجتا ہے وہ خیر کی کوئی خبر نہیں لاتا یعنی اپنے مالک کو کوئی نفع نہیں پہنچاتا، تو کیا ایسا غلام جو گونگا اور ناکارہ ہو اس آزاد کے برابر ہو سکتا ہے جو لوگوں کو عدل اور خیر کا حکم دیتا ہو اور وہ فی نفسہٖ صراط مستقیم پر ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ گونگا کسی چیز پر قادر نہیں ہوتا۔ اسی طرح عورت پر بھی یہ لازم نہیں ہے کہ وہ بچہ کے دودھ پلانے کا خرچ ادا کرے، کیونکہ وہ بھی کسی چیز پر قادر نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۳۶۹۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلْ لِي مِنْ أَجْرٍ فِي بَنِي أَبِي سَلَمَةَ أَنْ أُنْفِقَ عَلَيْهِمْ وَلَسْتُ بِتَارِكَتِهِمْ هٰكَذَا وَهٰكَذَا إِنَّمَا هُمْ بَنِيَّ قَالَ نَعَمْ لَكِ أَجْرُ مَا أَنْفَقْتِ عَلَيْهِمْ۔

(صحیح البخاری: ۱۴۶۸، ۵۳۶۹، صحیح مسلم: ۱۰۰۱، مسند احمد: ۲۶۱۳۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی از والد خود، از زینب ابنۃ ابی سلمہ از ام سلمہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر میں ابوسلمہ کے بچوں پر کچھ خرچ کروں تو کیا مجھے اس پر کوئی اجر ملے گا، اور میں اس کو اس طرح اور اس طرح چھوڑنے والی نہیں ہوں کیونکہ وہ میری بھی اولاد ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں تم جو ان پر خرچ کرو گی تمہیں اس کا اجر ملے گا۔

صحیح البخاری ۵۳۶۹ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں یہ بتایا ہے کہ بچہ کی ماں بچہ کے باپ کے اوپر بار ہے، پس بچہ کی ماں پر اس کے مرد کے بچوں کا خرچ واجب نہیں ہے، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ بچوں کے باپ کی اولاد پر خرچ کریں اور یہ فرمایا: کہ اگر تم خرچ کروگی تو تمہیں اس پر اجر ملے گا۔

حدیث کے مشکل الفاظ کی شرح

اس حدیث میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں ان بچوں کو اس طرح اور اس طرح چھوڑنے والی نہیں ہوں''۔ یعنی ان کو محتاج اور بے یار و مددگار چھوڑنے والی نہیں ہوں، اور کہا کہ وہ میرے بیٹے ہیں، یعنی جو حضرت بنوسلمہ کے بیٹے ہیں وہ میرے بیٹے بھی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم ان پر خرچ کرو، تم جو ان پر خرچ کروگی اس کا تمہیں اجر ملے گا''، اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت ام سلمہ پر اپنے شوہر کے بچوں پر خرچ کرنا واجب نہیں تھا، بلکہ ان کا اپنے شوہر کے بچوں پر خرچ کرنا مستحب تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۶۹ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کا وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ (البقرہ: ۲۳۳) کی تاویل میں اختلاف ہے، پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مرد پر لازم ہے کہ وارث کو ضرر نہ پہنچائے، اور یہی شعبی، مجاہد اور ضحاک اور امام مالک کا قول ہے، انہوں نے کہا کہ مرد پر واجب ہے کہ وارث کو ضرر نہ پہنچائے اور نہ اس پر کوئی تاوان ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۹۰، ۱۸۹، المدونۃ: ج ۲ ص ۲۵۲)

اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے کہ جب بچہ کی ملکیت میں مال نہ ہو تو اس کے وارث پر دودھ پلانے کی اجرت لازم ہے، پھر ان فقہاء نے وارث کے متعلق کئی اقوال ذکر کیے ہیں، فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے: یہ ہر وہ شخص ہے جو باپ کا وارث ہے، بھائی ہو یا چچا ہو یا چچازاد ہو یا بھتیجا ہو۔ اور یہ قول حسن بصری سے مروی ہے، انہوں نے وعلی الوارث مثل ذٰلک کی تفسیر میں کہا کہ اس سے مراد مرد ہیں نہ کہ عورتیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۹۰)

اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے کہ اس سے مراد اس کے وارثوں میں سے وہ ہیں جو بچہ کا ذورحم مَحرم ہیں، لیکن جو ذورحم ہو اور محرم نہ ہو جیسے چچا کا بیٹا اور آزاد شدہ غلام تو وہ اس آیت میں مراد نہیں ہیں اور یہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے، اور دوسروں نے کہا: اس سے خود بچہ مراد ہے۔

قبیصہ بن ذؤیب اور ضحاک نے وَعَلَى الْوَارِثِ کی تاویل المولود کے ساتھ کی ہے، یعنی جو مولود لہ یعنی بچہ کے باپ کے ذمہ ہو، اور امام بخاری نے اس باب کے تحت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ذکر کی ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے تھے جو ابوسلمہ سے پیدا ہوئے تھے اور ان کے پاس نفقہ نہیں تھا، تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اگر حضرت ابوسلمہ کے بیٹوں پر خرچ کرنے سے ان کو اجر ملے تو وہ ان پر خرچ کریں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ ان کو اس میں

اجر ملے گا، اس سے معلوم ہوا کہ مرد کی اولاد کا نفقہ اس کی بیوی پر واجب نہیں ہے، اور اگر واجب ہوتا تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا یہ نہ کہتیں کہ اب میں ان بچوں کو چھوڑنے والی نہیں ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے کہ ان کا نفقہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا پر واجب ہے، خواہ وہ ان کو چھوڑیں یا نہ چھوڑیں۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶، ص ۵۷-۵۸، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۳۷۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ هِنْدُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ أَنْ آخُذَ مِنْ مَالِهِ مَا يَكْفِينِي وَبَنِيَّ قَالَ خُذِي بِالْمَعْرُوفِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ہند نے کہا: یارسول اللہ! بے شک ابوسفیان مرد بخیل ہیں کیا مجھ پر کوئی گناہ ہوگا اگر میں ان کے مال سے اتنی مقدار لے لوں جو مجھے اور میری اولاد کے لیے کافی ہو؟ آپ نے فرمایا: تم دستور کے مطابق لے لو۔

(صحیح البخاری: ۲۲۱۱، ۲۴۶۰، ۳۸۲۵، ۵۳۵۹، ۵۳۶۴، ۵۳۷۰، ۶۶۴۱، ۷۱۶۱، ۷۱۸۰، صحیح مسلم: ۱۷۱۴، سنن نسائی: ۵۴۲۰، سنن ابوداؤد: ۵۳۳۲، سنن ابن ماجہ: ۲۲۹۳، مسند احمد: ۲۵۱۸۵، سنن دارمی: ۲۲۵۹)

صحیح البخاری ۵۳۷۰ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں یہ بتایا تھا کہ عورت پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ اپنے مال سے شوہر کی اولاد پر خرچ کرے، اور اس باب کی حدیث میں بھی یہی بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہند رضی اللہ عنہا کو یہ حکم نہیں دیا کہ تم اپنے مال سے ابوسفیان کے بچوں کو کھلاؤ، بلکہ یہ فرمایا کہ تم ابوسفیان کے مال سے دستور کے مطابق اتنی مقدار لے لو جو تمہارے اور ابوسفیان کے بچوں کے لیے کافی ہو، اور اس کی حدیث کی مفصل شرح عنقریب گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۰ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن التوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

ماں پر اولاد کا خرچ واجب نہیں ہے، صرف باپ پر اولاد کا خرچ واجب ہے، اس پر علامہ ابن ملقن شافعی کے دلائل

رہی حضرت ہند کی حدیث تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ بچوں کے باپ کے مال سے خرچ لے لیں اور حضرت ہند پر یہ واجب نہیں کیا جیسا کہ بچوں کے باپ کے اوپر خرچ کو واجب کیا تھا تو امام بخاری نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ ماؤں پر ان کے بچوں کے آباء کی زندگی میں بچوں کا خرچ واجب نہیں ہے، اسی طرح سے جب بچوں کے باپ فوت ہو جائیں تب بھی ماؤں پر

ان کا خرچ واجب نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: باپ کے فوت ہونے کے بعد ماں پر بچوں کا خرچ واجب تو نہیں ہے لیکن ہمارے ہاں ایسا ہوتا ہے کہ جب باپ فوت ہو جائے تو ماں محنت مزدوری کر کے نوکریاں کر کے اپنے یتیم بچوں کا پیٹ پالتی ہے، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر ماں دوسری جگہ نکاح کر لیتی ہے اور بچوں کی پرورش کی کوشش کرتی ہے، اللہ تعالیٰ ایسی ماؤں کو اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: پھر دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ دستور کے موافق ان (ماؤں) کا کھانا اور پہننا ہے۔ (البقرہ: ۲۳۳)

اس آیت سے یہ واضح ہو گیا کہ بچوں کی پرورش کا خرچ اور اس کی ذمہ داری بچوں کے باپ پر ہے ماں پر نہیں ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۵۸، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۰ کی شرح از علامہ ابن بطال مالکی

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باپ پر اولاد کا خرچ واجب ہے اور باپ کے علاوہ کسی اور رشتہ دار پر اس کی اولاد کا خرچ واجب نہیں ہے، اس پر علامہ ابن بطال مالکی کے دلائل

اسماعیل بن اسحاق نے کہا ہے: رہا امام ابوحنیفہ کا یہ قول کہ بچہ کو دودھ پلانا اور اس کا خرچ ہر ذی رحم مَحرم پر واجب ہے، مثلاً ایک مرد کا کم عمر بھانجا ہو جو ضرورت مند ہو یا اس کا کم عمر بھتیجا ہو جو ضرورت مند ہو اور وہ مرد اس بھانجے یا بھتیجے کا وارث ہو تو نفقہ ہر حال میں ماموں پر واجب ہے اس کے بہن کے بیٹے کی وجہ سے جس کا وہ وارث نہیں ہوگا اور ساقط ہو جائے گا اس کے چچا کے بیٹے کے لیے جس کا وہ وارث ہوگا، فقہاء نے کہا: یہ ایسا قول ہے جو کتاب اللہ میں نہیں ہے، اور نہ ہمارے علم میں کسی اور نے ایسا قول کہا ہے، ہاں بعض فقہاء نے دودھ پلانے کے خرچ کو وارث پر واجب کیا ہے، جب کہ انہوں نے قرآن میں تاویل کی ہے اور بعض فقہاء نے اس کو وارث سے ساقط کر دیا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا کہ وارث پر لازم ہے کہ اس کو نہ ضرر دیا جائے اور نہ اس پر تاوان ڈالا جائے لیکن ہر ذو رحم مَحرم کا خرچ، تو اس قول کی قرآن مجید میں کوئی تاویل نہیں ہے اور نہ حدیث میں اس کی اتباع ہے اور نہ اس کا کسی اصلِ صحیح پر قیاس ہے جس کی طرف رجوع کیا جائے اور امام مالک کا اس باب میں مذہب یہ ہے کہ کم عمر کا نفقہ صرف باپ پر واجب ہے خاص طور پر اور اسی کا قرآن مجید میں ذکر ہے، اور وہ آیت ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ دستور کے موافق ان (ماؤں) کا کھانا اور پہننا ہے۔ (البقرہ: ۲۳۳)

اور دوسری قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو اور اگر وہ

حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ۔ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو اجرت دو۔
(الطلاق:٦)

پس جب باپ پر واجب ہے کہ وہ اس عورت کو اجرت دے جو اس کے بچہ کو دودھ پلاتی ہے تو باپ پر اپنی اولاد کا نفقہ اور خرچ بھی واجب ہے جب وہ دودھ پینے کی مدت سے نکل جائے جب تک کہ وہ کم عمر ہو، اور باپ پر واجب ہے کہ اس کو طعام کے ساتھ غذا مہیا کرے جیسا کہ پہلے وہ اس کو دودھ کے ساتھ غذا مہیا کرتا تھا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری، ج ۷ ص ۴۴۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۵۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ مَنْ تَرَكَ كَلًّا أَوْ ضَيَاعًا فَإِلَيَّ

نبی ﷺ کا ارشاد ہے: جس شخص نے قرض کا بوجھ چھوڑا یا اولاد کی پرورش کی ذمہ داری چھوڑی تو اس کا انتظام میرے ذمہ ہے

۵۳۷۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُؤْتَى بِالرَّجُلِ الْمُتَوَفَّى عَلَيْهِ الدَّيْنُ فَيَسْأَلُ هَلْ تَرَكَ لِدَيْنِهِ فَضْلًا فَإِنْ حُدِّثَ أَنَّهُ تَرَكَ وَفَاءً صَلَّى وَإِلَّا قَالَ لِلْمُسْلِمِينَ صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ فَلَمَّا فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِ الْفُتُوحَ قَالَ أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَمَنْ تُوُفِّيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَتَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ قَضَاؤُهُ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب از ابو سلمہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک فوت شدہ مرد لایا جاتا جس پر قرض ہوتا، تو آپ سوال کرتے: کیا اس نے اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے کوئی زائد مال چھوڑا ہے، اگر آپ کو یہ بتایا جاتا کہ اس نے اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے زائد مال چھوڑا ہے تو آپ اس کی نمازِ جنازہ پڑھا دیتے، اور اگر یہ بتایا جاتا کہ اس نے کوئی زائد مال نہیں چھوڑا تو آپ فرماتے: تم اپنے صاحب کی نمازِ جنازہ خود پڑھ لو، پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر فتوحاتِ اسلامیہ کھول دیں تو آپ نے فرمایا: میں مومنوں کی جانوں سے زیادہ ان پر متصرف ہوں، پس مومنین میں سے جو فوت ہو گیا اور اس نے قرض کا بوجھ چھوڑا تو اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور جس نے مال چھوڑا تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۲۹۸، ۲۳۹۸، ۲۳۹۹، ۴۷۸۱، ۵۳۷۱، ۶۷۳۱، ۶۷۴۵، ۶۷۶۳، ۵۳۷۱، صحیح مسلم: ۱۶۱۹، سنن ترمذی: ۱۰۷۰، سنن نسائی: ۱۹۶۳، سنن ابن ماجہ: ۲۴۱۵، مسند احمد: ۹۵۳۸)

صحیح البخاری: ۵۳۷۱ کے باب کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس باب کے عنوان میں ''الکَلّ'' کا لفظ ہے، (کاف پر زبر اور لام پر تشدید)، اس کا معنی ہے: قرض وغیرہ کا بوجھ۔

ابن فارس نے کہا ہے: ''الکَلّ'' کا معنی ہے: العیال اور بوجھ، اور اس باب کے عنوان میں ''الضَیاع'' کا لفظ ہے (اس میں ضاد پر زبر ہے) اس کا معنی ہے: ہلاک، یعنی جو اپنا خرچ اٹھانے میں مستقل اور منفرد نہ ہو اور اگر اس کو اس کے نفس کے سپرد کر دیا جائے تو وہ ہلاک ہو جائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''الضِیاع'' (ضاد کے نیچے زیر) یہ ضائع کی جمع ہے، اور اس باب میں فرمایا: ''اِلَیَّ'' یعنی میرے ذمہ ہے، اس کا معنی ہے کہ اس کا قرض اور اس کے وہ بچے جو خود اپنی کفالت نہ کر سکتے ہوں ان کا تدارک کرنا میرے ذمہ ہے، یعنی میں اس کا قرض ادا کروں گا اور اس کے عیال کی مصلحتوں کا انتظام کروں گا۔

عوام کی کفالت کی ذمہ داری حکومت پر ہے، قرونِ اولیٰ میں مسلمان حکمران ایسا ہی کرتے تھے اور اب کفار تو اپنے ملکوں میں عوام کی فلاح وبہبود کے لیے ایسے انتظامات کرتے ہیں اور مسلمان حکام سرکاری خزانوں سے صرف اپنے لیے مال جمع کرتے ہیں اور پر تعیش زندگی بسر کرنے کا بندوبست کرتے ہیں

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص قرض چھوڑ کر فوت ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا قرض میں ادا کروں گا اور اگر کوئی شخص نابالغ بچوں کو چھوڑ کر فوت ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کی کفالت میرے ذمہ ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت دی ہے کہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ عوام کی کفالت کرے، عوام کی زندگی میں بھی اور عوام کی وفات کے بعد بھی، زندگی میں جو لوگ نادار اور مفلس ہوں تو حکومت ان کی کفالت کے لیے وظائف مقرر کرے، جو بے روزگار ہوں ان کے لیے روزگار کے حصول تک ان کے خرچ کا بندوبست کرے اور موت کے بعد بھی ان کی کفالت کرے جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔

خلفاء راشدین کے دور میں ایسا ہی ہوتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ راتوں کو مدینہ میں گشت کرتے اور جو لوگ ضرورت مند ہوتے اور ان کے پاس کھانے پینے کی چیزیں نہ ہوتیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو کھانے پینے کی چیزیں مہیا کرتے تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: اگر نیل کے ساحل پر کوئی بکری بھی بھوک سے مر گئی تو مجھے ڈر ہے کہ مجھ سے اس کے متعلق پرسش ہوگی، مسلم حکمرانوں کے دور میں بیت المال کے اندر جو مالِ غنیمت جمع ہوتا تھا اور مالِ فئے جمع ہوتا تھا اور عشر اور زکوٰۃ کی رقومات جمع ہوتی تھیں، ان اموال کو مسلمانوں کی کفالت کے اوپر خرچ کیا جاتا تھا، اور ہمارے دور میں سرکاری خزانہ میں جو مال جمع ہوتا ہے وہ حکمرانوں کے تعیش میں خرچ ہوتا ہے، حکمران اپنے لیے اور اپنے وزیروں اور مشیروں کے لیے اور دیگر سرکاری افسروں کے لیے بڑی بڑی پر تعیش کاریں خریدتے ہیں، بڑے بڑے بنگلے بناتے ہیں جو پرانے زمانے کے محلات کی مثل ہوتے ہیں اور عیش وعشرت کی بھرمار ہوتی ہے، اور غریب عوام کو پیٹ بھر کر روٹی بھی میسر نہیں ہوتی۔

افسوس یہ ہے کہ مغربی ممالک میں یہ انتظام ہے کہ وہاں بے روزگاروں کے لیے وظائف مقرر کیے جاتے ہیں، جن کے پاس مکانات نہیں ہوتے، حکومت اپنے خرچ سے ان کے لیے مکان مہیا کرتی ہے، ان کے بچوں کی پرورش کا انتظام کرتی ہے، جن بچوں کے ماں باپ فوت ہو جائیں ان کی تعلیم کا بوجھ اٹھاتی ہے، اور جو لوگ بیمار ہوں اور علاج کی سہولت نہ رکھتے ہوں حکومت اپنے خرچ پر ان کا علاج کرتی ہے، ان کے لیے بڑے بڑے ہسپتال قائم کرتی ہے جہاں ان کا مفت علاج ہوتا ہے، سو جو کام قرونِ اولیٰ میں مسلم حکام اپنے عوام کے مفاد اور خیر خواہی کے لیے کرتے تھے، وہ تمام کام اب دوسری اقوام اپنے عوام کے لیے کرتی ہیں اور ہمارے اسلامی ممالک میں حکمران صرف لوٹ مار کر کے اپنے خزانوں کو بھرتے ہیں اور غریبوں کو فاقہ کشی اور تنگ دستی میں چھوڑ دیتے ہیں۔

ایک المیہ یہ ہے کہ اس دور کے حکمران اور بڑے بڑے سرمایہ دار لوٹ کھسوٹ کر کے اور عوام کا استحصال کر کے اپنی دولت کو غیر ملکی بینکوں میں محفوظ رکھے ہوئے ہیں، دوسرا المیہ یہ ہے کہ صدر اور وزیر اعظم وغیرہ اپنے آپ کو احتساب سے بالاتر سمجھتے ہیں اور عدالت میں حاضر ہونے کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، جب کہ عہدِ رسالت میں صحابہ کرام عدالتوں میں پیش ہوتے رہے اور خلفاءِ راشدین کے دور میں حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما عدالت میں پیش ہوئے، کیا اس دور کے حکمران اپنے آپ کو صحابہ اور خلفاءِ راشدین سے بھی اعلیٰ اور برتر خیال کرتے ہیں، جو اپنے آپ کو عدالت میں پیش ہونے سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں؟ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۱ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقروض کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے اجتناب کی توجیہ

اس حدیث میں فضلاً کا لفظ ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اتنا مال چھوڑ کر جائے کہ اس کے ذمہ جو قرض ہے وہ ادا کر دیا جائے اور اِلّا کا لفظ ہے یعنی اگر اس نے اتنا مال نہیں چھوڑا جو اس کے قرض کی ادائیگی کے لیے کافی ہو تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں سے فرماتے: تم خود اپنے صاحب کا جنازہ پڑھ لو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقروض پر نمازِ جنازہ پڑھنے سے انکار کرنا اس لیے تھا کہ لوگ قرض کی ادائیگی کے لیے جلدی کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر قرض ہو اور وہ مر جائیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور دعا سے محروم رہیں۔

صحیح البخاری: ۵۳۷۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث باب الاستقراض اور باب الکفالہ میں گذر چکی ہے اور اس کی باقی شرح ان شاء اللہ کتاب الفرائض میں آئے گی۔

اور امام بخاری نے اس حدیث کو ابواب النفقات میں داخل کر کے یہ اشارہ کیا ہے کہ جو شخص فوت ہو جائے اور اس کی اولاد ہو اور وہ ان کے خرچ کے لیے کوئی ترکہ نہ چھوڑے تو ان کا خرچ مسلمانوں کے بیت المال سے واجب ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۱۶، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، فتح الباری ج ۶ ص ۵۶۲، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

تنبیہ: علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی نے بھی اس حدیث کی شرح میں اسی کا خلاصہ لکھا ہے جو ہم عمدۃ القاری اور فتح

الباری سے نقل کر چکے ہیں۔ (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۶۴، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۱، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''الکَلّ'' اور ''الضَیاعُ'' کا معنی اور مقروض کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کی توجیہ

علامہ ابن الاثیر الجزری نے لکھا ہے کہ ''الکَلّ'' کا معنی ہے: ثقل یعنی بوجھ اور ہر وہ چیز جس میں تکلف ہو اور اس سے مراد قرض ہے اور باقی حقوقِ لازمہ ہیں، اور ''ضَیاع'' (ضاد پر زبر) اس سے مراد ہے وہ عیال جو ہلاکت کے قریب ہوں، اور یہ حدیث ''ابواب الکفالۃ'' میں گزر چکی ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۲۹۷)

اور ہم نے یہ اشارہ کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقروض کی نمازِ جنازہ اس لیے نہیں پڑھی کیونکہ قرض ایسی چیز ہے جو معاف نہیں ہو سکتی، اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ آپ یہ اس لیے کرتے تھے کہ لوگ قرض کے ادا کرنے میں جلدی کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ بندہ مر جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھیں اور وہ آپ کی دعا سے محروم ہو جائے۔ اور امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب النفقات میں ذکر کر کے یہ اشارہ کیا ہے کہ جو شخص فوت ہو جائے اور اس کی اولاد فقراء ہو اور ان کی کفالت کرنے والا کوئی نہ ہو تو ان کا خرچ بیت المال پر واجب ہے۔ (الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری، ج ۹ ص ۸۱، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

۱۶۔ بَابُ: الْمَرَاضِعِ مِنَ الْمَوَالِيَاتِ وَغَيْرِهِنَّ

دودھ پلانے والیاں خواہ وہ باندیاں ہوں یا آزاد

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب ان دودھ پلانے والیوں کے حکم میں ہے جو الموالیات میں سے ہیں، علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ یہ لفظ المُوالیات ہے اور المُوالِیۃ کی جمع ہے، اور یہ درست نہیں ہے بلکہ اولیٰ یہ ہے کہ میم پر زبر ہے اور یہ مولاۃ کے معنی میں ہے جو کہ باندی ہے اور یہ لفظ موالات کے معنی میں نہیں ہے۔ علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ عرب پہلے زمانہ میں باندیوں سے اپنے بچوں کو دودھ پلوانا ناپسند قرار دیتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ آزاد عورتیں ان کو دودھ پلائیں تاکہ ان کی اولاد کے پیٹ میں عمدہ دودھ اور خون پہنچے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ بتایا کہ غیر عرب نے بھی بچوں کو دودھ پلایا ہے اور باندیوں کا دودھ پلانا کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۷۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ انْكِحْ أُخْتِي بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عُقیل از ابن شہاب، انہوں نے بتایا کہ مجھے عُروہ نے خبر دی کہ زینب ابنۃ ابی سلمہ نے ان کو خبر دی کہ حضرت ام حبیبہ

قَالَ وَتُحِبِّينَ ذَلِكِ قُلْتُ نَعَمْ لَسْتُ لَكَ بِمُخْلِيَةٍ وَأَحَبُّ مَنْ شَارَكَنِي فِي الْخَيْرِ أُخْتِي فَقَالَ إِنَّ ذَلِكِ لَا يَحِلُّ لِي فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ فَوَاللهِ إِنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّكَ تُرِيدُ أَنْ تَنْكِحَ دُرَّةَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ فَقَالَ بِنْتَ أُمِّ سَلَمَةَ فَقُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَوَاللهِ لَوْ لَمْ تَكُنْ رَبِيبَتِي فِي حَجْرِي مَا حَلَّتْ لِي إِنَّهَا بِنْتُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ أَرْضَعَتْنِي وَأَبَا سَلَمَةَ ثُوَيْبَةُ فَلَا تَعْرِضْنَ عَلَيَّ بَنَاتِكُنَّ وَلَا أَخَوَاتِكُنَّ وَقَالَ شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ عُرْوَةُ ثُوَيْبَةُ أَعْتَقَهَا أَبُو لَهَبٍ۔

زوجۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ میری بہن جو حضرت ابوسفیان کی بیٹی ہے ان سے نکاح کر لیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: کیا تم یہ پسند کرتی ہو، تو انہوں نے کہا: جی ہاں، لیکن میں آپ کو چھوڑ نے والی نہیں ہوں، اور میں یہ پسند کرتی ہوں کہ جو خیر میں میری شریک ہو وہ میری بہن ہو، آپ نے فرمایا: یہ میرے لیے حلال نہیں ہے، میں نے پوچھا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم!) اللہ کی قسم! ہم یہ باتیں کرتے ہیں کہ آپ دُرّۃ ابنۃ ابی سلمہ سے نکاح کا ارادہ رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا: ابنۃ ام سلمہ؟ تو میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم اگر وہ میری گود میں لے پالک نہ ہوتی (یعنی اس نے میری گود میں پرورش نہ پائی ہوتی) تب بھی اس سے نکاح کرنا میرے لیے حلال نہیں تھا، کیونکہ وہ میری رضاعی بھتیجی ہے، مجھے اور ابوسلمہ کو ثُویبہ نے دودھ پلایا ہے (ثُویبہ ابولہب کی باندی تھی)، پس تم اپنے بیٹیوں کو اور اپنی بہنوں کو مجھ پر ہرگز پیش نہ کرو۔ شعیب نے کہا از زہری، عروہ نے کہا: ثویبہ کو ابولہب نے آزاد کر دیا تھا، (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں)۔

(صحیح البخاری: ۵۱۰۱، ۵۱۰۶، ۵۱۰۷، ۵۱۲۳، ۵۳۷۲، صحیح مسلم: ۱۴۴۹، سنن نسائی: ۳۲۸۴، سنن ابوداؤد: ۲۰۵۶، سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۹، مسند احمد: ۲۶۸۶۶)

صحیح البخاری: ۵۳۷۲ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب النکاح میں اس باب میں گزر چکی ہے "امھاتکم التی ارضعنکم" اور وہاں اس کی شرح بیان کی جا چکی ہے۔

اس حدیث میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ ہے، ان کا نام رملہ بنت ابی سفیان ہے اور ان کی بہن کا نام عزّۃ ہے۔ اور اس حدیث میں "دُرّۃ" کا ذکر ہے (دال پر پیش ہے اور راء پر تشدید ہے)، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دُرّۃ دو وجہوں سے مجھ پر حلال نہیں ہے، ایک وجہ یہ ہے کہ وہ میری لے پالک ہے، یعنی اس نے میری گود میں پرورش پائی ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ میری رضاعی بھتیجی ہے، اور اس حدیث میں ثُوَیبۃ کا ذکر ہے (ثاء پر پیش ہے اور واؤ پر زبر ہے اور یا پر جزم ہے اور باء پر زبر ہے، یہ تصغیر کا صیغہ ہے) یہ ابولہب عبد العزّیٰ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا، اس کی باندی تھی، اور جب ثُویبۃ نے ابولہب کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی بشارت دی تو اس نے انگلی کے اشارہ سے ثُویبہ کو آزاد کر دیا اور اسی وجہ سے ابولہب کے عذاب میں پیر کے دن تخفیف ہوتی ہے، اور

علماء نے لکھا ہے کہ ابولہب جو کافر تھا اور اس نے نسبی رشتہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر خوشی منائی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عذاب میں تخفیف کر دی، تو مسلمان جب ایمان کے رشتہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد کو منائیں گے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے ان شاء اللہ ان کی بھی نجات ہو جائے گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۳ موضحاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: کتاب النفقات میں پچیس (۲۵) احادیث مرفوعہ ہیں، ان میں سے تین تعلیقات ہیں، اور تین کے سوا باقی احادیث مکررہ ہیں۔

نفقہ کے متعلق صدر الشریعہ علامہ امجد علی کی تحقیق

صدر الشریعہ بدر الطریقۃ علامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۶۷ھ تحریر فرماتے ہیں:

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ (الطلاق: ۷)

صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے، اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا ۝

اور فرماتا ہے:

وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَ لَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَ عَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ۔ (البقرہ: ۲۳۳)

جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کی ماؤں کا روٹی اور کپڑا ہے جو دستور اور رواج کے مطابق ہو، اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ دستور کے موافق ان (ماؤں) کا کھانا اور پہننا ہے، کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کیا جائے گا، نہ ماں کو اس کی بچے کی وجہ سے ضرر دیا جائے گا اور نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے ضرر دیا جائے گا اور وارث پر بھی اسی طرح لازم ہے۔

اور فرماتا ہے:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ (الطلاق: ۶)

ان مطلقہ عورتوں کو اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو اور ان پر تنگی کرنے کے لیے ان کو ضرر نہ پہنچاؤ۔

حدیث ا: صحیح مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا: ''عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو کہ وہ تمہارے پاس قیدی کی مثل ہیں، اللہ (عزوجل) کی امانت کے ساتھ تم نے ان کو لیا اور اللہ (عزوجل) کے کلمہ کے ساتھ ان کے فروج کو حلال کیا، تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ تمہارے بچھونوں پر (مکانوں میں) ایسے شخص کو نہ آنے دیں جس کو تم ناپسند رکھتے ہو اور اگر ایسا کریں تو تم اس طرح مار سکتے ہو جس سے ہڈی نہ ٹوٹے اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ انہیں کھانے اور پہننے کو دستور کے موافق دو۔ (صحیح مسلم: کتاب الحج، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، الحدیث: ۱۲۱۸، ص ۶۳۴)

حدیث ۲: صحیحین میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہ ہند بنت عتبہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ابوسفیان (میرے شوہر) بخیل ہیں، وہ مجھے اتنا نفقہ نہیں دیتے جو مجھے اور میری اولاد کو کافی ہو مگر اس صورت میں کہ ان کی بغیر اطلاع میں کچھ لے لوں (تو آیا اس طرح لینا جائز ہے؟) فرمایا: کہ ''اس کے مال میں سے اتنا تو لے سکتی ہے جو تجھے اور تیرے بچوں کو دستور کے موافق خرچ کے لیے کافی ہو''۔ (صحیح البخاری، کتاب النفقات، باب اذا لم ینفق الرجل، الحدیث: ۵۳۶۴، ج ۳ ص ۵۱۶)

حدیث ۳: صحیح مسلم میں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب خدا کسی کو مال دے تو خود اپنے اور گھر والوں پر خرچ کرے۔ (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب الناس تبع لقریش۔۔۔ الحدیث: ۱۸۲۲، ص ۱۰۱۳)

حدیث ۴: صحیح بخاری میں ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان جو کچھ اپنے اہل پر خرچ کرے اور نیت ثواب کی ہو تو یہ اس کے لیے صدقہ ہے''۔ (صحیح البخاری، کتاب النفقات، باب فضل النفقۃ علی الاھل۔۔۔ الحدیث: ۵۳۵۱، ج ۳ ص ۵۱۱)

حدیث ۵: بخاری شریف میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو کچھ تو خرچ کرے گا وہ تیرے لیے صدقہ ہے، یہاں تک کہ لقمہ جو بی بی کے منہ میں اٹھا کر دے دے''۔

(صحیح البخاری، کتاب النفقات: باب اذا لم ینفق الرجل۔۔۔ الحدیث: ۵۳۵۴، ج ۳ ص ۵۱۲)

حدیث ۶: صحیح مسلم شریف میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''آدمی کو گنہگار ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ جس کا کھانا اس کے ذمہ ہو، اسے کھانے کو نہ دے''۔

(صحیح مسلم: کتاب الزکوۃ، باب فضل النفقۃ علی العیال۔۔۔ الحدیث: ۹۹۴، ص ۴۹۹)

حدیث ۷: ابوداؤد و ابن ماجہ بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ راوی کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، کہ میرے پاس مال ہے اور میرے والد کو میرے مال کی حاجت ہے؟ فرمایا: ''تو اور تیرا مال تیرے باپ کے لئے ہیں، تمہاری اولاد تمہاری عمدہ کمائی سے ہیں، اپنی اولاد کی کمائی کھاؤ''۔

(سنن ابوداود، کتاب البیوع، باب فی الرجل یاکل من مال ولدہ، الحدیث: ۳۵۳۰، ج ۳ ص ۴۰۳)

مسائل فقہیہ

مسئلہ ۱: نفقہ سے مراد کھانا کپڑا رہنے کا مکان ہے اور نفقہ واجب ہونے کے تین سبب ہیں، زوجیت (نکاح میں ہونا)، نسب، مِلک (ملکیت)۔ (الجوہرۃ النیرہ، کتاب النفقات، الجزء الثانی ص ۱۰۸، الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۲۸۳)

مسئلہ ۲: جس عورت سے نکاح صحیح ہوا اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے، عورت مسلمان ہو یا کافرہ، آزاد ہو یا مکاتبہ، محتاج ہو یا مالدار، دخول ہوا ہو یا نہیں، بالغہ ہو یا نابالغہ مگر شرط یہ ہے کہ جماع کی طاقت رکھتی ہو یا مشتہاۃ ہو، اور شوہر کی جانب کوئی شرط نہیں بلکہ کتنا ہی صغیر السن (کم عمر) ہو اس پر نفقہ واجب ہے، اس کے مال سے دیا جائے گا، اور اگر اس کی ملک میں مال نہ ہو تو اس کی عورت کا نفقہ اس کے باپ پر واجب نہیں، ہاں اگر اس کے باپ نے نفقہ کی ضمانت کی ہو تو باپ پر واجب ہے شوہر عنین ہے یا اس کا عضو تناسل کٹا ہوا ہے یا مریض ہے کہ جماع کی طاقت نہیں رکھتا یا حج کو گیا ہے جب بھی نفقہ واجب ہے۔

(الفتاوی الھندیہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر، الفصل الاول فی نفقۃ الزوجۃ، ج ۱ ص ۵۴۴، الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ ج ۵ ص ۲۸۳)

مسئلہ ۳: نابالغہ جو قابلِ جماع نہ ہو، اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں، خواہ شوہر کے یہاں ہو یا اپنے باپ کے گھر جب تک قابلِ وطی نہ ہو جائے، ہاں اگر اس قابل ہو کہ خدمت کر سکے یا اس سے اُنس حاصل ہو سکے اور شوہر نے اپنے مکان میں رکھا تو نفقہ واجب ہے اور نہیں رکھا تو نہیں۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر، الفصل الاول فی نفقۃ الزوجۃ، ج ۱ ص ۵۴۴، الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ ج ۵ ص ۲۸۶)

مسئلہ ۴: عورت کا مقام بند ہے جس کے سبب سے وطی نہیں ہو سکتی یا دیوانی ہے یا بوہری تو نفقہ واجب ہے۔

(درمختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۲۸۶)

مسئلہ ۵: زوجہ کنیز ہے یا مدبرہ یا ام ولد تو نفقہ واجب ہونے کے لیے تبوِیہ شرط ہے، یعنی اگر مولیٰ کے گھر رہتی ہے تو واجب نہیں۔

(الجوہرۃ النیرہ، کتاب النفقات، الجزء الثانی ص ۱۰۸)

مسئلہ ۶: نکاحِ فاسد مثلاً بغیر گواہوں کے نکاح ہو تو اس میں یا اس کی عدت میں نفقہ واجب نہیں۔ یوہیں وطی بالشبہ میں اور اگر بظاہر نکاح صحیح ہوا اور قاضی شرع نے نفقہ مقرر کر دیا بعد کو معلوم ہوا کہ نکاح صحیح نہیں مثلاً وہ عورت اس کی رضاعی بہن ثابت ہوئی تو جو کچھ نفقہ میں دیا ہے واپس لے سکتا ہے اور اگر بطورِ خود بلا حکمِ قاضی (قاضی کے حکم کے بغیر) دیا ہے تو نہیں لے سکتا۔

(الجوہرۃ النیرہ، کتاب النفقات، الجزء الثانی ص ۱۰۸، ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، مطلب: لاتجب علی الاب، ج ۵ ص ۲۸۸)

مسئلہ ۷: انجانے میں عورت کی بہن یا پھوپھی یا خالہ سے نکاح کیا، بعد کو معلوم ہوا اور تفریق ہوئی تو جب تک اس کی عدت پوری نہ ہوگی عورت سے جماع نہیں کر سکتا، مگر عورت کا نفقہ واجب ہے اور اس کی بہن، پھوپھی، خالہ کا نہیں اگرچہ ان عورتوں پر عدت واجب ہے۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات، الفصل الاول ج ۱ ص ۵۴۷)

مسئلہ ۸: بالغہ عورت جب اپنے نفقہ کا مطالبہ کرے اور ابھی رخصت نہیں ہوئی ہے تو اس کا مطالبہ درست ہے جب کہ شوہر نے اپنے مکان پر لے جانے کو اس سے نہ کہا ہو، اور اگر شوہر نے کہا: تو میرے یہاں چل اور عورت نے انکار نہ کیا جب بھی نفقہ کی مستحق ہے اور اگر عورت نے انکار کیا تو اس کی دو صورتیں ہیں، اگر کہتی ہے: جب تک مہرِ معجل نہ دو گے نہیں جاؤں گی جب بھی نفقہ پائے گی کہ اس کا انکار ناحق نہیں اور اگر انکار ناحق ہے مثلاً مہرِ معجل ادا کر چکا ہے یا مہرِ معجل تھا ہی نہیں یا عورت معاف کر چکی ہے تو اب نفقہ کی مستحق نہیں جب تک شوہر کے مکان پر نہ آئے۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات، الفصل الاول ج ۱ ص ۵۴۷)

مسئلہ ۹: دخول ہونے کے بعد اگر عورت شوہر کے یہاں آنے سے انکار کرتی ہے تو اگر مہرِ معجل کا مطالبہ کرتی ہے کہ دے دو تو چلوں تو نفقہ کی مستحق ہے، ورنہ نہیں۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۲۸۶)

مسئلہ ۱۰: شوہر کے مکان میں رہتی ہے مگر اس کے قابو میں نہیں آتی، تو نفقہ ساقط نہیں اور اگر جس مکان میں رہتی ہے وہ عورت کی ملک ہے اور شوہر کا وہاں آنا بند کر دیا تو نفقہ نہیں پائے گی، ہاں اگر اس نے شوہر سے کہا کہ مجھے اپنے مکان میں لے چلو یا میرے لیے کرایہ پر کوئی مکان لے دو اور شوہر نہ لے گیا تو قصور شوہر کا ہے، لہٰذا نفقہ کی مستحق ہے۔ یوہیں اگر شوہر نے پرایا مکان غصب کر لیا ہے اس میں رہتا ہے عورت وہاں رہنے سے انکار کرتی ہے تو نفقہ کی مستحق ہے۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات، الفصل الاول ج ۱ ص ۵۴۵)

مسئلہ ۱۱: شوہر عورت کو سفر میں لے جانا چاہتا ہے اور عورت انکار کرتی ہے یا عورت مسافتِ سفر (یعنی ساڑھے ستاون میل (تقریباً ۹۲ کلومیٹر) کی راہ) پر ہے، شوہر نے کسی اجنبی شخص کو بھیجا کہ اسے یہاں اپنے ساتھ لے آ، عورت اس کے ساتھ جانے سے انکار کرتی ہے تو نفقہ (کھانے پینے اور رہائش وغیرہ کے اخراجات) ساقط نہ ہوگا اور اگر عورت کے محرم کو بھیجا اور آنے سے انکار کرے تو نفقہ ساقط ہے۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۲۹۰)

مسئلہ ۱۲: عورت شوہر کے گھر بیمار ہوئی یا بیمار ہو کر اس کے یہاں گئی یا اپنے ہی گھر رہی مگر شوہر کے یہاں جانے سے انکار نہ کیا تو نفقہ واجب ہے اور اگر شوہر کے یہاں بیمار ہوئی اور اپنے باپ کے یہاں چلی گئی، اگر اتنی بیمار ہے کہ ڈولی وغیرہ پر بھی نہیں آسکتی تو نفقہ کی مستحق ہے اور اگر آسکتی ہے مگر نہیں آئی تو نہیں۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۲۹۰)

مسئلہ ۱۳: عورت شوہر کے یہاں سے ناحق چلی گئی تو نفقہ نہیں پائے گی جب تک واپس نہ آئے اور اگر اس وقت واپس آئی کہ شوہر مکان پر نہیں بلکہ پردیس چلا گیا ہے جب بھی نفقہ کی مستحق ہے، اور اگر عورت یہ کہتی ہے کہ میں شوہر کی اجازت سے گئی تھی اور شوہر انکار کرتا ہے یا یہ ثابت ہو گیا کہ بلا اجازت چلی گئی تھی، مگر عورت کہتی ہے کہ گئی تو تھی بغیر اجازت مگر کچھ دنوں شوہر نے وہاں رہنے کی اجازت دے دی تھی تو بظاہر عورت کا قول معتبر نہ ہوگا۔

(الدر المختار ورد المحتار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، مطلب: لاتجب علی الاب۔۔۔ الخ، ج ۵ ص ۲۸۹)

مسئلہ ۱۴: چند مہینے کا نفقہ شوہر پر باقی تھا، عورت اس کے مکان سے بغیر اجازت چلی گئی تو یہ نفقہ بھی ساقط ہو گیا اور لوٹ کر آئے جب بھی اس کی مستحق نہ ہوگی اور اگر با اجازت اس نے قرض لے کر نفقہ میں صرف کیا تھا اور اب چلی گئی تو ساقط نہ ہوگا۔

(الدر المختار ورد المحتار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، مطلب: لاتجب علی الاب۔۔۔ الخ، ج ۵ ص ۲۸۹)

مسئلہ ۱۵: عورت اگر قید ہو گئی اگرچہ ظلماً تو شوہر پر نفقہ واجب نہیں، ہاں اگر خود شوہر کا عورت پر دَین تھا اسی نے قید کرایا تو ساقط نہ ہوگا، یوہیں اگر عورت کو کوئی اٹھالے گیا یا چھین لے گیا جب بھی شوہر پر نفقہ واجب نہیں۔

(الجوہرۃ النیرہ، کتاب النفقات، الجزء الثانی ص ۱۱۱)

مسئلہ ۱۶: عورت حج کے لیے گئی اور شوہر ساتھ نہ ہو تو نفقہ واجب نہیں اگرچہ محرم (ایسا رشتہ دار جس کے ساتھ نکاح ہمیشہ حرام ہو) کے ساتھ گئی ہو اگرچہ حج فرض ہو۔ اگرچہ شوہر کے مکان پر رہتی تھی اور اگر شوہر کے ہمراہ ہے تو نفقہ واجب ہے حج فرض ہو یا نفل مگر سفر کے مطابق نفقہ واجب نہیں بلکہ حضر کا نفقہ (حالت اقامت کا نفقہ) واجب ہے، لہٰذا کرایہ وغیرہ مصارفِ سفر (سفر کے اخراجات) شوہر پر واجب نہیں۔ (الفتاوی الخانیہ، کتاب النکاح، باب النفقۃ، ج ۱ ص ۱۹۶، الجوہرۃ النیرہ، کتاب النفقات، الجزء الثانی ص ۱۱۱)

مسئلہ ۱۷: کسی عورت کو حمل ہے لوگوں کو شبہ ہے کہ فلاں شخص کا حمل ہے، لہٰذا عورت کے باپ نے اسی سے نکاح کر دیا مگر وہ کہتا ہے کہ حمل مجھ سے نہیں تو نکاح ہو جائے گا مگر نفقہ شوہر پر واجب نہیں اور اگر حمل کا اقرار کرتا ہے تو نفقہ واجب ہے۔

(الفتاوی الھندیہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات، الفصل الاول ج ۱ ص ۵۴۶)

مسئلہ ۱۸: جس عورت کو طلاق دی گئی ہے بہر حال عدت کے اندر نفقہ پائے گی، طلاق رجعی ہو یا بائن یا تین طلاقیں، عورت کو حمل ہو یا نہیں۔ (الفتاوی الخانیہ، کتاب النکاح، باب النفقۃ، ج ۱ ص ۱۹۶)

مسئلہ ۱۹: جوعورت بے اجازتِ شوہر گھر سے چلی جایا کرتی ہے اس بنا پر اسے طلاق دے دی تو عدت کا نفقہ نہیں پائے گی، ہاں اگر بعد طلاق شوہر کے گھر میں رہی اور باہر جانا چھوڑ دیا تو پائے گی۔

(الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات، الفصل الاول، ج ۱ ص ۵۴۵)

مسئلہ ۲۰: جب تک عورت سنِ ایاس (یعنی ایسی عمر جس میں حیض کا خون آنا بند ہو جاتا ہے) کو نہ پہنچے اس کی عدت تین حیض ہے جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے اور اگر اس عمر سے پہلے کسی وجہ سے جوان عورت کو حیض نہیں آتا تو اس کی عدت کتنی ہی طویل ہو زمانہ عدت کا نفقہ واجب ہے، یہاں تک کہ اگر سنِ ایاس تک حیض نہ آیا تو بعدِ ایاس تین ماہ گزرنے پر عدت ختم ہوگی اور اس وقت تک نفقہ دینا ہوگا۔ ہاں اگر شوہر گواہوں سے ثابت کر دے کہ عورت نے اقرار کیا ہے کہ تین حیض آئے اور عدت ختم ہوگئی تو نفقہ ساقط کہ عدت پوری ہو چکی اور اگر عورت کو طلاق ہوئی اس نے اپنے کو حاملہ بتایا تو وقتِ طلاق سے دو برس تک وضعِ حمل (بچے پیدا ہونے) کا انتظار کیا جائے وضعِ حمل تک نفقہ واجب ہے اور دو (۲) برس پر بھی بچہ نہ ہوا اور عورت کہتی ہے کہ مجھے حیض نہیں آیا اور حمل کا گمان تھا تو نفقہ برابر لیتی رہے گی یہاں تک کہ تین حیض آئیں یا سنِ ایاس آ کر تین مہینے گزر جائیں۔

(الفتاویٰ الخانیہ، کتاب النکاح، فصل فی نفقۃ العدۃ، ج ۱ ص ۲۰۲)

مسئلہ ۲۱: عدت کے نفقہ کا نہ دعویٰ کیا نہ قاضی نے مقرر کیا تو عدت گزرنے کے بعد نفقہ ساقط ہو گیا۔

مسئلہ ۲۲: مفقود (وہ شخص جس کا کوئی پتا نہ ہو اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ زندہ ہے یا مر گیا ہے) کی عورت نے نکاح کر لیا اور اس دوسرے شوہر نے دخول بھی کر لیا ہے، اب پہلا شوہر آیا تو عورت اور دوسرے شوہر میں تفریق کر دی جائے گی اور عورت عدت گزارے گی، مگر اس عدت کا نفقہ نہ پہلے شوہر پر ہے نہ دوسرے پر۔ (الفتاویٰ الخانیہ، کتاب النکاح، باب النفقۃ، ج ۱ ص ۱۹۶)

مسئلہ ۲۳: اپنی مدخولہ عورت کو تین طلاقیں دے دیں، عورت نے عدت میں دوسرے سے نکاح کر لیا اور دخول بھی ہوا تو تفریق کر دی جائے اور پہلے شوہر پر نفقہ ہے، اور منکوحہ نے دوسرے سے نکاح کیا اور دخول کے بعد معلوم ہوا اور تفریق کرائی گئی، پھر شوہر کو معلوم ہوا اس نے تین طلاقیں دے دیں تو عورت پر دونوں کی عدت واجب ہے اور نفقہ کسی پر نہیں۔

(الفتاویٰ الخانیہ، کتاب النکاح، باب النفقۃ، ج ۱ ص ۱۹۶)

مسئلہ ۲۴: عدت اگر مہینوں سے ہو تو کسی مقدارِ معین پر صلح ہو سکتی ہے اور حیض یا وضعِ حمل سے ہو تو نہیں کہ یہ معلوم نہیں کہ کتنے دنوں میں عدت پوری ہوگی۔ (الدرالمختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۳۴۲)

مسئلہ ۲۵: وفات کی عدت میں نفقہ واجب نہیں، خواہ عورت کو حمل ہو یا نہیں۔ یوہیں جو فرقت عورت کی جانب سے معصیت کے ساتھ ہو اس میں بھی نہیں مثلاً عورت مرتدہ ہوگئی یا شہوت کے ساتھ شوہر کے بیٹے یا باپ کا بوسہ لیا یا شہوت کے ساتھ چھوا، ہاں اگر مجبور کی گئی تو ساقط نہ ہوگا۔ یوہیں اگر عدت میں مرتدہ ہوگئی تو نفقہ ساقط ہو گیا پھر اگر اسلام لائی تو نفقہ عود کر آئے گا۔ اور اگر عدت میں شوہر کے بیٹے یا باپ کا بوسہ لیا تو نفقہ ساقط نہ ہوا اور جو فرقت زوجہ کی جانب سے سبب مباح سے ہو اس میں نفقۂ عدت ساقط نہیں، مثلاً خیارِ عتق، خیارِ بلوغ عورت کو حاصل ہوا، اس نے اپنے نفس کو اختیار کیا بشرطیکہ دخول کے بعد ہو ورنہ عدت ہی نہیں اور خلع میں نفقہ ہے، ہاں اگر خلع اس شرط پر ہوا کہ عورت نفقہ و سکنیٰ (یعنی رہنے کا مکان) معاف کرے تو نفقہ اب نہیں پائے گی مگر سکنیٰ سے

شوہر اب بھی بری نہیں کہ عورت اس کو معاف کرنے کا اختیار نہیں رکھتی۔ (الجوہرۃ النیرۃ، کتاب النفقات، الجزء الثانی ص ۱۱۰، ۱۱۱)

مسئلہ ۲۶: عورت سے ایلاء یا ظہار یا لعان کیا یا شوہر مرتد ہو گیا یا شوہر نے عورت کی ماں سے جماع کیا یا عنین کی عورت نے فرقت اختیار کی تو ان سب صورتوں میں نفقہ پائے گی۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر، الفصل الثالث فی نفقۃ المعتدۃ، ج ۱ ص ۵۵۷)

مسئلہ ۲۷: عورت نے کسی کے بچہ کو دودھ پلانے کی نوکری کی مگر دودھ پلانے جاتی نہیں بلکہ بچہ کو یہاں لاتے ہیں تو نفقہ ساقط نہیں، البتہ شوہر کو اختیار ہے کہ اس سے روک دے بلکہ اگر اپنے بچہ کو جو دوسرے شوہر سے ہے دودھ پلائے تو شوہر کو منع کر دینے کا اختیار حاصل بلکہ ہر ایسے کام سے منع کر سکتا ہے جس سے اسے ایذا ہوتی ہے یہاں تک کہ سلائی وغیرہ ایسے کاموں سے بھی منع کر سکتا ہے بلکہ اگر شوہر کو مہندی کی بو ناپسند ہے تو مہندی لگانے سے بھی منع کر سکتا ہے اور اگر دودھ پلانے وہاں جاتی ہے خواہ دن میں وہاں رہتی ہے یا رات میں تو نفقہ ساقط ہے۔ یوہیں اگر عورت مُردہ نہلانے یا دائی کا کام کرتی ہے اور اپنے کام کے لیے باہر جاتی ہے مگر رات میں شوہر کے یہاں رہتی ہے اگر شوہر نے منع کیا اور بغیر اجازت گئی تو نفقہ ساقط ہے۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ ج ۵ ص ۲۹۰)

مسئلہ ۲۸: اگر مرد و عورت دونوں مالدار ہوں تو نفقہ مالداروں کا سا ہوگا اور دونوں محتاج ہوں تو محتاجوں کا سا اور ایک مالدار ہے، دوسرا محتاج ہے تو متوسط درجہ کا یعنی محتاج جیسا کھاتے ہوں اس سے عمدہ اور اغنیاء جیسا کھاتے ہوں اس سے کم اور شوہر مالدار ہو اور عورت محتاج تو بہتر یہ ہے کہ جیسا آپ کھاتا ہو عورت کو بھی کھلائے، مگر یہ واجب نہیں متوسط ہے۔

(الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۲۸۶ وغیرہ)

مسئلہ ۲۹: نفقہ کا تعین روپوں سے نہیں کیا جا سکتا کہ ہمیشہ اتنے ہی روپے دیے جائیں اس لیے کہ نرخ بدلتا رہتا ہے ارزانی و گرانی (بھاؤ کا اتار چڑھاؤ، یعنی سستائی اور مہنگائی) دونوں کے مصارف یکساں نہیں ہوتے بلکہ گرانی میں اس کے لحاظ سے تعداد بڑھائی جائے گی اور ارزانی میں کمی کی جائے گی۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات، الفصل الاول، ج ۱ ص ۵۴۷)

مسئلہ ۳۰: عورت آٹا پیسنے روٹی پکانے سے انکار کرتی ہے، اگر وہ ایسے گھرانے کی ہے کہ ان کے یہاں کی عورتیں اپنے آپ یہ کام نہیں کرتیں یا وہ بیمار یا کمزور ہے کہ کر نہیں سکتی تو پکا ہوا کھانا دینا ہوگا یا کوئی ایسا آدمی دے جو کھانا پکاوے، پکانے پر مجبور نہیں کی جا سکتی اور اگر نہ ایسے گھرانے کی ہے نہ کوئی سبب ایسا ہے کہ کھانا نہ پکا سکے تو شوہر پر یہ واجب نہیں کہ پکا ہوا اسے دے اور اگر عورت خود پکاتی ہے مگر پکانے کی اجرت مانگتی ہے تو اجرت نہیں دی جائے گی۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات، الفصل الاول ج ۱ ص ۵۴۸، الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ ج ۵ ص ۲۹۳)

مسئلہ ۳۱: کھانا پکانے کے تمام برتن اور سامان شوہر پر واجب ہے، مثلاً چکی، ہانڈی، توا، چمٹا، رکابی، پیالہ، چمچہ وغیرہا جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے حسب حیثیت اعلیٰ، ادنیٰ، متوسط۔ یوہیں حسب حیثیت اثاث البیت دینا واجب، مثلاً چٹائی، دری، قالین، چارپائی، لحاف، توشک (پلنگ کا بچھونا، گدا)، تکیہ، چادر وغیرہا۔ یوہیں کنگھا، تیل، سر دھونے کے لیے کھلی (تل یا سرسوں کا پھوک جو سر دھونے سے پہلے سر پر لگاتے ہیں) وغیرہ اور صابن یا بیسن (چنے کا آٹا، یہ پہلے ہاتھ دھونے کے لیے استعمال ہوتا تھا)، میل دور کرنے کے لیے اور سرمہ، مسی (ایک سیاہ قسم کا منجن یا پاؤڈر جسے دانتوں پر ملتے ہیں)، مہندی دینا شوہر پر واجب نہیں، اگر لائے

توعورت کواستعمال ضروری ہے۔عطروغیرہ خوشبوکی اتنی ضرورت ہے جس سے بغل اور پسینہ کی بُوکودفع کرسکے۔
(الجوہرۃالنیرہ،کتاب النفقات،الجزء الثانی،ص۱۰۸،وغیرہا)

مسئلہ ۳۲: غسل ووضوکا پانی شوہر کے ذمہ ہے عورت غنی ہو یا فقیر۔
(الفتاوی الہندیہ،کتاب الطلاق،الباب السابع عشر فی النفقات،الفصل الاول،ج۱ص۵۴۹)

مسئلہ ۳۳: عورت اگر چائے یا حقہ پیتی ہے توان کے مصارف شوہر پرواجب نہیں اگر چہ نہ پینے سے اس کوضرر پہنچے گا۔یوہیں پان، چھالیا،تمباکوشوہر پرواجب نہیں۔(ردالمحتار،کتاب الطلاق،باب النفقۃ،مطلب:لاتجب علی الاب۔۔۔الخ ج۵ص۲۹۴)

مسئلہ ۳۴: عورت بیمار ہوتواس کی دوا کی قیمت اور طبیب کی فیس شوہر پرواجب نہیں،فصد یا پچھنے کی ضرورت ہوتو یہ بھی شوہر پر نہیں۔(الجوہرۃالنیرہ،کتاب النفقات،الجزء الثانی ص۱۰۹)

مسئلہ ۳۵: بچہ پیدا ہوتو جنائی کی اجرت شوہر پر ہے اگر شوہر نے بلایا،اور عورت پر ہے اگر عورت نے بلوایا اور اگر وہ خود بغیران دونوں میں کسی کے بلائے آجائے تو ظاہر یہ ہے کہ شوہر پر ہے۔
(البحرالرائق،کتاب الطلاق،باب النفقۃ،ج۴ص۲۹۹،ردالمحتار،کتاب الطلاق،باب النفقۃ،مطلب:لاتجب علی الاب۔۔۔الخ،ج۵ص۲۹۴)

مسئلہ ۳۶: سال میں دو(۲) جوڑے کپڑے دیناواجب ہے ہرششماہی پرایک جوڑا،جب ایک جوڑا کپڑا دیدیا توجب تک مدت پوری نہ ہو دیناواجب نہیں اور اگر مدت کے اندر پھاڑڈالا اور عادۃً جس طرح پہنا جاتا ہے اس طرح پہنتی تونہیں پھٹتا تو دوسرے کپڑے اس ششماہی میں واجب نہیں ورنہ واجب ہیں،اور اگر مدت پوری ہوگئی اور وہ جوڑا باقی ہے تو اگر پہنا ہی نہیں یا کبھی اس کو پہنتی تھی اور کبھی اس کپڑے کواس وجہ سے باقی ہے تواب دوسرا جوڑادیناواجب ہے اور اگر یہ وجہ نہیں بلکہ کپڑا مضبوط تھا اس وجہ سے نہیں پھٹا تو دوسرا جوڑا واجب نہیں۔(الجوہرۃالنیرہ،کتاب النفقات،الجزء الثانی ص۱۰۹)

مسئلہ ۳۷: جاڑوں میں(سردیوں میں) جاڑے کے مناسب اور گرمیوں میں گرمی کے مناسب کپڑے دے مگر بہر حال اس کالحاظ ضروری ہے کہ اگر دونوں مالدار ہوں تو مالداروں کے سے کپڑے ہوں اور محتاج ہوں توغریبوں کے سے اور ایک مالدار ہو اور ایک محتاج تو متوسط جیسے کھانے میں تینوں باتوں کالحاظ ہے۔اورلباس میں اس شہر کے رواج کا اعتبار ہے جاڑے گرمی میں جیسے کپڑوں کا وہاں چلن(رواج) ہے وہ دے،چمڑے کے موزے عورت کے لیےشوہر پرواجب نہیں مگرعورت کی باندی(لونڈی) کے موزے شوہر پرواجب ہیں،اورسوتی،اونی موزے جوجاڑوں میں سردی کی وجہ سے پہنے جاتے ہیں یہ دینے ہوں گے۔
(الدرالمختار وردالمحتار،کتاب الطلاق،باب النفقۃ،مطلب:لاتجب علی الاب۔۔۔الخ ج۵ص۲۹۴)

مسئلہ ۳۸: عورت جب رخصت ہوکرآئی تواسی وقت سے شوہر کے ذمے اس کالباس ہے اس کاانتظار نہ کرے گا کہ چھ مہینے گزرلیں توکپڑے بنائے،اگر چہ عورت کے پاس کتنے ہی جوڑے ہوں نہ عورت پر یہ واجب کہ میکے سے جو کپڑے لائی ہے وہ پہنے بلکہ اب سب شوہر کے ذمہ ہے۔(ردالمحتار،کتاب الطلاق،باب النفقۃ،مطلب:لاتجب علی الاب۔۔۔۔ج۵ص۲۹۴)

مسئلہ ۳۹: شوہرکوخودہی چاہیے کہ عورت کے مصارف اپنے ذمہ لے یعنی جس چیز کی ضرورت ہولاکر یا منگاکردے،اور اگرلانے میں ڈھیل ڈالتا ہے(یعنی تاخیر کرتا ہے) تو قاضی کوئی مقداروقت اورحال کے لحاظ سے مقرر کردے کہ شوہر وہ رقم دے دیا کرے۔

اورعورت اپنے طور پر خرچ کرے، اور اگر اپنے اوپر تکلیف اٹھا کر عورت اس میں سے کچھ بچا لے تو وہ عورت کا ہے واپس نہ کرے گی نہ آئندہ کے نفقہ میں مُجرا دیگی (یعنی بچائی ہوئی رقم آئندہ کے نفقہ میں شامل نہ ہوگی) اور اگر شوہر بقدرِ کفایت عورت کو نہیں دیتا تو بغیر اجازتِ شوہر عورت اس کے مال سے لے کر صرف کر سکتی ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، مطلب: لاتجب علی الاب ۔۔۔ الخ، ج ۵ ص ۲۹۵، البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۴ ص ۲۹۴)

مسئلہ ۴۰: نفقہ کی مقدار معین کی جائے تو اس میں جو طریقہ آسان ہو وہ برتا جائے مثلاً مزدوری کرنے والے کے لیے یہ حکم دیا جائے گا کہ وہ عورت کو روزانہ شام کو اتنا دے دیا کرے کہ دوسرے دن کے لیے کافی ہو کہ مزدور ایک مہینے کے تمام مصارف ایک ساتھ نہیں دے سکتا اور تاجر اور نوکری پیشہ جو ماہوار تنخواہ پاتے ہیں، مہینے کا نفقہ ایک ساتھ دے دیا کریں اور ہفتہ میں تنخواہ ملتی ہے تو ہفتہ وار اور کھیتی کرنے والے ہر سال یا ربیع وخریف دو فصلوں میں دیا کریں۔ (الدرالمختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۲۹۶)

مسئلہ ۴۱: اگر شوہر باہر چلا جاتا ہو اور عورت کو خرچ کی ضرورت پڑتی ہو تو اسے یہ حق ہے کہ شوہر سے کہے کہ کسی کو ضامن بنا دو کہ مہینے پر اس سے خرچ لے لوں، پھر اگر عورت کو معلوم ہے کہ شوہر ایک مہینے تک باہر رہے گا تو ایک مہینے کے لیے ضامن طلب کرے اور یہ معلوم ہے کہ زیادہ دنوں سفر میں رہے گا مثلاً حج کو جاتا ہے تو جتنے دنوں کے لیے جاتا ہے، اتنے دنوں کے لیے ضامن مانگے اور اس شخص نے اگر یہ کہہ دیا کہ میں ہر مہینے میں دے دیا کروں گا تو ہمیشہ کے لیے ضامن ہو گیا۔

(الدرالمختار وردالمحتار، کتاب الطلاق، مطلب: فی اخذ المرأۃ ۔۔۔ الخ، ج ۵ ص ۲۹۷)

مسئلہ ۴۲: شوہر عورت کو جتنے روپے کھانے کے لیے دیتا ہے اپنے اوپر تکلیف اٹھا کر ان میں سے کچھ بچا لیتی ہے اور خوف ہے کہ لاغر ہو جائے گی تو شوہر کو حق ہے کہ اسے تنگی کرنے سے روک دے، نہ مانے تو قاضی کے یہاں اس کا دعویٰ کر کے رکوا سکتا ہے کہ اس کی وجہ سے جمال میں فرق آئے گا اور یہ شوہر کا حق ہے۔ (الدرالمختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۳۰۰)

مسئلہ ۴۳: اگر باہم رضامندی سے کوئی مقدار معین ہوئی یا قاضی نے معین کر دی اور چند ماہ تک وہ رقم نہ دی تو عورت وصول کر سکتی ہے اور معاف کرنا چاہے تو کر سکتی ہے بلکہ جو مہینہ آ گیا ہے اس کا بھی نفقہ معاف کر سکتی ہے جب کہ ماہ بماہ نفقہ دینا ٹھہرا ہو اور سالانہ مقرر ہوا تو اس سنہ (سال) اور سال گزشتہ کا معاف کر سکتی ہے، پہلی صورت میں بعد والے مہینے کا دوسری میں اس سال کا جو ابھی نہیں آیا معاف نہیں کر سکتی اور اگر نہ باہم کوئی مقدار معین ہوئی نہ قاضی نے معین کی تو زمانہ گزشتہ کا نفقہ نہ طلب کر سکتی ہے، نہ معاف کر سکتی ہے کہ وہ شوہر کے ذمہ واجب ہی نہیں، ہاں اگر اس شرط پر خلع ہوا کہ عورت عدت کا نفقہ معاف کر دے تو یہ معاف ہو جائے گا۔ (الدرالمختار وردالمحتار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، مطلب فی الابراء عن النفقۃ، ج ۵ ص ۳۰۳)

مسئلہ ۴۴: عورت کو مثلاً مہینہ بھر کا نفقہ دے دیا اس نے فضول خرچی سے مہینہ پورا ہونے سے پہلے خرچ کر ڈالا یا چوری جاتا رہا یا کسی اور وجہ سے ہلاک ہو گیا تو اس مہینے کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں۔ (الدرالمختار وردالمحتار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۳۰۶)

مسئلہ ۴۵: عورت کے لیے اگر کوئی خادم مملوک ہو یعنی لونڈی یا غلام تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر ہے، بشرطیکہ شوہر تنگدست نہ ہو اور عورت آزاد ہو اور اگر عورت کو چند خادموں کی ضرورت ہو کہ عورت صاحب اولاد ہے ایک سے کام نہیں چلتا تو دو تین جتنے کی ضرورت ہے ان کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہے۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات، الفصل الاول ج ۱ ص ۵۴۷،

الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۳۰۷۔۳۰۹)

مسئلہ ۴۶: شوہر اگر ناداری کے سبب نفقہ دینے سے عاجز ہے تو اس کی وجہ سے تفریق نہ کی جائے، یوہیں اگر مالدار ہے مگر مال یہاں موجود نہیں جب بھی تفریق نہ کریں بلکہ اگر نفقہ مقرر ہو چکا ہے تو قاضی حکم دے کہ قرض لے کر یا کچھ کام کر کے صرف کرے اور وہ سب شوہر کے ذمہ ہے کہ اسے دینا ہوگا۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۳۰۷۔۳۰۹)

مسئلہ ۴۷: عورت نے قاضی کے پاس آ کر بیان کیا کہ میرا شوہر کہیں گیا ہے اور مجھے نفقہ کے لیے کچھ دے کر نہ گیا تو اگر کچھ روپے یا غلہ چھوڑ گیا ہے اور قاضی کو معلوم ہے کہ یہ اس کی عورت ہے تو قاضی حکم دے گا کہ اس میں سے خرچ کرے مگر فضول خرچ نہ کرے مگر یہ قسم لے لے کہ اس سے نفقہ نہیں پایا ہے اور کوئی ایسی بات بھی نہیں ہوئی ہے جس سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے اور عورت سے کوئی ضامن بھی لے۔ (الفتاوی الخانیہ، کتاب النکاح، باب النفقۃ، ج ۱ ص ۱۹۸)

مسئلہ ۴۸: شوہر کہیں چلا گیا ہے اور نفقہ نہیں دے گیا مگر گھر میں اسباب وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو نفقہ کی جنس سے نہیں تو عورت ان چیزوں کو بیچ کر کھانے وغیرہ میں نہیں صرف کر سکتی۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات، الفصل الاول، ج ۱ ص ۵۵۰)

مسئلہ ۴۹: جس مقدار پر رضامندی ہوئی یا قاضی نے مقرر کی، عورت کہتی ہے کہ یہ ناکافی ہے تو مقدار بڑھادی جائے یا شوہر کہتا ہے کہ یہ زیادہ ہے اس سے کم میں کام چل جائے گا کیونکہ اب ارزانی ہے یا مقرر ہی زیادہ مقدار ہوئی اور قاضی کو بھی معلوم ہو گیا کہ یہ رقم زائد ہے تو کم کر دی جائے۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۳۱۴)

مسئلہ ۵۰: چند مہینے کا نفقہ باقی تھا اور دونوں میں سے کوئی مر گیا تو نفقہ ساقط ہو گیا: ہاں اگر قاضی نے عورت کو حکم دیا تھا کہ قرض لے کر صرف کرے پھر کوئی مر گیا تو ساقط نہ ہوگا۔ طلاق سے بھی پیشتر کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے، مگر جب کہ اسی لیے طلاق دی ہو کہ نفقہ ساقط ہو جائے تو ساقط نہ ہوگا۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۳۱۷)

(بہار شریعت ج دوم، حصہ ہشتم ص ۲۶۰-۲۶۸، مکتبۃ المدینہ (دعوت اسلامی) ۱۴۳۰ھ)

تنبیہ: باقی شارحین نے بھی اس باب اور حدیث کی کوئی قابلِ ذکر شرح نہیں کی ہے، اس لیے ہم کتاب النفقات کے بعد اب ''کتاب الاطعمہ'' کو شروع کر رہے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

٧٠۔ کِتَابُ الْأَطْعِمَةِ

کھانے پینے کی چیزوں کا بیان

۱۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی: كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ (البقرہ:۱۷۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان پاک چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں۔

وَقَوْلِهٖ: اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ (البقرہ:۲۶۷)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: (اللہ کی راہ میں) اپنی کمائی سے پاک چیزوں کو خرچ کرو۔

وَقَوْلِهٖ: كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ (المومنون:۵۱)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: پاک چیزوں سے کھاؤ اور نیک عمل کرتے رہو، بے شک تم جو بھی کام کرتے ہو میں اس کو خوب جاننے والا ہوں O

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ کتاب اطعمہ کی انواع اور احکام کے بیان میں ہے اور اطعمہ کا لفظ طعام کی جمع ہے، علامہ جوہری نے کہا ہے: طعام اس کو کہتے ہیں جسے کھایا جائے اور بعض اوقات طعام گندم کے ساتھ خاص کیا جاتا ہے، اور الطعم (طاء پر زبر) اس چیز کو کہتے ہیں جس کو چکھ کر کسی چیز کی مٹھاس یا کڑواہٹ کا پتا چلے، اور الطُعم (طاء پر پیش) اس کا معنی ہے: کھانا، کہا جاتا ہے: ''طعم یطعم طعما فھو طاعم''، جب کوئی مرد کسی چیز کو کھائے یا چکھے جیسے کہا جاتا ہے: ''غنم یغنم غنما فھو غانم'' یعنی کسی شخص نے مال غنیمت حاصل کیا اور وہ مال غنیمت حاصل کرنے والا ہے۔

اس باب میں امام بخاری نے البقرہ کی دو آیتیں اور المومنون کی ایک آیت درج کی ہے، ان کی تفسیر حسب ذیل ہے:

البقرہ: ۲۶۷، کی تفسیر از علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری الحنفی المتوفی ۱۹۹۸ء اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

طیبات سے وہ چیزیں مراد ہیں جو عمدہ بھی ہوں، حلال بھی ہوں اور حلال طریقہ سے کمائی بھی گئی ہوں، کیونکہ اس طرح خرچ کرنے کے تین مقاصد ہیں، غریب کا فائدہ، اپنے نفس کی اصلاح اور اللہ تعالیٰ کی رضا۔ اور یہ مقاصد تب ہی حاصل ہو سکتے ہیں جب کہ عمدہ اور پاکیزہ چیز خرچ کی جائے۔ اگر ردی چیز خرچ کی تو نہ غریب کو کچھ فائدہ پہنچا، نہ بخل کی آلودگی سے نفس کی صفائی ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ وہ ذات جو اپنے بہتر سے بہتر انعامات کی تم پر بارش فرما رہی ہے، جب اس

کے نام پر دینے کا وقت آیا تو سب سے ناکارہ چیز تم نے اس کی راہ میں دے دی تو وہ کیونکر تم سے راضی ہوگا، کیونکہ جب ردی چیز تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ردی چیزوں کو کب پسند فرمائے گا۔ (ضیاء القرآن، جلد اول، ص ۱۸۸، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

المومنون: ۵۱ کی تفسیر از علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری الحنفی المتوفی ۱۹۹۸ء اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ایک روز نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اللہ پاک ہے اور پاک چیز کو ہی پسند فرماتا ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اسی بات کا حکم دیا ہے جس کا حکم اس نے اپنے رسولوں کو دیا تھا، اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ۔ اے ایمان والو! پاکیزہ طیب چیزیں کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا فرمائی ہیں۔ (البقرہ: ۱۷۲)

پھر ارشاد فرمایا: ایک آدمی دور دراز کا سفر کرتا ہے، اس کے بال پراگندہ اور غبار آلود ہیں، وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا ہے، یارب! یارب! کہتا ہے، حالانکہ اس نے جو کھایا ہے وہ بھی حرام ہے اور جو اس نے پیا ہے وہ بھی حرام، جو اس نے پہنا ہوا ہے وہ بھی حرام، اور اس کی خوراک بھی حرام مال سے ہے، (تو ایسے حرام خور آدمی کی دعا کیسے قبول ہوگی؟) (رواہ البخاری عن ابی ھریرہ)، اس ارشاد گرامی سے معلوم ہوا کہ قبولیتِ دعا کے لیے رزقِ حلال ایک بنیادی شرط ہے، کاملینِ امت نے فرمایا ہے کہ اکلِ حلال (حلال روزی) اور صدق مقال (سچی بات) کا نام ہی ولایت ہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن جلد سوم، ص ۲۵۸، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

البقرہ: ۱۷۲ کی تفسیر از مصنف

حرام مال کھانے کا وبال

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاک چیز کے سوا کسی اور چیز کو قبول نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو حکم دیا تھا، سو فرمایا: اے رسولو! پاک چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو، میں تمہارے کاموں سے باخبر ہوں، اور فرمایا: اے مسلمانو! ہماری دی ہوئی چیزوں سے پاک چیزیں کھاؤ، پھر آپ نے ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے، اس کے بال غبار آلود ہیں، وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے: یارب! یارب! اس کا کھانا پینا حرام ہو، اس کا لباس حرام ہو، اس کی غذا حرام ہو تو اس کی دعا کیسے قبول ہوگی!

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۲۶، مطبوعہ: نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام دارمی نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۲۱۰-۲۱۱، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان)

البقرہ: ۲۶۷ کی تفسیر از مصنف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۔ (البقرہ:۲۶۷)

اے ایمان والو! (اللہ کی راہ میں) اپنی کمائی سے پاک چیزوں کو خرچ کرو، اوران چیزوں میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں۔

عشر کا بیان

اس آیت میں صدقات فرضیہ زکوٰۃ اور عشر ادا کرنے کا حکم دیا ہے، امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبیدہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا: اوران چیزوں میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں، تو حضرت علی نے فرمایا: یعنی دانے (غلہ)، پھل اور ہر وہ چیز جس پر زکوٰۃ ہے۔

(جامع البیان، ج ۳ ص ۵۵۔ ۵۴ مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

چونکہ اس آیت میں اصالۃً زمین کی پیداوار سے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے، اس لیے ہم زرعی پیداوار پر عشر میں مذاہب فقہاء بیان کر رہے ہیں:

عشر کے نصاب میں فقہاء کے نظریات

غلہ اور پھلوں کی زکوٰۃ (عشر) کے نصاب میں ائمہ کا اختلاف ہے۔امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل حدیث مذکور کی روشنی میں غلہ اور پھلوں کے لیے پانچ وسق (بتیس من) کو نصاب قرار دیتے ہیں، جس شخص کے کھیتوں اور باغات سے پانچ وسق یا اس سے زائد پیداوار حاصل ہو جائے اس پر عشر واجب ہوگا اور جس شخص کی پیداوار پانچ وسق سے کم ہو اس پر عشر واجب نہیں ہوگا۔ اس کے برخلاف امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زمین کی پیداوار کے لیے کوئی نصاب مقرر نہیں ہے، غلہ، پھل اور سبزیوں کی زمین سے جس قدر پیداوار ہو اس پر عشر یا نصف عشر دینا واجب ہوگا۔

عشر کے نصاب میں ائمہ ثلاثہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

امام مالک، امام ثوری، امام اوزاعی، امام ابن ابی لیلیٰ، امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد اور تمام اہل علم کا قول یہ ہے کہ پھلوں اور غلہ میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب ان کی مقدار پانچ وسق کو پہنچ جائے، البتہ امام ابوحنیفہ اور مجاہد کہتے ہیں کہ قلیل اور کثیر سب میں زکوٰۃ واجب ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالعموم فرمایا ہے: جس زمین کو بارش سیراب کرے اس میں عشر ہے اور چونکہ زمین کی پیداوار میں سال گزرنے کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے، اس لیے اس کا کوئی نصاب مقرر نہیں ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے، یہ حدیث خاص ہے اور امام ابوحنیفہ کی پیش کردہ حدیث عام ہے، جس کی اس حدیث سے تخصیص کرنا واجب ہے۔ (المغنی ج ۲ ص ۲۹۶ مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

عشر کے نصاب میں امام ابوحنیفہ کا نظریہ

امام ابوحنیفہ کا نظریہ یہ ہے کہ زرعی پیداوار کا کوئی نصاب نہیں ہے اور زمین سے جس قدر بھی پیداوار حاصل ہو اس پر عشر یا

نصف عشر واجب ہے، امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ۔ (الانعام:۱۴۱) درخت کا پھل جب پھل دے تو اس سے کھاؤ اور اس کی کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو۔

اس آیت سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پھلوں سے زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے پھلوں کا کوئی نصاب نہیں بیان کیا، اس سے معلوم ہوا کہ درخت کے پھلوں پر مطلقاً عشر واجب ہے، خواہ ان کی مقدار کثیر ہو یا قلیل ہو، نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪۔ (البقرہ:۲۶۷) اے ایمان والو! اپنی کمائی سے پاک چیزوں کو خرچ کرو، اور جو کچھ زمین سے ہم نے تمہارے لیے نکالا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں خرچ کرو)۔

امام ابوحنیفہ کا استدلال یوں ہے کہ اس آیت میں ''ما'' عام ہے جس کا تقاضا ہے: زمین سے ہم نے جو بھی تمہارے لیے نکالا ہے اس میں سے خرچ کرو، اور پانچ وسق والی حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد سے قرآن مجید کے عام کو خاص نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ خبر واحد ظنی ہے اور قرآن مجید کا عموم قطعی ہے اور ظنی دلیل سے قطعی کی تخصیص کرنا صحیح نہیں ہے۔

خبر واحد سے قرآن مجید کے عام کو خاص نہ کرنا، امام ابوحنیفہ کا مشہور قاعدہ ہے اور یہ انتہائی دقت نظری اور باریک بینی پر مبنی ہے، اس قاعدہ میں فرق مراتب ملحوظ رکھا گیا ہے اور قرآن مجید سے ثابت شدہ چیز کو حدیث شریف سے ثابت شدہ چیز پر ترجیح اور فوقیت دی گئی ہے۔ فقہ حنفی کے متعدد احکام اس قاعدہ پر موقوف ہیں اور یہ صرف فقہ حنفی کی خصوصیت ہے جب کہ دیگر ائمہ ثلاثہ اس اصول کو پیش نظر نہیں رکھتے اور قرآن مجید کے عموم قطعی کی احادیث غیر متواترہ سے تخصیص کر کے قرآن مجید کو حدیث کے تابع کر دیتے ہیں، اسی وجہ سے وہ آیت کریمہ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ کی پانچ وسق والی حدیث سے تخصیص کر دیتے ہیں۔

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں:

ہم آیت کریمہ کے عموم کے مقابلہ میں پانچ وسق والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور قرآن کریم کے عموم کی خبر واحد سے تخصیص کرنے میں اختلاف ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۳ ص ۱۱۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت،)

قرآن مجید کے علاوہ احادیث صحیحہ میں بھی زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم عام ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو زمین بارش یا چشموں سے سیراب ہو یا دریائی پانی سے سیراب ہو اس پر عشر (۱/۱۰) ہے اور جس زمین کو کنویں کے پانی سے اونٹوں کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس پر نصف عشر ہے (یعنی ۱/۲۰)۔ (صحیح البخاری: ج ۱ ص ۲۰۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ل ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قلیل اور کثیر کا فرق کیے بغیر مطلقاً زمین سے حاصل شدہ پیداوار پر عشر یا نصف عشر کا حکم عائد فرمایا اور یہ حدیث عموم قرآن کے مطابق ہے، نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس زمین کو دریا یا بارش سیراب کرے اس پر عشر (۱/۱۰) ہے اور جس زمین کو کنوئیں کے پانی سے اونٹوں کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس پر نصف عشر (۱/۲۰، بیسواں حصہ)

ہے۔(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۱۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، الطبعۃ الثانیہ، ۱۳۷۵ھ)

امام ابوداؤد نے بھی اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ابن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کی ان دونوں روایات کو ذکر فرمایا ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۲۵، مطبوعہ مطبع مجتبائی، پاکستان لاہور، الطبعۃ الثانیہ، ۱۴۰۵ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس زمین کو بارش یا چشمے سیراب کریں اس میں عشر ہے اور جس کو اونٹوں کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

(سنن ابن ماجہ ص ۱۳۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

اس حدیث کے بعد امام ابن ماجہ نے حضرت جابر کی حدیث کو بھی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

امام عبد الرزاق بن ہمام نے اپنی "مصنف" میں اس مضمون کی انیس احادیث روایت کی ہیں، ہم ان میں سے چند کا ذکر کر رہے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ معمر نے کہا: میں نے تمام (معتبر) لوگوں کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لکھا ہوا فرمان دیکھا کہ جس زمین کو رسیوں اور ڈولوں کے ذریعہ کنویں کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے (معمر کہتے ہیں کہ میرے علم میں اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے) اور جس زمین کو بارش یا دریائی پانی سے سیراب کیا جائے اس میں عشر ہے، معمر کہتے ہیں کہ میرے علم میں اس بات میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے۔(المصنف ج ۴ ص ۱۳۴، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۹۰ھ)

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی اپنی "سنن" میں روایت کیا ہے۔(سنن کبریٰ ج ۴ ص ۱۳۰، مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس زمین کو دریائی پانی، بارش اور چشمے سیراب کریں اس میں عشر ہے اور جس کو رسیوں کے ذریعہ کنویں کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

(المصنف ج ۴ ص ۱۳۴، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۹۰ھ)

عاصم بن ضمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس زمین کو بارش سیراب کرے اس میں عشر ہے اور جس زمین کو ڈول کے ذریعہ کنویں سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

(المصنف ج ۴ ص ۱۳۳، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۰ھ)

مجاہد بیان کرتے ہیں: زمین جس چیز کو بھی نکالے خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر، اس میں عشر یا نصف عشر ہے۔

(المصنف ج ۳ ص ۱۳۹، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۶ھ)

حماد کہتے ہیں: ہر وہ چیز جس کو زمین نکالے اس میں عشر ہے یا نصف عشر ہے۔

(المصنف ج ۳ ص ۱۳۹، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۶ھ)

ابراہیم کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کو زمین نکالے، اس میں زکوٰۃ ہے۔

(المصنف ج ۳ ص ۱۳۹، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۶ھ)

ائمہ ثلاثہ جو پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ کو واجب نہیں قرار دیتے، قرآن کریم کی عمومی آیت اور ان تمام احادیث اور آثار کے تارک ہیں اور عمومی دلائل کے پیش نظر ان کا نظریہ صحیح نہیں ہے۔
پانچ وسق والی احادیث کی احناف یہ توجیہ کرتے ہیں کہ یہ احادیث اموال تجارت پر محمول ہیں، کیونکہ اس وقت پانچ وسق (بارہ سو کلوگرام) دوسو درہم کے برابر ہوتے تھے، اس لیے فرمایا کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

عشری اور خراجی اراضی کی تعریفیں

جو زمین عشری ہو اس سے عشر (زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ) لیا جاتا ہے اور جو زمین خراجی ہو اس سے خراج لیا جاتا ہے، عشر کی ادائیگی عبادت ہے اور یہ صرف مسلمانوں سے وصول کیا جاتا ہے، اور خراج اصالۃً غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے اور اس کی مختلف پیداوار کے اعتبار سے ادائیگی کی مختلف شرح ہے، جس کی تفصیل ان شاء اللہ عنقریب آ رہی ہے، اگر مسلمان کسی خراجی زمین کو خرید لے تب بھی اس سے حسب سابق خراج ہی وصول کیا جائے گا، عشری اور خراجی زمین کے بیان میں علامہ المرغینانی لکھتے ہیں:
ہر وہ زمین جہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہو، یا جس زمین کو جنگ سے فتح کر کے مال غنیمت حاصل کرنے والوں (مجاہدین) میں تقسیم کر دیا ہو وہ زمین عشری ہے، اور ہر وہ زمین جس کو جنگ سے فتح کیا گیا ہو اور وہاں کے رہنے والوں کو اسی زمین پر برقرار رکھا گیا ہو وہ زمین خراجی ہے، اور اسی طرح اس زمین کا حکم ہے جہاں کے رہنے والوں سے صلح کر کے اس پر قبضہ کیا ہو، اور مکہ مکرمہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جنگ اور غلبہ سے فتح کیا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہیں رہنے دیا اور ان پر خراج مقرر نہیں کیا، اور "جامع صغیر" میں مذکور ہے کہ ہر وہ زمین جس کو جنگ سے فتح کیا گیا ہو اور اس میں دریاؤں کا پانی پہنچتا ہو تو وہ خراجی زمین ہے اور اگر اس تک دریاؤں کا پانی نہ پہنچتا ہو اور اس زمین سے چشمہ نکالا جائے تو وہ عشری زمین ہے، کیونکہ عشر کا تعلق اس زمین سے ہوتا ہے جس میں نشوونما ہو، اور نشوونما کا تعلق اس زمین کے پانی سے ہے اس لیے عشر کے پانی یا خراج کے پانی سے سیرابی کا اعتبار کیا جائے گا۔
جس شخص نے کسی غیر آباد زمین کو آباد کیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس زمین کے عشری یا خراجی ہونے میں اس کے قرب کا اعتبار کیا جائے گا، اگر وہ خراجی زمین کے قریب ہے تو خراجی ہے اور اگر عشری زمین کے قریب ہے تو عشری ہے، اور امام محمد نے کہا: اگر اس نے اس زمین میں کنواں کھود کر اس کے پانی کو سیراب کیا ہے یا اس زمین کے چشمہ سے اس کو سیراب کیا ہے یا ان بڑے بڑے دریاؤں سے پانی کو سیراب کیا ہے تو بھی وہ زمین عشری ہے اور اگر اس زمین کو عجمیوں کی کھودی ہوئی نہروں سے سیراب کیا ہے تو وہ زمین خراجی ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۵۹۰-۵۹۱، مطبوعہ: مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

خراج کی مقدار کا بیان

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کو فتح کرنے کے بعد ہر جریب (تیس گز زمین) پر ایک صاع (چار کلوگرام غلہ) اور ایک درہم مقرر کیا تھا بہ شرطیکہ اس زمین میں پانی پہنچتا ہو، اور جس زمین میں ککڑی، خربوزے اور بینگن وغیرہ سبزیوں کی کاشت ہو اس میں ہر جریب پر پانچ درہم مقرر کیے اور جس زمین میں انگور کی بیلیں لگی ہوں یا کھجور کے درخت ہوں اس میں ہر جریب پر دس درہم مقرر کیے، حضرت عمر نے صحابہ کی جماعت کے سامنے یہ شرح مقرر کی اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا، اس لیے اس پر اجماع ہو گیا، نیز اس

لیے کہ کاشتکاری میں کم وبیش مشقت ہوتی ہے، انگوروں کی بیل لگانے میں سب سے کم مشقت اور غلہ اگانے میں سب سے زیادہ مشقت ہے، اور سبزیوں کی کاشت میں درمیانی مشقت ہے، اور مشقت کے فرق کی وجہ سے وظیفہ خراج میں بھی تفریق کی گئی اور انگوروں کی بیل میں سب سے زیادہ یعنی دس درہم فی جریب وظیفہ مقرر کیا گیا اور غلہ کی کھیتی باڑی میں سب سے کم یعنی ایک صاع غلہ اور ایک درہم فی جریب مقرر کیا گیا اور سبزیوں کی کاشت میں درمیانی وظیفہ یعنی پانچ درہم فی جریب مقرر کیا گیا، ان کے علاوہ زراعت کی دیگر اجناس مثلاً زعفران اور باغات (جن کے گرد چار دیواری ہو) میں کاشتکاری کی مشقت کے اعتبار سے خراج مقرر کیا جائے گا اور یہ امام کے اجتہاد پر موقوف ہے، ہمارے مشائخ نے یہ کہا ہے کہ ان زمینوں سے پیداوار کے نصف سے زیادہ خراج نہ لیا جائے کیونکہ کاشتکار نصف پیداوار سے زیادہ ادا کرنے کا متحمل نہیں ہوگا، اگر کاشتکار امام کے مقرر کردہ خراج کو ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھے تو پھر امام کو اس کی مقدار میں کمی کر دینی چاہیے۔ (ہدایہ اولین ص ۵۹۲۔۵۹۱، مطبوعہ: شرکت علمیہ، ملتان)

ایک درہم ۳ء۶۰ گرام چاندی کے برابر ہے اور پانچ درہم ۱۵ء۳ گرام چاندی کے برابر ہیں اور دس درہم ۳۰ء۶ گرام چاندی کے برابر ہیں۔

اراضی پاکستان کے عشری ہونے کا بیان

جو زمینیں پاکستان کے زمینداروں کی ملکیت میں ہیں، ان پر قطعیت کے ساتھ عشری یا خراجی ہونے کا حکم لگانا بہت مشکل ہے، کیونکہ جب سلاطین اسلام نے ابتداءً ہندوستان کے اس حصہ کو فتح کیا تھا تو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان سلاطین نے کون سی صورت اختیار کی تھی، بعض صورتیں عشری زمین کی ہیں اور بعض خراجی زمین کی، اور جو زمینیں مسلمانوں کے زیر تصرف ہوں اور ان کے متعلق عشری یا خراجی ہونا یقینی اور متحقق نہ ہو ان کو عشری زمین پر محمول کیا جائے گا۔

علامہ شمس الدین سرخسی لکھتے ہیں:

ہر وہ شہر جس کے رہنے والے بہ خوشی مسلمان ہوئے اس کی زمین عشری ہے، کیونکہ مسلمانوں کے مسلمانوں پر وظیفہ (زمین کا محصول) مقرر کرنے کی ابتداء خراج سے نہیں کی جائے گی تاکہ مسلمان کو ذلت سے محفوظ رکھا جا سکے، لہٰذا ان پر عشر ہوگا۔

(المبسوط ج ۳ ص ۷، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۸ھ)

لہٰذا جب پاکستان بنا اور مسلمان مسلمانوں پر حاکم ہوئے تو یہاں کے کاشتکاروں سے زمین میں زراعت کرنے کے وظیفہ کی ابتداء بھی عشر سے کی جائے گی نہ کہ خراج سے، کیونکہ عشر اصالۃً مسلمانوں کا فریضہ ہے اور خراج اصالۃً کافروں پر ہے۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

زمینیں وظیفہ (محصول یا ٹیکس) کی ادائیگی سے خالی نہیں ہیں اور یہ وظیفہ یا عشر ہوگا یا خراج اور مسلمانوں کے زیر تصرف زمین میں عشر سے ابتداء کرنا اولیٰ ہے، کیونکہ عشر میں عبادت کا معنی ہے: خراج میں ذلت کا معنی ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۵۷، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۴۰۰ھ)

اسی طرح حکومت پاکستان نے جو زمینیں مسلمانوں کو الاٹ کر دیں یا ان کو بہ طور عطیہ دیں، یا کسی کارگزاری یا خدمت کے معاوضہ میں دیں، وہ بھی عشری ہیں، علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

جس زمین کو مال غنیمت حاصل کرنے والوں (مجاہدین) کے غیر میں ہماری حکومت تقسیم کرے وہ بھی عشری ہے، کیونکہ مسلمان پر ابتداءً خراج مقرر نہیں کیا جاتا۔ (ردالمحتار ج ۳ ص ۲۵۴، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

(تبیان القرآن ج اول ص ۹۵۸-۹۶۳، فرید بک اسٹال لاہور ۱۴۳۰ھ)

المومنون:۵۱ کی تفسیر از مصنف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًاؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌؕ (المومنون:۵۱) اے رسولو! پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرتے رہو، بے شک تم جو بھی کام کرتے ہو میں اس کو خوب جاننے والا ہوں O

تمام رسولوں سے بیک وقت خطاب کرنے کی توجیہ

اس آیت میں بہ ظاہر تمام رسولوں سے خطاب ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ تمام رسولوں کو الگ الگ قوموں کی طرف الگ الگ زمانوں میں مبعوث کیا گیا ہے، پھر تمام رسولوں کی طرف یہ خطاب کس طرح متوجہ ہوگا، اس اشکال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس آیت کا محمل یہ ہے کہ ہر رسول کے ساتھ اس کے زمانہ میں یہ خطاب کیا گیا اور اس کو یہ ندا اور وصیت کی گئی اور یہاں پر اس کو جمع کے صیغے سے اس لئے ذکر کیا گیا ہے تا کہ سننے والا یہ جان لے کہ یہ وہ حکم ہے جو تمام رسولوں کو دیا گیا اور سب کو اس حکم کی وصیت کی گئی ہے، اس لئے یہ حکم اس لائق ہے کہ اس پر مضبوطی کے ساتھ دائماً عمل کیا جائے۔

(۲) اس آیت میں الرسل سے مراد ہمارے رسول ہیں، کیونکہ تمام رسولوں کے ذکر کے بعد آپ کا ذکر کیا گیا اور آپ کو جمع کے صیغہ ''الرسل'' سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ ہر چند کہ آپ واحد رسول ہیں لیکن آپ تمام رسولوں کی صفات محمودہ کے جامع اور تمام رسولوں کے کمالات کو محیط ہیں۔

(۳) یہ حکم ہمارے رسول کو دیا گیا ہے اور تمام رسولوں کے ساتھ اس لئے تعبیر فرمایا کہ اگر تمام رسول اس وقت حاضر اور مجتمع ہوتے تو ان سے بھی یہی خطاب کیا جاتا تا کہ ہمارے رسول یہ جان لیں کہ اس حکم کا بوجھ صرف آپ پر نہیں ہے بلکہ یہ حکم تمام انبیاء علیہم السلام کو لازم رہا ہے۔

(۴) ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

اپنی حلال کمائی سے کھانے کی ترغیب اور ناپاک اور حرام چیزیں کھانے کی ترہیب (ممانعت)

اس آیت میں پاک چیزوں سے کھانے کا حکم دیا گیا ہے اور پاک چیزوں سے مراد حلال چیزیں ہیں اور سب سے زیادہ حلال چیز وہ ہے جس کو انسان نے اپنے کسب اور محنت سے حاصل کیا ہو، حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی بھیجا اس نے بکریاں چرائی ہیں، آپ کے اصحاب نے پوچھا: اور آپ نے؟ فرمایا: ہاں میں چند قیراط کے عوض مکہ والوں کی بکریاں چراتا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:

۲۲۶۲، دارارقم بیروت)

قیراط سے مراد درہم یا دینار کا ایک جز ہے، آپ ہر بکری کو چرانے کا ایک قیراط لیتے تھے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۱۹۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت مقدام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص نے بھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر طعام نہیں کھایا اور اللہ کے نبی داؤد اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۳۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۳۲۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص لکڑیاں کاٹ کر اس کا گٹھا اپنی پشت پر لاد کر لائے، وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے اور وہ اس کو دیں یا منع کر دیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۸۴، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۳۱۵، عالم الکتب، بیروت)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پاک اور حلال چیزوں کے کھانے کا حکم دیا ہے اور یہ حکم اس حکم کو متضمن ہے کہ ناپاک اور حرام چیزیں نہ کھائی جائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! بے شک اللہ طیب ہے اور وہ سوا طیب اور طاہر چیز کے کسی چیز کو قبول نہیں کرتا (طاہر کا معنی ہے: وہ چیز فی نفسہ حلال ہو اور طیب کا معنی ہے: وہ چیز حلال ذرائع سے حاصل کی گئی ہو مثلاً چوری کا دودھ فی نفسہ حلال ہے لیکن حلال ذریعہ سے حاصل نہیں ہوا اس لئے وہ طاہر ہے طیب نہیں ہے اور انسان دودھ خرید کر لائے اور اس میں کوئی ناپاک چیز گر جائے تو وہ دودھ طیب تو ہے لیکن طاہر نہیں ہے) اور بے شک اللہ نے مسلمانوں کو اسی چیز کا حکم دیا ہے جس چیز کا حکم اس نے اپنے رسولوں کو دیا ہے، اس نے فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾ (المومنون: ۵۱)

اے رسولو! پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرتے رہو، بے شک تم جو بھی کام کرتے ہو میں اس کو خوب جاننے والا ہوں O

اور فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ۔ (البقرہ: ۱۷۲)

اے ایمان والو! ان پاک چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں۔

پھر آپ نے اس شخص کا ذکر فرمایا جو دور دراز کا سفر طے کر کے آتا ہے، اس کے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہوتے ہیں، وہ آسمان کی طرف دونوں ہاتھ پھیلا کر دعا کرتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب! اس کا کھانا حرام ہوتا ہے اور اس کا پینا حرام ہوتا ہے اور اس کا لباس حرام ہوتا ہے اس کی غذا حرام ہوتی ہے تو اس کی دعا کہاں سے قبول ہو گی؟

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۸۹، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۸)

عبدالوہاب بن ابی حفص بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام شام کو روزے سے تھے، افطار کے وقت ان کے پینے کے لئے دودھ لایا گیا، انہوں نے پوچھا: تمہارے پاس یہ دودھ کہاں سے آیا؟ کہا: یہ ہماری بکریوں کا دودھ ہے، آپ نے پوچھا: اس کی قیمت

کہاں سے آئی، انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! آپ یہ سوال کیوں کر رہے ہیں، فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہم رسولوں کی جماعت کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم پاک چیزوں سے کھائیں اور نیک عمل کریں۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۶۹، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۰ھ)

ام عبداللہ بن شداد بن اوس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزہ سے تھے، میں نے آپ کے افطار کے لئے ایک پیالہ میں دودھ بھیجا، اس وقت ابتدائی دن کا وقت تھا اور شدید گرمی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ پیالہ واپس کر دیا اور پوچھا: جس بکری کا یہ دودھ ہے، وہ بکری کہاں سے آئی ہے؟ میں نے کہا: میں نے اپنے مال سے خریدی تھی، تب آپ نے اس دودھ کو پیا، دوسرے دن صبح کو ام عبداللہ بنت شداد آپ کے پاس آئیں اور کہا: یا رسول اللہ! میں نے آپ کے پاس بہت اچھا دودھ بھیجا تھا، وہ دن بہت طویل اور سخت گرم تھا، پھر آپ نے وہ دودھ میری طرف واپس بھیج دیا تھا، آپ نے فرمایا: رسولوں کی اسی بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ سوا طیب چیزوں کے اور کچھ نہ کھائیں اور سوا نیکی کے اور کوئی عمل نہ کریں۔

(تفسیر ابن کثیر، ج ۳ ص ۲۷۴، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ، حافظ ابن کثیر نے یہ حدیث امام ابن ابی حاتم کی سند سے ذکر کی ہے لیکن مطبوعہ تفسیر امام ابن ابی حاتم میں یہ حدیث نہیں ہے اور امام رازی نے اس حدیث کو بلا حوالہ نقل فرمایا ہے، تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۸۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ، اور حدیث کی کسی کتاب میں ہم کو یہ حدیث نہیں ملی)۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے طیب چیز کو کھایا اور سنت کے مطابق عمل کیا اور لوگوں کو اپنے مظالم سے محفوظ رکھا وہ جنت میں ہوگا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۵۲، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سی چیز لوگوں کو جنت میں داخل کرنے کا زیادہ سبب ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کا ڈر اور اچھے اخلاق! اور آپ سے سوال کیا گیا کہ کون سی چیز لوگوں کو دوزخ میں داخل کرنے کا زیادہ سبب ہے؟ آپ نے فرمایا: شرم گاہ اور منہ۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۵۶)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جنت میں وہ گوشت اور خون داخل نہیں ہوگا جو اس مال سے حاصل کیا گیا ہو جو لوگوں کا حق مار کر اور انہیں نقصان پہنچا کر حاصل کیا گیا ہو۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۵۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے منہ مین مٹی ڈال لے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے منہ میں اس چیز کو ڈالے جس کو اللہ عزوجل نے حرام کر دیا ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۶۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جو ان کے لئے کچھ مال کما کر لاتا تھا، اور حضرت ابوبکر اس مال سے کھاتے تھے، ایک دن وہ کوئی چیز لے کر آیا جس سے حضرت ابوبکر نے کھا لیا، پھر اس غلام نے آپ سے کہا: کیا آپ کو یہ معلوم ہے کہ یہ کیا چیز ہے؟ حضرت ابوبکر نے فرمایا، بتاؤ کیا چیز ہے؟ اس نے کہا: میں زمانہ جاہلیت میں کاہنوں (نجومیوں) کا کام کرتا تھا اور مجھے یہ کام اچھی طرح نہیں آتا تھا، مگر میں لوگوں کو فریب دیتا تھا، آج مجھے ایک شخص ملا جس نے مجھے اس کام کا معاوضہ دیا اور یہ وہی معاوضہ ہے جس سے آپ نے کھایا، حضرت ابوبکر نے اپنا ہاتھ حلق میں ڈالا اور ہر اس چیز کی قے کر دی جو ان کے پیٹ میں گئی تھی۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۷۰)

حسب ذیل حدیث میں اس کی زیادہ وضاحت ہے:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ان کے پاس ان کا ایک غلام طعام لے کر آیا، انہوں نے اس میں سے ایک لقمہ کھالیا، پھر پوچھا: تم نے یہ طعام کیسے حاصل کیا تھا، اس نے کہا: میں زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا پادری تھا، انہوں نے مجھے کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا، آج انہوں نے مجھے یہ طعام دیا تھا، آپ نے فرمایا: میں یہی گمان کرتا ہوں کہ تم نے مجھے اس طعام سے کھلایا ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کر دیا ہے، پھر آپ نے حلق میں انگلیاں ڈال کر قے کر دی، پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جو گوشت لقمۂ حرام سے بنا وہ دوزخ کے زیادہ لائق ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۶۱) (تبیان القرآن ج ہفتم ص ۸۷۶-۸۷۷، فرید بک اسٹال لاہور ۱۴۳۱ھ)

۵۳۷۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُودُوا الْمَرِيضَ وَفُكُّوا الْعَانِيَ قَالَ سُفْيَانُ وَالْعَانِي الْأَسِيرُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از منصور از ابی وائل از حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بھوکے کو کھلاؤ اور مریض کی عیادت کرو، اور قیدی کو قید سے چھڑاؤ۔

سفیان نے کہا: اَلْعَانِیْ سے مراد ہے: قیدی۔

(صحیح البخاری: ۳۰۴۶، ۵۱۷۴، ۵۳۷۳، ۵۶۴۹، ۷۱۷۳، سنن ابوداؤد: ۳۱۰۵، مسند احمد: ۱۹۱۴۴، سنن دارمی: ۲۴۶۵)

صحیح البخاری: ۵۳۷۳ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے رجال کا تذکرہ

سفیان سے مراد سفیان بن عیینہ ہیں اور منصور سے مراد ابن المعتمر ہیں، اور ابو وائل سے مراد شقیق بن سلمہ ہیں، اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ بن قیس ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ حدیث کتاب النکاح کے باب ''من حق اجابة الولیمہ'' میں گزر چکی ہے، اور اس کی عبارت اس طرح ہے: ''قیدیوں کو چھڑاؤ اور دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرو اور مریض کی عیادت کرو''۔ اور یہ حدیث کتاب الجہاد کے باب ''فکاک الاسیر'' میں بھی گزر چکی ہے اور اس کی عبارت ہے: ''قیدیوں کو چھڑاؤ اور بھوکے کو کھلاؤ اور مریض کی عیادت کرو''۔

''اَلْعَانِیْ'' عنا یعنوا سے ماخوذ ہے اور اس کی جمع ''عوان'' ہے، اور ہر وہ آدمی جو ذلیل ہو اور مسکین ہو وہ عانی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۳ کی شرح از علامہ ابن بطال مالکی

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ضرورت منداور سائل کواس کی ضرورت کے مطابق مال دینے کی تفصیل

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں لوگوں کے ساتھ غم گساری کا حکم دیا اور بھوکے کو کھانا کھلانے کا حکم دیا اور یہ چیزیں فروضِ کفایہ میں سے ہیں۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے: سوا اس صورت کے کہ مرد خود محتاج ہو اور اس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے وہ ان حقوق کو ادا کرے، پس اس پر واجب ہے کہ جتنا کسی کو دے سکتا ہے اتنا دے، اور ضرورت منداس سے جبراً لے لے، اور اگر جبراً لینے پر قادر نہ ہو تو خفیہ طریقہ سے لے لے، اور اس حدیث میں سائل کو دینے کا بھی حکم ہے، اور اگر اسے کوئی چیز میسر ہو تو وہ اس کو دے، اور اگر کوئی چیز میسر نہ ہو اور جس سے سوال کیا گیا ہے اس کو معلوم ہو کہ اس کے پاس اتنا مال نہیں ہے جو اس کو دے سکے، تو اس کو چاہیے کہ اس سے کوئی نیک اور اچھی بات کہے اور یہ حدیث باب ''فکاک الاسیر'' میں گزر چکی ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج۹ ص ۴۸۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۳ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

الفضیل بن عیاض سے سوال کیا گیا: جو مرد عمدہ اور پاکیزہ چیزوں کو ترک کردے یعنی کنیزوں کو حاصل نہ کرے اور نہ گوشت کھائے اور نہ حلوہ کھائے اور اس کی وجہ زُہد ہو تو اس کا کیا حکم ہے، تو انہوں نے جواب دیا: جس نے حلوہ کھایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے، شاید کہ تم اللہ سے ڈرو اور کھالو اور بے شک اللہ تعالیٰ اس کو ناپسند نہیں کرتا کہ تم حرام سے بچو اور حلال چیز کو کھاؤ، اور البقرہ: ۱۷۲ میں طَيِّبٰتِ سے مراد حلال چیزیں ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ عمدہ اور پاکیزہ چیزیں اور اس کی تائید حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ بعض صحابہ اپنے پھلوں میں سے ردّی چیزوں کو صدقہ کرتے تھے اور اپنے طعام میں سے خراب طعام کو صدقہ کرتے تھے، تو پھر یہ آیت نازل ہوئی، قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ (المائدہ)

اے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو، جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کردیا ہے اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا O

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے اپنے اوپر لذیذ طعام اور لذائذ مباحہ کو حرام قرار دے دیا تھا، عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عثمان بن مظعون اور ان کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے جب انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ عورتوں کو اور گوشت کو چھوڑ دیں گے اور خصی ہو جائیں گے، اور انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ دنیا کو ترک کردیں گے اور زُہد کو اختیار کریں گے، اور ان میں سے حضرت علی، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہما بھی تھے، اور اس کا کچھ حصہ ''باب مایکرہ من التبتل والخصاء'' میں گزر چکا ہے۔

اس کے بعد امام بخاری نے از ابووائل از حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ یہ حدیث ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بھوکے کو کھلاؤ اور مریض کی عیادت کرو، اور قیدی کو چھڑاؤ اور یہ حدیث بھی ''باب الولیمہ'' میں گزر چکی ہے۔

اور اسی کے متعلق یہ حدیث ہے کہ عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ وہ تمہارے پاس قیدیوں کی طرح ہیں۔

(سنن ترمذی: ۱۱۶۳، سنن ماجہ: ۱۸۵۱، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۵ ص ۳۷۲)

اور اسی سے متعلق یہ حدیث بھی ہے:

حضرت مقدام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کہ ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو، وہ قیدیوں کو چھڑاتا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۲۸۹۹، سنن ابن ماجہ: ۲۷۳۸، مسند ابوداؤد الطیالسی، ج ۲ ص ۲۶۴)

ماموں کے متعلق قیدی کا معنی یہ ہے کہ انسان کو جو جنایات لازم ہوتی ہیں، تو ماموں ان کو چھڑاتا ہے، یہ اس کے نزدیک ہے جو ماموں کو وارث بناتا ہے اور جو ماموں کو وارث نہیں بناتا اس کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ یہ وہ لقمہ ہے جس کو ماموں کھلاتا ہے۔

تنبیہ: اس کے بعد علامہ ابن الملقن نے اس حدیث کی وہی شرح کی ہے جو ہم اس سے پہلے علامہ ابن بطال سے نقل کر چکے ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۶۶-۶۸، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی التوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں جو بھوکے کو کھانا کھلانے اور مریض کی عیادت کا حکم دیا ہے یہ حکم استحباب کے لیے ہے، اور بعض احوال میں یہ حکم واجب ہو جاتا ہے اور اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے جس میں بھوکے کو کھانا کھلانے کا حکم دیا ہے کہ اس کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے کیونکہ پیٹ بھرنے سے پہلے وہ بھوکا ہی ہوگا، اور اس کو کھلانے کا حکم دائمی ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۱۹، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، فتح الباری ج ۶ ص ۵۶۵، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۳ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی التوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

- جب ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ بھوکے کو کھانا کھلائیں تو بھوکے کو بھی یہی حکم ہے کہ وہ اپنے آپ کو خود کھلائے، اسی لیے جو شخص بھوکا ہو
- اور اس کو ہلاک ہونے کا خطرہ ہو، اس پر واجب ہے کہ کچھ کھائے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۳۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۵۳۷۴۔ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ ﷺ مِنْ طَعَامٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ حَتَّى قُبِضَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یوسف بن عیسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن فضیل نے حدیث بیان کی از والد خود از ابی حازم از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا محمد ﷺ کی آل نے کبھی تین دن پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا حتیٰ کہ آپ کی وفات ہوگئی۔

(صحیح البخاری: ۵۳۷۴، صحیح مسلم: ۲۹۷۶، سنن ترمذی: ۲۳۵۸، سنن ابن ماجہ: ۳۳۴۳، مسند احمد: ۹۳۲۸)

صحیح البخاری: ۵۳۷۴ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے رجال کا تذکرہ

یوسف بن عیسیٰ ابویعقوب المروزی ہیں، اور محمد بن فضیل (جو فضل کی تصغیر ہے)، یہ اپنے باپ فضیل بن غزوان بن جریر سے روایت کرتے ہیں، اور ابوالفضیل الکوفی، ابوحازم سلمان الاشجعی سے روایت کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۱، دارالکتب العلمیہ)

حدیث مذکور کے بعض مجمل الفاظ کی تفصیل

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کا تذکرہ ہے، اس سے مراد آپ کے قریبی رشتہ دار ہیں۔

اس حدیث میں تین ایام کا ذکر ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ تین دن مسلسل آپ کی آل نے پیٹ بھر کر نہیں کھایا اور صحیح مسلم کی روایت میں تین راتوں کا ذکر ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ دن اور رات دونوں کا مجموعہ مراد ہے۔

اور سنن ترمذی میں یہ روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ کبھی آپ نے دو مسلسل دن جَو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ آپ پیٹ بھر کر اس لیے نہیں کھاتے تھے کہ آپ کے پاس کھانے کی چیزیں کم ہوتی تھیں، علاوہ ازیں کبھی آپ کھانے کی چیزیں تو پاتے تھے لیکن دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے اور عنقریب کتاب الرقاق میں حضرت ابوہریرہ سے یہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اور آپ نے کبھی جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۱۹، دارنشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، فتح الباری ج ۶ ص ۵۶۵، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح پر مواخذہ اور کم کھانے کی فضیلت کا بیان

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ یہ وجہ نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھانے کی چیزیں میسر نہیں تھیں، بلکہ وجہ صرف یہ ہے کہ آپ دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے تھے یا اس لیے کہ آپ کے نزدیک پیٹ بھر کر کھانا مذموم تھا اور فضیل بن عیاض نے کہا ہے کہ سیر ہو کر کھانا مذموم اور باعث ملامت ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ بھوکے رہنے سے بدن کا تزکیہ ہوتا ہے، اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کا کھانا کم ہو اس کا پیٹ تندرست رہتا ہے اور اس کا دل صاف رہتا ہے اور جس کا کھانا زیادہ ہو، اس کا پیٹ بیمار رہتا ہے، اس کا دل سخت ہو جاتا ہے، اور روایت ہے کہ زیادہ کھانے سے اور زیادہ پینے سے اپنے دلوں کو مردہ نہ کرو، کیونکہ دل کھیت کی فصل کی طرح پھل ہے، جب کھیت میں پانی زیادہ دیا جائے گا تو پھل زیادہ ہوں گے اور علامہ زمخشری نے ربیع الابرار میں حضرت مقدام بن معدیکرب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی ابن آدم کا بھرا ہوا برتن اس سے زیادہ شر نہیں ہے جو اس کا بھرا ہوا پیٹ ہو، پس مرد کے لیے کافی یہ ہے کہ وہ اتنا کھائے کہ جس سے اس کی پیٹھ اور پشت قائم رہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کے درمیان مصنف کا محاکمہ

اس حدیث میں ہے: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل نے تین دن مسلسل پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا حتیٰ کہ آپ کی وفات ہوگئی، حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی دو وجہیں بیان کی ہیں، ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ آپ کے پاس کھانے کی قلت تھی، اور دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ آپ کھانے پینے کی چیزیں دوسروں کو دے دیتے تھے، علامہ عینی نے پہلی وجہ سے اختلاف کیا اور فرمایا ہے کہ صحیح وجہ یہی ہے کہ آپ کھانے پینے کی چیزیں دوسروں کو کھلا دیتے تھے اور خود پیٹ بھر کر نہیں کھاتے تھے اور علامہ عینی کی بیان کردہ وجہ زیادہ راجح ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے زیادہ مشابہ اور زیادہ مناسب ہے، کیونکہ آپ کی سیرت یہی تھی کہ آپ اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دیتے تھے اور خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلاتے تھے۔ علامہ عینی کی شرح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ تعظیم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبت کا اظہار ہے، لہٰذا حافظ ابن حجر کی شرح کی بہ نسبت علامہ عینی کی شرح نہایت نفیس اور عمدہ ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۴ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ غمگساری کرنے کا حکم دیا ہے اور بھوکے کو کھانا کھلانے کا حکم دیا ہے اور یہ فروضِ کفایہ میں سے ہے۔

علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: سوا اس صورت کے کہ مرد خود محتاج ہو اور وہ ایسی چیز کو نہ پائے جو کسی کو کھلا سکے اور کسی کی ضرورت پوری کر سکے، اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کو ایسی چیز میسر ہو جو وہ سائل کو دے سکے تو اسے چاہیے کہ وہ چیز سائل کو دے دے، اور اگر اس کے پاس ایسی کوئی چیز حاضر نہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ سائل کی مدد کرے، خواہ اس کا حال معلوم نہ ہو اور اس سے مناسب بات کہے۔

امام مسلم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے اہل نے مسلسل تین دنوں تک گندم کی روٹی نہیں کھائی حتیٰ کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔ (صحیح مسلم: ۲۹۷۶، کتاب الزہد والرقاق)

نیز حدیث میں ہے: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس کا کھانا کم ہو اس کا پیٹ تندرست رہتا ہے اور اس کا دل صاف رہتا ہے اور جس کا کھانا زیادہ ہو تو اس کا دل بیمار رہتا ہے اور اس کا دل سخت رہتا ہے۔

(تخریج احادیث الاحیاء، ج ۳ ص ۱۷، العراقی نے کہا: میں اس حدیث کی اصل پر مطلع نہیں ہو سکا)

علامہ زمخشری نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ ابن آدم کا اس سے برا کوئی برتن نہیں ہے کہ اس کا پیٹ بھرا ہوا ہو، مرد کے لیے اتنا کھانا کافی ہے جس سے اس کی پشت سیدھی رہ سکے۔

(سنن ترمذی: ۲۳۸۰، سنن ابن ماجہ: ۳۳۴۹، سنن کبریٰ للنسائی: ج ۴ ص ۱۷۷، مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۲)

پس ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ بھر کر کھانے کو ان وجوہ سے ترک فرما دیا ہو، نہ اس وجہ سے کہ آپ کو کھانا میسر نہیں تھا، اور فضیل بن عیاض نے کہا ہے کہ پیٹ بھر کر کھانا کھانا باعث ملامت ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۶۸-۶۹، وزارۃ الاوقاف

والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۳۷۵۔ وَعَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَصَابَنِي جَهْدٌ شَدِيدٌ فَلَقِيتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَاسْتَقْرَأْتُهُ آيَةً مِنْ كِتَابِ اللهِ فَدَخَلَ دَارَهُ وَفَتَحَهَا عَلَيَّ فَمَشَيْتُ غَيْرَ بَعِيدٍ فَخَرَرْتُ لِوَجْهِي مِنَ الْجَهْدِ وَالْجُوعِ فَإِذَا رَسُولُ اللهِ ﷺ قَائِمٌ عَلَى رَأْسِي فَقَالَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ لَبَّيْكَ رَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ فَأَخَذَ بِيَدِي فَأَقَامَنِي وَعَرَفَ الَّذِي بِي فَانْطَلَقَ بِي إِلَى رَحْلِهِ فَأَمَرَ لِي بِعُسٍّ مِنْ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ عُدْ يَا أَبَا هِرٍّ فَعُدْتُ فَشَرِبْتُ ثُمَّ قَالَ عُدْ فَعُدْتُ فَشَرِبْتُ حَتَّى اسْتَوَى بَطْنِي فَصَارَ كَالْقِدْحِ قَالَ فَلَقِيتُ عُمَرَ وَذَكَرْتُ لَهُ الَّذِي كَانَ مِنْ أَمْرِي وَقُلْتُ لَهُ فَوَلَّى اللهُ ذَلِكَ مَنْ كَانَ أَحَقَّ بِهِ مِنْكَ يَا عُمَرُ وَاللهِ لَقَدِ اسْتَقْرَأْتُكَ الْآيَةَ وَلَأَنَا أَقْرَأُ لَهَا مِنْكَ قَالَ عُمَرُ وَاللهِ لَأَنْ أَكُونَ أَدْخَلْتُكَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ لِي مِثْلُ حُمْرِ النَّعَمِ۔

اور ابو حازم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: (میں فاقوں کی وجہ سے) سخت تکلیف اور مشقت میں مبتلا تھا، پس میری حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، تو میں نے ان سے کتاب اللہ کی ایک آیت کی قراءت کے متعلق سوال کیا، پھر وہ اپنے گھر چلے گئے اور مجھ کو وہ آیت پڑھ کر سنائی، پھر میں تھوڑی دور چلا تو بھوک اور تکلیف (کی شدت) سے بے ہوش ہو کر منہ کے بل گر پڑا، پس اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے سر کے پاس کھڑے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! میں نے کہا: میں حاضر ہوں یا رسول اللہ! اور میں آپ کا حکم ماننے کے لیے تیار ہوں، آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے کھڑا کیا اور آپ نے جان لیا کہ مجھ پر جو بھوک اور تکلیف طاری ہے، آپ مجھے اپنے گھر لے گئے، پھر مجھے حکم دیا کہ میں ایک دودھ کا بڑا پیالہ اٹھاؤں، پس میں نے اس سے پیا، پھر آپ نے فرمایا: اور پیو اے ابو ہریرہ! پس میں نے دوبارہ پیا، پھر آپ نے فرمایا: اور پیو، پھر میں نے اور پیا حتیٰ کہ میرا پیٹ تیر کی مثل (سیدھا) ہو گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: پھر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملا، اور میں نے ان سے ذکر کیا جو میرے ساتھ معاملہ پیش آیا تھا اور میں نے کہا: اے عمر! اللہ تعالیٰ نے مجھے اس ذات کی طرف پھیر دیا جو آپ سے زیادہ حق دار تھی، اور اللہ کی قسم! میں نے آپ سے قرآن مجید کی آیت کے متعلق دریافت کیا تھا اور بے شک میں اس آیت کو آپ سے زیادہ پڑھنے والا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر میں تمہیں اپنے گھر میں داخل کرتا تو میرے نزدیک یہ اس بات سے زیادہ پسندیدہ ہوتا کہ مجھے سرخ اونٹ مل جاتے۔

(صحیح البخاری: ۶۲۴۶، ۶۴۵۲، سنن ترمذی: ۲۴۷۷، مسند احمد: ۱۰۳۰۱)

صحیح البخاری: ۵۳۷۵ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: مجھ کو جُہد پیش آئی، جُہد میں اگر جیم پر پیش ہو تو اس کا معنی ہے: طاقت اور اگر جیم پر زبر ہو تو اس کا معنی ہے انتہائی مشقت، اور یہاں اس سے مراد ہے: سخت بھوک۔

اس کے بعد اس حدیث میں مذکور ہے: ''فاستقراته'': اس کا معنی ہے: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ میرے سامنے قرآن مجید کی آیتِ معینہ پڑھیں تاکہ مجھے اس سے استفادہ ہو۔

ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جس آیت کے متعلق سوال کیا تھا، وہ آلِ عمران کی آیت تھی اور اس میں یہ مذکور ہے کہ انہوں نے مجھے وہ آیت پڑھائی، حالانکہ میں آیت کے پڑھنے کا ارادہ نہیں کرتا تھا، میرا ارادہ یہ تھا کہ حضرت عمر مجھے کھانا کھلائیں، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ میری مراد کو نہیں سمجھ سکے۔

اس حدیث میں عسّ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: بڑا پیالہ۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے عمر! اللہ تعالیٰ نے مجھے اس شخص کی طرف پھیر دیا جو آپ سے زیادہ حق دار تھا اور میں نے آپ سے اس آیت کے متعلق پڑھنے کو کہا تھا حالانکہ میں آپ سے زیادہ اس آیت کو پڑھنے والا ہوں۔

ابن بطال نے کہا ہے کہ صحابہ کی عادت یہ تھی کہ جب کوئی شخص قرآن کی کسی آیت کے پڑھنے کو طلب کرتا تو وہ اس کو اپنے گھر لے جاتا اور گھر میں جو طعام میسر ہوتا وہ اس کو کھلاتا، اور حضرت عمر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو جو کھانا نہیں کھلایا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو کوئی ایسا کام تھا جس کی وجہ سے ان کو کھانا کھلانے کی طرف توجہ نہیں ہوئی یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کھلاتے، اور یہ دوسری وجہ بعید ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کھانا نہ کھلانے پر بعد میں افسوس کا اظہار کیا اور مجھ سے محدث دیار الحلبیہ نے کہا کہ ہمارے شیخ سراج الدین البلقینی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس قول کو مستبعد قرار دیا ہے کہ میں اس آیت کو آپ سے زیادہ پڑھنے والا تھا۔ ایک وجہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رعب ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع نہیں تھی کہ حضرت عمر بھی ان کی طرح اس آیت کو پڑھ سکتے ہیں، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: مجھے اس اعتراض پر تعجب ہے کیونکہ یہ اعتراض دراصل اس حدیث کے بعض راویوں کے اوپر اعتراض ہے، اور ان کی طرف غلطی کی نسبت ہے، جب کہ اس کی توجیہ واضح ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ کلام کیا اور اس وقت وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرعوب نہیں تھے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا اور حضرت عمر نے اس آیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی واسطہ سے سنا تھا۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۲۰، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، فتح الباری ج ۶ ص ۵۲۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر سے مناقشہ

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ حافظ ابن حجر سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: معاملہ اس طرح نہیں ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو کلام کیا تھا، وہ بطورِ عتاب کیا تھا،

کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مراد کو نہیں سمجھ سکے تھے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ وہ اس آیت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھتے، بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو کوئی چیز کھلاتے، اور اس کی وضاحت اس چیز سے ہوتی ہے کہ اسی روایت میں مذکور ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے آپ سے یہ آیت اس لیے نہیں پوچھی تھی کہ آپ مجھے پڑھائیں بلکہ میری مراد یہ تھی کہ آپ مجھے اپنا کھانا کھلائیں، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول کو برقرار رکھا، یعنی ان کو اس سے حیاء آئی کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کچھ نہیں کھلایا اور وہ خاموش رہے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر انکار کیا اور حافظ ابن حجر نے جو اس کی حضرت عمر کی طرف سے توجیہ پیش کی ہے، اس میں ایک طرح سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تنقیص ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: کہ تمہیں کھانا کھلانا میرے نزدیک سرخ اونٹوں کے ملنے سے زیادہ پسندیدہ تھا، کیونکہ عرب والوں کے نزدیک سرخ اونٹ بہت زیادہ عمدہ مال ہیں، اور اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نیک کاموں کے اوپر حرص ہے اور غم گساری کی ترغیب ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد از علامہ عینی

(۱) اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ صراحتاً سوال کرنے سے حیاء کرنی چاہیے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صراحتاً یہ نہیں کہا کہ میں بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلائیں، بلکہ ان سے ایک آیت کے متعلق دریافت کیا تا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے حال پر مطلع ہو جائیں اور ان کو کھانا کھلائیں۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب انسان کو فاقوں کی وجہ سے سخت مشقت اور تکلیف پہنچے تو اس کا کنایہ کے ساتھ اظہار کرنا چاہیے۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بھوک کے وقت سیر ہو کر کھانا جائز ہے۔

(۴) سلف صالحین کا یہ طریقہ تھا کہ وہ طعام کی قلت کے اوپر اور تنگی گزران کے اوپر صبر کرتے تھے اور دنیا کی تھوڑی چیز کے حصول کے اوپر راضی رہتے تھے۔

(۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کی عادت یہ تھی کہ جب ان سے کوئی قرآن مجید کی آیت سے متعلق دریافت کرتا تو وہ ان کو گھر لے جاتے اور جو طعام میسر ہوتا وہ اس کو کھلاتے۔

(۶) اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فراست، آپ کا علم غیب اور آپ کی سخاوت کا علم ہوا کہ آپ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ حال دیکھ کر انہیں اپنے گھر لے گئے اور ان کو دودھ پلایا اور بار بار دودھ پینے کا حکم دیا تا کہ وہ اچھی طرح سیر ہو کر دودھ پی لیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد از علامہ ابن الملقن

(۱) اس حدیث کے آخر میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر میں ابو ہریرہ کو اپنے گھر میں لے جاتا تو یہ میرے لیے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر تھا۔

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ وہ بھوکے کو کھلانے پر ترغیب دیتے تھے اور ان کو نیکی کے کاموں پر حرص تھی اور غمگساری کرنے کی طلب تھی اور سرخ اونٹ عربوں کے نزدیک نہایت پسندیدہ و محبوب مال ہوتا ہے۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سوال کو کنایۃً پیش کرنا چاہیے اور جب انسان کو شدید بھوک ہو تو وہ صراحتاً سوال کرنے سے حیاء کرے۔

(۴) اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بھوک کے وقت پیٹ بھر کر کھانا جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصرار کر کے بار بار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا۔

(۵) پہلے بھوک کی وجہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیٹ میں گڑھا پڑا ہوا تھا اور ان کا پیٹ ٹیڑھا ہو گیا، پھر جب تین بار دودھ پیا تو ان کا پیٹ بالکل تیر کی طرح سیدھا ہو گیا۔

(۶) اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سلف صالحین کی یہ عادت تھی کہ وہ کھانے کی کم مقدار کے اوپر صبر کرتے تھے اور تنگی معیشت کے باوجود اللہ سے راضی رہتے تھے اور دنیا کے تھوڑے مال پر کفایت کرتے تھے۔

(۷) کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو صرف یہ فکر تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی بھوک کو مٹا دیں، پھر جب شارع علیہ السلام نے ان کو پیٹ بھر کر دودھ پلا دیا تو انہوں نے اس پر قناعت کر لی اور اس کے سوا اور کسی چیز کو طلب نہیں کیا، اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ دنیا کی جس قدر چیز مل جائے وہ اس پر کفایت کرتے تھے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل نے تین دن سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔

(۸) اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے بھائی کی حاجت کو پورا کرے، جب اس کو معلوم ہو کہ اس کے بھائی کو ضرورت ہے خواہ اس کے بھائی نے اس سے سوال نہ کیا ہو۔

(۹) اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عہد رسالت میں صحابہ کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی شخص اپنے کسی صاحب سے قرآن مجید کی کسی آیت کو معلوم کرتا تو وہ اسے اپنے گھر لے جاتا اور جو اس کے پاس طعام میسر ہوتا وہ اس کو کھلاتا، اور اللہ ہی کو علم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایسا کیوں نہیں کیا، حتیٰ کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے قرآن مجید کی آیت کو طلب کیا یا تو وہ کسی کام میں مصروف تھے اور ان کی توجہ اس طرف نہیں ہوئی، یا ان کو کوئی ایسی چیز میسر نہیں تھی جس سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کھلاتے اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ نیکی کے کاموں پر حرص کرنی چاہیے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر افسوس ہوا کہ وہ کیوں نہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر لے گئے اور انہیں کھانا کھلاتے جب کہ ان کو ضرورت تھی اور یہ کھانا کھلانا ان کو سرخ اونٹوں سے زیادہ پسند تھا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۷۰-۱۷، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۵ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد از شیخ عثیمین

(۱) اس حدیث میں دلیل ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم خوشی کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔

(۲) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسنِ اخلاق کا بیان ہے۔

(۳) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کبھی کبھی پیٹ بھر کر کھانا چاہیے۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اصرار کر کے بار بار ان کو دودھ پلایا حتیٰ کہ ان کا پیٹ تیر کی طرح سیدھا ہو گیا اور اس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی جب کہ آپ کا ارشاد ہے کہ ابن آدم کے لیے اتنے لقمے کافی ہیں جن سے اس کی پشت سیدھی رہے اور اگر اس نے لامحالہ زیادہ کھانا ہو تو ایک تہائی پیٹ کام کے لیے رکھے اور ایک تہائی پیٹ پانی کے لیے رکھے اور ایک تہائی پیٹ سانس لینے کے لیے رکھے۔ (الاحادیث الصحیحہ للالبانی: ۲۲۶۵)

(۴) اور تعجب کی بات یہ ہے کہ حکماء اور اطباء نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی موافقت کی ہے اور یہ کہا ہے: انسان کا بہترین کھانا یہ ہے کہ وہ ایک تہائی پیٹ خالی رکھے۔

(۵) اس حدیث میں حیلہ کے جواز کی دلیل ہے، کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قرآن مجید کی آیت کے متعلق دریافت کیا تو اس میں ان کا یہ حیلہ تھا کہ شاید اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی بھوک کے حال کی طرف متوجہ ہوں اور ان کو کھانا کھلائیں۔

(۶) نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان اپنے غلبہ ظن کے اعتبار سے اللہ کی قسم کھا سکتا ہے، کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے آپ سے جس آیت کے متعلق دریافت کیا تھا، مجھے آپ سے زیادہ اس کا علم تھا، تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات اللہ کی قسم کھا کر کہی کیونکہ ان کو غالب گمان یہ تھا کہ فی الواقع ان کو اس آیت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ علم ہے۔

(۷) لیکن ان کی مراد یہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی بھوک کے حال کو دیکھ کر یہ سمجھ جائیں گے کہ حضرت ابوہریرہ بھوکے ہیں اور انہیں اپنے گھر لے جائیں گے اور انہیں کھانا کھلائیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو ان کی بھوک دور کرنے کے لیے زیادہ بہتر وسیلہ عطا فرما دیا تھا۔

(۸) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے اصحاب کے احوال کی طرف متوجہ رہتے تھے اور ان کے احوال کی جستجو میں رہتے تھے، اور اپنی فراست سے کام لیتے تھے۔

(میں کہتا ہوں: اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فراست کا ذکر نہیں ہے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست اور آپ کے علم غیب کا ذکر ہے، لہٰذا زیادہ بہتر یہ کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے احوال کی طرف متوجہ رہتے تھے اور ان کے احوال کی جستجو میں رہتے تھے اور اپنی فراست سے کام لے کر ان کی ضرورت میں مداوا کرتے تھے، سو یہ فائدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق ہو رہا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

(۹) رسول اللہ ﷺ کا اصرار فرما کر بار بار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی ضرورت مند حیاء کرے یا تکلف سے کام لے اور کھانا کم کھائے تو اصرار کر کے اس کو زیادہ کھلانا چاہیے۔

(۱۰) رسول اللہ ﷺ نے پہلی بار کے بعد دو مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اور پیو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مہمان کو اصرار کر کے دو یا تین مرتبہ کھلانا چاہیے۔ (شرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۱۳۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۵، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض شارحین نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کوئی کام تھا یا ان کے پاس کوئی کھانے کی چیز نہیں تھی، تو اس وجہ سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کھانا نہیں کھلایا، کیونکہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طریقہ یہ تھا کہ جو شخص ان سے کسی آیت کے متعلق دریافت کرتا تو اس کو اپنے گھروں کی طرف لے جاتے، لیکن یہ شرح درست نہیں ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر افسوس کیا کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کیوں نہیں کھلایا اور انہوں نے کہا: اگر میں ان کو کھانا کھلا دیتا تو مجھے یہ کھانا کھلانا سرخ اونٹوں کے ملنے سے زیادہ بہتر ہوتا۔ (الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری ج ۹ ص ۸۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۵ کی شرح از علامہ دمامینی مالکی

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن ابو بکر بن عمر القرشی المخزومی الاسکندرانی المالکی المتوفی ۸۲۷ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں عُسٌّ کا لفظ ہے، اس میں عین پر تشدید ہے اور سین پر بھی تشدید ہے، اس کی جمع عِساس ہے، اور کا معنی ہے: بڑا پیالہ۔ (التنقیح ج ۳ ص ۱۰۷۹)

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: ''حتی استوی بطنی'' یعنی حتیٰ کہ میرا پیٹ سیدھا ہو گیا، اس سے مراد ہے: میرا پیٹ بھر گیا۔

اس کے بعد حدیث میں ہے: ''فصار کالقدح'': اَلْقِدح اس تیر کو کہتے ہیں جس میں پیکان نہ ہو، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس میں یہ کنایہ کیا ہے کہ پہلے ان کے پیٹ میں بھوک کی وجہ سے گڑھا تھا، پیٹ بھرنے کے بعد وہ تیر کی طرح سیدھا ہو گیا۔

(مصابیح الجامع، ج ۹ ص ۱۰۸-۱۰۹، دار النوادر بیروت ۱۴۳۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۵ کی شرح از شیخ محمد علی صابونی

شیخ محمد علی صابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''اصابنی جھد'': یعنی مجھے سخت بھوک لگی ہوئی تھی جس کی وجہ سے میری قوتیں کمزور ہو رہی تھیں حتیٰ کہ قریب تھا کہ میں بھوک کی وجہ سے ہلاک ہو جاؤں۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''فاستقرأته اٰیة'': یعنی میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے طلب کیا کہ ایک آیت معینہ مجھے پڑھائیں، حالانکہ میں پڑھنے کا ارادہ نہیں کرتا تھا، میں تو یہ ارادہ کرتا تھا کہ مجھے کھانا کھلائیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے:''فتحها علی'': یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے وہ آیت پڑھائی اور وہ میری مراد کو نہیں سمجھ سکے کہ میں تو اس آیت کو جانتا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے:''فخرت لوجهی'': یعنی میں بھوک کی شدت اور کمزوری کی وجہ سے زمین پر منہ کے بل گر گیا۔

''الی رحله'': یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اپنے مسکن کی طرف لے گئے۔

''عُسٌّ من لبن'': یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بڑا پیالہ لانے کا حکم دیا جس میں دودھ تھا۔

''استوی بطنی'': یعنی دودھ پینے سے میرا پیٹ بھر گیا اور بھوک کی تکلیف دور ہوگئی جب کہ قریب تھا کہ میں پہلے بھوک کی وجہ سے ہلاک ہو جاتا۔

''فصار کالقِدح'': یعنی میرا پیٹ اس تیر کی طرح سیدھا ہو گیا جس میں پیکان نہ ہو، ان کی مراد یہ تھی کہ میرا پیٹ اتنا بھر گیا کہ اس میں اور کچھ کھانے کی گنجائش نہیں تھی۔

''اقرأ لها منك'': یعنی مجھے یہ آیت آپ سے زیادہ محفوظ ہے اور مجھے اس کی قراءت آپ سے زیادہ آتی ہے۔

''حُمر النعم'': یعنی آپ کی میزبانی میرے نزدیک اس سے زیادہ محبوب تھی کہ مجھے سرخ اونٹ مل جاتے اور سرخ اونٹ عرب والوں کے نزدیک سب سے بہترین مال ہوتے ہیں، لیکن میں آپ کی مراد کو سمجھ نہیں سکا۔

حدیث مذکور کی شرح

کسی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے بھائیوں کے راستہ میں کھڑے ہو گئے کہ شاید ان میں سے کوئی ایک ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو گھر لے جائے اور ان کو کھانا کھلائے اور وہ جان لے کہ ان کو کتنی شدید بھوک ہے تو ان کے پاس سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ گزرے، پس حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کتاب اللہ کی ایک آیت کے متعلق سوال کیا جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اچھی طرح یاد تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو پڑھا اور ان کی مراد اور غرض کو نہ جان سکے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر نہیں لے گئے، حتیٰ کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھوک کی شدت سے نڈھال ہو کر اور کمزوری کے غلبہ کی وجہ سے زمین پر گر گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس سے گزرے، آپ نے ان کو زمین سے اٹھایا اور آپ نے جان لیا کہ ان کا زمین پر گرنے کا کیا سبب تھا؟ آپ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر لے گئے اور ان کے سامنے دودھ کا ایک پیالہ پیش کیا اور ان سے فرمایا: اے ابو ہریرہ! بیٹھو اور یہ دودھ پیو، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دودھ پیا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اور پیو، انہوں نے اور پیا، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! اب میں اپنے پیٹ میں مزید دودھ پینے کی گنجائش نہیں پاتا۔

پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان سے کہا: کیا آپ کو یاد ہے کہ میں نے آپ سے فلاں آیت کے متعلق عرض کیا تھا تو آپ نے مجھے وہ آیت پڑھائی اور اللہ کی قسم! مجھے یہ آیت یاد تھی اور اس کی قراءت مجھے رواں تھی اور میں نے تو آپ سے صرف اس لیے پوچھا تھا کہ آپ مجھے اپنے گھر لے جائیں گے اور آپ مجھے کھانا کھلائیں گے کیونکہ اس دن مجھے سخت بھوک لگی ہوئی تھی لیکن آپ میری غرض کو نہیں سمجھ سکے۔

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں اس دن آپ کو مہمان بنا کر لے جاتا تو یہ میرے نزدیک اپنے مال میں سے سب سے زیادہ محبوب مال ہوتا، جس مال کو عرب بہت محبوب رکھتے ہیں اور وہ سرخ اونٹ ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حسرت ہوئی کہ وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مراد کو کیوں نہ سمجھ سکے۔

حدیث مذکور کے فوائد از علامہ صابونی

(۱) اس حدیث میں نیکی کے کام پر اور غم گساری پر برانگیختہ کرنا ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر غم ہوا کہ انہوں نے اس دن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کیوں نہ کھانا کھلایا۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سوال کرنا چاہیے اور اپنی غرض نہیں بتانی چاہیے اور طعام کو طلب کرنے سے حیاء کرنی چاہیے جو کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مقصد تھا۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر انسان کو شدید بھوک ہو تو وہ اپنا حال کسی کے سامنے بیان کرے تو یہ جائز ہے۔

(۴) سلف صالحین کا یہ طریقہ تھا کہ وہ مال کی قلت پر صبر کرتے تھے اور تنگی معیشت پر بھی صبر کرتے تھے اور دنیا کے تھوڑے مال پر راضی رہتے تھے۔

(۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شدید بھوک کے وقت سیر ہو کر کھانا بھی جائز ہے، اسی لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تین بار دودھ پیا حتیٰ کہ ان کا پیٹ بھر گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے فعل کو برقرار رکھا۔

(۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے بھائی کے حیلہ پر پردہ رکھے، جب اس کو اپنے بھائی کی ضرورت معلوم ہو اور وہ اس سے سوال کرے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال نہیں کیا کہ تمہارا کیا حال ہے اور تم اس آیت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیوں دریافت کر رہے تھے؟

(۷) صحابہ کا یہ معمول تھا کہ جب ان سے کوئی قرآن مجید کی آیت کے متعلق دریافت کرتے تو وہ ان کو اپنے گھر لے جاتے اور ان کو جو طعام میسر ہوتا وہ ان کو کھلاتے۔ (الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر واللآلی بشرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۷ ۱۴، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

میں کہتا ہوں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح البخاری: ۵۳۷۵، صحیح البخاری: ۶۲۴۶، میں بہت اختصار کے ساتھ صرف دو تین سطروں میں مذکور ہے اور صحیح البخاری: ۶۴۵۲ میں یہ حدیث اسی طرح تفصیل سے مذکور ہے جس طرح امام ترمذی نے اپنی سنن میں اس حدیث کی بہت تفصیل کے ساتھ روایت کی ہے۔ صحیح البخاری: ۶۴۵۲ کی شرح تو اپنے مقام پر آئے گی، ہم قارئین کے مطالعہ کے لیے اس حدیث کو سنن ترمذی کے حوالہ سے بیان کر رہے ہیں، تاکہ قارئین کو معلوم ہو جائے کہ وہ دودھ کا ایک پیالہ تمام اہل صفہ کو کافی ہو گیا تھا اور اخیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پیالہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو پلایا اور پھر بعد میں خود بھی اس پیالہ سے پیا، چونکہ صحیح البخاری: ۵۳۷۵ میں یہ تفصیل نہیں تھی، اس لیے ہم نے چاہا کہ قارئین کو یہ تفصیل معلوم ہو جائے اور اس کا مکمل بیان ان شاء اللہ صحیح البخاری: ۶۴۵۲ کی شرح میں آئے گا۔

صحیح البخاری: ۵۳۷۵ کا مفصل متن سنن ترمذی میں

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ از ہناد از یونس بن بکیر از عمر بن ذر از مجاہد از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل صفہ اہلِ اسلام کے مہمان تھے، وہ کسی گھر میں نہیں رہتے تھے اور نہ ان کے پاس کوئی مال تھا، اور اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے! بے شک میں بھوک کی شدت سے اپنے جگر کو زمین کے ساتھ چپکا تا تھا اور بھوک کی شدت سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا، اور ایک دن میں صحابہ کے راستے میں بیٹھا ہوا تھا اور صحابہ نکل کر جا رہے تھے، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے، میں نے ان سے کتاب اللہ کی ایک آیت کے متعلق سوال کیا، اور میں نے ان سے یہ سوال صرف اس لیے کیا تھا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں مگر وہ گزر گئے اور وہ مجھے اپنے ساتھ نہیں لے گئے، پھر میرے پاس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ گزرے، پس میں نے ان سے بھی کتاب اللہ کی آیت کے متعلق سوال کیا اور میں نے ان سے بھی اس لئے سوال کیا تھا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں مگر وہ گزر گئے اور مجھے اپنے ساتھ نہیں لے گئے، پھر میرے پاس سے حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم گزرے، آپ نے جب مجھے دیکھا تو آپ مسکرائے، آپ نے فرمایا: ابوہریرہ؟ میں نے کہا: لبیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: میرے ساتھ آؤ، میں گیا، پس میں آپ کے پیچھے پیچھے چلا اور آپ اپنے گھر میں داخل ہو گئے، پس میں نے اجازت طلب کی تو مجھے اجازت دی گئی، پھر آپ کو دودھ کا ایک پیالہ ملا، آپ نے گھر والوں سے پوچھا: تمہارے پاس یہ دودھ کہاں سے آیا ہے تو آپ کو بتایا گیا کہ فلاں نے یہ دودھ ہمیں ہدیہ بھیجا ہے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوہریرہ! میں نے کہا: لبیک، آپ نے فرمایا: اہل صفہ کے پاس جاؤ اور ان کو بلا کر لاؤ اور وہ بھی اہلِ اسلام کے مہمان ہیں، ان کا بھی نہ کوئی گھر ہے اور نہ کوئی مال ہے، جب آپ کے پاس کوئی صدقہ آتا تو آپ ان کے پاس بھیج دیتے اور آپ خود اس میں سے کچھ نہ لیتے اور جب آپ کے پاس کوئی ہدیہ آتا تو آپ ان کی طرف بھیجتے اور آپ خود بھی اس میں سے لیتے اور اہلِ صفہ کو بھی اس میں شریک کرتے، سو اس بات نے مجھے رنجیدہ کیا اور میں نے دل میں کہا: یہ ایک پیالہ تمام اہلِ صفہ کے درمیان کیسے پورا ہوگا؟ اور میں اب ان کو بلانے جا رہا ہوں، اب عنقریب آپ مجھے حکم دیں گے کہ میں یہ پیالہ ان کو پیش کروں، پھر مجھے یہ توقع نہیں ہے کہ مجھے اس میں سے کچھ ملے گا، اور میں یہ امید رکھتا تھا کہ اس دودھ کے پیالہ میں سے اتنا ملے گا کہ جو مجھے کفایت کر دے گا اور میرے لیے اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت کے سوا چارہ نہیں تھا، پس میں اہلِ صفہ کے پاس گیا اور میں نے ان کو دعوت دی، پس جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا: ابوہریرہ! یہ پیالہ لو اور ان کو پیش کرو، میں نے پیالہ لیا تو میں وہ پیالہ ایک مرد کو دیتا، وہ اس میں سے پیتا حتیٰ کہ وہ سیر ہو جاتا، پھر وہ مجھے پیالہ واپس کر دیتا، پھر میں دوسرے کو پیالہ دیتا حتیٰ کہ آخر میں میں وہ پیالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا اور تمام اہلِ صفہ سیر ہو چکے تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ لیا اور اس کو اپنے ہاتھوں پر رکھا، پھر آپ نے سر اٹھایا، پھر آپ مسکرائے، پھر فرمایا: ابوہریرہ! پیو، سو میں نے پیا، پھر فرمایا: پیو، پھر مسلسل پیتا رہا اور آپ فرماتے رہے، پیو، حتیٰ کہ میں نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے: میں اب اپنے پیٹ میں اتنی گنجائش نہیں پاتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پیالہ لیا اور اللہ کی حمد کی اور بِسْمِ اللہِ پڑھی، پھر آپ نے اس پیالہ سے دودھ پیا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۴۷۷، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۳ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۵۱۵)

٢- بَابُ: التَّسْمِيَةِ عَلَى الطَّعَامِ وَالْأَكْلِ بِالْيَمِينِ

کھانے پر بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھنا اور دائیں ہاتھ سے کھانا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ،اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ کھانے پر بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھنی چاہیے، یعنی کھانے کی ابتداء میں، کیونکہ امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے از ام کلثوم از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو کہے: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، پس اگر وہ کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو پھر کہے: بسم اللہ اولہ وآخرہ۔ (سنن ترمذی: ۱۸۵۷، سنن ابوداؤد: ۳۷۶۷)

میں کہتا ہوں: کھانے سے پہلے بِسْمِ اللهِ پڑھنے کے متعلق مزید احادیث بھی مروی ہیں جن کو ہم پیش کر رہے ہیں:

کھانے سے پہلے بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھنے کے متعلق مزید احادیث

(۱) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کوئی مرد اپنے گھر میں داخل ہو اور گھر میں داخل ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور اس کے پاس کھانا بھی ہو تو شیطان کہتا ہے: تمہارے لیے نہ رات کو کوئی ٹھکانا ہے اور نہ رات کا کوئی کھانا ہے اور جب کوئی مرد رات کو گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے، تو شیطان کہتا ہے: تمہارے لیے رات کا ٹھکانا ہے، پھر جب وہ کھانے پر اللہ کا ذکر نہ کرے تو شیطان کہتا ہے: تم نے رات کا ٹھکانا بھی پالیا اور رات کا کھانا بھی پالیا۔ (صحیح مسلم: ۲۰۱۸، سنن ابوداؤد: ۳۷۶۵، سنن ابن ماجہ: ۳۸۸۷)

(۲) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کسی طعام یا کھانے پر حاضر ہوتے تو ہم میں سے کوئی شخص اپنا ہاتھ نہ رکھتا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا ہاتھ رکھتے، اور ایک مرتبہ ہم آپ کے ساتھ کھانے پر حاضر ہوئے تو ایک اعرابی (دیہاتی) آیا، گویا کہ وہ جلدی میں تھا، اور وہ اپنا ہاتھ طعام پر رکھنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر ایک باندی آئی گویا کہ وہ بھی جلدی میں تھی، وہ بھی اپنا ہاتھ طعام پر رکھنے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ہاتھ کو پکڑ لیا اور فرمایا: شیطان اس طعام کو حلال کر لیتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر نہ کیا جائے اور بے شک جب یہ اعرابی آیا تو شیطان اس طعام کو حلال کردے اور میں نے اس اعرابی کا ہاتھ پکڑ لیا اور پھر جب یہ باندی آئی تو شیطان اس طعام کو اپنے لیے حلال کرنے لگا تو میں نے اس باندی کا ہاتھ پکڑ لیا، پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! بے شک شیطان کا ہاتھ میرے ہاتھ ان دونوں کے ہاتھوں کے ساتھ تھا۔ (صحیح مسلم: ۲۰۱۷، سنن ابوداؤد: ۳۷۶۶)

(۳) امیہ بن مخشی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے اور ایک مرد کھانا کھا رہا تھا، اس نے بِسْمِ اللهِ نہیں پڑھی تھی حتیٰ کہ پورے کھانے میں سے صرف ایک لقمہ رہ گیا تھا، جب اس مرد نے وہ لقمہ اٹھایا تو اس نے کہا: بسم اللہ اولہ وآخرہ، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسے اور آپ نے فرمایا: شیطان مسلسل اس کے ساتھ کھا رہا تھا اور جب

اس نے اللہ عزوجل کے نام کا ذکر کیا تو شیطان نے جو کچھ اس کے پیٹ میں تھا اس کی قے کر دی۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۶۸)

کھانے سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھنے کے حکم کی تفصیل

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک کھانے سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنے کا حکم استحباب پر محمول ہے اور بعض علماء نے اس حکم کو ظاہر امر کی وجہ سے وجوب پر محمول کیا ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے: کھانے سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھنے کے استحباب پر اجماع ہے، اسی طرح کھانے کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے کے استحباب پر بھی اجماع ہے اور علماء نے کہا ہے کہ بلند آواز سے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھیں تا کہ دوسروں کو تنبیہ ہو، اگر اس نے بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنے کو عمداً یا نسیاناً یا ناواقفیت کی بناء پر یا اکراہ کی بناء پر یا عجز کی بناء پر یا کسی اور عارضہ کی بناء پر ترک کیا، پھر کھانے کے درمیان اس کو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھنے کا موقع ملا تو اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ درمیان میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ لے اور صرف بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنے سے بھی اس حکم پر عمل ہو جاتا ہے لیکن اگر اس نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھا تو یہ مستحسن ہے اور جتنے بھی کھانے والے ہیں وہ سب بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھیں اور امام شافعی نے کہا ہے کہ اگر ان میں سے کسی ایک نے بِسْمِ اللّٰهِ پڑھ لی تو بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنے کے حکم پر عمل ہو گیا۔

اس باب کا دوسرا جزو ہے: دائیں ہاتھ سے کھانا۔

دائیں ہاتھ سے کھانے کے متعلق احادیث

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو وہ دائیں ہاتھ سے کھانا کھائے اور جب پانی پیے تو دائیں ہاتھ سے پانی پیے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔
(صحیح مسلم: ۲۰۲۰، سنن ابوداؤد: ۳۷۷۶، سنن ترمذی: ۱۸۰۰)

(۲) حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے بیٹے! قریب ہو، پس اللہ کا نام لو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے آگے سے کھاؤ۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۷۷)

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص بائیں ہاتھ سے نہ کھائے اور نہ بائیں ہاتھ سے پیے، کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔
(صحیح مسلم: ۵۲۳۳ باب آداب الطعام والشراب، سنن ابوداؤد: ۳۲۶۸، باب الاکل بالیمین، سنن ترمذی: ۱۷۹۹، مسند احمد ج ۲ ص ۸)

دائیں ہاتھ سے کھانے کے حکم کی تفصیل

علامہ عینی دائیں ہاتھ سے کھانے کے متعلق فرماتے ہیں:

ہمارے شیخ زین الدین نے کہا ہے کہ اپنے سامنے سے کھانے اور دائیں ہاتھ سے کھانے کے حکم کو اکثر علماء نے استحباب پر محمول کیا ہے، امام غزالی اور علامہ نووی نے اس کی تصریح کی ہے اور امام شافعی نے کتاب الام میں اس کے واجب ہونے کی تصریح

کی ہے، اور علامہ قرطبی کا یہ کہنا ہے کہ دائیں ہاتھ سے کھانے کا حکم استحباب پر محمول ہے، کیونکہ اس میں دائیں ہاتھ کی فضیلت اور شرف ہے اور اس لیے کہ دائیں ہاتھ عمل کرنے میں قوی ہے، ثابت ہے اور اس کا زیادہ تصرف ہوتا ہے اور اس لیے بھی دائیں ہاتھ کو عربی میں ایمن کہتے ہیں اور ایمن کا لفظ یُمن سے ماخوذ ہے اور یُمن کے معنی ہیں: برکت۔

امام ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ دائیں ہاتھ کو کھانے اور پینے کے لیے استعمال کریں اور باقی کاموں کے لیے بائیں ہاتھ کو استعمال کریں اور اگر اسے بائیں ہاتھ کو استعمال کرنے کی ضرورت ہو تو اس کو بالطبع استعمال کرے اور علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ اپنے آگے سے کھانے کا سنت ہونا متفق علیہ ہے اور اس کا خلاف کرنا مکروہ ہے اور شدید قبیح ہے جب کہ کھانا ایک قسم کا ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۷۶ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ قَالَ الْوَلِيدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنِي أَنَّهُ سَمِعَ وَهْبَ بْنَ كَيْسَانَ أَنَّهُ سَمِعَ عُمَرَ بْنَ أَبِي سَلَمَةَ يَقُولُ كُنْتُ غُلَامًا فِي حَجْرِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَكَانَتْ يَدِي تَطِيشُ فِي الصَّحْفَةِ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ يَا غُلَامُ سَمِّ اللهَ وَكُلْ بِيَمِينِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ فَمَا زَالَتْ تِلْكَ طِعْمَتِي بَعْدُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی، الولید بن کثیر نے کہا: مجھے انہوں نے خبر دی کہ انہوں نے وہب بن کیسان سے سنا، انہوں نے حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر پرورش ایک لڑکا تھا اور میرا ہاتھ پیالہ میں ادھر ادھر گھوم رہا تھا (یعنی کبھی ایک طرف سے کھاتا اور کبھی دوسری طرف سے کھاتا)، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے لڑکے! بسم اللہ پڑھو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے آگے سے کھاؤ، پھر میں ہمیشہ اس کے بعد اسی طریقہ سے کھاتا رہا۔

(صحیح البخاری: ۵۳۷۷، ۵۳۷۸، صحیح مسلم: ۲۰۲۲، سنن ابوداؤد: ۳۷۷۷، سنن ابن ماجہ: ۳۲۶۷، مسند احمد: ۱۵۸۹۵، موطا امام مالک: ۱۷۳۸، سنن دارمی: ۲۰۱۹)

صحیح البخاری: ۵۳۷۶ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے دو جز ہیں، ایک جز ہے طعام سے پہلے بِسْمِ اللهِ پڑھنا اور دوسرا جز ہے دائیں ہاتھ سے کھانا اور یہ حدیث باب کے دوسرے جز کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے: علی بن عبد اللہ، اور وہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث میں سفیان کا ذکر ہے، وہ سفیان بن

عُیینہ ہیں۔

اس کی سند میں مذکور ہے کہ الولید بن کثیر نے کہا: یہ المخزومی القرشی ہیں اور اہل مدینہ سے ہیں۔ انہوں نے یہ خبر دی کہ الولید نے وہب بن کیسان سے سنا جو حضرت عبداللہ بن زبیر بن العوام کے آزاد شدہ غلام تھے۔ اسی طرح ہمیں سفیان نے خبر دی، الولید بن کثیر نے کہا کہ انہوں نے وہب بن کیسان سے سنا ہے اور اس کے آخر میں مذکور ہے: ''اَخْبَرَنِیْ'' اور یہ راوی کے تصرف میں سے ہے۔

اور حضرت عمر بن ابی سلمہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم، ابوسلمہ کا نام عبداللہ بن عبدالاسد ہے اور ان کی ماں کا نام برہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم ہے اور عمر مذکور کی ماں وہی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ تھیں اور حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب تھے یعنی آپ کے زیر پرورش تھے، ان سے کئی احادیث مروی ہیں جو ان کے شرف صحبت کو واجب کرتی ہیں، یعنی ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کا شرف اور فضیلت حاصل تھی اور ان کی عمر طویل ہوئی۔

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عمر بن ابی سلمہ نے کہا: میں غلام تھا یعنی نابالغ (لڑکا) تھا اور جب بچہ پیدا ہو تو اس کے بالغ ہونے تک اس کو غلام کہا جاتا ہے، اور حافظ ابن عبدالبر مالکی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما ہجرت کے دوسرے سال سرزمین حبشہ میں پیدا ہوئے تھے اور متعدد مورخین نے اس کی پیروی کی ہے، لیکن اس میں اعتراض ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ اس سے پہلے پیدا ہوئے تھے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ میں اور عمر بن ابی سلمہ عورتوں کے ساتھ خندق کے دن سے تھے اور وہ مجھ سے دو سال بڑے تھے اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی پیدائش صحیح قول کے مطابق ہجرت کے پہلے سال ہوئی تھی، پس حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما کی پیدائش ہجرت سے دو سال پہلے ہوئی تھی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس قائل کے اعتراض پر بھی اعتراض ہے، کیونکہ حافظ ابن عبدالبر نے ذکر کیا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما کی عمر جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، نو سال تھی، پس غور کرو، کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی ولادت ایک ہجری میں ہوئی تھی۔

حَجَر کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر پرورش تھا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لے پالک تھا۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: حجر کے لفظ میں حاء پر زبر بھی ہے اور حاء کے نیچے زیر بھی ہے اور وہی صحیح ہے۔

قاضی عیاض نے کہا ہے: حَجَر کا اطلاق پرورش کرنے پر بھی ہوتا ہے اور کپڑے پر بھی ہوتا ہے اور اس کے اندر اس لفظ پر زبر اور زیر دونوں جائز ہیں اور جب اس سے پرورش کے معنی کا ارادہ کیا جائے تو اس پر زبر ہی ہوگی یعنی اَلْحَجَر ہی ہوگا۔

صَحْفَة کا معنی

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ میرا ہاتھ جو تھا وہ پیالہ کے اطراف میں حرکت کر رہا تھا اور کسی ایک جگہ ٹھہر نہیں رہا تھا، اس حدیث میں ''الصحفة'' کا لفظ ہے، صَحْفَة اس پیالے کو کہتے ہیں جس سے پانچ آدمی سیر ہو کر کھا سکیں اور ''القصعة'' اس بڑے

پیالہ کو کہتے ہیں جس سے دس آدمی سیر ہو کر کھا سکیں، پھر میں ہمیشہ اسی طرح کھاتا رہا یعنی میں ہمیشہ بِسْمِ اللّٰہِ پڑھ کر کھاتا اور دائیں ہاتھ سے کھاتا اور اپنے قریب سے کھاتا۔

دائیں ہاتھ سے کھانے کا استحباب اور بائیں ہاتھ سے کھانے پر وعید

ہم نے عنقریب ذکر کیا ہے کہ کھانے سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا حکم جمہور کے نزدیک استحباب پر محمول ہے اور رہا دائیں ہاتھ سے کھانے کا حکم تو بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ واجب ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے اور بائیں ہاتھ سے کھانے کے اوپر وعید ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت سلمہ بن الاکوع سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو دیکھا جو بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا تو آپ نے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اس نے کہا: میں دائیں ہاتھ سے کھانے کی طاقت نہیں رکھتا اور اس کو صرف تکبر نے منع کیا تھا، تو آپ نے فرمایا: تم اس کی طاقت نہیں رکھو گے۔ اس کے بعد وہ مرد اپنے منہ تک وہ ہاتھ نہیں پہنچا سکا۔

اور امام احمد نے سند حسن کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے شیطان اس کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے۔

اور امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بائیں ہاتھ سے نہ کھاؤ کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔

شیطان اور جنات کے کھانے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

علامہ طیبی نے کہا ہے کہ آپ نے جو فرمایا کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ شیطان اپنے ان دوستوں کو جو انسانوں میں سے ہیں، اس پر برانگیختہ کرتا ہے کہ تم بائیں ہاتھ سے کھاؤ تاکہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو ضرر پہنچائے۔

اور بعض علماء نے کہا اس میں ظاہر سے عدول ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ خبر کو اس کے ظاہر پر محمول کیا جائے کیونکہ شیطان حقیقتاً کھاتا ہے اور عقل کے نزدیک شیطان کا کھانا مستبعد نہیں ہے، اور جب حدیث میں شیطان کے کھانے کے متعلق حدیث وارد ہے تو اس میں تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ شیطان کے کھانے کے متعلق علماء کے تین قول ہیں:

(۱) شیطان کی ایک قسم ہے جو کھاتی ہے اور پیتی ہے۔

(۲) شیطان کی ایک قسم وہ ہے جو نہ کھاتی ہے اور نہ پیتی ہے۔

(۳) تمام شیاطین کھاتے ہیں اور پیتے نہیں ہیں، اور یہ قول ساقط الاعتبار ہے۔

اور حافظ ابو عمر نے اپنی سند کے ساتھ از وہب بن منبہ روایت کی ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ جنات کون ہیں؟ کیا وہ کھاتے اور پیتے ہیں اور کیا وہ نکاح کرتے ہیں اور مرتے ہیں، تو انہوں نے جواب دیا: جنات کی کئی اجناس ہیں، سو جو خالص الجن ہیں وہ صرف ہوا ہیں، وہ نہ کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں اور نہ ان میں توالد اور تناسل ہوتا ہے، اور ان کی بعض اجناس ایسی ہیں جو کھاتی ہیں اور پیتی ہیں اور ان میں توالد ہوتا ہے اور ان میں نکاح ہوتا ہے۔ انہی میں سے ''السعالی'' ہے اور ''الغول'' ہے اور ''القطرب'' وغیرہ ہیں۔

اور جو لوگ کہتے ہیں کہ جنات کھاتے اور پیتے ہیں، ان کے دو قول ہیں:
(۱) ان کا کھانا اور پینا صرف سونگھنا ہے اس میں چبانا اور نگلنا نہیں ہوتا اور اس قول کے اوپر کوئی دلیل نہیں ہے۔
(۲) ان کے کھانے اور پینے میں چبانا اور نگلنا ہوتا ہے اور یہ وہ قول ہے جس کی احادیث صحیحہ میں تائید ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۳-۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۶ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف با بن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بِسْمِ اللهِ پڑھ کر کھانے اور دائیں ہاتھ سے کھانے کے متعلق مزید احادیث

(۱) حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے بیٹے! قریب ہو، پس بِسْمِ اللهِ پڑھو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے یا اپنے قریب سے کھاؤ۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۷۷)
(۲) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ شیطان اس طعام کو حلال قرار دیتا ہے جس پر اللہ کا نام نہ پڑھا جائے، پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ اللہ کا نام لو اور کھاؤ۔ (صحیح مسلم: ۲۰۱۷، کتاب الاشربہ، باب ادب الطعام والشراب واحکامہما)

میں کہتا ہوں: اس حدیث کا اصل متن درج ذیل ہے:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک کھانے پر حاضر تھے، ہم کھانے پر ہاتھ نہیں رکھتے تھے، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانے کے اوپر ہاتھ رکھتے اور ہم ایک مرتبہ آپ کے ساتھ کھانے پر حاضر تھے تو ایک باندی آئی، گویا وہ جلدی میں تھی اور وہ کھانے پر ہاتھ رکھنے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ہاتھ کو پکڑ لیا، پھر ایک دیہاتی آیا تو وہ بھی بہت جلدی میں تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان اس طعام کو حلال قرار دیتا ہے جس پر اللہ کے نام کا ذکر نہ کیا جائے اور شیطان اس باندی کے ساتھ آیا تھا کہ کھانے کو حلال قرار دے تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر اس دیہاتی کے ساتھ آیا کہ کھانے کو حلال کر دے، پھر میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! بے شک اس کا ہاتھ میرے ہاتھ کے ساتھ تھا۔ (صحیح مسلم: ۲۰۱۷، سنن ابوداؤد: ۳۷۶۶، مسند احمد: ۹؍۲۳۳)
(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب تم میں سے کوئی ایک کھانا کھائے تو اس کو چاہیے کہ وہ کہے: بِسْمِ اللهِ، پس اگر ابتداء میں وہ کہنا بھول جائے تو آخر میں کہے: بسم اللہ فی اولہ و اٰخرہ۔ (سنن ترمذی: ۱۸۵۸، سنن ابوداؤد: ۳۷۶۷)
(۴) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی مرد اپنے گھر میں جائے اور داخل ہوتے وقت اللہ کا نام لے اور کھانے کے وقت بھی اللہ کا نام لے تو شیطان کہتا ہے: نہ تمہارے لیے رات کا کوئی ٹھکانا ہے اور نہ رات کا کوئی کھانا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۰۱۸)
(۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو دائیں ہاتھ سے کھائے اور دائیں ہاتھ سے پانی پیے۔ (صحیح مسلم: ۲۰۲۰)
(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: وہ دائیں ہاتھ سے کوئی چیز لے اور دائیں ہاتھ سے کوئی چیز

دے۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۲۶۶)

علامہ بوصیری نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے رجال ثقات ہیں اور البانی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (الاحادیث الصحیحہ: ۱۲۳۶)

(۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چھ اصحاب کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے، پس ایک اعرابی آیا اور اس نے وہ سارا کھانا دو لقموں میں کھالیا تو آپ نے فرمایا: اگر یہ اعرابی بِسْمِ اللهِ پڑھتا تو یہ کھانا تم سب کے لیے کافی ہو جاتا۔ (سنن ترمذی: ۱۸۵۸)

(۸) حضرت عکراش بن ذؤیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا اور میرا ہاتھ پیالہ کے چاروں طرف گھوم رہا تھا تو آپ نے فرمایا: اے عکراش! ایک جگہ سے کھاؤ، کیونکہ یہ ایک کھانا ہے۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ ہمارے پاس ایک طباق لایا گیا جس میں مختلف قسم کے پھل تھے تو میں اپنے سامنے سے کھا رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ گھوم رہا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عکراش! تم جہاں سے چاہو کھاؤ، کیونکہ یہ مختلف قسم کے پھل ہیں۔

(سنن ترمذی: ۱۸۴۸، سنن ابن ماجہ: ۳۲۷۴، کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۳ ص ۱۲۵)

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر پیالہ یا رکابی یا پلیٹ میں ایک ہی قسم کے کھانے کی چیزیں ہوں تو صرف اپنے قریب سے کھانا چاہیے، اور اگر اس میں مختلف اجناس کی چیزیں ہوں تو پھر آدمی کو جو چیز اچھی لگے اس کو اٹھا کر کھالے۔

(سعیدی غفرلہ)

(۹) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک زہر آلود بکری لائی گئی، تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: تم اللہ کا نام پڑھو اور کھاؤ، صحابہ نے کہا: ہم نے کھایا تو ہم میں سے کسی کو بھی اس زہر آلود گوشت سے ضرر نہیں ہوا۔

(کشف الاستار: ۲۴۲۴، المستدرک ج ۴ ص ۱۰۹، حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی امام بزار نے روایت کی ہے اور اس کے رجال ثقات ہیں، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۵)

(۱۰) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو دائیں ہاتھ سے کھانا کھائے اور پانی پئے تو بائیں ہاتھ سے پئے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۰۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۱، مسند ابو یعلی ج ۷ ص ۲۶۰-۲۶۱، المعجم الاوسط للطبرانی ج ۲ ص ۶۲، رقم الحدیث: ۱۲۵۳)

(۱۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں سے کسی ایک کو منع کیا کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھائے۔

(صحیح مسلم: ۲۰۱۹، کتاب الاشربہ، باب آداب الطعام والشراب واحکامہما)

(۱۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ (لے پالک) حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد سے فرمایا: جو چیز تمہارے ہاتھ میں ہے اس کو رکھ دو، پھر بِسْمِ اللهِ پڑھو اور اپنے قریب سے کھاؤ تو تم سیر ہو جاؤ گے۔

(صحیح مسلم: ۲۰۲۱، الاحاد والمثانی: ۳۳۴۴، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۴ ص ۳۰۰، حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ امام طبرانی کی سند کے رجال ثقات ہیں، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۲-۲۳)

(۱۳) حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھاؤ اور اللہ کا نام لو۔

(سنن ابن ماجہ: ٣٢٧٦، مسند احمد ج ٣ ص ٤٩٠، المعجم الکبیر للطبرانی: ج ٢٢ ص ٩٠-٩١، المستدرک ج ٤ ص ١١٦-١١٧، الاحادیث الصحیحہ للالبانی: ٢٠٣٠)

طعام پر بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنے کے مسائل

طعام پر ابتداء میں بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنا سنتِ موکدہ ہے بالاجماع اور بلند آواز سے بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنا مستحب ہے تاکہ دوسروں کو تنبیہ ہو، اور کھانے کے آخر میں بلند آواز سے الحمد للہ پڑھنا بھی مستحب ہے اور اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا مستحب ہے، اگر کسی شخص نے عمداً بِسْمِ اللّٰهِ کو ترک کر دیا یا بھول کر یا جبر سے یا کسی اور وجہ سے، پھر وہ کھانے کے درمیان میں بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنے پر قادر ہوا تو اس کو چاہیے کہ اس کا تدارک کرے اور یوں پڑھے: ''بسم اللہ اولا وآخرا'' جیسا کہ حدیث میں ہے۔

صرف بسم اللہ پڑھنے سے بھی ان احادیث پر عمل ہو جاتا ہے، اگر اس کے بعد بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھا تو یہ مستحسن ہے اور جتنے بھی کھانے والے ہیں وہ سب بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھیں، اگر ان میں سے کسی ایک نے پڑھ لیا تب بھی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے پڑھنے کے حکم پر عمل ہو جائے گا۔

اور اہلِ ظاہر کے نزدیک کھانے والے پر بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنا فرض ہے۔ (المحلی ج ٧ ص ٤٢٤)

طعام کو دائیں ہاتھ سے کھانے کے مسائل

حدیث میں ہے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے، اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ بائیں ہاتھ سے کھانا کھانا نسیان کو پیدا کرتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ٥ ص ١٣١) اور یہ حدیث استحباب پر محمول ہے، کیونکہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر فضیلت ہے اور دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی بہ نسبت زیادہ قوی اور ثابت ہے، کیونکہ دائیں ہاتھ کو ایمن کہتے ہیں اور یہ یُمن سے ماخوذ ہے جس کے معنی برکت اور شرف ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنت کو یہ فضیلت عطا کی ہے کہ ان کو اصحاب الیمین فرمایا ہے، پس ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اچھے اور نیک اعمال کو دائیں ہاتھ سے شروع کیا جائے۔ سنن ابوداؤد میں یہ حدیث ہے کہ دائیں ہاتھ کو کھانے اور پینے کے لیے رکھا جائے اور بائیں ہاتھ کو باقی کاموں کے لیے۔

(سنن ابوداؤد: ٣٢، الاحادیث الصحیحہ للالبانی: ٢٥)

اور صحیح مسلم میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح مسلم: ٢٦٢)

اگر بائیں ہاتھ کی مدد کی ضرورت ہو تو بالطبع بائیں ہاتھ کو بھی استعمال کرنا جائز ہے، کیونکہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تازہ کھجوروں کو خربوزوں کے ساتھ کھا رہے تھے، آپ کے ایک ہاتھ میں تازہ کھجور تھی اور دوسرے ہاتھ میں خربوزہ تھا۔

(المعجم الاوسط ج ٨ ص ٤٤، المستدرک: ج ٤ ص ١٢٠-١٢١، شعب الایمان للبیہقی ج ٥ ص ١١١، حافظ الہیثمی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند میں یوسف بن عطیہ بن السفار ہے اور وہ متروک ہے۔ (مجمع الزوائد ج ٥ ص ٣٨) اور علامہ العراقی نے تخریج احادیث الاحیاء ج ٢ ص ٦٨ میں اور علامہ العجلونی نے کشف الاستار ج ١ ص ١٧٤ میں کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں یوسف بن عطیہ بن السفار ہے اور اس کے ضعف پر اجماع ہے)۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ٢٦ ص ٧٢-٧٧، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ قطر ١٤٢٩ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے کتاب الاذکار کے آداب الاکل میں لکھا ہے کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ کا پڑھنا ان اہم کاموں میں سے ہے جن کی معرفت حاصل کرنی چاہیے اور افضل یہ ہے کہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھے اور اگر اس نے صرف بِسۡمِ اللّٰہِ پڑھا تو بھی کافی ہے اور سنت حاصل ہو جائے گی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ علامہ نووی نے جو افضلیت کا دعویٰ کیا ہے، اس کے اوپر میں نے کوئی دلیلِ خاص نہیں دیکھی۔

کھانے سے پہلے بِسۡمِ اللّٰہِ پڑھنے کا مستحب ہونا

اور امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ نے احیاء العلوم کی کتاب ''آداب الاکل'' میں لکھا ہے کہ اگر کھانے والے نے ہر لقمہ پر بِسۡمِ اللّٰہِ پڑھی تو یہ مستحسن ہے اور مستحب یہ ہے کہ پہلے لقمہ کے ساتھ بِسۡمِ اللّٰہِ پڑھے اور دوسرے لقمہ کے ساتھ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ پڑھے اور تیسرے لقمہ کے ساتھ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ میں نے اس کے استحباب پر کوئی دلیل دیکھی نہ اس کے تکرار پر۔

دائیں ہاتھ سے اور اپنے قریب سے کھانے کے متعلق فقہاء کے اقوال

ہمارے شیخ نے شرح الترمذی میں لکھا ہے کہ اکثر شافعیہ نے دائیں ہاتھ سے کھانے اور اپنے قریب سے کھانے کو مستحب قرار دیا، پھر علامہ نووی اور امام غزالی نے اس کو وثوق کے ساتھ لکھا ہے، لیکن امام شافعی نے ''الرسالہ'' میں اور ''کتاب الام'' میں ایک جگہ پر لکھا ہے کہ دائیں ہاتھ سے کھانا واجب ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اسی طرح اس مسئلہ کو الصیرفی نے ''شرح الرسالہ'' میں لکھا ہے اور علامہ بویطی نے اس کو اپنی مختصر میں نقل کیا ہے کہ راستہ میں ثرید کو کھانا اور کھجوروں کو ملا کر کھانا اس قبیل سے ہے کہ اس کی ضد حرام ہے، اور قاضی بیضاوی نے اپنی کتاب منہاج میں لکھا ہے کہ یہ مستحب ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے آگے سے کھاؤ، اور تاج الدین سبکی وغیرہ نے اس پر تعاقب کیا ہے کہ امام شافعی نے متعدد مقامات پر یہ تصریح کی ہے کہ جس شخص نے اپنے آگے سے نہ کھایا جب کہ اس کو معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے کہ کوئی شخص اپنے آگے کے بغیر سے نہ کھائے بلکہ ادھر ادھر سے کھائے، پھر بھی اگر اس نے ادھر ادھر سے کھایا تو وہ گناہگار ہوگا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۲۱-۵۲۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، فتح الباری ج ۶ ص ۵۶۸، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۶ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب مرد کے ساتھ کھانے میں کوئی اور شریک نہ ہو یا کھانا کئی قسم کا ہو تو پھر پیالہ میں ادھر ادھر سے کھانے کا جواز

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کھانے کی ابتداء میں بِسۡمِ اللّٰہِ پڑھنی چاہیے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا: اے لڑکے! بِسۡمِ اللّٰہِ پڑھو اور اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ بچوں کو آدابِ شریعہ سکھانا چاہیے، کیونکہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لڑکے! بِسْمِ اللّٰهِ پڑھو، اور اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ دائیں ہاتھ سے کھانا چاہیے، کیونکہ آپ نے فرمایا: دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے آگے سے کھاؤ، یہ حکم اس وقت ہے جب اس کے ساتھ کوئی دوسرا بھی ہو اور جب اس کے ساتھ کوئی اور نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اپنے آگے سے نہ کھائے اور ادھر ادھر سے کھائے اور یہ بھی اس صورت کے ساتھ مقید ہے کہ جب طعام مختلف اقسام کا نہ ہو، اگر طعام مختلف اقسام کا ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اپنے آگے سے نہ کھائے، کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سالن میں سے کدو (لوکی) کو تلاش کر کے کھا رہے تھے۔

(شرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۱۳۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۶، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) بچوں کو طعام کے آداب اجتماعیہ کے سکھانے کی ضرورت۔

(۲) سنت یہ ہے کہ اپنے سامنے سے اور اپنے قریب سے کھائے۔

(۳) اس حدیث میں بائیں ہاتھ سے کھانے کی ممانعت ہے، کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔

تنبیہ لطیف

اس حدیث میں تین چیزیں ہیں جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے اور یہ تینوں آداب طعام سے ہیں۔

(۱) کھانے کے ارادہ کے وقت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھنا یا بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنا۔

(۲) دائیں ہاتھ سے کھانا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بائیں ہاتھ سے کھانے کی مذمت کی ہے۔ امام مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا جو بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا، آپ نے اس سے فرمایا: دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اس نے کہا: میں طاقت نہیں رکھتا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کی طاقت نہ رکھو گے، پھر وہ لقمہ کو اپنے منہ تک نہ لے جاسکا اور اس شخص نے محض تکبر کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ (میں کہتا ہوں: اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آپ نے جو فرمایا تھا اسی طرح ہو گیا۔ سعیدی غفرلہ)

(۳) انسان اپنے آگے سے اور اپنے قریب سے کھائے اور برتن کے اطراف سے نہ کھائے، کیونکہ برتن کے اطراف سے کھانا مروت کے منافی ہے، گویا کہ وہ اپنے لیے سب سے اچھی چیز کو اختیار کر رہا ہے۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر واللآلی لشرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۴۸-۱۴۹، المکتبۃ العصریہ، لبنان، ۱۴۳۲ھ)

۳- بَابُ: الْأَكْلِ مِمَّا يَلِيْهِ — اپنے قریب سے کھانا

وَقَالَ أَنَسٌ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم اذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ وَلْيَأْكُلْ — حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ

كُلُّ رَجُلٍ مِمَّا يَلِيهِ۔ (کتاب ابن ابی عاصم فی الاطعمہ) کے نام کا ذکر کرو اور ہر شخص اپنے قریب سے کھائے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جو تعلیق ہے، اس کو امام ابن ابی عاصم نے کتاب الاطعمہ میں روایت کیا ہے، اور اس کی اصل صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۷۷۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ الدِّيلِيِّ عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ أَبِي نُعَيْمٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ وَهُوَ ابْنُ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أَكَلْتُ يَوْمًا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ طَعَامًا فَجَعَلْتُ آكُلُ مِنْ نَوَاحِي الصَّحْفَةِ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ كُلْ مِمَّا يَلِيكَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبد العزیز بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی از محمد بن عمرو بن حلحلہ الدیلی از وہب بن کیسان ابی نعیم از حضرت عمر بن ابی سلمہ اور وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ کے بیٹے تھے، انہوں نے بیان کیا کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا تو میں پیالہ کے اطراف سے کھا رہا تھا، مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے قریب سے کھاؤ۔

(صحیح البخاری: ۵۳۷۷، ۵۳۷۸، صحیح مسلم: ۲۰۲۲، سنن ابوداؤد: ۳۷۷۷، سنن ابن ماجہ: ۳۲۶۷، مسند احمد: ۱۸۹۵، موطا امام مالک: ۱۷۳۸، سنن دارمی: ۲۰۱۹)

علامہ عینی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ صحیح البخاری: ۵۳۷۶ میں جس حدیث کی روایت کی گئی ہے، یہ اس حدیث کی دوسری سند سے روایت ہے۔

امام مسلم نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ایک دن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھایا تو میں پیالہ کے اطراف سے گوشت کو اٹھا رہا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے آگے سے کھاؤ۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۷۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ أَبِي نُعَيْمٍ قَالَ أُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِطَعَامٍ وَمَعَهُ رَبِيبُهُ عُمَرُ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ فَقَالَ سَمِّ اللهَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از وہب بن کیسان ابو نعیم، انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانا لایا گیا اور آپ کے ساتھ آپ کے ربیب (لے پالک) عمر بن ابی سلمہ تھے، آپ نے فرمایا: اللہ کا نام لو اور اپنے قریب سے کھاؤ۔

(اس حدیث کی تخریج بھی حسب سابق ہے)۔

صحیح البخاری: ۵۳۷۸ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سوال کا جواب کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث مرسل کی روایت کیوں کی ہے؟

یہ حدیث مرسل ہے، کیونکہ وہب بن کیسان جو تابعی ہیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے حدیث روایت کی ہے، سو یہ حدیث مرسل ہوگئی۔ اسی طرح امام مالک کے اصحاب نے الموطا میں اس کی روایت کی ہے اور خالد بن مخلد نے اور یحییٰ بن صالح الوحاظی نے اس حدیث کی سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے، ان دونوں نے کہا از امام مالک از وہب بن کیسان از حضرت عمر بن ابی سلمہ۔ اگر تم یہ سوال کرو کہ اسحاق بن ابراہیم الحنینی نے اس حدیث کی امام مالک سے روایت کی ہے از وہب بن کیسان از جابر؟ تو میں کہوں گا: یہ حدیث منکر ہے، اور اسحاق بن ابراہیم الحنینی ضعیف راوی ہیں۔

اگر تم سوال کرو کہ امام بخاری نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں کیوں روایت کیا جب کہ امام مالک سے یہ منقول ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے، میں کہوں گا: جب کہ اس سے پہلی سند کے ساتھ یہ واضح ہوگیا کہ وہب بن کیسان نے حضرت عمر بن ابی سلمہ سے اس حدیث کو سنا ہے تو یہ محقق ہوگیا کہ یہ حدیث اصل میں موصول ہے اگرچہ امام مالک نے اس کی سند کو مختصر کیا اور اس حدیث کے موصول ہونے کی تصریح نہیں کی، اس وجہ سے امام بخاری نے اس حدیث کی روایت کو جائز قرار دیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۵-۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۷، ۵۳۷۸ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کھانے پینے کے احکام اور آداب کے متعلق احادیث اور ان کی شروح

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک درزی نے رسول اللہ ﷺ کو اس طعام کی دعوت دی جو اس نے تیار کیا تھا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس طعام کی طرف گیا، درزی نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے روٹی اور شوربہ رکھا جس میں کدو کے ٹکڑے تھے اور گوشت تھا، پس میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ پیالہ کے گرد سے کدو کے ٹکڑوں کو ڈھونڈ رہے ہیں، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: پس میں اس دن سے کدو سے محبت رکھتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۲۰۹۲، صحیح مسلم: ۲۰۴۱، سنن ترمذی: ۱۸۵۰، سنن ابوداؤد: ۳۷۸۲، مسند احمد: ۱۲۴۵۰، موطا امام مالک: ۱۱۲۱، سنن دارمی: ۲۰۵۰)

علامہ ابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۵۳۷۷ میں رسول اللہ ﷺ نے پیالہ کے اطراف میں ہاتھ مارنے سے منع فرمایا اور حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ اپنے آگے سے کھاؤ، اور صحیح البخاری: ۲۰۹۲ میں رسول اللہ ﷺ نے خود پیالہ کے اطراف سے کدو کے قتلوں کو ڈھونڈ کر کھایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ پیالہ کے اطراف میں ہاتھ مارنا جائز ہے۔

علامہ ابن التین نے ان دونوں حدیثوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ جب انسان کے ساتھ اس کے خدام اور عیال کے سوا اور کوئی نہ ہو تو پیالہ کے اطراف میں ہاتھ نہ مارے، اور جب انسان کے ساتھ اس کے خادم ہوں تو پھر پیالہ کے اطراف میں ہاتھ مارنا جائز ہے، کیونکہ دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ تھے اور درزی تھا اور وہ بھی

رسول اللہ ﷺ کا آزاد شدہ غلام تھا جیسا کہ عنقریب باب الدباء میں آئے گا۔ (صحیح البخاری: ۵۴۳۳)

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے اس کی اجازت دی ہے کہ آدمی اپنے گھر والوں کے ساتھ کھائے اور اس کا ہاتھ پیالہ میں گھومتا رہے اور یہ اس وقت ہے کہ جب برتن میں ایک قسم کی کھانے کی چیزیں ہوں، اور اگر برتن میں مختلف انواع کی چیزیں ہوں، پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آدمی اپنے سامنے کے علاوہ برتن کے دوسرے اطراف سے بھی کھائے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے لکھا ہے کہ طعام کے آداب میں سے یہ ہے کہ جب برتن میں مختلف قسم کے کھانے کی چیزیں ہوں، تو پھر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ برتن کے کسی بھی طرف سے نکال کر کھانے کی چیزیں کھائے، کیونکہ نبی ﷺ نے عکراش سے اس وقت فرمایا جب آپ کے پاس ایک طباق میں تر اور خشک کھجوریں لائی گئیں تو آپ نے فرمایا: تم جہاں سے چاہو کھاؤ، کیونکہ یہ ایک قسم کی چیزیں نہیں ہیں۔

علامہ قرطبی مالکی نے لکھا ہے کہ اپنے قریب اور اپنے سامنے سے کھانا متفق علیہ سنت ہے اور اس کے خلاف کرنا شدید مکروہ اور قبیح ہے جب کہ طعام ایک قسم کا ہو، جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ (المفہم ج ۵ ص ۲۹۸) لیکن امام شافعی نے کتاب الام میں اور الرسالہ میں تصریح کی ہے کہ اپنے قریب کے علاوہ سے کھانا حرام ہے یعنی مکروہ تحریمی ہے جب کہ کھانے والے کو ممانعت کا علم ہو۔
(کتاب الام ج ۷ ص ۲۶۶)

آدابِ طعام کے متعلق متعدد اور متفرق فصول

علامہ ابن الملقن لکھتے ہیں: میں آداب طعام کے متعلق فصولِ متفرقہ ذکر کروں گا۔

شیخ ابن حزم ظاہری نے کہا ہے: کھانے پر بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنا فرض ہے۔ (المحلی ج ۷ ص ۴۲۴)

گوشت کھانے کا جواز

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاۤ اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۞ (المومنون)

اے رسولو! پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرتے رہو، بے شک تم جو بھی کام کرتے ہو میں اس کو خوب جاننے والا ہوں O

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۞ (المائدہ)

اے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو، جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا O

ان آیتوں کے شانِ نزول کے متعلق امام ابن ابی عاصم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: بے شک میں جب گوشت کھاتا ہوں تو مجھ میں شہوت بیدار ہوتی ہے اور میں عورتوں کے پاس جاتا ہوں، تو انہوں نے گوشت کو اپنے اوپر حرام قرار دے دیا۔
(سنن ترمذی: ۳۰۵۴، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۱ ص ۳۵۰، الکامل لابن عدی ج ۶ ص ۲۹۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گوشت کو چھری سے نہ کاٹو کیونکہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے اور

گوشت کو دانتوں سے کاٹ کر کھاؤ، یہ زیادہ خوش گوار اور لذیذ ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۷۸، امام ابوداؤد نے کہا: یہ حدیث قوی نہیں ہے)

حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھا رہا تھا، پس میں گوشت کو ہڈی سے اپنے ہاتھ سے چھڑا رہا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہڈی کو اپنے منہ کے پاس لے جاؤ، یہ زیادہ خوشگوار اور زیادہ لذیذ ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۳۷۷۹، امام ابوداؤد نے کہا: یہ حدیث عثمان بن ابی سلیمان نے حضرت صفوان سے روایت کی ہے، اور عثمان کا صفوان سے سماع نہیں ہے، سو یہ حدیث مرسل ہے)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کا دودھ بہت زیادہ محبوب تھا۔

(سنن ابوداؤد: ۳۷۸۰)

محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کی دستی کا گوشت زیادہ محبوب تھا اور آپ کو بکری کی دستی میں زہر دیا گیا تھا اور ان کا گمان یہ تھا کہ یہود نے آپ کو زہر دیا تھا۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۸۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ پسندیدہ کھانا وہ تھا جو ثرید ہو یعنی جو گوشت کے سالن اور روٹی کے ٹکڑوں کو ملا کر بنایا گیا ہو۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۸۳، امام ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے)

طعام کے حصول کے آداب

جب آدمی طعام کو حاصل کرے تو اس کو خود خریدے اور اس کے لیے خود عمل کرے اور اس کا وہ عمل حلال محض ہونا چاہیے۔

کسب اور کمانے کی جہت سے ضروری ہے کہ وہ بیع فاسد سے اور اس کے مشابہ بیوع سے اجتناب کرے، امام دارمی نے کتاب الاطعمہ میں یہ حدیث روایت کی ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مرد بھی حلال مال سے کمائے تو وہ اسے خود بھی کھائے اور خود بھی پہنے اور اللہ کی مخلوق میں سے تم جس کو دیکھو اسے کھلاؤ اور پلاؤ، کیونکہ یہ اس آدمی کے لیے زکوٰۃ ہو جائے گی۔

علامہ ابن ملقن کہتے ہیں کہ اس حدیث کی امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے (صحیح ابن حبان: ۴۲۳۶) اور الحاکم نے المستدرک میں روایت کی ہے (ج ۴ ص ۱۲۹) اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں بہت طویل روایت کی ہے (ج ۲ ص ۸۶) اور البانی نے اس کو ضعیف اور جامع میں ذکر کیا ہے۔ (۲۲۳۹)

نیز علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: جس مال سے انسان نے طعام حاصل کیا ہے، ضروری ہے کہ وہ مال رشوت نہ ہو اور نہ کسی فاسد چیز کا عوض ہو اور نہ کسی بدعتی کے ہاتھ سے وہ طعام لیا ہو اور نہ ظالم کے ہاتھ سے اور نہ وہ مال سود پر مشتمل ہو اور نہ ایسے تاجر سے مال حاصل کیا ہو جس کی غالب کمائی حرام ہو، اور اگر کوئی نیک آدمی اس کو طعام پیش کرے تو وہ اس کے متعلق اس سے سوال نہ کرے اور وہ یہ نیت رکھے کہ اس کا حصول اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہے اور وہ اس طعام کو اس نیت کے ساتھ کھائے کہ اس کے کھانے سے اس کو عبادت پر طاقت حاصل ہوگی اور اگر اس نے لذت کی نیت سے طعام کو کھایا تو یہ بھی جائز ہے، اور وہ منعم کا شکر ادا کرے۔

کھانے سے پہلے ہاتھوں کو دھونا

طعام کے آداب میں سے یہ ہے کہ کھانے سے پہلے صفائی کے حصول کے لیے ہاتھوں کو دھوئے، ہر چند کہ اس میں ایک حدیث

ضعیف بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھوں کو دھونا فقر اور تنگدستی سے بچاتا ہے اور بعد میں ہاتھوں کو دھونا گناہوں سے بچاتا ہے، (اس حدیث کو امام ابن الجوزی نے ضعیف قرار دیا ہے)۔

نیز حدیث میں ہے:

طعام کی برکت یہ ہے کہ کھانے سے پہلے بھی ہاتھوں کو دھوئے اور کھانے کے بعد بھی ہاتھوں کو دھوئے۔

(سنن الترمذی ۱۸۴۶، سنن ابوداؤد: ۳۷۶۱، مسند احمد ج ۵ ص ۴۴۱، المستدرک ج ۴ ص ۱۰۶-۱۰۷)

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت الخلاء سے آئے تو آپ کے پاس طعام لایا گیا، تو گھر والوں نے آپ سے وضو کرنے کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: میں نماز پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہوں جو وضو کروں؟

(صحیح مسلم: ۳۷۴، الرقم المسلسل: ۷۱۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھے، آپ قضاء حاجت سے آئے، آپ کے پاس طعام لایا گیا، آپ سے کہا گیا: کیا آپ وضو نہیں کریں گے، آپ نے فرمایا: کیوں؟ کیا میں نماز پڑھ رہا ہوں جو وضو کروں؟

(صحیح مسلم الرقم المسلسل: ۷۱۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضاء حاجت سے فارغ ہو کر بیت الخلاء سے آئے تو آپ کے پاس طعام لایا گیا، آپ نے وہ کھایا اور پانی کو نہیں چھوا۔ (صحیح مسلم الرقم المسلسل: ۷۱۶)

علامہ ابن الملقن لکھتے ہیں کہ کھانے والا ہاتھ دھونے سے عبادت کی نیت کرے، کیونکہ جب اس نے یہ نیت کی کہ اس کو کھانے سے عبادت پر طاقت حاصل ہوگی تو اس کے لیے مستحب ہے کہ ہاتھوں کو دھوئے اور وہ کھانے کے بعد بھی ہاتھوں کو دھوئے۔

میں کہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان احادیث میں کھانے سے پہلے وضو کرنے پر اعتراض کیا اور فرمایا: میں کوئی نماز تو نہیں پڑھ رہا جو وضو کروں، تو ان احادیث میں کھانے سے پہلے ہاتھوں کو دھونے کی ممانعت نہیں ہے بلکہ آپ نے یہ تعلیم دی ہے کہ کھانے سے پہلے وضو کرنا فرض نہیں ہے، وضو کرنا صرف نماز کے لیے ہے اور کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھوں کو دھونے کا ثبوت ان احادیث میں ہے جو سنن ترمذی اور سنن ابوداؤد وغیرہما کے حوالہ سے ابھی گزری ہیں۔

''خوان'' اور ''سفرۃ'' یعنی دسترخوان پر کھانا

کھانے والے کو چاہیے کہ زمین پر بیٹھ کر کھائے نہ کہ دسترخوان پر، کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کپڑے کے دسترخوان پر نہیں کھاتے تھے، لیکن اگر اس نے دسترخوان پر کھانا رکھ کر کھایا تو اگرچہ یہ بدعت ہے لیکن اس میں کوئی کراہت نہیں ہے اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سُفرہ یعنی چمڑے کے دسترخوان پر کھانا رکھ کر کھاتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کپڑے کے دسترخوان پر اور نہ رکابی یا پلیٹ پر رکھ کر کھانا کھایا، قتادہ نے پوچھا: پھر وہ کس چیز پر کھاتے تھے؟ انہوں نے کہا: وہ چمڑے کے دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۳۸۶، سنن ابوداؤد: ۳۲۹۲، سنن ترمذی: ۱۷۹۵)

میں کہتا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کپڑے کے دسترخوان اور رکابی یا پلیٹ میں کھانا رکھ کر کھانے سے منع بھی نہیں فرمایا۔ غالباً

اس زمانہ میں ان چیزوں پر کھانا رکھ کر کھانے کا معمول نہیں تھا۔ اسی طرح میز اور کرسی پر کھانا رکھ کر کھانے سے بھی آپ نے منع نہیں فرمایا، کیونکہ اس زمانہ میں اس کا معمول نہیں تھا، لیکن چونکہ وقت کے بدلنے سے تمدن اور معاشرت کی چلن اور طور طریقے بدل جاتے ہیں، اس زمانہ میں چمڑے کے مستطیل ٹکڑوں پر رکھ کر کھانا کھایا جاتا تھا، لیکن اب چونکہ اتنا وافر چمڑا دستیاب نہیں ہوتا اور تہذیب اور تمدن کے تقاضوں سے اب گھروں میں پلاسٹک کی شیٹس، کپڑے کے دسترخوان اور پلیٹوں پر رکھ کر کھانا کھاتے ہیں اور ہوٹلوں میں میز اور کرسی پر رکھ کر کھانا کھایا جاتا ہے اور ان چیزوں کی شریعت میں ممانعت نہیں ہے، لہٰذا اب اگر اس طرح کھانا کھایا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

کھانے کے وقت بیٹھنے کا طریقہ

کھانے والے کو چاہیے کہ زمین پر بیٹھے اور دایاں پیر نصب کر لے اور بائیں پیر پر بیٹھے اور لیٹے نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام سے بھیجا، جب میں واپس آیا تو آپ کھجوریں کھا رہے تھے اور آپ بہ طور اقعاع بیٹھے ہوئے تھے، یعنی سرین کے بل بیٹھے ہوئے تھے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۷۱، صحیح مسلم: ۲۰۴۴)

حضرت ابو جُحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔

(صحیح البخاری: ۵۳۹۸، سنن ابوداؤد: ۳۷۶۹، سنن ترمذی: ۱۸۳، سنن ابن ماجہ: ۳۲۶۲)

نمکین چیز کو کھانے سے ابتداء کرنا

اور کھانے کے آداب میں سے یہ ہے کہ نمکین چیز سے کھانے کی ابتداء کرے، ابن طاہر نے صفۃ التصوف میں از جعفر بن محمد از والد خود از جد خود یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! نمکین چیز سے ابتداء کرو اور اسی پر ختم کرو، کیونکہ اس میں ستر بیماریوں سے شفاء ہے۔ (بغیۃ الباحث: ۴۶۸، اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

دائماً گوشت کھانے سے اجتناب کرنا چاہیے

اور دائماً گوشت نہ کھائے، کیونکہ حضرت عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے اس سے منع کیا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۴۵۲۰، ۲۴۵۲۱)

کھانے میں تکلف نہ کیا جائے

انسان کو جو کھانے کی چیز مل جائے اس پر راضی رہے اور تکلف نہ کرے اور اکیلے نہ کھائے، کیونکہ جب وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ کھائے گا تو اس سے تکبر دور ہوگا۔ (شعب الایمان للبیہقی ج ۵ ص ۱۵۳، یہ حدیث حضرت جابر پر موقوف ہے)

کھانا پکانے والے خادم کو بھی اپنے ساتھ کھانا کھلائیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی ایک کے پاس اس کا خادم کھانا لے کر آئے تو اگر وہ اس کو اپنے ساتھ بٹھا کر نہ کھلا سکے تو اس کو ایک لقمہ یا دو لقمے کھلائے، کیونکہ اس نے کھانا پکانے کی مشقت برداشت کی ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۵۵۷، صحیح مسلم: ۱۶۶۳، سنن ترمذی: ۱۸۵۳، سنن ابن ماجہ: ۳۲۸۹، مسند احمد: ۷۴۹۲، سنن دارمی: ۲۰۷۴)

مجوسی کے برتنوں کو دھوئے بغیر ان میں کھانا نہ کھائے

اگر کسی شخص کو مجوسی کے برتنوں میں کھانے کی ضرورت پڑے تو ان برتنوں کو دھو کر ان میں کھائے ، کیونکہ حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مجھے مجوسی کے برتنوں کے بارے میں بتلائیں ، جب ہمیں ان کے برتنوں میں کھانے کی ضرورت ہو ، تو آپ نے فرمایا: ان برتنوں کو دھو لو اور پھر ان میں کھانا کھالو۔ (سنن ابوداؤد: ۲۸۵۷)

اگرچہ گنجائش ہو پھر بھی آدھے پیٹ کھانا کھائے

حدیث میں ہے: پیٹ کا تیسرا حصہ کھانے کیلئے ہے اور پیٹ کا تیسرا حصہ پانی کے لیے اور پیٹ کا تیسرا حصہ سانس کے لیے۔

(سنن الترمذی: ۲۳۸۰ ، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۴ ص ۱۷۷ ، مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۲ ، صحیح ابن حبان ج ۱۲ ص ۴۱ ، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۱۲۱)

اور المہلب نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قحط کے سال یہ ارادہ کیا کہ ہر گھر پر یہ لازم کردیں کہ اپنے ساتھ دوسرے گھر کے لوگوں کو بھی کھلائیں اور فرمایا: کوئی آدمی اگر اپنی نصف خوراک کو کھائے گا تو وہ ہلاک نہیں ہوگا۔

کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا

کھانے کے بعد بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور یہ کلمات کہے:

''الحمد للہ حمداً طیبا مبارکا فیہ غیر مکفی ولا مکفور ولا مودع ولا مستغنٰی عنہ ربنا''، جیسا کہ اس کا ذکر عنقریب صحیح البخاری: ۵۴۵۸ میں آئے گا۔

مذکور دعا کا ترجمہ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جو بہت زیادہ بہت پاکیزہ اور بہت برکت والا ہے ، ہم اس کھانے کا پوری طرح حق ادا نہ کر سکے اور یہ کھانا ہمیشہ کے لیے رخصت نہیں کیا گیا ہے (یہ اس لیے کہا تا کہ) اس سے ہم کو بے پرواہی کا خیال نہ ہو ، اے ہمارے رب!

ایک تھال سے جمع ہو کر کھانا

ایک طشت یا ایک تھال میں لوگ جمع ہو کر کھائیں ، کیونکہ حدیث میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تھالوں کی حفاظت کرو اور مجوس کی مخالفت کرو۔ (شعب الایمان ج ۵ ص ۷۱ ، تاریخ بغداد ج ۵ ص ۹)

اور گیلے ہاتھوں سے اپنی آنکھوں کو صاف کرے اور ہاتھ کو نہ جھاڑے ، کیونکہ حدیث میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم وضو کرو تو اپنی آنکھوں کو پانی کے ساتھ دھوؤ۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۱۶ ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۰ ، الطبرانی ج ۴ ص ۱۷۷ ، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۳۵ ، ج ۵ ص ۳۰)

میں کہتا ہوں: کہ میڈیکل سائنس سے بھی یہ ثابت ہے کہ آنکھوں کو دھونے سے آنکھوں کی حفاظت ہوتی ہے اور بینائی تیز ہوتی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

کھانے کے بعد دانتوں میں خلال کرنا

کھانا کھانے کے بعد کلی کرنی چاہیے اور کھانے کے ذرات کو منہ سے صاف کرنا چاہیے اور دانتوں میں جو گوشت کے ریشے

پھنسے ہوئے ہوں، ان کو نکالنا چاہیے، کیونکہ حدیث میں ہے:

کتنے اچھے لوگ ہیں وہ جو کھانے کے بعد خلال کرتے ہیں، کیونکہ بندہ کے ساتھ جو فرشتہ ہوتا ہے، اس پر اس سے زیادہ کوئی چیز دشوار نہیں ہوتی کہ اسے کھانے کی بد بو آئے۔

اور اگر اس کے دانتوں میں جو گوشت کے ریشے ہیں اس کو اس نے زبان سے کھالیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے سرمہ لگایا تو طاق مرتبہ لگائے، جس نے ایسا کیا تو اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں اور جس نے استنجا کیا وہ بھی طاق مرتبہ کرے، جس نے ایسا کیا تو اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں، اور جس نے کھانا کھایا تو جو اس کے دانتوں میں گوشت کے ریشے پھنسے ہیں وہ ان کو نکال کر پھینک دے، اور جس نے ان کو زبان سے کھالیا ہے تو اس کو نگل لے، جس نے ایسا کیا تو اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔ الحدیث۔

(سنن ابوداؤد: ۳۵، سنن ابن ماجہ: ۳۴۹۸)

مجذوم (جس کو جذام یا کوڑھی کا مرض ہو) کو ساتھ بٹھا کر کھلانا

اگر مرد کے ساتھ کوئی بیمار آدمی کھانا کھائے تو وہ اس سے الگ نہ ہو، بشرطیکہ اس پر یہ آسان ہو اور اسے مرض کے متعدی ہونے کا خوف نہ ہو، کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مجذوم کا ہاتھ پکڑا، اور اس کے ہاتھ کو پیالہ میں رکھا اور فرمایا: اللہ پر اعتماد کر کے کھاؤ اور اس پر توکل کر کے کھاؤ۔ (سنن ابوداؤد: ۳۹۲۵، سنن ترمذی: ۱۸۱۷، سنن ابن ماجہ: ۳۵۴۲)

میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ پر شدید متوکل تھے اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے وحی سے یہ مطلع فرمایا تھا کہ اس مجذوم کو ساتھ کھلانے سے آپ کو کوئی ضرر نہیں ہوگا، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے: کہ جذام کے مریض سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہیں۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ نے شیر کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی ہے کہ جذام کے مرض کا جرثومہ بعینہٖ شیر کی شکل کا ہوتا ہے، اور جدید میڈیکل سائنس سے بھی ثابت ہے کہ مہلک بیماریاں متعدی ہوتی ہیں، اس لیے مہلک بیماریوں والے کے ساتھ کھانے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ (سعیدی غفرلہٗ) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۸۰-۹۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: علامہ ابن الملقن نے کھانے کے آداب میں اور بھی بہت مسائل ذکر کیے ہیں، لیکن ہم نے جتنے مسائل ذکر کیے ہیں اور ان کی تائید میں احادیث تلاش کر کے لکھی ہیں ان میں کفایت ہے۔

۴۔ بَابٌ: مَنْ تَتَبَّعَ حَوَالَىِ الْقَصْعَةِ مَعَ صَاحِبِهِ إِذَا لَمْ يَعْرِفْ مِنْهُ كَرَاهِيَةً

پیالہ کے اطراف سے کھانے کا جواز جب کھانے والے کو معلوم ہو کہ اس کے ساتھ کھانے والے کو اس سے کراہیت نہیں ہوگی

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ،اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ پیالہ کے اطراف میں ہاتھ بڑھانا جائز ہے، جب کہ ہاتھ بڑھانے والے کو یہ معلوم ہو کہ اس کے اس عمل سے اس کے صاحب کو کراہیت نہیں ہوگی۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ یہ عنوان اس سے پہلے وارد شدہ احادیث کے خلاف ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ اپنے قریب سے کھاؤ۔

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے اس عنوان کو اس صورت پر محمول کیا ہے کہ جب چاروں طرف ہاتھ بڑھانے والے کو یہ معلوم ہو کہ جو اس کے ساتھ کھانا کھا رہا ہے وہ اس کے اس امر پر راضی ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب میں حضرت انس کی اس حدیث کو ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیالہ سے کدو تلاش کر کے کھا رہے تھے اور یہ حدیث بظاہر اس سے پہلے ذکر کی ہوئی ان احادیث کے خلاف ہے جن میں آپ نے یہ حکم دیا ہے کہ تم اپنے قریب سے کھاؤ، پس امام بخاری نے ان میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ جب کھانے والے کو یہ علم ہو کہ جو اس کے ساتھ کھا رہا ہے، وہ اس کے اس عمل پر راضی ہوگا تو اس کا اس طرح کرنا جائز ہے، اور اس میں اشارہ کیا ہے کہ حضرت عکراش کی وہ حدیث ضعیف ہے جس کی امام ترمذی نے روایت کی ہے، کیونکہ اس حدیث میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کھانا ایک قسم کا ہو تو وہ اپنے قریب کے کھانے سے تجاوز نہ کرے اور اگر کھانا کئی قسم کا ہو تو پھر اس کا اپنے قریب کے کھانے سے تجاوز کرنا جائز ہے۔

اور بعض شارحین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کو اس پر محمول کیا ہے کہ جب کھانا شوربہ اور کدو اور گوشت پر مشتمل ہو اور کھانے والے کو کدو پسند ہو تو جو اس کو پسند نہیں ہے وہ اس کو چھوڑ دے، مثلاً گوشت کو چھوڑ دے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۲۴، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، فتح الباری ج ۶ ص ۵۷۰، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر سے مناقشہ

علامہ عینی تحریر فرماتے ہیں:

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ابوالہذیل نے بیان کیا: مجھے عبیداللہ بن عکراش نے حدیث بیان کی از والد خود عکراش بن ذؤیب، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے بنو مرہ بن عبید نے اپنے اموال کے صدقات دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا، میں آپ کے پاس وہ صدقات لے کر مدینہ میں آیا، میں نے دیکھا آپ مہاجرین اور انصار کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا: پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر لے گئے، آپ نے پوچھا: کیا گھر میں کھانے کی کوئی چیز ہے؟ تو ہمارے پاس ایک بڑا برتن لایا گیا جس میں بہت زیادہ ثرید (گوشت کے سالن میں روٹی کے ٹکڑے ڈالے ہوئے ہوں تو اس کو ثرید کہتے ہیں) تھا، پس ہم اس میں سے کھانے لگے تو میرا ہاتھ برتن میں گھوم رہا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سامنے سے کھا رہے تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ سے میرے دائیں ہاتھ کو پکڑ لیا اور پھر فرمایا: اے عکراش!

ایک جگہ سے کھاؤ، کیونکہ یہ ایک قسم کا کھانا ہے، پھر ہمارے پاس ایک طباق لایا گیا جس میں مختلف اقسام کی خشک اور تر کھجوریں تھیں، تو میں اپنے سامنے سے کھانے لگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ طباق میں چاروں طرف گھوم رہا تھا، آپ نے فرمایا: اے عکراش! تم جس جگہ سے چاہو کھاؤ، کیونکہ یہ ایک قسم کا کھانا نہیں ہے، پھر ہمارے پاس پانی لایا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو دھویا اور اپنے ہاتھوں کی تری سے اپنے چہرے، کلائیوں اور سر پر مسح کیا اور فرمایا: اے عکراش! یہ ان چیزوں کے کھانے کے بعد وضو ہے جن کو آگ نے متغیر نہ کیا ہو۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا: یہ حدیث غریب ہے، ہم اس کو صرف العلاء بن فضل کی حدیث سے پہچانتے ہیں اور علاء اس حدیث میں متفرد ہیں، اور ہم عکراش کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف اسی حدیث سے پہچانتے ہیں۔

(سنن ترمذی: ۱۸۴۸)

علامہ عینی فرماتے ہیں:

کاش میری عقل حافظ ابن حجر عسقلانی کے پاس موجود ہوتی، انہوں نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ امام بخاری نے اس حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۷۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ إِنَّ خَيَّاطًا دَعَا رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم لِطَعَامٍ صَنَعَهُ قَالَ أَنَسٌ فَذَهَبْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَرَأَيْتُهُ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ مِنْ حَوَالَيِ الْقَصْعَةِ قَالَ فَلَمْ أَزَلْ أُحِبُّ الدُّبَّاءَ مِنْ يَوْمِئِذٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک درزی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھانے کی دعوت کی جو اس نے تیار کیا تھا، تو حضرت انس نے کہا: پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گیا، پس میں نے دیکھا کہ آپ پیالہ کے اطراف سے کدو (یعنی لوکی) کے قتلوں کو تلاش کر رہے تھے۔ حضرت انس نے بتایا پس میں اس دن سے ہمیشہ لوکی سے محبت کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۲۰۹۲، ۵۳۷۹، ۵۴۲۰، ۵۴۳۳، ۵۴۳۵، ۵۴۳۶، ۵۴۳۷، ۵۴۳۹، صحیح مسلم: ۲۰۴۱، سنن ترمذی: ۱۸۵۰، سنن ابو داؤد: ۳۷۸۲، مسند احمد: ۱۲۴۵۰، موطا امام مالک: ۱۱۶۱، سنن دارمی: ۲۰۵۰)

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۹۲ میں گزر چکی ہے۔

صحیح البخاری: ۵۳۷۹ کی شرح از علامہ ابن ملقن

جب کسی کو کھانے والے کے پیالہ میں ہاتھ کی گردش سے گھن نہ آئے تو پھر کھانے والے کے ہاتھ کا پیالہ میں گردش کرنا جائز ہے

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عادت ہے کہ وہ پہلے ایک باب قائم کرتے ہیں جس میں کسی چیز کا بیان ہوتا ہے، پھر اس کے بعد دوسرا باب بیان کرتے ہیں جس سے پہلے باب کی مراد ظاہر ہوتی ہے، پس پہلے امام بخاری نے یہ حدیث ذکر کی کہ ہر شخص اپنے قریب سے

اور سامنے سے کھائے، پھر اس کے بعد یہ باب بیان کیا کہ جب ایسی حالت ہو کہ کھانے والے کو پتہ ہو کہ دوسرے آدمی کو اس کے ہاتھ کے پیالہ کے اطراف میں گھومنے سے کراہت نہیں آئے گی تو پھر پیالہ کے اطراف سے کھانا جائز ہے۔ تو اس لیے درحقیقت یہ حدیث پہلی حدیث کی تفسیر ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی پیالہ میں گردش کسی صحابی کو ناگوار نہیں تھی، کیونکہ صحابہ تو آپ کے لعابِ دہن اور آپ کے بلغم سے بھی تبرک حاصل کرتے تھے

اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جب کوئی شخص اپنے گھر والوں کے ساتھ نہ کھا رہا ہو اور ان لوگوں کے ساتھ کھا رہا ہو جو کھانے کے پیالہ میں اس کے ہاتھ کی گردش کو مکروہ سمجھیں تو اس کو صرف اپنے سامنے سے کھانا چاہیے، لیکن جب وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ کھائے جو اس کے خالص بھائی ہوں اور ان پر اس کے ہاتھ کا پیالہ کے اطراف میں گردش کرنا ناپسندیدہ نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ پیالہ کے اطراف سے کھائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ہاتھ پیالہ کے اطراف میں اس لیے گردش کر رہا تھا کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ کسی کو بھی آپ کے ہاتھ کا پیالہ میں گردش کرنا ناگوار نہیں گزرے گا اور کسی کو اس سے گھن نہیں آئے گی بلکہ ہر مومن کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ آپ کے لُعابِ مبارک سے تبرک حاصل کرے اور جس چیز کو آپ کے ہاتھ نے چھوا ہے، اس سے برکت حاصل کرے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلغم تھوکتے تھے تو صحابہ اس بلغم سے تبرک حاصل کرتے تھے، اسی وجہ سے اگر آپ کسی کے ساتھ کھاتے اور آپ کا ہاتھ پیالہ میں گردش کرتا تو کسی کو ناگوار نہیں ہوتا تھا اور کسی کو اس سے گھن نہیں آتی تھی۔

حدیث مذکور میں بعض اضافات

حافظ ابن عبد البر مالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے لکھا ہے کہ الموطا میں تمام رواۃ سے یہ حدیث اسی طرح مذکور ہے اور بعض راویوں نے اس میں گوشت کا بھی اضافہ کیا ہے، امام ابو نعیم نے از اسحاق از حضرت انس رضی اللہ عنہ متوفی ۹۱ھ کہ میں نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سالن لایا گیا جس میں لوکی کے قتلے اور گوشت تھا۔ الحدیث۔ اور اس حدیث کا امام بخاری نے بھی ذکر کیا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ (صحیح البخاری: ۵۴۳۷، باب القدید)

اور امام مالک نے اس حدیث کو شادی کے ولیمہ کے باب میں داخل کیا ہے۔ (التمہید ج ۱ ص ۲۷۱-۲۷۲، بیروت)

حدیث میں مذکور درزی کا تذکرہ اور لوکی کے قتلوں کے متعلق دیگر احادیث

ہم اس سے پہلے لکھ چکے ہیں کہ یہ درزی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے اور انہوں نے اس کا ذکر باب الدباء میں کیا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ (صحیح البخاری: ۵۴۳۳)

اور امام بخاری نے اس باب میں یہ حدیث ذکر کی ہے: ''جس نے کسی مرد کو کھانے کی دعوت دی''۔ پس امام بخاری کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آزاد کردہ غلام پر داخل ہوئے جو درزی تھا، وہ آپ کے پاس ایک پیالہ لایا جس میں طعام تھا اور اس پر لوکی کے قتلے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوکی کے قتلوں کو تلاش کر رہے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب میں نے یہ دیکھا تو میں نے لوکی کے قتلوں کو جمع کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا، اور امام بخاری نے ''باب القدید'' میں بھی اس

حدیث کی روایت کی ہے، یہ حدیث عنقریب صحیح البخاری: ۵۴۳۵ میں آئے گی، اور یہ حدیث اس باب کی موافق ہے۔

اور امام مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں لوکی کے قتلوں کو آپ کے آگے ڈال رہا تھا اور خود اس میں سے نہیں کھا رہا تھا۔ اور امام مسلم کی روایت میں ہے: آپ کے سامنے جَو کی روٹی اور لَوکی کا شوربہ اور گوشت ایک پیالہ میں پیش کیا گیا اور اس پیالہ میں ثرید تھا اور اس میں لوکی کے قتلے تھے۔ (صحیح مسلم: ۲۰۴۱، کتاب الاشربہ باب: اکل المرق)

اور امام دارمی نے کتاب الاطعمہ میں یہ روایت کی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لَوکی کے قتلے پسند تھے، تو میں لَوکی کے قتلوں کو پکڑتا اور آپ کے آگے رکھتا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ آپ اس سے خوش ہوتے ہیں۔

اور امام ترمذی نے حکیم بن جابر سے روایت کی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو میں نے آپ کے پاس لَوکی کے قتلے دیکھے، میں نے پوچھا: یہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا: اس سے ہم اپنے طعام میں اضافہ کرتے ہیں۔ (الشمائل المحمدیہ: ۱۶۳، یعنی شمائل ترمذی)

کھانے والے کے ہاتھ کی پیالہ میں گردش کا جواز

حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں پیالہ کے اندر ہاتھ کی گردش کا ثبوت ہے اور اہل علم کے نزدیک یہ صرف اس شخص کے لیے جائز ہے جو رئیس ہو اور گھر کا مالک ہو اور نیز جب شوربہ اور سالن اور باقی کھانوں میں کھانے کی دو قسمیں ہوں یا کئی اقسام ہوں تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ کھانے والے کا ہاتھ برتن میں گردش کرے، کیونکہ جب دستر خوان میں مختلف قسم کے کھانے ہوں تو کھانے والے کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ جہاں سے چاہے کھائے، اور جب کہ اس پیالہ میں کئی قسم کی چیزیں تھیں، گوشت تھا اور لوکی کے قتلے تھے اور ثرید تھا یا شوربہ تھا تو کھانے والے کے لیے یہ مستحسن تھا کہ وہ جہاں سے چاہے نکال کر کھائے۔ (التمہید ج ۱ ص ۲۷۶-۲۷۷)

علامہ ابن التین شارح بخاری نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل اس لیے کیا کہ آپ تنہا کھا رہے تھے، کیونکہ حدیث میں مذکور ہے کہ درزی اپنے کام پر چلا گیا تھا اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں آپ کے آگے لوکی کے قتلے ڈال رہا تھا اور خود نہیں کھا رہا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھانا رکھ کر درزی کا اپنے کام کرنے کے لیے چلے جانا، اس میں کوئی بے ادبی نہیں ہے، اور نہ کسی اور کے لیے بے ادبی ہے اگر وہ اس طرح کرے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو مقرر رکھا اور اس پر انکار نہیں کیا۔ اور اگر میزبان اس پر قادر ہو کہ وہ مہمان کے ساتھ کھائے تو اس میں میزبان کی خوشی کے زیادہ اثرات ہیں اور اگر کوئی ایسا نہ کرے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

اسی سے یہ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیالہ کے وسط سے کھانے کو مکروہ فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ برکت پیالہ کے وسط میں نازل ہوتی ہے۔

علامہ حمد بن محمد خطابی شافعی المتوفی ۳۸۸ھ نے کہا ہے: یہ اس وقت ہے جب آدمی دوسروں کے ساتھ کھانا کھا رہا ہو۔ اس وقت وہ پیالہ کے وسط سے نہ کھائے لیکن جب وہ اکیلا کھا رہا ہو تو پھر پیالہ کے وسط سے کھانا بھی جائز ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ جولوکی سے محبت کرتے تھے، اس کی توجیہ

اس حدیث میں صالحین کے ساتھ مشابہت کی حرص ہے اور اہلِ خیر کے کھانے کے طریقہ کی اتباع کرنے کی ترغیب ہے اور تمام احوال میں ان سے برکت حاصل کرنے کا ثبوت ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۹۹-۱۰۳، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے کھانے پینے پر کفار کا اعتراض اور اس کے جوابات

میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے کھانے پینے پر درج ذیل اعتراض کا ذکر ہے:

وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَ یَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝ (المومنون)

اور رسول کی قوم کے وہ کافر سردار جنہوں نے آخرت کی ملاقات کی تکذیب کی تھی اور جن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں فراوانی عطا فرمائی تھی، (وہ) کہنے لگے: یہ رسول صرف تمہاری مثل بشر ہے، یہ ان ہی چیزوں میں سے کھاتا ہے جن سے تم کھاتے ہو اور ان ہی چیزوں سے پیتا ہے جن سے تم پیتے ہو ○

وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا ۝ (الفرقان: ۷)

اور کافروں نے کہا: یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے؟ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا جو اس کے ساتھ (عذاب سے) ڈرانے والا ہوتا ○

الفرقان: ۷ کی تفسیر از مصنف

مشرکین قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یہ اعتراض کیا تھا کہ آپ تجارت اور کسب معاش کے لیے بازاروں میں چلتے تھے، ان کا یہ اعتراض بالکل لغو تھا، کیونکہ تجارت اور کسب معاش کے لیے بازاروں میں جانا مباح ہے، نیز جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسب معاش کے لیے بازاروں میں گئے تو امت کے لئے کسب معاش کے لیے بازاروں میں جانے کا نمونہ فراہم ہو گیا اور تجارت کرنا سنت اور باعثِ ثواب ہو گیا۔ قابل اعتراض چیز بازاروں میں شور کرنا اور بدکلامی کرنا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں سے پاک اور منزہ تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں فرمایا: اے نبی! ہم نے آپ کو شاہد، مبشر اور ان پڑھ قوم کی پناہ بنا کر بھیجا ہے، آپ میرے بندے اور رسول ہیں، میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے۔ وہ نہ درشت کلام ہیں نہ بدزبان ہیں، نہ بازاروں میں شور کرنے والے ہیں، نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں لیکن معاف کرتے ہیں اور درگزر کرتے ہیں۔ (صحیح البخاری: ۴۸۳۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے پینے کے فوائد، حکمتیں اور عظمتیں

میں کہتا ہوں: کفار نے صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری کھانے پینے کو دیکھا اور اس میں جو مستور حکمتیں ہیں ان پر غور نہیں کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا پیا اور کھانے پینے کے آداب سکھائے، آپ نے تعلیم دی کہ کھانے کے اول میں بسم اللہ پڑھنا چاہیے اور کھانے

کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرنی چاہیے اور دائیں ہاتھ سے کھانا چاہیے اور اپنے آگے سے کھانا چاہیے اور اگر وہ تنہا ہو تو ایک پیالہ میں سے کئی جگہ سے بھی کھا سکتا ہے، پھر ہمارے کھانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھانے میں فرق ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس چیز کو کھاتے اس چیز کا کھانا سنت ہو جاتا، جس چیز کو پسند فرماتے اس چیز کا مرتبہ بڑھ جاتا، آپ نے لوکی کے قتلوں کو پسند فرمایا تو لوکی کے قتلوں کا مرتبہ بڑھ گیا۔ اب لوگ اور سبزی کا تو صرف نام لیتے ہیں لیکن لوکی کے متعلق لوکی شریف یا کدو شریف کہتے ہیں، پھر جب ہم کھاتے ہیں تو اس سے جو چیز بنتی ہے مثلاً خون بنتا ہے تو وہ ناپاک ہے، بول و براز بنتا ہے تو وہ ناپاک ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون مبارک بھی پاک تھا اور آپ کے فضلاتِ کریمہ بھی پاک تھے، جس نے بھولے سے آپ کا پیشاب پی لیا اس کے منہ سے خوشبو آتی رہی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب آپ قضائے حاجت کر کے آتے تو وہاں کچھ نہیں ہوتا تھا، زمین آپ کے فضلات کو نگل لیتی تھی اور بیت الخلاء سے خوشبو آ رہی ہوتی، اور کھانے پینے سے جو چیز آپ کے جسم کا جزو بن جاتی اس کی عظمت کا کیا کہنا، کیونکہ آپ افضل الخلق ہیں، آپ کا پسینہ بھی خوشبودار ہے اور آپ کے تمام فضلات طیب و طاہر ہیں حتیٰ کہ صحابہ آپ کے تھوکے ہوئے بلغم کو بھی اپنے ہاتھوں پر لے لیتے تھے اور اس کو کھا جاتے تھے۔ (سعیدی غفرلہ)

شیخ تھانوی کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات کا نجس ہونا

اسی طرح شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ نے بھی اپنی آخری تصنیف میں لکھا ہے:

بعض روایات کا تو ثبوت مقدوح ہے اور بعض کی دلالت اور بعض روایات میں شارحین کا یہ قول مذکور ہے: میں نے پیا اور مجھے پتا نہیں تھا اور ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نہی فرمانا مذکور ہے اور وہ یہ ہے کہ سالم بن ابی الحجاج نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فصد لگائی، پھر خون نگل لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ ہر خون حرام ہے اور دوسری روایت میں دوبارہ نہ پینا، کیونکہ ہر خون حرام ہے، پس مسئلہ بالکل منقح ہو گیا کہ طہارت کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ (بوادر النوادر ص ۴۴۹، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

شیخ تھانوی نے اس پر غور نہیں کیا کہ کسی چیز کا حرام ہونا، اس کی نجاست کو مستلزم نہیں ہے، انسان کا گوشت کھانا بھی حرام ہے، لیکن وہ نجاست کی بناء پر حرام نہیں ہے، کرامت کی بناء پر حرام ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون کا پینا تو بہ طریقِ اولیٰ کرامت کی وجہ سے حرام ہو گا نہ کہ نجاست کی بناء پر۔

الماوردی کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منڈائے ہوئے بال اور آپ کے فضلات نجس ہیں (العیاذ باللہ) لیکن بہ کثرت علماء شافعیہ کے نزدیک آپ کے بال مبارک اور آپ کے فضلات طاہر ہیں۔

بعض غیر مقلد علماء کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات کا نجس ہونا

معروف غیر مقلد عالم عبداللہ روپڑی متوفی ۱۳۸۴ھ لکھتے ہیں:

امّ ایمن سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک مٹی کا پیالہ تھا، جس میں آپ رات کو (عذر کی بناء پر) پیشاب کیا کرتے تھے۔ ایک رات میں پیاسی ہو گئی، پس غلطی سے وہ پیشاب پی لیا، پس رسول اللہ کے پاس میں نے اس کا ذکر کیا۔ فرمایا: اس دن کے بعد تجھے کبھی پیٹ کا درد نہیں ہو گا۔ اس روایت سے آپ کے پیشاب کا پاک ہونا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ غلطی سے پیا گیا ہے۔ رہا آپ کا یہ فرمانا کہ تیرے پیٹ میں درد نہیں ہو گا، یہ علاج ہے۔ بعض نجس چیز بھی علاج بن جاتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ

چونکہ یہ غلطی اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی وجہ سے ہوئی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا معاوضہ یہ دیا کہ اس نجس چیز کو اس کے لیے شفاء بنا دیا، بہر صورت اس غلط فعل کو طہارت کی دلیل بنانا غلط ہے۔

(فتاویٰ اہل حدیث ج ۱ ص ۲۵۰-۲۵۱ مطبوعہ: دار احیاء السنۃ النبویہ، سرگودھا)

حیرت ہے کہ یہی صاحب جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیشاب کو نجس لکھا ہے یہی مصنف بیل بلکہ ہر وہ جانور جس کا گوشت کھایا جاتا ہو، اس کے پیشاب کو نہ صرف پاک بلکہ حلال قرار دیتے ہیں۔ ان کی عبارت درج ذیل ہے:

قضیب گاؤ (بیل کا آلۂ تناسل) حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے، مگر یہ مذہب صحیح نہیں ہے، بلکہ ماکول اللحم (جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہو) کا گوبر پیشاب تک پاک اور حلال ہے۔ (فتاویٰ اہل حدیث ج ۲ ص ۵۶۶)

تاہم بعض غیر مقلد علماء نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات کو پاک لکھا ہے۔ چنانچہ شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

آنحضرت کے تو تمام فضلات تک پاک اور طاہر تھے، آپ پر دوسرے آدمیوں کا قیاس نہیں ہو سکتا ہے۔

(تیسیر الباری ج ۱ ص ۱۷۹ مطبوعہ: نعمانی کتب خانہ، لاہور ۱۹۹۰ء)

اکثر شافعیہ کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلاتِ مبارکہ طاہر ہیں

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ انسان کا بال جسم سے الگ ہونے کے بعد پاک ہوتا ہے، کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کے بال کو اپنے پاس بہ طور تبرک رکھا، تاہم اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بال مکرم ہے، اس پر دوسرے انسان کے بال کو قیاس نہیں کیا جا سکتا، علامہ ابن المنذر اور علامہ خطابی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ خصوصیت بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہوتی اور اصل میں خصوصیت کا نہ ہونا ہے۔ اس جواب کا یہ رد کیا گیا ہے کہ ان کو چاہیے کہ یہ منی کی طہارت پر بھی اس حدیث سے استدلال نہ کریں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے کپڑوں سے منی کو کھرچ دیا کرتی تھیں، کیونکہ یہ کہنا جائز ہے کہ آپ کی منی پاک ہے اور اس پر دوسروں کی منی کو قیاس نہیں کیا جائے گا، اور حق یہ ہے کہ احکامِ شرعیہ میں آپ کا وہی حکم ہے جو تمام مکلفین کا ہے، ماسوا ان احکام کے جن کی خصوصیت دلیل سے ثابت ہو اور آپ کے فضلات (خون، منی، بول اور براز وغیرہ) کی طہارت پر بہ کثرت دلائل ہیں اور ائمہ نے اس کو آپ کی خصوصیت قرار دیا ہے اور ائمہ نے آپ کے فضلات کی طہارت کو آپ کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے، اس لیے اکثر فقہاء شافعیہ کی کتابوں میں اس کے خلاف جو کچھ لکھا ہے، اس کی طرف توجہ نہ کی جائے کیونکہ ائمہ کے درمیان اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ آپ کے فضلات طاہر ہیں۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۱۱۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں کی طہارت کی بحث میں چونکہ آپ کے فضلات (خون اور بول و براز) کی طہارت کا ذکر کیا گیا ہے، اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اصل احادیث کے حوالوں سے آپ کے فضلات کی طہارت کو بیان کر دیں۔ فنقول وباللہ التوفیق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات کی طہارت کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضاء حاجت کے لیے (بیت الخلاء میں) گئے، پھر میں گئی تو میں نے وہاں جا کر کوئی چیز نہیں دیکھی اور مجھے وہاں مشک کی خوشبو آ رہی تھی، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے وہاں کوئی چیز نہیں دیکھی،

آپ نے فرمایا: بے شک زمین کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت سے جو کچھ نکلے، اس کو ڈھانپ لے۔

(المستدرک ج ۴ ص ۷۲، طبع قدیم، المستدرک: ۶۹۵۰ طبع جدید، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۲۰ھ، کنز العمال: ۳۴۲۵۳، الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۳۵ طبع جدید، علامہ خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ نے لکھا ہے کہ ابن دحیہ نے کہا: اس حدیث کی سند ثابت ہے اور یہ اس باب میں سب سے قوی حدیث ہے، نسیم الریاض ج ۲ ص ۲۱ طبع جدید، ۱۴۲۱ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہم جماعت انبیاء کے اجسام اہل جنت کی ارواح پر بنائے گئے ہیں اور زمین کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم سے جو چیز نکلے، اس کو نگل لے۔

(الفردوس بماثور الخطاب: ۱۴۳، جمع الجوامع: ۸۰۳۶، کنز العمال: ۳۲۲۴)

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر کی ایک جانب میں مٹی کا ایک برتن رکھا ہوا تھا، آپ رات کو اٹھ کر اس میں پیشاب کرتے تھے، ایک رات میں اٹھی، مجھے پیاس لگ رہی تھی، میں نے اس برتن سے پی لیا اور مجھے پتا نہیں چلا (کہ یہ پیشاب ہے) جب صبح ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ام ایمن! اس مٹی کے برتن کو اٹھاؤ اور اس میں جو کچھ ہے اس کو پھینک دو، میں نے کہا: اللہ کی قسم! اس میں جو کچھ ہے، اس کو میں نے پی لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں، پھر آپ نے فرمایا: سنو! اس کے بعد کبھی تمہارے پیٹ میں درد نہیں ہوگا۔

(المستدرک ج ۴ ص ۶۳-۶۴، طبع قدیم، المستدرک: ۶۹۱۲ طبع جدید، المعجم الکبیر: ۲۳۰، ج ۲۵ ص ۸۹، کنز العمال: ۳۲۲۵۶، جمع الجوامع: ۲۷۵۴۹، تاریخ دمشق الکبیر ج ۴ ص ۱۰۸۹-۲۰۷، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۱، البدایہ والنہایہ، ج ۴ ص ۴۲۱، الطبع الجدید، ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ برکہ نام کی دو عورتوں نے لکڑی کے پیالہ سے آپ کا پیشاب پیا، ایک کی کنیت ام ایمن تھی اور دوسری کی کنیت ام یوسف تھی، جب ام یوسف نے آپ کا پیشاب پی لیا تو آپ نے فرمایا: تم صحت مند رہو گی، سو وہ تاحیات بیمار نہیں ہوئیں۔ (تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۴)

حکیمہ بنت امیمہ بنت رقیقہ اپنی ماں رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک لکڑی کا پیالہ تھا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیشاب کرتے تھے اور اس کو اپنے تخت کے نیچے رکھتے تھے، آپ نے اس میں پیشاب کیا، پھر آپ آئے تو دیکھا کہ اس پیالہ میں کوئی چیز نہیں تھی، ایک خاتون جن کا نام برکہ تھا، جو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کرتی تھیں اور ان کے ساتھ سرزمین حبشہ سے آئی تھیں، آپ نے ان سے پوچھا: وہ پیشاب کہاں ہے جو اس پیالہ میں تھا؟ انہوں نے کہا: میں نے اس کو پی لیا، آپ نے فرمایا: تم پر دوزخ کی آگ منع کر دی گئی ہے۔

(المعجم الکبیر: ۴۷۷، ج ۲۴ ص ۱۸۹، المعجم الکبیر: ۵۲۷، ج ۲۴ ص ۲۰۶، ۲۰۶، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۶۷، تاریخ دمشق الکبیر: ۵۲۰۰، ج ۳ ص ۳۸، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۱ھ، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے راوی صحیح ہیں اور ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۱، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۲۲، ۳۲۱، طبع جدید، ۱۴۱۸ھ)

عامر بن عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فصد لگائی، آپ نے مجھ

سے پوچھا: تم نے اس (خون) کا کیا کیا؟ میں نے کہا: میں نے اس کو غائب کر دیا، آپ نے فرمایا: شاید تم نے پی لیا، میں نے کہا: میں نے اس کو پی لیا۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار: ۲۴۳۶، حافظ الہیثمی نے کہا: بزار کی سند صحیح اور ثقہ ہے، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰)

بریہ بن عمر بن سفینہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فصد لگائی، آپ نے فرمایا: یہ خون لے جاؤ اور اس کو چوپایوں، پرندوں اور لوگوں سے چھپا کر دفن کر دو، میں نے اس کو چھپ کر پی لیا، پھر میں نے اس کا ذکر کیا تو آپ ہنسے۔

(المعجم الکبیر: ۶۴۳۴، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰، التاریخ الکبیر للبخاری: ۱۸۵۴۱، ۲۵۲۴، ج ۴ ص ۱۸۰، المطالب العالیہ، ۳۸۴۸، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۶۷، تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۲)

عبدالرحمٰن بن ابی سعید اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد مالک بن سنان بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ زخمی ہو گیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون چوس کر نگل لیا، ان سے کہا گیا: کیا تم نے خون پی لیا؟ انہوں نے کہا: ہاں! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون پی لیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا خون جس کے خون کے ساتھ مل گیا، اس کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی۔

(المعجم الاوسط: ۹۰۹۸، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۰ھ، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۱۴، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں کوئی ایسا راوی نہیں ہے جس کے ضعف پر اجماع ہو، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد مالک بن سنان بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ زخمی ہو گیا تو انہوں نے آپ کے زخم سے خون چوس لیا، حتیٰ کہ آپ کا چہرہ بالکل سفید اور صاف ہو گیا، ان سے کہا گیا کہ اس خون کو تھوک دو، انہوں نے کہا: نہیں، خدا کی قسم! میں اس خون کو کبھی نہیں تھوکوں گا! پھر وہ پیٹھ موڑ کر جہاد کرنے چلے گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی جنتی آدمی کو دیکھنا چاہتا ہے، وہ اس کو دیکھ لے، پس وہ شہید ہو گئے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۲۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۳، رقم الحدیث: ۱۹)

عامر بن عبداللہ بن الزبیر بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فصد لگائی، جب وہ فصد لگا کر فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے عبداللہ! اس خون کو ایسی جگہ گرا دو، جہاں اس کو کوئی نہ دیکھے، حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گیا تو میں نے اس خون کو پی لیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس گیا تو آپ نے فرمایا: شاید تم نے اس کو پی لیا؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: تم کو خون پینے کے لیے کس نے کہا تھا؟ تمہیں لوگوں کی طرف سے افسوس ہو گا اور لوگوں کو تمہاری طرف سے افسوس ہو گا! دوسری روایت میں ہے: آپ نے فرمایا: تم نے وہ خون کیوں پیا؟ حضرت ابن الزبیر نے کہا: میں نے یہ پسند کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون میرے پیٹ میں ہو، آپ نے حضرت ابن الزبیر کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا: تمہیں لوگوں کی طرف سے افسوس ہو گا اور لوگوں کو تمہاری طرف سے افسوس ہو گا اور تم کو صرف قسم پوری کرنے کے لیے دوزخ کی آگ چھوئے گی۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۳۰ طبع قدیم، حلیۃ الاولیاء: ۱۱۶۷، ۱۱۶۶، طبع جدید، سنن دارقطنی ج ۱ ص ۲۲۸ طبع قدیم، سنن دارقطنی: ۸۷۱ طبع جدید،

المستدرک ج ۳ ص ۵۴۵، طبع قدیم، المستدرک ۶۳۴۳ طبع جدید، تاریخ دمشق الکبیر: ۶۲۲۵۔ ۶۲۲۴، ۶۲۲۳، ۶۲۲۲، ج ۳۰ ص ۱۲۵۔ ۱۲۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۶۷، تلخیص الحبیر: ۱۸، ج ۱ ص ۴۳۔ ۴۲، کنز العمال: ۳۷۲۳۴۔ ۳۳۵۹۱، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۹۹۔ ۹۸، الطبع الجدید، ۱۴۱۸ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن الزبیر سے فرمایا: تمہیں لوگوں کی طرف سے افسوس ہوگا اور لوگوں کو تمہاری طرف سے افسوس ہوگا، اس میں حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی پیش گوئی ہے، حضرت ابن الزبیر نے ۶۳ھ میں مکہ میں اپنی حکومت قائم کر دی تھی، بنو امیہ کو اس پر افسوس ہوا، یزید نے محرم چونسٹھ ہجری میں ان کے خلاف لشکر بھیجا اور کعبہ پر سنگ باری کی گئی اور کعبہ کے پردوں کو جلایا گیا اور چودہ ربیع الاول ۶۴ھ کو یزید کے مرنے کے بعد یہ لشکر واپس آ گیا، پھر عبد الملک بن مروان نے اپنے دورِ حکومت میں حجاج بن یوسف کی کمان میں لشکر بھیجا، بالآخر سترہ جمادی الاولیٰ ۷۲ھ میں حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو شہید کر دیا گیا اور حضرت ابن الزبیر اور بنو امیہ دونوں فریقوں کو ایک دوسرے سے افسوس ہوا اور یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی پوری ہوگئی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن الزبیر سے جو یہ فرمایا کہ تم کو صرف قسم پوری کرنے کے لیے دوزخ کی آگ چھوئے گی، اس میں ان آیتوں کی طرف اشارہ ہے:

وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۚ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۞ (مریم: ۷۲۔ ۷۱)

اور بے شک تم سے ہر شخص ضرور دوزخ پر وارد ہوگا، یہ آپ کے رب کے نزدیک قطعی فیصلہ کیا ہوا ہے O پھر ہم متقین کو دوزخ سے نکال لیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے O

اس آیت کی تفسیر میں جمہور مفسرین کا مختار یہ ہے کہ مسلمانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی اس قسم کو پورا کرنے کے لیے دوزخ میں داخل کیا جائے گا اور پھر ان کو نکال لیا جائے گا اور دوزخ مسلمانوں پر ٹھنڈی ہوگی اور کافروں کو جلا رہی ہوگی، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ کافروں کو دہرا عذاب ہو، ایک عذاب ان کو اپنے جلنے کا ہوگا اور دوسرا عذاب یہ ہوگا کہ ان کے مخالف مسلمان اسی دوزخ سے گزر رہے ہیں اور ان کو عذاب نہیں ہو رہا، حسب ذیل احادیث اس تفسیر پر دلیل ہیں:

حضرت یعلیٰ بن منبہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن دوزخ مومن سے کہے گی:

جزیا مومن فقد اطفا نورک لھبی۔

اے مومن! (جلدی سے) گزر جا کیونکہ تیرے نور نے میرے شعلہ کو بجھا دیا ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۲۵۸، حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں سلیم بن منصور بن عمار ضعیف راوی ہیں، مجمع الزوائد: ۱۸۴۴۶)

حضرت ابوسمینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس آیت میں ''ورود'' کا معنی دخول ہے، پس ہر نیک اور بد شخص دوزخ میں داخل ہوگا اور مومنوں پر دوزخ اس طرح ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی، جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ ٹھنڈی ہوگئی تھی، پھر ہم متقین کو دوزخ سے نکال لیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۹، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد: ۱۸۴۴۷)

اس کی پوری بحث تبیان القرآن جلد سابع میں مریم: ۷۲۔ ۷۱ کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب اور آپ کے تمام فضلات طاہر ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۱۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

علامہ سید ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ ھ لکھتے ہیں:

بعض ائمہ شافعیہ نے یہ تصریح کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب اور آپ کے تمام فضلات طاہر ہیں، اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۴۵۳، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۹ ھ)

۵۔ بَابُ: التَّيَمُّنِ فِي الْأَكْلِ وَغَيْرِهِ کھانا کھانے اور دوسرے کاموں میں دائیں ہاتھ سے ابتداء کرنا

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر چیز میں دائیں طرف سے ابتداء کرنا مسنون ہے، خواہ کھانے پینے سے متعلق کام ہوں یا دوسرے کام ہوں۔

قَالَ عُمَرُ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ لِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم كُلْ بِيَمِينِكَ۔

حضرت عمر بن ابی سلمہ نے کہا: مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ (صحیح البخاری: ۵۳۷۶)

۵۳۸۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَشْعَثَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُحِبُّ التَّيَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ فِي طُهُورِهِ وَتَنَعُّلِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَكَانَ قَالَ بِوَاسِطٍ قَبْلَ هَذَا فِي شَأْنِهِ كُلِّهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از اشعث از والد خود از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس قدر طاقت ہو دائیں جانب سے ابتداء کرنے کو پسند فرماتے تھے، وضو کرنے میں اور جوتا پہننے میں اور کنگھی کرنے میں، اور راوی نے واسط میں اس سے پہلے کہا تھا کہ آپ تمام کاموں میں دائیں جانب سے ابتداء کرنے کو پسند کرتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۱۶۸، ۴۲۶، ۵۳۸۰، ۵۸۵۴، ۵۹۲۶، صحیح مسلم: ۲۶۸، سنن ترمذی: ۶۰۸، سنن نسائی: ۴۲۱، سنن ابوداؤد: ۴۱۴۰، سنن ابن ماجہ: ۴۰۱، مسند احمد: ۲۵۰۱۸)

صحیح البخاری: ۵۳۸۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض شارحین نے گمان کیا ہے کہ اس باب کے عنوان میں تکرار ہے، کیونکہ اس سے پہلے "باب التسمیۃ علی الطعام والاکل بالیمین" میں بھی دائیں ہاتھ سے کھانے کی ابتداء کا حکم گزر چکا ہے، علامہ ابن بطال نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ عنوان پہلے عنوان سے عام ہے، کیونکہ پہلے عنوان میں صرف کھانے کے فعل کا ذکر ہے اور اس عنوان میں تمام افعال داخل ہیں اور اس میں کھانا اور پینا اور دوسرے کاموں کی دائیں جانب سے ابتداء کرنا شامل ہے، اور اس سے اور بھی احکام مستنبط ہوتے ہیں، مثلاً دائیں ہاتھ

سے کھانا کھانا، کسی کو تحفہ دینا ہو تو دائیں ہاتھ سے تحفہ دینا اور اسی طرح ہر نیک اور عمدہ کام کو دائیں ہاتھ سے کرنا۔
(فتح الباری ج ۹ ص ۵۲۶، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۷۱، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۸۰ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
تنبیہ: علامہ ابن ملقن نے اس حدیث کی شرح یہاں پر نہیں کی، بلکہ کتاب الوضوء میں صحیح البخاری: ۱۶۸ میں اس کی شرح کی ہے۔
وہاں پر علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں:

بیت الخلاء میں دخول کے وقت اور مسجد سے خروج کے وقت بائیں جانب سے ابتداء کرنا مستحب ہے

''التنعل'' کا معنی ہے: جوتا پہننا اور ''الترجل'' کا معنی ہے: بالوں کو سنوارنا، نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ تمام کاموں میں دائیں جانب سے ابتداء کو پسند کرتے تھے، اس عموم سے بیت الخلاء میں داخلہ مخصوص ہے، کیونکہ بیت الخلاء میں دخول کی ابتداء بائیں جانب سے کرنی چاہیے اور مسجد سے خروج بھی مخصوص ہے، کیونکہ مسجد سے نکلتے وقت بائیں جانب سے ابتداء کرنی چاہیے اسی طرح اور جو اس کے مشابہ کام ہیں۔

دائیں جانب سے ابتداء کے احکام

اس حدیث میں مذکور ہے کہ دائیں جانب سے ابتداء مستحب ہے۔
علامہ ابن المنذر متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے: اس پر اجماع ہے کہ جس نے دائیں جانب سے ابتداء کرنے سے پہلے وضو میں بائیں جانب سے ابتداء کر لی تو اس پر وضو کا اعادہ نہیں ہے اور ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ سے روایت ہے کہ ان دونوں صحابہ نے کہا: تم پرواہ نہ کرو جس ہاتھ سے بھی تم نے ابتداء کی ہو۔
(سنن دار قطنی ج ۱ ص ۸۸، کتاب الطہارت: باب ماروی فی جواز تقدیم الیسریٰ علی الیمنیٰ)
اور امام دار قطنی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا قول قدیم یہ ہے کہ دائیں جانب کو بائیں جانب پر مقدم کرنا واجب ہے اور علامہ رافعی نے اس کو امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ غریب ہے۔

فائدہ

ابن عمرو سے مروی ہے: بہترین قیام کی جگہ مسجد ہے اور پھر مسجد کی دائیں جانب ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۴۳۴)
اور سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ مسجد کی دائیں جانب میں نماز پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۴۳۹)
اور ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی المتوفی ۹۶ھ اس کو پسند کرتے تھے کہ وہ امام کی دائیں جانب کھڑے ہوں۔
(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۴۳۶)
اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی ۹۱ھ دائیں جانب میں نماز پڑھتے تھے اور اسی طرح حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور ابن سیرین بھی مسجد میں دائیں جانب نماز پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۴۳۷، ۳۴۳۸)
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۴ ص ۲۲۲، ۲۲۴، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۸۰ کی شرح از علامہ قسطلانی

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سیبویہ نے کہا کہ ''الطھور'' کے لفظ میں طاء پر زبر ہے اور اس کا معنی ہے: پانی اور یہ مصدر کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور ''تنعل'' کا معنی ہے: جوتی پہننا اور ''ترجل'' کا معنی ہے: بال سنوارنا۔ اور حدیث میں ''تنعلہ وترجلہ'' کے الفاظ نہیں ہیں، کیونکہ طہور سے مراد وہ افعال ہیں جن کا تعلق عبادت کے ساتھ ہو، اور اگر حدیث میں ''تطھرہ'' کا لفظ ہوتا تو اس میں نجاست کو زائل کرنا اور باقی صفائی کے کام بھی داخل ہوتے، اور اس لیے طہور کا لفظ ''تنعل اور ترجل'' کے ساتھ متعلق نہیں ہے۔

اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ آپ تمام کاموں میں دائیں جانب سے ابتداء کرتے تھے، ان کاموں سے مسجد سے خروج اور بیت الخلاء میں دخول مستثنیٰ ہیں۔ ان کاموں سے مراد وہ ہیں جن میں برکت کا حصول مشروع ہو اور جو باب تکریم سے ہوں جیسے قمیص پہننا اور شلوار پہننا، موزے پہننا اور مسجد میں داخل ہونا اور بیت الخلاء سے نکلنا، مثلاً قمیص پہنے تو پہلے دائیں آستین میں ہاتھ ڈالے، شلوار پہنے تو پہلے دائیں پائنچے میں ٹانگ داخل کرے، اسی طرح اگر موزے پہنے تو پہلے دائیں موزے میں پاؤں داخل کرے، اور مسجد میں داخل ہو تو پہلے دایاں پاؤں داخل کرے اور بیت الخلاء میں داخل ہو تو پہلے بائیں پاؤں داخل کرے۔

(ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۷۴-۱۷۳، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۸۰ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''التیمن فی الاکل'' کا معنی ہے: دائیں ہاتھ سے کھائے، اسی طرح دوسرے کاموں میں بھی دائیں جانب سے ابتداء کرے مثلاً کپڑے پہننے میں وغیرہ۔

مسئلہ: جب انسان کے سامنے مختلف اقسام کے کھانے ہوں تو کیا وہ دائیں جانب سے ابتداء کرے یا جو چیز اس کو پسند ہو اس سے ابتداء کرے؟

الجواب: جو چیز اس کو پسند ہو اس سے ابتداء کرے۔

مسئلہ: کیا اس حدیث سے یہ استدلال کیا جائے گا کہ دائیں صف میں داخل ہونا مطلقاً افضل ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں جانب کو افضل قرار دیا اور فرمایا ہے کہ دائیں جانب افضل ہے؟

الجواب: اس جواب کی چند صورتیں ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے قریب نماز پڑھنے کی ترغیب دی ہے، تو دائیں جانب سے اس وقت کھڑا ہو جب امام کے قریب ہو۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تم میں سے صاحبانِ عقل اور بالغ میرے قریب کھڑے ہوں۔

(صحیح مسلم: ۴۳۲، سنن ترمذی: ۲۲۸، سنن نسائی: ۸۰۷، سنن ابوداؤد: ۶۷۴، سنن ابن ماجہ: ۹۷۶)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عاقل، بالغ کو یہ ہدایت دی ہے کہ وہ آپ کے قریب کھڑا ہو، سو دائیں جانب سے نماز کی صف

میں کھڑے ہونا بھی اسی کے ساتھ مقید ہے۔

(۳) جب امام کے پیچھے صرف تین مسلمان ہوں تو ان کے لیے مشروع یہ ہے کہ ایک امام کے دائیں جانب کھڑا ہو اور دوسرا امام کے بائیں جانب کھڑا ہو اور اگر دائیں جانب کھڑا ہونا مطلقاً افضل ہوتا تو یہ دو مرد امام کے دائیں جانب ہوتے۔ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب تک دائیں جانب کو اختیار کرنا ممکن اور سہل ہو تو دائیں جانب کو اختیار کیا جائے۔

(شرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۱۳۵، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

٦۔ بَابٌ: مَنْ أَكَلَ حَتّٰى شَبِعَ

جس نے کھایا حتیٰ کہ سیر ہو گیا

اس باب کے عنوان سے مقصود یہ ہے کہ سیر ہو کر کھانا جائز ہے۔

۵۳۸۱۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ قَالَ أَبُو طَلْحَةَ لِأُمِّ سُلَيْمٍ لَقَدْ سَمِعْتُ صَوْتَ رَسُولِ اللهِ ﷺ ضَعِيفًا أَعْرِفُ فِيهِ الْجُوعَ فَهَلْ عِنْدَكِ مِنْ شَيْءٍ فَأَخْرَجَتْ أَقْرَاصًا مِنْ شَعِيرٍ ثُمَّ أَخْرَجَتْ خِمَارًا لَهَا فَلَفَّتِ الْخُبْزَ بِبَعْضِهِ ثُمَّ دَسَّتْهُ تَحْتَ ثَوْبِي وَرَدَّتْنِي بِبَعْضِهِ ثُمَّ أَرْسَلَتْنِي إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ فَذَهَبْتُ بِهِ فَوَجَدْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ وَمَعَهُ النَّاسُ فَقُمْتُ عَلَيْهِمْ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ أَرْسَلَكَ أَبُو طَلْحَةَ فَقُلْتُ نَعَمْ قَالَ بِطَعَامٍ قَالَ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِمَنْ مَعَهُ قُومُوا فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقْتُ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ حَتّٰى جِئْتُ أَبَا طَلْحَةَ فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ قَدْ جَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالنَّاسِ وَلَيْسَ عِنْدَنَا مِنَ الطَّعَامِ مَا نُطْعِمُهُمْ فَقَالَتْ اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَانْطَلَقَ أَبُو طَلْحَةَ حَتّٰى لَقِيَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَأَقْبَلَ أَبُو طَلْحَةَ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ حَتّٰى دَخَلَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ هَلُمِّي يَا أُمَّ سُلَيْمٍ مَا عِنْدَكِ فَأَتَتْ بِذٰلِكَ الْخُبْزِ فَأَمَرَ بِهِ فَفُتَّ وَعَصَرَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ عُكَّةً لَهَا فَأَدَمَتْهُ ثُمَّ قَالَ فِيهِ رَسُولُ اللهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا: کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی جس میں ضعف تھا اور میں نے اس میں بھوک کو پہچانا، کیا تمہارے پاس کوئی کھانے کی چیز ہے؟ تو حضرت ام سُلیم نے جَو کی چند روٹیاں نکالیں اور پھر اپنا دوپٹہ نکالا اور روٹیوں کو دوپٹہ کے بعض حصہ میں لپیٹ دیا، پھر ان روٹیوں کو میرے کپڑے کے نیچے چھپا دیا اور اس کپڑے کا کچھ حصہ مجھے لوٹا دیا، پھر انہوں نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں وہ لے کر گیا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ہیں اور آپ کے ساتھ کافی لوگ تھے، تو میں وہاں کھڑا ہو گیا تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم کو ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: کیا کھانا دے کر بھیجا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ سے فرمایا جو ان کے ساتھ تھے: چلو! پھر آپ چلے اور میں بھی ان کے ساتھ چلا، حتیٰ کہ میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے کہا: اے ام سلیم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافی لوگوں کو لے کر آئے ہیں اور ہمارے پاس تو اتنا کھانا نہیں ہے جتنا ہم سب کو کھلا سکیں، تو

صلی اللہ علیہ وسلم مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَقُولَ ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا ثُمَّ خَرَجُوا ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا ثُمَّ خَرَجُوا ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا ثُمَّ خَرَجُوا ثُمَّ أَذِنَ لِعَشَرَةٍ فَأَكَلَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ وَشَبِعُوا وَالْقَوْمُ ثَمَانُونَ رَجُلًا۔

حضرت ام سلیم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو خوب علم ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ گئے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے، پس حضرت ابوطلحہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں آئے اور گھر میں داخل ہو گئے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اے ام سلیم! جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ لے آؤ، تو حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا وہ روٹیاں لے آئیں، آپ نے فرمایا: ان روٹیوں کو چورا چورا کرو اور ان کے اوپر برتن سے گھی ڈال لو اور وہ گھی سالن ہو گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چاہا وہ کلمات دعائیہ پڑھے، پھر آپ نے فرمایا: دس آدمیوں کو کھانے کی اجازت دو، تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے دس آدمیوں کو کھانے کی اجازت دی، وہ آئے کھانا کھایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئے اور چلے گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوطلحہ! دس کو اجازت دو، پس انہوں نے دس کو اجازت دی، سو انہوں نے کھایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئے، پھر وہ چلے گئے، پھر فرمایا: دس کو اجازت دو، پھر انہوں نے دس کو اجازت دی، سو انہوں نے کھایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئے، پھر وہ گھر سے چلے گئے، پھر انہوں نے دس کو اجازت دی، پس سب لوگوں نے کھا لیا اور سب سیر ہو گئے اور چلے گئے، اور اس وقت ان لوگوں کی تعداد اسی (۸۰) مرد تھی۔

(صحیح البخاری: ۴۲۲، ۳۵۷۸، ۵۳۸۱، ۵۴۵۰، ۶۶۸۸، صحیح مسلم: ۲۰۴۰، سنن ترمذی: ۳۶۳۰، موطا امام مالک: ۱۷۲۵)

صحیح البخاری: ۵۳۸۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مباحث

(۱) انبیاء علیہم السلام کو بھوک لگنے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پست آواز سے آپ میں بھوک کے آثار محسوس کیے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو دنیا سے بے رغبت بنایا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کی وجہ سے

بھوک کے آثار محسوس کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ چاہیں تو وہ نبی اور بندہ بنیں اور چاہیں تو بادشاہ بنیں، تو آپ نے نبی اور بندہ بننے کو اختیار کر لیا، اور آپ پر دنیا پیش کی گئی تو آپ نے دنیا کو مسترد کر دیا اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس اجر ہے اس کو اختیار کر لیا تاکہ آپ کی امت بھی آپ کی سنت پر عمل کرے اور دنیا سے بے رغبتی کو اختیار کرے۔

اس حدیث میں امام ابن حبان کے اس قول کا رد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھوک نہیں لگی اور وہ جو بعض احادیث میں ہے کہ آپ پیٹ کے اوپر پتھر باندھتے تھے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے، اصل میں الحَجَر کا لفظ نہیں ہے بلکہ الحَجَزُ کا لفظ ہے یعنی آپ تہبند کو کس کر باندھتے تھے۔ (صحیح ابن حبان ج ۸ ص ۳۴۵)

(۲) آواز سن کر شہادت دینے کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پست آواز کو سن کر حضرت ابوطلحہ نے یہ سمجھا کہ آپ کو بھوک لگی ہوئی ہے، اس سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ آواز کی بنیاد پر بھی شہادت دینا جائز ہے اور علامہ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے کہ نابینا کا آواز سن کر شہادت دینا جائز ہے، کیونکہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سن کر یہ جانا کہ آپ کو بھوک لگی ہوئی ہے، لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز متغیر تھی، اور چونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا اس لیے انہوں نے جان لیا کہ آپ کو بھوک لگی ہے اور اگر انہوں نے آپ کو نہ دیکھا ہوتا تو ان پر اشتباہ ہوتا کہ اس پست آواز کی وجہ بھوک ہے یا نہیں ہے۔

(۳) بغیر سوال کیے اپنے بھائی کی ضرورت کو پورا کرنا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال نہیں کیا کہ آیا آپ کو کھانا کھانے کی ضرورت ہے اور اس سوال کے بغیر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر لے گئے، اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی شخص کو یہ معلوم ہو کہ اس کے بھائی کو کسی چیز کی ضرورت ہے تو وہ اس کی ضرورت کو پورا کرے اور وہ اس سے سوال نہ کرے کہ کیا آپ کو اس چیز کی ضرورت ہے یا نہیں، اور یہ مکارمِ اخلاق میں سے ہے۔

(۴) جب یہ معلوم ہو کہ چند لوگوں کا ساتھ جانا دعوت دینے والے کے لیے باعث مسرت ہے تو پھر ان کا دعوت دینے والے کے ساتھ جانا جائز ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ اگر آپ اپنے ساتھ اپنے اصحاب کو بھی حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی دعوت پر لے گئے تو وہ اس سے خوش ہوں گے، اسی وجہ سے ابوطلحہ آپ کو آپ کے اصحاب کے ساتھ لے جا کر خوش ہوئے، لیکن سب لوگ اس کی گنجائش نہیں رکھتے۔

اسی طرح امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے: جس شخص کو ولیمہ یا کسی اور دعوت پر بلایا گیا تو اس کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ اپنے ساتھ اوروں کو بھی لے جائے، کیونکہ اس کو یہ معلوم نہیں ہے کہ دعوت دینے والا دوسرے لوگوں کے ساتھ جانے سے خوش ہوگا یا نہیں؟ ہاں اگر اس نے یہ کہا کہ جو آپ کو ملے اس کو بھی لے جائیں، تو پھر جائز ہے۔

علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں: قاعدہ یہ ہے کہ اس میں دعوت دینے والے کے حال کا اعتبار ہوگا، یعنی اگر وہ دوسروں کے جانے

سے خوش ہو تو دوسروں کو لے جانا جائز ہے اور اگر وہ دوسروں کو لے جانے سے خوش نہ ہو تو پھر دوسروں کو لے جانا جائز نہیں ہے۔

(۵) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس معاملہ کا علم وحی سے ہوا یا قرائن سے؟ اور حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا کی فقاہت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تم کو ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! ہوسکتا ہے کہ آپ کو وحی سے معلوم ہوا ہو کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بھیجا یا چونکہ حضرت ابوطلحہ ان کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے، اس سے آپ نے یہ استدلال کیا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بھیجا ہے۔

حضرت ابوطلحہ نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافی لوگوں کو لے کر آ گئے ہیں، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول تقاضائے عادت کے مطابق تھا اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اس کے جواب میں کہا: اللہ اور اس کے رسول کو خوب علم ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہ طور معجزہ کے علم ہے کہ اس صورت حال میں کیا کیا جائے گا، اور یہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی عظیم فضیلت ہے اور یہ ان کی عظیم فقہ پر دلیل ہے، کیونکہ انہوں نے جان لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ معلوم ہے کہ ہمارے ہاں کھانے کی مقدار کم ہے اور وہ کھانا اسی (۸۰) مردوں کے لیے کافی نہیں ہوگا، تو انہوں نے جان لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا بہتر تدارک کر لیں گے۔

(۶) عورت کی کنیت کا جواز اور ''عُکة'' اور ''ادام'' کا معنی

اس حدیث میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کا ذکر ام سُلیم کے ساتھ کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عورت کی کنیت بھی جائز ہے۔

اور ''عُکة'' چھوٹے سے برتن کو کہتے ہیں، اس کی جمع ''عُکَک'' اور ''عُکاک'' آتی ہے، اس برتن میں شہد بھی رکھا جاتا ہے اور گھی بھی، مگر علامہ ابن اثیر نے کہا ہے کہ یہ برتن گھی کے ساتھ خاص ہے۔ (النہایہ ج ۳ ص ۲۸۴)

اس حدیث میں مذکور ہے: ''آدمته''، انہوں نے اسے سالن بنایا۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: ''آدمته''، ''الادام'' سے ماخوذ ہے، ''الادام'' اس کو کہتے ہیں کہ جو اچھا کھانا ہو۔

علامہ ابن الملقن لکھتے ہیں: کہ حدیث میں ہے: اہلِ دنیا اور آخرت کے کھانوں کا سردار گوشت ہے اور آپ نے اس کو ادم فرمایا۔

(۷) مہمانوں اور ملاقات کے لیے آنے والوں کے استقبال کے لیے جانا اور سیر ہو کر کھانے کا جواز

اس حدیث میں مذکور ہے کہ '' حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ گھر سے نکلے حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی، پھر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں داخل ہوئے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کے استقبال کے لیے گھر سے باہر نکلے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنے دوست کو گھر میں بلائے اور گھر سے باہر جا کر اس کا استقبال کرے، جب کہ اسے یہ معلوم ہو کہ وہ لوگ اس کے استقبال کرنے سے خوش ہوں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ '' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اس روٹی کو چورا چورا کر لو اور اس کے اوپر گھی ڈال لو اور پھر فرمایا: جو تمہارے پاس ہے وہ لے آؤ''۔

اس حدیث سے ثرید کی برکت لازم ہوئی، اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اتنا کھانا کہ آدمی سیر ہو جائے یہ جائز ہے، اور اس

کے جواز کے لیے امام بخاری نے یہ باب منعقد کیا ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ سیر ہو کر کھانا مباح ہے۔ اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں بھی مذکور ہے کہ سیر ہو کر کھانا مستحب ہے، اگر چہ بعض اوقات میں سیر ہو کر کھانے کو ترک کرنا افضل ہوتا ہے۔

اور حضرت سلمان اور حضرت ابو جُحیفہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ اکثر جو لوگ دنیا میں سیر ہو کر کھاتے ہیں، آخرت میں ان کی بھوک لمبی ہو گی۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۳۵۱، مسند البزار: ج ۶ ص ۴۶۱، حلیۃ الاولیاء لابی نُعیم ج ۱ ص ۱۹۸، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۱۲۴، شعب الایمان للبیہقی ج ۵ ص ۲۷)

(۸) بھوک اور پیاس کو ختم کرنے سے زیادہ مقدار میں کھانا اسراف ہے

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ اگر چہ سیر ہو کر کھانا مباح ہے لیکن اس کی ایک حد ہے اور اس حد سے زائد کھایا جائے گا تو وہ اسراف ہے، تو یہ اس صورت میں جائز ہے کہ جب سیر ہو کر کھانے سے عبادت کے اوپر اعانت حاصل ہو اور سیر ہو کر کھانے سے وہ کسی واجب کو ادا کرنے سے قاصر نہ ہو، اور یہ اس وقت ہے کہ جب زیادہ کھانا اس کے معدہ پر بار نہ ہو اور نفلی عبادات کے کرنے میں رکاوٹ نہ ہو، پس حق یہ ہے کہ بندہ اپنے کھانے اور پینے میں اتنی مقدار پر کفایت کرے جس سے اس کی بھوک مٹ جائے اور پیاس ختم ہو جائے اور اگر اس نے اس سے تجاوز کیا جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے سے قاصر رہا تو اس نے اپنے کھانے اور پینے میں اسراف کیا۔

حدیث میں ہے: کہ ہر وہ چیز جو گھر کے سائے سے اور روٹی کے ٹکڑے سے اور کپڑے کی اتنی مقدار سے جس سے اس کا ستر ہو سکے، زائد ہو تو اس میں ابنِ آدم کا حق نہیں ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۶۲، مسند عبد بن حمید: ۴۶، سنن ترمذی: ۲۳۴۱، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۳۱۲، الاحادیث الضعیفہ للالبانی: ۱۰۶۳)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ ابن آدم کے لیے طعام کی اتنی مقدار کافی ہے جس سے اس کی بھوک مٹ جائے اور پیاس ختم ہو جائے اور لباس کی اتنی مقدار کافی ہے جس سے وہ اپنی شرمگاہ کو چھپا لے، اور گھر کی اتنی مقدار کافی ہے جس سے اس کو سایہ حاصل ہو اور سردی اور گرمی میں وہ رہ سکے، اور اس سے زائد میں اس کا حق نہیں ہے، اور جو مرد اس سے زیادہ نعمتوں کو حاصل کرے گا تو ان نعمتوں کے بوجھ کا وبال اس کے اوپر ہو گا، تو جو لوگ بہت زیادہ کھانے پینے اور رہائش میں خرچ کرتے ہیں، ان کا کیا حال ہو گا؟ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۱۰۶-۱۱۱، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ افضل اور اولیٰ تو یہی ہے کہ انسان عموماً سیر ہو کر نہ کھائے، لیکن شارح علیہ السلام نے بعض احوال میں سیر ہو کر کھانے کو بھی جائز قرار دیا ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ جن صحابہ کو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے دعوت دی تھی سب نے سیر ہو کر کھانا کھایا، تاہم اتنا زیادہ نہ کھائے جو اس کے معدہ پر گراں بار ہو اور عبادات کی انجام دہی میں مخل ہو۔ (سعیدی غفرلہٗ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عظیم معجزہ

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم معجزہ کا بیان ہے، کیونکہ آپ نے چند جَو کی روٹیوں پر دعائیہ کلمات پڑھے تو وہ روٹیاں اسی (۸۰) صحابہ کے لیے کافی ہو گئیں اور ان سب نے سیر ہو کر کھایا۔ اگر چہ یہ دعائیہ کلمات کی تاثیر ہے لیکن یہ دعا

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلی تھی، ہم اگر کم کھانے پر ڈھیروں دعائیہ کلمات پڑھیں تو کچھ نہیں ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند جَو کی روٹیوں پر دعائیہ کلمات پڑھے تو اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنی برکت ڈال دی کہ وہ اسی (۸۰) صحابہ کے لیے کافی ہو گئیں۔ اور اس قسم کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور بھی بہت معجزات ہیں جن کا ذکر اس باب کی احادیث میں آگے چل کر آئے گا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۳۸۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب میں تین حدیثیں ذکر کی ہیں، پہلی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے طعام میں کثرت ہوگئی اور اس حدیث کی شرح علاماتِ نبوت میں گزر چکی ہے، اور دوسری حدیث وہ ہے جو حضرت عبد الرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے لوگوں کو بکری کی کلیجی کھلائی اور وہ ایک سو تیس مرد تھے، سو ہم سب نے کھالیا اور سیر ہو گئے، اس حدیث کی شرح کتاب الھبہ میں گزر چکی ہے، اور تیسری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو ہم پانی اور کھجوروں سے سیر ہو کر کھاتے تھے، اس میں اشارہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے پہلے وہ سیر ہو کر نہیں کھاتے تھے، یہ علامہ کرمانی کا قول ہے۔

علامہ کرمانی کے اس قول پر حافظ ابن حجر کا رد کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے پہلے صحابہ سیر ہو کر نہیں کھاتے تھے

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: لیکن اس حدیث کا ظاہر مراد نہیں ہے اور اس سے پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے جو غزوۂ خیبر میں تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب خیبر فتح ہوا تو ہم نے کہا: اب ہم سیر ہو کر کھجوریں کھایا کریں گے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ ہم اس وقت تک سیر ہو کر نہیں کھاتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر خیبر کو فتح کر دیا، تو مراد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح خیبر کے بعد سیر ہو کر کھاتے تھے اور ان کا سیر ہو کر کھانا برقرار رہا اور اس کی ابتداء فتحِ خیبر سے ہوئی اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے تین سال پہلے کی بات ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ ہے کہ وہ خصوصاً فتحِ خیبر کے بعد کھجوروں سے سیر ہو کر کھاتی تھیں نہ کہ پانی، لیکن حضرت عائشہ نے کھجوروں کے ساتھ پانی کا بھی ذکر کیا، کیونکہ مکمل سیرابی پانی اور کھجوروں کے ساتھ ہوتی ہے۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے قصہ سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ میزبانی کے آداب سے یہ ہے کہ میزبان مہمان کے ساتھ اس کی تعظیم کے لیے دروازہ تک جائے۔

بعض احادیث میں سیر ہو کر کھانے کا جواز ہے اور بعض میں اس کی ممانعت ہے، ان میں تطبیق

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: ان احادیث میں سیر ہو کر کھانے کا جواز ہے اور اگر اس کو کبھی کبھی ترک کر دیں تو یہ افضل ہے۔

اور حضرت سلمان اور حضرت ابو جُحیفہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ دنیا میں زیادہ سیر ہو کر کھاتے ہیں، آخرت میں ان کی بھوک زیادہ ہوگی۔

علامہ قرطبی نے المفہم میں لکھا ہے کہ حضرت ابوالہیثم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے لیے بکری کو ذبح کیا، پس ان سب نے کھایا اور سیر ہو گئے، اس حدیث میں بھی یہ دلیل ہے کہ سیر ہو کر کھانا جائز ہے اور وہ جو بعض احادیث میں سیر ہو کر کھانے کی ممانعت ہے، وہ اس پر محمول ہیں کہ اتنا زیادہ کھائے جو معدہ پر ثقیل ہو جائے اور انسان کے لیے اس کی عبادات میں رکاوٹ ہو اور وہ تکبر اور فخر کی طرف مفضی ہو اور نیند اور سستی کی طرف لے جائے، اور اسی طرح کی دیگر خرابیوں کی وجہ سے زیادہ کھانا مکروہ تحریمی ہے۔

امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام حاکم نے حضرت مقدام بن معد یکرب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: کسی آدمی کا اس سے زیادہ برا برتن نہیں ہے جو اس کا بھرا ہوا پیٹ ہو، ابن آدم کے لیے چند لقمے کھانا کافی ہے جس سے اس کی پشت سیدھی رہے، پس اگر آدمی کو غلبہ ہو تو ایک تہائی کھانے کے لیے، ایک تہائی پانی پینے کے لیے اور ایک تہائی سانس لینے کے لیے، اور ان تین چیزوں کا ذکر اس لیے ہے کہ یہ جاندار کی حیات کے اسباب ہیں۔

سیر ہو کر کھانے کی سات اقسام

اور یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ سیر ہو کر کھانے کے سات مرتبے ہیں:

(۱) اتنا کھائے جس سے حیات قائم رہے۔

(۲) اس سے زیادہ کھائے حتیٰ کہ روزہ رکھ سکے، نماز پڑھ سکے اور تراویح پڑھ سکے، اور یہ فرض اور واجب ہے۔

(۳) اس سے زیادہ کھائے حتیٰ کہ نفلی عبادات کو ادا کرنے کی قوت حاصل ہو۔

(۴) اس سے بھی زیادہ کھائے حتیٰ کہ وہ محنت مزدوری کرنے اور رزق کے حصول کے لیے کمانے پر قادر ہو۔

(۵) تہائی پیٹ کو بھر لے، اور یہ بھی جائز ہے۔

(۶) اس سے زیادہ کھائے حتیٰ کہ اس کا بدن بھاری ہو جائے اور نیند زیادہ آئے اور یہ مکروہ ہے۔

(۷) اس سے بھی زیادہ کھائے حتیٰ کہ زیادہ کھانے کی وجہ سے اس کے جسم کو ضرر ہو اور اس کو پیٹ کی بیماریاں ہوں۔ اور یہ حرام ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۲۷-۵۲۸، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۷۲-۵۷۳، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری ۵۳۸۱ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب میں تین حدیثیں ذکر کی ہیں اور ان میں مسائل عظیمہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بشری تقاضوں کا طاری ہونا، حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی ذکاوت، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ اور سیر ہو کر کھانے کا جواز

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نوع بشر سے مبعوث ہوئے، اور آپ کو بھی بشری تقاضوں سے وہ چیزیں پہنچتی تھیں جو عام بشر کو پہنچتی ہیں۔ کیونکہ حضرت ابوطلحہ نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز میں ضعف کو پایا جس سے میں نے یہ جانا کہ آپ کو بھوک لگی ہوئی ہے، اسی طرح باقی احوال بشریہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طاری ہوتے تھے، آپ کو بھوک لگتی تھی، پیاس لگتی تھی،

سردی لگتی تھی، گرمی لگتی تھی، آپ کو بخار آتا تھا اور دیگر بیماریاں بھی ہوتی تھیں۔

(۲) اس حدیث میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی ذکاوت اور ذہانت کی دلیل ہے کہ جب حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ان کو بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو کافی لوگوں کو لے کر آئے ہیں، تو انہوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پہلے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ تمہارے پاس کتنا کھانا ہے تو انہوں نے بتایا: ہمارے پاس اتنا کھانا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں سے جان لیا کہ یہ کھانا سب لوگوں کو کافی ہو جائے گا۔

(۳) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کا بیان ہے کہ آپ کی برکت سے کم کھانا زیادہ لوگوں کو کافی ہو گیا۔

(۴) اس حدیث میں سیر ہو کر کھانے کا جواز ہے، کیونکہ تمام صحابہ نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔

(شرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۷۱۳، مکتبۃ الطبر ی القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۸۱، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا میزبان سے اجازت طلب کرنا اور بعض مواقع پر اجازت طلب نہ کرنا، ان میں تطبیق

اگر تم یہ سوال کرو کہ ایک گوشت بیچنے والے نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی تو ایک اور مرد بھی آپ کے ساتھ مل گیا تو آپ نے گوشت بیچنے والے سے کہا کہ یہ مرد ہمارے ساتھ مل گیا ہے، اگر تم چاہو تو اس کو اجازت دو۔

(صحیح البخاری: کتاب البیوع، باب ما قیل فی اللحام والجزار: ۲۰۸۱، صحیح مسلم: ۲۰۳۶، کتاب الاشربہ باب ما یفعل الضیف اذا تبعہ غیر من دعاہ صاحب الطعام)

سو اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک آدمی بھی آپ کے ساتھ مل گیا تو آپ نے میزبان سے اجازت طلب کی اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور میں ہے کہ اسی (۸۰) آدمی آپ کے ساتھ مل گئے اور آپ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب نہیں کی۔ ان میں تطبیق یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ ابوطلحہ ایسے فیاض ہیں کہ اگر آپ کے ساتھ پوری امت بھی ہوتی تو وہ اس سے خوش ہوتے اور اس گوشت فروخت کرنے والے کے حال کے متعلق آپ کو یہ علم نہیں تھا اس لئے آپ نے اس سے اجازت طلب کی کہ یہ ایک بندہ ہمارے ساتھ مل گیا ہے تم چاہو تو اس کو بھی اجازت دے دو۔ (الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری، ج ۹ ص ۸۸)

۵۳۸۲۔ حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ أَبِيهِ قَالَ وَحَدَّثَ أَبُو عُثْمَانَ أَيْضًا عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ رضی اللہ عنہما قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم ثَلَاثِينَ وَمِائَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم هَلْ مَعَ أَحَدٍ مِنْكُمْ طَعَامٌ فَإِذَا مَعَ رَجُلٍ صَاعٌ مِنْ طَعَامٍ أَوْ نَحْوُهُ فَعُجِنَ ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ مُشْرِكٌ مُشْعَانٌّ طَوِيلٌ بِغَنَمٍ يَسُوقُهَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی از والد خود، انہوں نے کہا کہ ابوعثمان نے بھی یہ حدیث بیان کی از حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سوتیس (۱۳۰) صحابہ تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم میں سے کسی کے پاس کوئی طعام ہے؟ پس اس وقت

فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَبَيْعٌ أَمْ عَطِيَّةٌ أَوْ قَالَ هِبَةٌ قَالَ لَا بَلْ بَيْعٌ قَالَ فَاشْتَرَى مِنْهُ شَاةً فَصُنِعَتْ فَأَمَرَ نَبِيُّ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِسَوَادِ الْبَطْنِ يُشْوَى وَايْمُ اللهِ مَا مِنَ الثَّلَاثِينَ وَمِائَةٍ إِلَّا قَدْ حَزَّ لَهُ حُزَّةً مِنْ سَوَادِ بَطْنِهَا إِنْ كَانَ شَاهِدًا أَعْطَاهَا إِيَّاهُ وَإِنْ كَانَ غَائِبًا خَبَأَهَا لَهُ ثُمَّ جَعَلَ فِيهَا قَصْعَتَيْنِ فَأَكَلْنَا أَجْمَعُونَ وَشَبِعْنَا وَفَضَلَ فِي الْقَصْعَتَيْنِ فَحَمَلْتُهُ عَلَى الْبَعِيرِ أَوْ كَمَا قَالَ۔

ایک مرد کے ساتھ ایک صاع (چار کلو گرام) طعام تھا یا اس کی مثل تھا، پس آٹا گوندھا گیا، پھر ایک لمبا تڑنگا مشرک اپنی بکریوں کو ہانکتا ہوا آیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم یہ بکریاں فروخت کرو گے یا عطیہ دو گے یا ہبہ کرو گے؟ اس نے کہا: نہیں! بلکہ میں فروخت کروں گا، تو آپ نے اس سے ایک بکری خرید لی، پھر اس بکری کا گوشت تیار کیا گیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کلیجی کو بھوننے کا حکم دیا، اور اللہ کی قسم! ان ایک سوتیس (۱۳۰) میں سے کوئی شخص بھی نہیں تھا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے اس بکری کی کلیجی میں سے اس کا حصہ کاٹ کر رکھ دیا، جو حاضر تھا اس کو وہ حصہ عطا فرما دیا، اور جو غائب تھا تو اس کا حصہ چھپا کر رکھ دیا، پھر آپ نے اس باقی ماندہ کلیجی کو دو برتنوں میں ڈالا، ہم سب نے اس کلیجی سے کھایا اور ہم سب سیر ہو گئے اور باقی ان دو برتنوں میں رہا، تو میں نے اس برتن کو اونٹ پر لاد لیا یا جس طرح بھی حضرت عبد الرحمٰن (رضی اللہ عنہ) نے بتایا۔

(صحیح البخاری: ۲۲۱۶، ۲۶۱۸، ۵۳۸۲، صحیح مسلم: ۲۰۵۶، مسند احمد: ۱۷۱۳)

صحیح البخاری: ۵۳۸۲ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے رجال

اس حدیث کی سند میں موسیٰ کا ذکر ہے، یہ موسیٰ بن اسماعیل المنقری ہیں اور معتمر کا ذکر ہے یہ ابن سلیمان ہیں جو اپنے والد سلیمان بن طرخان التیمی البصری سے روایت کرتے ہیں۔ نیز اس کی سند میں مذکور ہے کہ ابوعثمان نے بھی یہ حدیث بیان کی، اس سے مراد یہ ہے کہ سلیمان نے کہا: مجھے یہ حدیث ابوعثمان کے علاوہ نے بھی بیان کی ہے اور مجھے یہ حدیث ابوعثمان نے بھی بیان کی ہے، اور وہ بھی عبد الرحمٰن بن مل النہدی ہیں۔ یہ علامہ کرمانی کا قول ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں ''مشعان'' کا لفظ ہے، اس میں میم پر پیش بھی ہے اور میم کے نیچے زیر بھی ہے، اس کا معنی ہے: جس کا قد بہت زیادہ لمبا ہو، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ وہ مرد ہے جس کے بال بہت لمبے اور بکھرے ہوئے ہوں۔

اور اس حدیث میں ''سواد البطن'' کا ذکر ہے اس سے مراد ہے کلیجی۔

اور اس حدیث میں ''حزله حزة'' ''حَزَّ'' کا معنی ہے: ٹکڑے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۸-۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری ۵۳۸۲، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

طعام کی کثرت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ، مشرک سے اس سوال کا جواز کہ تم ہماری دعوت کرو گے یا ہم کو فروخت کرو گے؟

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ طعام کثیر ہو گیا اور یہ لوگ ایک سو سے زیادہ تھے، اس کے باوجود ان میں سے ہر ایک نے اپنا حصہ کاٹ لیا اور ہم جانتے ہیں کہ بکری کی کلیجی دس مردوں کو بھی کافی نہیں ہوتی، اس کے باوجود وہ بکری کی کلیجی ایک سو تیس مردوں کو کافی ہو گئی۔

اور میں کہتا ہوں: اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظاہر معجزہ ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بکری ہانکنے والے مشرک سے پوچھا کہ کیا یہ بکری تم فروخت کر رہے ہو یا عطا کر رہے ہو؟

مسئلہ: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مشرک سے یہ کیونکر کہا کہ یہ فروخت کر رہے ہو یا عطیہ، اور کیا اس میں اس مرد سے یہ سوال ہے کہ تم ہم کو یہ بکری عطا کرو؟

الجواب: نہیں! لیکن جب آپ نے یہ دیکھا کہ یہ مرد اپنی بکریوں کو لے کر آ رہا ہے تو آپ نے یہ گمان کیا کہ شاید یہ مسلمانوں کی ضیافت کرے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی تو آپ نے اس سے پوچھا: کیا تم یہ بکری فروخت کرو گے یا عطا کرو گے؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ عرب جو ہدیہ دیتے تھے آپ اس کو قبول فرما لیتے تھے اور جب اس نے کہا کہ میں اس کو فروخت کروں گا تو آپ نے اس سے ایک بکری خرید لی۔

گوشت کو ذخیرہ کرنے کا جواز اور غائبین کا حصہ رکھنے کا جواز

اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ گوشت کا ذخیرہ کرنا جائز ہے، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ انہوں نے زائد گوشت کو دو برتنوں میں رکھا اور حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے اس گوشت کو اونٹ پر لاد دیا۔

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غائب کے لیے بھی ذخیرہ کر کے رکھنا چاہیے لیکن اس وقت جب وہ چیز زیادہ ہو، لیکن جب وہ چیز صرف حاضرین کے لیے کافی ہو تو پھر حاضرین غائبین سے زیادہ حق دار ہیں۔

کافر اور مشرک سے خرید و فروخت کا جواز

نیز اس حدیث میں دلیل ہے کہ امیر یا سلطان یا حاکم کا خریدنا۔

اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ کافر سے خریدنا جائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کافر مشرک سے بکری کو خریدا اور آپ نے یہودی سے بھی طعام کو خریدا، لیکن جب ہم کو یہ معلوم ہو کہ ان کو ایسی چیز فروخت کریں گے جس سے ہم کو نقصان ہو گا تو پھر اس میں احتیاط لازم ہے، اور جب کوئی خطرہ نہ ہو تو پھر ان سے خریداری میں کوئی خطرہ نہیں ہے، کیونکہ اصل یہ ہے کہ مشرک کے ساتھ

خرید وفروخت کے معاملات جائز ہیں۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۷-۱۳۸-۱۳ ،مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۳۸۳۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ عَنْ أُمِّهِ عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم حِينَ شَبِعْنَا مِنَ الْأَسْوَدَيْنِ التَّمْرِ وَالْمَاءِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وُہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں منصور نے حدیث بیان کی از مادرِ خود از ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، اس وقت ہم دو سیاہ چیزوں سے سیر ہوتے تھے، کھجور سے اور پانی سے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۴۲، صحیح مسلم: ۲۹۷۵، مسند احمد: ۲۴۴۴۲)

صحیح البخاری: ۵۳۸۳ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے رجال

اس حدیث کی سند میں مسلم بن ابراہیم البصری القصاب کا ذکر ہے اور وُہیب اسم مصغر ہے اور یہ وہب بن خالد البصری ہیں اور منصور ابن عبدالرحمن التیمی ہیں جو اپنی والدہ صفیہ بنت شیبہ بن عثمان الحجبی سے روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث کی امام مسلم نے آخر کتاب میں از یحییٰ وغیرہ سے روایت کی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت صرف کھجور اور پانی سے سیر ہونے کا بیان

اس حدیث میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی جب ہم ''الاسودین'' یعنی دو سیاہ چیزوں سے سیر ہوتے تھے، اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے زمانہ سے پہلے سیر ہو کر نہیں کھاتے تھے، یعنی دنیا سے بہت کم خوراک لیتے تھے اور دنیا میں بے رغبتی کرتے تھے، اسی طرح اس حدیث کی علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے تفسیر کی ہے۔ اور یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت ہم ان دو سیاہ چیزوں یعنی کھجوروں اور پانی سے سیر ہوتے تھے، کھجور کھاتے تھے اور اوپر سے پانی پی لیتے تھے۔

اور ہماری شرح کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ اس سے پہلے غزوۂ خیبر میں از عکرمہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ حدیث گزری ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب خیبر فتح ہوا تو ہم نے کہا: اب ہم سیر ہو کر کھجوریں کھائیں گے اور حضرت ابن عمر کی حدیث میں یہ ذکر ہے کہ ہم اس وقت تک سیر ہو کر نہیں کھاتے تھے حتیٰ کہ ہم نے خیبر کو فتح کر لیا، اس سے ظاہر ہوا کہ صحابہ کے سیر ہو کر کھانے کی ابتداء فتح خیبر سے ہوئی تھی اور خیبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تین سال پہلے فتح ہوا تھا۔

''الاسودین'' کا معنی اور باب تغلیب کی متعدد مثالیں

الاسودین، الاسود کا تثنیہ ہے، اور یہ اطلاق باب تغلیب سے ہے، کیونکہ تحقیق یہ ہے کہ پانی شفاف ہوتا ہے اس کا رنگ نہیں

ہوتا اور یہ تغلیب اس طرح ہے جیسے ''الابوین'' باپ اور ماں کو کہا جاتا ہے، اور ''القمرین'' سورج اور چاند کو کہا جاتا ہے، اور ''الاحمرین'' گوشت اور شراب کو کہا جاتا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ سونے اور زعفران کو ''الاحمرین'' کہا جاتا ہے اور پانی اور دودھ کو ''الابیضین'' کہا جاتا ہے۔ اور پانی اور نمک کو ''الاسمرین'' بھی کہا جاتا ہے۔ اور اسی طرح حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہم کے لیے ''عمرین'' کہا جاتا ہے، اور جس نے کہا عُمرین سے مراد حضرت عمر بن الخطاب اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما ہیں تو اس کا یہ قول بعید ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ کسی چیز کا نام اس کے مقارب سے رکھنا ہے، کیونکہ اسودان میں سے صرف کھجور ہے، پانی کا تو کوئی رنگ نہیں ہوتا۔

بھوک کے متعلق دو آراء

امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ بھوک کی حد کی دو رائے ہیں:

(۱) ایک رائے یہ ہے کہ آدمی کو صرف روٹی کی خواہش ہو، تو پھر یہ بھوک ہے اور جب وہ روٹی کے ساتھ سالن کی خواہش رکھے تو وہ بھوکا نہیں ہے۔

(۲) دوسری رائے یہ ہے کہ جب آدمی زمین پر تھوکے تو اس پر مکھی نہ بیٹھے۔

اس کے بعد علامہ عینی نے سیر ہونے کے سات مراتب ذکر کیے ہیں، جن کو ہم اس سے پہلے حافظ ابن حجر کے حوالہ سے ذکر کر چکے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۹-۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۔ بَابٌ: لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ (النور: ۶۱)

نابینا پر کوئی حرج نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے، اور نہ خود تم پر کوئی حرج ہے کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ، یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے کھاؤ، یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی چابیاں تمہارے قبضے میں ہوں یا اپنے دوست کے گھر سے، اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ، پھر جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے

لوگوں پر سلام کرو اور اللہ سے اچھی دعا کرو کہ برکت اور پاکیزگی اللہ کی طرف سے نازل ہو، اللہ اسی طرح تمہارے لیے آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھ لوO

والنِّهد: الاجتماع على الطعام۔

نِہد کا معنی ہے: طعام پر مجتمع ہونا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اللہ عزوجل کے اس ارشاد کے بیان میں ہے اور یہ وہ طویل آیت ہے جو سورۂ نور میں ہے نہ کہ وہ آیت جو سورۃ الفتح میں ہے، کیونکہ ابواب اطعمہ کے مناسب وہ آیت ہے جو سورۂ نور میں ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ عنوان صرف نسفی کی روایت میں ہے اور نِہد میں نون کے نیچے زیر ہے اور ھاء پر جزم ہے، یہ لفظ مناہدہ سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے رفقاء میں سے ہر فریق اتنا نفقہ نکالے جتنا نفقہ اس کا صاحب نکالتا ہے، اور اس کی تفسیر ''باب الشرکة والطعام والنهد'' میں گزر چکی ہے۔

اور ''الاجتماع على الطعام'' کا معنی ہے کھانے میں مجتمع ہونا، اور اس لفظ میں علیٰ بمعنی فی ہے، جیسے قرآن مجید کی اس آیت میں فی بمعنی علیٰ ہے:

وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ۔ (طٰہٰ: ۷۱)

اور میں تم کو ضرور کھجور کے تنوں پر سولی چڑھاؤں گا۔ (طٰہٰ: ۷۱)

۵۳۸۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ سَمِعْتُ بُشَيْرَ بْنَ يَسَارٍ يَقُولُ حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ النُّعْمَانِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَى خَيْبَرَ فَلَمَّا كُنَّا بِالصَّهْبَاءِ قَالَ يَحْيَى وَهِيَ مِنْ خَيْبَرَ عَلَى رَوْحَةٍ دَعَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِطَعَامٍ فَمَا أُتِيَ إِلَّا بِسَوِيقٍ فَلُكْنَاهُ فَأَكَلْنَا مِنْهُ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا فَصَلَّى بِنَا الْمَغْرِبَ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ قَالَ سُفْيَانُ سَمِعْتُهُ مِنْهُ عَوْدًا وَبَدْءًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، یحییٰ بن سعید نے کہا کہ میں نے بُشیر بن یسار سے سناوہ کہتے ہیں: ہمیں سُوید بن نعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کی طرف گئے، جب ہم مقامِ الصہباء پر پہنچے تو یحییٰ نے کہا: یہ خیبر سے دوپہر کی مسافت کے فاصلہ پر ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طعام منگایا، تو آپ کے پاس صرف ستو لائے گئے، ہم نے وہ ستو سوکھے پھانک لیے، پھر آپ نے پانی منگایا اور آپ نے کلی کی اور ہم نے بھی کلی کی، پھر آپ نے ہمیں مغرب کی نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔ سفیان نے کہا: میں نے اس حدیث کو یحییٰ سے اس طرح سنا کہ آپ نے عائداً اور مبتداءً وضو نہیں کیا، یعنی اولاً اور آخراً وضو نہیں کیا۔

(صحیح البخاری: ۲۰۹، ۲۱۵، ۲۹۸۱، ۴۱۷۵، ۴۱۹۵، ۵۳۸۴، ۵۳۹۰، ۵۴۸۴، ۵۴۵۵، سنن نسائی: ۱۸۶، سنن ابن ماجہ: ۴۹۳، مسند احمد: ۱۵۵۶۰، موطا امام مالک: ۹۱)

صحیح البخاری: ۵۳۸۴ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں سورۂ نور: ۶۱ کا ذکر ہے اور اس کے وسط میں درج ذیل ارشاد ہے:

لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْکُلُوْا جَمِیْعًا اَوْ اَشْتَاتًا۔ اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ۔ (النور: ۶۱)

اور یہ مل کر کھانے یا الگ الگ کھانے کی اصل ہے، اسی لیے امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں ''النِھد'' کا ذکر کیا ہے، یعنی ہر فریق اپنے کھانے کا حصہ اپنے صاحب کے حصہ کے برابر نکال لے۔

بعض علماء (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے: اس حدیث میں مذکور ہے کہ صرف ستو لائے گئے، اور یہ لفظ نِہد سے ظاہراً مراد نہیں ہے، اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ ستو صرف ایک جہت سے لائے گئے ہوں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ یہ احتمال بعید ہے اور اس پر کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہوتا، بلکہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ جس شخص کے پاس جو کچھ ستو تھے اس نے وہ لا کر حاضر کر دیئے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طعام منگوایا اور آپ نے کسی شخص معین سے نہیں منگوایا تھا بلکہ آپ نے بر سبیلِ عموم فرمایا تھا کہ کھانے کی چیزیں لاؤ اور حال اس پر دلالت کرتا ہے کہ جس کے پاس بھی کوئی چیز تھی، اس نے وہ لا کر حاضر کر دی۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ اس آیت کی حضرت سُوید بن نعمان رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مناسبت یہ ہے کہ اہلِ تفسیر نے ذکر کیا ہے کہ جب وہ لوگ کھانے کے لیے جمع ہوتے تو نابینا کو الگ کر دیتے اور لنگڑے کو علیحدہ کر دیتے اور بیمار کو علیحدہ کر دیتے تا کہ وہ کھانے کے وقت تندرستوں سے الگ رہیں، پھر ان کو اس میں حرج ہوتا کہ ان کے لیے علیحدہ کھانا بچائیں، یہ کلبی کا قول ہے۔

اور عطاء بن یزید نے کہا کہ نابینا کو اس میں رنج ہوتا تھا کہ وہ دوسرے کا طعام کھائے، تو وہ اپنا ہاتھ کھانے کے علاوہ کسی اور جگہ پر رکھ دیتا اور لنگڑا بھی اسی طرح کرتا، کیونکہ کھانے کی جگہ وسیع ہوتی تھی، تو یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے لیے دوسرے کے ساتھ کھانے کو مباح کر دیا اور حضرت سُوید بن نعمان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیت کا معنی یہ ہے کہ صحابہ اپنے زادِ سفر میں جو کچھ میسر ہوتا اس میں برابر برابر ہاتھ رکھتے تھے، تو یہی سنت ہو گیا کہ سب لوگ جماعت کے ساتھ مل کر کھائیں اور اگر کوئی زیادہ کھا لے یا کم کھا لے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور سفر و حضر کی دعوتوں میں بھی اسی اصول کو برقرار رکھا گیا ہے۔

یہ حدیث کتاب الوضوء، میں مذکور ہے اس باب میں ''من مضمض من السویق ولم یتوضا''۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۵۰-۵۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۸۔ بَابٌ: الْخُبْزِ الْمُرَقَّقِ وَالْأَكْلِ عَلَى الْخِوَانِ وَالسُّفْرَةِ

باریک روٹیوں (چپاتیوں) کو کھانا اور میزوں اور دستر خوانوں پر کھانا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

''خبز مرقق''، ''خوان'' اور ''سُفرۃ'' کے معانی

''مُرقق'' کا معنی ہے: نرم اور ملائم، یہ ایسی روٹی ہے جس کو عرف میں چپاتی کہتے ہیں۔ اور ''خُوان'' کا معنی ہے: پیتل کا بڑا طباق جس کے نیچے پیتل کی کرسی ہو اور اس کے ساتھ ملی ہوئی ہو، اس کا طول ایک ہاتھ کے برابر ہے اور امیر لوگ اس پر کھانا رکھ کر کھاتے ہیں، اور ''سُفرۃ'' کا معنی ہے: چمڑے کا گول ٹکڑا، اور مسافر لوگ اس میں کھانا رکھ کر لے جاتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۵۱-۵۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۸۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ أَنَسٍ وَعِنْدَهُ خَبَّازٌ لَهُ فَقَالَ مَا أَكَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم خُبْزًا مُرَقَّقًا وَلَا شَاةً مَسْمُوطَةً حَتَّى لَقِيَ اللهَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سنان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از قتادہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پاس ان کا باورچی تھا تو انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پتلی روٹی (چپاتی) نہیں کھائی اور نہ مُسلّم بھنی ہوئی بکری کھائی، حتیٰ کہ آپ کی اللہ عزوجل سے ملاقات ہوگئی۔

(صحیح البخاری: ۵۴۲۱، ۶۲۵۷، سنن ترمذی: ۲۳۶۳، سنن ابن ماجہ: ۳۳۳۹، مسند احمد: ۱۱۸۸۷)

صحیح البخاری: ۵۳۸۵ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے رجال

محمد بن سنان، ان کا نام ہے ابو بکر العوقی الباہلی الاعمٰی (یعنی نابینا)۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

''شاۃ مسموطۃ'': علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: ''الشاۃ السمیطۃ'' اس بکری کو کہتے ہیں جو بھنی ہوئی ہو، یہ فعیل کا لفظ مفعول کے معنی میں ہے، ابن الجوزی نے کہا: یہ امیر لوگوں کا کھانا ہے، وہ بکری کی کھال کو اتار لیتے ہیں تا کہ اس سے نفع حاصل

کریں اور "المسموط" اس کو کہا جاتا ہے جس کے بال گرم پانی سے اتار لیے جائیں اور اس کو اس کی کھال سمیت پکا لیا جائے یا بھون لیا جائے، اور کم عمر بکری کو اس طرح پکایا جاتا ہے، اور یہ دو وجہوں سے امیر لوگوں کا طریقہ ہے:

(۱) تاکہ بکری کو جلدی ذبح کر لیا جائے۔

(۲) اس کی کھال اتار لی جائے تاکہ اس کی کھال سے لباس وغیرہ بنا کر نفع حاصل کیا جائے۔

یہ امیر لوگوں کا طریقہ ہے اس لئے اس کو پسند نہیں کیا گیا، کیونکہ اگر اس بکری کے بچہ کو چھوڑ دیا جاتا تو وہ بڑا ہو کر قیمت اور گوشت کے اعتبار سے زیادہ مفید ہوتا، اسی طرح اس کی کھال سے بھی نفع حاصل ہو سکتا تھا، لیکن کھال سمیت پکانے سے اس کا امکان جاتا رہا اس لیے یہ پسندیدہ عمل نہیں ہے، تاہم جائز ہے۔

چپاتی کھانے کا جواز اور اس سوال کا جواب کہ بعض احادیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھنی ہوئی بکری کھائی ہے

علامہ ابن بطال مالکی نے لکھا ہے کہ پتلی روٹی (یعنی چپاتی) کا کھانا جائز ہے اور مباح ہے، اور ہمارے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو صرف اس لیے ترک کیا کہ آپ کو دنیا سے بے رغبتی تھی اور دنیا کی نعمتوں کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کے پاس جو اجر ہے اس کو اختیار کرنا چاہتے تھے، اسی طرح "خوان" پر کھانا بھی جائز ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جو یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی خوان پر نہیں کھایا اور نہ کبھی آپ نے بھنی ہوئی بکری کھائی تو یہ انہوں نے اپنے علم کے مطابق کہا ہے، ورنہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوان پر کھایا ہے اور آپ نے بھنی ہوئی بکری بھی کھائی ہے اور ہر شخص نے اسی کے مطابق خبر دی ہے جس کے مطابق اس کو علم تھا، اور جس کو علم تھا اس کے اوپر نفی کرنے والے کا قول حجت نہیں ہوگا کیونکہ اس نے ایک چیز کا اضافہ کیا ہے اور اس کو قبول کرنا واجب ہے۔

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نہیں جانتا یا میں نے نہیں دیکھا کہ آپ نے بھنی ہوئی بکری کھائی ہے، اور یقین سے میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے بھنی ہوئی بکری کھائی ہے۔ اور ابن بطال کا یہ قول اس پر مبنی ہے کہ "مسموط" سے مراد بھنی ہوئی بکری ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ مسموط سے مراد بھنی ہوئی بکری ہے تو اس کے معارض وہ حدیث ہے جس کی امام ترمذی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھنا ہوا پہلو لایا گیا تو آپ نے اس سے کھایا، تو میں کہوں گا کہ ہر ایک نے اپنے علم کے مطابق حدیث کا ایک حصہ روایت کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۵۲-۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۸۶۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ يُونُسَ قَالَ عَلِيٌّ هُوَ الْإِسْكَافُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ مَا عَلِمْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم أَكَلَ عَلَى سُكُرُّجَةٍ قَطُّ وَلَا خُبِزَ لَهُ مُرَقَّقٌ قَطُّ وَلَا أَكَلَ عَلَى خِوَانٍ قَطُّ قِيلَ لِقَتَادَةَ فَعَلَامَ كَانُوا يَأْكُلُونَ قَالَ عَلَى السُّفَرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معاذ بن ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از یونس، علی نے کہا اور وہ اسکاف ہیں (یعنی ان کا نام اسکاف ہے) از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی پلیٹ یا رکابی پر کھانا رکھ کر کھایا ہو اور نہ کبھی آپ نے پتلی چپاتی کھائی اور نہ کبھی آپ نے خوان

(میز) پر کھانا رکھ کر کھایا، قتادہ سے پوچھا گیا، پھر وہ کس چیز پر کھانا رکھ کر کھاتے تھے؟ تو انہوں نے کہا: چمڑے کے دستر خوان پر۔

(صحیح البخاری: ۵۴۱۵، ۶۴۵۰، سنن الترمذی: ۱۷۸۸، سنن ابن ماجہ: ۳۲۹۲، مسند احمد: ۱۱۹۱۶)

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

علی بن عبد اللہ سے مراد ابن المدینی ہیں، اور معاذ بن ہشام اپنے والد ہشام بن ابو عبد اللہ الدستوائی سے روایت کرتے ہیں۔
اور ابو عبد اللہ کا نام سفیان ہے اور الدستوائی میں دستواء کی طرف نسبت ہے جو اہواز کے اطراف میں ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں ''سُکُرَّجَۃٌ'' کا لفظ ہے (سین اور کاف پر پیش ہے اور راء پر تشدید اور جیم پر زبر ہے)، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ یہ لفظ اصل میں فارسی کا ہے، اس کو عربی بنالیا گیا ہے، لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ چونکہ عرب اس لفظ کو استعمال کرتے ہیں اس لیے یہ لفظ عربی ہی ہے۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ یہ چھوٹا چکنا پیالہ ہوتا ہے اور ابن قرقول نے کہا ہے کہ یہ ایسا چھوٹا پیالہ ہوتا ہے جس کے نیچے لکڑی کے چھوٹے پائے ہوتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ کس پر کھاتے تھے؟ تو قتادہ نے کہا کہ وہ چمڑے کے دستر خوان پر کھاتے تھے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ یہ فعل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں تھا بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی چمڑے کے دستر خوان پر کھانے میں آپ کی اتباع کرتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۵۲-۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۸۶ کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن مکی نے کہا ہے: یہ چھوٹی پیالیاں ہوتی ہیں جن میں کھایا جاتا ہے اور اس میں بڑے پیالے بھی ہوتے ہیں اور چھوٹی پیالیاں بھی ہوتی ہیں، بڑے پیالے وہ ہوتے ہیں جو زیادہ طعام کی گنجائش رکھتے ہیں، چھوٹی پیالیوں کا استعمال اس لیے ہوتا تھا کہ عجمی لوگ ان پیالوں میں ''الکوامیخ والجواریخ'' (یعنی اچار اور چٹنی وغیرہ) رکھتے تھے، جس سے ہضم میں مدد حاصل ہوتی تھی۔ (اور اچار اور چٹنی کا استعمال وہ لوگ کرتے تھے جو زیادہ کھانے کے شوقین ہوتے تھے)، (اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چونکہ زیادہ کھانے سے بے رغبتی تھی، اس لیے آپ ایسا نہیں کرتے تھے۔ سعیدی غفرلہٗ)

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ صحابہ کے ساتھ مل کر اجتماعی ہیئت میں کھانا کھاتے تھے تو اس وجہ سے چھوٹی پیالیوں میں نہیں کھاتے تھے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۳۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۷۵-۵۷۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۳۸۷۔ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ أَخْبَرَنِي حُمَيْدٌ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسًا يَقُولُ قَامَ النَّبِيُّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے خبر دی،

ﷺ يَبْنِي بِصَفِيَّةَ فَدَعَوْتُ الْمُسْلِمِينَ إِلَى وَلِيمَتِهِ أَمَرَ بِالْأَنْطَاعِ فَبُسِطَتْ فَأُلْقِيَ عَلَيْهَا التَّمْرُ وَالْأَقِطُ وَالسَّمْنُ وَقَالَ عَمْرٌو عَنْ أَنَسٍ بَنَى بِهَا النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ صَنَعَ حَيْسًا فِي نِطَعٍ۔

انہوں نے کہا: ہمیں حمید نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کر رہے تھے کہ نبی ﷺ ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شب زفاف گزار کر اٹھے، تو میں نے مسلمانوں کو نبی ﷺ کے ولیمہ کی طرف بلایا، آپ نے چمڑے کے ایک بڑے ٹکڑے کو بچھانے کا حکم دیا، سو اس کو بچھایا گیا، پھر اس پر کھجوریں، پنیر اور گھی رکھ دیا گیا، عمرو نے کہا از حضرت انس رضی اللہ عنہ کہ نبی ﷺ نے ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شب زفاف گزاری، پھر آپ نے حلوہ بنا کر چمڑے کے دستر خوان پر رکھا۔

(صحیح البخاری: ۳۷۱، ۶۱۰، ۹۴۷، ۲۲۲۸، ۲۲۳۵، ۲۸۸۹، ۲۸۹۳، ۲۹۴۳، ۲۹۴۴، ۲۹۴۵، ۲۹۹۱، ۳۰۸۵، ۳۰۸۶، ۳۳۶۷، ۳۶۴۷، ۴۰۸۳، ۴۰۸۴، ۴۱۹۷، ۴۱۹۸، ۴۱۹۹، ۴۲۰۱، ۴۲۰۲، ۴۲۱۱، ۴۲۱۲، ۴۲۱۳، ۵۰۸۵، ۵۱۵۹، ۵۱۶۹، ۵۳۸۷، ۵۴۲۵، ۵۵۲۸، ۵۸۵۹، ۵۹۶۸، ۶۱۸۵، ۶۳۶۳، ۶۳۶۹، ۷۳۳۳، صحیح مسلم: ۱۳۶۵، سنن ترمذی: ۱۵۵۰، سنن نسائی: ۳۳۸۰، مسند احمد: ۱۱۵۸۱، موطا امام مالک: ۱۰۲۰، سنن ابوداؤد: ۲۹۹۸)

صحیح البخاری: ۵۳۸۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابن ابی مریم کا ذکر ہے اور وہ سعید بن محمد بن حکم بن ابی مریم مصری ہیں۔ ان کی حدیث غزوۂ خیبر میں طوالت کے ساتھ گزری ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: عمرو نے کہا، اس سے مراد عمرو بن ابی عمرو مولی المطلب بن عبد اللہ بن حنطب ہیں از حضرت انس رضی اللہ عنہ، یہ حدیث بھی کتاب المغازی میں طوالت کے ساتھ گزر چکی ہے۔

''حیس'' کا معنی: اس حدیث میں حیس کا لفظ ہے اور یہ کھجوروں اور گھی کو ملا کر ایک قسم کا حلوہ بنایا جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۸۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ وَعَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ قَالَ كَانَ أَهْلُ الشَّأْمِ يُعَيِّرُونَ ابْنَ الزُّبَيْرِ يَقُولُونَ يَا ابْنَ ذَاتِ النِّطَاقَيْنِ فَقَالَتْ لَهُ أَسْمَاءُ يَا بُنَيَّ إِنَّهُمْ يُعَيِّرُونَكَ بِالنِّطَاقَيْنِ هَلْ تَدْرِي مَا كَانَ النِّطَاقَانِ إِنَّمَا كَانَ نِطَاقِي شَقَقْتُهُ نِصْفَيْنِ فَأَوْكَيْتُ قِرْبَةَ رَسُولِ اللهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو معاویہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از والد خود از وہب بن کیسان، انہوں نے بیان کیا کہ اہل شام حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کو طعنہ دیتے تھے اور کہتے تھے: اے دو کمر بند والی کے بیٹے! تو حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے ان کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے

صلی اللہ علیہ وسلم بِأَحَدِهِمَا وَجَعَلْتُ فِي سُفْرَتِهِ آخَرَ قَالَ فَكَانَ أَهْلُ الشَّأْمِ إِذَا عَيَّرُوهُ بِالنِّطَاقَيْنِ يَقُولُ إِيهًا وَالْإِلَهِ تِلْكَ شَكَاةٌ ظَاهِرٌ عَنْكَ عَارُهَا۔

کہا: اے میرے بیٹے! یہ تم کو دو کمر بند والی کے ساتھ طعنہ دیتے ہیں اور عار دلاتے ہیں، کیا تم جانتے ہو یہ دو کمر بند کیا تھے؟، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت میرا ایک کمر بند تھا جس کے میں نے دو ٹکڑے کیے، ایک ٹکڑے کے ساتھ تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پانی کا مشکیزہ باندھا اور دوسرے ٹکڑے کے ساتھ اس میں آپ کا ناشتہ لپیٹا، پھر جب اہلِ شام حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو دو کمر بند والی کے بیٹے کا طعنہ دیتے تو وہ کہتے تھے: یہ ایسا طعنہ ہے، جو مجھے اللہ کی قسم! اچھا لگتا ہے، یا یہ ایسی بات ہے جس کی مجھے تصدیق اور اعتراف ہے۔

صحیح البخاری: ۵۳۸۸ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اہل شام کا مصداق

اس سے مراد حجاج بن یوسف کا لشکر ہے جو حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مکہ میں قتال کرنے آئے تھے، اور یہ لشکر عبد الملک بن مروان کی طرف سے مقرر ہوا تھا، اور اس سے مراد الحصین بن نمیر ہے جنہوں نے اس سے پہلے یزید بن معاویہ کی طرف سے قتال کیا تھا۔

نطاقان کی شرح

اہل شام حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو طعنہ دیتے تھے کہ تم اس عورت کے بیٹے ہو جس کے دو کمر بند تھے، عورتیں ایک کمر بند کے ساتھ اپنی کمر کو باندھتی تھیں اور اس کا ایک سرا گھٹنے تک لٹکا رہتا تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہجرت کی شب غارِ ثور میں تھے تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر کے لیے پانی کا مشکیزہ اور طعام لے جاتی تھیں، انہوں نے اپنے کمر بند کے دو ٹکڑے کیے، ایک ٹکڑے کے ساتھ مشکیزے کا منہ باندھ دیا اور دوسرے ٹکڑے کے ساتھ کھانے کو لپیٹ کر باندھ دیا اور وہ اس طرح پانی کا مشکیزہ اور کھانا غارِ ثور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پہنچاتی تھیں۔ جب اہل شام نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو یہ طعنہ دیا کہ تم دو کمر بند والی کے بیٹے ہو تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو تسلی دی کہ اے میرے بیٹے! اس سے تم رنجیدہ نہ ہو، میں نے اپنے کمر بند کے دو ٹکڑے کر لیے تھے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانا پہنچا سکوں، پھر جب اہل شام حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو ''ابن ذات النطاقین'' کا طعنہ دیتے، تو حضرت عبد اللہ بن زبیر کہتے: ''ای ھا والالہ'' یعنی مجھے اس کا اعتراف ہے اللہ کی قسم! یا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اور کہو اللہ کی قسم! یہ بات مجھے محبوب ہے، کیونکہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے لیے یہ بات باعثِ فخر تھی کہ ان کی والدہ نے اپنے کمر بند کے دو ٹکڑے کیے تاکہ ایک

سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پانی کا مشکیزہ باندھیں اور دوسرے میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا باندھیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۵۴-۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۸۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ أُمَّ حُفَيْدٍ بِنْتَ الْحَارِثِ بْنِ حَزْنٍ خَالَةَ ابْنِ عَبَّاسٍ أَهْدَتْ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم سَمْنًا وَأَقِطًا وَأَضُبًّا فَدَعَا بِهِنَّ فَأُكِلْنَ عَلَى مَائِدَتِهِ وَتَرَكَهُنَّ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم كَالْمُسْتَقْذِرِ لَهُنَّ وَلَوْ كُنَّ حَرَامًا مَا أُكِلْنَ عَلَى مَائِدَةِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَا أَمَرَ بِأَكْلِهِنَّ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو النعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عوانہ نے حدیث بیان کی از ابی بشر از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، کہ حضرت ام حُفید بنت الحارث بن حزن جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ تھیں، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہدیہ میں گھی، پنیر اور کئی گوہ بھیجیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منگایا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر وہ چیزیں کھائی گئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ترک فرما دیا، گویا آپ کو ان سے گھن آ رہی تھی، اور اگر یہ چیزیں حرام ہوتیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر نہ کھائی جاتیں اور نہ آپ انہیں کھانے کا حکم دیتے۔

(صحیح البخاری: ۲۵۷۵، ۵۳۸۹، ۵۴۰۲، ۷۳۵۸، صحیح مسلم: ۱۹۴۷، سنن نسائی: ۴۳۱۹، سنن ابوداؤد: ۳۷۹۳، مسند احمد: ۲۹۵۴)

میں کہتا ہوں: صحیح البخاری: ۲۵۷۵ میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کو گھن کھاتے ہوئے ترک کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر گوہ کھائی گئی ہے اور اگر گوہ حرام ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر نہ کھائی جاتی۔

گوہ کھانے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن محمد بن محمد قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

اکثر اہل علم کے نزدیک گوہ کا کھانا مباح ہے، ان میں حضرت عمر بن الخطاب اور دیگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں، حضرت ابو سعید نے کہا: ہمیں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو اگر کوئی شخص گوہ ہدیہ میں دیتا تو وہ اس کے نزدیک مرغی سے زیادہ پسندیدہ تھی، حضرت عمر نے کہا: اگر مجھے ہر گوہ کے بدلہ میں فربہ مرغی ملتی تو میں یہ چاہتا کہ مجھے ہر سوراخ میں گوہ مل جاتی، امام مالک، امام شافعی، لیث، اور ابن المنذر کا بھی یہی قول ہے، اور امام ابوحنیفہ نے کہا: گوہ حرام ہے (بلکہ مکروہ تحریمی ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) سفیان ثوری کا بھی یہی قول ہے۔

گوہ کھانے کے مکروہ تحریمی ہونے متعلق احادیث

حضرت عبد الرحمن بن شبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۹۶)

حضرت خزیمہ بن جز رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گوہ کے کھانے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: کیا کوئی گوہ کو کھائے گا! اس حدیث کی امام ترمذی نے روایت کی ہے اور اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور امام ابن ماجہ نے اس

حدیث کی ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ گوہ کون کھائے گا؟ اور امام احمد، اسحاق اور امام ابویعلیٰ نے روایت کی ہے کہ سعید بن المسیب سے گوہ کے کھانے کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔

(الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ مع ہدایہ اخیرین ص ۴۴۰، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گوہ ہدیہ میں پیش کی گئی تو آپ نے اسے نہیں کھایا، پھر ایک سائل آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو گوہ دینے کا ارادہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس کو وہ چیز دے رہی ہو جس کو تم خود نہیں کھاتیں۔

(شرح معانی الآثار: ۶۲۲۲، قدیمی کتب خانہ کراچی)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے اور دوسروں کے کھانے کے لیے گوہ کو مکروہ قرار دیا۔

صحیح البخاری: ۵۳۸۹ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب الہبہ میں باب قبول الھدیہ میں گزر چکی ہے، اور اس کی مکمل شرح وہاں ذکر کی گئی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

ام حُفَید: (حاء پر پیش ہے اور فاء پر زبر ہے اور یاء پر جزم ہے)، بنت الحارث بن حزن، ان کا نام ہزیلہ ہے، یہ لفظ ہزلہ کی تصغیر ہے اور ان کی کئی بہنیں تھیں، ام خالد بن ولید اور ان کا نام لبابہ ہے اور یہ لبابہ صغریٰ ہیں، اور ام ابن عباس یہ لبابہ کبریٰ ہیں، اور حضرت میمونہ ام المومنین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ، یہ سب الحارث بن الحزن الہلالی کی بیٹیاں ہیں۔

گوہ کا معنی

اس حدیث میں ''الضب'' کا لفظ ہے، اس میں الف پر زبر ہے اور ضاد پر پیش ہے اور باء پر تشدید ہے، یہ لفظ ضب کی جمع ہے جیسے فلس کی جمع افلس ہے، اور کتاب العین میں مذکور ہے، ''الضب'' کی کنیت ''ابوحلس'' ہے اور یہ ایسا جانور ہے جو ''الوَرَل'' کے مشابہ ہوتا ہے، (الوَرَلُ کا معنی ہے: گوہ کی مثل ایک جانور اور گوہ کو اردو میں سوسمار کہتے ہیں)۔ عرب اس جانور کو کھاتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''کالمتقذر'' یعنی اس کو مکروہ سمجھتے ہوئے اور اس کو صفائی کے خلاف سمجھتے ہوئے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۵۶-۵۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۹۔ بَابُ: السَّوِيقِ — ستو کا بیان

اس باب میں ستو کا بیان ہے۔

جو یا گندم کو بھون کر آٹے کی طرح پیس لیا جائے، پھر جو اس سے حاصل ہوتا ہے اس کو ستو کہتے ہیں۔ اس کو پانی میں گھول کر اور اس میں شکر ملا کر بھی پیا جاتا ہے، اور اس میں گھی ملا کر اور چینی ڈال کر بھی جامد حالت میں کھایا جاتا ہے۔ احادیث میں ستو کے دونوں طرح کھانے کا ذکر ہے۔

۵۳۹۰۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ النُّعْمَانِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُمْ كَانُوا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِالصَّهْبَاءِ وَهِيَ عَلَى رَوْحَةٍ مِنْ خَيْبَرَ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَدَعَا بِطَعَامٍ فَلَمْ يَجِدْهُ إِلَّا سَوِيقًا فَلَاكَ مِنْهُ فَلُكْنَا مَعَهُ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَمَضْمَضَ ثُمَّ صَلَّى وَصَلَّيْنَا وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از یحییٰ از بُشیر بن یسار از سُوید بن نعمان، انہوں نے ان کو خبر دی کہ وہ نبی ﷺ کے ساتھ مقام الصحباء میں تھے اور یہ جگہ خیبر سے دوپہر کے وقت کی مسافت کے فاصلہ پر ہے، پس نماز کا وقت آ گیا تو آپ نے کھانا منگایا، تو سوائے ستو کے اور کوئی چیز نہیں ملی تو آپ نے ستو پھانک لیے، ہم نے بھی آپ کے ساتھ پھانکے، پھر آپ نے پانی منگایا، آپ نے کلی کی اور آپ نے نماز پڑھی اور ہم نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ نے وضو نہیں فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۲۰۹، ۲۱۵، ۲۹۸۱، ۴۱۷۵، ۴۱۹۵، ۵۳۸۴، ۵۳۹۰، ۵۴۵۴، ۵۴۵۵)

صحیح البخاری: ۵۳۹۰ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے رجال

اس حدیث میں حماد کا ذکر ہے، یہ ابن زید ہیں اور یحییٰ کا ذکر ہے اور یہ ابن سعید الانصاری ہیں، اور بُشَیْر (با پر پیش اور شین پر زبر) یہ ابن یسار ہیں، اور یسار کا معنی ہے: یمین کی ضد۔

مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''فلاک منه''، یہ لفظ لوث سے ماخوذ ہے، یعنی کسی چیز کو منہ میں رکھ کر گھولنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ'' آپ نے وضو نہیں کیا''، اس میں یہ بیان ہے کہ آپ نے ستو کھانے کو وضو توڑنے کا سبب قرار نہیں دیا اور اس سے معلوم ہوا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۷۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۰۔ بَابُ: مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَأْكُلُ حَتَّى يُسَمَّى لَهُ فَيَعْلَمَ مَا هُوَ

اس بات کا بیان کہ نبی ﷺ کسی چیز کو نہیں کھاتے تھے حتیٰ کہ اس کا نام لیا جاتا، سو آپ جان لیتے کہ کیا چیز ہے

اس باب کے عنوان کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے جو چیز رکھی جاتی، آپ اس کو اس وقت تک نہیں کھاتے تھے جب تک

کہ اس چیز کا نام آپ کو نہ بتایا جائے۔

علامہ ابن بطال بیان کرتے ہیں کہ عرب کا طریقہ یہ تھا کہ کھانے کی جو چیز سامنے ہوتی تو وہ اس کے متعلق سوال نہیں کرتے تھے، کیونکہ کھانے کی چیزیں کم ہوتی تھیں، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے سے پہلے خود سوال نہیں کیا تھا۔

۵۳۹۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو أُمَامَةَ بْنُ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ الْأَنْصَارِيُّ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ الَّذِي يُقَالُ لَهُ سَيْفُ اللهِ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ دَخَلَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَلَى مَيْمُونَةَ وَهِيَ خَالَتُهُ وَخَالَةُ ابْنِ عَبَّاسٍ فَوَجَدَ عِنْدَهَا ضَبًّا مَحْنُوذًا قَدْ قَدِمَتْ بِهِ أُخْتُهَا حُفَيْدَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ مِنْ نَجْدٍ فَقَدَّمَتِ الضَّبَّ لِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَكَانَ قَلَّمَا يُقَدِّمُ يَدَهُ لِطَعَامٍ حَتَّى يُحَدَّثَ بِهِ وَيُسَمَّى لَهُ فَأَهْوَى رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَدَهُ إِلَى الضَّبِّ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنَ النِّسْوَةِ الْحُضُورِ أَخْبِرْنَ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَا قَدَّمْتُنَّ لَهُ هُوَ الضَّبُّ يَا رَسُولَ اللهِ فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَدَهُ عَنِ الضَّبِّ فَقَالَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ أَحَرَامٌ الضَّبُّ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ لَا وَلَكِنْ لَمْ يَكُنْ بِأَرْضِ قَوْمِي فَأَجِدُنِي أَعَافُهُ قَالَ خَالِدٌ فَاجْتَرَرْتُهُ فَأَكَلْتُهُ وَرَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَنْظُرُ إِلَيَّ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل ابوالحسن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از زہری، انہوں نے کہا: مجھے خبر دی ابوامامہ بن سہل بن حُنیف الانصاری نے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی، کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جن کو سیف اللہ کہا جاتا ہے، انہوں نے بیان کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور وہ ان کی خالہ تھیں، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بھی خالہ تھیں، پس وہاں انہوں نے ایک بھنی ہوئی گوہ پائی، جس کو ان کی بہن حضرت حُفیدۃ بنت الحارث نجد سے لے کر آئی تھیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گوہ رکھ دی گئی اور کم ایسا ہوتا تھا کہ آپ کھانے کے اوپر ہاتھ بڑھاتے حتیٰ کہ آپ کو بتایا جاتا اور نام لیا جاتا کہ یہ کیا کھانا ہے، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ گوہ کی طرف بڑھایا، پس ایک خاتون نے جو اس وقت وہاں تھیں، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتاؤ تم نے آپ کے سامنے کیا چیز پیش کی ہے، یا رسول اللہ! وہ گوہ ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ سے اپنا ہاتھ اٹھالیا، پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا گوہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، لیکن یہ ہم لوگوں کی سرزمین میں نہیں ہوتی، میں اس سے متنفر ہوتا ہوں، حضرت خالد بن ولید نے کہا: پس میں نے اس کو گھسیٹ لیا اور اس کو کھایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف دیکھ رہے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۰۰، ۵۵۳۷، صحیح مسلم: ۱۹۴۶، سنن نسائی: ۴۳۱۶، سنن ابوداؤد: ۳۷۹۴، مسند احمد: ۲۶۷۹، موطا امام مالک: ۱۸۰۵، سنن دارمی: ۲۰۱۷)

صحیح البخاری: ۵۳۹۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے رجال

اس حدیث کی سند میں عبداللہ کا ذکر ہے اور یہ عبداللہ بن المبارک المروزی ہیں، اور یونس کا ذکر ہے اور یہ یونس بن یزید ہیں۔ اور زہری کا ذکر ہے اور یہ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ہیں، اور ابواُمامہ کا ذکر ہے، یہ اسعد بن سہل بن حنیف ہیں۔

اس حدیث میں لکھا ہے کہ حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بھی خالہ تھیں اور ہم اس سے پہلے اس باب میں لکھ چکے ہیں جس میں چچا تیوں کا ذکر تھا کہ حضرت لبابہ صغریٰ یہ حضرت خالد بن ولید کی ماں ہیں اور حضرت لبابہ کبریٰ حضرت ابن عباس کی ماں ہیں، اور حضرت اُم حفیدہ آپس میں بہنیں ہیں اور یہ الحارث بن حزن کی بیٹیاں ہیں اور یہاں پر ذکر کیا ہے کہ حضرت حفیدہ یہی ام حفیدہ ہیں اور یہی اہل نسب کے نزدیک محفوظ ہیں اور ان کا نام ہزیلہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا تھا۔

''محنوذ'' کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے ''محنوذا'' یعنی بھنی ہوئی، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ (ہود) — پھر تھوڑی دیر بعد وہ گائے کا بھنا ہوا بچھڑا لے آئے O

کہا جاتا ہے: ''حنذت الشاة'' یعنی میں نے بکری کو بھون لیا اور اس کے اوپر پتھر رکھ دیے تاکہ وہ پک جائے۔

امام مسلم کی روایت میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھانے کا ارادہ کیا تو حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ یہ گوہ کا گوشت ہے تو آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

''النسوة الحضور'' میں موصوف اور صفت میں عدم مطابقت کے اعتراض کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے: ''فقالت امراة من النسوة الحضور''، اس پر یہ اعتراض ہے کہ النسوة مؤنث ہے اور الحضور جمع کا صیغہ ہے اور صفت اور موصوف کے اندر تذکیر و تانیث میں مطابقت ضروری ہوتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر صورۃ الجمع مراد ہے یا یہ کہا جائے کہ یہاں پر الحضور مصدر ہے اس لیے یہ مذکر اور مونث کے برابر ہے۔

اس حدیث میں ''اعافه'' کا لفظ ہے، یعنی میں اس کو ناپسند کرتا ہوں۔

گوہ کھانے کے متعلق مذاہب فقہاء

اس حدیث سے عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ اور سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ اور ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی متوفی ۹۶ھ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۷ھ، نے یہ استدلال کیا ہے کہ گوہ کا کھانا جائز ہے، اور یہی ظاہریہ (غیر مقلدین) کا مذہب بھی ہے۔ اور ابن حزم ظاہری متوفی ۴۵۶ھ نے کہا ہے کہ گوہ کھانے کی اباحت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ سے منقول ہے اور دیگر صحابہ سے بھی۔

صاحب ہدایہ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ نے کہا ہے کہ گوہ کا کھانا مکروہ ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کے کھانے سے منع فرمایا تھا جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے کھانے کے متعلق سوال کیا، لیکن امام ابو

جعفر احمد بن محمد طحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ نے شرح معانی الآثار میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے گوہ کھانے کی اباحت کی طرف رجوع کرلیا اور کہا کہ گوہ کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور ہمارے نزدیک یہی قول معتبر ہے اور امام طحاوی نے کہا: اور ایک قوم نے گوہ کھانے کو مکروہ قرار دیا ہے، ان میں سے امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ، اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ، اور امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: امام طحاوی کی قوم سے مراد الحارث بن مالک اور یزید بن ابی زیاد اور وکیع ہیں، کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ گوہ کا کھانا مکروہ ہے، اور یہ مذہب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ، اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما متوفی ۷۸ھ کا ہے۔ پھر ہمارے اصحاب کے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ گوہ کھانے کی کراہت، کراہتِ تنزیہی ہے کراہتِ تحریمی نہیں ہے، کیونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ گوہ کھانا حرام نہیں ہے۔

گوہ کھانے کی کراہت پر دلیل اور جن احادیث میں گوہ کھانے کا جواز ہے ان کا منسوخ ہونا

اور ہمارے بعض اصحاب نے کہا کہ بعض احادیث گوہ کھانے کی اباحت پر دلالت کرتی ہیں اور بعض احادیث گوہ کھانے کی تحریم پر دلالت کرتی ہیں اور تاریخ معلوم نہیں ہے۔ پس محرم (حرام کرنے والی) کو مبیح (مباح کرنے والی) سے مؤخر قرار دیا جائے گا تو یہ نسخ کی دلیل ہے اور ان تمام احادیث میں سے جو گوہ کھانے کی تحریم پر دلالت کرتی ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ہے جس کو صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی نے ذکر کیا ہے، لیکن اس میں بحث ہے کیونکہ صاحب تخریج احادیث الہدایہ (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث غریب ہے۔

گوہ کھانے کی کراہت پر مزید احادیث اور فقہاء شافعیہ کے اعتراضات کے جوابات

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: کہ محمد بن الحسن نے از الاسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ، سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے گوہ پیش کی گئی تو آپ نے اس کو نہیں کھایا، پھر میں نے آپ سے گوہ کھانے کے متعلق پوچھا تو آپ نے مجھے اس سے منع فرمایا، پھر ایک سائل آیا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سائل کو گوہ دینے کا ارادہ کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اس کو وہ چیز دے رہی ہو جو تم خود نہیں کھاتیں، سو یہ نہی (ممانعت) تحریم پر دلالت کرتی ہے۔

نیز امام ابوداؤد نے کتاب الاطعمہ میں اس اسماعیل بن عیاش از ضمضم بن زرعہ از شریح بن عبید از ابی راشد الحبر انی از عبدالرحمن بن شبل روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گوہ کھانے سے منع فرمایا۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی روایت میں ابن عیاش منفرد ہیں اور یہ حدیث حجت نہیں ہے اور حافظ المنذری نے کہا ہے: اسماعیل بن عیاش اور ضمضم دونوں میں مقال ہے، اور علامہ خطابی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند اس پائے کی نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کا جواب یہ ہے کہ ضمضم حمصی اور ابن عیاش جب شامیین سے روایت کریں تو ان کی حدیث صحیح ہوتی ہے، اسی طرح اس کو امام بخاری اور یحییٰ بن معین نے کہا ہے اور امام بیہقی پر تعجب ہے کہ انہوں نے ''باب ترك الوضوء من الدم'' میں

بھی امام بخاری اور یحییٰ بن معین کی مثل کہا ہے اور یہاں پر کہا ہے کہ وہ حجت نہیں ہے، اور امام ابوداؤد نے اس حدیث کی روایت کی اور اس پر سکوت کیا۔ اور امام ابوداؤد کا قاعدہ یہ ہے کہ جس حدیث پر وہ سکوت کریں تو وہ ان کے نزدیک حسن ہوتی ہے، جیسا کہ اصولِ حدیث میں معروف ہے۔

نیز امام ترمذی نے سندِ صحیح کے ساتھ ابن عیاش از شرحبیل بن مسلم از ابی امامہ اور شرحبیل شامی روایت کی ہے اور امام طحاوی نے معانی الآثار میں روایت کی ہے عبدالرحمٰن بن حسنہ کی طرف اسناد کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ ہم ایک ایسی سرزمین میں داخل ہوئے جس میں گوہ بہت زیادہ تھیں، ہم کو بھوک لگی ہوئی تھی، ہم نے چند گوہ لے کر پکالیں اور پتیلیوں میں گوہ کا گوشت اُبل رہا تھا، اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ ہم نے بتایا کہ گوہ ہیں جن کو ہم نے پایا ہے، آپ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی ایک امت کو مسخ کر کے زمین کا ایک جانور بنا دیا گیا تھا اور مجھے خطرہ ہے کہ وہ جانور یہی گوہ ہے، سو تم ان پتیلیوں کو الٹ دو۔

یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے اور یہ فقہاء احناف کی قوی دلیل ہے کہ گوہ کھانا مکروہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۵۸-۵۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۹۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کھانے کی چیزوں کے متعلق سوال کرنے کی توجیہ

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ کھانے کے متعلق اس لیے سوال کیا جاتا تھا کہ عرب کھانے کی چیزوں میں سے کسی کو ناپسند نہیں کرتے تھے، کیونکہ ان کے ہاں کھانے کی چیزیں کم ہوتی تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض چیزوں کو ناپسند کرتے تھے، اور اس لیے ان کے متعلق سوال کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کہتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سوال کا سبب یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ تر جنگلوں میں نہیں رہتے تھے، اس لیے آپ کو بہ کثرت حیوانات کی خبر نہیں تھی، یا اس وجہ سے کہ شریعت نے بعض حیوانات کو تو حرام قرار دیا اور بعض حیوانات کو مباح قرار دیا اور صحابہ ازخود کسی چیز کو حرام نہیں قرار دیتے تھے اور بسا اوقات وہ کوئی جانور پکا ہوا لاتے اور کوئی جانور بھنا ہوا لاتے، پس ان کے نزدیک حلال ہونا متمیز نہ ہوتا سوائے اس کے کہ وہ اس کے متعلق سوال کریں۔

پھر امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث گوہ کے قصہ میں ذکر کی ہے اور اس کی شرح ''کتاب الصید والذبائح'' میں آئے گی۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۳۴-۵۳۵، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۷۷-۵۷۸، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۹۱ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث پہلی حدیث کی مثل ہے لیکن اس میں یہ اضافہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی چیز لائی جاتی تو بہت کم ایسا

ہوتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے متعلق سوال کرتے حتیٰ کہ آپ کو بتایا جاتا اور کہا جاتا کہ یہ چیز اس طرح ہے، اس طرح ہے، تا کہ آپ کا نفس مطمئن ہو۔

اور بعض مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہودی عورت خیبر میں زہر آلود بکری لائی تو اس کے بعد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی چیز لائی جاتی تو آپ اس وقت تک نہیں کھاتے تھے جب تک کہ یہ معلوم نہیں کر لیتے کہ یہ کیا چیز ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پرہیز کرنا چاہیے اور احتیاط کے تقاضوں پر عمل کرنا چاہیے، اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متقی تھے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنا ہاتھ گوہ سے کھینچ لیا تو حضرت خالد بن ولید نے پوچھا: کیا گوہ حرام ہے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)؟۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۴۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۱۔ بَابٌ: طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الِاثْنَيْنِ — ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کو کافی ہوتا ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری کا یہ عنوان صرف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مناسب ہے جو امام بخاری کی شرط کے مطابق ہے

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کو کافی ہوتا ہے۔ اور یہ عنوان اس حدیث میں ہے جس کی امام ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ سے کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک ایک آدمی کا طعام دو آدمیوں کو کافی ہوتا ہے، اور دو آدمیوں کا طعام تین آدمیوں کو کافی ہوتا ہے اور چار آدمیوں کا طعام پانچ آدمیوں کو کافی ہوتا ہے۔

اور امام سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مل کر کھاؤ اور علیحدہ علیحدہ نہ کھاؤ، کیونکہ ایک آدمی کا طعام دو کو کافی ہوتا ہے اور امام طبرانی نے نیز حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی کا طعام دو آدمیوں کو کافی ہوتا ہے اور دو آدمیوں کا طعام چار کو کافی ہوتا ہے، اور نیز امام طبرانی نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ متوفی ۵۸ھ، سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی کا طعام دو آدمیوں کو کافی ہوتا ہے۔

اور اس باب کی حدیث عنوان کے مخالف ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کا مرجع نصف ہے، اور دوسری احادیث کا مرجع ثلث اور ربع ہے، اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ امام بخاری نے اس عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے کہ یہ الفاظ جو ان احادیث میں ذکر کیے گئے ہیں، یہ احادیث امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں تھیں تو انہوں نے عنوان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ذکر کیا کیونکہ وہ ان کی شرط کے مطابق تھی۔

۵۳۹۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ ح امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ

وحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم طَعَامُ الِاثْنَيْنِ كَافِي الثَّلَاثَةِ وَطَعَامُ الثَّلَاثَةِ كَافِي الْأَرْبَعَةِ۔

بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی، ح اور ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابی زناد از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کو کافی ہوتا ہے اور تین آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کو کافی ہوتا ہے۔

(صحیح مسلم:۲۰۵۸، سنن ترمذی:۱۸۲۰، مسند احمد:۹۰۲۴، موطا امام مالک:۱۷۲۶)

صحیح البخاری:۵۳۹۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان احادیث سے مراد ہمدردی اور غمگساری ہے

اس حدیث میں ارشاد ہے ''دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کو کافی ہوتا ہے'': یعنی جتنے کھانے سے دو آدمی سیر ہو جاتے ہیں تو تین آدمی بھی سیر ہو کر کھا سکتے ہیں اور جتنے کھانے سے تین آدمی سیر ہو کر کھا سکتے ہیں، اتنے کھانے سے چار آدمی بھی سیر ہو کر کھا سکتے ہیں۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: ان احادیث سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو کھانے کی اتنی مقدار پر کفایت کرنے کی ترغیب دی جائے جس سے ان کو قناعت ہو جائے اور دوسرے لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور سخاوت کا موقع حاصل ہو۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ہر حال میں دو کا کھانا تین کے لیے کافی ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد لوگوں کے ساتھ غمگساری اور حسنِ سلوک ہے اور چاہیے کہ دو آدمی تیسرے آدمی کو اپنے ساتھ کھانے میں داخل کر لیں اور چوتھے کو بھی داخل کر لیں اگر وہ حاضر ہو تو۔

مل کر کھانے کی ترغیب

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ کھانا مل کر کھانا چاہیے اور کوئی مرد اکیلا نہ کھائے، کیونکہ اس سے برکت حاصل ہوتی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

ہم نے ذکر کیا ہے کہ امام طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ مل کر کھاؤ اور متفرق طور پر نہ کھاؤ۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

پرہیزی کھانا الگ کھانے کا جواز

میں کہتا ہوں: اصل اور سنت تو یہی ہے کہ مل کر کھانا چاہیے اور الگ الگ بیٹھ کر نہیں کھانا چاہیے لیکن اگر کوئی آدمی بیمار ہو اور اس کا کھانا پرہیزی ہو اور دوسرے صحت مند ہوں جو عام قسم کا کھانا کھاتے ہوں تو پھر بیمار آدمی کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنا پرہیزی کھانا الگ بیٹھ کر کھا لے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۳۹۲ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان احادیث سے مراد اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دینا ہے اور سخاوت اور غمگساری کرنا ہے

امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کو کافی ہوتا ہے، اور دو آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کو کافی ہوتا ہے اور چار آدمیوں کا کھانا آٹھ آدمیوں کو کافی ہوتا ہے۔

تاہم یہ حدیث امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہے۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: ان احادیث سے مراد کھانے میں سخاوت ہے اور غمگساری ہے اور اپنے نفس کے اوپر دوسروں کو ترجیح دینا ہے۔ اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ہر آدمی کھانے میں برابر ہو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین کو کافی ہے، یہ دلیل ہے کہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دی جائے، جس کی وجہ سے صحابہ کی اور مسلمانوں کی ستائش کی گئی ہے اور کھانے کی جتنی مقدار سے قناعت ہو جائے اتنی مقدار کے اوپر کفایت کی جائے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس سال قحط پڑ گیا تھا یہ ارادہ کیا کہ ہر گھر والا اپنے ساتھ اتنے لوگوں کو کھلائے جتنے لوگ اس کے گھر میں ہیں اور فرمایا: کوئی شخص اپنی نصف خوراک کے کھانے سے ہلاک نہیں ہوگا۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: اس باب کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ مجتمع ہو کر کھانا مستحب ہے اور کوئی شخص اکیلا نہ کھائے، اور اسی میں برکت ہے اور عنقریب اس باب میں آئے گا کہ جس نے دس دس مہمانوں کو اپنے گھر میں داخل کیا اور اس سے ظاہر یہ ہو گیا کہ یہاں سیر ہو کر کھانا مراد نہیں ہے بلکہ اتنا کھانا مراد ہے جو ایک وقت کے لیے کافی ہو، کیونکہ حدیث میں ہے کہ ایک آدمی کا کھانا دو کو کافی ہوتا ہے اور دو کا کھانا چار کو کافی ہوتا ہے علیٰ ھذا القیاس۔ اس سے مقصود صرف یہ ہے کہ جتنے کھانے سے ایک آدمی سیر ہو کر کھا سکتا ہو، وہ کھانا دو آدمیوں کے لیے کافی ہوتا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۱۳۲-۱۳۴، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۹۲، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو اس حدیث میں جو فرمایا ہے: "دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کو کافی ہوتا ہے اور تین آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کو کافی ہوتا ہے"۔ اس سے کیا مراد ہے؟ تو میں کہوں گا: اس سے مراد سیر ہو کر کھانا ہے۔ بعض شارحین نے کہا ہے: اگر تم کہو کہ عنوان اس پر دلالت کرتا ہے کہ ایک کا کھانا نصف سیر ہونے کے لیے کافی ہے اور حدیث دلالت کرتی ہے کہ دو تہائی کا کھانا چار آدمیوں کے سیر ہونے کے لیے کافی ہے تو میں کہوں گا: یہ کلام بہ طور تشبیہ یا بہ تقریب کے ہے، بہ طور تہدید کے نہیں ہے اور شارع علیہ السلام کی غرض یہ ہے کہ ایک کھانے کو زیادہ لوگ مل کر کھائیں تا کہ برکت حاصل ہو۔

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری، ج ۹ ص ۹۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۹۲، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

قناعت اور مکارم اخلاق کی ترغیب

طعام اگر قلیل بھی ہو تو لوگوں کو مل کر کھانا چاہیے کیونکہ اس سے برکت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے کھانے کو مل کر کھاؤ تو اللہ تعالیٰ تم کو اس میں برکت عطا فرمائے گا اور اس حدیث کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ غمگساری اور حیات میں تعاون کی دعوت دی جائے، کیونکہ جو طعام ایک آدمی کے لیے کافی ہوتا ہے وہ دو کے لیے بھی کافی ہو جاتا ہے جیسا کہ سنن ابن ماجہ میں ہے۔

اور اس حدیث شریف کا تقاضا یہ ہے کہ پانچ آدمیوں کا کھانا دس کو کافی ہوگا اور اس حدیث سے مقصود غمگساری ہے اور یہ کہ مسلمان اپنے کھانے میں بخل نہ کرے اور یہ کہے کہ یہ کھانا کافی نہیں ہے، یہ کھانا تو صرف ایک شخص کے لیے کافی ہے یا تین شخصوں کے لیے کافی ہے، تو ہم دوسروں کو کیسے دعوت دیں۔ اور اس حدیث میں مکارمِ اخلاق کی ترغیب ہے اور جو چیز میسر ہو، اس پر قناعت کرنے کو برانگیختہ کرنا ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) مل کر کھانا مستحب ہے اور یہ کہ انسان اکیلا نہ کھائے۔

(۲) ان احادیث میں غمگساری کی طرف اشارہ ہے، اس سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اور وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں ۝ (الدہر)

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کے پاس جو کھانا ہو، وہ اس کو حقیر نہ سمجھے اور وہ دوسروں کو کھلانے سے گریز نہ کرے، کیونکہ کبھی قلیل مقدار سے بھی بھوک مٹ جاتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص سے اس کا رب عنقریب کلام فرمائے گا، اور اس شخص کے درمیان اور اس کے رب کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا، پس وہ اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو اسی عمل کو دیکھے گا جو اس نے پہلے بھیجا ہے اور پھر بائیں جانب دیکھے گا تو اسی عمل کو دیکھے گا جو اس نے پہلے دیکھا ہے، پھر اپنے سامنے دیکھے گا تو وہ اپنے سامنے صرف دوزخ کی آگ دیکھے گا، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دوزخ کی آگ سے بچو، اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے کو صدقہ کر کے بچو، اور دوسری حدیث میں یہ اضافہ ہے اور خواہ نیک بات سے۔ (صحیح البخاری: ۷۵۱۲)

(الشرح المیسیر لصحیح البخاری المسمی الدرر والآلی، ج ۵ ص ۱۵۳، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۱۲۔ بَابٌ: اَلْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مِعًى وَاحِدٍ
(فِيهِ أَبُوهُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم)

مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور اس باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور لفظ "مِعًى" اسم مقصور ہے، اس میں میم کے نیچے زیر ہے اور تنوین ہے اس کی جمع "امعاء" آتی ہے اور اس کا تثنیہ "معیان" تا ہے، امام ابوحاتم نے کہا کہ یہ لفظ مذکر مقصور ہے اور میں نے کسی سے نہیں سنا کہ یہ لفظ مونث ہے۔

اور قاضی عیاض نے اہل طب سے اور اہل تشریح سے نقل کیا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ انسان کی سات آنتیں ہوتی ہیں اور معدہ ہوتا ہے، پھر تین آنتیں اس کے بعد متصل ہوتی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۹۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَاقِدِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَأْكُلُ حَتَّى يُؤْتَى بِمِسْكِينٍ يَأْكُلُ مَعَهُ فَأَدْخَلْتُ رَجُلًا يَأْكُلُ مَعَهُ فَأَكَلَ كَثِيرًا فَقَالَ يَا نَافِعُ لَا تُدْخِلْ هَذَا عَلَيَّ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ الْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مِعًى وَاحِدٍ وَالْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الصمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از واقد بن محمد از نافع، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس وقت تک نہیں کھاتے تھے حتیٰ کہ ایک مسکین کو لایا جاتا جو ان کے ساتھ کھانا کھاتا، سو میں نے ایک مرد کو داخل کیا جو ان کے ساتھ کھا رہا تھا، اس نے بہت زیادہ کھانا کھایا، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اے نافع! تم اس کو میرے پاس داخل نہ کرنا، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۳۹۳، ۵۳۹۴، ۵۳۹۵)

صحیح البخاری: ۵۳۹۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان اس باب میں مذکور حدیث کا نصف ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں عبد الصمد کا ذکر ہے اور وہ عبد الوارث ہیں، اور واقد بن محمد کا ذکر ہے، اور یہ ابن محمد بن زید بن عبد اللہ بن عمر

رضی اللہ عنہما ہیں۔

حدیث مذکور میں کافر اور مومن کے مصداق کے متعلق متعدد اقوال

اس میں اختلاف ہے کہ اس حدیث سے کیا مراد ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس میں مومن کی مثال بیان کی گئی ہے کہ وہ دنیا سے بے رغبتی کرتا ہے اور کافر کی مثال بیان کی گئی ہے کہ وہ دنیا پر حرص کرتا ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں مومن کی تخصیص ہے کہ وہ زیادہ کھانے سے پرہیز کرتا ہے جس سے دل کی سختی اور نیند پیدا ہوتی ہے اور کافر کا وصف کیا گیا ہے کہ وہ زیادہ کھاتا ہے تاکہ مومن کافر کی صفت سے اجتناب کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا اس آیت میں ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَ يَأْكُلُوْنَ كَمَا تَأْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝ (محمد) اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ (دنیا میں) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور جانوروں کی طرح کھا رہے ہیں اور ان کا ٹھکانا آگ ہے ۝

اور یہ غالب اور اکثر احوال کے اعتبار سے ہے، ورنہ بعض مومنین بھی اپنی عادت یا کسی عارضہ کی وجہ سے زیادہ کھاتے ہیں اور کفار بھی بعض ایسے ہیں جو عادتاً کم کھاتے ہیں یا تو صحت کی رعایت کی وجہ سے جیسا کہ اطباء کہتے ہیں، یا رُہبانیت کی وجہ سے دنیا کو ترک کرتے ہیں یا معدہ کے ضعف کی وجہ سے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اس حدیث میں مومن سے مراد وہ مومن ہو جو کھانے کے وقت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھتا ہے تو اس کے کھانے میں شیطان شریک نہیں ہوتا اور کافر کھانے سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نہیں پڑھتا تو شیطان اس کے کھانے میں شریک ہو جاتا ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ مومن سے مراد ہے مومنِ کامل، جس کا ایمان مکمل ہوتا ہے، کیونکہ جو اسلام میں اچھے کام کرے اور اس کا ایمان کامل ہو تو اس کی فکر اس میں مشغول رہتی ہے کہ موت کے وقت اور موت کے بعد اس کے کیا احوال ہوں گے، اور یہ فکر اس کو کھانے کی شہوت کو پورا کرنے سے روکتی ہے، اور رہا کافر تو اس کی شان سے حرص ہے، سو وہ اس طرح کھاتا ہے جس طرح جانور کھاتے ہیں، اور وہ اپنے بدن کی اصلاح کا خیال نہیں کرتا۔

امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ نے کہا: میں نے ابن ابی عمر سے سنا، وہ یہ کہتے تھے کہ ایک قوم اس حدیث کو دنیا میں رغبت پر محمول کرتی ہے جیسے کہتے ہیں: فلاں آدمی دنیا کو کھاتا ہے، یعنی دنیا میں رغبت کرتا ہے اور دنیا پر حرص کرتا ہے، سو مومن ایک آنت میں کھاتا ہے، کیونکہ اس کو دنیا سے بے رغبتی ہوتی ہے، اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے، کیونکہ اس کو دنیا میں رغبت ہوتی ہے اور انہوں نے اس کو طعام پر محمول نہیں کیا، انہوں نے کہا کہ ہم نے دیکھا کئی مومن کافر سے زیادہ کھاتے ہیں اور اگر اس کی طعام سے تاویل کی جائے تو حدیث کا معنی محال ہوگا۔

پانچواں قول یہ ہے کہ یہ حدیث خاص معین مرد کے متعلق ہے، وہ پہلے کافر تھا، پھر مسلمان ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق یہ فرمایا اور اس مرد کے نام میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ ثمامة بن اثال ہیں، المازری اور علامہ نووی نے اسی کو وثوق سے کہا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ جهجاه الغفاری ہیں۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ وہ نضلة بن عمرو الغفاری ہیں اور چوتھا قول یہ ہے کہ وہ

ابو بصرہ الغفاری ہیں۔ اور پانچواں قول یہ ہے کہ وہ ان کے بیٹے ابن بصرہ بن ابی بصرہ الغفاری ہیں، اور چھٹا قول یہ ہے کہ ابو غزوان ہیں۔

جس مرد نے حالتِ کفر میں سات گنا کھایا اور حالتِ اسلام میں اس کی ایک مثل کھائی

اور امام طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ ابو عبد الرحمٰن الحبلی از حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سات مرد آئے، پس ہر مرد کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک مرد نے لے لیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک مرد کو لے لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد سے پوچھا: تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا: ابو غزوان، حضرت عبد اللہ بن عمرو نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ سات بکریوں کا دودھ دوہا تو اس نے ان ساتوں بکریوں کا دودھ پی لیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: اے ابو غزوان، تمہاری کیا رائے ہے کہ تم اسلام قبول کر لو، اس نے کہا: جی ہاں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا، پھر جب صبح ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے ایک بکری کا دودھ بھیجا تو وہ ایک بکری کا دودھ نہ پی سکا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: اے ابو غزوان! کیا ہوا؟ اس نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں سیر ہو گیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کل تمہارے لیے سات آنتیں تھیں اور آج تمہارے لیے صرف ایک آنت ہے۔

میں کہتا ہوں: ابو بصرہ کا نام حُمَیل ہے (حاء پر پیش اور میم پر زبر) یہ اسمِ تصغیر ہے۔

سات آنتوں سے مبالغہ مراد ہے یا حقیقتِ عدد

اس حدیث میں سات آنتوں کا ذکر ہے، اس کی مراد میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ اپنے ظاہر پر محمول ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مبالغہ کے لیے ہے، اور حقیقتاً سات آنتوں کا عدد مراد نہیں ہے اور یہ اکثر اور غالب احوال کے اعتبار سے ہے، اور تیسرا قول یہ ہے کہ سات کی تخصیص مبالغہ میں کثرت کے لیے ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے:

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝ (لقمان)

اور اگر تمام روئے زمین کے درخت قلم بن جائیں اور تمام سمندر سیاہی ہوں اور اس کے بعد ان میں سات سمندروں کا اور اضافہ ہو، تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے، بے شک اللہ بہت غالب، بے حد حکمت والا ہے O (لقمان: ۲۷)

کافر کی سات صفات

علامہ نووی نے کہا ہے: کافر کی سات صفات درج ذیل ہیں:

(۱) حرص (۲) بہت زیادہ حرص (۳) لمبی امید (۴) طمع (۵) بدمزاجی (۶) حسد (۷) موٹاپے سے محبت

شہوت کی سات قسمیں

علامہ قرطبی نے کہا: شہوات کی سات قسمیں ہیں:

(۱) طبعی شہوت، یعنی طبیعت کے تقاضوں کو پورا کرنا۔

(۲) نفس کی شہوت، یعنی لذتِ جماع کا حصول۔
(۳) آنکھوں کی شہوت، یعنی خوبصورت چیزوں کو دیکھنے کی خواہش کرنا۔
(۴) منہ کی شہوت، یعنی لذیذ کھانوں کی خواہش کرنا۔
(۵) کانوں کی شہوت، یعنی سریلی آوازوں کو سننے کی خواہش کرنا۔
(۶) ناک کی شہوت، خوشبودار چیزوں کو سونگھنے کی خواہش کرنا۔
(۷) بھوک کی شہوت، پیٹ بھر کر کھانے کی خواہش کرنا۔

اور بھوک کی شہوت مومن کے لیے ضروری ہے اور رہا کافر تو وہ سب اقسام سے کھاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۱-۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۹۳ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مومن اور کافر کے ایک آنت اور سات آنتوں میں کھانے کے متعلق پانچ اقوال

حافظ ابوعمر بن عبد البر متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے کہ نبی ﷺ نے سات بکریوں کا دودھ نکالا، تو ایک شخص نے وہ ساتوں بکریوں کا دودھ پی لیا، پھر جب وہ شخص مسلمان ہو گیا تو اس نے صرف ایک بکری کا دودھ پیا۔ (الاستیعاب ج ۱ ص ۳۴۳)

امام ابوعبید وغیرہ نے کہا ہے: یہ حدیث خاص اس مرد کے متعلق ہے جو رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تھا، تو ہم نے دیکھا کہ مسلمان کی بہ نسبت کافر زیادہ کھاتا ہے۔ (غریب الحدیث: ج ۱ ص ۳۸۷)

دوسرا قول یہ ہے کہ اس حدیث میں تمثیل بیان کی گئی ہے، نبی ﷺ کا ارادہ یہ ہے کہ کافر کی فکر اور جدوجہد صرف اپنا پیٹ بھرنے کے لیے ہوتی ہے اور مومن کو اللہ تعالیٰ نے قناعت عطا کی ہے اور اس کی اکثر فکر دین کے متعلق ہوتی ہے اور وہ اپنے رب عزوجل کے رزق پر توکل کرنے والا ہوتا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ مومن کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھتا ہے، تو اس میں برکت ہوتی ہے تو اس کو اتنا کھانا کافی ہو جاتا ہے جو کافر کو کافی نہیں ہوتا۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ بعض مومنین کفار سے زیادہ کھانے والے ہوتے ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ زیادہ کھانے والا مومن کافر ہوتا تو اس سے زیادہ کھاتا اور اگر کم کھانے والا کافر مومن ہوتا تو وہ پہلے کی بہ نسبت زیادہ کم کھاتا۔

اور چوتھا قول یہ ہے کہ علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے کہا ہے کہ یہ تمثیل ہے، جو تقلیل اور تکثیر سے متعلق ہے جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ابوجہم اپنے کاندھے سے لاٹھی نہیں اتارتے"، علامہ خطابی نے کہا: اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ جو زیادہ کھانے والا ہو گا اس کا اسلام ناقص ہو گا، کیونکہ متعدد اسلاف سے منقول ہے کہ بہت سے افاضل سلف زیادہ کھاتے تھے اور اس سے ان کے ایمان میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔

اور پانچواں قول یہ ہے کہ مومن حلال کھاتا ہے اور حلال کھانا حرام کی بہ نسبت کم ہوتا ہے اور کافر حرام کھاتا ہے اور وہ حلال کی بہ

نسبت زیادہ ہوتا ہے، سو یہ پانچ اقوال ہیں۔

کھانے والوں کے تین طبقات

(۱) ایک طبقہ وہ ہے جو ہر کھانے پینے کی چیز کو کھالیتا ہے خواہ اس کو کھانے پینے کی ضرورت ہو یا نہ ہو اور یہ گدھوں کی صفت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَ یَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَ النَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ○ (محمد)

اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ (دنیا میں) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور جانوروں کی طرح کھا رہے ہیں اور ان کا ٹھکانا آگ ہے ○

وَ تَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ○ (الفجر)

اور تم وراثت کا پورا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو ○

(۲) دوسرا طبقہ وہ ہے جنہیں جب بھوک لگتی ہے تب کھاتے ہیں اور جب بھوک مٹ جاتی ہے تو رک جاتے ہیں اور یہ ان لوگوں کی عادت ہے جو میانہ روی سے کام لیتے ہیں اور شمائل اور اخلاق میں نیک صفت ہوتے ہیں۔

(۳) تیسرا طبقہ وہ ہے جو بھوکے رہتے ہیں اور بھوک سے شہوتِ نفس کو مٹانے کا ارادہ کرتے ہیں اور سخت ضرورت کے بغیر نہیں کھاتے اور اس وقت بھی صرف اتنا کھاتے ہیں جس سے بھوک کی شدت مٹ جائے۔ یہ ابرار اور صالحین اور اخیار کا طریقہ ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کھانے کو لازم کرلو، اور آخرت میں غور و فکر کرو، کیونکہ جس کا غور و فکر آخرت میں زیادہ ہوتا ہے تو اس کا طعام کم ہوجاتا ہے اور اس کی زبان کم بولتی ہے اور جس کو آخرت کی فکر کم ہوتی ہے، اس کا کھانا زیادہ ہوتا ہے اور اس کا گناہ زیادہ ہوتا ہے اور اس کا دل سخت ہوجاتا ہے اور جس کا دل سخت ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بعید ہوتا ہے۔ (شعب الایمان ج ۵ ص ۱۵۱، المستدرک ج ۱ ص ۸۸، تاہم محدث ابن جوزی نے حدیث کو الموضوعات میں درج کیا ہے)

اس باب کی ان احادیث میں دنیا کے کم مال کو لینے پر برانگیختہ کیا ہے اور بے رغبتی کی ترغیب دی ہے، اور جتنا مال مل جائے اس پر قناعت کو ابھارا ہے۔

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے مجھے عطا کیا، میں نے آپ سے پھر سوال کیا، آپ نے پھر مجھے عطا کیا، میں نے پھر آپ سے سوال کیا، آپ نے مجھے پھر عطا کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حکیم! یہ مال میٹھا ہے، جو اس کو سخاوتِ نفس سے لے گا اس میں برکت دی جائے گی اور جو اس مال کو اپنے نفس کو جھکا کر لے گا اس میں برکت نہیں ہوگی اور اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔۔ الحدیث

(صحیح البخاری: ۱۴۷۲، صحیح مسلم: ۱۰۳۵، سنن ترمذی: ۲۴۶۳، سنن نسائی: ۲۶۰۲، مسند احمد: ۱۵۱۴۶)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دن میں ایک صاع (چار کلوگرام) کھجوریں کھالیتے تھے اور ان سے بڑھ کر کس کا ایمان ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت کا علم ہے اور اس بات کا علم ہے کہ وہ کھانے پینے اور لباس کی بہت کم چیزوں کو حاصل کرتے تھے، تو وہ یہ اعتراض نہیں کرے گا اور یہ وہم نہیں کرے گا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر دن میں چار کلوگرام کھجوریں کھاتے تھے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انتہا سے زیادہ کھانے پینے اور لباس میں کم خرچ کرتے تھے، اور تمام لوگوں سے زیادہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرنے والے تھے، ہاں کسی دن ایسا ہوا ہوگا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھوک کی شدت کی وجہ سے ایک دن میں چار کلو کھجوریں کھالی ہوں۔

صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ مومن کے لیے چند چھوٹے لقمے کافی ہیں جن سے اس کی پشت سیدھی رہے۔

(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱۴ ص ۲۵)

اور ربیع الابرار میں مذکور ہے کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ ایک رات حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس روزہ افطار کرتے اور دوسری رات حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس افطار کرتے اور تیسری رات حضرت ابن جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس روزہ افطار کرتے، اور دو یا تین لقموں سے زیادہ نہیں کھاتے تھے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۱۳۶-۱۴۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۹۳ کی شرح از شیخ محمد علی صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

مومن کی ایک آنت اور کافر کی سات آنتوں کا ذکر بہ طور تمثیل اور تشبیہ ہے، بہ طور تحقیق نہیں ہے

یہ احادیث اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہیں، کیونکہ تمام انسان نیک ہوں یا بد ہوں، مومن ہوں یا کافر ہوں، ان کی خلقت ایک جیسی ہے اور ایسا نہیں ہوگا کہ ایک انسان کی تو ایک آنت ہو اور دوسرے انسان کی سات آنتیں ہوں اور اگر ہم تجربہ کریں اور جراحی کریں تو ہم دیکھیں گے کہ جس طرح مومن کی ایک آنت ہوتی ہے، اسی طرح کافر کی بھی ایک آنت ہوتی ہے، تو پھر یہ حدیث تشبیہ اور تمثیل پر محمول ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کے زُہد اور دنیا سے بے رغبتی کی وجہ سے فرمایا کہ وہ ایک آنت میں کھاتا ہے اور چونکہ کافر کو دنیا سے محبت اور رغبت ہوتی ہے تو اس کے متعلق فرمایا کہ وہ سات آنتوں میں کھاتا ہے، یعنی آنت تو اس کی ایک ہی ہے لیکن اس کے کھانے سے یوں لگتا ہے جیسے وہ سات آنتوں میں کھا رہا ہو، جیسے کہا جاتا ہے: عقلمند انسان اس لیے کھاتا ہے تاکہ وہ زندہ رہے اور جاہل انسان کھانے کے لیے زندہ رہتا ہے، پس گویا کہ مومن دنیا سے کم حصہ لینے کی وجہ سے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے پاس رغبت کی وجہ سے کم کھاتا ہے، زیادہ نہیں کھاتا اور کافر کو چونکہ دنیا میں شدید رغبت ہوتی ہے اور وہ دنیا کی لذیذ چیزوں سے فائدہ اٹھانے سے محبت رکھتا ہے، تو وہ گویا کہ سات آنتوں میں کھاتا ہے، اور وہ اس طرح کھاتا ہے جیسے جانور کھاتے ہیں اور حلال اور حرام میں تدبر نہیں کرتا اور نہ وہ یوم حساب اور یوم جزا میں تدبر کرتا ہے اور وہ اس طرح زندہ رہتا ہے جیسے جانور جو اپنے پیٹوں کو بھرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَ یَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَ النَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ۝ (محمد) اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ (دنیا میں) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور جانوروں کی طرح کھا رہے ہیں اور ان کا ٹھکانا آگ ہے۝

اور اس کی دلیل کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آنت اور سات آنتوں کا ذکر بہ طور تمثیل اور تصویر فرمایا ہے جس کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مہمان آیا اور وہ کافر تھا، تو آپ نے اس کے لیے ایک بکری کا دودھ دوہنے کا حکم دیا، اس نے اس کا سارا دودھ پی لیا، حتیٰ کہ سات بکریوں کا دودھ پی لیا، پھر وہ صبح کو مسلمان ہوگیا، پھر آپ نے اس کے لیے

دودھ نکالنے کا حکم دیا تو وہ ایک بکری کے دودھ سے سیر ہو گیا، پھر آپ نے فرمایا: مومن ایک آنت سے کھاتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ آنت تو اس کی ایک ہی تھی لیکن کفر کی حالت میں وہ اتنا زیادہ کھاتا تھا کہ لگتا تھا کہ وہ سات آنتوں میں کھا رہا ہے۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر واللآلی بشرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۱۵۴-۱۵۵، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۵۳۹۴ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَأْكُلُ فِي مِعًى وَاحِدٍ وَإِنَّ الْكَافِرَ أَوِ الْمُنَافِقَ فَلَا أَدْرِي أَيَّهُمَا قَالَ عُبَيْدُ اللهِ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ وَقَالَ ابْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِمِثْلِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدۃ نے خبر دی از عبید اللہ از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور بے شک کافر یا منافق، راوی کہتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں آپ نے کون سا کلمہ کہا ہے، عبید اللہ نے کہا کہ وہ سات آنتوں میں کھاتا ہے۔
ابن بکیر نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از نافع از ابن عمر از نبی ﷺ، اسی کی مثل۔

اس حدیث کی تخریج بھی حسب سابق ہے، یعنی جو تخریج صحیح البخاری: ۵۳۹۳ کی ہے۔

صحیح البخاری: ۵۳۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت بالکل ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال

اس حدیث میں ''عبدۃ'' کا ذکر ہے، یہ ابن سلیمان ہیں اور ''عبید اللہ'' کا ذکر ہے، یہ عبید اللہ بن عمر العمری ہیں اور امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے: کافر یا منافق، یہ عبدۃ کو شک ہے کہ حدیث میں کیا لفظ ہے اور اس کی طرف انہوں نے یہ اشارہ کیا کہ مجھے از خود معلوم نہیں کہ عبید اللہ نے کیا کہا تھا، یعنی عبید اللہ بن عمر العمری نے کیا کہا تھا۔ امام مسلم نے اس حدیث کو از یحییٰ القطان از عبید اللہ بن عمر لفظ کافر کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس میں شک کا لفظ نہیں ہے، اسی طرح اس حدیث کی عمرو بن دینار نے روایت کی ہے جیسا کہ اگلے باب میں آئے گا، اور طبرانی کی روایت میں حضرت سمرہ کی حدیث میں منافق کی بجائے کافر کا لفظ ہے۔

حدیث مذکور کی تعلیق

اس حدیث کے آخر میں ایک تعلیق ہے جس میں مذکور ہے کہ ابن بکیر نے کہا، اس سے مراد یحییٰ بن عبد اللہ بن بکیر ہیں، ابوزکریا المخزومی المصری ان سے امام بخاری نے بدء الوحی اور متعدد جگہ حدیث کی روایت کی ہے، علامہ الدمیاطی نے کہا کہ ابن یونس نے بیان کیا کہ یحییٰ بن بکیر ایک سو چون (۱۵۴ھ) میں پیدا ہوئے تھے اور صفر دو سو اکتیس (۲۳۱ھ) میں وفات ہوئی ہے، اس تعلیق کی

امام ابونعیم نے سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۳۹۵۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو قَالَ كَانَ أَبُو نَهِيكٍ رَجُلًا أَكُولًا فَقَالَ لَهُ ابْنُ عُمَرَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ إِنَّ الْكَافِرَ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ فَقَالَ فَأَنَا أُومِنُ بِاللهِ وَرَسُولِهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو، انہوں نے کہا کہ ابونہیک بہت زیادہ کھانے والے مرد تھے، تو ان سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے، تو ابونہیک نے کہا: میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہوں۔

اس حدیث کی تخریج وہی ہے جو صحیح البخاری: ۵۳۹۳ کی تخریج ہے۔

صحیح البخاری: ۵۳۹۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اس حدیث کی ایک اور سند سے روایت ہے، اور یہ حدیث بھی امام بخاری کی منفرد روایات میں سے ہے۔

ابونہیک کا تعارف

لفظ نہیک میں نون پر زبر ہے اور ھاء کے نیچے زیر ہے، علامہ کرمانی نے کہا: یہ اہلِ مکہ کے ایک مرد تھے، علامہ عینی فرماتے ہیں: علامہ کرمانی نے یہ عبارت امام حُمیدی کے کلام سے اخذ کی، کیونکہ ان کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ ابونہیک اہلِ مکہ کے ایک مرد ہیں جو بہت زیادہ کھانا کھاتے تھے، تو ابونہیک نے کہا: میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہوں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۹۶۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَأْكُلُ الْمُسْلِمُ فِي مِعًى وَاحِدٍ وَالْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔

اس حدیث کی تخریج وہی ہے جو صحیح البخاری: ۵۳۹۳ کی تخریج ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے۔

۵۳۹۷۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا كَانَ يَأْكُلُ أَكْلًا كَثِيرًا فَأَسْلَمَ فَكَانَ يَأْكُلُ أَكْلًا قَلِيلًا فَذُكِرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَأْكُلُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عدی بن ثابت از ابی حازم از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد بہت زیادہ کھانا کھاتا تھا،

فِی مِعًی وَاحِدٍ وَالْکَافِرُ یَأْکُلُ فِی سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ۔

پھر وہ مسلمان ہو گیا تو وہ پھر تھوڑا کھانا کھاتا تھا، سو اس بات کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: کہ مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔

اس حدیث کی تخریج وہی ہے جو صحیح البخاری: ۵۳۹۳ کی تخریج ہے۔

صحیح البخاری: ۵۳۹۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تعارف

اس حدیث کی امام بخاری نے از سلیمان بن حرب از شعبہ بن الحجاج روایت کی ہے، از عدی بن ثابت اور وہ عدی بن ابان بن ثابت الانصاری الکوفی ہیں، اور ان کے بیٹے کا بیٹا عبداللہ بن یزید الخطمی ہے جو ۱۱۵ ھ میں فوت ہو گئے تھے، اور وہ شیعہ کی مسجد کے امام تھے اور کوفہ میں انہی کے قاضی تھے۔ امام بخاری اور امام مسلم ان کی حدیث سے استدلال کرنے پر متفق ہیں اور وہ ابو حازم سلمان الاشجعی سے روایت کرتے ہیں۔ اور یہ سلمہ بن دینار زاہد نہیں ہیں کیونکہ وہ الاشجعی سے عمر میں کم ہیں اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔

حدیث مذکور کی مزید تخریج

اس حدیث کی امام نسائی نے باب الولیمہ میں اور امام ابن ماجہ نے کتاب الاطعمہ میں از ابو بکر بن ابی شیبہ وغیرہ روایت کی ہے اور امام مسلم نے اس کی اپنی سند کے ساتھ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرد کی میزبانی کی اور وہ کافر تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بکری کو لانے کا حکم دیا، اس کا دودھ نکالا گیا تو وہ اس کا سارا دودھ پی گیا، پھر دوسری بکری کا دودھ پی گیا، پھر تیسری بکری کا دودھ پی گیا حتیٰ کہ وہ سات بکریوں کا دودھ پی گیا، پھر صبح کو وہ مسلمان ہو گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بکری کا دودھ نکالنے کا حکم دیا تو اس نے اس کو پی لیا، اور دوسری بکری کا دودھ نکالنے کا حکم دیا تو اس نے نہیں پیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

۱۳۔ بَابُ: الْأَكْلِ مُتَّكِئًا

ٹیک لگا کر کھانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ٹیک لگا کر کھانے کا کیا حکم ہے، امام بخاری نے وثوق کے ساتھ اس کا حکم نہیں بیان کیا، کیونکہ اس کے متعلق کوئی صریح ممانعت نہیں آئی اور امام ترمذی نے اس باب کا یہ عنوان قائم کیا ہے کہ ٹیک لگا کر کھانا مکروہ ہے، پھر انہوں نے حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی روایت کی ہے، جس کی امام بخاری نے بھی روایت کی ہے، اور ہمارے شیخ زین

الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: امام ترمذی نے ٹیک لگا کر کھانے کی احادیث کو کراہت پر محمول کیا ہے، جیسا کہ انہوں نے باب کا عنوان قائم کیا ہے اور یہی جمہور کا قول ہے اور متعدد صحابہ اور تابعین ٹیک لگا کر کھاتے تھے، ان احادیث کی امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کی ہے، پھر انہوں نے کہا کہ اس میں اختلاف ہے کہ کھانے کے وقت ٹیک لگانے سے کیا مراد ہے؟، پس ایک قول یہ ہے کہ مراد یہ ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ وہ چارزانوں بیٹھ کر کھائے جس سے معلوم ہو کہ وہ کھانے کے لیے تیار ہے۔

اور صاحب تلویح نے کہا کہ کھانے کے وقت زمین کے اوپر بیٹھے، اور اپنی سرین کو جما کر بیٹھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ٹیک لگانے سے مراد یہ ہے کہ کسی ایک جانب پر ٹیک لگائے اور یہ متکبرین کا طریقہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۴-۶۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۳۹۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ سَمِعْتُ أَبَا جُحَيْفَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا آكُلُ مُتَّكِئًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مسعر نے حدیث بیان کی از علی بن الاقمر، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔

(صحیح البخاری: ۵۳۹۹، سنن ترمذی: ۱۸۰۳، سنن ابوداؤد ۱۸۶۹، سنن ابن ماجہ: ۳۲۶۲، مسند احمد: ۱۸۲۷۹، سنن دارمی: ۲۰۷۱)

صحیح البخاری: ۵۳۹۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال

ابونعیم کا نام ہے الفضل بن دکین، اور یہ مسعر (میم کے نیچے زیر اور سین پر جزم) بن کدام العامری الکوفی ہیں۔ اور علی بن الاقمر بن عمرو بن الحارث بن معاویہ الہمدانی الکوفی تمام کے نزدیک ثقہ ہیں اور صحیح بخاری میں ان کی صرف یہی حدیث ہے اور حضرت ابوجحیفہ (جیم پر پیش اور حاء پر زبر اور یاء پر جزم) ان کا نام وہب بن عبداللہ السوائی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی، ٹیک لگا کر بیٹھنا متکبرین کا طریقہ ہے اور مستحب یہ ہے کہ اس طرح بیٹھ کر کھائے جس طرح تشہد میں بیٹھتے ہیں

اس حدیث میں ارشاد ہے: ''میں ٹیک لگائے ہوئے نہیں کھاتا''۔ یعنی جس حال میں میں نے ٹیک لگائی ہوئی ہو، اس حال میں، میں نہیں کھاتا۔

علامہ حمد بن محمد الخطابی الشافعی متوفی ۳۸۸ھ نے کہا ہے کہ عام لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ ٹیک لگانے والا وہ شخص ہے جس کی ایک جانب دوسری طرف جھکی ہوئی ہو اور اس طرح نہیں ہے، بلکہ ٹیک لگانے والا وہ ہے جس نے اس چیز پر اعتماد کیا ہو جس پر وہ بیٹھا ہوا ہے اور ہر وہ شخص جو اپنی جگہ پر سیدھا بیٹھا ہو تو وہ ٹیک لگانے والا ہے۔ یعنی جب میں کھاتا ہوں تو جگہوں پر متمکن ہو کر نہیں

بیٹھتا، اور سنن ترمذی میں حدیث ہے: رہا میں تو میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔ اور بعض علماء نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ ٹیک لگا کر نہ کھانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے اور ابو العباس بن العاص نے اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں شمار کیا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ آپ کی خصوصیت نہیں ہے، کیونکہ امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹیک لگا کر نہ کھاؤ اور اس حدیث کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں اور امام بیہقی نے کہا: یہ بھی مکروہ ہے کیونکہ یہ متکبرین کا طریقہ ہے اور اس کی اصل عجم کے بادشاہوں سے منقول ہے اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت خالد بن ولید، عبیدہ السلمانی، محمد بن سیرین، عطاء بن ابی یسار اور زہری سے اس کے مطلقاً جواز کی روایت کی ہے اور جب یہ ثابت ہو جائے کہ ٹیک لگا کر کھانا مکروہ ہے یا خلافِ اولیٰ ہے تو بیٹھنے کی صفت میں مستحب میں ہے کہ جب کوئی شخص بھوکا ہو تو وہ اپنے دونوں گھٹنوں پر بیٹھے اور اپنے دونوں قدموں کو ظاہر کرے یا دایاں پاؤں نصب کرے اور بائیں پاؤں پر بیٹھے جیسا کہ تشہد میں بیٹھتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۹۸ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ٹیک لگا کر کھانے کے متعلق مختلف متعدد احادیث

حضرت عبد اللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ یہ نہیں دیکھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹیک لگا کر کھایا ہو۔ (سنن ابو داؤد: ۳۷۷۰)

ابن شاہین نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ٹیک لگا کر کھانا کھایا، پھر آپ نے اس سے منع فرمادیا۔
(الناسخ والمنسوخ لابن شاہین، ج ۱ ص ۴۲۴-۴۲۵)

اور عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی علیہ السلام کو ٹیک لگا کر کھاتے دیکھا تو انہوں نے آپ کو اس سے منع فرمایا، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آپ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے منع کیا تو پھر میں نے آپ کو ٹیک لگا کر کھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔

ابن شاہین نے کہا ہے: اس مسئلہ میں تشدید بہ طورِ اختیار کے ہے، بہ طورِ تحریم کے نہیں ہے، اور کھانے کے آداب میں سے اولیٰ یہ ہے کہ بغیر ٹیک لگا کے کھایا جائے اور ٹیک لگا کر کھانے کی اجازت بھی دی گئی ہے۔ (الناسخ والمنسوخ لابن شاہین، ج ۱ ص ۴۷۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ بھیجا، انہوں نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو اختیار دیتا ہے کہ آپ چاہیں تو عبد اور نبی ہوں اور آپ چاہیں تو عبد اور بادشاہ ہوں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ میں عبد اور نبی ہوں، پھر اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھایا۔

(السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۱۷۱)

امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ مجاہد بن جُبیر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک مرتبہ ٹیک لگا کر کھانا کھایا اور کہا: اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں اور تیرا رسول ہوں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۶ھ)

اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ٹیک لگا کر کھاتے تھے، تو میں کہوں گا: اس حدیث کی سند

ضعیف ہے، امام ابن ابی شیبہ نے اس کی یزید بن ابی زیاد سے روایت کی ہے کہ مجھے اس نے خبر دی جس نے حضرت ابن عباس کو ٹیک لگا کر کھاتے ہوئے دیکھا۔

اور امام ابن ابی شیبہ نے از ہشیم از حصین بن عبدالرحمٰن روایت کی ہے کہ حضرت خالد بن ولید نے صبح کا ناشتہ منگایا اور ٹیک لگا کر کھایا۔

اور عطاء بیان کرتے ہیں کہ ہم کھانا کھاتے تھے اور ہم ٹیک لگائے ہوئے تھے، اور ابو ہلال نے کہا کہ میں نے ابن سیرین کو دیکھا کہ وہ ٹیک لگا کر کھا رہے تھے اور میں نے عبیدہ سے ٹیک لگا کر کھانے سے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ ابراہیم نخعی نے کہا کہ فقہاء تابعین ٹیک لگا کر کھانے کو اس لیے مکروہ قرار دیتے تھے کہ اس سے ان کا پیٹ بڑھ جائے گا۔

اور امام ابن ابی حاتم نے از عبداللہ بن سائب بن خباب از والد خود از جد خود روایت کی ہے کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگا کر کچھ کھا رہے تھے، پھر انہوں نے اپنے والد سے روایت کی کہ یہ حدیث باطل ہے۔ (علل ابن ابی حاتم ج ۲ ص ۱۸-۱۹)

ٹیک لگا کر کھانے کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں: کہ جب یہ احادیث واضح ہو گئیں تو معلوم ہو گیا کہ شارع علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی تواضع اور اس کے سامنے تذلل کرنے کے لیے ٹیک لگا کر کھانے سے احتراز کیا، اور اس سے پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ آپ کے پاس ایک فرشتہ آیا جو صرف اسی مرتبہ آیا تھا اور اس نے کہا: آپ کا رب آپ کو یہ خبر دیتا ہے کہ آپ عبد نبی بنیں یا بادشاہ نبی بنیں، تو آپ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف دیکھا گویا کہ مشورہ طلب کر رہے ہیں تو جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ تواضع کریں، آپ نے فرمایا: میں عبد نبی ہوں، پھر آپ نے ٹیک لگا کر نہیں کھایا۔

اور مجاہد نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک مرتبہ ٹیک لگا کر کھایا، پھر آپ گھبرا کر بیٹھ گئے اور یہ دعا کی: اے اللہ! میں تیرا بندہ اور تیرا رسول ہوں، اور جس نے ٹیک لگا کر کھایا اس نے کسی حرام کا ارتکاب نہیں کیا، یہ صرف مکروہ ہے کیونکہ یہ اس تواضع کے خلاف ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے لیے اور اپنے پسندیدہ بندوں کے پسند فرمایا ہے۔

اور ابن سیرین اور زہری نے ٹیک لگا کر کھانے کی اجازت دی ہے۔

اور علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ ٹیک لگا کر کھانا اس لیے مکروہ ہے کہ یہ مکثرین یعنی زیادہ کھانے والوں کا طریقہ ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ اس کا فعل ہے جو مختلف قسم کے دسترخوانوں کو اپنے سامنے رکھتا ہے، گویا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ٹیک لگا کر اس لیے نہیں کھاتا کہ میں کم کھاتا ہوں اور کم مقدار پر کفایت کرتا ہوں، پس میں جم کر بیٹھ کر کھاتا ہوں اور کھانے سے فارغ ہو کر جلدی کھڑا ہو جاتا ہوں۔

اور امام ابن عدی نے سند مرسل سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ڈانٹا کہ کوئی شخص اپنے بائیں ہاتھ پر کھاتے وقت ٹیک لگائے، امام مالک نے کہا: یہ بھی اتکاء (ٹیک لگانے) کی ایک قسم ہے۔ (المنتقی ج ۷ ص ۲۵۰)

اور امام ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھانے پر دو زانوں بیٹھ گئے تو آپ سے کسی نے کہا: یہ آپ کس طرح بیٹھے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے عبد کریم بنایا ہے اور جبار عنید نہیں بنایا''۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۷۳)۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث کا مکمل متن درج ذیل ہے:

حضرت عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک بہت بڑا پیالہ تھا جس کو چار آدمی اٹھاتے تھے، اس کو الغراء کہا جاتا تھا، پس جب مسلمان قربانی کرتے اور چاشت کی نماز پڑھتے تو اس بڑے پیالہ کو لایا جاتا اور اس میں ثرید بنایا گیا تھا، پس جب زیادہ لوگ آ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو زانوں بیٹھ گئے تو ایک اعرابی نے کہا: یہ کیسا بیٹھنا ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے عبدِ کریم بنایا ہے اور مجھے سرکش جبار نہیں بنایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے اطراف سے کھاؤ اور اس کے درمیان کو چھوڑ دو تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے گا۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۷۳، سنن ابن ماجہ: ۳۲۶۳)

نیز امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت مصعب بن سُلیم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام سے بھیجا، جب میں واپس آیا تو آپ بیٹھے ہوئے کھجوریں کھا رہے تھے اور آپ نے ایک زانو بچھایا ہوا تھا اور دوسرا زانو نصب کیا ہوا تھا۔ (بیٹھنے کی اس کیفیت کو ''اقعاء'' کہتے ہیں)۔ (صحیح مسلم: ۲۰۴۴، سنن ابوداؤد: ۳۷۷۱)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۱۴۶-۱۴۹، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۳۹۹۔ حَدَّثَنِي عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ لِرَجُلٍ عِنْدَهُ لَا آكُلُ وَأَنَا مُتَّكِئٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے خبر دی از منصور از علی بن الاقمر از حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا تو آپ نے اپنے پاس ایک مرد سے فرمایا: میں اس حال میں نہیں کھاتا کہ میں ٹیک لگائے ہوئے ہوں۔

اس حدیث کی وہی تخریج ہے جو صحیح البخاری: ۵۳۹۸ کی تخریج ہے۔

صحیح البخاری: ۵۳۹۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح بخاری کی دونوں روایتوں کا فرق

صحیح البخاری: ۵۳۹۸ میں مذکور ہے: میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا، یہ جملہ فعلیہ ہے جو حدوث پر دلالت کرتا ہے اور صحیح البخاری: ۵۳۹۹ میں مذکور ہے: میں اس حال میں نہیں کھاتا کہ میں ٹیک لگائے ہوئے ہوں۔ یہ جملہ اسمیہ ہے جو ثبوت پر دلالت کرتا ہے، پس دوسری حدیث پہلی حدیث سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ اس میں ثبوت اور دوام ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام ابوداؤد نے از حضرت عبداللہ بن عمرو از والد خود یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی ٹیک لگا کر کھاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا اور امام نسائی نے از ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کو حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بھیجا، اس فرشتے نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو اختیار دیتا ہے اس کے درمیان کہ آپ عبد نبی ہوں اور اس کے درمیان کہ آپ عبد بادشاہ ہوں، تو آپ نے کہا: نہیں! بلکہ میں نبی عبد ہوں گا، پھر اس کے بعد آپ کو ٹیک لگا کر کھاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث جس میں مذکور ہے کہ آپ کو ٹیک لگا کر کھاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا، اس فرشتہ کے واقعہ کے بعد ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ کیسے روایت کی کہ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹیک لگا کر نہیں کھایا حالانکہ امام ابن ابی شیبہ نے یزید بن ابی زیاد سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: مجھے اس نے خبر دی ہے جس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ٹیک لگا کر کھاتے ہوئے دیکھا، تو میں کہوں گا کہ امام ابن ابی شیبہ کی روایت ضعیف ہے، اور اگر یہ صحیح ہو تو اعتبار ان کی روایت کا ہے، نہ کہ ان کی رائے کا اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ جب راوی اپنی روایت کے خلاف کوئی بات کہے تو یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ روایت اس کے نزدیک منسوخ ہو چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۵-۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

۱۴۔ بَابُ: الشِّوَاءِ

بھنا ہوا گوشت کھانا

وَقَالَ اللهُ تَعَالٰى: اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ (ہود: ۶۹) أَيْ مَشْوِيٍ۔

اور اللہ عزوجل کا ارشاد: پھر تھوڑی دیر بعد وہ گائے کا بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ (ہود: ۶۹) یعنی بھنا ہوا گوشت۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہود: ۶۹ کا شانِ نزول

یہ آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ہے جن کے پاس بھنا ہوا بچھڑا لایا گیا تھا اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے جب زمین میں فساد کیا اور سرکشی کی اور بغاوت کی تو حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ ان کی قوم کے خلاف ان کی مدد فرمائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے چار فرشتے بھیجے۔ حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت دردائیل تا کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کر دیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت دیں، پس وہ فرشتے خوبصورت مردوں کی شکلوں میں آئے حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ کر ٹھہرے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پندرہ راتوں سے کوئی مہمان نہیں آیا تھا، حتیٰ کہ ان پر یہ دشوار ہو رہا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جہاں تک ہو سکتا وہ کسی مہمان کے ساتھ کھاتے تھے، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان چار خوبصورت مردوں کو دیکھا تو خوش ہو گئے اور فرمایا کہ ان لوگوں کی صرف میں خدمت کروں گا، سو وہ اپنے گھر گئے اور ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے جس کو پتھروں پر رکھ کر بھونا گیا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۵۴۰۰۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ قَالَ أُتِيَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِضَبٍّ مَشْوِيٍّ فَأَهْوَى إِلَيْهِ لِيَأْكُلَ فَقِيلَ لَهُ إِنَّهُ ضَبٌّ فَأَمْسَكَ يَدَهُ فَقَالَ خَالِدٌ أَحَرَامٌ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از زہری از ابو امامہ بن سہل از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، از حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھنی

هُوَ قَالَ لَا وَلٰكِنَّهُ لَا يَكُونُ بِأَرْضِ قَوْمِي فَأَجِدُنِي أَعَافُهُ فَأَكَلَ خَالِدٌ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ يَنْظُرُ قَالَ مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ بِضَبٍّ مَحْنُوذٍ۔

ہوئی گوہ لائی گئی، آپ نے اس کی طرف کھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو آپ کو بتایا گیا کہ یہ گوہ ہے، تو آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ روک لیا، پس حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، لیکن یہ میری قوم کے علاقے میں نہیں ہے، اس لیے میں اس سے متنفر ہوتا ہوں، پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے وہ گوہ کھائی اور رسول اللہ ﷺ دیکھ رہے تھے۔ امام مالک نے از ابن شہاب روایت کی ہے: ''بضب محنوذ'' یعنی (بھنی ہوئی گوہ)۔

اس حدیث کی وہی تخریج ہے جو صحیح البخاری: ۵۳۹۱ میں گزر چکی ہے۔
اس حدیث کی شرح بھی صحیح البخاری: ۵۳۹۱ میں گزر چکی ہے۔

۱۵۔ بَابُ: الْخَزِيرَةِ — خزیرہ (ایک قسم کا حلوہ)

قَالَ النَّضْرُ الْخَزِيرَةُ مِنَ النُّخَالَةِ وَالْحَرِيرَةُ مِنَ اللَّبَنِ

النضر نے کہا: خزیرہ بھوسی سے بنایا جاتا ہے اور حریرہ دودھ سے بنایا جاتا ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

''خزیرہ'' کا معنی

اس باب میں خزیرہ کا ذکر ہے، (خاء پر زبر ہے اور زاء پر کسرہ ہے، پھر بعد میں راء پر زبر ہے) طبری نے کہا ہے: حریرہ وہ ہے جو آٹے سے عصیدہ کی شکل پر بنایا جاتا ہے لیکن یہ عصیدہ سے نرم ہوتا ہے، اور ابن فارس نے کہا: یہ آٹے سے بنایا جاتا ہے اور اس میں چربی ملائی جاتی ہے، اور جوہری نے کہا کہ خزیرہ یہ ہے کہ گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کاٹے جائیں اور ان کے اوپر پانی ڈالا جائے اور اس پر آٹا چھڑک دیا جائے، اور اگر اس میں گوشت نہ ہو تو یہ عصیدہ ہوتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ خزیرہ صاف شوربہ ہوتا ہے جس میں بھوسی ملا کر اس کو پکاتے ہیں، اور ابن اثیر نے کہا ہے کہ یہ ایک قسم کا کھانا ہے، جو آٹے، پانی اور تیل سے بنایا جاتا ہے اور اس کے اندر مٹھاس ملائی جاتی ہے تو یہ رقیق ہو جاتا ہے اور اس کو چاٹ کر کھایا جاتا ہے۔

''النضر'' کا تذکرہ

اس حدیث کی تعلیق میں النضر کا ذکر ہے، اور یہ نضر بن شمیل ہیں، یہ نحوی اور لغوی اور مشہور محدث ہیں، ان کی کنیت ابوالحسن ہے، یہ بصرہ کے رہنے والے ہیں اور ان کی پیدائش مروالروذ میں ہوئی، یہ اپنے والد کے ساتھ بھاگ کر ۱۲۸ھ کے فتنہ میں بصرہ چلے گئے تھے، اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی، پھر یہ مروالروذ کی طرف لوٹ آئے، انہوں نے اسرائیل، شعبہ اور ہشام اور عروہ

وغیرہ سے سماع کیا، اوران سے اسحاق الحنظلی محمود بن غیلان محمد بن مقاتل اور دوسروں نے سماع کیا، ابوجعفر الدارمی نے بیان کیا کہ ۲۰۴ھ میں ان کی وفات ہوگئی تھی۔

۵۴۰۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِيُّ أَنَّ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الْأَنْصَارِ أَنَّهُ أَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أَنْكَرْتُ بَصَرِي وَأَنَا أُصَلِّي لِقَوْمِي فَإِذَا كَانَتِ الْأَمْطَارُ سَالَ الْوَادِي الَّذِي بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ لَمْ أَسْتَطِعْ أَنْ آتِيَ مَسْجِدَهُمْ فَأُصَلِّيَ لَهُمْ فَوَدِدْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَنَّكَ تَأْتِي فَتُصَلِّيَ فِي بَيْتِي فَأَتَّخِذَهُ مُصَلًّى فَقَالَ سَأَفْعَلُ إِنْ شَاءَ اللهُ قَالَ عِتْبَانُ فَغَدَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ حِينَ ارْتَفَعَ النَّهَارُ فَاسْتَأْذَنَ النَّبِيُّ ﷺ فَأَذِنْتُ لَهُ فَلَمْ يَجْلِسْ حَتَّى دَخَلَ الْبَيْتَ ثُمَّ قَالَ لِي أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ فَأَشَرْتُ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ الْبَيْتِ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَكَبَّرَ فَصَفَفْنَا فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ وَحَبَسْنَاهُ عَلَى خَزِيرٍ صَنَعْنَاهُ فَثَابَ فِي الْبَيْتِ رِجَالٌ مِنْ أَهْلِ الدَّارِ ذَوُو عَدَدٍ فَاجْتَمَعُوا فَقَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ أَيْنَ مَالِكُ بْنُ الدُّخْشُنِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ ذَلِكَ مُنَافِقٌ لَا يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا تَقُلْ أَلَا تَرَاهُ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ يُرِيدُ بِذَلِكَ وَجْهَ اللهِ قَالَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ قُلْنَا فَإِنَّا نَرَى وَجْهَهُ وَنَصِيحَتَهُ إِلَى الْمُنَافِقِينَ فَقَالَ فَإِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ يَبْتَغِي بِذَلِكَ وَجْهَ اللهِ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ ثُمَّ سَأَلْتُ الْحُصَيْنَ بْنَ مُحَمَّدٍ الْأَنْصَارِيَّ أَحَدَ بَنِي سَالِمٍ وَكَانَ مِنْ سَرَاتِهِمْ عَنْ حَدِيثِ مَحْمُودٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از عُقیل از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے حضرت محمود بن الربیع الانصاری نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عتبان بن مالک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے جو انصار میں سے غزوہ بدر میں حاضر ہوئے تھے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس کہا: یارسول اللہ! میری بینائی کمزور ہوگئی ہے اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں، پس جب بارشیں ہوتی ہیں تو وادی بہتی ہے، جو میرے اور ان کے درمیان ہے، اور میں یہ طاقت نہیں رکھتا کہ ان کی مسجد میں جاکر ان کو نماز پڑھاؤ، پس میں چاہتا ہوں یارسول اللہ! کہ آپ میرے پاس آئیں اور میرے گھر میں نماز پڑھیں تو میں اس جگہ کو مصلّٰی بنالوں، پس آپ نے فرمایا: میں عنقریب ایسا کروں گا ان شاء اللہ!۔ حضرت عتبان نے کہا: پھر صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے جب دن چڑھ چکا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت طلب کی تو میں نے آپ کو اجازت دی، پس آپ نہیں بیٹھے حتیٰ کہ گھر میں داخل ہوگئے، پھر آپ نے مجھ سے پوچھا: تم کہاں پسند کرتے ہو جہاں میں تمہارے گھر میں نماز پڑھاؤں؟ تو میں نے گھر کی ایک جانب اشارہ کیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے اور آپ نے اللہ اکبر کہا، ہم نے آپ کے پیچھے صف باندھی، آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی، پھر آپ نے سلام پھیر دیا، اور ہم نے آپ کو خزیر کے لیے روک لیا، جو ہم نے آپ کے لیے تیار کیا تھا، پھر اس حویلی کے گھروں میں سے بہت سارے لوگ جمع ہوگئے، تو کسی کہنے والے نے کہا: مالک بن دخشن کہاں ہے؟ تو ان میں سے بعض نے کہا: وہ منافق ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں رکھتا، نبی

فَصَدَّقَهُ۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ نہ کہو، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اس نے کہا لا الٰہ الا اللہ، اور وہ اس سے اللہ کی رضا کا ارادہ کرتا ہے؟، اس شخص نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے، اس نے کہا: ہم دیکھتے ہیں کہ اس کا رخ اور اس کی خیر خواہی منافقین کی طرف ہوتی ہے، آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے دوزخ پر اس شخص کو حرام کر دیا ہے جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور اس سے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ کرتا ہے، ابن شہاب نے کہا: میں نے حصین بن محمد الانصاری سے سوال کیا، جو بنو سالم میں سے ایک ہیں اور ان کے سرداروں میں سے ہیں، ان سے میں نے محمود کی حدیث کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اس حدیث کی تصدیق کی۔

(صحیح البخاری: ۴۲۴، ۴۲۵، ۶۶۷، ۶۸۶، ۸۳۸، ۸۴۰، ۱۱۸۶، ۴۰۰۹، ۴۰۱۰، ۵۴۰۱، ۶۴۲۳، ۶۹۳۸، صحیح مسلم: ۳۳، سنن ابن ماجہ: ۷۵۴)

صحیح البخاری: ۵۴۰۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے کہ ہم نے آپ کو خزیر پر روک لیا۔ یہ حدیث ''کتاب الصلوٰۃ باب مساجد البیوت'' میں گزر چکی ہے، نیز یہ باب الرخصۃ فی المطر والعلۃ میں بھی گزر چکی ہے، وہاں اس کی شرح مفصل بیان کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''انکرت بصری''، اس کا معنی ہے کہ میری بینائی کمزور ہوگئی، یا اس کا معنی ہے کہ وہ نابینا ہو گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''وحبسناہ''، یعنی ہم نے آپ کو اپنے گھر سے نکلنے سے منع کیا، کیونکہ ہم نے آپ کے لیے خزیر تیار کر لیا تھا، تا کہ آپ اسے کھائیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''فثاب من اهل الدار'' یعنی محلے کے لوگ جمع ہو گئے۔

نیز اس حدیث میں ''ابن الدخشن'' کا لفظ ہے اور اس کی روایت ''دُخیشن'' بھی کی گئی، حافظ ابو عمر نے کہا ہے کہ یہ غنم بن عوف بن عمرو بن عوف سے متعلق تھے، یہ ابن اسحاق، موسیٰ اور واقدی کے قول کے مطابق عقبہ میں حاضر ہوئے اور ابو معشر نے کہا کہ عقبہ میں حاضر نہیں ہوئے تھے، اور حافظ ابو عمر نے کہا: اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ بدر میں حاضر ہوئے تھے اور بعد کے مشاہد میں بھی حاضر ہوئے تھے اور ان پر نفاق کی تہمت تھی اور ان سے نفاق ثابت نہیں ہے، اور انہوں نے اسلام میں ایسے افعال کیے جس سے نفاق کی تہمت کی نفی ہوتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری:۵۴۰۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن ملقن نے اس حدیث کی شرح میں خزیرہ کے وہ معانی بیان کیے ہیں جن کو ہم علامہ عینی سے نقل کر چکے ہیں، اور انہوں نے اس حدیث کے فوائد میں یہ ذکر کیا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نابینا کا نماز پڑھانا جائز ہے جب کہ وہ اپنی قوم میں سب سے افضل ہو۔ اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نفل نماز جماعت کے ساتھ جائز ہے، امام مالک نے اس کی اجازت دی ہے۔ ابن حبیب مالکی نے کہا: یہ اس وقت ہے جب نماز سرا پڑھی جائے اور جہراً نہ پڑھی جائے اور جماعت میں کم لوگ ہوں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۱۵۲-۱۵۳، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری ۵۴۰۱، کی شرح از علامہ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

شیخ عثیمین کے ذکر کردہ ۱۵ فوائد اور بعض فوائد پر مصنف کا تعاقب

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعوت کو قبول فرماتے تھے۔

(۲) سیلاب اور بارشوں کی وجہ سے جماعت سے نماز نہ پڑھنے کا عذر۔

(۳) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہونا۔

(۴) انسان کو چاہیے کہ جب وہ مستقبل کی کسی چیز کا وعدہ کرے، تو ان شاء اللہ کہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ (الکہف: ۲۳-۲۴) اور آپ کسی کام کے متعلق یہ ہرگز نہ کہیں کہ میں کل یہ کام کرنے والا ہوں O مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

(۵) خواہ انسان کسی عظیم مرتبہ کا ہو اور بڑا آدمی ہو، پھر بھی وہ جب کسی کے گھر جائے تو اجازت طلب کر کے جائے۔

(۶) اس میں اجازت طلب کرنے کی مشروعیت ہے، خواہ انسان کو دعوت دی گئی ہو اور خواہ گھر کا دروازہ کھلا ہوا ہو، پھر بھی وہ اجازت طلب کر کے جائے گا۔

(۷) انسان کو چاہیے کہ اس چیز سے ابتداء کرے جو اس کا اصل مقصود ہو، یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتبان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم کہاں چاہتے ہو کہ میں نماز پڑھاؤں؟

(۸) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے تبرک حاصل کرنا، اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اور آپ کے غیر کے آثار سے تبرک حاصل نہ کیا جائے۔

میں کہتا ہوں: کہ شیخ عثیمین نے یہ فائدہ اپنے نجدی عقیدہ کے مطابق لکھا ہے، یہ درست ہے کہ جس جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہو اس سے جو برکت حاصل ہوگی وہ بے مثل ہوگی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسرے صالحین کسی جگہ نماز پڑھیں گے تو اس سے برکت نہ ہوگی، یقیناً یہ برکت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل شدہ برکت سے کم ہوگی لیکن اس میں بھی برکت ہوگی اور اس کی دلیل

یہ حدیث ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے قحط پڑنے پر حضرت عباس بن عبدالمطلب کے وسیلہ سے بارش کی دعا کی اور کہا: ہم پہلے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تیری طرف توسل کرتے تھے، پس تو ہم پر بارش نازل فرماتا تھا، اور اب بے شک ہم اپنے نبی کے چچا محترم کے توسل سے بارش طلب کر رہے ہیں تو ہم پر بارش نازل فرما، پس ان پر بارش نازل ہوتی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ صالحین اور اہل بیت نبوت کے توسل سے دعا کرنی چاہیے، بلکہ انہوں نے تو یہ لکھا ہے کہ صالحین اور اہل بیت نبوت سے شفاعت طلب کرنی چاہیے۔

نیز جب آیتِ تیمم نازل ہوئی تو حضرت اسید بن الحضیر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اے آل ابوبکر! یہ آپ کی کوئی پہلی برکت تو نہیں۔ (صحیح البخاری: ۳۳۴)

قیامت تک کے مسلمانوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے برکت حاصل ہوئی اور ان کو تیمم کی سہولت مل گئی۔

نیز حدیث میں ہے: بعض درخت ایسے ہیں کہ ان کی برکت ضرور مسلمان کی برکت کی مثل ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۴۴۴)

غرض ایسی بہت حدیثیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مسلمانوں میں اور دوسری چیزوں میں بھی برکت رکھی ہے اور ان سے فائدہ حاصل کرنا اسلام کے خلاف نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(۹) اس حدیث میں نفل کی نماز کو جماعت سے پڑھنے کا ثبوت ہے، لیکن یہ ہمیشہ نہیں بلکہ کبھی کبھی ہونا چاہیے۔

(۱۰) اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عتبان بن مالک کے گھر والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خزیر کھلانے کے لیے روک لیا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کو گھر بلا کر اس کو کھانے کے لیے روکنا جائز ہے۔

(۱۱) اس حدیث میں مذکور ہے کہ کسی شخص نے حضرت مالک بن دُخشن کے متعلق کہا: وہ منافق ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا: کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا ہے اور وہ صرف اللہ کی رضا سے کہا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ محض بدگمانی سے کسی شخص پر تہمت نہیں لگانی چاہیے۔

(۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت کرتے تھے کہ جب ان کو معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عتبان کے گھر تشریف لائے ہیں تو سب محلے والے آپ سے ملاقات کے لیے جمع ہو گئے ہیں۔

(۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص منافقین سے میل جول رکھے، اس پر نفاق کا خدشہ ہوتا ہے، کیونکہ حضرت مالک بن دُخشن منافقین کے ساتھ میل جول رکھتے تھے تو لوگوں نے ان پر نفاق کی تہمت لگائی۔

(۱۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات نصوص میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ مطلق ہوتا ہے اور بعض اوقات نصوص میں اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے ساتھ کوئی قید ہوتی ہے، کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ جس نے اللہ کی رضا کے لیے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا، اللہ تعالیٰ اس کے اوپر دوزخ کی آگ کو حرام کر دیتا ہے۔ اگر ہم اس حدیث کو اپنے عموم اور اطلاق پر رکھیں تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو کبھی بھی شرک کے سوا عذاب نہیں دے گا، حالانکہ اگر انسان شرک کے علاوہ اس سے کم درجہ کے گناہ کرے تب بھی وہ دوزخ میں دخول کا مستحق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۙ وَ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ؏ (الماعون)

سو ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے O جو اپنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں O جو ریا کاری کرتے ہیں O اور وہ استعمال کی معمولی چیز دینے سے منع کرتے ہیں O

لہٰذا اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جس نے اللہ کی رضا کے لیے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا، اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کے دائمی عذاب کو حرام کر دیتا ہے نہ یہ کہ اس کے اوپر دوزخ میں مطلقاً دخول حرام کر دیتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک سے کم درجہ کے گناہوں کو جس کے لیے چاہتا ہے معاف فرما دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے، اس کو عذاب دیتا ہے۔

(۱۵) بعض لوگوں نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو بندہ تارکِ نماز ہو وہ کافر نہیں ہوتا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے بالعموم فرمایا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ کو حرام کر دیتا ہے جس نے اللہ کی رضا کے لیے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا۔ لیکن یہ درست نہیں ہے، کیونکہ احادیث میں تصریح ہے کہ جس نے عمداً نماز کو ترک کیا، اس نے کفر کیا۔

میں کہتا ہوں: شیخ عثیمین کا یہ فائدہ ذکر کرنا بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ تارکِ نماز پر کفر کا اطلاق کفر کے اصطلاحی معنی میں نہیں ہے، بلکہ اس کا معنی ناشکری ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے وقت پر نماز نہیں پڑھی اس نے کافروں کے مشابہ کام کیا، کیونکہ کافر بھی وقت پر نماز نہیں پڑھتے۔ (سعیدی غفرلہٗ) (شرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۱۵۲-۱۵۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۱۶۔ بَابُ: الْأَقِطِ

پنیر کا بیان

وَقَالَ حُمَيْدٌ سَمِعْتُ أَنَسًا بَنَى النَّبِيُّ ﷺ بِصَفِيَّةَ فَأَلْقَى التَّمْرَ وَالْأَقِطَ وَالسَّمْنَ وَقَالَ عَمْرُو بْنُ أَبِي عَمْرٍو عَنْ أَنَسٍ صَنَعَ النَّبِيُّ ﷺ حَيْسًا۔

حمید نے بیان کیا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شبِ زفاف گزاری، پھر آپ نے کھجوریں اور پنیر اور گھی (بطورِ ولیمہ) رکھا، عمرو بن ابی عمرو نے کہا از حضرت انس رضی اللہ عنہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قسم کا حلوہ بنایا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

پنیر بنانے کے طریقے

اس باب میں پنیر کا ذکر کیا جائے گا، ''اَقِط'' کے لفظ میں ہمزہ پر زبر ہے اور قاف کے نیچے زیر ہے اور کبھی اس پر جزم بھی ہوتا ہے اور اس کے آخر میں طاء ساکن ہے۔

التوضیح میں مذکور ہے: ''اَقِط'' وہ چیز ہے جس کو دودھ بنایا جاتا ہے اور دودھ کو برتن میں جوش دیتے ہیں، پھر جب دودھ کی سفیدی اوپر آ جاتی ہے تو اس کو ایک برتن میں جمع کیا جاتا ہے اور یہ عرب کے کھانوں میں سے ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں یہ عرب کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ تمام شمالی شہروں میں اور ترک میں ''اَقِط'' یعنی پنیر بنایا جاتا ہے۔

علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: ''اقط'' دودھ کو خشک کر کے اس کو پکا لیا جاتا ہے۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس کو اس وقت تک نہیں پکاتے جب تک کسی برتن میں اس کو گرم پانی میں نہیں ڈالتے حتیٰ کہ یہ دودھ کی طرح ہو جاتا ہے، پھر اس کو پکاتے ہیں۔
میں کہتا ہوں کہ یہ پنیر بنانے کا پرانے زمانہ کا طریقہ ہے، اب جدید دور میں مختلف جدید کیمیائی طریقوں سے پنیر کو بنایا جاتا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

باب مذکور کی تعلیق میں حُمید اور عمرو بن ابی عمرو کا تذکرہ اور ''حَیس'' کا معنی

اس حدیث کی تعلیق میں حُمید کا ذکر ہے، جنہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شب زفاف گزاری۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ حُمید ابن ابی حُمید الطویل ہیں، اور یہ تعلیق سند موصول کے ساتھ ''باب الخبز المرقق'' میں گزر چکی ہے۔
اس کے بعد اس تعلیق میں ذکر ہے کہ عمرو بن ابی عمرو نے از حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''حیس'' یعنی ایک قسم کا حلوہ بنایا۔
عمرو بن ابی عمرو، یہ المطلب بن عبداللہ المخزومی کے آزاد شدہ غلام ہیں، اور یہ تعلیق بھی اس باب میں گزر چکی ہے اور اس پر کلام بھی گزر چکا ہے۔
نیز اس تعلیق میں ''حَیس'' کا ذکر ہے، یہ ایک قسم کا حلوہ ہے جو کھجوروں، گھی اور پنیر کے آمیزہ سے تیار کیا جاتا ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۰۲۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ أَهْدَتْ خَالَتِي إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم ضِبَابًا وَأَقِطًا وَلَبَنًا فَوُضِعَ الضَّبُّ عَلَى مَائِدَتِهِ فَلَوْ كَانَ حَرَامًا لَمْ يُوضَعْ وَشَرِبَ اللَّبَنَ وَأَكَلَ الْأَقِطَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی بشر از سعید از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میری خالہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گوہ اور پنیر اور دودھ کا ہدیہ بھیجا، پس گوہ کو آپ کے دستر خوان پر رکھا گیا، پس اگر گوہ حرام ہوتی تو آپ کے دستر خوان پر نہ رکھی جاتی اور آپ نے دودھ پی لیا اور پنیر کھا لیا۔

(صحیح البخاری: ۲۵۷۵، ۵۳۸۹، ۵۴۰۲، ۷۳۵۸، صحیح مسلم: ۱۹۴۷، سنن نسائی: ۴۳۱۹، سنن ابوداؤد: ۳۷۹۳، مسند احمد: ۲۹۵۴)

صحیح البخاری: ۵۴۰۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پنیر کھا لیا۔ یہ حدیث کتاب الہبہ

میں باب قبول الہدیہ میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۹-۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۰۲ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فصد لگانے کی اجرت پر استدلال

جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر گوہ کا کھانا حرام ہوتا تو گوہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دستر خوان پر نہ رکھا جاتا، اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ استدلال بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فصد لگانے والے کو اجرت عطا فرمائی ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۶۹۱، صحیح مسلم: ۱۲۰۲)

سو اگر فصد لگانے کی اجرت حرام ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصد لگانے کی اجرت عطا نہ فرماتے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۵۵، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۱۷۔ بَابُ: السِّلْقِ وَالشَّعِيرِ

چقندر اور جَو کا بیان

اس باب میں چقندر اور جَو کا ذکر کیا جائے گا۔

۵۴۰۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ إِنْ كُنَّا لَنَفْرَحُ بِيَوْمِ الْجُمُعَةِ كَانَتْ لَنَا عَجُوزٌ تَأْخُذُ أُصُولَ السِّلْقِ فَتَجْعَلُهُ فِي قِدْرٍ لَهَا فَتَجْعَلُ فِيهِ حَبَّاتٍ مِنْ شَعِيرٍ إِذَا صَلَّيْنَا زُرْنَاهَا فَقَرَّبَتْهُ إِلَيْنَا وَكُنَّا نَفْرَحُ بِيَوْمِ الْجُمُعَةِ مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ وَمَا كُنَّا نَتَغَدَّى وَلَا نَقِيلُ إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ وَاللّٰهِ مَا فِيهِ شَحْمٌ وَلَا وَدَكٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن عبد الرحمٰن نے حدیث بیان کی از ابی حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جمعہ کے دن بہت خوش ہوتے تھے، کیونکہ ایک بوڑھی عورت تھی جو چقندر کی جڑوں کو لے کر پتیلی میں ڈالتی اور اس میں جَو کے دانے ڈالتی اور پکاتی، جب ہم نماز جمعہ پڑھ لیتے تو ہم ان کی زیارت کے لیے جاتے تو وہ ہمارے سامنے چقندر اور جَو پیش کرتی، اور ہم جمعہ کے دن اس وجہ سے خوش ہوتے تھے۔ اور ہم صبح ناشتہ نہیں کرتے تھے اور نہ قیلولہ کرتے تھے مگر نماز جمعہ کے بعد اور اللہ کی قسم! اس سالن میں چربی ہوتی تھی نہ چکنائی۔

(صحیح البخاری: ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۱، ۲۳۴۹، ۵۴۰۳، ۶۲۴۸، ۶۲۷۹، صحیح مسلم: ۸۵۹، سنن ترمذی: ۵۲۵، سنن ابن ماجہ: ۱۰۹۹)

صحیح البخاری: ۵۴۰۳ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زوال سے پہلے نمازِ جمعہ منعقد نہ ہونا

ابو حازم کا نام سلمہ بن دینار ہے، اور یہ حدیث اواخر کتاب الجمعہ میں درج ذیل باب میں گزر چکی ہے:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ (الجمعہ:۱۰) پھر جب نماز پڑھی لی جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ہم نمازِ جمعہ کے بعد ناشتہ کرتے تھے اور قیلولہ کرتے تھے۔ اس سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ نمازِ جمعہ زوال سے پہلے بھی ہو سکتی ہے، لیکن جمہور کے نزدیک نمازِ جمعہ زوالِ آفتاب کے بعد ہوتی ہے اور اس کی شرح پہلے گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۰۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سلف صالحین کی دنیا سے بے رغبتی

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام اپنی پسندیدہ اور لذیذ چیزوں کو عام طور پر نہیں کھاتے تھے اور تھوڑی مقدار کھانے پر کفایت کرتے تھے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ صحابہ کو چُقندر اور جَو کے کھانے پر حرص تھی، اس سے معلوم ہوا کہ ان کو ہر وقت چُقندر اور جَو کھانا میسر نہیں تھا اور ان کو اپنی پسندیدہ چیزیں کھانے کی فکر نہیں ہوتی تھی، وہ صرف عبادات کے اندر مشغول رہتے تھے اور بھوک کی تیزی کو جہاں تک ممکن ہو سکتا تھا برداشت کرتے تھے، پس جو شخص آخرت پر حریص ہو، اس کو چاہیے کہ وہ صالحین کے نمونہ کی پیروی کرے اور ان کے طریقہ پر عمل کرے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۲۶ ص ۱۵۵، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۰۳ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

چُقندر کے فوائد، صحابہ کرام جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لیے خوش ہوتے تھے مگر ان کی یہ عادت تھی کہ چُقندر کھانے کی ان کی دعوت ہوتی تھی، اور گھر والے کا سلطان کی بہ نسبت امامت کا زیادہ حق دار ہونا

چُقندر ایک معروف سبزی ہے جو جگر کے سدوں کو کھولتی ہے اور پیٹ کی اصلاح کرتی ہے۔ پھر امام بخاری نے اس باب میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ذکر کیا ہے کہ ایک بوڑھی عورت ان کے لیے ایک دیگچی میں چُقندر کی جڑیں پکاتی تھی۔

اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلف صالحین میانہ روی کے ساتھ زندگی گزارتے تھے اور کم خوراک کے اوپر صبر اور قناعت کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فتوحِ عظیمہ کو کھول دیا، اور بعض صحابہ ایسے بھی تھے جو اس سے بھی کم خوراک کے اوپر قناعت کرتے تھے۔

سوال: کیا وہ چُقندر کھانے کی وجہ سے نمازِ جمعہ کے دن خوش ہوتے تھے؟

جواب: نہیں! وہ کھانے کی وجہ سے خوش نہیں ہوتے تھے، بلکہ اس دن عادت یہ تھی کہ ان کو چُقندر کھلائے جاتے تھے، خوش تو وہ نماز ہی کی وجہ سے ہوتے تھے۔

سوال: اگر کسی مرد کو سلطان اپنے گھر میں بلائے اور نماز کا وقت آجائے تو امام گھر والا ہو گا یا سلطان؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: کوئی مرد دوسرے مرد کے گھر میں امامت نہ کرے اور گھر والا امامت کرنے کا زیادہ حق دار ہے، لیکن فقہاء نے کہا ہے کہ سلطان زیادہ حق دار ہے، کیونکہ اس کی ولایت عام ہے جو گھر کی ولایت کو بھی شامل ہے اور تمام لوگوں پر اس کی ولایت ہے، اسی لیے انہوں نے کہا ہے کہ گھر والا اور امام المسجد امامت کا زیادہ حقدار ہے، سوائے سلطان کے، کیونکہ اس کی سلطنت صاحب البیت پر بھی ہے اور مسجد پر بھی ہے، لیکن ظاہر یہ ہے کہ سنت اس کے خلاف ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر والے کو نماز پڑھانے کا زیادہ حق دار قرار دیا ہے۔ (شرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۱۵۶، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۱۸۔ بَابُ: النَّهْسِ وَانْتِشَالِ اللَّحْمِ

گوشت کو دانتوں سے کھانا اور دیگچی سے گوشت نکال کر کھانا

۵۴۰۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ تَعَرَّقَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَتِفًا ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن عبد الوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از محمد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کی دستی کا گوشت نوچ کر کھایا، پھر آپ کھڑے ہوئے، پس آپ نے نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔

(صحیح البخاری: ۲۰۷، ۵۴۰۴، ۵۴۰۵، صحیح مسلم: ۳۵۴، سنن نسائی: ۱۸۴، سنن ابوداؤد: ۱۸۷، سنن ابن ماجہ: ۴۸۸، مسند احمد: ۱۹۸۹، موطا امام مالک: ۵۰)

۵۴۰۵۔ وَعَنْ أَيُّوبَ وَعَاصِمٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ انْتَشَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَرْقًا مِنْ قِدْرٍ فَأَكَلَ ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: اور از ایوب و عاصم از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگچی سے گوشت نکالا، پس کھایا، پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

(صحیح البخاری: ۲۰۷، ۵۴۰۴، ۵۴۰۵، صحیح مسلم: ۳۵۴، سنن نسائی: ۱۸۴، سنن ابوداؤد: ۱۸۷، سنن ابن ماجہ: ۴۸۸، مسند احمد: ۱۹۸۹، موطا امام مالک: ۵۰)

صحیح البخاری: ۵۴۰۴، ۵۴۰۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"النهس" اور "انتشال اللحم" کا معنی

اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک اور حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روٹی گوشت آیا تو آپ نے اس

میں سے چند لقمے کھائے۔الحدیث۔تو میں کہوں گا: ظاہر یہ ہے کہ یہ متعدد واقعات ہیں۔
نیز علامہ عینی نے لکھا ہے کہ ''النھس'' کا معنی ہے: دانتوں سے گوشت کو کاٹنا یا نوچ کر کھانا اور ''انتشال اللحم'' کا معنی ہے: پتیلی سے گوشت کو نکال کر کھانا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۰۴، ۵۴۰۵ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ آگ پر پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگچی سے گوشت نکال کر کھایا اور وضو نہیں فرمایا۔
سوال: کیا اونٹ کا پکا ہوا گوشت کھانے سے بھی وضو واجب نہیں ہے؟
جواب: نہیں! اونٹ کے پکے ہوئے گوشت کے کھانے سے وضو کرنا واجب ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی کہ اونٹ کا گوشت وضو کو نہیں توڑتا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۵۷، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۱۹۔ بَابُ: تَعَرُّقِ الْعَضُدِ

بازو کو دانتوں سے کھانا

۵۴۰۶۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنِي عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ الْمَدَنِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم نَحْوَ مَكَّةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عثمان بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فلیح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو حازم المدنی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن ابی قتادہ نے اپنے والد سے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کی طرف گئے۔

(صحیح البخاری: ۱۸۲۱، ۱۸۲۲، ۱۸۲۳، ۱۸۲۴، ۲۵۷۰، ۲۸۵۴، ۲۹۱۴، ۴۱۴۹، ۵۴۰۶، ۵۴۰۷، ۵۴۹۰، ۵۴۹۱، ۵۴۹۲، صحیح مسلم: ۱۱۹۶، سنن نسائی: ۲۸۲۴، مسند احمد: ۲۲۰۶۳، موطا امام مالک: ۷۸۶، سنن دارمی: ۱۸۲۶)

۵۴۰۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ السَّلَمِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ كُنْتُ يَوْمًا جَالِسًا مَعَ رِجَالٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي مَنْزِلٍ فِي طَرِيقِ مَكَّةَ وَرَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَازِلٌ أَمَامَنَا وَالْقَوْمُ مُحْرِمُونَ وَأَنَا غَيْرُ مُحْرِمٍ فَأَبْصَرُوا حِمَارًا وَحْشِيًّا وَأَنَا مَشْغُولٌ أَخْصِفُ نَعْلِي فَلَمْ يُؤْذِنُونِي لَهُ وَأَحَبُّوا لَوْ أَنِّي أَبْصَرْتُهُ فَالْتَفَتُّ فَأَبْصَرْتُهُ فَقُمْتُ إِلَى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی از ابی حازم از عبداللہ بن ابی قتادہ السلمی از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں (یعنی حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں) کہ میں ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے ساتھ مکہ کے راستہ کی منزل میں بیٹھا ہوا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے آگے ٹھہرے ہوئے تھے اور صحابہ احرام باندھے ہوئے تھے اور میں غیر محرم تھا، اور صحابہ نے ایک جنگلی گدھے کو دیکھا اور میں

الْفَرَسِ فَأَسْرَجْتُهُ ثُمَّ رَكِبْتُ وَنَسِيتُ السَّوْطَ وَالرُّمْحَ فَقُلْتُ لَهُمْ نَاوِلُونِي السَّوْطَ وَالرُّمْحَ فَقَالُوا لَا وَاللهِ لَا نُعِينُكَ عَلَيْهِ بِشَيْءٍ فَغَضِبْتُ فَنَزَلْتُ فَأَخَذْتُهُمَا ثُمَّ رَكِبْتُ فَشَدَدْتُ عَلَى الْحِمَارِ فَعَقَرْتُهُ ثُمَّ جِئْتُ بِهِ وَقَدْ مَاتَ فَوَقَعُوا فِيهِ يَأْكُلُونَهُ ثُمَّ إِنَّهُمْ شَكُّوا فِي أَكْلِهِمْ إِيَّاهُ وَهُمْ حُرُمٌ فَرُحْنَا وَخَبَأْتُ الْعَضُدَ مَعِي فَأَدْرَكْنَا رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَسَأَلْنَاهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ مَعَكُمْ مِنْهُ شَيْءٌ فَنَاوَلْتُهُ الْعَضُدَ فَأَكَلَهَا حَتَّى تَعَرَّقَهَا وَهُوَ مُحْرِمٌ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ وَحَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ مِثْلَهُ

اپنی جوتی کی مرمت میں مشغول تھا، سوانہوں نے مجھے اس جنگلی گدھے کی خبر نہیں دی، اوران کو یہ پسند تھا کہ کاش میں بھی اس کو دیکھ لیتا، پس میں نے توجہ کی اوراس کو دیکھا تو میں اپنے گھوڑے کی طرف کھڑا ہوا اس پر زین ڈالی اور پھر میں اس پر سوار ہوا اور میں کوڑا اور نیزہ اٹھانا بھول گیا، تو میں نے ان سے کہا: مجھے کوڑا اور نیزہ اٹھادو تو انہوں نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! ہم تمہاری بالکل مدد نہیں کریں گے، سو مجھے غصہ آیا اور میں اترا اور میں نے کوڑے اور نیزہ کو اٹھالیا، اور میں سوار ہوا، میں نے جنگلی گدھے کو زخمی کر دیا اور اس کو لے کر آیا، صحابہ اس کو کھانے لگے، پھر ان کو اس کے کھانے کے متعلق شک ہوا کیونکہ وہ احرام باندھے ہوئے تھے، پس ہم چل پڑے اور میں نے اس کا ایک بازو اپنے ساتھ چھپالیا، پھر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پالیا، پھر ہم نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا، پھر آپ نے فرمایا: تمہارے پاس اس کی کوئی چیز ہے، پھر میں نے وہ بازو آپ کو پیش کیا اور آپ نے اس کو دانتوں سے چبا کر کھایا اور آپ اس وقت محرم تھے۔ محمد بن جعفر نے کہا: اور مجھے زید بن اسلم نے حدیث بیان کی از عطاء بن یسار از ابی قتادہ اسی کی مثل۔

(صحیح البخاری:۱۸۲۱، ۱۸۲۲، ۱۸۲۳، ۱۸۲۴، ۲۵۷۰، ۲۸۵۴، ۲۹۱۴، ۴۱۴۹، ۵۴۰۶، ۵۴۰۷، ۵۴۹۰، ۵۴۹۱، ۵۴۹۲، صحیح مسلم:۱۱۹۶، سنن نسائی:۲۸۲۴، مسند احمد:۲۲۰۶۳، موطا امام مالک:۷۸۶، سنن دارمی:۱۸۲۶)

صحیح البخاری:۵۴۰۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث کے الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''میں اپنی جوتی کی مرمت کررہا تھا اور صحابہ نے مجھ کو نہیں بتایا کہ یہاں پر ایک شکار موجود ہے''۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''پس صحابہ اس شکار کو کھانے لگے''۔ یعنی اس کو پکانے اوراس کی اصلاح کرنے کے بعد۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ صحابہ کو شک ہوا، یعنی اس بات میں شک ہوا کہ ان کے لیے اس جنگلی گدھے کا گوشت کھانا حلال ہے یا حرام ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

یہ حدیث کتاب الحج میں گزر چکی ہے اور اس کی شرح وہیں پر کی جا چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر غیر محرم نے کسی جانور کو شکار کیا ہو اور وہ محرم کو وہ گوشت کھلائے تو محرم کا اس گوشت کو کھانا جائز ہے، کیونکہ صحابہ نے بھی اس شکار کیے ہوئے گوشت سے کھایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس جنگلی گدھے کے بازو کو دانتوں سے کھایا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

تنبیہ: حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اسی طرح لکھا ہے کہ اس حدیث کی شرح کتاب الحج میں گزر چکی ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۷۵۴، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۸۷، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۰۷ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طور پر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنگلی گدھے کے بازو کو دانتوں سے کھایا حتیٰ کہ اس کی ہڈی کے ساتھ جو گوشت ملا ہوا تھا وہ آپ نے کھالیا۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ محرم پر یہ حرام ہے کہ وہ کسی کو شکار کے جانور کو بتائے، جس کا محرم پر شکار کرنا حرام ہے، پس شکار یہاں پر احرام باندھنے والوں کے اوپر حرام تھا اور دوسرے لوگوں کے اوپر اس کا شکار کرنا مباح تھا۔

ایک چیز کا مختلف جہات سے حلال اور حرام ہونا

سوال: یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم کسی چیز کے متعلق یہ کہیں کہ وہ حلال بھی ہے اور وہ حرام بھی ہے؟

جواب: کیونکہ اس میں جہات مختلف ہیں، کیونکہ محرم کے لیے کسی جانور کو شکار کرنا حرام ہے اور غیر محرم کے لیے اس کو شکار کرنا جائز ہے، جیسے کوئی شخص ایسا کپڑا پہن کر نماز پڑھے جس کپڑے کو پہننا اس پر حرام ہے تو اگر اس کے پاس اور کوئی کپڑا نہ ہو تو اس کا نماز پڑھنا جائز ہے لیکن کسی حرام کپڑے کو پہننا جائز نہیں ہے۔

مفتی کو چاہیے کہ وہ فتویٰ دیتے وقت اپنے فتویٰ پر عمل کر کے دکھائے تاکہ مستفتی کو اطمینان ہو

نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مفتی کو چاہیے کہ وہ ایسا فعل کرے جس سے مستفتی اس کے فتویٰ پر مطمئن ہو جائے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارے پاس اس شکار کے جانور میں سے کچھ ہے؟ یعنی اگر آپ صرف یہ فرما دیتے کہ غیر محرم کا کیا ہوا شکار محرم کے لیے کھانا جائز ہے تب بھی صحابہ کو مسئلہ تو معلوم ہو جاتا لیکن جب آپ نے یہ پوچھا کہ تمہارے پاس اس کا کچھ گوشت ہے تو انہوں نے بتایا کہ ایک بازو ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بازو کو کھایا تو صحابہ کو اطمینان ہو گیا کہ اگر غیر محرم کا کیا ہوا شکار محرم کے لیے حرام ہوتا تو آپ اس کو نہ کھاتے۔

شیخ ابن تیمیہ حنبلی کا حدیث مذکور سے یہ استدلال کہ حالتِ جہاد میں مقیم کے لیے بھی روزہ کو افطار کرنا جائز ہے

شیخ ابن تیمیہ نے اسی کی مثل فیصلہ کیا جب تاتاریوں نے دمشق کا محاصرہ کر لیا تو یہ رمضان میں ہوا تھا تو شیخ ابن تیمیہ نے لشکر کو

روزہ افطار کرنے کا حکم دیا اور دوسروں نے فتویٰ دیا کہ روزہ افطار نہ کریں، جنہوں نے افطار کرنے سے منع کیا تھا تو انہوں نے کہا: یہ روزہ کیسے افطار کریں گے حالانکہ نہ تو یہ سفر میں ہیں اور نہ بیمار ہیں بلکہ مقیم ہیں اور افطار کا سبب یا مرض ہوتا ہے یا سفر ہوتا ہے۔

رہے شیخ ابن تیمیہ تو انہوں نے کہا کہ جنگ اور قتال روزہ کے افطار کا سبب مبیح ہے اور انہوں نے اس سے استدلال کیا کہ نبی ﷺ فتح مکہ کے غزوہ کے اندر رمضان میں تھے، آپ نے اپنے اصحاب کو روزہ افطار کرنے کا حکم دیا اور ان کو ندا کی لیکن سختی سے حکم نہیں دیا اور دوسری مرتبہ اور تیسری مرتبہ ان کو سختی سے حکم دیا اور فرمایا: تم صبح دشمن سے جنگ کرو گے اور روزہ کو افطار کرنا تمہارے لیے جہاد میں مددگار ہوگا۔ (صحیح مسلم: ۱۱۲۰، سنن ابوداؤد: ۲۴۰۶)

پس شیخ ابن تیمیہ نے یہ استدلال کیا کہ روزہ کا افطار کرنا دشمن سے مقابلہ کے وقت زیادہ قوی ہے اور کہا: یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کے وقت روزہ کو افطار کرنا جائز ہے خواہ انسان اپنے شہر میں مقیم ہو۔

صحابہ کرام محارم سے مجتنب رہتے تھے

نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے محارم سے بہت دور رہتے تھے، کیونکہ جب انہوں نے جنگلی گدھے کو دیکھا تو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو نہیں بتایا کہ یہاں پر جنگلی گدھا موجود ہے کیونکہ محرم کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کو شکار کی طرف رہنمائی کرے اور بعد میں جب حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ خود سوار ہوئے اور کوڑا اور نیزہ اٹھانا بھول گئے اور صحابہ سے طلب کیا کہ انہیں کوڑا اور نیزہ اٹھا کر دیں تو انہوں نے انکار کیا۔

اور اس میں یہ دلیل ہے کہ صحابہ کرام دنیا کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کے محارم کا ارتکاب نہیں کرتے تھے، کیونکہ وہ صحابہ محرم تھے اور محرم کے لیے شکار کی مدد کے لیے نیزہ اور کوڑا وغیرہ فراہم کرنا جائز نہیں ہے، تو اگرچہ انہیں بھی گوشت کھانے کی ضرورت تھی لیکن انہوں نے محارم سے بچنے کے لیے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو کوڑا اور نیزہ فراہم نہیں کیا۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اور حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کی حدیثوں میں تعارض کا جواب

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ نبی ﷺ حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کے پاس ٹھہرے اور آپ کو جنگلی گدھے کا گوشت ہدیہ کیا گیا تو آپ نے اس کو واپس کر دیا، پس جب آپ نے دینے والے کے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھے تو آپ نے فرمایا: ہم نے یہ جنگلی گدھا تم کو اس لیے واپس کیا ہے کہ ہم محرم ہیں۔ سو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر محرم کا کیا ہوا شکار اگر محرم کو پیش کیا جائے تو اس کا کھانا جائز ہے اور حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوا کہ محرم کے لیے پیش کردہ شکار کو کھانا جائز نہیں ہے۔

سو اہل علم نے ان احادیث میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ حجۃ الوداع کا ہے اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا واقعہ غزوہ حدیبیہ کا ہے اور ان کے درمیان چار سال کی مدت ہے اور جو حدیث آخری ہو اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ اور نبی ﷺ کا آخری عمل یہ ہے کہ آپ نے غیر محرم کے کئے ہوئے شکار کو اس لیے قبول نہیں کیا کہ آپ محرم تھے۔

اور اس حدیث کا دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت صعب بن جثامہ نے وہ جنگلی گدھا حضور کو پیش کرنے کے لیے شکار کیا تھا، اس لیے آپ نے قبول نہیں فرمایا۔ اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے جس جنگلی گدھے کو شکار کیا تھا، وہ خصوصیت سے حضور ﷺ کے لیے

شکار نہیں کیا تھا، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے شکار کیے ہوئے جانور سے کھالیا تھا اور حضرت صعب بن جثامہ کے شکار کیے ہوئے جنگلی گدھے کو قبول نہیں فرمایا تھا۔

اور اس جواب کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خشکی کا شکار تمہارے لیے حلال ہے جب تک کہ تم اس کا خود شکار نہ کرو یا تمہیں پیش کرنے کے لیے شکار کیا جائے۔ (سنن ترمذی: ۸۴۶، سنن ابوداؤد: ۱۸۵۱)

یعنی اگر مُحرم خشکی کا شکار خود کرے تو وہ اس کے لیے جائز نہیں ہے اور اگر غیر مُحرم مُحرم کو پیش کرنے کے لیے شکار کرے تب بھی وہ مُحرم کے لیے جائز نہیں ہے۔

سوال: ان دونوں حدیثوں میں کس طرح تطبیق ہوگی؟

جواب: جب حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو صحابہ نے کوڑا اور نیزہ دینے سے منع کیا اور اس پر ناراض ہوئے تو معلوم ہوا کہ حضرت ابوقتادہ کی یہ نیت نہیں تھی کہ وہ ان صحابہ کو شکار کر کے کھلائیں، انہوں نے خود اپنے لیے شکار کیا تھا اور ان کے لیے جائز تھا کہ وہ جس کو چاہیں اس شکار سے کھلا دیں، اس کے برخلاف حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ نے اس جنگلی گدھے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شکار کیا تھا اور ان کا یہ ارادہ نہیں تھا کہ وہ جس کو چاہیں اس جنگلی گدھے کا مالک بنا دیں اور جس کو چاہیں عطا کریں، انہوں نے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس جنگلی گدھے کو شکار کیا تھا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۵۸-۱۵۹، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۰۔ بَابُ: قَطْعِ اللَّحْمِ بِالسِّكِّينِ — گوشت کو چھری سے کاٹنا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ گوشت کو چھری سے کاٹنا جائز ہے۔

۵۴۰۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي جَعْفَرُ بْنُ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ أَنَّ أَبَاهُ عَمْرَو بْنَ أُمَيَّةَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَحْتَزُّ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ فِي يَدِهِ فَدُعِيَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَلْقَاهَا وَالسِّكِّينَ الَّتِي يَحْتَزُّ بِهَا ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے جعفر بن عمرو بن امیہ نے خبر دی کہ ان کے والد حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر دی کہ انہوں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بکری کا بازو اپنے ہاتھ میں کاٹ رہے تھے۔ پھر نماز کی دعوت دی گئی تو آپ نے وہ بازو بھی پھینک دیا اور وہ چھری بھی پھینک دی جس سے کاٹ رہے تھے پھر آپ کھڑے ہوئے، نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔

(صحیح البخاری: ۲۰۸، ۶۷۵، ۲۹۲۳، ۵۴۰۸، ۵۴۲۲، ۵۴۶۲، صحیح مسلم: ۳۵۵، سنن ترمذی: ۱۸۳۶، سنن دارمی: ۷۲۷)

صحیح البخاری: ۵۴۰۸ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے اور اس حدیث کی سند میں ابوالیمان کا ذکر ہے، یہ حکم بن نافع ہیں اور شعیب کا ذکر ہے یہ شعیب بن ابی حمزہ الحمصی ہیں اور یہ حدیث کتاب الطہارۃ باب من لم یتوضا من لحم الشاۃ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں ''یحتز'' کا لفظ ہے یعنی کاٹتے تھے اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گوشت کو چھری سے کاٹنا جائز ہے، شیخ ابن حزم ظاہری نے کہا کہ کھانے کے لیے گوشت کو چھری سے کاٹنا مستحسن ہے اور مکروہ نہیں ہے، نیز روٹی کو چھری سے کاٹنے کے متعلق کوئی صریح ممانعت نہیں آئی ہے۔

گوشت کو چھری سے کاٹنے کے خلاف معجم طبرانی اور سنن ابوداؤد کی احادیث سے اعتراض کا جواب

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ روٹی کو چھری سے اس طرح نہ کاٹو جس طرح عجمی لوگ روٹی کو چھری سے کاٹتے ہیں اور جب تم میں سے کوئی ایک گوشت کو کھانے کا ارادہ کرے تو اس کو چھری سے نہ کاٹے بلکہ گوشت کو اپنے ہاتھ سے پکڑے اور منہ میں رکھ کر دانتوں سے کھائے، یہ زیادہ لذت بخش اور خوشگوار ہے۔

اور امام ابوداؤد نے از ابو معشر از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گوشت کو چھری سے نہ کاٹو کیونکہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے، گوشت کو منہ میں رکھ کر دانتوں سے کاٹ کر کھاؤ، یہ زیادہ خوشگوار اور زیادہ لذت بخش ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: امام طبرانی کی حدیث کی سند میں عباس بن کثیر الثقفی ہے اور وہ ضعیف راوی ہے، اور امام ابوداؤد کی حدیث کے متعلق امام نسائی نے کہا کہ اس حدیث کی سند میں ابو معشر راوی ہے جس کی روایات منکر ہیں۔ اور امام ابن عدی نے کہا: اس حدیث کا کوئی متابع نہیں ہے اور یہ ضعیف ہے اور ابو معشر کا نام نجیح ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۷۳-۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۰۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابوداؤد نے از ابو معشر نجیح سے روایت کی ہے اور وہ ضعیف راوی ہیں از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گوشت کو چھری سے نہ کاٹو، کیونکہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے، گوشت کو منہ میں رکھ کر دانتوں سے کاٹو یہ زیادہ خوشگوار اور زیادہ لذیذ ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۷۸)

امام ابوداؤد نے کہا کہ یہ قوی راوی نہیں ہیں اور حافظ عبد العظیم بن عبد القوی المنذری شافعی، متوفی ۶۵۶ھ نے اپنی مختصر میں کہا ہے کہ یحییٰ القطان ابو معشر سے روایت نہیں کرتے تھے اور اس کو بہت ضعیف قرار دیتے تھے اور جب ان کا نام لیا جاتا تو ہنستے تھے اور ایک سے زیادہ ائمہ نے ان کے متعلق کلام کیا ہے۔ (مختصر سنن ابوداؤد، ج ۵ ص ۳۰۴، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت)

امام ترمذی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۸۳۵)۔ العراقی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند منقطع ہے۔

شیخ ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ گوشت کو چھری سے کاٹ کر کھانا مستحسن ہے اور مکروہ نہیں ہے، اسی طرح روٹیوں کو کاٹ کر کھانا بھی مکروہ نہیں ہے، کیونکہ اس کے متعلق کوئی صریح ممانعت نہیں آئی کہ روٹی کو چھری سے نہ کاٹا جائے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۱۶۱-۱۶۲، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۰۸ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ضرورت کے وقت چھری سے گوشت کاٹنے کا جواز اور چھری اور کانٹوں کے ساتھ اور الٹے ہاتھ سے کھانے کی کراہت

گوشت میں کچھ سختی ہوتی ہے اس لیے اس کو چھری سے کاٹنے کی ضرورت پڑتی ہے، بعض احادیث میں چھری سے کاٹنے کی ممانعت ہے، ان میں تطبیق اس طرح سے ہے کہ جب چھری سے کاٹنے سے اپنی بلندی اور برتری مقصود ہو تو یہ ممنوع ہے اور اگر گوشت کو چھری سے کاٹنا کبھی کبھار ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس دور میں ہم نے دیکھا کہ بعض لوگ اپنے ہاتھوں کو گوشت سے دور رکھتے ہیں اور چھری اور کانٹے کے ساتھ کھاتے ہیں اور الٹے ہاتھ سے کھاتے ہیں اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے خلاف ہے، لیکن جب انسان کو چھری کے ساتھ گوشت کاٹنے کی ضرورت ہو تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح کیا ہے اور جب اس کی ضرورت نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ گوشت کو ہاتھ سے پکڑے اور دانتوں کے ساتھ کاٹ کر کھائے۔

جب کھانا حاضر ہو تو نماز نہیں پڑھنی چاہیے اور اس حدیث میں ہے کہ آپ کھانے کو ترک کر کے نماز میں مشغول ہو گئے

سوال: اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب طعام حاضر ہو تو نماز نہیں پڑھنی چاہیے، اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ طعام حاضر تھا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانے کے لیے چھری سے گوشت کو کاٹ رہے تھے، پھر آپ نے چھری اور گوشت کو چھوڑ دیا اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔

جواب: کھانے کے وقت نماز پڑھنے سے ممانعت اس پر محمول ہے کہ جب نماز میں مشغول ہونے کی وجہ سے کھانا متروک ہو جائے، لیکن اگر یہ خطرہ نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ جب کھانا حاضر ہو اور اس کے لیے کھانے کو کھانا ممکن نہ ہو تو پھر وہ نماز پڑھنے سے مانع نہیں ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۶۰، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس سوال کا صحیح جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں یہ بتایا ہے کہ اگرچہ کھانے کے وقت نماز شروع ہو جائے تو آدمی پہلے کھانا کھالے پھر نماز پڑھے تاہم ایسا کرنا ضروری نہیں ہے اور اس کی بھی گنجائش ہے کہ وہ کھانے کو چھوڑ دے اور پہلے نماز پڑھ لے، کیونکہ اللہ کا حق ادا کرنا بندہ کے حق ادا کرنے پر مقدم ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۲۱- بَابٌ: مَا عَابَ النَّبِيُّ ﷺ طَعَامًا — نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کھانے کا عیب نہیں بیان کیا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی طعام کا عیب نہیں بیان کیا، جب کہ وہ طعام مباح ہو لیکن جو طعام حرام ہو

آپ اس کی مذمت کرتے تھے اور اس کے تناول سے منع فرماتے تھے، یہ بھی کہا گیا ہے: اگر خلقت کی جہت سے عیب نکالنا ہو تو وہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی خلقت کا عیب نہیں بیان کیا جاتا لیکن اگر آدمیوں کے بنانے کی وجہ سے اس میں عیب ہو تو اس کو بیان کرنا جائز ہے، مثلاً انگوروں سے خمر بنائی جاتی ہے تو انگور کا عیب بیان کرنا جائز نہیں ہے اور خمر کا عیب بیان کرنا جائز ہے یا گندم اور جو سے بھی شراب بنائی جاتی ہے، اسی طرح چاول اور مکئ وغیرہ سے بھی شراب بنائی جاتی ہے تو ان اجناس کی مذمت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ کی تخلیق سے ہیں اور جو انسان ان سے شراب بناتا ہے اس کا عیب بیان کرنا اور اس کی مذمت کرنا جائز ہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے: کھانے کے آداب سے یہ ہے کہ کھانے کا عیب نہ نکالا جائے، جیسے تھوڑے نمک کی یا تھوڑی کھٹاس کی یا کھانا زیادہ گلا ہوا نہ ہو تو اس کا عیب نکالنا جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۴۰۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَا عَابَ النَّبِيُّ ﷺ طَعَامًا قَطُّ إِنِ اشْتَهَاهُ أَكَلَهُ وَإِنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از الاعمش از ابی حازم از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی طعام کا عیب نہیں بیان کیا، اگر آپ کو طعام کی خواہش ہوتی تو آپ اسے کھا لیتے اور اگر ناپسند فرماتے تو اسے ترک کر دیتے۔

(صحیح البخاری: ۳۵۶۳، ۵۴۰۹، صحیح مسلم: ۲۰۶۴، سنن ترمذی: ۲۰۳۱، سنن ابوداؤد: ۳۷۶۳، مسند احمد: ۹۸۲۲)

صحیح البخاری: ۵۴۰۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی مطابقت باب کے عنوان کے ساتھ ظاہر ہے۔ اور محمد بن کثیر میں کثیر کا لفظ قلیل کی ضد ہے اور سُفیان سے مراد ابن عُیینہ ہے اور اعمش سے مراد سلیمان ہے اور ابو حازم سلمان الاشجعی ہیں۔

یہ حدیث باب "صفة النبی ﷺ" میں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۰۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

طعام اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت پر اس کا شکر ادا کرنا چاہیے نہ کہ اس کا عیب نکالنا چاہیے

یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ حُسنِ ادب پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ جب کوئی مرد کسی طعام کو ناپسند کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے رزق کو مسترد کرتا ہے، اور کبھی بعض لوگ کسی طعام کو ناپسند کرتے ہیں اور دوسرے اس طعام کو پسند کرتے ہیں۔ (مثلاً بعض لوگ اونٹ اور گھوڑے کے گوشت کو ناپسند کرتے ہیں اور بعض ان کو پسند کرتے ہیں، بعض لوگ بینگن کو ناپسند کرتے ہیں اور بعض پسند کرتے ہیں، اسی طرح بعض لوگ ناشپاتی کو ناپسند کرتے ہیں اور بعض پسند کرتے ہیں۔ سعیدی غفرلہٗ) اور اللہ تعالیٰ کی

نعمتوں کا عیب نکالنا نہیں چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ہمارے لیے ان نعمتوں میں سے کوئی نعمت واجب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا کر دے تو یہ اس کا فضل ہے اور کوئی نعمت روک لے تو یہ اس کا عدل ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۱۶۳، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: اسی طرح صحت اور بیماری ہے، صحت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور بیماری اس کا عدل ہے بلکہ بعض اوقات بیماری بھی اس کا فضل ہوتی ہے کیونکہ بیماری کی وجہ سے انسان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے، اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا شکرگزار بندہ بنائے اور ناشکرا نہ بنائے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل چاہتے ہیں اور اس کے عذاب سے اور اس کی گرفت سے پناہ طلب کرتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۴۰۹ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اصلاح کی غرض سے طعام کو تبدیل کرنے میں کوئی حرج نہیں یا پکانے والے کو تبدیل کرنے میں کوئی حرج نہیں

اسی طرح انسان کو چاہیے کہ وہ طعام کا عیب نہ نکالے، اگر اس کو پسند ہو تو کھا لے اور ناپسند ہو تو ترک کر دے، لیکن اگر وہ اپنے گھر والوں کو بہ طور اصلاح کے بتائے کہ آج جو کھانا پکایا اس میں نمک زیادہ تھا یا اس میں زیادہ مرچ مصالحہ تھا اور اس سے عیب نکالنے کا قصد نہ کرے بلکہ یہ قصد کرے کہ آئندہ کھانے میں نمک زیادہ ڈالا نہ جائے یا مرچ مصالحہ زیادہ نہ ڈالا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مصنوع میں عیب نہ نکالا جائے اور صانع کا عیب نکالنے میں کوئی حرج نہیں ہے، مثلاً جو کھانا پکاتا ہے اس نے اچھی طرح کھانا نہیں پکایا تو وہ کہے کہ ہم کسی دوسرے کھانا پکانے والے کو رکھتے ہیں اور کھانے میں عیب نہ نکالے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طعام میں عیب نہیں نکالتے تھے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۶۰-۱۶۱، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۰۹ کی شرح از شیخ محمد علی صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلقِ کریم جس سے آپ آراستہ تھے، وہ یہ تھا کہ جب آپ کھانے کے لیے بیٹھتے تو اس کا عیب نہیں نکالتے تھے، مثلاً آپ یہ نہیں کہتے تھے کہ یہ طعام رذی ہے اور یہ طعام غیر طیب ہے، بلکہ جب آپ کا جی چاہتا تو کوئی چیز کھا لیتے اور جب جی نہ چاہتا تو اس کو ترک فرما دیتے، جیسا کہ گوہ کے معاملہ میں واقع ہوا، جب آپ کے دسترخوان پر گوہ کو دیکھا گیا تو آپ نے اس کو نہیں کھایا، عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! لیکن میں اپنے دل میں اس کی کراہیت پاتا ہوں اور یہی حُسن ادب ہے کہ انسان طعام کا عیب نہ نکالے، کیونکہ انسان کبھی کسی چیز کو پسند نہیں کرتا اور دوسرے اس چیز کو پسند کرتے ہیں اور ہر طعام کو شریعت کی طرف سے کھانے کی اجازت ہے اور اس میں فی نفسہٖ کوئی عیب نہیں ہے، اور طعام کے آداب میں سے ہے کہ اس میں عیب نہ نکالا جائے، کیونکہ یہ خالق کی مخلوق پر نعمت ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (البقرہ)

اے ایمان والو! ان پاک چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو O

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر واللآلی بشرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۱۵۷، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۲۲۔ بَابُ: النَّفْخِ فِي الشَّعِيرِ

جَو پیسنے کے بعد اس پر پھونک مار کر اس کے چھلکے وغیرہ اڑانا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جَو پیسنے کے بعد اس میں پھونک مار کر اس کے چھلکوں کو اڑانا جائز ہے اور جَو پیسنے کے بعد اس کو چھلنی کے ساتھ نہ چھانا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق کہ پھونک مارنے کی ممانعت صرف پکے ہوئے طعام کے ساتھ مخصوص ہے اور علامہ عینی کا اس سے اختلاف

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس باب کی شرح میں لکھا ہے:

امام بخاری نے اس باب سے اس پر تنبیہ کی ہے کہ کھانے میں پھونک مار کر کھانے کی جو ممانعت ہے وہ پکے ہوئے کھانے کے ساتھ مخصوص ہے اور کچے طعام میں پھونک مار کر کھانا جائز ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۴۸، دارنشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۱۰ ص ۵۸۸، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حافظ ابن حجر سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جَو کو جب پیسا جائے تو اس میں پھونک ماری جائے حتیٰ کہ اس کے چھلکے وغیرہ نکل جائیں، پھر اس پسے ہوئے جَو کی روٹی پکائی جائے، یا طعام بنایا جائے یا ستو بنایا جائے یا اور کچھ بنایا جائے اور چھلنی سے نہ چھانا جائے اور یہ معنی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے اور جو حافظ ابن حجر نے بیان کیا ہے وہ حدیث کے معنی سے بہت بعید ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس حدیث میں غور نہیں کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۴۱۰۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ أَنَّهُ سَأَلَ سَهْلًا هَلْ رَأَيْتُمْ فِي زَمَانِ النَّبِيِّ ﷺ النَّقِيَّ قَالَ لَا فَقُلْتُ فَهَلْ كُنْتُمْ تَنْخُلُونَ الشَّعِيرَ قَالَ لَا وَلَكِنْ كُنَّا نَنْفُخُهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو غسان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابو حازم نے حدیث بیان کی، انہوں نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں میدہ دیکھا تھا؟ انہوں نے کہا: نہیں! انہوں نے پھر پوچھا: کیا تم جَو کو پیس کر (چھلنی میں) چھانتے تھے؟

انہوں نے کہا: نہیں! لیکن ہم اس میں پھونک مارتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۱۳، سنن ترمذی: ۲۳۶۴، سنن ابن ماجہ: ۳۳۳۵، مسند احمد: ۲۲۳۰۷)

صحیح البخاری: ۵۴۱۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوغسان کا ذکر ہے، وہ محمد بن المطرف اللیثی ہیں اور ابوحازم کا ذکر ہے اور وہ سلمہ بن دینار ہیں نہ کہ سلمان الاشجعی اور یہ دونوں تابعی ہیں اور سہل سے مراد حضرت سہل بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ صحابی ہیں۔

''النقی'' (یعنی میدہ کا بیان)

میدہ کی روٹی سفید ہوتی ہے، اور گندم یا جَو کو پیس کر اسے چھانا جائے تو جو سفید آٹا نکلتا ہے اس کو میدہ کہتے ہیں۔
اس حدیث میں مذکور ہے: ''کیا تم جَو کو چھانتے تھے؟ (یعنی اس کو پیسنے کے بعد)''۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۷۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد چھلنی کو نہیں دیکھا

اس کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے:

اس باب کے بعد مذکور ہے کہ کیا تمہارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں چھلنیاں تھیں، تو حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھلنی کو نہیں دیکھا جب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دے دی۔ اور میرا گمان ہے کہ اس حدیث میں اس سے احتراز ہے کہ جو بعثت سے پہلے واقعہ ہوتا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مدت میں شام کی طرف بہ طور تاجر سفر کرتے تھے اور شام اس وقت روم کے ساتھ تھا، اور میدہ کی روٹی ان کے نزدیک بہت زیادہ ہوتی تھی، اسی طرح چھلنیاں وغیرہ بھی آسائش اور تعیش کے آلات میں سے ہیں، پس کوئی شک نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں پر چھلنیوں کو نہ دیکھا ہو، لیکن بعثت کے بعد آپ مکہ میں رہے اور طائف میں اور مدینہ میں، اور تبوک کی طرف پہنچے جو شام کی اطراف میں ہے، لیکن آپ نے تبوک کو فتح نہیں کیا اور نہ آپ نے وہاں زیادہ عرصہ قیام کیا۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۴۸، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۸ ص ۵۸۸، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر کی تحقیق پر علامہ عینی کے تین اعتراضات

علامہ عینی حافظ ابن حجر سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: حافظ ابن حجر نے جو یہ شرح کی ہے، اس میں کئی وجوہ سے اعتراضات ہیں:

(۱) حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مدت میں تاجر تھے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاجر نہیں تھے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے شام کی سرزمین میں اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ گئے اور اس وقت آپ کی عمر بارہ سال دو مہینے اور چند ایام تھی، پہلا

واقدی کا قول ہے اور امام ابو جعفر طبری نے کہا کہ اس وقت آپ کی عمر نو سال تھی، اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اور اسی سفر میں بُحیرہ راہب کا واقعہ پیش آیا اور دوسری مرتبہ آپ شام کی طرف اس وقت گئے جب آپ کی عمر پچیس (۲۵) سال تھی۔ اس وقت آپ حضرت خدیجہ بنت خویلد کے ساتھ شام گئے تھے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو اُجرت پر رکھا تھا، آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال لے کر گئے اور آپ کے لیے اس مال میں کچھ نہیں تھا، اور دونوں مرتبہ آپ نے بصرہ سے تجاوز نہیں کیا اور تھوڑی مدت ٹھہرے تھے (خلاصہ یہ ہے کہ آپ ان دونوں سفر میں تاجر نہیں تھے)۔

(۲) حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس وقت شام روم کے ساتھ تھا اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ نے اس وقت چھلنی اور میدہ کو دیکھا۔ سو حافظ ابن حجر کا یہ کہنا بھی غلط ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت رومیوں کے ساتھ مختلط نہیں ہوئے تھے اور نہ ان کے ساتھ نشست و برخاست کی تھی اور نہ ان کے ساتھ کھانا کھایا تھا، پس آپ کہاں سے واقف ہوئے کہ وہ لوگ میدہ اور سفید آٹے کی روٹی پکاتے ہیں اور آپ نے کہاں سے چھلنیوں کو دیکھا حتیٰ کہ حافظ ابن حجر نے وثوق سے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ نے اس وقت چھلنیوں اور میدہ کو دیکھا۔

(۳) حافظ ابن حجر نے کہا کہ بعثت کے بعد آپ مکہ اور طائف اور مدینہ میں رہے اور تبوک تک پہنچے جو اطرافِ شام میں سے تھا۔۔۔ الیٰ قولہ۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ بعثت کے بعد سے لے کر آخر زمانہ تک یہ لازم نہیں ہے کہ آپ نے چھلنی کو نہ دیکھا ہو یا چھلنی کو نہ سنا ہو، کیونکہ چھلنی اس وقت بھی موجود تھی اور اس پر دلیل یہ ہے کہ ابو حازم نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تم جَو کو چھانتے تھے یعنی چھلنی میں چھانتے تھے؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے چھلنی کو نہیں دیکھا کیونکہ انہوں نے اس کو طلب نہیں کیا تھا، کیونکہ وہ پیسے ہوئے جَو میں سے پھونک مار کر چھلکے اتارنے کو کافی سمجھتے تھے، خواہ وہ پیسے ہوئے جَو ہوں یا پیسے ہوئے گندم ہوں، لیکن چونکہ ان کی غالب خوراک جَو تھی تو اسی لیے ابو حازم نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے جَو کے چھاننے کے متعلق دریافت کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۱۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سلف صالحین کا لذت اندوزی اور تعیش کو ترک کرنا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلف صالحین اپنے کھانے پینے میں نرم، ملائم اور لذیذ چیزوں کو ترک کر کے سخت چیزیں کھاتے تھے، چھلنی میں آٹا نہیں چھانتے تھے حالانکہ یہ ان کے لیے مباح تھا لیکن انہوں نے سخت کوشی کو اختیار کیا اور سہل پسندی کو ترک کیا اور ہم نے ان کے اس پسندیدہ طریقہ کو ترک کیا اور دنیاوی لذائذ اور تن آسانیوں کو اختیار کیا اور اپنے کھانے پینے میں عیش و عشرت کو پسند کیا، اور ہم اس چیز سے راضی نہیں ہوئے جس سے سلف صالحین راضی تھے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۱۶۴، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۱۰ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

پیسے ہوئے جَو وغیرہ میں پھونک مارنے کا مشروع ہونا اور مشروبات میں پھونک مارنے کی ممانعت

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ پیسے ہوئے جَو وغیرہ میں چھلکے اڑانے کے لیے پھونک مارنا جائز ہے لیکن مشروبات مثلاً دودھ اور پانی وغیرہ میں پھونک مارنا منع ہے۔

''النقی'' کا معنی

''النقی'' کا معنی ہے: جس آٹے سے بھوسی نکال کر اس کو صاف کر دیا جائے، جس کو میدہ کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ لوگوں کو حشر کے دن ایسی زمین پر اٹھایا جائے گا جو میدہ کی طرح سفید ہوگی اور یہ حدیث عنقریب آرہی ہے۔

تنبیہ: اس کے بعد شیخ عثیمین نے حافظ ابن حجر کی وہ شرح لکھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد سے چھلنی کو نہیں دیکھا، اور اس شرح کا علامہ عینی نے رد کر دیا ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

کسی حرام کام سے منع کرنا چاہیے اور اگر کوئی شخص باز نہ آئے تو اس کی مجلس کو ترک کر دے

مسئلہ: جب کوئی مرد کسی شخص کو دیکھے کہ وہ الٹے ہاتھ سے کھا رہا ہے یا بائیں ہاتھ سے کھا رہا ہے اور وہ اس کو نصیحت کرے، لیکن وہ شخص اس کی نصیحت کا انکار کرے تو کیا اس کے لیے جائز ہے کہ اس کو اس حال پر چھوڑ دے یا اس پر واجب ہے کہ وہ اٹھ کر چلا جائے؟

الجواب: بائیں ہاتھ سے کھانا حرام ہے اور حرام کے فاعل کے ساتھ بیٹھنا جائز نہیں ہے، اگر اس میں یہ طاقت ہو کہ اس کی اصلاح کرے تو وہ افضل ہے خواہ وہ اس کا مہمان ہو اور اسے کہے کہ میں تمہیں برے کام سے روکتا ہوں اور اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھے تو پھر افضل یہ ہے کہ وہ وہاں سے اٹھ جائے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۶۲، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۳۔ بَابُ: مَا كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَأَصْحَابُهُ يَأْكُلُونَ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کیا چیزیں کھاتے تھے؟

اس باب کی احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی خوراک میں کیا چیزیں ہوتی تھیں۔

۵۴۱۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَبَّاسٍ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَسَمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَوْمًا بَيْنَ أَصْحَابِهِ تَمْرًا فَأَعْطَى كُلَّ إِنْسَانٍ سَبْعَ تَمَرَاتٍ فَأَعْطَانِي سَبْعَ تَمَرَاتٍ إِحْدَاهُنَّ حَشَفَةٌ فَلَمْ يَكُنْ فِيهِنَّ تَمْرَةٌ أَعْجَبَ إِلَيَّ مِنْهَا شَدَّتْ فِي مَضَاغِي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از عباس الجریری، از ابی عثمان النہدی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب میں کھجوریں تقسیم کیں، سو ہر انسان کو سات کھجوریں عطا فرمائیں، پس مجھے بھی سات کھجوریں عطا فرمائیں۔ ان میں سے ایک کھجور بہت سخت تھی اور ان میں اور کوئی کھجور مجھے اس سے

زیادہ پسند نہیں تھی، اس کا چبانا مجھ پر بہت مشکل ہو گیا تھا۔

(صحیح البخاری: ۵۴۴۱ و ۵۴۴۱، سنن ابن ماجہ: ۴۱۵۷، مسند احمد: ۹۱۰۹)

صحیح البخاری: ۵۴۱۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اکثر اور غالب اوقات میں کھجوریں کھاتے تھے اور تھوڑی کھجوروں پر قناعت کرتے تھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

امام بخاری نے اس حدیث کی روایت ابوالنعمان سے کی ہے، اور وہ محمد بن الفضل ہیں جن کو عارم السدوسی البصری کہا جاتا ہے۔ اور اس حدیث میں عباس الجریری کا ذکر ہے، اس میں جیم پر پیش ہے اور پہلی راء پر زبر ہے، یہ بصری ہیں اور یہ نسبت جریر بن عباد کی طرف ہے جو الحارث بن عباد بن ضبیعہ بن قیس بن بکر بن وائل کے بھائی تھے، اور ابوعثمان عبدالرحمٰن بن مل النہدی ہیں، نہدی میں نون پر زبر ہے اور یہ نہد بن لیث بن سود کی طرف نسبت ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں "حشفة" کا ذکر ہے اور وہ سب سے بدتر کھجور ہوتی ہے جو کھجور کے درخت پر پکتی نہیں ہے اور اس کا ذائقہ مکمل نہیں ہوتا اور وہ سوکھ جاتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کا چبانا مجھ پر دشوار اور مشکل ہو جاتا ہے، یا جس طرح دنداسہ سخت ہوتا ہے اس کو چبانا مشکل ہوتا ہے، اسی طرح وہ کھجور بھی سخت اور سوکھی ہوئی تھی جس کا چبانا مشکل تھا، اور ان کھجوروں میں اور کوئی ایسی کھجور نہیں تھی جو اس سے بہتر ہوتی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۱۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض احادیث میں سات کھجوریں عطا فرمانے کا ذکر ہے اور بعض احادیث میں پانچ کھجوریں عطا فرمانے کا ذکر ہے، ان میں تطبیق

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر انسان کو سات کھجوریں دیں اور اس کے بعد حدیث میں ہے کہ ہر انسان کو پانچ کھجوریں دیں۔ علامہ ابن التین نے کہا ہے: یا تو سات اور پانچ میں سے کسی ایک میں راوی کو وہم ہوا ہے، اور یا یہ کہ آپ نے دو مرتبہ کھجوریں دیں، ایک مرتبہ ہر انسان کو سات کھجوریں دیں اور دوسری مرتبہ پانچ کھجوریں دیں۔

''الحشفة'' کا معنی

''حشفة'' اس کھجور کو کہتے ہیں جو کھجور کے درخت پر پکی ہوئی نہ ہو اور سوکھ جائے، اور وہ سب سے ردی کھجور ہے، اس کو ''حشفة'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ سوکھی ہوئی ہوتی ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس کا چبانا مجھ پر سخت تھا، یعنی وہ میرے منہ میں کافی دیر تک رہتی اور میں اس کو چباتا رہتا۔ یعنی اس کھجور میں چباتے وقت قوت ہوتی تھی۔

اس حدیث کی سند میں عباس الجریری کا ذکر ہے، ان کی وفات ۱۴۴ھ میں ہوئی تھی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۱۶۶-۱۶۷، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۱۱ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سخت کھجور کو پسند کرنے کی وجہ

تازہ کھجور نرم ہوتی ہے اور منہ میں جلدی گھل جاتی ہے اور حشفہ سخت ہوتی ہے اور اس کو بار بار چبانا پڑتا ہے اور منہ میں گھلانا پڑتا ہے، چونکہ حشفہ کھجور کو دیر تک منہ میں رکھنا اور چبانا اور گھلانا پڑتا ہے اس وجہ سے مجھے حشفہ کھجور دوسری کھجوروں سے زیادہ پسند تھی۔

مسئلہ: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کے وقت سات کھجوریں کھاتے تھے، کیا روزہ دار کے لیے بھی یہ ممکن ہے کہ وہ سات کھجوروں سے روزہ افطار کرے؟

الجواب: اس طرح کسی حدیث میں وارد نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے سات عجوہ کھجوروں کے ساتھ صبح کی تو اس کو اس دن نہ زہر ضرر دے گا اور نہ جادو۔ (صحیح البخاری: ۵۴۴۵، صحیح مسلم: ۲۰۴۷، سنن ابوداؤد: ۳۸۷۶)

پس یا تو یہ عجوہ کھجور کی خاصیت ہے یا ہر کھجور کی یہ تاثیر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عجوہ کا ذکر بہ طور مثال فرمایا ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۶۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۵۴۱۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ عَنْ سَعْدٍ قَالَ رَأَيْتُنِي سَابِعَ سَبْعَةٍ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مَا لَنَا طَعَامٌ إِلَّا وَرَقُ الْحُبْلَةِ أَوِ الْحَبَلَةِ حَتَّى يَضَعَ أَحَدُنَا مَا تَضَعُ الشَّاةُ ثُمَّ أَصْبَحَتْ بَنُو أَسَدٍ تُعَزِّرُنِي عَلَى الْإِسْلَامِ خَسِرْتُ إِذًا وَضَلَّ سَعْيِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہب بن جریر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از اسماعیل از قیس از حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: میں نے اپنے آپ کو دیکھا میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتواں شخص تھا جو مسلمان ہوا تھا اور ہمارے پاس جو طعام تھا وہ صرف کیکر کے درخت کے پتے تھے یا کیکر کے درخت کا پھل تھا، حتیٰ کہ ہم میں سے کوئی ایک بکری کی مینگنیوں کی طرح قضاء

حاجت کرتا، پھر یہ بنو اسد میرے اسلام پر ملامت کرتے تھے،
پھر تو میں ناکام ہو گیا اور میری کوشش رائیگاں گئی۔

(صحیح البخاری: ۳۷۲۸، ۵۴۱۲، ۶۴۵۳، صحیح مسلم: ۲۹۶۶، سنن ترمذی: ۲۳۶۵، سنن ابن ماجہ: ۱۳۱، مسند احمد: ۱۶۲۱)

میں کہتا ہوں: امام بخاری نے اس حدیث کا مکمل متن یہاں روایت نہیں کیا ہے۔ اس حدیث کا مکمل متن درج ذیل ہے:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں عربوں میں وہ پہلا شخص ہوں جنہوں نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا، اور ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے تھے اور ہمارے لیے جو طعام تھا وہ صرف درخت کے پتے تھے، حتیٰ کہ ہم میں سے کوئی ایک قضاء حاجت اس طرح کرتا تھا جیسے اونٹ مینگنیاں کرتا ہے یا بکری مینگنیاں کرتی ہے، اور وہ مینگنیاں خشک ہوتی تھیں، آپس میں جڑی ہوئی نہیں ہوتی تھیں، اب حال یہ ہے کہ بنو اسد اسلام پر عمل کرنے میں میرے عیب نکالتے ہیں۔ (اگر ایسا ہے) تو میں بالکل ناکام ہو گیا اور میرے اعمال برباد ہو گئے اور بنو اسد نے اسی طرح ان کی حضرت عمر کی طرف جھوٹی شکایت کی تھی کہ وہ نماز نہیں پڑھتے۔

صحیح البخاری: ۵۴۱۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں یہ خبر دی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کس طرح تنگی معیشت کے ساتھ گزر کرتے تھے اور قناعت کرتے تھے اور اللہ عزوجل نے جو ان کے لیے مقسوم کیا تھا اس پر راضی رہتے تھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبد اللہ بن محمد کا ذکر ہے، یہ المسندی کے ساتھ معروف ہے اور اس حدیث میں اسماعیل کا ذکر ہے، یہ ابن ابی خالد ہیں، اور اس حدیث میں قیس کا ذکر ہے یہ ابن ابی حازم ہیں اور حضرت سعد کا ذکر ہے، یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں جو صحابی ہیں اور ان دس صحابہ میں سے ہیں جن کو زندگی میں جنت کی بشارت دے دی گئی تھی۔

اور التوضیح میں مذکور ہے از قیس بن سعد از والد خود گویا کہ صاحب توضیح یعنی علامہ ابن ملقن نے یہ وہم کیا کہ یہ قیس بن سعد بن عبادہ ہیں اور یہ فاحش غلطی ہے، صحیح مسلم کی روایت میں مذکور ہے از قیس، انہوں نے کہا: میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سنا۔

یہ حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے مناقب میں گذر چکی ہے، اس میں مذکور ہے کہ کوفہ کے لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی شکایت کی جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے اور اس شکایت میں یہ کہا کہ یہ اچھی طرح نماز نہیں پڑھاتے، اس کی تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''رایتنی'' یعنی میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتواں مسلمان تھا۔ اس

سے حضرت سعد بن ابی وقاص کی مراد یہ ہے کہ وہ قدیم الاسلام ہیں اور جو لوگ پہلے پہلے اسلام لائے، ان میں حضرت سعد بن ابی وقاص ساتویں تھے، اور امام ابوخیثمہ نے روایت کی ہے کہ ان سات صحابہ کرام کے یہ نام ہیں:

(۱) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔
(۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔
(۳) حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ۔
(۴) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ۔
(۵) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ۔
(۶) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ۔
(۷) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''ہمارا طعام صرف کیکر کے درخت کے پتے تھے''۔ اس سے حضرت سعد نے یہ اشارہ کیا ہے کہ اس وقت میں خوراک کی قلت تھی اور تنگی معیشت تھی اور ان کو صرف کیکر کے درخت کے پتے میسر تھے۔ ''حبلۃ'' کیکر کے درخت کے پھل کو کہتے ہیں جو لوبیا کے مشابہ ہوتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ایک کانٹے دار درخت تھا۔

اس حدیث میں ہے کہ وہ کیکر کے درخت کے پتے تھے یا اس کا پھل تھا۔

بنو اسد کے متعلق علامہ عینی کی تحقیق کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبیلہ نہیں تھا

اس حدیث میں مذکور ہے: اب ''بنو اسد یہ کہتے ہیں'' ایک قول یہ ہے کہ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبیلہ مراد ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بنو اسد سے تھے، اسی طرح علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے نقل کیا ہے لیکن وہ معذور ہیں، اس لیے کہ انہوں نے اس عبارت کو علامہ ابن بطال سے نقل کیا ہے، کیونکہ انہوں نے کہا: اور ''حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بنو اسد سے تھے'' اور یہ اجماع کے خلاف ہے، اور علاوہ ازیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ عدی بن کعب کے قبیلہ سے تھے اور وہ بنو اسد سے نہیں تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''تعزرنی'' یعنی وہ مجھے ادب سکھاتے ہیں یا وہ مجھے اسلام کے احکام کی تعلیم دیتے ہیں اور اسلام کے طریقے سکھاتے ہیں، کیونکہ بنو اسد نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی طرف شکایت کی تھی کہ یہ نماز صحیح نہیں پڑھاتے، اور تعذیر کا معنی ہے: ادب سکھانا، اسی لیے حد سے کم کوڑے مارنے کو تعزیر کہتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر تو میں ناکام ہو گیا''۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا یہ قول جواب الجزاء ہے، اور مراد یہ ہے کہ اگر ایسا ہی ہے جس طرح بنو اسد نے کہا ہے اور میں اسلام کے آداب سیکھنے اور اسلام کی تعلیم کا محتاج ہوں، تو اس سے پہلے میں نے جو اسلام کی خدمات کی ہیں وہ سب رائیگاں گئیں اور میرا مشن ناکام ہو گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کا طعام کیکر کے درخت کے پتے کیسے ہو سکتے ہیں جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اموالِ فئے حاصل تھے اور صحابہ میں سے بھی اکثر مالدار تھے؟

اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت سعد کے اس قول کی کیا توجیہ ہے کہ ہمارا طعام صرف کیکر کے درخت کے پتے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو نضیر سے جو اموال بہ طورِ فے ملے تھے اور فدک سے جو خوراک ملی تھی وہ آپ کے اہل و عیال کے سال بھر کی خوراک کے لیے کافی تھی، اور آپ عطیات عطا فرماتے تھے اور صحابہ میں سے ایسے لوگ بھی تھے جو بہت مالدار تھے جیسے حضرت ابوبکر اور حضرت

عثمان رضی اللہ عنہما اور ان کے مشابہ صحابہ کرام۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ جب سے آل محمد مدینہ میں آئے تو تین دن انہوں نے مسلسل گندم کا کھانا نہیں کھایا حتیٰ کہ آپ کی وفات ہوگئی، اسی طرح اس کے مشابہ اور بھی احادیث ہیں، تو پھر یہ کیسے متصور ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کے لیے کھانے کا طعام صرف کیکر کے درخت کے پتے ہوں؟

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: امام ابوجعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ کوئی وقت تھا کیونکہ صحابہ کرام میں سے بعض مالدار تھے اور ان کا مال حقوق کی ذمہ داریوں میں محیط تھا، اور وہ مہمانوں کی ضیافت کرتے تھے حتیٰ کہ بعض اوقات زیادہ مال خرچ ہوجاتا اور بعض اوقات بالکل بھی مال نہیں رہتا، اس لیے یہ بعید نہیں ہے کہ کسی وقت میں ان پر ایسا بھی حال آیا ہو کہ وہ صرف کیکر کے درخت کے پتوں کو کھا کر گزارا کرتے ہوں، جیسا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کی توجیہ کہ آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تین دن مسلسل گندم کا طعام نہیں کھایا

اور رہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول کہ آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تین دن مسلسل گندم کا طعام نہیں کھایا تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ گندم ان کے پاس کم مقدار میں تھی اور اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے شہر والوں کو جَو اور کھجور کے ساتھ ایثار کرتے ہوں اور اس کو ناپسند کرتے ہوں کہ اپنے لیے اس غذا کو خاص کریں جو عام مسلمانوں کو میسر نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ کریمہ اور آپ کے اخلاقِ جمیلہ کے مشابہ یہی چیز ہے۔

اس حدیث کی توجیہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی جَو کی روٹی کو پیٹ بھر کر نہیں کھایا

اور رہی وہ روایت کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جَو کی روٹی کو کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اکثر اور غالب اوقات میں آپ کو جَو کی روٹی میسر نہیں ہوتی تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وفات سے پہلے تمام عرب کا مالِ فئے آپ کو عطا کر دیا تھا اور آپ کی طرف خراج کے اموال بھی منقول ہوتے تھے اور اکثر بلادِ عجم سے مالِ غنیمت آتا تھا، لیکن اکثر مال آپ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں خرچ کر دیتے تھے اور آپ پیٹ بھر کر کھانے اور زیادہ کھانے کو ناپسند کرتے تھے۔

ضرورت کے وقت اپنی خود تعریف کرنے کا جواز

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے یہ کیونکر جائز ہوا کہ وہ خود اپنی تعریف کریں اور مومن کی شان یہ ہے کہ وہ تواضع کرے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب کوئی مرد اپنی شناخت کرانے کے لیے اور حقیقتِ حال کو واضح کرنے کے لیے اپنی تعریف بیان کرنے کا محتاج ہو تو اس کے لیے اپنی تعریف کرنا جائز ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:

اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ۝ (یوسف)

بے شک میں حفاظت کرنے والا علم والا ہوں O

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۷۶-۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۱۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن التوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
قیس بن سعد کی حدیث کتاب فضائل الصحابہ میں گزر چکی ہے۔ صحیح البخاری: ۳۷۲۸، اور عنقریب صحیح البخاری: ۶۴۵۳ میں آئے گی، اس باب کے تحت کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیشت کس طرح تھی؟ اور یہ حدیث صحیح مسلم کی کتاب الزہد: ۲۹۶۶ اور امام نسائی کی فضائل الصحابہ السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۶۱ امیں گزر چکی ہے۔

''حُبلة'' کا معنی

اس لفظ میں حاء پر پیش ہے اور باء ساکن ہے، یہ ایک پھل ہے جو لوبیا کے مشابہ ہوتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ کانٹے دار درخت کا پھل ہے، اور پہلا قول معروف ہے۔ اور ''اَلْحَبَلَة'' یہ انگور کے درخت کے پتے ہیں، اور الجوہری نے الصحاح میں لکھا ہے کہ ابن فارس نے لکھا ہے: الحبلہ کانٹے دار درخت کا پھل ہے۔ اور ''العضاۃ'' وہ درخت ہے جس میں کانٹے ہوتے ہیں، اور ابن الاعرابی نے کہا ہے کہ الحبلہ کیکر کے درخت کا پھل ہے جو لوبیا کے مشابہ ہے۔
(مشارق الانوار ج ۱ ص ۲۸۸، الصحاح للجوہری ج ۴ ص ۱۶۶۴، مقاییس اللغۃ ص ۲۷۶، کتاب العین ج ۳ ص ۲۳۸)

اس حدیث میں مذکور ہے: ''تعزرنی'' یعنی مجھے ایذاء پہنچاتے، اور یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس لیے کہا کہ بنو سعد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا تھا کہ یہ اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے، تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ مجھے اسلام کے احکام کی تعلیم دیتے ہیں اور اسلام کے آداب سکھاتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں: ''عزر السلطان فلانا'' یعنی جب بادشاہ نے کسی کو ادب سکھایا اور اس کو ٹھیک کر دیا۔
اور الزاہر کی عبارت کی یہ ہے کہ یہ مجھے ''الفقہ'' کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور تعزیر کا اصل معنی ادب سکھانا ہے، اسی وجہ سے حد سے کم کوڑے لگانے کو تعزیر کہتے ہیں اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب اہلِ کوفہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی تھی کہ یہ اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔
اور علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بنو اسد سے ہیں اور یہ بہت تعجب کی بات ہے، کیونکہ عدی بن کعب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبیلہ ہے اور وہ بنو اسد سے نہیں ہیں، پس اگر کہا جائے کہ حضرت سعد نے اپنی مدح کیسے کی حالانکہ مومن کی شان تو تواضع ہے تو میں کہوں گا کہ کبھی انسان اپنی پہچان کرانے کے لیے اپنی تعریف کا محتاج ہوتا ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں ہے:

اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ (یوسف) بے شک میں حفاظت کرنے والا علم والا ہوں O

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے فضائل اور اسلام میں اپنی سابقہ خدمات کو بیان کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جب کہ اہلِ باطل اس کی تنقیص کرتے ہوں اور اس کی شان کم کرتے ہوں اور اس کا اپنے فضائل کو بیان کرنا اپنے اوپر فخر کرنے کی وجہ سے نہ ہو، کیونکہ فخر اور تکبر کی وجہ سے اپنے فضائل کو بیان کرنا ممنوع ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۱۶۷-۱۶۹، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر، ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن ملقن کی شرح وہی ہے جس کو ہم اس سے پہلے علامہ عینی کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ علامہ ابن ملقن علامہ عینی پر مقدم ہیں اور ان کے استاذ ہیں لیکن علامہ عینی نے علامہ ابن ملقن سے بہتر شرح کی ہے اور انہوں نے اپنی شرح میں اس حدیث کی مشکل عبارات کو بھی کھول دیا ہے اور اس کی بھی وضاحت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو تو مختلف ذرائع سے بہت اموال حاصل تھے، پھر انہیں کیکر کے درخت کے پتوں کو کھانے کی کیا ضرورت تھی؟ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۵۴۱۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح میں یہ اضافہ ہے کہ مذکور الصدر سات صحابہ میں سے چار صحابہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے اسلام لائے تھے

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسلام لانے والے صحابہ میں ساتواں تھا، اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص قدیم الاسلام تھے اور اس کا بیان کتاب المناقب میں گزر چکا ہے اور امام ابن ابی خیثمہ نے لکھا ہے کہ سات مذکورین یہ ہیں:

(۱) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳) حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ (۴) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (۵) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ (۶) حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ (۷) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

ان میں سے پہلے چار جو اسلام لائے تھے، وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے اسلام لائے تھے، جن کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بعثت کی ابتداء میں تبلیغ کی تھی اور رہے حضرت علی اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما، تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابتداءِ بعثت میں اسلام لائے تھے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۵۰، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۹۰، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۴۱۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ سَأَلْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ فَقُلْتُ هَلْ أَكَلَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم النَّقِيَّ فَقَالَ سَهْلٌ مَا رَأَى رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم النَّقِيَّ مِنْ حِينَ ابْتَعَثَهُ اللهُ حَتَّى قَبَضَهُ اللهُ قَالَ فَقُلْتُ هَلْ كَانَتْ لَكُمْ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنَاخِلُ قَالَ مَا رَأَى رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مُنْخُلًا مِنْ حِينَ ابْتَعَثَهُ اللهُ حَتَّى قَبَضَهُ اللهُ قَالَ قُلْتُ كَيْفَ كُنْتُمْ تَأْكُلُونَ الشَّعِيرَ غَيْرَ مَنْخُولٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب نے حدیث بیان کی از ابی حازم، انہوں نے کہا: میں نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدہ کھایا ہے؟ تو حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، آپ نے میدہ دیکھا تک نہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دے دی، انہوں نے پوچھا: کیا تمہارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چھلنیاں

قَالَ كُنَّا نَطْحَنُهُ وَنَنْفُخُهُ فَيَطِيرُ مَا طَارَ وَمَا بَقِيَ ثَرَّيْنَاهُ فَأَكَلْنَاهُ.

تھیں؟ انہوں نے کہا کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، آپ نے چھلنیاں نہیں دیکھیں، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دے دی، انہوں نے پوچھا: تو پھر آپ لوگ بغیر چھلنی کے کس طرح جَو کھاتے تھے؟، تو انہوں نے کہا: ہم جَو کو پیستے اور اس کے چھلکے کو پھونک مار کر اڑا دیتے اور جو جَو رہ جاتا اس کی روٹی پکا کر کھا لیتے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۱۰، ۵۴۱۳، سنن ترمذی: ۲۳۶۴، سنن ابن ماجہ: ۳۳۳۵، مسند احمد: ۲۲۳۰۷)

صحیح البخاری: ۵۴۱۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس باب کا عنوان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کیا کھاتے تھے؟ اور اس حدیث میں بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ میدہ کھاتے تھے اور نہ جَو کے آٹے کو چھلنی میں چھان کر کھاتے تھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یعقوب کا ذکر ہے، یہ ابن عبد الرحمٰن القاری ہیں، اور یہ قبیلہ ''القارہ'' سے ماخوذ ہیں، اور یہ بنو زہرہ کے حلیف ہیں اور اس حدیث کی سند میں ابو حازم کا ذکر ہے، اور یہ سلمہ بن دینار ہیں جو حضرت سہل کی حدیث کے راوی ہیں جیسا کہ حضرت سلیمان حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے راوی ہیں، اور یہ حدیث عنقریب گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے بعض الفاظ کے معانی

''مناخل'' اور ''ثرّیناہ'' کے معنی

اس حدیث میں لفظِ مناخل مذکور ہے، یہ منخل کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: چھلنی، علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اس کا معنی غربال ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: منخل، غربال کا غیر ہے، کیونکہ غربال ایسی چھلنی ہے جس سے گندم اور جو وغیرہ کو چھانا جاتا ہے، اور منخل وہ چھلنی ہے جس سے آٹے کو چھانا جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''ثرّیناہ''، اس کا معنی ہے: ہم نے ستو کو پانی کے ساتھ تر کر لیا یا بھگو لیا۔ اس میں اشارہ ہے کہ آٹا گوندھ کر روٹی پکائی جائے اور اس سے مراد صرف یہ ہے کہ جب وہ جَو کو پیستے تو اس کے آٹے کو لے کر اس میں پھونک مار کر اس سے جَو کے چھلکے اڑا دیتے اور جو باقی آٹا بچتا اس کو پانی میں بھگو کر بہ طور ستو کھاتے، اسی طرح ابن الاثیر نے کہا ہے۔

اور الجوہری نے کہا ہے: ''ثریت السویق'' کا معنی ہے: میں نے ستو کو پانی میں بھگو لیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۱۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن التوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
''ثریت السویق تثریة'' اس وقت کہا جاتا ہے جب ستو میں پانی ڈال کر اس کو کیچڑ کی طرح بنالیا جاتا ہے۔ اور ''منخل'' کا معنی ہے: چھلنی۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۱۶۹، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: زیادہ تر شارحین نے اس حدیث کی شرح کو ترک کر دیا ہے، اور اسی طرح اس باب کی دیگر احادیث کی شرح کو بھی ترک کر دیا ہے۔

۵۴۱۴۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّهُ مَرَّ بِقَوْمٍ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ شَاةٌ مَصْلِيَّةٌ فَدَعَوْهُ فَأَبَى أَنْ يَأْكُلَ وَقَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنَ الدُّنْيَا وَلَمْ يَشْبَعْ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح بن عبادہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی از سعید المقبری از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جن کے سامنے بھنی ہوئی بکری تھی، پس انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بلایا، تو انہوں نے اس کو کھانے سے انکار کیا اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اور آپ نے جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔

تنبیہ: بسیار تلاش کے باوجود بھی اس حدیث کی تخریج نہیں مل سکی۔

صحیح البخاری: ۵۴۱۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اس طرح سے ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس وقت حاضر ہوتے تھے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب تنگی معیشت کے ساتھ گزارہ کرتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے اس بکری کے کھانے سے انکار کر دیا جو لوگوں کے سامنے بھنی ہوئی موجود تھی، حالانکہ ان لوگوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کھانے کی دعوت دی تھی، اور یہ انکار دعوت کا انکار نہیں ہے کیونکہ ولیمہ میں جانے سے انکار کرنا ممنوع ہے، اور ہر طعام کو کھانے سے انکار کرنا ممنوع نہیں ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسحاق بن ابراہیم کا ذکر ہے، اس سے مراد ابن راہویہ ہیں، اور ابن ابی ذئب کا ذکر ہے، یہ محمد بن عبدالرحمن بن ابی ذئب ہیں۔ ذئب سے مراد مشہور جانور ہے یعنی بھیڑیا۔ اور اس میں سعید کا ذکر ہے، اور یہ سعید بن ابی سعید ہیں، ان کے والد کا نام ابوسعید کیسان المدنی ہے جو بنولیث کے آزاد شدہ غلام ہیں، ان کو مقبری کہا جاتا ہے کیونکہ یہ مقبرہ یعنی قبرستان

کے قریب رہتے تھے۔ اس حدیث کی روایت میں امام بخاری متفرد ہیں۔

(اسی لیے اس حدیث کی تخریج نہیں کی گئی، کیونکہ دوسرے محدثین نے اس حدیث کی روایت نہیں کی۔ سعیدی غفرلہٗ)

''مصلية'' کا معنی

مصلية کا معنی ہے: مشوية، یعنی بھنی ہوئی۔ بعض شارحین نے کہا ہے: یہ ''الصِلاء'' سے ماخوذ ہے (صاد کے نیچے زیر اور لام پر مد ہے)۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ درست نہیں ہے، ''صليت اللحم'' کا معنی ہے: جب گوشت کو آگ پر پکا کر بھون لیا جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: علامہ ابن ملقن نے بھی مصلية کا معنی اسی طرح لکھا ہے۔ (التوضیح ج ۲۱ ص ۱۷۰، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۴۱۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ حَدَّثَنَا مُعَاذٌ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ يُونُسَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ مَا أَكَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى خِوَانٍ وَلَا فِي سُكُرُّجَةٍ وَلَا خُبِزَلَهُ مُرَقَّقٌ قُلْتُ لِقَتَادَةَ عَلَامَ يَأْكُلُونَ قَالَ عَلَى السُّفَرِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن ابی الاسود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معاذ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از یونس از قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کبھی دستر خوان پر نہیں کھایا اور نہ کبھی رکابی یا پلیٹ پر کھایا اور نہ کبھی آپ کے لیے باریک چپاتی پکائی گئی، میں نے قتادہ سے پوچھا: پھر وہ کس چیز پر کھانا رکھ کر کھاتے تھے؟ تو انہوں نے کہا: وہ چمڑے کے ٹکڑے پر کھانا رکھ کر کھاتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۳۸۶، ۵۴۱۵، ۶۴۵۰، سنن ترمذی: ۱۷۸۸، سنن ابن ماجہ: ۳۲۹۲، مسند احمد: ۱۱۸۱۶)

صحیح البخاری: ۵۴۱۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

میں کہتا ہوں: باب کا عنوان ہے کہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کیا کھاتے تھے؟ اور اس حدیث میں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ وہ کیا کھاتے تھے بلکہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ پتلی چپاتی نہیں کھاتے تھے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ چمڑے کے ٹکڑے پر کھانا رکھ کر کھاتے تھے۔ گویا یہ حدیث باب کے ساتھ من وجہ مطابق ہے، من کل الوجوہ مطابق نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں عبد اللہ بن ابی الاسود کا ذکر ہے، اور یہ عبد اللہ بن محمد بن ابی الاسود ہیں، اور ابو الاسود کا نام حُمید بن الاسود ہے، اور معاذ ابن ہشام الدستوائی ہیں جو اپنے والد ہشام سے روایت کرتے ہیں، اور یونس وہ ابن ابی الفراس القرشی ہیں۔

یہ حدیث باب الخبز المرقق میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۱۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ ﷺ مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِينَةَ مِنْ طَعَامِ الْبُرِّ ثَلَاثَ لَيَالٍ تِبَاعًا حَتَّى قُبِضَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از ابراہیم از الاسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ جب سے نبی ﷺ مدینہ میں آئے، محمد ﷺ کی آل نے مسلسل تین راتیں گندم کو نہیں کھایا حتیٰ کہ آپ ﷺ کی وفات ہوگئی۔

(صحیح البخاری: ۶۴۵۴، صحیح مسلم: ۲۹۷۰، سنن نسائی: ۴۴۳۲، سنن ابن ماجہ: ۳۳۴۴، مسند احمد: ۲۴۱۶۳)

صحیح البخاری: ۵۴۱۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

جریر سے مراد ابن عبد الحمید ہیں، اور منصور سے مراد ابن المُعتمر ہیں، اور ابراہیم سے مراد النخعی ہیں اور اسود سے مراد ابن یزید النخعی ہیں جو ابراہیم النخعی کے ماموں ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''طعام البرّ'' اس میں عام کی اضافت خاص کی طرف ہے یا اضافتِ بیانیہ ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''شجرۃ العراک'' یعنی پیلو کا درخت۔ اسی طرح ''طعام البرّ'' کا معنی ہے: گندم کا طعام۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''تباعا'' یعنی مسلسل تین راتیں یا مسلسل تین دن آپ نے اور آپ کی آل نے گندم کی روٹی نہیں کھائی، حتیٰ کہ آپ کی وفات ہوگئی۔

اور بھوک کو اور کم کھانے کو اختیار کرنا باوجود اس کے کہ زیادہ کھانے کے وسائل میسر تھے اور کبھی آپ بھوک برداشت کرتے اور کبھی کچھ زیادہ کھا لیتے تو یہ صحابہ اور تابعین کی سیرت ہے۔

پیٹ بھر کر کھانے کی مذمت کے متعلق احادیث اور آثار

عون بن ابی جُحیفہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے گھی میں ڈوبا ہوا ثرید کھایا، پھر میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور میں ڈکار لے رہا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو جُحیفہ! اپنی ڈکار بند کرو، کیونکہ اکثر جو لوگ دنیا میں پیٹ بھر کر کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن بھوکے اٹھیں گے، پھر اس کے بعد حضرت ابو جُحیفہ رضی اللہ عنہ نے کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا حتیٰ کہ دنیا سے رخصت ہو گئے، اور حضرت ابو جُحیفہ رضی اللہ عنہ جب صبح ناشتہ کرتے تو رات کو کھانا نہیں کھاتے تھے اور جب رات کو کھانا کھاتے تو صبح ناشتہ نہیں

کرتے تھے۔

اور وہب بن کیسان نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مجھ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی، اور میرے پاس گوشت تھا جس کو میں نے ایک درہم سے خریدا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ میں نے کہا: اے امیر المومنین! یہ گوشت ہے جس کو میں نے بچوں اور عورتوں کے لیے خریدا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص کسی چیز کی خواہش کرے گا وہ اس کی مصیبت میں مبتلا ہوگا، تمہاری توجہ اس آیت کی طرف نہیں ہے:

وَ يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۟ (الاحقاف)

اور جس دن کفار کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا (تو ان سے کہا جائے گا:) تم اپنی لذیذ چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے ہو اور ان سے فائدہ اٹھا چکے ہو، پس آج تم کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا، کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور کیونکہ تم نافرمانی کرتے تھے O

میں کہتا ہوں: اگرچہ یہ آیت کفار کے متعلق ہے لیکن اس آیت میں کفار پر وعید اس لیے ہے کہ وہ اپنی پسند کی چیزیں دنیا میں کھاتے تھے، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو گوشت کھانے سے منع فرمایا، اور یہ زُہد اور دنیا سے بے رغبتی کی وجہ سے ہے۔

اور ابن سیرین نے بیان کیا ہے کہ ایک مرد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں جوارش کو استعمال کرتا ہوں، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے پوچھا: وہ جوارش کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ ایک دوائی ہے جس سے کھانا جلدی ہضم ہوتا ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ میں نے چار مہینے سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا اور اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ مجھے کھانا میسر نہیں تھا لیکن میں ایسے لوگوں میں رہا ہوں جو کبھی پیٹ بھر کر کھاتے تھے اور کبھی بھوکے رہتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۷۹-۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۱۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ آپ نے تین دن گندم نہیں کھایا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے کبھی جَو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی، ان دونوں حدیثوں میں تعارض کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ "سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل نے جب سے آپ مدینہ میں آئے مسلسل تین راتیں گندم کو نہیں کھایا" اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اور آپ نے کبھی جَو کی روٹی سے پیٹ بھر کر نہیں کھایا"۔ سو یہ ہوسکتا ہے کہ کبھی آپ کھاتے ہوں لیکن سیر ہو کر نہ کھاتے ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس چیز کا علم ہو جس کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو علم نہیں تھا۔

اور اس کے بعد امام بخاری نے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل نے کبھی تین دن روٹی سالن کے ساتھ نہیں کھائی۔

اس سوال کا جواب کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہ کثرت اموالِ فئے آتے تھے تو پھر آپ کیوں تین تین دن پیٹ بھر کر نہیں کھاتے تھے؟

امام ابوجعفر طبری نے کہا ہے کہ ان احادیث کی کیا توجیہ ہوگی جن میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی تین دن مسلسل پیٹ بھر کر نہیں کھایا؟، جب کہ صحیح احادیث سے یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنونضیر اور فدک سے اموالِ فئے حاصل ہوئے تھے جن سے آپ اپنی اور اپنے عیال کی ایک سال کی خوراک جمع کرتے تھے، اور آپ نے تقریباً ایک ہزار اونٹ اموالِ فئے کے اپنے حصے میں سے اور اموالِ ہوازن سے تقسیم کیے، اور آپ نے حجۃ الوداع میں ایک سو (۱۰۰) اونٹوں کو نحر کیا اور مساکین کو کھلایا، اور آپ اس اعرابی کے لیے حکم دیتے جو اسلام قبول کرتا کہ اس کو بکری کا گوشت دیا جائے، اور آپ کے اصحاب میں سے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت فاروق، حضرت عثمان وغیرہم رضی اللہ عنہم، بہت مالدار تھے اور وہ اپنے اموال کو اپنی ضروریات اور اپنی اولاد پر خرچ کرتے تھے، اور اپنے اموال میں سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے تھے اور انصار بھی اپنے اموال میں سے مہاجرین پر خرچ کرتے تھے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسے خرچ نہ کرتے حالانکہ آپ کو شدید ضرورت تھی۔

پھر امام طبری نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ تمام احادیث صحیح ہیں اور ایسا وقتاً فوقتاً ہوتا تھا، کیونکہ بعض اوقات گھریلو اخراجات اور مہمانوں کی مہمان داری اور وفود کی تواضع میں بہت زیادہ مال خرچ ہوجاتا تھا اور ایسا کیوں نہ ہوتا کیوں کہ ہم نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہمیں صدقہ دینے کا حکم دیا گیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا پورا مال لے آئے، تو اسی طرح ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ اموالِ فئے اور اموالِ فدک سے ایک سال کی خوراک حاصل ہوتی تھی لیکن وہ اکثر اموال کو خرچ کردیتے تھے۔

اور اسی سیرت کے مطابق یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا گیا کہ انہوں نے غزوۂ تبوک کے لشکر میں اپنا بہت زیادہ مال دیا۔ اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ دینے کی ترغیب دی تو وہ چار ہزار دینار صدقہ لے کر آئے، اور یہ معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے یہ اخلاق اور افعال اس طرح تھے کہ کبھی ان کے پاس مال زیادہ ہوتا تو وہ راہِ خدا میں خرچ کردیتے اور کبھی ان کے پاس مال کم ہوتا تو تین دن مسلسل پیٹ بھر کر نہیں کھاتے تھے۔

اور وہ جو روایت میں ہے کہ آپ نے تین دن مسلسل گندم نہیں کھایا حتیٰ کہ آپ کی وفات ہوگئی، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس گندم کی مقدار کم تھی اور غالب ان کی خوراک جَو اور کھجوریں تھیں اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ ان کے اور ان کے اہل وعیال کے پاس ایک سال کی خوراک موجود ہو۔

اور وہ جو روایت ہے کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے اور آپ نے جَو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی تو یہ بھی بعض احوال میں ہوتا تھا، اور یہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات سے پہلے بہ کثرت اموالِ فئے عطا کئے اور تمام عرب کے شہروں سے آپ کی طرف خراج لاکر پیش کیا جاتا تھا، جیسے ایلۃ اور بحرین اور حجر وغیرہ سے، لیکن آپ ان اموال میں سے اللہ کے حقوق کو ادا کرتے اور آپ پیٹ بھر کر کھانے کو ناپسند کرتے تھے، جیسا کہ حضرت عامر جہنی بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو لوگ دنیا میں پیٹ بھر کر کھاتے ہیں ان میں سے اکثر قیامت کے دن بھوکے ہوں گے۔ اسی طرح

حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو جُحیفہ رضی اللہ عنہ کو ڈکار لینے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا: اے ابو جُحیفہ! ہمارے سامنے ڈکار نہ لو، کیونکہ اکثر جو لوگ دنیا میں پیٹ بھر کر کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن بہت زیادہ بھوکے ہوں گے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۱۷۰-۱۷۳، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۲۴۔ بَابُ: التَّلْبِينَةِ — التلبینہ (دودھ کے مشابہ طعام)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ''التلبینہ'' کا ذکر ہے، (اس میں تاء پر زبر ہے اور لام پر جزم ہے اور باء کے نیچے زیر ہے اور یاء ساکن ہے اور آخر میں نون ہے)۔ یہ وہ طعام ہے جو آٹے یا بھوسی سے بنایا جاتا ہے اور بعض اوقات اس میں شہد بھی ڈالا جاتا ہے، اس کو التلبینہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ سفید ہونے میں اور پتلے ہونے میں دودھ کے مشابہ ہوتا ہے، اور جو اس میں رقیق ہو اور پکا ہوا ہو، وہ نفع آور ہوتا ہے اور جو گاڑھا اور کچا ہو، وہ نفع آور نہیں ہوتا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ''التلبینہ'' سے مراد ''الحساء'' ہے، یعنی وہ طعام جو آٹے یا بھوسی میں پانی ملا کر پتلا پتلا تیار کیا جاتا ہے، اور اس کو ''التلبین'' بھی کہتے ہیں، کیونکہ یہ سفیدی میں دودھ کے مشابہ ہو، پس اگر یہ پتلا نہ ہو اور گاڑھا ہو تو اس کو الخزیرہ کہتے ہیں، اور کبھی اس میں شہد اور دودھ بھی ڈالا جاتا ہے۔

علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: ''التلبین'' اور التلبیہ وہ خوراک ہے جو آٹے سے بنائی جاتی ہے: اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کو پانی اور تیل سے بنایا جاتا ہے اور کبھی یہ میٹھا ہوتا ہے اور کبھی پتلا ہوتا ہے اور اس کو چاٹ چاٹ کر کھایا جاتا ہے یا گھونٹ گھونٹ بھر کر پیا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۰، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۴۱۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهَا كَانَتْ إِذَا مَاتَ الْمَيِّتُ مِنْ أَهْلِهَا فَاجْتَمَعَ لِذٰلِكَ النِّسَاءُ ثُمَّ تَفَرَّقْنَ إِلَّا أَهْلَهَا وَخَاصَّتَهَا أَمَرَتْ بِبُرْمَةٍ مِنْ تَلْبِينَةٍ فَطُبِخَتْ ثُمَّ صُنِعَ ثَرِيدٌ فَصُبَّتِ التَّلْبِينَةُ عَلَيْهَا ثُمَّ قَالَتْ كُلْنَ مِنْهَا فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ التَّلْبِينَةُ مُجِمَّةٌ لِفُؤَادِ الْمَرِيضِ تَذْهَبُ بِبَعْضِ الْحُزْنِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عُقیل از ابن شہاب از عُروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ، وہ بیان کرتی ہیں: جب کسی گھر میں کوئی فوت ہو جاتا تو اس کی تعزیت کے لیے عورتیں جمع ہوتیں، پھر متفرق ہو جاتیں، سوا گھر والوں کے اور مخصوص افراد کے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک پتیلی میں تلبینہ بنانے کا حکم دیتیں، سو اس کو جوش دیا جاتا، پھر اس کے اوپر ثرید (گوشت والے سالن میں ڈالے ہوئے روٹی کے ٹکڑے) ڈالا جاتا، پھر اس کے اوپر التلبینہ ڈالا جاتا، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتیں: اس سے کھاؤ، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''التلبینہ'' مریض کے

دل کو سکون پہنچاتا ہے اور کچھ غم کو دور کرتا ہے۔

(صحیح البخاری:۵۶۸۹،۵۶۹۰،صحیح مسلم:۲۲۱۶،مسند احمد:۲۳۹۹۱)

صحیح البخاری:۵۴۱۷،کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''مَجَمَّةٌ'' کا معنی

''مَجَمَّةٌ'' میں (میم پر زبر ہے اور جیم پر بھی زبر ہے اور دوسری میم مشدد ہے اور اس پر بھی زبر ہے)۔اس کا معنی ہے: آرام کی جگہ۔یعنی اس سے مریض کے دل کو راحت پہنچتی ہے۔اور یہ لفظ ''مُجِمَّةٌ'' بھی پڑھا گیا ہے (یعنی میم پر پیش اور جیم کے نیچے زیر) اس کا معنی ہے: راحت دینے والی چیز، کہا جاتا ہے: ''جَمَّ الْفَرَسُ'' جب گھوڑے کی تھکاوٹ دور ہو جائے، اور جمام کے معنی ہیں راحت۔

عبداللطیف نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ''الفؤاد'' سے مراد ہے معدہ کا سر، کیونکہ جب معدہ خشک ہو اور اس میں جگہ کم ہو تو انسان غمگین ہوتا ہے اور یہ غذا معدہ کو تر کرتی ہے اور اس کو طاقت دیتی ہے اور اس طرح مریض کے دل کو راحت پہنچتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری:۵۴۱۷،کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن التوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کسی کو بخار آتا تو آپ ''الحِساء'' بنانے کا حکم دیتے یعنی آٹے اور پانی سے بنی ہوئی پتلی خوراک جو پکی ہوئی ہو، پھر اس کو بنایا جاتا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے کہ اس کو گھونٹ گھونٹ بھر کر پیو، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ یہ ''الحِساء'' غمگین دل کو خوشگوار کرتا ہے اور بیمار کے دل کو خوش کرتا ہے جیسا کہ تم میں کوئی شخص اپنے چہرہ پر پانی ڈال کر میل کو دور کر کے خوش ہوتا ہے۔

(سنن ترمذی:۲۰۳۹، سنن ابن ماجہ:۳۴۴۵، سنن کبریٰ للنسائی ج ۴ ص ۳۷۲، مسند احمد: ج ۶ ص ۳۲، حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۲۲۸)

اور امام ابو نعیم کی روایت میں ہے: جب آپ کے گھر میں سے کوئی بیمار ہوتا تو دیگچی کو آگ پر رکھ دیا جاتا حتیٰ کہ آدھا پانی خشک ہو جاتا۔(سنن ابن ماجہ:۳۴۴۶، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۴ ص ۳۷۲، مسند احمد: ج ۶ ص ۷۹)

اور اسحاق بن ابی طلحہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''التلبین'' ہر بیماری میں شفاء ہے۔

(الطب النبوی ج ۲ ص ۴۳۵)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں میں سے کوئی بیمار ہوتا تو ہم پتیلی کو چولہے پر رکھ دیتے، پھر اس میں گندم اور گھی ڈالتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے سینے میں سختی کی اور سر میں درد کی شکایت کی، تو آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ''التلبین'' بنا کر چاٹو، کیونکہ اس میں اس کا علاج ہے۔
ابونعیم نے کہا: ''التلبینہ'' خالص آٹا ہے اور دوسری قوموں نے کہا کہ اس میں چربی ملی ہوئی ہوتی ہے۔
(الطب النبوی ج ۲ ص ۴۳۵)

الاصمعی نے کہا ہے کہ 'حِساء'' ایک خوراک ہے جو آٹے یا بھوسی سے بنائی جاتی ہے اور اس میں شہد ڈالا جاتا ہے، ابن قتیبہ نے کہا: میرا گمان یہ ہے کہ اس کو تلبینہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ سفیدی اور رِقت میں دودھ کے مشابہ ہے۔
(لسان العرب ج ۷ ص ۳۹۹۱، مادہ: لبن)

اور عبداللطیف بغدادی نے کہا ہے کہ ''الحِساء'' وہ رقیق خوراک ہے جو دودھ کے قوام میں بنائی جاتی ہے اور یہ بیماروں کے لیے نفع آور ہے جب کہ پتلا اور پکا ہوا ہو نہ کہ غلیظ اور کچا۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۱۷۶-۱۷۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے ''التلبینۃ'' کی شرح میں اسی طرح لکھا ہے۔
(فتح الباری ج ۹ ص ۵۵۰، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۹۰، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

غیر مقلد عالم شیخ محمد داؤد راز لکھتے ہیں:
''التلبینۃ'' آٹے اور دودھ سے یا بھوسی اور دودھ سے بنایا جاتا ہے، اس میں شہد بھی ڈالتے ہیں اور گوشت کے شوربہ میں روٹی کے ٹکڑے ڈال کر پکائیں تو اسے ثرید کہتے ہیں اور کبھی اس میں گوشت بھی شریک رہتا ہے۔
(شرح صحیح بخاری ج ۷ ص ۱۴۰، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۰۴ئ)

۲۵۔ بَابُ: الثَّرِيدِ — ثرید کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں ثرید کا ذکر کیا جائے گا اور باقی کھانوں پر اس کی فضیلت کا ذکر کیا جائے گا۔ ثرید کے اسم میں ثاء کے اوپر زبر ہے اور راء کے نیچے زیر ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ روٹی کے ٹکڑے گوشت کے سالن میں ڈال دیے جائیں۔
علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ ثرید غالباً گوشت سے بنایا جاتا ہے، اور عرب بہت کم ثرید کے بغیر کھانا کھاتے ہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۱، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۱۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ الْجَمَلِيِّ عَنْ مُرَّةَ الْهَمْدَانِيِّ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كَمَلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَآسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ وَفَضْلُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عمرو بن مرہ الجملی از مرہ الہمدانی از حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں میں تو بہت لوگ کامل

عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ۔ ہیں اور عورتوں میں سوائے مریم بنت عمران کے اور آسیہ زوجہ فرعون کے کوئی کامل نہیں ہے، اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت باقی کھانوں پر ہے۔

(صحیح البخاری:۳۴۱۱، ۳۴۳۳، ۳۷۶۹، ۵۴۱۸، صحیح مسلم:۲۴۳۱، سنن ترمذی: ۱۸۳۴، سنن نسائی: ۳۹۴۷، سنن ابن ماجہ: ۳۲۸۰، مسند احمد: ۱۹۰۲۹)

صحیح البخاری: ۵۴۱۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں ثرید کے کھانے کی فضیلت کا بیان ہے، اور باب کا عنوان بھی ثرید ہے، اس وجہ سے اس کی مطابقت باب کے ساتھ ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں غندر کا ذکر ہے، یہ محمد بن جعفر کا لقب ہے، اور اس حدیث کی سند میں عمرو بن مُرّہ کا ذکر ہے، اس میں میم پر پیش ہے اور راء پر تشدید ہے، اور اس کی سند میں الجملی کا ذکر ہے، اس لفظ میں جیم پر زبر ہے اور یہ جمل کی طرف نسبت ہے جو قبیلہ مراد کی ایک شاخ ہے، اور مرہ الہمدانی کا ذکر ہے، اس میں بھی میم پر پیش ہے اور راء پر تشدید ہے، یہ ابن شراحیل الہمدانی الکوفی ہیں، اور حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، ان کا نام عبداللہ بن قیس ہے۔

یہ حدیث کتاب الانبیاء میں اس باب میں گزر چکی ہے: وَإِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ (آل عمران: ۴۲) اور اس کی شرح وہاں گزر چکی ہے۔

علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ "عائشہ کی فضیلت ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت باقی کھانوں پر" اس سے آپ کی مراد معین ثرید نہیں ہے بلکہ اس سے آپ کی مراد وہ کھانا ہے جو گوشت اور روٹی کے ٹکڑوں کے ساتھ بنایا گیا ہو۔

حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی باہمی فضیلت کا بیان

التوضیح میں علامہ ابن ملقن نے کہا ہے کہ اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا پر فضیلت ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے افضل ہیں، کیونکہ حضرت فاطمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا حصہ ہیں اور آپ کے جسم کے برابر اور کوئی چیز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۱۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر افضل ہیں اور میری رائے یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

افضل ہیں، کیونکہ حضرت فاطمہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جز ہیں اور آپ کے جز کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔
علامہ سبکی نے کہا ہے کہ ہم دیانت داری سے یہ سمجھتے ہیں کہ سب سے افضل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، اور اس مسئلہ میں اختلاف مشہور ہے، لیکن حق کی پیروی کرنا واجب ہے اور شیخ ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت خدیجہ کے درمیان فضیلت کی جہات متقارب ہیں، گویا ان کی رائے توقف ہے، اور شیخ ابن القیم نے کہا ہے کہ اس پر اجماع قائم ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں اور حضرت عائشہ اور حضرت خدیجہ کے درمیان اختلاف باقی ہے۔
(حاشیۃ التوضیح ج ۲۶ ص ۱۸۱)

صحیح البخاری: ۵۴۱۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام بخاری نے اس باب میں تین احادیث ذکر کی ہیں، پہلی اور دوسری حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور حضرت انس سے حضرت عائشہ کی فضیلت میں مروی ہے اور پہلی دو حدیثیں کتاب المناقب میں گزر چکی ہیں اور احادیث الانبیاء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں گزر چکی ہیں جہاں پر فرعون کی بیوی کا ذکر کیا گیا تھا اور حضرت مریم کا ذکر کیا گیا ہے، اور اس حدیث کی شرح وہاں گزر چکی ہے۔
امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سحری میں برکت کی دعا کی اور ثرید میں برکت کی دعا کی اور اس کی سند میں ضُعف ہے۔
(فتح الباری ج ۹ ص ۵۵۱، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۹۱، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری ۵۴۱۸، کی شرح از علامہ قسطلانی

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی باہمی فضیلت کے متعلق علامہ قسطلانی شافعی کی رائے

اس حدیث میں ثرید کی باقی کھانوں پر افضلیت کا ذکر ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ثرید ہر جہت سے تمام کھانوں سے افضل ہو، نیز اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دیگر خواتین پر فضیلت ہے لیکن جو زیادہ ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جز ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جز کے برابر اور کوئی چیز نہیں ہے۔
علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ جنت میں حضرت عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ہوں گی اور حضرت مریم عیسیٰ علیہم السلام کے ساتھ ہوں گی اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا درجہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درجہ سے اونچا ہے، پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا درجہ زیادہ اعلیٰ ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ وہی افضل ہیں۔ (ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ج ۱۲ ص ۲۰۸، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۱۸، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پر ہے اور فضیلت کا سبب صفاتِ کمال ہوتی ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمام عورتوں سے زیادہ عالمہ تھیں بلکہ اکثر صحابہ کرام سے بھی زیادہ عالمہ تھیں، کیونکہ صحابہ کرام اکثر معاملات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف رجوع کرتے تھے، مگر زیادہ ظاہر یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ سے افضل ہیں، کیونکہ حضرت فاطمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جز ہیں اور اسی طرح حضرت مریم کے استثناء سے بھی معلوم ہوتا ہے، علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گی اور حضرت مریم عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوں گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مرتبہ سے اونچا ہے، اس سے لازم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت حضرت مریم سے زیادہ ہو، لیکن یہ دلیل ضعیف ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات آپ کے ساتھ ہوں گی، علاوہ ازیں حضرت مریم بھی جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گی کیونکہ وہ آپ کی زوجہ ہوں گی۔ (الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری ج ۹ ص ۱۰۷، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری ۵۴۱۸، کتاب النفقات کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''ثرید'' کا مصداق

جس روٹی میں گوشت ہو، وہ ثرید ہے، عام ازیں کہ روٹی خفیف ہو یا رقیق ہو اور اس بناء پر جس شوربہ میں گوشت ہو، وہ بھی ثرید میں معتبر ہوتا ہے، اسی طرح جو چپاتیاں خواہ وہ خفیف ہوں یا تر ہوں، جب اس میں گوشت ہو تو وہ بھی ثرید ہے۔

سوال: اس حدیث میں کہا ہے کہ عورتوں میں کامل صرف مریم بنت عمران ہیں اور آسیہ زوجہ فرعون ہیں، اس حدیث میں کمال سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ دین اور عقل میں کمال مراد ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۱۶، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۴۱۹۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي طُوَالَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن عون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی از ابی طوالہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۷۷۰، ۵۴۱۹، ۵۴۲۸، صحیح مسلم: ۲۴۴۶، سنن ترمذی: ۳۸۸۷، سنن نسائی: ۳۹۴۷، سنن ابن ماجہ: ۳۲۸۱، مسند احمد: ۱۳۳۷۴، سنن دارمی: ۲۰۶۹)

تنبیہ: اس حدیث کی شرح پہلے گزر چکی ہے۔

۵۴۲۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيرٍ سَمِعَ أَبَا حَاتِمٍ الْأَشْهَلَ بْنَ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ دَخَلْتُ مَعَ النَّبِيِّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن مُنیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے ابو حاتم الاشہل بن حاتم سے سنا، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عون نے حدیث بیان کی از

ﷺ عَلٰى غُلَامٍ لَهُ خَيَّاطٍ فَقَدَّمَ إِلَيْهِ قَصْعَةً فِيهَا ثَرِيدٌ قَالَ وَأَقْبَلَ عَلٰى عَمَلِهِ قَالَ فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ قَالَ فَجَعَلْتُ أَتَتَبَّعُهُ فَأَضَعُهُ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالَ فَمَا زِلْتُ بَعْدُ أُحِبُّ الدُّبَّاءَ

ثمامہ بن انس از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ آپ کے ایک غلام کے پاس گیا جو درزی تھا، اس نے آپ کے سامنے ایک پیالہ میں ثرید کو پیش کیا اور اپنے کام پر چلا گیا، پس نبی ﷺ اس سالن میں سے لوکی کے قتلوں کو تلاش کر رہے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: سو میں بھی اس دن سے لوکی کے قتلوں کو تلاش کر کے لوکی کے قتلوں کو آپ کے سامنے رکھتا ہوں اور انہوں نے کہا: میں اس دن کے بعد سے لوکی سے یعنی کدو سے محبت کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۲۰۹۲، ۵۳۷۸، ۵۴۲۰، ۵۴۳۳، ۵۴۳۵، ۵۴۳۶، ۵۴۳۷، ۵۴۳۹، صحیح مسلم: ۲۰۴۱، سنن ترمذی: ۱۸۵۰، سنن ابوداؤد: ۳۷۸۲، مسند احمد: ۱۲۴۵۰، موطا امام مالک: ۱۱۶۱، سنن داری: ۲۰۵۰)

صحیح البخاری: ۵۴۲۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نبی ﷺ کے غلام کا ذکر ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: کہ یہ نہیں پتا چل سکا کہ اس غلام کا نام کیا تھا۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب سے میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوکی کے قتلے تلاش کر رہے تھے، اس دن سے میں لوکی کے قتلوں سے محبت کرتا ہوں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۲۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ثرید کی فضیلت

ثرید سب سے عمدہ کھانا ہے اور اس میں سب سے زیادہ برکت ہے، اور یہ عرب کا کھانا ہے اور شارح علیہ السلام نے تمام کھانوں پر اس کی فضیلت کی شہادت دی ہے۔

حضرت مریم اور حضرت عائشہ اور نبی ﷺ کی دیگر ازواج کی باہمی فضیلت میں تفصیل اور بحث

اور نبی ﷺ نے فرمایا: کہ حضرت مریم اور آسیہ کامل ہیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کی شہادت دی ہے۔ اور اس فضیلت میں حضرت مریم اور آسیہ بھی داخل ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت مریم کی فضیلت نصِ قرآن سے ثابت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مختارہ فرمایا۔ اور ان کو کفر سے اور حیض اور نفاس کی نجاست سے مطہرہ قرار دیا اور ان کو تمام زمانے کی عورتوں پر فضیلت دی، اس لیے یہ دلیل ہے کہ حضرت مریم تمام دنیا کی عورتوں سے افضل ہیں کیونکہ عالمین عالم کی جمع ہے اور حضرت مریم

اور ان کے بیٹے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانی قرار دیا، کیونکہ حضرت مریم سے حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے اور اس میں کسی مرد کا دخل نہیں تھا، حضرت جبریل حضرت مریم کے پاس آئے اور کسی اور عورت کے پاس حضرت جبرائیل نہیں گئے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهَا رُوْحَنَا (مریم:۱۷) ہم نے ان کے پاس اپنے فرشتے کو بھیجا۔

اور ایک جماعت کا مختار یہ ہے کہ حضرت مریم نبیہ ہیں، ان میں سے ابن وہب، ابو اسحاق، الزجاج، ابو بکر بن اللباد ہیں، اس بناء پر، پس اس حدیث کا اول علی العموم ہے حضرت مریم اور آسیہ کے بارے میں اور اس حدیث کا آخر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے مخصوص ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت مریم تو تمام جہان کی عورتوں سے افضل ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس زمانہ کی یا اس جہان کی عورتوں سے بالخصوص افضل ہیں۔

اور دوسری جماعت نے اس کا انکار کیا اور کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پر ہے، اور وہ حضرت مریم کی نبوت کا قول نہیں کرتے اور نہ کسی اور عورت کو نبی مانتے ہیں۔ اور انہوں نے کہا: اس حدیث کا آخر عموم پر محمول ہے اور اس حدیث کا اول خصوص پر محمول ہے۔ یعنی حضرت مریم کی فضیلت علی العموم ہے اور حضرت عائشہ کی فضیلت علی الخصوص ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ (آل عمران) اے مریم! بے شک اللہ نے تمہیں منتخب کر لیا اور تمہیں پاک کر دیا اور تمہیں تمام جہانوں کی عورتوں پر برگزیدگی دی O

یعنی حضرت مریم کو ان کے زمانہ کی تمام عورتوں پر فضیلت دی۔ اور یہ حسن بصری اور ابن جریج کا قول ہے۔ اور اس حدیث میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا بیان ہے اس کا معنی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمام دنیا کی عورتوں پر افضل ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے متعلق فرمایا:

كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران:۱۱۰) جو امتیں لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہیں، تم ان سب میں بہترین امت ہو۔

اس خطاب سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمان تمام امتوں سے افضل ہیں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (البقرہ:۱۴۳) اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا۔

اور ''الوسط'' کا معنی ہے: ''العدل''، سو اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کی افضلیت کی شہادت دی ہے اور اس کو معین کر دیا ہے تو یہ اس سے افضل ہے جس کی پچھلی امتوں میں فضیلت بیان کی گئی ہے اور اس تاویل کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے:

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (الاحزاب:۳۲) اے نبی کی بیویو! تم (عام) عورتوں میں سے کسی ایک کی (بھی) مثل نہیں ہو۔

تو اس آیت کے الفاظ کے عموم میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ان سے پہلی عورتوں پر بھی افضل ہیں اور ان کے بعد کی عورتوں پر بھی افضل ہیں۔

اور اس پر اجماع ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں، اسی طرح آپ کی ازواج مطہرات بھی تمام دنیا

کی عورتوں سے افضل ہیں، اور یہ بھی صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ کی ازواج آپ کے ساتھ جنت میں ہوں گی، اور حضرت مریم اپنے بیٹے اور اپنی ماں کے ساتھ جنت میں ہوں گی اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت میں درجہ ان تمام درجات سے بلند و بالا ہے اور فضیلت کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی زیادہ بہتر جاننے والا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۱۸۲-۱۸۳، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر، ۱۴۲۹ھ)

۲۶۔ بَابُ: شَاةٍ مَسْمُوطَةٍ وَالْكَتِفِ وَالْجَنْبِ

کھال سمیت بھنی ہوئی بکری اور کندھے اور پسلی کے گوشت کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں کھال سمیت بھنی ہوئی بکری اور کندھے کا ذکر ہے، اور ان دونوں چیزوں کا اس باب کی دو حدیثوں میں ذکر ہے۔ لیکن پسلی کے گوشت کا اس حدیث میں بیان نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان دونوں حدیثوں میں پسلی کے گوشت کا ذکر نہیں ہے، اس عنوان سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھنا ہوا پسلی کا گوشت پیش کیا، آپ نے اس سے کھایا۔ پھر آپ نماز کی طرف کھڑے ہو گئے، اس حدیث کی امام ترمذی نے روایت کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۲۲، دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۹۴، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی شرح سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر کو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ امام بخاری نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے؟ حالانکہ اشارہ تو صرف حاضر کے لیے ہوتا ہے اور باب کے ساتھ مناسبت کے لیے زیادہ بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ امام بخاری نے پسلی کا ذکر طبعاً کر دیا اور اس کو کندھے اور بھنی ہوئی بکری کے ساتھ ملا دیا اگرچہ حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۲، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۲۱۔ حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا هَمَّامُ بْنُ يَحْيَى عَنْ قَتَادَةَ قَالَ كُنَّا نَأْتِي أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضى الله عنه وَخَبَّازُهُ قَائِمٌ قَالَ كُلُوا فَمَا أَعْلَمُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم رَأَى رَغِيفًا مُرَقَّقًا حَتَّى لَحِقَ بِاللهِ وَلَا رَأَى شَاةً سَمِيطًا بِعَيْنِهِ قَطُّ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ہدبۃ بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام بن یحییٰ نے حدیث بیان کی از قتادہ، انہوں نے کہا کہ ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان کے پاس ان کا باورچی بھی کھڑا ہوا تھا، انہوں نے کہا: کھاؤ! پس میں نہیں جانتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پتلی

چپاتی دیکھی ہو، حتیٰ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ واصل ہو گئے، اور نہ کبھی آپ نے اپنی آنکھ سے مسلّم بھنی ہوئی بکری دیکھی۔

(صحیح البخاری: ۵۳۸۵، ۵۴۲۱، ۶۴۵۷، سنن ترمذی: ۲۲۶۳، سنن ابن ماجہ: ۳۳۳۹، مسند احمد: ۱۱۸۸۷)

صحیح البخاری: ۵۴۲۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث عنقریب گزر چکی ہے جس باب میں پتلی روٹی کا بیان تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ مجھے علم نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پتلی چپاتی دیکھی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نفی علم کا ذکر کیا ہے اور ان کی مراد نفی معلوم ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ مُسلّم بھنی ہوئی بکری کو کھانا جائز ہے، اور آپ نے مُسلّم بھنی ہوئی بکری نہیں دیکھی، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نے بکری کا کوئی عُضو بھنا ہوا نہ دیکھا ہو اور نہ کھایا ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۲۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ الضَّمْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَحْتَزُّ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ فَأَكَلَ مِنْهَا فَدُعِيَ إِلَى الصَّلَاةِ فَقَامَ فَطَرَحَ السِّكِّينَ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از زہری از جعفر بن عمرو بن امیہ الضمری از والد خود، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکری کے بازو سے گوشت کاٹ رہے تھے، پھر آپ نے اس سے کھایا، پھر نماز کی اذان کہی گئی تو آپ نے چھری پھینک دی اور پھر آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

(صحیح البخاری: ۲۰۸، ۶۷۵، ۲۹۲۳، ۵۴۰۸، ۵۴۲۲، ۵۴۶۲، صحیح مسلم: ۳۵۵، سنن ترمذی: ۱۸۳۶، سنن دارمی: ۷۲۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گوشت کو چھری سے کاٹ کر کھانا جائز ہے اور بعض احادیث میں ہے کہ آپ دانتوں سے کاٹ کر گوشت کو کھا رہے تھے، اور یہ کہ کھانا کھاتے وقت اگر اذان ہو جائے تو کھانا چھوڑ کر نماز پڑھنے کے لیے جانا چاہیے، یہی آپ کی سنت ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس حدیث کی مفصل شرح اس سے پہلے گزر چکی ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۲۷۔ بَابٌ: مَا كَانَ السَّلَفُ يَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِهِمْ وَأَسْفَارِهِمْ مِنَ الطَّعَامِ وَاللَّحْمِ وَغَيْرِهِ

سلف صالحین اپنے گھروں میں اور اپنے سفر وغیرہ میں کھانے اور گوشت وغیرہ کا جو ذخیرہ کرتے تھے، اس کا بیان

وَقَالَتْ عَائِشَةُ وَأَسْمَاءُ صَنَعْنَا لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَبِي

حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ ہم نے نبی

بَكْرٍ سُفْرَةً۔ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے کھانا تیار کر کے دستر خوان پر رکھا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں بیان کیا گیا ہے کہ سلف صالحین صحابہ اور تابعین اپنے گھروں میں کھانے کی چیزوں کو جمع کر کے رکھتے تھے تا کہ مستقبل میں اس سے خوراک حاصل کریں۔ اور وہ اپنے سفر وغیرہ میں بھی زادِ راہ کے لیے کھانے کی چیزوں کا ذخیرہ کرتے تھے تا کہ سفر کے ایام کی مدت میں ان کے لیے وہ خوراک کافی ہو۔

اس باب کے عنوان میں لکھا ہے: ''من الطعام و اللحم''، یہ من بیانیہ ہے یعنی خواہ کسی قسم کا طعام ہو یا خواہ کسی قسم کا گوشت ہو، جس کو ذخیرہ کیا جا سکے اور جس سے خوراک حاصل کی جا سکے۔

ان صوفیاء کا رد جو کہتے ہیں: کل کے لیے بچا کر کھانا نہیں رکھنا چاہیے

امام بخاری نے اس باب کے عنوان سے ان صوفیاء کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جو کہتے ہیں: کل کے لیے کھانا بچا کر نہیں رکھنا چاہیے، اور جو مومن کامل الایمان ہو وہ ولی کہلانے کا اس وقت تک مستحق نہیں ہوتا حتیٰ کہ پیٹ بھر کر کھانے کے بعد جو بچے اس کو صدقہ کر دے اور کل کے کھانے کے لیے بچا کر نہ رکھے، اور صبح اور شام کے کھانے میں سے کچھ بھی بچا کر نہ رکھے، اور جس نے اس کے خلاف کیا، اس نے اپنے رب کے ساتھ بدگمانی کی اور اپنے رب پر ایسا توکل نہیں کیا جیسا توکل اس کو کرنا چاہیے تھا، اور احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ صحابہ کرام کھانے کو ذخیرہ کرتے تھے اور شارح علیہ السلام اور آپ کے اصحاب نے اپنے سفر وغیرہ میں بھی کھانے کو ساتھ لیا ہے۔ اور یہ بات ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل و عیال کے لیے ایک سال کا خرچ بنو نضیر کے اموالِ فئے سے نکال کر رکھتے تھے، جیسا کہ کتاب الخمس میں گزر چکا ہے۔ اور اس میں ان صوفیاء کے رد کے لیے کافی حجت ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی باب کے ساتھ مناسبت

اس باب کی تعلیق میں امام بخاری نے کہا: ''حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے ایک دستر خوان میں کھانا بنا کر رکھا''۔

اس تعلیق کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہما نے دستر خوان میں کھانا اس وقت رکھا تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی طرف ہجرت کرتے ہوئے سفر کیا تھا اور اس کا ذکر باب ہجرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینة میں ہو چکا ہے اور وہ طویل حدیث ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ہم نے آپ کے لیے کھانا تیار کیا اور اس کو تھیلے میں رکھا، اور اس میں بہت قوی دلیل ہے کہ مسافر اپنے کھانے کی چیزوں کو ساتھ لے جائے۔

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کا تذکرہ

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باپ شریک بہن ہیں، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ام رومان

بنت عامر ہیں اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی والدہ ام العزیٰ قیلة ہیں، اور یہ حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کی سگی بہن ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۳-۸۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۴۲۳۔ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَابِسٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ أَنَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ تُؤْكَلَ لُحُومُ الْأَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلَاثٍ قَالَتْ مَا فَعَلَهُ إِلَّا فِي عَامٍ جَاعَ النَّاسُ فِيهِ فَأَرَادَ أَنْ يُطْعِمَ الْغَنِيُّ الْفَقِيرَ وَإِنْ كُنَّا لَنَرْفَعُ الْكُرَاعَ فَنَأْكُلُهُ بَعْدَ خَمْسَ عَشْرَةَ قِيلَ مَا اضْطَرَّكُمْ إِلَيْهِ فَضَحِكَتْ قَالَتْ مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ ﷺ مِنْ خُبْزِ بُرٍّ مَأْدُومٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ حَتَّى لَحِقَ بِاللّٰهِ وَقَالَ ابْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَابِسٍ بِهٰذَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں خلاد بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبدالرحمٰن بن عابس از والد خود، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زیادہ قربانی کے گوشت کو کھانے سے منع فرمایا ہے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صرف اس سال کیا تھا جس سال لوگ بھوکے تھے، تو آپ نے ارادہ کیا کہ غنی فقیر کو کھلائے، اور بے شک ہم بکری کے پائے اٹھا کر رکھتے تھے اور اس کو پندرہ دن بعد کھاتے تھے، آپ سے پوچھا گیا: آپ کو اس میں کیا مجبوری تھی؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہنسیں اور کہا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل نے گندم کی روٹی سالن کے ساتھ مسلسل تین دن تک نہیں کھائی حتیٰ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ واصل ہو گئے، اور ابن کثیر نے کہا کہ ہمیں سفیان نے خبر دی، انہوں نے کہا ہمیں عبدالرحمٰن بن عابس نے یہ حدیث بیان کی۔

(صحیح البخاری: ۵۴۳۸، ۵۵۷۰، ۶۶۸۷، صحیح مسلم: ۲۹۷۰، سنن نسائی: ۴۴۳۲، سنن ابن ماجہ: ۳۳۴۴، مسند احمد: ۲۴۶۳۱)

صحیح البخاری: ۵۴۲۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب مذکور کی تعلیق کی شرح

اس حدیث کے آخر میں امام بخاری نے یہ تعلیق لکھی ہے کہ ''محمد بن کثیر نے بیان کیا''۔ اور محمد بن کثیر امام بخاری کے مشائخ میں سے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں سفیان ثوری نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمٰن بن عابس نے اس حدیث کو بیان کیا، اس تعلیق کی امام طبرانی نے سندِ موصول کے ساتھ المعجم الکبیر میں روایت کی ہے۔

اور امام بخاری کی اس تعلیق سے غرض یہ ہے کہ سفیان ثوری نے عبدالرحمٰن بن عابس سے اس حدیث کو سنا ہے۔

پائے کا ذکر طعام کو شامل ہے

علامہ عینی فرماتے ہیں:

بعض شارحین نے ذکر کیا ہے کہ اس باب کے عنوان میں طعام کو ذخیرہ کرنے کا ذکر ہے، اور حدیث میں پائے جمع کرنے کا ذکر ہے، تو یہاں پر پائے کو طعام کے ساتھ ملا دیا ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ عجیب تصرف ہے کیونکہ پائے بھی تو از قبیلِ طعام ہیں۔

خلاد بن یحییٰ کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں خلاد بن یحییٰ کا ذکر ہے، اس میں خاء پر زبر ہے اور لام پر تشدید ہے، یہ ابو محمد سلمی الکوفی ہیں جو مکہ میں سکونت پذیر رہے اور وہیں فوت ہو گئے اور وہ ہیں ۲۱۳ھ میں فوت ہو گئے۔

تین دن سے زیادہ گوشت جمع کرنے کی ممانعت کا منسوخ ہونا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بطریقِ استفہام کہا گیا: کیا تین دن سے زیادہ گوشت کو جمع کر کے کھانے سے آپ نے منع فرمایا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ آپ نے ایسا صرف اس سال کیا تھا جس سال لوگ بھوکے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس سے مراد یہ ہے کہ تین دن سے زیادہ گوشت کو جمع کر کے رکھنے کی ممانعت منسوخ ہو چکی ہے اور ممانعت کا سبب خاص ہے کیونکہ اس سال لوگ بھوکے تھے تو آپ نے یہ پسند نہیں کیا کہ لوگ اپنے پاس گوشت جمع کر کے رکھے رہیں اور دوسرے لوگ بھوکے ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہنسیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہنسنا عابس کے سوال کی وجہ سے تھا، کیونکہ ان کو علم تھا کہ صحابہ کے پاس خوراک کم ہوتی تھی اور وہ تنگی معیشت میں وقت گزارتے تھے اور اس چیز کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے بیان کیا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کے پاس تین دن ایسے نہیں گزرے جب انہوں نے پیٹ بھر کر گندم کی روٹی سالن کے ساتھ کھائی ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۵-۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: دیگر شارحین نے اس حدیث کی شرح میں کوئی قابلِ ذکر اور نئی بات نہیں لکھی۔

۵۴۲۴۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا نَتَزَوَّدُ لُحُومَ الْهَدْيِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَى الْمَدِينَةِ تَابَعَهُ مُحَمَّدٌ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ قُلْتُ لِعَطَاءٍ أَقَالَ حَتَّى جِئْنَا الْمَدِينَةَ قَالَ لَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو از عطاء از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں قربانی کے گوشت کو مدینہ تک بہ طور زادِ راہ لے جاتے تھے۔

اس حدیث کی محمد نے متابعت کی ہے از ابن عیینہ اور ابن جریج نے کہا: میں نے عطاء سے کہا: کیا انہوں نے کہا تھا کہ حتیٰ کہ ہم مدینہ آئے؟ انہوں نے کہا: نہیں!

(صحیح البخاری: ۱۷۱۹، ۲۹۸۰، ۵۴۲۴، ۵۵۶۷، صحیح مسلم: ۱۹۷۲، سنن نسائی: ۴۴۲۶، مسند احمد: ۱۴۰۰۳، موطا امام مالک: ۱۰۴۶)

صحیح البخاری: ۵۴۲۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب الجہاد میں گزر چکی ہے، اس میں ہدی کا ذکر ہے یعنی قربانی کے اونٹوں کو جو حرم کی طرف لے جایا جاتا ہے، اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مسافروں کے لیے اپنے سفروں میں زادِراہ کو لے جانا جائز ہے اور ''تزود'' کا معنی ہے: ذخیرہ کرنا۔

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح

اس حدیث میں مذکور ہے کہ عبداللہ بن محمد المسندی نے محمد بن سلام کی متابعت کی از سفیان بن عُیینہ، بعض شارحین نے کہا ہے: اس محمد سے مراد محمد بن سلام ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس کلام کے قائل علامہ کرمانی ہیں، اور صرف انہوں نے یہ نہیں کہا بلکہ امام ابونُعیم نے بھی اسی طرح کہا ہے، پھر انہوں نے اس حدیث کی روایت حُمیدی سے کی ہے اور کہا: ہمیں سفیان بن عُیینہ نے حدیث بیان کی۔

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ ''میں نے عطاء سے پوچھا: کیا انہوں نے کہا تھا کہ ہم مدینہ آئے، تو انہوں نے جواب دیا: نہیں!''

یعنی عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج نے کہا کہ میں نے عطاء بن ابی رباح سے کہا کہ کیا حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تھا کہ ہم قربانی کے گوشت کو جمع کرتے حتیٰ کہ ہم مدینہ آئے، تو عطاء نے کہا: نہیں، یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس طرح نہیں کہا۔

اور امام مسلم کی روایت میں ہے کہ میں نے عطاء بن ابی رباح سے پوچھا کہ کیا حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تھا کہ حتیٰ کہ ہم مدینہ آئے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں! اور ان دونوں روایتوں میں اختلاف ہے اور امام حُمیدی نے امام بخاری اور امام مسلم کے اختلاف میں اس کی تطبیق کی ہے اور یہ نہیں ذکر کیا کہ ان کے نزدیک کس کا کلام راجح ہے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ جو امام بخاری نے کہا ہے اس کو ترجیح دی جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۸۔ بَابُ: الْحَيْسِ — حیس (یعنی ملیدہ) کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں حَیس کا ذکر کیا جائے گا، اس لفظ میں حاء پر زبر ہے اور یاء ساکن ہے اور یہ طعام کھجور، پنیر اور گھی سے بنایا جاتا ہے اور کبھی پنیر کی جگہ اس میں آٹا ملا دیتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

(یہ دراصل مَلیدہ ہے یعنی کھجور، پنیر اور گھی کو مخلوط کر کے ہاتھوں سے رگڑا جاتا ہے جس کو ہمارے عرف میں ملیدہ کہتے ہیں۔ یہ ایک قسم کا میٹھا طعام ہے جس کو حلوہ بھی کہتے ہیں۔ سعیدی غفرلہٗ)

۵۴۲۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو مَوْلَى الْمُطَّلِبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَنْطَبٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن جعفر نے حدیث بیان کی از عمرو بن ابی عمرو مولی المطلب بن عبد اللہ بن

الله صلی اللہ علیہ وسلم لِأَبِي طَلْحَةَ الْتَمِسْ غُلَامًا مِنْ غِلْمَانِكُمْ يَخْدُمُنِي فَخَرَجَ بِي أَبُو طَلْحَةَ يُرْدِفُنِي وَرَائَهُ فَكُنْتُ أَخْدُمُ رَسُولَ الله صلی اللہ علیہ وسلم كُلَّمَا نَزَلَ فَكُنْتُ أَسْمَعُهُ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ فَلَمْ أَزَلْ أَخْدُمُهُ حَتَّى أَقْبَلْنَا مِنْ خَيْبَرَ وَأَقْبَلَ بِصَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ قَدْ حَازَهَا فَكُنْتُ أَرَاهُ يُحَوِّي لَهَا وَرَائَهُ بِعَبَاءَةٍ أَوْ بِكِسَاءٍ ثُمَّ يُرْدِفُهَا وَرَائَهُ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالصَّهْبَاءِ صَنَعَ حَيْسًا فِي نِطَعٍ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَدَعَوْتُ رِجَالًا فَأَكَلُوا وَكَانَ ذَلِكَ بِنَائَهُ بِهَا ثُمَّ أَقْبَلَ حَتَّى إِذَا بَدَا لَهُ أُحُدٌ قَالَ هَذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ فَلَمَّا أَشْرَفَ عَلَى الْمَدِينَةِ قَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ جَبَلَيْهَا مِثْلَ مَا حَرَّمَ بِهِ إِبْرَاهِيمُ مَكَّةَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي مُدِّهِمْ وَصَاعِهِمْ۔

حنطب، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم اپنے لڑکوں میں سے میرے لیے ایک لڑکا تلاش کرو جو میری خدمت کیا کرے، پس حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور مجھے سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا رہا، جب بھی آپ ٹھہرتے تو میں آپ سے سنتا آپ بہ کثرت یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے فکر اور غم سے پناہ طلب کرتا ہوں، اور عاجزی اور سستی سے پناہ طلب کرتا ہوں اور بخل اور بزدلی سے پناہ طلب کرتا ہوں اور قرض کے غلبہ سے پناہ طلب کرتا ہوں اور لوگوں کے قہر سے پناہ طلب کرتا ہوں۔ سو میں آپ کی خدمت کرتا رہا حتیٰ کہ ہم خیبر کی طرف آئے اور حضرت صفیہ بنت حُیَی رضی اللہ عنہا آئیں جن کو آپ نے حاصل کیا تھا، پس میں آپ کو دیکھ رہا تھا، آپ حضرت صفیہ کے لیے اپنی سواری کے پیچھے کپڑے یا چادر کو ڈال رہے تھے، پھر آپ نے ان کو اپنی سواری کے پیچھے بٹھایا حتیٰ کہ جب ہم مقام الصہباء پر پہنچے تو آپ نے ایک طعام بنا کر چمڑے کے دسترخوان پر رکھا، پھر مجھے لوگوں کو یا صحابہ کو بلانے کے لیے بھیجا، انہوں نے آکر وہ طعام کھایا اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شب باشی کا ولیمہ تھا۔ پھر آپ روانہ ہوئے حتیٰ کہ آپ کے لیے اُحد پہاڑ ظاہر ہوا، آپ نے یہ فرمایا: کہ یہ پہاڑ ہے، یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر جب آپ نے بلندی سے مدینہ کو دیکھا تو آپ نے کہا: اے اللہ! مدینہ کے دو پہاڑوں کے درمیان جو جگہ ہے اس کو میں اس طرح حرم قرار دیتا ہوں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا، اے اللہ! ان کے مد اور صاع میں برکت عطا فرما۔

(صحیح مسلم: ۱۳۶۵، سنن ترمذی: ۳۹۲۲، مسند احمد: ۱۲۲۰۵)

صحیح البخاری: ۵۴۲۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ اور مبہم عبارات کی شرح

اس حدیث میں حضرتِ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، ان کا نام زید بن سہل ہے، یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ماں کے شوہر ہیں۔

من الھم والحزن: یعنی فکر سے اور حُزن سے، ان دونوں لفظوں کا ایک معنی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عقل جس ناپسندیدہ چیز کا حال میں تصور کرتی ہے، وہ هَم ہے اور حُزن اس کو کہتے ہیں جس ناپسندیدہ چیز کا ماضی میں تصور کرتے ہیں۔ یعنی هَم کا تعلق حال اور مستقبل سے ہے اور حُزن کا تعلق ماضی سے ہے۔

اَلْکَسَل: اس کا معنی ہے: سستی اور بوجھل پن، اور کسی کام کو چستی اور پھرتی سے نہ کرنا۔

اَلْبُخل: یہ کرم اور سخاوت کی ضد ہے، یعنی جن مواضع میں خرچ کرنا چاہیے، ان میں خرچ نہ کرنا۔

اَلْجُبن: یہ شجاعت اور بہادری کی ضد ہے، یعنی کئی آدمی مل کر بھی ایک آدمی سے مقابلہ میں خود کو عاجز پائیں۔

ضَلَعُ الدین: اس کا معنی ہے: قرض کی شدت اور اس کا بوجھ۔

علامہ کرمانی نے لکھا ہے: فضائل کی تین اقسام ہیں:

نفسیہ، بدنیہ اور خارجیہ۔

پس نفسانی فضائل تین قوتوں کے اعتبار سے ہیں، جو انسان کو حاصل ہوتی ہیں۔

قوتِ عقلیہ، قوتِ غضبیہ اور قوتِ شہویہ، سو ہم اور حُزن کا تعلق قوتِ عقلیہ کے ساتھ ہے اور جُبن کا تعلق قوتِ غضبیہ کے ساتھ ہے اور بُخل کا تعلق قوتِ شہویہ کے ساتھ ہے اور عجز اور کسل کا تعلق قوتِ بدنیہ کے ساتھ ہے۔

اور دوسری قسم اعضاء اور تمام آلات کی سلامتی سے حاصل ہوتی ہے۔

اور پہلی قسم عُضو کے نقصان سے ہوتی ہے، جیسا کہ جو آدمی نابینا ہو اور مفلوج ہو۔

اور قرض کی شدت اور غلبہ امورِ خارجیہ کے اعتبار سے ہیں، پس یہ دعا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم سے ہے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ

اس حدیث میں حضرتِ صفیہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے، لفظِ صفیہ میں صاد پر زبر ہے اور فاء کے نیچے زیر ہے اور اس کے آخر میں یاء پر تشدید ہے، حضرت صفیہ بنتِ حیی بن اخطب النضر یہ، یہ حضرت ہارون بن عمران کی بیٹیوں میں سے ہیں۔ حضرت ہارون حضرت موسیٰ بن عمران علیہم السلام کے بھائی تھے اور ان کی والدہ برہ بنت سموال ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فتحِ خیبر کے ساتھ رمضان ۷ ھ میں قید کر لیا اور باندی بنالیا، پھر ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا اور ان کے آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دیا۔

علامہ واقدی نے لکھا ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ۵۰ ھ میں وفات پا گئی تھیں، اور دوسروں نے ذکر کیا ہے کہ یہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ۳۶ ھ میں فوت ہوئی تھیں۔

قد حازھا: یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو مالِ غنیمت میں سے اختیار کر لیا تھا، اور مرد جس چیز کو اپنے ساتھ ملالے تو اس کے لیے حازھا کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

یحوی لھا: یاء کے اوپر پیش ہے اور حاء پر زبر ہے اور واؤ کے نیچے زیر اور تشدید ہے۔ یعنی آپ نے ان کے لیے حویہ کو بنایا۔ حویہ

کے معنی ہیں: ایک چادر، جس کو سواری پر باندھا جاتا ہے تا کہ اس چادر کی وجہ سے سواری کے پیچھے بیٹھنے والا سواری سے گرنے سے محفوظ رہے اور اس کے ساتھ ٹیک لگا کر راحت پائے، چونکہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ام المومنین تھیں، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے حجاب کے لیے سواری کے پیچھے چادر کو باندھا۔

الصہباء: یہ خیبر اور مدینہ کے درمیان ایک منزل کا نام ہے۔

وکان ذالك بناؤہ بہا: یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو طعام بنا کر صحابہ کی دعوت کی، یہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شب باشی کے بعد ولیمہ تھا۔

بدالہ: یعنی دور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو احد پہاڑ نظر آیا۔

یُحبنا: یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے، یہ مجاز ہے یا یہاں پر یہ عبارت مقدر ہے کہ اس پہاڑ کے پاس رہنے والے ہم سے محبت کرتے ہیں، اور وہ اہلِ مدینہ ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حقیقت میں پہاڑ ہی محبت کرتا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کو شامل ہے کہ پہاڑ کے دل میں محبت پیدا فرمادے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۶-۸۷، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالِ حسن کا معجزہ اور آپ کی حیات پر دلائل

میں کہتا ہوں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے اور آپ کے حسن کا کمال ہے کہ پہاڑ اور پتھر بھی آپ سے محبت کرتے تھے، اور محبت کا معنیٰ ہے: دل کا نرم اور ملائم ہونا اور پتھر کی حقیقت میں سختی ہے، یہی وجہ ہے کہ جو شخص نرم دل نہ ہو اور رحم دل نہ ہو اس کو سنگ دل کہتے ہیں، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال یہ ہے کہ جس کی حقیقت میں نرمی نہیں تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں بھی نرمی پیدا کردی اور اپنے محبت ڈال دی، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہاڑوں میں بھی ادراک اور شعور ہوتا ہے، حتیٰ کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات اور فضائل کو جان لیا اور آپ کو محبوب جانا۔

نیز آپ نے فرمایا: ہم بھی اس سے محبت کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اگر پہاڑ اور پتھر بھی آپ سے محبت کریں تو آپ ان کو بھی محروم نہیں کرتے، بلکہ محبت کا جواب محبت سے دیتے ہیں، تو اگر انسان بلکہ مومن آپ سے محبت کرے تو آپ اسے کب محروم کریں گے اور اس کی محبت کا جواب محبت سے کیوں نہیں دیں گے؟ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھجور کے جس تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے، جب منبر بنا دیا گیا اور آپ نے اس کھجور کے تنے سے ٹیک نہیں لگائی تو وہ اس اونٹنی کی طرح دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا جو اپنے بچے کے فراق میں رو رہی ہو، تو کھجور کے اس تنے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پیدا ہوگئی اور چیخیں مار کر رونا بغیر حیات کے متصور نہیں ہوتا، اور محبت بھی بغیر حیات کے متصور نہیں ہوتی، تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لمس اور آپ کی توجہ سے درخت کے تنے میں بھی حیات آگئی اور پہاڑوں اور پتھروں میں بھی حیات آگئی، سو کتنا افسوس ہوتا ہے جو لوگ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات کے قائل نہیں ہیں اور آپ کو معاذ اللہ مُردہ قرار دیتے ہیں، حالانکہ آپ شہید ہیں اور شہید زندہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی آپ کی حیات پر بہ کثرت دلائل ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

مدینہ کے حرم ہونے کے متعلق غیر مقلدین کا نظریہ

غیر مقلد عالم شیخ داؤد راز میواتی نے لکھا ہے:

مدینہ بھی مکہ کی طرح حرم ہے، جو لوگ مدینہ کی حرمت کا انکار کرتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں، اس بارے میں اہلحدیث ہی کا مسلک صحیح ہے کہ مدینہ بھی مثل مکہ حرم ہے۔ (ترجمہ وشرح صحیح بخاری، ج ۷ ص ۱۴۵، مکتبہ قدوسیہ لاہور ۲۰۰۴ء)

مکہ مکرمہ کے حرم ہونے اور مدینہ منورہ کے حرم ہونے کا فرق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اور میں ان دو پہاڑوں کے درمیان جو زمین ہے، اس کو حرم قرار دیتا ہوں۔

جمہور کا مسلک یہ ہے کہ مدینہ منورہ کو تعظیم کے لیے حرم قرار دیا ہے، ورنہ مدینہ منورہ مکہ کی طرح حرم نہیں ہے۔ مکہ کے درختوں کو کاٹنا منع ہے، مکہ میں شکار کرنا منع ہے، اور مدینہ کے درختوں کو کاٹنا منع نہیں ہے، اور نہ وہاں کے جانوروں کا شکار کرنا ممنوع ہے۔ سو مکہ کے حرم ہونے میں اور مدینہ کے حرم ہونے میں فرق ہے، لیکن تعظیم کی وجہ سے مکہ اور مدینہ دونوں کو حرمین کہا جاتا ہے۔

مکہ مکرمہ کو حرم قرار دینے کے متعلق قرآن مجید کی حسب ذیل آیات ہیں:

اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (القصص:۵۷)	کیا ہم نے ان کو حرم میں نہیں آباد کیا جو امن والا ہے، اس کی طرف ہمارے دیئے ہوئے ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں لیکن ان کے اکثر (لوگ) نہیں جانتے O
اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ۝ (العنکبوت:۶۷)	کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا ہے، حالانکہ ان کے گردونواح سے لوگوں کو اغواء کر لیا جاتا ہے تو کیا وہ باطل کو مانتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کو نہیں مانتے O

صحیح البخاری: ۵۴۲۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعائیہ کلمات کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ھَمّ (فکر اور تشویش) سے پناہ طلب کی، کہا جاتا ہے: مجھے اس کام نے ھَمّ میں ڈالا یعنی اس کام نے مجھے خوف میں مبتلاء کیا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ھَمّ سے مراد مرض ہو جب وہ انسان کو گھلا دے اور پگھلا دے اور یہ ''ھَمّ الشَّحْمُ'' سے ماخوذ ہے۔ یعنی جب کوئی چیز چربی کو پگھلا دے اور کہا جاتا ہے ''الشیء محموم'' یعنی وہ چیز پگھلی ہوئی ہے۔ یعنی آپ نے اس مرض سے پناہ طلب کی، جس مرض میں آدمی کا بدن گھل جاتا ہے اور کمزور اور دبلا ہو جاتا ہے۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے: غم اس چیز کو کہتے ہیں جو دل کو مشغول رکھے اور انسان کے بدن پر غم سے مضر کوئی چیز نہیں ہے۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ حُزن وہ چیز ہے جو مرد کو اس کے گھر کے متعلق تفکرات لاحق ہوتے ہیں۔ اور قزاز کے نزدیک ھَمّ اور حُزن دونوں برابر ہیں۔ اور عجز کا معنی ہے: کسی وجہ سے قدرت نہ رہے، اور یہ قدرت کے باوجود سستی کو بھی کہتے ہیں کہ جب آدمی کسی کام کے کرنے میں سست ہو اور یہ عجز اور کسل دونوں ایسی چیزیں ہیں جن سے اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے:
عجز اس کو کہتے ہیں کہ جس کام کا کرنا واجب ہے اس کو ترک کر دیا جائے اور کسل کہتے ہیں: نفس کی فترت اور کمزوری کو اور ضلع الدین کا معنی ہے: قرض کا بوجھ، کہا جاتا ہے: ''اضلعنی هذا الامر'' یعنی اس کام نے مجھ کو تھکا دیا یا مجھ پر بوجھ ڈال دیا۔
الاصمعی نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: ثقل اور قوت (مجمل اللغۃ، ج ا ص ۵۶۵، مادہ: ضلغ)
دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: میلان اور رجحان، یعنی قرض کے بوجھ کی وجہ سے انسان وعدہ پورا کرنے کی بجائے جھوٹ بولتا ہے۔
ابن فارس نے کہا ''ضلعت ضلعا'' اس وقت کہا جاتا ہے، جب تم تھک جاؤ۔
امام ابو یوسف سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ (مجمل اللغۃ، ج ا ص ۵۶۵)
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۱۸۸-۱۸۹، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری ۵۴۲۵، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کے لیے خادم کو طلب کرنا جائز ہے، اور خادم کا سوال کرنا مکروہ نہیں ہے، یہ نہ کہا جائے کہ بعض اوقات خادم مخدوم کے حکم کی اطاعت کرتا ہے تو یہ گویا امرِ مکروہ کے باب سے ہے، کیونکہ عموماً خادم اُجرت لے کر خدمت کرتا ہے۔
(۲) اس حدیث میں جن کلماتِ دعائیہ کا ذکر ہے ان کی فضیلت ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا کرتے تھے: ''اے اللہ! میں تجھ سے ھَمّ اور حُزن سے پناہ طلب کرتا ہوں، اور عجز اور کسل سے پناہ طلب کرتا ہوں اور بخل اور جُبن سے پناہ طلب کرتا ہوں، اور قرض کی زیادتی اور لوگوں کے غلبہ سے پناہ طلب کرتا ہوں''۔
ھَمّ کا تعلق ان تفکرات کے ساتھ ہے جو مستقبل میں ہوتے ہیں اور حُزن کا تعلق ان پریشانیوں اور غم سے ہے جو انسان کو ماضی میں لاحق ہوتی ہیں، گویا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا کرتے: ''اے اللہ! جو معاملات گزر چکے ہوں میں ان کو بھول جاؤں اور ان پر غم نہ کروں اور مجھے ایسا کر دے کہ مجھے مستقبل کے متعلق تفکرات نہ ہوں، سوائے ان امور کے جو انسان کو زمانہ حاضر میں درپیش ہوتے ہیں، جن کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے، کیونکہ انسان جب مستقبل بعید کے متعلق پریشان رہتا ہے اور اپنے آپ کو تھکاتا ہے تو بعض اوقات زمانہ حاضر میں اس کی مصلحتیں ضائع ہو جاتی ہیں، اس لیے آپ نے اللہ عزوجل سے ھَمّ اور حُزن سے پناہ طلب کی ہے۔ اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ انسان اپنے مستقبل کے متعلق غور و فکر نہ کرے اور اس کا انتظام نہ کرے، گویا کہ آدمی یوں کہے کہ میں اس مرتبہ سفر کرنے سے ڈرتا ہوں کہیں نقصان نہ ہو جائے، یا کہے کہ میں علم کو طلب کرنے میں ڈرتا ہوں کہ مجھے علم حاصل نہ ہو، اور اس کے علاوہ ایسی دوسری چیزیں جن کی وجہ سے صرف حیرت میں اضافہ ہوتا ہے۔
اور آپ ''العجز'' اور ''الکسل'' سے پناہ طلب کرتے تھے، کیونکہ انسان بدن کی عاجزی کی وجہ سے اپنے ارادوں کو پورا نہیں کر سکتا یا سستی اور تھکاوٹ کی وجہ سے اپنے ارادوں کو پورا نہیں کر سکتا، خواہ اس میں اپنا ارادہ پورا کرنے کی قوت اور طاقت ہو

اور اگر اس کے پاس قوت ہو لیکن اس کی سستی اس کو اپنا ارادہ پورا کرنے سے مانع ہوتی ہو۔

اور آپ نے ''البُخل'' اور ''الجُبن'' سے پناہ طلب کی ہے، بخل کا معنی ہے: مال کو خرچ نہ کرنا اور جُبن کا معنی ہے: اپنے نفس کو کام میں نہ لانا۔

اور آپ نے قرض کی زیادتی اور مردوں کے غلبہ سے پناہ طلب کی ہے، یعنی ایسی تنگی جس کی وجہ سے انسان کو قرض خواہ کی باتیں سننی پڑیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صاحب حق کو بات کرنے کی گنجائش ہوتی ہے، اور غَلَبَۃُ الرجال کا معنی ہے: یعنی لوگ ناحق مرد پر تنگی کریں۔

لوگ انسان کے اوپر یا تو حق کی وجہ سے تنگی کرتے ہیں اور یا قرض کی زیادتی کی وجہ سے، یا ناحق انسان پر تنگی کرتے ہیں اور یہ مردوں کے غلبہ کی وجہ سے ہے۔ سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام چیزوں سے پناہ طلب کی ہے، پس انسان کو چاہیے کہ بہ کثرت یہ دعا کیا کرے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہلیہ کے ساتھ حُسنِ معاشرت کے ساتھ رہتے تھے، کیونکہ آپ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کو اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا۔

(۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شادی کے بعد ولیمہ کرنا مشروع ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مَلیدہ بنایا تھا یہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شب باشی کے بعد صحابہ کرام کی دعوت تھی جس کو عرف میں ولیمہ کہتے ہیں۔

(۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لوگوں کو ولیمہ کی دعوت دینی چاہیے، کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تو میں نے مردوں کو بلایا اور انہوں نے وہ ملیدہ کھایا۔

(۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احد پہاڑ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ سے محبت کرتے تھے، اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ احد پہاڑ جماد ہے، پس وہ کیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرے گا؟ تو ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے جمادات کے اندر بھی ادراک اور شعور رکھا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل)

سات آسمان اور زمینیں اور جو بھی ان میں ہیں اس کی تسبیح کر رہے ہیں اور ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے، بے شک وہ نہایت حلم والا، بہت بخشنے والا ہے ۝

نیز قرآن مجید میں ہے:

فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ (الکہف:۷۷)

پھر ان دونوں (حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام) نے اس بستی میں ایک دیوار کو دیکھا جو گرا ہی چاہتی تھی، تو اس نے (حضرت خضر نے) اس دیوار کو سیدھا کر دیا۔

سو جب آسمانوں اور زمینوں کی طرف حمد اور تسبیح کی نسبت ہے اور دیوار کی طرف گرنے کی نسبت ہے، تو پہاڑ کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی نسبت مستبعد نہیں ہے، پس وہ پہاڑ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا تھا اور آپ بھی اس سے محبت فرماتے تھے،

اور ظاہر یہ ہے کہ آپ تمام مومنین سے محبت کرتے ہیں اور ہم بھی اس پہاڑ سے محبت کرتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پہاڑ سے محبت کرتے تھے۔

اس میں حکمت یہ ہے کہ غزوہ اُحد میں اس پہاڑ کے پاس مسلمان شکست سے دو چار ہو گئے تھے، تو یہ عظیم آزمائش جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو لاحق ہوئی اور انسان کی عادت یہ ہے کہ جس جگہ اسے کوئی آزمائش پہنچی ہو یا شکست آئی ہو، تو وہ اس جگہ کی بدفالی نکالتا ہے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُحد پہاڑ کے ساتھ اپنی محبت کا ذکر کیا اور اُحد پہاڑ کی محبت کا ذکر کیا، تا کہ مسلمانوں کو اس پر تنبیہ ہو کہ اگر انہیں کسی جگہ یا کسی مقام پر کوئی تکلیف پہنچی ہو یا کوئی آزمائش آئی ہو یا وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہوئے ہوں تو انہیں اس جگہ کو برا نہیں سمجھنا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بندہ پر جو مصائب طاری فرماتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی بہت حکمتیں ہوتی ہیں۔

اس لیے جس جگہ کوئی مصیبت آئی ہو، اس جگہ سے بغض نہیں رکھنا چاہیے، کیونکہ احد پہاڑ کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ آزمائش سے دو چار ہوئے تھے، پھر بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُحد پہاڑ سے محبت رکھتے تھے اور اس آزمائش کے بعد مسلمانوں کو بہت خیر کثیر حاصل ہوئی۔

(۷) مدینہ بھی حرم ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو پہاڑوں کے درمیان جو مدینہ کی سرزمین تھی، جس کو الحرتان کہا جاتا ہے، اس کو حرم فرمایا ہے، جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا تھا تو میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں، لیکن مدینہ کا حرم ہونا مکہ کے حرم ہونے کی طرح نہیں ہے اور نہ مدینہ کے حرم ہونے کی وہ تاکید ہے اور نہ وہ حقوق ہیں جو مکہ کے حرم ہونے کے ہیں، کیونکہ مکہ کے درختوں کو کاٹنا جائز نہیں ہے اور مدینہ کے درختوں کو کاٹنا جائز ہے اور مکہ کے جانوروں کو شکار کرنے پر جزا لازم ہوتی ہے اور مدینہ کے جانوروں کو شکار کرنے پر جزا لازم نہیں ہے۔ نیز مکہ کو پہلے حرم بنایا گیا اور مدینہ منورہ کو بعد میں حرم بنایا گیا۔

(۸) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ مدینہ کے مُد اور صاع میں برکت کی دعا کی، اور یہی وجہ ہے کہ اہلِ مدینہ بہت خوشحال ہیں اور عرصۂ دراز تک مدینہ منورہ اسلام کا مرکز اور دار الخلافہ رہا اور مدینہ میں اسلامی علوم وفنون کی وہ ترقی ہوئی جو کسی اور اسلامی شہر میں نہیں ہوئی، اور مسلمانوں کے دلوں میں مدینہ منورہ کی بہت زیادہ محبت ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں شہادت کی تمنا کی اور اب بھی مسلمان یہ دعا کرتے ہیں کہ ان کو مدینہ میں موت آئے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۶۹-۱۷۰، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۲۵ کی شرح از علامہ القسطلانی

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

پہاڑ کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا حقیقی ہے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اُحد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے، اس سے حقیقی محبت مراد ہے جیسے کھجور کے درخت کا تنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق میں چیخ کر رو رہا تھا، یا پھر یہ مجاز ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِىْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِىْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ (یوسف)

اور آپ اس بستی (والوں) سے پوچھ لیجئے جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے پوچھ لیجئے جس کے ساتھ ہم آئے ہیں اور بے شک ہم

ضرور سچے ہیں O

کیونکہ یہ احد پہاڑ اس بستی میں ہے جس سے ہم محبت کرتے ہیں اور وہ انصار ہیں، پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف گردن اٹھا کر دیکھا تو آپ نے فرمایا: اے اللہ! میں ان دو پہاڑوں کے درمیان کی سرزمین کو حرم بناتا ہوں جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ کو حرم بنایا تھا، اور مدینہ میں ایک اور پہاڑ ہے جس کو جبلِ ثور کہتے ہیں۔

اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں، تو اس سے مراد تحریم تعظیم ہے اور اس سے حرم کے باقی احکام مراد نہیں ہیں جو مکہ کے حرم ہونے سے متعلق ہیں، اور امام شافعی اور امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ وہ مدینہ کے جانوروں کے شکار کو بھی حرام قرار دیتے ہیں اور درختوں کے کاٹنے کو بھی حرام قرار دیتے ہیں لیکن اس میں تاوان لازم نہیں قرار دیتے۔

نیز اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مدینہ کے لیے برکت کی دعا فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دعا کو قبول فرمایا اور خلفاءِ راشدین کے زمانہ میں مشارق اور مغارب سے قیصر و کسریٰ کے خزانے اور تُرک کے بے شمار خزانے مدینہ کی طرف منتقل کر دیے اور اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے تجارتی پیمانوں میں برکت عطا فرمائی۔ سو میں اللہ تعالیٰ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کریم کے وسیلہ سے اور اللہ تعالیٰ کے نبی عظیم کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر اور میرے مسلمان احباب پر یہ احسان فرمائے کہ ہمیں مدینہ کی رہائش میسر ہو اور ہماری امیدیں پوری ہوں اور ہماری وفات اسلام پر ہو اور ہمیں دار السلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب نصیب ہو۔ (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۲۱۴، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۹۔ بَابُ: الْأَكْلِ فِي إِنَاءٍ مُفَضَّضٍ — چاندی کے برتن میں کھانے کا حکم

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ چاندی کے برتن میں کھانا حرام ہے، یہ وہ برتن ہے جس میں چاندی کے نقش و نگار بنے ہوئے ہوں، اور اسی طرح وہ برتن جس میں چاندی کے نقش و نگار ہوں، لیکن جس برتن میں چاندی کے نقش و نگار ہوں، امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس سے پانی پینا جائز ہے جب کہ چاندی کی جگہ سے اجتناب کیا جائے، اور وہ یہ ہے کہ چاندی کو منہ سے نہ لگایا جائے اور نہ اس پر ہاتھ لگایا جائے۔ اسی طرح جس تخت اور کرسی پر چاندی چڑھی ہوئی ہو، اس پر بھی اسی شرط کے ساتھ بیٹھنا جائز ہے۔

اور امام ابو یوسف نے کہا ہے کہ یہ بھی مکروہ ہے، اور امام محمد کا ایک قول امام ابو حنیفہ کی طرح ہے اور ایک قول امام ابو یوسف کی طرح ہے، لیکن جو برتن چاندی سے بنایا گیا ہو، اس کا استعمال اصلاً جائز نہیں ہے، نہ کھانے پینے سے اور نہ تیل لگانے سے اور نہ اور کسی طریقہ سے، مردوں کے لیے بھی اور عورتوں کے لیے بھی۔

۵۴۲۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سَيْفُ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ مُجَاهِدًا يَقُولُ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي لَيْلَى أَنَّهُمْ كَانُوا عِنْدَ حُذَيْفَةَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سیف بن ابی سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے مجاہد سے سنا، انہوں نے

فَاسْتَسْقَى فَسَقَاهُ مَجُوسِيٌّ فَلَمَّا وَضَعَ الْقَدَحَ فِي يَدِهِ رَمَاهُ بِهِ وَقَالَ لَوْلَا أَنِّي نَهَيْتُهُ غَيْرَ مَرَّةٍ وَلَا مَرَّتَيْنِ كَأَنَّهُ يَقُولُ لَمْ أَفْعَلْ هَذَا وَلَكِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ لَا تَلْبَسُوا الْحَرِيرَ وَلَا الدِّيبَاجَ وَلَا تَشْرَبُوا فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَا تَأْكُلُوا فِي صِحَافِهَا فَإِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَنَا فِي الْآخِرَةِ۔

کہا: مجھے عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ نے حدیث بیان کی، وہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پانی منگایا تو مجوسی نے ان کو پانی لا کر پلایا، پس جب اس نے پیالہ ان کے ہاتھ میں رکھا، تو انہوں نے اس پیالہ کو اس کے اوپر پھینک دیا اور کہا: کہ میں نے اس کو اگر ایک مرتبہ یا دو مرتبہ منع نہ کیا ہوتا تو میں اس طرح نہ کرتا، یعنی اس پر پیالہ نہ پھینکتا، لیکن میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم ریشم نہ پہنو اور نہ دیباج پہنو اور نہ تم سونے اور چاندی کے برتنوں میں پیو اور نہ سونے اور چاندی کے پیالوں یا پلیٹوں میں کھاؤ، کیونکہ یہ برتن ان کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہیں۔

(صحیح البخاری: ۵۶۳۲، ۵۶۳۳، ۵۸۳۱، ۵۸۳۷، صحیح مسلم: ۲۰۶۷، سنن ترمذی: ۱۸۷۸، سنن نسائی: ۵۳۰۱، سنن ابوداؤد: ۳۷۲۳، سنن ابن ماجہ: ۳۴۱۴، مسند احمد: ۲۲۸۰۳)

صحیح البخاری: ۵۴۲۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور پر اعتراض کا جواب

صاحب التلویح نے اعتراض کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث اور باب کے عنوان میں مطابقت نہیں ہے، کیونکہ باب کا عنوان ''مفضض'' یعنی چاندی سے ملمع کیے ہوئے برتن سے متعلق ہے اور حدیث اس برتن سے متعلق ہے جو چاندی سے بنایا گیا ہو، مگر جس برتن میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو پانی پلایا تھا، اس میں چاندی کا کام کیا ہوا تھا اور چاندی ان کے منہ لگانے کی جگہ پر تھی، جب پانی پیا جائے، تو اس کی بھی ایک توجیہ ہے۔

اور علامہ کرمانی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اگرچہ مفضض چاندی سے ملمع شدہ برتن کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، لیکن اس کا استعمال اس کے لیے بھی ہوتا ہے جو چاندی سے بنایا گیا ہو۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اگر ان کی مراد یہ ہے کہ مفضض کا لفظ ملمع شدہ برتن اور چاندی سے بنائے ہوئے برتن دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اس کی دلیل لغت سے پیش کرنا ضروری ہے، اگرچہ فقہاء کی اصطلاح کے اعتبار سے انہوں نے چاندی سے ملمع شدہ برتن اور چاندی سے بنائے ہوئے برتن میں فرق کیا ہے۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ مفضض سونے اور چاندی کا برتن نہیں ہے، یہ تو صرف سونے اور چاندی سے ملمع شدہ برتن ہے اور اس کو استعمال کرنا حرام نہیں ہے، جب تک کہ اس کے متعلق صراحتاً ممانعت وارد نہ ہو، اور مضبب کا بھی یہی معنی ہے، یعنی جو

چاندی یا سونے سے ملمع شدہ ہو۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابونعیم کا ذکر ہے، یہ الفضل بن دکین ہیں، اور سیف بن ابی سلیمان کا ذکر ہے، ان کو ابن سلیمان المخزومی کہا جاتا ہے۔ یحییٰ القطان نے کہا کہ یہ ۱۵۰ھ میں زندہ تھے اور ہمارے نزدیک یہ ثقہ ہیں اور صادق ہیں اور حافظ ہیں۔ امام مسلم نے بھی ان سے روایت کی ہے۔

اور اس حدیث میں حُذیفہ کا ذکر ہے، یہ حضرت حُذیفہ بن یمان العبسی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی اور حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہ کے مجوسی پر تغلیظ کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہ کو ایک مجوسی نے پانی پلایا اور صحیح مسلم میں عبداللہ بن حُکیم سے روایت ہے کہ ہم حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس مدائن میں تھے تو حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہ نے پانی طلب کیا تو ان کے پاس ایک دہقان چاندی کے برتن میں پانی لے کر آیا، انہوں نے وہ برتن اس کے اوپر پھینک دیا اور فرمایا: کہ میں نے اس کو کئی بار منع کیا ہے، سو یہ انکار کرتا ہے اور باز نہیں آتا۔۔ الحدیث۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ انہوں نے اس کو پھینک دیا، یعنی پیالہ کو پھینک دیا یا پیالہ میں جو پانی تھا اس کو پھینک دیا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ میں نے اس کو کئی مرتبہ منع کیا ہے کہ چاندی اور سونے کے برتن کو استعمال نہ کیا کرو، اگر میں نے اس کو منع نہ کیا ہوتا تو میں اس برتن کو نہ پھینکتا اور صرف زبانی ڈانٹ ڈپٹ پر اکتفاء کر لیتا، لیکن جب میں نے کئی مرتبہ زبان سے منع کیا اور یہ باز نہیں آیا تو میں نے تغلیظ کے لیے برتن اٹھا کر پھینک دیا، پھر حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم اور دیباج کے لباس سے منع فرمایا ہے اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے سے منع فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (التوبہ)	اور جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور اسکو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو آپ انکو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے O

اس آیت میں اگرچہ سونے اور چاندی کو جمع کرنے پر وعید ہے، لیکن اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ سونے اور چاندی کے برتنوں کو استعمال کرنا بھی ممنوع ہے۔

اس حدیث میں ریشم اور دیباج کے کپڑوں کو پہننے کی ممانعت ہے اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی ممانعت ہے اور ائمہ اربعہ کا یہی قول ہے، اور امام شافعی کا قدیم قول یہ ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے، اور جدید قول یہ ہے کہ یہ کراہت تحریمی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۸-۸۹، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۲۶ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی ممانعت کے متعلق احادیث

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو مرد چاندی کے برتن میں پیے گا، تو وہ پانی اس کے پیٹ میں دوزخ کی آگ بن کر بھڑکتا رہے گا۔ (صحیح البخاری: ۵۶۳۴)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس نے دنیا میں چاندی یا سونے کے برتن میں پیا، تو آخرت میں وہ اس ان برتنوں میں نہیں پی سکے گا۔ (صحیح مسلم: ۲۰۶۶، کتاب اللباس والزینۃ، باب تحریم استعمال اناء الذھب)

سونے اور چاندی کے برتنوں کو استعمال کرنے کا فقہی حکم

جب یہ احادیث ثابت ہو گئیں تو سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا اور پینا حرام ہے اور اس کی حرمت میں اجماع منقول ہے، اگرچہ امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ انہوں نے چاندی کے برتن سے تیل لگانا اور اس میں لوبان کی دھونی دینے کو مکروہ کہا ہے، اور جس آئینہ میں چاندی کا حلقہ ہو اس کو بھی مکروہ کہا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاندی اور سونے کے برتنوں کو استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ برتن دنیا میں کفار کے لیے ہیں اور تمہارے لیے آخرت میں ہیں۔

ریشم کے لباس کا فقہی حکم

اس حدیث میں ریشم کے لباس پہننے کی ممانعت ہے، کیونکہ اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے کبر اور عُجب پیدا ہوتا ہے۔ رہا سونے کا لباس تو وہ بھی ممنوع ہے اور رہا چاندی کے برتنوں میں پینا تو اس میں اسراف ہے،

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے برتن پھینکنے کا عذر پیش کیا تا کہ پانی پھینکنے میں ان کی اقتداء نہ کی جائے۔

اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجوسی سے خدمت لینا جائز ہے۔

جس حدیث میں چاندی کے برتن سے پینے کی ممانعت ہے، اس کا محمل

حدیث میں ہے کہ جس نے دنیا میں چاندی کے برتنوں میں پیا، وہ آخرت میں نہیں پی سکے گا، یہ حدیث اس طرح ہے جیسا کہ حدیث میں فرمایا: جس نے دنیا میں خمر کو پیا تو وہ آخرت میں خمر کو نہیں پی سکے گا۔ (صحیح البخاری: ۵۵۷۵)

اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جب اس نے چاندی کے برتن میں پینے سے توبہ نہیں کی، یا وہ دائماً چاندی کے برتن میں پیتا رہا اور اسی حالت میں مر گیا، پس اگر اس نے توبہ کر لی تو جو گناہ سے توبہ کر لیتا ہے تو وہ اس شخص کی مثل ہے جس نے گناہ نہیں کیا، ورنہ اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ اس کا انجام اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف مفوض ہے۔ اگر وہ اس کو عذاب دے گا تو دائماً عذاب نہیں دے گا بلکہ اس کو اس کے ایمان کی وجہ سے دوزخ سے نجات دے دے گا۔

اور صحابہ کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ وہ جنت میں چاندی کے برتنوں میں نہیں پیے گا اور جس نے دنیا میں ریشم کو پہنا وہ آخرت میں ریشم نہیں پہنے گا اور یہ نعمت اس کو جنت میں نہیں ملے گی، کیونکہ جس چیز کے استعمال میں اسے تاخیر کا حکم دیا گیا تھا، اس کے استعمال میں اس نے جلدی کی۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۱۹۱-۱۹۳، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۲۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تمام برتنوں میں کھانا مباح ہے مگر سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا ممنوع ہے، اور اس برتن میں اختلاف ہے جس میں تھوڑا سا سونا یا تھوڑی سی چاندی ہو، یا تو سونے اور چاندی کا ملمع ہو، یا سونا اور چاندی دوسری دھاتوں میں ملا ہوا ہو، یا سونا اور چاندی کا رنگ چڑھایا ہوا ہو اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی جس حدیث کا اس باب میں ذکر ہے اس میں سونے اور چاندی کے برتن میں پینے کی ممانعت ہے اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے کا حکم بھی اس میں شامل ہے۔

سنن دارقطنی اور بیہقی میں روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سونے یا چاندی کے برتن میں پیا یا کسی ایسے برتن میں جس میں سونا اور چاندی تھی تو اس کے پیٹ میں جہنم کی آگ بھڑکتی رہے گی۔ امام بیہقی نے کہا: مشہور یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔

اور اسی طرح امام ابن ابی شیبہ کی ایک اور سند سے روایت ہے کہ وہ اس پیالہ میں نہیں پیتے تھے جس میں چاندی کا حلقہ ہو یا جس میں چاندی کا ملمع ہو، اور ایک اور سند سے روایت ہے کہ وہ اس کو مکروہ قرار دیتے تھے۔

اور امام طبرانی نے معجم الاوسط میں روایت کی ہے: حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتنوں میں چاندی کے ملمع سے منع فرمایا، پھر عورتوں کو اس کی اجازت دی۔

حافظ علاؤ الدین ابو عبداللہ مغلطائی بن قلیج حنفی متوفی 762ھ (صاحب التلویح) نے کہا ہے کہ یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے، سوائے اس کے کہ جس برتن سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو مجوسی نے پانی پلایا تھا، اس میں چاندی کا ملمع کیا ہوا تھا اور وہ ملمع پانی پینے کی جگہ پر تھا۔

اور علامہ کرمانی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ لفظ مفضض اگرچہ ملمع میں ظاہر ہے، لیکن یہ اس کو بھی شامل ہے کہ جو برتن چاندی سے بنایا گیا ہو، اور چاندی کے برتن سے پینے کی ممانعت چاندی کے برتن میں کھانے کی ممانعت کو بھی شامل ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۵۴-۵۵۵، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۹۴، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۲۶، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں دیباج کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: موٹا ریشم اور جو ریشم باریک ہو اس کو استبرق کہتے ہیں۔

اس حدیث میں ''صحاف'' کا لفظ ہے، یہ صحفۃ کی جمع ہے، اور یہ اس برتن کو کہتے ہیں جس میں کھانا رکھا جاتا ہے جیسے پیالے اور پلیٹیں اور رکابیاں وغیرہ، قرآن مجید میں ہے:

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّ اَكْوَابٍ ۚ وَ فِيْهَا مَا — ان کے گرد سونے کی پلیٹوں اور گلاسوں کو گردش میں لایا جائے گا

تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَ تَلَذُّ الْأَعْيُنُ ۚ وَ أَنْتُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ○ (الزخرف)

اور جنت میں ہر وہ چیز ہوگی جسے ان کے دل چاہیں گے اور جس سے ان کی آنکھوں کو لذت ملے گی اور تم جنت میں ہمیشہ رہو گے ○

جب کہ ریشم، سونا اور چاندی اہلِ جنت کا لباس ہیں، تو شارح علیہ السلام نے حریر اور دیباج کو حرام فرما دیا، جس طرح سونے کے برتنوں میں کھانے اور پینے کو حرام فرما دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تحریم کی حکمت بیان فرمائی کہ یہ نعمتیں کفار کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہوں گی۔ اور مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ جنت کی نعمتوں کو جلدی طلب کرے، پس وہ سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھائے اور پیئے۔ (الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر واللآلی بشرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۶۵، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۳۰۔ بَابُ: ذِكْرِ الطَّعَامِ — کھانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں طعام کا ذکر ہے، یعنی کھانے کا۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس عنوان کے ذکر کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ اس میں صرف طعام کا ذکر ہے اور صاحبِ التوضیح (یعنی ابن ملقن) نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میٹھے کھانے کو کھانا مباح ہے، اور جو کڑوا کھانا ہو، اس کو کھانا مکروہ ہے، اور زُہد اس کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ اس باب کی حدیث میں اس مومن کو جو قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے، سنگترے کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس کا ذائقہ میٹھا ہے اور اس کی خوشبو بھی عمدہ ہے اور جو مومن قرآن نہیں پڑھتا اس کو کھجور کے ساتھ تشبیہ دی ہے، جس کا ذائقہ تو میٹھا ہے اور اس میں خوشبو نہیں ہے، اور منافق کو تشبیہ دی ہے اندرائن کے ساتھ، (جس کو عربی میں حنظل اور پنجابی میں کوڑتما کہتے ہیں، اس کی کڑواہٹ ضرب المثل ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) اور ریحانۃ کے ساتھ تشبیہ دی ہے؛ ان کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے اور یہ انتہائی کڑوا کھانا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۲۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْأُتْرُجَّةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا طَيِّبٌ وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ التَّمْرَةِ لَا رِيحَ لَهَا وَطَعْمُهَا حُلْوٌ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ الرَّيْحَانَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ لَيْسَ لَهَا رِيحٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عوانہ نے حدیث بیان کی، از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ از حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مومن قرآن پڑھتا ہے، اس کی مثال سنگترے کی طرح ہے، اس کی خوشبو بھی پسندیدہ ہے اور اس کا ذائقہ بھی پسندیدہ ہے اور جو مومن قرآن پاک کی تلاوت نہیں کرتا، وہ کھجور کی مثل ہے، جس میں خوشبو تو نہیں ہوتی لیکن اس کا ذائقہ میٹھا ہوتا ہے، اور جو منافق قرآن مجید پڑھتا ہے وہ ریحانہ کی طرح ہے، اس کی خوشبو اچھی ہے لیکن اس کا ذائقہ کڑوا ہے، اور جو منافق قرآن مجید نہیں پڑھتا، اس کی مثال اندرائن

کی طرح ہے، جس کی خوشبو نہیں ہے اور اس کا ذائقہ کڑوا ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۰۲۰، ۵۰۵۹، ۵۴۲۷، ۷۵۶۰، صحیح مسلم: ۷۹۷، سنن ترمذی: ۲۸۶۵، سنن نسائی: ۵۰۳۸، سنن ابوداؤد: ۴۸۲۹، سنن ابن ماجہ: ۲۱۴، مسند احمد: ۱۹۰۵۵، سنن داری: ۳۳۶۳)

صحیح البخاری: ۵۴۲۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مناسبت

اس حدیث میں طعام کا لفظ کئی مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوعوانہ کا ذکر ہے، ان کا نام ہے: الوضاح الیشکری، اور اس حدیث میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کا ذکر ہے، ان کا نام ہے: عبداللہ بن قیس الاشعری، اور اس حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اور یہ دونوں صحابی ہیں، سو اس حدیث میں صحابی کی صحابی سے روایت ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں "الاترجۃ" کا ذکر ہے اور اس کی روایت "الاترنجۃ" بھی ہے۔ ان دونوں لفظوں کا معنی ہے سنگترہ یا اس جیسا اور کوئی پھل مثلاً مالٹا وغیرہ۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس حدیث میں اس مومن کا ذکر کیا گیا ہے جو قرآن پڑھتا ہے اور اس کا ذکر نہیں کیا گیا کہ جو قرآن پر عمل کرتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر قرآن پڑھنے والے اور قرآن نہ پڑھنے والے کے درمیان فرق بیان کرنا مقصود ہے اور عمل کا حکم بیان کرنا مقصود نہیں ہے، باوجود اس کے کہ مومن کامل کے لیے عمل کرنا لازم ہے خواہ اس کا ذکر کیا جائے یا نہ کیا جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۹-۹۰، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۴۲۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا خَالِدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰہِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی از انس از نبی ﷺ، آپ نے ارشاد فرمایا: عائشہ کی فضیلت عورتوں پر اس طرح ہے جیسے ثرید کی فضیلت باقی کھانوں پر ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۴۱۱، ۳۴۳۳، ۳۷۶۹، ۵۴۱۸، ۵۴۲۸، صحیح مسلم: ۲۴۳۱، سنن ترمذی: ۱۸۳۴، سنن نسائی: ۳۹۴۷، سنن ابن ماجہ: ۳۲۸۰، مسند احمد: ۱۹۰۲۹)

اس حدیث کی شرح اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

۵۴۲۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ يَمْنَعُ أَحَدَكُمْ نَوْمَهُ وَطَعَامَهُ فَإِذَا قَضَى نَهْمَتَهُ مِنْ وَجْهِهِ فَلْيُعَجِّلْ إِلَى أَهْلِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از سمی از ابی صالح از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے ارشاد فرمایا: سفر عذاب کا ٹکڑا ہے، جو تم میں سے کسی ایک کو نیند سے اور کھانے سے منع کرتا ہے، پس جب تم میں سے کوئی شخص اپنی حاجت کو حسب منشاء پوری کر لے تو وہ اپنے گھر کی طرف جلدی واپس جائے۔

(صحیح البخاری: ۱۸۰۴، ۳۰۰۱، ۵۴۲۹، صحیح مسلم: ۱۹۲۷، سنن ابن ماجہ: ۲۸۸۲، مسند احمد: ۷۱۸۴، موطا امام مالک: ۱۸۳۵، سنن دارمی: ۲۶۷۰)

صحیح البخاری: ۵۴۲۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ اس حدیث میں بھی طعام کا لفظ ہے، کیونکہ سفر کسی آدمی کو اس کے طعام اور اس کے کھانے سے روک دیتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابونعیم کا ذکر ہے، اور وہ الفضل بن دکین ہیں اور سُمی کا ذکر ہے، یہ ابوبکر بن عبد الرحمٰن مخزومی کے آزاد شدہ غلام ہیں۔ اور اس حدیث میں ابوصالح کا ذکر ہے، ان کا نام ذکوان السمان ہے۔

اس حدیث میں امام مالک از سمی از ابوصالح از ابو ہریرہ منفرد ہیں۔ انہوں نے کہا: کیا وجہ ہے کہ اہلِ عراق اس حدیث کے متعلق سوال کرتے ہیں؟ تو اس کے جواب میں کہا گیا: کیوں کہ آپ اس کی روایت میں منفرد ہیں۔ امام مالک نے کہا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میں اس کی روایت میں منفرد ہوں تو میں اس حدیث کو بیان نہ کرتا۔

اس حدیث میں ''نہمتہ'' کا لفظ ہے، اس میں نون پر زبر بھی ہے اور نون پر پیش بھی ہے اور نون کے نیچے زیر بھی ہے، اس کا معنی ہے: کسی کام میں اپنی ہمت کو پہنچ جانا، اور اس میں ''من وجھہ'' کا لفظ ہے، اس کا مطلب ہے: جس غرض سے سفر کیا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

احادیث ثلٰثہ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کی پہلی حدیث یعنی: ۵۴۲۷، میں میٹھا کھانا کھانے کی اباحت کو بیان کیا گیا ہے اور کڑوے کھانے کی کراہت بیان کیا گیا ہے اور اس کے خلاف میں زہد نہیں ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھنے والے مومن کو سنگترہ کے ساتھ

تشبیہ دی ہے، جس کا ذائقہ میٹھا ہے اور خوشبو اس کی پسندیدہ ہے، اور جو مومن قرآن نہیں پڑھتا اس کو کھجور کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس کا ذائقہ میٹھا ہے اور اس کی خوشبو نہیں ہے، اس حدیث میں عمدہ اور میٹھے کھانے کو کھانے کی ترغیب دی ہے۔ اور اگر اس میں زُہد افضل ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ایک مرتبہ قرآن کے ساتھ اور دوسری مرتبہ ایمان کے ساتھ تشبیہ نہ دیتے، پس جس طرح مومن کو قرآن اور ایمان کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے، اسی طرح جو کھانا میٹھا اور خوشبودار ہو اس کی باقی کھانوں پر فضیلت ہے، اور اس کی تائید ثرید کی فضیلت سے ہے، اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ ثرید کو کھانا اور اس کو استعمال کرنا اس کی فضیلت ہے، اور منافق کو تشبیہ دی ہے اندرائن اور ریحانہ کے ساتھ جن کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے۔ اور یہ کڑوے کھانے کی انتہائی مذمت ہے، مگر یہ کہ سلف صالحین عمدہ اور لذیذ چیزوں کو بہ کثرت اور دائماً کھانے کو ناپسند کرتے تھے۔ اس خطرہ سے کہ یہ ان کی عادت بن جائے گی، پھر جب یہ چیزیں نہیں ملیں گی تو وہ ان کے لیے ان چیزوں کے نہ ملنے پر صبر کرنا مشکل ہوگا۔ اس فعل میں وہ ریاضت کرتے تھے اور تواضع کرتے تھے۔

رہی دوسری حدیث، تو اس میں افضل طعام کا ذکر نہیں ہے اور نہ ادنیٰ طعام کا ذکر ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ آپ کی مراد یہ ہے کہ ابنِ آدم کے لیے دنیا میں اتنا کھانا ضروری ہے جس سے اس کا جسم قائم رہے اور اس کو اپنے رب کی اطاعت کے اوپر قوت رہے۔ اور بے شک رب جل جلالہ نے نفوس کو کھانے پینے اور سونے کی طبیعت پر پیدا کیا ہے اور اسی سے حیات کا قوام حاصل ہوتا ہے۔ اور بعض لوگ اس میں کمی کرتے ہیں اور بعض لوگ اس میں اضافہ کرتے ہیں۔ اور مومن اس میں سے اتنی مقدار لیتا ہے جتنی مقدار سے اس کو آخرت پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

رہی تیسری حدیث تو اس کی روایت میں امام مالک منفرد ہیں۔

اس حدیث میں ''نھمۃ'' کا ذکر ہے یعنی انسان جس غرض سے سفر کرے، وہ اس کو پورا کرلے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۱۹۵-۱۹۶، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۲۹ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

موجودہ زمانے میں بھی سفر میں عذاب اور تکلیف ہوتی ہے

اگرچہ ہمارے زمانہ میں سفر کی سہولتیں حاصل ہیں، جب کہ پہلے زمانہ میں اونٹوں اور خچروں پر سفر ہوتا تھا۔ اور اب ریل گاڑیوں اور طیاروں پر اور بسوں کے ذریعے سفر ہوتا ہے، پہلے زمانہ میں سفر میں بدنی عذاب بھی ہوتا تھا اور قلبی عذاب بھی ہوتا تھا، اور ہمارے زمانہ میں سفر میں بدنی عذاب تو اتنا نہیں ہوتا، کیونکہ انسان کو گھر میں جو آرام اور آسائش حاصل ہوتی ہے تو خواہ ہوائی جہاز کا سفر ہو یا ٹرین کا سفر ہو، اس میں وہ آرام اور آسائش حاصل نہیں ہوتی، لیکن قلبی عذاب بہر حال ہوتا ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) انسان کو چاہیے کہ جب سفر سے اس کی حسب منشاء غرض پوری ہوجائے تو اپنے گھر واپس چلا جائے، کیونکہ اس کی غیر حاضری میں اس کے بہت سارے کام فوت ہوجاتے ہیں اور اس کی غیر موجودگی میں اس کے گھر والے اپنی ضروریات کو پورا نہیں کرسکتے۔ اور وہ

خاص کام جو وہ اپنے وطن میں اقامت کے دوران کرتا تھا، سفر میں وہ کام نہیں ہوسکتا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ان آداب کی تعلیم دی ہے کہ جب انسان کسی جگہ سفر کے لیے جائے تو اس کو چاہیے کہ سفر سے اپنی غرض پوری ہونے کے بعد اپنے گھر واپس آجائے تاکہ وہ اپنے گھر کے فرائض کو انجام دے سکے۔

(۲) اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ جب انسان کسی جگہ دعوت پر جائے تو وہاں بھی زیادہ دیر نہ ٹھہرے، اور بلا وجہ کسی کے گھر میں قیام نہ کرے، پس افضل یہ ہے کہ وہ دعوت کا کھانا کھا کر اپنے گھر واپس آجائے، کیونکہ اس کا اس حال میں میزبان کے گھر میں ٹھہرنا وقت کو ضائع کرنا ہے اور اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۷۲-۱۷۳، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: بعض محافل اور تقاریب میں مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع ہوتا ہے، اور گانا بجانا ہوتا ہے اور بعض جگہ رقص بھی ہوتا ہے، اور یہ تمام غیر شرعی امور ہیں، اس لیے ان محافل میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۳۱۔ بَابُ: الْأُدُمِ — سالن کا بیان

الاُدُم میں الف پر پیش ہے اور دال پر بھی پیش ہے، اور یہ ادام کی جمع ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۰)

۵۴۳۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ رَبِيعَةَ أَنَّهُ سَمِعَ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ يَقُولُ كَانَ فِي بَرِيرَةَ ثَلَاثُ سُنَنٍ أَرَادَتْ عَائِشَةُ أَنْ تَشْتَرِيَهَا فَتُعْتِقَهَا فَقَالَ أَهْلُهَا وَلَنَا الْوَلَاءُ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ لَوْ شِئْتِ شَرَطْتِيهِ لَهُمْ فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ قَالَ وَأُعْتِقَتْ فَخُيِّرَتْ فِي أَنْ تَقِرَّ تَحْتَ زَوْجِهَا أَوْ تُفَارِقَهُ وَدَخَلَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَوْمًا بَيْتَ عَائِشَةَ وَعَلَى النَّارِ بُرْمَةٌ تَفُورُ فَدَعَا بِالْغَدَاءِ فَأُتِيَ بِخُبْزٍ وَأُدْمٍ مِنْ أُدْمِ الْبَيْتِ فَقَالَ أَلَمْ أَرَ لَحْمًا قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ وَلَكِنَّهُ لَحْمٌ تُصُدِّقَ بِهِ عَلَى بَرِيرَةَ فَأَهْدَتْهُ لَنَا فَقَالَ هُوَ صَدَقَةٌ عَلَيْهَا وَهَدِيَّةٌ لَنَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن جعفر نے حدیث بیان کی از ربیعہ، انہوں نے القاسم بن محمد سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا میں تین خصلتیں تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خرید کر انہیں آزاد کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت بریرہ کے گھر والوں نے کہا: ''الولاء'' ہمارے لیے ہوگی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، تو آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو یہ شرط لگا بھی لو، کیونکہ ولاء اس کے لیے ہوتی ہے جو غلام کو یا باندی کو آزاد کرتا ہے، القاسم بن محمد نے بیان کیا: اور حضرت بریرہ کو آزاد کر دیا گیا، پھر ان کو اختیار دیا گیا کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے خاوند کے نکاح میں برقرار رہیں اور اگر چاہیں تو ان سے الگ ہو جائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے اور آگ پر دیگچی میں جوش آرہا تھا، آپ نے ناشتہ منگایا تو آپ کے لیے روٹی اور گھر کے سالنوں میں سے کوئی سالن لایا گیا، آپ نے فرمایا: کیا میں گوشت کو نہیں دیکھ رہا؟ تو گھر والوں نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! لیکن یہ وہ گوشت ہے جو حضرت بریرہ پر صدقہ کیا گیا ہے، سو انہوں نے ہم

پر یہ گوشت ہدیہ کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ان پر صدقہ ہے
اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۵۶، ۱۴۹۳، ۲۱۵۵، ۲۱۶۸، ۲۵۳۶، ۲۵۶۰، ۲۵۶۱، ۲۵۶۳، ۲۵۶۴، ۲۵۶۵، ۲۵۷۸، ۲۷۱۷، ۲۷۲۶، ۲۷۲۹، ۲۷۳۵، ۵۰۹۷، ۵۲۷۹، ۵۲۸۴، ۵۴۳۰، ۶۷۱۷، ۶۵۵۱، ۶۷۵۴، ۶۷۵۸، ۶۷۶۰، صحیح مسلم: ۱۵۰۴، سنن ترمذی: ۱۲۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۹۲۹، موطا امام مالک: ۱۵۱۹)

تنبیہ: علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے کہا ہے کہ یہ حدیث بیس سے زیادہ مرتبہ گزر چکی ہے، اور اس کی شرح پہلے کی جا چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے بعض مشکل الفاظ اور مبہم عبارات کی شرح از مصنف

اس حدیث میں ''الوَلاء'' کا ذکر ہے۔ الوَلاء کا معنی یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی غلام یا باندی کو آزاد کرے اور آزاد ہونے کے بعد وہ غلام یا باندی کثیر مال کو حاصل کر لے تو اس کے مرنے کے بعد اس کا وہ مال اس کے وارثوں میں تقسیم ہو جائے گا، اور اگر اس کا کوئی اصحاب الفروض اور عصبات میں سے وارث موجود نہ ہو، تو پھر اس کا مال اس کے آزاد کرنے والے کو دے دیا جائے گا، اس کو وَلاء کہتے ہیں۔

یہودی کہتے تھے کہ ہم بریرہ کو مکاتبہ کر دیتے ہیں لیکن اس کی وَلاء ہمارے لیے ہوگی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ ان کا وَلاء کی شرط لگانا باطل ہے، اور باطل شرط کا اعتبار نہیں کیا جاتا خواہ اس کی سو مرتبہ بھی شرط لگائی جائے، وَلاء اس کے لیے ہوتی ہے جو غلام یا باندی کو آزاد کرتا ہے۔ سو تم یہودیوں سے بریرہ کو خرید لو اور اس کی وَلاء تمہارے لیے ہوگی۔

اس حدیث میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی دوسری خصلت یہ بیان کی گئی ہے کہ جب ان کو آزاد کیا گیا تو وہ حضرت مغیث کے نکاح میں تھیں۔ اور وہ اس وقت غلام تھے تو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ چاہیں تو اس نکاح میں برقرار رہیں اور چاہیں تو اس نکاح کو فسخ کر دیں، اس سے معلوم ہوا کہ جب باندی کو آزاد کیا جائے تو اس کو خیارِ عتق ملتا ہے۔ وہ چاہے تو نکاحِ سابق پر برقرار رہے اور چاہے تو اس کو مسترد کر دے، سو حضرت بریرہ نے اس نکاح کو مسترد کر دیا تھا اور حضرت مغیث ان کے فراق میں روتے رہتے تھے۔

اور اس حدیث میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی تیسری خصلت یہ بیان کی گئی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر تشریف لائے اور آپ کے سامنے ناشتہ پیش کیا گیا اور آپ نے دیکھا کہ پتیلی پر گوشت پک رہا ہے تو آپ نے فرمایا: ہمیں گوشت کیوں نہیں دیتے؟ تو آپ کو بتایا گیا کہ وہ گوشت حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا پر صدقہ کیا گیا ہے اور آپ صدقہ نہیں کھاتے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ بریرہ پر صدقہ ہے اور جب بریرہ ہم کو وہ گوشت دے گی تو ہمارے لیے وہ ہدیہ ہو جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کی ملکیت کے بدلنے سے وہ چیز بدل جاتی ہے، پہلے وہ گوشت صدقہ تھا، اور جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے وہ گوشت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیہ کر دیا تو اب وہ صدقہ نہیں رہا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گوشت کھانا پسند تھا۔

صحیح البخاری: ۵۴۳۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

گوشت کے سالن کا پسندیدہ ہونا

اس باب میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے قصہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس روٹی لائی گئی اور گھر کا کوئی سالن لایا گیا۔ امام طبری نے کہا ہے کہ اس میں یہ بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانوں میں گوشت کو دوسری چیزوں پر پسند کرتے تھے، جب کہ گوشت میسر ہوتا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ نے اپنے گھر میں دیکھا کہ گوشت پک رہا ہے تو آپ نے فرمایا: کیا میں گوشت کو نہیں دیکھ رہا؟ گھر والوں نے بتایا کہ یہ گوشت حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا پر صدقہ کیا گیا ہے، اس میں یہ دلیل ہے کہ جب گوشت کے حصول کا کوئی ذریعہ ہوتا تو آپ گوشت کو ترجیح دیتے تھے، کیونکہ یہ آپ نے اس وقت فرمایا جب آپ کے پاس کوئی اور کھانا پیش کیا گیا۔

نیز حدیث میں ہے: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دنیا اور آخرت میں سالن کا سردار گوشت ہے۔ (المعجم الاوسط للطبرانی ج ۷ ص ۱۷۲، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۵)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک شخص قصابوں کے پاس زیادہ جاتا تھا تو انہوں نے کہا: تم اپنے اموال کو قصابوں پر خرچ کرنے سے گریز کرو، کیونکہ گوشت میں خمر کی طرح نشہ ہوتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے اوپر اپنا درہ اٹھایا۔

حسن بصری نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے عبداللہ کے پاس گئے اور ان کے پاس تازہ گوشت دیکھا تو پوچھا: یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: یہ وہ گوشت ہے جس کی ہم نے خواہش کی تھی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم جب بھی گوشت کی خواہش کرتے ہو تو گوشت کھاتے ہو، کسی مرد کے اسراف کے لیے کافی ہے کہ وہ ہر اس چیز کو کھائے جس کی وہ خواہش کرتا ہے۔

(کتاب الزہد لامام احمد ص ۱۵۳)

امام طبری نے کہا ہے کہ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گوشت کھانے کو اس لیے ناپسند کیا تھا کہ زیادہ گوشت کھانے سے اس شخص کا مال ختم نہ ہو جائے، لیکن جب وہ تھوڑا گوشت خرید کر کھائے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ وہ دنیا کی پسندیدہ چیزوں میں سے اپنے حصہ کو ترک کر دے تا کہ زُہد برقرار رہے۔

پھر اس کے بعد امام طبری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بکری کا بچہ ذبح کیا اور اس کو بنایا، جب میں نے آپ کے سامنے اس کا بنایا ہوا کھانا رکھا تو آپ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا: گویا کہ تم کو معلوم ہے کہ ہم گوشت سے محبت کرتے ہیں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۳، سنن دارمی ج ۱ ص ۱۸۹-۱۹۳، صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۲۶۴-۲۶۵، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۳۶)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۱۹۷-۱۹۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۳۲۔ بَابُ: الْحَلْوَاءِ وَالْعَسَلِ
میٹھی چیز اور شہد کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں میٹھی چیز اور شہد کا ذکر کیا گیا ہے، الاصمعی کے نزدیک ''الحلواء'' مد کے ساتھ ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ مد کے ساتھ بھی ہے اور قصر کے ساتھ بھی۔ ابن سیدہ نے کہا ہے: ہر وہ طعام جس میں مٹھاس ہو، وہ حلواء ہے اور پھلوں کو بھی اس میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۴۳۱۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ عَنْ أَبِي أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ كَانَ رَسُولُ الله ﷺ يُحِبُّ الْحَلْوَاءَ وَالْعَسَلَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن ابراہیم الحنظلی نے حدیث بیان کی از ابو اسامہ از ہشام، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میٹھی چیز اور شہد کو پسند فرماتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۳۱، صحیح مسلم: ۱۴۷۴، سنن ترمذی: ۱۸۳۱، سنن ابن ماجہ: ۳۳۲۳، سنن دارمی: ۲۰۷۵)

صحیح البخاری: ۵۴۳۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حلواء کا لغوی معنی اور اس کا مصداق اور نبی ﷺ کے حلواء کو پسند کرنے کی توجیہ

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ''حلواء'' کے اسم کا اطلاق اس چیز پر کیا جاتا ہے جس میں انسان کے بنانے کا دخل ہو۔ اور ابن سیدہ نے مخصص میں لکھا ہے: جس طعام میں مٹھاس ہو اس کو حلواء کہتے ہیں اور اس کا اطلاق پھلوں پر بھی ہوتا ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ حلواء اور شہد ان پسندیدہ چیزوں میں سے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید کی ان آیتوں میں ہے:

كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ (البقرہ: ۱۷۲)
ان پاک چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں۔

كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝ (المومنون)
پاک چیزوں سے کھاؤ اور نیک عمل کرتے رہو، بے شک تم جو بھی کام کرتے ہو میں اس کو خوب جاننے والا ہوں O

اور ان آیتوں میں ان فقہاء کے قول کی تقویت ہے جو کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے کہ لذیذ چیزوں کا کھانا مباح ہے، اور اس حدیث کے معنی میں کھانے کی ہر وہ چیز داخل ہے جو کھانے کی لذیذ چیز ہو۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ نبی ﷺ جو میٹھی چیز اور شہد کو پسند فرماتے تھے، اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ بہت زیادہ میٹھی چیز کھاتے تھے یا بہت زیادہ شہد کھاتے تھے، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب آپ کے پاس میٹھی چیز یا شہد کو پیش کیا جاتا تو آپ اس کو تناول فرما لیتے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ اس کو پسند فرماتے اور اس سے معلوم ہوا کہ طعام کی مختلف چیزوں کو بنانا جائز ہے اور بعض

متقی لوگ اس کو ناپسند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میٹھی چیز کو بنانا مکروہ ہے، سوا ان چیزوں کے جن میں طبعی مٹھاس ہو جیسے کھجور اور شہد میں ہے۔ اور اس حدیث میں ان کے اس قول کا رد ہے اور اس حدیث میں ان کا بھی رد ہے جن کا یہ زعم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز شہد کا ایک پیالہ پیتے تھے، لیکن جو حلواء بنایا جاتا ہے اس کو آپ نہیں پہچانتے تھے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ حلواء سے مراد فالودہ ہے۔
(فتح الباری ج ۹ ص ۵۵۷، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۹۶، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۳۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف با بن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث میں جس حلواء کا ذکر ہے، اس سے مراد آج کل کا بنایا ہوا حلوہ نہیں ہے

علامہ ابن المنیر نے کہا ہے کہ اس حدیث میں جو ''الحلواء'' کا ذکر ہے، اس سے وہ حلوہ مراد نہیں ہے جو آج کل معروف ہے، جس کو بہ طور اسراف کے بنایا جاتا ہے اور اس کے اندر بہت زیادہ مفردات ڈالے جاتے ہیں، اس سے مراد میٹھی چیز ہے، خواہ وہ نبیذ تمر ہو۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا میٹھی چیز کو اور شہد کو پسند کرنے کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ بہت زیادہ میٹھی چیز کھاتے تھے یا بہت زیادہ شہد پیتے تھے اور آپ کی طبیعت بہت زیادہ میٹھی چیزوں اور شہد کی طرف راغب ہوتی تھی، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب آپ کے سامنے میٹھی چیز کو پیش کیا جاتا یا شہد کو پیش کیا جاتا اور اس کے حصول میں کوئی دشواری نہ ہوتی تو آپ اس کو تناول فرماتے تھے اور اس کے ذائقہ اور مٹھاس کو پسند فرماتے تھے۔

اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مختلف قسم کے کھانے بنانے چاہئیں، اور بعض متقی لوگ اس کو ناپسند کرتے ہیں اور میٹھی چیزوں کو کھانے کی اجازت نہیں دیتے، مگر جن میں طبعی مٹھاس ہو جیسے کھجور اور شہد یا دیگر میٹھے پھلوں میں۔

امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں یہ حدیث روایت کی ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی ایک کے پاس حلواء پیش کیا جائے تو اس میں سے کھالے اور اس کو واپس نہ کرے۔ (المعجم الاوسط ج ۷ ص ۱۹۱، شعب الایمان للبیہقی ج ۵ ص ۹۹)

ابو زرعہ نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے۔ (علل الحدیث لابن ابی حاتم، ج ۲ ص ۱۴)

اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ الحلواء اور العسل یعنی میٹھی چیز اور شہد ان پسندیدہ چیزوں میں سے ہیں، جن کے کھانے کو اللہ تعالیٰ نے مباح کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ (المائدہ)

اے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو، جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا ○

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (الاعراف)

(اے نبی!) آپ کہیے: اللہ کی زینت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے، اور اس کی دی ہوئی پاک چیزوں کو، آپ کہیے: یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے دن تو خصوصاً ان ہی کے لیے۔

ہیں، ہم جاننے والے لوگوں کے لیے اسی طرح تفصیل سے آیتوں
کو بیان کرتے ہیں O

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس تاویل کی صحت پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ شارع علیہ السلام میٹھی چیز اور شہد کو پسند فرماتے تھے اور یہ صالحین اور ابرار کا طعام ہے کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے تھے، کیونکہ آپ ان سے محبت کرتے تھے۔ اور اس کے معنی میں ہر وہ چیز داخل ہے جو اس کے مشابہ ہو، کھانے کی دیگر میٹھی چیزیں جیسے کھجور، انگور، انجیر، انار اور دیگر پھل۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۲۰۴-۲۰۵، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۳۱ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حلواء کو پسند کرنے کی توجیہ اور حلواء کے فوائد

حلواء یعنی میٹھی چیز لذیذ طعام میں سے ہے، کیونکہ اس کی خوشبو بھی لذیذ ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پاکیزہ اور لذیذ چیز کو پسند فرماتے تھے، اور جب کہ انسان ان لذیذ چیزوں کی طرف میلان کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے اندر ان کی طرف رغبت کو پیدا کر دیا۔

میٹھی چیز کا فائدہ یہ ہے کہ یہ سہولت سے ہضم ہوتی ہے اور خون کو صاف کرتی ہے اور شہد کو گرم پانی میں ملا کر پیا جائے تو اس سے بھی خون صاف ہوتا ہے، بہر حال شہد کے بہت فوائد ہیں لیکن ہمارے نزدیک سب سے اہم فائدہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہد کو پسند فرماتے تھے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۷۴، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

بہ کثرت میٹھی چیزیں نہیں کھانی چاہئیں، کیونکہ اس سے شوگر کا خطرہ ہے

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی شرح میں شارحین نے بیان کیا ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ کثرت میٹھی چیز کھاتے تھے یا بہ کثرت شہد پیتے تھے، بلکہ اگر آپ کو کبھی حلواء یا میٹھی چیز پیش کی جاتی تو آپ تناول فرما لیتے اور اب جدید میڈیکل سائنس سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ زیادہ میٹھی چیزیں کھانے سے ذیابیطس (یعنی شوگر کا مرض) پیدا ہو جاتا ہے، اس لیے زیادہ میٹھی چیزیں کھانے سے احتراز کرنا چاہیے۔ نیز زیادہ میٹھی چیزیں کھانے سے انسان میں موٹاپا بڑھتا ہے اور اس سے بھی شوگر کا خطرہ ہے اور خصوصاً ذیابیطس کے مریضوں کے لیے تو میٹھی چیزیں اور شہد زہر قاتل ہیں اور قرآن مجید میں جو شہد کو شفاء فرمایا ہے، وہ اس کے لیے فرمایا ہے جسے شوگر کا مرض نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقتِ حال کو جاننے والا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۴۳۲- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ شَيْبَةَ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي الْفُدَيْكِ عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كُنْتُ أَلْزَمُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم لِشِبَعِ بَطْنِي حِيْنَ لَا آكُلُ الْخَمِيرَ وَلَا أَلْبَسُ الْحَرِيرَ وَلَا يَخْدُمُنِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد الرحمن بن شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن ابی الفدیک نے خبر دی از ابن ابی ذئب از المقبری از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ جب میرا پیٹ بھرا ہوتا تھا تو میں نبی

فُلَانٌ وَلَا فُلَانَةُ وَأُلْصِقُ بَطْنِي بِالْحَصْبَاءِ وَأَسْتَقْرِئُ الرَّجُلَ الْآيَةَ وَهِيَ مَعِي كَيْ يَنْقَلِبَ بِي فَيُطْعِمَنِي وَخَيْرُ النَّاسِ لِلْمَسَاكِينِ جَعْفَرُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ يَنْقَلِبُ بِنَا فَيُطْعِمُنَا مَا كَانَ فِي بَيْتِهِ حَتَّى إِنْ كَانَ لَيُخْرِجُ إِلَيْنَا الْعُكَّةَ لَيْسَ فِيهَا شَيْءٌ فَنَشْتَقُّهَا فَنَلْعَقُ مَا فِيهَا۔

(صحیح البخاری:۳۷۰۸)

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لازم رہتا تھا، اس وقت میں خمیری روٹی نہیں کھاتا تھا اور نہ ریشم کے کپڑے پہنتا تھا اور نہ فلاں مرد اور فلاں عورت میری خدمت کرتی تھی، اور میں (بھوک کی شدت سے) اپنے پیٹ پر چھوٹے چھوٹے پتھر باندھ لیتا تھا اور کسی مرد سے میں کوئی آیت پوچھتا، حالانکہ وہ آیت مجھے یاد ہوتی تھی تاکہ وہ مرد مجھے اپنے ساتھ لے جائے اور مجھے کچھ کھلائے۔ اور لوگوں میں سے مساکین کے لیے سب سے بہتر حضرت جعفر بن ابی طالب تھے، وہ ہمیں اپنے ساتھ لے جاتے اور جو کچھ ان کے گھر میں ہوتا ہمیں کھلاتے، حتیٰ کہ بعض اوقات وہ ہمارے پاس ایک چمڑے کی تھیلی لاتے جس میں کچھ بھی نہیں ہوتا تھا، تو ہم اس تھیلی کو چاٹ لیتے تھے تاکہ اس میں جو (شہد یا گھی) ہے، وہ ہم چاٹ لیں۔

صحیح البخاری: ۵۴۳۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے فضائل

اس حدیث میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے اور ان کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ ان میں کرم تھا اور تواضع تھی اور وہ مساکین کی حفاظت کرتے تھے اور اپنے گھر میں جو کھانا ہوتا تھا وہ انہیں کھلاتے تھے اور ان کی تکریم کرتے تھے۔

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تھوڑی چیز بھی کسی کو پیش کرنا جائز ہے۔

تنبیہ: علامہ ابن ملقن نے صحیح البخاری: ۵۴۳۲ میں اتنی ہی شرح لکھی ہے اور صحیح البخاری: ۳۷۰۸ کی شرح میں اس حدیث کے مزید فوائد لکھے ہیں۔ اس میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے: ان کا نام ابو عبد اللہ الہاشمی الطیار ہے، یہ ان صحابہ میں سے ہیں جو سابقین اولین تھے اور شہداء قدیم تھے۔ یہ بہت پہلے اسلام لائے تھے اور انہوں نے دو ہجرتیں کی تھیں اور یہ غزوۂ موتہ میں ۸ ھ میں شہید ہو گئے تھے، اس وقت ان کی عمر اکتالیس یا تینتالیس (۴۱ یا ۴۳) سال تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا: تم میری صورت اور سیرت کے مشابہ ہو۔ (صحیح البخاری: ۲۶۹۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو سلام کرتے تھے تو کہتے: ''السلام علیك یا ابن ذی الجناحین'' ''یعنی اے دو پروں والوں کے بیٹے تم کو سلام ہو''۔ اور اس کا سبب یہ تھا کہ جہاد میں ان کے دونوں بازو شہید ہو گئے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے جنت میں ان کے ان دو بازوؤں کے عوض ان کو دو پر عطا فرما دیے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کے متعلق فرمایا کہ یہ مساکین کے لیے تمام لوگوں سے بہتر تھے، یعنی سخاوت میں، اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صورت اور سیرت میں اپنے مشابہ فرمایا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۰، ص ۳۱۱-۳۱۲، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۳۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے فقر کے بعض احوال

اس حدیث میں مذکور ہے کہ میں اس وقت ریشم نہیں پہنتا تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بعد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ریشم کا لباس پہنا ہے، کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نہ پہلے کبھی ریشم کا لباس پہنا اور نہ بعد میں۔ اس حدیث میں صرف اس وقت کی صورت حال کا بیان ہے، یا اس سے مراد یہ ہے کہ میں دھاری دار اور رنگین کپڑے نہیں پہنتا تھا اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ میں اس وقت خمیری روٹی نہیں کھاتا تھا اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ بعد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے خمیری روٹی کھائی ہو۔

اور امام ابن سعد نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: میں یتیمی میں پروان چڑھا اور میں نے مسکینی میں ہجرت کی اور میں بسرہ بنت غزوان کی مزدوری کرتا تھا، اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ مسکینوں سے محبت کرتے تھے اور ان کے پاس بیٹھتے تھے اور ان کے ساتھ باتیں کرتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی کنیت ابوالمساکین رکھی تھی۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۵۸، دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۹۶، دارالمعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۳۲ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کسی شخص سے قرآن مجید کی کسی آیت کو پوچھتے، حالانکہ وہ ان کو یاد ہوتی تھی، تو کیا اس سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ کوئی شخص علم کو طلب کرے اور اس کا علم کو طلب کرنا علم کی طلب کی وجہ سے نہ ہو بلکہ دنیاوی ضرر کو دور کرنے کے لیے ہو، مثلاً بھوک کے ضرر کو دور کرنے کے لیے ہو جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔

اور کیا کوئی انسان اس لیے علم کو طلب کرے کہ وہ اس سے تدریس کر سکے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے علم کو طلب نہیں کیا، کیونکہ وہ خود عالم تھے، بلکہ اس زمانہ میں عادت یہ تھی کہ جب کوئی کسی شخص سے قرآن مجید کی آیت کو معلوم کرتا تو وہ اس شخص کو ساتھ لے جاتا اور اس کے گھر میں جو ہوتا وہ اس کو کھلاتا، اس لیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی قرآن مجید کی آیت کا پوچھتے تھے اور ان کا ارادہ اس آیت کو معلوم کرنا نہیں ہوتا تھا اور دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے ایک آیت کو پوچھا، حالانکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان کی بہ نسبت اس آیت کو زیادہ جاننے والے تھے۔

رہا یہ کہ کوئی شخص اس لیے علم کو طلب کرے تاکہ اس کو تدریس کے مواقع حاصل ہوں، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۷۶، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۳۳۔ بَابُ: الدُّبَّاءِ
لوکی یا کدو کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
یہ ہوسکتا ہے کہ امام بخاری نے اس باب کا عنوان اس لیے قائم کیا ہو کہ لوکی میں کچھ ایسی خاصیت ہے جو اسی کے ساتھ مختص ہے، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوکی کو پسند فرماتے تھے۔

امام طبرانی نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوکی کو لازم رکھو، کیونکہ یہ دماغ کو تقویت دیتا ہے۔ اور فوائدِ شافعی میں مذکور ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب سالن پکایا جائے اور اس میں لوکی کو زیادہ ڈالا جائے تو وہ غمزدہ دل کو مضبوط کرتا ہے۔

اور ہمارے شیخ نے کہا ہے کہ بعض احادیث میں ہے کہ اس سے عقل میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور امام احمد نے روایت کی ہے کہ لوکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ پسندیدہ طعام تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۳۳۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا أَزْهَرُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَتَى مَوْلًى لَهُ خَيَّاطًا فَأُتِيَ بِدُبَّاءٍ فَجَعَلَ يَأْكُلُهُ فَلَمْ أَزَلْ أُحِبُّهُ مُنْذُ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَأْكُلُهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ازہر بن سعد نے حدیث بیان کی از ابن عون از ثمامہ بن انس از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کا آزاد شدہ غلام جو درزی تھا، وہ آیا اس کو لوکی کا سالن دیا گیا تھا، آپ اس کو کھا رہے تھے، پس میں اس وقت سے ہمیشہ لوکی سے محبت رکھتا ہوں، جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوکی کھاتے ہوئے دیکھا۔

(صحیح البخاری: ۲۰۹۲، ۵۳۷۹، ۵۴۲۰، ۵۴۳۳، ۵۴۳۵، ۵۴۳۶، ۵۴۳۷، ۵۴۳۹، صحیح مسلم: ۲۰۴۱، سنن ترمذی: ۱۸۵۰، سنن ابوداؤد: ۳۷۸۲، مسند احمد: ۱۲۴۵۰، موطا امام مالک: ۱۱۶۱، سنن دارمی: ۲۰۵۰)

صحیح البخاری: ۵۴۳۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کی تخریج

اس حدیث کی سند میں عمرو بن علی بن بحر کا ذکر ہے، یہ ابو حفص الباہلی البصری الصیرفی ہیں، اور یہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں، اور اس کی سند میں ازہر بن سعد الباہلی کا ذکر ہے، اور وہ السمان البصری ہیں، اور اس حدیث کی سند میں ابو عون کا ذکر ہے، یہ عبد اللہ بن عون ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ثمامہ بن عبد اللہ بن انس کا ذکر ہے، وہ اپنے دادا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کی تحقیق

یہ حدیث کتاب الاطعمہ میں اس باب میں گزر چکی ہے: ''جس نے پیالہ کے چاروں طرف ہاتھ ڈالا''۔اور یہ حدیث ''کتاب البیوع'' میں بھی گزر چکی ہے جس میں درزی کا ذکر ہے۔اور بعض روایات میں ذکر ہے کہ درزی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی،اور آپ کے سامنے روٹی اور سالن پیش کیا جس میں لوکی تھا اور گوشت تھا۔اور پہلے باب میں ذکر ہے کہ درزی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور اس میں صرف لوکی کا ذکر ہے۔اور اس باب کی حدیث میں ذکر ہے کہ آپ کا آزاد کردہ غلام درزی تھا،اور ان روایات میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ ثقہ راوی جو حدیث کے الفاظ میں اضافہ کرے تو اس کا اضافہ مقبول ہوتا ہے۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حدیث کو لکھتے تھے اور بعض اوقات راوی لکھتے وقت کوئی کلمہ بھول جاتا تھا یا چھوڑ دیتا تھا۔(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۳،دار الکتب العلمیہ ،بیروت،۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: علامہ ابن ملقن کی شرح میں بھی اس حدیث کی تحقیق ہے جو ہم نے علامہ عینی سے ذکر کی ہے،لیکن علامہ عینی کی تحقیق زیادہ ہے۔(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۲۰۷،وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ،قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۳۳،کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لوکی کے متعلق ایک اور حدیث کا تذکرہ

امام ترمذی،امام نسائی،امام ابن ماجہ نے از حکیم بن جابر از والد خود روایت کی ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں داخل ہوا اور آپ کے پاس لوکی تھا۔میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ ''القرع'' ہے یعنی لوکی۔ہم اس کے ساتھ سالن کو زیادہ کرتے ہیں۔(فتح الباری ج ۹ ص ۵۵۹،دار نشر الکتب الاسلامیہ،لاہور ۱۴۰۱ھ،فتح الباری ج ۶ ص ۵۹۷،دار المعرفہ بیروت،۱۴۲۶ھ)

۳۴۔ بَابُ: الرَّجُلِ يَتَكَلَّفُ الطَّعَامَ لِإِخْوَانِهِ — مرد اپنے بھائیوں کی ضیافت کے لیے تکلف سے کھانا تیار کرے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائیوں کی ضیافت کے لیے تکلف سے کھانا تیار کرے،علامہ کرمانی نے ذکر کیا ہے کہ تکلف کی وجہ یہ ہے کہ اس باب کی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ جن لوگوں کو دعوت دی گئی تھی ان کا عدد محصور ہے اور حاصر متکلف ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس کی وجہ یہ ہے کہ دعوت دینے والے نے اپنے نفس کے اوپر ایک عددِ معین کو لازم کرلیا تھا اور یہ تکلف ہے جو زیادتی اور کمی دونوں کی گنجائش رکھتا ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۳،دار الکتب العلمیہ ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۳۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ كَانَ مِنَ الْأَنْصَارِ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ أَبُو شُعَيْبٍ وَكَانَ لَهُ غُلَامٌ لَحَّامٌ فَقَالَ اصْنَعْ لِي طَعَامًا أَدْعُو رَسُولَ اللهِ ﷺ خَامِسَ خَمْسَةٍ فَدَعَا رَسُولَ اللهِ ﷺ خَامِسَ خَمْسَةٍ فَتَبِعَهُمْ رَجُلٌ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّكَ دَعَوْتَنَا خَامِسَ خَمْسَةٍ وَهَذَا رَجُلٌ قَدْ تَبِعَنَا فَإِنْ شِئْتَ أَذِنْتَ لَهُ وَإِنْ شِئْتَ تَرَكْتَهُ قَالَ بَلْ أَذِنْتُ لَهُ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ يَقُولُ إِذَا كَانَ الْقَوْمُ عَلَى الْمَائِدَةِ لَيْسَ لَهُمْ أَنْ يُنَاوِلُوا مِنْ مَائِدَةٍ إِلَى مَائِدَةٍ أُخْرَى وَلَكِنْ يُنَاوِلُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فِي تِلْكَ الْمَائِدَةِ أَوْ يَدَعُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابی وائل از حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: کہ انصار میں سے ایک مرد تھا جس کو ابو شعیب کہا جاتا تھا اور اس کا ایک غلام تھا جو گوشت فروخت کرتا تھا، اس نے کہا: میرے لیے کھانا بناؤ، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دوں گا، جو پانچ میں سے پانچویں ہوں گے، پھر ایک اور مرد بھی ان کے ساتھ مل گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے ہم پانچ مردوں کو دعوت دی تھی اور یہ مرد بھی ہمارے ساتھ آ گیا، اگر تم چاہو تو تم اس کو اجازت دو، اور اگر تم چاہو تو اس کو چھوڑ دو، تو حضرت ابوشعیب نے کہا: بلکہ میں اس کو بھی اجازت دیتا ہوں۔
محمد بن یوسف (حدیث مذکور کے راوی) نے بیان کیا کہ میں نے امام محمد بن اسماعیل سے سنا، وہ کہتے تھے: جب لوگ دستر خوان پر بیٹھے ہوں، تو ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک دستر خوان سے کوئی چیز اٹھا کر دوسرے دستر خوان پر رکھیں، لیکن وہ اس دستر خوان سے ایک دوسرے کو کھلائیں یا چھوڑ دیں۔

(صحیح البخاری: ۲۰۸۱، ۲۴۵۶، ۵۴۳۴، ۵۴۶۱، صحیح مسلم: ۲۰۳۶، سنن ترمذی: ۱۰۹۹، مسند احمد: ۱۶۶۳۶)

صحیح البخاری: ۵۴۳۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن یوسف کا ذکر ہے، یہ ابواحمد بخاری بیکندی ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، یہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث میں الاعمش کا ذکر ہے، یہ سلیمان ہیں۔ اور ابووائل کا ذکر ہے، یہ شقیق بن سلمہ ہیں، اور حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ حضرت عقبہ بن عمرو الانصاری البدری ہیں (یعنی بدری صحابی ہیں)۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں لحام کا ذکر ہے، یعنی گوشت بیچنے والا، اور کتاب البیوع میں یہ حدیث اس باب میں گزر چکی ہے: ''باب ما قیل فی اللحام والجزار''۔

خامس خمسة: اس کا معنی یہ ہے کہ چار مردوں کو دعوت دو اور ان میں سے پانچویں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ کہا جاتا ہے: ''خامس اربعة وخامس خمسة'' دونوں لفظوں کا ایک ہی معنی ہے۔

بن بلائے مہمان کے متعدد نام

ان کے ساتھ ایک مرد بھی شامل ہو گیا جس کو دعوت نہیں دی گئی تھی، ایسے شخص کو طفیلی کہا جاتا ہے۔ یہ اہلِ کوفہ کے ایک مرد کی طرف منسوب ہیں، جن کا نام طفیل تھا۔ یہ بنو عبداللہ بن غطفان سے تھے۔ یہ ولیموں اور دعوتوں میں بن بلائے چلے جاتے تھے، اور ان کو طفیل الاعراس کہا جاتا تھا۔ اور یہ لفظ اس معنی میں مشہور ہو گیا۔ اور طفیل کے بعد جو بھی بن بلائے کسی دعوت میں جاتا اس کو طفیلی کہا جاتا۔ اور عرب ایسے شخص کو الوارش کہتے تھے، اس کا معنی ہے: جو شخص کہیں کھانا کھانے کے لیے جائے اور اس کو بلایا نہ گیا ہو۔ اور جو شخص کہیں مشروبات پینے کے لیے گیا ہو، اور اس کو بلایا نہ گیا ہو، اس کو ''الواغل'' کہتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ مرد ہمارے ساتھ آ گیا ہے۔ اگر تم چاہو تو اس کو اجازت دو، اور اگر چاہو تو چھوڑ دو۔ انہوں نے کہا: بلکہ میں اس کو اجازت دیتا ہوں، اور جریر کی روایت میں ہے: یا رسول اللہ آپ اس کو اجازت دے دیں، اور دوسری روایت میں ہے: ہم نے اس کو اجازت دے دی، پس یہ بھی داخل ہو جائے۔

حدیث مذکور کے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ساتھ تعارض کے جوابات

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اجازت دو تو یہ بھی ساتھ چلا آئے، اور دوسری صحیح حدیث میں ہے کہ جب حضرت ابوطلحہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی تو آپ نے تمام حاضرین سے کہا کہ چلو ابو طلحہ کے گھر، اور وہاں آپ نے اجازت طلب نہیں کی۔ اس کے تعارض کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ اگر آپ اپنے ساتھ حاضرین کو بھی لے گئے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اس پر راضی رہیں گے، اور حضرت ابو شعیب کی رضا کا آپ کو علم نہیں تھا، اس لیے آپ نے فرمایا: تم اگر اجازت دو تو اس شخص کو بھی ساتھ لے چلیں۔

(۲) حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی دعوت میں جو حاضرین نے کھایا، یہ معجزہ تھا، کیونکہ انہوں نے تو بہت تھوڑا کھانا تیار کیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں برکت ڈال کر اس کو زیادہ کر دیا، تو گویا اس زیادہ کھانے میں حضرت ابوطلحہ کی ملکیت کا دخل نہیں تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین کو اس کھانے میں سے کھلایا، جس کھانے کے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مالک نہیں تھے، تو ان سے اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔

(۳) حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چند روٹیاں لے کر مسجد میں آئے تھے، تاکہ آپ ان روٹیوں کو لے لیں، آپ نے ان روٹیوں کو قبول فرما لیا، اور یہ روٹیاں آپ کی مِلک ہو گئیں۔ تو جو چیز آپ کی ملکیت میں تھی، اس کے لیے آپ کو اجازت لینے کی ضرورت نہیں تھی۔

محمد بن یوسف کی تعلیق کی شرح

اس کے بعد امام بخاری نے محمد بن یوسف کی تعلیق درج کی ہے، اور امام بخاری نے اس کلام میں جو عبارت ذکر کی ہے، وہ ان

کا اپنا کلام ہے جس کو امام بخاری نے اس حدیث سے مستنبط کیا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد کے لیے اجازت طلب کی جو آ کر مل گیا تھا، اس سے امام بخاری نے یہ استنباط کیا کہ جن کو کھانے کی دعوت دی گئی ہو، ان میں تصرف کرنا جائز ہے۔ اور جن کو کھانے کی دعوت نہیں دی گئی، ان میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۴-۹۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۳۴ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دوستوں کی ضیافت میں اعتدال

اس باب میں بیان کیا گیا ہے کہ مرد اپنے دوستوں اور بھائیوں کی ضیافت میں تکلف کرے، انسان کو چاہیے کہ جب وہ کسی کی ضیافت کرے تو اس میں مناسب طعام مہیا کرے، بایں طور کہ عام گھر کا کھانا نہ ہو بلکہ ان کے لیے مخصوص کھانا تیار کرائے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اس کی مقدار اور کیفیت میں اسراف نہیں ہونا چاہیے۔

سوال: حدیث میں ہے کہ جو لوگ سونا اور چاندی دنیا میں استعمال کرتے ہیں، تو یہ کفار کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہیں۔ تو اگر کوئی مومن صالح سونا اور چاندی سے خدمت طلب کرتا ہے، تو کیا آخرت میں وہ سونے اور چاندی سے محروم ہو جائے گا؟

الجواب: ریشم اور خمر کے متعلق یہ وارد ہے کہ جو دنیا میں اس کو استعمال کرے گا تو وہ آخرت میں ریشم کو استعمال نہیں کرے گا اور جو دنیا میں خمر کو پئے گا وہ آخرت میں خمر کو نہیں پئے گا خواہ وہ مومن ہو، لیکن اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا اس کا جنت میں دخول ہو گا یا نہیں؟ کیونکہ جب وہ جنت میں داخل ہوگا تو عنقریب وہ ریشم بھی پہنے گا اور خمر بھی پئے گا، یا اس کا معنی ہے کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد بھی ایک مدت تک جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقرر ہوگی، وہ ان نعمتوں سے محروم رہے گا۔
(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۷۶، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۵- بَابُ: مَنْ أَضَافَ رَجُلًا إِلَى طَعَامٍ وَأَقْبَلَ هُوَ عَلَى عَمَلِهِ

جس شخص نے کسی مرد کو کھانے کی دعوت دی اور وہ اپنے کام میں لگ گیا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کی ضیافت کرے، تو یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ بھی مہمان کے ساتھ کھانے میں شریک ہو، بلکہ مہمان کو کھانا دے کر خود اپنے کام کاج میں لگ جائے تو یہ جائز ہے۔

۵۴۳۵- حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيرٍ سَمِعَ النَّضْرَ أَخْبَرَنَا ابْنُ عَوْنٍ قَالَ أَخْبَرَنِي ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ كُنْتُ غُلَامًا أَمْشِي مَعَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَدَخَلَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى غُلَامٍ لَهُ خَيَّاطٍ فَأَتَاهُ بِقَصْعَةٍ فِيهَا طَعَامٌ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبد اللہ بن منیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے النضر سے سنا، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عون نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے ثمامہ بن عبد اللہ بن انس نے خبر دی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نوعمر لڑکا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا،

وَعَلَيْهِ دُبَّاءٌ فَجَعَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ قَالَ فَلَمَّا رَأَيْتُ ذٰلِكَ جَعَلْتُ أَجْمَعُهُ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالَ فَأَقْبَلَ الْغُلَامُ عَلَى عَمَلِهِ قَالَ أَنَسٌ لَا أَزَالُ أُحِبُّ الدُّبَّاءَ بَعْدَ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَنَعَ مَا صَنَعَ۔

پس رسول اللہ ﷺ اپنے ایک غلام کے پاس گئے جو درزی تھا، وہ آپ کے پاس ایک پیالہ لے کر آیا جس میں طعام تھا اور اس کے اوپر لوکی (کدو) کے قتلے تھے، پس رسول اللہ ﷺ لوکی کے قتلوں کو تلاش کر رہے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے دیکھا تو میں لوکی کے قتلوں کو جمع کر کے رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھنے لگا اور وہ غلام اپنے کام پر چلا گیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: جب سے میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ لوکی کے قتلوں کو تلاش کر رہے تھے، اس وقت سے میں لوکی کے قتلوں سے محبت رکھتا ہوں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۹۲ میں گزر چکی ہے اور اس کی مفصل تخریج صحیح البخاری: ۵۴۳۳ میں گزر چکی ہے۔

صحیح البخاری: ۵۴۳۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ درزی غلام نبی ﷺ کے سامنے پیالہ رکھ کر اپنے کام میں مشغول ہو گیا اور نبی ﷺ اس میں سے لوکی کے قتلے تلاش کر کے کھا رہے تھے اور غلام اپنا کام کر رہا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ میزبان کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ مہمان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: میرے علم میں یہ نہیں ہے کہ میزبان کے لیے یہ شرط ہو کہ وہ مہمان کے ساتھ بیٹھ کر کھائے مگر یہ کشادہ روئی کے لیے مستحسن ہے، تو جس نے مہمان کی دلجوئی کے لیے اس کے ساتھ شرکت کی تو یہ بہتر ہے اور جس نے شرکت نہیں کی تو یہ بھی جائز ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن منیر کا ذکر ہے، یہ لفظ "منیر" باب سے اسم فاعل ہے، اور نفظہ میں نون پر زبر ہے اور نون ساکن ہے، یہ ابن شمیل ہیں اور یہ عبداللہ بن عون سے روایت کرتے ہیں، اور ثمامہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں، ان کا ذکر بھی گزر چکا ہے اور اس حدیث کی شرح باب الثرید میں کی جا چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۵-۹۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۳۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ میزبان، مہمان کے سامنے کھانا پیش کر دے اور خود اس کے ساتھ نہ کھائے تو یہ جائز ہے۔ اور یہ

مہمان کے ساتھ بے ادبی نہیں ہے اور نہ اس کے ساتھ اخلاقِ کریمانہ کے منافی ہے، کیونکہ ایسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا گیا اور اگر اس میں اخلاق کے خلاف کوئی بات ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع فرما دیتے، کیونکہ آپ عمدہ اخلاق کے لیے مُعلّم ہیں، سو جس نے مہمان کے ساتھ کھایا تو اس نے اس کے ساتھ نیکی کی، اور جس نے اس کو ترک کر دیا تو اس کی بھی گنجائش ہے اور عنقریب کتاب الادب میں یہ حدیث آئے گی کہ مہمان نے اپنے اصحاب سے کہا: میں اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک تم بھی نہ کھاؤ، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی مذکور ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ وہ مہمانوں کو کھلائیں، اور پہلے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مہمانوں کے ساتھ نہیں کھایا تھا لیکن جب انہوں نے اس کھانے میں برکت دیکھی تو پھر انہوں نے بھی مہمانوں کے ساتھ کھانا کھایا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۲۰۹، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۳۶۔ بَابٌ: الْمَرَقِ — شوربہ کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں شوربہ کا ذکر کیا جائے گا، اور امام بخاری نے اس باب کے عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے، کہ شوربہ والے سالن کو گاڑھے اور بھنے ہوئے سالن پر فضیلت ہے، اسی لیے سلف صالحین شوربہ والا کھانا کھاتے تھے۔

شوربہ زیادہ بنانے کی فضیلت میں احادیث

صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم پتیلی کے اندر سالن پکاؤ تو اس میں شوربہ زیادہ کرو، اور اس حدیث میں یہ بھی ذکر ہے کہ اپنے پڑوسی کو بھی کھلاؤ۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے توسّع کے قصد سے شوربہ زیادہ کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ گھر والوں کو بھی اور فقراء کو بھی۔

اور اس حدیث میں امر استحباب پر محمول ہے۔ اور امام ترمذی نے علقمہ بن عبد اللہ المزنی کی از والد خود روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص گوشت کو خریدے تو اس میں شوربہ زیادہ رکھے، کیونکہ اگر کسی شخص کو گوشت نہیں ملے گا تو وہ شوربہ سے کھانا کھالے گا اور شوربہ بھی دو گوشتوں میں سے ایک گوشت ہے۔

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم گوشت خریدو یا پتیلی میں گوشت پکاؤ تو اس میں شوربہ زیادہ رکھو، اور اس میں سے اپنے پڑوسی کو بھی کھلاؤ۔

۵۴۳۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ أَنَّ خَيَّاطًا دَعَا النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم لِطَعَامٍ صَنَعَهُ فَذَهَبْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَرَّبَ خُبْزَ شَعِيرٍ وَمَرَقًا فِيهِ دُبَّاءٌ وَقَدِيدٌ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَتَتَبَّعُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن مَسلمہ نے حدیث بیان کی از مالک از اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا کہ ایک درزی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طعام کی دعوت کی جو اس نے تیار کیا تھا، پس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیا، اس نے آپ کے آگے جو کی

الدُّبَّاءَ مِنْ حَوَالَیِ الْقَصْعَةِ فَلَمْ أَزَلْ أُحِبُّ الدُّبَّائَ بَعْدَ يَوْمِئِذٍ۔

روٹی اور شوربہ رکھا، جس میں لوکی (کدو) کے قتلے تھے اور گوشت تھا، پس میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیالہ کے چاروں طرف سے لوکی کے قتلے تلاش کر رہے تھے، پس اس دن کے بعد سے میں لوکی کے قتلوں سے محبت رکھتا ہوں۔

اس حدیث کی تخریج صحیح البخاری: ۵۴۳۳، میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیالہ کے اطراف سے کسی چیز کو تلاش کر کے کھانا جائز ہے، اور اس حدیث کی شرح اس باب میں گزر چکی ہے کہ "جس نے پیالہ کے اطراف سے تلاش کیا"۔

صحیح البخاری: ۵۴۳۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

گوشت اور شوربہ کے متعلق احادیث

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تم میں سے کسی شخص کو کوئی اچھی چیز نہ ملے، تو وہ اپنے بھائی سے کشادہ روئی اور اچھے اخلاق سے ملے، اور جب تم گوشت خریدو یا گوشت دیگچی میں پکاؤ تو اس میں شوربہ زیادہ کرو اور اپنے پڑوسی کو بھی اس گوشت میں سے کھلاؤ۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۸۳۳، صحیح مسلم: ۲۶۲۵، ۲۶۲۶)

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم پتیلی میں سالن پکاؤ تو شوربہ زیادہ رکھو۔

(صحیح مسلم: ۲۶۲۵، کتاب البر والصلہ، باب الوصیۃ بالجار والاحسان الیہ)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۲۱۰، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۳۷۔ بَابُ: الْقَدِيْدِ — خشک گوشت کا بیان

اس باب میں گوشت کا ذکر کیا جائے گا، اور امام بخاری نے اس حدیث کے عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے کہ خشک گوشت کو کھانا بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سلف صالحین کے طعام میں سے ہے۔

۵۴۳۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم أُتِيَ بِمَرَقَةٍ فِيهَا دُبَّاءٌ وَقَدِيدٌ فَرَأَيْتُهُ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ يَأْكُلُهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک بن انس نے حدیث بیان کی از اسحاق بن عبداللہ، از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شوربہ لایا گیا جس میں لوکی (کدو) کے قتلے اور خشک گوشت تھا، سو میں نے دیکھا کہ آپ لوکی کے قتلوں کو تلاش کر کے کھا رہے تھے۔

اس حدیث کی تخریج صحیح البخاری: ۵۴۳۳ میں گزر چکی ہے۔

اور اس حدیث کی شرح بھی اس سے پہلے ابواب میں گزر چکی ہے۔

۵۴۳۸۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَابِسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ مَا فَعَلَهُ إِلَّا فِي عَامٍ جَاعَ النَّاسُ أَرَادَ أَنْ يُطْعِمَ الْغَنِيُّ الْفَقِيرَ وَإِنْ كُنَّا لَنَرْفَعُ الْكُرَاعَ بَعْدَ خَمْسَ عَشْرَةَ وَمَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ ﷺ مِنْ خُبْزِ بُرٍّ مَأْدُومٍ ثَلَاثًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبد الرحمٰن بن عابس از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ (رسول اللہ ﷺ نے کبھی تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے سے نہیں منع فرمایا) مگر جس سال لوگ زیادہ تعداد میں بھوکے تھے، اس سال یہ حکم دیا تھا۔ اور آپ کا ارادہ یہ تھا کہ خوشحال لوگ فُقراء کو کھلائیں (کیونکہ اس سال قحط کی وجہ سے لوگ فاقوں میں مبتلا تھے)، اور ہم تو بکری کے پائے محفوظ کر کے رکھ لیتے تھے اور پندرہ دن بعد تک کھاتے رہتے تھے، اور سیدنا محمد (ﷺ) کی آل نے کبھی گندم کی روٹی سالن کے ساتھ مسلسل تین دن تک نہیں کھائی۔

(صحیح البخاری: ۵۴۲۳، ۵۴۳۸، ۵۵۷۰، ۶۶۸۷، صحیح مسلم: ۲۹۷۰، سنن نسائی: ۴۴۳۲، سنن ابن ماجہ: ۳۳۴۴، مسند احمد: ۲۴۶۳۱)

صحیح البخاری: ۵۴۳۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے یہ صرف اس سال کیا تھا جب زیادہ لوگ بھوکے تھے، یعنی پہلے اس باب میں گزر چکا ہے کہ سلف صالحین گوشت کو خشک کر کے ذخیرہ کرتے تھے، تو راوی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی ﷺ نے تین دن کے بعد گوشت کو جمع کر کے رکھنے سے منع فرمایا تھا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ نبی ﷺ نے صرف اس سال منع فرمایا تھا جس سال زیادہ لوگ بھوکے تھے، تاکہ لوگ گوشت کو خشک کر کے جمع کر کے نہ رکھیں بلکہ خوش حال لوگ ضرورت مندوں کو کھلائیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

پہلے زمانہ میں گوشت کو محفوظ رکھنے کا یہی طریقہ تھا کہ گوشت کو دھوپ میں سکھا کر خشک کر کے محفوظ کر لیتے تھے تاکہ گوشت زیادہ دیر تک صحیح حالت میں رہے، ایسے گوشت کو عربی میں قدید کہتے ہیں۔ اور گاؤں اور دیہاتوں میں اب بھی اس طریقہ سے گوشت کو محفوظ کر کے رکھا جاتا ہے اور چونکہ یہ ترقی یافتہ دور ہے اور خوشحالی کا زمانہ ہے اس لیے اب لوگوں کے پاس ڈیپ فریزر ہیں جن میں وہ گوشت کو رکھ لیتے ہیں اور اس کو سکھانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ لوگ کئی کئی بکروں کی قربانی کرتے ہیں اور ڈیپ فریزر میں گوشت محفوظ کر کے مہینوں تک کھاتے رہتے ہیں۔ تاہم اس سے گوشت کی افادیت کم ہو جاتی ہے، بہتر یہ ہے کہ تھوڑا بہت گوشت جمع کر کے رکھ لیا جائے اور باقی گوشت کو صدقہ اور خیرات کر دیا جائے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۳۸۔ بَابُ: مَنْ نَاوَلَ أَوْ قَدَّمَ إِلَى صَاحِبِهِ عَلَى الْمَائِدَةِ شَيْئًا

جس نے دستر خوان کے اوپر سے (کھانے کی) کوئی چیز اٹھائی یا اپنے صاحب کی طرف بڑھائی، اس کا حکم

قَالَ وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ لَا بَأْسَ أَنْ يُنَاوِلَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا وَلَا يُنَاوِلُ مِنْ هَذِهِ الْمَائِدَةِ إِلَى مَائِدَةٍ أُخْرَى

امام بخاری نے کہا: ابن المبارک نے بیان کیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو کوئی چیز دے اور اس دستر خوان (یعنی جس دستر خوان سے خود کھا رہا ہے) سے دوسرے دستر خوان کی طرف کوئی چیز نہ دے۔

امام بخاری کی تعلیق مذکور کی شرح

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی عبداللہ بن المبارک المروزی نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ایک دستر خوان سے ایک دوسرے کو کھانے کی کوئی چیز دے، کیونکہ جو طعام ان کی طرف پیش کیا گیا ہے، اس میں سب کھانے والے معین ہیں اور شریک ہیں، پس جب کوئی شخص اپنا حصہ اپنے سامنے بیٹھے ہوئے کسی صاحب کو دے تو گویا کہ اس نے اپنا حصہ دیا جس میں دوسرے بھی شریک تھے، اور ایک دستر خوان سے دوسرے دستر خوان میں سے نکال کر دینا اس لیے ممنوع ہے کہ اس میں دوسرے دستر خوان والوں کی مشارکت نہیں ہے، جس میں پہلے دستر خوان والے شریک تھے۔ اور جو اٹھا کر دے رہا ہے اس کا اگرچہ اپنے سامنے والی چیزوں میں حق ہے، لیکن اس کا دوسرے دستر خوان والوں کی چیزوں میں حق نہیں ہے، کیونکہ دوسرے دستر خوان میں اس کی شرکت نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۳۹۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ إِنَّ خَيَّاطًا دَعَا رَسُولَ اللهِ ﷺ لِطَعَامٍ صَنَعَهُ قَالَ أَنَسٌ فَذَهَبْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِلَى ذَلِكَ الطَّعَامِ فَقَرَّبَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ خُبْزًا مِنْ شَعِيرٍ وَمَرَقًا فِيهِ دُبَّاءٌ وَقَدِيدٌ قَالَ أَنَسٌ فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ مِنْ حَوْلِ الصَّحْفَةِ فَلَمْ أَزَلْ أُحِبُّ الدُّبَّاءَ مِنْ يَوْمِئِذٍ وَقَالَ ثُمَامَةُ عَنْ أَنَسٍ فَجَعَلْتُ أَجْمَعُ الدُّبَّاءَ بَيْنَ يَدَيْهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک درزی نے رسول اللہ ﷺ کو اس کھانے کی دعوت دی، جو اس نے تیار کیا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: سو میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس کھانے کی طرف گیا، اس نے رسول اللہ ﷺ کی طرف جو کی روٹی اور شوربہ پیش کیا جس میں لوکی یا کدو تھا اور خشک گوشت تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: پس میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اس پیالہ کے چاروں طرف سے لوکی کے قتلے تلاش کر رہے تھے۔ پس اس دن سے میں بھی ہمیشہ لوکی سے محبت کرتا ہوں اور

ثمامہ نے کہا: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں لوکی کے قتلے تلاش کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھ رہا تھا۔

اس حدیث کی تخریج وہی ہے جو صحیح البخاری: ۵۴۳۳ میں گزر چکی ہے۔

صحیح البخاری: ۵۴۳۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایک دستر خوان سے کھانے کی کوئی چیز اٹھا کر دوسرے شریک کو دینے کا جواز، اور دوسرے دستر خوان سے اٹھا کر کوئی چیز دینے کی ممانعت

یہ حدیث اس سے پہلے ''باب المرق'' میں گزر چکی ہے، وہاں امام بخاری نے اس حدیث کی عبداللہ بن المبارک اور یہاں پر اس حدیث کی اسماعیل بن ابی اویس از امام مالک روایت کی ہے اور چاہیے تھا کہ اس حدیث کو بھی وہیں ذکر کرتے، اور یہاں اس حدیث کو لانے کی کوئی وجہ نہیں اور بعض شارحین نے اس کی مطابقت بیان کرنے میں تکلف کیا اور کہا: اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ ایک برتن سے اٹھا کر دوسرے برتن میں رکھے یا ایک برتن سے اٹھا کر دوسرے برتن میں ملائے جس سے وہ کھا رہا ہے، علامہ عینی اس کا رد فرماتے ہیں، اس مطابقت میں بہت بُعد ہے، کیونکہ جس برتن سے وہ کھا رہا ہے، اس میں اس کا حق ہے جس میں دوسرے شرکاء بھی مشترک ہیں، اس کے برخلاف دوسرے برتن میں اس کا کوئی حق نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۷-۹۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۹۔ بَابُ: الرُّطَبِ بِالْقِثَّاءِ — تازہ کھجوروں کو ککڑی کے ساتھ کھانا

یعنی تازہ کھجوروں کو ککڑی کے ساتھ ملا کر کھانا۔

۵۴۴۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی الله عنهما قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَأْكُلُ الرُّطَبَ بِالْقِثَّاءِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از والد خود از عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا کہ میں نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تازہ کھجوروں کو ککڑی کے ساتھ ملا کر کھا رہے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۴۰، ۵۴۴۷، ۵۴۴۹، صحیح مسلم: ۲۰۴۳، سنن ترمذی: ۱۸۴۴، سنن ابو داؤد: ۳۸۳۵، سنن ابن ماجہ: ۳۳۲۵، مسند احمد: ۱۷۴۳، سنن دارمی: ۲۰۵۸)

صحیح البخاری: ۵۴۴۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن سعد کا ذکر ہے، جو اپنے والد سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوف سے روایت کرتے ہیں جو صغار تابعین سے ہیں۔ اور اس کی سند میں عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کا ذکر ہے، یہ صغار صحابہ میں سے ہیں۔ یہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے حبشہ کی سرزمین میں پیدا ہوئے تھے اور یہ پہلے بچے ہیں جو سرزمین حبشہ میں اسلام میں پیدا ہوئے اور یہ اپنے والد کے ساتھ مدینہ منورہ آئے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یاد رکھیں اور روایت کیں اور یہ مدینہ میں ۸۰ ھ میں فوت ہوئے، اس وقت ان کی عمر ۹۰ سال تھی۔ ان کی نمازِ جنازہ ابان بن عثمان نے پڑھائی اور وہ اس وقت مدینہ کے گورنر تھے، ان کو بحر الجود کہا جاتا تھا، کہا جاتا ہے کہ اسلام میں ان سے زیادہ سخی کوئی نہیں تھا۔

باب مذکور کی مناسب دیگر روایات

امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب ککڑی تھی اور بائیں جانب تازہ کھجور تھی، اور کبھی آپ ایک طرف سے ککڑی کھاتے اور دوسری طرف سے تازہ کھجور کھاتے، اس حدیث کی سند میں اصرم بن حوشب ہے، اور وہ بہت ضعیف ہے اور اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ بائیں ہاتھ سے کھارہے تھے، کیونکہ آپ دائیں ہاتھ سے بائیں جانب سے اٹھا کر تازہ کھجور کھارہے تھے اور اس کو ککڑی کے ساتھ ملا کر کھاتے جو دائیں جانب تھی اور اس سے کوئی مانع نہیں ہے۔

تازہ کھجور اور ککڑی کو ملا کر کھانے کی حکمت

تازہ کھجور کو ککڑی کے ساتھ ملا کر کھانے کی حکمت یہ ہے کہ کھجور کی گرمی کو ککڑی کی ٹھنڈک ختم کر دیتی ہے۔

ابو الشیخ ابن حبان نے کتاب اخلاق رسول اللہ میں اپنی سند سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خربوزہ کو تازہ کھجوروں کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے اور ککڑی کو نمک کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے، لیکن دوسرے محدثین نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۴۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ککڑی کو تازہ کھجوروں کے ساتھ ملا کر کھانے کے دو معنی ہیں:

ایک یہ ہے کہ تازہ کھجوروں کو اس کی ضد کے ساتھ ملا کر کھایا جائے، کیونکہ ککڑی تر اور سرد تر ہے اور کھجور گرم اور خشک ہے، پس یہ دونوں مل کر معتدل ہو جائیں۔

اور دوسرا معنی یہ ہے کہ کھانے کی چیزوں میں توسّع کو اختیار کیا جائے اور جو چیز لذیذ اور مباح ہو، اسے کھایا جائے۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ جو طعام گرم ہو اس کو سرد طعام کے ساتھ ملا کر کھایا جائے تا کہ اعتدال ہو جائے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تازہ کھجوروں کو ککڑی کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے، اور کبھی آپ تازہ کھجوروں کو خربوزہ کے ساتھ ملا کر بھی کھاتے تھے۔ (التوضیح لشرح

الجامع الصحیح ج ۲۶، ۲۱۳-۲۱۴، ۲۱۴، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: دیگر شارحین نے بھی اس حدیث کی اسی طرح شرح کی ہے۔

۴۰۔ باب

باب

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب مذکور کا کوئی عنوان نہ بنانے کی توجیہ

امام بخاری نے اس باب کا کوئی عنوان نہیں بنایا ہے، اور امام بخاری کی عادت یہ ہے کہ اس قسم کے باب کو پہلے باب سے بطور فصل لاتے ہیں اور جو باب ذکر کیا گیا ہے، یہ پہلے باب کے ساتھ کسی مناسبت کی وجہ سے ملا ہوا ہوتا ہے۔ اور یہاں کوئی مناسبت نہیں ہے، کیونکہ اس سے پہلے باب میں ککڑی اور تازہ کھجوروں کو ساتھ ملا کر کھانے کا ذکر تھا۔ اور اس باب کی حدیث میں رات کے تین حصے کر کے جاگنے کا ذکر ہے، اس لیے اسماعیلی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث کی حدیثِ سابق کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں اس باب کا عنوان ہے ''ردی کھجور''۔ کیونکہ اس باب کی حدیث میں ردی کھجور کا ذکر ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ امام بخاری نے اس باب کا عنوان کھجور بنایا تھا، پھر اس کو چھوڑ دیا، یا تو وہ بھول گئے یا اس کی دوبارہ تلافی نہیں کر سکے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صحیح بخاری کا نسخہ نقل کرنے والے نے اس لفظ کو چھوڑ دیا ہو۔

۵۴۴۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَبَّاسٍ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ قَالَ تَضَيَّفْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ سَبْعًا فَكَانَ هُوَ وَامْرَأَتُهُ وَخَادِمُهُ يَعْتَقِبُونَ اللَّيْلَ أَثْلَاثًا يُصَلِّي هَذَا ثُمَّ يُوقِظُ هَذَا وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ قَسَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْنَ أَصْحَابِهِ تَمْرًا فَأَصَابَنِي سَبْعُ تَمَرَاتٍ إِحْدَاهُنَّ حَشَفَةٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از عباس الجریری از ابی عثمان، انہوں نے کہا: میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہاں سات دن مہمان رہا، وہاں حضرت ابو ہریرہ تھے اور ان کی بیوی تھی اور ان کے خادم تھے، ان تینوں نے رات کے تین حصے کر کے جاگنے کی تقسیم کر لی تھی۔ پہلے ایک نماز پڑھتا پھر وہ دوسرے کو جگا دیتا، اور ابوعثمان نے کہا: میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب میں کھجوریں تقسیم کیں، سو مجھ کو بھی سات کھجوریں ملیں، ان میں سے ایک کھجور بہت سخت تھی یا خراب تھی۔

(صحیح البخاری: ۵۴۴۱ و ۵۴۴۱، سنن ابن ماجہ: ۴۱۵۷، مسند احمد: ۹۱۰۹)

صحیح البخاری: ۵۴۴۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: ''تضیفتُ'' یعنی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہاں سات راتیں مہمان ٹھہرا، علامہ کرمانی نے اس کی شرح میں لکھا ہے: یعنی ایک ہفتہ مہمان ٹھہرا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''وہاں ان کی بیوی تھیں''، ان کا نام حضرت بُسرہ ہے، باء پر پیش اور سین پر جزم ہے، یہ بنت غزوان صحابیہ ہیں۔ اور حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ بُسرہ بنت غزوان کے ہاں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مزدوری کرتے تھے، پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کر لیا اور میں نے کسی اور کو نہیں دیکھا جس نے اس بات کا ذکر کیا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''یعتقبون اثلاثا''، یعنی انہوں نے رات کے تین حصے کر لیے تھے اور ہر ایک رات کو باری باری اٹھ کر رات میں عبادت کرتا تھا اور نماز پڑھتا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ان کھجوروں میں ایک ''حشفه'' تھی۔ یعنی وہ ردّی کھجور تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ایسی کھجور تھی جس میں گٹھلی نہیں تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات کھجوریں دیں اور ان میں ایک سخت کھجور تھی، جس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بہت زیادہ چبا چبا کر اور منہ میں گھلا کر کھایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبوب کی طرف سے جو چیز بھی ملے، اس کو خوشی سے قبول کرنا چاہیے اور ناپسند نہیں کرنا چاہیے۔

نیز یہ حدیث صحیح البخاری: ۵۴۱۱ میں گزر چکی ہے۔

۵۴۴۱ (م)۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَسَمَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بَيْنَنَا تَمْرًا فَأَصَابَنِي مِنْهُ خَمْسٌ أَرْبَعُ تَمَرَاتٍ وَحَشَفَةٌ ثُمَّ رَأَيْتُ الْحَشَفَةَ هِيَ أَشَدُّهُنَّ لِضِرْسِي۔

(م)۔ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن صباح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن زکریا نے حدیث بیان کی از عاصم از ابی عثمان از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان کھجوریں تقسیم فرمائیں، پس مجھے ان میں سے پانچ کھجوریں ملیں، چار کھجوریں تھیں اور ایک ردّی کھجور تھی۔ پھر وہ ردّی کھجور جو تھی، وہ میری ڈاڑھوں میں بہت سخت تھی۔

(صحیح البخاری: ۵۴۴۱ و ۵۴۴۱، سنن ابن ماجہ: ۴۱۵۷، مسند احمد: ۹۱۰۹)

صحیح البخاری: ۵۴۴۱ (م) کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کا تذکرہ

یہ اس حدیث مذکور کی دوسری سند ہے، جس کی امام بخاری نے محمد بن الصباح سے روایت کی ہے از اسماعیل بن زکریا الخلقانی الکوفی از عاصم الاحول از ابی عثمان عبد الرحمٰن بن ابی ہریرہ۔

حدیث مذکور میں تعارض کا جواب

اگر تم یہ سوال کرو کہ پہلی حدیث میں سات کھجوروں کا ذکر ہے اور اس حدیث میں پانچ کھجوروں کا ذکر ہے، تو میں کہوں گا کہ علامہ ابن التین نے ذکر کیا ہے کہ یا تو دو روایتوں میں سے ایک روایت وہم ہے، یا یہ دو واقعات ہیں، ایک مرتبہ پانچ کھجوریں دی تھیں اور دوسری مرتبہ سات کھجوریں دی تھیں۔ بعض شارحین نے کہا ہے کہ دوسرا جواب بعید ہے، کیونکہ دونوں حدیثوں کا راوی ایک ہی ہے، پھر انہوں نے کہا کہ علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ تخصیص بالعدد زائد کے منافی نہیں ہوتی، یعنی ہوسکتا ہے کہ دی تو سات کھجوریں ہوں لیکن دوسری روایت میں ان کو پانچ ذکر کر دیا کیونکہ سات کھجوروں میں بھی پانچ کھجوریں موجود ہیں۔ پھر انہوں نے کہا کہ اولیٰ یہ ہے کہ پہلی مرتبہ پانچ پانچ کھجوریں دیں اور دوسری مرتبہ دو دو کھجوریں دیں، علامہ عینی اس پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دو مرتبہ تقسیم کرنے پر کوئی دلیل ہونی چاہیے۔

امام ابن ماجہ اور امام احمد کی روایت میں اسی سند کے ساتھ مذکور ہے کہ صحابہ کو بھوک لگی اور وہ سات صحابہ تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سات کھجوریں دیں اور ہر انسان کے لیے ایک کھجور دی اور یہ روایات معنوی طور پر متفق ہیں، کیونکہ تقسیم میں ایک ایک کھجور دی گئی اور بہ ظاہر یہ حدیث امام بخاری کی روایت کے خلاف ہے، لیکن حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ متعدد واقعات ہوں، ایک مرتبہ ابو عثمان کو ساتھ کھجوریں دی ہوں اور دوسری مرتبہ سات صحابہ کو سات کھجوریں دی ہوں اور ہر ایک کے حصہ میں ایک کھجور آئی ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۱۔ باب: الرُّطَبِ وَالتَّمْرِ

تازہ کھجوریں اور خشک کھجوریں

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَىٰ: وَهُزِّيٓ إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ (مریم)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اور آپ اس کھجور کے درخت کو اپنی طرف ہلائیں تو آپ کے اوپر تر و تازہ کھجوریں گریں گی ۝

اس آیت سے پہلے درج ذیل آیات ہیں:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۗ فَأَرْسَلْنَآ إِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ إِنِّيٓ أَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ إِنَّمَآ أَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِأَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ أَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ أَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ

اس کتاب میں مریم کا ذکر کیجیے جب وہ اپنے گھر والوں سے دور مشرق میں ایک جگہ چلی گئیں ۝ سو انہوں نے لوگوں کی طرف سے ایک آڑ بنالی، پس ہم نے ان کے پاس اپنے فرشتے کو بھیجا، اس نے مریم کے سامنے ایک تندرست بشر کی شکل اختیار کر لی ۝ مریم نے کہا: میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو اللہ سے ڈرنے والا ہے ۝ فرشتہ نے کہا: میں تو صرف تمہارے رب کا بھیجا

رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿٢١﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٢٢﴾ فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَىٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا وَكُنتُ نَسْيًا مَّنسِيًّا ﴿٢٣﴾ فَنَادَاهَا مِن تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾ وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾ فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ۖ فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا ﴿٢٦﴾ (مریم)

ہوا ہوں تا کہ میں تمہیں ایک پا کیزہ بیٹا دوں O مریم نے کہا: میرے ہاں لڑکا کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ کسی بشر نے مجھے چھوا تک نہیں اور نہ میں بدکار ہوں O فرشتہ نے کہا: اسی طرح ہوگا، آپ کے رب نے فرمادیا ہے: یہ مجھ پر آسان ہے تا کہ ہم اسے لوگوں کے لیے نشانی اور اپنی طرف سے رحمت بنادیں، اور اس کام کا فیصلہ ہو چکا ہے O پس مریم کو اس کا حمل ہوگیا اور وہ اس حمل کے ساتھ دور جگہ پر چلی گئیں O پھر درد زہ ان کو ایک کھجور کے درخت کے پاس لے گیا، انہوں نے کہا: کاش! میں اس سے پہلے مرجاتی اور بھولی بسری ہوجاتی O پھر درخت کے نیچے سے (فرشتہ نے) ان کو آواز دی: آپ پریشان نہ ہوں، آپ کے رب نے آپ کے نیچے سے ایک نہر جاری کردی ہے O اور آپ اس کھجور کے درخت کو اپنی طرف ہلائیں تو آپ کے اوپر تر و تازہ کھجوریں گریں گی O سو کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی رکھو، سو تم جب بھی کسی انسان کو دیکھو تو اس کو اشارہ سے کہو کہ میں نے رحمٰن کے لیے (خاموشی کے) روزے کی نذر مانی ہے، سو میں آج ہرگز کسی انسان سے بات نہیں کروں گی O

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں سورۂ مریم کی آیت نمبر ۲۵ ذکر کی تھی، ہم نے اس سے پہلے اور بعد کی آیتوں کو ذکر کردیا ہے تا کہ اس آیت کا سیاق و سباق معلوم ہوجائے اور مضمون کا ربط قائم ہوجائے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس گھر میں کھجوریں نہ ہوں، وہ گھر والے بھوکے رہیں گے، اور انہوں نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اور تر و تازہ کھجوریں اور خشک کھجوریں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں جو اس نے بندوں کو نفع پہنچانے کے لیے پیدا کی ہیں اور یہ اہلِ حجاز کا طعام ہے اور ان کی عمدہ خوراک ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کی کھجوروں میں برکت کی دعا کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی کھجوروں میں برکت کی دعا کی، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی، پس قیامت تک مدینہ منورہ کی کھجوروں میں اور پھلوں میں برکت ہے۔

مریم: ۲۵ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم کو خطاب ہے یعنی آپ کھجور کے تنے کو ہلائیں۔ اس کھجور کے تنے کے

اندر کھجور کے خوشے نہیں تھے، اور جس جگہ یہ تنا تھا اس کو بیتِ لحم کہتے ہیں اور یہ بیت المقدس سے تین میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے، جب حضرت مریم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حمل ہوگیا تو انہیں اپنی قوم سے خطرہ ہوا تو وہ اپنے چچازاد بھائی یوسف کے ساتھ مصر کی سرزمین کو طلب کرنے کے لیے گئیں، جب وہ اس کھجور کے تنے پر پہنچیں تو ان کو درد زِہ ہوا تو وہ اس تنے کے پاس آگئیں، اور فرشتوں نے ان کو گھیر لیا اور کہا کہ آپ غمگین نہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے نیچے ایک نہر جاری کردی ہے (مریم:۲۴) اور وہاں پر کوئی نہر نہیں تھی اور نہ ہی کوئی چشمہ تھا، اور یہ بھی ایک قول ہے کہ اس سری کے لفظ سے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات مراد ہے، لیکن جمہور کے نزدیک اس سے مراد نہر ہے، اور مقاتل نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا پیر زمین پر مارا تو اس سے ایک چشمہ نکل آیا اور وہاں کھجور کا ایک تنا ظاہر ہوگیا اور اس میں پھل لگ گئے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ آپ اس تنے کو ہلائیں تو آپ پر تروتازہ کھجوریں گریں گی۔

الربیع بن خیثم نے کہا ہے: جس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہونے والا ہو، اس کے لیے تازہ کھجوروں سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے اور مریض کے لیے شہد سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔ اور پھر انہوں نے اس آیت کو پڑھا۔

امام ابن ابی حاتم نے اور امام ابویعلیٰ الموصلی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تمہاری جن عورتوں کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہو، ان کو تازہ کھجوریں کھلاؤ، اگر تازہ کھجوریں میسر نہ ہوں تو خشک کھجوریں کھلاؤ، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس درخت سے بڑھ کر کوئی درخت مکرم نہیں ہے جس درخت کے نیچے حضرت مریم علیہا السلام آکر ٹھہری تھیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰۰-۱۰۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۴۴۲۔ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُورِ بْنِ صَفِيَّةَ حَدَّثَتْنِي أُمِّي عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَقَدْ شَبِعْنَا مِنَ الْأَسْوَدَيْنِ التَّمْرِ وَالْمَاءِ۔

اور محمد بن یوسف نے کہا از سفیان از منصور بن صفیہ، مجھے میری والدہ نے حدیث بیان کی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور ہم صرف دو سیاہ چیزوں سے سیر ہوتے تھے، کھجور سے اور پانی سے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۴۲، صحیح مسلم: ۲۹۷۵، مسند احمد: ۲۴۴۴۲)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۳۸۳، میں گزر چکی ہے۔

۵۴۴۳۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما قَالَ كَانَ بِالْمَدِينَةِ يَهُودِيٌّ وَكَانَ يُسْلِفُنِي فِي تَمْرِي إِلَى الْجِدَادِ وَكَانَتْ لِجَابِرٍ الْأَرْضُ الَّتِي بِطَرِيقِ رُومَةَ فَجَلَسَتْ فَخَلَا عَامًا فَجَاءَنِي الْيَهُودِيُّ عِنْدَ الْجِدَادِ وَلَمْ أَجُدَّ مِنْهَا شَيْئًا فَجَعَلْتُ أَسْتَنْظِرُهُ إِلَى قَابِلٍ فَيَأْبَى فَأُخْبِرَ بِذَلِكَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوغسان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابوحازم نے حدیث بیان کی از ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی ربیعہ از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ میں ایک یہودی تھا، وہ مجھے کھجوریں ادھار دیتا تھا، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی رومہ کے راستہ میں زمین تھی، پس میں بیٹھ گیا، سو ایک سال گزر گیا حتیٰ کہ میرے پاس وہ یہودی آیا جب کھجوریں درختوں سے اتارنے کا وقت تھا

فَقَالَ لِأَصْحَابِهِ امْشُوا نَسْتَنْظِرْ لِجَابِرٍ مِنَ الْيَهُودِيِّ فَجَاؤُنِي فِي نَخْلِي فَجَعَلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يُكَلِّمُ الْيَهُودِيَّ فَيَقُولُ أَبَا الْقَاسِمِ لَا أُنْظِرُهُ فَلَمَّا رَأَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم قَامَ فَطَافَ فِي النَّخْلِ ثُمَّ جَاءَهُ فَكَلَّمَهُ فَأَبَى فَقُمْتُ فَجِئْتُ بِقَلِيلِ رُطَبٍ فَوَضَعْتُهُ بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَكَلَ ثُمَّ قَالَ أَيْنَ عَرِيشُكَ يَا جَابِرُ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ افْرُشْ لِي فِيهِ فَفَرَشْتُهُ فَدَخَلَ فَرَقَدَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَجِئْتُهُ بِقَبْضَةٍ أُخْرَى فَأَكَلَ مِنْهَا ثُمَّ قَامَ فَكَلَّمَ الْيَهُودِيَّ فَأَبَى عَلَيْهِ فَقَامَ فِي الرِّطَابِ فِي النَّخْلِ الثَّانِيَةَ ثُمَّ قَالَ يَا جَابِرُ جُدَّ وَاقْضِ فَوَقَفَ فِي الْجَدَادِ فَجَدَدْتُ مِنْهَا مَا قَضَيْتُهُ وَفَضَلَ مِنْهُ فَخَرَجْتُ حَتَّى جِئْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَبَشَّرْتُهُ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللهِ عُرُوشٌ وَعَرِيشٌ بِنَاءٌ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَعْرُوشَاتٍ مَا يُعَرَّشُ مِنَ الْكُرُومِ وَغَيْرِ ذَلِكَ يُقَالُ عُرُوشُهَا أَبْنِيَتُهَا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ فَخَلَا لَيْسَ عِنْدِي مُقَيَّدًا ثُمَّ قَالَ فَجَلَّى لَيْسَ فِيهِ شَكٌّ۔

اور مجھے درختوں سے کوئی چیز نہیں ملی، تو میں نے اس یہودی سے اگلے سال تک کی مہلت مانگی تو وہ انکار کرنے لگا، پس میں نے اس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: چلو ہم جابر کے لیے اس یہودی سے مہلت طلب کریں، پس وہ میرے پاس میرے باغ میں آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی سے سفارش کی تو اس یہودی نے کہا: اے ابوالقاسم! میں اس کو مہلت نہیں دوں گا، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا تو آپ کھڑے ہوئے اور آپ نے کھجور کے درختوں کے درمیان طواف کیا، پھر آپ اس کے پاس آئے، پھر آپ نے سفارش کی اور پھر اس نے انکار کیا، پس میں کھڑا ہوا اور میں تھوڑی سی تر و تازہ کھجوریں لے کر آیا اور ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا، آپ نے ان کھجوروں کو کھایا اور فرمایا: اے جابر! تمہاری جھونپڑی کہاں ہے؟، سو میں نے آپ کو اس کی خبر دی، آپ نے فرمایا: میرے لیے اس میں بستر بچھاؤ، پس میں نے آپ کے لیے بستر بچھایا، آپ جھونپڑی میں داخل ہوئے، پھر آپ سو گئے، پھر آپ بیدار ہوئے، پھر میں آپ کے پاس کچھ اور تر و تازہ کھجوریں لے کر آیا، آپ نے اس سے کھایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور پھر آپ نے یہودی سے بات کی، اس نے پھر انکار کیا، پھر آپ دوسری مرتبہ درخت کی ان تر و تازہ کھجوروں میں کھڑے ہوئے، پھر آپ نے فرمایا: اے جابر! کھجوریں اتارو اور اپنا قرض پورا کرو، پس آپ ٹھہرے رہے اور میں کھجوریں اتارتا رہا، پھر میں نے اتنی کھجوریں اتاریں کہ میں نے اس یہودی کا قرض ادا کر دیا اور کھجوریں پھر بھی بچ گئیں، پھر میں باہر نکلا حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشخبری دی، تو آپ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

عروش وعریش کا معنی ہے: عمارت کی چھت، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "معروشت" (سورہ انعام میں لفظ معروشات

سے مراد انگور وغیرہ کی بیلیں ہیں)، اور کہا جاتا ہے: ''عروشھا'' یعنی اس کے مکان یا اس کی جھونپڑیاں۔ (سورہ بقرہ میں ہے: وھی خاویۃ علی عروشھا، وہ بستی اپنی چھتوں پر گری ہوئی تھی) محمد بن یوسف نے بیان کیا کہ ابو جعفر نے کہا: محمد بن اسماعیل نے کہا: ''فخلا'' میرے نزدیک یہ مقید نہیں ہے، پھر کہا: ''نخلا'' اس میں شک نہیں ہے۔ (دوسرے نسخہ میں فخلیٰ کی جگہ فجلی کا ذکر ہے اور اس میں شک نہیں ہے)۔

(سنن نسائی: ۳۶۴۰، سنن ابوداؤد: ۲۸۸۴، مسند احمد: ۱۳۹۴۹)

صحیح البخاری: ۵۴۴۳ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے ساتھ مطابقت تر و تازہ کھجوروں کے ذکر میں ہے، کیونکہ اس حدیث میں تین مرتبہ تر و تازہ کھجوروں کا ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوغسان کا ذکر ہے، اس میں غین پر زبر ہے اور سین پر تشدید ہے اور آخر میں نون ہے، ان کا نام محمد بن مُطرف ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوحازم کا ذکر ہے، وہ سلمہ بن دینار ہیں۔ اور ابراہیم کا ذکر ہے، وہ ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی ربیعہ المخزومی ہیں۔ اور ابو ربیعہ کا نام عمرو ہے، اور ان کو حذیفہ بھی کہا جاتا ہے اور ان کا لقب تھا دو نیزے والا۔ ان کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یمن کے شہروں میں لشکر کا امیر بنایا اور وہ ہمیشہ لشکر کے امیر رہے حتیٰ کہ وہ سال آ گیا جس سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا، وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے گئے تو اپنی سواری سے گر گئے، پس ابراہیم فوت ہو گئے۔ اور ابراہیم سے امام نسائی نے بھی روایت کی ہے، امام ابو حاتم نے کہا کہ یہ روایت مرسلہ ہے۔ اور صحیح بخاری میں اس حدیث کی سوا ابراہیم کے اور کوئی روایت نہیں ہے اور ان کی والدہ حضرت ام کلثوم بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما ہیں۔ اور ابراہیم نے اپنی ماں اور اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں سے روایت کی ہے، اور امام بخاری اس روایت میں منفرد ہیں۔

ابراہیم کی روایت کردہ حدیث مذکور پر شارحین کے اعتراضات اور ان کے جوابات

اور اسماعیلی نے اس حدیث کی از محمد بن احمد بن القاسم روایت کی ہے، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی یحییٰ بن صاعد نے، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی احمد بن منصور نے اور سعید بن ابی مریم نے برابر برابر، پھر انہوں نے کہا: یہ قصہ معروف راویوں نے بیان کیا ہے کہ یہ قصہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد کے قرض کے متعلق ہے۔ اور کھجوریں اتارنے تک قرض کی ادائیگی کو

امام بخاری اور دوسرے ائمہ جائز نہیں قرار دیتے ، پس اس حدیث کی سند میں اعتراض ہے ۔ اسی طرح علامہ ابن التین شارح بخاری نے کہا ہے کہ اکثر احادیث میں یہ مذکور ہے کہ یہ قرض حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد پر تھا اور اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس میں سوا ابراہیم کے حال کے اور کسی پر اعتراض نہیں ہے اور امام ابن حبان نے ابراہیم کو ثقات تابعین میں ذکر کیا ہے ۔ اور ان کے بیٹے اسماعیل نے بھی ان سے اس حدیث کی روایت کی ہے ۔

اور یہ جو اعتراض کیا گیا ہے کہ امام بخاری کھجوریں اتارنے تک قرض کو جائز قرار نہیں دیتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بیع سلم کے قبیل سے ہے جس میں مدت معینہ تک رقم کی ادائیگی جائز ہوتی ہے ، پس اس حدیث کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ اس میں اقتصار ہے کہ کھجوریں اتارنے تک قرض کو مؤخر کیا گیا ، دراصل قرض کی ادائیگی کا وقت معین تھا ۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد کے قرض کا قصہ متعدد ہے ، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے باغ میں جو کاروائی کی ، یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مختص تھی کہ ان کے والد کے اوپر جو قرض تھا ، اس قرض کی ادائیگی کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے باغ کے گرد پھیرے لگائے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ درخت سے تم کھجوروں کو اتارو اور ان کا قرض ادا کردو ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے : ''یسلفنی الی الجداد'' ، یعنی وہ یہودی مجھے درختوں سے کھجوریں اتارنے تک قرض کی ادائیگی کی مہلت دیتا تھا ۔ نیز اس حدیث میں مذکور ہے : ''وکانت لجابر الارض التی بطریق رومة'' ، اس جملہ میں حاضر سے غائب کی طرف التفات ہے ، یعنی بظاہر یوں ہونا چاہیے تھا کہ میری زمین رومہ کے راستہ میں تھی ، اس کی بجائے ذکر ہے کہ جابر کی زمین رومہ کے راستہ میں تھی ۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ یہ راوی کا کلام ہو جو اس حدیث میں مدرج ہے ، تو میں کہوں گا : اس سے مانع یہ ہے کہ امام ابونعیم نے المستخرج میں سعید بن ابی مریم شیخ بخاری سے روایت کی ہے کہ میرے لیے رومہ کے راستہ میں زمین تھی ۔ رُومہ وہ کنواں ہے جس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خرید لیا تھا ۔ اور یہ کنواں نفسِ مدینہ میں تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ رُومہ بنو غفار کا ایک مرد تھا ، اس کا کنواں تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خریدنے سے پہلے تھا ، پھر اس کنویں کی اس کی طرف نسبت کردی گئی ۔

اس حدیث میں مذکور ہے : ''فجلست'' یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں زمین پر بیٹھ گیا اور اس انتظار میں رہا کہ درخت سے کھجوروں کو اتاروں اور میں نے کھجوریں اتارنے کے وقت تک کھجوروں کو نہیں پایا ۔

پھر اس حدیث میں مذکور ہے : ''استنظرہ'' یعنی میں اس یہودی سے مہلت طلب کرتا تھا کہ اگلے سال تمہیں کھجوریں دے دوں گا تو اس یہودی نے انکار کیا ، پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کرائی ، تو اس یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش قبول کرنے سے بھی انکار کردیا ۔

اس حدیث میں ''عریشك'' کا لفظ ہے ۔ اس کا معنی ہے : جس چھت کے نیچے بیٹھ کر سایہ حاصل کیا جائے ۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد عمارت ہے ، یعنی باغ میں جو عمارت بنائی گئی تھی تا کہ وہاں پر سایہ حاصل کیا جائے اور اس عمارت کے اوپر انگوروں کی بیل تھی ۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ

اس حدیث میں مذکور ہے: ''اقض'' یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ تم اپنا قرض ادا کردو جو تم نے اس یہودی کو دینا ہے۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے: ''وفضل مثلہ''، یعنی یہودی کو کھجوریں دینے کے بعد بھی اتنی ہی کھجوریں باقی بچ گئیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں''۔ آپ نے یہ اس لیے فرمایا کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک خلافِ عادت فعل ظاہر ہوا جو آپ کے دلائل نبوت میں سے ایک دلیل ہے اور اس سے معلوم یہ ہوا کہ جو کھجوریں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قرض ادا کرنے کے لیے پوری نہیں ہوتی تھیں، ان کھجوروں سے ان کا قرض بھی ادا ہو گیا اور اتنی ہی کھجوریں باقی بچ گئیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰۲-۱۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۴۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کھجوروں کا عمدہ خوراک ہونا

تر و تازہ اور خشک کھجوریں ان چیزوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ اہلِ حجاز کا عمدہ طعام ہے اور ان کی عمدہ خوراک ہے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ میں برکت کی دعا کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی کھجوروں کے لیے برکت کی دعا کی جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کی کھجوروں کے لیے کی تھی اور یہ برکت وہاں کے پھلوں اور وہاں کی کھجوروں میں قیامت تک رہے گی۔

یہ قرض حضرت جابر رضی اللہ عنہ پر تھا یا ان کے والد پر تھا؟

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قرض حضرت جابر رضی اللہ عنہ پر تھا، اور اکثر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرض حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد پر تھا۔

حدیث مذکور کے بعض فوائد

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ یہودی اپنے قرض کی ادائیگی میں مہلت نہیں دیتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرض سے پناہ طلب کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی اور آپ کی زِرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ آپ قرض کی کثرت سے پناہ طلب کرتے تھے۔

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بعض اصحاب کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تھے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۲۱۷-۲۱۹، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۴۳ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔

بیع سلم یا بیع سلف کی تعریف

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھجوروں کو قرض پر حاصل کرنا جائز ہے، بایں طور کہ کوئی شخص کسی کو دراہم دے کر مدت معینہ کے ادھار پر کھجوریں خریدے، یعنی ثمن معجل ہو اور مثمن مؤجل ہو، یعنی قیمت نقد ادا کر دے اور اس کے عوض میں جنس کی ادائیگی بعد میں ہو، اور بیوع میں اکثر تعامل اس کے برعکس ہوتا ہے، یعنی اکثر یہ ہوتا ہے کہ ثمن بعد میں دی جاتی ہے اور مثمن یعنی جنس پہلے لی جاتی ہے لیکن کبھی معاملہ برعکس بھی ہوتا ہے جب آدمی کو دراہم کی ضرورت ہو، تو وہ کسی انسان سے دراہم لیتا ہے کہ اس کے عوض میں ایک سال یا دو سال کے بعد جنس یا مثمن ادا کرے گا، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو وہ پھلوں میں بیع سلف کرتے تھے، یعنی ایک سال اور دو سال کے لیے کھجوریں ادھار پر فروخت کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی چیز میں بیع سلف کرے تو اس میں سلف کرے جس کی مقدار معلوم ہو اور وزن معلوم ہو اور ادائیگی کی مدت معلوم ہو۔

اور اس یہودی مرد نے کھجوریں، درختوں سے کھجوریں اتارنے تک کے ادھار پر دی تھیں، پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس سے مہلت کو طلب کیا تو اس نے مہلت دینے سے انکار کر دیا، پھر انہوں نے اس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی تو آپ اس باغ میں آئے، تا کہ یہودی سے سفارش کریں لیکن یہودی نے آپ کی سفارش کو ماننے سے انکار کر دیا حتیٰ کہ یہ قضیہ حاصل ہو گیا۔

حدیث مذکور کے دیگر فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہود سے معاملہ کرنا جائز ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو اس معاملہ پر برقرار رکھا اور یہ معلوم ہے کہ یہودی سود لیتے تھے اور سود کا کاروبار کرتے تھے۔ اسی حدیث سے یہ واضح ہوا کہ جو انسان سودی کاروبار کرتا ہو، اس سے معاملہ کرنا جائز ہے جب کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی حرام کام نہ ہو، تب اس کے ساتھ معاملہ کرنا جائز ہے۔

(۲) اس حدیث میں بیع سلم یا بیع سلف کے جواز پر دلیل ہے، کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس یہودی سے بیع سلم کی تھی۔

سوال: کیا بیع سلف کرنا قیاس کے موافق ہے یا قیاس کے خلاف ہے؟

جواب: یہ قیاس کے موافق ہے، اس کے برخلاف بعض لوگوں نے کہا کہ یہ خلافِ قیاس ہے، اور نظر کا تقاضا یہ ہے کہ یہ حرام ہو، لیکن لوگوں کی ضرورت کی بناء پر اس کو جائز قرار دیا گیا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ بیع سلف میں بیع معدوم ہو اور جو چیز معدوم ہو اس کو سپرد کرنے پر انسان قادر نہیں ہے، لہٰذا نظر کا تقاضا یہ ہے کہ بیع سلف حرام ہو۔

لیکن یہ قیاس صحیح نہیں ہے، کیونکہ بیع سلف بیع معدوم نہیں ہے، کیونکہ تم معین کھجوروں کو فروخت نہیں کر رہے، تم یہ نہیں کہہ رہے کہ اس معین درخت سے جو کھجوریں حاصل ہوں گی، وہ تم کو دی جائیں گی، سو یہ کسی شے معین کی معدوم بیع نہیں ہے۔

پھر ہم کہتے ہیں کہ یہ قیاس کے موافق اس لیے ہے کہ اس میں دو طرف کی مصلحتیں ہیں۔ ایک طرف کی مصلحت یہ ہے کہ ضرورت کو پورا کیا جائے اور دوسری طرف کی مصلحت یہ ہے کہ بیع کو حلال قرار دیا جائے۔

(۳) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ فصل کٹنے یا باغ کے درختوں سے پھل اتارنے تک بیع سلف جائز ہے، اور اس کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور ہے۔

(۴) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرض خواہ سے مہلت طلب کرنا جائز ہے، کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اس سے اگلے سال تک کی مہلت طلب کی۔

(۵) اس حدیث کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی انسان اپنے دوستوں اور خیر خواہوں کو بھی ساتھ لے جائے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: چلو! جابر کے قرض خواہ سے مہلت طلب کرتے ہیں۔

(۶) اس سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ مرتبہ کے شخص کا ادنیٰ مرتبہ کے شخص سے سفارش کرنا جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قرض کے لیے یہودی سے مہلت طلب کرنے کے لیے سفارش کی، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو مرتبہ ہے، یہودی اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔

(۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سائے میں بیٹھنا جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی جھونپڑی کے سایہ میں بیٹھے اور وہاں آپ نے تھوڑی سی کھجوریں تناول فرمائیں اور یہ دنیا کی عیش و عشرت نہیں ہے۔

(۸) اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ اپنے بیٹھنے کے لیے فرش بچھانے کو طلب کرنا جائز ہے، اور یہ نہ کہا جائے کہ تم زمین پر سوؤ، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ تم فرش بچھاؤ۔

(۹) بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنے نفس پر سختی نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سید المتقین اور سید الزاہدین ہیں، اس کے باوجود آپ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تمہاری جھونپڑی کہاں ہے اور فرمایا: اس میں میرے لیے فرش بچھاؤ۔

(۱۰) اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ کھانے کے بعد سونا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھجوریں کھانے کے بعد سو گئے اور پھر دوبارہ اٹھے۔

(۱۱) اس حدیث میں دلیل ہے کہ کسی انسان کا بار بار سفارش کرنا جائز ہے، اور انسان اپنے لیے بار بار سفارش کرنے میں عار محسوس نہ کرے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے لیے اس یہودی سے کئی بار سفارش کی۔

(۱۲) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ظاہر ہوا اور جو کھجوریں بہت کم تھیں، ان سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قرض ادا ہو گیا، بلکہ پھر بھی کھجوریں اتنی ہی بچ گئیں۔

(۱۳) اس حدیث میں خوشخبری دینے کی دلیل ہے، کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا جب قرض ادا ہو گیا تو انہوں نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خوشخبری دی، اور جس چیز سے انسان کو مسرت اور خوشی حاصل ہو، وہ دوسرے کو اس کی خوشخبری دے۔

(۱۴) جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرض کی ادائیگی کی بشارت دی تو آپ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ معجزات کا ظہور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے۔

(۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی اپنی رسالت کی گواہی دیتے تھے۔

(۱۶) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خوش ہونا دو وجہ سے تھا، ایک اس وجہ سے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قرض ادا ہو گیا، اور دوسری اس وجہ سے کہ آپ کی برکت کی وجہ سے معجزہ کا ظہور ہوا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۸۱-۱۸۴، ملخصاً وملتقطاً، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۴۲۔ بَابُ: أَكْلِ الْجُمَّارِ — کھجور کے درخت کا گوند جو چربی کے مشابہ ہوتا ہے، اس کے کھانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں جُمّار کے کھانے کا بیان ہے، جُمّار کے لفظ میں جیم پر پیش ہے اور میم مشدد ہے اور یہ جمارۃ کی جمع ہے، اور وہ کھجور کے درخت کا قلب اور اس کی چربی ہے۔

میں کہتا ہوں: کہ کتب لغت میں لکھا ہے کہ جُمّار کھجور کے درخت کا گوند ہے جو چربی کے مشابہ ہوتا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۴۴۴۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي مُجَاهِدٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ جُلُوسٌ إِذَا أُتِيَ بِجُمَّارِ نَخْلَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ لَمَا بَرَكَتُهُ كَبَرَكَةِ الْمُسْلِمِ فَظَنَنْتُ أَنَّهُ يَعْنِي النَّخْلَةَ فَأَرَدْتُ أَنْ أَقُولَ هِيَ النَّخْلَةُ يَا رَسُولَ اللهِ ثُمَّ الْتَفَتُّ فَإِذَا أَنَا عَاشِرُ عَشَرَةٍ أَنَا أَحْدَثُهُمْ فَسَكَتُّ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هِيَ النَّخْلَةُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مجاہد نے حدیث بیان کی از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اچانک آپ کے پاس کھجور کے درخت کا گوند لایا گیا (اس کو کھجور کا گابھا بھی کہتے ہیں)، تب نبی ﷺ نے فرمایا: درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے کہ اس کی برکت مسلمان کی برکت کی مثل ہے، سو میں نے گمان کیا کہ اس سے مراد کھجور کا درخت ہے، میں نے چاہا کہ میں بیان کروں کہ یہ کھجور کا درخت ہے یا رسول اللہ! پھر میں نے مڑ کر دیکھا تو میں دس صحابہ میں سے دسواں تھا اور میں ان سب میں سے کم عمر تھا، پس میں خاموش رہا، پھر نبی ﷺ نے فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۱، ۶۲، ۷۲، ۱۳۱، ۲۲۰۹، ۴۶۹۸، ۵۴۴۴، ۵۴۴۸، ۶۱۲۲، ۶۱۴۴، صحیح مسلم: ۲۸۱۱، سنن ترمذی: ۲۸۶۷، مسند احمد: ۴۸۴۴، سنن دارمی: ۲۸۲)

صحیح البخاری: ۵۴۴۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب العلم میں گزر چکی ہے، امام بخاری نے کتاب العلم میں اس حدیث کو چار جگہ ذکر کیا ہے:

(۱) اس باب میں جس میں محدث نے کہا ہو کہ ہمیں بیان کرو یعنی حَدِّثْنَا۔

(۲) اس باب میں جس میں امام نے لوگوں کے اوپر کوئی سوال ڈالا ہو (یعنی پہیلی یا بجھارت)۔

(۳) اس باب میں جس میں علم کی فہم کو بیان کیا ہو۔

(۴) اس باب میں جس میں علم کی بات بتانے میں حیاء کا ذکر کیا گیا ہو۔

اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ پتا تھا کہ یہ درخت کھجور کا ہے، لیکن چونکہ اس مجلس میں ان سے بڑے بڑے صحابہ موجود تھے، اس لیے انہوں نے حیاء کی وجہ سے اس کا ذکر نہیں کیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰۴-۱۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: علامہ ابن الملقن شافعی اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے اس حدیث کی شرح نہیں کی اور یہ لکھا ہے کہ کتاب العلم میں اس حدیث کی مفصل شرح کی جا چکی ہے اور کتاب البیوع میں جُمار کے کھانے کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

صحیح البخاری: ۵۴۴۴، کی شرح از علامہ قسطلانی

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب العلم میں متعدد بار گزر چکی ہے، امام بزار نے اس حدیث کے فوائد ذکر کیے ہیں اور یہ حکمت بیان کی ہے کہ کھجور کے درخت کو مومن کے ساتھ کیوں تمثیل دی ہے، کیونکہ کھجور کے درخت میں زیادہ خیر ہوتی ہے اور اس کا نفع دائمی ہوتا ہے اور اس کا پھل تازہ بھی کھایا جاتا ہے اور خشک ہونے کے بعد بھی کھایا جاتا ہے، اور یہ غذا بھی ہے اور دوا بھی ہے اور خوراک بھی ہے اور مٹھاس بھی ہے اور پھل بھی ہے، اور کھجور کے درخت کو انسان کے ساتھ اس لیے مشابہ فرمایا ہے کہ کھجور کے درخت کا قد سیدھا ہوتا ہے اور لمبا ہوتا ہے اور کھجور کے درخت میں نر بھی ہوتا ہے اور مادہ بھی ہوتی ہے، اور یہ کہ کھجور کے درخت کے اوپر جب تک دوسری کھجور کا پیوند نہ لایا جائے تو یہ پھل نہیں لاتا، اور اس کے شگوفے کی بو انسان کی منی کی بو کی مثل ہوتی ہے، اور جب اس کے درخت کا سر کاٹ دیا جائے تو یہ درخت ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس دوسرے درخت اس طرح نہیں ہوتے، اور کھجور کے درخت کی فضیلت اور شرف اور کثرت خیر کے لیے کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ شہادت کو کھجور کے درخت کی مثل قرار دیا ہے، فرمایا:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ (ابراہیم)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے پاکیزہ کلمہ (بات) کی کیسی مثال بیان فرمائی، وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ (زمین میں) مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں O

سو جس طرح کھجور کے درخت کا ثبوت زمین میں شدید اور مضبوط ہوتا ہے، اسی طرح مومن کے قلب میں ایمان شدید اور مضبوط ہوتا ہے اور جس طرح کھجور کی شاخیں آسمان میں ہوتی ہیں، اسی طرح مومن کے نیک اعمال جو ہیں قبولیت کے لیے آسمانوں کی طرف لے جائے جاتے ہیں اور جس طرح کھجور سال میں ہر وقت کھائی جاتی ہے، اسی طرح مومن کے کسب کی برکت اور اس کے ایمان کی برکت بھی ہمیشہ رہتی ہے اور اس کا ثواب اسے ہمیشہ ملتا رہتا ہے، اور عموماً کھجور کے درخت بلادِ اسلام میں پائے جاتے ہیں۔ (ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، ج ۱۲ ص ۲۲۳، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۴۴ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''جُمّار'' کا معنی

جمار کھجور کے درخت کا سفید رنگ کا قلب ہے جس کو جمار کہتے ہیں اور کبھی جمار کھجور کے خوشوں میں ہوتا ہے، جب اس کی اصل کو کاٹ دیا جائے تو کھجور کے خوشوں کے نیچے سفید رنگ ہوتا ہے جس کو جمار کہتے ہیں۔

امام بخاری نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ کھجور کے درخت کی سفید چربی کو کھانا جائز ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں حیاء کی دلیل ہے، کیونکہ بعض اوقات انسان حیاء کی وجہ سے اپنے علم کو ظاہر نہیں کرتا اور اپنے علاوہ دوسروں کی طرف ان کی بزرگی کی وجہ سے بات کو مُفوض کر دیتا ہے۔ اس کے برخلاف آج کل بعض چھوٹے، بڑوں سے پہلے اپنی بات کہہ دیتے ہیں اور یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں جن کے دل میں یہ بات آئی کہ یہ درخت کھجور کا ہے لیکن جب کہ وہ دس صحابہ میں سب سے کم عمر تھے، اس لیے وہ خاموش رہے، کیونکہ اگر وہ بتا دیتے اور باقی لوگ نہ بتاتے، تو باقی بزرگوں کو بعد میں شرمندگی ہوتی کہ وہ بڑے ہو کر نہیں بتا سکے اور چھوٹے نے بات بتا دی۔

(۲) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عالم اور استاذ کو یہ چاہیے کہ وہ اپنے شاگردوں کا امتحان لے اور ان کے اوپر کوئی سوال ڈالے تاکہ وہ غور و فکر کریں اور اس پہیلی یا بجھارت کو حل کرنے کی کوشش کریں اور اپنے طلباء کا امتحان لینے کے لیے اور ان کو مشق کرانے کے لیے پہیلی اور بجھارت کو ڈالنا جائز ہے، لیکن دوسروں کی کم علمی ظاہر کرنے کے لیے اور ان کو شرمندہ کرنے کے لیے پہیلی اور بجھارت ڈالنا جائز نہیں ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۸۴-۱۸۵، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۴۳۔ بَابٌ: الْعَجْوَةِ — ''العجوۃ'' کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں دوسری کھجوروں پر عجوہ کھجور کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے، اور اس کو کھانے کی ترغیب دی گئی ہے، عجوہ میں عین پر زبر ہے اور جیم ساکن ہے اور یہ مدینہ منورہ کی بہترین کھجوروں میں سے ہے، اور اہلِ مدینہ اس کو ''لینۃ'' بھی کہتے ہیں۔ اس کا رنگ سیاہی مائل ہوتا ہے۔

علامہ ابن التین شارح بخاری نے بیان کیا ہے کہ عجوہ کھجور کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اگایا تھا۔

۵۴۴۵۔ حَدَّثَنَا جُمْعَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ أَخْبَرَنَا هَاشِمُ بْنُ هَاشِمٍ أَخْبَرَنَا عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَنْ تَصَبَّحَ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعَ تَمَرَاتٍ عَجْوَةً لَمْ يَضُرَّهُ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ سُمٌّ وَلَا سِحْرٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں جمعہ بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مروان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہاشم بن ہاشم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عامر بن سعد نے اپنے والد سے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: جس مرد نے صبح کو سات عجوہ کھجوریں کھائیں تو اس کو اس دن میں نہ زہر سے ضرر ہوگا اور نہ جادو سے ضرر ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۵۷۶۸، ۵۷۶۹، ۵۷۷۹، صحیح مسلم: ۲۰۴۷، سنن ابوداؤد: ۳۸۷۶، مسند احمد: ۱۵۷۵)

صحیح البخاری: ۵۴۴۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں جُمعہ کا لفظ ہے، اس میں جیم پر پیش اور میم ساکن ہے، ان کا نام ہے: جمعہ بن عبداللہ بن زیاد بن شداد السلمی ابوبکر البلخی، اور کہا جاتا ہے کہ ان کا نام یحییٰ ہے اور جمعہ لقب ہے۔ اور ان کو ابو خاقان بھی کہا جاتا ہے اور یہ تہران کے ائمہ میں سے تھے، پھر بعد میں ائمہ حدیث میں سے ہو گئے۔

ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا ہے کہ یہ ایک سو تینتیس (۱۳۳ھ) میں فوت ہو گئے تھے اور امام بخاری کی کتاب میں اس حدیث کے سوا ان کی کوئی روایت نہیں ہے، بلکہ صحاح ستہ میں اس حدیث کے سوا ان کی اور کوئی روایت نہیں ہے۔

اور اس حدیث کی سند میں مروان کا ذکر ہے، ان کا نام مروان بن معاویہ الفزاری ہے، اور ہاشم بن ہاشم کا ذکر ہے، یہ ہاشم بن ہاشم بن عتبہ ہیں، اور عامر بن سعد اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور حضرت سعد بن ابی وقاص کا نام مالک بن اُہَیب الزہری ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''من تصبح'' یعنی جس نے صبح کے وقت نہار منہ سات کھجوریں کھائیں۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس کو زہر سے ضرر نہیں ہوگا۔ اور خطابی نے کہا ہے کہ اس کی جادو سے حفاظت ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عجوہ کھجور کے لیے دعا کی ہے، اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ یہ کھجور کے خواص میں سے ہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے کہ مدینہ کی عجوہ کی تخصیص اور سات کھجوروں کے عدد کی تخصیص یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کو شارع علیہ السلام جانتے ہیں، اور ہم نہیں جانتے۔ سو ہمارا اس پر ایمان لانا واجب ہے جیسے نماز کی رکعات کی تعداد یا زکوٰۃ کا نصاب ہے، تو اب صبح کی نماز کی دو رکعت کیوں ہیں اور ظہر کی چار رکعت کیوں ہیں اور مغرب کی تین رکعات کیوں ہیں، اس کی حکمت کو ہم نہیں جانتے، ہمارے لیے اس پر ایمان ضروری ہے کہ ان نمازوں کے اوقات میں اتنی رکعات ہوتی ہیں۔

المُظہر نے کہا ہے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سات کے عدد میں کوئی خاصیت ہو۔

شہر بن حوشب نے حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''العجوۃ'' جنت سے ہے اور اس میں زہر سے شفاء ہے۔

اور مشمعل بن ایاس سے روایت ہے کہ ''العجوۃ'' اور ''الصخرۃ'' جنت سے ہیں، اور امام ابن عدی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ کی عجوہ کھجوروں میں سے سات کھجوریں اگر سات دن تک ہر روز کھائی جائیں تو اس سے جذام میں شفا حاصل ہوتی ہے۔

پھر کہا کہ اس حدیث کی سند میں میرے علم میں الطفاوی کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ اور الطفاوی کے بہت غرائب ہیں اور متفرد روایات ہیں۔

علامہ ابن معین نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی صالح ہے، ابو حاتم نے کہا: وہ بہت سچا ہے اور طفاوی کے لفظ میں بنو طفاوۃ کی طرف نسبت ہے اور کہا گیا ہے کہ ''الطفاوۃ'' بصرہ سے ایک منزل پر ہے۔

اور علامہ طیبی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مدینہ کی عجوہ، اس میں مدینہ کی تخصیص ہے، کیونکہ مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے برکت حاصل ہوئی اور مدینہ کی کھجوریں جو ہیں وہ مرد کے مزاج کے زیادہ موافق ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰۵-۱۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ذیابیطس کے مریض کے لیے کھجوروں کے استعمال کی تفصیل

میں کہتا ہوں کہ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ ذیابیطس اور شوگر کے مرض میں تو کھجوریں نقصان دیتی ہیں، اسی طرح جس کے پیٹ میں بیماری ہو اس کو بھی کھجوریں نقصان دیتی ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے العجوہ کھجور کو مطلقاً شفاء نہیں فرمایا، ہوسکتا ہے کہ آپ کی مراد یہ ہو کہ جس کو شوگر کو مرض نہیں ہے یا جس کے پیٹ میں گرم چیزوں سے ضرر نہیں ہوتا، اس کے لیے العجوہ کھجور شفاء ہے، یا آپ نے عموم اور غالب کے اعتبار سے فرمایا ہے اور جن چیزوں میں آپ نے فرمایا ہے کہ ان سے العجوہ میں شفا ہوتی ہے ان کے متعلق ہمارا ایمان ہے کہ ان میں العجوہ سے شفاء ہوتی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۴۴- بَابٌ: اَلْقِرَانِ فِی التَّمْرِ — دو کھجوروں کو ملا کر کھانے کا حکم

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں دو کھجوروں کو ملا کر کھانے کا ذکر ہے، لیکن امام بخاری نے اس کا حکم بیان نہیں کیا، کیونکہ انہوں نے اس باب کی حدیث کو اس کے حکم کے بیان کے لیے کافی قرار دیا ہے۔

اور قران سے مراد ہے: ایک کھجور کو دوسری کھجور کے ساتھ ملا کر کھانا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰۶-۱۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۴۶- حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا جَبَلَةُ بْنُ سُحَيْمٍ قَالَ أَصَابَنَا عَامُ سَنَةٍ مَعَ ابْنِ الزُّبَيْرِ فَرَزَقَنَا تَمْرًا فَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَمُرُّ بِنَا وَنَحْنُ نَأْكُلُ وَيَقُولُ لَا تُقَارِنُوا فَإِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم نَهَى عَنِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جبلہ بن سحیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: جس سال ہم پر قحط آیا تھا، میں حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے

الْقِرَانِ ثُمَّ يَقُولُ إِلَّا أَنْ يَسْتَأْذِنَ الرَّجُلُ أَخَاهُ قَالَ شُعْبَةُ الْإِذْنُ مِنْ قَوْلِ ابْنِ عُمَرَ۔

ساتھ تھا، انہوں نے ہمیں کھجوریں دیں، پس حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہمارے پاس سے گزرے اور ہم کھجوریں کھا رہے تھے تو وہ کہہ رہے تھے کہ تم کھجوریں ملا کر نہ کھاؤ، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ملا کر کھجوریں کھانے سے منع فرمایا ہے، پھر انہوں نے فرمایا: سوا اس کے کہ کوئی مرد اپنے بھائی سے اجازت طلب کرے، شعبہ نے کہا کہ اجازت کا قول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۵۵، ۲۴۸۹، ۲۴۹۰، ۵۴۴۶، صحیح مسلم: ۲۰۴۵، سنن ترمذی: ۱۸۱۴، سنن ابوداؤد: ۳۸۳۴، سنن ابن ماجہ: ۳۳۳۱، مسند احمد: ۵۰۴۳)

صحیح البخاری: ۵۴۴۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں جبلۃ کا ذکر ہے، جیم اور باء دونوں پر زبر ہے اور سُحیم میں سین پر پیش ہے اور حاء پر زبر ہے اور آخر میں یا ساکن ہے، یہ تابعی کوفی ہیں۔ امام بخاری نے ان سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی صرف یہی حدیث روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''عام سنۃ'' کا ذکر ہے، اس سے مراد ہے: قحط اور مہنگائی کا سال۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''میں ابن الزبیر کے ساتھ تھا''، اس سے مراد ہے حضرت عبداللہ بن زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما۔ اور یہ ان ایام کا ذکر ہے جب حضرت عبداللہ بن زبیر الحجاز میں تھے، پس انہوں نے ہم کو رزق میں کھجوریں دیں، یعنی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس خراج میں جو کھجوریں آتی تھیں، ان میں سے ہمیں کھجوریں دیں، کیونکہ اس سال خوراک کم تھی اور لوگوں کو بھوک درپیش تھی۔ ہم کھا رہے تھے تو ہم سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ دو کھجوروں کو ملا کر نہ کھاؤ۔

دو کھجوروں کو ملا کر کھانے کی ممانعت کے متعلق فقہاء کے اقوال

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے: اس میں اختلاف ہے کہ یہ ممانعت تحریم کے لیے ہے یا تنزیہ کے لیے ہے، یعنی کراہت تنزیہی کے لیے ہے، اور صحیح قول یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے، پس اگر کھانا مشترک ہو تو بغیر ساتھ کھانے والوں کی مرضی کے دو کھجوروں کو ملا کر کھانا حرام ہے اور ان کی رضا یا تو صراحت کے ساتھ حاصل ہوگی بایں طور کہ وہ کہیں: تم دو کھجور ملا کر کھاؤ، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے اور یا قرینہ کی وجہ سے ظن غالب کی بناء پر حاصل ہوگی بایں طور کہ کوئی دوسرے کو دو کھجوریں ملا کر کھانے سے منع نہ کرے۔ اور اگر کھانا کسی اور کا ہو تو پھر دو کھجوروں کو ملا کر کھانا حرام ہے، اور اگر کھانا کسی ایک کا ہو اور وہ دو کھجوروں کو ملا کر کھانے کی اجازت دے دے تو پھر دو کھجوروں کو ملا کر کھانا جائز ہے اور اجازت کے بغیر حرام ہے۔

علامہ خطابی نے ذکر کیا ہے کہ اجازت طلب کرنے کی شرط اس صورت میں ہے جب کہ کھانے کی قلت ہو، لیکن آج کل وسعت ہے اور خوشحالی ہے اور اب اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ علامہ نووی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اس باب میں تفصیل ہے، کیونکہ اعتبار عمومِ الفاظ کا ہوتا ہے، خصوصیتِ سبب کا نہیں ہوتا۔ اور اگر سبب ثابت ہو تو وہ ہر صورت میں تو ثابت نہیں ہوتا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کی دیگر احادیث سے تائید

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ امام بزار نے شعبی کی سند سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے درمیان کھجوروں کو تقسیم کیا، پس بعض صحابہ دو کھجوروں کو ملا کر کھا رہے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کھجوروں کو ملا کر کھانے سے منع فرمایا، سوا اس صورت کے کہ وہ اپنے اصحاب سے اجازت لے لیں۔

امام حاکم نے المستدرک میں اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ میں اصحابِ صفہ میں تھا تو ہماری طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عجوہ کھجور بھیجی، اور ہم بھوک کی وجہ سے دو کھجوروں کو ملا کر کھا رہے تھے، پس جب ہم میں سے کوئی ایک کھجوروں کو ملا کر کھا رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: میں بھی دو کھجوروں کو ملا کر کھاتا ہوں، تم بھی دو کھجوروں کو ملا کر کھاؤ، اس حدیث کی سند صحیح ہے اور امام بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام بزار نے اور امام طبرانی نے اپنی اوسط میں از عطاء الخراسانی از عبد اللہ بن بریدہ از والد خود یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو کھجوریں ملا کر کھانے سے منع کیا تھا، پس بے شک اللہ تعالیٰ نے اب تم پر وسعت کر دی ہے، تم ملا کر کھاؤ، تو میں کہوں گا: اس حدیث کی سند میں یزید بن یزیغ ہے، اس کو یحییٰ بن معین اور الدار قطنی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰۶-۱۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۴۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جو کہا ہے کہ انسان اپنے اصحاب سے اجازت لے لے تو پھر اس کا دو کھجوروں کو ملا کر کھانا جائز ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول صحیح ہے اور امام مالک نے ممانعت کی علت یہ بیان کی ہے کہ جب کھجوروں میں سب شریک ہوں، اس وقت شرکاء کی اجازت کے بغیر دو کھجوروں کو ملا کر کھانا جائز نہیں ہے، اور ابن نافع نے روایت کی ہے کہ اگر وہ خود کھلانے والا ہو تو پھر دو کھجوروں کو ملا کر کھانا جائز ہے۔

اس حدیث میں لفظِ ''قِران'' ہے جیسا کہ حج اور عمرہ میں لفظِ قِران ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۲۲۴، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۴۶ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اسی طرح انار کھانے کا حکم ہے، کہ اگر انار کے دانوں کو ملا کر کھایا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اور انگوروں کو بھی اگر ملا کر کھایا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اور کھجور میں عادت یہ ہے کہ کھجور ایک ایک کر کے کھائی جاتی ہے لیکن اگر کھانے والے کے ساتھ کوئی اور بھی ہو تو پھر وہ ملا کر نہ کھائے، خاص طور پر جو بھوک یا قحط کا سال ہو، کیونکہ اس سے اپنے بھائی کے حق کے اوپر تجاوز کرنا لازم آئے گا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۸۶، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۴۵۔ بَابُ: الْقِثَّاءِ — ککڑی کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں ککڑی کا ذکر ہے، اور یہ عنوان زائد ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ عنقریب ذکر کیا ہے: ''باب الرطب بالقثاء'' یعنی تر و تازہ کھجوروں کو ککڑی کے ساتھ ملا کر کھانا۔ اور یہی حدیث اس باب میں ذکر کی ہے اور دونوں بابوں میں امام بخاری کے شیخ کا اختلاف ہے، کیونکہ وہاں انہوں نے اس حدیث کی از عبد العزیز بن عبد اللہ روایت کی ہے اور یہاں اس حدیث کی از اسماعیل بن عبد اللہ روایت کی ہے اور یہ دونوں حدیثیں ابراہیم بن سعد سے مروی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۴۴۷۔ حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ جَعْفَرٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَأْكُلُ الرُّطَبَ بِالْقِثَّاءِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسماعیل بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تر و تازہ کھجوروں کو ککڑی کے ساتھ ملا کر کھا رہے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۴۰، ۵۴۴۷، ۵۴۴۹ صحیح مسلم: ۲۰۴۳، سنن ترمذی: ۱۸۴۴، سنن ابو داؤد: ۳۸۳۵، سنن ابن ماجہ: ۳۳۲۵، مسند احمد: ۱۷۴۳، سنن دارمی: ۲۰۵۸)

تنبیہ: دیگر شارحین نے بھی لکھا ہے کہ اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۴۴۰ میں گزر چکی ہے۔

۴۶۔ بَابُ: بَرَكَةِ النَّخْلِ — کھجور کے درخت کی برکت

اس باب میں کھجور کے درخت کی برکت بیان کی گئی ہے۔

۵۴۴۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَلْحَةَ عَنْ زُبَيْدٍ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً تَكُونُ مِثْلَ الْمُسْلِمِ وَهِيَ النَّخْلَةُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن طلحہ نے حدیث بیان کی از زبید از مجاہد، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ نے ارشاد فرمایا: درختوں میں سے

ایک درخت ہے جو مسلمان کی مثل ہے اور وہ کھجور کا درخت ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۱، ۶۲، ۷۲، ۱۳۱، ۲۲۰۹، ۴۶۹۸، ۵۴۴۴، ۵۴۴۸، ۶۱۲۲، ۶۱۴۴، صحیح مسلم: ۲۸۱۱، سنن ترمذی: ۲۸۶۷، مسند احمد: ۴۸۴۴، سنن دارمی: ۲۸۲)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۴۴۴ میں گزر چکی ہے۔

۴۷۔ بَابُ: جَمْعِ اللَّوْنَيْنِ أَوِ الطَّعَامَيْنِ بِمَرَّةٍ

ایک وقت میں دو قسم کے پھل یا دو قسم کے کھانے جمع کر کے کھانے کا حکم

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دو قسم کے پھل یا دو قسم کے کھانوں کو ایک مرتبہ جمع کر کے کھانا، یعنی حالتِ واحدہ میں۔ اور یہ عنوان ساقط ہے، کیونکہ صحیح بخاری کے دوسرے نسخوں میں یہ عنوان مذکور نہیں ہے۔

سالن کو ملا کر کھانے کا جواز اور دودھ جو شہد سے ملا ہوا ہو اس کو تواضعاً ترک کرنا

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: میرے علم میں نہیں ہے کہ کسی نے سالن کو ملا کر کھانے سے منع کیا ہو، مگر وہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اور ممکن ہے کہ انہوں نے اسراف کی وجہ سے منع فرمایا ہو، کیونکہ تر و تازہ کھجوروں کو ککڑی کے ساتھ ملا کر کھانا جائز ہے اور خشک گوشت کو لوکی کے قتلوں کے ساتھ ملا کر کھانا جائز ہے۔ اور اس حدیث کا بیان اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبد اللہ بن عمر القواریری نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی: ہمیں سلمہ بن حبیب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت سے یہ خبر دی کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم قباء میں تشریف لائے اور آپ روزہ سے تھے تو ایک مرد نے آپ کا انتظار کیا جس کا نام اوس بن خولی تھا، حتیٰ کہ اس نے افطاری کو آپ کے قریب رکھا، آپ کے پاس ایک پیالہ لے کر آیا جس میں دودھ اور شہد تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آگے سے پیالہ اٹھایا اور اس کو زمین پر رکھ دیا، آپ نے فرمایا: اے اوس بن خولی! یہ کیسا مشروب ہے؟ اس نے کہا: یہ دودھ اور شہد ہے، آپ نے فرمایا: میں اس کو حرام قرار نہیں دیتا لیکن میں اس کو اللہ تعالیٰ کی تواضع کے لیے چھوڑ رہا ہوں، کیونکہ جو اللہ کے لیے تواضع کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو سر بلند کرتا ہے اور جو تکبر کرے اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کرتا ہے، اور جو فضول خرچی کرے اللہ تعالیٰ اس کو فقیر بنا دیتا ہے اور جو میانہ روی اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کو غنی بنا دیتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اللہ تعالیٰ اس کو محبوب رکھتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰۸-۱۰۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۴۴۹۔ حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ رضی اللّٰه عنهما قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم يَأْكُلُ الرُّطَبَ بِالْقِثَّاءِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے خبر دی از والد خود از حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تر و تازہ کھجوروں کو ککڑی کے ساتھ ملا کر کھا

رہے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۴۰، ۵۴۴۷، ۵۴۴۹ صحیح مسلم: ۲۰۴۳، سنن ترمذی: ۱۸۴۴، سنن ابوداؤد: ۳۸۳۵، سنن ابن ماجہ: ۳۲۲۵، مسند احمد: ۱۷۴۳، سنن داری: ۲۰۵۸)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۴۴۰، میں گزر چکی ہے۔

۴۸۔ بَابُ: مَنْ أَدْخَلَ الضِّيفَانَ عَشَرَةً عَشَرَةً وَالْجُلُوسِ عَلَى الطَّعَامِ عَشَرَةً عَشَرَةً

دس دس مہمانوں کو بٹھا کر کھلانے اور طعام پر دس دس کو بٹھانے کا حکم

اس باب میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جس نے دس دس مہمانوں کو اپنے گھر میں بٹھایا، اس کا کیا حکم ہے اور جس نے دستر خوان پر دس دس کو بٹھایا، اس کا کیا حکم ہے، اور اس کی وجہ یا طعام کی قلت ہے یا جگہ کی تنگی ہے۔

۵۴۵۰۔ حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنِ الْجَعْدِ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ أَنَسٍ ح وَعَنْ هِشَامٍ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَنَسٍ ح وَعَنْ سِنَانٍ أَبِي رَبِيعَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ أُمَّهُ عَمَدَتْ إِلَى مُدٍّ مِنْ شَعِيرٍ جَشَّتْهُ وَجَعَلَتْ مِنْهُ خَطِيفَةً وَعَصَرَتْ عُكَّةً عِنْدَهَا ثُمَّ بَعَثَتْنِي إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَتَيْتُهُ وَهُوَ فِي أَصْحَابِهِ فَدَعَوْتُهُ قَالَ وَمَنْ مَعِي فَجِئْتُ فَقُلْتُ إِنَّهُ يَقُولُ وَمَنْ مَعِي فَخَرَجَ إِلَيْهِ أَبُو طَلْحَةَ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّمَا هُوَ شَيْءٌ صَنَعَتْهُ أُمُّ سُلَيْمٍ فَدَخَلَ فَجِيءَ بِهِ وَقَالَ أَدْخِلْ عَلَيَّ عَشَرَةً فَدَخَلُوا فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا ثُمَّ قَالَ أَدْخِلْ عَلَيَّ عَشَرَةً فَدَخَلُوا فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا ثُمَّ قَالَ أَدْخِلْ عَلَيَّ عَشَرَةً حَتَّى عَدَّ أَرْبَعِينَ ثُمَّ أَكَلَ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ قَامَ فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ هَلْ نَقَصَ مِنْهَا شَيْءٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے الصلت بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از الجعد ابی عثمان از حضرت انس رضی اللہ عنہ ح اور از ہشام از محمد از حضرت انس رضی اللہ عنہ ح اور از سنان ابی ربیعہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سُلیم جو حضرت انس رضی اللہ عنہما کی والدہ تھیں، ان کی والدہ نے ایک کلوگرام جَو لیے اور ان کو پیس کر ان کا خطیفہ بنایا (آٹے کو دودھ میں ملا کر پکایا)۔ اور ان کے پاس جو گھی کی کُپی تھی اس میں سے گھی نچوڑ کر اس پر ڈالا، پھر انہوں نے مجھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ اپنے اصحاب کے ساتھ تھے، سو میں نے آپ کو دعوت دی۔ آپ نے فرمایا: جو اصحاب میرے ساتھ ہیں؟، پھر میں آیا اور میں نے کہا کہ آپ فرماتے ہیں کہ جو لوگ میرے ساتھ ہیں وہ بھی چلیں گے؟، پھر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور کہا یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، وہ تو صرف ایک کھانا ہے جس کو ام سُلیم نے بنایا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں داخل ہوئے اور وہ طعام لایا گیا، آپ نے فرمایا: میرے پاس دس صحابہ کو بلاؤ، پس وہ داخل ہوئے اور انہوں نے وہ طعام کھایا حتیٰ کہ سیر ہو گئے، پھر آپ نے فرمایا: میرے پاس دس اور صحابہ کو بلاؤ، سو وہ داخل ہوئے اور انہوں نے

کھایا حتیٰ کہ سیر ہو گئے، پھر فرمایا: میرے پاس دس اور صحابہ کو
بلاؤ، حتیٰ کہ چالیس آدمیوں کو آپ نے گنا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
کھایا، پھر آپ کھڑے ہو گئے، پھر میں دیکھ رہا تھا کہ کیا اس طعام
میں سے کوئی چیز کم ہوئی ہے؟

(صحیح البخاری: ۵۴۵۰، صحیح مسلم: ۲۰۴۰، سنن ترمذی: ۳۶۳۰، مسند احمد: ۱۲۰۸۲، موطا امام مالک: ۱۷۲۵، سنن دارمی: ۴۳)

صحیح البخاری: ۵۴۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے اور یہ قصہ اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ "باب علامات النبوۃ" میں گزر چکا ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

امام بخاری نے اس حدیث کو تین سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے:

(۱) الصلت بن محمد الخارکی از حماد بن زید از الجعد از حضرت انس رضی اللہ عنہ

(۲) از حماد بن زید از ہشام بن حسان از الازرق از محمد بن سیرین از حضرت انس رضی اللہ عنہ

(۳) از حماد بن زید از سنان از حضرت انس رضی اللہ عنہ

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں "خطیفہ" کا ذکر ہے۔ یہ وہ طعام ہے جس میں آٹے پر دودھ کو چھڑک دیا جاتا ہے، پھر اس کو پکایا جاتا ہے، پھر اس کو لوگ چاٹ کر کھاتے ہیں اور جلدی جلدی کھاتے ہیں۔

اور اس حدیث میں "عکة" کا لفظ ہے، یہ ایک برتن ہے جس میں گھی رکھا جاتا ہے۔

اور اس حدیث میں حضرت ابوطلحہ کا ذکر ہے۔ ان کا نام زید بن سہل ہے اور یہ حضرت ام سُلیم کے خاوند ہیں، اور ام سُلیم کے نام میں کئی اقوال ہیں جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ وہ کھانا ہے جس کو ام سُلیم نے تیار کیا ہے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ یہ صرف تھوڑا سا کھانا ہے جس کو صرف آپ کے لیے بنایا ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ طعام کو مل جل کر کھانے سے برکت ہوتی ہے، امام ابوداؤد نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے طعام کو مجتمع ہو کر کھاؤ اور اللہ کا نام لو، اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں برکت دے گا۔

اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ ہے کیونکہ یہ ایک کلو کی مقدار کھانا تھا، جس سے چالیس صحابہ نے سیر ہو کر کھالیا اور اس کھانے

میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰۹-۱۱۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۵۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایک گھر میں دس دس صحابہ کو داخل کرنے کی توجیہ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر میں دس دس صحابہ کو داخل کیا، کیونکہ پیالہ ایک تھا اور اس میں ایک کلو جو کا طعام تھا، اور ایک بڑی جماعت کا اس پیالہ سے کھانا بغیر مشقت کے ممکن نہیں تھا اور بسا اوقات بعض کو بعض سے ایذا پہنچتی ہے، اور اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ ایک دسترخوان پر دس سے زیادہ نہیں بیٹھ سکتے جیسا کہ بعض شارحین نے اس حدیث کی شرح میں یہ زعم کیا ہے، کیونکہ صحابہ نے دعوتوں میں ایک دسترخوان پر جمع ہو کر بیٹھ کر کھایا ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) طعام کو مل کر کھانا اسباب برکت میں سے ہے، روایت ہے از ابراہیم بن موسیٰ از ولید بن مسلم از وحشی بن حرب از والد خود از جد خود کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نے کہا: یا رسول اللہ! ہم کھاتے ہیں اور سیر نہیں ہوتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شاید تم الگ الگ بیٹھ کر کھاتے ہو، صحابہ نے کہا: جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم مل کر کھاؤ اور اللہ کا نام لو اللہ تعالیٰ تم کو برکت دے گا۔

(سنن ابوداؤد: ۳۷۶۴، صحیح ابن حبان ج ۱۲ ص ۲۷)

(۲) اس حدیث میں نبوت کے علوم کا ذکر ہے، کیونکہ طعام ایک کلو جو تھا اور اس سے چالیس آدمیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت معصومہ سے سیر ہو کر کھایا، پھر آپ نے اس کے بعد کھایا اور طعام اسی حال پر باقی تھا، اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی عظیم براہین میں سے ہے اور اکبر معجزات میں سے ہے۔

(۳) اس حدیث میں ہے کہ وہ چالیس (۴۰) صحابہ تھے، اور صحیح البخاری: ۵۳۸۱ میں ہے کہ وہ اسی (۸۰) صحابہ تھے اور صحیح البخاری: ۳۵۷۸ میں ہے کہ ستر (۷۰) صحابہ تھے، ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ یہ متعدد واقعات ہیں۔

اس کی توجیہ کہ اس حدیث میں میزبان سے اجازت طلب کرنے کا ذکر نہیں ہے

صحیح البخاری: ۲۰۸۱ میں جو حدیث ہے اس میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میزبان سے اجازت طلب کی تھی اور اس حدیث میں میزبان سے اجازت طلب کرنے کا ذکر نہیں ہے۔

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم تھا کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو بغیر اجازت کے ان چالیس صحابہ کو بلانا ناگوار نہیں ہوگا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم تھا کہ آپ کی برکت سے یہ کم مقدار کا کھانا چالیس صحابہ کو کافی ہو جائے گا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اس طعام کا مالک بنا دیا تھا، لہٰذا آپ کو اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ (التوضیح للشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۲۲۹-۲۳۱، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: جب دس دس صحابہ نے آ کر کھایا تو بعد والوں نے پہلے والوں کا بچا ہوا کھایا، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا

بچا ہوا کھانا جائز ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

تنبیہ: حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی شرح میں مذکور الصدر احادیث کی شرح میں کوئی نئی اور قابلِ ذکر بات نہیں لکھی ہے۔

۴۹۔ بَابُ: مَا يُكْرَهُ مِنَ الثُّومِ وَالْبُقُولِ لہسن اور دوسری بدبو والی ترکاریوں کے کھانے کا بیان

فِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کے متعلق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔ (صحیح البخاری: ۸۵۳)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اس کا بیان ہے کہ کچے لہسن کو کھانا مکروہ ہے خواہ وہ کچا ہو یا پکا ہوا ہو اور دیگر ایسی کچی سبزیاں جن کے کھانے سے بدبو آتی ہو جیسے مولی وغیرہ، ان کو بھی کھانا مکروہ ہے کیونکہ اس سے ناگوار بو آتی ہے۔

امام بخاری کی تعلیق کی شرح

اس باب میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے اور یہ روایت کتاب الصلوٰۃ کے آخر میں گزر چکی ہے، اس باب کا عنوان ہے: "باب ماجاء فی الثوم النئی والبصل والکراث" یعنی ان احادیث کے بیان میں جو کچے لہسن اور کچی پیاز اور گیندنا (پیاز کے مشابہ ایک سبزی جس کی بو ناگوار ہوتی ہے) کے متعلق ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر میں فرمایا: جس نے اس درخت یعنی لہسن کی جڑ سے کھایا، وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔ اس کی شرح گزر چکی ہے، کیونکہ جو شخص کچا لہسن یا کچا پیاز کھا کر مسجد میں آکر نماز پڑھے گا، اس کی بو سے نمازیوں اور فرشتوں کو اذیت ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۵۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِالْعَزِيزِ قَالَ قِيلَ لِأَنَسٍ مَا سَمِعْتَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ فِي الثُّومِ فَقَالَ مَنْ أَكَلَ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوارث نے حدیث بیان کی از عبد العزیز، انہوں نے کہا: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: کیا آپ نے سنا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کچے لہسن کے متعلق کیا فرماتے تھے؟ انہوں نے بتایا کہ آپ نے فرمایا: جس نے کچا لہسن کھایا وہ ہماری مسجد میں نہ آئے۔

(صحیح البخاری: ۸۵۶، ۵۴۵۱، صحیح مسلم: ۵۶۲، مسند احمد بن حنبل: ۲۷۸۳۳)

۵۴۵۲۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا أَبُو صَفْوَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَطَاءٌ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو صفوان عبد اللہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے

عنهما زَعَمَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ أَكَلَ ثُومًا أَوْ بَصَلًا فَلْيَعْتَزِلْنَا أَوْ لِيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا۔

خبر دی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عطاء نے حدیث بیان کی از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما، انہوں نے زعم کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے لہسن کھایا یا پیاز کھائی وہ ہم سے الگ رہے، یا ہماری مسجد سے الگ رہے۔

(سنن ترمذی: ۱۸۰۶، سنن نسائی: ۷۰۷، سنن ابوداؤد: ۳۸۲۲، مسند احمد: ۱۴۸۷۵)

صحیح البخاری: ۵۴۵۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کچے اور پکے ہوئے لہسن دونوں کو شامل ہے اور یہ جمعہ اور جماعت کو ترک کرنے کا عذر ہے، کیونکہ اس کی بدبو مسجد میں نمازیوں کو ایذاء پہنچاتی ہے اور فرشتے اس سے متنفر ہوتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱۰-۱۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کی شرح پر مصنف کا مواخذہ

میں کہتا ہوں: علامہ عینی کا پکے ہوئے لہسن اور پکی ہوئی پیاز کے کھانے کو بھی اس ممانعت میں داخل کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے اس درخت سے کھایا یعنی لہسن کو کھایا، وہ ہماری مساجد کو نہ ڈھانپے، عطاء نے کہا کہ آپ کی اس سے کیا مراد تھی؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ آپ کی اس سے مراد کچا لہسن تھا اور مخلد بن یزید نے از ابن جریج روایت کی ہے کہ میری رائے یہ ہے کہ آپ نے صرف کچے لہسن سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری: ۸۵۴، صحیح مسلم: ۵۶۴، سنن ترمذی: ۱۸۰۶، سنن نسائی: ۷۰۷، سنن ابوداؤد: ۳۸۲۲، مسند احمد: ۱۴۶۵۱)

اور یہی ظاہر ہے، کیونکہ کچے لہسن کو کھانے سے اور کچی پیاز اور کچی مولی کو کھانے سے منہ سے ناگوار بو آتی ہے اور پکے ہوئے لہسن یا پکی ہوئی پیاز یا مولی کو کھانے سے منہ سے ناگوار بو نہیں آتی۔ نیز علامہ عینی کا یہ لکھنا بھی صحیح نہیں ہے کہ کچا لہسن اور کچی پیاز کھانا جمعہ اور جماعت کو ترک کرنے کا عذر ہے، بلکہ یوں لکھنا چاہیے کہ جس نے کچی پیاز یا کچا لہسن کھایا تو وہ اپنے منہ سے بدبو کو زائل کر کے مسجد میں نماز پڑھنے جائے۔ اسی طرح جن دوسری چیزوں کو منہ میں ڈالنے یا کھانے پینے سے بدبو آتی ہے، ان کو کھا کر یا پی کر بھی منہ صاف کیے بغیر مسجد میں نہ آئے۔ مثلاً سگریٹ یا حقہ پی کر، یا منہ میں نسوار ڈال کر مسجد میں جائے گا تو اس سے سخت بدبو آئے گی اور نمازیوں اور فرشتوں کو تکلیف ہوگی، اس لیے چاہیے یہ کہ ایسی چیزوں کا کھانا کلیۃً ترک کر دے اور اگر اس نے کھالی ہیں تو بغیر منہ کو صاف کیے مسجد میں نہ جائے۔ اور ان چیزوں کو کھانا یا پینا ایسا عذر نہیں ہے جس کا تدارک یا جس کی تلافی نہ ہو سکے، اس لیے جماعت سے نماز پڑھنے اور جمعہ پڑھنے کو ترک نہ کیا جائے، البتہ مسجد میں جانے سے پہلے ان چیزوں کے کھانے پینے کو ترک کر دیا جائے۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۵۴۵۱، ۵۴۵۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کچا لہسن کھا کر مسجد میں جانے کی ممانعت کے متعلق احادیث

امام بخاری نے یہاں یہ حدیث روایت کی ہے کہ جس نے لہسن کھایا، وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے اور دوسری حدیث میں ہے جس نے لہسن یا پیاز کھایا وہ ہم سے الگ رہے یا ہماری مسجد سے الگ رہے اور ایک اور حدیث میں ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ تم کھاؤ، کیونکہ میں اس سے مناجات کرتا ہوں جس سے تم مناجات نہیں کرتے، اس حدیث میں دوسروں کے لیے لہسن اور پیاز کھانے کی اباحت ہے جب اس سے نمازیوں کو ایذاء نہ پہنچے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اختلاف ہے، آیا آپ کے لیے لہسن اور پیاز کھانا حرام تھا یا نہیں؟ اور صحیح یہ ہے کہ آپ کے لیے مکروہ تھا، کیونکہ جب آپ سے یہ پوچھا گیا کیا: یہ حرام ہے تو آپ نے فرمایا: نہیں، اور جنہوں نے کہا کہ یہ آپ کے لیے حرام تھا، ان کی دلیل یہ ہے کہ آپ کے ساتھ ہمیشہ فرشتے رہتے تھے اور ہر ساعت میں کوئی نہ کوئی فرشتہ ساتھ ہوتا تھا۔

اور ان احادیث میں لہسن اور پیاز کھانے کا ثبوت ہے، سوائے اس کے کہ جس نے ان کو کھایا اس کے لیے مسجد میں حاضر ہونا مکروہ ہے اور فقہاء نے لہسن اور پیاز کے ساتھ دوسری ان سبزیوں کو بھی ملا دیا ہے جن کی ناگوار بو ہو۔

قاضی عیاض نے اہل ظاہر سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ان چیزوں کا کھانا مطلقاً حرام ہے، کیونکہ یہ چیزیں جماعت سے حاضر ہونے کو منع کرتی ہیں اور جماعت فرضِ عین ہے، لیکن ابن حزم ظاہری نے جواز کی تصریح کی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ مسجد میں حاضر ہوتے وقت لہسن اور پیاز کھانا مکروہ ہے اور ابن حزم اپنے مذہب کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ جاننے والے ہیں۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۷۵، دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۶۱۰، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر کی نامکمل شرح

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی یہ وضاحت نہیں کی کہ مطلقاً لہسن کھا کر مسجد میں جانا منع ہے یا کچا لہسن کھا کر مسجد میں جانا منع ہے، اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ کچا لہسن کھا کر مسجد میں جانا منع ہے کیونکہ اسی کی ناگوار بو ہوتی ہے اور پکے ہوئے لہسن کی ناگوار بو نہیں ہوتی۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۵۴۵۲ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لہسن اور پیاز کھانے کا جواز

ان احادیث میں لہسن اور پیاز کھانے کے جواز کی دلیل ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا بلکہ آپ نے یہ فرمایا ہے کہ جس چیز کو اللہ نے حلال کیا ہو میں اس کو حرام نہیں کرتا، بلکہ آپ نے اس سے منع کیا ہے کہ جس نے لہسن اور پیاز کھایا ہو، وہ نمازیوں کے قریب نہ جائے، صحابہ نے پوچھا: کیا آپ نے اس کو حرام کر دیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہو، میں اس کو حرام کرنے والا نہیں ہوں۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مصلحتِ عامہ، مصلحتِ خاصہ پر مقدم ہے، کیونکہ مصلحت کی وجہ سے لہسن کھانے والے کو مسجد

میں داخل ہونے سے منع فرمایا، کیونکہ لہسن کی ناگوار بو سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

سوال: اگر کوئی کہنے والا کہے کہ جب سب لوگ پیاز اور لہسن کھائیں تو کیا سب لوگ مسجد میں حاضر نہیں ہوں گے؟

جواب: ہم کہتے ہیں ہاں! حتیٰ کہ اگر سب لوگ پیاز یا لہسن کھائیں تو ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ فرشتوں کو ایذاء پہنچائیں، پس وہ مسجد میں داخل نہ ہوں۔

سوال: کیا وہ گھر میں جماعت سے نماز پڑھ لیں؟

جواب: ہاں وہ گھر میں جماعت سے نماز پڑھ لیں۔

سوال: اگر کوئی کہنے والا کہے کہ تم پیاز اور لہسن کو کیوں حرام قرار نہیں دیتے، کیوں کہ اس کا کھانا نماز با جماعت کے ترک کا ذریعہ ہے؟

جواب: ہم اس کو حرام قرار نہیں دیتے، کیوں کہ لہسن اور پیاز کے کھانے پر کوئی عذاب نہیں ہے، اسی لیے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں لہسن اور پیاز کھاتا ہوں تاکہ اس حالت میں مسجد میں نہ جاؤں تو اس پر کھانا حرام ہوگا، کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی واجب کی ہوئی عبادت کو ترک کرنے کا ذریعہ بنایا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۸۹، مکتبۃ الطبری القاہرہ مصر، ۱۴۲۹ھ)

شیخ عثیمین کی شرح پر مصنف کا تعاقب

میں کہتا ہوں کہ شیخ عثیمین نے ان احادیث سے یہ سمجھا ہے کہ مطلقاً لہسن یا پیاز کھانے کے بعد مسجد میں داخل ہونے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے بلکہ کچا لہسن اور کچا پیاز کھا کر مسجد میں داخل ہونے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اس درخت سے کھایا یعنی لہسن کو کھایا، وہ ہماری مساجد کو نہ ڈھانپے، عطاء نے کہا کہ آپ کی اس سے کیا مراد تھی؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ آپ کی اس سے مراد کچا لہسن تھا اور مخلد بن یزید نے از ابن جریج روایت کی ہے کہ میری رائے یہ ہے کہ آپ نے صرف کچے لہسن سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری: ۸۵۴، صحیح مسلم: ۵۶۴، سنن ترمذی: ۱۸۰۶، سنن نسائی: ۷۰۷، سنن ابوداؤد: ۳۸۲۲، مسند احمد: ۱۴۶۵۱)

دوسری دلیل یہ ہے کہ ایک طویل حدیث کے آخر میں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا: اے لوگو! تم ان دو درختوں سے کھاتے ہو اور میری رائے میں یہ دونوں درخت خبیث ہیں، پیاز اور لہسن۔ اور میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد سے ان کی بدبو پائی جو مسجد میں داخل ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ اس کو بقیع کی طرف نکال دیا جائے، پس جو لہسن یا پیاز کو کھائے تو اس کو پکا کر اس کی بدبو کو زائل کر دے۔ (صحیح مسلم: ۵۶۷، سنن ابن ماجہ: ۱۰۱۴، سنن نسائی: ۷۰۳، مسند احمد: ۳۴۱)

اس حدیث میں یہ واضح دلیل ہے کہ جب لہسن اور پیاز کو پکا کر ان کی بدبو زائل کر دی جائے تو پھر ان کا کھانا جائز ہے۔ اور اس سے واضح ہو گیا کہ کچا لہسن اور کچا پیاز کھا کر مسجد میں داخل ہونا منع ہے اور پکی ہوئی پیاز اور پکے ہوئے لہسن کو کھا کر مسجد میں داخل ہونا منع نہیں ہے۔

اور تیسری دلیل یہ ہے کہ امام بخاری نے اس مسئلہ میں یہ باب قائم کیا ہے "۱۶۰۔ باب: ما جاء فی الثوم النیء والبصل والکراث"، یعنی کچے لہسن، پیاز اور گیندنا کے متعلق احادیث وارد ہیں۔

یہ باب صحیح البخاری: ۸۵۳ کا عنوان ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس سے واضح ہو گیا کہ امام بخاری کے نزدیک بھی مطلقاً لہسن اور پیاز کھا کر مسجد میں داخل ہونا منع نہیں ہے، بلکہ کچا لہسن اور کچی پیاز کھا کر مسجد میں داخل ہونا منع ہے۔

علامہ عینی نے صحیح البخاری: ۸۵۴ کی شرح میں یہ عنوان قائم کیا ہے "اس حدیث سے مستفاد ہونے والے مسائل"۔ اور اس میں لکھا ہے کہ کچا لہسن کھانا مکروہ ہے اور حرام نہیں ہے اور اس کی کراہت اس کی ناگوار بو کی وجہ سے ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۶ ص ۲۰۹، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حیرت ہے کہ علامہ عینی صحیح البخاری: ۸۵۴ کی شرح میں خود لکھ چکے ہیں کہ کچا لہسن کھا کر مسجد میں داخل ہونا منع ہے اور یہاں صحیح البخاری: ۵۴۵۲، کی شرح میں انہوں نے لکھ دیا ہے کہ کچا لہسن ہو یا پکا لہسن ہو، اس کو کھا کر مسجد میں داخل ہونا منع ہے اور یہ امام بخاری کے عنوان اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قول میں تصریح ہے کہ آپ کی مراد کچا لہسن کھا کر مسجد میں داخل ہونا منع ہے اور صحیح مسلم میں بھی یہ تصریح ہے کہ لہسن کو پکا کر اس کی بدبو کو زائل کر لیا جائے تو پھر اس کے کھانے میں کراہت نہیں ہے اور اس صورت میں مسجد میں داخل ہونا جائز ہے۔

مشہور غیر مقلد عالم شیخ داؤد راز نے بھی اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

اگر لہسن یا پیاز پکا کر کھائی جائے جب کہ اس میں بو نہ رہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ امام ابوداؤد کی روایت میں ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۶۰، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۰۴ء)

اور دیگر شارحین نے یہ وضاحت نہیں کی کہ کچا لہسن کھا کر مسجد میں داخل ہونا منع ہے اور پکا ہوا لہسن کھا کر مسجد میں داخل ہونا منع نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ شیخ عثیمین نے لکھا ہے کہ جس نے لہسن اور پیاز کھایا وہ مسجد میں جا کر نماز نہ پڑھے بلکہ گھر میں نماز پڑھے۔ اول تو پکا ہوا لہسن اور پیاز کھا کر مسجد میں داخل ہونے کی ممانعت نہیں ہے اور ثانی یہ کہ اگر کچا لہسن اور پیاز بھی کھایا ہو تو یہ ایسا عذر نہیں ہے جس کا تدارک نہ ہو سکے، آدمی کچے لہسن کی بدبو زائل کر کے مسجد میں جا کر نماز پڑھ لے یا پہلے مسجد میں جا کر نماز پڑھ لے اور بعد میں کچا لہسن اور پیاز کھا لے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۰- بَابُ: الْكَبَاثِ وَهُوَ ثَمَرُ الْأَرَاكِ

کباث، اور وہ پیلو کے درخت کا پھل ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں کباث کے کھانے کی حلت بیان کی گئی ہے، کباث میں کاف پر زبر ہے اور یہ ایک مشہور و معروف درخت ہے، (اس کو اردو میں پیلو کا درخت کہتے ہیں اور بعض علاقائی زبانوں میں اس کو جال کا درخت کہتے ہیں۔ سعیدی غفرلہ) جب یہ کالے رنگ کا ہو تو اس کو زیادہ پکا یا جاتا ہے، بعض شارحین نے کہا ہے کہ پیلو کے درخت کے پتے صحیح نہیں ہیں بلکہ یہ پیلو کے درخت کا پھل ہے۔ ابوالزناد نے کہا: یہ انجیر کے مشابہ ہے جس کو لوگ کھاتے ہیں اور اونٹ کھاتے ہیں اور ابو عمر نے کہا: یہ گرم مزاج کا اور نمکین ہے گویا کہ اس میں نمک ملا ہوا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱۱، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۵۳۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ قَالَ أَخْبَرَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِمَرِّ الظَّهْرَانِ نَجْنِي الْكَبَاثَ فَقَالَ عَلَيْكُمْ بِالْأَسْوَدِ مِنْهُ فَإِنَّهُ أَيْطَبُ فَقَالَ أَكُنْتَ تَرْعَى الْغَنَمَ قَالَ نَعَمْ وَهَلْ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا رَعَاهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عُفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقام بنو الظہران میں تھے، ہم پیلو کے درخت کے پھل کو چن رہے تھے تو آپ نے فرمایا: تم کالا پھل چنو، کیونکہ وہ خوشگوار ہوتا ہے، آپ سے پوچھا گیا: کیا آپ بکریاں چراتے رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اور ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۴۰۶، ۵۴۵۳، صحیح مسلم: ۲۰۵۰، مسند احمد: ۱۴۰۸۸)

صحیح البخاری: ۵۴۵۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''مرالظھران'' کا ذکر ہے۔ اس میں میم پر زبر ہے اور راء پر تشدید ہے، اور ظہران لفظِ ظہر کا تثنیہ ہے اور یہ مکہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''ہم کباث، یعنی پیلو کے درخت کے پھل کو چُن رہے تھے''۔ ایسا ابتداءِ اسلام میں ہوتا تھا جب مسلمانوں کو کھانے کی زیادہ خوراک میسر نہیں تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو گندم اور مختلف دانوں کے رزق سے مستغنی کر دیا اور رزق کو وسیع کر دیا اور اب پیلو کے درخت کے پھل کو کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔

علامہ ابن التین نے داؤدی سے نقل کیا ہے: بکریوں کے اختصاص کی وجہ یہ ہے کہ بکریوں پر سواری نہیں کی جاتی۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں تواضع کو اختیار کیا جائے اور خلوت میں ان کے دل کی صفائی ہو اور بکریوں کا انتظام کرنے سے ان کو امت کے انتظام اور امت کی مصلحت اور امت پر شفقت کرنے کی مشق ہو۔ اور بکریوں کو روکنے ٹوکنے سے انہیں امت کو ہدایت دینے کی مشق ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱۱-۱۱۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۵۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں امام بخاری نے الکباث کی تفسیر کی ہے: ''پیلو کے درخت کے پتے''۔ علامہ ابن التین نے

اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے، اور اہل لغت نے یہ کہا ہے کہ یہ پیلو کے درخت کا پھل ہے پتے نہیں ہیں۔

علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں: ہم نے امام بخاری کے کسی نسخہ میں یہ تفسیر نہیں دیکھی۔

حدیث مذکور کے فوائد

چونکہ صحابہ پیلو کے درخت کے پھل کو چن رہے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ درخت کے جس پھل کا کوئی مالک نہ ہو، اس کو اٹھا کے کھانا جائز ہے، اور یہ ابتداء اسلام میں ہوتا تھا جب مسلمانوں کے پاس خوراک نہیں تھی، بعد میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو گندم اور غلہ کی دوسری اجناس سے پیلو کے درخت سے مستغنی کر دیا اور اب ان کو پیلو کے درخت کے پھل کو اٹھا کر کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بکریوں کے چرانے کے ساتھ مختص کیا گیا ہے، کیونکہ بکریوں پر سواری نہیں کی جاتی کہ وہ اپنے سوار کو گرا دیں۔

علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں: اگرچہ بعض شہروں میں بکروں پر پہاڑوں میں اور گرم علاقوں میں سواری کی جاتی ہے جیسا کہ المسعودی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بکریوں کو چرانے میں فضیلت ہے اور بکریوں کو چرانے سے سکون اور وقار پیدا ہوتا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۲۳۳-۲۳۴، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۱- بَابُ: اَلْمَضْمَضَةِ بَعْدَ الطَّعَامِ — کھانے کے بعد کلی کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کھانے کے بعد کلی کرنی چاہیے۔

۵۴۵۴- حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ النُّعْمَانِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِلَى خَيْبَرَ فَلَمَّا كُنَّا بِالصَّهْبَاءِ دَعَا بِطَعَامٍ فَمَا أُتِيَ إِلَّا بِسَوِيقٍ فَأَكَلْنَا فَقَامَ إِلَى الصَّلَاةِ فَتَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے یحییٰ بن سعید سے سنا از بُشیر بن یسار از سُوید بن النعمان، انہوں نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر میں گئے، پس جب ہم مقام صہباء کی طرف پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا منگایا، پس آپ کے پاس صرف ستو لائے گئے، پس ہم نے ستو کھائے، پھر آپ نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہو گئے، آپ نے کلی کی اور ہم نے بھی کلی کی۔

(صحیح البخاری: ۲۰۹، ۲۱۵، ۲۹۸۱، ۴۱۷۵، ۴۱۹۵، ۵۳۸۴، ۵۳۹۰، ۵۴۵۴، ۵۴۵۵، سنن نسائی: ۱۸۶، سنن ابن ماجہ: ۴۹۳، مسند احمد: ۱۵۵۶۰، موطا امام مالک: ۵۱)

۵۴۵۵- قَالَ يَحْيَى سَمِعْتُ بُشَيْرًا يَقُولُ حَدَّثَنَا سُوَيْدٌ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِلَى خَيْبَرَ فَلَمَّا

یحییٰ نے کہا: میں نے بشیر سے سنا کہ ہمیں سوید نے حدیث بیان کی کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کی طرف گئے، پس جب

كُنَّا بِالصَّهْبَاءِ قَالَ يَحْيَى وَهِيَ مِنْ خَيْبَرَ عَلَى رَوْحَةٍ دَعَا بِطَعَامٍ فَمَا أُتِيَ إِلَّا بِسَوِيقٍ فَلُكْنَاهُ فَأَكَلْنَا مَعَهُ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا مَعَهُ ثُمَّ صَلَّى بِنَا الْمَغْرِبَ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ وَقَالَ سُفْيَانُ كَأَنَّكَ تَسْمَعُهُ مِنْ يَحْيَى۔

ہم مقام الصہباء پر پہنچے تو یحییٰ نے بتایا کہ یہ جگہ خیبر سے دو پہر کی مسافت کے فاصلہ پر ہے، تو آپ نے کھانا منگوایا تو آپ کے پاس ستو لائے گئے، پس ہم نے وہ ستو پھانکے، پھر ہم نے آپ کے ساتھ ستو کھائے، پھر آپ نے پانی منگایا، پھر آپ نے کلی کی اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ کلی کی، پھر آپ نے ہم کو مغرب کی نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا، اور سفیان نے کہا: گویا کہ یہ حدیث تم یحییٰ سے ہی سن رہے ہو۔

(صحیح البخاری: ۲۰۹، ۲۱۵، ۲۹۸۱، ۴۱۷۵، ۴۱۹۵، ۵۳۸۴، ۵۳۹۰، ۵۴۵۴، ۵۴۵۵، سنن نسائی: ۱۸۶، سنن ابن ماجہ: ۴۹۳، مسند احمد: ۱۵۵۶۰، موطا امام مالک: ۵۱)

صحیح البخاری: ۵۴۵۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی کا ذکر ہے، یہ علی بن عبداللہ ہیں جو ابن المدینی کے نام سے معروف ہیں اور سفیان کا ذکر ہے، یہ ابن عیینہ ہیں اور یحییٰ بن سعید کا ذکر ہے، یہ انصاری ہیں اور بُشیر بن یسار کا ذکر ہے، یسار کا لفظ یمین کی ضد ہے۔ یہ حدیث اسی سند اور متن کے ساتھ کتاب الاطعمہ کے باب "لیس علی الاعمی حرج" میں گزر چکی ہے، اور وہاں اس کی شرح بیان کی جا چکی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ سفیان بن عیینہ نے کہا کہ میں نے اس حدیث کو یحییٰ بن سعید سے انہی الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے، پس گویا کہ تم یہ حدیث یحییٰ سے ہی سن رہے ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

کھانے کے بعد کلی کرنے کے فوائد

میں کہتا ہوں کہ کھانے کے بعد کلی کرنے سے منہ بھی صاف ہوتا ہے اور دانت بھی صاف ہوتے ہیں اور منہ سے بدبو نہیں آتی، اور انسان کئی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

تنبیہ: حافظ ابن حجر عسقلانی اور دیگر شارحین نے بھی اس حدیث کی کوئی خاص شرح نہیں کی۔

۵۲ـ بَابُ: لَعْقِ الْأَصَابِعِ وَمَصِّهَا قَبْلَ أَنْ تُمْسَحَ بِالْمِنْدِيلِ

تولیہ یا رومال سے ہاتھ پونچھنے سے پہلے انگلیوں کو چاٹنا اور چوسنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہاتھوں کو پونچھنے سے پہلے انگلیوں کو چاٹنے اور چوسنے کے متعلق دیگر احادیث

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کھانا کھانے سے فارغ ہونے کے بعد تولیہ یا رومال سے ہاتھ کو پونچھنے سے پہلے انگلیوں کو چاٹنا اور چوسنا مستحب ہے، اور رومال کے ساتھ مقید کر کے صحیح مسلم کی اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے اس میں از سفیان ثوری از زبیر از حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ اپنے ہاتھ رومال سے نہ پونچھے، اور چاٹنے کے لفظ سے اشارہ کیا ہے کہ ایک اور سند میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کی امام ابن ابی شیبہ نے ابوسفیان سے روایت کی ہے کہ جب تم میں سے کوئی ایک کھانا کھائے تو اپنے ہاتھوں کو نہ پونچھے حتیٰ کہ ان کو چاٹ لے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۵۶۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَمْسَحْ يَدَهُ حَتَّى يَلْعَقَهَا أَوْ يُلْعِقَهَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو بن دینار از عطاء، از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی ایک کھانا کھائے تو اپنے ہاتھوں کو نہ پونچھے حتیٰ کہ ان کو خود چاٹ لے یا کوئی اور شخص چاٹ لے۔

(صحیح مسلم: ۲۰۳۱، سنن ابوداؤد: ۳۸۴۷، سنن ابن ماجہ: ۳۲۶۹، مسند احمد: ۲۷۷۳، سنن دارمی: ۲۰۲۶)

صحیح البخاری: ۵۴۵۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث میں مذکور ''یا'' کا لفظ شک کے لیے ہے یا تقسیم کے لیے ہے؟ اور اپنی انگلیوں کو اس سے چٹوائے جس کو چاٹنے سے گھن نہ آئے

اس حدیث میں جو ارشاد ہے کہ خود چاٹ لے یا کوئی اور شخص چاٹ لے، تو یہ شک کے لیے نہیں ہے بلکہ چاٹنے کی دو قسمیں بیان کی ہیں، کہ چاہے تو خود اپنی انگلیوں کو چاٹ لے یا کوئی اور اس کی انگلیوں کو چاٹ لے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ اس وقت تک اپنا ہاتھ تولیہ سے نہ پونچھے حتیٰ کہ خود اپنی انگلیوں کو چاٹ لے، پس اگر اس نے خود نہیں چاٹا تو کوئی دوسرا اس کی انگلیوں کو چاٹ لے، جس کے چاٹنے سے اس کو گھن نہ آئے، مثلاً اس کی بیوی یا اس کا بیٹا یا اس کا پسندیدہ خادم اور وہ اس سے گھن اور کراہیت محسوس نہ کریں۔ اسی طرح جو ان کے معنی میں ہوں مثلاً اس کا شاگرد جو اس کی انگلیوں کو چاٹنے میں برکت کا اعتقاد رکھتا ہو۔

امام بیہقی نے کہا ہے: اس حدیث میں ''او'' کا لفظ راوی کے شک کی وجہ سے ہے اور یہ دونوں لفظ محفوظ ہیں، یعنی یا تو کوئی بچہ اس کی انگلیوں کو چاٹ لے یا وہ چاٹ لے جس کے متعلق اس کو علم ہے کہ اس کو گھن نہیں آئے گی، اور وہ انگلیوں کو اپنے منہ سے چاٹے۔

کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹنے کے فوائد

(۱) کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹنا مستحب ہے، اس میں صفائی کی حفاظت ہے اور تکبر کو دور کرنا ہے۔ اور اس حدیث میں جو چاٹنے کا حکم ہے یہ جمہور کے نزدیک ارشاد اور استحباب پر محمول ہے۔ ارشاد کا مطلب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ طور شفقت ہماری رہنمائی فرمائی۔

اور اہلِ ظاہر (غیر مقلدین) نے اس امر کو وجوب پر محمول کیا ہے۔ علامہ حمد بن محمد الخطابی المتوفی ۳۸۸ھ نے کہا ہے کہ بعض لوگوں نے انگلیوں کے چاٹنے کو عیب قرار دیا ہے، کیونکہ تکبر نے ان کی عقلوں کو فاسد کر دیا ہے اور ان کی طبیعتوں کی سیرابی نے متغیر کر دیا ہے اور انہوں نے یہ زعم کیا کہ انگلیاں چاٹنا قبیح ہے یا اس سے گھن آتی ہے، اور وہ یہ نہیں جانتے کہ جس طعام کے ذرات ان کی انگلیوں پر لگے ہوئے ہیں یہ اسی طعام کا جز ہیں جس کو انہوں نے کھایا تھا، پس ان ذرات کو چاٹنے سے وہی شخص بے زار ہوگا جو متکبر ہو، تارکِ سنت ہو اور اپنے آپ کو سنت پر عمل کرنے سے بلند اور برتر خیال کرتا ہو۔

(۲) انگلیاں چاٹنے کی حکمت وہ ہے جس کا اس حدیث میں بیان ہے:

امام ترمذی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی ایک کھانا کھائے تو اپنی انگلیوں کو چاٹ لے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ طعام کے کون سے جز میں برکت ہے۔

اور امام مسلم، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے از سفیان ثوری از زبیر از حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ جب تم میں سے کسی ایک کا لقمہ گر جائے تو وہ اس کو اٹھا لے اور اس پر جو گھناؤنی چیز لگ گئی ہے اس کو زائل کر دے اور اس لقمہ کو کھا لے اور اس کو شیطان کے لیے نہ چھوڑے اور اپنے ہاتھ کو تولیہ یا رومال سے صاف نہ کرے حتیٰ کہ اپنی انگلیوں کو چاٹ لے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ طعام کے کون سے جز میں برکت ہے۔ یعنی وہ نہیں جانتا کہ جو وہ کھا چکا ہے اس میں برکت تھی یا جو اس کی انگلیوں پر باقی رہ گیا ہے اس میں برکت ہے، یا جو برتن کے اندر باقی رہ گیا ہے اس میں برکت ہے، پس وہ اپنے ہاتھ کو بھی چاٹ لے اور برتن کو بھی چاٹ لے اور برکت کے حصول کی امید رکھے اور برکت سے کیا مراد ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے، برکت سے مراد یہ ہے کہ جس جس سے غذا حاصل ہو اور اس کھانے کا انجام اذیت سے محفوظ رہے اور اس کھانے سے اس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت پر طاقت حاصل ہو وغیر ذٰلک۔

علامہ نووی نے کہا ہے برکت کے اصل معنی اضافہ اور زیادتی ہے اور ثبوتِ خیر ہے اور اس سے نفع حاصل کرنا ہے۔

(۳) کھانے والے کو چاہیے کہ پہلے درمیانی انگلی کو چاٹے، پھر انگشتِ شہادت کو چاٹے پھر انگوٹھے کو، کیونکہ امام طبرانی نے اپنی الاوسط میں حضرت کعب بن عجرہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تولیہ سے ہاتھ پونچھنے سے پہلے اپنی تین انگلیوں کو چاٹتے تھے، انگوٹھے کو اور اس کے ساتھ والی انگلی کو اور درمیانی انگلی کو۔ پھر میں نے دیکھا کہ آپ تین انگلیوں کو چاٹتے تھے، پس درمیانی انگلی کو اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی کو ملا کر چاٹتے تھے، اور اس کا سبب یہ ہے کہ درمیانی انگلی جو ہے وہ تین انگلیوں میں بڑی ہے اور اس میں طعام زیادہ لگتا ہے، تو درمیانی انگلی میں باقی انگلیوں کی بہ نسبت طعام زیادہ لگتا ہے، اس لیے آپ اس کو پہلے چاٹتے تھے۔

(۴) اس حدیث میں مذکور ہے کہ اپنے ہاتھ کو تولیہ یا رومال سے نہ پونچھے حتیٰ کہ انگلیوں کو چاٹ لے، اس میں مطلقاً انگلیوں کو چاٹنے کا ذکر ہے، لیکن مراد وہ تین انگلیاں ہیں جن تین انگلیوں کے ساتھ کھانے کا حکم ہے، جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے:

امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی نے از حماد بن سلمہ الثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب طعام کھاتے تھے تو تین انگلیوں کو چاٹتے تھے اور تین انگلیوں کا بیان حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تین انگلیوں کے ساتھ کھاتے تھے جن کا حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ذکر ہے۔

علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص چاہے تو پانچوں انگلیوں کے ساتھ کھائے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہڈی سے گوشت نکال کر کھاتے تھے اور دانتوں سے گوشت نوچ کر کھاتے تھے اور یہ عادتاً اسی صورت میں ممکن ہے جب پانچوں انگلیوں کے ساتھ ہڈی کو اور گوشت کو پکڑے۔

ہمارے شیخ نے کہا: اس پر اعتراض ہے کیونکہ تین انگلیوں کے ساتھ بھی ہڈی اور گوشت کو پکڑنا ممکن ہے اور اگر ہم یہ مان بھی لیں تو بھی اس سے پانچ انگلیوں کے ساتھ ہڈی یا گوشت کو کھانا لازم نہیں آتا۔ وہ صرف انگلیوں کے ساتھ ہڈی یا گوشت کو پکڑے ہوئے ہے اور اس کے ساتھ کھا نہیں رہا۔ اور اگر ہم یہ مان لیں کہ اس نے ان پانچ انگلیوں کے ساتھ کھایا ہے تو یہ ضرورت کی وجہ سے ہے جیسا کہ جس آدمی کا دایاں ہاتھ نہ ہو تو وہ ضرورت کی وجہ سے بائیں ہاتھ سے کھائے گا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں:

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے شیخ نے علامہ ابن العربی کے استدلال پر اعتراض کیا ہے، اور یہ بتایا ہے کہ سنت یہ ہے کہ تین انگلیوں کے ساتھ کھائے، اگرچہ پانچ انگلیوں کے ساتھ کھانا بھی ممنوع نہیں ہے لیکن وہ تارکِ سنت ہوگا، سوائے مواضع ضرورت کے۔

(۵) انگلیوں کو چاٹنے کا استحباب درج ذیل حدیث سے ثابت ہے:

امام طبرانی نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے پلیٹ یا پیالہ کو چاٹا یا اپنی انگلیوں کو چاٹا، اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت میں سیر رکھے گا۔

اور امام ترمذی نے ابوالیمان سے حدیث روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ ہمیں ام عاصم نے حدیث بیان کی اور یہ سنان بن سلمہ کی ام ولد تھیں، انہوں نے بیان کیا کہ ہمارے پاس نبیشۃ الخیر آئے اور اس وقت ہم پیالہ یا پلیٹ میں کھانا کھا رہے تھے، انہوں نے ہمیں یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے پیالہ یا پلیٹ میں کھانا کھایا، پھر اس کو چاٹ لیا تو وہ پیالہ اس کے لیے مغفرت طلب کرتا ہے، اور انہوں نے کہا: یہ حدیث غریب ہے، اور نُبیشہ میں نون پر پیش ہے اور باء پر زبر ہے اور آخر میں شین ہے ان کو نُبیشۃ الخیر کہا جاتا ہے، اور نُبیشۃ الخیل بھی مذکور ہے اور یہ سلمہ بن المحبق کے چچا کے بیٹے ہیں۔

(۶) پیالہ کے استغفار سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پیالہ میں تمیز اور نطق پیدا کردیا ہو اور وہ مغفرت کو طلب کرتا ہو، اور بعض آثار میں روایت ہے کہ وہ پیالہ کہتا ہے: اللہ تعالیٰ تم کو محفوظ رکھے جیسا کہ تم نے مجھ کو شیطان سے

محفوظ رکھا، یعنی شیطان اب اس پیالہ کو نہیں چاٹے گا، اور اس استغفار سے حقیقی استغفار مراد لینے میں کوئی مانع نہیں ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد مجاز ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱۳-۱۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ ہر چند کہ پانچ انگلیوں کے ساتھ کھانا بھی جائز ہے، جیسا کہ علامہ ابن العربی نے کہا ہے لیکن بہر حال سنت یہ ہے کہ تین انگلیوں کے ساتھ کھانا کھایا جائے جیسا کہ علامہ عینی نے متعدد احادیث کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ ہمارے عرف اور عادت میں تین انگلیوں کے ساتھ کھانے کا معمول نہیں ہے، اس لیے عام لوگوں کو یہ عجیب لگے گا لیکن اس سے نفرت اور بے زاری نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ بہر حال حدیث سے ثابت ہے اور سنت ہے اور سنت کی تحقیر کرنا جذبۂ ایمان کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرمائے اور ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے اور ہمیں سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۴۵۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف با بن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے کے متعلق متعدد احادیث

از سفیان از ابی الزبیر از حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ تولیہ یا رومال سے ہاتھ نہ پونچھے جائیں حتیٰ کہ انگلیوں کو چاٹ لیں۔
(صحیح مسلم: ۲۰۳۲، کتاب الاشربہ، باب: استحباب لعق الاصابع والقصعۃ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ تم میں سے کوئی شخص تولیہ یا رومال سے ہاتھ نہ پونچھے، حتیٰ کہ اپنی انگلیوں کو چاٹ لے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ طعام کے کون سے جُز میں اس کے لیے برکت رکھی گئی ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۹۴، صحیح مسلم: ۲۰۳۳)

امام نسائی نے روایت کی ہے کہ پیالہ یا پلیٹ کو نہ اٹھایا جائے حتیٰ کہ اس کو چاٹ لیا جائے، کیونکہ آخر طعام میں برکت ہوتی ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۱۷۷)

امام ترمذی نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی کھانا کھائے تو اپنی انگلیوں کو چاٹ لے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ کونسے جز میں برکت ہے۔
(سنن ترمذی: ۱۸۰۱، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔)

امام مسلم نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین انگلیوں کے ساتھ کھاتے، پس جب کھانے سے فارغ ہوتے تو ان تین انگلیوں کو چاٹ لیتے۔ (صحیح مسلم: ۲۰۳۲، کتاب الاشربہ، باب استحباب لعق الاصابع والقصعۃ)

اور امام ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ اپنے ہاتھ کو نہ پونچھے حتیٰ کہ انگلیوں کو چاٹ لے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۸۴۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب طعام کھاتے تو اپنی تین انگلیوں کو چاٹتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی لقمہ تم سے گر جائے تو اس پر جو ناگوار چیز لگی ہو اس کو ہٹا دو اور اس لقمہ کو شیطان کے لیے نہ چھوڑو۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ پیالہ کو چاٹ لیا جائے، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ کون سے طعام میں برکت ہے؟
(صحیح مسلم: ۲۰۳۴، کتاب الاشربہ باب: استحباب لعق الاصابع)

اور امام ابوعاصم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ وہ اپنی انگلیوں کو چاٹتے تھے جب کھانا کھاتے، اور

کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ انسان نہیں جانتا کہ اس کے طعام کے کون سے جز میں برکت ہے؟

(کشف الاستار: ۲۸۸۵، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے رجال صحیح ہیں۔ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۷)

امام بخاری نے اس باب میں انگلیوں کے چوسنے کا بھی ذکر کیا ہے، انگلیوں کو چوسنا بھی انگلیوں کے چاٹنے سے مستنبط ہے۔

علماء نے کہا ہے: انگلیوں کو چاٹنا مستحب ہے اور اس میں طعام کی برکت کی حفاظت ہے اور تکبر کو دور کرنا ہے اور یہ بھی ارشاد ہے کہ یا انگلیوں کو کسی سے چٹوائے یعنی اپنے خادم سے یا اپنے بیٹے سے یا جس کو انگلیوں کے چاٹنے سے گھن نہ آئے اور ان کے علاوہ اور کسی سے بھی انگلیوں کو چٹوائے تو یہ جائز ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۲۳۷-۲۳۹، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۵۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

پانچ انگلیوں کے ساتھ کھانے کا جواز

امام مسلم نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین انگلیوں کے ساتھ کھاتے تھے اور جب آپ کھانے سے فارغ ہوتے تو ان انگلیوں کو چاٹ لیتے۔ سو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں انگلیوں کا اطلاق ہاتھ پر ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہاتھ سے مراد پوری ہتھیلی ہو، پس یہ حکم اس کو بھی شامل ہے جس نے پورے ہاتھ سے کھایا یا انگلیوں سے کھایا یا بعض انگلیوں سے کھایا۔

حضرت کعب بن مالک کی حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ سنت تین انگلیوں کے ساتھ کھانا ہے اور تین انگلیوں سے زیادہ کے ساتھ کھانا بھی جائز ہے۔

اور امام سعید بن منصور نے از سفیان از عبید اللہ بن ابی یزید روایت کی ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب کھاتے تھے تو اپنی تین انگلیوں کو چاٹتے تھے۔

قاضی عیاض نے کہا: تین انگلیوں سے زیادہ انگلیوں کے ساتھ کھانا حرص اور بے ادبی ہے اور لقمہ کو بڑا کرنا ہے، کیونکہ وہ تین انگلیوں سے زیادہ انگلیاں لگانے کی طرف مجبور نہیں ہے۔ اور اگر مجبور ہو تو اس کے ساتھ چوتھی انگلی یا پانچویں انگلی کو بھی ملا لے۔ اور امام سعید بن منصور نے ابن شہاب کی مرسل سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کھاتے تو پانچ انگلیوں کے ساتھ کھاتے، تو اس حدیث کو حضرت کعب بن مالک کی حدیث کے ساتھ جمع کیا جائے گا۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان احادیث کا ذکر کیا ہے جن کو ہم علامہ عینی اور علامہ ابن ملقن کے حوالہ سے اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۷۷-۵۷۸، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ٦ ص ٦١٢، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۵۶، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ کھانے کے بعد تولیہ سے ہاتھ کو صاف کرلے اور جب تولیہ نہ ہو تو انگلیوں کو منہ سے چاٹ لے تا کہ چکنائی کم ہو جائے، تا کہ جب وہ سوئے تو چکنائی سے اس کو ضرر نہ ہو، کیونکہ امام ترمذی نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ جو شخص سویا اور اس کے ہاتھوں پر کھانے کی چکنائی کے آثار تھے اور اس نے ہاتھوں کو نہیں دھویا، پھر اس کو کوئی ناپسندیدہ چیز عارض ہوئی تو پھر وہ اپنے نفس کو ملامت کرے۔ (الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر والآلی ج ۵ ص ۲۷۱، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۵۳۔ بَابُ: الْمِنْدِيلِ

رومال یا تولیہ کا بیان

۵۴۵۷۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ الله رضی الله عنهما أَنَّهُ سَأَلَهُ عَنِ الْوُضُوءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ فَقَالَ لَا قَدْ كُنَّا زَمَانَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا نَجِدُ مِثْلَ ذَلِكَ مِنَ الطَّعَامِ إِلَّا قَلِيلًا فَإِذَا نَحْنُ وَجَدْنَاهُ لَمْ يَكُنْ لَنَا مَنَادِيلُ إِلَّا أَكُفَّنَا وَسَوَاعِدَنَا وَأَقْدَامَنَا ثُمَّ نُصَلِّي وَلَا نَتَوَضَّأُ۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۲۸۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے محمد بن فُلیح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از سعید بن الحارث از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما، ان سے سعید بن حارث نے سوال کیا کہ کیا آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے کے بعد وضو کرنا چاہیے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس قسم کا طعام بہت کم پاتے تھے، پس جب ہم اس قسم کا طعام پاتے تو ہمارے پاس رومال یا تولیے نہیں ہوتے تھے مگر ہماری ہتھیلیاں ہوتی تھیں اور ہماری کلائیاں ہوتی تھیں اور ہمارے اقدام ہوتے تھے، پھر ہم نماز پڑھتے تھے اور وضو نہیں کرتے تھے۔

صحیح البخاری ۵۴۵۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ہمارے پاس رومال اور تولیہ نہیں ہوتے تھے۔ اور اسی لفظ کے ساتھ اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن فُلیح مذکور ہے، اس میں فاء پر پیش ہے اور لام پر زبر ہے، یہ اپنے والد فُلیح بن سلیمان مدنی سے روایت کرتے ہیں اور اس حدیث کی سند میں سعید بن الحارث بن ابی الاعلیٰ الانصاری کا ذکر ہے، یہ مدینہ کے قاضی تھے۔

اس حدیث کی امام ابن ماجہ نے بھی کتاب الاطعمہ میں روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس حدیث کے راوی نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے یہ سوال کیا: آیا آگ پر پکی ہوئی کو کھانے کے بعد وضو کرنا واجب ہے یا نہیں؟ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے پر وضو کرنا واجب نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس قسم کا طعام بہت کم ہوتا تھا۔ تو جب ہمیں کھانے کے بعد ہاتھ پونچھنے کی ضرورت ہوتی اور ہمارے پاس رومال یا تولیہ نہ ہوتے تو ہم اپنی ہتھیلیوں سے اور اپنی کلائیوں سے اور اپنے اقدام سے پونچھ لیتے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے پیروں سے پونچھ لیتے تھے۔

امام مالک نے کہا: یہ آگ پر پکی ہوئی چیز پر کھانے کا حکم ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۵۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن وہب نے بیان کیا کہ امام مالک سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا گیا "جس نے رات گزاری اور اس کے ہاتھ پر گوشت کی چکنائی تھی، تو وہ صرف اپنے نفس کو ملامت کرے"۔ (سنن ابوداؤد: ۳۸۵۲)

امام مالک نے کہا: میں اس حدیث کو نہیں پہچانتا اور میں نے سنا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے قدموں کے بطن یعنی تلووں کو فرماتے تھے کہ یہ عمر کا تولیہ ہے۔ امام مالک سے پوچھا گیا: کیا وہ اپنے ہاتھوں کو آٹے سے دھولے؟ تو امام مالک نے کہا: آٹے کے علاوہ کسی اور چیز سے دھولے تو مستحب ہے، اور اگر اس نے ایسا کیا تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے تلووں سے گوشت کی چکنائی کو پونچھا۔

اور ابن وہب نے روایت کی ہے: اس میں سنت یہ ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں کو دھولے اور گرم پانی سے رگڑنے اور جب اس کے ہاتھوں میں چکنی ہو تو اس پر زیتون کا تیل یا گھی وغیرہ لگائے۔ اور اشعب سے سوال کیا گیا کہ آیا آٹے کے ساتھ ہاتھوں کو دھونا یا بھوسی کے ساتھ ہاتھوں کو دھونا جائز ہے، تو انہوں نے کہا: مجھے اس کا علم نہیں ہے اور اس کے ساتھ وضو نہ کرے، اور اگر اس نے کچھ کرنا ہو تو مٹی کے ساتھ ہاتھوں کو دھوئے۔ (المنتقیٰ شرح موطا امام مالک ج ۷ ص ۲۴۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت 1331ھ)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۲۴۰-۲۴۱، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۴۔ بَابُ: مَا يَقُولُ إِذَا فَرَغَ مِنْ طَعَامِهِ — انسان کھانا کھانے سے فراغت کے بعد کیا دعا کرے؟

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ انسان کھانے سے فارغ ہونے کے بعد کیا دعا کرے؟

۵۴۵۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ ثَوْرٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا رَفَعَ مَائِدَتَهُ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ثور از خالد بن معدان از ابی امامہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جب دسترخوان اٹھایا جاتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے:

عَنْهُ رَبَّنَا۔ ''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو بہت زیادہ پاکیزہ ہیں اور برکت والی ہیں، ہم اس کھانے کا حق پوری طرح ادا نہ کر سکے اور یہ کھانا ہمیشہ کے لیے رخصت نہیں کیا گیا ہے (اور یہ دعا اس لیے کی گئی ہے تاکہ) اس سے ہم کو بے پرواہی کا خیال نہ ہو اے ہمارے رب!''۔

(صحیح البخاری:۵۴۵۹، سنن ترمذی:۳۴۵۶، سنن ابوداؤد:۳۸۴۹، سنن ابن ماجہ:۳۲۸۴، مسند احمد:۲۱۶۶۴، سنن دارمی:۲۰۲۳)

صحیح البخاری ۵۴۵۸ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں جو کھانے کے بعد دعا مذکور ہے، اس سے باب کے عنوان کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابونُعیم کا ذکر ہے، ان کا نام الفضل بن دُکین ہے، اور اس میں سفیان کا ذکر ہے، اس سے مراد سفیان ثوری ہیں۔ اور اس میں ثور کا ذکر ہے، ثور کا معنی بیل ہے اور ان کا نام یزید شامی ہے، اور اس حدیث میں خالد بن معدان کا ذکر ہے، یہ الکلاعی ہیں، اور ابواُمامہ کا ذکر ہے، ان کا نام صدی بن عجلان الباہلی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث پر یہ سوال ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب آپ کا دسترخوان اٹھایا جاتا اور دوسری احادیث میں یہ بیان ہے کہ آپ نے دسترخوان پر کھانا نہیں کھایا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں دسترخوان سے مراد طعام ہے۔ یا اس حدیث کے راوی جو حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا یہ خیال نہیں تھا کہ آپ نے دسترخوان پر کھایا ہے یا آپ کا دسترخوان تو تھا لیکن آپ نے خود اس پر نہیں کھایا اور امام بخاری سے یہ سوال کیا گیا کہ انہوں نے یہاں پر دسترخوان کا ذکر کیا ہے اور دوسری جگہ چمڑے کے ٹکڑے کا ذکر کیا ہے، دسترخوان کا ذکر نہیں کیا تو امام بخاری نے جواب دیا کہ جب کسی چیز پر طعام کو کھایا جائے اور وہ چیز اٹھالی جائے اور طعام اٹھالیا جائے تو کہا جاتا ہے: دسترخوان اٹھالیا گیا ہے۔

اس حدیث کے دعائیہ کلمات میں ''طیبا'' کا ذکر ہے اس کا معنی ہے: خالص اور ''مُبٰرکا'' کا ذکر ہے یعنی حمد زیادہ کلمات کے ساتھ کی گئی۔

اس حدیث میں ''غیر مکفی'' کا ذکر ہے، علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ یہ ''کفات الاناء'' سے ماخوذ ہو جب برتن کو پلٹ دیا جائے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو طعام عطا کیا ہے، تو جب انسان طعام سے سیر ہو جائے تو وہ طعام رد نہیں کیا جاتا، گویا کہ یوں کہا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فضل نہ مردود ہے نہ مہجور ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کفایت سے ماخوذ ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی

رزق دینے والا نہیں ہے، اپنے بندوں کو رزق دینے کے لیے وہی کافی ہے۔ علامہ خطابی نے کہا: یعنی اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں ہے، پس وہ کافی ہے، وہی کھلاتا ہے اور وہی کافی ہے۔

اور علامہ داؤدی نے کہا: ''غیر مکفی'' کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی نعمت سے کفایت نہیں ہوتی۔ اور علامہ ابن جوزی نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بدلہ نہیں دیا جا سکتا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ فضول کی تطویلات ہیں اور ''مکفی'' کا لفظ کفایت سے ماخوذ ہے، اور اس کا معنی یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے کھایا ہے، یہ کافی نہیں ہے، یعنی یہی کھانا ہمارا آخری کھانا ہے اور اس کے بعد نہیں ملے گا، بلکہ یہ اس کے بعد بھی جاری رہے گا اور ہماری پوری عمروں میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شاملِ حال رہیں گی اور کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ اور اس حدیث میں ''غیر مودع'' کے الفاظ ہیں، اس کا معنی یہ ہے کہ ہم اس طعام سے رخصت نہیں ہو رہے، یعنی یہ ہمارا آخری طعام نہیں ہوگا۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے ''ولا مستغنی عنہ''، اس کا حاصل یہ ہے کہ اس طعام سے ہم کو بے پرواہی حاصل نہیں ہوگی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۴۵۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ ثَوْرِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا فَرَغَ مِنْ طَعَامِهِ وَقَالَ مَرَّةً إِذَا رَفَعَ مَائِدَتَهُ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي كَفَانَا وَأَرْوَانَا غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَلَا مَكْفُورٍ وَقَالَ مَرَّةً الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّنَا غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًى رَبَّنَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو عاصم نے حدیث بیان کی از ثور بن یزید از خالد بن معدان از ابی اُمامہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب طعام سے فارغ ہوتے اور ایک مرتبہ کہا: جب آپ کا دسترخوان اٹھایا جاتا تو آپ یہ دعا کرتے: ''تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے ہماری کفایت کی اور ہمیں سیر کیا، ہم اس کھانے کا پوری طرح حق ادا نہیں کر سکے، اور نہ ہم اس نعمت کی ناشکری کرتے ہیں اور ایک مرتبہ یوں دعا کی: اے ہمارے رب! تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں، ہم اس طعام کا حق ادا نہیں کر سکے اور نہ یہ طعام ہمیشہ کے لیے رخصت کیا گیا ہے (یہ اس لیے دعا کی تاکہ) اس سے ہم کو بے نیازی اور بے پرواہی کا خیال نہ ہو، اے ہمارے رب!

(صحیح البخاری: ۵۴۵۹، سنن ترمذی: ۳۴۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۸۴۹، سنن ابن ماجہ: ۳۲۸۴، مسند احمد: ۲۱۶۶۴، سنن دارمی: ۲۰۲۳)

اس حدیث کی شرح بھی حسب سابق ہے۔

صحیح البخاری: ۵۴۵۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف با بن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کھانے پینے کے بعد دعائیہ کلمات کے متعلق احادیث

امام ابو عاصم نے سندِ جید کے ساتھ روایت کی ہے: حضرت ابو اُمامہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے یہ تعلیم دی۔

کہ میں کھانے سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا کروں:

الحمد لله الذی اطعمتنا واسقیتنا وارویتنا، الحمد لله غیر مکفور ولا مودع ولا مستغنی عنه۔

اے اللہ! تیرے لئے حمد ہے تو نے ہمیں کھلایا، تو نے ہمیں پلایا اور تو نے ہمیں سیر کیا، تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جن کی ناشکری نہیں کی گئی اور نہ ان نعمتوں کو رخصت کیا گیا اور نہ ان سے بے پرواہی برتی گئی۔

(السنن الکبریٰ للنسائی ج ٦ ص ٧٨)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بندے سے راضی ہوتا ہے جو ایک لقمہ کھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے یا ایک گھونٹ پانی پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔

(صحیح مسلم: ٢٧٣٤، کتاب الذکر والدعا، باب استحباب حمد اللہ تعالیٰ بعد الاکل والشرب)

نیز حدیث میں ہے: کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر جاتے تو یہ دعا کرتے:

الحمد لله الذی اطعمنا وسقانا وکفانا وآوانا فکم ممن لا کافی له ولا مؤوی۔

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور جس نے ہمیں پلایا اور جو ہمیں کافی ہے اور جس نے ہم کو ٹھکانا مہیا کیا، پس کتنے لوگ ایسے ہیں جن کو کوئی کفایت کرنے والا نہیں ہے اور جن کو کوئی ٹھکانا دینے والا نہیں ہے۔

(صحیح مسلم: ٢٧١٥، کتاب الذکر والدعاء باب ما یقول عند النوم واخذ المضجع)

اور امام ابونعیم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرد کا طعام رکھا جاتا اور وہ طعام اٹھایا نہیں جاتا حتیٰ کہ اس کی مغفرت کر دی جاتی، عرض کیا گیا: یارسول اللہ! وہ کس وجہ سے، آپ نے فرمایا: جب طعام رکھا جاتا ہے تو وہ پڑھتا ہے: بِسْمِ اللهِ اور جب طعام اٹھایا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ (المعجم الاوسط للطبرانی بحوالہ مجمع الزوائد ج ٥ ص ٢٢)

عبداللہ بن ہبیرہ بیان کرتے ہیں از عبدالرحمٰن بن جبیرہ، کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آٹھ سال خدمت کی اور اس نے سنا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی طعام قریب لایا جاتا تو آپ فرماتے: بِسْمِ اللهِ اور جب آپ طعام سے فارغ ہوتے تو دعا کرتے

اللهم اطعمت وسقیت واغنیت واقنیت وهدیت واحییت فلك الحمد علی ما اعطیت

اے اللہ! تو نے مجھے کھلایا اور تو نے مجھے پلایا اور تو نے مجھے غنی کیا اور تو نے مجھے قریب کیا اور تو نے مجھے ہدایت دی اور تو نے مجھے زندہ کیا، پس تیرے ہی لئے حمد ہے ان نعمتوں پر جو تو نے مجھے عطا کیں۔

(مسند احمد ج ٤ ص ٦٢، السنن الکبریٰ للنسائی ج ٤ ص ٢٠٢، عمل الیوم لابن السنی ص ٢٢٠)

حضرت سہل بن معاذ از والد خود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے طعام کھانے کے بعد کہا:

الحمد لله الذی اطعمنی هذا ورزقنیه من غیر حول منی ولا قوة۔

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے مجھے یہ کھلایا اور مجھے یہ رزق دیا بغیر میری قوت اور طاقت کے (تو اللہ تعالیٰ اس کے

گزشتہ گناہوں کو بخش دیتا ہے)۔

(سنن ابوداؤد: ۴۰۲۳، سنن ترمذی: ۳۴۵۸، سنن ابن ماجہ: ۳۲۸۵)

ابوایوب بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کھاتے یا پیتے تو یہ دعا کرتے:

الحمد لله الذی اطعم وسقٰی وسوغه وجعل له مخرجا۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے کھلایا اور پلایا اور اس کو میرے حلق کے نیچے سے گزارا اور اس کے فضلات کے نکلنے کی جگہ بنائی۔

(سنن ابوداؤد: ۳۸۵۱، سنن کبریٰ للنسائی: ۶۸۹۴)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۲۴۲-۲۴۵، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۵۔ بَابٌ: الْأَكْلِ مَعَ الْخَادِمِ خادم کے ساتھ کھانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں بیان کیا گیا ہے کہ تواضع اور تذلل کے قصد سے اور تکبر کو ترک کرنے کے قصد سے خادم کے ساتھ کھانا چاہیے اور یہ مومنین کے آداب میں سے ہے اور اخلاقِ مرسلین میں سے ہے۔ اور خادم کا اطلاق مذکر اور مؤنث دونوں پر ہوتا ہے اور یہ اس سے عام ہے کہ خادم غلام ہو یا آزاد ہو۔

۵۴۶۰۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدٍ هُوَ ابْنُ زِيَادٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِذَا أَتَى أَحَدَكُمْ خَادِمُهُ بِطَعَامِهِ فَإِنْ لَمْ يُجْلِسْهُ مَعَهُ فَلْيُنَاوِلْهُ أُكْلَةً أَوْ أُكْلَتَيْنِ أَوْ لُقْمَةً أَوْ لُقْمَتَيْنِ فَإِنَّهُ وَلِيَ حَرَّهُ وَعِلَاجَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از محمد، وہ ابن زیاد ہیں، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کے پاس اس کا خادم کھانا لے کر آئے، پس اگر اس نے اس کو ساتھ نہیں بٹھایا تو اس کو ایک لقمہ یا دو لقمے کھلائے۔ (آپ نے فرمایا: اسے ایک اُکلہ یا دو اُکلے یا ایک لقمہ یا دو لقمے کھلائے) کیونکہ اس نے کھانا پکانے میں گرمی اور مشقت کو برداشت کیا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۵۵۷، ۵۴۶۰، صحیح مسلم: ۱۶۶۳، سنن ترمذی: ۱۸۵۳، سنن ابن ماجہ: ۳۲۸۹، مسند احمد: ۴۷۹۴، سنن دارمی: ۲۰۷۴)

صحیح البخاری ۵۴۶۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خادم کو ساتھ کھلانے کے متعلق دیگر احادیث

امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی ایک

کے خادم نے کھانا پکانے میں گرمی اور دھوئیں کو برداشت کیا ہے تو اس کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھائے، اگر وہ انکار کرے تو اس کو ایک لقمہ کھلائے، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اور امام طبرانی نے روایت کی ہے: جب تم میں سے کسی ایک کا مملوک کھانا پکائے اور اس کی گرمی اور مشقت کو برداشت کرے اور پھر کھانا تمہیں کھلائے تو اس کو بلائے اور اپنے ساتھ کھانا کھلائے اور اگر وہ انکار کرے تو اس کے ہاتھ کے اوپر کچھ کھانا رکھ دے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ احادیث استحباب پر محمول ہیں۔

اس مسئلہ میں علماء کے اقوال کہ آیا خادم کو وہی کھلانا ضروری ہے جس کو انسان خود کھاتا ہے

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: یہ حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی تفسیر کرتی ہے جس میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ خادم کو وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور خادم کو وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے، کیونکہ حضرت ابوذر کی حدیث میں اس کو واجب نہیں قرار دیا کہ تم خادم کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو بلکہ اس میں یہ حکم ہے کہ خادم کو اپنے کھانے میں شریک رکھے۔

اور علامہ ابن المنذر نے نقل کیا ہے کہ تمام اہلِ علم نے یہ کہا ہے کہ خادم کو اس کھانے سے کھلانا واجب ہے جس کھانے کو وہ خود عام طور پر کھاتا ہے اور جو کھانا اس شہر میں عام طور پر کھایا جاتا ہے۔ اسی طرح کپڑوں وغیرہ کے پہنانے کی بھی یہی تفسیر ہے۔ اور مالک کے لیے جائز ہے کہ خود عمدہ کپڑے پہنے، اگرچہ افضل یہ ہے کہ خادم کو بھی ویسے ہی کپڑے پہنائے۔

اور علامہ ابن ملقن نے التوضیح میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر اس کو اپنے ساتھ نہیں بٹھاتا تو اس کو ایک لقمہ یا دو لقمے کھلائے، اس میں یہ دلیل ہے کہ مرد پر واجب ہے کہ جو خود کھاتا ہے اس میں سے کھلائے۔

امام مالک سے سوال کیا گیا کہ کیا مرد اس طعام سے کھا سکتا ہے جس طعام کو اس کے گھر والے اور اس کے بال بچے اور اس کا غلام نہیں کھاتے، اور وہ لباس پہن سکتا ہے جس کو وہ لوگ نہیں پہنتے، تو امام مالک نے کہا: ہاں! اللہ کی قسم! ایسا کر سکتا ہے لیکن ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا چاہیے، ان سے پوچھا گیا: تو پھر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا کیا محمل ہوگا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ عام طور پر لوگوں کو اس کی طاقت نہیں ہوتی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱۷-۱۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: علامہ ابن ملقن کی شرح میں بھی اسی شرح کو اختصار سے ذکر کیا گیا ہے، یعنی علامہ عینی نے علامہ ابن ملقن کی شرح کی تفصیل کر دی ہے۔

صحیح البخاری: ۵۴۶۰ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انسان کو چاہیے کہ بہ طور تواضع خادم کو اپنے ساتھ کھلائے اور خادم کو خوش رکھے اور اگر کسی وجہ سے ایسا نہ کر سکے تو اس کو ایک یا دو لقمے کھلا دے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ خادم نے تمہارے لیے کھانا پکانے کی مشقت اور گرمی کو برداشت کیا ہے تو اس کو بھی اس کا اجر ملنا چاہیے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۹۴، مکتبۃ الطبری القاہرہ مصر ۱۴۲۹ھ)

۵۶۔ بَابٌ: الطَّاعِمُ الشَّاكِرُ مِثْلُ الصَّائِمِ الصَّابِرِ
کھانا کھا کر شکر کرنے والا صبر کرنے والے روزہ دار کی مثل ہے

فِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔
اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

شاکر اور صابر میں جمیع وجوہ سے مماثلت نہیں ہے

اس باب میں کہا جاتا ہے کہ کھا کر شکر ادا کرنے والا صبر کرنے والے روزہ دار کی مثل ہے، یعنی جو شاکر کھاتا ہے اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، اس کا ثواب اس کی مثل ہے جو روزہ رکھتا ہے اور بھوک پر صبر کرتا ہے۔

اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ شکر نعمت کا نتیجہ ہے اور صبر مصیبت کا نتیجہ ہے تو کس طرح شاکر کو صابر کے ساتھ تشبیہ دی جائے گی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تشبیہ اصلِ استحقاق میں ہے نہ کہ مقدار اور کیفیت میں اور تشبیہ میں جمیع وجوہ سے مماثلت لازم نہیں آتی۔

علامہ طیبی نے کہا ہے: حدیث میں ہے: ایمان کے دو حصے ہیں، نصف صبر ہے اور نصف شکر ہے۔ اور کبھی کوئی وہم کرنے والا یہ وہم کرتا ہے کہ شکر کا ثواب صبر کے ثواب سے کم ہوتا ہے تو اس کے وہم کا ازالہ یہ ہے کہ یہ دونوں ثواب میں برابر ہیں۔

یا مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ شکر کرنے والا اپنے دل میں منعم کی محبت پاتا ہے اور زبان سے اس کا اظہار کرتا ہے۔ اور ابن العربی نے کہا ہے کہ ان دو درجوں کو برابر رکھا گیا ہے۔ غنی اطاعت کرتا ہے اور فقیر صبر کرتا ہے اور دونوں کا اجر برابر ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی نبی ﷺ سے اس تعلیق کو ذکر کیا گیا ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی نے اس اضافہ کو اپنی شرح میں ذکر نہیں کیا، بلکہ انہوں نے اس باب کو آنے والے باب کے ساتھ ملا دیا ہے۔ اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں اس تعلیق کو اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے از سعید المقبری از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کھانے کھا کر شکر ادا کرنے والا روزہ رکھ کر صبر کرنے والے کی طرح ہے۔ اور حاکم نے اس لفظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ وہ صائم اور صابر کی مثل ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی اور امام ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سنان بن سنہ الاسلمی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کھانا کھا کر شکر ادا کرنے والے کو روزہ دار کے اجر کی مثل اجر ملے گا۔

کھانا کھا کر شکر ادا کرنے کی مختلف تعریفات

امام ابن حبان نے اس حدیث کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ جو آدمی کھانا کھاتا ہے، پھر اپنے خالق کی نافرمانی اپنی طاقت سے نہیں کرتا اور اس کا شکر ادا کرتا ہے اور اپنے اعضاء سے اس کی عبادت بجالاتا ہے، کیونکہ روزہ دار بھی کھانے پر صبر کرتا ہے اور ممنوعہ

کاموں کے ارتکاب پر صبر کرتا ہے اور کھانا کھانے کے بعد شکر کو اس کے ساتھ ذکر کیا ہے، پس واجب ہے کہ یہ شکر روزہ دار کے صبر کے مقابلہ میں ہو اور ممنوعہ کاموں کے ترک کرنے میں اس کے ساتھ شریک ہو۔

اللہ تعالیٰ کی حمد بھی اس کا شکر ہے

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا اللہ کی حمد کرنے والے کو بھی شکر کرنے والے کا نام دیا جائے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں! کیونکہ معمر نے از قتادہ از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حمد شکر کا سردار ہے، جس بندے نے اللہ تعالیٰ کی حمد نہیں کی، اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کیا۔

اور حسن بصری نے کہا کہ جس بندہ کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نعمت عطا کی اور اس نے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر حمد کی، تو اس کی حمد کا بہت عظیم درجہ ہوگا۔

اور ابراہیم نخعی نے کہا: طعام کا شکر یہ ہے کہ جب تم کھانا کھاؤ تو بسم اللہ پڑھو اور جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرو۔

اور علل ابن حاتم میں روایت ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ طعام کا شکر یہ ہے کہ تم کہو: **الحمد للہ!**

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: اس باب کے تحت امام بخاری نے کسی حدیث کی روایت نہیں کی۔

۵۷۔ بَابُ: الرَّجُلِ يُدْعَى إِلَى طَعَامٍ فَيَقُولُ وَهٰذَا مَعِي

جس شخص کو کھانے کی دعوت دی جائے تو وہ کہے: یہ شخص بھی میرے ساتھ ہے

وَقَالَ أَنَسٌ إِذَا دَخَلْتَ عَلَى مُسْلِمٍ لَا يُتَّهَمُ فَكُلْ مِنْ طَعَامِهِ وَاشْرَبْ مِنْ شَرَابِهِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: جب تم کسی ایسے مسلمان کے گھر داخل ہو جس کے دین پر کوئی تہمت نہ ہو، تو تم اس کا کھانا کھاؤ اور اس کا پانی پیو۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص کو کھانے کی دعوت دی جائے اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا شخص بھی مل جائے جس کو دعوت نہ دی گئی ہو تو مدعو (جس کو دعوت دی گئی ہے)، یہ کہے کہ یہ مرد بھی میرے ساتھ ہے، یعنی میرے تابع ہے۔

تعلیق مذکور کی شرح

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو امام بخاری نے بہ طور تعلیق کے ذکر کیا ہے کہ جب کوئی مرد کسی مسلمان مرد کے گھر داخل ہو خواہ اس نے دعوت دی ہو یا اس کے بغیر داخل ہو اور وہاں پر کوئی کھانے یا پینے کی چیز پائے تو کیا وہ اس کھانے پینے کی چیز کو تناول

کرے؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ کھائے اور پیے، بشرطیکہ وہ جس مسلمان مرد کے پاس گیا ہے، اس کے دین کے متعلق اور اس کے مال کے متعلق کوئی تہمت نہ ہو۔

اس تعلیق کی امام ابن ابی شیبہ نے سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے، وہ بھی اسی کی مثل ہے اور اس میں یہ مذکور ہے کہ جس مرد پر وہ کوئی تہمت نہ لگاتا ہو۔

اور امام احمد، امام حاکم اور طبرانی نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے گھر داخل ہو اور وہ اس کو کھانا کھلائے تو وہ اس کا دیا ہوا کھانا کھالے اور اس کے متعلق سوال نہ کرے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۶۱ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا شَقِيقٌ حَدَّثَنَا أَبُو مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ كَانَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يُكْنَى أَبَا شُعَيْبٍ وَكَانَ لَهُ غُلَامٌ لَحَّامٌ فَأَتَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ فِي أَصْحَابِهِ فَعَرَفَ الْجُوعَ فِي وَجْهِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَذَهَبَ إِلَى غُلَامِهِ اللَّحَّامِ فَقَالَ اصْنَعْ لِي طَعَامًا يَكْفِي خَمْسَةً لَعَلِّي أَدْعُو النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم خَامِسَ خَمْسَةٍ فَصَنَعَ لَهُ طُعَيِّمًا ثُمَّ أَتَاهُ فَدَعَاهُ فَتَبِعَهُمْ رَجُلٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَا أَبَا شُعَيْبٍ إِنَّ رَجُلًا تَبِعَنَا فَإِنْ شِئْتَ أَذِنْتَ لَهُ وَإِنْ شِئْتَ تَرَكْتَهُ قَالَ لَا بَلْ أَذِنْتُ لَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن ابی الاسود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شقیق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو مسعود انصاری نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ انصار کے ایک مرد کی کنیت ابو شعیب تھی، اور ان کا غلام گوشت فروخت کرتا تھا، پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اس وقت آپ اپنے اصحاب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے میں بھوک کے آثار محسوس کیے، وہ اپنے اس گوشت فروخت کرنے والے غلام کے پاس گئے، اور اس سے کہا: میرے لیے اتنا کھانا بناؤ جو پانچ آدمیوں کے لیے کافی ہو، شاید کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دوں، اور آپ پانچ میں سے پانچویں ہوں۔ پس اس نے تھوڑا سا کھانا تیار کیا، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو دعوت دی، تو آپ کے پیچھے ایک اور مرد بھی چل پڑا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو شعیب! یہ مرد ہمارے تابع ہو گیا ہے، اگر تم چاہو تو اس کو اجازت دو، اور اگر تم چاہو تو اس کو چھوڑ دو، حضرت ابو شعیب نے کہا: نہیں! بلکہ میں اس کو بھی اجازت دیتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۲۰۸۱، ۲۴۵۶، ۵۴۳۴، ۵۴۶۱، صحیح مسلم: ۲۰۳۶، سنن ترمذی: ۱۰۹۹، مسند احمد: ۱۶۶۳۶)

صحیح البخاری: ۵۴۶۱ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب الاطعمہ کے اس باب میں گزر چکی ہے: ''الرجل یتکلف الطعام لاخوانہ''۔ وہاں امام بخاری نے اس حدیث کی ازمحمد بن یوسف از الاعمش از ابی وائل از ابومسعود عقبہ بن عمرو الانصاری روایت کی ہے۔

اس حدیث کی سند میں ابوالاسود کا ذکر ہے، یہ حُمید بن الاسود البصری الحافظ ہیں۔ اور اس حدیث میں ابواُسامہ کا ذکر ہے، یہ حماد بن اسامہ ہیں۔ اور اس حدیث میں اعمش کا ذکر ہے، یہ سلیمان بن اعمش ہیں، اور ابووائل کا ذکر ہے: یہ شقیق بن سلمہ ہیں اور حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ صحابی ہیں اور ان کا نام حضرت عقبہ بن عمرو الانصاری ہے۔

(عمدۃ القاری ج۲۱ ص ۱۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کو دعوت دی جائے اور اس کے ساتھ کوئی بن بلایا مہمان بھی مل جائے، تو دعوت دینے والے کی اجازت سے اس کو بھی دعوت میں شامل کر لیا جائے۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۵۴۶۱ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ جب کسی انسان کو دعوت دی جائے اور اس کے تابع کوئی اور شخص بھی ہو جائے تو وہ اس کو اپنے ساتھ دعوت میں نہ لے جائے حتیٰ کہ دعوت دینے والے سے اجازت طلب کرے، اور اس کی کئی وجوہات ہیں:

(۱) کبھی کھانا صرف میزبان اور مہمان کے لیے ہوتا ہے اور زائد نہیں ہوتا حتیٰ کہ بن بلائے مہمان کو بھی کھلایا جا سکے۔

(۲) میزبان مہمان کے ساتھ ایسی باتیں کرنا چاہتا ہے جن کے متعلق وہ یہ نہیں چاہتا کہ دوسرا شخص بھی ان باتوں پر مطلع ہو۔

(۳) تاکہ تابعین کو اور بن بلائے مہمانوں کو ادب شرعی کی تعلیم دی جائے کہ اگر ان کے لیے اجازت دی جائے تو داخل ہوں اور اگر اجازت نہ دی جائے تو داخل نہ ہوں اور واپس چلے جائیں۔

اور بعض لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ وہ اجازت طلب کریں، اگر ان سے کہا جائے، واپس جاؤ، تو چلے جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ (النور)

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو، جب تک اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ کر لو، یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو○ اور اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہو، حتیٰ کہ تمہیں اجازت دے دی جائے، اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جاؤ، یہ (لوٹ جانا) تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کا خوب جاننے والا ہے○

نیز اس باب کی تعلیق میں مذکور ہے: جب تم کسی ایسے مسلمان کے گھر جاؤ جس کے اوپر کوئی تہمت نہ ہو تو اس کے کھانے میں سے کھاؤ اور اس کے پانی میں سے پیو۔

اس تعلیق کا معنی یہ ہے کہ جب تم کسی ایسے مسلمان کے گھر جاؤ جس پر یہ تہمت نہ ہو کہ وہ حرام مال کھاتا ہے، مثلاً سودی کاروبار کرتا ہے یا ملاوٹ کرتا ہے یا اور ناجائز کاروبار کرتا ہے تو پھر تم اس کے ہاں کھانا کھالو اور اگر اس پر یہ تہمت ہو تو پھر اس کے ہاں کھانا نہ کھاؤ۔ (شرح صحیح بخاری ج ۵ ص ۱۹۵، مکتبۃ الطبری القاہرہ مصر ۱۴۲۹ھ)

۵۸۔ بَابٌ: إِذَا حَضَرَ الْعَشَاءُ فَلَا يَعْجَلْ عَنْ عَشَائِهِ

جب عشائیہ (رات کا کھانا) حاضر ہو تو عشاء کی نماز پڑھنے میں جلدی نہ کرے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جب عَشَاء حاضر ہو (یعنی رات کا کھانا)۔

علامہ کرمانی نے لکھا ہے کہ لفظ عشاء میں زبر بھی ہے اور اس کے نیچے زیر بھی ہے، اگر اس کے نیچے زیر ہو یعنی عِشَاء تو یہ مغرب سے لے کر عشاء کی نماز تک کا وقت ہے اور اگر اس پر زبر ہو تو اس سے مراد رات کا کھانا ہے جو صبح کے ناشتہ کے برعکس ہوتا ہے۔

۵۴۶۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي جَعْفَرُ بْنُ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ أَنَّ أَبَاهُ عَمْرَو بْنَ أُمَيَّةَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللهِ ﷺ يَحْتَزُّ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ فِي يَدِهِ فَدُعِيَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَلْقَاهَا وَالسِّكِّينَ الَّتِي كَانَ يَحْتَزُّ بِهَا ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، اور اللیث نے کہا: مجھے یونس نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے جعفر بن عمرو بن امیہ نے خبر دی کہ ان کے والد عمرو بن امیہ نے ان کو خبر دی، انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھ سے بکری کا بازو کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے۔ پھر نماز کی دعوت دی گئی تو آپ نے اس بازو کو پھینک دیا اور چھری کو بھی پھینک دیا جس سے کاٹ رہے تھے، پھر آپ کھڑے ہوئے، آپ نے نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔

(صحیح البخاری: ۲۰۸، ۶۷۵، ۲۹۲۳، ۵۴۰۸، ۵۴۲۲، ۵۴۶۲، صحیح مسلم: ۳۵۵، سنن ترمذی: ۱۸۳۶، سنن دارمی: ۷۲۷)

صحیح البخاری: ۵۴۶۲ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ آپ نماز کے وقت کھانے کے ساتھ مشغول تھے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس میں عشاء کی نماز کی تخصیص کہاں ہے، حدیث میں تو نماز کا لفظ ہے اور نماز عشاء کے لفظ سے عام ہے۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: اس حدیث میں مطلق مقید پر محمول ہے، یعنی حدیث میں اگرچہ نماز کا لفظ ہے مگر مراد اس سے عشاء کی نماز ہے، کیونکہ اس کے بعد حدیث میں ذکر ہے کہ آپ نماز کی جماعت میں گزرے۔

آپ بکری کا بازو کھا رہے تھے یا بکری کی دستی کھا رہے تھے

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس حدیث میں ذکر ہے کہ آپ بکری کی دستی کھا رہے تھے، اور یہاں ذکر ہے کہ آپ بکری کا بازو کھا رہے تھے۔ تو میں کہوں گا کہ آپ کے پاس جو حاضرین تھے وہ بکری کا بازو بھی کھا رہے تھے اور بکری کی دستی بھی کھا رہے تھے، یا یہ دونوں لفظ ہاتھ کے ساتھ متعلق ہیں اور ہاتھ دونوں کو شامل ہیں۔

جب رات کا کھانا آ جائے اور نماز کھڑی ہو تو دونوں امر جائز ہیں خواہ پہلے کھانا کھا لے اور خواہ پہلے نماز پڑھ لے

میں کہتا ہوں: بہ ظاہر اس باب کے عنوان کا معنی یہ ہے کہ جب رات کا کھانا آ جائے اور نماز کھڑی ہو تو پہلے رات کا کھانا کھا لیا جائے، پھر نماز پڑھی جائے، مگر اس باب کی پہلی حدیث جو ہے وہ اس عنوان کے اس مقصود کے خلاف ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ اس باب کی دوسری حدیث عنوان کے اس مقصود کے مطابق آ رہی ہے اور ان دونوں حدیثوں سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر رات کے کھانے کے وقت نماز کا وقت آ جائے تو دونوں امر جائز ہیں۔ کھانا چھوڑ کر نماز پڑھ لے یا کھانے کو مقدم کرے۔ اور اس کا اعتبار انسان کی بھوک کی کیفیت سے ہوگا۔ اگر بھوک شدید ہو تو پہلے رات کا کھانا کھا لے اور اگر بھوک شدید نہ ہو تو پھر پہلے نماز پڑھ لے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حق بندہ کے حق پر مقدم ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۴۶۳۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِذَا وُضِعَ الْعَشَاءُ وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَابْدَءُوا بِالْعَشَاءِ وَعَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مُعلّٰی بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وُہیب نے حدیث بیان کی از ایوب از ابی قلابہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: جب رات کا کھانا رکھ دیا جائے اور نماز کی اقامت کہی جائے تو تم رات کے کھانے سے ابتداء کرو۔ اور از ایوب نافع از ابن عمر از نبی ﷺ اسی کی مثل مروی ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۷۲، ۵۴۶۳، صحیح مسلم: ۵۵۸، مسند احمد: ۱۲۲۳۴)

صحیح البخاری: ۵۴۶۳ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں معلّٰی بن اسد کا ذکر ہے، یہ لفظ باب تعلیہ کا اسم مفعول ہے اور اس کی سند میں وُہیب کا ذکر ہے، یہ وہب

کی تصغیر ہے۔ ان کا نام وہب بن خالد ہے، اور اس حدیث کی سند میں ایوب کا ذکر ہے، یہ سختیانی ہیں اور ابو قلابہ کا ذکر ہے، یہ عبد اللہ بن زید الجرمی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: جب العَشاء کو رکھ دیا جائے تو العَشاء سے ابتداء کرو۔ دونوں جگہوں پر یہ لفظ العَشاء ہے یعنی عشائیہ اور رات کا کھانا، اور رات کے کھانے کو مقدم کیا جائے اور عِشاء کی نماز مؤخر کی جائے تا کہ ایسا نہ ہو کہ نماز کی حالت میں دل کھانے میں لگا رہے۔

۵۴۶۴۔ وَعَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ تَعَشَّى مَرَّةً وَهُوَ يَسْمَعُ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ

اور از ایوب از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت ہے کہ ایک مرتبہ وہ رات کا کھانا کھا رہے تھے اور امام کے قرآن پڑھنے کی آواز سن رہے تھے۔

(صحیح البخاری: ۶۷۳، ۶۷۴، ۵۴۶۴، صحیح مسلم: ۵۵۹، سنن ابوداؤد: ۳۷۵۷، مسند احمد: ۶۳۲۲)

میں کہتا ہوں: یہاں امام بخاری نے ان دونوں حدیثوں کی الگ الگ روایت کی ہے، اور صحیح البخاری: ۶۷۳ میں ان دونوں حدیثوں کی ملا کر روایت کی ہے، اور وہ درج ذیل ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی ایک کا رات کا کھانا آ جائے اور نماز کی اقامت کہی جائے تو وہ رات کے کھانے سے ابتداء کرے اور جلدی نہ کرے حتیٰ کہ کھانے سے فارغ ہو جائے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس جب کھانا رکھا جاتا اور نماز کی اقامت کہی جاتی تو وہ نماز پڑھنے نہ جاتے بلکہ کھانا کھاتے رہتے حتیٰ کہ وہ کھانے سے فارغ ہو جاتے اور وہ امام کے قرآن پڑھنے کی آواز سنتے رہتے۔

۵۴۶۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ وَحَضَرَ الْعَشَاءُ فَابْدَءُوا بِالْعَشَاءِ قَالَ وُهَيْبٌ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ هِشَامٍ إِذَا وُضِعَ الْعَشَاءُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جب نماز کی اقامت کہی جائے اور عَشائیہ (یعنی رات کا کھانا) حاضر ہو تو تم عَشائیہ سے ابتداء کرو۔ وہیب اور یحییٰ بن سعید نے کہا از ہشام: جب عَشائیہ رکھ دیا جائے۔

(صحیح البخاری: ۶۷۱، ۵۴۶۵، صحیح مسلم: ۵۵۷، سنن ابن ماجہ: ۹۳۵، سنن ترمذی: ۳۵۳، سنن نسائی: ۸۵۳، مسند احمد: ۲۴۰۰۳، سنن دارمی: ۱۲۸۰)

اس حدیث کی شرح بھی حسب سابق ہے۔

صحیح البخاری: ۵۴۶۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جو چیز میرے لیے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کی حدیث میں

جو مذکور ہے کہ نماز میں جلدی کی جائے کھانے سے پہلے تو یہ بطورِ وجوب نہیں ہے، یعنی بعض اوقات کھانے کو نماز پر مقدم بھی کیا جائے، اور ان احادیث میں نماز سے مراد نمازِ مغرب ہے یعنی نمازِ مغرب کے وقت اگر کھانا آ جائے تو بعض صورتوں میں پہلے نماز پڑھی جائے اور بعض صورتوں میں پہلے کھانا کھایا جائے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۸۵، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱، فتح الباری ج ۶ ص ۶۱۸، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۶۵ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان دونوں حدیثوں کا محمل یہ ہے کہ جب انسان کو بھوک لگی ہو اور اس کو یہ خیال ہو کہ اگر وہ نماز میں مشغول ہو گیا تو نماز میں کھانے کا خیال رہے گا تو وہ پہلے کھانا کھالے، اور جب یہ صورت نہ ہو تو پھر اولیٰ یہ ہے کہ پہلے نماز پڑھنے کے لیے جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو بکری کے گوشت کو چھری سے کاٹ کر کھا رہے تھے آپ نے اس کو چھوڑ دیا اور نماز پڑھنے کے لیے چلے گئے اور نماز پڑھائی اور آپ نے یہ نہیں فرمایا: کہ مجھے مہلت دو حتیٰ کہ میں بکری کی دستی کھالوں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ پس جب آپ اس چیز میں داخل ہوتے جو آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے تو آپ کھانے کو بھول جاتے اور کھانے کا اہتمام نہ کرتے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گنجائش رکھی ہے کہ جب انسان کو زیادہ بھوک لگی ہو تو وہ پہلے کھانا کھالے، پھر کھانے سے فارغ ہو کر اطمینان سے نماز پڑھے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۹۶، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۵۹۔ بَابُ: قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا۔ (الاحزاب: ۵۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "پھر جب کھانا کھا چکو تو فوراً چلے جاؤ"

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب تم کھانا کھا چکو تو مکان سے اٹھ کر چلے جاؤ، اور اس کی تفسیر سورۃ الاحزاب میں گزر چکی ہے۔

۵۴۶۶۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ أَنَسًا قَالَ أَنَا أَعْلَمُ النَّاسِ بِالْحِجَابِ كَانَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يَسْأَلُنِي عَنْهُ أَصْبَحَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَرُوسًا بِزَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَكَانَ تَزَوَّجَهَا بِالْمَدِينَةِ فَدَعَا النَّاسَ لِلطَّعَامِ بَعْدَ ارْتِفَاعِ النَّهَارِ فَجَلَسَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَجَلَسَ مَعَهُ رِجَالٌ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی: انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں پردے کے حکم کو لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والا ہوں، اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ مجھ سے پردہ کے حکم کے متعلق سوال کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت

بَعْدَ مَا قَامَ الْقَوْمُ حَتّٰى قَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَمَشٰى وَمَشَيْتُ مَعَهٗ حَتّٰى بَلَغَ بَابَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ ثُمَّ ظَنَّ أَنَّهُمْ خَرَجُوْا فَرَجَعْتُ مَعَهٗ فَإِذَا هُمْ جُلُوْسٌ مَكَانَهُمْ فَرَجَعَ وَرَجَعْتُ مَعَهُ الثَّانِيَةَ حَتّٰى بَلَغَ بَابَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ فَرَجَعَ وَرَجَعْتُ مَعَهٗ فَإِذَا هُمْ قَدْ قَامُوْا فَضَرَبَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ سِتْرًا وَأُنْزِلَ الْحِجَابُ۔

جحش کے ساتھ بہ طورِ دولہا کے صبح کی، اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے مدینہ میں نکاح کیا تھا، آپ نے دن چڑھنے کے بعد لوگوں کو کھانے کی دعوت دی، پس رسول اللہ ﷺ بیٹھ گئے اور آپ کے ساتھ چند مرد بھی بیٹھ گئے جب کہ باقی لوگ اٹھ کر چلے گئے تھے، حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے، پس آپ چل کر گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ چل کر گیا حتیٰ کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ تک پہنچے، پھر آپ نے گمان فرمایا کہ اب وہ لوگ چلے گئے ہوں گے، پس میں آپ کے ساتھ واپس گیا تو ابھی وہ لوگ ان جگہوں پر بیٹھے ہوئے تھے، پھر آپ واپس آ گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ دوبارہ واپس آیا حتیٰ کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے دروازہ تک پہنچے، پھر آپ لوٹ آئے اور میں بھی آپ کے ساتھ لوٹ آیا، اس وقت وہ لوگ کھڑے ہو گئے اور آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا اور پردہ کا حکم نازل ہو گیا۔

(صحیح البخاری:۴۷۹۱، ۴۷۹۲، ۴۷۹۳، ۴۷۹۴، ۵۱۵۴، ۵۱۶۳، ۵۱۶۶، ۵۱۶۸، ۵۱۷۰، ۵۱۷۱، ۵۴۶۶، ۶۲۳۸، ۶۲۳۹، ۶۲۷۱، ۷۴۲۱، صحیح مسلم:۱۴۲۸، سنن ترمذی:۳۲۱۷، مسند احمد:۱۲۹۴۸)

صحیح البخاری:۵۴۶۶ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں آیتِ حجاب نازل ہونے کا بیان کیا گیا ہے، اور اس باب کے عنوان میں اس کا سبب بیان کیا گیا ہے، کیونکہ چند لوگ رسول اللہ ﷺ کے گھر سے کھانا کھانے کے بعد اٹھے نہیں اور دیر تک بیٹھے رہے، حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف ہو رہی تھی۔ اور حضرت زینب بنت جحش بھی گھر میں ایک جگہ بیٹھی تھیں کہ وہ لوگ چلے جائیں تو پھر رسول اللہ ﷺ گھر میں آئیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۡ

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو، سوا اس کے کہ تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے، کھانا پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو، بلکہ جب تمہیں بلایا جائے اس وقت جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو فوراً چلے جاؤ اور (وہاں) باتوں میں دل نہ لگاؤ، بے

وَ اللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ ؕ وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمًا (الاحزاب)

شک تمہارے اس عمل سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے، سو وہ تم سے حیاء کرتے ہیں، اور اللہ حق بات کہنے سے نہیں رکتا، اور جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے نہایت پاکیزگی کا باعث ہے، تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو ایذاء پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ نبی کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو، بے شک اللہ کے نزدیک یہ بہت سنگین بات ہے O

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''حجاب'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے کہ پردہ کی آیت کے نزول کے متعلق یہ حدیث ہے، اور اس حدیث میں ''عروس'' کا لفظ ہے، اس کا مذکر اور مؤنث (یعنی دولہا اور دلہن) دونوں پر اطلاق ہوتا ہے۔

یہ حدیث سورۂ احزاب کی تفسیر میں گزر چکی ہے، وہاں امام بخاری نے متعدد اسانید کے ساتھ اس حدیث کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور اس کی مفصل شرح وہاں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۲۲، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

الاحزاب: ۵۳ کی تفسیر از مصنف

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے کہا: یارسول اللہ! آپ کے پاس نیک اور بد ہر قسم کے لوگ آتے ہیں، کاش! آپ امہات المومنین کو حجاب میں رہنے کا حکم دیں تو اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب کو نازل کر دیا۔
(صحیح البخاری: ۴۷۹۰)

نیز حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح، اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی دعوت کی، انہوں نے کھانا کھایا، پھر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے اور اس وقت ایسا لگا جیسے آپ جانے لگے ہوں، لیکن مسلمان نہیں اٹھے، جب آپ نے یہ دیکھا تو آپ کھڑے ہوئے، جب آپ کھڑے ہو گئے تو مسلمانوں میں سے بھی بعض کھڑے ہو گئے اور تین شخص بیٹھے رہے، پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے، میں نکل کر گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کو بتایا کہ وہ لوگ چلے گئے ہیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے حتیٰ کہ حجرے میں داخل ہو گئے، میں بھی داخل ہونے لگا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ۔ (الاحزاب: ۵۳) (صحیح البخاری: ۴۷۹۱)

اس سے مراد دینا اور دنیا کی تمام وہ چیزیں ہیں جن کی ضرورت پیش آتی ہے، نیز اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مسلمان ازواج مطہرات سے پردہ کی اوٹ سے دینی مسائل بھی معلوم کر سکتے ہیں اور دنیاوی ضرورت کی چیزیں بھی طلب کر سکتے ہیں، اس اجازت میں عام مسلم خواتین بھی داخل ہیں، کیونکہ عورتیں مجسم چھپائی جانے والی جنس ہیں، ان کا بدن اور ان کی آواز سب مستور ہے بلکہ واجب

الستر ہے اور سوائے شہادت یا علاج کے ان کے لیے اپنے جسم کے کسی حصہ کو کسی بھی نامحرم کے سامنے ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج پر عدت واجب نہیں ہے، کیونکہ عدت اس مدت کو کہتے ہیں جس میں بیویاں کسی دوسرے سے نکاح کرنے سے رکی رہتی ہیں اور کسی دوسرے شخص سے نکاح کا انتظار کرتی ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج سے کسی دوسرے شخص کا نکاح کرنا جائز نہ تھا اور وہ بدستور آپ کے نکاح میں تھیں اور آپ کی زوجات تھیں، حدیث میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے ورثاء میرے دینار کو تقسیم نہیں کریں گے، میں نے اپنی ازواج کے خرچ اور اپنے عامل کے معاوضہ کے بعد جو کچھ چھوڑا ہے، وہ صدقہ ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۷۷۶)، نیز حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر سبب (رشتہ نکاح) اور ہر نسب قیامت کے دن منقطع ہو جائے گا، سوا میرے سبب اور میرے نسب کے۔ (المعجم الکبیر: ۲۶۳۴)

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی تعظیم کی خبر دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواہ حیاتِ ظاہری میں ہوں یا وصال فرما چکے ہوں، آپ کی حرمت اور عزت اور آپ کی تعظیم اور تکریم کرنا واجب ہے۔ (البحر المحیط ج ۸ ص ۵۰۱)

صحیح البخاری: ۵۴۶۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جو شخص دوسرے کے گھر میں زیادہ دیر تک بیٹھے حتیٰ کہ گھر والے کو اس کے زیادہ دیر بیٹھنے سے تکلیف ہو تو گھر والے کے لیے جائز ہے کہ وہاں سے اٹھ کر چلا جائے اور اپنے جانے سے یہ خبر دے کہ اس کو جانے کی ضرورت ہے تاکہ وہ لوگ بھی چلے جائیں اور یہ ادب کے خلاف نہیں ہے اور عنقریب کتاب الادب میں اس کی شرح آئے گی۔ اور یہ حدیث کتاب الاطعمہ کی آخری حدیث ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۲۵۸، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۶۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کھانا کھانے کے بعد کسی کے گھر سے اٹھ کر چلے جانا چاہیے تاکہ گھر والے کو اس کے زیادہ دیر بیٹھنے سے تکلیف اور ناگواری نہ ہو۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۸۶، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۶۱۹، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۶۶ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان جب کسی کے گھر میں کھانا کھالے تو وہاں سے چلا جائے، کیونکہ جب وہ وہاں ٹھہرا رہے گا تو گھر والے کو اس سے ایذاء ہوگی مگر جب اس کو یہ معلوم ہو کہ گھر والا بھی اس میں رغبت کرتا ہے کہ وہ اس کے پاس ٹھہرے تو پھر اس کے ہاں زیادہ دیر ٹھہرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ (الاحزاب: ۵۳)

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو، سوا اس کے کہ تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے، کھانا پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو، بلکہ جب تمہیں بلایا جائے اس وقت جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو فوراً چلے جاؤ اور (وہاں) باتوں میں دل نہ لگاؤ، بے شک تمہارے اس عمل سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے۔

اس آیت میں گھر سے چلے جانے کے حکم کی علت یہ بیان کی ہے کہ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر میزبان کو مہمان کے ٹھہرنے سے تکلیف نہ پہنچے تو پھر مہمان کا گھر میں زیادہ دیر تک ٹھہرنا جائز ہے، کیونکہ جو حکم کسی علت پر مبنی ہو تو علت کے ارتفاع سے وہ حکم بھی مرتفع ہو جاتا ہے۔

سوال: کتاب الاطعمہ مکمل ہوگئی اور اس میں کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کے متعلق حدیث کا ذکر نہیں ہے؟

جواب: کیونکہ امام بخاری کی شرط کے مطابق یہ حدیث نہیں ہے اور امام بخاری اسی حدیث کا ذکر کرتے ہیں جو ان کی شرط کے مطابق ہو۔

سوال: کیا کھانے سے پہلے ہاتھوں کا دھونا سنت ہے؟

جواب: صحیح یہ ہے کہ یہ سنتِ مطلقہ نہیں ہے، کیونکہ کبھی انسان کے ہاتھ میل کچیل یا گندگی کے ساتھ ملوث ہوتے ہیں اس وقت تو ان کو دھونا چاہیے، ورنہ کھانے سے پہلے ہاتھوں کا دھونا ضروری نہیں ہے۔

سوال: کیا کسی واقعے سے پہلے اس پر قرآن مجید کی کسی آیت سے استشہاد اور استدلال کرنا چاہیے؟

جواب: اگر اس واقعہ کے متعلق کوئی آیت ہو تو اس سے استشہاد کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ جب حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما مسجد میں داخل ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اتر آئے، تاکہ ان کو اٹھائیں اور آپ نے یہ آیت پڑھی، اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ (التغابن: ۱۵) تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تو صرف آزمائش ہیں۔

کتاب الاطعمہ مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ کتاب العقیقہ شروع ہوگی۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۹۷، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: کتاب الاطعمہ میں ایک سو بارہ احادیث مرفوعہ ہیں، جن میں سے چودہ تعلیقات ہیں اور باقی احادیث موصولہ ہیں، اور اس میں نوے احادیث مکررہ ہیں اور خالص احادیث بائیس ہیں۔

کھانے کے متعلق صدر الشریعہ علامہ امجد علی کی تحقیق

صدر الشریعہ بدر الطریقۃ علامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۶۷ھ تحریر فرماتے ہیں:

حدیث ۱: صحیح مسلم شریف میں (حضرت) حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ "جس کھانے پر بِسْمِ اللّٰہِ نہ پڑھی جائے، شیطان کے لیے وہ کھانا حلال ہو جاتا ہے"۔ یعنی بِسْمِ اللّٰہِ نہ پڑھنے کی صورت میں شیطان اس کھانے میں شریک ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم: کتاب الاشربہ، باب آداب الطعام والشراب۔۔ الحدیث: ۱۰۲، (۲۰۱۷) ص ۱۱۱۶)

حدیث ۲: صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کوئی شخص مکان میں آیا اور داخل ہوتے وقت اور کھانے کے وقت اس نے بِسْمِ اللہِ پڑھ لی تو شیطان اپنی ذریت سے کہتا ہے کہ اس گھر میں نہ تمہیں رہنا ملے گا نہ کھانا اور اگر داخل ہوتے وقت بِسْمِ اللہِ نہ پڑھی تو کہتا ہے: اب تمہیں رہنے کی جگہ مل گئی اور کھانے کے وقت بھی بِسْمِ اللہِ نہ پڑھی تو کہتا ہے کہ رہنے کی جگہ بھی ملی اور کھانا بھی ملا''۔ (صحیح مسلم: کتاب الاشربۃ، باب آداب الطعام والشراب۔۔۔ الحدیث: ۱۰۳، (۲۰۱۸) ص ۱۱۱۶)

حدیث ۳: صحیح بخاری و مسلم میں عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما سے مروی، کہتے ہیں کہ میں بچہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں تھا (یعنی یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب اور ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے فرزند ہیں) کھاتے وقت برتن میں ہر طرف ہاتھ ڈال دیتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بِسْمِ اللہِ پڑھو اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور برتن کی اس جانب سے کھاؤ، جو تمہارے قریب ہے''۔ (صحیح مسلم: کتاب الاشربۃ، باب آداب الطعام والشراب۔۔۔ الحدیث: ۱۰۸، (۲۰۲۲) ص ۱۱۱۸)

حدیث ۴: ابوداؤد و ترمذی و حاکم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے راوی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کوئی شخص کھانا کھائے تو اللہ (عزوجل) کا نام ذکر کرے یعنی بِسْمِ اللہِ پڑھے اور اگر شروع میں بِسْمِ اللہِ پڑھنا بھول جائے تو یوں کہے: ''بسم اللہ اولہ وآخرہ''۔ (سنن ابی داود: کتاب الاطعمۃ، باب التسمیۃ علی الطعام، الحدیث: ۳۷۶۷، ج ۳ ص ۴۸۷)

اور امام احمد و ابن ماجہ و ابن حبان و بیہقی کی روایت میں یوں ہے: ''بسم اللہ فی اولہ و اخرہ''۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب التسمیۃ عند الطعام، الحدیث: ۳۲۶۴، ج ۴ ص ۱۱)

حدیث ۵: امام احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ و حاکم وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ ارشاد فرمایا: ''مجتمع ہو کر کھانا کھاؤ اور بِسْمِ اللہِ پڑھو تمہارے لیے اس میں برکت ہوگی''۔ (سنن ابی داود، کتاب الاطعمہ، باب فی الاجتماع علی الطعام، الحدیث: ۳۷۶۴، ج ۳ ص ۴۸۶)

ابن ماجہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ لوگوں نے عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم کھاتے ہیں اور پیٹ نہیں بھرتا، ارشاد فرمایا کہ ''شاید تم الگ الگ کھاتے ہوگے، عرض کی: ہاں۔ فرمایا: اکٹھے ہو کر کھاؤ اور بِسْمِ اللہِ پڑھو، برکت ہوگی''۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب الاجتماع علی الطعام، الحدیث: ۳۲۸۶، ج ۴ ص ۲۱)

حدیث ۶: شرح السنہ میں ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، کھانا پیش کیا گیا، ابتدا میں اتنی برکت ہم نے کسی کھانے میں نہیں دیکھی، مگر آخر میں بے برکتی دیکھی، ہم نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایسا کیوں ہوا؟ ارشاد فرمایا: ''ہم سب نے کھانے کے وقت بِسْمِ اللہِ پڑھی تھی، پھر ایک شخص بغیر بِسْمِ اللہِ پڑھے کھانے کو بیٹھ گیا، اس کے ساتھ شیطان نے کھانا کھالیا''۔ (شرح السنۃ، کتاب الاطعمۃ، باب التسمیۃ علی الاکل۔۔۔ الخ، الحدیث: ۲۸۱۸، ج ۶ ص ۶۱۔ ۶۲)

حدیث ۷: ابوداؤد نے اُمیہ بن مخشی رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہتے ہیں: ایک شخص بغیر بِسْمِ اللہِ پڑھے کھانا کھا رہا تھا، جب کھا چکا صرف ایک لقمہ باقی رہ گیا، یہ لقمہ اٹھایا اور یہ کہا: بسم اللہ اولہ و اخرہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم کیا اور یہ فرمایا کہ ''شیطان اس کے ساتھ کھا رہا تھا، جب اس نے اللہ (عزوجل) کا نام ذکر کیا جو کچھ اس کے پیٹ میں تھا اُگل دیا''۔ اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ بِسْمِ اللہِ نہ کہنے سے کھانے کی برکت جو چلی گئی تھی واپس آ گئی۔

(سنن ابی داود، کتاب الاطعمہ، باب التسمیۃ علی الطعام، الحدیث: ۳۷۶۸، ج ۳ ص ۴۸۸)

حدیث ۸: صحیح مسلم میں حُذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: جب ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانے میں حاضر ہوتے تو جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم شروع نہ کرتے، کھانے میں ہم ہاتھ نہیں ڈالتے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے، ایک لڑکی دوڑتی ہوئی آئی جیسے اسے کوئی دھکیل رہا ہے، اس نے کھانے میں ہاتھ ڈالنا چاہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر ایک اعرابی دوڑتا ہوا آیا جیسے اسے کوئی دھکیل رہا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا اور یہ فرمایا کہ "جب کھانے پر اللہ (عزوجل) کا نام نہیں لیا جاتا تو وہ کھانا شیطان کے لیے حلال ہو جاتا ہے۔ شیطان اس لڑکی کے ساتھ آیا کہ اس کے ساتھ کھائے، میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر اس اعرابی کے ساتھ آیا کہ اس کے ساتھ کھائے، میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ قسم ہے اس کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے! اس کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے، اس کے بعد حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اللہ (عزوجل) کا نام ذکر کیا یعنی بِسْمِ اللّٰہِ کہی اور کھانا کھایا۔ اسی کے مثل امام احمد و ابوداؤد و نسائی و حاکم نے بھی روایت کی ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب آداب الطعام والشراب۔۔۔ الخ الحدیث: ۱۰۲ (۲۰۱۷) ص ۱۱۱۶)

حدیث ۹: ابن عساکر نے عُقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس کھانے پر اللہ (عزوجل) کا نام ذکر نہ کیا ہو، وہ بیماری ہے اور اس میں برکت نہیں ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اگر ابھی دستر خوان نہ اٹھایا گیا ہو تو بسم اللہ پڑھ کر کچھ کھالے اور دستر خوان اٹھا لیا گیا ہو تو بِسْمِ اللّٰہِ پڑھ کر انگلیاں چاٹ لے"۔ (تاریخ دمشق، لابن عساکر، رقم: ۴۷۲۴، ج ۶ ص ۳۲۵)

حدیث ۱۰: دَیلمی نے اَنَس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب کھائے یا پیے تو یہ کہہ لے:

بسم اللہ وباللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیء فی الارض ولا فی السماء یا حی یا قیوم۔

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں، جس کے نام کی برکت سے زمین و آسمان کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی، اے ہمیشہ زندہ وقائم رہنے والے۔

پھر اس سے کوئی بیماری نہ ہوگی، اگرچہ اس میں زہر ہو"۔ (الفردوس بماثور الخطاب، الحدیث: ۱۱۱۳، ج ۱ ص ۱۶۸)

حدیث ۱۱: صحیح مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب کھانا کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے اور پانی پیے تو داہنے ہاتھ سے پیے"۔ (صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب آداب الطعام والشراب۔۔۔ الخ الحدیث: ۱۰۵، (۲۰۲۰)، ص ۱۱۱۷)

حدیث ۱۲: صحیح مسلم میں انہیں سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی شخص نہ بائیں ہاتھ سے کھانا کھائے، نہ پانی پیے کہ بائیں ہاتھ سے کھانا پینا شیطان کا طریقہ ہے"۔
(صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب آداب الطعام والشراب۔۔۔ الخ الحدیث: ۱۰۶، (۲۰۲۰)، ص ۱۱۱۷)

حدیث ۱۳: ابن ماجہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ "دہنے ہاتھ سے کھائے اور دہنے ہاتھ سے پیے اور دہنے ہاتھ سے لے اور دہنے ہاتھ سے دے، کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے، بائیں ہاتھ سے پیتا ہے اور بائیں ہاتھ سے لیتا ہے اور بائیں سے دیتا ہے"۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمۃ، باب الاکل بالیمین، الحدیث: ۳۲۶۶، ج ۴ ص ۱۲)

حدیث ۱۴: ابن النجار نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تین انگلیوں سے کھانا انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے"۔ (الجامع الصغیر للسیوطی، الحدیث: ۳۰۷۴، ص ۱۸۴)

اور حکیم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین انگلیوں سے کھاؤ کہ یہ سنت ہے اور پانچوں انگلیوں سے نہ کھاؤ کہ یہ اعراب (گنواروں) کا طریقہ ہے''۔ (کنز العمال، کتاب المعیشۃ، الخ، رقم: ۴۰۸۷۲، ج۱۵، ص ۱۱۵)

حدیث ۱۵: صحیح مسلم میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے اور پونچھنے سے پہلے ہاتھ چاٹ لیتے۔ (صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، باب استحباب لعق الاصابع۔۔ الخ، الحدیث ۱۳۲۔ (۲۰۳۲) ص ۱۱۲۲)

حدیث ۱۶: صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں اور برتن کے چاٹنے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ ''تمہیں معلوم نہیں کہ کھانے کے کس حصے میں برکت ہے''۔ (صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، باب استحباب لعق الاصابع،، الحدیث: ۱۳۳۔ (۲۰۳۳) ص ۱۱۲۲)

حدیث ۱۷: صحیح بخاری و مسلم میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''کھانے کے بعد ہاتھ کو نہ پونچھے، جب تک چاٹ نہ لے یا دوسرے کو چٹا نہ دے''۔ یعنی ایسے شخص کو چٹا دے جو کراہت و نفرت نہ کرتا ہو، مثلاً تلامذہ و مریدین کہ یہ استاد و شیخ کے جھوٹے کو تبرک جانتے ہیں اور بڑی خوشی سے استعمال کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری، کتاب الاطعمہ، باب لعق الاصابع، الخ۔ الحدیث: ۵۴۵۶، ج ۳ ص ۵۳۲)

حدیث ۱۸: امام احمد و ترمذی و ابن ماجہ نے نُبیشہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کھانے کے بعد برتن کو چاٹے گا، وہ برتن اس کے لیے استغفار کرے گا''۔

(المسند للامام احمد بن حنبل، مسند البصریین، حدیث نبیشۃ الھذلی، الحدیث: ۲۰۷۵۵، ج ۷ ص ۳۸۲)

رزین کی روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ برتن یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو جہنم سے آزاد کرے، جس طرح تو نے مجھے شیطان سے نجات دی۔ (مشکاۃ المصابیح، کتاب الاطعمہ، الفصل الثالث، الحدیث: ۴۲۲۲، ج ۲ ص ۴۵۵)

حدیث ۱۹: طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے اور پانی میں پھونکنے سے ممانعت فرمائی۔

(المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن العباس، الحدیث: ۲۸۱۸، ج ۱ ص ۶۶۲، المعجم الاوسط، باب المیم، الحدیث: ۵۱۳۸، ج ۴ ص ۴۰)

حدیث ۲۰: صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شیطان تمہارے ہر کام میں حاضر ہو جاتا ہے، کھانے کے وقت بھی حاضر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر لقمہ گر جائے اور اس میں کچھ لگ جائے تو صاف کر کے کھا لے اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑ دے اور جب کھانے سے فارغ ہو جائے تو انگلیاں چاٹ لے، کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ کھانے کے کس حصے میں برکت ہے''۔

(صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، باب استحباب لعق الاصابع، الحدیث: ۱۳۵ (۲۰۳۳)، ص ۱۱۲۳)

حدیث ۲۱: ابن ماجہ نے حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کھانا کھا رہے تھے، ان کے ہاتھ سے لقمہ گر گیا، انہوں نے اٹھا لیا اور صاف کر کے کھا لیا۔ یہ دیکھ کر گنواروں نے آنکھوں سے اشارہ کیا (کہ یہ کتنی حقیر و ذلیل بات ہے کہ گرے ہوئے لقمہ کو انہوں نے کھا لیا)، کسی نے ان سے کہا: خدا امیر کا بھلا کرے (معقل بن یسار وہاں امیر و سردار کی حیثیت سے تھے) یہ گنوار کنکھیوں سے اشارہ کرتے ہیں کہ آپ نے گرا ہوا لقمہ کھا لیا اور آپ کے سامنے یہ کھانا موجود ہے، انہوں نے فرمایا: ان عجمیوں کی وجہ سے میں اس چیز کو نہیں چھوڑ سکتا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، ہم کو حکم تھا کہ جب لقمہ گر جائے، اسے صاف کر کے کھا یا جائے، شیطان کے لیے نہ چھوڑ دے۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب اللقمۃ اذا سقطت، الحدیث: ۳۲۷۸، ج ۴ ص ۱۷)

حدیث ۲۲: ابن ماجہ نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکان میں تشریف لائے، روٹی کا ٹکڑا پڑا ہوا دیکھا، اس کو لے کر پونچھا پھر کھالیا اور فرمایا: ''عائشہ! اچھی چیز کا احترام کرو کہ یہ چیز (یعنی روٹی) جب کسی قوم سے بھاگی ہے تو لوٹ کر نہیں آئی''۔ یعنی اگر ناشکری کی وجہ سے کسی قوم سے رزق چلا جاتا ہے تو پھر واپس نہیں آتا۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب النھی عن القاء الطعام، الحدیث: ۳۳۵۳، ج ۴ ص ۴۹)

حدیث ۲۳: طبرانی نے عبداللہ بن ام حرام رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''روٹی کا احترام کرو کہ وہ آسمان و زمین کی برکات سے ہے، جو شخص دسترخوان سے گری ہوئی روٹی کو کھالے گا، اس کی مغفرت ہو جائے گی''۔

(الجامع الصغیر للسیوطی، الحدیث: ۱۴۲۶، ص ۸۸)

حدیث ۲۴: دارمی نے اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کی، کہ جب ان کے پاس ثرید لایا جاتا تو حکم کرتیں کہ چھپا دیا جائے کہ اس کی بھاپ کا جوش ختم ہو جائے اور فرماتیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اس سے برکت زیادہ ہوتی ہے۔

(سنن دارمی، کتاب الاطعمہ، باب النھی عن اکل الطعام الحار، الحدیث: ۲۰۴۷، ج ۲ ص ۱۳۷)

حدیث ۲۵: حاکم جابر رضی اللہ عنہ سے اور ابوداؤد اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ارشاد فرمایا: ''کھانے کو ٹھنڈا کر لیا کرو کہ گرم کھانے میں برکت نہیں ہے''۔ (المستدرک للحاکم، کتاب الاطعمہ، باب ابردوا الطعام الحار، الحدیث: ۷۲۰۷، ج ۵ ص ۱۶۲)

حدیث ۲۶: صحیح بخاری میں ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ جب دسترخوان اٹھایا جاتا، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑھتے:

الحمد لله حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه غير مكفي ولا مودع ولا مستغنى عنه ربنا۔	اللہ تعالیٰ کے لیے بے شمار تعریفیں، نہایت پاکیزہ اور بابرکت نہ کفایت کی گئی نہ چھوڑی گئی اور نہ اس سے لاپرواہی برتی گئی، اے ہمارے رب! (قبول فرما)

(صحیح البخاری، کتاب الاطعمہ، باب مایقول اذا فرغ من طعامہ، الحدیث: ۵۴۵۸، ج ۳ ص ۵۴۳، سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب مایقول اذا فرغ من الطعام، الحدیث: ۳۴۶۷، ج ۵ ص ۲۸۳)

حدیث ۲۷: صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس بندہ سے راضی ہوتا ہے کہ جب لقمہ اٹھاتا ہے تو اس پر (اللہ عزوجل) کی حمد کرتا ہے اور پانی پیتا ہے تو اس پر اس کی حمد کرتا ہے''۔

(صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء۔۔۔ الخ، باب استحباب حمد اللہ، الخ، الحدیث: ۸۹ (۲۷۳۴)، ص ۱۴۶۳)

حدیث ۲۸: ترمذی وابوداؤد وابن ماجہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے سے فارغ ہو کر یہ پڑھتے:

الحمد لله الذي اطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمين۔	اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمہ، باب: مایقول الرجل اذا طعم، الحدیث: ۳۸۵۰، ج ۳ ص ۵۱۳)

حدیث ۲۹: ترمذی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کھانے والا شکر گزار ویسا ہی ہے جیسا روزہ دار صبر کرنے والا''۔ (سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب: ۴۳، الحدیث: ۲۴۹۴، ج ۴ ص ۲۱۹)

حدیث ۳۰: ابوداؤد نے ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کھاتے یا پیتے، یہ پڑھتے:

الحمد للہ الذی اطعم وسقی وسوغہ وجعل لہ مخرجا۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جس نے کھلایا، پلایا اور اسے باآسانی اتارا اور اس کے نکلنے کا راستہ بنایا۔

حدیث ۳۱: ضیا نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ارشاد فرمایا: ''آدمی کے سامنے کھانا رکھا جاتا ہے اور اٹھانے سے پہلے اس کی مغفرت ہوجاتی ہے''، اس کی صورت یہ ہے کہ جب رکھا جائے بِسْمِ اللہِ کہے اور جب اٹھایا جانے لگے تو الحمد للہ کہے۔

(الاحادیث المختارۃ، مسند انس بن مالک، الحدیث: ۲۳۰۰، ج۶ ص۲۸۶)

حدیث ۳۲: نسائی وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہ کھانے کے بعد یہ دعا پڑھے:

الحمد للہ الذی یطعم ولا یطعم ومن علینا فھدانا واطعمنا وسقانا وکل بلاء حسن ابلانا، الحمد للہ غیر مودع ربی ولا مکافی ولا مکفور ولا مستغنی عنہ، الحمد للہ الذی اطعمنا من الطعام وسقانا من الشراب وکسانا من العری وھدانا من الضلال وبصرنا من العمیٰ وفضلنا علیٰ کثیر من خلقہ تفضیلا والحمد للہ رب العالمین۔

(کنز العمال، کتاب المعیشۃ، رقم: ۴۰۸۴۳، ج۱۵ ص۱۱۳)

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جو کھلاتا ہے اور خود نہیں کھاتا، اس نے ہم پر احسان فرمایا کہ ہمیں ہدایت دی اور ہمیں کھلایا، پلایا اور ہمیں ہر نعمت خوب عطا کی۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، اس حال میں کہ نہ تو وہ نعمت چھوڑی گئی نہ اس کا بدلہ دیا گیا اور نہ ناشکری کی گئی اور نہ اس سے لاپرواہی برتی گئی۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جس نے ہمیں کھانا کھلایا اور پانی پلایا اور برہنگی میں کپڑا پہنایا اور گمراہی سے ہدایت دی اور اندھے پن سے بینا کیا اور اپنی بہت سی مخلوق پر ہمیں فضیلت دی، تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

حدیث ۳۳: امام احمد و ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب کوئی شخص کھانا کھائے تو یہ کہے: ''اللھم بارک لنا فیہ وابدلنا خیرا منہ''، اے اللہ! (عزوجل) ہمارے لیے اس (کھانے) میں برکت عطا فرما اور ہمیں اس سے بہتر بدل عطا فرما۔ اور جب دودھ پیے تو یہ کہے: ''اللھم بارک لنا فیہ وزدنا منہ، اے اللہ! (عزوجل) ہمارے لیے اس میں برکت عطا فرما اور ہمیں مزید عطا فرما۔ کیونکہ دودھ کے سوا کوئی چیز ایسی نہیں جو کھانے اور پانی دونوں کی قائم مقام ہو''۔ (شعب الایمان، باب فی المطاعم والمشارب، الحدیث: ۵۹۵۷، ج۵ ص۱۰۴)

حدیث ۳۴: ابن ماجہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانے پر سے اٹھنے کی ممانعت کی، جب تک کھانا اٹھا نہ لیا جائے۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب النھی ان یقام عن الطعام حتی یرفع۔۔۔ الخ، الحدیث: ۳۲۹۴، ج۴ ص۲۴)

حدیث ۳۵: ابن ماجہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب دسترخوان چنا جائے تو کوئی شخص دسترخوان سے نہ اٹھے، جب تک دسترخوان نہ اٹھالیا جائے اور کھانے سے ہاتھ نہ کھینچے اگرچہ کھا چکا ہو، جب تک سب لوگ فارغ نہ ہوجائیں اور اگر ہاتھ روکنا ہی چاہتا ہے تو معذرت پیش کرے کیونکہ اگر بغیر معذرت کیے ہاتھ روک لے گا تو اس کے ساتھ دوسرا شخص جو کھانا کھا رہا ہے شرمندہ ہوگا، وہ بھی ہاتھ کھینچ لے گا اور شاید ابھی اس کو کھانے کی حاجت باقی ہو''۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب

الاطعمہ، باب النھی ان یقام عن الطعام حتی یرفع۔۔۔الخ، الحدیث:۳۲۹۵، ج۴ص۲۴)

اس حدیث کی بناء پر علماء یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کم خوراک ہو تو آہستہ آہستہ تھوڑا تھوڑا کھائے اور اس کے باوجود بھی اگر جماعت کا ساتھ نہ دے سکے تو معذرت پیش کرے تا کہ دوسروں کو شرمندگی نہ ہو۔

حدیث ۳۶: ترمذی وابوداؤد نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہتے ہیں: میں نے توارت میں پڑھا تھا کہ کھانے کے بعد وضو کرنا یعنی ہاتھ دھونا اور کلی کرنا برکت ہے۔ اس کو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کھانے کی برکت اس کے پہلے وضو کرنا اور اس کے بعد وضو کرنا ہے''۔ (اس حدیث میں وضو سے مراد ہاتھ دھونا ہے)۔

(سنن الترمذی، کتاب الاطعمہ، باب ماجاء فی الوضوء قبل الطعام وبعدہ، الحدیث: ۱۸۵۳، ج۳ص۳۳۴)

حدیث ۳۷: طبرانی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی، کہ ارشاد فرمایا: ''کھانے سے پہلے اور بعد میں وضو کرنا (ہاتھ منہ دھونا) محتاجی کو دور کرتا ہے اور یہ مرسلین (علیہم السلام) کی سنتوں میں سے ہے''۔ (المعجم الاوسط، باب المیم، الحدیث: ۷۱۶۶، ج۵ص۲۳۱)

حدیث ۳۸: ابن ماجہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ فرمایا: ''جو یہ پسند کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گھر میں زیادہ خیر کرے تو جب کھانا حاضر کیا جائے، وضو کرے اور جب اٹھایا جائے اس وقت وضو کرے، یعنی ہاتھ منہ دھولے۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب الوضوء عند الطعام، الحدیث: ۳۲۶۰، ج۴ص۹)

حدیث ۳۹: ابن ماجہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اکٹھے ہو کر کھاؤ، الگ الگ نہ کھاؤ کہ برکت جماعت کے ساتھ ہے''۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب الاجتماع علی الطعام، الحدیث: ۳۲۸۷، ج۴ص۲۱)

حدیث ۴۰: ترمذی نے عکراش بن ذویب رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہتے ہیں: ہمارے پاس ایک برتن میں بہت سی ثرید اور بوٹیاں لائیں گئیں۔ میرا ہاتھ برتن میں ہر طرف پڑنے لگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سامنے سے تناول فرمایا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ سے میرا داہنا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ عکراش! ایک جگہ سے کھاؤ کہ یہ ایک ہی قسم کا کھانا ہے۔ اس کے بعد طبق میں طرح طرح کی کھجوریں لائیں گئیں، میں نے اپنے سامنے سے کھانی شروع کیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ مختلف جگہ طباق میں پڑتا۔ پھر فرمایا کہ عکراش جہاں سے چاہو کھاؤ، کہ یہ ایک قسم کی چیز نہیں۔ پھر پانی لایا گیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ دھوئے اور ہاتھوں کی تری سے منہ اور کلائیوں اور سر پر مسح کر لیا اور فرمایا کہ ''عکراش جس چیز کو آگ نے چھوا یعنی جو آگ سے پکائی گئی ہو، اس کے کھانے کے بعد یہ وضو ہے''۔ (سنن الترمذی، کتاب الاطعمہ، باب ماجاء فی التسمیۃ، الحدیث: ۱۸۵۵، ج۳ص۳۳۵)

مسائل فقہیہ

بعض صورت میں کھانا فرض ہے کہ کھانے پر ثواب ہے اور نہ کھانے میں عذاب۔ اگر بھوک کا اتنا غلبہ ہو کہ جانتا ہو کہ نہ کھانے سے مر جائے گا تو اتنا کھالینا جس سے جان بچ جائے فرض ہے اور اس صورت میں اگر نہیں کھایا یہاں تک کہ مر گیا تو گنہگار رہا۔ اتنا کھالینا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت آ جائے اور روزہ رکھ سکے یعنی نہ کھانے سے اتنا کمزور ہو جائے گا کہ کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے گا اور روزہ نہ رکھ سکے گا تو اس مقدار سے کھالینا ضروری ہے اور اس میں بھی ثواب ہے۔

(الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج۹ص۵۵۹)

مسئلہ ۱: اضطرار کی حالت میں یعنی جب کہ جان جانے کا اندیشہ ہے اگر حلال چیز کھانے کے لیے نہیں ملتی تو حرام چیز یا مردار یا دوسرے کی چیز کھا کر اپنی جان بچائے اور ان چیزوں کے کھالینے پر اس صورت میں مواخذہ نہیں، بلکہ نہ کھا کر مرجانے میں مواخذہ ہے اگرچہ پرائی چیز کھانے میں تاوان (یعنی جو کچھ نقصان ہوا، وہ ادا کرے) دینا ہوگا۔ (الدر المختار، کتاب الحظر والاباحۃ ج۹ ص۵۵۹)

مسئلہ ۲: پیاس سے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے تو کسی چیز کو پی کر اپنے کو ہلاکت سے بچانا فرض ہے۔ پانی نہیں ہے اور شراب موجود ہے اور معلوم ہے کہ اس کے پی لینے میں جان بچ جائے گی تو اتنی پی لے جس سے یہ اندیشہ جاتا رہے۔

(الدر المختار و ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج۹ ص۵۵۹)

مسئلہ ۳: دوسرے کے پاس کھانے پینے کی چیز ہے، تو قیمت سے خرید کر کھا پی لے، وہ قیمت سے بھی نہیں دیتا اور اس کی جان پر بنی ہے تو اس سے زبردستی چھین لے اور اگر اس کے لیے بھی یہی اندیشہ ہے تو کچھ لے لے اور کچھ اس کے لیے چھوڑ دے۔

(ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج۹ ص۵۵۹)

مسئلہ ۴: ایک شخص اضطرار کی حالت میں ہے، دوسرا شخص اس سے یہ کہتا ہے کہ تم میرا ہاتھ کاٹ کر اس کا گوشت کھالو۔ اس کے لیے اس گوشت کے کھانے کی اجازت نہیں ہے، یعنی انسان کا گوشت کھانا اس حالت میں بھی مباح نہیں۔

(ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج۹ ص۵۵۹)

مسئلہ ۵: کھانے پینے پر دوا اور علاج کو قیاس نہ کیا جائے، یعنی حالتِ اضطرار میں مردار اور شراب کو کھانے پینے کا حکم ہے مگر دوا کے طور پر شراب جائز نہیں کیونکہ مردار کا گوشت اور شراب یقینی طور پر بھوک اور پیاس کا دفعیہ ہے اور دوا کے طور پر شراب پینے میں یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ مرض کا ازالہ ہو ہی جائے گا۔ (ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج۹ ص۵۵۹)

مسئلہ ۶: بھوک سے کم کھانا چاہیے اور پوری بھوک بھر کر کھانا کھالینا مباح ہے یعنی نہ ثواب ہے نہ گناہ، کیونکہ اس کا بھی صحیح مقصد ہو سکتا ہے کہ طاقت زیادہ ہوگی اور بھوک سے زیادہ کھالینا حرام ہے، زیادہ کا مطلب ہے کہ اتنا کھالینا جس سے پیٹ خراب ہونے کا گمان ہے، مثلاً دست آئیں گے اور طبیعت بدمزہ ہو جائے گی۔ (الدر المختار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج۹ ص۵۶۰)

مسئلہ ۷: اگر بھوک سے کچھ زیادہ اس لیے کھالیا کہ کل کا روزہ اچھی طرح رکھ سکے گا روزہ میں کمزوری نہیں پیدا ہوگی تو حرج نہیں، جب کہ اتنی ہی زیادتی ہو جس سے معدہ خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور معلوم ہے کہ زیادہ نہ کھایا تو کمزوری ہوگی، دوسرے کاموں میں دقت ہوگی۔ یوہیں اگر مہمان کے ساتھ کھا رہا ہے اور معلوم ہے کہ یہ ہاتھ روک دے گا تو مہمان شرما جائے گا اور سیر ہو کر نہ کھائے گا تو اس صورت میں بھی کچھ زیادہ کھالینے کی اجازت ہے۔ (الدر المختار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج۹ ص۵۶۱)

مسئلہ ۸: سیر ہو کر کھانا اس لیے کہ نوافل کثرت سے پڑھ سکے گا اور پڑھنے پڑھانے میں کمزوری پیدا نہ ہوگی، اچھی طرح اس کام کو انجام دے سکے گا یہ مندوب ہے اور سیری سے زیادہ کھایا مگر اتنا زیادہ نہیں کہ شکم خراب ہو جائے یہ مکروہ ہے۔ عبادت گزار شخص کو یہ اختیار ہے کہ بقدرِ مباح تناول کرے یا بقدرِ مندوب، مگر اسے یہ نیت کرنی چاہیے کہ اس کے لیے کھاتا ہوں کہ عبادت کی قوت پیدا ہو، کہ اس نیت سے کھانا ایک قسم کی طاعت ہے۔ کھانے سے اس کا مقصد تلذذ و تنعم (یعنی صرف حصول لذت اور خواہش کی تکمیل کے لیے نہ ہو) کہ یہ بری صفت ہے۔

قرآن مجید میں کفار کی یہ صفت بیان کی گئی، کہ کھانے سے ان کا مقصود تمتع و تنعم ہوتا ہے اور حدیث میں کثرت خوری کفار کی صفت بتائی گئی۔ (ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج۹ ص۵۶۰)

مسئلہ ۹: ریاضت و مجاہدہ میں ایسی تقلیل غذا (یعنی کھانے میں کمی کرنا) کہ عبادتِ مفروضہ (یعنی فرض کی ہوئی عبادت) کی ادائیگی میں ضعف پیدا ہو جائے، مثلاً اتنا کمزور ہو گیا کہ کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے گا، یہ ناجائز ہے اور اگر اس حد کی کمزوری پیدا نہ ہو تو حرج نہیں۔ (درمختار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج۹ ص۵۶۱)

مسئلہ ۱۰: زیادہ کھالیا اس لیے کہ قے کر ڈالے گا اور یہ صورت اس کے لیے مفید ہو تو حرج نہیں، اگرچہ افضل یہ ہے کہ ایسا نہ کرے۔ (ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ، ج۹ ص۵۶۱)

مسئلہ ۱۱: طرح طرح کے میوے کھانے میں حرج نہیں، اگرچہ افضل یہ ہے کہ ایسا نہ کرے۔ (الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج۹ ص۵۶۱)

مسئلہ ۱۲: جوان آدمی کو یہ اندیشہ ہے کہ سیر ہو کر کھائے گا تو غلبۂ شہوت ہوگا تو کھانے میں کمی کرے کہ غلبۂ شہوت نہ ہو، مگر اتنی کمی نہ کرے کہ عبادت میں قصور پیدا ہو۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الکراہیۃ، الباب الحادی عشر فی الکراہیۃ، ج۵ ص۳۳۶)

اسی طرح بعض لوگوں کو گوشت کھانے سے غلبۂ شہوت ہوتا ہے، وہ بھی گوشت میں کمی کر دیں۔

مسئلہ ۱۳: ایک قسم کا کھانا ہوگا تو بقدر حاجت نہ کھا سکے گا طبیعت گھبرا جائے گی، لہٰذا کئی قسم کے کھانے تیار کراتا ہے کہ سب میں سے کچھ کچھ کھا کر ضرورت پوری کر لے گا، اس مقصد کے لیے متعدد قسم کے کھانے میں حرج نہیں یا اس لیے بہت سے کھانے پکواتا ہے کہ لوگوں کی ضیافت کرنی ہے، وہ سب کھانے میں صرف ہو جائیں گے تو اس میں بھی حرج نہیں اور یہ مقصود نہ ہو تو اسراف ہے۔
(الفتاوی الہندیہ، کتاب الکراہیۃ، الباب الحادی عشر فی الکراہیۃ، ج۵ ص۳۳۶)

مسئلہ ۱۴: کھانے کے آداب و سنن یہ ہیں:

(۱) کھانے سے پہلے

(۲) اور بعد میں ہاتھ دھونا

(۳) کھانے سے پہلے ہاتھ دھو کر پونچھے نہ جائیں اور

(۴) کھانے کے بعد ہاتھ دھو کر رومال یا تولیا سے پونچھ لیں کہ کھانے کا اثر باقی نہ رہے۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الکراہیۃ، الباب الحادی عشر فی الکراہیۃ، ج۵ ص۳۳۷)

مسئلہ ۱۵: سنت یہ ہے کہ قبلِ طعام اور بعدِ طعام دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوئے جائیں، بعض لوگ صرف ایک ہاتھ یا فقط انگلیاں دھو لیتے ہیں بلکہ صرف چٹکی دھونے پر کفایت کرتے ہیں اس سے سنت ادا نہیں ہوتی۔
(الفتاوی الہندیہ، کتاب الکراہیۃ، الباب الحادی عشر فی الکراہیۃ، ج۵ ص۳۳۷)

مسئلہ ۱۶: مستحب یہ ہے کہ ہاتھ دھوتے وقت خود اپنے ہاتھ سے پانی ڈالے، دوسرے سے اس میں مدد نہ لے یعنی اس کا وہی حکم ہے جو وضو کا ہے۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الکراہیۃ، الباب الحادی عشر فی الکراہیۃ، ج۵ ص۳۳۷)

(بہارِ شریعت حصہ شانزدہم، جلد سوم ص۳۶۷۔۳۵۹ ملخصاً وملتقطاً، مکتبۃ المدینہ، دعوتِ اسلامی، ۱۴۳۲ھ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۷۱۔ كِتَابُ الْعَقِيْقَةِ

عقیقہ کا بیان

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، لکھتے ہیں:

یہ کتاب عقیقہ کے احکام کے بیان میں ہے۔الاصمعی نے کہا ہے: عقیقہ اصل میں ان بالوں کو کہتے ہیں جو ولادت کے وقت بچے کے سر پر ہوتے ہیں، اور اس حال میں جو بکری ذبح کی جاتی ہے، اس کو بھی عقیقہ کہتے ہیں، کیونکہ ذبح کے وقت بچے کے سر سے اس کے بالوں کو مونڈ دیا جاتا ہے۔اور علامہ خطابی نے کہا ہے کہ عقیقہ اس بکری کا نام ہے جس کو بچے کی طرف سے ذبح کیا جاتا ہے۔ اور اس کو عقیقہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ذبح کرنے والے کی طرف سے اس کو ذبح کیا جاتا ہے یعنی بکری کو شق کیا جاتا ہے اور کاٹا جاتا ہے، اور ''عق'' کے معنی شق اور کاٹنا ہے۔اور کہا جاتا ہے کہ بالوں کو عقیقہ اس لیے کہتے ہیں کہ بالوں کو مونڈنے کے بعد بطور استعارہ عقیقہ کہتے ہیں۔

بچے کی پیدائش کے ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جاتا ہے اور اس کے سر کے بال مونڈ کر ایک بکری کو ذبح کیا جاتا ہے، اگر لڑکا ہو تو اس کی طرف سے دو بکریاں ذبح کی جاتی ہیں اور لڑکی ہو تو ایک بکری ذبح کی جاتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج۲۱ ص ۱۲۳، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابُ: تَسْمِيَةِ الْمَوْلُودِ غَدَاةَ يُوْلَدُ لِمَنْ لَمْ يَعُقَّ عَنْهُ وَتَحْنِيكِهِ

اگر بچے کا عقیقہ کا ارادہ نہ ہو تو بچے کی ولادت کے دن ہی بچے کا نام رکھنا اور اس کو گھٹی دینے کا جواز

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے جس صبح کو بچہ پیدا ہوا ہے اور اس کے عقیقہ کا ارادہ نہ ہو تو اس دن اس کا نام رکھنا جائز ہے اور اس کو گھٹی دینا بھی جائز ہے۔یعنی ولادت کے وقت بچہ کا نام رکھنا جائز ہے اگر اس کا عقیقہ حاصل نہ ہو۔اور اگر عقیقہ حاصل ہو تو پھر ساتویں دن بچہ کا نام رکھا جائے۔اور نسفی کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ولادت کے وقت بچے کا نام رکھیں عام ازیں کہ عقیقہ ہو یا نہ ہو، لیکن پہلی تفسیر زیادہ اولیٰ ہے کہ احادیث میں مذکور ہے کہ ساتویں دن بچہ کا نام رکھا جائے۔اور نسفی کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ واجب نہیں ہے۔

عقیقہ کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور ابو ثور ...

اسحاق نے کہا ہے کہ عقیقہ کرنا سنت ہے۔ اور جو شخص عقیقہ کرنے پر قادر ہو اسے عقیقہ کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ امام احمد بن حنبل نے کہا ہے کہ عقیقہ کی قیمت کو مساکین پر صدقہ کرنے سے بہتر یہ ہے کہ عقیقہ کو ذبح کیا جائے یعنی ایک بکری یا دو بکریوں کو ذبح کیا جائے اور ایک مرتبہ انہوں نے کہا: یہ وہ کام ہے جس پر ہمارے نزدیک ہمیشہ سے لوگوں کا عمل رہا ہے۔ اور امام مالک نے کہا: یہ وہ کام ہے جس میں فقہاء کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اور علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم عقیقہ کو مشروع قرار دیتے تھے۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اور حسن بصری اور اہل الظاہر سے منقول ہے کہ عقیقہ کرنا واجب ہے اور ان کی تاویل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے، اور یہ وجوب پر محمول ہے اور ابن حزم ظاہری نے کہا کہ عقیقہ کرنا فرض یا واجب ہے، انسان کو عقیقہ کرنے پر مجبور کیا جائے گا جب اس کے لیے اس کی روزمرہ کی خوراک سے زائد رقم ہو، اور شرح السنہ میں مذکور ہے کہ حسن بصری نے عقیقہ کو واجب قرار دیا، انہوں نے کہا کہ لڑکے کی طرف سے ساتویں دن عقیقہ کیا جائے، اگر اس کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو تو وہ خود اپنا عقیقہ کرلے۔

اور علامہ ابن التین شارح بخاری نے کہا کہ ابووائل نے کہا ہے کہ عقیقہ کرنا لڑکوں اور لڑکیوں میں سنت ہے۔

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے کہ عقیقہ سنت نہیں ہے اور امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ عقیقہ کرنا نفلی قربانی ہے۔ لوگ عقیقہ کرتے تھے، پھر عقیقہ کو دس ذوالحجہ کی قربانی سے منسوخ کر دیا گیا ہے۔

صاحب التوضیح علامہ ابن الملقن نے امام ابوحنیفہ سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ امام ابوحنیفہ اور فقہاء کوفہ کے نزدیک عقیقہ کرنا بدعت ہے، اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی لکھا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ افتراء ہے اور اس کی امام ابوحنیفہ کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اس سے بری ہیں کہ وہ ایسی بات کہیں، اور امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے کہ یہ سنت نہیں ہے، اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ یہ سنت ثابتہ نہیں ہے، یا اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ یہ سنت مؤکدہ نہیں ہے۔

امام عبدالرزاق نے از داؤد بن قیس روایت کی ہے کہ میں نے عمرو بن شعیب از والد خود از جدِ خود یہ سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: میں خون بہانے کو پسند نہیں کرتا، صحابہ نے کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم میں سے کسی شخص کے ہاں جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ قربانی کرتا ہے، تو آپ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص بچہ سے قربانی کرنے کو پسند کرے تو وہ قربانی کرے، لڑکے کی طرف سے دو ہم مثل بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔ اور یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ عقیقہ کرنا مستحب ہے۔

تحنیک کا معنی

تحنیک یعنی گھٹی دینا، اس سے مراد یہ ہے کہ کسی کھانے کی چیز کو چبا کر نرم کر دیا جائے، پھر اس کو بچہ کے منہ میں رکھ دیا جائے۔ عموماً کھجور کو چبا کر نرم کر کے بچے کے منہ میں رکھ دیتے ہیں، اگر کھجور میسر نہ ہو تو تازہ کھجور ہو اور وہ بھی میسر نہ ہو تو کوئی میٹھی چیز ہو۔ اور شہد کو چٹانا دوسری چیزوں سے بہتر ہے اور ایسی چیز سے گھٹی دی جائے جو آگ پر پکی ہوئی نہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص

۱۲۳-۱۲۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۴۶۷۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ حَدَّثَنِي بُرَيْدٌ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى رضى الله عنه قَالَ وُلِدَ لِي غُلَامٌ فَأَتَيْتُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ فَسَمَّاهُ إِبْرَاهِيمَ فَحَنَّكَهُ بِتَمْرَةٍ وَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ وَدَفَعَهُ إِلَيَّ وَكَانَ أَكْبَرَ وَلَدِ أَبِي مُوسَى۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن نصر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے برید نے حدیث بیان کی از ابی بُردہ از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میرا ایک بچہ پیدا ہوا، میں اس کو نبی ﷺ کے پاس لے کر گیا، آپ نے اس کا نام ابراہیم رکھا، پھر اس کو ایک کھجور کی گھٹی دی اور اس کے لیے برکت کی دعا کی اور وہ بچہ میری طرف دے دیا، اور وہ بچہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔

(صحیح البخاری: ۶۱۹۸، صحیح مسلم: ۲۱۴۵، مسند احمد: ۱۹۰۷۶)

صحیح البخاری: ۵۴۶۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسحاق بن نصر کا ذکر ہے، ان کا نام اسحاق بن ابراہیم بن نصر البخاری ہے، یہ مدینہ میں آ گئے تھے، امام بخاری کبھی ان کو کبھی اسحاق بن ابراہیم لکھتے ہیں اور کبھی ان کے دادا کی طرف نسبت کر کے اسحاق بن نصر لکھتے ہیں۔ اور امام بخاری ان سے روایت کرنے میں متفرد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو اسامہ کا ذکر ہے، ان کا نام حماد بن اسامہ ہے۔ اور بُرید کا ذکر ہے، اس میں باء پر پیش، راء پر زبر اور یاء ساکن ہے۔ یہ ابن عبداللہ بن ابی بُردہ ہیں، اور ان کا نام عامر بن ابی موسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری ہے۔

بچے کا نام رکھنے کا بیان

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیدا ہوتے ہی بچے کا نام رکھنا جائز ہے اور ساتویں دن تک انتظار نہ کیا جائے، کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے بچے کو نبی ﷺ کی طرف لے جانے میں جلدی کی اور آپ نے اس کا نام ابراہیم رکھا۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی ۴۵۸ھ، نے کہا ہے کہ بچہ کے پیدا ہوتے ہی نام رکھنے سے وہ حدیث زیادہ صحیح ہے جس میں مذکور ہے کہ بچہ کا ساتویں دن نام رکھا جائے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ امام بزار نے اور امام ابن حبان نے اور امام حاکم نے صحیح حدیث سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا ساتویں دن عقیقہ کیا اور ان کا نام رکھا۔

اور امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، نے از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود روایت کی ہے کہ مجھے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ بچے کی پیدائش کے ساتویں دن اس کا نام رکھا جائے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سات کام سنت ہیں:

(۱) بچہ کی پیدائش کے ساتویں دن اس کا نام رکھا جائے (۲) اس کا ختنہ کیا جائے (۳) اس سے گھناؤنی چیز کو زائل کیا جائے، (۴) اس کے کان میں سوراخ کیا جائے (۵) اس کا عقیقہ کیا جائے (۶) اس کے سر کے بال کاٹے جائیں اور عقیقہ کے خون میں بالوں کو لتھیڑا جائے (۷) بالوں کے وزن کے برابر چاندی یا سونے کو صدقہ کیا جائے۔ اس حدیث کی امام الدارقطنی نے الاوسط میں روایت کی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر اور علامہ عینی نے لکھا ہے کہ بالوں کو خون میں لتھیڑا جائے، لیکن امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ بالوں کو خون میں نہ لتھیڑا جائے۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۱۶۶) سعیدی غفرلہٗ)۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بچہ کی پیدائش کا ساتواں دن ہو تو اس سے خون بہاؤ اور اس کی گھناؤنی چیز کو زائل کر دو۔ اور اس حدیث کی سند حسن ہے۔

علامہ خطابی نے لکھا ہے کہ اکثر فقہاء کا یہ مذہب ہے کہ بچے کا نام ساتویں دن سے پہلے رکھنا بھی جائز ہے۔ محمد بن سیرین اور قتادہ اور اوزاعی نے کہا ہے کہ جب پیدا ہو جائے اور اس کی خلقت مکمل ہو تو چاہے تو اسی وقت اس کا نام رکھ دے۔

اور علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ جب باپ بچے کے عقیقہ کی نیت نہ کرے تو پیدائش کے ایک دن بعد یا دو دن بعد بچے کا نام رکھنا جائز ہے۔ اور اگر وہ اس کے عقیقہ کا ارادہ کرے تو سنت یہ ہے کہ اس کے نام رکھنے کو بچے کی طرف سے قربانی تک مؤخر کیا جائے اور وہ ساتواں دن ہے۔

بچے کو گھٹی دینے کا بیان

گھٹی سے مراد یہ ہے کہ کھجور کو چبا کر نرم کیا جائے اور اسے بچے کے منہ میں رکھ دیا جائے یا بچے کو شہد چٹا دیا جائے، یا کوئی اور میٹھی چیز بچے کو چٹا دی جائے، تاہم وہ ایسی چیز ہو جو آگ پر پکی ہوئی نہ ہو۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ بچے کو گھٹی دینے کی حکمت کیا ہے؟ تو میں کہوں گا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: یہ اس لیے کیا جائے تاکہ بچے کو کھانا کھانے کی مشق ہو جائے اور اس پر قوت حاصل ہو۔

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: سبحان اللہ! یہ کیسا کلام کیا ہے، جس وقت بچے کو گھٹی دی جاتی ہے اس وقت بچہ کہاں کوئی چیز کھاتا ہے؟ کیونکہ بچے کو گھٹی اس کی پیدائش کے وقت دی جاتی ہے اور وہ دو سال یا اس سے کم یا زیادہ مدت کے بعد کھانا شروع کرتا ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ اسے کھانے کی مشق کے لیے گھٹی دی جاتی ہے درست نہیں ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ گھٹی کے ذریعہ ایمان کی نیک فال اور نیک شگون لیا جائے، کیونکہ کھجور اس درخت کا پھل ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کے مشابہ فرمایا ہے اور اس کی مٹھاس کی وجہ سے بھی۔ اور خاص طور پر جب گھٹی دینے والا اہل فضل میں سے ہو اور علماء میں سے ہو اور صالحین میں سے ہو، کیونکہ بچے کے پیٹ میں ان علماء اور صالحین کا لعاب پہنچے گا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو گھٹی دی تو حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بے شمار فضائل اور کمالات

کو جمع کرلیا۔اور حضرت عبداللہ بن زبیر قرآن کے قاری تھے،اسلام میں پاک دامن تھے۔اسی طرح حضرت عبداللہ بن ابی طلحہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھٹی دی،وہ بھی اہلِ علم اور اہلِ فضل سے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب مبارک کی برکت سے ان میں کمالات اور فضائل حاصل ہوئے۔(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۲۴-۱۲۵،دارالکتب العلمیہ ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۶۷،کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صبح کے وقت گھٹی دینے کی قید اتفاقی ہے

اس باب میں مذکور ہے:جس صبح کو بچہ پیدا ہو،اس صبح کو بچے کو گھٹی دینا اور گویا کہ امام بخاری نے صبح کے لفظ کی قید لگائی تا کہ حدیث کی اتباع ہو۔اور''غداۃ''یعنی صبح کا لفظ بولا جاتا ہے اور اس سے مطلق وقت مراد ہوتا ہے اور یہی یہاں پر مراد ہے۔اور کبھی واقع کی ضرورت کی بناء پر اس میں تاخیر بھی ہو جاتی ہے۔اور جیسے اتفاق ہو کہ بچہ مثلاً دوپہر کے وقت پیدا ہوا ہے تو صبح کے بعد گھٹی دی جائے گی اور بچے کا نام رکھا جائے گا۔

گھٹی کا معنی

گھٹی کا معنی ہے:کسی چیز کو چبا کر بچے کے منہ میں رکھا جائے۔اسے بچے کو گھٹی دینا کہتے ہیں۔اور یہ اس لیے کیا جاتا ہے تا کہ بچے کو کھانے کی عادت پڑ جائے اور اسے کھانے کی قوت حاصل ہو۔(میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی نے حافظ ابن حجر کی بیان کردہ اس حکمت کو مسترد کر دیا ہے کہ پیدائش کے وقت بچہ کہاں کھاتا پیتا ہے جو اس کو کھانے کی مشق کرائی جائے۔سعیدی غفرلہٗ)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:کہ گھٹی دیتے وقت بچے کا منہ کھولنا چاہیے،حتیٰ کہ وہ گھٹی بچے کے پیٹ میں چلی جائے اور بہتر یہ ہے کہ کھجور کو چبا کر گھٹی دی جائے،کھجور میسر نہ ہو تو تازہ کھجور اور وہ بھی نہ ہو تو کوئی اور میٹھی چیز ہو اور شہد دوسری چیزوں سے زیادہ اولیٰ ہے۔

عقیقہ کے احکام

امام بخاری نے کہا:اور اگر اس کا عقیقہ نہ کیا جائے،اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ عقیقہ واجب نہیں ہے اور امام شافعی نے کہا:دو مردوں نے عقیقہ کے متعلق افراد کیا ہے،ایک نے کہا کہ عقیقہ بدعت ہے اور دوسرے نے کہا:عقیقہ واجب ہے۔اور وجوب کے قائل سے انہوں نے اللیث بن سعد کی طرف اشارہ کیا اور امام الحرمین نے وجوب کو صرف داؤد ظاہری کے قول سے پہچانا۔جب امام شافعی کی وفات ہوئی تو اس وقت داؤد ظاہری کی عمر چار(۴)سال تھی۔اور وجوب کا قول ابوالزناد سے بھی مروی ہے اور وہ امام احمد سے بھی روایت ہے۔اور جن کے متعلق امام شافعی نے کہا کہ انہوں نے کہا:عقیقہ بدعت ہے،اس سے مراد امام ابوحنیفہ ہیں۔

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی نے کہا ہے کہ اصحاب الرائے (یعنی فقہاء احناف)نے عقیقہ کے سنت ہونے کا انکار کیا ہے اور انہوں نے آثار ثابتہ کی مخالفت کی ہے اور بعض فقہاء نے امام مالک کی اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:''لا احب العقوق''یعنی میں خون بہانے کو پسند نہیں کرتا،گویا کہ آپ نے''عق''کے لفظ کو ناپسند فرمایا۔

اور امام مالک نے یہ روایت ذکر کی ہے کہ جس کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور اس نے قربانی کرنے کو پسند کیا تو وہ قربانی کرے۔

اور محمد بن الحسن شیبانی نے کہا کہ عقیقہ اس حدیث سے منسوخ ہو گیا: آپ نے فرمایا: کہ "قربانی نے ہر ذبح کو منسوخ کر دیا"۔ اس حدیث کی امام دارقطنی نے روایت کی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے عقیقہ واجب ہو، پھر اس کے وجوب کو منسوخ کر دیا گیا ہو اور اس کا استحباب باقی رہا ہو، جیسا کہ دس محرم کا روزہ، لہٰذا عقیقہ کی مشروعیت کی نفی پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

(میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس تحقیق کو بھی رد کر دیا ہے اور لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ اور فقہاء احناف کی طرف جو یہ نسبت کی گئی ہے کہ ان کے نزدیک عقیقہ کرنا بدعت ہے اور مشروع نہیں ہے، یہ امام ابوحنیفہ پر افتراء ہے، وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ یہ سنتِ ثابتہ یا سنتِ موکدہ نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے کہا ہے کہ جس حدیث میں ہے کہ جس صبح کو بچہ پیدا ہوا ہو، اس صبح کو اس کا نام رکھا جائے۔ یہ حدیث ان احادیث سے زیادہ صحیح ہے جن میں یہ مذکور ہے کہ ساتویں دن نام رکھا جائے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ ساتویں دن عقیقہ کرنے کے متعلق بھی احادیث ہیں کہ مسند البزار اور صحیح ابن حبان اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا ساتویں دن عقیقہ کیا اور ان کا نام رکھا۔ اور امام ترمذی نے بھی از عمرو بن شعیب از والد خود از جدِ خود روایت کی ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ میں ساتویں دن بچے کا نام رکھوں۔ اس طرح اور بھی احادیث ہیں۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۸۹۔۵۸۸، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۶۲۱، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن عقیقہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

عقیقہ کا لغوی معنی

مشہور اور معروف یہ ہے کہ عقیقہ اس بکری کا نام ہے جس کو پیدا ہونے والے بچے کی طرف سے ذبح کیا جاتا ہے، اس کو عقیقہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے ذبیحہ کو کاٹا جاتا ہے اور شق کیا جاتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ عقیقہ اصل میں ان بالوں کا نام ہے جن کو مونڈا جاتا ہے۔

لغات المنہاج میں مذکور ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے سر پر جو بال ہوتے ہیں، جب ان بالوں کو مونڈ دیا جائے اور دوسرے بال پیدا ہو جائیں تو اس سے عقیقہ کا اسم زائل ہو جاتا ہے، اور بالوں کو مونڈنے کے بعد استعارۃً اور مجازاً عقیقہ کہا جاتا ہے۔

اور قزاز کی عبارت ہے کہ العق کا معنی ہے: الشق، یعنی چیز کو کاٹنا اور پھاڑنا اور عقیقہ معقوقہ کے معنی میں ہے اور نوزائدہ بچے کے بالوں کو عقیقہ کہا جاتا ہے کیونکہ اس کو کاٹا جاتا ہے۔

اور امام ابوعبید نے کہا ہے: حدیث میں "امیطوا عنه الاذیٰ" یعنی گھن والے بالوں کو بچہ سے زائل کر دو۔

(غریب الحدیث ج ۱ ص ۶۳)

اور مجمل اللغۃ میں مذکور ہے کہ عقیقہ صرف ان بالوں کو کہا جاتا ہے جن بالوں کو بچے کی پیدائش کے بعد مونڈ دیا جاتا ہے۔
(مجمل اللغۃ ج ۲ ص ۶۰۹)

الازہری نے کہا ہے: عقیقہ بالوں کو بھی کہتے ہیں اور ذبیحہ کو بھی عقیقہ کہا جاتا ہے، کیونکہ نوزائدہ بچے کی طرف سے بکری کو ذبح کیا جاتا ہے یعنی اس کے حلقوم کو چھری سے کاٹا جاتا ہے۔ (تہذیب اللغۃ ج ۳ ص ۲۵۱۹)

امام احمد بن حنبل نے ابوعبیدہ کی عقیقہ کے متعلق جو تفسیر ہے، اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے: عقیقہ صرف نفسِ ذبح کو کہتے ہیں۔
(التمہید، ج ۴ ص ۳۰۹-۳۱۰)

عقیقہ کا حکم

جمہور کے نزدیک عقیقہ سنت ہے، امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور ابوثور اور اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ کا یہی قول ہے۔ اور جو شخص عقیقہ کرنے پر قادر ہو، اس کو عقیقہ کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ (الاستذکار ج ۱۵ ص ۳۷۳)

امام احمد بن حنبل نے کہا: میرے نزدیک عقیقہ میں بکری کو ذبح کرنا اس بکری کی قیمت کو مساکین پر صدقہ کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ (المغنی ج ۱۳ ص ۳۹۵)

اور علامہ ابراہیم بن المنذر متوفی ۳۱۸ھ نے کہا: حضرت ابن عباس، حضرت عمر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم عقیقہ کو مشروع قرار دیتے تھے اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے بھی یہی روایت ہے۔ (الموطا ص ۳۱۱)

امام اوزاعی نے کہا کہ عقیقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اور اس کے مقابلہ میں دو قول ہیں:

(۱) ایک قول یہ ہے کہ عقیقہ بدعت ہے اور یہ فقہاء کوفہ سے اور امام ابوحنیفہ سے منقول ہے اور ان کے اصحاب نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا: یہ اجماع کے خلاف ہے، امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے کہ عقیقہ مباح ہے۔ اور یہ بھی فقہاء کی اس تصریح کے خلاف ہے کہ عقیقہ مستحب ہے، کیونکہ عقیقہ کی ترغیب دی گئی ہے اور اس پر برانگیختہ کیا گیا ہے۔ (میں کہتا ہوں: کہ صحیح یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے کہ عقیقہ سنتِ ثابتہ یا موکدہ نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

(۲) عقیقہ کرنا واجب ہے، یہ قول حسن بصری اور اہلِ ظاہر سے منقول ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ حدیث میں ہے: لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے اور یہ حدیث وجوب پر محمول ہے، اور فقیہ اللیث بھی عقیقہ کو واجب قرار دیتے تھے۔
(المجموع: ج ۸ ص ۴۳۰، المحلی ج ۷ ص ۵۲۳، المغنی ج ۱۳ ص ۳۹۴، مختصر اختلاف العلماء ج ۳ ص ۲۳۳، الاستذکار ج ۱۵ ص ۳۷۵)

امام بغوی نے شرح السنہ میں کہا ہے کہ حسن بصری نے عقیقہ کو واجب قرار دیا، انہوں نے کہا: لڑکے کی ولادت کے ساتویں دن عقیقہ کیا جائے، اگر اس کا عقیقہ نہ کیا جائے تو وہ خود اپنا عقیقہ کرلے۔ (شرح السنہ ج ۱۱ ص ۲۶۴)

امام محمد بن حسن نے کہا کہ عقیقہ نفل ہے، لوگ عقیقہ کرتے تھے، پھر قربانی کے وجوب سے اس کو منسوخ کر دیا گیا ہے۔
(مختصر اختلاف العلماء ج ۳ ص ۲۳۲)

اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ عقیقہ کے متعلق احادیث مشہورہ ہیں، ان میں سے موطا امام مالک کی یہ حدیث ہے کہ جس کے ہاں

بچہ پیدا ہوا اور اس نے اس کی طرف سے قربانی دینے کو پسند کیا تو وہ قربانی کرے۔ (الموطاص:۳۱۰)

شیخ ابن حزم نے کہا ہے کہ امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ ام کرز الخزاعیہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لڑکے کی طرف سے دو ہم مثل بکری کو ذبح کرو اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کو ذبح کرو۔ (المحلی ج ۷ ص ۵۲۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا سات دن کے بعد ختنہ کیا اور ان کی طرف سے عقیقہ کیا۔ (المعجم الاوسط للطبرانی ج ۷ ص ۱۲، المعجم الصغیر ج ۲ ص ۲۲، سنن بیہقی ج ۸ ص ۳۲۴)

حضرت ام کرز رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری، اور تمہیں اس سے کوئی ضرر نہیں ہوگا کہ وہ بکرے ہوں یا بکریاں ہوں۔ (سنن ترمذی:۱۵۱۶)

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لڑکا اپنے عقیقہ کے سبب سے رہن رکھا ہوا ہوتا ہے، ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جائے اور اس کا سر مونڈا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔ (سنن ابوداؤد:۲۸۳۸، سنن نسائی ج ۷ ص ۱۶۶)

امام ابن ماجہ نے سندِ جید کے ساتھ یزید بن عبید المزنی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لڑکے کی طرف سے عقیقہ کیا جائے اور اس کے سر کو خون کے ساتھ لتھیڑا نہ جائے۔ (سنن ابن ماجہ:۳۱۶۶)

امام عبدالرزاق نے از ابن جریج از یوسف بن ماہک از حفصہ روایت کی ہے کہ ان کی پھوپھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریوں کا عقیقہ کیا جائے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کا عقیقہ کیا جائے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۳۲۹۔۳۲۸، رقم الحدیث:۷۹۵۶)

امام ترمذی نے اس حدیث کی اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ذبح کی جائیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی:۱۵۱۳)

ابوشیخ نے اپنی کتاب العقیقہ میں یہ لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: لڑکے کی طرف سے دو بکریوں کا عقیقہ کیا جائے یعنی دو بکریوں کو ذبح کیا جائے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کا عقیقہ کیا جائے یعنی ایک بکری کو ذبح کیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن وحضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے دو دو بکریوں کا عقیقہ کیا ہے اور ان بکریوں کو ان کی پیدائش کے ساتویں دن ذبح کیا اور ان کا نام رکھا اور کہا: اللہ کے نام پر ذبح کرو اور کہو:

اللهم منك واليك هٰذه عقيقة فلان۔ اے اللہ! یہ تیری جانب سے ہے اور تیرے ہی لئے ہے اور یہ فلاں کا عقیقہ ہے۔

امام ابوشیخ نے اپنی کتاب میں سند جید کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر لڑکا اپنے عقیقہ کے ساتھ رہن رکھا ہوا ہے، اس کی ولادت کے ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جائے اونٹوں سے اور گائیوں سے اور بکریوں سے۔ (المعجم الصغیر للطبرانی ج ۱ ص ۱۵۰، رقم:۲۲۹)

علامہ الہیثمی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اس کی روایت صرف مسعدۃ بن الیسع نے کی ہے اور وہ کذاب ہے۔

(ج ۴ ص ۵۸)

امام ابن البزار نے روایت کی ہے کہ یہود لڑکے کی طرف سے ایک مینڈھا ذبح کرتے ہیں اور لڑکی کی طرف سے کچھ ذبح نہیں کرتے، تم لڑکے کی طرف سے دو مینڈھے ذبح کرو اور لڑکی کی طرف سے ایک مینڈھا ذبح کرو۔

(کشف الاستار: ۱۲۳۳، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۵۸)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عقیقہ میں ساتویں دن ذبح کیا جائے یا نو دن بعد یا اکیس دن بعد۔ (المعجم الاوسط للطبرانی ج ۵ ص ۱۳۶، المعجم الصغیر ج ۲ ص ۲۹، سنن بیہقی ج ۹ ص ۳۰۳)

حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ طبرانی کی صغیر اور اوسط کی روایت میں ایک راوی اسماعیل بن مسلم المکی ہے اور یہ ضعیف راوی ہے، کیونکہ اس کو اکثر غلطی ہوتی تھی اور اکثر وہم ہوتے تھے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۵۹)

ابو عمر نے عبد اللہ بن محمد بن محرر کی از قتادہ از انس روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت کے بعد اپنی طرف سے اپنا عقیقہ کیا۔

(الاستذکار ج ۱۵ ص ۳۷۶)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے کہا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔ (السنن الکبری ج ۹ ص ۳۰۰ نشر السنہ ملتان)

امام عبد الرزاق نے کہا کہ ائمہ نے ابن محرر کی حدیث کو اس وجہ سے ترک کر دیا۔ (تہذیب الکمال ج ۱۶ ص ۳۲)

امام بیہقی نے کہا کہ یہ حدیث ایک اور سند کے ساتھ بھی قتادہ سے مروی ہے اور دوسری سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہ حدیث کچھ بھی نہیں ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۰۰)

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے۔ (المجموع شرح المہذب ج ۸ ص ۴۳۱)

زید بن اسلم نے بنو ضمرہ کے ایک مرد سے از والد خود روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: میں ''العقوق'' یعنی خون بہانے کو پسند نہیں کرتا، گویا کہ آپ نے عقیقہ کے اسم اور لفظ کو ناپسند فرمایا اور آپ نے ارشاد فرمایا: جس کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور وہ قربانی کرنا پسند کرتا ہو تو وہ اپنے بچے کی طرف سے قربانی کرے۔ (الموطا: ص ۳۱۰)

یہ حدیث مصنف عبد الرزاق (ج ۴ ص ۳۳۰) میں بھی مذکور ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ملخصاً و ملتقطاً ج ۲۶ ص ۲۸۲، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: ان احادیث اور آثار کو علامہ عینی اور حافظ ابن حجر نے بھی ذکر کیا ہے، مگر علامہ ابن الملقن کی شرح میں ان احادیث اور آثار کی تخریج مذکور ہے۔

صحیح البخاری: ۵۴۶۷ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی التوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عقیقۃ، فعیلۃ کے وزن پر ہے اور یہ مفعولۃ کے معنی میں ہے یعنی معقوقۃ۔ اور ''العق'' کا معنی ہے: ''القطع''۔ اس کا نام عقیقہ اس لیے رکھا جاتا ہے کہ اس میں بکری کو ذبح کیا جاتا ہے اور رگوں کو کاٹا جاتا ہے، کیونکہ ہر لڑکا اپنے عقیقہ کے ساتھ رہن رکھا ہوا ہوتا ہے اور عقیقہ سنت ہے۔

امام بخاری نے کہا: جس صبح کو بچہ پیدا ہوا ہو، اس صبح کو اس کا نام رکھنا جس نے اس کے عقیقہ کا ارادہ اور گھٹی دینے کا ارادہ نہ کیا

ہو۔ امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ اس حدیث کو اور اس دوسری حدیث کو جمع کرے جس میں مذکور ہے کہ ہر لڑکا اپنے عقیقہ کے ساتھ رہن رکھا ہوا ہوتا ہے۔ اور ساتویں دن اس کی طرف سے بکری کو ذبح کیا جاتا ہے اور بچہ کا سر مونڈا جاتا ہے اور اس کا نام رکھا جاتا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۸۳۷، سنن ابن ماجہ: ۳۱۶۵، سنن نسائی: ۴۲۲۰)

کیونکہ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ ساتویں دن نام رکھا جائے، تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ارادہ کیا کہ ان دونوں حدیثوں کو جمع کریں کہ جس کا ارادہ ہو کہ وہ عقیقہ کرے گا تو وہ ساتویں دن نام رکھے اور جس کا ارادہ عقیقہ کرنے کا نہ ہو تو وہ بچہ پیدا ہوتے ہی اس کا نام رکھ دے۔

اور بعض شارحین نے ان حدیثوں کو ایک اور طریقہ سے جمع کیا ہے، انہوں نے کہا: اگر اس نے ولادت کے وقت نام رکھا بایں طور کہ اس نے پہلے سے نام تجویز کیا ہوا تھا تو ولادت کے وقت نام رکھ دے اور اگر ولادت سے پہلے نام تجویز کیا ہوا نہ تھا تو پھر نام رکھنے کے معاملہ کو ساتویں دن تک مؤخر کر دے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر اس نے پہلے سے نام تجویز کیا ہوا تھا تو ولادت کے وقت بچے کا نام رکھ دے اور اگر پہلے سے نام تجویز نہیں کیا ہوا تھا تو ساتویں دن عقیقہ کر کے بچے کا نام رکھ دے۔ (شرح صحیح بخاری، ج ۵ ص ۲۰۱، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۶۷، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ مجد الدین بن محمد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری شافعی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے کہ عقیقہ اس ذبیحہ کا نام ہے جو ولادت کے وقت رکھا جاتا ہے، یہ لفظ العق سے ماخوذ ہے اور العق کا معنی ہے: الشق، کیونکہ ذبیحہ کا حلق شق کیا جاتا ہے اور عقیقہ کا اطلاق ان بالوں پر بھی مجازاً کیا جاتا ہے جو بچہ کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں، پھر ان کو کاٹ دیا جاتا ہے اور بعض علماء نے کہا: بالوں میں حقیقت ہے اور ذبیحہ میں مجاز ہے اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عقیقہ مستحب ہے اور یہ لڑکوں میں دو بکریوں کو ساتویں دن ذبح کیا جاتا ہے اور لڑکیوں میں ایک بکری کو ساتویں دن ذبح کیا جاتا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا احب العقوق"، یعنی میں عقیقہ کو یا خون بہانے کو پسند نہیں کرتا۔ (موطا امام مالک: ۱۰۸۲) میں کہتا ہوں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کو ناپسند فرمایا ہے جو عقوق پر دلالت کرتا ہے یعنی کاٹنے پر، جیسا کہ آپ بعض ان ناموں کو ناپسند فرماتے تھے جن کا معنی غیر مستحسن ہوتا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: عقیقہ بدعت ہے، گویا کہ انہوں نے اس لفظ کو ظاہر (یعنی کاٹنے) پر محمول کیا ہے۔ ورنہ شرعی اعتبار سے عقیقہ کرنا احادیث سے ثابت ہے۔ (الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری، ج ۹ ص ۱۳۴، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

عقیقہ کے متعلق امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کے قول کی تحقیق از مصنف

امام محمد بن حسن شیبانی حنفی متوفی ۱۸۹ھ لکھتے ہیں:

امام محمد از امام ابو یوسف از امام ابوحنیفہ روایت کرتے ہیں کہ لڑکے کا عقیقہ کیا جائے نہ لڑکی کا۔

(الجامع الصغیر: ۴، ۵۳۴، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

نیز امام محمد بن حسن شیبانی حنفی متوفی ۱۸۹ھ لکھتے ہیں:

ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ عقیقہ زمانہ جاہلیت میں تھا اور ابتداء اسلام میں بھی عقیقہ کیا گیا، پھر قربانی نے ہر اس ذبیحہ کو منسوخ کر دیا جو اس سے پہلے ہوتا تھا، اور رمضان کے روزوں نے ہر اس روزہ کو منسوخ کر دیا جو اس سے پہلے رکھا جاتا تھا اور غسل جنابت نے ہر اس غسل کی فرضیت کو منسوخ کر دیا جو اس سے پہلے فرض تھا اور زکوٰۃ نے ہر اس صدقہ کو منسوخ کر دیا جو اس سے پہلے تھا، ہم کو اسی طرح حدیث پہنچی ہے۔ (موطا امام محمد ص ۸۸-۸۹، مطبوعہ نور محمد کراچی)

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

عقیقہ وہ ذبیحہ ہے جو بچہ کی پیدائش کے ساتویں دن کیا جاتا ہے، ہم نے عقیقہ اور عتیرہ کا منسوخ ہونا اس روایت سے پہچانا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رمضان کے روزے نے اس سے پہلے ہر روزے کو منسوخ کر دیا اور قربانی نے اس سے پہلے ہر ذبیحہ کو منسوخ کر دیا اور غسل جنابت نے اس سے پہلے ہر غسل کی فرضیت کو منسوخ کر دیا اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو سنا تھا کیونکہ اجتہاد سے کسی چیز کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا (الی قولہ)۔ امام محمد نے جامع الصغیر میں ذکر کیا ہے کہ لڑکے کا عقیقہ کیا جائے نہ لڑکی کا، اس عبارت سے عقیقہ کے مکروہ ہونے کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ عقیقہ کرنے میں فضیلت تھی۔ کیونکہ جب فضیلت منسوخ ہوگئی تو اس کا صرف مکروہ ہونا باقی رہ گیا۔ (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۶۹، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

اور فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہے:

ولادت کے ساتویں دن لڑکے یا لڑکی کی طرف سے بکری ذبح کرنا اور لوگوں کو دعوت دینا اور بچہ کے بال مونڈنا عقیقہ ہے، یہ نہ سنت ہے اور نہ واجب ہے۔ اسی طرح علامہ کردری کی وجیز میں لکھا ہوا ہے۔ اور امام محمد نے عقیقہ کے متعلق ذکر کیا ہے، جو چاہے کرے اور جو چاہے نہ کرے۔ اس کا اشارہ عقیقہ کی اباحت کی طرف ہے اس لیے اس کا سنت ہونا ممنوع ہے۔ اور امام محمد نے جامع الصغیر میں ذکر کیا ہے کہ لڑکے اور لڑکی کی طرف سے عقیقہ نہ کیا جائے اور یہ کراہت کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح بدائع الصنائع کی کتاب الاضحیہ میں ہے۔ (عالم گیری ج ۵ ص ۳۶۲، مطبوعہ امیریہ کبریٰ بولاق، مصر)

علامہ امجد علی رحمۃ اللہ علیہ عقیقہ کے متعلق لکھتے ہیں:

حنفیہ کے نزدیک عقیقہ مباح و مستحب ہے، یہ جو بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ عقیقہ سنت نہیں ہے اس سے مراد یہ ہے کہ سنت مؤکدہ نہیں ہے ورنہ جب خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے اس کا ثبوت موجود ہے تو مطلقاً اس کی سنت سے انکار کرنا صحیح نہیں ہے۔ (بہار شریعت حصہ ۱۵ ص ۱۵، شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی)

میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی، حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ ابن ملقن، علامہ کورانی وغیرہم شارحین صحیح بخاری نے لکھا ہے کہ امام اعظم سے منقول ہے کہ عقیقہ بدعت ہے، اس کی تصریح ہم کو نہیں ملی۔ اور امام محمد بن حسن شیبانی کی عبارت سے عقیقہ کی کراہت یا عقیقہ کی اباحت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ غالباً اسی کو ان شارحین نے اس طرح تعبیر کر دیا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک عقیقہ بدعت ہے۔ ورنہ امام ابوحنیفہ کے مذہب کی کتابوں میں یہ تصریح نہیں ہے کہ عقیقہ کرنا بدعت ہے، البتہ امام محمد کی عبارت سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک عقیقہ کرنا سنت نہیں ہے۔ اور علامہ عینی نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک عقیقہ کرنا

سنت سے ثابت نہیں ہے یا سنتِ موکدہ نہیں ہے اور صاحب بہارِ شریعت نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ غالباً ابتداءً علامہ ابن ملقن نے امام شافعی سے نقل کیا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک عقیقہ کرنا بدعت ہے، پھر امام ابوحنیفہ کے مذہب کی تحقیق کیے بغیر سب اس کو نقل کرتے چلے گئے۔ بہر حال عقیقہ سنت اور مستحب ہے کیونکہ احادیث صحیحہ میں اس کا ثبوت موجود ہے اور تمام امت نے ان احادیث کو قبول کیا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ امام اعظم کو یہ احادیث نہ پہنچی ہوں، ورنہ امام حسن بن شیبانی عقیقہ کو مکروہ نہ کہتے، کیونکہ اس زمانہ میں نشر و اشاعت کے وسائل اتنے میسر نہ تھے جتنے اب ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جب حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے، اور علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی حدیث صحیح امام اعظم کے قول کے خلاف ہو تو حدیث صحیح پر عمل کیا جائے گا۔

(ردالمحتار ج ۱ ص ۶۳، مطبوعہ استنبول)

۵۴۶۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها قَالَتْ أُتِيَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِصَبِيٍّ يُحَنِّكُهُ فَبَالَ عَلَيْهِ فَأَتْبَعَهُ الْمَاءَ.

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بچہ کو لایا گیا، آپ اس کو گھٹی دے رہے تھے، اس بچہ نے آپ پر پیشاب کر دیا، تو آپ نے اس پیشاب پر پانی بہا دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۲۲، ۵۴۶۸، ۶۰۰۲، ۶۳۵۵ صحیح مسلم: ۲۸۶، سنن نسائی: ۳۰۳، سنن ابن ماجہ: ۵۲۳، مسند احمد: ۲۵۲۴۰، موطا امام مالک: ۱۴۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا جاتا تھا تا کہ آپ اس کو گھٹی دیں یا اس کو آپ سے برکت حاصل ہو۔

امام شافعی اور امام احمد یہ کہتے ہیں کہ دودھ پیتے بچے کا پیشاب پاک ہوتا ہے، جس کپڑے پر اس نے پیشاب کیا ہو اس کو دھونا ضروری نہیں ہے، اس پر صرف پانی چھڑکنا کافی ہے، ان کا استدلال اس حدیث سے بھی ہے۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب آلودہ کپڑے پر پانی بہایا، چھڑکا نہیں اور یہ فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کے موقف پر قوی دلیل ہے کہ بچے کے پیشاب آلودہ کپڑے پر پانی بہایا جاتا ہے چھڑکا نہیں جاتا۔

۵۴۶۹۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رضى الله عنهما أَنَّهَا حَمَلَتْ بِعَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ بِمَكَّةَ قَالَتْ فَخَرَجْتُ وَأَنَا مُتِمٌّ فَأَتَيْتُ الْمَدِينَةَ فَنَزَلْتُ قُبَاءَ فَوَلَدْتُ بِقُبَاءٍ ثُمَّ أَتَيْتُ بِهِ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَوَضَعْتُهُ فِي حَجْرِهِ ثُمَّ دَعَا بِتَمْرَةٍ فَمَضَغَهَا ثُمَّ تَفَلَ فِي فِيهِ فَكَانَ أَوَّلَ شَيْءٍ دَخَلَ جَوْفَهُ رِيقُ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم ثُمَّ حَنَّكَهُ بِالتَّمْرَةِ ثُمَّ دَعَا لَهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن نصر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروہ نے حدیث بیان از والد خود از حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما، وہ مکہ میں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے حاملہ ہو گئی تھیں، وہ بیان کرتی ہیں کہ جب میں ہجرت کے لیے نکلی تو میرے حمل کے ایام پورے ہو گئے تھے، سو میں مدینہ آئی اور قباء میں ٹھہری اور وہیں قباء میں میرے ہاں بچہ پیدا ہو گیا، پھر میں اس بچہ کو لے کر رسول اللہ

فَبَرَّكَ عَلَيْهِ وَكَانَ أَوَّلَ مَوْلُودٍ وُلِدَ فِي الْإِسْلَامِ فَفَرِحُوا بِهِ فَرَحًا شَدِيدًا لِأَنَّهُمْ قِيلَ لَهُمْ إِنَّ الْيَهُودَ قَدْ سَحَرَتْكُمْ فَلَا يُولَدُ لَكُمْ۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس بچہ کو آپ کی گود میں رکھ دیا، پھر آپ نے ایک کھجور منگائی اور اس کو چبایا، پھر حضرت ابن زبیر کے منہ میں اپنا لعاب ڈالا، پس پہلی چیز جو حضرت ابن الزبیر کے پیٹ میں پہنچی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب تھا، پھر آپ نے ان کو کھجور کی گھٹی دی (یعنی کھجور کو چبا کر نرم کر کے ان کے منہ میں ڈالا)، پھر ان کے لیے برکت کی دعا کی، اور یہ پہلا بچہ تھے جو زمانہ اسلام میں پیدا ہوا۔ تو مسلمان اس سے بہت خوش ہوئے کیونکہ مسلمانوں سے یہ کہا گیا تھا کہ یہود نے تم پر جادو کر دیا ہے، اب تمہارے ہاں اولاد نہیں ہوگی۔

(صحیح البخاری: ۳۹۰۹، ۵۴۶۹، صحیح مسلم: ۲۱۴۶، مسند احمد: ۲۶۳۹۸)

صحیح البخاری: ۵۴۶۹ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: ''وانا متم'' یعنی میرا حمل پورا ہونے والا تھا، یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب ایام حمل پورے ہو جائیں۔ یہ اسلام میں پہلے مولود تھے یعنی ہجرت کے بعد مدینہ میں مہاجرین کی اولاد سے سب سے پہلے حضرت ابن زبیر پیدا ہوئے تھے ورنہ حضرت نعمان بن بشیر انصاری ہجرت سے پہلے پیدا ہوئے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۲۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۶۹، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما مدینہ میں پیدا ہوئے، اور یہ مہاجرین کے پہلے بچے تھے جو اسلام میں پیدا ہوئے۔

(۲) اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو گھٹی دی، آپ نے مدینہ کی کسی کھجور کو چبایا اور اس کو نرم کیا اور اپنا لعاب بچے کے منہ میں رکھا۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھٹی دینے میں سنت یہ ہے کوئی میٹھی چیز بچے کے منہ میں رکھی جائے، وہ کوئی عام کھجور ہو یا تر و تازہ کھجور ہو یا شہد ہو یا کوئی اور چیز ہو۔

(۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اور صالحین سے تبرک حاصل کرنا چاہیے اور ان کی دعا حاصل کرنی چاہیے اور ان سے بچے کا نام رکھوانا چاہیے اور اپنے ہاتھوں پر بچے کو اٹھا کر ان کے پاس لے جانا چاہیے۔

(۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدینہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پہلے بچے تھے جو مہاجرین کے ہاں پیدا ہوئے۔

تنبیہ لطیف

روایت ہے کہ جب مہاجرین مدینہ میں آئے اور وہاں ٹھہرے تو ان کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی، تو بعض مہاجرین نے کہا کہ ہم پر یہود نے جادو کر دیا ہے حتیٰ کہ یہ بات بہت زیادہ کہی جانے لگی تو ہجرت کے بعد جو سب سے پہلا بچہ پیدا ہوا تو وہ حضرت عبداللہ بن زبیر تھے، تو مسلمانوں نے بہت بلند آواز سے تکبیر بلند کی حتیٰ کہ مدینہ منورہ گونج اٹھا۔

اسی طرح حافظ ابن حجر نے فتح الباری ج ۹ ص ۵۸۹ میں لکھا ہے۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر واللآلی بشرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۱۸۰-۱۸۱، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۵۴۷۰ـ حَدَّثَنَا مَطَرُ بْنُ الْفَضْلِ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَوْنٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ ابْنٌ لِأَبِي طَلْحَةَ يَشْتَكِي فَخَرَجَ أَبُو طَلْحَةَ فَقُبِضَ الصَّبِيُّ فَلَمَّا رَجَعَ أَبُو طَلْحَةَ قَالَ مَا فَعَلَ ابْنِي قَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ هُوَ أَسْكَنُ مَا كَانَ فَقَرَّبَتْ إِلَيْهِ الْعَشَاءَ فَتَعَشَّى ثُمَّ أَصَابَ مِنْهَا فَلَمَّا فَرَغَ قَالَتْ وَارُوا الصَّبِيَّ فَلَمَّا أَصْبَحَ أَبُو طَلْحَةَ أَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ أَعْرَسْتُمُ اللَّيْلَةَ قَالَ نَعَمْ قَالَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمَا فَوَلَدَتْ غُلَامًا قَالَ لِي أَبُو طَلْحَةَ احْفَظْهُ حَتَّى تَأْتِيَ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ فَأَتَى بِهِ النَّبِيَّ ﷺ وَأَرْسَلَتْ مَعَهُ بِتَمَرَاتٍ فَأَخَذَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ أَمَعَهُ شَيْءٌ قَالُوا نَعَمْ تَمَرَاتٌ فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ ﷺ فَمَضَغَهَا ثُمَّ أَخَذَ مِنْ فِيهِ فَجَعَلَهَا فِي فِي الصَّبِيِّ وَحَنَّكَهُ بِهِ وَسَمَّاهُ عَبْدَ اللهِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَنَسٍ وَسَاقَ الْحَدِيثَ۔

(صحیح مسلم: ۲۱۴۴، مسند احمد: ۱۱۶۱۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مطر بن الفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن ہارون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن عون نے خبر دی از انس بن سیرین از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا بیمار تھا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ گھر سے باہر گئے، پس بچہ فوت ہو گیا، جب گھر واپس آئے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ میرے بیٹے کا کیا حال ہے، تو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا کہ وہ پہلے سے زیادہ پر سکون ہے، پھر حضرت ام سلیم نے ان کے سامنے رات کا کھانا رکھا، پھر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ان سے جماع کیا، جب فارغ ہو گئے تو حضرت ام سلیم نے کہا: اس بچہ کو دفن کر دو، پھر جب صبح ہوئی تو حضرت ابو طلحہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اس کی خبر دی، تو آپ نے پوچھا: تم نے رات گزار دی؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے دعا کی اے اللہ! ان کی اس رات میں برکت عطا فرما، پھر ان کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا، حضرت ابوطلحہ نے مجھ سے کہا: اس کی نگرانی کرنا یہاں تک کہ اسے نبی ﷺ کی بارگاہ میں لے جائیں، پس وہ بچہ کو نبی ﷺ کے پاس لے گئے اور حضرت ام سلیم نے کچھ کھجوریں بھیجیں تھیں، نبی ﷺ نے اس بچہ کو لیا، پھر فرمایا: کیا اس کے ساتھ کوئی چیز ہے؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں کھجوریں ہیں، نبی ﷺ نے ان کھجوروں کو لیا، پھر

ان کو چبایا، پھر اپنے منہ سے نکالا اور بچہ کے منہ میں اس کھجور کو ڈالا اور اس کی گھٹی دی اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔ ہمیں محمد بن المثنی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی عدی نے حدیث بیان کی از ابن عون از محمد از انس اور اس حدیث کو بیان کیا۔

صحیح البخاری: ۵۴۷۰ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حضرت ابوطلحہ کا ذکر ہے، ان کا نام یزید بن سہل ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کے خاوند ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں یشتکی کا لفظ ہے، یہ اشتکیٰ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: مرض اور بیماری۔

نیز اس حدیث میں حضرت ام سلیم کا ذکر ہے، یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔

اس حدیث میں ذکر ہے کہ وہ بچہ پہلے سے زیادہ پرسکون ہے، حضرت ام سلیم کی مراد یہ تھی کہ اب وہ بچہ فوت ہو گیا ہے۔ اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے گمان کیا کہ اب وہ بچہ تندرست ہو گیا ہے، اس کو شفا ہو گئی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''ثم اصاب منھا'' یعنی حضرت ابوطلحہ نے حضرت ام سلیم سے جماع کیا۔

حضرت ام سلیم نے کہا: ''واروا'' بچہ کو چھپا دو، یعنی اس کو دفن کر دو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''اعرستم'' کیا تم نے رات گزار لی ہے، اس سے مراد ہے: کیا تم نے آپس میں جماع کر لیا؟

بعض شارحین نے کہا کہ یہ لفظ عرستم ہے، قاضی عیاض نے کہا: یہ غلط ہے، کیونکہ تعریس کے معنی ہیں: رات کے آخری حصہ میں قیام کرنا، اور آپ کا یہ سوال ان کی کاروائی پر تعجب کی بناء پر تھا۔ اور ان کے صبر پر تعجب کی بناء پر تھا۔ اور اس بناء پر کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر خوش تھے اور اس کی قضاء پر راضی تھے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو بچہ پیدا ہوا ہو اس کی ولادت کے وقت اس کو گھٹی دینا مستحب ہے۔ بچہ کو کسی مرد صالح کے پاس لے جانا چاہیے تا کہ وہ اس کو گھٹی دے۔

(۲) اور جس دن بچہ پیدا ہو اس دن اس کا نام رکھنا جائز ہے۔

(۳) بچہ کے نام رکھنے کو کسی مرد صالح کے سپرد کرنا چاہیے، کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔

(۴) اس حدیث میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی فضیلت ہے، کیونکہ انہوں نے بچہ کی وفات پر صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کی قضاء پر راضی رہیں اور ان کی عقل کی خوبی ہے کہ انہوں نے بچے کی وفات کو بچے کے باپ سے رات کے ابتدائی حصہ میں مخفی رکھا تا کہ بچے کا باپ

آرام سے رات گزار لے۔

(۵) اس حدیث میں توریہ اور تعریض کے استعمال کا ثبوت ہے، کیونکہ حضرت ام سلیم نے کہا کہ وہ بچہ پہلے سے زیادہ پرسکون ہے، اور ان کی اس سے مراد یہ تھی کہ اب ان کی وفات ہوگئی ہے اور اس کو مرض سے نجات مل گئی ہے۔

(٦) اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے مقبول ہونے کا ثبوت ہے، کیونکہ بعد میں حضرت ام سلیم کو حضرت عبداللہ بن ابی طلحہ کا حمل ہوا اور حضرت عبداللہ بن ابی طلحہ کے ہاں دس نیک علماء پیدا ہوئے۔

اس کے بعد امام بخاری نے اس حدیث کی دوسری سند سے روایت کی ہے۔ پہلی حدیث حضرت انس بن سیرین سے مروی تھی اور اس دوسری سند سے جو حدیث ہے، وہ ان کے بھائی محمد بن سیرین سے مروی ہے۔ امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ یہ حدیث دونوں بھائیوں سے مروی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۲۶-۱۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابُ: إِمَاطَةِ الْأَذَى عَنِ الصَّبِيِّ فِي الْعَقِيقَةِ
عقیقہ کے دن بچے سے گھناؤنی چیزوں کو دور کرنا (یعنی اس کے بال مونڈنا)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ عینی نے التوضیح کے حوالہ سے لکھا ہے کہ گھناؤنی چیزوں کو دور کرنے سے مراد یہ ہے کہ بچے کے سر کے بال مونڈے جائیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۷۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَةٌ وَقَالَ حَجَّاجٌ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ وَقَتَادَةُ وَهِشَامٌ وَحَبِيبٌ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ سَلْمَانَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَقَالَ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ عَاصِمٍ وَهِشَامٍ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ عَنِ الرَّبَابِ عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ الضَّبِّيِّ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَرَوَاهُ يَزِيدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ سَلْمَانَ قَوْلَهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ایوب از محمد از سلمان بن عامر، انہوں نے کہا: لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے اور حجاج نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب اور قتادہ اور ہشام اور حبیب نے خبر دی، از ابن سیرین از سلمان از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اور متعدد لوگوں نے عاصم اور ہشام سے روایت کی از حفصہ بنت سیرین، از الرباب از سلمان بن عامر الضبی از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اور اس کی یزید بن ابراہیم نے روایت کی از ابن سیرین از سلمان اس قول کی، یعنی سلمان کے قول کی۔

(صحیح البخاری: ۵۴۷۲، سنن ترمذی: ۱۵۱۵، سنن نسائی: ۴۲۱۴، سنن ابوداؤد: ۲۸۳۹، سنن ابن ماجہ: ۳۱۶۴، مسند احمد: ۱۵۹۷، سنن دارمی: ۱۹۶۷)

صحیح البخاری: ۵۴۷۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے ساتھ مطابقت لفظ عقیقہ میں ہے، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے: غلام کے ساتھ عقیقہ ہے۔

اس حدیث کی امام بخاری نے متعدد سندوں کے ساتھ روایت کی ہے، پس یہ حدیث موقوف مختصر ہے۔ اور سلیمان الضبی نے محمد بن سیرین سے یہ حدیث کتاب الاطعمہ میں موقوفاً روایت کی ہے اور اصل میں یہ حدیث مرفوع ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ لڑکے کی ولادت کے بعد عقیقہ اس کا مصاحب ہے، یعنی اس کا عقیقہ کیا جائے گا۔ اور اسماعیلی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ بچہ سے گھناؤنی چیز کو دور کیا جائے جو باب کا عنوان ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ بعض دوسری سندوں میں بچہ سے گھناؤنی چیز کے دور کرنے کا بھی ذکر ہے۔ تو امام بخاری نے اسی پر اعتماد کرلیا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بڑے لڑکے کا بھی عقیقہ کرنا جائز ہے اور اس میں ان کے خلاف حجت ہے جو کہتے ہیں کہ بڑے لڑکے کا عقیقہ نہ کیا جائے، کیونکہ اس حدیث میں ارشاد ہے: لڑکے کے ساتھ عقیقہ مصاحب ہے، اور شہر کے تمام ائمہ کا اسی پر فتویٰ ہے۔

پھر اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ حجاج نے کہا: ''ہمیں حماد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے خبر دی اور قتادہ نے اور ہشام نے اور حبیب نے از ابن سیرین از ابن سلمان از نبی صلی اللہ علیہ وسلم''۔

اس سند کے ساتھ یہ حدیث مرفوع ہے، کیونکہ اس میں مذکور ہے: ''از نبی صلی اللہ علیہ وسلم''، لیکن یہ تعلیق ہے۔

اس حدیث کی حجاج بن منہال نے از حماد اور وہ ابن سلمہ ہیں سے روایت کی ہے از ایوب السختیانی اور قتادہ بن دعامہ السدوسی اور ہشام بن حسان الازدی اور حبیب بن شہید از محمد بن سیرین از سلمان از نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور امام طحاوی اور حافظ ابن عبدالبر اور امام بیہقی نے اس حدیث کی سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔

اور اسماعیلی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ امام بخاری کی یہ شرط نہیں ہے کہ وہ حماد بن سلمہ سے استدلال کریں۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ امام بخاری نے اس سند کے ساتھ استدلال نہیں کیا بلکہ اس سے استشہاد کیا ہے اور بہ طور استشہاد اس سند کے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پھر اس حدیث میں مذکور ہے کہ متعدد لوگوں نے از عاصم اور ہشام از حفصہ بنت سیرین از الرباب از سلمان بن عامر الضبی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے اور یہ بھی تعلیق مرفوع ہے اور اس میں ابہام ہے اور وہ یہ ہے کہ متعدد لوگوں نے روایت کی ہے، پس جن لوگوں کو انہوں نے مبہم رکھا ہے وہ عاصم بن سلیمان الاحول سفیان بن عیینہ ہیں، امام احمد نے اس سند کے ساتھ روایت کی ہے اور تصریح کی ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اور اس میں ہشام کا ذکر ہے۔ یہ ہشام بن

حسان ہیں، ان سے امام عبدالرزاق نے روایت کی ہے اور امام احمد نے روایت کی ہے اور امام ابوداؤد نے اور امام ترمذی نے عبدالرزاق کی سند سے روایت کی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس حدیث کی یزید بن ابراہیم نے از ابن سیرین روایت کی ہے از سلمان یعنی سلمان کے قول کی، اس میں یہ تصریح ہے کہ اس حدیث میں سلمان کا قول ہے اور یہ موقوف ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۲۷-۱۲۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے: "لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے، یعنی لڑکے کے ساتھ عقیقہ مصاحب ہے"۔ یہ حدیث کئی سندوں کے ساتھ مروی ہے، بعض سندوں سے یہ حدیث مرفوعاً مروی ہے اور بعض سندوں سے یہ حدیث موقوفاً مروی ہے، علامہ عینی نے ان تمام سندوں کی شرح کی ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بچے سے گھناؤنی چیز کو زائل کیا جائے، اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے سر پر جو بال ہیں ان کو کاٹا جائے اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عقیقہ کا اصل معنی یہ ہے کہ بچہ کے سر پر جو بال ہیں ان کو کاٹ دیا جائے۔

بال مونڈنے کو عقیقہ کا نام دینے کی توجیہ

اور عقیقہ میں بکری کا ذکر اس لیے ہوتا ہے کہ بکری کے ذبح کے وقت بچے کے بال کاٹے جاتے ہیں تو ان بالوں کے ساتھ عقیقہ کا نام رکھ دیا گیا ہے۔ اور یہ ایسا ہے جیسا کہ انہوں نے حدث کا نام غائط رکھ دیا ہے، حالانکہ غائط زمین کے اس گھڑے کو کہتے ہیں جس میں قضاءِ حاجت کرتے ہیں اور وہ لوگ قضاءِ حاجت کے لیے بار بار اس جگہ جاتے ہیں اور یہ کلامِ عرب میں بہت زیادہ ہے کہ وہ کسی چیز کا نام اس کے مصاحب کے ساتھ رکھ دیتے ہیں۔ تو اسی طرح انہوں نے بال مونڈنے کا نام عقیقہ رکھ دیا، کیونکہ بال مونڈنے کے ساتھ بکری کو ذبح کیا جاتا ہے۔

المہلب نے کہا ہے: بال زائل کرنے کا حکم اور ذبح کرنے کا حکم ولادت کے ساتویں دن ہے تاکہ اللہ کے لیے جانور کو ذبح کر کے برکت حاصل کی جائے اور پاکیزگی حاصل کی جائے، اور یہ واجب نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو ایک ہفتہ گزرنے سے پہلے گھٹی دی تھی۔

اور امام مالک نے الموطا میں روایت کی ہے کہ حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے بالوں کا وزن کر کے ان کے برابر چاندی کو صدقہ کر دیا۔ (موطا امام مالک: ۳۱۰)

علامہ ابن بطال نے لکھا ہے کہ ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ چاندی کا صدقہ کرنا مستحب ہے ورنہ سونے کو صدقہ کرنا بھی جائز ہے۔

ان لوگوں کا رد جنہوں نے کہا کہ بچے کے بالوں کو خون کے ساتھ لتھیڑا جائے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بچہ سے گھناؤنی چیز کو دور کرے، اس حدیث میں حسن بصری اور قتادہ کے اس قول کا رد ہے کہ بچے کے سر

کو عقیقہ کے خون کے ساتھ لتھیڑا جائے، کیونکہ خون تو سب سے بڑی نجاست ہے، سو یہ جائز نہیں ہے کہ بچے کے سر کو نجس خون کے ساتھ لتھیڑا جائے۔

بڑی عمر کے لڑکے کا عقیقہ کرنے کا بیان

حسن بصری نے کہا ہے کہ ذبح کے بعد بچے کا نام رکھنا چاہیے، اور امام مالک اور امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

(الکافی لابن عبد البر ص ۱۷۷، المغنی لابن قدامہ ج ۱۳ ص ۳۹۷)

امام مالک نے کہا: اگر سات دن سے تجاوز ہو جائے تو پھر عقیقہ نہ کیا جائے اور بڑی عمر کے لڑکے کا عقیقہ نہ کیا جائے۔ اور ابن وہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ اگر پہلے سات دن میں عقیقہ نہ کیا گیا ہو تو دوسرے سات دن کے بعد اس کا عقیقہ کر دیا جائے، اور یہی عطاء کا قول ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اگر دوسرے سات دن میں بھی اگر عقیقہ نہیں کیا گیا تو پھر تیسرے سات دن میں عقیقہ کیا جائے اور یہی ابن وہب اور اسحاق کا قول ہے۔ (الاستذکار ج ۱۵ ص ۳۷۵، ۳۷۴، ۳۷۳، ۳۷۲)

میں کہتا ہوں: اس باب کی حدیث کے بھی یہی مناسب ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے''، یہ نہیں فرمایا کہ بچے کے ساتھ عقیقہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی بھی سات دن کے بعد بکری کو ذبح کر دیا جائے تو وہ عقیقہ ہو جائے گا۔ مثلاً بچہ جمعہ کے دن پیدا ہوا ہے تو کسی بھی جمعرات کو بکری ذبح کر دی جائے تو وہ عقیقہ ہو جائے گا، خواہ وہ پہلا سات دن ہو یا دوسرا ہو یا تیسرا ہو یا اس کے بعد کا ہو۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اور یہ حدیث امام مالک کے خلاف حجت ہے، جنہوں نے کہا کہ بڑے کی طرف سے عقیقہ نہ کیا جائے۔

اس کا بیان کہ عقیقہ کرنا کس پر واجب ہے

ایوب نے روایت کی ہے از عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے ایک ایک مینڈھے کو ذبح کیا اور ہر ایک کی طرف سے ایک مینڈھے کو ذبح کیا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۸۴۱)

اور حفصہ بنت عبد الرحمٰن نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ ہم لڑکے کا عقیقہ دو بکریوں سے کریں اور لڑکی کا عقیقہ ایک بکری سے کریں۔

(سنن ترمذی: ۱۵۱۳، سنن ابن ماجہ: ۳۱۶۳، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔)

امام ابوجعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے: یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور جو شخص چاہے ان میں سے جس حدیث پر عمل کرے، کیونکہ یہ صحیح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا ایک ایک بکری سے عقیقہ کیا یعنی ہر ایک کی طرف سے ایک بکری کو ذبح کیا، اور ہمارے پاس ایسی کوئی حدیث نہیں آئی کہ یہ فعل ان کے ساتھ خاص ہو، اور جس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا: لڑکے کی طرف سے دو بکریوں کا عقیقہ کیا جائے، یہ امر استحباب کے لیے ہے وجوب کے لیے نہیں ہے۔ اور امت کو اس کا اختیار ہے کہ جس پر چاہیں عمل کریں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ شارح علیہ السلام نے یہ بیان نہیں کیا کہ بچے کا عقیقہ کرنا کس پر واجب ہے، آیا باپ پر واجب ہے یا خود بچے پر واجب ہے یا امام المسلمین پر واجب ہے۔ اگر یہ چیز فرض ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان فرما

دیتے کہ عقیقہ کرنا کس پر واجب ہے، تو جس کا عقیقہ اس کے والد نے کیا یا کسی اور نے کیا تو وہ بھی مستحسن ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ شارع علیہ السلام نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ کیا اور ان کے والد نے نہیں کیا۔ اور اگر یہ بچے کے والد پر واجب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ کرنا کافی نہ ہوتا، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر جب جزاء سے یا نذر سے قربانی واجب ہوئی تو کسی اور کا ان کی طرف سے قربانی کرنا جائز نہیں تھا سوائے اس کے وہ اس کا کسی کو حکم دیں کہ میری طرف سے قربانی کرو۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے عقیقہ کیا اور حضرت علی سے اس کو دریافت نہیں کیا، اس میں یہ واضح دلیل ہے کہ یہ عقیقہ کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر واجب نہیں تھا اور جب یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر واجب نہیں تھا تو اس کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر واجب ہونا تو زیادہ بعید ہے اور ہمارے علم میں یہ نہیں ہے کہ ائمہ میں سے کسی نے عقیقہ کو واجب کہا ہو، سوائے حسن بصری کے۔ اور ان کا یہ قول باطل ہے کیونکہ قربانی نے ہر ذبیحہ کو منسوخ کر دیا اور اس سے معلوم ہوا کہ عقیقہ کرنا واجب نہیں ہے سنت ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۲۹۷-۳۰۰ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۴۷۲۔ وَقَالَ أَصْبَغُ أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ عَنْ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ عَنْ أَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ حَدَّثَنَا سَلْمَانُ بْنُ عَامِرٍ الضَّبِّيُّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَةٌ فَأَهْرِيقُوا عَنْهُ دَمًا وَأَمِيطُوا عَنْهُ الْأَذَى۔

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ حَدَّثَنَا قُرَيْشُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ حَبِيبِ بْنِ الشَّهِيدِ قَالَ أَمَرَنِي ابْنُ سِيرِينَ أَنْ أَسْأَلَ الْحَسَنَ مِمَّنْ سَمِعَ حَدِيثَ الْعَقِيقَةِ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ مِنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ۔

اصبغ نے کہا: مجھے ابن وہب نے خبر دی از جریر بن حازم از ایوب السختیانی از محمد بن سیرین، انہوں نے کہا: ہمیں سلمان بن عامر الضبی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے فرمایا: لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے، پس تم اس سے خون کو بہاؤ اور اس سے گھناؤنی چیز کو دور کرو۔

اور امام بخاری نے کہا: مجھے عبد اللہ بن ابی الاسود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قریش بن انس نے حدیث بیان کی از حبیب بن شہید، انہوں نے کہا: مجھے ابن سیرین نے حکم دیا کہ میں حسن سے سوال کروں کہ انہوں نے کس سے عقیقہ کی حدیث سنی ہے، سو میں نے ان سے سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ حضرت سمرہ بن جندب سے سنی ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۷۲، سنن ترمذی: ۱۵۱۵، سنن نسائی: ۴۲۱۴، سنن ابوداؤد: ۲۸۳۹، سنن ابن ماجہ: ۳۱۶۴، مسند احمد: ۱۵۹۷، سنن دارمی: ۱۹۶۷)

صحیح البخاری: ۵۴۷۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور سے یہ استدلال درست نہیں کہ لڑکی کی طرف سے عقیقہ نہ کیا جائے

یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مرفوع ہے۔

حدیث مذکور میں ارشاد ہے کہ لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے، اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے حسن اور قتادہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ لڑکے کی طرف سے عقیقہ کیا جائے اور لڑکی کی طرف سے عقیقہ نہ کیا جائے۔ اور جمہور کے نزدیک لڑکے اور لڑکی دونوں کی طرف

سے عقیقہ کیا جائے گا، کیونکہ دونوں کے متعلق بہ کثرت احادیث وارد ہیں۔ ان احادیث میں سے کچھ یہ ہیں:

لڑکے اور لڑکی کی طرف سے عقیقہ کرنے کے متعلق احادیث

امام ترمذی نے یوسف بن ماہک سے روایت کی ہے کہ لوگ حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم کے پاس گئے تو انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو ہم مثل بکریاں ذبح کی جائیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے۔ اس حدیث کی امام ترمذی نے روایت کی ہے۔

امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت اُم کرز رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: غلام کی طرف سے دو بکریوں کا عقیقہ کیا جائے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کا عقیقہ کیا جائے اور تمہیں کوئی ضرر نہیں ہوگا کہ عقیقہ نر سے کیا جائے یا مادہ سے کیا جائے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

امام ابوداؤد اور امام نسائی نے از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اپنے بیٹے کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو وہ قربانی کرے، لڑکے کی طرف سے دو ہم مثل بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔ ان دونوں کو ذبح کیا جائے اور کسی ایک کا ذبح دوسرے سے موخر نہ کیا جائے۔ امام ابوداؤد نے امام احمد سے روایت کی ہے کہ وہ دونوں بکریاں عمر میں برابر ہوں اور امام طبرانی کی روایت میں ہے کہ وہ ایک دوسرے کی مثل ہوں۔

گھناؤنی چیز کو زائل کرنے کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے کہ بچہ سے اس کی گھناؤنی چیز کو زائل کرو۔ اس سے مراد یا تو بچے کے سر کے بال ہیں یا رحم کا خون ہے یا ختنہ ہے۔

علامہ حمد بن محمد خطابی متوفی ۳۸۸ھ نے کہا ہے کہ محمد بن سیرین نے بیان کیا کہ جب ہم نے اس حدیث کو سنا تو ہم نے یہ تلاش کیا کہ کوئی بتائے گھناؤنی چیز کو زائل کرنے کا کیا معنی ہے؟ تو ہم نے اس کو نہیں پایا۔

ایک قول یہ ہے کہ گھناؤنی چیز سے مراد وہ بال ہیں جن بالوں کے ساتھ رحم کا خون لگا ہوا ہوتا ہے۔ پس ان بالوں کو مونڈ کر اس خون کو زائل کر دیا جائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ لوگ بچے کے سر کو عقیقہ کے خون کے ساتھ لتھیڑتے تھے۔ اور یہ گھناؤنی چیز ہے تو اس سے منع کیا گیا ہے۔ اور الاصمعی نے وثوق سے کہا ہے کہ اس سے مراد سر کے بالوں کو مونڈنا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اولیٰ یہ ہے کہ گھناؤنی چیز کو اس کے عام معنی پر محمول کیا جائے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ عمرو بن شعیب کی بعض احادیث میں یہ الفاظ ہیں: "یماط عنہ اقذارہ" یعنی بچے سے اس کی نجاست کو زائل کیا جائے۔

امام بخاری نے اس کے بعد ایک تعلیق ذکر کی ہے جس میں مذکور ہے کہ حبیب بن شہید نے کہا کہ مجھے ابن سیرین نے یہ حکم دیا کہ میں حسن بصری سے سوال کروں کہ آپ نے عقیقہ کی حدیث کو کس سے سنا ہے؟ تو میں نے ان سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ حضرت سمرہ بن جندب سے۔

تعلیق مذکور کے رجال کا تذکرہ

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ تعلیق عبداللہ بن ابی الاسود سے روایت ہے، اور ان کا نام عبداللہ بن محمد بن ابی الاسود ہے، اور ابوالاسود کا نام حمید ہے۔ اور اس تعلیق میں قریش بن انس کا ذکر ہے، یہ قرش کی تصغیر ہے۔ اور قریش بن انس بصری ہیں، یہ ۲۹۰ھ میں فوت ہو گئے تھے اور امام بخاری نے ان کا صرف اسی جگہ ذکر کیا ہے۔ اور حبیب بن شہید کا ذکر ہے، اور حضرت سمرہ بن جندب کا ذکر ہے، یہ کوفی ہیں اور صحابی ہیں۔

اس کی توجیہ کہ امام بخاری نے عقیقہ کے متعلق حدیث ذکر نہیں کی

اگر یہ سوال کیا جائے کہ امام بخاری نے عقیقہ کی حدیث کی روایت نہیں کی، تو میں کہوں گا کہ امام بخاری نے عقیقہ کے متعلق احادیث کی شہرت پر اکتفاء کر لی۔

اصحاب السنن نے از قتادہ از حسن بصری از حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے کہ لڑکا اپنے عقیقہ کے ساتھ مرہون ہوتا ہے، ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جائے اور اس کا سر مونڈا جائے اور اس کا نام رکھا جائے، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اہل علم کے نزدیک اس پر عمل کرنا مستحب ہے کہ لڑکی کی طرف سے ساتویں دن عقیقہ میں بکری کو ذبح کیا جائے۔ اگر ساتویں دن میں میسر نہ ہو تو چودھویں دن عقیقہ کیا جائے اگر چودھویں دن بھی میسر نہ ہو تو اکیسویں دن عقیقہ کیا جائے۔

علامہ حمد بن محمد الخطابی المتوفی ۳۸۸ھ نے لکھا ہے: کہ علماء نے اس مسئلہ میں بحث کی ہے، اور بہترین بات وہ ہے جو امام احمد بن حنبل متوفی ۲۰۴ھ نے کی ہے کہ یہ شفاعت پر محمول ہے، ان کی مراد یہ ہے کہ جب بچے کا عقیقہ نہ کیا جائے اور وہ بچہ بچپن میں فوت ہو جائے تو وہ بچہ اپنے والدین کی شفاعت نہیں کرے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اپنے بالوں کی نجاست کے ساتھ مرہون ہوتا ہے، یعنی رہن رکھا ہوا ہوتا ہے۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ ہر لڑکا اپنے عقیقہ کے ساتھ رہن رکھا ہوا ہوتا ہے۔

ساتویں دن عقیقہ کرنے کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ساتویں دن بچے کا عقیقہ کیا جائے، اور اس حدیث سے انہوں نے استدلال کیا ہے جنہوں نے کہا ہے کہ عقیقہ ساتویں دن کے ساتھ مقید ہے۔ اگر ساتویں دن سے پہلے کیا گیا تو عقیقہ نہیں ہوگا اور ساتویں دن کے بعد عقیقہ فوت ہو جائے گا اور یہ امام مالک کا قول ہے۔ اور امام احمد بن حنبل کی ساتویں دن کے متعلق دو روایتیں ہیں اور امام شافعی کے نزدیک ساتویں کا دن اختیار کے لیے ہے تعیین کے لیے نہیں ہے۔

بچے کے سر کے بال مونڈنے کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے: ''بچے کے سر کے بال مونڈے جائیں''۔ یعنی اس کے سارے بال مونڈے جائیں، کیونکہ کچھ بالوں کو مونڈنا اور کچھ بالوں کو چھوڑ دینا ممنوع ہے۔

الماوردی نے کہا ہے کہ لڑکی کے سر کے بالوں کو مونڈنا مکروہ ہے اور بعض حنبلی فقہاء نے کہا ہے کہ اس کے بال بھی مونڈے

جائیں گے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ یہ اولیٰ ہے، کیونکہ سلمان کی حدیث میں ہے ''بچے سے اس کی گھناؤنی چیزوں کو زائل کرو''، اور ان گھناؤنی چیزوں میں اس کے سر کے بال ہیں جو پیٹ کی آلائش کے ساتھ لتھڑے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ اپنے عموم کی وجہ سے مذکر اور مونث دونوں کو شامل ہیں۔

امام ترمذی نے حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ایک بکری کا عقیقہ کیا اور آپ نے فرمایا: اے فاطمہ! اس کے سر کے بال مونڈ واور اس کے سر کے بالوں کے برابر چاندی کا صدقہ کرو، تو ہم نے ان کا وزن کیا تو وہ ایک درہم یا اس سے کچھ زائد کے برابر تھا۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

بچے کا نام رکھنے کا بیان

اور اس حدیث میں مذکور ہے: ''اس کا نام رکھا جائے گا''۔ اور اگر بچہ روئے نہیں تو اس کا نام نہیں رکھا جائے گا اور محمد بن سیرین نے اور قتادہ نے اور اوزاعی نے کہا: جب بچہ پیدا ہوا اور اس کی خلقت مکمل ہو جائے تو اس کا اسی وقت نام رکھ دیا جائے اگر وہ چاہیں اور علامہ المھلب مالکی نے کہا ہے کہ بچے کا نام اس وقت رکھا جائے جب وہ پیدا ہو، یا اس کی ایک رات یا دو راتوں کے بعد اس کا نام رکھا جائے۔ اور اگر پیدائش کے سات دن تک اس کا باپ عقیقہ کی نیت نہ کرے تو جائز ہے اور اگر ارادہ کرے تو اس کی طرف سے قربانی کر دے اور سنت یہ ہے کہ یوم شک کا نام رکھنے کو مؤخر کیا جائے اور وہ ساتواں دن ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۲۹-۱۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۲ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عقیقہ کا سنت ہونا اور واجب نہ ہونا

اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ بچے کی پیدائش کے بعد اس کے شکر کی ادائیگی میں جو بکری ذبح کی جاتی ہے اس کو عقیقہ کہتے ہیں، اور اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ عقیقہ کرنا واجب ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بچے سے خون کو بہاؤ'' اور امر میں اصل وجوب ہے، اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر لڑکا اپنے عقیقہ کے ساتھ رہن رکھا ہوا ہوتا ہے''۔ لیکن اکثر اہل علم یہ کہتے ہیں کہ عقیقہ کرنا سنت ہے، واجب نہیں ہے۔

بچے سے گھناؤنی چیز کو زائل کرنا

اس حدیث میں مذکور ہے: ''بچے سے گھناؤنی چیز کو زائل کرو''۔ گھناؤنی چیز سے مراد وہ چیز ہے جو اس کے بدن میں میل کچیل ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ فرمایا کہ بچہ صاف ستھرا ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ گھناؤنی چیز کے زائل کرنے سے مراد یہ ہے کہ بچے کے سر کے بالوں کو مونڈنا۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ۔ پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی گھناؤنی چیز ہو۔
(البقرہ:۱۹۶)

اس آیت میں سر کی گھناؤنی چیز کا ذکر ہے، اور جب سر کے بال مونڈ دیے جائیں گے تو گھناؤنی چیز زائل ہو جائے گی۔
اس حدیث میں مذکور ہے: لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے۔

لڑکے اور لڑکی دونوں کی طرف سے عقیقہ کیا جائے

اس حدیث کے مفہوم مخالف سے حسن اور قتادہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ بچے کی طرف سے عقیقہ کیا جائے گا اور بچی کی طرف سے عقیقہ نہیں کیا جائے گا اور جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے، انہوں نے کہا ہے کہ بچی کی طرف سے بھی عقیقہ کیا جائے گا۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ احادیث میں تصریح ہے کہ لڑکی کی طرف سے بھی عقیقہ کیا جائے گا۔
حضرت حفصہ بنت عبد الرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ ان سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے ان کو خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حکم دیا ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ذبح کی جائیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے۔
اسی طرح حضرت ام کرز رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ عقیقہ نر جانوروں سے کیا جائے یا مادہ جانوروں سے کیا جائے۔

گھناؤنی چیز کا بیان

امام ابوداؤد نے از سعید بن ابوعروبہ از ابن عون و ابن سیرین روایت کی ہے، کہ اگر گھناؤنی چیز سے مراد سر کے بالوں کو مونڈنا نہ ہو تو پھر میں نہیں جانتا کہ گھناؤنی چیز سے کیا مراد ہے، اور امام طحاوی نے یزید بن ابراہیم از محمد بن سیرین روایت کی ہے کہ مجھے وہ شخص نہیں ملا جو مجھے گھناؤنی چیز کی تفسیر بیان کرتا۔ اور اصمعی نے وثوق سے کہا کہ اس سے مراد سر کے بالوں کا مونڈنا ہے۔
اور امام ابوداؤد نے سندِ حسن کے ساتھ حسن بصری سے اسی طرح روایت کی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ آپ نے یہ حکم دیا کہ بچے اور بچی کے سروں سے گھناؤنی چیز کو زائل کر دیا جائے، لیکن یہ سر کے بالوں میں متعین نہیں ہے۔ اور امام طبرانی نے روایت کی ہے کہ اس سے گھناؤنی چیز کو زائل کر دیا جائے اور اس کے سر کے بالوں کو مونڈا جائے، پس اولیٰ یہ ہے کہ گھناؤنی چیز کو عام معنی پر محمول کیا جائے، خواہ سر کے بالوں کو مونڈنا ہو یا کوئی اور گھناؤنی چیز ہو جو بچے پر لگی ہوئی ہو۔

عقیقہ میں شرکت اور بکری کی جگہ اونٹ سے عقیقہ کرنے کا بیان

سوال: کیا عقیقہ کے اندر شرکت جائز ہے؟
جواب: یہ صحیح ہے، پس اگر انسان نے ایک اونٹ کا سات افراد کی طرف سے عقیقہ کیا تو ہم کہتے ہیں کہ یہ سات آدمیوں سے صحیح نہیں ہے بلکہ یہ صرف ایک سے صحیح ہوگا، بلکہ بعض علماء نے کہا ہے کہ اونٹ کے ساتھ عقیقہ کرنا کافی نہیں ہے، کیونکہ سنت بکری کے ساتھ

عقیقہ کرنے کے متعلق وارد ہوئی ہے، تو اس میں سنت کی پیروی کرنی چاہیے۔

اور حنابلہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اونٹ کے ساتھ عقیقہ کیا جائے تو وہ بھی کفایت کرے گا لیکن بکری کے ساتھ عقیقہ کرنا افضل ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۰۵-۲۰۶، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۲، کی شرح از علامہ صابونی

عقیقہ کا سنت مستحبہ ہونا

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

عقیقہ کو عقیقہ نیک فال کے لیے کہا جاتا ہے، اور ذبیحہ کو ذبح کر کے یہ واضح کیا جاتا ہے کہ یہ بچہ جو پیدا ہوا ہے یہ اپنے ماں باپ کا عاق اور نافرمان نہیں ہے، کیونکہ عقیقہ کو کاٹ دیا جاتا ہے، گویا بچے کی نافرمانی کو کاٹ دیا گیا ہے۔ اور ہمیشہ سے مسلمان اس سنت نبویہ پر عمل کرتے رہے ہیں۔ اور لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ذبح کرتے ہیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرتے ہیں، اور بچے کی پیدائش کے ساتویں دن اس کا سر مونڈتے ہیں اور اس کا پسندیدہ نام رکھتے ہیں اور اس کے سر سے بالوں کو اتارتے ہیں اور اس کے بالوں میں جو رحم کا خون چپکا ہوا ہو، اس کو کاٹ دیتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا یہی معنی ہے کہ اس سے خون کو بہاؤ اور ناپسندیدہ چیز کو زائل کرو۔ امام مالک نے اپنی موطا میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: میں عقوق کو پسند نہیں کرتا، گویا آپ نے اس لفظ کو ناپسند فرمایا کیونکہ عقوق کے معنی نافرمانی کے ہیں۔ اور آپ نے فرمایا: جس کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا اور وہ یہ پسند کرے کہ اس کی طرف سے قربانی کی جائے تو وہ قربانی کرے۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر واللآلی بشرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۱۸۱، مکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۳۔ بَابُ: اَلْفَرَعِ — الفرع کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں فرع کا بیان کیا گیا ہے، فرع کے لفظ میں فاء اور راء دونوں پر زبر ہے۔ فرع اونٹنی کے اس پہلے بچے کو کہتے ہیں جس کو زمانہ جاہلیت میں مشرکین اپنے بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کرتے تھے۔ ابو مالک نے کہا ہے کہ جب کسی مرد کے سو اونٹ مکمل ہو جاتے تو وہ ایک جوان اونٹ کو نکالتا اور اس کو بتوں کے تقرب کے لیے ذبح کرتا، سو یہ فرع ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: خلاصہ یہ ہے کہ "اَلْفَرَع" کی دو تفسیریں ہیں: ایک تفسیر یہ ہے کہ اونٹنی کے دیے ہوئے پہلے بچے کو بتوں کے تقرب کے لیے ذبح کیا جائے، اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ جس مرد کے سو اونٹ مکمل ہو جائیں تو وہ بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ایک جوان اونٹ کو ذبح کر دے۔

۵۴۷۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا — امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان

مَعْمَرٌ أَخْبَرَنَا الزُّهْرِيُّ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا فَرَعَ وَلَا عَتِيرَةَ وَالْفَرَعُ أَوَّلُ النِّتَاجِ كَانُوا يَذْبَحُونَهُ لِطَوَاغِيتِهِمْ وَالْعَتِيرَةُ فِي رَجَبٍ۔

نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے خبر دی از ابن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ۔ آپ نے فرمایا: (اسلام میں) نہ فرع ہے اور نہ عتیرہ ہے۔
زُہری نے کہا: فرع اونٹنی کے اس پہلے بچے کو کہتے ہیں جس کو مشرکین اپنے بتوں کے تقرب کے لیے ذبح کرتے تھے اور عتیرہ اس کو کہتے ہیں جس کو ماہِ رجب میں ذبح کیا جاتا تھا۔

(صحیح البخاری: ۵۴۷۴، صحیح مسلم: ۱۹۷۶، سنن ترمذی: ۱۵۱۲، سنن نسائی: ۴۲۲۲، سنن ابوداؤد: ۲۸۳۱، سنن ابن ماجہ: ۳۱۶۸، مسند احمد: ۷۰۹۵، سنن داری: ۱۹۶۴)

صحیح البخاری: ۵۴۷۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدان کا ذکر ہے، یہ عبد اللہ بن عثمان مروزی کا لقب ہے۔
اور اس میں عبد اللہ کا ذکر ہے، یہ عبد اللہ بن مبارک المروزی ہیں، اور اس میں معمر کا ذکر ہے، اور یہ معمر بن راشد ہیں۔ اور اس میں الزہری کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم الزہری ہیں جو ابن المسیب سے روایت کرتے ہیں از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔
اس حدیث میں مذکور ہے: ''لافرع ولاعتیرۃ''۔
الفرع کی تفسیر ابھی گزری ہے کہ یہ اونٹنی کا وہ پہلا بچہ ہے جس کو بتوں کے تقرب کے لیے ذبح کیا جائے اور عتیرہ، عین پر زبر اور تاء کے نیچے زیر اور یاء ساکن اور آخر میں راء ہے۔ عتیرہ اس ذبیحہ کو کہتے ہیں جس کو زمانہ جاہلیت میں لوگ رجب کے ابتدائی دس دنوں میں ذبح کرتے تھے۔ اور اس کو رجبیہ کہتے تھے۔ امام شافعی نے اس ممانعت کی یہ تاویل کی ہے کہ نہ فرع واجب ہے اور نہ عتیرہ واجب ہے۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس تاویل کو سنن نسائی کی یہ حدیث مسترد کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرع اور عتیرہ سے منع فرمایا ہے۔ اور اسی طرح امام احمد کی روایت میں بھی ہے، سو فرع اور عتیرہ صورتاً بھی ممنوع ہے اور معناً بھی ممنوع ہے۔

''اَلْفَرَع'' اور ''اَلْعَتِیرَہ'' کے متعلق مختلف احادیث

امام نسائی نے الحارث بن عمرو سے روایت کی ہے کہ ان کی رسول اللہ ﷺ سے حجۃ الوداع میں ملاقات ہوئی۔ الحدیث۔
اس حدیث میں مذکور ہے کہ لوگوں میں سے ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ العتائر و الفرائع؟ یعنی ان کا کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا: جو چاہے عتیرہ کرے اور جو چاہے عتیرہ نہ کرے۔ اور جو چاہے فرع کرے اور جو چاہے فرع نہ کرے۔

نیز امام نسائی نے حضرت ابوذر بن لقیط بن عامر العقیلی سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم زمانہ جاہلیت میں رجب میں ذبح کرتے تھے، ہم اس سے خود کھاتے اور جو ہمارے پاس آتا اسے کھلاتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے متعلق عرفہ کے دن پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ برحق ہیں یعنی العتیرہ۔

نیز امام طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نے کہا: یارسول اللہ! ہم زمانہ جاہلیت میں العَتِیرۃ کرتے تھے، آپ نے فرمایا: تم جس مہینے میں چاہو ذبح کرو اور کھلاؤ۔

نیز امام طبرانی نے یزید بن عبد اللہ المزنی سے از والد خود روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اونٹ میں فَرَع ہے اور بکریوں میں فرع ہے۔ (یعنی ان کے پہلے بچے کو ذبح کر دیا جائے)۔

امام عبد الرزاق نے حضرت حفصہ بنت عبد الرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم سے از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلْفَرَع کا حکم دیا کہ ہر پچاس میں سے ایک کو ذبح کیا جائے۔

امام ترمذی نے نفسِ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرفہ کے دن سنا، آپ فرما رہے تھے: اے لوگو! ہر گھر والے پر ہر سال قربانی ہے اور عتیرہ ہے۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

امام ابوداؤد نے از نبیشہ روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے پکار کر کہا: یارسول اللہ! ہم زمانہ جاہلیت میں رجب میں عتیرہ کرتے تھے۔ آپ اس کے متعلق ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ کے لیے جس مہینے میں چاہو ذبح کرو۔ اس نے کہا: ہم زمانہ جاہلیت میں فرع کرتے تھے (یعنی اونٹنی کے پہلے بچے کو ذبح کر دیتے تھے) آپ اس کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہر قدرتی گھاس کو چرنے والی اونٹنی میں فَرَع ہے۔ ابوقلابہ نے کہا: سائمہ سو اونٹنیاں ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ تمام احادیث الفَرَع اور العَتِیرۃ کی اباحت پر دلالت کرتی ہیں۔

''العَتِیرۃ'' اور ''اَلْفَرَع'' سے متعلق فقہاءِ اسلام کے اقوال

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا کہ ابن سیرین علماء کے درمیان رجب میں عتیرہ کرتے تھے۔

امام ابوجعفر طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ نے الآثار میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما عتیرۃ کرتے تھے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے: ہمارے اصحاب کے نزدیک جو صحیح ہے اور وہی امام شافعی کی نصِ صریح ہے کہ الفرع اور العتیرۃ مستحب ہیں۔

قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ، اور الحازمی نے لکھا ہے کہ الفرع اور العتیرۃ کی ممانعت کی احادیث ان کی اباحت کے لیے ناسخ ہیں، اور یہی جمہور علماء کا موقف ہے۔

اور علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے لکھا ہے: یہ بات معلوم ہے کہ نہی اور ممانعت اسی کام سے ہوتی ہے، جس کام کو پہلے کیا جاتا رہا ہو۔ اور ہمیں یہ معلوم نہیں کہ اہلِ علم میں سے کسی نے یہ کہا ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے الفرع اور

العتیرہ سے منع کیا اور پھر اس کی اجازت دی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۳۲۔۱۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فرع اس ذبیحہ کو کہتے ہیں کہ اونٹنی کا جو پہلا بچہ پیدا ہوتا تو مشرکین زمانہ جاہلیت میں بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اس کو ذبح کرتے تھے۔ اور عتیرہ کو رجب میں ذبح کرتے تھے، یہ حدیث سنن ابوداؤد: ۲۸۳۱ میں مذکور ہے اور سنن ترمذی: ۱۵۱۲ میں مذکور ہے اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۳۰۲، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۳، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اَلْفَرَع اور اَلْعَتِیرہ کی تفسیر خود صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ علامہ نووی نے کہا ہے: الفرع اور العتیرہ کے متعلق احادیث وارد ہیں۔ اور امام شافعی نے کہا ہے کہ اَلْفَرَع اور اَلْعَتِیرہ کا ذبیحہ مستحب ہے اور اس باب کی حدیث کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ واقع میں الفرع اور العتیرہ نہیں ہیں یا جو مشرکین اپنے بتوں کے تقرب کے لیے اَلْفَرَع اور اَلْعَتِیرہ کرتے تھے وہ مشروع نہیں ہے۔ اور قاضی عیاض نے کہا ہے کہ جمہور علماء کا یہ موقف ہے کہ اَلْفَرَع اور اَلْعَتِیرہ کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری ج ۹ ص ۱۳۸، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۳ کی شرح از علامہ القسطلانی

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اَلْفَرَع اور اَلْعَتِیرہ کی تفسیر میں الزہری کا قول ہے اور امام ابوداؤد نے یہ اضافہ کیا ہے کہ وہ الفرع کو بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کرتے اور بعض سے روایت کی ہے کہ وہ کھانے کے بعد اس کی کھال کو درخت پر ڈال دیتے اور اس میں ممانعت کی علت کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس سے یہ استنباط کیا گیا ہے کہ جب پورا ذبیحہ اللہ کے لیے ہو تو پھر اَلْفَرَع جائز ہے۔

حاکم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اَلْفَرَع سے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اَلْفَرَع برحق ہے۔ اور اگر تم اونٹنی کے پہلے بچے کو چھوڑ دو حتیٰ کہ وہ ایک سال کا ہو جائے یا دو سال کا ہو جائے، پھر تم اللہ کی راہ میں سواری کرو یا وہ کسی بیوہ کو دو تو اس سے بہتر ہے کہ تم اس کو ذبح کر دو۔ آپ نے جو فرمایا کہ وہ برحق ہے، یعنی وہ باطل نہیں ہے اور یہ سائل کے جواب کے طور پر ہے۔ لہٰذا اس حدیث کی اس حدیث سے مخالفت نہیں ہے، جس میں آپ نے فرمایا کہ اسلام میں فرع اور عتیرہ نہیں ہے، کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ نہ فرع واجب ہے اور نہ عتیرہ واجب ہے۔

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک الفرع اور عتیرہ دونوں مستحب ہیں۔

(ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ج ۱۲ ص ۲۶۲، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۳، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

''اَلْفَرَع ''اور''اَلْعَتِیرَة'' کا اسلام میں متروک ہونا اور ان کے معانی

یہ حدیث شریف اس پر دلالت کرتی ہے کہ زمانہ جاہلیت کی عادات کو ترک کر دینا چاہیے اور ان کا شمار نہیں کرنا چاہیے اور ہر وہ چیز جو شریعتِ اسلام کے خلاف ہو وہ باطل ہے اور مردود ہے۔

اَلْفَرَع اونٹنی کے اس پہلے جانور کو کہتے ہیں جس کو مشرکین اپنے بتوں کو تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کرتے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس مرد کے سو اونٹ مکمل ہو جاتے تو وہ ایک جوان اونٹ کو مقدم کر کے اس کو ذبح کر دیتا۔ اور اَلْعَتِیرَہ یہ ہے کہ وہ کسی ذبیحہ کو رجب کے پہلے دس دنوں میں ذبح کرتے تھے اور اس کا نام رجبیہ رکھتے تھے اور اس کو اپنے بتوں کے تقرب کے لیے پیش کرتے تھے، سو مسلمانوں کو اس سے منع کیا گیا ہے۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر والآلی بشرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۱۸۲، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۴۔ بَابُ: الْعَتِيرَةِ

عتیرہ کا بیان

(رجب کے ابتدائی دس دنوں میں ذبیحہ کرنا)

۵۴۷۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ الزُّهْرِيُّ حَدَّثَنَا عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا فَرَعَ وَلَا عَتِيرَةَ قَالَ وَالْفَرَعُ أَوَّلُ نِتَاجٍ كَانَ يُنْتَجُ لَهُمْ كَانُوا يَذْبَحُونَهُ لِطَوَاغِيتِهِمْ وَالْعَتِيرَةُ فِي رَجَبٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی اور زہری نے کہا: ہمیں سعید بن المسیب نے حدیث بیان کی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، از نبی صلی اللہ علیہ وسلم: آپ نے فرمایا: نہ فرع ہے اور نہ عتیرہ ہے۔

زُہری نے کہا: فرع اونٹنی کے اس پہلے بچے کو کہتے ہیں جس کو مشرکین اپنے بتوں کے تقرب کے لیے ذبح کرتے تھے اور عتیرہ اس کو کہتے ہیں جس کو ماہِ رجب میں ذبح کیا جاتا تھا۔

(صحیح البخاری: ۵۴۷۳، صحیح مسلم: ۱۹۷۶، سنن ترمذی: ۱۵۱۲، سنن نسائی: ۴۲۲۲، سنن ابوداؤد: ۲۸۳۱، سنن ابن ماجہ: ۳۱۶۸، مسند احمد: ۷۰۹۵، سنن دارمی: ۱۹۶۴)

صحیح البخاری: ۵۴۷۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کا بعینہٖ اعادہ کیا ہے جو اس سے پہلے باب میں ذکر کی گئی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث کی امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔
(صحیح مسلم: ۱۹۷۶، کتاب الاضاحی، باب: الفرع والعتیرہ، سنن ابوداؤد: ۲۸۳۱، سنن نسائی: ج ۷ ص ۱۶۷، سنن ابن ماجہ: ۳۱۶۸)
ابوقرہ موسیٰ بن طارق نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے کہ اَلْعَتِیرۃ اور اَلْفَرَع کی تفسیر زہری کے کلام سے ماخوذ ہے۔
امام طحاوی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ایسی احادیث مروی ہیں جن سے اَلْفَرَع کی اجازت ملتی ہے۔ (شرح مشکل الآثار ج ۳ ص ۸۶)
امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اَلْفَرَع کا حکم دیا کہ ہر پچاس میں سے ایک کو ذبح کیا جائے۔ (مصنف عبدالرزاق: ج ۴ ص ۳۴۰، رقم: ۷۹۹۷)
امام ابوداؤد نے از حماد از عبداللہ بن عثمان از خثیم روایت کی ہے کہ ہر پچاس بکریوں میں سے ایک بکری ذبح کی جائے۔
علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث صحیح ہے۔
نیز امام ابوداؤد نے از عمرو بن شعیب از والد خود از جدِ خود روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اَلْفَرَع کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اَلْفَرَع برحق ہے اور اگر تم اس کو چھوڑ دو حتیٰ کہ وہ جوان اونٹ ہو جائے یا ایک سال کا اونٹ ہو جائے یا دو سال کا اونٹ ہو جائے اور وہ تم کسی بیوہ کو دو کہ وہ اس پر سواری کرے یا اللہ کی راہ میں دو تو وہ اس سے بہتر ہے کہ تم اس کو ذبح کرو اور اس کا گوشت اس کی کھال کے ساتھ لپیٹا جائے اور تمہارے برتن کو بھرا جائے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۸۴۲)
اور امام ترمذی نے مخنف سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرفہ کے دن سنا، آپ فرما رہے تھے: اے لوگو! بے شک ہر گھر والے کے اوپر ہر سال میں قربانی ہے اور عَتِیرہ ہے، پھر امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے، ہم اس کو صرف اسی سند سے پہچانتے ہیں۔ (سنن ترمذی: ۱۵۱۸)
امام نسائی نے سند جید کے ساتھ روایت کی ہے کہ الحارث بن عمرو الباہلی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حجۃ الوداع میں ملاقات کی تو آپ سے ایک مرد نے پوچھا: یا رسول اللہ! الفرائع والعتائر؟ تو آپ نے فرمایا: جو چاہے فَرَع کرے اور جو چاہے فَرَع نہ کرے اور جو چاہے عَتِیرہ کرے اور جو چاہے عَتِیرہ نہ کرے۔ (سنن نسائی: ج ۷ ص ۱۶۹-۱۶۸)
امام ابوداؤد نے نبیشہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نے نداء کی: یا رسول اللہ! ہم زمانہ جاہلیت میں رجب میں عَتِیرہ کرتے تھے (یعنی ایک جانور ذبح کرتے تھے) آپ ہمیں اس کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے لیے ذبح کرو، خواہ کسی مہینے میں ذبح کرو، پھر اس میں نیکی حاصل کرو اور لوگوں کو کھلاؤ، پھر اس نے کہا: ہم زمانہ جاہلیت میں فَرَع کرتے تھے (یعنی اونٹنی کے پہلے بچے کو بتوں کے تقرب کے لیے ذبح کرتے تھے)، آپ ہمیں اس کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہر سائمہ میں فرع ہے تم ان اونٹنیوں سے غذاء حاصل کرو، حتیٰ کہ جب وہ سواری کے قابل ہو جائیں تو ان میں سے کسی ایک اونٹ کو ذبح کرو اور اس کے گوشت کو صدقہ کر دو، خالد نے کہا: میرا گمان ہے کہ آپ نے فرمایا: مسافروں پر صدقہ کر دو، کیونکہ یہ بہتر ہے، خالد نے کہا: میں نے ابوقلابہ سے پوچھا: سائمہ کی کیا مقدار ہے؟ تو انہوں نے کہا: سو (۱۰۰)۔ (سنن ابوداؤد: ۲۸۳۰، سنن نسائی: ۴۲۴۰، سنن ابن ماجہ: ۳۱۶۷)

میں کہتا ہوں کہ بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اَلْفَرَع اور اَلْعَتِیرہ کو ذبح کرنا ناجائز اور شرک ہے، البتہ ان جانوروں کو ذبح کر کے خواہ رجب کے مہینہ میں ہو یا کسی مہینے میں ہو، اس کے گوشت کو صدقہ اور خیرات کرنا اور بیواؤں اور مسافروں کو کھلانا جائز ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں:

ابوعمرو نے کہا ہے کہ فرع اونٹنی کا وہ پہلا بچہ ہے جس کو زمانہ جاہلیت میں بتوں کے تقرب کے لیے ذبح کرتے تھے۔

(غریب الحدیث ج ۱ ص ۱۲۰)

پھر وہ اس کے گوشت کو کھا کر اس کی کھال کو درخت پر لٹکا دیتے تھے تو ان کو اس سے منع کیا گیا اور ابن فارس نے کہا: یہ اونٹوں اور بکریوں کا پہلا بچہ ہے۔ (مجمل اللغت ج ۲ ص ۷۱۷)

امام ابوعبید نے کہا: رہا عتیرہ تو وہ رجبیہ ہے، اہل جاہلیت پر جب کوئی مشکل پیش آتی تو وہ نذر مانتے کہ اگر ان کو اس مشکل کے اوپر کوئی کامیابی حاصل ہو جائے تو وہ اپنی بکریوں میں سے اتنی اتنی بکریاں رجب کے مہینے میں ذبح کریں گے۔ بعد میں اس کو منسوخ کر دیا گیا۔ (غریب الحدیث ج ۱ ص ۱۲۱)

اَلْفراء نے کہا کہ اس کو عتیرہ اس لیے کہا گیا ہے کہ عَتر کے معنی ہیں کاٹنا اور ذبح کرنا، اور اس کو رجب کے مہینے میں ذبح کیا جاتا تھا۔

اور ابن سیرین علماء کے درمیان رجب کے مہینے میں عتیرہ کو ذبح کرتے تھے، یعنی رجب کے ابتدائی دس دنوں میں۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۳۴۱)

یہ حدیث صحیح نہیں ہے، علامہ ابن بطال نے کہا ہے: چونکہ یہ حدیث ضعیف ہے اس لیے اس میں کوئی دلیل نہیں ہے اور اگر یہ صحیح بھی ہوتی تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کے لیے ناسخ ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر علماء کا اجماع ہے۔

امام شافعی نے کہا ہے: اَلْفَرع وہ چیز ہے کہ اہلِ جاہلیت اس سے اپنے اموال میں برکت حاصل کرتے تھے، پس ان میں سے کوئی ایک جب کسی جوان اونٹنی یا جوان بکری کو ذبح کر دیتا تو اس سے غذاء حاصل نہ کرتا تا کہ بعد میں اس سے برکت حاصل ہو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم چاہو تو فرع کرو، یعنی اگر تم چاہو تو ذبح کرو اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس لیے سوال کرتے تھے کہ وہ زمانہ جاہلیت میں یہ کام کرتے تھے اور ان کو خطرہ ہوا کہ اسلام میں یہ کام منع ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتایا کہ اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ (یعنی حصولِ برکت کے لیے اونٹنی یا بکری کو ذبح کرنا نہ کہ بتوں کے تقرب کے حصول کے لیے)۔

اور حدیث میں جو ہے کہ نہ کوئی فرع ہے اور نہ عتیرہ ہے، اس سے مراد ہے کہ نہ کوئی فرع واجب ہے اور نہ عتیرہ واجب ہے۔

اور دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے اَلْفَرع کو مباح قرار دیا اور یہ پسند کیا کہ اس کا گوشت بیواؤں کو دیا جائے یا اس اونٹ کو اللہ کی راہ میں سواری کے لیے دیا جائے۔ اور ہمارے اصحابِ شافعیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اَلْفَرع اور العتیرہ مستحب ہے۔

اور حدیث میں جو ارشاد ہے: نہ فرع ہے اور نہ عَتیرہ ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ جو وہ اپنے بتوں کے تقرب کے حصول کے لیے ذبح کرتے تھے، وہ جائز نہیں ہے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اَلْفَرَع اور اَلْعَتِیرہ قربانی کی طرح مستحب نہیں ہیں اور ان کا

خون بہانے میں قربانی کی طرح تقرب نہیں ہے، لیکن ان کا گوشت مساکین میں تقسیم کرنا تو یہ نیکی اور صدقہ ہے۔
اور قاضی عیاض مالکی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ جمہور علماء کا مختار یہ ہے کہ اَلْفَرَع اور العَتِیرہ کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔
الحازمی نے کہا: ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ یہ آثار منسوخ ہیں، اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہ اَلْفَرَع ہے اور نہ اَلْعَتِیرہ ہے"۔ (صحیح البخاری: ۵۴۷۴، صحیح مسلم: ۱۹۷۶)
علامہ ابراہیم بن المنذر الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے: یہ بات معلوم ہے کہ کسی چیز سے ممانعت اور نہی اس وقت ہوتی ہے جب پہلے وہ کام کیا جاتا ہو اور ہمیں نہیں معلوم کہ اہلِ علم میں سے کسی نے یہ کہا ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو الفرع اور العتیرہ سے منع کیا اور پھر اس کی اجازت دی۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۳۰۸۔ ۳۰۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

خلاصۂ بحث

میں کہتا ہوں کہ اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ بعض احادیث اور آثار سے اَلْفَرَع اور اَلْعَتِیرہ کی رخصت معلوم ہوتی ہے، لیکن وہ احادیث اور آثار ضعیف ہیں۔ اور اس کے مقابلے میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ اَلْفَرَع ہے اور نہ اَلعَتِیرہ ہے، اس لیے اَلفرع اور اَلْعَتِیرہ جائز نہیں ہے، نیز الفرع اور العتیرہ کو زمانہ جاہلیت میں بتوں کے تقرب کے حصول کے لیے ذبح کیا جاتا تھا، اس لیے اس نام سے جانوروں کو ذبح کرنا شرک کے مشابہ ہے اور راہِ خدا میں صدقہ کرنے کے لیے جانوروں کو ذبح کرنا جائز ہے، لیکن اس کو الفرع اور العتیرہ کا نام دینا درست نہیں ہے اور ہم اس مسئلہ میں امام شافعی سے معذرت خواہ ہیں جنہوں نے الفرع اور العتیرہ کو راہِ خدا میں صدقہ کرنے کی نیت سے جائز کہا ہے، اور قاضی عیاض مالکی کا یہ کہنا درست ہے کہ الفرع اور العتیرہ کے منسوخ ہونے پر اجماع ہو چکا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۴ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
ذبح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تقرب صرف اس وقت کیا جائے جس کا ثبوت سنت میں ہو، اور یہ قربانی ہے اور ہدیے اور تحفے ہیں اور عقیقہ ہے، اور اس کے سوا جو چیزیں ہیں اس میں ذبح کے ساتھ کسی کا تقرب حاصل کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے حتیٰ کہ اگر انسان نے نذر مانی کہ ایک بکری ذبح کرے گا تو اس کو صرف ذبح کرنے کا اجر ملے گا اور اس کو اس کے گوشت کے صدقہ کرنے کا اجر ملے گا اور یہ ایسا ہی ہے جیسے آدمی نے گوشت بازار سے خریدا اور اس کو صدقہ کر دیا، پس جن چیزوں کو ذبح کر کے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے، وہ تین ہیں۔ عقیقہ، قربانی اور ہدیے اور تحفے۔ اور ولیمہ بھی اس میں داخل ہے۔
فرع کا معنی ہے: اونٹنی کا وہ پہلا بچہ جس کو زمانہ جاہلیت میں مشرکین بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کرتے تھے۔
اور عتیرہ کا معنی ہے کہ رجب کے مہینے کے پہلے دن یا رجب کے مہینہ کے پہلے جمعہ میں مشرکین جانور کو ذبح کرتے تھے، اور

اس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نفی کردی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نفی کردی تو یہ اسلام میں کوئی چیز نہیں ہے، پس یہ نہیں کہا جائے گا کہ عتیرہ مسنون ہے بلکہ ہم کم سے کم یہ کہیں گے کہ یہ مکروہ ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۰۷، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: کتاب العقیقہ اور اس کے ساتھ جو فرع اور عتیرہ کے ابواب ہیں، ان میں بارہ (۱۲) احادیث ہیں جن میں سے تین تعلیقات ہیں اور باقی موصولہ ہیں۔ اور آٹھ مکررات ہیں اور خالص احادیث چار ہیں۔

کتاب العقیقہ اور الفرع والعتیرہ یہاں ختم ہوگئی، اس کے بعد ان شاء اللہ کتاب الذبائح والصید شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۷۱۔ كِتَابُ الذَّبَائِحِ وَالصَّيْدِ وَالتَّسْمِيَةِ عَلَى الصَّيْدِ

ذبیحوں اور شکار کا بیان اور شکار پر بسم اللہ پڑھنے کا بیان

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ کتاب ذبائح کے احکام اور شکار کے احکام کے متعلق ہے، اور اس بیان کے متعلق ہے کہ جب شکاری کتے کو شکار پر چھوڑا جائے تو اس وقت بسم اللہ پڑھی جائے اور ذبائح کا لفظ ذبیحۃ کی جمع ہے یعنی مذبوحہ، اور التسمیۃ علی الصید کا معنی ہے: شکار پر بسم اللہ پڑھنا واجب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب:۱

وقوله تعالى: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (لمائدہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ تم کو ضرور ایسے شکار سے آزمائے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں گے تاکہ اللہ یہ ظاہر کردے کہ کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے، سو جس نے اس (تنبیہ) کے بعد حد سے تجاوز کیا، اس کے لیے درد ناک عذاب ہے O

وقوله تعالى: اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝ (المائدہ)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارے لیے ہر قسم کے چار پاؤں والے جانور حلال کیے گئے ہیں، ماسوا ان کے جن کا حکم تم پر آئندہ تلاوت کیا جائے گا، لیکن تم حالتِ احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھنا بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے O

وقوله تعالى: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۟ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ (المائدہ: ۳)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم پر حرام کیا گیا ہے مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس (جانور) پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، اور گلا گھٹ جانے والا، اور چوٹ کھا کر مرا ہوا اور بلندی سے گر کر مرا ہوا اور سینگ لگنے سے مرا ہوا اور جس کو درندے نے کھایا ہو، ماسوا اس کے جس کو تم نے (زندہ پا کر) ذبح کر لیا، اور جو بتوں کے تقرب کے لیے نصب شدہ پتھروں پر ذبح کیا گیا اور فال کے تیروں سے اپنی قسمت معلوم کرنا، یہ (تمام کام) فسق ہیں، آج کفار تمہارے دین (کی ناکامی) سے مایوس ہو گئے، سو تم ان

سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو۔ (المائدہ: ۳)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْعُقُوْدُ الْعُهُوْدُ مَا أُحِلَّ وَحُرِّمَ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ الْخِنْزِيْرُ يَجْرِمَنَّكُمْ يَحْمِلَنَّكُمْ شَنَآنُ عَدَاوَةُ الْمُنْخَنِقَةُ تُخْنَقُ فَتَمُوْتُ الْمَوْقُوْذَةُ تُضْرَبُ بِالْخَشَبِ يُوْقِذُهَا فَتَمُوْتُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ تَتَرَدَّى مِنَ الْجَبَلِ وَالنَّطِيْحَةُ تُنْطَحُ الشَّاةُ فَمَا أَدْرَكْتَهُ يَتَحَرَّكُ بِذَنَبِهِ أَوْ بِعَيْنِهِ فَاذْبَحْ وَكُلْ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: العقود کا معنی ہے: العھود جو چیز حلال کی گئی اور حرام کی گئی، مگر وہ جو تم پر تلاوت کیا جائے گا: یعنی خنزیر، یجرمنکم یعنی تم کو برانگیختہ کرے، شنآن، اس کا معنی ہے: عداوت۔ المنخنقة: جس کا گلا گھونٹ دیا جائے اور وہ مر جائے، الموقوذة: جس پر لکڑی ماری جائے اور وہ مر جائے، المطردیة: جو پہاڑ سے گر کر مر جائے، النطیحة: ایک بکری دوسری بکری کو سینگ مارے، پس جس کی دم سینگ مارنے کے بعد حرکت کرے یا اس کی آنکھ حرکت کرے تو اس کو ذبح کر لو اور کھا لو۔

باب مذکور کی آیات کی ترتیب از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس کی شرح میں لکھتے ہیں:
صحیح بخاری کے اکثر نسخوں میں ان تین آیات کی ترتیب اسی طریقہ سے ہے، اور صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں ان آیات کی ترتیب اس طرح ہے کہ پہلی آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ ۔۔۔ الی قولہ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ (المائدہ: ۳)'' اور دوسری آیت ہے يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ (المائدہ: ۹۴)'' اور اس کے بعد ہے: اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ (المائدہ: ۱)''۔

المائدہ: ۹۴ کا شانِ نزول

یہ آیت عمرۃ الحدیبیہ میں نازل ہوئی، پس وحشی جانوروں اور وحشی پرندوں نے مسلمانوں کو انکی رہائش گاہوں میں ڈھانپ لیا تھا اور وہ اپنے ہاتھوں سے اور اپنے نیزوں سے ان کا شکار کرنے پر قادر تھے ظاہری طور پر بھی اور باطنی طور پر بھی، تاکہ ظاہر ہو جائے کہ کون اپنے ظاہر اور باطن میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنے والا ہے اور کون پیروی کرنے والا نہیں ہے، کیونکہ اس وقت صحابہ کرام احرام میں تھے اور حالتِ احرام میں شکار کرنا ممنوع ہے، پس جب کہ بہ کثرت وحشی جانور حاضر تھے اور ان کے شکار پر قادر تھے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے حالتِ احرام میں شکار کرنے سے منع کیا ہوا ہے اس لیے انہوں نے شکار نہیں کیا، اور مسلمان اطاعت شعاروں کی اطاعت ظاہر ہو گئی اور وہ اس آزمائش میں پورے اتر گئے۔

الوالبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ تم کو کچھ شکار کے ساتھ آزمائش کرے گا جس شکار کو تم اپنے ہاتھوں اور نیزوں سے حاصل کر سکتے تھے''، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حالتِ احرام میں آزمائش میں مبتلا کیا، حتیٰ کہ اگر وہ چاہتے تو اپنے ہاتھوں سے شکار کو پکڑ لیتے، اللہ تعالیٰ نے ان کو شکار کے قریب جانے سے منع فرمایا۔ اور مجاہد نے کہا کہ تم اپنے ہاتھوں سے حاصل کر سکتے تھے یعنی چھوٹے جانوروں کو اور نیزوں سے شکار کر سکتے تھے یعنی بڑے جانوروں کو۔

اس کے بعد فرمایا: ''سو جس نے اس (تنبیہ) کے بعد حد سے تجاوز کیا، اس کے لیے دردناک عذاب ہے''۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ

نے حالتِ احرام میں شکار کرنے سے منع کر دیا، اس کے باوجود کسی نے حالتِ احرام میں شکار کیا تو اس کو دردناک عذاب ہوگا، کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اور اس کی شریعت کی مخالفت کی۔

المائدہ:۱ کی تفسیر

اس کے بعد امام بخاری نے المائدہ:۱، ذکر کی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''تمہارے لیے ہر قسم کے چار پاؤں والے جانور حلال کیے گئے ہیں''۔ اس آیت میں بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ سے مراد ہیں: اونٹ، بکریاں اور گائے۔

حسن اور قتادہ نے کہا اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ یہ اُحِلَّتْ لَكُمْ سے استثناء ہے۔

المائدہ:۳ کی تفسیر

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: اس سے مراد ہے: مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو اور ''المنخنقة، الموقوذة، المتردية، النطيحه'' اور جس کو درندوں نے کھایا ہو، کیونکہ یہ جانور بھی اگرچہ چوپایوں میں سے ہیں، لیکن یہ جانور، ان عوارض کی وجہ سے حرام ہیں، اسی لیے فرمایا: اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ سو ان کے جن کو تم ذبح کر لو۔ اور جو بتوں پر ذبح کیے گئے ہوں تو وہ حرام ہیں، کیونکہ ان کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ یہ ترکیب میں حال واقع ہے اور ''انعام'' سے مراد عام جانور ہیں، خواہ وہ انسانوں سے مانوس ہوں جیسے اونٹ، گائے اور بکری اور خواہ وحشی جانور ہوں جیسے ہرن وغیرہ، پس مانوس جانوروں میں سے ان کا استثناء کر لیا جن کا ذکر کیا گیا ہے اور وحشی جانوروں میں سے شکار کو مستثنیٰ فرمایا جن کا حالتِ احرام میں شکار کیا جائے۔

پھر فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ حکم دیتا ہے''، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے تمام احکام میں حکیم ہے، خواہ کسی چیز کا حکم دے یا کسی چیز سے منع فرمائے۔ پھر فرمایا حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ، اس مردار سے مچھلی اور ٹڈی مستثنیٰ ہیں اور فرمایا: ''اور بہا ہوا خون'' اور فرمایا: ''خنزیر کا گوشت'' خواہ وہ مانوس ہو یا غیر مانوس ہو، اور لَحْمُ فرمایا یعنی خنزیر اپنے جمیع اجزاء کے ساتھ حرام ہے۔ اور مَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ اس سے مراد ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے نام کے علاوہ کسی کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، بت کے نام پر یا طاغوت کے نام پر یا وثن کے نام پر یا کسی اور مخلوق کے نام پر۔

منخنقه: یہ وہ جانور ہے جو گلا گھونٹنے سے مرجائے یا قصداً یا اتفاقاً، سو یہ حرام ہے۔

اور موقوذة، یہ وہ جانور ہے جس پر کسی سقیم چیز سے ضرب لگائی جائے کئی مرتبہ حتیٰ کہ وہ مرجائے۔ قتادہ نے کہا: اہلِ جاہلیت جانور پر لاٹھی مارتے حتیٰ کہ وہ مرجاتا، پھر اس کو کھالیتے۔

المتردیه: یہ وہ جانور ہے جو کسی پہاڑ کی چوٹی سے گر کر مرجائے، سو یہ بھی حرام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ وہ جانور ہے جو پہاڑ سے گر کر مرجائے اور قتادہ نے کہا: یہ وہ جانور ہے جو کنویں میں گر کر مرجائے۔

النطیحة: یہ وہ جانور ہے جو دوسرے جانور کے سینگ لگنے سے مرجائے اگرچہ سینگ اس کو زخمی کر دے اور اس سے خون بہے۔ خواہ ذبح کی جگہ میں ایسا ہو۔

وَمَاۤ اَكَلَ السَّبُعُ یعنی جس جانور پر شیر حملہ کرے یا تیندوا یا چیتا حملہ کرے یا بھیڑیا حملہ کرے یا کتا حملہ کرے اور اس کا کچھ

حصہ کھالے جس سے وہ جانور مرجائے تو وہ بھی حرام ہے اور اگر چہ اس سے خون بہہ رہا ہو اور خواہ وہ اپنے ذبح کی جگہ میں ہو تو وہ بالا جماع حرام ہے۔

اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ یعنی اس قسم کے جانوروں میں اگر کچھ حیات باقی ہو اور ان کو ذبح کر لیا جائے تو پھر وہ حلال ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اور ان جانوروں میں سے جن کو تم ذبح کر لو اور اس میں روح ہو تو اس کو کھالو، وہ پاکیزہ ذبیحہ ہیں، اسی طرح سعید بن جبیر اور حسن بصری اور سدی سے مروی ہے اور طاؤس اور حسن بصری اور قتادہ اور عبید بن عمیر اور ضحیک اور متعدد تابعین نے کہا ہے کہ جب اس قسم کے جانور حرکت کر رہے ہوں تو اس میں دلیل ہے کہ ان میں ذبح کے بعد روح باقی ہے، پس وہ حلال ہیں، اور یہی جمہور فقہاء کا مذہب ہے اور یہی امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ علیہما کا قول ہے۔

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ مجاہد اور ابن جریج نے کہا: کعبہ کے گرد پتھر نصب کیے ہوئے تھے، اور ابن جریج نے کہا: یہ تین سو ساٹھ (۳۶۰) پتھر تھے اور زمانہ جاہلیت میں عرب ان پتھروں کے پاس جانور کو ذبح کرتے اور اس کو خون میں لتھیڑتے اور ذبح کے بعد اس جانور کو اس کے خون سمیت بیت اللہ میں لے جاتے اور اس کا گوشت ان پتھروں پر رکھ دیتے۔

وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ یعنی اے مومنو! تم پر تیروں سے فال نکالنے کو حرام کر دیا ہے اور ازلام، زلم کی جمع ہے اور یہ تین تیروں کو کہتے ہیں، ایک پر لکھا ہوتا ہے: اِفْعَلْ یعنی یہ کام کرو، اور دوسرے پر لکھا ہوتا ہے: لَا تَفْعَلْ یعنی یہ کام نہ کرو، اور تیسرا خالی ہوتا ہے جس پر کچھ نہیں لکھا ہوتا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ایک تیر پر لکھا ہوتا ہے کہ مجھے میرے رب نے حکم دیا اور دوسرے پر لکھا ہوتا ہے مجھے میرے رب نے روکا اور تیسرا سادہ ہوتا ہے اور جس پر کچھ نہیں لکھا ہوتا۔ پس جب وہ تیر آتا ہے جس میں کام کرنے کا حکم ہوتا ہے تو وہ کام کر لیتا اور اگر وہ تیر نکلتا جس میں کام سے منع کیا ہوتا تو کام کو ترک کر دیتا ہے اور اگر سادہ تیر نکلتا تو پھر وہ دوبارہ فال کے تیر نکالتا۔

ذٰلِكُمْ فِسْقٌ یعنی ان کاموں کو کرنا فسق ہے اور گمراہی اور جہالت ہے اور شرک ہے۔

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یعنی آج کفار اس سے مایوس ہو گئے کہ وہ مسلمانوں کو اپنے دین کی طرف لوٹا ئیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اس سے مایوس ہو گئے کہ مسلمان ان کاموں کے مشابہ کام کریں جن کاموں سے مسلمان مشرکین سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ صبر کریں اور کفار کی مخالفت میں ثابت قدم رہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ یعنی میں کفار کے خلاف تمہاری مدد کروں گا اور تمہیں کامیاب کروں گا اور تمہارے سینوں میں شفا عطا کروں گا اور تم کو دنیا اور آخرت میں سربلند کروں گا۔

باب میں مذکور تعلیق کی شرح از علامہ عینی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے ایک حصہ کی طرف اشارہ کیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ

اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت والے مہینہ کی، اور نہ کعبہ میں بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ ان

الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رِضْوَانًا ؕ وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (المائدہ)

جانوروں کی جن کے گلوں میں (قربانی کی علامت کے) پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو اور کسی قوم کے ساتھ عداوت تمہیں اس پر نہ اکسائے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام میں آنے سے روک دیا تھا تو تم بھی ان کے ساتھ زیادتی کرو، اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے O

یعنی حضرت ابن عباس نے وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کسی قوم سے ناراضگی اور بغض تمہیں اس کے خلاف سرکشی پر نہ ابھارے۔اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے المائدہ: ۳ میں مذکور چند الفاظ کی تفسیر کی ہے جس کی تفسیر عنقریب گزر چکی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان جانوروں میں سے جس کو تم اس حال میں پاؤ کہ اس کی دم حرکت کر رہی ہو تو اس کو ذبح کر لو اور کھالو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۳۷۔ ۱۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۷۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ عَنْ عَامِرٍ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رضى الله عنه قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ صَيْدِ الْمِعْرَاضِ قَالَ مَا أَصَابَ بِحَدِّهِ فَكُلْهُ وَمَا أَصَابَ بِعَرْضِهِ فَهُوَ وَقِيذٌ وَسَأَلْتُهُ عَنْ صَيْدِ الْكَلْبِ فَقَالَ مَا أَمْسَكَ عَلَيْكَ فَكُلْ فَإِنَّ أَخْذَ الْكَلْبِ ذَكَاةٌ وَإِنْ وَجَدْتَ مَعَ كَلْبِكَ أَوْ كِلَابِكَ كَلْبًا غَيْرَهُ فَخَشِيتَ أَنْ يَكُونَ أَخَذَهُ مَعَهُ وَقَدْ قَتَلَهُ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّمَا ذَكَرْتَ اسْمَ اللهِ عَلَى كَلْبِكَ وَلَمْ تَذْكُرْهُ عَلَى غَيْرِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زکریاء نے حدیث بیان کی از عامر از حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معراض (بے پر کے تیر یا لکڑی یا گز) سے شکار کے متعلق سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: اگر اس کی نوک شکار کو لگی ہو تو اس کو کھالو اور اگر اس کا عرض یا اس کی چوڑائی شکار کو لگے تو اس کو نہ کھاؤ کیونکہ وہ ''موقوذۃ'' (چوٹ لگنے) سے ہلاک ہوا ہے۔اور میں نے آپ سے شکاری کتے کے شکار سے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: جس شکار کو کتا تمہارے لیے رکھے اس کو کھالو، کیونکہ کتے کا جانور کو پکڑنا بھی ذبح ہے، اور اگر تم اپنے شکاری کتے کے ساتھ یا شکاری کتوں کے ساتھ کسی اور کتے کو پاؤ اور تمہیں یہ خطرہ ہو کہ اس کتے نے ان کے ساتھ شکار کو پکڑا ہے اور اس کو ہلاک کر دیا ہے تو پھر تم ایسا شکار نہ کھاؤ، کیونکہ تم نے اپنے

کتے پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہے اور دوسرے کے کتے پر اللہ تعالیٰ کا
نام نہیں لیا۔

(صحیح البخاری: ۱۷۵، ۲۰۵۴، ۵۴۷۵، ۵۴۷۶، ۵۴۷۷، ۵۴۸۳، ۵۴۸۴، ۵۴۸۵، ۵۴۸۶، ۵۴۸۷، ۷۳۹۷، صحیح مسلم: ۱۹۲۹، سنن ترمذی: ۱۴۷۰، سنن نسائی: ۴۲۷۲، سنن ابوداؤد: ۲۸۵۴، سنن ابن ماجہ: ۳۲۰۸، مسند احمد: ۱۸۷۷۱، سنن دارمی: ۲۰۰۲)

صحیح البخاری: ۵۴۷۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اس صورت میں ظاہر ہے جب کہ باب کا عنوان ہو" شکار پر بسم اللہ پڑھنا"۔ جبکہ اس باب کا عنوان ہے:"کتاب الصید والذبائح والتسمیة علی الصید"، اس اعتبار سے بھی اس حدیث کی مطابقت باب کے عنوان کے ساتھ ظاہر ہے، کیونکہ اس حدیث میں تین چیزیں ہیں، ایک چیز ہے شکار کا مشروع ہونا اور دوسری چیز ہے شکار کا ذبح ہونا حقیقتاً یا حکماً اور تیسری چیز ہے شکار پر بسم اللہ پڑھنے کا واجب ہونا۔ اور عنوان میں جو تین اجزاء ہیں ان میں سے کسی بھی جز کے ساتھ حدیث کی مطابقت ہو، تو اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت ہو جائے گی۔

حدیث مذکور کی سند میں بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے: ابونعیم، ان کا نام الفضل بن دُکین ہے۔ اور اس میں مذکور ہے: زکریا، یہ ابن ابی زائدہ ہیں اور عامر کا ذکر ہے، یہ الشعبی ہیں اور عدی بن حاتم کا ذکر ہے، یہ حضرت عدی بن حاتم بن عبداللہ بن سعد الطائی ہیں رضی اللہ عنہ۔ یہ جواد ابن الجواد ہیں، انہوں نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا تھا اور یہ اور ان کی قوم اسلام پر ثابت قدم رہی اور یہ کوفہ میں آ کر ٹھہرے اور عراق کی فتح پر حاضر تھے، پھر یہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے گروہ میں رہے اور مختار کے زمانے میں ان کی کوفہ میں ٦٨ھ میں وفات ہوئی، اس وقت ان کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال تھی اور یہ قرقیسیا میں فوت ہوئے۔ اور ابوحاتم نے کتاب المعمرین میں لکھا ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ ایک سو اسی (۱۸۰) سال کی عمر میں فوت ہوئے اور ان کی ایک آنکھ کانی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے: از عدی بن حاتم، اسماعیلی کی روایت میں ہے: ہمیں عامر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عدی بن حاتم نے حدیث بیان کی، اس میں یہ اشارہ ہے کہ زکریا مدلس ہیں اور یہ حدیث معنعن ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: عنقریب الشعبی سے روایت آئے گی کہ میں نے عدی بن حاتم سے سنا ہے۔ (یعنی یہ حدیث عن کے بغیر ہے)۔

حدیث مذکور کے معانی

المِعراض: اس لفظ میں میم کے نیچے زیر ہے اور عین ساکن ہے اور آخر میں ضاد ہے، خلیل اور دوسرے ائمہ لغت نے کہا کہ یہ وہ تیر ہے جس کا پر نہ ہو اور نہ پیکان ہو (خالی لکڑی ہو)۔

اور الخطابی نے کہا: معراض ایک وزنی لکڑی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایک ایسی لکڑی ہے جس کی دونوں طرفیں دھاری دار ہوتی ہیں اور درمیانی حصہ موٹا ہوتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایک بوجھل لکڑی ہے اور اس کے آخر میں دھاری دار لکڑی ہوتی ہے اور کبھی دھاری دار نہیں ہوتی۔

اور علامہ ابن التین نے کہا: معراض ایک لاٹھی ہے جس کی طرف میں دھار ہوتی ہے، شکاری اس لاٹھی کو شکار پر مارتا ہے، پس شکار پر اگر اس کی دھار لگے تو وہ ذبیحہ ہے اور وہ کھایا جائے گا اور جو بغیر دھار کے اس کا حصہ شکار پر لگے تو وہ موقوذة ہے اور یہی اس حدیث کا معنی ہے کہ دقیذ فعیل کے وزن پر ہے جو کہ مفعول کے معنی میں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''کیونکہ کتے کا پکڑنا ذبح ہے''۔ اس کا معنی ہے کہ کتے کا پکڑنا ذبح کے حکم میں ہے، سو اس کا کھانا جائز ہوگا جس طرح ذبح شدہ کا کھانا جائز ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''اگر تم نے اپنے کتے کے ساتھ یا کتوں کے ساتھ دوسروں پایا''، اس میں راوی کو شک ہے یعنی تم نے اپنے کتے کے ساتھ دوسرے کتے کو پایا جس کو تم نے نہیں چھوڑا۔

یہ حدیث کئی احکام پر مشتمل ہے جن کو ہم اس سے پہلے گزرے ہوئے ابواب میں ذکر کر چکے ہیں لیکن بعض احکام کو ہم دوبارہ ذکر کریں گے کیونکہ مسافت طویل ہوگئی ہے۔

شکار کا مشروع ہونا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شکار کا مشروع ہونا ثابت ہے اور قرآن مجید سے بھی شکار کا مشروع ہونا ثابت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا (المائدہ: ۲) اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔

قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے: جو شخص روزی کمانے کے لیے شکار کرے یا ضرورت کی بناء پر شکار کرے یا شکار کو کھانے کے لیے یا اس کی قیمت سے فائدہ اٹھانے کے لیے شکار کرے تو اس کا شکار کرنا جائز ہے۔ اور اس میں اختلاف ہے جس نے کھیل اور مشغلہ کے طور پر شکار کیا، لیکن اس کا قصد ذبح کرنا ہے اور جائز طریقہ سے نفع کو حاصل کرنا ہے، تو امام مالک نے اس کو مکروہ کہا ہے اور لیث اور ابن عبد الحکیم نے اس کو جائز کہا ہے اور اگر اس نے ذبح کی نیت کے بغیر شکار کیا تو یہ حرام ہے، کیونکہ یہ زمین میں فساد کرنا ہے اور کسی جاندار کی جان کو بے فائدہ ضائع کرنا ہے اور ہمارے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاندار کو قتل کرنے سے بغیر اسے کھانے کے منع فرمایا ہے۔ اور آپ نے زیادہ شکار کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جنگلوں میں رہا اس نے جفا کی اور جس نے شکار کا پیچھا کیا اس نے غفلت کی اور جو سلطان کے ساتھ لازم رہا وہ فتنہ میں مبتلا ہو گیا۔ امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے اور الکرابیسی نے کہا کہ اس کے راویوں میں سے ایک ابو موسیٰ ہے اور وہ معلل ہے اور کہا کہ اس کی حدیث قائم نہیں ہے اور یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی سند ضعیف کے ساتھ مروی ہے اور حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ امام الدارقطنی نے کہا: اس حدیث کی روایت میں شریک متفرد ہے۔

معراض کے ساتھ شکار کا جواز

جس لاٹھی کے دونوں طرف دھار ہو، اگر شکار کو اس دھار سے مارا تو پھر اس کا کھانا جائز ہے اور اگر شکار اس لاٹھی کی چوٹ سے مرا تو پھر اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ اور اس حدیث میں اس کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

سدھائے ہوئے کتے کا شکار کو قتل کرنے کا ذبح ہونا

اگر سدھائے ہوئے کتے کو شکار نے قتل کیا تو یہ ذبح ہے اور جب شکاری کتے نے خود اس جانور سے کھالیا یا اس شکار سے کھالیا تو پھر وہ سدھایا ہوا نہیں ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا مذہب ہے اور ان کا مذہب یہ ہے کہ شکاری کتے کی تعلیل یہ ہے کہ وہ شکار سے خود نہ کھائے اور یہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک شرط ہے۔ اور امام احمد بن حنبل، امام اسحاق بن راہویہ، ابوثور، ابن المنذر اور داؤد کا بھی یہی قول ہے۔

امام شافعی کا ایک قول ضعیف اور امام مالک کا قول یہ ہے کہ شکاری کتے کا خود نہ کھانا شرط نہیں ہے اور حضرت سلمان فارسی، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت مولیٰ علی، حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اور فقہاء تابعین میں سے سعید بن المسیب، سلیمان بن یسار، حسن بصری اور زہری کا بھی یہی قول ہے۔ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے:

فَكُلُوا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ۔ (المائدہ: ۴) سو اس (شکار) سے کھاؤ جس کو وہ (شکاری جانور) تمہارے لیے روک رکھیں۔

انہوں نے کہا: شکاری جانور کا شکار کو روک لینا بھی ذبح ہے جس سے شکار کا کھانا حلال ہے، لہٰذا شکاری جانور کے شکار کو کھانے سے شکار فاسد نہیں ہوگا۔

اور فقہاء احناف اور فقہاء شافعیہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر شکار شکاری جانور نے کھالیا ہے تو تم اس کو نہ کھاؤ، کیونکہ اس نے اس شکار کو تمہارے لیے محفوظ نہیں رکھا، اس نے اس شکار کو اپنے لیے محفوظ رکھا ہے، جیسا کہ عنقریب اس باب کے قریب کی حدیث میں آئے گا۔

اگر تم سوال کرو کہ قاضی نے کہا ہے کہ حضرت عدی بن حاتم کی اس حدیث میں اس کے خلاف ہے یعنی جو حدیث ابھی آئے گی اور اس حدیث کے یہ الفاظ ہیں کہ "اس نے اس شکار کو تمہارے لیے محفوظ نہیں رکھا"۔ ان الفاظ کو شعبی نے ذکر کیا ہے اور ہشام بن ابی مطر نے ذکر نہیں کیا۔ نیز یہ اس حدیث سے بھی معارض ہے جس کی حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کھاؤ، خواہ شکاری جانور نے اس سے کھالیا ہو۔ اس حدیث کی امام ابوداؤد نے روایت کی ہے اور اس پر سکوت کیا ہے اور اس کو ضعیف نہیں قرار دیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی سند میں داؤد بن عمر دمشقی ہے، ابن حزم نے کہا: یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور اس حدیث کا راوی داؤد بن عمر ضعیف ہے۔ اس کو امام احمد نے ضعیف کہا ہے اور کہا ہے کہ یہ کاذب ہے۔

اگر تم کہو کہ داؤد بن عمر دمشقی کی یحییٰ بن معین نے توثیق کی ہے اور ابوزرعہ نے کہا کہ اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے اور

ابن عدی نے کہا: میں اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں دیکھتا اور امام ابوداؤد نے کہا: یہ صالح الحدیث ہے، اور امام ابن حبان نے اس کا کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ ہم یہ بحث تسلیم کرلیں تب بھی سنن ابوداؤد کی یہ حدیث صحیح بخاری کی حدیث کے برابر نہیں ہے اور نہ اس کے قریب ہے۔

اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو مذکور ہے کہ "اگر شکاری جانور نے شکار سے کھالیا ہو تب بھی تم اس کو کھالو"، یہ اس پر محمول ہے کہ اس نے شکار کو قتل کرنے کے بعد چھوڑ دیا ہو اور اس سے دور چلا گیا ہو، پھر دوبارہ واپس آیا ہو اور پھر اس میں سے کھالیا ہو تو اس میں کوئی ضرر نہیں ہے۔

اور تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جواز پر محمول ہے جو سنن ابوداؤد میں ہے۔ اور حضرت عدی بن حاتم کی حدیث تنزیہہ پر محمول ہے جو صحیح بخاری میں ہے، کیونکہ حضرت عدی بن حاتم کو وسعت اور خوشحالی حاصل تھی تو ان کو اس شکار سے رکنے کا حکم دیا جس سے شکاری جانور نے کھالیا ہے اور حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ ضرورت مند تھے تو ان کو اس شکار سے کھانے کا بہ طور جواز حکم دیا۔

شکار پر بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنے کی شرط

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ شکار پر بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنے کی شرط ہے، کیونکہ حدیث میں یہ علت بیان کی ہے کہ تم نے اپنے شکاری کتے پر بِسْمِ اللّٰہِ پڑھی ہے اور دوسرے شکاری کتے پر بِسْمِ اللّٰہِ نہیں پڑھی۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ شکار اور ذبیحہ پر بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، پس محمد بن سیرین اور نافع مولیٰ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور شعبی نے کہا ہے کہ شکار اور ذبیحہ پر بِسْمِ اللّٰہِ کا پڑھنا فرض ہے، جس نے شکار اور ذبیحہ پر بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنے کو عمداً ترک کیا یا بھول کر ترک کیا تو اس کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا اور یہ ابوثور اور ظاہریہ کا قول ہے۔

اور امام مالک، ثوری، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ اگر اس نے شکار اور ذبیحہ پر بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنے کو عمداً ترک کیا تو وہ نہیں کھایا جائے گا اور اگر بھول کر ترک کیا تو پھر کھایا جائے گا۔

اور علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے اور فقہاء تابعین میں سے ابن المسیب، حسن بن صالح، طاؤس، عطاء، الحسن بن ابی الحسن النخعی، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، جعفر بن محمد، حکم، ربیعہ، امام احمد اور امام اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور المصنف میں اس قول کی زہری اور قتادہ سے روایت ہے۔ اور المغنی میں یہ مذکور ہے کہ امام احمد سے یہ روایت ہے اور یہ ان کا مذہب ہے کہ شکار اور ذبیحہ سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ کا پڑھنا شرط ہے، اگر اس نے بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنے کو عمداً ترک کیا یا سہواً ترک کیا تو وہ ذبیحہ اور شکار مردار ہے۔ اور امام محمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ جب اس نے تیر چھوڑتے وقت بھولے سے بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنے کو ترک کیا تو کھایا جائے گا اور اگر اس نے شکاری کتے یا شکاری تیندوے کو چھوڑا تو وہ نہیں کھایا جائے گا۔ اور امام شافعی نے کہا کہ دونوں صورتوں میں شکار اور ذبیحہ کو کھایا جائے گا خواہ اس نے بِسْمِ اللّٰہِ کو عمداً ترک کیا ہو یا بھولے سے ترک کیا ہو اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطاء سے بھی اسی

طرح مروی ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۳۹۔۱۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب البیوع میں گزر چکی ہے۔(صحیح البخاری: ۲۰۵۴، باب: تفسیر المشبہات) اور عنقریب کتاب التوحید میں بھی آئے گی،(صحیح البخاری: ۷۳۹۷، باب: السوال باسماء اللہ تعالیٰ والاستعاذۃ بھا) اور باقی کتب ستہ میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۹۲۹، کتاب الصید بالکلاب المعلمۃ، سنن ابوداؤد: ۲۸۴۷، سنن ترمذی: ۱۴۶۵، سنن نسائی ج ۷ ص ۱۸۰، سنن ابن ماجہ: ۳۲۱۵)

امام مالک نے ذکر کیا ہے کہ ہر وہ جانور جس کو انسان اپنے ہاتھ سے پکڑتا ہے یا اس پر اپنا نیزہ مارتا ہے یا ہتھیار میں سے کوئی چیز مارتا ہے اور وہ اس کے پار ہو جاتا ہے اور اس سے وہ قتل ہو جاتا ہے تو وہ شکار ہے۔(الموطا: ص ۲۰۴)

المائدہ: ۱، ۲، ۳ کی تفسیر

اور مجاہد نے کہا ہے: جس شکاری جانور کے بچے کو یا انڈے کو ہاتھوں سے پکڑا جائے یا بڑے جانور پر نیزہ مارا جائے، وہ بھی شکار ہے، سو اس آیت (المائدہ: ۱) سے شکار کی اباحت پر استدلال کیا گیا ہے۔ المائدہ: ۱ میں ارشاد ہے:

اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ۔ (المائدہ: ۱)

تمہارے لیے ہر قسم کے چار پاؤں والے جانور حلال کیے گئے ہیں، ماسوا ان کے جن کا حکم تم پر آئندہ تلاوت کیا جائے گا۔

''اَنعام'' سے مراد اونٹ، گائے اور بکریاں ہیں۔

قابوس بن ابی ظبیان نے کہا: ہم نے ایک گائے کو ذبح کیا تو لڑکوں نے اس کے پیٹ میں سے ایک ضخیم بچہ نکالا، اس کو پکایا، پھر اس کو ابوظبیان کے پاس لائے تو انہوں نے بتایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ ''بھیمۃ الانعام'' ہے۔

اور اس آیت میں فرمایا ہے: غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ یعنی لیکن تم حالتِ احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھنا۔

حُرُم سے مراد ہیں محرمون، اور اس کا واحد حَرَم اور حَرام ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ لَا الْهَدْيَ وَ لَا الْقَلَآىِٕدَ وَ لَاۤ اٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رِضْوَانًا ؕ وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا۔ (المائدہ: ۲)

اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت والے مہینہ کی، اور نہ کعبہ میں بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلوں میں (قربانی کی علامت کے) پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔

سو اس کا معنی یہ ہے کہ تم حرم میں شکار کو حلال قرار نہ دو اور اپنے لیے شعائر اللہ کو حلال قرار نہ دو اور جنہوں نے کہا کہ شعائر اللہ سے مراد قربانی کے اونٹ ہیں تو انہوں نے کہا: یہ آیت منسوخ ہے۔ اور شعبی نے کہا کہ سورۂ مائدہ میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہے سوا

اس آیت یعنی یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ (المائدہ:۲)'' کے۔اور قتادہ نے کہا کہ اس آیت کو درج ذیل آیت نے منسوخ کر دیا:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ۔ (التوبہ:۵) تو تم مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔

پہلے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کرنے سے منع کیا گیا تھا اور حالتِ امن میں بیت الحرام میں لڑائی کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ اور اس آیت میں ''شهر الحرام'' کا ذکر ہے، اس سے مراد رجب ہے۔اور اس میں ''هدی'' کا ذکر ہے، اس سے مراد قربانی کے جانور ہیں۔اور ''قلائد'' کا ذکر ہے یعنی جن جانوروں کے گلے میں ہار ڈال دیا گیا ہو۔اور فرمایا: ''جب تم احرام کھول دو تو شکار کرو''، یہ ممانعت کے بعد امر ہے اور لازم نہیں ہے، یعنی احرام کھولنے کے بعد شکار کرنا جائز ہے۔

المائدہ: ۳ میں مذکور ہے:

تم پر حرام کیا گیا ہے مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس (جانور) پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، اور گلا گھٹ جانے والا، اور چوٹ کھا کر مرا ہوا اور بلندی سے گر کر مرا ہوا اور سینگ لگنے سے مرا ہوا اور جس کو درندے نے کھایا ہو، ماسوا اس کے جس کو تم نے (زندہ پا کر) ذبح کر لیا، اور جو بتوں کے تقرب کے لیے نصب شدہ پتھروں پر ذبح کیا گیا اور فال کے تیروں سے اپنی قسمت معلوم کرنا یہ (تمام کام) فسق ہیں۔

علامہ ابن ملقن نے ان الفاظ کی شرح کی ہے، اور اس شرح کو ہم اس سے پہلے علامہ عینی سے نقل کر چکے ہیں۔

حضرت عدی بن حاتم کی حدیث کی شرح از علامہ ابن الملقن

صحیح البخاری: ۵۴۷۵ میں حضرت عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معراض کے شکار سے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: شکار پر اگر دھار لگی ہو تو اسے کھالو اور جو اس کی چوڑائی سے جانور مرا ہو تو وہ وقیذ ہے یعنی چوٹ سے مرا ہے اور میں نے آپ سے شکاری کتے کے شکار کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: جو اس نے تمہارے لیے روک رکھا ہے، اسے کھالو، کیونکہ شکاری کتے کا قتل کرنا بھی ذبح ہے اور اگر تم نے اس کے ساتھ اور کتے کو یا اور کتوں کو پایا ہے تو نہ کھاؤ، تمہیں یہ خطرہ ہوگا کہ دوسرے کتے نے اس کو پکڑا ہے اور اس کو قتل کیا ہے، پھر تم اس کو نہ کھاؤ، کیونکہ تم نے اپنے کتے پر بسم اللہ کا ذکر کیا ہے دوسرے کتے کے اوپر تم نے بسم اللہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔

علامہ ابن ملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: امام مسلم نے اس حدیث کی روایت اس طرح کی ہے کہ شکاری کتے نے جس کو پھاڑا ہے اس کو کھالو اور جب تم نے اپنے کتے کو بھیجا، پس اگر اس نے اس کو تمہارے لیے روک لیا اور تم نے اس کو زندہ پایا تو اس کو ذبح کر کے کھالو۔اگر تم نے اس کے ساتھ کسی اور کتے کو پایا ہے اور وہ اس کو مار چکا ہے تو پھر تم اس کو نہ کھاؤ۔

(صحیح مسلم: ۱۹۲۹، کتاب الصید والذبائح، باب الصید بالکلاب المعلمہ)

امام طحاوی نے ذکر کیا ہے کہ سعید بن جبیر نے حضرت عدی بن حاتم سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، میں نے کہا: ہم شکار کرنے والے لوگ ہیں، ہم میں سے کوئی ایک شکار پر تیر مارتا ہے، پھر وہ شکار ایک رات یا دو راتوں تک غائب رہتا ہے، پھر اس کے بعد وہ شکار مل جاتا ہے تو اس میں اس کا تیر بھی ہوتا ہے۔آپ نے فرمایا: جب تم اس میں اپنا تیر پاؤ

اور اس میں کسی درندے کے کھانے کا اثر نہ ہو اور تم کو یہ معلوم ہو کہ تمہارے تیر نے اس جانور کو قتل کیا ہے تو تم اس سے کھالو۔
(مختصر اختلاف العلماء ج ۳ ص ۹۶)

ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھنے کے حکم کی تفصیل

راشد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے خواہ اس نے بسم اللہ نہ پڑھی ہو، جب کہ اس نے عمداً بسم اللہ کو ترک نہ کیا ہو، یہ حدیث مرسل ہے اور راشد ضعیف ہے۔

اور ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ ان کا استدلال اس آیت سے ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ (الاحزاب:۵) اور اگر تم نے غلطی سے بلا ارادہ کہا ہے تو اس میں تم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت سے خطاء اور نسیان کو اٹھالیا گیا ہے۔ (المحلی ج ۷ ص ۴۱۳)

اور ابراہیم بن المنذر متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جب ذبح کرے تو کہے: ''بسم اللہ واللہ اکبر'' اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی یہی کہتے تھے اور امام احمد بن حنبل اور فقہاء احناف نے بھی یہی کہا ہے۔
(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۸۰۔۷۹، المغنی ج ۵ ص ۲۹۹)

اللیث نے کہا ہے کہ ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کا نام ذکر نہ کرے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھے۔

اور امام شافعی نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔
(کتاب الام ج ۵ ص ۲۱۲)

حضرت عدی بن حاتم کی حدیث کے فوائد

(۱) کلب معلم یعنی سدھائے ہوئے شکاری کتے کا شکار کو قتل کر دینا ذبح ہے۔

(۲) جب شکاری کتا شکار سے خود کھالے تو وہ سدھایا ہوا کتا نہیں ہے، یعنی کلب معلم نہیں ہے۔ (یہ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے)۔

(۳) جب شکار کے ذبح ہونے میں شک ہو تو اس کو نہ کھایا جائے، کیونکہ اصل یہ ہے کہ بغیر ذبح کے شکار حرام ہے، پس اگر اس شکار کے ساتھ غیر کلب معلم مل گیا تو اس کے ذبح ہونے میں شک واقع ہو گیا۔ اور یہ امام مالک کا مذہب ہے۔

(۴) جب شکار پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو اس کا کھانا ممنوع ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: تم نے اپنے شکاری کتے پر بسم اللہ پڑھی ہے اور دوسرے شکاری کتے پر بسم اللہ نہیں پڑھی۔

(۵) معراض اس وزن دار لاٹھی کو کہتے ہیں جس کی طرف میں دھار ہو، جس سے شکار کو مارا جائے اور کبھی دھار کے بغیر شکار کو مارا جاتا ہے۔ پس جو شکار اس کی دھار سے مر جائے تو وہ تو ذبیحہ ہے اور جو شکار اس لاٹھی کی چوڑائی سے مرے تو وہ موقوذہ ہے۔

اور ہروی نے کہا کہ معراض اس کو کہتے ہیں کہ جس کے آخر میں نہ تیر کا پر ہو اور نہ پیکان ہو۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۳۲۹۔۳۱۶ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: علامہ ابن ملقن کی شرح بہت طویل اور مفصل ہے، ہم نے ان کی شرح سے اس حصہ کو ترک کر دیا ہے جس کا ذکر علامہ عینی کی شرح میں آچکا ہے تاکہ قارئین کو تکرار محسوس نہ ہو اور علامہ ابن ملقن کی شرح میں ہمارا یہی اسلوب ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اور علامہ شہاب الدین القسطلانی متوفی ۹۱۱ھ نے بھی اس باب اور اس حدیث کی اسی طرح شرح کی ہے، اس لیے ہم نے ان کی شروحات کو بھی ترک کر دیا ہے۔

بابِ مذکور کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی التوفی ۱۴۲۱ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

ذبائح اور صید کے معانی

شکار پر بِسْمِ اللهِ پڑھنے کا حکم ظاہر ہے کہ یہ امام بخاری کے اسلوب سے ہے اور ذبائح پر بِسْمِ اللهِ پڑھنا واجب نہیں ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ ذبائح پر بھی بِسْمِ اللهِ پڑھنا واجب ہے جیسا کہ شکار پر بِسْمِ اللهِ پڑھنا واجب ہے۔

ذبائح، ذبیحة کی جمع ہے اور یہ مذبوحہ کے معنی میں ہے اور ذبح کا معنی ہے: کسی دھار والی چیز سے ذبح کی جگہ سے خون بہانا۔ اور یہ ذبح گردن میں ہوتا ہے یا کسی اور بدن کی جگہ سے، جب گردن سے خون بہانا مشکل ہو مثلاً کوئی جانور کنویں میں گر جائے اور اس کی گردن پر چھری پھیرنا ممکن نہ ہو تو اس وقت ممکن ہے کہ اس کے بدن کی کسی جگہ سے بھی خون کو بہا دیا جائے، مثلاً اس کے پیٹ سے خون بہا دیا جائے یا اس کی ران سے خون بہا دیا جائے یا اس کے بدن کے کسی حصہ سے خون بہا دیا جائے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بہائم وحشی ہوتے ہیں جیسے وحشی جانور ہوتے ہیں، سو جو جانور تم سے بھاگ جائے اس کے ساتھ اس طرح کرو اور صحابہ میں سے کسی ایک کا اونٹ جب بھاگ جاتا تو وہ اس کو کاٹ دیتے حتیٰ کہ اس کو روک لیتے اور وہ مر جاتا۔ اس وقت آپ نے یہ ارشاد فرمایا: رہا صید یعنی شکار تو اس کا اطلاق مصدر پر ہے جو شکار کرنے والے یعنی صاعد کا فعل ہے اور اس کا اطلاق مفعول پر بھی ہوتا ہے جو مصید ہے۔ اور اس پر اللہ کا نام پڑھنا، وہ "بسم الله والله اکبر پڑھنا" ہے۔

المائدہ: ۹۴ کی تفسیر

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وقوله تعالیٰ: يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (المائدہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ تم کو ضرور ایسے شکار سے آزمائے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں گے تاکہ اللہ یہ ظاہر کر دے کہ کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے، سو جس نے اس (تنبیہ) کے بعد حد سے تجاوز کیا، اس کے لیے درد ناک عذاب ہے ○ (المائدہ: ۹۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کا امتحان لیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حالتِ احرام میں ان کے اوپر شکار کرنے کو حرام قرار دیا۔ پھر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کی آزمائش کا ارادہ فرمایا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کبھی خیر کے ساتھ آزمائش میں مبتلا کرتا ہے

اور کبھی شر کے ساتھ۔ وہ دیکھتا ہے کہ بندے اس کا شکر ادا کرتے ہیں یا ناشکری کرتے ہیں اور کبھی شر میں مبتلا کرتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ وہ صبر کرتے ہیں یا جذع اور فزع کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۝ (الانبیاء: ۳۵)

اور ہم تم کو بُری اور اچھی حالت میں مبتلا کر کے آزماتے ہیں، اور تم سب لوگ ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے O

سو اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی شکار کے ساتھ آزمائش کی، کیونکہ وحشی جانور اور پرندے ان کے نیزوں اور ان کے ہاتھوں سے شکار کرنے کی زد میں تھے، وہ چاہتے تو نیزوں سے وحشی جانوروں کا شکار کر لیتے یا ہاتھوں سے پرندوں کو پکڑ لیتے۔ اور وہ اس وقت حدیبیہ میں مُحرم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهُ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (المائدہ)

تا کہ اللہ یہ ظاہر کر دے کہ کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے، سو جس نے اس (تنبیہ) کے بعد حد سے تجاوز کیا، اس کے لیے دردناک عذاب ہے O (المائدہ: ۹۴)

علمِ ازلی اور علمِ تقدیر کا فرق

اس آیت میں فرمایا تا کہ اللہ جان لے کہ کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے۔ اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اس آزمائش سے پہلے بھی جانتا تھا، اور وہ اس کا علمِ ازلی ہے، لیکن علمِ ازلی پر جزاء مرتب نہیں ہوتی، اور اس آزمائش پر جزاء مرتب ہوگی۔ اس وجہ سے علماء نے اس سوال کے جواب میں یہ کہا ہے کہ اس آیت میں علم سے مراد وہ علم ہے جس پر جزاء مرتب ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا جو علم سابق ہے اس پر جزاء مرتب نہیں ہوتی، کیونکہ اس علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو مکلف نہیں کیا، کیونکہ اللہ عزوجل ہمیشہ سے ماضی اور مستقبل کو جاننے والا ہے۔

اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ تا کہ ہم جان لیں کا معنی یہ نہیں ہے کہ تا کہ ہمیں علم ہو جائے، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم اپنے علم کو ظاہر کر دیں، کیونکہ پہلا علم، علمِ تقدیر ہے اور دوسرا علم، علمِ ظہور ہے۔ بہر حال یہ آیت آیاتِ متشابہات میں سے ہے، اسی وجہ سے غالی معتزلہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کے افعال کا اس وقت تک علم نہیں ہوتا جب تک کہ بندے وہ افعال کر نہیں لیتے اور آیاتِ متشابہات سے گمراہ لوگ استدلال کرتے ہیں جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے اور مومنین اس آیت کو محکمہ پر محمول کرتے ہیں اور ان کے نزدیک تمام آیات محکمہ ہیں، اور یہ اس صورت میں ہوگا جس طرح ہم نے اس آیت کا معنی بیان کیا ہے۔ یعنی یا تو اس آیت میں علم سے مراد علمِ تقدیر ہے جس پر کوئی جزاء مرتب نہیں ہوتی اور یا اس سے مراد علمِ ظہور ہے جس پر جزاء مرتب ہوتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور بنی اسرائیل کی آزمائش کا فرق

اس آیت میں فرمایا: تا کہ اللہ تعالیٰ یہ ظاہر کر دے کہ کون اس سے ڈرتا ہے۔ کیونکہ جو غائبانہ اللہ سے ڈرتے ہیں وہ لوگوں سے نہیں ڈرتے، وہ صرف اللہ سے ڈرتے ہیں۔ پس صحابہ اللہ تعالیٰ سے غائبانہ ڈرتے تھے اور انہوں نے حالت احرام میں کبھی بھی شکار نہیں کیا اور جب تم اس واقعہ کا بنی اسرائیل کے حال سے مقابلہ کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں اور بنی

اسرائیل میں کیا فرق ہے۔ پس بنی اسرائیل پر جب ہفتہ کے دن مچھلیوں کے شکار کو حرام قرار دیا گیا تو انہوں نے حیلہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس آزمائش میں مبتلا کیا کہ ہفتہ کے دن مچھلیاں بہت زیادہ آتی تھیں اور ہفتہ کے علاوہ دوسرے دنوں میں مچھلیاں بہت کم آتی تھیں، تو انہوں نے العیاذ باللہ حیلہ کیا اور جمعہ کے دن جال ڈال دیا، پس مچھلیاں اس جال میں آ جاتیں اور اتوار کے دن وہ اس جال کو نکال لیتے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا حیلہ کسی حرام کو حلال نہیں کرتا۔

تنبیہ: شیخ عثیمین نے المائدہ: ۱، ۲ کی بھی تفسیر کی ہے لیکن اس کی تفسیر وہی ہے جو علامہ عینی اور علامہ ابن الملقن کی شرح میں آ چکی ہے، تاہم المائدہ: ۳ کی تفسیر جو انہوں نے کی ہے اس کا بعض حصہ ہم نقل کر رہے ہیں۔

المائدہ: ۳ کی تفسیر (اس کی توجیہ کہ المائدہ: ۳ میں فرمایا: مردار کو حرام کیا گیا اور یہ نہیں فرمایا کہ مردار کو ہم نے حرام کیا)

اس آیت میں فرمایا ہے: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ (تم پر مردار حرام کر دیا گیا ہے)۔ یہاں پر یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے تم پر مردار کو حرام کر دیا ہے، کیونکہ المائدہ: ۱ میں فرمایا ہے:

أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ ۔ (المائدہ: ۱)

تمہارے لیے ہر قسم کے چار پاؤں والے جانور حلال کیے گئے ہیں، ماسوا ان کے جن کا حکم تم پر آئندہ تلاوت کیا جائے گا، لیکن تم حالتِ احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھنا۔

چونکہ المائدہ: ۱ میں فرمایا تھا: ''تم پر چار پاؤں والے جانور حلال کئے گئے ہیں'' اور یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم پر چار پاؤں والے جانوروں کو ہم نے حلال کیا ہے، اس لیے المائدہ: ۳ میں فرمایا: ''تم پر مردار کو حرام کر دیا گیا ہے'' اور یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے تم پر مردار کو حرام کر دیا ہے، تا کہ المائدہ: ۱ اور المائدہ: ۳ میں مناسبت رہے۔

مُردار کی تعریف

علماء نے کہا ہے: مردار وہ جانور ہے جو بغیر ذبحِ شرعی کے مر گیا، یہ اس کو شامل ہے جو طبعی موت سے مر گیا اور اس کو بھی شامل ہے جو بغیر ذبحِ شرعی کے مر گیا اور اگر کوئی حیوان بیمار ہو اور وہ مر جائے تو وہ حلال نہیں ہے کیونکہ اس کو ذبح نہیں کیا گیا اور جو بغیر ذبحِ شرعی کے مر جائے وہ مُردار ہے۔

خون کی تعریف

خون سے مراد معروف خون ہے لیکن یہاں مراد ہے کہ موت سے پہلے جو جانور سے خون نکلتا ہے، سو وہ حرام ہے، لیکن ذبحِ شرعی کے بعد جو جانور سے خون نکلتا ہے تو وہ حلال ہے۔ سو زندہ جانور سے جو خون نکلے وہ حرام ہے۔ اور زمانۂ جاہلیت میں جب لوگوں کو بھوک لگتی تو وہ زندہ جانور کا خون نکال کر پی لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بندوں پر حرام کر دیا ہے۔

خنزیر کا گوشت

خنزیر ایک مشہور و معروف جانور ہے اور یہ خبیث حیوان ہے جس میں غیرت نہیں ہوتی، اور کئی نر قطار باندھ کر مادہ کے ساتھ

جنسی فعل کرتے رہتے ہیں اور ان کو اس پر غیرت نہیں آتی۔ اس کا گوشت اور اس کی چربی صحت کے لیے مضر ہے۔ اس آیت میں خنزیر کا گوشت فرمایا ہے کیونکہ اکثر خنزیر کے گوشت کا قصد کیا جاتا ہے ورنہ خنزیر کا گوشت بھی حرام ہے، اس کی چربی اس کی آنتیں، اس کا خون اور اس کی ہر چیز حرام ہے۔

جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو

یعنی ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا جائے بلکہ کہا جائے کہ مسیح کے اسم سے ذبح کرتا ہوں یا اسمِ محمد سے ذبح کرتا ہوں، یا اسمِ جبرائیل سے، یا اسمِ میکائیل سے یا اسمِ فلاں سے، سو یہ حرام ہے، کیونکہ ذبیحہ پر ذبح کے وقت صرف اسی کا نام لیا جائے گا جس نے اس ذبیحہ کو پیدا کیا ہے۔ اور اسی کا کھانا ہمارے لئے جائز قرار دیا گیا ہے اور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا اس کا کھانا ہمارے اوپر حرام ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کسی اور کے نام کو ملا کر ذبح کیا جائے، پھر بھی ذبیحہ حرام ہے۔

تنبیہ: اس کے بعد شیخ عثیمین نے المنخنقہ، الموقوذۃ، المتردیۃ وغیرہ کی شرح کی ہے اور چونکہ یہ شرح تفصیل سے علامہ عینی کی شرح میں آ چکی ہے، اس لیے یہاں ہم نے ان کی شرح کے اس حصہ کو ترک کر دیا۔

نیز المائدہ: ۳ میں فرمایا اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ۔

شیخ عثیمین لکھتے ہیں: الحمد للہ! اب دین کامل ہے اور اس دین میں کسی وجہ سے کوئی نقص نہیں ہے، نہ عبادات میں، نہ معاملات میں، اور نہ اخلاق میں اور نہ سلوک میں، یہ دین ہر اعتبار سے کامل ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں نے تم پر اپنی نعمت کو مکمل کر دیا''۔ یعنی یہ نعمت دین کی نعمت ہے اور یہ مال اور اولاد اور بیویوں اور مکانوں اور سواریوں کی کثرت کی وجہ سے نہیں ہے، پس نعمت کا مکمل ہونا دنیا اور آخرت کی سعادت کی وجہ سے ہے۔

(شرح صحیح البخاری: ج ۵ ص ۲۱۸۔ ۲۱۰ ملخصاً وملتقطاً، مکتبۃ الطبری القاہرہ، مصر ۱۴۲۹ھ)

۲۔ بَابُ: صَيْدِ الْمِعْرَاضِ — بے پر کے تیر یعنی لاٹھی وغیرہ سے شکار کا بیان

باب مذکور کی شرح از باب علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں المعراض سے شکار کا حکم بیان کیا گیا ہے، معراض کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

المِعراض: اس لفظ میں میم کے نیچے زیر ہے اور عین ساکن ہے اور آخر میں ضاد ہے، خلیل اور دوسرے ائمہ لغت نے کہا کہ یہ وہ تیر ہے جس کا پر نہ ہو اور نہ پیکان ہو، (خالی لکڑی ہو)۔

اور الخطابی نے کہا: معراض ایک وزنی لکڑی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایک ایسی لکڑی ہے جس کی دونوں طرفیں دھاری دار ہوتی ہیں اور درمیانی حصہ موٹا ہوتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایک بوجھل لکڑی ہے اور اس کے آخر میں دھاری دار لکڑی ہوتی ہے اور کبھی دھاری دار نہیں ہوتی۔

اور علامہ ابن التین نے کہا: مِعراض ایک لاٹھی ہے جس کی طرف میں دھار ہوتی ہے، شکاری اس لاٹھی کو شکار پر مارتا ہے۔ پس

شکار پر اگر اس کی دھار لگے تو وہ ذبیحہ ہے اور وہ کھایا جائے گا اور جو بغیر دھار کے اس کا حصہ شکار پر لگے تو وہ موقوذ ہ ہے اور یہی اس حدیث کا معنی ہے کہ وقیذ فعیل کے وزن پر ہے جو کہ مفعول کے معنی میں ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ فِي الْمَقْتُولَةِ بِالْبُنْدُقَةِ تِلْكَ الْمَوْقُوذَةُ (الموطا لامام مالک ج ۲ ص ۴۹۱، مصنف عبد الرزاق: ۸۵۳۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۴۶، سنن بیہقی ج ۹ ص ۲۴۹)۔ وَكَرِهَهُ سَالِمٌ وَالْقَاسِمُ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۴۷)۔ وَمُجَاهِدٌ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۴۶)۔ وَإِبْرَاهِيمُ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۴۷)۔ وَعَطَاءٌ۔ (مصنف عبدالرزاق: ۸۵۲۷)۔ وَالْحَسَنُ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۴۷)۔ وَكَرِهَ الْحَسَنُ رَمْيَ الْبُنْدُقَةِ فِي الْقُرَى وَالْأَمْصَارِ وَلَا يَرَى بَأْسًا فِيمَا سِوَاهُ۔ (اس کی تخریج نہیں مل سکی)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: جو شکار غلیل کی گولی سے مرجائے وہ موقوذ ۃ ہے، یعنی وہ چوٹ لگنے سے مرا ہے۔ اور سالم اور قاسم نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور مجاہد نے بھی اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور ابراہیم نخعی نے بھی اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور عطاء نے بھی اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور حسن بصری نے بھی اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور حسن بصری نے کہا کہ بستیوں اور شہروں میں غلیل کی گولی سے شکار کرنا مکروہ ہے۔ اور ان کے سوا دوسری جگہوں میں غلیل کی گولی سے شکار کرنا مکروہ نہیں ہے۔

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: جو جانور غلیل کی گولی لگنے سے مرجائے، وہ موقوذ ہ ہے۔

اس تعلیق پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جو اثر اس تعلیق میں ذکر کیا گیا ہے اور اسی طرح اس باب میں اور دیگر آثار جو ذکر کیے گئے ہیں، ان کی کوئی مناسبت نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

اس میں ایک عمدہ مناسبت ہے اور وہ یہ ہے کہ جو جانور غُلیل کی گولی لگنے سے مرجائے وہ موقوذہ ہے۔ یعنی وہ چوٹ لگنے سے مرا ہے، جیسا کہ بغیر دھار کی لکڑی لگنے سے جو جانور مرتا ہے وہ موقوذ ۃ ہوتا ہے اور اتنی مقدار اس تعلیق کی مطابقت کے لیے کافی ہے۔ اس لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ غلیل کی گولی لگنے سے جو جانور مرجائے وہ موقوذ ۃ ہے۔ (کیونکہ غلیل کی گولی میں دھار نہیں ہوتی اور جب وہ گولی جانور کو لگے گی اور اس کی چوٹ سے جانور مرے گا تو وہ ایسا ہے جیسا لکڑی مارنے سے کوئی جانور مر گیا ہے۔ اس کے برخلاف جو بندوق سے فائر کر کے جانور کو ہلاک کیا جائے، کیونکہ بندوق کی گولی میں دھار ہوتی ہے جو جانور کے جسم کو چیرتی ہے اور اس سے اس کا خون نکلتا ہے، اس لیے اگر بسم اللہ پڑھ کر بندوق سے فائر کیا جائے اور جانور مرجائے تو وہ جانور حلال ہوگا اور ذبح کے حکم میں ہوگا اور غلیل کی گولی جو سوکھی ہوئی مٹی سے بنی ہوتی ہے یا چھوٹے پتھروں سے بنی ہوتی ہے، ان میں دھار نہیں ہوتی، وہ جب جانور کے جسم پر لگے گی اور وہ مرے گا تو وہ اس گولی کے وزن، بوجھ اور چوٹ سے مرے گا، اس میں دھار نہیں ہوتی اور اس میں خون نہیں نکلتا۔ سعیدی غفرلہ)

اور اس کے بعد اس تعلیق میں مذکور ہے:

اور سالم اور قاسم نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے اور مجاہد، ابراہیم نخعی، عطاء بن ابی رباح اور حسن بصری نے بھی اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور حسن بصری نے کہا کہ بستیوں اور شہروں میں غلیل کی گولی سے شکار کرنا مکروہ ہے۔ اور ان کے سوا دوسری جگہوں میں غلیل کی گولی سے شکار کرنا مکروہ نہیں ہے۔

تنبیہ: علامہ عینی نے ان فقہاء تابعین کے حوالہ جات بھی ذکر کیے ہیں جن کو ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

۵۴۷۶۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي السَّفَرِ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عَدِيَّ بْنَ حَاتِمٍ رضی الله عنه قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الْمِعْرَاضِ فَقَالَ إِذَا أَصَبْتَ بِحَدِّهِ فَكُلْ فَإِذَا أَصَابَ بِعَرْضِهِ فَقَتَلَ فَإِنَّهُ وَقِيذٌ فَلَا تَأْكُلْ فَقُلْتُ أُرْسِلُ كَلْبِي قَالَ إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ وَسَمَّيْتَ فَكُلْ قُلْتُ فَإِنْ أَكَلَ قَالَ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّهُ لَمْ يُمْسِكْ عَلَيْكَ إِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ قُلْتُ أُرْسِلُ كَلْبِي فَأَجِدُ مَعَهُ كَلْبًا آخَرَ قَالَ لَا تَأْكُلْ فَإِنَّكَ إِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلَى كَلْبِكَ وَلَمْ تُسَمِّ عَلَى آخَرَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبد اللہ بن ابی السفر از الشعبی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے المعراض کے متعلق سوال کیا، آپ نے فرمایا: جو جانور اس کی دھار سے مرجائے سو تم اس کو کھالو اور جس جانور پر اس کا عرض (چوڑائی) لگے جس سے وہ جانور مرجائے تو وہ موقوذۃ ہے (یعنی چوٹ لگنے سے مرا ہے)، سو تم اس کو نہ کھاؤ۔ حضرت عدی نے کہا: میں نے پوچھا: میں اپنا کتا بھیجتا ہوں، آپ نے فرمایا: جب تم نے اپنا کتا بھیجا اور تم نے بسم اللہ پڑھی تو تم اس کو کھالو، میں نے پوچھا: پس اگر وہ کتا خود بھی کھالے؟ آپ نے فرمایا: پھر تم نہ کھاؤ، کیونکہ اس نے وہ شکار تمہارے لیے نہیں کیا، اس نے وہ شکار اپنے نفس کے لیے کیا۔ میں نے پوچھا: میں اپنا کتا بھیجتا ہوں، پھر میں شکار کے ساتھ ایک اور کتے کو بھی پاتا ہوں، آپ نے فرمایا: تم نہ کھاؤ، کیوں کہ تم نے اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھی تھی اور دوسرے کتے پر بسم اللہ نہیں پڑھی تھی۔

(صحیح البخاری: ۱۷۵، ۲۰۵۴، ۵۴۷۵، ۵۴۷۶، ۵۴۷۷، ۵۴۸۳، ۵۴۸۴، ۵۴۸۵، ۵۴۸۶، ۵۴۸۷، ۷۳۹۷، صحیح مسلم: ۱۹۲۹، سنن ترمذی: ۱۴۷۰، سنن نسائی: ۴۲۷۲، سنن ابوداؤد: ۲۸۵۴، سنن ابن ماجہ: ۳۲۰۸، مسند احمد: ۱۸۱۷۷، سنن دارمی: ۲۰۰۲)

صحیح البخاری: ۵۴۷۶ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے اور اس سے پہلے باب میں اس حدیث کی شرح گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں ارشاد ہے: ''کیونکہ اس نے تمہارے لیے وہ شکار نہیں کیا ہے'' اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ (المائدہ: ۴) سو اس (شکار) سے کھاؤ جس کو وہ (شکاری جانور) تمہارے لیے

روک رکھیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس جانور کے ساتھ شکار کیا جائے، وہ سدھایا ہوا ہو، نیز وہ زخمی کرنے والا بھی ہو، اس کو بسم اللہ پڑھ کر بھیجا جائے، اس بھیجے ہوئے جانور کے ساتھ دوسرا جانور شریک نہ ہو اور وہ جس جانور کا شکار کرے وہ بھی فی نفسہٖ حلال ہو۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

غلیل کی گولی سے کیے ہوئے شکار کے متعلق فقہاءِ اسلام کے نظریات

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ ہم نے جن سے روایت کی ہے، انہوں نے غلیل کی گولی سے شکار کو مکروہ قرار دیا ہے اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابراہیم نخعی متوفی ۹۶ھ، امام مالک متوفی ۱۷۹ھ، ثوری، امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ، اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور ابوثور ہیں۔ اور ہم نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: کہ تم میں سے کوئی آدمی اس سے بچے کہ وہ خرگوش کو مٹی کے ڈھیلے یا لاٹھی یا پتھر سے مارے اور پھر اس کو کھائے۔

اور امام ابن ابی شیبہ نے از ابن عُیینہ از عمرو بن سعید از عمار روایت کی ہے کہ جب تم نے پتھر سے یا غلیل کی گولی سے جانور کو مارا، پھر تم نے بسم اللہ پڑھی تو تم اس کو کھالو خواہ اس ضرب سے وہ مرگیا ہو۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ ہر وحشی جانور جس پر تم نے لاٹھی ماری یا پتھر مارا یا غلیل کی گولی ماری اور تم نے اس پر بسم اللہ پڑھی تو تم اسے کھالو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۵۲)

مِعراض سے شکار کے مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث پر عمل کیا جائے گا

علامہ ابن المنذر نے بھی ان آثار کو نقل کیا ہے اور یہ فیصلہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔ جب لاٹھی کی دھار سے جانور مرے جو دھار جانور کو چیرے یا پھاڑے تو وہ کھایا جائے گا اور جو جانور لاٹھی کی چوڑائی سے مرا ہو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ ائمہ اربعہ، ثوری، اسحاق اور ابوثور کا یہی قول ہے۔ اور الشعبی اور ابن جبیر نے کہا: وہ کھایا جائے گا جب وہ دھار سے زخمی ہو جائے۔

امام طحاوی نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ جب مِعراض شکار یا جانور کو زخمی کردے اور ذبح کی جگہوں سے تجاوز نہ کرے تو اس کو کھایا جائے گا اور اگر اس نے لکڑی یا عصا سے مارا اور زخمی کردیا تو اس کو کھایا جائے گا اور اسی طرح اگر اس نے نیزہ مارا یا کوئی اور لوہے کا ہتھیار مارا تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اور امام اوزاعی یہ کہتے تھے کہ مِعراض جب جانور یا شکار کو زخمی کردے یا نہ کرے تو بھی اس کو کھایا جائے گا اور حضرت ابودرداء اور فضالہ اور مکحول اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

رہا غلیل اور پتھر سے مارنا تو اکثر علماء کے نزدیک اس کا شکار مکروہ ہے اور ان کے نزدیک یہ موقوذۃ ہے یعنی چوٹ کھا کر مارا ہوا

ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ غلیل سے مارنے کے بعد اگر تم اس کو ذبح کر سکو تو کر لو۔

شکاری پرندوں اور شکاری کتوں کے کیے ہوئے شکار کی تفصیل

اور شکاری پرندوں نے اگر جانور کو قتل کر دیا اور خون نہیں بہایا تو اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی نے کہا کہ اس کو نہیں کھایا جائے گا حتیٰ کہ وہ زخمی ہو جائے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ کھایا جائے گا۔

اور ابن القاسم مالکی اور اشعب مالکی کا بھی ان دو قولوں کی تفریع پر اختلاف ہے۔ ابن القاسم نے کہا: اس وقت تک نہیں کھایا جائے گا حتیٰ کہ اس کو زخمی کر دے اور خون بہائے۔ اور اشعب مالکی نے کہا: اگر شکاری کتے کے شکار کو گرانے سے وہ شکار گر گیا تو اس شکار کو کھایا جائے گا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۳۳۷۔۳۳۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۶ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

غلیل اور بندوق سے کیے ہوئے شکار کا فرق

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے البندقۃ سے کیے ہوئے شکار کو موقوذہ فرمایا ہے۔ ان آثار میں البندقۃ سے مراد غلیل ہے اور اس سے مراد معروف بندوق نہیں ہے جس میں رصاص یعنی سیسہ کی گولی ہوتی ہے جو اپنے نفوذ کی قوت سے اپنے نشانہ کو ہلاک کر دیتی ہے، اور ان آثار میں البندقۃ سے مراد غلیل ہے جس میں وہ گٹھلی کے برابر کوئی کنکری رکھ کر اس غلیل کو اپنے ہاتھ سے مارتے تھے، پس بسا اوقات وہ کسی پرندے کو لگ جاتی اور اس گولی کے لگنے سے جو پرندہ گر کر مر جائے تو وہ بھی حلال نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے وزن کی وجہ سے اور ثقل کی وجہ سے مارتا ہے اور وہ اور غلیل کی گولی اس میں نفوذ نہیں کرتی، لیکن معروف بندوق میں جو سیسہ کی گولی ہوتی ہے، وہ شکار کے جسم میں نفوذ کر جاتی ہے جس سے اس کا خون بہتا ہے اور وہ مر جاتا ہے۔ سو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر بسم اللہ پڑھ کر فائر کیا جائے اور شکار مر جائے تو وہ حلال ہے۔ اور غلیل کا استعمال یا اس کے مشابہ کسی چیز کا استعمال کرنا مکروہ ہے، کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ اس کی گولی نہ تو دشمن کو زخمی کرتی ہے اور اس کی گولی کسی کی آنکھ پھوڑ دیتی ہے یا کسی کا دانت توڑ دیتی ہے تو بستیوں اور شہروں میں اس کے استعمال سے منع کیا جائے گا اور جنگلات اور ویرانوں میں اس کے استعمال سے منع نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہاں کسی ضرر کا خطرہ نہیں ہے۔

سوال: سدھائے ہوئے کتے کے شکار کے بعد کیا شکار کو دھویا جائے گا؟

جواب: بعض علماء نے کہا: اس کو سات مرتبہ دھویا جائے گا اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ اس کو دھونا واجب نہیں ہے، کیونکہ اس کو دھونے میں مشقت ہے اور اللہ تعالیٰ نے شکار کو مطلقاً حلال قرار دیا ہے اور اس کو دھونے کا حکم نہیں دیا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کا مشاہدہ کرتے تھے اور وہ شکار کو دھوتے نہیں تھے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۲۲، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۳۔ بَابُ: مَا أَصَابَ الْمِعْرَاضُ بِعَرْضِهٖ

لکڑی کے عرض (یعنی چوڑائی) سے مارے ہوئے شکار کا بیان

۵۴۷۷۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّا نُرْسِلُ الْكِلَابَ الْمُعَلَّمَةَ قَالَ كُلْ مَا أَمْسَكْنَ عَلَيْكَ قُلْتُ وَإِنْ قَتَلْنَ قَالَ وَإِنْ قَتَلْنَ قُلْتُ وَإِنَّا نَرْمِي بِالْمِعْرَاضِ قَالَ كُلْ مَا خَزَقَ وَمَا أَصَابَ بِعَرْضِهٖ فَلَا تَأْكُلْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از منصور از ابراہیم از ہمام بن الحارث از حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم سدھائے ہوئے کتوں کو چھوڑتے ہیں، آپ نے فرمایا: جس کو وہ تمہارے لیے شکار کریں اس کو کھالو، میں نے پوچھا: خواہ وہ اس کو ہلاک کردیں، آپ نے فرمایا: خواہ وہ اس کو ہلاک کردیں، میں نے پوچھا: ہم مِعراض (یعنی دھار والی لاٹھی) کو شکار پر مارتے ہیں، آپ نے فرمایا: جو شکار کو زخمی کردے اس کو کھالو اور جو اس کی چوڑائی کی ضرب سے مرے، اس کو نہ کھاؤ۔

(صحیح مسلم: ۱۹۲۹، سنن ترمذی: ۱۴۶۵، سنن نسائی: ۴۲۶۵، سنن ابوداؤد: ۲۸۴۷، سنن ابن ماجہ: ۳۲۰۸، ۳۲۱۴، مسند احمد: ۱۸۸۸۲)

صحیح البخاری: ۵۴۷۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''خَزَقَ'' اور ''خَسَقَ'' کے معانی

یہ اس حدیث کی دوسری سند ہے، اس میں ارشاد ہے: ''کل ما خزق'' یعنی جو نفوذ کر جائے، کہا جاتا ہے: ''سھم خازق'' یعنی وہ تیر جو شکار میں نفوذ کر جائے، اور خَسَقَ بھی کہا جاتا ہے، یعنی جب تیر شکار کو لگ کر اس میں نفوذ کر جائے۔ اور سھم خازق اور خاسق دونوں لفظ کہے جاتے ہیں۔

علامہ ابن التین نے کہا کہ خزَقَ کا معنی ہے: ''لاٹھی کی دھار سے شکار زخمی ہو جائے''۔ اور لغت میں خزق کا معنی زخمی کرنا ہے۔

مِعراض سے کیے ہوئے شکار سے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: جو لاٹھی کی چوڑائی سے مرا۔ یعنی لاٹھی کی دھار سے زخمی نہیں ہوا تو اس کو تم مت کھاؤ۔ اسی کے مطابق امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ، امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ کا قول ہے۔

اور شعبی اور ابن جبیر نے کہا ہے کہ وہ جانور کھایا جائے گا جب وہ جانور زخمی ہو جائے اور ذبح کی جگہ تک زخم پہنچ جائے۔

اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ امام اوزاعی، مکحول اور فقہاء شام کا مذہب یہ ہے کہ مِعراض نے جس جانور

کو ہلاک کر دیا اس کو کھانا جائز ہے خواہ زخمی کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

اور حضرت ابودرداء اور فضالہ بن عبید اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

(عمدۃ القاری ج۲۱ ص۱۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ اگر معراض سے کیے ہوئے شکار کو معراض کی دھار نہ لگے اور وہ زخمی نہ ہو تو وہ لاٹھی کی ضرب سے مرا ہے اور موقوذہ ہے اور قرآن مجید اور اس حدیث صحیح میں اس کے کھانے کو حرام قرار دیا ہے، لہٰذا جن بعض فقہاء نے معراض سے کیے ہوئے شکار کو مطلقاً حلال قرار دیا ہے ان کا قول ساقط الاعتبار ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۷ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث سے شیخ عثیمین کا المعراض اور سدھائے ہوئے کتے کے شکار کے درمیان فرق کرنا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہم سدھائے ہوئے کتوں کو چھوڑتے ہیں، تو آپ نے فرمایا: انہوں نے جو تمہارے لیے شکار کیا ہے، اس کو تم کھالو، میں نے پوچھا: خواہ وہ اس کو مار ڈالیں۔ آپ نے فرمایا: خواہ وہ اس کو مار ڈالیں۔ (صحیح البخاری: ۵۴۷۷)

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سدھائے ہوئے کتے کے شکار میں خون کا بہانا شرط نہیں ہے، اور کتا جب شکار کر کے اس کا گلہ گھونٹ دے اور اس کا گلہ گھونٹا ہوا لے آئے تو وہ حلال ہے، کیونکہ اس پر یہ صادق آئے گا کہ کتے نے اس کو ہلاک کیا ہے۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بیان فرمایا: کہ معراض میں خون کا بہانا ضروری ہے کیونکہ آپ نے فرمایا: جو تمہاری ضرب سے شکار زخمی ہو جائے اس کو کھالو اور جو معراض کی ضرب سے مر جائے اس کو نہ کھاؤ۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ معراض میں اور کتے کے کیے ہوئے شکار میں فرق ہے، پس معراض میں تو خون کا بہانا ضروری ہے اور کتے میں یہ شرط نہیں ہے۔ اور بعض اہل علم کا یہی مذہب ہے اور قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے:

فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ۔ (المائدہ: ۴) سو اس (شکار) سے کھاؤ جس کو وہ (شکاری جانور) تمہارے لیے روک رکھیں۔

اور اسی طرح اس حدیث سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ "جو خون کو بہائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے تو اسے کھالو" اس میں تخصیص ہے، کیونکہ کتا جب شکار کر کے شکار کا گلہ گھونٹ کر لے آئے تو اس کے کھانے کی آپ نے اجازت دی ہے، خواہ خون نہ بہا ہو۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ کتے کے کیے ہوئے شکار میں بھی خون کا بہنا ضروری ہے، کیونکہ اگر کتے نے شکار کا گلہ گھونٹ دیا تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔ پس حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو اطلاق ہے اس کو مقید کیا جائے گا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا: ''جو خون کو بہائے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو اس کو کھالو' اور اس لیے کہ اس میں زیادہ احتیاط ہے، اور جس کا خون بہہ گیا تو وہ زیادہ پاکیزہ ہے، کیونکہ مقتول کے جسم میں خون کا رکا رہنا مُضر ہے، اور خون کے بہانے میں یہی حکمت ہے اور یہ قواعد کے زیادہ قریب ہے اگرچہ پہلا قول قرآن اور حدیث کے ظاہر لفظ کے زیادہ قریب ہے۔

اہلِ کتاب کے طعام کے متعلق بھی مذکور بالا تفصیل

اہلِ کتاب کے طعام کے متعلق بھی یہی تفصیل ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ اگر اہلِ کتاب نے کسی جانور کو ذبح نہیں کیا اور اس کا خون نہیں بہایا تو وہ حلال نہیں ہے۔ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اہلِ کتاب کے ذبیحہ میں بھی خون کا بہانا ضروری ہے، کیونکہ اگر انہوں نے جانور کا گلا گھونٹ دیا اور اس کا خون نہیں بہایا تو وہ ذبح نہیں ہوا۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ۔ (المائدہ:۵) اور اہلِ کتاب کا طعام تمہارے لیے حلال ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۲۴۔ ۲۲۳، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

مصنف کے نزدیک اہلِ کتاب کے ذبیحہ میں بھی خون کا بہنا ضروری ہے اور سدھائے ہوئے کتے کے شکار میں بھی خون کا بہنا ضروری ہے

میں کہتا ہوں: اس آیت میں اہلِ کتاب کے طعام کو مطلقاً حلال فرمایا ہے، خواہ انہوں نے اس جانور کا خون بہایا ہو اور ذبح کیا ہو یا اس کا گلا گھونٹ کر مار دیا ہو، لیکن ان کا یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ المائدہ: ۳ میں گلا گھٹ جانے والے جانور کو بھی حرام قرار دیا ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ۔ (المائدہ:۳) تم پر حرام کیا گیا ہے مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس (جانور) پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، اور گلا گھٹ جانے والا۔

نیز میں کہتا ہوں کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو مذکور ہے کہ ''سدھایا ہوا کتا شکار کو ہلاک کر کے لائے تو اس کو تم کھالو' اس سے بھی یہی مراد لینا چاہیے کہ شکاری کتے نے اس کو زخمی کر کے اس کا خون بہا دیا ہو، ورنہ اگر اس کا گلا گھٹ گیا ہو تو وہ بھی المائدہ: ۳ کی رو سے حرام ہوگا۔ اور اس حدیث سے یہ عموم مراد لینا درست نہیں ہے کہ کتا اس کو ہلاک کر دے پھر بھی اس کو کھالو، خواہ اس کا خون بہا ہو یا نہ بہا ہو اور المعراض کی حدیث بھی اس پر قرینہ ہے اور شیخ عثیمین کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ معراض میں تو خون کا بہنا ضروری ہے ورنہ وہ موقوذہ ہے اور کتا جب ہلاک کر دے تو اس میں خون کا بہنا ضروری نہیں ہے۔ اور انہوں نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث کے اطلاق سے یہ مستنبط کیا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۴۔ بَابُ: صَيْدِ الْقَوْسِ تیر کمان کے ساتھ شکار کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں کمان کے ساتھ شکار کا حکم بیان کیا گیا ہے، القوس کا لفظ مذکر بھی استعمال ہوتا ہے اور مؤنث بھی۔ جو اس کو مؤنث

استعمال کریں وہ کہتے ہیں: اس کی تصغیر ''قُوَیسہ'' ہے اور جو اس کو مذکر استعمال کریں وہ کہتے ہیں: اس کی تصغیر ''قویس'' ہے اور اس کی جمع قسی، اقواس اور قیاس ہے۔ اور قوس آسمان کے ایک برج کا بھی نام ہے، اور اس کا معنی ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ اندازہ کرنا بھی ہے۔ کہا جاتا ہے: ''قس الشیء بغیرہ''

باب مذکور کی تعلیق

وَقَالَ الْحَسَنُ وَإِبْرَاهِيمُ إِذَا ضَرَبَ صَيْدًا فَبَانَ مِنْهُ يَدٌ أَوْ رِجْلٌ لَا تَأْكُلُ الَّذِي بَانَ وَكُلْ سَائِرَهُ وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ إِذَا ضَرَبْتَ عُنُقَهُ أَوْ وَسَطَهُ فَكُلْهُ وَقَالَ الْأَعْمَشُ عَنْ زَيْدٍ اسْتَعْصَى عَلَى رَجُلٍ مِنْ آلِ عَبْدِاللهِ حِمَارٌ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَضْرِبُوهُ حَيْثُ تَيَسَّرَ دَعُوا مَا سَقَطَ مِنْهُ وَكُلُوهُ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۴۴)

حسن بصری اور ابراہیم نخعی نے کہا: جب کسی نے کسی شکار پر تیر مارا، اور اس تیر سے اس کا ہاتھ یا اس کی ٹانگ کٹ کر جدا ہوگئی، تو جو عضو کٹ کر جدا ہوگیا ہے اس کو نہ کھاؤ اور باقی کو کھالو۔ اور ابراہیم النخعی نے کہا: جب تم نے اس کی گردن پر تیر مارا یا اس کی کمر پر تیر مارا تو اس کو کھالو۔ اور الاعمش نے کہا از زید: کہ آلِ عبداللہ کے کسی مرد کا جنگلی گدھا بھڑک گیا، تو اس نے انہیں حکم دیا کہ اس جنگلی گدھے کے جسم کے جس حصہ پر ضرب لگانا میسر ہو، وہ ضرب لگاؤ اور اس کے جسم کا جو حصہ کٹ کر گر جائے اس کو چھوڑ دو اور بقیہ کو کھالو۔

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں حسن بصری اور ابراہیم نخعی کا جو قول ذکر کیا گیا ہے، اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس باب میں اس قول کو ذکر کرنے کی کوئی مناسبت نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس کی مناسبت ہے، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ تیر کمان سے شکار کیا جائے اور اس سے شکار کا ہاتھ یا اس کی ٹانگ کٹ کر الگ ہو جائے۔

اور حسن بصری کے اثر کی امام ابن ابی شیبہ نے از ہشیم از یونس روایت کی ہے کہ ایک مرد نے کسی شکار پر ضرب لگائی، پس اس نے اس کے ہاتھ یا ٹانگ کو الگ کر دیا اور وہ ابھی زندہ تھا، پھر مر گیا تو اس کو تم کھالو اور جو اس کا حصہ اس سے کٹ کر الگ ہو گیا ہے، اس کو نہ کھاؤ، سوائے اس کے کہ تم اس کو ضرب لگاؤ اور وہ اسی وقت مر جائے۔ پس اس صورت میں تم اس پورے شکار کو کھا سکتے ہو۔

اور کتاب الاشراف میں حسن بصری سے اس کے خلاف منقول ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ جب تم شکار کو ضرب لگاؤ تو پورا شکار کھالو، جو کٹ کر الگ ہو گیا اس کو بھی کھالو اور جو باقی ہے اس کو بھی کھالو۔

اور ابراہیم نخعی کے اثر کی بھی امام ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا: ہمیں ابوبکر بن عیاش نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابراہیم از علقمہ، انہوں نے کہا: جب کوئی مرد شکار پر ضرب لگائے اور اس کا ایک عضو کٹ کر گر جائے تو جو عضو کٹ کر گر گیا اس کو چھوڑ دے اور باقی کو کھالے۔ اور جب ابراہیم نے اس اثر کی روایت کی اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تو وہ گویا اس سے راضی ہو گئے۔

نیز اس تعلیق میں مذکور ہے کہ ابراہیم نخعی نے کہا: ''جب تم اس کی گردن پر ضرب لگاؤ یا اس کی پیٹھ پر ضرب لگاؤ تو اس کو کھالو''۔
اس کے بعد اس تعلیق میں مذکور ہے کہ'' آلِ عبداللہ کے کسی مرد کا جنگلی گدھا بھڑک اٹھا تو اس نے انہیں حکم دیا کہ جہاں ہو سکے اس پر ضرب لگاؤ اور جو گر گیا ہے اس کو چھوڑ دو اور باقی کو کھالو''۔

الاعمش، زید اور آلِ عبداللہ کا مصداق

الاعمش کا نام سلیمان ہے اور انہوں نے زید سے روایت کی ہے اور اس سے مراد زید بن وہب ہیں۔ اور اس میں آلِ عبداللہ کا ذکر ہے اور اس سے مراد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی آل ہیں۔ اور اس تعلیق کی امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے از عیسیٰ بن یونس از الاعمش از زید بن وہب سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک مرد نے کسی جنگلی گدھے کے او پر ضرب لگائی اور اس کو کاٹا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو کٹ کر گر گیا ہے اس کو چھوڑ دو اور باقی حصے کو ذبح کر کے اس کو کھالو۔ اور امام ابن ابی شیبہ نے اس قول کی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بھی از الحارث روایت کی ہے۔

جب شکار پر ضرب سے اس کا کچھ حصہ کٹ کر الگ ہو جائے، اس کے متعلق فقہاءِ اسلام کے نظریات

اور علامہ ابراہیم بن المنذر نے اس کی از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے اور قتادہ سے اور عطاء سے روایت کی ہے کہ جو عضو کٹ کر گر گیا ہے اس کو نہ کھاؤ اور شکار کو ذبح کر کے اس کو کھالو۔ اور اگر ضرب لگاتے ہی وہ شکار مر گیا تو پھر اس پورے شکار کو کھالو۔ قتادہ، ابوثور اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب ضرب لگاتے ہی وہ مر جائے اور زندہ نہ رہے تو پھر اس کو کھالو۔ اور تمہید میں مذکور ہے کہ امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ اگر اس کا کوئی عضو کٹ گیا تو وہ عضو نہیں کھایا جائے گا اور باقی کھایا جائے گا۔ اور امام شافعی نے کہا: اگر اس کے دو ٹکڑے ہو گئے اور ایک ٹکڑا چھوٹا ہے اور دوسرا بڑا ہے تو جب وہ ضرب سے مر جائے تو کھالیا جائے گا۔ اور امام ابوحنیفہ اور الثوری نے کہا کہ جب اس کے دو ٹکڑے ہو گئے تو وہ پورا کھالیا جائے گا اور اگر اس کا ایک تہائی کٹا ہے تو اگر وہ ایک تہائی سر کے قریب ہے تو پورا کھالیا جائے گا اور اگر وہ ایک تہائی دھڑ کے قریب ہے تو جو سر کے قریب ہے اس کو کھالیا جائے گا اور جو دھڑ کے قریب ہے اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴۲۔ ۱۴۱، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۷۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنَا حَيْوَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي رَبِيعَةُ بْنُ يَزِيدَ الدِّمَشْقِيُّ عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللهِ إِنَّا بِأَرْضِ قَوْمٍ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أَفَنَأْكُلُ فِي آنِيَتِهِمْ وَبِأَرْضِ صَيْدٍ أَصِيدُ بِقَوْسِي وَبِكَلْبِي الَّذِي لَيْسَ بِمُعَلَّمٍ وَبِكَلْبِي الْمُعَلَّمِ فَمَا يَصْلُحُ لِي قَالَ أَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَإِنْ وَجَدْتُمْ غَيْرَهَا فَلَا تَأْكُلُوا فِيهَا وَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَاغْسِلُوهَا وَكُلُوا فِيهَا وَمَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یزید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حیوۃ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ربیعہ بن یزید الدمشقی نے خبر دی از ابی ادریس از حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! ہم اہلِ کتاب کی ایک قوم کے پاس ہوتے ہیں، کیا ہم ان کے برتنوں میں کھالیں؟ اور ہم شکار کی سرزمین میں ہوتے ہیں، میں اپنے تیر کمان سے شکار کرتا ہوں اور اپنے اس کتے سے شکار کرتا ہوں جو سدھایا ہوا نہیں

صِدْتَ بِقَوْسِكَ فَذَكَرْتَ اسْمَ اللهِ فَكُلْ وَمَا صِدْتَ بِكَلْبِكَ الْمُعَلَّمِ فَذَكَرْتَ اسْمَ اللهِ فَكُلْ وَمَا صِدْتَ بِكَلْبِكَ غَيْرِ مُعَلَّمٍ فَأَدْرَكْتَ ذَكَاتَهُ فَكُلْ.

ہے اور اس کتے سے بھی شکار کرتا ہوں جو سدھایا ہوا ہے، تو ان میں سے کون سا میرے لیے جائز ہے؟ آپ نے فرمایا: تم نے جو اہلِ کتاب کے برتنوں کا ذکر کیا ہے، تو اگر تمہیں ان کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن مل جائیں تو ان (کے برتنوں) میں تم نہ کھاؤ، (یعنی جو دوسرے برتن مل جائیں تو (ان میں کھاؤ)، اور اگر تم کو ان کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن نہ ملیں تو ان کے برتنوں کو دھولو اور پھر ان برتنوں میں کھاؤ اور وہ جو تم نے تیر کمان کے ساتھ شکار کا ذکر کیا ہے، تو اگر تم نے تیر چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھی تو کھالو۔ اور وہ جو تم نے سدھائے ہوئے کتے کے شکار کا ذکر کیا ہے، پس اگر تم نے بسم اللہ پڑھ کر تیر مارا ہے تو تم اس کو کھالو۔ اور وہ جو تم نے ذکر کیا ہے کہ تم نے سدھائے ہوئے کتے کو نہیں چھوڑا تو اگر تم نے اس شکار کو اس حال میں پایا کہ تم اس کو ذبح کر سکتے ہو، تو اس کو کھالو۔

(صحیح البخاری: ۵۴۸۸، ۵۴۹۶، صحیح مسلم: ۱۹۳۰، سنن ترمذی: ۱۴۶۴، سنن نسائی: ۴۲۲۶، سنن ابوداؤد: ۲۸۵۵، سنن ابن ماجہ: ۳۲۰۷، مسند احمد: ۱۷۷۷۷، سنن دارمی: ۲۴۹۹)

صحیح البخاری: ۵۴۷۸، کی شرح از باب علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کا عنوان ہے "تیر کمان کے ساتھ شکار کرنا"۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرا مسئلہ تیر کمان سے شکار کے متعلق دریافت کیا تھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن یزید، اس نام میں لفظ یزید کا مصدر زیادۃ ہے، اور دوسرے راوی کا ذکر ہے حیوٰۃ، ان کا نام حیوٰۃ بن شریح ہے، لفظ شریح، شرح کی تصغیر ہے، یہ مصری ہیں۔ اور ربیعہ بن یزید دمشقی کا ذکر ہے، یہ القصیر ہیں اور ابو ادریس کا ذکر ہے جو عائذ اللہ الخولانی ہیں۔ اور ابوثعلبہ کا ذکر ہے، ثعلبہ کا لفظی معنی لومڑی ہے۔ اور الخشنی میں خشین بن النمر بن وبرہ بن ثعلب بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعۃ کی طرف نسبت ہے۔ ان کے اور ان کے والد کے نام میں اختلاف ہے۔ اکثر نے کہا ہے کہ ان کا نام حضرت جرہم بن ناشم رضی اللہ عنہ ہے۔ اور یہ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے بیعت کی تھی، اور یہ پچھتر (۷۵ھ) میں فوت ہو گئے تھے۔

بعض مشکل الفاظ اور مبہم عبارات کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم ایسی قوم کی زمین میں ہیں جو اہلِ کتاب ہے، یعنی وہ شام کے علاقے میں تھے اور عرب کے قبیلوں کی ایک جماعت نے شام میں رہائش اختیار کی اور وہ عیسائی ہو گئے، ان میں سے آلِ غسان، تنوخ اور بھراء وغیرہ ہیں۔ اور انہی میں سے بنوخشین ہیں جو آلِ ابوثعلبہ میں سے ہیں۔

اس حدیث میں ''آنیتھم'' کا ذکر ہے۔ لفظِ آنیۃ، اِناء کی جمع ہے۔ اور اناء کا معنی ہے پانی کا برتن۔ اس کی جمع قلت آنیۃ ہے اور جمع کثرت اوانی ہے۔ اور اس کی نظیر سوار، اسورۃ اور اساور ہے۔

اہلِ کتاب کے استعمال شدہ برتنوں کا فقہی حکم

حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دو مسئلے پوچھے تھے۔ پہلا مسئلہ اہلِ کتاب کے برتنوں کے استعمال کے متعلق تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ جواب دیا کہ اگر تمہیں ان کے برتنوں کے سوا دوسرے برتن مل جائیں تو ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ، ورنہ ان کے برتنوں کو دھو کر ان میں کھالو۔

اس تفصیل کا تقاضا یہ ہے کہ اگر اہلِ کتاب کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن مل جائیں تو ان کے برتنوں کو استعمال کرنا مکروہ ہے، حالانکہ فقہاء نے کہا ہے کہ اہلِ کتاب کے برتنوں کو دھونے کے بعد بلا کراہت استعمال کرنا جائز ہے، خواہ ان برتنوں کے سوا دوسرے برتن ملیں یا نہ ملیں۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ان برتنوں کے استعمال کرنے سے منع کرنا ہے، جن برتنوں میں اہلِ کتاب خنزیروں کا گوشت پکاتے ہیں اور ان برتنوں میں شراب پیتے ہیں۔ اور ان برتنوں کو دھونے کے بعد جو ان کو استعمال سے منع فرمایا، کیونکہ ان برتنوں سے گھن آتی ہے اور اس لیے کہ وہ برتن نجاست کے لیے بنائے گئے تھے۔ اور فقہاء کی مراد یہ ہے کہ کفار کے برتن بالعموم نجاسات میں استعمال نہیں ہوتے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اس میں تحقیق یہ ہے کہ حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ظاہر کو اصل کے اوپر ترجیح دی، کیونکہ اہلِ کتاب اور مجوس کے برتنوں میں اصل طہارت ہے، اس کے باوجود ان کے برتنوں کو دھونے کا حکم دیا گیا جب کہ دوسرے برتن میسر نہ ہوں اور صحیح یہ ہے کہ حکم اصل پر لگایا جاتا ہے حتیٰ کہ نجاست متحقق ہو جائے۔ پھر اس حدیث کے جواب کی ضرورت ہوگی تو اس کے دو جواب دیے گئے ہیں:

(۱) اس حدیث میں جو اہلِ کتاب کے برتنوں کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے، وہ احتیاط اور استحباب پر محمول ہے۔

(۲) اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جب ان برتنوں میں نجاست متحقق ہو، تو پھر ان کو دھونے کا حکم دیا جائے گا۔ اور اس کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے کہ:

امام ابوداؤد حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم اہلِ کتاب کے قریب رہتے ہیں اور وہ اپنی پتیلیوں میں

خنزیر کا گوشت پکاتے ہیں، اور ان برتنوں میں خمر پیتے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم ان برتنوں کے علاوہ دوسرے برتنوں کو پالو تو ان برتنوں میں کھاؤ اور پیو۔ اور اگر تمہیں دوسرے برتن میسر نہ ہوں تو ان برتنوں کو پانی کے ساتھ دھولو اور پھر ان میں کھاؤ اور پیو۔

تیر کمان سے شکار اور سدھائے ہوئے اور غیر سدھائے ہوئے کتوں سے شکار کا بیان

حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ نے جو دوسرا مسئلہ پوچھا، وہ تیر کمان سے شکار اور سدھائے ہوئے اور غیر سدھائے ہوئے کتوں سے متعلق تھا۔ اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور سے مستنبط پانچ فوائد

اس حدیث سے چند احکام معلوم اور مستفاد ہوتے ہیں:

(۱) تیر کمان سے شکار کرنا جائز ہے، جب تیر چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھی جائے۔

سنن ابوداؤد میں از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود روایت ہے کہ ایک اعرابی جن کو ابوثعلبہ کہا جاتا تھا، انہوں نے کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے پاس سدھائے ہوئے کتے ہیں۔۔ الحدیث۔ اور اس حدیث میں ہے کہ میں تیر کمان سے شکار کرتا ہوں، تو آپ نے فرمایا: تمہارا تیر جو شکار تم پر لوٹائے اسے کھالو، خواہ وہ مذبوح ہو یا غیر مذبوح ہو۔ حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اگر وہ شکار مجھ سے غائب ہو جائے؟ تو آپ نے فرمایا: اگر وہ شکار تم سے غائب ہو جائے تو جب تک اس میں تمہارے تیر کے علاوہ کسی اور تیر کا اثر نہ پایا جائے تو تم اس کو کھالو۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یعنی جب تک وہ شکار بدبودار نہ ہو جائے، اس کو کھالو۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شکار کے لیے بسم اللہ کا پڑھنا ضروری ہے، اور اس کے مباحث عنقریب گزر چکے ہیں۔

(۳) شکاری کتے کے لیے ضروری ہے کہ وہ سدھایا ہوا ہو۔ پس جب کسی نے سدھائے ہوئے شکاری کتے کے ساتھ شکار کیا اور کتا چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھی، تو اس کا لایا ہوا شکار کھایا جائے گا۔ اور جب اس نے غیر سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑا تو اگر اس کو ذبح کرنے کا موقع مل گیا تو اس کو ذبح کر کے کھایا جائے گا اور اگر وہ شکار مر چکا تھا تو پھر نہیں کھایا جائے گا۔

(۴) حدیث میں کتے کا ذکر مطلقاً ہے جو ہر رنگ کے کتے کو شامل ہے، خواہ وہ سفید ہو یا سیاہ ہو یا سرخ ہو۔ وہ جس رنگ کا بھی کتا ہو تو اگر وہ سدھایا ہوا ہے تو اس کا شکار حلال ہوگا۔ اور اس حدیث کے عموم میں امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کے خلاف حجت ہے، جو کہتے ہیں کہ سیاہ کتے سے کیا ہوا شکار جائز نہیں ہے خواہ وہ سدھایا ہوا ہو۔

(۵) اس حدیث میں دو شرطیں بیان کی گئی ہیں، ایک یہ کہ وہ شکاری کتا سدھایا ہوا ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھی جائے۔ پس جب اس نے غیر سدھایا ہوا کتا چھوڑا یا سدھایا ہوا کتا بغیر بسم اللہ کے چھوڑا یا کوئی اور کتا شامل ہو گیا جس کو اس نے نہیں بھیجا تھا تو ان کا شکار جائز نہیں ہے، سوا اس صورت کے کہ جب وہ شکاری کتا جانور کو پکڑ کر لائے تو اس میں ابھی زندگی ہو اور پھر اس کو ذبح کر کے کھایا جائے تو وہ حلال ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴۳۔ ۱۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۸، کی شرح از علامہ قسطلانی

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اگر تم کو اہلِ کتاب کے برتنوں کے علاوہ برتن مل جائے تو ان کے برتن میں نہ کھاؤ، کیونکہ یہ برتن نجس ہیں خواہ ان کو دھویا جائے۔ اور فرمایا کہ اگر تم کو ان کے برتنوں کے علاوہ کوئی اور برتن نہ ملے تو ان کو دھولو اور ان میں کھالو، یہ ممانعت کے بعد رخصت ہے۔ اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جو ظن غالب ہو، وہ اس ظن پر راجح ہے جو اصل سے مستفاد ہو اور جس نے یہ کہا کہ حکم اصل کے مطابق ہوتا ہے حتیٰ کہ نجاست محقق ہو جائے، اس نے یہ کہا کہ اس حدیث میں دھونے کا حکم احتیاط اور استحباب پر محمول ہے۔ رہے فقہاء تو وہ کہتے ہیں کہ کفار کے ان برتنوں کو استعمال کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے جن کو نجاست میں استعمال نہیں کیا جاتا۔ اور اگر ان کے نزدیک ان برتنوں کو نہ دھویا جائے تب بھی اولیٰ یہ ہے کہ احتیاط کی بناء پر ان برتنوں کو دھونا چاہیے نہ اس وجہ سے کہ اگر نہ دھویا جائے تو ان کو استعمال کرنا مکروہ ہوگا۔

اور اس حدیث میں تیر کمان کے ساتھ شکار کرنے کا بیان ہے اور تیر چھوڑنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا حکم بہ طور استحباب ہے۔

بعض فقہاء نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم نے شکار چھوڑنے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لی ہے تو کھالو، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شکار چھوڑنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا واجب ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۲۷۲، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۸، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اہلِ کتاب کا ذکر ہے، اس سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں، کیونکہ وہ مشرکوں اور بت پرستوں سے مختلف ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۖ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ (المائدہ:۵)

اور اہلِ کتاب کا طعام تمہارے لیے حلال ہے۔ اور تمہارا طعام ان کے لیے حلال ہے۔

اس حدیث میں فرمایا ہے: ''اذركت ذكاته'' یعنی تم شکار کو اس سے پہلے پالو کہ اس سے حیات نکل گئی ہو۔ اور تم اس پر اللہ کا نام لو اور اس کو ذبح کرو تو پھر اس سے کھالو۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہود اور نصاریٰ کے برتنوں کو دھونے کے بعد ان میں کھانا اور پینا جائز ہے اور ان برتنوں میں کھانا پکانا جائز ہے۔

(۲) اولیٰ یہ ہے کہ ان کے برتنوں کو استعمال نہ کیا جائے، جب مسلمان کو دوسرے برتن میسر ہوں، کیونکہ یہود و نصاریٰ ان برتنوں میں خنزیر کا گوشت پکاتے ہیں اور ان برتنوں میں خمر پیتے ہیں۔ اور ان میں کھانے پینے سے گھن آتی ہے اور ان کو نجاست کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ تو جب دوسرے برتن میسر ہوں تو ان کا استعمال مکروہ ہے۔

(۳) تیر اور کمان کے ساتھ شکار کرنا جائز ہے اور سدھائے ہوئے کتے کے ساتھ۔ سدھایا ہوا کتا وہ ہے جو اپنے مالک کے لیے شکار کرتا ہے، اپنے لیے شکار نہیں کرتا۔

(۴) کمان سے تیر چھوڑتے وقت بسم اللہ کا پڑھنا واجب ہے۔ اسی طرح سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ کا پڑھنا واجب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ (المائدہ:۴) اور (شکار چھوڑتے وقت) اس (شکاری جانور) پر بسم اللہ پڑھو۔

(۵) جب اس نے غیر سدھائے ہوئے کتے سے شکار کیا تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ اور سدھائے ہوئے کتے کی علامت یہ ہے کہ جب اس کو شکار پر چھوڑا جائے تو چلا جائے اور جب اس کو روکا جائے تو رک جائے۔ اور جب غیر سدھائے ہوئے کتے نے شکار کیا اور اس کا شکار زندہ ہو تو اس کو شرعی طریقہ سے ذبح کر کے کھانا جائز ہے۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر واللآلی بشرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۸۸۔ ۱۸۷، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۵۔ بَابُ: الْخَذْفِ وَالْبُنْدُقَةِ کنکر اور غلیل کی گولی مارنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں خذف کا حکم بیان کیا گیا ہے، خذف کا معنی ہے: انگلیوں سے کنکر مارنا۔ علامہ ابراہیم بن المنذر نے کہا کہ خذف یہ ہے کہ تم کنکر یا گٹھلی کو اپنی دو انگلیوں کے درمیان رکھو اور پھر اس کو مارو، یا کنکر پھینکنے کا لکڑی کا آلہ ہو، اس آلہ میں کنکر رکھو اور اپنے انگوٹھے اور انگشت سبابہ سے اس کو مارو۔

اور الحذف کا معنی ہے: لاٹھی سے مارنا۔ علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ یہ پھینکنے اور مارنے دونوں میں استعمال ہوتا ہے، اور البندقۃ یہ مٹی کی خشک اور گول گولی ہوتی ہے جس کو غلیل میں رکھ کر مارا جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۷۹۔ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ رَاشِدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وَيَزِيدُ بْنُ هَارُونَ وَاللَّفْظُ لِيَزِيدَ عَنْ كَهْمَسِ بْنِ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ أَنَّهُ رَأَى رَجُلًا يَخْذِفُ فَقَالَ لَهُ لَا تَخْذِفْ فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنِ الْخَذْفِ أَوْ كَانَ يَكْرَهُ الْخَذْفَ وَقَالَ إِنَّهُ لَا يُصَادُ بِهِ صَيْدٌ وَلَا يُنْكَى بِهِ عَدُوٌّ وَلَكِنَّهَا قَدْ تَكْسِرُ السِّنَّ وَتَفْقَأُ الْعَيْنَ ثُمَّ رَآهُ بَعْدَ ذَلِكَ يَخْذِفُ فَقَالَ لَهُ أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ نَهَى عَنِ الْخَذْفِ أَوْ كَرِهَ الْخَذْفَ وَأَنْتَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یوسف بن راشد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع اور یزید بن ہارون نے حدیث بیان کی، اور حدیث کے الفاظ یزید کی روایت ہیں، از کہمس بن الحسن از عبداللہ بن بریدہ از حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ، انہوں نے ایک مرد کو کنکر مارتے دیکھا تو انہوں نے اس سے کہا کہ کنکر نہ مارو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کنکر مارنے سے منع فرمایا ہے، یا آپ کنکر مارنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ اور آپ نے فرمایا: کنکر مار کر کوئی شکار نہیں کیا جاتا، اور نہ اس سے دشمن کو زخمی کیا جاتا ہے لیکن کنکر کبھی دانت توڑ دیتا ہے اور کبھی آنکھ

تَخْذِفُ لَا اُکَلِّمُکَ کَذَا وَکَذَا۔

چھوڑ دیتا ہے، پھر اس کے بعد حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو کنکر مارتے دیکھا تو انہوں نے اس سے کہا: میں نے تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی تھی کہ آپ نے کنکر مارنے سے منع فرمایا ہے یا کنکر مارنے کو ناپسند فرمایا ہے اور تم کنکر مار رہے ہو؟ میں تم سے اتنے دنوں اور اتنے دنوں تک بات نہیں کروں گا۔

(صحیح مسلم: ۱۹۵۴، سنن نسائی: ۴۸۱۵، سنن ابوداؤد: ۵۲۷۰، سنن ابن ماجہ: ۳۲۲۷، مسند احمد: ۲۰۰۳۸، سنن دارمی: ۴۴۰)

صحیح البخاری: ۵۴۷۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے اور باب کے عنوان میں جو ابہام ہے اس کو حدیث نے واضح کر دیا ہے۔ کیونکہ باب میں خذف کا ذکر ہے جس کا معنی ہے: کنکر مارنا اور حدیث میں یہ واضح کر دیا کہ کنکر مارنا ممنوع ہے یا مکروہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

خذف کی تفسیر عنقریب باب میں آئے گی اور البندقۃ یعنی غلیل کی گولی معروف ہے، غلیل کی گولی مٹی سے بنا کر اس کو سکھایا جاتا ہے، پھر اس کو غلیل میں رکھ کر مارا جاتا ہے، اور اس کا کچھ بیان باب صید المعراض میں گزر چکا ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۷، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۷۶۳، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، حافظ ابن حجر عسقلانی سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے اس باب میں خذف کی تفسیر بالکل نہیں کی، امام بخاری نے صرف خذف کا حکم بیان کیا ہے کہ کسی کو کنکر مارنا ممنوع ہے یا مکروہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یوسف بن راشد کا ذکر ہے، ان کا نام یوسف بن موسیٰ بن راشد بن بلال القطان الرازی ہے۔ یہ بغداد میں آکر رہے تھے، امام بخاری نے ان کو ان کے دادا کی طرف منسوب کیا ہے۔ دوسرے راوی وکیع ہیں، یہ ابن الجراح الکوفی ہیں۔ اس کے بعد یزید بن ہارون کا ذکر ہے، یزید کا لفظ زیادۃ سے ماخوذ ہے اور یہ ابن ہارون الواسطی ہیں جو امام احمد بن حنبل کے مشائخ میں سے ہیں۔ اور کہمس بن الحسن ابو الحسن تمیمی ہیں۔ یہ بصرہ میں آکر بنو قیس کے ہاں ٹھہرے تھے۔ اور عبد اللہ بن بریدہ ابن خصیب الاسلمی ہیں جو مرو کے قاضی ہیں، یہ ابو سہل المروی ہیں جو سلیمان بن بریدہ کے بھائی ہیں۔ وہ بھی قاضی تھے اور ہمیشہ مرو کے قاضی رہے۔

علامہ دمیاطی نے کہا ہے کہ کہا گیا ہے کہ عبد اللہ اور سلیمان ایک سو پانچ ہجری (۱۰۵ھ) میں ایک ہی دن میں فوت ہوئے تھے

اوران دونوں کی عمر ایک سو (۱۰۰) سال تھی۔اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ سلیمان ان سے پہلے قاضی مقرر ہوئے تھے اور مرو میں فوت ہوئے اوراس وقت وہ عہدہ قضا پر مقرر تھے اوراس وقت ان کی عمر ایک سو پانچ سال تھی اوران کے بھائی وہ بھی مرو میں عہدہ قضا پر فائز ہوئے اوروہ بھی مرو میں ایک سو پندرہ ہجری (۱۱۵ھ) میں فوت ہوئے،سواس بناء پر سلیمان کی عمر نوے (۹۰) سال ہے اور عبداللہ کی عمر ایک سو (۱۰۰) سال ہے۔اور حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بھی بصرہ میں آکر ٹھہرے تھے اور وہیں ان کی ساٹھ (۶۰) ہجری میں وفات ہوئی۔اور حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔

حدیث مذکور کے معانی

کنکر پھینکنے والے مرد کا مصداق اور خذف کی تفسیر اور خذف کی ممانعت کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے ایک مرد کو کنکر پھینکتے ہوئے دیکھا: اس مرد کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ انہوں نے اپنے اصحاب میں سے ایک مرد کو دیکھا۔اور صحیح مسلم میں سعید بن جبیر نے از حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ وہ مرد حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا رشتہ دار تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''یخذف'': خذف کی تفسیر عنقریب گزر چکی ہے اوروہ یہ ہے کہ پتھر پھینکنے کے آلہ سے پتھر کو پھینکا جائے،(اس آلہ کو عربی میں مقلاع کہتے ہیں اوراردو میں گوپھیا اور فلاخن کہتے ہیں)۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اس مرد کو پتھر پھینکنے سے منع فرمایا، کیونکہ کنکر یا پتھر کو قوت کے ساتھ پھینکا جائے اوراس میں دھار نہ ہوتو اس سے شکار ہلاک نہیں ہوتا،اور نہ دشمن زخمی ہوتا ہے،لیکن یہ پھینکا ہوا کنکر یا پتھر کسی آدمی کا دانت توڑ دیتا ہے یا اس کی آنکھ پھوڑ دیتا ہے۔

خلافِ سنت کام کرنے والے سے ترکِ تعلق کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اس مرد کو دوبارہ کنکر مارتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ میں نے تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سنائی تھی کہ آپ نے کنکر مارنے سے منع فرمایا ہے یا اس کو مکروہ قرار دیا ہے اور پھر تم کنکر مار رہے ہو، میں تم سے اتنے اتنے دن بات نہیں کروں گا۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو شخص خلافِ سنت کوئی کام کرے،اس کے ساتھ ترکِ کلام کرنا جائز ہے اور یہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ ترکِ تعلق نہ کرے، کیونکہ یہ ممانعت اس صورت میں ہے کہ جب کوئی شخص اپنے نفس کے لیے ترکِ تعلق کرے اور حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اس مرد کے خلافِ سنت کام کرنے کی وجہ سے فرمایا تھا کہ میں تم سے اتنے اتنے دن بات نہیں کروں گا۔

غلیل کی گولی سے شکار کرنے کی تحقیق

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی برائی کو بدلنا چاہیے اور غلیل کے ساتھ کنکر یا پتھر یا غلیل کی گولی رکھ کر مارنا درست نہیں ہے اور اگر اس سے کوئی جانور ہلاک ہوجائے تو وہ حلال نہیں ہے سوا اس صورت کے کہ وہ غلیل کی گولی لگنے کے باوجود زندہ ہو تو پھر اس کو

ذبح کرلیا جائے تو اس وقت وہ حلال ہو جائے گا۔

ابوالفتح القشیری نے کہا ہے کہ بعض متقدمین شافعیہ سے منقول ہے کہ غلیل کے ساتھ شکار کرنا ممنوع ہے یا تحریماً یا تنزیہاً۔اور بعض متاخرین سے اس کا جواز منقول ہے اور جواز پر اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے جس میں مذکور ہے کہ جو سدھایا ہوا کتا نہ ہو،اس کے ساتھ بھی شکار کرنا جائز ہے بشرطیکہ شکار زندہ ہو اور اس کو ذبح کرلیا جائے۔

مفہوم مخالف سے استدلال کا غیر معتبر ہونا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ کنکر سے نہ دشمن زخمی ہوتا ہے اور نہ شکار ہوتا ہے۔بعض علماء نے کہا کہ اگر کنکر سے دشمن زخمی ہو جائے اور شکار ہلاک ہو جائے تو پھر وہ منع نہیں ہے، کیونکہ ممانعت کی علت زائل ہوگئی اور یہ مفہوم مخالف سے استدلال ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک یہ حجت نہیں ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴۴۔۱۴۵،دارالکتب العلمیہ ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۹ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحابہ کرام کا تقویٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا

اس حدیث میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خدا خوفی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت تعظیم کا بیان ہے، کیونکہ کنکر مارنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تو حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے کنکر مارنے سے منع فرمایا، کیونکہ جو انسان متقی ہو اور جب اس سے کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام سے منع فرمایا ہے تو وہ اس سے رک جاتا ہے۔اگر وہ کام حرام ہوگا تو اس کو حرام کے ترک کرنے کا اجر وثواب ملے گا اور اگر وہ کام مکروہ ہوگا تو اس کو مکروہ کام کے ترک کرنے پر اجر وثواب ملے گا۔اور حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ ایک مرد ان سے حدیث سننے کے باوجود کنکر مار رہا تھا تو انہوں نے ایک مدتِ معینہ تک اس سے ترکِ کلام کر دیا۔

جس کام میں نفع نہ ہو یا اس کام میں ضرر زیادہ ہو تو شریعت میں وہ کام ممنوع ہے

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس کام کا ضرر اس کے نفع سے زیادہ ہو یا اس کام میں کوئی نفع نہ ہو تو شارع علیہ السلام اس سے منع فرما دیتے ہیں، کیونکہ آپ نے فرمایا: کہ کنکر مارنے سے نہ دشمن زخمی ہوتا ہے اور نہ شکار ہوتا ہے، یہ کسی کی آنکھ پھوڑ دیتا ہے یا دانت توڑ دیتا ہے، تو یہ فعل عبث ہے اور اس میں نقصان زیادہ ہے، اس لیے آپ نے اس سے منع فرما دیا۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۲۶،مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۹،کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض الفاظ کی شرح

خذف: اس کا معنی ہے: انگلیوں سے کنکر مارنا یا کسی آلہ میں کنکر رکھ کر اس آلہ سے کنکر کو ہدف اور نشانہ کی طرف پھینکا جائے

اس آلہ کو المقلاع کہتے ہیں۔

لاینکأبہ: یعنی کنکر سے دشمن تک درد اور تکلیف نہیں پہنچتی۔ یہ دانت توڑ دیتا ہے یا آنکھ پھوڑ دیتا ہے اور اس حدیث سے غرض یہ ہے کہ کنکر مارنے سے شکار نہیں ہوتا، یہ انسان اور بشر کو تکلیف پہنچاتا ہے کیونکہ ان کی آنکھ پھوڑ دیتا ہے یا ان کے بعض اعضاء کو توڑ دیتا ہے، مثلاً دانت کو یا ناک کو یا کان کو، اس لیے شارع علیہ السلام نے کنکر مارنے سے منع فرمایا ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کنکر پھینک کر مارنا ممنوع ہے، کیونکہ اس سے شکار ہلاک نہیں ہوتا، یہ لوگوں کو ایذاء پہنچاتا ہے۔

(۲) غلیل کی گولی سے جو شکار کیا جائے تو اس کی دھار سے شکار ہلاک نہیں ہوتا، اس کی چوٹ سے ہلاک ہوگا، تو یہ موقوذہ ہے۔ اور اس سے کیے ہوئے شکار کو کھانا حلال نہیں ہے۔

(۳) ہر وہ چیز جس کی دھار سے شکار ہلاک نہ ہو، اس سے شکار کرنا جائز نہیں ہے جیسے پتھر اور لکڑی وغیرہ، کیونکہ شکار کو مارنے سے مقصود ہے اس کا خون بہانا اور یہ پتھر یا لکڑی اپنے وزن اور ثقل سے اور پھینکنے والے کی قوت سے شکار کو ہلاک کرتا ہے نہ کہ پتھر یا لکڑی کی دھار سے۔

(۴) جو شخص احکامِ شرع کی خلاف ورزی کرے، اس سے ترکِ تعلق کرنا اور ترکِ کلام کرنا جائز ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ وہ مرد حدیث کی ممانعت سننے کے باوجود پتھر مار رہا تھا تو انہوں نے کہا: میں تم سے بات نہیں کروں گا۔ اور یہ اس میں داخل نہیں ہے کہ جب کوئی انسان اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے، کیونکہ جو شخص احکامِ شرع کے خلاف کام کرے، اس کو زجر و توبیخ کرنا اور اس سے ترکِ کلام کرنا جائز ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۔ اور نیک کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں۔

(آل عمران: ۱۰۴)

(۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلیل کی گولی سے شکار کرنا ممنوع ہے۔ اگر غلیل کی گولی سے شکار مر گیا تو وہ حلال نہیں ہوگا، سوا اس صورت کے کہ شکار کو زندہ پا کر اس کو ذبح کر لیا جائے، تو اب اس کا کھانا حلال ہے۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر واللآلی بشرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۸۸۔۱۸۹، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۶۔ بَابُ: مَنِ اقْتَنٰى كَلْبًا لَيْسَ بِكَلْبِ صَيْدٍ أَوْ مَاشِيَةٍ

اس کا بیان کہ جس نے ایسا کتا رکھا جو نہ شکار کے لیے تھا اور نہ مویشیوں کی حفاظت کے لیے تھا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں ''اقتنی'' کا ذکر ہے۔ یہ اقتناء سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے رکھنا، ذخیرہ کرنا اور رکھنا اور اس عنوان میں ذکر ہے کہ وہ شکار کا کتا نہ ہو۔ یہ اس کتے کی صفت ہے اور اس باب میں ذکر ہے کہ وہ کلب ماشیہ نہ ہو۔ ماشیہ کا اطلاق

اونٹوں اور گائیوں اور بکریوں پر کیا جاتا ہے، لیکن اس کا اکثر استعمال بکریوں میں ہوتا ہے اور ماشیہ کی جمع مواشی ہے، اس باب کے عنوان میں یہ بیان نہیں کیا کہ جس نے ایسا کتا رکھا جو نہ شکار کے لیے تھا اور نہ مویشیوں کی حفاظت کے لیے تھا، اس کا حکم کیا ہے؟ سو امام بخاری نے اس حکم کے بیان کے لیے اس باب کی حدیث پر اکتفاء کر لی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۸۰۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنِ اقْتَنَى كَلْبًا لَيْسَ بِكَلْبِ مَاشِيَةٍ أَوْ ضَارِيَةٍ نَقَصَ كُلَّ يَوْمٍ مِنْ عَمَلِهِ قِيرَاطَانِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن دینار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے ایسا کتا رکھا جو مویشیوں کی حفاظت کے لیے نہ تھا یا شکار کے لیے نہ تھا تو اس کے عمل سے ہر دن دو قیراط کم کر دیے جائیں گے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۸۱، ۵۴۸۲، صحیح مسلم: ۱۵۷۴، سنن ترمذی: ۱۴۸۷، سنن نسائی: ۴۲۸۷، مسند احمد: ۴۴۶۵، موطا امام مالک: ۱۸۰۸، سنن دارمی: ۲۰۰۴)

صحیح البخاری: ۵۴۸۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان کا دوسرا جز ہے: ''او ماشية'': یعنی وہ کتا مویشیوں کی حفاظت کے لیے نہ ہو۔ اس کا اس حدیث میں صراحۃً ذکر ہے، تو عنوان کے دوسرے جز کے ساتھ حدیث کی مطابقت واضح ہے۔

رہا عنوان کا پہلا جز، وہ یہ ہے کہ ''وہ کتا شکار کے لیے نہ ہو'': تو اس حدیث میں ذکر ہے ''او ضارية'': ضارية کا معنی ہے: کتے کو شکار کا عادی بنانا۔ اور اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ وہ کتا شکار کے لیے نہ ہو۔ تو اس کو رکھنے یا پالنے کا حکم کیا ہے؟

اس حدیث میں دو قیراط کا ذکر ہے اور ایک اور حدیث میں ایک قیراط کا ذکر ہے، ان میں تطبیق

ایک حدیث میں ذکر ہے کہ جس نے ایسا کتا رکھا جو نہ شکار کے لیے ہو اور نہ مویشیوں کی حفاظت کے لیے ہو، اس کے نیک اعمال میں سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہے گا۔ اور یہاں اس حدیث میں ہے کہ اس کے نیک اعمال میں سے ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے۔ علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ دو قیراط کا ذکر تغلیظ کے لیے ہے، کیونکہ لوگوں کو اس سے منع کیا گیا اور وہ نہیں مانے تو پھر فرمایا کہ جو ایسا کتا رکھیں گے تو ان کے نیک اعمال میں سے ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے۔ اور تغلیظ میں ایک قیراط کی جگہ دو قیراط کا ذکر کر دیا۔

اس کا بیان کہ اس کی کن نیکیوں میں سے ایک قیراط روز کم ہوگا اور قیراط کی مقدار

علامہ ابن الملقن نے اپنی شرح التوضیح میں لکھا ہے کہ ایک قیراط اس کے گزشتہ اعمال میں سے کم ہوگا یا آئندہ اعمال میں سے کم ہوگا یا ایک قیراط دن کے اعمال میں سے کم ہوگا اور ایک قیراط رات کے اعمال میں سے کم ہوگا۔ یا ایک قیراط فرائض میں سے کم ہوگا یا ایک قیراط اس کے نوافل میں سے کم ہوگا۔ اس کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ اور قیراط کا وزن نصف دانق یعنی نصف دمڑی کے برابر ہے۔ اور اس سے مراد وہ مقدار ہے جو اللہ عزوجل کے نزدیک معلوم ہے یعنی اس کے عمل میں سے دو جزء ہر روز کم کر دیے جائیں گے جب تک کہ وہ ایسے کتے کے رکھنے کو ترک نہیں کرے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۸۰، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں کلباً ضاریاً کا ذکر ہے، یعنی جس کتے کو شکار کرنے کا عادی بنایا گیا ہو۔ اور اس حدیث میں قیراطان کا ذکر ہے، قیراط اصل میں نصف دینار کو کہتے ہیں اور یہاں اس سے مراد ہے: اس کے عملِ صالح کی ایک مقدار۔

اور یہ جو ارشاد ہے کہ اس کے نیک اعمال میں سے دو قیراط روز کم کر دیے جائیں گے، یہ تغلیظ کے لیے ہے اور اس سے مقصود کتوں کو گھروں اور مکانوں میں رکھنے سے منع کرنا ہے۔

گھروں اور مکانوں میں کتوں کو رکھنے کی مذمت

جن لوگوں کے ذوق فاسد ہوتے ہیں اور ان کی عقول سافلہ ہوتی ہیں، وہ اپنے گھروں میں اور مکانوں میں کتوں کو رکھتے ہیں۔ کیونکہ کتا قبیح المنظر ہے، وہ اپنا منہ کھولتا ہے اور زبان باہر نکالتا ہے اور اس کی صورت ایسی ہوتی ہے جیسے وہ ہانپ رہا ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۔ (الاعراف: ۱۷۶)

سو اس کی مثال اس کتے کی طرح ہے کہ اگر تم اس پر حملہ کرو تب بھی وہ ہانپ کر زبان نکالے یا چھوڑ دو پھر بھی وہ ہانپ کر زبان نکالے۔

اور یہ مثال ان انتہائی قبیح مثالوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے بیان فرمایا ہے جو علم اور معرفت کے باوجود ہدایت کے راستہ کو گم کر دیں اور دنیا کو ترجیح دیں اور ظالم حکام کی خواہشوں کی پیروی کریں تو وہ اسفل سافلین میں گر جاتے ہیں۔ یعنی ان کی مثال خسیس ہونے میں اور گھٹیا ہونے میں کتے کی طرح ہے، تم اس کو جھڑکو یا بھگاؤ یا دوڑاؤ تو اپنی زبان باہر نکالتے ہیں اور اگر ان کو چھوڑ دو تو پھر بھی زبان باہر نکالتے ہیں۔

اور جب کتے کا کھانا حرام ہے، تو اس کا لعاب بھی حرام ہے جو اس کے گوشت سے پیدا ہوتا ہے، کیونکہ کتے کا لعاب نجس ہے، پس جب کتا اپنی زبان اور لعاب سے کسی شخص کو چاٹے تو اس پر واجب ہے کہ اس کپڑے کو پاک کرے جہاں پر کتے کا لعاب لگ گیا ہے، اس لیے اسلام نے کتے کے پالنے کو منع فرمایا ہے، کیونکہ کتے کو پالنے سے طہارت خطرے میں پڑ جاتی ہے اور کتے کے لعاب سے کئی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، اسی لیے حدیث میں ہے کہ جب کتا تمہارے برتن میں منہ ڈال دے تو اس کو سات دفعہ دھوؤ

اور ایک دفعہ مٹی سے صاف کرو۔

اور تعجب ہے کہ غیر مسلم لوگ کتے کے پالنے میں بہت توجہ کرتے ہیں اور کتوں کو اپنے گھروں میں داخل کرتے ہیں اور کتوں کے ساتھ اپنے بیٹوں کا معاملہ کرتے ہیں اور بسا اوقات ان کو اپنے دستر خوان پر بٹھا کر ساتھ کھلاتے ہیں اور ان کو اپنے بستروں پر سلاتے ہیں۔ اور اس چیز سے دہشت اور حیرت پیدا ہوتی ہے کہ وہ کتوں کی کیوں اتنی تعظیم کرتے ہیں اور کیوں اس کا اہتمام کرتے ہیں، شاید کہ یہ ان کی حیوانی مٹی کا ثمرہ ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "ہر چیز اپنی جنس کی طرف میلان کرتی ہے"۔

اور اسلام نے کتوں کے پالنے کو حرام قرار دیا اور اس سے ان کتوں کو مستثنیٰ فرما دیا جو شکار کے لیے ہوں یا کھیتوں کی حفاظت کے لیے ہوں یا بکریوں کی حفاظت کے لیے ہوں اور جب اس نے ان مصلحتوں کے بغیر کتے کو پالا تو اس کے نیک اعمال میں سے ہر روز دو قیراط اجر کم ہوتے رہیں گے۔ اور یہ سخت نقصان ہے، عقلمند مسلمان کو چاہیے کہ وہ بغیر کسی ضرورت کے کتوں کو نہ پالے۔ اور اس کے مقابلہ میں وہ حدیث ہے کہ جس نے نمازِ جنازہ پڑھی اور دفن تک ساتھ رہا تو اس کو دو قیراط اجر ملے گا اور ہر قیراط پہاڑ کے برابر ہے اور مقصود یہ ہے کہ کتوں کے پالنے سے احتراز اور اجتناب کیا جائے۔ سوائے شکاری کتوں کے یا مویشیوں کی حفاظت کے کتوں کے۔ (الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر واللآلی بشرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۹۰، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۵۴۸۱۔ حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا حَنْظَلَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ قَالَ سَمِعْتُ سَالِمًا يَقُولُ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ مَنْ اقْتَنَى كَلْبًا إِلَّا كَلْبًا ضَارِيًا لِصَيْدٍ أَوْ كَلْبَ مَاشِيَةٍ فَإِنَّهُ يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطَانِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں المکی بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حنظلہ بن ابی سفیان نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے سالم سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس نے کتا رکھا سوا اس کتے کے جو شکار کرنے کے لیے ہو یا مویشیوں کی حفاظت کے لیے ہو تو اس کے اجر سے ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۸۱، ۵۴۸۲، صحیح مسلم: ۱۵۷۴، سنن ترمذی: ۱۴۸۷، سنن نسائی: ۴۲۸۷، مسند احمد: ۴۴۶۵، موطا امام مالک: ۱۸۰۸، سنن دارمی: ۲۰۰۴)

صحیح البخاری: ۵۴۸۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

یہ اس حدیث کی دوسری سند ہے، امام بخاری نے اس حدیث کو المکی بن ابراہیم سے روایت کیا ہے۔ ان کا پورا نام ہے: مکی بن ابراہیم البلخی۔ علامہ کرمانی نے کہا کہ یہ مکہ مشرفہ کی طرف منسوب ہیں۔ اور واقع میں ایسا نہیں ہے بلکہ یہ ان کا علم ہے۔ یہ حنظلہ بن ابی سفیان الجمحی سے روایت کرتے ہیں۔ اور ابو سفیان کا نام الاسود بن عبد الرحمٰن ہے۔ ان کی ایک سو اکیاون (۱۵۱ھ) میں وفات

ہوگئی تھی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں کلبِ ضار کا ذکر ہے۔اس ترکیب میں موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے جیسے شجرالاراک میں ہے۔

ایسے کتے کو رکھنے سے نیکیوں کے اجر میں کمی کی توجیہ

اس میں اختلاف ہے کہ جو کتا نہ شکار کے لیے ہو اور نہ مویشیوں کی حفاظت کے لیے ہو،اس کے رکھنے سے اجر میں کس وجہ سے کمی ہوگی؟

ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ فرشتے اس کے گھر میں داخل ہونے سے رک جاتے ہیں۔دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ وہ کتا گزرنے والوں کو ایذاء پہنچاتا ہے۔تیسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر گھر والا غافل ہو تو وہ کتا برتن میں منہ ڈال دیتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴۶۔۱۴۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۴۸۲۔حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنِ اقْتَنَى كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ أَوْ ضَارِيًا نَقَصَ مِنْ عَمَلِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطَانِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ایسا کتا رکھا جو نہ تو مویشیوں کی حفاظت کے لیے تھا نہ شکار کے لیے تھا تو اس کے عمل سے ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۸۱، ۵۴۸۲، صحیح مسلم: ۱۵۷۴، سنن ترمذی: ۱۴۸۷، سنن نسائی: ۴۲۸۷، مسند احمد: ۴۴۶۵، موطا امام مالک: ۱۸۰۸، سنن داری: ۲۰۰۴)

اس حدیث کی شرح پہلے گزر چکی ہے۔

صحیح البخاری: ۵۴۸۰، ۵۴۸۱، ۵۴۸۲، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کی احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ کتوں کو رکھنا اور پالنا جائز نہیں ہے۔اور اس کی دلیل یہ ہے کہ کتوں کے رکھنے اور پالنے سے ہر روز اس کے ثواب سے دو قیراط اجر کم ہو جائے گا۔اور یہ بھی حقیقت میں سزا ہے، کیونکہ سزا میں یا تو انسان کو درد اور تکلیف ہوتی ہے اور یا وہ ثواب سے محروم ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کتوں کو رکھنا اور پالنا حرام ہے۔اور اس سے ان لوگوں کی جہالت معلوم ہوتی ہے جو بلاضرورت کتوں کے رکھنے اور پالنے میں کفار کی تقلید کرتے ہیں اور ان کے مذہب پر عمل کرتے ہیں۔اور یہ نہیں جانتے کہ کتا جو ہے تمام حیوانات میں سب سے زیادہ خبیث جانور ہے، کیونکہ اس کی نجاست سات دفعہ دھوئے بغیر پاک نہیں ہوتی جب کہ آٹھویں دفعہ مٹی سے صاف کیا جائے۔اور جب کہ کفار خود خبیث ہیں، اس لیے خبیث جانور کو رکھتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

اَلۡخَبِیۡثٰتُ لِلۡخَبِیۡثِیۡنَ وَ الۡخَبِیۡثُوۡنَ لِلۡخَبِیۡثٰتِ۔ (النور: ۲۶)

بری باتیں برے لوگوں کے لیے ہیں اور برے لوگ بری باتوں کے لیے ہیں۔

اس لیے ہم کہتے ہیں کہ جب ہم کو معلوم ہو کہ لوگوں میں سے کوئی شخص بغیر ضرورت کے کتا پالتا ہے یا رکھتا ہے تو ہم اس کو تنبیہ کریں کہ یہ فعل حرام ہے اور اس فعل سے اس کے اجر میں سے ہر روز دو قیراط کم ہو جائیں گے اور ایک سال کے اندر تین سو چون (۳۵۴) دن ہیں، تو ایک سال میں سات سو اسی (۷۸۰) قیراط کا اجر اس کے اجور میں سے کم ہو جائے گا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا قیراط کے متعلق، جب آپ نے یہ فرمایا: جو جنازے کے ساتھ گیا حتیٰ کہ اس پر نماز پڑھی گئی تو اس کو ایک قیراط اجر ملے گا اور جو جنازے کے ساتھ رہا یہاں تک کہ جنازہ کو دفن کیا گیا تو اس کو دو قیراط اجر ملیں گے، آپ سے پوچھا گیا کہ یہ دو قیراط کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: دو بڑے پہاڑ ہیں، ان میں سے چھوٹا پہاڑ احد پہاڑ جتنا ہے، تو ہر روز اس کے اجر میں سے دو بڑے پہاڑ جتنے اجر کم ہو جائیں گے اور یہ عظیم سزا ہے۔ العیاذ باللہ!

شیخ عثیمین کا اجر میں کمی کی صورت میں بھی قیراط کو بڑے پہاڑ پر محمول کرنا اور مصنف کا اس پر مواخذہ

میں کہتا ہوں: کہ دوسرے شارحین نے لکھا ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی مسلمان کی نمازِ جنازہ پڑھے گا یا دفن تک جنازہ کے ساتھ رہے گا، تو اس کو ایک قیراط اجر ملے گا اور وہ قیراط بہت بڑے پہاڑ کے برابر ہیں، لیکن آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ جب اس کے اجر میں ایک قیراط کی کمی ہوگی تو وہ بھی پہاڑ کے برابر ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے کرم کا تقاضا یہ ہے کہ جب وہ ایک قیراط کے برابر اجر عطا فرمائے گا تو اس قیراط کی مقدار بڑے پہاڑ کی جتنی ہوگی، لیکن جب مسلمان کے اجر سے ایک قیراط کی کمی ہوگی تو اس وقت قیراط کا اپنا معروف وزن معتبر ہوگا۔ قرآن مجید میں ہے:

مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا ۚ وَ مَنۡ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجۡزٰٓى اِلَّا مِثۡلَهَا وَ هُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ﴿۱۶۰﴾ (الانعام)

جو شخص اللہ کے پاس ایک نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے اس جیسی دس نیکیوں کا اجر ہوگا، اور جو شخص ایک برائی لے کر آئے گا اس کو صرف ایک برائی کی سزا ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا O

اس لیے اجر میں اضافہ اور اجر میں کمی میں دونوں جگہ قیراط کا ایک معنی مراد نہیں ہے۔ اور شیخ عثیمین نے ظاہر الفاظ کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ کے کرم کے تقاضے پر غور نہیں کیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

سوال: آیا مویشیوں کی حفاظت کے اوپر گھروں کی حفاظت کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے اور چوروں اور درندوں سے گھروں کو محفوظ رکھنے کے لیے گھروں میں کتوں کا رکھنا جائز ہے؟

الجواب: ہاں! یہ قیاس کیا جا سکتا ہے، کیونکہ جب شارع علیہ السلام نے کھیتوں کی حفاظت کے لیے کتوں کے رکھنے کو جائز قرار دیا ہے تو گھروں کی حفاظت کے لیے کتوں کو رکھنا بطریقِ اولیٰ جائز ہوگا، کیونکہ گھروں میں عورتیں اور بچے ہوتے ہیں اور ان کی حفاظت کھیتوں کی حفاظت کرنے سے زیادہ اولیٰ ہے۔ علاوہ ازیں شکاری کتے میں حفاظت نہیں ہوتی لیکن شکاری کتے سے صرف حصولِ مصلحت موقوف ہے اور اس حصولِ مصلحت کی وجہ سے شارع علیہ السلام نے شکاری کتے کو رکھنا جائز قرار دیا ہے۔ تو گھروں میں جو عورتیں اور بچے ہیں، ان کو چوروں، ڈاکوؤں، دشمنوں اور درندوں سے محفوظ رکھنے کی مصلحت کی وجہ سے بھی کتوں کا رکھنا جائز ہوگا۔ (شرح

صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۷۷، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۸۰، ۵۴۸۱، ۵۴۸۲، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ضاریۃ کا لفظ ہے۔ یعنی کلب ضاریۃ، یہ عافیۃ کی طرح ہے اور یہ الضراوۃ سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی ہیں عادت، اور کلبُ ضاریۃ کا معنی ہے: جس کتے کو شکار کا عادی بنایا گیا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''اس کے نیک اعمال سے ہر روز دو قیراط کم کر دیے جائیں گے''۔ ان قیراط کی مقدار کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور دو قیراط کا لفظ جو فرمایا ہے، یہ کتے پالنے سے متنفر کرنے کے لیے اور اس پر ڈانٹ ڈپٹ کرنے کے لیے فرمایا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ہر روز'': یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ماضی میں ہر روز اور مستقبل میں ہر روز۔

علامہ کورانی فرماتے ہیں کہ ماضی میں ہر روز دو قیراط اجر کا کم ہونا ظاہر نہیں ہے۔

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری ج ۹ ص ۱۴۵، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

۷۔ بَابٌ: إِذَا أَكَلَ الْكَلْبُ

اس کا بیان جب کتا شکار میں سے خود کھالے

وقوله تعالى: يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ۔ (المائدہ: ۴)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) آپ سے پوچھتے ہیں: ان کے لیے کون سی چیزیں حلال کی گئی ہیں، آپ کہیے کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جو تم نے شکاری جانور سدھا لیے ہیں۔ درآں حالیکہ تم ان کو شکار کا طریقہ سکھانے والے ہو۔

مُكَلِّبِينَ الصَّوَائِدُ وَالْكَوَاسِبُ اجْتَرَحُوا اكْتَسَبُوا۔

مکلبین کا معنی ہے شکار کرنے والے جانور اور شکار کو مارنے والے۔ اجترحوا کا معنی ہے: جنہوں نے زخمی کیا۔

تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ ۖ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ○ (المائدہ: ۴)

تم انہیں اس طرح سکھاتے ہو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھایا ہے، سو اس (شکار) سے کھاؤ، جس کو وہ (شکاری جانور) تمہارے لیے روک رکھیں، اور (شکار چھوڑتے وقت) اس (شکاری جانور) پر بسم اللہ پڑھو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ○ (المائدہ: ۴)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنْ أَكَلَ الْكَلْبُ فَقَدْ أَفْسَدَهُ إِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بے شک کتے کا کھانا شکار کو فاسد کر دیتا ہے، کیونکہ اس نے شکار کو خود اپنے لیے کیا ہے۔ اور

وَاللّٰهُ يَقُولُ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَتُضْرَبُ وَتُعَلَّمُ حَتّٰى يَتْرُكَ

وَكَرِهَهُ ابْنُ عُمَرَ وَقَالَ عَطَاءٌ إِنْ شَرِبَ الدَّمَ وَلَمْ يَأْكُلْ فَكُلْ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "تم ان کو شکار کا طریقہ سکھانے والے ہو، تم انہیں اس طرح سکھاتے ہو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھایا ہے"۔ پس کتے کو مارا جائے گا اور سدھایا جائے گا حتیٰ کہ وہ شکار کے کھانے کو ترک کردے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے اور عطاء نے کہا کہ اگر کتا شکار کا خون پی لے اور خود نہ کھائے تو تم کھالو۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

المائدہ: ۴ کے شانِ نزول میں احادیث اور آثار

المائدہ: ۴ کا شانِ نزول یہ ہے جیسا کہ امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت عدی بن حاتم طائی اور حضرت یزید بن المہلہل طائی رضی اللہ عنہما، ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا، پس کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اللہ تعالیٰ نے مردار کو حرام کر دیا ہے، تو ہمارے لیے مردار میں سے کیا چیز حلال ہے؟ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی ذبائح حلال ہیں جو طیبہ ہوں، یہ سعید بن جبیر کی تفسیر ہے۔ اور مقاتل بن حیان نے کہا کہ جو بھی حلال رزق مسلمان پائیں، وہ ان کے لیے حلال ہے۔

المائدہ: ۴ کی تفسیر میں آثار اور فقہاءِ اسلام کے اقوال

نیز فرمایا: وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ: یعنی تم نے شکاری کتوں اور دیگر شکاری جانوروں کے ذریعہ جس شکار کو حاصل کیا ہے، وہ بھی تمہارے لیے حلال ہے، خواہ وہ شکار، شکاری کتے سے حاصل کیا گیا ہو یا تیندوے سے یا شکرے اور باز سے۔ یہ جمہور صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین کا مذہب ہے۔

علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ: اس سے مراد وہ شکاری کتے ہیں جو سدھائے ہوئے ہوں اور باز ہے اور شکرہ ہے، جس کو شکار کرنا سکھایا ہوا ہو۔

اور امام ابن ابی حاتم نے از خیثمہ وطاؤس ومجاہد ومکحول ویحییٰ بن ابی کثیر روایت کی ہے کہ الْجَوَارِحِ سے مراد وہ شکاری کتے ہیں جنہیں شکار کرنے کی عادت ڈالی گئی ہو اور اسی طرح وہ شکرے اور باز ہیں، جنہیں شکار کرنے کی عادت ڈالی گئی ہو۔

مُكَلِّبِيْنَ: یہ مُکَلِّب کی جمع ہے اور اس سے مراد ہے: وہ شکاری جانور جن کو سدھایا گیا ہو۔

مُكَلِّبِيْنَ کے ماخذ اشتقاق میں علامہ عینی کا بعض شارحین سے اختلاف

بعض شارحین نے کہا ہے کہ "مکلبین" کا لفظ اس کلب سے ماخوذ نہیں ہے، جو حیوانِ معروف ہے، بلکہ یہ کَلَب (لام پر زبر) سے ماخوذ ہے، جس کا معنی حرص ہے۔

علامہ عینی اس کا رد فرماتے ہیں کہ اس قول کا کوئی قائل نہیں ہے، بلکہ علامہ زمخشری نے تصریح کی ہے کہ مکلبین کا اشتقاق

کَلَّب سے ہے۔ اور باب تفعیل کا خاصہ ہے تکثیر، یعنی اس کی بہت زیادہ تربیت کی گئی ہو اور اس کو شکار کرنے کا عادی بنایا گیا ہو۔

''الصواعد'' اور ''الکواسب'' کا معنی

امام بخاری نے ''الصواعد'' کا لفظ ذکر کیا ہے، یہ صاعد کی جمع ہے یعنی شکار کرنے والے جانور، اور ''الکواسب'' کا ذکر کیا ہے، یہ کاسبۃ کی جمع ہے، اور یہ الجوارح کی صفت ہے۔ اور الصواعد اور الکواسب اور اس کے بعد جو ذکر ہے اجترحوا کا معنی ہے: اکتسبوا یہ آیت کریمہ میں سے نہیں ہے بلکہ جملہ معترضہ ہے۔

کتوں کو سدھانے کا طریقہ

اور کتوں کو سدھانے کی تفسیر یہ ہے کہ جب کتے کو چھوڑا جائے تو وہ چلا جائے اور جب اسے واپس بلایا جائے تو وہ آ جائے اور جب وہ شکار کرے تو اپنے مالک کے لیے شکار کرے، حتیٰ کہ مالک کے پاس شکار کو لے آئے اور اپنے لیے نہ رکھے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ''شکاری کتے نے جو تمہارے لیے شکار کیا ہے، اسے کھالو اور اس پر اللہ کا نام پڑھو اور اللہ سے ڈرو''، یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تعلیق کی شرح

اس کے بعد امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تعلیق ذکر کی ہے کہ جب کتے نے خود شکار سے کھالیا تو اس نے شکار کو فاسد کر دیا، کیونکہ اس نے اپنے لیے شکار کیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''تم ان کو شکار کا طریقہ سکھانے والے ہو، تم انہیں اس طرح سکھاتے ہو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھایا ہے''۔ پس شکاری کتے کو مارا جائے گا اور سکھایا جائے گا حتیٰ کہ وہ شکار کو ترک کر دے اور خود نہ کھائے۔

اس کے بعد امام بخاری نے فرمایا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس شکار سے کھانے کو مکروہ قرار دیا، جس سے کتے نے خود کھایا ہو۔ اس تعلیق کی وکیع بن الجراح نے سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔

اور عطاء نے کہا: جب شکاری کتے نے خون پی لیا اور شکار کو کھایا نہیں، سو تم اس کو کھالو۔

اگر شکاری کتے نے شکاری جانور سے خود کھالیا تو اس شکار کو کھانے کے متعلق فقہاءِ اسلام کے اقوال

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس تعلیق کی امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کی ہے از حفص بن غیاث از ابن جریج، اور حضرت عدی بن ابی حاتم سے ذکر کیا ہے کہ اگر اس نے شکار کا خون پی لیا تو تم اس کو نہ کھاؤ، کیونکہ وہ شکاری کتا سدھایا ہوا نہیں ہے، اور حسن بصری سے مروی ہے کہ اگر اس نے شکار کو کھالیا ہے تو تم کھالو، اور اگر اس نے شکار کا خون پی لیا ہے تو تم اس کو کھالو۔ اور ابن حزم ظاہری کا یہ زعم ہے کہ شکاری کتے نے جب شکار کا خون پی لیا تو یہ مضر نہیں ہے کیونکہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے کو حرام قرار دیا ہے جس کو اس نے قتل کیا ہو اور جب اس نے اس پر منہ مارا ہو تو اس کو حرام قرار نہیں دیا۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے: یہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابن عمر اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔ انہوں نے کہا: کہ جب شکاری کتے نے کھالیا تو جو اس نے کھایا ہے اس کو کھالیا جائے گا اور یہ امام مالک کا قول ہے۔

اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ یہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، سعید بن المسیب، سلیمان بن یسار، حسن بن ابی الحسن، محمد بن شہاب، ربیعہ اور لیث کا قول ہے۔

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ نے کہا کہ اگر شکاری کتے نے شکار سے کھالیا تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ اور علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ یہی جمہور کا قول ہے اور متقدمین اور متاخرین کا یہی مختار ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴۷۔۱۴۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۸۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ بَيَانٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ قُلْتُ إِنَّا قَوْمٌ نَصِيدُ بِهَذِهِ الْكِلَابِ فَقَالَ إِذَا أَرْسَلْتَ كِلَابَكَ الْمُعَلَّمَةَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللهِ فَكُلْ مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَإِنْ قَتَلْنَ إِلَّا أَنْ يَأْكُلَ الْكَلْبُ فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يَكُونَ إِنَّمَا أَمْسَكَهُ عَلَى نَفْسِهِ وَإِنْ خَالَطَهَا كِلَابٌ مِنْ غَيْرِهَا فَلَا تَأْكُلْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن فضیل نے حدیث بیان کی از بیان از الشعبی از حضرت عدی بن ابی حاتم رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، میں نے کہا: ہم ایسی قوم ہیں جو ان کتوں کے ساتھ شکار کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: جب تم اپنے سدھائے ہوئے کتوں کو چھوڑو اور بسم اللہ پڑھو تو اس شکار کو کھالو جو ان کتوں نے تمہارے لیے کیا ہے، خواہ انہوں نے اس شکار کو مار ڈالا ہو، سوا اس کے کہ کتے نے خود کھایا ہو، کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ اس نے اس شکار کو اپنے لیے کیا ہے، اور اگر اس شکار میں دوسرے کتے بھی مل گئے ہیں، تو پھر تم اس کو نہ کھاؤ۔

صحیح البخاری: ۱۷۵، ۲۰۵۴، ۵۴۷۵، ۵۴۷۶، ۵۴۷۷، ۵۴۸۳، ۵۴۸۵، ۵۴۸۶، ۵۴۸۷، ۷۳۹۷، صحیح مسلم: ۱۹۲۹، سنن ترمذی: ۱۴۷۰، سنن نسائی: ۴۲۷۲، سنن ابوداؤد: ۲۸۵۴، سنن ابن ماجہ: ۳۲۰۸، مسند احمد: ۱۸۷۷۱، سنن دارمی: ۲۰۰۲)

صحیح البخاری: ۵۴۸۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: ''اذا اکل الکلب'' یعنی جب شکاری کتا شکار سے کھالے۔ اور اس حدیث مذکور میں فرمایا ہے کہ جب شکاری کتا شکار سے کھالے تو پھر تم اس شکار کو نہ کھاؤ، کیونکہ اس کتے نے اپنے لیے شکار کیا ہے اور اس سے حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت ظاہر ہوگئی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں بیان کا ذکر ہے، یہ ابن بشر الاحمسی ہیں۔ اور اس حدیث میں الشعبی کا ذکر ہے، وہ عامر بن شراحیل ہیں

یہ حدیث مختلف سندوں کے ساتھ گزر چکی ہے اور اس کی شرح کئی بار کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ارشاد ہے: ''جب تم نے اپنے سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑا'': اس ارشاد میں یہ بتایا ہے کہ اگر کتا از خود شکار پر جھپٹا ہو تو اس کا شکار نہیں کھایا جائے گا، جمہور کا یہی قول ہے مگر الاصم نے کہا ہے کہ وہ بھی مباح ہے۔ اور جب کسی شخص نے کتے کو غصب کیا اور اس سے شکار کیا، تو آیا یہ شکار مالک کے لیے ہوگا یا غاصب کے لیے؟ ایک قول یہ ہے کہ یہ شکار مالک کے لیے ہوگا، کیونکہ اس کے کتے نے شکار کیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ شکار غاصب کے لیے ہوگا، کیونکہ اب کتے کا وہ مالک ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴۹۔ ۱۵۰، دار الکتب العلمیہ ۱۴۲۱ھ)

۸۔ بَابُ: الصَّيْدِ إِذَا غَابَ عَنْهُ يَوْمَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً

جب شکار، شکاری سے دو یا تین دن غائب رہے، اس کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب شکاری سے شکار کیا ہوا جانور دو تین دن غائب رہے یعنی اس کو دو تین دن بعد ملے تو اس کا کیا حکم ہے؟

۵۴۸۴۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا ثَابِتُ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ وَسَمَّيْتَ فَأَمْسَكَ وَقَتَلَ فَكُلْ وَإِنْ أَكَلَ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ وَإِذَا خَالَطَ كِلَابًا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهَا فَأَمْسَكْنَ وَقَتَلْنَ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَيُّهَا قَتَلَ وَإِنْ رَمَيْتَ الصَّيْدَ فَوَجَدْتَهُ بَعْدَ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ لَيْسَ بِهِ إِلَّا أَثَرُ سَهْمِكَ فَكُلْ وَإِنْ وَقَعَ فِي الْمَاءِ فَلَا تَأْكُلْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ثابت بن یزید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عاصم نے حدیث بیان کی از الشعبی از حضرت عدی بن ابی حاتم رضی اللہ عنہ، از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: جب تم نے اپنے کتے کو چھوڑا اور بسم اللہ پڑھی اور اس نے شکار کو روک کے رکھا اور مار ڈالا تو تم اس کو کھالو اور اگر اس نے خود کھالیا تو پھر تم مت کھاؤ، کیونکہ اس نے اس شکار کو اپنے لیے کیا ہے، اور جب اس شکار کے ساتھ دوسرے جانور بھی مل جائیں اور اس پر بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو اور انہوں نے اس شکار کو روک رکھا ہو اور پھر مار ڈالا ہو تو تم اس کو نہ کھاؤ، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کس نے اس شکار کو مار ڈالا ہے اور اگر تم نے تیر پھینکا اور تم کو ایک دن یا دو دن کے بعد وہ شکار ملا اور اس شکار میں صرف تمہارے تیر کا اثر تھا تو اس کو کھالو، اور اگر وہ شکاری جانور شکار کے وقت پانی میں گر گیا ہو تو اس کو نہ کھاؤ۔

صحیح البخاری: ۱۷۵، ۲۰۵۴، ۵۴۷۵، ۵۴۷۶، ۵۴۷۷، ۵۴۸۳، ۵۴۸۵، ۵۴۸۶، ۵۴۸۷، ۷۳۹۷، صحیح مسلم: ۱۹۲۹، سنن ترمذی: ۱۴۷۰، سنن نسائی: ۴۲۷۲، سنن ابوداؤد: ۲۸۵۴، سنن ابن ماجہ: ۳۲۰۸، مسند احمد: ۱۷۷۸۱، سنن دارمی: ۲۰۰۲)

صحیح البخاری: ۵۴۸۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: ''جب شکار کیا ہوا جانور دو یا تین دن غائب رہے''۔ اور اس حدیث میں بھی ذکر ہے کہ جب تم نے شکار کو تیر مارا اور پھر وہ تم کو ایک یا دو دن بعد ملا تو اس طرح یہ حدیث باب کے مطابق ہے، لیکن اس باب کے بعد جو حدیث ہے، اس میں تین دن کا بھی ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ثابت بن یزید کا ذکر ہے، ثابت کا لفظ زائل کی ضد ہے اور یزید کا لفظ زیادۃ سے ماخوذ ہے، یہ الاحول البصری ہیں۔ اور اس حدیث میں عاصم کا ذکر ہے، یہ ابن سلیمان الاحول ہیں، اور شعبی کا ذکر ہے: یہ عامر بن شراحیل ہیں۔

حدیث مذکور سے مستنبط شدہ احکام

(۱) جب کسی شخص نے اپنے شکاری کتے کو چھوڑا اور بسم اللہ پڑھی اور شکاری کتے نے اپنے مالک کے لیے شکار کو رکھا یعنی خود نہیں کھایا تو اس شکار کو کھانا جائز ہے۔

(۲) اگر شکاری کتے نے شکار کردہ جانور سے خود بھی کھالیا ہے تو پھر اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

(۳) جب اس شکاری کتے کے ساتھ دوسرے کتے بھی مل گئے جن پر بسم اللہ نہیں پڑھی گئی اور انہوں نے شکار کو روک رکھا اور مار ڈالا تو اس شکار کردہ جانور کو کھانا جائز نہیں ہے اور اس کی علت آپ نے یہ بیان فرمائی کہ تم نہیں جانتے کہ کون سے کتے نے اس جانور کو مارا ہے۔

اور التوضیح میں علامہ ابن ملقن نے لکھا ہے کہ حجاز اور عراق کے جمہور علماء اس پر متفق ہیں کہ جب تم نے اپنے کتے کو شکار پر چھوڑا اور اس کے ساتھ دوسرا کتا بھی پایا گیا اور یہ پتا نہیں چلا کہ ان میں سے کون سے کتے نے شکار کو پکڑا ہے تو یہ شکار نہیں کھایا جائے گا۔ ائمہ اربعہ، عطاء اور ابوثور کا یہی قول ہے۔

اور اوزاعی یہ کہتے ہیں کہ جب تم نے اپنے سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑا اور اس کے ساتھ دوسرا کتا بھی مل گیا اور وہ بھی سدھایا ہوا ہے اور دونوں نے مل کر اس شکار کو مار ڈالا تو وہ حلال ہے۔ اور اگر ان میں سے کوئی کتا سدھایا ہوا نہ ہو اور پھر وہ دونوں مل کر مار ڈالیں تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔

اور علامہ قرطبی کی عبارت یہ ہے کہ جو کتا مل گیا ہے، وہ مجہول ہے اور کسی اور شکاری کی طرف سے چھوڑا گیا ہے اور وہ شکار پر اپنی طبیعت سے حملہ آور ہوا ہے۔ اور اس میں اس سے فرق نہیں پڑے گا کہ اس کو شکار پر دوسرے شکاری نے چھوڑا ہو، پھر دونوں کتے مشترک ہوں تو یہ شکار دونوں شکاریوں کے لیے ہے۔ اور اگر دو میں سے کسی ایک کتے نے پہلے اس کو مار ڈالا، پھر دوسرا آیا تو یہ پہلے کتے کا کیا ہوا شکار ہے۔

(۴) جب شکار پر تیر مارا اور وہ شکار غائب ہو گیا، پھر ایک دن یا دو دن بعد ملا اور اس شکار میں صرف اسی شکاری کے تیر کا اثر تھا تو اس کو کھایا جائے گا، اور علماء کا اس میں اختلاف ہے۔

امام اوزاعی نے کہا: اگر اس نے اس کو اگلے دن مردہ پایا اور اس نے اپنا تیر یا اپنے کتے کا اثر پایا تو اس کو کھالے اور یہ اشعب مالکی اور ابن ماجشون اور ابن عبد الحکیم کا قول ہے۔ اور امام مالک سے بھی ابن القصار نے روایت کی ہے۔

اور موطا امام مالک اور المدونہ میں امام مالک کا قول اس کے خلاف ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ اس شکار کردہ جانور کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے جو گرنے کے بعد غائب رہا ہو، جب تم نے اس شکار کردہ جانور کے ساتھ اپنے کتے کا اثر پایا یا اس کے ساتھ تمہارا مارا ہوا تیر تھا جب تک کہ رات نہ گزری ہو، پس جب رات گزر جائے تو اب اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ اور امام مالک سے یہ بھی منقول ہے کہ اگر اس کے ساتھ اس کا مارا ہوا تیر مل جائے پھر تو کھایا جائے گا اور اگر کتے کا اثر ملا ہے تو پھر نہیں کھایا جائے گا۔

اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جب اس سے شکار غائب ہو جائے اور کتا اس کے پیچھے ہو، پھر اس شکار کو مارا ہوا پایا اور کتا اس کے پاس تھا تو اس کا کھانا مکروہ ہے۔ اور امام شافعی نے یہ کہا کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے شکار کردہ جانور کو نہیں کھایا جائے گا جب کہ وہ اس سے غائب رہا ہو، کیونکہ یہ احتمال ہے کہ کسی اور نے اس کو قتل کر دیا ہو، اور علامہ نووی شافعی نے کہا ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ اس کا کھانا حلال ہے۔

(۵) جب شکار کیا ہوا جانور پانی میں پایا جائے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ پانی نے اس شکار کیے ہوئے جانور کو ہلاک کر دیا ہو۔ اور جب یہ ثابت ہو کہ تیر پانی میں گرنے سے پہلے اس کی ذبح کی جگہ سے پار ہو گیا تھا تو جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس کو کھایا جائے گا اور ابن وہب نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ اس کو کھانا مکروہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۵۰۔۱۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۸۴ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب شکار کیا ہوا جانور ایک دن یا دو دن بعد ملے تو اس کو کھانے کے جواز کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب شکار اپنے مالک سے غائب رہے، امام اوزاعی نے کہا: جب وہ دوسرے دن مردہ پایا گیا اور اس کے ساتھ مالک کا تیر پایا گیا یا اس کے کتے کا اثر پایا گیا تو وہ اس کو کھالے۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۳ ص ۱۹۵)

اشعب مالکی اور ابن الماجشون اور ابن عبد الحکیم اور اصبغ کا بھی یہی قول ہے، انہوں نے کہا کہ جب شکار کردہ جانور مر جائے اور اس کی ذبح کی جگہوں سے تیر پار نہ گزرا ہو اور اس میں شک نہ ہو تو وہ کھایا جائے گا۔ (الاستذکار ج ۱۵ ص ۲۷۵)

ابن القصار نے امام مالک سے بھی یہ روایت کی ہے اور معروف اس کے خلاف ہے۔ اصبغ مالکی نے کہا بخلاف کتے اور باز کے۔ الموطا اور المدونہ میں مذکور ہے کہ شکار کیے ہوئے جانور کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگرچہ وہ اپنے گرنے کی جگہ سے غائب رہا ہو۔ جب تم اس جانور پر اپنے کتے کے اثر کو پاؤ یا اس جانور میں تمہارا تیر ہو جب تک کہ رات نہ گزری ہو، پس جب رات گزر جائے تو نہیں کھایا جائے گا۔ اور امام مالک سے روایت ہے کہ انہوں نے ظاہر حدیث پر عمل کیا ہے اور حضرت ابو ثعلبہ

رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل کیا ہے، جس میں مذکور ہے کہ تم اس شکار کردہ جانور کو تین دن تک بھی کھالو جب تک وہ بدبوار نہ ہو اور اس میں انہوں نے تیر سے مارے ہوئے جانور اور کتے سے مارے ہوئے جانور کو برابر قرار دیا ہے۔

اور امام مالک سے دوسری روایت یہ ہے کہ ان میں سے کسی چیز کو نہیں کھایا جائے گا، جب وہ تم سے غائب رہا ہو۔ اور ان سے یہ روایت بھی ہے کہ اگر تیر کے مارنے سے وہ مرا ہے تو کھالیا جائے گا اور اگر کتے کے شکار سے مرا ہے تو نہیں کھایا جائے گا۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام روحاء کے پاس سے گزرے، وہاں ایک وحشی جانور زخمی تھا جس میں تیر لگا ہوا تھا اور وہ مر چکا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو حتیٰ کہ اس کا مالک آجائے، تو حضرت البہزی آئے، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! یہ میرا تیر ہے، تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ اس شکار کیے ہوئے جانور کو اپنے رفقاء کے درمیان تقسیم کردیں اور وہ سب محرم تھے۔ (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۱۷۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ایسے شکار کا پیچھا کیا جائے حتیٰ کہ وہ شکار مل جائے یا اس کو چھوڑ دیا جائے اور پھر بعد میں وہ مل جائے، اگر ایسا ہوتا تو شارع علیہ السلام اس کے متعلق دریافت کرتے۔ اور جب کہ آپ نے یہ فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو حتیٰ کہ اس کا مالک آجائے اور اس پر اضافہ نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ حکم اس میں مختلف نہیں ہوتا۔ اور اس میں امام مالک کے اس قول کی دلیل ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص شکار پر تیر مارتا ہے، پھر اپنے تیر کو اگلے دن پاتا ہے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ تمہارے تیر نے اس کو قتل کیا ہے تو میں تمہیں اس کے کھانے کا حکم دوں گا لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ اس کو تمہارے تیر نے قتل کیا ہے یا کسی اور کے تیر نے قتل کیا ہے۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ جو شکار کردہ جانور تم سے ایک رات غائب رہے اس کو نہ کھاؤ۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۴ ص ۴۵۹۔۴۶۰)

ابن قصار مالکی نے کہا ہے کہ میرے نزدیک اس کا کھانا مکروہ ہے۔

امام مسلم نے حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم نے اپنا تیر مارا اور وہ تم سے غائب رہا، پھر تم نے اس کو پالیا تو جب تک وہ بدبودار نہ ہو، اس کو تم کھالو۔ (صحیح مسلم: ۱۹۳۱، کتاب الصید والذبائح)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا ہے: ''جب تک وہ بدبودار نہ ہو، اس کو تم کھالو''۔ اس کی تاویل میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ جب وہ بدبوار ہو جائے گا تو اس سے گھن آئے گی اور اس سے طبیعت متنفر ہو گی، پس اگر اس نے کھالیا تو جائز ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جانور کی بدبودار کھال کو کھایا گیا۔ (صحیح البخاری: ۲۰۶۹) اور بعض علماء نے کہا ہے کہ جب اس جانور سے بدبو آرہی ہو تو اس کو نہ کھایا جائے، کیونکہ اس میں ضرر کا خطرہ ہے۔ اور اس بناء پر اس کا کھانا حرام ہو گا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۳۰۷۔۳۰۳ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۴۸۵۔ وَقَالَ عَبْدُ الْأَعْلَى عَنْ دَاوُدَ عَنْ عَامِرٍ عَنْ عَدِيٍّ أَنَّهُ قَالَ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم يَرْمِي الصَّيْدَ فَيَقْتَفِرُ أَثَرَهُ الْيَوْمَيْنِ وَالثَّلَاثَةَ ثُمَّ يَجِدُهُ مَيِّتًا وَفِيهِ سَهْمُهُ قَالَ يَأْكُلُ إِنْ شَاءَ۔

اور عبد الاعلیٰ نے کہا از داؤد از عامر از حضرت عدی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ وہ شکار کو تیر مارتے ہیں، پھر اس کے اثر کو دو دن یا تین دن تلاش کرتے ہیں، پھر ان کو وہ شکار مردہ ملتا ہے اور اس میں ان کا تیر ہوتا ہے۔ آپ

(صحیح مسلم:۱۹۲۹، سنن ابوداؤد:۲۸۵۳، مسند احمد:۱۸۷۹) نے فرمایا: اگر وہ چاہے تو اس کو کھالے۔

صحیح البخاری:۵۴۸۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر دو یا تین دن بعد شکار مردہ حالت میں ملے تو اس کو کھانے کا بیان

اس حدیث کی سند میں عبدالاعلیٰ کا ذکر ہے اور وہ ابن عبدالاعلیٰ السامی ہیں۔ان سے داؤد بن ابی ہند از عامر الشعبی روایت کرتے ہیں۔

اس تعلیق کی امام ابوداؤد نے از حسین بن معاذ بن عبدالاعلیٰ سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔

اس حدیث میں ''فیقتفی'' کا ذکر ہے۔یعنی وہ شکاری اس شکار کا پیچھا کرتا ہے،اس کو ڈھونڈتا ہے اور دو دن یا تین دن تک اس کو وہ شکار نہیں ملتا اور امام مسلم نے حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نے اپنا تیر مارا اور وہ تم سے غائب ہو گیا، پھر تم نے اس کو پالیا، سو تم اس کو کھالو جب تک کہ وہ شکار بدبودار نہ ہوا ہو۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ جس کو اس کا شکار تین دن کے بعد ملے تو اس کو کھالے اور اگر وہ بدبودار ہو گیا ہے تو اس کو چھوڑ دے۔اور اس کی تاویل میں اختلاف ہے۔

پس بعض نے کہا کہ جب وہ مردہ شکار بدبودار ہو گیا ہو تو سلیم طبیعت اس سے متنفر ہوتی ہے لیکن اگر اس نے اس کو کھالیا تو جائز ہے، جیسا کہ بدبودار کھال کے متعلق آیا ہے اور بعض نے کہا کہ جب اس کے اس بدبودار مردہ شکار کے کھانے سے ضرر کا اندیشہ ہو تو نہ کھائے اور اگر یہ اندیشہ قوی ہو تو پھر اس کا کھانا حرام ہے۔(عمدۃ القاری ج۲۱ ص۱۵۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۹۔بَابٌ: إِذَا وَجَدَ مَعَ الصَّيْدِ كَلْبًا آخَرَ — جب شکاری نے شکار کے ساتھ دوسرے کتے کو پایا، اس کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب شکاری نے کسی شکار پر اپنے کتے کو چھوڑا اور اس شکار کے ساتھ دوسرے کتے کو بھی پایا تو وہ کیا کرے؟ امام بخاری نے اس کا حکم نہیں بیان کیا، اور چونکہ حدیث میں اس کے حکم کا بیان ہے، انہوں نے اس پر اکتفاء کر لی۔

۵۴۸۶۔حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي السَّفَرِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أُرْسِلُ كَلْبِي وَأُسَمِّي فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ وَسَمَّيْتَ فَأَخَذَ فَقَتَلَ فَأَكَلَ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ قُلْتُ إِنِّي أُرْسِلُ كَلْبِي أَجِدُ مَعَهُ كَلْبًا آخَرَ لَا أَدْرِي أَيُّهُمَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن ابی السفر از الشعبی از حضرت عدی بن ابی حاتم رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں اپنا کتا شکار پر چھوڑتا ہوں اور بسم اللہ پڑھتا ہوں۔تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نے اپنا کتا چھوڑا اور تم نے بسم اللہ پڑھی، پس

أَخَذَهُ فَقَالَ لَا تَأْكُلْ فَإِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلَى كَلْبِكَ وَلَمْ تُسَمِّ عَلَى غَيْرِهِ وَسَأَلْتُهُ عَنْ صَيْدِ الْمِعْرَاضِ فَقَالَ إِذَا أَصَبْتَ بِحَدِّهِ فَكُلْ وَإِذَا أَصَبْتَ بِعَرْضِهِ فَقَتَلَ فَإِنَّهُ وَقِيذٌ فَلَا تَأْكُلْ۔

اس نے شکار کو پکڑ لیا اور مار ڈالا اور اس نے خود اس میں سے کھایا تو تم نہ کھاؤ، کیونکہ کتے نے وہ شکار اپنے لیے کیا ہے۔ میں نے عرض کیا: میں اپنا کتا بھیجتا ہوں اور شکار کے ساتھ دوسرے کتے کو بھی پاتا ہوں اور میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے کس کتے نے اس شکار کو پکڑا ہے۔ آپ نے فرمایا: تم اس کو نہ کھاؤ، کیونکہ تم نے اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھی ہے اور تم نے دوسرے کتے پر بسم اللہ نہیں پڑھی، اور میں نے آپ سے المعراض کے شکار کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: جب شکار پر معراض کی دھار لگے تو اس کو کھا لینا اور جب شکار پر معراض کی چوڑائی لگے اور وہ مر جائے تو پھر وہ موقوذہ ہے (یعنی چوٹ سے مرا ہے) پھر تم اس کو نہ کھاؤ۔

(صحیح البخاری: ۱۷۵، ۲۰۵۴، ۵۴۷۵، ۵۴۷۶، ۵۴۷۷، ۵۴۸۳، ۵۴۸۵، ۵۴۸۶، ۵۴۸۷، ۷۳۹۷، صحیح مسلم: ۱۹۲۹، سنن ترمذی: ۱۴۷۰، سنن نسائی: ۴۲۷۲، سنن ابوداؤد: ۲۸۵۴، سنن ابن ماجہ: ۳۲۰۸، مسند احمد: ۱۷۷۸۱، سنن دارمی: ۲۰۰۲)

صحیح البخاری: ۵۴۸۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث بعینہٖ وہی ہے جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، اور یہ حدیث ''صید المعراض'' کے باب میں گزر چکی ہے، سوا اس کے کہ وہاں اس کی روایت سلیمان بن حرب از شعبہ سے تھی اور یہاں اس کی روایت آدم بن ابی ایاس از شعبہ سے ہے۔ اور اس اختلاف کی وجہ سے امام بخاری نے یہ دو حدیثیں الگ الگ ذکر کی ہیں، اور ہر ایک کا عنوان اس حدیث کے مطابق ہے۔

صحیح البخاری: ۵۴۸۶ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب ایک شکار پر کئی کتے پائے جائیں تو اس کو کھانے کے متعلق فقہاء اسلام کی عبارات

حجاز اور عراق کے فقہاء اس پر متفق ہیں کہ جب کسی شکاری نے اپنے کتے کو شکار پر چھوڑا اور اس کے ساتھ دوسرا کتا بھی پایا گیا اور یہ پتا نہیں چلا کہ کون سے کتے نے شکار کو پکڑا ہے تو وہ شکار نہیں کھایا جائے گا اور ان کی دلیل حضرت عدی بن ابی حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور ہے۔ اور جن فقہاء نے یہ کہا ہے وہ عطاء ہیں اور ائمہ اربعہ اور ابوثور ہیں اور شارع علیہ السلام نے اس کی وجہ بیان کی ہے کہ تم نے اپنے کتے کے اوپر اس کو چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھی ہے اور تم نے دوسرے کے کتے کے اوپر بسم اللہ نہیں پڑھی، پس لائق ہے کہ جب کتے کو چھوڑا جائے تو اس کو اللہ کے لیے ذبح کرنے کی نیت کی جائے۔

اور امام اوزاعی یہ کہتے تھے کہ جب شکاری نے اپنے سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑا اور اس شکار کے اوپر دوسرا سدھایا ہوا کتا

جھپٹ پڑا اور دونوں نے اس کو مار ڈالا تو وہ حلال ہے اور اگر دوسرا کتا سدھایا ہوا نہ ہو تو پھر نہیں کھایا جائے گا۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ ھ نے نقل کیا ہے کہ جب اس نے سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑا تو اس پر اجماع ہے کہ اس کا کھانا جائز ہے اور اگر سدھایا ہوا کتا چل پڑا اور شکار پر جھپٹا اور اس کو پکڑ لیا اور اس کو کسی نے چھوڑا نہیں تھا تو اس کو کھانا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کتے کو کسی نے چھوڑا نہیں اور نہ اس کے ذبح کی نیت کی ہے اور اس پر اجماع ہے۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ جب کئی شکاریوں نے اپنے اپنے کتوں کو شکار پر چھوڑا اور ان میں سے ہر ایک نے بسم اللہ پڑھی، پھر وہ شکار مارا ہوا پایا گیا اور یہ پتا نہیں چلا کہ کس نے اس کو قتل کیا ہے تو ابوثور یہ کہتے تھے کہ جب شکار ان کے درمیان مارا گیا ہو تو وہ کھایا جائے گا اور اس پر اجماع ہے۔ اور اگر ان کا اختلاف ہو جائے اور کئی کتے اس شکار کے ساتھ متعلق ہوں تو جو کتے کا مالک ہے وہ اس شکار کا حق دار ہے۔ اور اگر شکار مارا گیا ہو اور کتے ایک طرف ہوں تو ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی اور جس کے نام کا قرعہ نکل آئے گا اس کو شکار دیا جائے گا۔

اور حدیث میں اس پر تنبیہ ہے کہ اگر وہ شکار زندہ پایا جائے تو ذبح کرنے سے حلال ہو جائے گا اور اگر اس شکار کے پکڑنے میں کئی شکاریوں کے کتے مشترک ہوں تو اس سے ضرر نہیں ہوگا کیونکہ اب اعتماد اس کے زندہ حالت میں پائے جانے اور ذبح کرنے پر ہے نہ کہ کتے کے پکڑنے پر۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۳۷۶-۳۷۸، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۸۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں حضرت عدی بن ابی حاتم رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے اور باب اول میں اس کی بحث گزر چکی ہے۔

اور باب اول میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ کتے کے مسئلہ میں تفصیل یہ ہے کہ جب شکار کے ہلاک کرنے میں دوسرا کتا بھی شریک ہو اور دوسری حدیث میں یوں ہے کہ جب شکار مارا ہوا ہو اور اس میں شکاری کے تیر کے علاوہ کوئی اور تیر ہو اور یہ پتا نہ چلے کہ یہ شکاری کے تیر سے مرا ہے یا کسی اور کے تیر سے مرا ہے تو اس تردد کی وجہ سے اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ سو اسی طرح اس صورت میں بھی اس کا کھانا جائز نہیں ہوگا۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۶۱۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۶۴۱، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۸۶، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

شکار پر بِسْمِ اللہِ پڑھنے کی شرط

یہ احادیث جیسا کہ ہم پڑھ رہے ہیں ان سب میں یہ ذکر ہے کہ شکار پر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو پڑھنا شرط ہے۔ اور شرط نہ سہواً ساقط ہوتی ہے نہ جہراً ساقط ہوتی ہے اور نہ عمداً ساقط ہوتی ہے۔ پس جب اس نے اپنا تیر مارا یا اپنے شکاری کتے کو چھوڑا اور بِسْمِ اللہِ پڑھنا بھول گیا اور شکار مر گیا تو وہ شکار حلال نہیں ہے، خواہ اس نے بھول کر بِسْمِ اللہِ پڑھنے کو ترک کیا ہو لیکن وہ گناہ گار

نہیں ہوگا کیونکہ اس نے بھول کر بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنے کو ترک کیا ہے، لیکن جب اس نے عمداً بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنے کو ترک کیا تو اس میں وہ گناہگار ہوگا، کیونکہ اس نے اس کام کو ترک کر دیا جس کا کرنا اس پر واجب تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس پر واجب کیا ہے کہ وہ شکار پر تیر مارتے وقت یا کتا چھوڑتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ پڑھے۔ پھر اس میں مال کو ضائع کرنا ہے اور وقت کو ضائع کرنا ہے اور عمل کو ضائع کرنا ہے۔ پس جس نے عمداً بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنے کو چھوڑ دیا، اگر اس کو علم تھا کہ وہ بِسْمِ اللّٰهِ نہیں پڑھ رہا اور اس کو یاد تھا کہ وہ بِسْمِ اللّٰهِ نہیں پڑھ رہا تو وہ گناہگار ہوگا اور شکار حلال نہیں ہوگا اور اگر اس نے جہالت کی وجہ سے بِسْمِ اللّٰهِ کے پڑھنے کو چھوڑا یا بھول کر بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنے کو چھوڑا تو وہ گناہگار نہیں ہوگا لیکن شکار حلال نہیں ہوگا، اور اس کی دو وجہیں ہیں:

(۱) قواعدِ شرعیہ سے معروف یہ ہے کہ شروط نسیان کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتیں اور یہ شرط ہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ (الانعام:۱۲۱) اور اس ذبیحہ کو نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔

سو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس جانور کے کھانے سے منع کیا ہے کہ جس پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا گیا اور یہ تفصیل نہیں کی کہ جس نے سہواً اللہ کا نام نہ لیا ہو۔

(میں کہتا ہوں: فقہاء احناف کے نزدیک جب کسی مسلمان نے جانور کو ذبح کیا اور وہ زبان سے بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو وہ جانور حلال ہے، کیونکہ مسلمان کے دل میں اللہ کا نام ہوتا ہے۔ سو اسی طرح اگر مسلمان نے کتے کو چھوڑا یا تیر مارا اور بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو وہ بھی حلال ہونا چاہیے اور اگر عمداً اس نے بسم اللہ نہیں پڑھی تو پھر وہ حلال نہیں ہوگا جیسا کہ شیخ عثیمین نے کہا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

نیز شیخ عثیمین لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے غلطی ہو جائے تو (البقرہ:۲۸۶) ہماری گرفت نہ کرنا۔

اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی نے بھول کر بسم اللہ پڑھنے کو ترک کیا تو اس کا شکار جائز ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں بھول سے کسی کام کے نہ کرنے پر گرفت کی نفی ہے اور گرفت کی نفی حکم کی نفی کو مستلزم نہیں ہے، سو اگر کسی نے بھول کر بسم اللہ نہیں پڑھی یا جہالت سے بسم اللہ نہیں پڑھی تو اس پر گناہ نہیں ہوگا، جیسے کسی انسان نے بھول کر بغیر وضو کے نماز پڑھ لی تو اس پر گناہ نہیں ہوگا لیکن اس کی نماز صحیح نہیں ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ اس نماز کو دہرائے، کیونکہ وضو کرنا نماز کی شرط ہے۔ اور امام احمد بن حنبل کے مذہب میں یہی مشہور ہے کہ شکار پر بسم اللہ کو پڑھنا شرط ہے اور اگر اس نے شکار پر بھولے سے بسم اللہ نہیں پڑھی یا سہواً نہیں پڑھی یا جہالت سے نہیں پڑھی یا عمداً نہیں پڑھی تو اس شکار کو کھانا جائز نہیں ہوگا۔ اور شیخ ابن تیمیہ کا بھی یہی مختار ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۳۱، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: خلاصہ یہ ہے کہ شیخ عثیمین حنبلی نے جو لکھا ہے کہ اگر شکار پر بھولے سے بسم اللہ کو نہیں پڑھا تو اس شکار کا کھانا جائز نہیں ہے، یہ فقہاء حنبلیہ کا مذہب ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک اگر کسی مسلمان نے بھولے سے شکار پر بسم اللہ کو نہیں پڑھا تو وہ شکار جائز ہوگا، کیونکہ مسلمان کے دل میں بہر حال اللہ کا نام ہوتا ہے۔ ہاں اگر وہ عمداً بسم اللہ کے پڑھنے کو ترک کرے تو پھر اس شکار

کو کھانا جائز نہیں ہوگا۔ (سعیدی غفرلہ)

١٠۔ بَابُ: مَا جَاءَ فِي التَّصَيُّدِ — شکار میں مشغول ہونے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

تصیُّد کا معنی ہے: تکلف سے شکار کرنا اور بہ طور پیشہ شکار میں مشغول ہونا، کیونکہ باب تفعّل کا خاصہ ہے: تکلف۔ اور بہ طور پیشہ کے شکار میں مشغول ہونا ممنوع نہیں ہے۔ ممنوع یہ ہے کہ کوئی انسان بہ طور لہو ولعب کے شکار کرے۔

(عمدۃ القاری ج ٢١ ص ١٥٢، دار الکتب العلمیہ بیروت ١٤٢١ھ)

یعنی اس کا مقصد شکار سے غذا حاصل کرنا نہ ہو بلکہ محض تفریح کے لیے اور دل لگی کے لیے اور مشغلہ کے طور پر شکار کرے تو یہ ممنوع ہے، کیونکہ اس طریقہ سے ایک جانور کی جان کو بغیر کسی مقصد کے ہلاک کرنا ہے اور اپنے وقت کو ضائع کرنا ہے اور اپنے عمل کو ضائع کرنا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

٥٤٨٧۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنِي ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ بَيَانٍ عَنْ عَامِرٍ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رضی الله عنه قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقُلْتُ إِنَّا قَوْمٌ نَتَصَيَّدُ بِهٰذِهِ الْكِلَابِ فَقَالَ إِذَا أَرْسَلْتَ كِلَابَكَ الْمُعَلَّمَةَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللهِ فَكُلْ مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكَ إِلَّا أَنْ يَأْكُلَ الْكَلْبُ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يَكُونَ إِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ وَإِنْ خَالَطَهَا كَلْبٌ مِنْ غَيْرِهَا فَلَا تَأْكُلْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن فُضیل نے خبر دی از بیان از عامر از حضرت عدی بن ابی حاتم رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، پس میں نے کہا: ہم ایسی قوم ہیں جو ان کتوں کے ساتھ شکار کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: جب تم اپنے سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑو اور تم بسم اللہ پڑھو تو اس کو کھالو جو کتے نے تمہارے لیے شکار کیا ہے، سوا اس صورت کے کہ کتا اس شکار سے کھالے، پھر تم اس کو نہ کھاؤ، کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ اس کتے نے اس شکار کو اپنے لیے کیا ہے اور اگر اس کے ساتھ دوسرا کتا بھی مل جائے تو پھر تم نہ کھاؤ۔

صحیح البخاری: ١٧٥، ٢٠٥٤، ٥٤٧٥، ٥٤٧٦، ٥٤٧٧، ٥٤٨٣، ٥٤٨٥، ٥٤٨٦، ٥٤٨٧، ٧٣٩٧، صحیح مسلم: ١٩٢٩، سنن ترمذی: ١٤٧٠، سنن نسائی: ٤٢٧٢، سنن ابوداؤد: ٢٨٥٤، سنن ابن ماجہ: ٣٢٠٨، مسند احمد: ١٨١٧٧، سنن دارمی: ٢٠٠٢)

صحیح البخاری: ٥٤٨٧، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: ''شکار میں مشغول ہونا'' اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ ہم ایسی قوم ہیں جو شکار کرتی ہے۔ یعنی ہم

لوگ شکار میں مشغول رہتے ہیں۔ اور اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد کا ذکر ہے، ان کا نام ہے محمد بن سلام، یہ الغسانی کا قول ہے۔ اور ابن فضیل کا ذکر ہے، یہ محمد بن فضیل بن غزوان کوفی ہیں۔ اور اس میں عامر کا ذکر ہے، یہ الشعبی ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ حدیث ''باب اذا اکل الکلب'' میں گزر چکی ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۴۸۳) اور وہاں اس کی شرح گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن ملقن اور علامہ کورانی حنفی نے بھی اس حدیث کی شرح نہیں کی، تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عدی بن ابی حاتم رضی اللہ عنہ نے یہ سوال کیا کہ ہم ایسی قوم ہیں جو شکار کرتے ہیں تو امام بخاری نے اس کو اس پر محمول کیا کہ شکار کرنا عام ہے، غذا حاصل کرنے کے لیے شکار کیا جائے، یا ضرورت کی وجہ سے شکار کیا جائے یا بہ طور پیشہ شکار کیا جائے یا بہ طور تفریح اور مشغلہ کے شکار کیا جائے، پہلی دو صورتوں میں شکار کرنا جائز ہے اور تیسری صورت میں شکار کرنا ممنوع ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۴۸۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ حَيْوَةَ بْنِ شُرَيْحٍ ح وحَدَّثَنِي أَحْمَدُ ابْنُ أَبِي رَجَاءٍ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ حَيْوَةَ بْنِ شُرَيْحٍ قَالَ سَمِعْتُ رَبِيعَةَ بْنَ يَزِيدَ الدِّمَشْقِيَّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو إِدْرِيسَ عَائِذُ اللهِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيَّ رضی الله عنه يَقُولُ أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا بِأَرْضِ قَوْمٍ أَهْلِ الْكِتَابِ نَأْكُلُ فِي آنِيَتِهِمْ وَأَرْضِ صَيْدٍ أَصِيدُ بِقَوْسِي وَأَصِيدُ بِكَلْبِي الْمُعَلَّمِ وَالَّذِي لَيْسَ مُعَلَّمًا فَأَخْبِرْنِي مَا الَّذِي يَحِلُّ لَنَا مِنْ ذَلِكَ فَقَالَ أَمَّا مَا ذَكَرْتَ أَنَّكَ بِأَرْضِ قَوْمٍ أَهْلِ الْكِتَابِ تَأْكُلُ فِي آنِيَتِهِمْ فَإِنْ وَجَدْتُمْ غَيْرَ آنِيَتِهِمْ فَلَا تَأْكُلُوا فِيهَا وَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَاغْسِلُوهَا ثُمَّ كُلُوا فِيهَا وَأَمَّا مَا ذَكَرْتَ أَنَّكَ بِأَرْضِ صَيْدٍ فَمَا صِدْتَ بِقَوْسِكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللهِ ثُمَّ كُلْ وَمَا صِدْتَ بِكَلْبِكَ الْمُعَلَّمِ فَاذْكُرِ اسْمَ اللهِ ثُمَّ كُلْ وَمَا صِدْتَ بِكَلْبِكَ الَّذِي لَيْسَ مُعَلَّمًا فَأَدْرَكْتَ ذَكَاتَهُ فَكُلْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوعاصم نے حدیث بیان کی از حیوۃ بن شریح ح، اور مجھے احمد بن ابی رجاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلمہ بن سلیمان نے حدیث بیان کی از ابن المبارک از حیوۃ بن شریح، انہوں نے کہا: کہ میں نے ربیعہ بن یزید الدمشقی سے سنا، انہوں نے کہا: مجھے ابو ادریس عائذ اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابو ثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ)! ہم اہل کتاب کے لوگوں کی زمین میں رہتے ہیں، ہم ان کے برتنوں میں کھاتے ہیں اور شکار کی زمین میں رہتے ہیں اور میں اپنے تیر کمان سے شکار کرتا ہوں اور میں اپنے سدھائے ہوئے کتے سے شکار کرتا ہوں اور جو سدھایا ہوا کتا نہ ہو، اس سے بھی شکار کرتا ہوں۔ سو آپ مجھے خبر دیں کہ ان میں سے کون سی چیز ہمارے لیے حلال ہے؟ تو آپ نے فرمایا: تم نے جو کہا ہے کہ تم اہل کتاب کے لوگوں کی زمین میں رہتے ہو اور تم ان کے برتنوں میں کھاتے ہو، تو اگر تم ان کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن پاؤ تو تم ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ اور اگر تم دوسرے برتنوں کو نہ پاؤ تو ان برتنوں کو

دھونے کے بعد ان برتنوں میں کھالو اور وہ جو تم نے ذکر کیا ہے کہ تم شکار کی سرزمین میں رہتے ہو، تو جو تم نے اپنے تیر کمان سے شکار کیا اور تیر چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھی تو پھر تم کھالو، اور جو تم نے اپنے سدھائے ہوئے کتے سے شکار کیا تو تم اس پر بسم اللہ پڑھو اور کھالو اور جو تم نے اس کتے سے شکار کیا جو سدھایا ہوا نہیں تھا، پھر تم نے اس شکار کو زندہ پالیا تو اس کو ذبح کر کے کھالو۔

(صحیح البخاری: ۵۴۸۸، ۵۴۹۶، صحیح مسلم: ۱۹۳۰، سنن ترمذی: ۱۴۶۴، سنن نسائی: ۴۲۲۶، سنن ابوداؤد: ۲۸۵۵، سنن ابن ماجہ: ۳۲۰۷، مسند احمد: ۱۷۷۲۷، سنن داری: ۲۴۹۹)

صحیح البخاری: ۵۴۸۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث بھی عنقریب اس باب میں ''ما اصاب المعراض بعرضه'' گزر چکی ہے۔ وہاں امام بخاری نے اس حدیث کی عبداللہ بن یزید سے روایت کی ہے اور یہاں اس حدیث کی دو سندوں کے ساتھ روایت کی ہے۔ ایک سند ہے از ابو عاصم الضحاک بن مخلد از نبیل از حیوٰۃ بن شریح بن ربیعہ۔۔۔ الیٰ خرہ۔ اور دوسری سند ہے از احمد بن ابی رجاء از سلمہ بن سلیمان مروزی۔ اور اس حدیث کی شرح گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۵۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۸۸ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

صحیح البخاری: ۵۴۸۸ حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ کے نام میں اختلاف ہے اور ان کے والد کے نام میں بھی بہت اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام جُرہم ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام جرہوم بن ناشب ہے۔ اور تیسرا قول ہے کہ ان کا نام ناشم ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ ان کا نام ناشر ہے اور پانچواں قول یہ ہے کہ ان کا نام الاشر بن جرہم ہے اور چھٹا قول یہ ہے کہ ان کا نام حمیر ہے، ساتواں قول یہ ہے کہ ان کا نام جرثومہ بن ناشج ہے اور اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

امام ابن سعد نے کہا ہے کہ حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت آئے جب آپ خیبر کی طرف جارہے تھے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر میں حاضر ہوئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سات آدمیوں کے وفد کے ساتھ جارہے تھے تو سب حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کے پاس ٹھہرے۔

علامہ واقدی نے کہا ہے کہ حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ شام میں ۷۵ھ میں فوت ہوئے تھے جب عبدالملک بن مروان کی خلافت کی

ابتداء تھی۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۴۱۶)

حافظ ابوعمر بن عبدالبر مالکی وغیرہ نے کہا ہے کہ حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ، ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی، پھر وہ شام میں چلے گئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہو گئے۔ اور ابن الکلبی نے کہا ہے کہ انہوں نے بیعتِ رضوان کی اور اپنی قوم کی طرف پیغام بھیجا تو وہ بھی اسلام لے آئی۔ (الاستیعاب ج ۴ ص ۱۸۳)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۳۸۰۔۳۸۱، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ کورانی حنفی متوفی ۸۹۳ھ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی شرح پہلے گزر چکی ہے اور یہاں امام بخاری اس حدیث کو اس لیے لائے ہیں کہ اس میں شکار کرنے کی اجازت ہے اور شکار کے مباح ہونے کی دلیل ہے۔

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری، ج ۹ ص ۱۴۹، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری ۵۴۸۸، کی شرح از علامہ قسطلانی

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ نے اہلِ کتاب کے برتنوں میں کھانے کے متعلق دریافت کیا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم کو دوسرے برتن مل جائیں تو ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ، اور اگر دوسرے برتن نہ ملیں تو ان کے برتنوں کو دھو کر ان میں کھالو''۔

غیر مسلموں کے برتنوں کو استعمال کرنے کا بیان

ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ اہلِ کتاب کے برتنوں کو استعمال کرنا صرف دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے:

ایک یہ ہے کہ ان کے علاوہ دوسرے برتن نہ ملیں اور دوسری شرط یہ ہے کہ ان کو دھو کر استعمال کیا جائے۔

اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ جب دوسرا برتن نہ ملے تو ان کو دھو کر استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ ان کے برتن دھونے سے پاک ہو جاتے ہیں۔ اور جب ان کے علاوہ دوسرے برتن میسر ہوں تو پھر ان کے برتنوں سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے، تاکہ اہلِ کتاب سے تنفر ہونے میں مبالغہ ہو۔

(ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، ج ۱۲ ص ۲۸۳۔۲۸۴، دارالفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۴۸۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ قَالَ حَدَّثَنِي هِشَامُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه قَالَ أَنْفَجْنَا أَرْنَبًا بِمَرِّ الظَّهْرَانِ فَسَعَوْا عَلَيْهَا حَتَّى لَغِبُوا فَسَعَيْتُ عَلَيْهَا حَتَّى أَخَذْتُهَا فَجِئْتُ بِهَا إِلَى أَبِي طَلْحَةَ فَبَعَثَ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِوَرِكَيْهَا أَوْ فَخِذَيْهَا فَقَبِلَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از شعبہ، انہوں نے کہا: مجھے ہشام بن زید نے حدیث بیان کی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: ہم نے مرالظہران کے پاس ایک خرگوش کو برانگیختہ کیا، اور سب اس کے پیچھے دوڑے حتیٰ کہ تھک گئے، پھر میں اس کے پیچھے دوڑا حتیٰ کہ میں نے اس کو پکڑ لیا۔ پس میں اس کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس

لایا، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کے کولہوں یا اس کی رانوں کو بھیجا تو آپ نے قبول فرمالیا۔

(صحیح البخاری: ۲۵۷۲، ۵۴۸۹، ۵۵۳۵، صحیح مسلم: ۱۹۵۳، سنن ترمذی: ۱۷۸۹، سنن نسائی: ۴۳۱۲، سنن ابن ماجہ: ۳۲۴۳، مسند احمد: ۱۲۳۲۶، سنن دارمی: ۲۰۱۳)

صحیح البخاری: ۵۴۸۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''انفجنا'' اس کا معنی ہے: ہم نے اس خرگوش کو برانگیختہ کیا یا ابھارا۔

اور اس حدیث میں ''مَرُّ الظهران'' کا لفظ ہے، یہ مکہ کے قریب ایک جگہ ہے، اس جگہ کا پانی کڑوا ہے، اس لیے اس کو مَرّ کہتے ہیں۔ اس حدیث میں مذکور ہے ''حتی لغبوا'': اس کا معنی ہے: حتیٰ کہ وہ تھک گئے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ میں اس خرگوش کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کے شوہر ہیں اور ان کا نام حضرت زید بن سہل الانصاری ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ اس کی شرح پہلے گزر چکی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس شرح کا خلاصہ یہ ہے کہ شکار کی طلب میں بھاگنا مستحب ہے۔ نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے احباب، اصحاب اور بزرگوں کی طرف تھوڑی مقدار میں ہدیہ پیش کرنا بھی جائز ہے، کیونکہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خرگوش کی رانیں بھیجی تھیں اور وہ مقدار میں بہت کم تھیں، نیز اس حدیث میں خرگوش کے کھانے کا ثبوت ہے۔ اس کے کھانے کے جواز پر ائمہ اربعہ متفق ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۱۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

موسیٰ بن طلحہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھنا ہوا خرگوش پیش کیا، آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: تم کھاؤ۔ اعرابی نے کہا: میں نے اس میں حیض کا خون دیکھا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ کچھ نہیں اور اعرابی سے فرمایا: تم کھاؤ۔ الحدیث

ہم اسی حدیث کے موافق کہتے ہیں کہ خرگوش کھایا جائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرگوش کا ہدیہ قبول فرمایا اور اس میں سے کھایا اور اپنے اصحاب رضوان اللہ علیہم کو اس کے کھانے کا حکم دیا ہے۔ (المبسوط ج ۱۱ ص ۲۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۸۹ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابن ملقن نے اس حدیث کی شرح میں یہاں پر ''انفجنا اور لغبوا اور الورك اور فخذین'' کے معانی لکھے ہیں اور زیادہ تفصیل نہیں کی۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۸۱۔ ۳۸۲، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

٥٤٩٠۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ حَتَّى إِذَا كَانَ بِبَعْضِ طَرِيقِ مَكَّةَ تَخَلَّفَ مَعَ أَصْحَابٍ لَهُ مُحْرِمِينَ وَهُوَ غَيْرُ مُحْرِمٍ فَرَأَى حِمَارًا وَحْشِيًّا فَاسْتَوَى عَلَى فَرَسِهِ ثُمَّ سَأَلَ أَصْحَابَهُ أَنْ يُنَاوِلُوهُ سَوْطًا فَأَبَوْا فَسَأَلَهُمْ رُمْحَهُ فَأَبَوْا فَأَخَذَهُ ثُمَّ شَدَّ عَلَى الْحِمَارِ فَقَتَلَهُ فَأَكَلَ مِنْهُ بَعْضُ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَبَى بَعْضُهُمْ فَلَمَّا أَدْرَكُوا رَسُولَ اللهِ ﷺ سَأَلُوهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ إِنَّمَا هِيَ طُعْمَةٌ أَطْعَمَكُمُوهَا اللهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابی النضر مولیٰ عمر بن عبید اللہ از نافع مولیٰ ابی قتادہ از حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے حتیٰ کہ مکہ کے کسی راستہ میں اپنے اصحاب کے ساتھ جو احرام باندھے ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے اور حضرت ابوقتادہ احرام باندھے ہوئے نہیں تھے۔ انہوں نے ایک جنگلی گدھا دیکھا، وہ اپنے گھوڑے پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، پھر انہوں نے اپنے اصحاب سے سوال کیا کہ وہ ان کو کوڑا اٹھا کر دے دیں تو انہوں نے انکار کیا، پھر کہا: اچھا ان کا نیزہ اٹھا کر دے دیں، انہوں نے اس کا انکار کیا، پھر حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے خود نیزہ اٹھالیا، پھر جنگلی گدھے پر حملہ کیا اور اس کو مار ڈالا، پس رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب نے اس میں سے کھایا اور دوسرے بعض نے انکار کیا، پھر جب ان کی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوگئی تو انہوں نے آپ سے اس کے متعلق دریافت کیا، تو آپ نے یہ فرمایا: یہ وہ کھانا ہے جو تم کو اللہ تعالیٰ نے کھلایا ہے۔

(صحیح البخاری: ١٨٢١، ١٨٢٢، ١٨٢٣، ١٨٢٤، ٢٥٧٠، ٢٨٥٤، ٢٩١٤، ٤١٤٩، ٥٤٠٦، ٥٤٠٧، ٥٤٩٠، ٥٤٩١، ٥٤٩٢، صحیح مسلم: ١١٩٦، سنن نسائی: ٢٨٢٤، مسند احمد: ٢٢٠٦٣، موطا امام مالک: ٧٨٦، سنن دارمی: ١٨٢٦)

صحیح البخاری: ٥٤٩٠، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: ''شکار میں مشغول ہونا'' اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ جو غیر مُحرم تھے، وہ ایک سفر میں جنگلی گدھے کو دیکھ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور اس پر حملہ کیا اور اس کو شکار کرلیا، تو اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند میں مذکور بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، اور یہ ابن ابی اویس ہیں، ان کا نام عبد اللہ ہے اور یہ مالک بن انس کے بھانجے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو النضر کا ذکر ہے، یہ سالم مولیٰ عمر بن عبید اللہ بن معمر القرشی ہیں۔ اور حضرت ابوقتادہ الحارث

الانصاری کا ذکر ہے، یہ صحابی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۹۰ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سوال کا جواب کہ جب حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ غیر مُحرم تھے تو انہوں نے میقات سے تجاوز کیوں کیا؟

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ غیر مُحرم تھے۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے میقات سے کیسے تجاوز کیا جب کہ وہ غیر محرم تھے؟

اور علامہ ابو عبد الملک نے کہا: یہ عمرۃ الحدیبیہ کا واقعہ ہے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ سے احرام باندھا تھا، اور حضرت ابو قتادہ اور ان کے اصحاب کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ ساحلِ سمندر کے راستہ سے جائیں احرام باندھنے سے پہلے، پھر حضرت ابو قتادہ کے اصحاب نے احرام باندھ لیا اور انہوں نے احرام نہیں باندھا حتیٰ کہ انہوں نے جنگلی گدھے کو دیکھا۔

شکار میں مُحرم کے لیے غیر محرم کی مدد کرنے کا عدم جواز

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ "حضرت ابو قتادہ نے اپنے اصحاب سے کہا کہ وہ ان کو کوڑا اٹھا کر دیں تو انہوں نے انکار کیا"،
اس سے معلوم ہوا کہ محرم غیر محرم کی شکار میں مدد نہیں کر سکتا۔

اور صحیح البخاری کی بعض روایات میں ہے: آپ نے صحابہ سے پوچھا: کیا تم نے اس جنگلی گدھے کی طرف اشارہ کیا تھا یا ان کی مدد کی تھی، تو صحابہ نے عرض کی: نہیں!

جب مُحرم کے لیے شکار نہ کیا گیا ہو تو پھر مُحرم کے لیے شکار کو کھانے کا جواز

ابن وہب نے کہا ہے: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو شخص غیر محرم ہو وہ اپنے لیے کسی جانور کا شکار کر سکتا ہے اور محرم کے لیے نہ کرے اور تمام شہروں کے فقہاء کا یہی مذہب ہے اور حضرت عبد اللہ بن عمرو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے کہا کہ محرم کے لیے شکار کو کھانا جائز نہیں ہے۔

امام مالک نے کہا: محرم شکار کو نہ کھائے، خواہ مُحرم نے اس کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہو یا نہ دیا ہو۔ اور عطاء، امام احمد بن حنبل، اسحاق اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے اور امام ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ مُحرم کے لیے شکار کو کھانا جائز ہے جب کہ اس نے نہ شکار کی طرف اشارہ کیا ہو اور نہ اس کے لیے شکار کیا گیا ہو۔

بہ طورِ پیشہ اور کسبِ معاش کے لیے شکار کرنے کا جواز

اس پر اجماع ہے کہ بہ طورِ پیشہ اور بہ طورِ طلبِ معاش شکار کرنا جائز ہے اور امام مالک نے کہا: جو لذت کے لیے شکار کرتا ہو، اس کی شہادت جائز نہیں ہے اور حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جنگل میں رہتا ہے، اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور جو شکار کا پیچھا کرتا ہے، اس کا دل غافل ہو جاتا ہے اور جو شیطان کی پیروی کرتا ہے، وہ فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (سنن نسائی:

۱۵۴۳، سنن ابوداؤد: ۲۸۵۹، سنن ترمذی: ۲۲۵۶)

مگر جو شخص لذت کے لیے شکار کرتا ہے اس میں غور کرنا چاہیے کہ اگر وہ اپنے فرائض کو ضائع کر دیتا ہے، اور جو نماز کے اوقات ہیں اور دیگر احکام شرعیہ ہیں ان کی رعایت نہیں کرتا تو یہ وہ چیز ہے جو اس کی شہادت کو ساقط کرتی ہے خواہ وہ شکار نہ کرتا ہو۔ اور اگر وہ ان میں سے کوئی چیز ظاہر نہ کرتا ہو تو پھر اس کی شہادت مسترد نہیں ہوگی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۳۸۰۔ ۳۸۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۴۹۱۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ مِثْلَهُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ هَلْ مَعَكُمْ مِنْ لَحْمِهِ شَيْءٌ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از زید بن اسلم از عطاء بن یسار از حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ، یہ حدیث بھی اسی کی مثل ہے، مگر اس میں یہ ارشاد ہے کہ آپ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس اس کے گوشت میں سے کوئی چیز ہے؟

(صحیح البخاری: ۱۸۲۱، ۱۸۲۲، ۱۸۲۳، ۱۸۲۴، ۲۵۷۰، ۲۸۵۴، ۲۹۱۴، ۴۱۴۹، ۵۴۰۶، ۵۴۰۷، ۵۴۹۰، ۵۴۹۱، ۵۴۹۲، صحیح مسلم: ۱۱۹۶، سنن نسائی: ۲۸۲۴، مسند احمد: ۲۲۰۶۳، موطا امام مالک: ۷۸۶، سنن دارمی: ۱۸۲۶)

صحیح البخاری: ۵۴۹۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے، اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کتاب الحج میں چار مسلسل ابواب میں مختلف سندوں کے ساتھ گزر چکی ہے اور ان کے متون میں بھی کچھ اضافہ اور کچھ کمی ہے۔ البتہ زید بن اسلم کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ آپ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس اس کے گوشت میں سے کوئی چیز ہے؟

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۵۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۸۷، ۵۴۸۸، ۵۴۸۹، ۵۴۹۰، ۵۴۹۱، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان احادیث میں یہ دلیل ہے کہ شکار میں مشغول ہونا جائز ہے اور انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ شکار کو طلب کرے اور یہ طور لھو ولعب کے شکار نہ کرے لیکن شکار کو کھانے کے لیے شکار کرے یا اس کو فروخت کرنے کے لیے شکار کرے، رہا لہو ولعب کے لیے شکار کرنا تو یہ ممنوع ہے۔ اور بسا اوقات انسان سے اس پر مواخذہ ہوگا خاص طور پر جب اس سے یہ لازم آئے کہ وہ شکار کرنے کے سبب سے لوگوں کے کھیتوں کو خراب کرے اور ان کے باغوں میں داخل ہو یا ان کی املاک میں تصرف کرے۔

صحیح البخاری: ۵۴۸۹، میں یہ دلیل ہے کہ خرگوش حلال ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خرگوش کے شکار پر برقرار رکھا اور آپ کے پاس جو خرگوش کا گوشت پیش کیا گیا تھا، آپ نے اس کو کھایا اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو اس سے پہلے بھی گزر چکی ہے اس میں یہ دلیل ہے کہ جب غیر محرم کسی شکار کو مار ڈالے تو جو اس کے احباب محرم ہوں، ان کے لیے اس کو کھانا جائز ہے، جب تک کہ

اس نے ان کی وجہ سے شکار نہ کیا ہو، کیونکہ اس صورت میں اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت الصعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ نے ایک جنگلی گدھے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شکار کیا تو آپ نے اس کو قبول نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا: ہم اس کو صرف اس لیے واپس کر رہے ہیں کہ ہم مُحرم ہیں۔

فائدہ: فقہاء کہتے ہیں کہ اگر شکاری پرندے شکار کیے ہوئے پرندے کو کھالیں تو کوئی حرج نہیں ہے مثلاً باز کبوتر کا شکار کرے اور اس کا کچھ حصہ کھالے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ شکاری پرندے کے لیے شکار کرنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ وہ خود اس میں سے کچھ نہ کھالے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۳۳، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۱۔ بَابُ: التَّصَيُّدِ عَلَى الْجِبَالِ — پہاڑوں پر شکار کرنا

یعنی شکار کرنے کے لیے پہاڑوں پر چڑھ کر جانا جائز ہے۔ اس عنوان میں الجِبال کا لفظ ہے، یہ الجبل کی جمع ہے اور جبل کا معنی پہاڑ ہے۔

۵۴۹۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ الْجُعْفِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنَا عَمْرٌو أَنَّ أَبَا النَّضْرِ حَدَّثَهُ عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ وَأَبِي صَالِحٍ مَوْلَى التَّوْأَمَةِ سَمِعْتُ أَبَا قَتَادَةَ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِيمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ وَهُمْ مُحْرِمُونَ وَأَنَا رَجُلٌ حِلٌّ عَلَى فَرَسٍ وَكُنْتُ رَقَّاءً عَلَى الْجِبَالِ فَبَيْنَا أَنَا عَلَى ذَلِكَ إِذْ رَأَيْتُ النَّاسَ مُتَشَوِّفِينَ لِشَيْءٍ فَذَهَبْتُ أَنْظُرُ فَإِذَا هُوَ حِمَارُ وَحْشٍ فَقُلْتُ لَهُمْ مَا هَذَا قَالُوا لَا نَدْرِي قُلْتُ هُوَ حِمَارٌ وَحْشِيٌّ فَقَالُوا هُوَ مَا رَأَيْتَ وَكُنْتُ نَسِيتُ سَوْطِي فَقُلْتُ لَهُمْ نَاوِلُونِي سَوْطِي فَقَالُوا لَا نُعِينُكَ عَلَيْهِ فَنَزَلْتُ فَأَخَذْتُهُ ثُمَّ ضَرَبْتُ فِي أَثَرِهِ فَلَمْ يَكُنْ إِلَّا ذَاكَ حَتَّى عَقَرْتُهُ فَأَتَيْتُ إِلَيْهِمْ فَقُلْتُ لَهُمْ قُومُوا فَاحْتَمِلُوا قَالُوا لَا نَمَسُّهُ فَحَمَلْتُهُ حَتَّى جِئْتُهُمْ بِهِ فَأَبَى بَعْضُهُمْ وَأَكَلَ بَعْضُهُمْ فَقُلْتُ لَهُمْ أَنَا أَسْتَوْقِفُ لَكُمُ النَّبِيَّ ﷺ فَأَدْرَكْتُهُ فَحَدَّثْتُهُ الْحَدِيثَ فَقَالَ لِي أَبَقِيَ مَعَكُمْ شَيْءٌ مِنْهُ قُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ كُلُوا فَهُوَ طُعْمٌ أَطْعَمَكُمُوهُ اللَّهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن سلیمان الجعفی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو نے خبر دی کہ ان کو ابوالنضر نے حدیث بیان کی از نافع مولیٰ ابی قتادہ و ابوصالح مولیٰ التوأمۃ، انہوں نے بیان کیا: میں نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے راستہ میں تھا، اور ہم احرام باندھے ہوئے تھے، اور میں ایسا مرد تھا جو غیر محرم تھا، میں اپنے گھوڑے پر سوار تھا اور میں پہاڑوں پر چڑھنے کا بہت ماہر تھا۔ پس جب میں اسی حال پر تھا تو لوگ کسی چیز کی طرف چور نگاہوں سے دیکھ رہے تھے تو میں بھی دیکھنے لگا تو اچانک وہ ایک جنگلی گدھا تھا، میں نے ان سے کہا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہم کو پتا نہیں، میں نے کہا: یہ تو جنگلی گدھا ہے، تو انہوں نے کہا: یہ تو وہی ہے جو تم نے دیکھا ہے اور میں اپنا کوڑا بھول گیا تھا، میں نے ان سے کہا: مجھے میرا کوڑا اٹھا دو تو انہوں نے کہا: ہم تمہاری اس پر مدد نہیں کریں گے۔ پس میں گھوڑے سے اترا اور میں نے کوڑا اٹھایا، پھر میں نے اس جنگلی گدھے کے پیچھے گھوڑا دوڑایا، پھر میں نے اس کو پالیا حتیٰ کہ میں نے اس کو ذبح کر دیا، پھر میں ان کے پاس آیا اور کہا: اٹھو اور اس جنگلی گدھے کو اٹھا

کر لے آؤ، تو ان صحابہ نے کہا: ہم اس کو نہیں چھوئیں گے، پھر میں نے اس کو اٹھایا حتیٰ کہ ان کے پاس لے آیا، پھر بعض صحابہ نے اس کو کھانے سے انکار کیا اور بعض نے کھالیا، تو میں نے ان سے کہا: میں تمہارے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کروں گا، سو میں نے آپ کو پالیا اور میں نے آپ کو یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا: کیا تمہارے پاس اس میں سے کچھ گوشت بچا ہوا ہے، میں نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے فرمایا: کھاؤ یہ وہ کھانا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہیں کھلایا ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۸۲۱، ۱۸۲۲، ۱۸۲۳، ۱۸۲۴، ۲۵۷۰، ۲۸۵۴، ۲۹۱۴، ۴۱۴۹، ۵۴۰۶، ۵۴۰۷، ۵۴۹۰، ۵۴۹۱، ۵۴۹۲، صحیح مسلم: ۱۱۹۶، سنن نسائی: ۲۸۲۴، مسند احمد: ۲۲۰۶۳، موطا امام مالک: ۷۸۶، سنن دارمی: ۱۸۲۶)

صحیح البخاری: ۵۴۹۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مناسبت

اس حدیث میں مذکور ہے: "میں پہاڑوں پر چڑھنے میں ماہر اور مشاق تھا"۔ اس کا معنی یہ ہے کہ میں پہاڑوں پر بہت زیادہ چڑھتا تھا، اور پہاڑوں پر چڑھنے اور اترنے میں مشقت اور تکلف ہے اور عنوان کا بھی یہی مقصد ہے کہ مشقت اور تکلف سے شکار کیا جائے۔ اور اس وقت مراد یہ تھی کہ انہوں نے پہاڑ کے اوپر سے شکار کیا ہے۔ اسی لیے کہا کہ میں پہاڑ سے اترا یا گھوڑے سے اترا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن سلیمان کا ذکر ہے، یہ ابوسعید الجوفی الکوفی ہیں، جو مصر میں رہتے تھے اور یہ عبداللہ بن وہب مصری سے روایت کرتے تھے۔ اور وہ عمرو بن حارث المصری سے روایت کرتے تھے۔ اور اس حدیث میں ابوالنضر کا ذکر ہے، جو سالم ہیں اور وہ از نافع مولیٰ ابی قتادہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور ابوصالح نبہان کا ذکر ہے، جو توأمة کے مولیٰ ہیں۔

ابن التین نے حکایت کی ہے کہ توأمة، حطمه کے وزن پر ہے، علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ جب دو بچے ایک پیٹ سے پیدا ہوں تو ہر ایک کو توأمة کہا جاتا ہے۔

اور کہا جاتا ہے: یہ اس کا توأم ہے اور اس کی جمع تواٴم ہے جیسے جعفر کی جمع جعافر ہے۔ اور اس حدیث میں جس توأمة کا ذکر ہے، وہ امیہ بن خلف الجمحی کی بیٹی ہیں۔ ان کو توأمة، اس لیے کہا گیا کہ یہ اپنی ماں کے پیٹ میں اپنی بہن کے ساتھ پیدا ہوئی تھیں یعنی جڑواں۔ اور ابوصالح نبہان جو توأمة کے مولیٰ ہیں، ان کی صحیح بخاری میں صرف یہی روایت ہے۔ اور نافع اور ابوصالح کا جو ذکر کیا گیا ہے، یہ دونوں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور یہ حدیث ابوصالح نبہان کی سند سے محفوظ ہے نہ کہ ان کے بیٹے صالح کی وجہ سے۔ اور جس نے اس کے علاوہ گمان کیا، اس نے غلطی کی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ مُحرم تھے اور یہ بھی مذکور ہے کہ میں ایسا مرد تھا جو غیر مُحرم تھا، ان دونوں جملوں میں واؤ حالیہ ہے، یعنی اس حال میں میں غیر مُحرم تھا اور دیگر اصحاب مُحرم تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''متشوفین'': یہ لفظ تشوف سے بنا ہے، یعنی جب کوئی شخص کسی چیز کو چور نگاہوں سے دیکھے، یعنی حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے اصحاب دراز گوش کی طرف چور نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ یعنی کسی چیز کو کن اکھیوں سے دیکھنا تا کہ دوسرے کو پتا نہ چلے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''فی اثرہ'': یعنی میں نے دراز گوش کے پیچھے گھوڑا دوڑایا۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے: ''عقرتہ'': یعنی میں نے اس جنگلی گدھے کو زخمی کر دیا۔ اس حدیث میں مذکور ہے۔ ''فابی بعضھم'': یعنی بعض صحابہ کھانے سے رک گئے تو میں نے کہا: میں تمہارے لیے اس کا مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کروں گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۹۲ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

شکار کے حصول کے لیے مشقت برداشت کرنے کا جواز

امام بخاری نے یہ تنبیہ کی ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنی سواری کو کسی غرض صحیح کی بناء پر مشقت میں ڈالنا جائز ہے اور وہ غرض یہاں پر شکار کرنا ہے، اور پہاڑ پر چڑھنا اور اترنا کسی مباح مقصد کے لیے جائز ہے اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے جو گھوڑا یا نیزہ مار کر دراز گوش کو زخمی کیا، یہ کسی حیوان کو عذاب دینا نہیں ہے بلکہ اس کے گوشت کو حاصل کرنے کا طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے کھانے کے لیے جائز قرار دیا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۳۸۶، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۱۲۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ (المائدہ: ۹۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے، تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے

صحیح البخاری باب: ۱۲ کی تعلیقات

وَقَالَ عُمَرُ صَيْدُهٗ مَا اصْطِيدَ وَطَعَامُهٗ مَا رَمٰى بِهٖ وَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ الطَّائِيُّ حَلَالٌ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ طَعَامُهٗ

صحیح البخاری باب: ۱۲ کی تعلیقات کے تراجم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: سمندر کا شکار وہ ہے جس کا کسی طریقہ سے شکار کیا جائے، اور سمندر کا طعام وہ ہے جس کو سمندر باہر پھینک

مَيْتَتُهُ إِلَّا مَا قَذِرْتَ مِنْهَا وَالْجِرِّيُّ لَا تَأْكُلُهُ الْيَهُودُ وَنَحْنُ نَأْكُلُهُ وَقَالَ شُرَيْحٌ صَاحِبُ النَّبِيِّ ﷺ كُلُّ شَيْءٍ فِي الْبَحْرِ مَذْبُوحٌ وَقَالَ عَطَاءٌ أَمَّا الطَّيْرُ فَأَرَى أَنْ يَذْبَحَهُ۔

دے۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: سمندر میں مرا ہوا جانور جو سطح آب پر آ کر تیرنے لگے وہ حلال ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سمندر کا طعام سمندر کا مردار ہے، مگر جو خراب ہو کر بدبودار ہو گیا ہو۔ اور بام مچھلی کو یہود نہیں کھاتے اور ہم اس کو کھاتے ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت شریح رضی اللہ عنہ نے کہا: سمندر میں (ہر مری ہوئی چیز) مذبوح ہے۔ اور عطاء نے کہا: رہے سمندری پرندے تو میری رائے یہ ہے کہ ان کو ذبح کیا جائے۔

وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ قُلْتُ لِعَطَاءٍ صَيْدُ الْأَنْهَارِ وَقِلَاتِ السَّيْلِ أَصَيْدُ بَحْرٍ هُوَ قَالَ نَعَمْ ثُمَّ تَلَا:

اور ابن جریج نے کہا: میں نے عطاء سے پوچھا: کہ دریاؤں کے شکار اور سیلاب کے گڑھوں کا شکار، کیا وہ بھی سمندری شکار کے مثل ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں، پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی:

هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهُ وَ هٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ؕ وَ مِنْ كُلٍّ تَأْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا (فاطر:۱۲)

''یہ بہت میٹھا ہے، اس کو پینا خوشگوار ہے اور یہ دوسرا نمکین سخت کھاری ہے اور تم ہر ایک سے تازہ گوشت کھاتے ہو'' (فاطر:۱۲)

وَرَكِبَ الْحَسَنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى سَرْجٍ مِنْ جُلُودِ كِلَابِ الْمَاءِ

اور حضرت حسن علیہ السلام سمندری کتے سے بنی ہوئی کھال کی زین کے اوپر سوار ہوئے۔

وَقَالَ الشَّعْبِيُّ لَوْ أَنَّ أَهْلِي أَكَلُوا الضَّفَادِعَ لَأَطْعَمْتُهُمْ وَلَمْ يَرَ الْحَسَنُ بِالسُّلَحْفَاةِ بَأْسًا وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كُلْ مِنْ صَيْدِ الْبَحْرِ نَصْرَانِيٍّ أَوْ يَهُودِيٍّ أَوْ مَجُوسِيٍّ وَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ فِي الْمُرِي ذَبَحَ الْخَمْرَ النِّينَانُ وَالشَّمْسُ۔

اور الشعبی نے کہا: اگر میرے گھر والے مینڈک کھائیں تو میں ان کو مینڈک کھلاؤں گا۔ اور حسن بصری کچھوا کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سمندر کے شکار سے کھاؤ خواہ نصرانی نے کیا ہو یا یہودی نے کیا ہو یا مجوسی نے کیا ہو، اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے شراب میں ڈوبی ہوئی مچھلی کے متعلق کہا: اس مچھلی کو شراب نے اور دھوپ نے ذبح کر دیا۔

تعلیقاتِ مذکورہ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ ان تعلیقات کی شرح میں لکھتے ہیں:

سمندری جانور کا حلال ہونا

وقال عمر: صیدہ ما صطید و طعامہ ما رمی بہ:

یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ سمندر کا شکار وہ ہے جس کو کسی طریقہ سے سمندر سے شکار کیا جائے اور سمندر کا طعام وہ ہے جس کو سمندر نکال کر باہر پھینک دے۔

اس تعلیق کی امام عبد بن حمید نے سندِ موصول کے ساتھ از عمر بن ابی سلمہ از والد خود از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں بحرین میں آیا تو مجھ سے وہاں کے لوگوں نے سوال کیا کہ جس سمندری جانور کو سمندر نکال کر باہر پھینک دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو میں نے ان کو حکم دیا کہ وہ اس کو کھائیں۔ پھر جب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو میں نے اس قصہ کا ذکر کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کی:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ (المائدہ:۹۶) تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے۔

سمندر میں مرا ہوا جانور جو سطحِ آب پر آ کر تیرنے لگے، اس کے حرام ہونے کی تحقیق

وقال ابوبکر: الطافی حلال۔

یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جو سمندر میں مر جائے اور پانی کے اوپر ابھر آئے اور اس میں ڈوبے نہیں، وہ حلال ہے۔

اس تعلیق کی امام ابن ابی شیبہ نے از وکیع از سفیان از عبد الملک بن ابی بشر از عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق شہادت دیتا ہوں کہ انہوں نے کہا: جو مری ہوئی مچھلی پانی پر ابھر آئے، وہ حلال ہے۔ اور امام طحاوی نے کتاب الصید میں یہ اضافہ کیا ہے کہ جو اس کو کھانا چاہے اس کے لیے حلال ہے۔ اور ہمارے اصحابِ احناف نے کہا ہے: مری ہوئی مچھلی جو پانی پر ابھر آئے، اس کا کھانا مکروہ ہے۔ اور امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور غیر مقلدین نے کہا کہ اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً فرمایا ہے کہ سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۸۳، سنن نسائی: ۵۹، سنن ترمذی: ۶۹، سنن ابن ماجہ: ۳۸۶)

فقہاءِ احناف یہ کہتے ہیں کہ اس مردار سے مراد مطلقاً مردار نہیں ہے بلکہ جو مچھلی مر کر سطحِ آب پر ابھر آئے، اس کے علاوہ سمندری جانور مراد ہیں اور ان کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

از یحییٰ بن سلیم از اسماعیل بن امیہ از ابی الزبیر از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس جانور کو سمندر نے پھینک دیا یا جس جانور سے سمندر پیچھے ہٹ جائے، سو تم اس کو کھا لو اور جو جانور سمندر میں مر کر اوپر ابھر آئے، سو تم اس کو نہ کھاؤ''۔ اس حدیث کی امام ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۸۱۵، سنن ابن ماجہ: ۳۲۴۷)

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ امام بیہقی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یحییٰ بن سلیم کثیر الوہم اور بد حافظہ ہے۔ اور دوسروں نے اس حدیث کی موقوفاً روایت کی ہے۔ تو میں کہوں گا کہ یحییٰ بن سلیم سے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کی ہے، سو وہ ثقہ راوی ہیں۔ اور ابن القطان نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ یحییٰ ثقہ ہیں۔

اور اگر تم یہ اعتراض کرو کہ امام ابن الجوزی نے کہا ہے کہ اسماعیل بن امیہ متروک ہے، تو میں کہوں گا: اس طرح نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے یہ گمان کیا کہ اسماعیل بن امیہ، وہ ابو الصلت الزارع ہیں اور وہ متروک الحدیث ہے، لیکن یہ اسماعیل بن امیہ القرشی الاموی ہے، اور جس کا انہوں نے گمان کیا ہے، وہ ان کے طبقہ میں نہیں ہے۔

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ امام ابوداؤد نے کہا ہے کہ اس حدیث کی الثوری اور ایوب اور حماد نے ابو الزبیر سے حضرت جابر پر موقوفاً

روایت کی ہے اور سندِ ضعیف سے اس کی از ابن ابی الذئب از ابی الزبیر از حضرت جابر رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت ہے کہ جس مچھلی کا تم شکار کرو اور وہ زندہ ہو تو اس کو کھالو۔ اور جس کو تم مر کر اور پانی پر ابھرا ہوا پاؤ، اس کو نہ کھاؤ۔ اور امام ترمذی نے کہا: میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: یہ حدیث محفوظ نہیں ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف منقول ہے اور مجھے ابن ابی الذئب کی ابی الزبیر سے کسی روایت کا علم نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ رہا امام بخاری کا یہ کہنا کہ مجھے ابن ابی الذئب کی ابی الزبیر سے کسی روایت کا علم نہیں ہے، یہ ان کے مذہب کی بناء پر ہے، کیونکہ وہ حدیث معنعن میں ثبوتِ سماع کی شرط لگاتے ہیں اور امام مسلم نے اس شرط پر شدید انکار کیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ یہ من گھڑت قول ہے اور جس پر اتفاق ہے، وہ یہ ہے کہ حدیث متصل کے لیے راوی اور مروی عنہ کی ملاقات اور سماع کا امکان کافی ہے۔ اور ابن ابی الذئب نے بالاتفاق ابوالزبیر کا زمانہ پایا اور ان کا اس سے سماع ممکن ہے، لہٰذا یہ حدیث متصل ہے اور صحیح ہے۔

اور امام حاکم نے المستدرک میں سندِ صحیح کے ساتھ اور امام طحاوی نے احکام القرآن میں یہ حدیث ذکر کی ہے:

از ربیع بن سلیمان المرادی از اسد بن موسیٰ از اسماعیل بن عیاش از عبدالعزیز بن عبداللہ از وہب بن کیسان ونعیم بن عبداللہ المجمر از جابر بن عبداللہ از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: آپ نے فرمایا: جس سے سمندر پیچھے ہٹ جائے، اس کو کھالو اور جس کو سمندر پھینک دے اس کو بھی کھالو، اور جس کو تم مرا ہوا اور پانی پر ابھرا ہوا پاؤ، اس کو نہ کھاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ۔ (المائدہ: ۳) تم پر حرام کیا گیا ہے مردار۔

اس آیت سے مطلقاً مردار کو حرام کیا گیا ہے اور اس سے مچھلی مستثنیٰ ہے، سوا اس مچھلی کے جو مر کر پانی پر ابھر آئے، کیونکہ اس کی حلت میں اختلاف ہے۔ لہٰذا وہ مردار کے عموم میں داخل ہے۔ پس ان دلائل سے ثابت ہو گیا کہ جو مچھلی مر کر پانی پر ابھر آئے، اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگرچہ بعض دلائل کی وجہ سے ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین نے اس مردار مچھلی کے کھانے کو جائز کہا ہے، لیکن جب حلت اور حرمت دونوں کے دلائل موجود ہوں تو حرمت کے دلائل کو ترجیح دی جاتی ہے، لہٰذا راجح یہی ہے کہ مری ہوئی مچھلی جو پانی پر ابھر آئے، اس کا کھانا جائز نہیں ہے، کیونکہ سننِ ابوداؤد اور سنن ابنِ ماجہ میں اس کے کھانے کی صریح ممانعت ہے اور اس حدیث پر جو امام بیہقی وغیرہ نے اعتراضات کیے ہیں، اس کے علامہ عینی قدس سرہٗ نے بہت کافی شافی جوابات لکھ دیے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

سمندری طعام کا بیان

وقال ابن عباس: طعامہ میتتہ الا ما قذِرت منہا:

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سمندری طعام کے متعلق اس آیت سے استدلال کیا:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ (المائدہ: ۹۶) تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے۔

یعنی سمندر میں مرا ہوا جانور حلال ہے، مگر جو مردار بدبودار ہو جائے اور اس سے گھن آئے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تعلیق کی امام طبری نے اپنی سندِ موصول کے ساتھ اسی آیت کی تفسیر میں روایت کی ہے۔

بام مچھلی کے کھانے کا جواز

والجری لاتاکله الیهود ونحن ناکله:

یعنی بام مچھلی کو یہود نہیں کھاتے اور ہم کھاتے ہیں، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، جس کی امام ابن شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے اور امام ابن شیبہ کی ایک روایت میں ہے کہ الشوری نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بام مچھلی کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس کو صرف یہود حرام قرار دیتے ہیں اور ہم اس کو کھاتے ہیں۔

قاضی عیاض نے کہا کہ بام مچھلی وہ ہے جس کا چھلکا نہیں ہوتا اور عطاء نے کہا: ہر موٹی مچھلی بام مچھلی ہے اور علامہ ابن التین نے کہا اس کو ''الجریث'' بھی کہا جاتا ہے۔ الازہری نے کہا: ''الجریث'' مچھلی کی ایک قسم ہے جو سانپ کے مشابہ ہوتی ہے اور اس کو ''مارماھی'' بھی کہا جاتا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں ''جریث'' سیاہ رنگ کی مچھلی ہوتی ہے اور مار ماھی فارسی کا لفظ ہے۔

سمندر کے ہر جانور کے مذبوح ہونے کا بیان

وقال شریح صاحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم: کل شیء فی البحر مذبوح:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت شریح رضی اللہ عنہ نے کہا: سمندر میں ہر چیز مذبوح ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ تعلیق زید اور ابن السکن اور جرجانی کی روایت میں ثابت نہیں ہے، یہ صرف اُصیلی کی روایت میں ثابت ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ یہ شریح بن ہانی ہیں اور صحیح یہ ہے کہ یہ ان کے علاوہ کوئی اور ہیں، کیونکہ شریح بن ہانی بن یزید بن کعب الحارثی جاہلی اسلامی ہیں، ان کی کنیت ابوالاسلام ہے اور ان کی کنیت ابوالمقدام ہے، اور وہ صحابی ہیں اور رہے ان کے بیٹے شریح، تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور انہوں نے نہ آپ سے سماع کیا اور نہ آپ سے ملاقات کی۔ اور جس شریح کا یہاں ذکر کیا گیا ہے، یہ وہی ہیں۔

حافظ ابو عمر نے کہا ہے کہ شریح صحابہ میں سے ایک مرد ہیں جو حجازی ہیں، ان سے ابوالزبیر اور عمرو بن دینار نے روایت کی ہے، اور وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: کہ ہر وہ چیز جو سمندر میں ہو، وہ مذبوح ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے سمندر کے ہر جانور کو تمہارے لیے سمندر میں ذبح کر دیا ہے۔ ابوالزبیر اور عمرو بن دینار نے کہا: اس شریح نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا تھا اور ابو حاتم نے کہا: کہ یہ صحابی ہیں۔ اور امام بخاری نے اس کا صرف اسی جگہ ذکر کیا ہے۔

تمام سمندری جانوروں سے متعلق فقہاءِ اسلام کے نظریات

میں کہتا ہوں کہ ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین نے اسی حدیث کی بناء پر سمندر کے تمام مردار جانوروں کو مذبوح اور حلال قرار دیا ہے اور امام ابو حنیفہ نے سمندری جانوروں میں سے صرف مچھلی کو حلال قرار دیا ہے، کیونکہ سنن ابن ماجہ میں یہ حدیث ہے:

امام ابن ماجہ اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارے لیے دو مردار حلال کیے گئے ہیں اور دو خون حلال کیے گئے ہیں، رہے دو مردار تو وہ مچھلی اور ٹڈی ہیں اور رہے دو خون تو وہ

جگر اور تلی ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۳۱۴، ۳۲۱۸، مسند احمد: ۵۷۲۷)

نیز امام ابوحنیفہ نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے:

يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ۔ (الاعراف: ۱۵۷) جو ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرے گا اور ناپاک چیزوں کو حرام کرے گا۔

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ خبائث سے مراد ہے جس چیز سے کراہیت اور گھن آئے۔ اور مچھلی کے سوا باقی سمندری جانوروں سے کراہیت اور گھن آتی ہے، لہٰذا ان کا کھانا جائز نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

سمندری پرندوں کو ذبح کرنے کا بیان

وقال عطا: اما الطیر فاری ان یذبحه:

یعنی عطاء بن ابی رباح نے کہا: اس تعلیق کا امام ابوعبداللہ بن مندہ نے کتاب الصحابہ میں حضرت شریح کی حدیث کے بعد ذکر کیا ہے از ابن جریج، انہوں نے کہا کہ میں نے اس کا عطاء سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ سمندری پرندوں کو ذبح کیا جائے۔

دریاؤں کی مچھلیوں کے شکار اور سیلاب کے پانی میں جمع شدہ مچھلیوں کے شکار کا بیان

وقال ابن جریج: قلت لعطا: صید الانهار وقلاة السیل اصید بحر هو؟ قال نعم۔۔۔ الی اخرہ

یعنی عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج نے کہا کہ میں نے عطاء بن ابی رباح سے "قِلاة السیل" کے بارے میں پوچھا:

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس سے انہوں نے ارادہ کیا ہے کہ سیلاب کا جو پانی بہہ کر کسی گڑھے یا تالاب میں جمع ہو جائے اور اس کے اندر مچھلیاں ہوں، اور اس تعلیق کی ابوقرہ موسیٰ بن طارق سکسکی نے اپنی سنن میں از ابن جریج روایت کی ہے اور امام عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں از ابنِ جریج روایت کی ہے۔

سمندری کتوں کا بیان

ورکب الحسن علیه السلام علی سرج من جلود کلاب الماء:

یعنی حضرت حسن علیہ السلام سمندری کتوں کی کھال سے بنی ہوئی زین کے اوپر سوار ہوئے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس حسن سے مراد حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما ہیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حسن بصری ہیں اور بعض شارحین نے کہا ہے کہ پہلے قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ دوسری روایت میں ہے کہ حسن علیہ السلام سوار ہوئے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں اس میں بھی مناقشہ ہو سکتا ہے اور "مِن جلود" کا معنی یہ ہے کہ وہ زین سمندری کتے کی کھال سے بنائی ہوئی تھی۔

میں کہتا ہوں: اس تعلیق سے مقصود یہ ہے کہ سمندری کتا پاک ہے، کیونکہ اس کی کھال سے بنی ہوئی زین کے اوپر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سوار ہوئے۔

مینڈک کے حلال یا حرام ہونے کا بیان

وقال الشعبی: لو ان اھلی اکلوا الضفادع لاطعمتھم:

یعنی شعبی نے کہا کہ اگر میرے گھر والے مینڈکوں کو کھائیں تو میں ان کو کھلاؤں گا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس سے مراد عامر بن شراحیل الشعبی ہیں اور ''ضفادع'' ضفدع کی جمع ہے۔ اور ایک قول ضُفدع ہے۔

جاحظ نے کہا: مینڈک چیختا نہیں ہے اور جب تک اس کے نچلے حصہ میں پانی داخل نہ ہو، وہ چیختا نہیں ہے اور یہ وہ حیوان ہے جو پانی میں زندہ رہتا ہے اور خشکی کے اندر انڈے دیتا ہے، یہ کچھوے کی مثل ہے۔

امام مالک کے مذہب میں مینڈک کے متعلق اختلاف ہے، ابن القاسم نے المدونہ میں امام مالک سے روایت کی ہے کہ مینڈک اور کیکڑے اور کچھوے کو بغیر ذبح کیے کھانا جائز ہے، اور ابن القاسم سے روایت ہے کہ جس کا ٹھکانا پانی کے اندر ہو، اس کو بغیر ذبح کے کھایا جائے گا اور جو خشکی کے اندر رہتا ہو اور اس کا ٹھکانا اور مستقر خشکی ہو تو وہ بغیر ذبح کے نہیں کھایا جائے گا۔ اور محمد بن ابراہیم سے روایت ہے کہ ان جانوروں کو بغیر ذبح کے نہیں کھایا جائے گا۔ علامہ ابن التین نے کہا: امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

اس تعلیق میں جو شعبی کا قول ذکر کیا گیا ہے، وہ ابوسعید عثمان بن سعید دارمی کی درج ذیل روایت کے خلاف ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس مینڈک کے متعلق سوال کیا گیا جس کو دواء میں ڈالا جاتا ہے تو آپ نے اس کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ابوسعید نے کہا: لہٰذا مینڈک کا کھانا مکروہ ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس کو قتل کیے بغیر اس کو کھانا ممکن نہیں ہے۔ اگر اس کو بغیر قتل کے کھایا تو وہ مردار ہے اور ابن حزم ظاہری نے کہا کہ مینڈک کا کھانا اصلاً حلال نہیں ہے۔

امام ابوداؤد نے کتاب الطب اور کتاب الادب میں اور امام نسائی نے کتاب الصید میں اپنی سندوں کے ساتھ از عبدالرحمٰن بن عثمان القرشی روایت کی ہے کہ ایک طبیب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس مینڈک کے متعلق سوال کیا جس کو دواء میں ڈالا جاتا ہے تو آپ نے اس کو قتل کرنے سے منع کیا۔

اس حدیث کی امام احمد، امام اسحاق بن راہویہ اور امام ابوداؤد الطیالسی نے اپنی مسانید میں اور امام حاکم نے اپنی المستدرک کی کتاب الطب میں روایت کی ہے اور کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

امام بیہقی نے کہا کہ مینڈک کے متعلق جو احادیث مروی ہیں، ان میں یہی حدیث قوی ہے اور حافظ المنذری نے کہا ہے: اس میں مینڈک کے کھانے کے حرام ہونے پر دلیل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ان احادیث صحیحہ کی بناء پر صحیح قول یہ ہے کہ مینڈک کا کھانا حرام ہے، خواہ وہ سمندری مینڈک ہو، برساتی مینڈک ہو یا خشکی کا مینڈک ہو۔ (سعیدی غفرلہٗ)

کچھوے کے حلال یا حرام ہونے کا بیان

ولم یر الحسن بالسلحفاة بأسا:

حسن بصری کچھوا کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: امام ابن شیبہ نے اس تعلیق کی سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے کہ حسن بصری نے کہا کہ کچھوا کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور یزید بن ابی زیاد نے جعفر سے روایت کی ہے کہ ان کے پاس کچھوا لایا گیا تو انہوں نے اس کو کھالیا۔ اور حجاج نے عطاء سے روایت کی ہے کہ کچھوے کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ابن حزم ظاہری کا زعم یہ ہے کہ کچھوے کو بغیر ذبح کے کھانا حلال نہیں ہے اور اس کا کھانا حلال ہے خواہ وہ خشکی کا کچھوا ہو یا سمندری کچھوا ہو۔ اور عطاء بن ابی رباح سے بھی کچھوا کھانے کی اباحت منقول ہے۔ اور طاؤس، محمد بن علی اور فقہاءِ مدینہ سے منقول ہے کہ کچھوے کا کھانا مباح ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک مچھلی کے سوا تمام سمندری جانوروں کو کھانا مکروہِ تحریمی ہے جیسے کیکڑا یا کچھوا اور مینڈک اور سمندری خنزیر اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ۔ (الاعراف: ۱۵۷) جو ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرے گا اور ناپاک چیزوں کو حرام کرے گا۔

اور مچھلی کے سوا تمام سمندری جانور خبیث ہیں، یعنی ان سے گھن آتی ہے۔

غیر مسلموں کے سمندری شکار کا بیان

وقال ابن عباس: کل من صید البحر نصرانی او یهودی او مجوسی:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سمندری شکار خواہ نصرانی کا کیا ہوا ہو یا یہودی کا یا مجوسی کا، اس کو کھالو۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: صحیح البخاری کے قدیم نسخوں میں اسی طرح لکھا ہوا ہے اور بعض نسخوں میں اس طرح ہے کہ سمندری شکار کو کھالو خواہ اس کو نصرانی نے شکار کیا ہو یا یہودی نے یا مجوسی نے، اور جو صحیح بخاری کے قدیم نسخے ہیں، ان کو بھی اسی پر محمول کرنا چاہیے۔

امام بیہقی نے از سماک بن حرب از عکرمہ از حضرت عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ سمندر جس جانور کو پھینک دے یا جس جانور کا کوئی یہودی یا نصرانی یا مجوسی شکار کرے، اس کو کھالو۔

علامہ ابن التین نے کہا: اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر ان کے علاوہ کسی اور نے سمندری جانور کو شکار کیا تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔

شراب میں ڈوبی ہوئی مچھلی کا بیان

وقال ابو الدرداء فی المری ذبح الخمر النینان والشمس:

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: شراب میں ڈوبی ہوئی مچھلی کو خمر نے اور دھوپ نے ذبح کر دیا۔

حضرت ابوالدرداء کا نام ہے عُویمر بن مالک الانصاری الخزرجی۔ علامہ نووی نے کہا ہے کہ المُری یہ عربی لفظ نہیں ہے، یہ اس کے مشابہ ہے جس کو لوگ "الکامخ" کہتے ہیں۔ الجوہری نے کہا یہ مُرّی ہے اور یہ کڑواہٹ کی طرف منسوب ہے، اور عام لوگ اس کو تخفیف کے ساتھ مُری پڑھتے ہیں اور الحربی نے کہا ہے کہ مُری شام میں بنائی جاتی ہے، شراب میں نمک اور مچھلی ڈال دی جاتی ہے اور اس کو دھوپ میں رکھ دیا جاتا ہے، تو اس کا ذائقہ متغیر ہو جاتا ہے اور تلخ ہو جاتا ہے، وہ کہتے ہیں: جس طرح مردار اور خمر حرام ہیں اور ذبح سے مردار حلال ہو جاتا ہے، اسی طرح شراب نمک میں ڈال دی جائے تو شراب سرکہ ہو جاتی ہے اور پھر وہ حلال ہو جاتی ہے۔

"النینان": یہ نون کی جمع ہے اور نون کا معنی ہے مچھلی اور "نینان" کا معنی ہے: مچھلیاں، اور حضرت ابودرداء کے کلام کا معنی یہ ہے کہ جو مچھلیاں شراب میں ڈوبی ہوئی تھیں، ان کو دھوپ نے پاک کر دیا اور اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ خمر کا سرکہ بنانے کو جائز قرار دیتے تھے اور یہی امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔ یعنی نمک اور دھوپ کی قوت خمر پر غالب آ گئی اور اس کو حلال کر دیا، گویا اس کو ذبح کر دیا، اس تعلیق میں "نینان" یعنی مچھلیوں کا ذکر ہے نمک کا ذکر نہیں ہے کیوں کہ مقصود نمک کے بغیر بھی حاصل ہو گیا۔

علامہ ابن ملقن نے التوضیح میں لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابودرداء اور حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) وغیرہم اور تابعین شراب میں ڈوبی ہوئی مچھلی کو کھاتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے خمر کو بعینہٖ حرام قرار دیا ہے اور اس کے نشہ کو بھی حرام قرار دیا ہے اور جس مچھلی کو دھوپ نے اور نمک نے ذبح کر دیا، یعنی اس کا ذائقہ متغیر کر دیا تو ہم اس کو کھاتے ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۵۵۔ ۱۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۹۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرًا رضي الله عنه يَقُولُ غَزَوْنَا جَيْشَ الْخَبَطِ وَأُمِّرَ أَبُو عُبَيْدَةَ فَجُعْنَا جُوعًا شَدِيدًا فَأَلْقَى الْبَحْرُ حُوتًا مَيِّتًا لَمْ يُرَ مِثْلُهُ يُقَالُ لَهُ الْعَنْبَرُ فَأَكَلْنَا مِنْهُ نِصْفَ شَهْرٍ فَأَخَذَ أَبُو عُبَيْدَةَ عَظْمًا مِنْ عِظَامِهِ فَمَرَّ الرَّاكِبُ تَحْتَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از ابن جریج، انہوں نے کہا: مجھے عمرو نے خبر دی، انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں: ہم جیش الخبط میں غزوہ کے لیے گئے، اور حضرت ابوعبیدہ کو اس لشکر کا امیر بنایا گیا تھا۔ ہم کو بہت سخت بھوک لگی تو سمندر نے ایک مردہ مچھلی پھینک دی، جس کی مثل کبھی دیکھی نہیں گئی تھی، اس مچھلی کا نام عنبر تھا (وہیل مچھلی)، ہم نے اس سے نصف ماہ تک کھایا، پھر حضرت ابوعبیدہ نے اس کی ہڈیوں میں سے ایک ہڈی کھڑی کر دی تو ایک سوار اس کے نیچے سے گزر گیا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۸۳، ۲۹۸۳، ۴۳۶۰، ۴۳۶۱، ۴۳۶۲، ۵۴۹۳، ۵۴۹۴، صحیح مسلم: ۱۹۳۵، سنن ترمذی: ۲۴۷۵، سنن نسائی: ۴۳۵۱، سنن ابن ماجہ: ۴۱۵۹، مسند احمد: ۱۳۸۷۴، موطا امام مالک: ۱۷۳۰، سنن دارمی: ۲۰۱۲)

صحیح البخاری: ۵۴۹۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: ''سمندری شکار کا حلال ہونا'': اور اس حدیث میں بھی یہ ذکر کیا گیا ہے کہ سمندر نے ایک بہت بڑی وہیل مچھلی کو ساحل پر پھینک دیا، جس کو صحابہ پندرہ یا اٹھارہ دن تک کھاتے رہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں الجیش الخبط کا ذکر ہے، خبط سے مراد ایک درخت کے پتے ہیں جن کو اونٹ کھاتے ہیں۔

اس حدیث میں حضرت ابوعبیدہ کا ذکر ہے، ان کا نام عامر بن عبداللہ بن الجراح ہے۔ یہ عشرۂ مبشرہ میں سے ایک ہیں یعنی جن دس صحابہ کو دنیا میں جنت کی بشارت دی گئی تھی۔ اور اس میں مذکور ہے کہ حضرت ابوعبیدہ کو امیر بنایا گیا تھا، اور ایک روایت میں ہے کہ ہمارے امیر حضرت ابوعبیدہ تھے۔ اس حدیث کی مفصل شرح صحیح البخاری: ۲۴۸۳ میں گزر چکی ہے۔

۵۴۹۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ جَابِرًا يَقُولُ بَعَثَنَا النَّبِيُّ ﷺ ثَلَاثَ مِائَةِ رَاكِبٍ وَأَمِيرُنَا أَبُو عُبَيْدَةَ نَرْصُدُ عِيرًا لِقُرَيْشٍ فَأَصَابَنَا جُوعٌ شَدِيدٌ حَتَّى أَكَلْنَا الْخَبَطَ فَسُمِّيَ جَيْشَ الْخَبَطِ وَأَلْقَى الْبَحْرُ حُوتًا يُقَالُ لَهُ الْعَنْبَرُ فَأَكَلْنَا نِصْفَ شَهْرٍ وَادَّهَنَّا بِوَدَكِهِ حَتَّى صَلَحَتْ أَجْسَامُنَا قَالَ فَأَخَذَ أَبُو عُبَيْدَةَ ضِلَعًا مِنْ أَضْلَاعِهِ فَنَصَبَهُ فَمَرَّ الرَّاكِبُ تَحْتَهُ وَكَانَ فِينَا رَجُلٌ فَلَمَّا اشْتَدَّ الْجُوعُ نَحَرَ ثَلَاثَ جَزَائِرَ ثُمَّ ثَلَاثَ جَزَائِرَ ثُمَّ نَهَاهُ أَبُو عُبَيْدَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از عمرو، انہوں نے کہا: میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا: ہمیں نبی ﷺ نے تین سو (۳۰۰) سواروں پر مشتمل لشکر میں بھیجا اور ہمارے امیر حضرت ابوعبیدہ تھے۔ ہم قریش کے لشکر کی گھات میں تھے، پھر ہم کو شدید بھوک لگی حتیٰ کہ ہم نے ایک درخت کے پتے کھائے جن کو خبط کہا جاتا ہے، سو اس لشکر کا نام جیش الخبط پڑ گیا اور سمندر نے ایک مچھلی پھینک دی جس کو عنبر کہا جاتا تھا، سو ہم اس کو نصف ماہ تک کھاتے رہے اور اس کی چربی کو اپنے جسم پر لگاتے رہے حتیٰ کہ ہمارے جسم تندرست ہو گئے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر حضرت ابوعبیدہ نے اس مچھلی کی پسلیوں میں سے ایک پسلی اٹھا کر نصب کر دی تو ایک سوار اس کے نیچے سے گزر گیا اور ہم میں ایک مرد تھا جب زیادہ بھوک لگتی تو وہ تین اونٹ ذبح کر دیتا، پھر دوبارہ تین اونٹ ذبح کر دیتا تو حضرت ابوعبیدہ نے اس کو اس سے منع کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۸۳، ۲۹۸۳، ۴۳۶۰، ۴۳۶۱، ۴۳۶۲، ۵۴۹۳، ۵۴۹۴، صحیح مسلم: ۱۹۳۵، سنن ترمذی: ۲۴۷۵، سنن نسائی: ۴۳۵۱، سنن ابن ماجہ: ۴۱۵۹، مسند احمد: ۱۳۸۷۴، موطا امام مالک: ۱۷۳۰، سنن دارمی: ۲۰۱۲)

صحیح البخاری: ۵۴۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اس حدیث مذکور کی دوسری سند ہے جو عبد اللہ بن محمد الجعفی سے مروی ہے، یہ المسندی کے نام سے معروف ہیں از سفیان بن عیینہ از عمرو بن دینار۔

نیز اس حدیث میں "ودك" کا ذکر ہے، اس سے مراد اس مچھلی کا تیل ہے۔

نیز اس حدیث میں ذکر ہے: "ہم میں ایک مرد تھا، جب زیادہ بھوک لگتی تو وہ تین اونٹ ذبح کر دیتا"۔ اس مرد کا نام قیس بن سعد بن عبادہ الانصاری ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۶۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اس حدیث کی شرح بھی صحیح البخاری: ۲۴۸۳ میں گزر چکی ہے۔

صحیح البخاری: ۵۴۹۴، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سمندری مردہ مچھلی اور درخت کے پتوں کو کھانے کا جواز

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ سمندری شکار کو کھانا جائز ہے، کیونکہ سمندر نے جس بڑی مچھلی کو پھینک دیا تھا، وہ مردہ تھی اور اس کو صحابہ پندرہ دن سے زائد تک کھاتے رہے۔ نیز اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ جب انسان بھوکا ہو اور اس کو کھانے کو کچھ نہ ملے تو وہ درخت کے پتے بھی کھا سکتا ہے بشرطیکہ وہ درخت کے پتے زہریلے نہ ہوں۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۳۷، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

سمندری شکار کے متعلق ائمہ مذاہب کی آراء

علامہ موفق الدین ابومحمد عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی نے کہا: مینڈک کے سوا ہر سمندری شکار مباح ہے اور الشعبی نے کہا: اگر میرے گھر والے مینڈک کو کھائیں تو میں انہیں مینڈک کھلاؤں گا، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ سمندر میں جتنے بھی جانور ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے ذبح کر دیا ہے اور قرآن مجید میں بہ طورِ عموم فرمایا:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ (المائدہ:۹۶) تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ سمندر کے تمام شکار حلال ہیں۔ اور عطاء اور عمرو بن دینار سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ابنِ آدم کے لیے سمندر کی ہر چیز کو ذبح کر دیا، رہا مینڈک تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔

(سنن ترمذی: ۳۴۶۶، سنن ابوداؤد: ۳۸۷۱، سنن ابن ماجہ: ۳۲۲۳، سنن دارمی: ۱۹۹۸، مسند احمد ج ۳ ص ۴۵۳)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مینڈک کا کھانا حرام ہے، رہا مگرمچھ تو امام احمد سے منقول ہے کہ یہ نہیں کھایا جائے گا اور امام

اوزاعی سے منقول ہے کہ جسے بھوک لگے وہ اسے کھالے، اور ابن حامد نے کہا: مگر مچھ کو نہیں کھایا جائے گا اور نہ الکوسج کو۔ (الکوسج ایک قسم کی مچھلی ہے جس کی سونڈ آری کی طرح ہوتی ہے)، کیونکہ لوگ ان کو نہیں کھاتے۔

اور ابراہیم النخعی وغیرہ سے روایت ہے: انہوں نے کہا کہ سمندری درندے مکروہِ تحریمی ہیں جس طرح خشکی کے درندے مکروہ ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلیوں والے درندے کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اور ابو علی النجاد نے کہا: جس جانور کی نظیر خشکی میں حرام ہے، اس جانور کی نظیر سمندر میں بھی حرام ہے جیسے سمندری کتا، سمندری خنزیر اور سمندری انسان۔ اور یہی اللیث کا قول ہے۔

اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ مچھلی کے سوا اور کوئی سمندری جانور حلال نہیں ہے۔ اور امام مالک نے کہا: ہر سمندری جانور مباح ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ (المائدہ:۹۶) تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے۔

(المغنی لابن قدامہ ج ۱۳ ص ۱۰۸، دار الحدیث قاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

(میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ کے دلائل اس باب کی تعلیقات میں بیان کیے جا چکے ہیں۔ سعیدی غفرلہ)

۱۳۔ بَابُ: أَكْلِ الْجَرَادِ ٹڈی کو کھانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

ٹڈی کی تعریف اور ٹڈی کو کھانے کے متعلق مذاہبِ فقہاء

اس باب میں ٹڈی کے کھانے کے جواز کو بیان کیا گیا ہے، خواہ ٹڈی مذکر ہو یا مونث ہو۔

ایک قول یہ ہے کہ ٹڈی کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ ہے جو ہوا میں اڑتی ہے، اس کو الفارس کہا جاتا ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جو کسی پر گر کر اس کو روند دیتی ہے اور اس کی چھ ٹانگیں ہوتی ہیں، جب فصلِ بہار ہوتی ہے اور ٹڈی انڈے دینا چاہتی ہے تو وہ جنگلوں میں اور چٹانوں میں سخت زمین کو ڈھونڈتی ہے اور وہاں انڈے دیتی ہے اور ان میں سے ہر ایک سو انڈے دیتی ہے اور وہ ہوا میں اڑتی ہے۔ اور یہ فصلوں کو کھا جاتی ہے اور ایک فصل کو کھانے کے بعد دوسری زمین کی طرف چلی جاتی ہے اور وہاں انڈے دیتی ہے۔

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ ٹڈی کو بغیر ذبح کے کھانا جائز ہے، مگر امام مالک کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ اس کو ذبح کرنا شرط ہے اور انہوں نے اور فقہاءِ مالکیہ کا ذبح کی صفت میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس کا سر کاٹا جائے گا اور ابنِ وہب مالکی نے کہا: ٹڈی کو پکڑ لینا ہی اس کو ذبح کرنا ہے۔ اور امام مالک سے منقول ہے کہ جب ٹڈی کو زندہ پکڑ لیا اور اس کا سر کاٹا یا اس کو بھون لیا یا پکا لیا تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور جس نے اس کو زندہ پکڑا اور ذبح کرنے سے غافل ہو گیا حتیٰ کہ وہ مر گئی تو پھر نہیں کھائی جائے گی۔

اور امام طحاوی نے کتاب الصید میں ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ کیا آپ کے نزدیک ٹڈی مچھلی کے مثل ہے جس نے ٹڈی کو پکڑ لیا اس کو کھا لے خواہ بسم اللہ پڑھے یا نہ پڑھے، تو انہوں نے کہا: ہاں! اور امام ابوحنیفہ سے پوچھا کہ اگر مر

ہوئی ٹڈی زمین پر پائی جائے تو انہوں نے کہا: اس کو کھانا بھی جائز ہے اور امام ابوحنیفہ سے پوچھا کہ اگر بارش سے ٹڈی مر جائے تو انہوں نے کہا: اس کو بھی کھانا جائز ہے، ٹڈی کسی چیز اور کسی وجہ سے بھی حرام نہیں ہوتی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۹۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي يَعْفُورٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي أَوْفَى رضی اللہ عنہما قَالَ غَزَوْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ سَبْعَ غَزَوَاتٍ أَوْ سِتًّا كُنَّا نَأْكُلُ مَعَهُ الْجَرَادَ قَالَ سُفْيَانُ وَأَبُو عَوَانَةَ وَإِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي يَعْفُورٍ عَنِ ابْنِ أَبِي أَوْفَى سَبْعَ غَزَوَاتٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں شُعبہ نے حدیث بیان کی از ابی یعفور، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے نبی ﷺ کے ساتھ سات یا چھ غزوات کیے، اور ہم آپ کے ساتھ ٹڈی کھاتے تھے۔ سفیان اور ابوعوانہ اور اسرائیل نے از ابویعفور از ابن ابی اوفی سات غزوات کی روایت کی ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۹۵۲، سنن ترمذی: ۱۸۲۲، سنن نسائی: ۴۳۵٦، سنن ابوداؤد: ۳۸۱۲، مسند احمد: ۱۸٦۳۳، سنن دارمی: ۲۰۱۰)

صحیح البخاری: ۵۴۹۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: ''ٹڈی کھانا'' اور حدیث میں مذکور ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ چھ یا سات غزوات میں ٹڈی کھاتے تھے۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالولید کا ذکر ہے، ان کا نام ہے ہشام بن عبدالملک الطیالسی اور ابویعفور کا ذکر ہے، ان کا نام ہے وقدان اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام واقد ہے اور وقدان ان کا لقب ہے۔ امام مسلم نے کہا ہے کہ یہ اکبر ہیں اور ایک ابویعفور اصغر ہیں، ان کا نام عبدالرحمٰن بن عبید ہے اور یہ دونوں ثقہ ہیں اور اہلِ کوفہ میں سے ہیں۔ اور صحیح بخاری میں اکبر کی صرف یہی حدیث ہے۔

اور ہمارے شیخ زین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ابویعفور اصغر نے صحابہ میں سے کسی سے سماع نہیں کیا اور ابویعفور اکبر نے صحابہ کی ایک جماعت سے سماع کیا ہے، ان میں سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں، اور حضرت انس ہیں اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی ہیں۔ یہ ایک سو بیس ہجری (۱۲۰ھ) میں فوت ہو گئے تھے۔ اور حضرت ابواوفی رضی اللہ عنہ کا نام علقمہ بن خالد اسلمی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

علامہ عینی فرماتے ہیں: غزوات کے عدد میں حدیث کے الفاظ مختلف ہیں۔ امام ترمذی نے اس طرح روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چھ غزوات کیے ہیں، ہم ٹڈی کھاتے تھے۔ اسی طرح سفیان بن عیینہ نے ابویعفور سے روایت کی

ہے اور چھ غزوات کا ذکر کیا ہے۔ اور سفیان ثوری نے اس حدیث کی ابو یعفور سے روایت کی ہے اور اس میں سات غزوات کا ذکر کیا ہے۔ اور شعبہ کی روایت میں غزوات کے عدد کا ذکر نہیں ہے اور صحیح بخاری میں اس کا بہ طورِ شک ذکر ہے اور اسی طرح سنن ابوداؤد کی روایت میں ہے اور سننِ نسائی میں چھ غزوات کا ذکر ہے بغیر شک کے۔

یہ حدیث ٹڈی کھانے کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ فقہاء نے کہا ہے: ٹڈی کا کھانا بالا جماع حلال ہے اور علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ اندلس کی ٹڈیوں کو کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ ان میں ضررِ محض ہے۔ اور فقہاء مالکیہ سے اس کے خلاف مشہور ہے اور ٹڈی کھانے کے جواز میں کئی احادیث ہیں۔

ٹڈی کھانے کے جواز کے متعلق احادیث

امام ابنِ ماجہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ''حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہمارے لیے دو مردار حلال کیے گئے ہیں، مچھلی اور ٹڈی اور دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے کہ دو خون حلال کیے گئے ہیں، جگر اور تلی''۔

اور امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں اپنی سند کے ساتھ جابر الجعفی سے روایت کرتے ہیں اور وہ ضعیف ہے از جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا تو ہم نے ٹڈیوں کو پایا، سو ہم نے ان کو کھایا۔

امام ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج یا عمرہ کے سفر میں گئے، تو ہمارے سامنے ایک مرد آیا، اس کے ساتھ ٹڈیاں تھیں۔ ہم ان ٹڈیوں کو اپنے کوڑوں اور جوتوں سے مارتے تھے، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان کو کھاؤ، یہ سمندر کے شکار میں سے ہیں۔

ٹڈی کھانے کی ممانعت کے متعلق احادیث

امام الدارقطنی زینب بنت منجل سے روایت کرتے ہیں از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے بچوں کو ٹڈیوں کے پکڑنے سے ڈانٹتے تھے اور بچے ان ٹڈیوں کو کھاتے تھے۔ ابو الحسن نے کہا: صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔

امام ابوداؤد از سلیمان روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ٹڈیوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: نہ میں اس کو حلال کرتا ہوں اور نہ میں اس کو حرام قرار دیتا ہوں۔ امام ابوداؤد نے کہا: یہ روایت مرسل ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۶۳۔ ۱۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۹۵، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث شریف اس پر دلالت کرتی ہے کہ ٹڈی کا کھانا جائز ہے اور مردار ٹڈی بھی کھائی جائے گی، کیونکہ حدیث صحیح میں ہے: ہمارے لیے دو مردار حلال کیے گئے ہیں اور دو خون حلال کیے گئے ہیں۔ مچھلی اور ٹڈی اور جگر اور تلی۔

اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ ٹڈی کا کھانا جائز ہے حتیٰ کہ علامہ نووی نے اس کے کھانے کے جواز پر اجماع کو نقل کیا ہے۔

حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کی موجودگی میں ٹڈی کھاتے تھے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹڈی کو نہیں کھایا اور آپ نے اس کو ناپسند کیا ہے جیسا کہ آپ نے گوہ کو ناپسند کیا تھا۔ اور امام ابوداؤد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹڈی کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: نہ میں اس کو کھاتا ہوں اور نہ میں اس کو حرام قرار دیتا ہوں اور یہ حدیث مرسل ہے۔ اور حدیث مرسل وہ ہوتی ہے جس کی روایت سے صحابی ساقط ہو۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر والآلی، ج ۵ ص ۱۹۲۔ ۱۹۳، المکتبۃ العصریہ ۱۴۳۲ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۹۵ کی شرح از علامہ القسطلانی

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام احمد سے روایت ہے کہ جب ٹڈی سردی سے مرجائے تو اس کو نہ کھایا جائے، اور امام مالک کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ٹڈی کا سر کاٹ دیا جائے تو وہ حلال ہے ورنہ نہیں۔ اور امام بیہقی نے حضرت ابواُمامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ حضرت مریم ابنۃ عمران نے اپنے رب سے دعا کی کہ ان کو ایسا گوشت کھلائے جس میں خون نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ٹڈی کھلائی، اور حلیۃ الاولیاء میں یزید بن میسرہ کے تذکرہ میں ہے کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما الصلوٰۃ والسلام کا طعام ٹڈی تھی۔ (ارشادالساری لشرح صحیح البخاری ج ۱۲ ص ۲۹۵، ۲۹۶، دارالفکر بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۹۵، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ٹڈی کو کھانے کے لیے ذبح کرنے کی شرط نہیں ہے، کیونکہ ذبح کرنے سے مقصود خون کو بہانا ہوتا ہے اور ٹڈی میں خون نہیں ہوتا۔ اسی لیے اگر تم نے مردار ٹڈی کو پایا تو اس کو کھانا جائز ہے، اس کو کس طرح کھایا جائے؟ ہم کہتے ہیں کہ ان کو کچھ بھون لیا جائے یا ان کو سخت گرم پانی میں ڈال کر پکالیا جائے اور ان کو برف میں نہ رکھا جائے، کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ برف سے ان کو تکلیف ہوتی ہے اور مرنے میں عذاب ہوتا ہے، لیکن گرم پانی میں یہ جلدی مرجاتی ہیں۔ اور ضروری یہ ہے کہ گرم پانی کھول رہا ہو۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جب تم کسی کو قتل کرو تو آسانی سے قتل کرو اور جب ذبح کرو تو آسانی سے ذبح کرو، تو ٹڈی کو ایک ہی مرتبہ قتل کردینا اس کے لیے زیادہ رحم کا سبب ہے بہ نسبت اس کے کہ اس کو برف میں رکھ کر مارا جائے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۳۷۔ ۲۳۸، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۴۔ بَابُ: آنِيَةِ الْمَجُوسِ وَالْمَيْتَةِ — مجوس کے برتنوں اور مردار کے کھانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں مجوس کے برتنوں میں کھانے پینے کے حکم کو بیان کیا گیا ہے، امام بخاری نے اسی طرح عنوان قائم کیا ہے اور اس باب کی حدیث میں مجوس کا ذکر نہیں ہے، اس میں اہلِ کتاب کا ذکر ہے۔ اس کی توجیہ میں کہا گیا ہے کہ شاید امام بخاری کی رائے یہ

تھی کہ مجوس اہلِ کتاب سے ہیں اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ امام بخاری نے یہ عنوان اس لیے قائم کیا کہ اہلِ کتاب اور مجوس دونوں کے برتنوں کو استعمال کرنے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ یہ نجاسات سے اجتناب نہیں کرتے۔ اور علامہ کرمانی نے کہا: یہ دونوں اس میں برابر ہیں کہ یہ نجاسات سے پرہیز نہیں کرتے۔ تو قیاس سے ایک کا حکم دوسرے پر لگادیا۔ اور اس کی توجیہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعض احادیث میں مجوس کا ذکر ہے۔

امام ترمذی نے حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجوس کے برتنوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ان کو دھو کر صاف کرلو اور ان میں کھانا پکالو اور امام بخاری کی عادت یہ ہے کہ وہ ایک عنوان قائم کرتے ہیں، پھر اس باب میں حدیث وارد کرتے ہیں جس سے اس کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۶۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۹۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ حَيْوَةَ بْنِ شُرَيْحٍ قَالَ حَدَّثَنِي رَبِيعَةُ بْنُ يَزِيدَ الدِّمَشْقِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيُّ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا بِأَرْضِ أَهْلِ الْكِتَابِ فَنَأْكُلُ فِي آنِيَتِهِمْ وَبِأَرْضِ صَيْدٍ أَصِيدُ بِقَوْسِي وَأَصِيدُ بِكَلْبِي الْمُعَلَّمِ وَبِكَلْبِي الَّذِي لَيْسَ بِمُعَلَّمٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَمَّا مَا ذَكَرْتَ أَنَّكَ بِأَرْضِ أَهْلِ كِتَابٍ فَلَا تَأْكُلُوا فِي آنِيَتِهِمْ إِلَّا أَنْ لَا تَجِدُوا بُدًّا فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا بُدًّا فَاغْسِلُوهَا وَكُلُوا وَأَمَّا مَا ذَكَرْتَ أَنَّكُمْ بِأَرْضِ صَيْدٍ فَمَا صِدْتَ بِقَوْسِكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللهِ وَكُلْ وَمَا صِدْتَ بِكَلْبِكَ الْمُعَلَّمِ فَاذْكُرِ اسْمَ اللهِ وَكُلْ وَمَا صِدْتَ بِكَلْبِكَ الَّذِي لَيْسَ بِمُعَلَّمٍ فَأَدْرَكْتَ ذَكَاتَهُ فَكُلْهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو عاصم نے حدیث بیان کی از حیوۃ بن شریح، انہوں نے کہا: مجھے ربیعہ بن یزید الدمشقی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابوادریس الخولانی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، پس میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم اہلِ کتاب کی سرزمین میں ہوتے ہیں، ہم ان کے برتنوں میں کھاتے ہیں اور ہم شکار کی سرزمین میں ہوتے ہیں، میں اپنے تیر کمان کے ساتھ شکار کرتا ہوں اور میں اپنے سدھائے ہوئے کتے کے ساتھ شکار کرتا ہوں اور اپنے اس کتے کے ساتھ شکار کرتا ہوں جو سدھایا ہوا نہیں ہوتا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رہا یہ کہ تم نے ذکر کیا ہے کہ تم اہلِ کتاب کی سرزمین میں ہوتے ہو تو تم ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ، سوا اس کے کہ تمہارے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ ہو، پس اگر تمہارے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہو تو ان برتنوں کو دھو لو اور ان میں کھاؤ، اور وہ جو تم نے ذکر کیا ہے کہ تم شکار کی سرزمین میں ہوتے ہو تو جو تم نے اپنے تیر کمان سے شکار کیا ہے تو اس پر بسم اللہ پڑھو اور کھالو اور وہ جو تم نے اپنے سدھائے ہوئے کتے کے شکار کا ذکر کیا ہے تو اس پر بھی بسم اللہ پڑھو اور کھالو اور وہ جو تم نے اپنے اس کتے سے شکار کیا جو سدھایا ہوا نہیں تھا تو اگر تم نے شکار کو زندہ پالیا تو اس کو ذبح کر کے اس کو کھالو۔

(صحیح البخاری:۵۴۸۸، ۵۴۹۶، صحیح مسلم:۱۹۳۰، سنن ترمذی:۱۴۶۴، سنن نسائی:۴۲۶۶، سنن ابوداؤد:۲۸۵۵، سنن ابن ماجہ:۳۲۰۷، مسند احمد:۱۷۲۷۷، سنن دارمی:۲۴۹۹)

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس میں ایک بحث یہ ہے کہ اس حدیث میں مجوس کا ذکر نہیں ہے اور باب میں مجوس کا ذکر ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ مجوس بھی اہلِ کتاب کی طرح ہیں جو نجاسات سے نہیں بچتے ،دوسری بحث یہ ہے کہ حدیث کے عنوان میں مردار کا بھی ذکر ہے اور حدیث میں مردار کا ذکر نہیں ہے،اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ جب تم شکار پر تیر مارو تو بسم اللہ پڑھ کر تیر مارو ،یعنی اگر بسم اللہ پڑھ کر تیر نہیں مارا تو پھر وہ مردار ہے۔

یہ حدیث عنقریب باب ''ماجاء فی التصید'' میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

۵۴۹۷۔ حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ لَمَّا أَمْسَوْا يَوْمَ فَتَحُوا خَيْبَرَ أَوْقَدُوا النِّيرَانَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَامَ أَوْقَدْتُمْ هَذِهِ النِّيرَانَ قَالُوا لُحُومِ الْحُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ قَالَ أَهْرِيقُوا مَا فِيهَا وَاكْسِرُوا قُدُورَهَا فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَقَالَ نُهَرِيقُ مَا فِيهَا وَنَغْسِلُهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَوْ ذَاكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں المکی بن ابراہیم نے حدیث بیان کی ،انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن ابی عبید نے حدیث بیان کی از سلمہ بن الاکوع ،وہ بیان کرتے ہیں کہ جب صحابہ پر فتح خیبر کے دن شام ہوئی تو انہوں نے آگ جلائی ، نبی ﷺ نے پوچھا: تم نے یہ آگ کس چیز پر جلائی ہے؟ تو انہوں نے کہا: پالتو گدھوں پر۔ آپ نے فرمایا: ان ہانڈیوں میں جو کھانا پکا ہوا ہے ،اس کو پھینک دو اور ان ہانڈیوں کو توڑ دو ،تو صحابہ میں سے ایک مرد کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا: ہم اس میں جو سالن پکا ہوا ہے اس کو پھینک دیں اور ان ہانڈیوں کو دھولیں تو نبی ﷺ نے فرمایا: یا اس طرح کرلو۔

(صحیح البخاری:۲۴۷۷، ۴۱۹۶، ۵۴۹۷، ۶۱۴۸، ۶۳۳۱، ۶۸۹۱، صحیح مسلم:۱۸۰۲، سنن ابن ماجہ:۳۱۹۵، مسند احمد:۱۶۰۷۸)

صحیح البخاری:۵۴۹۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب میں اس حدیث کو وارد کرنے کی توجیہ یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ پالتو گدھے حرام ہیں ،تو وہ مردار کی مثل ہو گئے ،اور اس باب میں مردار کے کھانے کا بھی ذکر ہے ،یعنی مردار کا کھانا جائز نہیں ہے ،اس لیے جن ہانڈیوں میں پالتو گدھوں کا گوشت پکا ہوا تھا ،آپ نے فرمایا: اس گوشت کو گرا دو اور ہانڈیوں کو دھولو۔اور جن ہانڈیوں میں پالتو گدھوں یعنی مردار کا گوشت پکا ہوا تھا تو ان کو دھونے کے بعد وہ قابلِ استعمال ہو گئیں تو اسی طرح مجوس کے برتن بھی دھونے کے بعد قابلِ استعمال ہوں گے۔سو یہ بھی اس باب کے ساتھ مطابقت کی توجیہ ہے ،کیونکہ مجوس کے ذبائح بھی مردار ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں فرمایا ہے: ''اھریقوا'': یہ اھرق یھرق کا باب ہے اور اس میں ھاء زائد ہے۔ اصل میں اراق یریق ہے جس کے معنی گرانا اور بہانا ہیں۔

اس حدیث میں فرمایا ہے ''او ذاک'': یعنی اس میں یہ اشارہ ہے کہ تمہیں اختیار ہے چاہو تو ہانڈیوں کو توڑ دو یا ان کو دھولو۔ علامہ نووی نے کہا ہے: آپ نے پہلے فرمایا تھا کہ ہانڈیوں کو توڑ دو، اور پھر فرمایا: چاہو تو ان کو دھولو۔ ہوسکتا ہے کہ پہلے آپ نے وحی سے فرمایا ہو کہ ہانڈیوں کو توڑ دو، پھر وحی نے اس حکم کو منسوخ کر دیا یا آپ نے اپنے اجتہاد سے فرمایا ہو کہ ان ہانڈیوں کو توڑ دو، پھر آپ کا اجتہاد متغیر ہو گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۹۷ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب مذکور میں مردار کے ذکر کی توجیہ

امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں ''والمیتۃ'' کا بھی ذکر کیا ہے، اس سے ان کا مقصود اس پر تنبیہ کرنا ہے کہ جب کہ خمر حرام ہے تو اس میں زکوٰۃ (ذبح سے حلال کرنا) موثر نہیں ہوتا، اسی طرح مردار میں بھی زکوٰۃ موثر نہیں ہوتی یعنی اس کو بھی ذبح کر کے حلال نہیں کیا جا سکتا، اور اس باب کی حدیث میں اہلِ کتاب کے برتنوں کا ذکر ہے، جن میں وہ شراب ڈال کر پیتے تھے اور ان کو استعمال کرنے سے منع فرمایا۔ تو جس طرح خمر میں اس کو حلال کرنا موثر نہیں ہے اسی طرح مردار میں بھی اس کو حلال کرنا موثر نہیں ہے۔

اس سوال کا جواب کہ اس حدیث میں مجوس کا ذکر نہیں ہے، اہلِ کتاب کا ذکر ہے

شاید کہ امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ مجوس بھی اہلِ کتاب میں سے ہیں، اور یہ بھی ہمارے اصحابِ شافعیہ کا ایک قول ہے اور مالکیہ کا بھی ایک قول ہے اور امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ مجوس اہلِ کتاب نہیں ہیں۔

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں:

امام عبد بن حُمید نے اپنی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مجوس کے پاس بھی کتاب تھی اور ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس سے جزیہ لیا اور جزیہ صرف کتابی سے لیا جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ (التوبہ)

ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روزِ آخرت پر اور نہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے حرام کیے ہوئے کو حرام قرار دیتے ہیں اور نہ وہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو کتاب دی گئی (تم ان سے قتال کرتے رہو) حتیٰ کہ وہ ذلت کے ساتھ ہاتھ سے جزیہ دیں O

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ جزیہ صرف اہلِ کتاب سے لیا جاتا ہے۔ اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس سے جزیہ لیا تو معلوم ہوا

کہ وہ بھی اہلِ کتاب کے حکم میں ہیں۔
علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس باب کے عنوان میں مجوسیوں کے برتنوں کے ذکر کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اہلِ کتاب کے برتنوں کے استعمال کے متعلق سوال کیا تھا، کیونکہ وہ مردار اور خنزیر اور خمر سے احتراز نہیں کرتے اور حیوان کی گردن الگ کر دیتے ہیں اور وہ مردار ہے، تو اہلِ کتاب کا طعام بھی مجوس کے طعام کے مثل ہے۔

اس سوال کا جواب کہ اہل کتاب کے برتنوں میں کھانے کی ممانعت ہے حالانکہ ان کا طعام حلال ہے

اگر تم یہ سوال کرو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیونکر یہ فرمایا کہ اہلِ کتاب کے برتنوں میں نہ کھاؤ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے طعام کو حلال کر دیا ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے طعام سے مراد ان کے ذبائح ہیں یا جن کے متعلق یہ معلوم ہو کہ ان کی عادت یہ ہے کہ وہ اپنے برتنوں میں کوئی حرام چیز نہیں ڈالتے جیسے نصاریٰ اپنے برتنوں میں خنزیر کو ڈالتے ہیں، پس جب یہ معلوم ہو کہ ان کا طعام ان حرام چیزوں پر مشتمل نہیں ہے تو پھر ان کے برتنوں میں کھانا جائز ہے، کیونکہ ان کا ذبیحہ حلال ہے جب تک کہ ہم کو ان کی نجاست کا یقین نہ ہو جائے اور جس چیز کو مجوسی نے تیار کیا ہو اور اس کے حلال ہونے کا یقین ہو تو اس کے برتنوں میں بھی کھانا جائز ہے جیسا کہ ان کا بنایا ہوا پنیر، گھی یا مکھن وغیرہ۔ اور امام مالک کے مذہب میں تصریح ہے کہ مجوسی کا تیار کیا ہوا پنیر نہیں کھایا جائے گا۔

پالتو گدھوں کے حرام ہونے کی توجیہ

پالتو گدھوں کو اس لیے حرام قرار دیا گیا ہے کہ ان سے خمس نہیں نکالا جاتا یا اس لیے کہ اگر مسلمان ان کو ذبح کر کے کھاتے رہے تو مسلمانوں کے لیے سواریاں نہیں رہیں گی۔ اور یا اس لیے کہ یہ حکم تعبدی ہے۔ قرآن مجید میں جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے، ان کا ذکر درج ذیل آیت میں ہے:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (الانعام)

آپ کہیے کہ میری طرف جو وحی کی گئی ہے میں اس میں کسی کھانے والے پر ان چیزوں کے سوا اور کوئی چیز حرام نہیں پاتا، وہ مردار ہو یا بہا ہوا خون ہو، یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ نجس ہے یا بہ طور نافرمانی کے اس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، سو جو شخص مجبور ہو اور نہ وہ سرکشی کرنے والا ہو نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو بے شک آپ کا رب بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝

میں کہتا ہوں: الانعام: ۱۴۵، میں جن کو حرام قرار دیا گیا ہے وہ حرام قطعی ہیں اور پالتو گدھا حرام ظنی ہے اور اس کی حرمت صرف اس حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہانڈیوں کو پلٹنے کا حکم دیا جن میں پالتو گدھے کا گوشت پکایا ہوا تھا۔ اور یہ اسی طرح حرام ہے جس طرح حدیث میں چیر پھاڑ کرنے والے درندوں اور پرندوں کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)
علامہ ابن الملقن نے کہا ہے: امام مالک کے اس میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ پالتو گدھا حرام ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ پالتو گدھا مکروہ ہے۔

جن ہانڈیوں میں پالتو گدھوں کا گوشت پکا ہوا تھا، ان ہانڈیوں کو پلٹنے کے حکم کی توجیہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم دیا کہ ان ہانڈیوں کو پلٹ دو اور ان میں جو پکا ہوا پالتو گدھوں کا گوشت ہے اس کو گرا دو، اس میں یہ دلیل ہے کہ جب کوئی غلط کام کیا جائے تو اس پر ملامت کرنی چاہیے اور ادب سکھانا چاہیے تاکہ برائی جڑ سے ختم ہو جائے اور یہ بھی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب الخمر کو حرام قرار دیا تو آپ نے ان مشکوں کو پھاڑنے کا حکم دیا جن میں خمر تھی، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اگر ہم ہانڈیوں کو پلٹ دیں اور ان کو دھولیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا تم اس طرح کرلو۔ کیونکہ جب آپ نے دیکھا کہ صحابہ نے آپ کے حکم کو تسلیم کرلیا اور آپ کے حکم کی اطاعت کرلی تو آپ نے ان سے سزا کو معاف کر دیا اور ہانڈیوں کے توڑنے کے حکم کو منسوخ کر دیا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶، ص ۴۱۹۔ ۴۲۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۹۷، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور سے مسائل ثابتہ

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ پالتو گدھوں کے گوشت کو کھانا حرام ہے۔

(۲) اس حدیث میں تعزیر کے جواز کی دلیل ہے، کیونکہ آپ نے فرمایا: ''ان ہانڈیوں کو توڑ دو'' یعنی جن ہانڈیوں میں حرام گوشت پکایا گیا ہے ان ہانڈیوں کو تعزیراً توڑنا جائز ہے۔

(۳) تعزیر میں تخفیف کرنا بھی جائز ہے، کیونکہ پہلے آپ نے ان ہانڈیوں کو توڑنے کا حکم دیا اور بعد میں فرمایا کہ ان ہانڈیوں کو دھولیا جائے تو یہ بھی کافی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مال کو تلف کرنے کے ساتھ تعزیر دینا جائز ہے جیسا کہ مارنے اور قید کرنے کے ساتھ تعزیر جائز ہے۔

(۴) اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ تعزیر میں شفاعت کرنا بھی جائز ہے اور عدمِ شفاعت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ جب ایک صحابی نے کہا: یا ہم اس کو دھولیں تو آپ نے فرمایا: یا اس کو دھولو، اور اگر یہ حکم بہ طورِ حد ہوتا تو اس میں شفاعت جائز نہ ہوتی۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما پر انکار کیا تھا جب انہوں نے بنو مخزوم کی ایک عورت کی شفاعت کی تھی جس نے چوری کی تھی اور کہا تھا کہ اس پر حد نہ لگائی جائے اور اس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اللہ کی حدود میں سے ایک حد میں شفاعت کر رہے ہو اور امام ابوداؤد نے سندِ حسن کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہ اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد میں جس کی شفاعت حائل ہوگئی تو اللہ تعالیٰ اس کے معاملہ میں غضب ناک ہوگا''۔

(۵) اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ جب برتنوں میں سے کسی برتن میں کوئی نجس چیز ڈال دی جائے تو اس برتن کو دھویا جائے گا، امام بخاری نے اس سے مجوس کے برتنوں کے استعمال پر استدلال کیا ہے، کیونکہ مجوس کا ذبیحہ حلال نہیں ہے تو جب وہ برتنوں میں کھانا پکائیں گے تو وہ برتن نجس ہو جائیں گے، کیونکہ ان کے ذبیحے مردار اور نجس ہیں اور جب ان کے ذبیحے مردار اور نجس ہیں تو جن

برتن میں وہ اپنے ذبیحوں کو پکائیں گے تو واجب ہے کہ ان برتنوں کو پاک کرنے کے لیے ان کو دھویا جائے۔
(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۳۸۔۲۳۹، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

١٥۔ بَابُ: التَّسْمِيَةِ عَلَى الذَّبِيحَةِ وَمَنْ تَرَكَ مُتَعَمِّدًا

ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا، اور جو عمداً بسم اللہ پڑھنے کو ترک کردے، اس کا بیان

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: مَنْ نَسِيَ فَلَا بَأْسَ۔ وَقَالَ اللهُ تَعَالَى: وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ (الانعام:۱۲۱)
وَالنَّاسِيُّ لَا يُسَمَّى فَاسِقًا، وَقَوْلِهِ تَعَالَى: وَإِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ (الانعام)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو بھول گیا تو کوئی حرج نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اور اس ذبیحہ کو نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا، بے شک اس کو کھانا گناہ ہے''۔
اور بھولنے والے کو فاسق نہیں کہا جاتا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے بحث کریں اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو تم مشرک ہو جاؤ گے''O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنے کا حکم بیان کیا گیا ہے اور اس کا حکم بیان کیا گیا ہے جو عمداً ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنے کو ترک کردیں اور اکثرین کے نزدیک اس باب کا عنوان اسی طرح ہے۔ اور صحیح بخاری کے نسخوں میں ذبیحہ کی جگہ ذبائح کا لفظ ہے، اور یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ امام بخاری نے پہلے لکھا تھا: ''کتاب الصید والذبائح'' یا ''کتاب الذبائح'' اب بھی اگر ذبائح کا لفظ لکھیں تو یہ تکرار بلا فائدہ ہوگا۔ اور امام بخاری نے عمداً کی قید لگائی ہے، اس میں یہ اشارہ کیا کہ اگر کسی نے بھولے سے ذبیحہ پر بسم اللہ کو نہیں پڑھا تو یہ حلال ہونے سے مانع نہیں ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں اس آیت کو ذکر کیا ہے:
وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ (الانعام:۱۲۱)
اور اس ذبیحہ کو نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا، بے شک اس کو کھانا گناہ ہے۔

امام بخاری نے اس آیت کا اس لیے ذکر کیا ہے کہ فقہاء احناف اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا شرط ہے، اگر کسی نے عمداً بسم اللہ کو ترک کیا تو اس ذبیحہ کو کھانا حلال نہیں ہوگا۔ اور اگر اس نے بھول کر بسم اللہ کو ترک کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور اس کی دلیل امام بخاری نے یہ بیان کی کہ بھولنے والے کو فاسق نہیں کہا جاتا، پھر امام بخاری نے دوسری آیت ذکر کی جس سے یہ آیت مکمل ہوتی ہے اور اس سے فقہاء شافعیہ کا استدلال قوی ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ ''مالم یذکر اسم

اللہ علیہ" یعنی جس پر اللہ کا نام ذکر نہ کیا گیا ہو، یہ مردار سے کنایہ ہے یا جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو، وہ بھی مردار سے کنایہ ہے، اس پر قرینہ یہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا ہے "یہ فسق ہے"۔ اور اس کی تاویل یہ ہے کہ جب ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے: پھر فرمایا وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ یعنی شیاطین وسوسہ ڈالتے ہیں اپنے اولیاء کی طرف جو مشرکین ہیں تا کہ وہ تم سے یہ بحث کریں کہ تم اس کو نہیں کھاتے جس کو اللہ نے قتل کیا ہے۔ فقہاء شافعیہ نے کہا: اس سے ان کی تاویل راجح ہے جو اس پر مردار کا اطلاق کرتے ہیں جس کو اللہ کے نام پر ذبح نہیں کیا گیا۔

اور اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَلَا تَاْكُلُوْا (الانعام:۱۲۱) یہ نہی ہے، یعنی ممانعت ہے اور نہی مطلق تحریم کے لیے ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا: "اور یہ فسق ہے"۔ اور نہی کی تاکید حرف مِن کے ساتھ کی ہے کیونکہ حرف مِن نہی کے مقام پر مبالغہ کے لیے ہوتا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا ہر جُز حرام ہے اور "وانہ لفسق" میں ھاء ضمیر، یہ کھانے سے کنایہ ہے یعنی حرام کا کھانا فسق ہے۔ اور اگر یہ مذبوح سے کنایہ ہو تو جس مذبوح کو فسق فرمایا ہے وہ بھی حرام ہو گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: "او فسقا اهل لغير الله"۔

اور اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حرمت اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام ذکر نہیں کیا گیا، کیونکہ تحریم اس وصف کے ساتھ موصوف ہے اور یہی حرمت کی موجب ہے جیسا کہ مردار ہو یا موقوذہ ہو۔ اور اسی تقریر سے ان لوگوں کا فساد ظاہر ہو گیا جنہوں نے اس آیت کو مردار پر اور ذبائح مشرکین پر محمول کیا ہے، کیونکہ حرمت وہاں پر اس وجہ سے نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام ذکر نہیں کیا گیا، حتیٰ کہ مردار کے اوپر یا ذبائح مشرکین کے اوپر اللہ کا نام ذکر کیا جائے، پھر بھی وہ حلال نہیں ہوں گے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ قرآن مجید کی یہ نص مجمل ہے، کیونکہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ جس نے ذبح کے وقت اللہ کا نام نہیں لیا یا جس نے پکانے کے وقت اللہ کا نام نہیں لیا یا جس نے کھانے کے وقت اللہ کا نام نہیں لیا تو اس سے یہ استدلال صحیح نہیں ہو گا کہ جس نے ذبح کے وقت اللہ کا نام نہیں لیا۔

میں کہتا ہوں: حالتِ ذبح کے سوا کوئی اور حالت یہاں پر بالا جماع مراد نہیں ہے اور سلف صالحین کا اجماع ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جس جانور پر ذبح کے وقت اللہ کا نام نہیں لیا گیا اس کو نہ کھاؤ اور اس سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا یہ آیت مجمل نہیں ہے اور ہم نے اس مقام کو زیادہ تفصیل کے ساتھ اپنی شرح البنایہ فی شرح الہدایہ میں لکھا ہے، سو جو تحقیق کا ارادہ کرے، وہ وہاں رجوع کرے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۹۸- حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ عَنْ جَدِّهِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِذِي الْحُلَيْفَةِ فَأَصَابَ النَّاسَ جُوعٌ فَأَصَبْنَا إِبِلًا وَغَنَمًا وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ فِي أُخْرَيَاتِ النَّاسِ فَعَجِلُوا فَنَصَبُوا الْقُدُورَ فَدُفِعَ إِلَيْهِمُ النَّبِيُّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از سعید بن مسروق از عبایہ بن رفاعہ بن رافع از جد خود حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ ذوالحلیفہ میں تھے، سو لوگوں کو بھوک لگی اور ہم کو مال غنیمت میں اونٹ اور بکریاں ملی تھیں اور نبی ﷺ لوگوں

ﷺ فَأَمَرَ بِالْقُدُورِ فَأُكْفِئَتْ ثُمَّ قَسَمَ فَعَدَلَ عَشَرَةً مِنَ الْغَنَمِ بِبَعِيرٍ فَنَدَّ مِنْهَا بَعِيرٌ وَكَانَ فِي الْقَوْمِ خَيْلٌ يَسِيرَةٌ فَطَلَبُوهُ فَأَعْيَاهُمْ فَأَهْوَى إِلَيْهِ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَحَبَسَهُ اللهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ لِهَذِهِ الْبَهَائِمِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَمَا نَدَّ عَلَيْكُمْ مِنْهَا فَاصْنَعُوا بِهِ هَكَذَا قَالَ وَقَالَ جَدِّي إِنَّا لَنَرْجُو أَوْ نَخَافُ أَنْ نَلْقَى الْعَدُوَّ غَدًا وَلَيْسَ مَعَنَا مُدًى أَفَنَذْبَحُ بِالْقَصَبِ فَقَالَ مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ فَكُلْ لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ وَسَأُخْبِرُكُمْ عَنْهُ أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ وَأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ۔

کے پیچھے تھے، سو لوگوں نے (بھوک کی شدت سے) جلدی کی اور ہانڈیاں چڑھا دیں، پھر نبی ﷺ پہنچ گئے۔ آپ نے حکم دیا کہ ہانڈیوں کو الٹ دیا جائے، سو ہانڈیاں الٹ دی گئیں۔ پھر آپ نے مالِ غنیمت کو تقسیم کیا اور آپ نے دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر قرار دیا، ان اونٹوں میں سے ایک اونٹ بھاگ گیا اور لوگوں کے پاس گھوڑے کم تھے، وہ اس اونٹ کے پیچھے دوڑے۔ اس اونٹ نے ان کو تھکا دیا۔ پھر ایک مرد نے اپنے تیر کے ساتھ قصد کیا اور اس کو تیر مارا تو اللہ تعالیٰ نے اس اونٹ کو روک دیا، پس نبی ﷺ نے فرمایا: ان جانوروں میں وحشت ہوتی ہے جیسے وحشی جانور ہوتے ہیں۔ پس جو جانور تم سے بھاگ جائے اس کے ساتھ اسی طرح سے کرو، اور میرے دادا (حضرت رافع بن خدیج) نے کہا: ہم کو یہ توقع تھی یا ہم کو یہ خوف تھا کہ کل ہم دشمن سے مقابلہ کریں گے اور ہمارے پاس چھری نہیں ہوگی تو کیا ہم سرکنڈے (دھار والی لکڑی) سے ذبح کرلیں؟ تو آپ نے فرمایا: جو چیز بھی خون بہادے اور اس پر اللہ کا نام ذکر کیا جائے سو اس کو کھالو اور وہ چیز دانت یا ناخن نہ ہو۔ اور میں تم کو عنقریب اس کی خبر دوں گا۔ رہا دانت تو وہ ہڈی ہے اور رہا ناخن تو وہ حبشیوں کی چھری ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۸۸، ۲۵۰۷، ۳۰۷۵، ۵۴۹۸، ۵۵۰۳، ۵۵۰۶، ۵۵۰۹، ۵۵۴۳، ۵۵۴۴، صحیح مسلم: ۱۹۶۸، سنن ترمذی: ۱۴۹۱، سنن نسائی: ۴۴۱۰، سنن ابوداؤد: ۲۸۲۱، سنن ابن ماجہ: ۳۱۸۳، مسند احمد: ۱۶۸۱۲، سنن دارمی: ۱۹۷۷)

صحیح البخاری: ۵۴۹۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: ''ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا''۔ اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ جو چیز خون کو بہائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے، اس کو کھالو۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں موسیٰ بن اسماعیل کا ذکر ہے، یہ ابوسلمہ البصری ہیں جن کو التبوذکی کہا جاتا ہے۔ اور ابوعوانہ کا ذکر ہے یہ

الوضاح الیشکری ہیں اور سعید بن مسروق کا ذکر ہے، یہ سفیان ثوری کے والد ہیں۔اور عبایۃ کا ذکر ہے، یہ ابن رفاعہ ہیں۔اور حضرت رافع بن خدیج کا ذکر ہے، رافع خافض کی ضد ہے اور خدیج میں خاء پر زبر ہے اور دال کے نیچے زیر ہے، یہ ابن رافع الانصاری ہیں۔اور یہ عبایۃ اپنے دادا رافع بن خدیج سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ذوالحلیفہ کا ذکر ہے، علامہ داؤدی المتوفی ۴۰۲ھ شارح بخاری نے کہا ہے: جس حلیفہ کا یہاں ذکر ہے یہ سرزمین تہامۃ ہے اور یہ طائف اور مکہ کے درمیان میں ہے اور یہ وہ ذوالحلیفہ نہیں ہے جو مدینہ کے قریب ہے۔اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب صحابہ آٹھ ہجری میں طائف سے واپس آرہے تھے۔

اس حدیث میں ذکر ہے کہ "ہانڈیوں کو الٹ دیا گیا"۔شارحین نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہانڈیوں کو الٹنے کا اس لیے حکم دیا تھا، تاکہ مسلمانوں کو اس کی سزا دی جائے کہ انہوں نے ہانڈیاں چڑھانے اور روانہ ہونے میں جلدی کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے چھوڑ دیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے پیچھے رہے تھے تاکہ دیکھتے رہیں کہ کوئی دشمن پیچھے سے حملہ نہ کرے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہانڈیوں کو الٹنے کا اس لیے حکم دیا تھا کہ مسلمانوں نے مالِ غنیمت کو تقسیم کرنے سے پہلے چند بکریوں کو ذبح کر کے ہانڈیوں پر چڑھا دیا تھا جب کہ غنیمتِ مشترکہ کو تقسیم کرنے سے پہلے دارالاسلام میں ہانڈیوں پر چڑھانا جائز نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "آپ نے دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر قرار دیا": یہ اس وقت کی قیمت کے اعتبار سے ہے اور اس میں قربانی کے اس قاعدہ کی مخالفت نہیں ہے کہ ایک اونٹ سات بکریوں کے قائم مقام ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: "فندّ": یعنی ایک اونٹ بھاگ گیا اور صحابہ کرام اس کو پکڑنے سے عاجز ہوگئے۔

اس حدیث میں "الاوابد" کا ذکر ہے یہ الآبدہ کی جمع ہے یعنی ان جانوروں میں انسانوں سے توحش اور نفرت ہوتی ہے، اس لیے یہ بھاگ جاتے ہیں۔

اس حدیث میں ہے: "سو جو اونٹ بھاگ جائے اس کے ساتھ اس طرح کرو": یعنی اس کو زخمی کردو خواہ تم اس کو جس طرح بھی زخمی کرسکو، کیونکہ وہ شکار کے حکم میں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: "ہمیں یہ امید تھی یا ہم کو یہ ڈر تھا": اس میں راوی کو شک ہے، اور امید کے لفظ میں یہ اشارہ ہے کہ ان کو یہ حرص تھی کہ ان کا دشمن سے مقابلہ ہو، تاکہ ان کو جو شہادت کی فضیلت یا مالِ غنیمت کے حصول کی توقع ہے، وہ پوری ہو۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "ہم ڈرتے تھے": اس لفظ میں یہ اشارہ ہے کہ وہ اس کو پسند نہیں کرتے تھے کہ دشمن اچانک آکر ان پر ٹوٹ پڑے۔اور شاید انہوں نے اس بات کو قرائن سے پہچان لیا تھا۔اور انہوں نے سوال کے وقت دشمن سے مقابلہ کا اس لیے ذکر کیا کہ اگر انہوں نے تلواروں سے جانوروں کو ذبح کیا تو دشمن سے مقابلہ کے وقت وہ تھک جائیں گے اور قتال سے عاجز ہوں گے تو اس لیے پوچھا کہ "کیا ہم سرکنڈوں (یعنی دھار والی لکڑی) سے ذبح کرلیں تو آیا یہ کافی ہوگا؟"

اس حدیث میں "مدیٰ" کا لفظ ہے، یہ مدیۃ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے چھری۔اب حدیث میں ہڈی کے ساتھ ذبح کرنے سے منع کیا ہے، کیونکہ ہڈی کے ساتھ ذبح کرنے سے وہ خون سے متلوث یعنی لتھڑ کر نجس ہوجائے گی اور وہ جنات کی خوراک

ہے، بلکہ اس لیے کہ ہڈی سے ذبح اور زکوۃ حاصل نہیں ہوتی، اس سے صرف جانور زخمی ہوسکتا ہے اور اس سے اس کی روح نکل جائے گی اور یہ یقین حاصل نہیں ہوگا کہ وہ ذبح ہوگیا ہے اور ناخن سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ حبشی ناخنوں سے بکریوں کو ذبح کرتے ہیں حتیٰ کہ جانور کی جان نکل جاتی ہے یا اس کا گلا گھٹ جاتا ہے اور اس کو تکلیف ہوتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۶۷۔ ۱۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۹۸ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہانڈیوں کو الٹنے کی توجیہ

اس حدیث میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ہانڈیوں کے الٹنے کا حکم دیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیے بغیر مالِ غنیمت سے بکریاں لے کر انہیں ذبح کر کے ہانڈیوں پر چڑھا دیا تھا۔ اور اس کی یہ وجہ بھی ہے کہ انہوں نے مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے بکریوں کو ذبح کر کے ہانڈیوں پر چڑھا دیا تھا۔

وحشت سے بھاگنے والے جانور کو روکنے کا طریقہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک اونٹ بھاگ گیا تو ایک صحابی نے تیر مارا تو اللہ تعالیٰ نے اس اونٹ کو روک دیا، اس سے معلوم ہوا کہ وہ اونٹ زندہ پکڑ لیا گیا، سو اس کو ذبح کیا گیا۔ اسی طرح جب دوسرے مویشی توحش اور تنفر سے بھاگ جائیں تو ہم جس طرح ہوسکے ان کو روک لیں اور پھر ان کو ذبح کر دیں۔

ہمارا اور امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ جو جانور انسانوں سے متنفر ہوں، ان کو اسی طریقہ سے روکا جاسکتا ہے۔ اور ابنِ حبیب مالکی نے کہا ہے کہ گائے میں بھی توحش ہے، اس کو بھی اسی طرح روکا جاسکتا ہے۔

دانتوں اور ناخنوں سے ذبح کرنے کا بیان

امام مالک اور امام شافعی نے کہا ہے کہ ناخن خواہ متصل ہو یا منفصل ہوں، ان سے ذبح کرنا جائز نہیں ہے اور ابنِ وہب مالکی نے کہا ہے کہ اگر ناخن منفصل ہوں تو ان سے ذبح کرنا جائز ہے اور اگر متصل ہوں تو ان سے ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور ابن قصار مالکی نے کہا ہے کہ دانتوں سے ذبح کرنا مکروہ ہے اور ہڈی سے ذبح کرنا مباح ہے۔ اور انہوں نے کہا کہ جب ناخن اور ہڈی چوڑے ہوں حتیٰ کہ ان سے ایک مرتبہ میں حلقوم کو کاٹنا ممکن ہو تو اس سے ذبح کرنا صحیح ہے اور اسی طرح باقی ہڈیاں ہیں، خواہ ان کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ ہو۔

اور انہوں نے اس حدیث کے دو جواب دیے ہیں، ایک تو اس حدیث میں ممانعت کراہت پر محمول ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ جب دانت چھوٹے ہوں اور ان سے رگوں کا کاٹنا ممکن نہ ہو تو پھر ان سے ذبح کرنا صحیح نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہاں چار قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ جائز ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ممنوع ہے، اور تیسرا قول یہ ہے کہ متصل اور منفصل کا فرق ہے، اور چوتھا قول یہ ہے کہ دانتوں سے ذبح کرنا مکروہ ہے اور ہڈی کے ساتھ ذبح کرنا مباح ہے۔ (التوضیح لشرح

الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۴۲۵۔۴۲۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۹۸، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لشکر کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کو اپنے ساتھ خاص کر لے حتیٰ کہ امام اس کی تقسیم کر دے، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ ہانڈیوں کو الٹ دیا جائے، پھر آپ نے تقسیم فرمایا۔

(۲) جن جانوروں کی قیمت کا اعتبار کیا جاتا ہے، وہ قربانی کے جانوروں کی مثل نہیں ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دس بکریوں کو ایک اونٹ کے مساوی قرار دیا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بکریاں قیمتی اور مہنگی ہوتی ہیں تو کم بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر قرار دیا جاتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بکریاں سستی ہوتی ہیں اور اونٹ مہنگا ہوتا ہے تو زیادہ بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر قرار دیا جاتا ہے۔

(۳) جس جانور کو ذبح کرنے پر یا نحر کرنے پر قدرت نہ ہو، تو اس کا معاملہ شکار کی طرح ہے، اگر کوئی اونٹ بھاگ جائے اور ہم اس کو پکڑنے سے عاجز ہوں تو اس کو تیر مارے، جب اس کو تیر لگ جائے اور وہ مر جائے تو وہ حلال ہو جائے گا، اسی طرح اگر بکری بھاگ گئے تو اس کا بھی یہی حکم ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان جانوروں کو انسانوں سے وحشت اور نفرت ہوتی ہے، تو جو جانور تم سے بھاگ جائے اس کے ساتھ تم اسی طرح کرو۔

(۴) ہر وہ چیز جو خون کو بہائے، اس سے ذبح کرنا جائز ہے، خواہ وہ لوہے کا آلہ ہو یا لکڑی کا ہو یا پتھر کا ہو یا شیشے کا ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز ہو، مگر دو چیزیں دانت اور ناخن، اور ظاہر حدیث کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے کہ دانت متصل ہوں یا علیحدہ ہوں کیونکہ حدیث عام ہے اور حدیث میں یہ علت بیان کی ہے کہ دانت ہڈی ہیں اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔

دانتوں سے ذبح کرنے کی ممانعت کی حکمت

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ دانت ہڈی ہے تو اس سے ذبح کرنے کی ممانعت کی کیا حکمت ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ علماء نے کہا ہے کہ اگر ہم اس حکم کو ہڈی کے ساتھ خاص رکھیں تو اس کی حکمت یہ ہے کہ اگر انسان اپنے دانتوں سے چھری کا کام لے تو وہ درندوں کے مشابہ ہو جائے گا جس طرح درندے اپنے دانتوں سے شکار کو نوچ کر کھاتے ہیں اور انسان کے یہ لائق نہیں ہے کہ وہ درندوں کے مشابہ ہو، اسی لیے انسان کو درندوں کے مشابہ نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ (الجمعہ:۵)

جن لوگوں کو تورات دی گئی اور انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا، ان کی مثال اس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ (الاعراف:۱۷۶)

اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کے ذریعہ اس کو بلندی عطا کرتے مگر وہ پستی کی طرف جھکا اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کی، سو اس کی مثال اس کتے کی طرح ہے کہ اگر تم اس پر حملہ کرو تب بھی

ہانپ کر زبان نکالے یا چھوڑ دو پھر بھی وہ ہانپ کر زبان نکالے۔

الجمعہ:۵ میں اللہ تعالیٰ نے بے عمل یہودیوں کی مثال گدھے کے ساتھ دی ہے اور الاعراف:۱۷۶ میں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلانے والے کی مثال کتے کے ساتھ دی ہے۔ان آیتوں کا منشاء یہ ہے کہ انسان کو گدھوں اور کتوں کے مشابہ نہیں ہونا چاہیے۔اور جب کوئی انسان دانتوں سے جانور کو ذبح کر کے کھائے گا تو وہ درندوں کے مشابہ ہو جائے گا۔

اسی طرح حدیث میں بھی کتوں کے ساتھ مثال دی ہے کہ جو شخص کسی کو کوئی چیز ہبہ کر کے واپس لیتا ہے تو وہ ایسا ہے جیسے کتا قے کر کے اسے کھالیتا ہے،سو یہ اس کی حکمت ہے کہ انسان کو کتوں اور جانوروں کے مثل نہیں ہونا چاہیے۔

حبشیوں کے ساتھ مشابہت سے ممانعت کی حکمت

اس حدیث میں بتایا ہے کہ ناخن سے ذبح نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ وہ حبشیوں کی چھری ہے۔اس پر یہ سوال ہے کہ کیا حبشی انسان اور بشر نہیں ہیں، پھر ان کی مشابہت سے کیوں منع کیا گیا ہے؟اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت میں حبشی کافر تھے اور ان میں سے صرف حضرت نجاشی اسلام لائے تھے اور ان کے ساتھ چند اور لوگ تھے اور اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ ناخن حبشیوں کی چھری تھے اور انہوں نے لوہے اور دھار والی لکڑی کو چھوڑ کر ناخنوں کے ساتھ ذبح کرنا شروع کر دیا تھا بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہمیں کافر حبشیوں کی مشابہت نہیں اختیار کرنی چاہیے۔(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۴۲۔۲۴۳،مکتبۃ الطبری القاہرہ،۱۴۲۹ھ)

۱۶۔بَابُ: مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَالْأَصْنَامِ

جن جانوروں کو پتھروں اور بتوں پر ذبح کیا گیا،ان کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ،اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

’’نُصُب‘‘ کا معنی

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جن جانوروں کو نُصب پر ذبح کیا گیا،وہ ذبح فاسد ہے۔نُصب،انصاب کا واحد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ نُصب جمع ہے اور واحد نصاب ہے۔الجوہری نے کہا ہے کہ نُصب صاد پر جزم بھی ہے اور سکون بھی ہے،یہ اس کو کہتے ہیں جس کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی جائے۔اور زمخشری نے کہا ہے کہ مشرکین کے پاس کچھ پتھر تھے جو بیت اللہ کے گرد نصب کیے ہوئے تھے۔ان پتھروں کے اوپر وہ جانوروں کو ذبح کرتے تھے اور ان پر گوشت کو ان کی تعظیم کے لیے رکھ دیتے تھے اور اس کے ساتھ ان پتھروں کا تقرب حاصل کرتے تھے،ان کو انصاب کہا جاتا تھا۔

’’اصنام‘‘ کا معنی

اور اصنام یعنی جن کو بتوں پر ذبح کیا جائے،اصنام صنم کی جمع ہے اور صنم اس کو کہتے ہیں جس کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی جائے، اور ایک قول یہ ہے کہ جس کا جسم ہو یا صورت ہو،وہ صنم ہے اور اگر اس کا جسم یا صورت نہ ہو تو وہ بُت ہے۔اور اصنام پر جو نصب کا عطف کیا ہے،اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر نصب سے مراد پتھر ہوں تو وہ ظاہر ہے اور اگر نصب سے مراد وہ ہوں کہ جن کی عبادت کی جاتی

ہے تو یہ عطفِ تفسیری ہے۔علامہ الکرمانی نے کہا ہے کہ نُصُب پتھر ہیں اور یہ تین سو ساٹھ (۳۶۰) پتھر تھے جو کعبہ کے گرد جمع کیے ہوئے تھے اور مشرکین ان کے پاس جانوروں کو اپنے بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کرتے تھے اور یہ اصنام نہیں تھے، کیونکہ اصنام وہ ہوتے ہیں جن کی کوئی صورت بنائی گئی ہو اور جن کا مجسمہ بنایا گیا ہو۔

۵۴۹۹۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ الْمُخْتَارِ أَخْبَرَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ قَالَ أَخْبَرَنِي سَالِمٌ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّهُ لَقِيَ زَيْدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ بِأَسْفَلِ بَلْدَحٍ وَذَاكَ قَبْلَ أَنْ يُنْزَلَ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ الْوَحْيُ فَقَدَّمَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ سُفْرَةً فِيهَا لَحْمٌ فَأَبَى أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا ثُمَّ قَالَ إِنِّي لَا آكُلُ مِمَّا تَذْبَحُونَ عَلَى أَنْصَابِكُمْ وَلَا آكُلُ إِلَّا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ۔

(صحیح البخاری: ۳۸۲۶، مسند احمد: ۵۳۴۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معلّٰی بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز یعنی ابن المختار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن عقبہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے سالم نے خبر دی، انہوں نے عبداللہ سے سنا، وہ رسول اللہ ﷺ سے حدیث روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی زید بن عمرو بن نفیل سے بلدح کے نشیبی مقام میں ملاقات ہوئی، اور یہ رسول اللہ ﷺ پر نزولِ وحی سے پہلے کا واقعہ ہے، پس رسول اللہ ﷺ نے زید بن عمرو کی طرف دستر خوان کو پیش کیا جس میں گوشت تھا، تو انہوں نے گوشت کھانے سے انکار کیا، پھر انہوں نے کہا: بے شک میں ان جانوروں کا گوشت نہیں کھاتا جن کو تم اپنے پتھروں پر ذبح کرتے ہو اور میں صرف اسی جانور کا گوشت کھاتا ہوں جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

صحیح البخاری: ۵۴۹۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں پتھروں پر جانور کے ذبح کرنے کا ذکر ہے اور اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ زید بن عمرو بن نفیل نے اس گوشت کو کھانے سے انکار کیا جس کو پتھروں پر ذبح کیا گیا تھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سالم کا ذکر ہے، یہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

یہ حدیث کتاب المناقب کے اخیر میں زید بن عمرو بن نفیل کے مناقب میں گزر چکی ہے، وہاں اس حدیث کی زیادہ تفصیل کے ساتھ از محمد بن ابی بکر از فضیل روایت کی ہے اور وہاں اس کی شرح گزر چکی ہے۔

زید بن عمرو بن نفیل کا تذکرہ

زید بن عمرو بن نفیل قرشی ہیں اور یہ سعید بن زید کے والد ہیں جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ یہ زمانہ جاہلیت میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین پر تھے۔

"بلدح" کا بیان

بلدح میں باء پر زبر ہے اور دال ساکن ہے اور آخر میں حاء ہے۔ اس کو منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھا گیا ہے، یہ حجاز کی ایک جگہ ہے جو مکہ کے قریب ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید بن عمرو کی طرف دستر خوان پیش کیا":

اس جگہ اختلاف ہے، اکثرین کی روایت اسی طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید بن عمرو کی طرف دستر خوان کو پیش کیا، اور الکشمہینی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ایک دستر خوان کو پیش کیا گیا اور ان میں تطبیق اس طرح سے ہے کہ جو لوگ وہاں پر تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس دستر خوان کو پیش کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دستر خوان کو زید بن عمرو بن نفیل کی طرف پیش کیا۔

زید بن عمرو بن نفیل کے اس گوشت کے کھانے سے انکار کی توجیہ

پھر اس حدیث میں مذکور ہے کہ "زید نے اس گوشت کو کھانے سے انکار کیا"۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ زید بن عمرو بن نفیل اس دستر خوان پر سے گوشت کو کھانے سے اس لیے رک گئے تھے کہ ان کو یہ خوف تھا کہ یہ وہ گوشت ہے جو پتھروں پر ذبح کیا گیا ہے، یعنی جن پتھروں کو عبادت کے لیے نصب کیا جاتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کے ان ذبائح سے نہیں کھاتے تھے جن کو وہ اپنے پتھروں کے لیے ذبح کرتے تھے۔ اور جن جانوروں کو وہ اپنے کھانے کے لیے ذبح کرتے تھے تو ہم نے کسی حدیث میں نہیں دیکھا کہ آپ ان سے اجتناب کرتے ہوں۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستر خوان پر وہ گوشت تھا، یہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس گوشت کو کھایا ہو، ابن زید نے کہا ہے: جس جانور کو پتھروں پر ذبح کیا گیا ہو یا جس جانور کو غیر اللہ کے لیے ذبح کیا گیا ہو، دونوں کا ایک معنی ہے۔ اور جس جانور کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، اس کا معنی یہ ہے کہ ذبح کے وقت اس پر بتوں کا نام لیا گیا ہو یا مسیح کے نام پر ذبح کیا گیا ہو یا اللہ عزوجل کے سوا کسی کے نام پر بھی ذبح کیا گیا ہو۔

غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانوروں کے کھانے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

علماء کا اس میں اختلاف ہے، حضرت عمر اور حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم نے اس کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے اور النخعی، حسن اور ثوری نے بھی اسی کی مثل کہا ہے اور امام مالک نے نصاریٰ کے ان ذبائح کو مکروہ کہا ہے جن کو وہ اپنی عبادت گاہوں میں ذبح کرتے ہیں۔ اور انہوں نے کہا کہ جس پر ذبح کے وقت مسیح کا نام لیا گیا ہو، وہ مکروہ ہے حرام نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ جس پر ذبح کے وقت مسیح کا نام لیا گیا ہو، اس جانور کو نہیں کھایا جائے گا اور امام شافعی نے کہا ہے: جس کو غیر اللہ کے نام پر

ذبح کیا گیا اور جس کو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا، اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

کتاب المناقب میں اس حدیث کی شرح

میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے کتاب المناقب صحیح البخاری: ۳۸۲۶ میں اس حدیث کی حسب ذیل شرح کی ہے:

علامہ سہیلی نے کہا ہے کہ اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت زید کو یہ توفیق دی گئی کہ وہ اس کھانے کو ترک کر دیں حالانکہ زمانہ جاہلیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس فضیلت کے زیادہ مستحق تھے، کیونکہ آپ کا معصوم ہونا ثابت ہے؟

اس کے دو جواب ہیں، اول یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دستر خوان سے کچھ کھایا، اس حدیث میں صرف یہ مذکور ہے کہ جب حضرت زید پر اس کھانے کو پیش کیا گیا تو انہوں نے انکار کیا۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت زید نے صرف اپنی رائے سے اس کھانے سے انکار کیا تھا، کسی شرعی حکم کی وجہ سے منع نہیں کیا تھا، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں مردار کے کھانے کی ممانعت تھی۔ اس کھانے کی ممانعت نہیں تھی جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، اس کھانے کی ممانعت صرف اسلام میں نازل ہوئی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۶ ص ۲۹۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۹۹ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے زیادہ لائق تھے کہ آپ قریش کے دستر خوان سے گوشت کھانے سے رکتے

وہ دستر خوان جس کو قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پیش کیا تھا تو آپ نے اس میں سے کچھ کھانے سے انکار کیا، پھر آپ نے اس کو زید کی طرف پیش کیا تو انہوں نے بھی اس کو کھانے سے انکار کیا، پھر زید نے ان قریش سے کہا جنہوں نے اس دستر خوان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پیش کیا تھا کہ میں اس چیز سے نہیں کھاتا جس کو تم اپنے پتھروں پر ذبح کرتے ہو۔ اور زید بن عمرو بن نفیل زمانہ جاہلیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل نہیں تھے، پس جب زید اس کھانے سے رک گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے لیے اور خاتم النبیین بنانے کے لیے اختیار کیا تھا، وہ زیادہ اولیٰ تھے کہ اس کھانے سے زمانہ جاہلیت میں آپ رُکتے۔

''النُّصُب'' کا معنی

مجاہد نے کہا: یہ وہ پتھر ہیں جو کعبہ کے گرد نصب تھے، ان پر مشرکین قریش جانوروں کو رکھ کر ذبح کرتے تھے۔

یہ تین سو ساٹھ (۳۶۰) پتھر تھے جو کعبہ کے گرد جمع کیے گئے تھے اور ان پتھروں پر وہ اپنے بتوں کے لیے جانوروں کو ذبح کرتے تھے اور یہ پتھر بت نہیں تھے، کیونکہ بُت مجسمے اور صورتیں ہوتی ہیں اور نُصُب وہ پتھر تھے جو کعبہ کے گرد جمع تھے۔

زید بن عمرو کا تذکرہ

یہ زید حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے والد ہیں جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں اور یہ بنو عدی میں سے تھے، یہ دینِ برحق کو طلب کرنے کے لیے نکلے تھے تو انہوں نے یہودیت کے متعلق سوال کیا، کسی نے بتایا کہ تم اپنا حصہ اللہ کی لعنت میں سے قرار دو، تو انہوں نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی لعنت کو نہیں اٹھا سکتا، پھر کسی نے انہیں بتایا کہ تم دینِ ابراہیم کو اختیار کر لو، وہ حنیف اور مسلم تھے تو

انہوں نے کہا: اے اللہ! میں نے اپنا منہ تیری طرف کر لیا اور میں ملتِ ابراہیم پر ہوں۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۴۳۰۔ ۴۳۳ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۹۹، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ذبح کی اقسام

ذبح کی چار قسمیں ہیں:
(۱) جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور اس سے غیر اللہ کی تعظیم کا ارادہ کیا گیا ہو، وہ ذبیحہ حرام ہے۔
(۲) جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو لیکن اس سے بت کا قصد کیا گیا ہو، تو وہ ذبیحہ بھی حرام ہے۔
(۳) جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام بھی لیا ہو اور اللہ کے غیر کا نام بھی لیا گیا ہو، سو وہ ذبیحہ بھی حرام ہے۔
(۴) جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو اور اللہ کے لیے ذبح کیا گیا ہو، تو یہ ذبیحہ حلال ہے۔
(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۴۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۱۷۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ فَلْيَذْبَحْ عَلَى اسْمِ اللّٰهِ

نبی ﷺ کا ارشاد: اس کو چاہیے کہ اللہ کے نام پر ذبح کرے

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص قربانی کرے، وہ اللہ کے نام پر قربانی کو ذبح کرے۔

۵۵۰۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ جُنْدَبِ بْنِ سُفْيَانَ الْبَجَلِيِّ قَالَ ضَحَّيْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أُضْحِيَةً ذَاتَ يَوْمٍ فَإِذَا أُنَاسٌ قَدْ ذَبَحُوا ضَحَايَاهُمْ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَآهُمُ النَّبِيُّ ﷺ أَنَّهُمْ قَدْ ذَبَحُوا قَبْلَ الصَّلَاةِ فَقَالَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا أُخْرَى وَمَنْ كَانَ لَمْ يَذْبَحْ حَتَّى صَلَّيْنَا فَلْيَذْبَحْ عَلَى اسْمِ اللّٰهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از الاسود بن قیس از حضرت جندب بن سفیان البجلی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قربانیوں کو ذبح کیا، اس وقت چند لوگوں نے اپنی قربانیاں نماز سے پہلے ذبح کر دی تھیں۔ جب نبی ﷺ واپس گئے تو آپ نے ان کو دیکھا کہ انہوں نے نماز سے پہلے قربانیاں ذبح کر دی ہیں تو آپ نے فرمایا: جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا ہے، وہ اس کی جگہ دوسری قربانی ذبح کرے اور جس نے نہیں ذبح کیا حتیٰ کہ ہم نے نماز پڑھ لی تو اب وہ اللہ کا نام لے کر قربانی ذبح کرے۔

(صحیح البخاری: ۹۸۵، ۵۵۰۰، ۵۵۶۲، ۶۶۷۴، ۷۴۰۰، صحیح مسلم: ۱۹۶۰، سنن نسائی: ۴۳۹۸، سنن ابن ماجہ: ۳۱۵۲، مسند احمد: ۱۸۳۲۱)

صحیح البخاری: ۵۵۰۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اس حدیث کے آخری جملہ میں ہے اور وہ یہ ہے کہ جس نے ذبح نہیں کیا حتیٰ کہ ہم نے نماز پڑھ لی تو وہ اللہ کا نام لے کر قربانی کو ذبح کرے۔

اس حدیث میں یہ تنبیہ ہے کہ جس شخص نے ذبح کے وقت بھول کر اللہ کا نام نہیں لیا، وہ بھی اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہے، کیونکہ اس حدیث میں آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ اللہ کے نام پر ذبح کرے اور آپ نے مسلمان کے ذبح کو اصل میں اللہ کے نام پر قرار دیا ہے، جیسا کہ ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ کا ذکر ہر مسلمان کے دل میں ہے، وہ نام لے یا نام نہ لے۔

جس نے نمازِ عید سے پہلے قربانی ذبح کی وہ نمازِ عید کے بعد دوبارہ قربانی ذبح کرے

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس میں یہ تنبیہ ہے کہ جس نے نمازِ عید سے پہلے قربانی ذبح کر لی، وہ دوبارہ اس کو اللہ کا نام لے کر ذبح کرے، کیونکہ آپ نے فرمایا: وہ اللہ کے نام پر ذبح کرے۔

اور جان لو کہ قربانی کا وقت نمازِ عید کے بعد ہے اور وہ بسم اللہ کو قربانی کے ساتھ ملائے اور علیٰ کا لفظ یہاں پر مصاحبت کے معنی میں ہے جیسے ''ارکب علی اسم اللہ'' کا معنی ہے: یعنی ''اللہ کے نام کے ساتھ مصاحب ہو کر سوار ہو''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں ابوعوانہ کا ذکر ہے، ان کا نام الوضاح الیشکری ہے۔ اور اس سند میں الاسود بن قیس العبدی کا ذکر ہے، وہ ابو قیس الکوفی ہیں، اور جندب کا ذکر ہے، وہ ابن عبد اللہ بن سفیان البجلی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں اس شخص کو دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا ہے جس نے نمازِ عید سے پہلے قربانی کو ذبح کر لیا اور اس حدیث میں مالی سزا کا ثبوت ہے، کیونکہ اس شخص نے سنت کی مخالفت کی اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جس نے کسی کام کے واجب ہونے سے پہلے اس کو جلدی کر لیا تو اس کا وہ کام حرام ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۰۰ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

المراسیل میں مذکور ہے کہ مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کرے یا نہ کرے۔ (مراسیل ابوداؤد: ۳۷۸)

امام دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کے لیے بسم اللہ پڑھنا کافی ہے۔ (سنن دارقطنی ج ۴ ص ۲۹۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا نام ہر مسلمان کے دل میں ہے۔ (سنن دارقطنی ج

۷ ص ۲۹۵، المعجم الاوسط: ۷۴۶۹)

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: کہ یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں اور جو شخص عمداً بسم اللہ پڑھنے کو ترک کرے، اسی کے ساتھ اس کو بھی ملا دیا جاتا ہے جو سستی کی وجہ سے اللہ کے نام کو ترک کرے۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن ملقن نے جو ان دونوں حدیثوں کو ضعیف قرار دیا ہے وہ ان پر فقہ شافعی کے غلبہ کی وجہ سے ہے، کیونکہ امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ جس نے بھولے سے ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھنے کو ترک کر دیا تو وہ ذبیحہ جائز نہیں ہے۔ اس کے برخلاف امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ جس نے بھولے سے بسم اللہ پڑھنے کو ترک کر دیا تو اس کا ذبیحہ جائز ہے، کیونکہ ہر مسلمان کے دل میں بسم اللہ ہوتی ہے۔ اور یہ دونوں حدیثیں اگر چہ سنداً ضعیف ہوں لیکن چونکہ اس سے امام ابوحنیفہ نے استدلال کیا ہے، اس لیے یہ معتبر ہوں گی، کیونکہ جب مجتہد کسی حدیث سے استدلال کرے تو اس کا استدلال بھی اس حدیث کی صحت کی دلیل ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: کہ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ ذبح سے پہلے بسم اللہ پڑھنا ذبح کی سنتوں میں سے ہے اور اس حدیث میں مالی سزا کا بیان ہے یعنی جنہوں نے نماز سے پہلے قربانی کر لی، ان کو جو دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا ہے تو یہ مالی سزا ہے اور تعزیر ہے، جیسا کہ جن لوگوں نے ذوالحلیفہ میں مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے بکریوں کو ذبح کر لیا تھا، انہیں حکم دیا گیا کہ وہ ہانڈیوں کو الٹ دیں، یہ بھی ان کے لیے مالی سزا تھی۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس نے اصلِ سنت سے پہلے کوئی کام اس کے واجب ہونے سے پہلے جلدی کر لیا تو اس کو حرام قرار دیا جائے گا جیسے کسی شخص نے وطی کرنے میں جلدی کی اور عدت میں نکاح کر لیا تو اس کا وہ نکاح حرام ہو جائے گا، اسی طرح وہ لوگ ہیں جنہوں نے قربانی کے وجوب سے پہلے قربانی کر لی تو ان کی ان قربانیوں کو بہ طور سزا کے حرام قرار دیا گیا۔

ذبح کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی صفت

بسم اللہ پڑھنے کی صفت یہ ہے کہ قربانی کرنے والا کہے: ''بسم اللہ اللہ اکبر'' اور امام بخاری نے کتاب الاضاحی میں یہ عنوان قائم کیا ہے: ''باب التکبیر عند الذبح'' اور اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ذبح کیا تو پڑھا ''بسم اللہ اللہ اکبر''۔

ابنِ حبیب مالکی نے کہا ہے: اگر اس نے فقط اللہ کا نام لیا یعنی فقط بسم اللہ کہا یا فقط اللہ اکبر کہا یا لا الٰہ الا اللہ پڑھ کر ذبح کیا یا سبحان اللہ پڑھ کر یا لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھ کر ذبح کیا، تب بھی ذبح ہو جائے گا لیکن مسلمان جس طریقہ سے ذبح کرتے ہیں وہ افضل ہے اور وہ یہ کہے ''بسم اللہ اللہ اکبر''۔

اگر کسی شخص نے دوسرے کو اجرت پر رکھا کہ وہ اس کی طرف سے قربانی کرے اور بسم اللہ پڑھ کر سنائے، سو اس نے ذبح کیا اور بسم اللہ پڑھ کر سنایا نہیں تو اس کے متعلق تین قول ہیں:

شیخ ابوبکر بن عبد الرحمن نے کہا: اس کو اجرت ملے گی لیکن وہ قربانی کے جانور کی قیمت کا ضامن نہیں ہوگا، اور دوسرا قول اس کے برعکس ہے، اور تیسرا قول یہ ہے کہ نہ اس کو اجرت ملے گی اور نہ وہ قربانی کے جانور کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج

۲۶ ص ۴۳۴۔۴۳۶ ملخصاً وملتقطا ، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ،قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری:۵۵۰۰، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ صحابہ گھر سے باہر قربانیوں کو ذبح کرتے تھے۔خصوصاً اس لیے کہ اس وقت ان کے گھر چھوٹے تھے اور گھروں کے اندر ذبح کرنا مشکل تھا۔

(۲) جس نے کسی عبادت کا وقت داخل ہونے سے پہلے وہ عبادت کر لی، وہ اس عبادت کو دہرائے گا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کو دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا جنھوں نے نمازِ عید پڑھنے سے پہلے قربانی کر لی تھی۔

(۳) جس نے دوبارہ قربانی کی، وہ بھی اللہ کا نام پڑھ کر قربانی کرے گا، کیونکہ یہ قربانی بدل ہے اور بدل کو اصل کے مطابق ہونا چاہیے۔

(۴) ذبح سے پہلے بسم اللہ کا پڑھنا واجب ہے، کیونکہ آپ نے فرمایا: وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔

(۵) بعض علماء نے اس سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ بسم اللہ کا متعلق اس کے مناسب فعل ہونا چاہیے، کیونکہ آپ نے فرمایا: وہ اللہ کے نام پر ذبح کرے، سو ذبح کرنے والے کو کہنا چاہیے کہ میں اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کرتا ہوں۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۴۵، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۸۔ بَابُ: مَا أَنْهَرَ الدَّمَ مِنَ الْقَصَبِ وَالْمَرْوَةِ وَالْحَدِيْدِ

سرکنڈا، دھارے والے بانس یا لکڑی، سفید پتلا پتھر جو دھار والا ہو اور (دھار والے) لوہے میں سے جو بھی خون بہادے، اس سے ذبح کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو چیز بھی مذبوح کا خون بہادے، اس سے ذبح کرنا جائز ہے، خواہ سرکنڈا ہو یا سفید پتلا دھار والا پتھر ہو یا لوہا ہو۔ امام بخاری نے عنوان میں ان تین چیزوں کا ذکر کیا ہے اور اس باب کی احادیث میں ان میں سے کسی چیز کا ذکر نہیں ہے، اس باب کی حدیث میں صرف پتھر کے ساتھ ذبح کرنے کا ذکر ہے۔

سرکنڈے اور سفید پتلے پتھر کے ساتھ ذبح کرنے کا بیان

امام طبرانی نے حضرت رافع کی سند سے روایت کی ہے: کیا میں سرکنڈے اور سفید پتلے پتھر سے ذبح کروں؟

امام احمد، امام نسائی، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے از الشعبی از محمد بن صفوان اور ایک روایت میں از محمد بن صیفی روایت کی ہے

انہوں نے بیان کیا کہ میں نے دو خرگوشوں کو سفید پتلے پتھر سے ذبح کیا تو مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کھانے کا حکم دیا، اس حدیث کو امام ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ اصمعی نے کہا: مروہ اس سفید پتلے پتھر کو کہتے ہیں جس کو آگ میں تپایا جاتا ہے۔

لوہے کے ساتھ ذبح کرنے کا بیان

لوہے کے ساتھ ذبح کرنے کو اس حدیث سے مستنبط کیا جاتا ہے:

امام ابن ماجہ نے از جریر بن حازم از ایوب از زید بن اسلم روایت کی ہے، جریر نے کہا: میں زید بن اسلم سے ملا تو انہوں نے مجھے از عطاء بن یسار از حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حدیث بیان کی کہ انصار میں سے ایک مرد کے پاس ایک اونٹنی احد پہاڑ کی طرف چر رہی تھی، انہوں نے اس کو کیل کے ساتھ ذبح کر دیا، میں نے زید سے پوچھا: وہ کیل لکڑی کی تھی یا لوہے کی؟ تو انہوں نے کہا: نہیں، بلکہ وہ لکڑی کی تھی۔ پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تو آپ نے اس کو کھانے کا حکم دیا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: جب لکڑی کی کیل کے ساتھ ذبح کرنا جائز ہے تو لوہے کی کیل کے ساتھ ذبح کرنا بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔

سفید پتلے پتھر اور کھپچی سے ذبح کرنے کا بیان

امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے از سماک بن حرب از موسیٰ بن قطری از حضرت عدی بن ابی حاتم رضی اللہ عنہ روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ بتایئے کہ ہم میں سے کسی ایک کو جب شکار ملے اور اس کے پاس چھری نہ ہو، تو کیا وہ سفید پتلے پتھر سے ذبح کر سکتا ہے اور لاٹھی کی کھپچی سے؟ (لاٹھی کو چیرنے سے جو دھار والا حصہ حاصل ہو، اس کو کھپچی کہتے ہیں، بانس کا چیرا ہوا ٹکڑا۔ فیروز اللغات: ص ۱۰۵۳)۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جس چیز سے چاہو خون بہا دو اور اللہ عزوجل کے نام کا ذکر کرو۔ یہ سنن ابوداؤد کی عبارت ہے اور امام نسائی کی روایت میں ہے "تم سفید پتلے پتھر اور لاٹھی سے ذبح کرو"۔ اور امام ابن ماجہ کی روایت میں ہے: اگر تم چھری نہ پاؤ تو دھار والے سخت پتھر سے ذبح کر دو اور لاٹھی سے ذبح کر دو۔ اور امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت سفینہ سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ ایک مرد نے اپنی اونٹنی کو لکڑی کے ساتھ ذبح کر دیا، پھر اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے اس کو اس کے کھانے کا حکم دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۰۔۱۷۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۰۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ سَمِعَ ابْنَ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ يُخْبِرُ ابْنَ عُمَرَ أَنَّ أَبَاهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ جَارِيَةً لَهُمْ كَانَتْ تَرْعَى غَنَمًا بِسَلْعٍ فَأَبْصَرَتْ بِشَاةٍ مِنْ غَنَمِهَا مَوْتًا فَكَسَرَتْ حَجَرًا فَذَبَحَتْهَا فَقَالَ لِأَهْلِهِ لَا تَأْكُلُوا حَتَّى آتِيَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَسْأَلَهُ أَوْ حَتَّى أُرْسِلَ إِلَيْهِ مَنْ يَسْأَلُهُ فَأَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم أَوْ بَعَثَ إِلَيْهِ فَأَمَرَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِأَكْلِهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن ابی بکر المقدمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی از عبید اللہ از نافع، انہوں نے حضرت کعب بن مالک کے بیٹے سے سنا، وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو خبر دے رہے تھے کہ ان کے والد حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ان کی ایک باندی تھی جو سلع کے پاس بکریاں چراتی تھی، تو اس باندی نے دیکھا کہ اس کی بکریوں میں سے ایک بکری مرنے والی ہے، اس نے ایک پتھر توڑ کر اس بکری کو ذبح کر دیا، پھر حضرت

کعب بن مالک نے گھر والوں سے کہا: اس بکری کو نہ کھانا حتیٰ کہ
میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اس کے متعلق سوال کروں یا کہا: حتیٰ
کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی کو بھیجوں جو آپ سے اس بکری
کے متعلق سوال کرے، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے یا آپ
کے پاس کسی کو بھیجا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۳۰۴، ۵۵۰۱، ۵۵۰۲، ۵۵۰۴، سنن ابن ماجہ: ۳۱۸۲، مسند احمد: ۲۶۲۴۷، موطا امام مالک: ۱۰۵۷)

صحیح البخاری: ۵۵۰۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں ''المروۃ'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: سفید پتلا پتھر اور حدیث میں پتھر کے ساتھ ذبح کرنے کا ذکر ہے اور چونکہ المروہ بھی پتھر ہوتا ہے تو اس لحاظ سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن ابی بکر کا ذکر ہے، ان کا پورا نام ہے: محمد بن ابی بکر بن علی بن عطا بن مقدم ابو عبد اللہ۔ جو مقدمی کے نام سے معروف ہیں۔ ان سے امام مسلم نے بھی روایت کی ہے، اور اس حدیث کی سند میں معتمر کا ذکر ہے، ان کا نام ہے: معتمر بن سلیمان اور اس حدیث کی سند میں عبید اللہ کا ذکر ہے، اور یہ ابن عمر العمری ہیں۔ اور نافع کا ذکر ہے، یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے غلام اور شاگرد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن کعب بن مالک کا ذکر ہے۔ علامہ المزی نے الاطراف میں وثوق سے کہا ہے کہ یہ عبد اللہ بن کعب ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ عبد الرحمٰن بن کعب بن مالک ہیں۔ یہ اپنے والد حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جو ان تین صحابہ میں سے ایک ہیں جن کی توبہ قبول کی گئی تھی۔

علامہ ابن الملقن نے کہا ہے: اس سند میں ایک لطیف چیز ہے اور وہ صحابی کی روایت ہے تابعی سے، کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس حدیث کو حضرت کعب بن مالک کے بیٹے سے روایت کیا ہے اور وہ تابعی ہیں۔ علامہ عینی علامہ ابن ملقن کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہاں پر اس حدیث کی کسی سے روایت نہیں کی بلکہ حضرت کعب بن مالک کے بیٹے نے ان کو یہ حدیث اپنے والد حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنائی۔

یہ حدیث کتاب الوکالۃ کے اندر گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح بھی کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں جاریۃ کا لفظ ہے، اور اکثر یہ لفظ باندی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

اور اس حدیث میں ''سلع'' کا لفظ ہے، یہ مدینہ منورہ کا مشہور پہاڑ ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث کے پانچ فائدے ہیں:

(۱) عورت کا ذبح کرنا (۲) باندی کا ذبح کرنا (۳) پتھر سے ذبح کرنا (۴) جو جانور مرنے والا ہو اس کو ذبح کرنا (۵) مالک کے غیر کا بغیر وکالت کے ذبح کرنا۔

اس میں اختلاف ہے کہ جب چرواہا کسی جانور کو ذبح کردے اور یہ کہے کہ وہ مر رہا تھا تو میں نے اس کو ذبح کر دیا تو ابن قاسم مالکی نے کہا: اس کے اوپر کوئی ضمان نہیں ہے اور دوسروں نے کہا: اس پر ضمان ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۱۔ ۱۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: علامہ عینی نے جو شرح کی ہے یہ علامہ ابن الملقن کی شرح سے مستفاد ہے، تاہم علامہ عینی نے علامہ ابن ملقن کی پوری شرح ذکر نہیں کی، اور شرح کا کچھ حصہ چھوڑ دیا ہے۔ ہم یہاں پر علامہ ابن ملقن کی شرح کا وہ حصہ ذکر کر رہے ہیں جس کا علامہ عینی نے ذکر نہیں کیا۔

صحیح البخاری: ۵۵۰۱ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عورت اور بچے کے ذبح کرنے کا بیان

حضرت کعب کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کا ذبیحہ جائز ہے اور یہ جمہور فقہاء کا قول ہے جب کہ عورت اچھی طرح سے ذبح کر سکتی ہو۔ اسی طرح جو بچہ اچھے طریقہ سے ذبح کر سکتا ہو، اس کا ذبح کرنا بھی جائز ہے۔ امام مالک نے المدونہ میں کہا ہے کہ بغیر ضرورت کے بھی عورت کا ذبح کرنا جائز ہے اور بچے کا ذبح کرنا جائز ہے جب وہ ذبح کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔

(المدونہ ج ۱ ص ۴۲۹)

ابن حبیب مالکی نے کہا ہے: خواہ بچہ مختون ہو یا غیر مختون ہو۔ اور امام محمد کی کتاب میں امام مالک سے منقول ہے کہ عورت یا بچے کا ذبیحہ مکروہ ہے اور اسی طرح خصی کا ذبح کرنا بھی مکروہ ہے۔

مالک کی اجازت کے بغیر کیے ہوئے ذبیحہ کا بیان

فقہاء نے حضرت کعب کی حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ جو ذبیحہ مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کیا گیا، اس کا کھانا جائز ہے اور انہوں نے ان لوگوں پر رد کیا ہے جنہوں نے چور اور غاصب کے ذبیحہ کے کھانے کا انکار کیا۔ اور یہ قول عکرمہ اور طاؤس سے مروی ہے۔ اور اہل ظاہر اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے اور یہ قول شاذ ہے، اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔ اور لوگوں کا اس میں اختلاف ہے اور علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ چور کے ذبیحہ اور مُحرم کے ذبیحہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

غیر مختون کے ذبیحہ کا بیان

ابن حزم ظاہری نے طاؤس سے روایت کی ہے کہ حبشی کا ذبیحہ ممنوع ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ غیر

مختون کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا اور نہ اس کی نماز مقبول ہوگی اور نہ اس کی شہادت اور عنقریب اہلِ کتاب کے ذبائح کے بیان میں حسن اور ابراہیم کی یہ روایت آئے گی کہ غیر مختون کے ذبیحہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (یہ صحیح البخاری: ۵۵۰۸ سے پہلے تعلیق میں مذکور ہے۔)

اور علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: عام اہلِ علم اس پر متفق ہیں کہ ان کا ذبیحہ جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کے ذبیحہ کو جائز قرار دیا ہے اور ان میں سے بعض وہ ہوتے ہیں جو غیر مختون ہوتے ہیں۔

ابن حزم ظاہری نے کہا ہے: حائضہ عورت کا ذبح کرنا، حبشی کا ذبح کرنا، گونگے کا ذبح کرنا، فاسق کا ذبح کرنا، جنبی کا ذبح کرنا یا جو جانور غیر قبلہ کی طرف عمداً ذبح کیا گیا ہو، یا بغیر عمد کے ذبح کیا گیا ہو، جب کہ ذبح کے وقت اللہ کے نام کو ذکر کیا گیا ہو۔ اور گونگے نے اپنی طاقت کے مطابق اشارہ سے اللہ کا نام لیا ہو، اور عجمی نے اپنی لغت سے اللہ کا نام لیا ہو، ذبیحوں کی یہ تمام اقسام جائز ہیں۔

(المحلی ج ۷ ص ۴۵۳) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۴۴۱۔ ۴۴۳ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۵۰۲۔ حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي سَلِمَةَ أَخْبَرَ عَبْدَ اللهِ أَنَّ جَارِيَةً لِكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ تَرْعَى غَنَمًا لَهُ بِالْجُبَيْلِ الَّذِي بِالسُّوقِ وَهُوَ بِسَلْعٍ فَأُصِيبَتْ شَاةٌ فَكَسَرَتْ حَجَرًا فَذَبَحَتْهَا بِهِ فَذَكَرُوا لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَمَرَهُمْ بِأَكْلِهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جویریہ نے حدیث بیان کی از نافع از بنو سلمہ کے ایک مرد، انہوں نے حضرت عبداللہ کو خبر دی کہ حضرت کعب بن مالک کی ایک باندی ایک پہاڑی کے پاس بکریاں چراتی تھی، وہ پہاڑی سوق میں تھی اور اس پہاڑی کا نام سلع تھا، ایک بکری مرنے کے قریب ہوگئی، اس باندی نے ایک پتھر توڑا اور اس پتھر سے اس بکری کو ذبح کر دیا، پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے اس کو کھانے کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۳۰۴، ۵۵۰۱، ۵۵۰۲، ۵۵۰۴، سنن ابن ماجہ: ۳۱۸۲، مسند احمد: ۲۶۶۲۷، موطا امام مالک: ۱۰۵۷)

صحیح البخاری: ۵۵۰۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اسی حدیث کی ایک اور سند ہے جو از موسیٰ بن اسماعیل المنقری مروی ہے از جویریہ بن اسماء البصری از نافع جو مولیٰ ابن عمر ہیں از بنو سلمہ کے ایک مرد۔۔۔۔ الی آخرہ

بنو سَلِمَہ میں سین پر زبر اور لام کے نیچے زیر ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند مجہول ہے، کیونکہ اس میں ایک مرد کا ذکر ہے جو نا معلوم ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ وہ حضرت کعب بن مالک السلمی الانصاری کے بیٹے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۰۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ جَدِّهِ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ لَيْسَ لَنَا مُدًى فَقَالَ مَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از شعبہ از سعید بن مسروق از عبایہ بن رفاعہ از جدِ خود، وہ بیان کرتے

أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ فَكُلْ لَيْسَ الظُّفُرَ وَالسِّنَّ أَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ وَأَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ وَنَدَّ بَعِيرٌ فَحَبَسَهُ فَقَالَ إِنَّ لِهَذِهِ الْإِبِلِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَمَا غَلَبَكُمْ مِنْهَا فَاصْنَعُوا بِهِ هَكَذَا۔

ہیں کہ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ (ﷺ)! ہمارے پاس چھری نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: جو چیز خون بہادے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے تو اسے کھالو۔ اور وہ چیز ناخن اور دانت نہ ہوں، رہا ناخن تو وہ حبشیوں کی چھری ہے اور رہا دانت تو وہ ہڈی ہے۔ اور ایک اونٹ بھاگ گیا، سو اس کو روک لیا، تو آپ نے فرمایا: ان اونٹوں میں توحش اور تنفر ہوتا ہے جیسے وحشی جانوروں میں ہوتا ہے، پس جو تم پر ان میں سے غالب آجائے، اس کے ساتھ اسی طرح کرو۔

(صحیح البخاری: ۲۴۸۸، ۲۵۰۷، ۳۰۷۵، ۵۴۹۸، ۵۵۰۳، ۵۵۰۶، ۵۵۰۹، ۵۵۴۳، ۵۵۴۴، صحیح مسلم: ۱۹۶۸، سنن ترمذی: ۱۴۹۱، سنن نسائی: ۴۴۱۰، سنن ابوداؤد: ۲۸۲۱، سنن ابن ماجہ: ۳۱۸۳، مسند احمد: ۱۶۸۱۲، سنن دارمی: ۱۹۷۷)

صحیح البخاری: ۵۵۰۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے باب کے عنوان میں مذکور تھا: ''جو چیز خون کو بہادے''۔ اور اس حدیث کے شروع میں بھی ذکر ہے کہ جو چیز خون کو بہادے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے، اس کو کھالو۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔ یہ حدیث اس سے پہلے باب ''التسمیۃ علی الذبیحۃ'' میں عنقریب گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدان کا ذکر ہے، یہ عبد اللہ بن عثمان بن جبلہ کا لقب ہے۔ یہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں از شعبہ از سعید بن مسروق اور وہ ابوسفیان ثوری ہیں از عبایۃ بن رفاعہ، اور دوسری سند میں ہے عبایہ بن رافع، اور رافع عبایۃ کے دادا ہیں اور ان کے والد رفاعہ ہیں جن کی طرف اس روایت میں نسبت کی گئی ہے۔

اس حدیث میں ہے کہ اس اونٹ کو روک لیا، یہاں پر یہ عبارت مقدر ہے کہ کسی مرد نے تیر مارا، وہ تیر اس اونٹ کو لگا تو وہ اونٹ بھاگنے سے رک گیا۔ یہ حدیث اس سے پہلے تفصیل سے گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۲۔ ۱۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۹۔ بَابُ: ذَبِيحَةِ الْمَرْأَةِ وَالْأَمَةِ

عورت اور باندی کے ذبیحہ کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عورت کا ذبیحہ اور باندی کا ذبیحہ جائز ہے، اور امام بخاری نے اس عنوان سے ان لوگوں کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جو عورت اور باندی کے ذبیحہ سے منع کرتے ہیں، اور محمد بن عبدالحکیم نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ عورت اور باندی کا ذبیحہ مکروہ ہے اور المدونہ میں لکھا ہے کہ یہ جائز ہے اور یہی جمہور فقہاء کا قول ہے۔ اور یہ جواز اس وقت ہے کہ جب عورت اچھے طریقہ سے ذبح کر سکتی ہو، اسی طرح بچہ بھی جب اچھی طرح سے ذبح کر سکتا ہو، اس کا ذبیحہ بھی جائز ہے۔ اور خصی کے ذبح کرنے کی کراہت میں اختلاف ہے۔ ابن حزم ظاہری نے از طاؤس حبشی کے ذبیحہ کو منع کیا ہے جیسا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب آئے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۰۴۔ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ امْرَأَةً ذَبَحَتْ شَاةً بِحَجَرٍ فَسُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ ذَلِكَ فَأَمَرَ بِأَكْلِهَا وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنَا نَافِعٌ أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ يُخْبِرُ عَبْدَ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ جَارِيَةً لِكَعْبٍ بِهَذَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں صدقہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ نے خبر دی از عبید اللہ از نافع از ابن حضرت کعب بن مالک از والد خود، (یعنی حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا) کہ ایک عورت نے پتھر سے بکری کو ذبح کر دیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا گیا، تو آپ نے اس کو کھانے کا حکم دیا۔ اور لیث نے کہا: ہمیں نافع نے حدیث بیان کی، انہوں نے انصار کے ایک مرد سے سنا، وہ حضرت عبد اللہ کو خبر دیتے تھے از نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی باندی نے اس طرح کیا۔

(صحیح البخاری: ۲۳۰۴، ۵۵۰۱، ۵۵۰۲، ۵۵۰۴، سنن ابن ماجہ: ۳۱۸۲، مسند احمد: ۷ ۲۶۶۲، موطا امام مالک: ۱۰۵۷)

صحیح البخاری: ۵۵۰۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کے عنوان میں عورت کے ذبیحہ کا ذکر ہے اور حدیث میں بھی یہ ذکر ہے کہ ایک عورت نے پتھر سے بکری کو ذبح کر دیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں صدقہ کا ذکر ہے، یہ صدقہ بن الفضل المروزی ہیں۔ اور اس حدیث میں عبدہ کا ذکر ہے، یہ عبدہ بن سلیمان الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث میں عبید اللہ کا ذکر ہے، یہ عبید اللہ بن عمر العمری ہیں۔ اور یہ حدیث اس سے پہلے جویریہ کی سند کے ساتھ گزر چکی ہے۔

اس کے بعد امام بخاری نے اس حدیث کی تعلیق ذکر کی ہے۔ اس تعلیق میں ذکر ہے کہ نافع نے انصار کے ایک مرد سے سنا، انہوں

وہ مرد مجہول ہے۔(بہ ظاہر وہ مرد حضرت کعب بن مالک کے بیٹے ہیں)۔
اس حدیث کے آخر میں ہے''بھذا'' یہ اس حدیث مذکور کی طرح بیان کیا۔

(عمدۃ القاری ج۲۱ ص ۱۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۰۵۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ عَنْ مُعَاذِ بْنِ سَعْدٍ أَوْ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ جَارِيَةً لِكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ كَانَتْ تَرْعَى غَنَمًا بِسَلْعٍ فَأُصِيبَتْ شَاةٌ مِنْهَا فَأَدْرَكَتْهَا فَذَبَحَتْهَا بِحَجَرٍ فَسُئِلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ كُلُوهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از نافع از انصار کے ایک مرد از معاذ بن سعد یا سعد بن معاذ، انہوں نے خبر دی کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک باندی سلع پہاڑ پر بکریاں چرا رہی تھی، پس ان میں سے ایک بکری مرنے کے قریب ہوگئی تو اس نے اس بکری کو پکڑ لیا اور ایک پتھر سے ذبح کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا: اس کو کھالو۔

(صحیح البخاری: ۲۳۰۴، ۵۵۰۱، ۵۵۰۲، ۵۵۰۴، سنن ابن ماجہ: ۳۱۸۲، مسند احمد: ۲۶۶۲۷، موطا امام مالک: ۱۰۵۷)

صحیح البخاری: ۵۵۰۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے، اور اس میں بھی ایک راوی مجہول ہے اور اس کی سند میں معاذ بن سعد میں تردد ہے، علامہ کرمانی نے کہا ہے: معاذ کے متعلق راوی کے شک سے اس حدیث میں کوئی طعن نہیں ہوتا، کیونکہ ان میں سے ہر ایک صحابی ہے اور تمام صحابہ عدول ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہاں دو راوی نہیں ہیں، بلکہ یہاں ایک ہی راوی ہے اور تردد اس میں ہے کہ وہ معاذ ہیں جو کہ بیٹے ہیں یا سعد ہیں جو کہ باپ ہیں اور بے شک سعد بیٹے ہیں اور معاذ ان کے باپ ہیں، اسی وجہ سے الاستیعاب میں معاذ بن سعد کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اور الذہبی نے ذکر کیا ہے: معاذ بن سعد یا سعد بن معاذ، اسی طرح امام مالک نے نافع سے روایت کی ہے جس حدیث میں پتھر سے ذبح کرنے کا ذکر ہے۔ (عمدۃ القاری ج۲۱ ص ۱۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۰۔ بَابٌ: لَا يُذَكَّى بِالسِّنِّ وَالْعَظْمِ وَالظُّفُرِ

اس کا بیان کہ دانت، ہڈی اور ناخن سے ذبح نہ کیا جائے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ عینی نے کہا ہے کہ ہڈی اور ناخن کا جو دانت پر عطف کیا گیا ہے، اس عطف سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ دانت بھی ایک

خاص ہڈی ہے اور ناخن بھی ایک خاص ہڈی ہے، پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ شاید امام بخاری کی نظر اس طرف تھی کہ دانت اور ناخن عرفاً ہڈی نہیں ہیں اور اطباء بھی کہتے ہیں کہ یہ ہڈی نہیں ہیں اور صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں بھی ہڈی ہیں اور ہڈی کا دانت پر عطف، عام کا خاص پر عطف ہے۔

نیز علامہ کرمانی نے کہا: کہ امام بخاری نے عنوان میں ہڈی کا ذکر کیا ہے اور حدیث میں ہڈی کا ذکر نہیں ہے، پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ دانت اور ناخن کے ذکر سے ہڈی کا مسئلہ بھی معلوم ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام بخاری کی عادت یہ ہے کہ وہ اصلِ حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں، کیونکہ اصل حدیث میں ہے: ''کیونکہ دانت ہڈی ہے''۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۷، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۰۶۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ كُلْ يَعْنِي مَا أَنْهَرَ الدَّمَ إِلَّا السِّنَّ وَالظُّفُرَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از والدِ خود از عبایہ بن رفاعہ از حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھاؤ یعنی جو چیز خون بہا دے سوائے دانت اور ہڈی کے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۸۸، ۲۵۰۷، ۳۰۷۵، ۵۴۹۸، ۵۵۰۳، ۵۵۰۶، ۵۵۰۹، ۵۵۴۳، ۵۵۴۴، صحیح مسلم: ۱۹۶۸، سنن ترمذی: ۱۴۹۱، سنن نسائی: ۴۴۱۰، سنن ابوداؤد: ۲۸۲۱، سنن ابن ماجہ: ۳۱۸۳، مسند احمد: ۱۶۸۱۲، سنن دارمی: ۱۹۷۷)

صحیح البخاری: ۵۵۰۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث حضرت رافع بن خدیج کی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے، اور اس کی شرح گزر چکی ہے۔

۲۱۔ بَابُ: ذَبِيحَةِ الْأَعْرَابِ وَنَحْوِهِمْ — دیہاتیوں اور ان جیسے لوگوں کے ذبیحہ کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں دیہاتیوں کے ذبیحہ کا حکم بیان کیا گیا ہے، اور اعراب (دیہاتی) وہ لوگ ہیں جو عرب کے صحراؤں اور جنگلوں میں رہتے ہیں، جن کو خانہ بدوش کہا جاتا ہے اور بادیہ نشین بھی کہا جاتا ہے۔ یہ بغیر ضرورت کے شہر میں نہیں جاتے۔ اور لفظِ اعراب کا کوئی واحد نہیں ہے۔ یہ لوگ شہروں میں جا کر علم حاصل نہیں کرتے اور عموماً احکامِ شرعیہ سے ناواقف ہوتے ہیں، تو جو احکامِ شرعیہ سے ناواقف ہوں، وہ بھی دیہاتیوں کی مثل ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۰۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ حَدَّثَنَا أُسَامَةُ بْنُ حَفْصٍ الْمَدَنِيُّ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبید اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسامہ بن حفص

عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ قَوْمًا قَالُوا لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ قَوْمًا يَأْتُونَا بِاللَّحْمِ لَا نَدْرِي أَذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ أَمْ لَا فَقَالَ سَمُّوا عَلَيْهِ أَنْتُمْ وَكُلُوهُ قَالَتْ وَكَانُوا حَدِيثِي عَهْدٍ بِالْكُفْرِ تَابَعَهُ عَلِيٌّ عَنِ الدَّرَاوَرْدِيِّ وَتَابَعَهُ أَبُو خَالِدٍ وَالطُّفَاوِيُّ

المدنی نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ چند لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہمارے پاس کچھ لوگ گوشت لے کر آتے ہیں، ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے اس کے ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں لیا۔ آپ نے فرمایا: تم اس پر اللہ کا نام لو اور اس کو کھالو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ وہ لوگ کفر کے زمانہ کے قریب تھے (نئے نئے کفر سے نکلے تھے)۔

اس حدیث کی متابعت علی نے کی ہے از دراوردی اور ان کی متابعت ابو خالد اور طفاوی نے کی ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۰۵۷، ۵۵۰۷، ۷۳۹۸، سنن نسائی: ۴۴۳۶، سنن ابوداؤد: ۲۸۲۹، سنن ابن ماجہ: ۳۱۷۴، موطا امام مالک: ۱۰۵۴، سنن دارمی: ۱۹۷۶)

صحیح البخاری: ۵۵۰۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں اعراب کے ذبیحہ کا ذکر ہے، اور اس سے مراد وہ دیہاتی ہیں جو مسلمانوں کے پاس جنگلوں اور صحراؤں سے آتے تھے۔ اور اس حدیث میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا ہے کہ کچھ لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں اور ہمیں پتا نہیں ہوتا کہ انہوں نے اس پر اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں؟

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن عبید اللہ بن زید کا ذکر ہے، ان کے والد ثابت ہیں جو حضرت عثمان بن عفان القرشی الاموی المدنی کے غلام تھے۔ اور ان سے صرف امام بخاری نے روایت کی ہے۔ اور اس حدیث میں اسامہ بن حفص المدنی کا ذکر ہے جو ہشام بن عروہ از والد خود عروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ چند لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں اور سنن نسائی میں ہے کہ چند اعراب گوشت لے کر آتے ہیں، اور امام مالک کی روایت میں ہے کہ چند بادیہ نشین گوشت لے کر آتے ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: ہم نہیں جانتے کہ اس گوشت پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں، یعنی کیا ہم اس گوشت سے کھالیں؟

اس حدیث سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا واجب نہیں ہے، کیونکہ اگر ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا

واجب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیہاتیوں کے ذبیحہ کو کھانے کا حکم نہ دیتے۔اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ حکم ابتداءِ اسلام میں تھا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امام مالک کی روایت کے آخر میں یہ اضافہ ہے''اور یہ اول اسلام میں تھا''۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ لوگ ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنے کے حکم سے جاہل نہ ہوں۔(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۴۔۱۷۵، دار الکتب العلمیہ ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

مشینی ذبیحہ کے جواز پر استدلال کا جواب

میں کہتا ہوں: کہ بعض لوگوں نے اس حدیث سے مشینی ذبیحہ کے جواز پر استدلال کیا ہے کہ اگر مشینی ذبیحہ پر ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کھاتے وقت بسم اللہ پڑھ لو، لیکن ان کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں ابتداءِ اسلام کے واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے۔نیز اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ اعراب ذبح کے وقت بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ وہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرتے تھے، لیکن جب مسلمانوں کے پاس ان کا گوشت لایا جاتا تو انہیں یہ شبہ ہوتا تھا پتا نہیں انہوں نے ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھی ہے یا نہیں تو آپ نے اس شبہ اور وسوسہ کو زائل کرنے کے لیے فرمایا:''تم بسم اللہ پڑھ کر کھالو''۔تو اس حدیث کا مقصود شبہ اور وسوسہ کو زائل کرنا ہے نہ اس کا مقصود یہ ہے کہ اگر ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا جائے تو اس کا کھانا جائز ہوگا۔اور مشینی ذبیحہ کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ مشین سے ذبح کرتے وقت اگر بسم اللہ پڑھ لی جائے تو پھر وہ ذبیحہ جائز ہوگا ورنہ نہیں۔(سعیدی غفرلہٗ)

امام بخاری کی ذکر کردہ تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں پہلے مذکور ہے:''اس کی متابعت علی نے دراوردی سے کی ہے'': یعنی اسامہ بن حفص نے از ہشام از علی بن المدینی از عبد العزیز بن محمد الدراوردی کی متابعت کی ہے۔اور دراوردی میں دراورد کی طرف نسبت ہے، یہ خراسان کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے اور اس متابعت سے مراد یہ ہے کہ اسامہ بن حفص نے جو روایت کی ہے، اس کی علی بن مدینی نے بھی ہشام بن عروہ سے مرفوعاً روایت کی ہے۔

اس تعلیق کے بعد مذکور ہے:''اور ان کی متابعت ابو خالد اور الطفاوی نے کی ہے'': یعنی اسامہ بن حفص کی متابعت ابو خالد سلیمان بن حیان الاحمر نے بھی ہشام بن عروہ سے مرفوعاً روایت میں کی ہے۔امام بخاری نے اس متابعت کو صحیح بخاری کی کتاب التوحید میں سندِ موصول کے ساتھ ذکر کیا ہے۔اور طفاوی نے بھی متابعت کی ہے یعنی محمد بن عبد الرحمٰن الطفاوی نے بھی اسامہ بن حفص کی متابعت کی ہے اور امام بخاری نے اس متابعت کو صحیح بخاری کی کتاب الوجوہ میں سندِ موصول کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۵، دار الکتب العلمیہ ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۰۷ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب مذکور کی حدیث کے موافق دیگر احادیث

امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں شعبی سے روایت کی ہے کہ غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پنیر لایا گیا، الخ

کہا گیا کہ یہ وہ طعام ہے جس کو مجوس بناتے ہیں، آپ نے فرمایا: تم اس پر اللہ کا نام پڑھو اور کھالو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۰)

ابن حزم ظاہری نے اپنی محلّٰی میں از عیینہ از ہشام از والد خود روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان کے ایمان میں اجتہاد کرو اور کھاؤ۔ یعنی جو گوشت اعراب اور دیہاتی لے کر آئے ہیں اور ہمیں معلوم نہیں کہ انہوں نے اس پر ذبح کے وقت بسم اللہ کو پڑھا ہے یا نہیں پڑھا، اور یہ حدیث بھی مرسل ہے اور ابن حزم نے کہا: حدیث مرسل میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ (المحلّٰی ج ۷ ص ۴۵۸)

اور امام طحاوی نے مشکل الآثار میں یہ روایت کی ہے کہ چند صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، پس کہا: چند اعراب ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں، اور پنیر اور گھی (لے کر آتے ہیں) اور ہم نہیں جانتے کہ ان کے اسلام کی کیا حقیقت ہے؟ تو آپ نے فرمایا: تم غور کرو کہ اللہ نے تم پر کن چیزوں کو حرام کیا ہے، ان سے رک جاؤ اور جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے سکوت فرمایا ہے، سو وہ تمہارے لیے معاف ہیں اور تمہارا رب بھولنے والا نہیں ہے، تم بسم اللہ پڑھ لو۔ (شرح مشکل الآثار ج ۲ ص ۲۲۶)

اور اسی کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حلال کو حلال قرار دیا اور اللہ تعالیٰ کے حرام کو حرام قرار دیا، پس جس چیز کو اللہ نے حلال قرار دیا، وہ حلال ہے اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا، وہ حرام ہے، اور جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے سکوت فرمایا، وہ معاف ہے، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تلاوت کی:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (الانعام)

آپ کہیے کہ میری طرف جو وحی کی گئی ہے میں اس میں کسی کھانے والے پر ان چیزوں کے سوا اور کوئی چیز حرام نہیں پاتا، وہ مردار ہو یا بہا ہوا خون ہو، یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ نجس ہے یا بہ طور نافرمانی کے اس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، سو جو شخص مجبور ہو اور نہ وہ سرکشی کرنے والا ہو نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو بے شک آپ کا رب بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

ذبح سے پہلے بسم اللہ کے پڑھنے کا فرض یا واجب نہ ہونا

ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ حدیث اس مسئلہ میں نہایت عمدہ ہے کہ ابتداء میں بسم اللہ کا پڑھنا شرط نہیں ہے، اسی طرح المہلب مالکی نے کہا ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ ذبح میں پہلے بسم اللہ پڑھنا فرض نہیں ہے، کیونکہ اگر ذبح میں پہلے بسم اللہ کا پڑھنا فرض ہوتا تو ہر حال میں بسم اللہ کا پڑھنا فرض ہوتا۔ اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ کا پڑھنا مستحب ہے اور فرض نہیں ہے، پس ذبح کرنا جو کھانے کا نائب ہے، اس میں بھی بسم اللہ کا پڑھنا سنت ہے، کیونکہ وہ فرض کا قائم مقام ہے۔ اور اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت عدی بن ابی حاتم اور حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں جو شکار پر کتا چھوڑنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا ذکر ہے، یا شکار پر تیر مارنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا ذکر ہے، یہ دونوں حدیثیں تنزیہہ پر محمول ہیں۔ اس لیے کہ وہ دونوں زمانہ جاہلیت کے طریقہ پر شکار کرتے تھے، تو نبی ﷺ نے انہیں شکار کرنے اور ذبح کرنے کی باریکیوں کو سمجھایا تاکہ وہ کسی شبہ میں واقع نہ ہوں۔ اور ابتداء میں ہی کامل ترین طریقہ سے شکار کریں اور ذبح کریں۔ اسی طرح جو لوگ آپ سے سوال کرنے کے لیے

آئے اور ابتداء میں انہیں کامل طریقہ سے ذبح کرنے کا طریقہ معلوم نہیں تھا تو آپ نے ان کو بتایا کہ اصل وہ چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حلال کر دی ہے اور آپ نے حضرت عدی بن ابی حاتم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اگر تم نے شکاری کتے پر بسم اللہ نہیں پڑھی تو وہ حرام ہوگا لیکن آپ نے یہ فرمایا تھا کہ تم اس کو نہ کھانا کیونکہ مجھے یہ خوف ہے کہ اس نے اپنے لیے شکار کیا ہوگا۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں کھانے کے وقت آپ نے بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیا ہو، تاکہ تمہارا اپ بسم اللہ پڑھنا تمہارے لیے اس کھانے کو مباح کر دے گا جس کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے کہ انہوں نے ذبح کے وقت بسم اللہ کو پڑھا تھا یا نہیں پڑھا تھا، جب کہ ذبح کرنے والا ان لوگوں میں سے ہو جن کا ذبیحہ صحیح ہوتا ہے جب وہ بسم اللہ پڑھیں۔

بازاروں میں جو گوشت بکتا ہے اس کے ذبیحہ کے صحیح ہونے پر دلیل

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بازاروں میں جو گوشت فروخت ہوتا ہے، وہ صحت پر محمول کیا جائے گا۔ یعنی اگرچہ ہمارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ بازاروں میں جو گوشت بک رہا ہے، اس کے ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھی گئی تھی لیکن چونکہ مسلمان لوگ اس گوشت کو فروخت کر رہے ہیں، اس لیے اس کو اسی پر محمول کیا جائے گا کہ انہوں نے بسم اللہ پڑھ کر اس کو ذبح کیا ہے۔ اسی طرح جو اعراب اور دیہاتی ذبح کرتے ہیں، اس کو بھی اسی پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ غالب حال یہ ہے کہ وہ بسم اللہ پڑھنے کو جانتے ہوں اور مسلمانوں کا اسی طریقہ پر عمل ہے۔

اور حافظ ابو عمر بن عبد البر نے کہا ہے: اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ مسلمان جس کو ذبح کریں اور یہ معلوم نہ ہو کہ انہوں نے اللہ کا نام ذبیحہ پر لیا ہے یا نہیں تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ یہ اس پر محمول کیا جائے گا کہ مسلمان نے بسم اللہ پڑھ لی ہے اور مومن کے متعلق صرف خیر کا گمان کیا جاتا ہے اور اس کا ذبیحہ اور اس کا شکار صحت اور سلامتی پر محمول کیا جائے گا، حتیٰ کہ کسی دلیل سے یہ ثابت ہو کہ اس نے عمداً بسم اللہ پڑھنے کو ترک کر دیا ہے۔

اس حدیث کے معنی میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو ابتداءِ اسلام میں اعراب کے ذبیحہ کے کھانے کا حکم دیا تھا، اور اس وقت یہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی:

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ (الانعام:۱۲۱) اور اس ذبیحہ کو نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔

یہ قول ضعیف ہے، اس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ یہ آیت سورۂ انعام کی ہے اور وہ مکی ہے۔ اور اس حدیث کا تعلق مدینہ کے ساتھ ہے، کیونکہ اس حدیث میں جن اعراب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ مدینہ کے پاس رہتے تھے۔

اور اس پر اجماع ہے کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا تبرک کے لیے ہے۔ اور اس میں زکوٰۃ اور ذبح کا کوئی تعلق نہیں ہے اور اہلِ علم کی جماعت نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا واجب ہوتا تو نبی ﷺ ان کو اعراب اور بادیہ نشینوں کے ذبیحہ کے کھانے کا حکم نہیں دیتے، کیونکہ ممکن ہے کہ انہوں نے ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ناواقفیت کی بناء پر نہ پڑھی ہو۔ اور جب کہ یہ اصل ہے اور قاعدہ ہے کہ صرف مسلمانوں کا ذبیحہ کھایا جاتا ہے یا جس پر بسم اللہ کا پڑھنا صحیح ہو تو اس ذبیحہ کو اس وقت تک ترک نہیں کیا جائے گا جب تک کہ یہ یقین نہ ہو کہ اس پر عمداً بسم اللہ نہیں پڑھی گئی۔ (التمہید ج ۲۲ ص ۲۹۹۔ ۳۰۰)

اور ابن حزم ظاہری کا یہ قول بہت غریب ہے کہ ہر کھانے والے کے اوپر ابتداء میں بسم اللہ کا پڑھنا فرض ہے، کیونکہ حضرت عمر بن ابی سلمہ کی حدیث میں ہے: ''اللہ کا نام لو اور اپنے آگے سے کھاؤ''۔ (صحیح البخاری: ۵۳۷۶)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۴۵۲۔۴۴۹، ملخصاً وملتقطاً وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۰۷، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مسلمان کے ذبیحہ کے متعلق سوال کرنا عبث ہے

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے اور اس کے متعلق یہ سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ تم نے کیسے ذبح کیا تھا اور نہ یہ سوال کرنے کی ضرورت ہے کہ تم نے کس نام پر ذبح کیا تھا، کیونکہ جب لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ہمیں پتا نہیں کہ انہوں نے ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا تھا یا نہیں، تو آپ نے فرمایا: تم اللہ کا نام لو اور کھاؤ۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ کا نام لو اور کھاؤ، اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ سوال کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ کلام میں غلو کے قبیل سے ہے، اور اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کے متعلق سوال نہ کرو جو دوسروں نے کیا ہے، بلکہ تم پر لازم ہے کہ تم اپنے فعل کے متعلق سوال کرو، کیونکہ عنقریب تم کھاؤ گے تو تم کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنا۔ اور دوسرے ذبح کر چکے ہیں، تو جو وہ ذبح کر چکے ہیں اس کو چھوڑ دو۔

اگر غالب گمان یہ ہو کہ ذبح کرنے والے نے بسم اللہ نہیں پڑھی، پھر بھی اس ذبیحہ کو کھا لیا جائے گا

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ میرا غالب گمان یہ ہے کہ انہوں نے ذبیحہ پر بسم اللہ نہیں پڑھی، کیونکہ میرا گمان ہے کہ وہ جاہل لوگ ہیں، پھر کیا کیا جائے گا؟ تو ہم کہیں گے: اگرچہ تمہارا غالب گمان یہ ہے کہ انہوں نے بسم اللہ نہیں پڑھی، پھر بھی تم بسم اللہ پڑھو اور کھا لو، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ فرماتی تھیں کہ وہ اعراب نئے نئے زمانہ کفر سے نکلے تھے اور یہ وہ لوگ ہیں جن پر احکامِ شرعیہ سے جہالت غالب تھی۔ خاص طور پر یہ مسئلہ، کیونکہ یہ عموماً قصائیوں کو معلوم ہوتا ہے جو روزانہ جانوروں کو ذبح کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے پاس اہم قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ کام جس کو اس کے اہل نے کیا ہو، اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں کہ جب یہ غالب گمان ہو کہ ذبح کرنے والے نے بسم اللہ نہیں پڑھی تو پھر احتیاط اس میں ہے کہ اس ذبیحہ کو نہ کھایا جائے، کیونکہ اس حدیث میں اعراب کا ذکر ہے جن کو بالعموم احکامِ شرع معلوم نہیں تھے اور اب شریعت پوری طرح بیان کی جا چکی ہے، اس لیے اب خصوصاً دار الاسلام میں احکامِ شرعیہ سے عدمِ واقفیت عذر نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

درآمد شدہ گوشت کا بیان

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جو گوشت غیر ممالک سے درآمد کیا جاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں بھی اصل حلت ہے۔ اور بڑے بڑے علماء سے اور وزارت وتجارت میں اس کی تحقیق کی جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو گوشت ہمارے پاس اہل کتاب سے آیا ہے، وہ حلال ہے حتیٰ کہ اس کی تحریم کے اوپر کوئی دلیل واقع ہو۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۴۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۲۲ـ بَابُ: ذَبَائِحِ أَهْلِ الْكِتَابِ وَشُحُومِهَا مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ وَغَيْرِهِمْ

اہلِ کتاب کے ذبیحوں اوران کے ذبائح کی چربیوں کا بیان، خواہ وہ حربی ہوں یا غیر حربی ہوں

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ وَ طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۪ (المائدہ:۵)

آج تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہلِ کتاب کا طعام تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا طعام ان کیلئے حلال ہے۔

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ لَا بَأْسَ بِذَبِيحَةِ نَصَارَى الْعَرَبِ وَإِنْ سَمِعْتَهُ يُسَمِّي لِغَيْرِ اللهِ فَلَا تَأْكُلْ وَإِنْ لَمْ تَسْمَعْهُ فَقَدْ أَحَلَّهُ اللهُ لَكَ وَعَلِمَ كُفْرَهُمْ وَيُذْكَرُ عَنْ عَلِيٍّ نَحْوُهُ وَقَالَ الْحَسَنُ وَإِبْرَاهِيمُ لَا بَأْسَ بِذَبِيحَةِ الْأَقْلَفِ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ طَعَامُهُمْ ذَبَائِحُهُمْ

اور الزہری نے کہا ہے: کہ عرب کے عیسائیوں کے ذبیحوں میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر تم یہ سنو کہ وہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کر رہے ہیں تو نہ کھاؤ، اور اگر تم نے یہ نہ سنا ہو تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان کا ذبیحہ حلال کر دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو ان کے کفر کا علم ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مثل ذکر کی گئی ہے۔ اور حسن بصری اور ابراہیم نخعی نے کہا ہے کہ غیر مختون کے ذبیحہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: ان کے طعام سے مراد، ان کے ذبائح ہیں۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اہلِ کتاب کے ذبیحہ اور ذبیحہ کی چربی کے متعلق فقہاءِ اسلام کے اقوال

اس باب میں ذکر کیا ہے کہ خواہ وہ اہلِ کتاب حربی ہوں جو جزیہ نہیں دیتے یا غیر حربی ہوں جو جزیہ دیتے ہیں اور اس عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے کہ اہلِ کتاب کا ذبیحہ جائز ہے اور ان کی چربی کو کھانا بھی جائز ہے، اور یہ جمہور کا قول ہے۔

اور امام مالک اور امام احمد سے روایت ہے کہ اہلِ کتاب کی جس چیز کو حرام کر دیا ہے جیسے چربی تو وہ حرام ہے۔

امام بخاری نے المائدہ: ۵ کو اس لیے پیش کیا ہے تاکہ اس پر جواز کی دلیل قائم ہو کہ یہود اور نصاریٰ اہلِ کتاب میں سے جو اہلِ حرب ہیں یا غیر اہلِ حرب ہیں، ان کا ذبیحہ جائز ہے۔

حضرت ابن عباس، حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہم اور مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، مکحول، ابراہیم نخعی، سدی اور مقاتل بن حیان کا بھی یہی قول ہے اور اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ اہلِ کتاب کے ذبائح مسلمانوں کے لیے حلال ہیں، کیونکہ ان کا بھی یہ اعتقاد ہے کہ جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے، وہ حرام ہے۔ اور وہ اپنے ذبائح پر صرف اللہ کا نام ذکر کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسا عقیدہ رکھتے ہیں جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ منزہ ہے اور ان کے علاوہ مشرکین کے ذبائح حلال نہیں ہیں، کیونکہ وہ اپنے ذبیحوں پر اور اپنی قربانیوں پر اللہ کا نام ذکر نہیں کرتے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے۔ اور غیر ذبح

شدہ کے کھانے میں توقف نہیں کرتے بلکہ مردار بھی کھاتے ہیں، اس کے برخلاف جو اہلِ کتاب ہیں اور جو صابئین (اہلِ کتاب کا ایک فرقہ) ہیں اور جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے دین کی طرف منسوب ہیں، (ان کا ذبیحہ کھایا جائے گا) اور نصاریٰ عرب جیسے بنو تغلب، تنوخ، بہراء اور جذام وغیرہ، ان کے ذبائح کو جمہور کے نزدیک نہیں کھایا جائے گا۔

امام بخاری کی ذکر کردہ تعلیق کی شرح از علامہ عینی

''اور زہری نے کہا: عرب کے عیسائیوں کے ذبیحہ میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر تم یہ سنو کہ انہوں نے ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا ہے تو تم نہ کھاؤ، اور اگر تم یہ نہ سنو تو اللہ تعالیٰ نے ان کا ذبیحہ حلال کر دیا ہے اور ان کے کفر کا اس کو علم ہے''۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یعنی محمد بن مسلم الزہری نے کہا۔۔۔الی آخرہ۔

امام عبد الرزاق نے اس تعلیق کی از معمر سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے الزہری سے عرب کے عیسائیوں کے ذبیحہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے اس کی مثل ذکر کیا اور اس کے آخر میں یہ ہے کہ وہ غیر اللہ کا نام اس طرح لیتے ہیں باسم المسیح۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: الموطا میں اس کی مرفوعاً روایت کی ہے۔

عرب کے بعض عیسائیوں کے ذبیحہ کے حلال ہونے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اختلاف

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل ذکر کیا جاتا ہے۔

امام بخاری نے اس کو صیغہ تمریض کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس میں اس تعلیق کے ضعف کی طرف اشارہ ہے، یعنی حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کی گئی ہے جس طرح الزہری سے روایت کی گئی ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے کہ بعض عرب کے عیسائیوں کا ذبیحہ کھانا منع ہے۔ اس کی امام شافعی نے روایت کی ہے۔ اور امام عبد الرزاق نے اسانیدِ صحیحہ کے ساتھ از محمد بن سیرین از عبیدہ السلمانی از حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کی ہے، آپ نے فرمایا کہ تم بنو تغلب کے نصاریٰ کے ذبائح کو نہ کھاؤ، کیونکہ وہ صرف شراب پینے کی وجہ سے اپنے دین کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔

''الاقلف'' کا معنی اور اس کے متعلق دیگر آثار

اور ''الحسن اور ابراہیم نے کہا: ''الاقلف'' کے ذبیحہ میں کوئی حرج نہیں ہے''۔

یعنی حسن بصری اور ابراہیم النخعی نے کہا کہ غیر مختون کے ذبیحہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔

''الاقلف'': کا معنی ہے غیر مختون۔ اور قُلفہ اس کھال کو کہتے ہیں جس نے حشفہ کو چھپایا ہوا ہوتا ہے۔ (یعنی آلہ کے سر کو) اور حسن بصری کے اثر کی امام عبد الرزاق نے از معمر روایت کی ہے، اس میں مذکور ہے کہ جو مرد بڑی عمر کے بعد اسلام لایا اور اس کو یہ خوف ہے کہ اگر اس نے ختنہ کیا تو اس کو ضرر ہوگا تو اگر وہ ختنہ نہ کرے تو کوئی حرج نہیں ہے اور وہ کہتے تھے کہ اس کے ذبیحہ میں کوئی حرج نہیں ہے اور ابراہیم نخعی کے اثر کی ابو بکر خلال نے از سعید بن ابو عروبہ از مغیرہ از ابراہیم نخعی روایت کی ہے، انہوں نے کہا: ''الاقلف'' کے ذبیحہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔

المائدہ:۵ کی تفسیر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''طعامھم'' کا معنی ہے: ان کے ذبیحے۔

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ کی تفسیر میں کہا کہ ان کے طعام سے مراد ان کے ذبائح ہیں۔ اور اس پر اتفاق ہے کہ ان کے طعام سے مراد ان کے ذبیحے ہیں نہ کہ وہ طعام جس کو وہ کھاتے ہیں، کیونکہ وہ مردار بھی کھاتے ہیں اور خنزیر کا گوشت بھی کھاتے ہیں اور خون کو بھی کھاتے ہیں اور ہمارے لیے بالاجماع ان میں سے کوئی چیز حلال نہیں ہے۔ اور جس تعلیق کو امام بخاری نے یہاں ذکر کیا ہے، وہ المستملی کے نزدیک ہے اور از سرخسی اور از حموی اس باب کے آخر میں حدیث مذکور کے بعد ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۵۔ ۱۷۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۰۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا مُحَاصِرِيْنَ قَصْرَ خَيْبَرَ فَرَمَى إِنْسَانٌ بِجِرَابٍ فِيهِ شَحْمٌ فَنَزَوْتُ لِآخُذَهُ فَالْتَفَتُّ فَإِذَا النَّبِيُّ ﷺ فَاسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از حمید بن ہلال از حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ، وہ کہتے ہیں: ہم خیبر کے قلعہ کا محاصرہ کر رہے تھے تو کسی انسان نے ایک تھیلا پھینکا جس میں چربی تھی، میں اس کو پکڑنے کے لیے لپکا، پس اچانک میں نے مڑ کر دیکھا تو وہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے (تو آپ کو دیکھ کر) مجھے شرم آ گئی (کہ آپ کہیں گے: یہ کیسا ندیدہ ہے)۔

(صحیح البخاری: ۳۱۵۳، ۴۲۱۴، ۵۵۰۸، صحیح مسلم: ۱۷۷۲، سنن نسائی: ۴۴۳۵، سنن ابوداؤد: ۲۷۰۲، مسند احمد: ۲۰۰۳۲، سنن دارمی: ۲۵۰۰)

صحیح البخاری: ۵۵۰۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں چربی کا ذکر ہے اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ خیبر کے قلعہ سے کسی انسان نے تھیلا پھینکا جس میں چربی تھی، اس طرح یہ حدیث باب کے مطابق ہے۔

یہ حدیث کتاب الخمس میں گزر چکی ہے اور اس میں بھی اس حدیث کی یہی سند ہے، اور یہی متن ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''فنزوت'' یہ لفظ نزوٌ سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: اچھلنا، کودنا اور لپکنا۔ اور اس سے مقصود یہ ہے کہ میں نے اس تھیلے کو جھپٹنے میں جلدی کی۔

یہودیوں کے ذبائح کی چربی کو کھانے کا جواز

اس حدیث میں ان فقہاء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ یہودیوں پر جو چیز حرام کی گئی ہے مثلاً چربی تو اس کا کھانا ممنوع نہیں ہے

کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کو اس تھیلے سے نفع حاصل کرنے پر برقرار رکھا جس میں چربی تھی۔
نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اہلِ کتاب کے ذبیحہ کی چربی کو کھانا جائز ہے، خواہ وہ اہلِ کتاب اہلِ حرب ہوں۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بزرگوں کے سامنے کھانے پینے کی چیزوں پر لپکنے کا نامناسب ہونا

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ کسی بزرگ کے سامنے کھانے پینے کی چیز پر لپکنا اور جھپٹنا مناسب نہیں ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تھیلا جھپٹتے ہوئے دیکھ رہے ہیں تو وہ شرما گئے، گویا ان کا یہ فعل نامناسب تھا کہ آپ یہ خیال کریں گے کہ یہ شخص کھانے پینے کا کس قدر شوقین ہے یا ندیدہ ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۵۰۸ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہود پر جو چربی حرام کی گئی تھی، اس کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

امام مالک نے یہود پر حرام کی ہوئی چربی کو مکروہ قرار دیا، اور ابن القاسم اور اشعب مالکی نے کہا ہے کہ یہ حرام ہے اور امام مالک سے بھی اس طرح مروی ہے۔

اور فقہاء احناف، الثوری، الاوزاعی، اللیث، ابن وہب، ابن عبدالحکم اور امام شافعی نے اس کے کھانے کو جائز قرار دیا ہے۔
جو فقہاء اس کو حرام کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اس طعام کو مباح قرار دیا ہے جو طعام ان کے ذبیحہ سے حاصل ہو۔ اور چربی ان کا طعام نہیں ہے، تو جو ان کا طعام نہیں ہے وہ ہمارے لیے حلال نہیں ہے۔ نیز وہ زکوٰۃ اور ذبح سے چربی کا قصد نہیں کرتے، اور زکوٰۃ اور ذبح میں قصد کی احتیاج ہوتی ہے، کیونکہ جو مجنون اور بے عقل ہو اس کا کیا ہوا ذبح صحیح نہیں ہے۔
اور جو فقہاء یہود کے ذبائح کی چربی کے کھانے کو جائز کہتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ چربی ان پر حرام کی گئی تھی، ہم پر حرام نہیں کی گئی ہے، کیونکہ ان کے ذبائح ہمارے لیے حلال ہیں، تو جو چیز ان کے ذبح کرنے سے حاصل ہو اور ہماری شریعت میں اس سے منع نہ کیا گیا ہو تو وہ حلال ہے اور جو چربی کھانے کو جائز کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ جب جانور کو ذبح کیا جاتا ہے تو ایسا نہیں ہوتا کہ اس جانور کا بعض حصہ تو حلال ہو اور بعض حلال نہ ہو بلکہ پورا جانور حلال ہو جاتا ہے، تو پھر یہود کے ذبائح میں جو چربی ہے وہ بھی حلال ہوگئی، کیونکہ جب اس جانور کا تزکیہ کیا گیا اور اس سے چربی کو علیحدہ کیا گیا تو پھر وہ ان پر حرام کی گئی ہے، ہم پر حرام نہیں ہے اور اس باب کی حدیث بھی حجتِ واضحہ ہے، کیونکہ اگر ان کی چربی کو کھانا حرام ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کو منع فرما دیتے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۴۵۴۔ ۴۵۵ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر، ۱۴۲۹ھ)

۲۳۔ بَابٌ: مَانَدَّ مِنَ الْبَهَائِمِ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْوَحْشِ

اس کا بیان کہ جو پالتو جانور بدک جائے، وہ وحشی جانور کے حکم میں ہے

وَأَجَازَهُ ابْنُ مَسْعُودٍ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَا أَعْجَزَكَ

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت دی ہے، اور

مِنَ الْبَهَائِمِ مِمَّا فِي يَدَيْكَ فَهُوَ كَالصَّيْدِ وَفِي بَعِيرٍ تَرَدَّى فِي بِئْرٍ مِنْ حَيْثُ قَدَرْتَ عَلَيْهِ فَذَكِّهِ وَرَأَى ذَلِكَ عَلِيٌّ وَابْنُ عُمَرَ وَعَائِشَةُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو جانور تمہارے قابو میں ہونے کے باوجود تم کو تھکا کر عاجز کردے تو وہ شکار کے حکم میں ہے۔ اور فرمایا کہ اگر اونٹ کنویں میں گر جائے تو تم جہاں سے اس کو ذبح کرنے پر قادر ہو، اس کو ذبح کرلو، اور حضرت علی اور حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اس جانور کا حکم بیان کرنے کے متعلق ہے جو بدک کر بھاگ جائے تو وہ وحشی جانوروں کے حکم میں ہے اور اس کو جہاں سے بھی ذبح کرنا ممکن ہو اس کو ذبح کرلیا جائے۔ (یعنی اس پر بسم اللہ پڑھ کر تیر مارا جائے تو وہ تیر اس کے جسم کے جس حصہ پر بھی لگے تو وہ جانور ذبح ہو جائے گا)۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

''اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت دی ہے'':

یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت دی ہے کہ پالتو جانوروں میں سے جو حیوان بدک کر بھاگے تو وہ وحشی حیوان کی مثل ہے یعنی جس طرح وحشی حیوان کو جس جگہ سے بھی ممکن ہو زخمی کر دیا جائے تو وہ حلال ہو جاتا ہے، اسی طرح اس کو بھی جس جگہ سے زخمی کر دیا جائے تو وہ حلال ہو جائے گا، اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایسی روایت کی ہے جو اس معنی کو ادا کرتی ہے۔

امام ابن ابی شیبہ از وکیع از سفیان از منصور از ابراہیم از علقمہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کا ایک جنگلی گدھا تھا، ایک مرد نے اس کی گردن پر تلوار ماری، سو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اس کو کھالو، کیونکہ یہ شکار ہے۔

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو جانور تمہارے قابو میں ہونے کے باوجود تم کو تھکا کر عاجز کر دے تو وہ شکار کے حکم میں ہے۔ اور فرمایا کہ اگر اونٹ کنویں میں گر جائے تو تم جہاں سے اس کو ذبح کرنے پر قادر ہو، اس کو ذبح کرلو''۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

یہ دونوں اثر معلق ہیں اور پہلے اثر کی امام ابن ابی شیبہ نے سندِ موصول کے ساتھ از عکرمہ روایت کی ہے اور کہا ہے کہ وہ شکار کے منزلہ میں ہے۔ اور دوسرے اثر کی امام عبد الرزاق نے از عکرمہ روایت کی ہے اور کہا ہے کہ جب اونٹ کنویں میں گر جائے تو اس کو اس کی کوکھ کی جانب سے زخمی کر دو اور اس پر بسم اللہ پڑھو اور کھالو، اس تعلیق میں لکھا ہے: ''مما فی یدیک'' اس کا معنی ہے: جو جانور تمہارا ہو اور تمہارے تصرف میں ہو اور تم اس کو معروف طریقہ سے ذبح کرنے سے عاجز ہو تو پھر جس طرح ممکن ہو اس کو زخمی کرو اور بسم اللہ پڑھ لو تو وہ تمہارے لیے حلال ہے۔

''اور حضرت علی اور حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے''۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس میں یہ اشارہ ہے کہ جانوروں میں سے جو بھاگ جائے، اس کا حکم وحشی حیوان کی طرح ہے، پس حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کی ابوبکر نے از حفص از جعفر از والد خود روایت کی ہے کہ ایک بیل مدینہ کے بعض گھروں میں گز راتو ایک مرد نے اس کے اوپر تلوار ماری اور بسم اللہ پڑھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ حلال اور ذبح ہے یعنی اس پر تلوار مارنے سے وہ ذبح ہو گیا، اور لوگوں کو اس کے کھانے کا حکم دیا۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر کی امام عبدالرزاق نے از شعبہ از سفیان روایت کی ہے اور دونوں نے اس کی روایت از سعید بن مسروق از عبایہ بن حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ روایت کی ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اثر کے متعلق ابن حزم ظاہری نے کہا ہے: یہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے اور صحابہ میں سے کوئی اس قول کا مخالف نہیں ہے اور یہی امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ، الثوری، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴، ابوثور، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور ان کے اصحاب اور ہمارے اصحاب کا قول ہے۔

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ کوئی بھاگا ہوا وحشی جانور اس وقت تک ذبح نہیں قرار دیا جائے گا جب تک کہ اس کے حلق اور لبہ پر وار نہ کیا جائے، اور یہی اللیث اور ربیعہ کا قول ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے بیان کیا ہے کہ سعید بن المسیب نے کہا کہ ہر پالتو جانور اس وقت تک حلال نہیں ہو گا جب تک کہ اس کو ذبح نہ کیا جائے یا نحر نہ کیا جائے اور اگر وہ بھاگ جائے تو اسی طرح حلال ہو گا جس طرح شکار حلال ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۷۔۱۷۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۰۹۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا لَاقُو الْعَدُوِّ غَدًا وَلَيْسَتْ مَعَنَا مُدًى فَقَالَ اعْجَلْ أَوْ أَرِنْ مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ فَكُلْ لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ وَسَأُحَدِّثُكَ أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ وَأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ وَأَصَبْنَا نَهْبَ إِبِلٍ وَغَنَمٍ فَنَدَّ مِنْهَا بَعِيرٌ فَرَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَحَبَسَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ لِهَذِهِ الْإِبِلِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَإِذَا غَلَبَكُمْ مِنْهَا شَيْءٌ فَافْعَلُوا بِهِ هَكَذَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از عبایہ بن رفاعہ بن رافع بن خدیج از حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر کل ہمارا دشمن سے مقابلہ ہو گا اور ہمارے پاس چھری نہیں، تو آپ نے فرمایا: تم جلدی کر و یا فرمایا: ''اَرِن'' (اس کا معنی بھی یہ ہے کہ تم اس کو جلدی ذبح کرو)، جو چیز خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے تو تم اس کو کھالو، وہ دانت اور ناخن نہ ہو اور میں عنقریب تم کو بتاؤں گا۔ رہا دانت تو وہ ہڈی ہے اور رہا ناخن تو وہ حبشیوں کی چھری ہے۔ اور ہم

کو مالِ غنیمت میں اونٹ اور بکریاں ملیں، پس ان میں سے ایک
اونٹ بدک کر بھاگ گیا تو ایک مرد نے اس کے اوپر تیر مار کر اس کو
روک لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان اونٹوں میں تنفر اور توحش
ہوتا ہے جیسا کہ وحشی جانوروں میں تنفر اور توحش ہوتا ہے، پس جو
جانور تم پر غالب آ جائے تو اس کے ساتھ تم اسی طرح کرو۔

(صحیح البخاری: ۲۴۸۸، ۲۵۰۷، ۳۰۷۵، ۵۴۹۸، ۵۵۰۳، ۵۵۰۶، ۵۵۰۹، ۵۵۴۳، ۵۵۴۴، صحیح مسلم: ۱۹۶۸، سنن ترمذی: ۱۴۹۱، سنن نسائی: ۴۴۱۰، سنن ابوداؤد: ۲۸۲۱، سنن ابن ماجہ: ۳۱۸۳، مسند احمد: ۱۶۸۱۲، سنن دارمی: ۱۹۷۷)

صحیح البخاری: ۵۵۰۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے کہ ''جانوروں میں سے جو بدک کر بھاگ جائے وہ وحشی جانور کے حکم میں ہے'' اور اس حدیث میں بھی یہ بیان ہے کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ہم کو مالِ غنیمت میں جو اونٹ ملے تھے، ان میں سے ایک اونٹ بدک کر بھاگ گیا، اور ایک مرد نے تیر مار کر اس کو روک لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ان اونٹوں میں توحش ہوتا ہے تو ان میں سے جو تم پر غالب آ جائے، اس کے ساتھ اسی طرح کرو''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عمرو بن علی کا ذکر ہے، یہ ابنِ بحر البصری الصیرفی ہیں اور یحییٰ کا ذکر ہے، یہ یحییٰ القطان ہیں اور سفیان کا ذکر ہے، یہ سفیان ثوری ہیں جو اپنے والد سعید بن مسروق سے از عبایہ بن رفاعہ بن رافع بن خدیج روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے دادا حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے، آپ نے فرمایا: ''اعجل'' یا فرمایا ''اَرِن''۔ اس میں راوی کو شک ہے کہ آپ نے اعجل فرمایا یا اَرِن فرمایا۔ اعجل کا لفظ عجلت سے ماخوذ ہے، پھر راویوں کا ارن کے ضبط میں اختلاف ہے۔ کریما کی روایت میں ہے اَرِنْ (ہمزہ پر زبر اور راء کے نیچے زیر اور نون ساکن)۔ اسی طرح علامہ خطابی نے اس کو منضبط کر کے لکھا ہے۔ اور سنن ابوداؤد میں ابوذر کی روایت سے مذکور ہے اَرْنِ یعنی راء ساکن ہے اور نون کے نیچے زیر ہے۔ اور اسماعیلی کی روایت میں ہے اَرِنِی اس کا معنی ہے کہ اس جانور کو جلدی ذبح کر لو تاکہ یہ طبعی موت نہ مر جائے۔

علامہ عینی نے لکھا ہے: اَرِن کے متعلق جتنے الفاظ ذکر کیے گئے ہیں، یہ سب قواعدِ صرف کے خلاف ہیں اور شاذ ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۸۔۱۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

جس جانور کو معروف طریقہ سے ذبح کرنے پر قدرت نہ ہو تو اس کے حلال ہونے کی صورت

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی التوفی ۱۴۲۱ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس عنوان سے بھی یہی مقصود ہے کہ جس جانور کو معروف طریقہ سے ذبح کرنے یا اس کو نحر کرنے کی قدرت نہ ہو، تو اس جانور کے بدن کی جس جگہ کو بھی بسم اللہ پڑھ کر کسی آلہ سے زخمی کر دیا جائے تو وہ حلال ہو جائے گا، کیونکہ اگر اس کو معروف طریقہ سے ذبح یا نحر کرنے کا انتظار کیا جائے گا تو وہ مر جائے گا تو ایسی صورت میں تم اگر اس پر تیر مارو کہ کہیں وہ طبعی موت سے فوت نہ ہو جائے تو پھر وہ حلال ہو جائے گا، خواہ وہ تیر اس کے بدن کے کسی حصہ پر بھی لگے اور اس کا حکم شکار کے حکم کی طرح ہوگا، کیونکہ شکار میں معروف طریقہ سے ذبح کرنے کو موقوف کر دیا گیا ہے کیونکہ اس پر قدرت نہیں ہوتی۔

صحیح البخاری:۵۵۰۹، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی التوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نحر اور ذبح کا فرق

نحر اونٹوں میں کیا جاتا ہے اور ذبح ان کے سوا دوسرے جانوروں میں کیا جاتا ہے جو گائے، بکری اور ہرن وغیرہ کو شامل ہے۔ پس اونٹوں کے علاوہ جو جانور ہیں ان کو ذبح کیا جاتا ہے اور اونٹوں کو نحر کیا جاتا ہے اور اگر اس کے برعکس کر دیا جائے یعنی اونٹوں کو ذبح کر دیا جائے اور دوسرے جانوروں کو نحر کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے اور نحر گردن کے نچلے حصہ میں نیزہ مارنے سے ہوتا ہے اور ذبح گردن کے اوپر والے حصہ میں چھری سے کاٹنے سے ہوتا ہے اور یہ ان دونوں میں فرق ہے۔ اور اگر پورا سر کاٹ دیا جائے تب بھی جانور حلال ہو جائے گا کیونکہ اس کا خون بہہ گیا ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۵۰۔۲۵۱، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۴۔ بَابُ: النَّحْرِ وَالذَّبْحِ

نحر اور ذبح کا بیان

وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ لَا ذَبْحَ وَلَا مَنْحَرَ إِلَّا فِي الْمَذْبَحِ وَالْمَنْحَرِ قُلْتُ أَيَجْزِي مَا يُذْبَحُ أَنْ أَنْحَرَهُ قَالَ نَعَمْ ذَكَرَ اللهُ ذَبْحَ الْبَقَرَةِ فَإِنْ ذَبَحْتَ شَيْئًا يُنْحَرُ جَازَ وَالنَّحْرُ أَحَبُّ إِلَيَّ وَالذَّبْحُ قَطْعُ الْأَوْدَاجِ قُلْتُ فَيُخَلِّفُ الْأَوْدَاجَ حَتَّى يَقْطَعَ النِّخَاعَ قَالَ لَا إِخَالُ وَأَخْبَرَنِي نَافِعٌ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ نَهَى عَنِ النَّخْعِ يَقُولُ يَقْطَعُ مَا دُونَ الْعَظْمِ ثُمَّ يَدَعُ حَتَّى تَمُوتَ۔ وقول الله تعالى: وَ إِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖٓ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً الى قوله فَذَبَحُوهَا وَ مَا

اور ابن جریج نے عطاء سے روایت کی ہے کہ ذبح اور نحر صرف ذبح کرنے کی جگہ (یعنی حلق پر) اور نحر کرنے کی جگہ (یعنی سینہ کے اوپر کے حصہ) سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ میں نے پوچھا: کہ جن جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے، اگر ان کو میں نحر کر دوں؟ (تو آیا یہ کافی ہوگا) انہوں نے کہا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے گائے کے ذبح کرنے کو بیان کیا، پس اگر تم کسی ایسے جانور کو ذبح کرو جس کو نحر کیا جاتا ہے (مثلاً اونٹ) تو یہ جائز ہے۔ اور اس کو نحر کرنا مجھے پسندیدہ ہے، اور ذبح میں گردن کی رگوں کو کاٹا جاتا ہے، میں نے پوچھا: کہ گردن کی رگوں کو کاٹتے ہوئے کیا حرام مغز کو بھی کاٹ دیا

كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ (البقرہ:۶۷۔۷۱)

جائے گا؟ انہوں نے کہا: میں اس کو ضروری نہیں سمجھتا۔ اور مجھے نافع نے خبر دی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حرام مغز کو کاٹنے سے منع فرماتے تھے، انہوں نے کہا کہ صرف گردن کی ہڈی تک رگوں کو کاٹا جائے گا، پھر جانور کو چھوڑ دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ مر جائے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم گائے کو ذبح کرو (الی قولہ) تو انہوں نے گائے کو ذبح کر دیا حالانکہ وہ ایسا کرنے والے نہیں تھے O (البقرہ:۶۷۔۷۱)

وَقَالَ سَعِيدٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ الذَّكَاةُ فِي الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ وَأَنَسٌ إِذَا قَطَعَ الرَّأْسَ فَلَا بَأْسَ۔

اور سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ذبح حلق میں بھی کیا جا سکتا ہے اور لبہ میں بھی کیا جا سکتا ہے یعنی سینہ کے اوپر والے حصہ میں بھی کیا جا سکتا ہے اور حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ جب جانور کا سر کاٹ دیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب نحر اور ذبح کے بیان میں ہے اور ابوذر کی روایت میں ذبائح کا لفظ ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ الذبائح جمع کا صیغہ ہے اور یہ اس لیے جمع کا صیغہ ہے کیونکہ اس میں اکثر کا اعتبار کیا گیا ہے۔
(فتح الباری ج ۹ ص ۶۴۰، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۶۶۳، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس شرح کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ ہر شخص کو یہ معلوم ہے کہ ذبائح جمع کا صیغہ ہے، اور انہوں نے کہا کہ ذبائح ذبح کی جمع ہے، حالانکہ ذبائح ذبح کی جمع نہیں ہے بلکہ ذبیحہ کی جمع ہے۔

اور علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ اونٹوں میں اصل نحر کرنا ہے اور بکریوں وغیرہ میں اصل ذبح کرنا ہے۔ اور رہی گائے تو قرآن مجید میں اس کے ذبح کرنے کا ذکر ہے۔ اور سنت میں اکثر نحر کا ذکر ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ اگر ذبح کی جگہ نحر کر دیا جائے یا نحر کی جگہ ذبح کر دیا جائے تو جمہور نے اس کی اجازت دی ہے اور ابن القاسم مالکی نے اس سے منع کیا ہے۔ اور علامہ ابن المنذر نے ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ، ثوری، لیث اور امام مالک اور امام شافعی سے اس کا جواز منقول ہے مگر یہ مکروہ ہے۔ اور امام احمد، امام اسحاق اور ابوثور نے کہا کہ مکروہ نہیں ہے۔ اور یہ عبدالعزیز ابوسلمہ کا قول ہے۔ اور اشعب مالکی نے کہا ہے: اگر اونٹ کو بغیر ضرورت کے ذبح کر دیا جائے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا، یعنی ان کے نزدیک اس کو نحر کرنا ضروری ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح بخاری کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

''اور ابن جریج نے عطاء سے روایت کی ہے کہ ذبح اور نحر صرف ذبح کرنے کی جگہ (یعنی حلق پر) اور نحر کرنے کی جگہ (یعنی سینہ کے اوپر کے حصہ) سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ میں نے پوچھا: کہ جن جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے، اگر ان کو میں نحر کر دوں؟ (تو آیا یہ کافی ہوگا) انہوں نے کہا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے گائے کے ذبح کرنے کو بیان کیا، پس اگر تم کسی ایسے جانور کو ذبح کرو جس کو نحر کیا جاتا ہے (مثلاً اونٹ) تو یہ جائز ہے۔ اور اس کو نحر کرنا پسندیدہ ہے، اور ذبح میں گردن کی رگوں کو کاٹا جاتا ہے، میں نے پوچھا: کہ گردن کی رگوں کو کاٹتے ہوئے کیا حرام مغز کو بھی کاٹ دیا جائے گا؟ انہوں نے کہا: میں اس کو ضروری نہیں سمجھتا۔ اور مجھے نافع نے خبر دی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حرام مغز کو کاٹنے سے منع فرماتے تھے، انہوں نے کہا کہ صرف گردن کی ہڈی تک رگوں کو کاٹا جائے گا، پھر جانور کو چھوڑ دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ مر جائے''۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

ابن جریج کا نام ہے عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج، اور عطاء سے مراد ہیں عطاء بن ابی رباح۔

اس تعلیق میں کہا ہے کہ ذبح اور نحر صرف ذبح اور نحر کی جگہ میں ہوگا۔ یہ لف نشر مرتب ہے، پس ذبح اور نحر دونوں مصدر ہیں اور مذبح اور منحر اسم ظرف ہیں یعنی ذبح کی جگہ اور نحر کی جگہ۔

ذبح کی بجائے نحر کرنے کے جواز پر دلیل

اس تعلیق میں مذکور ہے ''میں نے پوچھا'': یہ پوچھنے والے ابن جریج ہیں۔

کیا ذبح کی جگہ نحر کر دیا جائے تو یہ کافی ہوگا؟ تو انہوں نے کہا: ہاں! کیونکہ اللہ تعالیٰ نے گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔

عمرہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ قربانی کے دن ہمارے پاس گوشت آیا، سو بتایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کی طرف سے گائے کو نحر کیا۔۔۔ الحدیث۔ حالانکہ گائے کو ذبح کیا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر ذبح کے بجائے نحر کر دیا جائے تب بھی جائز ہے۔

عطاء نے ابن جریج سے پوچھا: کہ جن جانوروں کو نحر کیا جاتا ہے، اگر ان کو ذبح کر دیا جائے تو کیا جائز ہے؟ اور نحر کرنا میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ یہ عطاء کا کلام ہے۔

ذبح کی تعریف میں کتنی رگوں کا کاٹنا ضروری ہے

اور ذبح کی تعریف ہے ''رگوں کو کاٹنا''۔ ''اوداج'' ودجہ کی جمع ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اعتراض کیا ہے کہ ذبح کی تعریف میں اوداج کے ذکر کرنے پر اعتراض ہے، کیونکہ یہاں پر صرف ودجان ہے، یہ دو رگیں ہیں اور یہ دو موٹی رگیں ہیں جو ایک دوسرے کے متقابل ہوتی ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: جب کہ ذبح میں چار رگوں کو کاٹنا شرط ہے اور وہ الحلقوم اور المرّی ہیں (حلقوم وہ رگ ہے جس سے سانس لیا جاتا ہے، اس کو شہ رگ بھی کہا جاتا ہے اور مرّی وہ رگ ہے جس سے کھانے پینے کی چیزیں حلق سے معدہ کی

طرف جاتی ہیں)اور دو رگیں ''ودجان'' ہیں ، جن میں خون ہوتا ہے تو ان چاروں رگوں کے اوپر اوداج کا اطلاق بہ طور غلبہ استعمال کے ہے۔

الصغانی نے کہا ہے: ''الودج'' یہ گردن میں رگ ہے، اور اللیث نے کہا ہے: الودج یہ وہ رگ ہے جو سر سے لے کر سینہ تک متصل ہوتی ہے۔

ذبیحہ کے حلال ہونے کے لیے کتنی رگوں کا کاٹنا ضروری ہے، اس میں فقہاء اسلام کا اختلاف

تمام اوداج یعنی تمام رگوں کے کاٹنے کے متعلق اختلاف ہے۔ سو ہمارے نزدیک اگر چاروں رگوں کو کاٹ دیا جائے تو اس جانور کا کھانا حلال ہوگا اور اگر اکثر رگوں کو کاٹ دیا جائے تب بھی امام ابوحنیفہ کے نزدیک ذبیحہ جائز ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا ہے کہ الحلقوم اور المرّی اور ودجان میں سے کسی ایک رگ کا کاٹنا ضروری ہے حتیٰ کہ اگر حلقوم یا مرّی کا کوئی ایک حصہ کٹا تو اس جانور کا کھانا حلال نہیں ہوگا، اسی طرح مختصر القدوری میں اس اختلاف کو ذکر کیا گیا ہے اور ہمارے مشائخ کی کتابوں میں مشہور یہ ہے کہ یہ صرف امام ابو یوسف کا قول ہے۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جب تین رگوں کو کاٹ دیا جائے، خواہ وہ چار میں سے کوئی سی بھی تین رگیں ہوں تو اس ذبیحہ کو کھانا جائز ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک تین روایات ہیں، ایک تو یہی روایت ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ حلقوم کو کاٹا جائے اور اس کے ساتھ دوسری دو رگیں ہوں اور تیسری روایت یہ ہے کہ حلقوم اور مرّی کو کاٹا جائے اور اس کے ساتھ ودجان میں سے کوئی ایک رگ ہو، اور امام محمد کے نزدیک اکثر کا اعتبار ہے۔

اور وجیز شافعیہ میں لکھا ہوا ہے کہ حلقوم اور مرّی کو کاٹنے کا اعتبار ہے نہ کہ دوسری دو رگوں کا۔ اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔

اور الاصطخری سے منقول ہے کہ حلقوم یا مرّی کا کاٹنا کافی ہے۔ اور یہ امام شافعی کی تصریح اور اجماع کے خلاف ہے۔

اور امام مالک اور لیث کے نزدیک ذبح میں ودجان اور حلقوم کو کاٹنا شرط ہے۔

ذبح کے وقت حرام مغز کو کاٹنے اور سر کو دھڑ سے الگ کرنے کا بیان

اس تعلیق میں مذکور ہے: ''میں نے پوچھا: کیا گردن کی رگوں کو کاٹتے ہوئے حرام مغز کو بھی کاٹا جائے گا؟''

علامہ عینی فرماتے ہیں:

اس قول کے قائل ابن جریج ہیں، انہوں نے عطاء بن ابی رباح سے پوچھا کہ کیا گردن کی رگوں کو کاٹتے ہوئے حرام مغز کو بھی کاٹا جائے گا؟

اس تعلیق میں ''النخاع'' کا لفظ ہے، جس کا معنی حرام مغز ہے۔ یہ سفید دھاگہ ہے جو گردن کی ہڈی میں داخل ہوتا ہے اور یہ صلب یعنی پشت تک چلا جاتا ہے حتیٰ کہ عجب الذنب تک پہنچتا ہے، اسی طرح اس کی علامہ الکرمانی نے تفسیر کی ہے۔ اور انہوں نے اس کو صاحب المغرب سے اخذ کیا ہے، کیونکہ انہوں نے النخاع یعنی حرام مغز کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔

اور ہمارے بعض اصحاب احناف نے اس پر رد کیا ہے کہ حیوان کا بدن ہڈیوں اور پٹھوں اور رگوں اور شریانوں سے مرکب ہوتا ہے اور اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو سفید دھاگا کہا جائے۔

اور علامہ الکرخی نے اپنی مختصر میں لکھا ہے کہ جب جانور کو ذبح کیا جائے تو یہ مکروہ ہے کہ چھری حرام مغز تک پہنچ جائے اور یہ سفید

رنگ ہے جو گردن کی ہڈی میں ہوتی ہے۔

عطاء نے ابن جریج کو جواب دیا: ''لا اخال''، یعنی میں اس طرح گمان نہیں کرتا اور یہ کہا کہ مجھے نافع نے خبر دی ہے یعنی ابن جریج نے کہا کہ مجھے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے غلام نافع نے خبر دی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حرام مغز کو کاٹنے سے منع فرمایا اور وہ یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت چھری حرام مغز تک پہنچ کر اس کو بھی کاٹ دے۔

صاحب الہدایہ علامہ المرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ، نے کہا ہے کہ ذبح کرتے وقت جس کی چھری حرام مغز تک پہنچ گئی یا جس نے ذبیحہ کا سر کاٹ کر دھڑ سے الگ کر دیا تو یہ مکروہ ہے اور اس کا ذبیحہ کھایا جائے گا۔

رہی کراہت تو وہ اس وجہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے ذبح کے وقت بکری کے حرام مغز تک کاٹنے سے منع فرمایا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس حدیث کو امام محمد بن حسن شیبانی نے کتاب الصید میں ذکر کیا ہے کہ یہ سعید بن المسیب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور یہ حدیث مرسل ہے۔ اور امام طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ بکری کو ذبح کرتے وقت چھری اس کے حرام مغز کو بھی کاٹ دے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے: ''اور سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ذبح حلق میں بھی کیا جا سکتا ہے اور لبہ میں بھی کیا جا سکتا ہے یعنی سینہ کے اوپر والے حصہ میں بھی کیا جا سکتا ہے''۔

''لَبّہ'' کی تعریف

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض شارحین نے کہا ہے: یہ لفظ لِبّہ ہے اور یہ وہ جگہ ہے جہاں سینہ کے اوپر ہار ڈالا جاتا ہے اور یہی مَنحر (یعنی نحر کی جگہ) ہے۔ علامہ عینی اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ لفظ لِبّہ نہیں ہے، بلکہ لَبّہ ہے (یعنی لام کے نیچے زیر نہیں ہے بلکہ لام کے اوپر زبر ہے)۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ یہ جگہ گردن کے اوپری حصہ میں ہے جو ہار ڈالنے کی جگہ کے نیچے ہوتی ہے۔ اور المبسوط میں لکھا ہوا ہے کہ لَبّہ سینہ کا سر ہے اور الجامع الصغیر میں لکھا ہوا ہے کہ پورے حلق میں سے کسی جگہ بھی ذبح کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، حلق کے وسط میں، حلق کے اوپر یا حلق کے نیچے۔

اس کا بیان کہ جب ذبح کے وقت سر دھڑ سے الگ ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

نیز اس تعلیق میں مذکور ہے: ''اور حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ جب جانور کا سر کاٹ دیا تو کوئی حرج نہیں ہے''۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس اثر کی ابو موسیٰ نے سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے، ابو مجلز کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ اگر ذبیحہ کا سر کاٹ دیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو کھانے کا حکم دیا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر کی امام ابن شیبہ نے سندِ موصول کے ساتھ سندِ صحیح سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

روایت کی ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ جب ذبح کے وقت مرغی کا سر کاٹ دیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے کہا: یہ حلال ہے۔ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما کے اثر کی امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے سندِ موصول کے ساتھ از عبید اللہ بن بکر بن انس روایت کی ہے کہ حضرت انس کے ایک قصائی نے بکری کو ذبح کیا، وہ تڑپنے لگی تو اس نے اس کو اس کی گدی سے ذبح کر دیا اور اس کا سر الگ کر دیا۔ تو لوگوں نے اس مرغی کو پھینکنے کا ارادہ کیا، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس مرغی کو کھا لیا جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۸۰۔۱۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۱۰۔ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ قَالَ أَخْبَرَتْنِي فَاطِمَةُ بِنْتُ الْمُنْذِرِ امْرَأَتِي عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رضی الله عنهما قَالَتْ نَحَرْنَا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَرَسًا فَأَكَلْنَاهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں خلاد بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ، انہوں نے کہا: مجھے فاطمہ بنت المنذر نے خبر دی جو میری بیوی ہیں از حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک گھوڑے کو ذبح کیا، سو ہم نے اس کو کھا لیا۔

(صحیح البخاری: ۵۵۱۱، ۵۵۱۶، ۵۵۱۹، صحیح مسلم: ۱۹۴۲، سنن نسائی: ۴۴۰۶، سنن ابن ماجہ: ۳۱۹۰، مسند احمد: ۲۶۳۷۹، سنن دارمی: ۱۹۹۲)

صحیح البخاری: ۵۵۱۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں ذبح کا ذکر ہے اور حدیث میں گھوڑے کو ذبح کرنے کا ذکر ہے۔ اور ان کے درمیان مناسبت واضح ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں خلاد بن یحییٰ کا ذکر ہے، یہ صفوان کے بیٹے ہیں اور ان کی کنیت ابو محمد السلمی الکوفی ہے۔ انہوں نے مکہ میں رہائش اختیار کی اور وہیں پر ۲۱۳ھ کے قریب فوت ہو گئے۔ اور اس حدیث میں سفیان کا ذکر ہے، وہ سفیان ثوری ہیں۔ اور اس حدیث میں فاطمہ بنت المنذر کا ذکر ہے، یہ اس حدیث کے راوی ہشام کی بیوی ہیں۔

گھوڑے کو کھانے کا بیان

اس حدیث میں امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ گھوڑے کے گوشت کو کھانا جائز ہے۔ اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے کہا کہ گھوڑے کے گوشت کو کھانا مکروہ تحریمی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۸۲۔۱۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

امام ابو حنیفہ نے جو گھوڑوں کے گوشت کے کھانے کو مکروہ کہا ہے، اس کی وضاحت

میں کہتا ہوں کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے گھوڑے کے گوشت کے کھانے کو اس وقت مکروہ تحریمی فرمایا تھا جب گھوڑوں کی

سواری کر کے جہاد کیا جاتا تھا اور دوسرے قول میں مکروہِ تنزیہی فرمایا ہے اور اب چونکہ گھوڑوں پر سواری کر کے جہاد نہیں کیا جاتا بلکہ جنگی نقل وحمل کے دیگر ذرائع کو استعمال کیا جاتا ہے مثلاً ٹینک، توپ، بکتر بند گاڑی اور جیپ وغیرہ اور میدانِ جنگ میں گھوڑوں کو استعمال نہیں کیا جاتا، اس لیے اب اگر گھوڑوں کو ذبح کر کے کھایا جائے تو ان کا کھانا مکروہ نہیں ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ ہمارے علاقوں میں اور ہمارے عرف میں گھوڑوں کے گوشت کو کھانے کا رواج نہیں ہے بلکہ بالعموم اونٹوں کے گوشت کو کھانے کا بھی رواج نہیں ہے، صرف بکریوں، گایوں اور بھینسوں کے گوشت کے کھانے کا رواج ہے، یا پھر مرغیوں کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۵۱۱۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ سَمِعَ عَبْدَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ فَاطِمَةَ عَنْ أَسْمَاءَ قَالَتْ ذَبَحْنَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَرَسًا وَنَحْنُ بِالْمَدِينَةِ فَأَكَلْنَاهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے عبدہ سے سنا از ہشام از فاطمہ از حضرت اسماء رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں گھوڑے کو ذبح کیا اور ہم اس وقت مدینہ میں تھے، پس ہم نے اس کا گوشت کھایا۔

(صحیح البخاری: ۵۵۱۱، ۵۵۱۶، ۵۵۱۹، صحیح مسلم: ۱۹۴۲، سنن نسائی: ۴۴۰۶، سنن ابن ماجہ: ۳۱۹۰، مسند احمد: ۲۶۳۷۹، سنن دارمی: ۱۹۹۲)

اس حدیث کی شرح گزر چکی ہے۔

۵۵۱۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ هِشَامٍ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ نَحَرْنَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَرَسًا فَأَكَلْنَاهُ تَابَعَهُ وَكِيعٌ وَابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ هِشَامٍ فِي النَّحْرِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از ہشام از فاطمہ بنت المنذر، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نے کہا: کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک گھوڑے کو ذبح کیا، سو ہم نے اس کو کھایا۔ جریر کی متابعت وکیع اور ابن عیینہ نے کی از ہشام نحر کے متعلق (یعنی اس میں ذبح کے بجائے نحر کا لفظ ہے)۔

(صحیح البخاری: ۵۵۱۱، ۵۵۱۶، ۵۵۱۹، صحیح مسلم: ۱۹۴۲، سنن نسائی: ۴۴۰۶، سنن ابن ماجہ: ۳۱۹۰، مسند احمد: ۲۶۳۷۹، سنن دارمی: ۱۹۹۲)

اس حدیث کی شرح بھی گزر چکی ہے۔

۲۵۔ بَابُ: مَا يُكْرَهُ مِنَ الْمُثْلَةِ وَالْمَصْبُورَةِ وَالْمُجَثَّمَةِ

کسی جانور کے اعضاء کاٹنے، اور کسی جانور کو باندھ کر اس پر تیر مارنے اور کسی جانور کو بٹھا کر اس پر تیر مارنے کی کراہت کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں مُثلہ کی کراہت کو بیان کیا ہے۔ المثلہ کا معنی ہے کسی جاندار کے تمام یا بعض اجزاء کو کاٹنا جیسے کسی کے اعضاء کاٹے جائیں یا اس کی ناک کاٹی جائے، اور مثلہ اسم ہے۔

''مصبورة'' اور ''مجثمہ'' کا فرق

اور ''مصبورة'' یہ وہ جانور ہے جس کو زندہ باندھ دیا جائے تا کہ اس پر تیر مار کر اس کو قتل کیا جائے۔

اور ''المجثمہ'' یہ وہ جانور ہے جس کو زمین پر بٹھا دیا جائے، پھر اس پر تیر مارے جائیں حتیٰ کہ اس کو قتل کیا جائے۔

ایک قول یہ ہے کہ المجثمہ خصوصیت کے ساتھ پرندوں اور خرگوش اور ان کی مشابہ جانوروں کے متعلق ہے۔

الخطابی نے کہا ہے: مجثمہ اور مصبورة، دونوں کا ایک معنی ہے۔ اور کہا ہے کہ مجثمہ اور جاثمہ میں فرق ہے، کیونکہ ''جاثمہ'' وہ ہے جو از خود بیٹھا ہو اور اس کو اس حال میں شکار کیا جائے تو یہ حرام نہیں ہے اور مجثمہ وہ ہے جس کو باندھا جائے اور پھر باندھ کر اس پر تیر مار کر شکار کیا جائے۔

''مصبورة'' کی ممانعت کے متعلق احادیث

امام ترمذی نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے المجثمہ کے کھانے سے منع فرمایا ہے اور یہ وہ جانور ہے جس کو باندھ کر تیر مارے جائیں، اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث غریب ہے اور امام ترمذی اس کی روایت میں منفرد ہیں۔ اور امام ترمذی نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن ہر کچلیوں والے درندوں سے منع فرمایا ہے اور ہر ناخنوں سے شکار کرنے والے پرندوں سے بھی منع فرمایا ہے اور پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا ہے۔ اور المجثمہ (بیٹھے ہوئے جانور پر تیر مارنا) سے منع فرمایا ہے۔ اور الخلیسہ (لیٹے ہوئے جانور پر تیر مارنا) سے منع فرمایا ہے، اور حاملہ عورتوں کے وضع حمل سے پہلے ان سے مباشرت سے منع فرمایا ہے۔

محمد بن یحییٰ شیخ ترمذی سے اس حدیث کے متعلق ابو عاصم سے سوال کیا کہ المجثمہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: پرندے کو نصب کر دیا جائے، پھر اس پر تیر مارا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۸۳۔ ۱۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۱۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ أَنَسٍ عَلَى الْحَكَمِ بْنِ أَيُّوبَ فَرَأَى غِلْمَانًا أَوْ فِتْيَانًا نَصَبُوا دَجَاجَةً يَرْمُونَهَا فَقَالَ أَنَسٌ نَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ تُصْبَرَ الْبَهَائِمُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ہشام بن زید، انہوں نے کہا: میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ الحکم بن ایوب کے پاس گیا، انہوں نے چند لڑکوں کو دیکھا یا نوجوانوں کو دیکھا جنہوں نے ایک مرغی کو نصب کر رکھا تھا اور اس پر تیر مار رہے تھے، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو تیر باندھ کر مارنے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۹۵۶، سنن نسائی: ۴۴۳۹، سنن ابو داؤد: ۲۸۱۶، سنن ابن ماجہ: ۳۱۸۶، مسند احمد: ۱۲۳۳۵)

صحیح البخاری: ۵۵۱۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں کسی جانور کو باندھ کر اس پر تیر مارنے کی کراہت ذکر کی گئی ہے۔ اور حدیث میں بھی اسی طرح ذکر ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو باندھ کر اس پر تیر مارنے سے منع فرمایا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالولید کا ذکر ہے، ان کا نام ہشام بن عبدالملک الطیالسی ہے اور اس حدیث کی سند میں ہشام بن زید کا ذکر ہے، یہ ابن انس بن مالک ہیں۔ یہ اپنے دادا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

نیز اس حدیث میں ذکر ہے کہ ہشام بن زید نے کہا: میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ الحکم بن ایوب کے پاس گیا۔ الحکم بن ایوب یہ ابن ابی عقیل الثقفی ہیں، یہ الحجاج بن یوسف کے چچا زاد بھائی ہیں اور بصرہ میں ان کے نائب تھے۔ یہ ظلم وستم میں اپنے چچا زاد بھائی کی مثل تھے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تصبر البھائم'' صبر کا معنی ہے کہ جانور کو باندھ کر اس پر تیر مارے جائیں حتیٰ کہ وہ مرجائے۔ یہ اس لیے ممنوع ہے کہ اس فعل سے مال کو ضائع کرنا ہے اور جاندار کو عذاب پہنچانا ہے۔

مصبورہ کے کھانے کی ممانعت کے متعلق منفرد روایت

امام عقیلی نے کتاب الضعفاء میں از حسن از سمرہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کو باندھ کر تیر مارنے سے منع فرمایا ہے اور ایسے جانور کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔

امام عقیلی نے کہا ہے: جانور کو باندھ کر مارنے کی ممانعت کے متعلق بہت عمدہ احادیث ہیں، لیکن اس کے کھانے کی ممانعت کے متعلق صرف یہی حدیث ہے۔

علامہ عینی کا اپنے شیخ زین الدین سے اختلاف

ہمارے شیخ (زین الدین) نے ترمذی کی شرح میں کہا ہے: اس حدیث میں باندھے ہوئے جانور کو تیر مار کر اس کے کھانے کو حرام قرار دیا ہے، کیونکہ یہ ایسا قتل ہے جو بغیر شرعی ذبح کے کیا گیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اگر تم نے اس جانور کو زندہ پالیا اور اس کو شرعی طریقہ سے ذبح کر دیا تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسے غلیل کی گولی سے مارے ہوئے جانور کو زندہ پالیا جائے اور اس کو شرعی طریقہ سے ذبح کرلیا جائے تو اس کے کھانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۸۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۱۳ کی شرح از علامہ ابن الملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں حضرت ابو درداء کی اور حضرت ام حبیبہ بنت العرباض کی روایت ہے، امام ترمذی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے المجثمہ کے کھانے سے منع فرمایا ہے (المجثمہ وہ ہے جس کو باندھ کر اس پر تیر مارے جائیں)، اسی طرح دوسری روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن المجثمہ اور الخلیسہ سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۴۷۳، ۱۴۷۴)

''خلیسہ'': اس جانور کو کہتے ہیں جس کو کوئی درندہ جھپٹا مار کر پکڑ لے اور وہ ذبح کیے جانے سے پہلے مر جائے۔

''الصبر'' کا معنی ہے: الحبس، ہر وہ جانور جس کو تم نے پکڑ کر باندھ دیا تو وہ مصبورہ ہے۔ اور جس مرد کو بلایا جائے اور اس کی گردن ماردی جائے تو اس کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ یہ صبراً مقتول ہوا، یعنی اس کو موت کے لیے روک لیا گیا۔ اور مصیبت پر اپنے نفس کو جزع اور فزع سے روکنے کو بھی صبر کہتے ہیں۔ اور وہ سفید بادل جو پانی نہیں برساتا اس کو الصبیر کہتے ہیں۔ اور المجثمہ اور المصبورۃ، دونوں ایک ہیں۔ امام ابوعبید نے کہا کہ المجثمہ صرف پرندوں، خرگوشوں اور ان جانوروں کے متعلق کہا جاتا ہے جن کو زمین پر بٹھا دیا جاتا ہے، اور پھر ان پر تیر مارے جائیں اور ابن فارس نے کہا: المجثمہ، یہ وہ پرندہ ہے جس کو موت تک باندھ دیا جائے۔ (الصحاح ج ۵ ص ۱۸۲۲، مجمل اللغت ج ۱ ص ۲۰۷)

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں کہ المجثمہ اور الجاثمہ میں فرق ہے، کیونکہ جاثمہ وہ ہے جو از خود بیٹھا ہو اور اس پر اس حال میں تیر مارے جائیں تو یہ حرام نہیں ہے اور مجثمہ وہ ہے جس کو باندھ کر نصب کر دیا جائے اور پھر اس پر تیر مارے جائیں حتیٰ کہ وہ ہلاک ہو جائے، سو یہ حرام ہے۔

نیز علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے المصبورۃ اور المجثمہ میں فرق کیا ہے، کیونکہ مجثمہ اس صورت کے ساتھ خاص ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے، یعنی وہ از خود بیٹھا ہو اور اس پر تیر مارے جائیں اور المصبورۃ اس کے خلاف ہے۔ یعنی کسی جانور کو باندھ کر اس پر تیر مارے جائیں۔

کتاب الافعال میں لکھا ہے: ''جثم علی رکبتیہ جثوما'' اس کا معنی ہے کہ وہ اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا تھا۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دِیَارِہِمۡ جٰثِمِیۡنَ ﴿۱۰﴾ (ہود) تو وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل (اوندھے) پڑے رہ گئے O

علامہ ابن بطال نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے المجثمہ سے جو منع فرمایا ہے، یہ المصبورۃ سے ممانعت کی مثل ہے۔ علاوہ ازیں عرب کے نزدیک تجثیم وحشی جانوروں اور ان پرندوں کے متعلق ہے جن کو زمین پر گرایا جائے اور ان پر تیر مارے جائیں۔ اور المصبورۃ اس سے عام ہے اور مجثمہ کا گوشت کھانا منع ہے جب وہ تیر مارنے سے مر جائے۔ اور اس کی نظیر یہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے المنخنقہ (گلا گھٹ کر مرنے والے) اور الموقوذۃ (یعنی چوٹ کھا کر مرنے والے) اور المتردیہ (بلندی سے گر کر مرنے والے) ان کے کھانے کو حرام قرار دیا ہے جب وہ اسی صورت میں مر جائیں اور اگر کوئی جانور گھٹنوں کے بل بیٹھا ہو اس پر تیر مارا جائے اور وہ مرے نہیں اور زندہ مل جائے، تو پھر وہ شرعی طریقہ کے ساتھ ذبح کرنے سے حلال ہو جائے گا۔ (التوضیح لشرح الجامع

الصحیح، ج ۲۶ ص ۴۸۲۔ ۴۸۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۵۱۴۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يَعْقُوبَ أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَمِعَهُ يُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضى الله عنهما أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ وَغُلَامٌ مِنْ بَنِي يَحْيَى رَابِطٌ دَجَاجَةً يَرْمِيهَا فَمَشَى إِلَيْهَا ابْنُ عُمَرَ حَتَّى حَلَّهَا ثُمَّ أَقْبَلَ بِهَا وَبِالْغُلَامِ مَعَهُ فَقَالَ ازْجُرُوا غُلَامَكُمْ عَنْ أَنْ يَصْبِرَ هَذَا الطَّيْرَ لِلْقَتْلِ فَإِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى أَنْ تُصْبَرَ بَهِيمَةٌ أَوْ غَيْرُهَا لِلْقَتْلِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یعقوب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسحاق بن سعید بن عمرو نے خبر دی از والد خود، انہوں نے ان سے سنا، وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ یحییٰ بن سعید کے پاس گئے اور بنو یحییٰ کے لڑکے نے ایک مرغی کو باندھا ہوا تھا اور اس پر تیر مار رہا تھا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کے پاس گئے حتیٰ کہ اس مرغی کو کھول دیا، پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس مرغی کو لے کر آئے اور وہ لڑکا بھی ان کے ساتھ تھا، پھر آپ نے فرمایا: کہ تم اپنے لڑکے کو اس سے منع کرو کہ وہ اس پرندے کو باندھ کر قتل کرے، کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے جانور یا اس کے غیر (یعنی پرندے کو) باندھ کر قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۹۵۸، مسند احمد: ۵۶۴۹، سنن دارمی: ۱۹۷۳)

صحیح البخاری: ۵۵۱۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں کسی جانور کو باندھ کر اس پر تیر مارنے کی ممانعت کا بیان ہے۔ اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ ایک لڑکا ایک مرغی کو باندھ کر تیر مار رہا تھا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے منع فرمایا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں احمد بن یعقوب کا ذکر ہے، وہ المسعودی الکوفی ہیں۔ اور اسحاق بن سعید کا ذکر ہے، وہ اپنے والد سعید بن عمرو بن سعید بن العاص الاموی سے روایت کرتے ہیں اور وہ عمرو کے بھائی ہیں جو الاشدق کے نام سے معروف ہیں۔ اور یہ سعید حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''اور بنو یحییٰ کا ایک لڑکا تھا''، یعنی ابن سعید مذکور کا اور یحییٰ کی مذکر اولاد تھی۔ اور وہ عثمان، عنبسہ، ابان، اسماعیل، محمد، سعید، ہشام اور عمرو ہیں۔ اور یحییٰ بن سعید ایک مرتبہ مدینہ کے گورنر مقرر ہوئے تھے اور اسی طرح ان کے بھائی عمر بھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''ھذا الطیر'' یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اپنے اس لڑکے کو منع کرو کہ وہ اس طیر کو باندھ کر قتل کرے۔

اس اعتراض کا جواب کہ حدیث میں ھذا الطیر کا لفظ ہے، حالانکہ اشارہ مرغی کی طرف ہے جو واحد ہے

علامہ کرمانی نے کہا: بہ ظاہر یہاں طائر کا لفظ ہونا چاہیے تھا، کیونکہ یہ ایک پرندہ ہے اور ایک پرندے کے لیے طائر کا لفظ آتا ہے، اور طیر جمع کے لیے آتا ہے، پھر انہوں نے اس کا جواب دیا کہ ایک پرندہ کے اوپر طیر کا اطلاق بھی لغتِ قلیلہ ہے۔

اعتراضِ مذکور کا بعض شارحین کی طرف سے جواب اور اس پر علامہ عینی کی تنقید

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ جمع کا بھی یہاں احتمال ہے بلکہ اولیٰ یہ ہے کہ اس لفظ سے جنس کا ارادہ کیا جائے۔

پرندوں اور جانوروں دونوں کو باندھ کر مارنے کی ممانعت

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ تاویل درست نہیں ہے، کیونکہ ھذا الطیر سے مرغی کی طرف اشارہ ہے اور وہ واحد ہے، اس میں جمع کے ارادہ کا کیسے احتمال ہوگا۔ اور ان کا یہ کہنا کہ یہاں جنس کا ارادہ کرنا اولیٰ ہے، یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ھذا الطیر سے مرغی کی طرف اشارہ کیا ہے اور اشارہ جنس کی طرف نہیں ہوتا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: ''اوغیرھا'': یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانور یا اس کے غیر کو باندھ کر قتل کرنے سے منع فرمایا ہے، پس اس حدیث میں اوغیرھا کا لفظ تقسیم کے لیے ہے، شک کے لیے نہیں ہے۔ اور اس حدیث میں باندھ کر مارنے کی ممانعت پرندوں اور جانوروں دونوں کو شامل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۱۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عُمَرَ فَمَرُّوا بِفِتْيَةٍ أَوْ بِنَفَرٍ نَصَبُوا دَجَاجَةً يَرْمُونَهَا فَلَمَّا رَأَوُا ابْنَ عُمَرَ تَفَرَّقُوا عَنْهَا وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ مَنْ فَعَلَ هَذَا إِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم لَعَنَ مَنْ فَعَلَ هَذَا تَابَعَهُ سُلَيْمَانُ عَنْ شُعْبَةَ حَدَّثَنَا الْمِنْهَالُ عَنْ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ لَعَنَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مَنْ مَثَّلَ بِالْحَيَوَانِ وَقَالَ عَدِيٌّ عَنْ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم۔

(صحیح مسلم: ۱۹۵۸، مسند احمد: ۳۱۲۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از ابی بشر از سعید بن جبیر، انہوں نے کہا: میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تھا، پس وہ چند لڑکوں یا ایک جماعت کے پاس سے گزرے جنہوں نے ایک مرغی کو باندھا ہوا تھا اور اس پر تیر مار رہے تھے۔ جب انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا تو وہ اس مرغی کے پاس سے بھاگ گئے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے پوچھا: یہ کس نے کیا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر لعنت فرمائی ہے جو اس طرح کرے۔ ابوبشر کی متابعت سلیمان نے کی ہے از شعبہ، انہوں نے کہا: ہمیں منہال نے حدیث بیان کی از سعید از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر لعنت

فرمائی ہے جو حیوان کو مُثلہ کرے، عدی نے کہا از سعید از حضرت
ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

صحیح البخاری: ۵۵۱۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان کے دو جز ہیں، پہلا جز ہے "المثلہ" کی کراہت اور دوسرا جز ہے "المصبورۃ" کی کراہت۔ یعنی کسی جانور کو باندھ کر اس پر تیر مارنے کی کراہت۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ چند لڑکوں نے ایک مرغی کو نصب کر دیا تھا اور اس پر تیر مار رہے تھے، تو اس حدیث میں باب کے عنوان کے دوسرے جز کے ساتھ مطابقت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالنعمان کا ذکر ہے، یہ محمد بن الفضل ہیں اور ابوعوانہ کا ذکر ہے، یہ الوضاح ہیں اور ابوبشر کا ذکر ہے، یہ جعفر بن ابی وحشیہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں "بفتية" کا ذکر ہے: فتیۃ، فتی کی جمع ہے یعنی نوجوان لڑکے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "او بنفر": او کا لفظ اس لیے ذکر ہے کہ اس میں راوی کو شک ہے، اور نفر کا معنی ہے: انسانوں کی جماعت، اور یہ اسم جمع ہے جس کا اطلاق خصوصیت کے ساتھ مردوں کی جماعت پر ہوتا ہے، جن کی تعداد تین سے لے کر دس تک ہو: اور نفر کا واحد اس لفظ سے نہیں آتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: "من فعل هذا؟": اس میں یہ اشارہ ہے کہ اس مرغی کو نشانہ مارنے کے لیے کس نے نصب کیا ہے؟ اور امام مسلم کی روایت میں ہے: "اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرماتا ہے جو کسی جاندار کو نصب کرے تا کہ اس پر نشانہ لگائے"۔

اور صحیح مسلم اور سنن ابن ماجہ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی جانور کو باندھ کر قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور امام بزار نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ جس میں روح ہو، اس کو نشانہ نہ بناؤ۔ اور امام طبرانی نے حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار کی ایک قوم کے پاس سے گزرے، جو کبوتر کو نشانہ بنا رہے تھے، تو آپ نے فرمایا: کسی روح کو نشانہ نہ بناؤ، اور اس حدیث کی سند حسن ہے اور امام نسائی نے حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند لوگوں کے پاس سے گزرے اور وہ ایک مینڈھے کو تیروں سے نشانہ بنا رہے تھے، تو آپ نے اس کو ناپسند فرمایا، پھر فرمایا: جانوروں کو مُثلہ نہ کرو اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانوروں کو مُثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے

جانور کو باندھ کر مارنے سے منع فرمایا ہے۔

تعلیق مذکور کی شرح از علامہ عینی

جانور کو باندھ کر مارنے کی ممانعت کے متعلق دیگر احادیث

اس تعلیق میں مذکور ہے "من مثل" جس نے مُثلہ کیا اور اس سے مراد یہی ہے کہ جس نے جانور کو باندھ کر مارا۔

اس تعلیق میں مذکور ہے: "عدی نے کہا از سعید از ابن عباس از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم":

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس میں یہ اشارہ ہے کہ عدی بن ثابت نے ابو بشر اور منھال کی مخالفت کی ہے، پس انہوں نے اس حدیث کی روایت کی ہے از سعید بن جبیر از ابن عباس از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اور اس تعلیق کی روایت امام مسلم اور نسائی نے کی ہے از شعبہ از عدی بن ثابت از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ نے فرمایا کہ "جس جانور میں روح ہو، اس کو نشانہ نہ بناؤ"۔ اور امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں اور امام نسائی نے از حماد بن سلمہ از قتادہ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ جس حیوان میں روح ہو، اس کو نشانہ بنایا جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۸۵۔۱۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۱۵، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کسی برے کام کو اپنے ہاتھ سے متغیر کرنے کا وجوب، اور گھر والوں پر اپنی اولاد کو تادیب کا وجوب اور مسئلہ کے ساتھ اس کی دلیل کو بیان کرنے کا استحباب

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی برائی کو جب ہاتھ سے متغیر کرنا ممکن ہو تو واجب ہے کہ اس کو ہاتھ سے متغیر کر دیا جائے، جب انسان اس پر قادر ہو، کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس مرغی کو اپنے ہاتھ سے کھول دیا۔ اور ہم کہتے ہیں کہ صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فعل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا لیکن وجوب اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جس نے کسی برائی کو دیکھا، اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے۔ (صحیح مسلم: ۴۹)

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کو ادب کی تعلیم دے، کیونکہ گھر میں صاحب سلطنت گھر والا ہوتا ہے، اسی لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس لڑکے کو خود ادب نہیں سکھایا بلکہ اس لڑکے کو اس کے گھر والوں کے پاس لے گئے، اور کہا کہ اپنے اس لڑکے کو ڈانٹو اور منع کرو۔

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عالم کو چاہیے کہ جب وہ کوئی فتویٰ بیان کرے تو اس کے ساتھ اس کی دلیل بھی ذکر کرے۔ کیونکہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اپنے اس غلام کو ڈانٹو اور جانور کو باندھ کر مارنے سے منع کرو تو اس کے ساتھ حدیث سنائی کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے جانور کو باندھ کر مارنے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۵۴، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۱۵، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

جاندار کو ''مُثلہ'' کرنے کی ممانعت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر لعنت فرمائی ہے جس نے حیوان کو مُثلہ کیا۔

لعنت کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنا اور لعنت اسی پر کی جاتی ہے جس نے بہت سنگین ناجائز کام کیا ہو۔ اور یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حیوان کو مثلہ کرنا یعنی اس کے اعضاء کو کاٹ ڈالنا گناہِ کبیرہ ہے، کیونکہ حیوان کی روح ہوتی ہے جس کو درد کا احساس ہوتا ہے جس طرح انسان کو درد کا احساس ہوتا ہے، اس لیے اسلام نے انسان ہو یا حیوان ہو، اس کے مُثلہ کرنے کو حرام قرار دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور جنہوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا، ان کو قتل کرو اور دین میں غُلو نہ کرو اور کسی جاندار کو مُثلہ نہ کرو اور نہ کسی باندی کو قتل کرو اور نہ کسی عورت کو قتل کرو۔ الحدیث

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر واللآلی بشرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۹۵، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۵۵۱۶۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ يَزِيدَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ نَهَى عَنِ النُّهْبَةِ وَالْمُثْلَةِ۔

(صحیح البخاری: ۲۴۷۴، ۵۵۱۶، مسند احمد: ۱۸۲۶۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عدی بن ثابت نے خبر دی، انہوں نے کہا کہ میں نے عبد اللہ بن یزید سے سنا از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ نے النھبۃ (لوٹ مار) اور المُثلۃ (کسی جاندار کے اعضاء کاٹنا) سے منع فرمایا ہے۔

صحیح البخاری: ۵۵۱۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی باب کے جز اول کے ساتھ مطابقت ہے۔

میں کہتا ہوں کہ باب کے جزِ اول میں المُثلہ کا ذکر ہے، اور مُثلہ کا معنی ہے: ''کسی جاندار کے تمام اعضاء کو یا بعض اعضاء کو کاٹنا''۔ اور اس باب کی باقی احادیث اس باب کے عنوان کے جزِ ثانی کے مطابق ہیں جس میں کسی جانور کو باندھ کر قتل کرنے کی کراہت کو بیان کیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس باب کی حدیث کی سند میں عبد اللہ بن یزید کا ذکر ہے، یہ الخطمی الانصاری ہیں جو کہ امیرِ کوفہ تھے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''النھبة'' کا ذکر ہے، ''النھبة'' کا معنی ہے: کسی دوسرے شخص کا مال علی الاعلان جبراً اور زبردستی چھین لینا۔ اور اگر مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے مال نکال لیا جائے تو اس کو بھی نھبة کہتے ہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۱۶ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''نھبی'' کے معانی

النھبی: کسی چیز کو چھیننے کا اسم ہے، اور اس کا معنی ہے: مالِ غنیمت میں سے کسی چیز کو نکال لینا، صاحب المطالع نے کہا ہے: یہ الانتھاب کا اسم ہے اور اس کا معنی ہے: ''کسی جماعت کا کسی چیز کو جلدی سے چھین لینا''۔
نھبی کی جو ممانعت ہے، وہ تحریم کے لیے ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ''جو لوٹ مار کر کے کوئی چیز چھینے اس پر اللہ تعالیٰ لعنت فرماتا ہے''۔

''مصبورہ'' اور ''مجثمہ'' کے کھانے کی ممانعت

امام ابوعبید نے کہا ہے کہ ابوزید اور ابوعمرو اور دوسروں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی جانور کو باندھ کر مارنے سے منع فرمایا ہے، خواہ وہ پرندہ ہو، یا کوئی اور جاندار ہو جو زندہ ہو اور اس پر تیر مارے جائیں حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔
علامہ ابن المنذر نے از امام احمد اور از امام اسحاق روایت کی ہے کہ المصبورہ کو اور المجثمہ کو نہ کھایا جائے۔ اور دوسروں نے کہا کہ ہمارے علم میں یہ نہیں ہے کہ علماء میں سے کسی نے المصبورہ کے کھانے کو جائز قرار دیا ہو اور وہ سب اس کو حرام قرار دیتے ہیں، کیونکہ جس جانور کو ذبح کرنے پر قدرت ہو، وہ صرف اس صورت میں حلال ہوگا کہ اس کے حلق میں ذبح کیا جائے یا لبّہ میں نیزہ مارا جائے۔

''المصبورہ'' کی کراہیت کی وجوہ

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۵۳ھ نے کہا ہے کہ المصبورہ کی کراہیت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں مشغلہ کے طور پر ایک حیوان کو عذاب دینا ہے، لیکن کسی جانور کو نحر کرنے کے لیے بٹھانا، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور بہ طورِ مشغلہ کسی جانور پر تیر مارنا درج ذیل حدیث کی وجہ سے ممنوع ہے:
حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے متعلق احسان (یعنی نیکی) کو فرض کیا ہے، پس جب تم قتل کرو تو نیکی کے ساتھ قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو احسان کے ساتھ ذبح کرو اور تم میں سے کسی ایک کو یہ چاہیے کہ وہ اپنی چھری کو تیز کر لے اور اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچائے۔ (صحیح مسلم: ۱۹۵۵، کتاب الصید والذبائح باب الامر باحسان الذبح والقتل)
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے کہ کوئی شخص اپنی چھری کو تیز کرے اور بکری اس کی طرف دیکھ رہی ہو، اور

انہوں نے یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو دیکھا جس نے ایک بکری کو پچھاڑا اور اپنی ٹانگ اس کی گردن پر رکھ دی اور وہ چھری کو تیز کر رہا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر افسوس ہے، تم اس بکری کے اوپر کئی موتیں وارد کر رہے ہو یا تم اس بکری کو کئی موتوں کے ساتھ مار رہے ہو، تم نے اس بکری کو لٹانے سے پہلے اپنی چھری کو تیز کیوں نہیں کیا۔

(المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۱۳۱، حاکم نے کہا: یہ حدیث امام بخاری کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس حدیث کی روایت نہیں کی)۔

امام ابوجعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کو باندھ کر اس پر تیر مار کر ہلاک کرنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ اس جانور کو ذبح کرنے کا شرعی طریقہ ہے اور جب اس کو باندھ کر تیر مارے جائیں گے تو ہوسکتا ہے کہ وہ تیر ایسی جگہ پر لگے جہاں سے جانور ذبح نہیں ہوتا، تو اس کا کھانا حرام ہوگا۔ اور جو اس کو باندھ کر نشانہ بنا رہا ہے، وہ اپنے رب کی کئی وجوہ سے معصیت کر رہا ہے۔ ایک اس وجہ سے کہ وہ ایک جانور کو عذاب دے رہا ہے اور اس کو مُثلہ کر رہا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مُثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے، اور اس وجہ سے کہ جب اس کو ذبح کرنے کا ایک شرعی طریقہ موجود ہے تو وہ اس سے تجاوز کر کے جانور پر تیر مار کر اسے ایذاء پہنچا رہا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۴۸۴۔۴۸۶ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۲۶۔ بَابُ: لَحْمِ الدَّجَاجِ مرغی کے گوشت کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

''دَجَاجَۃٌ'' کا لغوی معنی

۔ اس باب میں مرغی کے کھانے کا بیان کیا گیا ہے اور بعض نسخوں میں مذکور ہے: ''باب لحم الدجاج'' یعنی مرغی کے گوشت کے کھانے کا بیان۔ اور دجاج میں دال پر تینوں حرکات جائز ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ دال پر پیش پڑھنا ضعیف ہے۔ اور دجاج اسم جنس ہے اور اس کا واحد دجاجۃ ہے، اس کے نیچے زیر ہو تو یہ مذکر کے لیے ہے نہ کہ مونث کے لیے۔ اور اس کا واحد دیک ہے اور دجاج میں اگر دال پر زبر ہو تو یہ مونث کے لیے ہے نہ کہ مذکر کے لیے اور اس کا واحد دجاجۃ ہے۔ اس کو دجاجہ اس لیے کہتے ہیں کہ دَجَّ یَدُجُّ کا معنی ہے: کسی کام کو سرعت کے ساتھ کرنا، اور اس کا آنا جانا بھی بہت سرعت کے ساتھ ہوتا ہے، اس لیے اس کو دجاجۃ کہتے ہیں۔

۵۵۱۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِيِّ عَنْ أَبِي مُوسَى يَعْنِي الْأَشْعَرِيَّ رضى الله عنه قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَأْكُلُ دَجَاجًا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۳۳، صحیح مسلم: ۱۶۴۹، مسند احمد: ۱۹۰۹۴)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از ایوب از ابی قلابہ از زہدم الجرمی از حضرت ابوموسیٰ یعنی الاشعری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم مرغی کھا رہے تھے۔

صحیح البخاری: ۵۵۱۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے باب کے عنوان میں مرغی کے گوشت کا ذکر ہے، اور حدیث میں یہ بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مرغی کھا رہے تھے، سو اس طرح حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے۔ علامہ کرمانی نے لکھا ہے کہ کہا گیا ہے کہ یہ یا تو ابن موسیٰ ہیں یا ابن جعفر ہیں۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: علامہ ابن السکن نے کہا ہے کہ یہ ابن موسیٰ البلخی ہیں۔ اور الکلاباذی اور ابونعیم نے وثوق سے کہا ہے کہ یہ ابن جعفر بن اعین ابوزکریا الکندی ہیں۔ اور اس حدیث میں سفیان کا ذکر ہے، وہ الثوری ہیں۔ اور ایوب کا ذکر ہے، وہ السختیانی ہیں۔ اور ابوقلابہ کا ذکر ہے، وہ عبداللہ بن زید الجزمی ہیں۔ اور زہدم کا ذکر ہے، یہ ابن مضرب الجرمی ہیں۔ اس میں جرم کی طرف نسبت ہے جو قبیلہ قضاعہ کی ایک شاخ ہے اور جرم نیز قبیلہ بنوطے کی شاخ ہے، اور امام بخاری کی ان سے دو حدیثوں کے سوا اور کوئی روایت نہیں ہے۔ اور امام بخاری نے اس حدیث کو متعدد ابواب میں ذکر کیا ہے۔ یہاں اختصار سے روایت کی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۱۷، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا ایک قصہ ہے جو اس باب میں ذکر کیا جا چکا ہے "قدوم الاشعریین علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔ اور وہ قصہ یہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس ایک کھانا لایا گیا جس میں مرغی کا گوشت تھا اور لوگوں میں ایک مرد بیٹھا ہوا تھا جو کھانے کے قریب نہیں گیا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس کو کھانے کی طرف بلایا، تو اس نے کہا کہ میں نے دیکھا تھا کہ مرغی حیوانوں کی لید میں سے بعض جو اور دانے چن کر کھا رہی تھی تو میرے دل میں اس سے گھن آئی اور تب سے میں مرغی کے گوشت کو ناپسند کرتا ہوں۔ تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دن مرغی کھاتے دیکھا ہے۔ اور ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں نمونہ ہے، پس یہ حدیث مرغی کے گوشت کے کھانے کے جواز پر دلالت کرتی ہے، پس مرغی کا بعض نجس چیزوں کو کھانا اس کے گوشت کو حرام نہیں کرتا، جیسا کہ گائے بعض گندے چھلکے کھا لیتی ہے اور نجس چیزوں کو کھا لیتی ہے تو اس کا گوشت طاہر رہتا ہے۔ (الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر واللآلی بشرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۹۶، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۵۵۱۸ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ أَبِي تَمِيمَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ زَهْدَمٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ وَكَانَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ هَذَا الْحَيِّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابومعمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب بن ابی تمیمہ نے حدیث بیان

مِنْ جَرْمٍ إِخَاءٌ فَأُتِيَ بِطَعَامٍ فِيهِ لَحْمُ دَجَاجٍ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ جَالِسٌ أَحْمَرُ فَلَمْ يَدْنُ مِنْ طَعَامِهِ قَالَ ادْنُ فَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَأْكُلُ مِنْهُ قَالَ إِنِّي رَأَيْتُهُ أَكَلَ شَيْئًا فَقَذِرْتُهُ فَحَلَفْتُ أَنْ لَا آكُلَهُ فَقَالَ ادْنُ أُخْبِرْكَ أَوْ أُحَدِّثْكَ إِنِّي أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي نَفَرٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ فَوَافَقْتُهُ وَهُوَ غَضْبَانُ وَهُوَ يَقْسِمُ نَعَمًا مِنْ نَعَمِ الصَّدَقَةِ فَاسْتَحْمَلْنَاهُ فَحَلَفَ أَنْ لَا يَحْمِلَنَا قَالَ مَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ثُمَّ أُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِنَهْبٍ مِنْ إِبِلٍ فَقَالَ أَيْنَ الْأَشْعَرِيُّونَ أَيْنَ الْأَشْعَرِيُّونَ قَالَ فَأَعْطَانَا خَمْسَ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرَى فَلَبِثْنَا غَيْرَ بَعِيدٍ فَقُلْتُ لِأَصْحَابِي نَسِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَمِينَهُ فَوَاللهِ لَئِنْ تَغَفَّلْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ يَمِينَهُ لَا نُفْلِحُ أَبَدًا فَرَجَعْنَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا اسْتَحْمَلْنَاكَ فَحَلَفْتَ أَنْ لَا تَحْمِلَنَا فَظَنَنَّا أَنَّكَ نَسِيتَ يَمِينَكَ فَقَالَ إِنَّ اللهَ هُوَ حَمَلَكُمْ إِنِّي وَاللهِ إِنْ شَاءَ اللهُ لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَأَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَتَحَلَّلْتُهَا۔

کی از القاسم از زہدم، انہوں نے کہا: ہم ابوموسیٰ الاشعری کے پاس تھے اور ہمارے اور اس جرم کے قبیلہ کے درمیان برادرانہ تعلقات تھے، پھر ایک کھانا لایا گیا جس میں مرغی کا گوشت تھا اور لوگوں میں ایک سرخ رنگ کا مرد بیٹھا ہوا تھا، وہ کھانے کے قریب نہیں گیا ،حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ قریب آؤ، کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس مرغی سے کھا رہے تھے،اس مرد نے کہا کہ میں نے دیکھا تھا کہ یہ مرغی کچھ گندی چیزیں کھا رہی تھی، تو میں نے قسم کھائی کہ میں اس مرغی کو نہیں کھاؤں گا،انہوں نے پھر کہا: قریب آؤ، میں تمہیں خبر دیتا ہوں یا کہا: میں تمہیں حدیث بیان کرتا ہوں ، انہوں نے کہا کہ میں رسول رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چند اشعری صحابہ کے ساتھ حاضر ہوا، پس اتفاق یہ پیش آیا کہ اس وقت آپ ناراض تھے اور آپ صدقہ کے اونٹوں میں سے اونٹ تقسیم فرما رہے تھے، سو ہم نے بھی آپ سے سواری طلب کی تو آپ نے قسم کھائی کہ آپ ہم کو سواری نہیں دیں گے۔فرمایا: میرے پاس وہ چیز نہیں ہے جس پر میں تم کو سوار کروں، پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس مالِ غنیمت کے اونٹ لائے گئے، تو آپ نے فرمایا: اشعریین کہاں ہیں؟ اشعریین کہاں ہیں؟ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ پھر آپ نے ہمیں پانچ سفید کوہان والے اونٹ عطا فرمائے۔ہم تھوڑی دیر ٹھہرے تو میں نے اپنے اصحاب سے کہا: رسول اللہ ﷺ اپنی قسم کو بھول گئے، پس اللہ کی قسم! اگر ہم نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی غفلت کے متعلق نہیں بتایا تو ہم کبھی کامیاب نہیں ہوں گے، پھر ہم نبی ﷺ کے پاس واپس گئے، سو ہم نے کہا: یارسول اللہ (ﷺ)! ہم نے آپ سے سواری طلب کی تھی تو آپ نے قسم کھائی تھی کہ آپ ہم کو سواری نہیں دیں گے، سو ہم نے گمان کیا کہ آپ اپنی قسم کو بھول گئے، تو نبی ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ ہی نے تم کو سوار کیا ہے اور بے شک اللہ کی قسم! ان

شاء اللہ میں جب کوئی قسم کھاتا ہوں اور اس قسم کے خلاف کوئی
بہتر دیکھتا ہوں تو میں اس کام کو کرتا ہوں جو بہتر ہے اور اپنی کھائی
ہوئی قسم کا کفارہ ادا کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۳۱۳۳، ۴۳۸۵، ۴۴۱۵، ۵۵۱۷، ۵۵۱۸، ۶۶۲۳، ۶۶۴۹، ۶۶۷۸، ۶۶۸۰، ۶۷۱۸، ۶۷۱۹، ۶۷۲۱، ۷۵۵۵، صحیح مسلم: ۴۹
۱۶، سنن نسائی: ۳۷۸۰، سنن ابن ماجہ: ۲۱۰۷، مسند احمد: ۱۹۰۹۴)

صحیح البخاری: ۵۵۱۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں بھی یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مرغی کھا رہے تھے۔ اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابو معمر کا ذکر ہے، اس اسم میں دونوں میموں پر زبر ہے۔ ان کا نام عبداللہ بن عمرو المقعد البصری ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں عبدالوارث کا ذکر ہے، وہ ابن سعد البصری ہیں۔ اور ایوب کا ذکر ہے، وہ السختیانی ہیں۔ اور اس سند میں ان کا ان کے والد کی کنیت ابو تمیمہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ان کا نام کیسان ابو بکر البصری ہے۔ اور اس سند میں القاسم کا ذکر ہے، یہ ابن عاصم الکلبی التمیمی البصری ہیں۔ اور یہاں پر قاسم کی روایت زہدم سے ہے۔ اور پہلی روایت میں از ایوب از ابی قلابہ از زہدم مذکور ہے۔ "باب قدوم الاشعرین" میں اس حدیث کی مفصل شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: "ہمارے اور اس جرم کے قبیلہ کے درمیان برادرانہ تعلقات تھے"۔
علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ اس قبیلہ سے مراد جرم ہے اور اس پر رد کیا گیا ہے، کیونکہ اب اس کا معنی یہ ہوگا کہ زہدم الجرمی نے کہا کہ ہمارے اور اس قبیلہ جرم کے درمیان برادرانہ تعلقات تھے۔ اور یہ مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اور ان کی قوم کے اشعری زہدم کی قوم سے جو کہ بنو جرم ہیں، محبت کے اور برادرانہ تعلقات رکھنے والے تھے۔

سرخ رنگ کے مرد کا مصداق

اس حدیث میں مذکور ہے "کہ ایک سرخ رنگ کے مرد نے کہا"۔ اور حماد بن زید کی روایت میں ہے کہ بنو تیم اللہ کے سرخ رنگ کے مرد نے کہا۔ گویا کہ وہ عجمیوں سے ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ مرد زہدم راوی ہے اور اس نے اپنے نفس کو مبہم رکھا ہے۔ پس اگر تم سوال کرو کہ اس مرد کی صفت حماد کی روایت میں ہے کہ وہ تیم اللہ سے ہے اور زہدم بنو جرم سے ہیں، تو میں کہوں گا: اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے، کیونکہ یہ صحیح ہے کہ زہدم کبھی بنو تیم اللہ کی طرف منسوب ہو اور کبھی بنو جرم کی طرف منسوب ہو۔ اور امام احمد نے اس حدیث کی از عبداللہ بن الولید العدنی روایت کی ہے از سفیان ثوری، اور اس روایت میں مذکور ہے کہ بنو تیم اللہ کے ایک مرد نے کہا، جس کو

زہدم کہا جاتا تھا۔اس میں ہے کہ ہم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس تھے تو ان کے پاس مرغی کا گوشت لایا گیا، سو مجھے اس سے گھن آئی اور میں نے کہا کہ میں نے اس مرغی کو گندگی کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: قریب آؤ، میں تمہیں خبر دیتا ہوں۔

نیز اس حدیث میں ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو پانچ سفید کوہان والے اونٹ عطا فرمائے ،تو ہم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے بھول گئے کہ آپ نے ہم کو اونٹ عطا نہ کرنے کی قسم کھائی تھی''۔

حدیث مذکور کا خلاصہ

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اونٹ عطا نہ کرنے کی قسم کھائی تھی ،لیکن بعد میں آپ نے ہمیں اونٹ عطا کرنے کو بہتر جانا تو آپ نے ہمیں اونٹ عطا کر دیے اور فرمایا: میں اس قسم کا کفارہ دوں گا۔سو اسی طرح جس مرد نے قسم کھائی تھی کہ وہ مرغی کا گوشت نہیں کھائے گا،اس کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی قسم کا کفارہ دے اور مرغی کا گوشت کھائے ،کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغی کا گوشت کھایا ہے۔

جو جانور گندی چیزیں بھی کھالے،ان کے احکام کا بیان

اس حدیث سے ثابت ہے کہ مرغی کا گوشت کھانا جائز ہے۔علامہ ابن الملقن شافعی نے التوضیح میں لکھا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ مرغی کا گوشت کھانا حلال ہے۔اور یہ نرم اور ملائم کھانا ہے اور جن متقشفین (بناوٹی زاہد جو بدحالی اور تنگی کی زندگی کو پسند کرتے ہیں) نے مرغی کے گوشت کھانے کو مکروہ کہا ہے،ان کے مکروہ کہنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ سید الزاہدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغی کا گوشت کھایا ہے۔اگرچہ یہ احتمال ہے کہ مرغی کبھی نجس چیزیں کھاتی ہے۔امام طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ وہ اس وقت تک مرغی کو نہیں کھاتے ،حتیٰ کہ چند روز اس کو بند رکھتے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۴۸۹ ،وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ ،قطر ۱۴۲۹ھ)

نیز علامہ عینی فرماتے ہیں: اور ان سے یہ بھی روایت ہے کہ جب وہ مرغی کے انڈے کھانے کا ارادہ کرتے تو مرغی کو تین دن تک بند رکھتے۔اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ مرغی ملا جلا کر کھاتی ہے۔اور جلالہ وہ جانور ہے جو نجاست کے سوا اور کوئی چیز نہیں کھاتا اور اس کا کھانا مکروہ ہے اور ابن حزم ظاہری کا زعم یہ ہے کہ جلالہ بالخصوص چار پاؤں والے جانور کو کہتے ہیں۔اور پرندوں کو اور مرغی کو جلالہ نہیں کہا جاتا۔

اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا: علماء کا الجلالہ کے کھانے کے جواز پر اجماع ہے۔(جلالہ سے مراد وہ گائے یا بکری ہے جو نجس چیزیں بھی کھاتی ہے اور غالباً علامہ ابن بطال کی جلالہ سے مراد یہی ہے۔سعیدی غفرلہٗ)

اور سحنون مالکی سے اس بکری کے بچے کے متعلق سوال کیا جس کو خنزیر نے دودھ پلایا ہو،تو انہوں نے کہا: اس بکری کے بچے کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور امام ابو جعفر طبری نے کہا: علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس اونٹ یا بکری کے بچے کو کتے کے دودھ سے غذا دی گئی یا خنزیر کے دودھ سے غذا دی گئی تو اس کا کھانا حرام نہیں ہے۔اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ خنازیر کا دودھ نجس ہے،جس طرح جانوروں کی لید نجس ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۸۹ ،دار الکتب العلمیہ ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۱۷ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جلالہ کے متعلق دیگر احادیث اور آثار

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ کو کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا ہے۔
(سنن ابوداؤد: ۳۷۸۵، سنن ترمذی: ۱۸۲۴، (امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے)، سنن ابن ماجہ: ۳۱۸۹، المستدرک ج ۲ ص ۳۴، المشکوٰۃ: ۴۱۲۶)

حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ کا گوشت کھانے سے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا ہے، اور اس پر چمڑے کے سوا اور کوئی چیز نہ لادی جائے اور نہ لوگ اس پر سواری کریں، حتیٰ کہ وہ چالیس دن صرف چارہ کھائے۔
اس حدیث کی امام حاکم نے روایت کی ہے اور کہا ہے: اس کی سند صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۳۹، سنن الدارقطنی ج ۴ ص ۲۸۳)
اور امام حاکم کے شاگرد امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی نے ان کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث قوی نہیں ہے۔
(سنن بیہقی ج ۹ ص ۳۳۳)

سعید بن ابوعرابہ نے از قتادہ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گندگی کھانے والے اونٹوں کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۸۲۵، مسند احمد ج ۱ ص ۲۴۱، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۳۴)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ کے گوشت کو کھانے سے منع فرمایا ہے اور اس کا دودھ پینے سے بھی منع فرمایا ہے۔ (سنن بیہقی ج ۹ ص ۳۳۳)
پس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب مرغی کے انڈوں کو کھانے کا ارادہ کرتے تو ان کو تین دن بند رکھتے تھے۔
(مصنف عبدالرزاق: ۸۷۱۷)

''جلالہ'' کو کھانے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

فقہاء احناف نے جلالہ اونٹوں کے گوشت کے کھانے کو مکروہ کہا ہے، حتیٰ کہ ان اونٹوں کو چند روز تک بند رکھا جائے۔
امام شافعی کہتے ہیں کہ اگر کوئی جانور صرف نجس چیزیں کھائے یا اکثر نجس چیزیں کھائے، تو میں اس کے کھانے کو مکروہ قرار دیتا ہوں۔ اور جب وہ اکثر چارہ کھائے اور نجس نہ کھائے تو میں اس کو مکروہ نہیں قرار دیتا۔ اور امام شافعی کے اکثر اصحاب یہ کہتے ہیں کہ اس کا کھانا مکروہ تنزیہی ہے۔ اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اس کا کھانا بھی مکروہ تحریمی ہے۔
ابراہیم نخعی، عطاء بن ابی رباح، امام احمد بن حنبل اور امام ابوحنیفہ نے جلالہ کے کھانے کو مکروہ کہا ہے، سوا اس کے کہ اس کو کھانے کے چند روز تک بند رکھا جائے۔
اور امام مالک اور اللیث نے کہا ہے: جلالہ کے گوشت کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسے مرغی اور وہ جانور جو مردار کو کھاتا ہے۔ اور حسن بصری جلالہ کے کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ اور امام ابوحنیفہ نے کہا: کہ مرغی ملا جلا کر کھاتی ہے اور جلالہ وہ

جانور ہے جو نجس چیز کے سوا اور کچھ نہیں کھاتا اور اس کا کھانا مکروہ تحریمی ہے۔

(مختصر اختلاف العلماء، ج ۳ ص ۲۱۷، النوادر والزیادات ج ۴ ص ۳۷۲، روضۃ الطالبین ج ۳ ص ۳۷۸، المغنی ج ۱۳ ص ۳۲۸)

پس علماء کا جلالہ کے کھانے کے جواز پر اجماع ہے۔اسی طرح علامہ ابن بطال کی کتاب میں مذکور ہے اور سحنون مالکی سے سوال کیا گیا کہ جس بکری کے بچے کو خنزیر کا دودھ پلایا گیا ہو، تو انہوں نے کہا: اس بکری کے بچے کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام ابوجعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ جس بکری کے بچے کو کتے یا خنزیر کا دودھ پلایا گیا، اس کا کھانا حرام نہیں ہے۔اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ خنزیر کا دودھ لید کی طرح نجس ہے۔اور اس میں علت یہ ہے کہ جب بکری کے بچے کو ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت چکھا جائے یا سونگھا جائے تو اس میں خنزیر کے دودھ کا پتا نہیں چلتا۔پس اللہ تعالیٰ نے اس کے دودھ کو اس طرح متغیر کر دیا جس طرح غذا متغیر ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے صرف ان نجاسات کو بعینہٖ قرار دیا ہے جن کا حواس کے ساتھ ادراک کیا جائے۔پس مرغی اور اونٹ جو جلالہ ہوں اور جو ان کے مشابہ ہوں ان میں بعینہٖ نجاست نہیں پائی جاتی۔اور یہ ان نباتات سے زیادہ نہیں ہے جن کی نجاست میں نشوونما ہوتی ہو اور وہ نباتات طاہر ہیں اور بالاجماع حلال ہیں اور کوئی کھیت اس سے خالی نہیں ہے۔(یعنی ہر کھیت میں کھاد ہوتی ہے اور کھاد میں گوبر اور دیگر نجاسات ہوتی ہیں اور ان ہی سے سبزیاں پیدا ہوتی ہیں اور چونکہ ان سبزیوں میں بعینہٖ ان نجاسات کا ادراک نہیں ہوتا، اس لیے ان کا کھانا طاہر ہے۔اسی طرح جس بکری کے بچے کو خنزیر کا دودھ پلایا گیا تو اس بکری کے بچے میں خنزیر کا ادراک نہیں ہوتا، سو جس طرح زرعی پیداوار کا کھانا طاہر اور حلال ہے، اسی طرح اس بکری کے بچے کا کھانا بھی طاہر اور حلال ہے۔سعیدی غفرلہٗ)

اور جلالہ کے کھانے سے ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اس سے گھن آتی ہے، تاکہ جانوروں کے چارے میں نجاست سے اجتناب کیا جائے، اور جلالہ کی ممانعت کے متعلق جو احادیث اور آثار ہیں، وہ قوی نہیں ہیں۔اسی طرح علامہ ابن بطال کی کتاب میں بھی مذکور ہے۔

علامہ ابن ملقن نے کہا ہے کہ پرندوں کو اور مرغی کو جلالہ نہیں کہا جاتا، خواہ وہ نجاست کھاتی ہوں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۴۸۹۔۴۹۱ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

''جلالہ'' کے متعلق علامہ شامی کی تحقیق

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی متوفی ۱۲۵۲ھ، لکھتے ہیں:

تجنیس میں مذکور ہے کہ جب یہ جانور نجاست کھائیں تو مرغی کو تین دن تک بند رکھا جائے گا اور بکری کو چار دن تک اور اونٹ اور گائے کو دس دن تک، اور یہی مختار ہے ظاہر الروایۃ کے مطابق۔اور علامہ سرخسی نے کہا: زیادہ صحیح یہ ہے کہ دنوں کی تعیین نہ کی جائے اور ان جانوروں کو بند رکھا جائے حتیٰ کہ ان سے بدبو زائل ہو جائے اور الملتقی میں مذکور ہے کہ جب جلالہ کو قریب لایا جائے اور اس سے بدبو آئے تو اس کو نہ کھایا جائے اور نہ اس کا دودھ پیا جائے اور نہ اس سے کوئی کام کیا جائے، اور اس کو فروخت کرنا اور اس کو ذبح کرنا اس حال میں مکروہ ہے۔اور البقالی نے ذکر کیا ہے کہ جلالہ کا پسینہ نجس ہے اور مختصر المحیط میں لکھا ہے کہ جو مرغی آوارہ پھرتی ہو، خواہ وہ نجاست کھائے تو وہ مکروہ نہیں ہے۔یعنی جب اس سے بدبو نہ آئے، کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ وہ ملا جلا کر کھاتی ہے اور

اس کا گوشت متغیر نہیں ہوتا، اور اس کو تنزیہاً چند روز کے لیے بند رکھنا چاہیے۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۹ ص ۳۷۱، کتاب الذبائح، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

۲۷۔ بَابُ: لُحُومِ الْخَيْلِ — گھوڑوں کے گوشت کو کھانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں گھوڑوں کے گوشت کے کھانے کے جواز کا بیان ہے۔امام بخاری نے اس حکم کی تصریح نہیں لکھی کیونکہ اس حکم کے متعلق دلائل متعارض ہیں۔(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۱۹۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ فَاطِمَةَ عَنْ أَسْمَاءَ قَالَتْ نَحَرْنَا فَرَسًا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَأَكَلْنَاهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از فاطمہ از حضرت اسماء رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں گھوڑے کو نحر کیا، پس ہم نے اس کو کھایا۔

(صحیح البخاری: ۵۵۱۰، ۵۵۱۱، ۵۵۱۹، صحیح مسلم: ۱۹۴۲، سنن نسائی: ۴۴۰۶، سنن ابن ماجہ: ۳۱۹۰، مسند احمد: ۲۶۳۷۹، سنن دارمی: ۱۹۹۲)

صحیح البخاری: ۵۵۱۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں الحمیدی کا ذکر ہے، ان کا نام عبداللہ بن حمید بن عیسیٰ ہے اور یہ اپنے اجداد میں سے کسی ایک کی طرف منسوب ہیں۔اور حُمید میں حاء پر پیش ہے اور اس حدیث میں سفیان کا ذکر ہے، اس سے مراد سفیان بن عیینہ ہیں۔اور اس میں ہشام کا ذکر ہے، وہ ہشام بن عُروہ ہیں اور فاطمہ کا ذکر ہے، وہ بنت المنذر ہیں جو راوی ہشام کی بیوی ہیں اور حضرت اسماء کا ذکر ہے، یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کی بیٹی ہیں۔یہ حدیث عنقریب ''باب النحر والذبح'' میں گزر چکی ہے، وہاں اس پر کلام ہو چکا ہے اور صحابی جب یہ کہے کہ ہم یہ کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کرتے تھے تو وہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۲۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ وَرَخَّصَ فِي لُحُومِ الْخَيْلِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی، از عمرو بن دینار از محمد بن علی از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کے

گوشت کو حرام فرمادیا اور گھوڑوں کے گوشت میں رخصت دی۔

(صحیح البخاری:۴۲۱۹، ۵۵۲۰، ۵۵۲۴، صحیح مسلم:۱۹۴۱، سنن ترمذی:۱۷۹۳، سنن نسائی:۴۳۲۷، سنن ابوداؤد:۳۷۸۸، مسند احمد:۱۴۴۷۴، سنن دارمی:۱۹۹۳)

صحیح البخاری:۵۵۲۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن علی کا ذکر ہے، ان کا نام محمد بن علی بن الحسین بن علی (رضی اللہ عنہم) بن ابی طالب ہے اور یہ (امام) باقر ہیں جو حضرت (امام) جعفر رحمۃ اللہ علیہ کے والد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

گھوڑوں کا گوشت کھانے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

اس حدیث سے عطاء، ابن سیرین، حسن بصری، اسود بن یزید، سعید بن جبیر، لیث، ابن المبارک، امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد، امام احمد اور ابوثور نے یہ استدلال کیا ہے کہ گھوڑوں کے گوشت کو کھانا جائز ہے۔ اور امام ابوحنیفہ، اوزاعی اور امام مالک اور ابوعبید نے کہا ہے کہ گھوڑوں کا گوشت کھانا مکروہ ہے۔ پھر کہا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کو کھانا مکروہ تحریمی ہے۔ اور دوسرا قول ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے اور فخر الاسلام اور ابو معین نے کہا ہے کہ یہی قول صحیح ہے۔ امام ابوحنیفہ نے قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

وَّالۡخَيۡلَ وَالۡبِغَالَ وَالۡحَمِيۡرَ لِتَرۡكَبُوۡهَا وَزِيۡنَةً ۚ اور گھوڑے اور خچر اور گدھے تمہاری سواری اور زیبائش کے لیے پیدا کیے۔ (النحل:۸)

اس آیت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کے اوپر بہ طور امتنان اور احسان کے ذکر فرمایا ہے۔ اور کھانا سب سے اعلیٰ درجہ کا نفع ہے۔ اور حکیم کا یہ اسلوب نہیں ہے کہ وہ اعلیٰ نعمت کا ذکر ترک کر دے اور ادنیٰ نعمت کا ذکر کرے۔ تو اگر گھوڑوں کا کھانا جائز ہوتا تو اس کو بھی اس آیت میں ذکر کیا جاتا۔ نیز اس لیے کہ گھوڑے دشمنوں کو ڈرانے کے آلات میں سے ہیں، لہٰذا ان کے کھانے کو احتراماً ترک کیا جائے گا۔ نیز امام ابوحنیفہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کی امام ابوداؤد نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں اور خچروں اور (پالتو) گدھوں کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اور اس حدیث کی امام نسائی اور امام ابن ماجہ اور امام طحاوی نے بھی روایت کی ہے۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث کی روایت کے بعد سکوت کیا ہے، تاہم انہوں نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ اور ہم نے غزوہ خیبر کے باب میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اور رہے پالتو گدھے تو امام ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ علماء مسلمین کے درمیان اب ان کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

گھوڑوں کے گوشت کو کھانے کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب

شمس الائمہ علامہ ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہیل السرخسی الحنفی المتوفی ۴۸۳ ھ، لکھتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں گھوڑوں کا گوشت کھاتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۵۲۱، صحیح مسلم: ۱۹۴۳، سنن نسائی ج ۷ ص ۲۳۰، سنن دارمی: ۱۹۹۲)

اور حضرت الحریث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب گھوڑی کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو ہم اس بچے کو پکڑ لیتے اور اس کو ذبح کرتے اور ہم کہتے کہ اب زمانہ قریب ہے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تک یہ خبر پہنچی تو انہوں نے ہم کو لکھا کہ ایسا نہ کرو، کیونکہ اس معاملہ میں تاخیر ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے بعض فقہاء گھوڑوں کے گوشت کے کھانے کی رخصت پر استدلال کرتے ہیں، کیونکہ صحابہ گھوڑوں کو کھانے کی منفعت کے لیے ذبح کرتے تھے اور یہ امام ابو یوسف اور امام محمد اور امام شافعی رحمہم اللہ کا قول ہے۔

(کتاب الام للشافعی ج ۲ ص ۲۲۳)

رہے امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ، تو وہ گھوڑوں کے گوشت کو مکروہ قرار دیتے تھے اور کتاب الصید کے ظاہر الفاظ یہ ہیں کہ یہ کراہت تنزیہہ کے لیے ہے، کیونکہ انہوں نے کہا: بعض علماء رحمہم اللہ نے گھوڑوں کے گوشت کو کھانے کی اجازت دی ہے، لیکن مجھے گھوڑوں کا گوشت کھانا پسند نہیں ہے۔

اور الجامع الصغیر میں مذکور ہے کہ امام ابوحنیفہ نے کہا: میں گھوڑوں کا گوشت کھانے کو مکروہ قرار دیتا ہوں، اس میں یہ دلیل ہے کہ اس کو کھانا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ روایت ہے کہ امام ابو یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے کہا: جب آپ کسی چیز کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں اس کو مکروہ قرار دیتا ہوں، تو اس میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو انہوں نے کہا: اس سے مراد مکروہ تحریمی ہے۔

پھر جن فقہاء نے گھوڑوں کا گوشت کھانے کو مباح لکھا ہے، انہوں نے طعام للظاہر سے استدلال کیا ہے، کیونکہ بازاروں میں گھوڑوں کا گوشت فروخت کیا جاتا ہے اور اس پر کسی نے انکار نہیں کیا۔ اور اس لیے کہ گھوڑے کا جھوٹا مطلقاً طاہر ہے اور گھوڑے کا پیشاب ان جانوروں کی طرح ہے، جن کا گوشت کھایا جاتا ہے، پس اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ گھوڑوں کا گوشت بھی مویشیوں کی طرح کھایا جائے گا، خواہ اس کے اندر ممانعت وارد ہے، کیونکہ گھوڑے ان کے درمیان کم ہوتے تھے اور گھوڑے ہتھیار تھے جن کی جنگ میں ضرورت ہوتی تھی، سو اس لیے گھوڑوں کے گوشت کو کھانے سے منع کیا نہ کہ اس کی تحریم کی وجہ سے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی دلیل قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً اور گھوڑے اور خچر اور گدھے تمہاری سواری اور زیبائش کے لیے پیدا کیے۔ (النحل: ۸)

کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر امتنان اور احسان فرمایا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کو سواری کی منفعت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور گھوڑوں میں زینت ہے۔ اگر گھوڑوں کا گوشت کھایا جاتا تو ان کے گوشت کے کھانے کی منفعت کو بیان کرتا

زیادہ اولیٰ تھا، کیونکہ کسی چیز کو کھانا اس کی عظیم منفعت ہے، کیونکہ کسی چیز کو کھانے سے نفوس کی بقاء ہوتی ہے اور حکیم کی حکمت کے یہ لائق نہیں ہے کہ وہ زیادہ منفعت والی چیز کو ترک کر دے اور کم منفعت والی چیز کو ذکر کرے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے مویشیوں میں کھانے کی منفعت کو ذکر فرمایا ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ (المومن)

اللہ ہی نے تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے تاکہ ان میں سے بعض پر تم سواری کرو اور بعض کو تم کھاتے ہو ۝

اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کے ذکر کو خچروں اور گدھوں کے ساتھ ملایا ہے نہ کہ مویشیوں کے ساتھ۔ اور ذکر میں کسی چیز کو ملانا حکم میں اس کے ملانے کی دلیل ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح خچروں اور گدھوں کا کھانا جائز نہیں ہے، اسی طرح گھوڑوں کو بھی کھانا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے استدلال کیا ہے اور گھوڑوں کے گوشت کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کے گوشت کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۳۷۹۰، کتاب الاطعمہ، امام ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث منسوخ ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی ایک جماعت نے گھوڑوں کا گوشت کھایا ہے، ان میں سے حضرت ابن الزبیر ہیں اور حضرت فضالہ بن عبید ہیں اور حضرت انس بن مالک ہیں اور حضرت اسماء بنت ابی بکر ہیں اور حضرت سوید بن غفلہ ہیں اور علقمہ رضی اللہ عنہم ہیں)۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قریش گھوڑوں کو ذبح کرتے تھے، اس کی امام نسائی نے کتاب الصید میں روایت کی ہے۔

(سنن نسائی ج ۷ ص ۱۷۸، سنن ابن ماجہ: ۱۰۶۶، کتاب الذبائح، مسند امام احمد ج ۴ ص ۱۱۱ رقم الحدیث: ۱۲۹۲۳)

علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

حضرت المقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر خچروں، گدھوں اور گھوڑوں کا گوشت حرام ہے، اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ جو دلیل حرمت کی موجب ہو، وہ راجح ہوتی ہے اور جو اس سلسلہ میں رخصت کی احادیث ہیں، وہ ابتدائی زمانہ پر محمول ہیں یعنی ممانعت سے پہلے۔ اور اس لیے کہ گھوڑی اور گدھے کے ملاپ سے خچر پیدا ہوتا ہے اور ولد ماں کا جز ہوتا ہے اور اس کا حکم وہی ہوتا ہے جو ماں کا حکم ہے حلت اور حرمت میں، پس جب خچر کو نہیں کھایا جاتا تو معلوم ہوا کہ گھوڑے کو بھی نہیں کھایا جائے گا۔

پھر گھوڑے، خچروں اور گدھوں کے مشابہ ہیں، اس لیے کہ یہ جانور ذوحافر ہیں، یعنی ان کے کھر ہیں۔ اس کے برخلاف مویشی ذوات الخف ہیں نہ کہ ذوات الحافر اور الخُف کا معنی ہے چرمی موزہ۔ یعنی مویشیوں کے پیر چرمی موزہ کے مشابہ ہیں۔

اور حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہے کہ گھوڑی کا جھوٹا اس کے دودھ کی مثل ہے۔ اور اس کا پیشاب ان جانوروں کے پیشاب کی مثل ہے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے تو یہ عموم بلویٰ کی وجہ سے ہے۔ اور عموم بلویٰ کی وجہ سے نجاست کے حکم میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ اور جن فقہاء نے کہا کہ گھوڑوں کے گوشت کی کراہت تنزیہ کے لیے ہے نہ کہ تحریم کے لیے، تو انہوں نے کہا: گھوڑا بعض وجوہ سے انسان کے مشابہ ہے، کیونکہ اس سے دشمن کو ڈرایا جاتا ہے اور مالِ غنیمت میں گھوڑے کا بھی حصہ ہوتا

ہے اور انسان کو کھایا نہیں جاتا اس کی کرامت کی وجہ سے، نہ کہ اس کی نجاست کی وجہ سے اور ان گھوڑوں کو بھی نہیں کھایا جاتا ان کی کرامت کی وجہ سے نہ کہ ان کی نجاست کی وجہ سے، اور اسی وجہ سے گھوڑوں کا جھوٹا طاہر قرار دیا جاتا ہے اور ان کا پیشاب ان جانوروں کی مثل قرار دیا گیا ہے جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا۔ (المبسوط ج ۱۱ ص ۲۵۶۔۲۵۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الدمشقی متوفی ۱۲۵۲ھ، لکھتے ہیں:

ہدایہ میں مذکور ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک گھوڑوں کو کھانا مکروہ ہے، اور مکروہ تحریکی کے اوپر حرام نہ ہونے کا اطلاق کیا جاتا ہے، اور شرنبلالی میں مذکور ہے کہ گھوڑوں کی تحریم ان کی نجاست کی وجہ سے نہیں ہے اور غایۃ البیان میں جواب دیا گیا ہے کہ گھوڑوں کا جھوٹا طاہر ہے اور اس کے کھانے کا حرام ہونا اس کے احترام کی وجہ سے ہے، کیونکہ گھوڑوں سے دشمن کو ڈرایا جاتا ہے اور گھوڑوں کی نجاست کی وجہ سے وہ حرام نہیں ہے، جیسا کہ انسان میں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ پس گھوڑوں کے گوشت کا کھانا مکروہ تنزیہی ہے، اور یہی ظاہر الروایہ ہے۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار ج ۹ ص ۳۶۹، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۲۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن حزم ظاہری نے از عکرمہ بن عمار از یحییٰ بن ابی کثیر از ابی سلمہ از حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کے گوشت کو اور گھوڑوں کے گوشت کو اور خچروں کے گوشت کو کھانے سے منع فرمایا ہے اور المجثمہ کو حرام قرار دیا ہے۔ پھر ابن حزم نے کہا کہ عکرمہ ضعیف ہے۔

امام طحاوی نے کہا کہ محدثین عکرمہ کی حدیث از یحییٰ کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور اس کو حجت نہیں بناتے۔

اور فقہاء کا گھوڑوں کے گوشت کے کھانے میں اختلاف ہے، امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور مجاہد، ابوبکر الاصم اور الحسن البصری سے منقول ہے کہ گھوڑوں کے گوشت کے کھانے کو ترک کرنا میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اور الحکم بن عتیبہ نے اس کو حرام قرار دیا ہے، اور امام ابویوسف، امام محمد، امام شافعی اور امام احمد نے کہا ہے کہ گھوڑوں کے گوشت کو کھانا حلال ہے۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۳ ص ۲۱۶)

اور جن فقہاء نے گھوڑوں کے گوشت کے کھانے کو مکروہ قرار دیا ہے، ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

از ثور بن یزید از صالح بن یحییٰ بن مقدام بن معدی کرب از والد خود از جد خود از حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کے گوشت کو خچروں اور گدھوں کے گوشت کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اس حدیث کی امام ابوداؤد نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ تم پر پالتو گدھوں اور گھوڑوں کا گوشت کھانا حرام ہے، پھر کہا: یہ حکم منسوخ ہے۔

اور صحابہ کی ایک جماعت جن میں حضرت ابن الزبیر اور فضالہ بن عبید، حضرت انس بن مالک، اسمائ، سوید بن غفلہ ہیں، انہوں نے گھوڑوں کے گوشت کو کھایا، اور قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں گھوڑوں کو ذبح کرتے تھے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۹۰)

اور ابن شاہین نے کتاب الناسخ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم کو گھوڑوں کے گوشت کے کھانے سے اور گدھوں کے گوشت کے کھانے سے اور خچروں کے گوشت کے کھانے سے منع کرتا

ہوں۔ (ناسخ الحدیث ومنسوخہ لابن شاہین ج ا ص ۴۹۸)

امام دارمی نے کتاب الاطعمہ میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گھوڑوں کا گوشت کھانے کی رخصت ثابت ہے اور اس کا کوئی قوی معارض نہیں ہے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جس حدیث میں گھوڑوں کا گوشت کھانے کی ممانعت ہے، وہ اس حدیث کی مثل نہیں ہے جس میں گھوڑوں کا گوشت کھانے کی رخصت دی گئی ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے راویوں کا ایک دوسرے سے سماع ثابت نہیں ہے۔ (معالم السنن ج ۴ ص ۲۲۷)

اور امام الدارقطنی نے کہا ہے کہ حضرت خالد بن ولید کی حدیث ضعیف ہے اور اس حدیث کے بعض الفاظ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کے گوشت کو خیبر کے دن حرام قرار دیا۔ (سنن دارقطنی ج ۴ ص ۲۸۷)

اور علامہ واقدی نے لکھا ہے کہ حضرت خالد بن ولید غزوہ خیبر کے بعد اسلام لائے تھے۔ اور علامہ ابو عمر ابن عبد البر نے کہا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے حضرت خالد بن ولید کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہونا صحیح نہیں ہے۔ (الاستیعاب لابن عبد البر ج ۲ ص ۱۲)

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: کہ جنہوں نے گھوڑے کا گوشت کھانے کو جائز قرار دیا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ احادیث متواترہ سے گھوڑوں کا گوشت کھانا ثابت ہے اور اباحت کی احادیث ممانعت کی احادیث سے زیادہ صحیح ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۴۹۵۔ ۵۰۱ ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۲۸۔ بَابُ: لُحُومِ الْحُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ — پالتو گدھوں کے گوشت کا بیان

فِيهِ عَنْ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

اس باب میں حضرت سلمہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۲۷۷)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں حضرت سلمہ بن الاکوع کی حدیث ہے، جو سند موصول کے ساتھ طویل حدیث ہے اور کتاب المغازی میں باب غزوۂ خیبر کے اوائل میں گزر چکی ہے۔ (صحیح البخاری: ۴۲۷۷) (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۲۱۔ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ سَالِمٍ وَنَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ يَوْمَ خَيْبَرَ

(صحیح مسلم: ۵۶۱، مسند احمد: ۷۴۰۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں صدقہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ نے خبر دی از عبید اللہ از سالم و نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشت کو کھانے سے منع فرما دیا۔

صحیح البخاری: ۵۵۲۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں صدقہ کا ذکر ہے اور وہ ابن الفضل المروزی ہیں۔اور عبدہ کا ذکر ہے اور وہ ابن سلیمان ہیں۔اور عبید اللہ کا ذکر ہے، اور وہ ابن عمر العمری ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

یہ حدیث غزوۂ خیبر میں گزر چکی ہے، وہاں امام بخاری نے اس حدیث کی از عبید بن اسماعیل از ابی اسامہ از عبید اللہ روایت کی ہے اور اس کی شرح وہاں گزر چکی ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۲۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ تَابَعَهُ ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ وَقَالَ أَبُو أُسَامَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ سَالِمٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عبید اللہ، انہوں نے کہا: مجھے نافع نے حدیث بیان کی از عبد اللہ، انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے پالتو گدھوں کے گوشت کے کھانے سے منع فرمایا۔ یحییٰ کی متابعت ابن المبارک نے کی ہے از عبد اللہ از نافع۔ اور ابو اسامہ نے کہا از عبید اللہ از سالم۔

(صحیح مسلم: ۵۱۲۱، مسند احمد: ۴۷۲۰۶)

۵۵۲۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ وَالْحَسَنِ ابْنَيْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيهِمَا عَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الْمُتْعَةِ عَامَ خَيْبَرَ وَعَنْ لُحُومِ حُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از عبد اللہ اور الحسن جو دونوں محمد بن علی کے بیٹے ہیں از ان کے والد از حضرت علی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے سال المتعہ سے منع فرمایا اور پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۴۲۱۶، ۵۱۱۵، ۵۵۲۳، ۶۹۶۱، صحیح مسلم: ۱۴۰۷، سنن ترمذی: ۱۷۹۴، سنن نسائی: ۳۳۶۶، سنن ابن ماجہ: ۱۹۶۱، مسند احمد: ۱۲۰۷، موطا امام مالک: ۱۱۵۱، سنن دارمی: ۱۹۹۰)

علامہ عینی فرماتے ہیں:

یہ حدیث کتاب النکاح میں اس باب میں گزر چکی ہے ''نهى رسول الله ﷺ نكاح المتعة اخرا'' اور اس کی شرح وہاں کی جا چکی ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۲۴۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ عَمْرٍو عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از عمرو از محمد بن علی از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما،

وَرَخَّصَ فِي لُحُومِ الْخَيْلِ۔

بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن (پالتو) گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا اور گھوڑوں کے گوشت کی اجازت دی۔

(صحیح البخاری:۴۲۱۹، ۵۵۲۰، ۵۵۲۴، صحیح مسلم:۱۹۴۱، سنن ترمذی:۱۷۹۳، سنن نسائی:۴۳۲۷، سنن ابوداؤد:۳۷۸۸، مسند احمد:۱۴۴۷۴، سنن دارمی:۱۹۹۳)

صحیح البخاری:۵۵۲۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حماد کا ذکر ہے، اور وہ ابن زید ہیں۔ اور عمرو کا ذکر ہے، وہ ابن دینار ہیں۔ اور محمد بن علی کا ذکر ہے، وہ ابن الحسین بن علی (رضی اللہ عنہم) بن ابی طالب ہیں۔ اور یہ حدیث بھی کتاب المغازی میں غزوۂ خیبر کے باب میں اسی سند اور اسی متن کے ساتھ گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۲۵، ۵۵۲۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ قَالَ حَدَّثَنِي عَدِيٌّ عَنِ الْبَرَاءِ وَابْنِ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ قَالَا نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از شعبہ، انہوں نے کہا: مجھے عدی نے حدیث بیان کی از البراء وابن ابی اوفیٰ، ان دونوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری:۳۱۵۵، ۴۲۲۰، ۴۲۲۲، ۴۲۲۴، ۵۵۲۶، صحیح مسلم:۱۹۳۷، سنن نسائی:۴۳۳۹، سنن ابن ماجہ:۳۱۹۲، مسند احمد:۱۸۱۰۱)

صحیح البخاری:۵۵۲۵، ۵۵۲۶: کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، وہ القطان ہیں اور عدی کا ذکر ہے، وہ عدی بن ثابت ہیں، اور حضرت البراء کا ذکر ہے، وہ ابن عازب ہیں، اور ابن ابی اوفیٰ کا ذکر ہے، وہ حضرت عبداللہ ہیں اور ابن ابی اوفیٰ کا نام علقمہ ہے اور یہ حدیث زیادہ تفصیل کے ساتھ غزوۂ خیبر کے باب میں گزر چکی ہے۔

۵۵۲۷۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ أَبَا إِدْرِيسَ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا ثَعْلَبَةَ قَالَ حَرَّمَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لُحُومَ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ تَابَعَهُ الزُّبَيْدِيُّ وَعُقَيْلٌ عَنِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: کہ ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب، وہ بیان کرتے ہیں کہ ابوادریس نے ان کو

ابْنِ شِهَابٍ وَقَالَ مَالِكٌ وَمَعْمَرٌ وَالْمَاجِشُونُ وَيُونُسُ وَابْنُ إِسْحَاقَ عَنِ الزُّهْرِيِّ نَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ۔

خبر دی کہ حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام فرما دیا۔

صالح کی متابعت الزبیدی نے کی ہے اور عقیل نے کی ہے از ابن شہاب۔

اور امام مالک اور معمر اور الماجشون اور یونس اور ابن اسحاق نے کہا از زہری کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلیوں والے درندوں کے گوشت کو کھانے سے منع فرمایا۔

(صحیح مسلم: ۱۹۳۲، ۱۹۳۶، سنن ترمذی: ۱۴۷۷، سنن نسائی: ۴۳۴۲، سنن ابوداؤد: ۳۸۰۲، سنن ابن ماجہ: ۳۲۳۲، مسند احمد: ۱۷۲۸۴، ۱۷۲۹۳، موطا امام مالک: ۱۰۷۵، سنن دارمی: ۱۹۸۰)

صحیح البخاری: ۵۵۲۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسحاق کا ذکر ہے، اور وہ ابن راہویہ ہیں۔ اور الغسانی اور یعقوب بن ابراہیم نے کہا، وہ اپنے والد ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوف القرشی الزہری سے روایت کرتے ہیں، اور اس حدیث میں صالح کا ذکر ہے، وہ ابن کیسان ہیں، اور ابن شہاب کا ذکر ہے، وہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔ اور ابوادریس کا ذکر ہے وہ عائذ اللہ الخولانی ہیں۔ اور حضرت ابو ثعلبہ کے نام میں اور ان کے والد کے نام میں شدید اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام جرہم ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام جرثون ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام ابن ناشب ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام ابن جرثومہ ہے اور ان کے صحابی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ انہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی، پھر شام چلے گئے تھے اور حضرت معاویہ کی خلافت میں ان کی وفات ہوئی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ان کی وفات ۷۵ھ میں عبد الملک بن مروان کی ولایت میں ہوئی۔

اس حدیث کی تعلیق میں مذکور ہے محمد بن ولید الزبیدی نے صالح کی متابعت کی ہے۔ امام نسائی نے زبیدی کی روایت کو از بقیۃ ذکر کیا ہے اور عُقیل نے بھی صالح کی متابعت کی ہے، امام احمد نے ان کی حدیث کی اپنی مسند میں سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔

اس کے بعد دوسری تعلیق ہے جس میں امام مالک، معمر، الماجشون، یونس اور ابن اسحاق نے زہری سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلیوں والے درندے کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔ امام بخاری نے اس سے یہ اشارہ کیا ہے کہ ان پانچوں نے حضرت ابو ثعلبہ کی حدیث میں گدھوں کے ذکر سے تعارض نہیں کیا، اور انہوں نے صرف یہ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلیوں والے درندے کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۱۔ ۱۹۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۲۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوہاب الثقفی

مَالِكٍ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ جَاءَهُ جَاءٍ فَقَالَ أُكِلَتِ الْحُمُرُ ثُمَّ جَاءَهُ جَاءٍ فَقَالَ أُكِلَتِ الْحُمُرُ ثُمَّ جَاءَهُ جَاءٍ فَقَالَ أُفْنِيَتِ الْحُمُرُ فَأَمَرَ مُنَادِيًا فَنَادَى فِي النَّاسِ إِنَّ اللهَ وَرَسُولَهُ يَنْهَيَانِكُمْ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ فَإِنَّهَا رِجْسٌ فَأُكْفِئَتِ الْقُدُورُ وَإِنَّهَا لَتَفُورُ بِاللَّحْمِ۔

(صحیح مسلم: ۱۹۴۰، سنن نسائی: ۴۳۴۰، مسند احمد: ۱۱۷۳۰، ۱۱۸۰۷)

نے خبر دی از ایوب از محمد از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آنے والا آیا، پس اس نے کہا کہ گدھوں کا گوشت کھالیا گیا، پھر ایک اور آنے والا آیا، اس نے کہا: گدھوں کا گوشت کھالیا گیا، پھر ایک اور آنے والا آیا، اس نے کہا: گدھوں کا گوشت ختم ہوگیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منادی کو حکم دیا تو اس نے لوگوں میں ندا کی کہ بے شک اللہ اور اس کا رسول تم کو پالتو گدھوں کے گوشت سے منع کرتے ہیں، کیونکہ یہ ناپاک ہیں تو ہانڈیاں الٹ دی گئیں، حالانکہ وہ گوشت سے جوش کھارہی تھیں۔

صحیح البخاری: ۵۵۲۸ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ایوب کا ذکر ہے، وہ ایوب السختیانی ہیں، اور محمد کا ذکر ہے، وہ محمد بن سیرین ہیں۔ اور بعض نسخوں میں ابن سیرین کی تصریح ہے۔

ندا کرنے والے صحابی کا نام اور اس میں تعارض کی تطبیق

علامہ عینی فرماتے ہیں:

یہ حدیث اوائلِ غزوۂ خیبر میں گزر چکی ہے اور اس کی شرح وہاں کی جاچکی ہے۔ صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ جس صحابی نے ندا کی تھی، وہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تھے، اگر تم یہ سوال کرو کہ سنن نسائی میں مذکور ہے جس صحابی نے ندا کی تھی، وہ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ تھے، تو میں کہوں گا: شاید حضرت عبد الرحمن نے پہلے مطلقاً ندا کی تھی، پھر بعد میں حضرت ابوطلحہ نے اس اضافہ کے ساتھ ندا کی کہ یہ گدھوں کا گوشت ناپاک ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ کے پاس ایک آنے والا آیا، اس کو تین مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔ بعض شارحین نے لکھا ہے: ہوسکتا ہے یہ تینوں آنے والے ایک ہی شخص ہوں، اس نے پہلے کہا ہو کہ گدھوں کے گوشت کو کھالیا گیا ہے، پس یا تو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سنا یا آپ نے اس کے متعلق کوئی حکم نہیں دیا، اسی طرح اس نے دوسری مرتبہ کہا، پھر تیسری مرتبہ کہا اور یہ اضافہ کیا کہ گدھوں کا گوشت تو ختم ہوگیا، یعنی بہت زیادہ گدھوں کو ذبح کیا گیا تاکہ انہیں پکایا جائے، تو پھر گدھوں کے گوشت کی تحریم کا حکم نازل ہوگیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ گدھوں کا گوشت نجس ہے، اسی طرح امام طحاوی کی روایت میں مذکور ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو فتح کرلیا تو ان کو وہاں پر پالتو گدھے ملے، تو انہوں نے ان کو ذبح کر کے پکالیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ندا کی: سنو! اللہ اور اس کا رسول تمہیں ان کے کھانے سے منع کرتا ہے، سو یہ نجس ہیں، تو دیگچیوں کو الٹ دیا گیا حالانکہ ان میں گدھوں کا گوشت ابل رہا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۲۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَمْرٌو قُلْتُ لِجَابِرِ بْنِ زَيْدٍ يَزْعُمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْ حُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ فَقَالَ قَدْ كَانَ يَقُولُ ذَاكَ الْحَكَمُ بْنُ عَمْرٍو الْغِفَارِيُّ عِنْدَنَا بِالْبَصْرَةِ وَلَكِنْ أَبَى ذَاكَ الْبَحْرُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَقَرَأَ ﴿قُلْ لَّآ أَجِدُ فِيْ مَآ أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا﴾ (الانعام: ۱۴۵)

(مسند احمد: ۱۷۴۰۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، عمرو نے کہا: میں نے جابر بن زید سے پوچھا: کہ لوگ زعم کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں سے منع فرمایا ہے۔ تو انہوں نے کہا: کہ حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ نے ہمیں بصرہ میں یہی بتایا تھا، لیکن علم کے سمندر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا انکار کیا اور دلیل میں یہ آیت پڑھی۔ آپ کہیے کہ میری طرف جو وحی کی گئی ہے میں اس میں کسی کھانے والے پر ان چیزوں کے سوا اور کوئی چیز حرام نہیں پاتا، وہ مردار ہو یا بہا ہوا خون ہو، یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ نجس ہے یا بہ طور نافرمانی کے اس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔

صحیح البخاری: ۵۵۲۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن عبداللہ کا ذکر ہے، اور وہ ابن المدینی ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، اور وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث میں عمرو کا ذکر ہے، وہ ابن دینار ہیں اور جابر بن زید کا ذکر ہے، وہ ابوشعثاء البصری ہیں۔ اور حضرت حکم بن عمرو الغفاری رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ صحابی ہیں۔ علامہ کرمانی نے کہا: یہ بصرہ میں آئے اور پینتالیس (۴۵ھ) میں مرو میں ان کی وفات ہوگئی۔ حافظ ابوعمر ابن عبدالبر نے کہا: ان کو زیاد بن امیہ نے بصرہ کا گورنر بنایا جب زیاد کی ابتداء میں عراقیوں پر حکومت تھی، پھر ان کو بصرہ سے معزول کر دیا گیا۔ اور خراسان کے بعض عاملوں کو وہاں کا گورنر بنا دیا۔ اور وہ وہیں فوت ہو گئے اور دوسرا قول ہے کہ بصرہ میں پچاس ہجری (۵۰ھ) میں ان کی وفات ہوئی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت حکم بن عمرو الغفاری بھی بصرہ میں یہی کہتے تھے۔ یعنی وہ بھی یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کو کھانے سے منع فرمادیا ہے، لیکن البحر نے اس سے منع کیا، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی صفت ہے اور ان کو علم کی وسعت کی وجہ سے البحر یعنی سمندر کہا جاتا تھا، اور اس سے مراد ہے کہ وہ علم کا سمندر تھے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر کی شرح سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ اس عبارت میں صفت موصوف پر مقدم ہے۔ اور یہ موصوف کی تعظیم میں مبالغہ کے لیے ہے، کیونکہ پہلے البحر کا ذکر ہے جو صفت ہے، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ذکر ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس عبارت میں صفت موصوف پر مقدم نہیں ہے بلکہ بعد میں جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ذکر ہے، وہ عطف بیان ہے۔

اور ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قرآن مجید کی آیت الانعام: ۱۴۵ کو پڑھا'': یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت سے یہ استدلال کیا کہ حرام صرف وہ چیزیں ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے (مردار یا بہا ہوا خون ہو، یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ نجس ہے یا بہ طور نافرمانی کے اس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو)۔

لہٰذا صرف یہی چار چیزیں حرام ہیں اور ان کے علاوہ باقی چیزیں جو ہیں وہ اپنی اصل پر مباح ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

تمام شہر کے فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ پالتو گدھوں کا کھانا حرام ہے، مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کا کھانا مباح ہے، اور اسی کی مثل حضرت عائشہ اور الشعبی سے بھی مروی ہے۔

اس سوال کا جواب کہ الانعام: ۱۴۵ میں صرف چار چیزوں کو حرام کیا گیا اور المائدہ: ۳ میں ان کے علاوہ اور بھی جانوروں کو حرام قرار دیا گیا

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ سورۂ مائدہ کے اول میں المنخنقہ (جس کا گلا گھٹ گیا ہو) اور الموقوذۃ (جو چوٹ کھانے سے مرا ہو) اور دوسرے وہ جانور جن کا ان کے ساتھ ذکر کیا گیا، اور المتردیۃ (جو بلندی سے گر کر مرا ہو) اور النطیحۃ (جو سینگ مارے جانے سے مرا ہو) اور وما اکل السبع (اور جس کو درندے نے کھایا ہو)۔ اور یہ جانور الانعام: ۱۴۵ سے خارج ہے؟

میں کہتا ہوں: اس کا جواب یہ ہے کہ المنخنقۃ اور دوسرے جن جانوروں کا اس کے ساتھ ذکر ہے، وہ الانعام: ۱۴۵ میں ''المیتۃ'' کے ذکر میں داخل ہیں یعنی یہ سب مردار ہیں، یا دوسرا جواب یہ ہے کہ سورۃ الانعام مکی ہے، اس لیے ہوسکتا ہے کہ اس وقت میں انہی چار کو حرام کیا گیا ہو۔ اور سورۃ المائدہ مدنی ہے اور یہ قرآن مجید میں آخر میں نازل ہوئی ہے، لہٰذا سورۃ الانعام اور سورۃ المائدہ کا تعارض ختم ہوگیا۔

اس سوال کا جواب کہ پالتو گدھوں کے گوشت کی ممانعت پر عمل کیا جائے تو لازم آئے گا کہ خبرِ واحد سے الانعام: ۱۴۵ کو منسوخ قرار دیا جائے

اگر تم یہ سوال کرو کہ جو احادیث پالتو گدھوں کے گوشت کی تحریم کے متعلق وارد ہیں، وہ سب اخبار احاد ہیں اور اگر ان پر عمل کیا

جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ ان اخبار احاد سے الانعام: ۱۴۵ سے منسوخ قرار دیا جائے۔ اور خبر واحد سے قرآن مجید کو منسوخ قرار دینا جائز نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں اس کے جواب میں یہ کہوں گا کہ بہ کثرت ایسی چیزیں ہیں جو حرام قرار دی گئی ہیں اور ان کا الانعام: ۱۴۵ میں ذکر نہیں ہے جیسا کہ نجاسات ہیں اور خمر ہے اور بندر کا گوشت ہے۔ تو اس وقت یہ کہا جائے گا کہ ان چیزوں کی اخبار احاد سے تخصیص کر لی گئی ہے، یعنی پہلے تو صرف وہ چیزیں حرام تھیں جن کا الانعام: ۱۴۵ میں ذکر ہے، پھر بعد میں اس آیت میں تخصیص کر کے ان چیزوں کے حرام ہونے کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ارشاد پر ہونے والے اشکال کا جواب از مصنف

میں کہتا ہوں: کہ علامہ عینی کا یہ جواب بہت عمدہ ہے، تاہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو فرمایا: کہ حرام صرف وہ چیزیں ہیں جن کا المائدہ: ۱۴۵ میں ذکر ہے۔ اور پالتو گدھوں کے گوشت کا الانعام: ۱۴۵ میں ذکر نہیں ہے۔ تو ان کے اس ارشاد کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جن چیزوں کے حرام ہونے کا ذکر الانعام: ۱۴۵ میں ہے، وہ حرامِ قطعی ہیں، کیونکہ ان کو قرآن مجید میں حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور رہا پالتو گدھوں کے گوشت کے کھانے کا حرام ہونا، تو اس کی حرمت احادیث سے اور اخبارِ احاد سے ثابت ہے، اس لیے ان کی حرمت قطعی نہیں ہے اور ان کی حرمت ظنی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس ارشاد کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ چونکہ پالتو گدھوں کا گوشت الانعام: ۱۴۵ میں مذکور نہیں ہے، اس لیے وہ اپنی اصل پر مباح ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (سعیدی غفرلہٗ)

شیخ داؤد راز کے جواب پر مصنف کا تعاقب

شیخ داؤد راز نے اس اشکال کے جواب میں لکھا ہے "کہ الانعام: ۱۴۵ میں حرام ماکولات کا ذکر ہے، جس میں مذکورہ گدھے کا ذکر نہیں ہے، شاید ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ان احادیث کا علم نہ ہو، ورنہ وہ کبھی ایسا نہ کہتے، یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے اس خیال سے بعد میں رجوع کر لیا ہو"۔ (شرح صحیح البخاری از محمد داؤد راز، ج ۷ ص ۲۰۳، مکتبہ قدوسیہ لاہور)

میں کہتا ہوں کہ بہ کثرت احادیث میں پالتو گدھوں کے کھانے کی ممانعت کا ذکر ہے، حتیٰ کہ ان کا عدد تواتر کے قریب ہے، تو کیسے ممکن ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ان احادیث کا علم نہ ہو، جن کو اس حدیث میں علم کا سمندر کہا گیا ہے۔ پھر شیخ داؤد راز نے بغیر کسی دلیل کے یہ بھی کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس قول سے رجوع کر لیا ہو۔ اور محض احتمال سے بغیر کسی دلیل کے کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ عینی اس حدیث کی شرح میں مزید لکھتے ہیں:

پالتو گدھوں کے گوشت کو کھانے کی ممانعت کے متعلق چار توجیہات

علامہ ابن العربی مالکی نے کہا ہے کہ پالتو گدھوں کے گوشت کی تحریم کے متعلق چار اقوال ہیں:

(۱) ان کا گوشت شرعاً حرام ہے۔

(۲) ان کا گوشت اس لیے حرام قرار دیا گیا ہے کہ یہ نجاست کھاتے ہیں۔
(۳) ان کے گوشت کو اس لیے حرام قرار دیا گیا ہے کہ گدھے بار برداری کے کام میں آتے ہیں، اگر ان کو ذبح کر کے کھا لیا جائے تو یہ ختم ہو جائیں گے اور بار برداری کا کام ان سے نہیں لیا جا سکے گا۔
(۴) پالتو گدھوں کے گوشت کو اس لیے حرام قرار دیا گیا کہ ان گدھوں کو تقسیم سے پہلے ذبح کر کے پکا لیا گیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس کو کھانا حرام ہے۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ امام طحاوی نے ان اقوال کا ذکر کیا ہے، پھر پہلے قول کی تائید میں بارہ صحابہ کی روایات کو ذکر کیا ہے جنہوں نے پالتو گدھوں کے گوشت کو بغیر کسی قید کے حرام قرار دیا ہے اور ہم نے ان بارہ صحابہ کے نام اپنی شرح معانی الآثار میں ذکر کیے ہیں۔ اور قولِ ثانی کے متعلق ابن مرزوق شیبانی سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: کہ میں نے سعید بن جبیر کے سامنے حضرت ابن ابی اوفی کی یہ حدیث ذکر کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ خیبر کے دن ہانڈیوں کو الٹ دیا جائے، تو انہوں نے کہا: آپ نے پالتو گدھوں کے گوشت سے اس لیے منع فرمایا کہ وہ گندگی کھاتے ہیں۔
اور تیسرے قول کے متعلق عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی روایت ذکر کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشت سے صرف اس لیے منع فرمایا کہ ان کی پشت پر بوجھ لادا جاتا ہے۔
اور چوتھے قول کے متعلق حضرت عدی بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے خیبر کے دن مالِ فئے سے پالتو گدھوں کو پایا، سو انہوں نے اس کو ذبح کر دیا، سو یہ لوٹ کا مال ہوئے اور ان کو تقسیم نہیں کیا گیا تھا۔
پھر علامہ ابن العربی نے آخری تین اقوال کے متعلق حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے پوچھا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ بتایئے کہ کیا چیز حلال ہے اور کیا چیز حرام ہے؟ تو آپ نے فرمایا: کہ پالتو گدھوں کا گوشت نہ کھاؤ، اس حدیث کی مسلم بن مشکم (جو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے کاتب ہیں) نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔
پھر کہا: کہ اس حدیث میں جو حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا سوال ہے کہ کیا چیز حلال ہے اور کیا چیز حرام ہے اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں گدھوں کے گوشت کے کھانے کو منع فرمایا۔ اس سوال وجواب سے معلوم ہوا کہ پالتو گدھوں کا گوشت کسی علت کی اور کسی سبب کی وجہ سے حرام نہیں قرار دیا گیا بلکہ پالتو گدھوں کا گوشت فی نفسہٖ مطلقاً حرام ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۲۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن التوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

پالتو گدھوں کو فتحِ مکہ کے دن دوبارہ حرام قرار دینے کی توجیہ

امام مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے سال المتعہ کو اور پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام کر دیا۔
بعض علماء نے کہا ہے کہ امام مالک کے سوا اور کسی نے اس حدیث کی اس طرح روایت نہیں کی، کیونکہ متعہ کی تحریم فتحِ مکہ کے

دن ۸ ھ کو ہوئی تھی اور خیبر اس سے پہلے ٦ یا ۷ ھ کو فتح کیا گیا تھا۔ اور یہ بعید نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن لوگوں کو یاد دلایا ہو کہ اس سے پہلے آپ ان کو حرام فرما چکے ہیں، کیونکہ مکہ کے لوگ کفار تھے، جب مکہ فتح کیا گیا اور وہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تو آپ نے ان کو اس تحریم کے متعلق خبر دی جو آپ اس سے پہلے خیبر میں تحریم کر چکے تھے، کیونکہ ان کے نزدیک متعہ اور پالتو گدھا زمانہ جاہلیت میں حلال تھے۔

پالتو گدھے کی تحریم پر شبہات کے جوابات

تمام شہروں کے فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ پالتو گدھوں کا کھانا حرام ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف مروی ہے، انہوں نے اس کے کھانے کو مباح قرار دیا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور الشعبی سے بھی اس کے خلاف مروی ہے۔ امام طحاوی نے کہا: جن لوگوں نے پالتو گدھوں کے گوشت کے کھانے کو مباح قرار دیا ہے، ان کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے اس کے کھانے سے کیوں منع فرمایا؟ بعض لوگوں نے یہ کہا کہ آپ نے گدھوں کے گوشت کے کھانے سے اس لیے منع فرمایا تا کہ گدھوں کو بار برداری اور سواری کے کام میں لایا جاتا رہے اور آپ گدھوں کے گوشت کو حرام نہیں قرار دینا چاہتے تھے۔ اور اس سلسلہ میں وہ حدیث مروی ہے جس کو عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کے گوشت کو کھانے سے خیبر کے دن صرف اس لیے منع فرمایا کہ یہ پالتو گدھے بوجھ لادنے اور سواریوں کے کام آتے ہیں، اور نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کے گوشت کو کھانے سے خیبر کے دن منع فرمایا، حالانکہ مسلمانوں کو ان کی ضرورت تھی تو ان کے خلاف دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن مسلمانوں کو گھوڑوں کا گوشت کھلایا اور ان کو پالتو گدھوں کے گوشت کے کھانے سے منع فرمادیا، حالانکہ مسلمانوں کو گدھوں سے زیادہ گھوڑوں کی ضرورت تھی، تو جب آپ نے گھوڑوں کے گوشت کو کھانے سے منع نہیں فرمایا، حالانکہ وہ بھی سواری اور بوجھ لادنے کے کام آتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے پالتو گدھوں کے گوشت کو کھانے سے جو منع فرمایا ہے، وہ اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ بار برداری اور بوجھ لادنے کے کام میں آتے ہیں اور حرمت کی یہ علت نہیں ہے۔

بعض لوگوں نے کہا: کہ حرمت کی علت یہ ہے کہ پالتو گدھے نجس چیز کھاتے ہیں، لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو آپ صرف دیگچیوں کو پلٹنے کے حکم پر اکتفاء فرماتے اور پالتو گدھوں کے گوشت کو کھانے سے منع نہ فرماتے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی علت کے پالتو گدھوں کے گوشت کو کھانے سے منع فرمادیا، کیونکہ مسلم بن مشکم نے حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے بتائیے کہ میرے لیے کیا چیز حلال ہے اور کیا چیز حرام ہے؟ تو آپ نے فرمایا: تم پالتو گدھوں کے گوشت کو نہ کھاؤ اور ہر کچلیوں والے درندوں کے گوشت کو نہ کھاؤ۔ اور یہ جو آپ نے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کیا چیز حلال ہے اور کیا چیز حرام ہے؟، تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے فی نفسہٖ پالتو گدھوں کے گوشت کے کھانے سے منع فرمادیا اور کسی علت اور سبب کی وجہ سے ان کے گوشت کو کھانے سے منع نہیں فرمایا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲٦ ص ۵۰۸۔ ۵۰۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۲۹۔ بَابُ: أَكْلِ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ — ہر کچلیوں والے درندے کے کھانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر کچلیوں والے درندے کے کھانے کا کیا حکم ہے؟ اور امام بخاری نے اس حکم کو صراحت سے بیان نہیں کیا، کیونکہ وہ اس حدیث سے معلوم ہو جاتا ہے۔ اور ناب سے مراد ہے کہ جن دانتوں سے درندے حیوان پر حملہ کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۵، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

بعض علماء نے کہا ہے کہ سامنے کے چار دانتوں کے برابر والے دانت کو ناب کہتے ہیں۔ یہ دونوں جانب ہوتے ہیں، اردو میں ان دانتوں کو کچلی کہتے ہیں، درندے ناب ہی کے ذریعہ چیرتے پھاڑتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے کہ ناب سے مراد وہ ہے جن سے درندے قوت حاصل کرتے ہیں اور دوسروں پر حملہ کرتے ہیں اور شکار کرتے ہیں، مثلاً چیتا، شیر اور اڑنے والے پرندوں میں سے عقاب، اور جو حملہ کر کے چیرتے پھاڑتے نہیں ہیں جیسے بجو اور لومڑی تو وہ ذو ناب نہیں ہیں۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۸۲۰، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۶۷۷، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

۵۵۳۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنْ أَكْلِ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ تَابَعَهُ يُونُسُ وَمَعْمَرٌ وَابْنُ عُيَيْنَةَ وَالْمَاجِشُونُ عَنِ الزُّهْرِيِّ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از ابی ادریس الخولانی از حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر کچلیوں والے درندے کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اس حدیث میں امام مالک کی متابعت یونس اور معمر اور ابن عیینہ اور الماجشون نے از الزہری کی۔

(صحیح مسلم: ۱۹۳۲، ۱۹۳۶، سنن ترمذی: ۱۴۷۷، سنن نسائی: ۴۳۴۲، سنن ابوداؤد: ۳۸۰۲، سنن ابن ماجہ: ۳۲۳۲، مسند احمد: ۱۷۲۸۴، ۱۷۲۹۳، موطا امام مالک: ۱۰۷۵، سنن دارمی: ۱۹۸۰)

صحیح البخاری: ۵۵۳۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوادریس کا ذکر ہے، اور وہ عائذ اللہ الخولانی ہیں۔

کچلیوں والے جانوروں کا بیان

فقہاء کا اس حدیث کی تاویل میں اختلاف ہے، پس فقہاء کوفہ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس حدیث میں کچلیوں والے

درندوں کو کھانے کی ممانعت تحریم کے لیے ہے، اور کچلیوں والے درندے اور ناخنوں سے شکار کرنے والے پرندوں کا گوشت نہیں کھایا جائے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس تحریم سے بجو اور لومڑی کو مستثنیٰ کر لیا ہے، کیونکہ ان کی کچلیاں کمزور ہوتی ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ تعلیل حدیث کی نصِ صریح کے مقابلہ میں ہے، اس لیے فاسد ہے۔ اور علامہ ابن القصار مالکی نے کہا ہے کہ امام مالک کے نزدیک یہ ممانعت کراہت پر محمول ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے بجو کو کھانے کی اجازت دی ہے۔ اس حدیث کی امام حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور بجو کی بھی کچلیاں ہوتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلیوں والے درندے کی تحریم سے کراہت کا ارادہ کیا ہے۔

اور اس باب میں خلاصہ یہ ہے کہ عطاء بن ابی رباح، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق نے بجو کے کھانے کو مباح قرار دیا ہے اور ظاہر یہ یعنی غیر مقلدین کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور الحسن البصری، سعید بن المسیب، الاوزاعی، ثوری، عبداللہ بن المبارک، امام یوسف اور امام محمد نے کہا ہے کہ بجو کو نہیں کھایا جائے گا۔ اور ان کی دلیل یہ حدیث مذکور ہے، کیونکہ یہ حدیث اپنے عموم کے اعتبار سے ہر کچلیوں والے جانور کو شامل ہے اور بجو بھی کچلیوں والا ہے۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مشہور نہیں ہے، جس میں بجو کو کھانے کی اجازت کا ذکر ہے اور یہ حدیث مُحلل ہے اور جس حدیث میں ہر کچلیوں والے درندے کے کھانے کو حرام قرار دیا ہے، وہ مُحرم ہے۔ اور احکام میں حدیث مُحرم جو ہے وہ حدیث مُبیح پر راجح ہوتی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت جابر کی حدیث منسوخ ہے، اس لیے کہا جائے گا کہ حضرت جابر کی حدیث مقدم ہے اور حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث موخر ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی روایت میں عبدالرحمٰن بن ابی عمار منفرد ہیں اور وہ اہلِ علم کے نزدیک مشہور نہیں ہیں اور نہ حجت ہیں، تو جب وہ منفرد ہوں تو ان کی روایت کا اعتبار کس طرح ہوگا جب کہ ان کی روایت اس سے زیادہ قوی حدیث کے مخالف ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۵۔۱۹۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: علامہ ابن ملقن کی شرح کا بعض حصہ علامہ عینی نے نقل کر دیا ہے جس کو ہم لکھ چکے ہیں، اور جس کو علامہ عینی نے نقل نہیں کیا، اس کو ہم یہاں پیش کر رہے ہیں۔

صحیح البخاری: ۵۵۳۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کچلیوں والے درندوں کی تحریم میں مذاہب فقہاء

اس میں اختلاف ہے کہ تمام کچلیوں والے درندے حرام ہیں، یا ان میں سے بعض حرام ہیں۔

پس امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ جو کچلیوں والے درندے لوگوں پر حملہ کرتے ہیں اور چیرتے پھاڑتے ہیں جیسے شیر، بھیڑیا، چیتا یا تیندوا اور حملہ کرنے والا کتا اور ان کے مشابہ جانور، جن کی طبیعت میں غالب حملہ کرنا ہوتا ہے۔ اور جن کی طبیعت میں حملہ کرنا نہیں ہے، وہ اس حدیث کی ممانعت میں داخل نہیں ہیں۔ پس ان کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ بجو کا کھانا مباح ہے، حالانکہ وہ درندہ ہے۔ اور ابن حبیب مالکی نے بھی اسی طرح کہا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ جو درندے عادتاً حملہ کرتے ہیں، ان کی کھالوں کو اگر پاک کر لیا جائے تو نہ ان کو فروخت کیا جائے گا اور نہ ان پر نماز پڑھی جائے گی اور

نہ ان کو پہنا جائے گا، ان کے علاوہ دوسرے مقاصد میں ان کو استعمال کرنا جائز ہے۔ اور جو درندے حملہ نہیں کرتے، تو جب ان کو ذبح کر لیا جائے تو ان کی کھالوں کو بیچنا اور ان کا پہننا اور ان کا نماز پڑھنا جائز ہے۔ (المنتقی ج ۳ ص ۱۳۶)

اور فقہاءِ احناف کے نزدیک اس حدیث میں ممانعت بر سبیل عموم ہے، ان کے نزدیک کسی بھی وحشی درندے کو کھانا جائز نہیں ہے، اور نہ وحشی بلی کو کھانا جائز ہے اور نہ پالتو بلی کو کھانا جائز ہے، کیونکہ وہ درندہ ہے اور نہ بجو کو کھانا جائز ہے اور نہ لومڑی کو کھانا جائز ہے، کیونکہ حدیث میں بر سبیل عموم فرمایا ہے کہ ہر کچلیوں والا درندہ حرام ہے۔ پس جس پر بھی درندے کا اطلاق ہوگا، وہ اس ممانعت میں داخل ہوگا۔ اور انہوں نے کہا ہے کہ بجو کی حدیث اس کے معارض نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کی روایت میں عبدالرحمن بن ابی عمار حضرت جابر سے منفرد ہیں اور مشہور نہیں ہیں، اس لیے ان کی نقل حجت نہیں ہے۔

اور سعید بن المسیب نے کہا ہے کہ بجو کو کھانا جائز نہیں ہے، (مصنف عبدالرزاق: ۱۵۱۴) اور یہی اللیث کا قول ہے۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۳ ص ۱۹۳) اور ابن شہاب نے کہا کہ لومڑی بھی درندہ ہے لیکن اس کو کھایا نہیں جائے گا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۸۷۴۱)

امام مالک ہر حملہ کرنے والے درندے کو اور جو حملہ نہ کرے، اس کو مکروہ کہتے تھے اور حرام نہیں کہتے تھے۔

(عیون المجالس ج ۲ ص ۹۷۹)

بعض جنگلی جانوروں کو کھانے کا بیان

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بجو کے کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور اس کو شکار قرار دیتے تھے اور حضرت علی، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت جابر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔ اور عکرمہ نے کہا کہ میں نے بجو کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دستر خوان پر دیکھا اور اسی طرح عطاء نے کہا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۸۶۸۱، ۸۶۸۵، ۸۷۴۴، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۴۲۸۰، ۲۴۲۸۳)

اور امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ (المجموع شرح المہذب، ج ۵ ص ۱۱، المغنی ج ۱۳ ص ۳۴۱۔۳۴۲)

اور طاؤس اور قتادہ نے لومڑی کو کھانے کی اجازت دی ہے، ان کا اس سے استدلال ہے کہ یہ ایذاء پہنچاتی ہے اور ہر وہ جو ایذاء پہنچائے، وہ شکار ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۸۷۴۲، ۸۷۴۳)

اور رہی گوہ، تو اس کے کھانے کا جواز شارع علیہ السلام سے ثابت ہے، جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

(صحیح البخاری: ۵۵۳۶، ۵۵۳۷)

اور ابو یوسف نے کہا کہ الوَبَر کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، (الوبر سے مراد بلی کے برابر جنگلی جانور ہے) انہوں نے کہا: وہ میرے نزدیک خرگوش کی مثل ہے، کیونکہ وہ سبزیاں اور گھاس کھاتا ہے۔ (الجوہرۃ النیرہ ج ۲ ص ۱۸۵) اور طاؤس اور عطاء نے بھی اس کے کھانے کی اجازت دی ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۸۳۲۷) اور عروہ اور عطاء نے الیربوع کے کھانے کی اجازت دی ہے۔ (الیربوع کا معنی ہے: جنگلی چوہے کی طرح ایک جانور)۔ (مصنف عبدالرزاق: ۸۶۸۹، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۹۸۸۰، ۱۹۸۷۷) اور حسن بصری نے ہاتھی کے کھانے کو مکروہ قرار دیا ہے، کیونکہ وہ بھی کچلیوں والا جانور ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۸۷۸۰) اور اشعب مالکی نے ہاتھی کو کھانے کی اجازت دی ہے۔ (التمہید ج ۱ ص ۱۵۴)

چیرنے پھاڑنے والے پرندوں کا بیان

چیرنے پھاڑنے والے پرندوں کے متعلق بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔

ابن وہب مالکی نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ میں نے اہلِ علم میں سے کسی سے نہیں سنا، خواہ وہ قدیم ہوں یا جدید ہوں کہ ہماری سرزمین میں سے ہر پنجوں سے شکار کرنے والے پرندوں کو کھانے سے منع کیا گیا ہے۔

اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے کہا ہے کہ ان کا گوشت نہیں کھایا جائے گا۔ (مختصر اختلاف العلماء، ج ۳ ص ۱۹۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلیوں والے درندوں اور پنجوں اور ناخنوں سے شکار کرنے والے پرندوں کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۹۳۴، کتاب الصید والذبائح، باب تحریم اکل کل ذی ناب من السباع)

اور امام مالک کے اصحاب نے کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

اور عمرو بن دینار نے از ابوشعثاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ اہل جاہلیت کچھ چیزوں کو کھاتے تھے اور کچھ چیزوں کو گھن آنے کی وجہ سے ترک کر دیتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور ان پر اپنی کتاب نازل فرمائی اور اپنے حلال کو حلال قرار دیا اور اپنے حرام کو حرام قرار فرمایا اور جس سے اللہ تعالیٰ نے سکوت فرمایا، وہ معاف ہے۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تلاوت کی:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الانعام)

آپ کہیے کہ میری طرف جو وحی کی گئی ہے میں اس میں کسی کھانے والے پر ان چیزوں کے سوا اور کوئی چیز حرام نہیں پاتا، وہ مردار ہو یا بہا ہوا خون ہو، یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ نجس ہے یا بہ طور نافرمانی کے اس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، سو جو شخص مجبور ہو اور نہ وہ سرکشی کرنے والا ہو نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو بے شک آپ کا رب بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

(سنن ابوداؤد: ۳۸۰۰)

اگر اس حدیث کی ممانعت صحیح ہو، تو ہوسکتا ہے کہ آپ نے ان کو کھانے سے منع کیا ہو، کیوں کہ نفس کو ان سے گھن آتی ہے، کیونکہ یہ پرندے عموماً نجس چیزوں کو کھاتے ہیں۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۵۱۴۔۵۱۷، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۳۰۔ بَابُ: جُلُوْدِ الْمَيْتَةِ — مردار جانور کی کھالوں کا بیان

اس باب میں رنگنے سے پہلے مردار جانور کی کھالوں کا بیان کیا گیا ہے۔

۵۵۳۱۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَنَا أَبِيْ عَنْ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ أَنَّ عُبَيْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں زہیر بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد

نے حدیث بیان کی از صالح ،انہوں نے کہا: مجھے ابن شہاب نے
حدیث بیان کی کہ عبید اللہ بن عبد اللہ نے ان کو خبر دی کہ حضرت
عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی کہ بے شک رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ایک مردار بکری کے پاس سے گزرے،تو آپ نے فرمایا:
تم نے اس کی کھال سے نفع کیوں نہیں اٹھایا،لوگوں نے کہا: کہ یہ
مردار ہے،آپ نے فرمایا: اس کا صرف کھانا حرام ہے۔

(صحیح البخاری:۱۴۹۲، ۲۲۲۱، ۵۵۳۱، ۵۵۳۲، صحیح مسلم: ۳۶۳، سنن نسائی: ۴۲۳۵، سنن ابوداؤد: ۴۱۲۰، سنن ابن ماجہ: ۳۶۱۰، مسند احمد: ۲۳۶۵، موطا امام مالک: ۱۰۷۸، سنن دارمی: ۱۹۸۸)

صحیح البخاری: ۵۵۳۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے معنی سے اس حدیث کی مطابقت سمجھ میں آتی ہے اور اس کا حکم بھی معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مردار کی کھال کو کھانا تو منع ہے،لیکن رنگنے کے بعد اس کا استعمال کرنا جائز ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں زہیر کا ذکر ہے، جو زہر کی تصغیر ہے،ان کا نام زہیر بن حرب ہے اور حرب، صلح کی ضد ہے۔ اور یعقوب بن ابراہیم کا ذکر ہے، جو اپنے والد ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن مضیٰ عبد الرحمٰن بن عوف سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث میں صالح کا ذکر ہے، وہ ابن کیسان ہیں۔ اور اس حدیث میں ابن شہاب کا ذکر ہے، وہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔ اور عبید اللہ کا ذکر ہے، وہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود ہیں، جو سات فقہاء میں سے ایک ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں اھاب کا ذکر ہے،''اھاب'' اس کھال کو کہتے ہیں جس کو رنگا نہ گیا ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ رنگی ہوئی کھال کا نام ہے، اس کی جمع اھب آتی ہے (اس میں الف اور ہاء پر زبر بھی ہے اور الف اور ہاء پر پیش بھی ہے)۔

اس حدیث سے جمہور فقہاء اور ائمہ فتویٰ نے یہ استدلال کیا ہے کہ رنگنے کے بعد مردار کی کھال سے نفع حاصل کرنا جائز ہے۔

اور ابن القصار مالکی نے ذکر کیا ہے کہ امام مالک کا یہی آخری قول ہے، اور یہی امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا قول ہے۔

ابن شہاب سے روایت ہے کہ انہوں نے رنگنے سے پہلے بھی مردار کی کھال سے نفع کے حصول کو جائز کہا ہے، باوجود اس کے کہ وہ نجس ہے۔ رہے امام احمد بن حنبل تو انہوں نے کہا ہے کہ مردار کی کھال حرام ہے اور رنگنے سے پہلے اور رنگنے کے بعد اس سے نفع حاصل کرنا بھی حرام ہے۔ اور ان کا استدلال درج ذیل حدیث سے ہے:

عبداللہ بن عکیم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے پہلے آپ کا مکتوب آیا، اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ تم مردار کی کھال اور اس کے پٹھوں سے نفع حاصل نہ کرو۔ اس حدیث کی امام شافعی، امام احمد، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔ اور امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ اور امام شافعی، امام احمد اور امام ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے ایک ماہ پہلے یہ مکتوب آیا۔

امام ترمذی نے کہا: امام احمد کا مذہب اس حدیث کے مطابق ہے، اور وہ کہتے تھے کہ یہ آخر الامر ہے، پھر انہوں نے اس حدیث کو ترک کر دیا، کیونکہ اس کی سند میں اضطراب ہے۔ اور امام ابن حبان نے ان پر رد کیا ہے جنہوں نے کہا ہے کہ اس حدیث میں اضطراب ہے۔ انہوں نے کہا: ابن عکیم نے اس مکتوب کو سنا اور پڑھا اور ان کے مشائخ جھینہ نے، اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، سو اس میں کوئی اضطراب نہیں ہے۔ اور بعض علماء نے کہا کہ یہ حدیث منقطع ہے اور ان کا یہ قول مردود ہے۔ اور بعض نے کہا: ابن ابی لیلیٰ نے اس حدیث کو ابن عکیم سے روایت کیا ہے اور انہوں نے اس حدیث کا ابن عکیم سے سماع نہیں کیا۔

اور صحیح جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس باب میں جو حدیث ہے، یہ صحاح کی حدیث ہے اور اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، اور ابن عکیم کی روایت مکتوب ہے۔ اور کتابت سماع کے مقابلہ کی حدیث نہیں ہے، جب کہ اس میں انقطاع کا شبہ بھی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: کہ اس حدیث کی علت خفیہ قادحہ یہ ہے کہ ابن عکیم کے صحابی ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ امام بیہقی اور دوسروں نے کہا ہے کہ وہ صحابی نہیں ہیں، ان کی روایت مرسل ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ ابوجعفر طبری نے تھذیب الآثار میں جابر زمعہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مردار کی کسی چیز سے فائدہ حاصل نہ کرو، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مردار کی کھال سے نفع کے حصول کو منع فرمایا اور امام ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کی ہے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درندوں کی کھالوں کو بچھانے سے منع فرمایا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہوں گا کہ جابر زمعہ کی حدیث میں ایسے راوی ہیں، جن کی نقل پر اعتماد نہیں ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں مجہول راوی ہیں جو غیر معروف ہیں اور درندوں کی کھالوں سے نفع کی ممانعت کے متعلق جو حدیث ہے، وہ اس پر محمول ہے جو رنگنے سے پہلے ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۶۔۱۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۳۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مردار کی کھال کو رنگنے کے بعد اس کے پاک ہونے کے متعلق احادیث اور آثار

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ جب مردار کی کھال کو رنگ لیا جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔

(صحیح مسلم: ۳۶۶، کتاب الحیض، باب طھارۃ جلود المیتۃ بالدباغ)

امام مالک اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مردار کی کھال کو رنگنے کے بعد اس سے فائدہ حاصل کیا جائے۔ (موطا امام مالک ص ۳۰۸، سنن ابوداؤد: ۴۱۲۴، سنن نسائی: ج ۷ ص ۱۷۶، مسند احمد: ج ۶ ص ۷۳)

ابن جریج و عمرو بن دینار از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک صدقہ کی مردہ بکری کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: تم نے کیوں نہ اس کی کھال کو اتار کر اس کو رنگا، پھر تم اس سے نفع حاصل کرتے؟

ابن جریج کی روایت کو امام احمد نے بیان کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۷)

اور عمرو بن دینار کی روایت کو امام مسلم نے درج کیا ہے۔ (صحیح مسلم: ۳۶۳)

اعمش نے از ابراہیم از اسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردار کی کھال کی طہارت اس کو رنگنے سے حاصل ہوتی ہے۔

(سنن نسائی ج ۷ ص ۱۷۴، امام نسائی نے یہ حدیث از شریک از اسرائیل از اعمش روایت کی ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کھال کو رنگنا اس کی طہارت ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۳۴۲، صحیح مسلم: ۳۶۶، کتاب الحیض، باب طہارۃ جلود المیتۃ)

رہا فقہاء کا یہ کہنا کہ درندوں کی کھال رنگنے سے پاک نہیں ہوتی، سو یہ ممنوع ہے بلکہ درندوں کی کھال بھی رنگنے سے پاک ہوتی ہے، سوائے خنزیر کی کھال کے۔ علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک کتے کی کھال بھی رنگنے سے پاک نہیں ہوتی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۵۲۵ ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۵۳۲۔ حَدَّثَنَا خَطَّابُ بْنُ عُثْمَانَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حِمْيَرَ عَنْ ثَابِتِ بْنِ عَجْلَانَ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رضى الله عنهما يَقُولُ مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِعَنْزٍ مَيِّتَةٍ فَقَالَ مَا عَلَى أَهْلِهَا لَوِ انْتَفَعُوا بِإِهَابِهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں خطاب بن عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن حمیر نے حدیث بیان کی از ثابت بن عجلان، انہوں نے کہا: میں نے سعید بن جبیر سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مردہ بکری کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: اس بکری کے مالکوں کو کیا ہوا، اگر وہ اس کی کھال سے نفع حاصل کرتے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۹۲، ۲۲۲۱، ۵۵۳۱، ۵۵۳۲، صحیح مسلم: ۳۶۳، سنن نسائی: ۴۲۳۵، سنن ابوداؤد: ۴۱۲۰، سنن ابن ماجہ: ۳۶۱۰، مسند احمد: ۲۳۶۵، موطا امام مالک: ۱۰۷۸، سنن دارمی: ۱۹۸۸)

صحیح البخاری: ۵۵۳۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں خطاب کا ذکر ہے، یہ الفوزی ہیں اور اس میں فوز کی طرف نسبت ہے، یہ حمص کی بستیوں میں سے ایک

بستی ہے۔اور اس حدیث کی سند میں محمد بن حِمیَر کا ذکر ہے، (حِمیَر میں حاء کے نیچے زیر ہے، میم ساکن ہے اور یاء پر زبر ہے اور اس کا آخری حرف راء ہے)۔ الغسانی نے کہا ہے کہ بخاری کے بعض نسخوں میں یہ لفظ حُمَیر لکھا ہوا ہے۔ (یعنی حاء پر پیش اور میم پر زبر) اور یہ غلط ہے۔ بعض شارحین نے کہا: اس لفظ کو تصغیر سے لکھنا غلط ہے اور انہوں نے یہ غسانی سے اخذ کیا ہے اور اس کو اس طرح لکھا ہے کہ کوئی یہ سمجھے کہ یہ ان کی عبارت ہے۔

اور اس حدیث کی سند میں ثابت کا ذکر ہے، یہ ابن عجلان ابوعبداللہ الانصاری التابعی ہیں۔ یہ تینوں راوی شامی اور حمصی ہیں۔ اور صحیح بخاری میں اس حدیث کے سوا ان تینوں کی روایت نہیں ہے، سوائے محمد بن حِمیَر کے، ان کی حدیث هجرة الی لمدینة کے باب میں گزر چکی ہے۔

مذکورہ تین حمصی راویوں پر جرح اور اس کا جواب حافظ ابن حجر کی طرف سے

اگر تم یہ سوال کرو کہ ان تین راویوں پر کلام کیا گیا ہے، پس امام بخاری نے ان کی روایت کو اپنی صحیح میں کیوں درج کیا؟ رہا خطاب، تو امام الدارقطنی نے کہا ہے کہ یہ بسا اوقات خطا کرتا ہے اور رہا محمد بن حمیر تو ان کے متعلق امام ابوحاتم نے کہا ہے کہ ان کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاتا اور رہا ثابت، تو امام احمد نے کہا: میں ان میں توقف کرتا ہوں اور العُقیلی نے کہا کہ ان کی حدیث کی متابعت نہیں کی جاتی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس اعتراض کے جواب میں کہا ہے: ان تینوں کی روایت متابعات میں سے ہے اور اصول میں سے نہیں ہے۔ اور اصول کے راوی وہ ہیں جن کا اس سے پہلے ذکر ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۶۵۹، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۶۷۹، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ جواب کافی نہیں ہے، لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ رہا خطاب، تو ان کو ابدال میں سے شمار کیا جاتا ہے، اور امام ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ اور امام دارقطنی نے بھی ان کی توثیق کی ہے باوجود اس کے کہ انہوں نے کہا کہ وہ کبھی خطا بھی کرتے ہیں۔ اور رہے محمد بن حمیر، تو یحییٰ اور دحیم سے مروی ہے کہ یہ ثقہ ہیں۔ اور امام نسائی نے کہا: ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور رہے ثابت تو امام ابوحاتم نے ان کے متعلق کہا ہے کہ وہ صالح الحدیث ہیں۔ اور عقیلی نے جب ان کا الضعفاء میں ذکر کیا تو اس پر ابن القطان نے انکار کیا۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''عنز'' کا ذکر ہے، (اس میں عین پر زبر ہے اور نون ساکن ہے اور آخر میں زاء ہے)۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ ابن الملقن نے کہا کہ یہ لفظ المعز کا واحد ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ صحیح نہیں ہے، صحیح وہ ہے جو الجوہری نے کہا ہے کہ العنز، المعز کی مؤنث ہے۔ اور اسی طرح ہرن اور پہاڑی بکرے کی مؤنث بھی عنز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۱۔ بَابُ: الْمِسْكِ مشک کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں مشک کا ذکر کیا جائے گا۔

''المِسك'' میں میم کے نیچے زیر ہے اور یہ ہر ایک کے نزدیک معروف ہے۔ اور یہ فارسی کا لفظ ہے جس کو عربی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس باب کو کتاب الصید میں ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مشک ہرن کا فضلہ ہے۔ اور ہرن ان جانوروں میں سے ہے جن کا شکار کیا جاتا ہے۔ الجاحظ نے کہا ہے: مسک ایک چھوٹا سا جانور ہے جو چین میں پایا جاتا ہے، اور اس کی ناف کی وجہ سے اس کا شکار کیا جاتا ہے۔ اور مشک کو ہرن کی ناف سے نکالا جاتا ہے اور اس کا سال میں کوئی وقتِ معین ہے، جب اس کی ناف کے اندر خون جمع ہوتا ہے اور وہ خوشبودار ہوتا ہے۔

علامہ نووی کہتے ہیں: اس پر اجماع ہے کہ مشک طاہر ہے۔ اور اس کا بدن اور کپڑوں میں استعمال کرنا جائز ہے اور اس کو فروخت کرنا بھی جائز ہے۔ جب ہرن کی ناف کی جگہ پر ورم آ جائے تو اس سے مشک جمے ہوئے خون کی صورت میں گر جاتی ہے۔

اور مسلمانوں کا مشک کی طہارت پر اجماع ہے، سوائے اس کے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی کراہت منقول ہے۔ اسی طرح علامہ ابن المنذر نے بھی ایک جماعت سے نقل کیا ہے اور ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ مشک مردوں اور عورتوں کے لیے حلال ہے۔

علامہ ابن الملقن نے التوضیح میں کہا ہے کہ حافظ ابن المنذر نے کہا ہے کہ جنہوں نے مشک سے انتفاع کو جائز کہا ہے، وہ حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن عمر، حضرت انس اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور تابعین میں سے سعید بن المسیب، ابن سیرین، جابر بن زید اور فقہاء میں سے امام مالک، اللیث، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق بن راہویہ ہیں۔ اور دوسروں نے اس کی مخالفت کی ہے۔ امام ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ مشک کو مکروہ فرماتے تھے، اور فرمایا: مجھے مشک کی خوشبو نہ لگانا۔ اور عمر بن عبد العزیز، عطاء، حسن، مجاہد اور ضحاک نے بھی اس کو مکروہ کہا۔

اور ان میں سے اکثر نے کہا کہ مشک نہ زندہ کے مناسب ہے اور نہ مردہ کے، اور ان کے نزدیک مشک اس طرح ہے جیسے مردے سے کوئی چیز کاٹ لی گئی ہو۔

اور امام ابو داؤد نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری سب سے پاکیزہ خوشبو مشک ہے اور یہ نص صریح ہے جو اس خلاف کی قاطع ہے۔

اور علامہ ابن المنذر نے کہا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سند جید کے ساتھ روایت کی ہے کہ آپ کے پاس مشک تھی اور آپ اس کی خوشبو لگاتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۸۔۱۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۳۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے

عُمَارَةُ بْنُ الْقَعْقَاعِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا مِنْ مَكْلُومٍ يُكْلَمُ فِي اللهِ إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ كَلْمُهُ يَدْمَى، اللَّوْنُ لَوْنُ دَمٍ، وَالرِّيحُ رِيحُ مِسْكٍ۔

حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمارہ بن القعقاع نے حدیث بیان کی از ابی زرعہ بن عمرو بن جریر از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ شخص جو اللہ کی راہ میں زخمی ہو، وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون بہہ رہا ہوگا۔ اس کا رنگ خون کا رنگ ہوگا اور اس کی خوشبو مشک کی خوشبو ہوگی۔

(صحیح البخاری: ۲۳۷، ۲۸۰۳، ۵۵۳۳، صحیح مسلم: ۱۸۷۶، سنن ترمذی: ۱۶۵۶، سنن نسائی: ۳۱۴۷، مسند احمد: ۲۷۴۲۳، موطا امام مالک: ۱۰۰۱)

صحیح البخاری: ۵۵۳۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدالواحد کا ذکر ہے، یہ ابن زیاد البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عمارہ بن القعقاع کا ذکر ہے، اس میں دو قاف ہیں اور عین ساکن ہے۔ اور ابوزُرعہ میں زاء پر پیش ہے اور راء ساکن ہے۔ ان کا نام ھرم بن عمرو بن جریر ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں یکلم کا لفظ ہے، یہ مجہول کا صیغہ ہے، یہ کلم سے ماخوذ ہے، کاف پر زبر ہے، اس کا معنی زخم ہے۔

اس حدیث میں فرمایا ہے کہ شہید کے جسم سے جو خون نکلتا ہے، قیامت کے دن اس خون کا رنگ تو خون کی طرح ہوگا لیکن اس کی خوشبو مشک کی طرح ہوگی، اور اس میں بہت بلیغ تشبیہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۸۔ ۲۰۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۳۳، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مشک کی تعریف

مشک کی تعریف یہ ہے کہ ہرنوں کی ایک قسم ہے جس کی ناف کے نیچے خون بندھا ہوا ہوتا ہے، پھر ہرن کے اچھلنے کودنے سے وہ خون ناف سے نکلتا ہے، پھر اس کو کس کر باندھ دیا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ خون سوکھ جاتا ہے، پس جب وہ خون سوکھ جائے تو اس کی ناف سے جھڑ جاتا ہے، پھر ہرن کے نافہ میں وہ مشک ہوتی ہے جو سب سے عمدہ خوشبو ہے۔ اور قاعدہ معروفہ یہ ہے کہ زندہ سے جو چیز کٹ کر الگ ہو جائے، وہ مردہ کی مثل ہے سوائے مشک اور اس کے نافہ کے، پس نافہ مشک کے ہرن کے پیٹ میں ظرف ہوتا ہے۔

جنگ میں مارے جانے والے شخص کے متعلق وثوق سے کہنا کہ یہ شہید ہے، جائز نہیں ہے

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی ہوتا ہے، کیونکہ ہر وہ

شخص جو جہاد کی صف میں قتل ہو جائے اس کے متعلق یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ شہید ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہید کے علم کو اللہ کی طرف مفوض کر دیا، اس لیے یوں نہیں کہنا چاہیے کہ فلاں شخص شہید ہے، یعنی وہ جنت میں حاضر ہو گیا، اور کسی انسان کے لیے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کے جنتی ہونے کی شہادت دے، سوا اس کے کہ جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی شہادت دی ہے، اس لیے آپ کے لیے یہ جائز ہے کہ امید ہے کہ فلاں شخص شہید ہوگا لیکن یقین اور وثوق سے کہنا کہ فلاں شخص شہید ہے، تو یہ حرام ہے۔ اور صرف اسی کے متعلق شہید کہنا جائز ہے جس کے شہید ہونے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے۔

(شرح صحیح بخاری ج ۵ ص ۲۵۹، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۵۳۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالسَّوْءِ كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيرِ فَحَامِلُ الْمِسْكِ إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً وَنَافِخُ الْكِيرِ إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ رِيحًا خَبِيثَةً۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از برید از ابی بردہ از حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک ہمنشیں اور برے ہمنشیں کی مثال ایسے ہے جیسا کہ مشک اٹھانے والا ہو اور بھٹی کو دھونکنے والا ہو۔ مشک والا یا تو تمہیں بہ طور تحفہ مشک دے گا یا تم اس سے مشک خرید سکو گے یا تم اس سے عمدہ خوشبو حاصل کرو گے، اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلائے گا یا تم کو اس سے ناگوار بدبو آئے گی۔

(صحیح البخاری: ۲۱۰۱، ۵۵۳۴، صحیح مسلم: ۲۶۲۸، سنن ابوداؤد: ۴۸۲۹، مسند احمد: ۱۹۱۲۷)

صحیح البخاری: ۵۵۳۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابو اسامہ کا ذکر ہے، وہ حماد بن اسامہ ہیں اور اس میں بُرید کا ذکر ہے جو برد کی تصغیر ہے۔ یہ عبداللہ بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ اشعری کے بیٹے ہیں اور ابو بردہ کا نام عامر ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام حارث ہے۔ اور حضرت ابو موسیٰ کا نام عبداللہ بن قیس ہے۔ اور برید بن عبداللہ کی کنیت ابو بُردہ ہے۔ وہ اپنے دادا ابو بردہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابو موسیٰ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں یحذیك کا لفظ ہے جو کہ احذاء سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے عطا کرنا۔ جب کوئی شخص کسی کو کوئی چیز بہ طور تحفہ دے تو کہا جاتا ہے: "احذیت الرجل"۔

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ اس میں مشک کی مدح کی گئی ہے جو اس کی طہارت کو مستلزم ہے۔اور صحابہ کی مدح ہے، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہم نشین تھے حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ صحابی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمنشینی سے بڑھ کر کوئی فضیلت نہیں ہے۔اسی وجہ سے ان کا نام صحابہ ہے، حالانکہ وہ علماء بھی ہوتے ہیں، کرماء بھی ہوتے ہیں، اشجعین بھی ہوتے ہیں اور ان میں بہت فضائل ہوتے ہیں، لیکن ان کی سب سے بڑی فضیلت ان کا صحابی ہونا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۳۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مشک کی طہارت پر دلائل

امام بخاری نے اس باب میں مشک کو داخل کیا ہے، تا کہ اس پر دلیل قائم ہو کہ مشک حلال ہے، کیونکہ فی نفسہ مشک خون ہے اور خون حرام ہے۔اور خون کی بد بونا گوار ہوتی ہے اور چونکہ مشک کی خوشبو خوشگوار ہوتی ہے تو اس کا حال منتقل ہو گیا اور یہ اس طرح ہے جس طرح خمر سرکہ ڈالنے سے حلال ہو جاتی ہے، پس پہلے خمر حرام تھی اور سرکہ ڈالنے سے حلال ہو گئی۔

اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی مشک کی طہارت کے اوپر دلیل ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مشک کو اٹھانے والا، اور نجاست کو اٹھانا جائز نہیں ہے اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نجاست کو اٹھانے کا حکم دیتے ہیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشک کو اٹھانے والے کی جو تحسین کی ہے تو یہ مشک کی طہارت کی دلیل ہے اور تمام علماء کا یہی موقف ہے۔

مشک کی طہارت کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن عمر، حضرت انس اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم نے مشک سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے اور تابعین میں سے سعید بن المسیب، ابن سیرین اور جابر بن زید نے مشک سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے، اور فقہاء میں سے امام مالک، امام شافعی، اللیث، امام احمد، اسحاق اور جابر بن زید نے مشک سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے۔

اور دوسرے علماء نے اس کی مخالفت کی ہے، امام ابن ابی شیبہ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ مشک کے استعمال کو مکروہ کہتے تھے اور انہوں نے کہا کہ مجھے مشک کی خوشبو نہ لگانا۔اور عمر بن عبد العزیز، عطاء، حسن، مجاہد اور ضحاک نے بھی مشک کے استعمال کو مکروہ قرار دیا ہے، اور ان کے نزدیک مشک ایسی ہے جیسے مردہ سے کسی چیز کو کاٹ لیا جائے۔

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں کہ یہ قیاس صحیح نہیں ہے، کیونکہ زندہ سے جو چیز کاٹی جائے، اس سے خون بہتا ہے، اور مشک کا نافہ اس طرح نہیں ہے، کیونکہ حرکت سے مشک اس طرح جھڑ جاتی ہے جس طرح بال جھڑتے ہیں، اور امام ابوداؤد نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہاری سب سے پاکیزہ خوشبو مشک ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۳۱۵۸، صحیح مسلم: ۲۲۵۲)

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں الکیر کا لفظ ہے، کہا گیا ہے: یہ وہ مشک ہے جس میں لوہار پھونک مارتا ہے، یہ چمڑے کی بنی ہوئی ہوتی ہے۔اور حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ بھٹی کی مثل ہے، جو زنگ کو کاٹ دیتی ہے اور پاکیزہ چیز کو خالص کر دیتی ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۸۸۳، باب فضائل المدینہ، صحیح مسلم: ۱۳۸۳، کتاب الحج، باب المدینۃ تنفی شرارھا)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا تم مشک والوں سے کچھ مشک خرید لو گے۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مشک کی خرید و فروخت جائز ہے اور اس پر اجماع ہے۔ہاں مشک کو نافہ میں دیکھے بغیر فروخت کرنے میں صحیح قول یہ ہے کہ وہ باطل ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۵۲۹۔۵۳۱، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۳۴، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک ہمنشیں کی ترغیب دی ہے، اس لیے ہم پر واجب ہے کہ ہم نیک لوگوں کی مجلس اختیار کریں جو اصحاب حکمت ہوں اور اصحاب رائے ہوں۔اور ان کے دین میں نیکی ہو اور ان کے اخلاق اور ان کے عقل میں نیکی ہو۔

سوال: یہ کتاب الذبائح والصید ہے، تو امام بخاری نے اس میں مشک کا باب کیوں قائم کیا؟

جواب: کیونکہ مشک کو زندہ سے الگ کیا جاتا ہے، اور جو چیز زندہ سے الگ کی جائے، وہ مردار کی مثل ہے، سوائے مشک کے۔

(شرح صحیح بخاری ج ۵ ص ۲۵۹۔۲۶۰، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۳۴، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الصید میں درج کیا ہے، کیونکہ مشک ہرن کی ناف سے نکالی جاتی ہے اور ہرن ان جانوروں میں سے ہے جن کا شکار کیا جاتا ہے۔اور مشک طاہر ہے، اس کا بدن میں اور کپڑوں میں استعمال کرنا جائز ہے، اس کی خرید وفروخت کرنا بھی جائز ہے، اس کے باوجود کہ یہ خون ہے، کیونکہ یہ خون متغیر ہو کر مشک بن جاتا ہے، جس طرح خون متغیر ہو کر حیوان میں گوشت بن جاتا ہے، پھر وہ طاہر ہوتا ہے اور اس کا کھانا حلال ہو جاتا ہے۔

اور سنن ابوداؤد میں یہ حدیث ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری سب سے پاکیزہ خوشبو مشک ہے۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک ہمنشیں کو مشک کے فروخت کرنے کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور برے ہمنشیں کو لوہار کی بھٹی دھونکنے والے کے ساتھ تشبیہ دی ہے، پس خوشبو کو فروخت کرنے والے کے پاس بیٹھو گے تو خوشبو آئے گی اور تمہارا دماغ معطر ہوگا، پھر یا تو وہ تم کو خوشبو ہدیۃً دے دے گا یا تمہیں کچھ خوشبو لگا دے گا، تو تم اس کے ساتھ خوشگواری میں رہو گے۔اور لوہار کی بھٹی دھونکنے والے کے ساتھ بیٹھو گے تو اس کی چنگاریوں سے تمہارے کپڑوں کے جلنے کا خطرہ ہے اور اس کی ناگوار بو تمہارے دماغ کو متاثر کرے گی اور تم اس کے ساتھ ہمیشہ

خسارے میں رہو گے اور اس کی صحبت غم اور فکر کا موجب ہے، اس لیے آدمی کو چاہیے کہ وہ فساق اور فجار کی ہمنشینی سے احتراز کرے اور صالحین کی ہمنشینی کو تلاش کرے، قرآن مجید میں ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَكُونُوا۟ مَعَ ٱلصَّٰدِقِينَ ﴿١١٩﴾ (التوبہ) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور (ہمیشہ) سچوں کے ساتھ رہو O

اس حدیث کا اہم فائدہ یہ ہے کہ مشک طاہر ہے اور کپڑوں اور بدن میں اس کا استعمال کرنا جائز ہے۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر والآلی بشرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۱۹۸۔۱۹۹، مکتبۃ العصریہ ۱۴۳۲ھ)

۳۲۔ بَابُ: الْأَرْنَبِ خرگوش کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں خرگوش کے کھانے کا حکم بیان کیا گیا ہے، اور امام بخاری نے خرگوش کے کھانے کا حکم اس باب کے عنوان میں ذکر نہیں کیا اور صرف حدیث کو وارد کرنے پر اکتفاء کر لی، اور ہم اس کا حکم ان شاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔

خرگوش ایک چھوٹا سا جانور ہے، یہ بکرے کے سال سے کم عمر کے بچہ کے مشابہ ہوتا ہے، لیکن اس کی ٹانگیں لمبی ہوتی ہیں اور ہاتھ چھوٹے ہوتے ہیں، اور یہ اسم جنس ہے جو مذکر اور مونث دونوں کو شامل ہے، اور خرگوش کی مادہ کو حیض آتا ہے اور یہ آنکھیں کھول کر سوتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۳۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ أَنْفَجْنَا أَرْنَبًا وَنَحْنُ بِمَرِّ الظَّهْرَانِ فَسَعَى الْقَوْمُ فَلَغِبُوا فَأَخَذْتُهَا فَجِئْتُ بِهَا إِلَى أَبِي طَلْحَةَ فَذَبَحَهَا فَبَعَثَ بِوَرِكَيْهَا أَوْ قَالَ بِفَخِذَيْهَا إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَبِلَهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ہشام بن زید از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: جس وقت ہم مر الظہران میں تھے تو ہم نے ایک خرگوش کا پیچھا کیا، پس لوگ دوڑے، سو وہ تھک گئے، پس میں نے خرگوش کو پکڑ لیا اور میں اس کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے کر آیا، انہوں نے اس کو ذبح کیا اور اس کے دو کولہوں یا دو رانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تو آپ نے ان کو قبول فرما لیا۔

(صحیح البخاری: ۲۵۷۲، ۵۴۸۹، ۵۵۳۵، صحیح مسلم: ۱۹۵۳، سنن ترمذی: ۱۷۸۹، سنن نسائی: ۴۳۱۲، سنن ابن ماجہ: ۳۲۴۳، مسند احمد: ۱۲۲۲۶، سنن دارمی: ۲۰۱۳)

صحیح البخاری: ۵۵۳۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالولید کا ذکر ہے، یہ ہشام بن عبد الملک ہیں اور ہشام بن زید بن انس کا ذکر ہے جو اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''انفجنا'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: کسی کو برانگیختہ کرنا اور بھڑکانا۔ اور ''نفج الارنب'' کا معنی ہے کہ خرگوش کو بھگایا اور بھڑکایا۔

اور اس حدیث میں ''مرالظھران'' کا ذکر ہے، اور ہم نے بیان کیا ہے کہ یہ جگہ مکہ سے ایک مرحلہ دور ہے۔

اس حدیث میں ''لغبو'' کا ذکر ہے، یعنی وہ لوگ تھک گئے۔ اور حضرت انس نے کہا: میں نے خرگوش کو پکڑ لیا اور میں اس وقت نوخیز اور قریب بہ بلوغ لڑکا تھا۔

اور اس حدیث میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ حضرت انس کی والدہ کے شوہر ہیں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوطلحہ نے اس کو ذبح کیا ہے، اور الطیالسی کی روایت میں ذکر ہے کہ انہوں نے اس کو دھار والے پتھر سے ذبح کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول فرمایا''، یعنی ہدیہ کو قبول فرمایا۔ اور کتاب الھبہ میں مذکور ہے کہ

''میں نے پوچھا: کیا آپ نے اس سے کھایا؟ تو انہوں نے کہا: ہاں! آپ نے اس سے کھایا''۔

خرگوش کے کھانے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

خرگوش کے کھانے کے متعلق اختلاف ہے۔ جمہور فقہاء یہ کہتے ہیں کہ خرگوش کا کھانا جائز ہے۔ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اور عکرمہ نے خرگوش کے کھانے کو مکروہ قرار دیا۔ اور علامہ رافعی نے امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک خرگوش کا کھانا حرام ہے۔ اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ انہوں نے یہ غلط نقل کیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ خرگوش کے کھانے کے جواز میں ہمارا اختلاف نہیں ہے۔ اور علامہ کرخی نے لکھا ہے کہ کسی کے نزدیک بھی خرگوش کے کھانے میں حرج نہیں ہے، کیونکہ نہ تو یہ درندوں میں سے ہے اور نہ ان جانوروں میں سے ہے، جو مردار کھاتے ہیں۔

خرگوش کو کھانے کے جواز کے متعلق احادیث اور آثار

خرگوش کو کھانے کے جواز کے متعلق متعدد احادیث ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) امام ترمذی نے از الشعبی از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ ان کی قوم کے ایک مرد نے ایک یا دو خرگوشوں کا شکار کیا، پھر ان کو دو پتلے دھار والے سفید پتھر سے ذبح کر دیا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے۔ آپ نے اس کے متعلق سوال کیا، پھر آپ نے اس کو کھانے کا حکم دیا۔ اس حدیث کی روایت میں امام ترمذی منفرد ہیں۔

(۲) امام ابن ماجہ از الشعبی از محمد بن صیفی روایت کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو خرگوشوں کو لے کر آیا، میں نے ان کو سفید پتلے دھار والے پتھر سے ذبح کیا تھا، تو آپ نے مجھے ان کو کھانے کا حکم دیا۔

(۳) امام ابن ابی شیبہ نے سندِ جید کے ساتھ حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، تو ایک دیہاتی نے آپ کو خرگوش پیش کیا، سو ہم نے اس کو کھایا، اس دیہاتی نے کہا: میں نے اس میں (حیض کا) خون دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں۔

(۴) امام الدارقطنی نے از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے، وہ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خرگوش کا ہدیہ پیش کیا گیا اور میں اس وقت سوئی ہوئی تھی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے اس کے دھڑ کو چھپا لیا، پھر جب میں اٹھی تو آپ نے مجھے وہ دھڑ کھلایا، اس حدیث کی سند میں یزید بن عیاض ہے اور وہ ضعیف راوی ہے۔

(۵) امام ابن ابی شیبہ نے از وکیع از ابراہیم روایت کی ہے کہ ایک مرد نے عبداللہ بن عمیر سے خرگوش کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس نے کہا: اس کو حیض آتا ہے، تو انہوں نے کہا: جو ذات اس کے حیض کو جانتی ہے، وہی ذات اس کے طاہر ہونے کو جانتی ہے اور یہ حاملہ جانوروں میں سے ایک حاملہ ہے۔

(۶) از ابن المسیب از سعد، وہ خرگوش کو کھاتے تھے، سعد سے کہا گیا: تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا: میں تو خرگوش کو کھاتا ہوں۔

(۷) از عبید بن سعد، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایک خرگوش کو دیکھا تو انہوں نے اس کو ذبح کر کے کھالیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۱۔ ۲۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۳۵ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس سے پہلے گزر چکی ہے اور امام بخاری نے اس حدیث کو اس باب میں وارد کر کے یہ ارادہ کیا ہے کہ اس پر تنبیہ کی جائے کہ خرگوش کو بھی ذبح کیا جاتا ہے، اور اس حدیث میں دلیل یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ خرگوش کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس لائے تو انہوں نے اس کو ذبح کیا، تو اس سے معلوم ہوا کہ خرگوش کو بھی ذبح کیا جاتا ہے۔ اور اس سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ہر جس جانور کا تزکیہ کیا جائے، اس کو ذبح کیا جاتا ہے، سوا اونٹ کے، اس کو نحر کیا جاتا ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۶۱، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۳۔ بَابُ: الضَّبِّ

گوہ کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

گوہ کا تذکرہ اور تعارف

اس باب میں گوہ کے احکام بیان کیے گئے ہیں، یہ ایسا جانور ہے جو الحرذون، یعنی گرگٹ یا زرسومار کے مشابہ ہوتا ہے۔ الخ

اس سے بڑا ہوتا ہے۔اس کی کنیت ابوحسل ہے (حاء کے نیچے زیر اور سین پر جزم ہے)۔جو گوہ مونث ہو اس کو 'ضبۃ'' کہتے ہیں اور جو مذکر ہو، اس کو'' ذکہان'' کہتے ہیں، کیونکہ جو گوہ مذکر ہو، اس کی دو شرمگاہیں ہوتی ہیں۔ابن خالویہ نے بیان کیا ہے کہ گوہ سات سو سال تک زندہ رہتی ہے، اور وہ پانی نہیں پیتی اور صبح کی ٹھنڈی ہواؤں سے اور سرد ہواؤں سے اس کو کفایت ہوتی ہے۔اور سردیوں میں وہ اپنی بل سے نہیں نکلتی اور چالیس سال کے بعد ایک مرتبہ پیشاب کرتی ہے اور اس کے دانت نہیں گرتے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۳۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم الضَّبُّ لَسْتُ آكُلُهُ وَلَا أُحَرِّمُهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد العزیز بن مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن دینار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں گوہ کو نہ کھاتا ہوں اور نہ اس کو حرام قرار دیتا ہوں۔

(صحیح مسلم: ۱۹۴۳، سنن ترمذی: ۱۷۹۰، سنن نسائی: ۴۳۱۴، مسند احمد: ۴۵۴۸، موطا امام مالک: ۱۸۰۶، سنن دارمی: ۲۰۱۵)

صحیح البخاری: ۵۵۳۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں گوہ کا ذکر ہے مگر وہ مبہم ہے، اس سے پتا نہیں چلتا کہ آیا گوہ مباح ہے یا حرام ہے۔اور حدیث سے یہ ابہام زائل ہو گیا، کیونکہ آپ نے فرمایا کہ ''میں گوہ کو حرام نہیں کہتا''۔اس سے معلوم ہوا کہ گوہ کو کھانا مباح ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبد العزیز بن مسلم کا ذکر ہے، یہ المروزی ہیں۔اور امام بخاری ان سے روایت میں منفرد ہیں۔اور یہ حدیث گوہ کو کھانے کی اباحت میں صریح ہے۔اور اس گوہ کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ حضرت ام حفید رضی اللہ عنہا نے بطور ہدیہ پیش کیا تھا اور ان کے متعلق دوسرے الفاظ یہ ہیں کہ وہ حفیدہ بنت الحارث ہیں جو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں، اور یہ نجد میں رہتی تھیں اور بنو جعفر کے ایک مرد کے نکاح میں تھیں۔

گوہ کے متعلق بعض روایات میں ہے کہ'' گوہ کو کھاؤ، کیونکہ یہ حلال ہے'' اور بعض روایات میں ہے'' اس کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے'' اور بعض روایات میں ہے'' نہ میں گوہ کو کھاتا ہوں اور نہ میں اس سے منع کرتا ہوں''۔

امام ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی تھے، پھر گھر والے دو بھنی ہوئی گوہ لے کر آئے

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوک دیا تو آپ سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا گمان ہے یارسول اللہ! کہ آپ کو اس سے گھن آرہی ہے، آپ نے فرمایا: ہاں!

اور امام مسلم نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ بنو اسرائیل پر غضب ناک ہوا تو اس نے ان کو مسخ کر کے ایسا جانور بنا دیا جو زمین پر چلتا ہے، سو میں از خود نہیں جانتا کہ شاید یہ گوہ انہیں میں سے ہے، سو نہ میں اس کو کھاتا ہوں اور نہ میں اس کو کھانے سے منع کرتا ہوں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک اللہ عزوجل گوہ کے ساتھ متعدد لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے اور یہ عام چرواہوں کا طعام ہے اور اگر گوہ میرے پاس ہوتی تو میں اس کو کھاتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اس سے گھن آتی تھی۔

اس باب میں متعدد اور مختلف احادیث ہیں جو مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ اور ان میں سے کسی ایک صحیح حدیث میں بھی گوہ کی تحریم کا ذکر نہیں ہے اور زیادہ تر روایات میں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھن آنے کی وجہ سے اس کو کھانے سے رک گئے۔

امام طحاوی نے ایک باب قائم کیا ہے، جس کا عنوان ہے ''الضباب'' اور اس میں سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن حسنہ کی اس حدیث کی روایت کی ہے کہ ہم ایسی زمین میں پہنچے جہاں پر گوہ بہت زیادہ تھی، سو ہم کو بھوک لگی تو ہم نے گوہ کو پکایا، ہماری پتیلیاں گوہ کے ساتھ ابل رہی تھیں، اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ ہم نے کہا: یہ ضباب (گوہ) ہیں جن کو ہم نے پایا: تو آپ نے فرمایا: بنی اسرائیل کی ایک امت کو مسخ کر کے زمین کا جانور بنا دیا گیا ہے اور مجھے خوف ہے کہ یہ وہی جانور ہے، اس حدیث کی سند میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ابن حزم ظاہری نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے، مگر یہ متفقہ طور پر منسوخ ہے۔

پھر امام طحاوی نے کہا کہ ایک قوم کا یہ مذہب ہے کہ گوہ کا گوشت حرام ہے، اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: امام طحاوی نے قوم سے ان لوگوں کا ارادہ کیا ہے: اعمش، زید بن وہب اور ان کے علاوہ دوسرے۔ پھر امام طحاوی نے کہا: اور دوسرے لوگوں نے ان کی مخالفت کی اور انہوں نے کہا کہ گوہ کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ان دوسرے لوگوں سے مراد یہ ہیں: عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق بن راہویہ اور غیر مقلدین کا بھی یہی قول ہے۔ پھر امام طحاوی نے کہا: اور ایک قوم نے گوہ کے کھانے کو مکروہ قرار دیا ہے، ان میں سے امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد ہیں۔ پھر امام طحاوی نے کہا: اور ہمارے اصحاب احناف کے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس کراہت سے مراد کراہتِ تنزیہی ہے کراہتِ تحریمی نہیں ہے، کیونکہ زیادہ تر احادیثِ صحیحہ میں مذکور ہے کہ گوہ حرام نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۲۔ ۲۰۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۳۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

گوہ کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک گوہ کو کھانا مباح ہے۔ (المدونہ ج ۱ ص ۴۲۶، المنتقی ج ۳ ص ۱۳۲، کتاب الام، ج ۲ ص ۲۲۲)
۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک گوہ کا کھانا مکروہ ہے۔ (المبسوط للسرخسی ج ۱۱ ص ۲۳۲۔۲۳۱)

گوہ کے متعلق احادیث اور آثار

امام مسلم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: گوہ کو کھاؤ، کیونکہ یہ حلال ہے۔ یا فرمایا: اس کو کھلاؤ، کیونکہ یہ حلال ہے، یا فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے (ان الفاظ میں راوی کو شک ہے) لیکن یہ میرا طعام نہیں ہے۔
(صحیح البخاری: ۲۶۷ے، صحیح مسلم: ۱۹۴۴، مسند احمد: ۵۵۴۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہ میں گوہ کو کھاتا ہوں اور نہ میں اس سے منع کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم: ۱۹۴۸، مسند احمد ج ۲ ص ۱۳)

امام ابوداؤد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ گھاس پر رکھ کر دو بھنی ہوئی گوہ لائی گئیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تھوک دیا، تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا آپ کو گوہ سے گھن آتی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! (سنن ابوداؤد: ۳۷۳۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے ایک قبیلہ پر ناراض ہوا، تو ان کو مسخ کر کے زمین پر چلنے والا جانور بنا دیا، پس میں از خود نہیں جانتا کہ یہ گوہ ان میں سے ہو۔ سو نہ میں اس کو کھاتا ہوں اور نہ اس کو حرام قرار دیتا ہوں، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا، پھر اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ گوہ کے ساتھ متعدد لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے اور یہ عام چرواہوں کا طعام ہے اور اگر گوہ میرے پاس ہوتی تو میں اس کو کھاتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف اس سے گھن آتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۹۹۱، کتاب الصید والذبائح، باب اباحۃ الضب)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں از خود نہیں جانتا، یا فرمایا: شاید یہ ان میں سے ہو جن کو مسخ کر دیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۹۴۹)

ثابت بن ودیعہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک لشکر میں تھے، ہم کو گوہ ملیں، ان کو بھونا گیا اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لکڑی لے کر اپنے اصحاب کو گنا، پھر آپ نے فرمایا: بنی اسرائیل کی ایک امت کو زمین پر چلنے والے جانوروں کی شکل میں مسخ کر دیا گیا، اور بے شک میں از خود نہیں جانتا کہ شاید یہ گوہ انہی جانوروں میں سے ہے، تو آپ نے گوہ کو نہ کھایا اور نہ اس سے منع فرمایا۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۹۵)

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گوہ سے ایک بدبو محسوس کی، پس آپ نے لوگوں کو اس سے کھانے کی اجازت دی اور سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: گوہ میرے نزدیک مرغی سے زیادہ پسندیدہ ہے اور الشعبی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گوہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ حلال ہے، اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن مجھ کو اس سے گھن آتی ہے۔

(یہ تمام آثار مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۲۵ میں درج ہیں)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پسند ہے کہ میرے پاس سفید گندم کی سفید روٹی ہوتی جس کے اوپر گھی اور دودھ ہوتا، تو قوم میں سے ایک مرد کھڑا ہوا اور وہ گھی لے کر آیا، تو آپ نے پوچھا: گھی کس چیز میں تھا؟ اس نے کہا: وہ گوہ کے چمڑے کی تھیلی میں تھا، تو آپ نے فرمایا: اس کو اٹھالو۔ (سنن ابوداؤد: ۳۸۱۸، امام ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے)

عبدالرحمن بن شبل بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۳۷۹۶، علامہ منذری نے مختصر سنن ابوداؤد (ج ۵ ص ۳۱۱) میں کہا ہے: اس حدیث کی سند میں ایک راوی اسماعیل بن عیاش ہے اور دوسرا راوی ضمضم بن زرعہ ہے، اور ان دونوں راویوں پر جرح کی گئی ہے، اور الخطابی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند معتبر نہیں ہے اور امام بیہقی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند ثابت نہیں ہے، اس کی روایت میں اسماعیل بن عیاش منفرد ہے اور وہ حجت نہیں ہے، سنن بیہقی ج ۹ ص ۳۲۶، معالم السنن للخطابی، ج ۴ ص ۲۳۹)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! بندر اور خنزیر ان جانوروں میں سے ہیں جن کو مسخ کر دیا گیا؟ آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو ہلاک نہیں کیا یا کسی قوم کو عذاب نہیں دیا اور پھر اس کی نسل آگے چلائی ہو اور بندر اور خنزیر تو اس سے پہلے بھی ہوتے تھے۔ (صحیح مسلم: ۲۶۶۳، کتاب القدر باب بیان ان الآجال والارزاق)

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: اس حدیث سے یقینی طور پر معلوم ہوا کہ گوہ کے متعلق یہ خوف کہ یہ ان جانوروں میں سے ہے جو مسخ ہو چکے ہیں، اب یہ خوف اٹھ چکا ہے اور گوہ ان جانوروں میں سے نہیں ہے جن کو اس کی صورت میں مسخ کیا گیا ہے، لہٰذا وہ حلال ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گوہ کو کھایا گیا اور یہ گوہ کے حلال ہونے پر نص صریح ہے اور یہ آخر الناسخ ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فتح مکہ کے بعد اور فتح حنین اور طائف کے بعد جمع نہیں ہوئے اور انہوں نے اس کے بعد غزوۂ تبوک میں جہاد نہیں کیا تھا اور ان کو غزوۂ تبوک میں بھوک بالکل نہیں لگی، پس یقین کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ ابن حسنہ کی خبر صحیح ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس کو مباح قرار دینا صحیح ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۵۳۸۔ ۵۴۲، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۵۳۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رضى الله عنهما عَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ أَنَّهُ دَخَلَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم بَيْتَ مَيْمُونَةَ فَأُتِيَ بِضَبٍّ مَحْنُوذٍ فَأَهْوَى إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِيَدِهِ فَقَالَ بَعْضُ النِّسْوَةِ أَخْبِرُوا رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِمَا يُرِيدُ أَنْ يَأْكُلَ فَقَالُوا هُوَ ضَبٌّ يَا رَسُولَ اللهِ فَرَفَعَ يَدَهُ فَقُلْتُ أَحَرَامٌ هُوَ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ لَا وَلَكِنْ لَمْ يَكُنْ بِأَرْضِ قَوْمِي فَأَجِدُنِي أَعَافُهُ قَالَ خَالِدٌ فَاجْتَرَرْتُهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از مالک از ابن شہاب از ابی امامہ بن سہل از حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، از حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہوئے، سو آپ کے پاس ایک بھنی ہوئی گوہ لائی گئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف ہاتھ بڑھانے کا قصد کیا، پس گھر کی بعض خواتین نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دو آپ کس چیز کے کھانے کا ارادہ کر رہے ہیں تو گھر والوں نے بتایا: یارسول اللہ! یہ ضب ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ

فَأَكَلْتُهُ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ يَنْظُرُ۔

اٹھالیا، حضرت خالد نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! لیکن یہ میری قوم کی سرزمین میں نہیں ہوتی، سو مجھے اس سے گھن آتی ہے، حضرت خالد نے کہا: پس میں نے گوہ کو گھسیٹا اور اس کو کھایا اور رسول اللہ ﷺ دیکھ رہے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۰۰، ۵۵۳۷، صحیح مسلم: ۱۹۴۶، سنن ابوداؤد: ۳۷۹۴، سنن نسائی: ۴۳۱۶، مسند احمد: ۲۶۷۹، موطا امام مالک: ۱۸۰۵، سنن دارمی: ۲۰۱۷)

صحیح البخاری: ۵۵۳۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں گوہ کا ذکر ہے، اور اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ حضرت خالد بن ولید نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے گوہ کو کھایا، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن مسلمہ کا ذکر ہے، اس لفظ میں دونوں میموں پر زبر ہے، یہ القعنبی ہیں۔ اور ابوامامہ کا ذکر ہے، اس میں الف پر پیش ہے، ان کا نام اسعد بن سہل الانصاری ہے۔ ان کے والد حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ صحابی تھے۔
اس حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، سو اس حدیث میں صحابی کی صحابی سے روایت ہے، یہ حدیث کتاب الاطعمہ میں گزر چکی ہے، اس باب میں کہ "نبی ﷺ اس وقت تک کوئی چیز نہیں کھاتے تھے جب تک کہ آپ کو بتایا نہ جائے کہ یہ کیا چیز ہے"۔
اس حدیث میں (ام المومنین) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے، یہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خالہ ہیں۔
اس حدیث میں "محنوذ" کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے بھنی ہوئی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۳۔ ۲۰۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۳۷ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

گوہ کے متعلق احکام

گوہ حلال ہے، اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان اگر کوئی کام نہ کرے تو اسے اس کام کو دوسروں پر حرام نہیں کرنا چاہیے اور اگر کوئی کام کرے تو اس کو دوسروں پر واجب نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ کبھی انسان کوئی کام احتیاطاً کرتا ہے لیکن اس کو لوگوں پر واجب قرار نہیں دیتا، اور کبھی کوئی کام احتیاطاً نہیں کرتا اور اس کو لوگوں پر حرام قرار نہیں دیتا۔

نیز اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ جب انسان کسی حلال کھانے کو ترک کرے، کیونکہ اس کو اس کھانے سے گھن آتی ہے تو اس کو ملامت نہیں کی جائے گی اور اسی قبیل سے یہ ہے کہ جب پانی یا کسی مشروب میں مکھی گر جائے، تو مشروع یہ ہے کہ اس کو ڈبو کر نکال لیا جائے، پھر اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں اس مشروب کو پینا نہیں چاہتا، کیونکہ اس سے اس کو گھن آتی ہے، تو اس شخص کو ملامت نہیں کی جائے گی۔

سوال: کیا ضب (گوہ) کھانے کو ترک کرنا افضل ہے، تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء ہو؟

جواب: نہیں! کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ میں بہ طور عبادت کے اس کو نہیں کھاتا، آپ نے یہ فرمایا: کہ آپ کو اس سے گھن آتی ہے، پس جب کسی انسان کو گوہ کھانے کی خواہش ہو تو سنت یہ ہے کہ وہ گوہ کھائے اور اگر اس کی طبیعت گوہ کھانے سے متنفر ہو تو پھر وہ نہ کھائے۔

سوال: یہ کیسے معلوم ہوا کہ گوہ کا کھانا سنت ہے؟

جواب: اس لیے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بھی ہے اور آپ کا فعل بھی ہے اور آپ کی تقریر بھی ہے۔ اور تقریر کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے سامنے کوئی کام کیا جائے اور آپ اس کو مقرر اور ثابت رکھیں اور اس پر رد نہ فرمائیں اور یہاں پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے آپ کے سامنے گوہ کو کھایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ گوہ کا کھانا مباح ہے اور اس کا کھانا سنت ہے اور تم اپنے نفس کو اس چیز سے نہ روکو جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۹۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۴۔ بَابٌ: إِذَا وَقَعَتِ الْفَأْرَةُ فِي السَّمْنِ الْجَامِدِ أَوِ الذَّائِبِ

جب جمے ہوئے یا پگھلے ہوئے گھی میں چوہا گر جائے تو اس کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب چوہا گھی میں گر جائے تو اس کا کیا حکمِ شرعی ہے؟، اور اس عنوان میں گھی کا لفظ قید احترازی نہیں ہے، اسی طرح اگر وہ تیل میں گر جائے یا شہد میں گر جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ عنوان میں ذکر کیا گیا ہے: جما ہوا گھی یا پگھلا ہوا گھی، یعنی ان کا حکم الگ الگ ہے یا نہیں، اور ہم نے اس سے پہلے کتاب الطہارۃ میں ذکر کیا ہے کہ مختار یہ ہے کہ محض چوہے کے گرنے سے تیل یا گھی نجس نہیں ہوگا، سوا اس صورت کے کہ وہ تیل یا گھی متغیر ہو جائے، یعنی اس میں بدبو پیدا ہو جائے یا اس کا رنگ بدل جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۳۸۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يُحَدِّثُهُ عَنْ مَيْمُونَةَ أَنَّ فَأْرَةً

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے حدیث بیان کی انہوں

وَقَعَتْ فِي سَمْنٍ فَمَاتَتْ فَسُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْهَا فَقَالَ أَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا وَكُلُوهُ قِيلَ لِسُفْيَانَ فَإِنَّ مَعْمَرًا يُحَدِّثُهُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَا سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ يَقُولُ إِلَّا عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَلَقَدْ سَمِعْتُهُ مِنْهُ مِرَارًا۔

نے کہا: مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے خبر دی، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ ایک چوہا گھی میں گر گیا، پھر مر گیا، تو نبی ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا: اس چوہے کو پھینک دو اور جو اس کے اردگرد گھی ہو، اس کو بھی پھینک دو اور گھی کو کھالو۔ سفیان سے کہا گیا کہ معمر ان کو حدیث بیان کرتے ہیں از زہری از سعید بن المسیب از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: میں نے زہری سے صرف اتنا سنا ہے از عبید اللہ از حضرت ابن عباس از حضرت میمونہ از نبی ﷺ، اور میں نے ان سے اس حدیث کو بار بار سنا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۳۵، ۲۳۶، ۵۵۳۸، ۵۵۳۹، ۵۵۴۰، سنن ترمذی: ۱۷۹۸، سنن نسائی: ۴۲۵۸، سنن ابوداؤد: ۳۸۴۲، مسند احمد: ۲۶۲۵۶، موطا امام مالک: ۱۸۱۵، سنن داری: ۷۳۸)

صحیح البخاری: ۵۵۳۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں صرف یہ ذکر تھا کہ جب جمے ہوئے یا پگھلے ہوئے گھی میں چوہا گر جائے اور اس کا حکم نہیں بیان کیا گیا، اور اس حدیث میں اس کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ جمے ہوئے گھی میں اگر چوہا گر کر مر جائے تو چوہے کو نکال کر پھینک دو، اور اس کے اردگرد کا گھی بھی پھینک دو اور پھر اس گھی کو کھالو۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں الحمیدی کا ذکر ہے، اور وہ عبد اللہ بن زبیر بن عیسیٰ ہیں اور وہ حُمید کے اجداد میں سے کسی ایک کی طرف منسوب ہیں۔ اور اس سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ سفیان بن عُیینہ ہیں۔ اور حضرت میمونہ کا ذکر ہے، وہ حضرت میمونہ بنت الحارث ام المومنین رضی اللہ عنہا ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''چوہے کو پھینک دو اور اس کے اردگرد کے گھی کو بھی پھینک دو''، اس میں یہ دلیل ہے کہ وہ گھی جما ہوا ہو، کیونکہ جو گھی پگھلا ہوا ہو اس کے اردگرد کے گھی کو پھینکنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ حرکت سے گھی کا بعض حصہ دوسرے بعض حصے سے مل جائے گا اور اس پر اجماع ہے کہ اس حدیث میں جو صورت بیان کی گئی ہے، وہ جمے ہوئے گھی کی ہے۔ اور جو گھی پگھلا ہوا ہو یا دوسری

وہ چیزیں جو مائع اور رقیق ہیں تو اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب ان میں چوہا گر جائے گا تو ان میں سے کسی چیز کو بھی نہیں کھایا جائے گا۔

تنبیہ: بعض فقہاء نے پگھلے ہوئے گھی میں چوہا گر جانے کی صورت میں اس کو پاک کرنے کے تین طریقے لکھے ہیں، جو فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۳۳۳۔ ۳۴۳ مطبوعہ دارالامجدیہ، مکتبہ رضویہ کراچی میں مذکور ہیں، اور ہم نے ان تین طریقوں کو نعمۃ الباری ج ۱ ص ۶۹۸ میں ذکر کیا ہے، لیکن وہ تینوں طریقے بہت مشکل اور بہ ظاہر نا قابل عمل ہیں۔ تو بہتر یہ ہے کہ جیسا کہ علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے اس پگھلے ہوئے گھی یا اور مائع چیز مثلاً دودھ وغیرہ کو پھینک دیا جائے گا اور اس میں سے کسی بھی چیز کو کھایا نہیں جائے گا، کیونکہ جب اس پگھلے ہوئے گھی یا دودھ میں سے مرے ہوئے چوہے کو نکالیں گے تو اس دودھ کے یا پگھلے ہوئے گھی کے اجزاء ایک دوسرے سے مختلط ہو جائیں گے اور وہ سارا دودھ یا گھی ناپاک ہو جائے گا اور صحت کے لیے بھی مضر ہے، تو اس کو ضائع کر دینا اور ترک کر دینا بہتر ہے، تاہم اگر کوئی شخص فقہاء کے بیان کردہ ان طریقوں سے استفادہ کرنا چاہے تو وہ بھی جائز ہے۔

جس پگھلے ہوئے گھی میں چوہا گر گیا، اس کے دیگر احکام کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

اس پگھلے ہوئے گھی کو فروخت کرنے اور اس سے نفع اٹھانے میں اختلاف ہے۔

حسن بن صالح اور امام احمد نے کہا: اس گھی کو فروخت نہیں کیا جائے گا اور اس سے نفع حاصل نہیں کیا جائے گا جس طرح اس گھی کو کھایا نہیں جائے گا اور الثوری، امام مالک اور امام شافعی نے کہا ہے کہ اس گھی کو چراغ میں رکھ کر جلانا اور اس سے صابن وغیرہ بنانا جائز ہے، اور اس کا فروخت کرنا اور اس کو کھانا جائز نہیں ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور لیث نے کہا ہے کہ کھانے کے سوا اس سے دیگر منافع حاصل کیے جاسکتے ہیں اور اس گھی کی صفت بیان کر کے اس کو فروخت کرنا بھی جائز ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: اس کو فروخت کرو، اور جسے فروخت کرو تو اس کو بیان کر دو کہ یہ کس طرح کا گھی ہے اور کسی مسلمان کو یہ گھی فروخت نہ کرو۔ اور ابن وہب مالکی، قاسم مالکی اور سالم سے روایت ہے کہ انہوں نے اس گھی کو فروخت کرنے کی اجازت دی ہے اور اس کا عیب بیان کرنے کے بعد اس کی قیمت کو کھانے کی بھی اجازت دی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۴۔ ۲۰۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۳۸ کی شرح از علامہ القسطلانی

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

گھروں کے چوہے ایسے حیوان ہیں جو ایذاء پہنچاتے ہیں اور زیادہ فساد پیدا کرتے ہیں، اور چوہا ان فاسق جانوروں میں سے ہے جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حل میں اور حرم میں قتل کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کو فاسق اس لیے فرمایا ہے کہ یہ اپنے بلوں سے نکل کر لوگوں کے پاس داخل ہوتے ہیں اور فسق کی اصل جور ہے اور استقامت سے خروج ہے اور بعض حیوانات کو فواسق فرمایا ہے اور اس سے ان کے خبث میں استعارہ ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ احترام سے خارج ہو گئے، نہ ان کا حل میں احترام ہے اور نہ حرم میں، وہ حل میں پائے جائیں تو مار دیے جائیں اور حرم میں پائے جائیں تو مار دیئے جائیں اور چوہے کا فساد یہ ہے کہ وہ رسیاں کاٹ ڈالتا ہے، کتابیں کھا جاتا ہے، غلہ اور زرعی اشیاء کھا جاتا ہے اور کھانے پینے کی چیزوں میں اپنی مینگنیاں ڈال دیتا ہے تاکہ وہ خراب ہو جائیں۔

(میں کہتا ہوں کہ چوہوں میں گلٹیاں پیدا ہوجاتی ہیں، جن سے طاعون کی بیماری پھیلتی ہے، العیاذ باللہ! اور اس کا فساد بہت زیادہ ہے۔ سعیدی غفرلہ) غالباً اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چوہوں کو مارنے کا حکم دیا ہے کہ وہ حرم یا غیر حرم میں پائے جائیں تو ان کو مار دیا جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ چوہا اگر گھی میں گر جائے اور مر جائے تو اس کو نکال کر پھینک دو اور اس کے اردگرد جو گھی ہے، اس کو بھی پھینک دو اور باقی گھی کو کھالو۔ اس حدیث میں جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ جمے ہوئے گھی کا ہے، کیونکہ پگھلے ہوئے گھی کو اردگرد سے پھینکنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ جب اس کو ہلائیں گے تو اس گھی کے اجزاء ایک دوسرے سے مختلط ہوجائیں گے۔ اور امام ابن حبان کی حدیث میں ہے کہ جب گھی جما ہوا ہو تو اس کے اردگرد کو پھینک دو اور کھالو، اور جب گھی پگھلا ہوا ہو تو اس کے قریب نہ جاؤ۔

(ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ج ۱۲ ص ۳۳۷۔۳۳۸، دار الفکر ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۳۸، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ گھی سے چوہے کو نکال کر پھینک دو اور اس کے اردگرد سے بھی گھی نکال کر پھینک دو، یہ اس صورت میں ہوسکتا ہے جب گھی جما ہوا ہو، کیونکہ پگھلے ہوئے گھی میں تو چوہے کے ذرات گھی کی گہرائی تک پہنچ جائیں گے۔ اور امام طحاوی نے روایت کی ہے کہ اگر گھی جما ہوا ہو تو اس کو پھینک دو اور اس کے اردگرد کو بھی پھینک دو اور اگر گھی پگھلا ہوا ہے تو اس کے قریب نہ جاؤ۔ (صحیح ابن حبان: ۱۳۹۴)

اور پگھلے ہوئے گھی کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام مالک نے کہا ہے کہ اس سے نفع اٹھانا جائز ہے اور اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "اگر پگھلا ہوا گھی ہو تو اس کو جوش دو" اور امام ابوحنیفہ اور تمام فقہاء احناف نے کہا ہے کہ پگھلے ہوئے گھی کو بھی بیچنا جائز ہے جیسا کہ ان کے نزدیک گوبر کو بیچنا جائز ہے۔ اور امام احمد نے کہا: اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے۔ اور ابواب الطہارۃ میں یہ گزر چکا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک گھی نجس نہیں ہوتا خواہ وہ جما ہوا ہو یا پگھلا ہوا ہو، اسی لیے امام بخاری نے اس حدیث کے عنوان میں وثوق کے ساتھ کوئی حکم نہیں لکھا۔

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری ج ۹ ص ۱۷۶، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

۵۵۳۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ الدَّابَّةِ تَمُوتُ فِي الزَّيْتِ وَالسَّمْنِ وَهُوَ جَامِدٌ أَوْ غَيْرُ جَامِدٍ الْفَأْرَةِ أَوْ غَيْرِهَا قَالَ بَلَغَنَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَمَرَ بِفَأْرَةٍ مَاتَتْ فِي سَمْنٍ فَأَمَرَ بِمَا قَرُبَ مِنْهَا فَطُرِحَ ثُمَّ أُكِلَ عَنْ حَدِيثِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی از یونس از زہری، ان سے روایت ہے کہ جو جانور زیتون کے تیل میں یا گھی میں مر جائے اور وہ جما ہوا ہو یا جما ہوا نہ ہو، چوہا مر جائے یا اس کے علاوہ کوئی اور مر جائے تو انہوں نے کہا: ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چوہے کے متعلق حکم دیا جو گھی میں مر گیا تھا، پس آپ نے حکم دیا کہ اس چوہے کے

اطراف میں جو گھی ہے، اس کو نکال کر پھینک دیا جائے، پھر اس کو کھالیا جائے، یہ حدیث عبید اللہ بن عبد اللہ سے مروی ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۳۵، ۵۵۳۸، ۵۵۳۹، ۵۵۴۰، سنن ترمذی: ۱۷۹۸، سنن نسائی: ۴۲۵۸، سنن ابوداؤد: ۳۸۴۲، مسند احمد: ۲۶۲۵۶، موطا امام مالک: ۱۸۱۵، سنن دارمی: ۲۳۸۷)

صحیح البخاری: ۵۵۳۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے: ''عبدان'' یہ عبد اللہ بن عثمان بن جبلہ المروزی کا لقب ہے۔ اور اس حدیث میں عبد اللہ کا ذکر ہے، یہ عبد اللہ بن المبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث میں یونس کا ذکر ہے، یہ ابن یزید الایلی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ زہری سے دابۃ کے متعلق مروی ہے، یعنی جو جانور زیتون کے تیل میں مرجائے، آیا کل زیتون کا تیل نجس ہوجائے گا یا نہیں؟

اور اس حدیث میں مذکور ہے: ''اور وہ جما ہوا ہو'' یعنی زہری نے اس حکم میں جمے ہوئے گھی اور پگھلے ہوئے گھی کے درمیان فرق نہیں کیا، نہ زیتون کے تیل میں فرق کیا کہ جما ہوا ہو یا جما ہوا نہ ہو۔ پھر انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چوہے کو نکالنے اور اس کے اردگرد کے گھی کو نکالنے کا حکم دیا ہے اور گھی کے علاوہ دوسری چیزوں کو گھی پر قیاس کیا ہے۔

اور عطاء بن یسار کی مرسل روایت میں ہے کہ وہ مٹھی بھر جمے ہوئے گھی کو نکال لے۔ اور امام دار قطنی نے امام مالک سے یہ روایت کی ہے کہ انہوں نے حکم دیا کہ جمے ہوئے گھی کو نکال لیا جائے، اور اس میں یہ تصریح ہے کہ یہ حدیث جمے ہوئے گھی کے متعلق ہے، پگھلے ہوئے گھی کے متعلق نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۴۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ رضی الله عنهم قَالَتْ سُئِلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ فَأْرَةٍ سَقَطَتْ فِي سَمْنٍ فَقَالَ أَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا وَكُلُوهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد العزیز بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از عبید اللہ بن عبد اللہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے چوہے کے گھی میں گر جانے کے متعلق سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا: چوہے کو پھینک دو اور جو اس کے اردگرد گھی ہے اس کو پھینک دو اور گھی کو کھالو۔

(صحیح البخاری: ۲۳۵، ۲۳۶، ۵۵۳۸، ۵۵۳۹، ۵۵۴۰، سنن ترمذی: ۱۷۹۸، سنن نسائی: ۴۲۵۸، سنن ابوداؤد: ۳۸۴۲، مسند احمد: ۲۶۲۵۶، موطا امام مالک: ۱۸۱۵، سنن دارمی: ۲۳۸۷)

صحیح البخاری: ۵۵۴۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدالعزیز بن عبداللہ کا ذکر ہے، یہ ابن یحییٰ الاویسی المدنی ہیں۔ نیز اس حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے اور یہ صحابی کی صحابیہ سے روایت ہے۔

یہ حدیث کتاب الطہارۃ میں ''باب مایقع من النجاسات فی السمن والماء'' میں گزر چکی ہے۔ اور وہاں اس کی مفصل شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

گھی میں چوہا گرنے کا سوال کرنے والے سائل کی تعیین

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا اور اکثر روایات میں اسی طرح ہے اور سائل کا بیان نہیں ہے۔ اور امام اوزاعی نے از امام احمد روایت کی ہے جس میں سائل کی تعیین ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ گھی میں چوہا گر جائے تو پھر کیا کیا جائے؟ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۵۔ بَابٌ: الْوَسْمِ وَالْعَلَمِ فِي الصُّورَةِ — چہرہ پر داغ لگانے اور نشان لگانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

''الوسم'' کا معنی ہے: کسی چیز میں تاثیر کر کے کوئی نشان لگانا اور اس کی اصل یہ ہے کہ ایک جانور کے چہرے میں داغ لگا کر نشان لگایا جائے تا کہ وہ جانور دوسرے جانور سے ممتاز ہو جائے۔ اور حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کے اونٹوں پر داغ لگا کر علامت بناتے تھے۔ اور علم کے معنی ہیں علامت بنانا، خواہ داغ لگا کر بنائی جائے یا کسی اور طریقہ سے علامت بنائی جائے اور وسم کا معنی ہے داغ لگا کر علامت بنانا۔ تو علم کا عطف وسم کے اوپر عام کا خاص کے اوپر عطف ہے۔ اور صورت سے مراد ہے چہرہ، جیسا کہ حبشہ کے سیاہ فام لوگوں کے چہرے پر داغ لگا کر نشان بنایا جاتا ہے، یا جس طرح جسم کے کسی عضو میں سوئی چبھو کر کوئی شکل بنائی جاتی ہے اور بعد میں اس میں نیل بھر دیا جاتا ہے۔ امام بخاری نے اس کا حکم نہیں بیان کیا، کیونکہ امام بخاری کی عادت یہ ہے کہ وہ حکم کے ذکر کو حدیث کے اوپر چھوڑ دیتے ہیں، یعنی اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چہرہ پر داغ لگانا یا علامت بنانا مکروہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۴۱۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ حَنْظَلَةَ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَرِهَ أَنْ تُعْلَمَ الصُّورَةُ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ نَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ تُضْرَبَ تَابَعَهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبیداللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از حنظلہ از سالم از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، کہ وہ چہرہ پر علامت بنانے کو مکروہ قرار دیتے تھے۔ اور

قُتَيْبَةَ حَدَّثَنَا الْعَنْقَزِيُّ عَنْ حَنْظَلَةَ وَقَالَ تُضْرَبُ الصُّورَةُ.

(مسند احمد: ۴۷۶۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چہرہ پر مارنے سے منع فرمایا ہے۔عبید اللہ بن موسیٰ کی متابعت قتیبہ نے کی ہے،انہوں نے کہا: ہمیں العنقزی نے حدیث بیان کی از حنظلہ اور انہوں نے کہا: صورتوں پر نشان بنایا جاتا ہے۔

صحیح البخاری: ۵۵۴۱،کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبید اللہ بن موسیٰ کا ذکر ہے،یہ ابن باذام الکوفی ہیں۔

امام بخاری نے کہا: یہ دوسو تیرہ ہجری (۲۱۳ ھ) میں فوت ہو گئے تھے اور کاتب الواقدی نے بھی اسی کی مثل کہا اور یہ اضافہ کیا ہے کہ یہ ذوالقعدہ میں فوت ہوئے تھے۔

اور اس حدیث میں حنظلہ کا ذکر ہے،یہ ابن ابی سفیان الجمحی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں سالم کا ذکر ہے،اور یہ ابن حضرت عبد اللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں صورت کا ذکر ہے اور بعض روایات میں الصُّوَر جمع کا صیغہ ہے۔

علامہ ابن الملقن نے التوضیح میں لکھا ہے کہ چہرہ پر یا صورت پر علامت بنانا علماء کے نزدیک مکروہ ہے،جیسا کہ علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے اور ہمارے نزدیک یہ حرام ہے۔

امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک گدھے کے پاس سے گزرے جس کے چہرے پر علامت بنائی ہوئی تھی،تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت فرمائی جس نے اس کے چہرے پر علامت بنائی ہے۔

علماء نے چہرہ پر علامت بنانے کو اس لیے مکروہ کہا ہے کہ چہرہ کا شرف اور اس کی تعظیم ہے اور اس میں علامت بنا کر چہرہ میں اللہ تعالیٰ کی خلقت کو متغیر کرنا ہے۔

رہا چہرہ کے علاوہ کسی اور عضو میں علامت بنانا،اگر یہ کسی منفعت کے لیے ہو اور علامت کی مقدار تھوڑی ہو اور اس سے اس عضو کی صورت نہ بگڑے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔کیا تم نہیں دیکھتے کہ قربانی کے اونٹوں میں علامت بنانا جائز ہے۔اور جس شخص نے اپنے غلام کی ناک یا کان یا کسی اور عضو کے اوپر نشانی بنائی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ اس غلام کو آزاد کر دیا جائے۔اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کے اونٹوں پر نشانی لگائی اور اس سے پہلے جانوروں کو داغنے کی حدیث گزر چکی ہے کتاب الزکوۃ کے اس باب میں کہ "امام صدقہ کے اونٹوں پر داغ لگائے"۔

اس حدیث میں مذکور ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مارنے سے منع فرمایا ہے۔اور صحیح مسلم میں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ پر مارنے سے منع فرمایا ہے اور چہرہ پر علامت بنانے سے منع فرمایا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ جب چہرہ پر مارنا اور چہرہ پر علامت بنانا منع ہے تو چہرہ پر داغ لگانا بہ طریق اولیٰ منع ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۶۔۲۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۴۱، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

چہرہ پر مارنا ممنوع ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۲۲۶) اور اس حدیث میں مراد تمام جانداروں کی صورتیں ہیں، کیونکہ چہرہ محاسن اور حواس کا محل ہے، اس لیے چہرہ پر داغ لگانا اور کوئی علامت بنانا ممنوع ہے۔

اس حدیث کی تعلیق میں العنقزی کا ذکر ہے، ان کا نام عمرو بن محمد القرشی ہے۔ اور الغسانی نے کہا ہے: یہ قریش کے آزاد کردہ غلام تھے اور ان کی نسبت عنقز کی طرف ہے۔ اور عنقز ایک گھاس کا نام ہے یا ایک پھول کا نام ہے۔

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری ج ۹ ص ۱۷۶، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

۵۵۴۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ بِأَخٍ لِي يُحَنِّكُهُ وَهُوَ فِي مِرْبَدٍ لَهُ فَرَأَيْتُهُ يَسِمُ شَاةً حَسِبْتُهُ قَالَ فِي آذَانِهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ہشام بن زید از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے بھائی کو گھٹی دینے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا، اس وقت آپ اصطبل میں تھے، میں نے دیکھا کہ آپ ایک بکری کے اوپر داغ لگا رہے ہیں اور میرا گمان ہے کہ آپ اس کے کانوں میں داغ لگا رہے تھے۔

(صحیح مسلم: ۲۱۱۹، سنن ابوداؤد: ۲۵۶۳، مسند احمد: ۱۳۲۵۱)

صحیح البخاری: ۵۵۴۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابو الولید کا ذکر ہے، یہ ہشام بن عبد الملک الطیالسی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ہشام بن زید کا ذکر ہے، یہ ابن انس بن مالک ہیں، جو اپنے دادا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے بھائی کو لے کر گئے" یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ماں شریک بھائی تھے، اور

ان کا نام عبداللہ بن ابی طلحہ ہے۔

اور اس حدیث میں گھٹی دینے کا ذکر ہے۔ اور گھٹی کا معنی یہ ہے کہ کسی پھل کو منہ میں ڈال کر چبایا جائے اور اسے نرم کر کے بچے کے منہ میں دے دیا جائے۔

اور اس حدیث میں المربد کا ذکر ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جس میں اونٹوں کو باندھا جاتا ہے۔ اور اس جگہ بکریاں تھیں، تو بکریوں کے باڑے کے اوپر مربد کا اطلاق مجاز ہے، یا حقیقت ہے بایں طور کہ بکریوں کو اونٹوں کے اصطبل میں داخل کر دیا گیا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یسم" یہ الوسم سے ماخوذ ہے یعنی اس کو داغ لگا رہے تھے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ "میں نے گمان کیا کہ آپ بکری کے کانوں میں داغ لگا رہے تھے"۔

اس قول کے قائل شعبہ ہیں۔

حدیث مذکور کے مسائل اور فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کے علاوہ کسی کے اوپر داغ لگانا جائز ہے۔ اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کا بیان ہے کہ آپ خود اپنے ہاتھوں سے کام کرتے تھے۔ اور آپ کی نظر مسلمانوں کی مصلحتوں میں رہتی تھی۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نومولود بچے کو گھٹی دینا مستحب ہے اور اس بچے کو صالحین کے پاس لے جانا چاہیے، تاکہ بچے کے پیٹ میں سب سے پہلے جو چیز پہنچے وہ صالحین کا لعاب ہو۔

(۳) علامہ نووی نے کہا ہے: ہر محترم حیوان کے چہرہ پر مارنا مکروہ ہے، لیکن آدمی کے چہرہ پر مارنا بہت شدید مکروہ ہے، کیونکہ آدمی کا چہرہ مجمع المحاسن ہے اور بسا اوقات چہرہ پر مارنے سے چہرہ بدنما ہو جاتا ہے یا اس کے بعض حواس متاثر ہو جاتے ہیں۔

(۴) اور جسم پر داغ لگانا آدمی میں حرام ہے اور آدمی کے غیر میں مکروہ ہے، اور وسم داغ لگانے کا اثر ہے۔

(۵) علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ صدقہ کے اونٹوں میں چہرہ کے علاوہ داغ لگانا مستحب ہے اور امام ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ داغ لگانا مکروہ ہے، کیونکہ یہ جسم کو عذاب دینا ہے اور اس کو بدنما کرنا ہے اور جسم کو عذاب دینے اور مثلہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جسم کو عذاب دینا اور مثلہ کرنے کی ممانعت عام ہے اور داغ لگانے کی حدیث خاص ہے، تو اس کو مقدم کرنا واجب ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: جب معلوم ہو کہ خاص اور عام دونوں کی ممانعت مقارن ہو تو پھر خاص کو عام پر مقدم کیا جاتا ہے، ورنہ نہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۷۔۲۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٣٦۔ بَابٌ: إِذَا أَصَابَ قَوْمٌ غَنِيمَةً فَذَبَحَ بَعْضُهُمْ غَنَمًا أَوْ إِبِلًا بِغَيْرِ أَمْرِ أَصْحَابِهِمْ لَمْ تُؤْكَلْ

جب کسی قوم کو مالِ غنیمت ملے، پس ان میں سے کسی نے بکری یا اونٹ کو اپنے اصحاب کی اجازت کے بغیر ذبح کر دیا تو اس کو کھایا نہیں جائے گا

لِحَدِيثِ رَافِعٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَقَالَ طَاوُسٌ

اس کی وجہ حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو انہوں نے نبی

وَعِكْرِمَةُ فِي ذَبِيحَةِ السَّارِقِ اطْرَحُوهُ۔

صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔اور طاؤس اور عکرمہ نے چور کے ذبیحہ کے متعلق کہا: اس کو پھینک دو۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری کے نزدیک جس کو ولایتِ ذبح حاصل نہ ہو، اس کا ذبح کرنا غیر معتبر ہے

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کسی جماعت کو مالِ غنیمت ملے اور اس جماعت میں سے کوئی شخص اس مالِ غنیمت کی بکری یا اونٹ کو اپنے باقی اصحاب کی اجازت کے بغیر ذبح کر دے تو وہ ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔اور شاید امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ جس شخص کو ذبح کرنے کی شرعاً ملکیت حاصل نہ ہو، یا وہ شرعاً وکیل نہ ہو تو اس کا ذبح کرنا غیر معتبر ہے۔

امام بخاری نے کہا: حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے،اور اس سے وجہِ استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں ذکر ہے کہ لوگوں نے جلدی سے مالِ غنیمت میں سے کسی بکری یا اونٹ کو ذبح کر دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے پیچھے تھے اور دیگچیوں میں اس گوشت کو چڑھا دیا، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور آپ نے یہ دیکھا تو آپ نے حکم دیا کہ دیگچیوں کو پلٹ دیا جائے، کیونکہ مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے ان کے لیے مالِ غنیمت میں سے کسی بکری یا اونٹ کو ذبح کرنا جائز نہ تھا۔

اس کے بعد امام بخاری نے بیان کیا کہ طاؤس اور عکرمہ نے چور کے ذبیحہ کے متعلق کہا: اس کو پھینک دو۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یعنی یہ حرام ہے اور اس تعلیق کا مقصد بھی یہی ہے کہ جس کو ذبح کرنے کی ولایت حاصل نہ ہو، جب وہ ذبح کر دے تو اس ذبیحہ کو کھایا نہیں جائے گا، اس تعلیق کی امام عبد الرزاق نے طاؤس اور عکرمہ سے اس طرح روایت کی ہے کہ طاؤس اور عکرمہ سے چور کے ذبیحہ سے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کو ناپسند کیا اور اس سے منع کیا۔علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ میرے علم میں نہیں ہے کہ اس ذبیحہ کے کھانے کی کراہیت پر کسی نے طاؤس اور عکرمہ کی متابعت کی ہو، سوائے اسحاق بن راہویہ کے اور فقہاء کی ایک جماعت نے اس کی اجازت دی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۴۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قُلْتُ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّا نَلْقَى الْعَدُوَّ غَدًا وَلَيْسَ مَعَنَا مُدًى فَقَالَ مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ فَكُلُوهُ مَا لَمْ يَكُنْ سِنٌّ وَلَا ظُفُرٌ وَسَأُحَدِّثُكُمْ عَنْ ذَلِكَ أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ وَأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ وَتَقَدَّمَ سَرَعَانُ النَّاسِ فَأَصَابُوا مِنَ الْغَنَائِمِ وَالنَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي آخِرِ النَّاسِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالاحوص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن مسروق نے حدیث بیان کی از عبایہ بن رفاعہ از والد خود از جد خود حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کل ہمارا دشمن سے مقابلہ ہوگا اور ہمارے پاس چھری نہیں ہوگی۔تو آپ نے فرمایا: جو چیز بھی خون بہا دے اور اللہ کا نام ذکر کیا جائے، سو اس کو کھالو جب کہ وہ نہ دانت ہو اور نہ ناخن ہو۔اور میں عنقریب تم

فَنَصَبُوا قُدُورًا فَأَمَرَ بِهَا فَأُكْفِئَتْ وَقَسَمَ بَيْنَهُمْ وَعَدَلَ بَعِيرًا بِعَشْرِ شِيَاهٍ ثُمَّ نَدَّ بَعِيرٌ مِنْ أَوَائِلِ الْقَوْمِ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُمْ خَيْلٌ فَرَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَحَبَسَهُ اللهُ فَقَالَ إِنَّ لِهَذِهِ الْبَهَائِمِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَمَا فَعَلَ مِنْهَا هَذَا فَافْعَلُوا مِثْلَ هَذَا۔

کو اس کا سبب بیان کروں گا، رہا دانت تو وہ ہڈی ہے اور رہا ناخن تو وہ حبشیوں کی چھری ہے، اور لوگ جلدی جلدی آگے بڑھے اور انہوں نے مالِ غنیمت کو حاصل کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے پیچھے تھے، انہوں نے دیگچیاں چڑھا دیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، پس ان دیگچیوں کو پلٹ دیا گیا اور مالِ غنیمت ان کے درمیان تقسیم کیا گیا، اور ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیا گیا، پھر لوگوں کے آگے سے ایک اونٹ بدک کر بھاگ گیا اور لوگوں کے پاس گھوڑے نہیں تھے، پھر ایک مرد نے اپنا تیر مارا تو اللہ تعالیٰ نے اس اونٹ کو روک لیا، پس آپ نے فرمایا: ان جانوروں میں توحش ہوتا ہے جیسے وحشی جانور غیر مانوس ہوتے ہیں۔ پس جو جانور اس طرح بھاگ جائے، سو تم اس کو اسی طرح روکو۔

(صحیح البخاری: ۲۴۸۸، ۲۵۰۷، ۳۰۷۵، ۵۴۹۸، ۵۵۰۳، ۵۵۰۶، ۵۵۰۹، ۵۵۴۳، ۵۵۴۴، صحیح مسلم: ۱۹۶۸، سنن ترمذی: ۱۴۹۱، سنن نسائی: ۴۴۱۰، سنن ابوداؤد: ۲۸۲۱، سنن ابن ماجہ: ۳۱۸۳، مسند احمد: ۱۶۸۱۲، سنن دارمی: ۱۹۷۷)

صحیح البخاری: ۵۵۴۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب میں پہلے امام بخاری نے حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر کیا۔ اور اس کے بعد حضرت رافع بن خدیج کی حدیث کی مکمل سند کے ساتھ روایت کی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالاحوص کا ذکر ہے، ان کا نام سلام الحنفی الکوفی ہے۔ اور اس حدیث میں سعید بن المسروق کا ذکر ہے، یہ سفیان ثوری کے والد ہیں۔ اور عبایۃ کا ذکر ہے، یہ ابن رفاعہ ہیں۔ الغسانی نے کہا: اس حدیث کے تمام راوی اس حدیث کو از سعید بن مسروق از عبایۃ بن رفاعہ از جد خود روایت کرتے ہیں، اور ابوالاحوص کے سوا کسی نے یہ نہیں کہا از والدِ خود از جدِ خود۔ کہا گیا ہے کہ یہ ابوالاحوص کی خطاء ہے جو اس نے کہا: از والد خود۔

یہ حدیث عنقریب باب التسمیۃ علی الذبیحہ میں گزر چکی ہے اور اس کی شرح گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''تقدم سرعان الناس'' یعنی جو لوگ آگے تھے، وہ جلدی جلدی چلے اور انہوں نے مالِ غنیمت کو حاصل کر لیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٣٧۔ بَابٌ: إِذَا نَدَّ بَعِيرٌ لِقَوْمٍ فَرَمَاهُ بَعْضُهُمْ بِسَهْمٍ فَقَتَلَهُ

اس کا بیان کہ جب کسی قوم کا اونٹ بدک کر بھاگے، پھر ان میں سے کوئی اس کو تیر مارے اور اسکو ہلاک کردے

فَأَرَادَ إِصْلَاحَهُمْ فَهُوَ جَائِزٌ لِخَبَرِ رَافِعٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

یعنی کوئی ان کی اصلاح کے لیے تیر مار کر اونٹ کو روک لے تو یہ جائز ہے، جیسا کہ حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی اونٹ بھاگ جائے اور اس کو قوم میں سے کوئی تیر مار کر قتل کردے اور تیر مارنے کا ارادہ ان کی خیر خواہی ہو یعنی جب اس کو معلوم ہو کہ وہ اس اونٹ کو صرف تیر مار کر ٹھہرا سکتا ہے اور اس کا یہ ارادہ نہ ہو کہ وہ تیر مار کر ان کے لیے اس اونٹ کو خراب کردے، تو وہ تیر مارنے والا اس اونٹ کا ضامن نہیں ہوگا اور اس کا کھانا حلال ہوگا۔ اور جب کوئی شخص کسی کے اونٹ کو ان کی اجازت کے بغیر ہلاک کردے تو وہ اس اونٹ کی قیمت کا ضامن ہوگا، سوا اس صورت کے کہ وہ اس پر گواہ قائم کردے کہ اس اونٹ نے اس پر حملہ کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۹، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۴۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ عُبَيْدٍ الطَّنَافِسِيُّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ جَدِّهِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رضی الله عنه قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ فَنَدَّ بَعِيرٌ مِنَ الْإِبِلِ قَالَ فَرَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَحَبَسَهُ قَالَ ثُمَّ قَالَ إِنَّ لَهَا أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَمَا غَلَبَكُمْ مِنْهَا فَاصْنَعُوا بِهِ هَكَذَا قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا نَكُونُ فِي الْمَغَازِي وَالْأَسْفَارِ فَنُرِيدُ أَنْ نَذْبَحَ فَلَا تَكُونُ مُدًى قَالَ أَرِنْ مَا نَهَرَ أَوْ أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ فَكُلْ غَيْرَ السِّنِّ وَالظُّفُرِ فَإِنَّ السِّنَّ عَظْمٌ وَالظُّفُرَ مُدَى الْحَبَشَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن عبید الطنافسی نے خبر دی از سعید بن مسروق از عبایۃ بن رفاعہ از جد خود حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو اونٹوں میں سے ایک اونٹ بدک کر بھاگا، انہوں نے بیان کیا: پس ایک مرد نے اپنا تیر مار کر اس اونٹ کو روک لیا، پھر انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ان اونٹوں کے لیے توحش ہوتا ہے، جیسا کہ وحشی جانور غیر مانوس ہوتے ہیں، پس ان اونٹوں میں سے جو تم پر غالب آجائے تو ان کے ساتھ تم اسی طرح کرو، حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ (ﷺ)! ہم غزوات اور سفروں میں ہوتے ہیں، پس ہم ذبح کرنا چاہتے ہیں اور ہمارے پاس چھری نہیں ہوتی، آپ نے فرمایا: دیکھ لیا کرو جو آلہ خون بہادے یا فرمایا: جو آلہ خون بہائے (نہر کے بجائے آپ نے انہر فرمایا) اور فرمایا: اللہ کا نام لو اور اسے کھاؤ سوائے دانت اور ناخن کے، کیونکہ دانت ہڈی

ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۸۸، ۲۵۰۷، ۳۰۷۵، ۵۴۹۸، ۵۵۰۳، ۵۵۰۶، ۵۵۰۹، ۵۵۴۳، ۵۵۴۴، صحیح مسلم: ۱۹۶۸، سنن ترمذی: ۱۴۹۱، سنن نسائی: ۴۴۱۰، سنن ابوداؤد: ۲۸۲۱، سنن ابن ماجہ: ۳۱۸۳، مسند احمد: ۱۶۸۱۲، سنن دارمی: ۱۹۷۷)

صحیح البخاری: ۵۵۴۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابن سلام کا ذکر ہے اور وہ محمد بن سلام ہے۔ اور صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں محمد بن سلام کی تصریح ہے اور اس حدیث میں عمرو کا ذکر ہے، وہ ابن عبید الطنافسی ہیں۔ ''طنافِس'' کا معنی ہے چادر، یعنی وہ چادریں فروخت کرتے تھے یا چادریں بناتے تھے۔ ''طنافِس'' طنفسة کی جمع ہے اور یہ بچھانے والی چادر کو کہتے ہیں۔

پھر راویوں کا ارن کے ضبط میں اختلاف ہے۔ کریما کی روایت میں ہے أَرِنْ (ہمزہ پر زبر اور راء کے نیچے زیر اور نون ساکن)۔ اسی طرح علامہ خطابی نے اس کو منضبط کر کے لکھا ہے۔ اور سنن ابوداؤد میں ابوذر کی روایت سے مذکور ہے أَرْنِ یعنی راء ساکن ہے اور نون کے نیچے زیر ہے۔ اور اسماعیلی کی روایت میں ہے أَرِنِی اس کا معنی ہے کہ اس جانور کو جلدی ذبح کر لو تاکہ یہ طبعی موت نہ مر جائے۔

علامہ عینی نے لکھا ہے: أَرِنْ کے متعلق جتنے الفاظ ذکر کیے گئے ہیں، یہ سب قواعدِ صرف کے خلاف ہیں اور شاذ ہیں۔

اس حدیث میں نہر کا لفظ بھی ہے اور انہر الدم کا لفظ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اللہ کا نام لو'' یہ امر کا صیغہ ہے اور مجہول کے صیغہ کے ساتھ بھی اس کی روایت ہے، یعنی اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو۔

حدیث مذکور کے باقی الفاظ کی شرح اس سے پہلے کی جا چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۸۔ بَابٌ: إِذَا أَكَلَ الْمُضْطَرُّ — جو شخص بھوک سے بے قرار ہو اس کے کھانے کا حکم

لِقَوْلِهِ تَعَالَى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۝ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (البقرہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! ان پاک چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو ○ اللہ نے تم پر جس کا (کھانا) حرام کیا ہے، وہ صرف مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، سو جو شخص مجبور ہو جائے جب کہ وہ نافرمانی کرنے والا اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو تو اس پر (کھانے یا استعمال میں) کوئی گناہ نہیں ہے، بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے

حد مہربان ہے O

وَقَالَ: فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ (المائدہ:۳)

اور فرمایا: پس جو شخص بھوک کی شدت سے مجبور ہوکر (کوئی حرام چیز کھالے) درآں حالیکہ وہ گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہوتو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے O

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہوتو اس ذبیحہ سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو O اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اس ذبیحہ سے نہیں کھاتے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے، حالانکہ حالتِ اضطرار کے سوا جو چیزیں تم پر حرام ہیں ان کی تفصیل اللہ نے تمہیں بتادی ہے، اور بے شک بہت سے لوگ بغیر علم کے اپنی خواہشوں سے گمراہی پھیلاتے ہیں، اور بے شک آپ کا رب حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے O

وَقَوْلِهٖ: فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ۝ (الانعام)

وَقَوْلِهٖ جَلَّ وَعَلَا: قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (الانعام)

آپ کہیے کہ میری طرف جو وحی کی گئی ہے میں اس میں کسی کھانے والے پر ان چیزوں کے سوا اور کوئی چیز حرام نہیں پاتا، وہ مردار ہو یا بہا ہوا خون ہو، یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ نجس ہے یا بہ طور نافرمانی کے اس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، سو جو شخص مجبور ہو اور نہ وہ سرکشی کرنے والا ہو نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو بے شک آپ کا رب بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

وَقَالَ: فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (النحل)

اور فرمایا: سو اللہ کے دیئے ہوئے حلال طیب رزق میں سے کھاؤ، اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو O تم پر صرف (یہ) چیزیں حرام کی ہیں: مردار اور (بہتا ہوا) خون، اور خنزیر کا گوشت، اور جس (جانور) پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا، پس جو شخص مجبور ہو جائے، وہ سرکشی کرنے والا نہ ہو اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص بھوک سے بے قرار اور مجبور ہو اور اسے کوئی حلال چیز نہ ملے تو وہ مردار کھا سکتا

ہے۔اس کے بعد امام بخاری نے اس معنی کو ثابت کرنے کے لیے البقرہ: ۱۷۲۔ ۱۷۳ کا ذکر کیا، پھر المائدہ: ۳ کا ذکر کیا، پھر الانعام: ۱۱۸، ۱۱۹ کا ذکر کیا، اور پھر الانعام: ۱۴۵ کا ذکر کیا، پھر النحل: ۱۱۴، ۱۱۵، کا ذکر کیا۔

امام بخاری نے یہ عنوان بھوک سے بے قرار اور مجبور شخص کے لیے مردار کو کھانے کے جواز میں بیان کیا ہے۔اور اس باب میں کسی حدیث کا اصلاً ذکر نہیں کیا۔اور اس کی توجیہ میں ایک وجہ یہ ذکر کی گئی ہے کہ اس مضمون کے مناسب امام بخاری کو اپنی شرط کے مطابق کوئی حدیث نہیں ملی، اس لیے انہوں نے قرآن مجید کی ان آیات کو ذکر کرنے پر اکتفاء کر لی، کیونکہ ان آیات میں بھوک سے بے قرار اور مجبور شخص کے احوال کو بیان کیا گیا ہے۔

اور دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ امام بخاری نے حدیث کو لکھنے کے لیے خالی جگہ چھوڑی تھی تا کہ جب انہیں حدیث مل جائے تو وہاں وہ حدیث لکھ دیں لیکن ان کو وہ حدیث نہیں ملی تو پھر کتاب کو لکھتے وقت ان آیات کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ امام احمد نے از الولید بن مسلم از الاوزاعی از حسان از عطیہ از حضرت ابو واقد اللیثی روایت کی ہے کہ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم ایسی سرزمین میں ہوتے ہیں جہاں ہم کو شدید بھوک لگی ہوتی ہے تو ہمارے لیے مردار کھانا کس صورت میں جائز ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا: جب تم کو صبح کے وقت کھانے کی کوئی چیز نہ ملے اور شام کے وقت بھی کھانے کی کوئی چیز نہ ملے اور تمہاری ہتھیلیاں بالکل خالی ہوں تو پھر تم مردار کھا سکتے ہو۔

بھوک سے بے قرار شخص کتنی مقدار مردار کھا سکتا ہے؟ اس کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

فقہاء اسلام کا اس میں اختلاف ہے کہ بھوک سے بے قرار شخص مردار کو پیٹ بھر کر کھائے یا اتنی مقدار کھائے جس سے اس کی رمق حیات قائم رہے یا اس میں سے کچھ رکھ بھی سکتا ہے۔

امام مالک نے کہا کہ المضطر یعنی بھوک سے بے قرار شخص کے متعلق جو میں نے بہترین قول سنا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ پیٹ بھر کر کھائے اور کچھ مقدار ساتھ رکھ لے اور جب وہ یہ دیکھے کہ اب وہ اس سے بے پرواہ ہو چکا ہے، تو جو مقدار ساتھ رکھی ہے، اس کو پھینک دے۔اور یہ الزہری اور ربیعہ کا قول ہے۔

اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ صرف اتنی مقدار کھائے جس سے اس کی رمق حیات قائم رہے اور سانس جاری رہے۔اور علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ وہ تین لقمے کھائے۔اور ایک قول یہ ہے کہ اگر اس نے صبح کو مردار کھا لیا ہے تو شام کو نہ کھائے، اور اگر اس نے شام کو مردار کھا لیا ہے تو صبح کو نہ کھائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۱۰۔ ۲۱۲، ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

المخمصة کا معنی ہے: جس کو بہت شدت سے بھوک لگی ہو۔اور قتادہ نے کہا: المائدہ: ۳ میں فرمایا غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ یعنی وہ حرام کھا کر گناہ کا ارادہ نہ کر رہا ہو۔

اور معروف یہ ہے کہ الجنف کا معنی ہے میلان، اور گناہ کا معنی یہاں پر یہ ہے کہ وہ مردار کو یا کسی بھی حرام چیز کو پیٹ بھرنے

سے زیادہ کھائے۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ وہ پیٹ بھر کر کھائے یا اتنا کھائے جس سے اس کی رمق حیات قائم رہے اور ساتھ رکھنے میں بھی اختلاف ہے۔

امام مالک نے کہا ہے: المضطر کے متعلق جو میں نے بہترین بات سنی ہے، وہ یہ ہے کہ وہ مردار کو سیر ہو کر کھائے اور اپنے ساتھ بھی کچھ رکھ لے۔ اور جب اس کو ضرورت نہ رہے تو پھر اس کو پھینک دے اور یہ ابن شہاب اور ربیعہ کا قول ہے۔

اور امام ابوحنیفہ نے کہا اور امام شافعی کا بھی ایک قول ہے کہ بھوک سے بے قرار شخص صرف اتنی مقدار کھائے جس سے اس کی رمقِ حیات قائم رہے اور سانس چلتا رہے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ مردار کو کھانے کی اباحت اس صورت میں ہے جب اسے اپنے نفس پر موت کا خطرہ ہو، پس جب اس نے اتنا کھالیا جس سے موت کا خطرہ زائل ہو جائے، تو اب ضرورت زائل ہو گئی اور اباحت اٹھ گئی، اب اس کے لیے کھانا جائز نہیں ہے۔

اور امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ المضطر یعنی جو شخص بھوک سے بے قرار ہو اور اس کو موت کا خطرہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مردار کو مباح قرار دے دیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے البقرہ: ۱۷۳ میں فرمایا ہے: ''جب کہ وہ نافرمانی کرنے والا اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو''، تو جب ایسے شخص کے لیے کھانا مباح ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے قلیل اور کثیر میں فرق نہیں کیا، تو جب اس کے لیے مردار حلال ہے تو وہ جتنی مقدار چاہے کھالے۔ (المنتقی ج ۳ ص ۱۳۸، کتاب الام ج ۱ ص ۲۲۵، الاشباہ والنظائر ج ۱ ص ۱۰۷)

اور علامہ داؤدی نے اس قول کی حکایت کی ہے کہ وہ تین لقمے کھائے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اگر اس نے صبح مردار کھایا ہے تو شام کو نہ کھائے اور اگر شام کو مردار کھالیا ہے تو صبح کو نہ کھائے۔

پس اگر فقہاء احناف اور امام شافعی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر سے استدلال کریں تو مردار کو پیٹ بھر کر کھانا اور ساتھ رکھنا جائز نہیں ہے، کہا گیا ہے کہ مجاہد وغیرہ نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ نافرمانی کرنے والا اور حد سے بڑھنے والا اس کو نہ کھائے، جب کہ اس کو ضرورت نہ ہو اور وہ مردار کو کھانے میں مجبور نہ ہو۔ اور اگر وہ مردار کو کھانے میں مجبور ہے تو پھر پیٹ بھر کر کھانے میں وہ حد سے بڑھنے والا نہیں ہے، کیونکہ جب تک وہ پیٹ بھر کر نہیں کھائے گا، اس وقت تک وہ سفر پر اور تصرف کرنے پر قادر نہیں ہوگا اور مردار کا کچھ حصہ ساتھ رکھنا جان کی حفاظت کے لیے زیادہ اولیٰ ہے، کیونکہ اس کو یہ خطرہ رہے گا کہ شاید اس کو بعد میں مردار کی اتنی مقدار بھی نہ ملے جس سے اس کی رمقِ حیات برقرار رہ سکے اور ہو سکتا ہے کہ اس کا سفر طویل ہو اور اس کی جان ہلاک ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کے اوپر یہ حرام کیا ہے کہ وہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دے۔

مسروق نے کہا ہے: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جو شخص مردار کھانے میں مجبور ہے اور پھر وہ مردار کو نہ کھائے حتیٰ کہ مر جائے تو وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔ (مصنف عبدالرزاق: ج ۱۰ ص ۴۱۳، رقم الحدیث: ۱۹۵۳۶، سنن بیہقی: ج ۹ ص ۳۵۷۔۳۵۸)

اور یہاں پر کتاب الصید اور ذبائح ختم ہو گئی۔ وللہ الحمد

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۵۵۹۔۵۶۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: کتاب الذبائح والصید میں ترانوے (۹۳) احادیث ذکر کی گئی ہیں، جن میں سے اکیس (۲۱) تعلیقات ہیں اور باقی احادیث موصولہ ہیں۔ اور ان میں سے مکرر احادیث اناسی (۷۹) ہیں اور خالص احادیث چودہ (۱۴) ہیں۔

حلال وحرام جانوروں کے متعلق صدرالشریعہ علامہ امجد علی کی تحقیق

صدرالشریعہ بدرالطریقۃ علامہ امجد علی رحمۃ اللہ علیہ اعظمی متوفی ۱۳۶۷ھ تحریر فرماتے ہیں:

حلال وحرام جانوروں کا بیان

حدیث ۱: ترمذی نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے دن کیلے والے درندہ سے اور پنجہ والے پرند سے اور گھریلو گدھے اور مجثمہ اور خلیسہ سے ممانعت فرمائی اور حاملہ عورت جب تک وضع حمل نہ کرلے اس کی وطی سے ممانعت فرمائی یعنی حاملہ لونڈی کا مالک ہو یا زانیہ عورت حاملہ سے نکاح کیا تو جب تک وضع حمل نہ ہو اس سے وطی نہ کرے، مجثمہ یہ ہے کہ پرند یا کسی جانور کو باندھ کر اس پر تیر مارا جائے، خلیسہ یہ ہے کہ بھیڑیے یا کسی درندہ نے جانور پکڑا اس سے کسی نے چھین لیا اور ذبح سے پہلے وہ مرگیا۔ (جامع الترمذی، کتاب الاطعمۃ، باب ماجاء فی کراھیۃ اکل المصبورۃ، الحدیث: ۱۴۷۹، ج ۳ ص ۱۵۰)

حدیث ۲: ابوداؤد و دارمی جابر رضی اللہ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جنین (پیٹ کے بچہ) کا ذبح اس کی ماں کے ذبح کی مثل ہے''۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب ماجاء فی ذکاۃ الجنین، الحدیث: ۲۸۲۸، ج ۳ ص ۱۳۸)

حدیث ۳: احمد و نسائی و دارمی عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے چڑیا یا کسی جانور کو ناحق قتل کیا اس سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سوال کرے گا، عرض کیا گیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم)، اس کا حق کیا ہے، فرمایا کہ ''اس کا حق یہ ہے کہ ذبح کرے اور کھائے، یہ نہیں کہ سر کاٹے اور پھینک دے''۔

(المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبداللہ بن عمرو، الحدیث: ۶۵۶۲، ج ۲ ص ۵۶۷، سنن النسائی، کتاب الصید۔۔۔الخ، باب اباحۃ اکل العصافیر، الحدیث: ۴۳۵۵، ص ۷۰۷)

حدیث ۴: ترمذی و ابوداؤد ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ سے راوی کہتے ہیں: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے، اس زمانہ میں یہاں کے لوگ زندہ اونٹ کا کوہان کاٹ لیتے اور زندہ دنبہ کی چکی کاٹ لیتے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: زندہ جانور کا جو ٹکڑا کاٹ لیا جائے وہ مردار ہے کھایا نہ جائے''۔ (جامع الترمذی، کتاب الاطعمۃ، باب ماقطع من الحی، الحدیث: ۱۴۸۵، ج ۳ ص ۱۵۳)

حدیث ۵: دارقطنی جابر رضی اللہ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''دریا کے جانور (مچھلی) کو خدا نے حلال کردیا ہے''۔

(سنن دارقطنی، کتاب الاشربۃ وغیرھا، باب الصید، الحدیث: ۴۶۶۲، ج ۴ ص ۳۱۷)

حدیث ۶: صحیح بخاری و مسلم میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی انہوں نے حمار وحشی (جنگلی گدھا) دیکھا، اس کا شکار کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تمہارے پاس اس کے گوشت کا کچھ حصہ ہے؟'' عرض کی ہاں، اس کی ران ہے، اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرمایا اور کھایا۔ (صحیح مسلم، کتاب الحج، باب تحریم الصید للمحرم، الحدیث ۵۷، (۱۱۹۶) و ۶۳ (۱۱۹۶) ص ۶۱۱، ۶۱۳)

حدیث ۷: صحیح بخاری و مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہتے ہیں: ہم نے مرالظہران (مکہ مکرمہ کے قریب ایک جگہ کا نام) میں خرگوش بھگا کر پکڑا، میں اس کو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس لایا، انہوں نے ذبح کیا اور اس کی پٹھ اور رانیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرمائیں۔ (صحیح البخاری، کتاب الذبائح الخ، باب ماجاء فی التصید، الحدیث: ۵۴۸۹، ج ۳ ص ۵۵۴)

حدیث ۸: صحیحین میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرغی کا گوشت کھاتے دیکھا

ہے۔(صحیح البخاری، کتاب الذبائح، الخ، باب الدجاج، الحدیث: ۵۵۱۷، ج ۳ ص ۵۶۳)

حدیث ۹: صحیحین میں عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات غزوات میں تھے، ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ٹڈی کھاتے تھے۔(صحیح البخاری، کتاب الذبائح، باب اکل الجراد، الحدیث: ۵۴۹۵، ج ۳ ص ۵۵۷)

حدیث ۱۰: صحیحین میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی، کہتے ہیں کہ میں جیش الخبط میں گیا تھا اور امیر لشکر ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ تھے۔ ہمیں بہت سخت بھوک لگی تھی، دریا نے مری ہوئی ایک مچھلی پھینکی کہ ویسی مچھلی ہم نے نہیں دیکھی، اس کا نام عنبر ہے، ہم نے آدھے مہینے تک اسے کھایا، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ایک ہڈی کھڑی کی بعض روایت میں ہے پسلی کی ہڈی تھی، اس کی کجی اتنی تھی کہ اس کے نیچے سے اونٹ مع سوار گزر گیا، جب ہم واپس آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، فرمایا: ''کھاؤ، اللہ (عزوجل) نے تمہارے لیے رزق بھیجا ہے اور تمہارے پاس ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ''، ہم نے اس میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا۔(صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ سیف البحر، الحدیث: ۴۳۶۱، ۴۳۶۲، ج ۳ ص ۱۲۷، ۱۲۸)

حدیث ۱۱، ۱۲: صحیح بخاری و مسلم میں ام شریک رضی اللہ عنہا سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وزغ (چھپکلی اور گرگٹ) کے قتل کا حکم دیا اور فرمایا کہ ''ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے کافروں نے جو آگ جلائی تھی، اسے یہ پھونکتا تھا'' اور صحیح مسلم میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے جو روایت ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ اس کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فُوَیسق رکھا، یعنی چھوٹا فاسق یا بڑا فاسق، اس لفظ میں دونوں معنی کا احتمال ہے۔(صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، الحدیث: ۳۳۵۹، ج ۲ ص ۴۲۳)

حدیث ۱۳: صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو چھپکلی یا گرگٹ کو پہلی ضرب میں مارے اس کے لیے سونیکیاں اور دوسری میں اس سے کم اور تیسری میں اس سے بھی کم''۔

(صحیح مسلم، کتاب السلام، باب استحباب قتل الوزغ، الحدیث: ۱۴۷۔(۲۲۴۰) ص ۱۲۳۰)

حدیث ۱۴: ترمذی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ (گندگی کھانے والا جانور) اور اس کا دودھ کھانے سے منع فرمایا۔(جامع الترمذی، کتاب الاطعمۃ، باب ماجاء فی اکل لحوم الجلالۃ والبانھا، الحدیث: ۱۸۳۱، ج ۳ ص ۳۲۴)

حدیث ۱۵: ابوداؤد نے عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، باب فی اکل الضب، الحدیث: ۳۷۹۶، ج ۳ ص ۴۹۶)

حدیث ۱۶: ابوداؤد و ترمذی نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی کھانے سے اور اس کے ثمن کھانے سے منع فرمایا۔(جامع الترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی ثمن الکلب والسنور، الحدیث: ۱۲۸۴، ج ۳ ص ۴۱)

حدیث ۱۷: امام احمد و ابن ماجہ و دار قطنی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہمارے لیے دو مرے ہوئے جانور اور دو خون حلال ہیں، دو مردے مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون کلیجی اور تلی ہیں''۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمۃ، باب الکبد والطحال، الحدیث: ۳۳۱۴، ج ۴ ص ۳۲)

حدیث ۱۸: ابوداؤد و ترمذی جابر رضی اللہ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''دریا نے جس مچھلی کو پھینک دیا ہو اور وہاں سے پانی جاتا رہا اسے کھاؤ، اور جو پانی میں مر کر تیر جائے اسے نہ کھاؤ''۔(سنن ابوداؤد، کتاب الاطعمۃ، باب فی اکل الطافی من السمک

الحدیث: ۳۸۱۵، ج ۳ ص ۵۰۲)

مسائل فقہیہ

مسئلہ ۱: کیلے والا (کچلیوں والا) جانور جو کیلے سے شکار کرتا ہو حرام ہے جیسے شیر، گیدڑ، لومڑی، بجو، کتا وغیرہا کہ ان سب میں نوکیلے دانت ہوتے ہیں اور شکار بھی کرتے ہیں، اونٹ کے بھی نوکیلے دانت ہوتے ہیں مگر وہ شکار نہیں کرتا، لہٰذا وہ اس حکم میں داخل نہیں۔

(الدر المختار، کتاب الذبائح، ج ۹ ص ۵۰۸)

مسئلہ ۲: پنجہ والا پرند جو پنجہ سے شکار کرتا ہے حرام ہے جیسے شکرا، باز، بہری، چیل۔ حشرات الارض حرام ہیں جیسے چوہا، چھپکلی، گرگٹ، گھونس، سانپ، بچھو، بر (بھڑ) مچھر، پسو، کھٹمل، مکھی، مینڈک وغیرہا۔ (الدر المختار، ورد المحتار، کتاب الذبائح، ج ۹ ص ۵۰۸)

مسئلہ ۳: گھریلو گدھا اور خچر حرام ہے اور جنگلی گدھا جسے گورخر کہتے ہیں حلال ہے، گھوڑے کے متعلق روایتیں مختلف ہیں، یہ آلۂ جہاد ہے، اس کے کھانے میں تقلیل آلۂ جہاد ہوتی ہے، لہٰذا نہ کھایا جائے۔ (الدر المختار، کتاب الذبائح، ج ۹ ص ۵۰۸، وغیرہا)

مسئلہ ۴: کچھوا خشکی کا ہو یا پانی کا حرام ہے۔ غراب ابقع یعنی کوا جو مردار کھاتا ہے حرام ہے اور مہوکا کہ یہ بھی کوے سے ملتا جلتا ایک جانور (یعنی پرندہ) ہوتا ہے، حلال ہے۔ (الدر المختار، ورد المحتار، کتاب الذبائح، ج ۹ ص ۵۰۹)

مسئلہ ۵: پانی کے جانوروں میں صرف مچھلی حلال ہے، جو مچھلی پانی میں مر کر تیر گئی یعنی جو بغیر مارے اپنے آپ مر کر پانی کی سطح پر الٹ گئی وہ حرام ہے، مچھلی کو مارا اور وہ مر کر الٹی تیرنے لگی یہ حرام نہیں۔ ٹڈی بھی حلال ہے، مچھلی اور ٹڈی یہ دونوں بغیر ذبح حلال ہیں جیسا کہ حدیث میں فرمایا کہ دو مردے حلال ہیں مچھلی اور ٹڈی۔ (الدر المختار، کتاب الذبائح، ج ۹ ص ۵۱۱)

مسئلہ ۶: جھینگے کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ مچھلی ہے یا نہیں، اسی بناء پر اس کی حلت وحرمت میں بھی اختلاف ہے، بظاہر اس کی صورت مچھلی کی سی نہیں معلوم ہوتی بلکہ ایک قسم کا کیڑا معلوم ہوتا ہے، لہٰذا اس سے بچنا ہی چاہیے۔

میں کہتا ہوں: کہ ایک قول یہ ہے کہ جھینگا مچھلی کی ایک قسم ہے، اس قول کی بناء پر جھینگے کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

مسئلہ ۷: چھوٹی مچھلیاں بغیر شکم چاک کئے بھون لی گئیں ان کا کھانا حلال ہے۔ (رد المحتار، کتاب الذبائح، ج ۹ ص ۵۱۵)

مسئلہ ۸: بعض گائیں، بکریاں غلیظ کھانے لگتی ہیں ان کو جلالہ کہتے ہیں، اس کے بدن اور گوشت وغیرہ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے، اس کو کئی دن تک باندھ رکھیں کہ نجاست نہ کھانے پائے، جب بدبو جاتی رہے ذبح کر کے کھائیں، اسی طرح جو مرغی غلیظ کھانے کی عادی ہو اسے چند روز بند رکھیں جب اثر جاتا رہے، ذبح کر کے کھائیں، جو مرغیاں چھوٹی پھرتی ہیں ان کو بند کرنا ضروری نہیں جب کہ غلیظ کھانے کی عادی نہ ہوں اور ان میں بدبو نہ ہو، ہاں بہتر یہ ہے کہ ان کو بھی بند رکھ کر ذبح کریں۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الذبائح، الباب الثانی فی بیان مایوکل، الخ ج ۵ ص ۲۸۹، ۲۹۰)

مسئلہ ۹: بکرا جو خصی نہیں ہوتا وہ اکثر پیشاب پینے کا عادی ہوتا ہے اور اس میں ایسی سخت بدبو پیدا ہو جاتی ہے کہ جس راستہ سے گزرتا ہے وہ راستہ کچھ دیر کے لئے بدبودار ہو جاتا ہے، اس کا بھی حکم وہی ہے جو جلالہ کا ہے کہ اگر اس کے گوشت سے بدبو دفع ہو گئی تو کھا سکتے ہیں ورنہ مکروہ وممنوع۔

مسئلہ ۱۰: جن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا ذبح شرعی سے ان کا گوشت اور چربی اور چمڑا پاک ہو جاتا ہے مگر خنزیر کہ اس کا ہر جز نجس ہے اور آدمی اگرچہ طاہر ہے اس کا استعمال ناجائز ہے۔ ان جانوروں کی چربی وغیرہ کو اگر کھانے کے سوا خارجی طور پر استعمال کرنا چاہیں تو ذبح کر لیں کہ اس صورت میں اس کے استعمال سے بدن یا کپڑا نجس نہیں ہوگا اور نجاست کے استعمال کی قباحت سے بھی بچنا ہوگا۔ (الدرالمختار، کتاب الذبائح، ج۹ ص ۵۱۳)

(بہارِ شریعت، حصہ پانزدہم (۱۵) جلد سوم ص ۳۲۰۔ ۳۲۷، مکتبۃ المدینہ (دعوت اسلامی) کراچی ۱۴۳۲ھ)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

٧٣۔ كِتَابُ الْأَضَاحِيِّ

قربانیوں کا بیان

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یعنی یہ کتاب الاضاحی کے احکام کے بیان میں ہے۔''اضاحی''اضحية کی جمع ہے۔

الاصمعی نے کہا ہے کہ''الاضحية''میں چار لغات ہیں:''اُضْحِية''(ہمزہ پر پیش ہو)اور''اِضحية''(یعنی ہمزہ کے نیچے زیر ہو)اور''ضَحية''اس کی جمع اضاحی ہے،اور''اضحاۃ''،اس کی جمع اضحٰی ہے،جیسے کہا جاتا ہے ارطاۃ وارطیٰ۔اوراسی وجہ سے قربانی کے دن کو یوم الاضحیٰ کہا جاتا ہے۔(عمدۃ القاری ج۲۱ص ۲۱۴،دارالکتب العلمیہ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

١۔ بَابُ: سُنَّةِ الْأُضْحِيَّةِ — قربانی کے سنت ہونے کا بیان

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ هِيَ سُنَّةٌ وَمَعْرُوفٌ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: قربانی سنت ہے اور معروف ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ،اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما نے کہا کہ قربانی سنت ہے اور کہا کہ یہ معروف ہے،معروف کا معنی ہے:''ہر وہ کام جو اللہ عزوجل کی اطاعت کے اندر اور اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے میں اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں معروف اور مشہور ہو اور ہر وہ کام جس کی شارع علیہ السلام نے ترغیب دی ہو اور وہ کام نیک افعال میں سے ہو،اور ہر وہ کام جس سے شارع علیہ السلام نے منع فرمایا ہو اور وہ کام قوی افعال میں سے ہو یا اس سے مراد ہے کہ ایسا کام جو لوگوں کے درمیان معروف ہو،جب وہ اس کام کو دیکھیں تو منع نہ کریں''۔

قربانی کے حکم میں فقہاءِ اسلام کے اقوال

قربانی کے حکم میں فقہاءِ اسلام کے اقوال مختلف ہیں:

سعید بن المسیب،عطاء بن ابی رباح،علقمہ،الاسود،امام شافعی اور ابوثور نے کہا کہ قربانی بہ طور فرض واجب نہیں ہے لیکن یہ مستحب ہے،جس نے قربانی کی تو اس کو ثواب ہوگا اور جس نے قربانی نہیں کی تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا۔یہ قول حضرت ابوبکر،حضرت عمر، حضرت ابومسعود بدری اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔اللیث اور الربیعہ نے کہا:ہماری رائے میں جو خوش حال شخص ہو اور قربانی کے ادا کرنے پر قادر ہو،اس کو قربانی ترک نہیں کرنی چاہیے۔امام مالک نے کہا:اگر اس نے قربانی کو ترک کیا تو اس نے برا کام کیا،سوا اس صورت کے کہ اس کا کوئی عذر ہو۔

اور ابراہیم النخعی سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا:قربانی کرنا شہر والوں پر واجب ہے،سوائے حجاج کے۔اور علامہ ابن المنذر

نے بیان کیا کہ محمد بن حسن نے کہا: قربانی کرنا ہر اس شخص پر واجب ہے جو شہر میں مقیم ہو اور خوشحال ہو۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف نے کہا کہ قربانی کرنا ہر اس شخص پر واجب ہے جو آزاد ہو، مقیم ہو، مسلمان ہو اور خوشحال ہو۔ اور ہمارے مذہب کی صحیح تحریر وہ ہے جس کو علامہ المرغینانی المتوفی ۵۹۳ ھ صاحب ہدایہ نے بیان کیا ہے کہ قربانی کرنا ہر اس شخص پر واجب ہے جو مسلمان ہو، آزاد ہو، مقیم ہو اور قربانی کے دن خوشحال ہو، وہ اپنی طرف سے بھی قربانی کرے اور اپنے کم سن بچوں کی طرف سے بھی قربانی کرے۔

رہا وجوب تو یہ امام ابوحنیفہ، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد کا قول ہے اور امام ابو یوسف سے بھی ایک روایت ہے، اور امام ابو یوسف سے دوسری روایت یہ ہے کہ قربانی کرنا سنت ہے۔ اور امام طحاوی نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق قربانی کرنا واجب ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول کے مطابق قربانی کرنا سنتِ مؤکدہ ہے۔

قربانی کے سنت ہونے کی دلیل یہ ہے، صحیح بخاری کے علاوہ حدیث کی باقی پانچ کتابوں میں یہ حدیث ہے:

''سعید بن المسیب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ذوالحجہ کا چاند دیکھ لیا اور وہ قربانی کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اپنے بال کاٹنے اور ناخن کاٹنے سے رک جائے''۔

اس حدیث میں فرمایا ہے کہ جو قربانی کرنے کا ارادہ کرتا ہو، یہ الفاظ وجوب کے منافی ہیں۔ یعنی جو قربانی کرنے کا ارادہ کرتا ہے وہ تو بال اور ناخن نہ کاٹے اور جو قربانی کرنے کا ارادہ نہیں کرتا، وہ بال اور ناخن کاٹ سکتا ہے۔ اور اسی حدیث سے امام ابن الجوزی نے امام احمد بن حنبل کے مذہب پر استدلال کیا ہے۔

اور رہا قربانی کا واجب ہونا، تو اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

''امام ابن ماجہ از عبد الرحمٰن از اعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پاس وسعت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے''۔ اس حدیث کی امام حاکم نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ اور اس قسم کی وعید ترکِ واجب پر نہیں ہوتی، یعنی آپ نے جو فرمایا کہ جس شخص کے پاس وسعت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے، سو یہ ایسی وعید ہے جو ترکِ واجب پر نہیں ہوتی۔ اور ابن حزم ظاہری نے امام ابوحنیفہ سے یہ نقل کیا ہے کہ قربانی کرنا فرض ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۱۴۔ ۲۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

باب مذکور کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

الاضاحی، اضحیۃ کی جمع ہے، اور اضحیۃ اس کو کہتے ہیں جسے عیدِ نحر کے ایام میں اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کیا جائے، خواہ مکہ میں ذبح کیا جائے یا کسی اور شہر میں۔

بعض علماء نے کہا ہے: جو مکہ میں ذبح کیا جائے، اس کو ھدی کہتے ہیں اور جو غیر مکہ میں ذبح کیا جائے، اس کو اضحیۃ کہتے ہیں، اور اکثر علماء نے کہا ہے کہ ان میں کوئی فرق نہیں ہے اور اضاحی مشروعہ ہیں مکہ میں اور غیر مکہ میں۔

قربانی کے جانور کو ذبح کرنا اس سے افضل ہے کہ قربانی کے جانور کی قیمت کو صدقہ کر دیا جائے

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ اضاحی سنت ہے اور قربانی کو ذبح کرنا اس کی قیمت کو صدقہ کرنے سے افضل ہے، حتیٰ کہ اگر لوگ ضرورت اور تنگی میں ہوں، پھر بھی قربانی کو ذبح کرنا اس کی قیمت کو صدقہ کرنے سے افضل ہے۔ اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ جب لوگ تنگی میں ہوں اور ان کو مال کی ضرورت ہو تو قربانی کو ذبح کرنے کی بجائے اس کی قیمت کا صدقہ کر دیا جائے تو یہ اولیٰ ہے۔ تو ان لوگوں کا یہ قول خطاء ہے، کیونکہ یہ قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر اب تک کے مسلمانوں کے معمولات کے خلاف ہے۔ جب مسلمانوں کو سخت بھوک پہنچی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قربانی کے گوشت کو تین دن سے زیادہ ذخیرہ نہ کیا جائے۔ اور قربانی کے گوشت کو صدقہ کر دیا جائے۔ اور جن لوگوں نے کہا کہ قربانی کی قیمت کا صدقہ کرنا افضل ہے، انہوں نے صرف مادی تقاضوں پر غور کیا ہے اور اس پر غور نہیں کیا کہ قربانی کرنے سے اور اللہ عزوجل کی راہ میں جانور کا خون بہانے سے اور اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے سے کتنا ثواب حاصل ہوتا ہے۔

اسی طرح جن لوگوں نے کہا کہ قربانی کرنے کے بجائے قربانی کی قیمت کو افغانستان کے جہاد میں بھیج دیا جائے، وہ افضل ہے، ان کا قول بھی خطاء پر مبنی ہے، کیونکہ جہاد کے اپنے ابواب ہیں اور قربانی کے اپنے ابواب ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ جنت کے آٹھ ابواب ہیں، یہ باب الصدقہ ہے، یہ باب الجہاد ہے الیٰ آخرہ۔

قربانی کے حکم میں فقہاء اسلام کے مذاہب

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا قربانی کرنا واجب ہے اور جو شخص قربانی کرنے پر قادر ہو اور پھر قربانی نہ کرے تو وہ گناہ گار ہوگا یا قربانی کرنا سنتِ موکدہ ہے۔

سو امام ابوحنیفہ اور اہل علم کی ایک جماعت اور انہی میں سے شیخ ابن تیمیہ حنبلی ہیں، ان کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص قربانی کرنے پر قادر ہو، اس پر قربانی کرنا فریضہ واجبہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ (الکوثر) سو آپ اپنے رب کی رضا کے لیے نماز پڑھتے رہیے اور قربانی کرتے رہیں O

اموات کی طرف سے قربانی کرنے کے متعلق شیخ عثیمین حنبلی نجدی کی تحقیق

سوال: قربانی زندہ کے لیے ہوتی ہے یا میت کے لیے بھی ہوتی ہے؟

جواب: قربانی زندہ کے لیے ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مروی نہیں ہے کہ آپ نے کسی بھی میت کی طرف سے قربانی کی ہو اور آپ کے محبوب چچا حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا فوت ہوئیں، اور آپ کی زوجہ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا فوت ہوئیں اور آپ کی اولاد بھی فوت ہوئی اور آپ نے ان میں سے کسی کی طرف سے بھی قربانی نہیں کی۔

بعض اہل علم نے کہا ہے کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا زندہ کی طرف سے قربانی کرنے سے افضل ہے، کیونکہ میت کو صدقہ

کی زیادہ حاجت ہے، لیکن یہ ضعیف قول ہے، کیونکہ قربانی کے احکام صدقہ کے احکام کی مثل نہیں ہیں۔ اور علماء نے کہا ہے کہ میت کی طرف سے قربانی نہیں کی جائے گی اور میت کی طرف سے صدقہ کرنے سے کسی نے منع نہیں کیا، کیونکہ میت کی طرف سے صدقہ کرنے سے متعلق احادیث ہیں۔

علاوہ ازیں ہم یہ کہتے ہیں کہ زندہ کی طرف سے قربانی کرنا سنت ہے، آدمی اپنے گھر والوں کی طرف سے قربانی کرے لیکن عام آدمی ہمارے پاس آکر کہتا ہے کہ میں میت کی طرف سے بھی قربانی کروں گا، کیونکہ اگر میں میت کی طرف سے قربانی نہ کروں تو مجھے اپنے دل میں تنگی محسوس ہوتی ہے، تو اس حالت میں ہم اس کو اجازت دیتے ہیں اور ہم اس کو یہ بتاتے ہیں کہ تم قربانی اپنی طرف سے کرو اور اپنے گھر والوں کی طرف سے کرو، اور گھر والوں میں زندہ اور میت دونوں شامل ہیں، لیکن جب تم فقط میت کی طرف سے قربانی کرو گے تو یہ جائز نہیں ہے اور یہ خلاف سنت ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۷۲۔ ۲۷۳، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

شیخ عثیمین کی تقریر پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ شیخ عثیمین نے میت کی طرف سے صدقہ کرنے کو جائز قرار دیا ہے اور مالی صدقہ اس سے عام ہے کہ کھانے یا پینے کی چیزوں کا صدقہ کیا جائے یا گوشت کا صدقہ کیا جائے یا کسی اور عبادت کا صدقہ کیا جائے۔ اور قربانی بھی ایک عبادت ہے، جس طرح صدقہ کرنا عبادت ہے، اسی طرح قربانی کرنا بھی عبادت ہے، جس طرح قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب میت کو پہنچایا جاسکتا ہے، نفلی نمازوں کا ثواب میت کو پہنچایا جاسکتا ہے تو اسی طرح نفلی قربانی کا ثواب بھی میت کو پہنچایا جاسکتا ہے، اور اس کے عدم جواز کے اوپر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔ اور احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اور یہ دعا فرمائی:

''انی وجهت وجهی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین، ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العٰلمین لا شریك له وبذالك امرت وانا من المسلمین، اللهم منك ولك عن محمد وامته بسم الله والله اکبر''۔

ترجمہ: ''میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے جب کہ میں باطل مذاہب سے اعراض کرنے والا ہوں، اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں، بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اور مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔ اے اللہ! یہ قربانی تیری طرف سے ہے اور تیرے ہی لیے ہے اور یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ہے اور ان کی امت کی طرف سے ہے، بسم اللہ واللہ اکبر''۔ اس کے بعد آپ نے ذبح کیا۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ)

امام ابوداؤد کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

''اے اللہ! محمد، آل محمد اور امت محمد کی طرف سے اس کو قبول فرما''۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ)

ان احادیث میں یہ دلیل ہے کہ آپ نے اپنی امت کی طرف سے قربانی کی اور آپ کی امت میں زندہ اور اموات دونوں

شامل ہیں۔ لہٰذا نفلی قربانی زندہ کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے اور میت کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے، البتہ جو شخص فوت ہو گیا اور اس پر قربانی تھی اور اس نے قربانی نہیں کی تو اس کی طرف سے قربانی اسی وقت کی جا سکتی ہے جب اس نے قربانی کرنے کی وصیت کی ہو تو اس میت کے تہائی مال سے اس کی طرف سے قربانی کی جا سکتی ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۵۴۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ زُبَيْدٍ الْإِيَامِيِّ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الْبَرَاءِ رضی الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ بِهِ فِي يَوْمِنَا هَذَا أَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ مَنْ فَعَلَهُ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلُ فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ قَدَّمَهُ لِأَهْلِهِ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ فَقَامَ أَبُو بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ وَقَدْ ذَبَحَ فَقَالَ إِنَّ عِنْدِي جَذَعَةً فَقَالَ اذْبَحْهَا وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ قَالَ مُطَرِّفٌ عَنْ عَامِرٍ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلَاةِ تَمَّ نُسُكُهُ وَأَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِينَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از زبید الایامی از الشعبی از حضرت البراء رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اس دن جو کام ہم سب سے پہلے کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ ہم نماز (عید) پڑھتے ہیں، پھر ہم واپس جاتے ہیں اور نحر کرتے ہیں، پس جس نے یہ کام کر لیے تو اس نے ہماری سنت کو پا لیا اور جس نے پہلے قربانی کر لی تو وہ ایک گوشت ہے جو اس نے اپنے گھر والوں کے لیے بھیجا ہے اور وہ قربانی میں سے کچھ نہیں ہے۔ پھر حضرت ابو بردہ بن نیار کھڑے ہوئے اور وہ پہلے جانور کو ذبح کر چکے تھے، انہوں نے کہا کہ میرے پاس چھ ماہ کا بکرا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: اس کو ذبح کر دو لیکن تمہارے سوا اور کسی (مسلمان) کے لیے تمہارے بعد یہ جائز نہیں ہوگا۔ مُطرف نے کہا از عامر از حضرت البراء، نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے نماز (عید) کے بعد ذبح کیا تو اس کی قربانی مکمل ہو گئی اور اس نے مسلمانوں کے طریقہ کو پا لیا۔

(صحیح مسلم: ۱۹۶۱، سنن ترمذی: ۱۵۰۸، سنن نسائی: ۱۵۶۳، سنن ابوداؤد: ۲۸۰۰، مسند احمد: ۱۸۰۰۱۲، سنن دارمی: ۱۹۶۲)

صحیح البخاری: ۵۵۴۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: "اضحیۃ" یعنی قربانی کا سنت ہونا، اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آج کے دن ہم سب سے پہلے کام کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم نماز (عید) پڑھتے ہیں، پھر ہم نحر (قربانی) کرتے ہیں، سو جس نے ایسا کیا، اس نے ہماری سنت کو پا لیا، پس اس حدیث کے اندر قربانی کے سنت ہونے کا ذکر ہے، اور اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ''غندر''، یہ محمد بن جعفر البصری کا لقب ہے۔ اور زُبید کا ذکر ہے، یہ ابن عبد الکریم الایامی ہیں اور ان کو الیامی بھی کہا جاتا تھا اور اس حدیث کی سند میں شعبی کا ذکر ہے اور یہ عامر بن شراحیل ہیں۔

یہ حدیث ''کتاب العیدین'' کے اس باب میں گزر چکی ہے 'باب الاکل یوم النحر'' اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''من ذبح قبل'' یعنی جس نے نماز کے وقت سے پہلے قربانی کر لی۔ نیز اس حدیث میں مذکور ہے: ''لیس من النسك'' یعنی یہ عبادت نہیں ہے اور اس میں قربانی کا ثواب نہیں ہوگا بلکہ یہ وہ گوشت ہے جس کو اس نے اپنے گھر والوں کو نفع پہنچانے کے لیے حاصل کیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''فقام ابو بُردہ'' اس میں باء پر پیش ہے اور راء پر جزم ہے اور آخر میں دال ہے، ان کا نام ہانی ہے۔ یہ ابن نیار ہیں، اس میں نون کے نیچے زیر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''جذعة'' یہ بکری کا بچہ ہے جو چھ ماہ سے کم ہو، اس کی قربانی جائز نہیں ہے اور جو دنبے کا چھ ماہ کا بچہ ہو اس کی قربانی جائز ہے۔

ابو عبد اللہ زعفرانی نے کہا: الجزع من الضان، یعنی دنبے کا بچہ جس کے سات ماہ پورے ہو چکے ہوں اور آٹھویں مہینے میں داخل ہوا ہو، اس کی قربانی جائز ہے جب کہ وہ دیکھنے میں بڑا لگتا ہو، لیکن جو بکری کا بچہ ہو اس کی قربانی اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ ایک سال کا نہ ہو جائے اور دوسرے سال میں داخل ہو جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''ولن تجزی'' یعنی تم اس بکری کے بچہ کی قربانی کر لو، لیکن تمہارے بعد اور کسی کے لیے ایک سال سے کم کی بکری کے بچے کی قربانی جائز نہیں ہوگی اور یہ اس صحابی یعنی حضرت ابو بُردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کے خصائص میں سے ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی خصوصیت ہے کہ آپ جس کو چاہیں کسی عام حکم یا عام قاعدہ سے مستثنیٰ فرما دیں، کیونکہ عام حکم تو یہی ہے کہ ایک سال سے کم بکرے کی قربانی جائز نہیں ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بُردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کے لیے چھ یا سات ماہ کے بکری کے بچہ کی قربانی کو جائز فرما دیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اس تعلیق میں مذکور ہے 'قال مُطَرِّف'' علامہ عینی فرماتے ہیں: اس میں میم پر پیش ہے، طاء پر زبر ہے اور راء پر تشدید ہے اور آخر میں فاء ہے، یہ ابن طریف الحارثی ہیں۔ اور مُطَرِّف کی اس تعلیق کو امام بخاری نے عیدین میں سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے اور آٹھ ابواب کے بعد اس کا ذکر آئے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۱۵۔۲۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۴۵ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) عید الاضحیٰ کے دن پہلے نماز عید پڑھی جائے اور پھر اس کے بعد قربانی کی جائے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے دن قربانی کرنے سے پہلے نماز پڑھنی چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ (الکوثر) سو آپ اپنے رب کی رضا کے لیے نماز پڑھتے رہیے اور قربانی کرتے رہیں ۝

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: "اس سے ابتداء کرو جس سے اللہ تعالیٰ نے ابتداء کی ہے"۔

اس لیے پہلے نماز پڑھی جائے گی اور پھر قربانی کی جائے گی۔

(۲) قربانی کرنے اور گوشت کھانے کے لیے جانور کو ذبح کرنے کا فرق

قربانی کے گوشت میں اور گوشت کے کھانے میں فرق ہے، کیونکہ قربانی کا گوشت ایک ایسی عبادت ہے جو وقت کے ساتھ مقید ہے اور قربانی کے جانور کی عمر کے ساتھ مقید ہے اور اس کی جنس کے ساتھ مقید ہے اور قربانی کے جانور کی مقدار کے ساتھ مقید ہے اور گوشت کے کھانے میں کوئی قید نہیں ہے۔

زمانہ کی قید سے مراد یہ ہے کہ نمازِ عید کے بعد سے لے کر بارہ ذوالحجہ کے دن تک قربانی قربانی کی جاسکتی ہے۔

جنس سے مراد یہ ہے کہ بکرا، دنبہ، بھیڑ، گائے اور اونٹ کی قربانی کی جاسکتی ہے، قربانی کا جانور خواہ مذکر ہو یا مونث۔

قربانی کے جانور کی عمر سے مراد یہ ہے کہ اونٹ پانچ سال کا ہو اور گائے دو سال کی ہو اور بکرا ایک سال کا ہو اور دنبہ چھ ماہ کا بھی جائز ہے۔

اور مقدار سے مراد یہ ہے کہ ایک آدمی کی طرف سے ایک بکرے کی قربانی ہو سکتی ہے، اور بکری کی قربانی میں ایک سے زیادہ قربانی کرنے والے شریک نہیں ہو سکتے، اور اونٹ اور گائے میں سات قربانی کرنے والے شریک ہو سکتے ہیں اور سات سے زیادہ گائے یا اونٹ کی قربانی میں شریک نہیں ہو سکتے۔

اور رہا گوشت کا کھانا، تو اس میں ان میں سے کسی چیز کی قید نہیں ہے، سو اس کو ہر وقت اور ہر صورت میں کھانا جائز ہے۔ اسی وجہ سے یہ فرق کیا گیا ہے کہ قربانی کو اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کیا جاتا ہے اور صرف اللہ کی رضا کے لیے اس کا خون بہایا جاتا ہے۔ اور جس جانور کو اس کا گوشت کھانے کے لیے ذبح کیا گیا اور اس ذبح سے مقصد تقرب الی اللہ نہیں تھا، تو یہ قربانی نہیں ہے، اس لیے قربانی میں اور جانور کا گوشت کھانے کے حکم میں فرق ہے۔

(۳) جو عبادت کسی خاص وقت کے ساتھ مخصوص ہو، اس عبادت کو اس سے پہلے کرنا جائز نہیں ہے

کیونکہ قربانی کو نمازِ عید کے بعد مشروع کیا گیا ہے، اس لیے حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ نے جو نمازِ عید سے پہلے قربانی کرلی تھی، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: تم نے جو نمازِ عید سے پہلے جانور ذبح کیا ہے، وہ اپنے گھر والوں کو گوشت کھلانے کے لیے جانور ذبح کیا ہے اور وہ قربانی نہیں ہے۔

(۴) امت کے بعض افراد کی کسی حکم کے ساتھ تخصیص

جب حضرت ابو بُردہ بن نیار رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے پاس تو اب ایک چھ ماہ کا بکری کا بچہ ہے، حالانکہ چھ ماہ کے بکری کے بچہ کی قربانی جائز نہیں ہے، البتہ دنبہ اگر چھ ماہ کا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اسی کی قربانی کر دو اور تمہارے بعد کسی اور کے لیے چھ ماہ کے بکری کے بچہ کی قربانی کرنا جائز نہیں ہوگا، سو آپ نے حضرت ابو بُردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کو اس عام حکم سے مخصوص کر لیا۔ اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ احکامِ شرع میں بعض افراد کی تخصیص کی جاسکتی ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی شہادت کو دو گواہوں کی شہادت کے برابر قرار دیا، اس کا قصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا، اس کی قیمت طے کر لی اور اس کی قیمت لینے کے لیے گھر گئے، بعد میں اس اعرابی نے آپ سے زیادہ قیمت طلب کی، آپ نے فرمایا: تم نے مجھ سے اسی قیمت پر سودا کیا ہے، اس اعرابی نے کہا: اچھا آپ اس پر گواہ پیش کریں، تو حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے اسی قیمت کے اوپر یہ گھوڑا خریدا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم نے کیسے شہادت دی حالانکہ تم نے دیکھا نہیں تھا، تو حضرت خزیمہ نے کہا: ہم بغیر دیکھے محض آپ کی خبر سے آسمان کی خبروں کی تصدیق کرتے ہیں تو زمین کی خبر پر آپ کی تصدیق کیوں نہیں کریں گے، تو آپ نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دے دیا۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۷۴۔۲۷۵، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

مصنف کے نزدیک حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کو دو گواہوں کی شہادت کے برابر قرار دینے کا ایک اور سبب

میں کہتا ہوں کہ جب صحابہ کرام قرآن مجید کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایامِ خلافت میں ایک مصحف میں جمع کر رہے تھے، تو انہوں نے یہ قاعدہ مقرر کیا تھا کہ جس آیت کے متعلق دو گواہ یہ گواہی دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو لکھوایا ہے تو اس کو مصحف میں لکھا جائے گا اور سورہ توبہ کی آخری دو آیتیں ان کو قرآن مجید میں لکھوانے کے متعلق صرف حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی تھی اور کوئی گواہ میسر نہیں تھا، تو صحابہ کرام کو تردد ہوا، یہ تو ایک گواہ ہے اور ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ دو آدمی گواہی دیں کہ اس آیت کو لکھوایا گیا ہے۔ تب کسی نے بتایا کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا ہے۔ تو اگر حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی دو گواہوں کے برابر نہ ہوتی تو قرآن مجید میں سورہ توبہ کی یہ آخری دو آیتیں درج ہونے سے رہ جاتیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا، تو اس کی وجہ صرف یہی نہیں تھی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیع پر بن دیکھے گواہی دی تھی، بلکہ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ علم رسالت میں یہ چیز مقرر تھی کہ اگر حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار نہ دیا جائے تو سورہ توبہ کی آخری دو آیتیں قرآن مجید میں درج ہونے سے رہ جائیں گی، لہٰذا اس حدیث سے جس طرح یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ میں بعض افراد کی تخصیص کر سکتے ہیں جیسے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دے کے تخصیص کی، اسی طرح اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بعد کے واقعات کو بھی شامل تھا اور یہ اس کی بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب عطا فرمایا ہے۔

صحیح البخاری: ۵۵۴۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قربانی کے وجوب میں اہلِ علم کا اختلاف

ایک قول یہ ہے کہ قربانی واجب نہیں ہے، بلکہ سنت ہے اور قربانی کرنے والے کو ثواب ملے گا اور جس نے قربانی نہیں کی اسے کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ یہ ابن المسیب، عطاء بن ابی رباح، علقمہ، اسود اور امام شافعی کا قول ہے۔ اور امام احمد بن حنبل، امام ابویوسف اور ابوثور کا بھی یہی قول ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۸۱۳۵، ۸۱۳۴، ۸۱۴۷، کتاب الام ج ۲ ص ۱۸۷)

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ امام مالک کا معروف مذہب یہی ہے اور ابوحامد نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ قربانی کرنا واجب ہے، علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: ہم نے پہلے ایسی احادیث روایت کی ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ قربانی کرنا فرض نہیں ہے اور ہم نے اس کو حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت ابومسعود البدری، حضرت سعد اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۸۱۴۹)

اور اللیث اور الربیعہ نے کہا کہ جو شخص امیر ہو اور قربانی ادا کرنے کا مالک ہو اس کو قربانی کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ (التمہید ج ۲۳ ص ۱۹۲)

المدونہ میں مذکور ہے: جس نے قربانی کا جانور خریدا، پھر اس کو باندھ کر رکھا حتیٰ کہ ایامِ ذبح گزر گئے تو وہ گناہگار ہوگا کیونکہ اس نے اس جانور کی قربانی نہیں کی۔

قربانی کے عدم وجوب کے دلائل

اور صحابہ سے ایسے آثار بھی مروی ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ قربانی واجب نہیں ہے۔

امام عبدالرزاق نے از ثوری از اسماعیل از الشعبی از ابی سریحہ روایت کی ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما قربانی نہیں کرتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۸۱۳۹)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا جو چاہے قربانی کرے اور جو چاہے قربانی نہ کرے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۳۸۱)

قربانی کو واجب قرار دینے کے دلائل

دوسرا قول یہ ہے کہ قربانی کرنا واجب ہے، یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا قول ہے۔ اور ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ شہر والوں پر قربانی کرنا واجب ہے ماسوا حجاج کے، اور امام محمد نے کہا کہ قربانی کرنا ہر اس شخص پر واجب ہے جو شہروں میں مقیم ہو جب کہ وہ خوش حال ہو۔

ابوبکر نے کہا: قربانی کرنا فرض نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو واجب نہیں کیا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نہ اہل علم کا اس کے وجوب کے اوپر اجماع ہے۔

امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا نظریہ یہ ہے کہ قربانی ہر اس شخص پر واجب ہے جو آزاد ہو اور مقیم ہو اور خوشحال ہو اور اللہ

ابو یوسف نے کہا کہ قربانی واجب نہیں ہے اور انہوں نے اور امام محمد نے کہا: یہ سنت ہے اور جو قربانی کر سکتا ہو اس کے لیے قربانی کو ترک کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

جن فقہاء نے کہا کہ قربانی واجب نہیں ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ ہم آج کے دن جس کام کو سب سے پہلے کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ ہم نماز (عید) کے بعد نحر کرتے ہیں، سو جس نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت کو پالیا، اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کرنا سنت ہے اور واجب نہیں ہے، البتہ اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ سنت سے مراد یہاں پر طریقہ ہے، یعنی ہمارے دین میں یہ طریقہ ہے، پھر اس میں واجب بھی داخل ہو جائے گا۔

اور جنہوں نے کہا کہ قربانی کرنا واجب ہے، انہوں نے اس باب کی حدیث کے ان الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بُردہ بن نیار سے فرمایا: تمہارے بعد اور کسی کی طرف سے چھ ماہ کے بکرے کی قربانی جائز نہیں ہوگی''۔ امام طحاوی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت ابو بُردہ بن نیار رضی اللہ عنہ پر اس لیے قربانی کو واجب کیا کہ ان پر پہلے قربانی واجب تھی لیکن انہوں نے وقت سے پہلے قربانی کر کے اس کو ضائع کر دیا تو اب اس کی تلافی کے لیے ان کو یہ رخصت دی کہ ان کے پاس جو چھ ماہ کا بکرا ہے اس کو ذبح کر دیں اور فرمایا: ''تمہارے بعد ایسا کرنا کسی اور کے لیے جائز نہیں ہوگا''۔

امام طحاوی کے اس اعتراض کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: تم نے جو قربانی ضائع کی ہے اس کی مثل قربانی کرو، اور جب آپ نے ایسا نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے جو قربانی ضائع کی تھی، اس کی تلافی کے لیے چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کی رخصت دی۔

قربانی کے وجوب کے متعلق دیگر احادیث

مخنف بن سلیم بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن فرمایا: ہر گھر والے کے اوپر ہر سال میں قربانی ہے اور عتیرہ ہے۔ (عتیرہ سے مراد وہ ذبیحہ ہے جس کو زمانہ جاہلیت میں رجب کے ابتدائی دنوں میں ذبح کیا جاتا تھا)۔

(سنن ابوداؤد: ۲۷۸۸، سنن ترمذی: ۱۵۱۸، سنن ابن ماجہ: ۳۱۲۵، سنن نسائی: ج ۷ ص ۱۶۷۔ ۱۶۸، مسند احمد ج ۵ ص ۷۶)

ام بلال اسلمیہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنبہ کے چھ ماہ کے بچہ کو ذبح کرو۔

(مسند احمد: ج ۶ ص ۳۸۶، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۵ ص ۱۶۴ رقم الحدیث: ۳۹۷، سنن بیہقی ج ۹ ص ۲۷۱، سنن ابن ماجہ: ۳۱۳۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے قربانی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کو فرض قرار نہیں دیا گیا ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۱۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پاس گنجائش ہو، وہ قربانی کرے۔

(الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۴۸۲۔ ۴۸۳)

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس گنجائش ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۱۲۳، مسند احمد: ج ۲ ص ۳۲۱، سنن دارقطنی: ج ۴ ص ۲۸۵، المستدرک للحاکم: ج ۲ ص ۳۸۹، ج ۴ ص ۲۳۲، سنن بیہقی: ج ۹ ص ۲۶۰)

احادیث مذکورہ پر ابن حزم ظاہری کے اعتراضات اور علامہ ابن الملقن کے جوابات

ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ پہلی حدیث مخنف کی روایت ہے اور یہ ضعیف ہے۔ اور دوسری حدیث حارث سے روایت ہے اور وہ یحییٰ بن ضرارہ از ابیہ مروی ہے، اور یہ دونوں مجہول ہیں۔

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یحییٰ سے محدثین کی ایک جماعت نے حدیث کی روایت کی ہے، وہ مجہول کیسے ہو گئے، ان محدثین میں امام ابن المبارک ہیں اور امام ابن حبان نے یحییٰ کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔ (کتاب الثقات ج ۷ ص ۶۰۲) اور ان کے والد سے بھی عتبہ بن عبد الملک نے روایت کی ہے اور ان کا بھی امام ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے (کتاب الثقات ج ۴ ص ۲۶۷۔۲۶۸) اور یہ کہا ہے کہ جس کا یہ زعم ہے کہ وہ صحابی ہیں، اس کو وہم ہوا۔ اور رہے علامہ ابن الجوزی تو انہوں نے کہا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تھی، اسی طرح ابو نعیم نے کہا ہے۔ (معرفۃ الصحابہ لابی نعیم ج ۳ ص ۱۲۳۲)

نیز ابن حزم ظاہری نے امِ بلال کی حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس روایت میں ام محمد ہیں اور ابن انعم ہیں اور یہ دونوں غایۃ السقوط ہیں۔

علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں: ابن انعم ثقہ ہیں، ان کو القطان وغیرہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔

ابن حزم ظاہری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر اعتراض کیا ہے کہ اس کی دونوں سندوں میں عبد اللہ بن عیاش ہے، اور وہ معروف ثقہ نہیں ہے۔

علامہ ابن ملقن نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ عبد اللہ بن عیاش صحیح مسلم کے رجال میں سے ہیں اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ بہت زیادہ سچے ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۵ ص ۱۲۶)

سو قربانی کے وجوب کی احادیث پر ابن حزم ظاہری نے جو اعتراضات کیے تھے، وہ تمام اعتراضات ساقط ہو گئے۔

قربانی کے وجوب کے متعلق مزید آثار

ابو الحسناء از الحکم از حنش از حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ میں دو مینڈھوں کی قربانی کروں۔

(سنن ابوداؤد: ۲۷۹۰، سنن ترمذی: ۱۴۹۵، مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۷، مسند ابو یعلیٰ ج ۱ ص ۳۵۵، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۲۲۹۔۲۳۰)

از محمد بن راشد از سلیمان بن موسیٰ از عطاء بن ابی رباح از حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا روایت ہے، انہوں نے فرمایا: اے لوگو! قربانی کرو اور قربانی سے اپنے دلوں کو خوش کرو۔ (التمہید ج ۲۳ ص ۱۹۳)

از الحجاج بن ارطاۃ از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں دس سال رہے اور آپ قربانی کو ترک نہیں کرتے تھے۔ آپ اونٹ کی قربانی کرتے تھے اور اونٹ نہ ملے تو مینڈھے کی قربانی کرتے تھے۔

(سنن بیہقی ج ۹ ص ۲۶۷)

امام الدارقطنی نے سندِ ضعیف کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں: یا رسول اللہ! کیا میں قرض لوں اور قربانی کروں، آپ نے فرمایا: ہاں! یہ وہ قرض ہے جو ادا کر دیا جائے گا۔ (سنن الدارقطنی ج ۴ ص ۲۸۳)

امام ابن ماجہ نے سند ضعیف کے ساتھ از محمد بن سیرین روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے قربانیوں کے متعلق سوال کیا، کیا یہ واجب ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اور آپ کے بعد مسلمانوں نے قربانی کی اور اسی کی سنت جاری ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۱۲۴)

امام ترمذی نے روایت کی ہے کہ جبلہ بن سحیل نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کیا قربانی کرنا واجب ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اور مسلمانوں نے قربانی کی، اس نے پھر سوال دہرایا، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کیا تم کو عقل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اور مسلمانوں نے قربانی کی۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔
(سنن ترمذی: ۱۵۰۶)

امام ابن ماجہ سندِ جید کے ساتھ ابو زید سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے گھروں میں سے کسی گھر کے پاس سے گزرے تو آپ کو بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو آئی، آپ نے پوچھا: اس کو کس نے ذبح کیا ہے تو ایک مرد باہر آیا، اس نے کہا: یارسول اللہ! میں نے اس کو ذبح کیا ہے، آپ نے اس کو حکم دیا کہ دوبارہ ذبح کرو، اس نے کہا: یارسول اللہ! میرے پاس تو صرف چھ ماہ کا ایک بچہ ہے، آپ نے فرمایا: تم اسی کو ذبح کر دو اور تمہارے بعد کسی اور کو یہ کافی نہیں ہوگا۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۱۵۴)

امام مالک نے الموطا میں سندِ صحیح متصل سے روایت کی ہے کہ عُویمر بن اشقر نے قربانی کے دن صبح سے پہلے اپنی قربانی ذبح کر لی اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، آپ نے حکم دیا کہ تم دوسری قربانی کرو۔ (الموطا ص ۲۹۹)

امام مسلم نے بھی جُندب بن عبد اللہ سے اسی حدیث کی مثل روایت کی ہے۔ (صحیح مسلم: ۹۸۵)

قربانی کے وجوب پر قرآن مجید سے دلائل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (الانعام)

آپ کہیے کہ بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے O اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں O

امام دار قطنی نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کرتے وقت یہ آیت پڑھتے تھے اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ... الآیۃ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں نسک سے مراد قربانی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو قربانی کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

نیز قرآن مجید میں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ ۝ (الکوثر)

سو آپ اپنے رب کی رضا کے لیے نماز پڑھتے رہیے اور قربانی کرتے رہیں O

اس آیت میں نماز سے مراد نمازِ عید ہے اور نحر سے مراد قربانی ہے، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قربانی کرنا واجب ہے تو ہم پر بھی

واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے۔ (الاحزاب:۲۱)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۵۶۵۔ ۵۷۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۵۴۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَإِنَّمَا ذَبَحَ لِنَفْسِهِ وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَقَدْ تَمَّ نُسُكُهُ وَأَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِينَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی از ایوب از محمد از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نماز (عید) سے پہلے ذبح کرلیا، تو اس نے اپنے نفس کے لیے ذبح کیا اور جس نے نماز (عید) کے بعد ذبح کیا تو اس کی قربانی کامل ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کے طریقہ کو پالیا۔

(صحیح البخاری: ۹۵۴، ۹۸۴، ۵۵۴۶، ۵۵۴۹، ۵۵۶۱، صحیح مسلم: ۱۹۶۲، سنن نسائی: ۴۳۹۶، مسند احمد: ۱۱۷۱۰)

صحیح البخاری: ۵۵۴۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''قربانی کا سنت ہونا'' اور اس حدیث میں قربانی کی شرط بیان کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ قربانی کو نمازِ عید کے بعد ذبح کیا جائے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، اور یہ ابن علیۃ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ایوب کا ذکر ہے، یہ سختیانی ہیں۔ اور محمد کا ذکر ہے، وہ ابن سیرین ہیں۔

یہ حدیث صحیح البخاری صلوٰۃ العید کے باب میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

۲۔ بَابُ: قِسْمَةِ الْإِمَامِ الْأَضَاحِيَّ بَيْنَ النَّاسِ امام کا قربانی کے جانوروں کو لوگوں کے درمیان تقسیم کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں بیان کیا گیا ہے کہ امام قربانی کے جانوروں کو لوگوں کے درمیان خود تقسیم کرے یا اپنے وکیل کے واسطہ سے تقسیم

کرے، اور اس عنوان سے امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ نبی ﷺ اپنے اصحاب کے درمیان جو قربانی کے جانور تقسیم کرتے تھے، اگر وہ خوشحال لوگوں کے درمیان تقسیم کریں تو وہ قربانی کے جانور مالِ فئے سے ہوتے تھے، یا اس کے قائم مقام مال سے ہوتے تھے جس مال کا خوشحال لوگوں کے لیے لینا جائز ہو۔ اور اگر آپ قربانی کے جانور فقراء کے درمیان تقسیم کرتے تو وہ صدقہ کے مال سے ہوتے تھے، اور امام بخاری نے اس عنوان سے یہ ارادہ کیا ہے کہ شارع علیہ السلام کا قربانی کے جانوروں کو اپنے اصحاب میں تقسیم کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ قربانی کا حکم مؤکد ہے اور آپ نے صحابہ کو اس کی طرف راغب کیا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اگر معاملہ اسی طرح ہوتا تو یہ ان صحابہ پر مخفی نہ رہتا جنہوں نے خوش حال ہونے کے باوجود قربانی کو ترک کیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جن صحابہ نے خوش حال ہونے کے باوجود قربانی کو ترک کیا، انہوں نے اس لیے نہیں ترک کیا کہ قربانی کا کرنا مؤکد نہیں ہے، بلکہ ان کے ترک کرنے کی وجہ یہ ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

از معمر و الثوری از ابووائل، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: میں قربانی کرنے کو چھوڑتا ہوں، حالانکہ میں خوش حال ہوتا ہوں اس خوف سے کہ اگر میں نے قربانی کی تو میرے پڑوسی یہ گمان کریں گے کہ قربانی کرنا مجھ پر واجب ہے۔

اور ثوری نے روایت کی ہے از ابن ابراہیم بن مہاجر النخعی از علقمہ، انہوں نے کہا کہ اگر میں قربانی نہ کروں تو یہ مجھے زیادہ پسندیدہ ہے، کہ کہیں لوگ یہ نہ سمجھیں کہ قربانی کرنا مجھ پر واجب ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ اسی طرح اس عالم کو چاہیے، جس کی اقتداء کی جاتی ہے کہ جب اس کو یہ خطرہ ہو کہ اگر اس نے سنتوں پر عمل کیا تو عام لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ سنتیں فرض ہیں، تو اس کو چاہیے کہ ان سنتوں کو ترک کر دے تاکہ لوگ ان سنتوں کو واجب نہ سمجھیں اور تاکہ لوگوں کے اوپر ان کا دین مشتبہ نہ ہو، پس وہ فرض اور نفل کے درمیان فرق نہ کریں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ عالم کو بہر حال سنتوں پر عمل کرنا چاہیے اور سنتوں کو ترک نہیں کرنا چاہیے اور لوگوں کو بتلانا چاہیے کہ یہ عمل سنت ہے، واجب نہیں ہے، جب کہ قربانی ایسی سنت نہیں ہے کہ اس کو ترک کر دیا جائے۔ اور امام ابوحنیفہ اور دیگر ائمہ نے قربانی کو واجب کہا ہے۔ رہا حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ صحابی اور علقمہ تابعی کا یہ کہنا کہ میں قربانی کو اس لیے ترک کر دیتا ہوں کہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ قربانی مجھ پر واجب ہے، تو یہ ان کا اجتہاد اور استنباط ہے۔ رسول اللہ ﷺ دس سال مدینہ میں رہے اور ہر سال قربانی کرتے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ کے عمل کے مطابق عمل کرنا راجح ہے نہ کہ بعض صحابہ یا تابعین کے اجتہاد پر عمل کیا جائے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۵۴۷۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ بَعْجَةَ الْجُهَنِيِّ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ أَصْحَابِهِ ضَحَايَا فَصَارَتْ لِعُقْبَةَ جَذَعَةٌ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ صَارَتْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معاذ بن فضالہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از یحییٰ از بعجہ الجہنی از حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کے

لِی جَذَعَةٌ قَالَ ضَحِّ بِهَا

درمیان قربانی کے جانور تقسیم کیے، تو حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں جذعہ (چھ ماہ کا بکرا) آیا، پس میں نے کہا: یارسول اللہ! میرے حصہ میں تو جذعہ ہے، آپ نے فرمایا: تم اسی کی قربانی کردو۔

(صحیح البخاری: ۲۳۰۰، ۲۵۰۰، ۵۵۴۷، ۵۵۵۵، صحیح مسلم: ۱۹۶۵، سنن ترمذی: ۱۵۰۰، سنن نسائی: ۴۳۷۹، سنن ابن ماجہ: ۳۱۳۸، مسند احمد: ۱۲۸۹۵، سنن دارمی: ۱۹۵۴)

صحیح البخاری: ۵۵۴۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ہشام کا ذکر ہے اور یہ الدستوائی ہیں، اور یحییٰ کا ذکر ہے اور یہ ابن ابی کثیر ہیں۔ اور بعجہ کا ذکر ہے (اس میں باء پر زبر ہے عین ساکن ہے اور جیم پر زبر ہے)، یہ عبداللہ جہنی کے بیٹے ہیں اور یہ معروف تابعی ہیں، صحیح البخاری میں صرف ان کی یہی ایک روایت ہے۔ اس حدیث میں عُقبہ کا ذکر ہے، اس سے مراد حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

جذعہ کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے ''صارت جذعة'' یعنی مجھے جذعہ حاصل ہوا، اور جذعہ کا لفظ اس سے عام ہے کہ وہ بکرے کا بچہ ہو، لیکن امام بخاری اور دوسروں نے کہا ہے کہ یہ حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ کے لیے اسی طرح بکرے کے بچے کی قربانی کی رخصت ہے جس طرح حضرت ابو بُردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کے لیے بکری کے بچہ کی قربانی کی رخصت تھی۔

اور ''الجذعه'' چوپایوں کے ایک معین سن کا وصف ہے۔ دنبوں میں جذعہ اس کو کہتے ہیں جس نے ایک سال مکمل کرلیا ہو، اور یہ جمہور کا قول ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ جو ایک سال سے کم کا ہو، وہ جذعہ ہے، پھر اس کی عمر میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ چھ ماہ کا ہو، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ آٹھ ماہ کا ہو، تیسرا قول یہ ہے کہ وہ دس ماہ کا ہو۔ اور امام ترمذی نے از وکیع روایت کی ہے کہ وہ چھ ماہ کا ہو یا سات ماہ کا ہو۔

''الجذع'' کا معنی

رہا ''الجذع'' تو بکرے میں الجذع اس کو کہا جاتا ہے جو دوسرے سال میں داخل ہوجائے، اور گائے میں اس کو کہا جاتا ہے جو تیسرے سال میں داخل ہوجائے اور اونٹ میں ''الجذع'' اس کو کہا جاتا ہے جو پانچویں سال میں داخل ہوجائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: تم اسی کی قربانی کرلو، یعنی الجذعہ کی جو چھ ماہ کا بکری کا بچہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج۲۱ ص۲۱۶۔۲۱۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۔ بَابُ: الْأُضْحِيَّةِ لِلْمُسَافِرِ وَالنِّسَاءِ مسافر اور عورتوں کے لیے قربانی کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں مسافر اور عورتوں کے لیے قربانی کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی) نے کہا ہے: اس عنوان میں ان لوگوں کے اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے جنہوں نے کہا ہے کہ عورتوں کے اوپر قربانی نہیں ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس میں ان لوگوں سے اختلاف کی طرف اشارہ ہو جو عورتوں کی قربانی سے منع کرتے ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس عنوان میں بالکل کوئی اشارہ نہیں ہے، جس طرح اس قائل نے کہا ہے۔ امام بخاری نے یہ عنوان اس لیے قائم کیا ہے تاکہ یہ بیان کریں کہ مسافر اور عورتوں پر آیا قربانی واجب ہے یا نہیں؟ لیکن امام بخاری نے اس عنوان کو مبہم رکھا اور اس پر اکتفاء کرلی کہ اس باب کی حدیث سے یہ بات سمجھ آجائے گی، جیسا کہ اس شخص پر مخفی نہیں ہوگا جس کو احادیث کے معانی کے ادراک کا ذوق ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۱۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۴۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهَا وَحَاضَتْ بِسَرِفَ قَبْلَ أَنْ تَدْخُلَ مَكَّةَ وَهِيَ تَبْكِي فَقَالَ مَا لَكِ أَنَفِسْتِ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ إِنَّ هٰذَا أَمْرٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَى بَنَاتِ آدَمَ فَاقْضِي مَا يَقْضِي الْحَاجُّ غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفِي بِالْبَيْتِ فَلَمَّا كُنَّا بِمِنًى أُتِيتُ بِلَحْمِ بَقَرٍ فَقُلْتُ مَا هٰذَا قَالُوا ضَحَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ أَزْوَاجِهِ بِالْبَقَرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبدالرحمٰن بن القاسم از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور ان کو مقام سرف میں حیض آچکا تھا، اس سے پہلے کہ وہ مکہ میں داخل ہوتیں اور وہ رو رہی تھیں، تو آپ نے ان سے پوچھا: تم کیوں رو رہی ہو، کیا تم کو حیض آگیا ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: یہ وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے، تم وہ تمام کام کرو جو حج کرنے والے کرتے ہیں، سوائے اس کے کہ تم بیت اللہ کا طواف نہیں کروگی، پس جب کہ ہم منیٰ کے اندر تھے تو میرے پاس گائے کا گوشت لایا گیا، میں نے پوچھا: یہ کیسا گوشت ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کی قربانی کی ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۹۴، ۳۰۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۹، ۳۲۸، ۱۵۱۶، ۱۵۱۸، ۱۵۵۶، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۶۳۸، ۱۶۵۰، ۱۷۰۹، ۱۷۲۰، ۱۷۳۳، ۱۷۵۷، ۱۷۶۲، ۱۷۷۱، ۱۷۷۲، ۱۷۸۳، ۱۷۸۶، ۱۷۸۷، ۱۷۸۸، ۲۹۵۲، ۲۹۸۴، ۴۳۹۵، ۴۴۰۱، ۴۴۰۸، ۵۳۲۹، ۵۵۴۸، ۵۵۵۹، ۶۱۵۷، ۷۲۲۹، صحیح مسلم: ۱۲۱۱، سنن ترمذی: ۹۴۵، سنن نسائی: ۲۹۰، سنن ابوداؤد: ۱۷۸۲، سنن ابن ماجہ: ۲۹۶۳، مسند احمد: ۲۵۳۱۰)

صحیح البخاری: ۵۵۴۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: ''مسافر اور عورتوں کے لیے قربانی کا بیان'' اور اس حدیث میں مسافر کی قربانی کرنے کا ذکر ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسافر تھے اور اس حدیث میں عورتوں کی طرف سے قربانی کا بھی ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، اور وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور عبدالرحمن کا ذکر ہے، وہ اپنے والد القاسم بن محمد بن ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند کے آخر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے، وہ ام المومنین ہیں۔

مسافر پر قربانی کے حکم کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

مسافر پر قربانی کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، امام شافعی نے کہا: قربانی کرنا تمام لوگوں کے لیے سنت ہے اور حج کرنے والے پر منیٰ میں قربانی ہے، ابوثور کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک نے کہا: مسافر پر قربانی نہیں ہے اور اگر مسافر قربانی کو ترک کردے تو اسے قربانی کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا، سوا حج کرنے والے کے لیے منیٰ میں قربانی۔ اور ابن المواز نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ اہلِ مکہ اور اہلِ منیٰ میں سے جس نے حج نہیں کیا، وہ قربانی کرے۔ اور علامہ ابن بطال مالکی نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مذہب یہ ہے کہ مسافر پر بھی قربانی لازم ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس سے پہلے امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ قربانی کرنا سنت ہے اور معروف ہے۔ ہاں یہ امام اوزاعی اور لیث کا قول ہے۔ اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ مسافر کے اوپر قربانی کرنا واجب نہیں ہے، اور ابراہیم النخعی سے منقول ہے کہ انہوں نے حج کرنے والے کے لیے اور مسافر کے لیے یہ رخصت دی ہے کہ وہ قربانی نہ کرے۔

عورتوں پر قربانی کا بیان

جن فقہاء نے قربانی کو واجب قرار دیا ہے، وہ عورتوں پر بھی قربانی کو واجب قرار دیتے ہیں اور جن فقہاء نے قربانی کو واجب نہیں قرار دیا ہے، وہ عورتوں پر بھی قربانی کو واجب نہیں کہتے اور ان کے حق میں قربانی کو مستحب کہتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں سرف کا ذکر ہے، یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے، جو مکہ سے چند میل کے قریب ہے۔ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ اس فاصلہ سے متعلق کئی اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ چھ میل کا فاصلہ ہے، ایک قول ہے سات میل کا فاصلہ ہے، ایک قول ہے نو میل کا فاصلہ ہے، ایک قول ہے: دس میل کا فاصلہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ بارہ میل کا فاصلہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اَنَفِستِ'' اس کا معنی ہے ''اَحِضتِ'' یعنی کیا تم کو حیض آ گیا ہے؟ نفاس اس خون کو کہتے ہیں جو بچہ کی

ولادت کے بعد عورت کو آتا ہے، لیکن اس حدیث میں نفاس کا اطلاق حیض پر کیا گیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''یہ وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے''۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تسلی دینے کے لیے یہ فرمایا اور اس کا معنی یہ ہے کہ صرف آپ حیض کے ساتھ مختص نہیں ہیں، بلکہ آدم علیہ السلام کی تمام بیٹیوں کو حیض آتا ہے۔

علامہ عینی نے کہا ہے: امام بخاری نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تمام بیٹیوں کو حیض آتا ہے اور ان کا انکار کیا ہے، جنہوں نے کہا ہے کہ حیض کی ابتداء بنی اسرائیل کی عورتوں سے ہوئی ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''فاقضی'' یعنی آپ وہ تمام افعال کریں جو حاجی کرتے ہیں، سوائے اس کے کہ آپ بیت اللہ کا طواف نہیں کریں گی۔

بیت اللہ کے طواف کے لیے طہارت کی شرط کا بیان

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حائض طواف نہیں کر سکتی اور اس پر اجماع ہے، لیکن اس کی علت میں اختلاف ہے جیسا کہ طواف کے لیے طہارت کی شرط میں اختلاف ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد نے کہا کہ یہ شرط ہے اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ یہ شرط نہیں ہے۔ داؤد ظاہری کا بھی یہی قول ہے۔ سو جنہوں نے کہا کہ طواف کے لیے طہارت شرط ہے، انہوں نے کہا کہ اگر حائض نے طواف کیا تو اس کا طواف باطل ہے۔ اور جنہوں نے طواف کے لیے طہارت کی شرط نہیں لگائی تو انہوں نے کہا: حائض کے طواف کے باطل ہونے کا سبب یہ ہے کہ حائض کا مسجد میں ٹھہرنا ممنوع ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کی طرف سے قربانی کی۔ علامہ نووی نے کہا: یہ اس پر محمول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج سے اجازت لے کر ان کی طرف سے قربانی کی، کیونکہ جب انسان دوسرے کی طرف سے قربانی کرے تو اس کی قربانی دوسرے کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۱۷۔ ۲۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۴۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مسافر پر قربانی کے وجوب کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

امام شافعی کے نزدیک تمام لوگوں کے لیے قربانی کرنا سنت ہے اور حج کرنے والے پر منیٰ میں قربانی کرنا سنت ہے۔

اور امام مالک کے نزدیک مسافر پر قربانی کرنا واجب ہے، اور اس کو قربانی ترک کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا، سوا اس کے جو حج کر رہا ہو اور منیٰ میں ہو۔

اور امام ابوحنیفہ نے کہا: مسافروں پر قربانی کرنا واجب نہیں ہے۔

ابراہیم النخعی نے کہا: حج کرنے والے اور مسافر کے لیے رخصت ہے کہ وہ قربانی نہ کرے۔

اور امام شافعی کی دلیل اس باب کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کی طرف سے گائے کی قربانی کی اور وہ سب حج

میں تھے اور حالت سفر میں تھے۔اور امام مالک نے سفر کو حضر پر قیاس کیا، انہوں نے کہا: جیسا کہ حضر یعنی غیر سفر میں فرائض کے درمیان فرق نہیں ہے، اسی طرح سفر میں بھی ان کے درمیان فرق نہیں ہوگا اور سفر میں بھی قربانی واجب ہوگی۔اسی طرح حج کرنے والے پر منیٰ میں قربانی واجب ہوگی۔

اور ابن وہب نے از فلیح بن حمید از القاسم بن محمد روایت کی ہے کہ ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حج کرتے تھے اور ہم میں سے کوئی بھی قربانی نہیں کرتا تھا، اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حج کرتے تھے اور قربانی نہیں کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔اسی طرح علامہ ابن بطال نے کہا ہے، لیکن اس سے پہلے امام بخاری نقل کر چکے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ قربانی کرنا سنت ہے اور معروف ہے۔

ابن وہب نے کہا: مجھے متعدد اہل علم نے خبر دی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ایک جماعت حج کرتی تھی اور قربانی نہیں کرتی تھی۔

اور ابراہیم النخعی سے منقول ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما حج کرتے تھے اور قربانی نہیں کرتے تھے۔

امام ابوحنیفہ نے جو کہا ہے کہ مسافروں سے قربانی ساقط ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ جب مسافروں سے جمعہ کی نماز اور عیدین کی نماز ساقط ہے، تو ان سے قربانی بھی ساقط ہے اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جمعہ اور تشریق صرف شہر میں فرض ہیں، جو (شہر) جامع ہو۔

رہا عورتوں پر قربانی کا معاملہ، تو جنہوں نے قربانی کو واجب کہا ہے، انہوں نے عورتوں پر بھی قربانی کو واجب کہا ہے اور جنہوں نے قربانی کو واجب نہیں کہا تو انہوں نے کہا: عورتوں کے لیے قربانی کرنا مستحب ہے۔

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ جب حج کرنے والوں پر قربانی واجب نہیں ہے، تو اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج کی طرف سے قربانی کی، اس کی کیا توجیہ ہوگی؟

علامہ ابن التین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج کی طرف سے نفلی قربانی کی تھی، یعنی قربانی ان پر واجب نہیں تھی، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کی سنت کو ادا کرنے کے لیے اپنی ازواج کی طرف سے قربانی کی۔

اس حدیث میں اگرچہ گائے کی قربانی کا ذکر ہے، لیکن اشعب مالکی کا مختار یہ ہے کہ اگر حج کرنے والا قربانی کرنا چاہے تو اس کے لیے اونٹ اور گائے کی قربانی کرنا مستحب ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۵۹۹۔۶۰۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۴۸ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عورتوں پر حیض کو لکھے جانے کا معنی

اس حدیث میں حیض کے متعلق مذکور ہے کہ ''یہ وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے''۔اس کا معنی یہ ہے کہ یہ امر طبعی ہے اور جبلی ہے، عورت اپنے آپ کو اس سے الگ نہیں کر سکتی اور نہ اپنی مرضی سے اس کو لا سکتی ہے۔یعنی

عورتوں کی طبیعت اور جبلت میں اللہ تعالیٰ نے حیض کو مرکوز کر دیا ہے۔

مسافروں پر حج کی مشروعیت کی دلیل

اس حدیث میں مذکور ہے''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میرے پاس گائے کا گوشت لایا گیا، میں نے پوچھا: یہ کیسا گوشت ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کی طرف سے گائے کی قربانی کی ہے''۔

امام بخاری نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ قربانی مسافر کے لیے بھی اسی طرح مشروع ہے جس طرح مقیم کے لیے قربانی کرنا مشروع ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی منیٰ میں مسافر تھے اور آپ کی ازواج بھی مسافرہ تھیں۔

شیخ ابن تیمیہ حنبلی نے کہا ہے: اس حدیث میں قربانی کرنے سے مراد ہدی پیش کرنا ہے اور ہدی کے اوپر قربانی کا اطلاق کیا گیا ہے، کیونکہ اس گائے کو ضحیٰ یعنی چاشت کے وقت میں ذبح کیا گیا تھا اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ نے وہ قربانی کی جو شہروں میں کی جاتی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے قربانی نہیں کی، حتیٰ کہ آپ نے اپنی ازواج کی طرف سے قربانی کی، اور اس حدیث میں ہدی پر مجازاً قربانی کا اطلاق ہے، جیسا کہ اس حدیث میں حیض پر نفاس کا مجازاً اطلاق ہے۔

سوال: اگر عید کے دن کوئی انسان سفر میں ہو تو کیا اس کے لیے قربانی کرنا مشروع ہے؟

جواب: ہاں! اس کے لیے بھی قربانی کرنا مشروع ہے، کیونکہ قربانی کی مشروعیت پر جو دلائل ہیں وہ عام ہیں۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۸۶۔۲۸۷، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ مسافر پر قربانی واجب تو نہیں ہے لیکن اگر وہ قربانی کرے تو اس کی قربانی مشروع ہوگی اور یہ نفلی قربانی ہوگی۔ (سعیدی غفرلہ)

۴۔ بَابُ: مَا يُشْتَهٰى مِنَ اللَّحْمِ يَوْمَ النَّحْرِ — قربانی کے دن گوشت کی خواہش کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قربانی کے دن گوشت کی خواہش کرنا جائز ہے، کیونکہ لوگوں کی عادت ہے کہ وہ گوشت کھانے سے لذت حاصل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۝ (الحج)

اور مقررہ ایام میں ان بے زبان مویشیوں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو دیئے ہیں، پس تم ان میں سے خود کھاؤ اور مصیبت زدہ فقیر کو بھی کھلاؤ O

اور جس نے قربانی کے دن گوشت کی خواہش کی، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

بہ ظاہر اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی اور وہ ایک

درہم کا گوشت خرید کر لائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: اے امیر المومنین! یہ ہم نے گوشت خریدا ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: تم اس آیت کے متعلق کیا کہو گے؟:

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ ۝ (الاحقاف)

اور جس دن کفار کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا (تو ان سے کہا جائے گا:) تم اپنی لذیذ چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے ہو، اور ان سے فائدہ اٹھا چکے ہو، پس آج تم کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور کیونکہ تم نافرمانی کرتے تھے O

میں کہتا ہوں: ہر چند کہ یہ آیت کفار کے متعلق نازل ہوئی ہے، لیکن چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اس وقت زہد کا غلبہ تھا اور خوفِ خدا طاری تھا، اس لیے انہوں نے یہ گمان کیا کہ چونکہ کفار کی اس بات پر گرفت کی جائے گی کہ وہ دنیا میں اپنی پسندیدہ اور لذیذ چیزیں لے چکے ہیں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم پر بھی اس وجہ سے مواخذہ کیا جائے کہ ہم دنیا میں اپنی پسندیدہ اور لذیذ چیزیں لے چکے ہیں، اس لیے دنیا کی پسندیدہ اور لذیذ چیزوں کو ترک کر دینا مناسب ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ عینی فرماتے ہیں: اور قربانی کا دن گوشت کھانے کے ساتھ مخصوص ہے، اس لیے قربانی کے دن گوشت کھانے کی خواہش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن قربانی کے دن کے علاوہ گوشت کھانا مباح ہے، مگر سلف صالحین گوشت کھانے کے اوپر دوام نہیں کرتے تھے، کیونکہ گوشت کھانے کا بھی بہت زیادہ شوق ہوتا ہے، جیسے خمر کا بہت زیادہ شوق ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۱۸۔۲۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: یہ تشبیہ صرف نفس شوق میں ہے ورنہ خمر حرام ہے، اور گوشت کھانا مرغوب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۵۴۹۔ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ أَخْبَرَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَ النَّحْرِ مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيُعِدْ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ هَذَا يَوْمٌ يُشْتَهَى فِيهِ اللَّحْمُ وَذَكَرَ جِيرَانَهُ وَعِنْدِي جَذَعَةٌ خَيْرٌ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ فَرَخَّصَ لَهُ فِي ذَلِكَ فَلَا أَدْرِي بَلَغَتِ الرُّخْصَةُ مَنْ سِوَاهُ أَمْ لَا ثُمَّ انْكَفَأَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَى كَبْشَيْنِ فَذَبَحَهُمَا وَقَامَ النَّاسُ إِلَى غُنَيْمَةٍ فَتَوَزَّعُوهَا أَوْ قَالَ فَتَجَزَّعُوهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں صدقہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن علیہ نے خبر دی از ایوب از ابن سیرین از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن فرمایا: جس نے نماز (عید) سے پہلے قربانی ذبح کر لی، وہ اس کو دہرائے، تو ایک مرد کھڑا ہوا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! یہ وہ دن ہے جس میں گوشت کی خواہش کی جاتی ہے، اور اس نے اپنے پڑوسیوں کا ذکر کیا اور کہا: میرے پاس ایک چھ ماہ کا بکرا ہے جس میں دو بکریوں سے زیادہ گوشت ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کی اجازت دے دی، حضرت انس رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں: میں از خود نہیں جانتا کہ یہ رخصت اس مرد کے سوا کسی اور کے لیے بھی ہے یا نہیں؟ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو مینڈھوں کی طرف مڑے اور ان کو ذبح کیا اور لوگ بکریوں کی طرف کھڑے ہوئے اور انہیں تقسیم کر کے ذبح کیا۔

(صحیح البخاری: ۹۵۴، ۹۸۴، ۵۵۴۶، ۵۵۴۹، ۵۵۶۱، صحیح مسلم: ۱۹۶۲، سنن نسائی: ۴۳۹۶، مسند احمد: ۱۱۷۱۰)

صحیح البخاری: ۵۵۴۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "قربانی کے دن گوشت کی خواہش کرنا" اور اس حدیث میں بھی ذکر ہے کہ ایک مرد نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس دن گوشت کی خواہش کی جاتی ہے، سو یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں صدقہ کا ذکر ہے، یہ ابن الفضل ہیں اور ابن علیہ کا ذکر ہے، یہ اسماعیل بن ابراہیم ہیں جو ابن علیہ کے ساتھ معروف ہیں اور علیہ ان کی ماں کا نام ہے، اور اس حدیث کی سند میں ایوب کا ذکر ہے، وہ سختیانی ہیں، اور ابن سیرین کا ذکر ہے، وہ محمد بن سیرین ہیں۔

یہ حدیث کتاب العیدین میں "باب الاکل یوم النحر" میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ایک مرد کھڑا ہوا": یہ مرد حضرت ابو بُردہ بن نیار رضی اللہ عنہ تھے، جیسا کہ حضرت البراء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "انہوں نے اپنے پڑوسیوں کا ذکر کیا": یعنی انہوں نے ذکر کیا کہ ان کے پڑوسیوں کو گوشت کی ضرورت ہے اور وہ فقراء ہیں، خود قربانی نہیں کر سکتے، گویا کہ انہوں نے اپنی جلدی قربانی کرنے کا عذر بیان کیا کہ انہوں نے نماز سے پہلے قربانی کر دی تاکہ اپنے گھر والوں کو بھی کھلائیں اور اپنے پڑوسیوں کو بھی کھلائیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے از خود معلوم نہیں کہ یہ رخصت ان کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی ہے یا نہیں؟"، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ تک یہ حدیث نہیں پہنچی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بردہ بن نیار سے فرمایا تھا: "تمہارے بعد اور کسی کو چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کافی نہیں ہوگی"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مڑے"، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کی جگہ سے جانوروں کو ذبح کرنے کی جگہ کی طرف مڑے۔

اس حدیث میں مذکور ہے"غُنیمة" یہ غنم کی تصغیر ہے، یعنی چھوٹی چھوٹی بکریاں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے"فتوزعوھا"یعنی انہوں نے ان بکریوں کو متفرق کر دیا، اور التوزیع کا معنی ہے التفرقہ۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے"او قال فتجزعوھا" یہ راوی کو شک ہے اور یہ لفظ جزع سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے کاٹنا۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ سب لوگوں نے بکریوں میں سے اپنا اپنا حصہ لے لیا، اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ انہوں نے بکریوں کو ذبح کرنے کے بعد گوشت میں سے اپنا اپنا حصہ لے لیا، اور قطعہ سے مراد یہاں پر حصہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۴۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابو بردہ بن نیار کو چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کی رخصت کی توجیہ

اس حدیث میں ذکر ہے کہ اس مرد نے یعنی حضرت ابو بُردہ بن نیار نے اپنے پڑوسیوں کی حاجت کا اور ان کی مشقت کا ذکر کیا، اور یہ بتایا کہ ان کا ارادہ انہیں گوشت کھلانا ہے اور ان کی بھوک کو دور کرنا ہے۔ اور اگر وہ یہ بیان نہ کرتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نماز سے پہلے قربانی کرنے پر معزول قرار نہ دیتے اور ان کے لیے چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کی اجازت نہ دیتے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارے بعد اور کسی کے لیے چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کفایت نہیں کرے گی"۔ اور اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خصوصیت کے ساتھ چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کی اجازت دے دی، مگر چونکہ انہوں نے اپنے پڑوسیوں کی بھوک کا ذکر کیا تھا، اس وجہ سے ان کو چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کی اجازت دے دی۔

پڑوسیوں کی غم گساری اور ان پر شفقت کرنا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس امت کے سلف صالحین اپنے پڑوسیوں کی غمگساری کرتے تھے اور ان پر شفقت کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جو رزق دیا ہے، اس سے ان کو بھی حصہ فراہم کرتے تھے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ نے اپنی قربانی اس لیے جلدی ذبح کر لی، کہ اپنے پڑوسیوں کی بھوک کو مٹائیں، اور اس وقت ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ نماز عید سے پہلے قربانی کرنا ان کے لیے کافی ہے یا نہیں؟

بکری کی قربانی کرنا اونٹ اور گائے کی قربانی سے افضل ہے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے بعد دو مینڈھوں کی طرف مڑے اور ان کو ذبح کیا"، اس سے معلوم ہوا کہ بکریوں کی قربانی کرنا اونٹ اور گائے کی قربانی سے افضل ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل کام کو کرتے ہیں، آپ نے دو مینڈھوں کی قربانی کی اور سو اونٹوں کی ہدی پیش کی، کیونکہ ہدی میں افضل اونٹ ہیں۔

اور امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ اونٹ اور گائے بکریوں

سے افضل ہیں (کتاب الام ج ۲ ص ۱۷۹) اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بکریوں کی قربانی افضل ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۶۰۲ ـ ۶۰۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۴۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی دو روایتوں میں تطبیق، ایک روایت میں ہے: قربانی کا گوشت مکروہ ہے، اور دوسری روایت میں ہے کہ قربانی کے دن گوشت کی خواہش ہوتی ہے

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بردہ بن نیار نے کہا: یا رسول اللہ! اس دن گوشت مکروہ ہوتا ہے، اور اس روایت میں الفاظ ہیں اس میں گوشت مقروم ہوتا ہے یعنی گوشت کی خواہش ہوتی ہے، پہلی روایت کا معنی یہ ہے کہ اس دن میں گوشت کی تاخیر کرنا مکروہ ہے، اور دوسری روایت کا معنی واضح ہے کہ اس دن گوشت کی خواہش ہوتی ہے۔

علامہ نووی نے کہا کہ اس دن میں گوشت کو طلب کرنا مکروہ اور دشوار ہوتا ہے، یعنی گوشت کو اپنے دوستوں اور پڑوسیوں سے طلب کرنا مکروہ اور دشوار ہوتا ہے، تو انہوں نے یہ پسند کیا کہ ان کے گھر والے گوشت کو لوگوں سے طلب نہ کریں تو اپنے گھر والوں کو انہوں نے گوشت کی طلب سے مستغنی کیا اور خود اپنی قربانی کا جانور جلدی ذبح کر دیا اور منصور کی از شعبی روایت ہے کہ مجھے معلوم تھا کہ یہ دن کھانے اور پینے کا دن ہے، تو میں نے چاہا کہ میری بکری میرے گھر میں سب سے پہلے ذبح کر لی جائے، اور اس سے مجھے ظاہر ہو گیا کہ ان دونوں روایتوں میں کس طرح تقویت ہوگی، کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ گوشت کی خواہش ہوتی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اس دن گوشت مکروہ ہے، تو یہ دراصل دو اعتبار سے ہے، پس جس حیثیت سے لوگوں کی عادت ہے کہ اس دن جانوروں کو ذبح کرتے ہیں تو دل میں جانوروں کو ذبح کرنے کا شوق ہوتا ہے، تو اس دن گوشت کی خواہش ہوتی ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ لوگ گوشت کے طلب کرنے میں بہت زیادہ جمع ہو جاتے ہیں اور ان کو مشقت ہوتی ہے اور ملال ہوتا ہے تو اس اعتبار سے ان کے اوپر کراہت کا اطلاق ہے، پس ابتدائے حال کے اعتبار سے اس دن گوشت کی خواہش ہے اور انتہائے وصف کے اعتبار سے اس دن گوشت مکروہ ہے۔ اور اسی وجہ سے انہوں نے جلدی اپنی قربانی ذبح کر دی تا کہ ان کو پہلے صفت حاصل ہو جائے اور وہ اپنے گھر والوں کو اور پڑوسیوں کو گوشت کھلا دیں۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۶ ـ ۷، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۲۹۵، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۴۹ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے نمازِ عید سے پہلے قربانی ذبح کر لی، تو اس نے قربانی کے وقت سے پہلے قربانی ذبح کی، اب اس پر واجب ہے کہ وہ اس کے بدلہ میں اس کی مثل قربانی کرے، نہ وہ جو اس کی قربانی کے لیے کافی ہے، پس اگر وہ قربانی عمدہ ہے تو عمدہ کو ذبح کرے، اگر متوسط ہے تو متوسط کو ذبح کرے اور اگر ادنیٰ ہے تو ادنیٰ کو ذبح کرے۔

نیز اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم پر دلیل ہے کیونکہ آپ نے دو سینگ والے مینڈھوں کو ذبح کیا، ایک آل محمد کی طرف سے اور ایک امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے، کیونکہ امام ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

''اے اللہ! محمد، آل محمد اور امت محمد کی طرف سے اس کو قبول فرما۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ)

سوال: اگر کسی انسان نے اونٹ یا گائے کی قربانی کی، جس میں دوسرے لوگ بھی شریک تھے، پھر اس پر یہ منکشف ہوا کہ وہ اس کے بجائے بکری کی قربانی کردے تو کیا یہ جائز ہے۔

جواب: ہاں یہ جائز ہے، کیونکہ بکری کی قربانی کرنا اس سے افضل ہے کہ وہ اونٹ یا گائے میں شریک کسی حصہ کی قربانی کرے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۷۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۵۔ بَابُ: مَنْ قَالَ الْأَضْحٰى يَوْمُ النَّحْرِ

ان فقہاء کا بیان جنہوں نے کہا: قربانی یوم النحر (دس ذوالحجہ) کو ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جن فقہاء نے کہا کہ قربانی یوم النحر ہے، یعنی صرف ایک دن قربانی ہے اور وہ یوم النحر (دس ذوالحجہ) ہے۔ یہ ابن سیرین کا قول ہے، اور اس کی حکایت ابن حزم ظاہری نے کی ہے از حمید بن عبدالرحمٰن۔ وہ یہ کہتے تھے کہ قربانی صرف یوم النحر کو ہے اور یہ ابن ابی سلیمان کا قول ہے۔

قربانی کے ایام میں فقہاء اسلام کے اقوال

اس سلسلہ میں فقہاء کے متعدد مذاہب ہیں:

(۱) امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور ان کے اصحاب، ثوری، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا مذہب ہے کہ قربانی یوم النحر میں ہے اور اس کے دو دن بعد (یعنی دس، گیارہ، بارہ ذوالحجہ تک) ہے۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اس کو ابن القصار نے ذکر کیا ہے اور ابن وہب نے اس کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔

(۲) قربانی چار دن تک ہے یوم النحر اور اس کے بعد تین دن تک۔ اور یہ عطاء بن ابی رباح، الحسن البصری، امام اوزاعی، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور ابوثور کا مذہب ہے۔ حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ان دونوں نے کہا: ایام النحر، ایام المعلومات ہیں اور وہ یوم النحر ہے اور اس کے بعد تین دن ہیں۔

(۳) قتادہ نے کہا: قربانی یوم النحر میں ہے اور اس کے بعد چھ دن میں ہے۔

(۴) قربانی دس دن ہے، اس قول کی حکایت علامہ ابن التین نے کی ہے۔

(۵) حسن بصری سے روایت ہے کہ قربانی ذوالحجہ کے آخری دن تک ہے۔ اور علامہ ابن التین نے کہا: یہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نیز اس کو ابن حزم ظاہری نے از سلیمان بن یسار اور ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن سے بھی نقل کیا ہے۔ ان دونوں نے کہا: کہ قربانی ہلال محرم تک ہے۔

(۶) شہروں میں ایک دن قربانی ہے اور منیٰ میں تین دن قربانی ہے، یہ سعید بن جبیر اور جابر بن زید کا قول ہے۔

(۷) صرف ایک دن قربانی ہے اور اسی کے مطابق امام بخاری نے عنوان قائم کیا ہے، انہوں نے کہا: کہ قربانی یوم النحر (یعنی دس ذوالحجہ) میں ہے۔ اور امام بخاری نے اس کا استدلال اس سے کیا ہے کہ یوم کی اضافت نحر کی طرف ہے اور اس باب کی حدیث میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ یوم النحر نہیں ہے، تو صحابہ نے کہا: ہم نے کہا: کیوں نہیں؟ اور النحر میں لام جنس کے لیے ہے، پس قربانی صرف اسی دن میں ہوگی، یا نحر صرف اسی دن میں ہوگا۔ اور اس دلیل کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس سے مراد نحرِ کامل ہے۔ اور لام بکثرت کمال کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ اس قول میں ہے ''الشدید وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے''۔

امام بخاری کی دلیل کا جواب

علامہ قرطبی مالکی نے کہا ہے کہ نحر کی جو یومِ اول کی طرف اضافت ہے، اس سے یہ استدلال کرنا کہ نحر یا قربانی صرف یوم النحر میں جائز ہے، یہ استدلال ضعیف ہے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَ یَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآىٕسَ الْفَقِیْرَ۝ (الحج) اور مقررہ ایام میں ان بے زبان مویشیوں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو دیئے ہیں، پس تم ان میں سے خود کھاؤ اور مصیبت زدہ فقیر کو بھی کھلاؤ O

سو قرآن مجید کی اس آیت میں ایام معلومات میں قربانی کرنے کا ذکر ہے، لہٰذا یہ استدلال درست نہیں ہے کہ صرف یوم النحر یعنی دس ذوالحجہ کو قربانی ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: جس نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا آج یوم النحر نہیں ہے؟ اور یہ کہا کہ قربانی صرف یوم النحر کو ہے'' اور یوم النحر کے علاوہ اور کسی دن نحر اور ذبح جائز نہیں ہے، کیونکہ سلف اور خلف یعنی متقدمین اور متاخرین نے تمام ایام منیٰ کے اندر نحر کیا ہے اور تمام شہروں میں اس پر عمل ہوتا رہا ہے، لہٰذا جو اس کی مخالفت کرے، اس کی کوئی حجت نہیں ہے۔

اور علامہ ابن بطال نے اس سے استدلال کیا کہ حدیث میں ہے ''قربانی یوم النحر میں ہے اور تین دن ہیں''۔ نیز اس سے استدلال کیا کہ صحیح ابن حبان میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منیٰ کے تمام راستے مَنْحَر ہیں، یعنی نحر کی جگہ ہیں، اور تمام ایام تشریق میں ذبح ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس حدیث کی امام احمد نے اور امام ابن حبان نے از عبد الرحمٰن بن ابی حسین از جبیر بن مطعم روایت کی ہے، اور امام بزار نے اپنی مسند میں کہا کہ ابن ابی حسین کی حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں ہوئی، لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے اور اس سے استدلال درست نہیں ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام احمد نے ، نیز امام بیہقی نے اس حدیث کی از سلیمان بن موسیٰ از جبیر بن مطعم از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے، تو میں کہوں گا کہ امام بیہقی نے کہا ہے کہ سلیمان بن موسیٰ نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا، تو یہ حدیث منقطع ہوئی۔

اگر تم سوال کرو کہ امام ابن عدی نے الکامل فی الضعفاء میں از معاویہ بن یحییٰ الصدفی از الزہری از ابن المسیب از حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: ''تمام ایام تشریق ذبح (کے ایام) ہیں''، تو میں کہوں گا: معاویہ بن یحییٰ کو نسائی اور ابن معین اور علی بن مدینی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور امام ابن ابی حاتم نے کتاب العلل میں بیان کیا ہے کہ میرے والد نے کہا: یہ حدیث اس سند کے ساتھ موضوع ہے۔

پس اگر تم کہو کہ امام بیہقی نے از طلحہ بن عمرو از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ: قربانی یوم النحر کے بعد تین دن ہے، تو میں کہوں گا کہ امام طحاوی نے سند جید کے ساتھ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ قربانی یوم النحر کے بعد دو دن ہے۔

اور ہمارے اصحاب احناف کی دلیل وہ ہے جس کی امام کرخی نے اپنی مختصر میں اس سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ ہمیں ابوبکر محمد بن الجنید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی لیلیٰ نے خبر دی از المنہال بن عمرو از زر بن حبیش وعبادہ بن عبد اللہ الاسدی از حضرت علی رضی اللہ عنہ، وہ فرماتے تھے کہ ایام النحر تین دن ہیں اور پہلا دن ان میں سب سے افضل ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی کی مثل مروی ہے، ان دونوں نے کہا کہ نحر تین دن ہے اور ان میں پہلا دن سب سے افضل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۱۹۔۲۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کی عبارت کا خلاصہ

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے جو کہا: ''کہ قربانی صرف یوم النحر میں ہے یعنی دس ذوالحجہ میں'' اس کے رد میں علامہ عینی نے دو قسم کی احادیث پیش کیں، اول وہ احادیث پیش کی ہیں جن سے امام شافعی استدلال کرتے ہیں کہ قربانی چار دن ہے یوم النحر میں اور اس کے بعد تین دن، لیکن علامہ عینی نے ان احادیث پر جرح کی اور یہ ثابت کیا اور واضح کیا کہ یہ احادیث ضعیف ہیں اور بعض احادیث سندِ موضوع سے مروی ہیں، لہٰذا امام شافعی اور غیر مقلدین کا چار دن تک قربانی کو جائز قرار دینا درست نہیں ہے۔

پھر علامہ عینی نے دوسری قسم کی وہ احادیث پیش کیں جن میں تصریح ہے کہ قربانی تین دن ہے یوم النحر اور اس کے بعد دو دن، اور یہی فقہاء احناف کا اور امام مالک اور امام احمد کا مذہب ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۵۵۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلَاثٌ مُتَوَالِيَاتٌ ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از محمد از ابن ابی بکرہ از حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: بے شک زمانہ گھوم کر اپنی ہیئت اور اصل پر آ گیا ہے، جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا تھا، سال بارہ

الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ أَيُّ شَهْرٍ هَذَا قُلْنَا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ ذَا الْحِجَّةِ قُلْنَا بَلَى قَالَ أَيُّ بَلَدٍ هَذَا قُلْنَا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ الْبَلْدَةَ قُلْنَا بَلَى قَالَ فَأَيُّ يَوْمٍ هَذَا قُلْنَا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ قُلْنَا بَلَى قَالَ فَإِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ قَالَ مُحَمَّدٌ وَأَحْسِبُهُ قَالَ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ أَلَا فَلَا تَرْجِعُوا بَعْدِي ضُلَّالًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ أَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَلَعَلَّ بَعْضَ مَنْ يَبْلُغُهُ أَنْ يَكُونَ أَوْعَى لَهُ مِنْ بَعْضِ مَنْ سَمِعَهُ وَكَانَ مُحَمَّدٌ إِذَا ذَكَرَهُ قَالَ صَدَقَ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ قَالَ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ مَرَّتَيْنِ۔

مہینوں کا ہے، ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں، تین مہینے تو لگا تار ہیں ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم، اور ایک (قبیلہ) مضر کا رجب ہے جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے (پھر آپ نے پوچھا:) یہ کونسا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے، آپ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ اس مہینے کا کوئی اور نام رکھیں گے، پھر آپ نے فرمایا: کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟، ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ نے پوچھا: یہ کونسا شہر ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے، پس آپ خاموش رہے، حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ عنقریب اس شہر کا کوئی اور نام رکھیں گے، پس آپ نے فرمایا: کیا یہ البلدۃ (مکہ مکرمہ) نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ نے پوچھا: پس یہ کون سا دن ہے؟، ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے، سو آپ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ عنقریب آپ اس دن کا کوئی اور نام رکھیں گے، آپ نے فرمایا: کیا یہ یوم النحر نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: بے شک تمہاری جانیں اور تمہارے اموال، محمد نے کہا: میرا گمان ہے کہ آپ نے فرمایا: اور تمہاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں جیسا کہ تمہارے اس دن کی حرمت تمہارے اس شہر میں ہے اور تمہارے اس مہینے میں ہے اور عنقریب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے، پس وہ عنقریب تم سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال کرے گا، سنو! تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا، تم ایک دوسرے کی گردنیں نہ مارنا، سنو! چاہیے کہ حاضر غائب کو پہنچا دے، کیونکہ ہو سکتا ہے بعض وہ جس کو حدیث پہنچائی جائے، وہ حدیث کو سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا ہو، پس محمد جب اس حدیث کو ذکر کرتے تو کہتے: نبی ﷺ نے سچ فرمایا ہے، پھر آپ نے فرمایا: سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟

(صحیح البخاری: ٦٧، ١٠٥، ١٧٤١، ٣١٩٧، ٤٤٠٦، ٤٦٦٢، ٥٥٥٠، ٧٠٧٨، ٧٤٤٧، صحیح مسلم ١٦٧٩، سنن ابن ماجہ: ٢٣٣، مسند احمد:

۱۹۸۷۳، سنن دارمی: ۱۹۱۶)

صحیح البخاری: ۵۵۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے" قربانی یوم النحر میں ہے" اور اس باب میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا آج یوم النحر نہیں ہے؟ اور اس سے امام بخاری نے یہ استدلال کیا ہے کہ یوم کی اضافت نحر کی طرف ہے، یعنی نحر صرف اس دن ہی کیا جائے گا اور اس دن کے علاوہ نہ نحر کیا جائے گا اور نہ ذبح کیا جائے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبد الوہاب کا ذکر ہے، یہ ابن عبد المجید الثقفی ہیں۔ اور ایوب کا ذکر ہے، یہ السختیانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں محمد کا ذکر ہے، یہ ابن سیرین ہیں۔ اور ابن ابوبکرہ کا ذکر ہے، یہ عبدالرحمن ہیں جو اپنے والد حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، ان کا نام نفیع بن الحارث الثقفی البصری ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ذکر ہے"الزمان"، علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس سے مراد ہے سال۔ اور زمان کا لفظ تمام دہر پر اور بعض دہر پر بولا جاتا ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے"کھیئته": یہ مصدر محذوف کی صفت ہے، یعنی زمانہ گھوم کر اپنی اس حالت پر آ گیا ہے، جس حالت پر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں عربوں کے مہینوں کو موخر کرنے کی توجیہ

علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ" دارَ اور استدارَ" اس وقت کہا جاتا ہے، جب کوئی چیز گھوم کر اس جگہ پر آ جائے جہاں سے اس چیز کی ابتداء ہوئی تھی، اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ عرب محرم کو صفر کی طرف مؤخر کر دیتے تھے، تاکہ محرم کے مہینہ میں قتال کریں، یعنی محرم کے مہینہ میں قتال جائز نہیں تھا تو وہ محرم کو مؤخر کر دیتے تھے اور صفر کو محرم قرار دیتے تھے تاکہ محرم کے مہینہ میں قتال کر سکیں اور یہ ایک سال سے لے کر دوسرے سال تک ایسا کرتے رہتے تھے، پس محرم کا مہینہ ایک ماہ سے دوسرے ماہ کی طرف منتقل ہوتا رہتا تھا حتیٰ کہ وہ سال کے تمام مہینوں میں اسی طرح کرتے رہتے تھے، پس جب کہ اس سال زمانہ اپنی مخصوص حالت پر آ گیا، یعنی ان کی نقل سے پہلے اور سال اپنی اصلی ہیئت پر آ گیا اور ایسا حجۃ الوداع کے موقع پر ہوا تھا، پس اس سال حج ذوالحجہ میں ہوا اور زمانہ جاہلیت میں عرب جو مہینوں کو مؤخر کرتے تھے، وہ باطل ہو گیا اور مہینے اپنی وضع قدیم پر لوٹ آئے۔

"مُضر" کی رجب کی طرف اضافت کی توجیہ

نیز اس حدیث میں مذکور ہے" اربعة حرم" اور حُرم حرام کی جمع ہے، یعنی یہ چار مہینے وہ ہیں جن میں جنگ اور قتال حرام ہے

تین مہینے تو لگا تار ہیں اور ایک مہینہ قبیلہ مُضر کا رجب ہے، رجب کے مہینے کو مُضر کے ساتھ اس لیے مخصوص کیا کہ قبیلہ مُضر رجب کی بہت زیادہ تعظیم کرتے تھے اور انہوں نے رجب کے مہینے کو اپنی اصل سے منتقل نہیں کیا تھا اور رجب کا مہینہ جُمادہ آخرہ اور شعبان کے درمیان میں ہے، اور مُضر کے لفظ میں میم پر پیش ہے، یہ ایک قبیلہ ہے اور مُضر بن نضار بن معد بن عدنان کی طرف منسوب ہے۔

اس حدیث میں ذکر ہے ''کیا یہ شہر البلدۃ نہیں ہے؟''، البلدۃ سے مراد وہ شہر ہے جو تمام شہروں سے افضل ہے اور جس کی حرمت سب سے زیادہ ہے یعنی المکۃ المشرفہ، اور ثابت نے غریب الحدیث میں ذکر کیا ہے کہ منیٰ کو بھی البدۃ کہا جاتا ہے۔

نیز اس حدیث میں ذکر ہے ''کیا آج یوم النحر نہیں ہے؟'' یعنی وہ دن جس میں تمام شہروں سے قربانیاں اور ہدایا منیٰ میں لائی جاتی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''واعراضکم'' ''اعراض'' ''عِراض'' کی جمع ہے، اس سے مراد ہے لوگوں کی عزتیں، یعنی اس شہر میں جس طرح قتل کرنا حرام ہے اور لوگوں کا مال غصب کرنا حرام ہے، اسی طرح اس شہر میں لوگوں کی عزتیں پامال کرنا بھی حرام ہے، یعنی لوگوں کی غیبت کرنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اوعیٰ'' یعنی زیادہ حفظ کرنے والا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''الا! ھل بلغت'' یعنی سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟، اس کے قائل نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور ابن سیرین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے پہلے اپنا کلام ملا دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۲۱۔ ۲۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۵۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قربانی کے ایام کی تحقیق

قربانی کے ایام میں علماء کا اختلاف ہے، اور اس میں دو مشہور مذہب ہیں:

(۱) قربانی یوم النحر کو ہے اور اس کے بعد دو دن ہیں، یہ امام مالک، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، الثوری اور امام احمد کا مذہب ہے۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اور ابن حزم ظاہری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر بیان کیا ہے کہ نحر تین دن ہے اور ان میں افضل پہلا دن ہے۔

(۲) عطاء، الحسن بصری، اوزاعی، امام شافعی اور ابوثور کا مذہب ہے کہ قربانی چار دن ہے، ابن بطال نے کہا ہے: صحابہ کا ان دو قولوں کے سوا اور کوئی قول نہیں ہے اور ائمہ فتویٰ اور تابعین نے انہی دو قولوں میں سے کسی قول کو اختیار کیا ہے۔ ان کے علاوہ باقی اقوال شاذ ہیں۔ اور وہ اقوال درج ذیل ہیں:

ابن سیرین نے کہا: قربانی صرف ایک دن ہے اور وہ یوم النحر ہے، اور امام بخاری نے بھی اسی کا عنوان قائم کیا ہے۔ اور یہی ابوسلیمان کا قول ہے۔

سعید بن جبیر اور جابر بن زید نے کہا کہ تمام شہروں میں قربانی ایک دن ہے اور منیٰ میں تین دن ہے، اور قتادہ نے کہا: یوم النحر کو

قربانی ہے اور اس کے بعد چھ دن ہے، اور ابن تین نے نقل کیا ہے کہ قربانی دس دن ہے، اور حسن بصری سے منقول ہے کہ قربانی ذوالحجہ کے آخر تک ہے۔

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں: ان اقوال کی سنت میں کوئی اصل نہیں ہے اور نہ صحابہ کے اقوال میں ان کی کوئی اصل ہے۔

ابن بطال نے کہا ہے کہ حدیث میں جو ہے کہ کیا آج یوم النحر نہیں ہے؟ اس سے یہ استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کہ یوم النحر یعنی دس ذوالحجہ کے علاوہ کسی دن نحر کرنا یا ذبح کرنا یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ ایام منیٰ میں نحر ہوتا ہے اور تمام متقدمین اور متاخرین نے اس کو نقل کیا ہے اور تمام شہروں میں اسی پر عمل ہے، لہٰذا جو اس کے خلاف کہے، اس کا قول دلیل نہیں ہے۔

اور امام ابن ابی حاتم بن حبان نے اپنی صحیح میں یہ روایت کیا ہے کہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکہ کے تمام راستے نحر کی جگہ ہیں، اور تمام ایام تشریق میں ذبح ہے۔ (صحیح ابن حبان ج ۹ ص ۱۶۶، رقم الحدیث: ۳۸۵۴)

نیز اس آیت سے بھی استدلال کیا گیا ہے:

وَ یَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِیْرَ ۟ (الحج: ۲۸)

اور مقررہ ایام میں ان بے زبان مویشیوں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو دیئے ہیں، پس تم ان میں سے خود کھاؤ اور مصیبت زدہ فقیر کو بھی کھلاؤ O

اس آیت میں یہ بتلایا ہے کہ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ کے اندر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر قربانی کو ذبح کیا جائے، اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ قربانی صرف ایک دن ہے اور وہ یوم النحر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایام کا ذکر فرمایا ہے اور لیالی یعنی راتوں کا ذکر نہیں فرمایا۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے کہا کہ رات میں بھی قربانی کو ایامِ نحر میں ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب ایام کا ذکر کیا ہے تو راتیں اس کے تابع ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ راتوں کا ذکر فرمائے تو دن اس کے تابع ہوتے ہیں۔ اشعب، اسحاق اور ابوثور کا یہی مذہب ہے۔ (الاستذکار ج ۱۵ ص ۲۰۳۔۲۰۶)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۲۰۶۔۲۰۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: علامہ ابن ملقن نے اپنی شرح میں وہی امور ذکر کیے ہیں جن کو ہم پہلے علامہ عینی سے نقل کر چکے ہیں، اور علامہ ابن ملقن کی پوری شرح کو ہم نے تکرار سے بچنے کے لیے ترک کر دیا۔

شیخ عثیمین حنبلی نے اس کو ترجیح دی ہے کہ قربانی چار دن ہے اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: کہ کل ایام تشریق ذبح ہیں، لیکن ہم اس سے پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے یا موضوع ہے اور صحیح حدیث یہی ہے کہ قربانی صرف یوم النحر یعنی دس ذوالحجہ کو ہے اور اس کے بعد دو دن ہے۔ اور یہ تمام تحقیق علامہ عینی کی شرح میں گزر چکی ہے۔

صحیح البخاری: ۵۵۵۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے کہا کہ قربانی یوم النحر کو ہے، علامہ ابن المنیر نے بیان کیا کہ امام بخاری نے یہ استدلال اس سے کیا ہے کہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا آج یوم النحر نہیں ہے؟ اور النحر میں لام جنس کے لیے ہے، لہٰذا نحر صرف اسی دن میں ہوگا اور جمہور کے اعتبار سے اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں مراد یہ ہے کہ نحرِ کامل یوم نحر میں ہے۔ اور لام کمال کے لیے بھی بہ کثرت استعمال ہوتا ہے۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ یوم کی نحر کی طرف جو اضافت ہے، اس سے یہ استدلال کرنا کہ قربانی صرف یوم النحر میں ہے، یہ ضعیف ہے، جبکہ الحج: ۲۸ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قربانی تمام ایام معلومات کے اندر کرنا جائز ہے۔

امام مالک نے کہا ہے کہ قربانی یوم النحر کو کی جائے گی اور اس کے بعد دو دن تک کی جائے گی، اور امام شافعی نے چار دن تک قربانی کرنے کا کہا ہے اور امام طحاوی نے کہا ہے کہ صحابہ سے ان دو قولوں کے علاوہ اور کوئی قول منقول نہیں ہے۔

اور جمہور کی دلیل یہ حدیث ہے جو جبیر بن مطعم سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منیٰ کے تمام راستے منحر ہیں یعنی نحر کی جگہ ہیں اور تمام ایام تشریق ذبح (کے ایام) ہیں، اس حدیث کی امام احمد نے روایت کی ہے لیکن اس کی سند منقطع ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۸، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۶۹۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں کہ امام شافعی نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے، وہ ضعیف ہے اور صحیح حدیث وہ ہے جس سے فقہاء احناف نے استدلال کیا ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ایامِ نحر تین دن ہیں، اور ان میں افضل پہلا دن ہے۔ اور اسی طرح حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نحر تین دن ہے اور ان میں سے افضل پہلا دن ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

اور اس کی تائید میں یہ حدیث ہے:

امام مالک از نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا: قربانی یوم الاضحیٰ کے بعد دو دن ہے۔

اور امام مالک کہتے ہیں کہ مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مثل پہنچی ہے۔

(الموطا لامام مالک: ج ۲ ص ۳۰، رقم الحدیث: ۱۲، ۱۳، المکتبۃ التوفیقیہ)

۶- بَابُ: الْأَضْحٰى وَالْمَنْحَرِ بِالْمُصَلّٰى — اس کا بیان کہ قربانی کو ذبح اور نحر عید گاہ میں کیا جائے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قربانی اور نحر عید گاہ میں کیا جائے، اس عنوان میں ''المصلیٰ'' کا لفظ ہے، اور یہ وہ جگہ ہے جہاں عید کی نماز پڑھی جاتی ہے۔ اس عنوان سے مقصود یہ ہے کہ یہ بیان کیا جائے کہ سنت یہ ہے کہ امام ذبح کرے اور امام عید گاہ میں ذبح کرے تاکہ کوئی شخص امام سے پہلے ذبح نہ کرے اور باقی لوگ امام کے بعد ذبح کریں اور وہ سیکھ لیں کہ ذبح کی صفت کیا ہے اور نماز عید کے بعد ذبح کرنے میں سبقت کریں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس دن جو کام ہم سب سے پہلے کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں، پھر ہم واپس جاتے ہیں اور نحر کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۵۱- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ قَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن ابی بکر المقدمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد بن

كَانَ عَبْدُ اللهِ يَنْحَرُ فِي الْمَنْحَرِ قَالَ عُبَيْدُ اللهِ يَعْنِي مَنْحَرَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

الحارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ نے حدیث بیان کی از نافع، انہوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما منحر میں نحر کرتے تھے، عبید اللہ نے بتایا: یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نحر کرنے کی جگہ میں نحر کرتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۹۸۲، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۵۵۵۱، ۵۵۲، سنن نسائی: ۱۵۸۹، سنن ابوداؤد: ۲۸۱۱، سنن ابن ماجہ: ۳۱۶۱، مسند احمد: ۵۸۴۲)

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں صرف نحر کا ذکر ہے اور صحیح البخاری: ۹۸۲ اور صحیح البخاری: ۵۵۵۲ میں اس طرح روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدگاہ میں ذبح کرتے تھے اور نحر کرتے تھے۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۵۵۵۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں دو جز ذکر کیے گئے ہیں، قربانی کرنا یعنی جانور کو ذبح کرنا اور جانور کو نحر کرنا اور اس حدیث میں صرف ایک جز کا ذکر ہے یعنی نحر کرنے کا۔ اور جب کہ یہ معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نحر کی جگہ عیدگاہ ہے، تو اس سے عنوان کے دونوں جز ثابت ہو گئے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدگاہ میں جانور کو ذبح بھی کرتے تھے اور جانور کو نحر بھی کرتے تھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن ابی بکر المقدمی کا ذکر ہے، ابوبکر المقدمی ان کے اجداد میں سے ایک ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں خالد بن الحارث کا ذکر ہے، یہ ابوعثمان الہجیمی البصری ہیں، اس حدیث کی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مولیٰ نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور یہ حدیث موقوف ہے، کیونکہ اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا فعل بیان کیا گیا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نحر کی جگہ نحر کرتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۵۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ كَثِيرِ بْنِ فَرْقَدٍ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما أَخْبَرَهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُصَلَّى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از کثیر بن فرقد از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، انہوں نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدگاہ میں (قربانی کو) ذبح کرتے تھے اور (قربانی کو) نحر کرتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۹۸۲، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۵۵۵۱، ۵۵۲، سنن نسائی: ۱۵۸۹، سنن ابوداؤد: ۲۸۱۱، سنن ابن ماجہ: ۳۱۶۱، مسند احمد: ۵۸۴۲)

صحیح البخاری: ۵۵۵۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سے پہلی حدیث موقوف تھی، اس میں یہ بیان تھا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نحر کی جگہ میں نحر کرتے تھے اور یہ حدیث مرفوع ہے، اس حدیث میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عیدگاہ میں قربانی کو ذبح کرتے تھے اور نحر کرتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۔ بَابٌ: فِي أُضْحِيَّةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم بِكَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ وَيُذْكَرُ سَمِينَيْنِ

اس کا بیان کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دو سینگوں والے مینڈھوں کی قربانی کرتے تھے اور فربہ مینڈھوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے

وَقَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ بْنَ سَهْلٍ قَالَ كُنَّا نُسَمِّنُ الْأُضْحِيَّةَ بِالْمَدِينَةِ وَكَانَ الْمُسْلِمُونَ يُسَمِّنُونَ۔

اور یحییٰ بن سعید نے کہا: میں نے حضرت ابو امامہ بن سہل رضی اللہ عنہ سے سنا کہ ہم مدینہ میں قربانی کے جانور کو (کھلا پلا کر) موٹا تازہ کرتے تھے اور مسلمان بھی قربانی کے جانوروں کو (کھلا پلا کر) موٹا تازہ کرتے تھے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ''کبشین'' کی قربانی کرتے تھے ''کبشین'' کبش کا تثنیہ ہے، اور اس کا معنی ہے نر دنبہ، خواہ وہ کسی عمر کا ہو اور اس میں ''اقرنین'' کا لفظ ہے، یعنی ہر دنبہ کے دو سینگ ہوں، اور فربہ مینڈھوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

امام ترمذی نے حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: بہترین قربانی مینڈھے کی ہے۔

اور امام ابو داؤد نے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس میں سینگوں والے مینڈھوں کا ذکر ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سینگ والے مینڈھے کی قربانی کرنا مستحب ہے، اگرچہ بغیر سینگ والے مینڈھے کی قربانی کرنا بھی جائز ہے۔ اور جس کا سینگ ٹوٹا ہوا ہو، اس میں اختلاف ہے۔

امام بزار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آزاد شدہ غلام حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب خریدتے تو سرمئی رنگ کے دو فربہ مینڈھے خریدتے۔ الحدیث (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس باب میں یحییٰ بن سعید الانصاری کی تعلیق ہے اور ابو اُمامہ میں ہمزہ پر پیش ہے اور ان کا نام حضرت اسعد رضی اللہ عنہ ہے اور یہ صحابی ہیں۔ اور علامہ ابن التین نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ کبار تابعین میں سے ہیں، یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات میں پیدا ہوئے اور ان سے کسی حدیث کی روایت نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کا نام رکھا، ان کو گھٹی دی اور ان کا برکت والا نام رکھا، اور یہ ان

چھ صحابہ میں سے ہیں جن کی کنیت ابو امامہ ہے۔امام بخاری کی اس تعلیق کی امام ابونعیم نے المستخرج میں سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: بعض فقہاء مالکیہ قربانی کے جانور کو موٹا تازہ کرنے کو مکروہ کہتے ہیں تا کہ یہود کے ساتھ متابعت نہ ہو،اور علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ حضرت ابوامامہ کا قول راجح ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۲۳، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۵۳۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ وَأَنَا أُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن صہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو مینڈھوں کی قربانی کرتے تھے اور میں بھی دو مینڈھوں کی قربانی کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۵۵۵۴، ۵۵۵۸، ۵۵۶۴، ۵۵۶۵، ۷۳۹۹، سنن نسائی: ۴۳۸۵، مسند احمد: ۱۱۵۷۳)

صحیح البخاری: ۵۵۵۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے اور حدیث کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں، یعنی امام مسلم نے اس حدیث کی روایت نہیں کی۔اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دنبہ کی قربانی کرنا افضل ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۲۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۵۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اپنی طرف سے اور دوسروں کی طرف سے قربانی کرنے کے ثبوت میں احادیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو مینڈھوں کی قربانی کی، ایک اپنی طرف سے اور اپنے اہل بیت کی طرف سے اور دوسری اپنی امت کی طرف سے۔(سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۸۵، نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۱۵۔۲۱۶، الارواء ج ۴ ص ۳۴۹۔۳۵۴)

میں کہتا ہوں کہ امت میں احیاء اور اموات دونوں شامل ہیں، سو اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ میت کی طرف سے بھی قربانی کرنا جائز ہے۔اور اس سے ان لوگوں کا قول باطل ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔(سعیدی غفرلہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے مینڈھے کو لانے کا حکم دیا جو سینگ والا ہو اور سیاہ ٹانگوں سے چلتا ہو، سیاہ آنکھوں سے دیکھتا ہو اور سیاہ سرین کے ساتھ بیٹھتا ہو، پھر آپ نے اس کو ذبح کیا اور دعا کی: بسم اللہ، اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے قبول فرما اور آل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے قبول فرما اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت کی طرف سے قبول فرما۔

پھر آپ نے اس کی قربانی کی۔(صحیح مسلم:۱۹۶۷، کتاب الاضاحی، باب: استحباب الاضحیۃ)

اور ابن وہب نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مینڈھا منگایا، پس اس کو ذبح کیا اور دعا کی: "بسم اللہ واللہ اکبر، اے اللہ! یہ میری طرف سے ہے اور میری امت کے ان لوگوں کی طرف سے ہے جنہوں نے قربانی نہیں کی"۔(شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۱۷۷، المستدرک: ج ۴ ص ۲۲۹)

یہ حدیث سنن ابوداؤد: ۲۸۱۰ اور سنن ترمذی: ۱۵۲۱ اور مسند احمد: ج ۳ ص ۳۶۲ میں بھی از یعقوب بن عبد الرحمن از المطلب بن عبد اللہ از حضرت جابر رضی اللہ عنہ مروی ہے۔

ایک قربانی کو متعدد کی طرف سے کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

امام مالک، اللیث، الاوزاعی، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق اور ابوثور کا مذہب یہ ہے کہ ایک مرد کے لئے جائز ہے کہ ایک بکری کی وہ اپنی طرف سے بھی قربانی کرے اور اپنے اہل بیت کی طرف سے بھی قربانی کرے، اور اس کی مثل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اور امام احمد نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی طرف سے قربانی کی۔

علامہ ابراہیم بن المنذر نے کہا ہے: الثوری، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔

امام طحاوی نے کہا ہے کہ ایک بکری کی دو کی طرف سے قربانی کرنا جائز نہیں ہے اور فقہاء نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو روایت ہے کہ آپ نے اپنی طرف سے ذبح کیا اور امت کی طرف سے ذبح کیا، یہ منسوخ ہے یا مخصوص ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایک مینڈھے کی متعدد کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہوتا تو ایک اونٹ اور ایک گائے کی بھی متعدد کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہوتا اور جب ہم نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے اندر بھی تعداد معین کر دی کہ ایک اونٹ کی قربانی میں سات شریک ہو سکتے ہیں اور گائے میں بھی تعداد معین کر دی کہ ایک گائے کی قربانی میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اور الحدیبیہ میں ہر ایک کو سات کی طرف سے آپ نے نحر کیا، تو اس سے معلوم ہوا کہ ایک گائے اور ایک اونٹ میں سات سے زیادہ شریک نہیں ہو سکتے تو بکری زیادہ اولیٰ ہے کہ اس کی قربانی میں بھی زیادہ افراد شریک نہ ہوں۔

علامہ ابراہیم بن منذر متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ پہلے قول پر عمل کرنا اولیٰ ہے، کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ نسخ صرف دعوے سے ثابت نہیں ہوتا، اس کے لیے کوئی نقل ہونی ضروری ہے جو ثابت ہو، اور فقہاء احناف نے جو کہا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے تو متقدمین میں سے کسی نے اس کی پیروی نہیں کی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۶۱۷۔۶۲۰ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

فقہاء احناف کے قول کی وضاحت

میں کہتا ہوں کہ فقہاء احناف نے جو ایک بکری کی قربانی میں متعدد کی شرکت کو مکروہ کہا ہے، اس کا محمل یہ ہے کہ ایک بکری کی صرف ایک شخص کی طرف سے ہی قربانی ہوگی، ایک سے زیادہ اس میں شریک نہیں ہو سکتے اور ایک سے زیادہ کی شرکت صرف اونٹ اور گائے میں ہے، جس کی قربانی میں سات افراد تک شریک ہو سکتے ہیں۔ اور حدیث کا محمل یہ ہے کہ ایک بکری کی قربانی یا

ایک مینڈھے کی قربانی کا ثواب متعدد کو پہنچایا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مینڈھے کی قربانی کر کے دعا کی کہ اے اللہ! اس کو میری طرف سے قبول فرما اور میرے اہل بیت کی طرف سے اور میری امت کی طرف سے قبول فرما، یعنی اس کا ثواب ان کو بھی پہنچا۔ اور اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک مینڈھے کی قربانی میں متعدد افراد شریک ہو سکتے ہیں۔ ہاں! ایک مینڈھے کی قربانی کا ثواب متعدد کو پہنچایا جا سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۵۵۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم انْكَفَأَ إِلَى كَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ فَذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ تَابَعَهُ وُهَيْبٌ عَنْ أَيُّوبَ وَقَالَ إِسْمَاعِيلُ وَحَاتِمُ بْنُ وَرْدَانَ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَنَسٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوہاب نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از ابو قلابہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سرمئی رنگ کے سینگ والے مینڈھوں کی طرف متوجہ ہوئے، پھر آپ نے ان کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔ عبد الوہاب نے وہیب کی متابعت کی ہے از ایوب، اور اسماعیل اور حاتم بن وردان نے کہا از ایوب از ابن سیرین از حضرت انس رضی اللہ عنہ۔

(صحیح مسلم: ۱۹۶۶، سنن ترمذی: ۱۴۹۴، سنن نسائی: ۱۵۸۸، سنن ابوداؤد: ۲۷۹۴، سنن ابن ماجہ: ۳۱۲۰، مسند احمد: ۱۱۷۳۷، سنن دارمی: ۱۹۴۵)

صحیح البخاری: ۵۵۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس باب میں سینگ والے مینڈھوں کی قربانی کا ذکر ہے اور اس حدیث میں بھی یہ بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو سرمئی سینگ والے مینڈھوں کی قربانی کی طرف متوجہ ہوئے یا مڑے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبد الوہاب کا ذکر ہے، یہ ابن عبد المجید الثقفی ہیں اور ایوب کا ذکر ہے، یہ السختیانی ہیں۔ اور ابو قلابہ کا ذکر ہے، یہ عبد اللہ بن زید الجرمی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "انکفأ" یعنی آپ مڑے اور متوجہ ہوئے۔

نیز اس حدیث میں "املحین" کا ذکر ہے، یہ املح کا تثنیہ ہے اور یہ وہ مینڈھا ہے جس میں سیاہی اور سفیدی ہو اور کتاب العین میں لکھا ہوا ہے کہ "الملح" کا معنی ہے: ایسی سفیدی جس میں تھوڑی سی سیاہی ہو، اور ابن فارس نے کہا ہے "الاملح" کا معنی ہے: ایسا سفید جس میں سیاہی مخلوط ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "آپ نے ان مینڈھوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا"۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کا اپنی

قربانی کو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا افضل ہے، جب کہ اس کو اچھی طرح ذبح کرنا آتا ہو۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "تابعه وُهَيب عن ايوب" وُهیب، وھب کی تصغیر ہے، یہ ابن خالد البصری ہیں۔

اور اس تعلیق میں اسماعیل کا ذکر ہے، یہ ابن علیہ ہیں۔ اور اسماعیل کی حدیث کو امام بخاری نے چار ابواب کے بعد اثناء حدیث میں سندِ موصول کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

اور حاتم بن وردان کی حدیث کی امام مسلم نے سندِ موصول کے ساتھ "باب الضحية" میں روایت کی ہے۔ اور اس میں بھی اسی طرح مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سرمئی رنگ کے سینگ والے مینڈھوں کی قربانی کی۔ اور یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سرمئی رنگ کے سینگوں والے مینڈھوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔

(عمدة القاری ج ۲۱ ص ۲۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۵۴ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان کو یہ چاہیے کہ وہ اپنی قربانی کو خوب موٹا تازہ کرے، اگر اس کی قربانی موٹی تازی نہ ہو تو ان میں سے بڑی عمر کی جو قربانی ہو، اس کو ذبح کرے۔ ہر وہ جانور جو زیادہ اچھا ہو، وہ افضل ہے اور وہ اس آیت کے عموم میں داخل ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ (آل عمران: ۹۲) تم ہر گز نیکی نہیں حاصل کر سکو گے حتیٰ کہ اس چیز سے خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو۔

نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان کو چاہیے کہ اپنی قربانی کو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے، لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ اس کو ذبح کرنے کا طریقہ اچھی طرح سے آتا ہو، اگر اس کو اچھی طرح ذبح کرنے کی مہارت نہ ہو تو پھر وہ کسی کے سپرد کر دے، اور علماء نے کہا ہے: جب وہ کسی کے سپرد کرے کہ وہ اس کی قربانی کو ذبح کرے تو اس کو چاہیے کہ وہ بھی وہاں پر حاضر رہے تاکہ اس کا دل مطمئن ہو۔

نیز اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ نے دو سینگوں والے مینڈھوں کی قربانی کی، یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کیا قربانی کے جانور کا سینگ ہونا ضروری ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قربانی کے جانور کا سینگ والا ہونا، اس جانور کی قوت اور اس کے جسم کی سلامتی پر دلیل ہے، اس لحاظ سے سینگ والے مینڈھے کا ہونا بھی مقصود ہے، کیونکہ سینگ والا جانور عموماً اپنے نفس کا دفاع کر سکتا ہے اور سینگوں کی وجہ سے وہ دوسرے جانوروں سے ممتاز ہوتا ہے۔ باقی رہا سرمئی رنگ کا ہونا، تو اس کے متعلق بعض علماء نے کہا: یہ بھی مقصود ہے اور بعض علماء نے کہا: یہ مقصود نہیں ہے، سرمئی رنگ کا ہو یا کسی اور رنگ کا ہو، اس کی قربانی صحیح ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۸۴۔ ۲۸۵، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۵۵۵۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَعْطَاهُ غَنَمًا يَقْسِمُهَا عَلَى صَحَابَتِهِ ضَحَايَا فَبَقِيَ عَتُودٌ فَذَكَرَهُ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ ضَحِّ أَنْتَ بِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یزید از ابوالخیر از حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان کو بکریاں دیں کہ وہ ان کو آپ کے اصحاب میں قربانی کے لیے تقسیم کریں، تو ایک بکرے کا بچہ بچ گیا، انہوں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: تم اس کی قربانی کردو۔

(صحیح البخاری: ۲۳۰۰، ۲۵۰۰، ۵۵۴۷، ۵۵۵۵، صحیح مسلم: ۱۹۶۵، سنن ترمذی: ۱۵۰۰، سنن نسائی: ۴۳۷۹، سنن ابن ماجہ: ۳۱۳۸، مسند احمد: ۱۶۸۹۵، سنن دارمی: ۱۹۵۴)

صحیح البخاری: ۵۵۵۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں نبی ﷺ کا مینڈھوں کی قربانی کرنے کا ذکر ہے اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو قربانی کے لیے بکریاں عطا فرمائیں، گویا کہ آپ نے ان صحابہ کی طرف سے ذبح کیا، اور اس میں ذبح کی نسبت آپ کی طرف ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عمرو بن خالد کا ذکر ہے، یہ الحرانی ہیں جنہوں نے مصر میں سکونت اختیار کرلی تھی، اور یزید کا ذکر ہے، یہ لفظ زیادۃ سے ماخوذ ہے، یہ ابن ابی حبیب ابورجاء المصری ہیں۔ اور ابوالخیر مرثد کا ذکر ہے، یہ ابن عبداللہ الیزنی المصری ہیں۔ اور حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ صحابی ہیں۔

''غنم'' کا معنی

اس حدیث میں غنم کا لفظ ہے، یہ دنبے اور بکرے دونوں کو شامل ہے۔ اور اس حدیث میں ''علی صحابتہ'' کا ذکر ہے، ایک روایت میں ''علی اصحابہ'' ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ ضمیر نبی ﷺ کی طرف راجع ہو۔ یعنی نبی ﷺ نے اپنے اصحاب میں تقسیم کرنے کے لیے بکرے یا دنبے دیے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ضمیر حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہو، یعنی حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں تقسیم کرنے کے لیے بکرے یا دنبے عطا فرمائے۔

کیا امام بیت المال سے بکرے یا دنبے قربانی کے لیے کسی کو دے سکتا ہے؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ ضمیر نبی ﷺ کی طرف راجع ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ

بکرے یا دنبے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت ہوں اور آپ نے ان کو اپنے اصحاب کے درمیان شرعاً تقسیم کرنے کا حکم دیا ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ بکرے یا دنبے مالِ فئے میں سے ہوں، علامہ قرطبی نے اسی طرف میلان کیا ہے، انہوں نے کہا: امام کو چاہیے کہ وہ بیت المال میں سے قربانی کے جانوران میں تقسیم کردے جو قربانی کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

علامہ ابن بطال نے کہا: اگر یہ تقسیم اغنیاء کے درمیان تھی تو یہ مالِ فئے سے ہے، اور اگر یہ تقسیم فقراء کے ساتھ خاص تھی تو پھر مال زکوٰۃ سے ہے۔

''عتود'' کا معنی

عتُود کے لفظ میں عین پر زبر ہے اور تاء پر پیش ہے، اور یہ خصوصیت سے بکرے کے بچہ کو کہتے ہیں۔ اور یہ وہ ہے جو ابھی ایک سال کا نہ ہو، ایک قول یہ ہے کہ وہ بکرے کا چھ ماہ کا بچہ ہے، علامہ ابن بطال نے کہا: یہ پانچ مہینے کا بچہ ہے۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ یہ بکرے کا چھ ماہ کا بچہ ہے۔ اور چھ ماہ کے بکرے کے بچہ کی قربانی جائز نہیں ہے، قربانی اس بکرے کے بچہ کی جائز ہے جس کا دوسرا سال شروع ہو چکا ہو، پس اس حدیث میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی خصوصیت ہے اور کسی دوسرے کے لیے چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کرنا جائز نہیں ہے، سوا حضرت ابو بُردہ بن نیار کے، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ ماہ کے بکرے کے بچہ کی قربانی کی اجازت دی تھی۔

اور علامہ ابن التین نے وثوق سے کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت ابو بردہ کی حدیث سے منسوخ ہے، انہوں نے کہا: یا پھر اس کی عمر چھ ماہ سے زیادہ ہے۔ اور امام بیہقی کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم اس کی قربانی کردو اور تمہارے بعد اور کسی کے لیے چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۸۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم لِأَبِي بُرْدَةَ ضَحِّ بِالْجَذَعِ مِنَ الْمَعَزِ وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابو بُردہ رضی اللہ عنہ سے یہ ارشاد کہ تم اس چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کرلو اور تمہارے بعد کسی اور کے لیے اس کی قربانی جائز نہیں ہوگی

۵۵۵۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مُطَرِّفٌ عَنْ عَامِرٍ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی الله عنهما قَالَ ضَحَّى خَالٌ لِي يُقَالُ لَهُ أَبُو بُرْدَةَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم شَاتُكَ شَاةُ لَحْمٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ عِنْدِي دَاجِنًا جَذَعَةً مِنَ الْمَعَزِ قَالَ اذْبَحْهَا وَلَنْ تَصْلُحَ لِغَيْرِكَ ثُمَّ قَالَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَإِنَّمَا يَذْبَحُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مُطرف نے حدیث بیان کی از عامر از حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میرے ماموں نے نماز (عید) سے پہلے قربانی کرلی، جن کو حضرت ابو بردہ کہا جاتا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تمہاری بکری، بکری کا گوشت ہے، سو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ

الصَّلَاةِ فَقَدْ تَمَّ نُسُكُهُ وَأَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِينَ تَابَعَهُ عُبَيْدَةُ عَنِ الشَّعْبِيِّ وَإِبْرَاهِيمَ وَتَابَعَهُ وَكِيعٌ عَنْ حُرَيْثٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ وَقَالَ عَاصِمٌ وَدَاوُدُ عَنِ الشَّعْبِيِّ عِنْدِي عَنَاقُ لَبَنٍ وَقَالَ زُبَيْدٌ وَفِرَاسٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ عِنْدِي جَذَعَةٌ وَقَالَ أَبُو الْأَحْوَصِ حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ عَنَاقٌ جَذَعَةٌ وَقَالَ ابْنُ عَوْنٍ عَنَاقٌ جَذَعٌ عَنَاقُ لَبَنٍ۔

(صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے پاس بکرے کا ایک چھ ماہ کا بچہ ہے، آپ نے فرمایا: تم اس کو ذبح کر دو اور تمہارے علاوہ اور کسی کے لیے وہ جائز نہیں ہوگا، پھر آپ نے فرمایا: جس نے نماز (عید) سے پہلے ذبح کیا، سو اس نے اپنے نفس کے لیے ذبح کیا، اور جس نے نماز (عید) کے بعد ذبح کیا، تو اس کی قربانی مکمل ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کے طریقہ کو پالیا۔ مطرف کی متابعت عبیدہ نے کی ہے از الشعبی وابراہیم۔ عبیدہ کی متابعت وکیع نے کی ہے از حُریث از الشعبی۔ اور عاصم اور داؤد نے کہا از الشعبی: میرے پاس ایک بکری کا بچہ ہے جو اپنی ماں کا دودھ پیتا ہے۔ اور زبید اور فراس نے کہا از الشعبی، میرے پاس ایک چھ ماہ کا بکری کا بچہ ہے۔ اور ابو الاحوص نے کہا: ہمیں منصور نے حدیث بیان کی: وہ بکری کا ایک چھ ماہ کا بچہ ہے۔ اور ابن عون نے کہا: وہ چھ ماہ کا بکری کا بچہ ہے جو دودھ پیتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۵۴۵، صحیح مسلم: ۱۹۶۱، سنن ترمذی: ۱۵۰۸، سنن نسائی: ۱۵۶۳، سنن ابوداؤد: ۲۸۰۰، مسند احمد: ۱۸۰۰۱۲، سنن دارمی: ۱۹۶۲)

صحیح البخاری: ۵۵۵۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مُطَرِّف کا ذکر ہے۔ میم پر پیش ہے اور طاء پر زبر ہے اور راء کے نیچے زیر ہے۔ یہ ابن طریق الحارثی ہیں۔

اور اس حدیث کی سند میں عامر کا ذکر ہے، وہ عامر الشعبی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''فقال له ابو بودة''، ابو بُردہ کا نام ہانی البلوی ہے، یہ انصار کے حلیفوں میں سے تھے اور یہ عقبہ گھاٹی میں حاضر ہوئے تھے اور بدر میں حاضر ہوئے تھے اور بعد کے تمام مشاہد میں حاضر ہوئے۔ اور یہ پینتالیس سال تک زندہ رہے۔ اور صحیح بخاری میں ان کی حدیث ہے جو عنقریب کتاب الحدود میں آئے گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''شاة لحم'' یعنی تم نے جو پہلے قربانی ذبح کی ہے، یہ قربانی نہیں ہے بلکہ یہ ایک گوشت ہے جس سے تم نفع اٹھاؤ گے، اسی طرح زبید کی روایت میں ہے کہ یہ وہ گوشت ہے جس کو انہوں نے اپنے اہل کے لیے پہلے تیار کیا ہے۔ اور

صحیح مسلم کی روایت میں ہے: یہ وہ چیز ہے جس کو تم نے اپنے گھر والوں کے لیے جلدی تیار کر لیا ہے۔

اس حدیث میں ''داجن'' کا لفظ ہے، ''داجن'' اس بکری کو کہتے ہیں جو گھروں میں رہتی ہے اور گھر والوں سے مانوس ہوتی ہے۔ اس کا کوئی سن معین نہیں ہے۔ کہا گیا ہے کہ ''داجن'' میں تاء کو داخل نہیں کیا، کیونکہ ''شاۃ'' کے لفظ میں جنس اور واحد کے درمیان تاء سے فرق کیا جاتا ہے اور اس کا مونث اور مذکر ہونا وصف کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''جذعۃ'' یہ داجن کا عطف بیان ہے اور یہ مؤنث کے لیے ہے۔

تعلیقات مذکورہ میں احادیث کا بیان

اس حدیث کی تیسری تعلیق عاصم اور داؤد کی ہے از الشعبی، انہوں نے کہا: میرے پاس ''عناق اللبن'' ہے، یعنی بکری کا دودھ پیتا بچہ ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس تعلیق کو امام مسلم نے سند موصول کے ساتھ روایت کیا ہے، یہ حدیث حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن ہمیں حدیث بیان کی اور آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایک قربانی نہ کرے حتیٰ کہ نماز (عید) پڑھ لے، تو ایک مرد نے کہا: میرے پاس بکری کا دودھ پیتا بچہ ہے جس میں دو بکریوں سے زیادہ گوشت ہے، تو آپ نے فرمایا: تم اس کی قربانی کرلو اور تمہارے بعد کسی کی طرف سے بھی چھ ماہ کے بچے کی قربانی کافی نہیں ہوگی۔

اس حدیث کی چوتھی تعلیق جو داؤد سے ہے، اس کی بھی امام مسلم نے سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے از داؤد از الشعبی از حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن ہم کو خطبہ دیا، پس آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص بھی ذبح نہ کرے حتیٰ کہ وہ نماز (عید) پڑھ لے۔ تو میرے ماموں نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آج یوم النحر ہے اور میں نے اپنی قربانی جلدی ذبح کر دی تاکہ میں اپنے گھر والوں کو اور پڑوسیوں کو اور محلے کے لوگوں کو گوشت کھلاؤں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی قربانی دوبارہ کرو، تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے پاس بکری کا ایک دودھ پیتا بچہ ہے، اس میں دو بکریوں سے زیادہ گوشت ہے تو آپ نے فرمایا: یہ تمہاری اچھی قربانی ہے، لیکن تمہارے بعد اور کسی کی طرف سے چھ ماہ کے بکری کے بچے کی قربانی کفایت نہیں کرے گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۲۷۔ ۲۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۵۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ ذَبَحَ أَبُو بُرْدَةَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَبْدِلْهَا قَالَ لَيْسَ عِنْدِي إِلَّا جَذَعَةٌ قَالَ شُعْبَةُ وَأَحْسِبُهُ قَالَ هِيَ خَيْرٌ مِنْ مُسِنَّةٍ قَالَ اجْعَلْهَا مَكَانَهَا وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ وَقَالَ حَاتِمُ بْنُ وَرْدَانَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از سلمہ از ابی جُحیفہ از حضرت البراء رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بُردہ رضی اللہ عنہ نے نماز (عید) سے پہلے قربانی ذبح کر لی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اس کو تبدیل کرو، انہوں نے کہا: میرے پاس تو اب صرف چھ ماہ کا بکرے کا بچہ ہے، شعبہ نے کہا:

صلی اللہ علیہ وسلم وَقَالَ عَنَاقٌ جَذَعَةٌ۔

(صحیح مسلم:۱۹۶۱،مسند احمد:۱۸۳۱۶)

میرا گمان ہے،انہوں نے کہا کہ وہ بچہ ایک سال کے بکرے سے زیادہ بڑا لگتا ہے۔آپ نے فرمایا:اس کی اس کی جگہ قربانی کردو، لیکن تمہارے بعد اور کسی کی طرف سے یہ کافی نہیں ہوگا۔اور حاتم بن وردان نے کہا از ایوب از محمد از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،اور فرمایا:اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک سال سے کم عمر کی بکری کی بچی ہے۔

صحیح البخاری:۵۵۵۷،کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سلمہ کا ذکر ہے،یہ ابن کُہَیل ہیں اور کُہَیل، کَہل کی تصغیر ہے،یہ الحزرمی الکوفی ہیں۔

اور اس حدیث میں حضرت ابو جُحیفہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے،جُحیفة ، جَحفة کی تصغیر ہے،ان کا نام وہب بن عبداللہ السوائی ہے۔ یہ مشہور صحابی ہیں اور یہ حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''ابدلها'' یہ اِبدال سے امر ہے،یعنی اس بکری کی جگہ اور بکری ذبح کرو۔

اس حدیث میں مذکور ہے''احسبه''یعنی حضرت ابو بردہ نے گمان کیا کہ یہ بکری جو چھ ماہ کی ہے،یہ ایک سال کی بکری سے زیادہ بہتر ہے۔اور یہ اس اعتبار سے زیادہ بہتر ہے کہ یہ بکری اس سے زیادہ موٹی ہے اور زیادہ نفیس ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''اجعلها مكانها''یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:اس چھ ماہ کی بکری کو ایک سال کی بکری کی جگہ ذبح کر دو،اور یہ حکم بھی حضرت ابو بُردہ بن نیار کے ساتھ مخصوص ہے،اسی لیے آپ نے فرمایا: کہ تمہارے بعد اور کسی کی طرف سے چھ ماہ کے بکری کے بچہ کی قربانی کافی نہیں ہوگی۔

جن فقہاء نے کہا ہے کہ قربانی واجب ہے،انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''ابدِلها''یعنی آپ نے یہ حکم دیا کہ اس کے بدلہ میں دوسری قربانی کرو،تو اگر قربانی واجب نہ ہوتی تو آپ اس کے بدلے میں دوسری قربانی کرنے کا حکم نہ دیتے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: بہ کثرت احادیث قربانی کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں،ان میں سے وہ حدیث ہے جس کی امام ابوداؤد،امام ترمذی،امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے از ابی رملہ،وہ بیان کرتے ہیں:ہمیں مخنف بن سلیم نے حدیث بیان کی،انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ میدانِ عرفات میں کھڑے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا:اے لوگو!ہر گھر والے کے اوپر ہر سال میں قربانی ہے اور عتیرہ ہے(وہ جانور جس کو رجب کے مہینے میں ذبح کیا جاتا تھا)۔امام ترمذی نے کہا: یہ

حدیث حسن غریب ہے۔

اگر تم کہو کہ عبد الحق نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور ابن القطان نے کہا: اس حدیث کی علت یہ ہے کہ ابو رملہ کا حال مجہول ہے اور ان کا نام عامر ہے اور وہ اس نام کے سوا نہیں پہچانے جاتے، ان سے ابن عون روایت کرتے ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: تو میں کہوں گا کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے اور یہ وجوب پر استدلال کے لیے کافی ہے۔ اور محفف بن سلیم بن الحارث الازدی الغامدی نے اس حدیث کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور ابو نعیم نے اس کو تاریخ اصبہان میں ذکر کیا ہے، اور ابو رملہ کے متعلق امام ابو داؤد نے تصریح کی ہے کہ ان کا نام عامر ہے۔

اس حدیث کے آخر میں حاتم بن وردان کی تعلیق میں عناق جذعة کا لفظ ہے، اور جذعة، عناق کا عطف بیان ہے، یعنی چھ ماہ کا بکری کا بچہ۔ (عمدة القاری ج ۲۱ ص ۲۲۸۔۲۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۵۷ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جہالت کی وجہ سے شروط ساقط نہیں ہوتیں

ان دونوں حدیثوں کا فائدہ یہ ہے کہ شروط جہالت کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتیں، اسی وجہ سے حضرت ابو بُردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کو ان کی جہالت کی وجہ سے معذور قرار نہیں دیا، کیونکہ ان کو یہ پتا نہیں تھا کہ نمازِ (عید) سے پہلے قربانی ذبح نہیں کرنی چاہیے، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے بتایا تو آپ نے فرمایا: تم دوبارہ قربانی کرو، اس سے معلوم ہوا کہ مسئلہ کی جہالت کی وجہ سے شرط ساقط نہیں ہوتی۔

سوال: اگر کوئی شخص مسئلہ سے جہالت کی وجہ سے کوئی کام کر لے تو کیا وہ گناہ گار ہوگا؟

جواب: اگر اس کو یہ علم ہو کہ اس طرح کرنا ممنوع ہے اور پھر وہ کام کرے تو وہ گناہ گار ہوگا، اور اگر اس کو یہ علم نہ ہو تو پھر وہ گناہ گار نہیں ہوگا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۸۶، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۷، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض شارحین نے کہا ہے: حدیث میں کبھی تو جذعة کا لفظ ہے اور کبھی جذع کا لفظ ہے، انہوں نے اس کا جواب دیا: جذعة میں تاء وحدت کے لیے ہے اور ''الجذعة'' سے مراد جنس ہے، علامہ کورانی فرماتے ہیں: یہ لغو کلام ہے، کیونکہ متکلم کی غرض یہ نہیں ہے کہ یہ جنس ہے اور نہ یہاں جنس کا ارادہ کرنا ممکن ہے، کیونکہ ذبح کا تعلق جنس کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ فرد کے ساتھ ہوتا ہے۔

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری، ج ۹ ص ۱۸۸، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۱ھ)

۹۔ بَابُ: مَنْ ذَبَحَ الْأَضَاحِيَّ بِيَدِهِ

اس کا بیان کہ جس نے قربانیوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

قربانی کے جانور کو دوسرے شخص سے ذبح کرانے کی تفصیل

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قربانی کے جانوروں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کا حکم کس طرح ہے؟ کیا یہ شرط ہے کہ قربانی کے جانور کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرے یا یہ شرط نہیں ہے صرف اولیٰ ہے؟ اور اس پر اتفاق ہے کہ قربانی کو ذبح کرنے کے لیے کسی کو وکیل بنانا جائز ہے، لہٰذا اپنے ہاتھ سے قربانی کو ذبح کرنا شرط نہیں ہے، لیکن فقہاء مالکیہ سے روایت ہے کہ جب آدمی خود قربانی کے جانور کو ذبح کرنے پر قادر ہو، تو کسی اور کا ذبح کرنا کافی نہیں ہے اور اکثر کے نزدیک یہ مکروہ ہے، لیکن مستحب یہ ہے کہ جب کوئی دوسرا قربانی کر رہا ہو، تو وہ وہاں پر حاضر ہو اور یہ مکروہ ہے کہ وہ قربانی کرنے کا وکیل کسی حائض عورت کو بنا دے یا بچہ کو بنا دے یا اہل کتاب کو بنا دے۔

۵۵۵۸۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ قَالَ ضَحَّى النَّبِيُّ ﷺ بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ فَرَأَيْتُهُ وَاضِعًا قَدَمَهُ عَلَى صِفَاحِهِمَا يُسَمِّي وَيُكَبِّرُ فَذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے دو سرمئی مینڈھوں کو ذبح کیا، پس میں نے دیکھا کہ آپ نے اپنے قدم مبارک کو ان مینڈھوں کی جانب پر رکھا، آپ نے بسم اللہ واللہ اکبر پڑھا اور ان دونوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔

(صحیح مسلم: ۱۹۶۶، سنن ترمذی: ۱۴۹۴، سنن نسائی: ۴۳۸۷، سنن ابوداؤد: ۲۷۹۴، سنن ابن ماجہ: ۳۱۲۰، مسند احمد: ۱۱۷۳۷، سنن دارمی: ۱۹۴۵)

صحیح البخاری: ۵۵۵۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں "صفاحهما" کا ذکر ہے، صفاح، صفحة کی جمع ہے، اور صفحة ہر چیز کی جانب کو کہتے ہیں۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ذبح کرنے والا جانور کی ایک جانب پر پیر رکھتا ہے تو تثنیہ کے ساتھ صفاحهما کیوں کہا گیا؟ یعنی اس کی دونوں جانب پر پیر رکھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر دو مینڈھوں کا ذکر ہے، اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہر مینڈھے کی ایک جانب پر پیر رکھا۔
مینڈھے کی ایک جانب میں پیر رکھنے میں حکمت یہ ہے تا کہ اس پر اپنی طاقت کا اظہار کیا جائے اور اس سے اس کی موت جلدی واقع ہو جائے گی۔ اور یہ جانور کو عذاب دینا نہیں ہے جس سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ ذبح کرنے والا جانور کو ذبح کرنے پر اسی وقت قادر ہوگا جب اس کی ایک جانب پر پیر رکھے گا۔
ابن القاسم مالکی نے کہا ہے کہ جانور کو اس کے بائیں پہلو پر لٹایا جائے اور پھر اس پر پیر رکھا جائے، مسلمانوں کا اسی طریقہ پر عمل ہے۔ اگر وہ ناواقف تھا تو اس کو دوسرے پہلو پر لٹا دے اور اس کا گوشت کھانا حرام نہیں ہوگا۔
اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے بسم اللہ پڑھی اور اللہ اکبر پڑھا اور قربانی کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا، سو اللہ اکبر کو بسم اللہ کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے، اسی طرح مرد کا جانور کی گردن کی ایک جانب پر پیر رکھنا بھی مستحب ہے۔ اور رہا بسم اللہ پڑھنا تو وہ شرط ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۵۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''الصفاح'' کا معنی

''صفاح'' کا معنی ہے: چہرے کی دو جانبوں میں سے ایک جانب۔
اور داؤدی نے کہا ہے کہ ''الصفاح'' چہرے کی جانب ہے اور اسی میں قدم رکھا جاتا ہے۔ اور دوسروں نے کہا ہے کہ ''صفح العنق'' کا معنی ہے گردن کی جانب۔

اپنے ہاتھ سے جانور کو ذبح کرنے کا استحباب

مرد کے لیے مختار اور سنت یہ ہے کہ وہ اپنی قربانی کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرے، اور فقہاء کا اس کے استحباب پر اتفاق ہے۔ ہاں اگر اس کو کوئی عذر ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی اور کو اپنا قائم مقام کر دے، کیونکہ عذر کی وجہ سے مستحب احکام ساقط ہو جاتے ہیں، اور اگر اس نے قدرت کے باوجود کسی کو اپنا قائم مقام کیا تو یہ مکروہ ہے لیکن قربانی ہو جائے گی۔
ابو اسحاق السبیعی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب اپنی قربانیوں کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرتے تھے، امام مالک نے کہا: یہ اللہ کے لیے تواضع ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح کرتے تھے۔
حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنی بیٹیوں کو حکم دیتے تھے کہ وہ اپنی قربانیوں کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کریں۔
(مصنف عبد الرزاق: ۸۱۶۹)

اور زہری نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم اپنی قربانی پر حاضر ہو، کیونکہ جب تمہاری قربانی کے خون کا پہلا قطرہ نکلے گا تو تمہاری مغفرت کر دی جائے گی۔ (مصنف عبد الرزاق: ۸۱۶۸)
قربانی کے جانور کی گردن کے ایک جانب پر پیر اس لیے رکھا جاتا ہے تا کہ جانور کی جان آسانی سے نکل جائے، اور حدیث

میں ہے:

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم ذبح کرو تو عمدہ طریقے سے ذبح کرو، اور تم میں سے کوئی ایک اپنی چھری کو تیز کر لے اور ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ۔ (صحیح مسلم: ۱۹۵۵، کتاب الصید، باب الامر باحسان الذبح)

قربانی کے جانور پر تکبیر پڑھنے کا بیان

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے کہ قربانی کے جانور پر تکبیر پڑھنا بھی اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ۔ (البقرہ: ۱۸۵) اور اللہ کی کبریائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت دی ہے۔

اور اس کا معنی ہے کہ نیت کو اللہ کے لیے حاضر کیا جائے، نہ کہ کسی اور کام کے لیے زمانہ جاہلیت میں جس طریقہ سے عبادت کی جاتی تھی۔ اور حسن بصری ذبح کے وقت یوں کہتے تھے:

بسم الله والله اكبر هذا منك ولك اللهم تقبل من فلان۔ اللہ کے نام سے اور اللہ بہت بڑا ہے، یہ قربانی تیری طرف سے ہے، اور تیرے لئے ہے، اے اللہ! تو اس کو فلاں کی طرف سے قبول فرما۔

اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ ذبح کے وقت صرف اللہ کا نام لے، اور ذبح کے وقت یہ کہنا مکروہ ہے کہ اے اللہ! تو فلاں کی طرف سے ذبح کو قبول فرما۔ اور اگر بسم اللہ پڑھنے اور ذبح کرنے سے پہلے یہ دعا مانگ لی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

اور ابن القاسم مالکی یہ کہتے تھے کہ ذبح کرنے والے کو چاہیے کہ وہ ''بسم اللہ واللہ اکبر'' کہے، اور یہ جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کی نہیں ہے اور نہ تسبیح پڑھنے کی ہے، یہاں پر صرف اللہ وحدہ لاشریک کا ذکر کرے، اور یہی اللیث کا قول ہے۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے تھے ''بسم اللہ واللہ اکبر'' اور ابن القاسم نے کہا: اگر اس نے صرف بسم اللہ پڑھی تو بھی کافی ہے۔ اور اگر چاہے تو کہے: اے اللہ! میری طرف سے قبول فرما۔

اور امام مالک نے ان کے اس قول کا انکار کیا ہے کہ وہ کہے ''اللهم منك واليك'' یعنی اے اللہ! تیری طرف سے ہے اور تیری طرف ہے''۔ (المدونہ ج ۱ ص ۴۲۹)

اور امام شافعی نے کہا: ذبیحہ کو صرف بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے، اور اگر اس نے بسم اللہ کے ساتھ کسی اور چیز کا ذکر کیا یا سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر صلوٰۃ پڑھی تو میں اس کو مکروہ نہیں کہتا، اور اگر اس نے کہا: اے اللہ! اس کو میری طرف سے قبول فرما، تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

اور محمد بن الحسن نے کہا: اگر کسی شخص نے بکری ذبح کی اور ''الحمد للہ'' کہا یا ''سبحان اللہ واللہ اکبر'' کہا اور اس سے بسم اللہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ سب الفاظ اللہ کے نام ہیں۔ اور انہوں نے کہا: اگر کسی شخص نے الحمد للہ کہا اور اس سے اس کی مراد تھی کہ وہ اللہ کی حمد کرے، نہ کہ بسم اللہ کا ارادہ کرے، تو یہ بسم اللہ پڑھنے کے لیے کافی نہیں ہے اور یہ ذبیحہ کھایا نہیں جائے گا، ابوثور کا بھی یہی قول ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۶۲۷-۶۲۹ ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۱۰۔ بَابُ: مَنْ ذَبَحَ ضَحِيَّةَ غَيْرِهِ

اس کا بیان جس نے دوسرے کی قربانی کو ذبح کیا

وَأَعَانَ رَجُلٌ ابْنَ عُمَرَ فِي بَدَنَتِهِ۔ (تغلیق التعلیق ج ۵ ص ۱۱)

اور ایک مرد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اونٹ کے قربانی میں مدد کی۔

وَأَمَرَ أَبُو مُوسَى بَنَاتِهِ أَنْ يُضَحِّينَ بِأَيْدِيهِنَّ (مصنف عبدالرزاق: ۸۱۶۹)

اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے ذبح کریں''۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس نے دوسرے کی قربانی کو ذبح کیا، یعنی اس کی اجازت سے۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح

اس کے بعد امام بخاری کی یہ تعلیق ہے کہ ایک مرد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اونٹ کو ذبح کرنے میں مدد کی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یعنی ذبح کے وقت ان کی مدد کی، اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ اثر عنوان کے مطابق نہیں ہے۔ کیونکہ کسی مرد کے ذبح کے وقت مدد کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دوسرے کی قربانی کو اس کی اجازت سے ذبح کرے، اور جو شخص اونٹ کو روکنے میں مدد کرتا ہے، اس کو ذبح کرنے والا نہیں کہا جاتا۔ اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

امام عبدالرزاق از ابن عیینہ از عمرو بن دینار روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے اونٹ کو منیٰ میں نحر کر رہے تھے اور اس اونٹ کو بٹھایا ہوا تھا اور اس کے پیر باندھے ہوئے تھے اور ایک مرد نے اس اونٹ کے سر میں رسی باندھی ہوئی تھی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کو ذبح کر رہے تھے۔

اس اعتراض کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ جب ذبح میں معاونت مشروع ہے تو استنابت بھی اسی کے ساتھ لاحق ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ جواب غور و فکر کا محتاج ہے۔

دوسری تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے ہاتھ سے جانور کو ذبح کریں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ تعلیق بھی عنوان کے مطابق نہیں ہے، بلکہ تعلیق اور عنوان میں مخالفت ہے اور اس تعلیق کا محل اس سے پہلے والا باب تھا، کیونکہ اس باب کا عنوان تھا کہ'' جو قربانی کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرے''۔ اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کا نام ہے۔ عبداللہ بن قیس الاشعری، اور اس تعلیق کی امام حاکم نے المستدرک میں از المسیب بن رافع روایت کی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اپنی بیٹیوں کو حکم دیتے تھے کہ وہ اپنی قربانیوں کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کریں اور اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا اپنی قربانیوں کو ذبح کرنا جائز ہے جب کہ ان کو اچھے طریقہ سے ذبح کرنے کا طریقہ معلوم ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۳۰۔۲۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۵۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے

عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِسَرِفَ وَأَنَا أَبْكِي فَقَالَ مَا لَكِ أَنَفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ هَذَا أَمْرٌ كَتَبَهُ اللهُ عَلَى بَنَاتِ آدَمَ اقْضِي مَا يَقْضِي الْحَاجُّ غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفِي بِالْبَيْتِ وَضَحَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ نِسَائِهِ بِالْبَقَرِ۔

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبد الرحمن بن القاسم از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس مقام سرف میں آئے اور میں اس وقت رو رہی تھی۔ آپ نے پوچھا: تمہیں کیا ہوا، کیا تمہیں حیض آ گیا؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: یہ وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے، تم وہ تمام افعال کرو جو حج کرنے والے کرتے ہیں، سوائے اس کے کہ تم بیت اللہ کا طواف نہیں کرو گی، اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کی قربانی کی۔

(صحیح البخاری: ۲۹۴، ۳۰۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۹، ۳۲۸، ۱۵۱۶، ۱۵۱۸، ۱۵۵۶، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۶۳۸، ۱۶۵۰، ۱۷۰۹، ۱۷۲۰، ۱۷۳۳، ۱۷۵۷، ۱۷۶۲، ۱۷۷۱، ۱۷۷۲، ۱۷۸۳، ۱۷۸۶، ۱۷۸۷، ۱۷۸۸، ۲۹۵۲، ۲۹۸۴، ۴۳۹۵، ۴۴۰۱، ۴۴۰۸، ۵۳۲۹، ۵۵۴۸، ۵۵۵۹، ۷۱۵۷، ۷۲۲۹، صحیح مسلم: ۱۲۱۱، سنن ترمذی: ۹۴۵، سنن نسائی: ۲۹۰، سنن ابوداؤد: ۱۷۸۲، سنن ابن ماجہ: ۲۹۶۳، مسند احمد: ۲۵۳۱۰)

صحیح البخاری: ۵۵۵۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ واضح مطابقت نہیں ہے، لیکن تکلف کر کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواجِ مطہرات کی طرف سے قربانی کی، کیونکہ محدثین اور فقہاء نے یہ کہا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی ازواج کی اجازت سے ان کی طرف سے قربانی کی۔

اس حدیث میں ہے "اقضی ما یقضی الحاج" اس حدیث میں قضی کا اصطلاحی معنی مراد نہیں ہے بلکہ قضی کا لغوی معنی مراد ہے، یعنی ادا کرو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۱۔ بَابُ: الذَّبْحِ بَعْدَ الصَّلَاةِ — نماز (عید) کے بعد قربانی کو ذبح کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قربانی کے جانور کو نمازِ عید کے بعد ذبح کیا جائے۔

۵۵۶۰۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ الْمِنْهَالِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي زُبَيْدٌ قَالَ سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ عَنِ الْبَرَاءِ رضی الله عنه قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَخْطُبُ فَقَالَ إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ بِهِ مِنْ يَوْمِنَا هَذَا أَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن المنہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے زبید نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے الشعبی سے سنا از حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے

ثُمَّ فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ هٰذَا فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ نَحَرَ فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ يُقَدِّمُهُ لِأَهْلِهِ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ فَقَالَ أَبُو بُرْدَةَ يَا رَسُولَ اللهِ ذَبَحْتُ قَبْلَ أَنْ أُصَلِّيَ وَعِنْدِي جَذَعَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُسِنَّةٍ فَقَالَ اجْعَلْهَا مَكَانَهَا وَلَنْ تَجْزِيَ أَوْ تُوفِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ۔

ہیں کہ میں نے سنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (نمازِ عید کا) خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: بے شک ہم آج اس دن جس کام کو سب سے پہلے کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں، پھر ہم (گھروں کو) واپس جاتے ہیں، پھر ہم (اونٹوں کو) نحر کرتے ہیں۔ سو جس نے ایسا کیا، اس نے ہماری سنت کو پالیا، اور جس نے نحر کر لیا تو یہ صرف وہ گوشت ہے جسے اس نے اپنے گھر والوں کے لیے پہلے بھیجا اور یہ قربانی میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ تب حضرت ابو بُردہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں نے نماز (عید) سے پہلے ذبح کر لیا، اور میرے پاس ایک چھ ماہ کا بکری کا بچہ ہے جو ایک سال کے بچہ سے افضل ہے، آپ نے فرمایا: تم اس کی اس کی جگہ قربانی کر دو، اور تمہارے بعد یہ کسی کی طرف سے کافی نہیں ہوگا یا فرمایا: پورا نہیں ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۵۵۴۵، صحیح مسلم: ۱۹۶۱، سنن ترمذی: ۱۵۰۸، سنن ابوداؤد: ۲۸۰۰، سنن نسائی: ۱۵۶۳، مسند احمد: ۱۸۰۰۱۲، سنن دارمی: ۱۹۶۲)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۵۴۵، میں گزر چکی ہے۔

۱۲۔ بَابُ: مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ أَعَادَ جس نے نماز (عید) سے پہلے قربانی کی، وہ دوبارہ قربانی کرے

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے جس نے نمازِ عید سے پہلے قربانی کی، وہ دوبارہ قربانی کرے۔

۵۵۶۱۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيُعِدْ فَقَالَ رَجُلٌ هٰذَا يَوْمٌ يُشْتَهَى فِيهِ اللَّحْمُ وَذَكَرَ هَنَةً مِنْ جِيرَانِهِ فَكَأَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم عَذَرَهُ وَعِنْدِي جَذَعَةٌ خَيْرٌ مِنْ شَاتَيْنِ فَرَخَّصَ لَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَا أَدْرِي بَلَغَتِ الرُّخْصَةُ أَمْ لَا ثُمَّ انْكَفَأَ إِلَى كَبْشَيْنِ يَعْنِي فَذَبَحَهُمَا ثُمَّ انْكَفَأَ النَّاسُ إِلَى غُنَيْمَةٍ فَذَبَحُوهَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن ابراہیم نے حدیث بیان کی از ایوب از محمد از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جس نے نماز (عید) سے پہلے قربانی کی، وہ دوبارہ قربانی کرے۔ ایک مرد نے کہا: اس دن گوشت کی خواہش کی جاتی ہے اور اس نے اس وقت اپنے پڑوسیوں کا ذکر کیا، پس گویا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معذور قرار دیا، اور اس نے کہا: میرے پاس چھ ماہ کا بکری کا بچہ ہے، جو دو بکریوں سے زیادہ بہتر ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رخصت دے دی، پس میں نہیں جانتا کہ یہ رخصت (عام) ہے یا نہیں؟ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو مینڈھوں کی طرف متوجہ ہوئے، یعنی ان دونوں کو آپ نے ذبح کیا، پھر لوگ

اپنی بکریوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے ان کو ذبح کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۹۵۴، ۹۸۴، ۵۵۴۶، ۵۵۴۹، ۵۵۶۱، صحیح مسلم: ۱۹۶۲، سنن نسائی: ۴۳۹۶، مسند احمد: ۱۱۷۱۰)

یہ حدیث اس سے پہلے کئی بار گزر چکی ہے اور اس کی شرح بھی صحیح البخاری: ۹۵۴ میں کی جا چکی ہے۔

۵۵۶۲۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا الْأَسْوَدُ بْنُ قَيْسٍ سَمِعْتُ جُنْدَبَ بْنَ سُفْيَانَ الْبَجَلِيَّ قَالَ شَهِدْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَلْيُعِدْ مَكَانَهَا أُخْرَى وَمَنْ لَمْ يَذْبَحْ فَلْيَذْبَحْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاسود بن قیس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے جندب بن سفیان البجلی سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ میں نبی ﷺ کے پاس یوم النحر کو حاضر تھا، آپ نے فرمایا: جس نے نماز (عید) سے پہلے ذبح کر لیا، وہ دوبارہ اس کی جگہ قربانی کرے، اور جس نے نہیں ذبح کیا، وہ ذبح کر لے۔

(صحیح البخاری: ۹۸۵، ۵۵۰۰، ۵۵۶۲، ۶۶۷۴، ۷۴۰۰، صحیح مسلم: ۱۹۶۰، سنن نسائی: ۴۳۹۸، سنن ابن ماجہ: ۳۱۵۲، مسند احمد: ۱۸۳۲۱)

اس حدیث میں چونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''جس نے نمازِ عید سے پہلے قربانی کر لی، وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے''، اس ارشاد سے ان فقہاء نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ قربانی کرنا واجب ہے۔

۵۵۶۳۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ فِرَاسٍ عَنْ عَامِرٍ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا فَلَا يَذْبَحْ حَتَّى يَنْصَرِفَ فَقَامَ أَبُو بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ فَعَلْتُ فَقَالَ هُوَ شَيْءٌ عَجَّلْتَهُ قَالَ فَإِنَّ عِنْدِي جَذَعَةً هِيَ خَيْرٌ مِنْ مُسِنَّتَيْنِ آذْبَحُهَا قَالَ نَعَمْ ثُمَّ لَا تَجْزِي عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ قَالَ عَامِرٌ هِيَ خَيْرُ نَسِيكَتَيْهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از فراس از عامر از حضرت البراء رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے نماز (عید) پڑھی، پھر آپ نے فرمایا: جس نے ہماری نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا، وہ اس وقت تک قربانی نہ کرے جب تک کہ گھر واپس نہ چلا جائے، تب حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، پس انہوں نے کہا: یا رسول اللہ (ﷺ)! میں تو کر چکا ہوں، تو نبی ﷺ نے فرمایا: یہ وہ کام ہے جس کو تم نے جلدی کر لیا ہے، انہوں نے کہا: پس بے شک میرے پاس ایک چھ ماہ کا بکری کا بچہ ہے جو دو سال کے بکروں سے زیادہ بہتر ہے، آیا میں اس کی قربانی کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! پھر تمہارے بعد کسی اور کی طرف سے یہ قربانی کافی نہیں ہوگی۔ عامر نے کہا: یہ ان کی بہترین قربانی تھی۔

(صحیح البخاری: ۹۵۱، ۹۵۵، ۹۶۵، ۹۷۶، ۹۸۳، ۵۵۴۵، ۵۵۵۶، ۵۵۵۷، ۵۵۶۰، ۵۵۶۳، ۶۶۷۳، صحیح مسلم: ۱۹۶۱، سنن ترمذی: ۱۵۰۸، سنن نسائی: ۱۵۶۳، سنن ابوداؤد: ۲۸۰۰، مسند احمد: ۱۸۰۱۲، سنن دارمی: ۱۹۶۲)

صحیح البخاری: ۵۵۶۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''جس نے نماز سے پہلے قربانی کر لی، وہ دوبارہ قربانی کرے''۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے: جس نے ہماری نماز پڑھ لی اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر لیا، وہ اس وقت تک قربانی کو ذبح نہ کرے حتیٰ کہ ہم گھروں کو واپس لوٹ جائیں، اس ارشاد سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس نے نمازِ عید سے پہلے قربانی کر لی، وہ دوبارہ قربانی کرے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ''ابوعوانہ''، یہ الوضاح ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ''فراس'' یہ ابن یحییٰ ہیں اور اس حدیث کی سند میں عامر کا ذکر ہے، یہ الشعبی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''جس نے ہماری نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا''۔ اس کا معنی ہے کہ جو شخص دین اسلام پر ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''حتی ننصرف'' یعنی حتیٰ کہ ہم گھروں کو لوٹ جائیں یا حتیٰ کہ وہ شخص گھروں کو لوٹ جائے۔ اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ وہ جب نماز کے بعد گھر چلا جائے تو پھر قربانی کرے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فعلت'' یعنی میں نے ذبح کا فعل نماز سے پہلے کر لیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''عجلته'' یعنی تم نے جلدی سے قربانی کر کے اپنے گھر والوں کے لیے گوشت بھیج دیا ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''مسنتين'' یہ مسنة کا تثنیہ ہے۔ اور مسنة اس کو کہتے ہیں جس کے دودھ کے دانت گر چکے ہوں یعنی وہ ایک سال کا بکرا ہو۔ نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''عامر نے کہا: یہ اس کی بہترین قربانی تھی''، یعنی یہ چھ ماہ کا بکرا اس کی کی ہوئی قربانی سے زیادہ بہتر تھا۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ زیادہ بہتر تو اس وقت ہوگا جب کہ اس کا پہلا ذبیحہ بھی قربانی ہو، حالانکہ پہلا ذبیحہ تو نمازِ عید سے پہلے ذبح کیا گیا تھا اور وہ قربانی تھی ہی نہیں، تو یہ ذبیحہ اس سے بہتر قربانی کیسے ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے: چونکہ اس نے اپنے پڑوسیوں کو کھلانے کے لیے وہ جانور ذبح کیا تھا، اور یہ بھی عبادت ہے اور قربانی بھی عبادت ہے تو اس اعتبار سے اس کا پہلا ذبیحہ بھی قربانی تھا اور چونکہ دوسرا ذبیحہ نمازِ عید کے بعد کیا گیا تو وہ بہتر قربانی تھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ پہلا ذبیحہ بھی صورتاً قربانی تھا۔

گاؤں اور دیہات کے لوگوں کی قربانی کا بیان

گاؤں اور دیہات کے لوگوں کے لیے تو نمازِ عید مشروع نہیں ہے، تو ان لوگوں کی قربانی کیسے ہوگی؟
عطاء بن ابی رباح نے کہا: گاؤں اور دیہات کے لوگ طلوعِ شمس کے بعد قربانی کر لیں اور یہی ان کے حق میں بہتر ہے، امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا کہ گاؤں اور دیہات کے لوگ صبح کی نماز کے بعد اتنا وقت گزار لیں جتنے وقت میں شہر کے اندر نمازِ عید پڑھی جاتی ہے اور دو خطبے دیے جاتے ہیں، اس کے بعد قربانی کر لیں۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا بھی یہی قول ہے۔ اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے اور ان کے اصحاب نے کہا کہ دیہات کے لوگ جب طلوعِ فجر کے بعد قربانی کر لیں تو یہ ان سے کفایت کرے گی، کیونکہ ان کے لیے نمازِ عید مشروع نہیں ہے۔ اور الثوری اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۳۲۔۲۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۳۔ بَابُ: وَضْعِ الْقَدَمِ عَلَى صَفْحِ الذَّبِيحَةِ

ذبیحہ کی گردن پر پیر رکھنے کا بیان

۵۵۶۴۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا أَنَسٌ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ وَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلَى صَفْحَتِهِمَا وَيَذْبَحُهُمَا بِيَدِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از قتادہ، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ دو سینگوں والے سرمئی مینڈھوں کی قربانی کرتے تھے اور آپ اپنا پیر اس کی گردن کی جانب رکھتے تھے اور اپنے ہاتھ سے ان کو ذبح کرتے تھے۔

(صحیح مسلم: ۱۹۶۶، سنن ترمذی: ۱۴۹۴، سنن نسائی: ۱۵۸۸، سنن ابوداؤد: ۲۷۹۴، سنن ابن ماجہ: ۳۱۲۰، مسند احمد: ۱۱۷۴۳، سنن دارمی: ۱۹۴۵)

اس حدیث کی شرح اس سے پہلے صحیح البخاری: ۵۵۵۴ میں گزر چکی ہے۔

۱۴۔ بَابُ: التَّكْبِيرِ عِنْدَ الذَّبْحِ

ذبح کے وقت تکبیر پڑھنے کا بیان

۵۵۶۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ ضَحَّى النَّبِيُّ ﷺ بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ ذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ وَسَمَّى وَكَبَّرَ وَوَضَعَ رِجْلَهُ عَلَى صِفَاحِهِمَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے دو سرمئی رنگ کے سینگوں والے مینڈھوں کی قربانی کی اور ان دونوں کو اپنے مبارک ہاتھ سے ذبح کیا اور بسم اللہ پڑھی اور اللہ اکبر کہا اور اپنا پیر اس کی گردن کی جانب پر رکھا۔

(صحیح مسلم: ۱۹۶۶، سنن ترمذی: ۱۴۹۴، سنن نسائی: ۱۵۸۸، سنن ابوداؤد: ۲۷۹۴، سنن ابن ماجہ: ۳۱۲۰، مسند احمد: ۱۱۷۴۳، سنن دارمی: ۱۹۴۵)

اس حدیث کی شرح بھی اس سے پہلے صحیح البخاری: ۵۵۵۴ میں گزر چکی ہے۔

۱۵۔ بَابٌ: إِذَا بَعَثَ بِهَدْيِهِ لِيُذْبَحَ لَمْ يَحْرُمْ عَلَيْهِ شَيْءٌ

جب کوئی شخص اپنی ہدی (قربانی کے جانور) کو (حرم میں) ذبح کے لیے بھیجے، تو اس پر کوئی چیز حرام نہیں ہوگی

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص اپنی ہدی کو یعنی قربانی کے جانور کو حرم کی طرف بھیجے تا کہ اس قربانی کو ذبح کیا جائے، تو اس پر کوئی ایسا کام حرام نہیں ہوگا جو مُحرِم پر حرام ہو جاتا ہے۔ اور اس کی تفصیل کتاب الحج میں گزر چکی ہے۔

۵۵۶۶۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ أَنَّهُ أَتَى عَائِشَةَ فَقَالَ لَهَا يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ رَجُلًا يَبْعَثُ بِالْهَدْيِ إِلَى الْكَعْبَةِ وَيَجْلِسُ فِي الْمِصْرِ فَيُوصِي أَنْ تُقَلَّدَ بَدَنَتُهُ فَلَا يَزَالُ مِنْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ مُحْرِمًا حَتّٰى يَحِلَّ النَّاسُ قَالَ فَسَمِعْتُ تَصْفِيقَهَا مِنْ وَرَاءِ الْحِجَابِ فَقَالَتْ لَقَدْ كُنْتُ أَفْتِلُ قَلَائِدَ هَدْيِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَيَبْعَثُ هَدْيَهُ إِلَى الْكَعْبَةِ فَمَا يَحْرُمُ عَلَيْهِ مِمَّا حَلَّ لِلرِّجَالِ مِنْ أَهْلِهِ حَتّٰى يَرْجِعَ النَّاسُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے خبر دی از الشعبی از مسروق، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر پوچھا: اے ام المومنین! ایک مرد ہدی کو کعبہ کی طرف روانہ کرتا ہے اور خود شہر میں بیٹھا رہتا ہے، پس وہ یہ وصیت کرتا ہے کہ اس کے اونٹ میں بہ طورِ نشانی ہار ڈالا جائے، تو کیا وہ اس دن سے مُحرِم رہے گا حتیٰ کہ حج کرنے والے حج سے حلال ہو جائیں؟ مسروق کہتے ہیں: میں نے پردے کے پیچھے سے سنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارا، پس انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدی کے ہار بٹتی تھی، پھر آپ اپنی ہدی کو کعبہ کی طرف روانہ کرتے، پھر آپ کے اوپر کوئی ایسا کام حرام نہ ہوتا جو آپ کے گھر کے مردوں کے لیے حلال تھا، حتیٰ کہ حج کرنے والے حج سے واپس آ جاتے۔

(صحیح البخاری: ۱۶۹۶، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۲۳۱۷، ۵۵۶۶، صحیح مسلم: ۱۳۲۱، سنن نسائی: ۲۷۸۳، سنن ابوداؤد: ۱۷۵۷، سنن ابن ماجہ: ۳۰۹۵، مسند احمد: ۲۳۹۱۷، موطا امام مالک: ۷۶۲، سنن داری: ۱۹۳۶)

صحیح البخاری: ۵۵۶۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''جب کوئی شخص اپنی ہدی کو حرم میں ذبح کے لیے بھیجے تو اس پر کوئی چیز حرام نہیں ہوتی''۔ اور اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدی کے لیے ہار بٹتی تھی اور آپ اپنی ہدی

کو کعبہ کی طرف بھیجتے اور آپ پر وہ کام حرام نہیں ہوتے تھے جو آپ کے گھر کے مردوں کے لیے حلال تھے، حتیٰ کہ لوگ حج کر کے واپس آجاتے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے احمد بن محمد، یہ ابن موسیٰ ہیں، ان کو مردویہ السمسار المروزی کہا جاتا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن المبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، یہ ابن ابی خالد ہیں۔

یہ حدیث کتاب الحج باب تقلید الغنم میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی مفصل شرح کی جاچکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ان تقلد'' اس کا مصدر تقلید ہے اور یہ مجہول کا صیغہ ہے، اس کا معنی ہے کہ قربانی کے جانور کے گلے میں کسی چیز کا ہار بنا کر لٹکایا جائے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ ہدی ہے یعنی قربانی کا جانور ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''بدنته'' اس سے مراد اونٹنی ہے، جس کو مکہ میں نحر کیا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''تصفیقها'' یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا، تاکہ اس کی آواز سنی جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یا تو تعجب کی وجہ سے ہاتھ پر ہاتھ مارا تھا اور یا اس پر افسوس کی وجہ سے کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کے ساتھ ہدی کا جانور حرم میں ذبح کرنے کے لیے بھیجے تو محض بھیجنے سے وہ شخص مُحرم ہو جاتا ہے۔

ہدی بھیجنے کی وجہ سے بھیجنے والے کے محرم ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ کہا ہے کہ جو شخص حرم کی طرف ہدی کو ذبح کے لیے بھیجے، تو اس شخص پر احرام لازم ہو جاتا ہے جب وہ ہدی کے گلے میں ہار ڈال دے اور اس پر لازم ہے کہ وہ ان تمام کاموں سے اجتناب کرے جن سے حج کرنے والا اجتناب کرتا ہے، حتیٰ کہ اس کی ہدی کو نحر کر دیا جائے یا ذبح کر دیا جائے۔

عطاء بن ابی رباح کا بھی یہی موقف ہے اور ائمہ فتویٰ اس کے خلاف ہیں، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ہدی کو کعبہ کی طرف بھیجتے اور آپ کے اوپر ان کاموں سے کوئی کام حرام نہیں ہوتا جو گھر کے مردوں کے لیے حلال تھے حتیٰ کہ لوگ حج کر کے لوٹ آتے۔

ہلالِ ذوالحجہ دیکھنے کے بعد قربانی کرنے والے کے احکام

امام مسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص ذوالحجہ کا ہلال دیکھے اور وہ قربانی کرنے کا ارادہ کرتا ہو تو نہ وہ اپنے بال کاٹے اور نہ اپنے ناخن کاٹے حتیٰ کہ قربانی کر لے۔

علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے: سعید بن المسیب، امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے۔ اللیث نے کہا: یہ حدیث ثابت ہے اور اکثر لوگ اس حدیث کے خلاف عمل کرتے ہیں۔

امام طحاوی نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مذکور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے زیادہ احسن ہے، کیونکہ یہ حدیث

متواتر ہے۔ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی سند میں طعن کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حضرت ام سلمہ پر موقوف ہے اور مرفوع نہیں ہے۔

علامہ ابن ملقن نے التوضیح میں لکھا ہے کہ امام شافعی، ابو ثور اور اہل الظاہر کا مذہب یہ ہے کہ جس شخص کے اوپر ذوالحجہ کے دس دن داخل ہو جائیں اور وہ قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، تو نہ وہ اپنے بالوں کو چھوئے اور نہ اپنے ناخنوں کو۔

اور علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ امام مالک اور امام شافعی یہ اجازت دیتے تھے کہ جو شخص قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، وہ اپنے بال اور ناخن کاٹ سکتا ہے جب تک کہ وہ احرام نہ باندھے، البتہ وہ کہتے ہیں کہ ذوالحجہ کے دس دن داخل ہونے کے بعد اس میں توقف کرنا مستحب ہے اور امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم دیا ہے، یہ اختیاری ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۳۴۔ ۲۳۵، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کی تائید

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

الزہری نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے موقف پر اجماع ہو چکا ہے، امام بیہقی نے کہا ہے کہ سب سے پہلے اس مسئلہ میں جس نے جہالت سے پردہ اٹھایا اور سنت کو ظاہر کیا، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، اور جب لوگوں تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پہنچی تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول پر عمل کیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فتویٰ کو ترک کر دیا۔ علامہ ابن المنذر نے لکھا ہے کہ جمہور کے نزدیک ہدی کے گلے میں ہار ڈالنے سے کوئی شخص محرم نہیں ہوتا اور اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوتی۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۲۳۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۶۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہلال ذوالحجہ کے بعد کے احکام

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص ذوالحجہ کا ہلال دیکھے اور وہ قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو نہ وہ اپنے بالوں کو کاٹے اور نہ اپنے ناخنوں کو کاٹے حتیٰ کہ قربانی کر لے۔

(صحیح مسلم: ۱۹۷۷، کتاب الاضاحی، باب: نهي من دخل عليه عشر ذي الحجة وهو مريد التضحية ان ياخذ من شعره و اظفاره شيئا)

امام طحاوی نے کہا ہے کہ یہ کہا گیا ہے کہ یہ حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا پر موقوف ہے، اس حدیث کی ابن وہب اور عثمان بن عمر نے امام مالک سے روایت کی ہے از عمر بن مسلم از سعید بن المسیب از حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، اور اس کو مرفوع نہیں کہا، یعنی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا قول قرار دیا ہے۔ پھر امام طحاوی لکھتے ہیں: نظر کا تقاضا یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ احرام سے وہ چند چیزیں ممنوع ہو جاتی ہیں جو اس سے پہلے حلال تھیں، جماع حرام ہو جاتا ہے، اپنی بیوی کو بوسہ دینا حرام ہو جاتا ہے اور ناخن کاٹنا، بال کاٹنا اور شکار کرنا، یہ تمام کام احرام سے حرام ہو جاتے ہیں۔ اور اس لیے کہ جماع احرام کو فاسد کر دیتا ہے اور ان کے علاوہ باقی کام احرام کو فاسد نہیں کرتے، پھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جس پر ذوالحجہ کے دس دن داخل ہوئے اور وہ قربانی کرنے کا ارادہ کرتا ہو تو اس پر اپنی بیویوں سے

جماع کرنا حرام نہیں ہوتا۔اور یہ احرام کی سب سے غلیظ تحریم ہے تو ناخن کاٹنا اور بال کاٹنا جو اس سے کم درجہ کے ممنوع کام ہیں،تو وہ بہ طریقِ اولیٰ قربانی کرنے والے پر حرام نہیں ہوں گے۔

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں: کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی امام مسلم نے اپنی صحیح میں مرفوعاً روایت کی ہے،اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں کہا ہے کہ یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق ہے۔(المستدرک ج ۴ ص ۲۲۰)

اور سلف صالحین میں سے امام شافعی،ابوثور اور اہل الظاہر کا مذہب یہ ہے کہ جس شخص کے اوپر ذوالحجہ کے دس دن داخل ہو گئے اور وہ قربانی کرنے کا ارادہ کرتا ہو،تو وہ اپنے بالوں کو نہ چھوئے اور نہ وہ اپنے ناخنوں کو چھوئے۔

اور ابن المنذر نے امام مالک اور امام شافعی سے یہ نقل کیا ہے کہ وہ قربانی کرنے والے کو بال کاٹنے اور ناخن کاٹنے کی رخصت نہیں دیتے تھے جب تک وہ احرام نہ باندھے،البتہ وہ یہ کہتے تھے کہ ان دس دنوں کے داخل ہونے کے بعد جو شخص قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو،اس کے لیے توقف کرنا مستحب ہے اور امام شافعی یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ حکم دیا ہے،وہ اختیاری ہے۔

امام الدارقطنی نے کہا ہے: صحیح یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث موقوف ہے،اور مسدد نے کہا کہ ابن سیرین یہ کہتے تھے کہ جب یہ دس دن داخل ہو جائیں تو مرد کا بال کاٹنا مکروہ ہے،حتیٰ کہ ان دس دنوں میں بچوں کے بال مونڈنا بھی ممنوع ہے۔

ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے اس مسئلہ کی مخالفت کی ہے اور ہمارے علم میں ان کی کوئی دلیل نہیں ہے،سوا اس کے کہ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ سعید بن المسیب ان دس دنوں میں بالوں پر تیل کی مالش میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور انہوں نے کہا کہ سعید بن المسیب بھی اس حدیث کے راوی ہیں،گویا کہ یہ اس حدیث پر ایک طعن ہے۔

علامہ ابن ملقن نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ سعید بن المسیب کے قول کا اعتبار نہیں ہے،ان کی روایت کا اعتبار ہوتا ہے،دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ بالوں پر تیل کی مالش اور چیز ہے اور بالوں کا کاٹنا ایک الگ چیز ہے۔اور تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ ہو سکتا ہے سعید بن المسیب نے بالوں پر تیل کی مالش کو اس شخص کے لیے جائز قرار دیا ہو جو قربانی کا ارادہ نہ کرتا ہو۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۶۳۹ - ۶۴۲ ملخصاً وملتقطاً،وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ،قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: علامہ ابن الملقن کی اس شرح کا کچھ حصہ علامہ عینی نے اپنی شرح میں نقل کر دیا ہے،جس کو ہم علامہ عینی کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں،ہم نے یہاں پر علامہ ابن ملقن کی شرح کا وہ حصہ نقل کیا ہے،جس کو علامہ عینی نے نقل نہیں کیا ہے۔علامہ ابن الملقن نے اس شرح میں اور بھی بہت زیادہ لکھا ہے لیکن وہ اتنا مفید نہیں ہے۔

۱۶۔بَابٌ: مَا يُؤْكَلُ مِنْ لُحُومِ الْأَضَاحِيِّ وَمَا يُتَزَوَّدُ مِنْهَا

قربانیوں کے گوشت میں سے کتنی مقدار کھائی جائے اور کتنی مقدار کو زادِ راہ کے لیے جمع کیا جائے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ،اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ قربانیوں کے گوشت میں سے کتنی مقدار کو کھانا جائز ہے اور بعض شارحین نے کہا ہے کہ اس

میں تہائی یا نصف کی قید نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: یہ باب اس کو شامل ہے کہ تین دن یا اس سے زیادہ تک قربانیوں کے گوشت کو کھانا جائز ہے۔ اور ہر حال میں یہ عنوان مبہم ہے اور اس باب کی احادیث اس ابہام کی وضاحت کرتی ہیں، پس حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ قربانیوں کے گوشت کو جمع کر کے مسافر کے لیے بہ طور زادِ راہ رکھنا جائز ہے، سو اس میں یہ دلیل ہے کہ تین دن سے زیادہ تک قربانیوں کا گوشت کھانا جائز ہے۔ اور حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ پہلے یہ حکم تھا کہ تین دن کے بعد قربانیوں کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے اور اس کے بعد اس میں تین دن سے زیادہ دنوں تک قربانیوں کا گوشت کھانے کی اجازت دی گئی ہے اور اس کی وجہ اس حدیث میں بیان کر دی گئی ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ تین دن سے زیادہ تک قربانیوں کا گوشت کھانے کی رخصت ہے، اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کا اثر اس پر دلالت کرتا ہے کہ تین دن سے زیادہ تک قربانیوں کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے اور اس کا جواب عنقریب آئے گا۔

اس باب میں مذکور ہے "وما یتزود منھا" یعنی قربانی کے گوشت میں سے سفر کے زادِ راہ کے طور پر رکھنے کا جواز۔

٥٥٦٧- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَمْرٌو أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما قَالَ كُنَّا نَتَزَوَّدُ لُحُومَ الْأَضَاحِيِّ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَى الْمَدِينَةِ وَقَالَ غَيْرَ مَرَّةٍ لُحُومَ الْهَدْيِ۔

(صحیح مسلم: ١٩٧٢، مسند احمد: ١٣٩٠٧، سنن دارمی: ١٩٦١)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: عمرو نے بتایا مجھے عطاء نے خبر دی، انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قربانیوں کا گوشت بہ طور زادِ راہ کے مدینہ تک لے جاتے تھے، اور متعدد بار انہوں نے کہا: ہدی کا گوشت (یعنی قربانی کی بجائے ہدی کا ذکر کیا ہے)۔

صحیح البخاری: ٥٥٦٧، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے دو جز ہیں، پہلا جز ہے کہ قربانیوں کے گوشت میں سے کتنی مقدار کو کھایا جائے، اور دوسرا جز ہے کہ قربانیوں کے گوشت میں سے بہ طور زادِ راہ رکھنے کا جواز۔ اور یہ حدیث عنوان کے دوسرے جز کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن عبداللہ کا ذکر ہے، یہ ابن المدینی ہیں اور سفیان کا ذکر ہے، یہ ابن عیینہ ہیں۔ اور عمرو کا ذکر ہے، یہ ابن دینار ہیں۔ اور عطاء کا ذکر ہے، یہ ابن ابی رباح ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجہاد میں بھی علی بن عبداللہ کی روایت سے گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''علیٰ عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ''یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں۔اور یہ معلوم ہے کہ جب صحابی یہ کہیں کہ ہم اس کام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کرتے تھے تو یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''وقال غیر مرة''یعنی ایک مرتبہ سفیان نے ''لحوم الاضاحی'' کہا یعنی قربانیوں کا گوشت اور متعدد مرتبہ ''لحم الهدی'' کہا یعنی ہدی کا گوشت۔اور ہدی بھی دراصل قربانی ہی ہوتی ہے جو بہ طورِ شکرانہ بھیجی جاتی ہے۔

(عمدة القاری ج ۲۱ ص ۲۳۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۶۸۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنِ الْقَاسِمِ أَنَّ ابْنَ خَبَّابٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ يُحَدِّثُ أَنَّهُ كَانَ غَائِبًا فَقَدِمَ فَقُدِّمَ إِلَيْهِ لَحْمٌ قَالُوا هَذَا مِنْ لَحْمِ ضَحَايَانَا فَقَالَ أَخِّرُوهُ لَا أَذُوقُهُ قَالَ ثُمَّ قُمْتُ فَخَرَجْتُ حَتَّى آتِيَ أَخِي أَبَا قَتَادَةَ وَكَانَ أَخَاهُ لِأُمِّهِ وَكَانَ بَدْرِيًّا فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ إِنَّهُ قَدْ حَدَثَ بَعْدَكَ أَمْرٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن سعید از القاسم کہ ابن خباب نے ان کو خبر دی کہ انہوں نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ وہ غائب تھے، پھر وہ آ گئے تو ان کے پاس گوشت لایا گیا اور بتایا: یہ ہماری قربانیوں کا گوشت ہے، تو حضرت ابوسعید نے فرمایا: اس کو ہٹاؤ، میں اس گوشت کو نہیں چکھوں گا، حضرت ابوسعید نے کہا: پھر میں کھڑا ہوا حتیٰ کہ باہر نکلا اور میں اپنے بھائی حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اور وہ ان کے ماں شریک بھائی تھے اور بدری صحابی تھے، پس میں نے ان سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا: تمہارے بعد ایک نیا حکم آ گیا ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۹۹۷، ۵۵۶۸، سنن نسائی: ۴۴۲۷، مسند احمد: ۱۰۷۹۲، موطا امام مالک: ۱۰۴۸)

صحیح البخاری: ۵۵۶۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی عنوان کے پہلے جز کے ساتھ مطابقت ہے، یعنی جس میں یہ ذکر ہے کہ قربانیوں کے گوشت کو کتنے دنوں تک کھانا جائز ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ''اسماعیل'' اور یہ ابن ابی اویس ہیں۔اور سلیمان کا ذکر ہے، اور یہ ابن بلال ہیں۔اور یحییٰ بن سعید کا ذکر ہے، یہ انصاری ہیں۔اور قاسم کا ذکر ہے، یہ ابن محمد بن ابی بکر صدیق ہیں۔اور ابن خباب کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن خباب

الانصاری التابعی ہیں۔اور حضرت خباب بن الارت صحابی ہیں۔اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، ان کا نام سعد بن مالک ہے۔اس حدیث کے تمام راوی مدنی ہیں اور اس میں تین تابعی ہیں یحییٰ، قاسم اور ان کے شیخ۔اور اس سند میں دو صحابی ہیں، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ اور حضرت قتادہ بن نعمان الظفری رضی اللہ عنہ۔

اس حدیث کی امام نسائی، امام طبرانی، امام احمد اور امام طحاوی نے روایت کی ہے، اور اس کی عبارت اس طرح ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اپنے گھر آئے تو دیکھا کہ ان کے پاس ایک پیالے میں ثرید ہے اور گوشت ہے، اور وہ گوشت قربانی کا تھا، تو انہوں نے اس کو کھانے سے انکار کیا، پھر وہ اپنے ماں شریک بھائی حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انہوں نے ان کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے سال فرمایا: میں نے تم کو تین دن سے زیادہ قربانیوں کے گوشت کے کھانے سے منع کیا تھا اور اب میں تمہارے لیے اس کو حلال کرتا ہوں، پس اب تم قربانیوں کے گوشت سے جب تک چاہو، کھاؤ۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے ماں شریک بھائی تھے، کیونکہ ان دونوں کی ماں حضرت اُنیسہ بنت ابی خارجہ عمرو بن قیس بن مالک تھیں، جن کا تعلق بنی عدی بن النجار سے تھا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تمہارے بعد ایک نیا حکم آ گیا، یعنی ایسا حکم آ گیا جس نے اس حکم کو منسوخ کر دیا جس میں قربانیوں کے گوشت کو تین دن کے بعد کھانے سے منع کیا گیا تھا۔

امام احمد نے ایک طویل حدیث روایت کی ہے از حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع کیا تھا کہ ہم اپنی قربانیوں کے گوشت کو تین دن سے زیادہ کھائیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ پھر میں ایک سفر میں گیا، پھر میں اپنے گھر آیا اور قربانی کو کئی دن گزر چکے تھے، تو میری بیوی چقندر پکا کر لائی جس کے اندر گوشت بھی تھا اور میری بیوی نے بتایا کہ یہ گوشت ہماری قربانیوں کے گوشت میں سے ہے، میں نے اپنی بیوی سے کہا: کیا ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا، تو میری بیوی نے کہا: آپ نے اس کے بعد لوگوں کو قربانیوں کے گوشت کو رکھنے کی اجازت دی، تو میں نے اپنی بیوی کی تصدیق نہیں کی حتیٰ کہ اپنے بھائی حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کو بلایا تو انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس کی اجازت دے دی ہے۔

اور اسی حدیث کی مثل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے امام نسائی اور امام طحاوی کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔

تین دن کے بعد قربانیوں کے گوشت کو کھانے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

فقہاء اسلام کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، پس ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ تین دن کے بعد قربانیوں کے گوشت کو کھانا حرام ہے اور یہ عبد اللہ بن واقد بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب ہیں۔اور اصحابِ ظواہر کی ایک جماعت کا بھی یہی مذہب ہے۔اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

امام مسلم از حضرت عبد اللہ بن عمر از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص تین دن کے بعد اپنی قربانی کا گوشت نہ کھائے۔اس کے علاوہ دوسری احادیث بھی ہیں جو اس مسئلہ میں وارد ہیں۔

اور دوسرے فقہاء نے اس کی مخالفت کی ہے اور وہ جمہور علماء اسلام ہیں۔ان کے نزدیک تین دن کے بعد قربانیوں کے گوشت

کو جمع کرنے اور کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور دیگر شہروں کے بھی فقہاء ہیں، ان میں سے ائمہ اربعہ اور ان کے اصحاب ہیں۔ اور ان کا استدلال حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث سے ہے اور دیگر احادیث سے بھی ہے۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ جس حدیث میں تین دن کے بعد قربانیوں کے گوشت کو رکھنے اور کھانے سے منع کیا گیا ہے، اس میں بھی اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ بہ طور تحریم منع کیا گیا تھا، پھر اس حدیث کے حکم کو منسوخ کر کے اس کو مباح کر دیا گیا ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کو بہ طور کراہت منع کیا گیا ہے، تو اس کے منسوخ ہونے کی بھی گنجائش ہے اور غیر منسوخ ہونے کی بھی گنجائش ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی علت کی وجہ سے تین دن کے بعد قربانیوں کے گوشت کو رکھنے سے منع فرمایا اور جب وہ علت مرتفع ہوگئی تو پھر لوگوں کو تین دن کے بعد بھی قربانیوں کا گوشت رکھنے کی رخصت دے دی گئی، کیونکہ جس سال منع فرمایا تھا، اس سال لوگوں کو گوشت کی سخت ضرورت تھی اور گوشت کے حصول میں ان کو مشقت ہوتی تھی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۳۶۔ ۲۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۶۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قربانی کے تین دن بعد قربانی کا گوشت کھانے اور رکھنے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے، ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ تین دن کے بعد قربانی کا گوشت رکھنا حرام ہے، اور ان کا استدلال حضرت علی رضی اللہ عنہ، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور دوسرے فقہاء نے ان کی مخالفت کی ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ قربانی کے تین دن بعد تک قربانی کا گوشت کھانے اور رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور یہی جمہور کا موقف ہے اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے اور انہوں نے کہا کہ اباحت کی احادیث ممانعت کی احادیث کے لیے ناسخ ہیں، یہ امام طحاوی کا قول ہے۔ (شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۱۸۷)

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس مسئلہ میں کوئی ناسخ ہے اور نہ کوئی منسوخ ہے، اور اس کی تفسیر حدیث میں ہے، کیونکہ مسلمانوں میں گوشت کی ضرورت اور اس کے حصول میں مشقت کی وجہ سے پہلے تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کو کھانے اور رکھنے سے منع فرمایا تھا، اور جب مسلمانوں کی ضرورت اور مشقت ختم ہوگئی تو یہ حکم ساقط ہوگیا، اور جب یہ معنی ثابت ہے تو جب کسی دور میں امام یہ دیکھے کہ اب مسلمانوں کو گوشت کے حصول میں مشقت ہوتی ہے اور ان کو گوشت کی ضرورت ہے تو وہ تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کو رکھنے اور کھانے کی ممانعت کرسکتا ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول وجوب کے لیے نہیں ہے لیکن انہوں نے ارادہ کیا کہ ضرورت مندوں کو کھلایا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہے اور نہ اس کی ممانعت تحریم کے لیے ہے۔ اور امام اور عالم کے لیے یہ جائز ہے کہ ایسے حالات کے اندر تین دن سے زیادہ قربانی کے گوشت کو کھانے اور رکھنے سے منع کر دے۔

اسرائیل نے از ابی اسحاق از عابس بن ربیعہ روایت کی ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا:

اے ام المومنین! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کے رکھنے کو حرام قرار دیتے تھے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: نہیں! لیکن کم لوگ قربانی کرتے تھے، تو آپ نے اس لیے ان کو تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کو رکھنے اور کھانے سے منع فرمایا تا کہ جس نے قربانی کی ہے، وہ ان کو کھلائے جس نے قربانی نہیں کی۔ اور ہم نے دیکھا کہ ہمارے پاس بکری کا پایہ تین دن بعد لایا جاتا اور ہم اس کو کھاتے۔ (شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۱۸۸)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عبد الوارث نے از علی بن زید روایت کی ہے، انہوں نے کہا: مجھے النابغہ نے حدیث بیان کی از مخارق بن سلیم از والد خود از حضرت علی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں نے تم کو تین دن کے بعد قربانیوں کے گوشت کو ذخیرہ کرنے سے منع کیا تھا، سو اب تم قربانیوں کے گوشت کو ذخیرہ کر لیا کرو، جب تک تم چاہو۔

(شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۱۸۵)

اور یہ حدیث اس حدیث کے معارض ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے مکان میں محصور تھے، آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے قربانیوں کے گوشت کو تین دن کے بعد نہ کھاؤ، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس کا حکم دیتے تھے۔ (شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۱۸۴)

سو یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کے رکھنے کو مباح فرمایا، اور پھر بعد میں اس سے منع فرمادیا حتیٰ کہ ان احادیث کے معانی متفق ہو جائیں اور ان میں تضاد نہ رہے۔

اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر شدت اور گوشت کی کمی کی وجہ سے تین دن کے بعد قربانی کا گوشت رکھنے سے منع فرمایا تھا، اور جب یہ ضرورت مرتفع ہوگئی تو آپ نے تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کو رکھنے کی اجازت دے دی، جیسا کہ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے جس شخص نے قربانی کی ہے، وہ تین دن کے بعد اس حال میں صبح نہ کرے کہ اس کے گھر میں قربانی کا خشک گوشت ہو، پھر جب دوسرا سال آیا تو صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا ہم اس سال بھی اس طرح کریں جس طرح پہلے کیا تھا، تو آپ نے فرمایا: تم کھاؤ، لوگوں کو کھلاؤ اور ذخیرہ کرو، کیونکہ اس سال لوگوں کو مشقت آئی ہوئی تھی تو میں نے ارادہ کیا کہ تم لوگوں کی اس مشقت میں اور گوشت کی کمی اور ضرورت میں ان کی مدد کرو''۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا منع فرمانا کسی عارضی علت کی وجہ سے تھا اور جب وہ علت اٹھ گئی تو پھر آپ نے ان کے لیے تین دن کے بعد گوشت رکھنے کو حلال فرمادیا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو فرمایا تھا اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ تین دن کے بعد گوشت نہ رکھیں، حالانکہ ان کو علم تھا کہ شارع علیہ السلام نے تین دن کے بعد گوشت رکھنے کو مباح قرار دے دیا ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے زمانہ میں بھی گوشت کی تنگی تھی، تو انہوں نے اسی طرح کیا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنگی کے زمانہ میں گوشت رکھنے سے منع فرمایا تھا۔

اور فقہاء احناف، امام مالک، امام شافعی اور جمہور امت نے کہا ہے کہ قربانی کے تین دن بعد قربانی کے گوشت کو رکھنا مباح ہے، اور علامہ ابن التین کی عبارت یہ ہے کہ اس ممانعت کی علت میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ ممانعت تحریم کے لیے تھی

بعد میں اس کو مباح کر کے ممانعت کو منسوخ کر دیا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ممانعت کراہت کے لیے تھی اور اس کے منسوخ یا غیر منسوخ ہونے کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ کسی علت اور سبب کی وجہ سے تین دن کے بعد گوشت رکھنے سے منع فرمایا تھا، اور جب وہ علت ختم ہو گئی تو پھر ممانعت کا حکم ختم ہو گیا، اور اس کی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ حدیث میں ہے: اس سال لوگوں پر مشقت تھی اور گوشت کی تنگی تھی۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۶۴۹۔ ۶۵۱ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۵۶۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ ضَحَّى مِنْكُمْ فَلَا يُصْبِحَنَّ بَعْدَ ثَالِثَةٍ وَبَقِيَ فِي بَيْتِهِ مِنْهُ شَيْءٌ فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ نَفْعَلُ كَمَا فَعَلْنَا عَامَ الْمَاضِي قَالَ كُلُوا وَأَطْعِمُوا وَادَّخِرُوا فَإِنَّ ذَلِكَ الْعَامَ كَانَ بِالنَّاسِ جَهْدٌ فَأَرَدْتُ أَنْ تُعِينُوا فِيهَا۔

(صحیح مسلم: ۱۹۷۴)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو عاصم نے حدیث بیان کی از یزید بن ابی عبید از حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص قربانی کرے، تو قربانی کے تیسرے دن اس حال میں صبح نہ کرے کہ اس کے گھر میں اس قربانی میں سے کوئی چیز ہو، پس جب دوسرا سال آیا تو لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا ہم اس سال بھی اس طرح کریں جس طرح گزشتہ سال کیا تھا؟ تو آپ نے فرمایا: تم (قربانی کے گوشت کو) کھاؤ، اور کھلاؤ اور ذخیرہ کرو، کیونکہ اس سال لوگوں پر مشقت تھی تو میں نے ارادہ کیا کہ تم اس مشقت میں ان کی مدد کرو۔

صحیح البخاری: ۵۵۶۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں ابو عاصم کا ذکر ہے، یہ الضحاک ہیں جن کا لقب نبیل ہے، اس میں نون پر زبر اور باء کے نیچے زیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں یزید کا ذکر ہے، یہ لفظ زیادۃ سے ماخوذ ہے اور یہ ابن ابی عبید ہیں اور یہ امام بخاری کی ثلاثیات میں سے اٹھارویں حدیث ہے۔

حدیث مذکور کی فقہ

اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کو رکھنے کی ممانعت ایک علت اور سبب کی وجہ سے تھی اور جب وہ علت مرتفع ہو گئی تو تحریم بھی مرتفع ہو گئی۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اگر تم یہ سوال کرو کہ کیا اب قربانی کے گوشت کو کھانا واجب ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے حکم دیا ہے کہ تم گوشت کو کھاؤ اور کھلاؤ۔ تو میں کہوں گا: اس کا ظاہر یہی ہے کہ حقیقت میں تین دن کے بعد گوشت کا کھانا واجب ہے، لیکن یہ

اس وقت ہوتا ہے جب وجوب سے کوئی قرینہ صارفہ یا مانعہ نہ ہو، اور وہاں پر قرینہ ہے کہ لوگوں کو پہلے گوشت کی ضرورت تھی اور گوشت کے حصول میں مشقت تھی تو اس لیے آپ نے منع فرما دیا تھا اور بعد میں آپ نے اس کو مباح فرمایا، اور اصولیین کا اس میں اختلاف ہے کہ جو حکم ممانعت کے بعد وارد ہو، آیا وہ حکم وجوب کے لیے ہے یا اباحت کے لیے ہے، اور اگر ہم تسلیم کرلیں کہ وہ حکم وجوب کے لیے حقیقۃً ہے تو یہاں پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ حکم وجوب کے لیے نہیں ہے، لہٰذا وہ اس حکم کو وجوب پر محمول کرنے سے مانع ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''میں نے ارادہ کیا کہ تم اس سال ان کی مدد کرو''، یہ اعانت سے ماخوذ ہے اور مسلم کی روایت میں ہے ''میں نے ارادہ کیا کہ تم ان میں تفتیش کرو اور جو ضرورت مند ہوں، ان میں تقسیم کرو اور ان کو کھلاؤ''۔ قاضی عیاض نے کہا ہے یعنی جو مشقت، جہد کے لفظ سے معلوم ہوتی ہے، اس مشقت کی وجہ سے ان کو کھلاؤ یا اس سال قحط کی وجہ سے ان کو کھلاؤ، کیونکہ لوگ اس سال گوشت کے ضرورت مند تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صحیح بخاری میں یہ ہے کہ میں نے ارادہ کیا تم ان کی مدد کرو، اور صحیح مسلم کی روایت یہ ہے کہ میں نے ارادہ کیا تم اس میں ان کی تفتیش کرو، اور صاحب المشارق نے کہا ہے کہ بخاری کی روایت راجح ہے، کیونکہ تفتیش کا حاصل بھی یہی ہے کہ جب معلوم ہو کہ ان میں ضرورت مند لوگ ہیں تو پھر ان کی مدد کرو اور ان کو گوشت کھلاؤ۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۷۰۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ الضَّحِيَّةُ كُنَّا نُمَلِّحُ مِنْهُ فَنَقْدَمُ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم بِالْمَدِينَةِ فَقَالَ لَا تَأْكُلُوا إِلَّا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيْسَتْ بِعَزِيمَةٍ وَلٰكِنْ أَرَادَ أَنْ يُطْعِمَ مِنْهُ وَاللهُ أَعْلَمُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے بھائی نے حدیث بیان کی از سلیمان از یحییٰ بن سعید از عمرہ بنت عبد الرحمٰن از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ ہم قربانی کے گوشت پر نمک لگا کر رکھ دیتے تھے، پھر ہم اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ میں لے جاتے تھے، تو آپ نے فرمایا: کہ تم قربانی کا گوشت صرف تین دن تک کھاؤ، اور یہ حکم آپ نے تاکید کے ساتھ نہیں دیا، لیکن آپ کا ارادہ یہ تھا کہ ہم قربانی کے گوشت میں سے لوگوں کو کھلائیں اور اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۳۸، ۵۵۷۰، ۶۶۸۷، صحیح مسلم: ۲۹۷۰، سنن نسائی: ۴۴۳۲، سنن ابن ماجہ: ۳۳۴۴، مسند احمد: ۲۴۱۶۳)

صحیح البخاری: ۵۵۷۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے کہ کتنے دنوں تک قربانی کا گوشت کھایا جائے اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا: قربانی کا گوشت تین دن تک کھاؤ اور یہ حکم آپ نے تاکید کے ساتھ نہیں دیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے: اسماعیل بن عبداللہ، یہ ابن ابی اویس ہیں، اور ابواویس کا نام عبداللہ ہے اور ان کے بھائی ابوبکر عبدالحمید ہیں۔ اور اس سند میں سلیمان کا ذکر ہے، یہ ابن بلال ہیں۔ اور یحییٰ بن سعید کا ذکر ہے اور وہ انصاری ہیں۔

صحیح بخاری کی حدیث مذکور کا سنن ترمذی کی حدیث سے تعارض اور اس کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے کہ تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت نہ کھاؤ، سو اس حدیث میں تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے کی صریح ممانعت ہے، اگر تم یہ سوال کرو کہ امام ترمذی نے از عابس بن ربیعہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قربانی کے گوشت کو کھانے سے منع فرماتے تھے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نہیں اور ان دونوں حدیثوں میں تعارض اور منافات ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ان دونوں حدیثوں میں منافات نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ترمذی کی حدیث میں تحریم کی نفی کی ہے، یعنی تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانا حرام نہیں ہے۔ اور مطلقاً ممانعت کی نفی نہیں کی ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ صحیح بخاری کی اس روایت میں مذکور ہے کہ آپ نے تاکید کے ساتھ منع نہیں فرمایا لیکن آپ کا ارادہ یہ تھا کہ ہم قربانی کے گوشت میں سے لوگوں کو کھلائیں اور آپ کی مراد یہ نہیں تھی کہ تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کے کھانے کو ترک کرنا واجب ہے بلکہ آپ کی غرض یہ تھی کہ اس گوشت کو لوگوں پر صرف کیا جائے۔

تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کے کھانے کی ممانعت کی متعدد توجیہات

ایک قوم نے کہا کہ تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کو کھانے کی ممانعت منسوخ ہو گئی ہے، اور اس میں یہ ثبوت ہے کہ ایک سنت نے دوسری سنت کو منسوخ کر دیا ہے، اور دوسرے فقہاء نے کہا کہ تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کو کھانے کی ممانعت کراہت کے لیے تھی تحریم کے لیے نہیں تھی اور کراہت آج تک باقی ہے۔

اور دیگر فقہاء نے کہا کہ تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کو کھانے کی تحریم ایک علت اور سبب کی وجہ سے تھی، جب وہ علت اور سبب زائل ہو گیا تو حکم بھی زائل ہو گیا۔

امام مسلم حضرت عبداللہ بن واقد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین دن کے بعد قربانیوں کے گوشت کو کھانے سے منع فرمایا ہے، اس کے بعد اس حدیث میں ہے: ''میں نے تم کو جو تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کے کھانے سے منع کیا تھا، یہ الدافہ کی وجہ سے منع کیا تھا (یعنی خانہ بدوش لوگوں کے آنے کی وجہ سے منع کیا تھا)، پس تم کھاؤ، اور ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو''۔

علامہ ابن الاثیر نے کہا: الدافہ عرب کی ایک قوم ہے جو شہر میں جانے کا ارادہ کرتی تھی، آپ کا ارادہ یہ تھا کہ یہ وہ قوم ہے کہ جب وہ عید الاضحیٰ کے دن مدینہ میں آئیں تو تم قربانی کے گوشت کو ذخیرہ نہ کرو تا کہ ان آنے والوں کے اوپر قربانی کے گوشت کو صدقہ کر دو اور یہ آنے والے خانہ بدوش اس گوشت سے فائدہ اٹھائیں۔

قربانی کرنے والے پر آیا اپنی قربانی سے گوشت کھانا واجب ہے یا نہیں؟

اگر تم یہ سوال کرو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کھاؤ، کیا یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ قربانی کے گوشت کو کھانا واجب ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں جو کھانے کا حکم ہے، اس امر سے آپ نے کھانے کی اجازت دی ہے، کھانے کو واجب نہیں قرار دیا اور اس امت کے متقدمین اور متاخرین کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر قربانی کے دن کوئی شخص قربانی کے گوشت سے نہ کھائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ امر اذن اور اطلاق کے معنی میں ہے، یعنی آپ نے قربانی کے گوشت کو کھانے کی اجازت دی ہے، اس کو واجب قرار نہیں دیا ہے۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: تمام مذاہب میں اس کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ قربانی کے گوشت کا کھانا واجب نہیں ہے۔ البتہ قاضی محمد نے بعض لوگوں سے نقل کیا ہے کہ قربانی کے گوشت میں سے کھانا واجب ہے اور ابن حزم ظاہری نے کہا ہے: ہر قربانی کرنے والے پر فرض ہے کہ وہ اپنی قربانی کے گوشت سے کھائے، خواہ ایک لقمہ ہی کھائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۳۸-۲۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۷۱- حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو عُبَيْدٍ مَوْلَى ابْنِ أَزْهَرَ أَنَّهُ شَهِدَ الْعِيدَ يَوْمَ الْأَضْحَى مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی الله عنه فَصَلَّى قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَدْ نَهَاكُمْ عَنْ صِيَامِ هَذَيْنِ الْعِيدَيْنِ أَمَّا أَحَدُهُمَا فَيَوْمُ فِطْرِكُمْ مِنْ صِيَامِكُمْ وَأَمَّا الْآخَرُ فَيَوْمٌ تَأْكُلُونَ مِنْ نُسُكِكُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حبان بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے یونس نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ابوعبید مولیٰ ابن ازہر نے خبر دی کہ وہ عید الاضحیٰ کے دن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی، پھر لوگوں کو خطبہ دیا، پس فرمایا: اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو ان دو عیدوں کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے، رہا ان میں سے ایک دن، تو وہ تمہارے روزوں سے افطار کا دن ہے، رہا دوسرا دن تو یہ وہ دن ہے جس دن میں تم اپنی قربانیوں سے کھاتے ہو۔

(صحیح البخاری: ۱۹۹۰، ۵۵۷۱، صحیح مسلم: ۱۱۳۷، سنن ترمذی: ۷۷۱، سنن ابوداؤد: ۲۴۱۶، سنن ابن ماجہ: ۱۷۲۲، مسند احمد: ۲۸۴، موطا امام مالک: ۴۳۱)

عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں روزہ رکھنے سے ممانعت کی حکمت

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت ہے، کیونکہ اس دن اللہ کی طرف سے بندوں کو گوشت کھانے کی دعوت دی جاتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی بندوں پر نعمت ہے اور اس دن روزہ رکھنا اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری ہے۔

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنا حرام ہے، اس میں یہ ہدایت ہے کہ بندہ کو اللہ کے احکام کا پابند ہونا ہے، وہ اللہ کے حکم کے مطابق کھانا کھائے اور اللہ کے حکم کے مطابق کھانا چھوڑ دے، رمضان کے مہینہ میں اس کو دن میں کھانا چھوڑنے کا حکم دیا، اور عید کے دن کھانا کھانے کا حکم دیا، وہ رمضان کے مہینہ میں دن میں کھانا کھا نہیں سکتا اور عید کے دن کھانا چھوڑ نہیں سکتا، وہ اپنی مرضی

سے کسی دن کھانا کھا سکتا ہے نہ کھانا چھوڑ سکتا ہے اور یہی اس کے بندہ ہونے اور مملوک ہونے کا تقاضا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن کوئی چیز کھا کر عید گاہ جاتے تھے اور عید الاضحیٰ کے دن بغیر کچھ کھائے عید گاہ جاتے تھے اور قربانی کر کے اس کے گوشت سے کچھ کھاتے تھے، کیونکہ عید الفطر کے دن کھانے کا حکم ہے، اس لیے پہلے کچھ کھاتے، پھر نمازِ عید کے لیے جاتے اور عید الاضحیٰ کے دن قربانی کرنے کا حکم ہے، اس لیے نمازِ عید کے بعد پہلے قربانی کرتے، پھر اس کے گوشت سے کچھ کھاتے، اور ہر عید کے دن اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کو مقدم رکھتے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۵۷۲۔ قَالَ أَبُو عُبَيْدٍ ثُمَّ شَهِدْتُ الْعِيدَ مَعَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ فَكَانَ ذٰلِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَصَلَّى قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ هٰذَا يَوْمٌ قَدِ اجْتَمَعَ لَكُمْ فِيهِ عِيدَانِ فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَنْتَظِرَ الْجُمُعَةَ مِنْ أَهْلِ الْعَوَالِي فَلْيَنْتَظِرْ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَرْجِعَ فَقَدْ أَذِنْتُ لَهُ۔ (صحیح مسلم:۱۲۶۹)

ابو عبید نے کہا: پھر میں عید کے دن حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوا اور اس دن جمعہ کا دن تھا، تو انہوں نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا اور پھر فرمایا: اے لوگو! بے شک اس دن تمہارے لیے دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں، پس دیہات سے آنے والوں میں سے جو شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ جمعہ کا انتظار کرے تو وہ جمعہ کا انتظار کرے اور جو واپس دیہات میں جانا چاہتا ہو تو میں اس کی اجازت دیتا ہوں۔

صحیح البخاری: ۵۵۷۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "قال ابو عبید": یہ تعلیق حدیث سابق کے ساتھ اسی سند سے موصول ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ابو عبید نے کہا "پھر میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوا اور وہ جمعہ کا دن تھا"۔

علامہ عینی نے لکھا ہے: اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ وہ کونسی عید کا دن تھا؟ بعض شارحین نے کہا ہے کہ ظاہر ہے کہ یہ عید الاضحیٰ کا دن تھا جس کا اس سے پہلے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ذکر ہے۔ اور اس حدیث میں "العید" میں لام عہدِ خارجی کے لیے ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اے لوگو! اس دن میں تمہارے لیے دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں" یعنی جمعہ کی عید اور عید کے دن کی عید، خواہ وہ عید الاضحیٰ ہو یا عید الفطر۔ اور جمعہ کے دن کو عید اس لیے فرمایا کہ جمعہ کا دن وہ زمانہ ہے جس میں مسلمان شریعت کے شعائر کے اظہار کے لیے کثرت کے ساتھ آتے ہیں جس طرح عید کے دن آتے ہیں۔ اور اس حدیث میں جمعہ کے دن پر عید کا اطلاق تشبیہ کی وجہ سے ہے۔

اس حدیث میں "اھل العوالی" کا ذکر ہے، "العوالی" العالیہ کی جمع ہے اور یہ وہ بستیاں ہیں جو مدینہ کے قریب مشرق کی جانب تھیں اور قریب ترین بستی مدینہ کے تین یا چار میل کے فاصلہ پر تھی اور بعید ترین بستی آٹھ میل کے فاصلہ پر تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے: "حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ پڑھنا چاہتا ہو، وہ انتظار کرے" یعنی جب جمعہ کا وقت

آجائے تو پھر جمعہ کی نماز مدینہ میں پڑھ لے، اور اگر واپس اپنے گھر جانا چاہتا ہو تو میں اسے گھر واپس جانے کی اجازت دیتا ہوں۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ جب عید جمعہ کے دن ہو تو جو شخص عید کی نماز پڑھ لے، اس سے جمعہ کی نماز ساقط ہو جاتی ہے اور امام مالک کا بھی ایک قول یہی ہے۔

اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ لوگ مختلف مقامات سے عید اور جمعہ کے لیے آتے تھے، اور ان کے اوپر آنا واجب نہیں تھا، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر دی کہ تم اگر واپس جانا چاہو تو جا سکتے ہو، آپ کی مراد یہ نہیں تھی کہ جب عید جمعہ کے دن ہو تو جو عید کی نماز پڑھ لے، اس سے جمعہ ساقط ہو جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۳۹۔ ۲۴۰، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

جمعہ کا دن بھی مسلمانوں کی عید ہے

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ مسلمانوں کی صرف دو عیدیں ہیں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ، اور انہوں نے کہا کہ اب مسلمانوں نے بارہ ربیع الاول کو بھی عید میلاد النبی کہنا شروع کر دیا ہے، یہ خلافِ شرع ہے، عیدیں تو سال میں صرف دو ہوتی ہیں: عید الفطر اور عید الاضحیٰ، لیکن ان کا یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں تصریح ہے کہ جمعہ کا دن بھی مسلمانوں کی عید ہے اور سال میں تقریباً ۵۲ مرتبہ جمعہ کا دن آتا ہے، تو یہ کہنا کس طرح صحیح ہوگا کہ مسلمانوں کی سال میں صرف دو عیدیں ہیں؟، جبکہ جمعہ کا دن بھی مسلمانوں کی عید ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

دیہات میں جمعہ کی نماز کے نہ ہونے کی دلیل

نمازِ جمعہ کے لیے شہر کا ہونا شرط ہے، اور گاؤں اور دیہات میں جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے بلکہ وہاں کے لوگوں پر ظہر کی نماز پڑھنا فرض ہے اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیہات سے آنے والے لوگوں سے فرمایا: کہ اگر تم جمعہ پڑھنا چاہتے ہو تو یہاں مدینہ میں انتظار کرو حتیٰ کہ جب جمعہ کا وقت آئے تو جمعہ کی نماز پڑھ لینا، اور اگر تم اپنے گھروں میں واپس جانا چاہتے ہو، تو میں تمہیں واپس جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ یہ نہیں فرمایا کہ تم دیہات میں جمعہ پڑھ لینا بلکہ فرمایا: اگر جمعہ پڑھنا چاہتے ہو تو یہیں ٹھہرو اور انتظار کرو۔ (سعیدی غفرلہ)

جمعہ کی نماز کی فرضیت کے لیے شہر ہونے پر دلیل اور شہر کا مصداق

ہم نے کہا ہے کہ نمازِ جمعہ کی فرضیت کے لیے شہر کا ہونا شرط ہے، اس کے ثبوت میں درج ذیل حدیث ہے:

عن ابی اسحاق عن الحارث عن علی قال لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع۔	از ابو اسحاق از الحارث از حضرت علی رضی اللہ عنہ، انہوں نے فرمایا کہ نمازِ جمعہ اور تکبیراتِ تشریق صرف اس شہر میں فرض ہے جو جامع ہو۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۱۶۷، رقم الحدیث: ۵۱۸۹)

اور شہر کی مختار تعریف یہ ہے: جس جگہ مسائل شرعیہ بیان کرنے کے لیے عالمِ دین ہو اور مظلوم کا حق ظالم سے دلوانے کے لیے قوتِ نافذہ ہو، یعنی وہاں پر عدالت بھی ہو اور تھانہ بھی ہو۔ عدالت میں جج فیصلہ دے گا اور پولیس اس کے فیصلہ کو نافذ کرائے گی۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہاں پر ضروریات زندگی کی چیزیں منڈیوں اور بازاروں میں دستیاب ہوں، تو جس جگہ یہ تین شرطیں

پائی جائیں وہ جگہ شہر کہلائے گی اور وہاں نماز جمعہ فرض ہوگی۔ اور آج کل جو ہمارے ملک کے دیہات اور گاؤں وغیرہ ہیں، چونکہ ان میں یہ شرائط نہیں پائی جاتیں، لہٰذا وہاں کے لوگوں پر جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے بلکہ ان پر ظہر کی نماز پڑھنا فرض ہے اور جماعت سے پڑھنا واجب ہے، اور جن لوگوں نے وہاں پر جمعہ شروع کرادیا ہے، وہ ایک نفلی عبادت ہے، وہ نفل ادا کر رہے ہیں اور فرض اور واجب (یعنی ظہر کی نماز باجماعت) کو ترک کر رہے ہیں اور اس کا گناہ ان کے ذمہ ہوگا۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۵۷۳۔ قَالَ أَبُو عُبَيْدٍ ثُمَّ شَهِدْتُهُ مَعَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ فَصَلَّى قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَاكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا لُحُومَ نُسُكِكُمْ فَوْقَ ثَلَاثٍ وَعَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ نَحْوَهُ۔ (صحیح مسلم: ۱۹۶۹، سنن نسائی: ۴۴۲۴)

ابوعبید نے کہا: پھر میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ (عید کی نماز میں) حاضر ہوا، تو انہوں نے خطبہ سے پہلے نماز عید پڑھائی، پھر لوگوں کو خطبہ دیا، پھر فرمایا کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے تمہاری قربانیوں کا گوشت تین دن کے بعد کھانے سے منع فرمایا ہے۔ از معمر از الزہری از ابوعبید، اسی کی مثل ہے۔

صحیح البخاری: ۵۵۷۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''پھر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوا'' یعنی میں عید کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوا، اور اس سے مراد عید الاضحیٰ ہے، کیونکہ سیاق کی اس پر دلالت ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام عبدالرزاق نے از معمر از الزہری از ابوعبید روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا، آپ عید الاضحیٰ کے دن فرما رہے تھے کہ تم تین دن کے بعد قربانیوں کا گوشت نہ کھاؤ۔

علامہ قرطبی مالکی نے کہا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ تین دنوں میں سے کون سے دن گوشت کا ذخیرہ کرنا جائز تھا، پس ایک قول یہ ہے کہ یہ یوم النحر کا پہلا دن تھا، پس جس نے قربانی کی اس کے لیے جائز تھا کہ وہ بعد کے دو دن بھی گوشت کو رکھ لے، اور جس نے پہلے دن کے بعد قربانی کی تو اس کے لیے باقی تین دن قربانی کا گوشت رکھنا جائز تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ پہلا دن وہ ہے جس دن قربانی کی جاتی ہے، پس اگر اس نے ایامِ نحر کے آخری دن قربانی کی تو اس کے لیے جائز تھا کہ وہ باقی کے تین دن قربانی کا گوشت رکھ لے اور اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت نہ رکھے، اس میں یہ احتمال ہے کہ جس دن اس نے قربانی کی ہے، اس دن کا شمار نہ کرے۔

تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کو رکھنے کی اجازت کے متعلق احادیث

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کا جواب یہ ہے کہ جس سال حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیا تھا، اس سال لوگوں کے لیے گوشت کی کمی تھی جیسا کہ نبی ﷺ کے عہد میں واقع ہوا تھا، ابن حزم ظاہری نے بھی یہی جواب دیا ہے۔ انہوں نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں اس وقت خطبہ دیا جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور دیہات والوں کو فتنے نے مدینہ آنے کی

طرف مجبور کر دیا تھا تو ان کو مشقت اور تنگی ہوئی، اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا، اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ امام طحاوی نے از اللیث از عقیل از الزہری اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس کی عبارت یہ ہے کہ: ابوعبید نے کہا: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ عید کی نماز پڑھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے مکان میں محصور تھے۔

اور امام محمد بن ادریس الشافعی نے کہا ہے کہ تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کو رکھنے کی ممانعت منسوخ ہو چکی تھی، اور شاید حضرت علی رضی اللہ عنہ تک یہ منسوخ ہونے کا حکم نہیں پہنچا تھا۔ اور قربانی کے گوشت کو تین دن کے بعد رکھنے کی ممانعت ہر حال میں منسوخ ہو چکی ہے۔

اور حافظ ابوعمر ابن عبد البر مالکی نے کہا ہے: علماء کا اس کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اب تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کو رکھنے کی اجازت ہے اور اس کی ممانعت منسوخ ہو چکی ہے۔

امام طحاوی نے کہا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کو رکھنے کی ممانعت منسوخ ہو چکی ہے، ان میں سے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ امام ابن ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو قربانی کے گوشت کو تین دن سے زیادہ رکھنے سے منع کیا تھا، سو اب تم اس کا ذخیرہ کرو جب تک چاہو۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارتِ قبور سے منع کیا تھا۔ الحدیث۔ اور اس کے آخر میں ہے: میں نے تم کو قربانیوں کے گوشت کو تین دن کے بعد رکھنے سے منع کیا تھا، اب تم جب تک چاہو، اس کو رکھ سکتے ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۴۰۔ ۲۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۷۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ أَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم كُلُوا مِنَ الْأَضَاحِيِّ ثَلَاثًا وَكَانَ عَبْدُ اللهِ يَأْكُلُ بِالزَّيْتِ حِينَ يَنْفِرُ مِنْ مِنًى مِنْ أَجْلِ لُحُومِ الْهَدْيِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبد الرحیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن ابراہیم بن سعد نے خبر دی از ابن شہاب کے بھتیجے از، ان کے چچا ابن شہاب از سالم از حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم تین دن تک قربانیوں کو کھاؤ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما منیٰ سے روانگی کے وقت (روٹی) زیتون کے تیل سے کھاتے تھے، کیونکہ وہ ہدی کے گوشت سے تین دن کے بعد اجتناب کرتے تھے۔

اس حدیث کی تخریج مذکور نہیں ہے۔

صحیح البخاری: ۵۵۷۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ''محمد بن عبد الرحیم'' یہ ابو یحییٰ ہیں جن کو صاعقہ کہا جاتا تھا، اور امام بخاری ان سے روایت میں منفرد ہیں۔ اور ابن شہاب کے بھتیجے محمد بن عبد اللہ بن مسلم ہیں جو اپنے چچا ابن شہاب محمد بن مسلم اور الزہری سے روایت کرتے ہیں از سالم بن عبد اللہ از والد خود حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ زیتون کا تیل کھاتے تھے'' یعنی روٹی کو زیتون کے تیل سے کھاتے تھے حتیٰ کہ منیٰ سے واپس ہو جاتے اور اس طرح وہ ہدی کے گوشت کے کھانے سے احتراز کرتے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ ہدی قربانی سے خاص ہے اور خاص کی نفی سے عام کی نفی نہیں ہوتی، اس لیے ہدی سے احتراز کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ قربانی کے گوشت سے احتراز کرتے تھے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہدی کا ذکر یہاں پر منیٰ سے روانگی کے وقت کی مناسبت سے ذکر کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تین دن کے بعد قربانی کے گوشت سے نہیں کھاتے تھے اور جب منیٰ روانگی کے بعد تین دن گزر جاتے تو سالن کی جگہ زیتون کے تیل کو استعمال کرتے اور تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کھانے کی ممانعت کے حکم کی وجہ سے منیٰ سے واپسی کے بعد قربانی کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔

امام شافعی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ اس ممانعت کے منسوخ ہونے کی حدیث نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچی تھی اور نہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو پہنچی تھی اور نہ حضرت عبد اللہ بن واقد رضی اللہ عنہ کو پہنچی تھی، اگر ان حضرات کو یہ حدیث پہنچتی تو یہ تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے سے احتراز نہ کرتے اور ممانعت کی حدیث ہر حال میں منسوخ ہو چکی ہے۔ واللہ اعلم

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۴۴، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: کتاب الاضاحی میں چوالیس (۴۴) احادیث مرفوعہ ہیں، جن میں سے پندرہ (۱۵) تعلیقات ہیں اور بقیہ احادیث موصولہ ہیں۔ اور انتالیس (۳۹) احادیث مقررہ ہیں اور خالص احادیث پانچ (۵) ہیں۔

قربانی کے متعلق صدر الشریعہ علامہ امجد علی کی تحقیق

صدر الشریعہ بدر الطریقہ علامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۶۷ھ تحریر فرماتے ہیں:

حدیث ۱: ابو داؤد، ترمذی و ابن ماجہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے راوی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''یوم النحر (دسویں ذوالحجہ) میں ابن آدم کا کوئی عمل خدا کے نزدیک خون بہانے (قربانی کرنے) سے زیادہ پیارا نہیں اور وہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگ اور بال اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے قبل خدا کے نزدیک مقام قبول میں پہنچ جاتا ہے، لہٰذا اس کو خوش دلی سے کرو''۔ (جامع الترمذی، کتاب الاضاحی، باب ما جاء فی فضل الاضحیۃ، الحدیث: ۱۴۹۸، ج ۳ ص ۱۶۲)

حدیث ۲: طبرانی حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے راوی کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ''جس نے خوش دلی سے طالب ثواب

ہوکر قربانی کی وہ آتش جہنم سے حجاب (روک) ہوجائے گی''۔ (المعجم الکبیر، الحدیث: ۲۷۳۶، ج ۳ ص ۸۴)

حدیث ۳: طبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو روپیہ عید کے دن قربانی میں خرچ کیا گیا اس سے زیادہ کوئی روپیہ پیارا نہیں''۔ (المعجم الکبیر، الحدیث: ۱۰۸۹۴، ج ۱۱ ص ۱۴۔۱۵)

حدیث ۴: ابن ماجہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس میں وسعت ہو اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے''۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، باب الاضاحی واجبۃ ھی ام لا، الحدیث: ۳۱۲۳ ج ۳ ص ۵۲۹)

حدیث ۵: ابن ماجہ نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ فرمایا کہ ''تمہارے باپ (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے'' لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہمارے لیے اس میں کیا ثواب ہے، فرمایا: ''ہر بال کے مقابل نیکی ہے''، عرض کی اون کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: ''اون کے ہر بال کے بدلے میں نیکی ہے''۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، باب ثواب الاضحیۃ، الحدیث: ۳۱۲۷ ج ۳ ص ۵۳۱)

حدیث ۶: صحیح بخاری میں حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے مروی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے پہلے جو کام آج ہم کریں گے وہ یہ ہے کہ نماز پڑھیں، پھر اس کے بعد قربانی کریں گے جس نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت (طریقہ) کو پالیا، اور جس نے پہلے ذبح کرلیا، وہ گوشت ہے جو اس نے پہلے سے اپنے گھر والوں کے لیے تیار کرلیا، قربانی سے اسے کچھ تعلق نہیں''۔ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور یہ پہلے ہی ذبح کر چکے تھے (اس خیال سے کہ پڑوس کے لوگ غریب تھے انہوں نے چاہا کہ ان کو گوشت مل جائے) اور عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم!) میرے پاس بکری کا چھ ماہ کا ایک بچہ ہے، فرمایا: ''تم اسے ذبح کرلو اور تمہارے سوا کسی کے لیے چھ ماہ کا بچہ کفایت نہیں کرے گا۔ (صحیح البخاری، کتاب الاضاحی، باب سنۃ الاضحیۃ، الحدیث: ۵۵۴۵، ج ۳ ص ۵۷۱)

حدیث ۷: امام احمد وغیرہ حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''آج کے دن جو کام ہم کو پہلے کرنا ہے وہ نماز ہے، اس کے بعد قربانی کرنا ہے، جس نے ایسا کیا وہ ہماری سنت کو پہنچا اور جس نے پہلے ذبح کر ڈالا، وہ گوشت ہے جو اس نے اپنے گھر والوں کے لیے پہلے ہی سے کرلیا، نسک یعنی قربانی سے اس کو کچھ تعلق نہیں۔

(المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الکوفیین، حدیث البراء بن عازب، الحدیث: ۱۸۷۱۵، ج ۶ ص ۴۴۴، وغیرہ)

حدیث ۸: امام مسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ''سینگ والا مینڈھا لایا جائے جو سیاہی میں چلتا ہو اور سیاہی میں بیٹھتا ہو اور سیاہی میں نظر کرتا ہو یعنی اس کے پاؤں سیاہ ہوں اور پیٹ سیاہ ہو اور آنکھیں سیاہ ہوں، وہ قربانی کے لیے حاضر کیا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عائشہ چھری لاؤ، پھر فرمایا: اسے تیز کرلو، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری لی اور مینڈھے کو لٹایا اور اسے ذبح کیا، پھر فرمایا:

بسم اللہ اللھم تقبل من محمد وال محمد و من امۃ محمد۔ الٰہی تو اس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اور ان کی آل اور امت کی طرف سے قبول فرما۔

(صحیح مسلم، کتاب الاضاحی باب استحباب استحسان الضحیۃ، الحدیث: ۱۹ (۱۹۶۷) ص ۱۰۸۷)

حدیث ۹: امام احمد وابوداؤد وابن ماجہ ودارمی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح کے دن دو

مینڈھے سینگ والے چت کبرے خصی کیے ہوئے ذبح کیے، جب ان کا منہ قبلہ کو کیا یہ پڑھا:

انی وجهت وجهی للذی فطر السموت والارض علی ملة ابراهیم حنیفا وما انا من المشرکین، ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العلمین لا شریک له وبذالک امرت وانا من المسلمین، اللهم منک ولک عن محمد وامته بسم الله والله اکبر

میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان اور زمین بنائے ملت ابراہیمی پر ایک اسی کا ہو کر، اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔ بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ (عزوجل) کے لئے ہے جو رب (ہے) سارے جہان کا، اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں مسلمانوں میں ہوں، الہٰی یہ تیری توفیق سے ہے اور تیرے لیے ہی ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی امت کی طرف سے بسم اللہ واللہ اکبر۔

اس کو پڑھ کر ذبح فرمایا''۔ (سنن ابی داؤد کتاب الضحایا، باب ما یستحب من الضحایا، الحدیث: ۲۷۹۵، ج ۳ ص ۱۲۶)

اور ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عرض کیا کہ ''الہٰی یہ میری طرف سے ہے اور میری امت میں اس کی طرف سے ہے جس نے قربانی نہیں کی''۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب فی الشاۃ یضحی بھا عن جماعۃ، الحدیث: ۲۸۱۰، ج ۳ ص ۱۳۱)

حدیث ۱۰: امام بخاری و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے چت کبرے سینگ والوں کی قربانی کی، انہیں اپنے دست مبارک سے ذبح کیا اور بسم اللہ واللہ اکبر کہا، کہتے ہیں: میں نے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھا کہ اپنا پاؤں ان کے پہلوؤں پر رکھا اور بسم اللہ واللہ اکبر کہا''۔

(صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب استحباب استحسان الضحیۃ، الحدیث: ۱۷(۱۹۶۶)، ۱۸(۱۹۶۶) ص ۱۰۸۶)

حدیث ۱۱: ترمذی میں حنش سے مروی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ دو مینڈھے کی قربانی کرتے ہیں، میں نے کہا: یہ کیا، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی کہ میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے قربانی کروں، لہٰذا میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ (جامع الترمذی، کتاب الاضاحی، باب ماجاء فی الاضحیۃ، الحدیث: ۱۵۰۰، ج ۳ ص ۱۶۳)

حدیث ۱۲: ابوداؤد و نسائی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے یوم اضحیٰ کا حکم دیا گیا، اس دن کو خدا نے اس امت کے لیے عید بنایا، ایک شخص نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ بتائیے اگر میرے پاس منیحہ (منیحہ اس جانور کو کہتے ہیں جو دوسرے نے اس لیے دیا ہے کہ یہ کچھ دنوں اس کے دودھ وغیرہ سے فائدہ اٹھائے، پھر مالک کو واپس کردے) کے سوا کوئی جانور نہ ہو تو کیا اسی کی قربانی کردوں، فرمایا: ''نہیں۔ ہاں تم اپنے بال اور ناخن ترشواؤ اور مونچھیں ترشواؤ اور موئے زیر ناف کو مونڈو، اسی میں تمہاری قربانی خدا کے نزدیک پوری ہوجائے گی''، یعنی جس کو قربانی کی توفیق نہ ہوا سے ان چیزوں کے کرنے سے قربانی کا ثواب حاصل ہوجائے گا۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب ماجاء فی ایجاب الاضاحی، الحدیث: ۲۷۸۹، ج ۳ ص ۱۲۳)

حدیث ۱۳: مسلم و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے راوی کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ''جس نے ذی الحجہ کا چاند دیکھ لیا اور اس کا ارادہ قربانی کرنے کا ہے تو جب تک قربانی نہ کرلے بال اور ناخنوں سے نہ لے یعنی نہ ترشوائے''۔

(جامع ترمذی، کتاب الاضاحی، باب ترک اخذ الشعر لمن اراد ان یضحی، الحدیث: ۱۵۲۸، ج ۳ ص ۱۷۷)

حدیث:۱۴: طبرانی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قربانی میں گائے سات کی طرف سے اور اونٹ سات کی طرف سے ہے''۔ (المعجم الکبیر، الحدیث: ۱۰۰۲۶، ج ۱۰ ص ۸۳)

حدیث ۱۵: ابوداؤد ونسائی وابن ماجہ مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بھیڑ کا جذع (چھ مہینے کا بچہ) سال بھر والی بکری کے قائم مقام ہے''۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب مایجوز من السنن فی الضحایا، الحدیث: ۲۷۹۹، ج ۳ ص ۱۲۷)

حدیث ۱۶: امام احمد نے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''افضل قربانی وہ ہے جو باعتبار قیمت اعلیٰ ہو اور خوب فربہ ہو''۔ (المسند، للامام احمد بن حنبل، الحدیث: ۱۵۴۹۴، ج ۵ ص ۲۷۹)

حدیث ۱۷: طبرانی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رات میں قربانی کرنے سے منع فرمایا۔
(المعجم الکبیر، الحدیث: ۱۱۴۵۸، ج ۱۱ ص ۱۵۲)

حدیث ۱۸: امام احمد وغیرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چار قسم کے جانور قربانی کے لیے درست نہیں، کانا جس کا کانا پن ظاہر ہے اور بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو اور لنگڑا جس کا لنگ ظاہر ہے اور ایسا لاغر جس کی ہڈیوں میں مغز نہ ہو''۔ اسی کی مثل امام مالک واحمد وترمذی وابوداؤد ونسائی وابن ماجہ ودارمی براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے راوی۔
(المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الکوفیین، الحدیث: ۱۸۵۳۵، ج ۶ ص ۴۰۷)

حدیث ۱۹: امام احمد وابن ماجہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کان کٹے ہوئے اور سینگ ٹوٹے ہوئے کی قربانی سے منع فرمایا۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، باب ما یکرہ ان یضحی بہ، الحدیث: ۳۱۴۵، ج ۳ ص ۵۴۰)

حدیث ۲۰: ترمذی وابوداؤد ونسائی ودارمی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ہم جانوروں کے کان اور آنکھیں غور سے دیکھ لیں اور اس کی قربانی نہ کریں جس کے کان کا اگلا حصہ کٹا ہو اور نہ اس کی جس کے کان کا پچھلا حصہ کٹا ہو نہ اس کی جس کا کان پھٹا ہو یا کان میں سوراخ ہو''۔ (جامع الترمذی، کتاب الاضاحی، باب ما یکرہ من الاضاحی، الحدیث: ۱۵۰۳، ج ۳ ص ۱۶۵)

حدیث ۲۱: امام بخاری حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں نحر وذبح فرماتے تھے۔
(صحیح البخاری، کتاب الاضاحی، باب الاضحی والنحر بالمصلی، الحدیث: ۵۵۵۲، ج ۳ ص ۵۷۳)

مسائل فقہیہ:

قربانی کئی قسم کی ہے: (۱) غنی اور فقیر دونوں پر واجب، (۲) فقیر پر واجب ہو غنی پر واجب نہ ہو، (۳) غنی پر واجب ہو فقیر پر واجب نہ ہو، (۴) اور دونوں پر واجب ہو، اس کی صورت یہ ہے کہ قربانی کی منت مانی، یہ کہا کہ اللہ (عزوجل) کے لیے مجھ پر بکری یا گائے کی قربانی کرنا ہے یا اس بکری یا اس گائے کو قربانی کرنا ہے۔ فقیر پر واجب ہو غنی پر نہ ہو، اس کی صورت یہ ہے کہ فقیر نے قربانی کے لیے جانور خریدا اس پر اس جانور کی قربانی واجب ہے اور غنی اگر خریدتا تو اس خریدنے سے قربانی اس پر واجب نہ ہوتی۔ غنی پر واجب ہو فقیر پر واجب نہ ہو، اس کی صورت یہ ہے کہ قربانی کا وجوب نہ خریدنے سے ہو نہ منت ماننے سے بلکہ خدا نے جو اسے زندہ رکھا ہے اس کے شکریہ میں اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت کے احیاء میں (یعنی سنت ابراہیمی کو قائم رکھنے کے لیے) جو قربانی واجب ہے، وہ صرف غنی پر ہے۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الاضحیۃ، الباب الاول فی تفسیر ھا، الخ ج ۵ ص ۲۹۱۔۲۹۲)

مسئلہ ا: مسافر پر قربانی واجب نہیں، اگر مسافر نے قربانی کی یہ تطوع (نفل) ہے اور فقیر نے اگر نہ منت مانی ہو نہ قربانی کی نیت سے جانور خریدا ہو اس کا قربانی کرنا بھی تطوع ہے۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الاضحیۃ، الباب الاول فی تفسیر ھا، ج ۵ ص ۲۹۱)

مسئلہ ۲: قربانی واجب ہونے کے شرائط یہ ہیں: (۱) اسلام، یعنی غیر مسلم پر قربانی واجب نہیں۔ (۲) اقامت، یعنی مقیم ہونا، مسافر پر واجب نہیں، (۳) تونگری، یعنی مالک نصاب ہونا: یہاں مالداری سے مراد وہی ہے جس سے صدقہ فطر واجب ہوتا ہے، وہ مراد نہیں جس سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، (۴) حریت، یعنی آزاد ہونا جو آزاد نہ ہو اس پر قربانی واجب نہیں کہ غلام کے پاس مال ہی نہیں، لہٰذا عبادت مالیہ اس پر واجب نہیں۔ مرد ہونا اس کے لیے شرط نہیں۔ عورتوں پر واجب ہوتی ہے جس طرح مردوں پر واجب ہوتی ہے، اس کے لیے بلوغ شرط ہے یا نہیں، اس میں اختلاف ہے اور نابالغ پر واجب ہے تو آیا خود اس کے مال سے قربانی کی جائے گی یا اس کا باپ اپنے مال سے قربانی کرے گا۔ ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ نہ خود نابالغ پر واجب ہے اور نہ اس کی طرف سے اس کے باپ پر واجب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (الدر المختار، کتاب الاضحیۃ، ج ۹ ص ۵۲۴)

مسئلہ ۳: مسافر پر اگر چہ واجب نہیں مگر نفل کے طور پر کرے تو کر سکتا ہے ثواب پائے گا۔ حج کرنے والے جو مسافر ہوں ان پر قربانی واجب نہیں اور مقیم ہوں تو واجب ہے جیسے کہ مکہ کے رہنے والے حج کریں تو چونکہ یہ مسافر نہیں ان پر واجب ہوگی۔

(الدر المختار و رد المحتار، کتاب الاضحیۃ ج ۹ ص ۵۲۴)

مسئلہ ۴: قربانی واجب ہونے کا سبب وقت ہے، جب وہ وقت آیا اور شرائط وجوب پائے گئے قربانی واجب ہوگئی اور اس کا رکن ان مخصوص جانوروں میں کسی کو قربانی کی نیت سے ذبح کرنا ہے۔ قربانی کی نیت سے دوسرے جانور مثلاً مرغ کو ذبح کرنا ناجائز ہے۔

(الدر المختار، کتاب الاضحیۃ، ج ۹ ص ۵۲۰)

مسئلہ ۵: جو شخص دوسو درہم یا بیس دینار کا مالک ہو یا حاجت کے سوا کسی ایسی چیز کا مالک ہو جس کی قیمت دوسو درہم ہو وہ غنی ہے اس پر قربانی واجب ہے۔ حاجت سے مراد رہنے کا مکان اور خانہ داری کے سامان جن کی حاجت ہو اور سواری کا جانور اور خادم اور پہننے کے کپڑے ان کے سوا جو چیزیں ہوں وہ حاجت سے زائد ہیں۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الاضحیۃ، الباب الاول فی تفسیر ھا ج ۵ ص ۲۹۲)

مسئلہ ۶: عورت کا مہر شوہر کے ذمہ باقی ہے اور شوہر مالدار ہے تو اس مہر کی وجہ سے عورت کو مالک نصاب نہیں مانا جائے گا، اگر چہ مہر معجل ہو اور اگر عورت کے پاس اس کے سوا بقدر نصاب مال نہیں ہے تو عورت پر قربانی واجب نہیں ہوگی۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الاضحیۃ، الباب الاول فی تفسیر ھا ج ۵ ص ۲۹۲)

مسئلہ ۷: قربانی کے وقت میں قربانی کرنا ہی لازم ہے کوئی دوسری چیز اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتی، مثلاً بجائے قربانی اس نے بکری یا اس کی قیمت صدقہ کردی یہ ناکافی ہے، اس میں نیابت ہو سکتی ہے یعنی خود کرنا ضرور نہیں بلکہ دوسرے کو اجازت دے دی اس نے کردی یہ ہو سکتا ہے۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الاضحیۃ، الباب الاول فی تفسیر ھا، ج ۵ ص ۲۹۳، ۲۹۴)

مسئلہ ۸: جب قربانی کے شرائط مذکورہ پائے جائیں تو بکری کا ذبح کرنا یا اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ واجب ہے۔ ساتویں حصہ سے کم نہیں ہو سکتا بلکہ اونٹ یا گائے کے شرکاء میں اگر کسی شریک کا ساتویں حصہ سے کم ہے تو کسی کی قربانی نہیں ہوئی یعنی جس کا ساتواں حصہ یا اس سے زیادہ ہے اس کی بھی قربانی نہیں ہوئی۔ گائے یا اونٹ میں ساتویں حصہ سے زیادہ کی قربانی ہو سکتی ہے، مثلاً گائے کو چھ

یا پانچ یا چار شخصوں کی طرف سے قربانی کریں، ہوسکتا ہے اور یہ ضرور نہیں کہ سب شرکاء کے حصے برابر ہوں بلکہ کم و بیش بھی ہو سکتے ہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ جس کا حصہ کم ہے تو ساتویں حصہ سے کم نہ ہو۔ (الدر المختار و ردالمحتار، کتاب الاضحیۃ، ج۹ ص ۵۲۱۔۵۲۵)

مسئلہ ۹: سات شخصوں نے پانچ گایوں کی قربانی کی یہ جائز ہے کہ ہر گائے میں ہر شخص کا ساتواں حصہ ہوا اور آٹھ شخصوں نے پانچ یا چھ گایوں میں بحصہ مساوی شرکت کی یہ ناجائز ہے کہ ہر گائے میں ہر ایک کا ساتویں حصہ سے کم ہے۔ سات بکریوں کی سات شخصوں نے شریک ہوکر قربانی کی یعنی ہر ایک کا ہر بکری میں ساتواں حصہ ہے استحساناً قربانی ہوجائے گی یعنی ہر ایک کی ایک ایک بکری پوری قرار دی جائے گی۔ یوہیں دو شخصوں نے دو بکریوں میں شرکت کر کے قربانی کی تو بطور استحسان ہر ایک کی قربانی ہوجائے گی۔

(ردالمحتار، کتاب الاضحیۃ، ج۹ ص ۵۲۵)

مسئلہ ۱۰: شرکت میں گائے کی قربانی ہوئی تو ضرور ہے کہ گوشت وزن کر کے تقسیم کیا جائے اندازہ سے تقسیم نہ ہو، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کسی کو زائد یا کم ملے اور یہ ناجائز ہے، یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ کم و بیش ہوگا تو ہر ایک اس کو دوسرے کے لیے جائز کردے گا کہہ دے گا کہ اگر کسی کو زائد پہنچ گیا ہے تو معاف کیا کہ یہاں عدم جواز حق شرع ہے اور ان کو اس کے معاف کرنے کا حق نہیں۔

(الدر المختار و ردالمحتار، کتاب الاضحیۃ، ج۹ ص ۵۲۷)

مسئلہ ۱۱: قربانی کا وقت دسویں ذی الحجہ کے طلوع صبح صادق سے بارہویں کے غروب آفتاب تک ہے یعنی تین دن، دو راتیں اور ان دنوں کو ایام نحر کہتے ہیں اور گیارہ سے تیرہ تک تین دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں، لہٰذا بیچ کے دو دن ایام نحر و ایام تشریق دونوں ہیں اور پہلا دن یعنی دسویں ذی الحجہ صرف یوم النحر ہے اور پچھلا دن یعنی تیرہویں ذی الحجہ صرف یوم التشریق ہے۔

(الدر المختار، کتاب الاضحیۃ، ج۹ ص ۵۲۰، ۵۲۷، ۵۲۹)

مسئلہ ۱۲: دسویں کے بعد کی دونوں راتیں ایام نحر میں داخل ہیں، ان میں بھی قربانی ہوسکتی ہے مگر رات میں ذبح کرنا مکروہ ہے۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الاضحیۃ، الباب الثالث فی وقت الاضحیۃ، ج۵ ص ۲۹۵)

مسئلہ ۱۳: ایام نحر میں قربانی کرنا اتنی قیمت کے صدقہ کرنے سے افضل ہے کیونکہ قربانی واجب ہے یا سنت اور صدقہ کرنا تطوع محض (یعنی نفلی عبادت) ہے، لہٰذا قربانی افضل ہوئی، اور وجوب کی صورت میں بغیر قربانی کیے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا، (یعنی واجب ادا نہیں ہوسکتا) (الفتاوی الہندیہ، کتاب الاضحیۃ، الباب الثالث فی وقت الاضحیۃ، ج۵ ص ۲۹۵)

مسئلہ ۱۴: شہر میں قربانی کی جائے تو شرط یہ ہے کہ نماز ہوچکے، لہٰذا نماز عید سے پہلے شہر میں قربانی نہیں ہوسکتی اور دیہات میں چونکہ نماز عید نہیں ہے یہاں طلوع فجر کے بعد سے ہی قربانی ہوسکتی ہے اور دیہات میں بہتر یہ ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد قربانی کی جائے اور شہر میں بہتر یہ ہے کہ عید کا خطبہ ہوچکنے کے بعد قربانی کی جائے۔ یعنی نماز ہوچکی ہے اور ابھی خطبہ نہیں ہوا ہے، اس صورت میں قربانی ہوجائے گی مگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الاضحیۃ، الباب الثالث فی وقت الاضحیۃ، ج۵ ص ۲۹۵)

مسئلہ ۱۵: اگر شہر میں متعدد جگہ عید کی نماز ہوتی ہو تو پہلی جگہ نماز ہوچکنے کے بعد قربانی جائز ہے یعنی یہ ضرور نہیں کہ عیدگاہ میں نماز ہوجائے جب ہی قربانی کی جائے بلکہ کسی مسجد میں ہوگئی اور عیدگاہ میں نہ ہوئی جب بھی ہوسکتی ہے۔

(الدر المختار و ردالمحتار، کتاب الاضحیۃ، ج۹ ص ۵۲۷، ۵۲۸)

مسئلہ ۱۶: دسویں کو اگر عید کی نماز نہیں ہوئی تو قربانی کے لیے یہ ضرور ہے کہ وقت نماز جاتا رہے یعنی زوال کا وقت آجائے اب قربانی ہوسکتی ہے اور دوسرے یا تیسرے دن نماز عید سے قبل ہوسکتی ہے۔ (الدر المختار، کتاب الاضحیۃ ج۹ ص ۵۳۰)۔

مسئلہ ۱۷: منیٰ میں چونکہ عید کی نماز نہیں ہوتی، لہٰذا وہاں جو قربانی کرنا چاہے طلوع فجر کے بعد سے کرسکتا ہے، اس کے لیے وہی حکم ہے جو دیہات کا ہے، کسی شہر میں اگر فتنہ کی وجہ سے نماز عید نہ ہو تو وہاں دسویں کی طلوع فجر کے بعد قربانی ہوسکتی ہے۔

(الدر المختار ورد المحتار، کتاب الاضحیۃ، ج۹ ص ۵۲۸، ۵۳۰)

(بہارِ شریعت جلد سوم، حصہ پانزدہم، ص ۳۳۷۔۳۳۷، مکتبۃ المدینہ، دعوتِ اسلامی، ۱۴۳۲ھ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

٧٤۔ كِتَابُ الْأَشْرِبَةِ

مشروبات کا بیان

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس کتاب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مشروبات میں سے کون سے مشروب کا پینا حرام ہے اور کون سے مشروب کا پینا مباح ہے.

اور اشربہ، شراب کی جمع ہے اور شراب اس چیز کا نام ہے جس کو پیا جاتا ہے اور یہ مصدر نہیں ہے۔

(عمدة القاری ج ۲۱ ص ۲۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ (المائدہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں، شیطانی کاموں سے ہیں، سو تم ان سے اجتناب کرو تاکہ تم کامیاب ہو O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کا عنوان المائدہ: ۹۰ کو قرار دیا ہے، اور اس آیت کو امام بخاری نے بہ طور تمہید کے ذکر کیا ہے تاکہ ان احادیث کا بیان کیا جا سکے جو خمر کی تحریم کے سلسلہ میں وارد ہیں۔

المائدہ: ۹۰ کا شان نزول

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ از ابی میسرہ از حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ جب خمر کی تحریم کا حکم نازل ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی: اے اللہ! تو خمر کے حکم کے متعلق بیانِ شافی نازل فرما دے، تو سورۂ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ۔ (البقرہ: ۲۱۹)

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے۔

تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا اور ان پر یہ آیت پڑھی گئی تو انہوں نے پھر دعا کی: اے اللہ! ہمارے لیے خمر کے حکم کے متعلق بیانِ شافی نازل فرما، پس یہ آیت نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى۔ (النساء: ۴۳)

اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔

تب رسول اللہ ﷺ کا منادی جب نماز کے لیے کھڑا ہوا تو اس نے یہ اعلان کیا کہ جو شخص نشہ میں ہو، وہ نماز کے قریب نہ جائے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اس آیت کو پڑھا گیا، تو انہوں نے دعا کی: اے اللہ! خمر کے حکم کے متعلق بیان شافی نازل فرما، تو سورہ مائدہ: ۹۰ نازل ہوگئی اور یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر پڑھی گئی۔ اور جب المائدہ: ۹۱ پڑھی گئی:

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ (المائدہ)

شیطان صرف یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کردے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز آنے والے ہو ○

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: انتھینا، انتھینا، یعنی ہم باز آ گئے، ہم باز آ گئے۔

اسی طرح اس حدیث کی امام ابو داؤد، امام ترمذی اور امام نسائی نے از اسرائیل از ابی اسحاق روایت کی، اور امام ترمذی اور علی بن المدینی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

''خمر'' کا معنی

ارباب لغت نے خمر کے اسم کے اشتقاق میں مختلف اقوال ذکر کئے ہیں جو قریبۃ المعانی ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ خمر کو خمر اس لئے کہا جاتا ہے کہ خمر عقل کو ڈھانپ لیتی ہے اور چھپا دیتی ہے، جس طرح عورت کے دوپٹے کو خمار کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ بھی عورت کے سر کو چھپا دیتا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ الخمر ''المخامرۃ'' سے ماخوذ ہے، اور مخامرۃ کا معنی ہے ''مخالطۃ''، یعنی کسی چیز کو خلط ملط کرنا اور خمر بھی عقل کو خلط ملط کر دیتی ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ خمر کو خمیر اس لیے کہتے ہیں کہ اگر خمر کو کچھ دیر چھوڑ دیا جائے تو اس میں خمیر آ جاتا ہے، جس طرح گوندھے ہوئے آٹے کو کچھ دیر چھوڑ دیا جائے تو اس میں خمیر آ جاتا ہے اور اس کا معنی لوگوں کے نزدیک معروف ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ خمر کو خمر اس لئے کہتے ہیں کہ خمر دماغ کو ڈھانپ دیتی ہے، یعنی نشہ کی حالت میں انسان کا دماغ صحیح کام نہیں کرتا۔

''مَیْسِر'' کا معنی

مَیْسِر کا معنی قمار ہے یعنی جوا، اور عطاء، مجاہد اور طاؤس سے مروی ہے کہ قمار میں سے ہر چیز میسر ہے حتیٰ کہ بچوں کا اخروٹ کے ساتھ کھیلنا بھی میسر ہے۔ اور راشد بن سعید اور حمزہ بن حبیب نے کہا ہے حتیٰ کہ چوسر کی گوٹ اور اخروٹ اور انڈوں کے ساتھ جو بچے کھیلتے ہیں وہ بھی میسر ہے۔

اور علامہ الزمخشری نے کہا ہے کہ مَیْسِر کا معنی قمار ہے، یہ یُسر سے بنا ہے اور اس کا معنی ہے کسی چیز کا آسانی سے حاصل ہونا اور جب کوئی آدمی جوا کھیلتا ہے تو وہ جوئے کے ذریعہ دوسرے کا مال آسانی سے حاصل کر لیتا ہے، اس لئے جوئے کو مَیْسِر کہا جاتا ہے۔

''الانصاب'' کا معنی

انصاب، نُصب کی جمع ہے (نون پر پیش اور صاد ساکن ہے)، اور یہ ایک پتھر ہے جس کو زمانۂ جاہلیت میں نصب کرتے تھے اور اس کو بت بنا لیتے تھے اور اس کی عبادت کرتے تھے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس پتھر کو نصب کرتے اور اس کے اوپر جانوروں کو بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ذبح کرتے اور یہ نُصب خون سے سرخ ہو جاتا تھا۔

''الازلام'' کا معنی

ازلام، زلم کی جمع ہے (اس میں زاء پر زبر ہے) یہ ان تین تیروں کو کہتے ہیں جن میں سے ایک پر لکھا ہوتا ہے: مجھے میرے رب نے حکم دیا اور دوسرے پر لکھا ہوتا ہے: مجھے میرے رب نے منع کیا، اور تیسرا تیر معطل ہوتا ہے اور اس پر کچھ لکھا ہوا نہیں ہوتا۔ تو جب فال کے ذریعہ وہ تیر نکلتا جس پر لکھا ہوتا ہے: مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے تو وہ اس کام کو کرتا ہے، اور جب فال کے ذریعہ وہ تیر نکلتا جس پر لکھا ہوتا کہ میرے رب نے مجھے منع کیا تو وہ اس کام کو ترک کر دیتا، اور اگر فال کے ذریعہ سادہ تیر نکلتا جس پر کچھ لکھا ہوا نہ ہوتا، تو پھر وہ دوبارہ فال نکالتا۔

خمر کے متعلق فرمایا کہ وہ رِجس ہے یعنی نجس اور ناپاک ہے، مراد یہ ہے کہ خمر حرام ہے کیونکہ حرام چیز کے اوپر بھی رجس کا اطلاق آیا ہے جیسے مردار اور خون پر اور رِجس کا اطلاق اللہ عزوجل کی کتاب میں کُفر پر بھی آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَى رِجْسِهِمْ (التوبہ: ۱۲۵)　تو اس سورت نے ان کی (سابق) نجاست پر ایک اور نجاست کا اضافہ کر دیا (یعنی ان کے کفر پر ایک اور کفر کا اضافہ کر دیا)۔

اور اس آیت میں جو خمر پر رِجس کا اطلاق کیا گیا ہے، اس سے کفر کو مراد لینا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ کوئی معین چیز ایمان یا کفر نہیں ہوتی، کیونکہ ایمان اور کفر تو کسی بندے کے اعتقاد اور قول سے ہوتا ہے، یعنی بندہ اگر کفر کا اعتقاد رکھے گا تو وہ کافر ہوگا اور ایمان کا اعتقاد رکھے گا تو وہ مومن ہوگا، تو کفر اور ایمان کا تعلق اعتقاد اور قول سے ہے، کسی معین چیز کے ساتھ نہیں ہے۔ اور اس آیت میں جو خمر پر اطلاق کیا گیا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی تحریم بہت زیادہ قوی ہے۔ اور کتاب التفسیر میں اس کی زیادہ تفصیل کی گئی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۴۲۔ ۲۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ کتاب التفسیر میں المائدہ: ۹۰ کے متعلق اس طرح لکھا ہوا ہے:

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وَالْأَزْلَامُ (المائدہ: ۹۰) اس سے مراد وہ تیر ہیں جن سے وہ اپنے کاموں میں قسمت کا حال معلوم کرتے تھے، ''النصب'' اس سے مراد وہ نصب شدہ پتھر ہیں جن پر وہ (بتوں کا قرب حاصل کرنے کے لیے) اپنے جانوروں کو ذبح کرتے تھے، دوسروں نے کہا: ''الزلم'' کا معنی ایسا تیر ہے جس کا پر نہیں ہوتا: یہ ''ازلام'' کا واحد ہے اور ''الاستقسام'' کا معنی ہے: تیر کو گھمایا جائے اگر وہ تیر اس کو کسی کام سے منع کرے تو رک جائے اور اگر وہ اس کو کسی کام کا حکم دے تو اس کو کرے اور انہوں نے تیروں پر مختلف قسم کی نشانیاں بنا رکھی تھیں اور وہ ان نشانیوں سے قسمت کا حال معلوم کرتے تھے اور اس سے ''فَعَلت'' کے معنی میں ''قسمت'' ہے اور ''القسوم'' مصدر ہے۔

۵۵۷۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ　امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ

عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ لَمْ يَتُبْ مِنْهَا حُرِمَهَا فِي الْآخِرَةِ۔

بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از نافع از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے دنیا میں خمر کو پیا، پھر اس نے اس سے توبہ نہیں کی تو وہ آخرت میں خمر سے محروم ہوگا۔

(صحیح مسلم: ۲۰۰۳، سنن ترمذی: ۱۸۶۱، سنن نسائی: ۵۶۷۳، سنن ابن ماجہ: ۳۳۷۳، مسند احمد: ۴۶۷۶، موطا امام مالک: ۱۵۹۷، سنن دارمی: ۲۰۹۰)

صحیح البخاری: ۵۵۷۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان شراب نوشی سے توبہ نہ کرے، وہ آخرت میں شراب نہیں پیئے گا۔

اس میں یہ بیان ہے کہ جنت میں بھی خمر ہوگی جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے:

وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ۔ (محمد: ۱۵) اور اس میں ایسی شراب کے دریا ہیں جو پینے والوں کے لیے خوش ذائقہ ہیں۔

پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ معصیت اور گناہ کی وجہ سے انسان جنت سے محروم تو نہیں ہوتا، اس کا جواب یہ ہے کہ جو مسلمان دنیا میں خمر پئے گا، وہ جنت میں داخل تو ہوگا، لیکن جنت کے دریا سے خمر کو نہیں پئے گا، پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ جنت میں تو انسان کی ہر خواہش پوری کی جائے گی، اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں خمر پینے والا جنت میں خمر کی خواہش کو بھول جائے گا، اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر چہ اس کو خمر کی خواہش یاد ہوگی لیکن وہ اس کی خواہش نہیں کرے گا۔

اس کی تحقیق کہ جو شخص دنیا میں خمر کو پئے گا، آیا وہ آخرت میں خمر سے محروم ہوگا یا نہیں؟

علامہ قرطبی نے کہا ہے: ظاہر حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں خمر کو پئے گا، اس پر آخرت میں دائماً خمر حرام ہو جائے گی، پس اگر وہ جنت میں داخل ہوگا تو وہ جنت میں خمر کے سوا باقی تمام مشروبات کو پئے گا، اس کے باوجود اس کو وہاں خمر کے نہ پینے سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی اور نہ وہ خمر پینے والوں کے اوپر حسد کرے گا اور اس کا حال ایسے ہوگا جیسے جنت میں بعض مسلمان بلند درجات میں ہوں گے اور بعض مسلمان کم درجات میں ہوں گے، اور جو مسلمان کم درجات میں ہوں گے، وہ بلند درجات کی خواہش نہیں کریں گے اور یہ ان کے لیے سزا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ۝ (الحجر) اور ان کے دلوں میں جو رنجشیں ہوں گی ہم ان سب کو نکال لیں گے، (وہ) ایک دوسرے کے بھائی ہو کر مسند نشین ہوں گے ۝

اور اس سوال کا ایک یہ جواب دیا گیا ہے کہ جس نے دنیا میں خمر کو پیا، اس کو دوزخ کا عذاب دیا جائے گا اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت یا رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا تو پھر اس کو خمر سے

محروم نہیں کیا جائے گا۔

اور ریشم کے پہننے اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کے متعلق بھی ہم اسی طرح تفصیل کرتے ہیں۔

حافظ ابوعمر ابن عبدالبر مالکی نے بیان کیا ہے کہ بعض متقدمین نے کہا ہے کہ جس نے دنیا میں خمر کو پیا پھر اس سے توبہ نہیں کی تو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا اور یہ مذہب ہمارے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے، سوا اس کے کہ یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام وعیدات کا نافذ ہونا قطعی ہے، اور ہمارے نزدیک اس کا محمل یہ ہے کہ وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا، سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے جب کہ وہ بغیر توبہ کئے مرجائے جیسا کہ باقی کبیرہ گناہوں کا حکم ہے۔

اسی طرح ان کا قول ہے کہ وہ آخرت میں خمر کو نہیں پیے گا، اس کا معنی ہمارے نزدیک یہ ہے کہ سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے اور اس کو جنت میں داخل کردے تو پھر وہ جنت میں خمر کو پیے گا اور ہمارے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر محمول ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس کی مغفرت فرمادے گا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس کو عذاب دے گا، پس اگر اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گناہ کی وجہ سے عذاب دے گا تو اپنی رحمت کے سبب سے اس کو جنت میں داخل کردے گا اور اس کو خمر سے جنت میں محروم نہیں کرے گا اگر اللہ عزوجل چاہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۴۳۔ ۲۴۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۷۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أُتِيَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ بِإِيلِيَاءَ بِقَدَحَيْنِ مِنْ خَمْرٍ وَلَبَنٍ فَنَظَرَ إِلَيْهِمَا ثُمَّ أَخَذَ اللَّبَنَ فَقَالَ جِبْرِيلُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَاكَ لِلْفِطْرَةِ وَلَوْ أَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ أُمَّتُكَ تَابَعَهُ مَعْمَرٌ وَابْنُ الْهَادِ وَعُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ وَالزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ۔

(صحیح بخاری: ۳۳۹۴، ۳۴۳۷، ۴۷۰۹، ۵۵۷۶، ۵۶۰۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب نے خبر دی، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس میں معراج کرائی گئی، تو آپ کے پاس دو پیالے لائے گئے، ایک پیالے میں خمر تھی اور دوسرے میں دودھ تھا، آپ نے دونوں پیالوں کی طرف دیکھا، پھر دودھ والے پیالے کو لے لیا، تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: اللہ کے لیے تمام تعریفیں ہیں جس نے آپ کو فطرت کی ہدایت دی، اور اگر آپ خمر کا پیالہ لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہوجاتی۔

شعیب کی متابعت معمر اور ابن الہاد اور عثمان بن عمر اور زبیدی نے کی ہے از الزہری۔

صحیح البخاری: ۵۵۷۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے باب کا عنوان ہے''مشروبات کا بیان''اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ''اگر آپ خمر کا پیالہ لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی''۔اس سے معلوم ہوا کہ مشروبات میں سے خمر حرام اور ناجائز ہے،کیونکہ اس کا پینا گمراہی کا سبب ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے''ابوالیمان''یمان میں یاء پر زبر ہے اور یہ الحکم بن نافع الحمصی ہیں اور اس میں شعیب کا ذکر ہے،یہ ابن ابی حمزہ الحمصی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں''ایلیاء''کا ذکر ہے(اس میں ہمزہ کے نیچے زیر ہے اور یاء ساکن ہے اور آخر میں یاء پر مد ہے)،یہ بیت المقدس کے شہر کا نام ہے،اور اس کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس شہر میں یہ پیالے پیش کیے گئے،اس پر اعتراض یہ ہے کہ تین پیالے پیش کئے گئے تھے،ایک پیالے میں شہد تھا اور دوسرے پیالے میں خمر تھی اور تیسرے پیالے میں دودھ تھا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ایلیاء میں تو دو پیالے پیش کیے گئے تھے اور جب آپ کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے جایا گیا تو وہاں پر تین پیالے پیش کیے گئے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''للفطرۃ''یعنی اسلام اور استقامت کے لیے۔

اور اگر آپ خمر کو لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی،یعنی آپ کی امت شراب پینے میں منہمک ہو جاتی،لیکن اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے آپ نے دودھ کو اختیار کیا،کیونکہ وہ سہل اور طیب و طاہر ہے اور پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے اور اس کا انجام بخیر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت جبریل نے کہا:اللہ تعالیٰ ہی کے لیے حمد ہے جس نے آپ کو فطرت کی ہدایت دی،اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب کوئی نئی اور تازہ نعمت ملے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرنی چاہیے،اور جس کے حصول کی توقع ہو،اس کے حصول کی امید رکھنی چاہیے اور جس ضرر کے وقوع کا خطرہ ہو،اس سے دور رہنے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے۔

متابعات کی شرح

اس حدیث میں معمر کی متابعت کا ذکر ہے،امام بخاری نے اس کو سندِ موصول کے ساتھ احادیث الانبیاء علیہم السلام کے باب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ذکر کیا ہے؟اور اس میں ایلیاء کا ذکر نہیں ہے اور اس میں یہ مذکور ہے کہ آپ جو مشروب چاہیں پییں،تو میں نے دودھ کو لیا اور اس کو پی لیا۔

اور اس حدیث میں ابن الہاد کی تعلیق کا ذکر ہے،اس کو الکسائی نے سند موصول کے ساتھ از ابن شہاب زہری ذکر کیا ہے اور امام احمد نے اس کو ابن الہاد کی سند سے زہری سے بغیر واسطہ کے ذکر کیا ہے۔

اور اس میں عثمان بن عمر کی تعلیق کا ذکر ہے،اس کو تمام رازی نے سندِ موصول کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

رہی زبیدی کی روایت از زہری تو اس کو امام نسائی نے محمد بن حرب کی سند سے ذکر کیا ہے اور اس میں ایلیاء کا ذکر نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج۲۱ ص ۲۴۴۔۲۴۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۷۷۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ حَدِيثًا لَا يُحَدِّثُكُمْ بِهِ غَيْرِي قَالَ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَظْهَرَ الْجَهْلُ وَيَقِلَّ الْعِلْمُ وَيَظْهَرَ الزِّنَا وَتُشْرَبَ الْخَمْرُ وَيَقِلَّ الرِّجَالُ وَيَكْثُرَ النِّسَاءُ حَتَّى يَكُونَ لِخَمْسِينَ امْرَأَةً قَيِّمُهُنَّ رَجُلٌ وَاحِدٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایسی حدیث سنی ہے جو تم کو میرے سوا کوئی اور بیان نہیں کرے گا۔ آپ نے فرمایا: قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ جہل کا ظہور ہوگا اور علم کم ہوگا اور زنا کا ظہور ہوگا اور خمر پی جائے گی اور مرد کم ہوں گے اور عورتیں زیادہ ہوں گی حتیٰ کہ پچاس عورتوں کا منتظم ایک مرد ہوگا۔

(صحیح مسلم: ۲۶۷۱، سنن ترمذی: ۲۲۰۵، سنن ابن ماجہ: ۴۰۴۵، مسند احمد: ۱۲۳۹۵)

صحیح البخاری: ۵۵۷۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''مشروبات کا بیان'' اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ قربِ قیامت میں شراب (کھلم کھلا) پی جائے گی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ہشام کا ذکر ہے، وہ الدستوائی ہیں اور امام بخاری نے الدستوائی سے صرف یہی حدیث ذکر کی ہے، اور یہ حدیث کتاب العلم میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میرے علاوہ تمہیں اور کوئی یہ حدیث بیان نہیں کرے گا''۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ اس لئے کہا تھا کہ اس جگہ پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی صحابی نہیں تھا اور وہ باقی رہنے والے صحابہ میں سے آخری صحابی تھے، یا اس لئے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ ان کے علاوہ رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث کسی اور نے نہیں سنی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''من اشراط الساعۃ'' اشراط کے معنی ہیں علامات، یہ شرط کی جمع ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''اور شراب پی جائے گی'' یعنی علی الاعلان اور کھلم کھلا شراب پی جائے گی، کیونکہ شراب تو اب بھی

بعض فساق وفجار پیتے ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: ''اور مرد کم ہو جائیں گے'' اس کی وجہ یہ ہے کہ قرب قیامت میں بہ کثرت لڑائیاں ہوں گی جن میں بہت زیادہ مرد مارے جائیں گے، سو وہ کم ہو جائیں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۴۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۷۸۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَابْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولَانِ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ إِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَأَخْبَرَنِي عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَانَ يُحَدِّثُهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ثُمَّ يَقُولُ كَانَ أَبُو بَكْرٍ يُلْحِقُ مَعَهُنَّ وَلَا يَنْتَهِبُ نُهْبَةً ذَاتَ شَرَفٍ يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ أَبْصَارَهُمْ فِيهَا حِينَ يَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: میں نے ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن اور ابن المسیب سے سنا، وہ دونوں بیان کرتے تھے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت زانی زنا کرتا ہے، وہ اس وقت مومن نہیں ہوتا اور جس وقت کوئی شخص شراب پیتا ہے، اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت کوئی شخص چوری کرتا ہے، اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔

ابن شہاب نے کہا: مجھے عبد الملک بن ابی بکر بن عبد الرحمٰن بن الحارث بن ہشام نے خبر دی کہ ابو بکر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کرتے تھے، پھر کہتے تھے کہ ابو بکر اس حدیث کے ساتھ اس کو بھی لاحق کرتے تھے: اور جو شخص کسی بلند جگہ پر کھڑا ہو، اور لوگ نگاہیں بلند کر کے اس کی طرف دیکھتے ہوں اور وہ کسی شخص کو دن دہاڑے لوٹے، تو جس وقت وہ کسی آدمی کو لوٹتا ہے، تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۷۵، ۵۵۷۸، ۶۷۷۲، ۶۸۱۰، صحیح مسلم: ۵۷، سنن ترمذی: ۲۶۲۵، سنن نسائی: ۵۶۵۹، سنن ابوداؤد: ۴۶۸۹، سنن ابن ماجہ: ۳۹۳۶، مسند احمد: ۱۹۴۲۷، سنن دارمی: ۲۱۰۶)

صحیح البخاری: ۵۵۷۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''مشروبات کا بیان'' اور اس میں یہ حدیث ذکر ہے کہ جس وقت کوئی شخص خمر پیتا ہے، اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں احمد بن صالح کا ذکر ہے، یہ ابوجعفر المصری ہیں، اور ابن وہب کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن وہب المصری ہیں۔ اور یونس کا ذکر ہے، یہ ابن یزید الایلی ہیں اور ابن شہاب کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لایزنی حین یزنی" اور اس کے فاعل کا ذکر نہیں ہے، اور مراد یہ ہے کہ جب کوئی مومن زنا کرتا ہے یا جب کوئی زانی زنا کرتا ہے یا جب کوئی مرد زنا کرتا ہے، تو زنا کرتے وقت یا جس حال میں وہ زنا کرتا ہے، وہ مومن نہیں ہوتا۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: یہ حدیث شراب پینے کی وعید میں سب سے زیادہ شدید ہے، اور اس حدیث سے خوارج نے استدلال کیا ہے اور انہوں نے کہا: جو شخص گناہِ کبیرہ کا عمداً ارتکاب کرے اور اس کو اس کبیرہ کے حرام ہونے کا علم ہو، تو اس کی تکفیر کی جائے گی، اور اہلِ سنت نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا کہ وہ مومن کامل نہیں رہے گا، یعنی جس حال میں وہ شراب پی رہا ہے، اس حال میں وہ مومن کامل نہیں ہوگا: یا یہ حدیث دھمکانے اور ڈرانے اور تغلیظ کے باب سے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (آل عمران)

بیت اللہ کا حج کرنا ان لوگوں پر اللہ کا حق ہے جو اس کے راستہ کی استطاعت رکھتے ہوں اور جس نے کفر (انکار) کیا تو بے شک اللہ سارے جہانوں سے بے پرواہ ہے ○

علامہ حمد بن محمد الخطابی متوفی ۳۸۸ھ شارح بخاری نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: جس نے ان حرام کاموں کو حلال سمجھ کر کیا، وہ ان کاموں کے کرتے وقت مومن نہیں رہے گا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس طرح کی تمام احادیث کا یہی معنی ہے، ان احادیث میں سے یہ حدیث ہے:

ابن مندہ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین مرد جنت میں داخل نہیں ہوں گے، جو دائماً خمر پینے والا ہو، جو رحم کو قطع کرنے والا ہو، جو جادو کی تصدیق کرنے والا ہو۔

اور امام ابن ابی حاتم نے از حکیم بن جبیر از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کی کہ وہ دائماً شراب پینے والا تھا، تو وہ بتوں کی عبادت کرنے والے کی مثل ہے۔

اور امام ابن عدی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مرد دائماً شراب پینے والا ہو، وہ بتوں کی عبادت کرنے والے کی مثل ہے۔

یعنی یہ تمام احادیث اس پر محمول ہیں کہ جو شخص ان حرام کاموں کو حلال سمجھ کر کرتا ہو۔

امام بخاری نے اس حدیث کے آخر میں تعلیق ذکر کی ہے، جس میں ابوبکر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی جس حدیث میں زانی خمر پینے والے اور چوری کرنے والے کا ذکر ہے، اس کے ساتھ لوٹ مار کرنے والے کو بھی ملا دیا ہے، کہ جو شخص کسی بلند جگہ پر کھڑا ہوا اور وہ لوگوں کا مال قہراً اور ظلماً اور زبردستی برملا چھینے اور لوگ اس کی طرف دیکھ رہے ہوں، پس لوگ فریاد کریں اور اس سے مدافعت کرنے پر

قادر نہ ہوں، تو وہ لوٹ مار کرنے والا بھی اس حال میں مومن نہیں ہوتا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

خمر کی تحریم کے متعلق دیگر احادیث

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے خمر کو پیا اور اس کو اپنے پیٹ میں رکھ لیا، تو اس کی سات دن کی نمازیں قبول نہیں ہوں گی اور اگر ان ایام میں وہ مر گیا تو وہ کفر پر مرے گا اور اگر اس کی عقل کسی چیز کے سبب سے فرائض سے زائل ہو گئی تو اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوں گی، اور اگر ان ایام میں وہ مر گیا تو اس کی موت کفر پر ہوگی۔ (سنن ترمذی: ۱۸۶۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جس نے ریشم کو دنیا میں پہنا، اس کو آخرت میں نہیں پہنے گا، اور جس نے دنیا میں خمر کو پی لیا، وہ اس کو آخرت میں نہیں پیے گا اور جس نے سونے اور چاندی کے برتنوں میں دنیا میں پیا تو وہ آخرت میں ان برتنوں میں نہیں پیے گا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت کا لباس اور اہل جنت کا مشروب اور اہل جنت کے برتن سونے کے ہیں۔
(السنن الکبریٰ: ۶۸۶۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دائماً شراب پینے والا بتوں کی عبادت کرنے والے کی مثل ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۳۷۵، التاریخ الکبیر للبخاری ج ۱ ص ۹۹، الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۴۶۴)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے، دائماً خمر پینے والا، رحم کو قطع کرنے والا اور جادو کی تصدیق کرنے والا۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۹)

حضرت عروہ بن رویم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے میرے رب نے مجھ کو خمر کے پینے اور بتوں کی عبادت کرنے سے منع فرمایا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۴۰۵۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص دنیا سے اس حال میں جدا ہوا کہ وہ نشے میں تھا اور قبر میں اس حال میں داخل ہوا کہ وہ نشے میں تھا، اور قبر سے اس حال میں اٹھایا گیا کہ وہ نشے میں تھا تو اس کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا اور وہ نشے میں ہوگا، ایک ایسے پہاڑ کی طرف جس کا نام سکران ہے، اس میں ایک چشمہ ہے جس سے پیپ اور خون بہتا ہے اور وہ اس کا کھانا اور پینا ہوگا جب تک کہ آسمان اور زمین قائم ہیں۔ (المطالب العالیہ: ۱۸۱۴، اتحاف الخیرۃ المہرۃ: ۳۸۰۳)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی شراب پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں فرماتا اور جو شخص اس حال میں مرتا ہے کہ اس کے مثانے میں کچھ شراب ہو، اللہ تعالیٰ اس کے اوپر جنت کو حرام کر دیتا ہے اور اگر وہ ان چالیس دنوں میں مر جائے تو جاہلیت کی موت مرے گا۔
(الآحاد والمثانی: ۸۱۰، المعجم الاوسط للطبرانی: ۳۶۳، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۱۴۷)

حافظ نور الدین الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ نے لکھا ہے: اس حدیث کے تمام راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں، سوا داؤد بن صالح

التمار کے، اور امام طبرانی کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۶۸-۶۷)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۱-۱۶ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

باب مذکور کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے کتاب الاشربہ سے پہلے کتاب الاطعمہ لکھی اور ہم نے ذکر کیا کہ طعام ہر وہ چیز ہے جس کو کھایا جاتا ہے اور پیا جاتا ہے اور جس چیز کو چبانے کی ضرورت ہو، وہ طعام ہے اور جس چیز کو چبانے کی ضرورت نہ ہو وہ مشروب ہے جیسے پانی، شہد اور دودھ، اور اصل مشروبات میں یہ ہے کہ وہ حلال ہیں کیونکہ ان کے حرام ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بر سبیل عموم فرمایا ہے:

اَفَرَءَیۡتُمُ الۡمَآءَ الَّذِیۡ تَشۡرَبُوۡنَ ۞ ءَاَنۡتُمۡ اَنۡزَلۡتُمُوۡهُ مِنَ الۡمُزۡنِ اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡزِلُوۡنَ ۞ لَوۡ نَشَآءُ جَعَلۡنٰهُ اُجَاجًا فَلَوۡلَا تَشۡكُرُوۡنَ ۞ (الواقعہ)

بھلا بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو ○ کیا تم نے اس کو بادل سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرنے والے ہیں ○ اگر ہم چاہیں تو اس (پانی کو) سخت کڑوا بنا دیں تو پھر تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے ○

پس اللہ تعالیٰ نے مشروبات کو حلال قرار دیا ہے، پس کسی انسان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دلیل شرعی کے بغیر کسی چیز کو حرام کہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَا تَقُوۡلُوۡا لِمَا تَصِفُ اَلۡسِنَتُكُمُ الۡكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفۡتَرُوۡا عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ لَا يُفۡلِحُوۡنَ ۞ (النحل)

اور جن چیزوں کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں ان کے بارے میں یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تا کہ تم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھو، بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے ○

پھر امام بخاری نے اس باب کو اس آیت سے شروع کیا ہے:

اِنَّمَا الۡخَمۡرُ وَالۡمَيۡسِرُ وَالۡاَنۡصَابُ وَالۡاَزۡلَامُ رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّيۡطٰنِ فَاجۡتَنِبُوۡهُ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۞ (المائدہ)

بے شک شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں، شیطانی کاموں سے ہیں، سو تم ان سے اجتناب کرو تا کہ تم کامیاب ہو ○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کو نجس فرمایا ہے اور ان کو حرام قرار دیا ہے اور ان سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان میں سے پہلی چیز خمر ہے، خمر اس چیز کو کہتے ہیں جو عقل کو ڈھانپ لے، جیسے خمار عورت کے دوپٹے کو کہتے ہیں جو اس کے سر کو ڈھانپ لیتا ہے اور خمر کے پینے سے انسان کو ایسا نشہ آ جاتا ہے جس سے اس کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ پس نشہ عقل کو غائب کر دیتا ہے اور نشے میں انسان کو صحیح اور غلط کی تمیز نہیں رہتی اور وہ کتنے ناجائز کاموں کو جائز سمجھ کر کرتا ہے۔ اور دوسری چیز میسر ہے، میسر جوئے کو کہتے ہیں جس میں انسان کسی کھیل میں غلبہ پا کر کوئی معین رقم حاصل کرتا ہے۔ اور شریعت نے مقابلے میں غلبہ سے صرف تین چیزوں کو جائز قرار دیا ہے، نیزہ بازی، اونٹ سواری کا مقابلہ اور گھوڑے سواری کا مقابلہ۔ اور ان مقابلوں کو اس لئے جائز قرار دیا ہے کہ ان سے جہاد کی تربیت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ مقابلے کے ذریعہ کسی کھیل میں غلبہ پانا اور اس کا عوض لینا جائز نہیں

ہے۔اور تیسری چیز انصاب ہے، یہ نصب کی جمع ہے اور یہ وہ بت ہیں جن کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی جاتی ہے۔اور چوتھی چیز ازلام ہیں، ازلام، زلم کی جمع ہے اور یہ وہ تیر ہیں جن کو زمانہ جاہلیت میں عربوں نے فال کا ذریعہ بنایا تھا، وہ مختلف تیروں پر مختلف عبارات لکھ دیتے، کسی تیر پر لکھا ہوتا: سفر کرلو، کسی تیر پر لکھا ہوتا: سفر نہ کرو، جب کسی شخص نے سفر کرنا ہوتا تو وہ اس تیر سے فال نکالتا اور اگر لکھا ہوتا: سفر کرو، تو سفر کرتا اور اگر لکھا ہوتا کہ سفر نہ کرو، تو وہ سفر نہ کرتا۔سو یہ چار چیزیں ہیں جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ رِجس یعنی نجس ہیں اور عملِ شیطان ہیں۔

سوال: آیا یہ رِجس یعنی نجاست حسی ہے یا معنوی ہے؟

جواب: یہ نجاست قطعی طور پر معنوی ہے اور اس کا حسی ہونا ممکن نہیں ہے، کیونکہ جو آدمی جوا کھیلتا ہے وہ اس جوئے کا معاوضہ کسی نجس چیز کو قرار نہیں دیتا جس کو رکھنے سے کپڑے نجس ہو جائیں، اسی طرح بت بھی حسی طور پر نجس نہیں ہیں، حتیٰ کہ اگر کسی بت کے اوپر کوئی انسان گیلا ہاتھ رکھے تو اس کا ہاتھ ناپاک ہو جائے، اس طرح نہیں ہے، اسی طرح فال کے تیر بھی حسی نجاست نہیں ہیں بلکہ یہ نجاست معنوی ہے، یعنی یہ شیطان کا عمل ہے اور اس میں شیطان کی اتباع ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے ان چار چیزوں سے اجتناب کا حکم دیا ہے اور ان سے اجتناب نہ کرنا حرام ہے۔(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۹۹۔۳۰۰، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۔بَابٌ: اَلْخَمْرُ مِنَ الْعِنَبِ   خمر انگور وغیرہ سے تیار ہوتی ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ خمر انگور کا کچا شیرہ ہے جب وہ پڑے پڑے گاڑھا ہو جائے اور جھاگ چھوڑ دے، اور انگور کے علاوہ اور کسی چیز کا پانی حقیقتاً خمر نہیں ہے۔اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک انگور کا شیرہ ہو یا کھجور کا شیرہ ہو، تو کچھ دیر پڑے رہنے کے بعد جب جھاگ چھوڑ دے، وہ بھی خمر ہے، کیونکہ امام مسلم نے روایت کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خمر ان دو درختوں سے ہے، کھجور کے درخت سے اور انگور کے درخت سے۔(صحیح مسلم: ۱۹۸۵)

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ خمر کا حصر ان دو درختوں میں ہے، حالانکہ ایک حدیث میں وارد ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا: خمر کی تحریم نازل ہوئی اور یہ پانچ چیزوں سے بنتی تھی، انگوروں سے، کھجوروں سے، گندم سے، شہد سے اور جو سے، جیسا کہ عنقریب یہ حدیث آئے گی (صحیح البخاری: ۵۵۸۱)، پس جب اس طرح سے ہے تو صحیح مسلم کی جس حدیث میں مذکور ہے کہ خمر ان دو درختوں سے بنتی ہے، انگور سے اور کھجور سے تو اس میں تاویل کی جائے گی اور وہ تاویلات حسب ذیل ہیں:

(۱) صحیح مسلم کی حدیث میں جو مذکور ہے کہ خمر ان دو درختوں سے بنتی تھی، اس سے مراد یہ ہے کہ ان دو درختوں میں سے کسی ایک سے بنتی تھی جیسا کہ درج ذیل آیت میں بھی یہ تاویل ہے:

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا۔ (الانعام: ۱۳۰)

اور اے جنات اور انسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم پر میری آیات بیان کرتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟

اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جنات اور انسانوں دونوں گروہوں میں سے رسول آتے رہے ہیں، حالانکہ جنات میں سے کوئی رسول نہیں آیا، رسول صرف انسانوں میں سے آئے ہیں، تو پھر اس آیت میں یہ تاویل کی جائے گی کہ اے جنات اور انسانوں کے گروہ! کیا تم میں سے کسی ایک گروہ کے پاس رسول نہیں آئے؟ اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿﴾ (الرحمٰن) ان سمندروں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں O

اس آیت کا بھی ظاہر معنی یہ ہے کہ ان دو سمندروں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں، حالانکہ موتی اور مونگے ان دو سمندروں میں سے ایک سے نکلتے ہیں۔ تو اس آیت کی یہ تاویل ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دو سمندروں میں سے ایک سمندر سے موتی اور مونگے نکالتا ہے۔ اسی طرح صحیح مسلم کی حدیث کا محمل ہے کہ خمر ان دو درختوں میں سے ایک درخت سے بنتی ہے، یعنی کھجور اور انگور کے درختوں میں سے صرف انگور کے درخت سے خمر بنائی جاتی ہے نہ کہ کھجور سے خمر بنائی جاتی ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں جو مذکور ہے کہ خمر کی تحریم نازل ہوئی اور وہ پانچ چیزوں سے بنائی جاتی تھی، اس کا بھی محمل یہ ہے کہ وہ پانچ چیزوں میں سے ایک چیز سے بنائی جاتی تھی، یعنی صرف انگور سے۔

(۲) مراد یہ ہے کہ خمر ان دونوں درختوں سے بنتی ہے، ہر چند کہ یہ دونوں درخت مختلف ہیں لیکن مراد یہ ہے کہ خمر انگور سے بنتی ہے اور وہی حقیقۃً خمر ہے، اسی وجہ سے انگور کے کچے شیرے کو خمر کہا جاتا ہے، خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر ہو، نشہ آور ہو یا نشہ آور نہ ہو، یا مراد یہ ہے کہ کھجور کا کچا شیرہ جو نشہ آور ہو وہ خمر ہے، پس غیر نشہ آور شیرہ اس میں داخل نہیں ہوگا۔ اسی طرح انگور کے شیرہ کے علاوہ ہر جس شیرہ پر خمر کا اطلاق ہے، اس پر خمر کا اطلاق اس وقت ہوگا جب وہ شیرہ نشہ آور ہو اور یہ اطلاق بھی مجازی ہے، خمر کا حقیقی اطلاق صرف انگور کے کچے شیرہ پر ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی نے جو یہ لکھا ہے کہ انگور کا کچا شیرہ خواہ نشہ آور ہو یا نشہ آور نہ ہو، وہ حقیقۃً خمر ہے، فقہاء احناف کے نزدیک صحیح نہیں ہے، فقہاء احناف کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ انگور کا کچا شیرہ جو پڑے پڑے جھاگ چھوڑ دے اور نشہ آور ہو جائے وہ خمر ہے، اس کا ایک قطرہ پینا بھی حرام قطعی ہے اور حد کا موجب ہے خواہ اس سے نشہ نہ ہو اور انگور کا کچا شیرہ جو نشہ آور نہ ہو، جیسے انگوروں کا جوس ہوتا ہے، اس کا پینا حلال ہے اور اس کے حرام ہونے کا کوئی قائل نہیں ہے اور نہ اس کے اوپر خمر کے اطلاق کا کوئی قائل ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

نیز علامہ عینی فرماتے ہیں: اگر تم یہ سوال کرو کہ ہر وہ چیز جو نشہ آور ہو اس کے اوپر خمر کا اطلاق ہوتا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نشہ آور خمر ہے اور ہر نشہ آور حرام ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر وہ مشروب جس سے نشہ پایا جائے اسے خمر کہا جاتا ہے نہ کہ اس کے غیر کو بخلاف انگور کے گاڑھے شیرہ کے، وہ خمر ہے خواہ وہ نشہ آور ہو یا نہ ہو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خمر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ لے جیسا کہ عنقریب آئے گا، پس اس مشروب کو خمر اس وقت کہا جائے گا جب وہ عقل کو ڈھانپ لے، بخلاف انگور کے اس شیرہ کے جو گاڑھا ہو۔ یہی اس مقام کی تحقیق ہے، میں نے شراح میں سے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس مقام کی اس طرح تحقیق کی ہو بلکہ اکثر شارحین نے اس مقام سے اپنی آنکھوں کو بند کر لیا ہے۔ البتہ میں نے شرح ابن بطال میں دیکھا، انہوں نے اس باب کی شرح میں

اسی طرح لکھا ہے۔

پس اس حدیث کی توجیہ وہی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے اور یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے فیضِ الٰہی سے ہم پر کھول دی ہے، سو اللہ ہی کا شکر ہے اور اسی کا احسان ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۴۷۔۲۴۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۷۹۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ صَبَّاحٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَابِقٍ حَدَّثَنَا مَالِكٌ هُوَ ابْنُ مِغْوَلٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ لَقَدْ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ وَمَا بِالْمَدِينَةِ مِنْهَا شَيْءٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحسن بن صباح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن سابق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک نے حدیث بیان کی اور وہ ابن مغول ہیں از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، انہوں نے فرمایا: کہ بے شک خمر کو حرام کر دیا گیا ہے، اور مدینہ میں خمر میں سے کوئی چیز باقی نہیں بچی تھی۔

(صحیح البخاری: ۴۶۱۶، ۵۵۷۹ صحیح مسلم: ۳۰۳۲، سنن ترمذی: ۱۸۷۲، سنن نسائی: ۵۵۷۹)

صحیح البخاری: ۵۵۷۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حسن بن صباح کا ذکر ہے، یہ البزار الواسطی ہیں اور محمد بن سابق کا ذکر ہے، یہ شیوخِ بخاری سے ہیں۔ اور امام بخاری نے یہاں پر ان سے ایک واسطہ سے روایت کی ہے اور مالک کا ذکر ہے، وہ ابن مغول البجلی ہیں۔ امام بخاری نے جو کہا کہ وہ ابنِ مغول ہیں، یہ اس التباس کو دور کرنے کے لیے ذکر کیا ہے کہ کسی کو یہ شک ہو کہ یہ امام مالک بن انس ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ذکر ہے کہ خمر کو حرام کیا گیا اور تحریم خمر فتحِ مکہ کے سال فتحِ مکہ سے پہلے ہوئی تھی اور علامہ الدمیاطی نے وثوق سے کہا ہے کہ تحریم خمر حدیبیہ کے سال ہوئی اور حدیبیہ کا سال چھ ہجری تھا اور امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ تحریم خمر بنونضیر کے قصہ میں ہوئی ہے اور یہ قصہ غزوۂ احد کے بعد ۴ ہجری میں ہوا ہے اور اس قول پر اعتراض ہے، کیونکہ جب خمر کو حرام قرار دیا گیا تو خمر پلانے والے حضرت انس رضی اللہ عنہ تھے، اور جب انہوں نے خمر کی تحریم کو سنا تو انہوں نے سبقت کی اور خمر کو بہا دیا، تو اگر ۴ ہجری میں خمر کو حرام قرار دیا گیا ہو تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت بہت کم تھی۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ خمر کو حرام قرار دیا گیا اور مدینہ میں ان میں سے کچھ بھی باقی نہیں تھا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہاں خمر سے مراد انگور کا کچا شیرہ ہے، کیونکہ انگور کے کچے شیرہ کے علاوہ دوسرے نبیذ تو مدینہ میں اس وقت موجود تھے اور اس پر دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو اس کے بعد آئے گی، یا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جو کہا کہ اس وقت مدینہ میں خمر بالکل نہیں تھی تو یہ انہوں نے اپنے علم کے اعتبار سے کہا ہے یا نفی میں مبالغہ کا ارادہ کیا ہے جیسے کہا جاتا ہے

فلاں شخص تو "لیس بالشی " ہے یعنی کچھ بھی نہیں ہے۔

۵۵۸۰۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا أَبُو شِهَابٍ عَبْدُ رَبِّهِ بْنُ نَافِعٍ عَنْ يُونُسَ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ أَنَسٍ قَالَ حُرِّمَتْ عَلَيْنَا الْخَمْرُ حِينَ حُرِّمَتْ وَمَا نَجِدُ يَعْنِي بِالْمَدِينَةِ خَمْرَ الْأَعْنَابِ إِلَّا قَلِيلًا وَعَامَّةُ خَمْرِنَا الْبُسْرُ وَالتَّمْرُ۔

۵۵۸۰۔ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوشہاب عبدربہ بن نافع نے حدیث بیان کی از یونس از ثابت البنانی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم پر خمر حرام کی گئی جب حرام کی گئی اور ہم مدینہ میں انگوروں کی شراب بہت کم پاتے تھے اور ہماری عام شراب کچی اور پکی کھجوروں سے بنتی تھی۔

(صحیح بخاری: ۲۴۶۴، ۴۶۱۷، ۴۶۲۰، ۵۵۸۰، ۵۵۸۲، ۵۵۸۳، ۵۵۸۴، ۵۶۲۰، ۵۶۲۲، ۷۲۵۳، صحیح مسلم: ۱۹۸۰، سنن نسائی: ۵۵۴۲، سنن ابوداؤد: ۳۶۷۳، مسند احمد: ۱۲۹۶۳، موطا امام مالک: ۱۵۹۹، سنن دارمی: ۲۰۸۹)

صحیح البخاری: ۵۵۸۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے: احمد بن یونس اور وہ احمد بن عبداللہ بن یونس التمیمی الیربوعی الکوفی ہیں اور وہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوشہاب، یہ عبدربہ کی کنیت ہے، یہ ابن نافع الحناط المدائنی ہیں۔ اور یونس کا ذکر ہے، وہ ابن عبید البصری ہیں۔ اور ثابت کا ذکر ہے جو زائل کی ضد ہے، یہ ابن اسلم البصری ابو محمد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ہماری عام خمر بسر اور تمر ہوتی تھی"۔

بُسر، کھجور کے درخت کا چوتھا مرتبہ ہے، اور کھجور کے درخت کا پہلا مرتبہ طلع ہے، پھر خلال ہے، پھر بلح ہے، پھر بسر ہے۔ پھر اس کے بعد رطب ہے۔ (رطب سے مراد ہے تروتازہ اور پکی ہوئی کھجور اور بُسر سے مراد ہے کچی کھجور)۔

علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ پکی ہوئی کھجور کا پہلا مرتبہ بُسر ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ خمر تو مائع ہے یعنی بہنے والی چیز ہے، اور بُسر جامد ہے تو بُسر خمر کیسے ہوگی؟، پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ بُسر کو مجازاً خمر کہا گیا ہے، کیونکہ خمر بُسر سے بنائی جاتی ہے۔ جیسے قرآن مجید میں مجازاً ہے:

إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا (یوسف: ۳۶) میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں شراب (کے لیے انگور) نچوڑ رہا ہوں۔

حالانکہ شراب کو نہیں نچوڑا جاتا بلکہ انگوروں کو نچوڑا جاتا ہے، سو اس آیت میں ذکر شراب کا ہے اور مراد انگور ہیں اور یہ مجاز ہے۔ اسی طرح بُسر پر خمر کا اطلاق بھی مجاز ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ اس سے پہلے حدیث میں مذکور ہے کہ مدینہ میں بالکل شراب نہیں تھی، پھر کیسے کہا کہ ہماری عام خمر بسر اور تمر تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں جو مذکور ہے کہ مدینہ میں بالکل شراب نہیں تھی یعنی انگور کی شراب نہیں تھی، کیونکہ جب شراب کا مطلقاً ذکر کیا جائے تو اس سے متبادل انگور کی شراب ہوتی ہے، یا مطلق شراب انگور کی شراب پر محمول ہے۔

علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے التوضیح میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: اس حدیث میں اور اس کے بعد کی احادیث میں فقہاءِ کوفہ کا رد ہے، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ خمر صرف انگور سے بنائی جاتی ہے اور ہر وہ شراب جو انگور کے غیر سے بنائی جائے وہ حرام نہیں ہے جب کہ وہ نشہ آور نہ ہو۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ہم نے جو اس باب کے شروع میں ذکر کیا ہے، وہ ابن ملقن کے رد کے لیے کافی ہے، اس کو دوبارہ پڑھ لو۔

(علامہ عینی نے اس باب کے شروع میں یہ لکھا ہے کہ یہ باب اس بیان میں ہے کہ خمر انگور سے بنائی جاتی ہے، یعنی وہ خمر جو انگور سے حاصل ہو، اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ خمر انگور کے غیر سے بھی بنائی جاتی ہے، امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ خمر انگور کا کچا پانی ہے، اور جب وہ گاڑھا ہو جائے اور جھاگ چھوڑ دے اور انگور کے غیر سے جو مشروب حاصل ہوتا ہے، اس کو حقیقۃً خمر نہیں کہا جاتا، خلاصہ یہ ہے کہ انگور کے علاوہ جن چیزوں سے شراب بنائی جاتی ہے، ان کو مجازاً خمر کہا جاتا ہے حقیقۃً خمر اسی کو کہا جاتا ہے جو انگور کا شیرہ ہو اور رکھے رکھے جھاگ چھوڑ دے)۔

ائمہ ثلاثہ کا اس پر استدلال کہ انگور کے علاوہ دیگر چیزوں سے بھی خمر بنائی جاتی ہے اور علامہ عینی کی طرف سے اس کا جواب

اور المہلب نے بھی کہا ہے کہ کسی کے لیے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ خمر صرف انگور سے بنتی ہے، پس یہ صحابہ جو فصحاءِ عرب تھے اور اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک بہت فہم والے تھے، انہوں نے کہا کہ خمر پانچ چیزوں سے بنتی ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ خمر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ لے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صحابہ کے سامنے خطبہ دیا جن میں مہاجرین اور انصار وغیرہ سب موجود تھے اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا تو یہ گویا اجماع ہو گیا۔

علامہ عینی اس کے جواب میں لکھتے ہیں: ہر وہ شخص جو فقہاءِ احناف کے قول کی باریکیوں کو نہیں سمجھتا، وہ ان پر اسی طرح رد کرتا ہے، اور ان کا رد مردود ہے۔ اور فقہاءِ احناف کا یہ کہنا کہ خمر صرف انگور سے بنتی ہے، صحابہ کے اس قول کے منافی نہیں ہے کہ خمر صرف پانچ چیزوں سے بنتی ہے اور نہ یہ ان کی فصاحت میں مضر ہے کیونکہ انہوں نے اپنے کلام میں حقیقت اور مجاز دونوں کو استعمال کیا ہے اور یہ عین فصاحت ہے۔ (یعنی انگور سے شراب بنائی جاتی ہے یہ حقیقتاً شراب ہے اور پانچ چیزوں سے شراب بنائی جاتی ہے، یہ مجازاً شراب ہے)۔

صاحب التوضیح یعنی علامہ ابن ملقن نے کہا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے نقیع التمر کے متعلق فرمایا کہ یہ خمر ہے، اور الشعبی، ابن ابی لیلیٰ، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق اور عام محدثین نے کہا ہے کہ المسکر خمر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا ان اشیاء پر خمر کا اطلاق کرنا بہ طور حقیقت نہیں ہے، انہوں نے کہا کہ خمر کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ

عقل کو ڈھانپ لیتی ہے اور ہم بھی اس حیثیت سے کہتے ہیں اور اس کی تحقیق عنقریب گزر چکی ہے۔ اور علامہ ابن ملقن نے یہ بھی کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے کہا کہ انگور کا کچا شیرہ حرام ہے، سو جس نے اس سے ایک قطرہ بھی پی لیا اس پر حد لگائی جائے گی اور ان کے ماسوا جو شرابیں ہیں، ان کے پینے سے اسی وقت حد لگائی جائے گی جب اس سے نشہ آجائے۔ اور امام ابوحنیفہ پر رد کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ صحابہ مدینے میں الفضیخ کو پیتے تھے، اور الفضیخ وہ مشروب ہے جو کچی اور پکی کھجوروں سے بنایا جاتا ہے، پھر جب ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منادی آیا کہ خمر کو حرام کر دیا گیا ہے، تو وہ اس مشروب کے پینے سے رک گئے، اور انہوں نے اپنے مٹکوں کو توڑ دیا اور انہوں نے انکار نہیں کیا اور انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ہم تو الفضیخ پی رہے تھے، بلکہ وہ اس مشروب کو پینے سے رک گئے تو اگر ان کے نزدیک یہ مشروب خمر نہ ہوتا تو وہ اس کے پینے سے نہ رکتے، اور یہ اس کی دلیل ہے کہ کچی اور پکی کھجوروں سے بنائے ہوئے مشروب کو بھی خمر کہتے ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن ملقن نے رد کی دلیل کی تحقیق نہیں کی حتیٰ کہ امام اعظم پر رد کیا اور الفضیخ جس کو اس وقت صحابہ پی رہے تھے، وہ نشہ آور تھا اور نشہ آور مشروب کے اوپر بھی مجازاً خمر کا اطلاق ہوتا ہے، اس اعتبار سے کہ وہ بھی عقل کو ڈھانپ لیتا ہے، کیونکہ خمر کی حقیقت یہ ہے کہ وہ انگور کا کچا پانی ہے جو گاڑھا ہو جائے اور جھاگ چھوڑ دے حتیٰ کہ اس کے پینے سے حد لاگو ہوگی خواہ قلیل مقدار میں پئے اور انگور کے کچے پانی کے علاوہ ان اشیاءِ مذکورہ میں سے اسی وقت حد لاگو ہوتی جب اس کو اس مقدار میں پیا جائے جس سے نشہ آجائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۴۸-۲۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۸۱- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ أَبِي حَيَّانَ حَدَّثَنَا عَامِرٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما قَامَ عُمَرُ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ أَمَّا بَعْدُ نَزَلَ تَحْرِيمُ الْخَمْرِ وَهِيَ مِنْ خَمْسَةٍ الْعِنَبِ وَالتَّمْرِ وَالْعَسَلِ وَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از ابی حیان، انہوں نے کہا: ہمیں عامر نے حدیث بیان کی از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ممبر پر کھڑے ہوئے، پس فرمایا: اما بعد، خمر کی تحریم نازل ہوگئی اور یہ پانچ چیزوں سے بنائی جاتی ہے، انگور سے، کھجور سے، شہد سے، گندم سے اور جَو سے، اور خمر وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لے۔

(صحیح البخاری: ۴۶۱۹، ۵۵۸۱، ۵۵۸۸، ۵۵۸۹، ۷۳۳۷، صحیح مسلم: ۳۰۳۲، سنن نسائی: ۵۵۷۸، سنن ابوداؤد: ۳۶۶۹)

صحیح البخاری: ۵۵۸۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "خمر انگور وغیرہ سے تیار ہوتی ہے" اور اس حدیث میں ہے کہ خمر کی تحریم نازل ہوئی اور وہ پانچ چیزوں سے بنائی جاتی تھی۔ اس تقدیر پر اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت بالکل ظاہر ہے، لیکن بعض نسخوں میں وغیرہ کا لفظ نہیں ہے

اور صرف یہ ہے کہ خمر انگور سے تیار ہوتی ہے اور اس سے حصر مراد نہیں ہے یعنی انگور کے علاوہ دوسری چیزوں سے بھی تیار ہوتی ہے، لیکن انگور کے کچے شیرہ پر خمر کا اطلاق حقیقۃً ہوتا ہے اور کھجور اور شہد اور جَو وغیرہ سے بنائی ہوئی شراب پر خمر کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''خمر وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لے'' یہ خمر کی تعریف عرف کے اعتبار سے ہے، اور لغت کے اعتبار سے خمر اس کو کہتے ہیں جو صرف انگور کا کچا شیرہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۴۹۔ ۲۵۰، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۔ بَابُ: نَزَلَ تَحْرِيمُ الْخَمْرِ وَهِيَ مِنَ الْبُسْرِ وَالتَّمْرِ

خمر کی تحریم نازل ہوئی اور خمر کچی اور پکی کھجوروں سے بنائی جاتی تھی

اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ کھجوروں سے بنائی ہوئی شراب کو بھی خمر کہا جاتا ہے، لیکن جیسا کہ ہم پہلے وضاحت سے بیان کر چکے ہیں، یہ اطلاق مجازی ہے اور حقیقت میں انگور کے شیرہ سے بنائی ہوئی شراب کو خمر کہا جاتا ہے۔

۵۵۸۲۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ كُنْتُ أَسْقِي أَبَا عُبَيْدَةَ وَأَبَا طَلْحَةَ وَأُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ مِنْ فَضِيخِ زَهْوٍ وَتَمْرٍ فَجَاءَهُمْ آتٍ فَقَالَ إِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ قُمْ يَا أَنَسُ فَأَهْرِقْهَا فَأَهْرَقْتُهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک بن انس نے حدیث بیان کی از اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: میں حضرت ابوعبیدہ، حضرت ابوطلحہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کو کچی اور پکی کھجور سے بنی ہوئی شراب پلا رہا تھا، تو ایک آنے والا آیا اور اس نے کہا کہ بے شک خمر حرام کر دی گئی ہے، تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے انس! اٹھو اور اس شراب کو بہا دو، سو میں نے اس شراب کو بہا دیا۔

(صحیح بخاری: ۲۴۶۴، ۴۶۱۷، ۴۶۲۰، ۵۵۸۰، ۵۵۸۲، ۵۵۸۳، ۵۵۸۴، ۵۶۲۰، ۵۶۲۲، ۷۲۵۳، صحیح مسلم: ۱۹۸۰، سنن نسائی: ۵۵۴۲، سنن ابوداؤد: ۳۶۷۳، مسند احمد: ۱۲۹۶۳، موطا امام مالک: ۱۵۹۹، سنن دارمی: ۲۰۸۹)

صحیح البخاری: ۵۵۸۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت انس فضیخ زھو اور کھجوروں کی شراب پلا رہے تھے، فضیخ میں فاء پر زبر ہے اور ضاد کے نیچے زیر ہے اور آخر میں یاء ہے، ''فضیخ'' کچی کھجور کو کہتے ہیں، اور ''زھو'' کا معنی ہے: جس میں سرخی یا زرد رنگ ہو یعنی سرخ یا زرد رنگ کی پکی کھجور، ان کھجوروں کو پانی میں ڈال دیتے ہیں، پھر وہ پانی میں پڑی رہتی ہیں حتیٰ کہ اس میں جوش آ جاتا ہے اور پھر وہ پانی نشہ آور ہو جاتا ہے، یہ پکی کھجوروں کی شراب ہے اور پکی کھجوروں کی شراب کا مصداق یہ ہے کہ پکی کھجوروں کو پانی میں ڈال دیا جائے اور کچھ عرصہ وہ پانی میں پڑی رہیں حتیٰ کہ اس پانی میں جوش آ جائے، پھر وہ پانی نشہ آور ہو جاتا ہے، تو یہ پکی کھجوروں کی شراب

ہے۔ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ حقیقۃً خمر ہے جیسا کہ اس ظاہر حدیث کا معنی ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ مجازاً خمر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، یہ اسماعیل بن ابی اویس ہیں اور ان کا نام عبد اللہ ہے، یہ امام مالک بن انس کے بھانجے ہیں، اور ان کا نام ذکر بہ کثرت ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ ابن الجراح ہیں اور ان کا نام عامر ہے، یہ ان دس صحابہ میں سے ایک ہیں جن کو زندگی میں جنت کی بشارت دے دی گئی تھی۔ اور اس حدیث میں ابوطلحہ کا ذکر ہے، ان کا نام زید بن سہل الانصاری ہے، یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کے شوہر ہیں رضی اللہ عنہم۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام ام سُلیم ہے۔

اس حدیث میں صرف ان تین صحابہ کے ذکر پر اختصار کیا گیا ہے، رہے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ، تو ان کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ یہ واقعہ ان کے گھر میں پیش آیا تھا، اور رہے حضرت ابوعبیدہ تو ان کا ذکر اس لیے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بھائی بنا دیا تھا۔ اور رہے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، تو ان کا اس لیے ذکر ہے کہ وہ انصار میں بہت بڑے تھے اور انصار کے عالم تھے۔

اور المائدہ کی تفسیر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت اس طرح ہے کہ میں کھڑا ہوا شراب پلا رہا تھا حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو اور فلاں کو اور فلاں کو، اسی طرح اس میں ابہام کا ذکر ہے اور صحیح مسلم کی روایت میں نام لیا گیا ہے، اس میں مذکور ہے: ان میں سے حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بھی تھے اور چند ابواب کے بعد از ہشام از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ روایت ہے کہ میں حضرت ابوطلحہ، حضرت ابو دجانہ کو اور حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہم کو شراب پلا رہا تھا۔ اور صحیح مسلم میں از سعید از قتادہ یہ روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان کے نام لیے، ان میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر تھا۔

اور امام احمد نے از یحییٰ القطان از حمید از حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ روایت کی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں حضرت ابوعبیدہ کو اور حضرت ابی بن کعب کو اور حضرت سہیل بن بیضاء کو اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس شراب پلا رہا تھا۔ اور امام عبد الرزاق کی روایت ہے از معمر از ثابت از قتادہ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وہ لوگ گیارہ مرد تھے اور امام ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں از عیسیٰ بن طہمان روایت کی ہے کہ ان لوگوں میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے اور یہ روایت سخت منکر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ روایت غلط ہے اور امام ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے نفس کے اوپر خمر کو حرام کر دیا تھا اور انہوں نے نہ زمانہ جاہلیت میں خمر کو پیا اور نہ اسلام میں۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام ابن مردویہ کی سند جید ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے محفوظ ہے، لیکن اس کی یہ تاویل ہے کہ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے اس دن ملاقات کے لیے گئے تھے اور انہوں نے شراب نہیں پی۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے "پس ان کے پاس ایک آنے والا آیا" یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ آنے والا کون تھا۔

صحیح بخاری کی اس روایت میں مذکور ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس شراب کو انڈیل دو، اور عبد العزیز بن صہیب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ لوگوں نے کہا: اے انس! ان گھڑوں کو انڈیل دو، اس میں تطبیق اس

طرح ہے کہ خطاب تو حضرت انس سے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہما نے کیا تھا اور باقی صحابہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے اس خطاب پر راضی تھے، اس لئے شراب کے مٹکوں کے انڈیلنے کی نسبت ان سب کی طرف کی گئی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۵۰۔۲۵۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۸۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا قَالَ كُنْتُ قَائِمًا عَلَى الْحَيِّ أَسْقِيهِمْ عُمُومَتِي وَأَنَا أَصْغَرُهُمُ الْفَضِيخَ فَقِيلَ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ فَقَالُوا أَكْفِئْهَا فَكَفَأْتُهَا قُلْتُ لِأَنَسٍ مَا شَرَابُهُمْ قَالَ رُطَبٌ وَبُسْرٌ فَقَالَ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَنَسٍ وَكَانَتْ خَمْرَهُمْ فَلَمْ يُنْكِرْ أَنَسٌ وَحَدَّثَنِي بَعْضُ أَصْحَابِي أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ كَانَتْ خَمْرَهُمْ يَوْمَئِذٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی از والد خود، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک قبیلے میں کھڑا ہوا اپنے چچاؤں کو شراب پلا رہا تھا اور میں ان میں سب سے چھوٹا تھا، وہ شراب الفضیخ کی تھی (یعنی کچی کھجوروں کی تھی)، پس کہا گیا کہ الخمر کو حرام کر دیا گیا ہے، تو صحابہ نے کہا: اس شراب کو الٹ دو، پس میں نے شراب کے مٹکوں کو الٹ دیا۔ راوی نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ان کی شراب کس چیز کی تھی؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ وہ تازہ کھجوروں اور کچی کھجوروں سے بنی ہوئی تھی، پس ابوبکر بن انس نے کہا: یہ ان کی خمر تھی، پس حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار نہیں کیا۔ اور مجھے میرے بعض اصحاب نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا کہ ان دنوں ان کی خمر کچی اور پکی کھجوروں سے بنائی جاتی تھی۔

(صحیح بخاری: ۲۴۶۴، ۴۶۱۷، ۴۶۲۰، ۵۵۸۰، ۵۵۸۲، ۵۵۸۳، ۵۵۸۴، ۵۶۲۰، ۵۶۲۲، ۷۲۵۳، صحیح مسلم: ۱۹۸۰، سنن نسائی: ۵۵۴۲، سنن ابوداؤد: ۳۶۷۳، مسند احمد: ۱۲۹۶۳، موطا امام مالک: ۱۵۹۹، سنن دارمی: ۲۰۸۹)

صحیح البخاری: ۵۵۸۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں بُسر (کچی کھجور) کا ذکر ہے، اور اس حدیث میں بھی یہ ذکر ہے کہ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ان کی شراب کس چیز سے بنتی تھی؟ تو انہوں نے کہا: تازہ کھجوروں سے اور بُسر سے۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں معتمر کا ذکر ہے، اور یہ ابن سلیمان ہیں، یہ اپنے والد سلیمان بن طرخان البصری سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''الحی'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے قبیلہ، اور مراد یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک قبیلے میں کھڑے ہوئے تھے اور اپنے چچاؤں کو شراب پلا رہے تھے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ ان میں سب سے چھوٹے تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ چھوٹوں کو بڑوں کی خدمت کرنی چاہیے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اکفئها'' یعنی شراب کے مٹکوں کو الٹ دو اور شراب کو بہا دو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''میں نے (حضرت) انس (رضی اللہ عنہ) سے کہا'' یہ کہنے والے سلیمان ہیں جو راوی معتمر کے والد ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''پس ابوبکر بن انس نے کہا: اور یہ ان کی خمر تھی'' یعنی الفضیخ کا مشروب، یا پکی کھجوروں کی شراب، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار نہیں کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس مجلس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بیٹے ابوبکر بھی تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جب یہ حدیث بیان کی تو یہ الفاظ ذکر نہیں کیے کہ یہی ان کی خمر تھی، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بیٹے نے اس کا ذکر کیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار نہیں کیا۔ گویا حضرت انس رضی اللہ عنہ یا تو خمر کا لفظ کہنا بھول گئے تھے یا اختصار کی وجہ سے انہوں نے اس کو چھوڑ دیا تھا، ان کے بیٹے ابوبکر نے اس کا ذکر کیا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس اضافے کو برقرار رکھا۔

میں کہتا ہوں: اس مجلس میں جو شراب پی جا رہی تھی، وہ پکی کھجوروں کی شراب تھی اور اس پر خمر کا اطلاق مجازاً کیا گیا ہے، کیونکہ ہر نشہ آور مشروب کو مجازاً خمر کہتے ہیں، لہٰذا یہ حدیث بھی امام اعظم ابوحنیفہ کے مذہب کے خلاف نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور مجھے میرے بعض اصحاب نے حدیث بیان کی'': اس کے قائل بھی سلیمان مذکور ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۵۱۔ ۲۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۸۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ حَدَّثَنَا يُوسُفُ أَبُو مَعْشَرٍ الْبَرَّاءُ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي بَكْرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُمْ أَنَّ الْخَمْرَ حُرِّمَتْ وَالْخَمْرُ يَوْمَئِذٍ الْبُسْرُ وَالتَّمْرُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن ابی بکر المقدمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یوسف ابی معشر البراء نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے سعید بن عبید اللہ سے سنا، انہوں نے کہا کہ مجھے بکر بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی کہ ان کو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ خمر کو حرام قرار دیا گیا اور خمر ان دنوں کچی کھجوروں اور پکی کھجوروں سے بنتی تھی۔

(صحیح بخاری: ۲۴۶۴، ۴۶۱۷، ۴۶۲۰، ۵۵۸۰، ۵۵۸۲، ۵۵۸۳، ۵۵۸۴، ۵۶۲۰، ۵۶۲۲، ۷۲۵۳، صحیح مسلم: ۱۹۸۰، سنن نسائی: ۵۵۴۲، سنن ابوداؤد: ۳۶۷۳، مسند احمد: ۱۲۹۶۳، موطا امام مالک: ۱۵۹۹، سنن دارمی: ۲۰۸۹)

صحیح البخاری: ۵۵۸۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں المقدمی کا ذکر ہے اور وہ یوسف بن یزید ہیں اور ان کی کنیت ابو بشر ہے اور یہ اپنی کنیت کے ساتھ اپنے نام کی بہ نسبت زیادہ مشہور ہیں اور ان کو القطان بھی کہا جاتا ہے، اور یہ البراء کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ یہ تیروں کو درست کرتے تھے، اور یہ بصری ہیں اور امام بخاری نے اس حدیث کے سوا ان سے اور کوئی حدیث روایت نہیں کی۔

حدیث مذکور کے معانی

علامہ ابن ملقن نے التوضیح میں لکھا ہے کہ یہ حدیث بھی عراقیین (فقہاء احناف) کے خلاف حجت ہے، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ خمر صرف انگور سے بنتی ہے، کیونکہ صحابہ کرام علم اللسان میں پیشوا تھے اور ان کے متعلق یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ ان کو یہ علم نہیں تھا کہ خمر صرف انگور سے بنتی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: علامہ ابن ملقن نے ان ابواب میں اس عبارت کا بلاوجہ تکرار کیا ہے، اور ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ صحابہ کرام جانتے تھے کہ ہر نشہ آور مشروب پر خمر کا مجازاً اطلاق ہوتا ہے، سو انہوں نے کچی کھجوروں سے بنی ہوئی شراب اور پکی کھجوروں سے بنی ہوئی شراب پر جو خمر کا اطلاق کیا ہے، یہ اطلاق مجازی ہے۔ اور صحابہ کرام کو معلوم تھا کہ کلامِ عرب میں مجازات ہوتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۔ بَابٌ: اَلْخَمْرُ مِنَ الْعَسَلِ وَهُوَ الْبِتْعُ

خمر شہد سے (بھی) بنتی ہے اور اس کو ''البِتع'' کہتے ہیں۔

وَقَالَ مَعْنٌ سَأَلْتُ مَالِكَ بْنَ أَنَسٍ عَنِ الْفُقَّاعِ فَقَالَ إِذَا لَمْ يُسْكِرْ فَلَا بَأْسَ وَقَالَ ابْنُ الدَّرَاوَرْدِيِّ سَأَلْنَا عَنْهُ فَقَالُوا لَا يُسْكِرُ لَا بَأْسَ بِهِ۔

اور معن نے بیان کیا کہ میں نے مالک بن انس سے الفقاع کے متعلق سوال کیا، تو انہوں نے کہا: جب وہ نشہ آور نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور ابن الدراوردی نے بیان کیا کہ ہم نے ان سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: وہ نشہ آور نہیں ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

''البِتع'' میں باء کے نیچے زیر ہے اور تاء ساکن ہے، قزاز نے کہا ہے: یہ وہ شراب ہے جو شہد کی مکھی کے شہد سے بنائی جاتی ہے، اس کا پینا بھی مکروہ ہے، کیونکہ یہ ان مشروبات میں داخل ہے جن کا پینا مکروہ ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: ''البِتْعُ خمر یمانیة'' یعنی یہ یمن کے لوگوں کی شراب ہے۔ اور ابن محیریز نے کہا کہ حضرت ابو موسیٰ بصرہ میں منبر پر خطبہ دیتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ سنو! اہل مدینہ کی خمر کچی اور پکی کھجوروں سے بنائی جاتی ہے اور اہلِ فارس کی خمر انگور سے بنائی جاتی ہے اور اہلِ یمن کی خمر البِتْعُ سے

بنائی جاتی ہے اور حبشہ کی خمر چاولوں سے بنائی جاتی ہے۔

تعلیق مذکور کی شرح

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ"معن نے کہا: میں نے مالک بن انس سے الفقاع کے متعلق سوال کیا" معن ابن عیسٰی القزاز ہیں، امام محمد بن سعد نے بتایا کہ یہ شوال ایک سو اٹھانوے ہجری (۱۹۸ھ) میں مدینہ میں فوت ہو گئے تھے۔

اس تعلیق میں "الفُقّاع" کا ذکر ہے، علامہ کرمانی نے کہا: یہ مشروب مشہور ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: کہ فُقّاع کو پیا نہیں جاتا بلکہ کوزے سے چوسا جاتا ہے اور بعض شارحین نے کہا: الفُقّاع معروف ہے جو شہد سے بنایا جاتا ہے اور اکثر علماء نے کہا: یہ منقا سے بنایا جاتا ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ کسی نے یہ نہیں کہا کہ فُقّاع شہد سے بنایا جاتا ہے بلکہ اہل شام اس کو الدبس (پکایا ہوا گاڑھا شیرہ) سے بناتے ہیں۔ اور عام شہروں کے اندر اس کو کوٹی ہوئی منقا سے بنایا جاتا ہے اور اس کا حکم وہ ہے جو مالک بن انس نے بیان کیا ہے کہ اگر یہ نشہ آور نہ ہو تو اس کے پینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

"الفُقّاع" نشہ آور نہیں ہے، ہاں اسے برتن میں ایک رات یا دو راتوں کے لیے چھوڑ دیا جائے تو وہ گاڑھا ہو جاتا ہے، اس کے باوجود وہ نشہ آور نہیں ہے۔ اور ہمارے فقہاءِ احناف نے کہا ہے کہ "الفُقّاع" یعنی منقاء کا شربت اگر گاڑھا ہو اور نشہ آور نہ ہو تو اس کے پینے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر ایک دو راتیں چھوڑنے کے بعد یہ نشہ آور ہو جائے تو پھر اس کا پینا جائز نہیں ہے۔

اس تعلیق میں ابن الدراوردی کا ذکر ہے، ان کا نام عبد العزیز بن محمد ہے اور یہ بھی معن بن عیسٰی کی روایت ہے اور ظاہر یہ ہے کہ ابن الدراوردی نے اپنے زمانہ کے اہل مدینہ کے فقہاء سے سوال کیا اور ان میں امام مالک بن انس بھی شریک تھے کیونکہ وہ بھی مدینہ کے فقہاء میں سے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۸۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ یُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْبِتْعِ فَقَالَ كُلُّ شَرَابٍ أَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن، انہوں نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے البتع کے متعلق سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا: ہر وہ مشروب جو نشہ دے وہ حرام ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۲، ۵۵۸۵، ۵۵۸۶، صحیح مسلم: ۲۰۰۱، سنن ترمذی: ۱۸۶۳، سنن نسائی: ۵۵۹۱، سنن ابوداؤد: ۳۶۸۲، سنن ابن ماجہ: ۳۳۸۶، مسند احمد: ۲۳۵۶۲، موطا امام مالک: ۱۵۹۵، سنن دارمی: ۲۰۹۷)

صحیح البخاری: ۵۵۸۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب الطہارۃ، "باب لا یجوز الوضوء بالنبیذ" میں گزر چکی ہے۔ وہاں امام بخاری نے اس حدیث کی اپنی سند کے ساتھ از حضرت عائشہ از نبی ﷺ روایت کی ہے کہ ہر مشروب جو نشہ دے وہ حرام ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا اور سائل کا نام صراحۃً معلوم نہیں ہے، کہا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ سائل حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہوں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کی طرف بھیجا تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشروبات کے بارے میں پوچھا کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے؟ آپ نے پوچھا: کون سے مشروب ہیں؟ تو انہوں نے کہا: ''البتع والمزر'' یعنی شہد کی شراب اور چاولوں کی شراب، تو آپ نے فرمایا: ہر وہ مشروب جو نشہ دے، وہ حرام ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۵۳۔ ۲۵۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۸۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْبِتْعِ وَهُوَ نَبِيذُ الْعَسَلِ وَكَانَ أَهْلُ الْيَمَنِ يَشْرَبُونَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كُلُّ شَرَابٍ أَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ''البتع'' کے متعلق سوال کیا گیا اور وہ شہد کا نبیذ ہے، اور اہل یمن اس کو پیتے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ مشروب جو نشہ دے، وہ حرام ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۲، ۵۵۸۵، ۵۵۸۶، صحیح مسلم: ۲۰۰۱، سنن ترمذی: ۱۸۶۳، سنن نسائی: ۵۵۹۱، سنن ابوداؤد: ۳۶۸۲، سنن ابن ماجہ: ۳۳۸۶، مسند احمد: ۲۳۵۶۲، موطا امام مالک: ۱۵۹۵، سنن دارمی: ۲۰۹۷)

اس حدیث کی شرح ابھی گزر چکی ہے۔

۵۵۸۷۔ وَعَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَنْتَبِذُوا فِي الدُّبَّاءِ وَلَا فِي الْمُزَفَّتِ وَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يُلْحِقُ مَعَهَا الْحَنْتَمَ وَالنَّقِيرَ

اور الزہری، انہوں نے کہا کہ مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (کھوکھلے خشک) کدو میں نبیذ نہ بناؤ اور نہ تارکول ملے ہوئے برتن میں، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان برتنوں کے ساتھ سبز رنگ کے گھڑوں اور کھوکھلی لکڑی کو بھی ملاتے تھے۔

(صحیح مسلم: ۱۹۹۲، ۱۹۹۳، سنن نسائی: ۵۶۲۹، مسند احمد: ۱۱۶۶۱، سنن دارمی: ۲۱۱۰)

صحیح البخاری: ۵۵۸۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث: (۵۵۸۶) کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالیمان کا ذکر ہے، یہ حکم بن نافع الحمصی ہیں، اور شعیب کا ذکر ہے، یہ ابن ابی حمزہ الحمصی ہیں، یہ محمد بن مسلم الزہری سے روایت کرتے ہیں از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف۔

یہ حدیث کتاب الطہارۃ ''باب لا یجوز الوضوء بالنبیذ'' میں گزر چکی ہے اور ہم نے ابھی متصل ہی اس کا تذکرہ کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''ہر وہ مشروب جو نشہ دے، وہ حرام ہے'' یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے، کیوں کہ آپ سے البتع (شہد کی شراب) کے متعلق سوال کیا گیا تھا اور آپ نے ہر نشہ آور مشروب کا حکم بیان فرمایا۔

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے الدباء اور المزفت کے ساتھ الحنتم اور النقیر کو بھی ملا دیا، حنتم کا معنی ہے سبز رنگ کے گھڑے، اور نقیر کا معنی ہے کھوکھلی لکڑی، ان چار برتنوں میں پینے سے خصوصیت کے ساتھ منع فرمایا، کیونکہ یہ وہ برتن ہیں جن میں نبیذ بنایا جاتا ہے، پس جب کوئی شخص ان برتنوں سے پئے گا تو اس خطرہ میں ہے کہ وہ نبیذ کو بھی پی لے گا، کیونکہ بسا اوقات کوئی مشروب نشہ آور ہوتا ہے اور پینے والے کو اس کا پتہ نہیں چلتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۵۴۔ ۲۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۸۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ حنتم، نقیر، مزفت، مقیر سفید اور سرخ گھڑے، سیاہ گھڑے اور مشکیں، یہ تمام ظروف حلال ہیں اور اسی طرح ان سے پینا بھی حلال ہے۔

پہلے جن برتنوں میں پینے سے منع فرمایا تھا، اس ممانعت کے منسوخ ہونے کا بیان

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو ان ظروف میں پینے سے منع کیا تھا، اب تم ہر برتن کے اندر نبیذ بناؤ اور پیو، صرف نشہ آور چیز کو نہ پیو، کیونکہ برتن نہ کسی چیز کو حلال کرتے ہیں اور نہ حرام کرتے ہیں۔

(صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، باب النہی عن الانتباذ فی المزفت)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند ظروف سے منع فرمایا تو انصار کی ایک لڑکی نے کہا: ہمارے لیے تو یہ برتن ضروری ہیں، آپ نے فرمایا: پھر میں منع نہیں کرتا۔ (صحیح مسلم: ۵۵۹۲)

امام ابن ابی عاصم نے حضرت عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو ان برتنوں میں پینے سے منع کیا تھا، پس بے شک یہ برتن کسی چیز کو نہ حلال کرتے ہیں اور نہ حرام کرتے ہیں، سو تم ان میں پیو، اور امام احمد کی روایت میں ہے: میں نے ان برتنوں سے تم کو منع کیا تھا، تم ان برتنوں میں نبیذ بناؤ۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۴۵۲)

اور امام ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ میں نے تم کو ان برتنوں میں نبیذ پینے سے منع کیا تھا، سو تم جس برتن میں چاہو پیو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۸۴، رقم الحدیث: ۲۳۹۳۱)

ہر برتن میں نبیذ بنانے کی اجازت

الحازمی نے کہا ہے کہ اکثر اہل علم کا یہ مذہب ہے کہ آپ نے ابتداء میں ان برتنوں میں پینے سے منع فرمایا تھا اور بعد میں جب لوگوں نے شکایت کی کہ ان کو ان برتنوں کی ضرورت ہوتی ہے تو آپ نے چمڑے کے برتنوں کی اجازت دی اور ان کے علاوہ کسی

برتن کی اجازت نہیں دی، پھر انہوں نے شکایت کی کہ ہر شخص کے پاس تو چمڑے کی مشک نہیں ہوتی، تو پھر آپ نے ان کو تمام برتنوں میں پینے کی اجازت دی، جیسا کہ حضرت بریدہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو چند برتنوں سے منع کیا تھا اور بے شک برتن کسی چیز کو نہ حرام کرتے ہیں اور نہ حلال کرتے ہیں اور دوسری حدیث میں ہے کہ تم جس برتن میں چاہو، پیو۔

نشہ کی حد کے متعلق فقہاءِ اسلام کے اقوال

ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ احمد بن صالح سے نشہ کے متعلق سوال کیا گیا، تو انہوں نے کہا: میں اس پر عمل کرتا ہوں جس کی ابن جریج نے از عمرو بن دینار از یعلیٰ بن منبہ از والد خود روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے نشہ میں مخمور شخص کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: یہ وہ شخص ہے کہ جب اس سے قرآن مجید کی کسی سورت کے پڑھنے کے لیے کہا جائے تو وہ نہ پڑھ سکے، اور جب وہ اپنا کپڑا دوسرے کپڑوں میں ملا دے تو اپنا کپڑا نہ نکال سکے۔ ابن حزم ظاہری نے کہا: یہ تعریف ہمارے اس قول کی مثل ہے کہ نشہ میں مخمور شخص وہ ہے جس کو پتا نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ (المحلی ج ۷ ص ۵۰۸)

اور امام ابوحنیفہ نے کہا: کسی شخص کو نشہ میں مخمور اس وقت تک نہیں قرار دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ زمین کو آسمان سے متمیز نہ کر سکے۔ (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۱۸)

علامہ ابن المنذر نیشاپوری شافعی نے بیان کیا ہے کہ امام مالک نے کہا: جس شخص کی طبیعت اپنی اصل سے متغیر ہو جائے، وہ نشہ میں مخمور ہے، اور الثوری نے کہا: اس کو اس وقت تک کوڑے نہیں لگائے جائیں گے جب کہ اس کی عقل مختلط نہ ہو جائے، پس اگر اس سے قرآن پڑھنے کو طلب کیا جائے اور وہ قرآن پڑھ لے یا اس سے کوئی سوال کیا جائے اور وہ اس کا معروف جواب دے تو اس کو حد نہیں لگائی جائے گی۔

اور امام ابوحنیفہ نے کہا: نشے والا شخص وہ ہے جو مرد کو عورت سے اور عورت کو مرد سے ممتاز نہ کر سکے اور نہ قلیل اور کثیر میں فرق کر سکے۔

اور امام ابو یوسف نے کہا: کہ جب کسی شخص کی غالب کیفیت یہ ہو کہ اس کی عقل مختلط ہو اور اس سے قرآن مجید کی کسی صورت کے پڑھنے کو طلب کیا جائے اور وہ اس کو نہ سمجھ سکے، تو اس پر حد واجب ہو جائے گی۔ (الاشراف علی مذاہب اہل العلم، ج ۳ ص ۶۱)

اور امام شافعی نے کہا کہ کم سے کم نشہ یہ ہے کہ اس کی عقل مغلوب ہو جائے جتنی عام حالات میں مغلوب نہیں ہوتی تھی۔

علامہ ابن المنذر نے کہا: یہ تعریف صحت کے قریب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى۔ (النساء: ۴۳) نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ خمر کو حرام قرار دینے سے پہلے لوگ نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے تھے، حالانکہ ان کو نماز کا علم ہوتا تھا اور وہ نماز کا قصد کرتے تھے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ ان میں سے کسی ایک نے نماز پڑھائی اور اس پر قراءت مختلط ہو گئی اور اس نے کچھ کا کچھ پڑھ دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی، سو ان کا نماز کا ارادہ کرنا اس کی دلیل ہے کہ نشہ میں مخمور شخص کو کچھ نہ کچھ معرفت ہوتی ہے اور اگر نشہ میں مخمور شخص وہ ہوتا جس کو کسی چیز کا پتا نہ ہو تو نشے والا شخص کبھی بھی اپنے گھر نہ پہنچ سکتا تھا، حالانکہ معروف یہ ہے کہ کوئی آدمی نشہ کی حالت میں بھی اپنے گھر پہنچ جاتا ہے اور کہا جاتا ہے: وہ شخص اپنے گھر میں آیا حالانکہ وہ

نشہ میں تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ نشہ میں مخمور شخص وہ ہے کہ جس کی عقل اتنی مغلوب ہو جائے جتنی عام حالات میں اس کی عقل مغلوب نہیں ہوتی تھی۔

میں کہتا ہوں: قیاس کے زیادہ قریب صحیح تعریف یہ ہے کہ جس شخص کو صحیح اور غلط کی تمیز نہ رہے اور پاکیزگی اور ناپاکی کی پہچان نہ رہے اور وہ حلال اور حرام میں فرق نہ کر سکے، وہ نشے میں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں: اس باب میں یہ حدیث ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ مشروب جو نشہ دے، سو وہ حرام ہے''۔اور یہ حدیث امام مالک اور اہلِ حجاز کے اس قول کے قریب ہے کہ ہر انگور کے کچے شیرہ کے علاوہ بھی جو چیز نشہ آور ہو، وہ خمر ہے اور حرام ہے، کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شہد کی شراب کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ہر وہ مشروب جو نشہ آور ہو، وہ حرام ہے۔

اگر فقہاءِ احناف اس کے متعلق یہ کہیں کہ وہ آخری گھونٹ جس سے نشہ پیدا ہو، وہ حرام ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مشروب اسم جنس ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی جنس حرام ہو جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ اس طعام سے پیٹ بھر جائے گا یا یہ پانی کڑوا ہے تو اس سے مراد طعام کی جنس ہوتی ہے اور پانی کی جنس ہوتی ہے اور اس کے ہر جز کے اوپر اس حکم کا اطلاق کیا جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

حرمت الخمر بعينها والسكر من غيرها، وفى رواية: والسكر من غيرها۔ (سنن نسائی ج ۸ ص ۳۲۱)

خمر کو بعینہٖ حرام قرار دیا گیا ہے، اور اس کے علاوہ جو مشروب نشہ آور ہو، اس کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۷ ص ۱۰۷۔۱۱۵ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: یہ حدیث امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قوی دلیل ہے، کیونکہ اس حدیث میں خمر کو مطلقاً حرام فرمایا ہے، یعنی اس کا ایک قطرہ بھی پینا حرام ہے خواہ اس کے پینے سے نشہ ہو یا نہ ہو اور اس کے علاوہ جو نشہ آور مشروب ہیں، وہ اتنی مقدار میں حرام ہیں جتنی مقدار میں وہ نشہ آور ہوں۔اور جن احادیث میں ہر نشہ آور مشروب کو خمر قرار دیا گیا ہے، اس مشروب پر خمر کا اطلاق مجاز ہے۔
(سعیدی غفرلہ)

٥۔ بَابُ: مَا جَاءَ فِي أَنَّ الْخَمْرَ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ مِنَ الشَّرَابِ

ان احادیث کا بیان جن میں وارد ہے کہ جو مشروب عقل کو ڈھانپ لے وہ خمر ہے

اس باب میں ان احادیث کو بیان کیا گیا ہے جن میں یہ تصریح ہے کہ جو مشروب عقل کو مخمور کر دے، وہ خمر ہے۔

٥٥٨٨۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ ابْنُ أَبِي رَجَاءٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ أَبِي حَيَّانَ التَّيْمِيِّ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضى الله عنهما قَالَ خَطَبَ عُمَرُ عَلَى مِنْبَرِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ إِنَّهُ قَدْ نَزَلَ تَحْرِيمُ الْخَمْرِ وَهِيَ مِنْ خَمْسَةِ أَشْيَاءَ الْعِنَبِ وَالتَّمْرِ وَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن ابی رجاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از ابی حیان تیمی از الشعبی از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر خطبہ دیا، پس بیان کیا کہ خمر کی تحریم نازل ہوئی اور وہ پانچ

وَالْعَسَلِ وَالْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ وَثَلَاثٌ وَدِدْتُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمْ يُفَارِقْنَا حَتَّى يَعْهَدَ إِلَيْنَا عَهْدًا الْجَدُّ وَالْكَلَالَةُ وَأَبْوَابٌ مِنْ أَبْوَابِ الرِّبَا قَالَ قُلْتُ يَا أَبَا عَمْرٍو فَشَيْءٌ يُصْنَعُ بِالسِّنْدِ مِنَ الْأُرْزِ قَالَ ذَاكَ لَمْ يَكُنْ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ أَوْ قَالَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ وَقَالَ حَجَّاجٌ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ أَبِي حَيَّانَ مَكَانَ الْعِنَبِ الزَّبِيبَ۔

چیزوں سے بنائی جاتی ہے: انگور سے، کھجور سے، گندم سے، جَو سے اور شہد سے۔ اور خمر وہ مشروب ہے جو عقل کو ڈھانپ لے یا عقل کو زائل کر دے اور میری خواہش یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ ہم سے جدا ہونے سے پہلے ہم کو ان تین مسائل کی وضاحت فرما دیتے: دادا کے مسئلہ کی، کلالہ کے مسئلہ کی اور ربا (سود) کے ابواب کے بیان کی، ابوحیان التیمی نے بیان کیا کہ میں نے پوچھا: اے ابوعمرو! پس وہ چیز جو سندھ میں چاول سے بنائی جاتی ہے؟ (یعنی چاول سے کشید کی ہوئی شراب کا کیا حکم ہے؟) تو ابوعمرو نے جواب دیا: یہ شراب نبی ﷺ کے عہد میں نہیں بنائی جاتی تھی یا کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں نہیں بنائی جاتی تھی۔ اور حجاج نے از حماد از ابی حیان انگور کی بجائے کشمش کا ذکر کیا۔

(صحیح البخاری: ۴۶۱۹، ۵۵۸۱، ۵۵۸۸، ۵۵۸۹، ۷۳۳۷، صحیح مسلم: ۳۰۳۲، سنن نسائی: ۵۵۷۸، سنن ابوداؤد: ۳۶۶۹)

صحیح البخاری: ۵۵۸۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں احمد بن ابی رجاء کا ذکر ہے، ان کا نام عبداللہ بن ایوب ابوالولید الحنفی الہروی ہے۔ اور اس سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، وہ ابن سعید القطان ہیں۔ اور ابوحیان کا ذکر ہے، ان کا نام یحییٰ بن سعید التیمی ہے۔ اور شعبی کا ذکر ہے، ان کا نام عامر بن شراحیل ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "بے شک خمر کی تحریم نازل ہوئی": حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس قول سے یہ مراد تھی کہ المائدہ: ۱۱۹ نازل ہوئی جس میں ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ (المائدہ)

اے ایمان والو! بے شک شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں، شیطانی کاموں سے ہیں، سو تم ان سے اجتناب کرو تا کہ تم کامیاب ہو۝

اس حدیث کی شرح میں بعض شارحین نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ وہ اس پر تنبیہ کریں کہ اس آیت میں خمر سے مراد وہ مشروب نہیں ہے جو انگوروں سے بنایا جاتا ہے، بلکہ خمر سے مراد عام ہے خواہ وہ مشروب انگوروں سے بنایا جائے یا کسی

اور چیز سے۔

حدیث میں جن پانچ چیزوں پر خمر کا اطلاق ہے، یہ اطلاق تشبیہاً اور مجازاً ہے

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: ہاں، یہ اس کو بھی شامل ہے جو انگور کے علاوہ اور کسی چیز سے نشہ آور مشروب بنایا گیا ہو، لیکن غیر انگور کے نشہ آور مشروب کو خمر تشبیہاً اور مجازاً فرمایا ہے حقیقتاً نہیں فرمایا ہے۔ حقیقتاً خمر وہی ہے جو انگور سے کشید کیا ہوا نشہ آور مشروب ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پانچ چیزوں سے": یہ جملہ حالیہ ہے جو حصر کا تقاضا نہیں کرتا اور جوار اور چاولوں کے نبیذ کے اوپر خمر کا اطلاق نہیں کرنا چاہیے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پانچ چیزوں سے بنی ہوئی شراب کا ذکر کیا، کیونکہ ان کے زمانہ میں انہی پانچ چیزوں سے شراب کا بنانا مشہور تھا اور ان کے زمانہ میں گندم عام دستیاب نہیں تھا بلکہ کم دستیاب تھا اور شہد بھی اسی طرح کم دستیاب تھا یا نایاب تھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان چیزوں کو شمار کیا جو ان کے زمانہ میں معروف تھیں اور چاول اور دوسری اجناس سے جو نشہ آور مشروب بنائے جاتے ہیں، ان کو بھی خمر اس لیے قرار دیا کہ وہ بھی عقل کو زائل کر دیتے ہیں اور نشہ پیدا کرتے ہیں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "اور خمر وہ ہے جو عقل کو زائل کر دے یا ڈھانپ لے": یعنی عقل پر پردہ پڑ جائے اور عقل مختلط ہو جائے اور اپنے حال پر نہ رہے، اور یہ مجاز بہ طور تشبیہ ہے۔

ان تین مسائل کا بیان جن کو جاننے کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمنا کی تھی

اس حدیث میں مذکور ہے "کہ میری تمنا تھی کہ ان تین مسائل کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضاحت فرما دیتے" تاکہ لوگ ان مسائل میں اجتہاد نہ کرتے، اگرچہ اجتہاد کرنے سے ان کو اجر ملتا ہے۔

پہلا مسئلہ جد یعنی دادا کے متعلق ہے کہ دادا بھائی کے لیے حاجب ہو جاتا ہے یا دادا خود بھائی سے محجوب ہو جاتا ہے، کیونکہ صحابہ کا اس میں بہت اختلاف تھا۔ عبیدہ سے روایت ہے کہ دادا کے متعلق ستر اقوال تھے اور بعض اقوال ایک دوسرے کے مخالف تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے صحابہ کو جمع کیا تاکہ وہ دادا کے متعلق کسی ایک قول پر متفق ہو جائیں تو چھت سے ایک سانپ گرا اور سب صحابہ متفرق ہو گئے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ مسلمان دادا کے متعلق مختلف رہیں۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: جو یہ ارادہ کرتا ہو کہ جہنم کے جراثیم کو کھولے، وہ دادا کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ کرلے اور حضرت ابوبکر، حضرت ابن الزبیر، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ دادا بھائیوں کے لیے حاجب ہو جاتا ہے یعنی اگر میت کے ورثاء میں میت کا دادا بھی ہو اور میت کے بھائی بھی ہوں تو دادا کے ہوتے ہوئے بھائی کو ترکہ سے وراثت نہیں ملے گی اور دادا بھائیوں کے لیے حاجب ہو جائے گا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور حضرت زید بن ثابت نے کہا: دادا دیگر بھائیوں کی مثل ہے، یعنی اگر میت کے بھائی بھی ہوں اور دادا بھی ہو، تو دادا کو ایک بھائی کے منزلہ میں نازل کیا جائے گا، یعنی جتنا حصہ دیگر بھائیوں کو ملتا ہے اتنا حصہ دادا کو بھی ملے گا۔ اور امام مالک، امام ابویوسف اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

اور اس حدیث میں ''کلالہ'' کا ذکر ہے:

حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور مدنی، بصری اور کوفی علماء نے کہا ہے کہ کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کی نہ اولاد ہو اور نہ اس کا والد ہو۔ یعنی کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کے ورثاء میں نہ اس کی اولاد ہو اور نہ اس کا والد ہو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کلالہ وہ شخص ہے کہ جس کے ورثاء میں اس کی اولاد نہ ہو، خواہ اس کا والد ہو۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''اور ربا یعنی سود کے ابواب میں سے ابواب'':

ان مسائل میں سے یہ تیسرا مسئلہ ہے اور ابواب الربا بہت زیادہ ہیں جو شمار سے باہر ہیں حتیٰ کہ بعض محدثین نے کہا: ربا یعنی سود صرف ادھار میں ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے قول میں ابواب کے لفظ کا ذکر کیا ہے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک سود کے بعض ابواب میں حکم شرعی کی تصریح تھی اور بعض ابواب میں حکم شرعی کی تصریح نہیں تھی، اسی لیے انہوں نے ان بعض احکامِ شرعیہ کی معرفت کی تمنا کی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور وہ چیز جو سندھ میں تیار کی جاتی ہے'' اس قول کے قائل ابو حیان تیمی ہیں، اور اس کا معنی یہ ہے کہ سندھ میں جو چاولوں کی شراب بنائی جاتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ چاولوں کی شراب اس وقت مدینہ میں موجود نہیں تھی یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں معروف نہیں تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۵۵۔ ۲۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۸۹۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي السَّفَرِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ قَالَ الْخَمْرُ يُصْنَعُ مِنْ خَمْسَةٍ مِنَ الزَّبِيبِ وَالتَّمْرِ وَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالْعَسَلِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبد اللہ بن ابی السفر از الشعبی از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما از حضرت عمر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ خمر پانچ چیزوں سے بنائی جاتی تھی، کشمش سے، کھجور سے، گندم سے، جو سے اور شہد سے۔

(صحیح البخاری: ۴۶۱۹، ۵۵۸۱، ۵۵۸۸، ۵۵۸۹، صحیح مسلم: ۳۰۳۲، ۷۳۳۷، سنن نسائی: ۵۵۷۸، سنن ابو داؤد: ۳۶۶۹)

صحیح البخاری: ۵۵۸۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حفص بن عمر کا ذکر ہے، یہ ابن الحارث ابو عمر الحوضی النمری الازدی ہیں، اور اس میں مذکور ہے از شعبہ، یہ ابن الحجاج ہیں اور اس میں مذکور ہے عبد اللہ بن ابی السفر، سفر کا لفظ حضر کی ضد ہے اور ان کا نام سعید محمد الہمد انی الکوفی ہے، یہ عامر الشعبی سے روایت کرتے ہیں از حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما از والد خود حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

اس حدیث کی شرح ''باب الخمر من العنب'' میں گزر چکی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اس کی مثل ہے لیکن وہاں پانچ چیزوں میں سے ایک چیز عنب یعنی انگور کا ذکر تھا، اور یہاں پانچ چیزوں میں سے ایک چیز الزبیب یعنی کشمش کا ذکر ہے اور ہم کئی مرتبہ بیان کر چکے ہیں کہ کسی عدد معین کی تصریح کرنے سے اس کے ماسوا کی نفی نہیں ہوتی اور یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ انگور کے

پانی کے علاوہ دوسرے مشروبات کے اوپر جو خمر کا اطلاق ہے وہ بہ طور حقیقت نہیں ہے بلکہ وہ باب تشبیہ سے ہے۔

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی) نے لکھا ہے کہ فقہاء احناف میں سے صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک خمر وہ مشروب ہے جس کو انگوروں سے نچوڑا جائے، جب وہ پانی گاڑھا ہو جائے تو اس کو خمر کہتے ہیں اور یہ اہل لغت اور اہل علم کے نزدیک معروف ہے، اور صاحب ہدایہ نے کہا: ایک قول یہ ہے کہ خمر ہر نشہ آور چیز کا نام ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نشہ آور خمر ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: خمر ان دو درختوں سے حاصل ہوتی ہے (یعنی کھجور اور انگور سے) اور اس لیے کہ خمر مخامرۃ العقل سے ماخوذ ہے، یعنی عقل کو ڈھانپ لینا یا زائل کر دینا، اور یہ وصف ہر نشہ آور چیز میں موجود ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اہلِ لغت نے اس پر اتفاق اور اجماع کیا ہے کہ خمر انگور کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا انگور کے کچے پانی میں اس کا استعمال مشہور ہے اور اس لیے بھی کہ خمر کی تحریم قطعی ہے اور اس کے ماسوا دوسرے مشروبات کی تحریم ظنی ہے جو انگوروں کے علاوہ اور کسی چیز سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور صاحب ہدایہ نے کہا کہ خمر کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے مشروب کا خمیر بن جاتا ہے نہ اس وجہ سے کہ یہ مشروب عقل کو ڈھانپ لیتا ہے یا زائل کر دیتا ہے اور انہوں نے کہا: یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ خمر کا نام انگور کے کچے شیرہ کے ساتھ خاص ہو جائے، جیسا کہ النجم میں ہے، یہ ظہور سے مشتق ہے، پھر النجم کا اطلاق خصوصاً ثریا پر کر دیا گیا۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۸، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۷۴۸، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

پھر اس قائل نے کہا کہ پہلی دلیل کا جواب یہ ہے اور انہوں نے اس میں بہت لمبا کلام کیا ہے، جیسا کہ ہم اس کو عنقریب ذکر کریں گے اور اس پر اس کا رد کریں گے، پھر کہا: دوسری اور تیسری دلیل بھی اسی طرح ہے: ہم ان دونوں کا بھی ذکر کریں گے اور اس کا رد کریں گے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اولاً صاحب الہدایہ نے اپنے اس مدعا کے ثبوت میں دس وجوہ پیش کی ہیں کہ خمر کا اطلاق انگور کے شیرہ پر ہوتا ہے جب وہ گاڑھا ہو جائے اور پختہ ہو جائے اور یہی اہلِ لغت اور اہلِ علم کے نزدیک معروف ہے۔ اور ان دس وجوہ میں سے ہر ایک کی دلیل بیان کی ہے اور اس قائل اور معترض نے تین وجوہ پر اعتراض کیا ہے اور باقی وجوہ سے خاموش ہو گیا ہے، کیونکہ اس کا ادراک کامل نہیں تھا اور اس کی فہم ناقص تھی۔

صاحب ہدایہ کی پہلی دلیل اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے اس کے جواب کا بیان

صاحب ہدایہ نے پہلی دلیل یہ دی ہے کہ خمر کا لفظ خاص نام ہے اور اہلِ لغت کا اس پر اجماع ہے کہ خمر کا لفظ انگور کے کچے شیرہ کے ساتھ مخصوص ہے، اور اسی وجہ سے اس کا استعمال انگور کے کچے شیرہ میں اور اس کے غیر میں مشہور ہو گیا۔

(الہدایہ ج ۴ ص ۴۹۹، کتاب الاشربہ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ بعض اہل لغت سے یہ ثابت ہے کہ انگور کے کچے شیرہ کے علاوہ جو مشروب ہو، اس کو بھی خمر کہا جاتا ہے۔ اور علامہ الخطابی نے کہا ہے: ایک قوم کا زعم یہ ہے کہ عرب صرف انگوروں کی شراب کو خمر کہتے ہیں تو ان سے یہ کہا جائے گا کہ جن صحابہ نے انگور کے شیرہ کے علاوہ دوسرے مشروبات کو خمر کہا ہے وہ بھی عرب اور فصحاء ہیں، پس اگر انگور کے شیرہ کے علاوہ دوسرے مشروبات پر خمر کا اطلاق صحیح نہ ہوتا تو صحابہ انگور کے شیرہ کے غیر کے اوپر خمر کا اطلاق نہ کرتے، ان کے جواب

کی عبارت ختم ہوئی۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۸، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۲۸ ۷، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی فرماتے ہیں:

سبحان اللہ! یہ کلام صاحب ہدایہ کی پہلی دلیل کا جواب کیسے ہو سکتا ہے؟ اور اس کا بطلان کئی وجوہ سے ہے:

اولاً اس لیے کہ حافظ ابن حجر نے کہا کہ بعض اہلِ لغت سے یہ ثابت ہے کہ وہ انگور کے کچے شیرہ کے علاوہ دوسرے مشروبات پر بھی خمر کا اطلاق کرتے ہیں۔ یہ ان کا محض دعویٰ ہے، وہ بعض اہلِ لغت کون ہیں جو انگور کے شیرہ کے علاوہ دوسرے مشروبات پر خمر کا اطلاق کرتے ہیں؟، بلکہ اہلِ لغت سے منقول یہ ہے کہ الخمر انگور سے بنتی ہے اور جو غیر انگور سے مشروب تیار ہو، اس کو حقیقۃً خمر نہیں کہا جاتا صرف مجازاً خمر کہا جاتا ہے اور ابو الاسود الدؤلی جو اکابر اہلِ لغت سے ہیں، انہوں نے کہا ہے کہ الطلاء پر خمر کا اطلاق نہیں کیا جائے گا۔ ابو الاسود الدؤلی کا یہ شعر ہے:

دع الخمر یشربها الغواة فانني رایت اخاها مغنیا لمکانها

''الخمر کو چھوڑو جس کو گمراہ لوگ پیتے ہیں، کیونکہ بے شک میں نے۔ خمر کے بھائی کو خمر سے بے پرواہ کرنے والا پایا ہے''۔

ابو الاسود الدؤلی نے الطلاء کو خمر کا بھائی قرار دیا ہے اور کسی شخص کا بھائی اس کا غیر ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ طلاء، الخمر کا غیر ہے اور طلاء اس گاڑھے شیرہ کو کہتے ہیں جس کا پکنے سے ایک حصہ اڑ جائے اور دو حصے رہ جائیں، یا آدھا حصہ اڑ جائے اور آدھا حصہ رہ جائے، اس کو المثلث اور المنصف بھی کہتے ہیں۔ اور یہ شیرہ عام ہے خواہ کسی چیز کا ہو، یعنی انگور کا ہو یا کھجور کا ہو یا کسی اور چیز کا ہو، جو شیرہ بھی جوش اور پکنے کے بعد دو تہائی رہ جائے یا آدھا رہ جائے اس کو طلاء کہتے ہیں اور طلاء کو ابو الاسود الدؤلی نے خمر کا غیر کہا ہے۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے جواب کے باطل ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ خطابی کی عبارت سے استدلال کیا ہے، حالانکہ علامہ خطابی اہلِ لغت میں سے نہیں ہیں، وہ تو صرف ناقل ہیں۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے جواب کے باطل ہونے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام بھی فصحاءِ عرب میں سے تھے اور انہوں نے غیر انگور کی شراب پر بھی خمر کا اطلاق کیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس کا کوئی انکار نہیں کرتا کہ صحابہ کرام فصحاء تھے اور اکابر اہلِ لغت تھے لیکن انہوں نے غیر انگور کی شراب کے اوپر خمر کا اطلاق وضعِ لغوی کے اعتبار سے نہیں کیا بلکہ انہوں نے اس کا صرف نام رکھا ہے اور کسی چیز کا نام اس کی وضع کا غیر ہے اور انہوں نے غیر انگور کی شراب کے اوپر جو خمر کا اطلاق کیا ہے، یہ تشبیہاً اور مجازاً ہے۔

نیز انہوں نے کہا کہ اہلِ مدینہ اور تمام حجازیین اور محدثین سب کہتے ہیں کہ ہر نشہ آور چیز خمر ہے، سو ہم بھی یہ کہتے ہیں اور اس میں اختلاف نہیں کرتے، کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہر نشہ آور مشروب کا حکم وہ ہے جو خمر کا حکم ہے، سو یہ اس پر دلیل نہیں ہے کہ غیر انگور کی شراب کے اوپر خمر کا اطلاق حقیقۃً ہو بلکہ بطریقِ تشبیہ ہے اور تشبیہ میں عموم نہیں ہوتا۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ بھی کہا ہے کہ جب قرآن مجید میں خمر کی تحریم نازل ہوئی تو صحابہ کرام جو اہلِ لسان تھے، انہوں نے یہ سمجھا کہ جس چیز کا نام بھی خمر ہو، وہ اس ممانعت میں داخل ہے، تو انہوں نے چھواروں اور تازہ کھجوروں سے بنی ہوئی شرابوں کو

بہادیا اور انہوں نے خمر کو انگور سے تیار کی ہوئی شراب کے ساتھ خاص نہیں کیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

ہم کہتے ہیں کہ صحابہ کرام نے چھواروں اور تازہ کھجوروں سے بنی ہوئی شرابوں کو بہادیا، کیونکہ یہ شرابیں بھی نشہ آور تھیں، تو انہوں نے اس کے اوپر ان کے نشہ آور ہونے کی وجہ سے خمر کا اطلاق کیا اور اس پر دلیل کہ یہ شرابیں نشہ آور تھیں، یہ ہے کہ ابو عاصم نے یہ روایت کی ہے کہ جب صحابہ کو یہ خبر پہنچی کہ خمر کو حرام قرار دیا گیا ہے، تو ان کے سر جھوم رہے تھے، پس ایک شخص داخل ہوا اور اس نے کہا کہ خمر کو حرام کر دیا گیا ہے، پھر ہم میں سے کوئی شخص نہیں نکلا یا کوئی شخص داخل ہوا حتیٰ کہ ہم نے شراب کے مٹکوں کو توڑ دیا اور شراب کو بہادیا۔ الحدیث۔ پس اگر یہ شراب نشہ آور نہ ہوتی تو وہ ایسا نہ کرتے۔

اور امام طحاوی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت سہیل بن بیضاء اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے اور میں (یعنی حضرت انس) ان کو شراب پلا رہا تھا حتیٰ کہ شراب ان کو پکڑ لیتی، اور اس کے آخر میں ہے کہ وہ شراب کچی کھجوروں اور چھواروں کی تھی اور وہی ہمارے نزدیک آج خمر ہے۔ اور اس حدیث کی امام احمد نے بھی روایت کی ہے اور اس میں بھی یہ ہے حتیٰ کہ شراب ان کو پکڑ لیتی، اور امام طحاوی کی روایت میں مذکور ہے حتیٰ کہ میں نے ان میں جلدی کی، پس ایک منادی بلند آواز سے ندا کر رہا تھا کہ ان کا مشروب اس دن نشہ آور تھا، اور جب ان کو خمر کی تحریم کی حدیث پہنچی تو انہوں نے اس شراب کو باطل کر دیا اور جو بچی ہوئی شراب تھی اس کو بہادیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۵۷۔ ۲۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: اس کا حاصل یہ ہے کہ ان صحابہ نے جس شراب کو پیا تھا، اس کی وجہ سے ان کو نشہ آ گیا تھا اور منادی بھی یہ ندا کر رہا تھا کہ ان کا مشروب نشہ آور تھا، تو اس نشہ آور مشروب کے اوپر خمر کا اطلاق تشبیہاً اور مجازاً کیا گیا۔ (سعیدی غفرلہ)

صاحب ہدایہ کی دوسری دلیل اور اس کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے جواب

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ خمر کی حرمت قطعی ہے اور غیر خمر کی حرمت ظنی ہے۔ (الہدایہ ج ۴ ص ۴۹۹، کتاب الاشربہ)

اس کا جواب یہ ہے کہ جب دو لفظ کسی حکم کی شدت میں مشترک ہوں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے نام الگ الگ ہوں، مثلاً زنا، اگر کوئی شخص اجنبی عورت کے ساتھ وطی کرے اس پر بھی زنا کا لفظ صادق آتا ہے اور اگر اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرے تو اس پر بھی زنا کا لفظ صادق آتا ہے اور یہ دوسرا زنا پہلے زنا سے زیادہ غلیظ اور شدید ہے اور جو شخص اپنی محرمات میں سے کسی سے وطی کرے تو اس پر بھی زنا کا لفظ صادق آتا ہے، حالانکہ یہ سب سے زیادہ غلیظ اور شدید ہے اور زنا کا اسم ان تینوں صورتوں کو شامل ہے۔ نیز احکام فرعیہ میں دلائلِ قطعیہ کی شرط نہیں ہوتی، لہٰذا انگور کے کچے شیرہ کی تحریم قطعی سے یہ لازم نہیں آتا کہ انگور کے علاوہ کسی اور چیز مثلاً کھجور سے بنائی ہوئی شراب کی تحریم بھی قطعی ہو، اور یہ کہ وہ حرام نہ ہو بلکہ اس کی تحریم کا حکم لگایا جائے گا جب کہ کسی ظنی دلیل سے اس کی تحریم ثابت ہو جائے، اسی وجہ سے اس کا نام خمر رکھا گیا ہے۔ واللہ اعلم

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۸، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۸۷، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کے جواب مذکور کو علامہ عینی کا رد کرنا

علامہ عینی فرماتے ہیں: سبحان اللہ! یہ جواب کس قدر بعید ہے، حالانکہ ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ دولفظوں کا شدت کے حکم میں اشتراک اس کو مستلزم نہیں ہے کہ ان دولفظوں کے ناموں میں افتراق ہو، جب کہ انگور کے علاوہ کسی اور چیز کے شیرہ میں نشہ پایا جائے، تو یہ کس نے کہا کہ جو شیرہ انگور کے علاوہ کسی اور چیز سے بنایا گیا ہو، تو نشہ آور ہونے سے پہلے وہ انگور کے شیرہ کے ساتھ نام میں مشترک ہے، اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے جب کہ جو شیرہ انگور کے علاوہ کسی اور چیز سے بنایا گیا ہو، نشہ آور ہونے سے پہلے اس کو حرام بھی نہیں کہا جاتا، چہ جائیکہ اس کو خمر کہا جائے، بخلاف انگور کے کچے شیرہ کے، جب وہ گاڑھا ہو جائے تو وہ حرام ہوتا ہے، خواہ نشہ آور ہو یا نشہ آور نہ ہو، تو یہ دونوں لفظ حکم میں مشترک کب ہیں؟ اس کے برخلاف زنا تو ہر حالت میں مطلقاً حرام ہے، لہٰذا زنا کی حرمت کی شدت کے اوپر خمر کی حرمت کی شدت کو قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۵۷۔۲۵۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صاحب ہدایہ کی تیسری دلیل اور اس کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے جواب

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ خمر کو خمر اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں خمیر ہوتا ہے، (یعنی اس میں ایسی شدت اور قوت ہوتی ہے جو کسی اور چیز میں نہیں ہوتی) اور یہ مخامرۃ العقل سے ماخوذ نہیں ہے اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ خمر کا لفظ اس کے ساتھ خاص ہو، کیونکہ نجم کا لفظ نجوم سے ماخوذ ہے اور وہ ظہور ہے، پھر وہ ثریا کے لیے اسم خاص ہے نہ کہ ہر ظاہر ہونے والے ستارہ کے لیے، اور اس کی بہ کثرت نظائر ہیں۔ (پس اگر خمر کو خمر اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے، تو اس سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ ہر وہ چیز جو عقل کو ڈھانپ لے وہ حقیقتاً خمر ہو، اس لئے کھجور وغیرہ کے نشہ آور شیرہ کو حقیقتاً خمر قرار دینا لازم نہیں آئے گا۔ وضاحت از سعیدی غفرلہٗ)

(ہدایہ ج ۴ ص ۴۹۹، کتاب الاشربہ)

حافظ ابن حجر عسقلانی صاحب ہدایہ کی اس دلیل کے جواب میں لکھتے ہیں:

تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ عربی زبان کے جو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں، ان سے نقل کا ثبوت ہے، اور صاحب ہدایہ کا یہ کہنا کس طرح جائز ہوگا کہ خمر مخامرۃ العقل سے ماخوذ نہیں ہے جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی جماعت کے سامنے کہا: خمر وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لے یا زائل کر دے۔ اور صاحب ہدایہ کا مدعا یہ ہے کہ اہل لغت کا اتفاق ہے کہ خمر انگور کے کچے شیرہ کو کہتے ہیں، تو اس لیے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو مجاز پر محمول کرتے ہیں۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۸، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۲۸، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کے اس جواب کو علامہ عینی کا رد کرنا

ہم کہتے ہیں کہ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ خمر کو خمر اس کے خمیر کی وجہ سے کہا جاتا ہے، نہ کہ مخامرۃ العقل کی وجہ سے، سو صاحب ہدایہ کا یہ قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کلام کے معارض نہیں ہے، کیونکہ صاحب ہدایہ کی مراد یہ ہے کہ خمر کا لفظ ثلاثی مجرد ہے اور مخامرۃ کا لفظ ثلاثی مزید فیہ ہے، سو جو ثلاثی مجرد ہے یعنی خمر وہ ثلاثی مزید فیہ یعنی مخامرۃ سے کیسے مشتق ہوگا؟ پھر صاحب ہدایہ نے یہ بیان کیا کہ خمر کا انگور کے کچے شیرہ کے ساتھ خاص ہونا اس کے منافی نہیں ہے کہ کسی اور نشہ آور مشروب پر خمر کا مجازاً اطلاق کیا جائے۔ پھر

صاحب ہدایہ نے نجم کی مثال دی ہے کہ اس کا معنی ظہور ہے اور یہ ثریا کے ساتھ مخصوص ہے، اس سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ ہر جو چیز ظاہر ہو، اس کو نجم کہا جائے اور کہا: اس کی بہ کثرت نظائر ہیں جیسے قارورہ یعنی بوتل، اس کو قارورہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں کوئی چیز قرار پکڑتی ہے، اب اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر وہ چیز جس میں کوئی چیز قرار پکڑے اس کو قارورہ یعنی بوتل کہا جائے، اسی طرح اگر خمر کو خمر اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے، تو اس سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ ہر وہ چیز جو عقل کو ڈھانپ لے، اس کو حقیقتاً خمر کہا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۵۷۔ ۲۵۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

متاخرین غیر مقلدین کا فقہاء احناف پر طعن

مشہور غیر مقلد شیخ وحید الزمان التوفی ۱۳۲۸ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برسر منبر تمام صحابہ کے سامنے یہ بیان کیا اور سب نے سکوت کیا گویا اجماع ہو گیا، اب اس اجماع کے خلاف ایک ابراہیم نخعی کا قول کیا حجت ہو سکتا ہے؟ اور ان حنفیہ پر تعجب آتا ہے جو صحیح اور مشہور حدیثوں کو چھوڑ کر ابوحنیفہ کے قول پر جمے رہے اور اس سے بڑھ کر کون سی ہٹ دھرمی ہوگی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا ۝ (النساء)

اور جو شخص ہدایت کے ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور (تمام) مسلمانوں کے راستہ کے خلاف چلے تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے O

معاذ اللہ! بہت علمائے صالحین نے جو اپنے تئیں حنفی کہتے تھے، اس مسئلہ میں امام بخاری کا قول ترک کر دیا ہے۔
(تیسیر الباری فی شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۹۰ نعمانی کتب خانہ لاہور)

ایک اور غیر مقلد عالم شیخ محمد داؤد راز لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برسوں تمام صحابہ کے سامنے یہ بیان کیا اور سب نے سکوت کیا گویا اجماع ہو گیا، اب اس اجماع کے خلاف ایک ابراہیم نخعی کا قول کیا حجت ہو سکتا ہے اور ان حنفیہ پر تعجب ہوتا ہے جو صحیح حدیث چھوڑ کر غلط مسئلہ پر جمے رہتے ہیں، صاحب ہدایہ کا یہ قول ہے کہ خمر وہی ہے جو کشمش سے تیار کی جاتی ہے، اس کے جواب میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ، سارے حجازی اور جملہ اہل حدیث سب کا قول یہ ہے کہ ہر نشہ لانے والی چیز شراب ہے اور سب کا حکم وہی ہے جو کشمش سے تیار کردہ شراب کا ہے۔ (ترجمہ و شرح صحیح بخاری ج ۷ ص ۲۳۲، مکتبہ قدوسیہ لاہور ۲۰۰۴ء)

غیر مقلدین کے طعن کا جواب

فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ انگور کا کچا شیرہ جو رکھے رکھے سڑ جائے اور جھاگ چھوڑ دے، وہ حقیقتاً خمر ہے اور حرام قطعی ہے، اور باقی شرابیں جو نشہ آور ہوں، وہ حرام ظنی ہیں، کیونکہ خمر کی حرمت قرآن مجید کی نص قطعی سے ثابت ہے اور کھجور اور گندم اور جو سے بننے والی شرابوں کی حرمت احادیث سے ثابت ہے، اس لئے وہ حرام ظنی ہیں اور جب یہ شرابیں نشہ آور ہوں تو یہ بھی حرام ہیں اور ان کا پینے والا حد کا مستحق ہے اور جن احادیث میں ان کو خمر کہا گیا ہے، فقہاء احناف ان احادیث کا انکار نہیں کرتے، وہ یہ کہتے ہیں کہ ان

پرخمر کا اطلاق مجازاً ہے اور انگور کی شراب سے تشبیہ کی وجہ سے حرام ہے اور تشبیہ نشہ آور ہونے میں ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین حرام قطعی اور حرام ظنی میں فرق نہیں کرتے اور امام ابوحنیفہ نے حرام قطعی اور حرام ظنی میں فرق کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید لغتِ عرب پر نازل ہوا ہے اور لغتِ عرب میں خمر اسی مشروب کو کہا جاتا ہے جو انگور کا کچا شیرہ ہو اور پڑے پڑے جھاگ چھوڑ دے، اور خمر مطلقاً حرام ہے، خمر کو پینے کے بعد نشہ ہو یا نہ ہو اس کے پینے والے پر حد جاری ہوگی، جب کہ باقی شرابیں اس وقت حد کی موجب ہیں جب ان کے پینے سے نشہ ہو جائے اور یہ فرق صرف امام ابوحنیفہ نے کیا ہے باقی ائمہ نے نہیں کیا۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

ہمارے اصحابِ احناف یہ کہتے ہیں: حقیقت میں خمر انگور کے اس کچے پانی کو کہتے ہیں جو گاڑھا ہو اور دوسری شرابوں کو خمر مجازاً اور تشبیہاً کہا جاتا ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت ہے، انہوں نے فرمایا: خمر کو بعینہٖ حرام قرار دیا گیا ہے اور ہر نشہ آور مشروب کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور ابن شہاب کی روایت ہے از ابن ابی لیلیٰ از عیسیٰ کہ ان کے والد نے ان کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف کسی کام سے بھیجا تو وہاں انہوں نے بہت گاڑھا طلاء دیکھا اور طلاء وہ مشروب ہے جو کثیر مقدار میں نشہ آور ہوتا ہے اور قلیل مقدار میں نشہ آور نہیں ہوتا، پس حضرت انس رضی اللہ عنہ کے نزدیک طلاء خمر نہیں تھا اور اس کی کثیر مقدار نشہ آور ہوتی ہے، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ طلاء کو پیتے تھے، اس سے ثابت ہوا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے نزدیک طلاء اس عموم میں داخل نہیں ہے کہ ہر وہ مشروب جو نشہ آور ہو وہ خمر ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ طلاء پیتے تھے اور طلاء خمر نہیں ہے۔ اسی وجہ سے الرافعی نے کہا ہے کہ اکثر شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ خمر حقیقت میں وہی ہے جو انگور کے شیرہ سے بنائی جائے اور دوسرے مشروبات کو جو خمر کہا جاتا ہے، وہ مجاز ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۵۹۔ ۲۶۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۔ بَابُ: مَا جَاءَ فِيمَنْ يَسْتَحِلُّ الْخَمْرَ وَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ

ان لوگوں کا بیان جو خمر کو حلال قرار دیتے ہیں اور خمر کا کوئی اور نام رکھتے ہیں

اس باب کی احادیث ان لوگوں کے بیان میں ہیں جو خمر کو حلال قرار دیتے ہیں اور اس کا کوئی اور نام رکھ دیتے ہیں۔

۵۵۹۰۔ وَقَالَ هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ حَدَّثَنَا عَطِيَّةُ بْنُ قَيْسٍ الْكِلَابِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ غَنْمٍ الْأَشْعَرِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو عَامِرٍ أَوْ أَبُو مَالِكٍ الْأَشْعَرِيُّ وَاللَّهِ مَا كَذَبَنِي سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ وَالْحَرِيرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ وَلَيَنْزِلَنَّ أَقْوَامٌ إِلَى جَنْبِ عَلَمٍ يَرُوحُ عَلَيْهِمْ بِسَارِحَةٍ لَهُمْ يَأْتِيهِمْ يَعْنِي الْفَقِيرَ لِحَاجَةٍ فَيَقُولُونَ ارْجِعْ إِلَيْنَا غَدًا فَيُبَيِّتُهُمُ اللَّهُ

اور ہشام بن عمار نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی صدقہ بن خالد نے، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی عبدالرحمن بن یزید بن جابر نے، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی عطیہ بن قیس الکلابی نے، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی عبدالرحمن بن غنم الاشعری نے، انہوں نے کہا: مجھے حدیث بیان کی ابو عامر نے یا ابو مالک اشعری نے، اور اللہ کی قسم! انہوں نے جھوٹ نہیں بولا، انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: میری امت میں سے ضرور ایسے لوگ ہوں گے جو زنا کو، ریشم کو، الخمر کو اور گانے بجانے کے آلات کو حلال قرار دیں گے، اور ضرور کچھ قومیں پہاڑ

وَيَضَعُ الْعَلَمَ وَيَمْسَخُ آخَرِينَ قِرَدَةً وَخَنَازِيرَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ (سنن ابی داؤد: ۴۰۳۹)

کے دامن میں ٹھہریں گی، صبح اور شام ان کے پاس ان کا چرواہا آئے گا یعنی فقیر اور اپنی ضرورت بیان کرے گا، تو وہ کہیں گے: ہمارے پاس کل آنا، اللہ تعالیٰ رات میں ہی ان کو ہلاک کردے گا اور ان پر پہاڑ کو گرادے گا اور دوسرے لوگوں (یعنی زنا اور ریشم وغیرہ کو جنہوں نے حلال قرار دیا تھا) کو بندر اور خنزیر کی صورتوں میں مسخ کردے گا، وہ قیامت تک اسی صورت میں رہیں گے۔

صحیح البخاری: ۵۵۹۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان کا پہلا جز خمر کو حلال کرنے والوں کی وعید کے متعلق ہے، اور دوسرے جز میں یہ بیان کیا ہے کہ جو خمر کا نام بدل دیتے ہیں اور کوئی اور نام رکھ دیتے ہیں، اس کے متعلق بھی حدیث ہے لیکن وہ امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہے، اس لئے انہوں نے اس کا ذکر نہیں کیا، اس حدیث کی امام ابوداؤد نے از مالک بن ابی مریم از ابی مالک اشعری از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے کہ ضرور کچھ لوگ خمر کو پییں گے اور اس کا کوئی اور نام رکھ دیں گے، اس حدیث کو امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے، اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت میں سے چند لوگ خمر کو پییں گے اور اس کا کوئی اور نام رکھ لیں گے، اس حدیث کو بھی امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے، آپ فرما رہے تھے: میری امت میں سے کچھ لوگ خمر کو پییں گے اور اس کا کوئی اور نام رکھ لیں گے، ان کے سروں کے اوپر گانے بجانے کے آلات بجائے جائیں گے اور گانے والیاں گائیں گی، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو زمین میں دھنسا دے گا اور ان (میں سے بعض) لوگوں کو بندر اور خنزیر بنا دے گا۔

صحیح البخاری: ۵۵۹۰ کی تحقیق

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے: ہشام بن عمار نے کہا، یہ ابن نصیر بن میسرہ ابوالولید السلمی الدمشقی ہیں، اور یہ امام بخاری کے مشائخ میں سے ایک ہیں، امام بخاری نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ان سے حدیث روایت کی ہے اور کتاب البیوع میں دو جگہ ان سے حدیث روایت کی ہے اور تین جگہ اس طرح روایت کی ہے کہ ہشام بن عمار نے کہا: کتاب الاشربہ میں یہ حدیث ہے، اور کتاب المغازی میں ان سے روایت ہے کہ حدیبیہ کے دن لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متفرق ہو گئے درختوں کے سائے میں، اور یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم فلاں کی مثل نہ ہو جانا جو رات کو قیام کرتا تھا، ان تین جگہوں پر امام بخاری نہ حدثنا کہتے ہیں اور نہ اخبرنا کہتے ہیں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ امام بخاری نے ہشام بن عمار سے اس حدیث کو مذاکرۃً حاصل کیا ہے۔

اور یہ حدیث صحیح ہے اگرچہ یہ حدیث تعلیق کی صورت میں ہے اور حفاظ کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ جس حدیث کو امام بخاری وثوق کے ساتھ تعلیق کی صورت میں روایت کریں تو وہ حدیث صحیح ہوتی ہے، خواہ وہ ان کے شیخ سے روایت نہ ہو۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''میری امت میں سے ایسے لوگ ہوں گے جو زنا اور ریشم اور خمر اور گانے بجانے کے آلات کو حلال قرار دیں گے''۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ جو شخص اس چیز کو حلال قرار دے جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، اگر وہ علی الاعلان حلال قرار دے، تو وہ کافر ہوگا، اور اگر دل میں چھپائے گا تو وہ منافق ہوگا یا پھر وہ ان حرام کاموں کا سستی کی وجہ سے اور احکامِ شرعیہ کے استخفاف کی وجہ سے مرتکب ہوگا تو وہ کفر کے قریب ہے اور نظر کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے لوگ وہی ہوں گے جو کفر کے معتقد ہوں گے اور اسلام کا نام اختیار کریں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ دنیا میں ان کو نہیں دھنسائے گا جن پر آخرت میں اس کی رحمت ہوگی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان لوگوں کا امت میں سے ہونا اس سے بعید ہے کہ وہ بغیر تاویل اور تحریف کے ان چیزوں کو حلال قرار دے، کیونکہ اس فعل سے وہ علانیہ امت سے خارج ہو جائیں گے، کیونکہ خمر کی تحریم بالبداہت معلوم ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یستحلون الحر'' اَلحِرَ کا معنی ہے: فرج، اور اصل میں یہ لفظ الحرح ہے، پس اس میں سے ایک حاء کو حذف کر دیا گیا ہے، اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ زنا کو حلال قرار دیں گے۔

اور اس حدیث میں ''الحریر'' کا ذکر ہے، الحریر کا معنی ہے ریشم، یعنی وہ لوگ ریشم کو حلال قرار دیں گے اور اللہ تعالیٰ نے جو ریشم پہننے سے منع کیا ہے اس ممانعت کو حلال قرار دیں گے

اور اس حدیث میں ''المعازف'' کا ذکر ہے: الصحاح میں مذکور ہے کہ یہ لہو ولعب کے آلات ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ لہو ولعب کی آوازیں ہیں اور علامہ الدمیاطی کے حواشی میں مذکور ہے کہ ''المعازف'' دف وغیرہ ہیں جن کو بجایا جاتا ہے اور غناء کے اوپر بھی معازف کا اطلاق ہوتا ہے اور ہر لعب کے اوپر معازف کا اطلاق ہوتا ہے۔

اور اس حدیث میں ''عَلَم'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے پہاڑ اور اس کی جمع اعلام ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ علم کا معنی ہے پہاڑ کی چوٹی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یروح علیھم'' اس کا فاعل محذوف ہے، یعنی بکریوں کا چرانے والا ان کے پاس آئے گا، اس کے بعد فقیر کا ذکر کیا، یعنی وہ بکریوں کا چرانے والا فقیر ہوگا اور ان سے اپنی کسی ضرورت کا سوال کرے گا تو وہ لوگ کہیں گے: واپس جاؤ، کل آنا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''فیبیتھم اللہ'' یعنی اللہ تعالیٰ ان کو رات میں ہلاک کر دے گا، اور البیات کا معنی ہے: دشمن کا اچانک رات کے وقت ٹوٹ پڑنا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے: ''ویضع العلم'' یعنی ان کے اوپر اللہ تعالیٰ پہاڑ کو گرا دے گا جو ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور وہ پہاڑ ان کے سروں کے اوپر گرے گا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''ویمسخ آخرین'' یعنی جو لوگ پہاڑ کے گرنے سے ہلاک نہیں ہوں گے ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ مسخ کر دے گا۔

علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے اس سے مراد حقیقت ہو، جیسا کہ گزشتہ امتوں میں نافرمانوں کو مسخ کر دیا گیا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مسخ سے مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کے اخلاق کو تبدیل کر دے گا۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس امت میں بھی مسخ ہوسکتا ہے اور متعدد احادیث جن کی سندیں بین ہیں، ان میں مذکور ہے کہ اس امت میں خسف بھی ہوگا اور مسخ بھی ہوگا۔ خسف کا معنی ہے: زمین میں دھنسا دینا اور مسخ کا معنی ہے: انسان کی صورت کو مسخ کر کے کوئی اور صورت بنا دینا، جیسے پچھلی امتوں میں سے یہودیوں کو بندر بنا دیا تھا اور خنزیر بنا دیا تھا۔ اور حدیث میں یہ بھی وارد ہے کہ قرآن کو ان کے سینوں سے نکال لیا جائے گا اور خوفِ خدا کو اور امانت کو ان کے سینوں سے نکال لیا جائے گا اور اس سے زیادہ مسخ نہیں ہوگا۔ اور کبھی حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہوتی ہے، پس اللہ تعالیٰ جن کو جلدی سزا دینے کا ارادہ کرے گا ان کو مسخ کر دے گا، جیسا کہ ایک قوم کو زمین میں دھنسا دیا، تو اسی طرح مسخ بھی ہوگا۔ اور علامہ خطابی کا زعم ہے کہ خسف اور مسخ اس امت میں بھی ہوگا، جیسا کہ پچھلی امتوں میں ہوتا رہا ہے، برخلاف ان لوگوں کے جن کا یہ زعم ہے کہ اس امت میں خسف اور مسخ نہیں ہوگا۔ اور مسخ سے مراد یہ ہے کہ ان کے دلوں کو مسخ کر دیا جائے گا۔

امام سعید بن منصور نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانے میں میری امت میں سے کچھ لوگوں کو بندر اور خنزیر کی صورتوں میں مسخ کر دیا جائے گا، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! وہ لوگ اس بات کی شہادت دیتے ہوں گے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں! اور وہ نماز پڑھتے ہوں گے اور روزے رکھتے ہوں گے اور حج کرتے ہوں گے، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ان کا کیا جرم ہے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ گانے بجانے کے آلات کو رکھیں گے اور گانے والی عورتوں کو رکھیں گے اور دفوف (دف کی جمع) کو رکھیں گے، اور وہ یہ ممنوعہ مشروبات پییں گے، تو وہ اپنے اسی لہو ولعب پر رات گزاریں گے اور انہی مشروبات کو پیتے ہوئے رات گزاریں گے، صبح اٹھیں گے تو وہ بندر اور خنزیر ہوں گے۔ امام ترمذی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے، ہم اس کو صرف اسی سند سے پہچانتے ہیں۔

اور نوادر ترمذی میں مذکور ہے: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت میں دہشت اور گھبراہٹ ہوگی، پھر لوگ اپنے علماء کی طرف جائیں گے تو وہ بندر اور خنزیر ہوں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۶۲۔ ۲۶۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۹۰ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح بخاری کی حدیث مذکور کی تائید میں دیگر احادیث

ابو مالک اشعری بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں سے کچھ لوگ خمر کو پییں گے اور اس کا نام خمر کے علاوہ کچھ اور رکھیں گے، ان کے سروں کے اوپر باجے بجائے جائیں گے اور گانے والی عورتیں گائیں گی، اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں دھنسا دے گا اور ان میں سے بعض کو بندر اور خنزیر بنا دے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص

۲۷، رقم الحدیث: ۲۳۷۴۸)

امام نسائی نے بھی اس حدیث کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت کی ہے۔ (سنن نسائی ج ۸ ص ۳۱۲۔۳۱۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے اسلام میں جس چیز کو اوندھا کیا جائے گا، یہ وہ مشروب ہے جس کو الطلاء کہا جاتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۶۸، رقم الحدیث: ۲۳۷۶۶)

یعنی لوگ خمر کو طلاء کا نام دے کر پئیں گے۔

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایام اس وقت تک ختم نہیں ہوں گے حتیٰ کہ میری امت میں سے ایک جماعت خمر کو پیئے گی اور اس کا نام کچھ اور رکھ لے گی۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۳۸۴)

علامہ البوصیری نے کہا ہے: اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں عبدالسلام بن عبدالقدوس ایک راوی ہے اور وہ ضعیف ہے۔ (زوائد ابن ماجہ ج ۴ ص ۴۴۰)

حضرت سعید بن ابی راشد بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس امت میں خسف بھی ہوگا اور مسخ بھی ہوگا۔ (معجم الصحابہ، ج ۱ ص ۲۶۴، رقم الحدیث: ۳۰۵)

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: جن احادیث میں یہ ذکر ہے کہ اس امت میں مسخ ہوگا، تو اس سے مراد دلوں کو مسخ کرنا ہے، حتیٰ کہ لوگ نیکی کو نیک نہیں سمجھیں گے اور برائی کو برا نہیں سمجھیں گے اور یہ بھی حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قرآن کو لوگوں کے سینوں سے نکال لیا جائے گا اور خشوع کو اور امانت کو ان کے سینوں سے نکال لیا جائے گا، اور اس سے زیادہ مسخ نہیں ہوگا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ احادیث اپنے ظاہر پر محمول ہوں، پس اللہ تعالیٰ ان کو جن کو جلدی سزا دینا چاہتا ہو، ان کی صورتوں کو مسخ کردے جیسا کہ ایک قوم کو زمین میں دھنسا دیا گیا اور ان کو زلزلوں سے ہلاک کر دیا اور ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ لوگ زلزلوں سے ہلاک ہوگئے، تو اسی طرح مسخ بھی ہوسکتا ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۶ ص ۵۳۔۵۲)

امام ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب میری امت میں پندرہ خصلتیں ہوں گی تو ان پر عذاب کا آنا حلال ہوجائے گا اور ان خصلتوں میں ان کا ذکر کیا کہ خمر پی جائے گی، ریشم پہنا جائے گا، گانے والی عورتیں رکھی جائیں گی، گانے بجانے والے آلات رکھے جائیں گے، تو جب ایسا ہو تو تم تین قسم کے عذاب کا انتظار کرنا۔ سرخ آندھی چلے گی، اور زمین میں دھنسا دیا جائے گا اور صورتیں مسخ کردی جائیں گے۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں فرج بن فضالہ ہیں اور اس کا حافظہ ضعیف ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۲۱۰)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۷ ص ۱۲۹۔۱۳۹ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

حدیث میں مذکور سخت عذاب کی توجیہ از مصنف

اس حدیث میں مذکور ہے کہ کچھ لوگ پہاڑ کے دامن میں رہیں گے اور صبح شام ان کے پاس فقراء چرواہے آئیں گے اور اپنی ضرورت کا سوال کریں گے تو وہ ان سے کہیں گے: اب چلے جاؤ کل آنا، تو اللہ تعالیٰ رات میں ان کو ہلاک کردے گا اور ان کے اوپر پہاڑ کو گرادے گا۔

اب یہ سوال ہے کہ جن لوگوں نے فقراء اور سائلین کو ان کے سوال کے مطابق نہیں دیا اور ٹال مٹول سے کام لیا اور کہا کہ کل آنا تو ان کو اتنا سخت عذاب دیا جائے گا کہ پہاڑ کو ان کے اوپر گرا دیا جائے گا، یا رات میں اچانک ان کو ہلاک کر دیا جائے گا تو اس سخت عذاب کی کیا توجیہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب امراء پہاڑ کے دامن میں پر فضاء مقامات اور سرسبز وشاداب جگہوں میں رہیں گے اور وہاں پر ضرورت مند فقراء تعاون کی امید اور توقع لے کر جائیں گے اور ان کے سامنے سوال کریں گے اس خیال سے کہ وہ لوگ ان کی مدد کریں گے، لیکن وہ امراء ان کی مدد نہیں کریں گے اور انہیں ٹالنے کے لیے کہیں گے: کل آنا، اور بخل میں مبالغہ کریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے اوپر عذاب بھی اتنا سخت نازل ہوگا۔ وہ فقراء سے یوں کہیں گے کہ تم ہمارے پاس کل آنا یعنی وہ فقراء کا استہزاء کرنے کے لیے کہیں گے کہ کل آ جائیں اور مقصد صرف ان کو ٹالنا ہوگا اس لیے وہ سخت سزا کے مستحق قرار پائیں گے۔ اور جو لوگ زنا، ریشم، خمر اور گانوں اور باجوں کو حلال قرار دیں گے، ان پر یہ عذاب آئے گا کہ ان کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا اور ان کی صورتیں مسخ کر دی جائیں گی، یہ بھی سخت عذاب ہے اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ ان کا جرم بھی بہت سخت تھا، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال کیا اور اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال کرنا کفر ہے اور کفار کو زمین میں دھنسا دیا جاتا ہے اور ان کے چہرے مسخ کر دیے جاتے ہیں۔

صحیح البخاری: ۵۵۹۰ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس پر دلیل کہ کسی چیز کا نام بدلنے سے حقائق تبدیل نہیں ہوتے

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حیلہ کرنے سے حقائق تبدیل نہیں ہوتے، کیونکہ حیلہ کسی فعل کو مباح کی صورت میں پیش کرتا ہے اور کسی چیز کا نام بدلنے سے اس چیز کا حکم تبدیل نہیں ہوتا۔

امام بخاری نے یہاں پر اس صریح حدیث کی روایت نہیں کی جس میں یہ تصریح ہے کہ اس امت کے کچھ لوگ خمر کا نام بدل کر اس کو پئیں گے، کیونکہ وہ حدیث امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہے، لیکن یہ حدیث جس میں چار چیزوں کا ذکر ہے یعنی جو لوگ زنا کو حلال کریں گے اور ریشم کو اور خمر کو اور گانے بجانے کے آلات کو اور ان کے متعلق وعید کا ذکر کیا، یہ چاروں چیزیں حرام ہیں، لیکن یہ جو فرمایا ہے کہ وہ حِر کو حلال کریں گے اور اس کا معنی ہے: فرج اور یہ زنا اور لواطت دونوں کو شامل ہے۔ العیاذ باللہ! اور وہ اس کو حلال قرار دیں گے، اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ وہ اس کو حقیقۃً حلال قرار دیں گے یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ان کاموں کا اس طرح ارتکاب کریں گے جیسے کسی حلال کام کا کیا جاتا ہے، رہا ریشم تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں پر حرام کر دیا ہے عورتوں کے لیے جائز ہے۔ اور رہے المعازف، تو علماء نے کہا: اس سے مراد ہیں: لہو ولعب کے آلات، اور ان کو حلال قرار دینے کی دو صورتیں ہیں، یا تو انسان یہ اعتقاد کرے گا کہ یہ حلال ہیں، یا تو اس کو حرام ہی سمجھے گا لیکن اس کا ارتکاب اس طرح کرے گا جیسے حلال کام کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔

''یستحلون'' کے دو محمل کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے: وہ ان کو حلال سمجھیں گے، علامہ ابن العربی نے کہا ہے: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کا یہ اعتقاد ہو کہ یہ چیزیں حلال ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ مجاز ہیں، یعنی ان کو حرام سمجھیں گے لیکن ان کا ارتکاب اس طرح کریں گے جیسے حرام کام کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔

''معازف'' کا معنی

اور اس حدیث میں المعازف کا ذکر ہے، یہ لہو و لعب کے آلات ہیں اور علامہ قرطبی نے الجوہری سے نقل کیا ہے کہ معازف سے مراد ہے: گانا، اور صحاح جوہری میں لکھا ہے کہ یہ آلاتِ لہو ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ لہو و لعب کی آوازیں ہیں۔

حدیث مذکور میں دو گروہوں کے دو قسم کے عذاب کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جو لوگ سائلین کو اور فقراء کو نہیں دیں گے، ان پر رات کے وقت اچانک پہاڑ آ کر گرے گا اور وہ لوگ ہلاک ہو جائیں گے اور جو لوگ ان چار چیزوں کو حلال قرار دیں گے تو ان کی صورتوں کو مسخ کر دیا جائے گا۔ ابن العربی نے کہا ہے: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حقیقۃً ان کی صورتوں کو مسخ کر دیا جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے اخلاق تبدیل کر دیے جائیں۔ شیخ عثیمین کہتے ہیں کہ پہلا معنی حدیث کے سیاق و سباق کے زیادہ لائق ہے اور اس میں ان لوگوں پر وعید شدید ہے جو لوگ کسی حرام چیز کا نام بدل کر اس کے ساتھ حلال کا معاملہ کرتے ہیں۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۱۲۔ ۳۱۴، ملخصاً و ملتقطاً، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۷۔ بَابٌ: اَلْاِنْتِبَاذِ فِی الْاَوْعِيَةِ وَالتَّوْرِ — برتنوں میں اور پتھر کے پیالہ میں نبیذ بنانا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں نبیذ بنانے کا حکم بیان کیا گیا ہے، اس عنوان میں اوعیۃ کا ذکر ہے، یہ وعاء کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: ظرف اور برتن، اور تور ایک لفظ خاص ہے، اس کا عام پر عطف کیا گیا ہے، اس سے مراد ہے: پیتل یا تانبے کا برتن، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ایک بڑا پیالہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ طشت کی مثل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ پتھر کا برتن ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تور اسی وقت بولا جاتا ہے جب وہ چھوٹا برتن ہو یا چھوٹا پیالہ ہو، علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: جس تور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نبیذ بنایا گیا تھا، وہ پتھر کا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۶۳۔ ۲۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۹۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ سَهْلًا يَقُولُ أَتَى أَبُو أُسَيْدٍ السَّاعِدِيُّ فَدَعَا رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي عُرْسِهِ فَكَانَتِ امْرَأَتُهُ خَادِمَهُمْ وَهِيَ الْعَرُوسُ قَالَ أَتَدْرُونَ مَا سَقَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْقَعْتُ لَهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یعقوب بن عبد الرحمٰن نے حدیث بیان کی از ابی حازم، انہوں نے کہا: میں نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو اسید الساعدی رضی اللہ عنہ آئے، سو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی شادی میں دعوت دی تو ان کی بیوی گھر کا کام کاج کر رہی تھی حالانکہ وہ

تَمَرَاتٍ مِنَ اللَّيْلِ فِي تَوْرٍ۔

دلہن تھی، انہوں نے کہا: کیا آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا چیز پلائی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ میں نے چند کھجوریں رات کو پتھر کے ایک پیالہ میں بھگو دی تھیں (یعنی ان کھجوروں کا پانی یا نبیذ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پلایا تھا)۔

(صحیح البخاری: ۵۱۷۶، ۵۱۸۲، ۵۱۸۳، ۵۵۹۱، ۵۵۹۷، ۶۶۸۵، صحیح مسلم: ۲۰۰۶، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۲، مسند احمد: ۱۵۶۳۲)

صحیح البخاری: ۵۵۹۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابو حازم کا ذکر ہے، ان کا نام ہے سلمہ بن دینار، اور اس حدیث کی سند میں سہل کا ذکر ہے، وہ حضرت سعد بن مالک انصاری المدنی کے بیٹے ہیں، ان کا نام حزن تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام سہل رکھ دیا، یہ وہ ہیں جو مدینہ منورہ میں صحابہ میں سب سے آخر میں ۹۱ھ فوت ہوئے۔ اور دوسرا قول ہے کہ ۸۸ھ میں فوت ہوئے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو اُسید کا ذکر ہے اُسید، اسد کی تصغیر ہے، ان کا نام مالک بن ربیعہ الساعدی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''ان کی بیوی ان کی خادم تھیں، حالانکہ وہ دلہن تھیں'': خادم کا لفظ مذکر اور مونث دونوں پر بولا جاتا ہے، یہاں مراد خادمہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''انقعت له'' اس کا معنی ہے: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نبیذ بنایا۔

نبیذ کی تعریف اور نبیذ میں مذاہب فقہاء

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: النقیع حلال ہے جب تک گاڑھا نہ ہو، یعنی کسی برتن کے پانی میں کھجوروں کو ڈال دیا جائے، پس جب وہ پانی سخت گاڑھا ہو جائے اور جوش میں آئے تو وہ حرام ہے۔ اور فقہاء احناف نے یہ شرط عائد کی ہے کہ اس میں جھاگ پیدا ہو جائیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: جھاگ پیدا ہونے کی شرط صرف امام ابو حنیفہ نے عائد کی ہے، اور وہ بھی انگور کے کچے شیرہ میں۔ اور ان کے صاحبین کے نزدیک جھاگ پیدا ہونے کی شرط نہیں ہے، پس محض اس پانی کا گاڑھا ہونا اور جوش میں آنا اس پانی کو حرام کر دیتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''من الیل'' المہلب نے کہا: رات کو کھجوریں پانی میں بھگوئی جاتی ہیں اور دوسرے دن پی جاتی ہیں، یا دن میں کھجوریں پانی میں بھگوئی جاتی ہیں اور رات میں پی لی جاتی ہیں، سو اس قسم کا نبیذ جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٨۔ بَابُ: تَرْخِيصِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْأَوْعِيَةِ وَالظُّرُوفِ بَعْدَ النَّهْيِ

ممانعت کے بعد تمام برتنوں اور ظروف میں نبیذ بنانے کی اجازت دینا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے برتنوں میں اور ظروف میں نبیذ بنانے کی اجازت دی ہے، ظروف کا لفظ ظرف کی جمع ہے، اور ''المغرب'' میں لکھا ہوا ہے کہ ظرف کا معنی برتن ہے، اس اعتبار سے وعاء اور ظرف میں کوئی فرق نہیں ہے، پھر ظروف کا جو اوعیۃ پر عطف ہے، یہ اس اعتبار سے ہے کہ یہ الفاظ مختلف ہیں اگرچہ معنی دونوں کا ایک ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ظرف سے مراد مشک ہے، اور اب یہ خاص کا عطف عام پر ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ٢١ ص ٢٦٤، دارالکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ ھ)

٥٥٩٢۔ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ جَابِرٍ رضى الله عنه قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الظُّرُوفِ فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ إِنَّهُ لَا بُدَّ لَنَا مِنْهَا قَالَ فَلَا إِذًا وَقَالَ خَلِيفَةُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ جَابِرٍ بِهٰذَا حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بِهٰذَا وَقَالَ فِيهِ لَمَّا نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الْأَوْعِيَةِ۔

(سنن ترمذی: ١٨٧٠، سنن نسائی: ٥٦٥٦، سنن ابوداؤد: ٣٦٩٩، مسند احمد: ١٤٣٨٢)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یوسف بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن عبداللہ ابو احمد الزبیری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از منصور از سالم از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے برتنوں (میں نبیذ بنانے) سے منع فرمایا، تو انصار نے کہا: ہمارے لیے تو یہ برتن ضروری ہیں، آپ نے فرمایا: پھر کوئی حرج نہیں۔ اور مجھ سے خلیفہ نے کہا کہ ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از منصور از سالم بن ابی الجعد از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، اسی حدیث کو۔ ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے یہی حدیث بیان کی۔ اور اس میں یہ کہا: جب نبی ﷺ نے برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا۔

صحیح البخاری: ٥٥٩٢، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یوسف بن موسیٰ کا ذکر ہے، یہ ابن راشد القطان الکوفی ہیں، یہ بغداد میں رہے اور دو سو باون ہجری میں فوت ہو گئے، اور الزبیری میں زبیر کی طرف نسبت ہے جو ان کے اجداد میں سے ایک ہیں، اور سفیان وہ ثوری ہیں اور منصور ابن المعتمر ہیں اور سالم ابن ابی الجعد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظروف سے منع فرمایا"، یعنی ظروف میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا معنی یہ ہے کہ جن برتنوں میں پہلے خمر بنائی جاتی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے، مبادا خمر کے برتنوں میں نبیذ بنانے سے لوگوں کو پھر خمر بنانے کی لت نہ پڑ جائے۔ (سعیدی غفرلہ)

ترمذی کی روایت میں ہے کہ انصار نے کہا: ہمارے پاس تو اور برتن نہیں ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر کوئی حرج نہیں ہے، یعنی جب تمہارے پاس اور برتن نہیں ہیں تو پھر ان برتنوں میں نبیذ بنانے کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مخصوص برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا، پھر بعد میں اس کی اجازت دے دی، اس کی توجیہات

اس کا حاصل یہ ہے کہ ممانعت اس وقت ہے جب ان برتنوں کی ضرورت نہ ہو، اور جب یہ ظاہر ہوا کہ ان برتنوں کی ضرورت ہے تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو ان برتنوں کے استعمال کے اوپر برقرار رکھا، یا اسی وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اور آپ نے پہلا حکم منسوخ فرما دیا، یا اس مسئلہ میں حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کی طرف مفوض تھا۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ جن برتنوں میں شراب بنائی جاتی تھی، ان برتنوں میں نبیذ بنانے کی جو ممانعت تھی وہ شراب بنانے کے ذرائع کو قطع کرنے کے لیے تھی، اور ان کے سدِ باب کے لیے تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے پھر لوگ شراب بنانے کے راستہ پر چل پڑیں۔ پھر جب لوگوں نے کہا کہ ہمارے لیے یہ برتن ضروری ہیں، تو آپ نے فرمایا: ان برتنوں میں نبیذ بنالو، اور اسی طرح ہر وہ ممانعت جو کسی دوسرے سبب سے ہو، اس کا یہی حکم ہے، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے راستوں میں بیٹھنے سے منع فرمایا تھا، پھر جب لوگوں نے بتایا کہ راستوں میں بیٹھنے کے سوا ان کے لیے کوئی چارہ کار نہیں ہے، تو آپ نے فرمایا: جب تم انکار کرتے ہو تو راستے کا حق ادا کرو، یعنی اس راستہ پر اگر کوئی غلط کام ہو رہا ہو تو اس کی اصلاح کرو اور کوئی مسلمان گزرے تو اس کو سلام کرو، اور اگر وہ مسلمان سلام کرے تو اس کے سلام کا جواب دو۔

امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے: تمام قسم کے برتنوں میں نبیذ بنانا مباح ہے اور بعض برتنوں میں نبیذ بنانے کی ممانعت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے منسوخ ہو گئی ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب انصار نے کہا: ہمارے لیے برتن ضروری ہیں تو آپ نے فرمایا: پھر کوئی حرج نہیں ہے اور آپ نے تمام قسم کے برتنوں میں نبیذ بنانے کی اجازت دے دی اور ان میں سے کسی برتن کو مستثنیٰ نہیں فرمایا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۶۴۔۲۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۹۳۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِي مُسْلِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أَبِي عِيَاضٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ لَمَّا نَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْأَسْقِيَةِ قِيلَ لِلنَّبِيِّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از سلیمان بن ابی مسلم الاحول از مجاہد از ابی عیاض از عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

ﷺ لَيْسَ كُلُّ النَّاسِ يَجِدُ سِقَاءً فَرَخَّصَ لَهُمْ فِي الْجَرِّ غَيْرِ الْمُزَفَّتِ۔

(صحیح مسلم: ۲۰۰۰، سنن نسائی: ۵۶۵۰، مسند احمد: ۶۴۶۱)

مشکوں کے سوا اور برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا تو نبی ﷺ سے عرض کیا گیا کہ ہر آدمی کے پاس تو مشک نہیں ہے، پس نبی ﷺ نے ان کو اس گھڑے میں نبیذ بنانے کی اجازت دی جس پر تارکول ملا ہوا نہ ہو۔

صحیح البخاری: ۵۵۹۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن عبداللہ کا ذکر ہے، وہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ ابن عیینہ ہیں، اور ابوعیاض کا ذکر ہے، ان کے نام میں اختلاف ہے، امام نسائی نے الکنی میں لکھا ہے: ان کا نام ابوعیاض عمر بن الاسود العبسی ہے اور ایک قول ہے کہ ان کا نام ثعلبہ ہے، اور ابن المدینی نے کہا کہ اگر ابوعیاض کا نام قیس بن ثعلبہ نہیں ہے تو پھر میں ان کا نام نہیں جانتا۔ اور علامہ الکرمانی نے کہا: ان کا نام عمرو ہے، اور کہا جاتا ہے: ان کا نام عمیر بن الاسود العنبسی ہے۔ اور امام احمد نے کتاب الزہد میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوعیاض کی تحسین کی اور ابوموسیٰ نے ان کا ذیل الصحابہ میں ذکر کیا اور اس کو ابن ابی عاصم کی طرف منسوب کیا، گویا کہ انہوں نے نبی ﷺ کو پایا لیکن ان کو آپ کی صحابیت حاصل نہیں ہو سکی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب نبی ﷺ نے مشکوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا، علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہاں پر متن میں لفظ الّا کا ذکر چھوٹ گیا ہے اور اصل عبارت اس طرح سے ہے کہ جب نبی ﷺ نے مشکوں کے سوا کسی اور برتن میں نبیذ بنانے سے منع فرما دیا۔ اور علامہ کرمانی نے کہا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی یوں ہو کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مشکوں کے سبب سے نبیذ بنانے کے مسئلہ میں گھڑوں میں نبیذ بنانے سے منع فرما دیا۔ اور حمیدی نے کہا: کہ اس روایت میں لفظ الّا رہ گیا ہے اور اصل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے مشکوں کے سوا اور برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرما دیا۔ اور قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس حدیث میں الاسقیہ یعنی مشکوں کا ذکر راوی کا وہم ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے کبھی بھی مشکوں میں نبیذ بنانے سے منع نہیں فرمایا ہے۔ آپ نے برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا تھا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہاں پر کوئی وہم نہیں ہے، دراصل بات یہ ہے کہ سفیان ان دو لفظوں کو برابر سمجھتے تھے، یعنی اوعیۃ کو اور اسقیہ کو، اور اوعیۃ کے معنی برتن ہیں اور اسقیۃ کے معنی مشک ہیں۔ تو انہوں نے ایک مرتبہ اوعیۃ کے ساتھ روایت کی اور دوسری مرتبہ اسقیۃ کے ساتھ روایت کی، یعنی اس روایت میں تو اسقیۃ ہے، لیکن اس سے مراد اوعیۃ ہے یعنی رسول اللہ ﷺ نے برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۶۶۔ ۲۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۹۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے

حَدَّثَنِی سُلَیْمَانُ عَنْ إِبْرَاهِیمَ التَّیْمِیِّ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَیْدٍ عَنْ عَلِیٍّ رضی الله عنه نَهَی النَّبِیُّ ﷺ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْمُزَفَّتِ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ حَدَّثَنَا جَرِیرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ بِهَذَا۔

(صحیح مسلم: ۱۹۹۴، سنن نسائی: ۵۶۲۷، مسند احمد: ۶۳۵)

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از سفیان، انہوں نے کہا: مجھے سلیمان نے حدیث بیان کی از ابراہیم التیمی، از الحارث بن سوید از حضرت علی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کھوکھلے خشک کدو اور تارکول ملے ہوئے برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمادیا۔ ہمیں عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش، یہی حدیث۔

صحیح البخاری: ۵۵۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کو اس باب میں ذکر کرنے کی توجیہ یہ ہے کہ یہ حدیث سابق کے مطابق ہے، کیونکہ حدیث سابق میں بھی یہ ذکر تھا کہ نبی ﷺ نے ان کو ایسے گھڑوں میں نبیذ بنانے کی اجازت دی ہے جن پر تارکول ملا ہوا نہ ہو، اور اس حدیث میں بھی ذکر ہے کہ نبی ﷺ نے تارکول ملے ہوئے برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے۔ اس کے بعد امام بخاری نے اس حدیث کی دوسری سند بیان کی جس میں مذکور ہے: ہمیں عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از اعمش یہی حدیث۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۹۵۔ حَدَّثَنِی عُثْمَانُ حَدَّثَنَا جَرِیرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِیمَ قُلْتُ لِلْأَسْوَدِ هَلْ سَأَلْتَ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِینَ عَمَّا یُکْرَهُ أَنْ یُنْتَبَذَ فِیهِ فَقَالَ نَعَمْ قُلْتُ یَا أُمَّ الْمُؤْمِنِینَ عَمَّ نَهَی النَّبِیُّ ﷺ أَنْ یُنْتَبَذَ فِیهِ قَالَتْ نَهَانَا فِی ذَلِكَ أَهْلَ الْبَیْتِ أَنْ نَنْتَبِذَ فِی الدُّبَّاءِ وَالْمُزَفَّتِ قُلْتُ أَمَا ذَکَرَتِ الْجَرَّ وَالْحَنْتَمَ قَالَ إِنَّمَا أُحَدِّثُكَ مَا سَمِعْتُ أَفَأُحَدِّثُ مَا لَمْ أَسْمَعْ۔

(صحیح مسلم: ۱۹۹۵، مسند احمد: ۲۴۳۱۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از ابراہیم، میں نے اسود سے کہا: کیا تم نے حضرت عائشہ ام المومنین (رضی اللہ عنہا) سے یہ سوال کیا تھا کہ کن برتنوں میں نبیذ بنانا مکروہ ہے، تو اسود نے کہا: ہاں! میں نے کہا تھا: اے ام المومنین! نبی ﷺ نے کس میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا تھا؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: نبی ﷺ نے ہم گھر والوں کو اس سے منع فرمایا کہ ہم خشک کھوکھلے کدو اور تارکول ملے ہوئے برتنوں میں نبیذ بنائیں، ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ میں نے کہا: کیا ام المومنین نے گھڑوں اور سبز مرتبان میں نبیذ بنانے کے متعلق ذکر نہیں کیا تھا؟ تو اسود نے کہا: میں آپ سے وہی حدیث بیان کرتا ہوں جس کو میں نے سنا ہے، کیا میں آپ سے وہ حدیث بھی بیان کروں جس کو میں نے نہیں سنا؟

صحیح البخاری: ۵۵۹۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کو بھی اس باب میں ذکر کرنے کی وہی توجیہ ہے جو حدیث سابق کو اس باب میں ذکر کرنے کی توجیہ تھی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ میں نے کہا: کیا تم نے گھڑوں میں سبز مرتبان کا ذکر نہیں کیا؟، یہ کہنے والے ابراہیم نخعی ہیں جنہوں نے اسود سے یہ کلام کیا۔

اس حدیث میں حنتم کا ذکر ہے، حنتم سبز رنگ کے چکنی مٹی کے برتن کو کہتے ہیں یعنی سبز رنگ کا مرتبان۔ اس برتن میں شراب ڈال کر مدینہ لائی جاتی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس برتن میں نبیذ بنانے سے اس لئے منع فرمایا کہ چونکہ یہ چکنا ہوتا ہے تو اس کے اندر شدت اور تیزی سرعت کے ساتھ آجاتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جب یہ برتن بنایا جاتا ہے تو مٹی میں خون ملا دیا جاتا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس برتن میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا تاکہ اس طرح کے برتن نہ بنائے جائیں۔ علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ پہلی تعریف زیادہ صحیح ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۶۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۵۵۹۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى رضی اللہ عنہما قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْجَرِّ الْأَخْضَرِ قُلْتُ أَنَشْرَبُ فِي الْأَبْيَضِ قَالَ لَا۔

(سنن نسائی: ۵۶۲۲، مسند احمد: ۱۸۶۶۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الشیبانی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سبز رنگ کے مرتبان میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے، میں نے پوچھا: کیا ہم سفید رنگ کے مرتبان میں نبیذ بنا کر پی سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔

صحیح البخاری: ۵۵۹۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کو بھی اس باب میں ذکر کرنے کی وہی توجیہ ہے جو اس سے پہلے حدیث کی اس باب میں ذکر کرنے کی توجیہ بیان کی گئی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما نے پوچھا کہ کیا ہم سفید رنگ کے مرتبان میں نبیذ بنا کے پی سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! یعنی سفید رنگ کے مرتبان میں نبیذ بنانے کا وہی حکم ہے جو سبز رنگ کے مرتبان کا حکم ہے، اور سنن نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ میں نے سفید رنگ کے مرتبان کا پوچھا تو آپ نے فرمایا: مجھے از خود علم نہیں اور ایک روایت میں ہے کہ

آپ نے سبز رنگ کے مرتبان اور سفید رنگ کے مرتبان دونوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے۔

علامہ خطابی لکھتے ہیں کہ یہ حکم سبز اور سفید رنگ کے مرتبانوں پر موقوف نہیں ہے، اس کا تعلق تو نبیذ کے نشہ آور ہونے کے ساتھ ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مرتبان ایسے برتن تھے جن سے بدبو آتی تھی اور اس میں مشروب متغیر ہو جاتا تھا اور پینے والے کو اس کا پتا نہیں چلتا تھا، تو اس لیے ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمادیا تھا اور انہیں حکم دیا گیا کہ وہ مشکوں کے اندر مشروب بنائیں، پس جب مشروب کی بو متغیر ہو جائے گی تو پینے والے کو اس کے حال کا پتا چل جائے گا اور وہ اس سے اجتناب کرے گا۔ اور سبز رنگ کے مرتبانوں کا اس لئے ذکر کیا گیا کہ وہ عام طور پر سبز رنگ کے مرتبانوں میں نبیذ بناتے تھے اور سفید رنگ کا مرتبان بھی اسی کی مثل ہے، اس لیے اس میں بھی نبیذ بنانے سے منع فرمادیا۔

امام شافعی رحمہ اللہ علیہ نے از سفیان از ابی اسحاق از عبد اللہ از حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سبز رنگ اور سفید رنگ اور سرخ رنگ کے مرتبانوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے۔

جب نبیذ نشہ آور نہ ہو، تو ہر قسم کے برتن میں نبیذ کا بنانا جائز ہے

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اس کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ممانعت کا تعلق نبیذ کے نشہ آور ہونے کے ساتھ ہے، سبز رنگ یا غیر سبز رنگ کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہے، اور امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ وہ سبز رنگ کے مرتبان میں نبیذ بنا کے پیتے تھے اور امام ابن ابی شیبہ نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ان کے لیے سبز رنگ کے مرتبان میں نبیذ بنایا جاتا تھا، تو حاصل یہی نکلا کہ جو نبیذ نشہ آور ہو جائے، اس کو پینا منع ہے، خواہ وہ کسی برتن میں بنایا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: کسی برتن میں کچا پانی ڈال کر اس میں کھجوریں ڈال دی جائیں اور ایک دن یا دو دن کے بعد اس پانی کو پی لیا جائے، تو اس پانی کو نبیذ کہتے ہیں اور ایک دن یا دو دن سے زیادہ اگر کھجوریں اس پانی میں رہیں تو وہ پانی گاڑھا ہو جاتا ہے اور اس کا پینا مکروہ ہے۔ اور اگر اس سے بھی زیادہ دنوں تک کھجوریں کچے پانی میں رہیں تو وہ پانی بدبودار ہو جاتا ہے اور اس میں جھاگ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ نشہ آور ہو جاتا ہے، اور اس نبیذ کو پینا حرام ہے اور اس کو مجازاً خمر بھی کہتے ہیں۔

صحیح البخاری: ۵۵۹۶، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مخصوص برتنوں میں نبیذ بنانے کی ممانعت کے منسوخ ہونے کی تحقیق

اس باب میں جو احادیث ذکر کی گئی ہیں، ان میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس میں نسخ کی تصریح ہو، ہاں صحیح البخاری: ۵۵۹۲ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان ظروف میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا، تو انصار نے کہا: ہمارے لیے تو ان ظروف میں نبیذ بنانے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے، تو آپ نے فرمایا: پھر کوئی حرج نہیں۔

(سنن ترمذی: ۱۸۷۰، سنن نسائی: ۵۶۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۶۹۹)

جو علماء اس کے قائل ہیں کہ مخصوص برتنوں میں نبیذ بنانے کی ممانعت منسوخ ہوگئی ہے، وہ درج ذیل حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں نے تم کو خشک کھوکھلے کدو اور سبز رنگ کے مرتبانوں اور تارکول لگے ہوئے برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع کیا تھا، سو اب تم (ان برتنوں میں) نبیذ بنایا کرو اور میں کسی نشہ آور چیز کو حلال نہیں کرتا۔ (شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۲۲۸، سنن بیہقی ج ۸ ص ۳۱۰۔۳۱۱)

نسخ کا معنی ہے: کسی حکم کو اٹھا لینا، یا دلیل شرعی سے کسی حکم کو اٹھا لینا اور اس قسم کا نسخ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں اور اجماع مسلمین میں جائز ہے۔

لیکن یہ واجب ہے کہ ہم نسخ کے دعویٰ میں زیادہ وسعت نہ دیں، کیونکہ بہت سے اہل علم جب ان پر نصوص کو جمع کرنا دشوار ہو جاتا ہے اور وہ نصوص کو جمع کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ نص منسوخ ہوگئی ہے اور یہ خطاءِ عظیم ہے، کیونکہ نسخ کا معنی ہے: جو حکم منسوخ ہو گیا، اس کو باطل قرار دیا جائے اور اس کو اللہ عزوجل کی شریعت سے نکال دیا جائے۔ اور اس کے لیے ایسی دلیل کی ضرورت ہوگی جس سے یہ ثابت ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اب پچھلے حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۱۶، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۹۔ بَابُ: نَقِيعِ التَّمْرِ مَا لَمْ يُسْكِرْ کھجور کے نبیذ کا بیان جب تک وہ نشہ آور نہ ہو

پانی میں کھجوروں کو یا انگوروں کو ایک رات ڈال دیا جائے اور صبح اس پانی کو پی لیا جائے تو وہ پانی کھجور یا انگور کا شربت ہوتا ہے، اس کو عربی میں نبیذ اور نقیع کہتے ہیں۔

۵۵۹۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْقَارِيُّ عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ أَنَّ أَبَا أُسَيْدٍ السَّاعِدِيَّ دَعَا النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم لِعُرْسِهِ فَكَانَتِ امْرَأَتُهُ خَادِمَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَهِيَ الْعَرُوسُ فَقَالَتْ مَا تَدْرُونَ مَا أَنْقَعْتُ لِرَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْقَعْتُ لَهُ تَمَرَاتٍ مِنَ اللَّيْلِ فِي تَوْرٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن عبدالرحمٰن القاری نے حدیث بیان کی از ابو حازم، انہوں نے کہا: میں نے حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے سنا کہ حضرت ابو اُسید الساعدی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی شادی میں بلایا تو ان کی بیوی اس دن مہمانوں کی خدمت کر رہی تھی، حالانکہ وہ دلہن تھی۔ پھر ان کی بیوی نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کس چیز کا نبیذ بنایا تھا، میں نے رات کو چند کھجوروں کو ایک برتن کے پانی میں ڈال دیا تھا۔

(صحیح البخاری: ۵۱۷۶، ۵۱۸۲، ۵۱۸۳، ۵۵۹۱، ۵۵۹۷، ۶۶۸۵، صحیح مسلم: ۲۰۰۶، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۲، مسند احمد: ۱۵۶۳۲)

اس حدیث کی شرح عنقریب صحیح البخاری: ۵۵۹۱ میں گزر چکی ہے۔

١٠ـ بَابُ: الْبَاذَقِ وَمَنْ نَهَى عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ مِنَ الْأَشْرِبَةِ

باذق (انگور کا تھوڑا سا پکا ہوا شیرہ) کا بیان اور جس نے ہر نشہ آور مشروب سے منع کیا

وَرَأَى عُمَرُ وَأَبُو عُبَيْدَةَ وَمُعَاذٌ شُرْبَ الطِّلَاءِ عَلَى الثُّلُثِ وَشَرِبَ الْبَرَاءُ وَأَبُو جُحَيْفَةَ عَلَى النِّصْفِ

حضرت عمر، حضرت ابوعبیدہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہم کے نزدیک طلاء کا پینا جائز ہے، (یعنی جب انگور کا شیرہ پک کر ایک تہائی رہ جائے اور دو تہائی اڑ جائے) اور حضرت البراء اور حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہما نے انگور کا ایسا شیرہ پیا جو پک کر نصف رہ گیا تھا۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اشْرَبِ الْعَصِيرَ مَا دَامَ طَرِيًّا

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انگور کا شیرہ اس وقت تک پیو جب تک کہ وہ تازہ ہو۔

وَقَالَ عُمَرُ وَجَدْتُ مِنْ عُبَيْدِ اللهِ رِيحَ شَرَابٍ وَأَنَا سَائِلٌ عَنْهُ فَإِنْ كَانَ يُسْكِرُ جَلَدْتُهُ۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے عبید اللہ کے منہ سے ایک مشروب کی بو پائی اور میں ان سے سوال کرنے والا تھا، پس اگر یہ مشروب نشہ آور ہو تو میں اس کو کوڑے لگاؤں گا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں الباذق کا حکم بیان کیا گیا ہے، القابسی سے منقول ہے کہ اس لفظ میں ذال پر کسرہ ہے یعنی الباذِق اور ان سے پوچھا گیا کہ اگر ذال پر زبر ہو یعنی الباذَق ہو تو انہوں نے کہا: میں اس لفظ سے واقف نہیں ہوں۔ علامہ ابن التین نے کہا: یہ فارسی زبان کا لفظ ہے جس کو عربوں نے عربی بنالیا ہے اور الجوالیقی نے کہا: یہ لفظ اصل میں بادہ تھا تو اس کو باذق کر دیا اور یہ پکائی ہوئی خمر ہے۔ ابن قرقول نے کہا: باذق انگور کا پکا ہوا شیرہ ہے جب وہ نشہ آور ہو یا جب شیرہ گاڑھا ہو جائے اور پھر اس کو پکایا جائے اور ابن سیدہ نے کہا کہ باذق الخمر کے اسماء میں سے ہے اور کہا جاتا ہے: باذق وہ شیرہ ہے جس کا پکنے کے بعد دو تہائی حصہ اڑ جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے، اس کو مثلث کہتے ہیں اور اس کو الطلاء بھی کہتے ہیں یعنی انگور کا پکا ہوا شیرہ۔ سب سے پہلے یہ بنو امیہ نے بنایا تھا تا کہ اس کو خمر کے اسماء سے نکال دے اور یہ نشہ آور ہوتا تھا۔

طلاء، باذق اور المُنَصَّف کی تعریفات

فقہاء احناف نے کہا: انگور کا وہ شیرہ جس کو طلاء کہا جاتا ہے جب پکا لیا جائے اور دو تہائی سے کم اڑ جائے تو اس کا پینا حرام ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ طلاء وہ ہے کہ جس کا ایک تہائی اڑ جائے، پس اگر اس کا نصف اڑ جائے تو اس کو المُنَصَّف کہتے ہیں اور اگر اس کو معمولی سا جوش دیا جائے تو وہ باذق ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک جب گاڑھا ہو اور جھاگ چھوڑ دے تو وہ حرام ہے۔ اور اسی طرح تازہ کھجوروں کا نبیذ جب وہ گاڑھا ہو اور جھاگ چھوڑ دے تو اس کو سکر کہتے ہیں اور وہ بھی حرام ہے۔ اور اسی طرح کشمش کا نبیذ جب گاڑھا ہو اور جھاگ چھوڑ دے تو وہ بھی حرام ہے، لیکن ان چیزوں کی حرمت الخمر کی حرمت سے کم ہے حتیٰ کہ جو ان مشروبات

کو حلال کہے اس کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا اور جوان مشروبات کو پیئے تو جب تک اس کو نشہ نہ ہو، اس پر حد واجب نہیں ہوگی اور اس کی نجاست خفیفہ ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ اس کی نجاست غلیظہ ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی بیع جائز ہے اور اگر کوئی آدمی اس کو ضائع کر دے تو وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ اس کی بیع حرام نہیں ہے اور نہ وہ اس کو تلف کرنے سے اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔

اور اس باب کے عنوان میں مذکور ہے: اور جس نے ہر نشہ آور مشروب سے منع کیا، یعنی جس نے مشروبات کی ہر قسم جو نشہ آور ہو اس کے پینے سے منع کیا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور اس میں وہ مشروبات داخل ہیں جو دانوں سے بنائے جاتے ہیں اور جو مختلف پتوں سے اور خشخاش سے بنائے جاتے ہیں، جب یہ مشروبات نشہ آور ہوں تو حرام ہیں۔

حدیث مذکور کی تعلیقات کی شرح

اس حدیث کی پہلی تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت عمر، حضرت ابوعبیدہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہم نے طلاء کے پینے کو جائز قرار دیا: یعنی جس شیرہ کا ایک تہائی اڑ گیا ہو۔

یعنی حضرت عمر بن الخطاب، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم کے نزدیک الطلاء کا پینا جائز ہے جب انگور کے شیرہ کو جوش دیا جائے تو اس کا ایک تہائی باقی رہ جائے اور دو تہائی کم ہو جائے، رہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر، تو اس کی امام مالک نے الموطا میں از محمود بن لبید الانصاری روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جب شام میں آئے تو اہل شام نے ان سے شکایت کی کہ اس سرزمین میں وبا ہے اور گرانی ہے، اور انہوں نے کہا: ہماری اصلاح صرف شراب سے ہوگی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم شہد پیو، تو انہوں نے کہا: شہد سے ہماری اصلاح نہیں ہوتی تو اس سرزمین کے ایک مرد نے کہا کہ آپ کی کیا رائے ہے کہ میں آپ کے لیے ایسا مشروب بنا دوں جو نشہ آور نہ ہو، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! پھر انہوں نے انگور کے شیرہ کو پکایا حتیٰ کہ اس کا دو تہائی اڑ گیا یا کم ہو گیا اور ایک تہائی باقی رہ گیا اور وہ اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے کر آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں اپنی انگلی کو داخل کیا، پھر اپنا ہاتھ اٹھایا، پھر دوبارہ اس میں انگلی ڈالی، پس فرمایا: یہ طلاء ہے جیسے اونٹوں کا طلاء ہوتا ہے، پھر ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ وہ اس کو پییں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ان کے لیے کوئی ایسی چیز حلال نہیں کروں گا جو ان پر حرام ہو۔

اور رہا حضرت ابوعبیدہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کا اثر، تو اس کی امام سعید بن منصور اور امام ابن ابی شیبہ نے از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ حضرت ابوعبیدہ اور حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہم طلاء کو پیتے تھے، یعنی جس شیرہ کو پکایا جائے تو اس کا ایک تہائی باقی رہ جائے اور دو تہائی کم ہو جائے۔

امام بخاری کی دوسری تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت البراء اور حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہما نے شیرہ کی نصف مقدار کو پیا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں:

یعنی حضرت البراء بن عازب اور حضرت ابوجحیفہ وہب بن عبداللہ رضی اللہ عنہم نے شیرہ کی نصف مقدار کو پیا، یعنی جب انگور کے شیرہ کو جوش دیا گیا تو وہ نصف مقدار رہ گیا، حضرت البراء رضی اللہ عنہ کے اثر کی امام ابن ابی شیبہ نے حضرت عدی بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ طلاء کو نصف مقدار پر پیتے تھے، اور حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کے اثر کی امام ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے، انہوں نے کہا

کہ میں نے ابو محیفہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ طلاء کو نصف مقدار پر پیتے تھے۔

امام بخاری کی تیسری تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں انگور کا شیرہ اس وقت تک پیتا ہوں جب تک وہ تازہ ہو۔

علامہ عینی لکھتے ہیں:

اس تعلیق کی امام نسائی نے از ابی ثابت الثعلبی سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا، پس ایک مرد آیا اور وہ آپ سے انگور کے شیرہ کے متعلق سوال کر رہا تھا، تو آپ نے فرمایا: تم اس کو پیو جب تک وہ تر و تازہ ہو، اس نے کہا: میں نے انگور کے شیرہ کو پکایا ہے یعنی جوش دے کر پکایا ہے اور میرے دل میں اس کے متعلق تردد ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے پوچھا: کیا تم اس کو پکانے سے پہلے پیتے تھے؟ اس نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: آگ کسی حرام چیز کو حلال نہیں کرتی۔

امام بخاری کی چوتھی تعلیق میں ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے عبید اللہ سے شراب کی بُو محسوس کی اور میں اس سے اس کے متعلق سوال کروں گا، پس اگر وہ مشروب نشہ آور تھا تو میں اس کو کوڑے ماروں گا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا الخ۔ اور عبید اللہ، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں، اس تعلیق کی امام مالک نے از زہری از سائب بن یزید سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لوگوں کے پاس آئے اور فرمایا: میں نے فلاں کے منہ سے شراب کی بو محسوس کی ہے، اس کا یہ زعم ہے کہ اس نے الطِلاء کو پیا ہے اور میں اس سے سوال کروں گا کہ اس نے کیا چیز پی ہے، پس اگر وہ چیز نشہ آور ہے تو میں اس کو کوڑے ماروں گا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو پورے کوڑے مارے، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اور اس میں کچھ عبارت محذوف ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبید اللہ سے سوال کیا، پس ان کو نشہ میں پایا تو ان کو کوڑے مارے اور امام سعید بن منصور نے اس حدیث کی از ابن عیینہ از زہری روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ سائب بن یزید نے سنا، وہ کہتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہوئے، پس آپ نے فرمایا: مجھ سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ عبید اللہ بن عمر اور ان کے اصحاب نے شراب پی ہے اور میں اس سے متعلق ان سے تحقیق کروں گا، پس اگر وہ نشہ میں پائے گئے تو میں ان کو کوڑے ماروں گا۔ ابن عیینہ نے کہا: پس مجھے معمر نے خبر دی از زہری از سائب، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ ان کو کوڑے مار رہے تھے اور اس میں اختلاف ہے کہ آیا صرف شراب کی بو پانے سے شراب کی حد لگانا جائز ہے؟ زیادہ صحیح یہ ہے کہ نہیں۔ اور نشہ کے مصداق میں بھی اختلاف کیا گیا ہے، پس ایک قول یہ ہے کہ جس کا کلامِ منظوم مختلط ہو جائے (یعنی وہ بے تکی باتیں کرے) اور اس کا چھپا ہوا ستر کھل جائے وہ نشہ میں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جو آسمان اور زمین میں امتیاز نہ کر سکے اور لمبائی اور چوڑائی میں امتیاز نہ کر سکے وہ نشہ میں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۶۹-۲۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۹۸- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الْجُوَيْرِيَةِ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنِ الْبَاذَقِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از ابی

فَقَالَ سَبَقَ مُحَمَّدٌ ﷺ الْبَاذَقَ فَمَا أَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ قَالَ الشَّرَابُ الْحَلَالُ الطَّيِّبُ قَالَ لَيْسَ بَعْدَ الْحَلَالِ الطَّيِّبِ إِلَّا الْحَرَامُ الْخَبِيثُ۔

(سنن نسائی: ۵۶۰۶)

الجویریہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے الباذق سے متعلق سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم باذق کا حکم بیان کرنے سے پہلے دنیا سے تشریف لے گئے، پس جو نشہ آور ہو وہ حرام ہے، ابوالجویریہ نے کہا کہ باذق تو حلال وطیب مشروب ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ حلال طیب کے بعد تو صرف حرام خبیث ہوتا ہے۔

صحیح البخاری: ۵۵۹۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ ثوری ہیں اور ابوالجویریہ کا ذکر ہے، ان کا نام حِطّان بن خفاف الجرمی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم باذق کا حکم بیان کرنے سے پہلے دنیا سے تشریف لے گئے اور آپ نے یہ بتادیا کہ ہر وہ چیز جو نشہ آور ہو وہ حرام ہے۔

حرام مشروب کا نام بدلنے سے وہ حلال نہیں ہوتا

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خمر کی تحریم کو پہلے ہی بتا چکے ہیں، اس سے پہلے کہ لوگوں نے اس کا نام باذق رکھا اور وہ شہد کی شراب ہے، اور جب کوئی چیز نشہ آور ہو تو اس کا نام بدلنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ سمجھا کہ جو شخص ان سے سوال کر رہا ہے، وہ حرام مشروب کو نام بدل کر حلال کرنا چاہتا ہے، تو آپ نے اس کو منع کیا اور فرمایا: جو مشروب نشہ آور ہو، وہ حرام ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حلال طیب کے بعد صرف حرام خبیث رہ جاتا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ شبہات حرام کی جگہ واقع ہوجاتے ہیں اور وہ خبائث ہیں۔ صحیح بخاری کے تمام نسخوں میں اسی طرح مذکور ہے اور قائل کی تعیین نہیں کی گئی اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۷۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۹۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُحِبُّ الْحَلْوَاءَ وَالْعَسَلَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروہ نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میٹھی چیز اور شہد کو پسند فرماتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۳۱، صحیح مسلم: ۱۴۷۴، سنن ترمذی: ۱۸۳۱، سنن ابن ماجہ: ۳۳۲۳، سنن دارمی: ۲۰۷۵)

صحیح البخاری: ۵۵۹۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے الباذق، باذق اس مشروب کو کہتے ہیں جس کو معمولی سا جوش دیا جائے اور اس میں مٹھاس ہوتی ہے اور انگور کا کچا شیرہ جس کو رکھا نہ گیا ہو اور اس کا پینا جائز ہو تو وہ شہد کی مانند ہے، اور اس حدیث میں مٹھاس کا اور شہد کا ذکر ہے، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہوگئی۔ اس حدیث کی شرح اس سے پہلے کتاب الاطعمہ میں گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۷۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۱۱- بَابٌ: مَنْ رَأَى أَنْ لَا يَخْلِطَ الْبُسْرَ وَالتَّمْرَ إِذَا كَانَ مُسْكِرًا وَأَنْ لَا يَجْعَلَ إِدَامَيْنِ فِي إِدَامٍ

جن فقہاء کے نزدیک کچی اور پکی کھجوروں کو مختلط نہ کیا جائے جب کہ ان کا اختلاط نشہ آور ہو اور دو مختلف سالنوں کو ایک سالن میں نہ کیا جائے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب اس بیان میں ہے کہ کچی اور پکی کھجوروں کو نہ ملایا جائے، جب کہ ان مختلف کھجوروں کا ملانا نشہ آور ہو۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ ھ نے کہا ہے: اس عنوان میں جو لکھا ہے کہ جب ان کا اختلاط نشہ آور ہو، یہ غلط ہے، کیونکہ ان کھجوروں کو ملانے کی ممانعت عام ہے خواہ ان کی زیادہ مقدار نشہ آور نہ ہو، کیونکہ نشہ ان کی طرف تیزی سے سرایت کرتا ہے، اس حیثیت سے کہ پینے والے کو پتا نہیں چلتا اور دو قسم کی کھجوروں کو ملانے کی ممانعت اس لئے نہیں ہے کہ وہ اس حال میں نشہ آور ہوں، بلکہ اس لئے کہ وہ انجامِ کار نشہ آور ہوتی ہیں، لیکن جب کہ وہ اس حال میں نشہ آور ہوں تو ان کے ملانے کی ممانعت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

علامہ کرمانی شافعی متوفی ۷۸۶ ھ نے کہا ہے: یہ خطا نہیں ہے، بلکہ اس میں مجاز مشہور کا اطلاق کیا گیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ امام بخاری پر یہ اعتراض لازم نہیں آتا یا اس لئے کہ وہ نشہ آور ہونے سے پہلے دو قسم کی کھجوروں کے ملانے کو جائز سمجھتے ہیں اور یا اس لئے کہ انہوں نے اس باب کا یہ عنوان قائم کیا ہے تاکہ یہ عنوان اس باب کی پہلی حدیث کے مطابق ہو جائے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ اس وقت لوگوں کو جو شراب پلا رہے تھے، وہ شراب نشہ آور تھی۔ اسی لئے انہوں نے اس شراب کو تحریم خمر کے عموم میں داخل کر دیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے: ہم ان دنوں ان دو قسم کی کھجوروں کی نبیذ کو خمر شمار کرتے تھے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ ان دو قسم کی کھجوروں کو ملا کر جو نبیذ تیار کیا گیا تھا، وہ نشہ آور تھا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

جو فقہاء نشہ آور ہونے سے پہلے دو قسم کی کھجوروں کو ملا کر نبیذ بنانے کو جائز سمجھتے ہیں، وہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رضی اللہ عنہما

ہیں۔ان دونوں نے کہا کہ جن کھجوروں کے پانی کو الگ الگ جوش دیا جائے وہ حلال ہیں۔تو اسی طرح جب دو قسم کی کھجوروں کو ملا کر ان کے پانی کو جوش دیا جائے تو وہ نبیذ بھی حلال ہوگا۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابراہیم نخعی سے بھی اسی کی مثل منقول ہے۔

امام بخاری نے کہا کہ دو سالنوں کو ایک سالن میں نہ کیا جائے جیسے کھجوروں کو اور منقا کو ملا کر نبیذ نہ بنایا جائے، پس یہ دونوں ایک سالن کی مثل ہو جائیں گی، کیونکہ حدیث صحیح میں دو سالنوں کو ایک سالن میں کرنے سے منع فرمایا ہے، اس حدیث کی حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے اور حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ کھجوروں اور کشمش کو جمع کر کے نبیذ بنانے سے منع کیا گیا ہے۔اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ کشمش اور پکی کھجور اور کچی کھجور کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع کیا ہے۔اور اس ممانعت کا سبب یہ ہے کہ جب دو قسم کی کھجوروں کو ملا کر پانی میں ڈال کر نبیذ بنائیں گے تو ان کا نشہ آور ہونا زیادہ متوقع ہے، یا تو اس لئے کہ کھجوروں کی زیادہ مقدار سے نشہ آور ہونا متحقق ہو جائے گا، یا اس لئے کہ دو یا دو سے زائد قسم کی کھجوروں کو ملانا اسراف ہے اور حرص ہے اور اسراف کا جو سبب بیان کیا گیا ہے، وہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو کھجوروں کو ملا کر کھانے سے منع فرمایا ہے۔اسی طرح دو سالنوں کو ایک سالن میں کرنا بھی اسراف ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

۵۶۰۰۔حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ حَدَّثَنَا هِشَامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ إِنِّي لَأَسْقِي أَبَا طَلْحَةَ وَأَبَا دُجَانَةَ وَسُهَيْلَ بْنَ الْبَيْضَاءِ خَلِيطَ بُسْرٍ وَتَمْرٍ إِذْ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ فَقَذَفْتُهَا وَأَنَا سَاقِيهِمْ وَأَصْغَرُهُمْ وَإِنَّا نَعُدُّهَا يَوْمَئِذٍ الْخَمْرَ وَقَالَ عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ سَمِعَ أَنَسًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: میں حضرت ابو طلحہ اور حضرت ابو دجانہ اور حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہم کو ایسا نبیذ پلا رہا تھا جو کچی اور پکی کھجوروں کو ملا کر پانی میں ڈالنے سے بنایا گیا تھا کہ اچانک خمر کو حرام قرار دیا گیا تو میں نے وہ نبیذ پھینک دیا اور میں ہی ان کو پلا رہا تھا اور میں ان سب سے عمر میں چھوٹا تھا، اور ہم اس نبیذ کو اس وقت خمر ہی سمجھتے تھے۔اور عمرو بن الحارث راوی نے بیان کیا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۶۴، ۴۶۱۷، ۴۶۲۰، ۵۵۸۰، ۵۵۸۲، ۵۵۸۳، ۵۵۸۴، ۵۶۰۰، ۵۶۲۲، ۷۲۵۳، صحیح مسلم: ۱۹۸۰، سنن نسائی: ۵۵۴۲، سنن ابوداؤد: ۳۶۷۳، مسند احمد: ۱۲۹۶۳، موطا امام مالک: ۱۵۹۹، سنن دارمی: ۲۰۸۹)

صحیح البخاری: ۵۵۹۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: "کچی کھجور اور پکی کھجور کو ملا کر نبیذ نہ بنایا جائے، جب کہ یہ ملانا نشہ آور ہو"۔اور اس باب کی حدیث میں بھی مذکور ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کچی اور پکی کھجور کو ملا کر پانی میں ڈال کر نبیذ بنایا اور وہ نبیذ صحابہ کو پلا رہے تھے، پھر جب

ان کو خمر کی تحریم کی خبر پہنچی تو انہوں نے اس نبیذ کو پھینک دیا اور چھوڑ دیا، اس وجہ سے بعض فقہاء نے یہ سمجھا کہ کچی اور پکی کھجور کو ملا کر پانی میں ڈال کر نبیذ نہ بنایا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۰۰ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دو مختلف کھجوروں کو پانی میں ڈال کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے، اس ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ دو مختلف کھجوروں کو پانی میں ڈال کر نبیذ بنائیں گے تو تیزی کے ساتھ نشہ پیدا ہوگا۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے: اس لئے کہ ان میں سے ایک قسم سے میٹھا نبیذ نہیں بنتا حتیٰ کہ دوسری قسم کی کھجور جب اس میں مل جاتی ہے تو وہ تیزی سے میٹھا نبیذ بن جاتا ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ دو قسم کی کھجوروں کو ملا کر نبیذ بنانے کی ممانعت واجب ہے یا مستحب ہے، قاضی عبد الوہاب وغیرہ نے کہا ہے کہ جس نے دو کھجوروں کو مخلوط کیا، اس نے برا کام کیا، اور اگر دو کھجوروں کو بنانے سے شدت پیدا نہیں ہوئی تو اس نبیذ کا پینا جائز ہے۔

دو قسم کی مخلوط کھجوروں کے نبیذ کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

امام شافعی سے سوال کیا کہ ایک مرد نے دو مخلوط کھجوروں کا نبیذ پیا جو نشہ آور تھا، تو امام شافعی نے کہا: یہ ایسا ہے جیسے اس نے مردہ خنزیر کھایا ہو تو وہ دو وجہوں سے حرام ہے، خنزیر بھی حرام ہے اور مردار بھی حرام ہے، اسی طرح دو چیزوں کو مخلوط کرنا بھی حرام ہے اور نشہ بھی حرام ہے۔

اور جمہور علماء ان احادیث سے اس کے قائل ہیں کہ دو قسم کے مشروبات کو ملا کر پینا جائز ہے، جب کہ ہر قسم کا مشروب ایک قسم کی کھجور سے بنایا گیا ہو۔ حضرت انس، حضرت ابو مسعود انصاری، حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے عطاء اور طاؤس اور ائمہ میں سے امام مالک، لیث، امام شافعی، امام احمد اور ابو ثور اس کے قائل ہیں۔

لیث بن سعد نے کہا کہ اگر کشمش کے نبیذ کو اور کھجور کے نبیذ کو ملا کر پیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، حدیث میں صرف اس بات کی ممانعت ہے کہ کشمش اور کھجور کو ملا کر پانی میں ڈال کر نبیذ بنایا جائے۔

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف نے کہا: دو چیزوں کو مخلوط کر کے نبیذ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور جب ایک قسم کی کھجور کو جوش دے کر نبیذ بنانا جائز ہے تو اس کے ساتھ دوسری قسم کی کھجور کو ملا کر نبیذ بنایا جائے تب بھی جائز ہے، اور انہوں نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابراہیم نخعی کا بھی یہی قول ہے۔

امام طحاوی نے کہا کہ دو چیزوں کو مخلوط کرنے کی ممانعت اسراف کی وجہ سے ہے، کیونکہ اس زمانہ میں مسلمانوں پر تنگی تھی جیسا کہ جبلہ بن سحیم کی روایت ہے کہ ہمیں قحط پہنچا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ہم کو دیکھا اور ہم کھجوریں کھا رہے تھے، تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کھجوروں کو ملا کر نہ کھاؤ، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کو ملا کر کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۴۵۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر چند آدمی کھجوریں کھا رہے ہوں اور ایک آدمی دوسروں سے اجازت لے کر ملا کر کھائے تو

پھر جائز ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اسی طرح دو قسم کی کھجوروں کو ملا کر نبیذ بنانا جائز ہے، کیونکہ جب الگ الگ کھجوروں کا نبیذ بنانا جائز ہے تو ان کو ملا کر نبیذ بنانا بھی جائز ہوگا۔

دوسروں نے کہا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف معروف ہے، جس کی امام طحاوی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حکایت کی ہے، کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تمام لوگوں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثوں کی اتباع کرنے والے تھے، سو وہ آپ کی مخالفت کرنے والے نہ تھے۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ کھجوروں کا نبیذ بناتے، پھر دیکھتے کہ اگر بعض ان میں سے کچی کھجوریں ہوتیں اور بعض تازہ کھجوریں ہوتیں تو ان کو الگ الگ کر دیتے اور ملا کر نبیذ نہیں بناتے تھے، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ممانعت کا ارتکاب نہ ہو جائے۔

اور فقہاء احناف نے جو کہا ہے کہ جب الگ الگ کھجوروں کا نبیذ بنانا جائز ہے تو ان کو ملا کر نبیذ بنانا بھی جائز ہونا چاہیے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ سنت کی مخالفت میں کسی کی رائے کا دخل نہیں ہے، اور فقہاء احناف سے کہا جائے گا کہ جب ایک عورت سے نکاح کرنا جائز ہے اور اس (کے فوت ہونے کے بعد) اس کی بہن سے بھی نکاح کرنا جائز ہے تو پھر ان کو جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے، پس اگر وہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کو حرام کر دیا ہے تو اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو قسم کی کھجوروں کو ملا کر نبیذ بنانے کو بھی حرام کر دیا ہے۔

ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے لیے اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کشمش کا نبیذ بنایا جاتا، پھر اس میں کھجور ڈال دی جاتی یا کھجور کا نبیذ بنایا جاتا اور اس میں کشمش ڈال دی جاتی، تو اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دو چیزوں کو مخلوط کر کے نبیذ بنانا جائز ہے۔

ابن حزم ظاہری نے اس حدیث کو مسترد کر دیا ہے کہ اس حدیث کی سند میں بنو اسد کی ایک عورت کا ذکر ہے جو مجہول ہے، نیز اس حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے کہ از ابو بحر از عتاب بن عبد العزیز الحمانی از صفیہ بنت عطیہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کھجور اور کشمش کے نبیذ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ میں ایک مٹھی بھر کر کھجوریں لیتی اور ایک مٹھی بھر کر کشمش لیتی اور اس کا نبیذ بناتی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پلاتی۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۰۸)

ابن حزم ظاہری نے کہا: اس حدیث سے استدلال بھی مردود ہے، کیونکہ یہ ابو بحر سے روایت ہے اور اس کا پتا نہیں یہ کون ہے؟ اور ابو بحر نے عتاب سے روایت کی ہے اور وہ بھی مجہول ہے اور انہوں نے صفیہ سے روایت کی ہے وہ بھی مجہول ہے۔

(المحلی ج ۷ ص ۵۱۰) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۱۶۱۔ ۱۶۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ ابو بحر کے متعلق مجہول کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے، کیونکہ ایک جماعت نے ان سے روایت کی ہے ان میں سے الفلاس ہیں اور ابو بکر بن ابی شیبہ ہیں اور امام احمد نے کہا: لوگوں نے ان کی حدیث کو ترک کر دیا اور یحییٰ بن معین اور امام نسائی نے کہا: وہ ضعیف الحدیث ہیں۔ حافظ ابو عمر نے الاستیعاب میں لکھا ہے کہ وہ ثقہ بصری ہیں اور ان کی حدیث کی حاکم نے روایت کی ہے، پس جس راوی کا یہ حال ہو، اس کے متعلق جہالت کا حکم لگانا کس طرح صحیح ہوگا اور عتاب کے اوپر جہالت کا حکم لگانا بھی صحیح نہیں

ہے، کیونکہ ان سے ایک جماعت نے حدیث کی روایت کی ہے، ان میں یزید بن ہارون اور امام احمد بن سعید الدارمی ہیں۔ اور امام ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے، اور اثرم نے ناسخ اور منسوخ میں اپنی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلیطین کی اجازت دی ہے، اثرم نے کہا: یہ حدیث احادیث قویہ کے خلاف ہے، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلیطین (یعنی دو کھجوروں کو مختلط کرنا) سے منع فرمایا ہے۔

یہ تمام تفصیل علامہ ابن الملقن نے التوضیح ج ۲۷ ص ۱۶۴۔۱۶۵ میں ذکر کی ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۶۰۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرًا رضى الله عنه يَقُولُ نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنِ الزَّبِيبِ وَالتَّمْرِ وَالْبُسْرِ وَالرُّطَبِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو عاصم نے حدیث بیان کی از ابن جریج، انہوں نے کہا: مجھے عطاء نے خبر دی، انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کشمش اور کھجور سے اور کچی کھجور اور تازہ کھجور کو (ملا کر نبیذ بنانے) سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۹۸۶، سنن ترمذی: ۱۸۷۶، سنن نسائی: ۵۵۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۷۰۳، سنن ابن ماجہ: ۳۳۹۵، مسند احمد: ۱۳۷۸۷)

صحیح البخاری: ۵۶۰۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "کچی کھجور اور پکی کھجور کو ملا کر نبیذ نہ بنایا جائے" اور اس حدیث میں کشمش اور کھجور اور کچی کھجور اور تازہ کھجور کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابقت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابو عاصم کا ذکر ہے، یہ النبیل الضحاک بن خالد البصری ہیں، یہ عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج سے روایت کرتے ہیں، اور وہ عطاء بن ابی رباح سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت جابر بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "کشمش سے الخ": اور اس میں صراحۃً اختلاط کی ممانعت نہیں ہے اور امام مسلم کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ تازہ کھجور اور پکی کھجور کے درمیان جمع نہ کرو، اور کشمش اور کھجور کے درمیان جمع نہ کرو اور ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ دو کھجوروں کو مختلط کر کے نبیذ بنانے سے اس نبیذ میں سرعت کے ساتھ تیزی پیدا ہوتی ہے۔

آیا تخلیط کو ترک کرنا واجب ہے یا مستحب ہے، اس میں فقہاء کا اختلاف

اور اس میں اختلاف ہے کہ آیا اختلاط کو ترک کرنا واجب ہے یا مستحب؟ تو قاضی عبد الوہاب نے کہا: اس نے تخلیط کر کے برا

کام کیا، پس اگر اس تخلیط سے نبیذ میں تیزی پیدا نہ ہو تو اس کے پینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ مریض کے لیے دو مشروبوں کو مختلط کرنا مکروہ ہے، اور دوسروں نے اس کا انکار کیا ہے۔ اور امام شافعی سے سوال کیا گیا کہ ایک مرد نے دو کھجوروں کو مختلط کر کے نبیذ بنایا جو نشہ آور تھا، تو امام شافعی نے فرمایا: یہ ایسا ہے جیسے کسی آدمی نے مردہ خنزیر کھایا ہو، سو وہ دو جہتوں سے حرام ہے، ایک اس جہت سے حرام ہے کہ خنزیر حرام ہے اور دوسرا اس جہت سے حرام ہے کہ مردار حرام ہے، اسی طرح یہ نبیذ جو تخلیط کر کے بنایا گیا تو تخلیط بھی منع ہے اور اس کا نشہ آور ہونا بھی منع ہے، سو یہ بھی دو جہت سے حرام ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس باب میں فقہاء کے متعدد حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابو موسیٰ انصاری، حضرت انس، حضرت جابر اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ تخلیط (یعنی دو مختلف قسم کی کھجوروں کو ملا کر نبیذ بنانا) حرام ہے، اور تابعین میں سے عطاء بن ابی رباح اور طاؤس کا بھی یہی موقف ہے اور مجتہدین میں سے امام مالک بن انس، امام محمد بن ادریس الشافعی، امام احمد بن حنبل، اسحاق راہویہ اور ابو ثور کا بھی یہی موقف ہے۔

(۲) جمہور علماء نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث میں ممانعت تنزیہہ پر محمول ہے اور دو مختلف کھجوروں کو ملا کر نبیذ بنانا حرام نہیں ہے جب تک کہ وہ نشہ آور نہ ہو اور ہمارے شیخ زین الدین نے کہا ہے کہ علامہ نووی نے بیان کیا ہے کہ یہ ہمارا مذہب ہے۔

(۳) اللیث نے کہا ہے کہ کشمش کے نبیذ کو اور کھجور کے نبیذ کو مخلوط کر دیا جائے اور پھر ان دونوں نبیذوں کو پیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ممانعت اس سے کی گئی ہے کہ ان دو مختلف کھجوروں کو ملا کر نبیذ بنایا جائے، کیونکہ اس سے نبیذ میں تیزی پیدا ہوتی ہے۔

(۴) امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ دو مختلف کھجوروں کو ملا کر نبیذ بنانے میں کسی قسم کی کوئی کراہت نہیں ہے۔ امام ابو یوسف سے بھی ایک یہی روایت منقول ہے۔ علامہ نووی نے کہا ہے کہ جمہور نے اس قول کا انکار کیا ہے اور انہوں نے کہا ہے: یہ صاحب شرع کے حکم کو پھینک دینا ہے، کیونکہ احادیث صحیحہ صریحہ میں تخلیط سے ممانعت ہے، پس اگر یہ حرام نہیں ہوگا تو کم از کم مکروہ ضرور ہے۔

تخلیط کے جواز پر امام ابو حنیفہ کی طرف سے احادیث اور آثار

علامہ عینی علامہ نووی کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: یہ بہت بڑے امام کے خلاف مذموم جرأت ہے، اور امام ابو حنیفہ نے یہ قول اپنی رائے سے نہیں کہا، امام ابو حنیفہ کے اس قول کی بنیاد ان احادیث پر ہے جن کو ہم ذکر کر رہے ہیں۔

امام ابو داؤد نے از عبد اللہ الحربی از مسعر از موسیٰ بن عبد اللہ از بنو اسد کی ایک عورت از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کشمش کا نبیذ بنایا جاتا، پھر اس میں کھجور ڈال دی جاتی یا کھجور کا نبیذ بنایا جاتا، پھر اس میں کشمش ڈال دی جاتی۔

زیاد الحسانی نے از ابو بحر از عتاب بن عبد العزیز از صفیہ بنت عطیہ روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں عبد القیس کی چند عورتوں کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی تو ہم نے کھجور اور کشمش کے نبیذ کے متعلق سوال کیا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ میں ایک مٹھی میں کھجوریں بھرتی اور ایک مٹھی میں کشمش بھرتی، پھر اس کو میں پانی کے برتن میں ڈال دیتی، پھر وہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پلاتی۔

اور امام محمد بن الحسن نے کتاب الآثار میں روایت کی ہے کہ ہمیں امام ابو حنیفہ نے خبر دی از ابی اسحاق و سلیمان الشیبانی از ابن

زیاد، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس روزہ افطار کیا تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ابن زیاد کو ایک مشروب پلایا، گویا اس مشروب نے ان کو پکڑ لیا، پھر جب صبح ہوئی تو وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس گئے اور ان سے کہا: یہ کیسا مشروب تھا، اس کو پینے کے بعد تو میں اپنے گھر کی طرف نہیں پہنچ پا رہا تھا۔ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم نے تمہیں عجوہ اور کشمش کے نبیذ کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں پلائی۔

سو یہ تین آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ دو مختلف چیزوں کو ملا کر نبیذ بنانا جائز ہے۔

تخلیط کے جواز کی احادیث پر ابن حزم ظاہری کے اعتراضات

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ پہلی حدیث جو امام ابوداؤد کی روایت ہے، اس کے متعلق ابن حزم ظاہری نے یہ کہا ہے کہ اس کی سند میں ایک عورت کا نام نہیں لیا گیا یعنی وہ مجہول ہے، اور دوسری حدیث کی سند میں ابو بحر ہے اور یہ پتا نہیں چلا کہ وہ کون ہے، اور اس کی عتاب سے روایت ہے اور وہ بھی مجہول ہے اور ان کی صفیہ سے روایت ہے اور ان کا بھی پتا نہیں چلا کہ وہ کون ہیں؟

ابن حزم ظاہری کے اعتراضات کے علامہ عینی کی طرف سے جوابات

علامہ عینی اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

یہ تین احادیث ایسی ہیں کہ ان میں سے بعض دوسری بعض کی تقویت کرتی ہیں، علاوہ ازیں امام ابن عدی نے کہا ہے کہ ابو بحر مشہور و معروف ہیں اور ان کی احادیث شعبہ وغیرہ سے اور بصریین سے غرائب ہیں، اور وہ ان راویوں میں سے ہے جن کی حدیث لکھی جاتی ہے، اور کتاب الساجی میں مذکور ہے کہ یحییٰ بن سعید نے کہا: ابو بحر بہت سچا صاحب حدیث ہے، اور ابو عمر اور احمد بن صالح العجلی نے کہا: وہ ثقہ بصری ہے۔ اور کتاب الصریفیین میں امام ابن حبان نے ان کا کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور ان کی حدیث کی اپنی صحیح میں تخریج کی ہے۔ اور اسی طرح حاکم نے بھی ان کی احادیث کی روایت کی ہے اور عتاب بن عبد العزیز سے یزید بن ہارون اور احمد بن سعید دارمی نے احادیث کی روایت کی ہے اور دوسروں نے بھی روایت کی ہے اور امام ابن حبان نے ان کا کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۷۳۔ ۲۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۰۲۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يُجْمَعَ بَيْنَ التَّمْرِ وَالزَّهْوِ وَالتَّمْرِ وَالزَّبِيبِ وَلْيُنْبَذْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى حِدَةٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن ابی کثیر نے خبر دی از عبد اللہ بن ابی قتادہ از والد خود، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے پکی کھجور اور کچی سرخی مائل کھجور کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے اور پکی ہوئی کھجور اور کشمش کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ نبیذ بنایا جائے۔

(صحیح مسلم: ۱۹۸۸، سنن نسائی: ۵۵۵۱، سنن ابوداؤد: ۳۷۰۴، سنن ابن ماجہ: ۳۳۹۷، مسند احمد: ۲۲۱۴۰، سنن دارمی: ۲۱۱۳)

صحیح البخاری: ۵۶۰۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے دو جز ہیں، پہلا جز ہے'' پکی کھجور اور پکی کھجور کو ملا کر نبیذ نہ بنایا جائے'' اور دوسرا جز ہے'' دو سالنوں کو ایک سالن میں نہ کیا جائے'' اور یہ حدیث اس دوسرے جز کے مطابق ہے، کیونکہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ دو مختلف سالنوں کو جمع نہ کیا جائے، امام بخاری نے اس کی طرف اپنے عنوان میں اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے کہ دو سالنوں کو ایک سالن نہ کیا جائے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''الزھو'' کا ذکر ہے: اس کا معنی ہے پکی اور رنگدار کھجور۔ نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''ہر ایک کا الگ الگ نبیذ بنایا جائے'' اور صحیح مسلم میں اس طرح ہے کہ سرخی مائل کھجور اور تازہ کھجور کو جمع کر کے نبیذ نہ بناؤ۔ اور کشمش اور پکی ہوئی کھجور کو ملا کر نبیذ نہ بناؤ اور ان میں سے ہر ایک کا الگ الگ نبیذ بناؤ۔

دو سالنوں کو جمع کرنے کی کراہت کا تنزیہی ہونا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دو سالنوں کو جمع کرنا مکروہ ہے، لیکن یہ مکروہ تنزیہی ہے مکروہِ تحریمی نہیں ہے۔ اور ممانعت کی توجیہ میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کے تنگ حالات تھے، تو اس سے منع کیا کہ دو سالنوں کو ایک سالن بنایا جائے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں اسراف ہے، اور علامہ المھلب مالکی نے کہا ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے سالن کی تخلیط سے منع فرمایا ہو، یہ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے، انہوں نے اسراف کی وجہ سے منع کیا ہے، کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک سالن بنایا جائے اور دوسرے سالن کو دوسری مرتبہ کے لیے رکھ دیا جائے بجائے اس کے کہ دو سالنوں کو ایک سالن بنا دیا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۷۴۔ ۲۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

''ادام'' کے معنی کی تحقیق

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں ادام کا ذکر کیا ہے اور ادام کا معنی سالن ہے یعنی دو مختلف سالنوں کو ایک سالن نہ بنایا جائے لیکن حدیث میں سالن کا ذکر نہیں ہے، حدیث میں پکی کھجور اور سرخی مائل کھجور کو جمع کرنے سے منع فرمایا ہے، اور پکی کھجور اور کشمش کو جمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور اس حدیث کی شرح میں علامہ عینی نے لکھا ہے کہ اسی کی طرف امام بخاری نے عنوان کے دوسرے جز میں اشارہ کیا ہے کہ دو ادام کو ایک ادام نہ کیا جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کے عنوان میں اور علامہ عینی کی شرح میں ادام کا معنی سالن نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے موافق اور ملائم چیز، اور لغت میں ادام کے دونوں معنی لکھے ہیں، ایک معنی موافق اور ملائم چیز ہے اور دوسرا معنی سالن ہے، اگرچہ صحیح بخاری کے مترجمین نے یہاں پر ادام کا معنی سالن ہی کیا ہے لیکن اس حدیث میں ادام کو سالن پر محمول کرنا مشکل ہے، اسی لیے بہتر یہ ہے کہ یہاں ادام سے موافق اور ملائم چیز کا معنی مراد لیا جائے۔ (سعیدی غفرلہ)

۱۲۔ بَابٌ: شُرْبِ اللَّبَنِ

دودھ پینے کا بیان

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَىٰ: نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ ۝ (النحل)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم تمہیں اس چیز سے پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں گوبر اور خون کے درمیان ہے اور وہ خالص دودھ ہے جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں دودھ کے پینے کا بیان ہے، امام بخاری نے یہ عنوان ان لوگوں کا رد کرنے کے لیے قائم کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ زیادہ دودھ پینا نشہ پیدا کرتا ہے، اور یہ بالکل لغو بات ہے، علامہ المھلب مالکی نے کہا: کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ثابت ہے کہ دودھ پینا حلال ہے اور جس نے یہ کہا کہ کثیر مقدار میں دودھ پینا نشہ پیدا کرتا ہے، اس کا قول لغو ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ ۝ (النحل)

ہم تمہیں اس چیز سے پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں گوبر اور خون کے درمیان ہے اور وہ خالص دودھ ہے جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے O

علامہ ابن بطال اور دیگر علماء نے کہا ہے کہ یہ آیت تمام جانوروں کے دودھ پینے کے حلال ہونے کے متعلق صریح ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت پر اپنا احسان جتایا ہے، اور اس آیت میں فرث کا ذکر ہے، فرث وہ چیز ہے جو اوجھڑی میں جمع ہوتی ہے، جب وہ چیز اپنی جگہ سے نکلے تو اس کو فرث کہتے ہیں اور نکلنے کے بعد اس کو سرجین اور زبل کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ جب جانور چارہ کھاتا ہے، تو وہ اس کی اوجھڑی کے اندر ٹھہر جاتا ہے، اس کے نیچے گوبر ہوتا ہے اور اس کے اوپر دودھ ہوتا ہے اور دودھ کے اوپر خون ہوتا ہے اور جگر اس پر مسلط ہوتا ہے۔ وہ خون کو تقسیم کرتا ہے اور اس کو رگوں میں جاری کرتا ہے اور دودھ کو تھنوں میں جاری کرتا ہے اور صرف گوبر اوجھڑی میں رہ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''خالصة''، یعنی وہ دودھ خون کی سرخی اور گوبر کی نجاست سے خالص ہوتی ہے۔ اور فرمایا: ''سائغاً'' یعنی وہ دودھ لذیذ ہوتا ہے اور آسانی سے گلے کے نیچے اتر جاتا ہے اور پینے والا تنگ نہیں ہوتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۷۵۔۲۷۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۵۶۰۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ أُتِيَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ بِقَدَحِ لَبَنٍ وَقَدَحِ خَمْرٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از الزہری از سعید بن المسیب از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج ایک دودھ کا پیالہ دیا گیا اور ایک خمر کا پیالہ دیا گیا۔

(صحیح البخاری: ۳۳۹۴، ۳۴۳۷، ۴۷۰۹، ۵۵۷۶، ۵۶۰۳، صحیح مسلم: ۱۶۸، سنن ترمذی: ۳۱۳۰، سنن نسائی: ۵۶۵۷، مسند احمد: ۷۸۳۰۶، سنن دارمی: ۲۰۸۸)

صحیح البخاری: ۵۶۰۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے باب کے عنوان میں دودھ پینے کا ذکر ہے، اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شب معراج دودھ کا پیالہ اور خمر کا پیالہ دیا گیا تو آپ نے دودھ کا پیالہ اختیار کر لیا"۔ اور دودھ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر بہت بڑی نعمت ہے، پس اگر تم یہ سوال کرو کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس رات دودھ اور خمر کے پیالے پیش کئے گئے جب کہ دودھ حلال ہے اور خمر حرام ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خمر جنت کی تھی اور جنت کی خمر حرام نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس وقت تک خمر حرام نہیں کی گئی تھی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدان کا ذکر ہے، یہ عبد اللہ بن عثمان المروزی کا لقب ہے اور ان کا ذکر بار بار آیا ہے، اور اس حدیث کی سند میں عبد اللہ کا ذکر ہے، یہ عبد اللہ بن المبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یونس کا ذکر ہے، یہ ابن یزید الایلی ہیں اور الزہری کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۷۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۰۴۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ سَمِعَ سُفْيَانَ أَخْبَرَنَا سَالِمٌ أَبُو النَّضْرِ أَنَّهُ سَمِعَ عُمَيْرًا مَوْلَى أُمِّ الْفَضْلِ يُحَدِّثُ عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ قَالَتْ شَكَّ النَّاسُ فِي صِيَامِ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ عَرَفَةَ فَأَرْسَلْتُ إِلَيْهِ بِإِنَاءٍ فِيهِ لَبَنٌ فَشَرِبَ فَكَانَ سُفْيَانُ رُبَّمَا قَالَ شَكَّ النَّاسُ فِي صِيَامِ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ عَرَفَةَ فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ أُمُّ الْفَضْلِ فَإِذَا وُقِفَ عَلَيْهِ قَالَ هُوَ عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے سفیان سے سنا، انہوں نے کہا: ہمیں سالم ابو النضر نے خبر دی، انہوں نے عمیر سے سنا جو ام الفضل کے آزاد شدہ غلام تھے، وہ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ لوگوں کو عرفہ کے دن شک تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روزہ ہے یا نہیں ہے، تو میں نے آپ کی طرف ایک برتن بھیجا جس میں دودھ تھا، آپ نے اس کو پی لیا، پس سفیان بسا اوقات یہ کہتے تھے کہ لوگوں کو عرفہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روزہ میں شک تھا، تو حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے آپ کی طرف (دودھ) بھیجا، پس جب سفیان سے اس حدیث کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: یہ حدیث حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۶۵۸، ۱۶۶۱، ۱۹۸۸، ۵۶۰۴، ۵۶۱۸، ۵۶۳۶، صحیح مسلم: ۱۱۲۳، سنن ابو داؤد: ۲۴۴۱، مسند احمد: ۲۶۳۴۱، موطا امام مالک: ۸۴۱)

صحیح البخاری: ۵۶۰۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں دودھ پینے کا ذکر ہے، اور اس حدیث میں بھی یہ ذکر ہے کہ آپ نے عرفہ کے دن دودھ پیا، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابقت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حُمیدی کا ذکر ہے، یہ عبد اللہ بن زبیر ہیں اور ان کے اجداد میں سے ایک حُمید ہیں، یہ ان کی طرف نسبت ہے، اور ان کا ذکر بھی صحیح بخاری میں متعدد بار آیا ہے اور سفیان، ابن عیینہ ہیں، اور ابو النضر میں نون پر زبر ہے اور ضاد ساکن ہے اور عُمیر تصغیر کا صیغہ ہے، یہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت ام الفضل کے آزاد شدہ غلام تھے اور یہ حدیث کتاب الحج اور کتاب الصوم میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: "فاذا وقف علیہ" اس کا معنی یہ ہے کہ بسا اوقات سفیان اس حدیث کو مُرسلاً روایت کرتے ہیں، اور اسناد کے دوران از ام الفضل نہیں کہتے تھے، اور جب ان سے پوچھا جاتا کہ یہ حدیث موصول ہے یا مرسل ہے، تو وہ کہتے: یہ حضرت ام الفضل سے مروی ہے، اور یہ موصول کی قوت میں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۰۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ وَأَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ جَاءَ أَبُو حُمَيْدٍ بِقَدَحٍ مِنْ لَبَنٍ مِنَ النَّقِيعِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَلَا خَمَّرْتَهُ وَلَوْ أَنْ تَعْرُضَ عَلَيْهِ عُودًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابی صالح و ابی سفیان از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو حُمید دودھ کا ایک پیالہ مقام نقیع سے لے کر آئے، تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اس دودھ کو ڈھک کیوں نہیں دیا۔ کاش تم اس کے عرض کے اوپر ایک لکڑی رکھ دیتے۔

(صحیح البخاری: ۵۶۰۶، صحیح مسلم: ۲۰۱۰، مسند احمد: ۱۴۳۷۳، سنن دارمی: ۲۱۳۱)

صحیح البخاری: ۵۶۰۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "دودھ کو پینا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو حُمید سے کہا کہ تم نے اس دودھ

کو کیوں نہیں ڈھکا؟ کاش تم اس کو لکڑی سے ڈھک دیتے! اس طرح یہ حدیث باب کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریر، یہ ابن عبد الحمید ہیں، اور اس میں مذکور ہے اعمش، یہ سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو صالح، یہ ذکوان ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو سفیان، یہ طلحہ بن نافع القرشی ہیں۔

''النقیع'' کا محل وقوع

اس حدیث میں ''النقیع'' کا ذکر ہے، یہ وادی العقیق میں ایک جگہ ہے، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ لفظ البقیع ہے، لیکن یہ غلط ہے، کیونکہ البقیع مدینہ منورہ کا قبرستان ہے، علامہ قرطبی نے کہا ہے: اکثر علماء نے کہا ہے کہ یہ لفظ النقیع ہے اور یہ وادی عقیق کی ایک جانب میں ہے اور مدینہ منورہ سے بیس (۲۰) فرسخ کے فاصلہ پر ہے۔ نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''خمرته'' یعنی تم نے اس کو ڈھانپا کیوں نہیں، اور اسی سے خمار کا لفظ ماخوذ ہے جو عورت کے دوپٹے کو کہتے ہیں، کیونکہ وہ بھی عورت کے بالوں کو چھپالیتا ہے۔

دودھ کو ڈھانپنے کے حکم کی توجیہ

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ جب کسی برتن کو ڈھانپ دیا جائے تو شیطان اس کو نہیں کھولتا، اور اس برتن میں جو کھانے پینے کی چیزیں ہوں، وہ شیطان سے محفوظ رہتی ہیں۔ اسی طرح آسمان سے زمین کی طرف جو وبائیں نازل ہوتی ہیں، ان سے بھی محفوظ رہتی ہیں، اور نجاست سے بھی محفوظ رہتی ہیں، اور حشرات الارض وغیرہ کے وقوع سے محفوظ رہتی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۰۶۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ يَذْكُرُ أُرَاهُ عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ أَبُو حُمَيْدٍ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ مِنَ النَّقِيعِ بِإِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَلَّا خَمَّرْتَهُ وَلَوْ أَنْ تَعْرُضَ عَلَيْهِ عُودًا وَحَدَّثَنِي أَبُو سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِهَذَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابو صالح سے سنا، وہ ذکر کر رہے تھے کہ مجھے یہ گمان کرایا گیا ہے کہ انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو حمید آئے جو انصار کے ایک مرد تھے، وہ النقیع سے ایک برتن میں دودھ لے کر نبی ﷺ کے پاس آئے، تو نبی ﷺ نے فرمایا: تم نے اس کو ڈھانپا کیوں نہیں؟ اور اگر تم اس کے عرض میں ایک لکڑی رکھ دیتے۔

اور مجھے ابو سفیان نے حدیث بیان کی از جابر از نبی ﷺ یہی حدیث۔

(صحیح البخاری: ۵۶۰۶، صحیح مسلم: ۲۰۱۰، مسند احمد: ۱۳۷۲۳، سنن دارمی: ۲۱۳۱)

اس حدیث کی شرح بھی حدیث سابق کی شرح کی مثل ہے۔

۵۶۰۷۔ حَدَّثَنِي مَحْمُودٌ أَخْبَرَنَا النَّضْرُ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رضی الله عنه قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ مَكَّةَ وَأَبُو بَكْرٍ مَعَهُ قَالَ أَبُو بَكْرٍ مَرَرْنَا بِرَاعٍ وَقَدْ عَطِشَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ أَبُو بَكْرٍ رضی الله عنه فَحَلَبْتُ كُثْبَةً مِنْ لَبَنٍ فِي قَدَحٍ فَشَرِبَ حَتَّى رَضِيتُ وَأَتَانَا سُرَاقَةُ بْنُ جُعْشُمٍ عَلَى فَرَسٍ فَدَعَا عَلَيْهِ فَطَلَبَ إِلَيْهِ سُرَاقَةُ أَنْ لَا يَدْعُوَ عَلَيْهِ وَأَنْ يَرْجِعَ فَفَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں النضر نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از ابی اسحاق، انہوں نے کہا: کہ میں نے حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے کہا: کہ نبی ﷺ مکہ سے آئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم ایک چرواہے کے پاس سے گزرے اور رسول اللہ ﷺ کو پیاس لگی ہوئی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے تھوڑا سا دودھ ایک پیالہ میں نکالا، سو آپ نے پیا حتیٰ کہ میں راضی ہو گیا اور ہمارے پاس سراقہ بن جعشم ایک گھوڑے پر سوار ہو کر آئے، رسول اللہ ﷺ نے اس کے خلاف دعائے ضرر کی، پھر سراقہ نے یہ مطالبہ کیا کہ آپ اس کے خلاف دعا نہ کریں اور وہ واپس لوٹ جائے گا، تو نبی ﷺ نے اس طرح کر لیا۔

(صحیح البخاری:۲۴۳۹، ۳۶۱۵، ۳۶۵۲، ۳۹۰۸، ۳۹۱۷، ۵۶۰۷، صحیح مسلم:۲۰۰۹، مسند احمد:۳)

صحیح البخاری:۵۶۰۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں دودھ پینے کا ذکر ہے، اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے تھوڑا سا دودھ نکال کر پیالہ میں دیا اور آپ نے اس کو پیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں محمود کا ذکر ہے، وہ ابن غیلان ہیں، اور النضر کا ذکر ہے، وہ ابن شمیل ہیں اور ابواسحاق کا ذکر ہے، وہ عمرو سبیعی ہیں، اور حضرت البراء کا ذکر ہے، وہ حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما ہیں۔

یہ حدیث اس باب میں گزر چکی ہے "باب هجرة النبی ﷺ واصحابه الی المدینة" اور وہاں اس حدیث کی مفصل شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فحلبت" یعنی میں نے بکری سے دودھ نکالا۔

اس حدیث میں دودھ نکالنے کی نسبت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف مجازاً کی ہے، اور اس سے پہلے حدیث میں مذکور تھا کہ میں نے چرواہے کو حکم دیا تو اس نے دودھ نکال کر دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''کثبۃ'' اس کا معنی ہے: دودھ کا ایک حصہ یا کھجور کا ایک حصہ۔ الخلیل نے کہا ہے کہ جو چیز تھوڑی سی ہو، اس کو کثبہ کہتے ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے: ''آپ نے دودھ پیا حتیٰ کہ میں راضی ہو گیا'' یعنی حتیٰ کہ میں نے جان لیا کہ آپ نے اپنی ضرورت کے مطابق دودھ پی لیا ہے۔

اس سوال کا جواب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مالِ غیر سے دودھ کس طرح پی لیا؟

اس سوال کے چند جوابات ہیں:

(۱) وہ چرواہا حربی تھا اور حربی کے مال کی کوئی امان نہیں ہے۔

(۲) یا وہ چرواہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوست تھا یا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دوست تھا، اور وہ پسند کرتا تھا کہ آپ اس کی بکریوں سے دودھ پییں۔

(۳) یا اس زمانہ کے لوگوں کا یہ عرف تھا کہ وہ اتنی مقدار دودھ ضرورت مندوں اور پیاسوں کو پلا دیتے تھے۔

(۴) بکریوں کے مالک نے چرواہے کو اجازت دی تھی کہ وہ اتنی مقدار دودھ ضرورت مندوں کو اور پیاسوں کو پلا دیا کرے۔

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ حالت، حالتِ اضطرار تھی اور حالتِ اضطرار میں دوسروں کی چیز کو لے کر کھانا جائز ہوتا ہے۔

اس حدیث میں سراقہ بن جعشم کا ذکر ہے، سُراقہ میں سین پر پیش ہے اور جُعشم میں جیم پر پیش ہے اور عین ساکن ہے۔ یہ آخر میں اسلام لے آئے تھے اور انہوں نے اسلام میں نیک کام کیے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر دعائے ضرر کی'' یعنی آپ نے اس کے خلاف دعائے ضرر کا ارادہ کیا تو سُراقہ نے کہا: کہ آپ میرے خلاف دعائے ضرر نہ کریں، میں واپس چلا جاتا ہوں، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے خلاف دعا ترک کر دی، اور یہ حدیث کتاب المناقب میں پوری تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۷۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

صحیح البخاری: ۵۶۰۷ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اللہ عزوجل کی نشانیاں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کرنا ہے، پس سراقہ بن مالک اس وقت اسلام نہیں لائے ہوئے تھے جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ تشریف لے جا رہے تھے، اور قریش نے یہ اعلان کیا تھا کہ جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکڑ کر لائے گا اور حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو تو اس کو سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے، پس سراقہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیا، پس اس نے اپنا گھوڑا آپ کے پیچھے دوڑایا، حتیٰ کہ اس جگہ پہنچا جہاں اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سنی اور اچانک اس کے گھوڑے کے قدم زمین میں دھنسنے لگے حالانکہ وہ زمین بہت سخت تھی، لیکن اس سخت زمین میں اس کے گھوڑے کے پیر دھنس رہے تھے، وہ گھوڑے کو جھڑک رہا تھا لیکن اس گھوڑے کو زمین سے نکالنے

پر قادر نہ ہوسکا، تب اس نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی مدد کردی ہے، پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امان کی ندا کی اور آپ سے کہا کہ عنقریب وہ لوگوں کو آپ کی طرف سے واپس کردے گا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا کی اور اس کا گھوڑا کھڑا ہوگیا اور سراقہ وہاں سے چلا گیا، اور جو بھی سراقہ کو ملتا تو وہ اس سے کہتا کہ تمہاری یہ اتنی مشقت کافی ہے اب یہاں سے لوٹ جاؤ، اور یہ اللہ عزوجل کی نشانی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے ضرر سے ڈرتے تھے اور ان کا یہ ایمان تھا کہ آپ کی دعا مقبول ہوتی ہے، اسی لیے سراقہ نے یہ مطالبہ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے خلاف دعائے ضرر نہ کریں۔

نیز اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ جب کسی بکری کے اردگرد کوئی آدمی نہ ہو تو اس بکری کا دودھ نکال کر پینا جائز ہے لیکن وہ صرف دودھ کو پیئے اس کو ذخیرہ نہ کرے۔ (یہ اس صورت میں ہے جب اضطرار کی حالت ہو یا یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے، عام لوگوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بغیر اضطرار کے کسی کی بکری کا دودھ نکال کر پی لیں۔ سعیدی غفرلہٗ)

نیز اس حدیث سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سفرِ ہجرت کے اندر ان کو اپنے ساتھ رکھا اور ان کو اپنی خدمت کا موقع فراہم کیا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۲۱۔ ۳۲۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ عظیم فضیلت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا چاہتا ہے اور آپ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رضا چاہتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۶۰۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ نِعْمَ الصَّدَقَةُ اللِّقْحَةُ الصَّفِيُّ مِنْحَةً وَالشَّاةُ الصَّفِيُّ مِنْحَةً تَغْدُو بِإِنَاءٍ وَتَرُوحُ بِآخَرَ۔ (صحیح البخاری: ۲۶۲۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے خبر دی از عبدالرحمٰن از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ اونٹنی ہے جو چند دنوں کے لیے کسی کو بہ طور عطیہ دی گئی ہو، اور بہترین صدقہ وہ بکری ہے جو چند دنوں کے لیے کسی کو بہ طورِ عطیہ دی گئی ہو، جس سے صبح کو برتن میں دودھ نکالا جائے اور شام کو برتن میں دودھ نکالا جائے۔

صحیح البخاری: ۵۶۰۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''اللقحة'' کا ذکر ہے، اس لفظ میں لام کے نیچے زیر ہے اور قاف ساکن ہے، علامہ کرمانی نے کہا ہے: دودھ دینے والی اونٹنی کو ''اللقحة'' کہتے ہیں۔ اور بعض شارحین نے کہا ہے: جس اونٹنی کے بچہ دینے کا زمانہ قریب ہو جائے، اس کو ''اللقحة'' کہتے ہیں۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ پہلا معنی زیادہ اولیٰ اور زیادہ ظاہر ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "الصفی" اس کا معنی ہے پسندیدہ یا جو زیادہ دودھ دینے والی ہو۔ اور یہ فعیل کے وزن پر ہے اور مفعول کے معنی میں ہے، اس میں مذکر اور مونث دونوں برابر ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "منحة" یعنی عطیہ۔ جو اونٹنی تم کسی دوسرے شخص کو دو تا کہ وہ اس سے دودھ نکال کر پیئے، پھر چند دنوں کے بعد تم کو واپس کر دے، اس کو منحة کہتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تغدو" اور یہ دن کا ابتدائی وقت ہے، اور اس حدیث میں مذکور ہے "تروح" یہ دن کا آخری وقت ہے، اور اس میں یہ کنایہ ہے کہ اس بکری اور اونٹنی کا دودھ بہت زیادہ ہوتا تھا جو صبح کو بھی نکالا جاتا تھا اور شام کو بھی نکالا جاتا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۷۸-۲۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۰۹ـ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم شَرِبَ لَبَنًا فَمَضْمَضَ وَقَالَ إِنَّ لَهُ دَسَمًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو عاصم نے حدیث بیان کی از الاوزاعی از ابن شہاب از عبید اللہ بن عبد اللہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا، پس آپ نے کلی کی اور فرمایا کہ اس دودھ میں چکنائی ہوتی ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۱۱، ۵۶۰۹، صحیح مسلم: ۳۵۸، سنن ترمذی: ۸۹، سنن نسائی: ۱۸۷، سنن ابوداؤد: ۱۹۶، سنن ابن ماجہ: ۴۹۸، مسند احمد: ۱۹۵۲)

صحیح البخاری: ۵۶۰۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں ابو عاصم کا ذکر ہے، اور وہ النبیل الضحاک بن مخلد ہیں۔ اور اوزاعی کا ذکر ہے، وہ عبد الرحمٰن بن عمرو ہیں، اور عبید اللہ بن عبد اللہ کا ذکر ہے، وہ ابن عتبہ ہیں۔ یہ حدیث کتاب الوضو میں اس باب میں گزر چکی ہے "باب هل يمضمض من اللبن؟" اور اس حدیث کی شرح وہاں کی جا چکی ہے۔

میں کہتا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پینے کے بعد کلی کرنے کا حکم دیا ہے، کیونکہ دودھ میں چکنائی ہوتی ہے، سو آپ نے چکنائی سے بچنے کا حکم دیا ہے، کیونکہ بہت ساری بیماریوں کا سبب چکنائی سے پرہیز نہ کرنا ہے، چکنائی کی وجہ سے خون میں کولیسٹرول بڑھ جاتا ہے، اور خون کی شریانیں تنگ ہو جاتی ہیں اور ان شریانوں میں سے خون کا گزرنا مشکل ہو جاتا ہے جس سے ہائی بلڈ پریشر ہو جاتا ہے اور متعدد دل کے امراض ہو جاتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۶۱۰ـ وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم رُفِعْتُ إِلَى السِّدْرَةِ فَإِذَا أَرْبَعَةُ أَنْهَارٍ نَهَرَانِ ظَاهِرَانِ وَنَهَرَانِ بَاطِنَانِ فَأَمَّا الظَّاهِرَانِ النِّيلُ

اور ابراہیم بن طہمان نے کہا از شعبہ از قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے سدرہ کی طرف بلند کیا گیا، وہاں چار دریا تھے، دو دریا ظاہر تھے اور دو دریا باطن تھے، جو دریا ظاہر تھے وہ نیل اور فرات ہیں

وَالْفُرَاتُ وَأَمَّا الْبَاطِنَانِ فَنَهْرَانِ فِي الْجَنَّةِ فَأُتِيتُ بِثَلَاثَةِ أَقْدَاحٍ قَدَحٌ فِيهِ لَبَنٌ وَقَدَحٌ فِيهِ عَسَلٌ وَقَدَحٌ فِيهِ خَمْرٌ فَأَخَذْتُ الَّذِي فِيهِ اللَّبَنُ فَشَرِبْتُ فَقِيلَ لِي أَصَبْتَ الْفِطْرَةَ أَنْتَ وَأُمَّتُكَ قَالَ هِشَامٌ وَسَعِيدٌ وَهَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْأَنْهَارِ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرُوا ثَلَاثَةَ أَقْدَاحٍ۔ (مسند احمد: ۱۷۳۷۸)

اور جو دریا باطن تھے وہ جنت کے دو دریا ہیں، پھر میرے پاس تین پیالے لائے گئے، ایک پیالہ میں دودھ تھا، ایک پیالہ میں شہد تھا اور ایک پیالہ میں خمر تھی، تو میں نے اس پیالہ کو لے لیا جس میں دودھ تھا، سو (میں نے) اس دودھ کو پیا، تو مجھ سے کہا گیا: آپ نے اور آپ کی امت نے فطرت کو پالیا۔

ہشام اور سعید اور ھمام نے کہا از قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ از حضرت مالک بن صعصعہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اس روایت میں اسی طرح انہار کا لفظ ہے، اور اس روایت میں تین پیالوں کا ذکر نہیں ہے۔

صحیح البخاری: ۵۶۱۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے "ابراہیم بن طہمان" (طاء پر زبر اور ھاء ساکن) یہ الہروی ابو سعید ہیں، یہ نیشاپور میں رہتے تھے، پھر مکہ میں رہائش اختیار کر لی اور ایک سو ساٹھ ہجری (۱۶۰ھ) میں ان کی وفات ہوگئی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں "سدرۃ" کا ذکر ہے، اس کو سدرۃ المنتہیٰ کہا جاتا ہے، کیونکہ اس پر ملائکہ کے علم کی انتہا ہو جاتی ہے۔

اس حدیث میں "نیل" کا ذکر ہے، یہ مصر کا دریا ہے اور "فرات" کا ذکر ہے، علامہ کرمانی نے کہا: یہ بغداد کا دریا ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: اس طرح نہیں ہے بلکہ "فرات" کوفہ کا دریا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ "دو جنت کے دریا ہیں" کہا گیا ہے کہ یہ دو دریا سلسبیل اور کوثر ہیں اور یہی دو باطنی دریا ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے: "میرے پاس تین پیالے لائے گئے" اور اس سے پہلے حدیث میں گزرا ہے کہ دو پیالے لائے گئے تھے، لیکن ان میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ عدد کا مفہوم معتبر نہیں ہوتا جب کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کے بلند کیے جانے سے پہلے دو پیالے لائے گئے ہوں اور سدرۃ المنتہیٰ کے بلند کیے جانے کے بعد تین پیالے لائے گئے ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "آپ نے فطرت کو پالیا" یعنی اسلام کی علامت کو اور استقامت کو پالیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۷۹۔۲۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۱۰ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نیل اور فرات کے جنت کے دریاؤں میں سے ہونے کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نیل اور فرات دو ظاہری دریا ہیں، اور آپ نے ان کو سدرہ کے پاس دیکھا، یعنی اصل میں یہ دو دریا سدرہ کے پاس تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین کی طرف نکال کر جاری کر دیا اور اس سے نہ شرع میں ممانعت ہے اور نہ عقل میں ممانعت ہے۔

بعض اہل علم نے کہا ہے کہ یہ بابِ تشبیہ سے ہے، یعنی نیل اور فرات اپنی صفائی میں اور اپنی منفعت میں جنت کے دریاؤں کی طرح ہیں، انہوں نے کہا کہ اس حدیث کو حقیقت پر محمول کرنے سے مانع یہ ہے کہ ان دونوں دریاؤں کا منبع معلوم اور معروف ہے، اور جب کہ ان دونوں کا منبع معلوم اور معروف ہے تو متعین ہو گیا کہ حدیث میں جو آپ نے فرمایا ہے کہ آپ نے سدرہ کے پاس ان دو دریاؤں کو دیکھا، تو اس میں تشبیہ ہے یعنی نیل اور فرات جنت کے دریاؤں کے مشابہ تھے۔

سو جس نے واقع اور حس کی طرف نظر کی، اس نے کہا: واجب ہے کہ یہ دو دریا جنت کے دریاؤں میں سے ہوں اپنی صفائی میں اپنی مٹھاس میں اور اپنی منفعت میں، اور جس نے ظاہرِ حدیث کی طرف نظر کی تو اس نے کہا: یہ حقیقتاً جنت کے دریاؤں میں سے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب نیل اور فرات جنت کے دریاؤں میں سے ہیں، تو پھر دنیا میں یہ دریا دنیا کے دریاؤں کی صفت پر کیسے ہو گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ ان دریاؤں کی طبیعت میں ایسی چیز پیدا کر دے جو زمین کی طبیعت کے موافق ہو۔ بہر حال یہاں پر گنجائش ہے، اگر ہم چاہیں تو کہیں کہ نیل اور فرات جنت کے دریاؤں کے مشابہ ہیں اور اگر ہم چاہیں تو یہ کہیں کہ یہ حقیقتاً جنت کے دریاؤں میں سے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کو زمین کی مناسبت کی صفت پر بنا دیا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۲۳، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۴۔ بَابُ: اسْتِعْذَابِ الْمَاءِ — میٹھا پانی طلب کرنے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ میٹھے پانی کو طلب کرنا جائز ہے۔

۵۶۱۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ كَانَ أَبُو طَلْحَةَ أَكْثَرَ أَنْصَارِيٍّ بِالْمَدِينَةِ مَالًا مِنْ نَخْلٍ وَكَانَ أَحَبُّ مَالِهِ إِلَيْهِ بَيْرُحَاءَ وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَ الْمَسْجِدِ وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ فِيهَا طَيِّبٍ قَالَ أَنَسٌ فَلَمَّا نَزَلَتْ ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ (آل عمران: ۹۲) قَامَ أَبُو طَلْحَةَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَقُولُ ﴿لَنْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از اسحاق بن عبد اللہ، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ انصارِ مدینہ میں سے سب سے زیادہ کھجوروں کے باغات کے مالک تھے اور ان کا پسندیدہ مال بیرحاء کا باغ تھا اور وہ باغ مسجد کے سامنے تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس باغ میں داخل ہوتے اور اس کا عمدہ پانی پیتے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: پس جب یہ آیت نازل ہوئی: تم ہرگز نیکی

تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ وَإِنَّ أَحَبَّ مَالِي إِلَيَّ بَيْرُحَاءَ وَإِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ أَرْجُو بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللّٰهِ فَضَعْهَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ حَيْثُ أَرَاكَ اللّٰهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَخٍ ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ أَوْ رَايِحٌ شَكَّ عَبْدُ اللّٰهِ وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ وَإِنِّي أَرَى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْأَقْرَبِينَ فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ أَفْعَلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَقَسَمَهَا أَبُو طَلْحَةَ فِي أَقَارِبِهِ وَفِي بَنِي عَمِّهِ وَقَالَ إِسْمَاعِيلُ وَيَحْيَى بْنُ يَحْيَى رَايِحٌ۔

نہیں حاصل کر سکو گے حتیٰ کہ اس چیز سے خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو۔ تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، پس انہوں نے کہا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تم ہرگز نیکی نہیں حاصل کر سکو گے حتیٰ کہ اس چیز سے خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو۔ اور میرے نزدیک سب سے پسندیدہ مال وہ ہے جو بیرحاء ہے اور یہ باغ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے، میں اس کی نیکی اور اس کے اللہ کے پاس ذخیرہ ہونے کی امید رکھتا ہوں، سو یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس کو جہاں چاہیں خرچ کر دیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوڑو یہ نفع والا مال ہے، یا فرمایا: یہ نفع والا ہے، اس میں عبد اللہ کو شک ہے کہ آپ نے کیا فرمایا تھا، اور میں نے سن لیا جو تم نے کہا ہے اور میری رائے یہ ہے، تم یہ باغ اپنے قرابت داروں کو دے دو، تو ابوطلحہ نے کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایسا کرتا ہوں، پھر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے وہ باغ اپنے قرابت داروں میں اور اپنے چچا کے بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔
اسماعیل اور یحییٰ بن یحییٰ کی روایت میں رایح (نفع والا) کا لفظ ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۶۱، ۲۳۱۸، ۲۷۵۲، ۲۷۵۸، ۲۷۶۹، ۴۵۵۴، ۴۵۵۵، ۵۶۱۱، صحیح مسلم: ۹۹۸، مسند احمد: ۱۲۰۳۰، موطا امام مالک: ۱۸۷۵، سنن دارمی: ۱۶۵۵)

صحیح البخاری: ۵۶۱۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "میٹھے پانی کو طلب کرنا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس باغ میں داخل ہوتے تھے اور اس کا عمدہ پانی پیتے تھے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میٹھے پانی کو طلب کرتے تھے، اور علامہ واقدی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابورافع کی بیوی سلمٰی روایت کرتی ہیں کہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس ٹھہرے تو آپ مالک بن نضر کے کنوئیں سے میٹھا پانی طلب کرتے تھے، اور مالک بن نضر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے والد تھے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: میٹھے پانی کو طلب کرنا زُہد کے منافی نہیں ہے اور نہ یہ اس تکبر میں داخل ہے جو مذموم ہے، اس کے برخلاف پانی میں مُشک وغیرہ کی خوشبو ڈالنا یہ وہ چیز ہے جس کو امام مالک نے مکروہ کہا ہے، کیونکہ اس میں

اسراف ہے لیکن میٹھا پانی پینا اور اس کو طلب کرنا مباح ہے اور صالحین امت نے اس طرح کیا ہے، اور کھارا پانی پینے میں کوئی فضیلت نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس حدیث میں مذکور ہے "بخ" یہ وہ کلمہ ہے جو مدح کے وقت کہا جاتا ہے اور کسی چیز پر راضی ہونے کے وقت کہا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۸۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۴۔ بَابُ: شَوْبِ اللَّبَنِ بِالْمَاءِ دودھ میں پانی ملا کر پینے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دودھ میں پانی ملا کر پینا جائز ہے، امام بخاری نے پینے کی قید لگائی ہے تا کہ اس سے احتراز ہو کہ دودھ میں پانی ملا کر فروخت کرنا جائز ہے، ایک قول یہ ہے کہ امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ خلیطین کی جو ممانعت کی گئی تھی، یعنی دو قسم کی کھجوروں کو ملا کر پانی میں ڈال کر نبیذ بنانے کی جو ممانعت کی گئی تھی، وہ ممانعت دودھ میں پانی ملانے کے اندر نہیں ہے، کیونکہ عرب لوگ دودھ پیتے وقت اس میں پانی ملا لیتے تھے، کیونکہ جب دودھ کو بکری سے تازہ نکالا جائے تو وہ گرم ہوتا ہے اور وہ شہر گرم تھے تو وہ دودھ کی گرمی کو ٹھنڈے پانی سے توڑتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۸۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۱۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضی الله عنه أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم شَرِبَ لَبَنًا وَأَتَى دَارَهُ فَحَلَبْتُ شَاةً فَشُبْتُ لِرَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنَ الْبِئْرِ فَتَنَاوَلَ الْقَدَحَ فَشَرِبَ وَعَنْ يَسَارِهِ أَبُو بَكْرٍ وَعَنْ يَمِينِهِ أَعْرَابِيٌّ فَأَعْطَى الْأَعْرَابِيَّ فَضْلَهُ ثُمَّ قَالَ الْأَيْمَنَ فَالْأَيْمَنَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے خبر دی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا اور آپ اپنے گھر آئے، پس میں نے بکری کا دودھ نکالا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس دودھ میں کنوئیں سے پانی نکال کر ملایا۔ پس آپ نے پیالہ لے کر وہ دودھ پیا اور آپ کی بائیں طرف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے اور دائیں طرف ایک اعرابی تھا، تو آپ نے اپنا بچا ہوا دودھ اعرابی کو دے دیا، پھر آپ نے فرمایا: دائیں جانب سے ابتدا کرو، پس دائیں جانب سے ابتداء کرو۔

(صحیح مسلم: ۲۰۲۹، سنن ترمذی: ۱۸۹۳، سنن ابوداؤد: ۳۷۲۶، سنن ابن ماجہ: ۳۴۲۵، مسند احمد: ۱۱۷۱۱، موطا امام مالک: ۱۷۲۳، سنن دارمی: ۲۱۱۶)

صحیح البخاری: ۵۶۱۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدان کا ذکر ہے، یہ عبد اللہ بن عثمان المروزی کا لقب ہے اور اس کا ذکر کئی بار آچکا ہے، اور اس حدیث کی سند میں عبد اللہ کا ذکر ہے، یہ ابن المبارک المروزی ہیں، اور یونس کا ذکر ہے، یہ ابن یزید الایلی ہیں۔ اور الزہری کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اتی دارہ" یعنی آپ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر آئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فشبت" یہ لفظ شوب سے ماخوذ ہے اور متکلم کا صیغہ ہے اور اس کا معنی ہے: "میں نے دودھ میں کنوئیں کا پانی ملایا"۔

اس حدیث میں مذکور ہے: "آپ نے اپنا بچا ہوا دودھ اعرابی کو دے دیا"۔ ایک قول ہے کہ وہ اعرابی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت خالد ایسے صحابی کے لیے اعرابی نہیں کہا جاتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الایمن" یعنی دائیں طرف والے کو مقدم کیا جائے گا، کیونکہ دائیں جانب والے کو بائیں جانب والے پر فضیلت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اشخاص کی رعایت کی بجائے اصول کی رعایت کرنا

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اصول کو ہر حال میں مقدم رکھا جائے گا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں افضل تھے اور ان کے افضل ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا بچا ہوا دودھ ان کو عطا فرماتے، لیکن چونکہ وہ بائیں جانب بیٹھے ہوئے تھے اور دائیں جانب ایک اعرابی تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بچا ہوا دودھ اعرابی کو عطا فرما دیا، اور یہ ظاہر فرمایا کہ یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مؤخر کر دیا جائے، لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ اصول کو مؤخر کیا جائے، کیونکہ اصول یہ ہے کہ دائیں جانب سے ابتداء کی جاتی ہے۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ رہنمائی کی ہے کہ شخصی رعایت نہ کی جائے بلکہ اصول کی رعایت کی جائے۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۵۶۱۲ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مسائل اور فوائد

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ دودھ میں پانی ملانا جائز ہے، جب کہ گھر کی ضروریات کے لیے دودھ میں پانی ملایا جائے، رہا بازار میں دودھ فروخت کرنے والا، اس کے لیے دودھ میں پانی ملانا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ ملاوٹ ہے اور دھوکہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ملاوٹ کی اور دھوکہ دیا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۴۷۲، سنن ابن ماجہ: ۲۲۲۴)

نیز اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ پینے والا جب کوئی چیز پی لے تو وہ دائیں جانب سے دینے کی ابتداء

کرے، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کو اپنا بچا ہوا دودھ عطا کیا، کیونکہ وہ آپ کی دائیں جانب تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نہیں عطا کیا، کیونکہ وہ آپ کی بائیں جانب تھے۔

نیز اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ انسان کو چاہیے کہ جب وہ کوئی مشروع کام کرے اور اس کو خطرہ ہو کہ اس کام کے کرنے سے کسی کے دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہوگا، تو وہ اس کو مطمئن کرے اور اس کی وجہ بیان کرے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دائیں جانب، پھر دائیں جانب، تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس عظیم صحابی کو کیوں چھوڑ دیا جو آپ پر سب سے پہلے ایمان لائے تھے اور اس اعرابی کو آپ نے عطا کیا، تو کہا جائے گا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعرابی کو عطا کیا تو اس کی وجہ بھی بیان کر دی، اور اسی طرح ہر کام میں انسان کو چاہیے کہ عذر بیان کر دے اور لوگوں کو اس حال میں نہ چھوڑے کے ان کے دل میں شکوک وشبہات پیدا ہو رہے ہوں اور شیطان لوگوں کے دل میں وسوسے ڈال رہا ہو۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۲۵، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۶۱۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم دَخَلَ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَمَعَهُ صَاحِبٌ لَهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنْ كَانَ عِنْدَكَ مَاءٌ بَاتَ هَذِهِ اللَّيْلَةَ فِي شَنَّةٍ وَإِلَّا كَرَعْنَا قَالَ وَالرَّجُلُ يُحَوِّلُ الْمَاءَ فِي حَائِطِهِ قَالَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللهِ عِنْدِي مَاءٌ بَائِتٌ فَانْطَلِقْ إِلَى الْعَرِيشِ قَالَ فَانْطَلَقَ بِهِمَا فَسَكَبَ فِي قَدَحٍ ثُمَّ حَلَبَ عَلَيْهِ مِنْ دَاجِنٍ لَهُ قَالَ فَشَرِبَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم ثُمَّ شَرِبَ الرَّجُلُ الَّذِي جَاءَ مَعَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعامر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فُلیح بن سلیمان نے حدیث بیان کی از سعید بن الحارث از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے ایک مرد کے پاس تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ آپ کے صحابی بھی تھے، تو اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہارے پاس رات کا رکھا ہوا پانی اس مشک میں ہے (تو ہمیں پلاؤ) ورنہ ہم اس مشک سے منہ لگا کر پانی پی لیں گے، اور وہ انصاری مرد اپنے باغ میں پانی دے رہے تھے، تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے پاس رات کا رکھا ہوا پانی ہے، آپ چھپر میں تشریف لے چلیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ جو صحابی تھے، ان دونوں کو چھپر میں لے گیا اور ایک پیالے میں پانی ڈالا، پھر اس نے اپنی بکری کا دودھ نکال کر اس پانی پر ڈالا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا، پھر اس صحابی نے پانی پیا جو آپ کے ساتھ آئے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۶۲۱، سنن ابوداؤد: ۳۷۲۴، سنن ابن ماجہ: ۳۴۳۲، مسند احمد: ۱۴۱۱۰، سنن داری: ۲۱۲۳)

صحیح البخاری: ۵۶۱۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن محمد الجعفی کا ذکر ہے، یہ المسندی کے نام سے معروف ہیں، اور اس حدیث کی سند میں ابو عامر کا ذکر ہے، یہ عبدالملک بن عمرو العقدی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے" آپ انصار کے ایک مرد کے پاس گئے"۔ کہا گیا ہے کہ ان کا نام ابوالہیثم بن التیہان الانصاری ہے۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ" آپ کے ساتھ آپ کے ایک صحابی تھے"، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے صحابی تھے اور وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے" ورنہ ہم مشک سے منہ لگا کر پی لیں گے" اصل عبارت اس طرح ہے کہ اگر تمہارے پاس کوئی برتن ہے تو اس برتن میں ہم کو پانی پلاؤ، ورنہ ہم مشک سے منہ لگا کر پانی پی لیں گے، اور مشک سے منہ لگا کر پانی پینے کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اس سے انسان کو بار بار گھونٹ لینے سے مشقت ہوتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے" وہ انصاری مرد اپنے باغ میں پانی دے رہا تھا"، یعنی باغ کی ایک جگہ سے دوسری جگہ پانی کو منتقل کر رہا تھا، تا کہ تمام درختوں کو پانی پلا دیا جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے" عریش"، اس سے مراد وہ جگہ ہے جو سائے کے لیے بنائی گئی ہو، جیسے باغ میں چھپر بنایا جاتا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ خیمہ تھا۔ اس حدیث میں مذکور ہے" من داجن" یہ وہ بکری ہے جو گھروں میں رہتی ہو۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: پھر اس مرد نے پیا جو آپ کے ساتھ آیا تھا، اور امام احمد کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیالے سے دودھ میں ملا ہوا پانی پیا اور اپنے صحابی کو پلایا۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انصاری سے رات کا ٹھنڈا پانی طلب کیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ ٹھنڈے پانی کو گرمیوں کے دنوں میں طلب کرنا جائز ہے۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ٹھنڈا پانی اللہ تعالیٰ کی بہت عظیم نعمت ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے قیامت کے دن بندے سے جس چیز کا حساب لیا جائے گا، وہ یہ ہے کہ کہا جائے گا: کیا میں نے تمہارا جسم صحت مند نہیں بنایا تھا اور کیا میں نے تم کو ٹھنڈا پانی سیر ہو کر نہیں پلایا تھا؟

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دودھ میں پانی ملانا دودھ پیتے وقت جائز ہے، اور دودھ فروخت کرتے وقت جائز نہیں ہے۔

(۴) اس انصاری نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیالے میں دودھ میں ملا ہوا پانی پیش کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے یہ دریافت نہیں فرمایا کہ تم

نے یہ دودھ کہاں سے حاصل کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی آدمی کو کوئی کھانے پینے کی چیز پیش کی جائے تو یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اس سے سوال کرے کہ تم نے یہ کھانا کہاں سے حاصل کیا، سوا اس صورت کے کہ جو کھانا پیش کر رہا ہو، اس کا اکثر مال حرام ہو، تو ایسے آدمی کا طعام کھانا نہیں چاہیے، چہ جائیکہ اس سے سوال کیا جائے کہ یہ طعام کہاں سے حاصل کیا ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۵۔ بَابُ: شَرَابِ الْحَلْوَاءِ وَالْعَسَلِ

میٹھے مشروب اور شہد کا بیان

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ: لَا يَحِلُّ شُرْبُ بَوْلِ النَّاسِ لِشِدَّةٍ تَنْزِلُ، لِأَنَّهُ رِجْسٌ، قَالَ اللهُ تَعَالَىٰ: ﴿أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ﴾ (المائدہ: ۴)

اور زہری نے کہا کہ کسی انسان کو بہت شدید ضرورت ہو، پھر بھی لوگوں کا شراب پینا جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ ناپاک ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں۔

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فِي السَّكَرِ: إِنَّ اللهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَكُمْ فِيْمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نشہ آور چیزوں کے متعلق فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفاء ان چیزوں میں نہیں رکھی جن کو اس نے تم پر حرام کر دیا ہے۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۷۰۹۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۵ ص ۷۵، شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۰۸، المعجم الکبیر للطبرانی: ۹۷۱۶)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
جس قسم کا حلواء آج کل معروف ہے، عرب میں اس قسم کا حلواء معروف نہیں تھا، پس متعین ہو گیا کہ مقصود یہ ہے کہ حلواء سے مراد یہاں پر میٹھا پانی ہے، جس کا پینا ممکن ہو جیسے کھجور کا نبیذ ہو یا انگور کا نبیذ ہو، اور اسی طرح شہد۔ اگر تم یہ سوال کرو کہ الحلواء کا لفظ شہد کو بھی شامل ہے، پھر شہد کو خصوصیت سے بعد میں ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے: یہ خاص کا عطف عام پر ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے:

فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ (الرحمٰن) — ان جنتوں میں پھل اور کھجوریں اور انار ہیں O

اس آیت میں بھی پھل کے بعد کھجوروں اور انار کا ذکر فرمایا ہے، حالانکہ کھجور اور انار بھی پھل ہیں۔ سو یہ خاص کا عطف عام پر ہے۔ اسی طرح امام بخاری کے عنوان میں بھی الحلواء کے بعد العسل کا ذکر ہے، جب کہ الحلواء، العسل کو شامل ہے۔

باب میں مذکور پہلی تعلیق کی شرح

امام بخاری پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ انہوں نے عنوان میں تو میٹھے مشروب اور شہد کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد الزہری کی تعلیق ذکر کی ہے کہ سخت شدید ضرورت میں بھی لوگوں کا پیشاب پینا جائز نہیں ہے، اور الحلواء اور شہد کے بعد پیشاب کے ذکر میں تضاد ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ امام بخاری کا زہری کے قول کو وارد کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ (المائدہ: ۴) — تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں۔

اور حلواء یعنی کھجور کا نبیذ اور شہد یہ وہ چیزیں ہیں جن کے اوپر طیبات کا اطلاق آتا ہے، اس لیے پہلے انہوں نے زہری کا قول ذکر کیا اور یہ بتایا کہ پیشاب کا پینا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے اور یہ طیبات میں سے نہیں ہے۔ اور الزہری کی تعلیق کی امام عبدالرزاق نے از معمر اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

زُہری نے کہا ہے: سخت ضرورت میں بھی پیشاب کا پینا جائز نہیں ہے، اس میں جمہور کا اختلاف ہے، پھر زہری نے کہا کہ پیشاب نجس ہے، یعنی غیر طاہر ہے اور مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت بھی نجس ہے، اس کے باوجود اضطرار کی صورت میں ان کو کھانا جائز ہے، اسی لیے جمہور نے کہا کہ اضطرار کی صورت میں پیشاب کا پینا بھی جائز ہے۔ اور فقہاء شافعیہ نے کہا ہے کہ پیشاب اور دیگر نجاسات کو بہ طور دوا کے پینا جائز ہے، سوائے خمر اور نشہ آور مشروبات کے۔ امام مالک نے کہا کہ نشہ آور مشروبات کو نہ پیئے، اس لیے کہ ان کے پینے سے بھوک اور پیاس اور بڑھے گی، اور امام ابوحنیفہ نے اس کی اجازت دی ہے کہ اتنی مقدار میں اضطرار کے وقت نشہ آور مشروب کو پینا جائز ہے جس سے رمقِ حیات برقرار رہے۔

باب میں مذکور دوسری تعلیق کی شرح

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نشہ آور مشروب کے متعلق کہا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفاء ان چیزوں میں نہیں رکھی، جن چیزوں کو اس نے تم پر حرام کر دیا ہے۔

امام بخاری نے زُہری کا اثر وارد کیا تھا، اس پر جو اعتراض ہوتا تھا، وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر کو وارد کرنے پر بھی ہوتا ہے اور اس کا بھی وہی جواب ہے جو زُہری کے اثر کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے شہد کے متعلق فرمایا ہے:

يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ۔ (النحل: ٦٩)

ان کے پیٹوں سے رنگ برنگ کا مشروب نکلتا ہے، اس مشروب (شہد) میں لوگوں کے لیے شفاء ہے۔

سو یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی ضد میں شفاء نہیں رکھی۔ رہا یہ سوال کہ باقی محرمات میں سے نشہ آور مشروبات کا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے خصوصیت کے ساتھ کیوں ذکر کیا ہے؟ یعنی کسی حرام چیز میں شفاء نہیں ہے، تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے خصوصیت کے ساتھ نشہ آور مشروبات کے متعلق کیوں فرمایا کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے شفاء نہیں رکھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے خصوصیت کے ساتھ نشہ آور مشروبات کے متعلق سوال کیا گیا تھا، تو انہوں نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفاء ان چیزوں میں نہیں رکھی، جن چیزوں کو اس نے تم پر حرام کر دیا ہے۔ اور اس کی زیادہ وضاحت اس اثر سے ہوتی ہے:

از سفیان بن عیینہ از منصور از ابووائل روایت ہے کہ ہم میں سے ایک مرد نے جس کا نام خیثم بن العدا تھا، اپنے پیٹ کی بیماری کی شکایت کی، جس کو صفراء کہا جاتا تھا، تو اسے بتایا گیا کہ تم کوئی نشہ آور چیز پیو، تو اس نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا اور ان سے اس کے متعلق سوال کیا، تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جن چیزوں کو اللہ نے تم پر حرام کر دیا ہے، اس میں تمہاری شفاء نہیں رکھی، اور اس حدیث کی امام ابن ابی شیبہ نے از جریر از منصور روایت کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے اور امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔ یہ وجہ ہے کہ اس اثر میں نشہ آور مشروب کی تعیین کی گئی ہے۔

اور "السکر" میں سین اور کاف پر زبر ہے اور اس سے مراد الخمر ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد کھجور کا گاڑھا نبیذ ہے، اور تیسرا قول یہ ہے کہ سکر سے مراد نشہ آور مشروب ہے اور صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ کھجور کا گاڑھا نبیذ سکر ہے، اور انگور کا گاڑھا مشروب جب اس کو جوش آجائے تو وہ بھی سکر ہے، اور یہ دونوں مشروب حرام ہیں۔ اور اس سے پہلے صاحب ہدایہ نے دو اور مشروبات کا ذکر کیا ہے اور وہ الخمر اور الطِّلاء ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۸۳۔ ۳۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۱۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ أَخْبَرَنِي هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعْجِبُهُ الْحَلْوَاءُ وَالْعَسَلُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ہشام نے خبر دی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کو الحلواء (میٹھی چیز) اور شہد پسند تھا۔

(صحیح البخاری: ۵۴۳۱، صحیح مسلم: ۱۴۷۴، سنن ترمذی: ۱۸۳۱، سنن ابن ماجہ: ۳۳۲۳، سنن دارمی: ۲۰۷۵)

صحیح البخاری: ۵۶۱۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن عبداللہ کا ذکر ہے اور وہ ابن المدینی ہیں، اور ابو اسامہ کا ذکر ہے، وہ حماد بن اسامہ ہیں جو از ہشام بن عروہ روایت کرتے ہیں۔ اور وہ اپنے والد عروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ یہ حدیث کتاب الاطعمہ میں گزر چکی ہے اور اس کی شرح وہاں کی جا چکی ہے۔

۱۶۔ بَابُ: الشُّرْبِ قَائِمًا — کھڑے ہو کر پینے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں کھڑے ہو کر پینے کا حکم بیان کیا گیا ہے، علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ امام بخاری نے اس عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے کہ جو احادیث کھڑے ہو کر پینے کی کراہت میں وارد ہیں، وہ امام بخاری کے نزدیک صحیح نہیں ہیں۔

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی) نے کہا ہے کہ علامہ ابن بطال کی یہ شرح جید نہیں ہے، بلکہ امام بخاری کے نزدیک جب احادیث متعارض ہوں تو وہ عنوان میں اس کا حکم بیان نہیں کرتے۔ علامہ عینی اس کے رد میں فرماتے ہیں کہ علامہ ابن بطال کا کلام ایک وادی میں ہے اور اس قائل کا کلام دوسری وادی میں ہے۔ اور امام بخاری نے جو کھڑے ہو کر پانی پینے کا حکم عنوان میں بیان نہیں کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاری کی عادت یہ ہے کہ جس چیز کا حکم باب کی احادیث سے سمجھ آ رہا ہو، اس کا حکم عنوان میں بیان نہیں کرتے اور اس کے حکم کو مبہم رکھتے ہیں، نہ اس کے جواز کی تصریح کرتے ہیں اور نہ عدمِ جواز کی تصریح کرتے ہیں، بلکہ

اس کو قارئین کی فہم کے اوپر چھوڑ دیتے ہیں کہ اس کا جو بھی حکم ہے وہ حدیث سے سمجھ آ رہا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۸۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۱۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنِ النَّزَّالِ قَالَ أَتَى عَلِيٌّ رضی الله عنه عَلَى بَابِ الرَّحَبَةِ فَشَرِبَ قَائِمًا فَقَالَ إِنَّ نَاسًا يَكْرَهُ أَحَدُهُمْ أَنْ يَشْرَبَ وَهُوَ قَائِمٌ وَإِنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَعَلَ كَمَا رَأَيْتُمُونِي فَعَلْتُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مسعر نے حدیث بیان کی از عبد الملک بن میسرۃ از نزال، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ باب الرحبۃ پر آئے، پس انہوں نے کھڑے ہو کر (پانی) پیا، پھر فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایک کھڑے ہو کر پینے کو مکروہ کہتا ہے، اور میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح کیا جس طرح تم نے مجھے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۶۱۶، سنن نسائی: ۱۳۰، سنن ابوداؤد: ۳۷۱۸، مسند احمد: ۱۳۵۳)

صحیح البخاری: ۵۶۱۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے اور اس میں کھڑے ہو کر پینے کا ذکر ہے، اور یہ حدیث اس حکم کی وضاحت کرتی ہے کہ کھڑے ہو کر پینا جائز ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابونعیم کا ذکر ہے، یہ الفضل بن دکین ہیں۔ اور مسعر کا ذکر ہے، یہ ابن کدام کوفی ہیں۔ اور عبد اللہ بن میسرہ کا ذکر ہے، یہ الزراد ہیں اور نزال کا ذکر ہے، یہ ابن سبرۃ ہیں، اور یہ تینوں ہلالی کوفی ہیں۔ اور ابونعیم بھی کوفی ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کوفہ میں آ کر ٹھہرے تھے اور وہیں پر ان کی وفات ہوئی تھی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں "باب الرحبۃ" کا ذکر ہے، اس سے مراد مسجد کوفہ کا وسیع صحن ہے۔ اور شعبہ کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز پڑھی، پھر لوگوں کی ضروریات اور ان کے مسائل کو حل کرنے کے لیے مسجد کوفہ کی وسیع جگہ میں بیٹھ گئے اور "الرحب" کا معنی ہے: وسیع جگہ۔

کھڑے ہو کر پینے کے جواز کے متعلق احادیث

کھڑے ہو کر پینے کے جواز کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر زمزم کا پانی پیا۔ ان حدیثوں کی امام بخاری نے یہاں روایت کی ہے۔

اور امام ترمذی نے از نافع از ابن عمر روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں چلتے تھے اور (پانی) پیتے تھے اور ہم کھڑے ہوئے ہوتے تھے، پھر امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور اس حدیث کی امام ابن ماجہ اور امام ابن حبان نے بھی روایت کی ہے۔

اور امام ترمذی نے شمائل میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے (پانی) پیتے تھے، اور اس کی سند حسن ہے۔

اور امام نسائی نے از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور بیٹھے (پانی) پیتے تھے۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں داخل ہوئے اور ایک مشک لٹکی ہوئی تھی، تو آپ نے مشک کے منہ سے پانی پیا اور اس وقت آپ کھڑے ہوئے تھے۔ الحدیث

اور ہمارے شیخ زین الدین نے فوائد ابو بکر الشافعی کے دسویں جز میں یہ روایت ذکر کی ہے: از زیاد بن المنذر از بشیر بن غالب از حسین بن علی رضی اللہ عنہما، انہوں نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے (پانی) پی رہے تھے۔

اور امام طبرانی نے المعجم الصغیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے زمزم کا پانی پی رہے تھے۔

اور مسند احمد میں یہ حدیث ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں داخل ہوئے اور گھر میں ایک مشک لٹکی ہوئی تھی تو آپ نے کھڑے ہو کر اس سے (پانی) پیا۔

اور امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے کبشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں داخل ہوئے تو آپ نے ایک لٹکی ہوئی مشک سے کھڑے ہو کر (پانی) پیا۔

اور امام ابو موسیٰ المدینی نے معرفۃ الصحابہ میں حضرت کلثم رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں داخل ہوئے اور لٹکی ہوئی مشک سے کھڑے ہو کر پانی پیا۔

اور امام عبدالرزاق نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پیا اور بیٹھ کر پیا۔

اور ابو محمد بن حاتم الرازی نے سند صحیح کے ساتھ عبداللہ بن سائب بن خباب از والد خود از جد خود روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے دیکھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مٹی کے برتن کی طرف کھڑے ہوئے اور اس میں پانی تھا، تو آپ نے کھڑے ہو کر (پانی) پیا۔

کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت کے متعلق احادیث

امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہرگز کوئی شخص کھڑے ہو کر پانی نہ پیئے، اور جو شخص بھول گیا وہ قے کر دے۔

نیز امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر پینے پر زجر و توبیخ (ڈانٹ ڈپٹ) کی۔

نیز حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر (پانی) پینے پر ڈانٹ ڈپٹ کی ہے۔ اور امام ترمذی نے حضرت جارود بن معلّٰی سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر (پانی) پینے سے منع فرمایا ہے، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

کھڑے ہوکر پانی پینے کے متعلق فقہاءِ اسلام کے نظریات

اہل الظاہر نے ان احادیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ کھڑے ہوکر پانی پینا حرام ہے۔

اس سے پہلے جو احادیث ذکر کی تھیں، ان میں کھڑے ہوکر پانی پینے کے جواز کا ثبوت تھا اور ان احادیث کے اندر کھڑے ہوکر پانی پینے کی ممانعت ہے، تو علماء نے ان احادیث میں حسب ذیل طریقوں سے تطبیق دی ہے:

(۱) جن احادیث میں کھڑے ہوکر پانی پینے سے منع فرمایا ہے، وہ ممانعت تنزیہہ پر محمول ہے نہ کہ تحریم پر اور جو علماء حدیث اور فقہ کے جامع ہیں، انہوں نے اسی طرح تطبیق دی ہے، مثلاً علامہ خطابی، ابومحمد البغوی، ابوعبد اللہ المازری، قاضی عیاض، ابوالعباس القرطبی اور ابوزکریا النووی رحمہم اللہ تعالیٰ۔

(۲) جن احادیث میں کھڑے ہوکر پانی پینے سے منع فرمایا ہے، وہاں قائم سے مراد ہے ماشی یعنی کھڑے ہونے سے مراد ہے چلنے والا، تو خلاصہ یہ ہے کہ چلتے ہوئے پانی نہ پیا جائے، اور عرب کہتے ہیں "قم فی حاجتنا" یعنی ہماری حاجت میں کھڑے ہو، مراد یہ ہوتی ہے کہ ہماری ضرورت میں چلو، یہ ابن التین کی تقریر ہے۔

(۳) علامہ ابوالولید الباجی اور علامہ المازری نے کہا ہے کہ ممانعت کی احادیث اس صورت پر محمول ہیں کہ کوئی مرد اپنے اصحاب کے پاس کوئی مشروب لے کر آئے اور اپنے اصحاب کے پینے سے پہلے خود کھڑے ہوکر پینا شروع کر دے، اس سے منع فرمایا ہے۔

(۴) ممانعت کی احادیث ضعیف ہیں، فقہاء مالکیہ کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ کھڑے ہوکر پانی پینے سے ممانعت کی احادیث ضعیف ہیں، ان علماء میں سے علامہ ابوعمر بن عبد البر ہیں، اور یہ جواب ضعیف ہے۔

(۵) ابوحفص بن شاہین اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں کہا ہے کہ ممانعت کی احادیث منسوخ ہیں۔

(۶) ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ ممانعت کی احادیث کھڑے ہوکر پانی پینے کے جواز کی احادیث کے لیے ناسخ ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ جن احادیث میں کھڑے ہوکر پانی پینے کی اجازت دی گئی تھی، وہ احادیث منسوخ ہوگئی ہیں۔

علامہ نووی نے شرح مسلم میں کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ کھڑے ہوکر پانی پینے کی ممانعت کی احادیث مکروہِ تنزیہی پر محمول ہیں، اور رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہوکر پینا تو وہ بیانِ جواز کے لیے ہے، سو کوئی اشکال نہیں ہے اور نہ کوئی تعارض ہے۔ نیز علامہ نووی نے کہا: ہم نے جو محمل بیان کیا ہے اس کو اختیار کرنا متعین ہے اور جس کا یہ زعم ہے کہ ممانعت کی احادیث منسوخ ہوگئی ہیں یا ضعیف ہیں تو اس نے فاحش غلطی کی اور ان احادیث کو منسوخ کیسے قرار دیا جائے گا جب کہ ان میں تطبیق ممکن ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ: علامہ نووی نے شرح صحیح مسلم میں وثوق سے کہا ہے کہ کھڑے ہوکر پانی پینا مکروہِ تنزیہی ہے اور انہوں نے اپنی کتاب "روضۃ الطالبین" میں امام رافعی کی اتباع میں کہا ہے کہ کھڑے ہوکر پانی پینا مکروہ نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج

۲۱ ص ۲۸۵۔۲۸۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۵۶۱۶۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَيْسَرَةَ سَمِعْتُ النَّزَّالَ بْنَ سَبْرَةَ يُحَدِّثُ عَنْ عَلِيٍّ رضی الله عنه أَنَّهُ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ قَعَدَ فِي حَوَائِجِ النَّاسِ فِي رَحَبَةِ الْكُوفَةِ حَتَّى حَضَرَتْ صَلَاةُ الْعَصْرِ ثُمَّ أُتِيَ بِمَاءٍ فَشَرِبَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ وَذَكَرَ رَأْسَهُ وَرِجْلَيْهِ ثُمَّ قَامَ فَشَرِبَ فَضْلَهُ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ إِنَّ نَاسًا يَكْرَهُونَ الشُّرْبَ قِيَامًا وَإِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الملک بن میسرۃ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے نزال بن سبرۃ سے سنا، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ظہر کی نماز پڑھی، پھر وہ لوگوں کی ضروریات کو حل کرنے کے لیے کوفہ کی مسجد کے وسیع صحن میں بیٹھ گئے حتیٰ کہ عصر کی نماز آ گئی، پھر ان کے پاس پانی لایا گیا، انہوں نے اس کو پیا اور اپنے چہرے کو دھویا اور ہاتھوں کو دھویا اور سر کا بھی ذکر کیا اور پیروں کو دھویا، پھر کھڑے ہوئے اور کھڑے ہو کر وضو کا بچا ہوا پانی پیا، پھر کہا کہ لوگ کھڑے ہو کر پینے کو مکروہ کہتے ہیں اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی مثل کیا جس طرح میں نے کیا ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۶۱۶، سنن نسائی: ۱۳۰، سنن ابوداؤد: ۳۷۱۸، مسند احمد: ۱۳۵۳)

صحیح البخاری: ۵۶۱۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اس حدیث کی دوسری سند سے روایت ہے جس کی امام بخاری نے آدم بن ابی ایاس سے روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پانی لایا گیا اور اسماعیلی کی روایت میں ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضو کا پانی منگایا، اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک کوزے میں پانی لائے، اور اسی کی مثل سنن نسائی اور مسند ابوداؤد الطیالسی میں مذکور ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اور سر کا ذکر کیا" یعنی آدم بن ابی ایاس نے اپنی روایت میں سر کا اور پیروں کا ذکر کیا۔ اور بہنر کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ میں پانی لیا، پس اپنے چہرہ پر ملا اور اپنی کلائیوں پر ملا اور اپنے سر پر ملا اور اپنے پیروں پر۔

اور مسند طیالسی میں اس طرح مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا چہرہ دھویا اور اپنے ہاتھوں کو دھویا اور اپنے سر پر اور پیروں پر مسح کیا۔ اور الاعمش کی روایت میں اس طرح مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھوں کو دھویا، اور کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، اور اپنے چہرے پر اور کلائیوں پر اور سر پر مسح کیا۔

اور اسماعیلی کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے چہرے پر مسح کیا اور اپنے سر پر اور اپنے پیروں پر۔ اور حدیث کے آخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ یہ اس کا وضو ہے جو بے وضو نہ ہو، اور یہ اضافہ سنن نسائی کی روایت میں ہے اور اسماعیلی کی روایت میں ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا: اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سر اور پیروں کو کیوں الگ ذکر کیا اور سب کو ایک طریقے سے ذکر کیوں نہیں کیا؟ تو میں کہوں گا کہ جب کہ سر دھویا نہیں جاتا بلکہ اس پر مسح کیا جاتا ہے تو اس کو الگ ذکر کیا اور پیروں کا بھی اس پر عطف کیا، اگر چہ پیر دھوئے جاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے:

وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ (المائدہ:٦) اور اپنے سروں پر مسح کرو اور اپنے پیروں کو دھوؤ۔

اور جب وضو کرنے والے نے موزہ پہنا ہوا ہو، تو جب وہ سر کا مسح کرے گا تو پیروں پر بھی مسح کرلے۔ اور اس کی توجیہ میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ دوسرا راوی سر اور پیروں کے متعلق اس بات کو بھول گیا جس بات کو پہلے راوی نے ذکر کیا تھا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی مثل کیا جس طرح میں نے کیا تھا": یعنی آپ نے اسی طرح کھڑے ہو کر وضو کا بچا ہوا پانی پیا، اس کی اسماعیلی نے اپنی روایت میں تصریح کی ہے، پس کہا: آپ نے وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا جس طرح میں نے وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۸۷۔۲۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۱۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ شَرِبَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم قَائِمًا مِنْ زَمْزَمَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عاصم الاحول از الشعبی از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمزم سے کھڑے ہوئے (پانی) پیا۔

(صحیح البخاری: ۱۶۳۷، ۵۶۱۷، صحیح مسلم: ۲۰۲۷، سنن ترمذی: ۱۸۸۲، سنن نسائی: ۲۹۶۴، سنن ابن ماجہ: ۳۴۲۲، مسند احمد: ۲۶۰۳)

اس حدیث کی شرح ابھی گزری ہے۔

کھڑے ہو کر پینے کے باب کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

میری رائے یہ ہے کہ پہلے میں اس باب میں وارد احادیث کو ذکر کروں، پھر ان کے درمیان تطبیق دوں۔

کھڑے ہو کر پانی پینے کے جواز کے متعلق احادیث اور آثار

امام ترمذی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس آئے اور آپ نے ایک لٹکی ہوئی مشک کے منہ سے (پانی) پیا۔ (سنن ترمذی: ۱۸۹۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں چلتے ہوئے کھاتے تھے اور کھڑے ہوئے پیتے تھے۔ (سنن ترمذی: ۱۸۸۱)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے (پانی) پیتے تھے، اس حدیث کی اپنی

سند کے ساتھ الضیاء نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔(المختارہ ج ۳ ص ۲۱۵)

عمرو بن شعیب از والد از جد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر بھی (پانی) پیا اور بیٹھ کر بھی (پانی) پیا۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔(سنن ترمذی: ۱۸۸۳)

امام ابن شاہین اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ام سُلیم نے ان کو حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس آئے اور آپ نے کھڑے ہوئے مشک سے (پانی) پیا۔(الناسخ والمنسوخ: ۵۷۲)

حضرت ام المنذر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور ہماری انگوروں کی بیل لٹکی ہوئی تھی، آپ نے کھڑے ہو کر اس میں سے کھایا۔(سنن ابوداؤد: ۳۸۵۶)

امام مالک روایت کرتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، یہ سب کھڑے ہو کر پانی پیتے تھے، اور حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔
(الموطا ج ۱ ص ۵۷۶)

ابن عجلان نے حدیث بیان کی کہ میں نے ابراہیم سے کھڑے ہو کر پانی پینے سے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر تم چاہو تو کھڑے ہو کر پانی پیو اور اگر تم چاہو تو بیٹھ کر پیو۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۰۰)

کھڑے ہو کر پانی پینے کے عدم جواز کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر (پانی) پینے پر ڈانٹ ڈپٹ فرمائی۔
(صحیح مسلم: ۲۰۲۴، کتاب الاشربہ، باب کراہیۃ الشرب قائما)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کھڑے ہو کر (پانی) نہ پیئے اور جو بھول گیا تو اس کو چاہیے کہ وہ قے کر دے۔(صحیح مسلم: ۲۰۲۶، کتاب الاشربہ، باب کراہیۃ الشرب قائما)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے کھڑے ہو کر پانی پیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہارے ساتھ بلی پیئے، اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: تمہارے ساتھ اس نے پانی پیا ہے جو بلی سے زیادہ برا ہے، وہ شیطان ہے۔(مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۱، سنن دارمی ج ۲ ص ۱۳۵)

حضرت الجارود بن المعلی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر (پانی) پینے سے منع فرمایا۔
(سنن ترمذی: ۱۸۸۱)

امام طبری نے از حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ انہوں نے کھڑے ہو کر پانی پیا اور حضرت علی، حضرت سعد اور حضرت ابن عمر، حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی اسی کی مثل روایت کی ہے اور از ابراہیم اور طاؤس اور سعید بن جبیر سے بھی اس کی مثل روایت کی ہے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس کی کراہت منقول ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل کراہت منقول ہے، اور اس کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ کھڑے ہو کر کھانا مباح ہے اور ہر حال میں کھانا مباح ہے اسی طرح پینا بھی ہر حال میں مباح ہے۔(المفہم ج ۵ ص ۲۸۶)

کھڑے ہوکر پینے کے جواز اور عدم جواز کی احادیث میں تطبیق

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہوکر پانی بیانِ جواز کے لیے پیا اور اسی طرح الخطابی نے کہا ہے کہ کھڑے ہوکر پانی پینے کی ممانعت تادیب کے لیے ہے، کیونکہ بیٹھ کر پانی پینا زیادہ اچھا اور زیادہ مناسب ہے۔

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں: علماء میں سے کسی کا مذہب یہ نہیں ہے کہ کھڑے ہوکر پانی پینے کی ممانعت تحریم کے لیے ہے، اگرچہ ظاہریہ نے اس کو تحریم پر محمول کیا ہے اور جمہور کے نزدیک کھڑے ہوکر پانی پینا جائز ہے۔ سلف صالحین میں سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور جمہور فقہاء اس سے استدلال کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہوکر زمزم کا پانی پیا، اور ان تمام کی رائے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھڑے ہوکر زمزم سے پانی پینا ممانعت کی احادیث سے متاخر ہے، کیونکہ آپ کا زمزم سے کھڑے ہوکر پانی پینا حجۃ الوداع کا واقعہ ہے، اور جن صحابہ نے کھڑے ہوکر پانی پینے کی ممانعت کی احادیث کی روایت کی ہے، ان صحابہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی صحبت متاخر ہے، لہٰذا حضرت ابن عباس نے جو کھڑے ہوکر پانی پینے کے جواز کی روایت کی ہے وہ ناسخ ہے، اور یہ اس سے مزید موکد ہوگیا کہ خلفاء اربعہ نے کھڑے ہوکر پانی پیا ہے اور یہ بعید ہے کہ خلفاء اربعہ سے ممانعت کی احادیث مخفی رہی ہوں۔

حافظ ابوعمر بن عبدالبر نے امام مالک سے روایت کی ہے: جب ہم کو ناسخ اور منسوخ میں یہ جاننا مشکل ہو جائے کہ کون سی چیز ناسخ ہے اور کونسی چیز منسوخ ہے تو ہم حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے فعل کو دیکھیں گے اور ان کے فعل کو آخر الامرین قرار دیں گے۔

(التمہید ج ۳ ص ۳۵۳۔ ۳۵۴)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ان لوگوں کی اقتداء کرو جو میرے بعد ہیں، ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما)۔

(سنن ترمذی: ۳۶۶۲، سنن ابن ماجہ: ۹۷، مسند احمد ج ۵ ص ۴۰۲)

اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا فعل اگرچہ ممانعت کی احادیث کے ناسخ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا لیکن وہ یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ ایک حدیث کو دوسری احادیث پر ترجیح دی جائے، لہٰذا جن احادیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہوئے زمزم کا پانی پیا، اس حدیث کو ممانعت کی حدیث پر ترجیح دی جائے گی، کیونکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے بھی کھڑے ہوکر (پانی) پیا ہے۔

نیز حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انہوں نے بھی کھڑے ہوکر پانی پیا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۱۹۱۔ ۲۰۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۱۶ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ امام کو چاہیے کہ وہ لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے اور لوگوں کے مسائل حل کرنے کے لیے مسجد میں بیٹھے اور اس کا بیٹھنا ظہر کی نماز کے بعد ہو یا کسی اور مناسب وقت میں ہو۔

(۲) اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ امام کو چاہیے کہ وہ کام کرے جس کو لوگ سمجھتے ہوں کہ یہ ناجائز ہے، پھر اس کام کی دلیل بتائے تا کہ لوگ مطمئن ہو جائیں۔ کیونکہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا جائز نہیں ہے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر پانی پیا، پھر بعد میں اس کے جواز کی دلیل بتائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی کھڑے ہو کر پانی پیا تھا۔

(۳) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا جائز ہے، لیکن حدیث میں اس کی ممانعت بھی آئی ہے، پس جب کسی فعل کی حدیث میں ممانعت ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کام کو کیا ہو، تو اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ ممانعت تحریم کے لیے نہیں تھی، تنزیہ کے لیے تھی اور افضل یہ ہے کہ انسان بیٹھ کر پانی پیئے، اگر اس نے کھڑے ہو کر پانی پیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر زمزم کا پانی پیا اور دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بھی کھڑے ہو کر پانی پیا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یوں کیوں نہیں ہو سکتا کہ جب دو حدیثوں میں تعارض ہو تو قول کو فعل پر مقدم کیا جائے گا؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر پینے سے منع بھی فرمایا ہے اور کھڑے ہو کر خود پیا بھی ہے، تو آپ کا قول یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پینا منع ہے اور فعل یہ ہے کے کھڑے ہو کر پیا ہے، تو قول کو فعل پر مقدم کر دیا جائے اور فعل کو قول کے مقابلہ میں ترک کر دیا جائے، تو یہ کیوں جائز نہیں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا اس وقت کیا جائے گا، جب دو حدیثوں میں ایسا تعارض ہو کہ ان میں تطبیق ممکن نہ ہو، اور یہاں پر تطبیق ممکن ہے۔ بایں طور کہ کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت بہ طور تنزیہ ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھڑے ہو کر پینا بیانِ جواز کے لیے ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال میں ہمارے لیے عمدہ نمونہ ہے۔ تو یہ کہا جائے گا کہ یہ ممانعت تنزیہ کے لیے ہے، تحریم کے لیے نہیں ہے۔ اور افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ بیٹھ کر پیا جائے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۲۹، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

کھڑے ہو کر پانی پینے کے متعلق مصنف کی تحقیق

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جن مواضع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیا ہے، وہاں کھڑے ہو کر پینا افضل ہے اور ان کے علاوہ دوسرے مواضع میں بیٹھ کر پینا افضل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پیا، تو زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پینا افضل ہے، اسی طرح آپ نے وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا، تو وضو کا بچا ہوا پانی بھی کھڑے ہو کر پینا افضل ہے، اور ان کے علاوہ باقی صورتوں میں بیٹھ کر پانی پینا افضل ہے۔ اور اگر ان صورتوں میں بھی کھڑے ہو کر پیا تو یہ مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہو گا۔ (سعیدی غفرلہ)

۱۷۔ بَابُ: مَنْ شَرِبَ وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى بَعِيرِهِ

اس کا بیان کہ جس نے اونٹ پر سوار ہونے کی حالت میں پیا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ جو شخص اس حال میں پیئے کہ وہ اونٹ پر سوار ہو، علامہ ابن العربی نے کہا ہے: اس حدیث میں یہ دلیل نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیا، کیونکہ جو اونٹ پر سوار ہو، وہ بیٹھا ہوا ہوتا ہے، کھڑا ہوا نہیں ہوتا، اور اس کا جواب دیا گیا ہے کہ امام بخاری نے اس حالت کے حکم کو بیان کرنے کا ارادہ کیا ہے اور امام بخاری اس کے درپے نہیں ہیں کہ یہ ثابت کیا جائے کہ کھڑے ہو کر پینا جائز ہے، کیونکہ جو شخص سواری پر سوار ہو، وہ اس کے مشابہ ہوتا ہے جو کھڑا ہوا ہو، کیونکہ سواری چل رہی ہے اور اس کے بھی مشابہ ہوتا ہے جو بیٹھا ہوا ہو، جب کہ سواری ایک جگہ ٹھہری ہوئی ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۸۸۔۲۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۱۸۔ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَنَا أَبُو النَّضْرِ عَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ أَنَّهَا أَرْسَلَتْ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِقَدَحِ لَبَنٍ وَهُوَ وَاقِفٌ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ فَأَخَذَ بِيَدِهِ فَشَرِبَهُ زَادَ مَالِكٌ عَنْ أَبِي النَّضْرِ عَلَى بَعِيرِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مالک بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد العزیز بن ابی سلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو النضر نے خبر دی از عمیر مولیٰ ابن عباس از حضرت ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دودھ کا ایک پیالہ بھیجا، اور آپ عرفہ کے دن شام کے وقت کھڑے ہوئے تھے (یا اپنی سواری پر سوار تھے) تو آپ نے اپنے ہاتھ سے وہ دودھ کا پیالہ لیا اور اس کو پیا۔ امام مالک نے از ابو النضر یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ اپنے اونٹ پر سوار تھے۔

(صحیح البخاری: ۱۶۵۸، ۱۶۶۱، ۱۹۸۸، ۵۶۰۴، ۵۶۱۸، ۵۶۳۶، صحیح مسلم: ۱۱۲۳، سنن ابو داؤد: ۲۴۴۱، مسند احمد: ۲۶۳۴۱، موطا امام مالک: ۸۴۱)

صحیح البخاری: ۵۶۱۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مالک بن اسماعیل کا ذکر ہے، یہ ابو غسان النہدی الکوفی ہیں جو امام بخاری کے بڑے مشائخ میں سے ہیں، امام بخاری نے کہا: یہ ۲۱۹ھ میں فوت ہو گئے تھے اور اس حدیث کی سند میں عبد العزیز بن ابی سلمہ کا ذکر ہے، یہ الماجشون ہیں اور ابو سلمہ کا نام دینار ہے اور وہ عبد العزیز کے دادا ہیں، کیونکہ وہ ابن عبد اللہ بن ابی سلمہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو النضر کا ذکر ہے، ان کا نام سالم بن ابی امیہ ہے، یہ عمر بن عبید اللہ بن معمر القرشی التیمی المدنی کے مولیٰ ہیں۔ اور عُمیر کا ذکر ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد شدہ غلام ہیں اور حضرت ام الفضل بنت الحارث کا ذکر ہے، ان کا نام لُبابہ ہے اور ان کے خاوند حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

امام مالک نے از ابوالنضر یہ اضافہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اونٹ پر سوار تھے اور اس اضافہ سے حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور جب زمین پر کھڑے ہو کر پینا جائز ہے تو سواری پر سوار ہونے کی حالت میں پینا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا، کیونکہ سوار دونوں حالتوں کے مشابہ ہوتا ہے، یعنی کھڑے ہونے کی حالت کے بھی مشابہ ہوتا ہے اور بیٹھنے کی حالت کے بھی مشابہ ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۸۔ بَابٌ: الْأَيْمَنَ فَالْأَيْمَنَ فِي الشُّرْبِ — اس کا بیان کہ دائیں جانب سے، پھر دائیں جانب سے پینے کی ابتداء کی جائے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جو دائیں جانب بیٹھا ہو، اس سے پینے کی ابتداء کی جائے، کیونکہ دائیں جانب کو بائیں جانب پر فضیلت ہے۔ امام بخاری نے عنوان میں کہا ہے "فی الشرب" یعنی پینے میں، یہ عام ہے کہ پانی کا پینا ہو یا دیگر مشروبات کا۔ صرف امام مالک سے یہ منقول ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو پینے کے ساتھ خاص کیا ہے، علامہ ابن عبد البر نے کہا کہ امام مالک سے یہ نقل صحیح نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۱۹۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضى الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم أُتِيَ بِلَبَنٍ قَدْ شِيبَ بِمَاءٍ وَعَنْ يَمِينِهِ أَعْرَابِيٌّ وَعَنْ شِمَالِهِ أَبُو بَكْرٍ فَشَرِبَ ثُمَّ أَعْطَى الْأَعْرَابِيَّ وَقَالَ الْأَيْمَنَ فَالْأَيْمَنَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دودھ لایا گیا جس میں پانی ملایا ہوا تھا اور آپ کی دائیں طرف ایک اعرابی (دیہاتی) تھے اور بائیں طرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، آپ نے دودھ پیا، پھر اپنا بچا ہوا دودھ اعرابی کو عطا فرما دیا اور آپ نے فرمایا: دائیں طرف سے، پس دائیں طرف سے۔

(صحیح مسلم: ۲۰۲۹، سنن ترمذی: ۱۸۹۳، سنن ابوداؤد: ۳۷۲۶، سنن ابن ماجہ: ۳۴۲۵، مسند احمد: ۱۱۷۱۱، موطا امام مالک: ۱۷۲۳، سنن دارمی: ۲۱۱۶)

صحیح البخاری: ۵۶۱۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کے عنوان میں دائیں طرف سے پینے کی ابتداء کا ذکر ہے اور حدیث میں بھی مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا بچا ہوا دودھ اعرابی کو عطا فرمایا جو آپ کی دائیں طرف بیٹھا ہوا تھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، یہ اسماعیل بن ابی اویس ہیں اور یہ حدیث عنقریب اس باب کے تحت گزر چکی ہے: ''باب شرب اللبن بالماء''۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ کی دائیں جانب ایک اعرابی بیٹھے ہوئے تھے:

علامہ المہلب مالکی نے لکھا ہے: کھانے پینے اور تمام چیزوں میں دائیں جانب سے ابتداء کرنا سنت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب سے محبت کرتے تھے، یہ بتانے کے لیے کہ اللہ عزوجل نے دائیں جانب والوں کو فضیلت عطا فرمائی ہے۔

دائیں جانب میں بیٹھے ہوئے اعرابی کو اپنا بچا ہوا دودھ عطا فرمانے کی توجیہ

علامہ قرطبی مالکی فرماتے ہیں: آپ نے اس اعرابی کو اس لیے اپنا بچا ہوا دودھ عطا فرمایا کہ وہ اپنی قوم میں سب سے بڑے تھے، اس لیے وہ آپ کی دائیں جانب بیٹھ گئے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: زیادہ ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کو اس لیے عطا فرمایا کہ دائیں جانب سے ابتداء کرنا سنت ہے، یا اس لیے کہ اس اعرابی نے دائیں جانب کی طرف سبقت کی تھی، اسی لیے وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وجہ سے کھڑے نہیں ہوئے، کیونکہ انہوں نے دائیں جانب کی طرف سبقت کی تھی، یہ عام مجلس کا حکم ہے اور نماز باجماعت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب اس کو ہونا چاہیے جو عمر میں اور عقل میں بڑا ہو، اور اگر دائیں جانب میں کوئی عقل میں بڑا نہ ہو تو پھر اس کو مقدم ہونا چاہیے جو عمر میں بڑا ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۹- بَابٌ: هَلْ يَسْتَأْذِنُ الرَّجُلُ مَنْ عَنْ يَمِينِهِ فِي الشُّرْبِ لِيُعْطِيَ الْأَكْبَرَ؟

کیا دائیں جانب والے سے مرد پینے کی اجازت طلب کرے تا کہ بڑی عمر والے کو دے؟

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر مجلس میں دائیں طرف ایک کم عمر لڑکا ہو اور بائیں طرف بڑی عمر کا معزز آدمی ہو تو آیا اس کم عمر لڑکے سے اجازت طلب کر کے بڑی عمر والے معزز آدمی کو پینے کی چیز دی جائے؟

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۲۰- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي حَازِمِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَ مِنْهُ وَعَنْ يَمِينِهِ غُلَامٌ وَعَنْ يَسَارِهِ الْأَشْيَاخُ فَقَالَ لِلْغُلَامِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابی حازم بن دینار از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مشروب لایا گیا،

أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أُعْطِيَ هَؤُلَاءِ فَقَالَ الْغُلَامُ وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ لَا أُوثِرُ بِنَصِيبِي مِنْكَ أَحَدًا قَالَ فَتَلَّهُ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي يَدِهِ۔

آپ نے اس سے پیا اور آپ کی دائیں جانب ایک نوعمر لڑکا تھا اور بائیں جانب شیوخ تھے، آپ نے اس نوعمر لڑکے سے پوچھا: کیا تم مجھے اجازت دیتے ہو کہ میں یہ بچا ہوا مشروب ان لوگوں کو دے دوں؟ لڑکے نے کہا: اللہ کی قسم یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ سے مجھے جو حصہ ملے گا، میں اس پر کسی کو ترجیح نہیں دوں گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پیالہ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

(صحیح مسلم: ۲۰۳۰، مسند احمد: ۲۲۳۱۷، موطا امام مالک: ۱۷۲۴)

صحیح البخاری: ۵۶۲۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکے سے فرمایا: کیا تم مجھے اجازت دو گے کہ میں ان شیوخ کو اپنا پس خوردہ عطا کر دوں؟

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، یہ ابن ابی اویس ہیں۔ اور ابو حازم کا ذکر ہے، یہ سلمہ بن دینار ہیں اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ سہل بن سعد بن مالک الساعدی الانصاری ہیں اور صحابی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ کی دائیں جانب ایک لڑکا تھا، زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے اور جو شیوخ تھے ان میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور دیگر بڑی عمر کے لوگ تھے۔

حدیث مذکور میں کم عمر لڑکے کو دینے کا جواز، حالانکہ دیگر احادیث میں بڑی عمر والوں کو دینے کا حکم ہے،

اس اعتراض کا جواب

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں کم عمر والے لڑکے سے بڑی عمر والے شخص کو دینے کی اجازت طلب کرنے کا ذکر ہے، اگرچہ وہ دائیں جانب بیٹھا ہوا تھا، سو اس حدیث میں بڑی عمر والے پر کم عمر والے لڑکے کی ترجیح کا ذکر ہے، کیونکہ وہ کم عمر والا دائیں جانب بیٹھا ہوا تھا اور یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے معارض ہے جو عنقریب گزری ہے اور حضرت سہل بن ابی خیثمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو قسامت میں آئے گی، اس میں بھی مذکور ہے: بڑے کو بولنے دو، بڑے کو بولنے دو، اور کتاب الطہارۃ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث گزری ہے کہ آپ نے فرمایا: مسواک بڑے کو دو، اور مسند ابو یعلیٰ میں سندِ قوی کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پلاتے تو فرماتے: بڑے سے ابتداء کرو۔

ان تمام احادیث میں بڑے سے ابتداء کرنے کا ذکر ہے اور حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں اس چھوٹے لڑکے سے ابتداء کا بیان ہے کیونکہ وہ دائیں جانب تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بڑے کو دینے کا حکم اس صورت پر محمول ہے جب سب برابر برابر بیٹھے ہوں یا سب رئیس مجلس کے سامنے بیٹھے ہوں یا سب بائیں جانب بیٹھے ہوں یا پیچھے بیٹھے ہوں، تو اس صورت میں بڑے کو دیا جائے گا اور دائیں جانب سے ابتداء کے حکم کی تخصیص کر لی جائے گی۔

حدیث مذکور پر ایک اشکال

اس حدیث میں مذکور ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکے سے فرمایا: کیا تم مجھے اجازت دیتے ہو کہ میں ان شیوخ کو اپنا پس خوردہ عطا کر دوں؟" ظاہر یہ ہے کہ اگر وہ لڑکا آپ کو اجازت دیتا تو آپ شیوخ کو دے دیتے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں ایثار کرنا جائز ہے۔ اس پر یہ اشکال وارد کیا گیا ہے کہ عبادات اور قرب میں ایثار نہیں کیا جاتا اور جو ایثار پسندیدہ ہے، وہ یہ ہے کہ اپنے نفس کی ضرورت کو دوسروں کی ضرورتوں پر ترجیح دی جائے نہ کہ عبادات میں ترجیح دی جائے اور قاضی عیاض نے علماء سے نقل کیا ہے کہ عبادات میں ایثار کرنا مکروہ ہے اور اکثر لوگوں نے کہا ہے کہ عبادات اور قربات میں ایثار کرنا حرام ہے۔

میں کہتا ہوں کہ فی نفسہٖ عبادات اور قربات میں ایثار کرنا مکروہ ہے، لیکن اس حدیث میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکے سے فرمایا تھا کہ تم ان شیوخ کو دینے کی اجازت دیتے ہو؟ سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے اب اس ایثار میں کراہت نہیں رہی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فتلہ"، تَلّ کا معنی ہے کسی چیز کو اوپر سے نیچے گرانا اور اس حدیث میں مراد یہ ہے کہ آپ نے وہ پیالہ اس لڑکے کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۰۔۲۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۲۰ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لڑکے کا مصداق اور "تَلَّ" کے معنی کی تحقیق

اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ لڑکا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے اور یہی زیادہ صحیح قول ہے، اور حدیث میں مذکور ہے "وتلہ فی یدہ"، اس کا معنی ہے: آپ نے وہ پیالہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر رکھ دیا، علامہ الخطابی نے کہا ہے ناگواری اور ملامت سے اور بعض اہل لغت نے اس کا انکار کیا ہے۔ (اعلام الحدیث ج ۲ ص ۱۲۱۸)

اور قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّآ اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ ۝ (الصّٰفّٰت) سو جب دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا ۝

اشیاخ کا مصداق اور حدیث مذکور کی تفصیل

متعدد سندوں سے مروی ہے کہ اشیاخ سے مراد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہیں، امام حُمیدی نے از سفیان از علی بن زید بن جذعان از عمر بن حرملة از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنی خالہ حضرت میمونہ کے ہاں گیا اور میرے ساتھ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی تھے، تو میری خالہ نے ہمارے سامنے بھنی ہوئی گوہ پیش کی، جب اس کو دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ تھوک دیا اور اسے نہیں کھایا اور ہمیں کھانے کا حکم دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک برتن میں دودھ آیا، اور میں آپ کی دائیں جانب تھا اور حضرت خالد آپ کی بائیں جانب تھے، تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لڑکے! کیا تم پیو گے اور اگر تم چاہو تو تم اس دودھ پر خالد کو ترجیح دو، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پس خوردہ پر کسی کو ترجیح نہیں دوں گا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کو اللہ تعالیٰ کوئی طعام کھلائے، اسے چاہیے کہ وہ یہ دعا کرے: اے اللہ! ہمارے لیے اس طعام میں برکت دے اور ہمیں اس طعام سے زیادہ عطا فرما، کیونکہ مجھے ایسی کسی چیز کا علم نہیں جو اس کے سوا طعام اور مشروب کا قائم مقام ہو۔ (مسند الحمیدی، ج ۱ ص ۲۳۲، رقم الحدیث: ۴۸۸)

حدیث مذکور سے مستنبط فقہی مسئلہ

امام مازری نے کہا ہے: قربات اور عبادات میں تبرع کرنا جائز نہیں ہے، تبرع کرنا اپنے نفس کے حقوق میں جائز ہے، اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو شخص پہلے رئیسِ مجلس کے پاس بیٹھ گیا یا عالم کے پاس بیٹھ گیا تو اسے وہاں سے اٹھا کر اس سے بڑے حقدار کو نہیں بٹھایا جائے گا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے اس اعرابی کو نہیں اٹھایا اور نہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی وجہ سے اس لڑکے کو اٹھایا، اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص نے عالم یا مسجد کی طرف سبقت کی، تو وہی اس جگہ بیٹھنے کا زیادہ حقدار ہے۔ اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ جب کسی چیز میں سب لوگ برابر ہوں تو پھر جو عمر میں بڑا ہو، اس سے ابتدا کی جانی چاہیے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۰۸۔۲۰۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۲۰، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کی توجیہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لڑکے سے اجازت طلب کی اور اعرابی سے اجازت طلب نہیں کی تھی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ لڑکا دائیں جانب تھا اور اس لڑکے کا نام حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما تھا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لڑکے سے کہا کہ اگر تم اجازت دو تو میں اپنا بچا ہوا دودھ بڑوں کو دے دوں، اور اس سے پہلے جو حدیث گزری ہے، اس میں تھا کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں جانب تھا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بائیں جانب تھے، وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اعرابی سے یہ نہیں کہا کہ اگر تم اجازت دو تو میں اپنا پس خوردہ دودھ ابو بکر کو دے دوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ عموماً دیہاتی اور اعرابی درشت مزاج کے لوگ ہوتے ہیں، اور ان کی طبیعت میں شدت اور سختی ہوتی ہے، اور ہو سکتا ہے کہ اس سے یہ سوال کرنا اس کے دین کے فساد کی طرف پہنچاتا، اس لیے آپ نے اس سے یہ سوال نہیں کیا، اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ خطرہ نہیں تھا، اس لیے آپ

نے ان سے سوال کیا کہ اگر تم اجازت دو تو میں اپنا پس خوردہ بڑوں کو یعنی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دے دوں۔
نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ صالحین اور بزرگوں کے پس خوردہ کو حاصل کرنے میں رغبت کرنی چاہیے، اور یہ رغبت محمود اور لائقِ تحسین ہے۔ (الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری ج ۹ ص ۲۱۸۔۲۱۹، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۹ھ)
میں کہتا ہوں کہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد تھے اور رشتہ داریوں میں ان باتوں میں دین میں فساد کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ (سعیدی غفرلہ)

۲۰۔ بَابُ: اَلْكَرْعِ فِي الْحَوْضِ حوض سے منہ لگا کر پینے کا جواز

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں ''الکرع'' کا بیان کیا گیا ہے۔ ''الکرع'' کا معنی ہے: حوض یا دریا سے منہ لگا کر پینا، ابن سیدہ نے کہا ہے: ''کرع'' کا معنی ہے: بغیر برتن کے منہ سے پینا اور دوسرا قول ہے کہ کوئی آدمی دریا میں داخل ہو اور پیئے اور تیسرا قول ہے: کوئی آدمی اپنا سر پانی میں جھکائے، خواہ پانی نہ پیئے۔ اور التہذیب میں مذکور ہے ''کرع فی الاناء'' کا معنی ہے: جب اس نے کسی پانی کی طرف اپنے آپ کو جھکایا اور اس سے پانی پیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۲۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَمَعَهُ صَاحِبٌ لَهُ فَسَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ وَصَاحِبُهُ فَرَدَّ الرَّجُلُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي وَهِيَ سَاعَةٌ حَارَّةٌ وَهُوَ يُحَوِّلُ فِي حَائِطٍ لَهُ يَعْنِي الْمَاءَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنْ كَانَ عِنْدَكَ مَاءٌ بَاتَ فِي شَنَّةٍ وَإِلَّا كَرَعْنَا وَالرَّجُلُ يُحَوِّلُ الْمَاءَ فِي حَائِطٍ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللهِ عِنْدِي مَاءٌ بَاتَ فِي شَنَّةٍ فَانْطَلَقَ إِلَى الْعَرِيشِ فَسَكَبَ فِي قَدَحٍ مَاءً ثُمَّ حَلَبَ عَلَيْهِ مِنْ دَاجِنٍ لَهُ فَشَرِبَ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ أَعَادَ فَشَرِبَ الرَّجُلُ الَّذِي جَاءَ مَعَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فلیح بن سلیمان نے حدیث بیان کی از سعید بن الحارث از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے ایک مرد کے پاس گئے اور آپ کے ساتھ آپ کے ایک صحابی بھی تھے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابی نے اس مرد کو سلام کیا، سو اس مرد نے آپ کے سلام کا جواب دیا، پھر اس مرد نے کہا: یا رسول اللہ! آپ پر میرا باپ اور میری ماں فداء ہو اور یہ سخت گرمی کا وقت تھا اور وہ اپنے باغ میں پانی لگا رہا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہارے پاس مشک میں رات کا (ٹھنڈا) پانی ہو تو فبہا ورنہ ہم اس مشک سے منہ لگا کر پی لیں گے، اور وہ مرد باغ میں پانی لگا رہا تھا، سو اس مرد نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے پاس مشک میں رات کا پانی ہے، پھر وہ چھپر کی طرف گیا اور ایک پیالے میں پانی ڈالا، پھر اس نے اپنی بکری سے اس پانی کے اوپر

دودھ ڈالا، سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پیا، پھر اس نے دوبارہ دیا تو جو مرد (صحابی) آپ کے ساتھ آئے تھے، انہوں نے پیا۔

(صحیح البخاری: ۵۶۲۱، سنن ابوداؤد: ۳۷۲۴، سنن ابن ماجہ: ۳۴۳۲، مسند احمد: ۱۴۱۱۰، سنن دارمی: ۲۱۲۳)

صحیح البخاری: ۵۶۲۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ورنہ ہم مشک سے منہ لگا کر پی لیں گے''۔ امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ جب مشک سے منہ لگا کر پینا جائز ہے تو حوض سے اور دریا سے منہ لگا کر پینا بھی جائز ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن صالح کا ذکر ہے، یہ الوحاظی ابوزکریا ہیں، اور ان کو ابوصالح شامی دمشقی کہا جاتا ہے اور الحمصی بھی کہا جاتا ہے، یہ ائمہ حنفیہ میں سے ایک ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے ہیں، اور یہ امام محمد بن حسن شیبانی کے مماثل تھے، اور دو سو بائیس ہجری (۲۲۲ ھ) میں ان کی وفات ہوگئی تھی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''وھو یحول فی حائط لہ'' تحویل کا معنی ہے: کنوئیں کی تہہ سے باہر پانی نکالنا یا پانی کو باغ کی ایک جانب سے دوسری جانب لے جانا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۲۱ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مشک یا حوض سے منہ لگا کر پینے کی ممانعت کے متعلق احادیث

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی چیز سے منہ لگا کر نہ پیو لیکن اپنے ہاتھوں کو دھوؤ اور ہاتھوں میں پانی لے کر پیو، کیونکہ ہاتھوں سے بڑھ کر کوئی برتن پاکیزہ نہیں ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۰۹، رقم الحدیث: ۲۴۲۰۷)

علامہ بوصیری نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے، کیونکہ اس کی سند میں لیث ہے اور وہ ضعیف ہے۔

(زوائد ابن ماجہ ج ۱ ص ۴۴۵)

امام ابن ماجہ اپنی سند کے ساتھ از عاصم بن محمد بن عمر از والد خود از جد خود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منہ لگا کر پینے سے منع فرمایا اور ہمیں اس سے بھی منع فرمایا کہ ہم ایک ہاتھ سے پییں۔ اور فرمایا: تم میں سے کوئی ایک برتن میں اپنا منہ اس طرح نہ ڈالے جیسا کہ کتا برتن میں اپنا منہ ڈالتا ہے اور نہ ایک ہاتھ سے پیئے جیسا کہ وہ لوگ پیتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوا اور نہ رات کو کسی برتن میں پیئے حتیٰ کہ اس برتن کو ہلا لے، سوا اس کے کہ وہ برتن ڈھکا ہوا ہو۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۴۳۳)

علامہ بوصیری نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے، کیونکہ اس حدیث کی سند میں بقیہ ہے اور وہ مدلس ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۱۰۔۲۱۱، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

جن احادیث میں منہ لگا کر پینے سے منع کیا گیا ہے، ان کی توجیہ

میں کہتا ہوں: صحیح البخاری کی حدیث میں تصریح ہے کہ مشک سے منہ لگا کر پینا جائز ہے، اور مذکورہ احادیث میں منہ لگا کر پینے سے منع فرمایا ہے، اس کے دو جواب ہیں:
اول تو یہ کہ یہ احادیث صحیح بخاری کے پائے کی نہیں ہے اور دونوں حدیثیں فی نفسہٖ ضعیف ہیں۔
اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ان احادیث میں جو ممانعت ہے، وہ تنزیہہ کے لیے ہے، اور صحیح بخاری کی حدیث میں جو ثبوت ہے، وہ بیانِ جواز کے لیے ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۲۱۔ بَابٌ: خِدْمَةِ الصِّغَارِ الْكِبَارَ — چھوٹوں کا بڑوں کی خدمت کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ چھوٹوں کو بڑوں کی خدمت کرنی چاہیے۔

۵۶۲۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا رضی الله عنه قَالَ كُنْتُ قَائِمًا عَلَى الْحَيِّ أَسْقِيهِمْ عُمُومَتِي وَأَنَا أَصْغَرُهُمُ الْفَضِيخَ فَقِيلَ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ فَقَالَ اكْفِئْهَا فَكَفَأْنَا قُلْتُ لِأَنَسٍ مَا شَرَابُهُمْ قَالَ رُطَبٌ وَبُسْرٌ فَقَالَ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَنَسٍ وَكَانَتْ خَمْرَهُمْ فَلَمْ يُنْكِرْ أَنَسٌ وَحَدَّثَنِي بَعْضُ أَصْحَابِي أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسًا يَقُولُ كَانَتْ خَمْرَهُمْ يَوْمَئِذٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مُعتمر نے حدیث بیان کی از والد خود، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک قبیلہ کے اوپر کھڑا ہوا تھا اور ان میں سے اپنے چچاؤں کو الفضیخ (کچی اور پکی کھجوروں کی شراب) پلا رہا تھا، اور میں ان میں سے سب سے چھوٹا تھا، پس کہا گیا کہ الخمر کو حرام کر دیا گیا ہے، تو لوگوں نے کہا: اس شراب کو انڈیل کر بہا دو، سو ہم نے شراب کو انڈیل کر بہا دیا۔ راوی نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ان کی شراب کس قسم کی تھی؟ تو انہوں نے کہا: کچی اور پکی کھجوروں کی، پس حضرت ابوبکر بن انس نے کہا: اور یہی ان کی خمر تھی، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار نہیں کیا۔ اور مجھے میرے بعض اصحاب نے یہ حدیث بیان کی کہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ فرما رہے تھے: ان دنوں ان کی خمر یہی تھی۔

(صحیح البخاری: ۲۴۶۴، ۴۶۱۷، ۴۶۲۰، ۵۵۸۰، ۵۵۸۲، ۵۵۸۳، ۵۵۸۴، ۵۶۰۰، ۵۶۲۲، ۷۲۵۳، صحیح مسلم: ۱۹۸۰، سنن نسائی: ۵۵۴۲، سنن ابوداؤد: ۳۶۷۳، مسند احمد: ۱۲۹۶۳، موطا امام مالک: ۱۵۹۹، سنن دارمی: ۲۰۸۹)

اس حدیث کی شرح کتاب الاشربہ ''باب نزل تحریم الخمر'' میں گزر چکی ہے۔
میں کہتا ہوں: ہر چند کہ وہ شراب کچی اور پکی کھجوروں سے بنائی ہوئی تھی، لیکن صحابہ کرام نے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کو خمر

اس لیے فرمایا کہ وہ نشہ آور تھی اور صحابہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ ہر نشہ آور مشروب کو خمر کہتے تھے اور حقیقت میں خمر وہ ہے جو انگور کا کچا شیرہ ہو اور رکھے رکھے اس میں جھاگ پیدا ہو جائے اور وہ نشہ آور ہو جائے، اس کا ایک قطرہ بھی نجس ہے اور اس کا پینا حرام قطعی ہے اور حد کا موجب ہے، خواہ نشہ ہو یا نہ ہو اور اس کی حرمت قطعی ہے اور باقی نشہ آور مشروبات کی حرمت ظنی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

٢٢۔ بَابُ: تَغْطِيَةِ الْإِنَاءِ — برتنوں کو ڈھانپنے کا بیان

اس باب میں برتنوں کو ڈھانپنے کا حکم بیان کیا گیا ہے یا برتنوں کو ڈھانپنے کے متعلق احادیث بیان کی گئی ہیں۔

٥٦٢٣۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم إِذَا كَانَ جُنْحُ اللَّيْلِ أَوْ أَمْسَيْتُمْ فَكُفُّوا صِبْيَانَكُمْ فَإِنَّ الشَّيَاطِينَ تَنْتَشِرُ حِينَئِذٍ فَإِذَا ذَهَبَ سَاعَةٌ مِنَ اللَّيْلِ فَخَلُّوهُمْ فَأَغْلِقُوا الْأَبْوَابَ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ بَابًا مُغْلَقًا وَأَوْكُوا قِرَبَكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ وَخَمِّرُوا آنِيَتَكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ وَلَوْ أَنْ تَعْرُضُوا عَلَيْهَا شَيْئًا وَأَطْفِئُوا مَصَابِيحَكُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن منصور نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح بن عبادہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے عطاء نے خبر دی، انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رات اپنے پر پھیلا دے یا فرمایا: جب تمہاری شام کا وقت ہو جائے تو تم اپنے بچوں کو (گھروں میں) روک لو، کیونکہ شیاطین اس وقت منتشر ہو جاتے ہیں، پھر جب رات کا ایک حصہ گزر جائے تو انہیں چھوڑ دو اور گھر کے دروازے بند کر دو اور اللہ کے نام کا ذکر کرو، کیونکہ شیطان کسی بند دروازے کو نہیں کھولتا، اور اپنی مشکوں کے مونہوں کو باندھ دو اور اللہ کے نام کا ذکر کرو اور اپنے برتنوں کو ڈھانپ دو اور اللہ کے نام کا ذکر کرو، خواہ کسی چیز کی چوڑائی کو ان کے اوپر رکھ دو اور اپنے چراغوں کو بجھا دو۔

(صحیح البخاری: ٣٢٨٠، ٣٣٠٤، ٣٣١٦، ٥٦٢٣، ٥٦٢٤، ٦٢٩٥، ٦٢٩٦، صحیح مسلم: ٢٠١٢، سنن ترمذی: ١٨١٢، سنن ابوداؤد: ٣٧٣١، مسند احمد: ١٤٠٢٥)

صحیح البخاری: ٥٦٢٣، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "برتنوں کو ڈھانپنا" اور اس حدیث کے آخر میں ذکر ہے "وخمروا انیتکم" اس کا بھی یہی معنی ہے کہ اپنے برتنوں کو ڈھانپ دو۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے "اسحاق بن منصور" یہ ابن بہرام الکوسج ابو یعقوب المروزی ہیں، یہ آخری عمر میں نیشاپور میں

منتقل ہو گئے تھے۔اور اس حدیث کی سند میں ابن جریج کا ذکر ہے، یہ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں عطاء کا ذکر ہے، یہ عطاء بن ابی رباح ہیں۔

یہ حدیث اس سے پہلے صفت ابلیس میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی مفصل شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''جنح اللیل'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: رات کے اندھیرے کا ایک حصہ۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''فکفوا صبیانکم'' یعنی اپنے بچوں کو اس وقت میں گھر سے باہر نکلنے سے روکو، کیونکہ ان کے اوپر یہ خطرہ ہے کہ اس وقت شیاطین بہت زیادہ ہوتے ہیں تو وہ ان کو ایذاء پہنچاتے ہیں۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنات اور شیاطین کے منتشر ہونے سے یہ خطرہ تھا کہ وہ ان کو ضرر پہنچائیں گے اور مرگی میں مبتلا کر دیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنات اور شیاطین کو ایسی قوت عطا فرمائی ہے۔اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی ہے کہ ہم اپنے آپ کو فتنوں پر پیش نہ کریں اور اپنے آپ کو فتنوں سے بچائیں، اگرچہ ہمارا اپنے آپ کو فتنوں سے بچانا تقدیر کو رد نہیں کر سکتا، لیکن ہمیں اسباب کے حصول کا حکم دیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''واوکوا'' اس کا معنی ہے: مشک کے منہ کو باندھ دینا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ولو ان تعرضوا'' یعنی اگر تمہیں برتن کو ڈھانپنے کے لیے کوئی چیز نہ ملے تو کسی چیز کی چوڑائی کو برتن کے اوپر رکھ دو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتنوں کو ڈھانپنے کا حکم اس لیے دیا کہ سال میں ایک رات وبا نازل ہوتی ہے اور وہ وبا کسی کھلے ہوئے برتن پر نازل ہوتی ہے، اس لیے آپ نے برتنوں کو ڈھانپنے کا حکم دیا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''واطفئوا مصابیحکم'' یعنی تم اپنے چراغوں کو بجھا دو، اور یہ حکم اس لیے دیا ہے کہ چوہا تیل کی بتی کو گھسیٹ کر لے جاتا ہے جس سے آگ لگ جاتی ہے۔اور مساجد اور گھروں میں جو قندیلیں لٹکی ہوئی ہوتی ہیں، اگر ان سے بھی آگ لگنے کا خطرہ ہو تو ان کو بجھا دیا جائے، ورنہ ان کو بجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۲۴۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أَطْفِئُوا الْمَصَابِيحَ إِذَا رَقَدْتُمْ وَغَلِّقُوا الْأَبْوَابَ وَأَوْكُوا الْأَسْقِيَةَ وَخَمِّرُوا الطَّعَامَ وَالشَّرَابَ وَأَحْسِبُهُ قَالَ وَلَوْ بِعُودٍ تَعْرُضُهُ عَلَيْهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از عطاء از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم سوؤ تو چراغوں کو بجھا دو اور دروازوں کو بند کر دو اور مشکوں کے مونہوں کو باندھ دو اور طعام اور مشروب کو ڈھانپ دو، اور میرا گمان ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر تم کسی لکڑی کی چوڑائی کسی برتن پر رکھ دو۔

(صحیح البخاری: ۵۲۸۰، ۳۳۰۴، ۳۳۱۶، ۳۵۲۳، ۵۶۲۳، ۵۶۲۴، ۶۲۹۵، ۶۲۹۶، صحیح مسلم: ۲۰۱۲، سنن ترمذی: ۱۸۱۲، سنن ابوداؤد: ۳۷۳۱، مسند احمد: ۱۴۰۲۵)

یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے اور اس کی شرح گزر چکی ہے۔

۲۳۔ بَابُ: اخْتِنَاثِ الْأَسْقِيَةِ — مشک کا منہ مروڑ کر اس سے پینے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

''اِخْتِنَاث'' کا معنی ہے: مشک کا منہ مروڑ کر اس سے پانی پینا اور اس باب کی احادیث میں اس سے منع فرمایا ہے۔

۵۶۲۵۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ رضی الله عنه قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ اخْتِنَاثِ الْأَسْقِيَةِ يَعْنِي أَنْ تُكْسَرَ أَفْوَاهُهَا فَيُشْرَبَ مِنْهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی از الزہری از عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مشکوں کے مونہوں کو مروڑنے سے منع فرمایا ہے، یعنی مشکوں کا منہ مروڑ کر اس مشک سے پانی پیا جائے (اس سے منع فرمایا ہے)۔

(صحیح البخاری: ۵۶۲۶، صحیح مسلم: ۲۰۲۳، سنن ترمذی: ۱۸۹۰، سنن ابوداؤد: ۳۷۲۰، سنن ابن ماجہ: ۳۴۱۸، مسند احمد: ۱۰۶۴۳، سنن دارمی: ۲۱۱۹)

صحیح البخاری: ۵۶۲۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں آدم کا ذکر ہے، یہ آدم بن ابی ایاس ہیں۔ اور اس میں ابن ابی ذئب کا ذکر ہے، یہ محمد بن عبدالرحمٰن بن مغیرہ بن الحارث ہیں، یہ اہل مدینہ کے فقیہ تھے اور ان کو نیکی اور بھلائی کا حکم دیتے تھے اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، ان کا نام سعد بن مالک ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''یعنی ان تکسر افواھھا'' اس حدیث میں کسر سے مراد مشکوں کا منہ موڑنا ہے اور حقیقۃً اس کے منہ کو توڑنا اور الگ کرنا مراد نہیں ہے، اور افواہ، فم کی جمع ہے اور جمع تکسیر میں لفظ کو اس کی اصل کی طرف لوٹایا جاتا ہے، کیونکہ فم کی اصل ''فوہ'' ہے، علامہ خطابی نے کہا ہے کہ حدیث کا یہ جملہ یعنی ''ان تکسر افواھھا'' یہ زہری کا قول ہے اور یہ تفسیر مدرج ہے۔

مشک کا منہ مروڑ کر پانی پینے سے منع کرنے کی حکمت

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ میرا گمان ہے کہ نبی ﷺ نے بطور ادب مشک کا منہ مروڑ کر پینے سے منع

فرمایا، اس لیے ہوسکتا ہے کہ مشک کے منہ میں سانپ ہو یا اور کوئی حشرات الارض میں سے ہو جس کا پینے والے کو پتا نہ چلے اور اس کے منہ میں سانپ یا حشرات الارض چلے جائیں۔

اور امام ابن ماجہ اور حاکم نے اپنی مستدرک میں از زمعہ بن صالح از سلمہ بن وہرام روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشکوں کا منہ مروڑنے سے منع فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منع کرنے کے بعد رات کو ایک مرد اٹھا تو اس نے مشک کا منہ مروڑا، پس اس میں سے سانپ نکلا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۲۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُاللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَنْهَى عَنِ اخْتِنَاثِ الْأَسْقِيَةِ قَالَ عَبْدُ اللهِ قَالَ مَعْمَرٌ أَوْ غَيْرُهُ هُوَ الشُّرْبُ مِنْ أَفْوَاهِهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کررہے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے مشک کا منہ مروڑنے سے منع فرمایا۔ عبد اللہ نے کہا: معمر نے بیان کیا یا ان کے علاوہ کسی اور نے بیان کیا کہ اس سے مراد ہے مشک کے منہ سے پینا، یعنی آپ نے مشک کے منہ سے پینے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۶۲۶، صحیح مسلم: ۲۰۲۳، سنن ترمذی: ۱۸۹۰، سنن ابوداؤد: ۳۷۲۰، سنن ابن ماجہ: ۳۴۱۸، مسند احمد: ۱۰۶۴۳، سنن دارمی: ۲۱۱۹)

صحیح البخاری: ۵۶۲۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ذکر ہے "عبد اللہ" نے کہا: اس سے مراد عبد اللہ بن مبارک ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ذکر ہے "معمر نے کہا" اس سے مراد معمر بن راشد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ ابن حزم نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود مشک کے منہ سے پیا ہے، تو ہم کہیں گے: اس میں کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کی ایک سند میں حارث بن ابی سلمہ ہے اور وہ متروک ہے، اور اس میں البراء ابن بنت انس ہے اور وہ مجہول ہے، اور دوسری سند میں ایک مجہول راوی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: جن دو حدیثوں میں سے ایک کا ابن حزم نے ذکر کیا ہے، اس کی امام احمد نے اپنی مسند میں اور امام ترمذی نے الشمائل میں روایت کی ہے از عبد الکریم الجزری از البراء ابن بنت انس بن مالک از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان

کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے اور ایک مشک لٹکی ہوئی تھی تو آپ نے مشک کے منہ سے پانی پیا۔ الحدیث۔ اور البراء، جس کا اس نے ذکر کیا ہے، ان کا امام ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور باقی راوی بھی وہ ہیں جن سے استدلال کیا جاتا ہے، اور امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں از شریک از حُمید از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لٹکی ہوئی مشک سے پانی پیا اور اس وقت آپ کھڑے ہوئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۴۔ بَابُ: الشُّرْبِ مِنْ فَمِ السِّقَاءِ — مشک کے منہ سے پینے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ان احادیث کو بیان کیا گیا ہے، جن میں مشک کے منہ سے پینے کی ممانعت ہے، اگر یہ سوال کیا جائے کہ امام بخاری نے اس سے پہلے باب کے عنوان پر اکتفاء کیوں نہیں کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا اس لیے نہیں کیا کہ اس سے یہ سمجھا جاتا کہ یہ ممانعت صرف اس صورت میں ہے جب مشک کے منہ کو مروڑا جائے اور اس باب کے عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے کہ ممانعت عام ہے، مشک کے منہ کو مروڑ کر اس سے پانی پیا جائے یا بغیر مروڑے اس سے پانی پیا جائے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ایسی احادیث مروی ہیں جو مشک کے منہ سے پینے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں، ان احادیث کا بیان درج ذیل ہے:

(۱) امام ترمذی نے از عبد الرحمن بن ابی عمرہ از جدہ خود کبشہ روایت کی ہے کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے ایک لٹکی ہوئی مشک سے پانی پیا۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۲) امام ترمذی نے شمائل میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لٹکی ہوئی مشک سے پانی پیا۔ اس حدیث کو ہم نے اس سے پہلے باب میں ذکر کیا ہے۔

(۳) حضرت عبد اللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک لٹکی ہوئی مشک کی طرف کھڑے ہوئے تھے اور آپ نے اس کا گلا گھونٹا اور پھر اس کے منہ سے پیا۔ اس کی امام ترمذی نے اور امام ابوداؤد نے روایت کی ہے اور صحابہ کی ایک جماعت سے اور تابعین سے ثابت ہے کہ انہوں نے بھی اس طرح کیا ہے۔

(۴) امام ابن ابی شیبہ نے المصنف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ چمڑے کے مشکیزے سے پانی پیا جائے۔

(۵) سعید بن جُبیر سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ چمڑے کے مشکیزے سے پانی پی رہے تھے۔

(۶) نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مشک کے منہ سے پانی پیتے تھے۔

(۷) عباد بن منصور سے روایت ہے، انہوں نے کہا: میں نے دیکھا کہ سالم بن عمر چمڑے کے مشکیزے سے پی رہے تھے۔

اگر تم یہ کہو کہ یہ احادیث مشک کے منہ سے پینے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں اور ان دونوں بابوں کی حدیثیں ممانعت پر دلالت

کرتی ہیں تو ان میں کس طرح تطبیق ہوگی؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ فرق کیا جائے کہ عذر کی وجہ سے مشک کے منہ سے پانی پینا جائز ہے اور بغیر عذر کے مشک کے منہ سے پانی پینا جائز نہیں ہے، مثلاً مشک لٹکی ہوئی ہو اور جس کو پانی پینے کی ضرورت ہو وہاں کوئی ایسا برتن نہ ہو جس میں پانی ڈال کر وہ پی سکے اور وہ اپنے ہاتھ میں مشک کا پانی لے کر پینے پر بھی قادر نہ ہو تو ایسی صورت میں مشک کے منہ سے پانی پینا جائز ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں ہے اور یہ احادیث جن کا ذکر کیا گیا ہے، یہ اسی صورت پر محمول ہیں۔ اور جب کوئی عذر نہ ہو تو پھر ممانعت کی حدیث پر عمل کیا جائے، نیز یہ بھی جواب دیا گیا ہے کہ جو احادیث مشک کے منہ سے پانی پینے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں، ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بیان کیا گیا ہے اور جن احادیث میں ممانعت کی گئی ہے، ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بیان کیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول فعل پر راجح ہوتا ہے، لہٰذا مشک کے منہ سے پینے کی ممانعت کی احادیث ان احادیث پر راجح ہیں جن میں یہ بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا بعض صحابہ نے مشک کے منہ سے پانی پیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۵۔ ۲۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: مشک سے منہ لگا کر پینے میں یہ خطرہ بھی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ مشک کے منہ میں کوئی چھوٹا سا سانپ ہو یا حشرات الارض ہوں تو وہ پینے والے کے منہ میں چلے جائیں یا جب وہ مشک سے منہ لگا کر پیئے تو اتنا زیادہ پانی اس کے پیٹ میں چلا جائے جس کا وہ متحمل نہ ہو، سو اس وجہ سے بھی مشک سے منہ لگا کر پینے کی ممانعت کی احادیث ان احادیث پر راجح ہیں جن میں مشک سے منہ لگا کر پینے کا جواز بیان کیا گیا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۶۲۷۔ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ قَالَ لَنَا عِكْرِمَةُ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَشْيَاءَ قِصَارٍ حَدَّثَنَا بِهَا أَبُو هُرَيْرَةَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الشُّرْبِ مِنْ فَمِ الْقِرْبَةِ أَوِ السِّقَاءِ وَأَنْ يَمْنَعَ جَارَهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَهُ فِي دَارِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم سے عکرمہ نے کہا: کیا میں تمہیں چند چھوٹی چھوٹی باتوں کی خبر نہ دوں، جن کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں حدیث بیان کی؟ (انہوں نے بیان کیا کہ:) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشک کے منہ سے پینے سے منع فرمایا ہے، (راوی کو شک ہے کہ حدیث میں قربۃ کا لفظ ہے یا السقاء کا لفظ ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص اپنے پڑوسی کو اس سے منع کرے کہ وہ اپنا شہتیر اس کے گھر میں رکھے۔

(صحیح مسلم: ۱۶۰۹، سنن ترمذی: ۱۳۵۳، سنن ابوداؤد: ۳۶۳۴، سنن ابن ماجہ: ۲۳۳۵، مسند احمد: ۸۱۳۵، موطا امام مالک: ۱۴۶۲)

صحیح البخاری: ۵۶۲۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں صرف اتنا ذکر تھا "مشک کے منہ سے پینا" اس سے یہ واضح نہیں ہوتا تھا کہ مشک کے منہ سے پینا جائز ہے یا ناجائز ہے اور اس باب کی حدیث نے یہ واضح کر دیا کہ مشک کے منہ سے پینا جائز نہیں ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن عبد اللہ کا ذکر ہے، یہ ابن المدینی ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، یہ سفیان بن عیینہ ہیں۔ اور ایوب کا ذکر ہے، یہ ایوب سختیانی ہیں۔ اور عکرمہ کا ذکر ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ذکر ہے: "کیا میں تمہیں ان چند چیزوں کا ذکر نہ کروں جن کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں حدیث بیان کی ہے"۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس حدیث میں تو عکرمہ نے صرف دو چیزوں کا بیان کیا ہے اور انہوں نے چند چیزوں کا ذکر کیا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ عکرمہ نے اور چیزوں کا بھی بیان کیا ہو لیکن راویوں نے ان چیزوں کا ذکر نہ کیا ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہوں نے عمداً دوسری چیزوں کا بیان ترک کر دیا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ بھول گئے ہوں۔ اور یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ عکرمہ کے نزدیک جمع کا اطلاق کم از کم دو چیزوں پر ہوتا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "او السقاء" یعنی راوی کو شک ہے کہ آپ نے القربۃ کا لفظ فرمایا تھا یا السقاء کا لفظ فرمایا تھا۔ اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ "القِربة" اس مشک کو کہتے ہیں جس میں پانی ہوتا ہے اور السِقاء چمڑے کی اس مشک کو کہتے ہیں جس میں پانی ہوتا ہے اور دودھ ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "آپ نے اس سے منع کیا کہ کوئی شخص اپنے پڑوسی کو اپنے گھر میں شہتیر رکھنے سے منع کرے" اور ایک روایت میں ہے کہ "وہ اپنے گھر کی دیوار پر پڑوسی کو شہتیر رکھنے سے منع کرے" اور یہ زیادہ واضح ہے اور علامہ ابن ملقن نے التوضیح میں کہا ہے کہ ہمارے نزدیک اور امام مالک کے نزدیک یہ استحباب پر محمول ہے، یعنی مستحب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے پڑوسی کو اپنے گھر کی دیوار کے اوپر شہتیر رکھنے سے منع نہ کرے۔ اور ہمارے نزدیک امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ یہ واجب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۲۸ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ يُشْرَبَ مِنْ فِي السِّقَاءِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے خبر دی از عکرمہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ مشک کے منہ سے پانی پیا جائے۔

(مسند احمد: ۷۱۱۳، سنن ترمذی: ۱۸۲۵، سنن نسائی: ۴۴۴۸، سنن ابو داؤد: ۳۷۱۹، سنن ابن ماجہ: ۳۴۲۰، سنن دارمی: ۲۱۱۸)

صحیح البخاری: ۵۶۲۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، وہ ابن علیہ ہیں، اور ایوب کا ذکر ہے، وہ السختیانی ہیں۔

مشک کے منہ سے پانی پینے کے متعلق فقہاء کے اقوال

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے کہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ مشک کے منہ سے پینے کی ممانعت تنزیہ کے لیے ہے، تحریم کے لیے نہیں ہے۔

علامہ نووی کی اس عبارت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اتفاق کے دعوے پر اعتراض ہے، کیونکہ ابوبکر اثرم صاحب احمد نے کہا ہے کہ ممانعت کی احادیث اباحت کی احادیث کے لیے ناسخ ہیں، کیونکہ صحابہ پہلے مشک کے منہ سے پانی پیتے تھے حتیٰ کہ چھوٹا سا سانپ اس شخص کے پیٹ میں چلا گیا جس نے مشک کے منہ سے پانی پیا تھا، تو پھر یہ جواز منسوخ کر دیا گیا۔

مشک کے منہ سے پینے کی ممانعت کی حکمت

اور ممانعت کی یہ حکمت بیان کی گئی ہے کہ جو شخص مشک کے منہ سے پیئے گا، وہ اس سے بے خوف وخطر نہیں ہوگا کہ پانی کے ساتھ حشرات الارض میں سے کوئی چیز مشک کے پیٹ میں ہو اور وہ پینے والے کے منہ کے ذریعہ اس کے پیٹ میں چلی جائے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس آدمی نے خود مشک میں پانی بھرا ہو اور وہ بغور دیکھ رہا ہو کہ مشک کے اندر صرف پانی ہی گیا ہے اور پھر وہ مشک کے منہ کو ڈوری سے باندھ دے، پھر اس کو جب ضرورت ہو تو وہ مشک کے منہ سے پی لے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اب یہ خطرہ نہیں ہے کہ مشک سے کوئی چھوٹا سا سانپ یا حشرات الارض میں سے کوئی چیز منہ کے ذریعہ اس کے پیٹ میں چلی جائے گی اور اس صورت کو حدیث کی ممانعت شامل نہیں ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ امام حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سندِ قوی کے ساتھ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشک کے منہ سے پینے سے منع فرمایا ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو شخص مشک کے منہ سے پیئے گا تو کبھی پانی پریشر سے اور بہت تیزی سے نکلے گا اور پینے والی کی ضرورت سے زیادہ پانی اس کے پیٹ میں چلا جائے گا یا اس کے کپڑے بھیگ جائیں گے، یا کبھی اتنے زور سے پانی نکلے گا کہ اس کی کمزور رگیں ٹوٹ جائیں گی اور بسا اوقات یہ اس کی ہلاکت کا سبب بن جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۶۔۲۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۲۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الشُّرْبِ مِنْ فِي السِّقَاءِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشک کے منہ سے پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔

(سنن ترمذی: ۱۸۲۵، سنن نسائی: ۴۴۴۸، سنن ابوداؤد: ۳۷۱۹، سنن ابن ماجہ: ۳۴۲۱، مسند احمد: ۱۹۹۰، سنن دارمی: ۲۱۱۷)

اس حدیث کی شرح بھی حسبِ سابق ہے۔

۲۵۔ بَابُ: النَّهْيِ عَنِ التَّنَفُّسِ فِي الْإِنَاءِ — برتن میں سانس لینے کی ممانعت کا بیان

اس باب میں ایسی احادیث بیان کی گئی ہیں جن میں پانی پیتے وقت برتن میں سانس لینے سے منع کیا گیا ہے۔

۵۶۳۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ وَإِذَا بَالَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَمْسَحْ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ وَإِذَا تَمَسَّحَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَمَسَّحْ بِيَمِينِهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از یحییٰ از عبد اللہ بن ابی قتادہ از والد خود، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی پیئے تو برتن میں سانس نہ لے اور جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو اپنے دائیں ہاتھ کو پیشاب کے آلہ پر نہ پھیرے اور جب تم میں سے کوئی ایک استنجا کرے تو دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کرے۔

(صحیح البخاری: ۱۵۳، ۱۵۴، ۵۶۳۰، صحیح مسلم: ۲۶۷، سنن ترمذی: ۱۵، ۱۸۸۹، سنن نسائی: ۴۷، سنن ابو داؤد: ۳۱، سنن ابن ماجہ: ۳۱۰، مسند احمد: ۱۸۹۲۷، سنن دارمی: ۶۷۳)

صحیح البخاری: ۵۶۲۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابو نعیم کا ذکر ہے، یہ الفضل بن دُکین ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں شیبان کا ذکر ہے، یہ ابن عبد الرحمٰن النحوی ہیں۔ اور یحییٰ کا ذکر ہے، یہ ابن ابی کثیر ہیں۔ اور ابو قتادہ کا ذکر ہے، یہ الحارث بن ربعی الانصاری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: پانی پیتے وقت برتن میں سانس لینے سے اس طرح منع کیا ہے جس طرح طعام میں اور مشروب میں پھونک مارنے سے منع کیا ہے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے، ہوسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ جب وہ طعام یا مشروب میں پھونک مارے گا تو اس کے منہ سے لعاب کی چھینٹیں کھانے یا پینے میں پڑیں، پھر جو اس کے ساتھ کھانا کھا رہا ہوگا، اس کو کراہیت آئے گی اور اسے کھانے سے گھن آئے گی، اس لیے آپ نے منع فرما دیا تا کہ جو اس کے ساتھ کھانا کھا رہا ہو، وہ اس طعام کو فاسد نہ کہے۔ اور یہ اس وقت ہے کہ جب وہ کسی دوسرے کے ساتھ کھائے یا پیئے، لیکن جب وہ اکیلا کھا رہا ہو یا پی رہا ہو یا اس کو علم ہو کہ اس کو گھن نہیں آئے گی تو پھر برتن میں سانس لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۳۰ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی نظیر

اس کی نظیر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اپنے آگے سے کھائیں، اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیالہ کے اطراف میں سے کدو تلاش کر کے کھا رہے تھے، کیونکہ آپ کو علم تھا کہ آپ کا ہاتھ جو پیالہ کے اطراف میں گھوم رہا ہے، اس سے کسی کو گھن نہیں آئے گی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کس کو گھن آسکتی ہے، حالانکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلغم تھوکتے تو صحابہ کرام اس بلغم کو اپنے ہاتھوں پر لے لیتے اور اس کو اپنے چہروں پر ملتے، اسی طرح جب آپ وضو کا قصد فرماتے۔ (صحیح البخاری: ۲۷۳۱) اور یہ فرق ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل میں اور آپ کے اس حکم میں کہ اپنے آگے سے کھاؤ۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب پھونک مارنے والے کو یہ علم ہو کہ کسی کو اس سے گھن نہیں آئے گی، پھر اس کے پھونک مارنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۲۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

پانی کے برتن میں سانس لینے کی ممانعت کی جدید میڈیکل سائنس سے تائید

میں کہتا ہوں کہ جدید میڈیکل سائنس نے بھی پانی کے برتن میں پانی پیتے وقت سانس لینے سے منع کیا ہے، کیونکہ معدے سے جو بخارات نکلتے ہیں ان میں مختلف جراثیم ہوتے ہیں اور جب برتن میں پانی پینے والا سانس لے گا تو وہ جراثیم اس پانی میں شامل ہو جائیں گے، اسی طرح جب طعام اور مشروب میں پھونک مارے گا تو اس کی پھونک میں جو جراثیم ہوں گے وہ اس طعام اور مشروب میں شامل ہو جائیں گے، اس لیے اس سے احتراز بہتر ہے، جدید میڈیکل سائنس نے تو اس حقیقت کو کئی صدیوں کے بعد جانا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو کئی صدیوں پہلے اجاگر کر دیا۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۵۶۳۰ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین آداب کی تعلیم دی ہے:

(۱) جب آدمی پانی پیئے تو پانی کے برتن کو منہ سے الگ کرلے اور جب منہ سے الگ کرلے تو پھر سانس لے، کیونکہ جب پانی اس کے منہ میں ہو اور وہ سانس لے تو یہ اس کے گلا گھٹ جانے کا سبب ہوگا، نیز جب وہ برتن میں سانس لے گا تو اس کے سانس سے کئی بیماریوں کے جراثیم اس پانی میں منتقل ہو جائیں گے۔

(۲) جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو اپنے آلہ پر دایاں ہاتھ نہ پھیرے بلکہ بائیں ہاتھ سے اپنے آلہ کو پکڑے۔

(۳) جب تم میں سے کوئی ایک استنجا کرے تو دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کرے۔ اور اس میں یہ دلیل ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر شرف ہے، تو جو عزت والے کام ہیں ان میں تو دایاں ہاتھ استعمال کرے اور جن کاموں کا تعلق نجاست کے ازالہ کے ساتھ ہو ان میں بائیں ہاتھ کو استعمال کرے۔

۲۶۔ بَابُ: الشُّرْبِ بِنَفَسَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ
دو یا تین سانس لے کر پانی پینے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ پانی پینے والا دو سانس یا تین سانس لے کر پانی پیئے۔ یہاں پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس حدیث میں اور پہلی حدیث میں تعارض ہے، کیونکہ پہلی حدیث میں پانی پیتے وقت سانس لینے سے منع فرمایا ہے اور اس حدیث میں پانی پیتے وقت دو مرتبہ یا تین مرتبہ سانس لینے کا بیان فرمایا ہے، اس اعتراض کے متعدد جوابات ہیں، بہترین جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے پہلے عنوان میں یہ کہا ہے کہ برتن کو سانس لینے کا ظرف نہ بنائے اور اس سے کراہیت کی وجہ سے منع کیا ہے، اور اس عنوان میں کہا ہے کہ دو سانسوں میں پانی پیئے، یعنی ایک ہی سانس کے اندر آدمی پانی نہ پیئے بلکہ پانی پینے میں فصل کرے، دو مرتبہ سانس لے یا تین مرتبہ سانس لے اور یہ سانس برتن سے باہر لے، سو پہلی حدیث میں برتن میں سانس لینے سے منع کیا ہے اور اس حدیث میں برتن کو منہ سے الگ کر کے دو یا تین مرتبہ سانس لینے کا حکم دیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۳۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ وَأَبُو نُعَيْمٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَزْرَةُ بْنُ ثَابِتٍ قَالَ أَخْبَرَنِي ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ كَانَ أَنَسٌ يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا وَزَعَمَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَتَنَفَّسُ ثَلَاثًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو عاصم اور ابو نعیم نے حدیث بیان کی، ان دونوں نے کہا: ہمیں عذرہ بن ثابت نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ثمامہ بن عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ (پانی پیتے وقت) برتن میں دو مرتبہ یا تین مرتبہ سانس لیتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین مرتبہ سانس لیتے تھے۔

(صحیح مسلم: ۲۰۲۸، سنن ترمذی: ۱۸۸۴، سنن ابن ماجہ: ۳۴۱۶، مسند احمد: ۱۲۷۹۵، سنن دارمی: ۲۱۲۰)

صحیح البخاری: ۵۶۳۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابو عاصم کا ذکر ہے، یہ الضحاک بن مخلد النبیل ہیں۔ اور ابو نعیم کا ذکر ہے، یہ الفضل بن دکین ہیں۔ اور عذرہ کا ذکر ہے، یہ ابن ثابت الانصاری التابعی ہیں، یہ مدینہ کے رہنے والے تھے، پھر بصرہ چلے گئے، پھر انہوں نے اپنے ماں شریک دادا عبد اللہ بن یزید الخطمی سے اور حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے اور دیگر صحابہ سے احادیث کا سماع کیا۔ اور ثمامہ بن عبد اللہ کا ذکر ہے، یہ ثمامہ بن عبد اللہ بن انس ہیں اور یہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں دو یا تین بار سانس لینے کا حکم ہے، اور امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت

کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم اونٹ کی طرح ایک سانس میں پانی نہ پیو، لیکن تم دو مرتبہ یا تین مرتبہ سانس لے کر پانی پیو، اور جب تم پانی پیو تو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھو، اور جب تم پانی پی چکو تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرو اور الحمد للہ رب العالمین پڑھو۔ امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

اور امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت بھی کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پانی پیتے تو دو سانسوں میں پانی پیتے تھے، پھر امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ ان دونوں حدیثوں میں کس طرح موافقت ہوگی؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں دو مرتبہ سانس لینے کی تصریح نہیں ہے بلکہ اس میں یہ بتایا ہے کہ دو مرتبہ سانس لینا کافی ہے اور اصل اور مستحب یہ ہے کہ تین مرتبہ سانس لے کر پانی پیئے۔

ایک سانس میں پانی پینے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا ایک سانس میں پانی پینا جائز ہے؟ پس ابن المسیب اور عطاء بن ابی رباح ان دونوں نے ایک سانس میں پانی پینے کی اجازت دی ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور طاؤس اور عکرمہ نے کہا ہے کہ ایک سانس میں پانی پینا مکروہ ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ شیطان کا پینا ہے۔ اثرم نے کہا: یہ احادیث بہ ظاہر مختلف ہیں اور ہمارے نزدیک ایک سانس میں اور دو سانسوں میں اور تین سانسوں میں یا اس سے زیادہ سانسوں میں پانی کا پینا جائز ہے، کیونکہ روایات کا اختلاف تسہیل پر دلالت کرتا ہے اور اگر اس نے تین سانسوں میں پانی پیا تو یہ مستحسن ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۸۔۲۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۳۱ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دو حدیثوں میں تعارض کا جواب

اگر تم یہ سوال کرو کہ اس سے پہلی حدیث (صحیح البخاری: ۵۶۳۰) جو حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا ہے، اور اس حدیث میں دو یا تین سانسوں میں پانی پینے کا حکم دیا ہے اور ان حدیثوں میں تعارض ہے؟ اس کی تطبیق اس طرح ہے کہ پانی پیتے وقت برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا ہے اور پانی پیتے وقت برتن کو منہ سے الگ کر کے دو مرتبہ یا تین مرتبہ سانس لینے کا حکم دیا ہے، سو ان حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

اور حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پانی پیتے وقت تین مرتبہ سانس لیتے تھے اور فرماتے تھے: یہ زیادہ خوشگوار ہے۔

(سنن ترمذی: ۱۸۸۴، صحیح مسلم: ۲۰۸۸)

امام مالک بن انس حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروب میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے، ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں ایک سانس میں پانی پینے سے سیر نہیں ہوتا، آپ نے فرمایا: تم پیالہ

کو اپنے منہ سے الگ کرو اور پھر سانس لو۔ (موطا امام مالک ج ۱ ص ۵۷۶)

علامہ ابن ملقن کہتے ہیں:

اس باب کی حدیث میں جو مذکور ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ برتن میں دو مرتبہ سانس لیتے تھے یا تین مرتبہ، تو وہ بھی اسی صورت پر محمول ہے یعنی برتن کو منہ سے الگ کر کے دو مرتبہ یا تین مرتبہ سانس لیتے تھے۔

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص پیئے تو برتن میں سانس نہ لے اور جب وہ دوبارہ پینے کا ارادہ کرے تو برتن کو منہ سے الگ کرے اور پھر دوبارہ پیئے۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۴۲۷، علامہ البوصیری نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ زوائد ابن ماجہ ص ۴۴۵)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشروب میں پھونک مارنے سے منع فرمایا، ایک مرد نے کہا: میں برتن میں تنکا دیکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: اس مشروب کو گرا دو، اس نے کہا: میں ایک سانس میں سیر نہیں ہوتا، آپ نے فرمایا: پیالے کو اپنے منہ سے الگ کر کے (دوسرا) سانس لے لو۔ (سنن ترمذی: ۱۸۸۷، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے)

علامہ ابن المنذر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص برتن میں سانس نہ لے، لیکن جب وہ سانس لینے کا ارادہ کرے تو برتن کو اپنے منہ سے الگ کر کے پھر سانس لے۔

(الاشراف علی مذاہب اہل العلم ج ۳ ص ۲۳۹)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۲۶۔ ۲۲۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۲۷۔ بَابُ: الشُّرْبِ فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ — سونے کے برتنوں میں پینے کا بیان

اس باب میں سونے کے برتنوں میں کسی مشروب کو پینے کا حکم بیان کیا گیا ہے، امام بخاری نے اس حکم کی تصریح بیان نہیں کی، کیونکہ اس باب کی احادیث سے اس کا حکم معلوم ہو جاتا ہے کہ سونے کے برتنوں میں پینا جائز نہیں ہے۔

۵۶۳۲۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ كَانَ حُذَيْفَةُ بِالْمَدَائِنِ فَاسْتَسْقَى فَأَتَاهُ دِهْقَانٌ بِقَدَحِ فِضَّةٍ فَرَمَاهُ بِهِ فَقَالَ إِنِّي لَمْ أَرْمِهِ إِلَّا أَنِّي نَهَيْتُهُ فَلَمْ يَنْتَهِ وَإِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نَهَانَا عَنِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ وَالشُّرْبِ فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَقَالَ هُنَّ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَهِيَ لَكُمْ فِي الْآخِرَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الحکم از ابن ابی لیلیٰ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مدائن میں تھے، پس انہوں نے پانی طلب کیا تو ان کے پاس دہقان چاندی کے پیالہ میں پانی لے کر آیا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے وہ پیالہ اس کے اوپر پھینک دیا، پس فرمایا: میں نے اس پر یہ پیالہ اس لیے پھینکا ہے کہ میں نے اسے کئی مرتبہ (چاندی کے پیالہ میں پانی دینے سے) منع کیا ہے مگر یہ باز نہیں آیا، اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو ریشم، دیباج اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں پینے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا:

یہ (نعمتیں) ان کے لیے دنیا میں ہیں اور تمہارے لیے آخرت
میں ہیں۔

(صحیح البخاری: ۵۶۳۲، ۵۶۳۳، ۵۸۳۱، ۵۸۳۷، صحیح مسلم: ۲۰۶۷، سنن ترمذی: ۱۸۷۸، سنن نسائی: ۵۳۰۱، سنن ابوداؤد: ۳۷۲۳، سنن ابن ماجہ: ۳۴۱۴، مسند احمد: ۲۲۸۰۳)

صحیح البخاری: ۵۶۳۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''سونے کے برتنوں میں پینے کا بیان'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سونے اور چاندی کے برتنوں میں پینے سے منع فرمایا ہے، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ''الحکم'' یہ ابن عُتیبہ ہیں اور عُتیبہ ''عتبة الدار'' کی تصغیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے: ابن ابی لیلیٰ، یہ عبدالرحمٰن ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حذیفہ، یہ حضرت حذیفہ بن الیمان ہیں، اور الیمان کا نام حسل بن جابر ہے اور الیمان لقب ہے اور یہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''المدائن'' کا ذکر ہے، یہ دجلہ کے کنارے بہت بڑا شہر ہے، دجلہ اور بغداد کے درمیان سات فرسخ کا فاصلہ ہے، یہ فارس کے بادشاہوں کا مسکن ہے اور یہاں پر کسریٰ کے مشہور ایوان ہیں، یہ شہر ۱۰ ہجری (۱۰ھ) میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فتح ہوا تھا اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس شہر کے گورنر تھے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی اس شہر کے گورنر رہے یہاں تک کہ ۳۶ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی ابتداء میں ان کی وفات ہوئی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''دھقان'' یہ لفظ دال کی زیر اور دال کے پیش دونوں سے پڑھا گیا ہے اور اس کے بعد ہاء ساکن ہے پھر قاف ہے اور قاف کے بعد الف اور نون ہے۔ دھقان قوم کے بڑے اور بستی کے امیر کو کہتے ہیں۔ سنن ترمذی کی روایت میں ہے ''پس حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک انسان وہ چاندی کا پیالہ لایا تھا'' اور کتاب الاطعمہ میں گزر چکا ہے کہ ایک مجوسی وہ پیالہ لے کر آیا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''میں نے یہ پیالہ صرف اس لیے پھینکا'' اور اسماعیلی کی روایت میں ہے ''میں نے یہ پیالہ صرف اس لیے توڑا''، یہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عذر ہے، کیونکہ انہوں نے اس دہقان کو کئی مرتبہ کہا تھا کہ چاندی کے پیالہ میں پانی نہ لایا کرو مگر وہ دہقان باز نہیں آیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے" دیباج" اس کا معنی ہے: ریشم سے بنایا ہوا کپڑا۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے" یہ (نعمتیں) ان کے لیے دنیا میں ہیں" اس کا معنی یہ ہے کہ کفار ان نعمتوں کو دنیا میں استعمال کرتے ہیں اور یہ مسلمانوں کے طریقہ کے خلاف ہے۔
اور اس حدیث میں مذکور ہے" تمہارے لیے یہ (نعمتیں) آخرت میں ہیں" یعنی تم آخرت میں ان نعمتوں کو استعمال کرو گے، اور یہ اس کی جزا ہے کہ تم نے دنیا میں ان کو ترک کر دیا۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ جو ان نعمتوں کو دنیا میں استعمال کرے گا، آخرت میں اس کو یہ نعمتیں نہیں ملیں گی، جیسا کہ الخمر کے پینے کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۹۔ ۳۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۳۲ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سونے اور چاندی کے استعمال کی بعض صورتیں

یہ حدیث کتاب الاطعمہ میں بھی مذکور تھی، اور امام بخاری نے اس کو یہاں پر مکرر ذکر کیا ہے اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں پینا بالاجماع حرام ہے اور جس کا قول اس کے خلاف شاذ ہے، اس کا اعتبار نہیں ہے اور اس لیے کہ اس میں اسراف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سونے اور چاندی کو لوگوں کے لیے قیمت کا اور ثمن کا ذریعہ بنایا ہے، تاکہ وہ اپنی معاش میں سونے اور چاندی کے بدلہ میں اپنی ضرورت کی اشیاء خریدیں، اس لیے قیمت کے علاوہ ان کا استعمال کرنا حرام ہے، مگر ان کا جو استعمال مردوں کے لیے سنت سے ثابت ہے، تلوار، انگوٹھی، مصحف اور عورتوں کے زیورات۔ اسی طرح علامہ ابن بطال نے ذکر کیا ہے۔
علامہ ابن بطال نے جو تلوار کو آراستہ کرنے کا ذکر کیا ہے تو وہ چاندی کے ساتھ ہے اور انگوٹھی بھی چاندی کے ساتھ ہے، اور مصحف کو بھی مرد کے لیے چاندی سے آراستہ کیا جاتا ہے اور عورت کے لیے سونے سے۔ اور عورت کے زیورات کے استعمال پر اجماع ہے۔
اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم کے متعلق فرمایا ہے کہ ریشم کا لباس وہ پہنتے ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔
(صحیح البخاری: ۸۸۶، کتاب الجمعہ، باب یلبس احسن ما یجد)
اور وہ کفار ہیں، کیونکہ جب انہوں نے دنیا میں ریشم کو اپنا لباس بنا لیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے لیے آخرت میں جو نعمتیں تیار کی ہیں ان پر ریشم کو ترجیح دی اور دنیاوی نعمتوں کو پسند کیا، تو شارع علیہ السلام نے ان کی مذمت کی اور مسلمانوں کو منع کیا کہ وہ ان کفار کی مشابہت اختیار کریں جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اور تاکہ وہ اس آیت کی وعید میں داخل نہ ہوں:

وَ یَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِؕ اَذْهَبْتُمْ طَیِّبٰتِكُمْ فِیْ حَیَاتِكُمُ الدُّنْیَا وَ اسْتَمْتَعْتُمْ بِهَاۚ فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ۠ (الاحقاف: ۲۰)

اور جس دن کفار کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا (تو ان سے کہا جائے گا:) تم اپنی لذیذ چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے ہو، اور ان سے فائدہ اٹھا چکے ہو، پس آج تم کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور کیونکہ تم نافرمانی

کرتے تھے O

چاندی اور سونے کے برتن بنانے میں دو قول ہیں اور صحیح یہ ہے کہ یہ برتن بنانے بھی ممنوع ہیں جیسا کہ ان کا استعمال ممنوع ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۳۱-۲۳۲ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۲۸- بَابُ: آنِيَةِ الْفِضَّةِ چاندی کے برتنوں کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں چاندی کے برتنوں کے استعمال کا حکم بیان کیا گیا ہے، امام بخاری نے یہ عنوان الگ قائم کیا ہے، حالانکہ یہ عنوان بھی باب سابق کے عنوان میں داخل ہے، کیونکہ باب سابق کی پہلی حدیث میں سونے اور چاندی کے برتنوں کے استعمال کی تحریم بیان کی گئی ہے، فرق یہ ہے کہ پہلی حدیث میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سونے اور چاندی کے برتنوں میں پینے سے منع فرمایا ہے، اور اس حدیث میں صراحتہً نہی کے صیغہ کا ذکر ہے ''لا تشربوا'' یعنی نہ پیو۔

۵۶۳۳- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ خَرَجْنَا مَعَ حُذَيْفَةَ وَذَكَرَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَشْرَبُوا فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَا تَلْبَسُوا الْحَرِيرَ وَالدِّيبَاجَ فَإِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَكُمْ فِي الْآخِرَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی عدی نے حدیث بیان کی از ابن عون از مجاہد از ابن ابی لیلیٰ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا کہ آپ نے فرمایا ہے: تم سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہ پیو اور نہ ریشم اور دیباج پہنو، کیونکہ یہ (نعمتیں) ان کے لیے دنیا میں ہیں اور تمہارے لیے آخرت میں ہیں۔

(صحیح البخاری: ۵۶۳۲، ۵۶۳۳، ۵۸۳۱، ۵۸۳۷، صحیح مسلم: ۲۰۶۷، سنن ترمذی: ۱۸۷۸، سنن نسائی: ۵۳۰۱، سنن ابوداؤد: ۳۷۲۳، سنن ابن ماجہ: ۳۴۱۴، مسند احمد: ۲۲۸۰۴)

صحیح البخاری: ۵۶۳۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابن ابی عدی کا ذکر ہے، یہ محمد ہیں اور ابن ابی عدی کا نام ابراہیم البصری ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن عون کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن عون ہیں۔ اور ابن ابی لیلیٰ کا ذکر ہے، یہ عبدالرحمٰن ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ذکر ہے کہ ''ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا'' یہاں کچھ عبارت

محذوف ہے جس کا اسماعیلی نے بیان کیا ہے، انہوں نے کہا کہ ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہر کے کسی حصہ میں گئے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پانی طلب کیا تو ان کے پاس دہقان چاندی کے برتن میں پانی لے کر آیا، تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے وہ برتن اس دہقان کے منہ پر کھینچ مارا۔ اسماعیلی نے بیان کیا، پس ہم نے کہا: خاموش رہو، کیونکہ اگر ہم نے ان سے سوال کیا تو یہ ہم کو حدیث بیان نہیں کریں گے، پس ہم خاموش رہے، پھر اس کے بعد حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: کیا تم نے سمجھ لیا کہ میں نے وہ برتن اس کے منہ پر کیوں کھینچ کر مارا؟ تو ہم نے کہا: نہیں، تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اس کو کئی مرتبہ منع کیا کہ چاندی کے برتن میں پانی نہ لایا کرو، پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا کہ آپ نے فرمایا: سونے اور چاندی میں نہ پیو، اس حدیث کی اصل صحیح مسلم میں ہے، مگر انہوں نے بعض عبارت تقطیع کے ساتھ بیان کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۰۰۔۳۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۳۴۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ الَّذِي يَشْرَبُ فِي إِنَاءِ الْفِضَّةِ إِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک بن انس نے حدیث بیان کی از نافع از زید بن عبد اللہ بن عمر از عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن ابی بکر الصدیق از حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو چاندی کے برتن میں پیئے گا، تو وہ شخص اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ بھڑکائے گا۔

(صحیح مسلم: ۲۰۶۵، سنن ابن ماجہ: ۳۴۱۳، مسند احمد: ۲۶۰۲۸، موطا امام مالک: ۱۷۱۷، سنن دارمی: ۲۱۲۹)

صحیح البخاری: ۵۶۳۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، وہ ابن ابی اویس ہیں۔ اور زید بن عبد اللہ بن عمر کا ذکر ہے، وہ تابعی ثقہ ہیں اور ان کی روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے متعلق گزر چکی ہے اور صحیح بخاری میں ان کی صرف یہ دو حدیثیں ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن ابی بکر صدیق کا ذکر ہے، یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں جو اس حدیث کی روایت کرنے والی ہیں، اور ان کی والدہ قریبہ بنت ابی امیہ بن المغیرہ المخزومیہ ہیں، اور یہ ثقہ راوی ہیں، بخاری میں ان کی صرف یہی حدیث ہے۔ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، ام المومنین ہیں، ان کا نام ہند بنت ابی امیہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''یُجَرْجِرُ'' یہ الجرجر سے ماخوذ ہے، یہ وہ آواز ہے کہ جب اونٹ جوش میں آتا ہے تو اس آواز کو سانس کی نالی میں دہراتا ہے، جیسے گھوڑے کے جبڑے میں لگام کی آواز ہوتی ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص چاندی کے برتن

میں کوئی مشروب پیتا ہے تو وہ مشروب دوزخ کی آگ میں اس کے پیٹ میں چلائے گا۔اور علامہ داؤدی نے کہا: وہ شخص جہنم کی آگ کو گھونٹ گھونٹ بھر کر پیئے گا۔کہا جاتا ہے" جرجر فلان الماء "یعنی جب کوئی شخص مسلسل گھونٹ بھر کر پیئے تو اس سے جو آواز نکلے، پس معنی یہ ہے گویا کہ وہ دوزخ کی آگ کو گھونٹ بھر بھر کر پیئے گا اور حقیقت میں دوزخ کی آگ اس کے پیٹ میں گھونٹ نہیں بھر رہی ہوگی، لیکن یہ ایسی آواز ہوگی جیسے گھونٹ بھر بھر کے پینے سے آواز نکلتی ہے، تو جو شخص ان برتنوں میں پیئے گا، تو دوزخ میں اس کے پیٹ سے ایسی آواز آئے گی جیسے گھونٹ بھر بھر کر پینے سے آواز آتی ہے گویا کہ یہ جہنم کی آگ اس کے پیٹ میں گھونٹ بھر رہی ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۰۱۔۳۰۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۳۴، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

"یُجَرْجِرُ کا معنی ہے: اس کے پیٹ میں مشروب کے گھونٹ بھرنے کی آواز آئے گی اور اس میں دوزخ کی آگ ڈال دی جائے گی اور یہ بطورِ تمثیل کے فرمایا ہے، کیونکہ جو دنیا میں سونے یا چاندی کے برتن میں پیئے گا تو وہ ایسا ہے جیسے وہ دوزخ کی آگ کو گھونٹ بھر بھر کر اپنے پیٹ میں ڈال رہا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یتیم کا مال کھانے والے کی سزا کو بطورِ مثال کے بیان فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا۠ (النساء)

بے شک جو لوگ ناجائز طریقہ سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھر رہے ہیں، اور وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے O

یہاں پر ممانعت تحریم کے لیے ہے، کیونکہ سونے اور چاندی کے برتنوں کے استعمال پر وعید ہے، کیونکہ جو سونے اور چاندی کے برتنوں کو دنیا میں استعمال کرے گا وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ کے گھونٹ بھرے گا۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا اور پینا حرام ہے۔

(۲) سونے اور چاندی کے برتن جنت کے پیالے ہیں اور یہ اہل جنت کی نعمتوں میں زیادہ تکریم کے لیے ہے، کیونکہ اکثر اہل جنت فقراء اور مساکین ہوں گے تو یہ جنت میں ان کے برتن ہوں گے۔

(۳) اس حدیث میں گمراہوں اور کفار کے لیے شدید وعید ہے کہ جو دنیا میں سونے اور چاندی کے برتنوں کو استعمال کرے گا تو دوزخ کی آگ ان کے پیٹ میں گھونٹ بھرے گی۔(الشرح المیسر لصحیح البخاری، ج ۵ ص ۲۲۸۔۲۲۹، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۵۶۳۵۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَشْعَثِ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ أَمَرَنَا بِعِيَادَةِ الْمَرِيضِ وَاتِّبَاعِ الْجِنَازَةِ وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ وَإِجَابَةِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عوانہ نے حدیث بیان کی از الاشعث بن سلیم از معاویہ بن سوید بن مقرن از حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے سات چیزوں کا حکم دیا اور ہم کو سات

الدَّاعِي وَإِفْشَاءِ السَّلَامِ وَنَصْرِ الْمَظْلُومِ وَإِبْرَارِ الْمُقْسِمِ وَنَهَانَا عَنْ خَوَاتِيمِ الذَّهَبِ وَعَنِ الشُّرْبِ فِي الْفِضَّةِ أَوْ قَالَ آنِيَةِ الْفِضَّةِ وَعَنِ الْمَيَاثِرِ وَالْقَسِّيِّ وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ وَالْإِسْتَبْرَقِ۔

چیزوں سے منع فرمایا، ہم کو حکم دیا مریض کی عیادت کریں، اور جنازہ کے ساتھ جائیں، چھینک لینے والے کے جواب میں یرحمک اللہ کہیں، جو دعوت دے اس کی دعوت کو قبول کریں، اور سلام کو پھیلائیں، اور مظلوم کی مدد کریں، اور قسم کھانے والے کی قسم کو سچا کریں، اور ہم کو سونے کی انگوٹھیوں کے پہننے سے اور چاندی کے برتنوں میں پینے سے اور ریشمی زین سے اور قسی سے اور ریشم اور دیباج اور استبرق کے پہننے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۰۶۶، سنن ترمذی: ۲۸۰۹، سنن نسائی: ۱۹۳۹، سنن ابن ماجہ: ۲۱۱۵، مسند احمد: ۱۸۰۳۴)

صحیح البخاری: ۵۶۳۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''چاندی کے برتنوں کا بیان'' اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں سے منع فرمایا ہے اور ان سات چیزوں میں چاندی کے برتنوں میں پینے سے ممانعت کا بھی ذکر ہے۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوعوانہ کا ذکر ہے، ان کا نام الوضاح الیشکری ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں الاشعث کا ذکر ہے، یہ ابن سُلیم ہیں جو سلم کی تصغیر ہے۔ اور سوید کا ذکر ہے، یہ سود کی تصغیر ہے۔ اور مُقرِّن کا ذکر ہے، یہ تقرین کا اسم فاعل ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''تشمیت العاطس'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: جس شخص کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو دوسرا شخص اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہے۔

نیز اس حدیث میں ''افشاء السلام'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: بہ کثرت سلام کرنا اور لوگوں کے درمیان سلام کو پھیلانا، کتاب الجنازہ میں فرمایا تھا: سلام کا جواب دینا اور یہاں فرمایا ہے: سلام کو پھیلانا، کیونکہ سلام سے مقصود یہ ہے کہ مسلمان جب ایک دوسرے سے ملاقات کریں تو اپنے بھائی کے لیے دعائے خیر کریں، پھر اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان سات امور میں سے بعض سنت ہیں اور بعض فرض ہیں، پس سلام کا جواب دینا واجب ہے اور سلام کرنا سنت ہے۔ اور ایک لفظ سے فرض اور سنت دونوں کا ارادہ کرنا جائز ہے اور وہ لفظ ہے ''ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا'' تو احناف کے نزدیک یہ حکم کا معنی عام ہے خواہ فرض ہو یا سنت ہو اور اس کو عموم المجاز کہتے ہیں اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک حقیقت اور مجاز کو ایک لفظ میں جمع کرنا جائز ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''ابرار المقسم'' یعنی جو شخص قسم کھائے، اس کی قسم کو پورا کرنے میں مدد کی جائے۔
اور اس حدیث میں مذکور ہے ''خواتیم الذھب'' خواتیم، خاتم کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: انگوٹھی یا چھلہ۔
اور اس حدیث میں ''میاثر'' کا ذکر ہے، یہ مِیثرۃ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: زین کے اوپر ریشمی چادر، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سرخ رنگ کی چادر ہوتی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ درندوں کی کھال ہوتی ہے۔ اور ابوعبیدہ نے کہا: المیاثِر سرخ رنگ کی دیباج یا ریشم کی چادریں ہوتی ہیں جو زین کے اوپر ڈالی جاتی ہیں۔
علامہ ابن التین نے کہا: یہ زیادہ واضح ہے، کیونکہ سرخ رنگ کی تحریم وارد نہیں ہے اور نہ درندوں کی کھال رنگنے کے بعد حرام کی گئی ہے۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''وعن القسی'' علامہ کرمانی نے کہا کہ قسی شام کے شہر کی طرف منسوب ہے، یہ ایک چوکور ریشمی کپڑا ہوتا ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: اس طرح نہیں ہے بلکہ قسی وہ کپڑا ہوتا ہے جو ریشم اور سوتی دھاگے سے ملا کر بنایا جاتا ہے اور مصر سے لایا جاتا ہے اور اس کی نسبت ساحل سمندر کے قریب ایک بستی کی طرف ہے جس کو القَس کہا جاتا ہے۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: قِس اور تنیس اور القرماء، یہ سب سمندر کے قریب بستیوں کے نام ہیں، اب یہ ویران ہو چکی ہیں اور مٹ چکی ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ قسی کی اصل القزی ہے، یہ القز کی طرف منسوب ہے، اور یہ بھی ریشم کی ایک قسم ہے۔ اور دیباج اور استبرق یہ بھی ریشم کی اقسام ہیں، استبرق موٹا ریشم ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج۲۱ ص ۳۰۲۔ ۳۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۳۵ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں مریض کی عیادت کرنے کا حکم ہے۔
سوال: کیا ہم مریض کی عیادت ہر دن کریں یا ہر ہفتہ کریں یا ہر مہینے کریں؟
جواب: یہ عیادت مقتضائے حال کے مطابق ہوگی، کیونکہ کبھی مرض میں شدت ہوتی ہے اور کبھی شدت نہیں ہوتی، پس جس مرض میں شدت ہو اس میں بار بار عیادت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، پھر کبھی عیادت کرنے سے مریض خوش ہوتا ہے اور کبھی عیادت کرنے سے مریض تنگ ہوتا ہے اور کبھی عیادت قریب سے کی جاتی ہے اور کبھی دور سے کی جاتی ہے تو جس طرح حالات کا تقاضا ہو، اس طریقہ سے مریض کی عیادت کی جائے۔
سوال: مریض کی عیادت کرنا آیا فرض ہے یا سنت ہے؟
جواب: مریض کی عیادت کرنا فرض کفایہ ہے، اور مسلمانوں کے جو ایک دوسرے پر حقوق ہیں، عیادت کرنا بھی ان حقوق میں سے ہے، کیونکہ مسلمان جب بیمار ہو اور اس کے بھائیوں اور عزیزوں میں سے کوئی شخص اس کی عیادت نہ کرے تو وہ مریض اپنے آپ کو لوگوں سے منفصل اور بہت دور سمجھتا ہے، لہٰذا مریض کی عیادت کرنا فرضِ کفایہ ہے، اگر چند لوگ مریض کی عیادت کر لیں تو باقی لوگوں سے عیادت کرنے کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے، لیکن بعض صورتوں میں مریض کی عیادت کرنا فرضِ عین ہوتی ہے، مثلاً جو شخص مریض کا قریبی رشتہ دار ہو تو اس کا مریض کی عیادت کرنا صلۂ رحم کے باب سے ہے اور یہ معلوم ہے کہ صلۂ رحم کرنا فرضِ عین ہے۔

سوال: ہم مریض سے کیا کہیں؟

جواب: ہمیں سنت کے مطابق کہنا چاہیے کہ کوئی خطرہ کی بات نہیں ہے، یہ مرض ان شاء اللہ تمہیں گناہوں سے پاک کردے گا اور علماء نے کہا ہے کہ اس سے تسلی کے کلمات کہیں، اسے کہیں کہ تم خیریت سے ہو اور اسے بتائیں کہ تم کو جو تکلیف پہنچی ہے لوگوں کو اس سے بڑی بڑی تکلیفیں پہنچتی ہیں اور اس کو اعمالِ صالحہ یاد دلائے اور اس سے پوچھے: وہ کیسے نماز پڑھتا ہے، کیونکہ کئی بیمار نہیں جانتے کہ بیماری کی حالت میں کس طرح نماز پڑھنی چاہیے۔

سوال: کیا مریض کے پاس زیادہ دیر بیٹھنا چاہیے یا نہیں؟

جواب: یہ بھی مقتضائے حال کے مطابق ہے، جب تم دیکھو کہ وہ مریض تمہارے آنے سے اور تمہارے باتیں کرنے سے خوش ہو رہا ہے تو اس کے پاس زیادہ دیر بیٹھنا چاہیے اور جب یہ دیکھو کہ مریض جب تمہارے آنے سے اور باتیں کرنے سے تنگ ہو رہا ہے تو پھر اس کے پاس زیادہ دیر نہیں بیٹھنا چاہیے۔

نیز اس حدیث میں اتباع الجنائز کا حکم ہے، یعنی جنازہ کے ساتھ ساتھ جانا اور یہ فرضِ کفایہ ہے۔ انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی جنازہ کے ساتھ جائے تاکہ اس کی تدفین ہو جائے اور جب چند لوگ جنازہ کے ساتھ چلے جائیں گے تو پھر باقی لوگوں سے جنازہ کے ساتھ جانے کی فرضیت ساقط ہو جائے گی۔ اور جنازہ کے ساتھ جانے میں فضیلت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جو جنازہ پر حاضر ہوا حتیٰ کہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھ لی گئی، اس کو ایک قیراط اجر ملے گا اور جو جنازہ پر حاضر ہوا حتیٰ کہ اس کی تدفین کر دی گئی تو اس کو دو قیراط اجر ملے گا۔

نیز اس حدیث میں ''تشمیت العاطس'' کا ذکر ہے، اور تشمیت کا معنی یہ ہے کہ جب چھینکنے والا الحمدللہ کہے تو سننے والا اس کے جواب میں ''یرحمک اللہ'' کہے اور پھر چھینکنے والا اس سے کہے ''یھدیکم اللہ ویصلح بالکم''۔ اور جمہور علماء نے کہا ہے کہ چھینکنے والے کو جواب دینا بھی فرضِ کفایہ ہے۔

نیز اس حدیث میں دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرنے کا حکم ہے، یعنی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جو شخص ہمیں اپنے گھر میں بلائے، اس کی دعوت کو قبول کریں لیکن اس کی چند شرائط ہیں:

ایک یہ ہے کہ وہ دعوت امورِ مباحہ میں سے ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ اس مجلس میں کوئی برائی نہ ہو، کوئی خلافِ شرع کام نہ ہو، تیسری شرط یہ ہے کہ دعوت دینے والا مسلمان ہو، چوتھی شرط یہ ہے کہ اس دعوت میں کوئی حرام یا حرام کے مشابہ کوئی چیز نہ ہو، اور پانچویں شرط یہ ہے کہ اس دعوت کو قبول کرنے سے تمہیں کوئی ضرر نہ ہو۔ اور جمہور نے یہ کہا ہے کہ ایک شرط یہ ہے کہ وہ دعوت شادی کے موقع پر ہو اور انہوں نے کہا ہے کہ شادی کے علاوہ جو دوسری دعوتیں ہیں، ان میں جانا واجب نہیں ہے، لیکن ظاہر نصوص کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بھی واجب ہیں۔

سوال: دعوت کو قبول کرنا اللہ کا حق ہے یا دعوت دینے والے کا حق ہے؟

جواب: یہ اللہ کا حق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے حکم دیا ہے دعوت کو قبول کیا جائے۔

نیز اس حدیث میں ''افشاء السلام'' کا حکم ہے، افشاء کے معنی ہیں: کسی چیز کو ظاہر کرنا اور پھیلانا، مطلب یہ ہے کہ بکثرت

سلام کر کے سلام کو پھیلایا جائے' لیکن سلام کو پھیلانے کی بھی چند شرائط ہیں:

اول یہ ہے کہ جس کو تم سلام کر رہے ہو، وہ مسلمان ہو، پس اگر وہ غیر مسلم ہو تو اس کو تم سلام نہ کرو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہود اور نصاریٰ کو سلام کے ساتھ ابتداء نہ کرو۔

میں کہتا ہوں: اگر کسی شخص کا دفتر میں افسر یہودی یا عیسائی ہو یا اور کوئی بدمذہب ہو اور اس کو سلام کرنا ناگزیر ہو تو اس کے دائیں بائیں جو فرشتے ہیں ان کی نیت کر کے اس کو سلام کر لیا جائے تا کہ حدیث کی مخالفت بھی نہ ہو اور انسان فتنہ میں مبتلا ہونے سے بھی محفوظ رہے اور اس کو اس غیر مسلم سے کوئی ضرر نہ پہنچے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

دوسری شرط یہ ہے کہ جب کسی مسلمان کو سلام کرنا ہو تو یہ ضروری ہے کہ اس وقت وہ مسلمان کوئی معصیت کا کام نہ کر رہا ہو، مثلاً وہ جوا کھیل رہا ہے یا مزامیر میں مشغول ہے تو اس وقت اس کو سلام کرنا ممنوع ہے۔

جس کو سلام کیا گیا ہے، اس کے لیے جواب دینا ضروری ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''مظلوم کی مدد کرنا''۔ مظلوم وہ ہے جس کی جان یا اس کی عزت یا اس کے مال پر حملہ کیا گیا ہو، سو اس کی مدد کرنا واجب ہے اور اس کو ظالم کے ظلم سے چھڑانا ضروری ہے، کیونکہ مظلوم کی مدد کرنا فرض کفایہ ہے۔

سوال: کیا مظلوم میں بھی یہ شرط ہے کہ وہ مسلمان ہو؟

جواب: نہیں! کیونکہ مقصود ظلم کا ازالہ ہے۔

اور ساتواں حکم ہے ''قسم کھانے والے کی قسم کو پورا کرنا''، مثلاً کسی شخص نے قسم کھائی کہ میں تم سے پہلے گھر میں داخل نہیں ہوں گا تو اس کی قسم پوری کی جائے اور اس سے پہلے گھر میں داخل نہ ہو۔

علماء نے اس کے لیے بھی یہ شرط بیان کی ہے کہ قسم کھانے والے کی قسم کو پورا کرنے سے اس شخص کا اپنا کوئی نقصان نہ ہو، اگر اس شخص کا اپنا کوئی نقصان ہو تو اس کے لیے پھر ضروری نہیں ہے کہ وہ قسم کھانے والے کی قسم کو پورا کرے۔

اس کے بعد حدیث میں ان سات چیزوں کا ذکر ہے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ہم کو سونے کی انگوٹھیوں سے منع فرمایا ہے''۔ یہ ممانعت تحریم کے لیے ہے۔

سوال: کیا یہ تحریم مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہے؟

جواب: صحیح یہ ہے کہ جمہور اہل علم کا موقف یہ ہے کہ یہ ممانعت مردوں کے ساتھ خاص ہے اور عورتوں کے لیے جائز ہے کہ وہ سونے کی انگوٹھیاں پہنیں اور اس سلسلہ میں بہ کثرت احادیث وارد ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے حلال ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''چاندی کے برتنوں میں پینے سے منع فرمایا ہے''۔ یہ حدیث عام ہے اور اس میں ممانعت تحریم کے لیے ہے، کیونکہ چاندی کے برتنوں میں پینے پر وعید وارد ہے۔ پھر حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میاثر اور قسی سے منع فرمایا اور ریشم اور دیباج اور استبرق سے منع فرمایا۔ یہ سب ریشم کی قسمیں ہیں اور ان سب کا تعلق زینت کے ساتھ ہے۔ اور قسی اور حریر اور دیباج اور استبرق ریشم کی تمام اقسام عورتوں کے لیے حلال ہیں۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۳۶-۳۳۸، مکتبۃ الطبری

القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۹- بَابُ: الشُّرْبِ فِي الْأَقْدَاحِ — پیالوں میں پینے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

پیالوں کی اقسام اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیالوں کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ پیالوں میں پینا جائز ہے، اقداح، قدح کی جمع ہے۔ لغت کی کتاب المغرب میں لکھا ہے: القدح (اس میں دو زبر ہیں) یہ اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ پیا جاتا ہو۔ بعض شارحین نے کہا ہے: شاید امام بخاری نے اس عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے کہ اگرچہ پیالوں میں پینا فاسقوں کا شعار ہے لیکن یہ مشروب کے اعتبار سے اور ہیئتِ مخصوصہ کے اعتبار سے ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ عبارت درست نہیں ہے اور اس قائل نے یہ کیسے کہا کہ پیالوں میں پینا فاسقوں کا شعار ہے، حالانکہ امام بخاری نے اس باب کے بعد یہ باب قائم کیا ہے "باب الشرب من قدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم" اور اس باب میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک پیالہ تھا جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک پیالہ تھا جس کو ریان کہتے تھے اور ایک دوسرا پیالہ تھا جس کو المغیث کہتے تھے۔ اور ایک اور پیالہ تھا جس کے اوپر چاندی کی تین پتریاں چپٹی ہوئی تھیں اور ایک لوہے کا پیالہ تھا اور اس میں ایک چھوٹا سا حلقہ تھا۔

اور وہ پیالہ جس میں فساق وفجار پیتے ہیں، وہ لوگوں کے درمیان معلوم ہے کہ وہ شیشہ کا ہوتا ہے یا بلور کا ہوتا ہے یا چاندی کا ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جتنے پیالے تھے وہ سب لکڑی کی جنس سے تھے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ المقوقس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شیشے کے پیالے ہدیہ میں دیے اور آپ ان میں پیتے تھے، تو میں کہوں گا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اور اگر ہم مان لیں کہ یہ حدیث صحیح ہے تو ہم کہیں گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پیالوں میں اتنا نہیں پیتے تھے جتنا دوسرے پیالوں میں پیتے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۰۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۳۶- حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَالِمٍ أَبِي النَّضْرِ عَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى أُمِّ الْفَضْلِ عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ أَنَّهُمْ شَكُّوا فِي صَوْمِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ عَرَفَةَ فَبَعَثَتْ إِلَيْهِ بِقَدَحٍ مِنْ لَبَنٍ فَشَرِبَهُ.

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن عباس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الرحمٰن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از سالم ابی النضر از عمیر مولیٰ حضرت ام الفضل از حضرت ام الفضل، وہ بیان کرتی ہیں کہ لوگوں کو شک تھا کہ عرفہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزہ سے ہیں یا نہیں؟ تو میں نے آپ کی طرف دودھ کا

ایک پیالہ بھیجا، سو آپ نے اس دودھ کو پیا۔

(صحیح البخاری: ۱۶۵۸، ۱۶۶۱، ۱۹۸۸، ۵۶۰۴، ۵۶۱۸، ۵۶۳۶، صحیح مسلم: ۱۱۲۳، سنن ابوداؤد: ۲۴۴۱، مسند احمد: ۲۶۴۳۴، موطا امام مالک: ۸۴۱)

صحیح البخاری: ۵۶۳۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تعارف

اس حدیث کی سند میں عمرو بن عباس کا ذکر ہے، یہ بصری ہیں۔ اور عبد الرحمٰن کا ذکر ہے، یہ ابن مہدی ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، وہ ثوری ہیں۔ اور یہ حدیث عنقریب اس باب میں گزر چکی ہے "باب من شرب وھو واقف علی بعیرہ"۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۰۔ بَابُ: الشُّرْبِ مِنْ قَدَحِ النَّبِيِّ ﷺ وَآنِيَتِهِ

نبی ﷺ کے پیالے اور آپ کے برتنوں میں پینے کا بیان

وَقَالَ أَبُو بُرْدَةَ قَالَ لِي عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ أَلَا أَسْقِيكَ فِي قَدَحٍ شَرِبَ النَّبِيُّ ﷺ فِيهِ؟

ابو بردہ نے کہا: مجھ سے حضرت عبد اللہ بن سلام نے کہا: کیا میں آپ کو اس پیالے میں نہ پلاؤں جس میں نبی ﷺ نے پیا تھا؟

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب اس بیان میں ہے کہ ایک جماعت نے نبی ﷺ کے پیالہ سے (پانی) پیا، اور عنوان میں "وآنیتہ" کا بھی ذکر ہے، یعنی نبی ﷺ کے برتن سے بھی پیا، اور یہ عام کا خاص پر عطف ہے کیونکہ عام کا معنی ہے وہ پیالہ ہو یا طشت ہو یا کوئی اور قسم ہو۔

کہا گیا ہے کہ امام بخاری نے اس عنوان سے اس وہم کو دور کرنے کا ارادہ کیا ہے کہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے پیالہ میں پینا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ ملکِ غیر میں اجازت کے بغیر تصرف کرنا ہے، سو امام بخاری نے بیان کیا کہ سلف صالحین نے اس طرح کیا ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے کسی کو اپنا وارث نہیں بنایا اور آپ نے جو بھی چھوڑا وہ صدقہ ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ اغنیاء بھی آپ کے پیالے سے پیتے تھے اور صدقہ تو اغنیاء کے لیے حلال نہیں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اغنیاء کے لیے وہ صدقہ حلال نہیں ہے جو صدقہ فرض ہو اور نبی ﷺ نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ مفروضہ نہیں ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: زیادہ بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ سلف صالحین نبی ﷺ کے پیالے سے پیتے تھے تاکہ تبرک حاصل ہو، آپ کی حیاتِ ظاہری میں تو اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور آپ کی وفات کے بعد بھی اسی طرح سے ہے، کیوں کہ آپ کے استعمال کردہ برتن میں پانی پینے سے برکت حاصل ہوگی۔

یہ نہ کہا جائے کہ جن کے پاس آپ کی استعمال کردہ چیزوں میں سے کوئی چیز ہو، وہ اس پر بغیر دلیل شرعی کے قابض ہو گیا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک پیالہ تھا اور حضرت سہل رضی اللہ عنہ کے پاس بھی ایک پیالہ تھا اور حضرت عبد اللہ بن سلام

کے پاس ایک اور پیالہ تھا، اور حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ تھا اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان حضرات نے ان چیزوں کو بغیر دلیل شرعی کے حاصل کر لیا تھا۔

صحیح بخاری کی تعلیق کی شرح

امام بخاری نے یہ تعلیق ذکر کی ہے کہ ابو بردہ نے کہا: مجھ سے عبداللہ بن سلام نے کہا: کیا میں آپ کو اس پیالہ میں نہ پلاؤں جس پیالے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا تھا؟

علامہ عینی لکھتے ہیں: ابو بُردہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں اور ان کا نام عامر ہے اور حضرت عبداللہ بن سلام مشہور صحابی ہیں۔ اور یہ تعلیق کتاب الاعتصام میں عنقریب سندِ موصول کے ساتھ آئے گی۔

اس تعلیق کا معنی یہ ہے کہ یہ پیالہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، پھر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کسی دلیل شرعی سے اس کو حاصل کر لیا اور یہ نہ گمان کیا جائے کہ وہ بغیر کسی دلیل شرعی کے اس پیالہ پر قابض ہو گئے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۰۳۔ ۳۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۳۷۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی الله عنه قَالَ ذُكِرَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم امْرَأَةٌ مِنَ الْعَرَبِ فَأَمَرَ أَبَا أُسَيْدٍ السَّاعِدِيَّ أَنْ يُرْسِلَ إِلَيْهَا فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا فَقَدِمَتْ فَنَزَلَتْ فِي أُجُمِ بَنِي سَاعِدَةَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم حَتَّى جَاءَهَا فَدَخَلَ عَلَيْهَا فَإِذَا امْرَأَةٌ مُنَكِّسَةٌ رَأْسَهَا فَلَمَّا كَلَّمَهَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم قَالَتْ أَعُوذُ بِاللهِ مِنْكَ فَقَالَ قَدْ أَعَذْتُكِ مِنِّي فَقَالُوا لَهَا أَتَدْرِينَ مَنْ هَذَا قَالَتْ لَا قَالُوا هَذَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم جَاءَ لِيَخْطُبَكِ قَالَتْ كُنْتُ أَنَا أَشْقَى مِنْ ذَلِكَ فَأَقْبَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَوْمَئِذٍ حَتَّى جَلَسَ فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ هُوَ وَأَصْحَابُهُ ثُمَّ قَالَ اسْقِنَا يَا سَهْلُ فَخَرَجْتُ لَهُمْ بِهَذَا الْقَدَحِ فَأَسْقَيْتُهُمْ فِيهِ فَأَخْرَجَ لَنَا سَهْلٌ ذَلِكَ الْقَدَحَ فَشَرِبْنَا مِنْهُ قَالَ ثُمَّ اسْتَوْهَبَهُ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بَعْدَ ذَلِكَ فَوَهَبَهُ لَهُ۔

(صحیح مسلم: ۲۰۰۷، مسند احمد: ۱۵۶۳۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو غسان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابو حازم نے حدیث بیان کی از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرب کی ایک عورت کا ذکر کیا گیا، آپ نے حضرت ابو اُسید الساعدی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اس عورت کو بلائیں، انہوں نے اس عورت کو بلایا، وہ آئی اور بنو ساعدہ کے قلعہ میں ٹھہری، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے حتیٰ کہ اس عورت کے پاس تشریف لے گئے، اس وقت وہ عورت اپنا سر جھکائے ہوئے بیٹھی تھی، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بات کی تو اس نے کہا: میں آپ سے اللہ کی پناہ طلب کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا: میں نے تم کو اپنے پاس سے پناہ دے دی۔ پھر لوگوں نے اس عورت سے کہا: کیا تم کو معلوم تھا کہ یہ کون تھے؟ اس نے کہا: نہیں! لوگوں نے بتایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، تمہارے پاس آئے تھے تاکہ تم کو نکاح کا پیغام دیں، اس عورت نے کہا: پھر تو میں اس وجہ سے بہت بد بخت ہوئی، پھر اس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے حتیٰ کہ بنو ساعدہ کے چبوترے میں بیٹھ گئے آپ بھی اور آپ کے اصحاب بھی، پھر آپ نے فرمایا: اے

سہل! ہمیں پانی پلاؤ، تو میں نے آپ کے لیے یہ پیالہ نکالا، سو میں نے ان سب کو اس پیالے میں پانی پلایا، پھر حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے ہمارے لیے اس پیالہ کو نکالا، سو ہم نے اس پیالہ سے پانی پیا۔ حضرت سہل نے بتایا: پھر عمر بن عبدالعزیز نے اس کے بعد وہ پیالہ مانگ لیا، سوانہوں نے ان کو یہ پیالہ ہبہ کر دیا۔

صحیح البخاری: ۵۶۳۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالے سے پینا'' اور اس باب کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دن بنوساعدہ کے چبوترے میں گئے اور آپ کے اصحاب بھی، پھر آپ نے فرمایا: اے سہل ہمیں پلاؤ، تو حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے یہ پیالہ نکالا اور آپ کو اور صحابہ کو پانی پلایا، پھر راوی نے کہا: پھر حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے ہمارے لیے اس پیالہ کو نکالا اور ہم نے اس سے پیا، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالہ کو نکالا اور صحابہ نے اس سے پیا اور اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے کہ صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالہ سے پیا۔ اور عمر بن عبدالعزیز نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ پیالہ ان کو ہبہ کر دیں کیونکہ اصل میں یہ پیالہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، تو انہوں نے اس سے تبرک حاصل کرنے کے لیے حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے وہ پیالہ مانگ لیا، اور یہ چیز بالکل ظاہر ہے اور اس میں کوئی خفا نہیں ہے۔ اور میں نے نہیں دیکھا کہ شارحین میں سے اور صحیح بخاری کے تراجم بیان کرنے والوں میں سے کسی نے اس طرح سے اس حدیث کی مطابقت باب کے ساتھ بیان کی ہو۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سعید بن ابی مریم کا ذکر ہے، اور وہ سعید بن محمد بن الحکم ہیں یا الحکم بن محمد بن ابی مریم ہیں۔ اور ابو مریم کا نام سالم الجمحی ہے جو ان کے مصری مولیٰ ہیں۔ ان کی وفات ۲۲۴ ھ میں ہوئی۔

اور اس حدیث کی سند میں ابوغسان کا ذکر ہے، ان کا نام محمد بن مطرف ہے، یہ تطریف سے اسم فاعل ہے۔

اور اس حدیث کی سند میں ابوحازم کا ذکر ہے، یہ سلمہ بن دینار ہیں۔ اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، ان کا نام سہل بن سعد بن مالک الساعدی الانصاری رضی اللہ عنہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرب کی ایک عورت کا ذکر کیا گیا، یہی الجونیہ ہیں۔ کہا گیا ہے کہ ان کا نام اُمیمہ ہے اور کتاب الطلاق کے شروع میں ان کی منگنی کا قصہ گزر چکا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ بنو ساعدہ کے اُجم میں ٹھہری۔ علامہ خطابی نے کہا ہے: الاُجم کا معنی الاُطم ہے یعنی قلعے۔ اور

علامہ داؤدی کا یہ غریب قول ہے، انہوں نے کہا: اس کے معنی ہیں: درخت اور باغات۔ اور علامہ الجوہری نے کہا: یہ اہل مدینہ کے وہ قلعے ہیں جو پتھروں سے بنائے ہوئے ہیں اور یہی صحیح معنی ہے۔

اس عورت نے کہا کہ میں تو بہت بدنصیب ہوں، یعنی انہوں نے اس پر افسوس کا اظہار کیا کہ ان کو پتا نہیں چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے تھے اور وہ مجھ سے نکاح کرنا چاہتے تھے، تو اس فضیلت کے فوت ہونے کی وجہ سے انہوں نے افسوس کیا۔

اس حدیث میں ثقیفہ بنوساعدہ کا ذکر ہے، یہ انصار میں سے بنوساعدہ کے چبوترے تھے، یہی وہ جگہ ہے جہاں پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خلافت کی بیعت کی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاخرج لنا سهل" اس قول کے قائل ابو حازم راوی ہیں، انہوں نے بتایا کہ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیالہ نکالا اور اس میں پانی ڈال کر ہم سب کو پینے کے لیے دیا۔ پھر بعد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ان سے وہ پیالہ مانگ لیا، اس وقت عمر بن عبدالعزیز مدینہ کے متولی تھے۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیالے اور آپ کے برتنوں میں سے پینا آپ کے آثار سے تبرک حاصل کرنا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کی دوسری مثال وہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ان جگہوں میں نماز پڑھتے تھے جن جگہوں میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے مکہ کے سفر کے درمیان نمازیں پڑھی تھیں اور اپنی اونٹنی کو اسی طرح گھماتے تھے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اونٹنی کو گھمایا تھا تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء حاصل ہو جائے، کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار کی اتباع کرنے پر بہت حریص تھے۔

اور اس حدیث میں یہ ہے کہ اپنے صحابی سے کھانے یا پینے کی چیز طلب کی جائے۔

اور اس میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کو ابا اُسید کہہ کر حکم دیا۔ اس میں کنیت کے ساتھ بلانے کی دلیل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۰۴۔۳۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۳۸۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُدْرِكٍ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَاصِمِ الْأَحْوَلِ قَالَ رَأَيْتُ قَدَحَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم عِنْدَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَ قَدِ انْصَدَعَ فَسَلْسَلَهُ بِفِضَّةٍ قَالَ وَهُوَ قَدَحٌ جَيِّدٌ عَرِيضٌ مِنْ نُضَارٍ قَالَ قَالَ أَنَسٌ لَقَدْ سَقَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي هَذَا الْقَدَحِ أَكْثَرَ مِنْ كَذَا وَكَذَا قَالَ وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ إِنَّهُ كَانَ فِيهِ حَلْقَةٌ مِنْ حَدِيدٍ فَأَرَادَ أَنَسٌ أَنْ يَجْعَلَ مَكَانَهَا حَلْقَةً مِنْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحسن بن مدرک نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یحییٰ بن حماد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے خبر دی از عاصم الاحول، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیالہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس دیکھا، وہ ٹوٹ گیا تھا تو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس کو چاندی سے جوڑ دیا اور وہ بہت عمدہ اور چوڑا پیالہ تھا جو لکڑی سے بنا ہوا تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پیالے میں بہت زیادہ پلایا

ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ فَقَالَ لَهُ أَبُو طَلْحَةَ لَا تُغَيِّرَنَّ شَيْئًا صَنَعَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَتَرَكَهُ۔

(صحیح البخاری:۳۱۰۹، ۵۶۳۸، مسند احمد:۱۳۳۱۰)

ہے، اتنی اور اتنی مرتبہ۔ عاصم نے کہا: اور ابن سیرین نے بیان کیا کہ اس پیالے میں لوہے کا حلقہ تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ اس کی جگہ سونے یا چاندی کا حلقہ لگا دیں، تو ان سے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم ہرگز اس چیز میں تغیر نہ کرنا جس کو رسول اللہ ﷺ نے بنایا تھا، تو پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اسے چھوڑ دیا۔

صحیح البخاری:۵۶۳۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس باب کا عنوان ہے: ''نبی ﷺ کے پیالے سے پینا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اس پیالے میں رسول اللہ ﷺ کو بہت مرتبہ پلایا ہے۔

اور اس حدیث کی سند میں ابوعوانہ کا ذکر ہے، یہ الوضاح الیشکری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''انصدع'' یعنی وہ پیالہ ٹوٹ گیا، پھر اس حدیث میں مذکور ہے ''فسلسلہ بفضة'' اس کا معنی ہے: اس ٹوٹے ہوئے پیالہ کو چاندی سے جوڑ دیا، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جوڑا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی ﷺ نے جوڑا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وھو قدح عریض من نضار'' یعنی وہ پیالہ چوڑا تھا، زیادہ لمبا نہیں تھا بلکہ اس کی لمبائی اس کی گہرائی سے کم تھی اور ''نضار'' کا معنی ہے: عمدہ قسم کی لکڑی۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ٹوٹے ہوئے برتن کو چاندی سے جوڑنا جائز ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: صحابہ اور تابعین کی جماعت نے اس سے مطلقاً منع کیا ہے اور امام مالک اور لیث کا یہی قول ہے اور امام مالک سے دوسری روایت یہ ہے کہ تھوڑی سی چاندی کے ساتھ جوڑنا جائز ہے اور امام شافعی نے اس کو مکروہ کہا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ اگر پیالہ سے پیتے وقت چاندی کی جگہ سے اپنے آپ کو بچایا جاسکے تو اس میں کوئی حرج نہیں، امام احمد، اسحاق اور ابوثور کا بھی یہی قول ہے اور سونے سے پیالہ کو جوڑنا مطلقاً حرام ہے۔ اور بعض نے چاندی اور سونے سے جوڑنے کو جائز قرار دیا ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام الدارقطنی اور حاکم اور بیہقی نے از زکریا بن ابراہیم بن عبد اللہ بن مطیع از والد خود از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے سونے یا چاندی کے برتن میں پیا یا اس برتن میں پیا جس میں کچھ سونا یا

چاندی لگا ہوا تھا، تو اس کے پیٹ میں جہنم کی آگ بھڑکتی رہے گی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: ابوالحسن بن القطان نے کہا ہے: زکریا اور ان کے والد دونوں غیر معروف ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ حدیث ابراہیم کی وجہ سے معلول ہے، کیونکہ وہ مجہول ہے اسی طرح ان کا بیٹا بھی مجہول ہے۔

اور امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں از ام عطیہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کیا سونے کو پہننے سے اور پیالے کو چاندی سے جوڑنے سے، پھر آپ نے پیالہ کو چاندی سے جوڑنے کی اجازت دے دی اور یہ حدیث امام شافعی پر حجت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۰۶۔۳۰۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۳۸، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ الزرکشی نے کہا کہ ابوالعباس نے بیان کیا کہ میں نے اس پیالہ کو بصرہ میں دیکھا ہے اور اس سے پیا، اور انہوں نے بیان کیا کہ انہوں نے النضر بن انس کی میراث میں سے اس پیالہ کو آٹھ لاکھ (۸۰۰۰۰۰) میں خریدا تھا، اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ صالحین کے آثار کو بطور تبرک حاصل کرنا جائز ہے خاص طور پر سید الاولین والآخرین کے آثار کو۔ اور اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ ٹوٹے ہوئے پیالہ کو چاندی سے جوڑنا جائز ہے، اور امام احمد نے کہا: اگر چاندی تھوڑی ہو اور پینے کی جگہ پر نہ لگی ہو، تو جائز ہے۔ اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے کہ سونا یا چاندی اگر تھوڑا ہو یا زیادہ ہو، تو اس سے پیالے کو جوڑا جا سکتا ہے۔

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری ج ۹ ص ۲۱۷، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: امام ابوحنیفہ نے صرف چاندی کے ساتھ ٹوٹے ہوئے پیالے کو جوڑنے کو جائز کہا ہے اور سونے کے ساتھ ٹوٹے ہوئے پیالہ کو جوڑنے کو وہ حرام فرماتے ہیں، یہاں علامہ کورانی کو تسامح ہوا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۳۱۔ بَابُ: شُرْبِ الْبَرَكَةِ وَالْمَاءِ الْمُبَارَكِ برکت کو پینا اور برکت والے پانی کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں برکت کو پینے کا بیان ہے، اور امام بخاری نے برکت سے برکت والے پانی کا ارادہ کیا ہے، یعنی برکت والے پانی کو پینا۔ اور عرب برکت والی چیز کو برکت کہتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ پانی برکت والا تھا۔ اسی لیے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس باب کی حدیث میں کہا: پس مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ برکت ہے اور اسی کے مطابق حضرت ایوب علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ میں تیری برکت سے مستغنی نہیں ہوں، تو انہوں نے سونے کو برکت فرمایا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت حضرت ایوب علیہ السلام برہنہ غسل کر رہے تھے تو ان کے اوپر سونے کی ایک ٹڈی گری، تو حضرت ایوب علیہ السلام اس کو اپنے کپڑے میں پکڑنے لگے تو ان کے رب عزوجل نے ان کو نداء کی: اے ایوب! کیا میں

نے تم کو اس سے مستغنی نہیں کر دیا جو تم دیکھ رہے ہو؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں اے رب! لیکن میں تیری برکت سے مستغنی نہیں ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۳۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ الْأَعْمَشِ قَالَ حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما هٰذَا الْحَدِيثَ قَالَ قَدْ رَأَيْتُنِي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَقَدْ حَضَرَتِ الْعَصْرُ وَلَيْسَ مَعَنَا مَاءٌ غَيْرَ فَضْلَةٍ فَجُعِلَ فِي إِنَاءٍ فَأُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِهِ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهِ وَفَرَّجَ أَصَابِعَهُ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى أَهْلِ الْوُضُوءِ الْبَرَكَةُ مِنَ اللهِ فَلَقَدْ رَأَيْتُ الْمَاءَ يَتَفَجَّرُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهِ فَتَوَضَّأَ النَّاسُ وَشَرِبُوا فَجَعَلْتُ لَا آلُوا مَا جَعَلْتُ فِي بَطْنِي مِنْهُ فَعَلِمْتُ أَنَّهُ بَرَكَةٌ قُلْتُ لِجَابِرٍ كَمْ كُنْتُمْ يَوْمَئِذٍ قَالَ أَلْفًا وَأَرْبَعَ مِائَةٍ تَابَعَهُ عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ عَنْ جَابِرٍ وَقَالَ حُصَيْنٌ وَعَمْرُو بْنُ مُرَّةَ عَنْ سَالِمٍ عَنْ جَابِرٍ خَمْسَ عَشْرَةَ مِائَةً وَتَابَعَهُ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ جَابِرٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش، انہوں نے کہا: مجھے سالم بن ابی الجعد نے یہ حدیث بیان کی از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ ہوں اور عصر کی نماز کا وقت آ گیا ہے اور ہمارے پاس تھوڑے سے بچے ہوئے پانی کے سوا اور پانی نہیں تھا، پس وہ تھوڑا سا پانی ایک برتن میں ڈال دیا گیا، پھر نبی ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپ نے اپنا ہاتھ اس برتن میں رکھا اور اپنی انگلیوں کو پھیلا دیا، پھر آپ نے فرمایا: آؤ وضو کرنے کے پانی پر۔ یہ اللہ کی طرف سے برکت ہے، پس بے شک میں نے دیکھا کہ پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پھوٹ کر نکل رہا تھا۔ پس سب لوگوں نے وضو کیا اور پانی پیا۔ پس میں اس کی پرواہ نہیں کر رہا تھا کہ میرے پیٹ میں کتنا پانی جا رہا ہے، کیوں کہ مجھے معلوم تھا کہ یہ برکت ہے۔ راوی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ کی تعداد اس دن کتنی تھی، تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا: چودہ سو (۱۴۰۰)۔

اس حدیث کی متابعت عمرو بن دینار نے از حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہے اور حصین اور عمرو بن مرہ نے از سالم از حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ وہ پندرہ سو (۱۵۰۰) تھے۔ سالم کی متابعت سعید بن المسیب نے کی ہے از حضرت جابر رضی اللہ عنہ۔

(صحیح البخاری: ۳۵۷۶، ۴۱۵۲، ۴۱۵۳، ۴۱۵۴، ۴۸۴۰، ۵۶۳۹، مسند احمد: ۱۴۱۱۳)

صحیح البخاری: ۵۶۳۹ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "برکت کو پینا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے وہ پانی پیا اور کہا: میں نے پرواہ

نہیں کی کہ میرے پیٹ میں کتنا پانی ہے، کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ یہ برکت ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور عصر کا وقت آ گیا تھا'' یعنی نمازِ عصر کا وقت آ گیا تھا اور یہ واقعہ حدیبیہ کا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حی علی اهل الوضوء'' بعض شارحین نے کہا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ آؤ اس برکت والے وضو کے پانی کی طرف اے اہلِ وضو۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: اس طرح نہیں ہے بلکہ اصل عبارت یوں ہے کہ آؤ میرے پاس، یعنی اے وضو کرنے والو جلدی آؤ۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پھوٹ رہا تھا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود ان انگلیوں سے پانی پھوٹ کر نکل رہا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انگلیوں کے درمیان سے نکل رہا ہو اور ہر تقدیر پر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ عظیمہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۰۷۔۳۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس معجزہ کی عظمت کا بیان

میں کہتا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر لاٹھی ماری تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے، یہ بھی بہت بڑا معجزہ ہے لیکن پتھروں اور زمین میں پانی ہوتا ہے، اگر پانی تک کھدائی کی جائے تو وہ پانی نکل آتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ یہ تھا کہ زمین میں کھدائی کیے بغیر صرف لاٹھی مارنے سے زمین سے پانی نکل آیا، اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگلیوں سے پانی نکال دیا، جب کہ انگلیوں میں پانی ہوتا ہی نہیں ہے، سو انگلیوں سے پانی نکالنا زمین سے پانی نکالنے کی بہ نسبت بہت بڑا معجزہ ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۶۳۹ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور سے مستنبط فقہی مسئلہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں وہ پانی پیتا رہا اور میں نے اس کی پرواہ نہیں کی کہ میرے پیٹ میں کتنا پانی جا رہا ہے، کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ یہ برکت والا پانی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ طعام اور مشروب میں ضرورت سے زیادہ کھانا مکروہ ہے، سو ان چیزوں کے جن میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھ دی ہے اور اس برکت کے اوپر کوئی علامت قائم ہے، تو اب ضرورت سے زیادہ کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس میں نہ اسراف ہے اور نہ کراہیت ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: کتاب الاشربہ میں اکیانوے (۹۱) احادیث مرفوعہ ہیں، ان میں سے انیس (۱۹) تعلیقات ہیں اور باقی احادیث موصولہ ہیں۔ اور ستر (۷۰) احادیث مکررہ ہیں، اور دو خالص احادیث ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ! یہاں پر کتاب الاشربہ ختم ہو گئی، اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز کتاب المرضیٰ شروع ہوگی۔

اشربہ کے متعلق صدر الشریعہ علامہ امجد علی کی تحقیق

صدر الشریعہ بدر الطریقۃ علامہ امجد علی رحمہ اللہ اعظمی متوفی ۱۳۶۷ھ تحریر فرماتے ہیں:

حدیث ۱: صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مشک میں ہم نبیذ بناتے صبح کو بناتے تو عشا تک پیتے تو صبح تک یہ (گرمی کے زمانے میں ہوتا تھا)۔ (صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، الحدیث: ۸۵، (۲۰۰۵) ص ۱۱۱۱)

حدیث ۲: صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اول شب میں نبیذ بنائی جاتی صبح کے وقت اسے پیتے، دن میں اور رات میں پھر دوسرے روز دن اور رات میں اور تیسرے دن عصر تک، پھر اگر بچ جاتی تو خادم کو پلا دیتے یا گرا دی جاتی، (یہ جاڑے کے زمانے میں ہوتا)۔ (صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، الحدیث: ۷۹، (۲۰۰۴) ص ۱۱۱۰)

حدیث ۳: صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مشک میں نبیذ بنائی جاتی، مشک نہ ہوتی تو پتھر کے برتن میں بنائی جاتی۔ (صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، الحدیث: ۶۲، (۱۹۹۹) ص ۱۱۰۷)

حدیث ۴: امام بخاری اپنی صحیح میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابو اُسید ساعدی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی شادی کی دعوت دی (جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے) تو ان کی زوجہ جو دلہن تھیں وہی خادم کا کام انجام دے رہی تھیں، انہوں نے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے پانی میں کھجوریں رات میں ڈال دی تھیں وہی پانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پلایا۔
(صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب حق اجابۃ الولیمۃ، الحدیث: ۵۱۷۶، ج ۳ ص ۴۵۵)

حدیث ۵: امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ حضرت عمر اور ابو عبیدہ اور معاذ رضی اللہ عنہم نے مُثلّث (انگور کا شیرہ جو پکانے کے بعد ایک تہائی رہ جائے) کے پینے کو جائز فرمایا ہے اور حضرت براء بن عازب و ابو جُحیفہ رضی اللہ عنہم نے نصف حصہ پکا دینے کے بعد انگور کا شیرہ پیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ انگور کا رس جب تک تازہ ہے پیو۔
(صحیح البخاری، کتاب الاشربہ، باب الباذق ومن نھی۔۔۔ الخ ج ۳ ص ۵۸۴)

حدیث ۶: بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابو جویریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے باذق (ایک قسم کی شراب ہے) کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم باذق سے پہلے گزر چکے ہیں لہٰذا جو نشہ پیدا کرے وہ حرام ہے اور فرمایا کہ پینے کی چیزیں حلال وطیب ہیں اور حلال وطیب کے علاوہ حرام وخبیث ہیں۔
(صحیح البخاری، کتاب الاشربہ، باب الباذق ومن نھی الحدیث: ۵۵۹۸، ج ۳ ص ۵۸۵)

حدیث ۷: امام بخاری اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک معراج کی رات ایلیا (بیت المقدس) میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے دو پیالے پیش کیے گئے ایک شراب کا دوسرا دودھ کا، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دونوں کو دیکھ کر دودھ کا پیالہ لے لیا۔ حضرت جبریل (علیہ السلام) نے کہا: الحمد للہ خدا تعالیٰ نے آپ کو فطرت کی ہدایت کی اگر آپ شراب لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ (صحیح البخاری، کتاب الاشربہ، باب قول اللہ تعالیٰ (انما الخمر۔۔۔ الخ) الحدیث: ۵۵۷۶، ج ۳ ص ۵۷۹)

حدیث ۸: ابو داؤد و ابن ماجہ نے ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت کے کچھ لوگ خمر (شراب) پییں گے اور اس کا نام کچھ دوسرا رکھ لیں گے''۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الاشربہ، باب فی الداذی، الحدیث: ۳۶۸۸، ج ۳ ص ۴۶۱)

اشربہ کے متعلق مسائل فقہیہ

لغت میں پینے کی چیز کو شراب کہتے ہیں اور اصطلاح فقہاء میں شراب اسے کہتے ہیں جس سے نشہ ہوتا ہے، اس کی بہت قسمیں ہیں، خمر انگور کی شراب کو کہتے ہیں یعنی انگور کا کچا پانی جس میں جوش آجائے اور شدت پیدا ہو جائے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں جھاگ پیدا ہو اور کبھی ہر شراب کو مجازاً خمر کہہ دیتے ہیں۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الاشربہ، الباب الاول فی تفسیرہ الاشربہ۔۔ الخ، ج ۵ ص ۴۰۹، الدر المختار، کتاب الاشربہ، ج ۱۰ ص ۳۲)

مسئلہ ۱: خمر حرام بعینہ ہے اس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے اور اس کی حرمت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اس کا قلیل و کثیر سب پر حرام ہے اور یہ پیشاب کی طرح نجس ہے اور اس کی نجاست غلیظہ ہے جو اس کو حلال بتائے کافر ہے کہ نص قرآنی کا منکر ہے، مسلم کے حق میں یہ متقوم نہیں یعنی اگر کسی نے مسلمان کی یہ شراب تلف کر دی تو اس پر ضمان نہیں اور اس کو خریدنا صحیح نہیں اس سے کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں نہ دوا کے طور پر استعمال کر سکتا ہے نہ جانور کو پلا سکتا ہے نہ اس سے مٹی بھگو سکتا ہے نہ حقنہ کے کام میں لائی جا سکتی ہے، اس کے پینے والے کو حد ماری جائے گی اگر چہ نشہ نہ ہوا ہو۔ (الدر المختار، کتاب الاشربہ، ج ۱۰ ص ۳۳)

مسئلہ ۲: جانوروں کے زخم میں بھی بطور علاج اس کو نہیں لگا سکتے۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الاشربہ، الباب الاول فی تفسیرہ، الخ ج ۵ ص ۴۱۰)

مسئلہ ۳: شیرہ انگور کو پکایا یہاں تک کہ دو تہائی سے کم جل گیا یعنی ایک تہائی سے زیادہ باقی ہے اور اس میں نشہ ہو یہ بھی حرام اور نجس ہے۔ (الدر المختار، کتاب الاشربہ، ج ۱۰ ص ۳۶)

مسئلہ ۴: رطب یعنی تر کھجور کا پانی اور منقی کو پانی میں بھگویا گیا، جب یہ پانی تیز ہو جائے اور جھاگ پھینکے یہ بھی حرام نجس ہیں۔
(الدر المختار، کتاب الاشربہ، ج ۱۰ ص ۳۷)

مسئلہ ۵: شہد، انجیر، گیہوں (گندم)، جو وغیرہ کی شرابیں بھی حرام ہیں مثلاً یہاں ہندوستان میں مہوے (ایک قسم کا درخت جس کے پتے سرخ، زردی مائل اور خوشبودار ہوتے ہیں، پھل گول چھوہارے کی مانند ہوتا ہے اس سے شراب بھی بنائی جاتی ہے) کی شراب بنتی ہے جب ان میں نشہ ہو حرام ہیں۔ (الدر المختار، کتاب الاشربہ، ج ۱۰ ص ۳۹، ۴۰)

مسئلہ ۶: کافر یا بچہ کو شراب پلانا بھی حرام ہے اگر چہ بطور علاج پلائے اور گناہ اسی پلانے والے کے ذمہ ہے۔
(الہدایہ، کتاب الاشربہ، ج ۲ ص ۳۹۸)

بعض مسلمان انگریزوں کی دعوت کرتے ہیں اور شراب بھی پلاتے ہیں، وہ گنہگار ہیں اس شراب نوشی کا وبال انہیں پر ہے۔

مسئلہ ۷: نبیذ یعنی کھجور یا منقی کو پانی میں بھگویا جائے، وہ پانی نشہ پیدا ہونے سے پہلے پیا جائے یہ جائز ہے، احادیث سے اس کا جواز ثابت ہے۔ (الدر المختار، کتاب الاشربہ، ج ۱۰ ص ۳۹)

مسئلہ ۸: تونبے (اندر سے خالی اور خشک کیا ہوا کدو) اور ہر قسم کے برتنوں میں نبیذ بنانا جائز ہے، بعض خاص برتنوں میں نبیذ بنانے کی ابتداء میں ممانعت آئی تھی مگر بعد میں یہ ممانعت منسوخ ہو گئی۔

(صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، باب النھی عن الانتباذ۔۔ الخ، الحدیث: ۶۴، ۶۵۔ (۹۷۷) ص ۱۱۰۷)

مسئلہ ۹: گھوڑی کے دودھ میں بھی نشہ ہوتا ہے، اس کا پینا بھی ناجائز ہے۔ (الدر المختار، کتاب الاشربہ، ج ۱۰ ص ۴۴)

مسئلہ ۱۰: بھنگ (ایک قسم کا نشہ آور پتوں والا پودا جس کے پتوں کو گھوٹ کر پیتے ہیں) اور افیون (ایک نشہ آور چیز جو پوست کے رس کو منجمد کر کے بنائی جاتی ہے)، افیم، اتنی استعمال کرنا کہ عقل فاسد ہو جائے ناجائز ہے جیسا کہ افیونی اور بھنگیڑے (افیون اور بھنگ کا نشہ کرنے والے افراد) استعمال کرتے ہیں اور اگر کسی کے ساتھ اتنی استعمال کی گئی کہ عقل میں فتور (خرابی، فساد) نہیں آیا جیسا کہ بعض نسخوں میں افیون قلیل جز ہوتا ہے کہ فی خوراک اس کا اتنا خفیف جز ہوتا ہے کہ استعمال کرنے والے کو پتا بھی نہیں چلتا کہ افیون کھائی ہے اس میں حرج نہیں۔ (الدر المختار، کتاب الاشربہ، ج ۱۰ ص ۴۶، ۴۸)

مسئلہ ۱۱: بعض عورتیں بچوں کو افیون کھلایا کرتی ہیں اور ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اس کے نشہ میں پڑا رہے گا پریشان نہیں کرے گا، یہ بھی ناجائز ہے، کیونکہ بچہ کو اگرچہ تھوڑی مقدار میں دی جاتی ہے مگر وہ اتنی ضرور ہے کہ اس کی عقل میں فتور آ جائے۔

مسئلہ ۱۲: چانڈو (افیون کا ایک نشہ جس میں افیون کو پانی میں پکا کر حقے کی طرح پیا جاتا ہے) اور مدک (افیون کا ایک نشہ جس میں افیون تمباکو کی طرح چلم بھر کر پیتے ہیں) بھی افیون کے استعمال کے طریقہ ہیں کہ اس کا دھواں پیا جاتا ہے جیسا کہ تمباکو کو پیتے ہیں، یہ بھی ناجائز ہے بلکہ غالباً افیون استعمال کرنے کی سب صورتوں میں یہ صورت زیادہ قبیح و مضر (نقصان دہ) ہے۔

مسئلہ ۱۳: چرس (ایک نشہ جو بھنگ کے پتوں اور افیون سے تیار کیا جاتا ہے، اسے تمباکو کی طرح پیتے ہیں) گانجا (بھنگ کی قسم کا ایک پودا جس کے پتے اور بیج نشہ آور ہوتے ہیں اور وہ چلم میں بھر کر پیتے ہیں) یہ بھی ایسی چیز ہے کہ اس سے عقل میں فتور آ جاتا ہے اس کا پینا ناجائز ہے۔

مسئلہ ۱۴: جوز الطیب (ایک قسم کا خوشبودار پھل) میں نشہ ہوتا ہے، اس کا استعمال بھی اتنی مقدار میں ناجائز ہے کہ نشہ پیدا ہو جائے اگرچہ اس کا حکم بھنگ سے کم درجہ کا ہے۔

مسئلہ ۱۵: خشک چیزیں جو نشہ لاتی ہیں جیسے بھنگ وغیرہ یہ نجس نہیں ہے، لہٰذا ضماد (جسم پر لیپ کرنا، جسم پر لگانا) وغیرہ میں خارجی طور پر ان کو استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ اس طرح استعمال میں نشہ نہیں پیدا ہوگا پھر ناجائز کیوں۔

مسئلہ ۱۶: حقہ کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں، مگر قول فیصل یہ ہے کہ اس کی متعدد صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ حقہ پی کر عقل جاتی رہتی ہے جیسا کہ رامپور، بریلی، شاہجہانپور (ہندوستان میں علاقوں کے نام ہیں) میں بعض لوگ رمضان شریف میں افطار کے بعد خاص اہتمام سے حقہ بھرتے ہیں اور اس زور سے دم لگاتے ہیں کہ چلم سے اونچی اونچی لو اٹھتی ہے اور پینے والے بیہوش ہو کر گر پڑتے ہیں اور بہت دیر تک بے ہوش پڑے رہتے ہیں، پانی کے چھینٹے دینے اور پانی پلانے سے ہوش آتا ہے اس طرح حقہ پینا حرام ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ نہ بیہوش ہو، نہ عقل میں فتور پیدا ہو مگر گھٹیا خراب تمباکو پیا جائے اور حقہ تازہ کرنے کا بھی چنداں خیال نہ ہو جس سے منہ میں بدبو ہو جاتی ہے ایسا حقہ مکروہ ہے اور اس حقہ کو پی کر بغیر منہ صاف کیے مسجد میں جانا منع ہے اس کا وہی حکم ہے جو کچے لہسن، پیاز کھانے کا ہے، تیسری صورت یہ ہے کہ تمباکو بھی اچھا ہو اور حقہ بھی بار بار تازہ کیا جاتا ہو کہ پینے سے منہ میں بدبو نہ پیدا ہو یہ مباح ہے، اس میں اصلاً کراہت نہیں، بعض لوگوں نے حقہ کے حرام بتانے میں نہایت غلو کیا اور حد سے تجاوز کیا یہاں

تک کہ اس کے متعلق حدیثیں بھی معاذ اللہ وضع کر ڈالیں ان کی باتیں قابل اعتبار نہیں۔

مسئلہ ۱۷: قہوہ، کافی، چائے کا پینا جائز ہے کہ ان میں نہ نشہ ہے نہ تفتیرِ عقل (عقل کی خرابی، فتور) البتہ یہ چیزیں خشکی لاتی ہیں اور نیند کو دفع کرتی ہیں، اسی لیے مشائخ ان کو پیتے ہیں کہ نیند کا غلبہ جاتا رہے اور شب بیداری میں مدد ملے اور کسل (سستی) اور کاہلی کو بھی یہ چیزیں دفع کرتی ہیں۔

مسئلہ ۱۸: جس شخص کو افیون کی عادت ہے اسے لازم ہے کہ ترک کرے اگر ایک دم چھوڑنے میں ہلاکت کا اندیشہ ہے تو آہستہ آہستہ کمی کرتا رہے یہاں تک کہ عادت جاتی رہے اور ایسا نہ کیا تو گنہگار و فاسق ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الاشربہ، ج ۱۰ ص ۵۶)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۷۵۔ کِتَابُ الْمَرْضٰی

مریضوں کا بیان

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

مرضیٰ، مریض کی جمع ہے، اور مرض کا معنی ہے: جسم کا اپنی طبعی حالت سے نکلنا اور اس کو ایسی حالت سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس میں مریض کے افعال سلامت روی سے صادر نہ ہوں۔

۱۔ بَابُ: مَا جَاءَ فِي كَفَّارَةِ الْمَرَضِ

مرض کے کفارہ ہونے کے متعلق جو احادیث وارد ہیں، ان کا بیان

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی: مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ (النساء: ۱۲۳)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو شخص کوئی برا کام کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں وہ احادیث روایت کی گئی ہیں، جن میں مرض کے کفارہ ہونے کا ذکر ہے۔ کفارہ کا لفظ، کفر کا مبالغہ ہے اور کفر کا معنی ہے ڈھانپنا۔ یعنی مرض، مریض کے گناہوں کو ڈھانپ لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ (النساء: ۱۲۳) جو شخص کوئی برا کام کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی۔

علامہ کرمانی نے لکھا ہے: اس آیت کی کتاب کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ یہ آیت قیامت کے دن کے عذاب سے عام ہے، پس یہ اس سزا کو شامل ہے جو بندے کو دنیا میں ملی بایں طور کہ اس کا مرض اس کے گناہ کی سزا ہو جائے، پھر اس مرض کی وجہ سے اس کی مغفرت ہو جائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مرض جس طرح سے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے، اسی طرح گناہوں کی سزا بھی ہوتا ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مسلمان کو اس کے گناہوں کی سزا دنیا میں ان مصائب سے دی جاتی ہے جو اس پر نازل ہوتے ہیں، پھر وہ مصائب اس کے لیے کفارہ ہو جاتے ہیں۔ اور اللیث نے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ نے فرمایا: مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو میری امت کے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، پھر آپ نے اس آیت کو پڑھا، پھر فرمایا: بے شک بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے، پھر اس کو کوئی شدت یا مصیبت دنیا میں پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ کریم ہے کہ اس کو دوبارہ عذاب دے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۰۹۔۳۱۰، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۴۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا مِنْ مُصِيبَةٍ تُصِيبُ الْمُسْلِمَ إِلَّا كَفَّرَ اللهُ بِهَا عَنْهُ حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان الحکم بن نافع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن زبیر نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجۂ نبی ﷺ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے، اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو اس کے لیے کفارہ بنا دیتا ہے، حتیٰ کہ جو کانٹا اس کو چبھتا ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۵۷۲، سنن ترمذی: ۹۶۵، مسند احمد: ۲۴۳۰۷، موطا امام مالک: ۱۷۵۱)

صحیح البخاری: ۵۶۴۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''مسلمان کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے'': مصیبت کا اصل معنی ہے: تیر پھینکنا، پھر یہ لفظ ہر نازل ہونے والی چیز میں استعمال ہونے لگا۔ امام راغب اصفہانی نے کہا ہے: اصاب کا لفظ خیر اور شر دونوں میں استعمال ہوتا ہے، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

إِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَإِنْ تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَهُمْ فَرِحُونَ ۝ (التوبہ)

اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچے (آسمانی مدد یا مال غنیمت) تو ان کو برا لگتا ہے، اور اگر آپ کو کوئی مصیبت پہنچے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی احتیاط کر لی تھی (کہ جہاد میں نہیں گئے تھے) اور یہ خوشیاں مناتے ہوئے لوٹتے ہیں O

اور دوسرا قول یہ ہے کہ ''الاصابة فی الخیر'' یعنی خیر کا پہنچنا، یہ الصوب سے ماخوذ ہے، ''صوب'' اس بارش کو کہتے ہیں جو بقدرِ ضرورت نازل ہوتی ہے اور اس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا، اور ''اصابة فی الشر''، یہ تیر کے پھینکنے سے ماخوذ ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: لغت میں مصیبت اس کو کہتے ہیں جو انسان پر مطلقاً نازل ہو، اور عرف میں مصیبت اس کو کہتے ہیں جو خصوصیت کے ساتھ کوئی ناپسندیدہ چیز ہو اور یہاں پر وہی مراد ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۴۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مومن پر مصائب اور امراض نازل ہونے کے متعلق دیگر احادیث

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ام السائب یا ام المسیب کے پاس آئے، تو آپ

نے فرمایا: اے ام السائب، یا فرمایا: اے ام المسیب! تم کیوں آوازیں نکال رہی ہو؟ انہوں نے کہا: بخار، اللہ اس میں برکت نہ دے، آپ نے فرمایا: تم بخار کو برا نہ کہو، کیونکہ یہ بنو آدم کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے جیسا کہ بھٹی لوہے کے زنگ کو مٹا دیتی ہے۔
(صحیح مسلم: ۲۵۷۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمیشہ بندہ مومن پر یا مومنہ پر مصیبت نازل ہوتی ہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ سے وہ ملاقات کرے گا اور اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۰۸۱۱، ۱۰۸۱۷، سنن ترمذی: ۲۳۹۹)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمیشہ بندے پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ مصیبت اس بندہ کو اس حال میں چھوڑتی ہے کہ وہ زمین پر چلتا ہے اور اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔
(سنن ترمذی: ۲۳۹۸، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ جب بندے کے جسم کو کسی مصیبت میں مبتلاء کرتا ہے تو فرشتے سے فرماتا ہے: اس کے ان نیک اعمال کو لکھو جو یہ (تندرستی میں) کیا کرتا تھا، پس اگر اس کو اللہ تعالیٰ شفاء دے دے تو اس کے گناہوں کو دھو ڈالتا ہے اور اس کو پاک کر دیتا ہے اور اگر اس کی روح کو قبض کر لے تو اس کی مغفرت کرتا ہے اور اس پر رحم فرماتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۰۸۳۱)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ بیمار ہوتا ہے یا سفر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے لکھ دیتا ہے ان نیک اعمال کو جو وہ حالتِ اقامت اور صحت میں کرتا تھا۔ (صحیح البخاری: ۲۹۹۶)

دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں:
جب بندہ کوئی نیک عمل کرتا ہے، پھر بیماری یا سفر کی وجہ سے وہ عمل نہیں کر سکتا، تو اس کی صحت اور اقامت میں جو وہ نیک عمل کرتا تھا، وہ لکھ دیے جاتے ہیں۔ (سنن ابوداؤد: ۳۰۹۱)

ابوالملیح از محمد بن خالد از والد خود از جد خود روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی بندے کا کوئی مرتبہ ہو جس پر وہ نہ پہنچا ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کے جسم میں، اس کے مال میں اور اس کی اولاد میں کوئی مصیبت طاری کر دیتا ہے، پھر وہ بندہ اس پر صبر کرتا ہے، حتیٰ کہ وہ بندہ اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس بندے کا پہلے مرتبہ ہوتا ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۲ ص ۳۱۸، المعجم الاوسط: ۱۰۸۵)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کو کسی مرض کی اذیت پہنچتی ہو یا کوئی اور مصیبت پہنچتی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کے گناہوں کو ساقط کر دیتا ہے۔ اور ابواُمامہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان بھی کسی بیماری سے گرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو گناہوں سے پاک کر کے اٹھاتا ہے۔
(المعجم الکبیر للطبرانی: ۷۴۸۵، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۰۲)

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ عامر الرام جو خضر کے بھائی ہیں، ان سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک جب مومن کو کوئی بیماری پہنچے، پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس مرض سے عافیت دے دے تو یہ اس کے گناہوں کا

کفارہ ہوجاتا ہے اور آئندہ کے لیے نصیحت ہوجاتی ہے۔ (سنن ابوداؤد:۳۰۸۹)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کے حال پر تعجب ہے، اگر اس کو معلوم ہوجائے کہ اس کو بیماری میں کتنا اجر ملتا ہے تو وہ پسند کرے گا کہ وہ بیمار ہی رہے حتیٰ کہ اپنے رب سے ملاقات کرے۔ اور بے شک جب بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین سے فرماتا ہے: میرے بندہ کے لیے وہ عمل لکھو جو وہ دن اور رات میں کیا کرتا تھا اور اس میں بالکل کمی نہ کرو۔ اور اس کو اس کا بھی اجر ہوگا جو اس کو نیک اعمال سے روک دیا گیا اور جو وہ عمل کیا کرتا تھا اس کا بھی اجر ہوگا۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ج ۳ ص ۱۴)

اور حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جب میں اپنے مومن بندوں میں سے کسی مومن بندے کو کسی بیماری میں مبتلا کرتا ہوں، سو وہ میری حمد کرتا ہے اور جس مرض میں مبتلا ہے، اس پر صبر کرتا ہے، تو وہ اپنے بستر سے جس دن اٹھے گا تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہوگا جیسے جس دن وہ اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین سے فرمائے گا: میرے بندہ کے لیے وہ جزا لکھو جو تم اس سے پہلے لکھتے تھے جب وہ تندرست تھا۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۳، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۷ ص ۷۹ ۲، المعجم الاوسط ج ۵ ص ۴۷۔ ۷۳، حافظ الہیثمی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند میں اسماعیل بن عیاش ہے اور وہ ضعیف راوی ہے، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۰۳)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۵۶۔ ۲۶۲ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۶۴۱، ۵۶۴۲۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ وَلَا هَمٍّ وَلَا حُزْنٍ وَلَا أَذًى وَلَا غَمٍّ حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا إِلَّا كَفَّرَ اللهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ۔

(صحیح مسلم: ۲۵۷۳، سنن ترمذی: ۹۶۶، مسند احمد: ۷۹۶۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالملک بن عمرو نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر بن محمد نے حدیث بیان کی، از محمد بن عمرو بن حلحلۃ، از العطاء بن یسار از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ واز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: مسلمان پر جو بھی تھکاوٹ آتی ہے یا بیماری آتی ہے یا پریشانی آتی ہے یا غم آتا ہے، یا کوئی تکلیف آتی ہے اور صدمہ پہنچتا ہے، حتیٰ کہ اس کو جو کانٹا بھی چبھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کے گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہے۔

صحیح البخاری: ۵۶۴۱، ۵۶۴۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن محمد، یہ المسندی کے نام سے معروف ہیں۔ اور عبدالملک بن عمرو کا ذکر ہے، یہ ابو عامر العقدی ہیں جو اپنی کنیت سے نام کی بہ نسبت زیادہ مشہور ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں زہیر کا ذکر ہے، یہ الزہر کی تصغیر

ہے، یہ ابن محمد ابو منذر التمیمی ہیں، ان کے حافظہ کے متعلق کلام کیا گیا ہے، امام بخاری نے التاریخ الصغیر میں کہا ہے: اہل شام جوان سے روایت کرتے ہیں وہ مناکیر ہیں اور اہل بصرہ جوان سے روایت کرتے ہیں وہ صحیح ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''نصب'' کا ذکر ہے، اس کا معنی تھکاوٹ ہے۔ اور اس حدیث میں ''وصب'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: مرض اور بیماری۔ اور اس حدیث میں ''ھم'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: ایسی ناپسندیدہ چیز جو انسان کو اس کے ارادہ میں ملتی ہے۔ اور اس حدیث میں ''حزن'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: زمانہ ماضی میں جو انسان کو ناپسندیدہ چیز ملتی ہے، اور یہ دونوں باطن کے امراض ہیں یعنی ھم اور حزن۔

اور اس حدیث میں ''اذی'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: جو انسان پر دوسرے شخص کی زیادتی سے تکلیف پہنچتی ہے، اور غم کا ذکر ہے، وہ چیز جو اس کے دل میں تنگی پیدا کرتی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ تینوں چیزیں یعنی ھم، غم اور حزن، ان میں سے ھم وہ ہے جس کے حصول کی انسان کو توقع ہوتی ہے اور اس سے انسان کو ایذاء پہنچتی ہے۔ اور غم اس رنج کی کیفیت کو کہتے ہیں جو اس کے دل میں تکلیف پہنچ چکی ہوتی ہے اور حزن اسے کہتے ہیں کہ جس چیز کے نہ ہونے سے انسان کو دشواری ہوتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ غم اور حزن دونوں کا ایک معنی ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: غم تمام ناپسندیدہ چیزوں کو شامل ہے، کیونکہ یہ اس سبب سے ہوتا ہے جو بدن کو عارض ہوتا ہے یا اس کی روح کو عارض ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۴۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سَعْدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَالْخَامَةِ مِنَ الزَّرْعِ تُفَيِّئُهَا الرِّيحُ مَرَّةً وَتَعْدِلُهَا مَرَّةً وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ كَالْأَرْزَةِ لَا تَزَالُ حَتَّى يَكُونَ انْجِعَافُهَا مَرَّةً وَاحِدَةً وَقَالَ زَكَرِيَّاءُ حَدَّثَنِي سَعْدٌ حَدَّثَنَا ابْنُ كَعْبٍ عَنْ أَبِيهِ كَعْبٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

(صحیح مسلم: ۲۸۱۰، مسند احمد: ۱۵۳۴۲، سنن دارمی: ۲۷۴۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از سفیان از سعد از عبد اللہ بن کعب از والد خود از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: مومن کی مثال کھیت کی پہلی کونپل کی مثل ہے، کبھی ہوا اس کو جھکا دیتی ہے اور کبھی اس کو سیدھا کر دیتی ہے اور منافق کی مثال صنوبر کے درخت کی طرح ہے، وہ سیدھا ہی کھڑا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ ایک ہی بار جڑ سے اکھڑ جاتا ہے۔

اور زکریا نے کہا: مجھے سعد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن کعب نے حدیث بیان کی از والد خود حضرت کعب رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ۔

صحیح البخاری: ۵۶۴۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب میں مرض کے کفارہ کا بیان ہے۔اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ مومن کی مثال کھیت کی کونپل کی طرح ہے، مومن کو کھیت کی کونپل کے ساتھ تشبیہ دینے سے مقصود یہ ہے کہ کبھی وہ کونپل ہوا سے جھک جاتی ہے اور کبھی سیدھی رہتی ہے۔اسی طرح مومن کبھی تندرست ہوتا ہے اور کبھی کمزور ہو جاتا ہے۔اور کبھی پودا سرخ ہوتا ہے اور کبھی زرد رنگ کا ہو جاتا ہے تو ایک حالت پر نہیں رہتا، سو اسی طرح مومن بھی ایک حالت پر نہیں رہتا کبھی بیمار ہوتا ہے اور کبھی صحت مند ہوتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، وہ ابن سعید القطان ہیں۔اور سفیان کا ذکر ہے، وہ ثوری ہیں۔اور سعد کا ذکر ہے، وہ ابن ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوف ہیں۔اور عبد اللہ بن کعب کا ذکر ہے جو اپنے والد حضرت کعب بن مالک ابوعبد الرحمٰن انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ ان تین میں سے ایک ہیں جن کی توبہ قبول کی گئی تھی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "کالخامة" یہ نبات کا پہلا پودا ہے جو تر و تازہ ہوتا ہے، اور المحکم میں لکھا ہے: یہ پہلا پودا ہے جو اپنی ساق کے اوپر کھڑا رہتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تفیئها الریح" یعنی ہوا اس کو جھکا دیتی ہے۔اور اس حدیث میں مذکور ہے "وتعدلها اخریٰ" اور کبھی اس کو بلند کر دیتی ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۴۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

المہلب نے کہا ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ مومن تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اطاعت کرتا رہتا ہے، اگر اس کو خیر حاصل ہو تو خوش ہوتا ہے اور شکر ادا کرتا ہے، اور اگر اس کو بیماری یا ناپسندیدہ چیز عارض ہو تو وہ اس میں خیر کی اور اجر کی امید رکھتا ہے اور جب اس سے وہ مکروہ چیز دور ہو جائے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔اور کافر اس طرح نہیں کرتا بلکہ اس کو دنیا میں آسانی حاصل ہوتی ہے اور آخرت میں اس کو مشکل درپیش ہوتی ہے، حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو ایک ہی مرتبہ اس کو ہلاک کر دیتا ہے اور اس کی موت اس کے اوپر زیادہ شدید عذاب ہوتی ہے۔

اور دوسروں نے کہا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ مومن کے اوپر جو حوادث آتے ہیں، تو وہ اس طرح جھک جاتا ہے جس طرح نئی کونپل ہوا کے زور سے جھک جاتی ہے اور کافر اس کے برخلاف اپنی حالت پر قائم رہتا ہے اور ایک ہی مرتبہ اس کو موت آ جاتی ہے۔(فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۹۷، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۷۷۵، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۴۳ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ دونوں حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ مومن کھیت کی پہلے نکلنے والی کونپل کی طرح ہے، یعنی ایسی شاخ جو ابھی اپنی انتہا کو نہیں پہنچی، وہ دائیں بائیں جھکتی رہتی ہے پھر سیدھی رہتی ہے۔ اسی طرح مومن کو مصائب اور تکالیف پہنچتی ہیں لیکن وہ صابر وشاکر رہتا ہے، کیونکہ اس کو یہ علم ہوتا ہے کہ یہ اللہ عزوجل کی طرف سے اس پر مصائب آئے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ ہے۔ رہا منافق، العیاذ باللہ! اس کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے، وہ صنوبر کے اس پودے کی طرح ہے جو سیدھا کھڑا رہتا ہے، اور ہوائیں چلتی ہیں اور اس کا حال متغیر نہیں ہوتا۔ یعنی اس پر جو مصائب وارد ہوتے ہیں، ان مصائب کے ورود اور نزول سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا، پھر اللہ تعالیٰ ایک ہی مرتبہ اس کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔

اور اس حدیث سے غرض یہ ہے کہ مومن کو چاہیے کہ وہ مصائب کے اوپر ثابت قدم رہے اور یہ جان لے کہ جو مصائب اس پر نازل ہوئے ہیں، اس میں اس کے لیے بہتری ہے، اگر وہ ان مصائب پر صبر کرے گا اور ثواب کی نیت کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان مصائب کو اس کے لیے کفارہ بنادے گا، اور اگر وہ کوئی گناہِ کبیرہ نہیں کرے گا تو ان مصائب کی وجہ سے اس کے درجات بلند فرمادے گا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۴۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۶۴۴۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ مِنْ بَنِي عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الْخَامَةِ مِنَ الزَّرْعِ مِنْ حَيْثُ أَتَتْهَا الرِّيحُ كَفَأَتْهَا فَإِذَا اعْتَدَلَتْ تَكَفَّأُ بِالْبَلَاءِ وَالْفَاجِرُ كَالْأَرْزَةِ صَمَّاءَ مُعْتَدِلَةً حَتَّى يَقْصِمَهَا اللهُ إِذَا شَاءَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے محمد بن فلیح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از ہلال بن علی جو بنی عامر بن لوی سے ہیں از عطاء بن یسار از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن کی مثال کھیت سے نکلنے والی پہلی کونپل کی طرح ہے، جہاں سے ہوا آئے اس کو جھکا دیتی ہے، پھر جب وہ سیدھا کھڑا ہوجائے تو پھر وہ مصائب کو برداشت کرنے کے قابل ہوجاتا ہے اور فاجر کی مثال صنوبر کے درخت کی طرح ہے جو سیدھا کھڑا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے، اس کو ہلاک کرکے گرادیتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۷۴۶۶، صحیح مسلم: ۲۸۰۹، سنن ترمذی: ۲۸۶۶، مسند احمد: ۷۱۵۲)

صحیح البخاری: ۵۶۴۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن المنذر کا ذکر ہے، یہ ابن عبداللہ ابواسحاق الحزامی المدینی ہیں، اور اس حدیث کی سند میں محمد بن فلیح کا ذکر ہے، فلیح، الفلح کی تصغیر ہے، یہ اپنے والد فلیح بن سلیمان سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس میں ہلال بن علی کا ذکر ہے جو

بنو عامر بن لوی سے ہیں، ان کو ہلال بن ابی میمونہ بھی کہا جاتا ہے۔ اور ہلال بن ابی ہلال کم عمر تابعی ہیں، مدنی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "کفأتها" یعنی ہوا اس کونپل کو جھکا دیتی ہے۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے: "جب وہ کونپل سیدھی ہو تو مصائب کو برداشت کرنے کے قابل ہو جاتی ہے"۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: بلاء اور مصائب کا استعمال صرف مومن کے متعلق ہوتا ہے، پس مناسب یہ تھا کہ یہاں ہوا کا ذکر کیا جاتا، پس اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہوا اور آندھی بھی نرم اور پہلی کونپل کی نسبت سے بلاء اور مصیبت ہے۔ یا جب کہ مومن کو پہلی نکلنے والی کونپل کے ساتھ تشبیہ دی گئی تو مشبہ بہ کے لیے اس چیز کو ثابت کیا جو مشبہ کے خواص میں سے ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "صماء" اس کا معنی ہے: سخت اور شدید، جو کھوکھلا اور کمزور نہ ہو۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "حتی یقسم الله" یعنی اللہ تعالیٰ اس کو توڑ دیتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۴۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ أَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ يَسَارٍ أَبَا الْحُبَابِ يَقُولُ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُصِبْ مِنْهُ۔

(مسند احمد: ۷۱۹۴، موطا امام مالک: ۱۷۵۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از محمد بن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن ابی صعصعہ، انہوں نے کہا کہ میں نے سعید بن یسار ابو الحباب سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے، اس کو اپنی طرف سے مصائب پہنچاتا ہے۔

صحیح البخاری: ۵۶۴۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یصب منه" اور اس کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس بندہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے، اس کو مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے، یہ محی السنۃ کی تشریح ہے اور المظہری نے کہا: اللہ تعالیٰ اس کو ایک مصیبت کی طرف پہنچاتا ہے تاکہ اس کو گناہوں سے پاک کر دے۔

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ اکثر محدثین اس لفظ کو معروف کے صیغہ سے یُصِب پڑھتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ پہنچاتا ہے، اور میں نے ابن الخشاب سے سنا کہ یہ مجہول کا صیغہ ہے اور صاد پر زبر ہے اور یہ زیادہ اچھا اور زیادہ لائق ہے۔ علامہ الطیبی نے کہا کہ زبر ادب کے زیادہ مناسب ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝ (الشعراء) اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے O

اور مجہول کے صیغہ کے اعتبار سے اس حدیث کا معنی ہوگا کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے، اس کو مصائب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

٢- بَابُ: شِدَّةِ الْمَرَضِ — مرض کی شدت اور سختی کا بیان

اس باب میں ایسی احادیث بیان کی گئی ہیں جن میں بیماری کی شدت کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔

٥٦٤٦- حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ ح حَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَشَدَّ عَلَيْهِ الْوَجَعُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الاعمش ح اور انہوں نے کہا: مجھے بشر بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از الاعمش از ابی وائل از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں: میں نے کسی کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ شدید درد میں مبتلاء نہیں دیکھا۔

(صحیح مسلم: ۲۵۷۰، سنن ترمذی: ۲۳۹۷، سنن ابن ماجہ: ۱۶۲۲، مسند احمد: ۲۴۸۷۰)

صحیح البخاری: ۵۶۴۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کی دو سندوں کے ساتھ روایت کی ہے، پہلی سند قبیصہ سے شروع ہوتی ہے اور دوسری سند بشر بن محمد سے شروع ہوتی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں "الوجع" کا ذکر ہے، اس سے مراد ہے مرض اور بیماری۔ اور عرب ہر درد کو مرض کہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو درد کی شدت کے ساتھ مخصوص رکھا ہے اور بیماریوں کی شدت کے ساتھ مخصوص رکھا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یقین کی قوت عطاء کی ہے اور صبر کی شدت عطاء کی ہے اور ثواب کی نیت عطاء کی ہے تا کہ ان کے لیے ثواب مکمل ہو اور ان پر خیر کا عمومی فیضان ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۴۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

شدت مرض کے متعلق دیگر احادیث

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ (ﷺ)! سب سے زیادہ مصیبت میں کون

مبتلاء ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: انبیاء، اس نے پوچھا: پھر کون سب سے زیادہ مصیبت میں مبتلاء ہوتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اولیاء، اس نے پوچھا: پھر کون سب سے زیادہ مصیبت میں مبتلاء ہوتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: صالحین یعنی اللہ کے نیک بندے۔

(سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۷۲)

امام ترمذی از مصعب بن سعد از والد خود روایت کرتے ہیں: انہوں نے کہا: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! لوگوں میں سب سے زیادہ مصائب میں کون مبتلاء ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: انبیاء، پھر صالحین، پھر لوگوں میں سے جو ان کے قریب ہو، پس مرد اپنے دین کی کیفیت کے اعتبار سے مصیبت میں مبتلاء ہوتا ہے، اگر اس کا دین سخت اور شدید ہو تو اس پر مصیبت بھی سخت اور شدید نازل ہوتی ہے، اور اگر اس کے دین میں نرمی ہو تو اس کے اوپر اس کے اعتبار سے مصیبت نازل ہوتی ہے، پھر بندہ پر ہمیشہ مصیبت آتی رہتی ہے، حتیٰ کہ وہ زمین پر اس طرح چلتا ہے کہ اس کے اوپر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

(سنن ترمذی: ۲۳۹۸، سنن ابن ماجہ: ۴۰۲۳، المستدرک ج ۱ ص ۴۰)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۶۹۔ ۲۷۰ ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۴۶ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام پر بیماری کی شدت کی توجیہ

یہ اللہ عزوجل کی نعمتوں میں سے ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیماری میں اور بخار میں بہت شدت کی جاتی تھی تاکہ آپ کو صبر کا اعلیٰ درجہ حاصل ہو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی عبادت پر صبر کرنے والے تھے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے رکنے پر سب سے زیادہ صبر کرنے والے تھے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر سب سے زیادہ مطمئن اور شاکر رہنے والے تھے، اسی وجہ سے آپ کے اوپر مرض میں شدت کی جاتی اور آپ پر عام لوگوں سے دگنا بخار طاری کیا جاتا تھا، تاکہ آپ اس بلند درجہ کو حاصل کرلیں کیونکہ صبر کا بہت بلند درجہ ہے۔ سو یہ حکمت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مرض کی شدت طاری کرنے میں۔

(شرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۳۴۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۴۶، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کو بیماری کی شدت میں مبتلاء کرنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو بیماری اور درد کی شدت کے ساتھ خاص کرلیا، کیونکہ ان میں ایمان اور یقین کی زیادہ قوت ہوتی ہے اور شدت صبر کی طاقت ہوتی ہے، تاکہ ان کا ثواب مکمل ہو۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ (الانبیاء)

اور ایوب کو یاد کیجئے جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک مجھے (سخت) تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے

زیادہ رحم فرمانے والا ہے O

بے شک اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت ایوب علیہ السلام عبد شاکر اور عبدِ صابر کا بہترین نمونہ تھے، اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا کشادہ کر دی اور ان کو رزق میں بہت وسعت دی، حضرت ایوب علیہ السلام مسکینوں پر بہت رحم کرنے والے تھے، بیواؤں اور یتیموں کی کفالت کرتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو مصائب کی شدت میں مبتلاء کیا، ان کے بیٹے فوت ہو گئے، ان کا مال چلا گیا اور ان کے جسم میں شدید بیماری پیدا ہو گئی اور اٹھارہ (۱۸) سال تک وہ ان مصائب میں مبتلاء رہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے اوپر صبر کرنے والے تھے۔ اسی لیے ان کا صبر ضرب المثل بن گیا اور کہا جاتا ہے: ''اللھم صبرا کصبر ایوب'' یعنی اے اللہ! حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر جیسا صبر عطا فرما۔ اسی طرح باقی انبیاء علیہم السلام پر بھی مصائب اور آلام نازل کیے گئے، اور انہوں نے ان مصائب اور آلام پر صبر کیا۔ (الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمیٰ الدرر والللآلی بشرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۳۹، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کی دعا مانگنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ ایک شخص نے صبر کی دعا کی تو آپ نے فرمایا: تم نے مصیبت کی دعا کی کیوں کہ صبر تو تم جب کرو گے جب مصیبت آئے گی، اس لیے ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے مصائب و آلام سے پناہ طلب کرنی چاہیے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۶۴۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضى الله عنه أَتَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي مَرَضِهِ وَهُوَ يُوعَكُ وَعْكًا شَدِيدًا وَقُلْتُ إِنَّكَ لَتُوعَكُ وَعْكًا شَدِيدًا قُلْتُ إِنَّ ذَاكَ بِأَنَّ لَكَ أَجْرَيْنِ قَالَ أَجَلْ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيبُهُ أَذًى إِلَّا حَاتَّ اللهُ عَنْهُ خَطَايَاهُ كَمَا تَحَاتُّ وَرَقُ الشَّجَرِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابراہیم التیمی از الحارث بن سوید از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کی بیماری کے ایام میں حاضر ہوا اور اس وقت آپ کو سخت بخار چڑھا ہوا تھا، میں نے کہا: بے شک آپ کو تو سخت بخار چڑھا ہوا ہے، پھر میں نے کہا: بے شک یہ اس وجہ سے ہے کہ آپ کے لیے دو اجر ہیں، آپ نے فرمایا: ہاں! ہر وہ مسلمان جس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس تکلیف کے سبب سے اس کے گناہ اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۵۶۴۸، ۵۶۶۰، ۵۶۶۱، ۵۶۶۷، صحیح مسلم: ۲۵۷۱، مسند احمد: ۳۶۱۱، سنن داری: ۲۷۷۱)

صحیح البخاری: ۵۶۴۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''مرض کی شدت'' اور اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت اور شدید بخار چڑھا ہوا تھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن یوسف کا ذکر ہے، اور وہ الفریابی ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، وہ ثوری ہیں۔ اور الاعمش کا ذکر ہے، وہ سلیمان ہیں۔ اور ابراہیم التیمی کا ذکر ہے، وہ ابراہیم بن یزید بن شریک التیمی ہیں تیم الرباب الکوفی۔ اور الحارث بن سوید کا ذکر ہے، سُوید، سود کی تصغیر ہے، یہ کوفی ہیں۔ اور عبداللہ کا ذکر ہے، وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''وھو یوعك'' اس کا معنی ہے: آپ کو سخت بخار آیا ہوا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد درد اور تھکاوٹ ہے۔ صاحب المطالع نے کہا ہے: ''الوعك'' کا معنی ہے: بخار کا لرزانا۔ الاصمعی نے کہا ''الوعك'' کا معنی ہے: حرارت کی شدت، انہوں نے بخار کی شدت اور حرارت کا ارادہ کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ کو جو بخار زیادہ آیا ہوا ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو دو اجر ملتے ہیں، آپ نے فرمایا: ہاں!

اس حدیث میں مذکور ہے ''مسلمان کو جب بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس تکلیف کے سبب سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں''۔ اور بیماری سے گناہ بھی جھڑتے ہیں اور درجات بھی بلند ہوتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا کہ بیماری سے گناہ بھی جھڑتے ہیں اور درجات بھی بلند ہوتے ہیں اور بعض علماء نے کہا: بیماری سے فقط گناہ جھڑتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۔ بَابٌ: أَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً الْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْأَوَّلُ فَالْأَوَّلُ

سب سے زیادہ آزمائش انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے، پھر جو انبیاء علیہم السلام کے زیادہ قریب ہو، پھر جو ان کے قریب ہو

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب سے زیادہ آزمائش انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے، اور یہ عنوان امام ترمذی کی اس روایت کے مطابق ہے:

از قتیبہ از شریک از عاصم بن مصعب بن سعد از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! لوگوں میں سب سے زیادہ آزمائش کس کی ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: انبیاء کی، پھر جو ان کے قریب ہو، پھر جو ان کے قریب ہو۔ الحدیث

اس حدیث کی امام ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے، فرق یہ ہے کہ سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں مذکور ہے ''ثم الامثل فالامثل'' اور امام بخاری نے جو عنوان قائم کیا ہے اس میں مذکور ہے: ''ثم الاول فالاول''۔ اور ممکن ہے کہ ''ثم الاول فالاول'' میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہو، جس کی امام نسائی اور امام حاکم نے روایت کی ہے:

از فاطمہ بنت الیمان جو حضرت حذیفہ کی بہن ہیں، وہ کہتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند خواتین کے ساتھ حاضر ہوئی، ہم آپ کی عیادت کر رہے تھے، اس وقت پانی کی مشک سے آپ کے اوپر پانی کے قطرے ٹپکائے جا رہے تھے، کیونکہ آپ کو بہت تیز بخار تھا۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ شدید آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے، پھر ان کی جو انبیاء کے قریب ہوں، اور آپ نے پہلے اولاً کہا، پھر آپ نے امثل کہا، پھر دوبارہ فالامثل کہا۔ اور فاء کو لا کر انبیاء علیہم السلام اور دوسروں کے درمیان جو مرتبہ ہے، اس میں بُعد اور تراخی کی طرف اشارہ کیا۔ اور انبیاء کے علاوہ دوسروں کے اندر ایسا بُعد نہیں ہے، کیونکہ نبی اور ولی کے درمیان جو بُعد ہے، وہ اس سے زیادہ ہے جو ولی اور ولی کے درمیان بُعد ہے، کیونکہ اولیاء کے مراتب ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں، اور لفظ الاول، امثل کی تفسیر ہے، کیونکہ اول کا معنی ہے: جو فضیلت میں مقدم ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۵۔۳۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۴۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ يُوعَكُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّكَ لَتُوعَكُ وَعْكًا شَدِيدًا قَالَ أَجَلْ إِنِّي أُوعَكُ كَمَا يُوعَكُ رَجُلَانِ مِنْكُمْ قُلْتُ ذَلِكَ أَنَّ لَكَ أَجْرَيْنِ قَالَ أَجَلْ ذَلِكَ كَذَلِكَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيبُهُ أَذًى شَوْكَةٌ فَمَا فَوْقَهَا إِلَّا كَفَّرَ اللهُ بِهَا سَيِّئَاتِهِ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی از ابی حمزہ از الاعمش از ابراہیم التیمی از الحارث بن سوید از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ کو بخار چڑھا ہوا تھا، میں نے کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کو تو بہت شدید بخار چڑھا ہوا ہے، آپ نے فرمایا: ہاں! مجھے اتنا بخار چڑھتا ہے جتنا تم میں سے دو مردوں کو بخار چڑھتا ہے، میں نے عرض کیا: اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو دگنا اجر ملتا ہے، آپ نے فرمایا: ہاں! یہ اسی طرح ہے، جس مسلمان کو بھی کسی کانٹے کی تکلیف پہنچتی ہے یا اس سے کم تکلیف پہنچتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کے گناہوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے، جیسے درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۵۶۴۸، ۵۶۶۰، ۵۶۶۱، ۵۶۶۷، صحیح مسلم: ۲۵۷۱، مسند احمد: ۳۶۱۱، سنن دارمی: ۲۷۷۱)

صحیح البخاری: ۵۶۴۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "سب سے زیادہ آزمائش انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے، پھر جو ان کے قریب ہو، پھر جو ان کے قریب ہو"۔ اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید بخار کا ذکر ہے، تو گویا انبیاء علیہم السلام کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس کیا ہے، اور اولیاء کرام کو ان کے ساتھ لاحق کر دیا ہے، اگرچہ اولیاء کرام کا درجہ انبیاء علیہم السلام سے کم ہوتا ہے، اور اس میں راز یہ ہے کہ آزمائش نعمت کے مقابلہ میں ہوتی ہے، پس جس پر اللہ کی نعمت جتنی زیادہ ہوگی، اس کی آزمائش اتنی زیادہ شدید ہوگی، یہی وجہ ہے کہ آزاد مرد کی حد دگنی ہوتی

ہے بہ نسبت غلام کی حد کے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''جس مسلمان کو کانٹا چبھنے کی یا اس سے کم کسی چیز سے تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کی سیئات (خطاؤں) کو مٹا دیتا ہے''۔ سیئات میں جمع مضاف ہے اور جب جمع مضاف ہو تو وہ عموم کا فائدہ دیتی ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ تمام گناہ مٹ جاتے ہیں، خواہ صغیرہ ہوں خواہ کبیرہ ہوں۔

اے اکرم الاکرمین اور اے ارحم الراحمین! ہم تیرے کرم اور تیرے رحم سے یہ امید رکھتے ہیں کہ ہم پر جو مصائب وارد ہوئے ہیں اور بیماریاں نازل ہوئی ہیں اور تکلیفیں پہنچی ہیں، تو ان کی وجہ سے ہمارے تمام گناہوں کا کفارہ کر دے گا اور ہمارے صغیرہ اور کبیرہ سارے گناہ مٹا دے گا۔ آمین

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں''۔ خلاصہ یہ ہے کہ مرض جب شدت سے بڑھتا ہے تو اجر دگنا چوگنا ہو جاتا ہے، پھر جیسے جیسے مرض بڑھتا رہتا ہے، اجر زیادہ ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس بیمار بندے کے تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ اور امام احمد اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ مومن سے آزمائش زائل نہیں ہوتی حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرتا ہے کہ اس کے اوپر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

الٰہ العٰلمین! تو ہم کو اس حدیث کا مصداق بنا دے۔ آمین (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴- بَابُ: وُجُوبِ عِيَادَةِ الْمَرِيضِ — بیمار کی عیادت کے واجب ہونے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب بیمار کی عیادت کے وجوب کے بیان میں ہے۔ مریض کی عیادت پر امام بخاری نے وجوب کا اطلاق کیا ہے کیونکہ ظاہر حدیث میں اسی طرح ہے، سو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مریض کی عیادت کرنا فرضِ کفایہ میں سے ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مستحب ہو، اور بعض لوگوں کے حق میں یہ مؤکد ہو جاتا ہے۔ علامہ داؤدی نے کہا: مریض کی عیادت کرنا فرض ہے، جس کا بوجھ لوگ ایک دوسرے سے اٹھاتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۶۔۳۱۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۴۹- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُودُوا الْمَرِيضَ وَفُكُّوا الْعَانِيَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از منصور از ابی وائل از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بھوکے کو کھلاؤ، اور مریض کی عیادت کرو اور قیدی کو قید سے چھڑاؤ۔

(صحیح البخاری: ۳۰۴۶، ۵۱۷۴، ۵۳۷۳، ۵۶۴۹، ۷۱۷۳، سنن ابوداؤد: ۳۱۰۵، مسند احمد: ۱۹۱۴۴، سنن دارمی: ۲۴۶۵)

صحیح البخاری: ۵۶۴۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: ''مریض کی عیادت کا وجوب'' اور حدیث میں یہ جملہ ہے ''مریض کی عیادت کرو'' اور یہ امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے ابوعوانہ، یہ الوضاح ہیں۔ اور اس میں مذکور ہے منصور، یہ ابن معتمر ہیں۔ اور اس میں مذکور ہے ابو وائل، یہ شقیق بن سلمہ ہیں۔ اور اس میں مذکور ہے ابوموسیٰ، یہ حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فکوا العانی'' العانی کا معنی ہے: اسیر یعنی قیدی، اور اس کو قید سے چھڑانا اس طرح ہوگا کہ اس کا فدیہ ادا کر دیا جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''مریض کی عیادت کرو''۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر مرض میں عیادت کرنا واجب ہے، بعض علماء نے اس سے ارمد کا استثناء کیا ہے، ارمد کا معنی ہے: آشوب چشم، لیکن اس کا رد اس حدیث سے ہوتا ہے:

امام ابوداؤد حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری عیادت فرمائی جب میری آنکھوں میں درد تھا۔

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ امام بیہقی اور امام طبرانی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین بیماروں کی عیادت نہیں ہے: آنکھ کی تکلیف میں، اور پھوڑے پھنسی میں اور داڑھ کے درد میں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ امام بیہقی نے تصحیح کی ہے کہ یہ حدیث یحییٰ بن ابی کثیر پر موقوف ہے، اور صحیح بخاری کی حدیث کے عموم سے استدلال کیا گیا ہے کہ اس میں نہ کسی مرض کی قید ہے نہ کسی زمانے کی قید ہے اور یہی جمہور کا قول ہے۔

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ ھ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ تین دن گزرنے کے بعد عیادت کرنی چاہیے، اور امام ابن ماجہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر مریض کی تین دن کے بعد عیادت کرتے تھے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ حدیث بہت ضعیف ہے، اس کی روایت میں مسلمہ بن علی منفرد ہیں اور وہ متروک ہیں، اور اس حدیث کے متعلق امام ابوحاتم سے سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: یہ حدیث باطل ہے۔

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا ایک شاہد ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے امام طبرانی نے اوسط میں اسی طرح روایت کی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس حدیث کی سند کا بھی ایک راوی متروک ہے اور صحیح بخاری کی اس حدیث سے یہ

استدلال کیا جاتا ہے کہ اس میں بغیر کسی قید کے مطلقاً مریض کی عیادت کرنے کا حکم دیا ہے، لیکن عادت اس طرح جاری ہے کہ دن کی دو طرفوں میں سے کسی ایک طرف میں عیادت کی جاتی ہے اور امام بخاری نے الادب المفرد میں یہ عنوان قائم کیا ہے ''رات میں عیادت کرنا''۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۵۰۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي أَشْعَثُ بْنُ سُلَيْمٍ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی الله عنهما قَالَ أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ نَهَانَا عَنْ خَاتَمِ الذَّهَبِ وَلُبْسِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ وَالْإِسْتَبْرَقِ وَعَنِ الْقَسِّيِّ وَالْمِيثَرَةِ وَأَمَرَنَا أَنْ نَتْبَعَ الْجَنَائِزَ وَنَعُودَ الْمَرِيضَ وَنُفْشِيَ السَّلَامَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اشعث بن سلیم نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے معاویہ بن سوید بن مقرن سے سنا از حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے سات چیزوں کا حکم دیا اور سات چیزوں سے منع فرمایا، ہمیں آپ نے سونے کی انگوٹھی سے منع فرمایا اور ریشم پہننے سے اور دیباج اور استبرق پہننے سے منع فرمایا، اور قسی اور میثرہ (یہ بھی ریشم کی اقسام ہیں) سے منع فرمایا، اور ہمیں حکم دیا کہ ہم جنازوں کے ساتھ جائیں اور مریض کی عیادت کریں اور سلام کو پھیلائیں۔

(صحیح مسلم: ۲۰۶۶، سنن ترمذی: ۲۸۰۹، سنن نسائی: ۱۹۳۹، سنن ابن ماجہ: ۲۱۱۵، مسند احمد: ۱۸۰۳۴)

صحیح البخاری: ۵۶۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث عنقریب کتاب الاشربہ میں ''باب آنية الفضة'' میں گزر چکی ہے۔ اور یہ کتاب الجنائز میں بھی ''باب الامر باتباع الجنائز'' میں گزر چکی ہے۔ اور یہاں صرف پانچ چیزوں کی ممانعت پر اختصار کیا اور حکم میں صرف تین چیزوں پر اختصار کیا اور ابرار المقسم، یعنی قسم کھانے والے کی قسم کو پورا کرنے اور دعوت کو قبول کرنے اور مظلوم کی مدد کرنے اور چھینکنے والے کو جواب دینے کے حکم کا ذکر نہیں کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۔ بَابُ: عِيَادَةِ الْمُغْمَى عَلَيْهِ — بے ہوش کی عیادت کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں بے ہوش کی عیادت کا بیان ہے، ''المغمیٰ'' کا لفظ الاغماء سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی ہیں: بے ہوشی۔ اور اس سے مراد ہے: اہم قوت محرکہ اور قوتِ حساسہ کا معطل ہو جانا، مثلاً دل کا ضعف اور پوری روح کا اس کی طرف مجتمع ہونا۔ کہا گیا ہے: اس عنوان کا فائدہ یہ ہے کہ یہ اعتقاد نہ کیا جائے کہ بے ہوش کی عیادت ساقط الفائدہ ہے، کیونکہ بے ہوش شخص کو پتا نہیں ہوتا کہ کون

اس کی عیادت کررہا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۵۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما يَقُولُ مَرِضْتُ مَرَضًا فَأَتَانِي النَّبِيُّ ﷺ يَعُودُنِي وَأَبُو بَكْرٍ وَهُمَا مَاشِيَانِ فَوَجَدَانِي أُغْمِيَ عَلَيَّ فَتَوَضَّأَ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ صَبَّ وَضُوءَهُ عَلَيَّ فَأَفَقْتُ فَإِذَا النَّبِيُّ ﷺ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ أَصْنَعُ فِي مَالِي كَيْفَ أَقْضِي فِي مَالِي فَلَمْ يُجِبْنِي بِشَيْءٍ حَتَّى نَزَلَتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابن المنکدر، انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرض میں مبتلا ہوگیا، پس میرے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لیے آئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی آئے اور وہ دونوں پیدل چلتے ہوئے آئے، ان دونوں نے مجھے اس حال میں پایا کہ مجھ پر بے ہوشی طاری تھی، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، پھر وضو کے بچے ہوئے پانی کو میرے اوپر ڈالا تو مجھے ہوش آ گیا، تو اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود تھے، میں نے کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں اپنے مال کو کیا کروں؟ اور اپنے مال میں کس طرح فیصلہ کروں، تو آپ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ میراث کی آیت نازل ہوگئی۔

(صحیح مسلم: ۱۶۱۶، سنن ترمذی: ۲۰۹۶، سنن نسائی: ۱۳۸، سنن ابوداؤد: ۲۸۸۶، سنن ابن ماجہ: ۲۷۲۸، مسند احمد: ۱۳۸۸۶، سنن دارمی: ۷۳۳)

صحیح البخاری: ۵۶۵۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''بے ہوش کی عیادت کرنا'' اور اس باب میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے اس حال میں پایا کہ مجھ پر بے ہوشی طاری تھی، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد اللہ بن محمد، یہ مسندی کے نام سے معروف ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، یہ ابن عیینہ ہیں۔ اور ابن المنکدر کا ذکر ہے، یہ محمد بن المنکدر بن عبد اللہ المدنی ہیں۔

یہ حدیث کتاب الطہارۃ میں گزر چکی ہے، وہاں امام بخاری نے اس حدیث کو اس باب میں روایت کیا ہے ''باب صب النبی ﷺ وضوءہ علی المغمیٰ علیہ''۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''پس آیت میراث نازل ہوگئی'' اور وہاں مذکور تھا حتیٰ کہ فرائض کی آیت نازل ہوگئی، اور یہ حدیث

سورۃ النساء کی تفسیر میں بھی گزر چکی ہے، وہاں اس آیت کی تفسیر میں گزری ہے "یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ" (النساء:۱۱)
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے اس حدیث کی "کتاب الوضوء" میں بھی شرح کی ہے، اور وہاں لکھا ہے:
اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھوں کی برکت ہر بیماری کو زائل کر دیتی ہے، اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ اکابر کو اصاغر کی عیادت کرنی چاہیے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۵۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف با بن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
بے ہوشی دیگر امراض کی طرح ہے اور بے ہوش شخص کی بھی عیادت کرنی چاہیے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنکھوں کی بیماری میں عیادت نہیں کرنی چاہیے، اور بے ہوشی کی حالت آنکھوں کی بیماری سے زیادہ شدید ہے، کیونکہ جو شخص بے ہوش ہو اس کی عقل کام نہیں کرتی اور شارع علیہ السلام حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بے ہوشی کے حال میں ان کے گھر میں بیٹھے حتیٰ کہ وہ ہوش میں آ گئے، اور اس میں یہ دلیل ہے کہ بے ہوش شخص کی عیادت کرنی چاہیے اور جس کی آنکھوں میں بیماری ہو اس کی بھی عیادت کرنی چاہیے۔
(۲) اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مریض کی عیادت کرنے والا کبھی بیمار کے پاس زیادہ دیر بیٹھتا ہے، جب وہ اس کی کوئی وجہ محسوس کرے۔
(۳) اس حدیث میں وَضو کا لفظ ہے، اس سے مراد ہے: وُضو کرنے کا پانی، اور جب واؤ پر پیش ہو تو اس سے مراد ہوتا ہے: وضو کرنے کا فعل اور مصدر۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۷۷۔ ۲۷۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۵۱ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) جو شخص بے ہوش ہو، اس کی عیادت کرنی چاہیے، خواہ اس کو تمہارے عیادت کرنے کا پتا چلے یا نہ چلے، پس تم جاؤ اور اس کی عیادت کرو اور اس کو دیکھو، اور کتنے ہی بیمار بسا اوقات اپنی بیماری میں بے ہوش ہو جاتے ہیں یا کسی حادثہ کی وجہ سے بے ہوش ہو جاتے ہیں، سو تم ان کی عیادت کرو اور عیادت کی شرط سے یہ نہیں ہے کہ مریض بیدار ہو۔
(۲) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کے بچے ہوئے پانی کی برکت کا ثبوت ہے۔
(۳) بے ہوش مرد کے اوپر پانی ڈالنا چاہیے، کیونکہ بے ہوش شخص پر پانی چھڑکنا اس کے ہوش میں آنے اور افاقہ کا سبب ہے۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جس چیز کی وحی نہ کی گئی ہو، اور وحی سے آپ کو کسی مسئلہ کا حکم نہ بتایا گیا ہو تو آپ اس کے متعلق جواب نہیں دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ میں اپنے مال کو کس طرح تقسیم کروں تو آپ نے کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ میراث کی آیت نازل ہوگئی۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جب تک آپ پر وحی نازل نہیں ہوتی تھی تو آپ ان مسائل میں توقف کرتے تھے جن مسائل کا حکم آپ کو وحی سے نہ بتایا گیا ہو، تو ہمیں بغیر علم کے کسی مسئلے کا حکم نہیں بیان کرنا چاہیے۔

(۵) اس حدیث سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رفاقت اور صحبت کا کمال ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں جاتے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ جاتے تھے، جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی عیادت کرنے میں بھی حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۵۰۔۳۵۱، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۔ بَابُ: فَضْلِ مَنْ يُصْرَعُ مِنَ الرِّيحِ

ریح کے سبب سے مرگی کا دورہ پڑنے کی فضیلت کا بیان

مرگی کے مرض کا بیان

مرگی ایک مرض ہے جس میں آدمی اچانک زمین پر گر کر بے ہوش ہو جاتا ہے، ہاتھ پیر ٹیڑھے ہو جاتے ہیں اور منہ سے جھاگ نکلتا ہے۔ (فیروز اللغات ص ۱۲۳۳، فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، کراچی)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں ریح کے سبب سے مرگی کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔ اس عنوان میں "مِن" کا لفظ سبب اور تعلیل کے لیے ہے، یعنی جس شخص کو ریح کے سبب سے مرگی کی بیماری عارض ہو، یعنی وہ ریح اور ہوا جو دماغ کے منافذ میں محبوس ہو جائے اور رک جائے اور اعضاءِ رئیسہ کو مکمل اپنا کام کرنے سے روک دے، یا وہ بخارات ہیں جو بعض اعضاء کی طرف چڑھتے ہیں۔ اور ریح اور ہوا مرگی کا سبب اور منشاء ہیں۔ اور وہ ایسی شدت ہے جو دماغ کے بطون میں عارض ہوتی ہے اور حرکت کرنے والے اعصاب اور پٹھوں میں نافذ ہو جاتی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ریح سے مراد ہیں جنات، کیونکہ جنات کے اجسام بھی ہوا کی طرح ہوتے ہیں۔ اور جنات میں سے جو نفوسِ خبیثہ ہوتے ہیں، وہ انسان کے جسم میں داخل ہو جاتے ہیں۔ شیخ ابو العباس نے کہا ہے: کبھی کوئی جن کسی انسان کے اندر شہوت اور عشق کے غلبہ کی وجہ سے داخل ہو جاتا ہے، جیسا کہ انسان ایک دوسرے سے عشق اور محبت کرتے ہیں۔ اور انسان اور جن آپس میں نکاح کرتے ہیں اور اس سے ان کے درمیان اولاد بھی پیدا ہوتی ہے اور کبھی کوئی جن انسان کے اندر بغض اور کینہ کی وجہ سے داخل ہوتا ہے، مثلاً یہ کہ بعض انسان جنات کو ایذاء پہنچاتے ہیں یا ان کے اوپر پیشاب کر دیتے ہیں یا ان پر گرم پانی ڈال دیتے ہیں، اگرچہ انسان کو یہ پتا نہیں چلتا کہ وہ یہ کام جنات کے ساتھ کر رہے ہیں۔

معتزلہ میں سے جبائی نے اور ابوبکر رازی نے اور محمد بن زکریا نے اور دوسروں نے اس کا انکار کیا ہے کہ جنات مرگی زدہ کے

بدن میں داخل ہو جاتے ہیں، اور انہوں نے کہا کہ یہ محال ہے کہ ایک جسم میں دو روحیں ہوں اور وہ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ جنات کا وجود ہے اور یہ غلط ہے۔

علامہ ابوالحسن الاشعری نے مقالات اہل السنۃ والجماعت میں لکھا ہے کہ جن مرگی زدہ کے جسم میں داخل ہو جاتے ہیں جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ (البقرہ:۲۷۵) جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جس کو شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس کر دیا ہو۔

اور امام ابوداؤد وغیرہ نے حضرت ام ابان رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نکل اللہ کے دشمن! اور اسی طرح حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے، آپ نے فرمایا: اے اللہ کے دشمن! نکل، کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم)، اور قاضی عبدالجبار نے کہا کہ جنات کے اجسام ہوا کی طرح ہوتے ہیں تو ان کا انسان کے بدن میں داخل ہونا محال نہیں ہے جیسا کہ ہوا اور سانس انسان کے جسم میں آتا اور جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۸-۳۱۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

جنات کے انسانوں میں داخل ہونے کے متعلق مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں: جنات کا وجود قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ جنات انسان کے اجسام میں داخل ہوتے ہیں جیسا کہ حسب ذیل حدیث میں ہے:

امام احمد بن حنبل اپنی سند کے ساتھ از یعلیٰ بن مرۃ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک عورت اپنے بیٹے کو لے کر آئی، اس بیٹے کو کچھ جنون تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نکل اللہ کے دشمن! میں اللہ کا رسول ہوں، حضرت یعلیٰ نے بتایا: پس وہ بچہ تندرست ہو گیا اور اس عورت نے آپ کو دو مینڈھے اور تھوڑا سا پنیر اور گھی پیش کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے یعلیٰ! تم یہ پنیر اور گھی اور ایک مینڈھا رکھ لو اور دوسرا اس عورت کو واپس کر دو۔ (مسند احمد: ۱۸۰۲۹، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۹ھ)

لیکن جیسا کہ عوام میں مشہور ہے کہ جنات انسانوں کے اجسام میں داخل ہو جاتے ہیں اور پھر اعضاء انسان کے ہوتے ہیں اور تصرف جنات کرتے ہیں مثلاً زبان انسان کی ہوتی ہے اور اس سے کلام جن کرتا ہے یہ چیز صحیح نہیں ہے، کیونکہ اگر ایسا ہو تو ایک انسان کسی کو قتل کر دے اور بعد میں کہے کہ میں نے اس کو قتل نہیں کیا، مجھ پر تو جن چڑھا ہوا تھا اور یہ قتل اس جن نے کیا ہے، تو اس کو دنیا کی کوئی عدالت قبول نہیں کرے گی اور نہ شریعت میں اس کی نظیر ہے۔

۵۶۵۲ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عِمْرَانَ أَبِي بَكْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ قَالَ قَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ أَلَا أُرِيكَ امْرَأَةً مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ قُلْتُ بَلَى قَالَ هَذِهِ الْمَرْأَةُ السَّوْدَاءُ أَتَتِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَتْ إِنِّي أُصْرَعُ وَإِنِّي أَتَكَشَّفُ فَادْعُ اللَّهَ لِي قَالَ إِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَكِ الْجَنَّةُ وَإِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللَّهَ أَنْ يُعَافِيَكِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عمران ابی بکر، انہوں نے کہا: مجھے عطاء بن ابی رباح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ عورت نہ دکھاؤں جو اہل جنت میں سے ہے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں! تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا:

فَقَالَتْ أَصْبِرُ فَقَالَتْ إِنِّي أَتَكَشَّفُ فَادْعُ اللهَ لِي أَنْ لَا أَتَكَشَّفَ فَدَعَا لَهَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا مَخْلَدٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ أَنَّهُ رَأَى أُمَّ زُفَرَ تِلْكَ امْرَأَةً طَوِيلَةً سَوْدَاءَ عَلَى سِتْرِ الْكَعْبَةِ۔

(صحیح مسلم: ۲۵۷۶، مسند احمد: ۳۲۴۰)

یہ سیاہ فام عورت ہے جو نبی ﷺ کے پاس آئی تھی، اس نے کہا: مجھ پر مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور میں برہنہ ہوجاتی ہوں، آپ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو تم صبر کرو اور تم کو جنت مل جائے گی، اور اگر تم چاہو تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تندرست کر دے، تو اس عورت نے کہا کہ میں صبر کرتی ہوں، پھر اس عورت نے کہا: میں برہنہ ہوجاتی ہوں، آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا کریں کہ میرا ستر نہ کھلے، تو نبی ﷺ نے اس کے لیے دعا کی۔ ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مخلد نے خبر دی از ابن جریج، انہوں نے کہا: مجھے عطاء نے خبر دی کہ انہوں نے ام زفر کو دیکھا، یہ وہی عورت تھی جو طویل القامت تھی اور سیاہ فام تھی، اس کو انہوں نے کعبہ کے پردوں کے پاس دیکھا۔

صحیح البخاری: ۵۶۵۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

صاحب التلویح نے کہا ہے: اس حدیث میں ہوا کا ذکر نہیں ہے جس کا امام بخاری نے عنوان میں ذکر کیا ہے، لہٰذا یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس باب کا عنوان ہے ''مرگی زدہ کی فضیلت'' اور حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس کو مرگی ہو اور وہ اس پر صبر کرے تو اس کو اللہ تعالیٰ جنت عطا فرمائے گا اور امام بخاری نے جو ''من الریح'' کہا تھا، اس سے ان کا مقصد مرگی کا سبب بیان کرنا تھا، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ یا تو مرگی اس سبب سے ہوتی ہے کہ انسان کے جسم میں ہوا رک جاتی ہے اور دماغ کے منافذ سے نکل نہیں سکتی تو انسان کا دماغ ماؤف ہوجاتا ہے اور وہ بے ہوش ہوجاتا ہے۔ اور یا ہوا سے مراد ہیں جنات، جنات انسان کے جسم میں داخل ہوجاتے ہیں اور اس کو تنگ کرتے ہیں یا تکلیف پہنچاتے ہیں، تو اس کا اثر مرگی کے دورے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، یہ ابن سعید القطان ہیں۔ اور عمران کا ذکر ہے، یہ ابن مسلم بصری تابعی صغیر ہیں اور ان کی کنیت ابو بکر ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور میں برہنہ ہوجاتی ہوں''۔ یعنی اس عورت نے یہ ارادہ کیا کہ اس کو ڈر

ہے کہ دورہ کی حالت کے اندر اس کی شرمگاہ نہ کھل جائے اور اس کو پتا نہ چلے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''اگر تم چاہو تو صبر کرو''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو اختیار دیا کہ وہ اسی حالت میں صبر کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرمائے گا اور یہ اختیار بھی دیا کہ اگر وہ چاہے تو آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور اللہ تعالیٰ اس کو تندرست کر دے، تو اس عورت نے صبر کرنے کو اختیار کر لیا۔ پھر اس عورت نے کہا: میں ڈرتی ہوں کہ کہیں میرا ستر نہ کھل جائے تو اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور پھر اس کا ستر نہیں کھلتا تھا۔

اس حدیث میں اس کی فضیلت ہے جو مرگی کے دورے پر صبر کرے اور یہ کہ مصیبت کو اختیار کرنا اور اس پر صبر کرنا جنت کے حصول کا سبب ہے۔ اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ شدت کو اختیار کرنا رخصت کے اختیار کرنے سے افضل ہے، جس شخص کو یہ علم ہو کہ وہ شدت کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور اس کے لزوم سے وہ کمزور نہیں ہوگا۔

امام بخاری نے اس حدیث کے آخر میں تعلیق لکھی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اس عورت کا نام ام زفر تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۹۔ ۳۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۵۲، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے الفاظ کی شرح

اس حدیث میں مذکور ہے ''اصرع'' یعنی مجھے الصرع کا مرض پہنچتا ہے تو میں اپنے نفس اور اپنی عقل سے غائب ہو جاتی ہوں اور الصرع یا تو جسمانی علت کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے اعضاء میں تشنج ہو جاتا ہے (پٹھے اینٹھ جاتے ہیں، ان میں زبردست کھچاؤ ہوتا ہے اور وہ جکڑ جاتے ہیں) اور آدمی گر جاتا ہے اور اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگتا ہے۔

اور کبھی الصرع جن کی وجہ سے ہوتا ہے، یعنی جن انسان کو چھوتا ہے تو اس کی وجہ سے انسان پر یہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے جس کو مرگی کہتے ہیں۔ اس حدیث میں مذکور ہے ''اتکشف'' یعنی کبھی کبھی میری شرمگاہ ظاہر ہو جاتی ہے اور مجھے اس کا شعور نہیں ہوتا اور میں اپنی شرمگاہ کے کھلنے سے ڈرتی ہوں۔

حدیث مذکور کا خلاصہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عطاء کو خبر دی کہ ایک سیاہ فام حبشی عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپ سے یہ طلب کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کو مرگی کے مرض سے شفاء دے دے، جو مرگی کا مرض اس پر نازل ہو گیا ہے اور یہ عورت ام زفر کہلاتی تھی، یہ عورت کعبہ کی سیڑھی کے اوپر بیٹھتی تھی اور کعبہ کے پردوں سے لٹک جاتی تھی، اور جب اس عورت کے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرتے تو آپ سے طلب کرتی کہ آپ اس کے لیے شفاء کی دعا کریں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: اگر تم اس مرض کے اوپر صبر کرو تو تم کو جنت مل جائے گی اور اگر تم چاہو تو میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لیے دعا کروں، اللہ تعالیٰ تم کو شفاء دے گا، اس نے کہا: بلکہ میں صبر کرتی ہوں یا رسول اللہ! پھر اس عورت نے کہا کہ کبھی کبھی میں برہنہ ہو جاتی ہوں اور میری شرمگاہ کھل جاتی ہے، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ میری شرمگاہ نہ کھلے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے لیے دعا

کی، پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما عطاء سے کہتے تھے: اس عورت کو دیکھو، اس عورت کے لیے جنت ہے، کیونکہ اس نے مصیبت اور مرض پر صبر کیا۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں اس انسان کی فضیلت ہے، جس کو مرگی کا مرض ہو جائے اور یہ کہ دورہ کے مصائب کے اوپر صبر کرنا جنت کو لازم کرتا ہے اور اس کا انجام جنت کی کامیابی اور اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔

(۲) اس حدیث میں دوا دارو کو ترک کرنے کے جواز پر دلیل ہے، سوا اس صورت کے کہ کسی انسان پر مرض کا اتنا غلبہ ہو جو اس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روک دے۔

(۳) بیماریوں کا علاج جس طرح دوا سے ہوتا ہے، اسی طرح دعا سے بھی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے التجا کرنے سے بھی ہوتا ہے، اور قرآن کے پڑھنے سے بھی ہوتا ہے، بلکہ قرآن مجید کا پڑھنا جڑی بوٹیوں کی بہ نسبت زیادہ نفع آور ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ (الاسراء: ۸۲) اور ہم قرآن میں وہ چیز نازل فرماتے ہیں جو مؤمنین کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور ظالموں کے لیے سوا نقصان کے اور کچھ زیادتی نہیں۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری، ج ۵ ص ۲۴۱۔ ۲۴۲، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۷۔ بَابٌ: فَضْلِ مَنْ ذَهَبَ بَصَرُهُ اس شخص کی فضیلت جس کی بینائی چلی جائے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بزار نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: کسی بندہ کے قرض ڈوبنے کے بعد سب سے زیادہ شدید اس کی بینائی کا چلا جانا ہے اور جس شخص کی بینائی چلی گئی سو اس نے صبر کیا حتیٰ کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی تو اللہ تعالیٰ اس سے کوئی حساب نہیں لے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں دوا دارو کے ترک پر کوئی دلیل نہیں بلکہ دوا کو ترک کرنا اپنے آپ کو محض ہلاکت میں ڈالنا ہے اور دوا کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی دوا سے علاج کیا ہے جیسا کہ سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا نے غزوۂ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کے زخم میں خون روکنے کے لیے راکھ بھری تھی۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۶۵۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ الْهَادِ عَنْ عَمْرٍو مَوْلَى الْمُطَّلِبِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ إِنَّ اللهَ قَالَ إِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن الہاد نے حدیث بیان کی از عمرو مولی المطلب از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، انہوں نے

بِحَبِيبَتَيْهِ فَصَبَرَ عَوَّضْتُهُ مِنْهُمَا الْجَنَّةَ يُرِيدُ عَيْنَيْهِ تَابَعَهُ أَشْعَثُ بْنُ جَابِرٍ وَأَبُو ظِلَالِ بْنُ هِلَالٍ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم۔

(سنن ترمذی: ۲۴۰۰، مسند احمد: ۱۲۰۵۹)

کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: بے شک جب میں اپنے بندہ کو اس کی دو محبوب چیزوں میں مبتلاء کرتا ہوں، پس وہ اس پر صبر کرتا ہے تو میں ان دو محبوب چیزوں کے عوض میں اس کو جنت عطا فرماتا ہوں، اور دو محبوب چیزوں سے مراد بندہ کی دو آنکھیں ہیں۔ اشعث بن جابر اور ابو ظلال بن ہلال نے عمرو کی متابعت کی ہے از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

صحیح البخاری: ۵۶۵۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''اس کی فضیلت جس کی بینائی چلی جائے'' اور اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں اپنے بندہ کو دو آنکھوں کی بینائی کے چلے جانے میں مبتلاء کرتا ہوں اور اس کے عوض اس کو جنت عطا فرماتا ہوں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابن الہاد کا ذکر ہے، یہ یزید بن عبداللہ بن اسامہ اللیثی ہیں۔ اور اس میں عمرو کا ذکر ہے، یہ ابن ابی عمرو ہیں اور میسرہ مولی المطلب بن عبداللہ بن حنطب ہیں از حضرت انس رضی اللہ عنہ۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''حبیبتیہ'' کا ذکر ہے، جس کی حدیث کے آخر میں تفصیل کردی کہ اس سے مراد ''عینیہ'' ہے، یعنی اس کی دو آنکھیں ہیں، اور حبیبتیہ کا معنی ہے محبوبتیہ، کیونکہ انسان کو تمام اعضاء میں سب سے زیادہ محبوب اس کی آنکھیں ہوتی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فصبر'' اور امام ترمذی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اس نے صبر کیا اور ثواب کی نیت کی اور یہ امید رکھی کہ اللہ تعالیٰ اس کو وہ اجر عطا فرمائے گا جو صبر کرنے والوں کو اجر عطا فرماتا ہے، اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ صرف صبر کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کے اجر کی امید بھی رکھے، کیونکہ اعمال کا دارومدار نیات پر ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ صبر سے مراد یہ ہے کہ وہ بینائی کے نہ ہونے کی کسی سے شکایت نہ کرے اور نہ اس پر قلق کرے اور نہ اس پر اپنے راضی نہ ہونے کو ظاہر کرے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یرید عینیہ'' یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عبارت ہے، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حبیبتیہ سے اس کی دو آنکھوں کا ارادہ کیا۔

امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جب میں دنیا میں اپنے بندہ کی دو آنکھیں لے لیتا ہوں، تو میرے پاس جنت کے سوا اس کی اور کوئی جزا نہیں

ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۵۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب مذکور کی حدیث کے مناسب دیگر احادیث

امام البغوی الکبیر روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اس وقت آپ کے پاس حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: آپ کا رب عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ جب میں اپنے بندہ کی دو آنکھیں لیتا ہوں تو میں اس کے لیے جنت کے سوا اور کوئی اجر نہیں پاتا۔

اس حدیث کا شاہد سنن ترمذی میں ہے۔(سنن ترمذی: ۲۴۰۱)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری آنکھ میں کچھ تکلیف ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری عیادت کی، جب میری آنکھ ٹھیک ہوگئی تو آپ نے مجھ سے فرمایا: اے زید! یہ بتاؤ اگر تمہاری دونوں آنکھوں کے اندر یہ تکلیف ہوجاتی تو کیا کرتے؟ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں صبر کرتا اور ثواب کی نیت کرتا، آپ نے فرمایا: تب تم اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرتے کہ تمہارا کوئی گناہ نہ ہوتا۔(الادب المفرد: ۵۳۲، الطبرانی: ۵۰۵۲)

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں: یہ حدیث نیز اس بات پر حجت ہے کہ مصائب پر اور امراض پر صبر کرنے کا ثواب جنت ہے، اور صبر کی نعمت بندہ پر اللہ کی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے صبر کا عوض جنت فرمایا، کیونکہ دنیا میں انسان کے لیے سب سے بڑی نعمت اس کی آنکھیں ہیں تو اس لیے اللہ تعالیٰ نے بینائی کو لینے کی جزا جنت رکھی ہے جو سب سے بڑی نعمت ہے۔ اسی طرح مصیبت کی تمام انواع ہیں جیسے شارع علیہ السلام نے بتایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ مصائب انبیاء پر آتے ہیں، پھر جو ان کے قریب ہوتے ہیں، پھر جو ان کے قریب ہوتے ہیں۔ مرد جتنا دین دار ہوتا ہے اتنے زیادہ اس پر مصائب آتے ہیں۔

امام ترمذی نے روایت کی ہے کہ جو دنیا میں عافیت کے ساتھ رہے، وہ یہ خواہش کریں گے کہ کاش ان کے گوشت کو قینچی سے دنیا میں کاٹ دیا جاتا۔(سنن ترمذی: ۲۴۰۲، سنن بیہقی: ج ۳ ص ۵۲۶، شعب الایمان: ج ۷ ص ۱۸۰، المعجم الصغیر للطبرانی ج ۱ ص ۱۵۶)

یعنی جب اہل عافیت آخرت میں اہلِ مصائب کے لیے اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ثواب دیکھیں گے تو اس وقت وہ یہ خواہش کریں گے کہ کاش دنیا میں ان کے جسم کو قینچی سے کاٹ دیا جاتا، سو جس شخص کی بینائی چلی جائے یا اس کے اعضاء میں سے کوئی عضو بیکار ہوجائے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس پر صبر کرے اور اللہ کا شکر ادا کرے اور ثواب کی نیت رکھے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں بہترین عوض عطا فرمائے اور بہترین عوض جنت ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۸۳۔۲۸۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

۸۔ بَابُ: عِيَادَةِ النِّسَاءِ الرِّجَالَ — عورتوں کا مردوں کی عیادت کرنے کا بیان

وَعَادَتْ أُمُّ الدَّرْدَاءِ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْمَسْجِدِ مِنَ

حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا نے انصار کے اہل مسجد میں سے ایک مرد

الْأَنْصَارِ۔ کی عیادت کی۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عورتوں کا مردوں کی عیادت کرنا جائز ہے، خواہ وہ مرد ان کے لیے اجنبی ہوں، جب کہ اس کی معتبر شرط پائی جائے۔ امام بخاری نے کہا: حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا نے انصار کے اہل مسجد میں سے ایک مرد کی عیادت کی۔

تعلیق مذکور کی شرح اور حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا کی تعیین اور ان کا تذکرہ

یہ حضرت ام الدرداء، حضرت ابوالدرداء عویمر رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں۔ اور مسجد سے مراد مسجد مدینہ ہے۔

پس اگر تم سوال کرو کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں تھیں اور ان میں سے ہر ایک کا نام ام الدرداء تھا، ان میں سے ایک ام الدرداء کبریٰ ہیں جن کا نام خیرہ بنت ابی حدرد ہے اور ان کا نام عبد اللہ الاسلمی ہے، اور حضرت خیرہ صحابیہ تھیں اور خواتین میں فاضلہ اور عاقلہ تھیں، ان کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں حضرت ابوالدرداء کی وفات سے دو سال پہلے انتقال ہو گیا تھا، اور دوسری حضرت ام الدرداء صغریٰ تھیں، ان کا نام ہجیمۃ بنت حیی الوصابیہ تھا۔ حافظ ابوعمر بن عبدالبر نے کہا ہے: مجھے ان کے متعلق کسی حدیث کا علم نہیں ہے، جو ان کی صحبت پر دلالت کرے یا ان کی رویت پر دلالت کرے یعنی جس حدیث سے یہ معلوم ہو کہ یہ صحابیہ تھیں یا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا۔ ان کی خبر جو معلوم ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابوالدرداء کی وفات کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو نکاح کا پیغام دیا، سو انہوں نے حضرت معاویہ کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کر دیا۔ پس ان دونوں میں سے وہ کون سی ام درداء تھیں جنہوں نے انصار کے اہل مسجد میں سے کسی مرد کی عیادت کی تھی؟

میں کہتا ہوں کہ علامہ کرمانی نے کہا ہے: ظاہر یہ ہے کہ ان سے مراد حضرت ام الدرداء کبریٰ ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس طرح نہیں ہے بلکہ یہ ام الدرداء صغریٰ تھیں، کیونکہ امام بخاری نے الادب المفرد میں الحارث بن عبید کی سند سے جس اثر کی روایت کی ہے اور وہ شامی تابعی صغیر ہیں اور وہ حضرت ام الدرداء کبریٰ سے نہیں ملے، کیونکہ حضرت ام الدرداء کبریٰ حضرت ابودرداء کی وفات سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہو گئی تھیں، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

(میں کہتا ہوں کہ صحیح یہ ہے کہ جنہوں نے مرد کی تیمارداری کی وہ ام الدرداء کبریٰ ہیں جیسا کہ آگے علامہ ابن ملقن نے کہا ہے کہ یہ واقعہ آیات حجاب سے پہلے کا ہے۔ سعیدی غفرلہ)

حارث بن عبید نے کہا کہ میں نے حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا کو سواری پر دیکھا جس کا پالان اور پردہ نہیں تھا اور وہ انصار کے ایک مرد کی مسجد میں عیادت کر رہی تھیں۔ اور حضرت ام الدرداء صغریٰ عبدالملک بن مروان کی خلافت کے اواخر تک زندہ رہیں اور اکیاسی ہجری (۸۱ھ) میں حضرت ام الدرداء کبریٰ کی وفات کے تقریباً پانچ سال بعد فوت ہوئیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۱۔ ۳۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ام الدرداء کبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات کے متعلق دو قول ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

۵٦۵۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمَدِينَةَ وُعِكَ أَبُو بَكْرٍ وَبِلَالٌ رضی اللہ عنہما قَالَتْ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِمَا قُلْتُ يَا أَبَتِ كَيْفَ تَجِدُكَ وَيَا بِلَالُ كَيْفَ تَجِدُكَ قَالَتْ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ إِذَا أَخَذَتْهُ الْحُمَّى يَقُولُ

كُلُّ امْرِءٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ
وَالْمَوْتُ أَدْنَى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

وَكَانَ بِلَالٌ إِذَا أُقْلِعَتْ عَنْهُ يَقُولُ

أَلَا لَيْتَ شِعْرِي هَلْ أَبِيتَنَّ لَيْلَةً
بِوَادٍ وَحَوْلِي إِذْخِرٌ وَجَلِيلُ
وَهَلْ أَرِدَنْ يَوْمًا مِيَاهَ مِجَنَّةٍ
وَهَلْ تَبْدُوَنْ لِي شَامَةٌ وَطَفِيلُ

قَالَتْ عَائِشَةُ فَجِئْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ اللّٰهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ اللّٰهُمَّ وَصَحِّحْهَا وَبَارِكْ لَنَا فِي مُدِّهَا وَصَاعِهَا وَانْقُلْ حُمَّاهَا فَاجْعَلْهَا بِالْجُحْفَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی از مالک از ہشام بن عروہ از والد خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں آئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بخار چڑھ گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ میں ان دونوں کے پاس گئی تو میں نے کہا: اے ابا جان! آپ اپنے آپ کو کیسا پاتے ہیں اور اے بلال آپ اپنے آپ کو کیسا پاتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب بخار چڑھتا تو وہ یہ شعر پڑھتے تھے:

ہر مرد اپنے گھر میں صبح کو ہوتا ہے
اور موت اس کی جوتی کے تسمہ سے زیادہ قریب ہوتی ہے

اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے جب بخار اتر جاتا تو وہ یوں کہتے تھے:

سنو! کاش میں پھر اس وادی میں ایک رات رہوں
اور میرے گرد اذخر اور جلیل گھاس ہو
اور کیا میں پھر کسی دن مجنہ کے پانی پر وارد ہوں گا
اور کیا پھر میرے لیے شامہ اور طفیل پہاڑ ظاہر ہوں گے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: پس میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گئی اور آپ کو اس کی خبر دی تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! ہماری طرف مدینہ بھی اس طرح محبوب کردے جس طرح ہم کو مکہ سے محبت ہے یا اس سے بھی زیادہ۔ اے اللہ! مدینہ کی ہوا کو صحت افزاء بنادے اور ہمارے لیے مدینہ کے مُد (دوکلو کا پیمانہ) اور صاع (چار کلو کا پیمانہ) میں برکت نازل فرما اور مدینہ کے بخار کو منتقل کردے اور اس کو الجحفہ میں کردے۔

(صحیح البخاری: ۱۸۸۹، ۳۹۲۶، ۵۶۵۴، ۵۶۷۷، ۶۳۷۲، صحیح مسلم: ۱۳۷۶، مسند احمد: ۲۵۷۰۸، موطا امام مالک: ۱۶۴۸)

صحیح البخاری: ۵۶۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے''عورتوں کا مردوں کی عیادت کرنا''اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کی عیادت کی اور ان دونوں کو بخار چڑھا ہوا تھا، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''بواد''یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جو شعر پڑھا، اس میں وادی کا ذکر ہے، اس سے مراد ہے مکہ کی وادی اور اس شعر میں اذخر اور جلیل کا ذکر ہے اور یہ دونوں گھاس کی قسمیں ہیں، اور اس میں مجنّۃ کا ذکر ہے، یہ ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے اور زمانہ جاہلیت میں وہاں پر بازار تھا۔

اور اس حدیث میں''یبدون''کا ذکر ہے، یعنی کیا کبھی میرے لیے ظاہر ہوں گے شامہ اور طفیل، یہ مکہ کے دو پہاڑ ہیں۔

اور اس حدیث میں''الجحفہ''کا ذکر ہے، یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے اور یہ اہل شام کا میقات ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے اللہ! مدینہ کے بخار کو جحفہ میں منتقل کر دے۔ بخار تو ایک عرض ہے اور عرض منتقل نہیں ہوتی، تو صحیح معنی یہ ہے کہ مدینہ سے بخار کو معدوم کر دے اور الجحفہ میں بخار کو ظاہر کر دے، کیونکہ الجحفہ کے رہنے والے یہودی تھے اور وہ مسلمانوں سے شدید عداوت رکھتے تھے اور ان کو بہت ایذاء پہنچاتے تھے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعاءِ ضرر کی اور اہلِ اسلام کے لیے خیر کا ارادہ کیا۔

اس حدیث کی مفصل شرح صحیح البخاری:۱۸۸۹ میں جا چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۲۲۔ ۲۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۵۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا نے کسی اجنبی مرد کی عیادت کس طرح کی جب کہ عورتوں کے لیے اجنبی مرد کی عیادت کرنا جائز نہیں ہے؟

(۱) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ حجاب کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔

(۲) دعا سے وبا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتی ہے اور مرض بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتا ہے۔

(۳) جو عورت مالکہ ہو، وہ اپنے غلاموں کی عیادت کر سکتی ہے، کیونکہ حضرت بلال اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہما کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آزاد کیا تھا، سو اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی عیادت کرنا جائز ہوا۔

(۴) حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا نے جس انصاری کی عیادت کی تھی، ہوسکتا ہے کہ وہ بھی حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا کا غلام ہو۔

علامہ ابن حبیب نے کہا ہے: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی کہ مدینہ کے بخار کو الجحفہ میں منتقل کر دے، جب سے الجحفہ میں

تمام شہروں سے زیادہ بخار آتا ہے اور الجحفہ میں ایک چشمہ ہے جس کا نام ہے ''عین حم'' اور جو شخص بھی اس چشمہ کا پانی پیتا ہے اس کو بخار چڑھ جاتا ہے، میں کہتا ہوں: ایسا کیوں نہیں ہوگا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مسترد نہیں ہوتی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۸۵۔۲۸۷ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

۹۔ بَابُ: عِيَادَةِ الصِّبْيَانِ — بچوں کی عیادت کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مردوں کا بچوں کی عیادت کرنا جائز ہے۔

۵۶۵۵۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَاصِمٌ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عُثْمَانَ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رضي الله عنهما أَنَّ ابْنَةً لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَرْسَلَتْ إِلَيْهِ وَهُوَ مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَسَعْدٌ وَأُبَيٌّ نَحْسِبُ أَنَّ ابْنَتِي قَدْ حُضِرَتْ فَاشْهَدْنَا فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا السَّلَامَ وَيَقُولُ إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَمَا أَعْطَى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ مُسَمًّى فَلْتَحْتَسِبْ وَلْتَصْبِرْ فَأَرْسَلَتْ تُقْسِمُ عَلَيْهِ فَقَامَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَقُمْنَا فَرُفِعَ الصَّبِيُّ فِي حَجْرِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَنَفْسُهُ تَقَعْقَعُ فَفَاضَتْ عَيْنَا النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ لَهُ سَعْدٌ مَا هٰذَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ هٰذِهِ رَحْمَةٌ وَضَعَهَا اللّٰهُ فِي قُلُوبِ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادِهِ وَلَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ إِلَّا الرُّحَمَاءَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عاصم نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے ابو عثمان سے سنا از حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی نے آپ کی طرف پیغام بھیجا اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت ابی بن کعب تھے، ہم گمان کرتے ہیں کہ آپ کی صاحبزادی نے یہ پیغام بھیجا کہ میری بیٹی بستر مرگ پر ہے، تو آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سلام بھیجا اور آپ فرما رہے تھے: بے شک اللہ ہی کے لیے ہے جو وہ لے لیتا ہے اور جو وہ عطا فرماتا ہے اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کے پاس ایک معین مدت تک ہے، پس تم ثواب کی نیت کرو اور صبر کرو تو آپ کی صاحبزادی نے دوبارہ پیغام بھیجا اور آپ کو قسم دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور ہم بھی کھڑے ہو گئے، سو اس بچہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں رکھا گیا اور وہ بچہ جانکنی کے عالم میں تھا اور اس کا سانس اکھڑ رہا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، تو آپ سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) یہ کیا ہے، آپ نے فرمایا: یہ رحمت ہے، اللہ تعالیٰ اس رحمت کو اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہتا ہے رکھ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے انہیں پر رحم فرماتا ہے جو رحم کرنے والے ہوں۔

(صحیح البخاری: ۱۲۸۴، ۵۶۵۵، ۶۶۰۲، ۶۶۵۵، ۷۳۷۷، ۷۴۴۸، صحیح مسلم: ۹۲۳، سنن نسائی: ۱۸۶۸، سنن ابوداؤد: ۳۱۲۵، مسند احمد: ۲۱۲۶۹)

صحیح البخاری: ۵۶۵۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''بچوں کی عیادت کرنا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی کے پاس گئے اور ان کے بیٹے کو اٹھا کر اپنی گود میں رکھا اور یہ ان کی بلاشک وشبہ عیادت ہے۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عاصم، اور وہ ابن سلیمان ہیں۔ اور اس میں مذکور ہے ابوعثمان، اور وہ عبدالرحمن بن مل النہدی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی نے آپ کو پیغام بھیج کر بلایا'': صاحب التلویح نے کہا ہے: آپ کی جس صاحبزادی نے آپ کو پیغام دے کر بلایا تھا، وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں اور ان کے بیٹے کا نام علی تھا۔

اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس حدیث کو راوی منضبط نہیں کر سکا، پس ایک مرتبہ اس نے کہا کہ آپ کی صاحبزادی نے کہا کہ میری بیٹی قریب المرگ ہے، اور دوسری مرتبہ کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کو اٹھایا اور اس کا سانس اکھڑ رہا تھا، پس ایک مرتبہ خبر دی کہ بچہ قریب المرگ تھا اور دوسری مرتبہ خبر دی کہ بچی قریب المرگ تھی۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے''، یعنی حال یہ ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور حضرت سعد بن عبادہ اور ابی بن کعب آپ کے ساتھ تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''کل شیء مسمی'' یعنی ہر چیز ایک مدت معینہ تک ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''فلتحتسب''، یعنی اللہ عزوجل کے پاس جو اجر ہے، اس کو طلب کرنا چاہیے اور بچے کو اللہ کی مشیت کی طرف مفوض کر دینا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہنا چاہیے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''تقعقع'' یعنی وہ بچہ مضطرب ہو رہا تھا اور اس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت سعد نے کہا: یہ کیا ہے؟'' حضرت سعد نے یہ اسی لیے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ان کو تعجب ہوا کہ آنکھوں میں آنسو آنا شاید مصیبت پر صبر کے منافی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''آپ نے فرمایا: یہ رحمت ہے''، یعنی یہ اس رحمت کا اثر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رحم دل لوگوں کے دلوں میں رکھا ہے اور یہ بے قراری اور بے صبری نہیں ہے اور صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں، جس میں سے ایک رحمت اللہ تعالیٰ نے جنات، انسانوں، بہائم اور حشرات الارض میں رکھی ہے، اس ایک رحمت کی وجہ سے وہ سب ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں، اسی رحمت کی وجہ سے وحشی جانور اپنے بچوں کو پیار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ننانوے رحمتیں اپنے پاس مؤخر رکھی

ہیں جن سے قیامت کے دن وہ اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا، اس حدیث کی امام مسلم اور امام بخاری نے روایت کی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۳۔ ۳۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۵۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی فقہ

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ رئیسوں اور اہل فضل کو بیمار بچوں کی عیادت کرنی چاہیے، اور بیمار بچوں کی عیادت سے ان کے والدین کے ساتھ صلۂ رحم ہوتا ہے اور اس سے بیمار بچوں کے لیے دعا کی برکت حاصل ہوتی ہے اور ان کے والدین کے لیے نصیحت حاصل ہوتی ہے کہ ان کو صبر کی تلقین کی جائے اور ان سے یہ کہا جائے کہ جب مصیبت آئے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور مصیبت میں صبر کر کے ثواب کی نیت کرنی چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آنسوؤں کے متعلق فرمایا کہ یہ رحمت ہیں۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا، اس دن اللہ تعالیٰ نے سو رحمتیں پیدا فرمائیں، ہر رحمت آسمان اور زمین کے درمیان منطبق ہے، پس ان میں سے ایک رحمت زمین میں رکھی، اسی رحمت کی وجہ سے والدہ اپنے بچے پر شفقت کرتی ہے اور وحشی جانور اور پرندے ایک دوسرے پر رحمت کرتے ہیں، پس جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان رحمتوں کو مکمل کرلے گا۔ (صحیح مسلم: ۲۷۵۳، کتاب التوبہ، باب فی سعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ)

اور صحیح حدیث میں ہے: بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے سو رحمتیں ہیں، ان میں سے اللہ تعالیٰ نے ایک رحمت جنات، انسانوں، جانوروں، حشرات الارض کے درمیان نازل کی ہے، جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر شفقت کرتے ہیں اور رحمت کرتے ہیں، اسی رحمت کی وجہ سے وحشی جانور اپنے بچوں پر شفقت کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ننانوے رحمتیں مؤخر کرلی ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔ (صحیح البخاری: ۶۰۰۰، کتاب الادب، باب: جعل اللہ الرحمۃ مائۃ جزء)

نیز حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سو رحمتیں پیدا فرمائیں، پس ان میں سے ننانوے رحمتیں اپنے پاس رکھ لیں اور اپنے بندوں میں ایک رحمت رکھی، اس ایک رحمت کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور ماں اپنے بچے پر رحم کرتی ہے، پس جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس ایک رحمت کو ننانوے رحمتوں کے ساتھ ملائے گا، پھر ان رحمتوں سے اپنی مخلوق پر سایہ کرے گا، حتیٰ کہ ابلیس جو کفر کا سردار ہے وہ بھی یہ طمع کرے گا کہ اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۸۹۔ ۲۹۰ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

۱۰۔ بَابُ: عِيَادَةِ الْأَعْرَابِ — دیہاتیوں کی عیادت کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں دیہاتیوں کی عیادت کرنے کا بیان ہے، اس باب کے عنوان میں الأعراب کا ذکر ہے، اور ''الأعراب'' ان

لوگوں کو کہتے ہیں جو دیہاتوں میں رہتے ہیں اور شہروں میں نہیں رہتے اور بغیر ضرورت کے شہروں میں نہیں جاتے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۵۶۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُخْتَارٍ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنهما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَى أَعْرَابِيٍّ يَعُودُهُ قَالَ وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا دَخَلَ عَلَى مَرِيضٍ يَعُودُهُ فَقَالَ لَهُ لَا بَأْسَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللهُ قَالَ قُلْتَ طَهُورٌ كَلَّا بَلْ هِيَ حُمَّى تَفُورُ أَوْ تَثُورُ عَلَى شَيْخٍ كَبِيرٍ تُزِيرُهُ الْقُبُورَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَنَعَمْ إِذًا۔ (صحیح البخاری: ۳۶۱۶، ۵۶۵۶، ۵۶۶۲، ۷۴۷۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معلّٰی بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد العزیز بن مختار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک دیہاتی کے پاس اس کی عیادت کرنے کے لیے تشریف لے گئے، انہوں نے بیان کیا کہ جب نبی ﷺ کسی بیمار کے پاس عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو اس سے فرماتے: کوئی خطرے کی بات نہیں ہے، یہ بیماری ان شاء اللہ پاک کرنے والی ہے، اس دیہاتی نے کہا: آپ نے کہا: پاک کرنے والی ہے؟ ہرگز نہیں! بلکہ یہ تو بخار ہے جو جوش میں آرہا ہے یا کہا: یہ بخار ایک بہت بوڑھے پر غالب آگیا ہے اور اسے قبروں کی زیارت کرا کے رہے گا، تو نبی ﷺ نے فرمایا: ہاں! پھر ایسا ہی ہوگا۔

صحیح البخاری: ۵۶۵۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے خالد، وہ الحذاء ہیں، یہ حدیث اسی سند اور اسی متن کے ساتھ علامات نبوت میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''طھور'' یعنی یہ بخار تم کو تمہارے گناہوں سے پاک کرنے والا ہے۔ اس کے بعد فرمایا ہے ''ان شاء اللہ'' یہ دعا ہے، خبر نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''قُلتَ'' یعنی آپ نے کہا: وہ اعرابی نبی ﷺ کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ آپ نے کہا کہ یہ بیماری پاک کرنے والی ہے؟ ہرگز نہیں! یہ پاک کرنے والی نہیں ہے بلکہ یہ بخار ہے اور دوسری روایت میں ہے: بلکہ یہ مرض ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''تفور او تثور'' اس میں راوی کو شک ہے کہ اس اعرابی نے تفور کہا تھا یا تثور کہا تھا اور دونوں کا معنی ایک ہے کہ یہ بخار جوش میں آرہا ہے اور اس کی حرارت اور تپش ظاہر ہو رہی ہے۔ پھر اس نے کہا ''تزیر القبور'' یعنی یہ بخار اس بوڑھے کو قبروں کی زیارت کرانے والا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فنعم'' یعنی جب تم نے انکار کیا تو پھر ایسا ہی ہوگا جیسا کہ تم نے زعم کیا ہے یا مطلب یہ ہے کہ عنقریب ایسا ہی ہوگا اور امام طبرانی نے روایت کی ہے کہ وہ اعرابی صبح کو فوت ہو چکا تھا۔

حدیث مذکور کے فوائد

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: اس حدیث کا فائدہ یہ ہے کہ اگر امام اپنی رعیت کے کسی فرد کی عیادت کے لیے جائے تو اس سے امام کی شان میں کوئی کمی نہیں ہوتی، خواہ وہ کسی ننگے پیر دیہاتی کی عیادت کے لیے جائے۔ اسی طرح اگر عالم جاہل کی عیادت کے لیے جائے تو اس سے بھی اس کی شان میں کوئی کمی نہیں ہوتی اور عالم جاہل کی عیادت کے لیے جائے گا تو اس کو اس کے فائدے کی چیزوں کی نصیحت کرے گا اور اس کو دین کی تعلیم دے گا، اس کو صبر کی تلقین کرے گا، نیز اس میں اس بیمار کی دلجوئی ہوگی اور اس کے گھر والوں کی دلجوئی ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۴۔۳۲۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: علامہ ابن ملقن، شیخ عثیمین اور دیگر شارحین نے بھی صحیح البخاری: ۵۶۵۶ کی اسی طرح شرح کی ہے۔

۱۱۔ بَابُ: عِيَادَةِ الْمُشْرِكِ — مشرک کی عیادت کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب مشرک کی عیادت کرنے کے بیان میں ہے، علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ مشرک کی عیادت اس لیے کرنی چاہیے تا کہ اس کو اسلام کی دعوت دی جائے جب یہ توقع ہو کہ وہ اسلام کی دعوت کو قبول کرلے گا ورنہ پھر اس کی عیادت نہ کی جائے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ مشرک کی عیادت اختلافِ مقاصد سے مختلف ہوتی ہے، کبھی اس کی عیادت کسی اور مصلحت کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۵۷۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ رضى الله عنه أَنَّ غُلَامًا لِيَهُودَ كَانَ يَخْدُمُ النَّبِيَّ ﷺ فَمَرِضَ فَأَتَاهُ النَّبِيُّ ﷺ يَعُودُهُ فَقَالَ أَسْلِمْ فَأَسْلَمَ وَقَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ لَمَّا حُضِرَ أَبُو طَالِبٍ جَاءَهُ النَّبِيُّ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی کا لڑکا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا، سو وہ بیمار ہو گیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کرنے کے لیے تشریف لائے، آپ نے اس سے فرمایا: اسلام قبول کرلو، سو اس نے اسلام قبول کرلیا۔ اور سعید بن المسیب نے کہا از والد خود کہ جب ابو طالب کی موت کا وقت آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آئے۔

(صحیح البخاری: ۱۳۵۶، ۵۶۵۷، سنن ابوداؤد: ۳۰۹۵، مسند احمد: ۱۲۹۶۲)

صحیح البخاری: ۵۶۵۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق میں سعید بن المسیب کا ذکر ہے جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، ان کے والد المسیب بن حزن ہیں جو صحابی ہیں اور یہ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی اور ابو طالب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اور ان کا نام عبد مناف تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۵۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ مشرک کی عیادت اس لئے کی جائے تا کہ اس کو اسلام کی دعوت دی جائے جب کہ یہ امید ہو کہ وہ اسلام کی دعوت کو قبول کرے گا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے اسلام قبول کر لیا، اسی طرح آپ نے اپنے چچا ابو طالب پر اسلام کو پیش کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقدر نہیں کیا تھا، اور جب مشرک کے اسلام کی توقع نہ ہو تو پھر اس کی عیادت نہیں کرنی چاہیے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۹۳، ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۵۷ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی التوفی ۱۴۲۱ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مشرک کی عیادت کی تین صورتیں ہیں:

(۱) مشرک کی عیادت اس پر اسلام کو پیش کرنے کے لیے کی جائے، اس صورت میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، بشرطیکہ اس کے اسلام قبول کرنے کی توقع ہو۔

(۲) اس کے اسلام قبول کرنے کی توقع تو نہ ہو لیکن وہ رشتہ دار ہو یا پڑوسی ہو تب بھی اس کی عیادت کرنا جائز ہے، لیکن مرتد کی عیادت نہیں کی جائے گی۔

(۳) نہ اس کے اسلام کی توقع ہو اور نہ وہ رشتہ دار یا پڑوسی ہو، تو پھر اس کی عیادت نہیں کی جائے گی۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۵۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ ھ)

۱۲ - بَابٌ: إِذَا عَادَ مَرِيضًا فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّى بِهِمْ جَمَاعَةً

جب کوئی شخص مریض کی عیادت کرے اور اس دوران نماز کا وقت آ جائے تو وہ مریض لوگوں کو با جماعت نماز پڑھائے

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب لوگ کسی مریض کی عیادت کریں اور اس اثناء میں نماز کا وقت آ جائے تو وہ مریض عیادت کرنے والوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھائے۔

٥٦٥٨۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهِ نَاسٌ يَعُودُونَهُ فِي مَرَضِهِ فَصَلَّى بِهِمْ جَالِسًا فَجَعَلُوا يُصَلُّونَ قِيَامًا فَأَشَارَ إِلَيْهِمُ اجْلِسُوا فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ إِنَّ الْإِمَامَ لَيُؤْتَمُّ بِهِ فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا وَإِنْ صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ قَالَ الْحُمَيْدِيُّ هَذَا الْحَدِيثُ مَنْسُوخٌ لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ آخِرَ مَا صَلَّى صَلَّى قَاعِدًا وَالنَّاسُ خَلْفَهُ قِيَامٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی، از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس لوگ آپ کی بیماری میں آپ کی عیادت کرنے کے لیے آئے، آپ نے ان کو بیٹھ کر نماز پڑھائی، وہ لوگ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ وہ بیٹھ جائیں، پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ امام اس لئے ہوتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، پس جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو، جب وہ رکوع سے سر اٹھائے تو تم رکوع سے سر اٹھاؤ، اور اگر وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔ امام ابوعبداللہ (بخاری) نے بیان کیا کہ حمیدی نے کہا: یہ حدیث منسوخ ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے جو آخری نماز پڑھی تو اس میں آپ بیٹھے ہوئے تھے اور صحابہ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔

(صحیح البخاری: ٦٨٨، ١١١٣، ١٢٣٦، ٥٦٥٨، صحیح مسلم: ٤١٢، سنن ابوداؤد: ٦٠٥، سنن ابن ماجہ: ١٢٣٧، مسند احمد: ٢٤٦٢٥، موطا امام مالک: ٣٠٧)

صحیح البخاری: ٥٦٥٨، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، وہ ابن سعید القطان ہیں۔ اور ہشام کا ذکر ہے، وہ ابن عروہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "قیاما" یہ قائم کی جمع ہے، یا مصدر ہے اور اس کا معنی ہے کہ وہ عیادت کرنے والے کھڑے ہوئے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "جب امام سر اٹھائے تو تم بھی سر اٹھاؤ اور اگر وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو" یعنی اگر امام عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی اس کی اقتداء کرنے کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھو۔

امام بخاری نے کہا کہ یہ حدیث منسوخ ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے جو آخری نماز پڑھی تو آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھی تھی اور صحابہ

آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے کہا ہے کہ مقتدیوں کا بیٹھنا فقط منسوخ ہو گیا ہے اور امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق نے اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کیا ہے کہ امام جب بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے نماز میں قیام کا حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾ (البقرہ) اور اللہ کے سامنے ادب سے قیام کرو O

لہٰذا قیام فرض ہے، اور جس حدیث میں بیٹھنے کا حکم دیا ہے، وہ حدیث خبرِ واحد ہے۔ اگر اس حدیث پر عمل کیا جائے تو خبرِ واحد سے قرآن مجید کے حکم کا منسوخ کرنا لازم آئے گا، اس لئے اگر امام کسی عذر کی وجہ سے نماز میں بیٹھا ہوا ہے تو مقتدیوں کو قیام ترک نہیں کرنا چاہیے، جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری عمل بھی اسی کا مؤید ہے۔

رہا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا "کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو" تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ کی مکمل اقتداء کی جائے لیکن بعد میں جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور صحابہ نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو منع نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پچھلے امر کو منسوخ فرما دیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۶۵۸ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب کوئی انسان قوم کا رئیس اور کبیر ہو اور وہ بیمار ہو اور لوگ اس کی عیادت کے لیے آئیں اور نماز کا وقت آ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ مریض ان لوگوں کو نماز پڑھائے اور وہ ان کے ساتھ نماز پڑھ لیں، لیکن جب وہ مرد قوم کا رئیس اور کبیر نہ ہو تو عیادت کرنے والوں کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ اس کی اقتداء میں نماز پڑھیں، وہ عیادت کر کے چلے جائیں اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں، کیونکہ مریض کی عیادت کرنا ایسا عذر نہیں ہے جس کی وجہ سے نماز با جماعت کو ترک کر دیا جائے۔

جب مریض بیٹھ کر نماز پڑھائے تو آیا اس کے پیچھے نماز پڑھنے والے بیٹھ کر نماز پڑھیں یا کھڑے ہو کر نماز پڑھیں؟

حمیدی نے کہا: یہ حدیث منسوخ ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخیر میں بیٹھ کر نماز پڑھی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔ اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ یہ حدیث محکم ہے اور وہ یہ ہے کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بھی بیٹھ کر پڑھے، اور کسی حدیث کو منسوخ اس وقت قرار دیا جاتا ہے جب دو حدیثوں کے درمیان تطبیق نہ ہو سکے اور یہاں تطبیق ممکن ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخیر میں بیٹھ کر نماز پڑھی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے اور اس کی توجیہ ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض الموت میں بیٹھ کر نماز پڑھی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے، لیکن مرض الموت میں آپ کی نماز میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جس مرض کا ذکر کیا ہے، اس میں آپ کی نماز میں فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو حدیث بیان کی ہے اس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابتداء سے نماز پڑھ رہے تھے اور آپ بیٹھے ہوئے تھے اور وہ جو مرض الموت میں آپ نے نماز پڑھی اس میں لوگ آپ کے آنے سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آ گئے تو

آپ نے انہیں بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا، کیونکہ انہوں نے نماز کی ابتداء جب کی تو وہ کھڑے ہوئے تھے، تو حکمت یہ تھی کہ ان کو اسی حال پر باقی رکھا جائے جس حال پر وہ پہلے تھے اور یہی امام احمد بن حنبل کا مذہب ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب امام بیٹھا ہوا ہو تو لوگ اس کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھیں اور بیٹھ کر بھی پڑھیں، مگر جب انہوں نے نماز کی ابتداء کھڑے ہو کر کی تھی، پھر کوئی سبب پیش آ گیا جس کی وجہ سے امام بیٹھ گیا تو وہ نماز کھڑے ہو کر پوری کریں گے۔
(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۵۸-۳۵۹، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۵۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
سنت معروفہ یہ ہے کہ گھر والے سے جو لوگ ملنے کیلئے اس کے گھر آئیں، ان کی امامت گھر والا کرے، سوا اس کے کہ گھر والا خود کسی کو مقدم کر دے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بیماری میں عیادت کرنے والوں کو نماز پڑھانا دو وجہوں سے واجب تھا، اول یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر والے تھے اور گھر والا نماز پڑھانے کا زیادہ مستحق ہے اور ثانی یہ کہ کسی بھی جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی کا امام بننا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مقدم ہونا جائز نہیں ہے۔
علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس دور میں جو شخص بیمار ہو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے گھر میں کسی کو بیٹھ کر نماز پڑھائے، کیونکہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی امامت اکثر علماء کے نزدیک منسوخ ہو گئی ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۹ ص ۳۸۱)
علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: صرف ان کا بیٹھنا منسوخ ہوا ہے اور مریض کی امامت کرانا منسوخ نہیں ہوا، کیونکہ امام مالک یہ کہتے ہیں کہ مریض شخص تندرست لوگوں کی امامت نہ کرے۔ (المدونہ ج ۱ ص ۸۱)
علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد کوئی آدمی بیٹھ کر امامت نہ کرے۔
(مصنف عبدالرزاق: ۴۰۸۷، ۴۰۸۸، سنن دارقطنی ج ۱ ص ۳۹۸، سنن بیہقی: ج ۳ ص ۸)
علامہ ابن ملقن کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اور علامہ ابن القاسم نے کہا ہے کہ اس باب کی حدیث نفل پر محمول ہے اور یہ غلط ہے۔ امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق نے اس حدیث کو ظاہر پر محمول کیا ہے کہ امام جب بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی اس کی اتباع کریں اور بیٹھ کر نماز پڑھیں۔ (المغنی ج ۳ ص ۶۳-۶۱)
اور حدیث جابر سے یہ معلوم ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عیادت کرنے والوں کو بیٹھنے کا حکم دیا تھا، یہ تواضعاً دیا تھا اور اہلِ فارس کی مخالفت میں حکم دیا تھا، کیونکہ اہلِ فارس اپنے بادشاہوں کے سامنے کھڑے رہتے تھے یعنی ان کا بادشاہ بیٹھا ہوا ہوتا تھا اور وہ بادشاہ کی تعظیم میں کھڑے ہوئے ہوتے تھے۔ سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جب امام بیٹھا ہو تو تم بھی بیٹھ جاؤ۔
اور حُمیدی نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم آپ کے بعد کے فعل سے منسوخ ہو گیا ہے، کیونکہ آپ نے آخری نماز بیٹھ کر پڑھائی اور آپ کے پیچھے صحابہ کھڑے ہوئے تھے اور آپ نے ان کو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۹۴-۲۹۵ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

۱۳۔ بَابُ: وَضْعِ الْيَدِ عَلَى الْمَرِيضِ

بیمار کے اوپر ہاتھ رکھنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مریض کی عیادت کرنے والا اپنا ہاتھ مریض کے اوپر رکھے تا کہ مریض کو اس کے ساتھ اُنس ہو اور عیادت کرنے والے کو مرض کی معرفت ہو اور وہ اس کے لیے دعا کرے اور بعض اوقات اپنے ہاتھ سے اس کے اوپر دم کرے اور اس کے اوپر اپنا ہاتھ پھیرے جس سے بیمار کو نفع ہو، خصوصاً جب عیادت کرنے والا نیک شخص ہو اور اس کے ہاتھ سے تبرک حاصل کیا جاتا ہو اور اس کی دعا سے نفع حاصل ہوتا ہو جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے، اور یہ حسنِ ادب سے ہے اور بیمار کے اوپر شفقت کے قبیل سے ہے، اور کبھی ہاتھ رکھنے والا علاج کو جاننے والا ہوتا ہے تو وہ اس کو کوئی مناسب دوا یا پرہیز بتائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۵۹۔ حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا الْجُعَيْدُ عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ سَعْدٍ أَنَّ أَبَاهَا قَالَ تَشَكَّيْتُ بِمَكَّةَ شَكْوًا شَدِيدًا فَجَاءَنِي النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَعُودُنِي فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ إِنِّي أَتْرُكُ مَالًا وَإِنِّي لَمْ أَتْرُكْ إِلَّا ابْنَةً وَاحِدَةً فَأُوصِي بِثُلُثَيْ مَالِي وَأَتْرُكُ الثُّلُثَ فَقَالَ لَا قُلْتُ فَأُوصِي بِالنِّصْفِ وَأَتْرُكُ النِّصْفَ قَالَ لَا قُلْتُ فَأُوصِي بِالثُّلُثِ وَأَتْرُكُ لَهَا الثُّلُثَيْنِ قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ عَلَى جَبْهَتِهِ ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ عَلَى وَجْهِي وَبَطْنِي ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ اشْفِ سَعْدًا وَأَتِمَّ لَهُ هِجْرَتَهُ فَمَا زِلْتُ أَجِدُ بَرْدَهُ عَلَى كَبِدِي فِيمَا يُخَالُ إِلَيَّ حَتَّى السَّاعَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں المکی بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الجعید نے خبر دی از حضرت عائشہ بنت سعد رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ ان کے والد (حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) نے بیان کیا کہ میں مکہ میں بہت شدید بیمار ہو گیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس میری عیادت کرنے کے لیے تشریف لائے، سو میں نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی! میں مال چھوڑ رہا ہوں اور میں نے صرف ایک بیٹی چھوڑی ہے، تو کیا میں دو تہائی مال کی وصیت کردوں اور ایک تہائی (بیٹی کیلئے) چھوڑ دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے کہا: اچھا میں نصف مال کی وصیت کروں اور نصف مال اس کے لیے چھوڑ دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے کہا: اچھا میں ایک تہائی مال کی وصیت کروں اور دو تہائی مال چھوڑ دوں؟ آپ نے فرمایا: تہائی، اور تہائی بہت ہے۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھا، پھر اپنے ہاتھ کو میرے چہرے پر اور میرے پیٹ پر پھیرا اور پھر آپ نے دعا کی: اے اللہ! سعد کو شفاء عطا کر اور اس کی ہجرت کو مکمل کر۔ پس اس وقت سے لے کر اب تک جب بھی مجھے خیال آتا ہے، میں ہمیشہ آپ کے ہاتھ کی ٹھنڈک کو اپنے جگر پر محسوس کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم: ۱۶۲۸، سنن ترمذی: ۲۱۱۶، سنن نسائی: ۳۶۲۶، سنن ابوداؤد: ۲۸۶۴، مسند احمد: ۱۴۴۳، موطا امام مالک: ۱۴۹۵، سنن دارمی: ۳۱۹۶)

صحیح البخاری: ۵۶۵۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "مریض پر ہاتھ رکھنا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھا، پھر اپنا ہاتھ میرے چہرے پر اور میرے پیٹ پر پھیرا، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مکی بن ابراہیم کا ذکر ہے، یہ ابن بشیر بن فرقد البرجمی التمیمی الحنظلی البلخی ہیں، یہ ۲۱۵ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں الجُعید کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالرحمٰن الکندی ہیں اور ان کو بغیر تصغیر کے الجعد بھی کہا جاتا ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بنت سعد کا ذکر ہے، یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "تشکیت" یہ باب تفعیل سے ہے جو مبالغہ پر دلالت کرتا ہے، اور اس حدیث میں "شکویٰ" کا ذکر ہے، یہ لفظ تنوین اور بغیر تنوین دونوں طرح استعمال ہوتا ہے، اس کا معنی ہے مرض۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اور اس کی ہجرت کو مکمل فرمادے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے ہجرت کے مکمل ہونے کی دعا اس لئے کی کہ وہ بیمار تھے اور ان کو یہ خطرہ تھا کہ وہ اسی جگہ وفات پا جائیں گے جس جگہ سے انہوں نے ہجرت کی تھی، تو اللہ عزوجل نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعا کو قبول فرمایا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو شفاء دے دی اور وہ اس کے بعد مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فیما یخال" یعنی جس کا تخیل اور تصور کیا جاتا ہے، علامہ ابن التین نے کہا: صحیح یہ ہے کہ مجھے یہ خیال آتا تھا یا یہ تصور آتا تھا کہ آپ کے ہاتھ کی ٹھنڈک میں اب تک پا رہا ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۷، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۵۹ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مریض کی دلجوئی اور اس کے اطمینان کے لیے اس پر ہاتھ پھیرنا

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مریض کے اوپر ہاتھ پھیرنا مستحب ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے اوپر ہاتھ پھیرا، کیونکہ اس سے اس کو اطمینان ہوگا اور اس کو راحت ہوگی اور اس کا سینہ کشادہ ہوگا، سوا اس کے کہ عیادت کرنے والے کو معلوم ہو کہ مریض اس کو ناپسند کرتا ہے، نیز اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اپنے اصحاب کے اوپر رحمت کا ثبوت ہے، کیونکہ آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کے لیے دعا کی اور یہ دعا کی: اے اللہ! ان کی ہجرت کو مکمل کردے، اور یہ دعا اس لیے کی کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے تھے، اور مہاجرین اس کو ناپسند کرتے تھے کہ اس شہر میں ان کو موت آ جائے جس شہر

سے انہوں نے ہجرت کی ہے۔ اسی وجہ سے بعض احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کے اوپر افسوس کیا کیونکہ وہ مکہ میں فوت ہو گئے تھے۔ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی عمر طویل ہوئی اور وہ باقی رہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: شاید کہ تم زندہ رہو گے حتیٰ کہ تم سے کچھ قومیں نفع حاصل کریں گی اور کچھ قوموں کو تم سے نقصان ہوگا، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو باقی رکھا اور ان کے ہاتھوں پر عراق میں فتوحاتِ کثیرہ ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے کئی قوموں کو ان سے نفع پہنچایا وہ مسلمان تھے اور کئی قوموں کو ان سے نقصان پہنچایا وہ کفار تھے، اور انہوں نے بہت اولاد چھوڑی اور اس وقت ان کی صرف ایک بیٹی تھی۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۶۰، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۵۶۶۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ يُوعَكُ وَعْكًا شَدِيدًا فَمَسِسْتُهُ بِيَدِي فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّكَ لَتُوعَكُ وَعْكًا شَدِيدًا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَجَلْ إِنِّي أُوعَكُ كَمَا يُوعَكُ رَجُلَانِ مِنْكُمْ فَقُلْتُ ذٰلِكَ أَنَّ لَكَ أَجْرَيْنِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَجَلْ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيبُهُ أَذًى مَرَضٌ فَمَا سِوَاهُ إِلَّا حَطَّ اللهُ لَهُ سَيِّئَاتِهِ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابراہیم التیمی از الحارث بن سوید، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور اس وقت آپ کو بہت سخت بخار چڑھا ہوا تھا، سو میں نے آپ کو اپنے ہاتھ سے چھوا، پس میں نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کو تو بہت تیز بخار ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! مجھے اتنا بخار چڑھتا ہے جتنا تم میں سے دو آدمیوں کو چڑھتا ہے، میں نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو دو گنا اجر ملتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کو بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے وہ کوئی بیماری ہو یا اس کے سوا کوئی اور چیز ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۵۶۴۸، ۵۶۶۰، ۵۶۶۱، ۵۶۶۷، صحیح مسلم: ۲۵۷۱، مسند احمد: ۳۶۱۱، سنن دارمی: ۲۷۷۱)

صحیح البخاری: ۵۶۶۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث عنقریب اس باب میں گزر چکی ہے "اشد الناس بلاء الانبیاء" اس حدیث میں "اذیٰ" کا لفظ مذکور ہے اور اس کے بعد اس کا بیان ہے مرض۔ اور علامہ کرمانی نے کہا ہے: روایت ہے کہ ادنیٰ مرض ہو یا اس سے زیادہ، یعنی کم سے کم مرض ہو یا اس سے زیادہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۷، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۴۔ بَابٌ: مَا يُقَالُ لِلْمَرِيضِ وَمَا يُجِيبُ
مریض سے کیا کہا جائے اور وہ کیا جواب دے، اس کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عیادت کے وقت مریض سے کیا کہا جائے، اور مریض اس کو کیا جواب دے۔

۵۶۶۱۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي مَرَضِهِ فَمَسِسْتُهُ وَهُوَ يُوعَكُ وَعْكًا شَدِيدًا فَقُلْتُ إِنَّكَ لَتُوعَكُ وَعْكًا شَدِيدًا وَذٰلِكَ أَنَّ لَكَ أَجْرَيْنِ قَالَ أَجَلْ وَمَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيبُهُ أَذًى إِلَّا حَاتَّتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ كَمَا تَحَاتُّ وَرَقُ الشَّجَرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابراہیم التیمی از الحارث بن سوید از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: میں نبی ﷺ کے پاس آپ کے مرض میں حاضر ہوا، پس میں نے آپ کو چھوا اور آپ کو سخت بخار چڑھا ہوا تھا، میں نے کہا: بے شک آپ کو تو سخت بخار چڑھا ہوا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو دو اجر ملتے ہیں، آپ نے فرمایا: ہاں! اور جس مسلمان کو بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس سے اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۵۶۴۸، ۵۶۶۰، ۵۶۶۱، ۵۶۶۷، صحیح مسلم: ۲۵۷۱، مسند احمد: ۳۶۱۱، سنن دارمی: ۲۷۷۱)

صحیح البخاری: ۵۶۶۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے کہ "عیادت کرنے والا مریض سے کیا کہے اور مریض کیا جواب دے" اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی عیادت کرنے والے تھے اور انہوں نے یہ کہا کہ آپ کو تو سخت بخار چڑھا ہوا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو دو اجر ملتے ہیں، تو نبی ﷺ نے جواب میں فرمایا: جس مسلمان کو بھی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں، سو اس حدیث میں عیادت کرنے والے کے قول کا بھی ذکر ہے اور مریض کے جواب کا بھی ذکر ہے۔ اس حدیث کی اس سے پہلے شرح کی جا چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۴۸، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۶۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مریض سے تسلی کے کلمات کہنے کا بیان

علامہ المہلب مالکی نے لکھا ہے کہ سنت یہ ہے کہ بیمار سے ایسی باتیں کی جائیں جن سے اس کے درد اور تکلیف کے اندر کمی ہو

اور اس کو تسلی ہو اور اس کو بتایا جائے کہ اس بیماری کے سبب سے تمہارے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا اور تم گناہوں سے پاک ہو جاؤ گے، مثلاً یوں کہے: کوئی خطرہ کی بات نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اس بیماری کے سبب سے تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا، پھر تم پر کشادگی کرے گا اور تمہارے لیے اجر اور عافیت کو جمع کرے گا تاکہ وہ مریض تقدیر پر ناراض نہ ہو اور رحمت کے اسباب نہ ملنے کی وجہ سے بے چین اور مضطرب نہ ہو۔ اور عیادت کرنے والے کو چاہیے کہ مریض کو شیطان کے نرغہ میں نہ چھوڑے، پس بسا اوقات شیطان مریض کو ایسے کلمات کہنے پر اکساتا ہے جس سے ناشکری کا اظہار ہوتا ہے اور تقدیر پر راضی نہ رہنے کا وہم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی بدگمانی کا خطرہ ہوتا ہے، اس لیے مریض کے سامنے تسلی آمیز باتیں کرنی چاہئیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۹۸ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۶۶۲۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ دَخَلَ عَلَى رَجُلٍ يَعُودُهُ فَقَالَ لَا بَأْسَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللهُ فَقَالَ كَلَّا بَلْ حُمَّى تَفُورُ عَلَى شَيْخٍ كَبِيرٍ كَيْمَا تُزِيرَهُ الْقُبُورَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَنَعَمْ إِذًا۔

(صحیح البخاری: ۳۶۱۶، ۵۶۵۶، ۵۶۶۲، ۷۴۷۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی از خالد از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرد کے پاس اس کی عیادت کرنے کے لیے تشریف لے گئے، آپ نے فرمایا: کوئی خطرہ کی بات نہیں، یہ بیماری ان شاء اللہ پاک کرنے والی ہے، اس مرد نے کہا: ہرگز نہیں! بلکہ یہ بخار ہے جو بہت بوڑھے مرد کے اوپر جوش میں آرہا ہے تاکہ اس کو قبروں کی زیارت کرائے، نبی ﷺ نے فرمایا: اچھا! پھر ایسا ہی ہوگا۔

اس حدیث کی شرح عنقریب گزر چکی ہے۔

۱۵۔ بَابُ: عِيَادَةِ الْمَرِيضِ رَاكِبًا وَمَاشِيًا وَرِدْفًا عَلَى الْحِمَارِ

سوار ہو کر اور پیدل اور کسی کے پیچھے گدھے پر بیٹھ کر مریض کی عیادت کے لیے جانے کا بیان

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مریض کی عیادت کے لیے سوار ہو کر جانا، پیدل جانا اور کسی کے پیچھے گدھے پر بیٹھ کر جانا ہر طرح جائز ہے۔

۵۶۶۳۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَكِبَ عَلَى حِمَارٍ عَلَى إِكَافٍ عَلَى قَطِيفَةٍ فَدَكِيَّةٍ وَأَرْدَفَ أُسَامَةَ وَرَاءَهُ يَعُودُ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ قَبْلَ وَقْعَةِ بَدْرٍ فَسَارَ حَتَّى مَرَّ بِمَجْلِسٍ فِيهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ وَذٰلِكَ قَبْلَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عُقیل از ابن شہاب از عروہ، کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی کہ نبی ﷺ دراز گوش پر سوار ہوئے اور فدک کی چادر پالان پر بچھا کر بیٹھے، اور اپنے پیچھے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بٹھایا، آپ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف

أَنْ يُسْلِمَ عَبْدُ اللهِ وَفِي الْمَجْلِسِ أَخْلَاطٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُشْرِكِينَ عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ وَالْيَهُودِ وَفِي الْمَجْلِسِ عَبْدُ اللهِ بْنُ رَوَاحَةَ فَلَمَّا غَشِيَتِ الْمَجْلِسَ عَجَاجَةُ الدَّابَّةِ خَمَّرَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ أَنْفَهُ بِرِدَائِهِ قَالَ لَا تُغَبِّرُوا عَلَيْنَا فَسَلَّمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَوَقَفَ وَنَزَلَ فَدَعَاهُمْ إِلَى اللهِ فَقَرَأَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنَ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ يَا أَيُّهَا الْمَرْءُ إِنَّهُ لَا أَحْسَنَ مِمَّا تَقُولُ إِنْ كَانَ حَقًّا فَلَا تُؤْذِنَا بِهِ فِي مَجْلِسِنَا وَارْجِعْ إِلَى رَحْلِكَ فَمَنْ جَائَكَ فَاقْصُصْ عَلَيْهِ قَالَ ابْنُ رَوَاحَةَ بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ فَاغْشَنَا بِهِ فِي مَجَالِسِنَا فَإِنَّا نُحِبُّ ذٰلِكَ فَاسْتَبَّ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ وَالْيَهُودُ حَتَّى كَادُوا يَتَثَاوَرُونَ فَلَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم حَتَّى سَكَتُوا فَرَكِبَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم دَابَّتَهُ حَتَّى دَخَلَ عَلَى سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فَقَالَ لَهُ أَيْ سَعْدُ أَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالَ أَبُو حُبَابٍ يُرِيدُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أُبَيٍّ قَالَ سَعْدٌ يَا رَسُولَ اللهِ اعْفُ عَنْهُ وَاصْفَحْ فَلَقَدْ أَعْطَاكَ اللهُ مَا أَعْطَاكَ وَلَقَدِ اجْتَمَعَ أَهْلُ هٰذِهِ الْبَحْرَةِ عَلَى أَنْ يُتَوِّجُوهُ فَيُعَصِّبُوهُ فَلَمَّا رَدَّ ذٰلِكَ بِالْحَقِّ الَّذِي أَعْطَاكَ شَرِقَ بِذٰلِكَ فَذٰلِكَ الَّذِي فَعَلَ بِهِ مَا رَأَيْتَ۔

لے جارہے تھے، یہ غزوہ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے، پس آپ روانہ ہوئے حتیٰ کہ اس مجلس کے پاس سے گزرے جس میں عبد اللہ بن ابی ابن سلول تھا اور یہ اس کے اسلام قبول کرنے سے پہلے کا واقعہ ہے، اور اس مجلس میں چند مسلمان اور مشرکین اور بت پرست اور یہودی ملے جلے بیٹھے تھے، اور اس مجلس میں حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے، پھر جب سواری کے گرد وغبار نے مجلس کو ڈھانپ لیا تو عبد اللہ بن ابی نے اپنی چادر کا پلو اپنی ناک پر رکھا اور کہا: ہم پر گرد وغبار نہ اڑائیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا اور ٹھہر گئے اور سواری سے اترے اور ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی، پھر ان پر قرآن مجید کی آیات پڑھیں، تو آپ سے عبد اللہ بن ابی نے کہا: اے مرد آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ زیادہ اچھا نہیں ہے، اگر یہ حق ہے تو آپ ہماری مجالس میں اس ہمیں ایذاء نہ پہنچائیں اور اپنے گھر جائیں، پس جو آپ کے پاس آئے اس کے سامنے بیان کریں تو حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ اس قرآن کو ہماری مجلس میں پیش کریں، ہم اس کو پسند کرتے ہیں، پھر مسلمانوں اور مشرکوں اور یہود نے ایک دوسرے کو برا کہا حتیٰ کہ قریب تھا کہ وہ لڑ پڑتے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل ان کو ٹھنڈا کرتے رہے حتیٰ کہ وہ سب خاموش ہو گئے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر سوار ہوئے حتیٰ کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، پس آپ نے ان سے فرمایا: اے سعد! کیا تم نے نہیں سنا کہ ابو حباب نے کیا کہا ہے، آپ کی مراد تھی عبد اللہ بن ابی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اس کو معاف کر دیں اور اس سے درگزر کریں، اللہ تعالیٰ نے بے شک آپ کو عطا کیا ہے جو عطا کیا ہے اور اس بستی کے لوگ اس پر متفق ہو چکے تھے کہ اس کو سرداری کا تاج پہنائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو منصب نبوت عطا فرمایا ہے، اس کی وجہ سے اس کی یہ تاج پوشی مسترد ہو گئی لہٰذا یہ غضب

ناک ہو گیا، پس اسی وجہ سے اس نے وہ سلوک کیا جو آپ نے دیکھا۔

(صحیح البخاری: ۲۹۸۷، ۴۵۶۶، ۵۶۶۳، ۵۹۶۴، ۶۲۰۷، ۶۲۵۴، صحیح مسلم: ۱۷۹۸، مسند احمد: ۲۱۲۶۰)

صحیح البخاری: ۵۶۶۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "عیادت کے لیے گدھے پر سوار ہو کر جانا اور کسی کے پیچھے بیٹھ کر جانا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے دراز گوش پر سوار ہو کر گئے اور آپ نے اپنے پیچھے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بٹھایا ہوا تھا۔

یہ حدیث سورۂ آل عمران کی تفسیر کے آخر میں گزر چکی ہے، وہاں اس حدیث کی از ابوالیمان از شعیب از زہری از عروہ روایت کی تھی کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے بیان کیا۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "علی اکاف" یعنی اس دراز گوش کے اوپر ایک پالان تھا اور اس پر فدک کی چادر بچھائی ہوئی تھی اور فدک، خیبر کی ایک بستی ہے اور وہ چادر فدک میں بنی ہوئی تھی۔

اس حدیث میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ خزرج کے سردار تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "عبداللہ بن اُبی ابن سلول": سلول، عبداللہ بن اُبی کی ماں کا نام ہے، اس لئے لفظِ ابن پر پیش پڑھا جائے گا کیونکہ یہ عبداللہ کی صفت ہے اُبی کی صفت نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "عجاجۃ الدابۃ" اس کا معنی ہے: سواری کا گردوغبار۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "یتثاورون" یعنی وہ سب لوگ جوش میں آ گئے اور ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "عبداللہ بن ابی نے کہا: آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ زیادہ اچھا نہیں ہے" یعنی آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ اچھا کلام ہے، لیکن زیادہ اچھا کلام نہیں ہے، یہ عبداللہ بن ابی نے استہزاءً کہا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ابوحباب"، یہ عبداللہ بن ابی کی کنیت ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "البحرۃ"، اس سے مراد ہے البلدۃ یعنی یہ شہر یا یہ بستی۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "شرق" یعنی وہ غصہ ہو گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۶۳ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جدید دور میں عیادت کا طریقہ

یعنی یہ جائز ہے کہ انسان مریض کی عیادت کرے خواہ کسی چیز پر سوار ہو کر جائے، مثلاً وہ بس میں سوار ہو کر جائے اور مریض کی عیادت کرے تو کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر پیدل چل کر جائے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر ٹیلیفون پر مریض کی عیادت کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اس سے بھی عیادت حاصل ہو جاتی ہے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ لوگوں کے طریقے مختلف ہیں، پس بعض لوگ وہ ہیں جو ٹیلیفون پر عیادت کرنے کو کافی نہیں سمجھتے اور بعض لوگ وہ ہیں جو ٹیلی فون پر عیادت کرنے کو کافی سمجھتے ہیں اور ہر انسان کو اس کے مرتبہ میں رکھنا چاہیے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یہ عبداللہ بن ابی کے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہے'' یعنی اس کے ظاہراً اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہے، کیونکہ عبداللہ بن ابی نفاق پر مرا تھا۔ العیاذ باللہ! اور منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور ان کا نفاق دوزخ کے عذاب سے ان کو نجات نہیں دے سکتا۔

اور اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متواضع تھے اور آپ دراز گوش پر بھی سوار ہو جاتے تھے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۹۲، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

گدھے پر سواری کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گدھے پر سوار ہو کر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، اس لیے گدھے پر سوار ہونے کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ ملا علی قاری نے لکھا ہے: جو شخص گدھے پر سواری کو کم تر اور حقیر جانتا ہے، وہ خود گدھے سے بھی زیادہ کمتر اور حقیر ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گدھے پر سوار ہونا سنت ہے، گاؤں اور دیہات میں گدھے پر سواری کے مواقع ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۶۶۴۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدٍ هُوَ ابْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَنِي النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَعُودُنِي لَيْسَ بِرَاكِبِ بَغْلٍ وَلَا بِرْذَوْنٍ

(سنن ابوداؤد: ۳۰۹۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن عباس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از محمد اور وہ ابن المنکدر ہیں از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، میری عیادت کر رہے تھے، نہ آپ خچر پر سوار تھے اور نہ ٹٹو کسی گھوڑے پر۔

صحیح البخاری: ۵۶۶۴، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

''بِرْذَوْن'' کا معنی

بِرْذَوْن ایسا جانور ہے جس کے اعضاء بہت وزنی اور بھاری ہوتے ہیں اور اس کے پیر بہت قوی ہوتے ہیں اور اس کے کھر

بہت عظیم ہوتے ہیں، لیکن وہ عربی گھوڑوں کی نسل سے نہیں ہے، گھوڑوں کے مشابہ ہوتا ہے لیکن اس کا جسم ضخیم ہوتا ہے۔

حدیث مذکور کی شرح

اس حدیث میں بیان ہے کہ سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے اور آپ دونوں پیدل جا رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ دراز گوش پر سوار تھے اور نہ گھوڑے پر۔

یہ حدیث مریض کی زیارت کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے اور یہ کہ مریض کی زیارت کرنا اسلام کی سنتوں میں سے ہے اور ہمارے دین اسلام میں اس کی رغبت دی گئی ہے، اس سے مریض کے ساتھ محبت بڑھتی ہے اور اخوتِ ایمانی میں اضافہ ہوتا ہے، حدیث میں ہے:

امام ترمذی نے روایت کی ہے کہ جس شخص نے مریض کی عیادت کی یا اللہ کی محبت میں اپنے بھائی کی زیارت کی تو ایک منادی اسے پکار کر کہتا ہے: تم پاکیزہ ہو اور تمہارا چلنا بھی پاکیزہ ہے اور تم نے جنت میں اپنا ٹھکانا بنا لیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جنت میں گھر بنا دیا ہے جس میں تم ٹھہرو گے اور رہو گے، کیونکہ تم نے اللہ کی رضا کے لیے اپنے بھائی کی زیارت کی ہے اور یہ حدیث مریض کی عیادت کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے اور یہ کہ مریض کی عیادت کرنا مستحب ہے، خواہ پیدل چل کر جائے یا سوار ہو کر جائے یا کسی کے پیچھے سواری پر بیٹھ کر جائے جیسا کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھ کر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے گئے تھے۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری، ج ۵ ص ۲۴۴، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۱۶۔ بَابُ: مَا رُخِّصَ لِلْمَرِيضِ أَنْ يَقُولَ: إِنِّي وَجِعٌ أَوْ وَا رَأْسَاهُ أَوِ اشْتَدَّ بِي الْوَجَعُ

اس کا بیان کہ مریض کو یہ کہنے کی اجازت دی گئی ہے کہ مجھے درد ہے، یا ہائے میرا سر، یا میرا درد بہت زیادہ ہو گیا ہے

وَقَوْلِ أَيُّوبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: رَبِّهٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۸۳﴾ (الانبیاء)

اور حضرت ایوب علیہ السلام کا یہ کہنا: بے شک مجھے (سخت) تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے○

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مریض کے لیے یہ کہنا جائز ہے کہ وہ کہے کہ مجھے درد ہے یا تکلیف ہے، صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں مذکور ہے کہ مریض کو اس کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ کہے کہ مجھے درد ہے یا تکلیف ہے، اور یا مریض کہے: ہائے میرا سر،

یعنی جب اس کے سر میں شدید درد ہو اور اس کا ذکر اس حدیث میں صراحۃً ہے، یا کہے کہ میرے سر میں بہت شدید درد ہے۔ اور مریض کے قول پر حضرت ایوب علیہ السلام کے قول کا عطف کیا گیا ہے، لیکن حضرت ایوب علیہ السلام کا یہ قول باب کے عنوان کی مثل نہیں ہے، کیونکہ حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بہ طور دعا کہا تھا اور مخلوق سے ذکر نہیں کیا تھا۔ اور ایوب علیہ السلام کی اس دعا میں جاہل صوفیاء کے اس زعم کے رد کی طرف اشارہ ہے جو کہتے ہیں کہ بیماری اور تکلیف کو دور کرنے کے لیے دعا کرنا تسلیم و رضا کے خلاف ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ مذموم یہ ہے کہ اپنی بیماری کی شکایت مخلوق سے کی جائے، لیکن خالق سے اپنے درد اور تکلیف کی شکایت کرنا یہ مذموم نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے درد کی شکایت کی اور آپ کے اصحاب نے اور فقہاء تابعین نے بھی درد کی شکایت کی، روایت ہے کہ حسن بصری اپنے اصحاب کے پاس داخل ہوئے اور ان کی داڑھ میں تکلیف تھی اور وہ شکایت کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اے میرے رب! مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو ارحم الراحمین ہے، اور بنو آدم میں سے ہر شخص کو درد میں تکلیف ہوتی ہے اور وہ مرض کی شکایت کرتا ہے، مگر مذموم یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے بے قرار ظاہر کرنے کے لیے اور اللہ کی دی ہوئی تکلیف پر ناراضگی کے اظہار کے لیے شکایت کرے، لیکن اگر کوئی شخص اپنے بھائیوں کے سامنے اپنے درد اور تکلیف کا اظہار کرے تا کہ وہ اس کے لیے شفاء کی اور عافیت کی دعا کریں اور اس کا آہ و بکا کرنا تا کہ اس کو درد سے راحت ملے، یہ شکایت نہیں ہے۔ اور ابو طیب اور ابن صباغ اور فقہاء شافعیہ کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ مریض کا ہائے ہائے کرنا اور آہ و بکا کرنا مکروہ ہے، اور علامہ نووی نے کہا ہے: یہ قول ضعیف ہے یا باطل ہے، کیونکہ مکروہ وہ کام ہوتا ہے کہ جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہو اور مریض جو اپنی تکلیف میں ہائے ہائے کرتا ہے یا آہ و بکا کرتا ہے، اس سے ممانعت ثابت نہیں ہے۔

اور اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مذکور سے مریض کے آہ و بکا اور ہائے میرا سر کہنے کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۳۰۔۳۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۶۵۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ وَأَيُّوبَ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رضی اللہ عنہ مَرَّ بِيَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَنَا أُوقِدُ تَحْتَ الْقِدْرِ فَقَالَ أَيُؤْذِيكَ هَوَامُّ رَأْسِكَ قُلْتُ نَعَمْ فَدَعَا الْحَلَّاقَ فَحَلَقَهُ ثُمَّ أَمَرَنِي بِالْفِدَاءِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابن ابی نجیح و ایوب از مجاہد از عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ از حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے اور میں پتیلی کے نیچے آگ جلا رہا تھا، آپ نے فرمایا: کیا تمہیں تمہارے سر کی جوئیں تکلیف دے رہی ہیں؟ میں نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے سر مونڈنے والے کو بلایا، سو اس نے میرا سر مونڈ دیا، پھر آپ نے مجھے فدیہ دینے کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری: ۱۸۱۴، ۱۸۱۵، ۱۸۱۶، ۱۸۱۷، ۱۸۱۸، ۴۱۵۹، ۴۱۹۰، ۴۱۹۱، ۴۵۱۷، ۵۶۶۵، ۵۷۰۳، ۶۸۰۸، صحیح مسلم: ۱۲۰۱، سنن ترمذی: ۲۹۷۴، سنن نسائی: ۲۸۵۱، سنن ابوداؤد: ۱۸۵۶، سنن ابن ماجہ: ۳۰۷۹، مسند احمد: ۱۶۶۶۵، موطا امام مالک: ۹۵۵)

صحیح البخاری: ۵۶۶۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں مذکور ہے کہ "بیمار کہے: مجھے درد ہے یا تکلیف ہے، یا کہے: ہائے میرا سر یا کہے: مجھے شدید درد ہے"، اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تمہاری جوئیں تمہیں تکلیف دے رہی ہیں؟ تو انہوں نے کہا: جی ہاں! یعنی جوئیں ان کے سر کو تکلیف دے رہی تھیں اور یہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے شکایت نہیں کی بلکہ انہوں نے واقع کے بیان کی خبر دی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی نجیح، یہ عبداللہ ہیں اور ابو نجیح کا نام یسار ہے۔ اور اس میں ایوب کا ذکر ہے، وہ السختیانی ہیں۔

جس مُحرم کو جوؤں کی تکلیف کی وجہ سے سر منڈانے کی ضرورت ہو، اس کے فدیہ کا بیان

یعنی جب کسی شخص کو سر کے بال مونڈنے کی حاجت ہوتا کہ وہ جوؤں سے نجات پائے تو وہ اپنے سر کے بال مونڈے اور اس کے فدیہ میں تین دن کے روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو صدقہ دے، ہر مسکین کو دو کلو گندم دے یا ایک قربانی کرے، اس میں اعلیٰ درجہ اونٹ کی قربانی ہے اور اوسط درجہ گائے کی قربانی ہے اور ادنیٰ درجہ بکری کی قربانی ہے۔

یہ حدیث کتاب الحج میں گزر چکی ہے اس باب کے تحت فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهٖٓ أَذًى مِّنْ رَّأْسِهٖ (البقرہ:۱۹۶) اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۳۱، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ ھ)

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اپنی تکلیف کی اللہ تعالیٰ سے شکایت کرنے کا عدم جواز اور اپنے بھائیوں سے اپنی تکلیف کا اظہار کرنے کا جواز

امام طبری نے اس باب میں کہا ہے کہ ایک جماعت نے کہا ہے کہ بنی آدم میں سے ہر شخص کو درد سے تکلیف ہوتی ہے اور وہ مرض میں شکایت کرتا ہے، اس لئے کہ بنو آدم کے نفوس بے صبری اور بے قراری پر مبنی ہیں اور کوئی شخص اس پر قادر نہیں ہے کہ اس کو بیماری کی وجہ سے جو درد ہو رہا ہے وہ اس درد میں تکلیف کا اظہار نہ کرے، کیونکہ ہر شخص کی جبلت میں اور فطرت میں مرکوز ہے کہ جب اس کو تکلیف ہو تو وہ اس کا اظہار کرتا ہے اور کوئی شخص اپنی فطرت کو متغیر کرنے پر قادر نہیں ہے اور کسی شخص کو اس کی جبلت کے خلاف مکلف نہیں کیا جاتا۔ بندے کو صرف اس کا مکلف کیا گیا ہے کہ وہ مصیبت کے حال میں ایسا کام نہ کرے جس کو ترک کرنے کی کوئی صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ مصیبت کے وقت آہ و بکا نہ کرے اور مرض میں ہائے ہائے نہ کرے، پس جس نے مصیبت کے وقت ہائے ہائے کی یا بے قراری کا اظہار کیا تو وہ صابرین کے معانی سے نکل جائے گا اور بے صبری کے معانی میں داخل ہو جائے گا۔

امام ابن ابی شیبہ نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ مریض کی ہر بات کو لکھا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ ہائے ہائے جو کرتا ہے اس کو بھی لکھا جاتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۴۴، رقم الحدیث: ۱۰۸۳۰)

اور لیث نے بیان کیا کہ میں نے طلحہ بن مُصرف سے کہا کہ طاؤس بیماری میں ہائے ہائے کرنے کو مکروہ کہتے ہیں، پس طلحہ سے ہائے ہائے نہیں سنی گئی حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۲۱۳، رقم الحدیث: ۳۵۴۰۱)

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس پر سب کا اجماع ہے کہ بندے کو جو تکلیف یا شدت پہنچی ہے یا کوئی نقصان پہنچا ہے تو اس پر بندے کا اپنے رب سے شکایت کرنا مکروہ ہے، اور شکایت یہ ہے کہ وہ لوگوں سے ذکر کرے کہ اس کو رب نے اس امتحان میں ڈالا ہے، اور اس طرح ذکر کرے جس سے بے صبری ظاہر ہو، اور انہوں نے کہا ہے جو بیماری کی حالت میں آہ و بکا کرتا ہے وہ بھی اسی معنی میں ہے۔

اور لیث نے کہا: رب سے شکایت کرنے والا وہ ہے جو اپنی تکلیف اور مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر ناراض ہو اور پھر اپنی تکلیف کی اللہ تعالیٰ کو خبر دے، لیکن جو اپنے بھائیوں اور دوستوں کو اپنی مصیبت اور بیماری کی خبر دے تا کہ وہ اس کے لیے شفاء اور عافیت کی دعا کریں اور اس حال میں اگر وہ ہائے ہائے کر رہا ہو تو وہ اپنے رب سے شکایت کرنے والا نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے اصحاب نے اور متقدمین کی ایک جماعت نے اپنی تکلیف اور درد کی شکایت کی ہے۔

اور حسن بصری سے روایت ہے کہ ان کے پاس ان کے اصحاب آئے اور وہ ضرب کی شکایت کر رہے تھے اور یہ قول صحت اور صواب کے قریب ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا فعل اس کا شاہد ہے، کیونکہ درد کی حالت میں انسان کے منہ سے بے اختیار ہائے ہائے کے کلمات نکل جاتے ہیں اور جو چیز انسان کے اختیار میں نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا مکلف نہیں کرتا، اس لیے درد کی شدت میں اگر انسان کے منہ سے ہائے ہائے نکلے تو یہ ممنوع نہیں ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۳۰۵۔۳۰۶ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۶۶۶۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَبُو زَكَرِيَّاءَ أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ سَمِعْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ وَا رَأْسَاهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم ذَاكِ لَوْ كَانَ وَأَنَا حَيٌّ فَأَسْتَغْفِرَ لَكِ وَأَدْعُوَ لَكِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ وَا ثُكْلِيَاهُ وَاللهِ إِنِّي لَأَظُنُّكَ تُحِبُّ مَوْتِي وَلَوْ كَانَ ذَاكَ لَظَلِلْتَ آخِرَ يَوْمِكَ مُعَرِّسًا بِبَعْضِ أَزْوَاجِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بَلْ أَنَا وَا رَأْسَاهُ لَقَدْ هَمَمْتُ أَوْ أَرَدْتُ أَنْ أُرْسِلَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ وَابْنِهِ وَأَعْهَدَ أَنْ يَقُولَ الْقَائِلُونَ أَوْ يَتَمَنَّى الْمُتَمَنُّونَ ثُمَّ قُلْتُ يَأْبَى اللهُ وَيَدْفَعُ الْمُؤْمِنُونَ أَوْ يَدْفَعُ اللهُ وَيَأْبَى الْمُؤْمِنُونَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن یحییٰ ابوزکریاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان بن بلال نے خبر دی از یحییٰ بن سعید، انہوں نے کہا: میں نے القاسم بن محمد سے سنا، انہوں نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (سر کے شدید درد کی وجہ سے) کہا: ہائے سر! اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ایسا میری زندگی میں ہو گیا (یعنی میری زندگی میں تمہاری وفات ہو گئی) تو میں تمہارے لیے استغفار کروں گا اور تمہارے لیے دعا کروں گا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہائے مصیبت، اللہ کی قسم! میں یہ گمان کرتی ہوں کہ آپ میری موت کو پسند کرتے ہیں اور اگر ایسا ہو گیا تو آپ دن کے آخر میں اپنی ازواج میں سے کسی اور ساتھ دولہا بن چکے ہوں گے، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ

(صحیح البخاری:۷۲۱۷، صحیح مسلم:۲۳۸۷)

میں بھی کہتا ہوں: ہائے سر! (یعنی میرے سر میں بھی شدید درد ہے) اور میں نے بھی ارادہ کیا ہے کہ میں ابوبکر اور ان کے بیٹے کی طرف کسی کو بھیج کر بلاؤں اور میں وصیت کروں، کیونکہ کہنے والے کہیں گے (کہ ہم کو خلیفہ بنادیا جائے) یا تمنا کرنے والے (خلافت کی) تمنا کریں گے، پھر میں نے (دل میں) کہا کہ اللہ تعالیٰ (ابوبکر کے غیر کا) انکار کردے گا اور مومنین اس کو دفع کر دیں گے یا اللہ دفع کردے گا اور مومنین انکار کردیں گے۔

صحیح البخاری:۵۶۶۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں ہائے سر کہنے کا ذکر ہے اور اس حدیث میں بھی مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہائے سر!

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں یحییٰ بن یحییٰ کا ذکر ہے، یہ ابن بکر بن عبدالرحمٰن ابوزکریاء التمیمی الحنظلی النیشاپوری ہیں اور یہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں اور امام بخاری نے ان سے صرف چند جگہ روایت کی ہے۔ زکوٰۃ میں، وکالت میں، تفسیر میں اور احکام میں، اور امام مسلم نے ان سے زیادہ روایات لی ہیں۔ الدمیاطی نے کہا ہے کہ یہ عابد زاہد اور فاضل تھے۔ اور امام بخاری نے کہا: یہ صفر ۲۲۶ھ میں بدھ کے دن فوت ہو گئے تھے۔

اور اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن سعید کا ذکر ہے، وہ انصاری ہیں۔ اور القاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہائے سر، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ذاک'' اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر سر درد کی وجہ سے آپ کی وفات ہو گئی اور میں زندہ ہوا تو میں آپ کے لیے استغفار کروں گا اور عبداللہ بن عتبہ کی روایت میں ہے کہ اگر آپ مجھ سے پہلے فوت ہو گئیں تو میں آپ کو کفن پہناؤں گا، پھر میں آپ کی نماز جنازہ پڑھوں گا اور آپ کی تدفین کروں گا، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''واثکلیاہ'' یہ لفظ یا تو مصدر ہے یا اس عورت کی صفت ہے جس کا بچہ گم ہو گیا ہو، پس اگر یہ مصدر ہو تو اس میں ثاء پر پیش ہے اور لام کے نیچے زیر ہے، اگر یہ اسم ہو تو ثاء پر زبر ہے اور لام کے نیچے زیر ہے، کہا جاتا ہے ''ثکلتہ امہ ثکلا'' اور ''ثُکل'' کے معنی ہیں کہ عورت کا بچہ گم ہو جائے۔ اور اسی طرح ''اَلثَکل'' کا معنی ہے۔ اور اس لفظ سے اس کی حقیقت کا ارادہ نہیں کیا جاتا بلکہ یہ وہ کلمہ ہے جو عربوں کی زبان پر اس وقت جاری ہوتا ہے جب ان کو کوئی مصیبت پہنچے یا اس وقت جب ان کو کسی چیز کا خوف ہو تو وہ اس طرح کہتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہائے مصیبت، اللہ کی قسم! میں یہ گمان کرتی ہوں کہ آپ میری موت کو پسند کرتے ہیں'' ۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلام سے نکالی جو آپ نے فرمایا تھا: ''اگر تم مجھ سے پہلے فوت ہو گئیں'' اور آپ نے فرمایا تھا اور اگر ایسا ہو گیا تو، اور اس میں اشارہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات کی طرف تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''آپ دن کے اخیر میں اپنی ازواج میں سے کسی کے پاس دولہا بن چکے ہوں گے'' ۔یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص اپنی زوجہ کے ساتھ شب عروس منائے یا اس کے ساتھ عمل تزویج کرتے ہوئے اس کو ڈھانپ لے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''بلکہ میں کہتا ہوں ہائے سر!'' اس کا معنی یہ ہے: تمہارے جو سر میں درد ہو رہا ہے اور تمہارے دل میں جو خیال آرہا ہے، اس کو چھوڑو اور میرے ساتھ مشغول ہو، کیونکہ تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے تم میرے بعد زندہ رہو گی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو وحی سے جان لیا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور میں نے بھی ارادہ کیا ہے کہ میں ابو بکر اور ان کے بیٹے کی طرف کسی کو بھیج کر بلاؤں اور میں وصیت کروں'' ۔اور ایک روایت میں ہے کہ میں ابو بکر کے پاس آؤں، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ یہ غلط ہے، اس کا صحیح معنی اس طرح ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے: میرے لیے اپنے باپ اور اپنے بھائی کو بلاؤ، آپ کا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف جانا مشکل تھا، کیونکہ آپ تو مسجد میں نماز پڑھانے کے لیے جانے سے بھی عاجز تھے جب کہ مسجد مکان کے قریب تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور میں وصیت کروں'' یعنی میں خلافت کی وصیت کروں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کے ذکر کرنے کا کیا فائدہ ہے، کیونکہ ان کا خلافت میں کوئی دخل نہیں ہے، اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ مقام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دلجوئی کا تھا، یعنی یہ امر تمہارے والد کی طرف مفوض ہے، اسی طرح تمہارے بھائی کے آنے کی طرف مفوض ہے، کیونکہ وہ بھی اہلِ مشورہ میں سے ہیں، یا جب آپ نے ارادہ کیا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف معاملہ مفوض کر دیا جائے تو آپ نے چاہا کہ ان کے بعض محارم کو بھی حاضر کر لیا جائے حتیٰ کہ اگر کسی کی طرف پیغام بھیجنے کی حاجت ہو تو وہ اس کام کو کر سکے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''پھر میں نے (دل میں) کہا کہ اللہ تعالیٰ (ابو بکر کے غیر کا) انکار کر دے گا اور مومنین اس کو دفع کر دیں گے یا اللہ دفع کر دے گا اور مومنین انکار کر دیں گے'' ۔

راوی کو شک ہے کہ کون سا جملہ مقدم ہے اور کون سا جملہ مؤخر ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۳۲۔ ۳۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۶۷۔ حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ يُوعَكُ فَمَسِسْتُهُ بِيَدِي فَقُلْتُ إِنَّكَ لَتُوعَكُ وَعْكًا شَدِيدًا قَالَ أَجَلْ كَمَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد العزیز بن مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان نے حدیث بیان کی از ابراہیم التیمی از الحارث بن سوید از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور اس وقت آپ

يُوعَكُ رَجُلَانِ مِنْكُمْ قَالَ لَكَ أَجْرَانِ قَالَ نَعَمْ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيبُهُ أَذًى مَرَضٌ فَمَا سِوَاهُ إِلَّا حَطَّ اللهُ سَيِّئَاتِهِ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا۔

کو بخار چڑھا ہوا تھا، میں نے اپنے ہاتھ سے آپ کو چھوا تو میں نے کہا: آپ کو تو بہت تیز بخار چڑھا ہوا ہے، آپ نے فرمایا: ہاں! جتنا بخار تم میں سے دو آدمیوں کو چڑھتا ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ کے لیے دو اجر ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! جس مسلمان کو بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور بیماری پہنچتی ہے یا اس کے سوا کوئی مصیبت ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو جھاڑ دیتا ہے جیسے درخت سے اس کے پتے جھڑتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۵۶۴۸، ۵۶۶۰، ۵۶۶۱، ۵۶۶۷، صحیح مسلم: ۲۵۷۱، مسند احمد: ۳۶۱۱، سنن دارمی: ۲۷۷۱)

صحیح البخاری: ۵۶۶۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے معنی سے سمجھ آ رہی ہے، کیونکہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ''مجھے اتنا (سخت) بخار چڑھتا ہے جتنا تم میں سے دو آدمیوں کو چڑھتا ہے'' اور آپ کے اس ارشاد میں بھی تکلیف کا اظہار ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں موسیٰ کا ذکر ہے، وہ ابن اسماعیل المنقری ہیں۔ اور سلیمان کا ذکر ہے، وہ الاعمش ہیں۔ اور یہ حدیث عنقریب ''باب شدة المرض'' میں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۳۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۶۷، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی شرح

یہ عجیب و غریب قصہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو آپ نے دیکھا کہ وہ سر کے درد کی وجہ سے بیمار تھیں اور ہائے سر ہائے سر کہہ رہی تھیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ لطف کا ارادہ کیا اور فرمایا: بلکہ میں کہتا ہوں: ہائے سر! گویا کہ آپ ان سے فرما رہے تھے کہ تمہارے علاوہ میرے سر میں بھی درد ہو رہا ہے، پھر آپ نے ان سے مزاح فرمایا اور ارشاد فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر تم مجھ سے پہلے فوت ہوگئیں تو میں تم کو غسل دوں گا، تم کو کفن پہناؤں گا اور تم کو اپنے ہاتھ سے قبر میں اتاروں گا، یعنی کیا تم خوش نہیں ہوتیں؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے کہا: گویا آپ میری موت کی تمنا کر رہے ہیں اور اگر ایسا ہوگیا اور میں آپ سے پہلے فوت ہوگئی تو آپ شام کو میری سوکنوں میں سے کسی ایک کے ساتھ دولہا بنے ہوئے ہوں گے اور مجھے بھول جائیں گے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے جواب سے مسکرائے، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ عورتوں میں کتنی غیرت ہوتی ہے۔ پھر ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے ارادہ کیا ہے کہ تمہارے والد کو بلاؤں اور ان کو خلافت کی وصیت کر دوں اور تمہارے بھائی عبد

الرحمٰن اس پر گواہ ہوں گے، اس خطرہ کی وجہ سے کہ کہنے والے لوگ کہیں گے اور تمنا کرنے والے لوگ تمنا کریں گے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غیر خلیفہ بنے، لیکن میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوگا اور نہ مومنین راضی ہوں گے کہ میرے بعد ان کا خلیفہ میرے صاحب ابوبکر کے علاوہ کوئی اور ہو اور مجھے چونکہ یقین تھا کہ اسی طرح ہوگا، اسی لیے میں نے تمہارے والد کے لیے خلافت کی وصیت کو ترک کر دیا تا کہ مسلمان ان کو خود اپنے اختیار سے خلیفہ بنالیں۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں اس غیرت کو بیان کیا گیا ہے جو عورتوں کی طبیعت میں ہوتی ہے۔

(۲) اس حدیث میں مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ دل لگی کرنے کا بیان ہے۔

(۳) اس حدیث میں درد کا ذکر ہے جو بطور شکایت نہیں ہے اور اس کا اعتماد دل کے عمل پر ہے نہ کہ زبان سے کلام پر۔

(۴) اس حدیث میں مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ بیماری کی حالت میں اُنس کا اظہار ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کیا جب آپ نے دیکھا کہ ان کے سر میں درد ہو رہا ہے تو آپ نے فرمایا: بلکہ میرے سر میں بھی درد ہو رہا ہے۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری، ج ۵ ص ۲۴۶۔ ۲۴۷، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۵۶۶۸۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ جَاءَنَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَعُودُنِي مِنْ وَجَعٍ اشْتَدَّ بِي زَمَنَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَقُلْتُ بَلَغَ بِي مَا تَرَى وَأَنَا ذُو مَالٍ وَلَا يَرِثُنِي إِلَّا ابْنَةٌ لِي أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثَيْ مَالِي قَالَ لَا قُلْتُ بِالشَّطْرِ قَالَ لَا قُلْتُ الثُّلُثُ قَالَ الثُّلُثُ كَثِيرٌ أَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ وَلَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللهِ إِلَّا أُجِرْتَ عَلَيْهَا حَتَّى مَا تَجْعَلُ فِي فِي امْرَأَتِكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن عبد اللہ بن ابی سلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے خبر دی از عامر بن سعد از والد خود، انہوں نے بیان کیا کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کرنے کے لیے آئے، اس شدید درد کی وجہ سے جو حجۃ الوداع کے زمانہ میں مجھے ہوا تھا، پس میں نے کہا: آپ دیکھ رہے ہیں کہ مجھے کتنا درد ہو رہا ہے اور میں مالدار ہوں، اور میری وارث میری صرف ایک بیٹی ہے، کیا میں دو تہائی مال صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے کہا: نصف مال صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے کہا: تہائی مال صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا: تہائی بہت ہے، بے شک تم اگر اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑو تو وہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو فقراء چھوڑ دو، وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں اور تم ہرگز کوئی خرچ نہیں کرو گے جس سے تم اللہ کی رضا کا ارادہ کرو مگر تمہیں اس پر اجر دیا جائے گا، حتیٰ کہ جو تم اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ رکھتے ہو، اس میں بھی تمہیں اجر دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم: ۱۶۲۸، سنن ترمذی: ۲۱۱۶، سنن نسائی: ۳۶۲۶، سنن ابوداؤد: ۲۸۶۴، مسند احمد: ۱۴۴۳، موطا امام مالک: ۱۴۹۵، سنن دارمی: ۳۱۹۶)

صحیح البخاری: ۵۶۶۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں مذکور ہے" یا مجھے شدید درد ہے"اور اس حدیث میں بھی ذکر ہے کہ حجۃ الوداع کے زمانہ میں مجھے شدید درد ہوا تھا جب آپ میری عیادت کے لیے تشریف لائے تھے۔

یہ حدیث عامر بن سعد سے مروی ہے، ان کے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں جو ان دس صحابہ میں سے ایک ہیں جن کو جنت کی بشارت دی گئی ہے، یہ حدیث بھی اس سے پہلے کئی بار گزر چکی ہے اور اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۳۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۷۔ بَابُ: قَوْلِ الْمَرِيضِ قُومُوا عَنِّي — بیمار کا یہ کہنا کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مریض کا عیادت کرنے والوں سے یہ کہنا جائز ہے کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ، جب عیادت کرنے والوں سے کوئی ایسی بات ظاہر ہو جو اس قول کا تقاضا کرتی ہو۔

۵۶۶۹۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ و حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ لَمَّا حُضِرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَفِي الْبَيْتِ رِجَالٌ فِيهِمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ هَلُمَّ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوا بَعْدَهُ فَقَالَ عُمَرُ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَدْ غَلَبَ عَلَيْهِ الْوَجَعُ وَعِنْدَكُمُ الْقُرْآنُ حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ فَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْبَيْتِ فَاخْتَصَمُوا مِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ قَرِّبُوا يَكْتُبْ لَكُمُ النَّبِيُّ ﷺ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ مَا قَالَ عُمَرُ فَلَمَّا أَكْثَرُوا اللَّغْوَ وَالِاخْتِلَافَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قُومُوا قَالَ عُبَيْدُ اللهِ فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ إِنَّ الرَّزِيَّةَ كُلَّ الرَّزِيَّةِ مَا حَالَ بَيْنَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از معمر، اور انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از عبیداللہ بن عبداللہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر وفات کا وقت قریب آیا اور اس وقت گھر میں چند مرد تھے، ان میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے، نبی ﷺ نے فرمایا: آؤ میں تم کو ایسا مکتوب لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک نبی ﷺ پر درد کا غلبہ ہے اور تم لوگوں کے پاس قرآن موجود ہے، ہمیں کتاب اللہ کافی ہے۔ پس گھر کے لوگوں میں اختلاف ہو گیا، انہوں نے آپس میں بحث کی۔ بعض یہ کہتے تھے: وہ چیز قریب لاؤ جس سے تمہارے لیے نبی ﷺ ایسا مکتوب لکھ دیں جس کے بعد

رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَبَيْنَ أَنْ يَكْتُبَ لَهُمْ ذٰلِكَ الْكِتَابَ مِنْ اخْتِلَافِهِمْ وَلَغَطِهِمْ۔

تم گمراہ نہیں ہو گے، اور گھر والوں میں سے بعض وہ کہتے تھے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا، جب فضول باتیں بہت زیادہ ہوئیں اور نبی ﷺ کے پاس اختلاف بھی بہت زیادہ ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اٹھ جاؤ! عبید اللہ نے کہا: پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ کہتے تھے کہ مصیبت جو سب سے بڑی مصیبت تھی یہ وہ تھی کہ صحابہ کے اختلاف اور شور کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے درمیان اور آپ کے اس مکتوب کو لکھوانے کے درمیان حائل ہو گئی۔

(صحیح البخاری: ۱۱۴، ۳۰۵۳، ۳۱۶۸، ۴۴۳۱، ۴۴۳۲، ۵۶۶۹، ۷۳۶۶، صحیح مسلم: ۱۶۳۷، مسند احمد: ۲۹۸۳)

صحیح البخاری: ۵۶۶۹ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور سے مستنبط فقہی مسئلہ

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جب بیمار پر مرض کی شدت ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ عیادت کرنے والوں سے کہے: میرے پاس سے اٹھ جاؤ اور ان کو گھر سے نکلنے کا حکم دے تا کہ مریض صرف اپنے گھر والوں اور ذوی الارحام کے ساتھ اکیلا رہ جائے۔ اور اس کو زائرین کے اوپر سختی نہیں کہا جائے گا بلکہ زائرین کی طرف سے سختی یہ ہے کہ وہ زیادہ دیر تک مریض کے پاس بیٹھے رہے اور اس کا مرض زیادہ ہو رہا تھا اور عیادت کرنے والوں کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ کم وقت مریض کے پاس بیٹھیں اور زیادہ وقت بیٹھ کر اس کو اذیت میں مبتلا نہ کریں۔

نبی ﷺ کے مکتوب منگوانے کی حکمت

الشیخ ابو الحسن نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ نے جو فرمایا تھا ''میرے پاس ایک مکتوب لاؤ تا کہ میں ایسی چیز لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو'' تو آپ کا یہ ارشاد صحابہ کرام کی فہم کے امتحان کے لیے تھا اور نبی ﷺ کا منشاء یہ نہیں تھا کہ لازماً اور وجوباً لکھنے کے لیے کوئی چیز لا کر دو، پس جب آپ نے صحابہ پر یہ سوال ڈالا تو جو ذہین صحابہ تھے انہوں نے غور کیا اور کہا: ہمارے پاس ہمارے اللہ اور ہمارے رب کی کتاب موجود ہے۔ تو جو بھی کوئی نیا حادثہ پیش آئے گا تو اس کا حکم ہم اس کتاب سے نکال لیں گے اور وہ آپ کو لکھنے کے لیے کوئی چیز دینے سے رک گئے اور یہ ان کی فقہ میں باریک بینی تھی اور نبی ﷺ نے اسی جماعت کی رائے کو اختیار کیا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر نبی ﷺ کا منشاء یہ ہوتا کہ لازماً ایسی چیز لائی جائے جس پر میں کوئی ایسی بات لکھ دوں تو پھر نبی ﷺ ضرور وہ چیز منگواتے اور صحابہ کرام کے اختلاف کی وجہ سے لکھوانے کو ترک نہ فرماتے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۳۱۱۔ ۳۱۲ ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری ۵۶۶۹، کی شرح از علامہ قسطلانی

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا چیز لکھوانا چاہتے تھے؟

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کے متعلق لکھوانا چاہتے تھے، یا اور اہم کام لکھوانا چاہتے تھے کہ جب کسی حکم کے متعلق نصِ صریح آجائے تو پھر اس میں شک نہ کیا جائے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درد کی شدت ہے، تو آپ کو لکھوانے میں مبتلا کر کے مزید مشقت میں نہ ڈالا جائے، کیونکہ اس سے آپ کے درد میں اور اضافہ ہوگا اور تمہارے پاس قرآن مجید موجود ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے اور ہمیں اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب کافی ہے جس میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا اور تمہارے لیے اللہ نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے تو قیامت تک کوئی واقعہ پیش نہیں آئے گا مگر قرآن اور سنت میں اس کا بیان اور اس کی تصریح ہوگی یا صراحۃً حکم ہوگا یا اس پر دلالت ہوگی، اور یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی باریک بینی تھی، تو اس طرح انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تخفیف کا مشورہ دیا اور تاکہ اجتہاد اور مسائل کے استنباط کا دروازہ بند نہ ہو جائے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر کی رائے پر انکار نہیں کیا، اس میں دلیل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے صحیح تھی۔

(ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ج ۱۲ ص ۳۶۵، دار الفکر بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۶۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عیادت کرنے کے آداب

اس حدیث سے عیادت کرنے کرنے کے حسب ذیل آداب مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) مریض کے پاس زیادہ دیر تک نہ بیٹھا جائے حتیٰ کہ مریض کو بے چینی اور بے قراری ہو۔

(۲) مریض کے پاس ایسی باتیں نہ کی جائیں جس سے مریض رنجیدہ ہو۔

(۳) مریض کے گھر کا دروازہ زور سے نہ کھٹکھٹایا جائے اور اپنا نام واضح طور پر لیا جائے، یوں نہ کہا جائے کہ میں ہوں۔

(۴) ایسے وقت میں مریض کے پاس نہ جائے جو عیادت کے لائق نہ ہو، مثلاً وہ اس کی دوا پینے کا وقت ہے۔

(۵) مریض کے پاس کم وقت بیٹھے اور نظر نیچی رکھے اور سوال کم کرے اور رقت کو ظاہر کرے اور اخلاص سے دعا کرے اور مریض کی امید میں توسیع کرے اور اس کو صبر کی تلقین کرے جس سے عظیم اجر حاصل ہو۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۲۶، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۹۰، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

اس حدیث کی مفصل اور مبسوط شرح کتاب العلم میں گزر چکی ہے۔

۱۸۔ بَابُ: مَنْ ذَهَبَ بِالصَّبِيِّ الْمَرِيضِ لِيُدْعَى لَهُ

بیمار بچے کو (کسی بزرگ کے پاس) لے جانا تا کہ اس کے لیے دعا کی جائے

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کسی بیمار بچے کو صالحین کی طرف اور اربابِ فضیلت کی طرف لے جایا جائے تا کہ اس بچے کو ان کی دعا سے نفع حاصل ہو۔

۵۶۷۰۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ هُوَ ابْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنِ الْجُعَيْدِ قَالَ سَمِعْتُ السَّائِبَ يَقُولُ ذَهَبَتْ بِي خَالَتِي إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ ابْنَ أُخْتِي وَجِعٌ فَمَسَحَ رَأْسِي وَدَعَا لِي بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ تَوَضَّأَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوئِهِ وَقُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهِ فَنَظَرْتُ إِلَى خَاتَمِ النُّبُوَّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِثْلَ زِرِّ الْحَجَلَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن حمزہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حاتم نے حدیث بیان کی، وہ ابن اسماعیل ہیں از الجعید، انہوں نے کہا: میں نے السائب سے سنا، وہ کہہ رہے تھے: مجھے میری خالہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئیں، پس انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ میرا بھانجا ہے اور اس کے سر میں درد ہے، سو آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور مجھے برکت کی دعا دی، پھر آپ نے وضو کیا تو میں نے آپ کے وضو کے بچے ہوئے پانی سے پیا، اور میں آپ کی پیٹھ کے پیچھے کھڑا ہو گیا تو میں نے آپ کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت کو دیکھا جو حجلہ عروس کی گھنڈی کی مثل تھی۔

(صحیح البخاری: ۱۹۰، ۳۵۴۱، ۳۵۴۲، ۶۳۵۲، صحیح مسلم: ۲۳۴۵، مسند احمد: ۱۵۷۲۴)

صحیح البخاری: ۵۶۷۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن حمزہ کا ذکر ہے، یہ ابو اسحاق الزبیری الاسدی المدنی ہیں، ۲۳۰ ھ میں ان کی وفات ہوگئی تھی۔ اور اس حدیث کی سند میں حاتم بن اسماعیل کا ذکر ہے، یہ کوفی ہیں، انہوں نے مدینہ منورہ میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ اور جعید کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالرحمٰن الکندی التیمی ہیں، ان کو جعد بھی کہا جاتا ہے۔ اور السائب بن یزید کا ذکر ہے، یہ خود اور ان کے والد دونوں صحابی ہیں۔

اس حدیث میں بیان ہے کہ آپ کی مہر نبوت چھپر کھٹ کی گھنڈی کی مثل تھی، اس کے متعلق اور بھی روایات ہیں:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی پشت میں مہر نبوت کو دیکھا، وہ کبوتر کے انڈے کی مثل تھی۔

''زر'' کا معنی ہے: بٹن کی مثل گول سی کوئی چیز جس کو قمیص کے کاج میں پھنسا دیتے ہیں، اب اس کا رواج نہیں ہے اور اب اس

کی جگہ بٹن لگاتے ہیں۔اور اس حدیث میں حجلہ کا ذکر ہے، یہ وہ پلنگ ہے جو دولہا دلہن کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔

یہ حدیث کتاب الطہارۃ میں گزر چکی ہے اور اس کی شرح وہاں کی جا چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۹۔ بَابُ: تَمَنِّي الْمَرِيضِ الْمَوْتَ — بیمار کا موت کی تمنا کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مرض کی شدت کی وجہ سے مریض موت کی تمنا نہ کرے۔

۵۶۷۱۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ أَصَابَهُ فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ أَحْيِنِي مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ثابت البنانی نے حدیث بیان کی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کسی تکلیف کے پہنچنے کی وجہ سے ہرگز موت کی تمنا نہ کرے، پس اگر اس نے ضرور ہی تمنا کرنی ہو تو وہ یوں کہے "اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک زندگی میرے لیے بہتر ہو اور جب میرے لیے وفات بہتر ہو تو مجھ کو وفات عطا کر دے"۔

(صحیح البخاری: ۶۳۵۱، ۷۲۳۳، صحیح مسلم: ۲۶۸۰، سنن ترمذی: ۹۷۱، سنن نسائی: ۱۸۲۰، سنن ابوداؤد: ۳۱۰۸، سنن ابن ماجہ: ۴۲۶۵، مسند احمد: ۱۱۵۶۸)

صحیح البخاری: ۵۶۷۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے": یہ خطاب صحابہ کرام کو ہے اور مراد صحابہ بھی ہیں اور ان کے بعد مسلمان بھی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اس تکلیف کی وجہ سے جو اس کو پہنچی ہے": یہ مرض کو بھی شامل ہے اور دوسری چیزیں جو تکلیف کی اقسام سے ہیں ان کو بھی شامل ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اگر وہ کرنے والا ہو" یعنی اگر وہ تمنا کرنے والا ہو، اور الدعوات کی روایت میں ہے: اگر وہ ضرور موت کی تمنا کرنے والا ہو۔

آیا موت کی تمنا کرنا منسوخ ہے یا نہیں؟

اس حدیث میں مصیبت نازل ہونے کے وقت موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کی تھی:

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ (یوسف) مجھے (دنیا سے) مسلمان اٹھانا، اور مجھے نیک بندوں سے ساتھ ملا دینا○

اوراسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے موت کی دعا کی:

وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ (النمل) اوراپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے○

اوراس باب کی حدیث صحیح البخاری: ۵۶۷۴ میں مذکور ہے: ''اے اللہ! میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ کے ساتھ ملا دے''۔ اور حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہما نے موت کی دعا کی ہے۔ اوراس استدلال کو رد کر دیا گیا ہے، کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت یہ دعا کی جب موت مقدر ہو گئی تھی اوراس سے مراد یہ ہے کہ ہمیں ان کاملین کے درجات کے ساتھ ملا دے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جو حدیث ہے وہ ضعیف ہے۔ اس حدیث کی روایت معمر نے از علی بن زید کی ہے اور وہ ضعیف راوی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۳۵، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۷۱ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

موت کی تمنا کے متعلق دیگر احادیث

امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ از سلمہ بن ابی زید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موت کی تمنا نہ کرو، کیونکہ موت کی ہولناکی شدید ہے اور مرد کی سعادت اس میں ہے کہ اس کی عمر لمبی ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف رجوع کی توفیق عطا فرمائے۔

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ از عبد اللہ بن قیس روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کی عمر طویل ہو اور اس کے عمل نیک ہوں۔ (سنن ترمذی: ۲۳۲۹، مسند احمد ج ۴ ص ۱۹۰)

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ از عبد الرحمٰن بن ابی بکرہ از والد خود روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! لوگوں میں سب سے بہتر کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: جس کی عمر طویل ہو اور عمل اچھے ہوں، پھر اس نے کہا: لوگوں میں سب سے برا کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کی عمر طویل ہو اور عمل برے ہوں۔ (سنن ترمذی: ۲۳۳۰)

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حارثہ بن مضرب سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا انہوں نے اپنے پیٹ میں لوہے سے داغ لگوایا ہوا تھا، انہوں نے کہا: میرے علم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی ایک پر بھی اتنے مصائب نہیں آئے جتنے مصائب مجھ پر آئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مجھے ایک درہم بھی میسر نہ تھا، اور اب میرے گھر کی ایک جانب میں چالیس ہزار درہم ہیں اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع نہ کیا ہوتا یا کہا: ہمیں موت کی تمنا کرنے سے منع نہ کیا ہوتا تو میں ضرور موت کی تمنا کرتا۔ (سنن ترمذی: ۹۷۰، مسند احمد ج ۵ ص ۱۰۹)

حدیث مذکور کی فقہ

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں: اس باب کا حکم یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس سے منع فرمایا ہے کہ کسی مصیبت کے نازل ہونے کے وقت وہ موت کی تمنا کرے، اور ان کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ یہ دعا کریں کہ جب ان کے لیے موت میں خیر ہو تو اس وقت ان پر موت آئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے موت کی دعا کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے رفیقِ اعلیٰ کے ساتھ ملا دے اور حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہما نے موت کی دعا کی، سو یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ ان حضرات نے اس وقت یہ دعا کی جب موت مقارن ہوگئی تھی اور ان کی مراد یہ تھی کہ ہمیں صالحین کے درجات کے ساتھ ملا دے۔
علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں: اور شاید مراد یہ تھی کہ جب تو مجھے وفات عطا کرے تو ایسا کرنا۔ سو یہ دعا ہے، تمنا نہیں ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا کی کہ مجھے رفیقِ اعلیٰ کے ساتھ ملا دے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے یہ خبر دی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو موت کا اختیار دیا جاتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب آپ کو موت کا اختیار دیا گیا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اسی دن محقق ہوگئی تھی، کیونکہ فرشتے آپ کے پاس یہ بشارت دینے کے لیے آئے تھے کہ آپ کی اپنے رب کے ساتھ ملاقات ہوگی اور اللہ نے جو آپ کے لیے نعمتیں تیار فرمائی ہیں ان سے آپ ملاقات کریں گے۔
کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تمہارے والد پر آج کے بعد کوئی کرب اور تکلیف نہیں ہوگی۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۶۲۹)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موت کی تمنا کا قصہ یہ ہے کہ معمر نے از الحسن از سعید بن ابی العاص روایت کی ہے کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک رات دیکھ رہا تھا، آپ البقیع میں گئے اور یہ صبح کا وقت تھا، میں بھی آپ کے پیچھے گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی: اے اللہ! میری عمر زیادہ ہوگئی ہے اور میری بصارت کمزور ہوگئی ہے اور مجھے خطرہ ہے کہ میری رعیت میں انتشار ہوگا تو مجھے اپنے طرف اٹھا لے دراں حالیکہ میں نہ عاجز ہوں اور نہ ملامت کیا ہوا۔
زہری نے کہا از ابن المسیب ایک مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۱۱ ص ۳۱۵)
اور اس حدیث کی سند میں ایک راوی علی بن زید ہے اور وہ ضعیف ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۳۱۸۔ ۳۲۰ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)
میں کہتا ہوں کہ حضرت یوسف اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے موت کی تمنا نہیں کی بلکہ خاتمہ بالخیر کی دعا کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سند میں ضعف ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۶۷۲۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ قَالَ دَخَلْنَا عَلَى خَبَّابٍ نَعُودُهُ وَقَدِ اكْتَوَى سَبْعَ كَيَّاتٍ فَقَالَ إِنَّ أَصْحَابَنَا الَّذِينَ سَلَفُوا مَضَوْا وَلَمْ تَنْقُصْهُمُ الدُّنْيَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از اسماعیل بن ابی خالد از قیس بن ابی حازم، انہوں نے کہا: ہم حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی عیادت کرنے کے لیے گئے،

وَإِنَّا أَصَبْنَا مَا لَا نَجِدُ لَهُ مَوْضِعًا إِلَّا التُّرَابَ وَلَوْلَا أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم نَهَانَا أَنْ نَدْعُوَ بِالْمَوْتِ لَدَعَوْتُ بِهِ ثُمَّ أَتَيْنَاهُ مَرَّةً أُخْرَى وَهُوَ يَبْنِي حَائِطًا لَهُ فَقَالَ إِنَّ الْمُسْلِمَ لَيُؤْجَرُ فِي كُلِّ شَيْءٍ يُنْفِقُهُ إِلَّا فِي شَيْءٍ يَجْعَلُهُ فِي هَذَا التُّرَابِ۔

اور انہوں نے گرم لوہے سے سات داغ لگائے ہوئے تھے، تو انہوں نے کہا: بے شک ہمارے اصحاب گزر گئے اور چلے گئے اور انہوں نے دنیا میں کوئی کمی نہیں کی اور بے شک ہم نے اتنا مال پایا کہ ہم اس کو رکھنے کے لیے جگہ بھی نہیں پاتے سوائے مٹی کے اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں موت کی دعا سے منع نہ کیا ہوتا تو میں ضرور موت کی دعا کرتا، پھر ہم دوبارہ ان کے پاس گئے اور وہ اپنی ایک دیوار بنا رہے تھے، پس انہوں نے کہا کہ بے شک مسلمان کو ہر اس چیز میں اجر دیا جاتا ہے جس کو وہ خرچ کرتا ہے، سوائے اس چیز کے جس کو وہ اس مٹی میں بناتا ہے، (یعنی عمارت بناتا ہے)۔

(صحیح البخاری: ۶۳۴۹، ۶۳۵۰، ۶۴۳۰، ۶۴۳۱، ۷۲۳۴، صحیح مسلم: ۲۶۸۱، سنن ترمذی: ۲۴۸۳، سنن نسائی: ۱۸۲۳، مسند احمد: ۲۰۵۶۷)

صحیح البخاری: ۵۶۷۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "بیمار کا موت کی تمنا کرنا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے مرض کی وجہ سے گرم لوہے کے سات داغ لگوائے ہوئے تھے اور انہوں نے کہا کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں موت کی دعا کرنے سے منع نہ فرمایا ہوتا تو میں ضرور موت کی دعا کرتا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں آدم کا ذکر ہے، وہ ابن ابی ایاس ہیں۔ اور اسماعیل بن ابی خالد کا ذکر ہے، وہ البجلی ہیں اور ابو خالد کا نام سعد ہے، دوسرا قول ہے کہ ہرمز ہے اور تیسرا قول ہے کہ کثیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں قیس بن ابی حازم کا ذکر ہے، یہ لفظ حاء اور زاء کے ساتھ ہے۔ اور خباب کا ذکر ہے، ان کا نام خباب بن الارت (رضی اللہ عنہ) ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ نے اپنے پیٹ پر گرم لوہے کے ساتھ داغ لگوائے ہوئے تھے"۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ حدیث میں تو لوہے سے داغ لگوانے سے منع فرمایا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ممانعت اس کے لیے ہے جس کا یہ اعتقاد ہو کہ داغ لگوانے سے شفاء ہوتی ہے لیکن جس کا یہ اعتقاد ہو کہ شفاء دینے والا اللہ عزوجل ہے تو وہ اگر گرم لوہے سے داغ لگوائے تو کوئی حرج نہیں ہے، یا ممانعت اس کے لیے ہے جو کوئی اور دوا کے حصول پر قادر ہو اور جو کوئی اور دوا کے حصول پر قادر نہ ہو تو وہ اگر گرم لوہے سے داغ لگوائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "بے شک ہمارے اصحاب چلے گئے اور گزر گئے"۔ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں جو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین فوت ہو گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "انہوں نے دنیا سے کوئی کمی نہیں کی" یعنی انہوں نے نہایت تنگی میں زندگی گزاری لیکن ان کے بعد جو لوگ آئے ان پر دنیا وسیع کر دی گئی، کیونکہ فتوحات بہت زیادہ ہو گئی تھیں اور جس کو دنیا زیادہ ملتی ہے آخرت میں اس کا اجر کم ہوتا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ "مسلمان کو ہر اس چیز میں اجر دیا جاتا ہے جس کو وہ خرچ کرتا ہے سوا اس چیز کے جس کو وہ اس مٹی میں بناتا ہے" یعنی جو عمارت بناتا ہے، پس معلوم ہوا کہ مال کو عمارت بنانے میں خرچ کرنا مذموم ہے۔ اور یہ اس وقت مذموم ہے جب آدمی بلا ضرورت مکان بنائے یا عمارت بنائے لیکن جو ضرورت کی وجہ سے مکان یا عمارت بناتا ہے تو وہ مذموم نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۷۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو عُبَيْدٍ مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ لَنْ يُدْخِلَ أَحَدًا عَمَلُهُ الْجَنَّةَ قَالُوا وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ لَا وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللهُ بِفَضْلٍ وَرَحْمَةٍ فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَلَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ إِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَزْدَادَ خَيْرًا وَإِمَّا مُسِيئًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَسْتَعْتِبَ۔

(صحیح مسلم: ۲۸۱۶، سنن ابن ماجہ: ۴۲۰۱، مسند احمد: ۷۱۶۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے خبر دی ابو عبید مولیٰ عبد الرحمٰن بن عوف نے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: کسی شخص کو اس کا عمل ہرگز جنت میں داخل نہیں کرے گا، صحابہ نے عرض کیا: اور آپ کو بھی یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: نہیں! مجھ کو بھی نہیں، سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل اور رحمت سے ڈھانپ لے، پس تم ٹھیک ٹھیک کام کرو اور صحت کے قریب کام کرو، اور تم میں سے کوئی شخص ہرگز موت کی تمنا نہ کرے، یا تو وہ شخص نیک ہوگا، پس ہو سکتا ہے کہ اس کی نیکیوں میں اضافہ ہو، اور یا وہ شخص بدکار ہوگا تو ہو سکتا ہے کہ وہ توبہ کر لے۔

صحیح البخاری: ۵۶۷۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "بیمار کا موت کی تمنا کرنا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے، اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، یہ الحکم بن نافع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شعیب، یہ ابن ابی حمزہ ہیں اور اس میں مذکور ہے الزہری، یہ محمد بن مسلم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعبید، عُبید عبد کی تصغیر ہے اور وہ مولیٰ ابن ازہر ہیں اور ان کا نام سعد بن عبید ہے اور ابن ازہر وہ ہیں جن کی طرف عبدالرحمٰن بن ازہر بن عوف منسوب ہیں اور وہ عبدالرحمٰن بن عوف الزہری کے بھتیجے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فسددوا'' یعنی ٹھیک ٹھیک کام کرو۔

یہ حدیث مختلف سندوں کے ساتھ مروی ہے، جو حسب ذیل ہیں:

(۱) از بشر بن سعید از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا، ایک مرد نے کہا: اور نہ آپ کو یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: اور نہ مجھ کو، سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے، لیکن تم ٹھیک ٹھیک کام کرو۔

(۲) از محمد بن سیرین از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جس کو اس کا عمل جنت میں داخل کردے، پس کہا گیا اور نہ آپ یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: اور نہ میں، سوا اس کے کہ میرا رب مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔

(۳) از سہیل از والد خود از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا، صحابہ نے کہا: اور آپ کو بھی یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: اور مجھ کو بھی، سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے میری تلافی کرلے۔

(۴) از ابی عبید مولیٰ عبدالرحمٰن بن عوف از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، یہ روایت امام بخاری کی روایت کی مثل ہے۔

(۵) از ابی صالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صحت کے قریب کام کرو اور ٹھیک ٹھیک کام کرو اور جان لو کہ تم میں سے کسی ایک کو ہرگز اس کا عمل نجات نہیں دے گا، الحدیث۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ڈھانپ لے''۔ اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کو چھپالے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کا لباس بن جائے، ''تغمد'' کا لفظ غمد سے بنا ہے اور یہ تلوار کی میان کو کہتے ہیں، سو جس طرح میان تلوار کو مکمل طور پر ڈھانپ لیتی ہے، اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کی رحمت بندہ کو مکمل طور پر ڈھانپ لے تو اس کی نجات ہو جائے گی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ مومنین میں سے ہر ایک جنت میں اسی وقت داخل ہوگا جب اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل سے ڈھانپ لے گا تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے تخصیص کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ڈھانپ لینا یقینی اور قطعی ہے اور عام مومنین کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ڈھانپ لینا ظنی ہے یا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے فضل کی احتیاج ہے تو دوسروں کو تو بہ طریق اولیٰ اللہ تعالیٰ کے

فضل کی احتیاج ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت میں دخول پر ایک اشکال کا جواب

پس اگر تم یہ اعتراض کرو کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ نُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ (الاعراف)

اور ان کو یہ ندا کی جائے گی کہ تم اپنے (نیک) اعمال کی وجہ سے جنت کے وارث کیے گئے ہو○

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اپنے نیک اعمال کی وجہ سے جنت میں جائیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ باء، سبب کے لیے نہیں ہے بلکہ الصاق یا مصاحبت کے لیے ہے اور اس کا معنی ہے: تم جنت کے وارث کیے گئے ہو اس حال میں کہ تم اپنے اعمال کے ثواب کے ساتھ مصاحب ہو یا ملابس ہو۔

میں کہتا ہوں: اس سوال کا یہ جواب بھی ہوسکتا ہے کہ نیک اعمال جنت میں دخول کا ظاہری سبب ہیں اور جنت میں دخول کا حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے، سو اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جنت میں دخول کا ظاہری سبب نیک اعمال ہیں اور حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مومنین کو جنت عطا فرمائے گا، اس کی دلیل قرآن مجید کی درج ذیل آیات ہیں:

جنت کے حصول کا سبب اللہ کا فضل ہے، اس کے متعلق قرآن مجید کی آیات

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ يَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَ اسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّ لَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا۝ (النساء)

سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو اللہ ان کو ان کا پورا پورا اجر عطا فرمائے گا اور انہیں اپنے فضل سے زیادہ اجر دے گا، اور جن لوگوں نے (عبادت کو) عار سمجھا اور تکبر کیا تو اللہ ان کو دردناک عذاب دے گا، اور وہ لوگ اللہ کے سوا اپنا کوئی کارساز اور مددگار نہیں پائیں گے○

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ يَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا۝ (النساء)

سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اس (کے دامنِ رحمت) کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو اللہ ان کو عنقریب اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور انہیں اپنی طرف پہنچانے والا سیدھا راستہ دکھائے گا○

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا۝ (النساء)

جو لوگ اللہ اور (اس کے) رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا جو کہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں○ اور یہ اللہ کی طرف سے فضل ہے اور وہ کافی جاننے والا ہے○

الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ (فاطر: ۳۵)

جس نے ہم کو اپنے فضل سے دائمی مقام میں اتارا۔

ثواب اور عذاب کے متعلق اہل سنت کا مذہب

علامہ عینی فرماتے ہیں: اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ عقل سے نہ ثواب ثابت ہوتا ہے اور نہ عذاب ثابت ہوتا ہے بلکہ ثواب اور عذاب دونوں کا ثبوت شریعت سے ہے حتیٰ کہ اگر اللہ تعالیٰ تمام مومنین کو عذاب دے تو یہ اس کا عدل ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا بلکہ مومنین کی مغفرت فرمائے گا اور کافروں کو عذاب فرمائے گا اور معتزلہ ثواب اور عذاب کو عقل سے ثابت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ثواب کا سبب موجب قرار دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو عذاب کا سبب موجب قرار دیتے ہیں اور یہ حدیث ان کا رد کرتی ہے۔

''فسددوا'' کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فسددوا'' اس کا معنی ہے: تم صحت اور ثواب کو طلب کرو اور صحت اور ثواب وہ ہے جو افراط اور تفریط کے درمیان ہو، یعنی نہ تم کسی نیکی میں غلو کرو اور نہ کسی نیکی میں تقصیر کرو اور نیک عمل کرتے رہو اور اگر تم نیک عمل کرنے سے عاجز ہو، تو نیک عمل کے قریب عمل کرو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سددو کا معنی ہے: اپنے اعمال کو مستقیم کرو اور اللہ تعالیٰ کے قرب کو طلب کرو۔

''استعتاب'' کا معنی

''اِستعتاب'' کا معنی ہے: عتاب کے زوال کو طلب کرنا، یعنی اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنا، یا یہ العتبیٰ سے ماخوذ ہے جس کے معنی اللہ تعالیٰ کی رضا ہیں، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو طلب کرے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ اگر وہ بدکار ہوگا تو ''فلعله ان یستعتب'' اس کا معنی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو طلب کرے گا اور اس نے جو لوگوں کے حقوق غصب کیے ہیں، وہ ان حقوق کو واپس کردے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۳۷۔۳۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۷۳ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الاعراف: ۴۳ میں یہ تصریح ہے کہ جنت میں دخول اعمال سے ہوگا اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ عمل سے کسی شخص کی نجات نہیں ہوگی، اس آیت اور اس حدیث میں جو تعارض ہے اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) مسلمان جو نیک عمل کرتا ہے اس نیک عمل کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ دیتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ نیک اعمال کی توفیق نہ دے تو کوئی شخص نیک عمل نہیں کرسکتا، سو اس حدیث میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر کسی شخص کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا، سو نیک عمل کی توفیق دینا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل ہے، لہٰذا یہ کہنا صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل کے بغیر کسی کی نجات نہیں ہوگی۔

(۲) بندہ اپنے مالک اور مولیٰ کی جو خدمت کرتا ہے اور اس کی اطاعت کرتا ہے یہ مالک اور مولیٰ کا اس بندے پر حق ہے، اور وہ اس خدمت اور اطاعت کے عوض کسی اجر کا مستحق نہیں ہوتا، اور اگر اس کا مالک اور مولیٰ اس کو کوئی اجر عطا کردے تو یہ اس کا فضل ہے، اس لیے فرمایا کہ نجات صرف اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہوگی بندے کے عمل سے نہیں ہوگی۔

(۳) جنت میں نفس دخول اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل سے ہے اور جنت میں درجات کا حصول بندہ کے نیک اعمال سے ہے، تو حدیث میں جو فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے نجات ہوگی، یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت میں داخلہ ہوگا اور الاعراف: ۴۳ میں جو فرمایا ہے: تم اس جنت کے وارث اپنے اعمال کی وجہ سے کیے گئے ہو، اس کا معنی ہے: جنت کے درجات تمہیں اپنے نیک اعمال کی وجہ سے ملے ہیں۔

(۴) بندہ جو نیک عمل کرتا ہے، وہ محدود زمانہ میں کرتا ہے اور جنت میں جو اس کا اجر ہوگا وہ لامحدود زمانہ تک ہوگا، تو اللہ تعالیٰ کا بندے کو غیر متناہی اجر عطا فرمانا، یہ محض اس کا فضل ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۳۲۱۔ ۳۲۲ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۶۷۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ رضى الله عنها قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ مُسْتَنِدٌ إِلَيَّ يَقُولُ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَأَلْحِقْنِي بِالرَّفِيقِ الأَعْلَى۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از ہشام از عباد بن عبد اللہ بن زبیر، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور آپ میری طرف ٹیک لگائے ہوئے تھے، آپ فرما رہے تھے: اے اللہ! میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ کے ساتھ ملا دے۔

(صحیح البخاری: ۴۴۴۰، ۵۶۷۴، صحیح مسلم: ۲۴۴۴، سنن ترمذی: ۳۴۹۶، مسند احمد: ۲۵۴۱۶، موطا امام مالک: ۵۶۲)

صحیح البخاری: ۵۶۷۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کیا رفیق اعلیٰ سے ملنے کی دعا کرنا موت کی دعا کو مستلزم ہے؟

اس مقام پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کی تمنا کی ہے، کیونکہ آپ نے دعا میں کہا ہے: "مجھے رفیق اعلیٰ کے ساتھ ملا دے" اور رفیق سے مراد اصحاب ملا الاعلیٰ ہیں اور ان کے ساتھ ملنا موت کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔

اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس حدیث میں آپ نے موت کی تمنا نہیں کی، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے ملاء اعلیٰ اور رفیق اعلیٰ سے ملنے کی تمنا کی ہے اور ان سے ملنا موت کے بعد متصور ہے، تو یہاں پر موت کی تمنا مقصود لذاتہٖ نہیں ہے مقصود لذاتہٖ تو رفیق اعلیٰ سے ملنا ہے اور رفیق اعلیٰ سے ملنا موت کو مستلزم ہے، اور موت کی تمنا سے جو منع کیا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ بالذات موت کی تمنا نہ کی جائے اور یہاں پر بالذات رفیق اعلیٰ سے ملنے کی تمنا ہے، جیسے کوئی مسلمان دعا کرے اے اللہ! مجھے جنت الفردوس عطا فرما، سو یہ دعا کرنا جائز ہے بلکہ حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو، حالانکہ جنت الفردوس بھی مسلمان کو موت کے بعد ملے گی تو اس دعا میں موت کی تمنا نہیں ہے، اس دعا میں جنت

الفردوس کی تمنا ہے اور وہ موت کو مستلزم ہے۔اسی طرح رفیقِ اعلیٰ سے ملنے کی دعا موت کو مستلزم ہے بالذات موت کی دعا نہیں ہے۔
دوسرا جواب یہ ہے کہ موت کی تمنا سے مقید صورت میں منع کیا گیا ہے،اور وہ یہ ہے کہ کسی دکھ تکلیف یا بیماری سے گھبرا کر آدمی موت کی تمنا کرے،اس سے منع کیا گیا ہے۔اور اگر رفیقِ اعلیٰ سے ملنے کے اشتیاق کی وجہ سے موت کی تمنا کرے تو یہ ممنوع نہیں ہے،تیسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا اس وقت کی تھی جب آپ کو یہ معلوم ہوگیا تھا کہ آپ آج ہی کے دن وفات پانے والے ہیں اور آپ نے فرشتوں کو دیکھا،وہ آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے سرورِ کامل کی بشارت دینے کے لیے آئے، اسی لیے آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:تمہارے باپ کے اوپر آج کے بعد کوئی تکلیف نہیں ہوگی اور آپ کا نفس اللہ تعالیٰ کی کرامت کے ساتھ ملنے کے لیے فارغ ہو چکا تھا اور سعادتِ ابدی کے حصول کے لیے تیار تھا اور یہ آپ کے لیے دنیا میں رہنے سے بہتر تھا،اسی لیے آپ نے اپنی امت کو حکم دیا ہے کہ وہ یہ دعا کریں کہ اے اللہ مجھے اس وقت وفات عطا کرنا جب وفات میرے لیے بہتر ہو۔(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۳۸،دار الکتب العلمیہ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۷۴ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کی تحقیق کہ رفیقِ اعلیٰ سے ملنے کی دعا موت کی دعا نہیں ہے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی:اے اللہ میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے۔
سوال:کیا یہ موت کی تمنا ہے؟
جواب:نہیں!کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا اس وقت فرمائی تھی جب آپ کو معلوم ہو چکا تھا کہ اب آپ کی وفات ہونے والی ہے،لیکن آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ آپ کو رفیقِ اعلیٰ میں کر دے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ رفیق اعلیٰ ہی میں ہوں گے،لیکن آپ نے یہ دعا اس لیے کی تاکہ آپ کو بلند درجات حاصل ہو جائیں۔
سوال:رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جب رفیقِ اعلیٰ سے ملنا متحقق تھا تو پھر آپ نے دعا کیسے کی؟
جواب:اس کی نظیر یہ ہے جیسا کہ ہم اذان کے بعد دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ!سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ یعنی جنت میں بلند مقام عطا فرما،حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وسیلہ اور جنت میں بلند مقام متحقق ہے پھر بھی ہم دعا کرتے ہیں۔اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رفیقِ اعلیٰ سے ملنا متحقق ہے پھر بھی آپ نے رفیقِ اعلیٰ سے ملنے کی دعا کی۔(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۷۳،مکتبۃ الطبری القاہرہ،۱۴۲۹ھ)

رفیقِ اعلیٰ سے ملنے کی دعا کی تحقیق از مصنف

میں کہتا ہوں:یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ رفیقِ اعلیٰ سے ملنا آپ کے لیے متحقق تھا پھر بھی آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی،کیونکہ دعا کرنے سے بندہ کی مولیٰ کی طرف احتیاج کا اظہار ہوتا ہے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف احتیاج کے اظہار کے لیے دعا کی،اسی طرح اس حدیث میں ہے کہ آپ نے دعا کی،اے اللہ!میری مغفرت فرما،حالانکہ آپ قطعاً مغفور ہیں بلکہ قرآن مجید میں ہے:
اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ (اے رسول مکرم!) ہم نے آپ کے لیے کھلی ہوئی فتح عطا

مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (الفتح ۲-۱)

فرمائی O تا کہ اللہ آپ کے لیے معاف فرمادے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام۔

سو اس آیت سے واضح ہو گیا کہ آپ مغفور ہیں، اس کے باوجود آپ نے دعا کی کہ اے اللہ! میری مغفرت فرما۔ اسی طرح اس حدیث میں ہے: آپ نے دعا کی: اے اللہ! مجھ پر رحم فرما، حالانکہ آپ قطعاً مرحوم ہیں بلکہ رحمۃ للعالمین ہیں۔ اور مومنین کے لیے رؤف الرحیم ہیں۔ سو جس طرح آپ نے مرحوم ہونے کے باوجود دعا کی: اے اللہ! مجھ پر رحم فرما اور مغفور ہونے کے باوجود آپ نے دعا کی: اے اللہ! میری مغفرت فرما، اسی طرح آپ کے لیے رفیقِ اعلیٰ سے ملنا محقق تھا، اس کے باوجود آپ نے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے رفیقِ اعلیٰ سے ملا دے۔ (سعیدی غفرلہ)

۲۰- بَابُ: دُعَاءِ الْعَائِدِ لِلْمَرِيضِ

عیادت کرنے والے کی مریض کے لیے دعا کا بیان

وَقَالَتْ عَائِشَةُ بِنْتُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهَا قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم اللّٰهُمَّ اشْفِ سَعْدًا۔

حضرت عائشہ بنت سعد اپنے والد سے روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! سعد کو شفاء عطا فرما۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب عیادت کرنے والا مریض کے پاس داخل ہو تو وہ کس کیفیت سے دعا کرے۔

اس تعلیق میں سعد کا ذکر ہے، یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ وصیت کی طویل حدیث کی ایک طرف ہے جس میں آپ نے تہائی مال کی وصیت کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ حدیث عنقریب سندِ موصول کے ساتھ اس باب میں عنقریب گزر چکی ہے "باب وضع الید علی المریض"۔ (عمدۃ القاری ج۲۱ ص ۳۳۸-۳۳۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۷۵- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ إِذَا أَتَى مَرِيضًا أَوْ أُتِيَ بِهِ قَالَ أَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ اشْفِ وَأَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا قَالَ عَمْرُو بْنُ أَبِي قَيْسٍ وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ وَأَبِي الضُّحَى إِذَا أُتِيَ بِالْمَرِيضِ وَقَالَ جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي الضُّحَى وَحْدَهُ وَقَالَ إِذَا أَتَى مَرِيضًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عوانہ نے حدیث بیان کی از منصور از ابراہیم از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مریض کے پاس جاتے یا مریض آپ کے پاس لایا جاتا تو آپ یہ دعا فرماتے: "اے لوگوں کے رب! اس تکلیف اور غم کو دور کر دے، شفاء دے تو ہی شفاء دینے والا ہے، تیری شفاء کے سوا اور کوئی شفاء نہیں ہے جو کسی بیماری کو نہیں چھوڑتی"۔ عمرو بن ابی قیس اور ابراہیم بن طہمان نے کہا از منصور از ابراہیم اور ابی الضحیٰ، جب آپ کے پاس مریض کو لایا جاتا اور جریر نے کہا از منصور از ابی

الضحٰی فقط اور کہا جب آپ مریض کے پاس جاتے۔

(صحیح البخاری: ۵۷۴۳، ۵۷۴۴، ۵۷۵۰، صحیح مسلم: ۲۱۹۱، سنن ابن ماجہ: ۳۵۲۰، مسند احمد: ۲۳۶۵۵)

صحیح البخاری: ۵۶۷۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "البأس" اس کا معنی ہے: شدت، عذاب اور حزن، یعنی اے اللہ! بیماری کی سختی کو اور بیماری کے عذاب اور بیماری کے غم کو دور کردے۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے "رب الناس" اس میں حرفِ نداء محذوف ہے یعنی اے لوگوں کے رب۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے "تو ہی شفاء دینے والا ہے"، یہ وہم نہ ہو کہ دوا بھی شفاء دیتی ہے، اس لیے کہ دوا اس وقت شفاء دیتی ہے جب اللہ تعالیٰ اس میں شفاء پیدا کرتا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ اس میں شفاء پیدا نہ کرے تو وہ شفاء نہیں دیتی۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے: "لایغادر سقما" ایسی شفاء جو کسی بیماری کو نہیں چھوڑتی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۷۵ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مصائب اور بیماریوں کی فضیلت اور بیماریوں میں شفاء کی دعا کی توجیہ

علامہ طبری نے کہا ہے: ان آثار کی فقہ یہ ہے کہ جسم میں عافیت کا ہونا بندہ کے لیے زیادہ افضل ہے بہ نسبت اس کے کہ جسم کے اندر بیماری ہو، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیماروں کے لیے ان کی بیماریوں سے شفاء کی دعا کرتے تھے، اگر تم یہ سوال کرو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص کے لیے شفاء کی دعا کی اور بہ کثرت احادیث میں ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے پوچھا: کون اس سے محبت رکھتا ہے جو تندرست رہے اور بیمار نہ ہو؟ صحابہ نے کہا: ہم یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم حملہ کرنے والے گدھے کی مثل ہو جاؤ؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا، پھر آپ نے فرمایا: کیا تم اس سے محبت نہیں کرتے کہ تم بیماریوں اور مصائب والے ہو اور کفارات والے ہو، صحابہ نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم کہ ابو القاسم جس کے قبضہ وقدرت میں ہے! بے شک اللہ تعالیٰ مومن کو بیماریوں اور مصائب میں مبتلا کرتا ہے اور وہ صرف اس لیے بیماریوں میں اور مصائب میں مبتلا کرتا ہے کہ مومن اس کے نزدیک مکرم ہوتا ہے، اور اللہ کے نزدیک مومن کا ایک مرتبہ ہوتا ہے جس مرتبہ تک وہ مومن اپنے عمل سے نہیں پہنچ سکتا، سوا اس کے کہ وہ مصائب اور بیماریوں سے اس مرتبہ تک پہنچتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے عظیم جزا سب سے عظیم مصیبت میں ہوتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اس کو کسی بیماری یا مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے، پس جو اس بیماری سے راضی رہے تو اس سے اللہ راضی ہوتا ہے اور جو اس بیماری سے ناراض ہو تو اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۳۹۶، سنن ابن ماجہ: ۴۰۳۱)

سلف صالحین نے کہا ہے کہ ان احادیث میں تعارض نہیں ہے اور ہر ایک کی ایک توجیہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مصائب اور امراض اہل ایمان کے لیے کفارہ ہوتے ہیں اور دنیا میں سزائیں ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ جس کو گناہوں کے میل سے پاک کرنا چاہتا ہے تو ان کی وجہ سے اس کو گناہوں سے پاک کر دیتا ہے۔

پس جب کہ مصائب اور بیماریاں سزائیں ہیں تو ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کی بیماریوں میں شفاء کی دعا کی، یہ وہ لوگ ہیں جن کا کوئی گناہ کبیرہ نہیں تھا، اور یہ ان گناہوں سے پاک تھے جو سزا کا موجب ہوتے ہیں اور اللہ کے بندوں پر ظلم کرنے سے بری تھے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۳۲۵۔۳۲۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۷۵ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مریض کے پاس جاتے یا آپ کے پاس کوئی مریض لایا جاتا تو آپ دعا کرتے: اے لوگوں کے رب! اس بیماری کو دور فرما اور شفا دے اور تو ہی شفا دینے والا ہے اور تیری شفا کے علاوہ اور کوئی شفا نہیں ہے، ایسی شفاء دے جو کوئی بیماری کو نہ چھوڑے''۔

شیخ عثیمین لکھتے ہیں: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ دعا سے پہلے اللہ عزوجل کی ثناء کرنا شرط نہیں ہے اور نہ دعا سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنا شرط ہے نہ اول میں اور نہ آخر میں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور اس سے پہلے اللہ عزوجل کی ثناء نہیں کی۔

دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا ثبوت اور شیخ عثیمین کا رد از مصنف

میں کہتا ہوں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر بیانِ جواز کے لیے دعا سے پہلے اللہ عزوجل کی ثناء نہیں کی اور اپنے اوپر درود نہیں پڑھا، ورنہ دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ دعا سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھی جائے۔

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے کہا کہ دعا آسمان اور زمین کے درمیان موقوف رہتی ہے اور اس میں سے کوئی چیز بھی اوپر نہیں چڑھتی حتیٰ کہ تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو۔
(سنن ترمذی: ۴۸۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۳ھ)

امام ترمذی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی آپ کے ساتھ تھے، پس جب میں بیٹھا تو پہلے میں نے اللہ عزوجل کی حمد وثناء کی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا اور پھر اپنے لیے دعا کی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سوال کرو تم کو عطا کیا جائے گا تم سوال کرو تم کو عطا کیا جائے گا۔ امام ابوعیسیٰ نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی: ۵۹۳، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۳ھ)

نیز شیخ عثیمین لکھتے ہیں کہ مریض کے لیے دعا کرنا اس کے ساتھ حسن سلوک ہے اور اللہ عزوجل کی عبادت ہے اور جو انسان دعا کرتا ہے اس کو اس دعا پر اجر دیا جاتا ہے، پس جو انسان مریض کی عیادت کرنے والا ہو، اس کو چاہیے کہ وہ یہ دعا کرے یا اور وہ دعائیں کرے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مریض کے دل کو خوش کرنا چاہیے۔

سوال: کیا مریض کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی یک سے کہے کہ وہ اس کے لیے دعا کرے؟
جواب: نہیں! کیونکہ یہ وارد نہیں ہے، پس یہ نہ ں چاہیے کہ مریض کسی سے یہ طلب کرے کہ وہ اس کے لیے دعا کرے، لیکن اگر اس نے ایسا کیا تو اس پر انکار نہیں کیا جائے گا۔ (رح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۷۴، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۱۔ بَابُ: وُضُوءِ الْعَائِدِ لِلْمَرِيضِ مریض کی عیادت کرنے والے کے وضو کرنے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی مریض کی عیادت کرنے کے لیے اس کے پاس جائے تو اس کا وضو کرنا جائز ہے۔

۵۶۷۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما قَالَ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ وَأَنَا مَرِيضٌ فَتَوَضَّأَ فَصَبَّ عَلَيَّ أَوْ قَالَ صُبُّوا عَلَيْهِ فَعَقَلْتُ فَقُلْتُ لَا يَرِثُنِي إِلَّا كَلَالَةٌ فَكَيْفَ الْمِيرَاثُ فَنَزَلَتْ آيَةُ الْفَرَائِضِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از محمد بن المنکدر، انہوں نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس نبی ﷺ تشریف لائے اور میں اس وقت بیمار تھا، پس آپ نے وضو کیا اور میرے اوپر وضو کا پانی ڈالا، یا آپ نے فرمایا کہ اس کے اوپر پانی ڈالو، پس مجھے ہوش آ گیا تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ)! میرا کوئی وارث نہیں ہوگا مگر کلالہ، پس میری وراثت کیسے تقسیم ہوگی؟ تو فرائض کی آیت نازل ہوگئی۔

(صحیح البخاری: ۱۹۴، ۴۵۷۷، ۵۶۵۱، ۵۶۶۴، ۵۶۷۶، ۶۷۲۳، ۶۷۴۳، ۷۳۰۹، صحیح مسلم: ۱۶۱۶، سنن ترمذی: ۲۰۹۶، سنن نسائی: ۱۳۸، سنن ابوداؤد: ۲۸۸۶، سنن ابن ماجہ: ۲۷۲۸، مسند احمد: ۳۷۷۴، سنن دارمی: ۷۳۳)

باب کے عنوان کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس جملہ میں ہے" مجھے ہوش نہیں تھا، آپ نے وضو کیا اور مجھ پر وضو کا پانی ڈالا"۔

کلالہ اور فرائض کا معنی

اس حدیث میں کلالہ کا لفظ ہے، کلالہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کا نہ والد ہو اور نہ اس کی اولاد ہو۔
اور اس حدیث میں وراثت اور فرائض کا لفظ ہے، فرائض سے مراد ہے: کتاب اللہ میں وارثوں کے جو حصص مقدر ہیں۔
علامہ بدر الدین عینی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی ﷺ کے مبارک ہاتھوں کی برکت ہر بیماری کو زائل کر دیتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۰، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۱ھ)

٢٢۔ بَابُ: مَنْ دَعَا بِرَفْعِ الْوَبَاءِ وَالْحُمَّى

جس نے وبا اور بخار کے اٹھ جانے کی دعا کی

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص نے وبا کے اٹھ جانے کی دعا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، وبا سے مراد ہے: طاعون اور عام مرض، اور حمی کے معنی ہیں: بخار، یعنی جس نے بخار کے اٹھ جانے کی دعا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ٢١ ص ٣٤٠، دارالکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

٥٦٧٧۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّهَا قَالَتْ لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وُعِكَ أَبُو بَكْرٍ وَبِلَالٌ قَالَتْ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِمَا فَقُلْتُ يَا أَبَتِ كَيْفَ تَجِدُكَ وَيَا بِلَالُ كَيْفَ تَجِدُكَ قَالَتْ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ إِذَا أَخَذَتْهُ الْحُمَّى يَقُولُ

كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ
وَالْمَوْتُ أَدْنَى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

وَكَانَ بِلَالٌ إِذَا أُقْلِعَ عَنْهُ يَرْفَعُ عَقِيرَتَهُ فَيَقُولُ

أَلَا لَيْتَ شِعْرِي هَلْ أَبِيتَنَّ لَيْلَةً
بِوَادٍ وَحَوْلِي إِذْخِرٌ وَجَلِيلُ
وَهَلْ أَرِدَنْ يَوْمًا مِيَاهَ مِجَنَّةٍ
وَهَلْ تَبْدُوَنْ لِي شَامَةٌ وَطَفِيلُ

قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ فَجِئْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ اللّٰهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ وَصَحِّحْهَا وَبَارِكْ لَنَا فِي صَاعِهَا وَمُدِّهَا وَانْقُلْ حُمَّاهَا فَاجْعَلْهَا بِالْجُحْفَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ (مدینہ) آئے اور حضرت ابوبکر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کو بخار ہو گیا تو میں ان دونوں کے پاس گئی، پس میں نے عرض کیا: اے ابا جان! آپ اپنے آپ کو کیسا پاتے ہیں؟ اور اے بلال! آپ اپنے آپ کو کیسا پاتے ہیں؟ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب بخار چڑھتا تو وہ یہ (شعر) پڑھتے تھے:

ہر شخص اپنے گھر والوں میں صبح کرتا ہے
اور موت اس کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہوتی ہے

اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا جب بخار اتر جاتا تھا تو وہ بلند آواز سے یہ اشعار پڑھتے تھے:

کاش مجھے معلوم ہوتا کہ کیا میں ایک رات اس طرح گزار سکوں گا کہ میں اس وادی میں ہوں گا کہ میرے گرد اذخر اور جلیل نام کی گھاس ہوگی
اور کیا پھر کبھی میں مجنہ کے پانی پر وارد ہوں گا
اور کیا میرے لئے شامہ اور طفیل پہاڑ ظاہر ہوں گے

عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: پھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور میں نے آپ کو اس کی خبر دی تو آپ نے دعا کی اے اللہ! ہمارے نزدیک مدینہ کو بھی اتنا محبوب

کردے جتنا ہمارے نزدیک مکہ محبوب ہے یا اس سے بھی زیادہ۔
اور مدینہ کی آب وہوا کو صحت مند بنادے اور مدینہ کے صاع اور مد
میں برکت عطا فرما اور مدینہ کے بخار کو منتقل کردے اور اس کو الجحفہ
میں رکھ دے۔

(صحیح البخاری: ۱۸۸۹، ۳۹۲۶، ۵۶۵۴، ۵۶۷۷، ۶۳۷۲، صحیح مسلم: ۱۳۷۶، مسند احمد: ۲۵۷۰۸، موطا امام مالک: ۱۶۴۸)

صحیح البخاری: ۵۶۷۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، وہ ابن ابی اویس ہیں۔
یہ حدیث عنقریب ''باب عیادۃ النساء للرجال'' میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی مفصل شرح کی جاچکی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا مقبول ہوئی اور مدینہ کی آب وہوا نہایت عمدہ اور نفیس ہوگئی اور الجحفہ اپنی آب وہوا کی خرابی میں اب تک مشہور ہے۔ شامہ اور طفیل مکہ کی دو پہاڑیاں ہیں، اذخر اور جلیل مکہ کے جنگلوں میں پیدا ہونے والی دو جڑی بوٹیاں ہیں اور مجنہ پانی کے ایک چشمہ کا نام ہے، جہاں عرب اپنے اونٹوں کو پانی پلاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے اللہ! مدینہ کو ہمارے دلوں میں مکہ کی طرح محبوب کردے بلکہ اس سے بھی زیادہ کردے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا بھی مقبول ہوئی اور آج مسلمانوں کے دلوں میں مدینہ منورہ مکہ سے بھی زیادہ محبوب ہے۔

تنبیہ: کتاب المرضیٰ میں اڑتالیس (۴۸) احادیث مرفوعہ ہیں، ان میں سے سات (۷) تعلیقات ہیں اور باقی احادیث موصولہ ہیں اور ان میں سے چونتیس (۳۴) احادیث مکررہ ہیں اور باقی سات (۷) احادیث خالص ہیں۔

نعم الباری کی گیارہویں (۱۱) جلد کی تکمیل

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین! کتاب المرضیٰ مکمل ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی نعم الباری کی گیارہویں جلد کی بھی تکمیل ہوگئی۔

۲۵ شعبان/ 1433ھ/ 16/جولائی 2012ء بروز پیر کو نعم الباری کی گیارہویں جلد کی ابتداء ہوئی تھی اور آج ۱۹ ذوالقعدہ/ ۱۴۳۳ھ/ 7/اکتوبر 2012ء بروز اتوار بوقتِ سحر اس جلد کی تکمیل ہوگئی۔ اس جلد کی تکمیل میں دو ماہ اور اکیس دن لگے اور اس سرعت سے تکمیل کی وجہ یہ ہے کہ یہ جلد کمپیوٹر کے ذریعہ تحریر کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کرم میں مشکور فرمائے اور اس کتاب کو رہتی دنیا تک قبولِ عام عطا فرمائے اور میرے ہاتھوں صحیح بخاری کی شرح کو مکمل کرادے اور اس شرح کو موافقین کے لیے موجب رحمت

اور مخالفین کے لیے ذریعہ ہدایت بنادے۔ اے ارحم الراحمین! میرے تمام گناہوں کو معاف فرما اور مجھ پر رحم اور کرم فرما اور مجھے دنیا کے مصائب سے محفوظ رکھ اور بیماریوں میں شفاء عطا فرما اور آخرت کے مراحل کو آسان فرما اور قبر اور برزخ کے عذاب، قیامت کی ہولناکیوں اور حشر کی سختیوں سے محفوظ اور مامون رکھ اور اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور آپ کے وسیلہ سے مجھ کو جنت الفردوس عطا فرما۔ آمین یارب العالمین بجاہ حبیبک خاتم النبیین سید المرسلین شفیع المذنبین علیہ الف الف صلوات وتسلیمات وعلیٰ الہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ اجمعین وامتہ من المفسرین والمحدثین والشارحین والفقھاء المجتھدین وسائر المسلمین۔

آخر میں، میں اپنے تمام معاونین اور کرم فرماؤں کے لیے دعا کرتا ہوں خصوصاً مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن زید حبہم ودامت الطافہم اور محترم محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب شکر اللہ مساعیہم اور سید عمیر الحسن البرنی زید حبہم اور بیرون ملک کرم فرماؤں میں سے صاحبزادہ حبیب الرحمٰن محبوبی (بریڈفورڈ) اور مولانا حافظ عبد المجید (برسٹل) اور ثمینہ بہن (برسٹل) اور مولانا حامد قیوم (ناروے) دامت الطافہم اور حافظ محمد اکرم ساجد (لیکچرر شعبہ عربی گورنمنٹ دیال سنگھ کالج، لاہور) جنہوں نے اس کتاب کی تصحیح کی اور حافظ محمد جمشید ہاشمی جنہوں نے اس کتاب کو کمپوز کیا ہے اور دیگر اپنے تمام محبین، معاونین اور قارئین کے لیے دعا کرتا ہوں اور اپنی بڑی بہن کے لیے صحت اور توانائی کی دعا کرتا ہوں اور اپنے لیے بھی دعا کرتا ہوں کہ مجھے جس قدر امراض لاحق ہیں، شوگر ہے، ہائی بلڈ پریشر ہے، کمر کا درد ہے اور اب دونوں گھٹنوں میں بھی فاصلہ (Space) پیدا ہو گیا ہے، جس کی وجہ سے گھٹنوں کی نقل وحرکت اور چلنا پھرنا مشکل ہو گیا ہے اور بڑھاپے کی کمزوری ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام امراض اور عوارض میں مجھے شفاء عطا فرمائے اور امت مسلمہ میں جس قدر مسلمان بیمار ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو شفاء عطا فرمائے، ایمان اور اعمالِ صالحہ پر دوام عطا فرمائے، کبائر اور صغائر سے مجتنب رکھے اور اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور ہمیں دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا اہل بنادے اور آخرت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائے اور آخرت کے مراحل کو ہمارے لیے آسان فرمائے، قبر کے عذاب، دوزخ کے عذاب، قیامت کی ہولناکیوں اور میدانِ حشر کی سختیوں سے ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے اور اپنے بے پایاں فضل سے ہم کو اپنا دیدار عطا فرمائے۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی
بلاک نمبر ۱۵ فیڈرل بی ایریا، کراچی ۳۸

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین حمد الشاکرین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد خاتم النبیین اکرم الاولین والاٰخرین شفیع المذنبین وعلیٰ الہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین۔

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد حادی عشر (۱۱) کی ڈائری

افتتاح: ۲۵ شعبان/1433ھ/16/جولائی 2012ء بروز پیر

تقویم میلادی	تقویم ہجری	دن	ایک ماہ کے صفحات	کل صفحات	ایک ماہ کی احادیث	تعدادِ حدیث
16/جولائی 2012ء	۲۵ شعبان ۱۴۳۳ھ	پیر	=	=		=
یکم اگست 2012ء	۱۲ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ	بدھ	۲۷۰	۲۷۰	۴۰	۵۳۹۰
یکم ستمبر 2012ء	۱۳ شوال المکرم ۱۴۳۳ھ	ہفتہ	۳۴۶	۶۱۶	۲۲	۵۴۱۲
یکم اکتوبر 2012ء	۱۴ ذیقعد ۱۴۳۳ھ	اتوار	۳۱۴	۹۳۰	۲۳۹	۵۶۵۱
7/اکتوبر 2012ء	۱۹ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ	اتوار	۹۳	۱۰۲۳	۲۶	۵۶۷۷

مصادر التحقیق فی نعم الباری

کتب سماویہ

۱۔ قرآن مجید

۲۔ تورات

۳۔ زبور

۴۔ انجیل

کتب احادیث

۵۔ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی 150ھ، مسند امام اعظم، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی، المکتبۃ الامدادیہ، مکہ مکرمہ ۱۴۳۱ھ

۶۔ امام مالک بن انس اصبحی، متوفی 179ھ، موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1409ھ، المکتبۃ التوفیقیہ، دار المعرفہ بیروت، 1420ھ

۷۔ امام عبداللہ بن مبارک حنفی، متوفی 181ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۸۔ امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی، متوفی 183ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

۹۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، موطا امام محمد، مطبوعہ: نور محمد، کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۱۰۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1407ھ

۱۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، المسند، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1400ھ

۱۲۔ امام سلیمان بن داؤد الجارود شافعی، متوفی 204ھ، مسند ابوداؤد الطیالسی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1425ھ

۱۳۔ امام محمد بن عمر بن واقد شافعی، متوفی 207ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت، 1404ھ

۱۴۔ امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی شیعی، متوفی 211ھ، مصنف عبد الرزاق، مطبوعہ: مکتب اسلامی بیروت 1390ھ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۱۵۔ الامام الجلیل ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی، متوفی 216ھ، مسند ابوعوانہ، دار المعرفہ بیروت

۱۶۔ امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی شافعی، متوفی 219ھ، المسند، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت

۱۷۔ امام سعید بن منصور خراسانی مکی شافعی، متوفی 227ھ، سنن سعید بن منصور، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، دار الصمیعی 1428ھ

۱۸۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، المصنف، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی 1406ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۱۹۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۲۰۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: مجلس علمی، بیروت 1427ھ

۲۱۔ امام احمد بن حنبل، متوفی 241ھ، المسند، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت، 1398ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دار الفکر، بیروت 1415ھ، موسسۃ الرسالہ، بیروت 1420، عالم الکتب، بیروت 1419ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ

۲۲۔ امام ابوعبداللہ بن عبدالرحمن دارمی شافعی، متوفی 255ھ، سنن دارمی، مطبوعہ: دار الکتاب العربی 1407ھ، دار المعرفہ، بیروت 1420ھ

۲۳۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، صحیح بخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1430ھ، دار ارقم، بیروت، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1431ھ، دار الفکر بیروت 1421ھ، موسسۃ الرسالہ 1431ھ، دار المعرفہ، بیروت 1425ھ، دار العلم الحدیث: 1426ھ

۲۴۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، الادب المفرد، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1412ھ

۲۵۔ امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری شافعی، متوفی 261ھ، صحیح مسلم، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ، دار الفکر، بیروت 1424ھ

۲۶۔ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ شافعی، متوفی 273ھ، سنن ابن ماجہ: مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1415ھ، دار الجیل، بیروت، دار الفکر، بیروت 1421ھ

۲۷۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی 275ھ، سنن ابوداؤد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ، دار الفکر بیروت، 1421ھ

۲۸۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی 275ھ، مراسیل ابوداؤد، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۲۹۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفی 279ھ، سنن ترمذی، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1422ھ، دار الجیل، بیروت 1998ء، دار المعرفہ بیروت 1423ھ

۳۰۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفی 279ھ، شمائل محمدیہ، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ، 1415ھ

۳۱۔ حافظ ابوبکر عمرو بن ضحاک بن مخلد الشیبانی، متوفی، 287ھ، کتاب السنہ، المکتب الاسلامی 1400ھ

۳۲۔ امام ابن ابی عاصم شافعی، متوفی 287ھ، الاحاد والمثانی، مطبوعہ: دار الرایہ، ریاض، 1411ھ

۳۳۔ امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار شافعی، متوفی 292ھ، البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت

۳۴۔ امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، سنن نسائی، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1412ھ، دار الفکر، بیروت، 1421ھ

۳۵۔ امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، عمل الیوم واللیلہ، مطبوعہ: موسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت 1408ھ

۳۶۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1411ھ موسسۃ الرسالہ 1421ھ

۳۷۔ امام ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی شافعی، متوفی 307ھ، مسند الصحابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۸۔ امام احمد بن عالی المثنی التمیمی شافعی، متوفی 307ھ، مسند ابویعلیٰ موصلی، مطبوعہ: دارالمامون التراث، بیروت، 1404ھ

۳۹۔ امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری شافعی، متوفی 307ھ، المنتقیٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1417ھ

۴۰۔ امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ شافعی، متوفی 311ھ، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت 1395ھ

۴۱۔ امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق شافعی، متوفی 316ھ، مسند ابوعوانہ، مطبوعہ: دارالباز، مکہ مکرمہ

۴۲۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، تحفۃ الاخیار، مطبوعہ: داربلنسیہ، ریاض 1420ھ

۴۳۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، مشکل الآثار، مطبوعہ: مکتبہ دارالباز 1415ھ

۴۴۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، شرح معانی الآثار، مطبوعہ: مطبع مجتبائی، پاکستان لاہور، 1404ھ، قدیمی کتب خانہ کراچی

۴۵۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، شرح مشکل الآثار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1427ھ

۴۶۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ مسند الطحاوی، مطبوعہ: مکتبۃ الحرمین، دبئی 1426ھ

۴۷۔ امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی شافعی، متوفی 322ھ، کتاب الضعفاء الکبیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ

۴۸۔ امام ابوبکر احمد بن مروان بن محمد الدینوری القاضی المالکی، متوفی 333ھ، المجالسۃ وجواھر العلم، دار ابن حزم بیروت، 1419ھ

۴۹۔ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفی 354ھ، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت، 1407ھ

۵۰۔ امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفی 354ھ، الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1425ھ

۵۱۔ امام ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجری الشافعی، متوفی 360ھ، کتاب الشریعہ، مطبوعہ: موسسۃ الریان 1429ھ

۵۲۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم صغیر، مطبوعہ: مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ 1388ھ، مکتبہ اسلامی، بیروت 1405ھ

۵۳۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم کبیر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت

۵۴۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم اوسط، مطبوعہ: مکتبۃ المعارف، ریاض 1405ھ، دارالفکر بیروت، 1420ھ

۵۵۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، مسند الشامیین، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1409ھ

۵۶۔ حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق الدینوری المعروف بابن السنی، شافعی، متوفی 364ھ، کتاب عمل الیوم واللیلۃ، مطبوعہ: موسسۃ الکتب الثقافیہ، 1408ھ

۵۷۔ امام عبد اللہ بن عدی الجرجانی شافعی، متوفی 365ھ، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۵۸۔ امام ابو حفص عمر بن احمد المعروف بابن شاہین شافعی، متوفی 385ھ، الناسخ والمنسوخ من الحدیث، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۵۹۔ امام الحافظ علی بن عمر الدار قطنی، متوفی 385ھ، سنن الدار قطنی، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت، لبنان 1422ھ

۶۰۔ امام عبد اللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ شافعی، متوفی 396ھ، کتاب العظمۃ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۶۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری شافعی، متوفی 405ھ، المستدرک، مطبوعہ: دار الباز، مکہ مکرمہ، دار المعرفہ بیروت، 1427ھ، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1420ھ

۶۲۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن عمر واقد الواقدی شافعی، متوفی 407ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۶۳۔ امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی شافعی، متوفی 430ھ، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ، دار الکتب العربی 1407ھ

۶۴۔ امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی شافعی، متوفی 430ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دار النفائس، بیروت

۶۵۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان

۶۶۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب الاسماء والصفات، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت

۶۷۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، معرفۃ السنن والآثار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۶۸۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1423ھ

۶۹۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب الآداب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

۷۰۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب فضائل الاوقات، مطبوعہ: مکتبۃ المنارہ، مکہ مکرمہ 1410ھ

۷۱۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1401ھ

۷۲۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، الجامع لشعب الایمان، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1423ھ

۷۳۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، البعث والنشور، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1414ھ

۷۴۔ امام ابو عمر یوسف ابن عبد البر قرطبی مالکی، متوفی 463ھ، جامع بیان العلم وفضلہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۷۵۔ حافظ ابی بکر عبد اللہ بن محمد بن عبید بن سفیان القرشی المعروف بابن ابی الدنیا، متوفی 184ھ، موسوعہ الامام ابن ابی الدنیا، مکتبۃ العصریہ، بیروت

۷۶۔ امام محمد بن فتوح الحمیدی شافعی، متوفی 488ھ، الجمع بین الصحیحین، مطبوعہ: دار ابن حزم 1423ھ

۷۷۔ امام ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی شافعی، متوفی 509ھ، الفردوس بماثور الخطاب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

۷۸۔ امام حسین بن مسعود بغوی شافعی، متوفّٰی 516ھ، شرح السنہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۷۹۔ علامہ عمر بن عبد العزیز ابن مازہ البخاری الحنفی الملقب بالصدر الشہید المتوفی 536ھ، شرح الجامع الصغیر، دارالکتب العلمیہ بیروت 1427ھ

۸۰۔ امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفّٰی 571ھ، تاریخ دمشق الکبیر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ

۸۱۔ امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفّٰی 571ھ، تہذیب تاریخ دمشق، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1407ھ

۸۲۔ امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفّٰی 597ھ، جامع المسانید، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ

۸۳۔ امام مجد الدین بن محمد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری شافعی، متوفّٰی 606ھ، جامع الاصول، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ، دار ابن کثیر، بیروت 1432ھ

۸۴۔ امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری شافعی، متوفّٰی 656ھ، الترغیب والترہیب، مطبوعہ: دارالحدیث، قاہرہ 1407ھ، دار ابن کثیر، بیروت 1414ھ

۸۵۔ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفّٰی 668ھ، التذکرہ فی امور الآخرہ، مطبوعہ: دارالبخاری، مدینہ منورہ

۸۶۔ امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی شافعی، متوفّٰی 676ھ، الاذکار من کلام سید الابرار، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز 1417ھ

۸۷۔ امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی، متوفّٰی 676ھ، ریاض الصالحین، قدیمی کتب خانہ، کراچی

۸۸۔ امام ابومحمد علی بن زکریا المنبجی الحنفی، متوفّٰی 686ھ، اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب، دار خضر، بیروت 1419ھ

۸۹۔ امام محی الدین تبریزی شافعی، متوفّٰی 742ھ، مشکوٰۃ، مطبوعہ: اصح المطابع، دہلی، دار ارقم، بیروت، دار ابن حزم 1423ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت

۹۰۔ امام علی بن عبد الکافی تقی الدین سبکی الشافعی، متوفّٰی 746ھ، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، مطبوعہ: الدائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد، دکن

۹۱۔ تاج الدین علی بن عبد اللہ بن الحسن الارذ دیلی التبریزی الشافعی، متوفّٰی 746ھ، المعیار فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعۃ التی استشہد بہا الفقہاء، دار الاصلاح 2009ء

۹۲۔ امام شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر المعروف بابن قیم الجوزیہ حنبلی، متوفّٰی 751ھ، جلاء الافہام فی فضل الصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد خیر الانام، مطبوعہ: دارالکتاب العربی، بیروت 1417ھ، دار الطباعۃ المحمدیہ 1388ھ

۹۳۔ حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی حنفی، متوفّٰی 762ھ، نصب الرایہ، مطبوعہ: مجلس علمی سورۃ ہند، 1357ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۹۴۔ حافظ ابوالفرج زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب الحنبلی البغدادی الدمشقی، متوفّٰی 795ھ، احوال القبور واحوال اھلہا الی النشور، دارالکتب العربی، بیروت 1418ھ

۹۵۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفّٰی 807ھ، مجمع الزوائد، مطبوعہ: دارالکتاب العربی، بیروت 1402ھ، دارالفکر،

بیروت 1414ھ

۹۶۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، کشف الاستار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1404ھ

۹۷۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، تقریب البغیہ بترتیب احادیث الحلیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1420ھ

۹۸۔ امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی، متوفی 840ھ، اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرہ، مطبوعہ: مکتبہ دارالکتب العلمیہ، بیروت 1442ھ

۹۹۔ امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی، متوفی 840ھ، زوائد ابن ماجہ علی الکتب الخمسہ، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1414ھ،

۱۰۰۔ حافظ علاؤالدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمانی حنفی، متوفی 845ھ، الجوہر النقی، مطبوعہ: نشر السنہ ملتان

۱۰۱۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 848ھ، تلخیص المستدرک، مطبوعہ: مکتبہ دارالباز، مکہ مکرمہ

۱۰۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفی 852ھ، المطالب العالیہ، مطبوعہ: مکتبۃ دارالباز، مکہ مکرمہ، درالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۱۰۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفی 852ھ، نتائج الافکار فی احادیث الاذکار، مطبوعہ: دارابن کثیر، 1421ھ

۱۰۴۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفی 852ھ، تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث رافعی الکبیر، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، 1417ھ

۱۰۵۔ امام زین الدین ابوالعباس احمد بن عبداللطیف الزبیری حنفی متوفی 893ھ، التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت، 1430ھ

۱۰۶۔ امام عبدالرحمٰن بن عبدالسلام بن عبدالرحمٰن بن عثمان الصفوری الشافعی، متوفی 894ھ، نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۰۷۔ حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی الشافعی، متوفی 902ھ، القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع، مطبوعہ: مکتبۃ المؤید، دمشق 1408ھ

۱۰۸۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ

۱۰۹۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جامع الاحادیث الکبیر، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1414ھ

۱۱۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جمع الجوامع، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1421ھ

۱۱۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، البدور السافرہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ، دارابن حزم، بیروت 1414ھ

۱۱۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ

۱۱۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الخصائص الکبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۱۱۴۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، الصواعق المحرقة فی الرد علی اہل البدع والزندقة، مطبوعہ: مکتبة القاہرہ، مصر 1385ھ
۱۱۵۔ علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری حنفی، متوفی 975ھ، کنز العمال، مطبوعہ: موسسة الرسالہ بیروت
۱۱۶۔ حافظ عبد الرؤف بن علی بن زین العابدین المناوی الشافعی، متوفی 1031ھ، کنوز الحقائق من حدیث خیر الخلائق، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۱۱۷۔ امام محمد بن سلیمان المغربی المالکی، متوفی 1094ھ، جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد، مطبوعہ: مکتبہ ابن کثیر 1418ھ
۱۱۸۔ امام ابوعبداللہ محمد بن درویش الحوت البیرونی الحنفی، متوفی 1276ھ، اسنی المطالب فی احادیث مختلف المراتب، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1412ھ
۱۱۹۔ الحافظ ابوالفیض احمد بن محمد بن الصدیق الغماری الحسنی الشافعی، متوفی 1380ھ، المداوی لعلل الجامع الصغیر وشرح المناوی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1996ھ
۱۲۰۔ علامہ محمد ناصر الدین البانی المتوفی 1420ھ، سلسہ احادیث صحیحہ، انصار السنہ پبلی کیشنز لاہور، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع 1420ھ
۱۲۱۔ مولانا صالح بن عبداللہ بن حمید، نضرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم، دار الوسیلہ للنشر والتوزیع 1425ھ
۱۲۲۔ مولانا عبدالسلام بن محمد بن عمر علوش، کتاب الجامع فی الاحادیث القدسیہ، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامی، 1426ھ

کتب تفاسیر

۱۲۳۔ امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء حنفی، متوفی 207ھ، معانی القرآن، مطبوعہ: بیروت
۱۲۴۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفی 310ھ، جامع البیان، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1409ھ، دار الفکر بیروت
۱۲۵۔ امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی شافعی، متوفی 327ھ، تفسیر القرآن العظیم، مطبوعہ: نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ
۱۲۶۔ امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی، متوفی 333ھ، تاویلات اہل السنہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ
۱۲۷۔ امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی، متوفی 370ھ، احکام القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، 1400ھ
۱۲۸۔ امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی، متوفی 427ھ، تفسیر الثعلبی، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1422ھ
۱۲۹۔ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک القشیری الشافعی، متوفی 465ھ، تفسیر القشیری المسمیٰ لطائف الاسرار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۱۳۰۔ علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری شافعی، متوفی 468ھ، الوسیط، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ
۱۳۱۔ امام شیخ الاسلام ابوالمظفر السمعانی الشافعی، متوفی 489ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ: دار الوطن، ریاض 1418ھ
۱۳۲۔ علامہ محمود بن عمر زمخشری معتزلی، متوفی 538ھ، الکشاف، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ،

۱۳۳۔ علامہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ المعروف با بن العربی المالکی المتوفی 543ھ، احکام القرآن، مطبوعہ: دار الفکر بیروت
۱۳۴۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفی 606ھ تفسیر کبیر، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ
۱۳۵۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفی 606ھ، اسرار التنزیل وانوار التاویل، مطبوعہ: دار الکتب الوثاق، بغداد، عراق 1990ء
۱۳۶۔ علامہ ابوعبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1415ھ
۱۳۷۔ قاضی ابوالخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی، متوفی 685ھ، انوار التنزیل واسرار التاویل، مطبوعہ: دار فراس للنشر والتوزیع مصر
۱۳۸۔ علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی، متوفی 710ھ، مدارک التنزیل، مطبوعہ: دار الکتب العربیہ، پشاور
۱۳۹۔ علامہ عبد الرحمٰن بن محمد بن مخلوف ثعالبی، متوفی 857ھ تفسیر الثعالبی، مطبوعہ: موسسۃ العالمی للمطبوعات، بیروت
۱۴۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جلالین، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۱۴۱۔ علامہ اسماعیل حقی حنفی، متوفی 1137ھ، روح البیان، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ
۱۴۲۔ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی، متوفی 1223ھ، تفسیر صاوی، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1421ھ
۱۴۳۔ علامہ السید عبد اللہ سبز، متوفی 1242ھ، تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ: دار الاسوۃ للطباعۃ والنشر، 1421ھ
۱۴۴۔ علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی، متوفی 1270ھ، روح المعانی، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت، دار الفکر بیروت 1417ھ
۱۴۵۔ نواب صدیق حسن بھوپالی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، فتح البیان، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۱۴۶۔ شیخ محمود الحسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، حاشیۃ القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور
۱۴۷۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، بیان القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور
۱۴۸۔ علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی بریلوی، متوفی 1367ھ، خزائن العرفان
۱۴۹۔ مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی بریلوی، متوفی 1391ھ، نور العرفان، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، گجرات
۱۵۰۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفی 1399ھ، تفہیم القرآن، مطبوعہ: ادارہ ترجمان القرآن، لاہور
۱۵۱۔ غزالئ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی بریلوی، متوفی 1406ھ، التبیان العظیم فی تفسیر سورۃ التحریم، مطبوعہ: مکتبہ فانوس پبلی کیشنز، پاکستان 2003ء
۱۵۲۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری حنفی بریلوی، متوفی 1418ھ، ضیاء القرآن، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
۱۵۳۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1428ھ
۱۵۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، انوار تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1431ھ
۱۵۵۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہ، ترجمہ وتحقیق وتخریج تفسیر خازن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور 1427ھ
۱۵۶۔ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی حنفی بریلوی غفرلہ، برکات القرآن، ترجمہ تفسیر مدارک التنزیل، فرید بک اسٹال لاہور 1430ھ

شروح احادیث

۱۵۷۔ امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری التوفی 318ھ، الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، مطبوعہ: دار الفلاح 1430ھ

۱۵۸۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388ھ، معالم السنن، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۵۹۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388ھ، اعلام السنن، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۶۰۔ علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال مالکی، متوفی 449ھ، شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1420ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۱۶۱۔ حافظ ابوعمرو ابن عبد البر مالکی، متوفی 463ھ، الاستذکار (شرح الموطا)، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت، 1413ھ

۱۶۲۔ حافظ ابوعمرو بن عبد البر مالکی، متوفی 463ھ، التمہید، مطبوعہ: مکتبۃ القدوسیہ لاہور 1404ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۶۳۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی 543ھ، القبس فی شرح موطا بن انس، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۶۴۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی 543ھ، عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح الترمذی، دار الکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ

۱۶۵۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی 544ھ، اکمال المعلم بہ فوائد مسلم، مطبوعہ: دار الوفاء بیروت 1419ھ

۱۶۶۔ علامہ عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، کشف المشکل علیٰ صحیح البخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1444ھ

۱۶۷۔ امام ابومحمد عبد الجلیل بن موسیٰ اندلسی مالکی، متوفی 608ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1416ھ

۱۶۸۔ امام عبد العظیم بن عبد القوی منذری شافعی، متوفی 656ھ، مختصر سنن ابوداؤد، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت

۱۶۹۔ علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی، متوفی 656ھ، المفہم، مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت 1417ھ

۱۷۰۔ علامہ ابوعبد اللہ فضل اللہ بن الحسن التورپشتی الشافعی، متوفی 661ھ، کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنہ، مکتبہ نزار مصطفیٰ 1422ھ

۱۷۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، شرح مسلم، مطبوعہ: نور محمد اصح المطابع، کراچی 1375ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1417ھ

۱۷۲۔ امام ابومحمد عبد اللہ بن ابی حمزہ الاندلسی المالکی، متوفی 699ھ، بہجۃ النفوس، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1428ھ

۱۷۳۔ علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی 736ھ، فتح الباری، دار ابن الجوزی، ریاض 1417ھ

۱۷۴۔ علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی 736ھ، الاحادیث والآثار، مطبوعہ: مکتبۃ الرشید 1429ھ

۱۷۵۔ علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی، متوفی 743ھ، شرح الطیبی، ادارۃ القرآن 1413ھ

۱۷۶۔ حافظ علاء الدین مغلطائی ابن قلیج بن عبد اللہ الحنفی التوفی 762ھ، شرح ابن ماجہ، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1424ھ

۱۷۷۔ علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی، متوفی 786ھ، تحقیق الکواکب الدراری شرح البخاری، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ

۱۷۸۔ علامہ محمد بن بہادر الزرکشی المتوفی 794ھ، التنقیح لالفاظ الجامع الصحیح، دار الکتب العلمیہ بیروت 1424ھ
۱۷۹۔ علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن، متوفی 804ھ، التوضیح لشرح الجامع الصحیح، مطبوعہ: وزارۃ الاوقاف، قطر 1429ھ
۱۸۰۔ امام قاضی بدر الدین الدمامینی المالکی، متوفی 827ھ، مصابیح الجامع، مطبوعہ: دار النور 1431ھ
۱۸۱۔ علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلیفہ وشتانی مالکی، متوفی 828ھ، اکمال اکمال المعلم، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ
۱۸۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تغلیق التعلیق علی صحیح البخاری، المکتب الاسلامی بیروت 1420ھ
۱۸۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، فتح الباری، مطبوعہ: دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور 1401ھ، بیروت 1420ھ، دار المعرفہ، بیروت 1426ھ
۱۸۴۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری، مکتبۃ الرشد، ریاض 1418ھ
۱۸۵۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار، مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت
۱۸۶۔ حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، عمدۃ القاری، مطبوعہ: ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر 1348ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۱۸۷۔ حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، شرح سنن ابوداؤد، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع 1420ھ
۱۸۸۔ علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی، متوفی 895ھ، مکمل اکمال المعلم، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ
۱۸۹۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، ارشاد الساری، مطبوعہ: مطبع میمنہ مصر 1306ھ
۱۹۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، التوشیح علی الجامع الصحیح، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت 1420ھ
۱۹۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1412ھ
۱۹۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، بیروت 1418ھ
۱۹۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الرسائل العشر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1409ھ
۱۹۴۔ علامہ ابو یحییٰ زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926ھ، تحفۃ الباری فی شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1425ھ
۱۹۵۔ علامہ ابو یحییٰ زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926ھ، منحۃ الباری بشرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1426ھ
۱۹۶۔ علامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، اشرف الوسائل الی فہم الشمائل، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ
۱۹۷۔ علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ، فیض القدیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفی الباز،

مکہ مکرمہ 1418ھ

۱۹۸۔ علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ، شرح الشمائل، مطبوعہ: اصح المطابع، کراچی

۱۹۹۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۲۰۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۲۰۱۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، مرقات، مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ، ملتان 1390ھ

۲۰۲۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار المرفوعہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۲۰۳۔ شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی غیر مقلد، متوفی 1025ھ، تحفۃ الذاکرین، مطبوعہ: مطبع مصطفی البابی، مصر 1350ھ

۲۰۴۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، اشعۃ اللمعات، مطبوعہ: مطبع تیج کمار لکھنو، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۲۰۵۔ علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر الخفاجی المصری الحنفی، متوفی 1069ھ، نسیم الریاض فی شرح الشفاء قاضی عیاض، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۲۰۶۔ شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1073ھ، تیسیر القاری فی شرح صحیح بخاری، مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۲۰۷۔ امام محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی المصری المالکی، متوفی 1122ھ، شرح الزرقانی (شرح موطا امام مالک)، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ

۲۰۸۔ شیخ ابو الطیب صدیق بن حسن الحسینی القنوجی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، عون الباری لحل ادلۃ الصحیح البخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ

۲۰۹۔ امام محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی، متوفی 1398ھ، الفجر الساطع علی الصحیح الجامع، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1430ھ

۲۱۰۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، لامع الدراری علی جامع البخاری، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی

۲۱۱۔ شیخ عبد الرحمن مبارک پوری غیر مقلد، متوفی 1325ھ، تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ

۲۱۲۔ شیخ وحید الزمان غیر مقلد، متوفی 1328ھ، تیسیر الباری ترجمہ وتشریح صحیح بخاری، مطبوعہ: نعمانی کتب خانہ، لاہور 1990ھ

۲۱۳۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جامع الاحادیث مطبوعہ: مکتبہ مرکز اہلسنت برکات رضا، گجرات 1422ھ

۲۱۴۔ شیخ انور شاہ کشمیری دیوبندی، متوفی 1352ھ، فیض الباری، مطبوعہ: مطبع حجازی، مصر 1375ھ

۲۱۵۔ شیخ شبیر احمد عثمانی دیوبندی، متوفی 1369ھ، فتح الملہم، مطبوعہ: مکتبۃ الحجاز، کراچی

۲۱۶۔ الشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی الحنفی، متوفی 1414ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دار الکلم الطیب، بیروت 1430ھ

۲۱۷۔ شیخ محمد بن زکریا بن محمد کاندھلوی دیوبندی، اوجز المسالک الی موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۲۱۸۔ شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی، متوفی 1421ھ، شرح صحیح بخاری، مکتبۃ الطبری، 1429ھ

۲۱۹۔ ابو محمد عبد اللہ بن مانع الروقی، الحلل الابریزیہ من التعلیقات البازیہ علی صحیح البخاری، دار التدمریہ، ریاض 1428ھ

۲۲۰۔ شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی، کشف الباری، مطبوعہ: مکتبہ فاروقیہ، کراچی

۲۲۱۔ شیخ محمد تقی عثمانی دیوبندی، انعام الباری شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الحراء

کتب اصول احادیث

۲۲۲۔ علامہ ابوبکر محمد بن موسیٰ بن عثمان بن حازم الحازمی الہمدانی التوفی 584ھ، کتاب الفیصل فی علم الحدیث، مکتبۃ الرشد، ریاض 1428ھ

۲۲۳۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، تقریب النواوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ

۲۲۴۔ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، تدریب الراوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ

۲۲۵۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح نخبۃ الفکر، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ

کتب اسماء الرجال

۲۲۶۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، التاریخ الکبیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1422ھ

۲۲۷۔ امام احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، منہج الامام النسائی فی الجرح والتعدیل، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1424ھ

۲۲۸۔ امام ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی شافعی، متوفی 436ھ، تاریخ بغداد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۲۲۹۔ حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی شافعی، متوفی 742ھ، تہذیب الکمال، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1414ھ

۲۳۰۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، میزان الاعتدال، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۲۳۱۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، الکاشف، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1418ھ

۲۳۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تہذیب التہذیب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۲۳۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ج تقریب التہذیب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۲۳۴۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ اللآلی المصنوعہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۲۳۵۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، طبقات الحفاظ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ

۲۳۶۔ حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی الشافعی، متوفی 923ھ، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1422ھ

۲۳۷۔ علامہ محمد بن طولون شافعی، متوفی 953ھ، الشذرہ فی الاحادیث المشتہرہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ

۲۳۸۔ علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی شافعی، متوفی 963ھ، تنزیہ الشریعہ المرفوعہ عن الاخبار الشریعہ الموضوعہ

۲۳۹۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی 986ھ، تذکرۃ الموضوعات، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1401ھ

۲۴۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، موضوعات کبیر، مطبوعہ: مکتبہ مجتبائی دہلی

۲۴۱۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ، مطبوعہ: دار الباز للنشر والتوزیع 1405ھ

۲۴۲۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، مطبوعہ: مکتبہ المطبوعات الاسلامیہ، حلب 1389ھ

۲۴۳۔ علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی، متوفی 1164ھ، کشف الخفاء ومزیل الالباس، مطبوعہ: مکتبہ الغزالی، دمشق

۲۴۴۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز 1415ھ

۲۴۵۔ یوسف عبدالرحمٰن المرعشلی معجم المعاجم والمشیخات، مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ

کتب لغت

۲۴۶۔ امام اللغۃ خلیل بن احمد فراہیدی، متوفی 175ھ، کتاب العین، مطبوعہ: انتشارات اسوہ، ایران 1414ھ

۲۴۷۔ امام ابوعبید القاسم بن سلام الھروی الشافعی، متوفی 224ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۲۴۸۔ امام ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری، متوفی 276ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1408ھ

۲۴۹۔ علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی، متوفی 398ھ، الصحاح، مطبوعہ: دار العلم، بیروت 1404ھ

۲۵۰۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی شافعی، متوفی 502ھ، المفردات، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ 1418ھ

۲۵۱۔ علامہ نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد النسفی الحنفی، متوفی 537ھ، طلبۃ الطلبہ فی الاصلاحات الفقہیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۲۵۲۔ امام ابونصر احمد بن محمد سمرقندی حنفی، متوفی 550ھ، انیس الفقہاء، فی تعریفات الالفاظ المتداولۃ بین الفقہاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ،

۲۵۳۔ علامہ محمد بن اثیر الجزری الشافعی، متوفی 606ھ، نہایہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۲۵۴۔ علامہ محمد بن ابوبکر بن عبدالقادر رازی حنفی، متوفی 660ھ، مختار الصحاح، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ

۲۵۵۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۲۵۶۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی، متوفی 711ھ، لسان العرب، مطبوعہ: نشر ادب الحوزہ، قم ایران، دار صادر، بیروت 2003ء

۲۵۷۔ علامہ علی بن محمد بن علی الجرجانی الحنفی، متوفی 816ھ، کتاب التعریفات، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت

۲۵۸۔ علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی، متوفی 817ھ، القاموس المحیط، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت

۲۵۹۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی 986ھ، مجمع بحار الانوار، مطبوعہ: مکتبہ دار الایمان، مدینہ منورہ 1415ھ

۲۶۰۔ علامہ سید محمد مرتضی حسینی زبیدی حنفی، متوفی 1205ھ، تاج العروس، مطبوعہ: المطبعۃ الخیریہ، مصر

۲۶۱۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد، مطبوعہ المطبع الفاثو لیکہ، بیروت 1927ء

۲۶۲۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد مترجم، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی

۲۶۳۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد فی الاعلام، مطبوعہ: دار المشرق، بیروت 1976ء

۲۶۴۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد فی اللغت، مطبوعہ: انتشارات اسلام 1379ء

۲۶۵۔ مولانا محمد غیاث الدین، غیاث اللغات (فارسی)، مطبوعہ: مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

۲۶۶۔ الحاج مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات (اردو)، مطبوعہ، مطبع فیروز سنز لمیٹڈ

۲۶۷۔ سعدی الوجیب، القاموس الفقہی لغۃ واصطلاحا، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، پاکستان

۲۶۸۔ غلام احمد پرویز، متوفی 1985، لغات القرآن، ادارہ طلوع اسلام گلبرگ لاہور 1984ء

۲۶۹۔ قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری حنفی، دستور العلماء، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، بیروت 1421ھ

۲۷۰۔ ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری، قائد اللغات، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور

کتب تاریخ، سیرت وفضائل

۲۷۱۔ امام ابومحمد عبدالملک بن ہشام المعافری، متوفی 218ھ، السیرۃ النبویہ، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ

۲۷۲۔ امام محمد بن سعد، متوفی 230ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ: دار صادر، بیروت 1388ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ

۲۷۳۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفی 310ھ، تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ: دار القلم، بیروت

۲۷۴۔ امام ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سھل السامری الخرائطی، متوفی 327ھ، مکارم الاخلاق ومعالیہا ومحمود طرائقہا ومرضیہا، مطبوعہ: مطبع المدنی، موسسۃ السعودیہ، 1411ھ

۲۷۵۔ امام ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی، متوفی 405ھ، اعلام النبوۃ، داراحیاء العلوم، بیروت 1408ھ

۲۷۶۔ امام ابوسعید عبدالملک بن ابی عثمان نیشاپوری شافعی، متوفی 406ھ، شرف المصطفیٰ، مطبوعہ: دار البشائر الاسلامیہ، مکہ مکرمہ 1424ھ

۲۷۷۔ امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی، متوفی 463ھ، تاریخ بغداد، دار الفکر بیروت، 1424ھ

۲۷۸۔ حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، الاستیعاب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۲۷۹۔ امام محی السنۃ الحسین بن مسعود بن محمد الفراء البغوی الشافعی، متوفی 510ھ، الانوار فی شمائل النبی المختار، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۲۸۰۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی 544ھ، الشفاء، مطبوعہ: عبدالتواب اکیڈمی، ملتان، دار الفکر بیروت 1415ھ

۲۸۱۔ امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد الخثعمی السہیلی، متوفی 581ھ، الروض الانف فی تفسیر سیرۃ النبویہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۲۸۲۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، الوفاء، مطبوعہ: مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد
۲۸۳۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، مولد العروس الشہیر بابن الجوزی، مطبوعہ: المکتبۃ الثقافیہ، بیروت
۲۸۴۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر شافعی، متوفی 630ھ، اسد الغابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، دارالفکر بیروت
۲۸۵۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی 630ھ، الکامل فی التاریخ مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۸۶۔ علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان شافعی، متوفی 681ھ، وفیات الاعیان، مطبوعہ: منشورات الشریف الرضی، ایران
۲۸۷۔ امام ابوجعفر احمد الشہیر بالمحب الطبری، متوفی 694ھ، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۸۸۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، سیر اعلام النبلاء، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1417ھ
۲۸۹۔ شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ الحنبلی، متوفی 751ھ، زاد المعاد، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1419ھ
۲۹۰۔ حافظ علاؤالدین ابوعبداللہ مغلطائی بن قلیچ، متوفی 762ھ، الاشارۃ الیٰ سیرۃ المصطفیٰ وتاریخ من بعدہ من الخلفاء، مطبوعہ: دارالقلم، دمشق 1416ھ
۲۹۱۔ علامہ تاج الدین ابونصر عبدالوہاب سبکی شافعی، متوفی 771ھ، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۲۹۲۔ حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی 774ھ، البدایہ والنہایہ، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1418ھ
۲۹۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، الاصابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۹۴۔ شیخ عبدالرحمٰن الثعلبی، متوفی 875ھ، الانوار فی آیات النبی المختار، مطبوعہ: دار ابن حزم 1426ھ
۲۹۵۔ علامہ نورالدین علی بن احمد سمہودی شافعی، متوفی 911ھ، وفاء الوفاء، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ
۲۹۶۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
۲۹۷۔ علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، متوفی 942ھ، سبل الہدیٰ والرشاد، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۲۹۸۔ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، مدارج النبوۃ، مکتبہ نوریہ، سکھر پاکستان 1397ھ
۲۹۹۔ علامہ محمد عبدالباقی زرقانی مالکی، متوفی 1124ھ، شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1393ھ
۳۰۰۔ شیخ عبداللہ بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی، متوفی 1242ھ، مختصر سیرۃ الرسول، مطبوعہ: المکتبۃ السلفیہ 1399ھ

کتب فقہ حنفی

۳۰۱۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (کتاب الاصل)، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی
۳۰۲۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (شرح الکافی)، مطبوعہ: دارالمعرفہ بیروت، 1398ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۳۰۳۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: مصطفائی ہند 1291ھ

۳۰۴۔ امام محمد بن الشهير الحاكم الشهيد البلخي الحنفي، متوفی 344ھ، الکافی، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۳۰۵۔ امام ابوبکر الرازی الجصاص المتوفی 370ھ، شرح مختصر الطحاوی، فتاوی فی الفقہ الحنفی، مکتبۃ الکریمیہ کانسی روڈ کوئٹہ

۳۰۶۔ ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمر قندی، متوفی 373ھ، خزانۃ الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ، امجد اکیڈمی، لاہور 1397ھ

۳۰۷۔ امام ابو اللیث نصر بن محمد ابراہیم السمر قندی المتوفی 373ھ، فتاویٰ ابو اللیث سمرقندی، السیاۃ بمختلف الروایۃ، مکتبہ محمدیہ 1423ھ

۳۰۸۔ امام ابو اللیث نصر بن محمد ابراہیم السمر قندی، متوفی 373ھ، خزانۃ الفقہ، المکتبۃ الغفوریہ العاصمیہ، کراچی

۳۰۹۔ شیخ الاسلام قاضی القضاۃ ابو الحفص علی بن الحسن بن محمد السغدی الحنفی المتوفی 461ھ، النتف فی الفتاوی، مکتبہ عثمانیہ، کوئٹہ

۳۱۰۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، المبسوط، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت 1398ھ

۳۱۱۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، شرح سیر کبیر، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامیہ، افغانستان 1405ھ

۳۱۲۔ علامہ علاؤ الدین محمد السمر قندی، متوفی 539ھ، تحفۃ الفقہاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۳۱۳۔ الامام الاکمل الفقیہ الامجد طاہر بن عبد الرشید البخاری، متوفی 542ھ، خلاصۃ الفتاویٰ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

۳۱۴۔ الوزیر عون الدین ابو المظفر یحییٰ بن محمد ہبیرہ، متوفی 560ھ، الافصاح عن معانی الصحاح، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۱۵۔ علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی، متوفی 587ھ، بدائع الصنائع، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۳۱۶۔ علامہ حسین بن منصور اوز جندی، متوفی 592ھ، فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ: کبریٰ بولاق، مصر 1310ھ

۳۱۷۔ علامہ حسین بن منصور اوز جندی، متوفی 592ھ، شرح الزیادات، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۱۸۔ علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، ہدایہ اولین وآخرین، مطبوعہ: شرکت علمیہ، ملتان

۳۱۹۔ علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، کتاب التجنیس والمزید، مطبوعہ: ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ 1424ھ

۳۲۰۔ علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری، متوفی 616ھ، المحیط البرہانی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1424ھ

۳۲۱۔ علامہ عبداللہ بن محمود بن مودود حنفی، متوفی 683ھ، الاختیار لتعلیل المختار، مطبوعہ: دار فراس للنشر والتوزیع

۳۲۲۔ امام فخر الدین عثمان بن علی، متوفی 743ھ، تبیین الحقائق، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی 1421ھ

۳۲۳۔ علامہ محمد بن محمود بابرتی، متوفی 786ھ، عنایہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت 1415ھ

۳۲۴۔ علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی، متوفی 786ھ، فتاویٰ تاتارخانیہ، مطبوعہ: ادارۃ القرآن کراچی 1411ھ

۳۲۵۔ علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، بنایہ، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1411ھ

۳۲۶۔ علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی 861ھ، فتح القدیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۳۲۷۔ علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی 956ھ، غنیۃ المستملی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور 1412ھ

۳۲۸۔ امام شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی، متوفی 962ھ، جامع الرموز، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

۳۲۹۔ علامہ زین الدین بن نجیم، متوفی 970ھ، البحر الرائق، مطبوعہ: علمیہ، مصر 1311ھ

۳۴۰۔ امام شہاب الدین احمد محمد بن علی بن حجر الہیتمی، متوفی 974ھ، الفتاوی الکبری الفقہیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۴۱۔ امام سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم الحنفی، متوفی 1005ھ، النہر الفائق، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی

۳۴۲۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، فتح باب العنایہ، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۴۳۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، مناسک ملا علی قاری، مطبوعہ: ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ 1417ھ

۳۴۴۔ ملا نظام الدین، متوفی 1061ھ، فتاوی عالمگیری، مطبوعہ: مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر، 1310ھ

۳۴۵۔ علامہ ابو الاخلاص حسن بن عمار بن علی الفقیہ العصری الحنفی، متوفی 1069ھ، امداد الفتاح شرح نور الایضاح ونجات الارواح، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ،

۳۴۶۔ علامہ محمد سلیمان داماد آفندی، متوفی 1078ھ، مجمع الانھر فی شرح ملتقی الابحر، مطبوعہ: المکتبۃ الغفاریہ، کوئٹہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۳۴۷۔ علامہ خیر الدین رملی، متوفی 1081ھ، جامع الفصولین، مکتبۃ القدس، کوئٹہ 1300ھ

۳۴۸۔ علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی، متوفی 1088ھ، الدر المختار، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۴۹۔ علامہ السید اسعد بن ابی بکر آفندی الحنفی المتوفی 110ھ، الفتاوی الاسعدیہ فی الفقہ الحنفیہ، المکتبۃ الحقانیہ، کوئٹہ 1431ھ

۳۵۰۔ علامہ شاہ عبد العزیز محمد دہلوی، متوفی 1229ھ، فتاویٰ عزیزی، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1390ھ

۳۵۱۔ علامہ احمد بن محمد طحطاوی، متوفی 1231ھ، حاشیۃ الطحطاوی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۳۵۲۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، منحۃ الخالق، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مصر 1311ھ

۳۵۳۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، تنقیح الفتاوی الحامدیہ، مطبوعہ: دار الاشاعۃ العربی، کوئٹہ

۳۵۴۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، رسائل ابن عابدین شامی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور

۳۵۵۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، رد المحتار، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ

۳۵۶۔ علامہ شاہ محمد مسعود محدث دہلوی، متوفی 1309ھ، فتاویٰ مسعودی، سرہند پبلی کیشنز 1407ھ

۳۵۷۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، فتاویٰ رشیدیہ، مطبوعہ: محمد سعید اینڈ سنز، کراچی

۳۵۸۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، احسن الفتاویٰ، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی 1425ھ

۳۵۹۔ امام احمد رضا خان بریلوی، متوفی 1340ھ، العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور 1427ھ

۳۶۰۔ علامہ سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی، متوفی 1356ھ، فتاویٰ مہریہ، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور 1418ھ

۳۶۱۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفی 1367ھ، بہار شریعت، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 1416ھ

۳۶۲۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفی 1367ھ، فتاویٰ امجدیہ، مطبوعہ: مکتبہ رضویہ 1419ھ

۳۶۳۔ شیخ محمد شفیع دیوبندی، متوفی 1396ھ، جواہر الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی 1395ھ

۳۶۴۔ مولانا نور اللہ نعیمی بصیر پوری حنفی بریلوی، متوفی 1403ھ، فتاویٰ نوریہ، مطبوعہ: کمبائن پرنٹرز، لاہور 1983ء

۳۶۵۔ مولانا وقار الدین حنفی بریلوی، متوفّٰی 1413ھ، وقار الفتاویٰ، مطبوعہ: بزم وقار الدین 1997ء

۳۶۶۔ الشیخ اسعد محمد سعید الصاگرجی الحنفی التوفی 1414ھ، الفقہ الحنفی وادلتہ، دار الکلم الطیب، بیروت 1420ھ

۳۶۷۔ مولانا محمد عبداللہ نعیمی حنفی بریلوی، متوفّٰی 1982ء، فتاویٰ مجددیہ نعیمیہ، ناشر: مفتی اعظم سندھ اکیڈمی 1411ھ

۳۶۸۔ شیخ الاسلام علامہ الشیخ عبد الغنی النابلسی الحنفی النقشبندی التوفی 1123ھ، فتاوی النابلسی المسماۃ بنھایۃ المرادفی شرح ہدایہ، ابن العماد، مکتبہ حقانیہ کوئٹہ 1429ھ

۳۶۹۔ مفتی اہلسنت علامہ سید شجاعت علی قادری حنفی بریلوی، متوفّٰی 1993ء، فقہ اہلسنت، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1978ء

۳۷۰۔ مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن حنفی بریلوی غفرلہ، تفہیم المسائل، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، 1407ھ

۳۷۱۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی، انوار الفتاویٰ، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1428ھ

۳۷۲۔ شیخ سعید بن علی السمرقندی الحنفی الفتاویٰ فی الحیل والمخارج المسمّٰی بجنۃ الاحکام وجنۃ الخصام، المکتبۃ الحقانیہ، کوئٹہ 1431ھ

۳۷۳۔ شیخ عبد الحمید محمود طہمار، الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید، المکتبۃ الحقانیہ کوئٹہ 1418ھ

کتب فقہ شافعیہ

۳۷۴۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفّٰی 204ھ، الام، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1403ھ

۳۷۵۔ علامہ ابوالحسین علی بن محمد حبیب الماوردی شافعی، متوفّٰی 450ھ، الحاوی الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1414ھ

۳۷۶۔ علامہ ابواسحاق شیرازی، متوفّٰی 455ھ، المہذب، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت، 1393ھ

۳۷۷۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفّٰی 676ھ، شرح المہذب، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت 1423ھ

۳۷۸۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفّٰی 676ھ، روضۃ الطالبین، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۳۷۹۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفّٰی 974ھ، الفتاوی الحدیثیہ، 1419ھ

کتب فقہ مالکیہ

۳۸۰۔ امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی، متوفّٰی 256ھ، المدونۃ الکبریٰ، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت

۳۸۱۔ امام ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی المالکی، متوفّٰی 494ھ، المنتقیٰ شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1331ھ

۳۸۲۔ قاضی عبدالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی، متوفّٰی 595ھ، بدایۃ المجتہد، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

۳۸۳۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن الخطاب المغربی، متوفّٰی 954ھ، مواہب الجلیل لشرح مختصر خلیل، مطبوعہ: مکتبۃ النجاح، لیبیا

۳۸۴۔ علامہ علی بن عبداللہ بن الخرشی، متوفّٰی 1101ھ، الخرشی علی مختصر خلیل، مطبوعہ: دار صادر، بیروت

۳۸۵۔ علامہ ابوالبرکات، احمد دردیر مالکی، متوفّٰی 1197ھ، الشرح الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

۳۸۶۔ علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی، متوفی 1219ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۸۷۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، المغنی، مطبوعہ: دار الحدیث قاہرہ، 1425ھ

۳۸۸۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، الکافی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ

۳۸۹۔ شیخ ابو العباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، مجموعۃ الفتاویٰ، مطبوعہ: ریاض، دار الجیل، بیروت 1418ھ

۳۹۰۔ شیخ ابو العباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1424ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت 1426ھ

۳۹۱۔ علامہ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن فتاح مقدسی، متوفی 763ھ، کتاب الفروع، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت

۳۹۲۔ علامہ ابو الحسین علی بن سلیمان مرداوی، متوفی 885ھ، الانصاف، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1387ھ

۳۹۳۔ علامہ موسیٰ بن احمد صالحی، متوفی 960ھ، الاقناع، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ

۳۹۴۔ شیخ منصور بن یونس البھوتی الحنبلی، متوفی 1015ھ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۳۹۵۔ شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن ابن باز حنبلی، متوفی 1420ھ، 1999ء، مجموع فتویٰ ومقالات متنوعہ، مکتبۃ المورد، ریاض 1427ھ

کتب فقہ غیر مقلدین

۳۹۶۔ شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی، متوفی 456ھ، المحلی بالآثار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۳۹۷۔ شیخ محمد بن علی شوکانی، متوفی 1250ھ، نیل الاوطار، مکتبۃ الکلیات الازہریہ، مصر 1398ھ، دار الوفاء، 1421ھ

۳۹۸۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری، متوفی 1367ھ، فتاویٰ ثنائیہ، مطبوعہ: النور اکیڈمی، مکتبہ ثنائیہ سرگودھا

۳۹۹۔ مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی، متوفی 1805ھ، فتاویٰ نذیریہ، مکتبۃ المعارف الاسلامیہ، پاکستان 1333ھ

۴۰۰۔ شیخ حافظ عبداللہ محدث روپڑی، متوفی 1920ھ، فتاویٰ اہل حدیث، مطبوعہ: دار احیاء السنۃ النبویہ، پاکستان 1404ھ

کتب اصول فقہ

۴۰۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، الرسالہ، مطبوعہ: مطبع امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1312ھ

۴۰۲۔ فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی حنفی، متوفی 482ھ، اصول بزدوی، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۴۰۳۔ علامہ ابو بکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی الحنفی، متوفی 483ھ، اصول السرخسی، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت

۴۰۴۔ امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفی 505ھ، مستصفیٰ، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1294ھ

۴۰۵۔ علامہ علاؤ الدین عبد العزیز بن احمد البخاری الحنفی، متوفی 730ھ، کشف الاسرار، مطبوعہ: دار الکتاب العربی 1411ھ

۴۰۶۔ علامہ جمال الدین اسنوی، متوفی 772ھ، شرح المنہاج، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1403ھ
۴۰۷۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی، متوفی 861ھ، تحریر، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1403ھ
۴۰۸۔ علامہ ابن امیر الحاج حنفی، متوفی 879ھ، التقریر والتحریر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1403ھ
۴۰۹۔ بحر العلوم عبد العلی بن نظام الدین حنفی، متوفی 1225ھ، فواتح الرحموت، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1294ھ
۴۱۰۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل
۴۱۱۔ علامہ محمد امین بن عمر بن عابدین شامی حنفی، متوفی 1252ھ، شرح شرح المنار للعلامۃ الشامی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی

مذاہب اربعہ

۴۱۲۔ امام ابوبکر احمد بن علی الجصاص الرازی المتوفی 370ھ، مختصر اختلاف العلماء، دار البشاء الاسلامیہ، 1417ھ
۴۱۳۔ علامہ عبد الوہاب شعرانی حنفی، متوفی 973ھ، میزان الشریعۃ الکبریٰ، مطبوعہ: مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر 1359ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۴۱۴۔ علامہ عبد الرحمٰن الجزیری، الفقہ علی مذاہب الاربعہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت
۴۱۵۔ الفتاویٰ الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ القاہرہ، 1400ھ
۴۱۶۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1405ھ
۴۱۷۔ موسوعۃ الفقہ الاسلامی، مطبوعہ: القاہرہ 1410ھ

کتب شیعہ

۴۱۸۔ شیخ ابوجعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الاصول من الکافی، دار الکتب الاسلامیہ، تہران
۴۱۹۔ شیخ ابوجعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الفروع من الکافی، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران
۴۲۰۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، تہذیب الاحکام، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران
۴۲۱۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، الاستبصار، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران
۴۲۲۔ نہج البلاغہ (مع فارسی)، مطبوعہ: انتشارات زرین، ایران
۴۲۳۔ نہج البلاغہ (مع اردو)، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز
۴۲۴۔ شیخ عز الدین عبد الحمید بن ابی الحدید، متوفی 656ھ، شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ: موسسۃ مطبوعاتی اسماعیلیان ایران
۴۲۵۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، بحار الانوار، مطبوعہ المطبعۃ الاسلامیہ، تہران 1392ھ
۴۲۶۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حق الیقین، مطبوعہ: خیابان ناصر خسرو، ایران 1347ھ
۴۲۷۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، جلاء العیون (مترجم)، مطبوعہ: انصاف پریس، لاہور
۴۲۸۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حیات القلوب (مترجم) مطبوعہ: حمایت اہل بیت وقف، لاہور

۴۲۹۔ شیخ محمد بن حسین طباطبائی، متوفی 1293ھ، المیزان، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، ایران 1302ھ

کتب متفرقات

۴۳۰۔ ابوالمعالی عبدالملک الجوینی الشہیر بامام الحرمین الشافعی، متوفی 478ھ، مغیث الخلق فی ترجیح القول الحق، مطبوعہ: مکتبہ قدوسیہ، لاہور 1400ھ

۴۳۱۔ امام ابوالفتح ظہیر الدین الولوالجیہ حنفی، متوفی 540ھ، الفتاوی الولوالجیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۴۳۲۔ ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن ابوبکر الدمشقی المعروف بابن قیم حنبلی، متوفی 751ھ، الداء والدواء، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ، 1410ھ

۴۳۳۔ علامہ علی بن سلطان القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، القائلین بوحدۃ الوجود، مطبوعہ: دار المامون للتراث 1415ھ

۴۳۴۔ میر عبدالواحد بلگرامی حنفی، متوفی 1016ھ، سبع سنابل، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1402ھ

۴۳۵۔ ملا باقر مجلسی شیعی، متوفی 1110ھ، ضیاء العیون، مطبوعہ: ایرانی کتب خانہ

۴۳۶۔ شیخ سید محمد اسماعیل دہلوی دیوبندی، متوفی 1246ھ، تقویۃ الایمان، مطبوعہ: مطبع علیمی، اندرون لاہور

۴۳۷۔ مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی حنفی، متوفی 1258ھ، شمائم امدادیہ، مطبوعہ: مدنی کتب خانہ، ملتان 1405ھ

۴۳۸۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ، آب حیات، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان 1413ھ

۴۳۹۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ، تحذیر الناس، دار الاشاعت، کراچی

۴۴۰۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی حنفی، متوفی 1304ھ، سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت 1408ھ

۴۴۱۔ شیخ محمود بن حسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، الجہد المقل فی تنزیہ المعز والمذل، مکتبہ مدینہ، لاہور 1409ھ

۴۴۲۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، ملفوظات، حامد اینڈ کمپنی، لاہور

۴۴۳۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین، حامد اینڈ کمپنی، لاہور، 1401ھ

۴۴۴۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، احکام شریعت، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 2002ء

۴۴۵۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الامن والعلی، شبیر برادرز، لاہور 1396ھ

۴۴۶۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جمل مجلیۃ ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصیۃ، صدیقی پبلشرز 2009ء

۴۴۷۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ، مطبوعہ: موسسۃ رضا الجامعۃ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ

۴۴۸۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، انباء الحی، موسسۃ رضا الجامعۃ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ

۴۴۹۔ شیخ خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی، متوفی 1346ھ، البراہین القاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ، مطبوعہ: مطبع بلالی، ڈھونڈ

۴۵۰۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، تحقیق الحق فی کلمۃ الحق، گولڑہ شریف، اسلام آباد 1421ھ

۴۵۱۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، ملفوظات مہریہ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لمیٹڈ، لاہور 1406ھ

۴۵۲۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان وما اھل بہ لغیر اللہ، گولڑہ شریف، کتب خانہ درگاہ غوثیہ 1421ھ

۴۵۳۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، شمس الہدایہ فی اثبات حیات المسیح، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لاہور، 1406ھ

۴۵۴۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز 1415ھ

۴۵۵۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، تصفیہ مابین السنی والشیعہ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور 1399ھ

۴۵۷۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، حفظ الایمان مع بسط البنان وتغیر العنوان، مکتبہ تھانوی، کراچی

۴۵۸۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق

۴۵۹۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، جمال الاولیاء

۴۶۰۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفی 1399ھ، خلافت وملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور 1975ھ

۴۶۱۔ مولانا محمد عبداللہ معمار امرتسری غیر مقلد، محمدیہ پاکٹ بک بجواب احمدیہ پاکٹ بک، المکتبۃ السلفیہ، لاہور 1391ھ

۴۶۲۔ ابوالحسنات علامہ محمد اشرف سیالوی حنفی بریلوی، انبیاء سابقین اور بشارات سید المرسلین، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 1998ء

۴۶۳۔ شیخ عبدالحی الکتانی، نظام الحکومت النبویہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت

۴۶۴۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، متوفی 1985ء، دو اسلام، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی

۴۶۵۔ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، انشورنس اسلامی معیشت میں، مطبوعہ: اسلامی پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور 1982ء

۴۶۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مطبوعہ: دانش گاہ پنجاب، لاہور

۴۶۷۔ میر عبدالواحد بلگرامی، سبع سنابل، حامد اینڈ کمپنی، لاہور

۴۶۸۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، صحیفہ ہمام بن منبہ، اکیڈمی آف لائف اینڈ لیٹرز

۴۶۹۔ عقیدہ ختم نبوت، الادارہ لتحفظ العقائد الاسلامیہ، پاکستان

۴۷۰۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری، دیوبندی، متوفی 1346ھ، المہند علی المفند، ادارہ اسلامیات 1404ھ

۴۷۱۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری، حسین احمد دیوبندی، متوفی 1377ھ، منظور نعمانی، عقائد علماء دیوبند اور حسام الحرمین، دار الاشاعت، کراچی

۴۷۲۔ شیخ حسین احمد دیوبندی، متوفی 1377ھ، الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب، میر محمد کتب خانہ، کراچی

۴۷۳۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی، متوفی 2009ء، تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور، ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ 1407ھ

۴۷۴۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی، متوفی 2009ء، عبارات اکابر، مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ

۴۷۵۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفی 2000ء، تحفۂ قادیانیت، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان 2001ء

۴۷۶۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفی 2000ء، اختلاف امت اور صراط مستقیم، مکتبہ بینات بنوری ٹاؤن، کراچی 1399ھ

۴۷۷۔ مخدوم محمد ہاشم سندھی، متوفی 1174ھ، ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول، مکتبہ لدھیانوی، کراچی 1995ء

۴۷۸۔ محمد الیاس برنی، قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت 2001ء

۴۷۹۔ مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری بریلوی، متوفی 1354ھ، فتاویٰ دیداریہ، مطبوعہ: مکتبۃ العصر، گجرات

۴۸۰۔ مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی حنفی بریلوی، متوفی 2003ء، مقالاتِ مفتیٔ اعظم، مطبوعہ: بزمِ رضا، لاہور 1428ھ

۴۸۱۔ مولانا محمد منشاء تابش قصوری حنفی بریلوی غفرلہ، دعوتِ فکر، مطبوعہ: مکتبہ اشرفیہ، مرید کے شیخوپورہ 1403ھ

۴۸۲۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، حیاتِ استاذ العلماء، مطبوعہ: دار الاسلام لاہور 1433ھ

۴۸۳۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، توضیح البیان، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1422ھ

۴۸۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، ذکر بالجہر، مطبوعہ فرید بک اسٹال، لاہور 1427ھ

۴۸۵۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تذکرۃ المحدثین، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1426ھ

۴۸۶۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، مقالاتِ سعیدی، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1428ھ

۴۸۷۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، مقامِ ولایت ونبوت، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1426ھ

۴۸۸۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تاریخ نجد وحجاز، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 2004ء

۴۸۹۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہ، حقائق شرح صحیح مسلم ودقائق تبیان القرآن، فرید بک اسٹال لاہور، 1425ھ

۴۹۰۔ مولانا غلام نصیر الدین گولڑوی حنفی بریلوی، غفرلہ سفر آخرت کی منازل، فرید بک اسٹال لاہور، 1427ھ

وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم: ۳۴)

نعم الباری
فی
شرح صحیح البخاری

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

شرح صحیح البخاری کے نام ''نِعم الباری'' کی توجیہ

میں نے 18/ جنوری 2006ء کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ کی مشہور زمانہ کتاب ''المسند الصحیح الجامع المعروف به صحیح البخاری'' کی شرح لکھنے کا آغاز کیا، میں نے ابتداءً اس کا نام انعام الباری رکھا تھا، بعدازاں مجھے معلوم ہوا کہ شیخ محمد تقی عثمانی بھی اس نام سے صحیح البخاری کی شرح لکھ رہے ہیں اور اس وقت تک انعام الباری کی چار جلدیں ہو چکی تھیں، اس لیے میں نے اس کا نام بدل کر نعمۃ الباری رکھ دیا اور فرید بک اسٹال لاہور سے اس کی سات جلدیں لکھنے کا معاہدہ کیا اور 14 ستمبر 2010 کو میں نے نعمۃ الباری کی ساتویں جلد مکمل کر کے سید محسن اعجاز شاہ صاحب کے حوالہ کر دی اور یوں میری حد تک اس معاہدہ کی تکمیل ہوگئی۔

بعدازاں میرا رابطہ ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز سے ہوا اور میں نے محترم محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب سے شرح صحیح البخاری لکھنے کا معاہدہ طے کیا اور اب آٹھویں جلد سے میں نے اس کا نام نعمۃ الباری کے بجائے **''نِعم الباری''** رکھ دیا ہے تاکہ معاندین اور مفسدین کے لیے کسی شرعی گنجائش نہ رہے اور وہ یہ نہ کہیں کہ نعمۃ الباری کا معاہدہ تو ہم سے تھا اب یہ ضیاء القرآن اس کو کیوں شائع کر رہا ہے۔ اس لیے میں نے اس کا نام ہی بدل دیا ہے اور بجائے نعمۃ الباری کے اس کا نام **''نِعم الباری''** رکھ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ میرا اور ضیاء القرآن پبلی کیشنز کا حافظ اور ناصر ہو اور ہمیں معاندین اور مفسدین کے شر اور فساد سے محفوظ اور مامون رکھے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین علیه وعلی اله واصحابه وازواجه وذریته الف الف صلوات وتسلیمات دائما ابدا۔

غلام رسول سعیدی

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی 38

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم ۳۴)

نعم الباری
فی
شرح صحیح البخاری

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نعم الباری

فی

شرح صحیح البخاری

علامہ غلام رسول سعیدی

الجزء ثانی عاشر

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم: ۳۴)

نعم الباری

فی

شرح صحیح البخاری

جلد ثانی عاشر (۱۲)

الاحادیث: ۵۶۷۸ ــــ ۶۲۲۶

کتاب الطب، کتاب اللباس

کتاب الادب

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

نام کتاب	نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد ثانی عاشر (۱۲)
تصنیف	علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی
سال اشاعت	مارچ 2013ء
بار	اول
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	HS25

ملنے کا پتہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی
فون:۔ 32630411-32212011-021 فیکس:۔ 32210212-021
e-mail:- info@zia-ul-quran.com
Website:- www.ziaulquran.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری (ثانی عاشر)

افتتاحیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله ربّ العالمین، الّذی جعلنا من المسلمین، ووصفنا بخیر امّة من الأمم الماضین، و انعم علینا بتنزیل القرآن الکریم و ھدانا به الی الصراط المستقیم، و الصلوٰة والسّلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین قائد الغرّ المحجّلین، الذی شرح الفرقان باحادیثه و بیانه القویم، و کشف عن اسرارہ و غوامضه لهدایة الناس اجمعین، و انقذنا بحسن سیرته من الظلمات والضلال المبین، و علی اله الطیبین واصحابه الطاهرین الذین قاموا باشاعة الدین المتین مع کمال الخلوص والجهد العظیم، و علی ازواجه الطّاهرات امهات المؤمنین، و علی جمیع الائمة التابعین من المفسرین والمحدثین المخلصین الکاملین الی یوم الدّین۔

و بعد فیقول العبد الفقیر الی مولاہ القدیر غلام رسول السعیدی دائم الاحتیاج الی کرم ربه السرمدی انّی بعد الفراغ من التفسیر قد شرعت فی شرح الصحیح للامام البخاری (علیه نعم الباری) توکّلا علی رحمة الله و فضله العمیم۔ ولا یکون تحریرہ و تقریرہ و تکمیله الّا نعمته العظمٰی۔ فلذا سمّیته بنعمة الباری فی شرح الصحیح للبخاری۔ (تقبله الله بلطفه و تغمدنی بغفرانه بمحض فضله)

اشهد ان لا اله الّا الله وحدہ لا شریك له واشهد انّ سیّدنا و مولانا محمدا عبدہ و رسوله۔ اعوذ بالله من شرور نفسی و من سیئات اعمالی۔ من یهدہ الله فلا مضلّ له و من یّضلله فلا هادی له۔ اللهم ارنی الحق حقاً وارزقنی اتباعه۔ اللهم ارنی الباطل باطلاً وارزقنی اجتنابه۔ اللهم اجعلنی فی تصنیف هذا الکتاب علی صراط مستقیم واجعله موافقاً باسمه واحفظه من شرور الاشرار والحاسدین۔ اللهم اجعله خالصاً لوجهك الکریم و مقبولاً عندك و عند رسولك الرؤف الرحیم واجعله شائعاً و مستفیضاً و مفیضاً و مرغوباً فی اطراف العالمین الی یوم الدین واجعله لی ولجمیع من انتسب الی من المسلمین صدقة جاریة الی یوم القیامة وارزقنی زیارة النبیّ الکریم ﷺ فی الدنیا و شفاعته فی الاخرة واحینی علی الاسلام بالسلامة و امتنی علی الایمان بالکرامة۔ اللهم انت ربّی لا اله الا انت خلقتنی وانا عبدك وانا علی عهدك ووعدك ما استطعت۔ اعوذ بك من شرّ ما صنعت ابوٴ لك بنعمتك علیّ وابوٴ لك بذنبی فاغفرلی فانه لا یغفر الذنوب الا انت۔ ربّ اوزعنی ان اشکر نعمتك التی انعمت علیّ و علی والدیّ وان اعمل صالحاً ترضٰه۔ آمین یا ربّ العالمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

ترجمہ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہیں، جس نے ہمیں مسلمان بنایا اور سب سے بہترین امت کا لقب عطا فرمایا، قرآن کریم نازل فرما کر ہم پر احسان کیا اور اس کتاب کے ذریعہ ہمیں سیدھی راہ دکھائی۔ حمد کے بعد سب سے افضل اور بلند رتبہ پیغمبر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام ہو، جو سفید رو اور سفید ہاتھ پیروں والوں کے قائد ہیں، جنہوں نے اپنی احادیث اور مستحکم بیان سے قرآن مجید کی تشریح فرمائی اور تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے اس کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھایا اور ہمیں اپنا بہترین نمونہ عمل عطا کر کے ظلمت و گمراہی سے نجات بخشی۔ آپ کے بعد آپ کی اولاد پاک اور صحابہ کرام پر رحمتوں کا نزول ہو جو پورے اخلاص اور محنت کے ساتھ اشاعت دین میں مصروف رہے، اور آپ کی ازواج مطہرات پر رحمتوں کا نزول ہو جو مسلمانوں کی مائیں ہیں اور ان سب کے بعد تا قیام قیامت آنے والے مخلص اور باکمال ائمہ مفسرین اور محدثین پر رحمتیں نازل ہوں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد رب کائنات کے دائمی کرم کا بندۂ محتاج غلام رسول سعیدی غفرلہٗ عرض پرداز ہے کہ میں تفسیر تبیان القرآن سے فارغ ہونے کے بعد اللہ عزوجل کی رحمت اور اس کی عنایت پر بھروسا کرتے ہوئے صحیح بخاری کی شرح کا آغاز کر چکا ہوں۔ چونکہ ظاہری قویٰ اس عظیم کام کے متحمل نہیں ہیں اس لیے تصنیف کے جملہ مراحل سے گزر کر پایۂ تکمیل کو پہنچنے تک اس شرح کا مکمل دار و مدار صرف اور صرف اللہ عزوجل کی خصوصی نعمت اور احسان پر ہے۔ اسی لیے میں نے اس شرح کا نام ''نعم الباری فی شرح صحیح البخاری'' رکھا ہے۔ (اللہ تعالیٰ اپنے لطف و عنایت سے اس تصنیف کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور محض اپنے فضل و کرم سے مجھے اپنی بخشش میں ڈھانپ لے)۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ عزوجل کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی راہ راست پر نہیں لاسکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح فرما اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور باطل کو مجھ پر منکشف فرما اور اس سے بچنے کی توفیق مرحمت فرما۔ اے اللہ! مجھے اس شرح کی تصنیف میں صراط مستقیم پر گامزن فرما اور اس شرح کو اسم بہ مسمّٰی کر دے اور اسے شریروں کے شر اور حاسدوں کے حسد سے محفوظ فرما۔ اے اللہ! اس تصنیف میں صرف اپنی رضا مقدر فرما دے اور اس کو اپنی اور اپنے مہربان رسول (سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں مقبول بنا دے، اور صبح قیامت تک اس کو اکناف عالم میں مشہور و مقبول، مرغوب و محبوب اور اثر آفرین بنا دے، اس کو میرے لیے اور میرے جملہ مسلمان متعلقین کے لیے قیامت تک صدقۂ جاریہ بنا۔ مجھے دنیا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرما۔ مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندگی اور عزت کے ساتھ ایمان پر خاتمہ نصیب فرما۔ اے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور تجھ سے کیے ہوئے وعدہ پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں ان کا میں اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ میری بخشش فرما، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے، پروردگار! تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر جو انعامات فرمائے ہیں ان پر مجھے ہمیشہ شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما اور مجھے ایسے نیک اعمال کی توفیق دے جو تجھے محبوب اور پسند ہوں۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

۷۶۔ کِتَابُ الطِّبِّ

طِب (دواؤں اور علاج) کا بیان

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی کتاب الطب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ کتاب طِب اور اس کی اقسام کے بیان میں ہے۔

طِب کی تعریف

طِب وہ علم ہے جس سے بدنِ انسانی کے احوال اور عوارض کی معرفت ہوتی ہے اس حیثیت سے کہ بدنِ انسان کن چیزوں سے تندرست ہوتا ہے اور کن چیزوں سے اس کی صحت زائل ہوتی ہے، تا کہ صحت کی حفاظت کی جائے اور اس کو حاصل کیا جائے اور جو چیزیں صحت کے لیے مضر ہیں، ان کو چھوڑ دیا جائے۔ اور طب کی دو قسمیں ہیں: ان میں سے ایک علم ہے اور دوسرا عمل ہے۔

علم کی تین قسمیں ہیں: (۱) امورِ طبیہ کا علم (۲) ان امور کا علم جو طبیہ نہیں ہیں (۳) ان امور کا علم جو امرِ طبعی سے خارج ہیں۔

مرض کی تعریف

جسم کا طبعی حالت سے خروج اور دوا کے ذریعہ اس کو طبعی حالت کی طرف لوٹانا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طِب کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ یا تو وہ چیز ہے جس کی آپ کو وحی سے معرفت ہوئی، یا وہ چیز ہے جس کی آپ کو عرب کی عادات سے معرفت ہوئی، یا وہ چیز ہے جو بہ طورِ تبرک ہے جیسے قرآن مجید سے شفاء حاصل کرنا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابوالقاسم الحسین بن محمد المعروف الراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ، مرض کی تعریف میں لکھتے ہیں:

انسان کا اعتدالِ مخصوص سے نکل جانا مرض ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم مرضِ جسمی ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ (النور: ۶۱) اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے۔

اور دوسری قسم ہے انسان کا رذائل سے متصف ہونا، یہ روحانی مرض ہے جیسے جہل، بزدلی، بخل اور نفاق وغیرہ۔ اس مرض کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا (البقرہ: ۱۰) ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری کو زیادہ کر دیا۔

(المفردات فی غریب القرآن ج ۲ ص ۶۰۲، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

میر سید شریف الجرجانی المتوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

انسان کے بدن میں ایسی کیفیت عارض ہو جو اس کو اعتدالِ مخصوص سے نکال دے تو اس کیفیت کو مرض کہتے ہیں۔

(کتاب التعریفات، ص ۱۴۶، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۸ھ)

۱۔ بَابٌ: مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ دَاءً إِلَّا أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً

اس کا بیان کہ اللہ نے جو بیماری نازل کی ہے، اس کی شفاء بھی نازل فرمائی ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بیماری نازل کی ہے یعنی اللہ تعالیٰ جس کسی کو کوئی بیماری پہنچاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس بیماری کی دوا بھی مقدر فرمائی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے فرشتے نازل فرمائے ہیں جن کے سپرد مریض اور دوا کو کیا جاتا ہے۔ ایک اعتراض یہ ہے کہ ہم کتنے بیماروں کو دیکھتے ہیں جو دوا کرتے ہیں اور صحت مند نہیں ہوتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس مرض کی دوا تو ہوتی ہے لیکن ان بیماروں کو اس مرض کی دوا کا علم نہیں ہوتا، یا معالج ان کی بیماری کی صحیح تشخیص نہیں کرتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۷۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ دَاءً إِلَّا أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً (سنن ابن ماجہ: ۳۴۳۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو احمد زبیری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن سعید بن ابی حسین نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عطاء بن ابی رباح نے حدیث بیان کی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو بھی بیماری نازل فرمائی ہے اس کی شفاء بھی نازل فرمائی ہے۔

صحیح البخاری: ۵۶۷۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب میں جو حدیث بیان کی گئی ہے، وہ بعینہٖ اس باب کا عنوان ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابو احمد الزبیری کا ذکر ہے، وہ محمد بن عبد اللہ الزبیری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عمرو بن سعید کا ذکر ہے، وہ ابن ابی حسین نوفلی القرشی المکی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے جو بھی بیماری نازل فرمائی ہے اس کی دوا بھی نازل فرمائی ہے"۔ یہ حدیث اپنے عموم پر نہیں ہے، اس سے بڑھاپا مستثنیٰ ہے اور موت بھی مستثنیٰ ہے، یعنی نہ بڑھاپے کی کوئی دوا ہے اور نہ موت کی کوئی دوا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوا وغیرہ سے علاج کرنا جائز ہے اور طب کا علم حاصل کرنا جائز ہے اور اس میں جاہل صوفیاء کا رد ہے جو دوا اور علاج سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انسان تب ولی بنتا ہے جب اللہ کی نازل کی ہوئی تمام بلاؤں اور مصائب اور بیماریوں پر راضی ہو اور اس کے لیے دوا اور علاج کرنا جائز نہیں ہے اور ان کا یہ قول اس کے خلاف ہے جو شارع علیہ السلام نے مباح کیا ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۱ص ۳۴۱۔ ۳۴۲، دارالکتب العلمیہ ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی التوفی ۱۴۲۱ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

شفاء قرآن کے پڑھنے سے بھی حاصل ہوتی ہے اور دعا کرنے سے بھی حاصل ہوتی ہے اور تعویذات سے بھی حاصل ہوتی ہے اور دواؤں سے بھی حاصل ہوتی ہے۔

پہلا طریقہ: تعویذات اور دعائیں اور قرآن مجید کو پڑھنا ہے۔

دوسرا طریقہ: طبعی دوائیں جن کا علم یا تو وحی سے ہوتا ہے جیسے شہد، اس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے یا تجربہ سے ہوتا ہے اور ایک تیسری چیز بھی ہے اور وہ صرف وہم ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے جیسے بعض لوگ کوئی چھلہ پہن لیتے ہیں یا کوئی دھاگا باندھ لیتے ہیں، تو یہ چیزیں جائز نہیں ہیں کیونکہ ان کی نہ حسی شفاء ہے اور نہ شرعی شفاء ہے۔

حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ نے جو بھی بیماری نازل کی ہے، اس کی شفاء بھی نازل کی ہے۔ بیماری سے مراد عام ہے حسی بیماری ہو جو بدن میں طاری ہوتی ہے یا معنوی بیماری ہو یہ دلوں کی بیماری ہے۔ اور دل کی بیماری ہے دل کا اعتدال اور اللہ کے دین پر استقامت سے نکل جانا، سو اس بیماری کی بھی شفاء ہے اور وہ شفاء اللہ عزوجل کی کتاب کی طرف رجوع کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف رجوع کرنے سے حاصل ہوتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (یونس: ۵۷)

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک عظیم نصیحت آ گئی اور دلوں کی بیماری کی شفاء آ گئی اور وہ مومنین کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ۝

دل کی بیماریوں کے لیے اللہ عزوجل کی کتاب سے افضل کوئی چیز نہیں ہے، لیکن ضروری ہے کہ اس کو اخلاص سے پڑھا جائے اور اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے کے لیے پڑھا جائے اور اس کے معانی میں غور وفکر کیا جائے اور یہ اعتقاد رکھا جائے کہ یہ شفاء ہے، لیکن جو شخص اس کو محض آزمائش کے لیے پڑھے یا اس کے دل میں شک ہو تو پھر اس کے پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

سوال: جب انسان کو کوئی مرض پیش آئے تو کیا اس کے لیے بہتر ہے کہ تعویذات سے علاج کرے یا دواؤں سے علاج کرے؟

جواب: یہ مریض کے حال کے اعتبار سے ہے، پس بعض مریض ایسے ہیں جن میں قوتِ ایمان ہوتی ہے اور دعاؤں پر اور تعویذات پر ان کا اعتماد ہوتا ہے تو ان کو اس سے فائدہ ہوگا۔ اور بعض لوگ وہ ہیں جن کا ایمان ضعیف ہوتا ہے جیسے آج کل اکثر لوگوں کا حال ہے، ان کا اعتماد اشیاءِ طبعیہ پر ہوتا ہے، وہ سمجھتے ہیں ان میں زیادہ فائدہ ہے، لہٰذا لوگ مختلف اقسام کے ہیں۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۷۹-۳۸۰، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۲۔ بَابٌ: هَلْ يُدَاوِي الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ أَوِ الْمَرْأَةُ الرَّجُلَ

آیا مرد عورت کا علاج کرسکتا ہے یا عورت مرد کا علاج کرسکتی ہے؟

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بتایا جائے گا کہ کیا مرد عورت کا علاج کرسکتا ہے؟ امام بخاری نے بطور استفہام کے یہ عنوان قائم کیا ہے اور وثوق کے ساتھ کوئی حکم بیان نہیں کیا، کیونکہ اس کا حکم اس باب کی احادیث سے معلوم ہوجائے گا، جیسا کہ امام بخاری کی عنوان قائم کرنے میں یہی عادت ہے اور کیا عورت مرد کا علاج کرسکتی ہے؟ امام بخاری نے اس کا بھی وثوق سے حکم بیان نہیں کیا بلکہ اس کے حکم کو اس باب کی احادیث کی طرف مفوض کردیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۴۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۷۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ خَالِدِ بْنِ ذَكْوَانَ عَنْ رُبَيِّعَ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ كُنَّا نَغْزُو مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ نَسْقِي الْقَوْمَ وَنَخْدُمُهُمْ وَنَرُدُّ الْقَتْلَى وَالْجَرْحَى إِلَى الْمَدِينَةِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں بشر بن المفضل نے حدیث بیان کی از خالد بن ذکوان از رُبیع بنت معوذ بن عفراء، وہ بیان کرتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کرتے تھے اور لوگوں کو پانی پلاتے تھے اور ان کی خدمت کرتے تھے اور مقتولین کو اور زخمیوں کو مدینہ لے کر جاتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۲۸۸۲، ۲۸۸۳، ۵۶۷۹، مسند احمد: ۲۶۴۷۷)

صحیح البخاری: ۵۶۷۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان کے دو جز ہیں: کیا مرد عورت کا علاج کرسکتا ہے؟ یہ پہلا جز ہے اور دوسرا جز ہے کیا عورت مرد کا علاج کرسکتی ہے؟ اس حدیث میں دوسرے جز کا ذکر ہے، کیونکہ حضرت رُبیع بنت معوذ بن عفراء نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کرتے تھے اور لوگوں کو پانی پلاتے تھے اور مقتولین کو اور زخمیوں کو مدینہ پہنچاتے تھے اور جو عنوان کا پہلا جز ہے، اس کا حدیث میں ذکر نہیں ہے لیکن اس کو قیاس سے معلوم کیا جائے گا کہ جب عورت مرد کا علاج کرسکتی ہے تو مرد بھی عورت کا علاج کرسکتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حضرت رُبیع بنت معوذ بن عفراء کا ذکر ہے، یہ ان صحابیات میں سے ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی، ان کے والد حضرت معوذ بن الحارث بن رفاعہ ہیں اور عفراء ان کی والدہ کا نام ہے، اور ان کے والد وہی ہیں جنہوں نے غزوہ بدر کے دن ابوجہل کو قتل کیا تھا، پھر وہ اس دن قتال کرتے رہے حتیٰ کہ غزوہ بدر میں شہید ہو گئے، ان کو ابو مسافع نے قتل کیا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

نیز علامہ عینی نے لکھا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کا غیر محرم بیمار کو دوا دینا اور پانی پلانا جائز ہے، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عورت کا غیر محرم کو دوا دینا اور پانی پلانا کیونکر جائز ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص زخمی ہو اس کو دوا دینے سے کوئی لذت حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کے زخم کو دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے اور عورتیں صرف یہ کرتی تھیں کہ بیمار کے پاس دوا اور پانی لا کر رکھ دیتی تھیں اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب کوئی مرد دوا دینے والا نہ ہو، ایسی صورت میں اس کو دوا دینا ضرورت کی وجہ سے ہے، اور ضرورت کی وجہ سے ممنوع چیزیں بھی مباح ہو جاتی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۲۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۷۹ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے: مردوں کا علاج کرنا ان عورتوں کے لیے جائز ہے جن کے اوپر فتنہ کا خوف نہ ہو، لیکن کنواری لڑکیاں غیر محرم مردوں کے ساتھ نہ ملیں اور ہمارے نزدیک مرد اور عورت کی ہر صنف سے دوسرے کا علاج کرنا جائز ہے جب اور کوئی معالج نہ ہو۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۳۴۲، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۷۹، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ضرورت کے وقت مرد اور عورت ہر ایک کے دوسرے کا علاج کرنے کا جواز

پس ضرورت کے وقت مرد عورت کو دوا دے اور عورت مرد کو دوا دے، اور جب کہ مریض کی جنس سے کوئی دوا دینے والا نہ ہو، لیکن اگر کوئی عورت بیمار ہو اور اس کے علاج کے لیے عورت میسر ہو تو پھر مرد کے علاج کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اسی طرح اگر مرد بیمار ہو اور اس کے علاج کے لیے مرد میسر ہو تو پھر اس کے علاج کے لیے عورت کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اگر اضطرار کی صورت ہو اور وہاں پر فتنے کا خوف نہ ہو تو پھر مرد اور عورت میں سے ہر کوئی دوسرے کا علاج کر سکتا ہے۔

امام بخاری نے جو حضرت رُبیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کے علاج کا ذکر کیا ہے، یہ صرف غزوۂ احد میں ہوا تھا، اور بہ ظاہر حدیث سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ علاج دائمی تھا، کیونکہ حدیث کے الفاظ ہیں: ''ہم جہاد کرتے تھے اور لوگوں کو پانی پلاتے تھے اور ان کی خدمت کرتے تھے'' لیکن یہ واقعہ صرف غزوۂ احد میں ہوا تھا اور صحابہ اس وقت کم تھے اور غزوۂ احد میں بہت سارے صحابہ شہید ہو گئے تھے یا بہت سارے زخمی ہو گئے تھے اور نیز مدینہ منورہ قریب تھا، سو عورت کے لیے ممکن تھا کہ وہ بغیر محرم کے سہولت کے

ساتھ مدینہ منورہ چلی جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث سے عمومی حکم مستفاد نہیں ہوتا۔

(شرح صحیح البخاری ج ۲۱ ص ۳۸۰، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۔ بَابُ: الشِّفَاءُ فِي ثَلَاثٍ
شفاء تین چیزوں میں حاصل ہوتی ہے

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ شفاء تین چیزوں سے حاصل ہوتی ہے۔

۵۶۸۰۔ حَدَّثَنِي الْحُسَيْنُ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ شُجَاعٍ حَدَّثَنَا سَالِمٌ الْأَفْطَسُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما قَالَ الشِّفَاءُ فِي ثَلَاثَةٍ شَرْبَةِ عَسَلٍ وَشَرْطَةِ مِحْجَمٍ وَكَيَّةِ نَارٍ وَأَنْهَى أُمَّتِي عَنِ الْكَيِّ رَفَعَ الْحَدِيثَ وَرَوَاهُ الْقُمِّيُّ عَنْ لَيْثٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي الْعَسَلِ وَالْحَجْمِ

(صحیح البخاری: ۵۶۸۱، سنن ابن ماجہ: ۳۴۹۱، مسند احمد: ۲۲۰۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے الحسین نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں احمد بن منیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مروان بن شجاع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سالم الافطس نے حدیث بیان کی از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے کہا کہ شفاء تین چیزوں میں ہے: شہد پینے میں، اور فصد لگوانے میں اور آگ سے داغ لگوانے میں، اور میں اپنی امت کو داغ لگوانے سے منع کرتا ہوں۔ حضرت ابن عباس نے اس حدیث کو مرفوعاً بیان کیا ہے، یعنی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اس حدیث کی القُمی نے روایت کی ہے از لیث از مجاہد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم: شہد میں اور فصد لگوانے میں۔

صحیح البخاری: ۵۶۸۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں الحسین کا ذکر ہے، اور ان کی کسی کی طرف نسبت نہیں ہے، اور ایک جماعت نے وثوق سے کہا ہے کہ یہ الحسین بن محمد بن زیاد نیشاپوری ہیں جو القبانی کے نام سے معروف ہیں، اور الکلاباذی نے کہا ہے کہ جب یہ نیشاپور میں تھے تو امام بخاری کے ساتھ لازم رہتے تھے اور امام بخاری کے بعد تینتیس سال زندہ رہے، اور یہ امام مسلم کے معاصرین میں سے تھے، اور امام بخاری نے جوان سے روایت کی ہے، یہ اکابر کی اصاغر سے روایت ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں احمد بن منیع کا ذکر ہے، یہ امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں، ان کی وفات دو سو چوالیس ہجری (۲۴۴ھ) میں ہوئی ہے اور ان کی عمر چوراسی (۸۴) سال تھی، اور امام بخاری نے انکی صرف یہی حدیث روایت کی ہے، اور مروان بن شجاع کا ذکر ہے، یہ الجزری ہیں۔ اور سالم کا ذکر ہے، وہ ابن عجلان الافطس الجزری ہیں۔

اس حدیث کا اول حصہ موقوف ہے یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور اس کے آخر حصہ میں یہ اشارہ ہے کہ یہ حدیث

مرفوع ہے، کیونکہ اس کے آخر میں مذکور ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس حدیث کو مرفوع بیان کیا ہے یعنی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "شفاء تین چیزوں میں ہے" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد سے شفاء میں حصر کا ارادہ نہیں فرمایا ہے، کیونکہ کبھی شفاء ان تین چیزوں کے علاوہ دوسری چیزوں میں بھی ہوتی ہے اور ان تین چیزوں میں اصول علاج کے او پر تنبیہ کی ہے، کیونکہ مرض یا دموی ہوگا یا صفراوی ہوگا یا سوداوی ہوگا یا بلغمی ہوگا۔ پس اگر مرض دموی ہے تو اس کا علاج فصد لگانے سے ہوگا اور اس کو خصوصیت سے ذکر اس لیے فرمایا کہ عرب میں اس کا استعمال بہت زیادہ تھا اور باقی امراض کا علاج مسہل سے ہو جاتا ہے، اس پر آپ نے شہد کے پینے سے تنبیہ فرمائی۔ رہا گرم لوہے سے داغ لگانا اس کا آخر میں ذکر فرمایا کیونکہ یہ ان فضلات کو نکالنے کے لیے ہوتا ہے جو سہولت سے نہیں نکلتے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ آپ نے گرم لوہے کے ساتھ داغ لگانے سے کیوں منع فرمایا جبکہ اس سے بھی شفاء ثابت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عرب لوگ یہ سمجھتے تھے کہ گرم لوہے کے ساتھ داغ لگانے سے بیماری اس کے سبب سے ختم ہو جاتی ہے تو اس لیے آپ نے اس کو مکروہ جانا اور شفاء کا ثبوت اس طریقہ سے ہے کہ بندہ کو یہ اعتقاد ہو کہ شفاء دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور گرم لوہے کے ساتھ داغ لگانا محض ایک سبب ہے۔

اس حدیث میں "مِحجم" کا ذکر ہے، مِحجم لوہے کا ایک آلہ ہے جس سے خون نکالا جاتا ہے اور اس آلہ میں خون جمع ہو جاتا ہے۔ اور "شرط الحاجم" اس وقت کہا جاتا ہے کہ جب کوئی شخص اس لوہے کے آلہ کو جسم پر مارے۔

امام بخاری نے اس حدیث کے آخر میں از قمی از لیث از مجاہد از حضرت ابن عباس از نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس پر شہادت پیش کی ہے کہ شہد میں اور فصد لگانے میں شفاء ہے اور قمی سے مراد ہے "قم" کے رہنے والے، یہ بہت بڑا شہر ہے اور اس کے رہنے والے شیعہ ہیں۔ اور تہران سے قم تک اکیس فرسخ کا فاصلہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۴۳۔۳۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۸۰ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور پر ایک اشکال کا جواب

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان تین چیزوں سے لامحالہ شفاء حاصل ہوگی، اور واقع اس طرح نہیں ہے، کیونکہ انسان کبھی ان تین چیزوں کو استعمال کرتا ہے اور اس کو شفاء نہیں ہوتی، پس یہ کہا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پر ایک شرط لگائی تھی اور وہ شرط ضروری ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس شرط کا بیان رہ گیا، وہ شرط یہ ہے کہ ان تین چیزوں کا استعمال مریض کی بیماری کے موافق ہو، اگر ان تین چیزوں کا استعمال مریض کی بیماری کے موافق نہیں ہے تو پھر اس سے فائدہ نہیں ہوگا۔ اور ہر دوا میں یہ شرط ضروری ہے کہ وہ دوا اس بیماری کے مناسب ہو اور مریض کے بدن کے موافق ہو۔

یہاں پر ایک سوال یہ ہے کہ آپ نے گرم لوہے کے ساتھ داغ لگانے سے منع فرمایا، تو جب اس سے شفاء حاصل ہوتی ہے تو اس سے آپ نے کیوں منع فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ گرم لوہے کے ساتھ جو داغ لگایا جائے گا اس میں آگ کے ساتھ مریض کے بدن کو عذاب دیا جائے گا، اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، لیکن جب اس کے استعمال کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہو تو پھر اس کو استعمال کیا جائے گا، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بازو کی ایک رگ میں گرم لوہے کے ساتھ داغ لگایا، یہ غزوۂ خندق کا واقعہ ہے۔

اور داغ لگانے کے تین مراتب ہیں۔ اگر اس کو یہ علم ہو کہ داغ لگانے سے فائدہ ہوگا تو پھر داغ لگانا جائز ہے، اور اگر اس کا ظنِ غالب ہو کہ یہ سبب مؤثر ہے تو پھر داغ لگانا مکروہ ہے اور جب اس کو ظنِ غالب ہو کہ اس میں فائدہ نہیں ہوگا تو پھر داغ لگانا حرام ہے، کیونکہ یہ بغیر کسی مصلحت کے اس کی وجہ سے جسم کو عذاب میں مبتلا کرنا ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۸۲، مکتبۃ الطبری ۱۴۲۹ھ)

۵۶۸۱ـ حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِیمِ أَخْبَرَنَا سُرَیْجُ بْنُ یُونُسَ أَبُو الْحَارِثِ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ شُجَاعٍ عَنْ سَالِمٍ الْأَفْطَسِ عَنْ سَعِیدِ بْنِ جُبَیْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الشِّفَاءُ فِی ثَلَاثَةٍ فِی شَرْطَةِ مِحْجَمٍ أَوْ شَرْبَةِ عَسَلٍ أَوْ کَیَّةٍ بِنَارٍ وَأَنَا أَنْهَی أُمَّتِی عَنِ الْکَیِّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن عبد الرحیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سریج بن یونس ابوالحارث نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں مروان بن شجاع نے خبر دی از سالم الافطس از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: شفاء تین چیزوں میں ہے: فصد لگوانے میں، شہد پینے میں یا آگ سے داغ لگوانے میں۔ اور میں اپنی امت کو داغ لگوانے سے منع کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۵۶۸۱، سنن ابن ماجہ: ۳۴۹۱، مسند احمد: ۲۲۰۹)

اس حدیث کی شرح ابھی گزر چکی ہے۔

۴ـ بَابُ: الدَّوَاءِ بِالْعَسَلِ

شہد سے علاج کرنے کا بیان

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالٰی: فِیهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (النحل: ۶۹)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: شہد میں لوگوں کے لیے شفاء ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں شہد سے علاج کرنے کا بیان کیا گیا ہے، شہد کا لفظ مذکر بھی ہے اور مؤنث بھی اور شہد کے اسماء ایک سو سے زیادہ ہیں، اور شہد کے بہت زیادہ منافع ہیں۔ شہد رگوں اور انتڑیوں میں جو میل کچیل ہے اس کو صاف کر دیتا ہے اور فضلات کو نکال دیتا ہے اور معدہ کو دھو ڈالتا ہے اور اس کے اندر معتدل حرارت پہنچاتا ہے اور رگوں کے مونہوں کو کھول دیتا ہے اور معدہ، جگر اور مثانے کو مضبوط کرتا ہے اور جگر اور سینے کی تنقیہ کرتا ہے اور پیشاب اور حیض کو جاری کرتا ہے اور جو کھانسی بلغم کی وجہ سے ہوتی ہے، اس میں شفاء دیتا ہے اور بلغمی مزاج والوں کے لیے نافع ہے اور گرم مزاج والوں کے لیے بھی نافع ہے، اور جب اس کے ساتھ سرکہ کو ملا لیا

جائے تو صفراوی مزاج والوں کو بھی یہ نفع دیتا ہے، پھر یہ غذاؤں میں سے ایک غذا ہے اور دواؤں میں سے ایک دوا ہے اور مشروبات میں سے ایک مشروب ہے اور میٹھی چیزوں میں سے ایک میٹھی چیز ہے۔ شہد کو بالوں میں لگایا جائے تو بالوں کو خوبصورت اور ملائم بنا دیتا ہے، آنکھوں میں لگایا جائے تو بینائی کے لیے جلاء بخش ہے، دانتوں میں لگایا جائے تو ان کو چمکاتا ہے، قدیم اطباء مرکب دواؤں میں شہد ہی پر اعتماد کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز شہد میں پانی ملا کر اس کا ایک پیالہ پیتے تھے، اور اس کے بعد جو کی روٹی کو نمک کے سرکہ کے ساتھ کھاتے تھے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ اس کے بھائی کو پیٹ کی بیماری ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کو شہد پلاؤ، اس نے شہد پلایا تو اس کو فائدہ نہیں ہوا حتیٰ کہ وہ دوسری اور تیسری مرتبہ آیا، پھر اسی طرح ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے سچ فرمایا ہے اور تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، بالآخر اس کو شفاء ہوگئی جیسا کہ یہ حدیث عنقریب آئے گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غیب کی خبر دی جس غیب پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرمایا تھا اور وحی سے یہ بتایا تھا کہ اس کی شفاء شہد میں ہے، پس بار بار اسے شہد پینے کا حکم دیا۔ نیز آپ کو اللہ تعالیٰ نے وحی سے بتلا دیا تھا کہ اس قسم کے مرض کی شفاء شہد میں ہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے کہ بعض ملحدین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ شہد مسہل ہے، تو جس کو اسہال لگے ہوئے ہوں اس کو شہد کیسے نفع دے گا؟ علامہ نووی نے کہا: یہ معترضین کی جہالت ہے بلکہ انہوں نے جھوٹ بولا، کیونکہ ان کو علم محیط حاصل نہیں ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت میں جو مذکور ہے کہ شہد میں لوگوں کے لیے شفاء ہے، تو اس کا معنی یہ ہے کہ بعض لوگوں کے لیے شفاء ہے، اور انہوں نے کہا ہے کہ فصد لگوانا، شہد کو پینا اور داغ لگوانا، یہ بعض امراض میں شفاء ہیں اور بعض میں نہیں ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۴۴۔۳۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ صحیح یہ ہے کہ شہد بعض لوگوں کے لیے شفاء ہے اور بعض لوگوں کی بیماریوں میں مضر ہے، کیونکہ جس کو شوگر کا مرض ہو اس کو شہد کے استعمال سے نقصان ہوتا ہے اور اس کی شوگر بڑھ جاتی ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۶۸۲۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ أَخْبَرَنِي هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يُعْجِبُهُ الْحَلْوَاءُ وَالْعَسَلُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ہشام نے خبر دی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میٹھی چیز اور شہد پسند تھا۔

(صحیح البخاری: ۵۴۳۱، صحیح مسلم: ۱۴۷۴، سنن ترمذی: ۱۸۳۱، سنن ابن ماجہ: ۳۳۲۳، سنن دارمی: ۲۰۷۵)

صحیح البخاری: ۵۶۸۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں مذکور ہے''شہد سے علاج کرنا''اوراس حدیث میں مذکور ہے: نبی ﷺ کو شہد پسند تھااور آپ کو شہد پسند ہونا اس سے عام ہے کہ وہ بطورِ دوا پسند ہو یا بطورِ غذا پسند ہو۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن عبداللہ کا ذکر ہے، یہ ابن المدینی ہیں۔اور ابو اسامہ کا ذکر ہے، یہ حماد بن اسامہ ہیں۔اور ہشام کا ذکر ہے، یہ ابن عروہ ہیں جو اپنے والد عروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث کتاب الاشربہ میں''باب شرب الحلواء والعسل''میں اسی سند اور اسی متن کے ساتھ گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۴۶،دارالکتب العلمیہ ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۸۳۔حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْغَسِيلِ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَبْنِ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَبْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہما قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ إِنْ كَانَ فِي شَيْءٍ مِنْ أَدْوِيَتِكُمْ أَوْ يَكُونُ فِي شَيْءٍ مِنْ أَدْوِيَتِكُمْ خَيْرٌ فَفِي شَرْطَةِ مِحْجَمٍ أَوْ شَرْبَةِ عَسَلٍ أَوْ لَذْعَةٍ بِنَارٍ تُوَافِقُ الدَّاءَ وَمَا أُحِبُّ أَنْ أَكْتَوِيَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمٰن بن الغسیل نے حدیث بیان کی از عاصم بن عمر بن قتادہ، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اگر تمہاری دواؤں میں سے کسی چیز میں خیر ہے یا ہوسکتی ہے تو وہ فصد لگوانے میں ہے یا شہد پینے میں ہے یا آگ سے داغ لگوانے میں ہے، جب کہ وہ بیماری کے موافق ہو اور میں داغ لگوانے کو پسند نہیں کرتا۔

(صحیح البخاری:۵۶۹۷،۵۷۰۲،۵۷۰۴،صحیح مسلم:۲۲۰۵،مسند احمد:۱۴۲۹۱)

صحیح البخاری:۵۶۸۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے''شہد سے علاج کرنا''اوراس حدیث میں مذکور ہے کہ اگر تمہاری دواؤں میں سے کسی چیز میں خیر ہو تو فصد لگوانے میں ہے اور شہد پینے میں ہے،اس طرح یہ حدیث باب کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابونعیم، ان کا نام الفضل بن دکین ہے۔اور اس حدیث میں مذکور ہے عبدالرحمٰن بن الغسیل، اور غسیل کا نام ہے حنظلہ بن ابی عامر الاوسی الانصاری، یہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے اور اس وقت یہ جنبی تھے تو ان کو فرشتوں نے غسل دیا تھا تو اس لیے ان کو غسیل کہا گیا یعنی غسیل ملائکہ، اور وہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن حنظلہ کے دادا ہیں، اور عبدالرحمٰن کا شمار کم

سن تابعین میں ہوتا ہے، کیونکہ انہوں نے حضرت انس اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما کی زیارت کی، اور ان کی تابعین سے بھی بہت سی روایات ہیں اور اکثر کے نزدیک یہ ثقہ ہیں۔ اور امام نسائی نے کہا: ان میں اختلاف ہے، امام ابن حبان نے کہا: یہ بہت خطا کرتے تھے، ان کی طویل عمر ہوئی جو ایک سو سال سے زائد تھی، پس شاید کہ اخیر عمر میں ان کا حافظہ متغیر ہو گیا۔ اور امام بخاری اور امام مسلم نے ان کی احادیث سے استدلال کیا ہے اور اس حدیث کی سند میں عاصم بن عمر بن قتادہ کا ذکر ہے، یہ ابن النعمان الانصاری الاوسی ہیں اور ان کی کنیت ابوعمرو ہے، اور صحیح بخاری میں ان کی صرف یہی حدیث ہے اور یہ تابعی ہیں اور محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں۔ علامہ عبدالحق نے احکام میں کہا ہے کہ ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے اور ابن زرعہ نے، اور دوسروں نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اور ابوالحسن بن القطان نے علامہ عبدالحق کی اس بات کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ میں نہیں پہچانتا کسی نے ان کو ضعیف قرار دیا ہو یا ان کا ضعفاء میں ذکر کیا ہو۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اولذعة بنار" "لذعة" کا معنی ہے: آگ کی خفیف سی حرارت یا تپش، اور "لدغ" کا معنی ہے: کسی زہریلے جانور کا ڈنگ مارنا جیسے سانپ یا بچھو کا ڈسنا۔

بغیر شدید ضرورت کے داغ لگوانے سے احتراز کیا جائے

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ "داغ لگوانا بیماری کے موافق ہو"۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ لوہے کو گرم کر کے اس سے داغ لگوانا اس وقت جائز ہے جب یہ متعین ہو کہ اس سے بیماری زائل ہو جائے گی اور تجربہ کے طور پر داغ نہیں لگوانا چاہیے اور بغیر تحقق کے اس کا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: "میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ داغ لگوایا جائے"۔ اس ارشاد سے آپ نے یہ اشارہ فرمایا ہے کہ علاج کو مؤخر کر دیا جائے حتیٰ کہ جب کسی اور طریقہ علاج سے شفاء میسر نہ ہو تو پھر داغ لگوایا جائے، کیونکہ جسم کو گرم لوہے سے داغا جائے تو اس سے شدید درد ہوتا ہے، اس لیے اس سے حتی الامکان اجتناب بہتر ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۴۶۔ ۳۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۸۴۔ حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ أَخِي يَشْتَكِي بَطْنَهُ فَقَالَ اسْقِهِ عَسَلًا ثُمَّ أَتَى الثَّانِيَةَ فَقَالَ اسْقِهِ عَسَلًا ثُمَّ أَتَاهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ اسْقِهِ عَسَلًا ثُمَّ أَتَاهُ فَقَالَ قَدْ فَعَلْتُ فَقَالَ صَدَقَ اللهُ وَكَذَبَ بَطْنُ أَخِيكَ اسْقِهِ عَسَلًا فَسَقَاهُ فَبَرَأَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عیاش بن الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الاعلیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید نے حدیث بیان کی از قتادہ از ابی المتوکل از حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس نے کہا: میرے بھائی کے پیٹ میں بیماری ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو شہد پلاؤ، پھر وہ دوبارہ آیا تو آپ نے فرمایا: اس کو شہد پلاؤ، پھر وہ تیسری بار آیا تو آپ نے فرمایا: اس کو شہد پلاؤ، پھر وہ آیا تو اس نے کہا: میں نے ایسا

کیا، آپ نے فرمایا: اللہ نے سچ فرمایا ہے اور تمہارے بھائی کا پیٹ
جھوٹا ہے، اس کو شہد پلاؤ، پس اس نے شہد پلایا تو وہ تندرست ہو گیا۔

(صحیح البخاری: ۵۷۱۶، صحیح مسلم: ۲۲۱۷، سنن ترمذی: ۲۰۸۲، مسند احمد: ۷۶۲)

صحیح البخاری: ۵۶۸۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عیاش بن ولید کا ذکر ہے، یہ نرسی ہیں۔ اور عبدالاعلیٰ کا ذکر ہے، یہ عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ ہیں۔ اور سعید کا ذکر ہے، یہ سعید بن ابی عروبہ ہیں۔ اور ابوالمتوکل کا ذکر ہے، وہ علی الباجی ہیں۔ اور حضرت ابوسعید خدری کا نام سعد بن مالک ہے، اور اس حدیث کی سند کے تمام راوی بصری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "وہ مرد دوبارہ آیا"، یعنی وہ مرد دوسری بار آیا اور اس نے کہا: میں نے اپنے بھائی کو شہد پلایا مگر اس کے اسہال زیادہ ہو گئے، یعنی اس کو زیادہ دست آئے، پھر وہ تیسری بار آیا، اس نے کہا: میں نے ایسا کیا یعنی میں نے شہد پلایا مگر اس کا پیٹ اسی طرح جاری رہا اور اس کو دست آتے رہے بند نہیں ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد صادق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شہد میں لوگوں کے لیے شفاء ہے اور تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، آپ نے جھوٹ کی نسبت پیٹ کی طرف کی، یہ مجاز ہے، کیونکہ جھوٹ کا لفظ اقوال کے ساتھ مخصوص ہے تو اس کے پیٹ کو جھوٹا اس لیے فرمایا کہ اس کے پیٹ میں شہد نے جو فائدہ نہیں پہنچایا تو یہ جھوٹ ہے یعنی پیٹ کی خطاء ہے اور اس کا فساد ہے۔ پھر جب اس نے چوتھی بار شہد پلایا تو اس کا بھائی تندرست ہو گیا، اور اس کی زیادہ وضاحت صحیح مسلم کی حدیث میں ہے، اس میں مذکور ہے کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس نے کہا: میرے بھائی کا پیٹ جاری ہے یعنی اس کو دست لگے ہوئے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو شہد پلاؤ، سو اس نے شہد پلایا، پھر وہ آیا، اس نے کہا: میں نے اس کو شہد پلایا مگر اس کا پیٹ تو زیادہ جاری ہو گیا ہے، یعنی زیادہ دست آ گئے، تو آپ نے اس کو تین مرتبہ اسی طرح فرمایا، پھر چوتھی مرتبہ فرمایا: اس کو شہد پلاؤ، تو اس نے کہا: میں نے اس کو شہد پلایا مگر اس کے دست زیادہ ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سچا ہے اور تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، پھر اس نے شہد پلایا تو وہ تندرست ہو گیا، یعنی اس کے دست بند ہو گئے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۴۷۔۳۴۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۸۴ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اطباء کا اس پر اجماع ہے کہ ایک مرض کے علاج اختلاف عمر اور زمانہ اور عادات اور اختلاف غذا کے اعتبار سے مختلف ہوتے

ہیں، اور تدبیر کے اعتبار سے اور طبیعت کی قوت کے اعتبار سے بھی مختلف ہوتے ہیں۔ اور اسہال کئی وجوہ سے عارض ہوتے ہیں، اسہال بدہضمی کی وجہ سے بھی عارض ہوتے ہیں اور ہیضہ کی وجہ سے بھی عارض ہوتے ہیں، اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مقابلہ میں اطباء کے قول کو ترجیح نہیں دیتے، بلکہ اگر اطباء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو غلط کہیں تو ہم ان کی تکذیب کریں گے اور ان کی تکفیر کریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تصدیق کریں گے حتیٰ کہ مشاہدہ سے ثابت ہو جائے کہ اطباء کا قول صحیح ہے تو اس وقت ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں تاویل کریں گے اور اس حدیث کی تخریج کریں گے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بخار میں مبتلا شخص کو پانی میں غسل دینے کا فرمایا ہے اور اطباء اس سے منع کرتے ہیں تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تصدیق کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صرف یہ فرمایا ہے کہ بخار گرم ہے اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔ اور آپ نے ٹھنڈا کرنے کی صفت نہیں بیان کی، پس ان اطباء نے یہ کہاں سے سمجھا کہ آپ نے یہ ارادہ کیا کہ بخار میں مریض کو پانی میں ڈبو دیا جائے۔

میں کہتا ہوں: اب تو جدید میڈیکل سائنس والے بھی یہ کہتے ہیں کہ جب بہت تیز بخار ہو تو مریض کے جسم پر برف لگائی جائے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے سچ فرمایا اور تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، یہ ارشاد اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہے، اگر یہ اپنے ظاہر پر محمول ہوتی تو مریض پہلی بار شہد پینے سے ہی تندرست ہو جاتا، پس جب کہ وہ پہلی بار شہد پینے سے تندرست نہیں ہوا تو اس میں یہ دلیل ہے کہ یہ الفاظ اپنے معانی کی معرفت کی طرف محتاج ہیں اور ظاہر پر محمول نہیں ہیں۔

علامہ ابن جوزی نے اس حدیث کی توجیہ میں یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا: اس کو شہد پلاؤ، اس کا محمل یہ ہے کہ شہد کو پکانے کے بعد اس کو پلاؤ۔ دوسرا جواب یہ دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس کو شہد پلانے کا ذکر فرمایا، وہ عرب کے مذاہب اور ان کی عادات کے مطابق فرمایا جیسا کہ بخار کو پانی سے ٹھنڈا کرنے کی حدیث ہے۔ اور تیسرا جواب یہ دیا کہ شہد اس مرد کے جسم کے موافق تھا، خطابی نے کہا: اس کو جو اسہال لگے ہوئے تھے وہ متلی اور بدہضمی کی وجہ سے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہر مہینے نہار منہ شہد کو چاٹا تو اس کو کوئی بڑی بیماری نہیں آئے گی۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۴۵۰)

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ اللہ نے سچ فرمایا اور تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، اس میں دو احتمال ہیں، ایک احتمال یہ ہے کہ آپ نے غیب سے خبر دی، جس غیب پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرما دیا اور وحی سے بتا دیا کہ اس کی شفاء شہد میں ہے، اس لئے آپ نے بار بار شہد پلوایا تا کہ اس مریض کی شہد سے شفاء ظاہر ہو جائے۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ یہ مرض اتنی بار شہد کے پینے سے ختم ہوگا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۳۴۸۔ ۳۵۲ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۔ بَابُ: الدَّوَاءِ بِأَلْبَانِ الْإِبِلِ — اونٹنیوں کے دودھ سے علاج کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اونٹنیوں کے دودھ سے علاج کرنا جائز ہے۔

۵٦٨٥ـ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا سَلَّامُ بْنُ مِسْكِينٍ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ نَاسًا كَانَ بِهِمْ سَقَمٌ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ آوِنَا وَأَطْعِمْنَا فَلَمَّا صَحُّوا قَالُوا إِنَّ الْمَدِينَةَ وَخِمَةٌ فَأَنْزَلَهُمُ الْحَرَّةَ فِي ذَوْدٍ لَهُ فَقَالَ اشْرَبُوا أَلْبَانَهَا فَلَمَّا صَحُّوا قَتَلُوا رَاعِيَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَاسْتَاقُوا ذَوْدَهُ فَبَعَثَ فِي آثَارِهِمْ فَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ وَسَمَرَ أَعْيُنَهُمْ فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ مِنْهُمْ يَكْدِمُ الْأَرْضَ بِلِسَانِهِ حَتَّى يَمُوتَ قَالَ سَلَّامٌ فَبَلَغَنِي أَنَّ الْحَجَّاجَ قَالَ لِأَنَسٍ حَدِّثْنِي بِأَشَدِّ عُقُوبَةٍ عَاقَبَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَحَدَّثَهُ بِهَذَا فَبَلَغَ الْحَسَنَ فَقَالَ وَدِدْتُ أَنَّهُ لَمْ يُحَدِّثْهُ بِهَذَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلام بن مسکین ابو نوح البصری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ثابت نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ چند لوگوں میں کوئی بیماری تھی، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! ہمارے قیام کا انتظام کریں اور ہمارے طعام کا انتظام کریں، پس جب وہ تندرست ہو گئے تو انہوں نے کہا کہ مدینہ کی آب وہوا ہمارے موافق نہیں ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سیاہ پتھروں والی زمین میں ٹھہرایا جہاں پر آپ کے اونٹ تھے اور ان سے فرمایا کہ تم اونٹنیوں کا دودھ پیو، پس جب وہ تندرست ہو گئے تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کے چرواہے کو قتل کر دیا، اور آپ کے اونٹوں کو ہانک کر لے گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے صحابہ کو بھیجا اور وہ پکڑے گئے، پھر ان کے ہاتھ اور پیر کاٹ دیئے گئے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں، پس میں نے دیکھا کہ ان میں سے ایک مرد زبان سے زمین کو چاٹتا تھا اور اسی حالت میں وہ مر گیا۔
سلام نے کہا: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ حجاج نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا: مجھے سب سے زیادہ سخت سزا بتاؤ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو دی ہو، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بتائی، حسن بصری کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا: مجھے یہ پسند تھا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ حجاج کو یہ حدیث بیان نہ کرتے۔

(صحیح البخاری: ۲۳۳، ۱۵۰۱، ۱۸، ۳۰۱۸، ۴۱۹۲، ۴۱۹۳، ۴۶۱۰، ۵٦٨٥، ۵٦٨٦، ۵۷۲۷، ٦٨٠٣، ٦٨٠۴، ٦٨٠۵، ٦٨٩٩، صحیح مسلم: ۱٦۷۱، سنن ترمذی: ۷۲، سنن نسائی: ۳۰۵، سنن ابوداؤد: ۴۳٦۴، سنن ابن ماجہ: ۲۵۷۸، مسند احمد: ۱۲۲۵۷)

صحیح البخاری: ۵٦٨٥، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''اونٹنیوں کے دودھ سے علاج کرنا'' اور اس حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بیمار لوگوں سے کہا: تم

اونٹنیوں کا دودھ پیو۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے سلاّم (لام پر تشدید ہے) یہ ابن مسکین العضدی النمری ہیں۔ اور امام بخاری نے ان کی صرف یہی حدیث روایت کی ہے اور دوسری حدیث عنقریب کتاب الادب میں آئے گی۔ اور کتاب اللباس میں ایک سند ہے از موسیٰ بن اسماعیل، انہوں نے کہا: ہمیں سلاّم نے حدیث بیان کی از عثمان بن عبداللہ، پس الکلاباذی نے یہ گمان کیا کہ یہ سلام بن مسکین ہے، اور ایسا نہیں ہے بلکہ یہ سلام بن ابی مطیع ہے۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے ثابت، یہ البنانی ہیں اور یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، اس اسناد کے تمام رجال بصری ہیں۔

یہ حدیث عرنیین ہے اور اس کی شرح کتاب الطہارۃ میں باب ''باب ابوال الابل والدواب'' میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''چند لوگوں میں کوئی بیماری تھی'' یہ لوگ اہل حجاز میں سے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''پس جب وہ لوگ تندرست ہو گئے''۔ پوری عبارت اس طرح ہے: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رہائش کی جگہ دی اور ان کے لیے طعام مہیا کیا، پس جب وہ تندرست ہو گئے تو انہوں نے کہا کہ مدینہ ہمارے موافق نہیں ہے''۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فانزلھم الحرۃ'' یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حرۃ میں ٹھہرا دیا، سیاہ پتھروں والی زمین کو حرہ کہتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی ذود'' یعنی اونٹوں کے درمیان ان کو ٹھہرا دیا اور یہ تین سے لے کر دس تک اونٹ تھے، اور محمد بن سعد نے ذکر کیا ہے کہ پندرہ اونٹ تھے، تو آپ نے ان سے فرمایا کہ ان کا دودھ پیو اور ابوکلابہ کی روایت میں ہے کہ ان کا دودھ اور پیشاب پیو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فلما صحوا'' یہاں بھی کچھ عبارت محذوف ہے، اصل عبارت یوں ہے کہ ''وہ مدینہ سے نکل کر حرہ میں آئے اور اونٹنیوں کا دودھ پیا، جب تندرست ہو گئے تو اونٹنیوں کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہنکا کر بھاگ گئے''۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وسمرا اعینھم'' اور دوسری روایت میں ہے ''وسمل''۔ سَمَرَ کا معنی ہے: لوہے کی سلائیوں کو گرم کر کے ان کی آنکھوں میں پھیرا اور سَمَلَ اعینھم کا معنی ہے: گرم لوہے سے ان کی آنکھیں نکال دیں۔ ان کے ساتھ یہ سلوک اس لئے کیا کہ انہوں نے چرواہے کے ساتھ اس طرح کا سلوک کیا تھا، سو ان کو ان کے فعل کی سزا دی۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ نے یہ سزا اس وقت دی تھی جب حدود کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ جب حدود نازل ہو گئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مُثلہ کرنے سے منع فرما دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یکدم الارض'' یعنی وہ منہ کے قریب والے دانتوں سے زمین کو چاٹ رہا تھا۔ اور بہز کی روایت میں یہ ہے کہ وہ غم اور درد کی وجہ سے زمین کو کاٹ رہا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حجاج'' یہ حجاج بن یوسف ثقفی ہے جو عراق کا مشہور حاکم تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حسن بصری کو یہ خبر پہنچی" یعنی جب حسن بصری کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حجاج کو یہ حدیث سنائی تو حسن بصری نے کہا: میری خواہش تھی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ حجاج کو یہ حدیث نہ سناتے، کیونکہ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حجاج کو یہ حدیث سنائی تو اس نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کی نافرمانی کے سبب سے ہاتھوں اور پیروں کا کاٹ ڈالا اور آنکھوں میں گرم سلائیں پھیریں تو کیا ہم بھی اللہ تعالیٰ کی معصیت کے سبب سے ایسی سزا نہ دیں؟ اور اسماعیلی نے ایک اور سند کے ساتھ ثابت سے روایت کی ہے کہ مجھے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ بتایا: میں کسی بات پر اتنا نادم نہیں ہوا جتنا حجاج بن یوسف کو یہ حدیث سنانے پر نادم ہوا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۴۸۔۳۴۹، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۸۵، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو سخت سزا دی تھی، اس کی حکمت

کثیر علماء نے کہا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حدود نازل نہیں ہوئی تھیں اور بعض علماء نے یہ کہا ہے بلکہ یہ زمین سے فساد دور کرنے کی وجہ تھی، پس ان لوگوں نے نعمت کا مقابلہ کفرانِ نعمت کے ساتھ کیا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا اکرام کیا اور ان کو اونٹوں کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ یہ اونٹوں کا پیشاب پئیں اور دودھ پئیں، حتیٰ کہ وہ تندرست ہو گئے۔

دراصل یہ لوگ پہلے اونٹوں کے ساتھ رہتے تھے اور ان کا پیشاب اور دودھ پیتے تھے اور جب مدینہ میں آئے تو وہاں کی صاف ستھری فضا اور آب و ہوا ان کو راس نہیں آئی اور وہ بیمار پڑ گئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو پھر اسی ماحول میں حرہ میں اونٹوں کے درمیان بھیج دیا تا کہ انہیں اپنے مطلب کا ماحول مل جائے اور وہ تندرست ہو جائیں، سو وہ تندرست ہو گئے اور انہوں نے اس عظیم مہربانی اور عمدہ سلوک کی جزا یہ دی کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اونٹ چرا لئے اور جو اونٹوں کا محافظ تھا اس کو قتل کر دیا اور اس کی آنکھوں میں گرم سلائیں پھیریں یا اس کی آنکھیں نکال دیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا، پھر ان کو حرہ میں چھوڑ دیا، وہ پانی طلب کرتے تھے حتیٰ کہ مر گئے، کیوں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو کفرانِ نعمت کے ساتھ تبدیل کر دیا تھا۔

رہا یہ کہ حسن بصری نے یہ کہا کہ کاش! حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ حدیث حجاج کو نہ سناتے، اس کی وجہ یہ تھی کہ حسن بصری کو یہ خطرہ تھا کہ اب حجاج بھی اپنے مخالفین کو ایسی ہی سزائیں دے گا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۸۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۶۔ بَابُ: الدَّوَاءِ بِأَبْوَالِ الْإِبِلِ — اونٹوں کے پیشاب سے علاج کرنے کا بیان

اس باب میں اونٹوں کے پیشاب سے علاج کرنے کا بیان کیا گیا ہے۔

۵۶۸۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ نَاسًا اجْتَوَوْا فِي الْمَدِينَةِ فَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ يَلْحَقُوا بِرَاعِيهِ يَعْنِي الْإِبِلَ فَيَشْرَبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا فَلَحِقُوا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ چند لوگوں کو مدینہ کی آب و ہوا موافق نہیں آئی، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بِرَاعِيهِ فَشَرِبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا حَتَّى صَلَحَتْ أَبْدَانُهُمْ فَقَتَلُوا الرَّاعِيَ وَسَاقُوا الْإِبِلَ فَبَلَغَ النَّبِيَّ ﷺ فَبَعَثَ فِي طَلَبِهِمْ فَجِيءَ بِهِمْ فَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ وَسَمَرَ أَعْيُنَهُمْ قَالَ قَتَادَةُ فَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ أَنَّ ذَلِكَ كَانَ قَبْلَ أَنْ تَنْزِلَ الْحُدُودُ

نے ان کو حکم دیا کہ وہ آپ کے چرواہے کے ساتھ لاحق ہو جائیں، یعنی آپ کے اونٹوں کے چرواہے کے ساتھ، پس وہ ان (اونٹوں) کے دودھ اور پیشاب کو پئیں، سو وہ آپ کے چرواہے کے ساتھ لاحق ہو گئے، پھر انہوں نے اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پیا حتیٰ کہ ان کے بدن تندرست ہو گئے، پھر انہوں نے نبی ﷺ کے محافظ چرواہے کو قتل کیا اور اونٹوں کو ہنکا کر لے گئے، نبی ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے ان کی تلاش میں صحابہ کو بھیجا، پھر ان کو پکڑ کر لایا گیا، تو ان کے ہاتھوں اور پیروں کو کاٹ ڈالا گیا اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیں پھیری گئیں۔

قتادہ نے کہا: مجھے محمد بن سیرین نے حدیث بیان کی کہ یہ حدود کے نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۳۳، ۱۵۰۱، ۳۰۱۸، ۴۱۹۲، ۴۱۹۳، ۴۶۱۰، ۵۶۸۵، ۵۶۸۶، ۵۷۲۷، ۶۸۰۲، ۶۸۰۳، ۶۸۰۴، ۶۸۰۵، ۶۸۹۹، صحیح مسلم: ۱۶۷۱، سنن ترمذی: ۷۲، سنن نسائی: ۳۰۵، سنن ابوداؤد: ۴۳۶۴، سنن ابن ماجہ: ۲۵۷۸، مسند احمد: ۱۲۲۵۷)

صحیح البخاری: ۵۶۸۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں یا ان کی آنکھوں کو نکال دیا گیا، یہ سلوک ان کے ساتھ اس لیے کیا گیا تھا کہ انہوں نے بھی نبی ﷺ کے اونٹوں کے چرواہے کے ساتھ ایسا سلوک کیا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۸۶ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان کے پیشاب کے متعلق فقہاء کے اقوال

امام ابونعیم نے اپنی کتاب الطب میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میدانوں کے اونٹوں کا پیشاب پیو اور اونٹنیوں کا دودھ پیو، اور ہمارے اصحاب شافعیہ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ نجس چیزوں سے علاج کرنا جائز ہے، اور امام مالک کے نزدیک اونٹوں کا پیشاب پاک ہے اور اسی طرح ہر وہ جانور جس کا گوشت کھایا جاتا ہو، اس کا پیشاب پاک ہے۔ ان سے پوچھا گیا: اور گھوڑوں کا پیشاب؟ تو انہوں نے کہا: اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔ ان سے کہا گیا کہ اونٹنیوں سے دودھ نکالا جاتا ہے تو وہ

اس میں پیشاب کر دیتی ہیں؟، انہوں نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان کا پیشاب نجاستِ خفیفہ ہے، اور دوسرے جانوروں کا پیشاب نجاستِ غلیظہ ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۳۵۷۔ ۳۵۸، ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۔ بَابُ: الْحَبَّةِ السَّوْدَاءِ — کلونجی کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کلونجی میں موت کے سوا ہر مرض کی شفاء ہے۔

۵۶۸۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ خَرَجْنَا وَمَعَنَا غَالِبُ بْنُ أَبْجَرَ فَمَرِضَ فِي الطَّرِيقِ فَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ وَهُوَ مَرِيضٌ فَعَادَهُ ابْنُ أَبِي عَتِيقٍ فَقَالَ لَنَا عَلَيْكُمْ بِهَذِهِ الْحُبَيْبَةِ السَّوْدَاءِ فَخُذُوا مِنْهَا خَمْسًا أَوْ سَبْعًا فَاسْحَقُوهَا ثُمَّ اقْطُرُوهَا فِي أَنْفِهِ بِقَطَرَاتِ زَيْتٍ فِي هَذَا الْجَانِبِ وَفِي هَذَا الْجَانِبِ فَإِنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْنِي أَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ إِنَّ هَذِهِ الْحَبَّةَ السَّوْدَاءَ شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ إِلَّا مِنَ السَّامِ قُلْتُ وَمَا السَّامُ قَالَ الْمَوْتُ

(سنن ابن ماجہ: ۳۴۴۹، مسند احمد: ۲۴۵۴۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسرائیل نے حدیث بیان کی از منصور از خالد بن سعد، انہوں نے کہا: ہم باہر نکلے اور ہمارے ساتھ حضرت غالب بن ابجر تھے، سو وہ راستہ میں بیمار ہو گئے، پھر مدینہ پہنچے اور وہ بیمار ہی تھے، پھر حضرت ابن ابی عتیق نے ان کی عیادت کی، پس انہوں نے ہم سے کہا: تم اس سیاہ چھوٹے دانے یعنی کلونجی کو لازم کرلو، پس اس میں سے پانچ یا سات دانے لو اور ان کو پیسو (پھر اس میں روغن ملا کر) ناک میں زیتون کے تیل کے قطرات ڈالو، ناک کی اس جانب بھی اور ناک کی دوسری جانب بھی، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ سے سنا ہے، آپ فرمارہے تھے کہ یہ کلونجی ہر بیماری کی شفاء ہے سوائے سام کے، میں نے پوچھا: سام کیا ہے تو انہوں نے کہا: موت۔

صحیح البخاری: ۵۶۸۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

کلونجی گرم خشک ہوتی ہے، اس لئے نبی ﷺ نے جو فرمایا ہے کہ کلونجی ہر بیماری کی دوا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ جو بیماری رطوبت اور بلغم سے پیدا ہو کلونجی اس کے لیے شفاء ہے۔ اور علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس میں عموم کا ارادہ بھی ہوسکتا ہے بایں طور کہ یہ تمام بیماریوں کی شفاء ہو لیکن اس شرط کے ساتھ کہ دوسری دواؤں کے ساتھ کلونجی کو ملایا جائے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ عموم کا ارادہ کرنا واجب ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے استثناء فرمایا ہے کہ موت کے سوا کلونجی ہر مرض کا علاج ہے اور یہ امر ممکن ہے اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو صادق القول ہیں، انہوں نے اس کی خبر دی ہے۔ اور لفظ عام ہے جیسا کہ استثناء کی دلیل سے ظاہر ہوتا ہے۔
اور ابوبکر بن العربی نے کہا ہے کہ شہد بھی اطباء کے نزدیک کلونجی کے قریب ہے کہ وہ بھی ہر مرض کی دوا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اس (شہد) میں لوگوں کے لیے شفاء ہے، (النحل: ۶۹)۔ لیکن بعض امراض ایسے ہیں کہ ان میں اگر شہد پیا جائے تو بیمار کو نقصان ہوتا ہے (جیسے شوگر کے مرض میں)۔ تو یہی کہا جائے گا کہ اکثر اور اغلب یہی ہے کہ اس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے، اسی طرح کلونجی کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا کہ اکثر اور اغلب یہی ہے کہ یہ لوگوں کے لیے شفاء ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگرچہ حدیث کا مفہوم عام ہے لیکن یہ خاص طور پر انہی امراض میں زیادہ فائدہ مند ہے جو رطوبت اور بلغم سے پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ کلونجی کی تاثیر خشک اور گرم ہوتی ہے، اس لیے ان امراض کو دفع کرتی ہے جو اس کی ضد ہیں۔
بعض علماء نے کہا کہ کلونجی تمام بیماریوں کے لیے مفید ہے، بعض امراض میں منفرد اور بعض امراض میں مرکب، بایں طور کہ اس کو کسی بھی دوا میں خاص مقدار اور مناسب ترکیب کے ساتھ شامل کیا جائے تو اس کے صحت بخش اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔

(شرح الطیبی شرح مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الطب ص ۲۹۷، فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۷۸، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ)

۵۶۸۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ وَسَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُمَا أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ فِي الْحَبَّةِ السَّوْدَاءِ شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ إِلَّا السَّامَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَالسَّامُ الْمَوْتُ وَالْحَبَّةُ السَّوْدَاءُ الشُّونِيزُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ نے خبر دی اور سعید بن المسیب نے کہ بے شک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو خبر دی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ کلونجی میں ہر بیماری کے لیے شفاء ہے سوائے موت کے۔ ابن شہاب نے کہا: السام کا معنی ہے: الموت اور الحبۃ السوداء کا معنی ہے: شونیز (یعنی کلونجی)۔

(صحیح مسلم: ۲۲۱۵، سنن ترمذی: ۲۰۴۱، سنن ابن ماجہ: ۳۴۴۷، مسند احمد: ۷۵۰۴)

اس حدیث کی شرح بھی وہی ہے جو اس سے پہلی حدیث کی شرح ہے۔

۸۔ بَابُ: التَّلْبِينَةِ لِلْمَرِيضِ
مریض کے لیے تلبینہ کا بیان

تلبینہ دودھ، شہد اور گندم یا جو سے بنایا جاتا ہے، یہ ایک قسم کا کھانا ہے جو بیماروں کو اور غمزدہ لوگوں کو کھلایا جاتا ہے۔

۵۶۸۹۔ حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّهَا كَانَتْ تَأْمُرُ بِالتَّلْبِينِ لِلْمَرِيضِ وَلِلْمَحْزُونِ عَلَى الْهَالِكِ وَكَانَتْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حبان بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس بن یزید نے خبر دی از عقیل از ابن شہاب از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ مریض کے لیے تلبینہ کا

تَقُوْلُ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ إِنَّ التَّلْبِيْنَةَ تُجِمُّ فُؤَادَ الْمَرِيْضِ وَتَذْهَبُ بِبَعْضِ الْحُزْنِ

(صحیح البخاری:۵۶۸۹، ۵۶۹۰، صحیح مسلم:۲۲۱۶، مسند احمد:۲۳۹۹۱)

حکم دیتی تھیں اور اس غمزدہ شخص کے لیے جو مرنے کے قریب ہو اور بیان کرتی تھیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک ملبینہ مریض کے دل کو راحت پہنچاتا ہے اور اس کے بعض غم کو دور کرتا ہے۔

غیر مقلد عالم شیخ محمد داؤد راز لکھتے ہیں:

''التلبینة'' آٹے اور دودھ سے یا بھوسی اور دودھ سے بنایا جاتا ہے، اس میں شہد بھی ڈالتے ہیں اور گوشت کے شوربہ میں روٹی کے ٹکڑے ڈال کر پکائیں تو اسے ثرید کہتے ہیں اور کبھی اس میں گوشت بھی شریک رہتا ہے۔

(شرح صحیح بخاری ج ۷ ص ۱۴۰، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۰۴ء)

صحیح البخاری:۵۶۸۹ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اسحاق بن ابی طلحہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''التلبین'' ہر بیماری میں شفاء ہے۔

(الطب النبوی ج ۲ ص ۴۳۵)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کے گھر والوں میں سے کوئی بیمار ہوتا تو ہم پتیلی کو چولہے پر رکھ دیتے، پھر اس میں گندم اور گھی ڈالتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے سینے میں سختی کی اور سر میں درد کی شکایت کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم ''التلبین'' بنا کر چاٹو، کیونکہ اس میں اس کا علاج ہے۔

ابونعیم نے کہا ''التلبینہ'' خالص آٹا ہے اور دوسری قوموں نے کہا کہ اس میں چربی ملی ہوئی ہوتی ہے۔

(الطب النبوی ج ۲ ص ۴۳۵) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۱۷۶-۱۷۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری:۵۶۸۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حبان کا ذکر ہے، یہ المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبد اللہ کا ذکر ہے، یہ ابن المبارک المروزی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ھالك'' یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس غمزدہ کے لیے ملبینہ بنانے کا حکم دیتیں جو مرنے کے قریب ہو۔ اس حدیث میں ''تجم'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: راحت پہنچانا یعنی ملبینہ مریض کے دل کو راحت پہنچاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بھوک غم کو زیادہ کرتی ہے اور تلبینہ بھوک کو ختم کرتا ہے۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ: گندھا ہوا آٹا جس میں خمیر نہ ہو، اس کو لیا جائے اور اس کا پانی نکالا جائے اور یہ پانی بہت زیادہ فائدہ مند ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۵۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اس حدیث میں "التلبینه" کا ذکر ہے، (اس میں تاء پر زبر ہے اور لام پر جزم ہے اور باء کے نیچے زیر ہے اور یاء ساکن ہے اور آخر میں نون ہے)۔ یہ وہ طعام ہے جو آٹے یا بھوسی سے بنایا جاتا ہے اور بعض اوقات اس میں شہد بھی ڈالا جاتا ہے، اس کو التلبینہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ سفید ہونے میں اور پتلا ہونے میں دودھ کے مشابہ ہوتا ہے۔ اور جو اس میں رقیق ہو اور پکا ہوا ہو، وہ نفع آور ہوتا ہے اور جو گاڑھا اور کچا ہو، وہ نفع آور نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "التلبینه" سے مراد "الحساء" ہے، یعنی وہ طعام جو آٹے یا بھوسی میں پانی ملا کر پتلا پتلا تیار کیا جاتا ہے، اور اس کو "التلبین" بھی کہتے ہیں، کیونکہ یہ سفیدی میں دودھ کے مشابہ ہوتا ہے، پس اگر یہ پتلا نہ ہو اور گاڑھا ہو تو اس کو الخزیرہ کہتے ہیں، اور کبھی اس میں شہد اور دودھ بھی ڈالا جاتا ہے۔

علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے "التلبین" اور التلبینہ وہ خوراک ہے جو آٹے سے بنائی جاتی ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کو پانی اور تیل سے بنایا جاتا ہے اور کبھی یہ میٹھا ہوتا ہے اور کبھی پتلا ہوتا ہے اور اس کو چاٹ چاٹ کر کھایا جاتا ہے یا گھونٹ گھونٹ بھر کر پیا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۰، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۶۹۰ - حَدَّثَنَا فَرْوَةُ بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تَأْمُرُ بِالتَّلْبِينَةِ وَتَقُولُ هُوَ الْبَغِيضُ النَّافِعُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں فروہ بن ابی المغراء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں علی بن مسہر نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ تلبینہ بنانے کا حکم دیتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ مریض اس کو ناپسند کرتا ہے اور یہ اس کے لیے نفع آور ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۶۸۹، ۵۶۹۰، صحیح مسلم: ۲۲۱۶، مسند احمد: ۲۳۹۹۱)

صحیح البخاری: ۵۶۹۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن مسہر کا ذکر ہے، مسہر باب اسہار سے اسم فاعل ہے، یہ موصل کے قاضی تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں ہشام کا ذکر ہے، یہ ابن عروہ ہیں جو اپنے والد عروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں "البغیض" کا ذکر ہے، یہ عظیم کے وزن پر ہے اور بغض سے ماخوذ ہے، یعنی مریض اس کو ناپسند کرتا ہے

حالانکہ یہ اس کے لیے نفع بخش ہے جیسے دوسری دواؤں کو بھی مریض ناپسند کرتا ہے اور وہ اس کے لیے نفع بخش ہوتی ہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۵۳۔ ۳۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۹۔ بَابُ: السَّعُوْطِ — ناک میں دوا ڈالنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں سعوط کا حکم بیان کیا گیا ہے، ''سعوط'' کا معنی ہے: وہ دوا جو ناک میں ٹپکائی جائے۔ ابو الفرج نے کہا ہے: ''اسعاط'' کا معنی ہے: تیل یا کسی اور چیز کو ناک کے آخر میں ڈالا جائے، عام ازیں کہ سانس کے ذریعہ اس دوا کو کھینچا جائے یا دوا کو ٹپکا دیا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۹۱۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم احْتَجَمَ وَأَعْطَى الْحَجَّامَ أَجْرَهُ وَاسْتَعَطَ۔ (صحیح مسلم: ۱۲۰۲، مسند احمد: ۲۳۳۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معلی بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی از ابن طاؤس از والد خود از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فصد لگوائی اور فصد لگانے والے کو اس کی اجرت دی اور ناک میں دوا ڈالی۔

صحیح البخاری: ۵۶۹۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''ناک میں دوا ڈالنا'' اور اس حدیث میں بھی ذکر ہے کہ آپ نے ناک میں دوا ڈالی یا ٹپکائی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں وہیب کا ذکر ہے، وہ ابن خالد ہیں۔ اور ابن طاؤس کا ذکر ہے، وہ عبد اللہ بن طاؤس ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''استعط'' کا ذکر ہے، یعنی ناک میں ڈالی جانے والی دوا آپ نے اس طرح استعمال کی کہ آپ چت لیٹ گئے، دونوں کندھوں کے درمیان کوئی ایسی چیز رکھ دی کہ وہ بلند ہو گئے اور سر مبارک زمین کی طرف جھک گیا، پھر ناک میں دماغ تک پہنچانے کے لیے دوا ٹپکائی تا کہ چھینک کے ذریعہ بیمار جراثیم نکل جائیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۰۔ بَابُ: السَّعُوطِ بِالْقُسْطِ الْهِنْدِيِّ وَالْبَحْرِيِّ وَهُوَ الْكُسْتُ مِثْلُ الْكَافُورِ وَالْقَافُورِ مِثْلُ كُشِطَتْ وَقُشِطَتْ نُزِعَتْ وَقَرَأَ عَبْدُ اللهِ قُشِطَتْ

قسط ہندی اور قسطِ بحری کو ناک میں چڑھانا اور یہی لفظ الکُست ہے جیسے الکافور اور القافور ہے اور جیسے کشطت اور قشطت ہے، اس کا معنی ہے: (جب آسمان کو) کھینچ لیا جائے گا، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے قُشِطت پڑھا ہے۔

باب مذکور کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

قُسط کے تلفظ کی تحقیق

ابوبکر ابن العربی نے کہا ہے: قُسط کی دو قسمیں ہیں: ایک ہندی ہے اور یہ سیاہ رنگ کی ہوتی ہے، اور دوسری بحری ہے وہ سفید رنگ کی ہوتی ہے۔ اور ہندی کی حرارت بہت شدید ہوتی ہے۔

قُسط ایک دوا کا نام ہے، یہ ایک جڑی بوٹی ہے اور اس کو اردو میں کوٹھ کہتے ہیں۔

امام بخاری نے اپنے عنوان میں کہا ہے: ''اور یہی الکُست ہے''۔ یعنی قُسط کا تلفظ قاف کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور کاف کے ساتھ بھی ہوتا ہے، کیونکہ قاف اور کاف قریب المخرج حروف ہیں، اس لیے ایک حرف کو دوسرے حرف سے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۸۲، عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۳۹، ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۴۲۱)

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں اس کی مزید دو مثالیں دی ہیں۔ ایک قافور اور کافور، یعنی اس لفظ کو قاف اور کاف دونوں سے پڑھنا درست ہے، اور دوسری مثال کشطت اور قشطت ہے، یہ لفظ سورۂ تکویر کی آیت نمبر ۱۱ میں ہے:

وَإِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝ (التکویر: ۱۱) اور جب آسمان کو کھینچ لیا جائے گا ۝

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ''قُشِطَتْ'' قاف کے ساتھ پڑھا ہے۔ کیونکہ قاف اور کاف قریب المخرج ہیں، اس لیے ایک کو دوسرے سے تبدیل کرنے کی وسعت ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۸۷، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۶۹۲۔ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ قَالَ سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ عَلَيْكُمْ بِهَذَا الْعُودِ الْهِنْدِيِّ فَإِنَّ فِيهِ سَبْعَةَ أَشْفِيَةٍ يُسْتَعَطُ بِهِ مِنَ الْعُذْرَةِ وَيُلَدُّ بِهِ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں صدقہ بن الفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عیینہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے الزہری سے سنا از عبید اللہ از ام قیس بنت محصن، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم عود ہندی (کوٹھ) کے استعمال کو لازم کرلو، کیونکہ اس میں سات (بیماریوں کی) شفاء ہے۔ حلق کے ورم میں

اس کو ناک میں چڑھایا جاتا ہے، اور پسلی کے درد میں اس کو حلق
میں ڈالا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۷۱۳، ۵۷۱۵، ۵۷۱۸، صحیح مسلم: ۲۸۷، سنن ابوداؤد: ۳۸۷۷، سنن ابن ماجہ: ۳۴۶۲، مسند احمد: ۲۶۴۶۳)

صحیح البخاری: ۵۶۹۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "علیکم" یہ اسمِ فعل ہے اور اس کا معنی ہے: اس کے استعمال کو لازم کرلو۔

عودِ ہندی کی تعریف

اس حدیث میں مذکور ہے "العود الهندی" یہ ایک لکڑی ہے جو ہندوستان کے شہروں سے لائی جاتی ہے، اس کی خوشبو عمدہ ہوتی ہے۔ اس کو چبایا جائے یا اس کے ساتھ کلی کی جائے تو منہ خوشبودار ہو جاتا ہے (اسی کو اردو میں کوٹھ کہتے ہیں)۔ اس کو جب پانی میں ڈال کر پیا جائے تو یہ جگر کے درد میں اور سینہ کے درد میں اور انتڑیوں کے زخم میں فائدہ پہنچاتی ہے اور بہترین عود المندلی ہے اور پھر الہندی ہے۔ اور عود کی کئی قسمیں ہیں۔ عودِ ہندی سب سے افضل ہے، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خصوصیت سے ذکر فرمایا۔

عودِ ہندی یا القُسط لکڑی ہے یا جڑی بوٹی ہے، اس کو جلا کر اس کے دھوئیں کو ناک میں پہنچایا جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "سبعة اشفية" یہ شفاء کی جمع ہے جیسے دوا کی جمع ادویہ ہے، یعنی اس میں سات (بیماریوں کی) شفاء ہے۔

علامہ ابن العربی نے کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قُسط یا عُود ہندی کی سات شفاء کا ذکر کیا ہے، اور ان میں سے دو بیماریوں کی شفاء کا نام لیا ہے، ان میں سے ایک حلق کا ورم ہے اور دوسری پسلی کا درد ہے، اس حدیث میں صرف ان دو بیماریوں کی شفاء کا ذکر ہے اور باقی پانچ بیماریوں کی شفاء کا ذکر نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو سات بیماریوں کی شفاء کا ذکر کیا تھا لیکن راوی نے صرف دو کا ذکر کیا اور باقی پانچ بیماریوں کو چھوڑ دیا، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی بیماریوں کی شفاء کو شہرت کی بناء پر ترک کر دیا اور اطباء نے عودِ ہندی کی سات سے زیادہ بیماریوں میں شفاء اور اس کے منافع ذکر کیے ہیں۔

پس اگر تم سوال کرو کہ جب یہ جڑی بوٹی کثیر المنافع ہے تو سات کے ساتھ تخصیص کی کیا وجہ ہے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات کی تعیین اس لئے فرمائی کہ آپ کو سات بیماریوں کی شفاء کا وحی سے علم ہو گیا تھا اور آپ کے نزدیک محقق ہو گیا تھا اور دیگر بیماریوں میں اس کی شفاء کا علم تجربہ سے ہوا ہے، سو آپ نے اس کا ذکر کیا جس کا علم آپ کو وحی سے ہوا ہے اور دوسری بیماریوں کی شفاء کا ذکر نہیں کیا۔ یا اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے ان کا ذکر فرمایا جن کی ضرورت ہوتی ہے اور جن کی ضرورت نہیں ہوتی ان کو چھوڑ دیا، کیونکہ آپ طب کی تفاصیل کو بیان کرنے کے لیے مبعوث نہیں ہوئے اور نہ طب کی صنعت کی تعلیم دینے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔

اور اطباء نے ذکر کیا ہے کہ قسط کے فوائد میں سے یہ ہیں کہ یہ حیض کو جاری کرتی ہے، پیشاب کو جاری کرتی ہے، انتڑیوں کے کیڑوں کو مارتی ہے، زہریلے مادوں کو دور کرتی ہے، معدہ کو گرم رکھتی ہے، جماع کی شہوت کو تحریک دیتی ہے اور چھائیوں کو دور کرتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''من العذرة'' خون کے جوش سے حلق میں جو ورم ہو جاتا ہے، اس کو عذرۃ کہتے ہیں، القسط اس بیماری میں آرام پہنچاتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ العذرۃ ایک چھالہ ہے جو ناک اور حلق کے درمیان بچوں کو عارض ہوتا ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے''یلدبه'' یعنی اس قسط کو منہ کی ایک جانب میں ڈالا جاتا ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے''من ذات الجنب'' اس سے مراد پسلیوں کا درد ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۵۵۔۳۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۹۳۔ وَدَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ بِابْنٍ لِي لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ فَبَالَ عَلَيْهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَرَشَّ عَلَيْهِ

(نیز ام قیس بنت محصن بیان کرتی ہیں)، میں نبی ﷺ کے پاس اپنے اس بیٹے کو لے کر گئی جس نے ابھی طعام کھانا شروع نہیں کیا تھا، اس نے آپ کے (کپڑوں) پر پیشاب کر دیا، آپ نے پانی منگا کر اس کے اوپر چھڑکا۔

(صحیح مسلم: ۲۸۷، سنن ترمذی: ۷۱، سنن نسائی: ۳۰۲، سنن ابوداؤد: ۳۷۴، سنن ابن ماجہ: ۵۲۴، مسند احمد: ۲۶۵۶۲، موطا امام مالک: ۱۴۳، سنن دارمی: ۷۴۱)

صحیح البخاری: ۵۶۹۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب الطہارۃ میں باب''بول الصبیان'' میں گزر چکی ہے، اس میں مذکور ہے کہ حضرت ام قیس بنت محصن اپنے چھوٹے بیٹے کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر آئیں جس نے ابھی طعام کھانا شروع نہیں کیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کو اپنی گود میں بٹھالیا، اس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا، آپ نے پانی منگایا اور اس پر چھڑکا اور اس کو دھویا نہیں۔ اور اس کی شرح وہاں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جو بچہ دودھ پیتا ہو اور اس نے طعام کھانا شروع نہ کیا ہو، تو اس کا پیشاب نجس نہیں ہے، اگر اس کا پیشاب کپڑوں پر لگ جائے تو اس کپڑے کو دھونا ضروری نہیں ہے اس پر صرف پانی چھڑک دینا کافی ہے اور اگر بچی کا پیشاب کپڑے پر لگ جائے تو وہ نجس ہے، اس کو دھویا جائے گا۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ پیشاب مطلقاً نجس ہے، خواہ بچے کا ہو یا بچی کا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مطلقاً فرمایا: پیشاب سے بچو کیونکہ عام عذاب قبر اسی سے ہوتا ہے۔ (سنن دار قطنی: ۴۵۷، دار المعرفہ بیروت، اس حدیث کی سند صحیح ہے)۔ اور اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ آپ نے اس کے اوپر پانی چھڑکا، اس کے لیے عربی میں لفظ ہے''فنضحه'' اور نضح کا معنی: دھونا بھی آتا ہے۔ لہٰذا اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اس کپڑے کو دھویا اور نضح سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ اس کو زیادہ شدت اور زیادہ مبالغہ سے نہیں دھویا۔ (سعیدی غفرلہ)

۱۱۔ بَابٌ: أَيَّ سَاعَةٍ يَحْتَجِمُ
اس کا بیان کہ کس وقت میں فصد لگوائے

وَاحْتَجَمَ أَبُو مُوسَى لَيْلًا۔
حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے رات کو فصد لگوائی۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کس ساعت میں فصد لگوائی جائے، ساعت سے مراد مطلق زمانہ ہے، ساعتِ متعارفہ مراد نہیں ہے جس کا معنی ایک گھنٹہ ہوتا ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: امام بخاری کی اس عنوان سے غرض یہ ہے کہ کسی دن اور کسی وقت میں بھی فصد لگوائی جائے تو کوئی کراہت نہیں ہے، اور کسی حدیث میں یہ وارد نہیں ہے کہ مہینہ کے کون سے دن کے اندر فصد لگوائی جائے، اسی وجہ سے امام بخاری نے اس کے متعلق ایک حدیث بھی ذکر نہیں کی جس سے وقت کا تعین مستفاد ہوتا۔

وقت کے تعین کے متعلق بعض احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے سترہ تاریخ کو فصد لگوائی یا انیس تاریخ کو یا اکیس تاریخ کو تو یہ ہر بیماری سے شفاء ہے۔ اس حدیث کی امام ابوداؤد نے روایت کی ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گردن کی ہر دو جانب پوشیدہ رگوں میں فصد لگواتے تھے اور پیٹھ کے اوپری حصہ میں فصد لگواتے تھے اور آپ سترہ تاریخ کو، انیس تاریخ کو اور اکیس تاریخ کو فصد لگواتے تھے، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔

نیز امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فصد لگانے والا بندہ کیا خوب بندہ ہے، وہ خون نکال لیتا ہے، کمر میں تخفیف کرتا ہے اور آنکھوں کی بینائی تیز کرتا ہے۔ اور بہترین دن جس میں تم فصد لگواؤ، وہ سترہ تاریخ ہے، انیس تاریخ ہے اور اکیس تاریخ ہے۔

فصد لگوانے کے فضائل میں احادیث

حافظ ابونعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سر میں فصد لگوانا سات چیزوں سے شفاء ہے: (۱) جنون (۲) جذام (۳) برص (۴) اونگھنا (۵) داڑھ کا درد (۶) سر کا درد (۷) آنکھوں میں اندھیرے کو پانا۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فصد لگوانے سے حافظہ زیادہ ہوتا ہے اور عقل زیادہ ہوتی ہے، پس اللہ کا نام لے کر جمعرات، جمعہ، ہفتہ، اتوار، پیر اور منگل کو فصد لگوائی جائے اور بدھ کے دن فصد نہ لگواؤ، کیونکہ جنون، جذام اور برص بدھ کی رات کو نازل ہوتے ہیں۔

اور امام ابوداؤد نے سلمیٰ سے روایت کی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم ہیں کہ جو شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سر کے درد

کی شکایت کرتا تو آپ اس سے فرماتے کہ فصد لگواؤ، اور جو شخص آپ سے پیروں کے درد کی شکایت کرتا تو آپ اس سے فرماتے کہ مہندی لگاؤ۔

میں کہتا ہوں: ان مذکورہ احادیث میں فصد لگوانے کے لیے دنوں اور تاریخ کی تعیین ہے، لیکن امام بخاری نے ان کا اعتبار نہیں کیا، کیونکہ یہ احادیث امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

اس کے بعد امام بخاری نے یہ تعلیق ذکر کی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے رات کو فصد لگوائی۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں: حضرت ابوموسیٰ کا نام ہے عبداللہ بن قیس الاشعری رضی اللہ عنہ، اس تعلیق کی امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے اور امام بخاری نے اس روایت کا اس لئے ذکر کیا ہے کہ فصد لگوانے کے لیے نہ دن کا وقت معین ہے اور نہ رات کا وقت معین ہے بلکہ رات اور دن کے کسی بھی وقت میں فصد لگوائی جا سکتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۵۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۹۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ احْتَجَمَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ صَائِمٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو معمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فصد لگوائی اور اس دن آپ روزہ سے تھے۔

(صحیح البخاری: ۱۸۳۵، ۱۹۳۸، ۱۹۳۹، ۲۱۰۳، ۲۲۷۸، ۲۲۷۹، ۵۶۹۱، ۵۶۹۴، ۵۶۹۵، ۵۶۹۹، ۵۷۰۰، ۵۷۰۱، صحیح مسلم: ۱۲۰۲، سنن ترمذی: ۸۳۹، سنن نسائی: ۲۸۴۵، سنن ابوداؤد: ۱۸۳۵، سنن ابن ماجہ: ۳۰۸۱، مسند احمد: ۲۸۸۳، سنن دارمی: ۱۸۱۹)

صحیح البخاری: ۵۶۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب امام بخاری نے یہ ذکر کیا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے رات کو فصد لگوائی تو امام بخاری نے پھر یہ بھی ذکر کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دن میں فصد لگوائی ہے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ آپ نے روزہ کی حالت میں فصد لگوائی اور روزہ دن میں رکھا جاتا ہے۔ اس لئے یہ حدیث اور اس کی تعلیق اس پر دلالت کرتی ہے کہ فصد لگوانے کے لیے کوئی وقت معین نہیں ہے۔

اس حدیث کی سند میں ابومعمر کا ذکر ہے، معمر کی دونوں میموں پر زبر ہے، ان کا نام عبداللہ بن عمرو المقعد البصری ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں عبدالوارث کا ذکر ہے، وہ ابن سعید ہیں۔ اور ایوب کا ذکر ہے، وہ السختیانی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۵۷۔ ۳۵۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۹۴ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فصد لگوانے کے متعلق فقہاءِ اسلام کی آراء

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ سے یہ سوال کیا گیا کہ پندرہ تاریخ کو، سترہ تاریخ کو اور تیئیس تاریخ کو فصد لگوائی جائے تو انہوں نے کہا: فصد لگوانے کے لیے کسی دن کو معین کرنا مکروہ ہے اور انہوں نے کہا: میں فصد لگوانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، خواہ وہ ہفتہ کے دن لگوائی جائے، بدھ کے دن لگوائی جائے اور تمام دنوں میں لگوائی جائے، اسی طرح سفر میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ کسی دن بھی کیا جائے اور نکاح میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ کسی دن بھی کیا جائے، اور انہوں نے اس سلسلہ میں کسی دن کی تعیین سے انکار کیا ہے۔

اور الليث نے کہا: میں ہفتہ اور بدھ کے دن فصد لگوانے سے اجتناب کرتا ہوں کیونکہ اس سلسلہ میں مجھ کو حدیث معلوم ہوئی ہے، اور ابن سیرین کے متعلق امام ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ وہ سترہ تاریخ سے بیس تاریخ تک فصد لگوانے کو اچھا سمجھتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو جو فصد لگوانے کا حکم دیا ہے، وہ حکم بطور استحباب ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو وہ کام کرنے کا حکم دیا ہے جس میں اس کے لیے نفع ہے اور اس لیے کہ جسم میں خون کی کثرت مضر ہوتی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۳۸۳۔ ۳۸۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۱۲۔ بَابُ: اَلْحَجْمِ فِي السَّفَرِ وَالْإِحْرَامِ — سفر اور احرام میں فصد لگوانے کا بیان

قَالَهُ ابْنُ بُحَيْنَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت ابن بحینہ رضی اللہ عنہ نے اس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سفر میں فصد لگوانا اور حج کے لیے احرام باندھا ہوا ہو، اس صورت میں فصد لگوانا جائز ہے۔

امام بخاری نے یہاں پر تعلیق ذکر کی ہے کہ حضرت ابن بحینہ رضی اللہ عنہ نے اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔

علامہ عینی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ کی ماں کا نام بحینہ ہے، اور ان کا پورا نام ہے: عبداللہ بن مالک بن القشب الازدی، یہ ازدشنوءہ میں سے ہیں، ان کی وفات اس وقت ہوئی تھی جب مدینہ میں مروان کی حکومت کے آخری ایام تھے اور یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور تھا۔ اور بحینہ بنت الحارث بن المطلب بن عبد مناف ہیں، عنقریب ان کی حدیث موصول آئے گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۵۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۹۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ طَاوُسٍ وَعَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ احْتَجَمَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ مُحْرِمٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو از طاؤس اور عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فصد لگوائی اور اس وقت آپ محرم تھے۔

(صحیح مسلم: ۱۲۰۲، سنن ترمذی: ۸۳۹، سنن نسائی: ۲۸۴۵، سنن ابوداؤد: ۱۸۳۵، سنن ابن ماجہ: ۱۶۸۲، مسند احمد: ۲۸۲۳، سنن دارمی: ۱۸۱۹)

صحیح البخاری: ۵۶۹۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان کے دو جز ہیں: سفر میں فصد لگوانا اور حج کے احرام میں فصد لگوانا، اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ نے حالتِ احرام میں فصد لگوائی، تو یہ حدیث عنوان کے دوسرے جز کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، اور وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور عمرو کا ذکر ہے، وہ ابن دینار ہیں۔ اور عطاء کا ذکر ہے، وہ ابن ابی رباح ہیں۔ یہ حدیث کتاب الحج میں گزر چکی ہے، وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۵۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۳۔ بَابُ: الْحِجَامَةِ مِنَ الدَّاءِ — بیماری کی وجہ سے فصد لگوانے کا بیان

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بیماری کی وجہ سے فصد لگوانا جائز ہے۔

۵۶۹۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُاللهِ أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ الطَّوِيلُ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ أَجْرِ الْحَجَّامِ فَقَالَ احْتَجَمَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم حَجَمَهُ أَبُو طَيْبَةَ وَأَعْطَاهُ صَاعَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَكَلَّمَ مَوَالِيَهُ فَخَفَّفُوا عَنْهُ وَقَالَ إِنَّ أَمْثَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ وَالْقُسْطُ الْبَحْرِيُّ وَقَالَ لَا تُعَذِّبُوا صِبْيَانَكُمْ بِالْغَمْزِ مِنَ الْعُذْرَةِ وَعَلَيْكُمْ بِالْقُسْطِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں حُمید الطویل نے خبر دی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے فصد لگانے والے کی اجرت سے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فصد لگوائی، آپ کو حضرت ابوطیبہ رضی اللہ عنہ نے فصد لگائی تھی، اور آپ نے اس کو دو صاع (آٹھ کلو گرام) طعام عطا کیا۔ اور ان کے مالکوں سے سفارش کی تو انہوں نے حضرت ابوطیبہ رضی اللہ عنہ کے خراج میں تخفیف کر دی۔ اور آپ نے فرمایا: تم لوگ جن دواؤں سے علاج کرتے ہو، ان میں بہترین دوا فصد ہے اور قسط بحری ہے (یعنی وہ عودِ ہندی جو سمندر کے راستے لائی گئی ہو) اور آپ نے فرمایا: جب تمہارے بچوں کے تالو میں ورم آ جائے، تو اپنے بچوں کے تالو کو دبا کر انہیں ایذاء نہ پہنچاؤ اور تم القسط کو استعمال کرو، (یعنی عودِ ہندی کو پیس کر ان کے تالو پر لگاؤ)۔

(صحیح مسلم: ۱۵۷۷، سنن ترمذی: ۱۲۷۸، سنن ابوداؤد: ۳۴۲۴، مسند احمد: ۱۲۴۷۲، موطا امام مالک: ۱۸۲۱، سنن دارمی: ۲۶۲۲)

صحیح البخاری: ۵۶۹۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبداللہ کا ذکر ہے، اور وہ عبداللہ بن مبارک ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں حضرت ابوطیبہ کا ذکر ہے، اکثر کے نزدیک ان کا نام نافع ہے اور یہ بنو بیاضہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اس حدیث میں مذکور ہے'' آپ نے ان کو دو صاع طعام عطا کیا''۔ یعنی دو صاع گندم عطا کی۔

اس حدیث میں مذکور ہے'' ان کے مالکوں نے ان سے خراج میں تخفیف کر دی'' یعنی ان کے مالکوں نے ان پر لازم کیا تھا کہ وہ اتنی رقم روز کمائی کر کے لا کر دیں، اس کو خراج کہتے ہیں، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سفارش کی تو انہوں نے اس خراج میں تخفیف کر دی۔

اس حدیث میں مذکور ہے'' بالغمز'' یعنی جب بچوں کے تالو میں ورم آ جاتا تھا تو عورتیں ان کے تالو کو دباتی تھیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے تالو کو دبا کر انہیں ایذاء نہ پہنچاؤ، امام طبری نے سندِ صحیح کے ساتھ ابنِ سیرین سے روایت کی ہے کہ جب مرد کی عمر چالیس سال ہو جائے تو وہ فصد نہ لگوائے۔ بعض شارحین نے لکھا ہے: یہ اس پر محمول ہے کہ ان کو فصد لگوانے کی ضرورت نہ ہو اور ان پر محمول ہے جن کا فصد لگوانا قابلِ شمار نہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۵۸۔ ۳۵۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۹۷۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ تَلِيدٍ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو وَغَيْرُهُ أَنَّ بُكَيْرًا حَدَّثَهُ أَنَّ عَاصِمَ بْنَ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ حَدَّثَهُ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما عَادَ الْمُقَنَّعَ ثُمَّ قَالَ لَا أَبْرَحُ حَتَّى تَحْتَجِمَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ إِنَّ فِيهِ شِفَاءً۔ (صحیح مسلم: ۲۲۰۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن تلید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عمرو وغیرہ نے خبر دی کہ ان کو بکیر نے حدیث بیان کی کہ عاصم بن عمر بن قتادہ نے ان کو حدیث بیان کی کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے المقنع کی عیادت کی، پھر کہا: میں یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا حتیٰ کہ تم فصد لگوالو، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس میں شفاء ہے۔

صحیح البخاری: ۵۶۹۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے سعید بن تلید، یہ سعید بن عیسیٰ بن تلید ہے، ان کو ان کے دادا کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اور یہ مصری ہیں، ابن یونس نے ان کی توثیق کی ہے اور کہا ہے: یہ فقیہ تھے اور حدیث میں بہت ماہر تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں بُکیر کا ذکر ہے، یہ ابن عبداللہ بن الاشج ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے المُقنع کی عیادت کی ہے، یہ ابن سنان تابعی ہیں، یعنی ان کے مرض میں ان کی عیادت کی، پھر کہا: میں تمہارے پاس سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا حتیٰ کہ تم فصد لگوالو اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ فصد میں شفاء ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

فصد کا بیان

ہمارے زمانہ میں بھی اگر جسم کے کسی عضو کا خون فاسد ہو جائے تو ڈاکٹر سرنج کے ذریعہ فاسد خون نکال لیتے ہیں اور اس سے مریض تندرست ہو جاتا ہے یا کسی انسان کا مزاج گرم ہو اور اس میں خون زیادہ ہو تب بھی اس کا خون نکال لیا جاتا ہے اور اس سے وہ انسان معتدل ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اور فقہاء تابعین کے دور میں فصد کے ذریعے خون نکلوانے کا رواج تھا، اور ہر شخص خون نہیں نکالتا تھا بلکہ جو اس فن کا ماہر ہوتا تھا وہ مخصوص رگ میں نشتر چبھو کر خون نکالتا تھا اور اس شخص کو اپنے تجربہ اور مہارت سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کون سی رگ سے خون نکالنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فصد لگوا کر خون نکلوایا ہے، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میں کیا حکمت تھی، ہوسکتا ہے کہ آپ کا مقصود یہ تعلیم دینا ہو کہ اگر کسی شخص کو فصد لگوانے کی ضرورت ہو تو اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں فصد لگوانے کا نمونہ ہو۔ (سعیدی غفرلہ)

۱۴- بَابٌ: اَلْحِجَامَةِ عَلَى الرَّأْسِ — سر پر فصد لگانے کا بیان

اس باب میں سر پر فصد لگانے کا بیان ہے۔

۵۶۹۸- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ عَلْقَمَةَ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجَ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ ابْنَ بُحَيْنَةَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم احْتَجَمَ بِلَحْيِ جَمَلٍ مِنْ طَرِيقِ مَكَّةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ فِي وَسَطِ رَأْسِهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سلیمان نے حدیث بیان کی از علقمہ، انہوں نے عبدالرحمٰن الاعرج سے سنا، انہوں نے عبد اللہ ابن بحینہ سے سنا، وہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے راستے میں لحی جمل کے مقام پر اپنے سر کے وسط میں فصد لگوائی اور اس وقت آپ محرم تھے۔

(صحیح البخاری: ۱۸۳۶، ۵۶۹۸، صحیح مسلم: ۱۲۰۳، سنن نسائی: ۲۸۵۰، سنن ابن ماجہ: ۳۴۸۱، مسند احمد: ۲۲۳۱۶، سنن دارمی: ۱۸۲۰)

صحیح البخاری:۵۶۹۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تعارف

اس حدیث میں اسماعیل کا ذکر ہے، اور وہ ابن ابی اویس ہیں۔ اور سلیمان کا ذکر ہے، وہ ابن بلال ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں لحی جمل کا ذکر ہے، یہ ایک جگہ کا نام ہے، ابن وضاح نے کہا: یہ ایک معروف زمین کا ٹکڑا ہے اور یہی عقبۃ الجحفہ ہے اور یہ السقیاء سے سات میل کے فاصلہ پر ہے، بعض شارحین نے کہا کہ لحی جمل اس آلہ کا نام ہے جس سے فصد لگائی جاتی ہے، یعنی اونٹ کی ہڈی سے فصد لگوائی، علامہ عینی کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ معتمد یہ پہلا قول ہے۔

یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے، البکری نے لکھا ہے: یہ جمل کا کنواں ہے۔

اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ محرم کے لیے بھی رگ سے خون نکلوانا جائز ہے اور پھنسی کو دبا کر اس سے خون نکالنا بھی جائز ہے جب کہ اس سے کسی ممنوع کام کا ارتکاب نہ کرنا پڑے اور اس کا کوئی فدیہ نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۶۰)

۵۶۹۹۔ وَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ احْتَجَمَ فِي رَأْسِهِ

اور انصاری نے کہا: ہمیں ہشام بن حسان نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عکرمہ نے حدیث بیان کی از ابن عباس رضی اللہ عنہما، کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے سر میں فصد لگوائی۔

(صحیح البخاری: ۵۶۹۸، ۱۸۳۵، صحیح مسلم: ۱۲۰۳، سنن نسائی: ۲۸۵۰، سنن ابن ماجہ: ۳۴۸۱، مسند احمد: ۲۲۴۱۶، سنن داری: ۱۸۲۰)

صحیح البخاری:۵۶۹۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے "اور انصاری نے کہا" یہ محمد بن عبداللہ بن المثنیٰ بن عبداللہ بن انس بن مالک ہیں۔

اس تعلیق کی امام بیہقی نے سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے از ابی حاتم الرازی۔ انہوں نے کہا: ہمیں انصاری نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ محرم تھے اور آپ نے سر درد کی وجہ سے یا کسی بیماری کی وجہ سے فصد لگوائی اور جس جگہ فصد لگوائی اس کو لحی جمل کہا جاتا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۶۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۵۔ بَابُ: الْحِجَامَةِ مِنَ الشَّقِيقَةِ وَالصُّدَاعِ

آدھے سر کا درد اور درد سر کی وجہ سے فصد لگوانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس نے درد شقیقہ میں فصد لگوائی، درد شقیقہ اسے کہتے ہیں کہ سر کی دو جانبوں میں سے کسی ایک جانب درد ہو، اور صداع کا معنی ہے: سر کے اعضاء میں درد کا ہونا، اور یہ عام کا عطف خاص پر ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۶۰، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

٥٧٠٠۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ هِشَامٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ احْتَجَمَ النَّبِيُّ ﷺ فِي رَأْسِهِ وَهُوَ مُحْرِمٌ مِنْ وَجَعٍ كَانَ بِهِ بِمَاءٍ يُقَالُ لَهُ لُحْيُ جَمَلٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی عدی نے حدیث بیان کی از ہشام از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے درد کی وجہ سے اپنے سر میں فصد لگوائی اور اس وقت آپ محرم تھے، اس وقت آپ پانی کے گھاٹ کے پاس تھے جس کو لحی جمل کہا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۸۳۵، ۵۶۹۸، صحیح مسلم: ۱۲۰۳، سنن نسائی: ۲۸۵۰، سنن ابن ماجہ: ۳۴۸۱، مسند احمد: ۲۲۴۹۱، سنن دارمی: ۱۸۲۰)

٥٧٠١۔ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ سَوَاءٍ أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ فِي رَأْسِهِ مِنْ شَقِيقَةٍ كَانَتْ بِهِ

اور محمد بن سواء نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ رسول اللہ ﷺ نے آدھے سر کے درد کی وجہ سے جو آپ کو تھا، اپنے سر میں فصد لگوائی اور اس وقت آپ محرم تھے۔

(صحیح البخاری: ۱۸۳۵، ۵۶۹۸، صحیح مسلم: ۱۲۰۳، سنن نسائی: ۲۸۵۰، سنن ابن ماجہ: ۳۴۸۱، مسند احمد: ۲۲۴۹۱، سنن دارمی: ۱۸۲۰)

صحیح البخاری: ۵۷۰۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان کے دو جز ہیں، پہلا جز ہے درد شقیقہ یعنی آدھے سر کا درد اور دوسرا جز ہے سر درد۔ اور یہ حدیث باب کے عنوان کے پہلے جز کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تعارف

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن بشار، بشار میں باء پر زبر ہے اور شین مشدد ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن عدی، یہ محمد ہیں اور ابی عدی کا نام ابراہیم البصری ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ہشام کا ذکر ہے، وہ ابن حسان ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "من وجع کان بہ" اس کی تفسیر کی ہے کہ آپ کو درد شقیقہ تھا۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے "بماء" یعنی اس پانی کی منزل میں جس کو لحی جمل کہا جاتا تھا۔

اس حدیث کی تعلیق میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ محرم تھے اور آپ نے درد شقیقہ کی وجہ سے فصد لگوائی۔

اس تعلیق کی اسماعیل نے سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے، انہوں نے کہا: ہمیں ابویعلیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن عبداللہ الازدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن سواء نے حدیث بیان کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مختلف جگہوں میں فصد لگواتے تھے، کیونکہ فصد لگوانے کی ضرورت مختلف اسباب کی وجہ سے پیش آتی تھی، روایت ہے کہ آپ نے خیبر میں جوز ہریلا کھانا کھایا تھا، اس کی وجہ سے آپ کے سر میں درد ہو گیا تھا تو آپ نے سر میں فصد لگوائی۔

اس حدیث میں دردِ شقیقہ کا ذکر ہے: اہلِ طب نے کہا ہے: یہ پرانے امراض میں سے ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ بخارات اوپر چڑھتے ہیں یا اخلاط گرم یا سرد دماغ کی طرف چڑھتے ہیں، پس اگر ان بخارات یا اخلاط کو نکلنے کا راستہ نہ ملے تو اس سے سر میں درد ہو جاتا ہے، اگر وہ سر کے کسی ایک جانب میلان کریں تو پھر دردِ شقیقہ ہو جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۶۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۰۲- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبَانَ حَدَّثَنَا ابْنُ الْغَسِيلِ قَالَ حَدَّثَنِي عَاصِمُ بْنُ عُمَرَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ إِنْ كَانَ فِي شَيْءٍ مِنْ أَدْوِيَتِكُمْ خَيْرٌ فَفِي شَرْبَةِ عَسَلٍ أَوْ شَرْطَةِ مِحْجَمٍ أَوْ لَذْعَةٍ مِنْ نَارٍ وَمَا أُحِبُّ أَنْ أَكْتَوِيَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن ابان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن الغسیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عاصم بن عمرو نے حدیث بیان کی از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، انہوں نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر تمہاری دواؤں میں سے کسی چیز میں خیر ہو تو وہ شہد کے پینے میں ہے یا فصد لگوانے میں ہے یا آگ سے داغنے میں ہے، اور میں داغنے کو پسند نہیں کرتا۔

(صحیح البخاری: ۵۶۹۷، ۵۷۰۲، ۵۷۰۴، صحیح مسلم: ۲۲۰۵، مسند احمد: ۱۴۲۹۱)

صحیح البخاری: ۵۷۰۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے" آدھے سر کے درد میں فصد لگوانا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ جس دوا میں خیر ہے وہ فصد لگوانا ہے اور یہ لفظ آدھے سر کے درد کی وجہ سے فصد لگوانے کو بھی شامل ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل بن ابان، یہ الوراء کوفی ہیں۔ اور اس میں مذکور ہے ابن الغسیل، یہ عبدالرحمٰن بن سلیمان ہیں۔ یہ حدیث عنقریب "باب الدواء بالعسل" میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۶۱-۳۶۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۶۔باب: اَلْحَلْقِ مِنَ الْأَذٰی — تکلیف کی وجہ سے (محرم کے) سر منڈانے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر سر میں تکلیف ہو تو سر کے بالوں کا منڈانا جائز ہے۔

۵۷۰۳۔حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ قَالَ سَمِعْتُ مُجَاهِدًا عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ كَعْبٍ هُوَ ابْنُ عُجْرَةَ قَالَ أَتَى عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ وَأَنَا أُوقِدُ تَحْتَ بُرْمَةٍ وَالْقَمْلُ يَتَنَاثَرُ عَنْ رَأْسِي فَقَالَ أَيُؤْذِيكَ هَوَامُّكَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاحْلِقْ وَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةً أَوِ انْسُكْ نَسِيكَةً قَالَ أَيُّوبُ لَا أَدْرِي بِأَيَّتِهِنَّ بَدَأَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از ایوب، انہوں نے کہا: میں نے مجاہد سے سنا از ابن ابی لیلیٰ از کعب اور وہ ابن عجرہ ہیں، انہوں نے بیان کیا: حدیبیہ کے زمانہ میں نبی ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور میں دیگچی کے نیچے آگ جلا رہا تھا اور جوئیں میرے سر سے گر رہی تھیں، تو آپ نے فرمایا: کیا تمہاری جوئیں تمہیں تکلیف پہنچا رہی ہیں، آپ نے فرمایا: پس تم سر منڈالو اور تین دن کے روزے رکھو یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ یا ایک قربانی کردو۔ راوی ایوب نے کہا: میں نہیں جانتا کہ آپ نے کس چیز کے ساتھ ابتدا کی تھی۔

(صحیح البخاری: ۱۸۱۴، ۱۸۱۵، ۱۸۱۶، ۱۸۱۷، ۱۸۱۸، ۴۱۵۹، ۴۱۹۰، ۴۱۹۱، ۴۵۱۷، ۵۶۶۵، ۵۷۰۳، ۶۸۰۸، صحیح مسلم: ۱۲۰۱، سنن ترمذی: ۲۹۷۴، سنن نسائی: ۲۸۵۱، سنن ابوداؤد: ۱۸۵۶، سنن ابن ماجہ: ۳۰۷۹، مسند احمد: ۱۶۶۶۵، موطا امام مالک: ۹۵۵)

صحیح البخاری: ۵۷۰۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان ہے: "تکلیف کی وجہ سے سر کے بالوں کو منڈانا" اور اس حدیث میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "تو تم اپنے سر کے بالوں کو منڈالو"۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

اور اس حدیث کو باب طب میں داخل کرنے کی توجیہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس سے مومن کو ایذاء پہنچے، خواہ وہ ایذاء کم ہو تو اس کے لیے اس ایذاء کے سبب کو زائل کرنا جائز ہے اگرچہ وہ محرم ہو۔ اور اس میں طب کا معنی بھی ہے، کیونکہ طب میں مرض کے زائل کرنے کو بیان کیا جاتا ہے اور جوؤں کی وجہ سے جو سر میں تکلیف ہو رہی ہے، اس کے زائل کرنے کی یہی صورت ہے کہ سر کے بالوں کو منڈا دیا جائے اور ہر تکلیف کو زائل کرنا مباح ہے، لہٰذا جوؤں کو زائل کرنا بھی مباح ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حماد کا ذکر ہے اور وہ ابن زید ہے۔ اور ایوب کا ذکر ہے، وہ السختیانی ہیں۔ اور ابن ابی لیلیٰ کا ذکر ہے، وہ عبدالرحمٰن ہیں۔ یہ حدیث کتاب الحج میں "باب النسك شاة" میں گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۷۔ بَابُ: مَنْ اكْتَوَى أَوْ كَوَى غَيْرَهُ وَفَضْلِ مَنْ لَمْ يَكْتَوِ

جس نے خود داغ لگوایا یا کسی کو داغ لگایا اور جس نے داغ نہیں لگوایا اس کی فضیلت کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ جس نے خود داغ لگوایا یا کسی کو داغ لگایا، اور علامہ کرمانی نے کہا ہے: ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے لفظ کا معنی ہے: اس نے اپنے لیے داغ لگوایا، اور دوسرا لفظ عام ہے یعنی اپنے لیے داغ لگوایا یا کسی دوسرے کو داغ لگوایا، جیسے کوئی شخص اپنے لیے گوشت بھونے یا کسی دوسرے کے لیے گوشت بھونے، اور اس عنوان کے تین جز ہیں۔ پہلے دو اجزاء سے اشارہ کیا ہے کہ ضرورت کے وقت داغ لگوانا مباح ہے اور تیسرے جز سے یہ اشارہ کیا ہے کہ داغ لگوانے کو ترک کرنا افضل ہے۔ (داغ لگوانے سے مراد یہ ہے کہ کسی مرض کو زائل کرنے کے لیے لوہا گرم کر کے جسم کے کسی حصہ پر داغ لگایا جائے)۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۶۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۰۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سُلَيْمَانَ بْنِ الْغَسِيلِ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرًا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنْ كَانَ فِي شَيْءٍ مِنْ أَدْوِيَتِكُمْ شِفَاءٌ فَفِي شَرْطَةِ مِحْجَمٍ أَوْ لَذْعَةٍ بِنَارٍ وَمَا أُحِبُّ أَنْ أَكْتَوِيَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید ہشام بن عبدالملک نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الرحمٰن بن سلیمان بن الغسیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عاصم بن عمر بن قتادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: اگر تمہاری دواؤں میں سے کسی دوا میں شفاء ہو تو وہ فصد لگانے میں ہے یا آگ سے داغ لگانے میں ہے اور میں داغ لگوانے کو پسند نہیں کرتا۔

(صحیح البخاری: ۵۶۹۷، ۵۷۰۲، ۵۷۰۴، صحیح مسلم: ۲۲۰۵، مسند احمد: ۱۴۲۹۱)

صحیح البخاری: ۵۷۰۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان کے تیسرے جزء میں مذکور ہے: ''جس نے داغ نہیں لگوایا اس کی فضیلت'' اور اس حدیث میں مذکور ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں داغ لگوانے کو پسند نہیں کرتا، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے تیسرے جز کے مطابق ہے۔

یہ حدیث عنقریب گزر چکی ہے ''باب الدواء بالعسل'' میں، لیکن اس باب میں دو چیزوں کا ذکر کیا ہے اور تیسری چیز کو ترک کر دیا ہے اور وہ شہد ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۶۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۰۵۔ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ عَنْ عَامِرٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہما قَالَ لَا رُقْيَةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ فَذَكَرْتُهُ لِسَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ فَقَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأُمَمُ فَجَعَلَ النَّبِيُّ وَالنَّبِيَّانِ يَمُرُّونَ مَعَهُمُ الرَّهْطُ وَالنَّبِيُّ لَيْسَ مَعَهُ أَحَدٌ حَتَّى رُفِعَ لِي سَوَادٌ عَظِيمٌ قُلْتُ مَا هٰذَا أُمَّتِي هٰذِهِ قِيلَ بَلْ هٰذَا مُوسَى وَقَوْمُهُ قِيلَ انْظُرْ إِلَى الْأُفُقِ فَإِذَا سَوَادٌ يَمْلَأُ الْأُفُقَ ثُمَّ قِيلَ لِي انْظُرْ هَا هُنَا وَهَا هُنَا فِي آفَاقِ السَّمَاءِ فَإِذَا سَوَادٌ قَدْ مَلَأَ الْأُفُقَ قِيلَ هٰذِهِ أُمَّتُكَ وَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ هٰؤُلَاءِ سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ ثُمَّ دَخَلَ وَلَمْ يُبَيِّنْ لَهُمْ فَأَفَاضَ الْقَوْمُ وَقَالُوا نَحْنُ الَّذِينَ آمَنَّا بِاللهِ وَاتَّبَعْنَا رَسُولَهُ فَنَحْنُ هُمْ أَوْ أَوْلَادُنَا الَّذِينَ وُلِدُوا فِي الْإِسْلَامِ فَإِنَّا وُلِدْنَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَبَلَغَ النَّبِيَّ ﷺ فَخَرَجَ فَقَالَ هُمُ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ وَلَا يَتَطَيَّرُونَ وَلَا يَكْتَوُونَ وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ فَقَالَ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ أَمِنْهُمْ أَنَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ نَعَمْ فَقَامَ آخَرُ فَقَالَ أَمِنْهُمْ أَنَا قَالَ سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ۔

(صحیح مسلم: ۲۲۰، سنن ترمذی: ۲۴۴۶، مسند احمد: ۲۴۴۴)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمران بن میسرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن فضیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حصین نے حدیث بیان کی از عامر از حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما، انہوں نے کہا: نظر بد اور زہریلے جانور کے کاٹنے کے علاوہ اور کسی مرض میں دم کرانا جائز نہیں ہے۔ پھر حضرت عمران نے کہا: میں نے اس کا سعید بن جبیر سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر تمام امتیں پیش کی گئیں، ایک ایک اور دو دو نبی گزرتے رہے اور ان کے ساتھ لوگوں کی ایک جماعت ہوتی تھی اور ایک نبی ایسا بھی ہوتا تھا جس کے ساتھ کوئی بھی نہیں ہوتا تھا حتیٰ کہ پھر میرے سامنے ایک بہت بڑی جماعت پیش کی گئی، میں نے پوچھا: یہ کون ہیں، کیا یہ میری امت ہے؟ بتایا گیا: بلکہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہیں۔ کہا گیا: آپ آسمان کے کناروں کی طرف دیکھیں، پس وہاں بہت بڑی جماعت تھی جس نے آسمان کے کناروں کو بھر لیا تھا، پھر مجھ سے کہا گیا: آپ ادھر اور ادھر دیکھیے یعنی آسمان کے اور کناروں میں تو پس وہاں بہت عظیم جماعت تھی جس نے آسمان کے تمام کناروں کو بھر لیا تھا، بتایا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے اور ان لوگوں میں سے ستر ہزار لوگ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ میں داخل ہو گئے اور ان لوگوں کے متعلق کچھ نہیں بیان کیا، پھر صحابہ آپس میں باتیں کرنے لگے اور انہوں نے کہا: ہم ہی وہ لوگ ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے اور ہم نے اللہ کے رسول کی پیروی کی، پس ہم ہی وہ لوگ ہیں (جو جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے) یا پھر ہماری اولاد ہوگی جو اسلام پر پیدا ہوئی، کیونکہ ہم تو زمانہ جاہلیت میں پیدا ہوئے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ باتیں پہنچیں تو آپ حجرہ سے باہر تشریف لائے اور آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو نہ دم کراتے ہوں گے اور نہ

بدفالی نکالتے ہوں گے اور نہ داغ لگواتے ہوں گے اور وہ صرف اپنے رب پر توکل کرتے ہوں گے۔ تو حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! کیا میں ان میں سے ہوں گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! پھر دوسرا کھڑا ہوا، اس نے کہا: کیا میں ان میں سے ہوں گا؟ آپ نے فرمایا: تم پر عکاشہ نے سبقت کر لی ہے۔

صحیح البخاری: ۵۷۰۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے تیسرے جز کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمران بن میسرہ، میسرہ کا لفظ میمنہ کی ضد ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن فضیل، یہ محمد بن فضیل ہیں، لفظِ فُضیل الفضل کی تصغیر ہے۔ اور اس حدیث میں حصین کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالرحمن الواسطی ہیں۔ اور عامر کا ذکر ہے، یہ ابن شراحیل الشعبی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

التلویح میں مذکور ہے کہ اس حدیث میں دو علتیں ہیں:

(پہلی علت): اس حدیث میں عامر الشعبی اور عمران کے درمیان انقطاع ہے، امام بخاری نے اپنی کتاب کے بعض نسخوں میں لکھا ہے: ہم کو اس حدیث سے یہ استفادہ ہوا کہ عمران کی روایت مرسل ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث مسند ہے۔

(دوسری علت): یہ حدیث مرسل ہونے کے ساتھ ساتھ موقوف بھی ہے، اور علماء کی ایک جماعت کے نزدیک حدیث کا موقوف ہونا بھی علت ہے۔ اگرچہ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو اس سند سے روایت کیا ہے از مسدد، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن داؤد نے حدیث بیان کی از مالک بن مغول از حصین از الشعبی از حضرت عمران رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نظر بد اور زہریلے جانور کے کاٹنے کے سوا دم نہ کرایا جائے۔ پس گویا کہ امام ابوداؤد اس علت سے غافل ہو گئے جو اس حدیث میں ہے اور امام ترمذی نے بھی انہی کی اتباع کی ہے۔ اور رہے امام مسلم، تو انہوں نے اس حدیث کی از ہشیم از حصین روایت کی ہے اور اس کو موقوف قرار دیا ہے اور ان کے نزدیک یہ حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظرِ بد میں اور زہریلے جانور کے کاٹنے میں اور پھوڑے میں دم کرانے کی اجازت دی ہے۔

صاحب التلویح کی عبارت ختم ہوئی۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "نظرِ بد یا زہریلے جانور کے کاٹنے کے سوا کسی مرض میں دم نہ کرایا جائے" یعنی بخار میں یا مرگی وغیرہ دوسری آفات میں دم کرایا جائے کہ اے اللہ! میں بخار سے پناہ طلب کرتا ہوں اور مرگی سے پناہ طلب کرتا ہوں اور کسی بیماری

کا نام لے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "الا من عین" یعنی نظرِ بد کے سوا، اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کو دیکھ کر بہت خوش ہو اور اس پر تعجب کرے تو اس چیز میں نقصان ہو جائے اور کہا جائے کہ اس شخص کی اس چیز پر نظر لگ گئی ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "او حُمَة"، اس لفظ میں حاء پر پیش ہے اور میم پر زبر ہے اور اس کا معنی ہے: زہر، الجوہری نے کہا: اس سے مراد ہے بچھو کا زہر جو اس کے ڈنگ میں ہوتا ہے۔

ابن سیدہ نے کہا ہے: حُمَۃٌ کی اصل ہے حمو یا حمی۔ گویا کہ یہ لفظ "حمیة النار تحمی" سے ماخوذ ہے، یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب آنکھ کی تپش بہت شدید ہو جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پس میں نے اس کا سعید بن جبیر سے ذکر کیا"۔ اس قول کے قائل حصین بن عبدالرحمٰن ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اور ان کے ساتھ ایک رھط تھی" رھط مردوں کی اس جماعت کو کہتے ہیں جس میں دس سے کم مرد ہوں اور ایک قول یہ ہے کہ جس میں چالیس تک مرد ہوں اور ان میں کوئی عورت نہ ہو، اسکو رھط کہتے ہیں۔ اور رھط کا واحد اس لفظ سے نہیں آتا، اور اس کی جمع ارھط اور ارھاط اور اراھط ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اور ایسا بھی نبی ہوگا کہ اس کے ساتھ کوئی نہیں ہوگا": اس پر یہ سوال ہے کہ نبی تو اس کو کہتے ہیں جو اللہ کی طرف سے مخلوق کو خبر دے، پس وہ لوگ کہاں ہیں جن کو نبی نے خبر دی تھی؟ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ نبی نے خبر دی اور ان کی خبر پر کوئی بھی ایمان نہیں لایا، اور نبی کے ساتھ تو صرف ان پر ایمان لانے والا ہوتا ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "یہ وہ لوگ ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے": اس پر یہ سوال ہے یہ لوگ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے خواہ یہ معصیت کرنے والے ہوں اور ظلم کرنے والے ہوں؟ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ جن لوگوں میں یہ چار صفات ہوں گی (جو نہ دم کراتے ہوں گے، نہ بدفالی نکالتے ہوں گے، نہ داغ لگواتے ہوں گے اور وہ صرف اپنے رب پر توکل کرتے ہوں گے) تو یہ لوگ وہی ہوں گے جو متقی ہوں گے اور گناہوں سے پاک ہوں گے، یا ان صفات کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف فرما دے گا اور ان کی مغفرت فرما دے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فافاض القوم" افاض القوم فی الحدیث کہا جاتا ہے جب لوگ کسی حدیث میں بحث کرنے لگیں اور غور و فکر کرنے لگیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وہ لوگ دم نہیں کراتے ہوں گے": علامہ ابوالحسن القابسی نے کہا ہے: اس حدیث میں اس دم کی نفی ہے جو لوگ زمانہ جاہلیت میں دم کراتے تھے (جس دم میں شرکیہ الفاظ ہوتے تھے)، لیکن جس دم میں کتاب اللہ کے الفاظ ہوں تو ایسا دم جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا دم کیا ہے اور ایسا دم کرانے کا حکم دیا ہے اور یہ دم توکل کے منافی نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ولا یتطیرون" یعنی وہ پرندوں سے بدفالی نہ نکالتے ہوں گے، جیسا کہ ظہورِ اسلام سے پہلے لوگوں کی عادت تھی کہ وہ پرندوں کے اڑنے سے بدفالی نکالتے تھے، اور بدفالی کو "الطیرة" کہا جاتا ہے اور نیک فال کو فال کہا جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نیک فال کو پسند کرتے تھے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "ولا یکتوون" یعنی ان کا یہ اعتقاد نہیں ہوگا کہ داغ لگانے سے شفاء حاصل ہوئی ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا اعتقاد تھا کہ داغ لگانا حصولِ شفاء میں مؤثر ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "وعلی ربھم یتوکلون" توکل کا معنی ہے: اسباب کو حاصل کرنے کے بعد مُسبب کو اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کر دیا جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "کیا میں ان میں سے ہوں گا؟": اس حدیث میں ہمزہ استفہام کے لیے ہے، یعنی قائل یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کیا میں ان میں سے ہوں گا۔ یہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پھر دوسرا کھڑا ہوا": خطیب نے کہا ہے کہ یہ دوسرا شخص حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ دوسرا شخص منافق تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا پردہ رکھا اور عمدہ طریقے سے جواب دیا کہ تم پر عکاشہ نے سبقت کر لی ہے، یعنی ان چار اوصاف کی فضیلت میں عکاشہ نے تم پر سبقت کر لی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عکاشہ کے متعلق وحی سے معلوم ہو گیا تھا اور دوسرے شخص کے متعلق وحی سے معلوم نہیں ہوا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۶۳۔ ۳۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۷۰۵ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نظرِ بد لگنے اور دم کرانے کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا یا آپ نے حکم فرمایا کہ نظر لگنے کے بعد دم کو طلب کیا جائے۔ (صحیح البخاری: ۵۷۳۸، باب: رقیۃ العین)

اور امام بخاری نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے اہل بیت کے لیے ہر زہریلے جانور کے ڈسنے سے دم کرانے کی رخصت دی۔ (صحیح البخاری: ۵۷۴۱، باب: رقیۃ الحیۃ والعقرب)

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے آپ کو یا اپنے مال کو یا اپنے بھائی کو دیکھے اور وہ اس کو اچھا لگے تو اس کو چاہیے برکت کی دعا کرے، کیونکہ نظر کا لگنا برحق ہے۔
(السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۲۵۶)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! جعفر کے بچوں کو نظر بہت جلد لگ جاتی ہے تو کیا ہم ان کے لیے دم کرا لیا کریں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! کیونکہ اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت کر سکتی ہے تو نظر کا لگنا تقدیر پر سبقت کرے گا۔ (سنن ترمذی: ۲۰۵۹)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نظر لگنے کے سوا دم نہ کراؤ۔ (الموطا ص ۵۸۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک یہودیہ سے کہا: تم مجھ پر دم کرو، میں تم پر اللہ کی کتاب سے دم کروں گا۔ (الموطا ص ۵۸۴)

حضرت شفاء بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی، تو آپ نے فرمایا: تم ان کو (یعنی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو) پھوڑے کا دم کیوں نہیں سکھا تیں جس طرح تم نے ان کو لکھنا سکھایا ہے۔
(سنن ابوداؤد: ۳۸۸۷)

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا جائز ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سانپ کے ڈسنے میں بنو عمرو بن حزم کو دم سکھایا، اور ایک حدیث کے الفاظ ہیں: تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہو، تو وہ اس کو نفع پہنچائے۔
(صحیح مسلم: ۲۱۹۹، ۲۲۰۰، کتاب السلام، باب: استحباب الرقیۃ)

نظرِ بد کی تعریف میں فقہاءِ اسلام کے اقوال

علامہ ابن ملقن کہتے ہیں: جو شخص کسی چیز کو اچھا سمجھتے ہوئے دیکھے، اور اس کے دیکھنے میں حسد کی ملاوٹ ہو اور دیکھنے والا خبیث الطبع ہو جیسے زہریلے جانور ہوتے ہیں تو اس کے دیکھنے سے نظر لگ جاتی ہے۔ اور اگر یہ قید نہ ہو تو ہر عاشق جب اپنے معشوق کو دیکھے تو اس کو نظر لگ جائے، کیونکہ وہ بھی اس کو اچھا سمجھتے ہوئے دیکھتا ہے، مگر ہر عاشق کے دیکھنے میں حسد کی ملاوٹ نہیں ہوتی اور وہ خبیث الطبع بھی نہیں ہوتا۔

قاضی عیاض نے کہا ہے: بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ جب کسی شخص کے متعلق مشہور ہو کہ اس کی نظر لگ جاتی ہے تو اس سے اجتناب اور احتراز کرنا چاہیے اور امام اور سربراہ کو چاہیے کہ اس شخص کو لوگوں کے پاس جانے سے روکے اور اس کو یہ کہے کہ وہ اپنے گھر میں رہے اور اگر وہ تنگدست ہو تو اس کے کھانے پینے کی چیزیں اور اس کی ضروریات کی چیزیں اس کو مہیا کرے، کیونکہ اس کا ضرر کچا لہسن اور کچی پیاز کھا کر مسجد میں آنے سے زیادہ ہے، جس کو کھا کر مسجد آنے والے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں داخل ہونے سے منع فرمادیا تھا تاکہ وہ لوگوں کو ایذاء نہ دے، اور اس کا ضرر جذام والی عورت سے بھی زیادہ ہے جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے ساتھ طواف کرنے سے روک دیا تھا۔

حافظ ابو عمر ابن عبد البر نے کہا ہے: کبھی نیک آدمی کی بھی نظر لگ جاتی ہے اور نظر لگنے کا تعلق نہ نیکی کے ساتھ ہے اور نہ فسق کے ساتھ ہے۔ (التمہید ج ۱۳ ص ۶۹)

علامہ قرطبی مالکی نے کہا ہے: اگر کسی شخص کی نظر لگنے سے نقصان ہوتا ہو اور یہ بات معلوم ہوگئی ہو کہ جب بھی وہ کسی چیز کے متعلق اس کو عظیم قرار دیتے ہوئے کلام کرتا ہے یا اس کو اچھا سمجھتے ہوئے کلام کرتا ہے تو اس چیز پر اس کی نظر لگ جاتی ہے اور اگر بار بار ایسا ہوتا ہے اور یہ اس کی عادت ہو جاتی ہے تو جو چیز اس کی نظر لگنے سے ضائع ہو جائے گی اسے اس کا تاوان دینا ہوگا اور اگر وہ عمداً اپنی نظر لگا کر کسی کو قتل کر دے تو اس کو قتل کیا جائے گا، جیسے جادوگر اپنی نظر لگنے سے کسی کو قتل کر دے تو اس کو قتل کیا جاتا ہے۔
(المفہم ج ۵ ص ۵۶۸)

علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ نظر لگانے والا جب کسی چیز پر نظر لگاتا ہے تو اس کی قوت سے اس چیز میں تاثیر ہوتی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نظر لگانے والے کی آنکھ میں زہر ہوتا ہے تو جب وہ اپنی آنکھ کھول کر کسی چیز کی طرف دیکھتا ہے تو وہ زہر اس چیز پر

اثر انداز ہوتا ہے۔ (عارضۃ الاحوذی ج ۸ ص ۲۱۵۔۲۱۶)

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ نظر سے کوئی چیز فاسد بھی ہوتی ہے اور کوئی چیز ضائع بھی ہو جاتی ہے جب نظر لگانے والا اس چیز کو دیکھتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ عادت جاری کر دی ہے کہ جب ایسا شخص کسی چیز کو دیکھے تو اس چیز میں اللہ تعالیٰ ضرر پیدا کر دیتا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۳۹۸۔۴۰۵ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۷۰۵، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نظر بد کی تعریف اور اس کے ازالہ کا طریقہ

نظر بد حسد کرنے والا لگاتا ہے اور یہ معروف ہے اور حسد کرنے والا وہ شخص ہے جس کے دل میں برائی کی محبت بھری ہوئی ہوتی ہے، اور جب وہ کسی شخص کو خوش دیکھتا ہے تو وہ مغموم ہوتا ہے اور جب کسی شخص کو بد حالی میں مبتلا دیکھتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا نفس خبیث ہوتا ہے، ان کے منہ سے خبیث ہوا نکلتی ہے حتیٰ کہ جس چیز پر وہ نظر لگاتے ہیں اس چیز پر وہ خبیث ہوا پہنچ جاتی ہے اور اس کو ہلاک یا ضائع کر دیتی ہے۔

اس مصیبت کو زائل کرنے کا طریقہ: اس مصیبت کو زائل کرنے کا طریقہ یا تو قرآن مجید کی آیتیں پڑھنا ہے، یعنی قرآن مجید کی آیات پڑھ کر دم کیا جائے۔ اور یا یہ طریقہ ہے کہ جس نے نظر لگائی ہے اس کو وضو کرایا جائے، پھر اس کے وضو سے جو قطرات گریں ان قطرات کو اس کے سر پر ڈالا جائے جس کو اس نے نظر لگائی ہے یا وہ قطرات اس کی کمر پر ڈالے جائیں، یا وہ قطرات اس کو پلائے جائیں تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے شفاء ہو جائے گی۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بعد سب سے بڑی امت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہوگی۔

(۲) اس حدیث میں مذکور ہے ''لایسترقون'' یعنی وہ لوگ کسی سے دم نہیں کرائیں گے، صحیح مسلم کے بعض الفاظ میں مذکور ہے: ''ولا یرقون'' یعنی وہ دم نہیں کریں گے، لیکن یہ راوی کا وہم ہے کیونکہ انسان کا کسی دوسرے انسان کو دم کرنا ممنوع نہیں ہے بلکہ یہ امور مسنونہ مستحبہ میں سے ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دم کرتے تھے۔

(۳) اس حدیث میں مذکور ہے ''ولایتطیرون'' یعنی وہ بدفالی نہیں نکالیں گے، بدفالی کبھی زمانہ سے متعلق ہوتی ہے اور کبھی جگہ سے متعلق ہوتی ہے۔ زمانہ سے بدفالی کے متعلق ہونے کی مثال یہ ہے جیسا کہ عرب کہتے تھے کہ شوال کے مہینہ میں عقد نکاح بدفالی ہے، اور بدھ کے دن کسی کام کے کرنے میں بھی بدفالی نکالتے تھے اور ان میں سے کسی بات کی کوئی اصل نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شوال کے مہینہ میں نکاح کیا اور ان کا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام ازواج سے زیادہ تھا۔ اور جگہ کے ساتھ بدفالی کا تعلق یہ ہے کہ جیسے کوئی کہے فلاں جگہ جانے سے نقصان ہوگا، اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدفالی نکالنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ بدفالی اوہام اور تخیلات کے دروازے کو کھولتی ہے اور اللہ تعالیٰ پر توکل سے دور کرتی ہے اور نیک فال نکالنا جائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نیک فال نکالتے تھے، کیونکہ اس سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔

(۴) اس حدیث میں مذکور ہے "ولا یکتوون" یعنی وہ کسی سے داغ لگوانے کو طلب نہیں کریں گے، کیونکہ ان کا اپنے رب پر توکل ہے، پس وہ اللہ عزوجل پر اعتماد رکھتے ہیں، لیکن اگر کوئی شخص ان کے اوپر کوئی آیت پڑھ کر دم کرے تو اس سے ممانعت نہیں ہے۔ اس حدیث میں از خود داغ لگوانے سے منع کیا ہے، لیکن اگر کوئی داغ لگا کر اس کا علاج کرے تو یہ ممنوع نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا داغ لگا کر علاج کیا اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے آپ کو ایسا کرنے دیا، اور ہم یہ نہیں کہتے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس صفت سے نکل گئے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔

(۵) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے اور ہم اس کی شہادت دیتے ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے کہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ ان میں سے ہوں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر صادق ہے۔

(۶) اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک اور شخص نے پوچھا: کیا میں بھی ان ستر ہزار میں سے ہوں گا جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے؟ تو آپ نے فرمایا: تم پر عکاشہ نے سبقت کر لی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس لیے فرمایا کہ پھر اور لوگ نہ سوال کرنے لگیں کہ کیا ہم بھی ان میں سے ہیں یا نہیں ہیں۔

(۷) حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ جنت میں بغیر حساب کے اور عذاب کے داخل ہوں گے، تو کیا ہم حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے متعلق بھی اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ وہ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے، جب کہ یہ معلوم ہے کہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ ان چار صحابہ سے افضل نہیں تھے؟

اس کا جواب یہ ہے: اگرچہ یہ چار صحابہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ افضل ہیں، لیکن چونکہ ان کے متعلق کسی حدیث میں یہ بشارت نہیں ہے کہ وہ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے اس لیے ہم از خود اپنی طرف سے یہ کہیں تو یہ مناسب نہیں ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۹۳۔۳۹۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۱۸۔ بَابُ: الْإِثْمِدِ وَالْكُحْلِ مِنَ الرَّمَدِ

آشوبِ چشم (آنکھوں کی تکلیف) کے سبب سے اِثمِد اور سرمہ لگانا

فِيهِ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ۔

اس باب میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب اِثمِد کے بیان میں ہے، اِثمِد میں ہمزہ کے نیچے زیر ہے اور ثاء ساکن ہے اور میم کے نیچے زیر ہے اور اس کے بعد دال ہے، اِثمِد ایک پتھر ہے جس سے سرمہ بنایا جاتا ہے۔ اور امام بخاری نے کحل یعنی سرمہ کا عطف اِثمِد پر کیا ہے، یہ عام کا عطف خاص پر ہے اور اِثمِد ایک معروف پتھر ہے جس سے سرمہ بنایا جاتا ہے، اور کحل کا لفظ عام ہے، وہ اِثمِد ہو یا کوئی اور ہو۔

امام بخاری نے لکھا ہے: من الرمد، یعنی آشوبِ چشم کی تکلیف کے سبب سے اور مِن کا لفظ تعلیلیہ ہے، اور رَمد کا معنی ہے: ایک گرم ورم جو آنکھ کی سفیدی کو عارض ہوتا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ معدہ کی طرف سے دماغ کی طرف بخارات چڑھتے ہیں، اگر وہ بخارات نتھنوں میں چلے جائیں تو زکام ہوجاتا ہے اور آنکھ کی طرف چلے جائیں تو آشوبِ چشم ہوجاتا ہے اور سینے کی طرف چلے جائیں تو نزلہ ہوجاتا ہے۔ اور اگر ان بخارات کو نکلنے کی جگہ نہ ملے تو پھر سر کا درد عارض ہوتا ہے۔

امام بخاری نے اس باب میں یہ تعلیق ذکر کی ہے کہ اس باب میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے، علامہ بدرالدین عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا نام نسیبہ بنت کعب ہے، اور امام بخاری نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ یہ ہے:

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم کو اس سے منع کیا جاتا تھا کہ ہم کسی میت کے اوپر تین دن سے زیادہ سوگ کریں، سوائے شوہر کے، اس پر چار مہینے دس دن سوگ کریں اور اس دوران سرمہ نہ لگائیں۔ الحدیث

اور امام بخاری نے اس حدیث کے بعض الفاظ اس طرح روایت کیے ہیں:

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو عورت اللہ تعالیٰ پر اور یومِ آخرت پر ایمان لائی ہو، اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ شوہر کے سوا کسی اور کے اوپر تین دن سے زیادہ سوگ کرے اور نہ سرمہ لگائے۔ الحدیث

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں اِثْمِد کا ذکر تو نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے اس پر اعتماد کیا کہ اِثْمِد بالعموم سرموں میں داخل ہے خاص طور پر عرب جو سرمہ بناتے ہیں، اس میں اِثْمِد ہوتا ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ اِثْمِد کا ذکر اور اس کی تصریح، یہ گویا کہ امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں تھا۔ اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں یہ حدیث ذکر کی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے سرموں میں سب سے بہترین اِثْمِد ہے، یہ آنکھ کی بینائی کو تیز کرتا ہے اور پلکوں کے بالوں کو اگاتا ہے، اور امام ترمذی نے ایک حدیث روایت کی ہے اور کہا ہے: اس کی سند حسن ہے اور وہ یہ ہے کہ اِثْمِد سے سرمہ لگاؤ، یہ بصارت کو تیز کرتا ہے اور پلکوں کے بال اگاتا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک سرمہ دانی تھی، جس سے آپ ہر رات تین مرتبہ سرمہ لگاتے تھے۔ تین مرتبہ ایک آنکھ میں اور تین مرتبہ دوسری آنکھ میں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ دو مرتبہ بائیں آنکھ میں۔ اور العلل الکبیر میں مذکور ہے کہ امام ترمذی نے کہا: میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: یہ حدیث محفوظ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۶۵۔۳۶۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۰۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ قَالَ حَدَّثَنِي حُمَيْدُ بْنُ نَافِعٍ عَنْ زَيْنَبَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضى الله عنها أَنَّ امْرَأَةً تُوُفِّيَ زَوْجُهَا فَاشْتَكَتْ عَيْنَهَا فَذَكَرُوهَا لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَذَكَرُوا لَهُ الْكُحْلَ وَأَنَّهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از شعبہ، انہوں نے کہا: مجھے حُمید بن نافع نے حدیث بیان کی از زینب از حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت کا

يُخَافُ عَلَى عَيْنِهَا فَقَالَ لَقَدْ كَانَتْ إِحْدَاكُنَّ تَمْكُثُ فِي بَيْتِهَا فِي شَرِّ أَحْلَاسِهَا أَوْ فِي أَحْلَاسِهَا فِي شَرِّ بَيْتِهَا فَإِذَا مَرَّ كَلْبٌ رَمَتْ بَعْرَةً فَهَلَّا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا۔

شوہر فوت ہوگیا، سواس کی آنکھ میں تکلیف ہوگئی (آنکھ دکھنے لگی)، پس لوگوں نے اس عورت کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا اور اس تکلیف میں سرمہ لگانے کا ذکر کیا، اور یہ کہ (اگر سرمہ نہ لگایا تو) اس کی آنکھ (ضائع ہونے کا) خطرہ ہے، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک (زمانہ جاہلیت میں) تم میں کسی ایک عورت کو (دورانِ عدت) اپنے گھر میں بہت برے کپڑوں میں رہنا پڑتا تھا، (یا آپ نے فرمایا:) اس کو گھر کے سب سے بدتر حصہ میں رہنا پڑتا تھا، پھر جب کوئی کتا گزرتا تو وہ اس پر مینگنی پھینک کر مارتی، تو اب چار مہینے دس دن تم کیوں نہیں گزارتیں۔

(صحیح البخاری: ۵۳۳۸، ۵۷۰۶، صحیح مسلم: ۱۴۸۹، سنن ترمذی: ۱۱۹۷، سنن نسائی: ۳۵۳۳، سنن ابن ماجہ: ۲۰۸۴، موطا امام مالک: ۱۲۷۰)

صحیح البخاری: ۵۷۰۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "اِثْمِد اور الکُحل" یعنی سرمہ۔ اور چونکہ اس حدیث میں ذکر ہے کہ لوگوں نے آپ سے اس عورت کے متعلق سرمہ کا ذکر کیا، تو یہ حدیث باب کے مطابق ہے لیکن اس میں اثمد کا ذکر نہیں ہے جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، اور وہ القطان ہیں۔ اور زینب کا ذکر ہے، وہ بنتِ ام سلمہ ہیں اور ان کے والد ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد المخزومی ہیں۔ اور زینب کا پہلے نام برہ تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام زینب رکھ دیا۔ اور حضرت زینب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی حدیث سنی ہے اور اپنی ماں ام سلمہ سے بھی حدیث سنی ہے۔

یہ حدیث کتاب الطلاق میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

زمانہ جاہلیت میں کوئی عورت عدت کے دوران ایک سال تک اپنے گھر میں بدترین کپڑے پہن کر گزارتی تھی، پس جب کوئی کتا ایک سال کے بعد اس پر گزرتا تو اس کے اوپر اونٹ کی مینگنی پھینکتی، اور اس حدیث کا منشاء یہ ہے کہ یہ عورتیں زمانہ جاہلیت میں ایک سال تک خراب کپڑے پہن کر عدت کے دوران رہتی تھیں، پھر کسی کتے کے اوپر مینگنی پھینک کر عدت سے باہر آتی تھیں اور اب اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے چار ماہ دس دن کی عدت مقرر کر دی ہے، تو یہ ان کے اوپر کیوں گراں ہو رہا ہے اور ان کو دشوار معلوم ہو رہا ہے، زمانہ جاہلیت کی عدت سے تو یہ کہیں آسان ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۶۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۷۰۶، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اِثمِد اور عام سرمہ کو لگانے کا بیان

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اِثمِد آنکھ کے لیے بہت زیادہ مفید ہے، کیونکہ یہ رطوبت کو خشک کرتا ہے اور آنکھ کو قوت دیتا ہے، رہا عام سرمہ تو وہ زینت کے لیے ہے، تو یہ بھی اس عورت کے لیے مشروع ہے جو زینت کی محتاج ہو، جیسے شادی شدہ عورت، پس اس کو چاہیے کہ وہ اپنی آنکھوں کو خوبصورت بنائے اور سرمہ لگائے۔ رہا مرد تو اس کے لیے سرمہ لگانا مناسب نہیں ہے، لیکن اگر اس نے سرمہ لگایا تو کوئی حرج نہیں ہے، سوا اس کے کہ وہاں کوئی فتنہ ہو۔ اور رہا اِثمِد تو وہ آنکھ کو خوبصورت تو نہیں کرتا لیکن آنکھ کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۹۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۱۹۔ بَابُ: اَلْجُذَامِ — جذام کی بیماری کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب جُذام کے ذکر میں ہے، اور جس کو جُذام عارض ہو اس سے بھاگا جاتا ہے، جُذام ایسی بیماری ہے جس سے پہلے گوشت سرخ ہوتا ہے، پھر جسم سے جھڑنے لگتا ہے۔ (اردو میں اس کو کوڑھ کہتے ہیں)۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۶۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۰۷۔ وَقَالَ عَفَّانُ حَدَّثَنَا سَلِيمُ بْنُ حَيَّانَ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مِينَاءَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ وَفِرَّ مِنَ الْمَجْذُومِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْأَسَدِ۔

اور عفان نے کہا: ہمیں سلیم بن حیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن میناء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا اور نہ بدشگونی ہے اور نہ اُلّو کی نحوست ہے اور نہ ماہِ صفر کی نحوست ہے اور جذام کی بیماری والے سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔

(صحیح البخاری: ۵۷۱۷، ۵۷۵۷، ۵۷۷۰، ۵۷۷۳، ۵۷۷۵)

صحیح البخاری: ۵۷۰۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "جذام" یعنی کوڑھی، اور اس باب کی حدیث میں مذکور ہے: جذام سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر

سے بھاگتے ہو، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عفان، اور وہ ابن مسلم الصفار ہیں اور وہ امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں لیکن زیادہ تر امام بخاری ان سے ایک واسطہ سے حدیث روایت کرتے ہیں اور یہ تعلیق صحیح ہے۔

اس حدیث کی امام ابونعیم نے از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجذوم سے اس طرح بچو جس طرح شیر سے بچا جاتا ہے۔

نیز حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجذوم سے کلام کرو اس حال میں کہ تمہارے اور اس کے درمیان ایک نیزہ یا دو نیزہ کا فاصلہ ہو۔

بعض احادیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجذوم کے ساتھ کھایا، ان احادیث کی اس باب کی حدیث کے ساتھ مطابقت کی وجوہ

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام ابوداؤد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجذوم کا ہاتھ پکڑا اور اس کے ہاتھ کو اپنے ساتھ پیالہ میں داخل کیا، پھر آپ نے فرمایا: اللہ کا نام پڑھ کر کھاؤ، اور اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے اور اللہ پر توکل کرتے ہوئے۔ اس حدیث کی امام ترمذی نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

اس باب کی حدیث میں اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کس طرح مطابقت ہوگی؟ اس اعتراض کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) یہ حدیث اس باب کی حدیث کے مقابلہ کی نہیں ہے، اور معارضہ اس وقت ہوتا ہے جب دو حدیثیں سند کے اعتبار سے مساوی قوت کی ہوں۔

(۲) علامہ الکلاباذی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ پیالہ سے نہیں کھایا تھا، اس کو صرف کھانے کی اجازت دی تھی۔

(۳) اگر بالفرض آپ نے اس کے ساتھ کھایا ہو تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ آپ یہ بتانا چاہتے تھے کہ یہ امراض ازخود متعدی نہیں ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ نے مریض کے ساتھ تندرست کے اختلاط کو اس مرض کے متعدی ہونے کا سبب بنا دیا، پھر کبھی یہ سبب متخلف ہو جاتا ہے جیسا کہ باقی اسباب بھی متخلف ہو جاتے ہیں، پس حدیث کے پہلے جز میں فرمایا: ''کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا'' یہ آپ نے جاہلیت کے اس عقیدہ کی نفی کے لیے فرمایا کہ بعض امراض بنفسہٖ متعدی ہوتے ہیں، اسی لیے آپ نے فرمایا: پہلے شخص میں یہ مرض کہاں سے آیا تھا؟ اور پھر آپ نے فرمایا: مجذوم سے بھاگو، یہ اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجذوم کے ساتھ تندرست کے اختلاط کو اس مرض کے متعدی ہونے کا سبب بنا دیا ہے، اس لیے آپ نے مریض کے ساتھ تندرست کے اختلاط کو منع فرمایا تاکہ اس کے اندر بھی وہ مرض پیدا نہ ہو جائے، اگرچہ اس مرض کا پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کے فعل سے ہے اور تندرست کا مریض کے ساتھ اختلاط اس کے لیے سبب مؤثر نہیں ہے۔

(۴) قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے: مجذوم کے متعلق آثار مختلف ہیں، پس حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجذوم

کے ساتھ کھایا اور فرمایا: اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے اور اللہ پر توکل کرتے ہوئے کھاؤ۔ اور قاضی عیاض نے کہا: کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور متقدمین کی ایک جماعت کا مذہب یہ تھا کہ مجذوم کے ساتھ کھانا چاہیے اور ان کا نظریہ یہ تھا کہ مجذوم سے اجتناب کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔ علامہ عیسیٰ بن دینار مالکی نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

(۵) علامہ طبری نے کہا ہے: سلف صالحین کا اس باب کی حدیث کی صحت میں اختلاف ہے، پس بعض علماء نے اس کا انکار کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی آفت رسیدہ سے دور رہنے کا حکم دیا خواہ وہ مجذوم ہو یا اس کا غیر ہو اور انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجذوم کے ساتھ کھایا ہے اور اس کو اپنے ساتھ بٹھایا ہے اور آپ کے ہدایت یافتہ اصحاب نے بھی اسی طرح کیا ہے، اور حضرت ابن عمر اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہم مجذومین کے لیے کھانا بناتے تھے اور ان کے ساتھ کھاتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے ان سے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجذوم سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہیں؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: نہیں! ہرگز نہیں، لیکن آپ نے فرمایا تھا کہ کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا اور آپ نے فرمایا: پس پہلے بیمار میں کس نے مرض کو پیدا کیا۔ اور ہمارا ایک غلام تھا، اس کو یہ بیماری ہو گئی، پس وہ میری پلیٹ میں کھاتا تھا اور میرے پیالوں میں پیتا تھا اور میرے بستر پر سوتا تھا۔ اور ان علماء نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض کے متعدی ہونے کو باطل قرار دیا ہے۔

(۶) بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور آپ نے مجذوم سے بھاگنے کا حکم اس لیے دیا کہ مجذوم کی طرف دیکھنے کی ممانعت ہے۔

''لاعدوی'' کا معنی

عدوی، اعداء کا اسم ہے جیسے ارعاء سے رعویٰ ہے اور ابقاء سے بقویٰ ہے۔ کہا جاتا ہے: ''اعداہ الداء یعدیہ اعداء'' یعنی ایک بیماری نے اس کی مثل کو دوسرے شخص کے اندر پیدا کر دیا اور لوگ یہ گمان کرتے تھے کہ مرض خود بخود متعدی ہو جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتایا کہ اس طرح معاملہ نہیں ہے، صرف اللہ عزوجل ہی ہے جو بیماری پیدا کرتا ہے اور دوا کو نازل کرتا ہے، اسی لیے آپ نے فرمایا: پھر پہلے اونٹ میں کس نے خارش کو پیدا کیا؟ یعنی لوگ سمجھتے تھے کہ ایک اونٹ میں خارش ہو تو اس سے دوسرے اونٹ میں خارش ہو جاتی ہے، تو آپ نے فرمایا: پھر پہلے اونٹ میں کس نے خارش پیدا کی تھی؟ یعنی جس نے پہلے اونٹ میں خارش پیدا کی تھی، اسی نے دوسرے اونٹ میں خارش پیدا کی۔

''ولا طِیَرۃ'' کا معنی

اس لفظ میں طاء پر کسرہ ہے اور یاء پر فتحہ ہے، اور اس کا معنی ہے: کسی چیز سے بدفالی نکالنا، لوگ پرندے کو اڑاتے، پھر اگر وہ بائیں طرف سے اڑتا ہوا جاتا تو وہ جو کام کرنے والے ہوتے تھے اس کام سے رک جاتے تھے، تو شریعت نے اس کی نفی کی اور اس کو باطل قرار دیا اور اس سے منع فرمایا اور یہ بتایا کہ پرندے کے اڑنے میں نہ کسی نفع کے حصول کی تاثیر ہے اور نہ کسی ضرر کے دفع کی تاثیر ہے۔

''ولا هامة'' کا معنی

''الهامة'' کا معنی ہے: سر اور یہ ایک پرندے کا نام ہے اور وہی حدیث میں مراد ہے، کیونکہ لوگ اس پرندے سے بدفالی نکالتے تھے، کہا گیا ہے: وہ پرندہ اُلو ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ عرب یہ زعم کرتے تھے کہ جس مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے، تو میت کی ہڈیوں سے ایک جانور پیدا ہو کر اڑتا ہے اور ہر وقت یہ فریاد کرتا رہتا ہے: میرا بدلہ لو، میرا بدلہ لو، جب قاتل سے بدلہ لیا جائے یا قاتل مر جائے تو وہ جانور اڑ کر غائب ہو جاتا ہے۔ اسلام نے اس نظریہ کو غلط قرار دیا اور اس زعم سے منع فرمایا۔

''ولا صفر'' کا معنی

بعض عرب کا یہ زعم تھا کہ انسان کے پیٹ میں ایک سانپ ہوتا ہے جس کا نام صفر ہے، جب انسان کو بھوک لگتی ہے تو وہ سانپ انسان کو ایذاء دیتا ہے، اسلام نے اس کو بھی باطل قرار دیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ مہینوں کو آگے پیچھے کرتے رہتے تھے، اور محرم کو صفر تک مؤخر کر دیتے تھے اور صفر کو شہرِ حرام قرار دیتے تھے، اسلام نے اس کو باطل قرار دیا اور کہا کہ صفر کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۶۷۔۳۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۰۔ بَابٌ: الْمَنُّ شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ

''المن'' (کھنبی یا سانپ کی چھتری) آنکھ کے لیے شفاء ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ''المن'' آنکھ کے لیے شفاء ہے، اور اس سے مراد یہ ہے کہ ''المن'' آنکھ کی بیماری کے لیے شفاء ہے، ''المن'' سے وہ مراد نہیں ہے جو امتنان کا مصدر ہے یعنی احسان جتانا، بلکہ اس سے مراد وہ میٹھا شہد ہے جو آسمان سے ایک درخت کے اوپر گرتا تھا، اور یہ وہی ہے جو آسمان سے بنی اسرائیل پر نازل ہوتا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۰۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ حُرَيْثٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ زَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ الْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ قَالَ شُعْبَةُ وَأَخْبَرَنِي الْحَكَمُ بْنُ عُتَيْبَةَ عَنِ الْحَسَنِ الْعُرَنِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ شُعْبَةُ لَمَّا حَدَّثَنِي بِهِ الْحَكَمُ لَمْ أُنْكِرْهُ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الْمَلِكِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبد الملک، انہوں نے کہا: میں نے عمرو بن حُریث سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے سعید بن زید سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کھنبی (سانپ کی چھتری) من سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفاء ہے۔

شعبہ نے کہا: مجھے الحکم بن عُتیبہ نے خبر دی از الحسن العرنی از عمرو

بن حُریث از سعید بن زید از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، شعبہ نے کہا: جب مجھے
یہ حدیث حکم نے بیان کی تو میں نے عبدالملک کی حدیث کی وجہ
سے اس کا انکار نہیں کیا۔

(صحیح البخاری: ۴۴۷۸، ۴۶۳۹، ۵۷۰۸، صحیح مسلم: ۲۰۴۹، سنن ترمذی: ۲۰۶۷، سنن ابن ماجہ: ۳۴۵۳، مسند احمد: ۱۶۲۸)

صحیح البخاری: ۵۷۰۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں مذکور ہے: مَن آنکھ کی بیماری کے لیے شفاء ہے، اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ کھمبی یا سانپ کی چھتری بھی من سے ہے، اور جب مَن کا پانی آنکھ کے لیے شفاء ہے تو کھمبی جو اس کی فرع ہے، اس کا پانی بھی آنکھ کی بیماری کے لیے شفاء ہے، رہا یہ کہ کھمبی مَن سے ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مَن آسمان سے نازل ہوتا ہے، اسی طرح کھمبی بھی از خود زمین میں پیدا ہوتی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں غُندر کا ذکر ہے، اور یہ محمد بن جعفر کا لقب ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں عبدالملک کا ذکر ہے، یہ ابن عُمیر ہیں۔ اور اس حدیث میں حضرت عمرو بن حُریث کا ذکر ہے، یہ مخزومی اور صحابی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سعید بن زید کا ذکر ہے، یہ ابن عمرو بن نُفیل العدوی ہیں، یہ ان دس صحابہ میں سے ایک ہیں جن کو زندگی میں جنت کی بشارت دی گئی تھی۔ اور اس حدیث میں صحابی کی صحابی سے روایت ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''الکمأۃ'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: کھمبی یا سانپ کی چھتری، یہ جمع ہے اور اس کا واحد ''کم'' ہے اور یہ خلافِ قیاس ہے اور نوادر میں سے ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۶۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۷۰۸، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''مَن'' کا معنی

مَن وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر نازل کیا تھا، قرآن مجید میں ہے:

وَ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمُ الۡمَنَّ وَ السَّلۡوٰی (البقرہ: ۵۷) اور ہم نے تم پر من و سلویٰ کو نازل کیا۔

علماء نے کہا ہے: یہ وہ چیز ہے جو درخت پر نازل ہوتی ہے اور یہ شہد کی طرح ہوتی ہے اور لوگ اس کو سہولت سے حاصل کر لیتے ہیں، اسی لیے اس کا نام مَن رکھا ہے، کیونکہ اس میں مشقت نہیں ہوتی۔ نیز اس حدیث میں فرمایا ہے ''الکمأۃ'' من سے ہے، یعنی

کھمبی یا سانپ کی چھتری بھی مَن سے ہے، کیونکہ وہ بھی زمین سے بغیر مشقت کے نکلتی ہے، نہ اس کے لیے کوئی بیج ڈالا جاتا ہے اور نہ اس کو پانی دیا جاتا ہے، اور یہ عموماً برسات کے موسم میں نکلتی ہے۔

اس حدیث میں فرمایا ہے کہ سانپ کی چھتری یا کھمبی کا پانی آنکھ کے لیے شفاء ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی چیز کی خبر دیں تو اس میں نفع ہوتا ہے، عام ازیں کہ وہ امورِ تجربیہ میں سے ہو یا امورِ طبیہ میں سے ہو یا امورِ عبادت میں سے ہو۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۹۶۔۳۹۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۱۔ بَابُ: اللَّدُوْدِ — منہ میں دوا ٹپکانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں لدود کا بیان ہے، لدود میں لام پر زبر ہے اور پہلی دال پر پیش ہے اور اس کا معنی ہے: مریض کے منہ کی ایک جانب میں دوا ٹپکانا، جب مریض کے منہ کی ایک جانب میں دوا ٹپکائی جائے تو کہا جاتا ہے: "لددت المریض" یعنی میں نے مریض کے منہ کی ایک جانب دوا ٹپکائی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۶۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۰۹، ۵۷۱۰، ۵۷۱۱۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ أَبِي عَائِشَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَائِشَةَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رضی الله عنه قَبَّلَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ مَيِّتٌ۔

(صحیح البخاری: ۴۴۵۵، ۴۴۵۶، ۴۴۵۷، ۵۷۰۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے موسیٰ بن ابی عائشہ نے حدیث بیان کی از عبید اللہ بن عبداللہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیا اور اس وقت آپ وفات پا چکے تھے۔

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت

اس باب کا عنوان ہے "مریض کے منہ میں دوا ڈالنا" اور اس باب میں جو پہلی حدیث ذکر کی ہے، اس میں مذکور ہے "کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیا اور اس وقت آپ وفات پا چکے تھے"۔

بہ ظاہر اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے، سوا اس کے کہ یوں کہا جائے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بوسہ دیتے ہوئے اپنا منہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کے قریب لے گئے اور جب مریض کے منہ میں دوا ڈالی جائے تو اس وقت اس دوا کو چہرہ کے قریب لایا جاتا ہے، سو یہ ایک بعید مناسبت ہے اور اللہ ہی جانتا ہے کہ امام بخاری نے اس عنوان کے تحت اس حدیث کو کیوں ذکر کیا ہے، میں نے متعدد شروحات میں دیکھا لیکن کسی نے بھی اس کی توجیہ نہیں کی اور اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت بیان نہیں کی۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۷۱۲۔ قَالَ وَقَالَتْ عَائِشَةُ لَدَدْنَاهُ فِي مَرَضِهِ فَجَعَلَ يُشِيرُ إِلَيْنَا أَنْ لَا تَلُدُّونِي فَقُلْنَا كَرَاهِيَةُ الْمَرِيضِ لِلدَّوَاءِ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ أَلَمْ أَنْهَكُمْ أَنْ تَلُدُّونِي قُلْنَا كَرَاهِيَةَ الْمَرِيضِ لِلدَّوَاءِ فَقَالَ لَا يَبْقَى فِي الْبَيْتِ أَحَدٌ إِلَّا لُدَّ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَّا الْعَبَّاسَ فَإِنَّهُ لَمْ يَشْهَدْكُمْ

۵۷۱۲۔ عبید اللہ نے بتایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ (وفات) میں آپ کے منہ میں دوا ڈالی، تو آپ نے ہمیں اشارہ سے فرمایا: کہ میرے منہ میں دوا نہ ڈالو، ہم نے سوچا: کہ مریض کو جو دوا سے نفرت ہوتی ہے آپ نے اس وجہ سے منع فرمایا ہے، پھر جب آپ ہوش میں آئے تو آپ نے فرمایا: کیا میں نے تم کو منہ میں دوا ڈالنے سے منع نہیں کیا تھا؟ ہم نے کہا کہ شاید یہ مریض جو دوا کو ناپسند کرتا ہے، اس وجہ سے آپ نے منع کیا تھا، آپ نے فرمایا: اب گھر میں ہر ایک کے منہ میں دوا ڈالی جائے اور میں دیکھتا رہوں، سوائے عباس کے کیونکہ وہ اس وقت تمہارے ساتھ موجود نہیں تھے۔

(صحیح البخاری: ۴۴۵۸، ۵۷۱۲، ۶۸۸۶، ۶۸۹۷ صحیح مسلم: ۲۲۱۳، مسند احمد: ۲۴۷۳۲)

لدود کا معنی اور گھر والوں کے منہ میں دوا ڈالنے کی توجیہ اور آپ کے منع کرنے کا سبب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہم نے آپ کے منہ میں دواء ڈالی: حدیث میں ''لددناہ'' کا لفظ ہے اور یہ ''لدد'' سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: مریض کے اختیار کے بغیر اس کے حلق میں دواء ڈالنا۔

آپ نے فرمایا: گھر میں کوئی شخص بھی باقی نہیں بچے گا جس کے حلق میں دواء نہیں ڈالی جائے گی سوائے عباس کے کیونکہ وہ تمہارے پاس حاضر نہیں تھے: کہا گیا ہے کہ انسان کو جو تکلیفیں عمداً پہنچائی جائیں، اس حدیث میں ان کا بدلہ لینے کی مشروعیت ہے اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ان کو سزا دینے کے لیے کیا تھا کیونکہ انہوں نے آپ کی نافرمانی کی تھی اور آپ کے حکم پر عمل نہیں کیا تھا۔ علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ آپ کا یہ ارادہ تھا کہ وہ لوگ قیامت کے دن اس حال میں نہ آئیں کہ ان کے اوپر آپ کا کوئی حق باقی ہو۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ آپ کا معاف کر دینا بھی ممکن ہے کیونکہ آپ اپنے نفس کا انتقام نہیں لیتے تھے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے ان کی تادیب اور تعلیم کا ارادہ کیا، تاکہ وہ دوبارہ ایسا نہ کریں، پس یہ تادیب تھی، قصاص اور انتقام نہیں تھا۔ ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ آپ نے منہ میں دواء ڈالنے کو ناپسند کیا حالانکہ آپ دواء اور علاج کرتے تھے، کیونکہ آپ کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ آپ کی اس مرض میں وفات ہو جائے گی اور جس کے نزدیک یہ متحقق ہو چکا ہو، اس کے حلق میں زبردستی دواء ڈالنا مکروہ ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: اس پر بھی اعتراض ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو موت اور حیات کا اختیار دیا گیا تھا، یہ اس سے پہلے کا واقعہ ہے، آپ نے دواء ڈالنے پر اس لیے انکار فرمایا کہ وہ دواء آپ کے مزاج کے مناسب نہیں تھی، کیونکہ صحابہ کو یہ گمان تھا کہ آپ کو نمونیا ہے، تو انہوں نے اس کے مناسب دواء ڈالی تھی، حالانکہ آپ کو نمونیا نہیں تھا جیسا کہ سیاق خبر سے ظاہر ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۳۶۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۷۱۲ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف با بن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر والوں کے منہ میں دوا ڈالنے کا حکم دیا

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ شارع علیہ السلام نے یہ حکم کیوں دیا کہ جتنے لوگ بھی گھر میں ہیں سب کے منہ میں دوا ڈالی جائے؟
میں کہتا ہوں: علامہ مہلب نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ وہ آپ کے منہ میں دوا ڈالیں بلکہ آپ نے ان کو منع کیا تھا، اور اس دوا ڈالنے سے بہت سخت درد ہوا، تو آپ نے حکم دیا کہ ہر ایک سے اس کا قصاص لیا جائے جس نے یہ کیا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ آپ نے فرمایا: گھر میں کسی کو نہ چھوڑا جائے کہ اس کے منہ میں دوا ڈالی جائے سوائے عباس کے، کیوں کہ وہ اس وقت حاضر نہیں تھے، تو آپ نے ہر اس شخص پر قصاص واجب کیا جس نے آپ کے منہ میں دوا ڈالی اور جس نے ان کی موافقت کی۔

ابن اسحاق نے از الزہری از عبد اللہ بن کعب روایت کی ہے کہ لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں آپ کے منہ میں دوا ڈالی، جب آپ کو افاقہ ہوا تو آپ نے ان سے فرمایا: تم نے یہ کیوں کیا تھا؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہمیں خوف تھا کہ شاید آپ کو نمونیا ہے، آپ نے فرمایا: بے شک یہ ایسی بیماری ہے کہ اللہ مجھ کو اس بیماری میں مبتلا نہیں کرے گا اور گھر میں جتنے بھی افراد ہیں سب کے منہ میں دوا ڈالی جائے سوا میرے چچا کے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا روزہ سے تھیں، اس کے باوجود ان کے منہ میں دوا ڈالی گئی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سزا دینے کے لیے قسم کھائی تھی، کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ میں دوا ڈالی تھی۔ (سیرت ابن ہشام ج ۴ ص ۳۲۸۔۳۲۹)

علامہ ابن العربی نے اس کا بہت لطیف جواب دیا ہے، وہ یہ ہے کہ آپ نے گھر والوں کے منہ میں اس لیے دوا ڈالی تا کہ وہ لوگ قیامت کے دن اس حال میں نہ آئیں کہ ان کے اوپر آپ کا حق ہو اور ان پر گناہ ہو۔ (عارضۃ الاحوذی ج ۸ ص ۲۰۵)

اور امام حاکم نے امام مسلم کی شرط کے مطابق یہ حدیث روایت کی ہے کہ ذات الجنب یعنی نمونیا شیطان کے اثر سے ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کو مجھ پر مسلط نہیں فرمائے گا۔ اور وہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمونیا کے مرض سے فوت ہوئے، سو یہ خبر بہت ضعیف ہے۔ (المستدرک ج ۴ ص ۴۰۵)

اگر تم یہ سوال کرو کہ یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کے معارض ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس کا انتقام نہیں لیتے تھے تو اس کا یہ جواب دیا جائے گا کہ آپ اکثر احوال میں اپنے نفس کا انتقام نہیں لیتے تھے، یا دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث کو بھول گئی تھیں۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معاف کیوں نہیں کیا؟ تو اس کا یہ جواب ہے کہ آپ کا ارادہ یہ تھا کہ ان کو ادب سکھائیں تا کہ وہ دوبارہ ایسا کام نہ کریں، تو یہ فعل ان کے لیے ادب بھی تھا اور قصاص بھی تھا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۴۳۵۔۴۳۷ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۷۱۳۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أُمِّ قَيْسٍ قَالَتْ دَخَلْتُ بِابْنٍ لِي عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ وَقَدْ أَعْلَقْتُ عَلَيْهِ مِنَ الْعُذْرَةِ فَقَالَ عَلَى مَا تَدْغَرْنَ أَوْلَادَكُنَّ بِهَذَا الْعِلَاقِ عَلَيْكُنَّ بِهَذَا الْعُودِ الْهِنْدِيِّ فَإِنَّ فِيهِ سَبْعَةَ أَشْفِيَةٍ مِنْهَا ذَاتُ الْجَنْبِ يُسْعَطُ مِنَ الْعُذْرَةِ وَيُلَدُّ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ فَسَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ يَقُولُ بَيَّنَ لَنَا اثْنَيْنِ وَلَمْ يُبَيِّنْ لَنَا خَمْسَةً قُلْتُ لِسُفْيَانَ فَإِنَّ مَعْمَرًا يَقُولُ أَعْلَقْتُ عَلَيْهِ قَالَ لَمْ يَحْفَظْ إِنَّمَا قَالَ أَعْلَقْتُ عَنْهُ حَفِظْتُهُ مِنْ فِي الزُّهْرِيِّ وَوَصَفَ سُفْيَانُ الْغُلَامَ يُحَنَّكُ بِالْإِصْبَعِ وَأَدْخَلَ سُفْيَانُ فِي حَنَكِهِ إِنَّمَا يَعْنِي رَفْعَ حَنَكِهِ بِإِصْبَعِهِ وَلَمْ يَقُلْ أَعْلِقُوا عَنْهُ شَيْئًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ نے خبر دی از ام قیس، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں اپنے بیٹے کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس داخل ہوئی، میں نے اس کے حلق کے درد کی وجہ سے انگلی سے اس کے تالو کو اوپر اٹھایا تھا تو آپ نے فرمایا: تم اپنے بچوں کے تالو کو اس طرح اوپر کیوں اٹھاتے ہو؟ تم اس عودِ ہندی سے علاج کو لازم کر لو، اس میں سات بیماریوں سے شفاء ہے، ان میں سے ایک پسلی کا درد ہے، پسلی کے درد میں عودِ ہندی کو جلا کر اس کا دھواں مریض کی ناک میں پہنچایا جائے، اگر اس کے حلق میں درد ہو تو اس کی ناک میں دھواں پہنچاؤ اور اگر اس کی پسلی میں درد ہو تو اس کے حلق میں دوا ڈالو، پس میں نے زہری سے سنا، وہ کہتے تھے: نبی ﷺ نے ہمیں دو بیماریوں کی شفاء کو بیان کیا اور پانچ بیماریوں کی شفاء کو نہیں بیان کیا، (تو علی بن مدینی نے بتایا) میں نے سفیان سے کہا کہ معمر یہ کہتے ہیں: اعلقت علیہ، تو سفیان نے کہا انہوں نے یاد نہیں رکھا، انہوں نے کہا تھا: اعلقت عنہ، (سفیان نے کہا:) میں نے اس کو زہری کے منہ سے سن کر یاد رکھا ہے اور سفیان نے بچے کو انگلی سے گھٹی دینے کی کیفیت بیان کی اور سفیان نے اپنے تالو کے اندر انگلی کو داخل کیا یعنی تالو کو انگلی سے اٹھایا اور انہوں نے یہ نہیں کہا: اعلقوا عنہ شیئا (اس کے تالو کو انگلی سے دباؤ)۔

(صحیح البخاری: ۵۷۱۳، ۵۷۱۵، ۵۷۱۸، صحیح مسلم: ۲۸۷، سنن ابوداؤد: ۳۸۷۷، سنن ابن ماجہ: ۳۴۶۲، مسند احمد: ۲۶۴۶۳)

صحیح البخاری: ۵۷۱۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "منہ میں دوا ٹپکانا" اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ پسلی کے درد میں منہ میں دوا ٹپکائی جاتی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اعلقت علیه" یہ لفظ اعلاق سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: بچے کے حلق کے درد کا علاج کرنا اور تالو کو انگلی سے اٹھانا، اور "العذرة" کا معنی ہے: حلق کا درد، اور اس جگہ کو بھی عُذرہ کہا جاتا ہے۔ جب بچے کی ماں بچے کے تالو کو انگلی سے دبائے تو کہا جاتا ہے "اعلقت عنه" یعنی میں نے اس جگہ کو انگلی سے دبایا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تدغرن" یہ لفظ دغر سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: جو بیمار ہو اس کے حلق کے کوے کو اٹھانا۔ اور دغر کا لغوی معنی ہے: اٹھانا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: "العلاق" یعنی تم اپنے بچوں کے حلق کی بیماری میں انگلی سے اس کے تالو کو کیوں اٹھاتے ہو؟

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ویسعط من العذرة" یعنی جس بچے کے حلق میں درد ہو، اس کی ناک میں عودِ ہندی کو جلا کر اس کی دھونی دی جائے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "من ذات الجنب" یعنی جس کی پسلی میں درد ہو، اس کے منہ میں دوا ٹپکائی جائے۔ یعنی عودِ ہندی کو پیس کر اس میں روغنِ زیتون ملایا جائے اور پھر اس کو منہ میں ٹپکایا جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "میں نے سفیان سے کہا": یعنی علی بن مدینی نے سفیان سے کہا کہ معمر بن راشد کہتے ہیں "اعلقت علیه"۔ تو سفیان نے کہا: معمر نے اس لفظ کو یاد نہیں رکھا، بلکہ یہ لفظ ہے "اعلقت عنه" میں نے اس کو زہری کے منہ سے سن کر یاد رکھا۔ علامہ خطابی نے کہا ہے: صحیح وہ ہے جو سفیان کو یاد ہے اور کبھی علیٰ کا لفظ عن کے معنی میں بھی آتا ہے۔ علامہ ابن بطال نے کہا ہے: صحیح لفظ ہے اعلقت عنه، علامہ نووی نے کہا ہے: اعلقت عنه اور اعقلت علیه دو لغات ہیں اور اس کلام سے غرض یہ ہے کہ اعلاق کا معنی ہے: تالو کو اوپر اٹھانا، نہ کہ تالو میں کسی چیز کو معلق کرنا جو کہ اعلقت علیه سے متبادر ہوتا ہے۔

جس لڑکے کے تالو کو انگلی سے دبایا جاتا ہے، سفیان نے اس لڑکے کی کیفیت اس طرح بیان کی کہ خود اپنے تالو میں انگلی ڈالی اور تالو کو انگلی سے اوپر اٹھایا۔

سفیان کا مقصد یہ تھا کہ اعلاق سے کسی چیز کو لٹکانا یا تالو کے ساتھ کوئی چیز لگانا مراد نہیں ہے بلکہ اعلاق سے تالو کو اٹھانا مراد ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۰۷-۳۷۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۲۔ باب:

۲۲۔ باب:

امام بخاری نے اس باب کا کوئی عنوان نہیں بیان کیا، امام بخاری کے اسلوب کے مطابق یہ باب ابوابِ سابقہ کے ساتھ ملا ہوا ہے۔

۵۷۱۴۔ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ وَيُونُسُ قَالَ الزُّهْرِيُّ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ عَائِشَةَ رضی الله عنها زَوْجَ النَّبِيِّ صلی الله علیه وسلم قَالَتْ لَمَّا ثَقُلَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں بشر بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر اور یونس نے خبر دی، الزہری نے کہا: مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ

وَاشْتَدَّ وَجَعُهُ اسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ فِي أَنْ يُمَرَّضَ فِي بَيْتِي فَأَذِنَّ لَهُ فَخَرَجَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ تَخُطُّ رِجْلَاهُ فِي الْأَرْضِ بَيْنَ عَبَّاسٍ وَآخَرَ فَأَخْبَرْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ هَلْ تَدْرِي مَنِ الرَّجُلُ الْآخَرُ الَّذِي لَمْ تُسَمِّ عَائِشَةُ قُلْتُ لَا قَالَ هُوَ عَلِيٌّ قَالَتْ عَائِشَةُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ بَعْدَ مَا دَخَلَ بَيْتَهَا وَاشْتَدَّ بِهِ وَجَعُهُ هَرِيقُوا عَلَيَّ مِنْ سَبْعِ قِرَبٍ لَمْ تُحْلَلْ أَوْكِيَتُهُنَّ لَعَلِّي أَعْهَدُ إِلَى النَّاسِ قَالَتْ فَأَجْلَسْنَاهُ فِي مِخْضَبٍ لِحَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ طَفِقْنَا نَصُبُّ عَلَيْهِ مِنْ تِلْكَ الْقِرَبِ حَتَّى جَعَلَ يُشِيرُ إِلَيْنَا أَنْ قَدْ فَعَلْتُنَّ قَالَتْ وَخَرَجَ إِلَى النَّاسِ فَصَلَّى لَهُمْ وَخَطَبَهُمْ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت بوجھل ہوگئی اور آپ کا مرض بہت زیادہ ہوگیا تو آپ نے اپنی ازواجِ مطہرات سے اجازت طلب کی کہ آپ بیماری کے ایام میرے گھر میں گزاریں، سو ازواجِ مطہرات نے آپ کو اجازت دے دی، پس آپ دو مردوں کے درمیان نکلے، آپ کے دونوں پیر زمین میں گھسٹ رہے تھے، ایک حضرت عباس تھے اور دوسرے کوئی اور تھے، راوی نے کہا: پس میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس حدیث کی خبر دی تو انہوں نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ وہ دوسرا مرد کون تھا جس کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نام نہیں لیا، میں نے کہا: نہیں! حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا: وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں داخل ہونے کے بعد فرمایا اور اس وقت آپ کا درد بہت شدید تھا: مجھ پر ایسی سات مشکوں کا پانی ڈالو جن کے سر بند کو کھولا نہ گیا ہو، شاید میں لوگوں کو کوئی وصیت کروں گا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: پس ہم نے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ٹب میں بٹھا دیا، پھر ہم آپ کے اوپر ان مشکوں سے پانی ڈالنے لگے، حتیٰ کہ آپ نے ہماری طرف اشارہ کیا کہ تم نے یہ کام کرلیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی طرف گئے، آپ نے ان کو نماز پڑھائی اور ان کو خطبہ دیا۔

(صحیح البخاری: ۱۹۸، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۷۹، ۶۸۳، ۶۸۷، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۶، ۲۵۸۸، ۳۰۹۹، ۳۳۸۴، ۴۴۴۲، ۴۴۴۵، ۵۷۱۴، ۷۳۰۳، صحیح مسلم: ۴۱۸، سنن ابن ماجہ: ۱۶۱۸، مسند احمد: ۲۵۳۸۶، سنن ترمذی: ۳۶۷۲، سنن دارمی: ۱۲۵۷)

صحیح البخاری: ۵۷۱۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس مقام پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس حدیث کو یہاں پر ذکر کرنے کی کوئی مناسبت نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں منہ میں دوا ٹپکانے کا ذکر نہیں ہے۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس حدیث میں اور اس سے پہلی حدیث میں ایک قسم کا تضاد ہے، کیونکہ اس

سے پہلی حدیث میں مذکور تھا کہ صحابہ نے وہ کام کیا جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نہیں دیا تھا بلکہ آپ نے انکار کیا تھا کہ میرے منہ میں دوامت ڈالو، اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ صحابہ نے وہ کام کیا جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا، یعنی آپ نے فرمایا تھا: مجھ پر سات مشکوں کا پانی ڈالو، سو آپ پر سات مشکوں کا پانی ڈالا گیا، تو ان دونوں حدیثوں میں اس اعتبار سے تضاد ہے کہ ایک حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ کے حکم پر عمل نہیں کیا گیا اور دوسری حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ کے حکم پر عمل کیا گیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بشر، یہ ابن محمد سختیانی المروزی ہیں۔ اور عبداللہ کا ذکر ہے اور یہ عبداللہ بن المبارک المروزی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ان یمرّض''۔ اس کا معنی ہے: مریض کی دیکھ بھال کرنا اور اس کی حفاظت کرنا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''هریقوا'' اس کا معنی ہے: میرے اوپر ان مشکوں سے پانی ڈالو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اوکیتهن'' یہ الوکاء کی جمع ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کے ساتھ مشک کے منہ کو باندھا جاتا ہے۔ اور آپ نے یہ شرط اس لیے لگائی کہ اس مشک کے پانی کو کسی نے انگلیاں ڈال کر چھوا نہ ہو اور وہ پانی صاف اور طاہر ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث الباب کے دیگر مسائل

اس حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل کے لیے ٹب میں بٹھایا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ ٹب میں بیٹھ کر غسل کرنا سنت ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: شاید میں تم کو نصیحت کروں، اس سے وصیت کرنے کا استحباب معلوم ہوا اور علاج کی نیت سے مریض کو غسل کرانے کا جواز معلوم ہوا، آپ نے فرمایا: مجھ پر سات ایسی مشکوں سے پانی ڈالو، جن کی ڈوریاں کھولی نہ گئی ہوں، اس سے علاج کا سنت ہونا ثابت ہوا اور ان لوگوں کا رد ہو گیا جو علاج کو توکل کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیماری کے ایام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر گزارنا چاہتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی متعدد بیویاں ہوں تو یہ جائز ہے کہ اس کو کسی ایک بیوی کے پاس سکون حاصل ہو، اس سے آپ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ محبت کا پتا چلا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت معلوم ہوئی۔

۲۳۔ بَابُ: الْعُذْرَةِ — حلق کے درد کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں عُذرۃ کا بیان ہے، العُذرۃ میں عین پر پیش ہے اور ذال ساکن ہے، اور اس کا معنی ہے: حلق کا درد، اور اس کا نام رکھا جاتا ہے: حلق کے کوے کا گر جانا جس کو سقوط اللهاۃ کہتے ہیں، اور یہ گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو حلق کے آخر میں ہوتا ہے۔

۵۷۱۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ أُمَّ قَيْسٍ بِنْتَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از

مِحْصَنٍ الْأَسَدِيَّةَ أَسَدَ خُزَيْمَةَ وَكَانَتْ مِنَ الْمُهَاجِرَاتِ الْأُوَلِ اللَّاتِي بَايَعْنَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَهِيَ أُخْتُ عُكَاشَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا أَتَتْ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِابْنٍ لَهَا قَدْ أَعْلَقَتْ عَلَيْهِ مِنَ الْعُذْرَةِ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى مَا تَدْغَرْنَ أَوْلَادَكُنَّ بِهَذَا الْعِلَاقِ عَلَيْكُمْ بِهَذَا الْعُودِ الْهِنْدِيِّ فَإِنَّ فِيهِ سَبْعَةَ أَشْفِيَةٍ مِنْهَا ذَاتُ الْجَنْبِ يُرِيدُ الْكُسْتَ وَهُوَ الْعُودُ الْهِنْدِيُّ وَقَالَ يُونُسُ وَإِسْحَاقُ بْنُ رَاشِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَلَّقَتْ عَلَيْهِ۔

الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ نے خبر دی کہ ام قیس بنت محصن الاسدیہ، ان کا تعلق اسدِ خزیمہ سے تھا اور وہ ان پہلی مہاجرات میں سے تھیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی، اور یہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں، وہ خبر دیتی ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے بیٹے کو لے کر آئیں، انہوں نے اپنے بیٹے کا علاج حلق کے کوے کو دبا کر کیا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی اولاد کو حلق دبا کر کیوں تکلیف دیتی ہو، تم اس عودِ ہندی کے استعمال کو لازم کرلو، کیونکہ اس میں سات بیماریوں سے شفاء ہے، ان میں سے ایک پسلی کے درد کی بیماری ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد القسط تھی اور وہی عود ہندی ہے۔ اور یونس اور اسحاق بن راشد نے از الزہری، اعلقت علیہ کے بجائے علقت علیہ کہا۔ (اس کا معنی ہے: بچے کے حلق کو دبانا)۔

(صحیح البخاری: ۵۷۱۳، ۵۷۱۵، ۵۷۱۸، صحیح مسلم: ۲۸۷، سنن ابوداؤد: ۳۸۷۷، سنن ابن ماجہ: ۳۴۶۲، مسند احمد: ۲۶۴۹۳)

صحیح البخاری: ۵۷۱۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث باب اللدود میں عنقریب گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ام قیس رضی اللہ عنہا پہلی مہاجرات میں سے تھیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ زہری کا کلام ہو، پھر یہ حدیث مدرج ہوگئی۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ زہری کے شیخ کا کلام ہو، پھر یہ حدیث موصول ہوگئی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اسدِ خزیمہ'' یہ اس لیے کہا تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ یہ اسد بنو العزیٰ سے ہیں یا اسد بنو ربیعہ سے ہیں یا اسد بنو سوید سے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''قد اعلقت علیہ'' اس کا معنی ہے کہ حضرت ام قیس رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے کے تالو کو انگلی سے اٹھا کر دبایا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۴۔ بَابُ: دَوَاءِ الْمَبْطُونِ — پیٹ کی بیماری کی دواء کا بیان

اس باب میں پیٹ کی بیماری کی دواء کا بیان ہے۔ یعنی جس شخص کو زیادہ اسہال ہو رہے ہوں اور دست آ رہے ہوں۔

۵۷۱۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن

جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ إِنَّ أَخِي اسْتَطْلَقَ بَطْنُهُ فَقَالَ اسْقِهِ عَسَلًا فَسَقَاهُ فَقَالَ إِنِّي سَقَيْتُهُ فَلَمْ يَزِدْهُ إِلَّا اسْتِطْلَاقًا فَقَالَ صَدَقَ اللّٰهُ وَكَذَبَ بَطْنُ أَخِيكَ تَابَعَهُ النَّضْرُ عَنْ شُعْبَةَ۔

بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از ابی المتوکل از حضرت ابی سعید رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک مرد آیا، سو اس نے کہا کہ اس کے بھائی کا پیٹ جاری ہے یعنی اس کو دست آرہے ہیں، آپ نے فرمایا: اس کو شہد پلاؤ، سو اس نے اس کو شہد پلایا، پھر اس نے کہا کہ میں نے اس کو شہد پلایا مگر اس کو تو اس سے زیادہ دست آرہے ہیں، آپ نے فرمایا: اللہ نے سچ ارشاد فرمایا ہے (کہ شہد میں شفاء ہے) اور تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔

محمد بن جعفر کی متابعت النضر نے کی ہے از شعبہ۔

(صحیح البخاری: ۵۷۱۶، صحیح مسلم: ۲۲۱۷، سنن ترمذی: ۲۰۸۲، مسند احمد: ۷۶۲)

صحیح البخاری: ۵۷۱۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "پیٹ کی بیماری کی دواء"، اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ جس شخص کو دست آرہے تھے آپ نے اس کا علاج بتایا کہ اس کو شہد پلایا جائے، اور یہ پیٹ کی بیماری کی دواء ہے۔ چنانچہ بار بار شہد پینے سے وہ شخص تندرست ہو گیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں محمد بن بشار کا ذکر ہے، وہ بندار ہیں۔ اور وہ غندر سے روایت کرتے ہیں اور وہ محمد بن جعفر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو المتوکل کا ذکر ہے، ان کا نام علی بن داؤد الناجی ہے۔ یہ حدیث عنقریب "باب الدواء بالعسل" میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۵۔ بَابٌ: لَا صَفَرَ وَهُوَ دَاءٌ يَأْخُذُ الْبَطْنَ

لا صفر صفر وہ بیماری ہے جو پیٹ کو پکڑ لیتی ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ صَفَر کوئی چیز نہیں ہے، اور امام بخاری نے صَفَر کی تفسیر کی ہے کہ یہ وہ بیماری ہے جو پیٹ کو پکڑ لیتی ہے۔ عنقریب باب الجذام میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور امام بخاری نے جو تفسیر کی ہے، وہ ان کا مختار ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۱۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَغَيْرُهُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا عَدْوَى وَلَا صَفَرَ وَلَا هَامَةَ فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ يَا رَسُولَ اللهِ فَمَا بَالُ إِبِلِي تَكُونُ فِي الرَّمْلِ كَأَنَّهَا الظِّبَاءُ فَيَأْتِي الْبَعِيرُ الْأَجْرَبُ فَيَدْخُلُ بَيْنَهَا فَيُجْرِبُهَا فَقَالَ فَمَنْ أَعْدَى الْأَوَّلَ رَوَاهُ الزُّهْرِيُّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَسِنَانِ بْنِ أَبِي سِنَانٍ۔

(صحیح مسلم: ۲۲۲۰، سنن ابوداؤد: ۳۹۱۱، مسند احمد: ۷۵۶۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن اور ان کے غیر نے خبر دی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا اور نہ صفر کی نحوست ہے اور نہ اُلّو کی نحوست ہے، تو ایک دیہاتی نے کہا: یارسول اللہ! پھر کیا وجہ ہے کہ میرے اونٹ ریگستان میں ہوتے ہیں تو وہ ہرنوں کی طرح (چاق وچوبند) ہوتے ہیں۔ پھر ان کے درمیان ایک خارش زدہ اونٹ داخل ہوتا ہے تو ان اونٹوں کو بھی خارش لگا دیتا ہے، آپ نے فرمایا: پھر پہلے اونٹ کو کس نے خارش لگائی تھی؟
اس حدیث کی زُہری نے روایت کی ہے از ابی سلمہ وسنان بن ابی سنان۔

صحیح البخاری: ۵۷۱۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں صالح کا ذکر ہے اور وہ ابن کیسان ہیں۔ اور اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب الطب میں از محمد بن حاتم روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لا عدوی ولا صفر ولا ھامۃ" ان الفاظ کی تشریح عنقریب باب الجذام میں گزر چکی ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "پھر پہلے اونٹ میں خارش کس نے متعدی کی؟" یعنی اگر اونٹ میں خارش کسی کے مرض کے تعدی کی وجہ سے ہوئی ہے تو پہلے اونٹ میں خارش کس نے کی، وہاں تو کوئی متعدی کرنے والا نہیں تھا۔ پس جب پہلے اونٹ کے اندر بغیر کسی کی تعدی کے خارش ہوئی ہے تو دوسروں میں بھی بغیر کسی کی تعدی کے خارش ہوئی ہے اور اس پر دلیل قائم ہے کہ مؤثر حقیقی صرف اللہ عزوجل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۷۱۷ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''ھامۃ'' کا بیان

اس حدیث میں ھامۃ کا ذکر ہے، یہ ایک پرندہ ہے جس سے لوگ بدفالی نکالتے تھے اور اس کو منحوس سمجھتے تھے۔اور یہ پرندہ رات کو اڑتا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اُلو ہے۔اور امام طبری نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے کہ اس سے مراد اُلو ہے۔اور تیسرا قول یہ ہے کہ جس مقتول کا قصاص نہ لیا جائے تو اس کی روح ھامۃ بن جاتی ہے اور وہ کہتی ہے: مجھے پلاؤ، مجھے پلاؤ یعنی مجھے قاتل کا خون پلاؤ، پس جب اس کے قتل کا بدلہ لے لیا جائے تو وہ روح اڑ جاتی ہے۔اور ایک قول یہ ہے کہ میت کی روح ھامۃ بن جاتی ہے اور اڑنے لگ جاتی ہے۔اسلام نے ان تمام عقائد کو باطل قرار دیا ہے۔

''صَفَر'' کا بیان

امام طبری نے بیان کیا ہے کہ امام ابوعبیدہ نے ذکر کیا کہ میں نے یونس الجرمی سے سنا، انہوں نے رؤبہ بن العجاج سے صفر کے متعلق سوال کیا، تو انہوں نے کہا: یہ ایک سانپ ہے جو مویشیوں اور لوگوں کے پیٹ میں پیدا ہو جاتا ہے اور جس کے پیٹ میں وہ سانپ ہوتا ہے وہ مرجاتا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا رد فرمایا اور ارشاد فرمایا: ہر شخص اپنی موت سے مرتا ہے۔(المنتقی ج ۷ ص ۲۶۴)

لاصَفَر کے بیان میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ محرم کو صفر کی طرف مؤخر کر دیتے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا رد فرمایا کہ صفر کو مؤخر کرنے کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

مرض کے متعدی نہ ہونے کا بیان

ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ جس شخص کو جذام کا مرض ہو، اس کی بو بہت شدید ہوتی ہے حتیٰ کہ جو اس کی مجلس میں زیادہ رہے اور اس کے ساتھ کھائے پیے، وہ بھی بیمار ہو جاتا ہے اور بسا اوقات جذامی کی بیوی اس کے ساتھ زیادہ مباشرت کی وجہ سے بیمار ہو جاتی ہے۔اور بسا اوقات اس کی اولاد میں بھی جذام ہو جاتا ہے۔اسی طرح تپ دِق کا مرض ہے، اور اطباء کہتے ہیں کہ جس کو تپ دِق کی بیماری ہو اس کے ساتھ نہ بیٹھا جائے اور نہ اس کے ساتھ بیٹھا جائے جس کو جذام کی بیماری ہے۔اور ان کا ارادہ یہ نہیں ہوتا کہ جذام کی بیماری متعدی ہو جاتی ہے یا دِق کی بیماری متعدی ہو جاتی ہے، ان کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ جو ان کے ساتھ مجلس میں رہے گا تو اس کی بو ان میں اثر کرے گی اور وہ اس کی بو کی وجہ سے بیمار ہو جائیں گے۔اسی طرح عرب یہ کہتے تھے کہ جب خارش زدہ اونٹ دوسرے اونٹوں کے ساتھ مل جائے تو اس میں بھی خارش ہو جاتی ہے۔اسی وجہ سے شارع علیہ السلام نے بیمار کو تندرست کے ساتھ مختلط کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس کو ناپسند فرمایا ہے کہ آفت زدہ شخص تندرست کے ساتھ اختلاط کرے۔اور بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ کا ارادہ یہ تھا کہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ اس آفت زدہ شخص کی وجہ سے دوسرے میں آفت پیدا ہوگئی ہے، پھر وہ گناہ گار ہوگا، اس لیے بیمار کو تندرست کے پاس نہ لایا جائے۔(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۴۴۴۔۴۴۶ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۷۱۷، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث شریف اس پر دلالت کرتی ہے کہ انسان میں جو بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، یہ اللہ عزوجل کی تقدیر سے پیدا ہوتی ہیں۔

اور جس وقت اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے یہ کہا کہ میرے اونٹ تندرست ہوتے ہیں اور ان میں ایک خارش زدہ اونٹ داخل ہوتا ہے تو میرے اونٹوں میں خارش پیدا ہوجاتی ہے، اس سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پھر پہلے اونٹ میں خارش کس نے پیدا کی تھی؟ یعنی پہلے اونٹ میں خارش کا مرض کہاں سے آیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس ذات نے پہلے اونٹ میں خارش کی بیماری پیدا کی اسی ذات نے دوسرے اونٹوں میں بھی خارش کی بیماری پیدا کی اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ پہلے اونٹ کی خارش کی وجہ سے باقی اونٹوں میں خارش پیدا ہوگئی اور اونٹوں کی خارش کا مرض متعدی ہوگیا۔

اور یہ قطعی دلیل ہے جو جاہلیت کے اس عقیدہ کو باطل کرتی ہے کہ ایک بیمار کا مرض دوسرے شخص میں بیماری پیدا کر دیتا ہے اور صحیح یہ ہے کہ تمام بیماریاں اللہ رب العالمین کی تقدیر اور تخلیق سے پیدا ہوتی ہیں۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری ج ۵ ص ۲۷۰۔۲۷۱، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

امراض کے متعدی ہونے کی تحقیق از مصنف

میں کہتا ہوں کہ جدید میڈیکل سائنس کا یہ نظریہ ہے کہ ایک بیماری کے جراثیم دوسرے صحت مند شخص میں سرایت کر جاتے ہیں، اور اس صحت مند میں بھی وہی بیماری پیدا ہوجاتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اور چیزوں کے اسباب بنائے ہیں اسی طرح مرض کے متعدی ہونے کو بھی سبب غالب بنایا ہے اور جو علماء جدید میڈیکل سائنس کے اس نظریہ کو قبول کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ مرض کا متعدی ہونا سببِ غالب ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ سبب بنایا ہے اور مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے، کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ اسباب میسر ہوتے ہیں اور ان اسباب پر مسبب کا ترتب نہیں ہوتا۔ اس لیے مرض کا متعدی ہونا فی الجملہ سبب ہے اور وہ مؤثر حقیقی نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا اور نہ بدشگونی ہے اور نہ اُلّو کی نحوست ہے اور نہ ماہِ صفر کی نحوست ہے اور جذام کی بیماری والے سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔

(صحیح البخاری: ۵۷۰۷)

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مریض کو صحت مند کے پاس نہ لایا جائے۔

(صحیح البخاری: ۵۷۷۴)

ان دونوں حدیثوں سے بھی یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ فی الجملہ مرض متعدی ہوتا ہے لیکن یہ سببِ مؤثر نہیں ہے اور مرض کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن جس طرح اللہ تعالیٰ نے اور چیزوں کے اسباب بنائے ہیں، اسی طرح مرض کے متعدی ہونے کو بھی بیماری کا سبب بنایا ہے لیکن یہ کلی سبب نہیں ہے نہ سببِ حقیقی ہے۔ یہ ان علماء کی رائے ہے اور میری رائے بہر حال یہی ہے کہ مرض متعدی نہیں ہوتا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "لاعدوی" کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا۔ اور ہوسکتا ہے اس کی یہ توجیہ کی جائے کہ کوئی مرض خود بخود متعدی نہیں ہوتا، ہاں اللہ تعالیٰ کسی مرض کو متعدی کر دے تو ایسا ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۲۶۔ بَابٌ: ذَاتِ الْجَنْبِ — نمونیا یا پسلی کے درد کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ''ذات الجنب'' کا بیان ہے، ''ذات الجنب'' پسلیوں کے گرم ورم کو کہتے ہیں اور بعض اوقات ریاحِ غلیظہ جو سینے اور پسلیوں میں بند ہو جاتی ہیں تو اس سے سینے میں درد پیدا ہوتا ہے (اس کو اردو میں نمونیا کہتے ہیں)۔ اور اس کا علاج ''القسط'' یا عودِ ہندی کو جلا کر ناک میں اس کی دھونی دینے سے کیا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۷۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۱۸۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا عَتَّابُ بْنُ بَشِيرٍ عَنْ إِسْحَاقَ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ أُمَّ قَيْسٍ بِنْتَ مِحْصَنٍ وَكَانَتْ مِنَ الْمُهَاجِرَاتِ الْأُوَلِ اللَّاتِي بَايَعْنَ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَهِيَ أُخْتُ عُكَّاشَةَ بْنِ مِحْصَنٍ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا أَتَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ بِابْنٍ لَهَا قَدْ عَلَّقَتْ عَلَيْهِ مِنَ الْعُذْرَةِ فَقَالَ اتَّقُوا اللهَ عَلَى مَا تَدْغَرُونَ أَوْلَادَكُمْ بِهَذِهِ الْأَعْلَاقِ عَلَيْكُمْ بِهَذَا الْعُودِ الْهِنْدِيِّ فَإِنَّ فِيهِ سَبْعَةَ أَشْفِيَةٍ مِنْهَا ذَاتُ الْجَنْبِ يُرِيدُ الْكُسْتَ يَعْنِي الْقُسْطَ قَالَ وَهِيَ لُغَةٌ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عتاب بن بشیر نے خبر دی از اسحاق از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ نے خبر دی کہ حضرت ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا جو ان پہلی مہاجرات میں سے تھیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی تھی اور وہ حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں، انہوں نے یہ خبر دی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنے بیٹے کو لے کر آئیں، انہوں نے اپنے بیٹے کے حلق کے کوا کے گرنے کی وجہ سے تالو کو دبا کر علاج کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے ڈرو تم اپنی اولاد کو اس طرح تالو دبا کر تکلیف پہنچاتی ہو، اس عودِ ہندی (کوٹھ) کے استعمال کو لازم کرو کیونکہ اس میں سات بیماریوں کی شفاء ہے، ان میں سے ایک نمونیا ہے، آپ کی مراد تھی کُست یعنی القسط اور یہ بھی ایک لغت ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۶۹۲، ۵۷۱۳، ۵۷۱۵، ۵۷۱۸، صحیح مسلم: ۲۲۱۴، سنن ابوداؤد: ۳۸۷۷، سنن ابن ماجہ: ۳۴۶۲، مسند احمد: ۲۶۴۶۳)

صحیح البخاری: ۵۷۱۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''ذات الجنب'' یعنی نمونیا یا پسلی کا درد۔ اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ عودِ ہندی میں سات بیماریوں کی شفاء ہے اور ان میں سے ایک ذات الجنب یعنی نمونیا بھی ہے۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

یہ حدیث عنقریب ''باب اللدود'' میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''علی ما تدغرون'' یہ جمع مذکر کا صیغہ ہے اور ایک روایت میں ہے ''علامَ تدغرن'' اور یہ جمع مؤنث کا صیغہ ہے، اور ہم نے پہلے بیان کیا تھا کہ ''دغر'' کا معنی ہے: انگلی سے حلق کو دبانا، کیونکہ جس بچہ کے حلق میں درد ہوتا ہے تو

عورت اپنی انگلی سے اس بچے کے حلق کو دباتی ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بچے کے حلق کو انگلی سے دبا کر کیوں تکلیف دیتی ہو؟ تم عودِ ہندی کی دھونی اس کے ناک میں چڑھاؤ تو اس سے اس کو شفاء ہو جائے گی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۱۹، ۵۷۲۰، ۵۷۲۱۔ حَدَّثَنَا عَارِمٌ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ قَالَ قُرِیءَ عَلَىٰ أَيُّوبَ مِنْ كُتُبِ أَبِي قِلَابَةَ مِنْهُ مَا حَدَّثَ بِهِ وَمِنْهُ مَا قُرِءَ عَلَيْهِ وَكَانَ هٰذَا فِي الْكِتَابِ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ أَبَا طَلْحَةَ وَأَنَسَ بْنَ النَّضْرِ كَوَيَاهُ وَكَوَاهُ أَبُو طَلْحَةَ بِيَدِهِ وَقَالَ عَبَّادُ بْنُ مَنْصُورٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ أَذِنَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِأَهْلِ بَيْتٍ مِنَ الْأَنْصَارِ أَنْ يَرْقُوا مِنَ الْحُمَةِ وَالْأُذُنِ قَالَ أَنَسٌ كُوِيتُ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ وَرَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم حَيٌّ وَشَهِدَنِي أَبُو طَلْحَةَ وَأَنَسُ بْنُ النَّضْرِ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَأَبُو طَلْحَةَ كَوَانِي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عارم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ابو قلابہ کی کتابوں سے ایوب کے اوپر حدیث پڑھی گئی، ان میں سے بعض احادیث ہیں جن کو (ایوب نے ابو قلابہ کے سامنے پڑھا تھا) اور بعض وہ احادیث تھیں جو ان کے سامنے پڑھ کر سنائی گئی تھیں اور ان لکھی ہوئی احادیث میں یہ حدیث بھی تھی: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ اور حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہما نے ان کا داغ لگا کر علاج کیا اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے داغ لگایا تھا اور عباد بن منصور نے کہا از ایوب از ابی قلابہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے ایک گھر والوں کو زہریلے جانور کے ڈنک مارنے اور کان کی تکلیف میں دم کرانے کی اجازت دی تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں نمونیا میں داغا گیا تھا اور اس وقت حضرت ابوطلحہ اور حضرت انس بن نضر اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے مجھے داغا تھا۔

(صحیح مسلم: ۲۱۹۳، ۲۱۹۶، سنن ترمذی: ۲۰۵۶، سنن ابن ماجہ: ۳۵۱۶، مسند احمد: ۱۷۸۴، ۱۲۰۰۸)

صحیح البخاری: ۵۷۱۹، ۵۷۲۰، ۵۷۲۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "ذات الجنب" یعنی نمونیا اور صحیح البخاری: ۵۷۲۱ میں مذکور ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے نمونیا کی بیماری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں داغا گیا۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے عارم، یہ محمد بن الفضل کا لقب ہے، اور اس حدیث میں حماد کا ذکر ہے، وہ ابن زید ہیں۔ اور ایوب کا ذکر ہے، وہ سختیانی ہیں۔ اور ابوقلابہ کا ذکر ہے، وہ عبداللہ بن زید الجرمی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''ابوقلابہ کی کتابوں سے ایوب کے سامنے حدیث پڑھی گئی''۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ جس چیز کو کتاب سے پڑھا گیا ہو، اس کی روایت کس طرح جائز ہے؟ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ کتاب ایوب سے سنی گئی تھی، اس کے باوجود اس کا مرتبہ اس روایت سے کم ہے جس کو حافظہ سے روایت کیا گیا ہو، ہاں اگر یہ روایت ایوب سے سنی ہوئی نہ ہوتی تو پھر اس کی روایت کتاب سے جائز نہ ہوتی اور محققین نے اس کو وثوق سے جائز کہا ہے اور اس کا نام الوجادہ رکھا گیا ہے اور اس مسئلہ میں کئی مباحث اور اختلافات ہیں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''وکان ھٰذا فی الکتاب'' یعنی ابوقلابہ کی کتاب میں یہ مذکور تھا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''عن انس'' یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نیز اس حدیث میں ذکر ہے ''بے شک ابوطلحہ نے'' ان کا نام زید بن سہل ہے اور یہ حضرت انس کی والدہ ام سلیم کے شوہر ہیں۔

نیز اس حدیث میں حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''کویاہ'' یعنی ان دونوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو داغ لگایا۔ پہلے داغ لگانے کی نسبت حضرت ابوطلحہ اور حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہما کی طرف کی، پھر بعد میں اس کی نسبت حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی طرف کی، کیونکہ حضرت ابو طلحہ نے اپنے ہاتھ سے داغ لگایا تھا، اور پھر اس کی نسبت حضرت ابوطلحہ اور حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہما کی طرف کی، اس لیے کہ وہ دونوں داغ لگانے کے ساتھ راضی تھے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''اور عباد بن منصور نے کہا:'' یہ عباد بن منصور ناجی ہیں، اور ان کی کنیت ابوسلمہ ہے، اور صحیح بخاری میں صرف اسی جگہ تعلیق میں ان کی روایت ہے، اور یہ بہت بڑے تبع تابعی ہیں اور ان کے متعلق کئی وجوہ سے کلام کیا گیا ہے:

(۱) ان پر قدری ہونے کی تہمت تھی یعنی یہ تقدیر کے منکر تھے، لیکن یہ اپنی بدعت کی طرف لوگوں کو دعوت نہیں دیتے تھے۔

(۲) یہ مدلس تھے۔ (۳) ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا۔

امام ابن عدی نے کہا ہے: ان کی حدیثیں لکھی جاتی ہیں اور امام ابویعلیٰ نے اس تعلیق کی از ابراہیم بن سعد الجوہری سند متصل کے ساتھ روایت کی اور اس تعلیق کے دو فائدے ہیں۔ ایک اسناد کی جہت سے ہے اور وہ یہ ہے کہ حماد بن زید نے اپنی روایت میں بیان کیا ہے کہ ایوب نے اس حدیث کو ابی قلابہ سے صورتاً حاصل کیا تھا اور انہوں نے ابوقلابہ کی کتاب سے اس حدیث کو پڑھا تھا، اور عباد بن منصور نے اس روایت کو عنعن سے بیان کیا ہے۔ دوسرا فائدہ متن کی جہت سے ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو جو داغ لگایا گیا تھا، وہ نمونیا کی وجہ سے تھا اور یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیش آیا تھا اور حضرت زید بن

ثابت رضی اللہ عنہ بھی اس موقع پر حاضر تھے، اور عباد بن منصور کی روایت میں ایک اور اضافہ ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے ایک گھر والوں کو زہریلے جانور کے ڈنک مارنے اور کان میں دم کرانے کی اجازت دی۔ اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے: یعنی کان کے درد میں آپ نے دم کرانے کی اجازت دی ہے جب کان میں درد ہو۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس سے پہلے حدیث میں یہ گزرا ہے کہ دم کرانا صرف نظرِ بد میں یا زہریلے جانور کے ڈنک میں جائز ہے، اور اس حدیث میں زہریلے جانور کے ڈنک مارنے کی وجہ سے اور کان کے درد کی وجہ سے دم کرانے کی اجازت دی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ آپ نے پہلے منع کیا ہو اور بعد میں آپ نے اجازت دی ہو۔ یا اس حدیث کا معنی اس طرح ہو کہ نظرِ بد اور زہریلے جانور کے ڈنک سے زیادہ کسی تکلیف میں دم کرانا نفع بخش نہیں ہے۔ اور ان دونوں کے علاوہ سے آپ نے دم کرانے کی نفی نہیں فرمائی۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے ایک گھر والوں کو اجازت دی کہ وہ زہریلے جانور کے ڈنک اور کان کے درد میں دم کرائیں، اس گھر والوں سے مراد ہے آلِ عمرو بن حزم۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مجھے نمونیا سے داغا گیا" یعنی نمونیا کے سبب سے داغا گیا۔ اور امام حاکم نے امام مسلم کی شرط کے مطابق یہ حدیث ذکر کی ہے کہ نمونیا شیطان سے ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو مجھ پر مسلط نہیں کرے گا۔ پس اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نمونیا کے مرض میں فوت ہوئے تو میں کہوں گا: یہ حدیث بہت ضعیف ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۷۵۔۳۷۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۷۔ بَابٌ: حَرْقِ الْحَصِيرِ لِيُسَدَّ بِهِ الدَّمُ — چٹائی کو جلانا تاکہ (اس کی راکھ سے) خون کو روکا جائے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کسی زخم سے خون بہہ رہا ہو اور کسی صورت سے رک نہ رہا ہو، تو چٹائی کو جلا کر اس کی راکھ کو زخم میں بھر دیا جائے، تاکہ خون بہنے سے رک جائے۔ بعض شارحین نے کہا ہے کہ قیاس یہ تھا کہ امام بخاری اس باب کے عنوان میں لکھتے "احراق الحصیر" یعنی چٹائی کو جلانا اور علامہ ابن التین نے لکھا ہے کہ تحریق الحصیر کہا جاتا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ احراق اور تحریق اس وقت کہا جاتا ہے جب ان میں مبالغہ مقصود ہو، اور حرق الحصیر سے بھی معنی مقصود معلوم ہو جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۷۶۔۳۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۲۲۔ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْقَارِيُّ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ لَمَّا كُسِرَتْ عَلَى رَأْسِ رَسُولِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے سعید بن عفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن عبد الرحمٰن القاری نے حدیث بیان کی از ابی حازم از حضرت سہل

اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم الْبَیْضَۃُ وَاُدْمِیَ وَجْھُہٗ وَکُسِرَتْ رَبَاعِیَتُہٗ وَکَانَ عَلِیٌّ یَخْتَلِفُ بِالْمَاءِ فِی الْمِجَنِّ وَجَاءَتْ فَاطِمَۃُ تَغْسِلُ عَنْ وَجْھِہِ الدَّمَ فَلَمَّا رَاَتْ فَاطِمَۃُ عَلَیْھَا السَّلَامُ الدَّمَ یَزِیْدُ عَلَی الْمَاءِ کَثْرَۃً عَمَدَتْ اِلٰی حَصِیْرٍ فَاَحْرَقَتْھَا وَاَلْصَقَتْھَا عَلٰی جُرْحِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فَرَقَاَ الدَّمُ۔

بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب (غزوۂ احد میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے اوپر خود (لوہے کی ٹوپی) ٹوٹ گیا اور اس سے آپ کا چہرہ خون آلود ہو گیا اور آپ کے سامنے کے دانت ٹوٹ گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھال میں پانی بھر بھر کر لا رہے تھے، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے چہرہ سے خون کو دھو رہی تھیں، پس جب حضرت فاطمہ علیہا السلام نے دیکھا کہ خون پانی سے زیادہ بہہ رہا ہے تو انہوں نے ایک چٹائی کو جلایا اور اس کی راکھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم پر بھر دیا، پھر خون بہنے سے رک گیا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۳، ۲۹۰۳، ۲۹۱۱، ۳۰۳۷، ۴۰۷۵، ۵۲۴۸، ۵۷۲۲، صحیح مسلم: ۱۷۹۰، سنن ترمذی: ۲۰۸۵، سنن ابن ماجہ: ۳۴۶۴، مسند احمد: ۲۲۲۹۳)

صحیح البخاری: ۵۷۲۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید بن عُفیر، عُفیر عفر کی تصغیر ہے، اور یہ سعید بن کثیر بن عفیر المصری ہیں، یعنی اس حدیث میں سعید کو ان کے دادا کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اور اس حدیث میں ابو حازم کا ذکر ہے، ان کا نام سلمہ بن دینار ہے۔

یہ حدیث غزوۂ احد میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''البیضۃ'' کا لفظ مذکور ہے، اس کا معنی ہے: لوہے کی ٹوپی، یہ جنگ کے دوران سر کی حفاظت کے لیے پہنی جاتی ہے، اردو میں اس کو خود کہتے ہیں۔ کسی نے آپ کے خود پر پتھر مارا تو خود کا ایک کونا آپ کے چہرہ انور میں گھس گیا جس سے آپ کا چہرہ زخمی ہو کر خون آلود ہو گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''رباعیتہ'' کسی نے پتھر مارا تھا، جس سے آپ کے سامنے کے دانتوں کا کچھ حصہ ٹوٹ گیا تھا، سامنے کے دانتوں میں سے جو پہلے دانت ہیں ان کو الثنایا کہا جاتا ہے، اس کے بعد جو دانت ہیں ان کو الرباعیۃ کہا جاتا ہے، پھر اس کے بعد جو دانت ہیں ان کو الانیاب کہا جاتا ہے، پھر جو دانت ہیں ان کو الضواحک کہا جاتا ہے، پھر جو دانت ہیں ان کو الارحاء کہا جاتا ہے۔ اور یہ چار دانت ہوتے ہیں دو اوپر کے اور دو نیچے کے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

غزوۂ احد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زخمی ہونے اور آپ کے خون بہنے کی حکمت

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت اپنے والد اور دیگر محارم کے امراض میں ان کا علاج کر سکتی ہے، اور اس

حدیث میں دوا اور علاج کا ثبوت ہے، اس زمانہ میں خون روکنے اور مرہم پٹی کے جو اسباب تھے ان کو اختیار کیا گیا، اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوا اور علاج کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ کسی کافر کے پتھر مارنے کی وجہ سے آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہوا اور آپ کے سامنے کے دانتوں کا کچھ حصہ ٹوٹ گیا اور آپ کا خون بہا، اس میں شہادتِ جہریہ کا نمونہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں زخمی ہونے اور خون بہنے کا نمونہ ہے تا کہ امت کے جو افراد کسی غزوہ میں زخمی ہوں اور ان کا خون بہے تو اس کو آپ کے اس حال کے ساتھ نسبت ہو جائے اور ان کا زخمی ہونا اور ان کے خون کا بہنا سنت ہو جائے۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام تر کمالات کے باوجود اللہ کے بندے ہیں اور کوئی شخص آپ کے کمالات کو دیکھ کر آپ کے متعلق الوہیت کا عقیدہ نہ رکھے اور یہ نہ سمجھے کہ آپ خدا ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ وہ زخمی ہو اور اس کا خون بہے۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۵۷۲۲، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام انسانوں کی طرح بشر ہیں، پس تمام عوارضِ بشریہ آپ پر طاری ہوتے ہیں، آپ سوتے ہیں اور کھاتے پیتے ہیں اور آپ زخمی ہوئے اور آپ کو درد ہوا اور آپ کو گرمی اور سردی لگتی تھی اور اسی طرح دوسرے امور ہیں۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں صرف تمہاری مثل بشر ہوں اور میں اس طرح بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو۔ (صحیح البخاری: ۴۰۱، صحیح مسلم: ۵۷۲)

علماء نے یہاں پر یہ بحث کی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جو آپ کے چہرہ سے خون کو دھویا تو آیا یہ اس وجہ سے تھا کہ خون نجس ہے یا خون طاہر تھا؟

شیخ عثیمین لکھتے ہیں: جن لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ انسان کا خون طاہر ہے، وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس خون کو آپ کے چہرہ سے آپ کے حکم کی وجہ سے نہیں دھویا بلکہ انہوں نے بابِ نظافت یعنی صفائی کے لحاظ سے آپ کے چہرہ سے خون کو دھویا، پھر آپ کے زخم میں چٹائی کو جلا کر اس کی راکھ بھر دی تا کہ خون زیادہ نہ بہے اور آپ کے کپڑوں پر نہ گرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خون کے دھونے کا حکم نہیں دیا تھا، اس میں ان علماء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ خون طاہر ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۴۰۴۔۴۰۵، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

مصنف کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خون عام لوگوں کے خون کی مثل نہیں ہے، اور آپ کا خون طاہر ہے اور آپ کے چہرہ سے خون کو دھونا صفائی اور ستھرائی کے قبیل سے ہے اور آپ کے زخم میں راکھ کو بھرنا زخم کے علاج کے لیے ہے اور اس میں ہمارے لیے دلیل ہے کہ اگر کسی شخص کو زخم لگ جائے اور خون نہ رک رہا ہو تو خون کو بہنے سے روکنے کے لیے اس زخم میں راکھ کو بھر دینا جائز ہے، اس زمانہ میں خون کو بہنے سے روکنے کے لیے یہی طریقہ معلوم تھا لیکن اب چونکہ طب میں ترقی ہو چکی ہے، اس لیے اب جدید میڈیکل سائنس نے خون کو روکنے کے لیے اور زخم کو بھرنے کے لیے جو دوائیاں ایجاد کی ہیں، ان دوائیوں کو استعمال کرنا چاہیے۔
نیز شیخ عثیمین کا لکھنا کہ آپ عام انسانوں کی طرح بشر ہیں، یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اس کی تشریح اس طرح کرنی چاہیے جیسے ہم نے کی

ہے۔(سعیدی غفرلہ)

۲۸۔ بَابٌ: اَلْحُمّٰى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ — بخار جہنم کی تپش سے ہے، اس کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بخار جہنم کی تپش سے ہے، اس باب میں ''فیح'' کا لفظ ہے، اور اس باب کے آخر میں ایک حدیث ہے اس میں ''فوح'' کا لفظ ہے، اور علامہ جوہری نے کہا ہے کہ الفیح والفوح یہ دو لغت ہیں، کہا جاتا ہے ''فاحت رائحة المسك تفيح و تفوح'' یعنی مشک کی خوشبو پھیل گئی، اور حدیث میں جو ہے کہ بخار جہنم کی تپش سے ہے، اس سے مراد حقیقت بھی ہوسکتی ہے یعنی بخار زدہ شخص کو جسم میں جو تپش محسوس ہو رہی ہے وہ تپش جہنم کی آگ کی تپش کا ایک ٹکڑا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بعض اسباب سے اس کے ظہور کو مقدر فرما دیا تاکہ بندے اس سے عبرت پکڑیں اور نصیحت حاصل کریں، جیسے کہا جاتا ہے کہ خوشی اور لذت کی اقسام جنت کی نعمتوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس جہان میں ظاہر کر دیا تاکہ انسان اس سے جنت کی نعمتوں کو قیاس کرے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ جو حدیث میں ہے: بخار جہنم کی تپش سے ہے، تو یہ بہ طور تشبیہ اور استعارہ کے ہو، یعنی بخار زدہ شخص کو جو جسم میں تپش محسوس ہوتی ہے یہ تپش جہنم کی تپش کے مشابہ ہے، اور علامہ طیبی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں جو ہے ''من فيح جهنم'' یہ من یا ابتدائیہ ہے یا تبعیضیہ ہے، یعنی بخار زدہ شخص کو بخار میں جو تپش اور جلن محسوس ہوتی ہے، یہ تپش اور جلن دوزخ کی تپش اور جلن کا بعض حصہ ہے، اور جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ دوزخ نے اپنے رب سے شکایت کی اور کہا کہ اے میرے رب! میرا بعض حصہ بعض حصہ کو کھا گیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو دو سانس لینے کی اجازت دی، ایک سانس سردی میں اور ایک سانس گرمی میں، پس جس طرح گرمیوں کی حرارت جہنم کی گرمی کے آثار سے ہے، اسی طرح بخار میں جو تپش اور جلن محسوس ہوتی ہے، یہ بھی دوزخ کی تپش اور جلن کا ایک حصہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۷۷۔۳۷۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۲۳۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْحُمّٰى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَأَطْفِئُوهَا بِالْمَاءِ قَالَ نَافِعٌ وَكَانَ عَبْدُ اللهِ يَقُولُ اكْشِفْ عَنَّا الرِّجْزَ۔

(صحیح البخاری: ۳۲۶۴، ۵۷۲۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: بخار جہنم کی تپش سے ہے، اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔

نافع نے کہا: کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (بخار آنے پر) یہ دعا کرتے: اے اللہ! ہم سے اس عذاب کو دور فرما دے۔

صحیح البخاری: ۵۷۲۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن سلیمان کا ذکر ہے، وہ ابوسعید الجعفی الکوفی ہیں جنہوں نے مصر میں رہائش اختیار کر لی تھی، اور وہ عبداللہ بن وہب المصری سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فاطفؤها'' یہ ہمزہ قطعی ہے اور باب افعال کا ہمزہ ہے اور جب کہ بخار جہنم کی تپش سے ہے اور جہنم میں گرمی ہوتی ہے اور اس کی آگ کے شعلے ہوتے ہیں اور آگ کو پانی کے ساتھ بجھایا جاتا ہے، اسی طرح بخار کی حرارت پانی کے ساتھ زائل کی جاتی ہے۔

اطباء نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے کہ جو بخار صفراوی مزاج والے کو ہو، تو اس کو ٹھنڈا پانی پلانے سے اور اس کے اعضاء کو ٹھنڈے پانی سے دھونے سے وہ بخار اتر جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۷۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ کبھی بخار صفراوی مزاج والے کو ہوتا ہے اور کبھی بلغمی مزاج والے کو ہوتا ہے، جیسے آدمی کو نزلہ اور زکام اور کھانسی ہو اور اس کے سینے میں درد ہو اور اس کو بخار چڑھے تو اس کو تو ٹھنڈا پانی مضر ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ عرب میں زیادہ تر گرم مزاج کے لوگ تھے اور ان کو جو بخار چڑھتا تھا تو اس کے لیے ٹھنڈا پانی مفید ہوتا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعتبار سے یہ فرمایا ہے کہ بخار جہنم کی تپش سے ہے اور اس کو ٹھنڈے پانی سے دور کرو اور آپ نے یہ قاعدہ کلیہ نہیں بیان فرمایا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۷۲۳ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بخار کو ٹھنڈے پانی سے دور کرنے کے دو طریقے

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے تفسیر کی ہے: بخار کو ٹھنڈا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس کو بخار چڑھا ہوا ہو اس کے اوپر ٹھنڈا پانی ڈالا جائے، اور جن کو بخار ہو ان کے احوال مختلف ہوتے ہیں، ان میں سے بعض وہ ہیں کہ جن کے اوپر ٹھنڈا پانی ڈالنا مفید ہوتا ہے اور بعض وہ ہوتے ہیں کہ ان کو ٹھنڈا پانی پلایا جائے تو وہ مفید ہوتا ہے۔

اور بعض علماء کا زعم یہ ہے کہ بعض بخار ایسے ہیں کہ ان میں بخار زدہ شخص کے اوپر ٹھنڈا پانی ڈالنا واجب ہے، اور یہ وہی بخار ہے جس کا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارادہ کیا ہے کہ بخار جہنم کی تپش سے ہے اور فرمایا کہ اس کو پانی سے بجھاؤ اور پانی سے اس کو ٹھنڈا کرو، اور شارع علیہ السلام نے اس سے اس بخار کا ارادہ نہیں کیا جو سردی سے چڑھتا ہے اور آپ نے یہ اس بخار کے متعلق حکم دیا ہے جس کی اصل گرمی ہوتی ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۴۵۲، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۷۲۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ رضى الله عنهما كَانَتْ إِذَا أُتِيَتْ بِالْمَرْأَةِ قَدْ حُمَّتْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از ہشام از فاطمہ بنت المنذر، انہوں نے بیان کیا کہ جب حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما

تَدْعُو لَهَا أَخَذَتِ الْمَاءَ فَصَبَّتْهُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ جَيْبِهَا قَالَتْ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَأْمُرُنَا أَنْ نَبْرُدَهَا بِالْمَاءِ.

کے پاس کوئی ایسی عورت آتی جس کو بخار ہوتا تو وہ اس کے لیے دعا کرتیں اور کے گریبان پر پانی ڈالتیں، اور وہ کہتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں یہ حکم دیتے تھے کہ ہم بخار کو پانی سے ٹھنڈا کریں۔

(صحیح مسلم: ۲۲۱۱، سنن ابن ماجہ: ۳۴۷۴، مسند احمد: ۲۶۳۸۶، موطا امام مالک: ۱۷۶۰)

صحیح البخاری: ۵۷۲۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ بخار کو پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرو، اور یہ حدیث، حدیثِ سابق کے مطابق ہے جس میں ارشاد تھا کہ بخار جہنم کی تپش سے ہے، سو اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔ اور مطابق کا مطابق بھی مطابق ہوتا ہے، لہٰذا یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ہشام کا ذکر ہے، اور یہ ابن عروہ ہیں۔ اور فاطمہ بنت المنذر بن الزبیر کا ذکر ہے، اور یہ حضرت زبیر کی پھوپھی کی بیٹی ہیں اور حضرت زبیر کی بیوی حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب کسی بخار زدہ عورت کو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس لایا جاتا تو وہ اس کے گریبان کے اندر ٹھنڈا پانی ڈالتیں اور بیان کرتیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں یہ حکم دیتے تھے کہ بخار کو پانی کے ساتھ ٹھنڈا کریں۔ اس کی شرح حدیثِ سابق کی شرح کی مثل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۷۸۔ ۳۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: جدید میڈیکل سائنس سے بھی ثابت ہے کہ جب بہت تیز بخار ہو تو بخار کے مریض پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھی جائیں اور برف کے ساتھ اس کی ٹکور کی جائے، اس بات کو سائنسدانوں نے اب جانا ہے اور نبی ﷺ نے چودہ سو سال پہلے یہ علاج بتا دیا تھا۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۷۲۵۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْحُمَّى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَابْرُدُوهَا بِالْمَاءِ. (صحیح البخاری: ۳۲۶۴، ۵۷۲۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: بخار جہنم کے سانس سے ہے، سو اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔

صحیح البخاری:۵۷۲۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے اور وہ القطان ہیں، اور ہشام کا ذکر ہے، وہ ابنِ عروہ ہیں جو اپنے والد حضرت عُروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں از حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ بخار کو پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرو، ابن الانباری نے کہا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ مریض کی طرف سے پانی کا صدقہ کرو تا کہ اللہ عزوجل اس کو شفاء عطا فرمائے، کیونکہ روایت ہے کہ افضل صدقہ پانی پلانا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۲۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ جَدِّهِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ الْحُمَّى مِنْ فَوْحِ جَهَنَّمَ فَابْرُدُوهَا بِالْمَاءِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالاحوص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن مسروق نے حدیث بیان کی از عبایہ بن رفاعہ از جد خود حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بخار جہنم کی تپش سے ہے، اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔

(صحیح مسلم: ۲۲۱۲، سنن ترمذی: ۲۰۷۳، مسند احمد: ۱۶۸۱۵، سنن داری: ۲۷۶۹)

اس حدیث کی شرح بھی احادیثِ سابقہ کی مثل ہے۔

۲۹۔ بَابُ: مَنْ خَرَجَ مِنْ أَرْضٍ لَا تُلَايِمُهُ

جو شخص ایسی سرزمین سے نکلا جس کی آب و ہوا اس کے ناموافق ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص کسی ایسی سرزمین کی طرف گیا جہاں کی آب و ہوا اس کے ناموافق تھی تو اس کا کیا حکم ہے۔ امام بخاری نے یہ بیان نہیں کیا کیونکہ باب میں مذکور حدیث سے اس کا حکم سمجھ میں آرہا ہے، یعنی ایسے علاقہ کی طرف جانا بھی جائز ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۲۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ أَنَّ أَنَسَ بْنَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد الاعلیٰ بن حماد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع

مَالِكٍ حَدَّثَهُمْ أَنَّ نَاسًا أَوْ رِجَالًا مِنْ عُكْلٍ وَعُرَيْنَةَ قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ وَتَكَلَّمُوا بِالْإِسْلَامِ وَقَالُوا يَا نَبِيَّ اللهِ إِنَّا كُنَّا أَهْلَ ضَرْعٍ وَلَمْ نَكُنْ أَهْلَ رِيفٍ وَاسْتَوْخَمُوا الْمَدِينَةَ فَأَمَرَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِذَوْدٍ وَبِرَاعٍ وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَخْرُجُوا فِيهِ فَيَشْرَبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا فَانْطَلَقُوا حَتَّى كَانُوا نَاحِيَةَ الْحَرَّةِ كَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَقَتَلُوا رَاعِيَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَاسْتَاقُوا الذَّوْدَ فَبَلَغَ النَّبِيَّ ﷺ فَبَعَثَ الطَّلَبَ فِي آثَارِهِمْ وَأَمَرَ بِهِمْ فَسَمَرُوا أَعْيُنَهُمْ وَقَطَعُوا أَيْدِيَهُمْ وَتُرِكُوا فِي نَاحِيَةِ الْحَرَّةِ حَتَّى مَاتُوا عَلَى حَالِهِمْ۔

نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ان کو حدیث بیان کی کہ کچھ لوگ یا چند مرد عُکل اور عُرینہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اسلام کے متعلق گفتگو کی، انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! ہم مویشیوں کا دودھ نکالنے والے لوگ ہیں اور ہم کھیتی باڑی کرنے والے نہیں ہیں، اور ان کو مدینہ کی آب وہوا موافق نہیں آئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اونٹوں کا اور چرواہے کا حکم دیا، اور ان کو حکم دیا کہ وہ نکل کر اس جگہ چلے جائیں، پس اونٹنیوں کا دودھ پئیں اور ان کا پیشاب پئیں، پس وہ چلے گئے حتیٰ کہ جب وہ حرہ کی ایک جانب پہنچے تو اسلام کے بعد انہوں نے کفر کیا اور مرتد ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہنکا کر بھاگ گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے ان کی تلاش میں صحابہ کو بھیجا، اور جب وہ پکڑے گئے تو آپ نے حکم دیا تو ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں اور ان کے ہاتھ کاٹے گئے اور ان کو حرہ کی ایک جانب میں چھوڑ دیا گیا حتیٰ کہ وہ اسی حال میں مر گئے۔

(صحیح البخاری: ۲۳۳، ۱۵۰۱، ۳۰۱۸، ۴۱۹۲، ۴۱۹۳، ۴۶۱۰، ۵۶۸۵، ۵۶۸۶، ۵۷۲۷، ۶۸۰۳، ۶۸۰۴، ۶۸۰۵، ۶۸۹۹، صحیح مسلم: ۱۶۷۱، سنن ترمذی: ۷۲، سنن نسائی: ۳۰۵، سنن ابوداؤد: ۴۳۶۴، سنن ابن ماجہ: ۲۵۷۸، مسند احمد: ۱۲۲۵۷)

صحیح البخاری: ۵۷۲۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "واستوخموا المدینة" کیونکہ جب ان کو مدینہ کی آب وہوا موافق نہیں آئی تو انہوں نے وہاں سے نکلنے کو طلب کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔

اس حدیث میں مذکور ہے "عُکل وعُرینه" یہ دو قبیلوں کے نام ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اهل ضرع" یعنی اہل مواشی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اهل ریف" یعنی اس زمین کے رہنے والے جہاں کھیتی باڑی ہو۔

ذود: اس کا معنی ہے: تین سے لے کر دس تک اونٹ۔
''ابوالھا'' ان کو اونٹنیوں کا پیشاب پینے کا حکم اس لئے دیا کہ اس وقت تک پیشاب کا پینا حرام نہیں ہوا تھا اور یا اس وجہ سے کہ یہ بہ طور دوا تھا۔
الحرۃ: سیاہ پتھریلی زمین کو الحرۃ کہتے ہیں۔
''فبعث الطلب'' طلب طالب کی جمع ہے، یعنی ان کی تلاش کے لئے کئی صحابہ کو بھیجا۔
''فسمروا اعینھم'' یعنی کیلوں کو گرم کر کے ان کی آنکھوں میں پھیرا گیا، کیونکہ انہوں نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چرواہوں کے ساتھ اسی طرح کیا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۸۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کا خلاصہ

امام بخاری کا اس باب کے عنوان سے مقصود یہ ہے کہ اگر کسی انسان کو کسی علاقے یا کسی زمین کی آب وہوا موافق نہ آئے تو وہ اس علاقہ کو چھوڑ کر کسی اور علاقہ میں جا سکتا ہے، امام بخاری نے عرینیین کے قصہ سے اس پر استدلال کیا ہے کہ وہ مدینہ منورہ آئے اور یہاں کی آب وہوا ان کو راس نہ آئی، سو وہ بیمار ہو گئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مدینہ سے باہر سیاہ پتھریلی زمین میں جانے کا حکم دیا اور وہاں انہیں اونٹنیوں کا دودھ اور اونٹنیوں کا پیشاب پینے کے لیے فرمایا، اور وہ لوگ چونکہ پہلے بھی جانوروں کا دودھ دوہتے تھے اور دودھ پیتے تھے اور پیشاب پیتے تھے تو انہیں اپنے مطلب کی غذا ملی تو وہ تندرست ہو گئے لیکن انہوں نے ناشکری کی اور مرتد ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اونٹوں کی حفاظت کرنے والے چرواہوں کو قتل کیا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طلب میں صحابہ کو بھیجا، وہ سب پکڑے گئے، پھر قصاص میں ان سب کو قتل کیا گیا، اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چرواہے کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں تو قصاص میں ان کے ساتھ بھی اسی طرح کا معاملہ کیا گیا۔
اس حدیث میں ان کو پیشاب پلانے کا ذکر ہے، اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اگر یہ یقین ہو کہ نجس چیز میں شفاء ہے تو اس کو استعمال کرنا جائز ہے، اس حدیث میں ہے کہ پہلے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ نرمی اور مروت برتی، لیکن جب انہوں نے اس نرمی اور مروت کا صلہ بدی سے دیا تو پھر ان سے قصاص لیا گیا۔

۳۰۔ بَابُ: مَا يُذْكَرُ فِي الطَّاعُونِ طاعون کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
طاعون، فاعول کے وزن پر ہے اور یہ طعن سے ماخوذ ہے، طعن کے معنی ہیں: کسی چیز کا چبھونا، جیسے نیزہ کی نوک کو چبھوتے ہیں۔
علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ: طاعون ایک عام بیماری ہے، جس سے ہوا فاسد ہو جاتی ہے اور مزاج اور بدن خراب ہو جاتے ہیں۔
علامہ الجوہری نے کہا ہے: طاعون موت عام ہے، یعنی اس بیماری کے نتیجہ میں عام لوگ مر جاتے ہیں۔
علامہ الکرمانی نے کہا ہے: طاعون ایک پھنسی ہے، جس سے جسم میں بہت سخت درد ہوتا ہے، اور یہ عموماً انسان کی بغلوں میں نکلتی

ہے اور اس میں سخت جلن ہوتی ہے اور اس کے ارد گرد کی جگہ سیاہ ہو جاتی ہے اور دل میں گھبراہٹ طاری ہوتی ہے اور قے آتی ہے۔

علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ: طاعون ایسا درد ہے جو بہت غالب ہوتا ہے، اور روح میں اس طرح چبھتا ہے جیسے اس کو ذبح کر دیا ہو، اس کو طاعون اس لئے کہتے ہیں کہ یہ عام لوگوں میں پھیل جاتا ہے اور اس کی وجہ سے بہت تیزی سے اموات ہوتی ہیں۔

علامہ الباجی نے کہا ہے: طاعون ایک مرض ہے جو بہت لوگوں میں مختلف جہات سے ہوتا ہے، اس کے برخلاف دوسرے امراض ایک جہت سے ہوتے ہیں۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے: طاعون ایک دانہ ہے جو ہاتھوں اور رانوں کی جڑوں میں نکلتا ہے، اور صحیح یہ ہے کہ یہ وبا ہے۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ: طاعون ایک پھوڑا ہے جو جسم میں نکلتا ہے، اور وبا عموم الامراض کو کہتے ہیں، تو اس کا نام طاعون اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس کی ہلاکت میں مشابہت ہے، ورنہ ہر طاعون وبا ہے اور ہر وبا طاعون نہیں ہے۔ اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ شام کی وبا جو عمواس میں پھیلی تھی وہ بھی طاعون تھی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: عمواس کا طاعون ۱۸ھ میں واقع ہوا تھا، اور عمواس رملہ اور بیت المقدس کے درمیان ایک بستی ہے، اور عمواس کا طاعون پہلا طاعون ہے جو اسلام میں واقع ہوا اور اس طاعون سے شام میں تیس ہزار مسلمان ہلاک ہو گئے تھے۔

طاعون کے متعلق حدیث

امام احمد نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی فنا طعن اور طاعون سے ہوگی۔ صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! طعن کو تو ہم جانتے ہیں (نیزہ چبھونا)، طاعون کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: جنات میں سے تمہارے بھائیوں کا نوچنا اور چبھونا ہے، اور ہر ایک میں شہادت ہے۔

طاعون کی تعریف میں دیگر اقوال

علامہ ابن عبد البر مالکی نے کہا ہے: طاعون ایک گلٹی ہے جو بغلوں اور کہنیوں میں نکلتی ہے، اور کبھی ہاتھوں اور انگلیوں میں بھی نکلتی ہے اور جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، وہاں نکلتی ہے۔

امام غزالی نے کہا: طاعون سے تمام بدن سوج جاتا ہے، اور اس کے ساتھ بخار آتا ہے، یا خون کا بعض اعضاء کی طرف بہنا ہے، پس وہ اعضاء سوج جاتے ہیں اور سرخ ہو جاتے ہیں اور وہ عضو ظاہر ہو جاتا ہے۔

اور ابن سیناء نے کہا: کہ طاعون ایک زہریلا مادہ ہے جو ورم کو پیدا کرتا ہے، اور وہ جسم کے نرم حصوں میں ورم ہوتا ہے، عموماً بغل کے نیچے یا کان کے پیچھے ہوتا ہے، اور اس کا سبب ردی خون ہے جو بدبودار اور فاسد ہونے کی طرف مائل ہو۔ اس سے قے آتی ہے اور متلی ہوتی ہے اور بے ہوشی طاری ہوتی ہے اور دل میں گھبراہٹ ہوتی ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ شارع علیہ السلام نے جو خبر دی ہے کہ طاعون جنات کا چبھونا یا نوچنا ہے، تو اس حدیث میں اور طاعون کی تفسیر میں جو اقوال ذکر کیے گئے ہیں، ان میں منافات ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حق وہ ہے جو شارع علیہ السلام نے کہا: اور اطباء تو اپنے قواعد کے تقاضوں کے اعتبار سے بیان کرتے ہیں، اور جنات کا چبھونا یا نوچنا ایسی چیز ہے جس کا عقل سے ادراک نہیں کیا جا سکتا۔

نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اطباء نے طاعون کی تعریف میں جو کہا ہے کہ یہ ایک گلٹی ہے یا پھنسی ہے یا اس سے جسم سوج جاتا ہے، تو یہ امور جنات کے چھونے سے ظاہر ہوتے ہوں اور طاعون جنات کے چھونے سے ہوتا ہے، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جن شہروں کی آب و ہوا بہت درست ہو اور موسم بھی صحیح ہو اور وہاں کی آب و ہوا بھی موافق ہو، تو وہاں بھی طاعون واقع ہوتا ہے، اگر طاعون آب و ہوا کے فساد کی وجہ سے ہوتا تو تمام لوگوں میں ہو جاتا اور حیوانات میں بھی ہو جاتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۸۰۔۳۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۲۸۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي حَبِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ قَالَ سَمِعْتُ إِبْرَاهِيمَ بْنَ سَعْدٍ قَالَ سَمِعْتُ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ يُحَدِّثُ سَعْدًا عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ قَالَ إِذَا سَمِعْتُمْ بِالطَّاعُونِ بِأَرْضٍ فَلَا تَدْخُلُوهَا وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا مِنْهَا فَقُلْتُ أَنْتَ سَمِعْتَهُ يُحَدِّثُ سَعْدًا وَلَا يُنْكِرُهُ قَالَ نَعَمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حبیب بن ابی ثابت نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابراہیم بن سعد سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی، آپ نے فرمایا: جب تم کسی زمین میں طاعون کی خبر سنو تو اس زمین میں مت داخل ہو، اور جب کسی سرزمین میں طاعون واقع ہو اور تم وہاں پر ہو تو وہاں سے نہ نکلو، (سو حبیب بن ابی ثابت نے ابراہیم بن سعد سے کہا:) کیا آپ نے خود حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے سنا کہ وہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کرتے تھے اور اس کا انکار نہیں کرتے تھے، تو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے کہا: ہاں!

(صحیح البخاری: ۳۴۷۳، ۵۷۲۸، ۶۹۷۴، صحیح مسلم: ۲۲۱۸، سنن ترمذی: ۱۰۶۵، مسند احمد: ۲۱۲۵۶، موطا امام مالک: ۱۶۵۶)

صحیح البخاری: ۵۷۲۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ باب کے عنوان میں طاعون کا ذکر ہے اور اس حدیث میں بھی طاعون کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، وہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں جو ان دس صحابہ میں سے ایک ہیں جن کو زندگی میں ہی جنت کی بشارت دی گئی تھی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما حدیث بیان کرتے تھے کہ حضرت سعد نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی، یہ حضرت سعد ابراہیم مذکور کے والد ہیں۔اور اعمش کی روایت میں اس حدیث کی سند اس طرح ہے: از حبیب بن ثابت از ابراہیم بن سعد از اسامہ بن زید و سعد۔اور اس حدیث کی امام مسلم نے روایت کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۷۲۸ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

طاعون کے متعلق دیگر احادیث

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ شام کی طرف گئے، جب سرغ پر پہنچے تو اجناد کے لوگوں میں سے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور ان کے اصحاب نے آپ سے ملاقات کی اور یہ بتایا کہ شام میں وبا پھیل گئی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت عمر نے فرمایا: مہاجرین اولین کو بلاؤ، میں نے ان کو بلایا، آپ نے ان سے مشورہ کیا اور ان کو یہ بتلایا کہ شام میں وبا پھیل گئی ہے، اس مسئلہ میں ان کا اختلاف ہوا، بعض نے کہا: آپ ایک کام کے لیے آئے ہیں اور ہمارے خیال میں اب آپ کا واپس جانا درست نہیں ہے، بعض نے کہا: آپ کے پاس بعض متقدمین اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہیں اور ہمارے خیال میں یہ مناسب نہیں ہے کہ آپ ان کو وبائی علاقہ میں لے جائیں، حضرت عمر نے کہا: اچھا اب آپ جائیں، پھر فرمایا: میرے لیے انصار کو بلاؤ، میں نے انصار کو بلایا، پھر آپ نے ان سے مشورہ کیا، اور انہوں نے بھی مہاجرین کی طرح اپنی رائے کا اظہار کیا، اور اسی طرح مختلف آراء بیان کیں، حضرت عمر نے کہا: آپ لوگ بھی تشریف لے جائیں۔پھر فرمایا: قریش کے ان بزرگوں کو بلاؤ جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے تھے، ان میں سے دو شخصوں نے بھی اختلاف رائے نہیں کیا اور سب نے یہی کہا کہ ہماری رائے میں آپ واپس لوٹ جائیں اور لوگوں کو وبائی علاقہ میں نہ لے جائیں، بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صبح کو یہ اعلان کرا دیا کہ میں صبح کو سوار ہو جاؤں گا، سو لوگ بھی سوار ہو گئے، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح نے کہا: کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟ حضرت عمر نے کہا: کاش! یہ بات آپ کے سوا کسی اور نے کہی ہوتی، اور حضرت عمر ان سے اختلاف کرنا اچھا نہیں سمجھتے تھے، (حضرت عمر نے رضی اللہ عنہ کہا): ہاں! ہم اللہ تعالیٰ کی ایک تقدیر سے دوسری تقدیر کی طرف جا رہے ہیں! مجھے یہ بتلاؤ کہ اگر تمہارے پاس اونٹ ہوں اور تم کسی ایسی وادی میں جاؤ جس کے دو کنارے ہوں، ایک سرسبز اور شاداب ہو اور دوسرا بنجر اور ویران ہو، اب اگر تم سرسبز کنارے پر اپنے اونٹ چراؤ تو وہ بھی اللہ کی تقدیر ہے اور اگر خشک کنارے پر اونٹ چراؤ تو وہ بھی اللہ کی تقدیر ہے، اتنے میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ آ گئے جو پہلے کسی کام سے گئے ہوئے تھے، انہوں نے کہا: مجھے اس مسئلے کا علم ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جب تم کسی علاقہ میں وبا کی خبر سنو تو وہاں نہ جاؤ، اور اگر تمہارے علاقے میں وبا پھیل جائے تو اس وبا سے بچنے کے لیے وہاں سے نہ نکلو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا: پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کا شکر

ادا کیا اور واپس چلے گئے۔ (صحیح مسلم: ۲۲۱۹، الرقم المسلسل: ۵۶۷۷، صحیح البخاری: ۵۷۲۹، سنن ابوداؤد: ۳۱۰۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ میں نہ دجال داخل ہوگا اور نہ طاعون۔
(صحیح البخاری: ۱۸۸۰، کتاب فضائل المدینہ، باب لا یدخل الدجال المدینہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو پیٹ کی بیماری میں فوت ہو گیا وہ شہید ہے، اور جو طاعون کی بیماری میں فوت ہوا وہ بھی شہید ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۰۶۳، السنن الکبریٰ: ۷۵۲۸)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۴۵۶۔۴۵۷، ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۷۲۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زَيْدِ بْنِ الْخَطَّابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ نَوْفَلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی الله عنه خَرَجَ إِلَى الشَّامِ حَتَّى إِذَا كَانَ بِسَرْغَ لَقِيَهُ أُمَرَاءُ الْأَجْنَادِ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ وَأَصْحَابُهُ فَأَخْبَرُوهُ أَنَّ الْوَبَاءَ قَدْ وَقَعَ بِأَرْضِ الشَّامِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ عُمَرُ ادْعُ لِي الْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ فَدَعَاهُمْ فَاسْتَشَارَهُمْ وَأَخْبَرَهُمْ أَنَّ الْوَبَاءَ قَدْ وَقَعَ بِالشَّامِ فَاخْتَلَفُوا فَقَالَ بَعْضُهُمْ قَدْ خَرَجْتَ لِأَمْرٍ وَلَا نَرَى أَنْ تَرْجِعَ عَنْهُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ مَعَكَ بَقِيَّةُ النَّاسِ وَأَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَا نَرَى أَنْ تُقْدِمَهُمْ عَلَى هَذَا الْوَبَاءِ فَقَالَ ارْتَفِعُوا عَنِّي ثُمَّ قَالَ ادْعُوا لِي الْأَنْصَارَ فَدَعَوْتُهُمْ فَاسْتَشَارَهُمْ فَسَلَكُوا سَبِيلَ الْمُهَاجِرِينَ وَاخْتَلَفُوا كَاخْتِلَافِهِمْ فَقَالَ ارْتَفِعُوا عَنِّي ثُمَّ قَالَ ادْعُ لِي مَنْ كَانَ هَا هُنَا مِنْ مَشْيَخَةِ قُرَيْشٍ مِنْ مُهَاجِرَةِ الْفَتْحِ فَدَعَوْتُهُمْ فَلَمْ يَخْتَلِفْ مِنْهُمْ عَلَيْهِ رَجُلَانِ فَقَالُوا نَرَى أَنْ تَرْجِعَ بِالنَّاسِ وَلَا تُقْدِمَهُمْ عَلَى هَذَا الْوَبَاءِ فَنَادَى عُمَرُ فِي النَّاسِ إِنِّي مُصَبِّحٌ عَلَى ظَهْرٍ فَأَصْبِحُوا عَلَيْهِ قَالَ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ أَفِرَارًا مِنْ قَدَرِ اللهِ فَقَالَ عُمَرُ لَوْ غَيْرُكَ قَالَهَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از عبد الحمید بن عبد الرحمٰن بن زید بن الخطاب از عبد اللہ بن عبد اللہ بن الحارث بن نوفل از حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ شام کی طرف گئے حتیٰ کہ جب مقام سرغ پر پہنچے تو ان سے اجناد کے امراء نے ملاقات کی، ان میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور ان کے اصحاب تھے، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ شام میں وبا پھیل چکی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے لیے مہاجرین اولین کو بلاؤ، سو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو بلایا، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے مشورہ کیا اور ان کو بتایا کہ وبا شام میں پھیل چکی ہے، ان کا اس مسئلہ میں اختلاف ہوا، پس بعض نے کہا: آپ ایک کام کے لئے نکلے ہیں اور ہم مناسب نہیں سمجھتے کہ آپ وہ کام کیے بغیر واپس جائیں۔ اور بعض نے کہا: آپ کے پاس باقی لوگ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں اور ہم مناسب نہیں سمجھتے کہ آپ اس وباء والے علاقہ میں جائیں، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ لوگ میرے پاس سے چلے جائیں، پھر فرمایا: میرے لئے انصار کو بلاؤ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پس میں نے انصار کو بلایا، سو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے مشورہ کیا تو وہ بھی مہاجرین کے طریقہ پر چلے اور ان میں بھی انہی کی طرح اختلاف

يَا أَبَا عُبَيْدَةَ نَعَمْ نَفِرُّ مِنْ قَدَرِ اللهِ إِلَى قَدَرِ اللهِ أَرَأَيْتَ لَوْ كَانَ لَكَ إِبِلٌ هَبَطَتْ وَادِيًا لَهُ عُدْوَتَانِ إِحْدَاهُمَا خَصِبَةٌ وَالْأُخْرَى جَدْبَةٌ أَلَيْسَ إِنْ رَعَيْتَ الْخَصْبَةَ رَعَيْتَهَا بِقَدَرِ اللهِ وَإِنْ رَعَيْتَ الْجَدْبَةَ رَعَيْتَهَا بِقَدَرِ اللهِ قَالَ فَجَاءَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ وَكَانَ مُتَغَيِّبًا فِي بَعْضِ حَاجَتِهِ فَقَالَ إِنَّ عِنْدِي فِي هَذَا عِلْمًا سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ إِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًا مِنْهُ قَالَ فَحَمِدَ اللهَ عُمَرُ ثُمَّ انْصَرَفَ۔

تھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ لوگ میرے پاس سے چلے جائیں، پھر فرمایا: میرے لئے ان کو بلاؤ جو یہاں پر قریش کے بزرگوں میں سے ہیں جو فتح مکہ کے وقت مہاجر تھے، پس میں نے ان کو بلایا، تو ان میں سے دو مردوں کا بھی اختلاف نہیں ہوا اور انہوں نے کہا کہ ہماری رائے یہ ہے کہ آپ لوگوں کو واپس لے جائیں اور اس وبا والے علاقہ میں نہ جائیں، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں ندا کردی کہ میں صبح کو یہاں سے سوار ہو جاؤں گا، پس لوگ صبح کو تیار ہو گئے، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کاش آپ کے سوا کسی اور نے یہ بات کہی ہوتی اے ابو عبیدہ! ہاں، ہم اللہ کی ایک تقدیر سے دوسری تقدیر کی طرف بھاگ رہے ہیں، آپ یہ بتائیں کہ اگر آپ کے پاس اونٹ ہوں اور آپ ایسی وادی میں اتریں جس میں دو چراگاہیں ہوں، ایک سرسبز و شاداب ہو اور دوسری بنجر ہو، تو اگر آپ ایسی چراگاہ میں چرائیں جو سرسبز و شاداب ہو تو وہ بھی اللہ کی تقدیر سے ہے اور اگر آپ ایسی چراگاہ میں چرائیں جو بنجر ہو تو وہ بھی اللہ کی تقدیر سے ہے، اتنے میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی آ گئے اور وہ کسی کام سے گئے ہوئے تھے، پس انہوں نے کہا کہ میرے پاس اس مسئلہ کا علم ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم کسی زمین کے متعلق سنو کہ اس میں طاعون ہے تو وہاں پر مت جاؤ، اور جب تم کسی زمین میں ہو اور وہاں طاعون آ چکا ہو تو وہاں سے تم نہ نکلو طاعون سے بھاگنے کے سبب سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور واپس چلے گئے۔

(صحیح البخاری: ۵۷۳۰، ۶۹۷۳، صحیح مسلم: ۲۲۱۹، سنن ابوداؤد: ۳۱۰۳، مسند احمد: ۱۶۸۵، ۱۶۶۹، موطا امام مالک: ۱۶۵۵، ۱۶۵۷)

صحیح البخاری: ۵۷۲۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: طاعون کا بیان، اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ تم جب کسی علاقہ میں یہ سنو کہ وہاں طاعون ہے تو وہاں نہ جاؤ، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدالرحمٰن بن عبدالحمید بن زید بن الخطاب کا ذکر ہے، یہ ابن نفیل بن عبدالعزیٰ القرشی العدوی ہیں، یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن عبداللہ بن الحارث بن نوفل کا ذکر ہے، یہ ابن الحارث بن عبدالمطلب ہیں، ان کو صحابیت حاصل ہے اور اسی طرح ان کے بیٹے حارث کو بھی صحابیت حاصل ہے اور عبداللہ بن الحارث، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پیدا ہوئے، سو ان کو صحابہ میں شمار کیا گیا، پس اس حدیث کی سند میں تین صحابہ کا ذکر ہے، اور عبداللہ بن الحارث کو ببہ کا لقب دیا جاتا تھا، اس کا معنی ہے: جس کا بدن نعمت سے بھرا ہوا ہو، اور ان کی کنیت ابو محمد تھی، یہ ۸۴ ھ میں فوت ہو گئے تھے اور ان کے بیٹے جو اس حدیث کے راوی ہیں، ان کا نام بھی ان کے باپ کے نام کے موافق ہے، اور ان کی کنیت ابو یحییٰ تھی، اور یہ ننانوے (۹۹) ہجری میں فوت ہوئے تھے، امام بخاری کی اس حدیث کے سوا ان سے اور کوئی روایت نہیں ہے۔ (تین صحابہ میں سے ایک صحابی تو عبداللہ بن عبداللہ بن الحارث بن نوفل ہیں، اور دوسرے صحابی حارث ہیں اور تیسرے صحابی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم ہیں)۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ شام کی طرف گئے'': حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شام کی طرف یہ جانا ۱۸ ہجری میں ہوا تھا، خلیفہ بن خیاط نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شام کی طرف اس مرتبہ جانا اٹھارہ ہجری (۱۸ ھ) میں تھا تا کہ آپ رعیت اور امراء کے احوال کی تفتیش کریں، اور اس سے پہلے آپ ۱۶ ھ میں گئے تھے جب حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا تھا، پھر وہاں کے رہنے والوں نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر صلح ہو گی، تو اس وجہ سے آپ گئے۔

اس حدیث میں ''سرغ'' کا ذکر ہے، یہ ملکِ شام کی ایک بستی ہے جو حجاز کے قریب ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ وہ شہر ہے جس کو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا، اور سرغ اور یرموک اور جابیہ تینوں متصل ہیں، اور ان بستیوں اور مدینہ منورہ کے درمیان تیرہ مرحلہ کا فاصلہ ہے۔ ابو عمر نے کہا: ایک قول یہ ہے کہ یہ وادی تبوک ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ وادی تبوک کے قریب ہے، علامہ الحازمی نے کہا ہے: یہ حجاز کی پہلی جگہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''امراء الاجناد حضرت ابو عبیدہ بن الجراح اور ان کے اصحاب'' اور وہ حضرت خالد بن ولید اور حضرت یزید بن ابی سفیان اور شرحبیل بن حسنہ اور حضرت عمرو بن العاص ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ شہر ان کے درمیان تقسیم کر دیے تھے اور جنگ اور قتال کا معاملہ حضرت خالد بن ولید کے سپرد کر دیا تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ کو حضرت خالد بن ولید سے لے کر حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کے سپرد کر دیا۔

اور علامہ کرمانی نے کہا ہے: اجناد سے مراد شام کے پانچ شہروں کے امراء ہیں اور وہ شہر فلسطین، اردن، حمص، قنسرین اور دمشق ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاخبروہ" یعنی لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ وبا پھیل گئی ہے اور یونس کی روایت میں ہے کہ درد اور بیماری شام کی سرزمین میں واقع ہو چکی ہے اور خلیل نے کہا کہ وہ بیماری طاعون تھی، اور دوسروں نے کہا: وہ عام بیماری تھی، پس ہر طاعون وبا ہے لیکن ہر وبا طاعون نہیں ہے، اور جس وبا کا یہاں ذکر کیا گیا ہے وہ طاعون ہے اور اسی کو طاعون عمواس کہتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے لئے مہاجرین اولین کو بلاؤ"۔ مہاجرین اولین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے قبلتین (بیت المقدس اور بیت اللہ) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "بقیۃ الناس" اس سے مراد ہے بقیہ صحابہ، کیونکہ اس زمانہ میں جو لوگ تھے وہ صرف صحابہ تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من مشیخۃ قریش" الجوہری نے کہا: شیخ کی جمع شیوخ، اشیاخ، شیخۃ، شیخان، مشیخہ اور مشائخ اور مشیوخۃ ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "من مھاجرۃ الفتح" یعنی جن لوگوں نے فتح مکہ کے سال مدینہ کی طرف ہجرت کی، یا مراد وہ ہیں کہ جو فتح مکہ کے بعد مدینہ منورہ میں آ گئے، تو وہ صورتاً مہاجر ہیں، کیونکہ ہجرت تو فتح مکہ کے بعد مرتفع ہوگئی۔ اس میں قریش کے ان مشائخ سے احتراز ہے جو مکہ میں رہے اور انہوں نے اصلاً ہجرت نہیں کی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فرارا من قدر اللہ" یعنی کیا تم اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہو؟ اور ہشام بن سعد کی روایت میں ہے: ایک جماعت نے کہا جن میں حضرت ابو عبیدہ تھے: کیا ہم موت سے بھاگ رہے ہیں؟

قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَنَا۔ (التوبہ: ۵۱) آپ کہیے کہ ہمیں ہرگز کوئی مصیبت نہیں پہنچتی ماسوا اس کے جو اللہ نے ہمارے لیے مقدر کر دی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ قضاء اور قدر میں کیا فرق ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قضاء اس امرِ کلی اجمالی کو کہتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے ازل میں حکم کر دیا ہے، اور قدر اس کلی کی جزئیات کو کہتے ہیں اور اس مجمل حکم کی تفصیلات کو کہتے ہیں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ایک کے بعد دوسرا امر نازل ہوگا۔ اور کہتے ہیں: درج ذیل آیت سے یہی مراد ہے:

وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىِٕنُهٗ٘ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ (الحجر: ۲۱) اور ہمارے ہی پاس ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم اس کو صرف معین اندازے کے مطابق نازل کرتے ہیں O

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "کاش! آپ کے غیر نے یہ کہا ہوتا"۔ یعنی جب حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کاش! آپ کے علاوہ کسی اور نے یہ بات کہی ہوتی، اور اس کی جزاء محذوف ہے تو میں اس کو ادب سکھاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ اجتہادیہ پر اعتراض کیا جس میں اکثر اربابِ حل و عقد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت کی تھی، یعنی میں آپ پر تعجب کرتا ہوں کہ آپ کا اتنا علم ہے اور آپ کی اتنی فضیلت ہے، پھر آپ ایسا کہہ رہے ہیں۔ اور معنی یہ ہے کہ آپ کے علاوہ کوئی اور شخص یہ بات کہتا جس کا اتنا علم نہ ہوتا تو

وہ معذور قرار دیا جاتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ہاں! ہم اللہ کی ایک تقدیر سے دوسری تقدیر کی طرف بھاگ رہے ہیں"۔ اور ہشام بن سعد کی روایت میں ہے کہ ہمارا آگے بڑھنا بھی اللہ کی تقدیر سے ہے اور ہمارا پیچھے ہٹنا بھی اللہ کی تقدیر سے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر فرار کا اطلاق صورت کی مشابہت کی وجہ سے کیا، اگرچہ یہ شرعاً فرار نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کوئی چیز بھی تقدیر سے خارج نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "له عدوتان" یعنی ایک وادی کے دو اونچے اور بلند کنارے ہوں، ایک خصبہ ہو یعنی سرسبز وشاداب اور دوسرا بنجر ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ آگئے"، خلاصہ یہ ہے کہ جس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشورہ کررہے تھے، اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ حاضر نہیں تھے، پھر وہ بعد میں آئے اور پھر انہوں نے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم سنو کہ کسی جگہ طاعون ہے تو وہاں نہ جاؤ، اور جب تم کسی سرزمین میں ہو اور وہاں طاعون پھیل جائے تو وہاں سے نہ نکلو طاعون سے بھاگنے کے سبب سے، اس میں یہ دلیل ہے کسی اور سبب سے اس علاقہ سے نکلنا جائز ہے جب کہ نکلنے کا سبب طاعون سے بھاگنا نہ ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی" یعنی اس بات پر حمد کی کہ ان کا اجتہاد اور معظم اصحاب کا اجتہاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے موافق ہوگیا۔

اس اعتراض کا جواب کہ جب موت اور حیات مقدر ہے تو پھر جس جگہ طاعون کی وبا ہو وہاں جانے سے کیوں منع کیا گیا ہے؟

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہر شخص اپنی زندگی کی میعاد پوری ہونے کے بعد مرتا ہے، تو نہ اس کو آگے بڑھنا چاہیے اور نہ پیچھے ہٹنا چاہیے، پھر کیا وجہ ہے کہ وبائی علاقہ میں دخول سے منع فرمایا اور خروج سے منع فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے: آپ نے صرف اس وجہ سے منع کیا ہے کہ کوئی شخص یہ گمان کرے گا کہ یہ بندہ اس لئے ہلاک ہوگیا کہ یہ وبا والی جگہ میں گیا تھا، اور اگر یہ وہاں سے نکل جاتا تو سلامت رہتا۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ جذام کے مریض کے قریب جانے سے منع فرمایا، حالانکہ آپ کو علم تھا کہ مرض متعدی نہیں ہوتا۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) امام اور سربراہِ ملک کو اپنی رعیت کے احوال کے مشاہدہ کے لیے خود نکل کر دیکھنا چاہیے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی رعیت کے احوال کے مشاہدہ کے لیے ملکِ شام گئے۔

(۲) مظلوم کے ظلم کا ازالہ کرنا چاہیے اور لوگوں پر جو مصائب آئے ہوں انہیں دور کرنا چاہیے۔

(۳) باغیوں اور مفسدوں کو سزا دے کر ڈرانا چاہیے اور شعائرِ اسلام کو ظاہر کرنا چاہیے۔

(۴) امراء سے مشورہ کے لیے ملاقات کرنی چاہیے اور علماء سے مذاکرہ کرنا چاہیے، اور ہر شخص کے ساتھ اس کے مرتبہ کے مطابق

سلوک کرنا چاہیے۔
(۵) لڑائیوں اور جنگوں میں کوشش کرنی چاہیے۔
(۶) خبرِ واحد کو قبول کرنا چاہیے اور قیاس کی صحت کی دلیل اور ہلاکت کے اسباب سے اجتناب کرنا چاہیے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۸۳۔ ۳۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۷۲۹، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور میں متعدد فوائد ہیں:

(۱) خلیفہ، امام اور سربراہِ ملک کو چاہیے کہ اپنے ملک کے عوام کے احوال کی تفتیش کرے، خواہ اس کے لیے اسے خود مختلف شہروں میں جانا پڑے، کیونکہ کسی چیز کو خود دیکھنا اس سے بہتر ہے کہ اس کی خبر سنی جائے۔ کیونکہ خبر اگر باوثوق لوگوں سے حاصل ہو پھر بھی وہ علم یقین ہے، اور عین الیقین علم الیقین سے قوی ہوتا ہے۔

(۲) اس حدیث سے حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی تواضع ظاہر ہوتی ہے، کیونکہ انہوں نے اپنی رعیت سے مشورہ کیا تھا، حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اس امت میں اگر کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہیں، محدث کا معنی ہے: جس پر صحیح اور درست بات القاء کی جاتی ہو۔ اس فضیلت کے حصول کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔

(۳) مشورہ درجہ بدرجہ لوگوں سے لینا چاہیے، اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے مہاجرین سے مشورہ کیا کیونکہ وہ انصار سے افضل ہیں، پھر بعد میں انصار سے مشورہ کیا۔ اور جب مہاجرین اور انصار سے مشورہ لینے کے بعد کوئی امر واضح نہیں ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قریش کے بزرگوں کو بلایا جائے جنہوں نے فتح مکہ کے وقت ہجرت کی تھی۔

(۴) جب نیت مستحسن ہو اور اخلاص ہو تو اللہ تعالیٰ توفیق کے ساتھ احسان فرماتا ہے، اسی وجہ سے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین کو جمع کیا، پھر انصار کو جمع کیا، پھر مہاجرین کے بزرگوں کو جمع کیا تو ان کو اس مسئلہ میں صحیح بات کی رہنمائی مل گئی اور بزرگ مہاجرین نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس سرزمین میں طاعون پھیلا ہوا ہے وہاں پر نہ جاؤ، اور اگر تم کسی سرزمین میں ہو اور وہاں طاعون پھیل جائے تو وہاں سے نہ نکلو، اور اس حدیث کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کے اس علاقہ میں نہ جانے کا فیصلہ کیا جہاں طاعون پھیلا ہوا تھا۔

(۵) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ وحی کی خبر کو قبول کرنا چاہیے، کیونکہ صحابہ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی خبر کو قبول کر لیا، حالانکہ وہ بقیہ صحابہ سے منفرد تھے جو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ موجود تھے۔

(۶) اس حدیث سے حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے، کیونکہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنی رائے پیش کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہیبت سے نہیں ڈرے۔

(۷) حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ان سے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کاش! آپ کے علاوہ کوئی اور شخص یہ بات کہتا، کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی بہت تعظیم اور تکریم کرتے تھے، کیونکہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ اس امت کے امین ہیں۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۴۰۸۔۴۰۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۷۳۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ عُمَرَ خَرَجَ إِلَى الشَّامِ فَلَمَّا كَانَ بِسَرْغَ بَلَغَهُ أَنَّ الْوَبَاءَ قَدْ وَقَعَ بِالشَّامِ فَأَخْبَرَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًا مِنْهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از عبد اللہ بن عامر، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کی طرف نکل کر گئے، پس جب مقام سرغ پر پہنچے تو انہیں یہ خبر ملی کہ شام میں وبا پھیل چکی ہے، سو ان کو حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم یہ سنو کہ کسی زمین میں وبا ہے تو اس زمین میں نہ جاؤ، اور جب تم کسی زمین میں ہو اور وہاں وبا آجائے تو اس زمین سے تم نہ نکلو اس وبا سے بھاگتے ہوئے۔

(صحیح البخاری: ۵۷۳۰، ۶۹۷۳، صحیح مسلم: ۲۲۱۹، سنن ابوداؤد: ۳۱۰۳، مسند احمد: ۱۶۸۵، ۱۶۶۹، موطا امام مالک: ۱۶۵۵، ۱۶۵۷)

صحیح البخاری: ۵۷۳۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث کی دوسری سند ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبد اللہ بن عامر کا ذکر ہے، یہ ابن ربیعہ الاصغر ہیں۔ ان کی ولادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہوئی تھی، ایک قول ہے ۶ ہجری میں ان کی ولادت ہوئی تھی اور انہوں نے کم عمری میں احادیث حفظ کر لی تھیں۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو اس وقت ان کی عمر چار سال تھی۔ اور ۵۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ اور حضرت ابو عامر بن ربیعہ کبار صحابہ میں سے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۳۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نُعَيْمٍ الْمُجْمِرِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يَدْخُلُ الْمَدِينَةَ الْمَسِيحُ وَلَا الطَّاعُونُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از نعیم المجمر از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ میں مسیح الدجال داخل نہیں ہوگا اور نہ طاعون۔

(صحیح البخاری: ۱۸۸۰، ۵۷۳۱، ۷۱۳۳، صحیح مسلم: ۱۳۷۹، مسند احمد: ۲۷۴۲۲، موطا امام مالک: ۱۶۴۹)

صحیح البخاری: ۵۷۳۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے" طاعون" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ مدینہ میں طاعون داخل نہیں ہوگا۔ اس لحاظ سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے نُعیم المجمر، اس لفظ میں نون پر پیش ہے اور عین پر زبر ہے اور یہ تصغیر کا صیغہ ہے۔ یہ ابن عبداللہ القرشی المدنی ہیں جو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اور المُجمِر الا جمار سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، اس کا معنی ہے: خوشبو کی دھونی دینے والا۔ یہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں خوشبو کی دھونی دیتے تھے تو ان کا نام المجمر پڑ گیا۔

یہ حدیث کتاب الحج میں باب" لایدخل الدجال المدینة" میں گزر چکی ہے۔ وہاں امام بخاری نے اس حدیث کی روایت کی تھی از اسماعیل از مالک از نعیم بن عبداللہ المجمر از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ کے راستوں پر فرشتے پہرہ دیتے ہیں، اس میں نہ طاعون داخل ہو سکتا ہے اور نہ دجال۔ امام بخاری نے یہاں اس حدیث کو اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے اور وہاں دجال لکھا تھا اور یہاں المسیح لکھا ہے اور مسیح سے مراد دجال ہی ہے، اس کی شرح وہاں گزر چکی ہے۔

اگر تم سوال کرو کہ طاعون شہادت ہے تو اس کو مدینہ سے کیوں روک دیا گیا اور مسیح الدجال کو طاعون کے ساتھ ملا کر ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے؟

میں کہتا ہوں: اس کے متعدد جوابات ہیں اور حاصل یہ ہے کہ طاعون سے مراد ہے: جنات کا نوچنا اور وہ جنات کفار ہیں اور کفار کا مدینہ میں داخلہ ممنوع ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ جنات کا نوچنا کفار جن کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ کبھی مومنین جن بھی نوچتے ہیں تو میں کہوں گا: انسانوں میں سے کفار کا مدینہ میں داخلہ ممنوع ہے اور مدینہ میں صرف مسلمان ہی رہتے ہیں۔ اور اگر اس میں کوئی ایسا شخص ہو جو خالص مسلمان نہ ہو تو اس کو وہ جنات نوچیں گے۔ اور مسلمان جو ہیں وہ جنات کے نوچنے سے محفوظ رہیں گے۔ اور امام احمد نے ابو عسیب سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام بخار اور طاعون کو لے کر آئے، تو انہوں نے بخار کو مدینہ میں چھوڑ دیا اور طاعون کو شام کی طرف بھیج دیا، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ کے اصحاب بہت کم تعداد میں تھے اور مدینہ میں وبا تھی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دو امروں کا اختیار دیا گیا اور ان میں سے ہر ایک کے اندر عظیم اجر حاصل ہوتا ہے، تو آپ نے بخار کو اختیار کر لیا، کیونکہ بخار کی وجہ سے موت کم واقع ہوتی ہے بخلاف طاعون کے۔ پھر جب کفار سے جہاد کی ضرورت پیش آئی اور آپ کو کفار کے ساتھ جہاد کرنے کی اجازت دی گئی اور مسلمان بخار کی وجہ سے کمزور ہو گئے تھے اور انہیں جہاد کے لیے طاقت کی ضرورت تھی تو آپ نے دعا کی کہ بخار کو مدینہ سے الجحفہ کی طرف منتقل کر دیا جائے۔ پھر

مدینہ تمام شہروں سے زیادہ صحت افزاء مقام ہوگیا۔ اور ابوعمر نے کہا ہے کہ ابوعُسیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں اور ان کو شرف صحابیت بھی حاصل ہے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو حدیثیں روایت کی ہیں، ایک بخار میں ہے اور ایک طاعون میں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۸۶۔ ۳۸۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۳۲۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ حَدَّثَتْنِي حَفْصَةُ بِنْتُ سِيرِينَ قَالَتْ قَالَ لِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ يَحْيَى بِمَ مَاتَ قُلْتُ مِنَ الطَّاعُونِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم الطَّاعُونُ شَهَادَةٌ لِكُلِّ مُسْلِمٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عاصم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت حفصہ بنت سیرین نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھ سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یحییٰ کس سبب سے فوت ہوگئے تھے؟ میں نے کہا: طاعون سے، تو انہوں نے بتایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: طاعون ہر مسلمان کے لئے شہادت ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۸۳۰، ۵۷۳۲، صحیح مسلم: ۱۹۱۶، مسند احمد: ۱۲۸۹۲)

صحیح البخاری: ۵۷۳۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدالواحد کا ذکر ہے، وہ ابن زیاد ہیں اور عاصم کا ذکر ہے، وہ ابن سلیمان الاحول ہیں۔ اس حدیث کے تمام راوی بصری ہیں اور حفصہ بنت سیرین کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بخاری میں صرف یہی حدیث ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یحییٰ بم مات؟" یعنی یحییٰ بن سیرین جو حفصہ مذکورہ کے بھائی تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ وہ کس بیماری میں فوت ہوگئے تھے؟ تو حضرت حفصہ نے بیان کیا کہ وہ طاعون میں فوت ہوئے تھے اور یحییٰ نوے (۹۰) ہجری کی حدود میں فوت ہوئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ طاعون ہر مسلمان کے لیے شہادت ہے، یعنی جو شخص طاعون میں مبتلا ہو کر مرے گا، وہ اس کی طرح ہوگا جو اللہ کے راستے میں شہید ہوا ہے، کیونکہ اللہ کے راستے میں شہید ہونے والا اور طاعون کی بیماری میں مرنے والا دونوں مشقت برداشت کرنے میں شریک ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۸۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۳۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ مَالِكٍ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوعاصم نے حدیث بیان کی از امام مالک از سُمی از ابوصالح از حضرت

الْمَبْطُونُ شَهِيدٌ وَالْمَطْعُونُ شَهِيدٌ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: پیٹ کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے اور طاعون کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۵۳، ۷۲۰، ۲۸۲۹، ۵۷۳۳، صحیح مسلم: ۱۹۱۴، مسند احمد: ۸۱۰۶، موطا امام مالک: ۲۹۵)

صحیح البخاری: ۵۷۳۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابو عاصم کا ذکر ہے، یہ الضحاک بن مخلد النبیل ہیں، اور سُمی کا ذکر ہے، یہ ابوبکر بن عبدالرحمٰن المخزومی کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ اور ابو صالح کا ذکر ہے، یہ ذکوان السمان ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''المبطون'' کا ذکر ہے، اس سے مراد وہ شخص ہے جو پیٹ کے کسی مرض میں مبتلا ہو کر فوت ہوا ہو۔ اور ''المطعون'' کا ذکر ہے، یعنی جو شخص طاعون میں فوت ہوا ہو۔ یعنی ان دونوں کو شہادت کا ثواب ملے گا۔

قاضی بیضاوی نے کہا ہے: جو شخص طاعون کی بیماری میں فوت ہوا یا جو شخص پیٹ کی بیماری میں فوت ہوا، اس کو اس کے ساتھ ملا دیا ہے جو اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہوئے شہید ہوا، کیونکہ اس نے بھی اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح بیماری کی مشقت اور مصیبت اٹھائی ہے۔ اور تمام احکام اور فضائل میں وہ شہید کی مثل نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۸۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۱۔ بَابٌ: أَجْرِ الصَّابِرِ فِي الطَّاعُونِ — طاعون میں صبر کرنے والے کے اجر کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص طاعون پر صبر کرے گا اس کو اجر ملے گا، خواہ اس شخص کو طاعون کی بیماری عارض ہو یا وہ اس شہر میں مقیم ہو جس شہر میں طاعون پھیل گیا ہے۔ اور امام احمد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہے جیسا کہ میدانِ جہاد سے بھاگنے والا ہو۔ اور طاعون کی بیماری میں صبر کرنے والا ایسا ہے جیسے جہاد میں جنگ کی مصیبت پر صبر کرنے والا ہو۔ اور ایک روایت میں ہے: جس نے طاعون پر صبر کیا اس کو شہید کا اجر ملے گا۔ یہ روایت مسند احمد میں ہے اور اس کی امام ابن خزیمہ نے بھی دونوں لفظوں سے روایت کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۸۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۳۴۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا حَبَّانُ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ أَبِي الْفُرَاتِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بُرَيْدَةَ عَنْ يَحْيَى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حبان نے خبر دی،

بْنِ يَعْمَرَ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهَا أَخْبَرَتْنَا أَنَّهَا سَأَلَتْ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الطَّاعُونِ فَأَخْبَرَهَا نَبِيُّ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ كَانَ عَذَابًا يَبْعَثُهُ اللهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ فَجَعَلَهُ اللهُ رَحْمَةً لِلْمُؤْمِنِينَ فَلَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يَقَعُ الطَّاعُونُ فَيَمْكُثُ فِي بَلَدِهِ صَابِرًا يَعْلَمُ أَنَّهُ لَنْ يُصِيبَهُ إِلَّا مَا كَتَبَ اللهُ لَهُ إِلَّا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ الشَّهِيدِ تَابَعَهُ النَّضْرُ عَنْ دَاوُدَ۔ (صحیح البخاری: ۳۴۷۴، ۵۷۳۴، ۶۶۱۹، مسند احمد: ۲۴۳۸۷)

انہوں نے کہا: ہمیں داؤد بن ابی الفرات نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن بریدہ نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن یعمر از حضرت عائشہ زوجۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہا، بے شک انہوں نے ہم کو خبر دی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے متعلق سوال کیا، تو نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ خبر دی کہ طاعون ایک عذاب تھا، اللہ تعالیٰ جس کو عذاب دینا چاہتا ہے، اس پر یہ عذاب بھیجتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو مومنین کے لیے رحمت بنا دیا ہے۔ پس جس بندہ کے شہر میں طاعون واقع ہوا اور وہ اس شہر میں صبر کر کے ٹھہرا رہے اور اس کو یہ یقین ہو کہ اس پر وہی مصیبت آئے گی جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے لکھ دی ہے، تو اس بندہ کے لیے شہید کی مثل اجر ہوگا۔
حبان کی متابعت نضر نے کی ہے از داؤد۔

صحیح البخاری: ۵۷۳۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "طاعون کی بیماری میں صبر کرنے والے کا اجر" اور اس حدیث میں مذکور ہے: جس بندہ کے شہر میں طاعون واقع ہوا اور وہ بندہ اس شہر میں صبر کر کے ٹھہرا رہا اس یقین کے ساتھ کہ اس کو وہی بیماری پہنچے گی جو اللہ نے اس کے لیے لکھ دی ہے تو اس کے لیے شہید کی مثل اجر ہوگا۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

یہ حدیث بنی اسرائیل کے باب میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "علی من یشاء" یعنی اللہ تعالیٰ جس کافر یا فاسق نافرمان پر عذاب بھیجنا چاہتا تو اس پر طاعون بھیج دیتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "رحمة للمؤمنين" یعنی اللہ تعالیٰ نے اس امت کے مومنین کے لیے طاعون کو رحمت بنا دیا ہے۔ پس جس شخص کے شہر میں طاعون واقع ہوا اور وہ صبر کر کے اسی شہر میں مقیم رہے اور اللہ تعالیٰ کی قضاء پر راضی ہو تو اس کو شہید کی مثل اجر ملے گا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس سے پہلے حدیث میں آیا ہے کہ جو طاعون کی بیماری میں فوت ہو گیا وہ شہید ہے اور اب یہ فرمایا ہے

کہ اس کو شہید کی مثل اجر ملے گا؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص کے شہر میں طاعون واقع ہوا اور وہ صبر کر کے اسی شہر میں مقیم رہے اور یہ سمجھے کہ اس کو وہی بیماری عارض ہوگی جو اللہ نے اس کے لیے لکھ دی ہے، اور وہ طاعون سے نہ مرے تو اس کو شہید کی مثل اجر ہوگا اور جب وہ طاعون سے مرجائے تو پھر اس کو شہید کا اجر ملے گا اور وہ جو حدیث میں مذکور ہے کہ جو طاعون سے مر گیا تو وہ شہید ہے، اس کا معنی ہے کہ وہ حکماً شہید ہے، حقیقتہً شہید نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۸۸۔۳۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۷۳۴ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس جگہ طاعون پھیلا ہوا ہو وہاں سے بھاگنے پر وعید

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر میں روایت کی ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ هُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں موت کے خوف سے اپنے گھروں سے نکلے، سو اللہ نے ان سے فرمایا: مرجاؤ، پھر اللہ نے ان کو زندہ کر دیا۔ (البقرہ: ۲۴۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ چالیس ہزار لوگ تھے جو طاعون سے بھاگے تھے، سو وہ مر گئے، پس انبیاء میں سے اللہ کے ایک نبی نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو زندہ کر دے حتیٰ کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا، اور وہ نبی حضرت حزقیل علیہ السلام تھے۔ اس کو علامہ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب المعارف میں بیان کیا ہے۔ (معارف ابن قتیبہ ص ۵۱)

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ طاعون سے بھاگنا اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی ناراضگی کا موجب ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طاعون سے بھاگنا ایسا ہے جیسے میدانِ جہاد سے کوئی پیٹھ موڑ کر بھاگے اور طاعون کی وبا میں ثابت قدم رہنا ایسا ہے جیسے کوئی آدمی میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہے۔ اور ایک روایت میں ہے: جس نے طاعون پر صبر کیا اس کو شہید کا اجر ملے گا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۳، ج ۳ ص ۳۶۰)

علامہ الہیثمی نے کہا ہے کہ مسند احمد اور بزار اور طبرانی کی المعجم الاوسط میں رجال ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۲)

اور یہ اس وجہ سے ہے کہ جو شخص وبا کی سرزمین میں نہ ہو، اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وبا کی سرزمین میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے اور جو شخص وبا کی سرزمین میں ہو، اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے نکلنے سے منع فرمایا ہے، تاکہ وبا سے بھاگنا لازم نہ آئے۔ اور یہ معنی اس حدیث کے مطابق ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو اور جب دشمن سے تمہارا مقابلہ ہو تو تم صبر کرو۔ (صحیح البخاری: ۲۹۶۶، کتاب الجہاد)

طاعون زدہ علاقہ میں نہ جانے کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت

نیز شعبہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف طاعون میں مکتوب بھیجا جو اس وقت شام میں تھے، اور اس مکتوب میں لکھا: مجھے تم سے ایک ایسا کام پڑ گیا ہے جس کو ٹالا نہیں جاسکتا، پس جب تمہارے پاس میرا مکتوب رات کو پہنچے تو تم مجھے جواب دینے سے پہلے صبح نہ کرنا، اور اگر دن میں پہنچے تو تم مجھے جواب دینے سے پہلے شام نہ کرنا، جب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے یہ مکتوب پڑھا تو انہوں نے کہا: میں نے امیر المومنین کے کام کو سمجھ لیا ہے، ان کا ارادہ یہ ہے کہ میں مسلمانوں کو باقی رکھوں، پھر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب لکھا کہ میں نے آپ کا کام سمجھ لیا ہے، پس مجھے مہلت دیجئے اے امیر المومنین! کیونکہ میں مسلمانوں کے لشکر میں ہوں، اور میں ہرگز اپنے نفس کو ان پر ترجیح نہیں دوں گا، پس جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ مکتوب پڑھا تو وہ روئے، ان سے پوچھا گیا: کیا ابوعبیدہ فوت ہو گئے ہیں؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں! اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ لکھا تھا کہ اردن کی زمین بیماری کی سرزمین ہے، اور جابیہ کی سرزمین سلامتی کی سرزمین ہے، تم مسلمانوں کو جابیہ کی طرف لے جاؤ۔ جب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے یہ خط پڑھا تو کہا: ہم امیر المومنین کے حکم کو سنتے ہیں اور اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ پس انہوں نے ارادہ کیا کہ لوگوں کو سوار کریں اور انہوں نے کسی چیز کی چبھن پائی اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے اور طاعون دور ہو گیا۔ (شرح معانی الآثار للطحاوی ج ۴ ص ۳۰۵)

امام مالک سے سوال کیا گیا: کسی شہر میں موت واقع ہو رہی ہو اور بیماریاں پھیلی ہوئی ہوں، کیا اس شہر کی طرف جانا مکروہ ہے؟ امام مالک نے کہا: میں کوئی حرج نہیں سمجھتا اس شہر میں جائے یا اس شہر میں ٹھہرے۔ کہا گیا کہ یہ اس کے مشابہ ہے جو طاعون کے متعلق حدیث ہے، انہوں نے کہا: ہاں!۔ (المفہم ج ۵ ص ۶۱۴)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۴۶۴۔ ۴۶۸ ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۳۲۔ باب: الرُّقَى بِالْقُرْآنِ وَالْمُعَوِّذَاتِ — قرآن مجید اور معوذات کو پڑھ کر دم کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں دم کرنے کا بیان ہے، علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: الرقی اور الرقا اور الاسترقی، ان کا معنی ہے: چند آیات پڑھ کر کوئی شخص جو بخار یا سر درد یا اور کسی آفت میں مبتلا ہو تو وہ ان بیماریوں میں اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے۔

امام بخاری نے اس عنوان میں قرآن مجید اور معوذات کا ذکر کیا ہے، حالانکہ معوذات بھی قرآن مجید ہیں تو یہ خاص کا عطف عام پر ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ امام بخاری کو المعوذتین لکھنا چاہیے تھا۔ کیونکہ یہ دو سورتیں ہیں، تو امام بخاری نے یہ ارادہ کیا کہ یہ دو سورتیں اور قرآن مجید کی جو آیات ان کے مشابہ ہوں، ان کو پڑھ کر دم کرنا، یا ان کی مراد یہ تھی کہ جمع کے کم سے کم دو فرد ہوتے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ المعوذات سے مراد سورۃ الفلق، سورۃ الناس اور سورۃ الاخلاص تین سورتیں ہیں۔ کیونکہ بعض روایات میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ الاخلاص اور معوذتین کو پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۸۹،

دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۳۵۔ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَنْفُثُ عَلَى نَفْسِهِ فِي الْمَرَضِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ فَلَمَّا ثَقُلَ كُنْتُ أَنْفِثُ عَلَيْهِ بِهِنَّ وَأَمْسَحُ بِيَدِ نَفْسِهِ لِبَرَكَتِهَا فَسَأَلْتُ الزُّهْرِيَّ كَيْفَ يَنْفِثُ قَالَ كَانَ يَنْفِثُ عَلَى يَدَيْهِ ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا وَجْهَهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی از معمر از زہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ جس مرض میں فوت ہو گئے تھے، اس مرض میں اپنے اوپر المعوذات کو پڑھ کر دم کرتے تھے، پس جب بیماری زیادہ ہو گئی تو میں ان سورتوں کو پڑھ کر آپ پر دم کرتی تھی اور آپ کے ہاتھ کو آپ کے اوپر پھیرتی تھی تا کہ آپ کے ہاتھ کی برکت حاصل ہو۔ معمر بیان کرتے ہیں: میں نے زہری سے سوال کیا: آپ کیسے دم کرتے تھے؟ تو انہوں نے بتایا کہ آپ اپنے ہاتھوں پر دم کرتے تھے اور پھر ان ہاتھوں کو اپنے چہرہ پر پھیرتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۴۴۳۹، ۵۰۱۶، ۵۷۳۵، ۵۷۵۱، صحیح مسلم: ۲۱۹۲، سنن ابوداؤد: ۳۹۰۲، سنن ابن ماجہ: ۳۵۲۹، مسند احمد: ۲۴۳۱۰، موطا امام مالک: ۱۷۵۵)

صحیح البخاری: ۵۷۳۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''کان ینفث'' نفث کا معنی: پھونک مارنے کے مشابہ ہیں، اور یہ تھوکنے سے کم ہوتا ہے، یعنی اس طرح دم کیا جائے کہ پھونک میں لعاب دہن کی چھینٹیں بھی ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''جس مرض میں نبی ﷺ کی وفات ہوگئی تھی''۔ اس کلام سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ ارادہ کیا ہے کہ یہ نبی ﷺ کے آخر حیات میں ہوا تھا اور یہ منسوخ نہیں ہے۔ اور اس کے بعد فرمایا ''پھر میں یہ آیات پڑھتی اور نبی ﷺ کے ہاتھ پر دم کرتی اور آپ کے ہاتھ کو آپ کے جسم پر پھیرتی تھی تا کہ آپ کے ہاتھ کی برکت شامل رہے''۔

دم کرنے کے جواز اور دم کرنے کی ممانعت کے متعلق احادیث میں تطبیق

علامہ ابن اثیر نے کہا ہے: بعض احادیث سے دم کرنے کا جواز ثابت ہے، اور بعض میں دم کرنے کی ممانعت ہے۔

جواز کی حدیث یہ ہے: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے ان کے گھر میں ایک لڑکی دیکھی جس کے چہرہ پر کالے دھبے پڑ گئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس پر دم کراؤ، کیونکہ اس کو نظر لگ گئی ہے۔

اور ممانعت کی حدیث یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو لوگ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے، یہ وہ ہوں گے جو نہ دم

کراتے ہوں گے اور نہ داغ لگواتے ہوں گے، اور احادیث ان دونوں قسموں میں بہت زیادہ ہیں۔ اور ان میں تطبیق اس طرح سے ہے کہ وہ دم کرنا یا کرانا مکروہ ہے جو عربی زبان میں نہ ہو اور جو اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات میں اور اس کے کلام سے نہ ہو اور اس کی نازل کردہ کتابوں میں نہ ہو۔ اور دم کرنے یا کرانے والا یہ اعتقاد رکھے کہ یہ دم لامحالہ نفع دے گا اور اسی پر اعتماد کرے۔ اور اسی معنی کا ارادہ کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دم کرانے کو طلب کیا اس نے اللہ پر توکل نہیں کیا، اور جو دم کرنا یا دم کرانا اس کے خلاف ہو، وہ مکروہ نہیں ہے جیسا کہ قرآن مجید کی آیات کو پڑھ کر دم کرنا یا اللہ تعالیٰ کے اسماء پڑھ کر دم کرنا۔

اور دم کرانے کے متعلق مؤطا امام مالک میں یہ حدیث ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور وہ بیمار تھیں اور ایک یہودیہ عورت ان کو دم کر رہی تھی، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کو کتاب اللہ کے ساتھ دم کرو یعنی تورات اور انجیل کے ساتھ۔

غیر مسلم کا مسلم کو دم کرنے کا بیان

آیا کافر کا مسلم کو دم کرنا جائز ہے؟ پس امام مالک سے مروی ہے کہ یہودی اور نصرانی کا مسلمان کو دم کرنا جائز ہے جب کہ وہ اللہ کی کتاب سے دم کرے، اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔ نیز امام مالک سے روایت ہے، انہوں نے کہا: میں اہل کتاب کے دم کرنے کو مکروہ قرار دیتا ہوں اور اس کو پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ ہم کو علم نہیں کہ وہ کتاب اللہ سے دم کرتے ہیں یا ناپسندیدہ الفاظ سے دم کرتے ہیں جو جادو کے کلمات کے مشابہ ہوں۔ اور ابن وہب نے روایت کی ہے کہ امام مالک سے سوال کیا گیا کہ ایک عورت لوہے اور نمک پر دم کرتی ہے اور اس کے متعلق سوال کیا گیا کہ ایک شخص چند کلمات لکھ کر ان کو لٹکا دیتا ہے اور ایک شخص چند کلمات کو پڑھ کر دھاگہ میں گرہ لگاتا ہے اور اس طرح سات گرہیں لگا دیتا ہے تو امام مالک نے ان سب کو مکروہ قرار دیا اور کہا کہ یہ لوگوں کے معمولات میں سے نہیں ہے۔

''نفث'' (یعنی اس طرح دم کرنا کہ پھونک کے ساتھ لعاب دہن کے قطرات مخلوط ہوں) کی اباحت کا بیان

از ثوری از الاعمش از ابراہیم، انہوں نے کہا: جب تم قرآن مجید کی آیات کے ساتھ دم کرو تو نفث نہ کرو، یعنی اس طرح دم نہ کرو کہ پھونک کے ساتھ لعاب دہن کے قطرات مخلوط ہوں۔ اور اسود نے کہا کہ نفث مکروہ ہے، اور صرف پھونک مارنے میں وہ کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ اور عکرمہ، حکم اور حماد نے بھی اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ ابو عمرو نے کہا: میرا گمان ہے ان حضرات کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۝ (الفلق: ۴)

اور گرہ میں بہت نفث کرنے والی عورتوں کے شر سے (میں پناہ چاہتا ہوں)۝

اور یہ نفث جادو ہے اور جادو حرام ہے۔ اور وہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے (یعنی نفث کا جواز) وہ اولیٰ ہے اور اسی میں خیر اور برکت ہے۔

دم کرتے وقت ہاتھ پھیرنے کا بیان

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دم کرتے وقت ہاتھ پھیرنا جائز ہے اور اسی معنی میں ہے کہ جس کی برکت کی توقع ہو اور جس میں شفاء کے حصول کی امید ہو یا کسی خیر کے حصول کی امید ہو، اس پر ہاتھ پھیرنا چاہیے، جیسے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا مستحب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۷۳۵ کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

المعوذات کے علاوہ دیگر قرآنی آیات سے دم کرنے کا بیان

اس باب کے عنوان میں مذکور ہے ''قرآن مجید اور معوذات کے ساتھ دم کرنا'' اور یہ خاص کا عام پر عطف ہے، کیونکہ معوذات سے مراد ہے سورۃ الفلق، سورۃ الناس اور سورۃ الاخلاص، جیسا کہ کتاب التفسیر کے آخر میں گزرا ہے۔ یا اس سے سورۃ فلق، سورۃ الناس اور ہر وہ آیت مراد ہے جس میں تعویذ یعنی پناہ طلب کرنے کا ذکر ہو جیسے قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝ اور آپ کہیے! اے میرے رب! میں شیطان کے وسوسوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں ○ (المومنون: ۹۷)

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ پس (اے رسول مکرم!) جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں ○ (النحل: ۹۸)

اور اس طرح کی دوسری آیات ہیں۔ اور پہلی شرح اولیٰ ہے، کیونکہ امام احمد اور امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کی ہے اور امام ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور حاکم نے بھی روایت کی ہے از عبدالرحمٰن بن حرملہ از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس صفات کو ناپسند کرتے تھے، پھر ان میں دم کرنے کا ذکر کیا سوائے المعوذات کے۔

امام بخاری نے کہا ہے کہ عبدالرحمٰن بن حرملہ کی حدیث صحیح نہیں ہے اور امام طبری نے کہا ہے: اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کا راوی مجہول ہے اور اگر یہ حدیث صحیح ہو تو یہ منسوخ ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے کی اجازت دی ہے۔ اور علامہ المہلب نے اشارہ کیا ہے کہ اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ بھی استعاذہ کے معنی میں ہے۔ اور اس بناء پر جواز ان چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے جو استعاذہ اور تعوذ کے معنی میں ہوں۔

دم کرنے کے جواز کے متعلق احادیث

اور امام ترمذی نے حدیث روایت کی اور اس کو حسن قرار دیا اور امام نسائی نے بھی روایت کی کہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات سے اور انسان کی نظرِ بد سے پناہ طلب کرتے تھے حتیٰ کہ معوذات نازل ہو گئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معوذات سے دم کرنے پر عمل کیا اور اس کے ماسوا کو ترک کر دیا۔ اور یہ حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی کہ ان دو سورتوں کے سوا دم کر کے پناہ طلب کرنا جائز نہیں ہے بلکہ یہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان دو سورتوں کے ساتھ دم کر کے پناہ طلب کرنا اولیٰ ہے خاص

طور پر اس لیے کہ جب کہ پناہ طلب کرنے کا ثبوت ان دو کے علاوہ بھی ہے۔

دم کرنے کے جواز کی شرائط

اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ دم کرنا اس وقت جائز ہے جب تین شرطیں پائی جائیں: (۱) اللہ تعالیٰ کے کلام یا اس کے اسماء یا اس کی صفات کے ساتھ دم کیا جائے (۲) عربی زبان میں دم کیا جائے اور اگر عربی زبان نہ ہو تو اس کا معنی معروف ہونا چاہیے۔ (۳) دم کرنے والے کا یہ اعتقاد ہو کہ دم کرنا بذاتہا مؤثر نہیں ہے بلکہ مؤثر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

اور راجح یہ ہے کہ ان شروطِ مذکورہ کا اعتبار کرنا ضروری ہے، کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم زمانہ جاہلیت میں دم کرتے تھے تو ہم نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی اس کے متعلق کیا رائے ہے؟ تو آپ نے فرمایا: تم اپنے دم کے کلمات مجھ پر پیش کرو، اس وقت تک دم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جب تک اس میں کوئی شرکیہ کلمہ نہ ہو۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ پھر آپ کے پاس عمرو بن حزم کی آل آئی، انہوں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے پاس ایک دم ہے جس سے ہم بچھو کے کاٹے ہوئے پر دم کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: اچھا مجھ پر پیش کرو، پھر آپ نے فرمایا: میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہو، وہ اس کو نفع پہنچائے۔

ان احادیث کی توجیہ جن میں دم کرنے کے جواز کا حصر صرف نظرِ بد اور زہریلے جانور کے ڈسنے میں ہے

اور ایک قوم نے اس عموم سے استدلال کیا ہے اور انہوں نے ہر اس دم کی اجازت دی ہے جس کی منفعت جاری ہو، خواہ اس کا معنی معقول نہ ہو، لیکن حضرت عوف کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس دم میں شرکیہ کلمہ ہو وہ ممنوع ہے اور جس دم کا معنی معلوم نہ ہو تو اس میں اس سے اطمینان نہیں ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس میں کوئی شرکیہ کلمہ ہو، لہٰذا جس دم کے کلمات کا معنی معلوم نہ ہو، اس سے بھی احتیاطاً منع کیا جائے گا، اور اس آخری شرط کا اعتبار کرنا بھی ضروری ہے۔

اور ایک قوم نے یہ کہا: کہ دم کرنا صرف نظرِ بد سے اور کسی زہریلے جانور کے ڈسنے سے جائز ہے، جیسا کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ بغیر نظرِ بد کے یا زہریلے جانور کے ڈسنے سے دم کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اس حدیث کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس حدیث میں حصر کا معنی یہ ہے کہ نظرِ بد اور زہریلے جانور کا ڈسنا دم کرنے کی اصل ہے، سو نظرِ بد کے کے ساتھ کسی مجنون پر دم کے جواز کو ملایا جائے گا اور جس کو جنات نے چھوا ہو اس پر دم کے جواز کو ملایا جائے گا، کیونکہ یہ اس میں مشترک ہیں کہ یہ بھی نظرِ بد کی طرح احوالِ شیطانیہ ہیں خواہ شیطانِ انس ہو یا شیطانِ جن ہو۔ اور زہریلے جانور کے ڈسنے کے ساتھ ہر اس بیماری کے دم کو ملایا جائے گا جو بدن کو عارض ہوتی ہیں، بدن میں پھوڑے پھنسی ہوں یا اور کوئی زہریلے آثار۔

اور صحیح مسلم میں از یوسف بن عبد اللہ الحارث از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظرِ بد اور زہریلے جانور کے ڈسنے اور پھوڑے پھنسی میں دم کرنے کی اجازت دی ہے۔

اور امام ابوداؤد نے حضرت شفاء بنت عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم ان کو یعنی حضرت حفصہ

رضی اللہ عنہا کو پھوڑے پھنسی کا دم کیوں نہیں سکھاتیں؟

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں جو دم کرنے کو نظرِ بد اور زہریلے جانور کے ڈسنے میں منحصر کیا گیا ہے اس سے مراد افضل ہے، یعنی یوں تو ہر بیماری میں دم کرنا جائز ہے لیکن افضل نظرِ بد اور زہریلے جانور کے ڈسنے میں دم کرنا ہے۔

مصیبت کے نزول سے پہلے دم کرنے اور تعویذ لٹکانے کا بیان

اور بعض لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ وہ دم کرنا منع ہے جو آفت اور مصیبت کے آنے سے پہلے کیا جائے، اور وہ دم کرنا جائز ہے جو مصیبت اور بلاء کے نازل ہونے کے بعد کیا جائے۔ اس کو علامہ ابن عبد البر اور امام بیہقی وغیرہما نے ذکر کیا ہے۔

اور اس میں اعتراض ہے، گویا کہ یہ قاعدہ اس حدیث سے ماخوذ ہے جس میں گلے میں تعویذ لٹکانے کی ممانعت ہے۔

پس امام ابوداؤد، امام ابن ماجہ اور امام حاکم نے از حضرت زینب جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی زوجہ ہیں ان سے اور حضرت ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دم کرنا اور تعویذات کو لٹکانا اور التولۃ شرک ہے۔ الحدیث۔

تمائم، تمیمۃ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: ڈوری میں پروئی ہوئی سیپیاں یا وہ ہار جو سر میں لٹکا دیا جائے۔ اور زمانہ جاہلیت میں لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ ہار آفات اور بلاؤں کو دور کرتے ہیں اور ''التولۃ'' (تاء کے نیچے زیر اور واؤ پر زبر) یہ ایک ایسا دم ہے جس سے عورت اپنے شوہر کی محبت کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور یہ جادو کی ایک قسم ہے، اور اس کو شرک اس لیے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اس ہار سے اللہ کے غیر سے مصائب کو دور کرنے اور منافع کے حاصل کرنے کا قصد کرتے تھے، اور اس میں وہ تعویذات داخل نہیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کے کلام پر مشتمل ہوتے ہیں۔ پس احادیث میں ان کا مصائب کے وقوع سے پہلے استعمال کرنا ثابت ہے جیسا کہ عنقریب اس باب میں آئے گا کہ عورت مرد کو دم کرتی ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بستر پر جاتے تو معوذات کو پڑھ کر دم کرتے اور ان کے ساتھ اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے۔ اور احادیث الانبیاء میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو یہ پڑھ کر دم کرتے تھے کہ ''میں ان دونوں کو اللہ تعالیٰ کے کلماتِ تامہ کی پناہ میں دیتا ہوں اور ہر شیطان ھامہ کے شر سے پناہ طلب کرتا ہوں''۔

اور امام ترمذی نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت خولہ بنت حکیم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی ٹھکانے پر جائے اور یوں دعا کرے ''میں اللہ تعالیٰ کے کلماتِ تامہ کے ساتھ ہر اس شر سے پناہ طلب کرتا ہوں جو اس نے پیدا کیا ہے'' تو اس کو کوئی چیز ضرر نہیں پہنچائے گی حتیٰ کہ وہ وہاں سے منتقل ہو جائے۔

اور امام ابوداؤد اور امام نسائی نے سندِ حسن کے ساتھ از سہیل بن ابی صالح از والد خود از ایک مرد روایت کی ہے جو قبیلہ اسلم سے تھا کہ ایک مرد نے آ کر کہا: آج رات مجھے کسی نے ڈس لیا، میں سو نہیں سکا، تو اس سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تم شام کے وقت یہ کلمات پڑھ لیتے ''میں اللہ کے کلماتِ تامہ کے ساتھ ہر اس شر سے پناہ طلب کرتا ہوں جو اللہ نے پیدا کیا ہے'' تو تم کو کوئی ضرر نہ ہوتا۔

اور احادیث اس معنی میں موجود ہیں یعنی حفظ ماتقدم کے طور پر مصیبت کے نازل ہونے سے پہلے اس سے پناہ طلب کرنے کے لیے دعا کرنا، لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ کہا جائے کہ دم کرنا پناہ طلب کرنے سے خاص ہے ورنہ دم کرنے میں اختلاف مشہور ہے

اورخوف کے وقت اللہ تعالیٰ کی پناہ میں جانا مشروع ہے اور ہر وہ چیز جو واقع ہو چکی ہے یا واقع ہوگی، اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں جانا یہ بھی مشروع ہے۔

اور علامہ ابن التین نے کہا ہے: المعوذات اور ان کے علاوہ جو اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں ان سے دم کرنا طب روحانی ہیں، جب کہ اللہ کی مخلوق میں سے نیک لوگوں سے ہی دم کرایا جائے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے شفاء حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر جب کہ یہ قسم بہت نادر الوجود ہے تو لوگ طب جسمانی کی طرف چلے گئے۔

دم کرنے کی تین قسمیں

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ دم کرنے کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ان کلمات کے ساتھ دم کیا جائے جن کلمات کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں دم کیا جاتا تھا اور جن کا معنی معقول نہیں ہے، اس سے اجتناب کرنا واجب ہے، تا کہ اس کی وجہ سے کوئی شرک نہ ہو، یا کوئی ایسا کام نہ ہو جو شرک تک پہنچائے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے کلام یا اس کے اسماء کے ساتھ دم کیا جائے، سو یہ جائز ہے۔ اور اگر یہ کلمات احادیث اور آثار سے منقول ہوں تو پھر مستحب ہے۔

(۳) ان کلمات کے ساتھ دم کیا جائے جن میں اللہ تعالیٰ کے غیر کے اسماء ہیں، کسی فرشتہ کا نام ہے، یا کسی مرد صالح کا نام ہے، یا اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے کسی عظیم چیز مثلاً عرش کا نام ہے، نہ اس سے اجتناب واجب ہے اور نہ اس کا کرنا مشروع ہے، اس کا ترک کرنا اولیٰ ہے۔

الربیع نے کہا کہ میں نے امام شافعی سے دم کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: اگر کتاب اللہ سے دم کیا جائے یا جو اللہ تعالیٰ کا ذکر معروف ہے اس سے دم کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں نے پوچھا: کیا اہل کتاب مسلمانوں کو دم کریں؟ تو انہوں نے کہا: ہاں! جب وہ اس چیز سے دم کریں جو کتاب اللہ میں ہو یا جس کا کتاب اللہ میں ذکر ہے۔ اور مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہودی عورت سے کہا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دم کر رہی تھی: ان کو اللہ کی کتاب کے ساتھ دم کرو۔

اور ابن وہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ لوہے اور نمک کے ساتھ دم کرنا مکروہ ہے، اور دھاگہ میں گرہ لگانا بھی مکروہ ہے اور کہا: یہ قدیم زمانہ کے لوگوں میں معمول اور مروج نہیں تھا۔

علامہ مازری نے کہا کہ اہل کتاب سے دم کرانے میں اختلاف ہے، ایک قوم نے اس کو جائز قرار دیا اور امام مالک نے اس کو مکروہ کہا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انہوں نے اپنی کتاب میں جو تحریف کی ہے اس کے ساتھ دم کر دیں۔ اور حق یہ ہے کہ اشخاص اور احوال کے اختلاف سے اس کا حکم مختلف ہو جاتا ہے۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۹۵۔۱۹۷، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۸۴۵۔۸۴۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۳۔ بَابُ: الرُّقَی بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ — سورۂ فاتحہ کو پڑھ کر دم کرنے کا بیان

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا جاتا ہے از نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سورۃ الفاتحہ کو پڑھ کر دم کرنا جائز ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم المعوذات کے سوا اور کسی چیز سے دم کرنے کو مکروہ قرار دیتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی مثل سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں ایسے راوی ہیں جو غیر معروف ہیں، پھر اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو پھر یہ منسوخ ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں کس نے بتایا کہ یہ دم ہے؟۔

اس کے بعد امام بخاری کی تعلیق کا ذکر ہے، اس تعلیق میں مذکور ہے: ''اور اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا جاتا ہے از نبی صلی اللہ علیہ وسلم''۔

اس تعلیق میں یُذکر کا لفظ مجہول کے صیغہ کے ساتھ ہے، اور یہ صیغۂ تمریض ہے، اور صیغۂ تمریض کو اسی وقت ذکر کیا جاتا ہے جب کہ وہ حدیث امام بخاری کی شرط پر نہ ہو، حالانکہ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سورۂ فاتحہ سے دم کرنے سے متعلق ذکر کی ہے جو اس باب کے بعد آئے گی اور اس باب کا عنوان ہے ''دم کرنے میں چند بکریاں لینے کی شرط لگانا''۔

صاحب التلویح نے کہا: یہ تعلیق علامہ ابن الصلاح وغیرہ کے اس قول کا رد کرتی ہے کہ امام بخاری جب صیغۂ تمریض کے ساتھ کوئی تعلیق ذکر کریں تو وہ ان کے نزدیک صحیح نہیں ہوتی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن الصلاح وغیرہ ان محدثین میں سے ہیں کہ جن کا اس پر اتفاق ہے کہ امام بخاری جس حدیث کو صیغۂ تمریض کے ساتھ بیان کریں وہ ان کی شرط پر نہیں ہوتی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث امام بخاری کی شرط کے مطابق ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ اور اس پر اعتراض باقی ہے، البتہ ہمارے مشائخ میں سے ایک نے امام بخاری کی موافقت کی ہے اور ذکر کیا ہے کہ امام بخاری ایسا اس وقت کرتے ہیں جب حدیث کو بالمعنیٰ روایت کیا جائے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو حدیث امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ فاتحہ کے ساتھ دم کرنے کی اجازت دی ہے۔ اور اس میں وہ اعتراض ہے جو مخفی نہیں ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے اس عمل کو مقرر اور جائز رکھا جو انہوں نے بکریوں کی شرط کے ساتھ سورۂ فاتحہ کو پڑھ کر دم کیا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۹۰۔۳۹۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۳۶۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَتَوْا عَلَى حَيٍّ مِنْ أَحْيَاءِ الْعَرَبِ فَلَمْ يَقْرُوهُمْ فَبَيْنَمَا هُمْ كَذَلِكَ إِذْ لُدِغَ سَيِّدُ أُولَئِكَ فَقَالُوا هَلْ مَعَكُمْ مِنْ دَوَاءٍ أَوْ رَاقٍ فَقَالُوا إِنَّكُمْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی بشر از ابوالمتوکل از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اصحاب عرب کی بستیوں میں سے کسی بستی میں گئے، اس بستی کے لوگوں نے ان کی ضیافت نہیں کی، پس جس

لَمْ تَقْرُونَا وَلَا نَفْعَلُ حَتّٰى تَجْعَلُوا لَنَا جُعْلًا فَجَعَلُوا لَهُمْ قَطِيعًا مِنَ الشَّاءِ فَجَعَلَ يَقْرَأُ بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَيَجْمَعُ بُزَاقَهُ وَيَتْفِلُ فَبَرَأَ فَأَتَوْا بِالشَّاءِ فَقَالُوا لَا نَأْخُذُهُ حَتّٰى نَسْأَلَ النَّبِيَّ ﷺ فَسَأَلُوهُ فَضَحِكَ وَقَالَ وَمَا أَدْرَاكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ خُذُوهَا وَاضْرِبُوا لِي بِسَهْمٍ۔

وقت وہ اسی حال پر تھے تو اس بستی والوں کے سردار کو (بچھو) کا ڈنک لگ گیا تھا، تو بستی والوں نے صحابہ سے کہا: کیا تمہارے ساتھ کوئی دوا ہے یا کوئی دم کرنے والا ہے؟ پس صحابہ کرام نے کہا: بے شک تم نے ہماری ضیافت نہیں کی تھی اور ہم اس وقت تک دم نہیں کریں گے حتیٰ کہ تم ہمارے لیے اس کی اجرت مقرر کر دو، پس بستی والوں نے ان کے لیے چند بکریاں معین کر دیں، پس حضرت ابوسعید خدری سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے اور اپنا تھوک منہ میں جمع کرتے تھے اور اس کے قطرات اس پر دم کرتے تھے، تو وہ سردار ٹھیک ہو گیا، پس وہ بکریاں لے آئے، پھر صحابہ نے کہا: ہم یہ بکریاں نہیں لیتے حتیٰ کہ ہم نبی ﷺ سے سوال کر لیں، پھر انہوں نے نبی ﷺ سے سوال کیا تو آپ مسکرائے اور آپ نے فرمایا: تمہیں کس نے بتایا کہ یہ دم ہے؟ ان بکریوں کو لے لو اور ان میں سے میرا حصہ بھی نکالو۔

(صحیح البخاری: ۲۲۷۶، ۵۰۰۷، ۵۷۳۶، ۵۷۴۹، صحیح مسلم: ۲۲۰۱، سنن ترمذی: ۲۰۶۴، سنن ابوداؤد: ۳۴۱۸، سنن ابن ماجہ: ۲۱۶۵، مسند احمد: ۱۱۰۰۶)

صحیح البخاری: ۵۷۳۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کا عنوان ہے ''سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرنا'' اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بستی والوں کے سردار پر سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرتے تھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے غندر، اور وہ محمد بن جعفر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو بشر، ان کا نام ایاس الیشکری البصری ہے، اور ان کو الواسطی بھی کہا جاتا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوالمتوکل مذکور ہے، ان کا نام علی بن داؤد الناجی ہے۔ اور حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کا نام سعد بن مالک ہے۔ اور یہ حدیث کتاب الاجارہ میں اس باب میں گزر چکی ہے: ''باب مایعطی فی الرقیۃ بفاتحۃ الکتاب''۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فلم یقرءوهم'' یعنی بستی والوں نے صحابہ کی ضیافت نہیں کی۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "جعلاً" اس کا معنی ہے: کسی شخص کے کام کی جو اجرت مقرر کی جائے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "القطیع" یعنی چند بکریاں، ایک قول یہ ہے کہ وہ تیس بکریاں تھیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۹۱-۳۹۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۴- بَابُ: الشَّرْطِ فِي الرُّقْيَةِ بِقَطِيعٍ مِنَ الْغَنَمِ

دم کرنے کے عوض چند بکریاں لینے کی شرط لگانے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ چند بکریوں کے عوض دم کرنا جائز ہے۔

۵۷۳۷- حَدَّثَنِي سِيدَانُ بْنُ مُضَارِبٍ أَبُو مُحَمَّدٍ الْبَاهِلِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْشَرٍ الْبَصْرِيُّ هُوَ صَدُوقٌ يُوسُفُ بْنُ يَزِيدَ الْبَرَّاءُ قَالَ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ الْأَخْنَسِ أَبُو مَالِكٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ نَفَرًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ مَرُّوا بِمَاءٍ فِيهِمْ لَدِيغٌ أَوْ سَلِيمٌ فَعَرَضَ لَهُمْ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْمَاءِ فَقَالَ هَلْ فِيكُمْ مِنْ رَاقٍ إِنَّ فِي الْمَاءِ رَجُلًا لَدِيغًا أَوْ سَلِيمًا فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ عَلَى شَاءٍ فَبَرَأَ فَجَاءَ بِالشَّاءِ إِلَى أَصْحَابِهِ فَكَرِهُوا ذٰلِكَ وَقَالُوا أَخَذْتَ عَلَى كِتَابِ اللهِ أَجْرًا حَتَّى قَدِمُوا الْمَدِينَةَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ أَخَذَ عَلَى كِتَابِ اللهِ أَجْرًا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سیدان بن مضارب ابو محمد الباہلی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابومعشر البصری نے حدیث بیان کی، اور وہ بہت صادق ہیں، یوسف بن یزید البراء انہوں نے کہا: مجھے عبید اللہ الاخنس ابو مالک نے حدیث بیان کی از ابن ابی ملیکہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے چند لوگ ایک پانی کے گھاٹ کے پاس سے گزرے، ان گھاٹ والوں میں ایک شخص وہ تھا جس کو بچھو یا سانپ نے ڈنک لگایا ہوا تھا، پھر ان کے پاس اس پانی کے گھاٹ کے لوگوں میں سے ایک مرد آیا اور کہا: کیا تم میں کوئی دم کرنے والا ہے؟ کیونکہ اس پانی میں ایک مرد ہے جس کو بچھو یا سانپ نے کاٹ لیا ہے، پس صحابہ میں سے ایک مرد ان کے ساتھ اس شخص کے پاس گیا اور اس پر سورۂ فاتحہ پڑھ کر چند بکریوں کے عوض دم کیا، پس وہ مرد ٹھیک ہو گیا، پھر وہ بکریاں لے کر اپنے اصحاب کے پاس آئے تو اصحاب نے اس بات کو ناپسند کیا اور کہا: تم نے کتاب اللہ پر اجرت لی ہے، حتیٰ کہ وہ مدینہ آ گئے، پس انہوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! اس شخص نے کتاب اللہ پر اجرت لی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو، ان میں سب سے زیادہ اجرت کی مستحق اللہ کی کتاب ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۲۷۶، ۵۰۰۷، ۵۷۳۶، ۵۷۴۹، صحیح مسلم: ۲۲۰۱، سنن ترمذی: ۲۰۶۴، سنن ابوداؤد: ۳۴۱۸، سنن ابن ماجہ: ۲۱۵۶، مسند احمد: ۱۱۰۰۶)

صحیح البخاری: ۵۷۳۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے" چند بکریوں کی شرط پر دم کرنا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ صحابہ میں سے ایک مرد گیا اور اس نے چند بکریوں کے معاوضہ پر سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو ان کا سردار تندرست ہو گیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سیدان، یہ ابن مضارب ہیں اور ان کا نام ابو محمد الباہلی ہے، یہ باہلہ بن صعب بن سعد العشیرہ قبیلہ کی طرف نسبت ہے، یہ ۲۲۴ھ میں فوت ہو گئے تھے اور اس حدیث کی سند میں ابو معشر کا ذکر ہے، ان کا نام یوسف بن یزید البرّاء (باء پر زبر اور راء پر تشدید) ہے، یہ تیروں کو درست کرتے تھے اور یہ عطار تھے۔ امام بخاری نے کہا ہے کہ یہ بہت سچے ہیں، کیونکہ امام بخاری کے نزدیک یہ بہت سچے تھے، اسی لیے امام بخاری نے ان کی حدیث روایت کی ہے، اسی طرح امام مسلم نے بھی ان کی حدیث روایت کی ہے، اور یحییٰ بن معین نے کہا کہ یہ ضعیف راوی ہیں، اور ابو حاتم نے کہا: ان کی حدیث لکھی جاتی ہے، اور المقدمی نے کہا: یہ ثقہ ہیں۔

اور اس حدیث کی سند میں عبید اللہ بن الاخنس ہیں، یہ نخعی کوفی ہیں، ان کی کنیت ابو مالک ہے، ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے اور امام ابن حبان نے کہا: یہ بہت خطا کرتے تھے، اور صحیح بخاری میں ان تین سے مروی صرف یہی حدیث ہے، لیکن عبید اللہ بن اخنس کی حدیث کتاب الحج کے آخر میں ہے اور ابو معشر کی حدیث کتاب الاشربہ کے آخر میں ہے۔

اور اس حدیث کی سند میں ابن ابی ملیکہ عبد اللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ کا ذکر ہے، ان کا نام زہیر ہے، یہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے قاضی تھے۔

یہ حدیث اور اس سے پہلی حدیث جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی تھی، ایک ہی قصہ کے اندر ہے۔ اور ان کا قصہ اس شخص کے ساتھ ہوا جس کو بچھو نے ڈنک لگایا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے" او سلیم" اس میں راوی کو شک ہے کہ لدیغ کہا تھا یا سلیم، یعنی جس کو بچھو نے ڈنک لگایا ہو، اس کو سلیم اچھی فال کے طور پر کہا جاتا ہے جیسے مہلکہ کو مفازہ کہا جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے" فانطلق رجل منھم" یعنی صحابہ میں سے ایک مرد دم کرنے گئے اور وہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے" علی شاء" یعنی انہوں نے چند بکریوں کی شرط پر سورۂ فاتحہ کو پڑھا، یا چند بکریوں کو مقرر کیا تھا یا چند بکریوں پر صلح کی تھی۔ اور الشاء کا لفظ، شاۃ کی جمع ہے، اس کی اصل ہے شاھۃ، پس ہاء کو حذف کر دیا گیا اور اس کی جمع شیاہ، شاء اور شوی آتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تم جن چیزوں پر اجرت لیتے ہو، ان میں اجرت کی سب سے زیادہ مستحق اللہ کی کتاب ہے"۔

تعلیم قرآن پر اجرت لینے کی ممانعت

صاحب التوضیح یعنی علامہ ابن ملقن شافعی نے کہا ہے: اس حدیث میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے خلاف حجت ہے، کیونکہ وہ تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو منع کرتے ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: جس شخص کو حدیث کے معانی کا ذوق ہو، وہ ایسا کلام نہیں کرے گا جس کا کوئی معنی نہیں ہے۔ اور اس حدیث کا وہ معنی نہیں ہے جو ابن ملقن نے سمجھا ہے حتیٰ کہ اس کے ساتھ وہ امام ابوحنیفہ پر رد کریں، اس کا معنی صرف یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے کی اجرت لینے یا اس کے علاوہ قرآن مجید کی آیتوں کو پڑھ کر دم کرنے کی اجرت لینے کا زیادہ استحقاق ہے اور امام ابوحنیفہ اس سے منع نہیں کرتے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو منع کرتے ہیں اور تعلیم قرآن اور چیز ہے اور دم کرنا اور چیز ہے۔ علاوہ ازیں تعلیم قرآن پر اجرت لینے سے منع کرنے میں امام ابوحنیفہ منفرد نہیں ہیں بلکہ عبداللہ بن شقیق، اسود بن ثعلبہ، ابراہیم النخعی، عبداللہ بن زید، شریح القاضی اور حسن بن حیی کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور اس معترض نے جو ان اکابر فقہاء میں سے صرف امام ابو حنیفہ کو اپنے اعتراض کا نشانہ بنایا اس سے اس کے تعصب کی بو آتی ہے۔ اور ان اکابر نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ از عبدالرحمٰن بن شبل روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قرآن کا علم حاصل کرو اور اس میں غلو نہ کرو اور نہ اس سے بے وفائی کرو اور نہ اس کو کھانے کا ذریعہ بناؤ، یعنی قرآن کے عوض دنیا کا مال حاصل نہ کرو اور اس سے مال میں کثرت حاصل نہ کرو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۹۲۔ ۳۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تعلیم قرآن پر اجرت لینے کی تحقیق

فقہاء متقدمین تعلیم قرآن پر اجرت لینے سے منع کرتے تھے، لیکن بعد میں متاخرین فقہاء نے یہ دیکھا کہ اگر تعلیمِ قرآن پر اجرت نہ لی جائے تو کوئی شخص بغیر معاوضہ کے قرآن کی تعلیم نہیں دے گا اور اس طرح لوگوں سے قرآن مجید کا علم جاتا رہے گا۔

متعدد احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ کی رو سے قرآن مجید کی تعلیم، امامت، قضاء، جہاد اور دیگر عبادات پر اجرت لینا جائز ہے اور بعض احادیث اور آثار میں اس کی ممانعت بھی ہے، ہم نے غور کیا تو اس کی ممانعت کی تین وجہیں معلوم ہوئیں۔ اولاً یہ کہ اگر کسی ایک شخص کے علاوہ اور کوئی شخص اس عبادت کے لیے موجود نہ ہو تو اس پر عبادت کا کرنا بطورِ فرض متعین ہو جائے گا اور اس کا اس عبادت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ممانعت کی حدیث مانگنے اور سوال کرنے پر محمول ہے اور سوال کیے بغیر لینا جائز ہے۔ اور تیسری وجہ یہ ہے کہ ممانعت کی احادیث اس پر محمول ہیں کہ اجرت کی شرط لگائی جائے اور اگر بغیر پیشگی شرط کے اجرت دی جائے تو پھر اجرت دینا جائز ہے۔

حافظ جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف زیلعی حنفی متوفی ۷۶۲ھ لکھتے ہیں:

ہمارے فقہاء میں سے علامہ ابوسعید الاصطخری کا مذہب یہ ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے بشرطیکہ معلم پر تعلیم قرآن فرض عین نہ ہو، اور جس شخص پر تعلیم قرآن فرض عین ہو اس کے لیے اجرت لینا جائز نہیں ہے اور احادیث اور آثار کے اختلاف کا یہی محمل ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ معلمین کو وظیفہ دیتے تھے، ابراہیم بن سعد نے اپنے والد سے روایت

کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض عاملوں کو خط لکھا کہ تعلیم قرآن پر لوگوں کو اجرت دو۔
(نصب الرایہ ج ۴ ص ۱۳۷، مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند، ۱۳۵۷ھ)

دوسری توجیہ یہ ہے کہ قرآن مجید پڑھ کر بھیک مانگنا اور سوال کرنا منع ہے، کیونکہ امام بیہقی روایت کرتے ہیں:
حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا ایک قصہ گو کے پاس سے گذر ہوا، اس نے قرآن مجید پڑھا، پھر لوگوں سے سوال کیا، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ'' اور کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس شخص نے قرآن مجید پڑھا وہ اللہ سے سوال کرے، کیونکہ عنقریب ایک ایسی قوم آئے گی جو قرآن مجید پڑھ کر اس کے ذریعہ لوگوں سے سوال کرے گی۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۵۳۴۔ ۵۳۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۰ھ)

تیسری توجیہ ہم نے یہ ذکر کی ہے کہ ممانعت کی احادیث اجرت کی شرط لینے پر محمول ہیں اور اگر بغیر شرط کے اجرت لی جائے تو پھر جائز ہے۔

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں: طاؤس سے یہ سوال کیا گیا کہ جو معلم اجرت لے تو اس کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا: اگر وہ بغیر شرط کے اجرت لے تو اس میں کوئی حرج نہیں، معمر نے کہا کہ قتادہ نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں۔
(مصنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۱۱۴، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:
شعبی کہتے ہیں کہ معلم کوئی شرط نہ لگائے، پھر اگر اس کو کوئی چیز دے تو اس کو قبول کرلے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:
جو لوگ طلباء کو تعلیم دینے کے لیے ملازمت کرتے ہیں، وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہیں، کیونکہ وہ محض تعلیم کی اجرت نہیں لیتے بلکہ وہ جو صبح سے شام تک اپنے گھر سے علیحدہ ہو کر اور اپنا کاروبار معاش چھوڑ کر طلباء پر محنت اور جانفشانی کرتے ہیں، وہ اس محنت کا مشاہرہ لیتے ہیں، البتہ جو شخص جگہ اور وقت کے تقرر کے بغیر محض قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم کی اجرت لے تو وہ جائز نہیں ہے، اور امامت، خطاب اور اذان کی اجرت میں فقہاء کا اختلاف ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ ان کی اجرت ناجائز ہے کیونکہ یہ عبادات ہیں اور اجرت لینے کے بعد عبادت کا ثواب نہیں رہتا۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے، کیونکہ یہ اجرت ان عبادات کی نہیں بلکہ مقام اور وقت کی خصوصیت کی اجرت ہے۔ (کیونکہ مثلاً مسجد کی انتظامیہ اس وقت امام کو تنخواہ دے گی جب وہ مسجد میں آ کر امامت کرائے اور ان کے نظام الاوقات کے مطابق امامت کرائے، اور اگر وہ اپنے گھر میں اپنے مقرر کردہ وقت پر نماز پڑھائے تو اس کو مسجد کی انتظامیہ تنخواہ نہیں دے گی) اور یہ خصوصیت عبادت میں داخل نہیں ہے، اس لیے یہ اجرت جائز ہے۔
(تفسیر عزیزی (مترجم) ج ۱ ص ۳۴۲، ملخصاً مطبع فاروقی دہلی)

علامہ علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:
ہمارے بعض مشائخ نے اس زمانہ میں تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو مستحسن کہا ہے، کیونکہ اب امور دینیہ میں سستی ہوگئی ہے اور اس کو ناجائز کہنے سے قرآن مجید کو حفظ کرنا ضائع ہو جائے گا اور فتویٰ اسی قول پر ہے۔
(ہدایہ اخیرین ص ۳۰۳، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

علامہ محمد بن محمود بابرتی حنفی متوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں:

متقدمین فقہاء نے تعلیم کی اجرت کو اس لیے مکروہ کہا تھا کہ معلمین کو بیت المال سے عطیات ملتے تھے، اور ان عطیات کی وجہ سے وہ اپنی معاشی ضروریات میں مستغنی تھے اور وہ لوگ محض ثواب کے لیے تعلیم دینے میں رغبت رکھتے تھے اور یہ چیز اب باقی نہیں ہے، امام ابوعبداللہ الخیز اخزی نے کہا کہ ہمارے زمانہ میں امام، مؤذن اور معلم کے لیے اجرت لینا جائز ہے، اسی طرح ذخیرہ میں ہے۔ (عنایہ علی ہامش فتح القدیر ج ۸ ص ۴۱۔ ۴۰، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

ملا نظام الدین حنفی متوفی ۱۱۶۱ھ لکھتے ہیں:

جب مدت مقرر کر لی جائے تو مشائخ بلخ نے تعلیم قرآن پر اجرت طلب کرنے کو جائز کہا ہے اور انہوں نے فتویٰ دیا ہے کہ مشاہرہ دینا واجب ہے اور جب اجرت پر نہ رکھا جائے تو انہوں نے فتویٰ دیا ہے کہ اس وقت عرف اور رواج کے مطابق اجرت دینا واجب ہے، اسی طرح محیط میں ہے، انہوں نے کہا کہ بچہ کے والد کو طے شدہ مشاہرہ دینے پر مجبور کرنا مستحسن ہے، اور شیخ ابوبکر محمد بن فضل یہ کہتے تھے کہ اجرت پر رکھنے والے کو اجرت دینے پر مجبور کیا جائے گا اور اس کو قید کیا جائے گا، انہوں نے کہا: اسی قول پر فتویٰ ہے۔ اسی طرح فقہ وغیرہ کی تعلیم پر بھی اجرت طلب کرنا جائز ہے، ہمارے زمانہ میں انہی مشائخ کے قول پر فتویٰ دینا مختار ہے، اسی طرح فتاویٰ عتابیہ میں ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۴ ص ۴۴۸، مکتبہ امیریہ کبریٰ بولاق، مصر ۱۳۱۰ھ)

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

اس زمانہ میں تعلیم قرآن، تعلیم فقہ، امامت اور اذان پر اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ ہے اور اجرت پر رکھنے والے کو اجرت دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ (درمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۵ ص ۴۶، مکتبہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ)

صحیح البخاری: ۵۷۳۷، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: بے شک جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو، ان میں سب سے زیادہ اجرت کی مستحق اللہ کی کتاب ہے۔

قرآن مجید پڑھنے پر اجرت لینے کی دو قسمیں

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید پڑھنے پر اجرت لینا جائز ہے اور اجرت لینے کی دو قسمیں ہیں۔

اول یہ کہ صرف قرآن پڑھنے کی اجرت لی جائے، یہ حرام اور ناجائز ہے۔ ثانی یہ کہ تعلیم قرآن پر اجرت لی جائے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ تعلیم عمل ہے اور مشقت ہے اور اس میں مہارت کی ضرورت ہے، لہٰذا اس کا عوض لینا جائز ہے۔

اگر کسی مریض پر قرآن پڑھا تا کہ وہ مریض تندرست ہو جائے تو اس پر بھی اجرت لینا جائز ہے، کیونکہ یہ بہ منزلہ دوا ہے اور یہ محض تلاوت نہیں ہے بلکہ ایسی تلاوت ہے جس سے اس کو فائدہ ہوتا ہے جس پر تلاوت کی جائے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۴۱۵، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۳۵۔ بَابُ: رُقْيَةِ الْعَيْنِ — نظرِ بد میں دم کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں نظرِ بد لگ جانے کی صورت میں دم کرانے کا بیان ہے، یعنی نظرِ بد لگ جانے کے سبب سے جو تکلیف ہو جاتی ہے، اس کے ازالہ کے لیے دم کرانا، اور اس حدیث میں عین سے مراد آشوبِ چشم یا آنکھ کی بیماری نہیں ہے بلکہ اس سے مراد نظرِ بد لگنا ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھے اور اس کے دیکھنے کی وجہ سے اس چیز میں کوئی ضرر ہو جائے۔

علامہ نووی نے کہا ہے: ایک جماعت نے نظرِ بد لگنے کا انکار کیا ہے، انہوں نے کہا: نظر کی کوئی تاثیر نہیں ہے اور ان کے قول کے فاسد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ نظرِ بد لگنے سے کسی جسم میں تکلیف ہونا امرِ ممکن ہے اور نبی صادق نے اس کی خبر دی ہے کہ نظرِ بد لگ جاتی ہے، لہٰذا اس کا رد کرنا جائز نہیں ہے۔

بعض شارحین نے کہا ہے: دیکھنے والے کی آنکھوں سے ایک زہریلی قوت پھوٹتی ہے یا زہریلی شعاعیں نکلتی ہیں اور وہ زہریلی قوت یا شعاعیں کسی چیز پر اثر انداز ہوتی ہیں تو وہ چیز ہلاک ہو جاتی ہے جیسے زہریلے سانپ کا اثر ہوتا ہے۔ اور مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ عادت جاری کر دی ہے کہ جب کوئی شخص کسی چیز کو تعجب سے دیکھے تو اس سے اس چیز میں ضرر پیدا ہو جاتا ہے جس کو وہ دیکھتا ہے۔ اور نظر لگانے والے کی آنکھوں سے کسی چیز کا پھوٹنا یہ بھی ممکنات میں سے ہے۔

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے: نظرِ بد کی تعریف یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کو بہت عمدہ اور اچھا قرار دے کر دیکھے یا اس کے دیکھنے میں حسد کی آمیزش ہو اور دیکھنے والا خبیث الطبع ہو جیسے زہریلے جانور ہوتے ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہو تو ہر عاشق اپنے معشوق کو نظرِ بد لگا دے، کیونکہ عاشق بھی اپنے معشوق کو بہت اچھا اور عمدہ جان کر دیکھتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۳۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنِي مَعْبَدُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ شَدَّادٍ عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها قَالَتْ أَمَرَنِي رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَوْ أَمَرَ أَنْ يُسْتَرْقَى مِنَ الْعَيْنِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے معبد بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے عبد اللہ بن شداد سے سنا از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا یا آپ نے حکم دیا کہ نظرِ بد میں دم کرایا جائے۔

(صحیح مسلم: ۲۱۹۵، سنن ابن ماجہ: ۳۵۱۲، مسند احمد: ۲۴۵۴۷)

صحیح البخاری: ۵۷۳۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن کثیر، صاحب التوضیح نے کہا ہے: یہ لفظ محمد بن کبیر ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ غلط ہے، اور ظاہر ہے کہ جس نے محمد بن کبیر لکھا وہ جاہل تھا۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے سفیان، یہ سفیان الثوری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں معبد کا ذکر ہے، یہ ابن الخالد القاضی الکوفی التابعی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبد اللہ بن شداد کا ذکر ہے، وہ ابن الہاد کے نام سے معروف ہیں اور ان کے والد صحابی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''او امر'' یعنی راوی کو شک ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا جیسا کہ سنن نسائی اور صحیح مسلم میں ہے، یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا کہ آپ نے حکم دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ان یسترقی'' یعنی دم کرانے کو طلب کیا جائے، اور اس شخص سے دم کرایا جائے جو نظر بد لگنے کی صورت میں دم کرنے کا عارف ہو اور ماہر ہو۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دم کا حکم دیا، یہ وہ ہے جو قرآن مجید کی آیات سے ہو، یا نیک لوگ جو اللہ تعالیٰ کا ذکر بتائیں، اس ذکر کے ساتھ دم کیا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۹۳۔ ۳۹۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۳۹۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ وَهْبِ بْنِ عَطِيَّةَ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيدِ الزُّبَيْدِيُّ أَخْبَرَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ زَيْنَبَ ابْنَةِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضي الله عنها أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم رَأَى فِي بَيْتِهَا جَارِيَةً فِي وَجْهِهَا سَفْعَةٌ فَقَالَ اسْتَرْقُوا لَهَا فَإِنَّ بِهَا النَّظْرَةَ وَقَالَ عُقَيْلٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم تَابَعَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَالِمٍ عَنِ الزُّبَيْدِيِّ۔ (صحیح مسلم: ۲۱۹۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن وہب بن عطیہ الدمشقی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن الولید الزبیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے خبر دی از عروہ بن الزبیر از زینب بنت ابی سلمہ از حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک لڑکی دیکھی جس کے چہرہ پر سیاہ دھبے تھے، تو آپ نے فرمایا: اس کے لیے دم کراؤ، کیونکہ اس کو نظر لگ گئی ہے۔

اور عقیل نے کہا الزہری: مجھے عروہ نے خبر دی از نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

محمد بن حرب کی متابعت کی عبد اللہ بن سالم نے از زبیدی۔

صحیح البخاری: ۵۷۳۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ایک عجیب وغریب نکتہ ہے اور وہ یہ ہے: اس حدیث کی سند میں امام بخاری سے لے کر عروہ تک چھ نفوس کا ذکر ہے اور ان میں سے ہر ایک کا نام محمد ہے، سو یہ حدیث مسلسل بالمحمدیین ہے۔(۱) امام بخاری، ان کا نام محمد بن اسماعیل ہے (۲) محمد بن خالد (۳) محمد بن وہب (۴) محمد بن حرب (۵) محمد بن الولید (۶) محمد بن المسلم، اور وہ الزہری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''سفعة'' اس لفظ میں سین پر زبر بھی ہے اور پیش بھی اور عین ساکن ہے، یعنی یہ لفظ سَفْعَةٌ بھی ہے اور سُفْعَةٌ بھی ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: السفعة کا معنی زرد رنگ ہے اور چہرہ کا متغیر ہونا ہے اور ابراہیم الحربی نے کہا: یہ چہرہ میں سیاہی ہے۔ اور ابو العلاء المعرّی نے کہا: عرب کہتے ہیں رجل اسفع، یعنی اس کا چہرہ سیاہ ہے۔ اور السفعہ کا اصل معنی ہے: پیشانی کے بالوں کے ساتھ پکڑنا، قرآن مجید میں ہے:

لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۝ (العلق:١٥) ہم ضرور اس کو پیشانی کے بالوں سے پکڑیں گے ○

اور ایک قول یہ ہے کہ ہر زرد رنگ اسفع ہے۔ اور الجوہری نے کہا ہے: یہ عورت کے چہرہ میں سیاہی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''استرقوا لها'' یعنی اس لڑکی کیلئے دم کرنے والے کو تلاش کرو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فان بها النظرة'' یعنی اس لڑکی کو نظر لگ گئی ہے۔ جب کسی مرد کو نظر لگ جائے تو کہا جاتا ہے ''رجل منظور'' اور ابن قرقول نے کہا: النظرة کا معنی ہے: جنات میں سے کسی کی نظر لگ جانا۔ اور امام ابو عبید نے کہا: یعنی شیطان نے اس کو نظر لگا دی ہے۔ اور علامہ خطابی نے کہا: جنات کی نظریں نیزوں سے زیادہ تیز ہوتی ہیں۔

اور جب حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ایک جن نے یہ شعر پڑھا:

نحن قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادة * ورمیناه بسهم فلم یخط فؤاده

ہم نے بنو الخزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو قتل کر دیا * ہم نے ان پر تیر مارا سو اس تیر نے ان کے دل سے خطا نہیں کی

اور بعض علماء نے اس کی تاویل کی ہے کہ ہم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو اپنی آنکھ سے نظر لگا دی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۹۴۔۳۹۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

نظر لگنے کے متعلق احادیث

حضرت یعقوب علیہ السلام کے دس بیٹے بہت خوب صورت اور بہت باکمال تھے، مصر کے چار دروازے تھے، جب دس بیٹے مصر روانہ ہونے لگے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ خدشہ ہوا کہ اگر دس کے دس ایک دروازے سے داخل ہوئے تو ان پر دیکھنے والوں کی نظر لگ جائے گی، اس لیے انہوں نے فرمایا: اے میرے بیٹو! تم سب ایک دروازے سے مت داخل ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا۔ نظر لگنے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نظر برحق ہے اور آپ نے جسم کو گودنے سے منع فرمایا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۴۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۸۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۷۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۶۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۸۷۰۷، مسند البزار رقم الحدیث: ۳۰۴۷، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۵۸۴، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۵۶۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے نظر بد کے دم کرانے کا حکم دیا تھا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۳۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۹۵، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۵۳۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۱۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۷۔۳۶، مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۸، ۶۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۰۳، المستدرک ج ۴ ص ۴۱۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۳۴۷، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۲۴۲)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے گھر میں ایک بچی کو دیکھا جس کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو رہا تھا (اس کا رنگ سرخی مائل سیاہ تھا یا زرد تھا، بہرحال اس کے چہرے کا رنگ اصل رنگ کے خلاف تھا) آپ نے فرمایا: اس پر دم کراؤ کیونکہ اس پر نظر لگی ہوئی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۳۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۹۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو دم کرتے ہوئے فرماتے تھے: تمہارے باپ حضرت اسماعیل اور حضرت اسحق بھی دم کرتے ہوئے فرماتے تھے: میں (تم کو) شیطان، ہر زہریلے کیڑے اور نظر لگانے والی آنکھ سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۷۱، سنن الترمذی: رقم الحدیث: ۲۰۶۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۴۹۔۴۸، ج ۱۰ ص ۳۱۵، مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۰، ۲۳۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۲۵)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! جعفر کی اولاد پر نظر بہت جلد لگتی ہے، کیا میں اس پر دم کرایا کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت کرسکتی ہے تو نظر تقدیر پر سبقت کرسکتی ہے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۵۹، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۳۳۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۵۶، مسند احمد ج ۶ ص ۴۳۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۱۰، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۲۴۳)

ابوامامہ بن سہل بن حنیف بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ سہل بن حنیف نے خرار (مدینہ کی ایک وادی) میں غسل کیا، اور انہوں نے اپنا جبہ اتارا اور عامر بن ربیعہ ان کو دیکھ رہے تھے، اور سہل گورے رنگ کے بہت خوبصورت شخص تھے۔ عامر بن ربیعہ نے انہیں دیکھ کر کہا: اتنے گورے رنگ کا اتنا خوبصورت شخص میں نے اس سے پہلے نہیں دیکھا۔ سہل کو اسی وقت بخار چڑھ گیا۔ پھر ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر بتایا کہ سہل کو بہت تیز بخار چڑھ گیا ہے اور وہ آپ کے ساتھ نہیں جاسکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سہل کے پاس تشریف لے گئے اور سہل نے بتایا کہ اس طرح مجھے عامر نے نظر بھر کر دیکھا تھا، پھر مجھے بخار چڑھ گیا۔ آپ نے عامر سے فرمایا: تم کیوں اپنے بھائی کو قتل کرتے ہو اور تم نے یہ کیوں نہیں کہا: "تبارک اللہ احسن الخالقین اللھم بارک فیہ"، (جب دیکھنے والا کسی بھی چیز کو دیکھ کر یہ کہے گا تو اس کی نظر نہیں لگے گی) بے شک نظر کا لگنا برحق ہے، تم اس کے لیے وضو کرو۔ عامر نے ان کے لیے وضو کیا، پھر وہ بالکل تندرست ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلے

گئے۔ سنن ابن ماجہ میں ہے: آپ نے اس کو حکم دیا کہ اپنے چہرے کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوئے اور گھٹنوں کو اور ازار کے اندر جسم کا حصہ دھوئے، پھر آپ نے حکم دیا کہ اس کے غسالہ کو سہل کے اوپر بہایا جائے۔

(موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۷۴۷، ۱۷۴۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۰۹، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۳۵۱، مسند احمد ج ۳ ص ۴۸۶، عمل الیوم واللیلہ للنسائی رقم الحدیث: ۲۰۹)

نظر بد میں مذاہب اور اس سے متعلق شرعی احکام

ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ نظر کا لگنا برحق ہے اور نظر کبھی انسان کو قتل بھی کر دیتی ہے جیسا کہ موطا کی اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: تم اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتے ہو، اس پر تمام امت کے علماء کا اجماع ہے اور یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔ بعض بدعتی فرقوں نے نظر لگنے کا انکار کیا ہے، لیکن احادیث صحیحہ، امت کا اجماع اور مشاہدہ ان کے انکار کو رد کرتا ہے۔ کتنے لوگ ایسے ہیں جو نظر لگنے کی وجہ سے اپنی جان کھو بیٹھے، تاہم نظر کا لگنا یا نہ لگنا اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے اذن پر موقوف ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (البقرہ: ۱۰۲)

اور وہ اللہ کے اذن کے بغیر اس جادو سے کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتے تھے۔

اصمعی نے کہا: میں نے ایک شخص کو دیکھا، اس کی نظر بہت لگتی تھی، اس نے سنا کہ ایک گائے بہت زیادہ دودھ دیتی ہے، اس کو یہ بہت اچھا لگا، اس نے پوچھا: وہ کون سی گائے ہے؟ لوگوں نے کوئی اور گائے بتائی اور اس کو مخفی رکھا، لیکن وہ دونوں گائیں مر گئیں۔ اصمعی نے کہا: میں نے اس شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب مجھے کوئی چیز اچھی لگتی ہے اور میں اس کو دیکھتا ہوں تو میری آنکھوں سے ایک قسم کی حرارت خارج ہوتی ہے۔

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جب اس کو کوئی چیز اچھی لگے تو وہ یہ کہے:

تبارك الله احسن الخالقين اللهم بارك فيه۔

پس اللہ برکت والا ہے جو سب سے حسین پیدا کرنے والا ہے، اے اللہ! اس میں برکت دے۔

جب کوئی شخص کسی اچھی چیز کو دیکھ کر یہ کہے گا تو پھر اس کی نظر نہیں لگے گی جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عامر بن ربیعہ کو ارشاد فرمایا تھا۔

جس شخص نے یہ کلمات نہیں کہے اور اس کی نظر لگ گئی تو اس کو غسل کرنے کا حکم دیا جائے اور اگر وہ غسل نہ کرے تو اس کو غسل کرنے پر مجبور کیا جائے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امر وجوب کے لیے ہے، خصوصاً اس صورت میں کہ جب اس شخص کی ہلاکت کا خطرہ ہو جس پر اس کی نظر لگی ہے اور کسی شخص کے لیے اپنے بھائی کو نفع سے روکنا اور اس کو ضرر پہنچانا جائز نہیں ہے اور غسل کے بعد اس شخص کا غسالہ اس پر بہایا جائے جس پر نظر لگی ہے۔

جس شخص کی نظر کا لگنا مشہور ہو، اس کو لوگوں کے پاس جانے سے روک دیا جائے تاکہ لوگوں کا ضرر نہ ہو۔ بعض علماء نے کہا کہ قاضی یا حاکم کو چاہیے کہ اسے اس کے گھر میں بند کر دے اور اگر وہ تنگ دست ہو تو اس کو سرکاری طور پر رزق بھی مہیا کرے اور

لوگوں کو اس کی اذیت سے بچائے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کو شہر بدر کر دیا جائے، لیکن موطا امام مالک کے حوالے سے جو حدیث ہم نے ذکر کی ہے وہ ان اقوال کو مسترد کرتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر بن ربیعہ کو گھر میں بند کیا تھا نہ شہر بدر کیا تھا، بلکہ کبھی کسی نیک آدمی کی بھی نظر لگ جاتی ہے اور یہ کوئی عیب کی بات نہیں اور نہ ہی اس کی وجہ سے کسی کو فاسق کہا جاتا ہے۔

بعض احادیث میں نظر لگ جانے کے بعد دم کرانے کا ارشاد ہے اور بعض احادیث میں جس کی نظر لگی ہے، اس کو غسل کر کے اس کے غسالہ کو اس پر ڈالنے کا حکم ہے جس پر نظر لگی ہے۔ ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ اگر یہ معلوم نہ ہو کہ کس کی نظر لگی ہے تو دم کرایا جائے (دم کے کلمات حدیث میں مذکور ہیں) اور اگر یہ معلوم ہو کہ فلاں شخص کی نظر لگی ہے تو اس کو غسل کرنے کا حکم دیا جائے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۱۹۹۔ ۱۹۷)

نظر بد کی تاثیرات کی تحقیق

بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ کسی شخص کے دیکھنے سے دوسرے شخص کو ضرر کیوں کر پہنچ جاتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں کی طبائع اور ان کے بدنوں کی کیفیات مختلف ہوتی ہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دیکھنے والے کی آنکھ سے زہر نکل کر دوسرے کے بدن میں پہنچ جاتا ہے، اس کی نظیر یہ ہے کہ جس شخص کو آشوب چشم ہو اور تندرست آدمی اس کو دیکھے تو اس کو بھی بیماری لگ جاتی ہے، اس طرح بعض بیماریوں میں تندرست آدمی بیماروں کے پاس بیٹھے تو اس کو وہ بیماری لگ جاتی ہے۔ اگر کسی آدمی کو جماہیاں آ رہی ہوں تو اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کو بھی جماہیاں آنے لگتی ہیں، اسی طرح افعیٰ (سانپ) کے ساتھ نظر ملانے سے بھی اس کا زہر سرایت کر جاتا ہے، لیکن اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ کسی شخص کی نظر سے ضرر کا پہنچنا اس وجہ سے ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے اور اس کے اذن اور اس کی مشیت پر موقوف ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر دوران خطبہ فرمایا: سفید دھاری دار سانپ اور دم بریدہ سانپ کو قتل کر دو کیونکہ یہ دونوں بصارت کو زائل کر دیتے ہیں اور حمل کو ساقط کر دیتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۹۷، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۹۶۱۶، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۶۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۵۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۸۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۳۵)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ سفید دھاریوں والے سانپ کے دیکھنے سے بصارت چلی جاتی ہے اور حمل ساقط ہو جاتا ہے، اس طرح بعض افاعی (سانپ) ایسے ہیں کہ ان کی نظر سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے، اور یہ عام مشاہدہ ہے کہ اسی طرح انسان کا بعض لوگوں سے اس نوع کا تعلق ہوتا ہے کہ ان کے دیکھنے سے انسان کا چہرہ شرمندگی سے سرخ ہو جاتا ہے اور بعض لوگوں سے انسان اس قدر خوف زدہ ہو جاتا ہے کہ ان کے دیکھنے سے اس کا چہرہ زرد پڑ جاتا ہے اور یہ سب نظر کی تاثیرات ہیں۔ اسی طرح بعض لوگوں کے دیکھنے سے انسان بیمار پڑ جاتا ہے اور بعض کو دیکھنے سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے اور یہ روح کی تاثیرات ہیں اور ارواح مختلف ہوتی ہیں۔ بعض روحوں کی طبائع، کیفیات، قوتیں اور خواص بہت جلد تاثیر کرتی ہیں کیونکہ وہ روح بہت خبیث ہوتی ہے اور محض کسی کو دیکھتے ہی اس میں تاثیر کرتی ہے اور بعض روحیں دوسرے شخص کے بدن کے ساتھ اتصال کے بعد تاثیر کرتی ہیں، اور اس کی آنکھوں سے ایک معنوی تیر نکل کر دوسرے کے جسم میں پیوست ہو جاتا ہے، بہر حال اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی مشیت کے

بغیر یہ تاثیر نہیں ہوتی اور اس کا علاج یہ ہے کہ اگر معلوم ہو کہ فلاں شخص کی نظر لگی ہے تو اس کو غسل کرا کر اس کا غسالہ نظر لگنے والے شخص پر ڈالا جائے ورنہ یہ دعا کر کے اس پر دم کیا جائے:

اعوذ بکلمات اللہ التامة من کل شیطان وھامة ومن کل عین لامة (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۷۱)

میں ہر شیطان اور ہر زہریلے کیڑے اور ہر نظر بد سے اللہ کے کلمات تامہ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۲۰۱-۲۰۰ ملخصا مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

۳۶- بَابٌ: اَلْعَيْنُ حَقٌّ نظر لگنے کے برحق ہونے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ نظر کا لگنا برحق ہے، یعنی نظر کا لگنا ثابت ہے اور موجود ہے۔ اور اس کی انسان کے نفوس میں تاثیر ہوتی ہے۔ بعض فلاسفہ نے نظر لگنے کا انکار کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ نظر کا لگنا کوئی چیز نہیں ہے، اصل وہی چیز ہے جس کا حواسِ خمسہ ادراک کرتے ہیں اور اس کے علاوہ جو چیز ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اور احادیث ان لوگوں کا رد کرتی ہیں۔

نظر لگنے کے ثبوت میں احادیث

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نظر کا لگنا برحق ہے، اور اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت کر سکتی تو نظر سبقت کرتی اور جب تم سے غسل کرنے کو طلب کیا جائے، سو تم غسل کرو۔

اور امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ نظر لگانے والے کو وضو کرنے کا حکم دیا جاتا، پھر اس پانی سے اس کو غسل دیا جاتا جس پر نظر لگی ہے۔

اور امام نسائی اپنی سند کے ساتھ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے آپ کو دیکھے یا اپنے مال کو دیکھے یا اپنے بھائی کو دیکھے اور وہ دیکھنا اس کو اچھا لگے تو وہ برکت کی دعا کرے، کیونکہ نظر کا لگنا برحق ہے۔

اور امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جعفر کی اولاد میں نظر بہت جلدی اثر کرتی ہے، کیا ہم ان پر دم کرالیا کریں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! کیونکہ اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت کر سکتی ہے تو نظر سبقت کرتی ہے۔

اور امام ابن ابی عاصم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت صعصعہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی اکثر قبریں نظر کھودے گی۔

اور ابوعمر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایک اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتا ہے؟ آپ کے اس ارشاد میں یہ دلیل ہے کہ بعض اوقات نظر کسی بندہ کو قتل کر دیتی ہے یعنی مار ڈالتی ہے اور نظر کا لگنا موت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ اور

آپ نے فرمایا: اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت کر سکتی تو نظر سبقت کرتی، اس میں دلیل ہے کہ مرد کو وہی آفت پہنچتی ہے جو اس کے لیے مقدر کی گئی ہے۔ اور نظر تقدیر پر سبقت نہیں کر سکتی لیکن نظر بھی تقدیر میں سے ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ نظر لگانے والا برکت کی دعا کرے، اس میں یہ دلیل ہے کہ جب کسی شخص کو کوئی چیز اچھی لگے اور وہ یہ دعا کرے: اے اللہ! اس میں برکت دے تو اس کو نظر نہیں لگتی، اس لیے ہر جس شخص کو کوئی چیز اچھی لگے، اس پر واجب ہے کہ وہ اس کے لیے برکت کی دعا کرے، کیونکہ جب وہ اس کے لیے برکت کی دعا کرے گا تو پھر کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اور برکت کی دعا اس طرح ہے کہ وہ یوں کہے:

تبارك الله احسن الخالقين اللهم بارك فيه۔ پس اللہ برکت والا ہے جو سب سے حسین پیدا کرنے والا ہے، اے اللہ! اس میں برکت دے۔

نظر اتارنے کے لیے نظر لگانے والے کو غسل کا حکم دینے کا وجوب

اور نظر لگانے والے کو غسل کا حکم دیا جائے اور اگر وہ انکار کرے تو اس کو مجبور کیا جائے، کیونکہ امر کی حقیقت وجوب کے لیے ہے، اور کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو اس چیز سے منع کرے جس سے اس کے بھائی کو نفع ہو، اور اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو ضرر میں رہنے دے، خصوصاً جب ضرر اس کے سبب سے ہو جب کہ وہی قصور وار ہے۔ اور اغتسال کا معنی یہ ہے کہ وہ شخص اپنا چہرہ دھوئے اور اپنے ہاتھوں کو دھوئے کہنیوں سمیت اور اپنے گھٹنوں کو دھوئے اور پیروں کی انگلیوں کو دھوئے اور پھر وہ غسالہ ایک پیالہ میں ڈال دیا جائے، پھر اس کے اوپر اس غسالہ کو پلٹایا جائے جس کو نظر لگ گئی ہے۔

ابو عمر نے کہا ہے: اغتسال کی بہترین تفسیر وہ ہے جو اس حدیث کے راوی زہری نے کی ہے اور وہ صحیح مسلم میں ہے کہ پانی کا ایک پیالہ لایا جائے، پھر بائیں ہاتھ سے اس پانی کو دائیں ہتھیلی پر ڈالا جائے، پھر دائیں ہتھیلی سے بائیں ہتھیلی پر پانی ڈالا جائے، پھر بایاں ہاتھ پیالہ میں داخل کرے اور اس سے دائیں ہاتھ کی کہنیوں تک اس پر پانی ڈالے، پھر دایاں قدم دھویا جائے، پھر دایاں ہاتھ پانی کے پیالہ میں ڈال کر بایاں قدم دھویا جائے، پھر دایاں ہاتھ پانی کے پیالہ میں داخل کرے اور گھٹنوں کو دھوئے، پھر وہ پانی اس کے سر پر ڈال دے جس کو نظر لگی ہے۔

جب نظر لگانے والا متعین ہو جائے تو اس کو لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے سے روک دیا جائے

قاضی عیاض نے بیان کیا ہے کہ بعض علماء نے کہا ہے: جب کوئی ایک شخص متعین ہو جائے کہ اس کی نظر لگتی ہے تو اس سے اجتناب اور احتراز کیا جائے، اور امام کو چاہیے کہ اس شخص کو لوگوں کے پاس داخل ہونے سے منع کرے اور اس پر لازم کر دے کہ وہ اپنے گھر میں رہے اور اگر وہ فقیر ہو تو اس کو اس کی ضروریات پوری کرنے کے لیے خرچ دے، کیونکہ اس کا ضرر کچی لہسن اور کچی پیاز کھانے والے سے زیادہ ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں داخل ہونے سے منع فرما دیا تھا تا کہ وہ لوگوں کو ایذاء نہ پہنچائے۔

نظر لگانے والا اگر نظرِ بد سے کسی کی چیز کو تلف کر دے یا کسی کو قتل کر دے تو اس سے تاوان اور قصاص لیا جائے گا

اور علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ جس مرد کی نظر لگتی ہے اگر وہ معلوم اور معین ہو جائے اور یہ پتا چل جائے کہ جب بھی وہ کسی چیز کی تعظیم کو بیان کرتا ہے یا کسی چیز پر تعجب کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے تو اس چیز پر اس کی نظر لگ جاتی ہے اور جب ایسا بار بار ہو اور یہ اس

شخص کی عادت بن جائے تو جب وہ نظر لگا کر جس چیز کو ضائع کرے گا اس سے اس کا تاوان لیا جائے گا اور اگر اس نے نظر لگا کر کسی معین شخص کو عمداً قتل کر دیا تو اس کو اس کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا، جیسا کہ ساحر اور جادوگر جو اپنے سحر سے کسی کو قتل کر دے جن کے نزدیک اس کو کفر کی وجہ سے قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور ہمارے نزدیک اس کو ہر حال میں قتل کیا جائے گا، وہ اپنے سحر سے قتل کرے یا کسی اور طریقہ سے، کیونکہ وہ زندیق کی مثل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۹۵۔ ۳۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۷۴۰۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْعَيْنُ حَقٌّ وَنَهَى عَنِ الْوَشْمِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن نصر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عبد الرزاق نے حدیث بیان کی از معمر از ہمام از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: نظر برحق ہے، اور آپ نے جسم کو گودنے سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۵۹۴۴، صحیح مسلم: ۲۱۸۷، سنن ابوداؤد: ۳۸۷۹، سنن ابن ماجہ: ۳۵۰۷، مسند احمد: ۲۷۴۶۵)

صحیح البخاری: ۵۷۴۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق بن نصر، وہ اسحاق بن ابراہیم بن نصر السعدی البخاری ہیں، وہ مدینہ میں بنوسعد کے دروازہ کے پاس رہتے تھے، اور اس حدیث میں مذکور ہے عبد الرزاق، وہ عبد الرزاق بن ہمام ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں معمر مذکور ہے، وہ ابن راشد ہیں، اور ہمّام (ہاء پر زبر اور میم پر تشدید) وہ ابن منبہ الانباری الصنعانی ہیں جو وہب بن منبہ کے بھائی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

''وشم'' کی تعریف

اس حدیث میں مذکور ہے ''نهى رسول الله ﷺ عن الوشم'' الوشم کا معنی ہے: سوئی کو جسم کے کسی عضو میں داخل کیا جائے پھر اس کے سوراخ کو سرمہ سے بھر دیا جائے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نظر برحق ہے اور آپ نے جسم کو گودنے سے منع فرمایا، ان دو جملوں کے درمیان مناسبت ظاہر نہیں ہے، پس گویا کہ یہ دو مستقل حدیثیں ہیں، اس لیے امام مسلم اور امام ابوداؤد نے جملہ ثانیہ کو اپنی روایتوں سے حذف کر دیا، حالانکہ ان دونوں نے اس حدیث کو امام عبد الرزاق کی روایت سے ذکر کیا ہے اور امام بخاری نے بھی اسی جہت سے روایت کو ذکر کیا ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کہا جائے کہ ان دونوں کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ نظر اور جسم کو گودنا دونوں عضو میں جسم کے اصلی رنگ کے

علاوہ دوسرا رنگ پیدا کرتے ہیں۔ (فتح الباری ج ٦ ص ٨٥١، دار المعرفہ بیروت، ١٤٢٦ھ)

علامہ بدر الدین عینی حافظ ابن حجر کی اس شرح پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس پوری عبارت پر اعتراض ہے، پہلا اعتراض یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے کہا ہے: پس گویا کہ یہ دو مستقل حدیثیں ہیں۔

حافظ ابن حجر نے ظن وتخمین اور اندازہ سے کہا کہ یہ دو مستقل حدیثیں ہیں یعنی وثوق اور تحقیق سے نہیں کہا اور ظن تو حق سے مستغنی نہیں کرتا۔

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس ظن پر استدلال کرتے ہوئے کہا کہ امام مسلم اور امام ابوداؤد نے دوسرے جملہ یعنی گودنے کو روایت نہیں کیا، حافظ ابن حجر عسقلانی کا یہ استدلال فاسد ہے، کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ امام بخاری نے اپنی روایت میں ایسے جملہ کو ذکر کیا ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں نہیں فرمایا یعنی گودنے کو۔ اور انہوں نے امام مسلم اور ابوداؤد کی طرف یہ نسبت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں سے ایک جملہ کو کم کر دیا یعنی گودنے کو، بلکہ یہ مستقل حدیث ہے جیسا کہ امام بخاری نے روایت کی ہے۔ اور امام مسلم اور ابوداؤد نے جو اپنی روایت میں دوسرے جملہ یعنی گودنے کو ذکر نہیں کیا، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ راوی نے اختصار کیا۔

پھر حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان دونوں جملوں میں مناسبت کو بیان کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ نظر لگنے سے بھی عضو میں اصلی رنگ کے علاوہ دوسرا رنگ پیدا ہو جاتا ہے اور گودنے میں بھی ایسا ہوتا ہے، ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ نظر لگنے سے صرف ایک عضو کا رنگ تبدیل نہیں ہوتا، پورے جسم کا رنگ تبدیل ہوتا ہے۔ اور ان دو جملوں میں مناسبت اس طرح ہے کہ ایک قوم نے نبی ﷺ سے نظر کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: نظر برحق ہے، پھر دوسری قوم نے آپ سے گودنے سے متعلق سوال کیا تو آپ نے گودنے سے منع فرمایا اور یہ دونوں سوال ایک مجلس میں ہوئے۔ اس لیے ان دونوں کو ایک حدیث میں ذکر کر دیا۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کو دو جملوں کے ساتھ روایت کیا تو یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے یہ سنا ہو کہ آپ نے فرمایا کہ نظر برحق ہے، پھر وہ دوسری مجلس میں حاضر ہوئے، اس مجلس میں لوگوں نے آپ سے گودنے سے متعلق سوال کیا تو آپ نے اس سے منع فرمایا، پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت میں ان دونوں کو جمع کر دیا۔

(عمدۃ القاری ج ٢١ ص ٣٩٧، دار الکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

٣٧۔ بَابُ: رُقْيَةِ الْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ — سانپ اور بچھو کے ڈسنے سے دم کرانے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سانپ اور بچھو ڈس لیں تو اس پر دم کرانا جائز ہے۔

٥٧٤١۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ الشَّيْبَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنِ الرُّقْيَةِ مِنَ الْحُمَةِ فَقَالَتْ رَخَّصَ النَّبِيُّ ﷺ الرُّقْيَةَ مِنْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان شیبانی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الرحمٰن بن الاسود نے حدیث

كُلِّ ذِي حُمَةٍ۔ (صحیح مسلم: ۲۱۹۳، مسند احمد: ۲۳۴۹۸)

بیان کی از والد خود، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زہریلے جانوروں کے ڈنک سے دم کرانے کے متعلق سوال کیا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر زہریلے جانور کے ڈسنے سے دم کی اجازت دی ہے۔

صحیح البخاری: ۵۷۴۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے باب کا عنوان ہے "سانپ اور بچھو کے ڈسنے سے دم کرانا" اور اس حدیث "الحمة" یعنی زہریلے جانور کا ذکر ہے، کیونکہ "الحمة" اس کو کہتے ہیں جو منہ سے ڈستا ہے یا ڈنک مارتا ہے، یہ الخطابی کا قول ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ الحمة کا معنی ہے: بچھو کا ڈنک مارنا، بہر حال حدیث میں زہریلے جانور کے ڈسنے کے بعد دم کرانے کا ذکر ہے اور زہریلے جانور سانپ اور بچھو دونوں کو شامل ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدالواحد کا ذکر ہے، اور وہ ابن زیاد ہیں۔ اور سلیمان شیبانی کا ذکر ہے، اور ان کی کنیت ابو اسحاق ہے، اور عبدالرحمٰن بن الاسود کا ذکر ہے، جو اپنے والد اسود بن یزید النخعی سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زہریلے جانوروں کے ڈسنے سے دم کی اجازت دی ہے، اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ پہلے زہریلے جانوروں کے ڈسنے سے دم کرانا ممنوع تھا، بعد میں اس کی اجازت دی گئی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دم کرنے سے اس لیے منع فرمایا تھا کہ دم میں جاہلیت کے الفاظ ہوتے تھے اور جب آپ کو معلوم ہوا کہ یہ عربی کے الفاظ ہیں، تو آپ نے اجازت دے دی۔

ابن شہاب زہری بیان کرتے ہیں: مجھے چند اہل علم مردوں سے یہ حدیث پہنچی، وہ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دم کرنے سے منع فرمایا ہے حتیٰ کہ ہم مدینہ آگئے اور اس زمانہ میں دم بکثرت کیا جاتا تھا، اور دم کے الفاظ میں شرکیہ الفاظ ہوتے تھے، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو آپ کے اصحاب میں سے کسی کو زہریلے جانور نے ڈنک مارا تو صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آل حزم زہریلے جانور کے ڈسنے سے دم کرتے تھے، پس جب آپ نے دم کرنے سے منع فرمادیا تو انہوں نے دم کرنا چھوڑ دیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے لیے عمارہ کو بلاؤ اور وہ بدری صحابی تھے، آپ نے فرمایا: تم اپنے دم کرنے کے کلمات مجھ کو سناؤ، انہوں نے وہ کلمات آپ کو سنائے، تو آپ نے ان کلمات میں کوئی حرج نہیں سمجھا اور ان کو دم کرنے کی اجازت دے دی۔

(عمدة القاری ج ۲۱ ص ۳۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

ابن شہاب کی حدیث مذکور کا علامہ ابن ملقن نے ذکر کیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۴۹۳، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۳۸۔ بَابُ: رُقْيَةِ النَّبِيِّ ﷺ — نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دم کرنے کے کلمات

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کن الفاظ اور کن کلمات کے ساتھ دم کرتے تھے۔

۵۷۴۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَثَابِتٌ عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَقَالَ ثَابِتٌ يَا أَبَا حَمْزَةَ اشْتَكَيْتُ فَقَالَ أَنَسٌ أَلَا أَرْقِيكَ بِرُقْيَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ بَلَى قَالَ اللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ مُذْهِبَ الْبَاسِ اشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لَا شَافِيَ إِلَّا أَنْتَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا۔

(سنن ترمذی: ۹۷۳، سنن ابوداؤد: ۳۸۹۰، مسند احمد: ۱۲۱۲۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوارث نے حدیث بیان کی از عبد العزیز، انہوں نے کہا: کہ میں اور ثابت حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو ثابت نے کہا: اے ابوحمزہ میں بیمار ہو گیا ہوں، پس حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دم کرنے کے کلمات کے ساتھ دم نہ کروں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دعا کی: اے اللہ! لوگوں کے رب، بیماری کو دور کرنے والے، شفاء عطا فرما، تو ہی شفاء دینے والا ہے، تیرے سوا کوئی شفاء دینے والا نہیں ہے، ایسی شفاء عطا فرما جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے۔

صحیح البخاری: ۵۷۴۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد الوارث، یہ ابن سعد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبد العزیز کا ذکر ہے، یہ ابن صہیب ہیں، اور ثابت کا ذکر ہے، یہ ابن اسلم البنانی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یا اباحمزۃ" اس کی اصل ہے یا ابا حمزۃ، پس الف کو تخفیف کے لیے حذف کر دیا اور ابوحمزہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اشتکیت" یعنی میں بیمار ہو گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مذھب الباس" یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے، اور ایک روایت میں ہے "اذھب البأس" یہ امر کا صیغہ ہے، اور بأس کا معنی شدت اور عذاب ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "انت الشافی" اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایسے اسم کا اطلاق کرنا جائز ہے جو قرآن

مجید میں مذکور نہ ہو، مگر اس کی دو شرطیں ہیں: (۱) وہ اسم کسی نقص کا وہم نہ پیدا کرتا ہو، (۲) اس اسم کی اصل قرآن مجید میں ہو۔ اور شافی کی اصل بھی قرآن مجید میں ہے، کیونکہ قرآن مجید میں مذکور ہے:

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝ (الشعراء: ۸۰) اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے O

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں اس باب میں علماء کا اختلاف ہے، بعض علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفیہ ہیں، اور جس اسم کا ثبوت شرع میں نہ ہو یعنی قرآن اور حدیث میں اس اسم کا ذکر نہ آیا ہو تو اس کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر اطلاق جائز نہیں ہے۔ اور بعض علماء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفیہ نہیں ہیں، لیکن انہوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر کسی اسم کے اطلاق کرنے کی شرط یہ ہے کہ اس میں کوئی نقص کا معنی نہ ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''تیرے سوا کوئی شافی نہیں ہے''۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ جو دوا اور علاج مریض کے مرض کے لیے کیا جائے، اگر وہ اللہ عزوجل کی تقدیر کے موافق نہ ہو تو اس سے فائدہ نہیں ہوتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۹۸۔۳۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کی ذات پر ان اسماء اور صفات کے اطلاق کی تحقیق جن کا ذکر کتاب اور سنت میں نہیں ہے

علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اشاعرہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں، اللہ عزوجل پر اسی نام کا اطلاق کیا جائے گا جو قرآن مجید اور احادیث میں وارد ہے یا جس نام پر اجماع منعقد ہو چکا ہے اور جس نام کے متعلق اذن ثابت نہ ہو اس میں اختلاف ہے:

۱۔ ایک قول یہ ہے کہ اس میں توقف کیا جائے گا اس کو جائز یا ناجائز نہیں کہا جائے گا۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ایسے اسماء کا اطلاق ناجائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (اعراف: ۱۸۰) ''سب سے اچھے نام اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں'' اور سب سے اچھے نام وہی ہیں جو کتاب وسنت میں وارد ہوں۔

توقف کے قائلین کا اس میں اختلاف ہے کہ جس نام کا خبر واحد میں ثبوت ہو اس کا اطلاق جائز ہے یا نہیں! جو جواز کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کسی نام کے اطلاق کے لیے قیاس کافی نہیں ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۷ ص ۴۰۔۳۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

اہل سنت کا اس میں اختلاف ہے کہ کتاب وسنت میں جو اسماء وارد نہیں ہیں اور کمال، جلال اور مدح کے جو اوصاف شریعت میں ثابت نہیں ہیں، ان اسماء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو موسوم کرنا اور ان صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو موصوف کرنا جائز ہے یا نہیں، ایک جماعت نے اس کی اجازت دی ہے اور دوسروں نے منع کیا ہے، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ جائز ہے کیونکہ اس میں قرآن مجید کی اس آیت پر عمل ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا — سب سے اچھے نام اللہ تعالیٰ کے ہیں، سو اللہ تعالیٰ کو انہی ناموں کے ساتھ پکارو۔ (الاعراف: ۱۸۰)

نیز علامہ نووی لکھتے ہیں:

علامہ مازری نے کہا ہے کہ اللہ عزوجل پر انہی اسماء اور صفات کا اطلاق کیا جائے گا جن کا اللہ عزوجل نے اپنی ذات پر اطلاق کیا ہے یا جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر اطلاق کیا ہے یا جن اسماء کے اطلاق کے جواز پر امت کا اجماع ہے، اور جن اسماء اور صفات کے متعلق اجازت ہے نہ ممانعت ان میں اختلاف ہے، بعض علماء نے کہا: ان پر جواز یا عدم جواز کا حکم نہیں لگایا جائے گا اور بعض نے اس سے منع کیا۔ جن اسماء کا ثبوت خبر واحد سے ہے ان میں بھی اختلاف ہے، بعض اس کو جائز کہتے ہیں اور بعض ناجائز کہتے ہیں۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۲۳۔۳۲۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

اللہ تعالیٰ کی ذات کو لفظ ''خدا'' کے ساتھ تعبیر کرنے کی تحقیق

اللہ تعالیٰ کے وہ اسماء اور صفات جن کا ذکر قرآن اور سنت میں وارد نہیں ہوا ان کے متعلق یہ تحقیق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہر زبان اور لغت میں علم اور اسم سے تعبیر کرنا جائز ہے، مثلاً فارسی میں اللہ تعالیٰ کو خدا، ترکی میں تنکری کہنا بالاتفاق جائز ہے، البتہ جب اللہ تعالیٰ پر کسی صفت کا اطلاق کیا جائے تو پھر یہ بحث ہے کہ آیا اس صفت کا کتاب وسنت میں ذکر ہے یا نہیں ہے، اگر اس کا کتاب وسنت میں ذکر نہ ہو تو بعض علماء اس میں توقف کرتے ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ لفظ کسی نقص کا موہم ہے تو پھر اس کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق جائز نہیں ہے اور اگر اس لفظ میں کسی نقص کا وہم نہیں ہے تو پھر اس کا اطلاق جائز ہے، جیسا کہ ان شاء اللہ ہم عنقریب متکلمین اور مفسرین کے حوالوں سے بیان کریں گے۔

ہمارے زمانہ میں بعض لوگوں کو یہ وہم ہوا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ پر لفظ خدا کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کو خدا کہنا العیاذ باللہ گناہ اور عذاب خداوندی کا موجب ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو، توقیفی اور غیر توقیفی کی بحث صفات میں ہے اسماء اور اعلام میں نہیں ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ باحوالہ بیان کریں گے، دوسری وجہ یہ ہے کہ غیر توقیفی اسم وہ ہے جس کے اطلاق پر علماء کا اجماع نہ ہو جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے علامہ نووی اور قاضی عیاض وغیرہ کے حوالوں سے بیان کیا ہے، اور عہد صحابہ سے لے کر آج تک تمام علماء، اللہ پر لفظ خدا کا اطلاق کرتے رہے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ عہد صحابہ میں ان لوگوں کے لیے فارسی میں نماز پڑھنے کی اجازت تھی جو عربی میں اچھی طرح نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔

علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

اگر فارسی میں تکبیر تحریمہ پڑھی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے، کیونکہ ان کی دلیل یہ ہے کہ مقصود اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے خواہ کسی زبان میں ہو، امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک یہ صرف اس صورت میں جائز ہے جب وہ عربی میں اچھی طرح نہ پڑھ سکے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ فارس کے لوگوں نے حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ ان کے پاس سورۂ فاتحہ فارسی میں لکھ کر بھیجیں، پھر وہ نمازوں میں سورہ فاتحہ کو فارسی میں پڑھتے رہے حتیٰ کہ ان کی زبانوں پر عربی رواں ہوگئی۔ (المبسوط ج ۱ ص ۳۷۔۳۶، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۸ھ)

علامہ قاضی خاں اوز جندی لکھتے ہیں:

اگر فارسی میں خداء بزرگ است یا خدائے بزرگ کہا یا بنام خدائے بزرگ کہا تو امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق اس کا نماز میں شروع ہونا صحیح ہے۔ (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ ج ا ص ۸۶، مطبوعہ مطبعہ کبریٰ، بولاق مصر ۱۳۱۰ھ)

ملک العلماء علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

اگر فارسی میں نماز پڑھنی شروع کی اور خدائے بزرگ تر یا خدائے بزرگ کہا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا نماز میں شروع ہونا صحیح ہے۔ (بدائع الصنائع ج ا ص ۱۳۱، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، ۱۴۰۰ھ)

علامہ بدرالدین عینی ہدایہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر کسی نے فارسی میں نماز کو شروع کیا بایں طور کہ اللہ اکبر کی جگہ خدائے بزرگ کہا یا فارسی میں بسم اللہ پڑھی بایں طور کہ بنام خدائے بزرگ کہا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز جائز ہے۔ (البنایہ ج ا ص ۶۰۵، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنو)

تکبیر تحریمہ کو غیر عربی میں کہنے کے متعلق علامہ ابن قدامہ کا بھی یہی موقف ہے، وہ لکھتے ہیں:

کیونکہ تکبیر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر زبان سے حاصل ہوتا ہے۔

(المغنی ج ا ص ۲۷۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ)

جن اسماء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات کو تعبیر کیا جائے ان کا کتاب وسنت میں مذکور ہونا ضروری نہیں ہے

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ پر اسماء کا اطلاق کرنا توقیفی ہے یعنی شارع کی اجازت پر موقوف ہے اور یہ بحث ان اسماء میں نہیں ہے جن کا اطلاق لغات میں اس کی ذات پر کیا جاتا ہے، بحث صرف ان اسماء میں ہے جو اس کی صفات اور افعال سے ماخوذ ہیں۔

(شرح مواقف ص ۶۵۸، مطبوعہ نولکشور، ہند)

علامہ شعرانی اس بحث میں فرماتے ہیں:

یہ بحث ان اسماء میں نہیں ہے جن کا اطلاق مختلف لغات میں اس کی ذات پر کیا جاتا ہے۔ بحث صرف ان اسماء میں ہے جو اس کی صفات اور افعال سے ماخوذ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "آپ کا رب، رب العزت (مشرکین کی) بیان کردہ صفات سے پاک ہے"۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو مشرکین کی بیان کردہ صفات سے منزہ فرمایا ہے، اپنی ذات پر ان کے اطلاق کردہ اسم سے منزہ نہیں فرمایا۔ (الیواقیت والجواہر ج ا ص ۸۳۔ ۸۲، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر)

علامہ سیالکوٹی فرماتے ہیں:

جان لو کہ مختلف لغات میں جو اسماء اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے موضوع ہیں ان کے اللہ تعالیٰ پر اطلاق کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے بلکہ اختلاف ان اسماء میں ہے جو اس کی صفات اور افعال سے ماخوذ ہیں۔

(حاشیۃ السیالکوٹی علی الخیالی، ص ۲۷، مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنو)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

جس لفظ کے اطلاق کی شارع کی طرف سے نہ اجازت ہو نہ شارع نے منع کیا ہو اور اللہ تعالیٰ اس لفظ کے معنی کے ساتھ متصف ہو اور وہ لفظ کسی لغت میں اللہ تعالیٰ کا عَلَم (نام) نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ پر اس لفظ کے اطلاق میں علماء کا اختلاف ہے جو لفظ کسی لغت میں اللہ تعالیٰ کا عَلَم (نام) ہو، اس کے اطلاق میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۱۲۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ پرہاروی لکھتے ہیں:

جان لو کہ مسئلہ توقیف میں بہت اختلاف ہے، بعض محققین نے کہا کہ جو اسماء مختلف لغات میں اللہ تعالیٰ کے لیے عَلَم (نام) ہیں جیسے فارسی میں لفظ خدا اور ترکی میں تنکری ان کے اطلاق میں کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ وہ اسماء جو صفات سے ماخوذ ہیں ان کے اطلاق میں اختلاف ہے، معتزلہ اور کرامیہ نے کہا: جس لفظ کے معنی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا موصوف ہونا عقلاً معلوم ہو اس کا اطلاق جائز ہے خواہ شریعت میں اس کا ثبوت نہ ہو، اور ایک قوم نے کہا: جو الفاظ اسماء شرعیہ کے مترادف ہیں ان کا اطلاق جائز ہے ماسوا ان الفاظ کے جو قوم کفار کے ساتھ خاص ہیں۔ (نبراس ص ۱۷۲۔۱۷۳، مطبوعہ شاہ عبدالحق اکیڈمی، بندیال)

خاص طور پر لفظ خدا کے بارہ میں متکلمین اور مفسرین نے جواز کی تصریح کی ہے، علامہ پرہاروی شرح عقائد کی شرح میں لفظ خدا ذکر کرتے ہیں:

اگر کہا جائے کہ موجود، واجب اور قدیم اور ان کی مثل الفاظ مثلاً فارسی میں لفظ خدا کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کیسے جائز ہوگا، ہم کہیں گے: یہ اطلاق اجماع سے ثابت ہے۔ (نبراس ص ۱۷۲۔۱۷۳، مطبوعہ شاہ عبدالحق اکیڈمی، بندیال)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

اور قاضی ابوبکر کا بھی اسی طرف میلان ہے کیونکہ مثل لفظ خدا اور تنکری کا اطلاق بغیر کسی اختلاف کے جائز ہے، اور اجازت شرعیہ کے لیے اجماع کافی دلیل ہے۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۱۴۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اللہ میاں کہنا ناجائز ہے

ہر چند کہ سطور بالا میں پیش کئے گئے دلائل کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر خدا کا اطلاق جائز ہے لیکن افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اللہ ہی کا لفظ استعمال کیا جائے، کیونکہ قرآن اور حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے یہی لفظ استعمال کیا گیا ہے، عام طور پر ہمارے ہاں بعض لوگ اللہ میاں یا اللہ سائیں بھی کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے لیے میاں یا سائیں کا لفظ استعمال کرنا ناجائز ہے، کیونکہ میاں شوہر، بوڑھے شخص اور دلال کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور سائیں فقیر، یا غریب اور سادہ لوح آدمی کو کہتے ہیں۔ اور اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ جو الفاظ نقص کے موہم ہوں ان کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر اطلاق جائز نہیں ہے اور جو دلائل ہم نے ذکر کیے ہیں ان میں اس بات کو سمجھنے کے لیے وافر روشنی موجود ہے۔

۵۷۴۳۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُعَوِّذُ بَعْضَ أَهْلِهِ يَمْسَحُ بِيَدِهِ الْيُمْنَى وَيَقُولُ اللّٰهُمَّ رَبَّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سلیمان نے حدیث بیان کی از مسلم از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ

النَّاسِ أَذْهِبُ الْبَاسَ اشْفِهِ وَأَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا قَالَ سُفْيَانُ حَدَّثْتُ بِهِ مَنْصُورًا فَحَدَّثَنِي عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ نَحْوَهُ

اپنے گھر کے بعض افراد کی عیادت کرتے اور اپنا سیدھا ہاتھ ان پر پھیرتے اور یہ دعا کرتے: اے اللہ! لوگوں کے رب، اس بیماری کو دور کردے اور اس کو شفاء عطا فرما، اور تو ہی شفاء عطا کرنے والا ہے، تیرے سوا کوئی شفاء دینے والا نہیں ہے، ایسی شفاء عطا کر جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے۔
سفیان نے کہا: میں نے یہ حدیث منصور کو بیان کی، پس انہوں نے مجھ کو حدیث بیان کی از ابراہیم از مسروق از عائشہ اسی کی مثل۔

(صحیح البخاری: ۵۷۴۳، ۵۷۴۴، ۵۷۵۰، صحیح مسلم: ۲۱۹۱، سنن ابن ماجہ: ۳۵۲۰، مسند احمد: ۲۳۶۵۵)

صحیح البخاری: ۵۷۴۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو بن علی، یہ ابن علی بن بحر الصیر فی البصری ہیں، اور وہ مسلم کے بھی شیخ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ الثوری ہیں۔ اور سلیمان کا ذکر ہے، وہ الاعمش ہیں۔ اور مسلم کا ذکر ہے، بعض شارحین نے کہا ہے کہ وہ ابوالضحیٰ ہیں جو اپنی کنیت کے ساتھ اپنے اسم کی بہ نسبت زیادہ مشہور ہیں، پھر کہا: علامہ کرمانی نے جائز قرار دیا ہے کہ وہ مسلم بن عمران ہیں کیونکہ وہ مسروق سے روایت کرتے ہیں اور اعمش ان سے روایت کرتے ہیں اور یہ محض عقلی جواز ہے جس کو ہر محدث اپنے کانوں سے دور کرے گا، علاوہ ازیں میں نے مسلم بن عمران البطین کی کوئی روایت مسروق سے نہیں دیکھی۔

علامہ عینی ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جو شرح اس قائل نے کی ہے اس کو ہر ایک کا کان دور کرے گا، اور ان کا یہ دعویٰ کہ انہوں نے مسلم بن عمران کی کوئی روایت مسروق سے نہیں دیکھی، یہ باطل ہے، کیونکہ رجال صحیحین کے جامع نے مسلم بن ابی عمران کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کو ابن عمران بھی کہا جاتا ہے اور ابن عبداللہ البطین بھی کہا جاتا ہے، اور ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے، انہوں نے سعید بن جبیر سے سماع کیا ہے، اور مسروق سے بھی سماع کیا ہے اور ان سے الاعمش نے روایت کی ہے، یہ عمر بن عبدالعزیز کی خلافت میں فوت ہو گئے تھے۔ پس یہ مدعی کس طرح ایک فاسد دعویٰ کرتا ہے اور اپنے سے پہلے شارحین کا رد کرتا ہے اور بے ادبی سے کام لیتا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرتے تھے"۔
علامہ طبری نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نیک فال کے طور پر اپنا ہاتھ پھیرتے تھے، تاکہ آپ کے ہاتھ کی برکت سے درد زائل ہو جائے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "انت الشافی لا شفاء الا شفاءك" یعنی تو ہی شفاء دینے والا ہے اور تیری شفاء کے سوا اور کسی کی شفاء نہیں ہے۔اس کا مطلب یہ ہے: ہمیں کوئی شفاء حاصل نہیں ہوتی سوا تیری شفاء کے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۹۹۔ ۴۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

کیا اللہ تعالیٰ کے غیر سے بھی شفاء حاصل ہوسکتی ہے؟

قرآن مجید اور احادیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غیر سے بھی شفاء طلب کی گئی اور ان سے شفاء حاصل ہوئی، قرآن مجید میں ہے:

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا۔ (یوسف: ۹۳) میری اس قمیص کو لے کر جاؤ اور اس کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو تو ان کی آنکھیں دیکھنے لگیں گی۔

نیز حدیث صحیح میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مکی بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن ابی عبید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت سلمہ بن الاکوع کی پنڈلی میں ایک ضرب کا نشان دیکھا، میں نے پوچھا: اے ابومسلم! یہ کیسی ضرب ہے، انہوں نے کہا: یہ ضرب مجھے غزوۂ خیبر میں آئی تھی، لوگوں نے کہا: سلمہ زخمی ہوگیا، سو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اس پر تین مرتبہ لعاب دہن ڈالا، پھر اس کے بعد مجھے اب تک کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ (صحیح البخاری: ۴۲۰۶)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت سلمہ بن الاکوع کی پنڈلی پر جب ضرب لگی تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ نے ان کی پنڈلی پر اس طرح دم کیا کہ اس میں لعاب دہن شامل تھا اور ان کو شفاء ہوگئی۔ اور اس کے بعد ان کو کبھی تکلیف نہیں ہوئی۔

نیز امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن فرمایا: کل میں جھنڈا اس مرد کو عطا کروں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ (خیبر) فتح فرمائے گا، وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے، اور اللہ اور رسول اس سے محبت کرتے ہیں، انہوں نے بتایا: پس صحابہ نے رات گزاری، وہ اس رات میں مختلط اور مختلف تھے کہ آپ کس کے ہاتھ میں جھنڈا دیں گے، پس جب صحابہ کرام صبح اٹھے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، ان میں سے ہر ایک کو یہ امید تھی کہ آپ اس کو جھنڈا عطا فرمائیں گے، تب آپ نے پوچھا: علی بن ابی طالب کہاں ہیں، آپ کو بتایا گیا: یارسول اللہ! ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے؟ آپ نے فرمایا: ان کو بلاؤ، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لایا گیا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن ڈالا اور ان کے حق میں دعا کی تو ان کی آنکھیں اس طرح ٹھیک ہوگئیں، گویا ان میں کبھی درد ہی نہ تھا۔ الحدیث

(صحیح البخاری: ۴۲۱۰)

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے آزاد شدہ غلام بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے، اور انہوں نے مجھے ایک طیالسی کسروانی جبہ نکال کر دکھایا، جس کی آستینوں اور گریبان پر ریشم کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: یہ جبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات تک ان کے پاس تھا، اور جب ان کی وفات ہوئی تو پھر میں نے اس پر قبضہ کرلیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس جبہ کو پہنتے تھے، ہم اس جبہ کو دھو کر اس کا پانی بیماروں کو پلاتے تھے اور اس جبہ سے ان کے لیے شفاء طلب

کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۵۷۴۰، صحیح مسلم: ۲۰۶۹، سنن ترمذی: ۲۸۱۷)

ان مستند حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے غیر سے بھی شفاء طلب کی جاتی ہے اور شفاء ہو جاتی ہے، سو اس کا جواب یہ ہے کہ بالذات شفاء تو اللہ تعالیٰ سے ہی حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ہی بالذات شفاء حاصل ہونی چاہیے، لیکن اللہ تعالیٰ کے مقربین سے بھی بالعرض شفاء حاصل ہو جاتی ہے۔

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی نکلی ہوئی آنکھ کو دوبارہ اپنی جگہ لگا دینا اور اس کی بینائی کا پہلے سے زیادہ ہونا

حافظ ابی عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں حاضر تھے اور اس کے بعد تمام مشاہد میں حاضر رہے، غزوۂ بدر میں ان کی آنکھ نکل گئی تھی، دوسرا قول ہے کہ غزوۂ خندق میں نکلی تھی، تیسرا قول ہے کہ غزوۂ احد میں نکلی تھی، پھر ان کی آنکھ کا ڈھیلہ آنکھ سے نکل کر لٹکا ہوا تھا، صحابہ نے ارادہ کیا کہ اس کو کاٹ دیں، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ نے ان کی آنکھ کے ڈھیلہ کو اپنے ہاتھ سے اٹھایا اور اس کی جگہ پر رکھ دیا، پھر اپنی ہتھیلی سے اس کو دبایا اور دعا کی: اے اللہ! اس آنکھ کو حسن و جمال عطا فرما۔ پھر ان کی وہ آنکھ دونوں آنکھوں میں سے زیادہ خوبصورت تھی، اور اس کے بعد ان کی آنکھ میں کبھی تکلیف نہیں ہوئی۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج ۳ ص ۳۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

یہ حدیث درج ذیل کتب میں بھی مذکور ہے:

(الاصابہ: ۷۰۹۱، اسد الغابہ: ۴۲۷۷، التاریخ الکبیر ج ۲ ص ۱۸۵۔ ۱۸۴، الجرح والتعدیل ج ۷ ص ۱۳۲، تاریخ ابن عساکر ج ۱۴ ص ۲۰۰، تہذیب الکمال: ۱۱۳۰، تہذیب التہذیب: ج ۸ ص ۳۵۷، خلاصۃ تذہیب الکمال: ۳۱۵)

حافظ عز الدین ابن الاثیر ابی الحسن علی بن محمد الجزری المتوفی ۶۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں:

الحارث بن عبید از جد خود روایت کرتے ہیں: کہ میرے والد کی آنکھ غزوۂ احد میں نکل گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا لعاب دہن لگایا تو وہ دونوں آنکھوں میں سے زیادہ خوبصورت آنکھ تھی۔

نیز حافظ ابن اثیر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں از حضرت قتادہ بن نعمان، ان کی آنکھ غزوہ بدر میں نکل گئی، پس اس کا ڈھیلہ ان کے رخسار پر لٹکا ہوا تھا، پس صحابہ نے ارادہ کیا کہ اس کو کاٹ دیں، تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: نہیں! پھر آپ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کی آنکھ کے ڈھیلہ کو اپنی ہتھیلی سے دبایا، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پس مجھے پتا نہیں چلتا تھا کہ میری کونسی آنکھ نکلی تھی۔

نیز حافظ ابن الاثیر اپنی تیسری سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں از عاصم بن عمر بن قتادہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ غزوۂ احد میں نکل گئی حتیٰ کہ ان کے رخسار پر گر گئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی جگہ لگا دیا اور وہ دونوں آنکھوں میں سے زیادہ حسین آنکھ تھی۔ (اسد الغابہ ج ۴ ص ۳۷۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ)

بعض غیر محتاط واعظین اس حدیث کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قتادہ کی نکلی ہوئی آنکھ کو لگایا تو اس کی بینائی پہلے سے زیادہ تھی اور وہ پہلے سے زیادہ روشن تھی، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی آنکھ میں وہ روشنی نہیں تھی جو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی آنکھ میں روشنی تھی۔

میں کہتا ہوں: یہ اندازِ بیان گستاخانہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں نقص کا موہم ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنی ایسی تعریف سے خوش نہیں ہوں گے جس تعریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے بڑھا دیا جائے، حقیقت یہ ہے کہ پہلی آنکھ جو پیدائشی تھی وہ بھی اللہ کی دی ہوئی تھی اور دوسری آنکھ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن لگا کر لگائی وہ بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تھی، لیکن فرق یہ ہے کہ پہلی پیدائشی آنکھ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے والدین کے واسطہ سے ملی تھی، اور دوسری آنکھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے ملی تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ سب سے اقرب اور سب سے عمدہ وسیلہ ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۷۴۴۔ حَدَّثَنِی أَحْمَدُ ابْنُ أَبِی رَجَاءٍ حَدَّثَنَا النَّضْرُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ قَالَ أَخْبَرَنِی أَبِی عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَرْقِی يَقُولُ امْسَحِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ بِيَدِكَ الشِّفَاءُ لَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا أَنْتَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن ابی رجاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں النضر نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دم کرتے ہوئے یہ دعا کرتے تھے:

اے لوگوں کے رب! اس بیماری کو مٹا دے، تیرے ہاتھ میں شفاء ہے، اور تیرے سوا کوئی شفاء کو کھولنے والا نہیں ہے۔

صحیح البخاری: ۵۷۴۳، ۵۷۴۴، ۵۷۵۰، صحیح مسلم: ۲۱۹۱، سنن ابن ماجہ: ۳۵۲۰، مسند احمد: ۲۳۶۵۵)

صحیح البخاری: ۵۷۴۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں احمد بن ابی رجاء کا ذکر ہے، ان کا نام عبد اللہ ابو الولید الحنفی الہروی ہے، اور اس حدیث کی سند میں النضر کا ذکر ہے، یہ ابن شمیل ہیں، اور ہشام کا ذکر ہے، یہ اپنے والد عروہ بن الزبیر سے روایت کرتے ہیں از حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لا كاشف له" یعنی اس مرض کو کوئی کھولنے والا نہیں ہے۔ یا جس مریض پر دم کیا جا رہا ہے اس کو کوئی کھولنے والا نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۴۵۔ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنِی عَبْدُ رَبِّهِ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَقُولُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عبدربہ بن سعید نے حدیث

لِلْمَرِيضِ بِسْمِ اللهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا بِرِيقَةِ بَعْضِنَا يُشْفَى سَقِيمُنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا۔

بیان کی از عمرہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مریض کے لیے اس طرح دعا کرتے تھے:
اللہ کے نام کے ساتھ ہماری زمین کی مٹی سے جو ہمارے بعض کے لعابِ دہن کے ساتھ مخلوط ہے، ہمارے بیمار کو شفاء ملتی ہے ہمارے رب کے اذن سے۔

(صحیح البخاری:۵۷۴۶، صحیح مسلم:۲۱۹۴، سنن ابوداؤد:۳۸۹۵، سنن ابن ماجہ:۳۵۲۱، مسند احمد:۲۴۰۹۶)

صحیح البخاری: ۵۷۴۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبد اللہ، یہ ابن المدینی ہیں، اور اس میں سفیان کا ذکر ہے، یہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبد ربہ کا ذکر ہے، یہ انصاری ہیں جو یحییٰ بن سعید کے بھائی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عمرہ کا ذکر ہے، یہ بنت عبدالرحمٰن ہیں اور تابعیہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ہم سے بعض کے لعاب دہن کے ساتھ''۔

علامہ نووی نے کہا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا لعابِ دہن اپنی انگشت شہادت پر لگاتے، پھر اس کو مٹی کے اوپر رکھتے، جب مٹی اس کے ساتھ لگ جاتی تو پھر اس انگلی کو بیمار کی جگہ پر رکھتے، یا زخمی کی جگہ پر رکھتے اور انگلی رکھتے وقت یہ دعا فرماتے۔

علامہ تورپشتی نے کہا ہے کہ مٹی سے اشارہ ہے حضرت آدم کی پیدائش کی طرف، کیونکہ وہ مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں اور لعابِ دہن سے اشارہ ہے نطفہ کی طرف، گویا کہ آپ نے یوں کہا کہ اے اللہ! تو نے پہلے اس بندہ کو مٹی سے پیدا کیا، پھر ذلیل پانی سے پیدا کیا یعنی نطفہ سے، تو تجھ پر آسان ہے کہ تو اس کو اسی دنیا میں شفاء دے دے۔

علامہ نووی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہماری زمین'' اس سے مراد ہے مدینہ کی زمین، کیونکہ اس کی خاص برکت ہے، اور آپ نے فرمایا: ''ہم سے بعض کا لعابِ دہن'' اس سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لعابِ دہن، کیونکہ آپ کا لعابِ دہن بہت عظیم ہے، لہٰذا یہ دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۰۰۔۴۰۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۴۶۔ حَدَّثَنِي صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ فِي الرُّقْيَةِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا وَرِيقَةُ بَعْضِنَا يُشْفَى سَقِيمُنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے صدقہ بن الفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عیینہ نے خبر دی از عبد ربہ بن سعید از عمرہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دم کرتے ہوئے یوں فرمایا کرتے تھے:

ہماری زمین کی مٹی سے جو ہمارے بعض کے لعابِ دہن کے
ساتھ مخلوط ہے، اللہ ہمارے بیمار کو شفاء دے ہمارے رب کے
اذن سے۔

(صحیح البخاری: ۵۷۴۶، صحیح مسلم: ۲۱۹۴، سنن ابوداؤد: ۳۸۹۵، سنن ابن ماجہ: ۳۵۲۱، مسند احمد: ۲۴۰۹۶)

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ اس حدیث کی دوسری سند ہے اور اس کی شرح گزر چکی ہے۔

باب میں مذکور احادیث کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مریض کی عیادت کرتے ہوئے اس کے لیے دعا کرنے کا بیان

ان احادیث میں اس کا واضح بیان ہے کہ جب مریض کی عیادت کی جائے تو اس پر دم کیا جائے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مریض کی عیادت کرتے تھے تو اس پر دم فرماتے تھے۔

عبدالرحمٰن نے از معمر ذکر کیا ہے کہ جس دم کے ساتھ حضرت جبریل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دم کیا، وہ یہ تھا:

بسم اللہ ارقیک واللہ یشفیک من کل شیء یؤذیک ومن کل عین وحاسد وباسم اللہ ارقیک۔

اللہ کے نام سے میں تم کو دم کرتا ہوں اور تمہیں اللہ تعالیٰ ہر اس چیز سے شفاء دے جو تم کو ایذاء پہنچائے اور ہر نظر بد سے اور ہر حاسد سے اور اللہ کے نام سے میں تم کو دم کرتا ہوں۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۱۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم درد کی جگہ پر دم کرتے وقت ہاتھ پھیرتے تھے، یہ اس نیک شگون کے لیے ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ دم کرتے وقت آپ کے ہاتھ پھیرنے کے سبب سے اس مرض کو دور کر دے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۷ ص ۴۹۷، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۷۴۶، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ اس میں یہ دلیل ہے کہ ہر قسم کے درد پر دم کرنا جائز ہے، اور یہ امر ظاہر تھا اور سب لوگوں کو معلوم تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی انگشتِ شہادت کو زمین پر رکھنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ دم کرتے وقت انگشتِ شہادت کو زمین پر رکھنا چاہیے، پھر علامہ قرطبی نے کہا: اور ہمارے بعض علماء کا یہ زعم ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ زمین کی مٹی چونکہ بارد یابس ہے، تو وہ اس جگہ کی اصلاح کرتی ہے جس جگہ درد ہے، اور مواد کو نکلنے سے روکتی ہے، اور زخم کو خشک کرنے میں اور مندمل کرنے میں وہ نفع پہنچاتی ہے، اور آپ نے جو اپنی انگلی زمین پر رکھی تو ہوسکتا ہے اس کی کوئی خاصیت ہو یا کوئی حکمت ہو۔

قاضی بیضاوی نے کہا ہے: میں نے مباحثِ طبیہ کو دیکھا کہ لعابِ دہن کا مزاج کو معتدل کرنے میں دخل ہوتا ہے، اور وطن کی مٹی کی مزاج کی حفاظت میں تاثیر ہوتی ہے، کیونکہ حکماء نے ذکر کیا ہے کہ مسافر کو چاہیے کہ جب سفر پر جائے تو اپنے وطن کی کچھ مٹی کو

اپنے ساتھ لے لے حتیٰ کہ جب وہ مختلف قسم کے پانی پروار دہو تو تھوڑی سی وطن کی مٹی اس میں ملا لے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، وہ بیمار تھے تو آپ نے دعا کی: اے لوگوں کے رب! اس بیماری کو کھول دے، پھر آپ نے میدان سے مٹی لے کر اس کو پیالہ میں ڈالا، پھر اس میں لعابِ دہن ڈالا، پھر وہ پانی حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کے اوپر پلٹ دیا۔ (سنن ابوداؤد: ۳۸۸۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانی پر دعائیہ کلمات پڑھنے کی اصل ہے، پھر مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ شفاء کے حصول کا یہ طریقہ زخموں اور چھالوں میں ہوتا ہے، لیکن جو مرض عام ہے جیسا کہ بخار تو میں نہیں گمان کرتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخار میں یہ عمل کرتے ہوں، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس مٹی اور لعابِ دہن کو مریض کے تمام بدن کے اوپر لگایا جائے، یہ مشکل اور دشوار ہے، ہاں! وہ انگلی اس کے زخم کی جگہ یا پھنسی کی جگہ پر پھیری جائے۔ (شرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۴۱۹۔ ۴۲۰، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۹۔ بَابُ: النَّفْثِ فِي الرُّقْيَةِ

دم کرتے وقت تھتکارنا

(پھونک کے ساتھ لعابِ دہن کی چھینٹیں نکالنا)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دم کرتے وقت تھتکارنا جائز ہے، یعنی اس طرح پھونک مارنا کہ پھونک میں لعابِ دہن کی چھینٹیں بھی شامل ہوں، اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو اس طرح دم کرنے کو مکروہ کہتے ہیں۔ اور وہ الاسود بن یزید التابعی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۰۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۴۷۔ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا قَتَادَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ الرُّؤْيَا مِنَ اللهِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَنْفِثْ حِينَ يَسْتَيْقِظُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَيَتَعَوَّذْ مِنْ شَرِّهَا فَإِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ وَقَالَ أَبُو سَلَمَةَ وَإِنْ كُنْتُ لَأَرَى الرُّؤْيَا أَثْقَلَ عَلَيَّ مِنَ الْجَبَلِ فَمَا هُوَ إِلَّا أَنْ سَمِعْتُ هَذَا الْحَدِيثَ فَمَا أُبَالِيهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں خالد بن مخلد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن سعید، انہوں نے کہا: میں نے ابوسلمہ سے سنا، انہوں نے کہا: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: نیک خواب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، اور برا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، پس جب تم میں سے کوئی شخص کوئی ایسا خواب دیکھے جس کو وہ ناپسند کرے تو جب وہ بیدار ہو تو تین مرتبہ تھتکارے، اور اس خواب کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرے، پس بے شک وہ خواب اس کو ضرر نہیں پہنچائے گا۔

اور ابوسلمہ نے کہا: پس بے شک میں ایسا خواب دیکھتا تھا جو مجھ پر

پہاڑ سے بھی زیادہ گراں ہوتا تھا، پھر جب سے میں نے یہ حدیث
سنی ہے، اب میں ایسے خواب کی پرواہ نہیں کرتا۔

(صحیح مسلم: ۲۲۶۱، سنن ترمذی: ۲۲۷۷، سنن ابوداؤد: ۵۰۲۱، سنن ابن ماجہ: ۳۹۰۹، مسند احمد: ۲۲۰۱۹، موطا امام مالک: ۱۷۸۴، سنن دارمی: ۲۱۴۱)

صحیح البخاری: ۵۷۴۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

بعض شارحین نے کہا ہے: اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص ناپسندیدہ خواب دیکھے تو وہ بیدار ہو کر تین مرتبہ تھتکارے، اور اسی کے ساتھ باب کے عنوان سے مطابقت ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: باب کا عنوان دم میں تھتکارنے کے متعلق ہے، اور حدیث میں مذکور ہے "کہ جب تم میں سے کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو وہ تین مرتبہ تھتکارے"۔ اور اس میں دم میں تھتکارنے کا ذکر نہیں ہے، تو اس سے حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حاصل نہیں ہوئی۔ البتہ صرف تھتکارنے میں مطابقت ہے، کیونکہ جب برا خواب دیکھنے کے بعد تھتکارنا جائز ہے تو دیگر مواقع پر بھی تھتکارنا قیاساً جائز ہوگا اور اسی سے باب کے عنوان اور حدیث میں مطابقت ہو جائے گی۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اگر تم یہ سوال کرو کہ اس حدیث کا باب کے عنوان کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ کیونکہ اس حدیث میں دم کرنے کا ذکر تو نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرنا بھی دم ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ بھی ان بعض شارحین کے کلام کی مثل ہے اور ان دونوں کے کلام سے باب کے عنوان اور حدیث میں مطابقت ظاہر نہیں ہوتی اور نہ کسی پیاسے کو سیراب کرتی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خالد بن مخلد، اس کی روایت اس طرح بھی ہے: حدثنی خالد بن مَخلد، اور مَخلد میں میم پر زبر ہے۔

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سلیمان، یہ ابن بلال ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن سعید کا ذکر ہے، یہ انصاری ہیں۔ اور ابوسلمہ کا ذکر ہے، یہ ابن عبد الرحمٰن بن عوف ہیں۔ اور ابوقتادہ کا ذکر ہے، یہ الحارث بن ربعی الانصاری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الرؤیا من اللہ" یعنی الرؤیا الصالحۃ من اللہ، اس کا معنی ہے: نیک خواب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندہ کے لیے بشارت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ بندہ کو بشارت دیتا ہے تاکہ بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھے اور اللہ تعالیٰ کا بکثرت شکر ادا کرے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "والحلم من الشیطان" حُلم میں حاء پر ضمہ ہے اور لام ساکن ہے، اس کا معنی ہے: ناپسندیدہ

خواب وہ ہوتا ہے جو شیطان اس کو دکھاتا ہے، تاکہ وہ اس کو غمزدہ کرے، پھر وہ اپنے رب کے ساتھ بدگمانی کرے اور اس کا شکر کم ادا کرے، اس لیے حکم دیا کہ وہ بائیں جانب تین مرتبہ تھوکے، اور شیطان کے شر سے پناہ طلب کرے، گویا کہ وہ تھتکارنے سے شیطان کو دھتکارنے کا قصد کرتا ہے اور اس کی تحقیر اور تذلیل کرتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''ابوسلمہ نے کہا: میں ایسا خواب دیکھتا تھا جو مجھ پر پہاڑ سے بھی زیادہ بھاری ہوتا تھا'': یعنی اس خواب سے مجھے ایسے شر کا خطرہ ہوتا تھا جو پہاڑ سے بھی بھاری ہوتا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''جب سے میں نے یہ حدیث سنی ہے، میں برے خواب کی پرواہ نہیں کرتا''۔

علامہ المازری نے کہا ہے کہ خواب کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سونے والے کے دل میں اعتقادات پیدا کرتا ہے، پس اگر وہ اعتقاد خیر پر علامت ہو تو اس کی تخلیق شیطان کے حاضر ہونے کے بغیر ہے، اور اگر وہ اعتقاد شر پر علامت ہو تو وہ شیطان کے حاضر ہونے کی وجہ سے ہے، اس میں شیطان کی طرف مجازاً نسبت کی گئی ہے، کیونکہ حقیقت میں شیطان کا کوئی فعل نہیں ہوتا اور سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے اور ایک قول یہ ہے کہ پسندیدہ چیز کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہے اور یہ نسبت تشریف کے لیے ہے، اور مکروہ اور ناپسندیدہ چیز کی نسبت شیطان کی طرف ہے، اگرچہ دونوں اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں اور اس کے پیدا کرنے سے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۰۱۔ ۴۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۴۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأُوَيْسِيُّ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ نَفَثَ فِي كَفَّيْهِ بِقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ وَبِالْمُعَوِّذَتَيْنِ جَمِيعًا ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا وَجْهَهُ وَمَا بَلَغَتْ يَدَاهُ مِنْ جَسَدِهِ قَالَتْ عَائِشَةُ فَلَمَّا اشْتَكَى كَانَ يَأْمُرُنِي أَنْ أَفْعَلَ ذَلِكَ بِهِ قَالَ يُونُسُ كُنْتُ أَرَى ابْنَ شِهَابٍ يَصْنَعُ ذَلِكَ إِذَا أَتَى إِلَى فِرَاشِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد العزیز بن عبد اللہ الاویسی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب از عُروہ بن الزبیر از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر جاتے تو قل ھو اللہ احد اور المعوذتین اکٹھی پڑھ کر اپنی دونوں ہتھیلیوں پر اس طرح دم کرتے کہ پھونک میں لعاب دہن کی آمیزش ہوتی۔ پھر ان ہتھیلیوں کو اپنے چہرہ پر پھیرتے اور جسم میں جہاں تک آپ کی ہتھیلیاں پہنچتیں وہاں تک پھیرتے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: جب آپ بیمار ہو جاتے تو مجھے حکم دیتے اور میں اس طرح اپنی ہتھیلیوں کو آپ کے جسم پر پھیرتی۔ یونس نے کہا: میرا خیال ہے کہ ابن شہاب بھی اس طرح کرتے تھے جب وہ اپنے بستر پر جاتے۔

(صحیح البخاری: ۵۰۱۷، ۵۷۴۸، ۶۳۱۹، سنن ترمذی: ۳۴۰۲، سنن ابوداؤد: ۵۰۵۶، مسند احمد: ۲۴۳۳۲)

صحیح البخاری: ۵۷۴۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاویسی، یہ ان کے اجداد میں سے ایک اویس بن سعد کی طرف نسبت ہے، اور اس میں مذکور ہے سلیمان، وہ ابن بلال ہیں اور یونس کا ذکر ہے، وہ ابن یزید ہیں۔

اس حدیث کی شرح کتاب المغازی میں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۰۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۴۹۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ رَهْطًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم انْطَلَقُوا فِي سَفْرَةٍ سَافَرُوهَا حَتَّى نَزَلُوا بِحَيٍّ مِنْ أَحْيَاءِ الْعَرَبِ فَاسْتَضَافُوهُمْ فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمْ فَلُدِغَ سَيِّدُ ذَلِكَ الْحَيِّ فَسَعَوْا لَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ لَا يَنْفَعُهُ شَيْءٌ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَوْ أَتَيْتُمْ هَؤُلَاءِ الرَّهْطَ الَّذِينَ قَدْ نَزَلُوا بِكُمْ لَعَلَّهُ أَنْ يَكُونَ عِنْدَ بَعْضِهِمْ شَيْءٌ فَأَتَوْهُمْ فَقَالُوا يَا أَيُّهَا الرَّهْطُ إِنَّ سَيِّدَنَا لُدِغَ فَسَعَيْنَا لَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ لَا يَنْفَعُهُ شَيْءٌ فَهَلْ عِنْدَ أَحَدٍ مِنْكُمْ شَيْءٌ فَقَالَ بَعْضُهُمْ نَعَمْ وَاللهِ إِنِّي لَرَاقٍ وَلَكِنْ وَاللهِ لَقَدِ اسْتَضَفْنَاكُمْ فَلَمْ تُضَيِّفُونَا فَمَا أَنَا بِرَاقٍ لَكُمْ حَتَّى تَجْعَلُوا لَنَا جُعْلًا فَصَالَحُوهُمْ عَلَى قَطِيعٍ مِنَ الْغَنَمِ فَانْطَلَقَ فَجَعَلَ يَتْفُلُ وَيَقْرَأُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ حَتَّى لَكَأَنَّمَا نُشِطَ مِنْ عِقَالٍ فَانْطَلَقَ يَمْشِي مَا بِهِ قَلَبَةٌ قَالَ فَأَوْفَوْهُمْ جُعْلَهُمُ الَّذِي صَالَحُوهُمْ عَلَيْهِ فَقَالَ بَعْضُهُمُ اقْسِمُوا فَقَالَ الَّذِي رَقَى لَا تَفْعَلُوا حَتَّى نَأْتِيَ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَنَذْكُرَ لَهُ الَّذِي كَانَ فَنَنْظُرَ مَا يَأْمُرُنَا فَقَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَكَرُوا لَهُ فَقَالَ وَمَا يُدْرِيكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ أَصَبْتُمُ اقْسِمُوا وَاضْرِبُوا لِي مَعَكُمْ بِسَهْمٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از ابی بشر از ابی المتوکل از حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے چند لوگ ایک سفر میں گئے، انہوں نے وہ سفر کیا حتیٰ کہ عرب کے قبائل میں سے کسی قبیلہ میں جا کر ٹھہرے، پس ان لوگوں سے ضیافت طلب کی تو انہوں نے ان صحابہ کی ضیافت کرنے سے انکار کر دیا، پھر اس قبیلہ کے سردار کو بچھو سے ڈس لیا گیا، انہوں نے اس کے لیے ہر جتن کر لیا لیکن کسی چیز سے اس کو فائدہ نہیں ہوا، تو ان میں سے کسی نے کہا: اگر تم ان لوگوں کے پاس جاؤ جو تمہارے قبیلہ میں آ کر ٹھہرے ہیں، شاید ان کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس سے اس کو شفاء ہو، سو وہ صحابہ کے پاس آئے، پس انہوں نے کہا: اے جماعت! ہمارے سردار کو ڈس لیا گیا ہے، ہم نے اس کے لیے ہر جتن کر لیا ہے اور کسی سے اس کو فائدہ نہیں ہوا، کیا تم میں سے کسی ایک کے پاس کوئی چیز ہے؟ پس ان میں سے بعض نے کہا: ہاں! اللہ کی قسم! میں ضرور دم کرنے والا ہوں، لیکن اللہ کی قسم ہم نے تم سے ضیافت طلب کی تھی، تم نے ہماری ضیافت نہیں کی، سو اب میں تم کو دم کرنے والا نہیں ہوں، حتیٰ کہ تم ہمارے لیے اتنی اجرت مقرر کرو، پس انہوں نے چند بکریوں کے ریوڑ پر صلح کر لی، پس وہ گئے اور وہ تھوکتے تھے اور الحمد للہ رب العالمین پڑھتے تھے، حتیٰ کہ اس کی برکت سے وہ ایسا ہو گیا جیسے اس کی رسی کھل گئی ہو اور وہ اس طرح چلنے لگا جیسے اسے کوئی تکلیف ہی نہ رہی ہو۔ راوی کا بیان ہے کہ انہوں نے مصالحت کے مطابق وعدہ پورا کر دیا، پس

بعض صحابہ نے کہا: ان بکریوں کو تقسیم کردو، سو جنہوں نے دم کیا تھا، انہوں نے کہا: ابھی نہ کرو، حتیٰ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں اور آپ سے اس کا ذکر کریں، پھر ہم دیکھیں کہ آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ پھر لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور اس کا آپ سے ذکر کیا، آپ نے فرمایا: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ دم ہے؟ تم نے صحیح کیا، ان بکریوں کو تقسیم کرو اور اپنے ساتھ میرا حصہ بھی لگاؤ۔

(صحیح البخاری: ۲۲۷۶، ۵۰۰۷، ۵۷۳۶، ۵۷۴۹، صحیح مسلم: ۲۲۰۱، سنن ترمذی: ۲۰۶۴، سنن ابوداؤد: ۳۴۱۸، سنن ابن ماجہ: ۲۱۶۵، مسند احمد: ۱۱۰۰۶)

صحیح البخاری: ۵۷۴۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فجعل یتفل" اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ نفث، تفل سے کم ہے، کیونکہ نفث کا معنی ہے: تھتکارنا، اور تفل کا معنی ہے: تھوکنا۔ پس جب تھوکنا جائز ہے تو تھتکارنا بہ طریق اولیٰ جائز ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "نشط" یعنی جو رسی سے بندھا ہوا ہو، وہ کھل جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وما به قلبة"، قلبة کا معنی ہے: ایسا درد جس کی وجہ سے انسان بستر پر کروٹیں بدل رہا ہو۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی اصل قلاب ہے، اور یہ ایک بیماری ہے جو اونٹ پر آتی ہے تو اس کے دل کو پکڑ لیتی ہے اور وہ اسی وقت مر جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقال الذی رقی" یعنی جس نے دم کیا تھا، اس نے کہا، اور وہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تقسیم کرو" یہ تقسیم مروت اور تبرع کے قبیل سے ہے، ورنہ وہ بکریاں اس کی ملک تھیں جس نے دم کیا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس میں سے میرا حصہ بھی لگاؤ، یہ آپ نے ان کے دلوں کو خوش کرنے کے لیے فرمایا اور اس بات کے بتانے میں مبالغہ کے لیے کہ ان بکریوں کا لینا حلال ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۰۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۰۔ بَابُ: مَسْحِ الرَّاقِي الْوَجَعَ بِيَدِهِ الْيُمْنَى

دم کرنے والے کا درد کی جگہ پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرنے کا بیان

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دم کرنے والا درد کی جگہ پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرے۔

۵۷۵۰۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يُعَوِّذُ بَعْضَهُمْ يَمْسَحُهُ بِيَمِينِهِ أَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبداللہ بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از سفیان از الاعمش از مسلم از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض صحابہ کو دم کرتے وقت ان پر اپنا دایاں

النَّاسِ وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا فَذَكَرْتُهُ لِمَنْصُورٍ فَحَدَّثَنِي عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ بِنَحْوِهِ۔

ہاتھ پھیرتے اور یہ دعا کرتے: "اے لوگوں کے رب! اس بیماری کو لے جا اور شفاء دے، تو ہی شفاء دینے والا ہے، تیری شفاء کے سوا اور کوئی شفاء نہیں ہے، ایسی شفاء جو کسی بیماری کو نہیں چھوڑتی"۔ پس میں نے اس حدیث کا منصور سے ذکر کیا تو انہوں نے مجھے یہ حدیث بیان کی از ابراہیم از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی کی مثل۔

(صحیح البخاری: ۵۷۴۳، ۵۷۴۴، ۵۷۵۰، صحیح مسلم: ۲۱۹۱، سنن ابن ماجہ: ۳۵۲۰، مسند احمد: ۲۳۶۵۵)

صحیح البخاری: ۵۷۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "دم کرنے والے کا درد کی جگہ پر دایاں ہاتھ پھیرنا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض صحابہ کو دم کرتے وقت اپنا دایاں ہاتھ پھیرتے تھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن ابی شیبہ، یہ ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان العبسی الکوفی ہیں، جو امام مسلم کے بھی شیخ ہیں، اور اس حدیث میں یحییٰ کا ذکر ہے، وہ القطان ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، وہ ثوری ہیں۔ اور الاعمش کا ذکر ہے، وہ سلیمان ہیں۔ اور مسلم کا ذکر ہے وہ ابوالضحیٰ ہیں۔ اور مسروق کا ذکر ہے، وہ ابن الاجدع ہیں۔

یہ حدیث عنقریب گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۰۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اس حدیث میں درد کی جگہ پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پھیرنے کا ذکر ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں اللہ تعالیٰ نے ایسی برکت اور ایسی شفاء رکھی تھی کہ آپ کے ہاتھ پھیرنے سے درد جاتا رہتا تھا، عام مسلمانوں کو اگرچہ یہ فضیلت تو حاصل نہیں ہے لیکن انہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے کیلئے درد کی جگہ پر ہاتھ پھیرنا چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کی سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے مریض کی تکلیف کم ہو جائے۔

۴۱۔ بَابُ: الْمَرْأَةِ تَرْقِي الرَّجُلَ — عورت کا مرد کو دم کرنے کا بیان

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عورت مرد کو دم کر سکتی ہے۔

۵۷۵۱۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِيُّ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَنْفِثُ عَلَى نَفْسِهِ فِي مَرَضِهِ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ فَلَمَّا ثَقُلَ كُنْتُ أَنَا أَنْفِثُ عَلَيْهِ بِهِنَّ فَأَمْسَحُ بِيَدِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبداللہ بن محمد الجعفی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مرض میں جس میں آپ کی روح کو قبض کر لیا گیا، اپنے اوپر

نَفْسِهِ لِبَرَكَتِهَا فَسَأَلْتُ ابْنَ شِهَابٍ كَيْفَ كَانَ يَنْفِثُ قَالَ يَنْفِثُ عَلَى يَدَيْهِ ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا وَجْهَهُ

المعوذات کے ساتھ اس طرح دم کرتے تھے کہ پھونک میں لعاب دہن کی آمیزش ہوتی تھی، پھر جب آپ کی طبیعت زیادہ بوجھل ہوگئی تو میں المعوذات کے ساتھ آپ کو دم کرتی تھی اور خود آپ کے ہاتھ کو پھیرتی تھی تا کہ آپ کے ہاتھ کی برکت حاصل ہو۔ معمر نے کہا: میں نے ابن شہاب سے پوچھا: وہ کس طرح دم کرتی تھیں؟ انہوں نے بتایا: وہ آپ کے ہاتھوں پر دم کرتیں، پھر آپ کے ہاتھوں کو آپ کے چہرہ پر پھیرتیں۔

(صحیح البخاری: ۴۴۳۹، ۵۰۱۶، ۵۷۳۵، ۵۷۵۱، صحیح مسلم: ۲۱۹۲، سنن ابوداؤد: ۳۹۰۲، سنن ابن ماجہ: ۳۵۲۹، مسند احمد: ۲۴۳۱۰، موطا امام مالک: ۱۷۵۵)

صحیح البخاری: ۵۷۵۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی شرح ''باب النفث فی الرقیہ'' میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ عورت مرد کے اوپر دم کرسکتی ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دم کرتی تھیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۰۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۴۲۔ بَابٌ: مَنْ لَمْ يَرْقِ — ان لوگوں کا بیان جو دم نہیں کراتے

یعنی اس باب میں ان کے بارے میں بیان کیا گیا ہے جو دم نہیں کرواتے۔

۵۷۵۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حُصَيْنُ بْنُ نُمَيْرٍ عَنْ حُصَيْنِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمًا فَقَالَ عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأُمَمُ فَجَعَلَ يَمُرُّ النَّبِيُّ مَعَهُ الرَّجُلُ وَالنَّبِيُّ مَعَهُ الرَّجُلَانِ وَالنَّبِيُّ مَعَهُ الرَّهْطُ وَالنَّبِيُّ لَيْسَ مَعَهُ أَحَدٌ وَرَأَيْتُ سَوَادًا كَثِيرًا سَدَّ الْأُفُقَ فَرَجَوْتُ أَنْ تَكُونَ أُمَّتِي فَقِيلَ هٰذَا مُوسٰى وَقَوْمُهُ ثُمَّ قِيلَ لِي انْظُرْ فَرَأَيْتُ سَوَادًا كَثِيرًا سَدَّ الْأُفُقَ فَقِيلَ لِي انْظُرْ هٰكَذَا وَهٰكَذَا فَرَأَيْتُ سَوَادًا كَثِيرًا سَدَّ الْأُفُقَ فَقِيلَ هٰؤُلَاءِ أُمَّتُكَ وَمَعَ هٰؤُلَاءِ سَبْعُونَ أَلْفًا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ فَتَفَرَّقَ النَّاسُ وَلَمْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حصین بن نمیر نے حدیث بیان کی از حصین بن عبدالرحمٰن از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، پس آپ نے فرمایا: مجھ پر امتیں پیش کی گئیں، پس ایک نبی گزرتے اور ان کے ساتھ ایک مرد ہوتا، اور دوسرے نبی گزرتے اور ان کے ساتھ دو مرد ہوتے، اور ایک اور نبی گزرتے اور ان کے ساتھ ایک جماعت ہوتی، اور ایک نبی گزرتے جن کے ساتھ کوئی بھی نہ ہوتا، اور میں نے بہت زیادہ لوگ دیکھے جنہوں نے آسمان کے کناروں کو بھر لیا تھا، مجھے امید تھی کہ یہ میری امت ہوگی، پس بتایا گیا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت ہیں، پھر

يُبَيَّنْ لَهُمْ فَتَذَاكَرَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالُوا أَمَّا نَحْنُ فَوُلِدْنَا فِي الشِّرْكِ وَلَكِنَّا آمَنَّا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَلَكِنْ هَؤُلَاءِ هُمْ أَبْنَاؤُنَا فَبَلَغَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ هُمُ الَّذِينَ لَا يَتَطَيَّرُونَ وَلَا يَسْتَرْقُونَ وَلَا يَكْتَوُونَ وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ فَقَامَ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ فَقَالَ أَمِنْهُمْ أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ نَعَمْ فَقَامَ آخَرُ فَقَالَ أَمِنْهُمْ أَنَا فَقَالَ سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ۔

مجھ سے کہا گیا کہ آپ دیکھئے، پس میں نے دیکھا تو بہت زیادہ لوگ تھے جنہوں نے آسمان کے کناروں کو بھر لیا تھا، مجھ سے کہا گیا آپ اس طرف دیکھیے اور اس طرف دیکھیے، تو میں نے بہت لوگ دیکھے جنہوں نے آسمان کے کناروں کو بھر لیا تھا، پس بتایا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے، اور ان کے ساتھ ستر ہزار ہیں جو جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے، پھر لوگ منتشر ہو گئے اور ان کا بیان نہیں کیا گیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب آپس میں بحث کرنے لگے، انہوں نے کہا: ہم لوگ تو وہ ہیں جو شرک میں پیدا کیے گئے، لیکن ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، لیکن یہ (ستر ہزار) لوگ ہمارے بیٹے ہوں گے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو نہ بدشگونی کرتے ہوں گے، نہ دم کراتے ہوں گے، اور نہ داغ لگواتے ہوں گے اور وہ صرف اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہوں گے، پس حضرت عکاشہ بن محصن کھڑے ہوئے، انہوں نے کہا: کیا میں ان میں سے ہوں گا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ آپ نے فرمایا: ہاں! پھر ایک دوسرا کھڑا ہوا، اس نے کہا: کیا ان میں سے میں ہوں گا؟ آپ نے فرمایا: تم پر عکاشہ نے سبقت کر لی ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۴۱۰، ۵۷۰۵، ۶۴۷۲، ۶۵۴۱، صحیح مسلم: ۲۲۰، سنن ترمذی: ۲۴۴۶، مسند احمد: ۲۴۴۴)

اس حدیث کی شرح "باب من اکتوی" میں گزر چکی ہے۔

۴۴۔ بَابُ: الطِّيَرَةِ — بدشگونی کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب الطِّيَرَة کے بیان میں ہے، الطِّيَرَة میں طاء کے نیچے زیر ہے اور راء پر زبر ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز سے بدشگونی لینا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ اسم ہے مصدر نہیں ہے، جیسے التِّوَلَة، التِّوَلَة کا معنی ہے: عورت خاوند کو اپنی طرف راغب کرنے کے لیے کوئی عمل کرے، حدیث میں ہے: التِّوَلَة شرک سے ہے، اس لیے کہ ان لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ التِّوَلَة فعل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے خلاف تاثیر کرتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۵۳۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبد اللہ بن

بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ وَالشُّؤْمُ فِي ثَلَاثٍ فِي الْمَرْأَةِ وَالدَّارِ وَالدَّابَّةِ۔

(صحیح البخاری: ۲۰۹۹، ۲۸۵۸، ۵۰۹۳، ۵۰۹۴، ۵۷۵۳، ۵۷۷۲)

محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عثمان بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے حدیث بیان کی از الزہری از سالم از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا، اور نہ بدشگونی ہے، اور بدشگونی صرف تین چیزوں میں ہے: عورت میں، گھر میں اور چوپائے (جانور) میں۔

صحیح البخاری: ۵۷۵۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں فرمایا ہے: ''لا عدویٰ'' یعنی کوئی مرض خود بخود کسی دوسرے کی طرف متعدی نہیں ہوتا۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے پہلے مریض میں مرض پیدا کیا ہے، اسی طرح دوسرے مریض میں بھی مرض پیدا فرماتا ہے۔

گھر، عورت اور گھوڑے کی نحوست کی توجیہ

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''ولا طِيَرَةَ''۔ علامہ ابن العربی نے کہا ہے: اس لفظ کی تاویل میں اختلاف ہے، بعض علماء نے کہا: اس سے مراد زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کا اعتقاد بیان کرنا ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ خبر دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم گھر میں اور عورت میں اور گھوڑے میں ثابت ہے کہ عادتاً ان میں بدشگونی ہے یعنی نحوست ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کو جس طرح چاہتا ہے اس طرح جاری کرتا ہے، اور جب چاہتا ہے اس کو جاری کرتا ہے، اور پہلا قول ساقط ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے نہیں مبعوث کیا گیا کہ آپ یہ خبر دیں کہ لوگ کیا اعتقاد رکھتے تھے، آپ کو صرف اس لیے مبعوث کیا گیا ہے کہ آپ لوگوں کو بتلائیں کہ ان کو عمل کرنے کے لیے کیا چیز لازم ہے اور کیا اعتقاد ان کو رکھنا چاہیے اور الطِّیَرَة کی اصل یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ ہرن کو اور پرندوں کو بھگاتے تھے، اگر وہ دائیں جانب کے راستہ کو اختیار کریں تو اس کو وہ متبرک قرار دیتے اور اپنی ضروریات کے اندر مصروف رہتے، اور اگر وہ ہرن یا پرندہ بائیں جانب کے راستہ کو اختیار کریں تو وہ اپنی ضرورت پوری کرنے سے رجوع کر لیتے اور اس سے بدفالی نکالتے، سو شریعت نے اس کو باطل کر دیا اور یہ بتایا کہ بدشگونی یا بدفالی کے اندر نفع یا ضرر کی کوئی تاثیر نہیں ہے، اور کہا جاتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ پرندوں پر اعتماد کرتے تھے، پس جب کسی شخص کو کوئی معاملہ درپیش ہوتا تو وہ دیکھتا کہ پرندہ کس طرف جا رہا ہے، اگر وہ پرندہ دائیں طرف جاتا تو وہ نیک فال لیتا اور اپنے کام کو برقرار رکھتا، اور اگر وہ دیکھتا کہ پرندہ بائیں طرف جا رہا ہے تو اس سے بدفالی نکالتا اور کام کو ترک کر دیتا۔ اور اس کا نام وہ السانح اور البارح رکھتے تھے، سانح اس کو کہتے ہیں جو بائیں طرف سے دائیں طرف جائے اور بارح اسے کہتے ہیں جو دائیں طرف سے بائیں طرف جائے۔

نیز اس حدیث میں فرمایا ہے: بدشگونی تین چیزوں میں ہے، بہ ظاہر یہ حدیث اس کے خلاف ہے کہ کوئی بدشگونی نہیں ہے،

علامہ خطابی نے کہا ہے: یہ عام مخصوص البعض ہے، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً فرمایا اور بر سبیل عموم فرمایا کہ کوئی بدشگونی نہیں ہے، پھر ان تین چیزوں کو استثناء کر لیا، اس کا معنی ہے: اگر کسی چیز میں بدشگونی ہو سکتی ہے تو ان تین چیزوں میں ہو گی۔ یعنی گھر کی بدشگونی یہ ہے کہ جس میں رہائش ناپسند ہو، عورت کی بدشگونی یہ ہے کہ جس سے جماع کرنا ناپسند ہو، اور گھوڑے کی نحوست یہ ہے کہ جس پر سوار ہونا ناپسند ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ گھر کی نحوست یہ ہے کہ گھر تنگ ہو اور اس کے پڑوسی بد اخلاق ہوں، اور عورت کی نحوست یہ ہے کہ وہ زبان دراز ہو اور اس کے ہاں اولاد نہ ہوتی ہو، اور گھوڑے کی نحوست یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر سوار نہ ہونے دے۔

امام مالک نے کہا: یہ اپنے ظاہر پر ہے، کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی گھر میں رہائش رکھنے کو ضرر کا سبب بنا دیتا ہے، اسی طرح کبھی معین عورت یا معین گھوڑے سے اللہ تعالیٰ کی قضاء سے ضرر حاصل ہوتا ہے، علامہ ابن جوزی نے کہا: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں نحوست یا بدشگونی ہو تو وہ ان تین چیزوں میں ہو گی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان پر سخت ناراض ہوئیں جنہوں نے یہ روایت کی ہے کہ بدشگونی اور نحوست ان تین چیزوں میں ہے: گھر میں، عورت میں اور گھوڑے میں۔ علامہ خطابی نے کہا: جب کہ انسان ان تین چیزوں سے مستغنی نہیں ہوتا، گھر سے، گھوڑے سے اور بیوی سے اور یہ کسی نہ کسی مکروہ عارضہ سے سلامت نہیں رہتیں تو ان کی طرف بدشگونی اور نحوست کی نسبت کر دی گئی کہ وہ بدشگونی اور نحوست کا محل ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۰۵۔۴۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۵۷۵۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ لَا طِيَرَةَ وَخَيْرُهَا الْفَأْلُ قَالُوا وَمَا الْفَأْلُ قَالَ الْكَلِمَةُ الصَّالِحَةُ يَسْمَعُهَا أَحَدُكُمْ۔

(صحیح البخاری: ۵۷۵۴، ۵۷۵۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے خبر دی، کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کسی چیز میں بدفالی نہیں ہے، اور ان میں بہترین چیز فال ہے، صحابہ نے پوچھا: فال کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ نیک بات جو تم میں سے کوئی ایک سنتا ہے۔

صحیح البخاری: ۵۷۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو الیمان، وہ حکم بن نافع ہیں۔ اور اس کی سند میں مذکور ہے شعیب، وہ ابن ابی حمزہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اور ان میں بہترین فال ہے"۔ اس جگہ یہ اعتراض ہے کہ جب کسی چیز میں بدشگونی نہیں ہے تو پھر ان میں فال کے بہترین ہونے کا کیا معنی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کے زعم کے اعتبار سے ہے، یعنی ان لوگوں کا زعم یہ تھا کہ فال اچھی چیز ہے، اور فال لینے کی اجازت دی ہے اور بدشگونی سے منع فرمایا ہے، اس کی توجیہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی چیز کو دیکھتا ہے اور اس کو اچھا سمجھتا ہے، اور اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، تو وہ اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرے، اور اگر وہ اس کے بعد اس میں کوئی منحوس چیز دیکھے جو اس کو اس کے حاصل کرنے سے منع کرے تو وہ اس کو قبول نہ کرے، بلکہ وہ اس چیز کو حاصل کرنے کی کوشش میں لگا رہے، پس اگر اس نے اس نحوست کو قبول کر لیا اور اس اچھی چیز کو طلب کرنے کی کوشش سے باز آ گیا تو یہ بدفالی ہے، اور یہ جائز نہیں ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: خیر کی اضافت کرنا بدفالی کی طرف اس کی خبر دیتا ہے کہ فال نکالنا بھی بدفالی کی اقسام میں سے ہے۔

پھر علامہ کرمانی نے کہا: یہ اضافت محض توضیح کے لیے ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فال بدفالی کی اقسام میں سے ہو۔

علامہ ابن الاثیر نے کہا: الطِّیَرۃ جنس کے معنی میں ہے اور فال نوع کے معنی میں ہے، اور اسی سے یہ حدیث ہے کہ بہترین طیرۃ فال ہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے: فال خوشی کے مواقع میں بھی استعمال ہوتی ہے اور رنج اور پریشانی کے معنی میں بھی استعمال ہوتی ہے، اور اس کا غالب استعمال خوشی کے مواقع میں ہے، اور الطِّیَرۃ کا استعمال صرف برے مواقع میں ہوتا ہے اور کبھی مجازاً خوشی کے موقع میں ہوتا ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: فال اور طِیَرۃ میں فرق یہ ہے کہ فال اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن ہے، اور ''الطِّیَرۃ'' اللہ تعالیٰ کے ماسوا پر اعتماد کرنا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''صحابہ نے پوچھا: فال کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ اچھی بات جو تم میں سے کوئی ایک سنتا ہے''۔

مثلاً کوئی شخص گھر سے اپنی ضرورت پوری کرنے کی طلب کے لیے نکلا تو اس نے سنا کہ ایک آدمی دوسرے سے کہہ رہا ہے: یا نجاح، یعنی اے کامیاب! تو اب وہ شخص یہ فال نکالے کہ وہ جس مہم پر جا رہا ہے اس میں اسے کامیابی ہو گی۔

الاصمعی نے کہا: میں نے ابن عون سے فال کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: مریض کسی شخص سے یہ سنے: اے سالم! یعنی وہ اس سے یہ فال نکالے کہ تم بیماری سے سلامت رہو گے۔

اور امام ابوداؤد نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز سے فال نہیں نکالتے تھے، اور جب وہ کسی غلام کو بھیجتے تو اس کا نام پوچھتے، اگر اس کا نام آپ کو اچھا لگتا تو آپ خوش ہوتے، اور اگر اس کا نام آپ کو ناپسند ہوتا تو آپ کے چہرہ پر ناخوشی کے آثار دکھائی دیتے، اور جب آپ کسی بستی میں داخل ہوتے تو اس بستی کا نام پوچھتے، اگر اس کا نام آپ کو اچھا لگتا تو آپ خوش ہوتے، اور آپ کے چہرہ پر بشارت کے آثار دکھائی دیتے، اور اگر اس کا نام آپ کو ناپسند ہوتا تو آپ کے چہرہ پر ناگواری کے آثار ہوتے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۴۔ بَابُ: اَلْفَأْلِ — فال کا بیان

اس باب میں فال کا بیان کیا گیا ہے۔

۵۷۵۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا هِشَامٌ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ

أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا طِيَرَةَ وَخَيْرُهَا الْفَأْلُ قَالَ وَمَا الْفَأْلُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الْكَلِمَةُ الصَّالِحَةُ يَسْمَعُهَا أَحَدُكُمْ۔

(صحیح البخاری: ۵۷۵۴، ۵۷۵۵)

بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از عبید اللہ بن عبد اللہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: بدشگونی نہیں ہے، اور اس میں بہترین فال ہے، صحابہ نے پوچھا: اور فال کیا ہے یا رسول اللہ ﷺ؟ آپ نے فرمایا: وہ اچھا کلمہ جس کو تم میں سے کوئی ایک سنتا ہے۔

صحیح البخاری: ۵۷۵۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبد اللہ بن محمد کا ذکر ہے، یہ المسندی ہیں۔ اور ہشام کا ذکر ہے، یہ الدستوائی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں معمر کا ذکر ہے، یہ ابن راشد ہیں۔ اس کے بعد الزہری کا ذکر ہے، وہ محمد بن مسلم الزہری ہیں، جو عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث کی شرح ابھی گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۵۶۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ وَيُعْجِبُنِي الْفَأْلُ الصَّالِحُ الْكَلِمَةُ الْحَسَنَةُ۔

(صحیح البخاری: ۵۷۵۶، ۵۷۷۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا اور نہ بدشگونی ہے، اور مجھے اچھی فال پسند ہے، یعنی کوئی نیک بات۔

صحیح البخاری: ۵۷۵۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الکلمۃ الحسنہ" یعنی کوئی نیک بات۔ یہ اچھی فال کا بیان ہے، اور نبی ﷺ اچھے نام کو پسند فرماتے تھے اور اچھی فال کو پسند فرماتے تھے، جیسے آدمی اچھے منظر کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے یا صاف پانی کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے خواہ اس کو نہ پیئے نہ استعمال کرے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں: حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ ستر سواروں کے ساتھ رات کے وقت رسول اللہ ﷺ سے

ملاقات کرنے آئے، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کون؟ انہوں نے جواب دیا: بریدہ، رسول اللہ ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا "بردامرنا وصلح" ہمارا جنگ کا معاملہ ٹھنڈا ہو گیا اور صلح ہو گئی، پھر آپ نے پوچھا "ممن؟" یعنی کس قبیلہ سے ہو، انہوں نے کہا: "اسلم"، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "سلمنا" یعنی ہم محفوظ ہو گئے، پھر رسول اللہ ﷺ نے پوچھا "فممن؟" یعنی قبیلہ اسلم کی کس شاخ سے تعلق ہے، انہوں نے کہا: "من بنی سھم"، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "خرج سھمنا"، ہمارا حصہ نکل آیا۔ (اکمال اکمال المعلم علی صحیح المسلم للابی، ج ۶ ص ۴۲، کتاب الطب، باب: قولہ ﷺ لاعدوی)

۴۵۔ بَابُ: لَا هَامَةَ — اُلّو کی نحوست نہیں ہے

۵۷۵۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَكَمِ حَدَّثَنَا النَّضْرُ أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ أَخْبَرَنَا أَبُو حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۵۲۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن الحکم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں النضر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسرائیل نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوحصین نے خبر دی از ابی صالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا اور نہ بدفالی ہے اور نہ اُلّو کی نحوست ہے اور نہ صفر کی نحوست ہے۔

صحیح البخاری: ۵۷۵۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان چار چیزوں کی تفصیل اور تفسیر باب الجذام میں تفصیل سے بیان کر دی گئی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۶۔ بَابُ: الْكِهَانَةِ — اٹکل پچو سے غیب کی باتیں بتانا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں "امور کہانۃ" کا بیان کیا گیا ہے، اور علامہ ابن بطال نے اس باب کا عنوان لکھا ہے "الکھانۃ والسحر" اور امام بخاری نے سحر کا باب الگ قائم کیا ہے جیسا کہ عنقریب ان شاء اللہ آئے گا۔ اور کہانۃ کا لفظ کاف کے زبر کے ساتھ بھی ہے اور کاف کے نیچے زیر کے ساتھ بھی ہے۔ اس کا معنی ہے: علم غیب کا دعویٰ کرنا۔ جیسا کہ ایسی خبریں دینا کہ عنقریب زمین میں ایسا ہوگا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا معنی ہے: علم نجوم کے ذریعہ سے یا قیافہ کے ذریعہ سے زمین کے اطراف میں واقع ہونے والی خبریں دینا۔ اور کاہن کا اطلاق قیافہ شناس اور نجومی دونوں پر ہوتا ہے۔ اور محکم میں لکھا ہے: کاہن وہ شخص ہے جو غیب کا فیصلہ سناتا ہے، اور الجامع میں لکھا ہے: ہر وہ شخص جو کسی کام کے واقع ہونے سے پہلے اس کی خبر دے، وہ کاہن ہے۔ علامہ خطابی نے کہا ہے: کاہن وہ لوگ ہوتے ہیں جو بہت ذہین ہوتے ہیں اور ان کے نفوس شدیدہ ہوتے ہیں اور ان کی طبیعت کو آگ کے ساتھ نسبت

ہوتی ہے،تو شیطان ان سے الفت رکھتے ہیں کیونکہ شیاطین اوران کے درمیان تناسب پایا جاتا ہے،اور زمانہ جاہلیت میں عرب میں کہانت بہت تھی، کیونکہ اس زمانہ میں نبوت منقطع تھی، پھر جب اسلام آ گیا تو کہانت بالکل نادر ہوگئی حتیٰ کہ تقریباً مضمحل ہوگئی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۰۹،دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۵۸۔حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَضَى فِي امْرَأَتَيْنِ مِنْ هُذَيْلٍ اقْتَتَلَتَا فَرَمَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى بِحَجَرٍ فَأَصَابَ بَطْنَهَا وَهِيَ حَامِلٌ فَقَتَلَتْ وَلَدَهَا الَّذِي فِي بَطْنِهَا فَاخْتَصَمُوا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَضَى أَنَّ دِيَةَ مَا فِي بَطْنِهَا غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ أَمَةٌ فَقَالَ وَلِيُّ الْمَرْأَةِ الَّتِي غَرِمَتْ كَيْفَ أَغْرَمُ يَا رَسُولَ اللهِ مَنْ لَا شَرِبَ وَلَا أَكَلَ وَلَا نَطَقَ وَلَا اسْتَهَلَّ فَمِثْلُ ذَلِكَ يُطَلُّ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّمَا هَذَا مِنْ إِخْوَانِ الْكُهَّانِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عبدالرحمٰن بن خالد نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از ابی سلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہذیل کی دو عورتوں کے متعلق فیصلہ فرمایا جو آپس میں لڑی تھیں، پس ایک عورت نے دوسری عورت کو پتھر مارا جو اس کے پیٹ پر لگا اور وہ عورت حاملہ تھی، تو اس نے اس کے پیٹ کے بچہ کو مار ڈالا، پس انہوں نے نبی ﷺ کے پاس اپنا مقدمہ پیش کیا، آپ نے فیصلہ فرمایا کہ جو اس کے پیٹ میں بچہ ہے، اس کی دیت ایک غلام دینا ہے یا ایک باندی دینا ہے، تو جس عورت پر تاوان آیا تھا اس کے ولی نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! میں کیسے اس کا تاوان دوں جس نے نہ پیا اور نہ کھایا اور نہ بولا اور نہ اس نے آواز نکالی، پس اس کی مثل تو رائیگاں کی جاتی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: یہ تو کاہنوں کا بھائی ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۷۵۹، ۵۷۶۰، ۶۷۴۰، ۶۹۰۴، ۶۹۰۹، ۶۹۱۰، صحیح مسلم: ۱۶۸۱، سنن نسائی: ۴۸۱۸، سنن ابوداؤد: ۴۵۷۶، مسند احمد: ۷۶۴۶، موطا امام مالک: ۱۶۰۸، سنن دارمی: ۲۳۸۲)

صحیح البخاری: ۵۷۵۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "کھانۃ" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ یہ شخص تو کاہنوں کا بھائی ہے، یعنی اس نے جو مسجع اور مقفع عبارت بولی ہے، یہ ایسے ہے جیسے کاہن بولتے ہیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید بن عفیر، یہ سعید بن کثیر بن عفیر المصری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''هُذَيل'' یہ ابن مدرکہ بن الیاس بن نضر کا قبیلہ ہے۔اس حدیث میں مذکور ہے''غُرّة''اس کا معنی ہے: چہرہ کی سفیدی اور یہاں غُرّہ سے مراد پورا جسم ہے اور جز بول کر کُل کا ارادہ کیا ہے، یعنی پتھر مارنے والی عورت کو تاوان میں ایک غلام کا جسم بطورِ دیت دینا ہوگا یا ایک باندی کا جسم بطورِ دیت دینا ہوگا۔اور اس حدیث میں اَوْ کا لفظ ہے جس کا معنی ہے''یا''اور وہ یہاں پر تقسیم کے لیے ہے شک کے لیے نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''عورت کے ولی نے کہا''اس کا نام حمل بن مالک بن نابغہ الہذلی ہے، اور یہ صحابی ہیں۔ یہ بصرہ میں ٹھہرے تھے اور ان کی کنیت ابوالفضلہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''ولا استهل'' جب بچہ پیدا ہونے کے بعد پہلی رونے کی آواز نکالتا ہے تو اس کو استہلال کہتے ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے''فمثل ذالك يطل''اس کا معنی ہے: اس کی مثل باطل قرار دی جاتی ہے، یعنی اس کا خون رائیگاں ہے، اس کی دیت نہیں ہوگی۔ بخاری کے ایک نسخہ میں بَطَلَ کا لفظ ہے یعنی اس کی مثل باطل قرار دی جاتی ہے اور اس کی دیت یا قصاص نہیں ہوتی، اس کا خون رائیگاں ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: یہ تو کاہنوں کے بھائیوں میں سے ہے''۔علامہ خطابی نے کہا ہے: آپ نے اس شخص کو کاہنوں کے بھائیوں سے مشابہ قرار دیا، کیونکہ وہ مسجع کلام کر رہا تھا۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اس کے مسجع کلام کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس فیصلہ کو تبدیل نہیں کیا، لیکن آپ نے اس شخص کے مسجع کلام کرنے کی وجہ سے اس شخص کی مذمت کی، کیونکہ کاہن جو جھوٹی بات گھڑتے ہیں، اس کو مسجع کلام کے ذریعہ مزین کرتے ہیں اور لوگوں کو یہ وہم ڈالتے ہیں کہ اس میں کوئی فائدہ ہے، اور سجع کا معنی ہے: کلمہ کے آخر کے ساتھ لفظاً مناسبت، جیسے اس شخص نے کہا''من لا شرب ولا اكل ولا نطق ولا استهل''۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے کاہنوں کی مذمت کی ہے اور جو کاہنوں کے مشابہ کلام کرے ان کی بھی مذمت کی ہے، کیونکہ اس شخص نے اپنے مسجع کلام کے ذریعہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیصلہ کو رد کرنے کا ارادہ کیا تھا، اس لیے وہ مذمت کا مستحق ہوا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس طرح کا مسجع کلام تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی فرمایا ہے، مثلاً آپ نے فرمایا''صدق الله وَعْدَهٗ ونصر عَبْدَهٗ وهزم الاحزاب وَحْدَهٗ''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس عورت کے ولی کا کلام میں جو سجع تھا وہ تکلف سے تھا اور ارادۃً تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کلام میں جو الفاظ مناسب آئے وہ اتفاقاً تھے اور تکلفاً نہ تھے، اور اس کی مذمت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنے مسجع کلام سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیصلہ کو مسترد کرنا چاہا تھا۔

حدیث مذکور کے مسائل

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کسی عورت کے پیٹ کے بچہ کو ہلاک کر دے تو اس کے تاوان میں ایک غُرّہ یعنی ایک غلام دیا جائے گا، بعض لوگوں نے کہا: اس میں کوئی چیز نہیں دی جائے گی اور ان کا یہ قول نص صریح کو باطل کر رہا ہے، لہٰذا اس قول کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔

اس حدیث میں ہے کہ غلام کا غُرّہ ہو یا باندی کا غُرّہ ہو، امام مالک نے کہا کہ میرے نزدیک مستحب یہ ہے کہ سیاہ فام غلام کے بجائے سفید فام غلام کو تاوان میں دیا جائے اور اگر ان کو سفید فام غلام دستیاب نہ ہو تو سیاہ فام غلام دیا جائے، کیونکہ غُرّہ کا معنی سفید چہرہ ہے۔ اور ابوعمرو بن العلاء نے کہا: صرف سفید رنگ کا غلام ہی قبول کیا جائے گا ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غُرّہ نہ فرماتے، آپ فرماتے: غلام دیا جائے گا یا باندی دی جائے گی۔

اور امام مالک نے ربیعہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس کی قیمت دی جائے گی، وہ قیمت پچاس دینار ہیں یا چھ سو درہم ہیں۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ اس پیٹ کے بچہ کا وارث کون ہوگا؟ امام مالک نے کہا: وراثت کے قانون کے مطابق اس بچہ کا وارث مقرر کیا جائے گا، اور امام مالک کا دوسرا قول ہے کہ اس کی ماں اس کی وارث ہوگی، اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کے ماں باپ دونوں وارث ہوں گے، باپ کو دو تہائی حصہ ملے گا اور ماں کو ایک تہائی۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۵۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنه أَنَّ امْرَأَتَيْنِ رَمَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى بِحَجَرٍ فَطَرَحَتْ جَنِينَهَا فَقَضَى فِيهِ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِغُرَّةٍ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از ابن شہاب از ابی سلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ دو عورتیں (لڑیں) ان میں سے ایک نے دوسری کے اوپر پتھر مارا، اور اس کے پیٹ کا بچہ گرا دیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں ایک غُرّہ کا فیصلہ فرمایا، غلام ہو یا باندی۔

(صحیح البخاری: ۵۷۵۹، ۵۷۶۰، ۶۷۴۰، ۶۹۰۴، ۶۹۰۹، ۶۹۱۰، صحیح مسلم: ۱۶۸۱، سنن نسائی: ۴۸۱۸، سنن ابوداؤد: ۴۵۷۶، مسند احمد: ۷۶۴۶، موطا امام مالک: ۱۶۰۸، سنن دارمی: ۲۳۸۲)

صحیح البخاری: ۵۷۵۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث دوسری سند کے ساتھ ہے اور اس میں اختصار کیا گیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۶۰۔ وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَضَى فِي الْجَنِينِ يُقْتَلُ فِي

اور از ابن شہاب از سعید بن المسیب، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا کہ جس پیٹ کے بچہ کو اس کی ماں کے

بَطْنِ أُمِّهِ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ أَوْ وَلِيدَةٍ فَقَالَ الَّذِي قُضِيَ عَلَيْهِ كَيْفَ أَغْرَمُ مَا لَا أَكَلَ وَلَا شَرِبَ وَلَا نَطَقَ وَلَا اسْتَهَلَّ وَمِثْلُ ذَلِكَ يُطَلُّ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّمَا هَذَا مِنْ إِخْوَانِ الْكُهَّانِ۔

پیٹ میں قتل کر دیا جائے اس میں ایک غُرۃ دیا جائے گا غلام کا یا باندی کا، تو اس شخص نے کہا جس کے خلاف فیصلہ کیا گیا تھا: میں اس کا کیسے تاوان دوں جس نے نہ کھایا نہ پیا نہ بولا اور نہ روکر آواز نکالی اور اس کی مثل تو باطل ہونی چاہیے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ تو صرف کاہنوں کے بھائیوں میں سے ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۷۵۹، ۵۷۶۰، ۶۷۴۰، ۶۹۰۴، ۶۹۰۹، ۶۹۱۰، صحیح مسلم: ۱۶۸۱، سنن نسائی: ۴۸۱۸، سنن ابوداؤد: ۴۵۷۶، مسند احمد: ۷۶۴۶، موطا امام مالک: ۱۶۰۸، سنن دارمی: ۲۳۸۲)

صحیح البخاری: ۵۷۶۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث مرسل ہے، کیونکہ سعید بن المسیب تابعی ہیں اور وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کر رہے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے: جس شخص کے خلاف فیصلہ کیا گیا تھا اور وہ شخص اس عورت کا ولی تھا، کیونکہ غرہ جب واجب ہوتا ہے تو وہ عاقلہ پر واجب ہوتا ہے یعنی قاتل کے ورثاء پر۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۶۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَمَهْرِ الْبَغِيِّ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عیینہ نے حدیث بیان کی از الزہری از ابوبکر بن عبد الرحمٰن بن الحارث از ابی مسعود، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کتے کی قیمت اور فاحشہ کی کمائی اور کاہن کی مٹھائی سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۲۳۷، ۲۲۸۲، ۵۳۴۶، ۵۷۶۱، صحیح مسلم: ۱۵۶۷، سنن ترمذی: ۱۱۳۳، سنن نسائی: ۴۲۹۲، سنن ابوداؤد: ۳۴۸۱، سنن ابن ماجہ: ۲۱۵۹، مسند احمد: ۱۶۶۲۲، موطا امام مالک: ۱۳۶۳، سنن دارمی: ۲۵۶۸)

صحیح البخاری: ۵۷۶۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں کہانت کا ذکر ہے، اور اس حدیث کے آخر میں کاہن کی مٹھائی کا ذکر ہے، اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبد اللہ بن محمد کا ذکر ہے، یہ المسندی ہیں۔ اور ابن عیینہ کا ذکر ہے، یہ سفیان ہیں۔ اور ابومسعود کا ذکر ہے،

وہ عقبہ بن الحارث البدری الانصاری الکوفی صحابی ہیں۔

یہ حدیث کتاب البیوع میں ثمن الکلب کے تحت گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے'' مھر البغی '' البغی سے مراد ہے زانیہ اور اس کے مہر سے مراد ہے کہ وہ زنا پر جو اجرت لیتی ہے۔ اور '' الحلوان '' یعنی مٹھائی، اس سے مراد ہے کہانت کی جو اجرت دی جاتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۶۲۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ سَأَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَاسٌ عَنِ الْكُهَّانِ فَقَالَ لَيْسَ بِشَيْءٍ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّهُمْ يُحَدِّثُونَا أَحْيَانًا بِشَيْءٍ فَيَكُونُ حَقًّا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ تِلْكَ الْكَلِمَةُ مِنَ الْحَقِّ يَخْطَفُهَا مِنَ الْجِنِّيِّ فَيَقُرُّهَا فِي أُذُنِ وَلِيِّهِ فَيَخْلِطُونَ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ قَالَ عَلِيٌّ قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ مُرْسَلٌ الْكَلِمَةُ مِنَ الْحَقِّ ثُمَّ بَلَغَنِي أَنَّهُ أَسْنَدَهُ بَعْدَهُ

(صحیح مسلم: ۲۲۲۸، مسند احمد: ۲۴۰۴۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از یحییٰ بن عروہ بن الزبیر از عروہ بن الزبیر از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کاہنوں کے متعلق دریافت کیا، آپ نے فرمایا: یہ کوئی چیز نہیں ہے، پس لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ ہمیں بعض اوقات کوئی چیز بتاتے ہیں اور وہ برحق ہوتی ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ حق کا کلمہ جن نے (آسمان سے) سنا ہوتا ہے، پھر وہ جن اس کو اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتا ہے اور وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتے ہیں، علی نے کہا کہ امام عبد الرزاق نے بیان کیا کہ یہ حدیث ''تلك الكلمة من الحق'' تک مرسلاً روایت ہے، پھر انہوں نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ امام عبد الرزاق نے اس کے بعد اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسنداً روایت کیا ہے۔

صحیح البخاری: ۵۷۶۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''کهانة'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ لوگوں نے آپ سے کاہنوں کے متعلق سوال کیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبد اللہ، یہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، یہ ابن عروہ بن زبیر بن

عوام القرشی المدنی ہیں جو اپنے والد عروہ سے روایت کرتے ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ الزہری سے اس حدیث کا سماع عروہ سے رہ گیا تھا، حالانکہ زہری عروہ سے بہ کثرت روایت کرتے ہیں، پس انہوں نے اس حدیث کو عروہ کے بیٹے یحییٰ پر محمول کر دیا اور امام بخاری نے یحییٰ کی صرف اسی حدیث کی روایت کی ہے، اور یحییٰ چھت سے گر کر کسی جانور کے پیروں کے نیچے کچلے گئے تھے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لیس بشیء" یعنی کاہن جو بات کرتے ہیں وہ قابل شمار نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قال عبد الرزاق: هو مرسل الكلمة الحق" یعنی ابن المدینی نے یہ ارادہ کیا کہ عبدالرزاق اتنی حدیث کو پہلے مرسلاً روایت کرتے تھے یعنی الکلمۃ الحق تک مرسلاً روایت کرتے تھے، پھر بعد میں انہوں نے اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند کے ساتھ متصلاً روایت کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۱۱-۴۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۷۶۲، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کاہن کا معنی اور اس کا شرعی حکم

کہانت کا معنی ہے: مستقبل میں واقع ہونے والے مغیبات کی خبریں دینا اور یہ بات معلوم ہے کہ کوئی شخص بھی مستقبل کے حال کو نہیں جانتا سوائے اللہ عزوجل کے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا (لقمٰن: ۳۴) — اور کوئی (از خود) نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ۝ (النمل: ۶۵) — آپ کہیے کہ آسمانوں میں اور زمینوں میں اللہ کے سوا کوئی (از خود) غیب نہیں جانتا، اور نہ لوگ یہ جانتے ہیں کہ ان کو کب اٹھایا جائے گا۝

کہانت کا حکم یہ ہے کہ جو آدمی کاہن کے پاس جائے اور اس کی تصدیق کرے، تو اس نے اس کے ساتھ کفر کیا جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے، اور اگر اس نے کاہن سے سوال کیا جب کہ وہ اس کی تصدیق نہیں کرتا تھا تو اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوں گی، اور اگر اس نے کاہن سے سوال کیا تاکہ وہ اس کی آزمائش کرے اور اس کے جھوٹ کو معلوم کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ یہ مستحب ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد کی آزمائش کی تھی اور اس سے پوچھا تھا: بتاؤ میں نے تمہارے لیے کیا چھپایا ہے؟ اور آپ نے اس کے لیے دخان کے کلمہ کو چھپایا تھا، تو ابن صیاد نے کہا: آپ نے دُخ کو چھپایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دفع ہو جاؤ، تم اپنے مرتبہ سے آگے نہیں بڑھ سکو گے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ دُخان کو چھپایا تھا، پورا دُخان اس پر منکشف نہیں ہوا تو اس نے صرف لفظ دُخ کہا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۴۲۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: اس پر یہ سوال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چیز چھپائی تھی وہ پوری تو وہ نہیں بتا سکا یعنی دُخان، تو دُخ اس نے بتا دیا، اس سے بھی تو پتا چلتا ہے کہ اس کو کچھ نہ کچھ کشف تھا؟

اس کا جواب یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو بتایا تھا کہ میں نے لفظِ دُخان چھپایا ہے تا کہ صحابہ کو بھی پتا چل جائے کہ جو چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چھپائی ہے، اس تک یہ نہیں پہنچ سکتا، سو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بتایا تو شیطان نے اس کو سن لیا اور جا کر ابنِ صیاد کے کان میں پھونک دیا، اور چونکہ شیطان پورا دُخان نہیں سن سکا تھا، اس لیے اس نے صرف لفظِ دُخ کہا اور وہی ابن صیاد نے بتایا۔ (سعیدی غفرلہ)

۷۴۔ بَابُ: السِّحْرِ

جادو کا بیان

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۖ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (البقرہ: ۱۰۲)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: البتہ شیاطین ہی کفر کرتے تھے، وہ لوگوں کو جادو (کے کفریہ کلمات) سکھاتے تھے، اور انہوں نے اس (جادو) کی پیروی کی جو شہر بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اتارا گیا تھا اور وہ (فرشتے) اس وقت تک کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے جب تک کہ یہ نہ کہتے کہ ہم تو صرف آزمائش ہیں تو تم کفر نہ کرو، وہ ان سے اس چیز کو سیکھتے جس کے ذریعہ وہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان علیحدگی کر دیتے، اور اللہ کی اجازت کے بغیر وہ اس (جادو) سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے، اور وہ اس چیز کو سیکھتے جو ان کو نقصان پہنچائے اور ان کو نفع نہ دے، اور بے شک وہ خوب جانتے تھے کہ جس نے اس (جادو) کو خرید لیا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

وَقَوْلِهٖ تَعَالَى: وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝ (طٰہٰ: ۶۹)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جادوگر جہاں بھی جائے کامیاب نہیں ہوتا O

وَقَوْلِهٖ: اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ (الانبیاء: ۳)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تم جانتے بوجھتے جادو کے پاس جا رہے ہو O

وَقَوْلِهٖ: فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝ (طٰہٰ: ۶۶)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس اچانک موسیٰ کو خیال ہوا کہ ان کے جادو سے ان کی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں O

وَقَوْلِهٖ: وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۝ (الفلق: ۴)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور گرہ میں بہت پھونک مارنے والی عورتوں کے شر سے O

وَالنَّفّٰثٰتُ: السَّوَاحِرُ۔ تُسْحَرُوْنَ: تُعَمَّوْنَ۔

اور نفاثات کا معنی ہے: جادو کرنے والیاں، اور تسحرون کا معنی ہے: تم پر جادو کیا گیا ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب جادو کے بیان میں ہے، اور اس بات کے بیان میں ہے کہ جادو ثابت ہے اور محقق ہے، اسی وجہ سے امام بخاری نے ان آیات کو استدلال میں ذکر کیا ہے جو جادو پر دلالت کرتی ہیں، اور حدیث صحیح اور عرب، روم، ہند اور عجم کی اکثر امتیں اس کی قائل ہیں کہ جادو ثابت ہے اور اس کی حقیقت موجود ہے اور اس کی تاثیر ہے اور عقل کے نزدیک یہ محال نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی جھوٹے اور مزین کلام کے صدور کے وقت کوئی خلافِ عادت فعل پیدا کردے، یا کئی اجسام کو اس طرح مرکب کرے کہ جس کو ہر شخص نہ پہچانتا ہو، اور جادو کی تعریف یہ ہے کہ یہ وہ امر ہے جو خلافِ عادت ہے اور کسی نفسِ شریر سے صادر ہوتا ہے اور اس سے معارضہ کرنا مشکل نہیں ہے۔ اور ایک قوم نے جادو کی حقیقت کا انکار کیا اور انہوں نے کہا کہ جو چیز جادو سے صادر ہوتی ہے، وہ خیالاتِ باطلہ ہیں، ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اور علامہ ابوجعفر الاستراباذی شافعی اور امام ابوبکر رازی حنفی اور ابن حزم الظاہری کا یہی مختار ہے۔ اور صحیح وہ قول ہے جس کو تمام علماء نے اختیار کیا ہے، جس پر کتاب و سنت کی دلالت ہے۔

پس اگر تم یہ اعتراض کرو کہ سحر کو کتاب الطب میں وارد کرنے کی کیا توجیہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سحر بھی مرض کی ایک قسم ہے اور سحر مسحور کو بیمار کر دیتا ہے، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا تھا: سنو! بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے شفاء دے دی ہے جیسا کہ عنقریب یہ حدیث "هل يستخرج السحر" کے باب میں آئے گی۔ اور شفاء اس مرض سے ہوتی ہے جو موجود ہو، پھر امام بخاری نے باب السحر اور باب الکہانۃ کو جمع کیا، کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا مرجع شیاطین ہیں اور گویا کہ یہ دونوں ایک وادی سے ہیں۔

امام بخاری کی ذکر کردہ آیات کی تفسیر از علامہ عینی

وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۔ الآیہ
البتہ شیاطین ہی کفر کرتے تھے، وہ لوگوں کو جادو (کے کفریہ کلمات) سکھاتے تھے۔

اس آیت میں جس جادو کے ساتھ یہود عمل کرتے تھے اس کی اصل کا بیان ہے، پھر یہ جادو وہ ہے جس کو شیاطین نے حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے پاس رکھا تھا۔ اور اس کی اصل اس سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہاروت اور ماروت پر شہرِ بابل میں نازل کیا تھا۔

ہاروت اور ماروت کا قصہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے کا ہے، اور جادو بھی فرعون کے زمانہ میں پھیلا ہوا تھا، جس کا خلاصہ اس آیت کریمہ میں ہے:

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۔
اور انہوں نے اس (جادو کے کفریہ کلمات) کی پیروی کی جس کو سلیمان کے دورِ حکومت میں شیطان پڑھا کرتے تھے۔ (البقرہ: ۱۰۲)

السدی نے کہا ہے کہ شیاطین آسمان کی طرف چڑھتے تھے اور وہاں کسی جگہ گھات لگا کر بیٹھ جاتے اور فرشتوں کی باتیں سنتے تھے کہ زمین میں کیا ہوگا، کون مرے گا یا کب بارش ہوگی، یا کوئی نئی چیز ہوگی؟ پھر وہ شیاطین کاہنوں کے پاس آتے اور ان کو ان

باتوں کی خبر دیتے، پھر کاہن لوگوں سے یہ باتیں کرتے، پس ایسا ہی ہوتا جس طرح کاہنوں نے کہا ہوتا اور وہ ہر بات کے ساتھ ستر باتیں اپنی طرف سے ملا لیتے تھے۔ پھر لوگوں نے ان باتوں کو کتابوں میں لکھ دیا اور بنی اسرائیل کے زمانہ میں یہ مشہور ہو گیا کہ جن غیب کو جانتے ہیں۔ پھر حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی کو بھیجا تا کہ ان کتابوں کو جمع کرے، پھر ان کتابوں کو ایک صندوق میں رکھا، پھر اس کو اپنی کرسی کے نیچے دفن کر دیا، اور لوگوں میں سے جو بھی اس کرسی کے قریب جانے کی کوشش کرتا وہ جل جاتا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں نے کسی سے یہ سنا کہ شیاطین غیب کو جانتے ہیں تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ پھر جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات ہو گئی اور وہ علماء بھی فوت ہو گئے جن کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس حکم کا علم تھا تو شیطان ایک انسان کی شکل میں بنی اسرائیل کی جماعت کے پاس آیا اور ان سے کہا: کیا میں تمہاری رہنمائی ایسے خزانہ پر کروں جو کبھی ختم نہیں ہو گا، لوگوں نے کہا: ہاں! تو اس نے کہا: اس کرسی کے نیچے کھودو، انہوں نے کھودا تو وہ کتابیں مل گئیں، جب ان کتابوں کو نکالا تو شیطان نے کہا کہ سلیمان جو انسانوں، جنات اور پرندوں پر حکومت کرتے تھے تو اس جادو کی وجہ سے کرتے تھے، پھر شیطان اڑ کر چلا گیا اور لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جادوگر تھے، پھر بنی اسرائیل نے وہ کتابیں لے لیں، پس جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تو انہوں نے آپ سے مباحثہ کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا معنی ہے:

وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ الآیہ (البقرہ:۱۰۲)
البتہ شیاطین ہی کفر کرتے تھے، وہ لوگوں کو جادو (کے کفریہ کلمات) سکھاتے تھے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ۔ (البقرہ:۱۰۲)
اور انہوں نے اس (جادو) کی پیروی کی جو شہر بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اتارا گیا تھا۔

اس آیت میں بابل کا ذکر ہے، یہ وہ شہر ہے جس کو نمرود بن کنعان نے بنایا تھا، اور اسی شہر کی طرف جادو اور خمر منسوب ہیں اور آج کل وہ شہر کھنڈر بنا ہوا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ضحاک وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے بابل کو بنایا تھا، اور مؤید الدولہ نے کہا: بابل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا۔

اس آیت میں ہاروت اور ماروت کا ذکر ہے، ان میں کافی اختلاف ہے، زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ دو فرشتے تھے جن کو آسمان سے زمین کی طرف اتارا گیا، پھر ان کے معاملہ سے وہ ہوا جو ہوا اور ان کا قصہ مشہور ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ۔ (البقرہ:۱۰۲)
اور وہ (فرشتے) اس وقت تک کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے جب تک کہ یہ نہ کہتے کہ ہم تو صرف آزمائش ہیں تو تم کفر نہ کرو۔

از حجاج از ابن جریج اس آیت کی تفسیر میں مذکور ہے کہ جادو کرنے کی جرأت وہی کرے گا جو کافر ہو گا۔

علامہ نووی نے کہا ہے: جادو کا عمل کرنا حرام ہے اور اس پر اجماع ہے کہ یہ گناہِ کبیرہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہلاک کرنے والے امور کو بیان کیا، ان میں سے بعض کفر ہیں اور بعض کفر نہیں ہیں بلکہ گناہِ کبیرہ ہیں۔ اگر جادو میں ایسا قول یا فعل ہو جس کا تقاضا کفر ہو تو جادو کفر ہے ورنہ کفر نہیں ہے، لیکن جادو کا سیکھنا اور سکھانا، سو وہ حرام ہے۔ پس اگر جادو کے کلمات میں ایسے کلمات ہوں جو

کفر کا تقاضا کریں تو وہ کفر ہے اور جادو کرنے والا کافر ہو جائے گا، اس سے توبہ طلب کی جائے گی اور اس کو قتل نہیں کیا جائے گا، اگر اس نے توبہ کر لی تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور اگر جادو کے کلمات میں کوئی ایسا کلمہ نہ ہو جو کفر ہو، تو اس کو تعزیر لگائی جائے گی۔

امام مالک سے منقول ہے کہ جادوگر کافر ہے، اس کو جادو کرنے کے سبب سے قتل کر دیا جائے گا اور اس کی توبہ نہیں طلب کی جائے گی، بلکہ اس کو زندیق کی طرح لازماً قتل کر دیا جائے گا، اور قاضی عیاض نے بھی امام مالک کے قول کو اختیار کیا۔ اور امام احمد اور صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔

الفتاوی الصغریٰ میں مذکور ہے: امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جادوگر سے توبہ نہیں طلب کی جائے گی اور اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے، اور ان کے نزدیک زندیق سے توبہ طلب کی جائے گی، اور امام ابوحنیفہ سے دو روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ اگر میرے پاس زندیق کو لایا گیا تو میں اس سے توبہ طلب کروں گا، پس اگر اس نے توبہ کر لی تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: سلف صالحین کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا جادوگر سے یہ سوال کیا جائے گا کہ وہ اپنے جادو کا توڑ کر دے؟ سعید بن المسیب نے اس کی اجازت دی ہے اور حسن بصری نے اس کو مکروہ کہا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ جادو کے توڑ کو صرف جادوگر ہی جانتا ہے۔ اور جادوگر کے پاس جانا جائز نہیں ہے، کیونکہ سفیان نے روایت کی ہے از ابی اسحاق از ہبیرہ از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ: جو جادوگر کے پاس گیا یا کاہن کی طرف گیا، پس اس کے قول کی تصدیق کی تو اس نے اس کا کفر کیا جو اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے۔ اور امام طبری نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جادوگر کے پاس جانے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ جادوگر کی تصدیق کی جائے، پس اگر وہ کسی اور مقصد سے جادوگر کے پاس گیا اور اس کو جادوگر کا علم تھا اور اس کے حال کا بھی علم تھا تو یہ ممنوع نہیں ہے اور نہ اس کے پاس جانا ممنوع ہے، اور بعض علماء نے دو وجہوں میں سے ایک وجہ کے ساتھ جادو سیکھنے کی اجازت دی ہے، ایک وجہ یہ ہے کہ اس کو کفر اور غیر کفر کی تمیز حاصل ہو جائے اور دوسری وجہ ہے کہ جس پر جادو کیا گیا ہے اس کا ازالہ کیا جا سکے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ ﴿٦٩﴾ (طٰہٰ: ٦٩) اور جادوگر جہاں بھی جائے کامیاب نہیں ہوتا O

اس آیت میں جادوگر سے فوز اور فلاح کی نفی کی گئی ہے، اور اس میں وہ لفظ نہیں ہے جو کفر پر دلالت کرے اور قرآن مجید میں ارشاد ہے:

فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ﴿٦٦﴾ (طٰہٰ: ٦٦) پس اچانک موسیٰ کو خیال ہوا کہ ان کے جادو سے ان کی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں O

یعنی موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ خیال لایا جاتا تھا کہ یہ سانپ دوڑ رہے ہیں، کیونکہ انہوں نے اپنی رسیوں میں پارہ کو چپکا دیا تھا، پس جب وہ دھوپ سے گرم ہو گیا تو ہلنے لگا اور حرکت کرنے لگا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ وہ سانپ ان کا قصد کر رہے ہیں۔ اس آیت سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جن کا یہ زعم ہے کہ سحر صرف تخییل ہے اور ان کی اس آیت میں کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ یہ آیت فرعون کے جادوگروں کے قصہ میں وارد ہے اور ان کا جادو اسی طرح ہوتا تھا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جادو کی تمام اقسام محض تخییل ہوں۔ نیز قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۝ (الفلق:۴) اور گرہ میں بہت پھونک مارنے والی عورتوں کے شر سے ۝

نفاثات کی تفسیر جادوگرنیوں کے ساتھ کی گئی ہے اور یہ حسن بصری کی تفسیر ہے، اور جادوگرنیاں جادو کرتے وقت دھاگہ میں گرہ باندھتی ہیں۔

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝ عنقریب وہ کہیں گے کہ سب کا اللہ ہی مالک ہے، پھر کہاں سے تم پر جادو کیا گیا ہے؟ ۝ (المومنون:۸۹)

یعنی تم کیوں اس سے اندھے ہو جاتے ہو اور کیوں اس سے روگردانی کرتے ہو؟ ابن عطیہ نے کہا ہے کہ سحر کا لفظ یہاں پر تخلیط کے معنی میں مجاز ہے، یعنی تم نے کس سے دھوکہ کھایا ہے؟

اگر تم یہ سوال کرو کہ یہ آیات جو ذکر کی گئی ہیں، ان سے امام بخاری کا یہ استدلال مکمل نہیں ہوتا کہ جادو حرام ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جادو کی کئی اقسام ہیں: (۱) ان میں جادو کا ایک معنی ہے: جو چیز لطیف اور دقیق ہو، جب کسی بچہ کو محبوب رکھا جائے تو کہا جاتا ہے: وہ بچہ مسحور ہے۔ (۲) جو چیزیں محض تخیلات ہوں اور ان کی کوئی حقیقت نہ ہو جیسے شعبدہ باز کرتے ہیں یا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگروں نے رسیوں میں پارہ چپکا کر انہیں سانپ بنا کر دکھایا تھا۔ (۳) جو کام شیطان کی مدد سے اور اس کا تقرب حاصل کرنے سے کیا جائے اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں ''وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ... الآیہ (البقرہ:۱۰۲)''، جادو کی جو قسم حرام ہے وہ یہی ہے۔ (۴) جو ستاروں سے خطاب کے ذریعہ حاصل ہو اور ستاروں کی روحانیت کو نازل کرنے سے حاصل ہو۔ (۵) جو طلسمات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۲۱ ص ۴۱۳۔ ۴۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۶۳۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سَحَرَ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم رَجُلٌ مِنْ بَنِي زُرَيْقٍ يُقَالُ لَهُ لَبِيدُ بْنُ الْأَعْصَمِ حَتَّى كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ كَانَ يَفْعَلُ الشَّيْءَ وَمَا فَعَلَهُ حَتَّى إِذَا كَانَ ذَاتَ يَوْمٍ أَوْ ذَاتَ لَيْلَةٍ وَهُوَ عِنْدِي لَكِنَّهُ دَعَا وَدَعَا ثُمَّ قَالَ يَا عَائِشَةُ أَشَعَرْتِ أَنَّ اللّٰهَ أَفْتَانِي فِيمَا اسْتَفْتَيْتُهُ فِيهِ أَتَانِي رَجُلَانِ فَقَعَدَ أَحَدُهُمَا عِنْدَ رَأْسِي وَالْآخَرُ عِنْدَ رِجْلَيَّ فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ مَا وَجَعُ الرَّجُلِ فَقَالَ مَطْبُوبٌ قَالَ مَنْ طَبَّهُ قَالَ لَبِيدُ بْنُ الْأَعْصَمِ قَالَ فِي أَيِّ شَيْءٍ قَالَ فِي مُشْطٍ وَمُشَاطَةٍ وَجُفِّ طَلْعِ نَخْلَةٍ ذَكَرٍ قَالَ وَأَيْنَ هُوَ قَالَ فِي بِئْرِ ذَرْوَانَ فَأَتَاهَا رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي نَاسٍ مِنْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عیسیٰ بن یونس نے خبر دی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ بنو زریق کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا جس کو لبید بن الاعصم کہا جاتا تھا، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا حتیٰ کہ ایک دن یا ایک رات کو آپ میرے پاس تھے لیکن آپ نے دعا کی اور دعا کی، پھر آپ نے کہا: اے عائشہ! کیا تم کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس چیز کا جواب دیا جس چیز کے متعلق میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا؟ میرے پاس دو مرد آئے، پس ان میں سے ایک میرے سر کی طرف بیٹھ گیا اور دوسرا میرے پیروں کی طرف بیٹھ گیا، پس ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: اس مرد کو کیسا درد ہے؟ اس نے کہا: اس پر جادو کیا گیا ہے،

أَصْحَابِهِ فَجَاءَ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ كَأَنَّ مَائَهَا نُقَاعَةُ الْحِنَّاءِ أَوْ كَأَنَّ رُءُوسَ نَخْلِهَا رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَفَلَا اسْتَخْرَجْتَهُ قَالَ قَدْ عَافَانِي اللهُ فَكَرِهْتُ أَنْ أُثَوِّرَ عَلَى النَّاسِ فِيهِ شَرًّا فَأَمَرَ بِهَا فَدُفِنَتْ تَابَعَهُ أَبُو أُسَامَةَ وَأَبُو ضَمْرَةَ وَابْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ هِشَامٍ وَقَالَ اللَّيْثُ وَابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ هِشَامٍ فِي مُشْطٍ وَمُشَاقَةٍ يُقَالُ الْمُشَاطَةُ مَا يَخْرُجُ مِنَ الشَّعَرِ إِذَا مُشِطَ وَالْمُشَاقَةُ مِنْ مُشَاقَةِ الْكَتَّانِ۔

اس نے کہا: کس نے جادو کیا ہے؟ اس نے کہا: لبید بن الاعصم نے، اس نے کہا: کس چیز میں جادو کیا ہے؟ اس نے کہا: کنگھی میں اور سر کے بال میں جو نر کھجور کے خوشہ میں رکھے ہوئے ہیں، اس نے سوال کیا: اور یہ جادو ہے کہاں؟ اس نے جواب دیا کہ ذروان کے کنوئیں میں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کنوئیں پر اپنے چند صحابہ کے ساتھ تشریف لے گئے اور جب واپس آئے تو فرمایا: اے عائشہ! اس کنویں کا پانی ایسا سرخ تھا جیسے مہندی کا نچوڑ ہوتا ہے اور اس کے کھجور کے درختوں کے سر شیطان کے سروں کی طرح تھے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے اس جادو کو باہر کیوں نہیں نکالا؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے عافیت دے دی تو میں نے ناپسند کیا کہ میں اب لوگوں کے درمیان اس برائی کو پھیلاؤں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جادو کا سامان دفن کرادیا۔

ابو اسامہ، ابوضمرہ اور ابن ابی الزناد نے عیسیٰ بن یونس کی متابعت کی ہے از ہشام۔ اور اللیث اور ابن عیینہ نے کہا از ہشام: کنگھی میں اور سر کے بالوں میں۔ مشاطۃ اس کو کہتے ہیں: کنگھی کرتے وقت کنگھی سے جو بال نکلتے ہیں۔ اور مُشاقۃ روئی کے تار یعنی سوت کو کہتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۱۷۵، ۳۲۶۸، ۵۷۶۳، ۵۷۶۵، ۵۷۶۶، ۶۰۶۳، ۶۳۹۱، صحیح مسلم: ۲۱۸۹، سنن ابن ماجہ: ۳۵۴۵، مسند احمد: ۲۴۳۷۹)

صحیح البخاری: ۵۷۶۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "السحر" یعنی جادو، اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک مرد نے جادو کیا۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عیسیٰ بن یونس کا ذکر ہے، یہ ابن ابی اسحاق سبیعی ہیں۔ اور ہشام کا ذکر ہے، وہ ابن عروہ ہیں، وہ اپنے

والد عروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں از ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

یہ حدیث اسی سند کے ساتھ کتاب ''صفۃ ابلیس'' میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کا نمبر ہے: ۳۱۷۵۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''من بنی زریق'' یہ قبیلہ خزرج کی ایک شاخ ہے، اور اسلام کے ظہور سے پہلے بہت سے انصار اور بہت سے یہودیوں میں محبت اور دوستی تھی اور انہوں نے ایک دوسرے کی مدد کا حلف بھی اٹھایا ہوا تھا، پس جب اسلام کا ظہور ہوا تو انصار اسلام میں داخل ہو گئے اور یہودیوں سے بے زار ہو گئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کے اثر کی مدت کے متعلق روایات

اور جس سال نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کا واقعہ ہوا، یہ سال ۷ ہجری تھا۔ اس کو علامہ واقدی نے بیان کیا ہے اور اسماعیلی نے کہا ہے کہ آپ پر چالیس راتوں تک جادو کا اثر رہا اور مسند احمد میں ہے کہ چھ ماہ تک آپ پر اس جادو کا اثر رہا۔ اور سہیلی سے منقول ہے کہ ایک سال یہ اثر رہا، اس کو سہیلی نے جامع معمر از الزہری میں ذکر کیا ہے۔

(حافظ ابن حجر عسقلانی نے چالیس دن اور چھ ماہ کی دو روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ جن روایات میں چھ ماہ کا ذکر ہے ان سے جادو کے ابتدائی اثر سے لے کر آخر تک پوری مدتِ سحر مراد ہے، اور جن روایات میں چالیس دن کا ذکر ہے، اس سے تاثیر جادو سے استحکام والی مدت مراد ہے۔ فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۷۸، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ جس روایت میں یہ مذکور ہے کہ ایک سال تک آپ پر جادو کا اثر رہا، اس کی تطبیق کسی نے بیان نہیں کی۔ اور وہ روایت بہر حال متعارض ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے''۔

بعض فقہاء اسلام کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کے اثر کی روایت کا انکار کرنا

علامہ عینی فرماتے ہیں: بعض مبتدعین نے اس حدیث کا انکار کیا ہے اور انہوں نے یہ زعم کیا ہے کہ یہ حدیث منصب نبوت کو کم کرتی ہے اور اس میں شک ڈالتی ہے اور ہر وہ چیز جو منصب نبوت کو کم کرے اور اس میں شک ڈالے وہ باطل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کے اثر کو جائز قرار دینا شریعت کی ثقاہت کو ختم کرتا ہے اور ان پر رد کیا گیا ہے کہ اس پر دلیل قائم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ عزوجل کی طرف سے جو احکام بیان کرتے ہیں، اس میں آپ صادق ہیں اور آپ تبلیغ میں معصوم ہیں۔ رہی وہ چیزیں جن کا تعلق بعض دنیاوی امور کے ساتھ ہے جن کی وجہ سے آپ کو مبعوث نہیں کیا گیا، سو وہ آپ پر اس طرح عارض ہوتی ہیں جیسے دوسرے بشر پر عارض ہوتی ہیں جیسے کہ بیماریاں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ یہ گمان کرتے تھے کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے، حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کو اس کام کا وثوق ہو اور قاضی عیاض نے کہا ہے: جادو کا اثر جسم کے اوپر اور ظاہری اعضاء پر تسلط ہے اور اس کا اثر عقل اور معتقدات پر نہیں ہوتا۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ سعید بن المسیب کی مرسل روایت میں مذکور ہے کہ حتیٰ کہ قریب تھا کہ آپ کی بینائی ضعیف ہو جاتی۔

آپ پر جادو کے اثر کی شرح

اس حدیث میں مذکور ہے ''حتی کہ ایک دن یا ایک رات کو (یہ راوی کو شک ہے) آپ میرے پاس تھے لیکن آپ نے دعا کی اور دعا کی''۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: لکنہ کا لفظ استدراک کے لیے ہوتا ہے، یہاں کس چیز سے استدراک کیا گیا ہے؟ پھر علامہ کرمانی نے یہ جواب دیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ میرے پاس تھے لیکن میرے ساتھ مشغول نہیں ہوئے بلکہ دعا میں مشغول ہوئے اور آپ کو یہ خیال ڈالا جاتا تھا کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے، لیکن وہ خیال فعل کے متعلق ہوتا تھا قول کے متعلق نہیں ہوتا تھا اور یہ معلوم ہے کہ آپ کی دعا صحیح تھی اور قانونِ مستقیم کے مطابق تھی اور امام مسلم نے ابنِ نُمیر سے روایت کی ہے: آپ نے دعا کی، پھر دعا کی، پھر دعا کی۔ اور یہی معلوم ہے کہ آپ دعا کا تین مرتبہ تکرار کرتے تھے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''اشعرتِ'' یعنی اے عائشہ! کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے جو سوال کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کا جواب دے دیا ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے میری بیماری کی خبر بتا دی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''میرے پاس دو مرد آئے'' اور مسند احمد اور طبرانی نے ہشام سے روایت کی ہے کہ میرے پاس دو فرشتے آئے، اور امام ابن سعد نے ان کا نام ذکر کیا ہے کہ ایک جبرائیل اور دوسرے میکائیل علیہم السلام تھے۔

پھر اس حدیث میں ہے ''ان میں سے ایک میرے سر کے پاس بیٹھ گیا'' ظاہر یہ ہے کہ جو سر کے پاس بیٹھے وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے، کیونکہ ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خصوصیت تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''پس ان میں سے ایک نے اپنے صاحب سے کہا: اس مرد کو کیسا درد ہے؟'' امام نسائی نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہود کے ایک مرد نے جادو کیا تو آپ کئی دن تک اس کی وجہ سے بیمار رہے، پس آپ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے، سو کہا کہ یہود کے ایک مرد نے آپ پر جادو کیا ہے اور اس نے آپ کے لیے گرہ لگا کر فلاں کنوئیں میں ڈال دی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جن سے سوال کیا گیا وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے اور سوال کرنے والے حضرت میکائیل علیہ السلام تھے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ سوال اور جواب جس وقت ہوا تو کیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت سوئے ہوئے تھے یا بیدار تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال اور جواب نیند میں ہوا، کیونکہ اگر حضرت جبرائیل اور میکائیل آپ کے پاس آتے اور آپ بیدار ہوتے تو وہ دونوں آپ کو مخاطب کرتے اور آپ ان کی بات کو سنتے، اور عمرہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت سوئے ہوئے تھے، اور امام محمد بن سعد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک سندِ ضعیف کے ساتھ روایت کی ہے کہ آپ کے پاس دو فرشتے اترے اور آپ نیند اور بیداری کی کیفیت میں تھے اور ہر تقدیر کے اوپر انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''پس ایک مرد نے اپنے صاحب سے کہا: اس مرد کو کیسا درد ہے؟ تو دوسرے نے کہا کہ یہ مطبوب ہیں''۔ یعنی ان پر جادو کیا گیا ہے۔ اور جادو کو انہوں نے نیک فال کے لیے طِب سے تعبیر کیا یا طِب سے کنایہ کیا، جیسے جس کو سانپ یا بچھو نے ڈسا ہو اس کو نیک فال کے طور پر سلیم کہتے ہیں۔

اور ابن الانباری نے کہا ہے کہ طِب کا لفظ لغت اضداد سے ہے، اس کا معنی بیماری بھی ہے اور اس کا معنی بیماری کا علاج بھی ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "فی مشط و مشاطة" "مُشط کا معنی وہ معروف آلہ ہے جس سے سر کے اور داڑھی کے بالوں کو سنوارا جاتا ہے (یعنی کنگھی)۔ اور "مشاطة" کا معنی ہے کہ بالوں میں کنگھی کرنے سے جو بال کنگھی میں رہ جاتے ہیں ان کو "مشاطة" کہتے ہیں۔
اس حدیث میں مذکور ہے "وجف طلع نخلة ذکر" "جُف کا اطلاق کھجور کے نر اور مادہ کھو کھلے خوشوں پر ہوتا ہے اور وہ بال نر کھجور کے خوشہ میں رکھے گئے تھے، اسی لیے بعد میں ذکر یعنی مذکر کا لفظ ذکر کیا۔ اور خوشہ سے مراد وہ غلاف ہے جس میں پہلے کھجور بند ہوتی ہے، پھر باہر نکلتی ہے اور وہ شگوفہ سفید رنگ کا ہوتا ہے اور اس کی بومنی کی طرح ہوتی ہے اور وہ شگوفہ ذروان نام کے ایک کنوئیں میں ہے، یہ مدینہ میں بنو زریق کا کنواں تھا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "فاتاھا رسول اللہ ﷺ" "یعنی نبی ﷺ اپنے چند اصحاب کے ساتھ اس کنوئیں پر گئے اور آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ اس کنوئیں کا پانی مہندی کے تل چھٹ کی طرح ہے یعنی سرخ رنگ کی طرح ہے۔ اور آپ نے فرمایا: اس کھجور کے درختوں کے سر (یعنی ان کا اوپر کا حصہ) شیطان کے سروں کی طرح تھے۔
اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ نے کھجور کے درختوں کے سر کو شیطان کے سروں سے تشبیہ دی، حالانکہ ہم نے شیطان کے سروں کو نہیں دیکھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بہت قبیح تھے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ! کاش! آپ لبید بن اعصم کو قتل کر دیتے! آپ نے فرمایا: آخرت میں جو اس کو اللہ کا عذاب ہوگا، وہ بہت شدید ہوگا، اور عمرہ کی روایت میں ہے: نبی ﷺ نے اس کو پکڑ لیا اور اس نے جادو کرنے کا اعتراف کر لیا تو آپ نے اس کو معاف کر دیا۔ اور جن چیزوں میں جادو کیا گیا تھا ان کو آپ نے دفن کر دیا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۱۵۔ ۴۱۸، ملخصاً و ملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

نبی ﷺ پر جادو کیے جانے کے متعلق مصنف کا نظریہ

ہمارے نزدیک حسب ذیل وجوہ سے نبی ﷺ پر جادو کا اثر کیے جانے کی روایات صحیح نہیں ہیں:
(۱) بعض روایات میں ہے کہ کنگھی اور جن بالوں پر جادو کیا گیا تھا، ان کو کنویں سے نکال لیا گیا تھا۔ (صحیح بخاری: ۵۷۶۵)
(۲) اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے اس کو کنویں سے نہیں نکالا۔ (صحیح بخاری: ۵۷۶۶)
(۳) بعض روایات میں ہے کہ جادو کے اثر سے آپ کو یہ خیال ہوتا کہ آپ نے کوئی کام کر لیا ہے، حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا تھا۔ (صحیح البخاری: ۵۷۶۵)
(۴) بعض احادیث میں ہے کہ آپ کی نظر متاثر ہو گئی تھی اور آپ دیکھتے کچھ تھے اور آپ کو نظر کچھ آتا تھا۔ (طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۱۵۲)
(۵) بعض احادیث میں ہے کہ جادو کے اثر سے آپ کی مردانہ قوت متاثر ہو گئی تھی، یحییٰ بن یعمر کی روایت میں ہے کہ آپ ایک سال تک حضرت عائشہ سے رکے رہے یعنی مقاربت نہیں کر سکے۔ (العیاذ باللہ)۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۹۷۶۵)
(۶) بعض احادیث میں ہے کنویں سے جب شگوفہ نکالا گیا تو اس میں گیارہ گرہیں تھیں، اس وقت آپ پر سورۃ الفلق اور سورۃ

الناس نازل ہوئیں، آپ ان میں سے ایک ایک آیت پڑھتے جاتے تھے اور گرہیں کھلتی جاتیں تھیں۔

(طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۱۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

(۷) جس حدیث کا متن اتنی وجوہ سے مضطرب ہو اس سے احکام میں بھی استدلال کرنا جائز نہیں ہے، چہ جائیکہ اس سے عقائد میں استدلال کیا جائے۔

(۸) جو خبرِ واحد صحیح ہو، وہ بھی قرآن مجید کے مزاحم نہیں ہوسکتی، جب کہ یہ حدیث سنداً صحیح نہیں ہے، حدیث صحیح وہ ہوتی ہے جو غیر معلل ہو اور یہ حدیث معلل ہے کیونکہ اس میں علل خفیہ قادحہ ہیں، یہ حدیث منصب نبوت کے منافی ہے۔

(۹) اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ جادو کے اثر سے جماع پر قادر نہ ہوئے اور ایک سال تک حضرت عائشہ سے رکے رہے اور نامرد ہونا ایسی بیماری ہے جو لوگوں میں معیوب سمجھی جاتی ہے، نیز اس میں مذکور ہے کہ آپ کی نظر میں فرق آ گیا تھا اور بھینگا ہونا لوگوں میں معیوب سمجھا جاتا ہے اور نامردی اور بھینگے پن سے لوگ عار محسوس کرتے ہیں اور نبی کی شرائط میں سے یہ ہے کہ اس کو کوئی ایسی بیماری نہ ہو جو لوگوں میں معیوب اور باعثِ عار سمجھی جاتی ہو اور لوگوں کو اس بیماری سے گھن آتی ہو۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ لکھتے ہیں:

نبوت کی شرائط یہ ہیں: وہ مرد ہو، اس کی عقل کامل ہو، اس کی رائے قوی ہو، وہ ان چیزوں سے سلامت ہو جن کو لوگ بُرا جانتے ہیں، مثلاً اس کے آباء واجداد زنا نہ کرتے ہوں اور اس کے سلسلہ نسب میں مائیں بدکار نہ ہوں اور وہ ایسی بیماریوں سے محفوظ ہو جن کو لوگ برا جانتے ہیں، مثلاً برص اور جذام وغیرہ اور کم تر پیشوں سے اور ہر اس چیز سے جو مروّت اور حکمت بعثت میں مخل ہو۔

(شرح المقاصد ج ۵ ص ۶۱، مطبوعہ منشورات الرضی، ایران، ۱۴۰۹ھ)

علامہ محمد بن احمد السفارینی متوفی ۱۱۸۸ھ لکھتے ہیں:

نبوت کی شرائط میں سے یہ ہے کہ نبی ہر اس چیز سے سلامت ہو جس سے لوگ متنفر ہوں، جیسے ماں باپ کی بدکاری اور ایسے عیوب جن سے لوگ نفرت کرتے ہوں جیسے برص اور جذام وغیرہ۔ (لوامع الانوار ج ۲ ص ۲۷، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت ۱۴۱۱ھ)

اس پر دلیل قرآن مجید کی یہ آیتیں ہیں:

وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ؈ (ص: ۴۷) — بے شک وہ سب (نبی) ہمارے نزدیک پسندیدہ اور بہترین لوگ ہیں O

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ؈ (آل عمران: ۳۳) — بے شک اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور آلِ ابراہیم کو اور آلِ عمران کو تمام لوگوں سے پسندیدہ بنا دیا O

اور جس شخص کو ایسی بیماری ہو جائے جس سے ایک سال تک وہ اپنی ازواج سے مقاربت نہ کر سکے اور جس کو صحیح نظر نہ آئے، وہ تمام لوگوں سے پسندیدہ نہیں ہوسکتا، سو اس قسم کی وضعی روایات سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بنیاد ہی منہدم کر دیتی ہیں۔

(۱۰) اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ آپ پر جادو کیا گیا تھا تو جادوگر آپ کو نقصان پہنچانے میں اور آپ کے حواس اور قُویٰ معطل کرنے میں کامیاب ہو گیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾ (طٰہٰ:۶۹) اور جادوگر کہیں سے بھی آئے وہ کامیاب نہیں ہوسکتا O

اور اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا:

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾ (الحجر:۴۲) بے شک میرے (مقبول) بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں ہوگا، سوا ان کے جو گمراہ لوگ تیری پیروی کریں گے O

(۱۱) یہ درست ہے کہ یہ روایات صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہیں، اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی عظمت اور حرمت ہمارے دلوں میں پیوست ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور حرمت ہمارے دلوں میں ان سے کہیں زیادہ ہے بلکہ تمام مخلوق سے زیادہ ہے، یہ احادیث اضطراب اور تعارض سے قطع نظر معلل ہیں، ان میں متعدد علل خفیہ قادحہ ہیں جن کا مخالف قرآن اور منافی عظمت رسول ہونا سب سے زیادہ نمایاں ہے، ہمارے لیے یہ زیادہ آسان ہے کہ ہم ایک سال یا چھ ماہ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہونے کے بجائے یہ مان لیں کہ اس حدیث کی صحت میں امام بخاری سے چوک ہوگئی، اور اس حدیث میں امام بخاری اور امام مسلم صحت حدیث میں اپنے مقرر کردہ معیار کو برقرار نہیں رکھ سکے، ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث روایتاً صحیح ہو لیکن یہ حدیث درایتاً صحیح نہیں ہے، اس سے پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ امام بخاری اور امام مسلم نے یہ روایت کیا ہے کہ جب قریش نے کعبہ کی تعمیر کی تو عباس اور حضور بھی کندھے پر پتھر لا کر رکھ رہے تھے، عباس نے آپ کا تہبند اتار کر آپ کے کندھے پر رکھ دیا، تا کہ پتھر کندھے میں نہ چبھے، آپ بے لباس ہوگئے اور بے ہوش ہو کر گر گئے اور ہوش میں آ کر فرمایا: میرا تہبند، میرا تہبند۔ یہ اعلان نبوت سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے، اس وقت آپ کی عمر شریف ۳۵ سال تھی، ہم نے اس جگہ بھی لکھا تھا: یہ حدیث معلل ہے اور درایتاً صحیح نہیں ہے، کسی کم عمر کے بچے کے متعلق تو یہ بات متصور ہوسکتی ہے کہ وہ اپنا تہبند کندھے پر رکھ لے، لیکن ۳۵ سال کے مرد کے لیے یہ قرین قیاس نہیں ہے اور اس عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے لباس ہو جانا ہمارے نزدیک لائق قبول نہیں ہے، اور یہ ناموسِ رسالت کے منافی ہے اور ہر ایسی حدیث لائق قبول نہیں ہے۔ (اس کی مفصل بحث کے لیے دیکھئے تبیان القرآن، ج ۴ ص ۱۰۵۔۱۰۱)

(۱۲) اس حدیث کی زیادہ سے زیادہ تاویل یہ ہوسکتی ہے جو علامہ ابوبکر جصاص نے کی ہے کہ یہودیوں نے اپنے منصوبہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرایا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے منصوبہ کو ناکام بنا دیا اور آپ پر جادو کا کوئی اثر نہیں ہوا اور جن احادیث میں یہ جملے مذکور ہیں کہ آپ کو خیال ہوتا تھا کہ میں نے یہ بات کہہ دی ہے، حالانکہ آپ نے نہیں کہی تھی یا آپ کو خیال ہوتا تھا کہ آپ نے یہ کام کرلیا ہے اور آپ نے وہ کام نہیں کیا تھا، اسی طرح اور دوسری خرافات بیان کی ہیں، یہ سب کسی بے دین راوی کا اضافہ ہے اور حضرت ام المومنین پر بہتان ہے، یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد کا ہے اور اس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغی، تعلیمی اور فتوحات کے اعتبار سے بہت مصروف سال گزارا ہے، اگر جادو کے اثر سے آپ کے حواس اور قُویٰ ایک سال تک معطل رہے ہوتے تو اس سال یہ تمام کام کس طرح انجام دیئے جاسکتے تھے، حدیث کی صحت کی تحقیق کرنے میں امام بخاری اور امام مسلم کی شخصیت مسلّم ہے، لیکن وہ بہرحال انسان ہیں نبی یا فرشتے نہیں ہیں، یہ ہوسکتا ہے کہ راویوں کو چھان پھٹک میں بعض اوقات ان سے کوئی سہو ہوگیا ہو، اور کسی ایک آدھ جگہ سہو ہو جانے سے ان کی عظمت اور مہارت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہونے کے متعلق مصنف کا آخری قول

اب تک میں نے دلائل سے یہی سمجھا ہے کہ یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ڈالنے میں کامیاب نہیں ہوئے اور یہ غلط ہے کہ چالیس راتوں تک آپ پر جادو کا اثر رہا یا چھ ماہ تک آپ پر جادو کا اثر رہا یا ایک سال تک آپ پر جادو کا اثر رہا،لیکن چونکہ علماء امت کی عظیم اکثریت کا یہ مذہب ہے کہ آپ پر جادو کا اثر ہوا تھا تو میں یہ سوچتا ہوں کہ علماء امت کی عظیم اکثریت کے مقابلہ میں میری منفرد رائے کیا حیثیت رکھتی ہے، ہوسکتا ہے یہاں پر ایسے دلائل ہوں جو مجھ پر منکشف نہ ہوئے ہوں اور ان دلائل کے اعتبار سے آپ پر جادو کا اثر ہوا ہو،سواگر واقع میں ایسا ہے تو میں اپنی تحقیق سے رجوع کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور توبہ کرتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ میرے مطالعہ میں کمی ہو اور میری فکر میں نقص ہو اور میں اس معاملہ کی حقیقت تک نہ پہنچ سکا ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے، میں نے وہی لکھا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت اور آپ کی عظمت اور شان کے مطابق سمجھا،لیکن میں بہت گناہگار انسان ہوں اور میری فکر اور عقل بھی نارساں ہے، ہوسکتا ہے جس طرح جمہور علماء نے کہا ہے اسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور آپ کی عظمت ہو اور میں اس کی حقیقت تک نہ پہنچ سکا ہوں،سواگر ایسا ہے تو میں اپنی اس تحقیق سے رجوع کرتا ہوں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۴۸۔ بَابٌ: الشِّرْكُ وَالسِّحْرُ مِنَ الْمُوبِقَاتِ

شرک اور جادو ان گناہوں میں سے ہیں جو ہلاک کردیتے ہیں

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ عزوجل کے ساتھ کسی کو استحقاقِ عبادت میں شریک کرنا،یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کو بھی عبادت کا مستحق جاننا اور ماننا اور جادو کرنا ان گناہوں میں سے ہیں جو انسان کو ہلاک کردیتے ہیں۔

۵۷۶۴۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اجْتَنِبُوا الْمُوبِقَاتِ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبد العزیز بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سلیمان نے حدیث بیان کی از ثور بن زید از ابی الغیث از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہلاک کرنے والے کاموں سے بچو: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا اور جادو کرنا۔

(صحیح البخاری: ۲۷۶۶، ۵۷۶۴، ۶۸۵۷، صحیح مسلم: ۸۹، سنن نسائی: ۳۶۷۱، سنن ابوداؤد: ۲۸۷۴)

صحیح البخاری: ۵۷۶۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد العزیز بن عبد اللہ، یہ ابن یحییٰ الاویسی المدنی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سلیمان کا

ذکر ہے، یہ ابن بلال ہیں۔ اور ثور بن زید کا ذکر ہے، یہ ابن زید الدیلی المدنی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوالغیث کا ذکر ہے، ان کا نام سالم مولیٰ عبداللہ بن مطیع ہے۔

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ دوسری حدیث میں سات مہلکات بیان کئے گئے ہیں اور یہاں پر صرف دو مہلکات پر اختصار کیا گیا ہے، اس کی وجہ سحر کی تاکید ہے اور بعض علماء نے یہ گمان کیا کہ حدیث میں صرف یہی دو امر ہیں۔ اور اس کی مثال ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فِيهِ ايٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا۔ (آل عمران: ۹۷) اس میں واضح نشانیاں ہیں مقام ابراہیم ہے اور جو شخص اس میں داخل ہوا وہ بے خوف ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بیت اللہ میں واضح نشانیاں ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں متعدد نشانیاں ہیں لیکن صرف دو کا ذکر فرمایا، مقامِ ابراہیم کا اور جو اس میں داخل ہو جائے گا وہ امن والا ہے، لیکن حدیث میں اس طرح نہیں ہے، کیونکہ اصل میں سات مہلکات ہیں، امام بخاری نے پانچ کو حذف کر دیا اور آیت کی شان اس طرح نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۳۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ)

علامہ عینی حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ کہنا کہ سات مہلکات میں سے صرف دو کو ذکر کرنا اس لیے ہے کہ سحر کے امر کی تاکید کی جائے، یہ انتہائی ضعیف کلام ہے، کیونکہ اگر امام بخاری پوری حدیث ذکر کر دیتے اور اس میں اس کا یہی عنوان قائم کرتے تب بھی اس کے اندر سحر کے امر کی تاکید کی طرف اشارہ ہوتا۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: اور بعض علماء نے یہ گمان کیا کہ حدیث میں صرف یہی دو امر ہیں۔ اور اس کی مثال ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فِيهِ ايٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا۔ (آل عمران: ۹۷) اس میں واضح نشانیاں ہیں مقام ابراہیم ہے اور جو شخص اس میں داخل ہوا وہ بے خوف ہو گیا۔

بعض علماء سے حافظ ابن حجر کی مراد ہے علامہ کرمانی، لیکن انہوں نے علامہ کرمانی کی طرف جھوٹ کی نسبت کی ہے، کیونکہ علامہ کرمانی نے یہ نہیں کہا کہ صرف اتنی قدر حدیث ہے بلکہ انہوں نے تصریح کی ہے کہ صحیح بخاری میں جو صرف دو چیزیں بیان کی ہیں یعنی شرک اور جادو، اس میں طویل حدیث کا اختصار کیا گیا ہے، اس لیے فقط دو چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ آیت اس طرح نہیں ہے، یہ بھی کلام مردود ہے، آیت اس طرح کیوں نہیں ہے، کیونکہ آیت میں پہلے ذکر فرمایا ہے "فِيهِ ايٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ" یعنی بیت اللہ میں واضح نشانیاں ہیں، اس کا تقاضا ہے کہ اس میں بہت ساری نشانیاں ہیں اور ذکر فقط دو کا کیا ہے، ان میں سے ایک مقامِ ابراہیم ہے اور دوسرا یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہو گیا وہ امن والا ہوگا۔ اور علامہ زمخشری نے اس کی کئی وجوہ بیان کی ہیں، جو ان پر مطلع ہونا چاہے وہ علامہ زمخشری کی تفسیر کا مطالعہ کرے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۱۹۔۴۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

آل عمران:۹۷ میں صرف دو نشانیوں کی تخصیص کی وجوہ

میں کہتا ہوں: علامہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ کی عبارت حسب ذیل ہے:

مقام ابراہیم: یہ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ کا عطفِ بیان ہے، پس اگر تم سوال کرو کہ جماعت کا بیان واحد سے کس طرح صحیح ہوگا؟ تو میں کہوں گا: اس کی دو وجہیں ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ مقام ابراہیم بہ ظاہر ایک نشانی ہے لیکن اس کو متعدد نشانیوں کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلیل ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت کی دلیل ہے کہ ان کے قدم کا نشان سخت پتھر کے اندر ظاہر ہوگیا۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ سخت پتھر کے اندر قدم کے نشان کا ہونا یہ بھی ایک نشانی ہے اور ٹخنوں تک اس میں پیر کا دھنسنا یہ دوسری نشانی ہے، اور اس پتھر کی تخصیص تیسری نشانی ہے اور اس نشانی کو باقی رکھنا نہ کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نشانیوں کو، یہ ابراہیم علیہ السلام کی خصوصیت ہے اور ان کے قدم کے نشان کو محفوظ رکھنا حالانکہ مشرکین میں بہت سارے ان کے دشمن تھے اور اہل کتاب بھی دشمن تھے اور ملحدین بھی دشمن تھے جو ہزاروں کی تعداد میں تھے، اس کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم کے نشان کا اس پتھر کے اندر محفوظ اور برقرار رہنا، یہ متعدد نشانیوں کے قائم مقام ہے۔ (الکشاف ص ۱۸۴، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۳۰ھ)

۴۹۔ بَابٌ: هَلْ يَسْتَخْرِجُ السِّحْرَ؟

کیا جادو کو نکالا جائے گا؟

وَقَالَ قَتَادَةُ قُلْتُ لِسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ رَجُلٌ بِهِ طِبٌّ أَوْ يُؤَخَّذُ عَنِ امْرَأَتِهِ أَيُحَلُّ عَنْهُ أَوْ يُنَشَّرُ؟ قَالَ: لَا بَأْسَ بِهِ إِنَّمَا يُرِيدُونَ بِهِ الْإِصْلَاحَ فَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَلَمْ يُنْهَ عَنْهُ

اور قتادہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سعید بن المسیب سے پوچھا کہ ایک مرد پر جادو کیا گیا ہے یا اس کو اس کی بیوی سے روک دیا گیا ہے، کیا اس جادو کا توڑ کیا جائے گا یا کسی تعویذ سے اس کا علاج کیا جائے گا؟ تو انہوں نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ لوگ اس سے اصلاح کا ارادہ کرتے ہیں، اور رہی وہ چیز جس سے کوئی نفع حاصل ہو تو اس سے منع نہیں کیا گیا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ کیا جادو کو نکالا جائے گا؟ امام بخاری نے اس کو حرفِ استفہام کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس میں یہ اشارہ کیا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ جائز ہے یا نہیں۔

تعلیق مذکور کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے "رجل به طب" یہاں طب کا معنی سحر ہے یعنی جادو، یعنی کسی شخص کے اوپر جادو کیا گیا۔ اس کے بعد مذکور ہے "او یؤخذ" اس کا معنی ہے: کسی مرد کو اس کی بیوی کے ساتھ مباشرت سے روک دیا گیا اور وہ اس کے ساتھ جماع پر قادر نہ ہو سکا۔ اور "عقد الرجل" کے معنی میں یہی مشہور ہے۔

قتادہ نے پوچھا''ایحل عنه او ینشر'' یعنی کیا اس جادو کا توڑ کیا جائے گا یا جس مرد کو اس کی بیوی کے پاس جانے سے روک دیا گیا ہے اس کا توڑ کسی تعویذ یا دم کے ذریعہ کیا جائے گا؟ تو سعید بن المسیب نے اس سے منع نہیں کیا اور کہا: جس کام سے فائدہ حاصل ہو وہ ممنوع نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری کے نزدیک جس شخص پر جادو کیا گیا ہو تو اس کے جادو کا توڑ کرنا اور اس جادو کو ختم کرنا جائز ہے اور جس شخص پر کوئی ایسا عمل کیا گیا ہو جس سے وہ جماع پر قادر نہ ہو تو اس کا کسی تعویذ کے ذریعہ علاج کرنا بھی جائز ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۶۵۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُيَيْنَةَ يَقُولُ أَوَّلُ مَنْ حَدَّثَنَا بِهِ ابْنُ جُرَيْجٍ يَقُولُ حَدَّثَنِي آلُ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ فَسَأَلْتُ هِشَامًا عَنْهُ فَحَدَّثَنَا عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم سُحِرَ حَتَّى كَانَ يَرَى أَنَّهُ يَأْتِي النِّسَاءَ وَلَا يَأْتِيهِنَّ قَالَ سُفْيَانُ وَهَذَا أَشَدُّ مَا يَكُونُ مِنَ السِّحْرِ إِذَا كَانَ كَذَا فَقَالَ يَا عَائِشَةُ أَعَلِمْتِ أَنَّ اللهَ قَدْ أَفْتَانِي فِيمَا اسْتَفْتَيْتُهُ فِيهِ أَتَانِي رَجُلَانِ فَقَعَدَ أَحَدُهُمَا عِنْدَ رَأْسِي وَالْآخَرُ عِنْدَ رِجْلَيَّ فَقَالَ الَّذِي عِنْدَ رَأْسِي لِلْآخَرِ مَا بَالُ الرَّجُلِ قَالَ مَطْبُوبٌ قَالَ وَمَنْ طَبَّهُ قَالَ لَبِيدُ بْنُ أَعْصَمَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي زُرَيْقٍ حَلِيفٌ لِيَهُودَ كَانَ مُنَافِقًا قَالَ وَفِيمَ قَالَ فِي مُشْطٍ وَمُشَاقَةٍ قَالَ وَأَيْنَ قَالَ فِي جُفِّ طَلْعَةٍ ذَكَرٍ تَحْتَ رَاعُوفَةٍ فِي بِئْرِ ذَرْوَانَ قَالَتْ فَأَتَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم الْبِئْرَ حَتَّى اسْتَخْرَجَهُ فَقَالَ هَذِهِ الْبِئْرُ الَّتِي أُرِيتُهَا وَكَأَنَّ مَاءَهَا نُقَاعَةُ الْحِنَّاءِ وَكَأَنَّ نَخْلَهَا رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ قَالَ فَاسْتُخْرِجَ قَالَتْ فَقُلْتُ أَفَلَا أَيْ تَنَشَّرْتَ فَقَالَ أَمَّا اللهُ فَقَدْ شَفَانِي وَأَكْرَهُ أَنْ أُثِيرَ عَلَى أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ شَرًّا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابن عُیینہ سے سنا، وہ کہتے تھے: سب سے پہلے جس نے ہم کو یہ حدیث بیان کی وہ ابن جریج ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حدیث بیان کی آل عروہ نے از عروہ، پس میں نے ہشام سے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا حتیٰ کہ آپ یہ خیال کرتے تھے کہ آپ اپنی ازواج کے پاس گئے ہیں حالانکہ آپ نہیں گئے ہوتے، سفیان نے کہا: یہ سب سے شدید جادو کا اثر ہے جب کہ اس طرح ہو، پس آپ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تم کو معلوم ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے اس چیز کا جواب دے دیا جس کا میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا، میرے پاس دو مرد آئے، پس ایک میرے سر کے پاس بیٹھ گیا اور دوسرا میرے پیروں کے پاس بیٹھ گیا، پس جو میرے سر کے پاس بیٹھا تھا اس نے دوسرے مرد سے کہا: اس مرد کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا: ان پر جادو کیا گیا ہے، اس نے کہا: کس نے جادو کیا ہے؟ اس نے کہا: لبید بن الاعصم بنو زریق کے ایک مرد نے جو یہود کا حلیف ہے اور وہ منافق تھا، کہا: کس چیز میں جادو کیا ہے، اس نے کہا: کنگھی میں اور بالوں میں۔ اس نے کہا: وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ وہ نر کھجور کے کھوکھلے شگوفہ میں ہے ذروان کے کنویں میں کنویں کے پتھر کے نیچے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کنویں پر گئے، حتیٰ کہ آپ نے اس کو (کنگھی اور بالوں کو) نکال لیا،

پس آپ نے فرمایا: یہی وہ کنواں ہے جو مجھے دکھایا گیا تھا اور گویا کہ اس کا پانی مہندی کا تل چھٹ تھا اور اس کے کھجور کے درخت گویا کہ شیاطین کے سر تھے۔ آپ نے فرمایا: پھر وہ جادو کنویں سے نکالا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: پس میں نے پوچھا: آپ نے نُشرہ کیوں نہیں کرایا، یعنی جادو کا توڑ کیوں نہیں کرایا، آپ نے فرمایا: سنو! اللہ تعالیٰ نے مجھے شفاء دے دی ہے اور میں ناپسند کرتا ہوں کہ میں لوگوں میں سے کسی ایک کے اوپر شر کو پھیلاؤں۔

(صحیح مسلم: ۲۱۸۹، سنن ابن ماجہ: ۳۵۴۵، مسند احمد: ۲۴۳۷۹)

صحیح البخاری: ۵۷۶۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''کیا جادو کو نکالا جائے گا''۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس کنگھی اور بالوں کو کنویں سے نکالا جائے، اور یہ حدیث ابھی باب السحر میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ ابن عیینہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''راعوفة'' یہ الکشمیہنی کی روایت ہے، اور دوسروں کی روایت میں ''رعوفة'' ہے یعنی وہ کنگھی اور بال کنویں میں ایک پتھر کے نیچے تھے۔

اور روایات میں مشہور لفظ راعوفة ہے۔ اور یہ وہ پتھر ہے جو کنویں کے سر کے اوپر رکھ دیا جاتا ہے، جس کو کوئی اکھاڑنے کی طاقت نہیں رکھتا اور پانی نکالنے والا اس کے اوپر کھڑا ہوتا ہے اور کبھی یہ پتھر کنویں کے اندر نیچے ہوتا ہے جب کنویں کی کھدائی کی جائے اور ابوعبید نے کہا: یہ بڑا پتھر ہے، جب کنویں کی کھدائی کی جائے تو اس کو کنویں کے نچلے حصہ میں چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس پر وہ شخص بیٹھتا ہے جو کنویں کی صفائی کرتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ نے نُشرہ کیوں نہیں کرایا یعنی جادو کا توڑ کیوں نہیں کرایا؟''

علامہ کرمانی نے کہا ہے: نُشرہ ایسے الفاظ کے ساتھ دم کرنے کو کہتے ہیں کہ جس مرد پر اس کی بیوی سے مباشرت کے اوپر گرہ لگائی گئی ہو تو ان الفاظ سے وہ گرہ کھل جائے۔ اور یہ حدیث نُشرہ کے جواز پر دلالت کرتی ہے اور یہ ان کے نزدیک مشہور ہے اور اس کا لغوی معنی اس میں ظاہر ہے اور وہ یہ ہے کہ جادوگر نے جس چیز کو لپیٹا ہے اس کو کھول دیا جائے یا جو گرہ باندھی ہے اس کو کھول دیا جائے۔[1]

پس اگر تم یہ اعتراض کرو کہ امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے نُشرہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: وہ شیطان کا عمل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے نُشرہ کا ذکر کیا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس پر انکار نہیں کیا، یہ نُشرہ کے جواز کی دلیل ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے کہ نُشرہ شیطان کا عمل ہے، یہ اس نُشرہ پر محمول ہے کہ جس میں ایسے الفاظ کے ساتھ دم کیا جائے جن کے معانی معلوم نہ ہوں۔ شعبی نے کہا ہے: الفاظِ عربیہ کے ساتھ نُشرہ کا دم کرنا جائز ہے۔ وہب بن منبہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ جس شخص پر ایسا جادو کیا گیا ہو کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کرنے سے عاجز ہو جائے تو وہ سبز بیری کے سات پتوں کو لے اور ان کو دو پتھروں کے درمیان کوٹے اور پھر ان پر پانی ڈالے، پھر اس پر آیۃ الکرسی پڑھے اور چاروں قل پڑھے، پھر اس میں سے تین گھونٹ پیے اور باقی پانی سے غسل کرے تو اس سے ہر آفت دور ہو جائے گی اور یہ اس مرد کے لیے بہت عمدہ ہے جس کو اس کی بیوی کے ساتھ مباشرت کرنے سے جادو کے ذریعہ روک دیا گیا ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۲۱۔ ۴۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۰۔ بَابُ: السِّحْرِ — جادو کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب سحر کے بیان میں ہے اور یہ باب مکرر ہے اور اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ یہی باب دو باب پہلے ذکر کیا گیا ہے، اس لیے بعض راویوں نے اس کو صحیح بخاری کے نسخوں سے ساقط کر دیا ہے، اس لیے ابن بطال، علامہ اسماعیلی وغیرہما نے اس کو ذکر نہیں کیا اور یہی صحیح ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۶۶۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سُحِرَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم حَتَّى إِنَّهُ لَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ يَفْعَلُ الشَّيْءَ وَمَا فَعَلَهُ حَتَّى إِذَا كَانَ ذَاتَ يَوْمٍ وَهُوَ عِنْدِي دَعَا اللّٰهَ وَدَعَاهُ ثُمَّ قَالَ أَشَعَرْتِ يَا عَائِشَةُ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَفْتَانِي فِيمَا اسْتَفْتَيْتُهُ فِيهِ قُلْتُ وَمَا ذَاكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ جَاءَنِي رَجُلَانِ فَجَلَسَ أَحَدُهُمَا عِنْدَ رَأْسِي وَالْآخَرُ عِنْدَ رِجْلَيَّ ثُمَّ قَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ مَا وَجَعُ الرَّجُلِ قَالَ مَطْبُوبٌ قَالَ وَمَنْ طَبَّهُ قَالَ لَبِيدُ بْنُ الْأَعْصَمِ الْيَهُودِيُّ مِنْ بَنِي زُرَيْقٍ قَالَ فِيمَا ذَا قَالَ فِي مُشْطٍ وَمُشَاطَةٍ وَجُفِّ طَلْعَةٍ ذَكَرٍ قَالَ فَأَيْنَ هُوَ قَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جادو کیا گیا حتیٰ کہ آپ کی طرف یہ خیال لایا جاتا تھا کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا، حتیٰ کہ ایک دن جب آپ میرے پاس تھے تو آپ نے اللہ سے دعا کی اور پھر دعا کی، پھر آپ نے فرمایا: اے عائشہ! تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سوال کا جواب دے دیا جو میں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا؟ میں نے پوچھا: وہ کیا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ نے فرمایا: میرے پاس دو مرد آئے، پس ان میں سے ایک میرے سر کے پاس بیٹھ گیا اور دوسرا میرے

فِی بِئْرِ ذِی أَرْوَانَ قَالَ فَذَهَبَ النَّبِیُّ ﷺ فِی أُنَاسٍ مِنْ أَصْحَابِهِ إِلَى الْبِئْرِ فَنَظَرَ إِلَيْهَا وَعَلَيْهَا نَخْلٌ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى عَائِشَةَ فَقَالَ وَاللهِ لَكَأَنَّ مَاءَهَا نُقَاعَةُ الْحِنَّاءِ وَلَكَأَنَّ نَخْلَهَا رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَفَأَخْرَجْتَهُ قَالَ لَا أَمَّا أَنَا فَقَدْ عَافَانِی اللهُ وَشَفَانِی وَخَشِيتُ أَنْ أُثَوِّرَ عَلَى النَّاسِ مِنْهُ شَرًّا وَأَمَرَ بِهَا فَدُفِنَتْ۔

پیروں کے پاس بیٹھ گیا، پھر ان میں سے ایک نے اپنے صاحب سے کہا: اس مرد کو کیسا درد ہے؟ اس نے کہا: ان پر جادو کیا گیا ہے، اس نے کہا: کس نے جادو کیا ہے، کہا: لبید بن الاعصم یہودی نے جو بنو زریق سے ہے، کہا: کس چیز میں جادو کیا گیا ہے؟ اس نے کہا: کنگھی میں اور بالوں میں اور نر کھجور کے کھوکھلے شگوفہ میں، اس نے کہا: وہ کہاں ہے؟ تو اس نے بتایا وہ ذی اروان کے کنویں میں ہے۔ راوی نے کہا: پھر نبی ﷺ اپنے چند اصحاب کے ساتھ اس کنویں کی طرف گئے، پس آپ نے اس کی طرف دیکھا اور اس کے اوپر کھجور کا درخت تھا، پھر آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف لوٹے، پس آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! گویا کہ اس کنویں کا پانی مہندی کا تلچھٹ تھا اور اس کے اوپر جو کھجور کا درخت تھا، وہ شیاطین کے سروں کی طرح تھا، میں نے کہا: یارسول اللہ! آپ نے اس کو نکالا؟ کہا نہیں: سنو! مجھے اللہ تعالیٰ نے اس سے عافیت دے دی اور شفاء دے دی اور مجھے ڈر ہے کہ میں لوگوں کے اوپر شر پھیلاؤں گے، پھر آپ کے حکم سے اس شگوفہ کو دفن کر دیا گیا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۷۵، ۳۲۶۸، ۵۷۶۳، ۵۷۶۵، ۵۷۶۶، ۶۰۶۳، ۶۳۹۱، صحیح مسلم: ۲۱۸۹، سنن ابن ماجہ: ۳۵۴۵، مسند احمد: ۲۴۳۷۹)

اس حدیث کی شرح پہلے گزر چکی ہے۔

صحیح البخاری: ۵۷۶۵ میں مذکور ہے ''فاستخرج'' یعنی اس جادو کو کنویں سے نکالا گیا اور صحیح البخاری: ۵۷۶۶ میں مذکور ہے ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ نے اس جادو کو کنویں سے نکالا؟ آپ نے فرمایا: نہیں''۔

یہ ان دو حدیثوں میں واضح تعارض ہے، اور اس سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۱۔ بَابٌ: إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا

بعض بیان سحر انگیز ہوتے ہیں

۵۷۶۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما أَنَّهُ قَدِمَ رَجُلَانِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَخَطَبَا فَعَجِبَ النَّاسُ لِبَيَانِهِمَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا أَوْ إِنَّ بَعْضَ الْبَيَانِ لَسِحْرٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از زید بن اسلم از حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ دو آدمی مشرق کی جانب سے آئے، سو انہوں نے خطبہ دیا تو لوگوں کو ان کے بیان سے بہت تعجب ہوا، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بعض بیان ضرور سحر ہوتے ہیں،

یا فرمایا: بے شک بعض بیان کا سحر ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری:۵۱۴۶، ۵۷۶۷، صحیح مسلم:۸۶۹، سنن الترمذی:۲۰۲۸، سنن ابوداؤد:۵۰۰۷، مسند احمد:۴۶۳۴، موطا امام مالک:۱۸۵۰، سنن دارمی:۱۵۵۶)

صحیح البخاری:۵۷۶۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

مشرق کی طرف سے آنے والے دو مردوں کے اسماء

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''مشرق کی طرف سے دو مرد آئے'': علامہ ابن بطال نے کہا ہے: یہ دو مرد عمرو بن الاہتم اور زبرقان بن بدر تھے، الاہتم کا نام سنان بن خالد بن کی ہے، یہ بنو تمیم سے تھے، اپنی قوم کے وفد میں آئے تھے، پھر انہوں نے اسلام قبول کرلیا، اور یہ ۹ھ کا واقعہ ہے اور ان کے ساتھ جو لوگ آئے تھے ان میں زبرقان بن بدر بن امرأ القیس تھے، ان کی کنیت ابوعیاش تھی، یہ بھی مسلمان ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کی قوم کے صدقات کا والی بنادیا، حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو ان کے منصب پر برقرار رکھا۔ زبرقان کا معنی چاند ہے اور زبرقان اس مرد کو کہتے ہیں کہ جس کی داڑھی خفیف ہو اور ان کا نام الحصین بن بدر تھا۔ اور ان کو ان کے حسن کی وجہ سے زبرقان کا نام دیا گیا کیونکہ یہ چاند کے مشابہ تھے۔

بیان کو سحر کے ساتھ تشبیہ دینے میں آیا بیان کی مدح ہے یا مذمت؟

علماء کی اس حدیث کی تاویل میں اختلاف ہے، امام مالک کے بعض اصحاب نے کہا: اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ بعض بیان سحر ہوتے ہیں یہ بطورِ مذمت ہے، اسی وجہ سے امام مالک نے اس حدیث کو اس باب میں داخل کیا ہے ''باب ما یکرہ من الکلام'' اور انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کو سحر کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور سحر مذموم ہے خواہ کم ہو یا زیادہ، کیونکہ سحر انگیز بیان میں باطل کو حق کی صورت میں دکھایا جاتا ہے اور دوسرے علماء نے کہا: اس حدیث کے اندر بیان کی مدح کی گئی ہے اور اس حدیث میں اس سے استدلال کیا ہے کہ لوگ ان دونوں کے بیان سے متعجب ہوئے اور متعجب ہونا اس کلام کے حسن اور اس کے سننے کی عمدگی کی وجہ سے تھا، انہوں نے کہا کہ سحر کے ساتھ تشبیہ دینا مدح ہے، کیونکہ سحر کا معنی ہے: کسی کو اپنی طرف مائل کرنا اور جو بھی تمہیں مائل کرے اس نے تم پر سحر کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ بلاغت کی فضیلت میں تمیز رکھنے والے تھے، تو آپ کو بھی یہ قول پسند آیا اور آپ نے اس کی تحسین کی، اسی وجہ سے اس کو سحر کے مشابہ قرار دیا۔

اس حدیث کی توجیہ میں بہترین بات یہ ہے کہ اس حدیث میں نہ تو بیان کی بالکلیہ مذمت ہے اور نہ بالکلیہ مدح ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس میں لفظ من کو داخل کیا ہے جو تبعیض کے لیے ہوتا ہے یعنی بعض بیان سحر ہوتے ہیں۔ اور بیان کی مذمت کیسے کی جائے گی، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیان کو بطورِ نعمت ذکر فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ (الرحمٰن ۴-۳) (اللہ تعالیٰ نے) انسان (کامل) کو پیدا کیا ○ اور ان کو (ہر چیز کے) بیان کی تعلیم دی ○

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''وہ دو آدمی مشرق سے آئے تھے'' اس سے مراد نجد کا علاقہ ہے، کیونکہ نجد مدینہ کے مشرق میں ہے اور وہیں پر بنو تمیم کی رہائش تھی جو عراق کی جہت سے آئے تھے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''سحرا'' اس ارشاد سے بیان کو سحر کے ساتھ تشبیہ دی ہے، کیونکہ عمدہ بیان بھی عقول کو اپنی طرف مائل کر لیتا ہے اور اس حیثیت سے وہ خلاف عادت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۲۳۔ ۴۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۲۔ بَابُ: الدَّوَاءِ بِالْعَجْوَةِ لِلسِّحْرِ — جادو کا عجوہ کھجور سے علاج

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جادو کو دور کرنے اور باطل کرنے کے لیے عجوہ کھجور سے علاج کرنا چاہیے اور عجوہ کھجور مدینہ کی سب سے عمدہ کھجور ہے۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے: یہ کھجور متوسط سائز کی ہوتی ہے اور علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: یہ صیحانی کھجور سے بڑی ہوتی ہے اور مائل بہ سیاہی ہوتی ہے، یہ ان کھجوروں میں سے ہے جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے مدینہ میں بویا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۶۸۔ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ أَخْبَرَنَا هَاشِمٌ أَخْبَرَنَا عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ رضی الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ اصْطَبَحَ كُلَّ يَوْمٍ تَمَرَاتٍ عَجْوَةً لَمْ يَضُرَّهُ سُمٌّ وَلَا سِحْرٌ ذَلِكَ الْيَوْمَ إِلَى اللَّيْلِ وَقَالَ غَيْرُهُ سَبْعَ تَمَرَاتٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مروان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہاشم نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عامر بن سعد نے خبر دی از والد خود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہر صبح کو چند عجوہ کھجوریں کھائیں، اس کو نہ زہر ضرر دے گا اور نہ جادو اس دن سے لے کر رات تک، اور دوسروں نے کہا: جس نے سات کھجوریں کھائیں۔

(صحیح البخاری: ۵۷۶۸، ۵۷۶۹، ۵۷۷۹، صحیح مسلم: ۲۰۴۷، سنن ابوداؤ: ۳۸۷۶، مسند احمد: ۱۵۷۵)

صحیح البخاری: ۵۷۶۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی کا ذکر ہے، امام ابونعیم نے المستخرج میں اور امام المزی نے الاطراف میں ذکر کیا ہے کہ یہ علی بن عبد اللہ بن المدینی ہیں۔ اور علامہ کرمانی نے لکھا ہے کہ بعض نسخوں میں مذکور ہے کہ یہ علی بن سلمہ ہیں۔

اور اس حدیث کی سند میں مروان کا ذکر ہے، وہ ابن معاویہ الفزاری ہیں۔ اور ہاشم کا ذکر ہے، وہ ابن ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص ہیں، یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اور اس میں عامر بن سعد کا ذکر ہے، وہ اپنے والد حضرت سعد بن ابی

وقاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں مذکور ہے: ''جس نے صبح کو چند عجوہ کھجوریں کھائیں''۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جس نے نہار منہ چند عجوہ کھجوریں کھائیں حتیٰ کہ اگر اس نے شام کو چند عجوہ کھجوریں کھائیں تو اس سے فائدہ مذکورہ حاصل نہیں ہوگا، یہ زمانہ کے ساتھ قید ہے اور بعض روایات میں مکان کی بھی قید ہے، ان روایات میں مذکور ہے کہ جس نے صبح کو عالیہ کھجوروں میں سے چند عجوہ کھجوریں کھائیں، اور عالیہ اس بستی کو کہتے ہیں جو مدینہ کی بالائی جانب ہے اور وہ نجد کی جہت میں ہے۔

(۲) اس حدیث میں کھجوروں کو العجوہ کے ساتھ مقید کیا ہے، اور اس میں راز یہ ہے کہ عجوہ وہ کھجور ہے کہ جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اگایا اور امام نسائی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''العجوة من الجنة'' یعنی عجوہ جنت کی کھجوروں میں سے ہے، اور یہ زہر سے شفاء ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ عجوہ کھجور زہر میں نفع پہنچاتی ہے اور یہ اس کھجور کی خاصیت نہیں ہے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مدینہ کی کھجوروں کے لیے دعا فرمائی ہے، اس کی خاصیت ہے۔ علامہ ابن التین نے کہا ہے: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ مدینہ کا کوئی خاص کھجوروں کا درخت ہو جس کی اب پہچان نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس کھجور میں یہ خاصیت ہو، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مخصوص ہو، لیکن اس احتمال کو یہ بات رد کرتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی عجوہ کھجور کا یہ وصف بیان فرمایا ہے۔ علامہ المازری نے کہا ہے: یہ ایسی چیز ہے جس کا علم طب کے طریقہ سے معنی سمجھ میں نہیں آتا اور شاید کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہو یا آپ کے زمانہ کے اکثر لوگوں کے ساتھ خاص ہو۔

(۳) اس حدیث میں عددِ مذکور کی قید ہے، یعنی سات عجوہ کھجوریں نہار منہ کھائی جائیں۔ علامہ نووی نے کہا ہے کہ سات کے عدد کی تخصیص کی کوئی عقلی وجہ نہیں ہے جیسے نمازوں کے اعداد ہیں کہ مغرب میں تین رکعت ہیں اور عشاء، ظہر اور عصر میں چار رکعت ہیں اور فجر کی نماز میں دو رکعت ہیں، جس طرح ان رکعات کی تعداد کی کوئی عقلی توجیہ نہیں ہے اسی طرح سات عدد عجوہ کھجوروں کی بھی کوئی عقلی توجیہ نہیں ہے، یا جس طرح زکوٰۃ کے نصاب کی کوئی عقلی توجیہ نہیں ہے یعنی چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ ہے اور سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے، اسی طرح سات عدد عجوہ کھجوروں کی بھی کوئی عقلی توجیہ نہیں ہے اور طبی امور میں سات کا ذکر کئی جگہ ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شدید بخار کی صورت میں فرمایا: مجھ پر سات مشکوں کا پانی ڈالو۔ اور تعویذ میں بھی سات عدد کا ذکر کیا ہے، یعنی سات بار اللہ کی پناہ طلب کرنا۔

(۴) اس حدیث میں فرمایا ہے: ''جو صبح نہار منہ سات کھجوریں کھالے گا تو اس کو اس دن سے لے کر رات تک زہر یا جادو ضرر نہیں پہنچائے گا''۔ اس حدیث میں یہ قید لگائی ہے کہ فائدہ مذکورہ اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک کہ رات داخل ہو جائے، یہ اس کے حق میں ہے جس نے دن کے اول حصہ میں سات کھجوریں کھالیں، کیونکہ اس وقت میں ان کھجوروں کو کھانا اس کے لعابِ دہن کے ساتھ ہوگا۔ بعض شارحین نے کہا ہے: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رات کے ابتدائی حصہ میں سات کھجوریں کھالے، تب بھی وہ کھجوریں لعابِ دہن کے ساتھ جمع ہو جائیں گی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس احتمال کو ابن ابی ملیکہ کی حدیث مسترد کرتی ہے کہ شفاء اول البکرۃ (یعنی صبح کے ابتدائی حصہ) میں ہوتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۲۵۔۴۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۶۹۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ هَاشِمٍ قَالَ سَمِعْتُ عَامِرَ بْنَ سَعْدٍ سَمِعْتُ سَعْدًا رضی اللہ عنہ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ تَصَبَّحَ سَبْعَ تَمَرَاتٍ عَجْوَةً لَمْ يَضُرَّهُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ سُمٌّ وَلَا سِحْرٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن منصور نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ہاشم بن ہاشم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے عامر بن سعد سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، آپ فرماتے تھے: جس نے صبح سات عجوہ کھجوریں کھائیں اس کو اس دن نہ کوئی زہر ضرر دے گا اور نہ جادو۔

(صحیح البخاری: ۵۷۶۸، ۵۷۶۹، ۵۷۷۹، صحیح مسلم: ۲۰۴۷، سنن ابوداؤد: ۳۸۷۶، مسند احمد: ۱۵۷۵)

اس حدیث کی شرح حسب سابق ہے۔

۵۳۔ بَاب: لَا هَامَةَ — الو کی نحوست کوئی چیز نہیں ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ وہ باب ہے جس میں لاھامۃ کو ذکر کیا جائے گا اور اس کی تفسیر باب الجذام میں گزر چکی ہے۔

''لاھامۃ'' کا معنی

''الھامۃ'' کا معنی ہے: سر اور یہ ایک پرندے کا نام ہے اور وہی حدیث میں مراد ہے، کیونکہ لوگ اس پرندے سے بدفالی نکالتے تھے، کہا گیا ہے: وہ پرندہ اُلّو ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ عرب یہ زعم کرتے تھے کہ جس مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے، تو میت کی ہڈیوں سے ایک جانور پیدا ہو کر اڑتا ہے اور ہر وقت یہ فریاد کرتا رہتا ہے: میرا بدلہ لو، میرا بدلہ لو، جب قاتل سے بدلہ لیا جائے یا قاتل مر جائے تو وہ جانور اڑ کر غائب ہو جاتا ہے۔ اسلام نے اس نظریہ کو غلط قرار دیا اور اس زعم سے منع فرمایا۔

اس میں اختلاف ہے کہ ھامۃ میں میم پر تشدید ہے یا نہیں؟ ابوزید نے کہا کہ میم پر تشدید ہے اور یہ لفظ اس سے ماخوذ ہے کہ جب کسی کام کا عزم کیا جائے تو کہا جاتا ہے: ''ھمّ بالامر'' اور اسی کے مطابق حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ حضرت حسن اور حضرت حسین علیہما السلام کو اللہ کی پناہ میں دیتے تھے اور یہ دعا کرتے تھے: ''میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کی پناہ میں دیتا ہوں ہر سامّہ سے اور ہر ھامّہ سے'' سامّہ سے مراد ہے زہریلی چیز اور ھامّہ سے مراد ہے ایسی زہریلی چیز جو قتل کر دے اور اس کی جمع الھوام ہے۔ اور ایسی زہریلی چیز جو قتل نہ کرے وہ سامّہ ہے جیسے بچھو اور تتیہ یا بھڑ۔ اور کبھی ھوام کا اطلاق اس حیوان پر ہوتا ہے جو

زمین میں چلتا ہے اگر چہ وہ قتل نہیں کرتا جیسے حشرات الارض ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۷۰۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا عَدْوَى وَلَا صَفَرَ وَلَا هَامَةَ فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ يَا رَسُولَ اللهِ فَمَا بَالُ الْإِبِلِ تَكُونُ فِي الرَّمْلِ كَأَنَّهَا الظِّبَاءُ فَيُخَالِطُهَا الْبَعِيرُ الْأَجْرَبُ فَيُجْرِبُهَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَمَنْ أَعْدَى الْأَوَّلَ۔

(صحیح مسلم: ۲۲۲۰، سنن ابوداؤد: ۳۹۱۱، مسند احمد: ۷۵۶۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از ابی سلمہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا اور نہ صفر کی کوئی نحوست ہے اور نہ اُلو کی کوئی نحوست ہے، تب ایک اعرابی نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! پھر کیا وجہ ہے کہ ایک اونٹ ریگستان میں ہوتا ہے، گویا کہ وہ ہرن کی طرح چمکدار ہوتا ہے، پھر اس اونٹ کے ساتھ خارش زدہ اونٹ ملتا ہے تو اس کے اندر بھی خارش پیدا کر دیتا ہے، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پہلے اونٹ میں خارش کس نے پیدا کی تھی؟

صحیح البخاری: ۵۷۷۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "کانها الظباء" یہ ظبی کی جمع ہے، اس کے ساتھ تشبیہ دی ہے اس کے بدن کی صفائی اور خارش سے سلامتی میں یا اور دوسری بیماریوں سے سلامتی میں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "یخالطها" یعنی ایک خارش زدہ اونٹ تندرست اونٹوں میں داخل ہوتا ہے جنہیں خارش نہیں ہوتی تو وہ خارش زدہ اونٹ ان میں بھی خارش لگا دیتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فمن اعدی الاول" یعنی پہلے اونٹ میں کس نے خارش پیدا کی ہے؟ یعنی کس کی خارش اس اونٹ میں سرایت کر گئی ہے، اگر تم کہو: کسی اور اونٹ کی خارش نے اس میں سرایت کی ہے تو پھر تسلسل لازم آئے گا اور اگر کہو کہ کوئی اور سبب ہے تو وہ سبب بیان کرو اور اگر تم کہو کہ جس نے پہلے اونٹ نے خارش پیدا کی ہے تو اس نے دوسرے اونٹ میں خارش پیدا کی ہے تو مدعا ثابت ہے، یعنی ان تمام اونٹوں میں خارش کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے جو ہر چیز پر قادر ہے، اور نبی ﷺ کا یہ جواب انتہائی بلاغت میں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۷۱۔ وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ بَعْدُ يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يُورِدَنَّ مُمْرِضٌ عَلَى مُصِحٍّ

اور از ابو سلمہ انہوں نے بعد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: بیمار کو تندرست کے پاس نہ لایا

وَأَنكَرَ أَبُو هُرَيْرَةَ حَدِيثَ الْأَوَّلِ قُلْنَا أَلَمْ تُحَدِّثْ أَنَّهُ لَا عَدْوَى فَرَطَنَ بِالْحَبَشِيَّةِ قَالَ أَبُو سَلَمَةَ فَمَا رَأَيْتُهُ نَسِيَ حَدِيثًا غَيْرَهُ.

جائے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پہلی حدیث کا انکار کیا ہے۔ ہم نے کہا: کیا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان نہیں کی تھی: ''لا عدوی'' یعنی کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا؟ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حبشی زبان میں کوئی لفظ کہا۔ ابو سلمہ نے کہا: میں نے نہیں دیکھا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے سوا کوئی حدیث بھول گئے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۵۷۷۰، صحیح مسلم: ۲۲۲۱، سنن ابوداؤد: ۳۹۱۱، سنن ابن ماجہ: ۳۵۴۱، مسند احمد: ۹۳۲۹)

صحیح البخاری: ۵۷۷۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ابو سلمہ نے کہا: میں نے بعد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا'' یعنی پہلے ابو سلمہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا تھا کہ کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا، اور پھر بعد میں انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بیمار کو ہرگز تندرست کے پاس نہ لایا جائے، اور بیمار سے مراد ہے کسی بیمار اونٹ کو ہرگز تندرست اونٹ کے پاس نہ لایا جائے۔ اور ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔

علامہ ابن بطال نے اس تعارض کو دور کرنے کے لیے کہا ہے کہ آپ نے جو فرمایا: کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا، اس حدیث میں آپ نے یہ خبر دی ہے کہ مرض کے متعدی ہونے کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اور آپ نے جو منع فرمایا کہ کسی بیمار کو تندرست کے پاس نہ لایا جائے یہ اس لیے کہ کوئی آدمی یہ وہم نہ کرے کہ اس بیمار کی وجہ سے تندرست اونٹ بیمار ہو گیا ہے۔

اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ آپ نے جو فرمایا ہے ''لا عدوی'' یعنی مرض متعدی نہیں ہوتا، وہ اس لیے فرمایا کہ وہ لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ مرض خود بخود متعدی ہوتا ہے اور آپ نے اس وقت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ضرر کی نفی نہیں کی۔ اور وہ جو فرمایا کہ بیمار اونٹ کو تندرست اونٹ کے پاس نہ لے جاؤ، یہ اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے فعل اور اس کی قدرت کی وجہ سے تندرست اونٹ میں بیماری پیدا ہو گئی تو کوئی یہ وہم نہ کرے کہ یہ بیمار اونٹ کو تندرست اونٹوں کے پاس لانے کی وجہ سے ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پہلی حدیث کا انکار کیا'' یعنی اس حدیث کا جس میں انہوں نے کہا تھا ''لا عدوی'' کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''فرطن بالحبشية'' علامہ کرمانی نے کہا ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عجمی زبان میں کوئی بات کہی جس کا کوئی معنی سمجھ نہیں آتا تھا، اور اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ غضبناک ہو گئے اور ایسے لفظوں کے ساتھ کلام کیا جس کا معنی سمجھ نہیں آتا تھا۔ اور حبشی زبان میں رطن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فما رایتہٗ غیرہٗ" یعنی میں نے نہیں دیکھا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کے علاوہ اور کسی حدیث کو بھول گئے ہوں۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ صحیح بخاری کے باب حفظ العلم میں یہ حدیث ہے کہ جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے چادر پھیلائی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں اپنے دونوں ہاتھ داخل کیے اور پھر فرمایا: اس چادر کو اپنے سینہ کے ساتھ لگالو، تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نہیں دیکھا کہ میں اس کے بعد کوئی چیز بھول گیا ہوں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نہیں دیکھا کہ میں اس کے بعد کوئی چیز بھول گیا ہوں، اور ان کے نہ دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ واقعہ میں کوئی چیز نہ بھولے ہوں، اور صحیح مسلم میں اس حدیث کے بعد یہ عبارت مذکور ہے کہ کیا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھول گئے، یا دو حدیثوں میں سے ایک حدیث منسوخ ہوگئی۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو اس سے پہلے سنا ہو، جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چادر میں لب بھر کر انہیں فرمایا تھا کہ اسے اپنے سینہ سے لگالو، اور پھر اس کے بعد وہ کوئی حدیث نہیں بھولے، دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس دن کی احادیث کو نہیں بھولے جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ چادر کو اپنے سینہ کے ساتھ لگالو۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ان سے نسیان بالکلیہ مرتفع ہوگیا۔ اور ایک یہ جواب دیا گیا ہے کہ حدیث ثانی حدیث اول کے لیے ناسخ ہے یعنی لاعدوٰی منسوخ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۲۷۔۴۲۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۔ بَابٌ: لَا عَدْوَى — خود بخود مرض متعدی نہیں ہوتا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے اس باب کو سرے سے ساقط کر دیا ہے اور صحیح قول انہی کا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۲۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۷۲۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ وَحَمْزَةُ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضي الله عنهما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ إِنَّمَا الشُّؤْمُ فِي ثَلَاثٍ فِي الْفَرَسِ وَالْمَرْأَةِ وَالدَّارِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عُفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے سالم بن عبد اللہ اور حمزہ نے خبر دی کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی مرض خود بخود متعدی نہیں ہوتا اور نہ کوئی بدشگونی ہے۔ نحوست صرف تین چیزوں میں ہے: گھوڑے میں، عورت میں اور گھر میں۔

(صحیح البخاری: ۲۰۹۹، ۲۸۵۸، ۵۰۹۳، ۵۰۹۴، ۵۷۵۳، ۵۷۷۲)

صحیح البخاری: ۵۷۷۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی شرح باب لا طیرۃ میں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۲۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۷۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ لَا عَدْوَى۔ (صحیح مسلم: ۲۲۲۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے حدیث بیان کی ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے، کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: کوئی بیماری متعدی نہیں ہوتی۔

۵۷۷۴۔ قَالَ أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ سَمِعْتُ أَبَاهُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا تُورِدُوا الْمُمْرِضَ عَلَى الْمُصِحِّ۔

ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے کہا: میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: بیمار (اونٹ) کو تندرست (اونٹوں) پر نہ لاؤ۔

(صحیح البخاری: ۵۷۷۴، صحیح مسلم: ۲۲۲۱، سنن ابوداؤد: ۳۹۱۱، سنن ابن ماجہ: ۳۵۴۱، مسند احمد: ۹۳۲۹)

۵۷۷۵۔ وَعَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي سِنَانُ بْنُ أَبِي سِنَانٍ الدُّؤَلِيُّ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا عَدْوَى فَقَامَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ أَرَأَيْتَ الْإِبِلَ تَكُونُ فِي الرِّمَالِ أَمْثَالَ الظِّبَاءِ فَيَأْتِيهَا الْبَعِيرُ الْأَجْرَبُ فَتَجْرَبُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَمَنْ أَعْدَى الْأَوَّلَ۔

اور از الزہری، وہ کہتے ہیں: مجھے سنان بن ابی سنان الدؤلی نے خبر دی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: کوئی مرض از خود متعدی نہیں ہوتا، پس ایک اعرابی کھڑا ہوا، اس نے کہا: یہ بتایئے کہ ریگستان میں اونٹ ہرنوں کی طرح صاف شفاف ہوتے ہیں، پھر ان میں ایک خارش زدہ اونٹ آتا ہے تو ان میں خارش لگا دیتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: پس پہلے اونٹ میں کس نے خارش لگائی تھی؟

(صحیح البخاری: ۵۷۱۷، ۵۷۵۷، ۵۷۷۰، ۵۷۷۳، ۵۷۷۵)

صحیح البخاری: ۵۷۷۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں سنان بن ابی سنان الدؤلی کا ذکر ہے، ان کا نام یزید بن امیہ ہے۔ اور امام بخاری کی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہی ایک حدیث ہے۔ اور الدؤلی میں دؤیل بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ کی طرف نسبت ہے۔

اس حدیث کی شرح اس سے پہلے گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۲۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٥٧٧٦۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ وَيُعْجِبُنِي الْفَأْلُ قَالُوا وَمَا الْفَأْلُ قَالَ كَلِمَةٌ طَيِّبَةٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے قتادہ سے سنا از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: کوئی مرض از خود متعدی نہیں ہوتا اور نہ بدشگونی ہے اور مجھے فال نکالنا پسند ہے، صحابہ نے پوچھا: فال کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: اچھا کلمہ۔

(صحیح البخاری: ٥٧٥٦، ٥٧٧٦)

٥٥۔ بَابٌ: مَا يُذْكَرُ فِي سُمِّ النَّبِيِّ ﷺ

نبی ﷺ کو زہر دیے جانے کا بیان

رَوَاهُ عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

اس قصہ کو عروہ نے بیان کیا ہے از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی ﷺ۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ نبی ﷺ کو جو زہر دیا گیا تھا۔ اور نبی ﷺ کی طرف زہر کی اضافت مفعول کی طرف اضافت ہے اور فاعل کا ذکر اس میں نہیں کیا گیا۔ (عمدۃ القاری ج ٢١ ص ٤٢٩، دارالکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

تعلیق مذکور کی شرح از علامہ عینی

یعنی عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ نبی ﷺ کو زہر دیا گیا تھا، امام بخاری نے اس تعلیق کو مغازی کے آخر میں بھی بیان کیا ہے، اس میں مذکور ہے از عروہ از عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ جس مرض میں نبی ﷺ کی وفات ہوگئی، اس میں آپ فرما رہے تھے: اے عائشہ! میں ہمیشہ اس طعام کا درد محسوس کرتا رہا ہوں جس کو میں نے خیبر میں کھایا تھا اور یہ اس زہر کے اثر سے میرے دل کی رگ کے کٹنے کا وقت آ گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٢١ ص ٤٢٩، دارالکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

٥٧٧٧۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ لَمَّا فُتِحَتْ خَيْبَرُ أُهْدِيَتْ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ شَاةٌ فِيهَا سَمٌّ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اجْمَعُوا لِي مَنْ كَانَ هَا هُنَا مِنَ الْيَهُودِ فَجُمِعُوا لَهُ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنِّي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از سعید بن ابی سعید از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: جب خیبر فتح کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ کو ایک زہر آلود بکری ہدیہ میں پیش کی گئی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جتنے یہودی یہاں پر

سَائِلُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَهَلْ أَنْتُمْ صَادِقِيَّ عَنْهُ فَقَالُوا نَعَمْ يَا أَبَا الْقَاسِمِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ أَبُوكُمْ قَالُوا أَبُونَا فُلَانٌ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ كَذَبْتُمْ بَلْ أَبُوكُمْ فُلَانٌ فَقَالُوا صَدَقْتَ وَبَرِرْتَ فَقَالَ هَلْ أَنْتُمْ صَادِقِيَّ عَنْ شَيْءٍ إِنْ سَأَلْتُكُمْ عَنْهُ فَقَالُوا نَعَمْ يَا أَبَا الْقَاسِمِ وَإِنْ كَذَبْنَاكَ عَرَفْتَ كَذِبَنَا كَمَا عَرَفْتَهُ فِي أَبِينَا قَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ أَهْلُ النَّارِ فَقَالُوا نَكُونُ فِيهَا يَسِيرًا ثُمَّ تَخْلُفُونَنَا فِيهَا فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ اخْسَئُوا فِيهَا وَاللهِ لَا نَخْلُفُكُمْ فِيهَا أَبَدًا ثُمَّ قَالَ لَهُمْ فَهَلْ أَنْتُمْ صَادِقِيَّ عَنْ شَيْءٍ إِنْ سَأَلْتُكُمْ عَنْهُ قَالُوا نَعَمْ فَقَالَ هَلْ جَعَلْتُمْ فِي هَذِهِ الشَّاةِ سَمًّا فَقَالُوا نَعَمْ فَقَالَ مَا حَمَلَكُمْ عَلَى ذَلِكَ فَقَالُوا أَرَدْنَا إِنْ كُنْتَ كَذَّابًا نَسْتَرِيحُ مِنْكَ وَإِنْ كُنْتَ نَبِيًّا لَمْ يَضُرَّكَ۔

(صحیح البخاری: ۳۱۶۹، ۴۲۴۹، ۵۷۷۷، مسند احمد: ۷۲۳۱، سنن دارمی: ۶۹)

ہیں ان کو میرے پاس جمع کرو، پس یہودیوں کو آپ کے پاس جمع کیا گیا، پھر ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تم سے ایک چیز کے متعلق سوال کرنے والا ہوں، کیا تم مجھے اس چیز کے متعلق سچ سچ بیان کرو گے؟ انہوں نے کہا: ہاں یا ابا القاسم! پس ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارا باپ کون ہے؟ تو انہوں نے کہا ہمارا باپ فلاں ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے جھوٹ بولا بلکہ تمہارا باپ فلاں ہے۔ انہوں نے کہا: آپ نے سچ کہا اور اچھا کیا۔ پھر آپ نے فرمایا: کیا تم اس چیز کے متعلق سچ بتاؤ گے اگر میں نے تم سے اس کے متعلق سوال کیا، انہوں نے کہا: ہاں یا ابا القاسم! اور اگر ہم نے جھوٹ بولا تو آپ ہمارے جھوٹ کو پہچان لیں گے جیسا کہ آپ نے ہمارے باپ کے متعلق جھوٹ کو پہچان لیا۔ تو ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دوزخی کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا: ہم تھوڑا عرصہ دوزخ میں رہیں گے، پھر ہمارے بعد آپ لوگ دوزخ میں جائیں گے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: دفع ہو جاؤ دوزخ میں، اللہ کی قسم! ہم تمہارے بعد دوزخ میں کبھی بھی نہ رہیں گے، پھر آپ نے ان سے فرمایا: کیا تم مجھے کسی چیز کے متعلق سچ بتاؤ گے اگر میں کسی چیز کے بارے میں تم سے سوال کروں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تم نے اس بکری میں زہر ملایا تھا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: تمہیں زہر ملانے پر کس چیز نے ابھارا؟ انہوں نے کہا: ہم نے ارادہ کیا کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو ہم آپ سے راحت حاصل کر لیں گے اور اگر آپ سچے نبی ہیں تو یہ زہر آپ کو نقصان نہیں دے گا۔

صحیح البخاری: ۵۷۷۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیے جانے کا بیان'' اور اس حدیث میں مذکور ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے پوچھا: ''کیا تم نے اس بکری میں زہر ملایا تھا؟''۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔ اور یہ حدیث کتاب الجزیہ اور کتاب المغازی میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری میں زہر دینے والی یہودیہ عورت کا نام

اس حدیث میں مذکور ہے کہ فتح خیبر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک زہر آلود بکری ہدیہ کی گئی، اس میں یہ بیان نہیں ہے کہ وہ زہر آلود بکری آپ کو کس نے ہدیہ کی تھی، کتاب الہبہ میں اس کی وضاحت ہے، اس میں مذکور ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک یہودیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زہر آلود بکری لے کر آئی، آپ نے اس میں سے کھایا۔ الحدیث۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ جس نے وہ بکری ہدیہ کی تھی، وہ ایک یہودیہ عورت تھی لیکن اس حدیث میں بھی اس عورت کے نام کا ذکر نہیں ہے۔ اور کتاب المغازی میں گزر چکا ہے کہ اس عورت کا نام زینب بنت الحارث تھا جو سلام بن مشکم کی بیوی تھی، اس سے معلوم ہو گیا کہ زہر دینے والی عورت کا نام زینب تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فھل انتم صادقی'' یعنی کیا تم مجھ سے سچ بولنے والے ہو؟۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ثم تخلفوننا'' یعنی پھر تم ہمارے بعد دوزخ میں داخل ہو گے اور دوزخ میں رہو گے۔

امام طبرانی نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہ یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے بحث کی، پس کہا: ہم دوزخ میں صرف چالیس راتیں داخل ہوں گے، پھر ہمارے بعد دوسری قوم آئے گی، ان کی مراد تھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ ان کے سروں پر رکھ کر فرمایا: بلکہ تم اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے، اور تمہارے بعد اس میں کوئی داخل نہیں ہوگا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً (البقرہ: ۸۰) اور انہوں نے کہا: گنتی کے چند دنوں کے سوا ان کو ہرگز آگ نہیں چھوئے گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اخسؤا فیھا'' یہ لفظ خسأت الکلب سے ماخوذ ہے۔ ''خسأت الکلب'' اس وقت کہتے ہیں جب کتے کو دھتکارتے ہیں۔

جس عورت نے آپ کو زہر دیا تھا، آیا اس کو آپ نے قتل کیا یا نہیں؟

اس حدیث میں مذکور ہے ''وان کنت نبیا لم یضرك'' یعنی اس یہودی عورت نے کہا کہ اگر آپ برحق نبی ہیں تو یہ زہر آپ کو ضرر نہیں دے گا۔ اور الزہری کی مرسل روایت میں ہے کہ اس عورت نے زیادہ زہر کندھے کے گوشت میں اور دستی کے گوشت میں ملایا تھا، کیونکہ اس کو یہ بات پہنچی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کے کندھے کا گوشت اور بکری کی دستی کا گوشت زیادہ پسند ہے، پس رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے کندھے کا گوشت دانتوں سے نوچ کر کھایا، اور اس حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لقمہ چبایا تو آپ نے فرمایا کہ بکری نے مجھے خبر دی ہے کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودیہ عورت کو قتل کر دیا تھا یا چھوڑ دیا تھا۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: آپ سے عرض کیا گیا: کیا آپ اس کو قتل نہیں کریں گے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! اور ابن سحنون نے کہا ہے کہ محدثین کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی عورت کو قتل کر دیا تھا۔

جن لوگوں نے کسی کو زہر دے کر مار ڈالا، آیا ان سے قصاص لیا جائے گا یا نہیں؟

اور اس میں اختلاف ہے کہ جن لوگوں نے زہریلا کھانا کھلایا یا زہریلا پانی پیا اور وہ اس سے فوت ہو گئے تو آیا ان کو زہر دینے والوں سے قصاص لیا جائے گا یا نہیں؟ علامہ ابن المنذر نے الکوفیین سے روایت کی ہے کہ ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور ان کے عاقلہ پر دیت ہوگی۔ اور امام مالک نے کہا ہے: جب کسی نے کسی کو زبردستی زہر دیا اور وہ مر گیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ اور امام شافعی سے منقول ہے کہ جب کسی شخص کو زہر پلایا اور اس پر جبر نہیں کیا تو اس میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے قصاص لیا جائے گا اور یہ راجح قول ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا لیکن وہ گناہ گار ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۷۷۷ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: میرے علم کے مطابق اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو کھانے میں یا مشروب میں زہر کھلا دے اور وہ اس سے نہ مرے تو اس سے کوئی قصاص نہیں لیا جائے گا اور نہ اس پر کوئی حد ہوگی اور اس میں شدید سزا دی جائے گی اور جس طرح امام مناسب سمجھے اس طرح اس کی تادیب کی جائے گی۔

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ اس میں سزا کیسے دی جائے گی، حالانکہ شارع علیہ السلام نے اس کو سزا نہیں دی جس نے آپ کو زہر دیا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس کا انتقام نہیں لیتے تھے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی حدود کی خلاف ورزی نہ کی جائے اور آپ منافقین اور یہود کی پہنچائی ہوئی ایذاؤں پر صبر فرماتے تھے۔ اور آپ پر لبید بن الاعصم نے سحر کیا اور آپ کو اس سے اتنا ضرر پہنچا جتنا زہر آلود بکری سے ضرر نہیں پہنچا تھا۔ اور آپ نے سحر کرنے والے کو کوئی سزا نہیں دی، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ضامن ہو گیا ہے کہ آپ کو کوئی مکروہ چیز نہیں پہنچے گی اور آپ اس وقت تک فوت نہیں ہوں گے حتیٰ کہ اپنے دین کی تبلیغ فرما دیں اور آپ اپنی شریعت کو ادا کرنے کے درپے رہیں گے اور آپ دشمنوں کے ضرر سے محفوظ اور معصوم ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ (المائدہ: ۶۷) اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ہمارے نبی علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے اوپر کئی وجوہ سے واضح دلیل ہے۔

(۲) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غیب کی خبر دی ہے جس کو از خود کوئی نہیں جانتا ماسوا اس کے جسے اللہ مطلع فرمائے اور وہ غیب

یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان یہودیوں کے باپ کی معرفت تھی، کیونکہ جب انہوں نے اپنے باپ کا نام بتایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ غلط ہے، تمہارے باپ کا نام یہ نہیں ہے، تمہارے باپ کا نام یہ ہے اور یہود نے اس کی تصدیق کی۔

(۳) انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر آلود گوشت کھلایا اور یہ کہا کہ اگر آپ برحق نبی ہیں تو آپ کو اس زہر سے کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ سو انہوں نے دیکھ لیا کہ ان کے کھلائے ہوئے زہر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی اور آپ کی نبوت کا ستر ظاہر ہو گیا، اس کے باوجود وہ اپنی سرکشی میں بڑھتے گئے اور آپ پر ایمان نہیں لائے، حالانکہ وہ زہر کے معاملہ میں بھی آپ کی نبوت کی دلیل دیکھ چکے تھے اور غیب کی خبر دینے سے بھی آپ کی نبوت ان پر آشکارا ہو چکی تھی۔

(۴) اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ کو زہر کا علم ہو گیا تھا اور یہ ذکر نہیں ہے کہ آپ کو کھانے سے پہلے زہر کا علم ہوا تھا یا کھانے کے بعد زہر کا علم ہوا تھا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک عورت نے زہر آلود بکری پیش کی، آپ نے اس سے کھایا اور آپ کے بعض اصحاب نے بھی کھایا، پس آپ کے بعض اصحاب کی اس زہر آلود گوشت کی وجہ سے وفات ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو زہر کے اثر سے محفوظ اور برقرار رکھا، یہاں تک کہ آپ نے اپنی وفات کے وقت فرمایا: خیبر میں جو لقمہ میں نے کھایا تھا، وہ مجھے مسلسل ضرر پہنچاتا رہا اور اب یہ میرے دل کی رگ کے منقطع ہونے کا وقت ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۶۵۱۔ ۶۵۲ ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

مشہور غیر مقلد شیخ محمد داؤد راز کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

شیخ محمد داؤد راز لکھتے ہیں:

اس سے ان لوگوں کا رد ہوتا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، اگر ایسا ہوتا تو آپ اسے اپنا ہاتھ نہ لگاتے، مگر بعد میں وحی سے معلوم ہوا، سچ فرمایا:

وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ (الاعراف: ۱۸۸) اور اگر میں غیب کو جانتا تو میں خیر کثیر جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔

معلوم ہوا کہ آپ کے لیے عالم الغیب ہونے کا عقیدہ بالکل باطل ہے۔

(ترجمہ و شرح صحیح البخاری: ج ۷ ص ۳۳۰، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۰۴ھ)

میں کہتا ہوں کہ غیر مقلدین اہل سنت و جماعت (بریلوی مکتبہ فکر) پر یہ جھوٹا بہتان لگاتے ہیں کہ اہل سنت و جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب مانتے ہیں۔ حالانکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلی نے تصریح کی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب نہیں مانتے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

علم غیب عطا ہونا اور لفظ ''عالم الغیب'' کا اطلاق اور بعض اجلہ اکابر کے کلام میں اگرچہ بندۂ مومن کی نسبت صریح لفظ ''یعلم الغیب'' وارد ہے، کما فی مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح للملا علی قاری، بلکہ خود حدیث سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما میں سیدنا خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ارشاد ہے: ''کان یعلم علم الغیب'' مگر ہماری تحقیق میں لفظ ''عالم الغیب'' کا اطلاق حضرت عزت عز

جلالہ کے ساتھ خاص ہے کہ اس سے عرفاً علم بالذات متبادر ہے۔ کشاف میں ہے: المراد به الخفی الذی لا ینفذ فیه ابتداء الا علم اللطیف الخبیر ولهذا لا یجوز ان یطلق فیقال فلان یعلم الغیب'' اور اس سے انکار معنیٰ لازم نہیں آتا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قطعاً بے شمار غیوب وما کان وما یکون کے عالم ہیں، مگر عالم الغیب صرف اللہ عزوجل کو کہا جائے گا، جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قطعاً عزت وجلالت والے ہیں، تمام عالم میں ان کے برابر کوئی عزیز وجلیل نہ ہے نہ ہوسکتا ہے مگر محمد عزوجل کہنا جائز نہیں بلکہ اللہ عزوجل ومحمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غرض صدق وصورت معنیٰ کو جواز اطلاق لفظ لازم نہیں، نہ منع اطلاق لفظ کو نفی صحت معنیٰ، امام ابن المنیر اسکندری کتاب الانتصاف میں فرماتے ہیں: ''کم من معتقد لا یطلق القول به خشیة ایهام غیره مما لا یجوز اعتقاده فلا ربط بین الاعتقاد والاطلاق'' یہ سب اس صورت میں ہے کہ مقید بقید اطلاق اطلاق کیا جائے یا بلا قید علی الاطلاق مثلاً عالم الغیب یا عالم الغیب علی الاطلاق اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ بالواسطہ یا بالعطا کی تصریح کردی جائے تو وہ محذور نہیں کہ ایہام زائل اور مراد حاصل۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۸۱، مکتبہ رضویہ، کراچی)

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں فرق

میں کہتا ہوں: خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام کائنات سے زیادہ علم عطا کیا ہے اور تمام کائنات کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسے قطرہ سمندر کے سامنے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم اور اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ نسبت بھی نہیں ہے جو قطرہ اور سمندر میں ہوتی ہے، کیونکہ قطرہ بھی متناہی ہے اور سمندر بھی متناہی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم متناہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے الصمصام میں یہ تصریح کی ہے کہ کسی ایک چیز کے علم میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے علم میں مساوات نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کو کسی ایک ذرہ کا علم بھی ہوتا ہے تو وہ غیر متناہی وجوہ سے ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو علم اس ذرہ کے ساتھ ہو وہ متناہی وجوہ کے ساتھ ہوتا ہے، مثلاً اس ایک ذرہ کے اوپر کتنے ہوا کے جھونکے گزرے، کتنے پانی کے قطرے اس پر برسے، اس ایک ذرے کو کتنے انسانوں نے دیکھا، کتنے پرندوں نے دیکھا، کتنے حیوانات نے دیکھا، کتنے چرندوں نے دیکھا، کتنے درندوں نے دیکھا، اس ایک ذرہ کی نسبت دوسرے ذرات کے ساتھ کس طرح ہے اور اس ایک ذرہ میں کتنے فوائد ہیں، کتنے نقصانات ہیں، کتنی حکمتیں ہیں، کس کس نے اس سے فائدہ اٹھایا اور کس کس کو اس سے نقصان ہوا، غرض یہ کہ ایک ذرہ کا علم اللہ تعالیٰ کو غیر متناہی وجوہ سے ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو ذرہ کا علم ہوگا تو وہ بعض وجوہ سے ہوگا اور متناہی ہوگا، سو ایک ذرہ کے علم میں بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں مساوات نہیں ہے۔ اور رہا غیب کا علم، تو اللہ تعالیٰ نے نبیوں، رسولوں اور ولیوں کو ان کی اپنی اپنی استعداد کے مطابق علم غیب عطا فرمایا ہے اور سب سے زیادہ علم غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ کا علم بالذات ہے اور واجب ہے اور غیر منقطع ہے، بغیر کسی کی عطا کے ہے اور اس کا علم ازلی اور ابدی ہے، دائمی اور سرمدی ہے، اس علم پر نہ غفلت آسکتی ہے اور نہ وہ علم زائل ہوسکتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم بالعطا ہے اور ممکن ہے اور حادث ہے، اس علم کی ابتداء بھی ہے اور اس علم کی انتہاء بھی ہے اور آپ کے علم پر غفلت آسکتی ہے، ذہول ہوسکتا ہے، توجہ ہٹ سکتی ہے، سہو ہوسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم ان تمام عوارض سے پاک اور مبرا و منزہ ہے۔ سو اس وجہ سے کسی ایک ذرہ کے علم میں بھی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں مساوات نہیں ہے اور یہی اعلیٰ حضرت اور تمام اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے اور

جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ بہتان تراش ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۶۔ بَابُ: شُرْبِ السُّمِّ وَالدَّوَاءِ بِهِ وَبِمَا يُخَافُ مِنْهُ وَالْخَبِيثِ

زہر کو پینا اور زہر کی دوا بنانا اور جس چیز سے خوف اور خطرہ ہو، اس کی دوا بنانا اور خبیث چیزوں سے دوا بنانا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں زہر کو پینے اور زہر سے دوا وغیرہ بنانے کا ذکر ہے، امام بخاری نے اس کا حکم ذکر نہیں کیا اور اس باب میں جو حدیث آرہی ہے، اس حدیث سے جو حکم سمجھ آتا ہے اس پر اکتفاء کر لی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ تمام امور جائز نہیں ہیں، کیونکہ یہ امور قتل نفس یعنی خودکشی کی طرف لے جاتے ہیں۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جب شہر حیرہ میں گئے تو ان سے کہا گیا: آپ زہر سے بچیں، کہیں عجمی لوگ آپ کو زہر نہ پلا دیں تو حضرت خالد بن ولید نے کہا: تم میرے پاس زہر لاؤ، لوگ ان کے پاس زہر لائے، انہوں نے اس کو اپنے ہاتھ میں لیا، پھر پڑھا ''بسم اللہ'' اور اس زہر کو منہ میں ڈال لیا، ان کو اس سے کوئی نقصان نہیں ہوا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی کرامت ہے، پس اس میں ان کی اتباع نہیں کی جائے گی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کو اور مؤکد کرتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دواء خبیث سے منع فرمایا ہے، امام ابوعیسیٰ ترمذی نے کہا: اس سے مراد ہے زہریلی دوا۔ (سنن ترمذی: ۲۰۴۵)

نیز امام بخاری نے کہا: اور زہریلی دواء کا بیان، یعنی زہریلی دواء کو استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں میں تمہاری شفاء نہیں رکھی جن چیزوں کو اس نے تم پر حرام کر دیا ہے۔ اور امام بخاری نے کہا: اور جن چیزوں سے خطرہ ہو، یعنی ان کا استعمال بھی جائز نہیں ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جن چیزوں کے استعمال کرنے سے موت کا خطرہ ہو یا مرض کے دوام کا خطرہ ہو، ان چیزوں کا استعمال بھی جائز نہیں ہے۔ اور امام بخاری نے کہا: اور خبیث چیزیں: اس کے دو محمل ہیں۔ ایک محمل یہ ہے کہ وہ چیز نجس ہو جیسا کہ خمر ہے یا اس حیوان کا گوشت ہے جس کو کھایا نہیں جاتا۔ دوسرا محمل یہ ہے کہ طبیعت اس کے کھانے سے متنفر ہوتی ہے۔ امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کی ہے کہ خبیث دواء کو استعمال کرنا ممنوع ہے۔ اور امام ابن حبان نے بھی اس کی سند صحیح سے روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج۲۱ ص۴۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۷۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ ذَكْوَانَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن عبدالوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد بن الحارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از سلیمان، انہوں نے کہا: میں نے ذکوان سے

نَفْسَهُ فَهُوَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ يَتَرَدَّى فِيهِ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا وَمَنْ تَحَسَّى سُمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَسُمُّهُ فِي يَدِهِ يَتَحَسَّاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ يَجَأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا۔

سنا، وہ حدیث بیان کرتے تھے از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جس شخص نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر قتل کر لیا (یعنی خودکشی کر لی) تو وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ ابداً اپنے آپ کو جہنم میں گراتا رہے گا، اور جس نے گھونٹ بھر کر زہر پی کر خودکشی کی، پس اس کا زہر اس کے ہاتھ میں رہے گا اور وہ جہنم کی آگ میں رہے گا اور وہ جہنم کی آگ میں اس کا ہمیشہ ہمیشہ ابداً گھونٹ بھرتا رہے گا۔ اور جس نے کسی ہتھیار سے خودکشی کی، پس اس کا ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ اس کو ہمیشہ ہمیشہ ابداً جہنم کی آگ میں اپنے پیٹ کے اندر گھونپتا رہے گا۔

(صحیح مسلم: ۱۰۹، سنن ترمذی: ۲۰۴۳، ۲۰۴۴، سنن نسائی: ۱۹۶۵، سنن ابوداؤد: ۳۸۷۲، سنن ابن ماجہ: ۳۴۶۰، مسند احمد: ۷۴۴۹۹، سنن داری: ۲۳۶۲)

صحیح البخاری: ۵۷۷۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب کے عنوان میں جو ابہام تھا، اس حدیث نے اس ابہام کو دور کر دیا ہے۔ اور یہی اس حدیث کی باب مذکور کے ساتھ مطابقت کی وجہ ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن عبدالوہاب کا ذکر ہے، وہ ابو محمد الحجی البصری ہیں۔ یہ ۲۲۸ھ میں فوت ہو گئے تھے، اور اس حدیث کی سند میں خالد بن الحارث کا ذکر ہے، یہ ابن سلیمان ابو عثمان البصری ہیں۔ اور اس میں سلیمان کا ذکر ہے، وہ الاعمش ہیں۔ اور ذکوان کا ذکر ہے، وہ ابو صالح الزیات السمان المدنی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "من تردی" اس کا معنی ہے: جس نے اپنے آپ کو کسی جگہ سے گرا دیا۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: "تردی" اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شخص کنویں میں گر جائے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ومن تحسی" اس کا معنی ہے: کسی چیز کو گھونٹ بھر بھر کر پینا۔ جب کوئی شخص شوربہ گھونٹ بھر کر پیئے تو اس وقت کہا جاتا ہے "حسوت المرق حسوا"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یجاء بہا" اس کا معنی ہے: اپنے ہاتھ سے چھری مارنا۔

خودکشی کرنے والے پر دائمی عذاب کی وعید پر اشکال کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے "خالدا مخلدا فیہا"۔ اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر کسی مومن نے خودکشی کی تو وہ دائمی

جہنم میں کیسے رہے گا؟ کیونکہ خودکشی کرنا گناہِ کبیرہ ہے اور گناہِ کبیرہ کی سزا دائماً جہنم نہیں ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وعید اس شخص پر محمول ہے جو خودکشی کو حلال جان کر خودکشی کرے، یا مراد یہ ہے کہ وہ عرصۂ دراز تک دوزخ میں رہے گا، کیونکہ مومن دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ نہیں رہے گا۔ اور علامہ ابن التین نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث ایک معین شخص کے متعلق ہے جو کافر تھا۔ اور نقل کرنے والے نے اس کو ظاہر پر محمول کر دیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۷۷۸ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خودکشی کرنے والے کے لیے دائمی عذاب کی توجیہ

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ اس باب کی حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ خودکشی کرنے والا دوزخ میں ہمیشہ رہے گا، تو یہ قول خوارج کے مذہب کے مطابق ہے اور اہل سنت و جماعت اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ یہاں پر دوام کا معنی مکثِ طویل ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ خودکشی کرنے والا اس کا مستحق ہے کہ اس کو دائماً عذاب دیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ اس شخص کو دوزخ سے نکال دے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو اور توحید پر ایمان کی وجہ سے اس کو کفار کے ساتھ دائماً عذاب میں نہیں رکھے گا۔ کیونکہ حدیث میں ہے: دوزخ سے اس شخص کو نکال لیا جائے گا جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی ایمان ہو۔ (صحیح البخاری: ۲۲)
یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حدیث اس شخص پر محمول ہے جو خودکشی کو حلال سمجھ کر کرے، اور جو خودکشی کو حرام سمجھتا ہو اور حالات سے مجبور ہو کر خودکشی کا اقدام کرے، اور اس کو گناہ ہی سمجھتا ہو تو وہ اس وعید کا مصداق نہیں ہے۔ اور ایک جواب یہ ہے کہ وہ شخص اس سزا کا مستحق ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت کریم ہے کہ وہ کسی مسلمان اور مومن کو دوزخ میں دائمی عذاب کے لیے ڈال دے۔

بعض شوافع کا اس پر استدلال کہ قاتل نے جس کیفیت سے قتل کیا ہو اسی کیفیت سے اس سے قصاص لیا جائے

اس حدیث میں مذکور ہے ''جس نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرایا ہے، وہ دوزخ میں اپنے آپ کو پہاڑ سے گراتا رہے گا اور جس نے زہر کو گھونٹ گھونٹ پیا ہو، تو وہ دوزخ میں زہر کو گھونٹ گھونٹ پیتا رہے گا اور جس نے اپنے آپ کو چھری ماری ہو تو وہ دوزخ میں اپنے آپ کو چھری مارتا رہے گا''۔ اللہ تعالیٰ خودکشی کرنے والے کو اسی کیفیت سے عذاب دے گا جس کیفیت سے اس نے خودکشی کی تھی۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ قصاص بھی اسی کیفیت سے لینا چاہیے جس کیفیت سے قاتل نے قتل کیا، لیکن علامہ نووی شافعی نے کہا ہے کہ یہ استدلال ضعیف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فعل پر بندوں کے افعال کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۷ ص ۵۶۵۔ ۵۶۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۵۷۷۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ بَشِيرٍ أَبُو بَكْرٍ أَخْبَرَنَا هَاشِمُ بْنُ هَاشِمٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں احمد بن بشیر ابوبکر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہاشم بن ہاشم نے خبر دی،

اللہ ﷺ یَقُوْلُ مَنِ اصْطَبَحَ بِسَبْعِ تَمَرَاتٍ عَجْوَةٍ لَمْ یَضُرَّهُ ذٰلِكَ الْیَوْمَ سُمٌّ وَلَا سِحْرٌ۔

انہوں نے کہا: مجھے عامر بن سعد نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا: وہ کہتے تھے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے صبح سات عجوہ کھجوریں کھائیں، اس کو اس دن نہ کوئی زہر ضرر دے گا اور نہ جادو۔

(صحیح البخاری: ۵۷۶۸، ۵۷۶۹، ۵۷۷۹، صحیح مسلم: ۲۰۴۷، سنن ابوداؤ: ۳۸۷۶، مسند احمد: ۱۵۷۵)

صحیح البخاری: ۵۷۷۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کا عنوان ہے ''زہریلی چیز کو پینا یا زہر کو بطور دوا کے استعمال کرنا'' اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ جس نے صبح کو سات عجوہ کھجوریں کھائیں، اس کو اس دن زہر ضرر نہیں پہنچائے گا اور میں نے نہیں دیکھا کہ شارحین میں سے کسی نے اس حدیث کو اس باب میں ذکر کرنے کی مناسبت بیان کی ہو خاص طور پر اس شارح نے بھی جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس فن میں اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور میرے لیے اس کی مناسبت میں انوار الٰہیہ سے ایک چیز ظاہر ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ باب کے عنوان میں مطلقاً زہر کے استعمال سے منع کیا گیا ہے اور حدیث میں یہ مذکور ہے کہ جس نے علی الصبح سات عجوہ کھجوریں کھائیں تو اس کو زہر سے ضرر نہیں ہوگا۔ تو اس طرح سے حدیث اور باب کے عنوان میں مناسبت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد کا ذکر ہے، اکثر روایات میں محمد کا لفظ بغیر نسبت کے مذکور ہے لیکن المستملی نے ذکر کیا کہ یہ محمد بن سلام ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں احمد بن بشیر ابوبکر کا ذکر ہے، یہ عمرو بن حریث الکوفی کی بیوی کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ امام بخاری نے ان کا اسی حدیث میں ذکر کیا ہے۔ اور ابن معین نے کہا: ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور عثمان دارمی نے از ابن معین کہا کہ یہ راوی متروک ہے اور خطیب بغدادی نے ان پر رد کیا اور کہا: عثمان پر یہ نام اس شخص سے مشتبہ ہوگیا جس کا نام احمد بن بشیر ہے لیکن اس کی کنیت ابوجعفر ہے اور وہ بغدادی ہے۔ اسی وجہ سے امام بخاری نے احمد بن بشیر کی کنیت ابوبکر ذکر کی ہے تاکہ التباس نہ ہو اور احمد بن بشیر ابوبکر، وکیع کی وفات کے پانچ دن بعد فوت ہوگئے تھے اور وکیع کی وفات ۱۹۹ھ میں ہوئی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۳۲-۴۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۔ بَابٌ: أَلْبَانِ الْأُتُنِ

گدھیوں کے دودھ کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں گدھیوں کے دودھ کا حکم بیان کیا گیا ہے، اور یہ حکم حدیث میں ہے۔ الأتن میں ہمزہ اور تاء پر پیش ہے، یہ لفظ

اتان کی جمع ہے اور اتان گدھی کو کہتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۸۰۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ رضی الله عنه قَالَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ أَكْلِ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبُعِ قَالَ الزُّهْرِيُّ وَلَمْ أَسْمَعْهُ حَتَّى أَتَيْتُ الشَّأْمَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الزہری از ابی ادریس الخولانی از حضرت ابو ثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہر کچلیوں والے درندے کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔
الزہری نے کہا: میں نے اس حدیث کو اس وقت تک نہیں سنا تھا حتیٰ کہ میں شام میں گیا۔

(صحیح مسلم: ۱۹۳۲، ۱۹۳۶، سنن ترمذی: ۱۴۷۷، سنن نسائی: ۴۳۴۲، سنن ابوداؤد: ۳۸۰۲، سنن ابن ماجہ: ۳۲۳۲، مسند احمد: ۱۷۲۸۴، ۱۷۲۹۳، موطا امام مالک: ۱۰۷۵، سنن دارمی: ۱۹۸۰)

صحیح البخاری: ۵۷۸۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کچلیوں والے جانوروں کا بیان

فقہاء کا اس حدیث کی تاویل میں اختلاف ہے، پس فقہاء کوفہ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس حدیث میں کچلیوں والے درندوں کو کھانے کی ممانعت تحریم کے لیے ہے۔ اور کچلیوں والے درندے اور ناخنوں سے شکار کرنے والے پرندوں کا گوشت نہیں کھایا جائے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس تحریم سے بجو اور لومڑی کو مستثنیٰ کر لیا ہے، کیونکہ ان کی کچلیاں کمزور ہوتی ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ تعلیل حدیث کی نصِ صریح کے مقابلہ میں ہے، اس لیے فاسد ہے۔ اور علامہ ابن القصار مالکی نے کہا ہے کہ امام مالک کے نزدیک یہ ممانعت کراہت پر محمول ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے بجو کو کھانے کی اجازت دی ہے۔ اس حدیث کی امام حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور بجو کی بھی کچلیاں ہوتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے ہر کچلیوں والے درندے کی تحریم سے کراہت کا ارادہ کیا ہے۔

اور اس باب میں خلاصہ یہ ہے کہ عطاء بن ابی رباح، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق نے بجو کے کھانے کو مباح قرار دیا ہے اور ظاہریہ یعنی غیر مقلدین کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور الحسن البصری، سعید بن المسیب، الاوزاعی، ثوری، عبد اللہ بن المبارک، امام یوسف اور امام محمد نے کہا ہے کہ بجو کو نہیں کھایا جائے گا۔ اور ان کی دلیل یہ حدیث مذکور ہے، کیونکہ یہ حدیث اپنے عموم کے اعتبار سے ہر کچلیوں والے جانور کو شامل ہے اور بجو بھی کچلیوں والا ہے۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مشہور نہیں ہے، جس میں بجو کو کھانے کی اجازت کا ذکر ہے اور یہ حدیث مُحلّل ہے اور جس حدیث میں ہر کچلیوں والے درندے کے کھانے کو حرام قرار دیا ہے، وہ مُحرّم ہے۔ اور احکام میں حدیث مُحرّم حدیث مُبیح پر راجح ہوتی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت جابر کی حدیث منسوخ ہے۔ اس لیے کہا جائے گا کہ حضرت جابر کی حدیث مقدم ہے اور حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث موخر ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی روایت میں عبدالرحمن بن ابی عمار منفرد ہیں اور وہ اہلِ علم کے نزدیک مشہور نہیں ہیں اور نہ حجت ہیں۔ تو جب وہ منفرد ہوں تو ان کی روایت کا اعتبار کس طرح ہوگا جب کہ ان کی روایت اس سے زیادہ قوی حدیث کے مخالف ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۵۔۱۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۸۱۔ وَزَادَ اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ وَسَأَلْتُهُ هَلْ نَتَوَضَّأُ أَوْ نَشْرَبُ أَلْبَانَ الْأُتُنِ أَوْ مَرَارَةَ السَّبُعِ أَوْ أَبْوَالَ الْإِبِلِ قَالَ قَدْ كَانَ الْمُسْلِمُونَ يَتَدَاوَوْنَ بِهَا فَلَا يَرَوْنَ بِذَلِكَ بَأْسًا فَأَمَّا أَلْبَانُ الْأُتُنِ فَقَدْ بَلَغَنَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَهَى عَنْ لُحُومِهَا وَلَمْ يَبْلُغْنَا عَنْ أَلْبَانِهَا أَمْرٌ وَلَا نَهْيٌ وَأَمَّا مَرَارَةُ السَّبُعِ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي أَبُو إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيُّ أَنَّ أَبَا ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَهَى عَنْ أَكْلِ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبُعِ۔

اور اللیث نے یہ اضافہ کیا ہے، انہوں نے کہا: مجھے یونس نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: میں نے ابوادریس سے سوال کیا، کیا ہم گدھی کے دودھ سے وضو کریں یا اس کو پئیں، یا ہم درندوں کا پتہ کھائیں، یا اونٹوں کا پیشاب پئیں؟ تو انہوں نے کہا: مسلمان اس کے ساتھ علاج کرتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، رہا گدھی کے دودھ کا سوال تو ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گدھی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے اور ہم کو یہ حدیث نہیں پہنچی کہ آپ نے گدھی کے دودھ کے متعلق کچھ فرمایا ہو، اس کا دودھ پینے کا حکم دیا ہو یا اس کے دودھ پینے سے منع فرمایا ہو۔ رہا درندوں کا پتہ تو ابن شہاب نے کہا: مجھے ابوادریس الخولانی نے خبر دی کہ حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ نے انہیں خبر دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلیوں والے درندے کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۹۳۲، ۱۹۳۲، سنن ترمذی: ۱۴۷۷، سنن نسائی: ۴۳۴۲، سنن ابوداؤد: ۳۸۰۲، سنن ابن ماجہ: ۳۲۳۲، مسند احمد: ۱۷۲۸۴، ۱۷۲۹۳، موطا امام مالک: ۱۰۷۵، سنن دارمی: ۱۹۸۰)

صحیح البخاری: ۵۷۸۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت مخفی نہیں ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن محمد کا ذکر ہے، وہ مسندی ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور الزہری کا ذکر ہے، وہ محمد بن مسلم بن شہاب ہیں۔ اور ابوادریس کا ذکر ہے، وہ عائذ اللہ الخولانی ہیں۔ اور ابوثعلبہ الخشنی کا ذکر ہے، ان کے نام میں بہت اختلاف ہے، اور اکثر کا موقف یہ ہے کہ ان کا نام جرہم ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "وزاد اللیث" یعنی لیث بن سعد نے از یونس بن یزید از ابن شہاب زہری یہ اضافہ کیا ہے اور اس اضافہ کو امام ابونعیم نے المستخرج میں اس سند کے ساتھ وارد کیا ہے: از ابی ضمرہ از انس بن عیاض از یونس بن یزید۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "وسالتہ" یعنی ابن شہاب نے کہا: میں نے ابوادریس سے سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ مسلمان پہلے اونٹوں کے پیشاب کو بطور دوا استعمال کرتے تھے۔ علامہ کرمانی نے کہا: اس سے معلوم ہوا کہ اونٹوں کے دودھ کو بھی بطور دوا استعمال کرنا جائز ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ گدھی کے دودھ کی حرمت اس وجہ سے ہے کہ گدھی کا گوشت حرام ہے اور دودھ گوشت سے پیدا ہوتا ہے اور درندوں کا پتہ اس لیے حرام ہے کہ آپ نے کچلیوں والے درندوں کو مطلقاً حرام فرمایا ہے، تو جب کچلیوں والا درندہ مطلقاً حرام ہے تو اس کا پتہ بھی حرام ہے۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: گدھیوں کے دودھ میں اختلاف دو وجہ سے ہے، ایک یہ کہ ان کے گوشت کے متعلق اختلاف ہے، آیا وہ حرام ہے یا مکروہ ہے، دوسرا یہ کہ جب مان لیا جائے کہ گدھی کا گوشت حرام ہے تو کیا ان کا دودھ حلال ہے؟ جیسا کہ آدمی کا گوشت کھانا حرام ہے اور اس کا دودھ پینا جائز ہے۔ اور درندوں کے پتہ میں بھی اختلاف ہے، آیا درندوں کا پتا حرام ہے یا مکروہ ہے؟ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۳۳۔ ۴۳۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۵۷۸۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

پتہ کے متعلق ابن شہاب نے کہا کہ مجھے ابوادریس نے خبر دی ہے اور اس کو میں نے اپنے علماء سے نہیں سنا، پس اگر رسول اللہ ﷺ نے درندوں کے پتہ سے منع فرمایا ہے تو اس کے کھانے میں کوئی خیر نہیں ہے اور اس اضافہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زہری اس حدیث کی صحت میں توقف کرتے تھے، کیونکہ انہوں نے اس کو بالکل نہیں پہچانا جیسا کہ اکثر علماء حجاز کا طریقہ ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: زہری نے درندوں کے پتہ کے ممنوع ہونے پر اس سے استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ہر کچلیوں والے درندے کو کھانے سے منع فرمایا ہے اور اسی کی مثل گدھیوں کے دودھ میں بھی لازم ہوگی اور وہ اس اضافہ سے غافل ہو گئے جو ابو ضمرہ کی روایت میں ہے اور گدھیوں کے دودھ میں اختلاف ہے اور جمہور کے نزدیک گدھیوں کا دودھ حرام ہے۔ اور مالکیہ کے نزدیک ایک قول کے مطابق گدھیوں کا دودھ پینا جائز ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۴۹، دارنشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ ھ)

صحیح البخاری: ۵۷۸۱، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو کہ گدھی کے گوشت کا حرام ہونا اس کو مستلزم ہے کہ اس کا دودھ بھی حرام ہو، تو میں کہوں گا: بعض صورتوں میں ایسا نہیں ہے، کیونکہ آدمی کا گوشت کھانا حرام ہے اور اس کا دودھ پینا جائز ہے۔ اور حق یہ ہے کہ آدمی کے دودھ کی طہارت اس کے

شرف کی بناء پر ہے۔اور رہا زہری کا توقف کرنا تو وہ اس وجہ سے ہے کہ گدھی کے گوشت کی حرمت کی علت میں علماء کا اختلاف ہے، کیونکہ ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ گدھوں کے گوشت کو اس لیے حرام قرار دیا ہے کہ وہ بوجھ اٹھانے والے جانور ہیں۔ اگر ان کا گوشت کھانا جائز ہو تو سب گدھوں کو کھالیا جائے گا، پھر بوجھ اٹھانے کے لیے کوئی جانور نہیں رہے گا، تو گدھوں کے گوشت کی حرمت اس کی نجاست کی وجہ سے نہیں ہے۔علامہ کورانی کا مطلب یہ ہے کہ گدھی کے گوشت کے حرام ہونے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا دودھ بھی حرام ہو۔(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری ج ۵ ص ۳۰۹، داراحیاء التراث العربی، ۱۴۲۹ھ)

۵۸۔ بَابٌ: إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِي الْإِنَاءِ — جب برتن میں مکھی گر جائے تو کیا کیا جائے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب برتن میں مکھی گر جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ ابو ہلال العسکری نے کہا کہ ذباب واحد ہے اور اس کی جمع ذِبان ہے جیسے غراب غِربان ہے۔

کہا گیا ہے: مکھی کو ذباب اس کی بکثرت حرکت اور اضطراب کی وجہ سے کہا جاتا ہے، امام ابو یعلیٰ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکھی کی عمر چالیس راتیں ہوتی ہے۔اور مکھیاں تمام دوزخ میں جائیں گی سوائے شہد کی مکھی کے۔اور الجاحظ نے کہا: مکھیوں کا دوزخ میں جانا ان کو عذاب دینے کے لیے نہیں ہوگا بلکہ دوزخیوں کو عذاب دینے کے لیے ہوگا۔اور افلاطون نے کہا: مکھی سب چیزوں سے زیادہ حریص ہوتی ہے حتیٰ کہ یہ اپنے آپ کو اس چیز میں بھی گرا دیتی ہے جس میں گرنے سے اس کی ہلاکت ہوتی ہے اور یہ گندگی سے پیدا ہوتی ہے۔اور مکھی کی آنکھ کی پلکیں نہیں ہوتیں کیونکہ اس کی آنکھ بہت چھوٹی ہوتی ہے اور پلکیں آنکھوں کی حفاظت کرتی ہیں تو مکھی اپنے ہاتھوں سے اپنی آنکھوں کی حفاظت کرتی ہے، پس یہ مستقل اپنی آنکھوں پر ہاتھ پھیرتی رہتی ہے۔اور اس کی تخلیق کی ادنیٰ حکمت یہ ہے کہ مکھی سے جابروں کو اذیت پہنچائی جاتی ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۳۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۸۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عُتْبَةَ بْنِ مُسْلِمٍ مَوْلَى بَنِي تَيْمٍ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ حُنَيْنٍ مَوْلَى بَنِي زُرَيْقٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْمِسْهُ كُلَّهُ ثُمَّ لِيَطْرَحْهُ فَإِنَّ فِي أَحَدِ جَنَاحَيْهِ شِفَاءً وَفِي الْآخَرِ دَاءً۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن جعفر نے حدیث بیان کی از عتبہ بن مسلم جو بنو تیم کے آزاد شدہ غلام ہیں از عبید بن حنین جو بنو زریق کے آزاد شدہ غلام ہیں از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی ایک کے برتن میں مکھی گر جائے تو پوری مکھی کو ڈبو دو اور پھر اس کو نکال کر پھینک دو، کیونکہ اس کے دو پروں میں سے ایک میں شفاء ہے اور دوسرے پر میں بیماری ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۳۲۰، ۵۷۸۲، سنن ابوداؤد: ۳۸۴۴، سنن ابن ماجہ: ۳۵۰۵، مسند احمد: ۸۹۱۸، سنن دارمی: ۲۰۳۸)

صحیح البخاری: ۵۷۸۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں یہ متعین نہیں کیا کہ اس کے کون سے پر میں شفاء ہے؟ اور بعض علماء سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے غور کیا کہ وہ اپنے الٹے پر کو بچاتی ہے، تو معلوم ہوا کہ اس کے سیدھے پر میں شفاء ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس کے ایک پر میں بیماری ہے، یعنی اس کے ایک پر میں زہر ہے اور اس کی وضاحت حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ یہ زہر کو مقدم کرتی ہے اور شفاء کو موخر کرتی ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: اس حدیث کا وہی انکار کرے گا جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے نورِ معرفت نہ عطا کیا ہو۔ جیسے سانپ ہے، اس کا زہر قاتل ہے اور اس کے گوشت میں تریاق اکبر ہے، پس اس کا لعاب بیماری ہے اور اس کا گوشت شفاء ہے۔ اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو ثابت کرنے کے لیے نظائر کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اہل طب کے اقوال صرف تجربہ سے حاصل ہوتے ہیں اور تجربہ میں خطرہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۳۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علاج کے متعلق صدر الشریعہ علامہ امجد علی کی تحقیق

صدر الشریعہ بدر الطریقۃ علامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۶۷ھ تحریر فرماتے ہیں:

حدیث ۱: صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں اتاری مگر اس کے لیے شِفاء بھی اتاری''۔ (صحیح البخاری، کتاب الطب، باب ما انزل اللہ داء الا انزل لہ شفاء، الحدیث: ۵۶۷۸، ج ۴ ص ۱۶)

حدیث ۲: صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر بیماری کے لیے دوا ہے، جب بیمار کو دوا پہنچ جائے گی، اللہ (عزوجل) کے حکم سے اچھا ہو جائے گا''۔

(صحیح مسلم، کتاب السلام، باب لکل داء دواء... الخ الحدیث: ۶۹۔ (۲۲۰۴) ص ۱۲۱۰)

حدیث ۳: امام احمد و ترمذی و ابوداؤد نے اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہ لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم دوا کریں؟ فرمایا: ''ہاں اے اللہ (عزوجل) کے بندو! دوا کرو، کیونکہ اللہ (عزوجل) نے بیماری نہیں رکھی مگر اس کے لیے شفاء بھی رکھی ہے، سوا ایک بیماری کے وہ بڑھاپا ہے''۔

(سنن ابوداؤد، کتاب الطب، باب الرجل یتداوی، الحدیث: ۳۸۵۵، ج ۴ ص ۵، سنن ترمذی: الحدیث: ۲۰۴۵، ج ۴ ص ۴)

حدیث ۴: ابوداؤد نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیماری اور دوا دونوں کو اللہ تعالیٰ نے اتارا، اس نے ہر بیماری کے لیے دوا مقرر کی، پس تم دوا کرو مگر حرام سے دوامت کرو''۔

(سنن ابوداؤد، کتاب الطب، باب فی الادویۃ المکروھۃ، الحدیث: ۳۸۷۴، ج ۴ ص ۱۰)

حدیث ۵: ابوداؤد نے ام منذر بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت کی، کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع حضرت علی رضی اللہ عنہ کے میرے یہاں تشریف لائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نقاہت تھی یعنی بیماری سے ابھی اچھے ہوئے تھے، مکان میں کھجور کے خوشے لٹک رہے تھے، حضور

(صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان میں سے کھجوریں تناول فرمائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھانا چاہا، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کو منع کیا اور فرمایا کہ تم نقیہ (یعنی بیماری کی وجہ سے کمزور) ہو۔ کہتی ہیں کہ جو اور چقندر پکا کر حاضر لائی، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اس میں سے لو کہ یہ تمہارے لیے نافع ہے''۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مریض کو پرہیز کرنا چاہیے، جو چیزیں اس کے لیے مضر (نقصان دہ) ہیں، ان سے بچنا چاہیے۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الطب، باب فی الحمیۃ، الحدیث: ۳۸۵۶، ج ۴ ص ۵)

حدیث ۶: امام احمد و ترمذی و ابوداؤد نے عمران بن حُصین اور ابن ماجہ نے بریدہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جھاڑ پھونک نہیں مگر نظر بد اور زہریلے جانور کے کاٹنے سے'' یعنی ان دونوں میں زیادہ مفید ہے۔

(سنن الترمذی، کتاب الطب، باب ماجاء فی الرخصۃ فی ذالک، الحدیث: ۲۰۶۴، ج ۴ ص ۱۲)

حدیث ۷: امام احمد و ترمذی و ابن ماجہ نے اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت کی، انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اولادِ جعفر کو جلد نظر لگ جایا کرتی ہے، کیا جھاڑ پھونک کراؤں؟ فرمایا: ''ہاں کیونکہ اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت لے جانے والی ہوتی تو نظرِ بد سبقت لے جاتی''۔ (سنن الترمذی، کتاب الطب، باب ماجاء فی الرقیۃ من العین، الحدیث: ۲۰۶۶، ج ۴ ص ۱۳)

حدیث ۸: صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر بد سے جھاڑ پھونک کرانے کا حکم فرمایا ہے''۔ (صحیح البخاری، کتاب الطب، باب رقیۃ من العین، الحدیث: ۵۷۳۸، ج ۴ ص ۳۱)

حدیث ۹: صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے گھر میں ایک لڑکی تھی جس کے چہرہ میں زردی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے جھاڑ پھونک کراؤ، کیونکہ اسے نظر لگ گئی ہے''۔

(صحیح البخاری، کتاب الطب، باب رقیۃ من العین، الحدیث: ۵۷۳۹، ج ۴ ص ۳۱)

حدیث ۱۰: صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی، کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھاڑ پھونک سے منع فرمایا۔ عمرو بن حزم کے گھر والوں نے حاضر ہو کر یہ کہا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جھاڑنے کو منع فرمایا اور ہمارے پاس بچھو کا جھاڑ ہے، اور اس کو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے پیش کیا۔ ارشاد فرمایا: ''اس میں کچھ حرج نہیں، جو شخص اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکے، نفع پہنچائے۔

(صحیح مسلم، کتاب السلام، باب استحباب الرقیۃ من العین، الحدیث: ۶۳، (۲۱۹۹) ص ۱۲۰۷)

حدیث ۱۱: صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عدویٰ نہیں، یعنی مرض لگنا اور متعدی ہونا نہیں ہے اور نہ بدفالی ہے اور نہ ہامہ (ہامہ سے مراد الو ہے، زمانہ جاہلیت میں عرب اس کے متعلق مختلف قسم کے خیالات رکھتے تھے، اور اب بھی لوگ اس کو منحوس سمجھتے ہیں، جو کچھ بھی حدیث نے اس کے متعلق یہ ہدایت کی ہے کہ اس کا اعتبار نہ کیا جائے) ہے؛ نہ صَفَر (ماہِ صفر کو لوگ منحوس جانتے ہیں، حدیث میں فرمایا: یہ کوئی چیز نہیں) اور مجذوم سے بھاگو، جیسے شیر سے بھاگتے ہو''۔

(صحیح البخاری، کتاب الطب، باب الجذام، الحدیث: ۵۷۰۷، ج ۴ ص ۲۴)

دوسری روایت میں ہے کہ ایک اعرابی نے عرض کی: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی کیا وجہ ہے کہ ریگستان میں اونٹ ہرن کی طرح (صاف ستھرا) ہوتا ہے اور خارشی اونٹ (یعنی وہ اونٹ جس کو خارش ہو) جب اس کے ساتھ مل جاتا ہے تو اسے بھی خارشی کر دیتا ہے؟ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ''پہلے کو کس نے مرض لگا دیا'' یعنی جس طرح پہلا اونٹ خارشی ہو گیا دوسرا بھی ہو گیا۔ (صحیح البخاری

کتاب الطب، باب لاصفر، الحدیث: ۵۷۱۷، ج ۴ ص ۲۶)

مرض کا متعدی ہونا (یعنی ایک کا مرض دوسرے کو لگنا) غلط ہے اور مجذوم سے بھاگنے کا حکم سد ذرائع (یعنی ذرائع روکنے) کے قبیل سے ہے، کہ اگر اس سے میل جول میں دوسرے کو جذام پیدا ہو جائے تو یہ خیال ہوگا کہ میل جول سے پیدا ہوا، اس خیال فاسد (یعنی برے خیال) سے بچنے کے لیے یہ حکم ہوا کہ اس سے علیحدہ رہو۔

حدیث ۱۲: صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بدفالی کوئی چیز نہیں اور فال اچھی چیز ہے۔ لوگوں نے عرض کی: فال کیا چیز ہے؟ فرمایا: ''اچھا کلمہ جو کسی سے سنے'' یعنی کہیں جاتے وقت یا کسی کام کا ارادہ کرتے وقت کسی کی زبان سے اگر اچھا کلمہ نکل گیا، یہ فال حسن ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب الطب، باب الطیرۃ، الحدیث: ۵۷۵۴، ج ۴ ص ۳۶)

حدیث ۱۳: ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''طیرہ (بدفالی) شرک ہے، اس کو تین مرتبہ فرمایا (یعنی مشرکین کا طریقہ ہے) جو کوئی ہم میں سے ہو یعنی مسلمان ہو، وہ اللہ (عزوجل) پر توکل کر کے چلا جائے''۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الطب، باب فی الطیرہ، الحدیث: ۳۹۱۰، ج ۴ ص ۲۳)

حدیث ۱۴: ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کام کے لیے نکلتے تو یہ بات حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پسند تھی کہ یا راشد، یا نجیح سنیں'' یعنی اس وقت اگر کوئی شخص ان ناموں کے ساتھ کسی کو پکارتا یہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اچھا معلوم ہوتا کہ یہ کامیابی اور فلاح کی فال نیک ہے۔ (سنن ترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی الطیرہ، الحدیث: ۱۶۲۲، ج ۳ ص ۲۸۸)

حدیث ۱۵: ابوداؤد نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز سے بدشگونی (بدفالی) نہیں لیتے، جب کسی عامل کو بھیجتے اس کا نام دریافت کرتے، اگر اس کا نام پسند ہوتا تو خوش ہوتے اور خوشی کے آثار چہرہ میں ظاہر ہوتے اور اگر اس کا نام ناپسند ہوتا تو اس کے آثار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ میں دکھائی دیتے اور جب کسی بستی میں جاتے اس کا نام پوچھتے، اگر اس کا نام پسند ہوتا تو خوش ہوتے اور خوشی کے آثار چہرہ میں دکھائی دیتے اور ناپسند ہوتا تو کراہیت کے آثار چہرہ میں دکھائی دیتے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب فی الطیرہ، الحدیث: ۳۹۲۰، ج ۴ ص ۲۵)

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ ناموں سے آپ بدشگونی لیتے بلکہ اچھے نام حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پسند تھے اور برے نام ناپسند تھے۔

حدیث ۱۶: ابوداؤد نے عروہ بن عامر سے مرسلاً روایت کی، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بدشگونی کا ذکر ہوا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: فال اچھی چیز ہے اور براشگون کسی مسلم کو واپس نہ کرے یعنی کہیں جارہا تھا اور براشگون ہوا تو واپس نہ آئے، چلا جائے جب کوئی شخص ایسی چیز دیکھے جو ناپسند ہے یعنی براشگون پائے تو یہ کہے ''اللھم لا یاتی بالحسنات الا انت ولا یدفع السیأت الا انت ولا حول ولا قوۃ الا باللہ''۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الطب، باب فی الطیرہ، الحدیث: ۳۹۱۹، ج ۴ ص ۲۵)

حدیث ۱۷: صحیح بخاری و مسلم میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب سنو کہ فلاں جگہ طاعون ہے، تو وہاں نہ جاؤ اور جب وہاں ہو جائے جہاں تم ہو، تو وہاں سے نہ نکلو''۔

(صحیح البخاری، کتاب الطب، باب مایذکر فی الطاعون، الحدیث: ۵۷۲۸، ج ۴ ص ۲۸)

حدیث ۱۸: صحیح مسلم میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''طاعون عذاب کی نشانی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کچھ لوگوں کو اس میں مبتلا کیا، جب سنو کہ کہیں ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جب وہاں ہو جائے جہاں تم ہو تو بھاگو مت''۔ (صحیح مسلم، کتاب السلام، باب الطاعون والطیرہ۔۔۔ الحدیث: ۹۳۔(۲۲۱۸) ص ۱۲۱۵)

حدیث ۱۹: امام احمد و بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''طاعون عذاب تھا، اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اس کو بھیجتا ہے۔ اس کو اللہ (عزوجل) نے مومنین کے لیے رحمت بنا دیا۔ جہاں طاعون واقع ہو اور اس شہر میں جو صبر کر کے اور طلب ثواب کے لیے ٹھہرا رہے اور یہ یقین رکھے کہ وہی ہوگا جو اللہ (عزوجل) نے لکھ دیا ہے، اس کے لیے شہید کا ثواب ہے''۔ (صحیح البخاری، کتاب القدر، الحدیث: ۶۶۱۹، ج ۴ ص ۲۸۷)

حدیث ۲۰: امام بخاری و مسلم و احمد نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''طاعون ہر مسلم کے لیے شہادت ہے''۔ (صحیح البخاری، کتاب الطب، باب ما یذکر فی الطاعون، الحدیث: ۵۷۳۲، ج ۴ ص ۳۰)

علاج کے متعلق مسائل فقہیہ

مسئلہ ۱: دوا علاج کرنا جائز ہے جب کہ یہ اعتقاد (عقیدہ، یقین) ہو کہ شافی (صحت یا شفا دینے والا) اللہ (عزوجل) ہے، اس نے دوا کو ازالہ مرض (یعنی مرض کو دور کرنے کے لیے) سبب بنا دیا ہے اور اگر دوا ہی کو شفا دینے والا سمجھتا ہو تو نا جائز ہے۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الکراھیۃ، الباب الثامن عشر فی التداوی، ج ۵ ص ۳۵۴)

مسئلہ ۲: انسان کے کسی جز کو دوا کے طور پر استعمال کرنا حرام ہے۔ خنزیر کے بال یا ہڈی یا کسی جز کو دواء استعمال کرنا حرام ہے۔ دوسرے جانوروں کی ہڈیاں دوا میں استعمال کی جاسکتی ہیں بشرطیکہ ذبیحہ کی ہڈیاں ہوں یا خشک ہوں کہ اس میں رطوبت باقی نہ ہو۔ ہڈیاں اگر ایسی دوا میں ڈالی گئی ہوں جو کھائی جائے گی تو یہ ضروری ہے کہ ایسے جانور کی ہڈی ہو جس کا کھانا حلال ہے اور ذبح بھی کر دیا ہو، مردار کی ہڈی کھانے میں استعمال نہیں کی جاسکتی۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الکراھیۃ، الباب الثامن عشر فی التداوی، ج ۵ ص ۳۵۴)

مسئلہ ۳: حرام چیزوں کو دوا کے طور پر بھی استعمال کرنا نا جائز ہے کہ حدیث میں ارشاد فرمایا: ''جو چیزیں حرام ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے شفاء نہیں رکھی ہے''۔ (المعجم الکبیر للطبرانی الحدیث: ۷۴۹، ج ۲۳ ص ۳۲۶)

بعض کتب میں یہ مذکور ہے کہ اگر اس چیز کے متعلق یہ علم ہو کہ اسی میں شفاء ہے تو اس صورت میں وہ چیز حرام نہیں اس کا حاصل بھی وہی ہے، کیونکہ کسی چیز کی نسبت ہرگز یہ یقین نہیں کیا جاسکتا کہ اس سے مرض زائل ہی ہو جائے گا، زیادہ سے زیادہ ظن اور گمان ہو سکتا ہے نہ کہ علم و یقین، خود علم طب کے قواعد و اصول ہی ظنی ہیں، لہٰذا یقین حاصل ہونے کی کوئی صورت نہیں، یہاں ویسا یقین بھی نہیں ہو سکتا جیسا بھوکے کو حرام لقمہ کھانے سے، پیاسے کو شراب پینے سے جان بچ جانے میں ہوتا ہے۔

(الدر المختار، ورد المحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع، ج ۹ ص ۶۴۱)

انگریزی دوائیں بکثرت ایسی ہیں جن میں اسپرٹ اور شراب کی آمیزش ہوتی ہے ایسی دوائیں ہرگز استعمال نہ کی جائیں۔

مسئلہ ۴: بیماری کے متعلق طبیب نے یہ کہا کہ خون کا غلبہ ہے، فصد وغیرہ کے ذریعہ سے خون نکالا جائے۔ مریض نے ایسا نہ کیا اور مر گیا تو اس علاج کے نہ کرنے سے گنہگار نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ یقین نہیں ہے کہ اس علاج سے شفاء ہو ہی جائے گی۔ (الفتاوی الخانیہ، کتاب

الحظر والاباحۃ ج ۲ ص ۳۶۵)

میں کہتا ہوں: ایلو پیتھک کی گولیاں اور کیپسول ہوتے ہیں، ان میں تو الکوحل اور اسپرٹ کی آمیزش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جو ایلو پیتھک مائع دوائیں (Syrup) ہوتی ہیں ان میں بہت کم مقدار میں الکوحل شامل ہوتی ہے اور اس کا ایک چمچہ یا دو چمچہ پیا جاتا ہے جس میں زیادہ سے زیادہ ایک یا دو قطرہ الکوحل ہوتی ہے اور اس میں دوسرے کیمیائی اجزاء اور نمکیات بھی شامل ہوتے ہیں جس سے اس کا شرعی حکم بدل جاتا ہے اور کم مقدار الکوحل بھی مغلوب ہو جاتا ہے جب کہ خالص خمر میں بھی نمک ڈال دیا جائے تو وہ سرکہ ہو جاتا ہے اور اس کا پینا جائز ہے اس لیے ہماری تحقیق یہ ہے کہ ڈاکٹر کی تشخیص کردہ ایلو پیتھک ادویات کا استعمال جائز ہے۔ واضح رہے کہ ایلو پیتھک کھانے اور پینے کی ادویات میں اسپرٹ بالکل شامل نہیں ہوتی، الکوحل کی مکمل بحث کے لیے دیکھیے: شرح صحیح مسلم ج ۶۔ (سعیدی غفرلہٗ)

مسئلہ ۵: بعض امراض میں مریض کو بے ہوش کرنا پڑتا ہے، تا کہ گوشت کاٹا جا سکے یا ہڈی وغیرہ کو جوڑا جا سکے یا زخم میں ٹانکے لگائے جائیں، اس ضرورت سے دوا سے بے ہوش کرنا جائز ہے۔

مسئلہ ۶: اسقاطِ حمل کے لیے دوا استعمال کرنا یا دائی سے حمل ساقط کرانا منع ہے، بچہ کی صورت بنی ہو یا نہ بنی ہو، دونوں کا ایک حکم ہے، ہاں اگر عذر ہو مثلاً عورت کے شیر خوار بچہ ہے اور باپ کے پاس اتنا نہیں کہ دایہ مقرر کرے یا دایہ دستیاب نہیں ہوتی اور حمل سے دودھ خشک ہو جائے گا اور بچہ کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے تو اس مجبوری سے حمل ساقط کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ اس کے اعضاء نہ بنے ہوں اور اس کی مدت ایک سو بیس دن ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع، ج ۹ ص ۷۰۸، ۷۰۹)

(بہار شریعت، جلد سوم، حصہ شانز دہم ص ۵۰۰۔ ۵۰۷، مکتبۃ المدینہ، دعوتِ اسلامی ۱۴۳۲ھ)

تنبیہ: کتاب الطب میں ایک سو اٹھارہ (۱۱۸) احادیث مرفوعہ ہیں جن میں سے اٹھارہ تعلیقات ہیں اور باقی احادیث موصولہ ہیں۔ ان میں پچاسی (۸۵) احادیث مکررہ ہیں اور خالص احادیث تینتیس (۳۳) ہیں۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین! یہاں پر کتاب الطب ختم ہو گئی اور اب ان شاء اللہ کتاب اللباس شروع ہوگی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۷۷۔ کِتَابُ اللِّبَاسِ

لباس کا بیان

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یعنی اس کتاب میں لباس کی اقسام اور احکام کو بیان کیا گیا ہے۔لباس کا معنی ہے: جن کپڑوں کو پہنا جائے۔علامہ ابن بطال نے اس کتاب کو''کتاب الاستیذان'' کے بعد ذکر کیا ہے اور اس کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج۲۱ ص۴۳۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۔باب:

قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی: قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ (الاعراف:۳۲)

وَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم كُلُوا وَاشْرَبُوا وَالْبَسُوا وَتَصَدَّقُوا فِی غَیْرِ إِسْرَافٍ وَلَا مَخِیلَةٍ۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: كُلْ مَا شِئْتَ وَالْبَسْ مَا شِئْتَ مَا أَخْطَأَتْكَ اثْنَتَانِ: سَرَفٌ أَوْ مَخِیلَةٌ۔

۱۔باب:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے نبی!) آپ کہیے: اللہ کی زینت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھاؤ اور پیو اور پہنو اور صدقہ کرو بغیر فضول خرچی اور تکبر کے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جو چاہے کھاؤ اور جو چاہے پہنو، جب تک کہ تم دو چیزوں سے بچتے رہو، فضول خرچی اور تکبر سے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

الاعراف: ۳۲ کی تفسیر

علامہ نسفی نے کہا ہے کہ یہ آیت ہر مباح چیز میں عام ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ طواف کرنے میں لباس کو کس نے حرام کیا ہے اور کس نے ان چیزوں کو حرام کیا ہے جن کو مشرکین نے از خود حرام کر لیا ہے مثلاً بحیرہ وغیرہا کو۔

اور الفراء نے کہا ہے کہ عرب کے قبیلے حج کے ایام میں گوشت نہیں کھاتے تھے اور برہنہ طواف کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔اسی طرح ابراہیم نخعی، سدی، زہری، قتادہ اور دوسروں سے روایت ہے کہ یہ آیت مشرکین کے طواف کے متعلق نازل ہوئی ہے، کیونکہ وہ بیت اللہ کا برہنہ طواف کرتے تھے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس کے بعد فرمایا ہے: ''وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ'' (الاعراف:۳۲) یعنی کھانے کی لذیذ چیزیں، اور ایک قول یہ ہے کہ رزقِ حلال کو کس نے حرام کیا۔

اس آیت کے بعد امام بخاری نے یہ حدیث ذکر کی ہے: کھاؤ اور پیؤ اور لباس پہنو اور صدقہ کرو بغیر فضول خرچی اور تکبر کے۔
یہ تعلیق فقط المستملی اور السرخسی کی روایت میں ہے، اور دوسروں نے اس تعلیق کو ذکر نہیں کیا۔ امام ابن ابی شیبہ نے اس تعلیق کی سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے از یزید بن ہارون، انہوں نے کہا: مجھے خبر دی ہمام نے از قتادہ از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود۔ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر یہ حدیث ذکر کی۔

اسراف اور مخیلۃ کا معنی

اس حدیث میں فرمایا ہے: ''من غیر اسراف'' اس کا تعلق مجموعہ کے ساتھ ہے، یعنی کھانے پینے اور لباس پہننے کے ساتھ ہے۔ اور اسراف کا معنی ہے: کسی چیز کو اس سے زیادہ خرچ کرنا جتنا خرچ کرنا چاہیے۔
نیز اس حدیث میں فرمایا: ''ولا مخیلۃ'' اس کا معنی ہے: تکبر، کیونکہ آپ نے فرمایا ہے: ''الکبر من الخیلاء'' اور علامہ ابن التین نے کہا: ''المخیلۃ'' مفعلۃ کے وزن پر ہے۔ جو تکبر کرتا ہے تو اس کے متعلق کہا جاتا ہے: ''اختال''۔

حدیث مذکور کا انسان کی مصلحتوں کے لیے جامع ہونا

الموفق عبد اللطیف البغدادی نے کہا: یہ حدیث انسان کی تدبیر کے فضائل کی جامع ہے۔ اس میں نفس کی مصلحتوں کی تدبیر ہے اور دنیا اور آخرت میں جسم کی مصلحت کی تدبیر ہے، کیونکہ ہر چیز میں فضول خرچی معیشت کو ضرر پہنچاتی ہے اور یہ ہلاکت تک لے جاتی ہے اور نفس کو ضرر پہنچاتی ہے، کیونکہ وہ اکثر احوال میں جسم کے تابع ہوتا ہے اور تکبر نفس کو اس وقت ضرر پہنچاتا ہے جب انسان خوشی سے اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے۔ اور آخرت میں ضرر پہنچاتا ہے، کیونکہ اس سے گناہ حاصل ہوتا ہے اور دنیا میں ضرر پہنچاتا ہے، کیونکہ تکبر کرنے سے لوگ اس سے ناراض ہوتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی شرح

اس کے بعد امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول ذکر کیا: جو چاہے کھاؤ اور جو چاہے پہنو جب تک کہ تم دو چیزوں سے بچتے رہو، فضول خرچی سے اور تکبر سے۔
اس تعلیق کی بھی امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔ اور اس کا معنی ہے: تم حلال چیزوں میں سے جو چاہو کھاؤ اور حلال کپڑوں میں سے جو چاہو پہنو، جب تک کہ تم دو خصلتوں سے تجاوز کرتے رہو۔
علامہ کرمانی نے کہا: یعنی جب تک کہ دو خصلتیں تم سے تجاوز کرتی رہیں۔ اور اخطأ کا معنی صواب سے تجاوز ہے یا ما نافیہ ہے، یعنی دو چیزیں تم کو خطا میں واقع نہ کریں اور خطا سے مراد گناہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۳۶۔۴۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۸۳۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ وَزَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ يُخْبِرُونَهُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا يَنْظُرُ اللهُ إِلَى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از نافع و عبد اللہ بن دینار و زید بن اسلم، یہ تینوں امام مالک کو خبر دیتے ہیں از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: اللہ عزوجل اس مرد کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرماتا جو اپنے کپڑے کو تکبر سے لٹکاتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۶۶۵، ۵۷۸۳، ۵۷۸۴، ۵۷۹۱، ۶۰۶۲، صحیح مسلم: ۲۰۸۵، سنن ترمذی: ۱۷۳۰، سنن نسائی: ۵۳۳۵، سنن ابوداؤد: ۴۰۸۵، سنن ابن ماجہ: ۳۵۷۱، مسند احمد: ۵۳۲۸)

صحیح البخاری: ۵۷۸۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سے پہلے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث تھی، اس میں بھی تکبر سے اجتناب کا حکم تھا اور اس سے پہلے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا اس میں بھی یہی فرمایا تھا کہ کھاؤ، پیو، پہنو اور صدقہ کرو اور اسراف اور تکبر نہ کرو۔ اور اب جو حدیث حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ذکر کی ہے، اس میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندہ کو نہیں دیکھتا جو اپنے کپڑے کو تکبر سے لٹکاتا ہے، سو یہ تینوں حدیثیں اس پر متفق ہیں کہ تکبر سے کپڑے کو پہننا اور تکبر سے کپڑے کو ٹخنے سے نیچے لٹکانا منع ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''من جر ثوبہ خیلاء'' یعنی جس نے اپنے کپڑے کو تکبر سے لٹکایا۔ کپڑے کے عموم میں تہبند، چادر، قمیص، شلوار، جبہ اور اچکن سب داخل ہیں، یعنی ہر وہ چیز جس پر کپڑے کا اطلاق ہوتا ہے۔ بلکہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ عمامہ بھی اس میں داخل ہے۔ امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے سالم بن عبد اللہ سے روایت کی ہے، وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپ نے فرمایا: کپڑے کو لٹکانا تہبند میں، قمیص میں اور عمامہ میں ہے، جس نے ان میں سے کسی چیز کو تکبر سے لٹکایا، اللہ عزوجل اس کی طرف قیامت کے دن نظر نہیں کرے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر نہیں کرے گا''۔ اس سے مراد ہے: اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظرِ رحمت نہیں کرے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ متکبر کی طرف غضب سے دیکھتا ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''خُیَلاءَ'' (خاء پر پیش اور یاء پر زبر) اس کا معنی ہے: تکبر اور اترانا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۳۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تکبر پر قرآن مجید اور حدیث صحیح میں وعید

علامہ موسیٰ شاہین لاشین لکھتے ہیں:

انسان کو تکبر نہیں کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ انسان کے تکبر کی مذمت کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۚ إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ۝ (بنی اسرائیل: ۳۷)

اور زمین میں اکڑتے ہوئے نہ چلو بے شک تم ہرگز زمین کو نہ چیر سکو گے اور نہ پہاڑوں کی بلندی تک پہنچ سکو گے ○

اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کو ایک حقیر بوند سے پیدا کیا، جو اگر کپڑے پر لگ جائے تو کپڑا نجس ہو جاتا ہے، وہ مسکین تھا اللہ تعالیٰ نے

اس کو عزت دے کر سر بلند کیا اور وہ مغرور ہو گیا، اس نے یہ گمان کیا کہ وہ تمام مخلوقات سے افضل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو علم سے ایک قطرہ عطا کیا تو اس نے گمان کیا کہ وہ سب سے بڑا عالم ہے، حالانکہ قرآن مجید میں وہ پڑھتا ہے:

وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ۝ (بنی اسرائیل:۸۵) اور تم کو جتنا علم دیا گیا ہے وہ تھوڑا ہے O

وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ۝ (یوسف:۷۶) اور ہر ہر تنا ہی علم والے کے اوپر (اس سے زیادہ) علم والا ہے O

انسان یہ بھول گیا کہ وہ جمادات اور اجرام فلکیہ کے مقابلہ میں ایک ذرہ سے بھی کم تر ہے اور اپنے جہل اور غرور کی وجہ سے وہ یہ سمجھتا ہے کہ جب وہ زمین پر چلے گا تو اپنے قدموں سے زمین کو پھاڑ ڈالے گا اور اپنا سر اس طرح بلند کرتا ہے گویا کہ وہ پہاڑوں سے بھی سر بلند ہے، اگر انسان اپنی ابتداء اور انتہاء پر غور کر لیتا کہ اس کی ابتداء بھی مٹی ہے اور انتہاء میں بھی وہ مٹی میں مل جائے گا تو وہ اپنے کپڑوں کو نہ گھسیٹتا اور اپنے قد سے بڑے کپڑے نہ سلواتا۔ (فتح المنعم ج۸ ص۳۳۹، دار الشروق، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا، ایک مرد نے کہا: بے شک مرد یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں، اس کی جوتی اچھی ہو، آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور وہ جمال کو پسند فرماتا ہے، تکبر حق (بات) کا انکار کرنا ہے اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔
(صحیح مسلم:۹۱، سنن ابوداؤد:۴۰۹۱، ۲۰۰۵، سنن ابن ماجہ:۴۱۷۱)

کپڑے کو لٹکانے کی ممانعت کی تفصیل از مصنف

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں کپڑے کو لٹکانے کی جو ممانعت ہے، وہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا رکھنے پر محمول ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تہبند نصف پنڈلیوں تک ہوتا تھا، تو افضل تو یہی ہے کہ سنت کے مطابق نصف پنڈلیوں تک تہبند یا شلوار یا پاجامہ کو رکھا جائے، تاہم ٹخنوں سے اوپر تک رکھنے کی رخصت ہے۔ اگر اتفاقاً کسی کا ازار یا کسی کی شلوار ٹخنوں سے نیچی ہو تو اس میں حرج نہیں ہے اور زینت کے قصد سے ٹخنوں سے نیچی رکھی جائے تو وہ مکروہ تنزیہی ہے اور تکبر کی نیت سے ٹخنوں سے نیچی رکھی جائے تو وہ مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر تہبند یا شلوار اتنی نیچی ہو کہ چلنے میں کپڑے کو گھسیٹ کر چلے تو یہ ہر حال میں مکروہ تحریمی ہے تکبر کی نیت ہو یا نہ ہو، کیونکہ اس میں اسراف ہے اور بغیر کسی صحیح وجہ کے کپڑے کو لمبا رکھنا ہے۔

۲- بَابُ: مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ مِنْ غَيْرِ خُيَلَاءَ جس نے اپنے تہبند کو بغیر تکبر کے لٹکایا یا گھسیٹا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس نے اپنے تہبند کو تکبر کی نیت کے بغیر کھینچا اس کا کیا حکم ہے؟ سو اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور نہ کوئی کراہت ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے دفع ضرر کے لیے تہبند کو نیچے لٹکایا تب بھی کوئی حرج نہیں ہے، مثلاً اس کے ٹخنوں کے نیچے زخم ہو یا خارش ہو یا اس طرح کی اور کوئی چیز ہو تو اگر وہ ٹخنوں سے نیچے کپڑے کو نہیں لٹکائے گا تو حشرات الارض اور مکھیاں وغیرہ اس کے زخم کے اوپر بیٹھیں گی اور اسے تکلیف ہوگی اور تہبند یا چادر یا لمبی قمیص کے علاوہ اسے اور کوئی چیز زخم کو ڈھانپنے

کے لیے نہ ملے اور یہ ایسا ہے جیسے علاج کے لیے شرم گاہ کو کھولنا جائز ہے۔ اور اس کے علاوہ جو رخصت کے اسباب مبیحہ ہیں۔
علامہ نووی نے کہا ہے کہ اگر تکبر نہ ہو اور پھر بھی بغیر ضرورت کے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکائے تو یہ مکروہ ہے، حرام نہیں ہے۔
اور امام شافعی رضی اللہ عنہ نے یہ تصریح کی ہے کہ تکبر کی نیت سے اور بغیر تکبر کے کپڑا لٹکانے میں فرق ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۳۷۔ ۴۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۷۸۴۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ أَبُو بَكْرٍ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أَحَدَ شِقَّيْ إِزَارِي يَسْتَرْخِي إِلَّا أَنْ أَتَعَاهَدَ ذَلِكَ مِنْهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَسْتَ مِمَّنْ يَصْنَعُهُ خُيَلَاءَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن عقبہ نے حدیث بیان کی از سالم بن عبد اللہ از والد خود رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ نے فرمایا: جس نے تکبر سے اپنے کپڑے کو گھسیٹا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بے شک میرے تہبند کی دو شقوں میں سے ایک شق لٹک جاتی ہے، سوا اس کے کہ میں خصوصیت سے اس کی حفاظت کروں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو ایسا تکبر کی نیت سے کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۶۶۵، ۵۷۸۳، ۵۷۸۴، ۵۷۹۱، ۶۰۶۲، صحیح مسلم: ۲۰۸۵، سنن ترمذی: ۱۷۳۰، سنن نسائی: ۵۳۳۵، سنن ابوداؤد: ۴۰۸۵، سنن ابن ماجہ: ۳۵۷۱، مسند احمد: ۵۳۲۸)

صحیح البخاری: ۵۷۸۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "جس نے اپنے کپڑے کو بغیر تکبر کی نیت کے لٹکایا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے تہبند کا ایک حصہ لٹک جاتا ہے، سوا اس کے کہ میں اس کا خصوصیت سے خیال رکھوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو تکبر سے ایسا کرتے ہیں۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں احمد بن یونس کا ذکر ہے، وہ احمد بن عبد اللہ بن یونس الیربوعی الکوفی ہیں اور وہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں۔
اور اس حدیث کی سند میں زُہیر کا ذکر ہے، زُہیر، زہر کی تصغیر ہے، یہ ابن معاویہ ابوخیثمہ ہیں۔ اور سالم کا ذکر ہے، وہ ابن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''ان احد شقی ازاری یسترخی'' یعنی میرے تہبند کا ایک حصہ لٹک جاتا ہے، چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہت دبلے اور کمزور تھے، اس لیے ایک جانب سے ان کا تہبند لٹک جاتا تھا سوا اس کے کہ وہ اس کا خصوصیت سے خیال رکھیں، پھر بھی غفلت سے وہ تہبند نیچے لٹک جاتا تھا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے''تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو تکبر سے ایسا کرتے ہیں''۔اس سے معلوم ہوا کہ جس کا تہبند اس کے قصد کے بغیر لٹک جائے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پس اگر تم یہ اعتراض کرو کہ امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ وہ ہر حال میں تہبند کے لٹکانے کو مکروہ قرار دیتے تھے۔اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خود اس باب کی حدیث کی روایت کی ہے، لہٰذا ان پر اس کا حکم مخفی نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج۲۱ ص۴۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۸۵۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى عَنْ يُونُسَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ وَنَحْنُ عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَامَ يَجُرُّ ثَوْبَهُ مُسْتَعْجِلًا حَتَّى أَتَى الْمَسْجِدَ وَثَابَ النَّاسُ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ فَجُلِّيَ عَنْهَا ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا وَقَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ فَإِذَا رَأَيْتُمْ مِنْهَا شَيْئًا فَصَلُّوا وَادْعُوا اللهَ حَتَّى يَكْشِفَهَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خبر دی عبدالاعلیٰ نے از یونس از الحسن از حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ سورج کو گہن لگ گیا اور ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت بیٹھے ہوئے تھے، آپ جلدی سے کھڑے ہوئے اپنے تہبند کو گھسیٹتے ہوئے حتیٰ کہ مسجد میں آئے، اور لوگ بھی جلدی آ گئے۔پس آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی، پس سورج کا گہن کھل گیا، پھر آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے فرمایا: بے شک سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، پس جب تم ان میں سے کوئی چیز دیکھو تو نماز پڑھو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو حتیٰ کہ سورج کا گہن کھل جائے۔

(صحیح البخاری: ۱۰۴۰، ۱۰۴۸، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۵۷۸۵، سنن نسائی: ۱۵۰۲، مسند احمد: ۱۹۸۷۷)

صحیح البخاری: ۵۷۸۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے''جس نے بغیر تکبر کے اپنے تہبند کو گھسیٹا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جلدی سے کھڑے ہوئے اپنے تہبند کو گھسیٹتے ہوئے۔اور ظاہر ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چادر کو گھسیٹنا بغیر تکبر کے تھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد، یہ امام بخاری کے شیخ ہیں اور امام بخاری نے ان کے نام کے ساتھ کوئی نسبت نہیں لکھی۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: وہ محمد بن یوسف البخاری البیکندی ہیں، کیونکہ وہ عبدالاعلیٰ سے روایت کرتے ہیں اور یہاں بھی محمد نے عبد الاعلیٰ سے روایت کی ہے۔ اور اسماعیلی نے روایت کی ہے از محمد بن المثنی از عبدالاعلیٰ۔ پس ہو سکتا ہے کہ مثنیٰ ان کے باپ ہوں اور عبدالاعلیٰ سے مراد ابن عبدالاعلیٰ السامی البصری ہوں۔ اور اس حدیث کی سند میں یونس کا ذکر ہے، وہ ابن عبید البصری ہیں۔ اور حسن کا ذکر ہے، وہ حسن بصری ہیں۔ اور ابوبکرہ کا ذکر ہے، ان کا نام نفیع بن الحارث الثقفی ہے۔

یہ حدیث ابواب الکسوف کی ابتداء میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی مکمل شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "مستعجلا" یعنی آپ جلدی سے کھڑے ہوئے، اس میں یہ دلیل ہے کہ تہبند کا گھسیٹنا جب تکبر کی وجہ سے نہ ہو تو جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "وثاب الناس" یعنی لوگ مسجد کی طرف لوٹے جب کہ پہلے مسجد سے نکل گئے تھے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "فجلی" یعنی سورج منکشف ہو گیا اور کھل گیا، یعنی اللہ تعالیٰ نے سورج کو کھول دیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۔ بَابُ: التَّشْمِيرِ فِي الثِّيَابِ — کپڑے کو اوپر اٹھانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کپڑے کو اوپر اٹھانا جائز ہے اور اس حدیث کے عنوان میں "التشمیر فی الثیاب" لکھا ہے یعنی کپڑے کو اوپر اٹھانا، اور مراد یہ ہے کہ تہبند کو اوپر اٹھانا، یعنی کپڑے کے نچلے حصہ کو اوپر اٹھانا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۸۶۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا ابْنُ شُمَيْلٍ أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ أَبِي زَائِدَةَ أَخْبَرَنَا عَوْنُ بْنُ أَبِي جُحَيْفَةَ عَنْ أَبِيهِ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ فَرَأَيْتُ بِلَالًا جَاءَ بِعَنَزَةٍ فَرَكَزَهَا ثُمَّ أَقَامَ الصَّلَاةَ فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ خَرَجَ فِي حُلَّةٍ مُشَمِّرًا فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ إِلَى الْعَنَزَةِ وَرَأَيْتُ النَّاسَ وَالدَّوَابَّ يَمُرُّونَ بَيْنَ يَدَيْهِ مِنْ وَرَاءِ الْعَنَزَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن شمیل نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن ابی زائدہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عون بن ابی جحیفہ نے خبر دی از والد خود حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا، وہ نیزہ لے کر آئے اور اس کو گاڑ دیا، پھر نماز کی اقامت کہی، پس میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ حلہ اوپر اٹھائے ہوئے نکلے، پس آپ

نے نیزہ کی طرف دو رکعتیں پڑھیں اور میں نے دیکھا کہ لوگ اور سواریاں آپ کے آگے سے گزر رہی تھیں نیزہ کے پیچھے سے۔

(صحیح البخاری: ۱۸۷، ۳۷۶، ۴۹۵، ۴۹۹، ۵۰۱، ۶۳۳، ۶۳۴، ۳۵۵۳، ۳۵۶۶، ۵۷۸۶، ۵۸۵۹، صحیح مسلم: ۵۰۳، سنن نسائی: ۴۷۰، سنن ابو داؤد: ۶۸۸، مسند احمد: ۱۸۲۶۸، سنن دارمی: ۱۴۰۹)

صحیح البخاری: ۵۷۸۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''کپڑے کو اوپر اٹھانا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حُلّہ کو اوپر اٹھائے ہوئے نکلے۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق، یہ امام بخاری کے شیخ ہیں۔ علامہ کرمانی نے کہا: یہ یا تو ابراہیم ہیں یا ابن منصور ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ابن ابراہیم وہ ابن راہویہ ہیں اور ابن منصور، وہ ابراہیم بن منصور بن کوثر المروزی ہیں۔

بعض شارحین نے کہا: وہ ابن راہویہ ہیں۔ اور ابو نعیم نے المستخرج میں اس پر بہت وثوق کیا۔ میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ یہ ابن راہویہ ہیں۔

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن شمیل، یہ شمل کی تصغیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن ابی زائدہ، اور یہ زکریا بن ابی زائدہ الہمدانی الکوفی کے بھائی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو جحیفہ کا ذکر ہے، ان کا نام عبد اللہ بن سوائی ہے، یہ صغار صحابہ میں سے ہیں، کہا گیا ہے: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، اس وقت تک یہ بالغ نہیں ہوئے تھے اور یہ کوفہ میں رہے ہیں۔

یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ میں اس باب ''سترۃ الامام سترۃ لمن خلفہ'' میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''عنزۃ'' کا ذکر ہے، عنزہ کا معنی ہے: ''نیزہ'' اور یہ عصا سے لمبا ہوتا ہے اور اس کے پچھلے سرے میں لوہا لگا ہوتا ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''حُلّۃ'' حُلّۃ کا معنی ہے: ازار اور تہبند، اور کوئی چیز حلہ نہیں ہوتی جب تک کہ وہ دو کپڑے نہ ہوں، اور اس کی جمع حُلل ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں تہبند کو اوپر اٹھانا مباح ہے، اور کام کاج کے وقت اور ضرورت کے وقت بھی تہبند کو اوپر اٹھانا مباح ہے اور یہ تواضع سے ہے اور تکبر اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی نفی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۔ بَابٌ: مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ فَهُوَ فِي النَّارِ

جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہو وہ دوزخ میں ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہو، وہ دوزخ میں ہے۔ اور حدیث میں اس طرح نہیں ہے بلکہ حدیث میں اس طرح سے ہے: تہبند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو، وہ دوزخ میں ہے اور امام بخاری نے عنوان میں صرف جز ثانی پر اقتصار کیا ہے اور اس کو مطلق رکھا ہے اور تہبند کے ساتھ مقید نہیں کیا تا کہ عموم رہے، خواہ قمیص ٹخنوں کے نیچے ہو یا تہبند ٹخنوں کے نیچے ہو یا کوئی اور کپڑا ٹخنوں کے نیچے ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۸۷۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فَفِي النَّارِ۔

(سنن نسائی: ۵۳۳۱، مسند احمد: ۹۶۱۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن ابی سعید المقبری نے حدیث بیان کی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: تہبند کا جو حصہ ٹخنوں کے نیچے ہو، وہ دوزخ میں ہے۔

صحیح البخاری: ۵۷۸۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ جو کپڑا ٹخنوں کے نیچے ہے وہ دوزخ میں ہوگا تو کپڑے کا کیا گناہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کپڑے سے مراد کپڑا پہننے والا ہے اور کپڑے کو پہننے والے کے بدن سے کنایہ کیا ہے۔

اور اس حدیث میں یہ قید لگانا ضروری ہے کہ جس نے تکبر کی نیت سے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکایا، وہ دوزخ میں ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۔ باب: مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ مِنَ الْخُيَلَاءِ

جس نے اپنے کپڑے کو تکبر کی وجہ سے گھسیٹا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس نے اپنے کپڑے کو تکبر کی وجہ سے گھسیٹا اس کا کیا حکم ہے اور اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ ''من الخیلاء'' میں مِن تعلیل اور سببیت کے لیے ہے۔

۵۷۸۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا يَنْظُرُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ بَطَرًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت

(صحیح مسلم:۲۰۸۷، مسند احمد:۸۷۷۸)

کے دن اس کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا جس نے اپنے تہبند کو تکبر سے گھسیٹا۔

صحیح البخاری:۵۷۸۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالزناد، ان کا نام ہے عبداللہ بن ذکوان۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے''الاعرج'' یہ عبدالرحمٰن بن ہرمز ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

عورتوں کو دو بالشت تک کپڑا لٹکانے کی اجازت

اس حدیث میں مذکور ہے''من جر ازارہ'' یعنی جس نے اپنے تہبند کو گھسیٹا۔ اس حدیث میں لفظِ''مَن'' اس وعید میں مردوں اور عورتوں دونوں کو اس فعلِ مخصوص پر شامل ہے، کیونکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا تھا کہ عورتیں اپنے لمبے دامن کو کس طرح کریں؟ جیسا کہ امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیث روایت کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے کپڑے کو تکبر سے گھسیٹا، اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا، تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: پھر عورتیں اپنے لمبے دامنوں کے ساتھ کیا کریں؟ آپ نے فرمایا: ایک بالشت لٹکالیں۔ تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: پھر ان کے پیر کھل جائیں گے، تو آپ نے فرمایا: ان کو ایک ذراع لٹکالیں اور اس سے زیادہ نہ کریں۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے اور اس حدیث میں عورتوں کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنے تہبند کو گھسیٹ لیں، کیونکہ یہ ان کے لیے زیادہ ستر کا سبب ہے۔

ہمارے شیخ زین الدین رحمہ اللہ نے کہا ہے: ظاہر یہ ہے کہ ذراع سے مراد ہاتھ کا ذراع ہے اور وہ دو بالشت ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امہات المومنین کو ایک بالشت کپڑا لٹکانے کی اجازت دی، پھر انہوں نے اس میں اضافہ طلب کیا تو آپ نے ایک بالشت کا اور اضافہ کیا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے''بطرا'' اس کا معنی ہے: طغیاناً و تکبرًا، یعنی جو سرکشی اور تکبر سے کپڑے کو گھسیٹے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۸۹۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَوْ قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي فِي حُلَّةٍ تُعْجِبُهُ نَفْسُهُ مُرَجِّلٌ جُمَّتَهُ إِذْ خَسَفَ اللّٰهُ بِهِ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن زیاد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا انہوں نے کہا: ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(صحیح مسلم: ۲۰۸۸، مسند احمد: ۸۸۲۲، سنن دارمی: ۴۳۷)

ایک زمانہ میں ایک مرد ایسا حُلّہ پہنے ہوئے اتراتا ہوا جارہا تھا جو اس کے دل کو بہت اچھا لگ رہا تھا، اس نے اپنے بالوں میں کنگھی کی ہوئی تھی اور اپنے بالوں کے گچھے کو سنوارا ہوا تھا، اچانک اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسادیا، پس وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔

صحیح البخاری: ۵۷۸۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''جس نے اپنے کپڑے کو تکبر سے گھسیٹا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک شخص ایسا حُلّہ پہنے ہوئے اتراتا ہوا جارہا تھا جو اس کے دل کو بہت اچھا لگ رہا تھا، اور اس میں بھی تکبر سے کپڑے کو گھسیٹنے کا معنی ہے۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

علامہ کرمانی نے کہا ہے: ہوسکتا ہے یہ مرد اس امت سے ہو اور عنقریب بعد میں یہ واقعہ ہوگا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ مرد گزشتہ امتوں میں سے ہو، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ہو چکا ہے اس کی خبر دی ہو، ایک قول یہ ہے کہ وہ قارون تھا، اور علامہ سہیلی نے کہا ہے کہ اس کا نام ہیزن تھا، اور علامہ الکلاباذی نے اور علامہ الجوہری نے وثوق سے کہا ہے کہ وہ قارون تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وہ مرد حُلّہ پہنے ہوئے جارہا تھا'' یعنی دو چادروں کا جوڑا پہنے ہوئے جارہا تھا۔ صحیح مسلم میں ہے: ایک مرد دو چادروں کا جوڑا پہنے ہوئے جارہا تھا جو اس کو اچھی لگ رہی تھیں اور وہ اِترا رہا تھا، اچانک زمین نے اس کو دھنسالیا، پس وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔ اور اعرج نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور حدیث روایت کی ہے، اس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا: کہ ایک زمانہ میں ایک مرد ناز و نخرے سے اپنی دو چادروں کے درمیان چل رہا تھا جو اس کے دل کو اچھی لگ رہی تھیں۔ الحدیث۔ اور حُلّہ کا معنی دو چادریں ہیں جس کو ہم نے عنقریب ذکر کیا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''مُرَجِّل'' یہ ترجیل سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: سر کے بالوں کو سنوارنا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''جُمَّتَهٗ'' میم پر تشدید ہے، یہ سر کے بالوں کا مجموعہ ہے جو الوَفرۃ سے بڑا ہوتا ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ وہ بال ہیں جو سر سے لے کر کندھے تک لٹکتے ہیں یا اس سے بھی نیچے تک لٹکتے ہیں۔ اور جو سر کے بال کانوں سے متجاوز نہ ہوں، ان کو الوَفرۃ کہتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یتجلجل'' یہ تجلجل سے ماخوذ ہے، اس کے معنی ہیں: حرکت کرنا۔ اس کا معنی ہے وہ حرکت کرتا رہے گا اور اضطراب سے نیچے کی جانب جائے گا، اور قاضی عیاض نے روایت کی ہے ''یتجلل'' اس کا معنی ہے: ڈھانپنا، یعنی زمین

اس کو ڈھانپ لے گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اپنے لباس پر اترانے والے کو زمین میں دھنسا دیا گیا، اس پر اشکال کا جواب از مصنف

اس حدیث پر بہ ظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ کسی آدمی کا اپنے لباس یا اپنے جوڑے کو پسند کر کے خوش ہونا کیا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کی سزا میں اس کو زمین میں دھنسا دیا جائے اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک علی الاطلاق ہے اور تمام مخلوق اس کی مملوک ہے، وہ اپنی مخلوق میں جو چاہے کرے، اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾ (الانبیاء: ۲۳) اس سے ان کاموں کا سوال نہیں کیا جائے گا جو وہ کرتا ہے، اور ان سب سے باز پرس کی جائے گی ○

اس لیے اگر اللہ تعالیٰ کسی چھوٹے سے جرم پر بڑی سے بڑی سزا دے تو وہ مالک ہے، اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے، وہ اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ بندہ کو چاہیے کہ جب اس کو کوئی نعمت ملے اور وہ اس نعمت پر خوش ہو تو وہ اس نعمت کو اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور احسان سمجھے اور اس کا شکر ادا کرے۔ اور اگر وہ اس نعمت کو اپنا استحقاق سمجھے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کرے تو پھر وہ عذاب کا مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ﴿۷﴾ (ابراہیم: ۷) اگر تم نے شکر کیا تو میں ضرور تم کو زیادہ (نعمت) دوں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو بے شک میرا عذاب ضرور سخت ہے ○

اور تیسرا جواب یہ ہے کہ وہ شخص کافر تھا، جیسا کہ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ وہ شخص قارون تھا تو اس کو اتنی سخت سزا دی گئی وہ اس کے کفر کی وجہ سے تھی اور اس کفر کے ساتھ ناشکری کا عذاب بھی شامل ہو گیا۔

۵۷۹۰- حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ بَيْنَا رَجُلٌ يَجُرُّ إِزَارَهُ إِذْ خُسِفَ بِهِ فَهُوَ يَتَجَلَّلُ فِي الْأَرْضِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ تَابَعَهُ يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَلَمْ يَرْفَعْهُ شُعَيْبٌ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ أَخْبَرَنَا أَبِي عَنْ عَمِّهِ جَرِيرِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَلَى بَابِ دَارِهِ فَقَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ نَحْوَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے لیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عبد الرحمٰن بن خالد نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از سالم بن عبد اللہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے ان کے والد نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی زمین پر اپنی ازار کو گھسیٹتا ہوا جا رہا تھا کہ وہ دھنسا دیا گیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا ہی جائے گا، ان کی متابعت یونس نے کی از الزہری، اور شعیب نے اسے ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت نہیں کیا، امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہب بن جریر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد

نے خبر دی از عم خود جریر بن زید، انہوں نے بیان کیا کہ میں سالم بن عبد اللہ بن عمر کے ساتھ ان کے گھر کے دروازہ پر تھا، تو انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے، انہوں نے بیان کیا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی حدیث کی مثل سنی ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۴۸۵، ۵۷۹۰، سنن الترمذی: ۲۴۹۱، سنن نسائی: ۵۳۲۶، مسند احمد: ۵۳۱۸)

صحیح البخاری: ۵۷۹۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وہب بن جریر اس حدیث کی روایت کرتے ہیں اپنے والد جریر بن حازم بن زید الازدی سے از عم خود جریر بن زید ابی سلمہ البصری، اور امام بخاری نے ان کی صرف یہی حدیث روایت کی ہے۔

اور جریر بن زید کی روایت کی صحت پر دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اپنی روایت میں کہا ہے کہ میں سالم کے ساتھ ان کے گھر کے دروازہ پر تھا تو انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے، یہ اس بات پر قوی قرینہ ہے کہ سالم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سن کر اس کو یاد رکھا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۹۱۔ حَدَّثَنَا مَطَرُ بْنُ الْفَضْلِ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ لَقِيتُ مُحَارِبَ بْنَ دِثَارٍ عَلَى فَرَسٍ وَهُوَ يَأْتِي مَكَانَهُ الَّذِي يَقْضِي فِيهِ فَسَأَلْتُهُ عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ فَحَدَّثَنِي فَقَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضی اللہ عنہما يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ مَخِيلَةً لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقُلْتُ لِمُحَارِبٍ أَذَكَرَ إِزَارَهُ قَالَ مَا خَصَّ إِزَارًا وَلَا قَمِيصًا تَابَعَهُ جَبَلَةُ بْنُ سُحَيْمٍ وَزَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ وَزَيْدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَقَالَ اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مِثْلَهُ وَتَابَعَهُ مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ وَعُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ وَقُدَامَةُ بْنُ مُوسَى عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مطر بن الفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شبابہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں محارب بن دثار سے ملا، وہ ایک گھوڑے پر سوار تھے اور وہ اپنے اس مکان پر جا رہے تھے جس میں وہ مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے، میں نے ان سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے مجھے حدیث بیان کی، پس کہا: میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا ہے، وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے کپڑے کو تکبر سے گھسیٹا، اللہ عزوجل قیامت کے دن اس کی طرف نظر (رحمت) سے نہیں دیکھے گا۔ میں نے محارب سے پوچھا: کیا انہوں نے تہبند کا ذکر کیا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ نہ انہوں نے تہبند کی تخصیص کی اور نہ قمیص کی۔ محارب بن دثار کی متابعت جبلہ بن سحیم اور زید بن اسلم اور زید بن عبد اللہ نے کی ہے از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور اللیث نے بیان کیا از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اسی کی مثل۔
اور نافع کی متابعت موسیٰ بن عقبہ اور عمر بن محمد اور قدامہ بن موسیٰ نے کی ہے از سالم از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جس نے اپنے کپڑے کو تکبر سے گھسیٹا۔

(صحیح البخاری:۳۶۶۵، ۵۷۸۳، ۵۷۸۴، ۵۷۹۱، ۶۰۶۲، صحیح مسلم:۲۰۸۵، سنن ترمذی:۱۷۳۰، سنن نسائی:۵۳۳۵، سنن ابوداؤد:۴۰۸۵، سنن ابن ماجہ:۳۵۷۱، مسند احمد:۵۳۲۸)

صحیح البخاری:۵۷۹۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''مخیلہ'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: تکبر اور عجب یعنی اترانا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''میں نے محارب سے پوچھا: کیا انہوں نے تہبند کا ذکر کیا تھا؟'' یہ کہنے والے شعبہ ہیں، انہوں نے محارب بن دثار سے سوال کیا تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی حدیث میں تہبند کا ذکر کیا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نہ تہبند کی تخصیص کی تھی اور نہ قمیص کی، خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے کپڑے کا ذکر کیا تھا اور کپڑا تہبند اور قمیص وغیرہ سب کو شامل ہے۔ (عمدۃ القاری ج۲۱ ص ۴۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۔ بَابُ: الْإِزَارِ الْمُهَدَّبِ

جھالر یا پھندنے والے تہبند کو پہننا

وَيُذْكَرُ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَأَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَحَمْزَةَ بْنِ أَبِي أُسَيْدٍ وَمُعَاوِيَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ أَنَّهُمْ لَبِسُوا ثِيَابًا مُهَدَّبَةً۔

زہری، ابوبکر بن محمد، حمزہ بن ابی اسید اور معاویہ بن عبداللہ بن جعفر سے نقل کیا جاتا ہے کہ انہوں نے جھالر والے یا پھندنے والے تہبند کو پہنا ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کسی تہبند کا پھندنا یا جھالر ہو، اس کو پہننے کا کیا حکم ہے؟ اور مُھدب کا معنی ہے: ایسا ازار جس کی جھالر ہو یا پھندنا ہو، اور یہ عموماً تزئین کے لیے کیا جاتا ہے۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ کپڑے کی طرف میں جو دھاگے نکلے ہوئے ہوتے ہیں، اس کو جھالر کہتے ہیں۔

اس باب کی تعلیق کی شرح

اس تعلیق میں الزہری کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم بن شہاب زہری ہیں۔ اور ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری کا ذکر ہے، یہ مدینہ کے قاضی ہیں۔ اور حمزہ بن ابی اُسید کا ذکر ہے، یہ الانصاری الساعدی ہیں۔ اور معاویہ بن عبداللہ بن جعفر کا ذکر ہے، یہ ابن ابی

طالب المدنی التابعی ہیں۔

اور امام ابوداؤد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک چادر پہن کر اکڑوں بیٹھے ہوئے تھے اور اس چادر کا پلو آپ کے قدموں پر تھا، اور اس حدیث میں ہے کہ تم اپنے آپ کو چادر کے لٹکانے سے بچاؤ، کیونکہ چادر کا لٹکانا تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۹۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ رضی اللہ عنها زَوْجَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَتْ جَاءَتْ امْرَأَةُ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَنَا جَالِسَةٌ وَعِنْدَهُ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي كُنْتُ تَحْتَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَنِي فَبَتَّ طَلَاقِي فَتَزَوَّجْتُ بَعْدَهُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الزُّبَيْرِ وَإِنَّهُ وَاللهِ مَا مَعَهُ يَا رَسُولَ اللهِ إِلَّا مِثْلُ هٰذِهِ الْهُدْبَةِ وَأَخَذَتْ هُدْبَةً مِنْ جِلْبَابِهَا فَسَمِعَ خَالِدُ بْنُ سَعِيدٍ قَوْلَهَا وَهُوَ بِالْبَابِ لَمْ يُؤْذَنْ لَهُ قَالَتْ فَقَالَ خَالِدٌ يَا أَبَا بَكْرٍ أَلَا تَنْهٰى هٰذِهِ عَمَّا تَجْهَرُ بِهِ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَا وَاللهِ مَا يَزِيدُ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى التَّبَسُّمِ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَعَلَّكِ تُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلٰى رِفَاعَةَ لَا حَتّٰى يَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ وَتَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ فَصَارَ سُنَّةً بَعْدَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ نے بتایا کہ حضرت رفاعہ القرظی کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور میں بیٹھی ہوئی تھی اور آپ کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، اس عورت نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں رفاعہ کے نکاح میں تھی، انہوں نے مجھے طلاق دے دی اور مغلظ طلاق دے دی، پھر میں نے ان کے بعد عبدالرحمٰن بن الزبیر سے نکاح کرلیا اور بے شک اللہ کی قسم! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان کے ساتھ تو اتنا ہے جتنا یہ پھندنا ہے اور انہوں نے اپنی چادر سے پلو (یا پھندنا) بنایا، حضرت خالد بن سعید دروازہ پر تھے، انہوں نے اس عورت کی بات سنی، انہیں اندر آنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: پس خالد نے کہا: اے ابوبکر! کیا آپ اس عورت کو نہیں روکتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند آواز سے ایسی باتیں کررہی ہے؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہیں دیا اور اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تبسم زیادہ ہورہا تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا: شاید تم رفاعہ کے پاس واپس جانا چاہتی ہو؟ نہیں! حتیٰ کہ وہ (عبدالرحمٰن بن الزبیر) تمہارا تھوڑا سا شہد چکھ لے اور تم تھوڑا سا اس کا شہد چکھ لو۔ پھر اس کے بعد یہ سنت ہوگئی۔

(صحیح البخاری: ۲۶۳۹، ۵۲۶۰، ۵۲۶۱، ۵۲۶۵، ۵۳۱۷، ۵۷۹۲، ۵۸۲۵، ۶۰۸۴، صحیح مسلم: ۱۴۳۳، سنن ترمذی: ۱۱۱۸، سنن نسائی: ۳۲۸۳، سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۲، مسند احمد: ۲۳۵۷۸، سنن دارمی: ۲۲۶۷)

صحیح البخاری: ۵۷۹۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے''جھالر یا پھندنے والا تہبند'' اور اس حدیث میں ذکر ہے: اس عورت نے بتایا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر کے پاس تو بس اتنا ہے جتنا یہ پھندنا ہے۔

یہ حدیث کتاب الطلاق میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''لا'' یعنی تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم رفاعہ کے پاس واپس جاؤ حتیٰ کہ عبدالرحمٰن تمہارا تھوڑا سا شہد چکھ لیں اور تھوڑا سا شہد چکھنے سے بطور کنایہ جماع کی لذت مراد ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''پھر بعد میں یہ سنت ہو گیا'' یہ زہری کا قول ہے، یعنی بعد میں یہ طریقہ مقرر ہو گیا کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں، وہ پہلے خاوند کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک کہ دوسرا خاوند اس کے ساتھ جماع نہ کر لے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۴۵۔۴۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۔ بَابُ: الْأَرْدِيَةِ
چادروں کا بیان

وَقَالَ أَنَسٌ جَبَذَ أَعْرَابِيٌّ رِدَاءَ النَّبِيِّ ﷺ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک اعرابی نے نبی ﷺ کی چادر کھینچی۔

اس باب میں''اردیۃ'' کا ذکر ہے، اردیۃ، رداء کی جمع ہے اور رداء کا معنی ہے چادر، جو کندھے پر رکھی جاتی ہے یا جو کپڑا دو کندھوں کے درمیان رکھا جاتا ہے خواہ کسی طریقہ سے رکھا جائے۔

علامہ عینی نے اس باب کی تعلیق کی شرح میں لکھا ہے: یہ تعلیق ایک حدیث کی طرف ہے جس کی امام بخاری نے''باب البرود والحبرۃ'' میں روایت کی ہے اور یہ حدیث نو ابواب کے بعد آئے گی۔ اس تعلیق میں''جَبَذَ'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: کھینچا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۹۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ أَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَلِيًّا ﷺ قَالَ فَدَعَا النَّبِيُّ ﷺ بِرِدَائِهِ ثُمَّ انْطَلَقَ يَمْشِي وَاتَّبَعْتُهُ أَنَا وَزَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ حَتَّى جَاءَ الْبَيْتَ الَّذِي فِيهِ حَمْزَةُ فَاسْتَأْذَنَ فَأَذِنُوا لَهُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے علی بن حسین نے خبر دی کہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، پس نبی ﷺ نے اپنی چادر منگوائی، پھر آپ پیدل جا رہے تھے اور میں اور زید بن حارثہ

آپ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے، حتیٰ کہ وہ گھر آگیا جس میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تھے، پس آپ نے اجازت طلب کی تو انہوں نے آپ کو اجازت دے دی۔

(صحیح البخاری: ۲۰۸۹، ۲۳۷۵، ۳۰۹۱، ۴۰۰۳، ۵۷۹۳ صحیح مسلم: ۱۹۷۹، سنن ابوداؤد: ۲۹۸۶، مسند احمد: ۱۲۰۴)

صحیح البخاری: ۵۷۹۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''چادریں'' اور اس حدیث میں مذکور ہے ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر منگوائی۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدان، یہ عبداللہ بن عثمان کا لقب ہے۔ اور اس میں مذکور ہے عبداللہ، یہ ابن المبارک ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یونس کا ذکر ہے، یہ ابن زید ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

یہ حدیث پوری تفصیل سے ''باب فرض الخمس'' میں گذر چکی ہے، اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ غزوۂ بدر کے مالِ غنیمت میں سے ان کو ایک جوان اونٹنی ملی تھی اور ایک جوان اونٹنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے ان کو عطا فرمادی تھی، ان کا منصوبہ تھا کہ ان دو اونٹنیوں پر اذخر گھاس کو لاد کر فروخت کریں گے اور اس کی آمدنی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنا ولیمہ کریں گے، اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شراب کے نشہ میں تھے اور اسی نشہ میں انہوں نے ان اونٹنیوں کو مار کے ان کی کلیجیاں نکال لیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چادر اوڑھ کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کے پاس بات کرنے گئے، الحدیث۔۔۔۔

اس حدیث میں ''حمزۃ'' کا ذکر ہے، وہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہیں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''فاذنوا لهم'' یعنی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آنے کی اجازت دے دی۔

امام بخاری کا مقصود صرف اتنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر اوڑھی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۴۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۸۔ بَابُ: لُبْسِ الْقَمِيصِ

قمیص پہننے کا بیان

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى حِكَايَةً عَنْ يُوسُفَ: إِذْهَبُوا بِقَمِيصِي

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے حضرت یوسف کا قول نقل کرتے ہوئے:

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا۔ (یوسف: ۹۳) ''میری اس قمیص کو لے کر جاؤ اور اس کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو تو ان کی آنکھیں دیکھنے لگیں گی۔

یعنی یہ باب قمیص پہننے کے بیان میں ہے، امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ قمیص پہننا کوئی نئی چیز نہیں ہے، اگر چہ عرب میں چادر اور تہبند کا رواج ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کریمہ کا ذکر کیا ہے، یہ اشارہ کرنے کے لیے کہ قمیص پہننا قدیم ہے۔ اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ قمیص پہننا امر قدیم سے ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۹۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ الْقَمِيصَ وَلَا السَّرَاوِيلَ وَلَا الْبُرْنُسَ وَلَا الْخُفَّيْنِ إِلَّا أَنْ لَا يَجِدَ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسْ مَا هُوَ أَسْفَلُ مِنَ الْكَعْبَيْنِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از ایوب از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں: ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! محرم کپڑوں میں سے کیا پہنے؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا: محرم قمیص نہ پہنے اور شلوار نہ پہنے اور ٹوپی نہ پہنے اور موزے نہ پہنے، سوا اس صورت کے کہ اس کے جوتے نہ ملیں تو موزے پہن لے اور ان کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دے۔

(صحیح البخاری: ۱۳۴، ۳۶۶، ۱۵۴۲، ۱۸۳۸، ۱۸۴۲، ۵۷۹۴، ۵۸۰۳، ۵۸۰۵، ۵۸۰۶، ۵۸۴۷، ۵۸۵۲، صحیح مسلم: ۱۱۷۷، سنن ترمذی: ۸۳۳، سنن نسائی: ۲۶۶۷، سنن ابن ماجہ: ۲۹۲۹، مسند احمد: ۴۵۲۴، موطا امام مالک: ۷۱۶، سنن دارمی: ۱۷۹۸)

صحیح البخاری: ۵۷۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''قمیص پہننا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے ''محرم قمیص نہ پہنے''۔ بہر حال اس حدیث میں قمیص کا ذکر آ گیا، اس وجہ سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حماد کا ذکر ہے، یہ ابن زید ہیں اور ایوب کا ذکر ہے، یہ السختیانی ہیں۔

یہ حدیث کتاب العلم کے اندر اس باب میں گزر چکی ہے ''باب من اجاب السائل باکثر مما سألہ'' اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۹۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُثْمَانَ أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رضی الله

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عیینہ نے

عنهما قَالَ أَتَى النَّبِيُّ ﷺ عَبْدَ اللهِ بْنَ أُبَيٍّ بَعْدَ مَا أُدْخِلَ قَبْرَهُ فَأَمَرَ بِهِ فَأُخْرِجَ وَوُضِعَ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَنَفَثَ عَلَيْهِ مِنْ رِيقِهِ وَأَلْبَسَهُ قَمِيصَهُ وَاللهُ أَعْلَمُ

خبر دی از عمرو اور انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ عبد اللہ بن ابی کے پاس آئے، جب کہ اس کو قبر میں داخل کیا جا چکا تھا۔ پھر آپ کے حکم سے اس کو قبر سے نکالا گیا اور اس کو آپ کے گھٹنوں پر رکھ دیا گیا، تو آپ نے اس کے او پر اپنا لعابِ دہن ڈالا اور اس کو اپنی قمیص پہنائی۔ واللہ اعلم

(صحیح البخاری: ۱۲۷۰، ۱۳۵۰، ۳۰۰۸، ۵۷۹۵ صحیح مسلم: ۲۷۷۳، سنن نسائی: ۲۰۱۹، مسند احمد: ۱۴۵۶۸)

صحیح البخاری: ۵۷۹۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''قمیص پہننا'' اور اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن ابی کو اپنی قمیص پہنائی اور اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبد اللہ بن محمد کا ذکر ہے، وہ المسندی ہیں۔ اور ابن عیینہ کا ذکر ہے، وہ سفیان بن عیینہ ہیں۔ اور عمرو کا ذکر ہے، وہ عمرو بن دینار ہیں۔

یہ مکمل حدیث کتاب الجنائز میں اس باب ''هل يخرج الميت من القبر'' میں گزر چکی ہے۔ اور اس کی شرح وہاں ہو چکی ہے۔ اور عبد اللہ بن ابی ابن سلول منافق تھا، اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ نبی ﷺ نے جو اس کو لعابِ دہن عطا کیا اور اپنی قمیص پہنائی، اس میں آپ کی کیا حکمت تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

عبد اللہ بن ابی کو قمیص عطا فرمانے کی حکمتیں

میں کہتا ہوں کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ عبد اللہ بن ابی کا بیٹا حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی خالص مسلمان تھا اور وہ معزز صحابی تھے اور انہوں نے نبی ﷺ سے اپنے باپ کے لیے یہ سوال کیا تھا کہ آپ اپنی قمیص عطا فرمائیں تو رسول اللہ ﷺ نے اس صحابی کی دلجوئی کے لیے قمیص عطا فرمائی، یا اس لئے کہ غزوۂ بدر میں حضرت عباس جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے، قید تھے اور ان کا لمبا قد تھا، کسی کی قمیص ان پر پوری نہیں آ رہی تھی، تو عبد اللہ بن ابی نے اپنی قمیص دی تھی، تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے عم محترم پر اس کے احسان کا بدلہ اتارنے کے لیے اس کو قمیص عطا فرمائی۔ نیز امام ابو جعفر طبری نے روایت کی ہے کہ میری قمیص اور میرا لعابِ دہن اس سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کر سکتا، میں نے تو اپنا لعابِ دہن اور اپنی قمیص اس کو اس لیے عطا کی ہے تاکہ میرے اس حسنِ سلوک کو دیکھ کر اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے آئیں، سو اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے آئے۔ (سعیدی غفرلہ)

٥٧٩٦ـ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ قَالَ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أُبَيٍّ جَاءَ ابْنُهُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَعْطِنِي قَمِيصَكَ أُكَفِّنْهُ فِيهِ وَصَلِّ عَلَيْهِ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ فَأَعْطَاهُ قَمِيصَهُ وَقَالَ إِذَا فَرَغْتَ مِنْهُ فَآذِنَّا فَلَمَّا فَرَغَ آذَنَهُ بِهِ فَجَاءَ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَجَذَبَهُ عُمَرُ فَقَالَ أَلَيْسَ قَدْ نَهَاكَ اللَّهُ أَنْ تُصَلِّيَ عَلَى الْمُنَافِقِينَ فَقَالَ ﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾ (التوبہ:٨٠) فَنَزَلَتْ ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ﴾ (التوبہ: ٨٤) فَتَرَكَ الصَّلَاةَ عَلَيْهِمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں صدقہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے خبر دی از عبید اللہ، انہوں نے کہا: مجھے خبر دی نافع نے از عبد اللہ، انہوں نے کہا: جب عبد اللہ بن ابی فوت ہو گیا تو اس کا بیٹا رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اس نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اپنی قمیص عطا کیجئے، میں قمیص میں عبد اللہ بن ابی کو کفن دوں گا اور اس پر نمازِ جنازہ پڑھیے اور اس کے لیے استغفار کیجئے، سو آپ نے اس کو قمیص عطا فرما دی اور ان سے فرمایا: جب تم اس سے فارغ ہو جاؤ تو ہمیں خبر دینا، سو جب وہ فارغ ہو گئے تو انہوں نے آپ کو خبر دی، پس آپ اس پر نماز پڑھنے کے لیے آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو کھینچ لیا، پس کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافقین پر نماز پڑھنے سے منع نہیں فرمایا؟ پس نبی ﷺ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں، اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ بھی مغفرت طلب کریں تو اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔(التوبہ:٨٠)، (یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافقین پر نماز پڑھنے یا نہ پڑھنے کا اختیار دیا ہے) پھر یہ آیت نازل ہوئی: اور جو ان میں سے مرجائے، آپ ان میں سے کبھی کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں (التوبہ: ٨٤)۔ اس کے بعد آپ نے منافقین پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔

(صحیح البخاری: ١٢٦٩، ١٢٧٠، ٤٦٧٠، ٤٦٧٢، ٥٧٩٦، صحیح مسلم: ٢٧٧٤، سنن ترمذی: ٣٠٩٨، سنن نسائی: ١٩٠٠، سنن ابن ماجہ: ١٥٢٣، مسند احمد: ٤٦٦٢)

صحیح البخاری: ٥٧٩٦، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے قمیص کو پہننا، اور اس حدیث میں ہے کہ عبد اللہ بن ابی کے بیٹے نے کہا: آپ مجھے اپنی قمیص عطا کیجئے تاکہ میں اس میں اس کو کفن پہناؤں، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں صدقہ کا ذکر ہے، اور وہ ابن الفضل ہیں۔ اور یحییٰ بن سعید کا ذکر ہے، وہ القطان ہیں۔ اور عبید اللہ کا ذکر ہے، وہ ابن عمر العمری ہیں۔

یہ حدیث سورۂ برائۃ (سورۂ توبہ) میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی تفسیر ہو چکی ہے۔

علامہ ابن العربی پر علامہ عینی کا تعاقب

علامہ ابن العربی نے لکھا ہے کہ میں نے قمیص کا ذکر صحیح صرف سورۂ یوسف کی آیت میں دیکھا ہے اور ابن ابی کے قصہ میں دیکھا ہے اور کسی تیسری جگہ میں نے قمیص کا ذکر نہیں دیکھا جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہو۔

علامہ ابن العربی پر رد کیا گیا ہے کہ قمیص کا ذکر اس کے علاوہ اور بھی متعدد جگہوں پر متعدد احادیث میں آیا ہے:

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کتاب الجنائز میں گزر چکی ہے جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا ان میں نہ قمیص تھی اور نہ عمامہ تھا۔

(۲) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کپڑوں میں زیادہ پسند قمیص تھی۔

(۳) حضرت اسماء بنت یزید بن السکن کہ حدیث ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آستین پہنچے تک تھی۔ اس حدیث کی ترمذی نے بھی روایت کی ہے۔

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قمیص پہنتے تو اس کی دائیں طرف سے ابتداء کرتے، اس حدیث کی بھی امام ترمذی نے روایت کی ہے، پھر امام ترمذی نے کہا: اس حدیث کو متعدد راویوں نے شعبہ سے روایت کیا ہے اور اس کو مرفوع بیان نہیں کیا، اس کو صرف عبد الصمد بن عبد الوہاب نے شعبہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے، اور اسی سند سے امام ابن حبان نے اس کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

(۵) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اس کی بھی امام ترمذی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کوئی نیا کپڑا طلب کرتے تو اس کا نام لیتے، عمامہ یا قمیص یا چادر۔ اور امام ابوداؤد نے ذکر کیا ہے کہ حماد بن ابوسلمہ اور عبد الوہاب نے اس حدیث کی مرسلاً روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۔ ۴۴۸۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۷۹۶، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عبد اللہ بن ابی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قمیص طلب کی اور نماز پڑھانے کی درخواست کی، اس کی توجیہ

امام طبری نے الشعبی کی سند سے بیان کیا ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی پر موت کا وقت آیا تو اس کا بیٹا عبد اللہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے نبی! میرے والد پر موت کا وقت آ گیا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ آپ تشریف لائیں اور اس کی نماز پڑھیں،

آپ نے فرمایا: تمہارا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا: الحباب، آپ نے فرمایا: بلکہ تم عبد اللہ ہو، حباب تو شیطان کا نام ہے۔ اور یہ عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی فضلاء صحابہ میں سے تھے، غزوۂ بدر اور اس کے بعد کے غزوات میں حاضر ہوئے، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے، ان کے مناقب میں سے یہ ہے کہ جب ان کو ان کے باپ عبد اللہ بن ابی کی بعض باتیں پہنچیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تھیں تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ ان کو قتل کر دیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ تم ان کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

امام عبد الرزاق نے از معمر از قتادہ یہ روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن ابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا، جب آپ تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: یہود کی محبت نے تم کو ہلاک کر دیا تو اس نے کہا: یا رسول اللہ: میں نے آپ کو اس لیے بلایا ہے کہ آپ میرے لیے استغفار کریں، اور اس لیے نہیں بلایا ہے کہ آپ مجھے ملامت کریں، پھر آپ سے سوال کیا کہ آپ اپنی قمیص عطا کریں اور اس قمیص میں اس کو کفن دیا جائے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات منظور کر لی۔

امام طبرانی نے روایت کی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب عبد اللہ بن ابی بیمار ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اور اس سے باتیں کیں، تو عبد اللہ بن ابی نے کہا: مجھے معلوم ہے آپ کیا فرمائیں گے، آپ مجھ پر احسان فرمائیں اور اپنی قمیص میں مجھے کفن دیں اور میری نماز پڑھیں، سو آپ نے ایسا کیا، اور عبد اللہ بن ابی نے اس درخواست سے یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ اپنے نفس سے اور اپنے بیٹے سے اور اپنے قبیلہ سے عار کو دور کرے، سو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں رغبت ظاہر کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سوال کو پورا کر دیا۔

شیخ عثیمین کہتے ہیں: یہ زیادہ ظاہر ہے کہ عبد اللہ بن ابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اس لیے طلب کیا تھا کہ وہ اپنے خاندان والوں سے عار کو دور کرے اور یہ اس کی اسلام میں رغبت نہیں تھی۔ (شرح صحیح البخاری: ج ۵ ص ۶۰ ۴، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۹۔ بَابُ: جَيْبِ الْقَمِيْصِ مِنْ عِنْدِ الصَّدْرِ وَغَيْرِهِ — قمیص کے گریبان کا بیان جو سینہ وغیرہ کے پاس ہو

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بخیل اور سخی کی مثال بیان فرمائی ہے۔

۵۷۹۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ نَافِعٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ طَاوُسٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ ضَرَبَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَثَلَ الْبَخِيلِ وَالْمُتَصَدِّقِ كَمَثَلِ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُبَّتَانِ مِنْ حَدِيدٍ قَدِ اضْطُرَّتْ أَيْدِيهِمَا إِلَى ثُدِيِّهِمَا وَتَرَاقِيهِمَا فَجَعَلَ الْمُتَصَدِّقُ كُلَّمَا تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ انْبَسَطَتْ عَنْهُ حَتَّى تَغْشَى أَنَامِلَهُ وَتَعْفُوَ أَثَرَهُ وَجَعَلَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عامر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن نافع نے حدیث بیان کی از الحسن از طاؤس از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بخیل اور صدقہ دینے والے کی مثال بیان فرمائی ہے جیسے دو مرد ہوں اور ان کے اوپر لوہے کے دو کوٹ ہوں اور ان کے ہاتھ ان کی چھاتیوں اور ان کی

الْبَخِيلُ كُلَّمَا هَمَّ بِصَدَقَةٍ قَلَصَتْ وَأَخَذَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ بِمَكَانِهَا قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَأَنَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ بِإِصْبَعِهِ هَكَذَا فِي جَيْبِهِ فَلَوْ رَأَيْتَهُ يُوَسِّعُهَا وَلَا تَتَوَسَّعُ تَابَعَهُ ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ وَأَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ فِي الْجُبَّتَيْنِ وَقَالَ حَنْظَلَةُ سَمِعْتُ طَاوُسًا سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ جُبَّتَانِ وَقَالَ جَعْفَرُ بْنُ حَيَّانَ عَنِ الْأَعْرَجِ جُنَّتَانِ۔

ہنسلیوں تک سکڑ گئے ہوں، پس صدقہ دینے والا جب بھی صدقہ دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا لوہے کا کوٹ فراخ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اس کی انگلیوں کے پوروں کو ڈھانپ لیتا ہے اور اس کے نشانوں کو مٹا دیتا ہے۔ اور بخیل جب بھی صدقہ دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لوہے کا کوٹ سکڑ جاتا ہے اور کوٹ کا ہر حلقہ اپنی جگہ پر جم جاتا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پس میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلی سے اس طرح اپنے گریبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہے تھے، پس اگر تم اس کو دیکھتے کہ آپ یہ بتا رہے تھے کہ بخیل اس میں وسعت پیدا کرنا چاہ رہا تھا لیکن اس میں وسعت پیدا نہیں ہوگی۔

حسن کی متابعت ابن طاؤس نے کی ہے از والد خود اور ابوالزناد نے کی ہے از الاعرج دو جبوں میں، اور حنظلہ نے کہا: میں نے طاؤس سے سنا، وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے جُبتان، اور جعفر بن حیان نے کہا از الاعرج جُنتان۔ جُبۃ کا معنی کوٹ ہے اور جُنۃ کا معنی: ڈھال ہے۔

(صحیح بخاری: ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۲۹۱۷، ۵۲۹۹، ۵۷۹۷، صحیح مسلم: ۱۰۲۱، سنن نسائی: ۲۵۴۸، مسند احمد: ۲۸۱۴)

صحیح البخاری: ۵۷۹۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کا عنوان ہے ''قمیص کا گریبان'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلی سے اس طرح اپنے گریبان میں اشارہ کرتے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن محمد، وہ المسندی ہیں، اور اس حدیث میں مذکور ہے ابو عامر، وہ عبدالملک العقدی ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم بن نافع، وہ المخزومی ہیں۔ اور اس کی سند میں مذکور ہے الحسن، وہ ابن مسلم بن یناق المکی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بخیل اور صدقہ دینے والے کی مثال ایسے دو آدمیوں کے ساتھ دی ہے کہ ان میں سے ہر ایک زِرہ پہننے کا ارادہ کرتا ہے، پھر آپ نے مثال دی کہ خرچ کرنے والا ایسی زِرہ پہنتا ہے جو اس کے تمام بدن کو ڈھانپ لیتی ہے، اور بخیل ایسی زِرہ پہنتا ہے جس میں اس کا ہاتھ گردن اور ہنسلی تک بندھا ہوا ہوتا ہے اور وہ زِرہ اس کے اوپر ثقل اور وبال ہو جاتی ہے، اور وہ کشادہ نہیں ہوتی بلکہ تنگ ہوتی رہتی ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب بھی صدقہ دینے والا صدقہ دینے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ زِرہ کشادہ ہو جاتی ہے اور اس کی انگلیوں کے پوروں کو ڈھانپ لیتی ہے اور چلنے سے جو اس کے قدموں کے نشان پڑتے ہیں ان کو مٹا دیتی ہے، یعنی وہ زِرہ اس قدر لمبی ہو جاتی ہے کہ اس کے چلنے کے نشانات مٹتے جاتے ہیں۔ اور بخیل جب صدقہ دینے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ زِرہ اور سکڑ جاتی ہے اور اس کی ہر کڑی اپنی جگہ پر جم جاتی ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی سے اس طرح گریبان کی طرف اشارہ کیا"۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گریبان آپ کے سینہ پر تھا، کیونکہ اگر وہ گریبان آپ کے ہاتھ میں ہوتا تو آپ کے دونوں ہاتھ چھاتیوں اور ہنسلیوں کی طرف محبوس نہ ہوتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلایا کہ بخیل اپنے کوٹ کو کشادہ کرنا چاہتا ہے تو وہ کشادہ نہیں ہوتا بلکہ اور تنگ ہوتا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۴۸۔۴۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۰۔ بَابٌ: مَنْ لَبِسَ جُبَّةً ضَيِّقَةَ الْكُمَّيْنِ فِي السَّفَرِ — جس نے تنگ آستینوں والا جبہ (کوٹ) سفر میں پہنا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس نے سفر میں تنگ آستینوں والا کوٹ پہنا، کتاب الصلوٰۃ میں اس باب کا عنوان ہے "جبہ شامیہ پہن کر نماز پڑھنا" اور کتاب الجہاد میں اس باب کا عنوان ہے "سفر اور حرب میں جبہ پہننا"۔

۵۷۹۸۔ حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو الضُّحَى قَالَ حَدَّثَنِي مَسْرُوقٌ قَالَ حَدَّثَنِي الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ قَالَ انْطَلَقَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لِحَاجَتِهِ ثُمَّ أَقْبَلَ فَتَلَقَّيْتُهُ بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ شَأْمِيَّةٌ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ فَذَهَبَ يُخْرِجُ يَدَيْهِ مِنْ كُمَّيْهِ فَكَانَا ضَيِّقَيْنِ فَأَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنْ تَحْتِ الْجُبَّةِ فَغَسَلَهُمَا وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَعَلَى خُفَّيْهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قیس بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابوالضحیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مسروق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت المغیرہ بن شعبہ نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے گئے، پھر آپ آئے تو میں وضو کا پانی لے کر آپ سے ملا، سو آپ نے وضو کیا اور آپ کے اوپر شامی جبہ تھا، آپ نے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور اپنے چہرہ کو دھویا،

پھر آپ اپنے ہاتھوں کو آستینوں سے نکالنے لگے تو وہ آستینیں تنگ تھیں، تو آپ نے اپنے ہاتھوں کو جبہ کے نیچے سے نکالا، اور ان کو دھویا، پھر سر پر مسح کیا، پھر موزوں پر مسح کیا۔

(صحیح البخاری: ۱۸۲، ۲۰۳، ۲۰۶، ۳۶۳، ۳۸۸، ۲۹۱۸، ۴۴۲۱، ۵۷۹۸، ۵۷۹۹، صحیح مسلم: ۲۷۴، سنن ابن ماجہ: ۵۴۵، سنن نسائی: ۸۲، سنن ابوداؤد: ۱۴۹، مسند احمد: ۱۷۶۶۸، موطا امام مالک: ۷۳، سنن دارمی: ۷۱۳)

صحیح البخاری: ۵۷۹۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے قیس بن حفص، یہ الدارمی البصری ہیں اور یہ ۲۲۷ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں عبد الواحد کا ذکر ہے، یہ ابن زیاد ہیں۔ اور الاعمش کا ذکر ہے، یہ سلیمان ہیں۔ اور ابوالضحیٰ کا ذکر ہے، یہ مسلم بن صبیح ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "آپ نے اپنے ہاتھوں کو جبہ کے نیچے سے نکالا" اور علی بن السکن کی روایت میں ہے: آپ نے اپنے ہاتھوں کو چھوٹی زِرہ کے نیچے سے نکالا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۵۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۱- بَابُ: لُبْسِ جُبَّةِ الصُّوفِ فِي الْغَزْوِ — غزوہ میں اون کا جبہ پہننا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اون کے جبہ کو پہننے کا بیان ہے اور غزوہ سے مراد ہے سفر۔ امام مالک سے منقول ہے کہ جس کو اور کوئی جبہ نہ ملے تو اس کے لیے اون کا جبہ پہننے کو میں مکروہ نہیں کہتا اور جس کو کوئی اور جبہ مل جائے تو اس کے لیے میں اون کے جبہ کو مکروہ کہتا ہوں۔ امام مالک اونی جبہ کو اس لیے مکروہ کہتے ہیں کیونکہ اس میں یہ خطرہ ہے کہ اونی جبہ پہننے والا آدمی زُہد میں مشہور ہو جائے اور شہرت کے نقصانات سے بچنا بعض اوقات مشکل ہوتا ہے، اس لیے خفاء بہتر ہے۔ امام بخاری اونی جبہ پہننے کی حدیث کو ذکر کر کے امام مالک کا رد کر رہے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۵۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۹۹- حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ عَنْ عَامِرٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ عَنْ أَبِيهِ رضي الله عنه قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي سَفَرٍ فَقَالَ أَمَعَكَ مَاءٌ قُلْتُ نَعَمْ فَنَزَلَ عَنْ رَاحِلَتِهِ فَمَشَى حَتَّى تَوَارَى عَنِّي فِي سَوَادِ اللَّيْلِ ثُمَّ جَاءَ فَأَفْرَغْتُ عَلَيْهِ الْإِدَاوَةَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زکریاء نے حدیث بیان کی از عامر از عروہ بن المغیرہ از والد خود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک رات سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، آپ نے پوچھا: کیا تمہارے ساتھ پانی ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! پھر آپ

فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ مِنْ صُوفٍ فَلَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُخْرِجَ ذِرَاعَيْهِ مِنْهَا حَتَّى أَخْرَجَهُمَا مِنْ أَسْفَلِ الْجُبَّةِ فَغَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ ثُمَّ أَهْوَيْتُ لِأَنْزِعَ خُفَّيْهِ فَقَالَ دَعْهُمَا فَإِنِّي أَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا۔

سواری سے اترے، پھر چلے گئے حتیٰ کہ رات کے اندھیرے میں میری نظر سے غائب ہو گئے، پھر آپ آئے تو میں نے چمڑے کے مشکیزہ سے پانی آپ کے اوپر ڈالا، آپ نے اپنا چہرہ دھویا اور ہاتھوں کو دھویا اور آپ نے اون کا جبہ پہنا ہوا تھا تو اس کی آستینوں سے ہاتھوں کا نکالنا مشکل ہوا حتیٰ کہ آپ نے جبہ کے نیچے سے آستینوں کو نکال لیا، پھر اپنی کلائیوں کو دھویا، پھر سر پر مسح کیا، پھر میں آپ کے موزے اتارنے کے لیے جھکا، تو آپ نے فرمایا: رہنے دو، میں نے وضو کر کے موزوں کو پہنا تھا، پھر آپ نے موزوں پر مسح کیا۔

(صحیح البخاری: ۱۸۲، ۲۰۳، ۲۰۶، ۳۶۳، ۳۸۸، ۲۹۱۸، ۴۴۲۱، ۵۷۹۸، ۵۷۹۹، صحیح مسلم: ۲۷۴، سنن ابن ماجہ: ۵۴۵، سنن نسائی: ۸۲، سنن ابوداؤد: ۱۴۹، مسند احمد: ۱۷۶۶۸، موطا امام مالک: ۷۳، سنن داری: ۷۱۳)

صحیح البخاری: ۵۷۹۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''اونی جبہ کو پہننا'' اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونی جبہ پہنا ہوا تھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابونعیم کا ذکر ہے، ان کا نام ہے الفضل بن دکین۔ اور زکریاء کا ذکر ہے، یہ ابن ابی زائدہ ہیں۔ اور عامر کا ذکر ہے، یہ شعبی ہیں۔ اور عروہ بن المغیرہ کا ذکر ہے جو اپنے والد حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث کتاب الوضوء میں باب ''اذا دخل رجلیه وهما طاهرتان'' میں گزر چکی ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ جب پیروں کو دھو کر موزے پہنے ہوں تو بعد میں وضو کے وقت پیروں کو دھونا ضروری نہیں ہے بلکہ پیروں پر مسح کر لیا جائے تو یہ کافی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۵۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۲۔ بَابُ: الْقَبَاءِ وَفَرُّوجِ حَرِيرٍ وَهُوَ الْقَبَاءُ وَيُقَالُ هُوَ الَّذِي لَهُ شَقٌّ مِنْ خَلْفِهِ

اچکن، اور ریشم کے اچکن اور یہ وہ اچکن ہے جس کے پیچھے شگاف ہوتا ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں قباء کا ذکر ہے، اور فروج بھی قباء ہے لیکن اس کے پیچھے شگاف ہوتا ہے۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے: قباء اور فروج

دونوں وہ کپڑا ہے جس کی آستینیں تنگ ہوتی ہیں اور درمیان میں اس کے پیچھے شگاف ہوتا ہے، اس کو سفر میں اور جنگ میں پہنا جاتا ہے کیونکہ اس کو پہن کر حرکت کرنا آسان ہے۔ علامہ ابن بطال نے کہا ہے: قباء عجمیوں کا لباس ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: قباء کا معنی اردو میں اچکن یا شیروانی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۸۰۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ قَسَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَقْبِيَةً وَلَمْ يُعْطِ مَخْرَمَةَ شَيْئًا فَقَالَ مَخْرَمَةُ يَا بُنَيَّ انْطَلِقْ بِنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَانْطَلَقْتُ مَعَهُ فَقَالَ ادْخُلْ فَادْعُهُ لِي قَالَ فَدَعَوْتُهُ لَهُ فَخَرَجَ إِلَيْهِ وَعَلَيْهِ قَبَاءٌ مِنْهَا فَقَالَ خَبَأْتُ هَذَا لَكَ قَالَ فَنَظَرَ إِلَيْهِ فَقَالَ رَضِيَ مَخْرَمَةُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از ابن ابی ملیکہ از حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اچکنیں تقسیم کیں اور (حضرت) مخرمہ کو کوئی چیز نہیں دی، تو حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے بیٹے! رسول اللہ ﷺ کے پاس چلو، پس میں ان کے ساتھ گیا، پھر انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر آپ کو میرے لیے بلاؤ، تو انہوں نے کہا: پس میں نے رسول اللہ ﷺ کو حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ کے لیے بلایا، پس رسول اللہ ﷺ ان کے پاس آئے اور آپ کے پاس ان اچکنوں میں سے ایک اچکن تھی، آپ نے فرمایا: یہ میں نے تمہارے لیے چھپا کر رکھی تھی، تو حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت مخرمہ نے اس کی طرف دیکھا، پھر کہا: مخرمہ راضی ہو گیا۔

(صحیح البخاری: ۲۵۹۹، ۲۶۵۷، ۳۱۲۷، ۵۸۰۰، ۵۸۶۲، ۶۱۳۲، صحیح مسلم: ۱۰۵۸، سنن ترمذی: ۲۸۱۸، سنن نسائی: ۵۳۲۴، سنن ابوداؤد: ۴۰۲۸، مسند احمد: ۱۸۴۴۸)

صحیح البخاری: ۵۸۰۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی ملیکہ، ان کا نام عبد اللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں المسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما کا ذکر ہے، یہ دونوں صحابی ہیں۔ حضرت مخرمہ بن نوفل الزہری قریش کے رؤسا میں سے تھے اور حسب ونسب کے عارفین میں سے تھے، ان کا اسلام لانا فتح مکہ تک مؤخر تھا اور یہ غزوۂ حنین میں حاضر ہوئے اور حنین کے مال غنیمت میں سے ان کو مؤلفۃ القلوب کے ساتھ حصہ دیا گیا، حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ ۵۴ھ میں فوت ہوئے، اس وقت ان کی عمر ایک سو پندرہ (۱۱۵) سال تھی، اس کا ذکر محمد بن سعد نے کیا ہے۔

یہ حدیث کتاب الھبہ میں گزر چکی ہے اور کتاب الشہادات اور کتاب الخمس میں بھی یہ حدیث گزری ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "حضرت مخرمہ نے حضرت مسور (رضی اللہ عنہما) سے کہا کہ تم داخل ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے لیے بلاؤ"۔ حاتم بن وردان کی روایت میں ہے کہ حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے والد دروازہ پر کھڑے ہو گئے اور مجھ سے باتیں کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آواز کو پہچان لیا۔ اور علامہ ابن التین نے کہا ہے: شاید نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر آئے تھے اور اسی وقت حضرت مسور رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے اور آپ کے اوپر ان اچکنوں میں سے ایک اچکن تھی"۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ اچکن ریشم کی تھی۔ کہا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ ریشم کی ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ آپ باہر آئے اور اپنے ہاتھوں پر اس اچکن کو پھیلایا۔ اور حاتم کی روایت میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے اور آپ کے ساتھ وہ اچکن تھی اور آپ اس کے محاسن ان کو دکھا رہے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مخرمہ راضی ہو گیا"۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ کا کلام ہے۔

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ اپنے اصحاب کی تالیف قلب کرنی چاہیے اور جس شخص کو کوئی چیز ہبہ کی گئی ہو، وہ چیز اس کی طرف منتقل کر دی جائے تو یہ اس کا قبضہ ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۵۱۔ ۴۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۰۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ قَالَ أُهْدِيَ لِرَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَرُّوجُ حَرِيرٍ فَلَبِسَهُ ثُمَّ صَلَّى فِيهِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَزَعَهُ نَزْعًا شَدِيدًا كَالْكَارِهِ لَهُ ثُمَّ قَالَ لَا يَنْبَغِي هَذَا لِلْمُتَّقِينَ تَابَعَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ عَنِ اللَّيْثِ وَقَالَ غَيْرُهُ فَرُّوجٌ حَرِيرٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یزید بن ابی حبیب از ابی الخیر از حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ریشم کی فروج ہدیہ کی گئیں، آپ نے اس کو پہنا، پھر اس میں نماز پڑھائی، پھر آپ واپس مڑے اور آپ نے اس کو بہت سختی سے اتارا جیسے اس کو ناپسند کر رہے ہوں، پھر آپ نے فرمایا: متقین کو یہ پہننی نہیں چاہیے۔
قتیبہ بن سعید کی متابعت عبد اللہ بن یوسف نے کی ہے از لیث، اور دوسروں نے کہا: فروج حریر۔ (یعنی یہ موصوف صفت ہیں)۔

(صحیح البخاری: ۳۷۵، ۵۸۰۱، صحیح مسلم: ۲۰۷۵، سنن نسائی: ۷۷۰، مسند احمد: ۱۶۸۹۲)

صحیح البخاری: ۵۸۰۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے قباء یعنی شیروانی، اور اس حدیث میں فروج حریر کا ذکر ہے اور فروج کا معنی بھی شیروانی ہے، یعنی ریشم کی شیروانی، تو اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یزید بن ابی حبیب کا ذکر ہے، ان کا نام سوید المصری ہے۔ اور ابوالخیر کا ذکر ہے، ان کا نام مرثد بن عبد اللہ الیزنی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فروج حریر" التوضیح میں مذکور ہے کہ ابن فارس نے کہا: یہ چھوٹی قمیص ہے، اور کہا: یہی شیروانی ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "نزعا شدیدا" یعنی آپ نے اپنی معروف عادت کے خلاف اس کو بہت سختی سے اتارا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ اسی وقت ریشم کی تحریم نازل ہوئی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "متقین کو یہ نہیں پہننی چاہیے"۔ ہوسکتا ہے کہ یہ اشارہ ریشم کی طرف ہو، کیونکہ ریشم کی حرمت اسی وقت نازل ہوئی تھی۔ علامہ ابن بطال نے کہا ہے: ممکن ہے آپ نے اس کو اس وجہ سے سختی سے اتارا ہو کہ یہ خالص ریشم کی بنی ہوئی تھی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ نے اس کو اس لیے سختی سے اتارا ہو کہ یہ عجمیوں کا لباس ہے۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے: متقین سے مراد مومنین ہیں، کیونکہ مومنین ہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اپنے ایمان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے خوف زدہ رہتے ہیں اور اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۵۲۔ ۴۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۳۔ بَابُ: الْبَرَانِسِ — ٹوپیوں کا بیان

اس باب میں ٹوپیوں کے پہننے کا ذکر ہے، اور برانس، برنس کی جمع ہے اور اس کا معنی: ٹوپی ہے۔

۵۸۰۲۔ وَقَالَ لِي مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ سَمِعْتُ أَبِي قَالَ رَأَيْتُ عَلَى أَنَسٍ بُرْنُسًا أَصْفَرَ مِنْ خَزٍّ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: اور مجھ سے مسدد نے کہا: ہمیں مؤتمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ پر ایک زرد رنگ کی ٹوپی دیکھی جو ریشم سے بنی ہوئی تھی۔

صحیح البخاری: ۵۸۰۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مسدد کا ذکر ہے اور وہ امام بخاری کے شیخ ہیں اور گویا کہ امام بخاری نے اپنے شیخ سے اس حدیث کو

مذاکرہ کے دوران حاصل کیا، لیکن یہ حدیث موصول ہے۔

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے "قال لی" یعنی مسدد نے مجھ سے کہا: اور النسفی کی روایت میں یہ لفظ نہیں ہے۔ پھر یہ تعلیق ہے، اور امام ابن ابی شیبہ نے اس حدیث کو سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن علیہ نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن ابی اسحاق، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے اوپر ریشم کی ٹوپی دیکھی، اور مؤتمر جو کہ الحاج کے بھائی ہیں، اس کو اپنے والد سلیمان التیمی سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "برنس" عبداللہ بن ابی بکر نے ذکر کیا ہے کہ ہر قاری کے پاس ایک ٹوپی ہوتی تھی۔ امام مالک سے اس ٹوپی کو پہننے کے متعلق سوال کیا گیا: کیا آپ اس کو ناپسند کرتے ہیں؟ کیونکہ یہ نصاریٰ کا لباس ہے، تو امام مالک نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اب بھی لوگ اس کو پہنتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من خز" "خز کا معنی" "موٹا ریشم" ہے اور اس کی اصل خرگوش کی اون سے ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: "الخز" وہ ہے جو ریشم اور اون سے بنایا گیا ہو۔ اور التوضیح میں مذکور ہے کہ یہ ریشم ہے، جس کے ساتھ اون مخلوط ہوتا ہے۔ ابن العربی نے کہا ہے: متقدمین کی ایک جماعت نے خز کو پہنا ہے اور دوسروں نے اس کو مکروہ کہا ہے، پس جنہوں نے خز کو پہنا ہے وہ حضرت ابوبکر صدیق ہیں، حضرت ابن عباس ہیں، حضرت ابوقتادہ ہیں، حضرت ابن ابی اوفیٰ ہیں، حضرت سعد بن ابی وقاص ہیں، حضرت انس ہیں، اور حضرت ابوسعید الخدری ہیں، اور حضرت عائشہ ہیں اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور تابعین میں سے ابن ابی لیلیٰ، شریح، شعبی، عروہ، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، عمر بن عبدالعزیز ہیں، عمر بن عبدالعزیز نے اپنی حکومت کے ایام میں خز کو پہنا۔ اور امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں یہ اضافہ کیا ہے: القاسم بن محمد، عبیداللہ بن عبداللہ، الحسین بن علی، قاسم بن ابی حازم، شبیر بن عذرہ، ابوعبید بن عبداللہ، محمد بن علی بن حسین، علی بن حسین، السعید بن المسیب، علی بن زید، ابن عون ہیں۔

اور خیثمہ سے روایت ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تیرہ اصحاب خز کو پہنتے تھے۔ اور ابن بطال نے کہا ہے: امام مالک سے مروی ہے: مجھے خز کا پہننا پسند نہیں ہے اور نہ میں اس کو حرام کہتا ہوں۔

علامہ الابہری نے کہا ہے: امام مالک نے خز کا لباس پہننے کو اسراف کی وجہ سے مکروہ کہا ہے اور اس کو خز کا لباس ہونے کی وجہ سے مکروہ نہیں کہا۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور سالم اور حسن اور محمد اور ابن جبیر نے خز کے پہننے کو مکروہ کہا ہے۔

اور امام ابوداؤد نے عبداللہ بن سعید کی اپنے والد سے روایت ذکر کی ہے کہ میں نے بخارا میں ایک مرد کو دیکھا وہ خچر پر سوار تھا اور اس نے خز کا سیاہ عمامہ پہنا ہوا تھا، پس انہوں نے کہا کہ مجھے یہ عمامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنایا ہے۔ امام نسائی نے کہا: بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ مرد عبداللہ بن حازم السلمی تھے جو خراسان کے امیر تھے اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے: میری یہ رائے نہیں ہے کہ انہوں نے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: امام ذہبی نے تجرید الصحابہ میں عبداللہ بن حازم بن اسماء بنت الصلت کا ذکر کیا ہے اور ابوصالح السلمی خراسان کے امیر ہیں اور مشہور بہادر ہیں، اور کہا گیا ہے کہ یہ صحابی ہیں اور انہوں نے بہت ساری جنگوں میں حصہ لیا، ہم نے اس کا ذکر التاریخ الکامل میں کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۵۳۔ ۵۴،

دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۰۳۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا تَلْبَسُوا الْقُمُصَ وَلَا الْعَمَائِمَ وَلَا السَّرَاوِيلَاتِ وَلَا الْبَرَانِسَ وَلَا الْخِفَافَ إِلَّا أَحَدٌ لَا يَجِدُ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ وَلَا تَلْبَسُوا مِنَ الثِّيَابِ شَيْئًا مَسَّهُ زَعْفَرَانٌ وَلَا الْوَرْسُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، ایک مرد نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! محرم کپڑوں میں سے کیا پہنے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم قمیص نہ پہنو اور نہ عمامے پہنو، نہ شلواریں پہنو، نہ ٹوپیاں پہنو، نہ موزے پہنو، مگر یہ کہ کسی شخص کو جوتے نہ ملیں تو وہ موزے پہن لے اور ان کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دے اور نہ وہ کپڑا پہنو جس کو زعفران نے چھوا ہو یا ورس (ایک قسم کی جڑی بوٹی جس سے سرخ رنگ نکلتا ہے) نے۔

(صحیح البخاری: ۱۳۴، ۳۶۶، ۱۵۴۲، ۱۸۳۸، ۱۸۴۲، ۵۷۹۴، ۵۸۰۳، ۵۸۰۵، ۵۸۰۶، ۵۸۴۷، ۵۸۵۲، صحیح مسلم: ۱۱۷۷، سنن ترمذی: ۸۳۳، سنن نسائی: ۲۶۶۷، سنن ابن ماجہ: ۲۹۲۹، مسند احمد: ۴۵۲۴، موطا امام مالک: ۷۱۶، سنن دارمی: ۱۷۹۸)

صحیح البخاری: ۵۸۰۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے اور اس پر مفصل کلام ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

موزوں کو نیچے سے کاٹے بغیر پہننے میں مذاہب ائمہ

اس حدیث میں اس شخص کو موزے پہننے کی اجازت دی ہے، جس کو جوتے نہ ملیں، لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دے، ائمہ ثلاثہ کا یہی مذہب ہے، اس کے برخلاف امام احمد کا یہ مسلک ہے کہ محرم ٹخنوں کے نیچے سے موزوں کو کاٹے بغیر بھی ان کو پہن سکتا ہے، ان کا استدلال ان احادیث سے ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو خطبہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس محرم کو تہ بند نہ ملے، وہ شلوار پہن لے اور جس کو جوتے نہ ملیں، وہ موزے پہن لے۔

(صحیح البخاری: ۱۷۴۰، صحیح مسلم: ۱۱۷۸، الرقم المسلسل: ۲۷۴۸، سنن ترمذی: ۸۳۴، سنن نسائی: ۲۶۷۱، سنن ابن ماجہ: ۲۹۳۱)

اس سلسلہ میں دوسری حدیث یہ ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو جوتے نہ ملیں، وہ موزے پہن لے اور جس شخص کو تہ بند نہ ملے، وہ شلوار پہن لے۔ (صحیح مسلم: ۱۱۷۹، الرقم المسلسل: ۲۷۵۱)

چونکہ ان احادیث میں موزوں کو کاٹنے کی شرط نہیں ہے، اس لیے امام احمد نے کہا ہے کہ موزوں کو کاٹے بغیر بھی پہننا جائز ہے، اور ان کے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کی جس حدیث میں موزوں کو کاٹنے کا حکم دیا ہے، وہ ان احادیث سے منسوخ ہے

اوران کا زعم یہ ہے کہ موزوں کو کاٹنا مال کو ضائع کرنا ہے۔

امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹے بغیر ان کا پہننا جائز نہیں ہے، اور حضرت ابن عباس اور حضرت جابر کی احادیث جو مطلق ہیں، ان کو ان احادیث پر محمول کرنا واجب ہے، جن میں موزوں کو کاٹنے کا حکم دیا ہے، کیونکہ مطلق کو مقید پر محمول کر دیا جاتا ہے اور ثقہ راوی کی حدیث میں جو الفاظ زائد ہوں، ان کو قبول کر لیا جاتا ہے، اور ان کا موزوں کے کاٹنے کو مال کا ضائع کرنا قرار دینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں جو کام کیا جائے، اس کو تضییع مال کہنا جائز نہیں ہے۔

امام مالک اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ جس نے ضرورت کی بناء پر موزے پہنے، اس پر فدیہ واجب نہیں ہے کیونکہ اگر اس پر فدیہ واجب ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتا دیتے، اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: اس پر فدیہ واجب ہے، جیسے اس محرم پر فدیہ واجب ہوتا ہے جو سر میں جوؤں کے عذر کی وجہ سے سر منڈائے۔

حضرت جابر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی حدیثوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ جس کو تہ بند نہ ملے، وہ شلوار پہن سکتا ہے، امام شافعی اور جمہور کا یہی مسلک ہے، البتہ امام مالک اس کو منع کرتے ہیں کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے اور صحیح یہ ہے کہ عذر کی حالت میں محرم شلوار پہن سکتا ہے۔

(شرح مسلم للنووی مع صحیح مسلم ج ۵ ص ۳۱۷۲۔۳۱۷۶ ملخصا، مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ جس محرم کو تہ بند نہ ملے، وہ شلوار پہن سکتا ہے، لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس شخص کو فدیہ دینا ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۳۸)

(نعمۃ الباری ج ۱ ص ۵۰۱۔۵۰۲، مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور، ۱۴۳۰ھ)

۱۴۔ باب: السَّرَاوِيلِ شلوار کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں شلوار کا ذکر کیا جائے گا، علامہ الجوہری نے کہا ہے "سراویل" کا لفظ معروف ہے، یہ مذکر بھی استعمال ہوتا ہے اور مؤنث بھی، اور اس کی جمع السراویلات ہیں۔

ہمارے شیخ زین الدین رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ نے کہا ہے: ہم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سب سے پہلے شلوار کو پہنا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اس حدیث کی ابونعیم الاصبہانی نے روایت کی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہی سبب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قیامت کے دن سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔ پس جب کہ انہوں نے لباس کی اس قسم (یعنی شلوار) کو بنایا جو باقی لباسوں کی بہ نسبت زیادہ شرمگاہ کو چھپانے والی ہے، تو ان کو یہ جزا دی گئی کہ سب سے پہلے قیامت کے دن ان کو لباس پہنایا جائے گا۔

اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شلوار پہننا مستحب ہے۔

نیز امام ترمذی نے روایت کی ہے: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس دن موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے کلام کیا، اس دن موسیٰ علیہ السلام کے اوپر ایک اونی چادر تھی اور ایک اونی ٹوپی تھی، اور اونی جبہ تھا اور اونی شلوار تھی، اور ان کی جوتیاں مردہ گدھے کے چمڑوں کی تھیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۵۴۔۴۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

شلوار پہننے کے متعلق احادیث

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اہلِ کتاب شلوار پہنتے ہیں اور تہبند نہیں باندھتے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم شلوار پہنو اور تہبند باندھو اور اہلِ کتاب کی مخالفت کرو۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۴)

علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں کہ یہ صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شلوار کو خریدا۔ حضرت مالک بن عمیر الاسدی بیان کرتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آپ کے ہجرت کرنے سے پہلے آیا تو آپ نے مجھ سے شلوار خریدی اور مجھے اس کی قیمت زیادہ دی۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شلوار خریدنے کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اس کی قیمت کا وزن کرو اور زیادہ دینا، میں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ شلوار پہنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! سفر میں، حضر میں اور رات میں اور دن میں، کیونکہ مجھے شرمگاہ کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے اور شلوار سے زیادہ میں نے کوئی چھپانے والا کپڑا نہیں پایا۔

(المعجم الاوسط ج ۶ ص ۳۴۹، حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہے یوسف بن زیاد بصری اور وہ ضعیف ہے۔ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۲۲)

امام ابو نعیم نے حضرت مالک بن العتاہیہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو نمازی شلوار پہن کے نماز پڑھتا ہے تو اس کے لیے زمین استغفار کرتی ہے۔ (معرفۃ الصحابہ: ۲۰۸۹، ج ۵ ص ۲۴۶۸)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۷ ص ۶۱۹۔۶۲۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

باب مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب میں شلوار سے متعلق کوئی حدیث اپنی شرط کے مطابق ذکر نہیں کی، اور صحیح یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شلوار کا ایک پائنچہ سوید بن قیس سے خریدا، اس حدیث کی امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور امام احمد نے بھی روایت کی ہے اور امام ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اور امام احمد نے مالک بن عُمیرہ الاسدی سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے پہلے مدینہ آیا تو آپ نے مجھ سے شلوار خریدی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی چیز کو فضول اور عبث نہیں خریدتے تھے، اگرچہ آپ کا غالب پہناوا تہبند تھا۔ اور امام ابو یعلیٰ اور امام طبرانی نے اوسط میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بازار میں داخل ہوا، پس آپ

بزاز کی طرف بیٹھے، پھر آپ نے چار درہم میں شلوار خریدی۔ الحدیث۔۔۔اور اس میں ہے: میں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ شلوار پہنیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! سفر میں، حضر میں، رات میں اور دن میں، کیونکہ مجھے شرمگاہ چھپانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں یونس بن زیاد البصری ہے، وہ ضعیف راوی ہے۔ اور ابن القیم نے اپنی سیرت میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شلوار خریدی۔ اور ظاہر یہ ہے کہ آپ نے شلوار کو پہننے کے لیے خریدا۔ پھر انہوں نے کہا کہ حدیث میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شلوار پہنی ہے اور صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور آپ کی اجازت سے شلوار پہنتے تھے۔

اور امام غزالی نے الاحیاء میں ذکر کیا ہے کہ شلوار کی قیمت تین درہم تھی اور جو پہلے گزرا ہے، وہ یہ ہے کہ چار درہم تھی، وہ روایت اولیٰ ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۷۲۔ ۲۷۳، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۷ ص ۲۱، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۸۰۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ مَنْ لَمْ يَجِدْ إِزَارًا فَلْيَلْبَسْ سَرَاوِيلَ وَمَنْ لَمْ يَجِدْ نَعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو از جابر بن زید از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جس کو تہبند نہ ملے، پس وہ شلوار پہن لے اور جس کو جوتے نہ ملیں تو وہ موزے پہن لے۔

(صحیح البخاری: ۱۷۴۰، ۱۸۱۲، ۱۸۴۱، ۱۸۴۳، ۵۸۰۴، ۵۸۵۳، صحیح مسلم: ۱۱۷۸، سنن ترمذی: ۸۳۴، سنن نسائی: ۲۶۷۱، سنن ابوداؤد: ۱۸۲۹، سنن ابن ماجہ: ۲۹۳۱، مسند احمد: ۲۵۲۲، سنن دارمی: ۱۷۹۹)

صحیح البخاری: ۵۸۰۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "شلوار کا بیان" اور اس حدیث میں ذکر ہے "جس کو تہبند نہ ملے وہ شلوار پہن لے"۔ اس میں اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابو نعیم کا ذکر ہے، یہ الفضل بن دکین ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، یہ ابن عیینہ ہیں۔ اور عمرو کا ذکر ہے، یہ ابن دینار ہیں۔ اور جابر بن زید کا ذکر ہے، یہ ابو شعثاء الازدی الجوفی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۵۵، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۱ھ)

۵۸۰۵۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَا تَأْمُرُنَا أَنْ نَلْبَسَ إِذَا أَحْرَمْنَا قَالَ لَا تَلْبَسُوا الْقَمِيصَ وَالسَّرَاوِيلَ وَالْعَمَائِمَ وَالْبَرَانِسَ وَالْخِفَافَ إِلَّا أَنْ يَكُونَ رَجُلٌ لَيْسَ لَهُ نَعْلَانِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جویریہ نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد کھڑا ہوا، پس اس نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب ہم احرام باندھیں تو آپ ہمیں کس چیز کے پہننے کا

أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ وَلَا تَلْبَسُوا شَيْئًا مِنَ الثِّيَابِ مَسَّهُ زَعْفَرَانٌ وَلَا وَرْسٌ۔

حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم قمیص نہ پہنو اور شلوار نہ پہنو اور عمامے نہ پہنو اور ٹوپیاں نہ پہنو، اور موزے نہ پہنو، مگر یہ کہ کسی مرد کے پاس جوتے نہ ہوں تو وہ موزے پہن لے اور ان کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دے۔ اور کوئی ایسا کپڑا نہ پہنو جس کو زعفران نے چھوا ہو یا ورس (ایک قسم کی جڑی بوٹی جس سے سرخ رنگ نکلتا ہے) نے چھوا ہو۔

(صحیح البخاری: ۱۳۴، ۳۶۶، ۱۵۴۲، ۱۸۳۸، ۱۸۴۲، ۵۷۹۴، ۵۸۰۳، ۵۸۰۵، ۵۸۰۶، ۵۸۴۷، ۵۸۵۲، صحیح مسلم: ۱۱۷۷، سنن ترمذی: ۸۳۳، سنن نسائی: ۲۶۶۷، سنن ابن ماجہ: ۲۹۲۹، مسند احمد: ۴۵۲۴، موطا امام مالک: ۱۶:۱۷، سنن دارمی: ۱۷۹۸)

اس حدیث کی شرح کتاب الحج میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۵۔ بَابُ: الْعَمَائِمِ — عماموں کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

عمائم کے متعلق احادیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے اور آپ کے اوپر سیاہ عمامہ تھا۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۸، رقم الحدیث: ۲۴۹۴۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے دن مجھے سیاہ عمامہ باندھا اور اس کا شملہ میرے کندھے پر ڈال دیا اور آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر اور غزوۂ حنین کے دن میری فرشتوں کے ساتھ مدد کی تھی جو اس طرح کا عمامہ باندھے ہوئے تھے اور آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان عمامہ آڑ (فرق) ہے۔
(سنن ابن ماجہ: ۲۸۱۰، سنن بیہقی، ج ۱۰ ص ۱۴، الکامل لابن عدی ج ۴ ص ۱۴۹۰، مسند ابوداؤد الطیالسی ج ۱ ص ۱۳۰۔۱۳۱)

حضرت عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو غزوۂ خیبر کے دن بھیجا اور ان کے اوپر سیاہ عمامہ باندھا اور اس کا شملہ ان کے پیچھے اور بائیں کندھے کے ساتھ ڈال دیا۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۶۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا اور آپ کے اوپر عمامہ تھا جو تیل سے چکنا تھا۔
(شمائل ترمذی: ۱۱۹)

حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق یہ ہے کہ (ہمارے) عمامے ٹوپیوں پر ہوتے ہیں۔ (سنن ابوداؤد: ۴۰۷۸، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۱۸)

فائدہ:

احادیث موضوعہ میں ہے کہ عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنا ان ستر نمازوں سے افضل ہے جو بغیر عمامہ کے پڑھی جائیں۔ (التوضیح

(شرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۶۲۱-۶۲۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

باب مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام مسلم نے حضرت عمرو بن حریث سے روایت کی ہے: گویا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ رہا تھا اور آپ کے اوپر سیاہ عمامہ تھا اور آپ نے اس کی ایک طرف دو کندھوں کے درمیان ڈالی ہوئی تھی۔

امام طبرانی اور امام ترمذی نے علل المفرد میں از حضرت ابوالملیح بن اسامہ از والد خود روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمامہ باندھا کرو تمہارے وقار میں اضافہ ہوگا۔

اور امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق عمامے ہیں۔

اور امام ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عمامہ باندھتے تو اس کا شملہ دو کندھوں کے درمیان لٹکاتے۔ اور امام ترمذی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور القاسم اور سالم بھی اسی طرح کرتے تھے۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۷۴، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۷ ص ۲۱ دار المعرفہ بیروت)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں عمائم کا ذکر کیا جائے گا، عمائم، عمامۃ کی جمع ہے، عممتہ کا معنی ہے: میں نے اس کو عمامہ پہنایا۔ اور عمائم عرب کا تاج ہے۔ امام بخاری نے اس باب میں عمامہ کے امور سے متعلق کسی حدیث کا ذکر نہیں کیا، پس گویا کہ امام بخاری کے نزدیک عمامہ کے متعلق کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔

امام ابن عاصم نے کتاب الجہاد میں یہ حدیث ذکر کی ہے: ایک مرد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا، پس کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! کیا عمامہ سنت ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جاؤ اور تم اپنے کپڑے لٹکاؤ اور اپنے ہتھیار پہنو، سو انہوں نے ایسا کیا، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے ان کپڑوں کو کھینچ لیا جس کو انہوں نے لٹکایا تھا، پھر آپ نے ان کو عمامہ باندھا اور ان کے پیچھے اس کے شملہ کو لٹکایا۔

اور امام ابن ابی شیبہ نے از الحسن بن علی روایت کی ہے کہ ہمیں ابن ابی مریم نے حدیث بیان کی از رشد از ابن عقیل از ابن شہاب از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو سیاہ سوتی عمامہ باندھا اور ان کے سامنے اس کا شملہ لٹکایا۔

اور نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عوف کو سیاہ سوتی عمامہ باندھا اور ان کے پیچھے چار انگشت کے برابر اس کا شملہ لٹکایا۔

امام ابوداؤد نے حضرت الحسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر دیکھا اور

آپ کے اوپر سیاہ عمامہ تھا، آپ نے اس کا شملہ دو کندھوں کے درمیان ڈالا ہوا تھا۔

اور امام ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب عمامہ باندھتے تو اپنے عمامہ کے شملہ کو دو کندھوں کے درمیان لٹکاتے، نافع نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس طرح کرتے تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ قاسم اور سالم بھی اسی طرح کرتے تھے۔

اور امام طبرانی نے الاوسط میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب عمامہ باندھتے تو اس کے شملہ کو سامنے اور پیچھے لٹکاتے، اس حدیث کی سند میں الحجاج بن یوسف ہے اور وہ ضعیف راوی ہے۔

ابوعبیدہ الحمصی نے از عبداللہ بن بشر روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو خیبر کے دن بھیجا اور ان کے اوپر سیاہ عمامہ باندھا اور اس کا شملہ ان کے پیچھے رکھا اور بائیں کندھے کی طرف رکھا۔

ہمارے شیخ زین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: جب شملہ سامنے ڈالا جائے جیسا کہ صوفیاء کی ایک جماعت اور اہل علم کی ایک جماعت کرتی ہے تو کیا اس میں مشروع ہے کہ بائیں جانب شملہ کو ڈالا جائے جیسا کہ اب بھی اسی طرح رواج ہے یا اس کو دائیں جانب رکھا جائے دائیں جانب کے شرف کی وجہ سے۔ اور میں نے کوئی حدیث نہیں دیکھی جو دائیں جانب کی تعیین پر دلالت کرتی ہو، سوائے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے، لیکن وہ ضعیف ہے۔ اس حدیث کی امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں از جمیع بن ثوب از ابی سفیان از حضرت ابوامامہ روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کو والی نہیں بناتے تھے حتیٰ کہ اس کے اوپر عمامہ باندھتے اور اس کا شملہ دائیں جانب کان کی طرف ڈالتے۔ اور جمیع بن ثوب ضعیف راوی ہے۔

ہمارے شیخ نے کہا ہے: اس حدیث کے ثبوت کی تقدیر پر ہو سکتا ہے کہ پہلے آپ شملہ دائیں جانب ڈالتے ہوں پھر اس کو بائیں جانب ڈال دیتے ہوں جیسا کہ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں مگر یہ امامیہ کا شعار ہے۔

امام ابونعیم نے معرفۃ الصحابہ میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عبدالاعلیٰ بن عدی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیر خم کے دن حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کو عمامہ باندھا اور عمامہ کا شملہ ان کے پیچھے رکھا، پھر فرمایا: اسی طرح عمامہ باندھا کرو، کیونکہ عمائم اسلام کی علامت ہیں اور یہ مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان فرق ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۵۵۔۴۵۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۰۶۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَالِمٌ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ الْقَمِيصَ وَلَا الْعِمَامَةَ وَلَا السَّرَاوِيلَ وَلَا الْبُرْنُسَ وَلَا ثَوْبًا مَسَّهُ زَعْفَرَانٌ وَلَا وَرْسٌ وَلَا الْخُفَّيْنِ إِلَّا لِمَنْ لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَإِنْ لَمْ يَجِدْهُمَا فَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے الزہری سے سنا، انہوں نے کہا: مجھے سالم نے خبر دی از والد خود از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: محرم قمیص نہ پہنے، اور نہ عمامہ پہنے، اور نہ شلوار پہنے اور نہ ٹوپی پہنے، اور نہ وہ کپڑا پہنے جس کو زعفران نے چھوا ہو، اور نہ وہ کپڑا پہنے جس کو ورس نے چھوا ہو، اور نہ موزے پہنے، مگر وہ شخص جو

جوتے نہ پائے، پس اگر وہ جوتے نہ پائے تو موزے پہنے مگر ان کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دے۔

(صحیح البخاری: ۱۳۴، ۳۶۶، ۱۵۴۲، ۱۸۳۸، ۱۸۴۲، ۵۷۹۴، ۵۸۰۳، ۵۸۰۵، ۵۸۰۶، ۵۸۴۷، ۵۸۵۲، صحیح مسلم: ۱۱۷۷، سنن ترمذی: ۸۳۳، سنن نسائی: ۲۶۶۷، سنن ابن ماجہ: ۲۹۲۹، مسند احمد: ۴۵۲۴، موطا امام مالک: ۷۱۶، سنن دارمی: ۱۷۹۸)

عمامہ کے رنگ کا بیان

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی داڑھی پر زرد رنگ کا خضاب لگاتے تھے حتیٰ کہ ان کے کپڑے بھی زرد رنگ کے ہو جاتے، ان سے پوچھا گیا کہ آپ زرد رنگ کا خضاب کیوں لگاتے ہیں؟ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زرد رنگ سے رنگتے ہوئے دیکھا ہے اور آپ کو کوئی چیز اس رنگ سے زیادہ محبوب نہیں تھی اور آپ اپنے کپڑوں کو بھی زرد رنگ سے رنگتے تھے حتیٰ کہ اپنے عمامہ کو بھی۔ (سنن ابوداؤد: ۴۰۶۴، سنن نسائی: ۵۱۰۰)

اس سے پہلے سیاہ رنگ کے عمامہ کے متعلق بہ کثرت احادیث گزر چکی ہیں۔ اور اس حدیث میں زرد رنگ کے عمامہ کا بھی ثبوت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرخ رنگ کا حُلّہ پہنا ہے۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عرعرہ نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں: مجھے عمر بن ابی زائدہ نے حدیث بیان کی از عون بن ابی جحیفہ، از والد خود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرخ چمڑے کے خیمہ میں دیکھا اور میں نے دیکھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچے ہوئے پانی کو لیا اور میں نے دیکھا کہ لوگ اس پانی پر جھپٹ رہے تھے جس کو اس پانی میں سے کچھ پانی مل جاتا وہ اس کو اپنے بدن پر لگا تا اور جس کو اس پانی میں سے کچھ بھی نہ ملتا، وہ اپنے ساتھی کے ہاتھ کی تری کو لے لیتا، پھر میں نے حضرت بلال کو دیکھا، انہوں نے ایک نیزہ کو زمین میں گاڑ دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرخ حُلّہ پہنے ہوئے نکلے، آپ نے اپنے تہبند کو پنڈلیوں سے اونچا کیا ہوا تھا، آپ نے نیزہ کے سامنے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی اور میں نے دیکھا لوگ اور مویشی نیزے کے پار سے گزر رہے تھے۔ (صحیح البخاری: ۳۷۶)

- حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متوسط القامت تھے اور آپ کے دو کندھوں کے درمیان کچھ فاصلہ تھا، اور آپ کے سر کے بال کانوں کی لو تک پہنچتے تھے، اور میں نے آپ کو سرخ حلہ پہنے ہوئے دیکھا اور میں نے اس سے زیادہ حسین کوئی چیز نہیں دیکھی۔ (صحیح البخاری: ۳۵۵۱، صحیح مسلم: ۲۳۳۷، سنن ترمذی: ۱۷۲۴، سنن نسائی: ۵۲۳۲، سنن ابوداؤد: ۴۱۸۳)

اور سفید رنگ کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے کپڑوں میں سے سفید کپڑے پہنو، یہ تمہارے بہترین کپڑے ہیں اور اسی رنگ کے کپڑوں میں اپنے مردوں کو کفن دو۔ الحدیث

(سنن ابوداؤد: ۴۰۶۱، سنن ترمذی: ۹۹۴، سنن ابن ماجہ: ۳۵۶۶)

اور سبز رنگ کے متعلق یہ حدیث ہے:

ابو رمثہ بیان کرتے ہیں، میں اپنے والد کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا تو میں نے آپ کے اوپر دو سبز چادریں

دیکھیں۔ (سنن ابوداؤد: ۴۰۶۵، سنن نسائی: ۱۵۷)

تاہم عمامہ کے متعلق خصوصیت سے حدیث میں سیاہ رنگ کا ذکر ہے اور سنن ابوداؤد کی روایت میں زرد رنگ کا بھی ذکر ہے۔ اور دوسرے رنگ کے لباس بھی آپ نے پہنے ہیں، جن میں سفید، سرخ اور سبز رنگ شامل ہیں۔ تاہم خصوصیت سے سفید رنگ کے عمامہ یا سرخ رنگ کے عمامہ یا سبز رنگ کے عمامہ کے متعلق حدیث ہماری نظر سے نہیں گزری۔ تاہم ان رنگوں کے عمامہ کو پہننا بھی جائز ہے، لیکن جب تک کسی حدیث سے یہ ثابت نہ ہو کہ آپ نے ان رنگوں کا عمامہ باندھا ہے، اس رنگ کے عمامہ کو سنت کہنا صحیح نہیں ہوگا۔

۱۶۔ بَابُ: التَّقَنُّعِ

سر اور چہرہ کے اکثر حصہ کو کسی کپڑے سے ڈھانپنے کا بیان

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: خَرَجَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَعَلَيْهِ عِصَابَةٌ دَسْمَاءُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے اور آپ کے اوپر ایک سیاہ پٹی تھی۔

وَقَالَ أَنَسٌ: عَصَبَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى رَأْسِهِ حَاشِيَةَ بُرْدٍ۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کے اوپر چادر کا ایک کونا باندھا ہوا تھا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تعلیق ذکر کی ہے، یہ مناقب انصار میں مذکور حدیث کی ایک طرف ہے، وہ حدیث اس طرح ہے کہ عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے اور آپ نے اپنے کندھے کے اوپر ایک چادر لپیٹی ہوئی تھی اور آپ کے اوپر سیاہ پٹی تھی۔ الحدیث

اس حدیث میں ''دسماء'' کا لفظ ہے اور اس کا معنی ہے: جو صاف ستھری نہ ہو۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پٹی کی یہ صفت بیان کرنا کہ وہ صاف نہیں تھی، اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کمی ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا: دسماء سے مراد ہے: وہ سیاہ پٹی تھی۔ اور ابن الاثیر نے وثوق سے کہا ہے کہ دسماء کا معنی سیاہ ہے۔

توضیح میں مذکور ہے کہ مرد کے لیے ضرورت کے وقت اپنے سر اور چہرہ کو ڈھانپنا مباح ہے۔ ابن وہب نے کہا: میں نے امام مالک سے دریافت کیا کہ کپڑے سے تقنع کرنا کیسا ہے؟ تو انہوں نے کہا: جو مرد گرمی یا سردی محسوس کرتا ہو یا کوئی اور ایسی بات محسوس کرتا ہو جس میں سر ڈھانپنے کا عذر ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس کے بغیر جائز نہیں ہے۔ اور علامہ الابہری نے کہا: جب کسی نے نقصان سے بچنے کے لیے سر کو ڈھانپا تو یہ مباح ہے اور اس کے علاوہ مکروہ ہے، کیونکہ یہ ان لوگوں کا فعل ہے جن پر کوئی تہمت ہوتی ہے، اور یہ مکروہ ہے کہ کوئی شخص ایسا کام کرے جس سے اس کے اوپر تہمت کا گمان کیا جائے۔

اور امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جو تعلیق ذکر کی ہے، اس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کے اوپر چادر کے ایک کونے سے پٹی باندھی، اس پر اسماعیلی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ آپ نے جو سر پر پٹی باندھی تھی اس کو تقنع کے تحت داخل کرنا

صحیح نہیں ہے، کیونکہ تقنع کا معنی ہے: سر کو ڈھانپنا اور ''عصابة'' کا معنی ہے: کسی پھٹے ہوئے کپڑے کو سر کے گرد لپیٹنا۔
اس کا جواب یہ ہے: عصابة کا معنی مطلقاً سر کو کسی پھٹے ہوئے کپڑے کو باندھنا ہے، اور یہ تقنع کے منافی نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۵۷۔۴۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٥٨٠٧۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ هَاجَرَ نَاسٌ إِلَى الْحَبَشَةِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَتَجَهَّزَ أَبُو بَكْرٍ مُهَاجِرًا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى رِسْلِكَ فَإِنِّي أَرْجُو أَنْ يُؤْذَنَ لِي فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أَوَ تَرْجُوهُ بِأَبِي أَنْتَ قَالَ نَعَمْ فَحَبَسَ أَبُو بَكْرٍ نَفْسَهُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ لِصُحْبَتِهِ وَعَلَفَ رَاحِلَتَيْنِ كَانَتَا عِنْدَهُ وَرَقَ السَّمُرِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ قَالَ عُرْوَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ فَبَيْنَا نَحْنُ يَوْمًا جُلُوسٌ فِي بَيْتِنَا فِي نَحْرِ الظَّهِيرَةِ فَقَالَ قَائِلٌ لِأَبِي بَكْرٍ هَذَا رَسُولُ اللهِ ﷺ مُقْبِلًا مُتَقَنِّعًا فِي سَاعَةٍ لَمْ يَكُنْ يَأْتِينَا فِيهَا قَالَ أَبُو بَكْرٍ فِدًا لَكَ أَبِي وَأُمِّي وَاللهِ إِنْ جَاءَ بِهِ فِي هَذِهِ السَّاعَةِ إِلَّا لِأَمْرٍ فَجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ فَاسْتَأْذَنَ فَأَذِنَ لَهُ فَدَخَلَ فَقَالَ حِينَ دَخَلَ لِأَبِي بَكْرٍ أَخْرِجْ مَنْ عِنْدَكَ قَالَ إِنَّمَا هُمْ أَهْلُكَ بِأَبِي أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ فَإِنِّي قَدْ أُذِنَ لِي فِي الْخُرُوجِ قَالَ فَالصُّحْبَةُ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَخُذْ بِأَبِي أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ إِحْدَى رَاحِلَتَيَّ هَاتَيْنِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ بِالثَّمَنِ قَالَتْ فَجَهَّزْنَاهُمَا أَحَثَّ الْجِهَازِ وَضَعْنَا لَهُمَا سُفْرَةً فِي جِرَابٍ فَقَطَعَتْ أَسْمَاءُ بِنْتُ أَبِي بَكْرٍ قِطْعَةً مِنْ نِطَاقِهَا فَأَوْكَأَتْ بِهِ الْجِرَابَ وَلِذَلِكَ كَانَتْ تُسَمَّى ذَاتَ النِّطَاقِ ثُمَّ لَحِقَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ بِغَارٍ فِي جَبَلٍ يُقَالُ لَهُ ثَوْرٌ فَمَكَثَ فِيهِ ثَلَاثَ لَيَالٍ يَبِيتُ عِنْدَهُمَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ وَهُوَ غُلَامٌ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی از معمر از الزہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ بعض مسلمان مرد حبشہ کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کرنے کی تیاری کر لی تو نبی ﷺ نے فرمایا: تم ٹھہرو، کیونکہ مجھے امید ہے مجھے بھی (ہجرت کی) اجازت دی جائے گی، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ پر میرے باپ اور میری ماں فدا ہوں! کیا آپ کو ہجرت کی امید ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو نبی ﷺ کی معیت اور رفاقت کے حصول کے لیے روک لیا اور ان کے پاس جو دو اونٹنیاں تھیں، ان کو چار ماہ تک کیکر کے پتے کھلاتے رہے، عُروہ نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: پس ایک دن دوپہر کے وقت ہم اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے تو کسی کہنے والے نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ ہیں جو سر پر کپڑا ڈالے ہوئے اس وقت آ رہے ہیں اور آپ اس وقت ہمارے پاس آیا نہیں کرتے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ پر میرے باپ اور میری ماں فدا ہوں، اور اللہ کی قسم! اس وقت جو آپ تشریف لائے ہیں تو ضرور کوئی کام ہوگا۔ پس نبی ﷺ آئے، آپ نے اجازت طلب کی، آپ کو اجازت دی گئی، پھر آپ داخل ہوئے، پس جب آپ داخل ہوئے تو آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: جو لوگ تمہارے پاس ہیں ان کو نکال لو، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ پر میرا باپ فدا ہو، وہ سب آپ ہی کے گھر والے ہیں۔ آپ نے فرمایا: پس بے شک مجھے یہاں سے نکلنے کی

شَابٌّ لَقِنٌ ثَقِفٌ فَيَرْحَلُ مِنْ عِنْدِهِمَا سَحَرًا فَيُصْبِحُ مَعَ قُرَيْشٍ بِمَكَّةَ كَبَائِتٍ فَلَا يَسْمَعُ أَمْرًا يُكَادَانِ بِهِ إِلَّا وَعَاهُ حَتَّى يَأْتِيَهُمَا بِخَبَرِ ذَلِكَ حِينَ يَخْتَلِطُ الظَّلَامُ وَيَرْعَى عَلَيْهِمَا عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ مِنْحَةً مِنْ غَنَمٍ فَيُرِيحُهَا عَلَيْهِمَا حِينَ تَذْهَبُ سَاعَةٌ مِنَ الْعِشَاءِ فَيَبِيتَانِ فِي رِسْلِهِمَا حَتَّى يَنْعِقَ بِهَا عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ بِغَلَسٍ يَفْعَلُ ذَلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ مِنْ تِلْكَ اللَّيَالِي الثَّلَاثِ۔

(سنن ابوداؤد: ۴۰۸۳، مسند احمد: ۲۵۰۹۸)

اجازت دے دی گئی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں تو کیا میں آپ کا مصاحب ہوں گا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ آپ نے فرمایا: ہاں! حضرت ابوبکر نے کہا: آپ پر میرا باپ فدا ہو یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میری ان دو اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی آپ لے لیجئے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیمت کے ساتھ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: ہم نے ان کے لیے سامانِ سفر بہت جلد تیار کیا اور ایک تھیلے میں ان کے لیے ناشتہ رکھا، پس حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نے اپنے کمر بند کا ایک ٹکڑا کاٹا اور اس سے اس تھیلے کے منہ کو باندھ دیا، اسی وجہ سے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو ذات النطاقین (دو کمر بند والی) کہا جاتا ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک پہاڑ کے غار میں داخل ہوئے جس کو ثور کہا جاتا ہے۔ پھر اس غار میں تین راتیں رہے، ان دونوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن ابوبکر رہے، وہ نوجوان لڑکے تھے اور ذہین اور سمجھدار تھے، وہ سحری کے وقت ان کے پاس سے نکل آتے اور قریش کے پاس مکہ میں اس طرح صبح کرتے جیسا کہ رات مکہ میں رہے ہوں، پھر وہ جو بھی ایسی بات سنتے جس میں ان دونوں کے خلاف کوئی مکر یا سازش کی گئی ہو، اس کو یاد رکھتے اور پھر جب رات کا اندھیرا پھیل جاتا تو وہ ان دونوں کو اس کی خبر پہنچا دیتے، اور عامر بن فہیرہ جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، وہاں پر ان بکریوں کو چراتے تھے جن کو دودھ کے عطیہ کے لیے ہبہ کیا گیا تھا۔ پس وہ ان بکریوں کو ان کے پاس لاتے جب رات کا ایک حصہ گزر جاتا۔ پس آپ دونوں ان بکریوں کے دودھ پر رات گزارتے حتیٰ کہ صبح کو منہ اندھیرے عامر بن فہیرہ ان بکریوں کو لے جاتے، اور ان تین راتوں میں سے ہر رات کو عامر بن فہیرہ اسی طرح کرتے تھے۔

صحیح البخاری: ۵۸۰۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کا عنوان ہے "تقنع" یعنی سر پر کپڑا رکھ کر سر کو چھپانا، اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک دن دوپہر کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر پر کپڑا ڈالے ہماری طرف آ رہے تھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام، اور وہ ابن یوسف ہیں۔ اور اس کی سند میں مذکور ہے معمر، وہ ابن راشد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "راحلتین" یہ "راحلة" کا تثنیہ ہے، اور یہ اس اونٹ کو کہتے ہیں جو سفر کرنے اور بوجھ اٹھانے کی قوت رکھتا ہو، اور اس میں مذکر اور مونث برابر ہیں۔ اور راحلة میں تاء مبالغہ کے لیے ہے، یعنی جس اونٹ کو اس کی خوبصورتی اور اس کی جسمانی قوت کے مکمل ہونے کے اعتبار سے اختیار کیا جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الصحبة" یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ کی رفاقت کو اختیار کرتا ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وبه سميت اسماء ذات النطاقين" یعنی اسی وجہ سے حضرت اسماء کو ذات النطاقین (یعنی دو کمر بند والی) کہا جاتا ہے، کیونکہ انہوں نے اپنے کمر بند کے دو ٹکڑے کر لیے تھے، ایک ٹکڑے سے ناشتہ دان کو باندھ لیا تھا اور ایک ٹکڑے سے اپنی کمر کو باندھ لیا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لقن" اس کا معنی ہے "سريع الفهم" یعنی بہت ذہین۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "ثقف" اس کا معنی ہے: بہت سمجھدار اور ماہر۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "منحة" اس کا معنی ہے: وہ بکری جو تم دوسرے شخص کو دو تا کہ وہ اس کا دودھ پیئے پھر تمہیں واپس کر دے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "في رسلها" یعنی اس کا دودھ۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۵۹۔ ۴۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۸۰۷ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غار میں چھپنے کے فوائد

(۱) جب مشرکین نے اللہ کے نبی کے ساتھ مکر اور سازش کا ارادہ کیا اور آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم سے غار ثور میں چھپ گئے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ (الانفال: ۳۰)

اور یاد کیجئے جب کافر آپ کے خلاف سازش کر رہے تھے تاکہ آپ کو قید کریں یا قتل کریں یا جلا وطن کریں، وہ اپنی سازش میں لگے ہوئے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے

بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے O

یہاں تک کہ انہوں نے آپ کو تلاش کرنا چھوڑ دیا، پھر آپ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے تا کہ یہ آپ کی امت کے لیے سنت ہو جائے، ورنہ اگر آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے کہ ان کفار کو اللہ تعالیٰ اندھا کر دے یا ان کو زمین میں دھنسا دے تو یہ اللہ تعالیٰ کے لیے آسان تھا۔

اسی طرح اس میں ان لوگوں کا بھی رد ہے جو یہ کہتے ہیں: جو شخص خوف کے وقت اپنے گھر میں چھپ گیا یا کسی قلعہ میں چلا گیا تو وہ توکل سے بری ہو گیا، کیونکہ نقصان اور نفع اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اور یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غار میں داخل ہونے کا حکم دیا اور مخلوق کے شر سے چھپنے کا حکم دیا حالانکہ آپ سید المتوکلین ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کا کہنا بھی باطل ہو گیا جنہوں نے یہ کہا: جو اللہ کے سوا کسی چیز سے ڈرتا ہے وہ تقدیر پر ایمان نہیں رکھتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شارع علیہ السلام سے کہا: اگر ان میں سے کسی ایک نے قدم اٹھایا تو وہ ہم کو دیکھ لے گا، پس ان دونوں کو ضرر ہو گا اور اس کی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (التوبہ: ۴۰)

اگر تم نے رسول کی مدد نہیں کی تو بے شک اللہ ان کی مدد کر چکا ہے جب کافروں نے ان کو بے وطن کر دیا تھا، درآں حالیکہ وہ دو میں سے دوسرے تھے، جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے صاحب سے فرما رہے تھے: غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے، سو اللہ نے ان پر طمانیت قلب نازل کی اور ان کی ایسے لشکروں سے مدد فرمائی جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کی بات کو نیچا کر دیا اور اللہ کا دین ہی بلند و بالا ہے، اور اللہ بہت غلبہ والا، بڑی حکمت والا ہے O

سفرِ ہجرت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت

اس حدیث میں یہ واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدیق یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو فضیلت اور کرامت عطا فرمائی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بلند درجہ تھا، کیونکہ آپ نے تمام امت میں سے صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ سفرِ ہجرت کے لیے پسند فرمایا اور اپنا راز دار بنایا، اور جس سفر کو آپ نے تمام صحابہ سے مخفی رکھا تھا، اس سفر کا حال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر منکشف کر دیا، کیونکہ جو ایام آپ نے غار میں گزارے، ان ایام میں صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد اور ان کے آزاد شدہ غلام اور ان کے نوکر ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال سے واقف تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس فضیلت کے ساتھ صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خاص رکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کو اس فضیلت میں شریک نہیں کیا، پس اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قدر اور منزلت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تھی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی امان اور امانت کے لیے اختیار کیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صدیق ہونے کا سبب

اس حدیث سے یہ ظاہر ہو گیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق کے لقب کے مستحق تھے، کیونکہ انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی بجائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرنے کے لیے اپنے آپ کو روک کے رکھا، کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ مجھے ہجرت کی اجازت دی جائے گی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کے صدق کی طرف رغبت کی اور سفر ہجرت کی تیاری کی اور دو اونٹنیوں کو اس سفر کے لیے تیار کیا اور سفر ہجرت کے لیے اپنے مال کو خرچ کیا جیسا کہ اس سفر میں انہوں نے اپنی جان کو بھی خطرہ میں ڈالا تھا، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر سے بڑھ کر مجھ پر اپنی جان اور مال سے احسان کرنے والا اور کوئی نہیں ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کو چاہیے کہ اپنے راز کی حفاظت کرے اور کسی کو اس پر مطلع نہ کرے سوا ان کے جن کو اس پر کامل اعتماد ہو، کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: جو لوگ تمہارے پاس ہیں ان کو یہاں سے نکال لو تا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تنہائی میں ہجرت کی خبر دیں، جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ آپ کے اہل ہیں اور ان کو معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پر شفقت ایسے ہے جیسے اپنے اہل پر شفقت ہوتی ہے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی اس راز پر مطلع کر دیا اور آپ نے بتایا کہ آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جلدی سے کہا کہ اس سفر میں میں آپ کا رفیق ہوں اور یہ اس سے بہت بلیغ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ وفا کرنے والے تھے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۷ ص ۴۳۲۔ ۴۳۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: یہاں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ یہ آپ کے اہل ہیں اس لیے تھا کہ ام المومنین سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں تھیں اور بیوی کے گھر والے بھی اہل ہی کی مثل ہوتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہ) واللہ اعلم بالصواب

۱۷۔ بَابُ: اَلْمِغْفَرِ   خود (لوہے کی ٹوپی) کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں "المغفر" یعنی خود کا بیان کیا جائے گا۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ بھی ایک قسم کی لوہے کی زرہ ہے جو سر کے سائز کے مطابق تیار کی جاتی ہے اور اس کو سر کی حفاظت کے لیے ٹوپی کے نیچے پہنا جاتا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: الاصمعی سے اسی طرح منقول ہے، اور علامہ الداؤدی نے کہا ہے: یہ ایسی زرہ ہے جس سے سر اور کندھوں کو ڈھانپا جاتا ہے، اور علامہ ابن بطال نے کہا: المغفر لوہے کی ٹوپی ہے اور یہ جنگ کے آلات میں سے ہے۔ اور علامہ ابن الاثیر نے کہا: المغفر وہ زرہ ہے جس کو سر کے اوپر پہنا جاتا ہے۔ یہ جالی دار بنی ہوئی زرہ ہوتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۶۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۰۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم دَخَلَ

۵۸۰۸۔ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے

مَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ وَعَلَى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ۔

حدیث بیان کی از الزہری از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے سال داخل ہوئے اور آپ کے سر کے اوپر خود تھا۔

(صحیح البخاری:۱۸۴۶، ۳۰۴۴، ۴۲۸۶، ۵۸۰۸، صحیح مسلم: ۱۳۵۷، سنن ترمذی: ۱۶۹۳، سنن نسائی: ۲۸۶۷، سنن ابوداؤد: ۲۶۸۵، سنن ابن ماجہ: ۲۸۰۵، مسند احمد: ۱۲۵۲۱، موطا امام مالک: ۹۶۴، سنن داری: ۱۹۳۸)

صحیح البخاری:۵۸۰۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالولید، ان کا نام ہشام بن عبدالملک الطیالسی ہے۔

مکہ میں دخول کے وقت خود اور عمامہ پہننے کی حدیثوں کے تعارض کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر پر خود (لوہے کی ٹوپی) تھا، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے اوپر سیاہ عمامہ تھا۔ سو ان دو حدیثوں میں تعارض ہے۔

علامہ عینی اس کے جواب میں لکھتے ہیں: اس میں کوئی مانع نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیک وقت خود بھی پہنا ہوا ہو اور عمامہ بھی پہنا ہوا ہو۔ گویا کہ پہلے آپ نے عمامہ پہنا، پھر اس کے اوپر خود پہن لیا یا خود نیچے تھا اور اس کے اوپر عمامہ پہن لیا یا ہم یہ کہتے ہیں کہ جب آپ پہلے مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر پر خود تھا، پھر آپ نے اس کو اتار دیا اور سیاہ عمامہ پہن لیا اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا اور آپ کے اوپر سیاہ عمامہ تھا اور آپ نے خطبہ اس وقت دیا تھا جب آپ کعبہ میں داخل ہونے کے بعد کعبہ کے دروازے کے پاس تھے۔

اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن خود اس وقت پہنا ہوا تھا جب آپ برسر قتال تھے اور آپ محرم نہیں تھے۔ بخاری کی یہ حدیث امام مالک کی ان منفرد احادیث میں سے ہے جو انہوں نے زہری سے روایت کی ہے اور صحیح یہ ہے کہ آپ جب فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر کے اوپر سیاہ عمامہ تھا، جیسا کہ امام ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور کہا کہ یہ حدیث حسن ہے اور آپ کے اوپر خود نہیں تھا، لیکن امام نسائی نے زہری سے جو روایت کی ہے اس میں یہ ہے کہ آپ کے سر پر خود تھا۔ پھر ان دو حدیثوں میں اسی طرح تطبیق دی گئی ہے جس طرح ہم نے ابھی تطبیق دی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۶۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۸۔ بَاب: الْبُرُودِ وَالْحِبَرَةِ وَالشَّمْلَةِ

چادروں اور یمنی چادروں کا بیان

وَقَالَ خَبَّابٌ شَكَوْنَا إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً لَهُ۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی اور اس وقت آپ اپنی چادر سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

البرود، الحِبَرَة اور الشملة کے معانی

اس باب میں البرود کا ذکر کیا جائے گا اور بُرود، بُردة کی جمع ہے۔ اور یہ سیاہ چوکور چادر ہے۔ دیہاتی یہ چادر اپنے بچوں کو پہناتے ہیں۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ البرود، الاردیة (رداء کی جمع، یعنی چادر) اور المیازر (میزر کی جمع، یعنی تہبند) کی مثل ہے۔ اور ان میں بعض، بعض سے افضل ہوتے ہیں۔ علامہ ابن بطال نے کہا ہے: دھاری دار چادر اور سادہ چادر دونوں برابر ہیں۔

الحِبَرَة، اس میں حاء کے نیچے زیر ہے اور باء پر زبر ہے، یہ عِنَبَةٌ کے وزن پر ہے اور یہ یمنی چادر ہے۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے: یہ سبز رنگ کی چادر ہے، کیونکہ سبز رنگ کی چادریں اہل جنت کا لباس ہیں، اس لیے سبز رنگ کی چادریں کفن میں مستحب ہیں۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ چادر ڈالی گئی تھی اور سفید رنگ کی چادر اس سے بہتر ہے اور اسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفن دیا گیا تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں سے ایک سبز رنگ کی چادر تھی اور سفید رنگ کی چادر کی زیادہ روایات ہیں۔ علامہ الہروی نے کہا ہے: ''الحِبَرَة'' کا معنی ہے: جس کے کنارے پر دھاریاں ہوں۔ علامہ ابن بطال نے کہا ہے: ''البرود'' یمن کی سوتی چادریں ہیں اور ان کے نزدیک یہ سب سے افضل کپڑا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ کے اوپر یمنی چادر ڈالی گئی تھی۔ اگر کوئی چیز یمنی چادر سے افضل ہوتی تو وہ آپ کے اوپر ڈالی جاتی۔

''الشملة'': یہ وہ چادر ہے جس کو لپیٹا جاتا ہے، یہ جوہری کا قول ہے اور علامہ داؤدی نے کہا کہ یہ عام چادر ہے۔

امام بخاری کی تعلیق کی شرح

حضرت خباب کا نام ہے خباب بن الارت، انہوں نے کہا کہ ہم نے کفار کی ایذاء رسانی کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی اور یہ حدیث المبعث النبوی میں گزر چکی ہے اس باب میں ''ما لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابه بمکة''۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۰۹۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنْتُ أَمْشِي مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَعَلَيْهِ بُرْدٌ نَجْرَانِيٌّ غَلِيظُ الْحَاشِيَةِ فَأَدْرَكَهُ أَعْرَابِيٌّ فَجَبَذَهُ بِرِدَائِهِ جَبْذَةً شَدِيدَةً حَتَّى نَظَرْتُ إِلَى صَفْحَةِ عَاتِقِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَدْ أَثَّرَتْ بِهَا حَاشِيَةُ الْبُرْدِ مِنْ شِدَّةِ جَبْذَتِهِ ثُمَّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ مُرْ لِي مِنْ مَالِ اللهِ الَّذِي عِنْدَكَ فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ رَسُولُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا اور آپ کے اوپر نجرانی چادر تھی جس کا کنارا موٹا تھا، پس ایک دیہاتی نے آپ کو پالیا، سو اس نے آپ کو آپ کی چادر کے ساتھ زور سے کھینچا حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر اس کے شدت سے کھینچنے کی وجہ سے چادر کے

اللهِ ﷺ ثُمَّ ضَحِكَ ثُمَّ أَمَرَلَهُ بِعَطَاءٍ۔

موٹے کنارے کا نشان پڑ گیا تھا، پھر اس دیہاتی نے کہا: اے محمد! (ﷺ)، آپ کے پاس جو اللہ کا مال ہے، اس مال میں سے آپ مجھے عطا کرنے کا حکم دیجئے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا، پھر آپ ہنسے، پھر آپ نے اس کے لیے عطا کرنے کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۴۹، ۵۸۰۹، ۶۰۸۸، صحیح مسلم: ۱۰۵۷، سنن ابن ماجہ: ۳۵۵۳، مسند احمد: ۱۲۱۳۹)

صحیح البخاری: ۵۸۰۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں ''الحِبَرَة'' کا ذکر ہے، اور الحبر ۃ کا معنی ہے: یمنی چادر۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے نجرانی چادر، اور نجران بھی یمن کا شہر ہے۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہوگئی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل بن عبد اللہ کا ذکر ہے، اور وہ اسماعیل بن ابی اویس ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''وعلیه برد نجرانی'' یعنی آپ کے اوپر نجرانی چادر تھی، نجران یمن کا شہر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اثرت بها'' یعنی اس اعرابی نے اس زور سے چادر کو کھینچا کہ اس کا نشان آپ کے کندھے پر پڑ گیا۔ اور ہمام کی روایت میں ہے کہ وہ چادر پھٹ گئی اور اس کا کنارہ آپ کی گردن میں آ گیا اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ اعرابی سے یہ کام اس وقت ہوا جب نبی ﷺ اپنے حجرہ تک پہنچ گئے تھے۔ اور ہمام کی روایت اور بخاری کی روایت میں مطابقت اس طرح ہے کہ وہ اعرابی آپ سے مسجد کے باہر ملا تو وہ آپ کے پیچھے آیا، جب کہ آپ اپنے حجرہ میں داخل ہونے والے تھے، اس نے آپ سے بات کی اور آپ کے کپڑے کو پکڑ لیا جب آپ مسجد میں داخل ہوئے، پھر جب آپ حجرے میں داخل ہونے لگے تو اسے یہ خوف ہوا کہ اب اس کی آپ سے ملاقات نہیں ہو سکے گی، تو اس نے آپ کی چادر کو پکڑ کر زور سے کھینچا۔

اس حدیث میں آپ ﷺ کے حلم اور آپ کی جان اور مال میں ایذاء پر صبر کرنے کا بیان ہے، اور سخت رویہ سے تجاوز کرنے کا ذکر ہے، آپ یہ چاہتے تھے کہ اس دیہاتی کی اسلام سے تالیف کریں اور تاکہ آپ کے بعد جو حکام آنے والے ہیں، وہ آپ کے اس خلقِ جمیل کی پیروی کریں اور زیادتی سے درگزر کریں اور برائی کا بدلہ اچھائی سے دیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۶۱۔ ۴۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۱۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَتِ امْرَأَةٌ بِبُرْدَةٍ قَالَ سَهْلٌ هَلْ تَدْرِي مَا الْبُرْدَةُ قَالَ نَعَمْ هِيَ الشَّمْلَةُ مَنْسُوجٌ فِي حَاشِيَتِهَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي نَسَجْتُ هَذِهِ بِيَدِي أَكْسُوكَهَا فَأَخَذَهَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مُحْتَاجًا إِلَيْهَا فَخَرَجَ إِلَيْنَا وَإِنَّهَا لَإِزَارُهُ فَجَسَّهَا رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ اكْسُنِيهَا قَالَ نَعَمْ فَجَلَسَ مَا شَاءَ اللهُ فِي الْمَجْلِسِ ثُمَّ رَجَعَ فَطَوَاهَا ثُمَّ أَرْسَلَ بِهَا إِلَيْهِ فَقَالَ لَهُ الْقَوْمُ مَا أَحْسَنْتَ سَأَلْتَهَا إِيَّاهُ وَقَدْ عَرَفْتَ أَنَّهُ لَا يَرُدُّ سَائِلًا فَقَالَ الرَّجُلُ وَاللهِ مَا سَأَلْتُهَا إِلَّا لِتَكُونَ كَفَنِي يَوْمَ أَمُوتُ قَالَ سَهْلٌ فَكَانَتْ كَفَنَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی از ابی حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت ایک بُردہ (سیاہ چوکور چادر) لے کر آئی، حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم جانتے ہو بردہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! یہ وہ چادر ہے جس کے کناروں میں بُنائی کی ہوئی تھی، اس عورت نے کہا: یارسول اللہ! میں نے اس چادر کو اپنے ہاتھ سے بُنا ہے تا کہ آپ اس کو پہنیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چادر لے لی، جب کہ آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف آئے اور آپ نے اس چادر کا تہبند باندھا ہوا تھا، پس صحابہ میں سے ایک مرد نے اس چادر کو چھوا، پس کہا: یارسول اللہ! یہ چادر مجھے پہنا دیجئے، آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے، پھر آپ مجلس میں اتنی دیر بیٹھے جتنی دیر اللہ نے چاہا، پھر آپ واپس گئے، اس چادر کو لپیٹا اور اس مرد کی طرف بھیج دیا، تو صحابہ نے اس مرد سے کہا: تم نے اچھا نہیں کیا، تم نے اس چادر کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور تم کو معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی سائل کو رد نہیں کرتے، اس مرد نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اس چادر کا اس لیے سوال کیا تھا کہ جب میں مروں تو یہ چادر میرا کفن بن جائے، حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے بتایا، پھر وہ چادر اس مرد کا کفن ہوگئی۔

(صحیح البخاری: ۱۲۷۷، ۲۰۹۳، ۵۸۱۰، ۶۰۳۶، سنن نسائی: ۵۳۲۱، سنن ابن ماجہ: ۳۵۵۵، مسند احمد: ۲۲۳۱۸)

صحیح البخاری: ۵۸۱۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یعقوب بن عبدالرحمٰن کا ذکر ہے، یہ ابن محمد بن عبداللہ القاری ہیں، یہ لفظ القارۃ سے ہے، یہ عرب کا ایک قبیلہ ہے، یہ اصل میں مدنی ہیں اور اسکندریہ میں انہوں نے رہائش کی۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو حازم کا ذکر ہے، ان کا نام سلمہ بن دینار ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فجسّها'' جیم اور شین کی تشدید کے ساتھ، یعنی اس کو اپنے ہاتھ سے چھوا، اور دوسری روایت میں ہے ''فحسّنها'' یعنی اس چادر کی اس مرد نے تحسین کی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۱۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي زُمْرَةٌ هِيَ سَبْعُونَ أَلْفًا تُضِيءُ وُجُوهُهُمْ إِضَاءَةَ الْقَمَرِ فَقَامَ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ الْأَسَدِيُّ يَرْفَعُ نَمِرَةً عَلَيْهِ قَالَ ادْعُ اللهَ لِي يَا رَسُولَ اللهِ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ سَبَقَكَ عُكَّاشَةُ۔

(صحیح بخاری: ۶۵۴۲، صحیح مسلم: ۲۱۶، مسند احمد: ۸۹۴۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب نے حدیث بیان کی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار کا ایک گروہ جنت میں داخل ہوگا، ان کے چہرے اس طرح روشن ہوں گے جس طرح چاند روشن ہے، پس حضرت عکاشہ بن محصن الاسدی رضی اللہ عنہ اپنی چادر کو اٹھاتے ہوئے کھڑے ہوئے اور کہا: یا رسول اللہ! میرے لیے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے کردے، آپ نے دعا کی: اے اللہ! ان کو ان میں سے کردے، پھر انصار میں سے ایک مرد کھڑا ہوا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! میرے لیے دعا کیجئے کہ مجھے اللہ تعالیٰ ان میں سے کردے، آپ نے فرمایا: عکاشہ نے تم پر سبقت کرلی۔

صحیح البخاری: ۵۸۱۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں چادروں کا ذکر ہے، اور اس حدیث میں النمرۃ کا ذکر ہے، یہ وہ چادر ہے جس میں مختلف رنگ کی دھاریاں ہوں، گویا کہ یہ چیتے کی کھال سے بنائی گئی ہے، کیونکہ چیتے کی کھال میں بھی مختلف رنگ کی دھاریاں ہوتی ہیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالیمان کا ذکر ہے، یہ حکم بن نافع ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''سبقك عكاشة'' یعنی دعا کی طلب میں عکاشہ نے تم پر سبقت کرلی۔ اور کتاب الطب میں گزرا ہے کہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے یہ اس قصہ میں کہا تھا جس قصہ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے، جو نہ دم کراتے ہوں گے اور نہ بدفالی کرتے ہوں گے، اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں ایک ہی قصہ میں وارد ہیں، سوال

میں منافات نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۱۲۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قُلْتُ لَهُ أَيُّ الثِّيَابِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ أَنْ يَلْبَسَهَا قَالَ الْحِبَرَةُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن عاصم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، قتادہ نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: نبی ﷺ کو کون سا کپڑا زیادہ پسند تھا؟ تو انہوں نے کہا: الحِبَرۃُ یعنی یمنی چادر۔

(صحیح البخاری: ۵۸۱۳، صحیح مسلم: ۲۰۷۹، سنن ترمذی: ۱۷۸۷، سنن نسائی: ۵۳۱۵، سنن ابوداؤد: ۴۰۶۰، مسند احمد: ۱۳۶۹۴)

صحیح البخاری: ۵۸۱۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عمرو بن عاصم کا ذکر ہے، یہ القیسی البصری ہیں، اور ہمام کا ذکر ہے، یہ ابن یحییٰ ہیں۔

نبی ﷺ کو یمنی چادر زیادہ پسند تھی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں زیادہ زینت نہیں ہے اور اس لیے کہ اس میں میل کی زیادہ گنجائش ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۱۳۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ حَدَّثَنَا مُعَاذٌ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ﷺ قَالَ كَانَ أَحَبُّ الثِّيَابِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ أَنْ يَلْبَسَهَا الْحِبَرَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبد اللہ بن ابی الاسود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معاذ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ کو سب سے زیادہ یمنی چادر کا لباس پہننا پسند تھا۔

(صحیح البخاری: ۵۸۱۳، صحیح مسلم: ۲۰۷۹، سنن ترمذی: ۱۷۸۷، سنن نسائی: ۵۳۱۵، سنن ابوداؤد: ۴۰۶۰، مسند احمد: ۱۳۶۹۴)

اس حدیث کی شرح بھی حسب سابق ہے۔

صحیح البخاری: ۵۸۱۳ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ''الحبرة'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: یمنی چادر، یہ الجوہری کا قول ہے۔ (الصحاح ج ۲ ص ۶۲۱)

علامہ داؤدی نے کہا ہے: یہ سبز رنگ کا کپڑا ہے، کیونکہ سبز رنگ کا کپڑا اہل جنت کا لباس ہے، اسی لیے اس میں کفن مستحب ہے اور اسی لیے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کو سبز رنگ کی چادر سے ڈھانپ دیا گیا اور سفید رنگ کی چادر اس سے بہتر ہے، اور سفید رنگ کے کپڑے میں رسول اللہ ﷺ کو کفن دیا گیا تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کے کفن میں سے ایک حبرۃ تھا، علامہ

الہروی نے کہا ہے: یہ وہ کپڑا ہے کہ جس کے کناروں پر دھاریاں ہوتی ہیں۔ (غریب الحدیث ج ۱ ص ۶۰)

صحیح البخاری: ۵۸۰۹ میں مذکور ہے کہ ایک اعرابی نے زور سے آپ کی چادر کو کھینچا، جس سے آپ کے کندھے پر نشان پڑ گیا اور اس نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اللہ کا جو مال آپ کے پاس ہے، اس میں سے مجھے دینے کا حکم کیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا، آپ ہنسے، اور پھر اس کو عطا کرنے کا حکم دیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فطرت، شریف اخلاق کی تھی اور جاہلوں کی جفا پر صبر کرنے کی تھی اور ان سے درگزر کرنے کی تھی اور برائی کا بدلہ اچھائی سے دینے کی تھی، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسے جب اعرابی نے چادر پکڑ کر کھینچی، پھر آپ نے اس کو عطا کرنے کا حکم دیا اور اس سے مواخذہ نہیں کیا۔

اور صحیح البخاری: ۵۸۱۰ میں مذکور ہے کہ ایک عورت آپ کے لیے چادر بن کر لائی، آپ کو اس چادر کی ضرورت بھی تھی، آپ نے اس کو پہن بھی لیا، پھر ایک صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) یہ چادر مجھے دے دیجئے، تو آپ نے چادر اس کو عطا کر دی، اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کرم اور اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دینے کا حال معلوم ہوا، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صالحین کے کپڑوں سے تبرک حاصل کرنا چاہیے اور ان کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنا کر پیش کرنا چاہیے زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۶۴۰۔۶۴۱، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ جب صالحین کے کپڑے اور ان کے آثار کا وسیلہ بھی اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہے تو خود ان صالحین کا وسیلہ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کتنا مقبول ہوگا ان کی زندگی میں بھی اور ان کی حیات کے بعد بھی اور جب ایک صحابی کا عمل ہو تو ہم وسیلہ سے کیسے مستغنی ہو سکتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۸۱۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّ عَائِشَةَ رضي الله عنها زَوْجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حِينَ تُوُفِّيَ سُجِّيَ بِبُرْدٍ حِبَرَةٍ۔

(سنن ابوداؤد: ۳۱۲۰، مسند احمد: ۲۴۳۴۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجۂ محترمہ نے ان کو خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جب وفات ہوگئی تو آپ کو یمنی چادر سے ڈھانپ دیا گیا۔

۱۹۔ بَابُ: الْأَكْسِيَةِ وَالْخَمَائِصِ

عام چادروں اور سیاہ اونی چادروں کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ''اکسیۃ'' کا بیان ہے، اور اکسیۃ، کساء کی جمع ہے۔ اور خمائص کا بیان ہے، خمائص، خمیصۃ کی جمع ہے۔ اور خمیصۃ سیاہ اونی چادر کو کہتے ہیں یا چوکور ریشمی چادر جس میں بیل بوٹے بنے ہوئے ہوں۔ اور کساء کو اس وقت تک خمیصہ

نہیں کہتے جب تک اس میں بیل بوٹوں کے نقش ونگار نہ ہوں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ خمیصہ اس چادر کو کہتے ہیں جس میں ریشم کے بیل بوٹے ہوں یا نقش ونگار ہوں اور یہ سلف صالحین کا لباس تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۱۶،۵۸۱۵۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ عَائِشَةَ وَعَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ رضی الله عنه قَالَا لَمَّا نَزَلَ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ طَفِقَ يَطْرَحُ خَمِيصَةً لَهُ عَلَى وَجْهِهِ فَإِذَا اغْتَمَّ كَشَفَهَا عَنْ وَجْهِهِ فَقَالَ وَهُوَ كَذَٰلِكَ لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عُقیل از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے خبر دی کہ حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم دونوں نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ پر مرض وفات طاری ہوا تو آپ اپنی سیاہ اونی چادر پھر اپنے چہرے پر ڈال لیتے جب آپ ﷺ کا دم گھٹنے لگتا تو آپ اپنا چہرہ کھول دیتے، اسی حال میں آپ نے فرمایا: یہود اور نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو، انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو مساجد بنالیا، آپ ان کے کیے ہوئے کاموں سے ڈرارہے تھے۔

(صحیح البخاری: ۴۳۵، ۳۴۵۴، ۴۴۴۴، ۵۸۱۶، صحیح مسلم: ۵۳۱، سنن نسائی: ۷۰۳، مسند احمد: ۱۸۸۷، سنن دارمی: ۱۴۰۳)

صحیح البخاری: ۵۸۱۶،۵۸۱۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے''الخمائص''یعنی سیاہ اونی چادریں اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر مرض وفات طاری ہوا تو آپ کے چہرہ پر''خمیصہ''یعنی سیاہ اونی چادر ڈال دی گئی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن بکیر کا ذکر ہے، اور یہ یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر المخزومی المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عُقیل کا ذکر ہے، یہ ابن خالد ہیں۔ اور ابن شہاب کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''لما نزل''اس سے مراد ہے: جب مرضِ موت نازل ہوا۔ اس حدیث میں مذکور ہے''طفق''یعنی رسول اللہ ﷺ بخار کی وجہ سے اپنے چہرہ سے اونی چادر کو ہٹادیتے تھے۔ اس حدیث میں مذکور ہے''یحذر''یعنی آپ مسلمانوں کو بتوں کی عبادت سے ڈراتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۸۱۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر نہیں ہے، پھر عیسائیوں کی اس بات پر کیوں مذمت کی گئی کہ انہوں نے اپنے نبی کی قبر کو سجدہ گاہ بنالیا؟

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہود کے تو انبیاء تھے جب کہ عیسائیوں کے نبی صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے اور نہ ہی ان کی قبر ہے تو پھر نصاریٰ کا اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنانے سے کیا مراد ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں انبیاء اور ان کے صالحین پیروکار مراد ہیں، کیونکہ صحیح مسلم میں اس طرح ہے کہ وہ اپنے انبیاء اور اپنے صالحین کی قبروں کو مساجد بنالیتے تھے۔ اسی وجہ سے اس سے پہلی حدیث (صحیح البخاری: ۴۳۴) میں ارشاد ہے کہ: یہ وہ قوم ہے جب ان میں سے کوئی نیک بندہ یا نیک آدمی فوت ہوجاتا تھا تو اس کی قبر پر مسجد بنالیتے تھے اور اس پر بت بنا کر رکھ دیتے تھے اور یہ اللہ کی بدترین مخلوق ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہود تو اپنے انبیاء کی قبروں پر ان کے بت بناتے تھے، اور نصاریٰ اپنے صالحین کی قبروں پر ان کے بت بنالیتے تھے۔ اس بدعت کو یہود نے شروع کیا تھا اور نصاریٰ نے ان کی پیروی کی، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نصاریٰ بھی ان کثیر انبیاء کی تعظیم کرتے تھے جن کی یہود تعظیم کرتے تھے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۸۸، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ یہود اور نصاریٰ اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو مسجد بناتے تھے اور ان میں ان کے بت نصب کرتے تھے اس لیے ان کی مذمت کی گئی اور مزارات انبیاء اور صالحین کی قبور کے پاس مسجد بنانا تاکہ اس میں خالص اللہ کی عبادت کی جائے جائز ہے، جس کا ثبوت سورۃ الکہف میں ہے۔ تفصیل کے لئے ہماری تفسیر تبیان القرآن ج ۷ میں سورۃ الکہف کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۸۱۷۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَلَّى رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي خَمِيصَةٍ لَهُ لَهَا أَعْلَامٌ فَنَظَرَ إِلَى أَعْلَامِهَا نَظْرَةً فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ اذْهَبُوا بِخَمِيصَتِي هَذِهِ إِلَى أَبِي جَهْمٍ فَإِنَّهَا أَلْهَتْنِي آنِفًا عَنْ صَلَاتِي وَأْتُونِي بِأَنْبِجَانِيَّةِ أَبِي جَهْمِ بْنِ حُذَيْفَةَ بْنِ غَانِمٍ مِنْ بَنِي عَدِيِّ بْنِ كَعْبٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن شہاب نے حدیث بیان کی از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہ اونی چادر اوڑھ کر نماز پڑھی جس میں بیل بوٹے اور نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نقش و نگار کی طرف نظر کی، پھر جب آپ نے سلام پھیرا تو آپ نے فرمایا: میری یہ اونی چادر ابوجہم کے پاس لے جاؤ، کیونکہ اس نے ابھی نماز میں مجھے مشغول رکھا اور میرے پاس ابوجہم بن حذیفہ بن غانم بن بنی عدی بن کعب کی سادہ چادر لے آؤ۔

(صحیح مسلم: ۵۵۶، سنن نسائی: ۷۷۱، سنن ابوداؤد: ۹۱۴، مسند احمد: ۲۳۵۶۷)

صحیح البخاری: ۵۸۱۵، ۵۸۱۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کا عنوان ہے ''خمائص'' اور اس حدیث میں ذکر ہے: میری یہ خمیصہ یعنی اونی چادر لے جاؤ، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن سعد کا ذکر ہے، یہ ابن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں۔
یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ میں ''باب اذا صلی فی ثوب له اعلام'' میں گزر چکی ہے اور اس کی شرح وہاں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہ معمر صحابہ میں سے ہیں، انہوں نے کعبہ کی تعمیر میں دو مرتبہ حصہ لیا، ایک مرتبہ زمانہ جاہلیت میں جب قریش نے کعبہ کی تعمیر کی تھی، اس وقت یہ نوجوان اور قوی تھے، اور دوسری مرتبہ زمانۂ اسلام میں جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کعبہ کی تعمیر کی تھی، اس وقت یہ شیخ فانی تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نقش و نگار والی سیاہ اونی چادر ہدیہ کی تھی، جس کی طرف توجہ کرنے کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہو گئے تھے، تو آپ نے وہ چادر ان کو واپس کر دی۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو سیاہ اونی چادریں آئی تھیں، ایک چادر کو آپ نے پہن لیا اور دوسری چادر آپ نے حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہ کو نماز کے بعد واپس کر دی تھی اور ان سے دوسری چادر طلب کی تھی۔
اور اس حدیث میں ''الانبجانیۃ'' کا ذکر ہے، یہ موٹی چادر کو کہتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب اس چادر میں نقش و نگار اور بیل بوٹے ہوں تو اس کو خمیصۃ کہتے ہیں، اور جب یہ چادر سادہ ہو تو اس کو انبجانیۃ کہتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۱۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ أَخْرَجَتْ إِلَيْنَا عَائِشَةُ كِسَاءً وَإِزَارًا غَلِيظًا فَقَالَتْ قُبِضَ رُوحُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي هَذَيْنِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از حمید بن ہلال از حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہماری طرف ایک سادہ چادر نکالی اور ایک موٹا تہبند نکالا، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دو کپڑوں میں وفات ہوئی تھی۔

(صحیح مسلم: ۲۰۸۰، سنن ترمذی: ۱۷۳۳، سنن ابوداؤد: ۴۰۳۶، سنن ابن ماجہ: ۳۵۵۱، مسند احمد: ۲۳۵۱۷)

صحیح البخاری: ۵۸۱۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا تذکرہ ہے، اور وہ ابن علیہ ہیں۔ اور ایوب کا ذکر ہے، وہ السختیانی ہیں۔ اور حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، ان کا نام عامر بن ابی موسیٰ الاشعری ہے۔

اس حدیث کی شرح کتاب الخمس میں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۰۔ بَابُ: اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ — اپنے آپ کو کپڑے میں لپیٹنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ''اشتمال الصماء'' یعنی اپنے آپ کو کپڑے میں لپیٹنے کا بیان کیا جائے گا۔ محدثین نے اشتمال الصماء کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ مرد اپنے آپ کو ایک کپڑے میں لپیٹ لے اور اس کپڑے کی کوئی جانب اوپر نہ اٹھائے۔ اس کو صماء اس لیے کہتے ہیں کہ وہ مرد اپنے دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کے منافذ اور شگافوں اور سوراخوں کو بند کر دیتا ہے، اور وہ ایسی ٹھوس چٹانوں کی طرح ہو جاتا ہے جس میں کوئی سوراخ نہیں ہوتا۔ اور فقہاء کے نزدیک اشتمال الصماء کا معنی یہ ہے: کہ ایک مرد ایک کپڑا اس طرح اوڑھے کہ کوئی دوسرا کپڑا اس کے جسم پر نہ ہو، پھر جب وہ ایک جانب سے کپڑا اٹھائے اور اس کو کندھے پر رکھ دے تو اس کی شرمگاہ کھل جاتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۱۹۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ خُبَيْبٍ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ وَعَنْ صَلَاتَيْنِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغِيبَ وَأَنْ يَحْتَبِيَ بِالثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَى فَرْجِهِ مِنْهُ شَيْءٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ وَأَنْ يَشْتَمِلَ الصَّمَّاءَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ نے حدیث بیان کی از خبیب از حفص بن عاصم از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ملامسہ اور منابذہ سے منع فرمایا اور دو نمازوں سے منع فرمایا، فجر کے بعد نماز پڑھنے سے حتیٰ کہ سورج بلند ہو جائے اور عصر کے بعد نماز پڑھنے سے حتیٰ کہ سورج غائب ہو جائے۔ اور اس سے منع فرمایا کہ مرد ایک کپڑا اس طرح لپیٹ لے کہ اس کی شرمگاہ کے اوپر اس کے اور آسمان کے درمیان کپڑے کا کوئی حصہ نہ ہو اور اس سے منع فرمایا کہ وہ اشتمال الصماء کرے۔

(صحیح البخاری: ۳۶۸، ۵۸۴، ۵۸۸، ۱۹۹۲، ۲۱۴۵، ۲۱۴۶، ۵۸۱۹، ۵۸۲۱، سنن ترمذی: ۱۳۱۰، سنن نسائی: ۴۵۱۷، سنن ابن ماجہ: ۲۱۶۹، مسند

احمد: ۵۲۴۵ ۲۷، موطا امام مالک: ۱۷۰۳)

صحیح البخاری: ۵۸۱۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''صماء'' اور ''احتباء'' کا معنی

صماء لباس کی اس قسم کو کہتے ہیں کہ مثلاً انسان تہبند باندھے اور آگے سے یا پیچھے سے تہبند اٹھا کر اپنے کندھوں پر رکھ لے، جس سے اس کی اگلی یا پچھلی شرمگاہ کھل جائے۔ اور احتباء لباس کی اس قسم کو کہتے ہیں کہ مثلاً انسان نے صرف تہبند باندھا ہوا ہو اور وہ اپنی مقعد زمین پر ٹکا کر دونوں گھٹنے کھڑے کر کے بیٹھ جائے، اس طرح بیٹھنے میں یہ خطرہ ہے کہ اس کی شرمگاہ کھل جائے گی اور دکھائی دے گی۔ (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۱۱۲)

ملامسہ اور منابذہ کی تفسیر اس کے بعد والی حدیث میں آ رہی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۲۰۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ لِبْسَتَيْنِ وَعَنْ بَيْعَتَيْنِ نَهَى عَنِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ فِي الْبَيْعِ وَالْمُلَامَسَةُ لَمْسُ الرَّجُلِ ثَوْبَ الْآخَرِ بِيَدِهِ بِاللَّيْلِ أَوْ بِالنَّهَارِ وَلَا يُقَلِّبُهُ إِلَّا بِذَلِكَ وَالْمُنَابَذَةُ أَنْ يَنْبِذَ الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ بِثَوْبِهِ وَيَنْبِذَ الْآخَرُ ثَوْبَهُ وَيَكُونَ ذَلِكَ بَيْعَهُمَا عَنْ غَيْرِ نَظَرٍ وَلَا تَرَاضٍ وَاللِّبْسَتَيْنِ اشْتِمَالُ الصَّمَّاءِ وَالصَّمَّاءُ أَنْ يَجْعَلَ ثَوْبَهُ عَلَى أَحَدِ عَاتِقَيْهِ فَيَبْدُو أَحَدُ شِقَّيْهِ لَيْسَ عَلَيْهِ ثَوْبٌ وَاللِّبْسَةُ الْأُخْرَى احْتِبَاؤُهُ بِثَوْبِهِ وَهُوَ جَالِسٌ لَيْسَ عَلَى فَرْجِهِ مِنْهُ شَيْءٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عامر بن سعد نے خبر دی کہ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے دو قسم کے لباس اور دو قسم کی بیع سے منع فرمایا۔ آپ نے بیع میں الملامسہ اور المنابذہ سے منع فرمایا۔ ملامسہ یہ ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد کے کپڑے کو اپنے ہاتھ سے چھوئے رات میں یا دن میں اور اس کو الٹ پلٹ کر نہ دیکھے، اور منابذہ یہ ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد کی طرف اپنے کپڑے کو پھینک دے اور دوسرا اپنا کپڑا اس کی طرف پھینک دے اور یہ عمل ان کے درمیان بیع قرار پائے بغیر غور سے دیکھنے اور بغیر رضامندی کے اظہار کے، اور دو قسم کے لباس یہ ہیں: ان میں سے ایک اشتمال الصماء ہے، اور صماء یہ ہے کہ وہ اپنے کپڑے کو اپنے کسی ایک کندھے پر رکھے، پس اس کی دوسری شق ظاہر ہو جس کے اوپر کپڑا نہ ہو۔ اور لباس کی دوسری قسم احتباء ہے، یعنی وہ اپنے آپ کو کپڑے میں لپیٹ کر زمین پر بیٹھ جائے اور اس کی شرمگاہ پر کپڑے کا حصہ نہ ہو۔

(صحیح البخاری: ۳۶۷، ۱۹۹۱، ۲۱۴۴، ۲۱۴۷، ۵۸۲۰، ۵۸۲۲، ۶۲۸۴، سنن النسائی: ۵۳۴۱، سنن ابوداؤد: ۳۳۷۷، سنن ابن ماجہ: ۳۵۵۹، مسند

احمد: ۱۰۷۱۰)

صحیح البخاری: ۵۸۲۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یونس کا ذکر ہے، اور وہ ابن زید ہیں۔ اور عامر بن سعد کا ذکر ہے، وہ ابن سعد بن ابی وقاص ہیں۔ اور سعید خدری کا ذکر ہے، وہ سعد بن مالک ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ولا یقلبه الا بذلك'' یعنی ایک مرد دوسرے مرد کے کپڑے کو رات یا دن میں ہاتھ سے چھوئے اور اس کے علاوہ اور کوئی تصرف نہ کرے، یعنی نہ کپڑے کو کھولے اور نہ اس کو غور سے دیکھے۔ اور اس کے چھونے کو دیکھنے کے قائم مقام قرار دے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''ولا تراض'' یعنی کوئی ایسا لفظ نہ بولے جو اس بیع پر رضا مندی کو ظاہر کرے اور وہ ایجاب وقبول ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بیع میں دونوں فریقوں کو ثمن اور مبیع پر راضی ہونا ضروری ہے ورنہ بیع المکرہ بالاتفاق باطل ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''احتباء ة''۔ علامہ الجوہری نے کہا ہے: مرد کا احتباء یہ ہے کہ وہ اپنی پشت اور پنڈلیوں کو عمامہ کے ساتھ باندھ لے اور اس کی شرمگاہ پر کپڑے کا کوئی حصہ نہ ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ انسان اپنی سرین کے اوپر بیٹھ جائے اور اپنی دونوں پنڈلیوں کو کھڑا کر کے کسی کپڑے سے باندھ لے اور اس کی شرمگاہ پر کپڑے کا کوئی حصہ نہ ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۱۔ بَابُ: اَلْاِحْتِبَاءِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ — ایک کپڑے میں بہ طور احتباء بیٹھنا

اس باب میں ایک کپڑے میں بہ طور احتباء بیٹھنے کا حکم بیان کیا گیا ہے اور احتباء کی تفسیر ابھی گزر چکی ہے۔

۵۸۲۱۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ لِبْسَتَيْنِ أَنْ يَحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَى فَرْجِهِ مِنْهُ شَيْءٌ وَأَنْ يَشْتَمِلَ بِالثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَى أَحَدِ شِقَّيْهِ وَعَنِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قسم کے لباس سے منع فرمایا۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ مرد ایک کپڑے میں بہ طور احتباء بیٹھے اور اس کی شرمگاہ کے اوپر کپڑے کا کوئی حصہ نہ ہو، اور دوسری قسم یہ ہے کہ مرد اپنے آپ کو ایک کپڑے میں لپیٹ لے

اور وہ کپڑا اس کی دوشقوں میں سے ایک شق پر نہ ہو۔ اور آپ نے الملامسہ اور اور المنابذہ سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۳۶۸، ۵۸۴، ۵۸۸، ۱۹۹۳، ۲۱۴۵، ۲۱۴۶، ۵۸۱۹، ۵۸۲۱، سنن ترمذی: ۱۳۱۰، سنن نسائی: ۴۵۱۷، سنن ابن ماجہ: ۲۱۶۹، مسند احمد: ۲۷۴۴۵، موطا امام مالک: ۱۷۰۴)

صحیح البخاری: ۵۸۲۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، یہ ابن ابی اویس ہیں۔ اور ابوالزناد کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن ذکوان ہیں، یہ عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۲۲۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنِي مَخْلَدٌ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم نَهَى عَنْ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ وَأَنْ يَحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ لَيْسَ عَلَى فَرْجِهِ مِنْهُ شَيْءٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مخلد نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے ابن شہاب نے خبر دی از عبید اللہ بن عبد اللہ از حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشتمال صماء سے منع فرمایا۔ اور اس سے منع فرمایا کہ مرد ایک کپڑے میں بہ طور احتباء بیٹھے اور اس کی شرمگاہ کے اوپر کپڑے کا کوئی حصہ نہ ہو۔

(صحیح البخاری: ۳۶۷، ۱۹۹۱، ۲۱۴۴، ۲۱۴۷، ۵۸۲۰، ۵۸۲۲، ۶۲۸۴، سنن النسائی: ۵۳۴۱، سنن ابوداؤد: ۲۴۱۷، سنن ابن ماجہ: ۳۵۵۹، مسند احمد: ۱۰۷۱۰)

صحیح البخاری: ۵۸۲۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد کا ذکر ہے، یہ محمد بن سلام ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مخلد کا ذکر ہے، یہ ابن یزید الحرانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن جریج کا ذکر ہے، یہ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن شہاب کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۲۔ بَابُ: الْخَمِيصَةِ السَّوْدَاءِ — سیاہ اونی چادر کا بیان

اس باب میں "الخمیصۃ السوداء" کا ذکر ہے اور الخمیصۃ کی تفسیر عنقریب گزر چکی ہے اور سوداء کے معنی ہیں: سیاہ۔

۵۸۲۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ سَعِيدِ بْنِ فُلَانٍ هُوَ عَمْرُو بْنُ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ عَنْ أُمِّ خَالِدٍ بِنْتِ خَالِدٍ أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِثِيَابٍ فِيهَا خَمِيصَةٌ سَوْدَاءُ صَغِيرَةٌ فَقَالَ مَنْ تَرَوْنَ أَنْ نَكْسُوَ هَذِهِ فَسَكَتَ الْقَوْمُ قَالَ ائْتُونِي بِأُمِّ خَالِدٍ فَأُتِيَ بِهَا تُحْمَلُ فَأَخَذَ الْخَمِيصَةَ بِيَدِهِ فَأَلْبَسَهَا وَقَالَ أَبْلِي وَأَخْلِقِي وَكَانَ فِيهَا عَلَمٌ أَخْضَرُ أَوْ أَصْفَرُ فَقَالَ يَا أُمَّ خَالِدٍ هَذَا سَنَاهُ وَسَنَاهُ بِالْحَبَشِيَّةِ حَسَنٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسحاق بن سعید نے حدیث بیان کی از والد خود سعید بن فلاں، وہ عمرو بن سعید بن العاص ہیں، از ام خالد بنت خالد، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس کچھ کپڑے لائے گئے، ان میں چھوٹی سی سیاہ اونی چادر بھی تھی، تو آپ نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے ہم یہ چادر کس کو پہنائیں، تو صحابہ خاموش رہے، آپ نے فرمایا: میرے پاس ام خالد کو لاؤ، پھر ان کو اٹھا کر لایا گیا، تو نبی ﷺ نے وہ سیاہ اونی چادر اپنے ہاتھ میں پکڑی اور ام خالد کو پہنا دی اور فرمایا: تم اس کو پہنو اور اس اس کو بوسیدہ اور پرانی کر دو، اور اس چادر میں سبز یا زرد نشان تھے، آپ نے فرمایا: اے ام خالد! یہ خوبصورت ہے۔ اور سنا کے لفظ کا حبشی زبان میں معنی ہے: خوبصورت۔

(صحیح البخاری: ۳۰۷۱، ۳۸۷۴، ۵۸۲۳، ۵۸۴۵، ۵۹۹۳، سنن ابوداؤد: ۴۰۲۴، مسند احمد: ۲۶۵۱۷)

صحیح البخاری: ۵۸۲۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابونعیم کا ذکر ہے، ان کا نام الفضل بن دُکین ہے۔ اور اسحاق بن سعید کا ذکر ہے، یہ سعید بن عمرو بن العاص ابوخالد بن سعید الاموی القرشی ہیں، یہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ ام خالد سے روایت کرتے ہیں، ام خالد کا نام امۃ بنت خالد بن سعید بن العاص ہے۔ ان کی کنیت ان کے بیٹے خالد بن زبیر بن العوام کے نام پر رکھی گئی ہے۔ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کیا تھا، تو ان سے ان کے دو بیٹے ہوئے خالد اور عمر۔ امام ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ ام خالد حبشہ کی سرزمین میں پیدا ہوئی تھیں اور فتح خیبر کے بعد اپنے باپ کے ساتھ آئیں، اس وقت یہ سمجھدار تھیں۔ اور ان کے والد خالد بن سعید بن العاص ہیں، وہ قدیماً اسلام لائے تھے اور تین میں کے تیسرے یا چار میں کے چوتھے مسلمان تھے اور حضرت ابوبکر یا حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت میں شام میں شہید ہوئے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فاتی بھا تحمل'' یعنی حضرت ام خالد کو اٹھا کر لایا گیا اور ان کو اٹھا کر اس لیے لایا گیا کہ وہ کم سن

اور کم عمر تھیں، لیکن وہ اس سے مانع نہیں ہے کہ وہ سمجھدار ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ابلی واخلقی" یعنی تم اس سیاہ چادر کو بوسیدہ کرو اور پرانا کرو، یعنی تمہاری عمر اتنی طویل ہو کہ تمہاری عمر میں یہ چادر بوسیدہ اور پرانی ہو جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''سناہ'' حبشی زبان میں سناہ کا معنی ہے: یہ بہت خوبصورت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حبشی زبان کا لفظ استعمال کیا، کیونکہ وہ حبشہ میں پیدا ہوئی تھیں، یہ علامہ کرمانی کا قول ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۲۴۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ لَمَّا وَلَدَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ قَالَتْ لِي يَا أَنَسُ انْظُرْ هَذَا الْغُلَامَ فَلَا يُصِيبَنَّ شَيْئًا حَتَّى تَغْدُوَ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم يُحَنِّكُهُ فَغَدَوْتُ بِهِ فَإِذَا هُوَ فِي حَائِطٍ وَعَلَيْهِ خَمِيصَةٌ حُرَيْثِيَّةٌ وَهُوَ يَسِمُ الظَّهْرَ الَّذِي قَدِمَ عَلَيْهِ فِي الْفَتْحِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن ابی عدی نے حدیث بیان کی از ابن عون از محمد از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: جب حضرت ام سلیم کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو انہوں نے مجھ سے کہا: اے انس! اس بچہ کو دیکھتے رہو، اس کے پیٹ میں کوئی چیز نہ جائے حتیٰ کہ صبح اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جانا اور آپ اس کو گھٹی دیں۔ پس میں صبح اس بچہ کو لے کر گیا، اس وقت آپ باغ میں تھے اور آپ کے اوپر سیاہ اونی حریثی چادر تھی۔ اور آپ اس سواری پر نشان لگا رہے تھے جس پر سوار ہو کر آپ فتح مکہ کے دن گئے تھے۔

(صحیح البخاری: ۱۵۰۲، ۵۵۴۲، ۵۸۲۴، صحیح مسلم: ۲۱۱۹، سنن ابوداؤد: ۲۵۶۳، مسند احمد: ۱۲۵۴۶)

صحیح البخاری: ۵۸۲۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی عدی، یہ محمد بن عدی ہیں۔ اور ابی عدی کا نام ہے ابراہیم البصری۔ اور اس میں ابن عون کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن عون ہیں۔ اور اس میں محمد کا ذکر ہے، یہ محمد بن سیرین ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ام سلیم کا ذکر ہے، یہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حریثیۃ'' اس میں حریث کی طرف نسبت ہے اور یہ بنو قضاعہ کے ایک مرد کا نام ہے۔ اور ابن السکن کی روایت میں ہے ''خیبریۃ'' اس میں خیبر کی طرف نسبت ہے جو معروف شہر ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: ایک روایت میں ''حوتکیۃ'' ہے، اس کا معنی ہے: چھوٹی، یعنی وہ چادر چھوٹی تھی۔ اور ایک روایت ہے ''حوتیۃ'' اس میں الحوت کی طرف نسبت ہے اور یہ ایک قبیلہ ہے۔ اور ایک روایت ہے ''جونیۃ'' یہ قبیلہ الجون کی طرف نسبت ہے یا اس کے رنگ کی طرف نسبت ہے، کیونکہ اس میں سفید اور سیاہ رنگ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ھو یسم الظھر'' یعنی آپ اونٹوں پر نشان لگا رہے تھے اور اونٹ کو ظہر سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ اونٹ کی پشت کے اوپر سامان لادا جاتا ہے۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے ''یسم'' یہ الوسم سے بنا ہے، یعنی آپ لوہے کو گرم کر کے اونٹ کے اوپر داغ لگا رہے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی الفتح'' یعنی فتح مکہ کے زمانہ میں۔ اور داغ لگانے کا فائدہ ہے تاکہ وہ اونٹ دوسرے اونٹوں سے ممتاز ہو جائے۔

نومولود کو گھٹی دینے کا استحباب

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم متواضع تھے اور اپنے ہاتھوں سے کام کرتے تھے اور مسلمانوں کی مصلحتوں میں غور و فکر کرتے تھے، اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو نیا بچہ پیدا ہو اس کو گھٹی دینا مستحب ہے۔ اور جو بچہ پیدا ہو، اس کو نیک لوگوں اور بزرگوں کے پاس لے جانا چاہیے تاکہ وہ ان کو گھٹی دیں تاکہ بچہ کے پیٹ میں جو پہلی چیز داخل ہو وہ صالحین کا لعابِ دہن ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۷۔۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۳۔ بَابُ: ثِيَابِ الْخُضْرِ

سبز رنگ کے کپڑوں کا بیان

اس باب میں سبز رنگ کے کپڑوں کا بیان کیا جائے گا۔

۵۸۲۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ أَنَّ رِفَاعَةَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ فَتَزَوَّجَهَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الزَّبِيرِ الْقُرَظِيُّ قَالَتْ عَائِشَةُ وَعَلَيْهَا خِمَارٌ أَخْضَرُ فَشَكَتْ إِلَيْهَا وَأَرَتْهَا خُضْرَةً بِجِلْدِهَا فَلَمَّا جَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَالنِّسَاءُ يَنْصُرُ بَعْضُهُنَّ بَعْضًا قَالَتْ عَائِشَةُ مَا رَأَيْتُ مِثْلَ مَا يَلْقَى الْمُؤْمِنَاتُ لَجِلْدُهَا أَشَدُّ خُضْرَةً مِنْ ثَوْبِهَا قَالَ وَسَمِعَ أَنَّهَا قَدْ أَتَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَجَاءَ وَمَعَهُ ابْنَانِ لَهُ مِنْ غَيْرِهَا قَالَتْ وَاللّٰهِ مَا لِي إِلَيْهِ مِنْ ذَنْبٍ إِلَّا أَنَّ مَا مَعَهُ لَيْسَ بِأَغْنَى عَنِّي مِنْ هٰذِهِ وَأَخَذَتْ هُدْبَةً مِنْ ثَوْبِهَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے خبر دی از عکرمہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، پھر اس سے حضرت عبد الرحمٰن بن الزبیر القرظی رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ اس عورت کے سر پر سبز دوپٹہ تھا، اس عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنے شوہر کی شکایت کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی کھال کے اوپر چوٹ کے سبز نشان دکھائے، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لے آئے اور عورتوں کی عادت ہے کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کرتی ہیں، تب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جتنی تکلیف اس

فَقَالَ كَذَبَتْ وَاللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي لَأَنْفُضُهَا نَفْضَ الْأَدِيمِ وَلٰكِنَّهَا نَاشِزٌ تُرِيدُ رِفَاعَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَإِنْ كَانَ ذٰلِكِ لَمْ تَحِلِّي لَهُ أَوْ لَمْ تَصْلُحِي لَهُ حَتّٰى يَذُوقَ مِنْ عُسَيْلَتِكِ قَالَ وَأَبْصَرَ مَعَهُ ابْنَيْنِ لَهُ فَقَالَ بَنُوكَ هٰؤُلَاءِ قَالَ نَعَمْ قَالَ هٰذَا الَّذِي تَزْعُمِينَ مَا تَزْعُمِينَ فَوَاللّٰهِ لَهُمْ أَشْبَهُ بِهِ مِنَ الْغُرَابِ بِالْغُرَابِ۔

عورت پر آئی ہے، میں نے اتنی تکلیف کسی مسلمان عورت پر نہیں دیکھی، اس کی کھال اس کے سبز کپڑوں سے زیادہ سبز ہے (یعنی شوہر کے مارنے کی وجہ سے) عکرمہ نے کہا: حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر نے بھی سن لیا کہ ان کی بیوی رسول اللہ ﷺ کے پاس گئی ہے، سو وہ بھی آ گئے اور ان کے ساتھ ان کے دو بیٹے تھے جو اس بیوی سے پہلی بیوی سے پیدا ہوئے تھے، اس عورت نے کہا: اللہ کی قسم میں اس پر کوئی تہمت نہیں لگاتی، سوا اس کے کہ اس کے ساتھ صرف اتنا ہے جو میری ضرورت کو پورا نہیں کر سکتا اور اس نے کپڑے کا پلو پکڑ کر دکھایا (اس کی مراد یہ تھی کہ اس کا یہ شوہر نامرد ہے) تب حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر نے کہا: یہ جھوٹ بولتی ہے، اور اللہ کی قسم، یا رسول اللہ (ﷺ)! بے شک میں (جماع کے وقت) اس کو اس طرح پٹخ دیتا ہوں جس طرح چمڑے کو دباغت کے وقت پٹختے ہیں، لیکن یہ نافرمان ہے اور حضرت رفاعہ کے پاس واپس جانا چاہتی ہے، تب رسول اللہ ﷺ نے اس عورت سے فرمایا: اگر واقعی اس طرح ہے تو تم رفاعہ کے لیے حلال نہیں ہو یا تم اس کے لیے جائز نہیں ہو، حتیٰ کہ یہ تمہارا تھوڑا سا شہد چکھ لے۔ عکرمہ نے کہا: اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر کے ساتھ دو بیٹے دیکھے، تو آپ نے پوچھا: یہ تمہارے بیٹے ہیں، تو حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: اچھا یہ ہے وہ چیز جس کی وجہ سے تم وہ زعم کرتی ہو جو زعم کرتی ہو، پس اللہ کی قسم! یہ بچے عبدالرحمٰن بن زبیر کے ساتھ اس سے زیادہ مشابہ ہیں جتنا کوا، کوے کے ساتھ مشابہ ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۶۳۹، ۵۲۶۰، ۵۲۶۱، ۵۲۶۵، ۵۳۱۷، ۵۷۹۲، ۵۸۲۵، ۶۰۸۴، صحیح مسلم: ۱۴۳۳، سنن نسائی: ۳۲۸۳، سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۲، مسند احمد: ۲۳۵۷۸، سنن دارمی: ۲۲۶۷)

صحیح البخاری: ۵۸۲۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے سبز کپڑے، اور اس حدیث میں مذکور ہے: اس عورت کے سر پر سبز دوپٹہ تھا۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدالوہاب کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالمجید ثقفی ہیں۔ اور اس کی سند میں ایوب کا ذکر ہے، یہ السختیانی ہیں۔ اور عکرمہ کا ذکر ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں حضرت رفاعہ کا ذکر ہے، رِفاعہ میں راء کے نیچے زیر ہے۔ ان کا پورا نام ہے: رفاعہ بن شموال القرظی، یہ بنو قریظہ سے تھے۔ علامہ ابن عبدالبر نے کہا ہے: ان کو رفاعہ بن رفاعہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ان دس صحابہ میں سے ایک ہیں جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے:

وَ لَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (القصص: ۵۱) — اور ہم لگا تار (اپنا) کلام لوگوں کے لیے بھیجتے رہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں ۝

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان اہل کتاب کی خبر دی ہے جو ابتداء میں قرآن مجید پر ایمان لے آئے تھے، جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت سلمان وغیرہما، اور ان میں وہ علماء نصاریٰ بھی داخل ہیں جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور یہ چالیس افراد تھے، ان میں سے بتیس (۳۲) افراد تو حضرت جعفر بن ابی طالب کے ساتھ حبشہ سے آئے تھے اور آٹھ (۸) افراد شام سے آئے تھے، یہ لوگ نصاریٰ کے ائمہ تھے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت رفاعہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔

نہ صحیح بخاری میں اور نہ بقیہ کتب صحاح ستہ میں حضرت رفاعہ کی بیوی کا ذکر ہے، اور امام مالک نے اپنی روایت میں ان کا نام تمیمہ بنت وہب ذکر کیا ہے۔ اور حافظ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں لکھا ہے کہ حضرت رفاعہ بن شموال کی بیوی کا قصہ جس میں تھوڑے سے شہد کے چکھنے کا ذکر ہے، اس قصہ کے سوا میں نے ان کا اور کوئی قصہ نہیں دیکھا۔ اور اس عورت کے دوسرے شوہر حضرت عبدالرحمٰن بن الزَبیر ہیں، الزَبیر میں زاء پر زبر ہے اور باء کے نیچے زیر ہے، یہ ابن باطا یا ابنِ باطیا ہیں۔ الزَبیر کو بنو قریظہ کے غزوہ میں قتل کر دیا گیا تھا، کیونکہ عبدالرحمٰن بن الزَبیر بنو قریظہ سے تھے۔ ہمارے شیخ زین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ابن مندہ اور ابو نعیم نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن الزَبیر انصار کے قبیلہ اوس میں سے تھے اور انہوں نے کہا ہے: عبدالرحمٰن بن الزَبیر بن زید بن امیہ بن زید بن مالک بن عوف بن مالک بن الاوس ہیں، سو یہ درست نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: اور اس عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی اور اپنی کھال پر سبز نشان دکھائے جو حضرت عبدالرحمٰن بن الزَبیر کے مارنے کی وجہ سے اس پر پڑ گئے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مالی الیہ من ذنب الا ان ما معہ لیس باغنی عنی من ھذہ" یعنی اس عورت نے کہا: عبدالرحمن بن زبیر کے پاس جو جماع کا آلہ ہے، وہ میری ضرورت کو پورا نہیں کرسکتا، اس نے کپڑے کا پلّو بنا کر دکھایا، وہ اس طرح ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حضرت عبدالرحمن بن الزبیر نے کہا: یہ عورت جھوٹ بولتی ہے، میں جماع کے وقت اس عورت کو اس طرح پٹخ دیتا ہوں جس طرح کپڑے کو رنگنے کے وقت پٹختے ہیں"، اور یہ اس سے کنایہ ہے کہ ان کے پاس بہت زیادہ جماع کی قوت تھی۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ناشز" حضرت عبدالرحمن بن زبیر نے کہا: یہ عورت ناشز ہے، یعنی نافرمان ہے، انہوں نے "ناشزۃ" نہیں کہا، کیوں کہ یہ صفت عورت کے ساتھ مختص ہے جیسے حائض کہا جاتا ہے اور حائضۃ نہیں کہا جاتا اور طامس کہا جاتا ہے طامسۃ نہیں کہا جاتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یہ دونوں بیٹے عبدالرحمن بن الزبیر کے اس سے زیادہ مشابہ ہیں جس طرح کوا، کوے سے مشابہ ہوتا ہے"۔ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دلیل کے ساتھ اس عورت کے جھوٹ پر حکم لگایا۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شوہر کے لیے جائز ہے کہ جب بیوی نافرمانی کرے تو وہ اس کو مارے اور اس کی مار کے نشان بیوی کی کھال پر بھی ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۲) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے جماع کم کرتا ہو تو وہ اس کی شکایت امام سے کرے اور اس میں عورتوں پر کوئی عار نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۹۔ ۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۸۲۵ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سبز رنگ کے کپڑوں کی فضیلت پر دلائل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ۔ اور وہاں ریشم کے ہلکے اور دبیز سبز کپڑے پہنیں گے۔

(الکہف: ۳۱)

اور یہ آیت سبز رنگ کے کپڑوں کی فضیلت کے لیے کافی ہے۔ نیز حدیث میں ہے:

حضرت ابورمثہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گیا تو میں نے آپ کے اوپر دو سبز چادریں دیکھیں۔ (سنن ابوداؤد: ۴۰۶۵)،

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۶۵۲۔ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

۲۴۔ بَابُ: الثِّيَابِ الْبِيضِ — سفید کپڑوں کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں سفید کپڑوں کا ذکر ہے، اور سفید رنگ کا لباس تمام کپڑوں میں افضل ہے، کیونکہ یہ فرشتوں کا لباس ہے، جن فرشتوں نے غزوۂ احد وغیرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کی تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفید رنگ کے کپڑے پہنتے تھے اور لوگوں کو سفید رنگ کے کپڑے پہننے پر برانگیختہ کرتے تھے اور آپ یہ حکم دیتے تھے کہ مردوں کو بھی سفید کپڑوں میں کفن دو۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے سفید کپڑوں میں سے پہنو، کیونکہ یہ تمہارے بہترین کپڑے ہیں اور انہی کپڑوں میں اپنے مردوں کو کفن دو۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔ اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس حدیث کو امام ابن حبان اور امام حاکم نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۲۶۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَعْدٍ قَالَ رَأَيْتُ بِشِمَالِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَيَمِينِهِ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا ثِيَابٌ بِيضٌ يَوْمَ أُحُدٍ مَا رَأَيْتُهُمَا قَبْلُ وَلَا بَعْدُ۔

(صحیح البخاری: ۴۰۵۴، ۵۸۲۶، صحیح مسلم: ۲۳۰۶، مسند احمد ۱: ۱۷۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن ابراہیم حنظلی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن بشر نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں مسعر نے حدیث بیان کی از سعد بن ابراہیم از والد خود از حضرت سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے غزوۂ احد میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بائیں جانب اور دائیں جانب دو مرد دیکھے جنہوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے، نہ میں نے ان کو اس سے پہلے دیکھا اور نہ اس کے بعد۔

صحیح البخاری: ۵۸۲۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسحاق بن ابراہیم الحنظلی کا ذکر ہے، یہ ابن راہویہ ہیں۔ اور محمد بن بشر کا ذکر ہے، یہ العبدی ہیں۔ اور مِسعَر کا ذکر ہے، یہ ابن قدام الکوفی ہیں۔ اور سعد بن ابراہیم کا ذکر ہے، یہ اپنے والد ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "رجلین" یعنی دو مرد دیکھے، شارحین نے کہا ہے: وہ حضرت جبرائیل اور میکائیل تھے۔ اور علامہ الکرمانی نے کہا ہے کہ ان دو میں سے ایک حضرت اسرافیل تھے۔ بعض شارحین نے کہا ہے: جس نے کہا: ان دو میں سے ایک

اسرافیل تھے، اس نے صحیح نہیں کہا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: انہوں نے بغیر دلیل کے علامہ کرمانی کا رد کیا ہے اور غزوۂ احد میں فرشتے دو مردوں کی شکل میں متشکل ہو کر آئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۲۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنِ الْحُسَيْنِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ أَبَا الْأَسْوَدِ الدُّؤَلِيَّ حَدَّثَهُ أَنَّ أَبَا ذَرٍّ حَدَّثَهُ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ أَبْيَضُ وَهُوَ نَائِمٌ ثُمَّ أَتَيْتُهُ وَقَدِ اسْتَيْقَظَ فَقَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ ثُمَّ مَاتَ عَلَى ذَلِكَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ عَلَى رَغْمِ أَنْفِ أَبِي ذَرٍّ وَكَانَ أَبُو ذَرٍّ إِذَا حَدَّثَ بِهَذَا قَالَ وَإِنْ رَغِمَ أَنْفُ أَبِي ذَرٍّ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ هَذَا عِنْدَ الْمَوْتِ أَوْ قَبْلَهُ إِذَا تَابَ وَنَدِمَ وَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ غُفِرَ لَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو معمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی از الحسین از عبد اللہ بن بریدہ از یحییٰ بن یعمر، انہوں نے حدیث بیان کی کہ ابوالاسود الدؤلی نے ان کو حدیث بیان کی کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ان کو حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے اوپر سفید کپڑے تھے اور آپ اس وقت سوئے ہوئے تھے، میں پھر آپ کے پاس آیا تو آپ بیدار ہو چکے تھے، آپ نے فرمایا: جس بندہ نے لا الٰہ الا اللہ کہا (یعنی اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے) پھر وہ اسی قول پر مر گیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے کہا: خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا: خواہ اس نے زنا کیا ہو، خواہ اس نے چوری کی ہو۔ میں نے کہا: اور خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا: اور خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو، میں نے کہا: اور خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا: اور خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو، وہ ابوذر کی ناک کو خاک میں رگڑتا ہوا جنت میں داخل ہوگا۔ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جب یہ حدیث بیان کرتے تو کہتے تھے: وہ ابوذر کی ناک کو خاک میں رگڑتا ہوا جنت میں داخل ہوگا۔ امام ابو عبداللہ بخاری نے کہا: یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے جب اس نے مرتے وقت لا الٰہ الا اللہ کہا ہو یا اس نے موت سے پہلے لا الٰہ الا اللہ کہا جب کہ وہ اپنے گناہوں پر توبہ کر چکا ہو اور نادم ہو چکا ہو۔ اور اس نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہو تو اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔

(صحیح البخاری: ۱۲۳۷، ۱۴۰۸، ۲۳۸۸، ۳۲۲۲، ۵۸۲۷، ۶۲۶۸، ۶۴۴۳، ۶۴۴۴، ۷۴۸۷، صحیح مسلم: ۹۴، سنن ترمذی: ۲۶۴۴، مسند احمد:

(۲۰۹۰۵

صحیح البخاری: ۵۸۲۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''سفید کپڑے پہننا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو معمر، ان کا نام عبد اللہ بن عمرو بن ابی الحجاج المقعد البصری ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد الوارث، یہ ابن سعید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحسین، یہ المعلم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد اللہ بن بریدہ، یہ مرو کے قاضی ہیں۔ اور یحییٰ بن یعمر کا ذکر ہے، یہ بھی مروی کے قاضی ہیں اور ابو الاسود کا ذکر ہے، ان کا نام ظالم بن عمرو الدولی (دال پر پیش ہے اور واؤ پر زبر ہے) ہے، یہ وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے اشارہ سے نحو میں کلام کیا۔

اس حدیث کے تمام رجال بصری ہیں اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا نام جندب بن جنادہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور آپ کے اوپر سفید کپڑے تھے''۔ اور اس حدیث میں آپ کی نیند اور بیداری کا ذکر کیا ہے تاکہ سننے والوں کے ذہن میں یہ حدیث راسخ ہو جائے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''وان زنی وان سرق'' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے کلام میں حرفِ استفہام مقدر ہے اور انہوں نے گناہوں میں سے صرف زنا اور چوری کا ذکر کیا، کیونکہ گناہ دو قسم کے ہیں، ایک وہ ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حق سے ہو، اور ایک وہ ہیں جن کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہے۔ اور زنا کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حق سے ہے اور چوری کا تعلق بندوں کے حق سے ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''علی رغم انف ابی ذر'' یعنی وہ ابوذر کی ناک کو خاک میں ملاتا ہوا جنت میں داخل ہوگا۔ یہ کلام بطورِ مجاز مستعمل ہے، یعنی خواہ ابوذر کو ناپسند ہو، پھر بھی وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور ابوذر رضی اللہ عنہ نے بار بار یہ سوال کیا، کیونکہ ان کے نزدیک یہ بعید تھا کہ جس آدمی نے گناہِ کبیرہ کیے ہوں، وہ جنت میں داخل ہو اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی حکایت کرنا اور یہ کہنا کہ وہ ابوذر کی ناک کو خاک آلودہ کرتے ہوئے جنت میں جائے گا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے محبت اور شرف اور افتخار کی وجہ سے تھا۔

مرتکبِ کبیرہ کے جنت میں داخل ہونے کی وضاحت

زنا اور چوری گناہِ کبیرہ ہیں اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں ہے اور اس کے جنت میں داخل ہونے کی متعدد صورتیں ہیں۔ اول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضلِ محض سے اس کو جنت میں داخل کر دے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے اس کو جنت میں

داخل کر دیا جائے۔اور مومن دائماً دوزخ میں نہیں رہے گا،تو ہوسکتا ہے کچھ عرصہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد وہ جنت میں داخل ہوجائے۔

امام بخاری کی تفسیر کا بیان اور اس پر علامہ ابن التین اور علامہ عینی کے اعتراض کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے''قال ابوعبداللہ''یعنی امام بخاری نے کہا۔امام بخاری نے نبی ﷺ کی اس حدیث کی تفسیر کی ہے،آپ نے فرمایا:جس بندہ نے بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا،پھر وہ اسی قول پر فوت ہوگیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔امام بخاری نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ جس نے اپنے رب کی توحید کا اقرار کیا اور اپنے گناہوں پر توبہ کر کے اسی پر فوت ہوگیا تو اس کے متعلق حدیث میں یہ بشارت ہے کہ وہ جنت میں داخل ہوگا۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ امام بخاری کی یہ تفسیر حدیث کے ظاہر کے خلاف ہے،کیونکہ اگر جنت میں دخول کے لیے توبہ شرط ہوتی تو آپ یہ نہ فرماتے''خواہ وہ زنا کرے اور خواہ وہ چوری کرے''اور حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے کہ جو مسلمان مرا وہ جنت میں داخل ہوگا،دوزخ میں دخول سے پہلے یا دخول کے بعد۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ امام بخاری کے قول کا ظاہر یہ ہے کہ وہ اسی شخص کے لیے مغفرت کو واجب قرار دیتے ہیں جو توبہ کرلے،اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ جس نے توبہ نہیں کی،اس کے اوپر وعید لامحالہ نافذ ہوگی،یعنی جس مسلمان نے توبہ نہیں کی وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔نیز امام بخاری کی تفسیر ایک اور تفسیر کی محتاج ہے،کیونکہ توبہ اور ندامت اس گناہ میں نفع دیتے ہیں جو بندہ اور اس کے رب کے درمیان ہے،لیکن بندوں نے ایک دوسرے پر جو ظلم کیے ہیں،وہ توبہ سے ساقط نہیں ہوں گے جب تک کہ ان کے حقوق ادا نہ کیے جائیں یا جب تک کہ صاحب حق معاف نہ کردے۔اور حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو توحید پر مر گیا وہ جنت میں داخل ہوگا خواہ اس نے گناہوں کا ارتکاب کیا ہو اور وہ دوزخ میں دائماً نہیں رہے گا۔

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری کی تفسیر صحیح ہے،جس نے موت سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کرلی تو وہ فوراً جنت میں داخل ہوجائے گا،یا جو کلمہ پڑھتے ہی فوت ہوگیا وہ بھی فوراً جنت میں داخل ہوجائے گا اور جس نے موت سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ نہیں کی تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے،وہ چاہے تو اس کو معاف فرمادے اور جنت میں داخل کردے اور چاہے تو کچھ عرصہ اس کو سزا دینے کے بعد جنت میں داخل فرمائے۔(سعیدی غفرلہ)

علامہ عینی فرماتے ہیں:اس حدیث میں الخوارج اور المعتزلہ کا رد ہے،جن کا دعویٰ ہے کہ جو گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو اور بغیر توبہ کے مرجائے،وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۱۔۱۲،دارالکتب العلمیہ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۵۔باب:لُبْسِ الْحَرِيرِ وَافْتِرَاشِهِ لِلرِّجَالِ وَقَدْرِ مَا يَجُوزُ مِنْهُ

ریشم کو پہننا اور مردوں کے لیے ریشم کو بچھانا،اور کتنی مقدار ریشم مردوں کے لیے جائز ہے،اس کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مردوں کے لیے ریشم پہننے کا کیا حکم ہے اور مردوں کے لیے ریشم کو بچھانے کا کیا حکم ہے؟ اور اس قید سے عورتوں کو نکال دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۲۸۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عُثْمَانَ النَّهْدِيَّ أَتَانَا كِتَابُ عُمَرَ وَنَحْنُ مَعَ عُتْبَةَ بْنِ فَرْقَدٍ بِأَذْرَبِيجَانَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنِ الْحَرِيرِ إِلَّا هَكَذَا وَأَشَارَ بِإِصْبَعَيْهِ اللَّتَيْنِ تَلِيَانِ الْإِبْهَامَ قَالَ فِيمَا عَلِمْنَا أَنَّهُ يَعْنِي الْأَعْلَامَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابوعثمان النہدی سے سنا، انہوں نے کہا: ہمارے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مکتوب آیا اور ہم اس وقت عتبہ بن فرقد کے ساتھ آذربائیجان میں تھے، اس مکتوب میں لکھا ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ریشم پہننے سے منع فرمایا ہے مگر اتنا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی ان دو انگلیوں سے اشارہ کیا جو انگوٹھے کے قریب تھیں۔ ابوعثمان نہدی نے کہا: ہمیں اس کے متعلق یہ علم ہے کہ آپ کی مراد اتنی مقدار سے ریشم کے بیل بوٹے بنانے کی تھی۔

(صحیح البخاری: ۵۸۲۹، ۵۸۳۰، ۵۸۳۴، ۵۸۳۵ صحیح مسلم: ۲۰۶۹ سنن نسائی: ۵۳۱۲ سنن ابوداؤد: ۴۰۴۲، مسند احمد: ۹۳)

صحیح البخاری: ۵۸۲۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تعارف

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعثمان النہدی، ان کا نام ہے عبد الرحمٰن بن مل النہدی ہے۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے عتبہ بن فرقد السلمی ابو عبد اللہ، ابو عمر نے کہا: یہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سے بعض فتوحاتِ عراق کے امیر تھے۔ اور شعبہ نے از حصین از زوجۂ عتبہ بن فرقد روایت کی ہے کہ عتبہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو غزووں میں شرکت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے" آذربائیجان" یہ ایک معروف ملک ہے، اور علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ ماورائے عراق ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس طرح نہیں ہے، بلکہ عراق اس کے جنوب میں ہے اور اس کے شمال میں عقیق کے پہاڑ ہیں اور اس کے مغرب میں بلادِ روم کی حدود ہیں اور کچھ علاقہ الجزیرہ کا ہے۔ اور اس کے مشرق میں الجیلی کے پہاڑ ہیں۔

علامہ نووی نے کہا ہے: یہ وہ حدیث ہے کہ امام دارقطنی نے بخاری کے اوپر استدراک کیا ہے، اور دارقطنی نے کہا ہے کہ ابوعثمان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو نہیں سنا بلکہ انہوں نے اپنی کتاب سے اس کی خبر دی ہے اور یہ استدراک باطل ہے، کیونکہ صحیح یہ ہے کہ کتاب کے ساتھ عمل کرنا اور کتاب کی روایت کرنا جائز ہے۔ اور ان کے نزدیک اس کا حدیث متصل میں شمار ہوتا ہے اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امراء کی طرف اور عمال کی طرف مکاتیب لکھتے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عتبہ بن فرقد کی طرف مکتوب لکھا اور اس لشکر میں بہت سارے صحابہ تھے۔ سو یہ اس پر دلیل ہے کہ ان کا اتفاق ہو گیا اور یہ ابوعثمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اسلام لائے تھے اور ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہیں ہوئی اور انہوں نے صحابہ کی ایک جماعت سے احادیث روایت کی ہیں۔ ان میں حضرت عمر بن الخطاب اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر ہیں اور حضرت ابن عباس ہیں اور حضرت عائشہ ہیں اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "نھی عن الحریر" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم کے پہننے سے منع فرمایا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "واشار" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھے کے قریب جو دو انگلیاں ہیں، ان کی طرف اشارہ کیا، سبابہ اور وسطی سے، یعنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے۔ عاصم کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "قال فیما علمنا" یعنی ابوعثمان نے کہا: ہمارے علم میں یہ حاصل ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو انگلیوں کی مقدار سے ریشم کے نقش و نگار بنانے کو جائز قرار دیا ہے۔

مردوں پر ریشم کو حرام قرار دینے کی حکمت

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ مردوں پر ریشم کو حرام قرار دینے کی کیا حکمت ہے؟

ایک قول یہ ہے کہ اس میں اسراف ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں تکبر ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے۔ اور ابن دقیق العید نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ مردوں پر ریشم کو حرام قرار دینے کی علت کفار کے ساتھ مشابہت ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا: ریشم ان کے لیے دنیا میں ہے اور ہمارے لیے آخرت میں۔

اور علامہ ابن العربی نے کہا کہ صحیح قول یہ ہے کہ اس میں اسراف ہے۔ اور ہمارے شیخ زین الدین نے کہا کہ اسراف مردوں کے حق میں بھی ممنوع ہے اور عورتوں کے حق میں بھی ممنوع ہے اور آپ نے مردوں کو ریشم پہننے سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ ریشم عورتوں کی زینت ہے اور عورتوں کو بناؤ سنگھار کرنے اور زینت اختیار کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور مردوں کو عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور شارع علیہ السلام نے ان مردوں پر لعنت کی ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ اور یہ حدیث جمہور کی حجت ہے کہ ریشم مردوں پر حرام ہے، علامہ نووی نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے۔

ریشم کی تحریم میں اقوالِ فقہاء

قاضی ابوبکر بن العربی نے اس مسئلہ میں دس اقوال ذکر کیے ہیں۔

(۱) اول یہ ہے کہ ریشم مردوں اور عورتوں دونوں پر حرام ہے اور یہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

(۲) ریشم سب کے لیے حلال ہے۔

(۳) جنگ کے سوا باقی حالات میں ریشم حرام ہے۔

(۴) سفر کے سوا ریشم حرام ہے۔

(۵) بیماری کے سوا ریشم حرام ہے۔
(۶) غزوات کے سوا ریشم حرام ہے۔
(۷) ریشم کے نقش و نگار اور بیل بوٹے بنانے کے سوا ریشم حرام ہے۔
(۸) ریشم کا بستر بنانا جائز ہے اور ریشم کو اوپر پہننا ناجائز ہے۔
(۹) ریشم کے ساتھ اگر کوئی اور چیز ملا لی جائے تب بھی حرام ہے۔
(۱۰) اگر نماز پڑھنے کے لیے کوئی اور کپڑا نہ ملے تو پھر ریشم جائز ہے۔

چار انگل کی مقدار ریشم کے نقش و نگار بنانے میں اختلاف فقہاء

اور اس میں ان کی حجت ہے جو کہتے ہیں کہ دو انگلیوں کی مقدار ریشم کے بیل بوٹے جائز ہیں۔
لیکن امام ابوداؤد نے از حماد بن سلمہ از عاصم الاحول یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم سے منع کیا ہے مگر جو اس طرح ہو اور اس طرح ہو، آپ نے دو انگلیوں اور تین انگلیوں اور چار انگلیوں سے اشارہ کیا۔
اور امام مسلم نے از حضرت سوید بن غفلہ روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا، پس فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع فرمایا ہے مگر دو انگلیوں کی جگہ یا تین انگلیوں کی جگہ یا چار انگلیوں کی جگہ، اور یا کا لفظ جو یہاں پر ذکر کیا گیا ہے، یہ تقسیم اور اختیار کے لیے ہے۔
اور امام ابن ابی شیبہ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ ریشم مناسب نہیں ہے مگر جو اس طرح ہو اور اس طرح ہو اور اس طرح ہو، یعنی دو انگلیوں کی مقدار اور تین انگلیوں کی مقدار اور چار انگلیوں کی مقدار۔
اور ہمارے شیخ زین الدین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو ریشم کے بیل بوٹے یا نقش و نگار بنائے تو اگر وہ چار انگل سے زائد ہو تو اس کی اجازت نہیں ہے اور چار انگل یا اس سے کم میں جائز ہے۔ اور ہمارے اصحاب میں سے جنہوں نے اس کا ذکر کیا ہے وہ علامہ البغوی ہیں، انہوں نے التھذیب میں اس کو ذکر کیا ہے اور علامہ الرافعی نے ان کی پیروی کی ہے اور علامہ نووی نے بھی ان کی پیروی کی ہے۔ ہمارے شیخ کی عبارت ختم ہوئی۔
ہمارے اصحاب حنفیہ میں سے علامہ زاہدی نے ذکر کیا ہے کہ جب عمامہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی چار انگلیوں کے برابر ریشم کا ہو اور یہ ہماری بالشت کے برابر ہے اور وہ چار انگلیاں نہ تو بالکل ملی ہوئی ہوں اور نہ کھلی ہوئی ہوں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ چار انگلیاں اپنی ہیئت کے اوپر ہوں۔ اور تیسرا قول ہے کہ چار انگلیاں منتشر ہوں۔ اور اولیٰ یہ ہے کہ کھلی ہوئی منتشر انگلیوں سے اجتناب کیا جائے۔
اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اگر چاندی کے نقش و نگار عمامہ میں چار انگشت کے برابر ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے اور سونے کے نقش و نگار بنانا مکروہ ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ مکروہ نہیں ہے۔ اور امام محمد نے کہا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۳۔۱۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۲۹۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ قَالَ كَتَبَ إِلَيْنَا عُمَرُ وَنَحْنُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث

بِأَذْرَبِيجَانَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ إِلَّا هٰكَذَا وَصَفَ لَنَا النَّبِيُّ ﷺ إِصْبَعَيْهِ وَرَفَعَ زُهَيْرٌ الْوُسْطَى وَالسَّبَّابَةَ۔

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عاصم نے حدیث بیان کی از ابی عثمان، وہ بیان کرتے ہیں: ان کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مکتوب لکھا اور ہم آذربائیجان میں تھے، کہ نبی ﷺ نے ریشم کے پہننے سے منع فرمایا مگر جو اس طرح ہو اور نبی ﷺ نے ہمارے لیے اس کا بیان اپنی انگلیوں سے کیا، اور زہیر نے درمیانی انگلی اور انگشتِ شہادت کو اوپر اٹھایا۔

(صحیح البخاری: ۵۸۲۹، ۵۸۳۰، ۵۸۳۴، ۵۸۳۵ صحیح مسلم: ۲۰۶۹، سنن نسائی: ۵۳۱۲، سنن ابوداؤد: ۴۰۴۲، مسند احمد: ۹۳)

صحیح البخاری: ۵۸۲۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تعارف

یہ اس حدیث مذکور کی دوسری سند ہے جس کو امام بخاری نے احمد بن یونس سے روایت کیا ہے اور وہ احمد بن عبداللہ بن یوسف ہیں اور وہ اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں اور اسی نسبت سے وہ منسوب ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں زہیر کا ذکر ہے، یہ زہیر بن معاویہ بن ابی خیثمہ الجعفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عاصم کا ذکر ہے، یہ عاصم بن سلیمان الاحول ہیں جو ابوعثمان عبدالرحمٰن مذکور سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "كتب الينا عمر" اکثر کی روایت اسی طرح ہے، مسلم کی روایت بھی اسی طرح ہے۔ اور الکشمیہنی کی روایت میں ہے "كتب اليه" یعنی عتبہ بن فرقد کی طرف لکھا، اور دونوں روایتیں صحیح ہیں، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امیر کی طرف لکھا اور یہ وہی ہیں جن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطاب کیا تھا اور ان کی طرف حکم لکھ کر بھی بھیجا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "و رفع زهير السبابة والوسطى" یعنی زہیر نے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کو اٹھایا اور صحیح مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ان دونوں انگلیوں کو نیچے رکھ دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۳۔ ۱۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۳۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنِ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ قَالَ كُنَّا مَعَ عُتْبَةَ فَكَتَبَ إِلَيْهِ عُمَرُ ﷺ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَا يُلْبَسُ الْحَرِيرُ فِي الدُّنْيَا إِلَّا لَمْ يُلْبَسْ فِي الْآخِرَةِ مِنْهُ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا أَبُو عُثْمَانَ وَأَشَارَ أَبُو عُثْمَانَ بِإِصْبَعَيْهِ الْمُسَبِّحَةِ وَالْوُسْطَى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از تیمی از ابی عثمان، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم عتبہ کے ساتھ تھے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف مکتوب لکھا، کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: جو شخص دنیا میں ریشم پہنتا ہے، وہ آخرت میں اس میں سے کچھ بھی نہیں پہنے گا۔

ہمیں الحسن بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عثمان نے حدیث بیان کی اور ابو عثمان نے اپنی انگشتِ مسبحہ اور درمیانی انگلی سے اشارہ کیا۔

(صحیح البخاری: ۵۸۲۸، ۵۸۲۹، ۵۸۳۰، ۵۸۳۴، ۵۸۳۵، صحیح مسلم: ۲۰۶۹، سنن نسائی: ۵۳۱۲، سنن ابوداؤد: ۴۰۴۲، مسند احمد: ۹۳)

صحیح البخاری: ۵۸۳۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کی دو سندیں بیان کی ہیں، پہلی سند کے ساتھ جو حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس کو دو طرح پڑھا گیا ہے صیغۂ مجہول کے ساتھ بھی اور صیغۂ معروف کے ساتھ بھی۔ صیغۂ مجہول کے ساتھ اس طرح ہوگا کہ دنیا میں ریشم نہیں پہنا جائے گا مگر وہ اس ریشم سے آخرت میں نہیں پہنا جائے گا اور صیغۂ معروف کے ساتھ روایت اس طرح ہے کہ کوئی شخص دنیا میں ریشم کو نہیں پہنے گا مگر اس میں سے کوئی چیز آخرت میں نہیں پہنے گا۔

اور دوسری سند کے ساتھ جو حدیث ہے اس میں المسبحه کا لفظ ہے، المسبحه انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی کو کہتے ہیں، کیونکہ نمازی نماز پڑھتے وقت اس انگلی سے توحید کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شریک سے تنزیہہ بیان کرتا ہے اور اس کو سبابہ بھی کہتے ہیں، کیونکہ لوگ سب و شتم کے وقت اس انگلی سے اشارہ کر کے سب و شتم کرتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۵۔۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۳۱۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ الْحَكَمِ عَنْ ابْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ كَانَ حُذَيْفَةُ بِالْمَدَايِنِ فَاسْتَسْقَى فَأَتَاهُ دِهْقَانٌ بِمَاءٍ فِي إِنَاءٍ مِنْ فِضَّةٍ فَرَمَاهُ بِهِ وَقَالَ إِنِّي لَمْ أَرْمِهِ إِلَّا أَنِّي نَهَيْتُهُ فَلَمْ يَنْتَهِ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الذَّهَبُ وَالْفِضَّةُ وَالْحَرِيرُ وَالدِّيبَاجُ هِيَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَكُمْ فِي الْآخِرَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الحکم از ابن ابی لیلیٰ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مدائن میں تھے، سو انہوں نے پانی مانگا، پس ان کے پاس دہقان چاندی کے ایک برتن میں پانی لے کر آیا، انہوں نے وہ برتن پھینک دیا اور انہوں نے کہا کہ میں نے اس برتن کو صرف اس لیے پھینکا ہے کہ میں نے اس دہقان کو (کئی مرتبہ) چاندی کے برتن میں پانی دینے سے منع کیا ہے مگر یہ باز نہیں آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سونا اور چاندی اور ریشم اور دیباج یہ دنیا میں ان (کافروں) کے لیے ہیں اور تمہارے لیے آخرت میں ہیں۔

(صحیح البخاری: ۵۶۳۲، ۵۶۳۳، ۵۸۳۱، ۵۸۳۷، صحیح مسلم: ۲۰۶۷، سنن ترمذی: ۱۸۷۸، سنن نسائی: ۵۳۰۱، سنن ابوداؤد: ۳۷۲۳، سنن ابن

ماجہ: ۳۴۱۴ مسند احمد: ۲۲۸۰۳)

صحیح البخاری: ۵۸۳۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "مردوں کے لیے ریشم پہننا اور ریشم بچھانے کا حکم" اور اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مردوں کے لیے سونا اور چاندی اور ریشم اور دیباج جائز نہیں ہے، تو مفہوم کے اعتبار سے اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ہے۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ عورتوں کے لیے بھی ریشم اور دیباج کا استعمال جائز نہیں ہے اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے، کیونکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا کہ چاندی کے برتن میں پینا حرام ہے، اور چاندی کے برتن میں پینا عورتوں پر بھی حرام ہے اور مردوں پر بھی حرام ہے، تو ریشم اور دیباج کا حکم بھی اسی طرح ہوگا کیونکہ وہ بھی ان کے ساتھ مذکور ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس حدیث میں لفظِ مذکر کے ساتھ خطاب ہے اور مونث کا اس میں داخل ہونا اختلافی ہے اور مختلف فیہ ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اصولیین کے نزدیک مؤنث اس خطاب میں داخل نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ جواب تسلی بخش نہیں ہے بلکہ تسلی بخش جواب یہ ہے کہ عورتوں کے لیے سونے اور ریشم کی اباحت دوسری حدیث سے ثابت ہے جو ان شاء اللہ عنقریب آئے گی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں الحکم کا ذکر ہے (حاء اور کاف دونوں پر زبر ہے)، یہ حکم بن عتیبہ ہیں، اور عتیبہ، عتبہ کی تصغیر ہے جس کا معنی ہے: دروازہ کی چوکھٹ، اور اس حدیث کی سند میں ابن ابی لیلیٰ کا ذکر ہے، ان کا نام عبدالرحمٰن ہے۔ اور ابو لیلیٰ کا نام یسار ہے، جو یمین کی ضد ہے اور عبدالرحمٰن کوفہ کے قاضی تھے، اور اس حدیث کی سند میں حضرت حذیفہ کا ذکر ہے، اور یہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فاستسقی" یعنی انہوں نے پانی کو طلب کیا۔

اور اس حدیث میں المدائن کا ذکر ہے، یہ ایک شہر کا نام ہے جو ایرانیوں کا دارالخلافہ تھا۔

اور اس حدیث میں دہقان کا ذکر ہے، دہقان اسے کہتے ہیں جو کسانوں کا کارمختار یا منشی ہو یا کسانوں کے معاملات کا ذمہ دار ہو۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "ولھم" یعنی کفار کے لیے، علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ واقع کا بیان ہے اور کفار کے لیے دنیا میں سونے چاندی اور ریشم کو حلال کرنا مراد نہیں ہے، یعنی واقع میں کفار ان چیزوں کو دنیا میں استعمال کرتے ہیں اور یہ مطلب نہیں ہے

کہ دنیا میں ان کے لیے ان چیزوں کا استعمال کرنا جائز ہے، کیونکہ کفار بھی فروع کے مکلف ہیں۔ اور اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، اور اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ کفار فروع کے مکلف نہیں ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۶۔۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۳۲۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ شُعْبَةُ فَقُلْتُ أَعَنِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ شَدِيدًا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ مَنْ لَبِسَ الْحَرِيرَ فِي الدُّنْيَا فَلَنْ يَلْبَسَهُ فِي الْآخِرَةِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد العزیز بن صہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ شعبہ نے کہا: میں نے پوچھا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے؟ تو انہوں نے سخت غصہ سے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے ریشم دنیا میں پہنا وہ اس کو آخرت میں نہیں پہنے گا۔

(صحیح مسلم: ۲۰۷۳، سنن نسائی: ۵۳۰۴، سنن ابن ماجہ: ۳۵۸۸، مسند احمد: ۱۱۵۷۴)

صحیح البخاری: ۵۸۳۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''قال شعبة فقلت'' یعنی میں نے عبد العزیز سے کہا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''اعن النبی ﷺ؟'' یعنی کیا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے؟ اور علی بن الجعد کی روایت میں مذکور ہے از شعبہ، میں نے عبد العزیز بن صہیب سے ریشم کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا ہے، پس میں نے کہا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے؟ تو انہوں نے کہا: ''شدیدا'' یعنی عبد العزیز نے غضب شدید سے کہا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق سوال کیا، یعنی اس سوال کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ قرینہ اس کی خبر دیتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کر کے انہوں نے بیان کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۳۳۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ الزُّبَيْرِ يَخْطُبُ يَقُولُ قَالَ مُحَمَّدٌ ﷺ مَنْ لَبِسَ الْحَرِيرَ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْآخِرَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ثابت، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ خطبہ دے رہے تھے اور خطبہ میں کہا: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ اس کو آخرت میں نہیں پہنے گا۔

(صحیح مسلم: ۲۰۷۳، سنن نسائی: ۵۳۰۴، سنن ابن ماجہ: ۳۵۸۸، مسند احمد: ۱۱۵۷۴)

صحیح البخاری: ۵۸۳۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ثابت کا ذکر ہے، وہ البنانی ہیں۔ اور ابن الزبیر کا ذکر ہے، وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے خطبہ میں کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث مرسل ہے اور صحابہ کی مراسیل جمہور کے نزدیک حجت ہیں، کیونکہ یا تو ان میں سے کسی ایک نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا، یا انہوں نے کسی اور صحابی سے سنا ہوگا۔ اگر تم یہ کہو کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہوں نے کسی تابعی سے سنا ہو، کیونکہ ایسی بھی روایت ہے کہ بعض صحابہ نے تابعین سے روایت کی ہے، تو میں کہوں گا: یہ نادر ہے اور نادر کالمعدوم ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''لم یلبسه'' اس حدیث میں لم کا لفظ ہے اور بعض شارحین نے کہا یہ اصل میں لن ہے یعنی لن یلبسه فی الأخرۃ''، علامہ عینی اس کا رد فرماتے ہیں کہ اکثر نسخوں میں لم یلبسه ہے، لم کے لفظ کے ساتھ۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۳۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي ذِبْيَانَ خَلِيفَةَ بْنِ كَعْبٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ الزُّبَيْرِ يَقُولُ سَمِعْتُ عُمَرَ يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مَنْ لَبِسَ الْحَرِيرَ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْآخِرَةِ وَقَالَ أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ يَزِيدَ قَالَتْ مُعَاذَةُ أَخْبَرَتْنِي أُمُّ عَمْرٍو بِنْتُ عَبْدِ اللهِ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ سَمِعَ عُمَرَ سَمِعَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن الجعد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از ابی ذبیان خلیفہ بن کعب، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دنیا میں ریشم پہنا، وہ آخرت میں اس کو نہیں پہنے گا۔

اور ابو معمر نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی از یزید، معاذہ نے کہا: مجھے ام عمرو بنت عبداللہ نے خبر دی کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی حدیث کی مثل سنا۔

(صحیح مسلم: ۲۰۷۳، سنن نسائی: ۵۳۰۴، سنن ابن ماجہ: ۳۵۸۸، مسند احمد: ۱۱۵۷۴)

صحیح البخاری: ۵۸۳۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن الجعد، یہ ابن عبید الجوہری البغدادی ہیں۔امام بخاری نے ان سے اپنی کتاب میں بارہ حدیثیں ذکر کی ہیں، امام بخاری نے کہا: یہ آخر رجب ۲۳۰ھ میں بغداد میں فوت ہو گئے تھے، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو ذبیان، اور ان کا نام خلیفہ بن کعب التمیمی البصری ہے۔امام بخاری نے صرف اسی جگہ ان کی روایت ذکر کی ہے۔امام نسائی نے ان کی توثیق کی ہے۔اور علی بن السکن نے از الفربری از ابی الظبیان روایت کی ہے اور اس میں ذال کی جگہ ظاء ہے، محدثین نے کہا: یہ خطاء ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''سمعت ابن الزبیر یقول: سمعت عمر یقول'' النظر بن شمیل کی روایت ہے از شعبہ، انہوں نے کہا: ہمیں خلیفہ بن کعب نے روایت بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر سے سنا، وہ کہتے تھے: تم اپنی عورتوں کو ریشم نہ پہناؤ، کیونکہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ریشم دنیا میں پہنا وہ اس کو آخرت میں نہیں پہنے گا، اس حدیث کی امام نسائی نے از جعفر بن میمون از خلیفہ بن کعب روایت کی ہے، اور انہوں نے اپنی سند میں حضرت عمر کا ذکر نہیں کیا، اور شعبہ جعفر بن میمون سے زیادہ حافظ ہے۔

اور امام نسائی نے جعفر بن میمون کی روایت میں یہ اضافہ کیا ہے: جس نے ریشم کو آخرت میں نہیں پہنا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ۝ (الحج:۲۳) اور وہاں ان کا لباس ریشم ہوگا O

ایک قول یہ ہے کہ یہ اضافہ حدیث میں مدرج ہے، اور یہ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے، اس کو بھی امام نسائی نے شعبہ کی سند سے بیان کیا ہے، پس انہوں نے اس کی اس باب کی حدیث کی سند کی مثل روایت کی۔اسی طرح اسماعیلی نے اس کی علی بن الجعد کی سند سے از شعبہ روایت کی ہے اور اس کے الفاظ اس طرح ہیں کہ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے اپنی رائے سے کہا کہ: جس نے آخرت میں ریشم کو نہیں پہنا، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ۝ (الحج:۲۳) اور وہاں ان کا لباس ریشم ہوگا۔

اس کے بعد امام بخاری نے ذکر کیا اور ہم سے ابو معمر نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی از یزید ۔۔۔الیٰ آخرہ۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی از حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کی دوسری سند ہے۔

اس سند میں عبدالوارث کا ذکر ہے، وہ ابن سعید ہیں۔اور اس سند میں یزید کا ذکر ہے، الغسانی نے کہا: وہ یزید الرشک ہیں اور اس کا معنی ہے کہ وہ قسام ہیں، وہ مکانوں کی تقسیم کرتے تھے اور ان کی پیمائش کرتے تھے اور مکہ میں رہتے تھے اور ۱۳۳ھ میں بصرہ میں فوت ہوئے تھے۔

اور اس حدیث کی سند میں معاذہ کا ذکر ہے، یہ بنت عبداللہ العدویہ البصریہ ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں ام عمرو کا ذکر ہے؛

وہ بنت عبداللہ بن زبیر بن العوام الاسدیہ ہیں، انہوں نے اپنے والد عبداللہ بن زبیر سے سنا اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔

اس سند کے آخر میں لکھا ہے ''اس حدیث کی مثل'' اور اسماعیلی کی روایت میں ہے کہ جس نے دنیا میں ریشم کو پہنا وہ آخرت میں ریشم کو نہیں پہنے گا اور اس کی ایک اور سند ہے از شیبان بن فروخ از عبدالوارث، اس کے ساتھ مذکور ہے: سو اس کو اللہ تعالیٰ آخرت میں ریشم نہیں پہنائے گا، اور امام احمد نے از جابر از خالہ خود ام عثمان از جویریہ روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ریشم کا کپڑا پہنا، اللہ عزوجل اس کو قیامت کے دن آگ کا کپڑا پہنائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۸۔۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۳۵۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حِطَّانَ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنِ الْحَرِيرِ فَقَالَتْ ائْتِ ابْنَ عَبَّاسٍ فَسَلْهُ قَالَ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ سَلِ ابْنَ عُمَرَ قَالَ فَسَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو حَفْصٍ يَعْنِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّمَا يَلْبَسُ الْحَرِيرَ فِي الدُّنْيَا مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ فَقُلْتُ صَدَقَ وَمَا كَذَبَ أَبُو حَفْصٍ عَلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ رَجَاءٍ حَدَّثَنَا حَرْبٌ عَنْ يَحْيَى حَدَّثَنِي عِمْرَانُ وَقَصَّ الْحَدِيثَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عثمان بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں علی بن المبارک نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن ابی کثیر از عمران بن حطان، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ریشم کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: تم ابن عباس کے پاس جا کر ان سے سوال کرو، عمران نے کہا: پس میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا، تو انہوں نے کہا: تم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کرو، سو میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا، تو انہوں نے کہا: مجھے ابوحفص نے خبر دی یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ریشم کو دنیا میں صرف وہ لوگ پہنتے ہیں جن کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا، پس میں نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا اور ابوحفص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ نہیں باندھا۔

عبداللہ بن رجاء نے کہا: ہمیں حرب نے حدیث بیان کی از یحییٰ، انہوں نے کہا: مجھے عمران نے حدیث بیان کی اور اس حدیث کا قصہ بیان کیا۔

(صحیح البخاری: ۵۸۲۹، ۵۸۳۰، ۵۸۳۴، ۵۸۳۵، صحیح مسلم: ۲۰۶۹، سنن نسائی: ۵۳۱۲، سنن ابوداؤد: ۴۰۴۲، مسند احمد: ۹۳)

صحیح البخاری: ۵۸۳۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تعارف

اس حدیث کی سند میں عثمان بن عمر کا ذکر ہے، یہ ابن فارس البصری العبدی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں علی بن المبارک کا ذکر ہے، یہ الہنائی البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عمران بن حطان کا ذکر ہے، یہ السدوسی ہیں، یہ خوارج کے سردار اور ان کے شاعر تھے اور یہ وہی ہیں جنہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے قاتل ابن ملجم کی اپنے اشعار میں مدح کی تھی۔

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ ایسے شخص کے ذکر کو ترک کرنا واجبات میں سے ہے، پس امام بخاری نے اس شخص کے قول کو کیسے قبول کر لیا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا؟

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی) نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ امام بخاری نے عمران بن حطان کی حدیث کو اپنے اس قاعدہ کے موافق روایت کیا ہے کہ وہ بدعتی کی احادیث کی بھی روایت کرتے ہیں جب کہ وہ کلام میں سچا ہو اور دین دار ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عمران نے اپنی بدعت سے توبہ کر لی تھی اور یہ بہت بعید ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۹۰، طبع لاہور)

علامہ عینی حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عمران بن حطان کی حدیث کو روایت کرنے کے لیے امام بخاری کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، اور امام مسلم نے عمران بن حطان کی حدیث کو روایت نہیں کیا، اور یہ کہاں سے اپنے کلام میں صادق ہو گئے؟ حالانکہ اس نے ابن ملجم اللعین کی مدح میں بڑھ چڑھ کر بے حیائی سے جھوٹ بولا ہے، اور جو دین دار ہو وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جیسے شخص کے قتل سے کیسے خوش ہوگا؟ حتیٰ کہ ان کے قاتل کی مدح کرے، اور عمران بن حطان کی روایت صحیح بخاری میں صرف اسی جگہ پر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پس میں نے کہا کہ انہوں نے سچ کہا اور ابو حفص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والے نہیں ہیں"۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس قول کا قائل عمران بن حطان المذکور ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۹۔ ۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۶۔ بَابُ: مَسِّ الْحَرِيرِ مِنْ غَيْرِ لُبْسٍ

جس نے ریشم کو پہنے بغیر اس کو چھوا

وَيُرْوَى فِيهِ عَنِ الزُّبَيْدِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ریشم کو چھونے کے متعلق الزبیدی نے از زہری از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب اس بیان میں ہے کہ جس شخص نے ریشم کو مس کیا اور اس پر تعجب کیا اور اس کو پہنا نہیں، اور امام بخاری نے اس عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے کہ ریشم کا پہننا تو حرام ہے لیکن اس کو چھونا حرام نہیں ہے، اسی طرح ریشم کو فروخت کرنا اور اس کی قیمت سے فائدہ اٹھانا بھی حرام نہیں ہے۔

امام بخاری نے اس باب میں از زبیدی از زہری از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعلیق ذکر کی ہے۔

تعلیق مذکور کی شرح از علامہ عینی

یہ تعلیق از محمد بن الولید الزبیدی سے منقول ہے، زبیدی میں زبید کی طرف نسبت ہے اور وہ منبہ بن سعد ہیں اور وہی زبید اکبر ہیں اور انہی کی طرف زبید کے قبائل رجوع کرتے ہیں اور یہ زبیدی محمد بن مسلم الزہری کے صاحب ہیں۔ امام بخاری نے ان سے حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو استبرق (دبیز ریشم) کا ایک حلہ ہدیہ کیا گیا، پس صحابہ اس کو اپنے ہاتھوں سے مس کرتے تھے اور اس پر تعجب کرتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اس پر تعجب کر رہے ہو، پس اللہ کی قسم! سعد کے جنت میں جو رومال ہیں وہ اس سے زیادہ حسین ہیں۔

امام الدارقطنی نے کہا: اس حدیث کی روایت میں محمد بن الولید الزہری سے منفرد ہیں، اور عبداللہ بن سالم الحمصی کے سوا اور کسی نے اس کی روایت نہیں کی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۰۔۲۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۳۶۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ أُهْدِيَ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم ثَوْبُ حَرِيرٍ فَجَعَلْنَا نَلْمُسُهُ وَنَتَعَجَّبُ مِنْهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَتَعْجَبُونَ مِنْ هَذَا قُلْنَا نَعَمْ قَالَ مَنَادِيلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنْ هَذَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از اسرائیل از ابی اسحاق از حضرت البراء رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ریشم کا ایک کپڑا ہدیہ کیا گیا، پس ہم اس کو چھوتے تھے اور اس پر تعجب کرتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اس پر تعجب کر رہے ہو، ہم نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے فرمایا: سعد بن معاذ کے رومال جنت میں اس سے بہتر ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۲۴۹، ۳۸۰۲، ۵۸۳۶، ۶۶۴۰، صحیح مسلم: ۲۴۶۸، سنن ترمذی: ۳۸۴۷، سنن ابن ماجہ: ۱۵۷، مسند احمد: ۱۸۰۷۳)

صحیح البخاری: ۵۸۳۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "جس نے ریشم کو پہنے بغیر اس کو مس کیا" اور اس باب کی حدیث میں ہے کہ حضرت البراء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ریشم کا کپڑا ہدیہ کیا گیا، سو ہم اس کو ہاتھوں سے مس کرتے تھے۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبید اللہ بن موسیٰ کا ذکر ہے، یہ ابو محمد العبسی الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں اسرائیل کا ذکر ہے، یہ ابن یونس بن ابی اسحاق عمرو السبیعی ہیں۔ اور اسرائیل اپنے دادا ابو اسحاق سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ریشم کے جس کپڑے کا ذکر کیا گیا ہے، اس کو دومہ کے حاکم اکیدر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ کیا تھا، اور اس حدیث میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ وہ انصار کے سردار تھے، اور شاید کہ اس کپڑے کو چھو کر تعجب کرنے والے بھی انصار تھے۔ اور رومال کا خصوصیت سے ذکر اس لیے کیا ہے کہ رومال کو نیچے بچھایا جاتا ہے، تو جو رومال سے اوپر درجہ کا کپڑا ہوگا، وہ بہ طریقِ اولیٰ بہتر ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۷۔ بَابُ: اِفْتِرَاشِ الْحَرِيرِ — ریشمی بچھونے کا حکم

وَقَالَ عَبِيدَةُ: هُوَ كَلُبْسِهِ۔

اور عبیدۃ نے کہا: ریشم کا بچھونا اس کے پہننے کی مثل ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ ریشم کا بستر یا بچھونا یا اس کا فرش بنانا جائز ہے یا نہیں اور آیا ریشم کا بستر بھی اس کے پہننے کی طرح حرام ہے یا نہیں؟ اور اس کا حکم یہ ہے کہ ریشم کو بچھانا اور اس کا بستر بنانا یہ بھی ریشم کو پہننے کی طرح حرام ہے اور اس میں فقہاء کا اختلاف ہے جس کو ہم ان شاء اللہ ذکر کریں گے اور اس باب کی حدیث عنوان میں ذکر کیے گئے حکم کی وضاحت کرتی ہے۔

امام بخاری نے اس باب میں تعلیق ذکر کی ہے کہ عبیدہ نے کہا: ریشم کو بچھانا اس کو پہننے کی مثل ہے۔

تعلیق مذکور کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں عبیدہ کا ذکر ہے، اس میں عین پر زبر ہے، یہ عبیدہ بن عمر السلمانی ہے، ان کا مذہب یہ ہے کہ ریشم کو پہننے اور اس کا بستر بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ دونوں حرمت میں برابر ہیں۔ اور الحارث بن ابی اسامہ نے از محمد بن سیرین اس تعلیق کی موصولاً روایت کی ہے، محمد بن سیرین نے بیان کیا کہ میں نے عبیدہ سے پوچھا: کیا ریشم کا بچھونا اس کے پہننے کی مثل ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۳۷۔ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ نَهَانَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ نَشْرَبَ فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَأَنْ نَأْكُلَ فِيهَا وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ وَأَنْ نَجْلِسَ عَلَيْهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہب بن جریر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابن ابی نجیح سے سنا از مجاہد از ابن ابی لیلیٰ از حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور چاندی کے برتنوں میں پینے سے منع فرمایا ہے، اور ہمیں ان برتنوں میں کھانے سے منع فرمایا ہے اور ہمیں ریشم اور دیباج کے پہننے سے منع فرمایا اور ہمیں ریشم پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۵۶۳۲، ۵۶۳۳، ۵۸۳۱، ۵۸۳۷، صحیح مسلم: ۲۰۶۷، سنن ترمذی: ۱۸۷۸، سنن نسائی: ۵۳۰۱، سنن ابوداؤد: ۳۷۲۳، سنن ابن ماجہ: ۳۴۱۴، مسند احمد: ۲۲۸۰۳)

صحیح البخاری: ۵۸۳۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ریشم کے بچھونے کا حکم، اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ریشم پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ اور ریشم پر بیٹھنا اسی وقت متصور ہوگا جب ریشم بچھا ہوا ہو اور یہ اس کو مستلزم ہے کہ ریشم کا بچھونا ممنوع ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی اور وہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے وہب بن جریر، وہ اپنے والد جریر بن حازم الازدی سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن ابی نجیح کا ذکر ہے، ان کا نام عبداللہ ہے، اور نجیح کے والد کا نام یسار ہے، اور ابن ابی لیلیٰ کا نام عبدالرحمٰن ہے، اور ابو لیلیٰ کا نام یسار ہے، جیسے نجیح کے والد کا نام ہے۔

یہ حدیث کتاب الاطعمہ اور کتاب الاشربہ میں دو جگہ گزر چکی ہے، اور کتاب اللباس میں بھی دو جگہ گزر چکی ہے اور اس کی شرح بھی ہو چکی ہے، اور ان تمام حدیثوں میں یہ لفظ نہیں ہے کہ ہمیں ریشم پر بیٹھنے سے منع کیا گیا۔

یہ حدیث امام بخاری کی مفردات میں سے ہے، اسی وجہ سے امام حمیدی نے اس حدیث کا ذکر نہیں کیا۔

ریشم کے اوپر بیٹھنے کے متعلق مذاہب فقہاء

جمہور مالکیہ اور شافعیہ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ ریشم کے اوپر بیٹھنا حرام ہے، اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ریشم پر بیٹھنے کی اجازت دی ہے، اور ابن الماجیشون نے اور بعض شافعیہ نے اور عبدالعزیز بن ابی سلمہ اور ان کے بیٹے عبدالملک نے۔ ان فقہاء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کی وکیع نے از مسعر از راشد مولیٰ بنی تمیم روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مجلس میں ریشم کا تکیہ دیکھا۔

ابن سعد نے روایت کی کہ ہمیں عبدالوہاب بن عطاء نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن ابی المقدام نے خبر دی از مؤذن بنی وداعہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، وہ اس وقت ریشم کے تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، اور سعید بن جبیر ان کے دونوں پاؤں کے پاس بیٹھے تھے۔

اور ان فقہاء نے جواب دیا ہے کہ جس حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پر بیٹھنے سے منع فرمایا، یہ تحریم میں صریح نہیں ہے، کیونکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے مجموعہ سے منع فرمایا ہو، یعنی ریشم کے پہننے سے اور ریشم پر بیٹھنے سے، نہ صرف ریشم پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ اور اس لیے بھی کہ بیٹھنا، پہننا نہیں ہے۔

پس اگر وہ کہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ میں اپنی ایک چٹائی کی طرف کھڑا ہوا جو زیادہ عرصہ پہننے کی وجہ سے سیاہ

ہوگئی تھی، تو ہم کہیں گے کہ اس کا معنی ہے: وہ زیادہ عرصہ استعمال کی وجہ سے سیاہ ہوگئی تھی، کیونکہ ہر چیز کا پہننا اس کے حال کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اور مرفقة کا معنی ہے: گدایا تکیہ۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۸۴۳ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن وہب نے از ابن لہیعہ از ابی النضر روایت کی ہے کہ عبداللہ بن عامر نے کوئی اہم کام کیا اور لوگوں کو دعوت دی اور ان لوگوں میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تھے، پس جب وہ آئے تو عبداللہ بن عامر نے تخت کے اوپر جو ریشم کی چادر بچھی ہوئی تھی اس کو اتارنے کا حکم دیا، پھر جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ آئے تو ان سے ابن عامر نے کہا: اے ابواسحاق! اس تخت کے اوپر ریشم کی ایک چادر بچھی ہوئی تھی، جب ہم نے آپ کے آنے کا سنا تو ہم نے وہ چادر اتار لی، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں درخت الغضا کے انگاروں پر بیٹھوں تو یہ میرے نزدیک اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں ریشم کی چادر پر بیٹھوں۔

نیز علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: عورتوں کے ریشم کے اوپر بیٹھنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، اور صحیح قول یہ ہے کہ عورتوں کا ریشم کے اوپر بیٹھنا حلال ہے۔

فقہاء احناف میں سے الزاہدی نے کہا ہے کہ ریشم کے لحاف کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا پہننا ہے، اور دیباج کے تکیہ کی طرف ٹیک لگانا مکروہ نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ریشم کا استعمال اس وقت حرام ہے جب وہ بدن سے ملا ہوا ہو، اور امام ابو یوسف کے نزدیک پہننا عام ہے۔ اور یہ اس بات کی تصریح ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس ریشم کا پہننا مکروہ نہیں ہے جو جسم کے ساتھ متصل نہ ہو حتیٰ کہ نیچے کوئی سوتی کپڑا پہنا اور اس کے اوپر کوئی ریشم کا کپڑا پہنا تو وہ امام ابو یوسف اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہیں ہے، اور جب ریشم کو قبا کے اوپر پہنا یا کوئی اور کپڑا پہنا اور جب ریشم کا جبہ ہو اور اس کے اندر ریشم کا کپڑا نہ ہو تو یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۶۷۷۔۶۷۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۲۸۔ بَابُ: لُبْسِ الْقَسِّيِّ

''قسی'' کو پہننے کا بیان

وَقَالَ عَاصِمٌ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ قُلْتُ لِعَلِيٍّ مَا الْقَسِّيَّةُ قَالَ ثِيَابٌ أَتَتْنَا مِنَ الشَّامِ أَوْ مِنْ مِصْرَ مُضَلَّعَةٌ فِيهَا حَرِيرٌ وَفِيهَا أَمْثَالُ الْأُتْرُنْجِ وَالْمِيثَرَةُ كَانَتْ النِّسَاءُ تَصْنَعُهُ لِبُعُولَتِهِنَّ مِثْلَ الْقَطَائِفِ يُصَفِّرْنَهَا وَقَالَ جَرِيرٌ عَنْ يَزِيدَ فِي حَدِيثِهِ الْقَسِّيَّةُ ثِيَابٌ مُضَلَّعَةٌ يُجَاءُ بِهَا مِنْ مِصْرَ فِيهَا الْحَرِيرُ وَالْمِيثَرَةُ جُلُودُ السِّبَاعِ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ عَاصِمٌ أَكْثَرُ وَأَصَحُّ فِي الْمِيثَرَةِ۔

قاسم نے کہا از ابی بردہ: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: القسی کیا چیز ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بتایا: یہ وہ کپڑا ہے جو ہمارے ہاں (حجاز میں) شام یا مصر سے آتا تھا، اس میں ریشم کی چوڑی دھاریاں ہوتی تھیں اور اس میں سنگترے کی مثل نقوش ہوتے تھے، اور میثرۃ وہ کپڑا ہے جس کو عورتیں اپنے شوہروں کے لیے بناتی تھیں جو مخملی چادر کی مثل ہوتا تھا اور اس کو زرد رنگ میں رنگتی تھیں۔ اور جریر نے اپنی حدیث میں از یزید کہا: کہ قسی چوڑی دھاریوں والا کپڑا ہے جس کو مصر سے لایا جاتا تھا، اور اس میں ریشم

ہوتا تھا۔ اور میثرہ درندوں کی کھال کی زین ہے، امام ابو عبداللہ بخاری نے کہا: میثرہ کی جو تفسیر عاصم نے کی ہے، وہ زیادہ لوگوں سے منقول ہے اور زیادہ صحیح ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ''قسی'' کپڑے کو پہننے کا بیان کیا گیا ہے، علامہ کرمانی نے کہا ہے: ''القسی'' ایک شہر کی طرف منسوب ہے جس کو القس کہتے ہیں، علامہ عینی فرماتے ہیں: ''القس'' سمندر کے ساحل پر ایک شہر ہے، اس شہر میں ریشم کے کپڑے بنے جاتے تھے، اور آج کل وہ شہر ویران ہے۔

امام ابو عبید نے کہا ہے: محدثین قِسّی (قاف کے نیچے زیر) کہتے ہیں اور اہل مصر اس پر زبر پڑھتے ہیں۔

ابن سیدہ نے کہا ہے: ''القس'' ایک جگہ ہے جس کی طرف وہ کپڑے منسوب کیے جاتے ہیں جن کو مصر سے لایا جاتا ہے اور الحسن بن محمد المہلبی المصری نے کہا ہے کہ القس ایک قلعہ ہے جس میں لوگ رہتے تھے اور یہ شام سے دس فرسخ کے فاصلہ پر ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: ایک قول یہ ہے کہ یہ لفظ القزی ہے، سین کی جگہ زاء کے ساتھ اور قزموٹے ریشم کو کہتے ہیں۔

التوضیح میں مذکور ہے کہ قس، تنیس کی ایک بستی ہے اور یہ بحر دمیاط کے ساحل پر ایک جزیرہ میں ہے جو اب ویران ہو چکا ہے۔

تعلیق مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، پہلی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ تعلیق صحیح مسلم کی ایک حدیث موصول کی ایک طرف ہے، جس کی انہوں نے از عبداللہ بن ادریس از عاصم بن کلیب از ابی بردہ اور وہ ابو موسیٰ اشعری کے بیٹے ہیں از حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قسی کے پہننے سے اور میاثر کے استعمال سے منع فرمایا۔ رہا قسی تو یہ وہ کپڑا ہے جس میں پسلی کی طرح چوڑی چوڑی دھاریاں ہوں۔ الحدیث۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ ہمارے پاس شام سے آتا تھا یا مصر سے۔ اور مسلم کی روایت میں ہے کہ وہ مصر سے آتا تھا یا شام سے آتا تھا۔

''مضلعة فیها حریر'': یعنی اس میں پسلیوں کی طرح چوڑی چوڑی ریشم کی لکیریں ہوتی تھیں۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کپڑے کی چوڑی چوڑی دھاریوں کو پسلیوں کے مشابہ قرار دیا۔

''والمیثرة'': یہ نرم ریشم کا کپڑا ہوتا تھا۔

''کانت النساء تصنعه لبعولتهن'': یعنی اپنے شوہروں کے لیے بناتی تھیں، اور بعولة کا لفظ بعل کی جمع ہے اور اس کا معنی

شوہر ہے۔اس کپڑے کوزین کے اوپر رکھ دیا جاتا اور وہ کپڑا ریشم کا ہوتا تھا۔

''مثل القطائف'': یہ قطیفۃ کی جمع ہے جس کا معنی ہے مخملی چادر، یہ زین کی صفت ہے۔ابوعبید نے کہا ہے: یہ عجمیوں کی سواریاں ہوتی تھیں جس میں دیباج یا ریشم کے کپڑے کوزین کے اوپر بچھایا جاتا تھا، اور علامہ ہروی نے کہا ہے: میثرۃ وہ نرم کپڑا ہے جس کو سرخ رنگ میں رنگنے کے بعد زین پر بچھایا جاتا تھا۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ریشم کے کپڑے سے یا اونی کپڑے سے زین کو ڈھانپا جاتا تھا، اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ چھوٹے بستر کی طرح ہوتا تھا جو ریشم سے بنایا جاتا تھا اور اس میں سوت سے بھی کام کیا جاتا تھا اور سوار اس کپڑے کو پالان کے اوپر بچھاتا تھا۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، دوسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

''والمیثرۃ جلود السباع'': یعنی میثرۃ درندوں کی کھالوں کو کہتے ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: ''میثرۃ'' کی یہ تفسیر صرف صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں ہے، اور علامہ نووی نے کہا ہے: میثرۃ کی تفسیر کھالوں کے ساتھ کرنا باطل قول ہے اور مشہور قول کے خلاف ہے جس پر محدثین کا اتفاق ہے، اور علامہ کرمانی نے کہا ہے: درندوں کی کھالیں ممنوع نہیں ہیں، اور حدیث میں ''میثرۃ'' کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یا تو وہ ریشم کا کپڑا ہوتا تھا، یا اسراف کی وجہ سے اس سے منع فرمایا ہے، یا اس وجہ سے کہ یہ متکبرین کا طریقہ ہے۔

''قال ابوعبد اللہ عاصم اکثر'': یعنی امام بخاری نے کہا کہ میثرۃ کی تفسیر جو عاصم نے کی ہے اس کو اکثر لوگوں نے نقل کیا ہے، یعنی وہ ریشم کا نرم کپڑا ہے جس کو عورتیں اپنے شوہروں کی زین پر بچھاتی تھیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۳۔ ۲۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۳۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَشْعَثَ بْنِ أَبِي الشَّعْثَاءِ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ نَهَانَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْمَيَاثِرِ الْحُمْرِ وَالْقَسِّيِّ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از اشعث بن ابی شعثاء، انہوں نے کہا: ہمیں معاویہ بن سوید بن مقرن نے حدیث بیان کی از حضرت براء بن عازب، انہوں نے بیان کیا کہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ میاثر اور قسی سے منع فرمایا۔

(صحیح بخاری: ۱۲۳۹، ۲۴۴۵، ۵۱۷۵، ۵۶۳۵، ۵۶۵۰، ۵۸۳۸، ۵۸۴۹، ۵۸۶۳، ۶۲۲۲، ۶۲۳۵، ۶۶۵۴، صحیح مسلم: ۲۰۶۶، سنن ترمذی: ۲۸۰۹، سنن نسائی: ۱۹۳۹، مسند احمد: ۱۸۱۷۰)

صحیح البخاری: ۵۸۳۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''قسی'' اور اس حدیث میں بھی قسی کا ذکر ہے، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہوگئی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں محمد بن مقاتل کا ذکر ہے، یہ المروزی ہیں۔اور اس میں عبداللہ کا ذکر ہے، وہ عبداللہ بن مبارک المروزی ہیں۔
اور اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ سفیان ثوری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سرخ میاثر سے منع فرمایا، یعنی سرخ نرم ریشم کے پہننے سے منع فرمایا۔
امام ابوعبید نے کہا ہے: السیاثر حمر جن سے منع کیا گیا ہے، یہ وہ کپڑے ہیں جن کو عجمی لوگ اپنی سواریوں کی زین پر دیباج یا ریشم کا کپڑا بچھاتے تھے۔

علامہ ابن بطال نے کہا: یہ کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ جب زین کے اوپر ریشم یا دیباج نہ ہو اور اونی سرخ کپڑا ہو تو اس پر بیٹھ کر سواری کرنا جائز ہے اور اس سے ممانعت اس طرح نہیں ہے جس طرح سرخ ریشم سے ممانعت ہے، اور ابن وہب نے کہا: امام مالک سے سوال کیا گیا: آیا سرخ ریشم پر سواری کی جائے گی یعنی سرخ ریشم کو زین پر ڈال کر سواری کی جائے گی؟ تو امام مالک نے کہا: میرے علم میں یہ حرام نہیں ہے، پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ۔ (اے نبی!) آپ کہیے: اللہ کی زینت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے۔ (الاعراف: ۳۲)

علامہ خطابی نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ذکر کیا گیا ہے کہ میں ارجوان پر سواری نہیں کرتا؟ اور علامہ خطابی نے بتایا کہ ارجوان سرخ رنگ کو کہتے ہیں۔اور میری رائے یہ ہے کہ آپ نے اس سے سرخ ریشم کا ارادہ فرمایا۔اور کبھی وہ کپڑا دیباج اور ریشم سے بنایا جاتا ہے اور اس کے متعلق ممانعت وارد ہو چکی ہے، کیونکہ اس میں جہالت ہے اور یہ مردوں کا لباس نہیں ہے۔

امام ابوداؤد نے از قتادہ از حسن از عمران بن حصین روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں سرخ رنگ پر سواری نہیں کرتا اور نہ زرد رنگ پر اور نہ وہ قمیص پہنتا ہوں جس میں ریشم کے بٹن لگائے گئے ہوں اور امام ابویعلیٰ الموصلی نے اپنی مسند میں روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھیوں سے اور قسی سے اور سرخ رنگ میں رنگے ہوئے میثرۃ (نرم ریشم) سے اور زرد رنگ میں رنگے ہوئے میثرہ (نرم ریشم) سے منع فرمایا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۹۔ بَابُ: مَا يُرَخَّصُ لِلرِّجَالِ مِنَ الْحَرِيْرِ لِلْحِكَّةِ

خارش کی وجہ سے مردوں کو ریشم پہننے کی رخصت کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مردوں کو خارش کی وجہ سے ریشم پہننے کی رخصت دی گئی ہے۔

۵۸۳۹۔حَدَّثَنِی مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ رَخَّصَ النَّبِيُّ ﷺ لِلزُّبَيْرِ وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ فِي لُبْسِ الْحَرِيرِ لِحِكَّةٍ بِهِمَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما کو ریشم پہننے کی اجازت دی، کیونکہ ان دونوں کو خارش تھی۔

(صحیح بخاری: ۲۹۱۹، ۲۹۲۰، ۲۹۲۱، ۲۹۲۲، ۵۸۳۹، صحیح مسلم: ۲۰۷۶، سنن ترمذی: ۱۷۲۲، سنن نسائی: ۵۳۱۰، سنن ابوداؤد: ۴۰۵۶، سنن ابن ماجہ: ۳۵۹۲، مسند احمد: ۱۱۸۷۹)

صحیح البخاری: ۵۸۳۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد کا ذکر ہے، وہ ابن سلام ہیں۔ علی بن السکن کی روایت میں محمد بن سلام مذکور ہے اور اکثرین کی روایت میں صرف محمد مذکور ہے اور نسبت کا ذکر نہیں ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں حضرت زبیر کا ذکر ہے اور یہ حضرت الزبیر بن العوام ہیں اور عبدالرحمٰن کا ذکر ہے، یہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لحکة بهما'' کیونکہ ان دونوں کو خارش تھی، یعنی ان دونوں کے بدنوں میں خارش تھی۔

امام غزالی نے الوسیط میں لکھا ہے: جس صحابی کے لیے ریشم پہننے کی اجازت دی گئی تھی، وہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہیں، اور یہ غلط ہے۔

اور امام شافعی سے منقول ہے کہ یہ رخصت حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما کے ساتھ مخصوص تھی۔

التوضیح میں مذکور ہے: ہمارے بعض اصحاب شافعیہ نے فرق کیا ہے، انہوں نے ریشم پہننے کو سفر میں جائز قرار دیا ہے اور حضر میں جائز نہیں قرار دیا، کیونکہ صحیح مسلم میں یہ روایت ہے کہ یہ رخصت سفر میں تھی۔ اور الروضہ میں بھی اس رخصت کو جوؤں کے ساتھ مخصوص کیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ امام رافعی نے خارش کے متعلق لکھا کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ خارش کی وجہ سے سفر اور حضر میں ریشم کو پہننا جائز ہے اور جس نے کہا کہ یہ سفر کے ساتھ مخصوص ہے، اس کا قول بہت بعید ہے۔ اگرچہ علامہ ابن الصلاح نے اس کو اختیار کیا ہے، کیونکہ امام مسلم اور امام بخاری کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو ریشم پہننے کی اجازت اس لیے دی تھی کہ ان دونوں نے ایک غزوہ میں جوؤں کی شکایت کی تھی۔ واللہ اعلم

۳۰- بَابُ: الْحَرِيرِ لِلنِّسَاءِ — ریشم کا خواتین کے لیے جواز

یعنی اس باب میں خواتین کے لیے ریشم پہننے کے جواز کو بیان کیا گیا ہے۔

۵۸۴۰- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ ﷺ قَالَ كَسَانِي النَّبِيُّ ﷺ حُلَّةً سِيَرَاءَ فَخَرَجْتُ فِيهَا فَرَأَيْتُ الْغَضَبَ فِي وَجْهِهِ فَشَقَّقْتُهَا بَيْنَ نِسَائِي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی ح اور مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبد الملک بن میسرہ از زید بن وہب از حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھے سیراء کا (ریشمی دھاریوں والا) حُلّہ (جوڑا) عطا فرمایا، میں وہ پہن کر نکلا تو میں نے آپ کے چہرہ پر غصہ کے آثار دیکھے، پھر میں نے اس حلہ کو پھاڑ کر اپنی عورتوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۶۱۴، ۵۳۶۶، ۵۸۴۰، صحیح مسلم: ۲۰۷۱، سنن نسائی: ۵۲۹۸، سنن ابوداؤد: ۴۰۴۳، مسند احمد: ۷۵۷)

صحیح البخاری: ۵۸۴۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اس وجہ سے معلوم ہوتی ہے کہ حضرت علی نے ریشمی کپڑا پہنا تو رسول اللہ ﷺ کے چہرہ پر غضب کے آثار تھے، اس سے معلوم ہوا کہ مردوں کے لیے ریشمی دھاریوں والا کپڑا پہننا جائز نہیں ہے، اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ کپڑا اپنی عورتوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''حلة سيراء'': یہ کئی مرتبہ گزر چکا ہے کہ تہبند اور چادر کو حلّہ کہتے ہیں، اور علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ حُلّہ اس وقت ہوتا ہے جب دو کپڑے ایک جنس سے ہوں۔ امام مالک نے کہا ہے: سیراء کا معنی یہ ہے کہ اس کپڑے کے کنارے ریشم کے ہوں، اور اصمعی نے کہا ہے: وہ ایسا کپڑا ہے جس میں ریشم کی یا قز کی دھاریاں اور خطوط (لکیریں) ہوں، اور خلیل نے کہا ہے کہ پسلیوں کی طرح ریشم کی چوڑی چوڑی لکیریں ہوں، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ کپڑا ہے جس میں مختلف رنگوں کے لمبے لمبے خطوط (لکیریں) ہوں، اور الجوہری نے کہا ہے: یہ وہ چادر ہے جس میں زرد رنگ کے خطوط ہوں۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ ''حلة سيراء'' آیا اس میں اضافت ہے یا نہیں؟ پس اکثر کے نزدیک حلة کے اوپر تنوین ہے، اور سیراء کا لفظ عطفِ بیان ہے یا صفت ہے۔ علامہ خطابی نے کہا: ''حلة سيراء'' اس طرح ہے جیسے وہ کہتے ہیں ناقة عشراء۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "پس میں نے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ پر غضب کے آثار دیکھے": اور امام مسلم نے ابو صالح سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: یہ کپڑا میں نے تمہارے پاس اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ تم اس کو پہنو، بلکہ یہ میں نے اس لیے تمہارے پاس بھیجا تھا کہ تم اس کے ٹکڑے کر کے اپنی عورتوں کے دوپٹے بناؤ۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اس کے الفواطم کے درمیان دوپٹے بنا دیے۔ علامہ ابن قتیبہ نے کہا: الفواطم سے مراد ہیں فاطمہ بنت النبی ﷺ، اور فاطمہ بنت اسد بن ہاشم جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں، اور میں تیسری فاطمہ کو نہیں جانتا۔ اور امام طحاوی نے روایت کی ہے، ہمیں احمد بن داؤد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن حمید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمران بن عیینہ نے حدیث بیان کی از یزید بن ابی زیاد از ابی فاختہ الجعدہ از حضرت علی رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ آذر بانیجان کے امیر نے نبی ﷺ کو ریشم کا میثرہ (یعنی ریشم کی دھاریوں والا حلہ) ہدیہ میں بھیجا، پس رسول اللہ ﷺ نے وہ حلہ میری طرف بھیج دیا، میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا میں اس کو پہنوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں تمہارے لیے اس چیز کو ناپسند کرتا ہوں جس کو میں اپنے لیے ناپسند کرتا ہوں، اس کے تم الفواطم کے دوپٹے بنالو، اس کے میں نے چار دوپٹے بنائے، ایک دوپٹہ میں نے فاطمہ بنت اسد بن ہاشم کو دیا جو علی بن ابی طالب کی والدہ ہیں اور دوسرا دوپٹہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کو دیا اور تیسرا دوپٹہ حضرت فاطمہ بنت حمزہ بن عبد المطلب کو دیا اور چوتھا دوپٹہ ایک اور فاطمہ کو دیا جن کا نام میں بھول گیا، امام طحاوی کی عبارت ختم ہوئی۔

قاضی عیاض نے کہا کہ شاید یہ چوتھی فاطمہ عقیل بن ابی طالب کی زوجہ ہیں اور یہ شیبہ بن ربیعہ کی بیٹی ہیں، اور دوسرا قول ہے کہ یہ بنت عتبہ بن ربیعہ ہیں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "پس میں نے اس کو پھاڑ کر اپنی عورتوں کے درمیان تقسیم کر دیا"۔ یعنی میں نے اس کو کاٹ کر ان عورتوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ اور عورتوں سے مراد وہی ہیں جن کی ابو صالح کی روایت میں تفسیر ہے کہ انہوں نے وہ الفواطم کے درمیان تقسیم کر دیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: حضرت علی نے جو کہا: میں نے اس کو اپنی عورتوں کے درمیان تقسیم کر دیا، اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو ان کی رشتہ دار تھیں اور یہ الفواطم المذکورہ ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۶۔۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۴۱۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنِي جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عُمَرَ رضي الله عنه رَأَى حُلَّةَ سِيَرَاءَ تُبَاعُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ لَوِ ابْتَعْتَهَا تَلْبَسُهَا لِلْوَفْدِ إِذَا أَتَوْكَ وَالْجُمُعَةِ قَالَ إِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذِهِ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ وَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ بَعْدَ ذٰلِكَ إِلَى عُمَرَ حُلَّةَ سِيَرَاءَ حَرِيرٍ كَسَاهَا إِيَّاهُ فَقَالَ عُمَرُ كَسَوْتَنِيهَا وَقَدْ سَمِعْتُكَ تَقُولُ فِيهَا مَا قُلْتَ فَقَالَ إِنَّمَا بَعَثْتُ إِلَيْكَ لِتَبِيعَهَا أَوْ تَكْسُوَهَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے جویریہ نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ریشمی دھاریوں والا حلّہ فروخت ہوتے دیکھا، تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کاش! آپ اس کو خرید لیں، اور جب کوئی وفد آپ سے ملاقات کے لیے آئے، اس دن آپ اس کو پہنیں اور جمعہ کے دن اس کو پہنیں، آپ نے فرمایا: اس کو وہ پہنتا ہے جس کا آخرت کے اجر میں کوئی حصہ نہیں

ہوتا، اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف ریشمی دھاریوں والا ریشم کا حُلّہ بھیجا، آپ نے وہ حلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنایا، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نے یہ حلہ مجھے پہنایا ہے حالانکہ میں آپ سے سن چکا ہوں جو آپ نے اس کے پہننے کے متعلق فرمایا تھا، آپ نے فرمایا: میں نے یہ حلہ تمہاری طرف بھیجا ہے تاکہ تم اس کو فروخت کردو یا کسی کو پہنادو۔

(صحیح البخاری:۸۸۶، ۹۴۸، ۲۱۰۴، ۲۶۱۲، ۲۶۱۹، ۳۰۵۴، ۵۸۴۱، ۵۹۸۱، ۶۰۸۱، صحیح مسلم:۲۰۶۸، سنن نسائی:۱۳۸۲، سنن ابوداؤد:۱۰۷۶، سنن ابن ماجہ:۳۵۹۱، مسند احمد:۵۷۶۳، موطا امام مالک:۱۷۰۵)

صحیح البخاری:۵۸۴۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "خواتین کے لیے ریشم پہننے کا جواز" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میں نے یہ ریشمی حلہ تمہارے پاس اس لیے بھیجا ہے کہ تم اپنے علاوہ عورتوں میں سے کسی عورت کو یہ حلہ ہبہ کردو، اس سے یہ معلوم ہوا کہ عورتوں کے لیے ریشمی حلہ پہننا جائز ہے اور اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں جویریہ کا ذکر ہے، یہ جاریہ کی تصغیر ہے اور یہ ابن اسماء الضبعی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "للوفد"، اس کا معنی ہے: جب چند آدمی کسی بڑے آدمی سے ملاقات کے لیے آئیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "والجمعة" یعنی آپ جمعہ کے دن اس کو پہنیں۔ اور سالم کی روایت میں ہے "للعید" یعنی آپ عید کے دن اس کو پہنیں۔ اور امام نسائی کی روایت میں ہے کہ جب عرب کے وفود آپ کے پاس ملنے کے لیے آئیں تو آپ اس حلہ کے ساتھ عمدہ لباس پہنیں اور جب آپ عید یا غیر عید کے دن لوگوں کو خطبہ دیں تو اس کو پہنیں۔ اور عرب کے وفود اس لیے کہا ہے کہ آپ کے پاس اکثر عرب کے وفود آتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من لا خلاق له": یعنی جس کا قیامت کے دن نیکیوں میں سے کوئی حصہ نہ ہو۔

اس اشکال کا جواب کہ جب ریشمی حلہ مردوں کے لیے ناجائز ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وہ حلہ کیسے پہنایا؟

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "کساها ایاه" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حلہ مذکورہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنا دیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ

کہنا ان کی فہم کے اعتبار سے ہے، ورنہ باقی حدیث سے ظاہر ہو گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف وہ حلہ اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ وہ اس کو خود پہنیں۔ اور امام مالک نے اس حدیث کے آخر میں یہ روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ حلہ مکہ میں اپنے ایک مشرک بھائی کو پہنا دیا اور امام نسائی کی روایت میں ہے: وہ ان کا ماں شریک بھائی تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۴۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّهُ رَأَى عَلَى أُمِّ كُلْثُومٍ عَلَيْهَا السَّلَامُ بِنْتِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم بُرْدَ حَرِيرٍ سِيَرَاءَ۔

(سنن نسائی: ۵۲۹۷، سنن ابوداؤد: ۴۰۵۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انہوں نے ام کلثوم علیہا السلام بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر ریشمی دھاریوں والی ریشم کی چادر کو دیکھا۔

صحیح البخاری: ۵۸۴۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں ابوالیمان کا ذکر ہے، ان کا نام الحکم بن نافع ہے۔

امام طحاوی نے اس حدیث کو پانچ سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور پانچویں سند میں اس طرح مذکور ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے حضرت زینب بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر ریشمی دھاریوں والی ریشم کی چادر دیکھی۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا تذکرہ

اس حدیث میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے، یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں سات (۷) ہجری میں فوت ہو گئی تھیں، اور حضرت زینب بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سب سے بڑی صاحبزادی تھیں، اور یہ وہی ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شوہر ابو العاص بن الربیع کے اسلام لانے کے بعد ان کی طرف واپس کر دیا تھا، اور ایک قول یہ ہے کہ نکاحِ جدید کے ساتھ واپس کیا تھا، اور دوسرا قول ہے کہ پہلے نکاح کے ساتھ واپس کیا تھا۔ اور یہ آٹھ (۸) ہجری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں فوت ہو گئی تھیں۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کو دیکھنا کس طرح جائز ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم کو اس وقت دیکھا تھا جب وہ نابالغ تھے، اور حضرت انس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں بالغ ہوئے ہیں اور یہ واقعہ حجاب کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ امام طحاوی نے یہ کہا ہے کہ اگر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرتِ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیکھا تھا تو یہ حضرت عقبہ کی اس حدیث کے معارض ہے جس کی امام نسائی اور امام ابن حبان نے روایت کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا

ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کو ریشم پہننے سے اور زیورات پہننے سے منع فرماتے تھے، اور اگر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دیکھا تو یہ اس پر دلیل ہوگی کہ حضرت عقبہ کی حدیث منسوخ ہوگئی تھی۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

علامہ عینی فرماتے ہیں: بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے امام طحاوی کے اوپر اس تردید کی وجہ سے اعتراض کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام طحاوی پر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی موت مخفی رہی، کیونکہ وہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں فوت ہوگئی تھیں جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے، پس معارضہ کا دعویٰ مردود ہے، اسی طرح نسخ کا دعویٰ بھی مردود ہے۔ پھر اس معترض نے یہ کہا ہے کہ ان دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق ممکن ہے یعنی حضرت انس کی حدیث اور حضرت عقبہ بن ابی عامر کی حدیث کے درمیان، کہ حضرت عقبہ بن عامر کی حدیث میں جو مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کو ریشم اور زیورات پہننے سے منع فرماتے تھے، تو یہ ممانعت تنزیہہ پر محمول ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۴، دار المعرفہ بیروت)

علامہ عینی فرماتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے معارض حضرت عقبہ بن عامر کی حدیث نہیں ہو سکتی، کیونکہ امام بخاری کی تصحیح دوسرے ائمہ کی تصحیح سے زیادہ قوی ہے اور معارضہ مساوات کا تقاضا کرتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۸-۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۱- بَابُ: مَا كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَتَجَوَّزُ مِنَ اللِّبَاسِ وَالْبُسْطِ

اس کا بیان کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لباس پہننے اور بستر بچھانے میں توسع کو اختیار کرتے تھے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لباس اور بستر میں تخفیف فرماتے تھے، اور اس کا حاصل یہ ہے کہ آپ بستر میں توسع فرماتے تھے اور کسی ایک قسم کے بستر یا ایک قسم کے لباس کی پابندی نہیں کرتے تھے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ عمدہ لباس اور عمدہ بستر کو طلب نہیں کرتے تھے بلکہ جو لباس یا جیسا بستر میسر ہو جاتا اس کو استعمال فرماتے۔ اور اس عنوان میں جو "بُسط" کا ذکر ہے، اس سے مراد وہ چیز ہے جس پر بیٹھا یا لیٹا جائے، حافظ ابن حجر نے کہا ہے: یہ لفظ بسط ہے، باء کے زبر کے ساتھ۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۵، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ) اور علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ یہ لفظ بُسط ہے باء کی پیش کے ساتھ۔ اور میرا گمان یہی ہے کہ جو علامہ کرمانی نے کہا ہے وہی صحیح ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۴۳- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ حُنَيْنٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله عنهما قَالَ لَبِثْتُ سَنَةً وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَ عُمَرَ عَنِ الْمَرْأَتَيْنِ اللَّتَيْنِ تَظَاهَرَتَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن سعید از عبید بن حنین از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک سال تک ٹھہرا رہا اور

عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَجَعَلْتُ أَهَابُهُ فَنَزَلَ يَوْمًا مَنْزِلًا فَدَخَلَ الْأَرَاكَ فَلَمَّا خَرَجَ سَأَلْتُهُ فَقَالَ عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ ثُمَّ قَالَ كُنَّا فِي الْجَاهِلِيَّةِ لَا نَعُدُّ النِّسَاءَ شَيْئًا فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ وَذَكَرَهُنَّ اللهُ رَأَيْنَا لَهُنَّ بِذَلِكَ عَلَيْنَا حَقًّا مِنْ غَيْرِ أَنْ نُدْخِلَهُنَّ فِي شَيْءٍ مِنْ أُمُورِنَا وَكَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ امْرَأَتِي كَلَامٌ فَأَغْلَظَتْ لِي فَقُلْتُ لَهَا وَإِنَّكِ لَهُنَاكِ قَالَتْ تَقُولُ هَذَا لِي وَابْنَتُكَ تُؤْذِي النَّبِيَّ ﷺ فَأَتَيْتُ حَفْصَةَ فَقُلْتُ لَهَا إِنِّي أُحَذِّرُكِ أَنْ تَعْصِي اللهَ وَرَسُولَهُ وَتَقَدَّمْتُ إِلَيْهَا فِي أَذَاهُ فَأَتَيْتُ أُمَّ سَلَمَةَ فَقُلْتُ لَهَا فَقَالَتْ أَعْجَبُ مِنْكَ يَا عُمَرُ قَدْ دَخَلْتَ فِي أُمُورِنَا فَلَمْ يَبْقَ إِلَّا أَنْ تَدْخُلَ بَيْنَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَزْوَاجِهِ فَرَدَّدَتْ وَكَانَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ إِذَا غَابَ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَشَهِدْتُهُ أَتَيْتُهُ بِمَا يَكُونُ وَإِذَا غِبْتُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَشَهِدَ أَتَانِي بِمَا يَكُونُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَكَانَ مَنْ حَوْلَ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَدِ اسْتَقَامَ لَهُ فَلَمْ يَبْقَ إِلَّا مَلِكُ غَسَّانَ بِالشَّامِ كُنَّا نَخَافُ أَنْ يَأْتِيَنَا فَمَا شَعَرْتُ إِلَّا بِالْأَنْصَارِيِّ وَهُوَ يَقُولُ إِنَّهُ قَدْ حَدَثَ أَمْرٌ قُلْتُ لَهُ وَمَا هُوَ أَجَاءَ الْغَسَّانِيُّ قَالَ أَعْظَمُ مِنْ ذَاكَ طَلَّقَ رَسُولُ اللهِ ﷺ نِسَاءَهُ فَجِئْتُ فَإِذَا الْبُكَاءُ مِنْ حُجَرِهِنَّ كُلِّهَا وَإِذَا النَّبِيُّ ﷺ قَدْ صَعِدَ فِي مَشْرُبَةٍ لَهُ وَعَلَى بَابِ الْمَشْرُبَةِ وَصِيفٌ فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ اسْتَأْذِنْ لِي فَأَذِنَ لِي فَدَخَلْتُ فَإِذَا النَّبِيُّ ﷺ عَلَى حَصِيرٍ قَدْ أَثَّرَ فِي جَنْبِهِ وَتَحْتَ رَأْسِهِ مِرْفَقَةٌ مِنْ أَدَمٍ حَشْوُهَا لِيفٌ وَإِذَا أُهُبٌ مُعَلَّقَةٌ وَقَرَظٌ فَذَكَرْتُ الَّذِي قُلْتُ لِحَفْصَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ وَالَّذِي

میں یہ ارادہ کرتا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان دو عورتوں کے متعلق سوال کروں جنہوں نے نبی ﷺ کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کی تھی، پس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ڈرتا تھا، پھر ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک جگہ گئے اور پیلو کے درخت کے درمیان (قضائے حاجت کے لیے) داخل ہوئے، جب باہر آئے تو میں نے سوال کیا کہ (وہ دو عورتیں کون تھیں؟) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ وہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما تھیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو کچھ بھی شمار نہیں کرتے تھے، پھر جب اسلام کا زمانہ آیا اور اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا ذکر کیا، تو پھر ہم نے یہ جانا کہ عورتوں کے بھی ہم پر حقوق ہیں، سوا اس کے کہ ہم ان کو اپنے معاملات اور اپنے کاموں میں مداخلت کرنے دیں، ایک دن میرے اور میری بیوی کے درمیان کسی مسئلہ پر گفتگو ہوئی تو میری بیوی نے مجھ سے سختی سے بات کی، تو میں نے اس سے کہا: اب تمہاری جرأت یہاں تک پہنچ گئی ہے؟ تو میری بیوی نے کہا: آپ مجھ سے اس طرح کہتے ہیں اور آپ کی بیٹی تو نبی ﷺ کو ایذاء پہنچاتی ہے، پس میں حفصہ کے پاس گیا، سو میں نے اس سے کہا: میں تم کو اس سے خبردار کرتا ہوں کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرو، رسول اللہ ﷺ کو ایذاء پہنچانے کے معاملہ میں بات کرنے کے لیے میں پہلے حفصہ کے پاس گیا، پھر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا، سو میں نے ان سے بھی کہا تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے عمر! میں تم پر تعجب کرتی ہوں، تم ہمارے معاملات میں دخل دے رہے ہو، صرف یہی بات رہ گئی تھی کہ تم رسول اللہ ﷺ اور آپ کی ازواج کے درمیان مداخلت کرو (سو تم اس میں بھی دخل دینے لگے ہو) پس انہوں نے میری بات کو رد کر دیا، میں واپس آ گیا اور انصار میں سے ایک مرد تھا، جب وہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس سے غائب ہوتا تو میں آپ کی مجلس میں حاضر ہوتا اور اس دن جو

رَدَّتْ عَلَیَّ أُمُّ سَلَمَةَ فَضَحِكَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَبِثَ تِسْعًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً ثُمَّ نَزَلَ۔

احکام نازل ہوتے، وہ میں آکر اس کو بتاتا۔ اور جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے غائب ہوتا تو وہ آپ کی مجلس میں حاضر ہوتا اور اس دن جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام دیئے ہوتے وہ آکر مجھے بتاتا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جو حکمران تھے، ان سب سے معاملات درست تھے، صرف شام کا بادشاہ غسان تھا جس سے ہم ڈرتے رہتے تھے کہ وہ ہم پر حملہ کرے گا، پھر ایک دن مجھے اس انصاری کے آنے کی خبر اس طرح ہوئی کہ وہ کہہ رہا تھا: ایک بہت سنگین معاملہ ہو گیا ہے، میں نے اس سے پوچھا: وہ کیا ہے؟ کیا غسانی نے حملہ کر دیا ہے؟ اس نے کہا: اس سے بھی سنگین بات ہوگئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے، پھر میں آیا تو تمام ازواج کے حجروں سے رونے کی آوازیں آرہی تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بالا خانہ میں چڑھ کر چلے گئے تھے، اور بالا خانے کے دروازہ پر ایک نوجوان پہرہ دار تھا، میں اس کے پاس آیا اور میں نے اس سے کہا: میرے لئے اجازت طلب کرو، اس نے اجازت طلب کی، پس میں داخل ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر پہلو کے بل لیٹے ہوئے تھے اور آپ کے پہلو میں چٹائی کے نشانات نقش ہو گئے تھے اور آپ کے سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، اور وہاں چند کچی کھالیں لٹکی ہوئی تھیں اور کیکر کے پتے بھی تھے، پھر میں نے آپ سے اس بات کا ذکر کیا جو میں نے حفصہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہی تھی اور یہ بھی بتایا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے میری بات رد کر دی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے، آپ انتیس راتوں تک بالا خانہ پر رہے اور پھر نیچے اتر آئے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۶۸، صحیح مسلم: ۱۴۷۹، سنن ترمذی: ۳۳۱۸، سنن نسائی: ۲۱۳۲، مسند احمد: ۲۲۲)

صحیح البخاری: ۵۸۴۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بستر بچھانے میں توسع کو اختیار کرتے تھے اور اس حدیث میں ہے کہ آپ چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اور آپ کے سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص بستر کی پابندی نہیں کرتے تھے بلکہ جو چیز میسر آتی اس پر لیٹ جاتے تھے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "تظاهرتا" یعنی وہ دو عورتیں کون ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کی تھی؟ حضرت عمر نے بتایا کہ وہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما تھیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فدخل فی الاراك" یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ پیلو کے درختوں کے درمیان قضائے حاجت کے لیے چلے گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وانك لهناك" یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم اب اس مقام پر پہنچ گئی ہو اور تمہاری یہ جرأت ہے کہ تم مجھ سے سختی سے بات کر رہی ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وتقدمت اليها فى اذاه" یعنی میں سب سے پہلے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا، اس سے پہلے کہ میں آپ کو ایذاء پہنچانے کے معاملہ میں بات کرنے کے لیے آپ کی کسی اور زوجہ کے پاس جاتا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فاتيت ام سلمه" حضرت ام سلمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں اور ان کا نام ہند ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس اس لئے گئے کہ وہ ان کی رشتہ دار تھیں، ایک قول یہ ہے کہ ان کی خالہ تھیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وكان من حول رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جو بادشاہ اور حکام تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اجاء الغسانى؟ قال اعظم من ذالك طلق رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نساءه": اگر یہ سوال کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ازواج کو طلاق دینا دشمن کے مدینہ پر حملہ کرنے سے زیادہ سنگین کیسے ہو گیا؟

اس کا جواب یہ ہے: کیونکہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ملال ہوا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اعتبار سے یہ اس لیے زیادہ سنگین تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی بیٹی سے الگ ہو جانا ان کے نزدیک بہت سنگین تھا اور ان کو یہ اطمینان تھا کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے حملوں اور ان کے شر سے محفوظ رکھے گا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ (النساء: ۱۴۱) اور اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کے خلاف (غلبہ کی) ہرگز ہرگز کوئی سبیل نہیں بنائے گا O

کافروں کے مسلمانوں پر غلبہ کے اشکال کا جواب

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہمارے دور میں تو ہر جگہ کفار مسلمانوں پر غالب آ رہے ہیں، عراق کی جنگ میں دیکھ لیں، افغانستان میں دیکھ لیں، فلسطین میں دیکھ لیں، برما میں، مقبوضہ کشمیر میں، حتیٰ کہ پاکستان میں بھی ہر جگہ کفار کا مسلمانوں پر غلبہ ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ دلیل اور حجت کے اعتبار سے کبھی بھی کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ نہیں ہوگا۔ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۲۴۳) لیکن اس آیت کی بہترین توجیہ یہ ہے کہ کافر دنیا کی جنگوں میں بھی ہرگز ہرگز مسلمانوں پر غلبہ نہیں پاسکیں گے، بہ شرطیکہ مسلمان اللہ کے احکام کی نافرمانی نہ کریں اور کسی برائی میں مبتلا نہ ہوں، اور گناہوں پر اصرار نہ کریں، اور توبہ کو نہ چھوڑیں اور جب وہ برے کاموں میں ملوث ہو جائیں اور اللہ کی اطاعت کو چھوڑ دیں اور لڑائی میں کافران پر غالب آ جائیں تو یہ صرف ان کی شامت اعمال کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ (الشوریٰ: ۳۰)

اور جو مصیبت بھی تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہاری ہی شامت اعمال کا نتیجہ ہے اور تمہاری بہت سی خطاؤں کو وہ معاف کر دیتا ہے O

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (آل عمران: ۱۳۹)

اور نہ تم کمزوری دکھاؤ اور نہ غم کھاؤ اگر تم کامل مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے O

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس انصاری نے کہا: ''طلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نساءہ'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دے دی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس انصاری نے یہ کیسے کہا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو طلاق نہیں دی تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے حجروں سے نکل کر بالا خانہ پر آ گئے تھے اور ایک ماہ تک ازواج کے پاس نہیں گئے، اس سے اس انصاری نے یہ گمان کیا کہ شاید آپ نے ازواجِ مطہرات کو طلاق دے دی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وصیف'' اس سے مراد ہے خادم جو ابھی بالغ نہ ہوا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''مرفقة'' اس کا معنی ہے تکیہ۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وھب'' یہ اھاب کا مبالغہ ہے، اس کا معنی ہے: کچی کھال جو ابھی رنگی نہ گئی ہو۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''قرظ'' اس سے مراد ہے: کیکر کے درخت کے پتے جن سے کھال کو رنگا جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۰۔۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۸۴۳، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) انسان کبھی سوال کرنے سے شرمندہ ہوتا ہے تو وہ اپنے سوال کرنے کو مؤخر کر دیتا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک سال تک تاخیر کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرعوب رہے کہ ان سے یہ سوال کرتے کہ وہ دو عورتیں کون تھیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کی تھی؟ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ملامت کی اور فرمایا: اگر تم مجھ سے سوال کرو تو اگر میرے پاس علم ہوگا تو میں تمہیں ضرور اس کی خبر دوں گا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ جواب دینا صحیح تھا اور انسان کو یہ

نہیں چاہیے کہ وہ کسی کو علم کے طلب کرنے میں شرمندہ کرے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جو حیاء کرنے والا ہو وہ بھی علم حاصل نہیں کر سکتا اور جو تکبر کرنے والا ہو وہ بھی علم حاصل نہیں کر سکتا، کیونکہ جو انسان بہت حیاء کرنے والا ہو وہ علم کو حاصل کرنے سے رکا رہے گا اپنی حیاء کی وجہ سے، اور جو تکبر کرنے والا ہو وہ بھی سوال کرنے میں اپنی کمی محسوس کرے گا اور سوال نہیں کرے گا۔

(۲) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اسلام نے عورتوں کو ان کے حقوق سے آگاہ کیا، اس کے برعکس زمانہ جاہلیت میں عورتوں کی کوئی اہمیت نہ تھی اور نہ ان کو کوئی حیثیت دی جاتی تھی۔

(۳) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا کی چیزوں سے عیش و آرام حاصل نہیں کرتے تھے، بلکہ جو چیز میسر ہوتی اسی پر اکتفاء کر لیتے تھے۔

(۴) اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ انسان کو چاہیے کہ اپنی بیٹی کی خیر خواہی کرے اور اس کو نصیحت کرے اور اس کو اللہ کے عذاب اور اس کے غضب سے ڈرائے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو نصیحت کی۔

(۵) اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ کبھی کوئی خاتون مرد کو اس کے اقدام سے باز رکھتی ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارادہ تھا کہ وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو نصیحت کریں گے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناراض نہ کریں، لیکن جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہا کہ تمہاری نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی ازواج کے درمیان مداخلت کرنے لگے ہو؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے اقدام سے رک گئے۔

(۶) اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ خوفِ طبعی خوفِ شرعی کے منافی نہیں ہے، کیونکہ مسلمان غسان کے بادشاہ سے ڈرتے تھے اور یہ باتیں کرتے تھے کہ وہ عنقریب ان پر حملہ کرنے والا ہے۔

(۷) اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ انسان کو کوئی ایسی بات کرنی چاہیے جس سے دوسرے انسان کا غم اور غصہ چلا جائے، جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے جواب کا ذکر کیا حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۵۱۶۔۵۱۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۸۴۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَتْنِي هِنْدُ بِنْتُ الْحَارِثِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مِنَ اللَّيْلِ وَهُوَ يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ مَاذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتْنَةِ مَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الْخَزَائِنِ مَنْ يُوقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ كَمْ مِنْ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ الزُّهْرِيُّ وَكَانَتْ هِنْدٌ لَهَا أَزْرَارٌ فِي كُمَّيْهَا بَيْنَ أَصَابِعِهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ہند بنت الحارث نے خبر دی از حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیند سے بیدار ہوئے اور آپ فرما رہے تھے: اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، آج رات کس قدر فتنے نازل ہوئے اور کس قدر خزانے نازل کیے گئے، حجروں والیوں کو کون بیدار کرے گا، کتنی عورتیں ایسی ہیں جو دنیا میں لباس پہنے ہوئے ہوں گی اور آخرت میں

برہنہ ہوں گی۔
الزہری نے کہا کہ ہند اپنی آستینوں میں انگلیوں کے درمیان بٹن لگاتی تھیں (تاکہ صرف انگلیاں کھلیں اور اس سے آگے آستینیں نہ کھلیں)۔

(صحیح البخاری:۱۱۵، ۱۱۲۶، ۳۵۹۹، ۵۸۴۴، ۶۲۱۸، ۷۰۶۹، سنن الترمذی:۲۱۹۶، مسند احمد:۲۶۰۰۵، موطا امام مالک:۱۶۹۵)

صحیح البخاری: ۵۸۴۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کو اس باب میں ذکر کرنے کی توجیہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کو اور تمام مومن عورتوں کو باریک کپڑوں کے لباس کے پہننے سے منع فرمایا، ایسے باریک کپڑے جو جسم کی نمائش کریں، آپ نے فرمایا: کتنی عورتیں دنیا میں لباس پہننے والی ہوں گی اور آخرت میں برہنہ ہوں گے، اس سے معلوم ہوا کہ ایسا لباس پہننے والی کی سزا یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن برہنہ ہوگی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن محمد کا ذکر ہے، وہ المسندی ہیں اور ہشام کا ذکر ہے، وہ ابن یوسف الصنعانی ہیں۔ اور معمر کا ذکر ہے، وہ ابن راشد ہیں۔ اور الزہری کا ذکر ہے، وہ محمد بن مسلم ہیں۔ اور ہند بنت الحارث کا ذکر ہے، وہ الفراسیہ ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ القرشیہ ہیں، وہ محمد بن المقداد بن الاسود کے نکاح میں تھیں اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں اور ان کا نام ہند ہے۔
یہ حدیث کتاب العلم میں اس باب میں گذر چکی ہے "باب العلم والعظة باللیل" اور صلوۃ اللیل میں بھی گزر چکی ہے اور عنقریب کتاب الفتن میں بھی آئے گی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ماذا" یہ استفہام ہے اور تعجب اور تعظیم کے معنی کو متضمن ہے، یعنی آپ نے خواب میں دیکھا کہ عنقریب آپ کے بعد لوگوں کے لیے فتنے واقع ہوں گے اور اس میں ان کے لیے خزانے ہوں گے، یا آپ نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو خزانوں سے تعبیر فرمایا اور عذاب کو فتنوں سے تعبیر فرمایا، کیونکہ یہ فتنے عذاب تک پہنچاتے ہیں۔
اس حدیث میں مذکور ہے "عاریة" یعنی کتنی لباس پہننے والی عورتیں قیامت کے دن برہنہ ہوں گی، یعنی جو باریک لباس پہنتی ہیں، ایسا باریک لباس جو کھال کے رنگ کے دکھائی دینے سے مانع نہیں ہوتا، انہیں آخرت میں یہ سزا دی جائے گی کہ وہ برہنہ ہوں گی، یا اس کا معنی یہ ہے کہ جو دنیا میں نفیس اور عمدہ لباس پہنتی ہوں گی، وہ آخرت میں نیکیوں سے خالی ہوں گی، اس میں اس پر برانگیختہ

کیا ہے کہ وہ اسراف کو ترک کریں اور لباس کی اتنی مقدار اپنے پاس رکھیں جو ان کے لیے کافی ہو اور باقی لباس کو صدقہ کر دیں۔
اس حدیث میں مذکور ہے "لھا ازرار" اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اس سے ڈرتی تھیں کہ کھلی آستینوں کے سبب سے ان کے جسم کا کوئی حصہ دکھائی دے، اس لیے وہ آستینوں میں گھنڈیاں یا بٹن لگا لیتی تھیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۔ ۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۲۔ بَابُ: مَا يُدْعَى لِمَنْ لَبِسَ ثَوْبًا جَدِيدًا — جو نیا کپڑا پہنے اس کو کیا دعا دی جائے

یعنی یہ باب اس بیان میں ہے کہ جو شخص نیا کپڑا پہنے، اس کو کیا دعا دی جائے۔

۵۸۴۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ حَدَّثَتْنِي أُمُّ خَالِدٍ بِنْتُ خَالِدٍ قَالَتْ أُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِثِيَابٍ فِيهَا خَمِيصَةٌ سَوْدَاءُ قَالَ مَنْ تَرَوْنَ نَكْسُوهَا هَذِهِ الْخَمِيصَةَ فَأُسْكِتَ الْقَوْمُ قَالَ ائْتُونِي بِأُمِّ خَالِدٍ فَأُتِيَ بِي النَّبِيُّ ﷺ فَأَلْبَسَنِيهَا بِيَدِهِ وَقَالَ أَبْلِي وَأَخْلِقِي مَرَّتَيْنِ فَجَعَلَ يَنْظُرُ إِلَى عَلَمِ الْخَمِيصَةِ وَيُشِيرُ بِيَدِهِ إِلَيَّ وَيَقُولُ يَا أُمَّ خَالِدٍ هَذَا سَنَا وَيَا أُمَّ خَالِدٍ هَذَا سَنَا وَالسَّنَا بِلِسَانِ الْحَبَشِيَّةِ الْحَسَنُ قَالَ إِسْحَاقُ حَدَّثَتْنِي امْرَأَةٌ مِنْ أَهْلِي أَنَّهَا رَأَتْهُ عَلَى أُمِّ خَالِدٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسحاق بن سعید بن عمرو بن سعید بن العاص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت ام خالد بنت خالد رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ کپڑے آئے جن میں ایک سیاہ چادر تھی، آپ نے فرمایا: تمہاری کیا رائے ہے، یہ چادر ہم کس کو پہنائیں؟ پس صحابہ خاموش رہے، آپ نے فرمایا: میرے پاس ام خالد کو لاؤ، پس مجھے نبی ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپ نے اپنے مبارک ہاتھ سے مجھے وہ چادر پہنائی اور دو مرتبہ فرمایا: تم اس کو بوسیدہ کرو اور پرانا کرو، پھر آپ اس چادر کے نقش و نگار کی طرف دیکھنے لگے اور ہاتھ سے میری طرف اشارہ کر کے فرما رہے تھے: ام خالد! یہ سنا ہے یعنی بہت عمدہ ہے، اور سنا حبشی زبان میں عمدہ کو کہتے ہیں۔
اسحاق نے کہا: میرے گھر کی ایک عورت نے بتایا کہ اس نے ام خالد کے اوپر یہ چادر دیکھی تھی۔

(صحیح البخاری: ۳۰۷۱، ۳۸۷۴، ۵۸۲۳، ۵۸۴۵، ۵۹۹۳، سنن ابوداؤد: ۴۰۲۴، مسند احمد: ۲۶۵۱۷)

صحیح البخاری: ۵۸۴۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے کہ ''نیا کپڑا پہننے والے کو کیا دعا دی جائے؟'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام خالد رضی اللہ عنہا کو وہ سیاہ چادر پہنا کر یہ دعا دی کہ تم اس کو پرانا کرو اور بوسیدہ کرو۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالولید، ان کا نام ہشام بن عبد الملک الطیالسی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ام خالد کا ذکر ہے، ام خالد کا نام بن الزبیر بن العوام بنت خالد بن سعید بن العاص ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ابلی'' یہ الابلاء سے ماخوذ ہے، اور وہ کسی کپڑے کو پرانا کرنا ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''اخلقی'' اس کا معنی ہے: تم اس کو پھاڑو۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس حدیث میں ''خمیصة سوداء'' کا ذکر ہے، اور کتاب الجہاد میں ذکر ہے قمیص الاصغر، یعنی وہ چھوٹی قمیص تھی، پھر کہا: ان میں جمع کرنا ممتنع نہیں ہے، کیونکہ ان کے وجود میں کوئی منافات نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''قال اسحاق'' یعنی اسحاق کے گھر کی ایک عورت نے بتایا کہ انہوں نے ام خالد کے اوپر اس چادر کو دیکھا، اس میں یہ دلیل ہے کہ ام خالد طویل زمانہ تک زندہ رہیں۔

اور امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ایک کپڑا دیکھا تو آپ نے دعا دی: تم نیا کپڑا پہنو اور تعریف کیے ہوئے زندہ رہو اور شہادت کی موت مرو۔

اور امام نسائی اور امام ابن حبان نے اس حدیث کی ایک علت بیان کی ہے۔

نیا کپڑا پہننے کی دعائیں

اور امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے صحتِ سند کے ساتھ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تو اس کپڑے کا نام لیتے، عمامہ یا قمیص یا چادر، پھر دعا کرتے:

اللھم لك الحمد انت كسوتنيه اسألك من خيره وخير ما صنع له واعوذبك من شره وشر ما صنع له۔

اے اللہ تیرے لئے ہی حمد ہے، تو نے مجھے یہ کپڑا پہنایا، میں تجھ سے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور جس لیے یہ بنایا گیا ہے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں، اور اس کے شر سے میں تیری پناہ میں آتا ہوں، اور جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

اس حدیث کو امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور امام ترمذی نے بھی اس حدیث کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کوئی نیا کپڑا پہنا پھر یہ دعا کی:

الحمد لله الذی کسانی ما اواری به عورتی واتجمل به فی حیاتی۔ اللہ ہی کے لیے حمد ہے جس نے مجھے وہ چیز پہنائی جس سے میں اپنی شرمگاہ کو چھپاتا ہوں اور جس کے ساتھ میں اپنی زندگی میں خوبصورتی حاصل کرتا ہوں۔

پھر اس نے پرانے کپڑے کا قصد کیا اور اس کو صدقہ کر دیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہے گا اور زندگی اور موت میں اللہ تعالیٰ کے سائے میں رہے گا۔ اس حدیث کی امام احمد نے اور امام ترمذی نے روایت کی ہے اور اس حدیث کو حسن قرار دیا۔

اور حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے کوئی کپڑا پہنا، پھر یہ دعا کی:

الحمد لله الذی کسانی هذا ورزقنیه من غیر حول منی ولا قوة۔ اللہ ہی کے لیے حمد ہے جس نے مجھے یہ کپڑا پہنایا اور جس نے مجھے یہ کپڑا عطا کیا بغیر میری طاقت اور قوت کے۔

تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے گناہوں کو معاف فرمادے گا۔

اور امام بخاری نے ان حدیثوں میں سے کسی حدیث کی روایت نہیں کی، کیونکہ یہ احادیث امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۲۔ ۳۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۳۔ بَابُ: النَّهْيِ عَنِ التَّزَعْفُرِ لِلرِّجَالِ مردوں کے لیے زعفرانی رنگ کے استعمال کا حکم

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں مردوں کے لیے زعفرانی رنگ کے استعمال کا حکم بیان کیا گیا ہے اور مردوں کی قید سے عورتوں سے احتراز کیا ہے، کیونکہ عورتوں کے لیے زعفرانی رنگ کے کپڑے پہننا جائز ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۴۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَنْ يَتَزَعْفَرَ الرَّجُلُ۔ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی از عبدالعزیز از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرد کو زعفرانی رنگ کے استعمال سے منع فرمایا۔

(صحیح مسلم: ۲۱۰۱، سنن ترمذی: ۲۸۱۵، سنن نسائی: ۵۲۵۶، سنن ابوداؤد: ۴۱۷۹، مسند احمد: ۱۱۵۶۷)

صحیح البخاری: ۵۸۴۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدالوارث کا ذکر ہے، یہ ابن سعید المصری ہیں۔ اور عبدالعزیز کا ذکر ہے، یہ ابن صہیب ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''ان یتزعفر الرجل'':اس حدیث میں مرد کو زعفران کے استعمال سے منع فرمایا۔
علامہ ابن التین اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ یہ ممانعت جسم کے ساتھ مخصوص ہے اور کراہت پر محمول ہے، کیونکہ جسم کو زعفرانی رنگ کے ساتھ رنگنا زندگی کی ایسی آسودگی ہے جس سے شارع نے منع فرمایا۔
رہا یہ کہ یہ حدیث کراہت پر محمول ہے اور تحریم پر محمول نہیں ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ان کے جسم پر زرد رنگ کا اثر تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر انکار نہیں فرمایا اور نہ حکم دیا کہ اس رنگ کو دھوؤ، سو اس میں یہ دلیل ہے کہ جسم پر زعفرانی رنگ لگانا اس کے لیے ممنوع ہے جو دولہا نہ ہو۔ اور یہ کراہت پر محمول ہے۔
اگر تم یہ کہو کہ امام ابوداؤد نے حضرت عمار کی یہ حدیث روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے گھر رات کے وقت آیا اور میرے ہاتھوں میں پھٹن تھی، پس گھر والوں نے اس پر زعفران لگادی، پھر صبح کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو سلام کیا تو آپ نے مجھے جواب نہیں دیا اور نہ مجھے مرحبا کہا، پس فرمایا: جاؤ! تم یہ زعفران کا رنگ دھوؤ، میں گیا اور زعفران کو دھویا اور آیا، اور ابھی اس کا کچھ رنگ ہاتھوں پر باقی تھا، میں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے مجھے جواب نہیں دیا اور نہ مجھے مرحبا کہا، اور فرمایا: جاؤ! اس کو دھوؤ، پھر میں گیا اور میں نے دھویا، اور پھر میں آیا اور آپ کو سلام کیا، تو آپ نے میرے سلام کا جواب دیا اور مجھے مرحبا کہا اور فرمایا: فرشتے کافر کے جنازے پر حاضر نہیں ہوتے اور نہ اس کے جنازے پر جس نے اپنے ہاتھوں پر زعفران کا رنگ لگایا ہو اور نہ جنبی پر فرشتے حاضر ہوتے ہیں، تو میں کہوں گا کہ یہ حدیث معلول ہے کیونکہ اس کی سند میں مجہول راوی ہے اور اگر یہ حدیث صحیح بھی ہوتی تو صحیح بخاری کے پائے کی نہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۳۔ ۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۴۔ بَابُ: الثَّوْبِ الْمُزَعْفَرِ — زعفران میں رنگے ہوئے کپڑے

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ زعفران میں رنگے ہوئے کپڑے کو پہننے کا کیا حکم ہے۔

۵۸۴۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنهما قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ يَلْبَسَ الْمُحْرِمُ ثَوْبًا مَصْبُوغًا بِوَرْسٍ أَوْ بِزَعْفَرَانٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبد اللہ بن دینار از حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ محرم ورس یا زعفران سے رنگا ہوا کپڑا پہنے۔

(صحیح البخاری: ۱۳۴، ۳۶۶، ۱۵۴۲، ۱۸۳۸، ۱۸۴۲، ۵۷۹۴، ۵۸۰۳، ۵۸۰۵، ۵۸۰۶، ۵۸۴۷، ۵۸۵۲، صحیح مسلم: ۱۱۷۷، سنن ترمذی: ۸۳۳، سنن نسائی: ۲۶۶۷، سنن ابن ماجہ: ۲۹۲۹، مسند احمد: ۴۵۲۴، موطا امام مالک: ۷۱۶، سنن دارمی: ۱۷۹۸)

صحیح البخاری: ۵۸۴۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابونعیم، ان کا نام الفضل بن دکین ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ سفیان بن عیینہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''وَرْس'' (واؤ پر زبر اور راء ساکن)، یہ یمن کی ایک گھاس ہے جس سے سرخ رنگ نکلتا ہے۔

غیر محرم کے لیے زرد رنگ کے کپڑے پہننے کا حکم

اس حدیث میں مُحرم کی قید لگائی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ غیر مُحرم زعفران میں رنگے ہوئے کپڑے کو بھی پہن سکتا ہے اور ورس کے ساتھ رنگے ہوئے کپڑے کو بھی پہن سکتا ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: امام مالک اور فقہاء کی ایک جماعت نے غیر محرم کے لیے زعفران میں رنگے ہوئے کپڑے کے پہننے کو جائز قرار دیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ ممانعت صرف محرم کے لیے ہے، اور امام شافعی اور فقہاء احناف نے اس حدیث کو محرم اور غیر محرم دونوں پر محمول کیا ہے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث جو بھی ''النعال السبتیہ'' کے باب میں آنے والی ہے، وہ بھی جواز پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زرد رنگ کے ساتھ خضاب لگاتے تھے یا کپڑوں کو رنگتے تھے۔

اور امام حاکم نے حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر دو کپڑے تھے جو زعفران سے رنگے ہوئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں عبد اللہ بن مصعب بن زبیر ایک ضعیف راوی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۵۔ بَابُ: الثَّوْبِ الْأَحْمَرِ — سرخ رنگ کے کپڑے پہننے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سرخ رنگ کے کپڑے پہننے کا کیا حکم ہے؟ اور امام بخاری نے عنوان میں اس کا حکم نہیں بیان کیا، کیونکہ اس باب کی احادیث سے اس کا حکم سمجھ میں آ رہا ہے۔

۵۸۴۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ سَمِعَ الْبَرَاءَ رضی اللہ عنہ يَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَرْبُوعًا وَقَدْ رَأَيْتُهُ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَحْسَنَ مِنْهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق، انہوں نے حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متوسط قامت کے تھے، اور میں نے آپ کو سرخ رنگ کے حلہ میں دیکھا، اور میں نے آپ سے زیادہ حسین چیز کوئی نہیں دیکھی۔

(صحیح البخاری: ۳۵۵۱، ۵۸۴۸، ۵۹۰۱، صحیح مسلم: ۲۳۳۷، سنن الترمذی: ۱۷۲۴، سنن نسائی: ۵۲۳۲، سنن ابوداؤد: ۴۱۸۳، مسند احمد: ۱۸۰۰۵)

صحیح البخاری: ۵۸۴۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے''سرخ رنگ کے کپڑے پہننا''اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرخ رنگ کا حلہ پہنا ہوا تھا، یعنی سرخ رنگ کا تہبند باندھا ہوا تھا اور جسم کے اوپر سرخ رنگ کی چادر تھی۔ اس سے اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت بھی ہوگئی اور یہ حکم بھی معلوم ہوگیا کہ مردوں کے لیے سرخ رنگ کا کپڑا پہننا جائز ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالولید، ان کا نام ہشام بن عبدالملک ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابواسحاق، ان کا نام عمرو بن عبداللہ السبیعی ہے، انہوں نے حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے حدیث سنی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مربوع تھے، یعنی آپ لمبے قد اور کوتاہ قد کے درمیان تھے اور آپ کی صفت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ مربوع سے لمبے تھے۔

سرخ رنگ کے کپڑے پہننے کی ممانعت کے متعلق احادیث اور ان کی توجیہات

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرخ رنگ کو ناپسند کرتے تھے، اور آپ نے فرمایا: جنت میں سرخ رنگ نہیں ہے۔

(۲) عباد بن کثیر از ہشام از والد خود روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سبز رنگ کو پسند کرتے تھے اور سرخ رنگ کو پسند نہیں کرتے تھے۔

(۳) خارجہ بن مصعب از عبداللہ بن سعید بن ابی ہند از والد خود اس کی مثل روایت کرتے ہیں۔

(۴) حسن بن ابی الحسن بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سرخ رنگ شیطان کی زینت ہے اور شیطان سرخ رنگ کو پسند کرتا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: ان تمام احادیث کی اسانید غیر مستقیم ہیں اور ان میں سے اکثر احادیث مراسیل ہیں۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے المفدم سے منع فرمایا اور یہ وہ کپڑا ہے جس کو زرد رنگ میں رنگا ہوا ہو۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ وہ پورا کپڑا ایک ہی رنگ میں رنگا ہوا ہو، اس کے باوجود کہ یہ امام ابن ماجہ کی روایت ہے، یہ حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما کی روایت کے مقابلہ کی نہیں ہے کیونکہ وہ صحیح بخاری کی حدیث ہے۔

سرخ رنگ کے کپڑے پہننے کے متعلق فقہاء کے اقوال

(۱) سرخ رنگ کا کپڑا پہننا مطلقاً جائز ہے، یہ حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت عبداللہ بن جعفر، حضرت البراء رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ

متعدد صحابہ کا قول ہے۔ اور فقہاء تابعین میں سے سعید بن المسیب، النخعی، الشعبی، ابوقلابہ، ابووائل اور تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے۔

(۲) سرخ رنگ کا کپڑا پہننا مطلقاً ممنوع ہے اور اس کی بناء وہ احادیث ہیں جن کا ابھی ذکر کیا گیا ہے۔

(۳) گہرے سرخ رنگ میں رنگا ہوا کپڑا مکروہ ہے، اور جس میں ہلکا سرخ رنگ ہو وہ مکروہ نہیں ہے۔ یہ عطاء، طاؤس اور مجاہد کا قول ہے۔

(۴) سرخ رنگ کا کپڑا پہننا مطلقاً مکروہ ہے جب کہ زینت کے قصد سے پہنا جائے اور دکھاوے کے قصد سے پہنا جائے، اور گھروں میں اور کام کاج کے وقت سرخ رنگ کا کپڑا پہننا جائز ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

(۵) سرخ رنگ کا کپڑا اس وقت ممنوع نہیں ہے جب کپڑا بننے سے پہلے دھاگہ کو رنگ لیا جائے، اور جب کپڑا بننے کے بعد اس کو سرخ رنگ میں رنگا جائے، تو پھر یہ ممنوع ہے۔ علامہ خطابی کا اسی طرف میلان ہے۔

(۶) زرد رنگ کا کپڑا ممنوع ہے، اور اس کے علاوہ کسی رنگ میں کپڑے کو رنگنا جائز ہے۔

(۷) سرخ رنگ میں کپڑے کو رنگنا اس وقت ممنوع ہے جب پورے کپڑے کو سرخ رنگ میں رنگا جائے، لیکن اگر اس میں کسی اور رنگ کی دھاریاں ہوں، سفید رنگ کی دھاریاں ہوں یا سیاہ رنگ کی دھاریاں ہوں، تو وہ ممنوع نہیں ہے۔ اور جن احادیث میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ رنگ کا حلہ پہنا ہوا تھا، وہ بھی اسی پر محمول ہے کہ آپ نے ایسا حلہ پہنا ہوا تھا جس میں دوسرے رنگ کی دھاریاں تھیں، کیونکہ یمن کے بنائے ہوئے حلے عموماً ایسے ہوتے ہیں جس میں سرخ رنگ یا دوسرے رنگ کی دھاریاں ہوتی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۵۔۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۶۔ باب: اَلْمِيثَرَةُ الْحَمْرَاءِ — سرخ زین بچھانے کا حکم

اس باب میں ''میثرۃ الحمراء'' یعنی سرخ زین کے بچھانے کے حکم کو بیان کیا گیا ہے۔ اور میثرۃ اس نرم ریشم کے کپڑے کو کہتے ہیں جس کو زین کے اوپر بچھایا جاتا ہے، اس کو زین پوش بھی کہتے ہیں۔

۵۸۴۹۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَشْعَثَ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ عَنِ الْبَرَاءِ ﷺ قَالَ أَمَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ بِسَبْعٍ عِيَادَةِ الْمَرِيضِ وَاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ عَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ وَالْقَسِّيِّ وَالْإِسْتَبْرَقِ وَالْمَيَاثِرِ الْحُمْرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از اشعث از معاویہ بن سوید بن مقرن از حضرت البراء رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات چیزوں کا حکم دیا: مریض کی عیادت کرنا اور جنازہ کے ساتھ جانا، اور چھینکنے والے کو دعا دینا، اور ہمیں سات چیزوں سے منع فرمایا: ریشم کے پہننے سے اور دیباج (نرم ریشم) اور قسی سے اور استبرق (دبیز ریشم) سے اور سرخ زین پوشوں سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۱۲۳۹، ۲۴۴۵، ۵۱۷۵، ۵۶۳۵، ۵۶۵۰، ۵۸۳۸، ۵۸۴۹، ۵۸۶۳، ۶۲۲۲، ۶۲۳۵، ۶۶۵۴، صحیح مسلم: ۲۰۶۶، سنن

الترمذی:۲۸۰۹،سنن النسائی:۱۹۳۹،مسند احمد:۱۸۱۷۰،)

صحیح البخاری:۵۸۴۹،کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سات چیزوں کا حکم دیا،ان میں تین کا ذکر تو اس حدیث میں مذکور ہے اور باقی چار یہ ہیں: دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرنا، بہ کثرت سلام کرنا، مظلوم کی مدد کرنا،اور قسم کھانے والے کی قسم کو پورا کرنا۔

اور اس حدیث میں دیباج کا لفظ ہے، یہ فارسی کا لفظ ہے جس کو عربی بنایا گیا ہے اور یہ نرم ریشم کو کہتے ہیں۔

اور اس حدیث میں استبرق کا لفظ ہے، یہ دبیز ریشم کو کہتے ہیں اور جب کہ یہ دونوں دو مختلف جنسیں ہو گئیں تو ان کا الگ الگ ذکر کیا۔

اس حدیث میں قسی اور میثرہ کی ممانعت بھی مذکور ہے۔اور اس کو سرخ رنگ کے ساتھ مقید کیا گیا ہے، حالانکہ جب یہ ریشم کے کپڑے ہیں تو مطلقاً ممنوع ہیں، عام ازیں کہ سرخ رنگ کے ہوں یا کسی اور رنگ کے ہوں، اس لیے اس کے مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہے اور باقی دو چیزیں جن کا ذکر نہیں کیا گیا، وہ سونے کی انگوٹھیاں ہیں اور چاندی کے برتن ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶، دار الکتب العلمیہ ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۷۔بَابُ:النِّعَالِ السِّبْتِيَّةِ وَغَيْرِهَا بالوں سے صاف کیے ہوئے چمڑے وغیرہ کی جوتیوں کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب نعال کے بیان میں ہے،نعال کا لفظ نعل کی جمع ہے جس کا معنی ہے: جوتی۔المحکم میں لکھا ہے کہ النعل و النعلۃ اس چیز کو کہتے ہیں جس سے قدم کی حفاظت کی جاتی ہے۔

اور علامہ ابن العربی نے کہا ہے: النعل انبیاء علیہم السلام کا لباس ہے اور لوگوں نے نعل کے علاوہ کسی اور چیز کو لباس بنالیا، کیونکہ ان کی زمین میں کیچڑ ہوتی ہے۔اور کبھی نعل کا اطلاق ہر اس چیز پر کیا جاتا ہے جو قدم کو محفوظ رکھے۔

''السِبْتِية'': یہ اس جوتی کو کہا جاتا ہے جس سے بال کاٹ کر یا مونڈ کر صاف کر لیے جائیں۔دوسرا قول یہ ہے کہ السبتية اس چمڑے کو کہتے ہیں جس کو کیکر کے پتوں سے رنگا جائے اور عرب کی عادت تھی کہ وہ جوتیوں کو اس کے بالوں سمیت پہنتے تھے اور رنگے بغیر پہنتے تھے۔

امام ابو عبید نے کہا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں خوش حال لوگوں کے سوا کوئی رنگے ہوئے چمڑے کی جوتی نہیں پہنتا تھا۔اور الاصمعی سے منقول ہے کہ سبتیہ رنگے ہوئے چمڑے کو کہتے ہیں۔اور ابو عمرو شیبانی نے کہا ہے: جس کو کیکر کے پتوں سے رنگا جائے۔اور اس

کو السبتیۃ اس لیے کہتے تھے کہ جس چمڑے سے بال صاف کر لیے جائیں وہ چمڑا نرم ہو جاتا ہے۔

اور امام بخاری نے کہا "وغیرھا": یعنی جس چمڑے سے بال کاٹ کر صاف کر لیے گئے ہوں اس چمڑے کی جوتی ہو یا اس کے علاوہ اس چمڑے کی جوتی ہو جس سے بال صاف نہ کیے گئے ہوں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۔ ۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۵۰۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ سَعِيدٍ أَبِي مَسْلَمَةَ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسًا أَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي فِي نَعْلَيْهِ قَالَ نَعَمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از سعید ابی مسلمۃ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا نبی ﷺ اپنی جوتیوں کے ساتھ نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔

(صحیح البخاری: ۳۸۶، ۵۸۵۰، صحیح مسلم: ۵۵۵، سنن الترمذی: ۴۰۰، سنن النسائی: ۷۷۵، مسند احمد: ۱۱۵۶۵، سنن الدارمی: ۱۳۷۷)

صحیح البخاری: ۵۸۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حماد کا ذکر ہے، اور وہ ابن زید ہیں۔ اور سعید کا ذکر ہے، وہ ابن یزید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو مسلمۃ کا ذکر ہے، یہ الازدی البصری ہیں۔

یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ میں "باب الصلوٰۃ فی النعال" میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

جوتے پہن کر نماز پڑھنے کے متعلق احادیث

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا رہے تھے تو اچانک آپ نے جوتے اتار دیے اور ان کو بائیں طرف رکھ دیا، جب صحابہ نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے جوتے اتار دیے، جب رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھ لی تو آپ نے پوچھا: تمہیں اپنے جوتے اتارنے پر کس چیز نے برانگیختہ کیا؟ انہوں نے کہا: ہم نے آپ کو جوتے اتارتے دیکھا تو ہم نے بھی جوتے اتار دیے، آپ نے فرمایا: بے شک مجھے جبریل نے آ کر خبر دی تھی کہ آپ کے جوتوں میں کوئی گھناؤنی چیز یا نجاست ہے تو میں نے ان جوتوں کو اتار دیا، پس جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو دیکھ لے، پس اگر اس کے جوتوں میں کوئی گھناؤنی چیز یا نجاست ہو تو اس کو رگڑ کر صاف کر لے، پھر ان کو پہن کر نماز پڑھے۔

(سنن ابو داؤد: ۶۵۰، سنہ ابی عاصم ج ۲ ص ۹۲، سنن بیہقی ج ۲ ص ۴۰۲، مشکوٰۃ: ۷۶۶)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہود کی مخالفت کرو، وہ جوتے اور موزے پہن کر

نماز نہیں پڑھتے۔ (سنن ابوداؤد: ۶۵۲)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد (عبداللہ بن عمرو بن العاص) سے اور وہ اپنے دادا (حضرت عمرو بن العاص) رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ننگے پیر اور جوتے پہن کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۶۵۳، سنن ابن ماجہ: ۱۰۳۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے جوتے اتارے تو ان جوتوں سے کسی کو ایذاء نہ پہنچائے اور ان جوتوں کو اپنے دونوں پیروں کے درمیان رکھے یا جوتے پہن کر نماز پڑھے۔

(سنن ابوداؤد: ۶۵۵)

۵۸۵۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ جُرَيْجٍ أَنَّهُ قَالَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما رَأَيْتُكَ تَصْنَعُ أَرْبَعًا لَمْ أَرَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِكَ يَصْنَعُهَا قَالَ مَا هِيَ يَا ابْنَ جُرَيْجٍ قَالَ رَأَيْتُكَ لَا تَمَسُّ مِنَ الْأَرْكَانِ إِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ وَرَأَيْتُكَ تَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ وَرَأَيْتُكَ تَصْبُغُ بِالصُّفْرَةِ وَرَأَيْتُكَ إِذَا كُنْتَ بِمَكَّةَ أَهَلَّ النَّاسُ إِذَا رَأَوُا الْهِلَالَ وَلَمْ تُهِلَّ أَنْتَ حَتَّى كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ أَمَّا الْأَرْكَانُ فَإِنِّي لَمْ أَرَ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَمَسُّ إِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ وَأَمَّا النِّعَالُ السِّبْتِيَّةُ فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِي لَيْسَ فِيهَا شَعَرٌ وَيَتَوَضَّأُ فِيهَا فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَلْبَسَهَا وَأَمَّا الصُّفْرَةُ فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَصْبُغُ بِهَا فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَصْبُغَ بِهَا وَأَمَّا الْإِهْلَالُ فَإِنِّي لَمْ أَرَ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يُهِلُّ حَتَّى تَنْبَعِثَ بِهِ رَاحِلَتُهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از سعید المقبری، از عبید بن جریج، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: میں نے آپ کو ایسے چار کام کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ آپ کے باقی اصحاب میں سے کوئی بھی وہ کام نہیں کرتا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ کون سے چار کام ہیں اے ابن جریج؟ تو انہوں نے کہا: میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ صرف ارکانِ یمانیہ کو مس کرتے ہیں، اور میں نے دیکھا ہے کہ آپ ایسے چمڑے کی جوتی پہنتے ہیں جس سے بالوں کو کاٹ کر صاف کر لیا گیا ہو، اور میں نے دیکھا ہے کہ آپ زرد رنگ کا خضاب لگاتے ہیں، اور میں نے دیکھا ہے کہ جب آپ مکہ میں ہوتے ہیں تو لوگ تو ذوالحجہ کا چاند دیکھتے ہی احرام باندھ لیتے ہیں اور آپ یوم ترویہ یعنی آٹھ ذی الحجہ سے پہلے احرام نہیں باندھتے۔ تو ان سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رہا ارکانِ یمانیہ کو مس کرنا تو میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ارکانِ یمانیہ کو مس کرتے تھے، اور رہا ایسے چمڑے کی جوتی کو پہننا جس سے بال مونڈ کر صاف کر لیے گئے ہوں، تو میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے جوتے پہنتے تھے جن میں بال نہیں ہوتے تھے، اور انہی جوتوں میں وضو کرتے تھے تو میں بھی پسند کرتا ہوں کہ میں بھی ایسے جوتے پہنوں۔ اور رہا زرد رنگ کا خضاب تو میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زرد رنگ

کا خضاب لگاتے تھے، تو میں بھی زرد رنگ کا خضاب لگانا پسند کرتا ہوں۔ اور رہا آٹھ ذی الحجہ کو احرام باندھنا، تو میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت احرام باندھتے تھے جب آپ کی اونٹنی کھڑی ہو جاتی تھی۔

(صحیح البخاری:۱۶۶، ۱۵۱۴، ۱۵۵۲، ۱۶۰۹، ۲۸۶۵، ۵۸۵۱، صحیح مسلم:۱۱۸۷، سنن النسائی:۱۱۷، سنن ابوداؤد:۱۷۷۲، مسند احمد:۴۴۴۸)

صحیح البخاری: ۵۸۵۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ارکانِ یمانین" رُکنِ یمانی کعبہ کا وہ کونہ ہے جس میں حجرِ اسود نصب ہے، اور دوسرا کونہ جو اس کونے کے ساتھ ہے، یہ دونوں کونے یمن کی جانب ہیں، اس لیے ان کو ارکانِ یمانیین کہتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یصبغ" اس کا معنی ہے: رنگنا، ایک قول ہے کہ اس سے کپڑوں کو زرد رنگ میں رنگنا مراد ہے، دوسرا قول ہے: اس سے بالوں کو زرد رنگ سے رنگنا مراد ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اھل" یعنی احرام باندھنا، اور ہلال سے مراد ہے ہلالِ ذوالحجہ، اور یوم ترویہ سے مراد ہے آٹھ ذی الحجہ۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۵۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ يَلْبَسَ الْمُحْرِمُ ثَوْبًا مَصْبُوغًا بِزَعْفَرَانٍ أَوْ وَرْسٍ وَقَالَ مَنْ لَمْ يَجِدْ نَعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از عبداللہ بن دینار از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مُحرم کو زعفران میں یا ورس میں رنگے ہوئے کپڑے کے پہننے سے منع فرمایا۔ اور آپ نے فرمایا: جس کو جوتے نہ ملیں، وہ موزے پہن لے۔ اور ان موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ لے۔

(صحیح البخاری: ۱۳۴، ۳۶۶، ۱۵۴۲، ۱۸۳۸، ۱۸۴۲، ۵۷۹۴، ۵۸۰۳، ۵۸۰۵، ۵۸۰۶، ۵۸۴۷، ۵۸۵۲، صحیح مسلم: ۱۱۷۷، سنن ترمذی: ۸۳۳، سنن نسائی: ۲۶۶۷، سنن ابن ماجہ: ۲۹۲۹، مسند احمد: ۴۵۲۴، موطا امام مالک: ۷۱۶، سنن دارمی: ۱۷۹۸)

صحیح البخاری: ۵۸۵۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''سِبتیة اور غیر سِبتیة جوتوں کا پہننا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ جس مُحرم کو جوتے نہ ملیں، وہ موزوں کو پہن لے اور ان کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ لے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

محرم کے لیے حالتِ احرام میں چپل پہننے کی تحقیق

میں کہتا ہوں: بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث میں کعب سے مراد وسطِ قدم کی ہڈی ہے، اور یہ دو وجہ سے صحیح نہیں ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ لو، اور اس کے لیے کعبین کا لفظ ہے جو تثنیہ کا صیغہ ہے تو وسطِ قدم کی ہڈی تو ایک ہوتی ہے دو تو نہیں ہوتیں، لہٰذا وہ کیسے مراد ہو سکتی ہے؟ دوسرا اس وجہ سے صحیح نہیں ہے کہ جب موزے کو وسطِ قدم سے کاٹ لیا جائے گا تو پھر جوتے کی جگہ اس کٹے ہوئے موزے کو پہن کر چلنا تو بہت دشوار ہوگا، اس کے برخلاف جب ٹخنوں کے نیچے سے موزوں کو کاٹا جائے تو جوتے کی طرح چلنا ممکن ہوگا، اسی لیے جو حجاجِ کرام حج کے لیے جاتے ہیں وہ ایسی چپل پہن سکتے ہیں جو ٹخنوں کے نیچے سے کھلی ہوئی ہو، خواہ پورا پیر ڈھکا ہوا ہو۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۸۵۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ إِزَارٌ فَلْيَلْبَسِ السَّرَاوِيلَ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ نَعْلَانِ فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ۔

(صحیح مسلم: ۲۷۹۶، مسند احمد: ۱۹۱۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو بن دینار از حضرت جابر بن زید رضی اللہ عنہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس ازار (تہبند) نہ ہو وہ شلوار پہنے، اور جس کے پاس دو جوتے نہ ہوں، تو وہ دو موزے پہن لے۔

صحیح البخاری: ۵۸۵۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''جس چمڑے پر بال نہ ہوں، اس کے جوتوں کا بیان'' اور اس حدیث میں مذکور ہے ''جس کے پاس دو جوتے نہ ہوں تو وہ دو موزے پہن لے''۔ اس طرح اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ سفیان ثوری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جابر بن زید، وہ ابو الشعثاء الازدی البصری الفقیہ ہیں۔

یہ حدیث کتاب الحج میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۸۔ بَابٌ: يَبْدَأُ بِالنَّعْلِ الْيُمْنَى جوتا پہننے کی ابتداء دائیں پیر سے کرنی چاہیے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جب کوئی مرد جوتا پہنے تو پہلے دائیں پیر میں جوتا پہنے۔ اس عنوان میں ''یبدأ'' لکھا ہوا ہے صیغہ مجہول کے ساتھ، اور صیغہ معلوم کے ساتھ ہونا چاہیے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۵۴۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي أَشْعَثُ بْنُ سُلَيْمٍ سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يُحِبُّ التَّيَمُّنَ فِي طُهُورِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَتَنَعُّلِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اشعث بن سُلیم نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا وہ از مسروق حدیث بیان کرتے تھے اور وہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث بیان کرتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وضوء میں اور کنگھی کرنے میں اور جوتی پہننے میں دائیں جانب سے ابتداء کرنے کو پسند کرتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۱۶۸، ۴۲۶، ۵۳۸۰، ۵۸۵۴، ۵۹۲۶، صحیح مسلم: ۲۶۸، سنن الترمذی: ۶۰۸، سنن نسائی: ۴۲۱، سنن ابوداؤد: ۴۱۴۰، سنن ابن ماجہ: ۴۰۱، مسند احمد: ۲۵۰۱۸)

صحیح البخاری: ۵۸۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''جوتا پہننے کی ابتداء دائیں پیر سے کرنی چاہیے'' اور اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وضوء میں اور کنگھی کرنے میں اور جوتی پہننے میں دائیں جانب سے ابتداء کرنے کو پسند کرتے تھے، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اشعث بن سُلیم، یہ اپنے والد سلیم بن الازدی المحاربی الکوفی سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مسروق، یہ مسروق بن الاجدع ہیں۔

یہ حدیث کتاب الوضو کے اس باب میں گزر چکی ہے ''باب التیمن فی الوضوء والغسل'' اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

نیز اس حدیث میں "الترجل" کا ذکر ہے، اس کا معنی ہیں: بالوں کو سنوارنا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۹۔ بَابٌ: يَنْزِعُ نَعْلَهُ الْيُسْرَى — جوتا اتارتے وقت پہلے بایاں جوتا اتارے

اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ جب کوئی مرد اپنا جوتا اتارے تو پہلے بائیں پیر سے جوتا تارے۔

۵۸۵۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمِينِ وَإِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ لِيَكُنِ الْيُمْنَى أَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَآخِرَهُمَا تُنْزَعُ۔

(صحیح مسلم: ۵۴۹۵، مسند احمد: ۱۰۰۰۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص جوتا پہنے تو پہلے دائیں پیر میں جوتا پہنے اور جب جوتا اتارے تو پہلے بائیں پیر سے جوتا اتارے، تاکہ سیدھا پیر جوتا پہننے میں اول ہو اور جوتا اتارنے میں آخر ہو۔

صحیح البخاری: ۵۸۵۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو الزناد، یہ عبد اللہ بن ذکوان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعرج، یہ عبد الرحمن بن ہرمز ہیں۔

اس حدیث کی امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے کتاب اللباس میں روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اذا انتعل" یعنی جب جوتا پہنے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "بالیمین" اس کا معنی ہے: دائیں پیر میں پہنے۔

اس حدیث میں دائیں جانب کی بائیں جانب پر فضیلت کا بیان ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۰۔ بَابٌ: لَا يَمْشِي فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ — ایک جوتا پہن کر نہ چلنے کا بیان

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ کوئی مرد ایک جوتا پہن کر نہ چلے۔

۵۸۵۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا يَمْشِي أَحَدُكُمْ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لِيُحْفِهِمَا جَمِيعًا أَوْ لِيُنْعِلْهُمَا جَمِيعًا۔ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ایک جوتا پہن کر نہ چلے، یا تو دونوں ننگے پیر ہوں یا دونوں پیروں میں جوتے ہوں۔

(صحیح مسلم: ۲۰۹۷، سنن الترمذی: ۱۷۷۴، سنن ابوداؤد: ۴۱۳۶، سنن ابن ماجہ: ۳۶۱۷، مسند احمد: ۷۳۰۲، موطا امام مالک: ۱۷۰۱)

صحیح البخاری: ۵۸۵۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''لایمشی احدکم فی نعل واحدۃ''۔

علامہ ابن اثیر نے کہا ہے کہ نعل کا لفظ مؤنث ہے اور نعل وہ ہے جس کو چلتے وقت پہنا جاتا ہے اور اس کی تصغیر نعیلۃ آتی ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جوتی پہن کر چلنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ اس سے چلنے میں مشقت ہوگی اور یہ بھی خطرہ ہے کہ آدمی چلتے وقت لڑکھڑا کر گر پڑے گا، اور جو ایک جوتی پہن کر چل رہا ہو، وہ بہت قبیح المنظر ہوگا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لوگ سمجھیں کہ اس کا ایک پیر چھوٹا ہے اور ایک پیر بڑا ہے، اور علامہ ابن العربی نے لکھا ہے کہ یہ شیطان کے چلنے کا طریقہ ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: اگر عذر ہو تو تھوڑی دور کے لیے ایک جوتا پہن کر چل سکتا ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی ایک کا ایک تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ دوسرے تسمہ کے ساتھ نہ چلے حتیٰ کہ پہلے تسمہ کو ٹھیک کرلے۔

ایک جوتی پہن کر چلنے کی روایت کی تحقیق

صاحب التوضیح نے کہا ہے ''العلل الترمذی'' میں مذکور ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ بسا اوقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک جوتی پہن کر چلے۔

اور امام ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک جوتی پہننے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور زید بن محمد سے روایت ہے کہ انہوں نے سالم کو دیکھا وہ مدائن میں ایک جوتی پہن کر چل رہے تھے۔

علامہ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ اہل علم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا اعتبار نہیں کیا، اور حضرت عبد اللہ بن عمر اور سالم کی جو روایات ہیں وہ اس پر محمول ہیں کہ انہوں نے ایک جوتا پہننے کی ممانعت کو تنزیہہ پر محمول کیا ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان تک ممانعت نہ پہنچی ہو۔

امام ترمذی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے متعلق امام بخاری سے پوچھا: تو انہوں نے کہا: صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر موقوف ہے، یعنی یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۔۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۱۔ بَابٌ: قِبَالَانِ فِي نَعْلٍ وَمَنْ رَأَى قِبَالًا وَاحِدًا وَاسِعًا

ایک جوتے میں دو تسموں کا ہونا، اور جس کے نزدیک ایک تسمہ بھی کافی ہے

۵۸۵۷۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا أَنَسٌ ﷺ أَنَّ نَعْلَ النَّبِيِّ ﷺ كَانَ لَهَا قِبَالَانِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از قتادہ، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو جوتوں میں دو تسمے تھے۔

(صحیح البخاری: ۳۱۰۷، ۵۸۵۷، ۵۸۵۸، سنن ترمذی: ۱۷۷۲، سنن نسائی: ۵۳۶۷، سنن ابوداؤد: ۴۱۳۴، سنن ابن ماجہ: ۳۶۱۵، مسند احمد: ۱۲۴۴۳)

صحیح البخاری: ۵۸۵۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں قبال کا ذکر ہے "قبال" جوتی کے اس تسمے کو کہتے ہیں جو اوپر سے جا کر پاؤں کے انگوٹھے اور اس سے متصل انگلی کے درمیان نیچے جوتے میں جڑا ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیوں میں دو تسمے تھے جیسا کہ حدیث باب میں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۵۸۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ طَهْمَانَ قَالَ خَرَجَ إِلَيْنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ بِنَعْلَيْنِ لَهُمَا قِبَالَانِ فَقَالَ ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ هَذِهِ نَعْلُ النَّبِيِّ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عیسیٰ بن طہمان نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہماری طرف حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ آئے وہ دو جوتے پہنے ہوئے تھے جن کے دو تسمے تھے۔ پس ثابت البنانی نے کہا: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جوتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۱۰۷، ۵۸۵۷، ۵۸۵۸، سنن ترمذی: ۱۷۷۲، سنن نسائی: ۵۳۶۷، سنن ابوداؤد: ۴۱۳۴، سنن ابن ماجہ: ۳۶۱۵، مسند احمد: ۱۲۴۴۳)

صحیح البخاری: ۵۸۵۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد کا ذکر ہے، ان کا نام محمد بن مقاتل المروزی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ کا ذکر ہے، یہ

عبداللہ بن المبارک المروزی ہیں۔اور عیسیٰ بن طہمان کا ذکر ہے، یہ البکری الکوفی ہیں۔

یہ حدیث بہ ظاہر مرسل ہے، کیونکہ ثابت نے یہ تصریح نہیں کی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان کو اس حدیث کی خبر دی ہے، اور الاسماعیلی نے کہا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۱۔۴۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۲۔ بَابُ: الْقُبَّةِ الْحَمْرَاءِ مِنْ أَدَمٍ — سرخ چمڑے کے خیمہ کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں سرخ چمڑے کے خیمہ کا ذکر کیا جائے گا، اور یہ وہ چمڑا ہے جو رنگا ہوا ہوتا ہے اور اس کو سرخ رنگ سے رنگا جاتا ہے اس سے پہلے کہ اس کا خیمہ بنایا جائے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: چمڑے کا خیمہ، اس کو بادیہ نشین اور خانہ بدوش لوگ استعمال کرتے ہیں۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۵۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ قَالَ حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ فِي قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ أَدَمٍ وَرَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ وَضُوءَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَالنَّاسُ يَبْتَدِرُونَ الْوَضُوءَ فَمَنْ أَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهِ وَمَنْ لَمْ يُصِبْ مِنْهُ شَيْئًا أَخَذَ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عرعرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عمر بن ابی زائدہ نے حدیث بیان کی از عون بن ابی جحیفہ از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس وقت آپ سرخ چمڑے کے خیمہ میں تھے اور میں نے دیکھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء سے بچے ہوئے پانی کو پکڑا ہوا تھا اور لوگ اس پانی کی طرف جھپٹ رہے تھے۔ پس جس کو اس پانی سے کچھ مل جاتا تو وہ اس کو اپنے جسم پر لگاتا اور جس کو اس میں سے کچھ نہ ملتا تو وہ اپنے صاحب کے ہاتھ کی تری کو لے لیتا۔

(صحیح بخاری: ۱۸۷، ۳۷۶، ۳۹۵، ۴۹۹، ۵۰۱، ۶۳۳، ۶۳۴، ۳۵۵۳، ۳۵۶۶، ۵۷۸۶، ۵۸۵۹، صحیح مسلم: ۵۰۳، سنن نسائی: ۴۷۰، سنن ابوداؤد: ۶۸۸، مسند احمد: ۱۸۲۶۸، سنن دارمی: ۱۴۰۹)

صحیح البخاری: ۵۸۵۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو جحیفہ، ان کا نام وہب بن عبداللہ السوائی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء سے بچے ہوئے پانی کی طہارت اور برکت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو لینے لگے، پھر اس پانی کو اپنے اوپر ملتے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں آثار صالحین سے تبرک حاصل کرنے کا ثبوت ہے اور ان کے وضوء، ان کے طعام، ان کے مشروب اور ان کے لباس کی بچی ہوئی چیزوں کو استعمال کرنے کا ثبوت ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النووی ج ۳ ص ۵۷ ۳، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:

گویا کہ آپ کے وضوء سے جو پانی بچا تھا، اس کو صحابہ نے تقسیم کر لیا تھا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء سے لگ کر جو وضوء کا پانی گرا تھا، اس کو صحابہ نے حاصل کیا تھا اور اس حدیث میں وضوء کے مستعمل پانی کے طاہر ہونے کی واضح دلیل ہے۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۴۲۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

علامہ عینی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں وضوء کے مستعمل پانی کے طاہر ہونے پر واضح دلیل ہے، اور اس پانی سے مراد وہ پانی ہے جو آپ کے اعضاء سے لگ کر گرا تھا، اور اگر اس سے مراد وہ پانی ہو جو آپ کے وضوء کے بعد برتن میں بچ گیا تھا تو اس سے مراد یہ ہے کہ صحابہ اس پانی کو بہ طور تبرک لے رہے تھے، یہ پانی طاہر تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ لگنے کی وجہ سے اس کی طہارت زیادہ ہوگئی تھی، نیز اس حدیث میں آثار صالحین سے تبرک حاصل کرنے کا ثبوت ہے اور یہ سفر کا واقعہ ہے، سو اس میں یہ دلیل ہے کہ سفر میں چار رکعت نماز کو قصر کر کے دو رکعت پڑھا جاتا ہے اور جب صحراء میں نماز پڑھی جائے تو امام کے سامنے نیزہ کو بہ طور سترہ گاڑ دینا چاہیے۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس پانی سے مراد برتن میں بچا ہوا پانی بھی ہوسکتا ہے اور وہ پانی بھی مراد ہوسکتا ہے، جو آپ کے اعضاء مبارکہ سے لگ کر گرا تھا، حضرت سائب بن یزید نے اس پانی کو پیا تھا۔ (صحیح البخاری: ۱۹۰، صحیح مسلم: ۲۳۴۵، سنن ترمذی: ۳۶۴۳)

یہ زیادہ مناسب ہے، کیونکہ حضرت سائب نے اس پانی کو تبرک کے قصد سے پیا تھا اور اس صورت میں یہ حدیث مستعمل پانی کی طہارت پر دلیل ہوگی اور اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ پانی انہوں نے دوا اور علاج کے طور پر پیا تھا، یعنی یہ مستعمل پانی نجس ہی تھا۔ (یہ جواب مردود ہے، کیونکہ حضور کے جسم سے لگ کر گرنے والا پانی نجس نہیں ہوسکتا۔ سعیدی غفرلہٗ) یا اس مستعمل پانی کا پاک ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواص میں سے ہے یا یہ ابتداء کا واقعہ ہے اور مستعمل پانی کا طاہر نہ ہونا بعد کا حکم ہے، اور امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق فتویٰ اس پر ہے کہ مستعمل پانی پاک ہے اور علامہ ابن حجر مکی نے اپنی شرح میں یہ کہا ہے کہ جو پانی آپ کے اعضاء سے لگ کر بہا ہو، وہ نجس نہیں ہے، اسی وجہ سے ہمارے اکثر اصحاب کا مختار یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات بھی طاہر ہیں۔ (مرقاۃ: ۴۷۶۰، ج ۲ ص ۱۷۳، مکتبہ حقانیہ، پشاور)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ ھ نے بھی اس حدیث کی شرح میں بعینہٖ یہی تقریر کی ہے، نیز انہوں نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن سے لگنے کی وجہ سے وہ مستعمل پانی نجس نہیں ہوا، حالانکہ بعض علماء نے آپ کے فضلات کو بھی پاک کہا ہے کیونکہ آپ کا وجود سرتاپا ظاہر و باطن مزکی و مطہر ہے، یعنی پاک کرنے والا ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۶۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

۵۸۶۰ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ ح وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ أَرْسَلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَى الْأَنْصَارِ وَجَمَعَهُمْ فِي قُبَّةٍ مِنْ أَدَمٍ
(صحیح مسلم: ۱۰۵۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی، ح اور اللیث نے کہا کہ مجھے یونس نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلوایا اور انہیں چمڑے کے ایک خیمہ میں جمع کیا۔

صحیح البخاری: ۵۸۶۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''سرخ چمڑے کا خیمہ'' اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو چمڑے کے خیمہ میں جمع کیا اور اس حدیث میں سرخ چمڑے کا ذکر نہیں ہے، تو اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے؟
اس کا جواب یہ ہے: یہ حدیث باب کے عنوان کے ایک جز کے مطابق ہے، اور کئی مرتبہ امام بخاری باب کے صرف کسی ایک جز کے ساتھ مطابقت کا ارادہ کرتے ہیں۔
بعض شارحین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ امام بخاری نے مطلق کو مقید پر محمول کر دیا، کیونکہ ان دونوں حدیثوں کا قصہ متقارب ہے، کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جس قصہ کا ذکر کیا ہے، اس کا تعلق غزوۂ خیبر کے ساتھ ہے اور حضرت ابو جحیفہ نے جس قصہ کی روایت کی ہے، اس کا تعلق حجۃ الوداع کے ساتھ ہے، اور ان دونوں قصوں میں دو سال کا عرصہ ہے۔ اس لیے ظاہر یہ ہے کہ یہ وہی خیمہ ہے، پس جب حضرت ابو جحیفہ نے دوسری مرتبہ اس کا ذکر کیا تو سرخ خیمہ کہا یعنی پہلے وقت میں وہ سرخ خیمہ نہیں تھا۔
علامہ عینی فرماتے ہیں کہ بعض شارحین نے جو جواب ذکر کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ یہاں مطلق کو مقید پر محمول کرنے کا معاملہ نہیں ہے اور ان کا باقی کلام بھی بعید ہے اور اس کا بہترین جواب یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں اختصار کیا اور خیمہ کے ساتھ سرخ کے لفظ کو چھوڑ دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۲۔ ۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۳ـ بَابُ: الْجُلُوسِ عَلَى الْحَصِيرِ وَنَحْوِهِ — چٹائی وغیرہ پر بیٹھنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ چٹائی پر بیٹھنے کا کیا حکم ہے؟ اور نحوہ سے یہ اشارہ کیا ہے کہ جو چیزیں زمین پر بچھائی جاتی ہیں اور ان پر بیٹھا جاتا ہے تو ان کا کیا حکم ہے؟ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۶۱۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَحْتَجِرُ حَصِيرًا بِاللَّيْلِ فَيُصَلِّي عَلَيْهِ وَيَبْسُطُهُ بِالنَّهَارِ فَيَجْلِسُ عَلَيْهِ فَجَعَلَ النَّاسُ يَثُوبُونَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَيُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِ حَتَّى كَثُرُوا فَأَقْبَلَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ خُذُوا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيقُونَ فَإِنَّ اللهَ لَا يَمَلُّ حَتَّى تَمَلُّوا وَإِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ مَا دَامَ وَإِنْ قَلَّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن ابی بکر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی از عبید اللہ از سعید بن ابی سعید از ابی سلمہ بن عبد الرحمٰن از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ رات کو چٹائی کا حجرہ بنا لیتے تھے اور اس پر نماز پڑھتے تھے اور دن میں وہ چٹائی بچھا دیتے، پھر اس پر بیٹھ جاتے، پھر لوگ نبی ﷺ کی طرف آنے لگے اور وہ بھی آپ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھتے حتیٰ کہ ان کی تعداد زیادہ ہوگئی تو آپ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے لوگو! تم اتنے اعمال کرو جس کی تم طاقت رکھتے ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اجر دینے سے نہیں اکتاتا حتیٰ کہ تم عمل کرنے سے تھک جاؤ، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اعمال وہ ہیں جس کو عمل کرنے والا ہمیشہ کرے خواہ وہ عمل تھوڑا ہو۔

(صحیح مسلم: ۷۸۲، سنن نسائی: ۷۶۲، سنن ابوداؤد: ۱۳۶۸، سنن ابن ماجہ: ۴۲۴۰)

صحیح البخاری: ۵۸۶۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "چٹائی پر بیٹھنا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ دن کو وہ چٹائی بچھا دیتے اور اس پر بیٹھتے، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن ابی بکر کا ذکر ہے، یہ مقدمی ہیں۔ اور معتمر کا ذکر ہے، وہ ابن سلیمان ہیں۔ اور عبید اللہ کا ذکر ہے، وہ ابن عمر العمری ہیں۔ اور سعید کا ذکر ہے، وہ المقبری ہیں۔ اور ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن کا ذکر ہے، وہ ابن عوف ہیں۔ اور یہ تینوں تابعین مدنی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یحتجر" اس کا معنی ہے: آپ اپنے لیے حجرہ بنا لیتے تھے، "احتجر الارض" اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی جگہ کو اپنے لیے خاص کر لے اور دوسروں کو اس سے منع کرے۔ اور الکشمیہنی کی روایت میں یحتجز کا لفظ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یثوبون" اس کا معنی ہے: لوگ جمع ہو جاتے تھے، یہ کرمانی کا قول ہے۔ اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ

لوگ آپ کی طرف رجوع کرتے تھے، کیونکہ "ثاب" کا معنی ہے: رجوع کرنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لا یمل" اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو قبول کرتا ہے حتیٰ کہ تم تھک جاؤ، کیونکہ جو کام تم تھکاوٹ اور اکتاہٹ سے کرو، اس کو اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔ علامہ خطابی نے کہا: یہ کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ثواب دینا ترک نہیں کرتا جب تک کہ تم عمل کو ترک نہ کرو۔

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ اس باب کی حدیث کے وہ روایت معارض ہے جس کو امام ابن ابی شیبہ نے شریح بن ہانی کی سند سے ذکر کیا ہے، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر نماز پڑھتے تھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۸) اور ہم نے کافروں کے لیے دوزخ کو قید خانہ بنا دیا ہے O

بہ ظاہر اس آیت کا ترجمہ ہے "ہم نے دوزخ کو کافروں کے لیے حصیر یعنی چٹائی بنا دیا" تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر نماز نہیں پڑھتے تھے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ حدیث ضعیف ہے اور صحیح بخاری کی صحیح حدیث کے معارض نہیں ہو سکتی، اور اس میں تطبیق بھی ممکن ہے، وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ چٹائی پر نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اور آیت کا معنی یہ ہے کہ "ہم نے دوزخ کو کافروں کے لیے قید کی جگہ بنا دیا ہے"، کیونکہ قید خانے کو محصر اور حصیر کہا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳۔ ۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۴۔ بَابُ: الْمُزَرَّرِ بِالذَّهَبِ — سونے کی گھنڈی یا بٹن سے کپڑے کو بند کرنے کا بیان

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ سونے کی گھنڈی یا بٹن سے کپڑے کو بند کرنا جائز ہے۔

۵۸۶۲۔ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ أَنَّ أَبَاهُ مَخْرَمَةَ قَالَ لَهُ يَا بُنَيَّ إِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَدِمَتْ عَلَيْهِ أَقْبِيَةٌ فَهُوَ يَقْسِمُهَا فَاذْهَبْ بِنَا إِلَيْهِ فَذَهَبْنَا فَوَجَدْنَا النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فِي مَنْزِلِهِ فَقَالَ لِي يَا بُنَيَّ ادْعُ لِي النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَأَعْظَمْتُ ذٰلِكَ فَقُلْتُ أَدْعُو لَكَ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ يَا بُنَيَّ إِنَّهُ لَيْسَ بِجَبَّارٍ فَدَعَوْتُهُ فَخَرَجَ وَعَلَيْهِ قَبَاءٌ مِنْ دِيبَاجٍ مُزَرَّرٌ بِالذَّهَبِ فَقَالَ يَا مَخْرَمَةُ هٰذَا خَبَأْنَاهُ لَكَ فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ۔

اور اللیث نے کہا: مجھے ابن ابی ملیکہ نے حدیث بیان کی از حضرت المسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اے میرے بیٹے! بے شک مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چند اچکنیں آئی ہیں اور آپ ان کو تقسیم کر رہے ہیں، پس ہم آپ کی طرف چلیں، سو ہم گئے تو ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر میں پایا، انہوں نے مجھ سے کہا: اے میرے بیٹے! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے لیے بلا کر لاؤ، پس میں نے اس بات کو بہت سنگین سمجھا (کہ میں اپنے والد کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاؤں) تو میں نے کہا: میں آپ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاؤں؟ تو میرے والد نے کہا: اے میرے بیٹے! نبی صلی اللہ علیہ وسلم جبر کرنے والے نہیں ہیں، پس میں نے آپ کو بلایا تو آپ باہر آئے اور آپ کے اوپر دیباج کی ایک اچکن تھی جس میں سونے کی گھنڈی یا بٹن لگا ہوا تھا، آپ نے فرمایا: اے مخرمہ! یہ

اچکن ہم نے تمہارے لیے چھپا کے رکھی تھی، پس آپ نے وہ اچکن میرے والد کو دے دی۔

(صحیح البخاری: ۲۵۹۹، ۲۶۵۷، ۳۱۲۷، ۵۸۰۰، ۵۸۶۲، ۶۱۳۲، صحیح مسلم: ۱۰۵۸، سنن ترمذی: ۲۸۱۸، سنن نسائی: ۵۳۲۴، سنن ابوداؤد: ۴۰۲۸، مسند احمد: ۱۸۴۴۸)

صحیح البخاری: ۵۸۶۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "سونے کی گھنڈی یا بٹن سے کپڑے کو بند کرنا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر دیباج کی اچکن تھی جس میں سونے کی گھنڈی یا بٹن لگا ہوا تھا۔

امام بخاری نے اس حدیث کو لیث سے تعلیقاً ذکر کیا ہے، کیونکہ لیث نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نہیں پایا، اور عنقریب یہ حدیث سند موصول کے ساتھ "باب القباء وفروج الحریر" میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بلند اخلاق کہ کسی کے لیے آپ کو بلانا آپ پر گراں نہیں گزرتا

اس حدیث میں مذکور ہے "فاعظمت ذالك" یعنی میرے والد نے جو کہا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے لیے بلاؤ، تو میں نے اس کو بہت سنگین سمجھا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اس سے بلند ہے کہ آپ کو کسی شخص کے لیے بلایا جائے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "کیا میں آپ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاؤں؟" حضرت مسور بن مخرمہ نے اپنے والد سے یہ بہ طور انکار کہا۔ پھر جب حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبار نہیں ہیں یعنی آپ کو یہ بات گراں نہیں گزرے گی، تو پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۵۔ بَابٌ: خَوَاتِيمِ الذَّهَبِ — سونے کی انگوٹھیوں کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

خواتیم، خاتم کی جمع ہے، اور اس میں چار لغات ہیں۔ خاتَم تاء پر زبر ہو اور خاتِم تاء کے نیچے زیر ہو اور خیتام اور خاتام۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۶۳۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا أَشْعَثُ بْنُ سُلَيْمٍ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ رضی اللہ عنہما يَقُولُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اشعث بن سُلیم نے حدیث بیان کی، انہوں

نَهَانَا النَّبِيُّ ﷺ عَنْ سَبْعٍ نَهَانَا عَنْ خَاتَمِ الذَّهَبِ أَوْ قَالَ حَلْقَةِ الذَّهَبِ وَعَنِ الْحَرِيرِ وَالْإِسْتَبْرَقِ وَالدِّيبَاجِ وَالْمِيثَرَةِ الْحَمْرَاءِ وَالْقَسِّيِّ وَآنِيَةِ الْفِضَّةِ وَأَمَرَنَا بِسَبْعٍ بِعِيَادَةِ الْمَرِيضِ وَاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ وَرَدِّ السَّلَامِ وَإِجَابَةِ الدَّاعِي وَإِبْرَارِ الْمُقْسِمِ وَنَصْرِ الْمَظْلُومِ۔

نے کہا: میں نے معاویہ بن سوید بن مقرن سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں سے منع فرمایا: آپ نے سونے کی انگوٹھی سے منع فرمایا، یا کہا: آپ نے سونے کے چھلے سے منع فرمایا اور ریشم سے اور استبرق (دبیز ریشم) سے اور دیباج (نرم ریشم) سے اور میثرۃ (نرم ریشم کا زین پوش) سے اور الحمراء (یعنی سرخ رنگ کے کپڑے) سے اور القسی (ریشم کی چوڑی دھاریوں والا کپڑا) سے اور چاندی کے برتن سے، اور ہمیں سات چیزوں کا حکم دیا: مریض کی عیادت کرنے کا اور جنازوں کے ساتھ جانے کا، اور چھینکنے والے کو جواب میں دعا دینے کا، اور سلام کا جواب دینے کا، اور دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرنے کا، اور قسم کھانے والے کی قسم کو پوری کرنے کی کوشش کرنے کا اور مظلوم کی مدد کرنے کا (حکم دیا)۔

(صحیح بخاری: ۱۲۳۹، ۲۴۴۵، ۵۱۷۵، ۵۶۳۵، ۵۶۵۰، ۵۸۳۸، ۵۸۴۹، ۵۸۶۳، ۶۲۲۲، ۶۲۳۵، ۶۶۵۴، صحیح مسلم: ۲۰۶۶، سنن ترمذی: ۲۸۰۹، سنن نسائی: ۱۹۳۹، مسند احمد: ۱۸۱۷۰)

صحیح البخاری: ۵۸۶۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث ابواب الجنائز کے پہلے باب میں گزر چکی ہے اور اس باب میں اوامر کا ذکر نواہی پر مقدم ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۶۴۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ نَهَى عَنْ خَاتَمِ الذَّهَبِ وَقَالَ عَمْرٌو أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ سَمِعَ النَّضْرَ سَمِعَ بَشِيرًا مِثْلَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از النضر بن انس از بشیر بن نہیک از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔
اور عمرو نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از قتادہ، انہوں نے نضر سے سنا انہوں نے بشیر سے سنا اسی حدیث کی مثل۔

(صحیح مسلم: ۲۰۸۹، سنن نسائی: ۵۲۷۳، مسند احمد: ۹۷۰۹)

صحیح البخاری: ۵۸۶۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے غندر، یہ محمد بن جعفر کا لقب ہے۔ اوراس حدیث کی سند میں مذکور ہے النضر ، یہ حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔ اوراس حدیث کی سند میں البشیر بن نہیک کا ذکر ہے، یہ السدوسی البصری ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۵، دارالکتب العلمیہ ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۶۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم اتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ وَجَعَلَ فَصَّهُ مِمَّا يَلِي كَفَّهُ فَاتَّخَذَهُ النَّاسُ فَرَمَى بِهِ وَاتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ وَرِقٍ أَوْ فِضَّةٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عبید اللہ، انہوں نے کہا: مجھے نافع نے حدیث بیان کی از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنائی اور اس کا نگینہ اپنی ہتھیلی کے قریب رکھا، سولوگوں نے بھی سونے کی انگوٹھی بنالی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پھینک دیا اور آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنائی۔

(صحیح البخاری: ۵۸۶۶، ۵۸۶۷، ۵۸۷۳، ۵۸۷۶، ۶۶۵۱، ۷۲۹۸، صحیح مسلم: ۲۰۹۱، سنن ترمذی: ۱۷۴۱، سنن نسائی: ۵۲۹۳، مسند احمد: ۴۶۶۳، موطا امام مالک: ۱۷۴۳)

صحیح البخاری: ۵۸۶۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اتخذ خاتما" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنانے کا حکم دیا تو آپ کے لیے انگوٹھی بنائی گئی، سو آپ نے اس کو پہن لیا، یا آپ کو بنی بنائی انگوٹھی ملی تو آپ نے اس کو پہن لیا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "واتخذ خاتما من ورق او فضة" یعنی راوی کو شک ہے کہ ورق کا لفظ کہا تھا یا فضہ کا لفظ کہا تھا، دونوں کا معنی چاندی ہے۔

مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھی پہننے کا حکم

یہ حدیث اور اس سے پہلی حدیث دونوں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھی کو پہننا حرام ہے۔

اور علامہ النووی نے کہا ہے: مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھی کے حرام ہونے پر فقہاء کا اجماع ہے، سوا اس کے کہ ابن ابی بکر محمد بن عمرو بن حزم سے مروی ہے کہ انہوں نے اس کو مردوں کے لیے مباح قرار دیا ہے، اور بعض فقہاء سے منقول ہے کہ یہ مردوں

کے لیے مکروہ ہے، حرام نہیں ہے۔

جن بعض صحابہ سے سونے کی انگوٹھی پہننا منقول ہے

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ انہوں نے سونے کی انگوٹھی پہنی ہے، پس صحابہ میں سے حضرت انس بن مالک، حضرت البراء بن عازب، حضرت جابر بن سمرہ، حضرت حذیفہ بن الیمان، حضرت زید بن ارقم، حضرت زید بن حارثہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت صہیب بن سنان، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت عبداللہ بن یزید اور حضرت ابواسید رضی اللہ عنہم اور فقہاء تابعین میں سے عکرمہ مولیٰ ابن عباس، اور ابوبکر محمد بن عمرو بن حزم اور دوسرے تابعین ہیں۔

بعض صحابہ کے سونے کی انگوٹھی پہننے کے دو جواب

صحابہ رضی اللہ عنہم کے فعل کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

پہلا جواب یہ ہے کہ شاید ان تک مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھی پہننے کی ممانعت کی حدیث نہیں پہنچی تھی۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ شاید انہوں نے اس ممانعت کو کراہتِ تنزیہی پر محمول کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سونے کی انگوٹھی کو پھینکا تھا، اس کو اس پر محمول کیا کہ آپ دنیا کی زینت سے تنزہ کرتے تھے، جس طرح آپ اپنے اہل کو زیور پہننے سے منع کرتے تھے، حالانکہ عورتوں کے لیے زیور پہننا مباح ہے۔

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما کا سونے کی انگوٹھی پہننے پر استدلال اور اس کا جواب

اگر تم یہ سوال کرو کہ جن صحابہ سے سونے کی انگوٹھی پہننے کی ممانعت منقول ہے، ان میں حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما بھی ہیں، تو میں کہوں گا کہ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس کا جواب یہ ہے کہ سونے کی انگوٹھی پہننے کا عمل صرف حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے اور دیگر صحابہ نے بھی سونے کی انگوٹھی پہنی ہے، پس یا تو جب سونے کی انگوٹھی پہننے کی اجازت دی گئی تو اس وقت حضرت البراء رضی اللہ عنہ کم عمر تھے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ کم عمر مرد کا یعنی جو بالغ نہ ہو اس کا سونے کی انگوٹھی پہننا جائز ہے یا پھر ہم یہ کہیں گے کہ یہ دونوں حدیثیں متعارض ہیں، پس ہوسکتا ہے کہ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی پہننے کی اجازت دی ہو اور بعد میں آپ نے منع فرما دیا ہو، اگر تاریخ معلوم ہوجائے تو اس تاریخ کے مطابق عمل کیا جائے گا، ورنہ ممانعت کی حدیث کو ترجیح دی جائے گی اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ممانعت کی حدیث زیادہ صحیح ہے، کیونکہ وہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں کی متفق علیہ حدیث ہے۔ اور جس حدیث سے حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما نے سونے کی انگوٹھی پہننے کے جواز پر استدلال کیا ہے، یہ وہ ہے جس کی امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے۔ وہ حدیث درج ذیل ہے:

از محمد بن مالک، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما کو سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا اور لوگ کہہ رہے تھے: تم نے سونے کی انگوٹھی کیوں پہنی؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ تو حضرت البراء رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جس وقت ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے اور آپ کے سامنے مالِ غنیمت تھا، آپ اس کو تقسیم فرما رہے تھے، آپ قیدیوں کو بھی تقسیم فرماتے رہے، آپ اسی طرح مالِ غنیمت کو تقسیم کرتے رہے حتیٰ کہ یہ سونے کی انگوٹھی بچ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے نظر اٹھا کر اپنے اصحاب کی طرف دیکھا، پھر نظر جھکالی، پھر آپ نے نظر اٹھا کر اپنے اصحاب کی طرف دیکھا اور پھر نظر جھکالی، پھر تیسری مرتبہ آپ نے نظر اٹھا کر اپنے اصحاب کی طرف دیکھا اور نظر جھکالی، اور فرمایا: اے براء! پس میں آپ کے پاس حاضر ہوا حتیٰ کہ آپ کے سامنے بیٹھ گیا، آپ نے وہ انگوٹھی پکڑی پھر فرمایا: لو پہنو، جو تمہیں اللہ اور اس کے رسول نے پہنایا ہے۔ الحدیث

اور ہمارے شیخ نے کہا: اس حدیث کی محمد بن مالک نے حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اور وہ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے حدیث کو روایت کرنے میں متفرد ہیں، اور امام ابن حبان نے ان کا ضعفاء میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ بہت خطاء کرتے تھے، اور جس حدیث کی روایت کرنے میں وہ متفرد ہوں اس سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے، اس کے باوجود امام ابن حبان نے ان کا ذکر کتاب الثقات میں کیا مگر انہوں نے کہا کہ محمد بن مالک نے حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے کوئی حدیث نہیں سنی، ہمارے شیخ نے کہا کہ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ محمد بن مالک نے حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے حدیث کا سماع کیا ہے۔ اور امام ابن ابی حاتم نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور شاید کہ حضرت البراء رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا ہو کہ صرف خصوصیت سے ان کو سونے کی انگوٹھی پہننے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دی ہے، اس کے باوجود صحیح وہ ہے جو جمہور فقہاء اور محدثین کا موقف ہے کہ اعتبار راوی کی روایت کا ہے نہ اس کی فہم کا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ہمارے نزدیک راوی کے اجتہاد اور اس کی فہم کا اعتبار ہے جیسا کہ یہ چیز اپنی جگہ پر ثابت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۵۔۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۶۔ بَابٌ: خَاتَمِ الْفِضَّةِ — مردوں کے لیے چاندی کی انگوٹھی پہننے کا حکم

اس باب میں چاندی کی انگوٹھی کے متعلق احادیث کا ذکر ہے اور اس کے استعمال کے جواز کا بیان ہے۔

۵۸۶۶۔ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عنهما أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ وَجَعَلَ فَصَّهُ مِمَّا يَلِي كَفَّهُ وَنَقَشَ فِيهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ فَاتَّخَذَ النَّاسُ مِثْلَهُ فَلَمَّا رَآهُمْ قَدِ اتَّخَذُوهَا رَمَى بِهِ وَقَالَ لَا أَلْبَسُهُ أَبَدًا ثُمَّ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ فَاتَّخَذَ النَّاسُ خَوَاتِيمَ الْفِضَّةِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ فَلَبِسَ الْخَاتَمَ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ حَتَّى وَقَعَ مِنْ عُثْمَانَ فِي بِئْرِ أَرِيسَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یوسف بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سونے کی یا چاندی کی انگوٹھی بنائی اور اس کا نگینہ ہتھیلی کے باطن کی طرف رکھا (یعنی ہتھیلی کے اندرونی جانب کی طرف رکھا) اور اس میں ''نقش تھا محمد رسول اللہ'' تو لوگوں نے بھی اس کی مثل انگوٹھی بنالی، جب آپ نے یہ دیکھا کہ لوگوں نے اس کی مثل انگوٹھی بنالی ہے تو آپ نے اس انگوٹھی کو پھینک دیا اور فرمایا: میں اس کو اب کبھی بھی نہیں پہنوں گا، پھر آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنائی، پس لوگوں نے چاندی کی انگوٹھیاں بنالیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت

ابوبکر نے انگوٹھی پہنی، پھر حضرت عمر نے انگوٹھی پہنی، پھر حضرت عثمان نے انگوٹھی پہنی، حتیٰ کہ وہ انگوٹھی حضرت عثمان سے ''بئر اریس'' (اریس نامی کنویں) میں گرگئی۔ (رضی اللہ عنہم)

(صحیح البخاری: ۵۸۶۶، ۵۸۶۷، ۵۸۷۳، ۵۸۷۶، ۶۶۵۱، ۷۲۹۸، صحیح مسلم: ۲۰۹۱، سنن ترمذی: ۱۷۴۱، سنن نسائی: ۵۲۹۳، مسند احمد: ۴۶۶۳، موطا امام مالک: ۱۷۴۳)

صحیح البخاری: ۵۸۶۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یوسف بن موسیٰ کا ذکر ہے، یہ ابن راشد القطان الکوفی ہیں جن کی رہائش بغداد میں تھی اور یہ دو سو باون ہجری (۲۵۲ھ) میں فوت ہو گئے تھے، امام بخاری ان سے روایت کرنے میں منفرد ہیں۔

اور اس حدیث کی سند میں ابو اسامہ کا ذکر ہے، ان کا نام حماد بن اسامہ ہے۔ اور عبید اللہ کا ذکر ہے، یہ ابن عمر العمری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''مثلہ'' یعنی جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنائی تھی، اسی طرح صحابہ نے بنالی۔ اور اس کی وضاحت امام ابوداؤد کی درج ذیل روایت سے ہوتی ہے:

از نصیر بن الفرج از ابو اسامہ از عبید اللہ از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوائی اور اس کا نگینہ ہتھیلی کے باطن کی طرف رکھا اور اس پر نقش تھا ''محمد رسول اللہ''، سو لوگوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں، جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ دیکھا کہ لوگوں نے سونے کی انگوٹھیاں بنوالی ہیں تو آپ نے سونے کی انگوٹھی کو پھینک دیا۔ الحدیث

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے لکھا ہے: ہوسکتا ہے کہ مثلیت سے مراد یہ ہو کہ وہ انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس پر ''محمد رسول اللہ'' نقش تھا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مطلقاً انگوٹھی بنوانے کی مثل مراد ہو۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۸، دارالمعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی اس کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس کلام کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے لکھا ہے کہ لوگوں نے چاندی کی انگوٹھی بنوالی حالانکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے سونے کی انگوٹھی بنوائی، اور معنی صحیح وہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اور جس کو امام ابوداؤد نے بیان کیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد اس انگوٹھی کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہنا یعنی اپنی خلافت کے ایام میں، پھر اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہنا یعنی اپنی خلافت کے ایام میں، پھر اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پہنا حتیٰ کہ وہ انگوٹھی ''بئر اریس'' میں گرگئی۔ اریس سے مراد وہ باغ ہے جو مسجد قباء کے قریب تھا، یعنی اس باغ میں ایک کنواں تھا جس کو

"بئراریس" کہتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۷۔۴۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ وہ انگوٹھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس چھ سال رہی اور اس کے بعد وہ اریس کے کنویں میں گرگئی۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۸، دارالمعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

۴۷۔ باب:

۴۷۔ باب:

یہ باب بلاعنوان ہے اور یہ اس سے پہلے باب کے لیے بہ منزلہ فصل ہے۔

۵۸۶۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَلْبَسُ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فَنَبَذَهُ فَقَالَ لَا أَلْبَسُهُ أَبَدًا فَنَبَذَ النَّاسُ خَوَاتِيمَهُمْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از عبداللہ بن دینار از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سونے کی انگوٹھی پہنتے تھے، پس آپ نے اس کو پھینک دیا، پھر فرمایا: میں اس کو کبھی نہیں پہنوں گا تو لوگوں نے بھی اپنی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں۔

(صحیح البخاری: ۵۸۶۶، ۵۸۶۷، ۵۸۷۳، ۵۸۷۶، ۶۶۵۱، ۷۲۹۸، صحیح مسلم: ۲۰۹۱، سنن ترمذی: ۱۷۴۱، سنن نسائی: ۵۲۹۳، مسند احمد: ۴۶۶۳، موطا امام مالک: ۱۷۴۳)

صحیح البخاری: ۵۸۶۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں، اور اسی طرح اس حدیث کو امام مالک نے از عبداللہ بن دینار روایت کیا ہے، اور سفیان ثوری نے بھی اس کو عبداللہ بن دینار سے روایت کیا ہے اور وہ اس سے زیادہ مکمل ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۶۸۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ ﷺ أَنَّهُ رَأَى فِي يَدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ خَاتَمًا مِنْ وَرِقٍ يَوْمًا وَاحِدًا ثُمَّ إِنَّ النَّاسَ اصْطَنَعُوا الْخَوَاتِيمَ مِنْ وَرِقٍ وَلَبِسُوهَا فَطَرَحَ رَسُولُ اللهِ ﷺ خَاتَمَهُ فَطَرَحَ النَّاسُ خَوَاتِيمَهُمْ تَابَعَهُ إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ وَزِيَادٌ وَشُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ ابْنُ مُسَافِرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ أُرَى خَاتَمًا مِنْ وَرِقٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ایک دن چاندی کی انگوٹھی دیکھی، پھر لوگوں نے بھی چاندی کی انگوٹھیاں بنوالیں اور ان کو پہنا، پس رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگوٹھی پھینک دی، سو لوگوں نے بھی اپنی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں۔ یونس کی متابعت ابراہیم بن سعد نے اور زیاد نے اور شعیب نے کی ہے از الزہری اور ابن مسافر نے کہا از الزہری، میرا گمان ہے کہ

''خاتما من ورق'' مذکور ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۰۹۳، سنن نسائی: ۵۲۹۱، سنن ابوداؤد: ۴۲۲۱، مسند احمد: ۱۲۲۴۰)

صحیح البخاری: ۵۸۶۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگوٹھی پھینک دی''۔

اس جگہ یہ اعتراض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی کیوں پھینکی حالانکہ وہ تو حلال ہے؟

علامہ نووی نے اس کے جواب کو قاضی عیاض سے نقل کیا ہے اور کہا ہے: تمام محدثین اس پر متفق ہیں کہ یہ ابن شہاب کا وہم ہے کیونکہ جو انگوٹھی پھینکی گئی تھی وہ سونے کی انگوٹھی تھی۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: حدیث میں یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی پھینکی، بلکہ حدیث میں مطلق انگوٹھی کا ذکر ہے، لہٰذا اس کو اسی انگوٹھی پر محمول کیا جائے گا جو سونے کی تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۸۔۴۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۸۔ بَابُ: فَصِّ الْخَاتَمِ

انگوٹھی کے نگینہ کا بیان

۵۸۶۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ قَالَ سُئِلَ أَنَسٌ هَلِ اتَّخَذَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خَاتَمًا قَالَ أَخَّرَ لَيْلَةً صَلَاةَ الْعِشَاءِ إِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيصِ خَاتَمِهِ قَالَ إِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا وَنَامُوا وَإِنَّكُمْ لَمْ تَزَالُوا فِي صَلَاةٍ مَا انْتَظَرْتُمُوهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں حمید نے خبر دی، انہوں نے کہا: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگوٹھی بنوائی تھی، تو انہوں نے بتایا کہ ایک دن آپ نے عشاء کی نماز آدھی رات تک مؤخر کر دی، پھر آپ ہماری طرف اپنے چہرہ سے متوجہ ہوئے تو گویا کہ میں آپ کی انگوٹھی کی چمک کی طرف دیکھ رہا تھا، آپ نے فرمایا کہ لوگوں نے نماز پڑھی اور سو گئے اور تم نماز ہی میں ہو جب تک تم نماز کا انتظار کرتے رہو گے۔

(صحیح البخاری: ۵۷۲، ۶۰۰، ۶۶۱، ۸۴۷، ۵۸۶۹، صحیح مسلم: ۶۴۰، سنن نسائی: ۵۳۹، سنن ابن ماجہ: ۶۹۲، مسند احمد: ۱۲۶۵۶)

صحیح البخاری: ۵۸۶۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''انگوٹھی کا نگینہ'' اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ میں آپ کی انگوٹھی کی چمک کی طرف دیکھ رہا تھا، کیونکہ

چمک عموماً نگینہ سے ہوتی ہے، خواہ نگینہ چاندی کا ہو یا نہ ہو۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدان کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن عثمان المروزی کا لقب ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں یزید بن زریع کا ذکر ہے، اور زریع، زرع کی تصغیر ہے، جس کا معنی کھیت ہے۔ اور حمید کا ذکر ہے، وہ ابن ابی حمید الطویل ہیں۔

اس حدیث کی روایت میں بھی امام بخاری منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الی شطر اللیل" یعنی آدھی رات تک۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "الی وبیص خاتمہ" وبیص کے معنی ہیں: چمک۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۵۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۷۰۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ سَمِعْتُ حُمَيْدًا يُحَدِّثُ عَنْ أَنَسٍ ﷺ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ خَاتَمُهُ مِنْ فِضَّةٍ وَكَانَ فَصُّهُ مِنْهُ وَقَالَ يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ سَمِعَ أَنَسًا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے حُمید سے سنا، وہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ حدیث بیان کرتے تھے کہ نبی ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی چاندی ہی کا تھا۔ اور یحییٰ بن ایوب نے کہا: مجھ سے حمید نے حدیث بیان کی، انہوں نے حضرت انس سے سنا از نبی ﷺ۔

(صحیح بخاری: ۶۵، ۲۹۳۸، ۵۸۷۰، ۵۸۷۲، ۵۸۷۴، ۵۸۷۷، ۷۱۶۲، صحیح مسلم: ۲۰۹۲، سنن ترمذی: ۲۷۱۸، سنن نسائی: ۵۲۰۱، سنن ابوداؤد: ۴۲۱۴، مسند احمد: ۱۲۳۰۹)

صحیح البخاری: ۵۸۷۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تعارف

اس حدیث کی سند میں اسحاق کا ذکر ہے، بعض حواشی میں لکھا ہوا ہے کہ یہ اسحاق بن راہویہ ہیں۔ الغسانی نے کہا: میں نے نہیں دیکھا کسی راوی نے اس کی کسی کی طرف نسبت کی ہو اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں لکھا ہے از اسحاق بن ابراہیم از معتمر اور حافظ مزی نے کہا ہے کہ یہ اسحاق بن ابراہیم ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: مشائخ بخاری میں اسحاق بن ابراہیم بن یزید السامی ہیں، اور اسحاق بن ابراہیم بن نصر السعدی البخاری ہیں اور اسحاق بن ابراہیم بن عبدالرحمن البغوی ہیں، اور اسحاق بن ابراہیم الصواف المصری ہیں۔ اور المزی نے جو ذکر کیا ہے، وہ ہو سکتا ہے ان مشائخ میں سے کوئی ایک ہو۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''وکان فصه منه'' یعنی جو انگوٹھی چاندی کی تھی، اس کا نگینہ بھی چاندی ہی کا تھا۔

لوہے کی انگوٹھی اور چاندی کی انگوٹھی میں تعارض کے جوابات

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ معیقیب نے امام ابوداؤد اور امام نسائی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی لوہے کی تھی جس میں چاندی جڑی ہوئی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوہے کی انگوٹھی کی مذمت فرمائی ہے، تو اس حدیث کی ان احادیث کے ساتھ کیسے تطبیق ہوگی؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس کے چند جوابات ہیں:

(۱) اس سے کوئی مانع نہیں ہے کہ آپ کی ایک انگوٹھی چاندی کی ہو اور ایک انگوٹھی لوہے کی ہو جس میں چاندی ملی ہوئی ہو۔

(۲) ہوسکتا ہے کہ جس لوہے کی انگوٹھی میں چاندی ملی ہوئی تھی، وہ لوہے کی انگوٹھی پہننے کی ممانعت سے پہلے کی تھی۔

(۳) جب کہ لوہے کی انگوٹھی کے اوپر چاندی چڑھی ہوئی تھی تو اس انگوٹھی کے اوپر چاندی ہی دکھائی دیتی تھی، کیونکہ چاندی ظاہر تھی اور لوہا باطن تھا، تو یہ گمان کیا گیا کہ پوری انگوٹھی چاندی کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۵۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۹۔ بَابُ: خَاتَمِ الْحَدِيدِ لوہے کی انگوٹھی کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں لوہے کی انگوٹھی کا ذکر کیا جائے گا اور اس عنوان سے اور اس باب کی احادیث سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ لوہے کی انگوٹھی کا کیا حکم ہے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام بخاری کی طرف سے یہ عذر پیش کیا ہے کہ امام بخاری کو اپنی شرط کے مطابق لوہے کی انگوٹھی کے متعلق کوئی حدیث نہیں ملی، اس لیے انہوں نے کسی ایسی حدیث کا ذکر نہیں کیا جس سے اس کا حکم معلوم ہوتا۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۶۱، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جب معاملہ اس طرح تھا تو پھر اس باب میں حدیث لانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا سوائے اس کے کہ حدیث کی سند میں اختلاف اور متن کے بعض الفاظ میں اختلاف پر تنبیہ کی جائے۔

اور جو احادیث لوہے کی انگوٹھی کی ممانعت کے متعلق وارد ہیں، ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے از عبداللہ بن بریدہ از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے پیتل کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی تو آپ نے فرمایا: مجھے کیا ہوا کہ مجھے تم سے بتوں کی بو آرہی ہے، تو اس مرد نے وہ پیتل کی انگوٹھی

پھینک دی، وہ پھر دوبارہ آیا اور اس نے لوہے کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی، تو آپ نے فرمایا کہ مجھے کیا ہوا کہ مجھے تم سے اہل دوزخ کی بو آرہی ہے، سو اس نے اس انگوٹھی کو بھی پھینک دیا، پھر اس نے پوچھا: یارسول اللہ! میں کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ آپ نے فرمایا: تم چاندی کی انگوٹھی بناؤ اور اس کو ایک مثقال سے کم رکھنا۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوطیبہ ہے جن کا نام عبداللہ بن مسلم المروزی ہے، ابوحاتم رازی نے کہا: ان کی حدیث لکھی جاتی ہے اور اس سے استدلال نہیں کیا جاتا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: ان کی حدیث کو امام ابن حبان نے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے اور انہی احادیث میں سے امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کی ہے کہ انہوں نے سونے کی انگوٹھی پہنی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اس طرح دیکھا جیسے آپ اس کو ناپسند کر رہے ہوں، تو انہوں نے اس کو پھینک دیا۔ پھر انہوں نے لوہے کی انگوٹھی پہنی، تو آپ نے فرمایا: یہ تو اس سے زیادہ خبیث ہے، تو انہوں نے اس کو بھی پھینک دیا، پھر انہوں نے چاندی کی انگوٹھی پہنی تو آپ نے اس سے سکوت فرمایا۔ اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن المؤمل ہیں اور وہ ضعیف راوی ہیں۔

اور انہی احادیث میں سے وہ ہے جس کو امام احمد نے از عمار بن عمار روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپ نے فرمایا: اس کو پھینک دو، پھر اس نے لوہے کی انگوٹھی بنائی تو آپ نے فرمایا: یہ اس سے زیادہ بری ہے، پھر اس نے چاندی کی انگوٹھی بنائی تو آپ نے اس پر سکوت فرمایا۔

ہمارے شیخ نے کہا کہ عمار بن عمار کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت مرسلہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۵۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۷۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَمِعَ سَهْلًا يَقُولُ جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَتْ جِئْتُ أَهَبُ نَفْسِي فَقَامَتْ طَوِيلًا فَنَظَرَ وَصَوَّبَ فَلَمَّا طَالَ مُقَامُهَا فَقَالَ رَجُلٌ زَوِّجْنِيهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ قَالَ عِنْدَكَ شَيْءٌ تُصْدِقُهَا قَالَ لَا قَالَ انْظُرْ فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ وَاللهِ إِنْ وَجَدْتُ شَيْئًا قَالَ اذْهَبْ فَالْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ قَالَ لَا وَاللهِ وَلَا خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ وَعَلَيْهِ إِزَارٌ مَا عَلَيْهِ رِدَاءٌ فَقَالَ أُصْدِقُهَا إِزَارِي فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِزَارُكَ إِنْ لَبِسَتْهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ مِنْهُ شَيْءٌ وَإِنْ لَبِسْتَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا مِنْهُ شَيْءٌ فَتَنَحَّى الرَّجُلُ فَجَلَسَ فَرَآهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مُوَلِّيًا فَأَمَرَ بِهِ فَدُعِيَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن ابی حازم نے حدیث بیان کی از والد خود، انہوں نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کر رہے تھے کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، اس نے کہا: میں آپ کے پاس آئی ہوں اور میں اپنے آپ کو آپ کے لیے ہبہ کرتی ہوں، پس وہ کافی دیر تک کھڑی رہی، آپ نے اس کو دیکھا، پھر نظر نیچے کر لی، پھر جب اس عورت کو کھڑے ہوئے کافی دیر ہوگئی تو ایک مرد نے کہا: اس عورت کا مجھ سے نکاح کر دیجئے اگر آپ کو اس عورت کی ضرورت نہیں ہے تو؟ آپ نے پوچھا: تمہارے پاس اس کو مہر میں دینے کے لیے کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: جاؤ دیکھو تلاش کرو، سو وہ گیا پھر لوٹ آیا، پس اس نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے کوئی چیز نہیں ملی، آپ نے فرمایا: جاؤ تلاش کرو خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی

فَقَالَ مَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ سُورَةُ كَذَا وَكَذَا لِسُوَرٍ عَدَّدَهَا قَالَ قَدْ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ۔

ہو۔ سو وہ گیا پھر لوٹ آیا، اس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں ہے۔ اس مرد نے تہبند باندھا ہوا تھا اور اس کے بدن کے اوپری حصہ پر چادر نہیں تھی۔ اس نے کہا: میں اپنا یہ تہبند اس کو مہر میں دے سکتا ہوں۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: تمہارا یہ تہبند اگر اس عورت نے پہن لیا تو تمہارے بدن پر کوئی کپڑا نہیں ہوگا، اور اگر تم نے اس تہبند کو پہن لیا تو اس عورت کے اوپر کوئی چیز نہیں ہوگی۔ پھر وہ مرد ایک طرف مڑ کر بیٹھ گیا، پھر نبی ﷺ نے اس کو پیٹھ موڑ کر جاتے ہوئے دیکھا، آپ نے اس کو بلانے کا حکم دیا، سو اس کو بلایا گیا۔ آپ نے پوچھا: تمہیں کتنا قرآن یاد ہے؟ اس نے بتایا: فلاں سورۃ اور فلاں سورۃ، اور اس نے کئی سورتیں گنوائیں۔ آپ نے فرمایا: میں نے یہ عورت تمہاری ملکیت میں دے دی، کیونکہ تمہیں قرآن یاد ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۳۱۰، ۵۰۲۹، ۵۰۳۰، ۵۰۸۷، ۵۱۲۱، ۵۱۲۶، ۵۱۳۲، ۵۱۳۵، ۵۱۴۱، ۵۱۴۹، ۵۱۵۰، ۵۸۷۱، ۷۴۱۷، صحیح مسلم: ۱۴۲۵، سنن ترمذی: ۱۱۱۴، سنن نسائی: ۳۳۵۹، سنن ابوداؤد: ۲۱۱۱، سنن ابن ماجہ: ۱۸۸۹، مسند احمد: ۲۲۳۴۳، موطا امام مالک: ۱۱۱۸، سنن دارمی: ۲۲۰۱)

صحیح البخاری: ۵۸۷۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "لوہے کی انگوٹھی" اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مرد سے فرمایا: جاؤ! کچھ تلاش کر کے لاؤ خواہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدالعزیز بن ابی حازم کا ذکر ہے جو اپنے والد سلمہ بن دینار الاعرج واعظ سے روایت کرتے ہیں جو اہل مدینہ کے عبادت گزار اور زاہدوں میں سے تھے۔ اور وہ حضرت سہل بن سعد الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) نبی ﷺ کی خصوصیت ہے کہ کوئی عورت آپ کے لیے اپنے آپ کو ہبہ کر سکتی ہے۔

(۲) جو عورت آپ کو اپنا آپ ہبہ کر دے تو آپ کے لیے جائز ہے کہ آپ بغیر مہر کے اس کے ساتھ نکاح کر لیں، اور یہ بھی آپ کی

خصوصیت ہے۔
(۳) کسی عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی نیک مسلمان کے ساتھ نکاح کے لیے خود کو پیش کر دے۔
(۴) جس عورت نے اپنا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا ہو، اس کو نکاح کا پیغام دینا جائز ہے جیسے اس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ اس کے ساتھ میرا نکاح کر دیں۔
(۵) اگر کسی تنگ دست کو نکاح کی حاجت ہو تو وہ نکاح کر سکتا ہے، کیونکہ اس شخص نے کہا تھا: میرے پاس صرف ایک تہبند ہے۔
(٦) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ کچھ تلاش کرو خواہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہو، اس میں امام شافعی کے اس قول کی دلیل ہے کہ مہر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے اور جو چیز اجرت یا ثمن بن سکتی ہے وہ مہر بن سکتی ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ مہر کی کم از کم مقدار معین ہے اور وہ دس درہم ہے۔ (آج کل کے مطابق ایک درہم کی قیمت 255.43 روپے ہے۔ اور دس درہم کی قیمت 2554.3 روپے ہے اور یہ کم از کم شرعی مہر کی مقدار ہے۔ یہ مقدار ۲۸ شعبان ۱۴۳۳ھ کی ہے۔)
(۷) امام شافعی کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی ایک سورت کے عوض اس کا نکاح کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ تعلیم قرآن کو بھی مہر بنایا جا سکتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث میں باء عوض کی نہیں ہے بلکہ سببیت کی ہے، یعنی چونکہ تم کو قرآن مجید یاد ہے اور تم مسلمان ہو، اس لیے ہم نے تمہارا اس عورت کے ساتھ نکاح کر دیا۔ اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ نکاح کے جواز کی شرط صرف اسلام ہے اور مال، نسب اور حرفت میں کفو اور مساوات نکاح کے جواز کی شرط نہیں ہے۔

٥٠ـ بَابُ: نَقْشِ الْخَاتَمِ

انگوٹھی کے نقش کا بیان

۵۸۷۲ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَرَادَ أَنْ يَكْتُبَ إِلَى رَهْطٍ أَوْ أُنَاسٍ مِنَ الْأَعَاجِمِ فَقِيلَ لَهُ إِنَّهُمْ لَا يَقْبَلُونَ كِتَابًا إِلَّا عَلَيْهِ خَاتَمٌ فَاتَّخَذَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ نَقْشُهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ فَكَأَنِّي بِوَبِيصِ أَوْ بِبَصِيصِ الْخَاتَمِ فِي إِصْبَعِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَوْ فِي كَفِّهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالاعلیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ کسی قبیلہ کی طرف یا عجمیوں میں سے لوگوں کی طرف خط لکھیں، پس آپ کو بتایا گیا کہ وہ لوگ اس وقت تک کسی مکتوب کو قبول نہیں کرتے جب تک کہ اس کے اوپر مہر نہ لگی ہوئی ہو، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی ایک مہر بنوائی جس پر نقش تھا "محمد رسول اللہ"۔ پس گویا کہ میں چمک کی طرف دیکھ رہا تھا یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی میں جو انگوٹھی تھی اس کی چمک کی طرف دیکھ رہا تھا، یا آپ کی ہتھیلی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

(صحیح بخاری: ۶۵، ۲۹۳۸، ۵۸۷۰، ۵۸۷۲، ۵۸۷۴، ۵۸۷۷، ۷۱۶۲، صحیح مسلم: ۲۰۹۲، سنن ترمذی: ۲۷۱۸، سنن نسائی: ۵۲۰۱، سنن ابوداؤد: ۴۲۱۴، مسند احمد: ۱۲۳۰۹)

صحیح البخاری: ۵۸۷۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے''انگوٹھی کا نقش''اور اس حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس پر نقش تھا''محمد رسول اللہ''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد الاعلیٰ، وہ ابن حماد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن سعید، اور وہ ابن ابی عروبہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''او اناس''یعنی راوی کو شک ہے کہ آپ نے کسی قبیلہ کی طرف مکتوب لکھنے کا ارادہ کیا یا عجمی لوگوں کی طرف مکتوب لکھنے کا ارادہ کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''من الاعاجم''شعبہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے رومیوں کی طرف مکتوب لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''فقیل لہ''اور محمد بن سعد سے طاؤس کی روایت ہے کہ قریشی وہ لوگ تھے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ وہ لوگ بغیر مہر کے مکتوب کو قبول نہیں کرتے یا مکتوب کو نہیں پڑھتے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''اوفی کفہ''یعنی راوی کو شک تھا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ انگوٹھی کی چمک کو دیکھ رہے تھے یا آپ کے ہاتھ کی چمک کو دیکھ رہے تھے۔

محدثین نے کہا ہے کہ آپ نے انگوٹھی اس لیے بنوائی تھی کہ جب آپ لوگوں کو مکاتیب لکھیں تو آخر میں انگوٹھی سے مہر لگا دیں تا کہ آپ کے اثرات محفوظ رہیں اور منتشر نہ ہوں اور تدبیر کی سیاست قائم رہے۔ اور حدیث میں ہے کہ انگوٹھی پر اللہ کے ذکر کو لکھوانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور ابن سیرین نے اس کو مکروہ کہا ہے۔ اور اس باب کی حدیث ابن سیرین کے خلاف حجت ہے۔ اور ابن المسیب نے اجازت دی ہے کہ ہاتھ میں انگوٹھی پہنے اور اس ہاتھ سے استنجاء کرے۔

جس ہاتھ میں انگوٹھی پہنی ہوئی ہو، اس ہاتھ سے استنجا کرنے کا حکم

امام مالک سے پوچھا گیا کہ اگر انگوٹھی میں اللہ کا ذکر ہو اور وہ اس کو الٹے ہاتھ میں پہنے تو کیا وہ الٹے ہاتھ سے استنجا کر سکتا ہے؟ امام مالک نے کہا کہ مجھے توقع ہے کہ یہ معمولی بات ہے۔ یہ ابن قاسم کی روایت ہے اور ابن حبیب نے از مطرف وابن الماجشون روایت کی ہے کہ یہ جائز نہیں ہے اور اس کو چاہیے کہ وہ استنجا کرنے سے پہلے انگوٹھی اتار لے یا وہ انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنے۔ اور یہی روایت ابن نافع اور اکثر اصحابِ مالک کا قول ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میرا بھی یہی قول ہے بلکہ ادب یہ ہے کہ جب اس کے ہاتھ میں وہ انگوٹھی ہو جس میں اللہ کا ذکر ہو تو وہ استنجاء نہ کرے یعنی انگوٹھی اتار کر استنجا کرے۔

انگوٹھی میں تصویر بنانے کے جواز کے آثار اوران کا ضعف

امام مالک نے کہا: اس میں کوئی خیر نہیں ہے کہ انگوٹھے کے نگینہ میں کوئی مثال یا صورت بنی ہوئی ہو (یعنی تصویر)۔ امام عبدالرزاق نے اس سلسلہ میں چند آثار ذکر کیے ہیں کہ انگوٹھیوں میں کوئی صورت بنانا جائز ہے لیکن وہ آثار صحیح نہیں ہیں۔

(۱) ان آثار میں سے یہ اثر ہے جس کو معمر نے از محمد بن عبداللہ بن عقیل روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک انگوٹھی نکالی جس میں شیر کی صورت تھی اور انہوں نے یہ زعم کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس انگوٹھی کو پہنتے تھے۔

(۲) معمر نے از جعفی روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی کا نقش یا تو درخت تھا یا کوئی اور چیز تھی دو مکھیوں کے درمیان۔ یہ ابن عقیل کی روایت ہے اور امام مالک نے اس کو ترک کر دیا ہے اور اس کی سند میں الجعفی ہے اور وہ متروک ہے۔

(۳) از معمر از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ اور از حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی انگوٹھی کا نقش پر سارس (ایک قسم کا آبی پرندہ) بنا ہوا تھا جس کے دوسر تھے۔

پس یہ اثر اگر چہ صحیح ہے لیکن اس میں کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ لوگوں نے اس پر عمل کرنے کو ترک کر دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صورت بنانے سے منع فرمایا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی انگوٹھیوں کے نقوش

التوضیح میں مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چار انگوٹھیاں تھیں جن کو آپ پہنتے تھے۔ ایک انگوٹھی آپ کے قلب کے لیے تھی، اس پر نقش تھا "لا الٰہ الا اللہ الملك الحق المبین"۔ دوسری انگوٹھی فیروزہ کی تھی اور وہ مدد کے لیے تھی، اس پر نقش تھا "اللہ الملك"۔ اور تیسری انگوٹھی لوہے کی تھی، وہ قوت کے لیے تھی اس پر نقش تھا "العزۃ للہ جمیعا" چوتھی انگوٹھی عقیق کی تھی، وہ حفاظت کی تھی، اس پر نقش تھا "ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ"۔

علامہ ابن ملقن نے کہا ہے: اس اثر کے راوی مامون ہیں سوائے ابوجعفر محمد بن احمد بن سعید الرازی کے، تو میں اس کی عدالت کو نہیں پہنچانتا گویا کہ وہ اس اثر کو وضع کرنے والا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۵۲۔ ۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۷۳۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ اتَّخَذَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم خَاتَمًا مِنْ وَرِقٍ وَكَانَ فِي يَدِهِ ثُمَّ كَانَ بَعْدُ فِي يَدِ أَبِي بَكْرٍ ثُمَّ كَانَ بَعْدُ فِي يَدِ عُمَرَ ثُمَّ كَانَ بَعْدُ فِي يَدِ عُثْمَانَ حَتَّى وَقَعَ بَعْدُ فِي بِئْرِ أَرِيسَ نَقْشُهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن نمیر نے خبر دی از عبید اللہ از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور وہ آپ کے ہاتھ میں تھی، پھر بعد میں وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی، پھر بعد میں وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی، پھر بعد میں وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی حتیٰ کہ کچھ عرصہ بعد (چھ سال) وہ انگوٹھی اریس کے کنویں میں گر گئی، اس پر نقش تھا "محمد رسول اللہ"۔

(صحیح البخاری: ۵۸۶۶، ۵۸۶۷، ۵۸۷۳، ۵۸۷۶، ۵۸۷۷، ۶۶۵۱، ۷۲۹۸، صحیح مسلم: ۲۰۹۱، سنن ترمذی: ۱۷۴۱، سنن نسائی: ۵۲۹۳، مسند احمد: ۴۶۶۳،

موطا امام مالک: ۱۷۴۳)

صحیح البخاری: ۵۸۷۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے آخر میں ہے، کیونکہ حدیث کے آخر میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کے اوپر نقش تھا "محمد رسول اللہ"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن نمیر، یہ نمر کی تصغیر ہے اور نمر حیوانِ مشہور ہے یعنی چیتا۔

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبیداللہ، یہ ابن عمر العمری ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۵۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۱۔ بَابُ: اَلْخَاتَمِ فِي الْخِنْصَرِ چھنگلی میں انگوٹھی پہننے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اس بیان میں ہے کہ انگوٹھی پہنتے وقت انگوٹھی پہننے کی جگہ چھنگلی ہے نہ کہ انگشتِ شہادت اور نہ درمیان انگلی۔ امام مسلم اور امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے از ابی بردہ بن ابی موسیٰ از حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا کہ میں اس میں اور اس میں انگوٹھی پہنوں یعنی انگشتِ شہادت میں اور درمیانی انگلی میں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۵۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۷۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ صَنَعَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم خَاتَمًا قَالَ إِنَّا اتَّخَذْنَا خَاتَمًا وَنَقَشْنَا فِيهِ نَقْشًا فَلَا يَنْقُشَنَّ عَلَيْهِ أَحَدٌ قَالَ فَإِنِّي لَأَرَى بَرِيقَهُ فِي خِنْصَرِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو معمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن صہیب نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنائی اور آپ نے فرمایا: ہم نے انگوٹھی بنائی ہے اور ہم نے اس میں ایک نقش بنایا ہے (یعنی محمد رسول اللہ)۔ لہٰذا کوئی انگوٹھی پر وہ نقش نہ بنائے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: گویا کہ میں آپ کی چھنگلی میں اس انگوٹھی کی چمک دیکھ رہا تھا۔

(صحیح بخاری: ۶۵، ۲۹۳۸، ۵۸۷۰، ۵۸۷۲، ۵۸۷۴، ۵۸۷۷، ۷۱۶۲، صحیح مسلم: ۲۰۹۲، سنن ترمذی: ۲۷۱۸، سنن نسائی: ۵۲۰۱، سنن ابوداؤد: ۴۲۱۴، مسند احمد: ۱۲۳۰۹)

صحیح البخاری: ۵۸۷۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابومعمر، ان کا نام عبداللہ ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں عبدالوارث کا ذکر ہے، ان کا نام ابن سعید ہے جو اس حدیث کے راوی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اب اس انگوٹھی پر یہ نقش کوئی اور نہ بنوائے''۔ اس ممانعت کا سبب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگوٹھی پر یہ نقش بنوایا تھا تا کہ آپ جو بادشاہوں کی طرف مکاتیب لکھ کر بھیجیں تو اس کے آخر میں اس نقش کی مہر لگا دیں، اگر کوئی دوسرا شخص بھی یہ نقش بنالیتا اور وہ بھی اپنے مکتوب کے آخر میں اس نقش سے مہر لگاتا تو خلل ہوتا اور مقصود باطل ہو جاتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی خنصرہ'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے چھوٹی انگلی میں وہ انگوٹھی پہنتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک طرف پر واقع ہے تو اس انگلی میں کوئی ایسی چیز نہ لگے جو اس انگوٹھی کے ادب کے خلاف ہے۔ رہا یہ کہ وہ دائیں ہاتھ کی چھنگلی تھی یا بائیں ہاتھ کی چھنگلی تھی، اس پر کلام عنقریب آئے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۵۳۔۵۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۲۔ بَابُ: اِتِّخَاذِ الْخَاتَمِ لِيُخْتَمَ بِهِ الشَّيْءُ أَوْ لِيُكْتَبَ بِهِ إِلَى أَهْلِ الْكِتَابِ وَغَيْرِهِمْ

انگوٹھی کو اس لیے بنوانا تا کہ اس سے کسی چیز پر مہر لگائی جائے، یا اہل کتاب کی اور دوسرے بادشاہوں کی طرف جو مکاتیب لکھے جائیں تو اس انگوٹھی سے اس پر مہر لگائی جائے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ایسی احادیث بیان کی جائیں گی جن سے یہ معلوم ہو کہ جب کسی چیز کو ختم کر کے اس پر مہر لگانی ہو تو انگوٹھی سے مہر لگائی جائے یا اہل کتاب اور دیگر بادشاہوں کی طرف جو خطوط لکھے جائیں تو اس انگوٹھی سے ان پر مہر لگائی جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۵۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۷۵۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ لَمَّا أَرَادَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ يَكْتُبَ إِلَى الرُّومِ قِيلَ لَهُ إِنَّهُمْ لَنْ يَقْرَءُوا كِتَابَكَ إِذَا لَمْ يَكُنْ مَخْتُومًا فَاتَّخَذَ خَاتَمًا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ رومیوں کی طرف

مِنْ فِضَّةٍ وَنَقْشُهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ فَكَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِهِ فِي يَدِهِ۔

مکتوب لکھیں تو آپ کو بتایا گیا کہ وہ لوگ آپ کے مکتوب کو ہرگز نہیں پڑھیں گے جب تک کہ اس مکتوب پر مہر لگی ہوئی نہ ہو، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوالی اور اس پر نقش تھا "محمد رسول اللہ" پس گویا کہ میں آپ کے ہاتھ میں اس انگوٹھی کی سفیدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

(صحیح بخاری: ۶۵، ۲۹۳۸، ۵۸۷۰، ۵۸۷۲، ۵۸۷۴، ۵۸۷۷، ۷۱۶۲، صحیح مسلم: ۲۰۹۲، سنن ترمذی: ۲۷۱۸، سنن نسائی: ۵۲۰۱، سنن ابوداؤد: ۴۲۱۴، مسند احمد: ۱۲۳۰۹)

صحیح البخاری: ۵۸۷۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

غیر حاکم کے لیے انگوٹھی بنانے کا بیان

ابو حصین اور ابو عامر اور ایک روایت کے مطابق امام محمد نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ غیر حاکم کے لیے انگوٹھی بنانا اور اس کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے اور نیز انہوں نے ابو ریحانہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس کی امام طحاوی اور امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کی ہے، اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا سوا سلطان کے۔ اور دوسرے فقہاء نے غیر سلطان کے لیے بھی انگوٹھی بنوانے اور اس کے استعمال کرنے کو مباح قرار دیا ہے۔ ان کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس سے پہلی حدیث ہے، کیونکہ اس حدیث میں دوسروں کے لیے انگوٹھی بنوانے کی ممانعت نہیں ہے اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی انگوٹھی پھینکی تو صحابہ نے بھی اپنی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں، اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں وہ بھی انگوٹھی پہنتا تھا جو سلطان نہ ہو۔

امام طحاوی نے کہا ہے کہ کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ اس حدیث سے کیسے استدلال کیا جائے گا حالانکہ یہ حدیث منسوخ ہو چکی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سونے کی انگوٹھی پہننا منسوخ ہوا ہے۔

پھر امام طحاوی نے روایت کی ہے کہ بے شک حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما دونوں اپنے الٹے ہاتھوں میں یا بائیں ہاتھوں میں انگوٹھیاں پہنتے تھے اور ان کی انگوٹھیوں میں اللہ سبحانہٗ کا ذکر نقش ہوتا تھا۔ اور حضرت عمران بن حصین کی انگوٹھی کو ایک مرد نے اپنی تلوار کی میان میں ڈالا ہوا تھا۔ اور قیس بن ابی حازم اور عبداللہ بن ابی الاسود اور قیس بن صمامہ اور شعبی نے اپنے بائیں ہاتھوں میں انگوٹھیاں پہنی ہوئی تھیں اور ابراہیم نخعی کی انگوٹھی کا نقش تھا "نحن باللہ ولہ" امام طحاوی نے کہا: پس یہ صحابہ اور تابعین انگوٹھیاں پہنتے تھے اور ان میں کوئی بھی سلطان نہیں تھا۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ امام طحاوی نے ابو ریحانہ کی حدیث کا جواب نہیں دیا، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر سلطان کے لیے انگوٹھی بنوانے سے منع فرمایا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: امام طحاوی کا اس حدیث سے سکوت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس حدیث میں ممانعت تحریم کے لیے نہیں ہے بلکہ اولویت کے لیے ہے یعنی سلطان کے غیر کا انگوٹھی بنوانا اور اسے استعمال کرنا خلاف اولیٰ ہے، کیونکہ انگوٹھی کا پہننا ایک قسم کی زینت ہے اور مردوں کے لائق زینت کو ترک کرنا ہے اور ابوریحانہ کا نام شمعون بن زید از دی ہے، وہ انصار کے حلیف تھے، اور کہا جاتا تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۵۴۔ ۵۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

جو امور کفار کی بدعقیدگی پر مبنی نہ ہوں ان میں کفار کی مشابہت ممنوع نہیں ہے

میں کہتا ہوں: ایک حدیث میں ہے کہ جو کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرے اس کا شمار بھی اسی قوم سے ہوتا ہے (سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۲۰۳، مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)، یہ حدیث اپنے عموم پر نہیں ہے بلکہ اس کا محمل یہ ہے کہ جو وصف کسی قوم کی بدعقیدگی پر مبنی ہو اس میں اگر مشابہت کی جائے تو اس کا شمار بھی اسی بدعقیدہ قوم سے ہوگا مثلاً گلے میں رسی کا پھندا بنا کر ڈالنا یہ عیسائیوں کی اس بدعقیدگی پر مبنی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھایا گیا تھا اور اس کے علاوہ اور کسی چیز میں کفار کی مشابہت اس کو واجب نہیں کرتی کہ اس کا شمار بھی ان کفار میں سے ہوگا مثلاً کفار بھی کھاتے پیتے ہیں، ہم بھی کھاتے پیتے ہیں، کفار بھی کپڑے پہنتے ہیں ہم بھی کپڑے پہنتے ہیں۔ کفار بھی سانس لیتے ہیں ہم بھی سانس لیتے ہیں، سو مطلقاً مشابہت ممنوع نہیں ہے۔ نیز اس باب کی حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب اپنے مکتوب کے آخر میں مہر لگاتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ بتایا گیا تو آپ نے بھی مہر بنوالی، اسی طرح حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایرانیوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب شہر پر حملہ کا خطرہ ہو تو وہ اس کے گرد خندق کھود لیتے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا، سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کی مشابہت اختیار فرمائی اور ایرانی جو اس زمانہ میں آتش پرست تھے، ان کی مشابہت اختیار فرمائی۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً کفار کی مشابہت اختیار کرنا ممنوع نہیں ہے، بلکہ جو امور ان کی بدعقیدگی پر مبنی نہ ہوں، ان میں ان کی مشابہت کرنا جائز ہے۔

۵۳۔ بَابٌ: مَنْ جَعَلَ فَصَّ الْخَاتَمِ فِي بَطْنِ كَفِّهِ

جس نے انگوٹھی کا نگینہ ہتھیلی کے باطن کی طرف رکھا، اس کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ انگوٹھی پہنتے وقت اس کا نگینہ ہتھیلی کے باطن کی طرف رکھنے کا کیا حکم ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: انگوٹھی کا نگینہ ہتھیلی کے باطن کی طرف رکھنے یا ہتھیلی کے ظاہر کی طرف رکھنے کے متعلق نہ کوئی حکم ہے اور نہ ممانعت ہے اور ان میں سے ہر طرح مباح ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب انگوٹھی کا نگینہ ہتھیلی کے باطن کی طرف رکھا جائے گا تو وہ زینت اختیار کرنے کی بدگمانی سے زیادہ بعید ہوگا، اور زینت اختیار کرنا مردوں کے لائق نہیں ہے۔

اور امام ابوداؤد نے از ابن اسحاق روایت کی ہے کہ میں نے الصلت بن عبداللہ بن عبدالمطلب کی دائیں چھنگلی میں انگوٹھی دیکھی تو میں نے کہا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ اس طرح انگوٹھی پہنتے تھے اور انہوں

نے اس کا نگینہ ہتھیلی کی پشت کی طرف کیا ہوا تھا اور انہوں نے کہا: میرا یہی گمان ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح انگوٹھی پہنتے ہوئے دیکھا ہے۔ امام ترمذی نے کہا کہ امام بخاری نے کہا ہے: ابن اسحاق کی از الصلت حدیث حسن ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۷۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم اصْطَنَعَ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ وَجَعَلَ فَصَّهُ فِي بَطْنِ كَفِّهِ إِذَا لَبِسَهُ فَاصْطَنَعَ النَّاسُ خَوَاتِيمَ مِنْ ذَهَبٍ فَرَقِيَ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ فَقَالَ إِنِّي كُنْتُ اصْطَنَعْتُهُ وَإِنِّي لَا أَلْبَسُهُ فَنَبَذَهُ فَنَبَذَ النَّاسُ قَالَ جُوَيْرِيَةُ وَلَا أَحْسِبُهُ إِلَّا قَالَ فِي يَدِهِ الْيُمْنَى۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جویریہ نے حدیث بیان کی از نافع، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ نے ان کو حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوائی اور آپ اس کا نگینہ اس کو پہنتے وقت ہتھیلی کے باطن کی طرف رکھتے، سو لوگوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے، آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی، پھر فرمایا: میں نے یہ انگوٹھی بنوائی تھی اور بے شک اب میں اس کو نہیں پہنوں گا، پھر آپ نے اس انگوٹھی کو پھینک دیا تو لوگوں نے بھی اپنی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں، جویریہ نے کہا: میں نہیں گمان کرتی مگر یہ کہ نافع نے کہا تھا وہ انگوٹھی آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی۔

(صحیح البخاری: ۵۸۶۶، ۵۸۶۷، ۵۸۷۳، ۵۸۷۶، ۶۶۵۱، ۷۲۹۸، صحیح مسلم: ۲۰۹۱، سنن ترمذی: ۱۷۴۱، سنن نسائی: ۵۲۹۳، مسند احمد: ۴۶۶۳، موطا امام مالک: ۱۷۴۳)

صحیح البخاری: ۵۸۷۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''جس نے انگوٹھی کا نگینہ ہتھیلی کے باطن کی طرف رکھا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگوٹھی کے نگینہ کو ہتھیلی کے باطن کی طرف رکھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں جویریہ کا ذکر ہے، یہ جاریہ کی تصغیر ہے اور ان کا نام ہے ابن اسماء۔ اور یہ دونوں مذکر اور مؤنث میں مشترک ہیں۔

دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کے متعلق احادیث

(۱) امام ترمذی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں

ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔
(۲) امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن جعفر سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے، اس حدیث کی روایت امام ابوداؤد اور امام ابوالشیخ اور امام طبرانی نے بھی کی ہے۔
(۳) امام ابوداؤد اور امام نسائی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔
(۴) امام ابوداؤد، امام بزار اور ابوالشیخ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔
(۵) امام نسائی اور امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔
(۶) امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں اور امام ابوالشیخ نے کتاب الاخلاق میں حضرت ابوامامہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔
(۷) امام الدارقطنی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف اٹھالیا۔

بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کے متعلق احادیث

(۱) امام ابوالشیخ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔
(۲) امام ابوداؤد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اور اس کا نگینہ ہتھیلی کے باطن کی طرف رکھتے تھے۔ اور یہ حدیث اس باب کی حدیث کے خلاف ہے۔
(۳) امام ترمذی جعفر بن محمد از والد خود روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما دونوں بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اور انہوں نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ اور اس حدیث کی بعض سندوں سے یہ روایت ہے کہ حضرت حسن اور حسین نے اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچایا اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی طرف پہنچایا۔ اس حدیث کی امام ابوالشیخ نے کتاب اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں روایت کی ہے۔ اور امام بیہقی نے اس کی کتاب الادب میں روایت کی ہے۔
(۴) امام بیہقی نے از سلیمان بن بلال از جعفر بن محمد از والد خود روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت علی اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

انگوٹھی پہننے کے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایات

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں، آیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے یا بائیں ہاتھ میں؟ ثابت البنانی، ثمامہ بن عبداللہ، حمید الطویل، شریک بن بیان نے شک کے ساتھ روایت کی اور عبدالعزیز بن صہیب، قتادہ، محمد بن مسلم الزہری۔ پس رہے ثمامہ اور حمید اور شریک بن بیان اور عبدالعزیز بن صہیب تو ان کی روایات میں دائیں ہاتھ یا بائیں ہاتھ سے تعارض نہیں ہے۔ اور رہی روایت ثابت کی اور قتادہ کی اور زہری کی تو اس میں اس سے تعرض ہے۔ رہی روایت ثابت کی تو اس کی امام مسلم نے از حماد بن سلمہ الثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی اس ہاتھ میں تھی اور اشارہ کیا

بائیں ہاتھ کی چھنگلی کی طرف۔ اور رہی روایت قتادہ کی تو اس میں بھی اختلاف ہے۔ پس سعید بن ابی عروبہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ اور شعبہ نے اور عمرو بن عامر نے از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ آپ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ اور رہی روایت الزہری کی تو اس کو طلحہ نے اور یحییٰ الزرقی اور سلیمان بن بلال نے از یونس از الزہری از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی اپنے دائیں ہاتھ میں پہنی۔ اور اس کو ابن وہب نے اور معتمر بن سلیمان نے از یونس از الزہری از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے اور اس میں یہ تعرض نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنی تھی یا بائیں ہاتھ میں پہنی تھی۔

دائیں یا بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کے متعلق مذاہب فقہاء

اور امام ابن ابی حاتم نے کہا کہ میں نے ابوزراعہ سے اس حدیث کے اختلاف کے متعلق پوچھا: تو انہوں نے کہا: نہ یہ ثابت ہے نہ وہ ثابت ہے لیکن دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کے متعلق زیادہ روایات ہیں اور فقہاء شافعیہ نے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کی روایات کو ترجیح دی ہے اور وہی ان کے نزدیک مشہور ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: ہمارے شیخ نے شرح الترمذی میں کہا ہے کہ احادیث میں مذکور ہے کہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا مستحب ہے اور اصحابِ شافعیہ کے نزدیک یہی زیادہ صحیح ہے کہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے سے افضل ہے۔

اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا مستحب ہے اور انہوں نے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کو مکروہ کہا ہے اور انہوں نے کہا کہ انسان دائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور پیتا ہے اور عمل کرتا ہے، پس وہ کیسے ارادہ کرے گا کہ بائیں ہاتھ سے پکڑے اور پھر عمل کرے، ان سے کہا گیا: کیا وہ انگوٹھی کسی حاجت کے لیے دائیں ہاتھ میں کر لے؟ تو انہوں نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں۔

رہا فقہاء احناف کا مذہب تو الاجناس میں مذکور ہے کہ مناسب یہ ہے کہ انگوٹھی بائیں ہاتھ کی چھنگلی میں پہنے اور دائیں ہاتھ میں نہ پہنے اور نہ چھنگلی کے علاوہ کسی اور انگلی میں پہنے۔ اور الفقیہ ابواللیث نے شرح الجامع الصغیر میں دایاں ہاتھ اور بایاں ہاتھ دونوں کو برابر قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہی حق ہے کیونکہ روایات مختلف ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ احادیث صحیحہ تو دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کے متعلق وارد ہیں لیکن مذہب بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کے متعلق ہو گیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس پر یہ دلیل ہے کہ علامہ البغوی نے شرح السنہ میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی پھر بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی اور یہی آخر الامرین ہے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا: جو چیز ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ معاملہ قصد کے اختلاف سے مختلف ہے، پس اگر پہننے والے کا قصد زینت کا ہو تو دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا افضل ہے اور اگر صرف انگوٹھی پہننا مقصد ہو تو پھر بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا افضل ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۵، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس قائل نے جس چیز کو ظاہر کیا ہے اس کا مخفی رکھنا اس کے ظہور سے زیادہ اولیٰ تھا اور اس نے یہ تفصیل کہاں سے حاصل کی حالانکہ زینت کے لیے انگوٹھی پہننا مکروہ ہے، مردوں کے لائق نہیں ہے بلکہ اس کو ترک کرنا مطلقاً اولیٰ ہے۔

انگوٹھیوں سے متعلق دیگر مسائل اور احادیث

اگر تم یہ سوال کرو کہ جس کسی شخص نے چھنگلی کے علاوہ کسی انگلی میں انگوٹھی پہنی تو اس کا کیا حکم ہے؟۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ بہت شدید مکروہ ہے اور اس میں سنت کی مخالفت ہے۔

صاحب الکافی جو فقہاءِ شافعیہ میں سے ہیں، انہوں نے کہا ہے کہ چھنگلی کے علاوہ دوسری انگلی میں انگوٹھی پہننے کے جواز کے متعلق دو صورتیں ہیں۔ اور علامہ رافعی نے ذکر کیا ہے کہ عورت کبھی چھنگلی کے علاوہ دوسری انگلی میں انگوٹھی پہنتی ہے۔

اگر تم سوال کرو کہ اگر چاندی کی انگوٹھی کے علاوہ کسی دوسری دھات کی انگوٹھی پہنی ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو میں کہوں گا کہ سونے کی انگوٹھی تو مردوں پر حرام ہے، رہی لوہے کی یا سیسہ کی یا پیتل کی انگوٹھی تو وہ بھی مطلقاً حرام ہے۔ رہا عقیق تو اس کی انگوٹھی پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور ہمارے اصحاب نے عقیق کے متعلق ایک اثر کی روایت کی ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عقیق کی انگوٹھی پہنتے تھے اور آپ نے فرمایا: اس کی انگوٹھی پہنو کیونکہ یہ مبارک ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس میں اعتراض ہے لیکن ابن منجویہ نے از ابراہیم روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے زرد یاقوت کی انگوٹھی پہنی وہ کبھی محتاج نہیں ہوگا اور جس نے زمرد کی انگوٹھی پہنی تو وہ فقر کو دور کرے گا اور جس نے عقیق کی انگوٹھی پہنی تو اس کے لیے وہی فیصلہ کیا جائے گا جو مبارک ہے، کیونکہ عقیق مبارک ہے اور عقیق کی انگوٹھی پہن کے نماز پڑھنا اسی نمازوں کے برابر ہے۔

علامہ ابن ملقن صاحب التوضیح نے کہا ہے: اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عقیق کی انگوٹھی پہنی اور اس پر نقش کیا ''وما توفیقی الا باللہ'' تو اللہ تعالیٰ اس کو ہر خیر کی توفیق دے گا۔ اور جو فرشتے اس کی طرف مقرر ہیں وہ اس سے محبت کریں گے۔ امام ابن جوزی نے اس حدیث کو الموضوعات میں ذکر کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۵۵۔ ۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يَنْقُشُ عَلَى نَقْشِ خَاتَمِهِ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ کوئی شخص اپنی انگوٹھی پر آپ کی انگوٹھی کا نقش نہ بنوائے

۵۸۷۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ وَنَقَشَ فِيهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ وَقَالَ إِنِّي اتَّخَذْتُ خَاتَمًا مِنْ وَرِقٍ وَنَقَشْتُ فِيهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ فَلَا يَنْقُشَنَّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از عبد العزیز بن صہیب از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی اور اس میں نقش کرایا ''محمد رسول اللہ'' اور آپ نے فرمایا: میں نے

أَحَدٌ عَلَى نَقْشِهِ۔ چاندی کی انگوٹھی بنوائی ہے اور اس میں نقش کرایا ہے "محمد رسول اللہ" سو اب کوئی شخص اپنی انگوٹھی پر یہ نقش نہ کرائے۔

(صحیح بخاری: ۶۵، ۲۹۳۸، ۵۸۷۰، ۵۸۷۲، ۵۸۷۴، ۵۸۷۷، ۷۱۶۲، صحیح مسلم: ۲۰۹۲، سنن ترمذی: ۲۷۱۸، سنن نسائی: ۵۲۰۱، سنن ابوداؤد: ۴۲۱۴، مسند احمد: ۱۲۳۰۹)

صحیح البخاری: ۵۸۷۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد کہ کوئی شخص اپنی انگوٹھی میں آپ کی انگوٹھی کا نقش نہ کرائے" اور یہ جملہ اس حدیث کے آخر میں ہے، آپ نے فرمایا: میں نے ایک چاندی کی انگوٹھی بنوائی ہے اور اس میں نقش کرایا ہے "محمد رسول اللہ" سو کوئی شخص اپنی انگوٹھی میں یہ نقش نہ کرائے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حماد کا ذکر ہے اور وہ حماد بن زید ہیں۔

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب اللباس میں از یحییٰ بن یحییٰ روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی کے نقش کے متعلق دیگر روایات

مشہور تو یہی ہے کہ آپ کی انگوٹھی کا نقش تھا "محمد رسول اللہ"۔ لیکن علامہ ابن التین نے الشیخ ابی محمد سے نقل کیا ہے کہ آپ کی انگوٹھی کا نقش یہ تھا "لا الٰہ الا اللہ"۔ اور ابن سیرین نے کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی کا نقش تھا "بسم اللہ محمد رسول اللہ"۔ اور ابوشیخ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی کے نگینہ میں یہ لکھا ہوا تھا "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ"۔ لا الٰہ الا اللہ ایک سطر تھی اور محمد دوسری سطر اور رسول اللہ تیسری سطر تھی، اس حدیث کی سند عمدہ ہے لیکن یہ شاذ ہے، کیونکہ یہ احادیث صحیحہ کے اس اضافہ میں مخالف ہے۔ اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ انگوٹھی کے اوپر قرآن مجید کی آیت کا ایک حصہ لکھنا جائز ہے اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ پوری آیت کا انگوٹھی پر لکھنا مکروہ ہے، اس کو امام ابن ابی شیبہ نے عطاء اور شعبی اور ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی کا نقش آپ کی حیاتِ مبارکہ میں آپ کے ساتھ مخصوص تھا یا بعد میں بھی وہ مخصوص رہا؟

اگر تم یہ سوال کرو کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنی انگوٹھی کے اوپر وہ نقش نہ کرائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی پر نقش تھا، یہ آپ کی حیاتِ مبارکہ کے ساتھ مخصوص ہے یا آپ کی حیات کے بعد بھی یہی حکم ہے؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ آپ کی حیات کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ خلفاء نے

آپ کے بعد انگوٹھی پہنی، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس انگوٹھی میں تجدید کی، جب وہ انگوٹھی اریس کے کنویں میں گر گئی تو انہوں نے اس انگوٹھی میں تجدید کی اور اس پر یہی نقش بنوایا۔

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ آپ نے جو انگوٹھی پر نقش کرایا تھا اس کے متعلق آپ پر وحی نازل ہوئی تھی یا آپ نے اپنی رائے سے یہ نقش کرایا تھا؟ میں کہتا ہوں کہ امام ابن عدی نے الکامل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ عجمیوں کی طرف مکتوب لکھیں۔ پھر پوری حدیث ذکر کی، اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنانے کا حکم دیا اور اس کو اپنی انگلی میں رکھا، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کو برقرار رکھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ حکم پہنچایا کہ آپ اس پر ''محمد رسول اللہ'' لکھوائیں۔

اور امام الدارقطنی نے اپنی کتاب الافراد میں از حضرت سلمہ بن وہرام از عکرمہ از یعلیٰ بن امیہ روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی بنوائی اور اس میں میرا کوئی شریک نہیں تھا اور اس میں نقش کرایا ''محمد رسول اللہ''۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: اس سے یہ معلوم ہوا کہ کس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی بنوائی تھی اور اس میں نقش کرایا تھا۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۶۵، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس حدیث سے یہ تو معلوم ہوا کہ انگوٹھی یعلیٰ بن امیہ نے بنوائی تھی لیکن اس میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس میں ''محمد رسول اللہ'' نقش بھی انہوں نے کرایا تھا، کیونکہ اگر وہ نقش کراتے تو وہ یوں بیان کرتے کہ میں نے وہ نقش کرایا، لہٰذا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ نقش کرانے والے یعلیٰ بن امیہ تھے۔

امام طبری نے یہ روایت کی ہے کہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی کا نگینہ آسمانی تھا جو ان کی طرف بھیجا گیا، انہوں نے اس کو لیا اور اپنی انگوٹھی میں رکھ لیا اور اس پر نقش تھا ''انا اللہ لا الٰہ الا انا محمد عبدی و رسولی (میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے محمد میرے بندے اور رسول ہیں)''۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۔ بَابٌ: هَلْ يُجْعَلُ نَقْشُ الْخَاتَمِ ثَلَاثَةَ أَسْطُرٍ؟ — کیا انگوٹھی کا نقش تین سطروں میں بنایا جائے؟

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے عنوان میں یہ بیان نہیں کیا کہ آیا تین سطروں میں انگوٹھی میں نقش لکھوانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کے حکم کو اس باب کی احادیث کی طرف مفوض کر دیا کیونکہ ان سے اس کا حکم سمجھ میں آتا ہے۔ اور انگوٹھے کے نقش کا تین سطروں میں ہونا یا دو سطروں میں ہونا ایک سطر میں ہونے سے افضل نہیں ہے اور ان میں سے ہر صورت مباح ہے۔

۵۸۷۸۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن

قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ ثُمَامَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ ﷺ لَمَّا اسْتُخْلِفَ كَتَبَ لَهُ وَكَانَ نَقْشُ الْخَاتَمِ ثَلَاثَةَ أَسْطُرٍ مُحَمَّدٌ سَطْرٌ وَرَسُولُ سَطْرٌ وَاللَّهِ سَطْرٌ۔

عبداللہ الانصاری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از ثمامہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب خلیفہ بنایا گیا تو انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے ایک مکتوب لکھا اور ان کی انگوٹھی کا نقش تین سطروں پر تھا، ایک سطر میں محمد لکھا ہوا تھا دوسری سطر میں رسول لکھا ہوا تھا اور تیسری سطر میں لفظِ اللہ لکھا ہوا تھا۔

(صحیح البخاری:۱۴۴۸، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۲۴۸۷، ۳۱۰۶، ۵۸۷۸، ۶۹۵۵، سنن نسائی:۲۴۴۷، سنن ابن ماجہ:۱۸۰۰، سنن ابوداؤد:۱۵۶۷، مسند احمد:۷۳)

صحیح البخاری:۵۸۷۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن الانصاری کا ذکر ہے، ان کا پورا نام ہے محمد بن عبداللہ بن عبداللہ بن المثنیٰ بن عبداللہ بن انس ابوعبداللہ البصری۔ اور اس حدیث کی سند میں ثمامہ کا ذکر ہے، یہ ابن عبداللہ بن انس ہیں جو عبداللہ بن المثنیٰ راوی کے چچا ہیں۔ اس حدیث کے تمام راوی بصری ہیں، انصاری ہیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''کتب لہ'' یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف زکوٰۃ کی مقادیر لکھ کر بھیجیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ثلاثۃ اسطر''۔ صاحب التوضیح یعنی علامہ ابن ملقن نے کہا ہے: میں کافی عرصہ تک اس پر غور کرتا رہا کہ پہلے لفظِ اللہ لکھا گیا، پھر رسول لکھا گیا اور نیچے محمد لکھا گیا یا اس کے برعکس تھا۔ اس کے جواب میں کہا گیا ہے: اگر لکھائی نیچے سے اوپر کی طرف ہو حتیٰ کہ لفظِ اللہ اوپر کی سطر میں ہوگا اور اس کے بعد لفظِ محمد ہوگا اور پھر رسول لکھا ہوا ہوگا۔ اور اسماعیلی نے کہا: کہ محمد ایک سطر ہے اور دوسری سطر رسول ہے اور تیسری سطر لفظِ اللہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۵۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۷۹۔ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ وَزَادَنِي أَحْمَدُ حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ ثُمَامَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ خَاتَمُ النَّبِيِّ ﷺ فِي يَدِهِ وَفِي يَدِ أَبِي بَكْرٍ بَعْدَهُ وَفِي يَدِ عُمَرَ بَعْدَ أَبِي بَكْرٍ فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ جَلَسَ عَلَى بِئْرِ أَرِيسَ قَالَ فَأَخْرَجَ الْخَاتَمَ فَجَعَلَ

(اور امام ابوعبداللہ بخاری نے کہا): اور احمد نے اضافہ کیا: ہمیں انصاری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از ثمامہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی انگوٹھی آپ کے ہاتھ میں تھی اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد

يَعْبَثُ بِهِ فَسَقَطَ قَالَ فَاخْتَلَفْنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مَعَ عُثْمَانَ فَنَزَحَ الْبِئْرَ فَلَمْ يَجِدْهُ۔

(صحیح مسلم: ۲۰۹۱، سنن نسائی: ۵۲۹۳، سنن ابوداؤد: ۴۲۱۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی، پس جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اریس کے کنویں پر بیٹھے، راوی نے کہا: پس حضرت انس رضی اللہ عنہ نے انگوٹھی نکالی اور اس کے ساتھ کھیلنے لگے (یعنی الٹ پلٹ کرنے لگے) پس وہ گرگئی، پس ہم تین دن تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس انگوٹھی کو ڈھونڈتے رہے، انہوں نے اس کنویں کا سارا پانی نکال دیا مگر اس کو نہیں پایا۔

صحیح البخاری: ۵۸۷۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض نسخوں میں مذکور ہے کہ ابو عبداللہ نے کہا: اور مجھے سند میں احمد کا اضافہ کیا اور ابو عبداللہ خود امام بخاری ہیں۔ اور احمد سے مراد ہیں امام احمد بن حنبل کے بیٹے، یہ حافظ المزی نے بیان کیا ہے اور اسی طرح علامہ الکرمانی نے کہا ہے اور بعض شارحین نے کہا ہے کہ یہ اضافہ سندِ موصول کے ساتھ ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: بہ ظاہر یہ تعلیق ہے، اور الانصاری سے مراد محمد بن عبداللہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فلما کان عثمان" یعنی جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت آئی۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "وجلس علی بئر اریس" یہ واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ساتویں سال کا ہے اور وہ انگوٹھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں چھ سال رہی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فجعل یعبث بہ" علامہ کرمانی نے کہا: یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس انگوٹھی کو انگلی سے نکال رہے تھے اور انگلی میں داخل کر رہے تھے اور یہ کھیلنے کی صورت تھی، ورنہ کوئی آدمی اس طرح کا کام اس وقت کرتا ہے جب وہ کسی چیز میں غور و فکر کر رہا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فسقط" یعنی وہ انگوٹھی کنویں میں گر گئی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاختلفنا ثلاثة ایام" یعنی ہم اس انگوٹھی کو ڈھونڈنے کے لیے تین دن تک آتے جاتے رہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فنزح البئر" یعنی اس انگوٹھی کو تلاش کرنے کے لیے اس کنویں کا تمام پانی نکال لیا گیا، پھر بھی ہم نے اس انگوٹھی کو نہیں پایا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے انگوٹھی کا گم ہونا ان کی شہادت کا سبب بنا

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس انگوٹھی میں ایسا راز تھا جو حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انگوٹھی میں راز تھا، کیونکہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی گم ہوگئی تو ان کا ملک اور ان کی سلطنت ان کے ہاتھ سے نکل گئی، اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ انگوٹھی گم

ہوگئی تو ان کا معاملہ بھی خراب ہو گیا اور خارجیوں نے ان پر خروج کیا اور یہ اس فتنہ کا مبدأ ہوا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر منتج ہوا اور وہ فتنہ آخر زمانہ تک متصل رہا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۔ بَابُ: الْخَاتَمِ لِلنِّسَاءِ — انگوٹھی کا عورتوں کے لیے ہونا

وَكَانَ عَلَى عَائِشَةَ خَوَاتِيمُ ذَهَبٍ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سونے کی انگوٹھیاں تھیں۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عورتوں کے لیے انگوٹھیوں کا کیا حکم ہے؟ اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے: عورتوں کے لیے انگوٹھی ان جملہ زیورات میں سے ہے جو عورتوں کے لیے مباح اور جائز ہیں۔

اس باب کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق کو امام محمد بن سعد نے سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے از عمرو بن ابی عمرو مولی المطلب، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا: وہ زرد کپڑے پہنتی تھیں اور سونے کی انگوٹھیاں پہنتی تھیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۸۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما شَهِدْتُ الْعِيدَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَصَلَّى قَبْلَ الْخُطْبَةِ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَزَادَ ابْنُ وَهْبٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ فَأَتَى النِّسَاءَ فَجَعَلْنَ يُلْقِينَ الْفَتَخَ وَالْخَوَاتِيمَ فِي ثَوْبِ بِلَالٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو عاصم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں حسن بن مسلم نے خبر دی از طاؤس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں: میں عید کے دن نبی ﷺ کے ساتھ تھا تو آپ نے عید کی نماز خطبہ دینے سے پہلے پڑھائی۔ امام ابو عبد اللہ نے کہا: اور ابن وہب نے اضافہ کیا از ابن جریج، پھر نبی ﷺ عورتوں کے پاس آئے اور ان کو صدقہ دینے کا حکم دیا، پس وہ عورتیں اپنے کانوں کی بالیاں اور اپنی انگوٹھیاں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں ڈالتی تھیں۔

(صحیح مسلم: ۸۸۴، سنن نسائی: ۱۵۶۹، سنن ابو داؤد: ۱۱۴۲، سنن ابن ماجہ: ۱۲۷۳، مسند احمد: ۱۹۰۵)

صحیح البخاری: ۵۸۸۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو عاصم، ان کا نام الضحاک بن مخلد النبیل ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن جریج کا ذکر

ہے،ان کا نام عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج ہے۔اور اس حدیث کی سند میں الحسن بن مسلم کا ذکر ہے، یہ ابن یناق المکی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے"وزاد ابن وهب" یعنی ابن وہب نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے ساتھ عید کے دن حاضر ہوا، پس وہ سب خطبہ دینے سے پہلے نماز پڑھتے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۷۔ بَابُ: الْقَلَائِدِ وَالسِّخَابِ لِلنِّسَاءِ يَعْنِي قِلَادَةً مِنْ طِيبٍ وَسُكٍّ

ہار اور سیپیوں کے ہار یعنی خوشبو اور مشک کے ہار کا عورتوں کے لیے ہونا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں قلائد کا ذکر ہے، یہ قلادۃ کی جمع ہے،اس کا معنی ہے: ہار۔

اور اس عنوان میں سخاب کا ذکر ہے، علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: سخاب وہ دھاگا ہے جس میں سیپیوں کو منسلک کیا جاتا ہے یعنی پرویا جاتا ہے اور اس کو بچے پہنتے ہیں اور لڑکیاں پہنتی ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ وہ ہار ہے جو لونگ سے بنایا جاتا ہے اور خوشبو اور مشک سے، یعنی اس میں موتی اور جواہر نہیں ہوتے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۶۰۔۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۸۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَ عِيدٍ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلُ وَلَا بَعْدُ ثُمَّ أَتَى النِّسَاءَ فَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَجَعَلَتِ الْمَرْأَةُ تَصَدَّقُ بِخُرْصِهَا وَسِخَابِهَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عرعرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عدی بن ثابت از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن گھر سے باہر نکلے، آپ نے دو رکعت نماز عید پڑھائی، نہ اس سے پہلے کوئی نماز پڑھی اور نہ اس کے بعد کوئی نماز پڑھی، پھر آپ عورتوں کے پاس آئے اور ان کو صدقہ دینے کا حکم دیا، پس کوئی عورت اپنے کانوں کی بالیوں کو صدقہ میں دیتی اور سیپیوں کے ہار کو صدقہ میں دیتی۔

(صحیح البخاری: ۹۸، ۸۶۳، ۹۶۲، ۹۶۴، ۹۷۵، ۹۷۷، ۹۷۹، ۹۸۹، ۱۴۳۱، ۱۴۴۹، ۴۸۹۵، ۵۲۴۹، ۵۸۸۰، ۵۸۸۱، ۵۸۸۳، ۷۳۲۵، صحیح مسلم: ۸۸۴، سنن ابوداؤد: ۱۱۴۲، سنن ابن ماجہ: ۱۲۷۳، مسند احمد: ۱۹۰۵، سنن دارمی: ۱۶۰۳)

صحیح البخاری: ۵۸۸۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "بخرصها" خرص کا معنی ہے: سونے یا چاندی کی بالی جو کانوں میں پہنی جاتی ہے۔اور خرص کا معنی لغت میں کذب بھی ہے اور خرص کا معنی اندازہ کرنا بھی ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿١١٦﴾ (الانعام:١١٦) اور وہ صرف قیاس آرائیاں کرتے ہیں O

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۔ بَابُ: اسْتِعَارَةِ الْقَلَائِدِ ہار عاریۃً لینا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہار کو عاریۃً لینا جائز ہے۔

۵۸۸۲۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها قَالَتْ هَلَكَتْ قِلَادَةٌ لِأَسْمَاءَ فَبَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ فِي طَلَبِهَا رِجَالًا فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ وَلَيْسُوا عَلَى وُضُوءٍ وَلَمْ يَجِدُوا مَاءً فَصَلَّوْا وَهُمْ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ فَذَكَرُوا ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَأَنْزَلَ اللهُ آيَةَ التَّيَمُّمِ زَادَ ابْنُ نُمَيْرٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ اسْتَعَارَتْ مِنْ أَسْمَاءَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروہ نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا تو نبی ﷺ نے اس کو تلاش کرنے کے لیے مردوں کو بھیجا، پس نماز کا وقت آ گیا اور وہ لوگ باوضو نہیں تھے اور نہ انہوں نے پانی پایا تو انہوں نے بغیر وضو کے نماز پڑھ لی، پھر انہوں نے نبی ﷺ سے اس کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت کو نازل فرما دیا۔
اور ابن نمیر نے از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے عاریۃً ہار لیا تھا۔

(صحیح البخاری: ۳۳۴، ۳۳۶، ۳۶۷۲، ۳۷۷۳، ۴۵۸۳، ۴۶۰۷، ۴۶۰۸، ۵۱۶۴، ۵۲۵۰، ۵۸۸۲، ۶۸۴۴، ۶۸۴۵، صحیح مسلم: ۳۶۷، سنن نسائی: ۳۱۰، مسند احمد: ۲۴۹۲۷، موطا امام مالک: ۱۲۲)

صحیح البخاری: ۵۸۸۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "ہار عاریۃً لینا" اور اس حدیث میں مذکور ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے عاریۃً ہار لیا۔ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باپ شریک بہن ہیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدہ، یہ ابن سلیمان ہیں۔
یہ حدیث کتاب التیمم میں گزر چکی ہے اور اس کی شرح وہاں مفصل کی جا چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۔ بَابُ: الْقُرْطِ لِلنِّسَاءِ
عورتوں کے بُندے یعنی کان کے زیور کا بیان

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَمَرَهُنَّ النَّبِيُّ ﷺ بِالصَّدَقَةِ فَرَأَيْتُهُنَّ يَهْوِينَ إِلَى آذَانِهِنَّ وَحُلُوقِهِنَّ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی ﷺ نے عورتوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا، پس میں نے دیکھا کہ عورتیں اپنے کانوں اور اپنے حلق کا قصد کر رہی ہیں۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
یعنی اس باب میں قُرط کا بیان ہے (قاف پر پیش اور راء ساکن)۔ قُرط اس چیز کو کہتے ہیں جس کو عورتیں کانوں میں بطور زیور کے پہنتی ہیں خواہ وہ سونے کا ہو یا چاندی کا ہو یا اس کے ساتھ موتی اور یاقوت ہوں اور وہ عموماً کانوں کی لو میں لٹکے ہوئے ہوتے ہیں، (قُرط کو اردو میں بُندہ یا بالی کہتے ہیں، بالی تو چھلے کی طرح ہوتی ہے اور بُندہ کان کا ایک قسم کا زیور ہے جس میں موتی وغیرہ لگے ہوئے ہوتے ہیں)۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق کو امام بخاری نے سندِ موصول کے ساتھ کتاب العیدین میں اس باب میں روایت کیا ہے "باب العلم الذی فی المصلی"۔

- اس تعلیق میں مذکور ہے "امرھن النبی ﷺ بالصدقۃ" یعنی نبی ﷺ نے عورتوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا۔

نیز اس میں مذکور ہے "یھوین" یہ لفظ اھواء سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: قصد اور اشارہ کرنا۔
علامہ کرمانی نے کہا کہ اگر تم یہ اعتراض کرو کہ کانوں کی طرف اشارہ بُندوں یا بالیوں کے صدقہ کرنے کے قصد سے ہے تو پھر حلق کی طرف اشارہ کا کیوں ذکر کیا؟
اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی عرب کی بعض عورتیں اپنے گلے میں ہار بھی ڈالے ہوئے ہوتی ہیں تو کچھ عورتوں نے کانوں کے زیور کو صدقہ کرنے کا قصد کیا اور کچھ عورتوں نے گلے کے زیور کو صدقہ کرنے کا قصد کیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۸۳۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَدِيٌّ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيدًا عَنِ ابْنِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے

عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى يَوْمَ الْعِيدِ رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا ثُمَّ أَتَى النِّسَاءَ وَمَعَهُ بِلَالٌ فَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَجَعَلَتْ الْمَرْأَةُ تُلْقِي قُرْطَهَا۔

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عدی نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے سعید سے سنا از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ نبی ﷺ نے عید کے دن دو رکعت نماز پڑھائی نہ اس سے پہلے کوئی نماز پڑھی اور نہ اس کے بعد کوئی نماز پڑھی۔ پھر آپ عورتوں کے پاس آئے اور آپ کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے، پس آپ نے ان عورتوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا، پس عورت اپنی بالیوں کو (حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے) میں ڈالتی تھی۔

(صحیح البخاری: ۳۳۴،۳۳۶، ۳۶۲، ۳۷۳، ۳۵۸۳، ۴۶۰۷، ۴۶۰۸، ۵۱۶۴، ۵۲۵۰، ۵۸۸۲، ۶۸۴۴، ۶۸۴۵، صحیح مسلم: ۳۶۷، سنن نسائی: ۳۱۰، مسند احمد: ۲۴۹۲۷، موطا امام مالک: ۱۲۲)

صحیح البخاری: ۵۸۸۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عدی، یہ عدی بن ثابت انصاری التابعی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید، یہ ابن جبیر ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''تلقی'' یہ القاء سے مذکور ہے، اس کا معنی ہے: گرانا اور پھینکنا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۔ بَابُ: السِّخَابِ لِلصِّبْيَانِ — بچوں کے لیے سیپیوں کے ہار کا بیان

اس باب میں السخاب کا بیان ہے اور السخاب کی تفسیر ابھی گزر چکی ہے اور یہ سیپیوں کے ہار کو کہتے ہیں جو بچے اپنے گلوں میں ڈالتے ہیں۔

۵۸۸۴۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ بْنُ عُمَرَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي يَزِيدَ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي سُوقٍ مِنْ أَسْوَاقِ الْمَدِينَةِ فَانْصَرَفَ فَانْصَرَفْتُ فَقَالَ أَيْنَ لُكَعُ ثَلَاثًا ادْعُ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ فَقَامَ الْحَسَنُ بْنُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن ابراہیم الحنظلی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن آدم نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ورقاء بن عمر نے خبر دی از عبید اللہ بن ابی یزید از نافع بن جبیر از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ کے بازاروں میں سے کسی بازار میں تھا، پس آپ واپس گئے تو میں بھی

عَلِیٍّ یَمْشِی وَفِی عُنُقِهِ السِّخَابُ فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِیَدِهِ هٰكَذَا فَقَالَ الْحَسَنُ بِیَدِهِ هٰكَذَا فَالْتَزَمَهُ فَقَالَ اللّٰهُمَّ إِنِّی أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ وَأَحِبَّ مَنْ یُحِبُّهُ وَقَالَ أَبُوهُرَیْرَةَ فَمَا كَانَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَیَّ مِنَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ بَعْدَ مَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا قَالَ۔

آپ کے ساتھ واپس گیا، پس آپ نے تین مرتبہ فرمایا: وہ بچہ کہاں ہے؟ الحسن بن علی کو بلاؤ، پس حضرت الحسن بن علی رضی اللہ عنہما کھڑے ہوئے وہ چل رہے تھے اور ان کے گلے میں سیپیوں کا ہار تھا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا (یعنی دونوں نے ایک دوسرے کو اشارہ سے اپنے قریب بلایا) پھر آپ نے ان کو اپنے ساتھ لپٹا لیا، پس آپ نے دعا کی: اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر، اور اس سے محبت کر جو اس سے محبت کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: میرے نزدیک حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے زیادہ کوئی محبوب نہیں تھا۔

(صحیح البخاری: ۲۱۲۲، ۵۸۸۴، صحیح مسلم: ۲۴۲۱، سنن ابن ماجہ: ۱۴۲، مسند احمد: ۸۱۸۰)

صحیح البخاری: ۵۸۸۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق بن ابراہیم، یہ ابن راہویہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن آدم، یہ ابن سلیمان الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ورقاء، یہ اورق کی مؤنث ہے، یہ اورق بن عمر الخوارزمی المدائنی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبید اللہ، یہ عبد کی تصغیر ہے، ان کا پورا نام ہے عبد بن یزید مکی، اور نافع بن جبیر کا ذکر ہے، یہ جبیر بن مطعم النوفلی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فی سوق" یہ سوق بنی قینقاع ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ابن لُکَعٍ" (اس میں لام پر پیش ہے اور کاف پر زبر ہے)۔ لُکَعٍ کے معنی ہیں: چھوٹا بچہ، اس کو عربی میں لُکَعٍ کہتے ہیں۔ اس سے مراد ہیں: حضرت حسن رضی اللہ عنہ۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۶۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: جیسے پنجابی میں ننکا یا کاکا کہتے ہیں، اردو میں ننھا یا مُنا کہتے ہیں، آج کل گڈو اور پپو کہتے ہیں۔

شیخ انور شاہ کشمیری کا ''لُکَعْ'' کا غیر مہذب ترجمہ کرنا

علماء دیو بند کے بہت بڑے عالم محمد انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

''الُکَعْ'' کا ترجمہ پاجی ہے۔ (فیض الباری ج ۳ ص ۲۱۹، مجلس علمی ہند، ۱۳۵۷ھ)

اب دیکھئے لغت میں پاجی کے کیا معنی لکھے ہیں:

پاجی: کمینہ، رذیل، شریر، بدمعاش، کھٹیل، ذلیل۔ (فیروز اللغات ص ۲۶۲، فیروز سنز، لاہور)

اب دیکھئے! ان میں کوئی ایسا معنی ہے جس کے اعتبار سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو پاجی کہا جاسکتا ہو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان انتہائی شریف، شائستہ اور مہذب تھی اور آپ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے تھے، وہ آپ کو پاجی کہہ سکتے تھے؟ العیاذ باللہ! ہم اللہ تعالیٰ سے ہزار بار پناہ مانگتے ہیں کہ حضرت حسن کو پاجی کہا جائے، حضرت حسن کی محبت اور عظمت ہمارے ایمان کا جزو ہے اور وہ ہماری عقیدتوں کا مرکز اور محور ہیں، ایسا وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کا دل حضرت حسن، اہلبیت، خانوادۂ رسول اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے خالی ہو، کیونکہ اللہ کے رسول کی زبانِ اطہر سے وحی الٰہی جاری ہوتی اور احکامِ شریعت نافذ ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی محبت پر ہمارا خاتمہ کرے اور آخرت میں ان کے غلاموں میں ہمارا حشر ہو۔ (آمین!)

۶۱۔ بَابٌ: اَلْمُتَشَبِّهُوْنَ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتُ بِالرِّجَالِ

عورتوں کی مشابہت کرنے والے مردوں اور مردوں کی مشابہت کرنے والی عورتوں کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں ان مردوں کی مذمت کا بیان ہے جو عورتوں کی مشابہت کرتے ہیں اور ان عورتوں کی مذمت کا بیان ہے جو مردوں کی مشابہت کرتی ہیں۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس باب کی احادیث میں ان پر لعنت کی گئی ہے۔ اور مردوں کا عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا عورتوں کے لباس میں اور اس زینت میں ہے جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے، مثلاً مرد وہ زیور پہنے جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً گلے کا ہار اور کانوں کی بالیاں اور بندے اور پازیب اور کنگن، ریشمی کپڑوں کا پہننا اور سونے کی انگوٹھیاں پہننا وغیرہ، یہ وہ چیزیں ہیں جو مردوں کے پہننے کے لیے نہیں ہیں اور عورتوں کی مردوں کے ساتھ مشابہت ایسی چیزوں میں ہے جو مردوں کے ساتھ مخصوص ہے، جیسے مردوں کے جوتے اور مردوں کے کپڑے اور پگڑیاں اور دستار وغیرہ، یہ ایسی چیزیں ہیں جو عورتوں کے لیے نہیں ہیں۔

اسی طرح مردوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ یہ ان افعال میں عورتوں کی مشابہت اختیار کریں جو افعال عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں جیسے لچک لچک کر چلنا اور عورتوں کے انداز میں باتیں کرنا اور جو شخص اپنی اصلِ خلقت میں اس طرح کرتا ہو تو اسے حکم دیا جائے گا کہ وہ ان کاموں اور عادتوں کو چھوڑ دے اور اگر وہ ایسا نہ کرے اور انہی طور طریقوں پر برقرار رہے تو وہ بھی لائقِ مذمت ہے خاص طور پر جب کہ وہ اپنی مرضی سے ایسے کام اور ایسی باتیں کرے۔

اور لباس کا طور طریقہ ہر شہر کی عادت کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، پس بعض علاقوں میں عورتوں کے طور طریقے اور مردوں کے طور طریقے زیادہ الگ الگ نہیں ہوتے لیکن عورتیں اس لیے ممتاز ہوتی ہیں کہ وہ پردہ کرتی ہیں اور برقعہ لیتی ہیں۔ اور سب سے بری مشابہت یہ ہے کہ مرد عورتوں کی طرح مردوں سے خواہش پوری کریں یعنی لواطت کرائیں اور عورتیں عورتوں کے ساتھ جسمانی لذت حاصل کریں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۶۳۔ ۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۸۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ تَابَعَهُ عَمْرٌو أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں کی مشابہت کرتے ہیں اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردوں کی مشابہت کرتی ہیں۔ غندر کی متابعت عمرو نے کی ہے انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی۔

(صحیح البخاری: ۵۸۸۶، ۶۸۳۴، سنن ترمذی: ۲۷۸۴، سنن ابوداؤد: ۴۰۹۷، سنن ابن ماجہ: ۱۹۰۴، مسند احمد: ۳۱۴۱)

صحیح البخاری: ۵۸۸۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے غندر، یہ محمد بن جعفر ہیں اور ابوذر کی روایت میں ان کے نام کی تصریح ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۔ بَابُ: إِخْرَاجِ الْمُتَشَبِّهِينَ بِالنِّسَاءِ مِنَ الْبُيُوتِ

عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں کو گھروں سے نکالنے کا بیان

۵۸۸۶۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ النَّبِيُّ ﷺ الْمُخَنَّثِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَقَالَ أَخْرِجُوهُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ قَالَ فَأَخْرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فُلَانًا وَأَخْرَجَ عُمَرُ فُلَانًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معاذ بن فضالہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از یحییٰ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہیجڑے مردوں پر لعنت فرمائی اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردوں کی مشابہت کرتی ہیں اور فرمایا: ان کو تم اپنے گھروں سے نکال دو، پس نبی ﷺ نے

فلاں کو نکال دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فلاں کو نکال دیا۔

(صحیح البخاری: ۵۸۸۶، ۶۸۳۴، سنن ترمذی: ۲۷۸۴، سنن ابوداؤد: ۴۹۳۰، سنن ابن ماجہ: ۱۹۰۴، مسند احمد: ۱۹۸۳)

صحیح البخاری: ۵۸۸۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معاذ بن فضالہ، یہ ابوزید البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام، یہ الدستوائی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، یہ ابن ابی کثیر ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''المخنثین'' یہ لفظ انخناث سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: موڑنا، نرم کرنا، ہیجڑا بنانا۔ اور حدیث میں مخنث سے مراد وہ شخص ہے جو نرمی سے کلام کرے اور اس کے اعضاء میں لچک ہو۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: مخنث وہ شخص ہے جو اپنے اقوال اور افعال میں عورتوں کے مشابہ ہو، کبھی یہ مشابہت خلقی ہوتی ہے اور کبھی کوئی تکلف سے یہ مشابہت اختیار کرتا ہے، اور جو تکلف سے یہ مشابہت اختیار کرے وہی مذموم اور ملعون ہے اور جس میں خلقۃً ایسا وصف ہو، وہ مذموم اور ملعون نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس زمانہ میں مخنث وہ ہے جس کے ساتھ لواطت کی جاتی ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''المترجلات'' یعنی وہ عورتیں جو تکلف سے مردوں کی مشابہت اختیار کریں، مثلاً تلوار اور نیزہ اٹھائیں اور مردوں کی طرح چال چلن اختیار کریں۔

اس حدیث میں فرمایا ہے ''ان عورتوں کو گھروں سے نکال دو''۔ کیونکہ کبھی ان کا فعل ایسے فعل کی طرف مفضی ہوتا ہے جو بدکار عورتیں ہم جنس پرستی کی شکل میں کرتی ہیں۔

نیز اس حدیث میں ہے ''فاخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلاناً''۔ امام طبرانی نے واثلہ بن الاسقع سے روایت کی ہے اور اس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انجشہ کو نکال دیا اور یہ سیاہ فام غلام تھا جو عورتوں کے ساتھ گانے گاتا تھا۔

نیز اس حدیث میں ہے ''واخرج عمر''۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کسی کو نکال دیا تھا، یہ معلوم نہیں ہوا کہ وہ کون ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۶۴۔ ۶۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۸۸۶، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہیجڑوں کو گھروں سے نکالنا واجب ہے اور جو عورتیں مردوں کی مشابہت کرتی ہوں ان کو بھی گھروں سے نکالنا واجب ہے، پس ایسی عورت سے خبردار رہنا چاہیے کیونکہ جو عورت مردوں سے مشابہت اختیار کرتی ہو وہ گھر کی عورتوں کو خراب کر دیتی ہے اور ان سے شرم وحیا کو دور کر دیتی ہے۔ بعض اوقات وہ ایسی عورتوں سے عشق کرتی ہے اور ان کو فتنہ میں

جتلا کرتی ہے، ان کا بوسہ لیتی ہے یا ان کو لپٹاتی ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۵۵۸، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۸۸۷۔ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ أَنَّ عُرْوَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ عِنْدَهَا وَفِي الْبَيْتِ مُخَنَّثٌ فَقَالَ لِعَبْدِ اللهِ أَخِي أُمِّ سَلَمَةَ يَا عَبْدَ اللهِ إِنْ فَتَحَ اللهُ لَكُمْ غَدًا الطَّائِفَ فَإِنِّي أَدُلُّكَ عَلَى بِنْتِ غَيْلَانَ فَإِنَّهَا تُقْبِلُ بِأَرْبَعٍ وَتُدْبِرُ بِثَمَانٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَدْخُلَنَّ هَؤُلَاءِ عَلَيْكُنَّ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ تُقْبِلُ بِأَرْبَعٍ وَتُدْبِرُ يَعْنِي أَرْبَعَ عُكَنِ بَطْنِهَا فَهِيَ تُقْبِلُ بِهِنَّ وَقَوْلُهُ وَتُدْبِرُ بِثَمَانٍ يَعْنِي أَطْرَافَ هَذِهِ الْعُكَنِ الْأَرْبَعِ لِأَنَّهَا مُحِيطَةٌ بِالْجَنْبَيْنِ حَتَّى لَحِقَتْ وَإِنَّمَا قَالَ بِثَمَانٍ وَلَمْ يَقُلْ بِثَمَانِيَةٍ وَوَاحِدُ الْأَطْرَافِ وَهُوَ ذَكَرٌ لِأَنَّهُ لَمْ يَقُلْ ثَمَانِيَةَ أَطْرَافٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مالک بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروہ نے حدیث بیان کی کہ عروہ نے ان کو خبر دی کہ زینب بنت ابی سلمہ نے ان کو خبر دی کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے زینب کو خبر دی کہ نبی ﷺ ان کے پاس تھے اور گھر میں ایک ہیجڑا تھا تو اس نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبداللہ سے کہا: اے عبداللہ! اگر تمہارے لیے کل طائف فتح ہو گیا تو میں تمہیں بنت غیلان کو دکھاؤں گا، وہ جب سامنے آتی ہے تو اس میں چار (سلوٹیں) ہوتی ہیں اور جب پیٹھ موڑ کر جاتی ہے تو اس میں آٹھ (سلوٹیں) ہوتی ہیں، تو نبی ﷺ نے فرمایا: یہ شخص ہرگز تمہارے پاس نہ آیا کرے۔

امام عبداللہ (بخاری) نے کہا کہ ''تقبل باربع وتدبر'' کا معنی ہے: اس کے پیٹ میں چار سلوٹیں پڑتی ہیں، پس وہ سامنے سے چار سلوٹوں کے ساتھ آتی ہے اور تدبر بثمان کا معنی ہے: ان چار سلوٹوں کی اطراف، کیونکہ یہ سلوٹیں دونوں جانب سے محیط ہوتی ہیں حتیٰ کہ مل جاتی ہیں۔ اور اس نے ثمان کہا اور ثمانیۃ نہیں کہا اور اطراف کا واحد طرف ہے اور وہ مذکر ہے، اس لیے ثمانیۃ اطراف نہیں کہا۔

(صحیح البخاری: ۴۳۲۴، ۵۲۳۵، ۵۸۸۷، صحیح مسلم: ۲۱۸۰، سنن ابوداؤد: ۴۹۲۹، سنن ابن ماجہ: ۲۶۱۴، مسند احمد: ۲۵۹۵۱، موطا امام مالک: ۱۴۹۸)

صحیح البخاری: ۵۸۸۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''جو مرد عورتوں کی مشابہت اختیار کرے ان کو گھروں سے نکال دینا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے اس مخنث کے متعلق فرمایا: یہ ہرگز تمہارے پاس نہ آئے اور اس کا یہی معنی ہے کہ اس کو گھر سے نکال دیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زہیر، یہ زہر کی تصغیر ہے اور یہ ابن معاویہ الجعفی ہیں۔
اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زینب بنت ابی سلمہ، اور ابوسلمہ کا نام عبداللہ بن ابوالاسد ہے اور زینب ان کی بیٹی ہیں اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ تھیں اور عمر بن ابی سلمہ کی بہن ہیں، اور ان کی والدہ سیدتنا ام سلمہ ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں اور ان کا نام ہند بنت ابی امیہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور گھر میں ایک مخنث تھا'' اس کا نام ہیت ہے اور دوسرا قول ہے کہ اس کا نام ہنب ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''اس مخنث نے عبداللہ سے کہا'' وہ ابوامیہ بن المغیرہ کے بیٹے ہیں اور حضرت ام سلمہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں اور ان کی والدہ عاتکہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم ہیں، انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور زمانہ اسلام میں اچھے کام کیے تھے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فتحِ مکہ کے موقع پر حاضر تھے اور اسلام لا چکے تھے اور یہ حنین اور طائف میں بھی حاضر تھے، غزوۂ طائف میں ان کو ایک تیر آ کر لگا جس نے ان کو شہید کر دیا۔ اور ابوعمر نے کہا: جس مخنث نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں کہا تھا: اے عبداللہ! اگر اللہ تعالیٰ نے کل تمہیں طائف میں فتح دے دی تو میں تمہیں بنتِ غیلان کو دکھاؤں گا۔ الحدیث۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''بنتِ غَیلان'' اور اس کا نام بادیہ تھا۔ دوسرا قول ہے اس کا نام بادنہ تھا۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''تقبل باربع'' یعنی جب وہ سامنے سے آتی ہے تو موٹاپے کی وجہ سے اس کے پیٹ میں چار سلوٹیں پڑتی ہیں اور جب وہ پیٹھ موڑ کر چلتی ہے تو وہ اطراف آٹھ ہو جاتی ہیں۔ اس نے ''ثمان'' نے کہا حالانکہ اس کا ممیز اطراف ہے جو مذکر ہے، کیونکہ جب ممیز مذکور نہ ہو تو عدد میں تذکیر اور تانیث دونوں جائز ہیں۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''لایدخلن ھؤلاء علیکن'' اس ارشاد میں عورتوں سے خطاب ہے کہ تمہارے پاس یہ مخنث ہرگز نہ آئے۔ اور المستملی اور السرخسی کی روایت میں ہے علیکم، (جمع مذکر کے صیغہ کے ساتھ) اس میں مردوں کو خطاب ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں پر بچے بھی تھے تو مذکر کو غلبہ دے کر جمع مذکر کا صیغہ لایا گیا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۶۵۔۶۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۔ بَابٌ: قَصِّ الشَّارِبِ

مونچھوں کو تراشنا

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُحْفِي شَارِبَهُ حَتَّى يُنْظَرَ إِلَى بَيَاضِ الْجِلْدِ وَيَأْخُذُ هٰذَيْنِ يَعْنِي بَيْنَ الشَّارِبِ وَاللِّحْيَةِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی مونچھوں کو اتنا پست کرتے تھے کہ کھال کی سفیدی نظر آتی تھی اور ان دونوں کو تراشتے تھے یعنی مونچھوں اور ڈاڑھی کے درمیان جو بال ہوتے ہیں ان کو بھی تراشتے تھے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب اس کو بیان کرنے میں ہے کہ مونچھوں کو تراشنا سنت ہے بلکہ واجب ہے، یہ باب اور اس کے بعد کتاب اللباس کے آخر تک اکتالیس باب ہیں، ان کے متعلق کہا گیا ہے کہ ان کا لباس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

بعض شارحین نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ مونچھوں کو کتروانا بھی لباس سے متعلق ہے کیونکہ اس سے بھی زینت ہوتی ہے جس طرح لباس سے زینت ہوتی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ لباس کا اطلاق زینت پر نہیں کیا جاتا۔ علاوہ ازیں یہاں پر ایسے بھی ابواب ہیں جن کا زینت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ یہ ہیں: جو مرد عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہیں ان کا باب، اور جو باب اس کے بعد ہے اور لوہے کی انگوٹھی کا باب، اور چٹائی پر بیٹھنے کا باب اور نیا کپڑا پہننے والے کی دعاؤں کا باب اور الصماء کے اشتمال کا باب (الصماء کا معنی ہے: پیچھے سے تہبند کو اٹھا کر سر پر رکھ لینا)۔ اور تنگ آستینوں والے جبہ کو پہننے کا باب اور جو باب اس کے بعد ہے، اور ہم نے ہر باب کی مناسبت بیان کی ہے اور زیادہ احسن یہ تھا کہ ہم مونچھیں کتروانے اور اس کے بعد کے جو ابواب ہیں ان کی مناسبت بیان کریں اگرچہ وہ تھوڑی مقدار ہو، اور مونچھیں کتروانے کے باب کی کتاب اللباس میں ذکر کرنے کی مناسبت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مونچھیں کتروانے میں بھی زینت ہے، پس یہ ان ابواب کے مناسب ہے جن میں زینت کا وجود ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی مونچھوں کو بہت زیادہ تراشتے حتیٰ کہ وہ مونچھیں مٹ جاتیں اور کھال کی سفیدی نظر آتی، یہ ابوذر اور النسفی کی روایت ہے۔ اور دوسروں کی روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر کی جگہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے اور محدثین نے اس روایت کو غلط قرار دیا ہے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے "یحفی" یہ احفاء سے ماخوذ ہے، "احفا شعرہ" اس وقت کہتے ہیں جب بالوں کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے حتیٰ کہ وہ ایسے معلوم ہوں جیسے بالوں کو مونڈ دیا گیا ہے۔ اور چونکہ مونچھوں کو مٹانا ان کو ترشوانے سے افضل ہے، اس لیے امام طحاوی نے اس باب کو حلق الشارب یعنی مونچھوں کو مونڈوانے سے تعبیر کیا ہے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے "ھذین" یعنی ان ہونٹوں کی دو طرفیں جو مونچھوں اور ڈاڑھی کے درمیان ہیں اور ان کے ملنے کی جگہ، جیسا کہ مونچھیں تراشنے کے وقت عادت یہ ہے کہ ان کے کونوں کو بھی بالوں سے صاف کیا جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۸۸۔ حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ حَنْظَلَةَ عَنْ نَافِعٍ ح قَالَ أَصْحَابُنَا عَنِ الْمَكِّيِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مِنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ۔ (صحیح البخاری: ۵۸۹۰، مسند احمد: ۵۹۵۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مکی بن ابراہیم نے حدیث بیان کی از حنظلہ از نافع، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے کہا از مکی از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: مونچھوں کو تراشنا فطرت سے ہے۔

صحیح البخاری: ۵۸۸۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مکی بن ابراہیم، یہ ابن بشیر الحنظلی البلخی ہیں۔ امام بخاری نے بتایا کہ یہ دو سو چودہ ہجری (۲۱۴ھ) میں فوت ہو گئے تھے اور علامہ کرمانی نے کہا: ان کو مکی کہا گیا ہے کیونکہ یہ مکہ کی طرف منسوب تھے، اور اس طرح نہیں ہے بلکہ یہ ان کا نام ہے اور گمان یہ کیا گیا ہے کہ یہ ان کی نسبت ہے۔ اور حنظلہ یہ ابن ابی سفیان ہیں اور ان کا نام اسود بن عبدالرحمٰن الجمحی القرشی المکی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے نافع، یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے "قال اصحابنا عن المکی عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم":

صاحب التوضیح یعنی علامہ ابن ملقن نے کہا ہے کہ "قال اصحابنا عن المکی عن حنظلہ عن نافع" اس کا معنی یہ ہے کہ مکی بن ابراہیم نے اس کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے دراں حالیکہ وہ نافع اور امام بخاری کے اصحاب پر موقوف ہے اور انہوں نے اس حدیث کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے موصولاً روایت کیا ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا کہ امام بخاری نے کہا ہے: ہمارے اصحاب نے اس حدیث کو انقطاع کے ساتھ روایت کیا ہے، انہوں نے کہا: حدثنا المکی عن ابن عمر اور درمیان کے راوی یعنی الحنظلہ عن نافع کو ترک کر دیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: کہ ظاہر کلام کا یہ تقاضا ہے جیسا کہ علامہ کرمانی نے کہا اور اسی کے قریب وہ ہے جو صاحب التوضیح نے کہا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "من الفطرۃ" یعنی من السنۃ، یعنی مونچھوں کو تراشنا سنت ہے۔

مونچھوں کو تراشنے یا مونڈنے کے متعلق اختلافِ فقہاء

امام طحاوی نے کہا ہے: اہل مدینہ کے بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ مونچھوں کو تراشنا مونچھوں کے مٹانے سے زیادہ مختار ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: امام طحاوی کی ان علماء سے مراد ہے سالم، سعید بن المسیب، عروہ بن زبیر، جعفر بن زبیر، عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث۔ کیونکہ ان علماء نے کہا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ مونچھوں کے تراشنے کو مونچھوں کے مٹانے پر ترجیح دی جائے، اور حمید بن ہلال اور حسن بصری اور محمد بن سیرین اور عطاء بن ابی رباح کا یہی مذہب ہے اور امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور قاضی عیاض نے کہا: اکثر سلف صالحین کا مذہب یہ ہے کہ مونچھوں کا مونڈنا ممنوع ہے اور یہ امام مالک کا بھی مذہب ہے اور وہ یہ کہتے تھے کہ مونچھوں کا مونڈنا ان کو مثلہ کرنا ہے اور وہ کہتے تھے کہ مونچھیں مونڈوانے والے کی تادیب کرنی چاہیے۔ امام طحاوی نے کہا: اور دوسرے فقہاء نے ان کی مخالفت کی ہے، انہوں نے کہا: بلکہ مستحب ہے مونچھوں کو مٹانا اور ہم اس کو مونچھوں کے تراشنے سے افضل سمجھتے ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: دوسروں سے مراد ہے جمہور سلف، انہی میں سے اہل کوفہ ہیں اور مکحول، محمد بن عجلان، نافع مولیٰ ابن عمر، امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ علیہم، انہوں نے کہا: مستحب ہے مونچھوں کو مٹانا اور وہ مونچھوں کو تراشنے سے افضل ہے۔ یہ حضرت ابن عمر، حضرت ابوسعید خدری، حضرت رافع بن خدیج، حضرت سلمہ بن الاکوع، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابی اسید اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہے۔ اس تمام تفصیل کو امام ابن ابی شیبہ نے سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ حدیث میں ہے کہ خوارج کی علامت التسبید ہے اور اس کا معنی ہے: اصل سے مونچھوں کو مونڈنا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہوں گا: علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے بالوں کو مونڈنا اور بالوں کو جڑ سے اکھاڑنا اور یہ مونچھوں کے ساتھ مقید نہیں ہے اور یہ اس سے عام ہے یعنی مونچھوں کا مونڈنا ہو یا دوسرے بالوں کا مونڈنا ہو۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ التسبید کا معنی ہے: تیل نہ لگانا اور سر کو دھونا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس کی صحت پر یہ دلیل ہے کہ دوسری حدیث میں ہے کہ خوارج کی علامت ہے التحلیق یعنی بالوں کو مونڈنا اور التسبید کا عطف التحلیق پر ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۶۷۔ ۶۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: اس کا مطلب یہ ہے کہ خوارج کی علامت بالوں کو مونڈنا ہے یعنی سر کے بال بھی مونڈے جائیں اور مونچھیں بھی مونڈوائی جائیں، تو اس بناء پر مونچھوں کا مونڈوانا مونچھوں کے ترشوانے سے کیسے افضل ہوگا؟۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۸۸۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ الزُّهْرِيُّ حَدَّثَنَا عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رِوَايَةً الْفِطْرَةُ خَمْسٌ أَوْ خَمْسٌ مِنَ الْفِطْرَةِ الْخِتَانُ وَالِاسْتِحْدَادُ وَنَتْفُ الْإِبْطِ وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ وَقَصُّ الشَّارِبِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ الزہری نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی از سعید بن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: ایک روایت ہے کہ فطرت پانچ ہیں، یا پانچ چیزیں فطرت سے ہیں: ختنہ کرانا، استرا استعمال کرنا، بغل کے بال اکھیڑنا، ناخن تراشنا اور مونچھیں تراشنا۔

(صحیح البخاری: ۵۸۹۱۔ ۶۲۹۷، صحیح مسلم: ۲۵۷، سنن ترمذی: ۲۷۵۶، سنن نسائی: ۱۰، سنن ابوداؤد: ۴۱۹۸، سنن ابن ماجہ: ۲۹۲، مسند احمد: ۷۲۲)

صحیح البخاری: ۵۸۸۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الفطرۃ خمس" فطرت سے مراد ہے سنت قدیمہ جس کو انبیاء علیہم السلام نے اختیار کیا اور جس پر تمام شریعتیں متفق ہیں، پس گویا کہ وہ امر جبلی ہے جس پر لوگوں کو پیدا کیا گیا ہے۔ اور امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی

ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دس کام فطرت میں سے ہیں: مونچھیں تراشنا، ڈاڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ناخن تراشنا، ہاتھوں کے جوڑوں کو دھونا، بغل کے بالوں کو اکھاڑنا، زیرِ ناف بالوں کو مونڈنا، پانی سے استنجاء کرنا، زکریا نے کہا: مصعب نے کہا کہ دسویں چیز وہ (راوی) بھول گئے، ہوسکتا ہے کہ وہ کلی کرنا ہو۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''الختان'' ایک قول یہ ہے کہ ختنہ کرنا فرض ہے، کیونکہ یہ اسلام کا شعار ہے اور ختنہ سے ہی مسلمان اور کافر کے درمیان امتیاز ہوتا ہے اور باقی چار سنت ہیں۔ اور فرض کے ساتھ سنت کے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ دو چیزوں کو ساتھ ذکر کرنا اس کو واجب نہیں کرتا کہ ان کا حکم بھی ایک ہو، جیسے قرآن مجید میں ہے:

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ۔ (الانعام: ۱۴۱) جب وہ درخت پھل دار ہوں تو ان کے پھلوں سے کھاؤ اور جب ان کی کٹائی کا دن آئے تو ان کا حق ادا کرو۔

پھل دار درختوں سے کھانا تو مباح ہے اور ان کا حق ادا کرنا فرض ہے، تو اب ان دونوں کو ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے حالانکہ ان کا حکم ایک نہیں ہے، سو اسی طرح ختنہ کو باقی چار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے حالانکہ ختنہ کرنا تو فرض ہے اور باقی چار چیزیں فرض نہیں ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے ''الاستحداد'' اس کا معنی ہے: زیرِ ناف بالوں کو مونڈنے کے لیے استرا استعمال کرنا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''نتف الابط'' یعنی بغل کے بالوں کو اکھیڑنا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''قص الشارب'' یعنی مونچھوں کو تراشنا خواہ خود تراشے یا کوئی اور تراشے، کیونکہ دونوں طرح سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کے برخلاف بغل کے بالوں اور زیرِ ناف بالوں کو دوسروں سے نہ مونڈوائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۶۹۔ ۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۔ بَابٌ: تَقْلِيمِ الْأَظْفَارِ ناخنوں کو کاٹنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اس کے بیان میں ہے کہ ناخنوں کو کاٹنا سنت ہے اور تقلیم کا لفظ قلم سے باب تفعیل ہے، اور اس کا معنی ہے: کاٹنا۔ اور اس باب کی حدیث میں ایک روایت میں ہے ''قص الاظفار'' اور اظفار، ظُفُر کی جمع ہے۔ اور ناخنوں کو کاٹنے میں انتہائی کوشش کرنا مستحب ہے، اس حیثیت سے کہ انگلی کو ضرر نہ پہنچے۔ اور کسی حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ ناخن کاٹتے وقت انگلیوں کی کیا ترتیب ہو۔ علامہ نووی شافعی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ ناخن کاٹنے کی ابتداء دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے کی جائے، پھر درمیانی انگلی، پھر اس کے بعد والی انگلی، پھر اس کے بعد والی انگلی پھر انگوٹھے کا ناخن کاٹا جائے، اور بائیں ہاتھ کی ابتداء چھنگلی سے کی جائے اور اس کے بعد پھر اس کے بعد والی انگلی سے پھر اسی طرح انگوٹھے تک۔ اور پیروں کے ناخن کاٹنے میں دائیں پیر کی چھنگلی سے لے کر انگوٹھے تک اور بائیں پیر میں انگوٹھے سے لے کر چھنگلی تک ناخن کاٹے۔ اور علامہ نووی نے استحباب کی کوئی دلیل بیان نہیں کی۔ اور علامہ نووی نے شرح المہذب میں اس ترتیب کو امام غزالی سے نقل کیا ہے اور کہا ہے: رہی وہ حدیث

جس کو امام غزالی نے ذکر کیا ہے، پس اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ پھر یہ جان لو کہ ناخن کاٹنے کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ جس وقت بھی ناخن کاٹنے کی حاجت ہو تو اس وقت ناخن کاٹ لے۔ اور امام بیہقی نے ابوجعفر الباقر کی حدیث مرسل ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن ناخن کاٹنے کو مستحب فرماتے تھے۔ اور علامہ ابن جوزی نے از عطاء از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنے ناخن ہفتہ کے دن کاٹے تو اس سے بیماری نکل جائے گی اور اس میں شفاء داخل ہو جائے گی اور جس نے اپنے ناخن اتوار کے دن کاٹے تو اس سے بھوک اور فاقہ نکل جائے گا اور اس میں خوش حالی داخل ہو جائے گی اور جس نے اپنے ناخن پیر کے دن کاٹے تو اس سے بیماری نکل جائے گی اور صحت داخل ہو جائے گی اور جس نے اپنے ناخن منگل کے دن کاٹے تو اس سے برص نکل جائے گا اور اس میں عافیت داخل ہو جائے گی اور جس نے اپنے ناخن بدھ کے دن کاٹے تو اس سے وسواس اور خوف نکل جائے گا اور صحت اور امن داخل ہو جائے گا اور جس نے اپنے ناخن جمعرات کے دن کاٹے اس سے جذام نکل جائے گا اور اس سے عافیت داخل ہو جائے گی اور جس نے اپنے ناخن جمعہ کے دن کاٹے تو اس سے رحمت داخل ہو جائے گی اور گناہ نکل جائیں گے۔ پھر علامہ جوزی نے کہا: یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وضع کی گئی ہے اور یہ اقبح الموضوعات ہے یعنی سب سے قبیح موضوع ہے اور اس حدیث کی سند میں مجہول، متروک اور ضعیف راوی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۷۰۔۷۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۹۰۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ ابْنُ أَبِي رَجَاءٍ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ حَنْظَلَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مِنَ الْفِطْرَةِ حَلْقُ الْعَانَةِ وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ وَقَصُّ الشَّارِبِ۔ (سنن النسائی: ۱۲، مسند احمد: ۵۹۵۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن ابی رجاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسحاق بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حنظلہ سے سنا از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فطرت میں سے زیر ناف بالوں کو مونڈنا اور ناخنوں کو کاٹنا اور مونچھوں کو تراشنا ہے۔

صحیح البخاری: ۵۸۹۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے احمد بن ابی رجاء، ان کا نام عبداللہ بن ایوب ابوالولید الحنفی الہروی ہے، یہ ہرات میں بتیس ہجری (۳۲ھ) میں فوت ہو گئے تھے، ان کی قبر مشہور ہے اور ان کی زیارت کی جاتی ہے۔ (میں کہتا ہوں: ہو سکتا ہے کہ یہ دو سو بتیس ہجری ۲۳۲ھ ہو۔ سعیدی غفرلہ)۔ اور اس حدیث میں مشہور ہے اسحاق بن ابی سلیمان، یہ کوفی الاصل ہیں اور دو سو ہجری میں ۲۰۰ھ میں فوت ہو گئے تھے، اور حنظلہ بن سفیان کا ذکر ہے، ان کا ذکر ابھی گزرا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "من الفطرة" علامہ نووی نے یہاں لکھا ہے "من السنة"۔
اور اس حدیث میں مذکور ہے "قص الشارب" اور اسماعیلی کی روایت میں ہے "اخذ الشارب" یعنی مونچھوں کو لینا۔
(عمدة القاری ج ۲۲ ص ۷۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۹۱۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ الْفِطْرَةُ خَمْسٌ الْخِتَانُ وَالِاسْتِحْدَادُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ وَنَتْفُ الْآبَاطِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن شہاب نے حدیث بیان کی از سعید بن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ پانچ چیزیں فطرت ہیں: ختنہ کرانا، زیر ناف بالوں کو استرے سے مونڈنا، مونچھوں کو تراشنا، ناخنوں کو کاٹنا اور بغل کے بالوں کو اکھیڑنا۔

(صحیح البخاری: ۵۸۹۱۔۶۲۹۷، صحیح مسلم: ۲۵۷، سنن ترمذی: ۲۷۵۶، سنن نسائی: ۱۰، سنن ابوداود: ۴۱۹۸، سنن ابن ماجہ: ۲۹۲، مسند احمد: ۷۲۲)

صحیح البخاری: ۵۸۹۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ناخن کاٹنے کے ذکر میں ہے۔

۵۸۹۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَفِّرُوا اللِّحَى وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلَى لِحْيَتِهِ فَمَا فَضَلَ أَخَذَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن محمد بن زید نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: مشرکین کی مخالفت کرو اور ڈاڑھی بڑھاؤ اور مونچھوں کو مٹاؤ (یعنی اتنا زیادہ تراشو کہ کھال کی سفیدی نظر آئے)۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب حج کرتے یا عمرہ کرتے تو اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں پکڑتے اور جو بال مٹھی سے زائد ہوتے انہیں کاٹ دیتے۔

(صحیح البخاری: ۵۸۹۳، صحیح مسلم: ۲۵۹، سنن الترمذی: ۲۷۶۳، سنن نسائی: ۱۵، سنن ابوداود: ۴۱۹۹، مسند احمد: ۴۶۴۰)

صحیح البخاری: ۵۸۹۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا محل اس سے پہلے باب میں ہے اور یہاں اس کا ذکر مناسب نہیں ہے، کیونکہ اس سے پہلا باب مونچھوں کو تراشنے کے بارے میں تھا اور یہ باب ناخن کاٹنے کے بارے میں ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن منہال کا ذکر ہے، یہ البصری ہیں اور نابینا تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں عمر بن محمد بن زید کا ذکر ہے یہ ابن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''مشرکین کی مخالفت کرو''، اس سے مراد مجوس ہیں، اس پر صحیح مسلم کی ایک روایت دلالت کرتی ہے کہ آپ نے فرمایا: مشرکین کی مخالفت کرو کیونکہ وہ ڈاڑھی کو کاٹتے ہیں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو ڈاڑھی کو مونڈتے ہیں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''وفروا'' یہ توفیر سے امر کا صیغہ ہے، یعنی ڈاڑھی کو اپنی حالت پر باقی رکھو اور ڈاڑھی کو بڑھا ہوا چھوڑ دو۔ اور اللحاء، اس میں لام کے نیچے زیر بھی ہے اور لام پر پیش بھی ہے، اور یہ اللحیۃ کی جمع ہے۔ اور ڈاڑھی ان بالوں کو کہتے ہیں جو دونوں رخساروں اور ٹھوڑی پر بال ہوتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''واحفوا'' یہ احفاء کا امر ہے، اور اس کا معنی ہے: کاٹنا اور تراشنا، (اس سے پہلے باب میں علامہ عینی نے احفاء کا معنی لکھا ہے: جب بالوں کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے حتیٰ کہ وہ مونڈنے کی مثل ہو جائیں تو کہا جاتا ہے احفا شعرہ۔ اور چونکہ مونچھوں کو مٹانا اس کے تراشنے سے افضل ہے اس لیے امام طحاوی نے اس کو حلق الشارب سے تاویل کیا)۔

امام طبری نے کہا ہے: اگر تم یہ سوال کرو کہ ڈاڑھی بڑھانے کی کیا توجیہ ہے، حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ اگر ڈاڑھی کو مطلقاً چھوڑ دیا جائے اس حدیث کے ظاہر کی پیروی کرتے ہوئے تو ڈاڑھی طول اور عرض میں بہت بڑی ہو جائے گی اور انسان قبیح اور بدشکل ہو جائے گا حتیٰ کہ لوگ اس کی مثال بیان کریں گے۔

اس کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دلیل سے ثابت ہے کہ یہ حدیث مخصوص ہے اور ڈاڑھی کا مطلقاً بڑھانا ممنوع ہے اور اس کا کاٹنا واجب ہے اور متقدمین کا اس کی مقدار اور حد میں اختلاف ہے، پس بعض نے کہا: اس کی حد یہ ہے کہ جب وہ لمبائی میں قبضہ سے زیادہ ہو جائے اور چوڑائی میں پھیل جائے تو اس کا کاٹنا واجب ہے ورنہ وہ قبیح ہو گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک مرد کو دیکھا جس نے اپنی ڈاڑھی کو چھوڑ دیا تھا اور وہ بہت بڑی ہو گئی تھی تو انہوں نے اس کو پکڑ کر کھینچا، پھر ایک مرد کو حکم دیا کہ اس کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں اس کو کاٹ دو، پھر کہا: جاؤ! اپنے بالوں کی اصلاح کرو یا ان کو فاسد کرو، تم میں سے کوئی ایک اپنے آپ کو اس طرح چھوڑ دیتا ہے گویا کہ وہ درندوں میں سے ایک درندہ ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی ڈاڑھی کو ہاتھ سے پکڑتے اور قبضہ سے جو زائد ہوتی اس کو کاٹ دیتے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔

اور دوسرے فقہاء نے کہا: ڈاڑھی کی لمبائی اور چوڑائی میں سے اتنی کاٹو جتنی مقدار فحش نہ ہو اور انہوں نے اس میں کوئی حد نہیں بیان کی۔ اور میرے نزدیک یہ ہے کہ جب تک ڈاڑھی لوگوں کے عرف سے خارج نہ ہو۔ اور عطاء بن ابی رباح نے کہا: اس میں کوئی

حرج نہیں ہے کہ جب ڈاڑھی بڑھ جائے تو تھوڑی سی ڈاڑھی لمبائی سے کاٹ لے اور تھوڑی سی چوڑائی سے کاٹ لے اور انہوں نے عمر بن ہارون کی حدیث سے استدلال کیا ہے از اسامہ بن زید از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ڈاڑھی کے عرض اور طول سے کاٹتے تھے، اس حدیث کی امام ترمذی نے روایت کی ہے اور کہا ہے: یہ حدیث غریب ہے۔ اور میں نے محمد بن اسماعیل یعنی امام بخاری سے سنا: وہ کہتے تھے: عمر بن ہارون مقارب الحدیث ہے اور میں اس کی کوئی ایسی حدیث نہیں جانتا جس کی کوئی اصل نہ ہو، یا کہا: جس حدیث میں وہ منفرد ہو سوا اس حدیث کے۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ عمر بن ہارون کے متعلق اچھی رائے رکھتے تھے اور میں نے قتیبہ سے سنا، وہ کہتے تھے کہ عمر بن ہارون صاحب حدیث ہے اور وہ کہتے تھے کہ ایمان قول اور عمل ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب حج کرتے"۔ امام مالک نے موطا میں روایت کی ہے از نافع کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب حج میں اپنا سر مونڈتے یا عمرہ میں سر مونڈتے تو اپنی ڈاڑھی اور مونچھوں کے بال بھی کاٹتے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فما فضل"۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے ہاتھ سے ڈاڑھی کو پکڑتے اور جو ڈاڑھی قبضہ سے زائد ہوتی اس کو کاٹ دیتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حج کے موقع پر سر کو منڈاتے یعنی سر کا حلق کراتے اور جتنی ڈاڑھی قبضہ سے زائد ہوتی اس کو کاٹ دیتے تو گویا وہ "مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ" (الفتح: ۲۷) کو جمع کرتے تھے، یعنی وہ سر کا حلق کراتے اور ڈاڑھی کو قبضہ سے زائد ہونے پر کاٹتے۔

علامہ نووی نے کہا ہے: "واعفوا اللحی" میں ڈاڑھی کو بڑھانے کا جو امر ہے اس سے عورت مستثنیٰ ہے، اگر عورت کی ٹھوڑی پر بال اگ آئے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ ان بالوں کو مونڈ دے، اسی طرح اگر اس کی مونچھیں اگ آئیں تو مونچھوں کو مونڈنا بھی مستحب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۔ بَابٌ: إِعْفَاءِ اللِّحَى — ڈاڑھی کو چھوڑ دینا

عَفَوْا: كَثُرُوْا وَكَثُرَتْ أَمْوَالُهُمْ۔ — عفو کا معنی ہے: وہ زیادہ ہو گئے اور ان کے اموال زیادہ ہو گئے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب ڈاڑھی چھوڑنے کے بیان میں ہے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: امام بخاری نے اس لفظ کو رباعی سے استعمال کیا ہے اور اس کا معنی ہے: چھوڑنا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۸۳، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی حافظ ابن حجر عسقلانی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس کو صرف کی اصطلاح میں رباعی نہیں کہا جاتا بلکہ اس کو ثلاثی مزید فیہ کہا جاتا ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یہ تعلیق صحیح بخاری کے اکثر نسخوں میں موجود نہیں ہے اور امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیات کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ۔ حتیٰ کہ وہ خوب پھلے پھولے اور انہوں نے کہا: ہمارے باپ دادا پر بھی تنگی اور فراخی آتی رہی ہے۔ (الاعراف:۹۵)

امام بخاری نے ''عفوا'' کی تفسیر کی ہے کہ ''وہ زیادہ ہو گئے اور ان کے اموال بھی زیادہ ہو گئے''۔

امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں الاعفاء کو ذکر کیا ہے اور وہ ثلاثی مزید فیہ سے ہے جیسا کہ ہم نے ابھی بتایا ہے، اور پھر عفوا کا ذکر کیا ہے اور یہ ثلاثی مجرد سے ہے، گویا کہ امام بخاری نے اس سے یہ اشارہ کیا ہے کہ یہ مادہ حدیث میں دو معنی سے آیا ہے، پس پہلی صورت میں ''واعفوا'' کے اندر ہمزہ قطعی ہوگا اور دوسری صورت میں ہمزہ وصل کا ہوگا۔ اور علامہ ابن التین نے کہا ہے: ہمزہ قطعی کا اکثر ذکر ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۷۲۔ ۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۹۳۔ حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم انْهَكُوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللِّحَى۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن عمر نے خبر دی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مونچھوں کو زیادہ مبالغہ سے تراشو اور ڈاڑھی کو چھوڑ دو۔

(صحیح البخاری: ۵۸۹۳، صحیح مسلم: ۲۵۹، سنن الترمذی: ۲۷۶۳، سنن نسائی: ۱۵، سنن ابوداؤد: ۴۱۹۹، مسند احمد: ۴۶۴۰)

صحیح البخاری: ۵۸۹۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد کا ذکر ہے، وہ ابن سلام ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبدہ کا ذکر ہے، وہ ابن سلیمان ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''انھکوا'' یعنی مونچھوں کو تراشنے میں مبالغہ کرو اور ''نھك'' کے معنی ہیں: مبالغہ۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب حدیث میں ڈاڑھی کو چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی ڈاڑھی کو کیوں کاٹتے تھے حالانکہ وہ اس حدیث کے راوی ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ شاید حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ڈاڑھی کے کاٹنے کو حج کے ساتھ مخصوص رکھا کیونکہ وہ حج کے موقع پر ایک قبضہ سے زائد ڈاڑھی کو کاٹ دیتے تھے، دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ڈاڑھی کے چھوڑ دینے کے حکم کو اس پر محمول

کیا کہ ڈاڑھی کو اس طرح نہ کاٹو جس طرح عجمی کاٹتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

ڈاڑھی کی مقدار کا بیان اور شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کا رد از مصنف

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی اس بحث میں لکھتے ہیں:

مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حدیث میں ڈاڑھی بڑھانے کا حکم اور تاکید آئی ہے اور اس کی مقدار بتلانے کے لیے کوئی قولی روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں ہے، ہاں فعلی روایت صحابہ کرام کا یہ طرز عمل مروی ہے کہ ایک مشت سے زیادہ ڈاڑھی کو کتروا دیتے تھے اور ایک مشت کے اندر کتروانے کی کوئی سند نہیں ہے، اس لیے فقہائے کرام نے ایک مشت ڈاڑھی رکھنے کو واجب قرار دیا ہے اور اس سے کم رکھنے والے کو تارکِ واجب ہونے کی بناء پر فاسق کہا ہے۔

(کشف الباری، کتاب اللباس، کتاب الادب ص ۲۵۰، مکتبہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی کراچی)

میں کہتا ہوں: شیخ سلیم اللہ خان نے یہ صحیح نہیں لکھا کہ فقہائے کرام نے ایک مشت ڈاڑھی رکھنے کو واجب قرار دیا ہے اور اس سے کم ڈاڑھی رکھنے والے کو تارکِ واجب ہونے کی بناء پر فاسق کہا ہے، بلکہ تحقیق یہ ہے کہ تمام فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ قبضہ تک ڈاڑھی رکھنا سنت ہے اور انہوں نے قبضہ سے کم ڈاڑھی رکھنے والے کو فاسق نہیں کہا ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

ڈاڑھی کو لمبا کرنے کے قصد سے تیل نہ لگایا جائے جب کہ ڈاڑھی قدر مسنون کے مطابق ہو اور وہ (قدر مسنون) قبضہ ہے۔

(ہدایہ اولین ص ۱۰۲، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

ڈاڑھی میں قدر مسنون قبضہ ہے۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۷۰، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

(اور ڈاڑھی میں) قدر مسنون قبضہ ہے۔ (بنایہ ج ۱ ص ۱۳۴۴، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنو)

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

(اور ڈاڑھی میں) قدر مسنون قبضہ ہے۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۸۰، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ)

علامہ عثمان بن زیلعی متوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

(اور ڈاڑھی میں) قدر مسنون قبضہ ہے۔ (تبیین الحقائق، ج ۱ ص ۳۳۱، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

علامہ حسن بن عمار شرنبلالی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

(اور ڈاڑھی میں) قدر مسنون قبضہ ہے۔ (حاشیۃ الدرر و الغرر ج ۱ ص ۲۰۸، مطبوعہ مطبعہ عامرہ شرفیہ مصر، ۱۳۰۴ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ ڈاڑھی کو اس قدر کاٹنا چاہیے کہ اس کی مقدار ایک قبضہ ہو جائے جو کہ سنت اور میانہ روی کا متعارف طریقہ

ہے۔ (مرقات ج ۸ ص ۲۹۱، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ)

علامہ علاؤ الدین الحصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

ڈاڑھی میں قدر مسنون قبضہ ہے۔ (درمختار علی ہامش الرد ج ۲ ص ۱۵۵، ج ۵ ص ۵۹، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

ڈاڑھی میں سنت قبضہ ہے: اور وہ یہ ہے کہ مرد اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر قبضہ سے زائد کو کاٹ دے۔

(ردالمحتار ج ۵ ص ۳۵۹، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ)

علامہ سید احمد بن محمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں:

امام محمد نے کتاب الآثار میں امام ابوحنیفہ سے یہ نقل کیا ہے کہ قبضہ سے زائد ڈاڑھی کا کاٹنا سنت ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۱۶، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۵۲ھ)

ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ لکھتے ہیں:

ڈاڑھی میں کاٹنا سنت ہے اور وہ یہ ہے کہ مرد اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں لے اور مٹھی سے زائد کاٹ دے، امام محمد نے کتاب الآثار میں امام ابوحنیفہ سے اسی طرح نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں، اسی طرح محیط سرخسی میں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۵۸، مطبوعہ مطبعہ کبری بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ)

تاہم میں یہ کہتا ہوں کہ ہر چند کہ قبضہ تک ڈاڑھی رکھنا واجب نہیں ہے لیکن مستحب یہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ قبضہ سے زائد ڈاڑھی رکھی جائے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک قبضہ سے زائد تھی، آپ کی ڈاڑھی گھنی تھی اور سینہ کو بھر لیتی تھی اور چونکہ آپ دراز گردن تھے، کیونکہ کوتاہ گردن ہونا عیب ہے اس لیے آپ کی ڈاڑھی سینے کو تبھی بھرے گی جب وہ قبضہ سے زائد ہو، اس لیے آپ سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ قبضہ سے زائد ڈاڑھی رکھی جائے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۶۔ بَابُ: مَا يُذْكَرُ فِي الشَّيْبِ — سفید بالوں کے متعلق جو ذکر کیا جائے گا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

شیب کے معنی ہیں: سفید بال۔ اور اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ کیا سفید بالوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے یا ان کو رنگا جائے، پس اگر تم کہو کہ اس باب کو یہاں ذکر کرنے کی کیا توجیہ ہے؟۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہوں گا کیونکہ اس باب کی اس سے پہلے باب کے ساتھ مناسبت ہے، اور اس سے پہلے جو تین ابواب ذکر کیے گئے ہیں ان میں بھی ایک قسم کی زینت تھی، اس وجہ سے تمام ابواب کتاب اللباس میں داخل کیے گئے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۹۴۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ — امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معلّٰی بن

أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسًا أَخَضَبَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَمْ يَبْلُغِ الشَّيْبَ إِلَّا قَلِيلًا

اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی از ایوب از محمد بن سیرین، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خضاب لگایا تھا؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں کی سفیدی بہت کم تھی (یعنی خضاب لگانے کی حد کو نہیں پہنچی تھی)۔

(صحیح البخاری: ۳۵۵۰، ۵۸۹۵، صحیح مسلم: ۲۳۴۱، سنن نسائی: ۵۰۸۶، سنن ابوداؤد: ۴۲۰۹، سنن ابن ماجہ: ۳۶۲۹، مسند احمد: ۱۲۵۸۲)

صحیح البخاری: ۵۸۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معلی بن اسد، یہ نابینا ہیں اور ان کو ابوالہیثم البصری کہا جاتا ہے۔ اور وہیب کا ذکر ہے، وہیب تصغیر ہے، ان کا نام وہب بن خالد ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ایوب کا ذکر ہے، اور یہ السختیانی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں میں خضاب لگانے کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے ''اخضب'' اس میں ہمزہ استفہام کا ہے، یعنی کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خضاب لگایا تھا؟

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''لم یبلغ الشیب الا قلیلا'' یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال کم سفید ہوئے تھے۔ اور قلیل کی مقدار میں اختلاف ہے، ایک قول ہے کہ آپ کے انیس بال سفید تھے، دوسرا قول ہے کہ آپ کے بیس بال سفید تھے اور ابوالقاسم نے کتاب الشیب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ کے پندرہ بال سفید تھے۔ اور امام محمد بن سعد کے نزدیک سترہ یا اٹھارہ بال سفید تھے، اور الہیثم بالدھر کی حدیث میں ہے: تیس بال سفید تھے۔ اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ کے سر اور ڈاڑھی میں چند بال سفید تھے، جب آپ اپنے سر کے بالوں میں تیل لگاتے تو آپ کی مانگ بھی دکھائی دیتی۔ اور حضرت ابوبکر اور حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہما نے کہا: یا رسول اللہ! ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کے بال سفید ہو گئے ہیں، آپ نے فرمایا: میرے بال سفید کیوں نہ ہوں۔ اور ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ کے اکثر بال عنفقة میں سفید تھے (نچلے ہونٹ میں جو بال سفید ہوں ان کو عنفقة کہتے ہیں)۔ اور دوسروں نے کہا: آپ کی کنپٹیوں میں بھی سفید بال تھے۔ ''عنفقة'' ان بالوں کو کہتے ہیں جو ہونٹ اور ٹھوڑی کے درمیان ہوتے ہیں۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خضاب کے متعلق اختلاف ہے، اکثر نے خضاب لگانے سے منع کیا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی انہی میں سے ہیں۔ اور بعض نے خضاب لگانے کو ثابت کیا ہے کیونکہ حضرت ام سلمہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیثوں میں ہے کہ انہوں نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زرد رنگ کے ساتھ بالوں کو رنگتے تھے۔ اور ان اقوال میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ یہ زرد رنگ کی ایک خوشبو تھی جس نے اس کو دیکھا تو رنگ گمان کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۷۳۔ ۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۹۵۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ قَالَ سُئِلَ أَنَسٌ عَنْ خِضَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ إِنَّهُ لَمْ يَبْلُغْ مَا يَخْضِبُ لَوْ شِئْتُ أَنْ أَعُدَّ شَمَطَاتِهِ فِي لِحْيَتِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ثابت، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بال رنگنے کی مقدار کو نہیں پہنچے تھے، اگر میں چاہوں تو تمہیں گن کر بتاؤں کہ آپ کی ڈاڑھی میں کتنے سفید بال تھے۔

(صحیح البخاری: ۳۵۵۰، ۵۸۹۵، صحیح مسلم: ۲۳۴۱، سنن نسائی: ۵۰۸۶، سنن ابوداؤد: ۴۲۰۹، سنن ابن ماجہ: ۳۶۲۹، مسند احمد: ۱۲۵۸۲)

صحیح البخاری: ۵۸۹۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک میں سفید بالوں کے ہونے یا نہ ہونے کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے "فقال" یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بال اس حد کو نہیں پہنچے تھے کہ ان کو رنگا جائے۔ اور صحیح مسلم میں از ابن سیرین روایت ہے کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم خضاب لگاتے تھے یعنی بالوں کو رنگتے تھے؟ تو انہوں نے بتایا کہ آپ کے بال رنگنے کی حد کو نہیں پہنچے تھے، آپ کی ڈاڑھی میں چند سفید بال تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لو شئت" اور لو کا جواب محذوف ہے، اصل عبارت یہ ہے کہ اگر میں چاہوں کہ آپ کے سفید بالوں کو گنوں تو میں گن کر بتادوں گا، یعنی آپ کے سفید بال بہت کم تھے۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کے سفید بال بہت کم دکھائی دیتے تھے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "شمطاته" اس کا معنی ہے: سفید بال۔ اور اشمط اس شخص کو کہتے ہیں جس کے سر میں سفید بال ہوں۔ اور لغت کی کتاب المغرب میں مذکور ہے کہ کالے اور سفید بال ملے ہوئے ہوں تو اس کو شمط کہتے ہیں یعنی جس کی ڈاڑھی میں کالے اور سفید بال ہوں اور یہی اس باب کے مناسب ہے۔

بعض روایات میں آپ کے سفید بالوں کا ثبوت ہے اور بعض روایات میں سفید بالوں کی نفی ہے۔

ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ آپ کے سفید بال بہت کم تھے، جنہوں نے سفید بالوں کا ذکر کیا انہوں نے ان سفید بالوں کا اثبات کیا اور اعتبار کیا اور جنہوں نے نفی کی ہے تو انہوں نے ان سفید بالوں کا اعتبار نہیں کیا کیونکہ بہت کم تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۹۶۔ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مالک بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: اسرائیل نے حدیث

أَرْسَلَنِي أَهْلِي إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ وَقَبَضَ إِسْرَائِيلُ ثَلَاثَ أَصَابِعَ مِنْ قُصَّةٍ فِيهِ شَعَرٌ مِنْ شَعَرِ النَّبِيِّ ﷺ وَكَانَ إِذَا أَصَابَ الْإِنْسَانَ عَيْنٌ أَوْ شَيْءٌ بَعَثَ إِلَيْهَا مِخْضَبَهُ فَاطَّلَعْتُ فِي الْجُلْجُلِ فَرَأَيْتُ شَعَرَاتٍ حُمْرًا۔

(صحیح البخاری: ۵۸۹۷، ۵۸۹۸، سنن ابن ماجہ: ۳۶۲۳، مسند احمد: ۲۵۹۵۹)

بیان کی از عثمان بن عبداللہ بن موہب، انہوں نے کہا: مجھے میرے گھر والوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ کے پاس ایک پیالہ میں پانی دے کر بھیجا، (راوی حدیث) اسرائیل راوی نے تین انگلیاں بند کرلیں (یعنی اس نے تین انگلیاں بند کر کے بتایا کہ وہ چاندی کی ڈبیہ اتنی چھوٹی تھی)، اس چاندی کی ڈبیہ میں نبی ﷺ کے بالوں میں سے کچھ بال تھے۔ عثمان نے کہا: جب کسی شخص کو نظر بد لگ جاتی یا اور کوئی تکلیف ہوتی تو وہ اپنا پانی کا پیالہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیتا۔ (وہ اس پانی میں اس ڈبیہ کو ڈبو دیتیں جس میں نبی ﷺ کے بال تھے)، (عثمان نے کہا) میں نے شیشی کو دیکھا اس میں سرخ بال تھے۔

صحیح البخاری: ۵۸۹۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس میں یہ ذکر ہے کہ اس نے سرخ بال دیکھے، یعنی سفید بالوں پر سرخ خضاب لگایا ہوا تھا جس سے وہ سرخ ہو گئے تھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مالک بن اسماعیل، وہ ابن غسان نہدی ہیں۔ اور اسرائیل کا ذکر ہے، وہ ابن یونس بن ابی اسحاق السبیعی ہیں۔ اور عثمان بن عبداللہ بن موہب کا ذکر ہے، یہ الاعرج التیمی ہیں جو آلِ فاطمہ کے آزاد کردہ غلام تھے، امام بخاری نے ان سے صرف یہی حدیث روایت کی ہے۔ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے جو نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں، ان کا نام ہند بنت ابی امیہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

رسول اللہ ﷺ کے بالوں سے شفاء حاصل کرنا

اس حدیث میں مذکور ہے "اھلی" یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے عثمان بن عبداللہ بن موہب کی بیوی مراد ہوں یعنی ان کی بیوی نے بھیجا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "اسرائیل نے اپنی تین انگلیوں کو بند کیا"۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ تین انگلیوں سے یہ

اشارہ ہے کہ وہ پیالہ تین انگلیوں کے برابر چھوٹا تھا۔

علامہ عینی اس پر رد فرماتے ہیں: کہ جب وہ تین انگلیوں کے برابر چھوٹا پیالہ تھا تو اس میں کتنا پانی آ جائے گا۔ اور علامہ کرمانی نے کہا ہے: تین انگلیاں بند کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ عثمان نے تین مرتبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا، اور یہ معنی بعید ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''من فضة'' یہ اصل میں پیالہ کی صفت ہے، یعنی وہ پیالہ چاندی کا تھا۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ چاندی کے پیالہ کا استعمال کرنا مردوں اور عورتوں پر حرام ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: انہوں نے اس پیالہ کو چاندی سے ملمع کیا ہوا تھا۔

اس کے بعد علامہ عینی لکھتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں میں سے چند بال تھے، اور جب لوگ بیمار ہوتے تو وہ ان بالوں سے تبرک حاصل کرتے اور ان کی برکت سے شفاء طلب کرتے اور ان بالوں والی شیشی کو لے کر پانی کے ایک پیالہ میں رکھتے، پھر اس پانی کو پیتے تو ان کو شفاء حاصل ہوتی۔ اور عثمان کے گھر والوں نے اس شیشی کو لیا جس میں آپ کے موئے مبارک تھے، پھر انہوں نے اس شیشی کو پانی میں ڈالا اور پانی کو پیا جس سے ان کو شفاء حاصل ہوئی، پھر عثمان نے وہ شیشی واپس حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دی، پھر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے وہ شیشی رکھ دی اور پھر عثمان نے اس شیشی کو دیکھا تو اس میں سرخ بال تھے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ جب انسان کو کوئی نظرِ بد لگ جاتی یا کوئی اور مرض ہو جاتا تو اس کے گھر والے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف اس پیالہ کو بھیجتے اور اس میں آپ کے موئے مبارک والی شیشی رکھتے، پھر اس کے پانی کو پیتے تو انہیں شفاء حاصل ہو جاتی، اور وہ شیشی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیتے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۷۵۔۷۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۹۷۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا سَلَّامٌ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ فَأَخْرَجَتْ إِلَيْنَا شَعَرًا مِنْ شَعَرِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مَخْضُوبًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلام نے حدیث بیان کی از عثمان بن عبداللہ بن موہب، انہوں نے کہا: میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا تو انہوں نے ہماری طرف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں میں سے چند بال نکالے جو رنگے ہوئے تھے (یعنی ان پر خضاب کیا ہوا تھا)۔

(صحیح البخاری: ۵۸۹۷، ۵۸۹۸، سنن ابن ماجہ: ۳۶۲۳، مسند احمد: ۲۵۹۵۹)

۵۸۹۸۔ وَ قَالَ لَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا نُصَيْرُ بْنُ أَبِي الْأَشْعَثِ عَنِ ابْنِ مَوْهَبٍ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ أَرَتْهُ شَعَرَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَحْمَرَ۔

اور ہم سے ابونعیم نے کہا کہ ہمیں نُصیر بن ابی الاشعث نے حدیث بیان کی از ابن موہب، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرخ بال دکھائے۔

(صحیح البخاری: ۵۸۹۷، ۵۸۹۸، سنن ابن ماجہ: ۳۶۲۳، مسند احمد: ۲۵۹۵۹)

صحیح البخاری:۵۸۹۸،کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ عثمان بن عبداللہ کی حدیث کی دوسری سندیں ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''مخضوبا'' یہ شعریعنی بال کی صفت ہے اور یونس کی روایت میں ہے کہ وہ بال مہندی اور کتم سے رنگے ہوئے تھے،(کتم ایک بوٹی ہے جس سے سیاہ رنگ نکلتا ہے،یعنی سیاہ اور سرخ رنگ کے آمیزہ سے بال رنگے ہوئے تھے)۔

اس حدیث میں مذکور ہے''ارتہ''یعنی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے وہ بال عثمان بن عبداللہ بن موہب کو دکھائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۷۶۔۷۷،دارالکتب العلمیہ ،بیروت،۱۴۲۱ھ)

۶۷۔ بَابُ: الْخِضَابِ — خضاب یعنی بالوں کو رنگنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ سر اور ڈاڑھی کے سفید بالوں کو خضاب یعنی رنگنے کے ساتھ متغیر کرنا جائز ہے۔

الجوہری نے کہا ہے: خضاب وہ چیز ہے جس سے رنگا جائے اور کہا جاتا ہے''اختضبت بالحناء ونحوہ''میں نے مہندی وغیرہ سے بالوں کو رنگا۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۷۷،دارالکتب العلمیہ ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۸۹۹۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَسُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى لَا يَصْبُغُونَ فَخَالِفُوهُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی ، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی ،انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے حدیث بیان کی از ابی سلمہ وسلیمان بن یسار از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک یہود اور نصاریٰ بالوں کو نہیں رنگتے ،سوتم ان کی مخالفت کرو۔

(صحیح البخاری: ۳۴۶۲، ۵۸۹۹، صحیح مسلم: ۲۱۰۳، سنن نسائی: ۵۲۴۱، سنن ابوداؤد: ۴۲۰۳، سنن ابن ماجہ: ۳۶۲۱، مسند احمد: ۷۲۳۲)

صحیح البخاری:۵۸۹۹،کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے خضاب اور اس حدیث میں مذکور ہے''یہود ونصاریٰ کی مخالفت کرو، کیونکہ وہ بالوں میں خضاب نہیں لگاتے''۔تو ان کی مخالفت اس طرح ہوگی کہ تم بالوں میں خضاب لگاؤ۔اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حمیدی، اور یہ عبداللہ بن زبیر العیسیٰ ہیں جو حُمید کی طرف منسوب ہیں اور وہ ان کے اجداد میں سے ایک ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، اور وہ سفیان بن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الزہری، وہ محمد بن مسلم بن شہاب زہری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوسلمہ، یہ ابن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فخالفوھم'' یعنی تم بالوں میں خضاب لگا کر ان کی مخالفت کرو۔

اس جگہ یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ اہلِ کتاب کی موافقت کرتے تھے جب تک اس کے خلاف آپ کے اوپر کوئی چیز نازل نہ ہو، اس لیے کہا گیا ہے کہ ہم سے پہلی شریعت بھی ہم پر لازم ہے جب تک اللہ تعالیٰ اس کا انکار کے ساتھ ذکر نہ کرے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ ابتداءِ اسلام میں ہوتا تھا، نبی ﷺ یہود کی دلجوئی کرتے تھے اور بت پرستوں کی مخالفت کرتے تھے، پس جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے مستغنی کر دیا اور اسلام کو تمام دینوں پر غالب کر دیا تو پھر آپ یہود اور نصاریٰ کی مخالفت کو پسند کرتے تھے۔

خضاب لگانے کی صفت کا بیان

امام ابن ابی عاصم نے کہا ہے: اس حدیث میں نبی ﷺ نے مطلقاً فرمایا ہے کہ یہود کی مخالفت کرو، یعنی بالوں میں خضاب لگاؤ اور خضاب کا کوئی طریقہ نہیں بیان کیا، تو اس میں رخصت ہے کہ سفید بالوں کو متغیر کیا جائے خواہ کسی رنگ کے ساتھ متغیر کیا جائے۔

اور عبداللہ بن بریدہ نے از ابی الاسود الدؤلی نے از حضرت ابی ذر رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس چیز سے تم سفید بالوں کو متغیر کرو اس میں بہترین مہندی اور الکتم ہے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ سب سے افضل ہے۔

ضحاک بن حمزہ از غیلان بن جامع وایاد بن لقیط از حضرت ابی رمثہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور آپ کے بال مہندی اور الکتم سے رنگے ہوئے تھے۔

اور امام احمد نے سندِ حسن کے ساتھ از حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ انصار کے چند بوڑھے لوگوں کے ساتھ گزرے جن کی ڈاڑھیاں سفید تھیں تو آپ نے فرمایا: اے انصار کی جماعت! اپنے بالوں کو سرخ رنگ میں رنگو یا زرد رنگ میں رنگو اور اہلِ کتاب کی مخالفت کرو۔

اور ابن ابی عاصم نے از ہشام از والد خود از حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سفید بالوں کو متغیر کرو اور یہود کی مشابہت نہ اختیار کرو۔ اور امام اوزاعی نے اس حدیث کی روایت کی ہے کہ خضاب لگاؤ، کیونکہ یہود اور نصاریٰ خضاب نہیں لگاتے۔

بالوں کو رنگنے اور نہ رنگنے کی احادیث میں تطبیق اور خضاب کے حکم کی تحقیق

سفید بالوں کو متغیر کرنے میں اہلِ علم کا اختلاف ہے۔ پس شعبہ نے از الرکین بن الربیع روایت کی ہے کہ میں نے القاسم بن محمد سے سناوہ از عبدالرحمٰن بن حرملہ از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفید بالوں کے متغیر کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔

اور امام طبرانی نے از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے بال اسلام میں سفید ہو گئے وہ سفید بال اس کے لیے قیامت کے دن نور ہوں گے، سوا اس کے کہ وہ ان بالوں کو نوچ لے یا ان کو رنگ لے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند کاموں کو مکروہ قرار دیتے تھے اور ان کاموں میں سے سفید بالوں کے متغیر کرنے کو ذکر کیا۔

اور صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے سفید بالوں کو متغیر کیا ہے، پس قیس بن ابی حازم نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ ہماری طرف آتے اور آپ کی ڈاڑھی پر مہندی اور الکتم کا خضاب لگا ہوا ہوتا تھا۔

اور امام مسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مہندی اور الکتم سے خضاب لگایا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف مہندی کے ساتھ بالوں کو رنگا، اور شعبی اور ابن ملیکہ بھی خالص مہندی سے بالوں کو رنگتے تھے۔

اور جو اپنے بالوں کو زرد رنگ کے ساتھ رنگتے تھے، ان میں حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت المغیرہ، حضرت جریر البجلی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور تابعین میں عطاء، ابووائل، حسن بصری، طاؤس، سعید بن المسیب رحمہم اللہ ہیں۔

اور المہیب الطبری نے کہا: ہمارے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو آثار سفید بالوں کو رنگنے کے متعلق ہیں اور جو سفید بالوں کو رنگنے سے ممانعت کے آثار ہیں، یہ دونوں آثار صحیح ہیں، لیکن ان میں سے بعض عام ہیں اور بعض خاص ہیں۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہود کی مخالفت کرو اور سفید بالوں کو متغیر کرو، اس سے مراد خصوص ہے، یعنی ایسے سفید بالوں کو رنگو جو حضرت ابوقحافہ کے سفید بالوں کی مثل ہیں۔ اور جس کے کالے اور سفید بال ملے ہوئے ہوں تو یہ وہ ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ وہ اپنے بالوں کو متغیر نہ کرے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ جس کے بال اسلام میں سفید ہو گئے تو وہ اس کے لیے قیامت کے دن نور ہوں گے۔ الحدیث

اور اس لیے کہ یہ جائز نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو متضاد قول ہوں اور ان میں نسخ نہ ہو، پس ان کو جمع کرنا متعین ہو گیا۔ پس جن صحابہ نے اپنے سفید بالوں کو متغیر کیا وہ اس پر محمول ہے کہ ان کے سارے بال سفید تھے اور جنہوں نے اپنے بالوں کو متغیر نہیں کیا وہ اس پر محمول ہے کہ ان کے بال کالے اور سفید ملے ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں سفید بالوں کو متغیر کرنے کا حکم مستحب ہے، فرض نہیں ہے۔ اور آپ نے جو سفید بالوں کو متغیر کرنے سے منع فرمایا ہے، یہ ممانعت بھی تنزیہ کے لیے ہے تحریم کے لیے نہیں ہے اور اس پر امت کے متقدمین اور متاخرین علماء کا اجماع ہے۔

اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ سفید بالوں کو متغیر کرنے کی ممانعت منسوخ ہو گئی ہے اس باب کی حدیث سے جس میں آپ

نے فرمایا کہ سفید بالوں کو متغیر کرو اور یہود کی مخالفت کرو۔

علامہ ابن العربی نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید بالوں کو نوچنے سے منع فرمایا ہے رنگنے سے منع نہیں فرمایا، کیونکہ سفید بالوں کو نوچنے میں خلقت کی اصل سے تغییر ہے بہ خلاف خضاب کے، کیونکہ خضاب خلقت کو متغیر نہیں کرتا۔

اور امام احمد سے منقول ہے کہ خضاب لگانا واجب ہے اور ان سے یہ بھی منقول ہے کہ خضاب لگانا واجب ہے خواہ ایک بال ہی خضاب لگائے، اور ان سے یہ بھی منقول ہے کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص خضاب لگانے کو ترک کر دے اور اہل کتاب کی مشابہت اختیار کرے۔

خضاب کے رنگ کا بیان، سرخ اور زرد خضاب کا جواز اور سیاہ خضاب کی ممانعت اور بعض صحابہ سے سیاہ خضاب لگانے کا ثبوت

اس میں بھی اختلاف ہے کہ کس رنگ کے ساتھ سفید بالوں کو رنگا جائے، پس جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ سرخ اور زرد رنگ کے ساتھ سفید بالوں کو رنگا جائے نہ کہ سیاہ رنگ کے ساتھ، کیونکہ سیاہ رنگ کے ساتھ بالوں کو رنگنے کے متعلق احادیث میں وعید ہے۔

پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانہ میں ایک قوم ہوگی جو سیاہ رنگ کے ساتھ بالوں کو رنگے گی اور یہ لوگ جنت کی خوشبو نہیں پائیں گے۔

اور مثنیٰ بن الصباح نے از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: جس نے سیاہ رنگ کے ساتھ بالوں کو رنگا اللہ عزوجل اس کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا۔

امام طبرانی نے از جنادہ از حضرت ابوالدرداء روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سفید بالوں کو سیاہ رنگ کے ساتھ رنگا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا چہرہ سیاہ کر دے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سفید بالوں کو متغیر کرو اور سیاہ رنگ کے ساتھ متغیر نہ کرو۔

ابن ابی العاصم نے متعدد اسانید کے ساتھ روایت کی ہے کہ بے شک حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما دونوں سیاہ رنگ کے ساتھ بالوں کو رنگتے تھے، اور اسی طرح ابن شہاب نے روایت کی ہے۔

اور اسماعیل بن ابی عبداللہ سیاہ رنگ کے ساتھ بالوں کو رنگتے تھے۔

اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ سیاہ رنگ کے ساتھ بالوں کو رنگنے کا حکم دیتے تھے اور فرماتے تھے: اس سے بیوی کو سکون ملتا ہے اور دشمن اس سے مرعوب ہوتا ہے۔

اور ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سیاہ رنگ کے ساتھ بالوں کو متغیر کرتے تھے۔

اور عقبہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سیاہ رنگ کے ساتھ بالوں کو رنگتے تھے۔

اور فقہاء تابعین میں سے علی بن عبداللہ بن عباس، عروہ بن الزبیر، ابن سیرین اور ابو بردہ بھی سیاہ رنگ کے ساتھ بالوں کو رنگتے تھے۔

اور ابن وہب نے امام مالک سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے بالوں کو سیاہ رنگ سے رنگنے کے متعلق کوئی ممانعت نہیں سنی اور سیاہ رنگ کے علاوہ دوسرے رنگ میرے نزدیک زیادہ محبوب ہیں۔

اور امام احمد سے اس میں دو روایتیں ہیں، اور فقہاء شافعیہ سے بھی دو روایتیں ہیں اور مشہور یہ ہے کہ سیاہ رنگ کے ساتھ بالوں کو رنگنا مکروہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ حرام ہے۔

اور الکلبی نے ذکر کیا ہے کہ جس نے سب سے پہلے سیاہ رنگ کے ساتھ بالوں کو رنگا وہ عبد المطلب بن ہاشم تھے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ تو عرب میں سے سے پہلے تھے لیکن دنیا میں جس نے سب سے پہلے سیاہ رنگ کے ساتھ ڈاڑھی کو رنگا، وہ فرعون تھا اور اس کی ایک حکایت ہے جس کو ہم نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۸۷۔۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

سیاہ رنگ کے خضاب لگانے کے متعلق مصنف کا موقف

میں کہتا ہوں کہ ہر چند کہ بعض صحابہ سے سیاہ رنگ کا خضاب لگانا منقول ہے، تاہم بہتر یہ ہے کہ سیاہ خضاب سے بالوں کو نہ رنگا جائے کیونکہ سیاہ رنگ کا خضاب لگانے کے متعلق حدیث میں سخت وعید ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۶۸۔ بَابٌ: اَلْجَعْدِ — گھونگھریالے بالوں کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ''الجعد'' کا بیان ہے، یہ بال کی صفت ہے اور یہ گھونگھریالے بال ہیں جو سیدھے بالوں کے خلاف ہوتے ہیں۔ اور اس باب کو کتاب اللباس میں داخل کرنے کی توجیہ یہ ہے کہ یہ باب اس سے پہلے باب کا تابع ہے اور اُس باب کو داخل کرنے کی وجہ زینت تھی اور لباس بھی زینت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۰۰۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الْبَائِنِ وَلَا بِالْقَصِيرِ وَلَيْسَ بِالْأَبْيَضِ الْأَمْهَقِ وَلَيْسَ بِالْآدَمِ وَلَيْسَ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا بِالسَّبِطِ بَعَثَهُ اللّٰهُ عَلَى رَأْسِ أَرْبَعِينَ سَنَةً فَأَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِينَ وَبِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ عَلَى رَأْسِ سِتِّينَ سَنَةً وَلَيْسَ فِي رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ عِشْرُونَ شَعَرَةً بَيْضَاءَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک بن انس نے حدیث بیان کی از ربیعہ بن عبد الرحمٰن از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، انہوں نے ان سے سنا، وہ بیان کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت لمبے نہیں تھے اور نہ آپ کوتاہ قد تھے، اور نہ آپ بالکل سفید گورے رنگ کے تھے اور نہ گندمی رنگ کے تھے، آپ کے بال گھونگھریالے الجھے ہوئے نہیں تھے اور نہ بالکل سیدھے لٹکے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث فرمایا، پس آپ دس سال مکہ میں رہے اور دس سال مدینہ

(صحیح البخاری: ۳۵۴۷، صحیح مسلم: ۶۰۸۹، مسند احمد: ۱۳۵۱۹)

میں رہے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ساٹھ سال کی عمر میں وفات دے دی اور آپ کے سر اور آپ کی ڈاڑھی میں بیس بال (بھی) سفید نہیں تھے۔

صحیح البخاری: ۵۹۰۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "البائن" یعنی بہت لمبا قد حد سے بڑھا ہوا۔
اور اس حدیث میں مذکور ہے "الامهق" یعنی بہت زیادہ سفید رنگ جیسے چونے کا رنگ ہوتا ہے۔
اور اس حدیث میں مذکور ہے "القطط" یعنی شدید گھونگھریالے بال۔
اور اس حدیث میں مذکور ہے "السبط" یعنی سیدھے بال جو لٹکے ہوئے معلوم ہوں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس سال مکہ میں رہے اور ساٹھ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی، حالانکہ آپ تیرہ سال مکہ مکرمہ میں رہے اور تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی اور دوسری احادیث میں اسی طرح ہے، سو اس حدیث میں کسر کو حذف کر دیا ہے اور پوری پوری دہائی کو ذکر کیا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۹۰۱۔ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ يَقُولُ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَحْسَنَ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مِنَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ بَعْضُ أَصْحَابِي عَنْ مَالِكٍ إِنَّ جُمَّتَهُ لَتَضْرِبُ قَرِيبًا مِنْ مَنْكِبَيْهِ قَالَ أَبُو إِسْحَاقَ سَمِعْتُهُ يُحَدِّثُهُ غَيْرَ مَرَّةٍ مَا حَدَّثَ بِهِ قَطُّ إِلَّا ضَحِكَ قَالَ شُعْبَةُ شَعَرُهُ يَبْلُغُ شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مالک بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسرائیل نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے تھے: میں نے کسی کو سرخ حلہ پہنے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین نہیں دیکھا، (امام بخاری نے بیان کیا) میرے بعض اصحاب نے کہا از امام مالک کہ آپ کے سر کے بال آپ کے دونوں کندھوں کے قریب ہوتے تھے، ابو اسحاق نے کہا: میں نے ان کو یہ متعدد مرتبہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے، جب بھی وہ اس کو بیان کرتے تو ہنستے تھے۔
ابو اسحاق کی متابعت شعبہ نے کی ہے اور یہ کہا ہے کہ آپ کے سر کے بال کانوں کی لو تک تھے۔

(صحیح مسلم: ۲۳۳۷، سنن ترمذی: ۱۷۲۴، سنن نسائی: ۵۰۶۰، سنن ابوداؤد: ۴۱۸۳، مسند احمد: ۱۸۰۸۶)

صحیح البخاری: ۵۹۰۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے گھونگھریالے بال، اور اس حدیث میں مذکور ہے "کہ آپ کے سر کے بال آپ کے دونوں کندھوں کے قریب ہوتے تھے" اور اس جملہ میں بال کا ذکر ہے اور بال گھونگھریالے بالوں کو اور سیدھے بالوں دونوں کو شامل ہے، سو اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسرائیل، اور یہ ابن یونس بن ابی اسحاق سبیعی ہیں جو اپنے دادا ابو اسحاق عمرو بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "قال بعض اصحابی" یعنی امام بخاری نے کہا کہ میرے بعض اصحاب نے کہا۔ علامہ کرمانی نے کہا کہ یہ مجہول سے روایت ہے، اور کہا گیا ہے کہ یہ یعقوب بن سفیان ہیں، کیونکہ انہوں نے ان کو اسی طرح از مالک بن اسماعیل اسی سند سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے "از مالک"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وان جُمّته" (جیم پر پیش اور میم پر تشدید)، یہ سر کے بالوں کے مجموعہ کو کہتے ہیں جب کہ وہ کندھوں کے قریب تک لٹکے ہوئے ہوں، اور اس کے بعد کہا کہ شعبہ نے بتایا کہ آپ کے بال کانوں کی لو تک تھے اور یہ دونوں بال متقارب ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ بال آپ کے کانوں اور کندھوں کے درمیان تک تھے۔ اور ان بالوں میں اس وقت کمی ہو جاتی تھی جب آپ حج یا عمرہ کے موقع پر سر کے بالوں کو منڈواتے۔ ابن فارس نے کہا ہے: جو بال کانوں کی لو سے متجاوز ہوں ان کو "لمّة" کہتے ہیں اور جو کندھوں تک پہنچ جائیں ان کو "جمّة" کہتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۸۰۔۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۰۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضى الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أَرَانِي اللَّيْلَةَ عِنْدَ الْكَعْبَةِ فَرَأَيْتُ رَجُلًا آدَمَ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ مِنْ أُدْمِ الرِّجَالِ لَهُ لِمَّةٌ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ مِنَ اللِّمَمِ قَدْ رَجَّلَهَا فَهِيَ تَقْطُرُ مَاءً مُتَّكِئًا عَلَى رَجُلَيْنِ أَوْ عَلَى عَوَاتِقِ رَجُلَيْنِ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ فَسَأَلْتُ مَنْ هَذَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از نافع از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج رات مجھے کعبہ کے پاس دکھایا گیا، پس میں نے ایک گندمی رنگ کا مرد دیکھا جو بہت زیادہ حسین تھا جن کو تم نے گندمی رنگ میں دیکھا ہو، ان کے سر کے بال کانوں کی لو سے متجاوز تھے اور بہت حسین تھے جتنا کوئی حسین تم

فَقِيلَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَإِذَا أَنَا بِرَجُلٍ جَعْدٍ قَطَطٍ أَعْوَرِ الْعَيْنِ الْيُمْنَى كَأَنَّهَا عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ فَسَأَلْتُ مَنْ هٰذَا فَقِيلَ الْمَسِيحُ الدَّجَّالُ۔

(صحیح البخاری: ۳۴۳۹، ۳۴۴۰، ۳۴۴۱، ۵۹۰۲، ۶۹۹۹، ۷۰۲۶، ۷۱۲۸)

نے دیکھا ہو، انہوں نے ان بالوں میں کنگھی کی ہوئی تھی اور ان سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، وہ دو مردوں پر ٹیک لگائے ہوئے تھے یا فرمایا دو مردوں کے کندھوں پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، وہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے، میں نے سوال کیا یہ کون ہیں؟ پس بتایا گیا کہ یہ مسیح ابن مریم ہیں، اور اسی وقت میں نے ایک مرد کو دیکھا کہ جس کے سخت گھونگھریالے بال تھے اور اس کی دو آنکھوں میں سے سیدھی آنکھ کانی تھی، گویا کہ وہ ابھرا ہوا انگور ہے، میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ بتایا گیا یہ المسیح الدجال ہے۔

صحیح البخاری: ۵۹۰۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے گھونگھریالے بال، اور اس حدیث میں مذکور ہے'' کہ اچانک میں نے ایک مرد کو دیکھا جس کے سخت گھونگھریالے بال تھے'' اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے'' آدم''۔ یہ لفظ الادمہ سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: سخت گندمی رنگ، اور دوسرا قول ہے: یہ ''ادمت الارض'' سے ماخوذ ہے اور یہ زمین کا رنگ ہے، اور چونکہ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے تھے، اس لیے آپ کا نام آدم رکھا گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''لہ لمة'' یعنی ان کے ایسے بال تھے جو کندھوں تک لٹکے ہوئے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''قد رجّلها'' یہ لفظ ترجیل سے بنا ہے، اس کا معنی ہے: سر کے بالوں میں کنگھی کرنا۔

مسیح کا معنی

نیز اس حدیث میں مذکور ہے''المسیح ابن مریم'' کہا گیا ہے کہ ''المسیح'' یہ لفظ عربی میں بنایا گیا ہے، اصل میں یہ لفظ مشیخ تھا اور اس کو عربی میں بنایا گیا ہے، اور عبرانی زبان میں اس کا معنی ہے: مبارک۔ اور جن لوگوں نے کہا: یہ عربی لفظ ہے اور مسح سے مشتق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مریض کے اوپر اپنا ہاتھ پھیرتے مثلاً جو پیدائشی اندھا ہوتا یا پیدائشی ابرص ہوتا تو وہ تندرست ہو جاتا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ مسیح کا لفظ ممسوح کے معنی میں ہے، وہ اپنی ماں کے پیٹ سے جب نکلے تو ان کے جسم پر تیل ملا ہوا تھا۔ اور ہم نے اپنی کتاب تاریخ کبیر میں اس کی اور بہت وجوہات بیان کی ہیں، اسی طرح دجال کو مسیح کہنے کی بھی بہت وجوہ بیان کی ہیں۔

میں کہتا ہوں: دجال کو مسیح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی آنکھ مسوح تھی یعنی رگڑی ہوئی تھی۔ (سعیدی غفرلہ)

دجال مکہ میں داخل نہیں ہو سکتا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کو مکہ میں کیسے دیکھا؟

اس حدیث میں مذکور ہے "طافية" یعنی اس کی ایک آنکھ میں روشنی نہیں تھی اور وہ آنکھ ابھری ہوئی اور بلند تھی۔

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ ثابت ہے کہ دجال مکہ میں داخل نہیں ہوگا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کو کیسے دیکھا؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ وہ مکہ میں بہ طور غلبہ کے داخل نہیں ہوگا اور اپنی طاقت دکھاتا ہوا داخل نہیں ہوگا، یا اس سے مراد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دکھایا گیا تھا اس کے بعد وہ داخل نہیں ہوگا۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ آپ نے دجال کو مکہ میں دیکھا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۸۱۔ ۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۰۳۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا حِبَّانُ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا أَنَسٌ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَضْرِبُ شَعَرُهُ مَنْكِبَيْهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حبان نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال کندھوں تک پہنچتے تھے۔

(صحیح بخاری: ۵۹۰۴، صحیح مسلم: ۲۳۳۸، سنن نسائی: ۵۲۳۵، سنن ابن ماجہ: ۳۶۳۴، مسند احمد: ۱۱۵۸۶)

۵۹۰۴۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ كَانَ يَضْرِبُ شَعَرُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْكِبَيْهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر کے بالوں کو کندھوں تک پہنچاتے تھے۔

(صحیح بخاری: ۵۹۰۴، صحیح مسلم: ۲۳۳۸، سنن نسائی: ۵۲۳۵، سنن ابن ماجہ: ۳۶۳۴، مسند احمد: ۱۱۵۸۶)

صحیح البخاری: ۵۹۰۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے گھونگھریالے بال، اور اس حدیث میں بالوں کا ذکر ہے، اور گھونگریالے بال ہونا بھی بالوں کی صفت ہے، سو اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق، الغسانی نے کہا کہ شاید کہ وہ ابن منصور ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ راہویہ ہیں۔ اور ان

حدیث کی سند میں حبان کا ذکر ہے، وہ ابن ہلال ہیں۔ اور ہمام کا ذکر ہے، وہ ابن یحییٰ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

امام بخاری کے بعض اصحاب نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر کے بالوں کو کندھوں کے قریب تک پہنچاتے تھے اور شعبہ نے کہا: کانوں کی لَو تک پہنچاتے تھے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ اپنے سر کے بالوں کو کندھوں تک پہنچاتے تھے، تو ان تین اقوال میں کیسے تطبیق ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سر کے بالوں کی یہ مقدار اوقات اور احوال کے اعتبار سے مختلف ہوتی تھی، یہ علامہ کرمانی کا جواب ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس کی وضاحت یہ ہے کہ یہ مقداریں ایک وقت میں نہیں ہوتی تھیں بلکہ مختلف اوقات میں ہوتی تھیں، یعنی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بالوں کو نہ سنوارتے تو بال کندھوں تک پہنچ جاتے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بالوں کو سنوارتے تو کانوں کی لَو تک ہوتے یا کندھوں کے قریب تک ہوتے، تو ہر شخص نے آپ کے بالوں کی مقدار وہی بیان کی جو اس نے دیکھا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۰۵۔ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ عَنْ شَعَرِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ كَانَ شَعَرُ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم رَجِلًا لَيْسَ بِالسَّبِطِ وَلَا الْجَعْدِ بَيْنَ أُذُنَيْهِ وَعَاتِقِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہب بن جریر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از قتادہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں سے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال گھونگھریالے اور سیدھے بالوں کے درمیانی تھے، نہ بالکل سیدھے تھے لٹکے ہوئے اور نہ گھونگھریالے تھے اور آپ کے بال آپ کے کانوں اور کندھوں تک تھے۔

(صحیح بخاری: ۵۹۰۶، صحیح مسلم: ۲۳۳۸، سنن ترمذی: ۱۷۵۴، سنن نسائی: ۵۰۵۳، سنن ابن ماجہ: ۳۶۳۴، مسند احمد: ۱۱۹۷۴)

صحیح البخاری: ۵۹۰۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال "رَجِل" (راء پر زبر اور جیم کے نیچے زیر) تھے اور یہ ایسے بال ہیں جو گھونگھریالے بال اور سیدھے بالوں کے درمیان ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۰۶۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم نے

أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ ضَخْمَ الْيَدَيْنِ لَمْ أَرَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَكَانَ شَعَرُ النَّبِيِّ ﷺ رَجِلًا لَا جَعْدَ وَلَا سَبِطًا۔

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، انہوں نے بتایا کہ نبی ﷺ کے دونوں ہاتھ بھرے ہوئے تھے، میں نے آپ کے بعد آپ کی مثل نہیں دیکھی اور نبی ﷺ کے بال درمیانی تھے نہ گھونگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے لٹکے ہوئے تھے۔

(صحیح بخاری: ۵۹۰۶، صحیح مسلم: ۲۳۳۸، سنن ترمذی: ۱۷۵۴، سنن نسائی: ۵۰۵۳، سنن ابن ماجہ: ۳۶۳۴، مسند احمد: ۱۱۸۵۷)

صحیح البخاری: ۵۹۰۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ضخم الیدین'' یعنی آپ کے دونوں ہاتھ بھرے بھرے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۸۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۰۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ ﷺ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ ضَخْمَ الْيَدَيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ حَسَنَ الْوَجْهِ لَمْ أَرَ بَعْدَهُ وَلَا قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَكَانَ بَسِطَ الْكَفَّيْنِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر بن حازم نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر بھرے بھرے تھے، آپ کا چہرہ حسین تھا، میں نے آپ کے بعد اور آپ سے پہلے آپ کی مثل نہیں دیکھی اور آپ کے دونوں ہاتھ کشادہ تھے۔

(صحیح بخاری: ۵۹۰۶، ۵۹۰۸، ۵۹۱۰، ۵۹۱۱، صحیح مسلم: ۲۳۳۸، سنن ترمذی: ۱۷۵۴، سنن نسائی: ۵۰۵۳، سنن ابن ماجہ: ۳۶۳۴، مسند احمد: ۱۱۸۵۷)

صحیح البخاری: ۵۹۰۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالنعمان، یہ محمد بن الفضل السدوسی ہیں، ان کو عارم بھی کہا جاتا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''بسط الکفین'' یعنی آپ کے دونوں ہاتھ خلقتاً وصورتاً کشادہ تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عطاء کرنے میں آپ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے تھے اور پہلا معنی مقام کے زیادہ مناسب ہے۔ ایک روایت میں ''بسیط الیدین''

ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۰۸، ۵۹۰۹۔ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هَانِئٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَوْ عَنْ رَجُلٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ ضَخْمَ الْقَدَمَيْنِ حَسَنَ الْوَجْهِ لَمْ أَرَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معاذ بن ھانی ء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ یا از ایک مرد از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں پیر بھرے بھرے تھے اور آپ کا چہرہ حسین تھا، میں نے آپ کے بعد آپ کی مثل نہیں دیکھی۔

(صحیح بخاری: ۵۹۰۶، ۵۹۰۸، ۵۹۱۰، ۵۹۱۱، صحیح مسلم: ۲۳۳۸، سنن ترمذی: ۱۷۵۴، سنن نسائی: ۵۰۵۳، سنن ابن ماجہ: ۳۶۳۴، مسند احمد: ۱۱۸۵۷)

۵۹۱۰۔ وَقَالَ هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ شَثْنَ الْقَدَمَيْنِ وَالْكَفَّيْنِ۔

اور ہشام نے کہا از معمر از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں قدم اور دونوں ہتھیلیاں بھری بھری تھیں، گداز تھیں۔

(صحیح بخاری: ۵۹۰۶، ۵۹۰۸، ۵۹۱۰، ۵۹۱۱، صحیح مسلم: ۲۳۳۸، سنن ترمذی: ۱۷۵۴، سنن نسائی: ۵۰۵۳، سنن ابن ماجہ: ۳۶۳۴، مسند احمد: ۱۱۸۵۷)

۵۹۱۱، ۵۹۱۲۔ وَقَالَ أَبُو هِلَالٍ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ أَوْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ ضَخْمَ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ لَمْ أَرَ بَعْدَهُ شَبَهًا لَهُ۔

اور ابو ہلال نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ یا حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں ہتھیلیاں اور دونوں قدم گداز اور بھرے بھرے تھے، میں نے آپ کے بعد آپ کے مشابہ کسی کو نہیں دیکھا۔

(صحیح بخاری: ۵۹۰۶، ۵۹۰۸، ۵۹۱۰، ۵۹۱۱، صحیح مسلم: ۲۳۳۸، سنن ترمذی: ۱۷۵۴، سنن نسائی: ۵۰۵۳، سنن ابن ماجہ: ۳۶۳۴، مسند احمد: ۱۱۸۵۷)

صحیح البخاری: ۵۹۱۱، ۵۹۱۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے جو حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کے درمیان متردد ہے، جس کو امام بخاری نے معاذ بن ہانی سے روایت کیا ہے، یہ الیشکری ہیں اور ان کی وفات ۲۰۹ھ میں ہوگئی تھی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "او عن رجل"۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس تردید کی وجہ سے یہ روایت مجہول سی ہوگئی ہے، پھر

علامہ کرمانی نے کہا کہ لفظِ ابو ہریرہ فقط رجل کے ساتھ متعلق ہے یا حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی متعلق ہے؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ لفظِ ابو ہریرہ صرف رجل کے ساتھ متعلق ہے، کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے اور وہ آپ کے ساتھ ہمیشہ رہتے تھے اور وہ آپ کی صفات کو دوسروں سے زیادہ جاننے والے تھے، سو یہ بعید ہے کہ وہ آپ کی صفت کو کسی اور صحابی مرد سے روایت کریں جوان سے کم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہو۔

ابو مسعود اور الحمیدی نے کہا ہے: اس سند میں تردد معاذ بن ہانی کے درمیان ہے، آیا ان کو ہمام نے از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے یا از قتادہ از ایک مرد از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: ہر حال میں اس حدیث میں دو چیزیں ہیں، اول یہ کہ سند میں تردد ہے اور ثانی یہ ہے کہ اس میں مجہول سے روایت ہے۔

صحیح بخاری: ۵۹۱۰ میں مذکور ہے "شثن الکفین" اس کا معنی ہے: غلیظ الکفین، یعنی دونوں ہاتھ کھلے ہوئے تھے اور دوسرا معنی ہے: غلیظ الاصابع والراح" یعنی انگلیاں اور ہتھیلی کا درمیانی حصہ بھاری تھا۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی گوشت سے پُر تھی لیکن وہ بھری بھری ہونے کے باوجود نرم اور ملائم تھی جیسا کہ حدیث میں ہے "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ کسی ریشم کو نرم اور ملائم نہیں چھوا"۔

صحیح البخاری: ۵۹۱۲ کی سند میں ہے "قال ابو هلال": ان کا نام محمد بن مسلم ہے، اور اس تعلیق کو امام بیہقی نے سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے از موسیٰ بن اسماعیل التبوذکی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو ہلال نے یہ حدیث بیان کی۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ محمد بن مسلم تو اپنے حفظ کے اعتبار سے ضعیف ہیں اور اس سند میں قتادہ از انس یا از ایک مرد تردید ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلیوں اور قدموں کے بارے میں کئی روایات ہیں اور ان کا اس باب کے عنوان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ ان روایات میں سے ایک روایت جریر بن حازم کی ہے اور وہ حدیث صحیح ہے، کیونکہ اس کی سند میں قتادہ نے تصریح کی ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا ہے، اور امام بخاری نے اس طریقہ سے بیان کر کے یہ ارادہ کیا ہے کہ اس میں قتادہ کا اختلاف ہے اور اس اختلاف کی اس حدیث کی صحت میں کوئی تاثیر نہیں ہے، اور ابو ہلال بصری بہت زیادہ صادق ہے، اور ہتھیلیوں اور قدمین کی صفت میں جو روایات ہیں ان کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ وہ حدیث واحد ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۱۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما فَذَكَرُوا الدَّجَّالَ فَقَالَ إِنَّهُ مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَمْ أَسْمَعْهُ قَالَ ذَاكَ وَلَكِنَّهُ قَالَ أَمَّا إِبْرَاهِيمُ فَانْظُرُوا إِلَى صَاحِبِكُمْ وَأَمَّا مُوسَى فَرَجُلٌ آدَمُ جَعْدٌ عَلَى جَمَلٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن عدی نے حدیث بیان کی از ابن عون از مجاہد، انہوں نے کہا: ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھے تو لوگوں نے دجال کا ذکر کیا، تو کسی نے کہا: اس کی دو آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

أَحْمَرَ مَخْطُومٍ بِخُلْبَةٍ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ إِذِ انْحَدَرَ فِي الْوَادِي يُلَبِّي۔

(صحیح بخاری: ۱۵۵۵، ۳۳۵۵، ۵۹۱۳، صحیح مسلم: ۱۶۶، مسند احمد: ۲۴۹۷)

سے یہ نہیں سنا، لیکن آپ نے یہ فرمایا تھا کہ رہے حضرت ابراہیم علیہ السلام تو تم اپنے پیغمبر کو دیکھو اور رہے حضرت موسیٰ علیہ السلام، تو وہ گندمی رنگ کے مرد ہیں، ان کے بال گھونگھریالے ہیں، گویا کہ میں اس وقت بھی انہیں دیکھ رہا ہوں، وہ ایک سرخ اونٹ پر سوار ہیں اور ان کے اونٹ کی نکیل کھجور کی چھال کی ہے۔ جب وہ اس وادی سے لبیک کہتے ہوئے اتر رہے ہیں۔

صحیح البخاری: ۵۹۱۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "گھونگھریالے بال" اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بال گھونگھریالے تھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی عدی، ان کا نام ابراہیم بصری ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن عون، وہ عبداللہ ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۸۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو دیکھا، اس کی توجیہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ گویا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف دیکھ رہا ہوں، اہل علم نے اس کی متعدد توجیہات کی ہیں:

(۱) آپ کا یہ ارشاد اپنی حقیقت پر محمول ہے اور انبیاء علیہم السلام اپنے رب کے نزدیک زندہ ہوتے ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے، پس اس لحاظ سے ان کے حج کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ (صحیح مسلم، الرقم المسلسل: ۶۰۴۲)

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے دلوں میں عبادت کی محبت ڈالی گئی ہے، سو ان کے نفسوں میں جو عبادت کے محرکات ہیں، اس کے موافق وہ عبادت کرتے ہیں جیسا کہ اہل جنت کو ذکر کا الہام کیا جائے گا، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آخرت کا عمل ذکر اور دعا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ۔ (یونس: ۱۰) اور جنتوں میں ان کی (بے ساختہ) یہ پکار ہوگی: پاک ہے تو اے اللہ!

لیکن اس توجیہ کا تتمہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی روحوں کی طرف دیکھا جاتا ہے، پس شاید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان کی روح اس طرح جسم مثالی میں دکھائی گئی جس طرح ان کو شب معراج دکھایا گیا تھا۔ رہے ان کے اجسام جو قبروں میں ہیں تو ابن المنیر وغیرہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی روح کے لیے ایک مثال بنا دیتا ہے تو ان کی روح بیداری میں اسی طرح دکھائی دیتی ہے، جس طرح

خواب میں دکھائی دیتی ہے۔

(۲) گویا انبیاء علیہم السلام کے جو احوال دنیا کی زندگی میں تھے کہ وہ کس طرح عبادت کرتے تھے اور کس طرح حج کرتے تھے اور کس طرح تلبیہ پڑھتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وہ احوال متمثل کر دیئے گئے تھے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں۔

(۳) گویا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعہ یہ خبر دی گئی اور چونکہ آپ کو اس خبر کی قطعیت پر یقین تھا، اس لیے آپ نے فرمایا: گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں۔

(۴) گویا کہ آپ نے اس سے پہلے خواب میں یہ واقعہ دیکھا تھا، پس جب آپ نے حج کیا تو آپ کو یہ واقعہ یاد آ گیا، سو آپ نے اس کی خبر دی، اور انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں اور یہ جواب میرے نزدیک معتمد ہے، جیسا کہ احادیث الانبیاء کے باب میں اس کی تصریح آئے گی اور اس سے پہلے جو جوابات ذکر کیے ہیں وہ بھی بعید نہیں ہیں۔

علامہ طیبی، محدث دہلوی اور دیگر علماء اسلام کی یہ تصریح کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے زمانہ میں ہر زمانہ کے احوال دیکھتے ہیں اور دیگر جوابات کا ذکر کرنا

علامہ شرف الدین حسین بن محمد بن عبد اللہ الطیبی المتوفی ۷۴۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کیسے حج کرتے ہیں اور کیسے تلبیہ پڑھتے ہیں حالانکہ وہ وفات پا چکے ہیں اور دارِ آخرت دارِ عمل نہیں ہے، اس اعتراض کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) انبیاء علیہم السلام شہداء کی مثل ہیں، بلکہ ان سے افضل ہیں اور شہداء اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، پس یہ بعید نہیں ہے کہ وہ حج کریں اور نماز پڑھیں اور اپنی طاقت کے مطابق اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں کیونکہ ہر چند کہ وہ وفات پا چکے ہیں لیکن وہ ابھی اس دنیا میں ہیں اور یہ دنیا دار العمل ہے، حتیٰ کہ دنیا کی مدت فنا ہو جائے اور اس کے بعد آخرت آ جائے جو کہ دار الجزاء ہے، پھر عمل منقطع ہو جائے گا۔

(۲) تلبیہ ("اللھم لبیك اللھم لبیك" پڑھنا) دعا ہے اور یہ آخرت کے اعمال سے ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (یونس:۱۰)

اور جنتوں میں ان کی (بے ساختہ) یہ پکار ہوگی: پاک ہے تو اے اللہ! اور جنتوں میں ان کی ایک دوسرے کے لیے یہ دعا ہوگی: سلام علیکم، اور ہر بات کے آخر میں ان کا یہ کہنا ہوگا: "الحمد للہ رب العلمین ۝"

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو جو دیکھا تھا، سو یہ شب معراج کے علاوہ خواب میں دیکھا تھا جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ جس وقت میں سویا ہوا تھا تو میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں کعبہ کے گرد طواف کر رہا ہوں...... انہوں نے اس حدیث کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ذکر کیا ہے۔

(۴) ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء علیہم السلام کے وہ احوال دکھائے گئے جو ان کی دنیاوی حیات میں تھے اور انبیاء علیہم السلام کو ان کی حیات کے حال میں متمثل کیا، خواہ وہ جو عمل کر رہے ہوں اور جس طرح ان کا حج اور ان کا تلبیہ تھا، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گویا کہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف دیکھ رہا ہوں۔

(۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف انبیاء علیہم السلام کے احوال کی وحی کی گئی تھی اور آپ کو خبر دی گئی تھی کہ وہ اپنی زندگی میں کیا کرتے ہیں، سو اس کے اعتبار سے آپ نے خبر دی۔ یہاں تک قاضی عیاض کا کلام تھا۔ (شرح الطیبی ج ۱۰ ص ۳۱۹۔ ۳۲۰، ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۱۳ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ نے اس پوری عبارت کو من وعن نقل کر دیا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح ج ۹ ص ۷۰۵، المکتبۃ الحقانیہ، پشاور)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام کو دیکھا، یہ آپ کے علم الیقین سے کنایہ ہے یعنی میں ان کے احوال کا اس طرح علم رکھتا ہوں کہ جس طرح میں نے ان کو زندگی کے حال میں دیکھا ہے گویا کہ میں ان کو ان کی زندگی میں دیکھ رہا ہوں اور بعض علماء نے کہا کہ یہ سب خواب کا واقعہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو متمثل کر کے آپ پر منکشف کر دیا تھا، اور بعض اہل تحقیق نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسی وقت میں ان کی زندگی کی حالت میں دیکھا اور یہ اس عالم میں تھا جس میں ماضی، حال اور مستقبل نہیں ہوتا، اور بندہ مسکین عبد الحق یہ کہتا ہے کہ تمام انبیاء حیاتِ حقیقی دنیاوی کے ساتھ زندہ ہیں لیکن عام لوگوں کی نظر سے محجوب ہیں، پس انہوں نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت میں بغیر ان کی نیند کے اور بغیر اپنی مثال کے بغیر کسی اشتباہ اور اشکال کے خود کو دکھایا۔

(اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۴۸۱، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

شیخ نور الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۷۳ھ، اس حدیث کی توجیہات میں لکھتے ہیں:

مخفی نہ رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج متعدد انبیاء علیہم السلام کا مشاہدہ کیا تھا، پس ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح جسم میں متمثل ہو گئی ہو اور آپ نے ان کو بیداری میں دیکھا ہو، اور یہ تمثل اس وجہ سے ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حج کرتے ہوئے خواب میں دیکھا ہو، اور انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے زمانہ میں حج کیا ہو اور ''اللھم لبیک'' پڑھا ہو اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان کا زمانہ کا حج منکشف کر دیا گیا ہو۔ (تیسیر القاری ج ۲ ص ۶۸، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

۱۹۔ بَابُ: التَّلْبِيدِ بالوں کو چپکانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب تلبید کے بیان میں ہے اور تلبید یہ ہے کہ محرم اپنے سر میں تھوڑا سا گوند لگا لے تاکہ اس کے بال چپک جائیں اور ان بالوں میں جوئیں واقع نہ ہوں، دوسرا قول یہ ہے تاکہ اس کے بال احرام میں بکھرے ہوئے نہ ہوں، اور اس باب کو یہاں وارد

کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اور اس سے پہلے والے ابواب بالوں کے احوال میں ہیں اور بالوں کو گوند سے چپکانا بھی بالوں کا ایک حال ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۱۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ رضی اللہ عنہ يَقُولُ مَنْ ضَفَّرَ فَلْيَحْلِقْ وَلَا تَشَبَّهُوا بِالتَّلْبِيدِ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مُلَبِّدًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے سالم بن عبداللہ نے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے، وہ کہتے تھے: جس نے مینڈھیاں بنائیں وہ بال منڈوالے اور تلبید کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرو۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بال چپکائے ہوئے دیکھا ہے۔

(صحیح بخاری: ۱۵۴۰، ۱۵۴۹، ۵۹۱۴، ۵۹۱۵، صحیح مسلم: ۱۱۸۴، سنن نسائی: ۲۶۸۳، سنن ابوداؤد: ۱۷۴۷، سنن ابن ماجہ: ۳۰۴۷)

صحیح البخاری: ۵۹۱۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے التلبید یعنی بالوں کو چپکا کر جمانا اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ''تلبید کی مشابہت اختیار نہ کرو''۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، ان کا نام الحکم بن نافع ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''من ضفر'' یعنی جس نے اپنے بالوں کی چوڑائی میں مینڈھیاں بنائیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ جس نے اپنے سر کے بالوں میں حالتِ احرام میں گوند لگایا اس پر احرام سے حلال ہونے کے لیے سر کے بالوں کا منڈوانا متعین ہے اور سر کے بالوں کو کاٹنا اس کو کفایت نہیں کرے گا۔ پس جس نے اپنے سر کے بال کی مینڈھیاں بنائیں اس کو انہوں نے اس کے ساتھ تشبیہ دی جو اپنے سر کے بالوں کو گوند سے چپکاتا ہو، پس اس لیے انہوں نے حکم دیا کہ جس نے سر کے بالوں کی مینڈھیاں بنائیں وہ سر کے بالوں کو منڈوائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ولا تشبھوا'' یعنی تم مینڈھیاں نہ بناؤ جیسے لوگ بال چپکاتے ہیں، کیونکہ بالوں کو چپکانا غیر احرام میں مکروہ ہے اور احرام کے اندر مستحب ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے:"وکان ابن عمر الی آخرہ" اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ سمجھا کہ ان کے والد کی رائے یہ ہے کہ سر کے بالوں کے چپکانے کو ترک کرنا اولیٰ ہے، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا کہ آپ سر کے بالوں کو چپکائے ہوئے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلبید سے یعنی بالوں کو چپکانے سے منع کرتے تھے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ میں نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ نے بالوں کو گوند سے چپکا کر جمایا ہوا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۱۵۔ حَدَّثَنِي حِبَّانُ بْنُ مُوسَى وَأَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُهِلُّ مُلَبِّدًا يَقُولُ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَا يَزِيدُ عَلَى هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ۔ (صحیح مسلم: ۱۱۸۴، مسند احمد: ۵۹۸۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے حبان بن موسیٰ نے حدیث بیان کی اور احمد بن محمد نے، ان دونوں نے کہا کہ ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از الزہری از سالم از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر کے بالوں کو گوند سے چپکائے ہوئے احرام باندھ رہے تھے اور آپ تلبیہ پڑھ رہے تھے: لبیک اللھم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک، ان الحمد والنعمة لک والملک، لا شریک لک" نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات کے اوپر اضافہ نہیں فرمارہے تھے۔

صحیح البخاری: ۵۹۱۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حبان بن موسیٰ کا ذکر ہے، یہ المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں احمد بن محمد کا ذکر ہے، یہ ابن موسیٰ السمسار المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن مبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یونس کا ذکر ہے، یہ یونس بن یزید ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یھل ملبدا" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احرام باندھتے ہوئے بلند آواز سے تلبیہ پڑھ رہے تھے اور اس حال میں آپ نے اپنے بالوں کو گوند سے چپکایا ہوا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۱۶۔ حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ حَفْصَةَ رضی الله عنها

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث

زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ مَا شَأْنُ النَّاسِ حَلُّوا بِعُمْرَةٍ وَلَمْ تَحْلِلْ أَنْتَ مِنْ عُمْرَتِكَ قَالَ إِنِّي لَبَّدْتُ رَأْسِي وَقَلَّدْتُ هَدْيِي فَلَا أَحِلُّ حَتَّى أَنْحَرَ۔

بیان کی از نافع از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما از حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا جو نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں، وہ بیان کرتی ہیں: میں نے کہا: یارسول اللہ! لوگوں کو کیا ہوا انہوں نے اپنے عمرہ کا احرام کھول دیا اور آپ نے اپنے عمرہ کا احرام نہیں کھولا؟ آپ نے فرمایا: میں نے اپنے سر کے بالوں کو چپکا کر جمالیا ہے اور اپنے قربانی کے جانور کے (گلے میں) ہار ڈال دیا ہے، پس میں اس وقت تک احرام نہیں کھولوں گا جب تک کہ اس کو نحر کرلوں۔

(صحیح البخاری:۱۵۶۶، ۱۶۹۷، ۱۷۲۵، ۴۳۹۸، ۵۹۱۶، صحیح مسلم:۱۲۲۹، سنن نسائی:۲۷۸۱، سنن ابوداؤد:۱۸۰۶، سنن ابن ماجہ:۳۰۴۶، مسند احمد:۲۵۸۹۳، موطا امام مالک:۸۹۷)

صحیح البخاری:۵۹۱۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے بالوں کو چپکانا اور اس حدیث میں مذکور ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے سر کے بالوں کو چپکا کر جمالیا ہے، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، یہ ابن ابی اویس ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۸۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۰۔ بَابُ: الْفَرْقِ — سر کے بالوں کے درمیان میں مانگ نکالنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب فرق کے بیان میں ہے، اس سے مراد ہے: سر کے بالوں کا درمیان میں فرق کرنا یعنی سر کے بالوں کو درمیان سے دو حصوں میں تقسیم کر دینا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۸۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۱۷۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ أَهْلِ الْكِتَابِ فِيمَا لَمْ يُؤْمَرْ فِيهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن شہاب نے حدیث بیان کی از عبید اللہ بن عبد اللہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان

وَكَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَسْدِلُونَ أَشْعَارَهُمْ وَكَانَ الْمُشْرِكُونَ يَفْرُقُونَ رُءُوسَهُمْ فَسَدَلَ النَّبِيُّ ﷺ نَاصِيَتَهُ ثُمَّ فَرَقَ بَعْدُ۔

کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جن چیزوں میں آپ کو حکم نہ دیا گیا ہو، ان میں آپ اہل کتاب کی موافقت کو پسند کرتے تھے، اور اہل کتاب اپنے بالوں کو سیدھا رکھتے تھے اور مشرکین درمیان سے مانگ نکالتے تھے، لہٰذا رسول اللہ ﷺ بھی اپنے سر کے بال پیشانی سے پیچھے کی طرف چھوڑ دیتے تھے پھر بعد میں آپ مانگ نکالنے لگے۔

(صحیح البخاری: ۳۵۵۸، ۳۹۴۴، ۵۹۱۷، صحیح مسلم: ۲۳۳۶، سنن نسائی: ۵۲۳۸، سنن ابوداؤد: ۴۱۸۸، سنن ابن ماجہ: ۳۶۳۲، مسند احمد: ۲۶۰۰)

صحیح البخاری: ۵۹۱۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے احمد بن یونس، وہ احمد بن عبداللہ بن یونس الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم بن سعد، یہ ابن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن شہاب کا ذکر ہے، وہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔ اور عبیداللہ بن عبداللہ کا ذکر ہے، یہ ابن عتبہ بن مسعود ہیں جو فقہاء سبعہ میں سے ایک ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فیما لم یؤمر فیہ" یعنی جس کی آپ کی طرف وحی نہ کی گئی ہو۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جس مسئلہ میں آپ کی طرف وحی نہ کی گئی ہو تو آپ اس مسئلہ میں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی شریعت پر عمل کرتے تھے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ ابھی یہ حدیث گزری ہے کہ یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرو؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ جب آپ کو مخالفت کا حکم دیا گیا ہو، اس وقت مخالفت کرو۔

ایک سوال یہ کیا گیا ہے کہ پہلے آپ نے بالوں کو پیچھے چھوڑا اور پھر بعد میں مانگ نکالی اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ یہود بالوں کو پیچھے چھوڑتے تھے، اس لیے آپ نے ان کی موافقت میں پہلے بالوں کو پیچھے چھوڑا اور بعد میں ان کی مخالفت کی اور مانگ نکالی۔

بالوں کو پیچھے چھوڑنے اور درمیان سے مانگ نکالنے میں کیا راجح ہے؟

اور اس میں حکمت یہ ہے کہ یہود شریعت کی اتباع کرتے تھے، اس لیے آپ نے ان کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے پہلے بالوں کو پیچھے چھوڑا، پھر جب آپ کو مانگ نکالنے کا حکم دیا تو پھر آپ نے مانگ نکالی۔

بعض شارحین نے یہ کہا ہے: سدل یعنی بالوں کو پیچھے چھوڑنے کا حکم منسوخ ہو گیا تھا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ صحابہ بعد میں بعض تو مانگ نکالتے تھے اور بعض بالوں کو پیچھے چھوڑتے تھے اور کوئی دوسرے کے اوپر عیب نہیں نکالتا تھا۔ اور صحیح یہ ہے کہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کے بال لمۃ تھے یعنی کندھوں تک لٹکے ہوئے تھے۔ اگر وہ بال خود متفرق ہو جاتے اور ان میں مانگ نکل آتی تو آپ مانگ نکالتے ورنہ اپنے حال پر چھوڑ دیتے، اور صحیح یہ ہے کہ مانگ نکالنا مستحب ہے، واجب نہیں ہے اور یہی جمہور کا قول ہے۔ اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔ اور علامہ نووی شافعی نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ بالوں کو پیچھے چھوڑنا اور مانگ نکالنا دونوں جائز ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۸۶۔۸۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۱۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ رَجَاءٍ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيصِ الطِّيبِ فِي مَفَارِقِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ مُحْرِمٌ قَالَ عَبْدُ اللهِ فِي مَفْرِقِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے اور عبداللہ بن رجاء نے، ان دونوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی شعبہ نے از الحکم از ابراہیم از الاسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں: گویا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ میں خوشبو کی چمک کو دیکھ رہی تھی اور آپ محرم تھے۔

عبداللہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ میں۔

(صحیح بخاری: ۲۷۱، ۱۵۳۸، ۵۹۱۸، ۵۹۲۳، صحیح مسلم: ۱۱۹۰، سنن نسائی: ۲۶۹۷، سنن ابوداؤد: ۱۷۴۶، سنن ابن ماجہ: ۲۹۲۷، مسند احمد: ۲۴۴۴۵)

صحیح البخاری: ۵۹۱۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالولید، ان کا نام عبدالملک بن ہشام الطیالسی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحکم، یہ ابن عتیبہ ہیں، یہ "عتبۃ الدار" کی تصغیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم، وہ النخعی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "وبیص الطیب" اس کا معنی ہے: اس کی چمک اور اس کی شعاع۔ اور اس خوشبو کا استعمال احرام باندھنے سے پہلے تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فی مفارق" یہ مفرق کی جمع ہے اور مفرق کا معنی ہے: مانگ۔ گویا مانگ کا ہر جز مفرق ہے، اس اعتبار سے اس کی جمع لائی گئی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قال عبد اللہ" وہ ابن رجاء ہیں جن کا سند میں ذکر کیا گیا ہے۔

امام بخاری نے کتاب الطہارۃ میں اس کے موافق ایک باب قائم کیا ہے کہ "جس نے خوشبو لگائی پھر غسل کیا اور خوشبو کا اثر اس کے بالوں میں باقی رہا"۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۸۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۱۔ بَابُ: الذَّوَائِبِ

مینڈھیوں کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب الذوائب کے ذکر میں ہے اور وہ ذؤابہ کی جمع ہے۔ سر کے بال جو لٹکے ہوئے ہوتے ہیں، ان کو "ذؤابہ" کہتے ہیں یعنی مینڈھی۔ اور اس کو کتاب اللباس میں داخل کرنے کی توجیہ یہ ہے کہ مینڈھی بھی بالوں کا مجموعہ ہوتی ہے اور اس میں اور کتاب اللباس کے درمیان ایک قسم کی مناسبت ہے اور وہ ہے دونوں کا زینت میں مشترک ہونا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۸۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۱۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ عَنْبَسَةَ أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ ح و حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ بِتُّ لَيْلَةً عِنْدَ مَيْمُونَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ خَالَتِي وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عِنْدَهَا فِي لَيْلَتِهَا قَالَ فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ قَالَ فَأَخَذَ بِذُؤَابَتِي فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ بِهٰذَا وَقَالَ بِذُؤَابَتِي أَوْ بِرَأْسِي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الفضل بن عنبسہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہُشیم نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوبشر نے خبر دی ح اور ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہُشیم نے حدیث بیان کی از ابی بشر از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک رات اپنی خالہ حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کے ہاں گزاری اور رسول اللہ ﷺ بھی اس رات میں ان کے پاس تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ رات کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے تو میں آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا: پس آپ نے میری مینڈھی کو پکڑا اور مجھے اپنی دائیں جانب کر دیا۔

ہمیں عمرو بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہُشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوبشر نے خبر دی یہی حدیث اور کہا: مجھے مینڈھی سے پکڑا یا میرے سر سے پکڑا۔

(صحیح البخاری: ۱۱۷، ۱۳۸، ۱۸۳، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۲۶، ۷۲۸، ۸۵۹، ۹۹۲، ۱۱۹۸، ۴۵۶۹، ۴۵۷۰، ۴۵۷۱، ۴۵۷۲، ۵۹۱۹، ۶۲۱۵، ۶۳۱۶، ۷۴۵۲، سنن ابوداؤد: ۱۳۵۷، مسند احمد: ۳۱۵۹، سنن دارمی: ۱۲۵۵)

صحیح البخاری: ۵۹۱۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، یہ ابن مدینی کے نام سے معروف ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الفضل بن عنبسہ، یہ ابوالحسن الخضار الواسطی ہیں اور امام بخاری ان سے روایۃً متفرد ہیں، یہ ۲۲۳ھ میں فوت ہو گئے تھے،ان پر جرح کی گئی ہے لیکن وہ ان کی روایت میں قبح پیدا نہیں کرتی۔

اس حدیث کی امام بخاری نے دو سندوں سے روایت کی ہے،ایک سند علی بن عبداللہ سے شروع ہوتی ہے اور دوسری سند از قتیبہ بن سعید از ہشیم سے شروع ہوتی ہے۔اور یہ حدیث کتاب العلم میں اس باب میں گزر چکی ہے ''باب السمر بالعلم'' اور کتاب الصلوٰۃ میں بھی ''باب مایقوم عن یمین الامام بحذائه'' اور ''باب اذا قام الرجل عن یسار الامام'' میں بھی گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اگر تم یہ کہو کہ اس حدیث کی روایت کا کیا فائدہ ہے؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہوں گا کہ اس کی روایت کے دو فائدے ہیں:

ایک فائدہ تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈھی بنانے کو مقرر رکھا۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس میں ان کا رد ہے جنہوں نے مینڈھی کی تفسیر القزع سے کی۔

التوضیح میں علامہ ابن ملقن نے لکھا ہے: لڑکے کے لیے مینڈھی کو بنانا اس صورت میں جائز ہے جب اس کے سر میں مینڈھی کے علاوہ اور بھی بال ہوں، لیکن جب وہ اپنے سر کے سارے بالوں کو منڈا لے اور ایک مینڈھی کو چھوڑ دے تو یہ القزع ہے جس سے حدیث میں منع فرمایا ہے۔اور سنن ابوداؤد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے القزع سے منع فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ بچے کے سر کے بال مونڈے جائیں اور اس کی ایک مینڈھی کو چھوڑ دیا جائے۔(ہندوؤں میں رواج ہے کہ وہ سارے سر کے بال مونڈتے ہیں اور درمیان میں ایک چٹیا کو چھوڑ دیتے ہیں، یہ بھی وہی چیز ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔سعیدی غفرلہٗ)

اس کے بعد امام بخاری نے اس حدیث کی دوسری سند بیان کی ہے یعنی مجھے عمرو بن محمد نے حدیث بیان کی الیٰ آخرہ اور اس میں ہے ''میری مینڈھی سے پکڑا یا میرے سر سے پکڑا'' اس میں راوی کو شک ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۸۸۔۸۹،دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۲۔بَابُ: اَلْقَزَعِ — سر کے بال منڈانے اور کچھ بال چھوڑ دینے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب القزع کے حکم کے بیان میں ہے، قزع کا معنی ہے: بادل کا ٹکڑا، اور جب سر کے بال مونڈے جائیں اور بعض بالوں کو چھوڑ دیا جائے تو اس کو بھی القزع کہتے ہیں کیونکہ یہ متفق بادلوں کے مشابہ ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۸۹،دارالکتب العلمیہ،

بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۲۰۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنِي مَخْلَدٌ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ حَفْصٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ نَافِعٍ أَخْبَرَهُ عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَنْهَى عَنِ الْقَزَعِ قَالَ عُبَيْدُ اللهِ قُلْتُ وَمَا الْقَزَعُ فَأَشَارَ لَنَا عُبَيْدُ اللهِ قَالَ إِذَا حَلَقَ الصَّبِيَّ وَتَرَكَ هَا هُنَا شَعَرَةً وَهَا هُنَا وَهَا هُنَا فَأَشَارَ لَنَا عُبَيْدُ اللهِ إِلَى نَاصِيَتِهِ وَجَانِبَيْ رَأْسِهِ قِيلَ لِعُبَيْدِ اللهِ فَالْجَارِيَةُ وَالْغُلَامُ قَالَ لَا أَدْرِي هَكَذَا قَالَ الصَّبِيُّ قَالَ عُبَيْدُ اللهِ وَعَاوَدْتُهُ فَقَالَ أَمَّا الْقُصَّةُ وَالْقَفَا لِلْغُلَامِ فَلَا بَأْسَ بِهِمَا وَلَكِنَّ الْقَزَعَ أَنْ يُتْرَكَ بِنَاصِيَتِهِ شَعَرٌ وَلَيْسَ فِي رَأْسِهِ غَيْرُهُ وَكَذَلِكَ شَقُّ رَأْسِهِ هَذَا وَهَذَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مخلد نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے ابن جریج نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے عبیداللہ بن حفص نے خبر دی کہ عمر بن نافع نے ان کو خبر دی از نافع مولیٰ عبداللہ، انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ القزع سے منع فرمارہے تھے۔ عبیداللہ کہتے ہیں: میں نے نافع سے پوچھا: القزع کیا ہے؟ پھر ہمارے لیے عبیداللہ نے اشارہ سے بتایا کہ نافع نے کہا: کہ جب بچے کا سر منڈاتے وقت کچھ بال یہاں چھوڑ دیں اور کچھ یہاں چھوڑ دیں (تو اسے قزع کہتے ہیں) عبیداللہ نے ہم سے اس کی تفصیل یوں بیان کی یعنی پیشانی پر کچھ بال چھوڑ دیئے جائیں اور سر کے دونوں کونوں پر کچھ بال چھوڑ دیئے جائیں۔ پھر عبیداللہ سے پوچھا گیا کہ آیا اس میں لڑکی اور لڑکے دونوں کا ایک حکم ہے؟ انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں، نافع نے صرف لڑکے کا لفظ کہا تھا۔ عبیداللہ نے بیان کیا کہ میں نے عمرو بن النافع سے دوبارہ اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ لڑکے کی کنپٹی یا گدی پر چوٹی کے بال اگر چھوڑ دیئے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن قزع یہ ہے کہ پیشانی پر بال چھوڑ دیئے جائیں اور باقی سر کے بال منڈا دیئے جائیں، اسی طرح سر کے اس جانب میں اور اس جانب میں۔

(صحیح بخاری: ۵۹۲۱، صحیح مسلم: ۲۱۲۰، سنن نسائی: ۵۰۵۰، سنن ابوداؤد: ۴۱۹۴، سنن ابن ماجہ: ۳۶۳۷، مسند احمد: ۴۴۷۳)

صحیح البخاری: ۵۹۲۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد، یہ ابن سلام ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مخلد، یہ ابن یزید الحیرانی ہیں، اور اس میں مذکور ہے ابن الجریج، یہ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج المکی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبیداللہ بن حفص، یہ عبیداللہ بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب ہیں، ابن جریج نے ان کو ان کے دادا کی طرف منسوب کر دیا۔

القزع کی کراہت اور سر کے تمام بالوں کے مونڈنے کا جواز

اس حدیث میں مذکور ہے ''وما القزع؟'' یعنی عبید اللہ نے عمر بن النافع سے پوچھا جنہوں نے اس حدیث کی روایت کی ہے کہ القزع کی کیا تعریف ہے، یعنی القزع کی کیا کیفیت ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ قزع یہ ہے کہ بچے کے سر کے بعض حصہ کو مونڈا جائے اور بعض حصہ کو چھوڑ دیا جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فاشار لنا عبید اللہ الی ناصیتہ'' پس عبید اللہ نے ہمارے لیے پیشانی کی طرف اشارہ کیا۔ یہ عمر بن نافع کا کلام ہے جن سے عبید اللہ نے سوال کیا تھا۔ اور ''فاشار لنا عبید اللہ'' کو دو مرتبہ ذکر کیا۔ پہلی مرتبہ میں کچھ عبارت محذوف ہے اور اصل عبارت یوں ہے ''پس ہمارے لیے عبید اللہ نے عمر بن نافع کے کلام سے نقل کرتے ہوئے اشارہ کیا اور کہا کہ قزع یہ ہے، کہ جب بچے کا سر مونڈا جائے تو یہاں سے کچھ بالوں کو چھوڑ دیا جائے اور یہاں سے اور یہاں سے''۔ اور دوسری مرتبہ عبید اللہ نے پیشانی کی طرف اور سر کے دونوں کونوں کی طرف اشارہ کیا، یہ خود عبید اللہ کا کلام ہے اور اس کی ترکیب میں کچھ قلق ہے۔

اسی لیے علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس کلام کا حاصل کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: اس کا حاصل یہ ہے کہ عبید اللہ نے کہا: میں نے اپنے شیخ عمر بن نافع سے پوچھا کہ القزع کا کیا معنی ہے؟ تو انہوں نے کہا: جب بچے کا سر مونڈا جائے تو یہاں سے کچھ بالوں کو چھوڑ دیا جائے اور یہاں سے کچھ بالوں کو چھوڑ دیا جائے، پس عبید اللہ نے اپنی پیشانی اور سر کے دونوں طرفوں کی طرف اشارہ کیا، یعنی پہلے جو ھھنا کا لفظ کہا ہے اس کی تفسیر پیشانی سے کی ہے۔ اور دوسری اور تیسری مرتبہ جو ھھنا کہا ہے اس سے سر کی دو جانبیں مراد ہیں۔

اور ابن جریج راوی نے کہا: پس لڑکی اور لڑکے دونوں میں یعنی عبید اللہ سے کہا گیا کہ لڑکی اور لڑکا دونوں اس میں برابر ہیں؟ تو انہوں نے کہا: میں اس کو نہیں جانتا۔ علامہ کرمانی نے کہا: اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لڑکے میں ظاہر ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ وہ فعل ہو جس میں مذکر اور مونث دونوں برابر ہوں۔

اگر تم یہ کہو کہ القزع سے منع کرنے میں کیا حکمت ہے؟ تو میں کہوں گا: اس میں اللہ کی تخلیق کو بدنما کرنا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ یہود کی خصلت ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ برے لوگوں کی خصلت ہے۔

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ القزع مکروہ ہے جب کہ مختلف جگہوں سے بال چھوڑے جائیں، سوا اس کے وہ کسی علاج کے لیے ایسا کیا جائے۔ اور امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے: سر کے تمام بالوں کو مونڈنے میں کوئی حرج نہیں ہے جو صفائی کا ارادہ کرتا ہو۔ اور سر کے بال مونڈنے کو ترک کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے جب کہ وہ بالوں میں تیل لگائے اور کنگھی کرے۔ اور علامہ ابن عبد البر نے کہا ہے: اجماع اس پر ہے کہ سر کے تمام بالوں کو مونڈنا مباح ہے اور یہ امام احمد سے بھی روایت ہے اور ان سے یہ بھی روایت ہے کہ سر کے تمام بالوں کو مونڈنا مکروہ ہے، کیونکہ روایت یہ ہے کہ یہ خوارج کا وصف ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۲۱۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُثَنَّى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن المثنیٰ بن عبد اللہ بن انس بن مالک نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا

ﷺ نَهَى عَنِ الْقَزَعِ۔

ہمیں عبداللہ بن دینار نے حدیث بیان کی از ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے القزع سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح بخاری: ۵۹۲۱، صحیح مسلم: ۲۱۲۰، سنن نسائی: ۵۰۵۰، سنن ابوداؤد: ۴۱۹۴، سنن ابن ماجہ: ۳۶۳۷، مسند احمد: ۴۴۵۹)

اس حدیث کی شرح بھی حسب سابق ہے۔

۷۴۔ بَابُ: تَطْيِيبِ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا بِيَدَيْهَا عورت کا اپنے شوہر کو اپنے دونوں ہاتھوں سے خوشبو لگانا

یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ عورت اپنے شوہر کو خوشبو لگا سکتی ہے اور اس باب کو کتاب اللباس میں داخل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عورت کا اپنے شوہر پر خوشبو لگانا یعنی خوشبودار کریم کو اس کے جسم پر ملنا یہ بھی زینت کی اقسام میں سے ہے جس طرح لباس سے زینت حاصل ہوتی ہے۔

۵۹۲۲۔ حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ طَيَّبْتُ النَّبِيَّ ﷺ بِيَدَيَّ لِحُرْمِهِ وَطَيَّبْتُهُ بِمِنًى قَبْلَ أَنْ يُفِيضَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے احمد بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمٰن بن القاسم نے خبر دی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دونوں ہاتھوں سے آپ کے احرام کے لیے خوشبو لگائی اور میں نے آپ کو منیٰ میں خوشبو لگائی اس سے پہلے کہ آپ طواف زیارت کرتے۔

(صحیح بخاری: ۱۵۳۹، ۱۷۵۴، ۵۹۲۲، ۵۹۲۸، ۵۹۳۰، صحیح مسلم: ۱۱۸۹، سنن ترمذی: ۹۱۷، سنن نسائی: ۲۶۸۵، سنن ابوداؤد: ۱۷۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۹۲۶، مسند احمد: ۲۴۹۴۸، موطا امام مالک: ۷۲۷، سنن دارمی: ۱۸۰۲)

صحیح البخاری: ۵۹۲۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے احمد بن محمد، یہ الصمصار المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ عبداللہ بن المبارک ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن سعید، یہ الانصاری ہیں۔

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالرحمٰن بن القاسم، یہ اپنے والد القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "بیدی" یعنی اپنے دونوں ہاتھوں سے آپ کو خوشبو لگاتی تھی، اور ایک روایت میں بیدی ہے یعنی

ایک ہاتھ سے آپ کے جسم پر خوشبودار کریم لگاتی تھی۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "لحرمه" اس سے مراد ہے احرام۔ یہ ابن فارس، الجوہری اور الہروی کا قول ہے۔ اور علامہ ابن التین نے کہا ہے: ہم نے اس کو لِحِرمه پڑھا ہے۔ صاحب التوضیح یعنی علامہ ابن ملقن نے کہا ہے: لغت میں پیش ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منیٰ میں طواف زیارت سے پہلے خوشبو لگاتی تھی"۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس وقت تو آپ مُحرم تھے تو محرم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کیسے خوشبو لگاتی تھیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہے کہ میں آپ کو طواف زیارت سے پہلے خوشبو لگاتی تھی اور یہ یوم نحر کے دن رمی اور حلق کے بعد کا وقت ہے۔ اور رمی اور حلق کے بعد تمام محرمات، مُحرم پر حلال ہو جاتے ہیں سوائے جماع کے۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام باندھنے کے ارادہ کے وقت خوشبو کا لگانا مستحب ہے اور احرام کھولنے کے وقت بھی خوشبو کا لگانا مستحب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۴۔ بَابُ: الطِّيبِ فِي الرَّأْسِ وَاللِّحْيَةِ — سر میں اور ڈاڑھی میں خوشبو لگانا

یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ جو خوشبو سر اور ڈاڑھی میں لگائی جاتی ہے، اس کو استعمال کرنا جائز ہے۔

۵۹۲۳۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أُطَيِّبُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم بِأَطْيَبِ مَا يَجِدُ حَتَّى أَجِدَ وَبِيصَ الطِّيبِ فِي رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن نصر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسرائیل نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق از عبد الرحمٰن بن الاسود از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ خوشبو لگاتی تھی جو مجھے میسر ہونے والی خوشبوؤں میں سب سے بہترین تھی، حتیٰ کہ میں خوشبو کی چمک آپ کے سر اور ڈاڑھی میں پاتی۔

(صحیح بخاری: ۲۷۱، ۱۵۳۸، ۵۹۱۸، ۵۹۲۳، صحیح مسلم: ۱۱۹۰، سنن نسائی: ۲۶۹۷، سنن ابوداؤد: ۱۷۴۶، سنن ابن ماجہ: ۲۹۲۷، مسند احمد: ۲۴۴۴۵)

صحیح البخاری: ۵۹۲۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق بن نصر، وہ اسحاق بن ابراہیم النصر السعدی البخاری ہیں، اور وہ مدینہ میں باب بنی سعد میں رہتے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن آدم کا ذکر ہے، وہ ابن سلیمان الکوفی صاحب الثوری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں اسرائیل کا ذکر ہے، وہ ابن یونس بن ابی اسحاق ہیں جو اپنے دادا ابو اسحاق عمرو بن عبد اللہ السبیعی سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبد الرحمٰن بن الاسود ہیں جو اپنے باپ اسود بن یزید النخعی سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''وبیص الطیب'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: خوشبو کی چمک اور اس کی شعائیں۔

مردوں اور عورتوں کی خوشبو لگانے کی جگہوں کا الگ الگ ہونا

اور اس حدیث میں مذکور ہے'' آپ کے سر اور آپ کی ڈاڑھی میں''۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ مردوں کو خوشبو لگانے کی جگہیں عورتوں کو خوشبو لگانے کی جگہوں کے خلاف ہیں، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بالوں اور ڈاڑھی میں خوشبو لگاتی تھیں یعنی بالوں میں خوشبو لگاتی تھیں نہ کہ آپ کے چہرہ مبارک کو خوشبو لگاتی تھیں، اس کے برخلاف عورتوں کی خوشبو، وہ ان کے چہروں پر خوشبودار کریم لگائی جاتی ہے اور وہ اس سے زینت حاصل کرتی ہیں۔ اس کے برخلاف مردوں کی جو خوشبو ہے، وہ چہرہ پر نہیں لگائی جاتی، کیونکہ اگر چہروں پر وہ خوشبودار کریم لگائیں تو وہ عورتوں کے مشابہ ہو جائیں گے، اور عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا مردوں کو ممنوع ہے، اسی طرح زینت کی تمام اقسام زیورات اور خوشبو وغیرہ عورتوں کے لیے جائز ہیں جب تک کہ وہ خوشبو لگانے سے ان کی خلقت میں تغیر نہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۹۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ محض زیب وزینت کے لیے مردوں کا خوشبودار کریموں کو لگانا عورتوں کی مشابہت کی وجہ سے ممنوع ہے مگر کسی ضرر سے بچنے کے لیے یا جلد کو موسمی اثرات مثلاً پھٹنے سے بچانے کے لیے لگائی جائے تو یہ جائز ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۷۵۔ بَابُ: الِامْتِشَاطِ — بالوں میں کنگھی کرنے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بالوں میں کنگھی کر کے بالوں کو سنوارنا جائز ہے اور اس باب کو بھی کتاب اللباس میں اس لیے داخل کیا ہے کہ بالوں میں کنگھی کرنے سے بھی زینت حاصل ہوتی ہے جیسے لباس سے زینت حاصل ہوتی ہے۔

۵۹۲۴۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ رَجُلًا اطَّلَعَ مِنْ جُحْرٍ فِي دَارِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَالنَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَحُكُّ رَأْسَهُ بِالْمِدْرَى فَقَالَ لَوْ عَلِمْتُ أَنَّكَ تَنْظُرُ لَطَعَنْتُ بِهَا فِي عَيْنِكَ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِذْنُ مِنْ قِبَلِ الْأَبْصَارِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی از الزہری، از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد سوراخ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں جھانک رہا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کنگھی سے اپنا سر کھجا رہے تھے، آپ نے فرمایا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو جھانک رہا ہے تو میں یہ کنگھی تیری آنکھوں میں مار دیتا، اجازت لینا دیکھنے سے پہلے مشروع کیا گیا ہے۔

(صحیح بخاری: ۶۲۴۱، ۶۹۰۱، صحیح مسلم: ۲۱۵۶، سنن ترمذی: ۲۷۰۹، سنن نسائی: ۴۸۵۹، مسند احمد: ۲۲۲۹۶، سنن دارمی: ۲۳۸۴)

صحیح البخاری: ۵۹۲۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے کنگھی کرنا، اور اس حدیث میں مدری کا لفظ ہے اور مدری بعض لغات میں کنگھی کے معنی میں ہے اور بعض لغات میں ایک لکڑی کے معنی میں ہے، یعنی کسی لکڑی سے آپ اپنے سر کو کھجار ہے تھے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ان رجلا''۔ کہا گیا ہے یہ مرد الحکم بن ابی العاص بن امیہ تھا، یہ مروان کا والد تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سعد تھا، اور اس کی کسی کی طرف نسبت نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''من جحر'' (جیم پر پیش ہے اور حاء ساکن ہے) اس کا معنی ہے: سوراخ۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''بالمدری''۔ علامہ ابن بطال نے کہا: مدری عرب کے نزدیک کنگھی ہے۔ اور شرح ابن کیسان میں ہے کہ مدری وہ لکڑی ہے جس سے عورتیں اپنے بالوں میں کنگھی کرتی ہیں جب کہ بال ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ کنگھی کے مشابہ کوئی لکڑی تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

کسی کے گھر میں جھانکنے کا ممنوع ہونا

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کے گھر میں جھانکنا ممنوع ہے اور بعض روایات میں ہے: اگر کوئی کسی کے گھر میں جھانک رہا ہو اور اس کی آنکھ پھوڑ دی جائے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے، لیکن اس زمانہ میں اس قسم کے مواقع سے احتراز کرنا چاہیے۔ (سعیدی غفرلہ)

۷۶۔ بَابٌ: تَرْجِيلِ الْحَائِضِ زَوْجَهَا — حائضہ کا اپنے شوہر کے بالوں میں کنگھی کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حائضہ کا اپنے شوہر کے بالوں میں کنگھی کرنا جائز ہے۔

۵۹۲۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ كُنْتُ أُرَجِّلُ رَأْسَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَنَا حَائِضٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ مِثْلَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از عروہ بن الزبیر از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے سر کے بالوں میں کنگھی کرتی تھی اور میں حائضہ ہوتی تھی۔

ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، اسی کی مثل۔

(صحیح البخاری: ۲۹۶، ۳۰۱، ۲۰۲۸، ۲۰۲۹، ۲۰۳۱، ۲۰۴۶، سنن نسائی: ۲۷۷، سنن ابوداؤد: ۲۴۶۹، سنن ابن ماجہ: ۶۳۳، مسند احمد: ۲۵۲۰۷، موطا امام مالک: ۱۳۵، سنن دارمی: ۱۰۵۸)

صحیح البخاری: ۵۹۲۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث اسی سند اور اسی متن کے ساتھ کتاب الحیض میں گزر چکی ہے اس باب میں "باب غسل الحائض زوجها وترجيله" اور اس کی شرح بھی وہاں گزر چکی ہے اور اس کو دوبارہ ذکر کرنے میں کوئی زیادہ فائدہ نہیں ہے۔

اس کے بعد امام بخاری نے اس حدیث کی ایک اور سند ذکر کی ہے جس کی انہوں نے عبداللہ بن یوسف سے ایک اور روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۹۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۷۔ بَابُ: التَّرْجِيلِ وَالتَّيَمُّنِ فِيهِ سر اور ڈاڑھی میں کنگھی کرنے اور دائیں جانب سے ابتداء کرنے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ترجیل مستحب ہے اور ترجیل کا معنی ہے: سر اور ڈاڑھی کے بالوں میں کنگھی کرنا اور تیل لگانا، اور ہر چیز میں دائیں جانب سے ابتداء کرنا مستحب ہے۔

۵۹۲۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَشْعَثَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يُعْجِبُهُ التَّيَمُّنُ مَا اسْتَطَاعَ فِي تَرَجُّلِهِ وَوُضُوئِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از اشعث بن سلیم از والد خود از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ ہر چیز میں جتنا ہو سکے دائیں جانب سے ابتداء کرنے کو پسند کرتے تھے کنگھی کرنے میں اور وضو کرنے میں۔

(صحیح البخاری: ۱۶۸، ۴۲۶، ۵۳۸۰، ۵۸۵۴، ۵۹۲۶، صحیح مسلم: ۲۶۸، سنن ترمذی: ۶۰۸، سنن نسائی: ۴۲۱، سنن ابوداؤد: ۴۱۴۰، سنن ابن ماجہ: ۴۰۱، مسند احمد: ۲۵۰۱۸)

صحیح البخاری: ۵۹۲۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالولید کا ذکر ہے، ان کا نام ہشام بن عبدالملک الطیالسی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں اشعث بن سُلیم کا ذکر ہے، یہ اپنے والد سلیم بن الاسود المحاربی الکوفی سے روایت کرتے ہیں اور وہ مسروق بن الاجدع سے روایت کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۹۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے بعض مسائل

اس حدیث میں "تیمن" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: دائیں طرف سے ابتداء کرنا، کسی چیز کو دائیں ہاتھ سے دینا اور دائیں جانب کا قصد کرنا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر فضیلت ہے، اور یہ کہ ہر کام میں دائیں جانب کو فضیلت

حاصل ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مسجد میں بہترین جگہ مسجد کی دائیں جانب ہے، سعید بن المسیب نے کہا: مسجد کی دائیں جانب میں نماز پڑھے، ابراہیم کو یہ پسند تھا کہ مسجد کی دائیں جانب میں نماز پڑھے، حضرت انس، حسن بصری اور ابن سیرین مسجد کی دائیں جانب میں نماز پڑھتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

ان ابواب اور ان احادیث سے معلوم ہوا کہ دنیا کے اسباب سے جائز زیب و زینت کرنا جائز ہے اور اہل تکشف کا یہ نظریہ غلط ہے کہ اللہ والوں کو صرف آخرت کی فکر کرنی چاہیے اور اپنی صورت اور ہیئت اور لباس میں عمدگی کو اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بالوں کو سنوارتے تھے اور کنگھی کرتے تھے، بالوں میں تیل لگاتے تھے تو اس سے معلوم ہوا کہ جائز اسباب زینت کو اختیار کرنا مطلوب اور مستحسن ہے۔

۷۸۔ بَابُ: مَا يُذْكَرُ فِي الْمِسْكِ

مشک کا بیان

۵۹۲۷ ـ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصَّوْمَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ وَلَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے حدیث بیان کی عبداللہ بن محمد نے، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از ابن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ نے فرمایا: ابن آدم کا ہر عمل اس کے لیے ہے سوا روزہ کے، کیونکہ وہ میرے لئے ہے اور اس کی جزاء میں خود دوں گا، اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۸۹۴، ۱۹۰۴، ۵۹۲۷، ۷۴۹۲، ۷۵۳۸، صحیح مسلم: ۱۱۵۱، سنن ترمذی: ۷۶۴، سنن نسائی: ۲۲۱۶، سنن ابوداؤد: ۲۳۶۳، سنن ابن ماجہ: ۱۶۳۸، مسند احمد: ۷۶۳۶، موطا امام مالک: ۶۸۹)

صحیح البخاری: ۵۹۲۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن محمد، وہ محمد بن عبداللہ بن نمیر ہمدانی کوفی ہیں اور وہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام، یہ ہشام بن یوسف صنعانی ہیں جو معمر بن راشد سے روایت کرتے ہیں از محمد بن مسلم الزہری از سعید بن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "روزہ میرے لیے ہے اور اس کی جزاء میں خود دوں گا"۔ اس حدیث کے ظاہر سیاق سے یہ معلوم

ہوتا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے، حالانکہ یہ اس طرح نہیں ہے بلکہ یہ اللہ عزوجل کا کلام ہے اور وہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے، آپ اپنے رب عزوجل سے روایت کرتے ہیں۔ اسی طرح امام بخاری نے اس حدیث کی کتاب التوحید میں روایت کی ہے از محمد بن زیاد از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ اس حدیث کو تمہارے رب عزوجل سے روایت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہر عمل کا ایک کفارہ ہے، اور روزہ خاص میرے لیے ہے اور اس کی جزاء میں خود دوں گا۔ اور یہ احادیث قدسیہ میں سے ہے۔

روزہ کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت کی توجیہ

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہر عبادت اللہ عزوجل کے لیے ہوتی ہے تو روزہ کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت کرنے کی خصوصیت کی کیا توجیہ ہے؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ روزہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے غیر کی عبادت نہیں کی گئی، کیونکہ کفار نے اپنے معبودوں کی کسی وقت میں بھی روزہ کے ساتھ تعظیم نہیں کی۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ روزہ ایک پوشیدہ عمل ہے، اس میں دکھاوا داخل نہیں ہوسکتا۔

نیز اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ اس میں فرمایا کہ روزہ کی جزاء میں دوں گا، تو ہر عبادت کی جزاء اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے، پھر یہ کہنے کی کیا وجہ ہے کہ روزہ کی جزاء میں خود دوں گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے غرض ثواب کی کثرت ہے، کیونکہ دینے والے کی عظمت اس پر دلیل ہے کہ جو چیز دی جائے گی وہ بھی عظیم ہے۔ نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ولخلوف فم الصائم" مشہور یہ ہے کہ خاء کے اوپر پیش ہے، اور اس کا معنی ہے: منہ کی بُو کا متغیر ہونا۔

اللہ تعالیٰ تو سونگھنے سے پاک ہے، پھر روزہ دار کے منہ کی بو کے پسندیدہ ہونے کی کیا توجیہ ہے؟

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اطیب" یعنی روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے تو مشک کا زیادہ پسندیدہ ہونا متصور نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ امثال سے منزہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ خوشبو قبولیت کو مستلزم ہے، یعنی روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ مقبول ہے جتنی تمہارے نزدیک مشک کی خوشبو مقبول ہوتی ہے۔ یا یہ کلام بہ طورِ فرض ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک خوشبو کو تصور کیا جائے تو روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہو، یعنی اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کے نزدیک روزہ دار کے منہ کی بو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو کسی چیز کو سونگھنے سے منزہ اور برتر ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۹۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۹۔ بَابُ: مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الطِّيبِ — کونسی خوشبو مستحب ہے

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کونسی خوشبو کا استعمال کرنا مستحب ہے، یعنی جو خوشبو موجود ہو اور اعلیٰ کے ہوتے ہوئے ادنیٰ کو استعمال نہیں کیا جاتا سوائے ضرورت کے۔

۵۹۲۸۔ حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ كُنْتُ أُطَيِّبُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم عِنْدَ إِحْرَامِهِ بِأَطْيَبِ مَا أَجِدُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از عثمان بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام باندھنے کے وقت میں آپ کے جسم پر وہ خوشبو لگاتی تھی جو مجھے سب سے عمدہ خوشبو ملتی۔

(صحیح مسلم: ۱۱۸۹، سنن ترمذی: ۹۱۷، سنن نسائی: ۲۶۸۴، سنن ابن ماجہ: ۲۹۲۶، مسند احمد: ۲۳۵۹۱، موطا امام مالک: ۷۲۷، سنن دارمی: ۱۸۰۱)

صحیح البخاری: ۵۹۲۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں موسیٰ کا ذکر ہے، وہ ابن اسماعیل ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں وُہیب کا ذکر ہے، وہ ابن خالد ہیں۔ اور ہشام کا ذکر ہے، وہ ابن عروہ ہیں جو اپنے بھائی عثمان بن عروہ سے روایت کرتے ہیں۔

سب سے عمدہ خوشبو کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے "باطیب ما اجدہ" یعنی خوشبو کی اقسام میں سے جو قسم سب سے عمدہ ہوتی، میں وہ خوشبو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر لگاتی تھی۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مشک سب خوشبوؤں سے عمدہ خوشبو ہے۔ اور ابو اسامہ کی روایت میں ہے کہ آپ کے احرام باندھنے سے پہلے میں جس عمدہ خوشبو کے حصول پر قادر ہوتی اس خوشبو کو لگاتی۔ اور امام مالک نے حضرت ابو سعید سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مشک تمام خوشبوؤں میں عمدہ خوشبو ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۸۰۔ بَابٌ: مَنْ لَمْ يَرُدَّ الطِّيبَ

خوشبو کو رد نہ کرنے کا بیان

اس باب میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ خوشبو کو رد نہیں کرنا چاہیے۔

۵۹۲۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا عَزْرَةُ بْنُ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ كَانَ لَا يَرُدُّ الطِّيبَ وَزَعَمَ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ لَا يَرُدُّ الطِّيبَ۔

(صحیح البخاری: ۲۵۸۲، ۵۹۲۹، سنن ترمذی: ۲۷۸۹، مسند احمد: ۱۹۴۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نُعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عزرۃ بن ثابت الانصاری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ثمامہ بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، بے شک وہ خوشبو کو مسترد نہیں کرتے تھے اور وہ یہ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کو مسترد نہیں فرماتے تھے۔

صحیح البخاری:۵۹۲۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو نعیم، یہ الفضل بن دکین ہیں۔ اور عزرہ بن ثابت کا ذکر ہے، یہ الانصاری ہیں۔ اور ثمامہ بن عبداللہ کا ذکر ہے، یہ ابن انس قاضی البصرہ ہیں جو اپنے دادا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "زعم" یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لا یرد الطیب" یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کو جو خوشبو ہدیہ میں دی جاتی وہ اس کو مسترد نہیں کرتے تھے۔ اور امام بزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب بھی خوشبو کو پیش کیا گیا تو آپ نے اس کو رد نہیں فرمایا، اور اس حدیث کی سند حسن ہے۔ اور امام ابوداؤد اور امام نسائی نے از اعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس پر خوشبو پیش کی گئی، سو وہ اس کو رد نہ کرے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۹۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۸۱۔ بَابُ: الذَّرِيْرَةِ ذریرہ (سفوف والی خوشبو) کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ذریرہ کا ذکر کیا جائے گا، علامہ کرمانی نے کہا: یہ پسی ہوئی خوشبو ہوتی ہے جو پاؤڈر کی مثل ہوتی ہے۔ علامہ نووی نے کہا: یہ لکڑی کے مخصوص ٹکڑے ہیں جن کو ہندوستان سے لایا جاتا ہے۔ علامہ داؤدی نے کہا: اس کے مفردات کو جمع کیا جاتا ہے، پھر ان کو پیسا جاتا ہے اور اس کو چھانا جاتا ہے، پھر اس سفوف کو بالوں پر چھڑکا جاتا ہے، اسی لیے اس کا نام ذریرہ ہے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے: اس بناء پر ہر خوشبو جو مرکب ہو، وہ ذریرہ ہے، لیکن ذریرہ ایک خوشبو ہے جس کو اہل حجاز پہچانتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۹۹، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کا یہ کہنا کہ ہر خوشبو جو مرکب ہو وہ ذریرہ ہے، یہ قابل تسلیم نہیں ہے، کیونکہ ذریرہ میں شرط یہ ہے کہ اس کو پیسا جائے اور چھانا جائے، اور ان کا کہنا کہ ہر خوشبو جو مرکب ہو یہ اس سے عام ہے کہ پسی ہوئی ہو یا چھانی ہوئی ہو یا نہ پسی ہوئی ہو یا نہ چھانی ہوئی ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۹۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۳۰۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ أَوْ مُحَمَّدٌ عَنْهُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُرْوَةَ سَمِعَ عُرْوَةَ وَالْقَاسِمَ يُخْبِرَانِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ طَيَّبْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ بِيَدَيَّ بِذَرِيرَةٍ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ لِلْحِلِّ وَالْإِحْرَامِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن الہیثم نے حدیث بیان کی یا محمد نے ان سے روایت کی از ابن جریج، انہوں نے کہا: مجھے عمر بن عبداللہ بن عروہ نے خبر دی، انہوں نے عروہ اور قاسم سے سنا، وہ دونوں خبر دیتے ہیں از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں: میں نے حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ کو اپنے دونوں ہاتھوں سے ذریرہ خوشبو لگائی، آپ کے احرام کھولنے کے وقت اور احرام باندھنے کے وقت۔

(صحیح مسلم:۱۱۸۹، سنن ترمذی:۹۱۷، سنن نسائی:۲۶۸۴، سنن ابن ماجہ:۲۹۲۶، مسند احمد:۲۳۵۹۱، موطا امام مالک:۷۲۷، سنن داری:۱۸۰۱)

صحیح البخاری: ۵۹۳۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عثمان بن الہیثم المؤذن البصری، یہ ۲۲۰ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد، یہ ابن یحییٰ الذہبی ہیں، اس کو امام نسائی نے بیان کیا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن جریج، یہ ابن عبدالملک ہیں۔ ان کا ذکر عنقریب گزرا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن عبداللہ بن عروہ، یہ ابن الزبیر المدنی ہیں۔ امام ابن حبان نے ان کا ذکر اتبع تابعین کے ثقہ لوگوں میں کیا ہے اور وہ قلیل الحدیث ہیں، صحیح بخاری میں ان کی صرف یہی حدیث ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں عروہ کا ذکر ہے، وہ ابن الزبیر بن العوام ہیں۔ اور قاسم کا ذکر ہے، یہ ابن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے "او محمد عنه" یا مجھے محمد نے حدیث بیان کی از عثمان۔ علامہ کرمانی نے کہا: امام بخاری کو اس میں شک ہے کہ یہ عثمان سے روایت بالواسطہ ہے یا بغیر واسطہ کے ہے، اور اس شک سے کوئی قبح پیدا نہیں ہوتا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: کیونکہ عثمان امام بخاری کے شیخ ہیں، اور امام بخاری نے ان سے متعدد جگہ بلا واسطہ روایت کی ہے،

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۸۲۔ بَابٌ: اَلْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ — حسن کے لیے دانتوں میں جھریاں کرانے والیوں کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ان عورتوں کی مذمت کی گئی ہے جو حسن کے لیے دانتوں میں جھریاں کراتی ہیں۔

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے: یہ وہ عورت ہے جو جھریوں کو طلب کرتی ہے یا جھریاں بناتی ہے، اور فلج

کا معنی ہے: دانتوں کے درمیان کشادگی۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۰۰، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: تفعل کے باب میں طلب کا معنی نہیں ہے، اس کا معنی ہے: تکلف اور مبالغہ۔ اور یہاں پر معنی یہ ہے کہ متفلجہ وہ عورت ہے جو تکلف سے دانتوں کے درمیان تفرقہ کرتی ہے تا کہ حسن اور زیبائش ہو۔ اور یہ کشادگی ریتی سے حاصل ہوتی ہے، اور یہ سامنے کے چار دانتوں میں کیا جاتا ہے۔ اور شارع علیہ السلام نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو ایسا کرتی ہیں، کیونکہ اس میں خلقت اصلیہ میں تغیر پیدا کرنا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۳۱۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ عَبْدُ اللهِ لَعَنَ اللهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللهِ تَعَالَى مَالِي لَا أَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ فِي كِتَابِ اللهِ ﴿وَ مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ﴾ (الحشر:۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از ابراہیم از علقمہ از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، اللہ تعالیٰ گودنے والیوں پر اور گودوانے والیوں پر لعنت فرماتا ہے، اور بال نوچنے والیوں پر اور دانتوں میں حسن کے لیے کشادگی کرانے والیوں پر، جو اللہ کی تخلیق کو متغیر کرنے والی ہیں۔ مجھے کیا ہے کہ میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے اور اللہ کی کتاب میں لکھا ہوا ہے: اور رسول جو تم کو دیں اس کو لے لو۔ (الحشر:۷)

(صحیح بخاری: ۴۸۸۶، ۴۸۸۷، ۵۹۳۱، ۵۹۳۹، ۵۹۴۳، ۵۹۴۸، صحیح مسلم: ۲۱۲۵، سنن ترمذی: ۲۷۸۲، سنن نسائی: ۵۰۹۹، سنن ابوداؤد: ۴۱۶۹، مسند احمد: ۴۱۱۸، سنن ابن ماجہ: ۱۹۸۹، سنن دارمی: ۲۶۴۷)

صحیح البخاری: ۵۹۳۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عثمان، اور یہ ابن ابی شیبہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریر، یہ ابن عبد الحمید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے منصور، وہ ابن المعتمر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم، وہ النخعی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علقمہ، وہ ابن قیس ہیں۔ اور یہ تمام راوی کوفی ہیں۔ اور اس میں عبد اللہ مذکور ہیں، وہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لعن اللہ الواشمۃ" یعنی اللہ تعالیٰ ان عورتوں پر لعنت فرماتا ہے جو اپنے ہاتھوں پر سوئی سے گدواتی

ہیں یا کھدواتی ہیں، پھر اس کے اوپر نیل کو چھڑک دیتی ہیں۔ اور علامہ خطابی نے کہا ہے کہ عورت اپنے ہاتھ وغیرہ پر سوئی سے کھدواتی ہے حتیٰ کہ اس سے خون نکلتا ہے، پھر ان سوراخوں کو سرمہ سے بھر دیتی ہے تو وہ سبز رنگ کے نقوش بن جاتے ہیں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''المستوشمات'' مستوشمہ اس عورت کو کہتے ہیں جو سوال کرتی ہے اور طلب کرتی ہے کہ اس کے ہاتھ پر یہ نقوش بنائے جائیں۔ اور امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں کہا ہے کہ واشمہ وہ عورت ہے جو اپنے چہرہ پر سرمہ سے یا سیاہی سے تل بناتی ہے اور مستوشمہ وہ عورت ہے جو یہ تل بنواتی ہے اور چہرہ کا ذکر اکثر کے اعتبار سے کیا ہے ورنہ یہ ہونٹوں میں بنواتی ہیں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''المتنمصات'' یہ متنمصہ کی جمع ہے اور تنمص کا معنی ہے: چہرہ سے بالوں کو نوچنا، اور یہ چمٹی سے بال نوچے جاتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''للحسن'' اس میں لام تعلیل کے لیے ہے، اور اس میں اس سے احتراز کیا ہے کہ اگر علاج کی وجہ سے دانتوں میں کشادگی کرائی جائے تو وہ جائز ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''المغیرات خلق اللہ تعالیٰ'' یہ بھی تعلیل ہے، کیونکہ وہ عورتیں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو متغیر کرتی ہیں، اس لیے ان پر لعنت فرمائی ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''مجھے کیا ہے کہ میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر اللہ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے''۔ اس کا معنی یہ ہے: اس پر لعنت کرو جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت کی ہے۔

امام مسلم نے عثمان بن ابی شیبہ اور اسحاق بن ابراہیم سے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ بنو اسد کی ایک عورت ہے جس کو ام یعقوب کہا جاتا ہے اور وہ قرآن پڑھتی ہے، وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہا: وہ کیسی حدیث ہے جو مجھے آپ کی طرف سے پہنچی ہے کہ آپ نے الواشمات پر لعنت کی ہے، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے کیا ہے کہ میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔

اور ام یعقوب کا نام معلوم نہیں ہے اور ان کا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر معارضہ کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ علم والی تھیں لیکن ان کا کسی نے صحابیات میں ذکر نہیں کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۸۳۔ بَابُ: الْوَصْلِ الشَّعَرِ — سر کے بالوں کو دوسرے بالوں کے ساتھ جوڑنے کا بیان

اس باب کی احادیث میں سر کے بالوں کو دوسرے بالوں کے ساتھ جوڑنے کی مذمت ہے۔

۵۹۳۲۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ عَامَ حَجَّ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَقُولُ وَتَنَاوَلَ قُصَّةً مِنْ شَعَرٍ كَانَتْ بِيَدِ حَرَسِيٍّ أَيْنَ عُلَمَاؤُكُمْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَنْهَى عَنْ مِثْلِ هَذِهِ وَيَقُولُ إِنَّمَا هَلَكَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ حِينَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از حمید بن عبدالرحمن بن عوف، انہوں نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے حج کے سال سنا، اور حضرت معاویہ منبر پر تھے اور انہوں نے بالوں کا ایک گچھا پکڑا ہوا تھا جو ان کے چوکیدار کے ہاتھ میں تھا اور وہ کہہ رہے تھے:

اتَّخَذَ هٰذِهٖ نِسَاؤُهُمْ۔

تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ اس کی مثل سے منع فرماتے تھے اور آپ فرما رہے تھے کہ بنو اسرائیل صرف اس وجہ سے ہلاک ہو گئے جب ان کی عورتوں نے بالوں کے یہ گچھے بنائے۔

(صحیح بخاری: ۳۴۶۸، ۳۴۸۸، ۵۹۳۲، ۵۹۳۸، صحیح مسلم: ۲۱۲۷، سنن ترمذی: ۲۷۸۱، سنن نسائی: ۵۲۴۵، سنن ابوداؤد: ۴۱۶۷، مسند احمد: ۱۶۴۲۴، موطا امام مالک: ۱۷۶۵)

صحیح البخاری: ۵۹۳۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: بالوں کو دوسرے بالوں کے ساتھ جوڑنا، اور حدیث میں ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارے علماء کہاں ہیں، جب ان کی عورتوں نے یہ بنا لیا، حضرت معاویہ کی مراد یہ تھی کہ انہوں نے بالوں کو دوسرے بالوں کے ساتھ جوڑا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، یہ ابن ابی اویس ہیں۔

یہ حدیث صحیح بخاری میں بنی اسرائیل کے ذکر کے آخر میں گزر چکی ہے، وہاں اس حدیث کو امام بخاری نے اس سند سے ذکر کیا ہے: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن مرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے سعید بن المسیب سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان مدینہ میں آئے اور یہ ان کا آخری مرتبہ آنا تھا، پھر انہوں نے خطبہ دیا، پھر انہوں نے بالوں کا ایک گچھا نکالا اور کہا: میں نہیں سمجھتا کہ یہود کے سوا کوئی اس طرح بالوں کا گچھا بناتا ہوگا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام جھوٹ رکھا ہے، یعنی اپنے بالوں کو دوسرے بالوں کے ساتھ ملانا۔ اس کو ابن ماجہ کے علاوہ صحاح ستہ کے دوسرے ائمہ نے بھی روایت کیا ہے اور ہر ایک نے وہ بیان کیا جس کو دوسروں نے بیان نہیں کیا، پس حدیث ایک ہے اور اس کا مخرج مختلف ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "حرسی"۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس کا معنی ہے لشکر کا سپاہی اور الجوہری نے کہا: الحرس وہ لوگ ہیں جو سلطان کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کا واحد حرسی ہے، کیونکہ یہ اسم جنس ہو گیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "این علماؤکم" یہ سوال ان پر انکار کرنے کے لیے ہے کہ ان علماء نے اس برائی پر انکار نہیں کیا اور اس میں غفلت کی اس کو متغیر کرنے سے۔

کسی شہر میں برائیوں کا ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ وہاں علماء نہ ہوں

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے پہلا مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر) نے کہا ہے: اس میں یہ اشارہ ہے کہ اس وقت مدینہ میں علماء کم تھے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۰۲)
علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ شرح بہت بعید ہے اور جس کو بھی تاریخ پر اطلاع ہوگی وہ اس کو بعید قرار دے گا اور مدینہ اس وقت دار العلم اور معدن الشریعہ تھا اور جن لوگوں کو بھی دین کے کسی معاملہ میں ہدایت لینی ہوتی وہ مدینہ کی طرف رجوع کرتے تھے، پس اگر تم یہ اعتراض کرو کہ جب معاملہ اس طرح تھا تو پھر مدینہ کے علماء نے اس برائی کو کیوں نہیں متغیر کیا۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: کوئی زمانہ بھی نافرمانیوں کے ارتکاب سے خالی نہیں رہا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی بعض لوگ شراب پیتے تھے اور بعض لوگ چوری کرتے تھے اور بعض لوگ زنا کرتے تھے، مگر یہ کہ ایسا شاذ و نادر ہوتا تھا، پس کسی مسلمان کو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی برائی کو متغیر نہیں کیا۔ اسی طرح مدینہ میں اس قصہ کا معاملہ ہے جو شاذ تھا اور یہ جائز نہیں ہے کہ کہا جائے کہ اہلِ مدینہ اس ممانعت سے جاہل تھے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بالوں کے ساتھ دوسرے کے بالوں کو ملانے پر لعنت فرمائی ہے اور یہ حدیث مدنی ہے اور اہل مدینہ کے نزدیک معروف اور مشہور تھی۔
اس حدیث میں مذکور ہے "عن مثل هذه" حضرت معاویہ نے بالوں کے اس گچھے کی طرف اشارہ کیا جس کو انہوں نے اپنے محافظ کے ہاتھ سے لیا تھا، اور عورتیں اسی کی مثل کے ساتھ اپنے بالوں کو ملاتی تھیں۔
اس حدیث میں مذکور ہے "انما هلكت بنو اسرائيل" اس میں یہ اشارہ ہے کہ اپنے بالوں کے ساتھ دوسرے بالوں کو ملانا یہ بنی اسرائیل پر بھی حرام تھا لیکن انہوں نے اس کا ارتکاب کیا اور اس وجہ سے وہ ہلاک ہو گئے۔

عورتوں کو اپنے بالوں کے ساتھ دوسری عورتوں کے ساتھ بال جوڑنے کی ممانعت اور پراندہ اور چٹلے کا مباح ہونا اور علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے دوسرا مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ یہ حدیث جمہور کے لیے حجت ہے، کیونکہ وہ منع کرتے ہیں کہ عورت اپنے بالوں کے ساتھ کسی اور چیز کو ملائے خواہ وہ بال ہوں یا نہ ہوں اور اس کی تائید حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ڈانٹ ڈپٹ کی کہ عورت اپنے بالوں کے ساتھ کسی چیز کو ملائے، اس حدیث کی امام مسلم نے روایت کی ہے۔
(فتح الباری ج ۷ ص ۱۰۲، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
اس شارح نے جو کہا ہے وہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ جس حدیث کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے وہ حضرت معاویہ کی حدیث ہے، وہ بالوں کے ساتھ کسی چیز کے ملانے کی ممانعت پر مطلقاً دلالت نہیں کرتی، کیونکہ اس میں قید ہے کہ عورت اپنے بالوں کے ساتھ دوسرے بالوں کو ملائے، پس یہ شارح کیسے اس کو جمہور کے لیے حجت قرار دے رہا ہے؟ ہاں جمہور کی حجت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے، پس غور کرو کہ یہ کیسا عجیب تصرف ہے کہ یہ شارح حدیث مقید کے ساتھ اس پر رد کر رہا ہے۔

جو ممانعت میں اطلاق کا دعویٰ کرتا ہے، پھر کہتا ہے: اور اس کی تائید حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے۔ پس حدیث مطلق حدیث مقید کی کیسے تائید کرے گی۔ اور امام ابوعبید نے بہ کثرت فقہاء سے یہ نقل کیا ہے کہ اس مسئلہ میں بالوں کو بالوں کے ساتھ ملانے کی ممانعت ہے، لیکن جب بالوں کو بالوں کے بغیر کسی کپڑے یا اون وغیرہ کے ساتھ ملایا جائے تو اس کی کوئی ممانعت نہیں ہے اور نہ وہ ممانعت میں داخل ہے اور یہی اللیث کا قول ہے۔

اور امام طبری نے کہا ہے کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں کو جوڑنے سے جو منع کیا ہے، اس ممانعت کا کیا معنی ہے؟ بعض علماء نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ عورت اپنے بالوں کو اون کے ساتھ جوڑے یا کپڑے کی دھجی کے ساتھ جوڑے یا اور کسی چیز کے ساتھ، اور یہ حضرت ابن عباس، حضرت ام سلمہ ام المومنین اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اور ابن الشوع نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بال جوڑنے والی پر لعنت کی ہے؟ تو انہوں نے کہا: سبحان اللہ! اس میں عورت پر کیا حرج ہے کہ وہ اون سے کوئی چیز لے اور اس کو اپنے بالوں کے ساتھ جوڑے اور اپنے زوج کے لیے زینت حاصل کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جوان عورت پر لعنت کی ہے جو اپنے بالوں کے ساتھ کسی اور عورت کے بال ملاتی ہے یا جوڑتی ہے۔

محدثین نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ حدیث باطل ہے اور ابن الشوع نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہیں پایا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۹۹۔۱۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۳۳۔ وَقَالَ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَعَنَ اللهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ۔

اور ابن ابی شیبہ نے کہا: ہمیں یونس بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فلیح نے حدیث بیان کی از زید بن اسلم از عطاء بن یسار از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بال جوڑنے والی اور بال جڑوانے والی اور گودنے والی اور گدوانے والی پر لعنت فرمائی ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۱۲۲، سنن ترمذی: ۱۷۵۹، سنن نسائی: ۵۲۵۰، سنن ابن ماجہ: ۱۹۸۸، مسند احمد: ۲۴۲۸۲)

صحیح البخاری: ۵۹۳۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابن ابی شیبہ کا ذکر ہے، یہ ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ ہیں اور ان کا نام ابراہیم بن عثمان العبسی الکوفی ہے، اور یہ عثمان کوفی کے بھائی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یونس بن محمد کا ذکر ہے، یہ ابو محمد المؤدب البغدادی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں فلیح کا ذکر ہے، یہ ابن سلیمان ہیں اور ان کا نام عبد الملک تھا اور فلیح ان کا لقب ہے جو ان کے نام پر غالب آ گیا اور یہ اسی لقب کے ساتھ مشہور ہو گئے۔ اور اس حدیث کی سند میں زید بن اسلم کا ذکر ہے، یہ ابو اسامہ ہیں جو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

امام ابونعیم نے اس تعلیق کی سندِ موصول کے ساتھ از ابن ابی شیبہ المستخرج میں روایت کی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۳۴۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ قَالَ سَمِعْتُ الْحَسَنَ بْنَ مُسْلِمِ بْنِ يَنَّاقٍ يُحَدِّثُ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ جَارِيَةً مِنَ الْأَنْصَارِ تَزَوَّجَتْ وَأَنَّهَا مَرِضَتْ فَتَمَعَّطَ شَعَرُهَا فَأَرَادُوا أَنْ يَصِلُوهَا فَسَأَلُوا النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ لَعَنَ اللهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ تَابَعَهُ ابْنُ إِسْحَاقَ عَنْ أَبَانَ بْنِ صَالِحٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ صَفِيَّةَ عَنْ عَائِشَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عمرو بن مرہ، انہوں نے کہا: میں نے الحسن بن مسلم بن یناق سے سنا، وہ صفیہ بنتِ شیبہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث روایت کرتی ہیں کہ انصار کی ایک لڑکی کی شادی ہوئی اور وہ بیمار ہوگئی تو اس کے سر کے بال کسی بیماری سے جھڑ گئے، پس لوگوں نے ارادہ کیا کہ اس کے سر کے بالوں کو دوسری عورت کے بالوں کے ساتھ جوڑ دیں، تو انہوں نے یہ مسئلہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بال جوڑنے والی اور بال جڑوانے والی پر لعنت فرماتا ہے۔
محمد بن اسحاق کی متابعت ابن اسحاق نے کی ہے از ابان بن صالح از الحسن از صفیہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

(صحیح مسلم: ۲۱۲۲، سنن ترمذی: ۱۷۵۹، سنن نسائی: ۵۲۵۰، سنن ابن ماجہ: ۱۹۸۸، مسند احمد: ۲۴۲۸۲)

صحیح البخاری: ۵۹۳۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حسن بن مسلم بن ینّاق، (یاء پر زبر ہے اور نون مشدد ہے، گویا کہ یہ عجمی نام ہے)۔ اور حسن مذکور تابعی صغیر ہیں اور اہل مکہ میں سے ہیں اور محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں اور یہ طاؤس سے بہ کثرت روایت کرتے تھے اور ان سے پہلے فوت ہو گئے۔ اور اس حدیث کی سند میں ہے صفیہ بنتِ شیبہ، یہ (شیبہ) ابن عثمان القرشی الحجی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فتمعط" اس کا معنی ہے: اس کے بال کسی بیماری سے بکھر گئے اور جھڑ گئے تو لوگوں نے کسی دوسری عورت کے بالوں کے ساتھ اس کے بالوں کو جوڑنے کا ذکر ہے۔

متابعت کی شرح

اس حدیث میں مذکور ہے: "محمد بن اسحاق کی متابعت ابن اسحاق نے کی ہے" اور ابان میں ہمزہ پر زبر ہے، یہ ابن صالح بن عمیر

القرشی ہیں، اور حسن وہ ابن مسلم ہیں، اور صفیہ وہ بنتِ شیبہ مذکورہ ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۳۵۔ حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ حَدَّثَتْنِي أُمِّي عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ إِنِّي أَنْكَحْتُ ابْنَتِي ثُمَّ أَصَابَهَا شَكْوَى فَتَمَرَّقَ رَأْسُهَا وَزَوْجُهَا يَسْتَحِثُّنِي بِهَا أَفَأَصِلُ رَأْسَهَا فَسَبَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے احمد بن المقدام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فضیل بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں منصور بن عبدالرحمن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میری والدہ نے حدیث بیان کی از حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما، کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی، پس کہنے لگی کہ میں نے اپنی بیٹی کا نکاح کیا، پھر اس کو ایک بیماری لگی تو اس کے سر کے بال جھڑ گئے، تو اس کا خاوند اس کے بارے میں مجھے برانگیختہ کرتا ہے، کیا میں اس کے بالوں کے ساتھ اور بال جوڑ دوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے بال جوڑنے والی اور بال جڑوانے والی دونوں پر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

(صحیح بخاری: ۵۹۳۶، ۵۹۴۱، صحیح مسلم: ۲۱۲۲، سنن ترمذی: ۱۷۵۹، سنن نسائی: ۵۲۵۰، سنن ابن ماجہ: ۱۹۸۸، مسند احمد: ۲۴۲۸۲)

صحیح البخاری: ۵۹۳۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے احمد بن المقدام، یہ ابن سلیمان ابوالاشعث الاجلی البصری ہیں۔ اور اس میں مذکور ہے فضیل، یہ ابن سلیمان النمیری البصری ہیں، ان کے حفظ میں کلام ہے لیکن وہیب بن خالد نے از منصور ان کی حدیث کی متابعت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "شکوی" اس کا معنی ہے: مرض۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فتمرق"، یہ مرق سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: بالوں کا اپنی جگہ سے گر جانا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "یستحثنی" اس کا معنی ہے: وہ مجھے برانگیختہ کرتا ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "فسب" یعنی رسول اللہ ﷺ نے اس پر لعنت فرمائی جو بال جوڑتی ہے یا بال جڑواتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۰۱۔ ۱۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۳۶۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنِ امْرَأَتِهِ فَاطِمَةَ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از

قَالَتْ لَعَنَ النَّبِيُّ ﷺ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ۔

ہشام بن عروہ از زوجہ خود فاطمہ از حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے بال جوڑنے والی اور بال جڑوانے والی پر لعنت فرمائی ہے۔

(صحیح بخاری: ۵۹۳۶، ۵۹۴۱، صحیح مسلم: ۲۱۲۲، سنن ترمذی: ۱۷۵۹، سنن نسائی: ۵۲۵۰، سنن ابن ماجہ: ۱۹۸۸، مسند احمد: ۲۴۴۸۲)

صحیح البخاری: ۵۹۳۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث کی دوسری سند ہے جس کی امام بخاری نے از آدم بن ابی ایاس الی آخرہ۔۔۔۔روایت کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۳۷۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لَعَنَ اللهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ وَقَالَ نَافِعٌ الْوَشْمُ فِي اللِّثَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ نے خبر دی از نافع از ابن عمر رضی اللہ عنہما، کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بال جوڑنے والی اور بال جڑوانے والی پر لعنت فرمائے، اور گودنے والی پر اور گدوانے والی پر لعنت فرمائے۔

اور نافع نے کہا: گودنا کبھی مسوڑھے پر بھی کیا جاتا ہے۔

(صحیح بخاری: ۵۹۴۰، ۵۹۴۲، ۵۹۴۷، صحیح مسلم: ۲۱۲۴، سنن ترمذی: ۲۷۸۳، سنن نسائی: ۵۰۹۵، سنن ابو داؤد: ۴۱۶۸، سنن ابن ماجہ: ۱۹۸۷، مسند احمد: ۴۷۲۰)

صحیح البخاری: ۵۹۳۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن مقاتل یہ المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد اللہ، یہ ابن المبارک مروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبید اللہ، یہ از ابن عمر العمری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اللثۃ" یہ دانتوں کے گرد جو گوشت ہے اس کو کہتے ہیں۔ اور نافع کی مراد اس میں حصر نہیں ہے بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ کبھی مسوڑھے میں بھی عورتیں گدواتی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۳۸۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے

مُرَّةَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ قَدِمَ مُعَاوِيَةُ الْمَدِينَةَ آخِرَ قَدْمَةٍ قَدِمَهَا فَخَطَبَنَا فَأَخْرَجَ كُبَّةً مِنْ شَعَرٍ قَالَ مَا كُنْتُ أَرَى أَحَدًا يَفْعَلُ هَذَا غَيْرَ الْيَهُودِ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَمَّاهُ الزُّورَ يَعْنِي الْوَاصِلَةَ فِي الشَّعَرِ۔

(صحیح مسلم: ۲۱۲۷، سنن نسائی: ۵۲۴۶، سنن ابوداؤد: ۴۱۶۷، مسند احمد: ۱۶۳۸۸)

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن مرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے سعید بن المسیب سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں آئے جوان کا مدینہ میں آخری بار آنا تھا، پس انہوں نے ہمیں خطبہ دیا، پھر انہوں نے بالوں کا ایک گچھا نکالا اور کہا: میری رائے یہ تھی کہ یہود کے سوا اور کوئی یہ کام نہیں کرتا ہوگا، بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام جھوٹ رکھا ہے یعنی جو عورت اپنے بالوں میں دوسری عورت کے بالوں کو جوڑنے والی ہو۔

صحیح البخاری: ۵۹۳۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس باب کے اول میں گزر چکی ہے، اور اس حدیث میں وہ اضافہ ہے جو اس میں نہیں تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الزور" علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: "الزور الکذب والباطل والتهمة" زور کا معنی: جھوٹ، باطل اور تہمت ہے، اور اسی سے بنایا گیا ہے "شهد الزور" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جڑے ہوئے بالوں کو جھوٹ فرمایا یا زور فرمایا، کیونکہ یہ جھوٹ ہے اور اللہ تعالیٰ کی خلقت کی تغییر ہے۔ اور صحیح مسلم میں حدیث ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ سے منع فرمایا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۰۲۔ ۱۰۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۸۴۔ بَابُ: الْمُتَنَمِّصَاتِ

چہرہ کے بال نوچنے والیوں کا بیان

اس باب میں ان احادیث کا بیان کیا گیا ہے جن میں ان عورتوں کی مذمت کی گئی ہے جو اپنے چہرہ کے بالوں کو نوچ کر نکالتی ہیں۔

۵۹۳۹۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ لَعَنَ عَبْدُ اللهِ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللهِ فَقَالَتْ أُمُّ يَعْقُوبَ مَا هَذَا قَالَ عَبْدُ اللهِ وَمَا لِي لَا أَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُولُ اللهِ وَفِي كِتَابِ اللهِ قَالَتْ وَاللهِ لَقَدْ قَرَأْتُ مَا بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ فَمَا وَجَدْتُهُ قَالَ وَاللهِ لَئِنْ قَرَأْتِيهِ لَقَدْ وَجَدْتِيهِ ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ (الحشر: ۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے خبر دی از منصور از ابراہیم از علقمہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے گودنے والیوں اور چہرہ سے بالوں کو نوچنے والیوں اور بالوں اور دانتوں کے درمیان حسن کے لیے کشادگی کرنے والیوں جو اللہ کی تخلیق میں تغیر کرنے والی ہیں، ان پر لعنت فرمائی، تو ام یعقوب نے کہا: یہ کیا ہے؟ تو حضرت عبداللہ نے کہا: مجھے کیا ہے کہ میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ کی کتاب میں لعنت ہے، ام یعقوب نے کہا:

اللہ کی قسم! میں نے دوگتوں کے درمیان پورے قرآن کو پڑھا ہے اور اس میں، میں نے اس کو نہیں پایا، (یعنی ان عورتوں پر لعنت)، حضرت عبداللہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر تم قرآن کو پڑھتیں تو تم اس میں اس کو پا لیں، پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی: اور رسول جو تم کو دیں اس کو لے لو، اور جس کام سے تمہیں روکیں اس سے رک جاؤ۔ (الحشر: ۷)

(صحیح بخاری: ۴۸۸۶، ۴۸۸۷، ۵۹۳۱، ۵۹۳۹، ۵۹۴۳، ۵۹۴۸، صحیح مسلم: ۲۱۲۵، سنن ترمذی: ۲۷۸۲، سنن نسائی: ۵۰۹۹، سنن ابوداؤد: ۴۱۶۹، مسند احمد: ۴۱۱۸، سنن ابن ماجہ: ۱۹۸۹، سنن دارمی: ۲۶۴۷)

صحیح البخاری: ۵۹۳۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق بن ابراہیم، یہ ابن راہویہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریر، یہ جریر بن عبدالحمید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے منصور، یہ منصور بن المعتمر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم، یہ ابراہیم النخعی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علقمہ، یہ علقمہ بن قیس النخعی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

یہ حدیث اس باب کے شروع میں "المتفلجات للحسن" کے عنوان سے گزر چکی ہے اور اس کی شرح بھی وہاں گزر چکی ہے اور ام یعقوب کا بیان بھی ہو چکا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "مابین اللوحین" یعنی دوگتوں کے درمیان جو اوراق ہیں، یا اس سے مراد ہے رحل جس پر قرآن مجید کو رکھا جاتا ہے، اور یہ قرآن مجید سے کنایہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی وضاحت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ قرآن مجید میں بھی گودنے والی اور دانتوں کے درمیان کشادگی کرانے والی پر لعنت ہے، اس پر ام یعقوب نے کہا: میں نے تو سارا قرآن پڑھا ہے اس میں تو ان پر لعنت کا ذکر نہیں ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور اس پر لعنت فرمائی ہے، اور قرآن مجید نے کہا ہے کہ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منع فرمائیں اس سے تم رک جاؤ، تو گویا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب گودنے اور دانتوں کے درمیان کشادگی کرانے سے منع فرمایا ہے تو یہ بھی قرآن کا حکم ہے کیونکہ قرآن نے کہا ہے: جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روکیں،

اس سے رک جاؤ۔ تو اس اعتبار سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم قرآن پڑھتیں تو اس کو پالیتیں۔

نیز میں یہ کہتا ہوں کہ اس طرح تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کام کا حکم دیا اس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ یہ قرآن میں ہے اگرچہ وہ صراحۃً قرآن مجید میں نہ ہو، اس طرح جس کام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، اس کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے کہ قرآن میں ہے کہ یہ ممنوع ہے، البتہ یوں کہنا صحیح ہے کہ جس چیز کا ذکر قرآن مجید میں صراحۃً نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا یا اس سے منع فرمایا تو اس پر عمل کرنا بھی قرآن کے حکم پر عمل کرنا ہے، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں ناک میں پانی ڈالنے کا حکم دیا حالانکہ صراحۃً قرآن مجید میں ناک میں پانی ڈالنے کا حکم نہیں ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار سے زیادہ اعضاء وضو کے دھونے سے منع فرمایا ہے، حالانکہ یہ ممانعت قرآن مجید میں نہیں ہے، اور ام یعقوب کی مراد بھی یہی تھی کہ گودنے والیوں پر لعنت کا ذکر قرآن مجید میں صراحۃً نہیں ہے۔ اور قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ جس کام سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، اس سے رکنا لازم ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۸۵۔ بَابُ: الْمَوْصُولَةِ

عورت کا اپنے بالوں کے ساتھ دوسری عورت کے بالوں کو جڑوانے کا بیان

۵۹۴۰۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ لَعَنَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ نے حدیث بیان کی از عبید اللہ از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بال جوڑنے والی پر اور بال جڑوانے کو طلب کرنے والی پر اور گودنے والی پر اور گدوانے والی پر لعنت فرمائی ہے۔

(صحیح بخاری: ۵۹۴۰، ۵۹۴۲، ۵۹۴۷، صحیح مسلم: ۲۱۲۴، سنن ترمذی: ۲۷۸۳، سنن نسائی: ۵۰۹۵، سنن ابوداؤد: ۴۱۶۸، سنن ابن ماجہ: ۱۹۸۷، مسند احمد: ۴۷۱۰)

صحیح البخاری: ۵۹۴۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "الموصولة" یعنی بال جڑوانے والی، اور حدیث میں مذکور ہے المستوصلة، یعنی بال جڑوانے کو طلب کرنے والی، اور ان دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد، اور وہ ابن سلام ہیں۔ اور عبدہ مذکور ہے، وہ ابن سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبید اللہ، وہ ابن عمر العمری ہیں، اور ان کے متعلق کلام گزر چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۴۱۔ حَدَّثَنَا الْحُمَیْدِیُّ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَنَّهُ سَمِعَ فَاطِمَةَ بِنْتَ الْمُنْذِرِ تَقُولُ سَمِعْتُ أَسْمَاءَ قَالَتْ سَأَلَتْ امْرَأَةٌ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ ابْنَتِي أَصَابَتْهَا الْحَصْبَةُ فَامَّرَقَ شَعَرُهَا وَإِنِّي زَوَّجْتُهَا أَفَأَصِلُ فِيهِ فَقَالَ لَعَنَ اللهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمَوْصُولَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے فاطمہ بنت المنذر سے سنا، وہ بیان کرتی ہیں: میں نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے سنا، انہوں نے بتایا کہ ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، پس اس نے کہا: یارسول اللہ! میری بیٹی کی سر کی کھال میں سرخ دانے نکل آئے ہیں جس سے اس کے سر کے بال جھڑ گئے ہیں اور میں اس کا نکاح کر چکی ہوں، کیا میں اس کے بالوں کے ساتھ دوسرے بالوں کو جوڑ دوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بال جوڑنے والی اور جڑوانے والی پر لعنت فرمائی ہے۔

(صحیح بخاری: ۵۹۳۶، ۵۹۴۱، صحیح مسلم: ۲۱۲۲، سنن ترمذی: ۱۷۵۹، سنن نسائی: ۵۲۵۰، سنن ابن ماجہ: ۱۹۸۸، مسند احمد: ۲۴۲۸۲)

صحیح البخاری: ۵۹۴۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حمیدی، ان کا نام عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ ہے، جو اپنے اجداد میں سے ایک کی طرف منسوب ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام، یہ ابن عروہ بن الزبیر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے فاطمہ بنت المنذر بن الزبیر بن العوام، یہ راوی ہشام کی زوجہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے، یہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الحصبة" یہ سرخ دانے ہیں جو کھال میں متفرد جگہوں پر نکل آتے ہیں اور یہ چیچک کی ایک قسم ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۰۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۴۲۔ حَدَّثَنِي يُوسُفُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ حَدَّثَنَا صَخْرُ بْنُ جُوَيْرِيَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم أَوْ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم الْوَاشِمَةُ وَالْمُوتَشِمَةُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یوسف بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الفضل بن دکین نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں صخر بن جویریہ نے حدیث بیان کی، از نافع از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان

وَالْوَاصِلَةُ وَالْمُسْتَوْصِلَةُ يَعْنِي لَعَنَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

کرتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا یا انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: گودنے والی اور گودوانے والی اور سر کے بالوں کو جوڑنے والی اور سر کے بالوں کو جڑوانے والی، یعنی ان پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔

(صحیح بخاری: ۵۹۴۰، ۵۹۴۲، ۵۹۴۷، صحیح مسلم: ۲۱۲۴، سنن ترمذی: ۲۷۸۳، سنن نسائی: ۵۰۹۵، سنن ابوداؤد: ۴۱۶۸، سنن ابن ماجہ: ۱۹۸۷، مسند احمد: ۴۷۱۰)

صحیح البخاری: ۵۹۴۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یوسف بن موسیٰ کا ذکر ہے، ان کا نام یوسف بن موسیٰ بن راشد القطان الکوفی ہے، انہوں نے بغداد میں رہائش اختیار کی اور وہیں پر ۲۵۲ھ میں ان کی وفات ہوگئی۔

اور اس حدیث کی سند میں الفضل بن دُکین کا ذکر ہے، اور المستملی کی روایت میں مذکور ہے الفضل بن زُہیر اور الفربری کے بعض رواۃ نے کہا ہے: الفضل بن دکین یا الفضل بن زُہیر، ان کو تردد ہے۔ اور ایک مرتبہ انہوں نے وثوق سے کہا: الفضل بن زُہیر۔ ابوعلی الغسانی نے کہا: وہ الفضل بن دکین بن حماد بن زُہیر ہیں، پس ان کی نسبت ان کے باپ کے دادا کی طرف ہے اور وہ ابو نعیم شیخ بخاری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم او قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم"۔ اس میں راوی کو شک ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کیا کہا تھا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا یا انہوں نے کہا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الواشمة"۔ اس کے بعد اس قول کا مقولہ ہے، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان چار کو لعنت کی جگہ میں ذکر فرمایا اور آپ نے لعنت کی تصریح نہیں فرمائی، اس کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے واضح کیا ہے اپنے اس قول سے کہ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی۔ اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ نے الواشمة اور بعد میں جن کا ذکر ہے، ان پر لعنت فرمائی۔ اور اس روایت کی بناء پر کسی اور چیز کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۰۴۔۱۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۴۳۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ لَعَنَ اللهُ الْوَاشِمَاتِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از منصور از ابراہیم از

وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللهِ مَالِي لَا أَلْعَنُ مَنْ لَعَنَهُ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ فِي كِتَابِ اللهِ۔

علقمہ از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے گودنے والیوں پر اور گدوانے والیوں پر اور چہرہ سے بال نوچنے والیوں پر اور حسن کے لیے دانتوں کے درمیان کشادگی کرانے والیوں پر جو اللہ کی تخلیق میں تغیر کرتی ہیں، لعنت فرمائی ہے۔ اور مجھے کیا ہے کہ میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے اور وہ لعنت اللہ کی کتاب میں مذکور ہے۔

(صحیح بخاری: ۴۸۸۶، ۴۸۸۷، ۵۹۳۱، ۵۹۳۹، ۵۹۴۳، ۵۹۴۸، صحیح مسلم: ۲۱۲۵، سنن ترمذی: ۲۷۸۲، سنن نسائی: ۵۰۹۹، سنن ابوداؤد: ۴۱۶۹، مسند احمد: ۴۱۱۸، سنن ابن ماجہ: ۱۹۸۹، سنن دارمی: ۲۶۴۷)

صحیح البخاری: ۵۹۴۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس باب کے شروع میں گزر چکی ہے، اور اس کی تفسیر وہاں کردی گئی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۰۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۸۶۔ بَابُ: الْوَاشِمَةِ — گودنے والیوں کا بیان

یہ باب گودنے والی عورت کی مذمت کے بیان میں ہے۔

۵۹۴۴۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْعَيْنُ حَقٌّ وَنَهَى عَنِ الْوَشْمِ حَدَّثَنِي ابْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ ذَكَرْتُ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَابِسٍ حَدِيثَ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ فَقَالَ سَمِعْتُهُ مِنْ أُمِّ يَعْقُوبَ عَنْ عَبْدِ اللهِ مِثْلَ حَدِيثِ مَنْصُورٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی از معمر از ہمام از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نظر کا لگنا برحق ہے، اور آپ نے گودنے سے منع فرمایا۔

مجھے ابن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن مہدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے عبدالرحمٰن بن عابس سے منصور کی حدیث ذکر کی از ابراہیم از علقمہ از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، تو انہوں نے کہا: میں نے اس کو ام یعقوب سے سنا ہے از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، جیسے منصور کی حدیث ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۷۴۰، ۵۹۴۴، صحیح مسلم: ۲۱۸۷، سنن ابوداؤد: ۳۸۷۹، سنن ابن ماجہ: ۳۵۰۷، مسند احمد: ۲۷۴۶۵)

صحیح البخاری: ۵۹۴۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "الواشمة" یعنی گودنے والی اور اس حدیث میں مذکور ہے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گودنے سے منع فرمایا"۔ اور گودنا، گودنے والی کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، یا تو یہ ابن یونس ہیں اور یا یہ ابن جعفر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر، یہ ابن راشد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہمام، یہ ابن منبہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "العین حق"، یعنی نظرِ بد کا لگنا برحق ہے، اس کی تاثیر ہوتی ہے۔

اور عبدالرحمٰن بن عابس کی حدیث عنقریب ذکر کی جاچکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۰۵۔۱۰۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۴۵۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ رَأَيْتُ أَبِي فَقَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْ ثَمَنِ الدَّمِ وَثَمَنِ الْكَلْبِ وَآكِلِ الرِّبَا وَمُوكِلِهِ وَالْوَاشِمَةِ وَالْمُسْتَوْشِمَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عون بن ابی جحیفہ، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد کو دیکھا، پس انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خون کی قیمت لینے سے منع فرمایا ہے اور کتے کی قیمت لینے سے منع فرمایا ہے اور سود کھانے والے اور سود کھلانے والے اور گودنے والی اور گدوانے والی پر لعنت بھیجی ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۰۸۶، ۲۲۳۸، ۵۳۴۷، ۵۹۴۵، ۵۹۶۲، صحیح مسلم: ۱۵۹۷، سنن ترمذی: ۱۲۰۶، سنن نسائی: ۳۴۱۶، سنن ابوداؤد: ۳۴۸۳، سنن ابن ماجہ: ۲۲۷۷، مسند احمد: ۱۸۴۸۱، سنن دارمی: ۲۵۳۵)

صحیح البخاری: ۵۹۴۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

خون کی قیمت کی ممانعت کا بیان اور اضطرار کی صورت میں اس کا جواز

اس حدیث میں مذکور ہے "عن ثمن الدم" یعنی آپ نے خون کی قیمت سے اس لیے منع فرمایا کہ وہ نجس ہے، یا یہ حدیث

محمول ہے فصد لگانے والے کی اجرت پر۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل لوگ ہسپتالوں میں اپنا خون بیچ دیتے ہیں اور ہسپتال والے اس خون کے گروپ کے اعتبار سے اس کو محفوظ کر لیتے ہیں اور جب کسی مریض کو اس گروپ کے خون کی ضرورت ہو تو وہ خون اس کے جسم میں منتقل کر دیتے ہیں۔ اس صورت میں یہ سوال ہوگا کہ آیا یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟ تو تحقیق یہ ہے کہ اضطرار کی صورت میں تو یہ عمل جائز ہے مثلاً اگر کسی مریض کے جسم میں خون نہ پہنچایا جائے تو اس کی موت کا خطرہ ہو یا بیماری کے شدید بڑھ جانے کا خطرہ ہو تو اس صورت میں اس کے جسم میں خون پہنچانا ضروری ہوتا ہے، ایسی صورت میں یا تو مریض کے متعلقین خود اپنا خون پیش کریں اور اگر کسی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو تو ہسپتال سے اس مریض کے گروپ کا خون خرید کر اس کے جسم میں پہنچا دیا جائے تا کہ اس مریض کی جان بچائی جا سکے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ آیا اضطرار کی صورت میں کسی گردہ کو خرید کر کسی مریض کے جسم میں لگایا جا سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ خون میں اور گردہ میں فرق ہے، خون ایک سیال مادہ ہے اور وہ جسم میں بنتا رہتا ہے اور بعض صورتوں میں خون کو جسم سے نکالنا صحت کی بقاء کے لیے ضروری ہوتا ہے، اور گردہ ایک مخصوص اور متشخص عضو ہے، اور اس کو نکالنے سے جسم کا تشخص تبدیل ہو جائے گا، تاہم ابھی تک ہم پر ایسی دلیل ظاہر نہیں ہوئی کہ کسی انسان کی جان بچانے کے لیے اس کے جسم میں کسی دوسرے کا گردہ لگانا جائز ہو۔ (سعیدی غفرلہ)

نیز اس حدیث میں کتے کی قیمت سے بھی منع فرمایا ہے، عام ازیں کہ وہ کتا سدھایا ہوا ہو یا سدھایا ہوا نہ ہو۔ اور عام ازیں کہ اسے گھر یا مویشیوں کی حفاظت کے لیے رکھا جائے یا نہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور ہم نے اس کا کتاب البیوع میں ذکر کیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "و موکلہ" یعنی سود دینے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے، کیونکہ وہ بھی گناہ میں شریک ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۸۷۔ بَابُ: الْمُسْتَوْشِمَةِ — گدوانے والی کا بیان

اس باب کی احادیث میں اس عورت کی مذمت بیان کی گئی ہے جو گدوانے کو طلب کرتی ہے۔

۵۹۴۶۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ عُمَارَةَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أُتِيَ عُمَرُ بِامْرَأَةٍ تَشِمُ فَقَامَ فَقَالَ أَنْشُدُكُمْ بِاللهِ مَنْ سَمِعَ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْوَشْمِ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقُمْتُ فَقُلْتُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَنَا سَمِعْتُ قَالَ مَا سَمِعْتَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ لَا تَشِمْنَ وَلَا تَسْتَوْشِمْنَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں زہیر بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از عمارہ از ابی زرعہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت کو لایا گیا جو گودنے کا کام کرتی تھی، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گودنے کے متعلق کچھ سنا ہے تو وہ بتائے، تب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پس میں کھڑا ہوا، پھر میں نے کہا: اے امیر المومنین!

میں نے سنا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آپ نے کیا سنا ہے؟
تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے،
آپ فرمارہے تھے: تم نہ گودنے کا کام کرو اور نہ گودنے کے کام کو
طلب کرو۔

صحیح البخاری: ۵۹۴۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی امام نسائی نے کتاب الزینت میں روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "المستوشمة" یعنی گدوانے کو طلب کرنے والی اور اس حدیث میں مذکور ہے تم گدوانے کو طلب نہ کرو، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریر، یہ ابن عبدالحمید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمارہ، یہ ابن القعقع بن شبرمہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوزرعہ، یہ ھرم بن عمرو بن جریر ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "تشم" یہ وشم وشما کے باب سے ہے اور اس کا معنی ہے: ہاتھ وغیرہ میں سوئی کو چبھونا اور پھر اس کے اوپر سرمہ کو چھڑکنا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "ولا تستوشمن" یعنی تم گدوانے کو ہرگز طلب نہ کرو۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ ذکر کیا، اس کا فائدہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی احادیث کے ثبوت کو طلب کرتے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حدیث کے جمع کرنے میں اور روایت کرنے میں بہت متشدد تھے، اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر انکار کیا ہوتا تو وہ منقول ہوتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۴۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَعَنَ النَّبِيُّ ﷺ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی از عبید اللہ، انہوں نے کہا: مجھے نافع نے خبر دی از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور عورت کے ساتھ بالوں کو جوڑنے والی اور جڑوانے والی اور گودنے والی

اور گدوانے والی پر لعنت فرمائی۔

(صحیح بخاری: ۵۹۴۰، ۵۹۴۲، ۵۹۴۷، صحیح مسلم: ۲۱۲۴، سنن ترمذی: ۲۷۸۳، سنن نسائی: ۵۰۹۵، سنن ابوداؤد: ۴۱۶۸، سنن ابن ماجہ: ۱۹۸۷، مسند احمد: ۴۷۱۰)

صحیح البخاری: ۵۹۴۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے آخر میں ہے، کیونکہ حدیث کے آخر میں المستوشمة کا لفظ ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن سعید، یہ القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبیداللہ، یہ ابن عمر العمری ہیں۔ اور یہ حدیث اس سے پہلے گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۰۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۴۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ﷺ لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ مَالِي لَا أَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی از سفیان از منصور از ابراہیم از علقمہ از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے گودنے والیوں پر اور گدوانے والیوں پر اور رخسار سے بال نوچنے والیوں پر اور حسن کے لیے دانتوں میں کشادگی کرانے والیوں پر اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تغیر کرنے والیوں پر لعنت فرمائی۔ انہوں نے کہا: میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اور وہ لعنت اللہ کی کتاب میں ہے۔

(صحیح بخاری: ۴۸۸۶، ۴۸۸۷، ۵۹۳۱، ۵۹۳۹، ۵۹۴۳، ۵۹۴۸، صحیح مسلم: ۲۱۲۵، سنن ترمذی: ۲۷۸۲، سنن نسائی: ۵۰۹۹، سنن ابوداؤد: ۴۱۶۹، مسند احمد: ۴۱۱۸، سنن ابن ماجہ: ۱۹۸۹، سنن دارمی: ۲۶۴۷)

صحیح البخاری: ۵۹۴۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالرحمٰن، وہ ابن مہدی ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، وہ الثوری ہیں۔ باقی رجال کا عنقریب ذکر کیا گیا ہے اور یہ حدیث بھی گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۰۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۸۸۔ بَابُ: التَّصَاوِيرِ
تصاویر کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب تصاویر کے حکم کے بیان میں ہے کہ تصاویر کو استعمال کرنا اور ان کو بنانا اور ان کو رکھنا شرعی طور پر کیسا ہے؟ اور تصاویر کا لفظ تصویر کی جمع ہے، اس کا معنی صورت ہے، اور کسی شے کی صورت اس کی حقیقت اور ہیئت ہے۔ اس باب کو اور اس باب کے بعد نو ابواب کو کتاب اللباس میں ذکر کیا ہے، اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ لباس سے غرض زینت ہے اور تصویر بھی زینت کے لیے بنائی جاتی ہے، اور اس کے بعد جو نو ابواب ہیں وہ بھی صورت کے متعلقات ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۰۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۴۹۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ أَبِي طَلْحَةَ رضى الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا تَصَاوِيرُ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ سَمِعْتُ أَبَا طَلْحَةَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی از الزہری از عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از ابی طلحہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس گھر میں کتا ہو اور نہ اس گھر میں جس میں تصاویر ہوں۔
اور اللیث نے کہا: مجھے یونس نے حدیث بیان کی از شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عبیداللہ نے خبر دی، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

(صحیح بخاری: ۳۲۲۵، ۳۲۲۶، ۳۳۲۲، ۴۰۰۲، ۵۹۴۹، ۵۹۵۸، صحیح مسلم: ۲۱۰۶، سنن ترمذی: ۲۸۰۴، سنن نسائی: ۵۳۴۸، سنن ابوداؤد: ۴۱۵۳، سنن ابن ماجہ: ۳۶۴۹، مسند احمد: ۲۷۵۶۴، موطا امام مالک: ۱۸۰۱)

صحیح البخاری: ۵۹۴۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے آدم، وہ ابن ابی ایاس ہیں، یہ محمد بن عبدالرحمٰن بن المغیرہ بن الحارث ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی ذئب، ان کا نام ہے ہشام بن سعید۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوطلحہ، ان کا نام ہے زید بن سہل الانصاری۔ اور اس حدیث میں صحابی کی صحابی سے روایت ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

جس گھر میں کتا یا تصاویر ہوں اس میں مطلقاً فرشتے داخل نہیں ہوتے یا مخصوص رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے؟

اس حدیث میں مذکور ہے "الملئکۃ" بہ ظاہر اس سے مراد عموم ہے، یعنی جس گھر میں کتا یا تصاویر ہوں، اس گھر میں کوئی فرشتہ داخل نہیں ہوتا، لیکن اس سے "الحفظۃ" یعنی کراماً کاتبین کا استثناء کیا گیا ہے، کیونکہ وہ کسی شخص سے کسی حال میں بالکل الگ نہیں ہوتے۔

علامہ ابن وضاح، علامہ خطابی، علامہ داؤدی اور دوسرے شارحین نے اس کو وثوق کے ساتھ بیان کیا ہے، اور انہوں نے کہا کہ اس حدیث میں ملئکۃ سے مراد وحی کے فرشتے ہیں مثلاً حضرت جبریل علیہ السلام اور حضرت اسرافیل علیہ السلام۔ رہے الحفظۃ، پس بے شک وہ ہر گھر میں داخل ہوتے ہیں اور انسان سے بالکل جدا نہیں ہوتے، سوائے بیت الخلاء کے اور سوائے جماع کے، جیسا کہ اس کا ذکر ایک حدیثِ ضعیف میں ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ملئکۃ سے مراد رحمت اور استغفار کے فرشتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بیتا" اس سے مراد ہے وہ جگہ جہاں پر کوئی شخص ٹھہرا ہوا ہو، برابر ہے کہ وہ گھر ہو یا خیمہ ہو یا کچھ اور ہو۔

میں کہتا ہوں: آج کل تقریباً ہر گھر میں اخبار ہوتے ہیں اور اخبار تصاویر سے خالی نہیں ہوتے اور ہر شخص کے پاس بہر حال کرنسی نوٹ ہوتے ہیں اور نوٹ میں تصویر ہوتی ہے، اور ویسے بھی لوگ گھروں میں زیبائش کے لیے تصاویر رکھتے ہیں، تو پھر فرشتے کسی گھر میں بھی داخل نہیں ہوں گے، اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس حدیث میں یہ قید لگائی جائے کہ رحمت کے فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے۔ (سعیدی غفرلہ)

اس حدیث میں مذکور ہے "فیہ کلب" ظاہر یہ ہے کہ اس میں بھی عموم مراد ہے، علامہ القرطبی اور علامہ النووی نے بھی یہی کہا ہے۔ اور علامہ خطابی نے کہا ہے: اس سے وہ کتے مستثنیٰ ہیں جن کو رکھنے کی شریعت میں اجازت دی گئی ہے جیسے شکار کے کتے اور مویشیوں کی حفاظت کے کتے اور کھیتوں کی حفاظت کے کتے۔

جس گھر میں کتا ہو، اس گھر میں فرشتوں کے داخل نہ ہونے کی وجہ میں اختلافِ علماء

اور اس میں اختلاف ہے کہ جس گھر میں کتا ہو، اس گھر میں فرشتوں کا داخل ہونا کیوں ممنوع ہے؟

ایک قول یہ ہے کہ کتا نجس العین ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ کتا شیاطین سے ہے، اور تیسرا قول یہ ہے کہ کتے کے ساتھ نجاست متعلق رہتی ہے، کیونکہ کتا اکثر نجاست کھاتا ہے اور نجاست میں لتھڑا ہوا رہتا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ تمام تحریر کچھ فائدہ نہیں دیتی، کیونکہ خنزیر کتے سے زیادہ نجس ہے، کیونکہ اس کی نجاست کے متعلق تو نص صریح ہے اور شیطان سے تو کوئی گھر خالی نہیں ہوتا اور بلی بھی اکثر نجاست کھاتی ہے۔ اس کے باوجود جس گھر میں بلی یا خنزیر ہو اس گھر میں فرشتوں کا داخل ہونا ممتنع نہیں ہے، سو اس گھر کے جس میں خصوصیت کے ساتھ کتا ہو باقی نجس حیوانات کے سوا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ولا تصاویر"۔ بدأ الخلق میں بھی اس روایت کا ذکر ہے اور وہاں تصاویر کی جگہ صورت کا لفظ ہے، اور علامہ الخطابی نے کہا ہے: صورت سے مراد وہ صورت ہے جس میں روح ہو، اور اس تصویر کا سر نہ کاٹا گیا ہو اور اس کو پاؤں سے روندا نہ گیا ہو۔

علامہ ابن حبان نے عجیب وغریب بات کہی، انہوں نے کہا: یہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے، یعنی آپ کے گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوں گے اگر آپ کے گھر میں تصویر ہو یا کتا ہو، اور انہوں نے کہا: اس کی نظیر دوسری حدیث ہے جس میں ارشاد ہے کہ فرشتے ان رفیقوں کے ساتھ نہیں رہتے جن میں گھنٹی ہو، ابن حبان نے کہا: یہ ان رفقاء پر محمول ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں، کیونکہ یہ محال ہے کہ کوئی حج کرنے والا یا عمرہ کرنے والا بیت اللہ کے قصد سے سواریوں پر نکلے اور اس کے ساتھ فرشتے نہ ہوں حالانکہ وہ اللہ عزوجل کا وفد ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں مجسموں کے بنانے کا جواز

اگر تم کہو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذکر میں فرمایا ہے:

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ۔ سلیمان جو کچھ چاہتے تھے وہ (جنات) ان کے لیے بنا دیتے تھے، قلعے اور مجسمے۔ (سبا: ۱۳)

مجسمے کی تفسیر میں امام طبرانی کی روایت ہے کہ مجاہد نے کہا: وہ پیتل کے مجسمے بناتے تھے، اور قتادہ نے کہا: وہ لکڑی اور شیشے کے مجسمے بناتے تھے، اس کی امام عبد الرزاق نے روایت کی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ مجسمے بنانا ان کی شریعت میں جائز تھا، اور وہ انبیاء علیہم السلام اور صالحین رحمہم اللہ کی شکلیں بناتے تھے، ان میں سے بعض شکلیں ایسی ہوتی تھیں جس میں وہ عبادت میں مشغول ہوں تاکہ لوگ ان کو دیکھ کر ان کی طرح عبادت کریں، پھر ہماری شریعت میں اس سے ممانعت آ گئی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۰۷۔۱۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۸۹۔ بَابُ: عَذَابِ الْمُصَوِّرِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ　قیامت کے دن تصویر بنانے والوں کے عذاب کا بیان

اس باب میں تصویر بنانے والوں کے اس عذاب کا بیان ہے جو قیامت کے دن ان کو دیا جائے گا۔

۵۹۵۰۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ مُسْلِمٍ قَالَ كُنَّا مَعَ مَسْرُوْقٍ فِيْ دَارِ يَسَارِ بْنِ نُمَيْرٍ فَرَأٰى فِيْ صُفَّتِهٖ تَمَاثِيْلَ فَقَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمُصَوِّرُوْنَ۔

(صحیح مسلم: ۲۱۰۹، سنن نسائی: ۵۳۶۴، مسند احمد: ۳۵۴۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از مسلم، انہوں نے بیان کیا کہ ہم یسار بن نمیر کے مکان میں مسروق کے ساتھ تھے، پس انہوں نے اس مکان کے چبوترے میں مجسمے دیکھے تو انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے، وہ

بیان کرتے ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:
بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ شدید عذاب
قیامت کے دن ان لوگوں کو ہوگا جو تصویریں بنانے والے ہیں۔

صحیح البخاری: ۵۹۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حمیدی، ان کا ذکر عنقریب کیا جا چکا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، وہ سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مسلم، وہ ابن الصبیح ابوالضحیٰ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''تماثیل'' یہ تمثال کی جمع ہے اور یہ مثال کا اسم ہے۔ اور جب تم کسی صورت کی مثال بناؤ تو اس کو تمثال کہا جاتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ صورت میں اور تمثال میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ صورت جاندار کی ہوتی ہے اور تمثال جاندار اور غیر جاندار دونوں کی ہوتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تمثال وہ ہے جس کا جسم ہو اور شخص ہو، اور صورت وہ ہے جو کپڑے پر یا دیوار پر نقش ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ان اشد الناس عذابا یوم القیامة المصورون'' یعنی قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔ اسی طرح مسند الحمیدی میں از سفیان، یوم القیامة ہے۔ اور ان سے روایت ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ لوگوں میں عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا اور یہ ہوسکتا ہے کہ حمیدی نے دونوں طرح حدیث بیان کی ہو، اور حمیدی نے اپنی مسند میں جس طرح حدیث بیان کی ہے، وہ اس باب کے عنوان کے مطابق ہے اور اس حدیث میں ہے ''عند اللہ'' یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم میں۔

اور ابو معاویہ نے از الاعمش روایت کی ہے کہ جن اہل دوزخ کو قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب ہوگا وہ تصویر بنانے والے ہوں گے، اسی طرح بعض راویوں سے واقع ہوا ہے، اور اکثرین کے نزدیک المصورین ہیں۔

تصویر بنانے والوں کو سب سے زیادہ عذاب ہونے پر ایک اشکال اور اس کے جوابات

اس جگہ یہ اشکال ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا اور قرآن مجید میں ہے:

اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ (یہ حکم دیا جائے گا کہ) آل فرعون کو شدید ترین عذاب میں ڈال دو ۝ (المومن: ۴۶)

اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ تصویر بنانے والے کو آلِ فرعون سے بھی زیادہ شدید عذاب ہو۔ امام طبری نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں مراد یہ ہے: جو اس کی تصویر بناتا ہے جس کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی جائے اور وہ اس کا جاننے والا ہو اور اس کا قصد کرنے والا ہو تو وہ اس عمل سے کافر ہو جائے گا، پس کوئی بعید نہیں ہے کہ وہ بھی اس عذاب میں داخل ہو جس عذاب میں آلِ فرعون داخل ہے، لیکن جو اس کا قصد نہیں کرتا وہ نافرمان ہوگا اور کافر نہیں ہوگا۔

علامہ قرطبی نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث میں جو اشد الناس فرمایا ہے اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان کو تمام لوگوں سے زیادہ عذاب ہوگا، بلکہ بعض لوگوں سے زیادہ عذاب ہوگا اور یہ بعض لوگ وہ ہیں جو اس معنی میں شریک ہیں جس پر عذاب سے ڈرایا گیا ہے، پس فرعون کو ان لوگوں سے زیادہ شدید عذاب دیا جائے گا جنہوں نے الوہیت کا دعویٰ کیا اور جو اس کفر کی گمراہی میں اقتداء کرے گا، اس کو اس سے زیادہ شدید عذاب ہوگا جس کو فسق کی ولالت میں اقتداء کرنے کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا اور جس نے عبادت کے لیے کسی جاندار کی تصویر بنائی، اس کو اس سے زیادہ شدید عذاب ہوگا جس نے عبادت کے لیے کسی جاندار کی تصویر نہیں بنائی۔

اور اس کا ایک یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ زیادہ شدید عذاب تمام لوگوں کے اعتبار سے نہیں ہوگا بلکہ انسان کو جس گناہ کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا اس گناہ کے عذاب میں مبتلا دوسرے لوگوں کے اعتبار سے یہ زیادہ شدید عذاب ہوگا، لہٰذا جن لوگوں نے الوہیت کا دعویٰ کیا ان میں فرعون کا عذاب سب سے زیادہ شدید ہوگا اور جس نے کفار کی قیادت کی اس کا عذاب اس شخص کے مقابلہ میں زیادہ شدید ہوگا جس نے فاسقوں کی قیادت کی، اسی طرح جس نے جاندار کی تصاویر عبادت کے لیے بنائیں، اس کا عذاب اس شخص کے مقابلہ میں زیادہ شدید ہوگا جس نے عبادت کے لیے جاندار کی تصاویر نہیں بنائیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ زیادہ شدید عذاب ہونا عام لوگوں کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ اسی گناہ کے عذاب میں مبتلا لوگوں کے اعتبار سے ہے۔

اس سوال کا ایک اور جواب یہ ہے کہ یہ وعید اگر کافر کے متعلق ہے تو پھر کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ وہ کافر آلِ فرعون کے ساتھ عذاب میں مشترک ہوگا، اور اگر یہ کسی نافرمان کے متعلق ہے تو اس کو دوسرے نافرمانوں سے زیادہ شدید عذاب ہوگا اور اس میں اس پر دلیل ہوگی کہ یہ معصیت بہت عظیم ہے۔

صاحب التوضیح علامہ ابن الملقن نے کہا ہے: ہمارے اصحاب شافعیہ اور دوسروں نے کہا ہے کہ حیوان کی صورت کی تصویر بنانا بہت سخت حرام ہے اور یہ گناہِ کبیرہ ہے، برابر ہے کہ اس نے وہ تصویر اس لیے بنائی ہو کہ اس کو قدموں تلے روندا جائے یا اس کے غیر کے لئے بنائی ہو، تصویر ہر حال میں حرام ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے ساتھ مشابہت ہے۔ اور خواہ اس نے وہ تصویر کسی کپڑے میں بنائی ہو یا چادر میں بنائی ہو یا دینار میں بنائی ہو یا درہم میں بنائی ہو یا برتن میں بنائی ہو یا باغ میں بنائی ہو۔

اور جس تصویر میں کسی جاندار کی صورت نہیں ہے جیسے درخت وغیرہ، تو وہ حرام نہیں ہے، اور ان سب صورتوں میں برابر ہے کہ وہ ایسی تصویر ہو کہ جس کا جسم اور سایہ ہو اور جس کا سایہ اور جسم نہ ہو، اور اسی معنی کے اعتبار سے علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے جس میں امام مالک، ثوری، امام ابوحنیفہ اور دوسرے علماء ہیں۔ اور قاضی نے کہا: اس میں لڑکیاں جو گڑیا کھیلتی ہیں اس کا استثناء ہے، اور امام مالک گڑیا کے خریدنے کو مکروہ کہتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۰۹۔ ۱۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۵۱۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم

عِيَاضٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ إِنَّ الَّذِينَ يَصْنَعُونَ هَذِهِ الصُّوَرَ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُقَالُ لَهُمْ أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ۔

(صحیح البخاری: ۷۵۵۸، صحیح مسلم: ۲۱۸، سنن نسائی: ۵۳۶۱، مسند احمد: ۵۱۴۶)

بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں انس بن عیاض نے حدیث بیان کی از عبید اللہ از نافع، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک جو لوگ یہ تصویریں بناتے ہیں قیامت کے دن ان کو عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا: ان کو زندہ کرو جن کو تم نے پیدا کیا تھا۔

صحیح البخاری: ۵۹۵۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''احیوا ما خلقتم'' یعنی اس کو جاندار اور روح والا بناؤ، اور اس امر کو امرِ تعجیز کہتے ہیں۔ اور جس کو تم نے پیدا کیا ہے، اس کا معنی ہے: جس کی تم نے صورت بنائی ہے، یعنی جس کی تم نے صورت بنائی ہے اس میں جان ڈالو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۹۰۔ بَابُ: نَقْضِ الصُّوَرِ — تصویروں کو توڑنا اور ان کی ہیئت کو متغیر کرنا

اس باب کی احادیث میں تصویروں کے توڑنے اور ان کی ہیئت کو متغیر کرنے کا بیان کیا گیا ہے۔

۵۹۵۲۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حِطَّانَ أَنَّ عَائِشَةَ رضی الله عنها حَدَّثَتْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَكُنْ يَتْرُكُ فِي بَيْتِهِ شَيْئًا فِيهِ تَصَالِيبُ إِلَّا نَقَضَهُ۔

(سنن ابو داؤد: ۴۱۵۱، مسند احمد: ۲۴۷۴۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معاذ بن فضالہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از یحییٰ از حضرت عمران بن حطان رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ اپنے گھر میں صلیب کی کوئی صورت نہیں چھوڑتے تھے مگر اس کو توڑ دیتے تھے۔

صحیح البخاری: ۵۹۵۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں معاذ بن فضالہ کا ذکر ہے، مُعاذ کی میم پر پیش ہے اور فَضالہ میں فاء پر زبر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ہشام کا ذکر ہے، یہ ابن ابی عبد اللہ الدستوائی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عمران بن حطان کا ذکر ہے، یہ السدوسی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "تصالیب"، علامہ کرمانی نے کہا: ایسی تصاویر جو صلیب کی طرح ہوں، کہا جاتا ہے: صوب مصلب، یعنی جس کپڑے پر عیسائیوں کی صلیب کی طرح نقش ہو۔

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ "التصالیب"، صلیب کی جمع ہے، گویا کہ انہوں نے جس چیز پر صلیب کی صورت ہو، اس کا نام تصلیب رکھ دیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: جس طرح انہوں نے ذکر کیا ہے، اس کے اعتبار سے تصالیب، تصلیب کی جمع ہے نہ کہ صلیب کی جمع ہے۔ اور الکشمیھنی کی روایت میں تصالیب کی بجائے تصاویر کا لفظ ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "نقضه" یعنی آپ اس کو توڑ دیتے اور اس کو باطل کر دیتے اور اس کی صورت کو متغیر کر دیتے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۵۹۵۳۔ حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا عُمَارَةُ حَدَّثَنَا أَبُو زُرْعَةَ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ دَارًا بِالْمَدِينَةِ فَرَأَى أَعْلَاهَا مُصَوِّرًا يُصَوِّرُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِي فَلْيَخْلُقُوا حَبَّةً وَلْيَخْلُقُوا ذَرَّةً ثُمَّ دَعَا بِتَوْرٍ مِنْ مَاءٍ فَغَسَلَ يَدَيْهِ حَتَّى بَلَغَ إِبْطَهُ فَقُلْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَشَيْءٌ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ مُنْتَهَى الْحِلْيَةِ۔

(صحیح بخاری: ۵۹۵۹، صحیح مسلم: ۲۱۱۱، مسند احمد: ۷۱۲۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمارہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوزرعہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ میں ایک گھر میں داخل ہوا، تو انہوں نے دیکھا کہ اس گھر کے اوپر کے حصہ میں ایک مصور تصویر بنا رہا ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو میری مخلوق کی مثل تخلیق کرنے جا رہا ہے، پس یہ لوگ ایک دانہ پیدا کریں اور ایک ذرہ پیدا کریں، پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پانی کا ایک طشت منگایا اور اس میں اپنے ہاتھ دھوئے حتیٰ کہ اپنی بغلوں تک ہاتھ دھوئے، میں نے کہا: اے ابوہریرہ! کیا اس چیز کو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ (یعنی بغلوں تک ہاتھ دھونے کو) تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ جگہ زیور پہننے کی انتہاء ہے۔

صحیح البخاری: ۵۹۵۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے تصاویر کو توڑنا، اور اس حدیث میں توڑنے کا ذکر نہیں ہے، اس لیے مطابقت صرف تصویر کے لفظ میں ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں موسیٰ کا ذکر ہے، یہ موسیٰ بن اسماعیل ہیں اور اس حدیث کی سند میں عبدالواحد کا ذکر ہے، یہ ابن زیاد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عمارہ کا ذکر ہے، یہ ابن القعقع ہیں، اور اس حدیث کی سند میں ابوزرعہ کا ذکر ہے، یہ ہرم بن عمرو بن جریر ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ذکر ہے ''مدینہ کا ایک گھر'': یہ مروان بن الحکم کا گھر تھا۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے: وہ گھر سعید کے لیے بنایا گیا تھا یا مروان کے لیے، اور سعید سے مراد سعید بن العاص بن سعید الاموی ہیں۔ سعید بن العاص اور مروان بن الحکم باری باری حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی طرف سے مدینہ پر حکومت کرتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ایک مصور گھر کے اوپری حصہ پر تصویر بنا رہا تھا'': اس سے مراد ہے کہ اس گھر کی چھت پر تصویر بنا رہا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو میری مخلوق کی مثل تخلیق کرنے چلا ہے''۔ اس میں عبارت محذوف ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو میری مخلوق کی مثل تخلیق کرنے چلا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''کخلقی'' یعنی وہ صورت بنانے میں میری مشابہت اختیار کر رہا ہے۔

اس حدیث میں ارشاد ہے ''اس سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا یعنی تصویر بنانے والا سب سے بڑا ظالم ہے''۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ کافر تو اس سے بڑا ظالم ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جو کسی بت کی تصویر بناتا ہے تاکہ اس کی عبادت کی جائے تو وہ خود کافر ہے، اور اس کا عذاب باقی کفار سے زیادہ ہوگا، کیونکہ وہ ایسا بت بناتا ہے جس کی عبادت کی جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حبة'' یعنی جو تصویر بنا رہا ہے، وہ کوئی گندم یا جَو یا جوار کا دانہ بنا کر دکھائے یا چیونٹی بنا کر دکھائے، یعنی وہ چھوٹی سی چیز کی تخلیق پر قادر نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک پانی کا طشت منگایا اور اس میں ہاتھ دھوئے، ہاتھ دھونا وضو سے کنایہ ہے، کیونکہ وضو ہاتھ دھونے کو مستلزم ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فقلت یا اباھریرہ'' اس قول کے قائل ابوزرعہ ہیں جو اس حدیث کے راوی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اشیء سمعته؟'' یعنی آپ جو بغلوں تک ہاتھوں کو دھو رہے ہیں، آپ نے کیا اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم

سے سنا ہے؟

اس حدیث میں مذکور ہے "فقال منتھی الحلیۃ" یعنی بغلوں تک ہاتھوں کو دھونا اس لیے ہے تاکہ جنت میں مومن کو بغلوں تک زیور پہنایا جائے، اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مومن کا زیور وہاں تک پہنچے گا جہاں تک اس کا وضو پہنچتا ہے۔ امام ابوعبید نے کہا "حلیۃ" سے مراد ہے قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی جو وضو کریں گے تو وہ آثارِ وضو سے غرٌ محجل ہوں گے، یعنی ان کے ہاتھ اور پاؤں بھی سفید اور چمکدار ہوں گے اور ان کا چہرہ بھی سفید اور چمکدار ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۱۱۔ ۱۱۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۹۱۔ باب: مَا وُطِئَ مِنَ التَّصَاوِيرِ — جن تصاویر کو پاؤں سے روندا جائے

اس باب میں ان تصاویر کا بیان کیا گیا ہے جن کو پاؤں سے روند کر ان کی توہین کی جائے۔

۵۹۵۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْقَاسِمِ وَمَا بِالْمَدِينَةِ يَوْمَئِذٍ أَفْضَلُ مِنْهُ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي قَالَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ سَفَرٍ وَقَدْ سَتَرْتُ بِقِرَامٍ لِي عَلَى سَهْوَةٍ لِي فِيهَا تَمَاثِيلُ فَلَمَّا رَآهُ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم هَتَكَهُ وَقَالَ أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِينَ يُضَاهُونَ بِخَلْقِ اللهِ قَالَتْ فَجَعَلْنَاهُ وِسَادَةً أَوْ وِسَادَتَيْنِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے عبدالرحمٰن بن القاسم سے سنا اور ان دنوں مدینہ میں ان سے افضل کوئی نہیں تھا، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر سے واپس تشریف لائے اور میں نے اپنے گھر کے چبوترے پر ایک منقش پردہ لٹکایا ہوا تھا جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو اس کو پھاڑ دیا اور فرمایا: قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: پھر ہم نے اس پردہ کا ایک گدا یا دو گدے بنا دیے۔

(صحیح بخاری: ۲۱۰۷، ۲۱۰۹، ۲۱۱۱، ۲۱۱۲، ۲۱۱۳، ۲۱۱۶، صحیح مسلم: ۱۵۳۱، سنن ترمذی: ۱۲۴۵، سنن نسائی: ۴۴۷۳، سنن ابوداؤد: ۳۴۵۴، مسند احمد: ۴۵۵۲، موطا امام مالک: ۱۷۷۳)

صحیح البخاری: ۵۹۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے تصاویر کو پاؤں سے روندنا، اور اس حدیث میں تصاویر کو پاؤں سے روندنے کا ذکر نہیں ہے۔ اس کا

جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں تصاویر والے کپڑے کو گدا بنانے کا ذکر ہے، اور گدے کے اوپر بیٹھا جاتا ہے اس طرح وہ تصاویر پاؤں تلے روندی جاتی ہیں۔ اور باب المظالم میں گزرا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے دو نمرقہ بنا لیے، اور نمرقة کا معنی: ایسا گدا ہے جس پر ٹیک لگائی جائے یا بیٹھا جائے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، یہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالرحمن بن القاسم، وہ اپنے والد القاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر سے آئے، امام بیہقی کی روایت میں ہے کہ آپ غزوۂ تبوک سے واپس آئے تھے اور امام ابوداؤد اور امام نسائی کی روایت میں ہے کہ آپ غزوۂ تبوک یا خیبر سے واپس آئے تھے، یہ روایت شک پر مبنی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قرام" اس کا معنی: ایسا پردہ ہے جس میں نقش و نگار اور نقوش ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے باریک پردہ، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: اون کا رنگین کپڑا جس کو پالان پر بچھایا جاتا ہے۔

"سهوة" کے متعدد معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "سهوة" یہ اس چبوترے کو کہتے ہیں جو گھروں کے آگے بنا ہوا ہوتا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی: روشن دان ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی طاق ہے، چوتھا قول یہ ہے کہ یہ چھوٹا سا گھر ہے جو ڈھلوان پر بنا ہوا ہوتا ہے اور چھوٹے خزانہ کے مشابہ ہوتا ہے، پانچواں قول یہ ہے کہ چار یا پانچ لکڑیاں کھڑی کر کے اس پر کوئی تختہ ڈالا جائے اور اس پر کوئی چیز رکھی جائے، چھٹا قول یہ ہے کہ گھر کی دیواروں میں سے ایک چھوٹی دیوار بنائی جاتی ہے اور اس کے اوپر چھت بنائی جاتی ہے، تو جو گھر کے درمیان میں ہو اس کو سهوة کہتے ہیں اور جو گھر کے اندر ہو اس کو مخدع کہتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "هتكه" یعنی آپ نے اس کو کاٹ دیا اور اتار دیا اور دوسری روایت جو ابھی آئے گی اس میں مذکور ہے کہ آپ نے مجھے حکم دیا کہ اس کو اتار دو، تو میں نے اس کو اتار دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۵۹۵۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَدِمَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ سَفَرٍ وَعَلَّقْتُ دُرْنُوكًا فِيهِ تَمَاثِيلُ فَأَمَرَنِي أَنْ أَنْزِعَهُ فَنَزَعْتُهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حدیث بیان کی مسدد نے، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن داؤد نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے تشریف لائے اور میں نے ایک موٹا پردہ لٹکایا ہوا تھا جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں، آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس پردے کو اتار دوں، سو میں نے

اس کو اتار دیا۔

(صحیح مسلم: ۲۱۰۷، سنن ترمذی: ۲۴۶۸، سنن نسائی: ۵۳۵۲، مسند احمد: ۲۵۲۱۶)

صحیح البخاری: ۵۹۵۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "درنوکا" اس کو درموک بھی کہا جاتا ہے، یہ پردہ کی ایک قسم ہے، اس میں روئیں ہوتے ہیں، دوسرا قول ہے کہ چادر کی ایک قسم ہے، علامہ خطابی نے کہا: یہ ایک دبیز کپڑا ہے، اس میں بھی روئیں ہوتے ہیں، جب اس کو نیچے بچھا دیا جائے تو یہ فرش ہوتا ہے اور جب اس کو لٹکا دیا جائے تو یہ پردہ ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۱۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۵۶۔ وَكُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ ﷺ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ۔ (صحیح مسلم ۳۱۹) اور میں غسل کرتی تھی اور نبی ﷺ ایک برتن سے پانی لے کر۔

صحیح البخاری: ۵۹۵۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اور میں غسل کرتی تھی۔۔الیٰ آخرہ"۔

امام بخاری نے اس حدیث کو حدیثِ تصویر کے بعد ذکر کیا ہے، حالانکہ یہ حدیثِ مستقل ہے جس کو امام بخاری نے کتاب الطہارۃ میں روایت کیا ہے، اور یہاں تصویر کی حدیث کے بعد اس کو ذکر کرنے کی توجیہ یہ ہے: گویا کہ امام بخاری نے اس حدیث کو اسی طرح تصویر کی حدیث کے بعد سنا تھا، تو جس طرح انہوں نے سنا اسی طرح روایت کر دیا۔ اور علامہ کرمانی نے ذکر کیا ہے: گویا کہ "درنوك" یعنی وہ پردہ غسل خانہ کے دروازہ پر لٹکا ہوا تھا تو اسی لیے امام بخاری نے اس حدیث کو درنوک والی حدیث کے بعد ذکر کر دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۱۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۹۲۔ بَابُ: مَنْ كَرِهَ الْقُعُودَ عَلَى الصُّوْرَةِ — جس نے تصویر پر بیٹھنے کو ناپسند کیا

یعنی اس باب میں ایسی احادیث بیان کی گئی ہیں کہ جس میں تصویروں پر بیٹھنے کو ناپسند کیا، خواہ ان تصویروں کو بہ طور توہین کے رکھا جائے۔

۵۹۵۷۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّهَا اشْتَرَتْ نُمْرُقَةً فِيهَا تَصَاوِيرُ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْبَابِ فَلَمْ يَدْخُلْ فَقُلْتُ أَتُوبُ إِلَى اللهِ مِمَّا أَذْنَبْتُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جویریہ نے حدیث بیان کی از نافع از القاسم از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے ایک گدا خریدا جس پر تصاویر تھیں، تو نبی

قَالَ مَا هَذِهِ النُّمْرُقَةُ قُلْتُ لِتَجْلِسَ عَلَيْهَا وَتَوَسَّدَهَا قَالَ إِنَّ أَصْحَابَ هَذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُقَالُ لَهُمْ أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ الصُّورَةُ۔

(صحیح مسلم: ۲۱۰۷، مسند احمد: ۲۵۵۵۹، موطا امام مالک: ۱۸۰۳)

صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ پر کھڑے رہے اور اندر داخل نہیں ہوئے، میں نے کہا: میں نے جو گناہ کیا ہے میں اس سے اللہ عزوجل کی طرف توبہ کرتی ہوں، آپ نے فرمایا: یہ گدا کیسا ہے؟ میں نے کہا: تا کہ آپ اس کے اوپر بیٹھیں اور اس کے ساتھ ٹیک لگائیں، آپ نے فرمایا: ان تصویروں کے بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا، ان سے کہا جائے گا: جس کی تم نے تخلیق کی ہے اس کو زندہ کرو اور فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو۔

صحیح البخاری: ۵۹۵۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: جس نے صورت پر بیٹھنے کو ناپسند کیا، اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اس وقت انکار کیا جب انہوں نے کہا: میں نے یہ گدا اس لیے خریدا ہے تا کہ آپ اس کے اوپر بیٹھیں اور اس کے ساتھ ٹیک لگائیں، اس سے معلوم ہوا کہ تصویروں پر بیٹھنا مکروہ ہے۔ اور اللیث بن سعد اور الحسن بن حی اور بعض فقہاء شافعیہ سے اسی طرح مروی ہے، اور امام طحاوی نے کہا ہے: بعض فقہاء کا یہ مذہب ہے کہ کپڑوں پر تصویریں بنانا مکروہ ہے اور جن کپڑوں کو روندا جائے ان پر تصویریں بنانا بھی مکروہ ہے، اور جن کپڑوں کو پہنا جائے ان پر تصویریں بنانا بھی مکروہ ہے اور انہوں نے گھر میں تصویریں رکھنا بھی مکروہ قرار دیا ہے، اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے اور حضرت ابو ہریرہ کی اس حدیث سے ہے جو اس سے پہلے باب میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جویریہ، یہ جاریۃ کی تصغیر ہے، اور یہ ابن اسماء بن عبید ہیں اور یہ ان اسماء میں سے ہے جو مذکر اور مونث میں مشترک ہوتے ہیں، اسی طرح اسماء کا لفظ بھی ہے۔

اس حدیث کی امام مسلم نے بھی اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے، وہ از القاسم بن محمد از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک گدا خریدا جس میں تصاویر تھیں، جب اس گدے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو آپ دروازہ پر کھڑے رہے گھر کے اندر داخل نہیں ہوئے، تو میں نے آپ کے چہرہ مبارک میں کراہیت کے آثار دیکھے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف توبہ کرتی ہوں، میں نے کیا گناہ کیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ گدا کیسا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے اس کو آپ کے لیے خریدا ہے تا کہ آپ اس پر بیٹھیں اور اس پر ٹیک لگائیں، اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے اس کو لیا اور اس کے میں نے دو چھوٹے تکیے بنا لیے، پس وہ دونوں چھوٹے تکیے گھر میں رکھے جاتے تھے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "نمرقة" اس کا معنی ہے: چھوٹا گدا۔ اور یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ تصویر کا جسم اور سایہ ہو یا نہ ہو، ہر صورت میں تصویر حرام ہے، اور اس میں بھی کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ تصویر منقش ہو یا بنی ہوئی ہو، اس کے برخلاف بعض علماء کا قول ہے کہ جو تصویر بنی ہوئی ہو، وہ تصویر نہیں ہے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث اور جو اس سے پہلے حدیث ہے ان دونوں میں تعارض ہے، کیونکہ جو اس سے پہلی حدیث ہے وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پردہ کو استعمال فرمایا جس میں تصویر بنی ہوئی تھی جب کہ اس پردہ کو کاٹ لیا گیا اور اس سے گدہ بنا دیا گیا، اور یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ آپ نے اس گدے کو بالکل استعمال نہیں کیا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۱۵، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی لکھتے ہیں: ان دونوں حدیثوں میں اصلاً کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کی امام مسلم نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے اور اس میں مذکور ہے "پس میں نے اس پردہ کے مرفقتین بنا دیئے" یعنی دو چھوٹے تکیے بنا لیے، پس یہ دو چھوٹے تکیے گھر میں رکھے جاتے تھے۔ پس یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کو استعمال کیا جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بنایا اور وہ یہ دو چھوٹے تکیے تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ امام بخاری نے اس اضافہ کی روایت نہیں کی اور یہ دونوں حدیثیں واحد ہیں، اور اس قائل کو امام مسلم کی روایت کا پتا نہیں تھا اس لیے اس نے تعارض کا قول کیا۔

اور علامہ داؤدی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس باب کی حدیث ان تمام احادیث کے لئے ناسخ ہے جو تصویر کی رخصت پر دلالت کرتی ہیں۔ اور علامہ داؤدی نے اس سے استدلال کیا ہے کہ یہ خبر ہے اور خبر میں نسخ داخل نہیں ہوتا، پس یہ حدیث خود ہی ناسخ ہے، اور علامہ داؤدی پر علامہ ابن التین نے رد کیا ہے کہ جب خبر کے ساتھ امر مقارن ہو تو اس میں ناسخ کا داخل ہونا جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۱۴۔ ۱۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی پوری عبارت نقل نہیں کی، ہم پوری عبارت نقل کر رہے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث ظاہر اور جو اس سے پہلے حدیث ہے اس میں تعارض ہے، کیونکہ جو اس سے پہلے حدیث ہے وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پردہ کو کاٹنے کے بعد استعمال کیا جس میں صورت تھی اور اس سے گدا بنایا گیا اور یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ آپ نے اس کو بالکل استعمال نہیں کیا۔ اور امام بخاری نے ان دونوں حدیثوں میں تطبیق کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جن صورتوں کو روندا جاتا ہے ان کے جواز سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان صورتوں پر بیٹھا بھی جائے، پس ہو سکتا ہے کہ گدے میں سے کپڑے کے اس حصہ کو استعمال کیا ہو جس میں صورت بنی ہوئی نہ ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں اس طرح تطبیق دی جائے کہ جب اس پردہ کو کاٹ دیا گیا اور وہ کاٹنا صورت کے درمیان واقع ہوا تو وہ صورت اپنی ہیئت سے نکل

گئی، پھر اس گدے پر بیٹھنا جائز ہو گیا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس سے پہلے باب میں ہے کہ تصویر کو توڑنا اور اس کی ہیئت کو بدلنا جائز ہے، نیز حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ علامہ داؤدی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس باب کی حدیث تمام ان احادیث کے لیے ناسخ ہے جو تصویر بنانے کی رخصت پر دلالت کرتی ہیں اور انہوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ حدیث خبر ہے اور خبر میں ناسخ داخل نہیں ہوتا، لہٰذا یہی حدیث ناسخ ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: نسخ احتمال سے ہے اور ان احادیث میں تطبیق ممکن ہے، لہٰذا نسخ کے دعویٰ کی طرف التفات نہ کیا جائے۔ نیز علامہ ابن التین نے علامہ داؤدی کا رد کر دیا ہے کہ جب خبر کے مقارن امر ہو تو اس پر ناسخ کا داخل ہونا جائز ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۱۱۵، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۹۵۸۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ بُكَيْرٍ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ أَبِي طَلْحَةَ صَاحِبِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ الصُّورَةُ قَالَ بُسْرٌ ثُمَّ اشْتَكَى زَيْدٌ فَعُدْنَاهُ فَإِذَا عَلَى بَابِهِ سِتْرٌ فِيهِ صُورَةٌ فَقُلْتُ لِعُبَيْدِ اللهِ رَبِيبِ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَلَمْ يُخْبِرْنَا زَيْدٌ عَنِ الصُّوَرِ يَوْمَ الْأَوَّلِ فَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ أَلَمْ تَسْمَعْهُ حِينَ قَالَ إِلَّا رَقْمًا فِي ثَوْبٍ وَقَالَ ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنَا عَمْرٌو هُوَ ابْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَهُ بُكَيْرٌ حَدَّثَهُ بُسْرٌ حَدَّثَهُ زَيْدٌ حَدَّثَهُ أَبُو طَلْحَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از بکیر از بسر بن سعید از زید بن خالد از حضرت ابوطلحہ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو، بُسر نے کہا: پھر حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو ہم نے ان کی عیادت کی، تو اس وقت ان کے دروازہ پر ایک پردہ لٹکا ہوا تھا جس میں تصویر تھی، پس میں نے عبید اللہ سے کہا: جو حضرت میمونہ زوجۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب ہیں: کیا حضرت زید نے پہلے دن ہمیں تصویر کے متعلق حدیث نہیں سنائی تھی، تو عبید اللہ نے کہا: کیا تم نے ان سے نہیں سنا جب انہوں نے کہا: ''مگر جو تصویر کپڑے پر نقش ہو''۔

اور ابن وہب نے کہا: ہمیں عمرو نے خبر دی وہ ابن الحارث ہیں، ان کو بکیر نے حدیث بیان کی، ان کو بسر نے حدیث بیان کی، ان کو زید نے حدیث بیان کی اور ان کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی از نبی صلی اللہ علیہ وسلم

(صحیح بخاری: ۳۲۲۵، ۳۲۲۶، ۳۳۲۲، ۴۰۰۲، ۵۹۴۹، ۵۹۵۸، صحیح مسلم: ۲۱۰۶، سنن ترمذی: ۲۸۰۴، سنن نسائی: ۵۳۴۸، سنن ابوداؤد: ۴۱۵۳، سنن ابن ماجہ: ۳۶۴۹، مسند احمد: ۲۷۵۶۴، موطا امام مالک: ۱۸۰۱)

صحیح البخاری: ۵۹۵۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اس چیز کی طرف تعرض نہیں ہے جس کا اس باب کے عنوان میں ذکر ہے، لہٰذا یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بکیر، یہ بکر کی تصغیر ہے اور یہ ابن عبداللہ بن الاشد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بُسر، یہ ابن سعید المدنی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زید بن خالد، یہ الجہنی ہیں اور یہ صحابی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوطلحہ، ان کا نام ہے زید بن سہل انصاری، یہ مشہور صحابی ہیں۔ اس حدیث کی سند میں دو تابعی ہیں یعنی بکیر اور بسر بن سعید، اور دو صحابی ہیں یعنی حضرت زید بن خالد اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہما۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اس پردے میں صورت تھی'' اور المستملی کی روایت میں ہے: اس میں صورتیں تھیں جمع کے صیغہ کے ساتھ۔

جس کپڑے میں نقش ہو اس کے جواز کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے ''الا رقما فی ثوب'' اس سے یہ ارادہ کیا ہے کہ کپڑے میں ایسے نقوش ہوں جن کو روندا جائے جیسے چادر ہو اور گدا ہو۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کپڑے پر صورت منقوش ہو یا تصویر منقوش ہو تو اگر وہ پردہ ہو تو اس کو ناپسند فرمایا، اور اگر اس کپڑے کو پیروں تلے روندا جائے تو اس کپڑے کو ناپسند نہیں فرمایا، حضرت سعد بن ابی وقاص، سالم، عروہ، ابن سیرین، عطاء اور عکرمہ نے اسی طرح کہا ہے، عکرمہ نے کہا ہے کہ جن تصویروں کو روندا جائے اور بطور توہین ان کا استعمال ہو، وہ جائز ہے۔ امام مالک، الثوری اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا یہی قول ہے۔ اور شارع علیہ السلام نے پہلے تمام تصویروں سے منع فرمایا تھا خواہ وہ کپڑے میں نقش ہو، کیونکہ اس وقت لوگ اس زمانہ کے قریب تھے جس زمانہ میں تصویروں کی عبادت کی جاتی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کی تصویر سے منع فرمادیا، پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت مقرر اور ثابت ہوگئی تو آپ نے ان تصویروں کو مباح قرار دیا جو کپڑے میں نقش ہوں، یہ کپڑوں کو ایجاد کرنے کی ضرورت کی وجہ سے تھا، پس آپ نے ان تصویروں کو مباح قرار دیا جن کا بطور اہانت استعمال ہو اور جن کا بطور اہانت استعمال نہ ہو، وہ اپنی ممانعت پر باقی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۱۵۔۱۱۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

جن کپڑوں پر تصویر نقش ہو ان کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی التوفی ۸۵۲ھ، لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے کہا ہے کہ ان احادیث میں اس طرح تطبیق ہے کہ جس کپڑے میں تصویر نقش ہو، اس کے استثناء سے مراد ایسی

تصویر ہے جو جانداروں کی تصویر نہ ہو جیسے درخت کی تصویر۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آپ نے تصویر کی ممانعت سے پہلے فرمایا ہو جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے جس کو اصحاب السنہ نے روایت کیا ہے اور میں عنقریب اس کا اس باب کے متصل باب میں ذکر کروں گا۔

اور علامہ ابن العربی نے کہا ہے: کہ خلاصہ یہ ہے کہ اگر اس صورت کا جسم ہو تو وہ بالاجماع حرام ہے، اگر اس صورت کا جسم نہ ہو بلکہ وہ کپڑے پر نقش ہو تو اس میں چار اقوال ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ وہ تصویر مطلقاً جائز ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ تصویر مطلقاً ممنوع ہے، حتیٰ کہ جو کپڑے میں نقش ہو وہ بھی ممنوع ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ اگر وہ صورت اپنی شکل پر باقی ہو اور اس میں تغیر نہ کیا گیا ہو تو وہ حرام ہے، اور اگر صورت میں تغیر کیا گیا ہو، اس کا سر کاٹ دیا گیا ہو یا اس کے اجزاء متفرق کر دیئے گئے ہوں تو پھر ایسی تصویر جائز ہے، علامہ ابن العربی نے کہا: اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اگر وہ تصویر پیروں میں روندی جاتی ہو تو پھر تو جائز ہے اور اگر وہ تصویر گھر میں لٹکائی ہوئی ہو تو پھر جائز نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۱۱۵، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۹۳۔ بَابُ: كَرَاهِيَةِ الصَّلَاةِ فِي التَّصَاوِيرِ — تصویروں والے گھر میں نماز پڑھنے کی کراہیت

یہ باب اس چیز کے بیان میں ہے کہ جس گھر میں ایسے کپڑے ہوں جن میں تصاویر ہوں، اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اور جب گھر میں ایسے کپڑے ہوں جن میں تصاویر ہیں، اس گھر میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، تو اگر ایسے کپڑے پہنے ہوئے ہوں جن میں تصویر ہو تو وہ بہت زیادہ مکروہ ہے۔

۵۹۵۹۔ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ ﷺ قَالَ كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ ﷺ أَمِيطِي عَنِّي فَإِنَّهُ لَا تَزَالُ تَصَاوِيرُهُ تَعْرِضُ لِي فِي صَلَاتِي۔

(صحیح البخاری: ۳۷۴، ۵۹۵۹، مسند احمد: ۱۲۱۲۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمران بن میسرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد العزیز بن صہیب نے حدیث بیان کی، از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک پردہ تھا جس سے انہوں نے گھر کی ایک جانب کو مستور کیا ہوا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اپنے اس پردہ کو مجھ سے دور کر دو، کیونکہ اس پردہ کی تصاویر میری نماز میں میرے سامنے پیش ہوتی رہی ہیں۔

صحیح البخاری: ۵۹۵۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے کہ جس گھر میں تصاویر ہوں، اس میں نماز پڑھنے کی کراہیت۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اگر ہم یہ کہیں کہ

عنوان میں جوفی کالفظ ہے وہ الی کے معنی میں ہے تو پھر مطابقت صراحتہً حاصل ہو جائے گی، کیونکہ اب اس کا معنی ہو گا کہ تصویروں کی طرف نماز پڑھنے کی کراہیت۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدالوارث کا ذکر ہے، وہ ابن سعید ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''قرام'' اس کا معنی ہے: پردہ۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے''امیطی'' یہ اماطت سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: ازالہ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے تعارض کا جواب

اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت انس کی یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تصویروں والے پردہ کو مقرر رکھا اور نماز پڑھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو حدیث نمرقۃ کے بارے میں ہے وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس گھر میں داخل ہی نہیں ہوئے جس میں تصویروں والا پردہ لٹکا ہوا تھا حتیٰ کہ آپ نے اس پردہ کو اتار دیا۔

میں کہتا ہوں کہ ان دونوں احادیث میں تطبیق اس طرح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس پردہ پر محمول ہے جس میں جاندار چیزوں کی تصویریں تھیں، اور حضرت انس کی یہ حدیث اس پردہ پر محمول ہے جس میں غیر جاندار چیزوں کی تصویر تھی۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ نماز میں خشوع کو لازم رکھنا چاہیے اور دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف فارغ کرنا چاہیے اور ایسی چیز کے ساتھ تعرض کو ترک کرنا چاہیے جو نمازی کے خشوع کو مشغول کر دے، نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں کسی شخص کے سامنے جو چیز پیش کی جائے جس سے وہ دنیا کے امور پر غور کرے تو اس سے اس کی نماز منقطع نہیں ہو گی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۱۶۔۱۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۹۴۔ بَابٌ: لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ صُوْرَةٌ

جس گھر میں تصویر ہو اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے

۵۹۶۰۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُمَرُ هُوَ ابْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ وَعَدَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم جِبْرِيلُ فَرَاثَ عَلَيْهِ حَتَّى اشْتَدَّ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَخَرَجَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَقِيَهُ فَشَكَا إِلَيْهِ مَا وَجَدَ فَقَالَ لَهُ إِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ صُوْرَةٌ وَلَا كَلْبٌ۔ (صحیح البخاری: ۳۲۲۷، ۵۹۶۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عمر نے حدیث بیان کی وہ ابن محمد ہیں از سالم از والد خود، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے پاس آنے کا وعدہ کیا تھا، پس ان کو تاخیر ہو گئی حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ تاخیر بہت سخت

گزری، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو حضرت جبرائیل سے ملاقات ہوئی، آپ نے ان سے شکایت کی کہ ان کے دیر سے آنے کی وجہ سے آپ کو پریشانی اٹھانی پڑی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا: ہم ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کوئی صورت ہو اور نہ اس گھر میں داخل ہوتے ہیں جس میں کتا ہو۔

صحیح البخاری: ۵۹۶۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تعارف

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن محمد، یہ ابن زید بن عبداللہ بن عمر ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سالم، وہ ان کے شیخ ہیں اور وہ ان کے والد کے چچا ہیں اور وہ ابن عبداللہ بن عمر ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "جبریل" یہ مرفوع ہے کیونکہ یہ وَعَدَ کا فاعل ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فراث علیه" یعنی حضرت جبرائیل نے تاخیر کردی، اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ اضافہ کیا ہے کہ جس ساعت میں حضرت جبرائیل نے آنا تھا، اس ساعت میں انہوں نے تاخیر کردی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فلقیه" یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام گھر کے باہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فشکا الیه" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے شکایت کی کہ ان کے انتظار میں آپ کو پریشانی ہوئی، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تخت کے نیچے ایک کتے کا پلہ تھا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کے نیچے کتے کا پلہ تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۹۵۔ بَابُ: مَنْ لَمْ يَدْخُلْ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ

جو اس گھر میں داخل نہیں ہوا جس میں تصویر ہو

۵۹۶۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللّٰه عنها زَوْجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا اشْتَرَتْ نُمْرُقَةً فِيهَا تَصَاوِيرُ فَلَمَّا رَآهَا رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَامَ عَلَى الْبَابِ فَلَمْ يَدْخُلْ فَعَرَفَتْ فِي وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ وَإِلَى رَسُولِهِ مَاذَا أَذْنَبْتُ قَالَ مَا بَالُ هٰذِهِ النُّمْرُقَةِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از نافع از القاسم بن محمد از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ، انہوں نے انہیں خبر دی کہ انہوں نے ایک چھوٹا گدا خریدا جس میں تصاویر تھیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو آپ دروازہ پر کھڑے ہو گئے اور اندر داخل نہیں ہوئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے چہرہ میں ناپسندیدگی کو دیکھ لیا، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ!

فَقَالَتْ اشْتَرَيْتُهَا لِتَقْعُدَ عَلَيْهَا وَتَوَسَّدَهَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ أَصْحَابَ هَذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيُقَالُ لَهُمْ أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ وَقَالَ إِنَّ الْبَيْتَ الَّذِي فِيهِ الصُّوَرُ لَا تَدْخُلُهُ الْمَلَائِكَةُ۔

(صحیح مسلم: ۲۱۰۷، مسند احمد: ۲۵۵۵۹، موطا امام مالک: ۱۸۰۳)

میں اللہ کی طرف توبہ کرتی ہوں اور اس کے رسول کی طرف توبہ کرتی ہوں، میں نے کیا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ پردہ کیسا ہے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: میں نے اس گدے کو اس لیے خریدا تا کہ آپ اس پر بیٹھیں اور اس کو تکیہ بنائیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان تصویروں کے بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا: جن کی تم نے تخلیق کی ہے ان میں جان ڈالو، اور آپ نے فرمایا: جس گھر میں تصویریں ہوں اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

صحیح البخاری: ۵۹۶۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے اور اس کی تکرار کا فائدہ یہ ہے کہ اس حدیث کا عنوان مختلف ہے اور اس کے راوی بھی مختلف ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۹۶۔ بَابُ: مَنْ لَعَنَ الْمُصَوِّرَ — جس نے مصور پر لعنت کی

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ صورت بنانے والے پر لعنت کی گئی ہے۔

۵۹۶۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنِي غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ اشْتَرَى غُلَامًا حَجَّامًا فَقَالَ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ ثَمَنِ الدَّمِ وَثَمَنِ الْكَلْبِ وَكَسْبِ الْبَغِيِّ وَلَعَنَ آكِلَ الرِّبَا وَمُوكِلَهُ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ وَالْمُصَوِّرَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن المثنی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عون بن ابی جحیفہ از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے غلام خریدا جو فصد لگاتا تھا، پس بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خون کی قیمت اور کتے کی قیمت اور فاحشہ عورت کی کمائی سے منع فرمایا ہے، اور آپ نے سود کھانے والے پر اور سود کھلانے والے پر اور گودنے والے پر اور گدوانے والی پر اور تصویر بنانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۰۸۶، ۲۲۳۸، ۵۳۴۷، ۵۹۴۵، ۵۹۶۲، صحیح مسلم: ۱۵۹۷، سنن ترمذی: ۱۲۰۶، سنن نسائی: ۳۴۱۶، سنن ابوداؤد: ۳۴۸۳، سنن ابن ماجہ: ۲۲۷۷، مسند احمد: ۱۸۲۸۱، سنن دارمی: ۲۵۳۵)

صحیح البخاری: ۵۹۶۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کے آخری لفظ میں باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ہے، کیونکہ آخر میں مُصور کا لفظ ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے غندر، یہ محمد بن جعفر ہیں اور بعض نسخوں میں ان کے نام کی تصریح ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو جحیفہ کا ذکر ہے، ان کا نام وہب ہے۔

واشمہ اور مستوشمہ کے معانی بیان کیے جا چکے ہیں اور البغی کا معنی ہے: زانیہ۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۹۷۔ بَابُ: مَنْ صَوَّرَ صُورَةً كُلِّفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنْ يَنْفُخَ فِيهَا الرُّوحَ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ

جس نے کوئی صورت بنائی، قیامت کے دن اسے اس میں روح پھونکنے کا مکلف بنایا جائے گا اور وہ روح پھونکنے والا نہیں ہوگا

اس باب میں صورت بنانے والے کی مذمت میں احادیث بیان کی گئی ہیں۔

۵۹۶۳۔ حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا سَعِيدٌ قَالَ سَمِعْتُ النَّضْرَ بْنَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ يُحَدِّثُ قَتَادَةَ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَهُمْ يَسْأَلُونَهُ وَلَا يَذْكُرُ النَّبِيَّ ﷺ حَتَّى سُئِلَ فَقَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا ﷺ يَقُولُ مَنْ صَوَّرَ صُورَةً فِي الدُّنْيَا كُلِّفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنْ يَنْفُخَ فِيهَا الرُّوحَ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عیاش بن عبدالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالاعلیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے النضر بن انس بن مالک سے سنا، وہ قتادہ سے حدیث بیان کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس تھا اور لوگ ان سے سوال کر رہے تھے، اور وہ نبی ﷺ کا ذکر نہیں کر رہے تھے حتیٰ کہ ان سے سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: میں نے سیدنا محمد ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس نے دنیا میں کوئی صورت بنائی، اسے قیامت کے دن اس کا مکلف کیا جائے گا کہ وہ اس میں روح پھونکے اور وہ روح پھونکنے والا نہیں ہوگا۔

(صحیح مسلم: ۲۱۱۰، سنن ترمذی: ۱۷۵۱، سنن نسائی: ۵۳۵۹، سنن ابوداؤد: ۵۰۲۴، مسند احمد: ۱۸۶۹)

صحیح البخاری: ۵۹۶۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عیاش بن الولید، یہ ابن الولید الرقام ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالاعلیٰ، یہ

ابن عبدالاعلیٰ ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید، یہ ابن ابی عروبہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ولیس بنافخ" یعنی وہ تصویر بنانے والا تصویر میں روح پھونکنے پر قادر نہیں ہوگا، سو اس کو عذاب دیا جائے گا کیونکہ اس کو ایسی چیز کا مکلف کیا گیا ہے جس کی اس میں طاقت نہیں ہے، اور سعید بن ابی الحسن کی روایت میں ہے: پس بے شک اللہ اس کو عذاب دیتا رہے گا حتیٰ کہ وہ اس میں روح پھونک دے اور وہ کبھی بھی اس میں روح نہیں پھونک سکے گا، اور اس جملہ میں حتیٰ کا استعمال اس طرح ہے جیسا کہ اس آیت میں حتیٰ کا استعمال ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ (الاعراف: ۴۰)

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کو ماننے سے تکبر کیا ان کے لیے اس وقت تک آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکے (سوراخ) میں داخل ہو جائے۔

اس اعتراض کا جواب کہ مصور کو دائماً عذاب دینے سے معتزلہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے

ہمارے شیخ زین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ تصویر بنانے والے کو عذاب اس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک کہ وہ اس تصویر میں روح نہیں پھونک دیتا اور روح تو وہ نہیں پھونک سکے گا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو دائمی عذاب ہوگا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہے گا، اور یہ ایسا ہے جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے، کیونکہ وہ بھی کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں مبتلا رہے گا۔ پھر ہمارے شیخ نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہ حدیث اس مصور پر محمول ہے جو اس لیے تصویر بناتا ہے تا کہ اللہ کو چھوڑ کر ان تصویروں کی عبادت کی جائے اور یہ کفر ہے۔

نیز ہمارے شیخ نے کہا کہ اس میں روح پھونکنے سے کیا مراد ہے؟ کیا اس سے یہ مراد ہے کہ اس سے حیاتِ مطلقہ متحقق ہو جائے تا کہ وہ صورت حیوان جاندار بن جائے یا یہ کہ حتیٰ کہ وہ مکمل حیوانِ ناطق بن جائے، ظاہر یہ ہے کہ یہاں پہلی صورت مراد ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت کی ہے، اس میں دوسرے احتمال کی تصریح ہے، کیونکہ اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے .... الحدیث۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے: پس ان مصورین کو ہمیشہ عذاب دیا جاتا رہے گا حتیٰ کہ وہ صورت کلام کرے اور وہ صورت کلام نہیں کرے گی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ حدیث محمد بن ابی الزعیر از عطاء بن ابی رباح از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مروی ہے اور محمد بن ابی الزعیر کو امام ابن حبان نے ضعفاء میں شمار کیا ہے اور ان کے متعلق کہا ہے: یہ دجالوں میں سے ایک دجال ہیں اور ان کی حدیث موضوع کا ذکر کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۱۸۔۱۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۹۶۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کو کتاب اللباس میں داخل کرنے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جس مصور نے دنیا میں کوئی تصویر بنائی اس کو قیامت کے دن اس تصویر میں روح پھونکنے کا مکلف کیا جائے گا اور وہ اس میں روح نہیں پھونک سکے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ اس حدیث کو کتاب اللباس میں داخل کرنے کی کیا توجیہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے باب میں ذکر کیا گیا ہے کہ مصور پر لعنت کی گئی ہے، اور لعنت کا معنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنا ہے، اور جس کو اس تصویر میں روح پھونکنے کا مکلف کیا جائے گا اور وہ اس میں روح نہیں پھونک سکے گا وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوگا، اس طرح یہ باب بابِ سابق کے مناسب ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ اس حدیث سے محال کے ساتھ مکلف کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ مُصور اس کی طاقت نہیں رکھے گا کہ وہ تصویر میں روح پھونک سکے اور اللہ تعالیٰ اس کو تصویر میں روح پھونکنے کا مکلف کرے گا، اس سے معلوم ہوا کہ محال کے ساتھ مکلف کرنا جائز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے اس کو مکلف کرنا مراد نہیں ہے بلکہ اس کو زجر و توبیخ کرنا مراد ہے اور اس کے عجز کو ظاہر کرنا مراد ہے، اور اس حدیث میں جو امر ہے وہ امرِ تعجیز ہے۔

دوسرا اشکال یہاں پر یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو قتل کردے تو اس کے متعلق بھی دوزخ میں ہمیشہ عذاب کی وعید ہے مگر اس وعید کو دوزخ میں مکثِ طویل پر محمول کیا گیا ہے یعنی وہ لمبے عرصہ تک دوزخ میں رہے گا ہمیشہ نہیں رہے گا، اور تصویر بنانے والے کی وعید اس سے زیادہ شدید ہے، کیونکہ اس میں عذاب کی انتہاء یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اس میں روح پھونک دے اور وہ روح نہیں پھونک سکے گا اور اس کو اس پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے کہ اس کو طویل زمانہ تک عذاب دیا جائے گا اور پھر عذاب سے اس کو نجات ہو جائے گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی بھی یہی تاویل ہے کہ اس حدیث سے مصور کو شدید ڈانٹ ڈپٹ کرنا مراد ہے اور اس کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے اور یہ اس مصور پر محمول ہے جو مسلمان نافرمان ہو، اور جس نے بتوں کی عبادت کے لیے حلال جان کر تصویر بنائی تو اس کو ہمیشہ عذاب ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

آخرت کے دارِ تکلیف نہ ہونے پر اشکال کا جواب

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ مصور کو قیامت کے دن اس کی تصویر میں جان ڈالنے کا مکلف کیا جائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن بھی لوگوں کو اعمال کا مکلف کیا جائے گا، اور یہ کہنا کس طرح صحیح ہوگا کہ آخرت دارِ تکلیف نہیں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آخرت کا دارِ تکلیف نہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ آخرت میں انسان کا کوئی ایسا عمل نہیں ہوگا جس پر ثواب مرتب ہو یا عذاب مرتب ہو، اور جس تکلیف کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے یہ محال نہیں ہے، کیونکہ یہ مکلف کرنا تو خود عذاب ہے۔

علاوہ ازیں جمادات میں روح کا پھونکنا ممکن ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمادات میں روح پھونکی اور یہ آپ کا معجزہ ہے، لہٰذا تصویر میں روح پھونکنے کا مکلف کرنا محال کے ساتھ مکلف کرنا نہیں ہے۔ اور حق یہ ہے کہ یہ خطاب مصور کے عجز کو ظاہر کرنے کے لیے ہے اور اس کو مکلف کرنے کے لیے نہیں ہے۔

بے جان چیزوں کی تصویر بنانے پر اشکال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک تصویر بنانے والے مرد سے کہا: تم پر افسوس ہے اگر تم تصویر بنانے سے انکار کرو تو تم اس درخت کی تصویر بناؤ۔ الحدیث۔

اور اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جس چیز میں روح نہ ہو اس کی تصویر بنانی جائز ہے جیسے درخت ہے یا سورج ہے یا چاند ہے لیکن الشیخ ابو محمد الجوینی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ بعض کفار درخت کی عبادت کرتے ہیں بعض سورج کی عبادت کرتے ہیں اور بعض چاند کی عبادت کرتے ہیں۔ نیز حدیث میں تصویر کی ممانعت کی یہ علت بیان کی ہے کہ تصویر بنانے والے اللہ کی تخلیق کی مشابہت کرتے ہیں اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی تخلیق کی مشابہت کرے اور جس طرح جاندار چیزیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اسی طرح بے جان چیزیں مثلاً درخت، سورج اور چاند وغیرہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، لہٰذا بے جان چیزوں کی تصویر بنانا بھی ممنوع ہونا چاہیے۔

نیز اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ صحیح البخاری: ۵۹۵۳ میں مذکور ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو میری مخلوق کی مثل تخلیق کرنے جا رہا ہے، پس یہ لوگ ایک دانہ پیدا کریں اور ایک چیونٹی کو پیدا کریں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں دانہ کی تصویر بنانے پر بھی وعید ہے حالانکہ دانے میں روح نہیں ہوتی تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ بے جان چیزوں کی تصویر بنانا بھی ممنوع ہے۔

اس کے جواب میں علامہ نووی نے یہ کہا ہے کہ تمام تصویریں بنانا ممنوع ہے خواہ جاندار کی تصویر ہو یا بے جان کی تصویر ہو، اور جس تصویر کا جسم ہو اس کو بنانے کی ممانعت سے لڑکیوں کی گڑیا کا استثناء کیا جائے گا، کیونکہ اس کے بارے میں رخصت منقول ہے۔
(فتح الباری ج ۷ ص ۱۱۸۔۱۱۹، دارالمعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

اعتراض مذکور کا جواب از مصنف

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے الشیخ ابو محمد الجوینی کا جو اعتراض نقل کیا ہے وہ بہت قوی ہے، تاہم میں کہتا ہوں کہ اب اس پر تمام علماء کا اجماع ہو چکا ہے کہ بے جان چیزوں کی تصویر بنانا جائز ہے، نیز حدیث میں بچوں کے لیے گڑیا بنانے کے جواز کا ذکر ہے اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے ساتھ مشابہت ہے، نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کے لیے تصویر بنانے کی ممانعت تحریم کے لئے ہے اور اس کے بغیر عام تصاویر بنوانے کی ممانعت تنزیہہ کے لیے ہے، یا سدِ ذرائع کے لئے ہے تا کہ کوئی شخص عام تصاویر بناتے بناتے غیر اللہ کی عبادت کے لیے بھی تصاویر بنانے نہ لگے۔ اور تصویر بنانے پر جو وعیدات آئی ہیں وہ بھی اسی صورت پر محمول ہیں جب غیر اللہ کی عبادت کے لیے تصویر بنائی جائے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۹۸۔ بَابُ: الْاِرْتِدَافِ عَلَى الدَّابَّةِ سواری پر اپنے پیچھے کسی کو بٹھانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
یہ باب سواری پر اپنے پیچھے کسی کو بٹھانے کے جواز کے بیان میں ہے، علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس باب کو کتاب اللباس میں ذکر کرنے کی کیا مناسبت ہے؟، پھر انہوں نے جواب دیا کہ سواری کے اوپر پالان ہوتا ہے اور اس پالان کے اوپر چادر چڑھائی ہوئی ہوتی ہے جو ایک قسم کا سواری کا لباس ہے اور جب کسی شخص کو سواری پر بٹھائے گا تو وہ سواری کے لباس پر بھی اس کو بٹھائے گا۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین (یعنی حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ جو شخص سواری پر سوار کے پیچھے بیٹھا ہوا ہے وہ اس سے محفوظ نہیں ہے کہ وہ سواری سے گر پڑے، اور جب وہ گر پڑے گا تو ہوسکتا ہے کہ اس کا ستر کھل جائے تو سواری پر جو کپڑا ہو اس سے وہ اپنا ستر ڈھانپ سکتا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۱۹، دارالمعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)
علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ جواب انتہائی ساقط ہونے کے مرتبہ میں ہے اور جو شخص سوار کے پیچھے بیٹھا ہوا ہے اس کے گرنے سے غیر محفوظ ہونے کی کیا تخصیص ہے جب کہ خود سوار اور جو اس کے پیچھے بیٹھا ہوا ہے دونوں اس بات میں مشترک ہیں کہ وہ سواری سے گرنے میں محفوظ نہیں ہیں بلکہ سوار اگر سواری پر اکیلا ہو تب بھی وہ سواری سے گرنے سے محفوظ نہیں ہے، لہٰذا حافظ ابن حجر کی یہ توجیہ نا قابل التفات ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۱۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۶۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو صَفْوَانَ عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رَكِبَ عَلَى حِمَارٍ عَلَى إِكَافٍ عَلَيْهِ قَطِيفَةٌ فَدَكِيَّةٌ وَأَرْدَفَ أُسَامَةَ وَرَاءَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوصفوان نے حدیث بیان کی از یونس بن یزید از ابن شہاب از عروہ از حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دراز گوش پر سوار ہوئے جس کے پالان کے اوپر فدک کی بنی ہوئی چادر تھی اور آپ نے اپنے پیچھے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بٹھایا۔

(صحیح بخاری: ۲۹۸۷، ۴۵۶۶، ۴۶۶۳، ۵۹۶۴، ۶۲۵۴، صحیح مسلم: ۱۷۹۸، مسند احمد: ۲۱۲۶۰)

صحیح البخاری: ۵۹۶۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوصفوان، ان کا نام عبداللہ بن سعید بن عبدالملک بن مروان الاموی ہے۔
یہ حدیث ایک طویل حدیث کی طرف ہے جو کتاب الجہاد میں گزر چکی ہے اور کتاب الطب میں بھی یحییٰ بن بکیر سے گزر چکی۔

ہے اور عنقریب اس کا ذکر کتاب الادب اور کتاب الاستیذان میں آئے گا اور اس کی شرح بیان ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ذکر ہے "قطیفة" یہ مخمل کی چادر ہے۔ اور اس میں مذکور ہے "فدکیه" یہ فدک کی طرف نسبت ہے اور فدک، خیبر کی ایک بستی کا نام ہے۔ اور اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ دراز گوش پر سفر کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور سوار کا سواری پر اپنے پیچھے کسی کو بٹھالینا جائز ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۹۹۔ باب: الثَّلَاثَةِ عَلَى الدَّابَّةِ ایک سواری پر تین نفوس کا سوار ہونا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ تین آدمیوں کا ایک سواری پر سوار ہونا جائز ہے۔

اگر تم سوال کرو کہ امام طبرانی نے الاوسط میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سواری پر تین نفوس کے سوار ہونے سے منع فرمایا۔

اور امام طبری نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک سواری پر دو سے زیادہ سوار نہ ہوں۔

اور امام ابن ابی شیبہ نے زاذان کی مرسل روایت ذکر کی ہے کہ انہوں نے خچر کے اوپر تین آدمیوں کو سوار دیکھا تو انہوں نے کہا: تم میں سے ایک اتر جائے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرے سوار پر لعنت کی ہے۔

اور المہاجر بن قنفذ نے روایت کی ہے کہ انہوں نے اس فعل پر لعنت کی اور کہا: ہمیں اس سے منع کیا گیا تھا کہ ایک سواری پر ہم تین آدمی سوار ہوں۔

اور امام طبری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا: جب تم تین آدمیوں کو ایک سواری پر دیکھو تو ان کو پتھر مارو حتیٰ کہ ان میں سے ایک اتر جائے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ضعیف ہے، اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سند میں ضعف ہے، اور زاذان کی حدیث مرسل ہے، وہ مرفوع متصل حدیث کے معارض نہیں ہو سکتی، اور مہاجر بن قنفذ کی حدیث بھی ضعیف ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث موقوف ہے، یعنی وہ ان کا قول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے۔

اور اس کے مخالف روایات ہیں، پس امام طبری نے سند جید کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ غزوۂ بدر کے دن تین مرد ایک اونٹ کے اوپر سوار تھے۔

امام طبرانی نے از امام ابن ابی شیبہ شعبی کی سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا: میں اس کی پرواہ

نہیں کرتا کہ میں کسی سوار پر دسواں سوار ہوں جب سواری میں اس کی طاقت ہو۔

نیز محدثین نے ان احادیث میں تطبیق بھی کی ہے۔انہوں نے کہا: ممانعت اس پر محمول ہے کہ جب سواری تین یا تین سے زیادہ کا بوجھ اٹھانے سے عاجز ہو جیسے گدھا۔اور جواز اس صورت پر محمول ہے کہ جب سواری تین یا تین سے زیادہ کا بوجھ اٹھانے کی طاقت رکھتی ہو جیسے اونٹنی اور خچر۔

پھر علامہ عینی فرماتے ہیں کہ مختصر جواب یہ ہے کہ جن احادیث میں تین کے سوار ہونے کی ممانعت آئی ہے، وہ اس باب کی حدیث کے پائے کی نہیں ہیں۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۶۵۔حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ مَكَّةَ اسْتَقْبَلَهُ أُغَيْلِمَةُ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَحَمَلَ وَاحِدًا بَيْنَ يَدَيْهِ وَالْآخَرَ خَلْفَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از عکرمہ، از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ مکہ میں تشریف لائے تو آپ کا استقبال بنو عبدالمطلب کے لڑکوں نے کیا، پس آپ نے ایک لڑکے کو سواری پر اپنے آگے بٹھا لیا اور دوسرے لڑکے کو اپنے پیچھے بٹھالیا۔

(صحیح البخاری: ۱۷۹۸، ۵۹۶۵، ۵۹۶۶، سنن نسائی: ۲۸۹۴)

صحیح البخاری: ۵۹۶۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ایک سواری پر تین کا سوار ہونا اور حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے سواری پر ایک لڑکے کو اپنے آگے بٹھایا اور ایک لڑکے کو اپنے پیچھے بٹھایا، یوں اس کی مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خالد، وہ ابن مہران الحذاء ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لما قدم النبی ﷺ مکۃ" یعنی جب نبی ﷺ فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں تشریف لائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اغیلمۃ" یہ اغلمۃ کی تصغیر ہے جو کہ غلام کی جمع ہے، یہ شاذ ہے، قیاس یہ ہے کہ اس کی تصغیر غلیمۃ ہوتی۔علامہ ابن التین نے کہا ہے: گویا کہ انہوں نے اغلمۃ کی قیاس کے مطابق تصغیر کی ہے، اگرچہ عرب کے لوگ اغلمۃ کہتے نہیں ہیں۔

اس حدیث میں مذکورہ ''بنی عبد المطلب'' ان لڑکوں کی اضافت عبد المطلب کی طرف کی، کیونکہ یہ لڑکے بنو عبد المطلب سے تھے اور بعد میں ان لڑکوں کا ذکر آرہا ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۲۱، دار الکتب العلمیہ ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۰۰۔ بَابُ: حَمْلِ صَاحِبِ الدَّابَّةِ غَيْرَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ سواری کے مالک کا دوسروں کو اپنے سامنے بٹھانا

وَقَالَ بَعْضُهُمْ: صَاحِبُ الدَّابَّةِ أَحَقُّ بِصَدْرِ الدَّابَّةِ إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُ

اور بعض نے کہا کہ سواری کا مالک سواری کے اگلے حصے کا زیادہ حقدار ہے، سوا اس کے کہ وہ کسی کو اجازت دے۔

یعنی یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ سواری کا مالک دوسروں کو اپنے آگے بٹھا سکتا ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس حدیث میں بعض کا ذکر ہے اور وہ مبہم ہے اور امام ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ یہ بعض عامر شعبی ہیں۔ اور یہ مضمون حدیث میں مرفوعاً بھی وارد ہے۔ امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن بریدہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس وقت ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ پیدل جا رہے تھے، اس وقت ایک مرد آیا اور اس کے ساتھ گدھا تھا، اس نے کہا: یارسول اللہ! آپ سوار ہو جائیں اور وہ مرد پیچھے چلا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی سواری کے اگلے حصہ کے زیادہ حق دار ہو، سوا اس کے کہ وہ حصہ تم میرے لیے کر دو، اس نے کہا: میں نے آپ کے لیے وہ حصہ کر دیا، پس آپ سوار ہو گئے۔ پھر امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے اور اس حدیث کی امام ابوداؤد نے بھی روایت کی ہے اور امام احمد نے بھی اپنی مسند میں روایت کی ہے اور امام ابن حبان نے اس کو روایت کیا ہے، اور اس کو صحیح قرار دیا ہے اور امام حاکم نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ اور جس مرد کا ذکر ہے، وہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تھے۔ اس کا بیان حبیب بن شہید نے اپنی روایت میں کیا ہے از عبداللہ بن بریدہ، لیکن یہ حدیث مرسل ہے۔ امام ابن ابی شیبہ نے اس کی اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

علامہ عینی کا علامہ ابن ملقن سے مناقشہ

اور صاحب التوضیح علامہ ابن الملقن نے کہا ہے: گویا کہ امام بخاری حضرت ابن بریدہ کی حدیث پر راضی نہیں تھے، اس لیے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کی روایت کی تاکہ وہ اس معنی پر دلالت کرے۔

علامہ عینی، علامہ ابن ملقن کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ امام بخاری حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر مطلع نہیں تھے، اور وہ اس حدیث پر کیوں نہ راضی ہوتے حالانکہ اس حدیث کی ان ائمہ کبار اور اصحاب الشان نے روایت کی ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۲۱، دار الکتب العلمیہ ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۶۶۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ ذُكِرَ الْأَشَرُّ الثَّلَاثَةِ عِنْدَ عِكْرِمَةَ فَقَالَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَتَى رَسُولُ اللهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی، انہوں

صلی اللہ علیہ وسلم وَقَدْ حَمَلَ قُثَمَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَالْفَضْلَ خَلْفَهُ أَوْ قُثَمَ خَلْفَهُ وَالْفَضْلَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَأَيُّهُمْ شَرٌّ أَوْ أَيُّهُمْ خَيْرٌ۔

نے کہا: عکرمہ کے سامنے یہ ذکر کیا گیا کہ سواری پر تین بیٹھنے والوں میں سے کون زیادہ برا ہے، تو عکرمہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے قثم کو اپنے آگے بٹھایا اور فضل کو اپنے پیچھے بٹھایا یا قثم کو پیچھے بٹھایا اور فضل کو اپنے آگے بٹھایا، پس ان میں سے کون زیادہ برا ہے یا کون زیادہ اچھا ہے؟ (یعنی یہ تم خود سوچو)۔

صحیح البخاری: ۵۹۶۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''سواری کے مالک کا دوسرے کو اپنے آگے بٹھانا'' اور اس حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قثم کو اپنے آگے بٹھایا، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تعارف

اس حدیث کی سند میں عبدالوہاب کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالمجید الثقفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ایوب کا ذکر ہے، یہ السختیانی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ذکر الاشر الثلاثة عند عکرمة'' یعنی عکرمہ کے سامنے یہ ذکر کیا گیا کہ ان تین سواروں میں کون زیادہ برا ہے؟

حدیث مذکور پر علامہ کرمانی کا اعتراض اور علامہ عینی کا جواب

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس حدیث میں تین اشیاء غریب ہیں:

اول یہ کہ اس کلمہ کا مشہور استعمال یہ ہے کہ کہا جائے شرٌّ اور خیرٌ اور اشر اور اخیر نہیں کہا جاتا۔

دوسرا یہ کہ اس میں لام تعریف کے ساتھ اضافت کی ہے یعنی الاشر الثلاثة کہا ہے اور اشر مضاف ہے۔

تیسرا یہ کہ افعل التفضیل اس وقت استعمال ہوتا ہے کہ جب تین چیزوں میں سے ایک چیز ہو اور ان میں سے دو چیزوں کا جمع کرنا جائز نہیں ہے اور یہاں دو چیزوں کو جمع کیا گیا ہے۔

علامہ کرمانی کے پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ الاشر اور الاخیر بھی لغتِ فصیحہ ہیں، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے اخیرنا وابن اخیرنا۔

اور علامہ کرمانی کے دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ کبھی لامِ تعریف کے ساتھ بھی اضافت ہوتی ہے جیسے الحسنُ الوجہِ

میں ہے اور الظالمُ الرجلِ میں ہے اور الواھبُ المائۃ میں ہے۔
اور تیسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اشر یہاں پر شر کے حکم میں ہے۔ اور الاشر الثلاثۃ مبتداء ہے اور خبر ہے اشر رقمان هؤلاء الثلاثة، اور اب معنی یہ ہے کہ ان تین سواروں میں سے کون زیادہ شر ہے یا کون زیادہ خیر ہے۔

حضرت قثم بن عباس اور حضرت فضل بن عباس کا تذکرہ

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "قُثَم" (قاف پر ضمہ اور ثاء پر فتحہ) یہ حضرت عباس ہاشمی رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے آخر میں عہد لیا تھا، یہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف سے مکہ کے والی مقرر ہوئے، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں ثمر قند کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں پر شہید ہو گئے اور ان کی قبر بھی وہیں ہے۔ اور قثم غیر منصرف ہے عدل اور علمیت کی وجہ سے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الفضل" یہ بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ غزوۂ حنین میں ثابت قدم رہے جب لوگ شکست کھا چکے تھے، ان کا شام میں ۱۸ ھ میں انتقال ہوا۔

نیز اس حدیث میں ذکر ہے "فایھم شر وایھم خیر" یہ حضرت عکرمہ کا کلام ہے، اور عکرمہ اس سے اس شخص کا رد کر رہے ہیں جس نے کہا کہ ایک سواری پر تین سوار ہوں تو وہ شر ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عکرمہ کے سامنے یہ ذکر کیا گیا کہ تین آدمیوں کا ایک سواری پر سوار ہونا شر اور ظلم ہے، ان میں جو آگے ہو وہ زیادہ شر ہے یا جو پیچھے وہ زیادہ شر ہے تو عکرمہ نے اس کا انکار کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے استدلال کیا کیونکہ ان تینوں میں سے کسی کی طرف بھی ظلم اور شر کی اضافت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ان میں سے دو کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آگے اور پیچھے سوار کیا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۲۱۔ ۱۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۱۰۱۔ باب: إِرْدَافِ الرَّجُلِ خَلْفَ الرَّجُلِ — ایک مرد کو سواری پر دوسرے مرد کے پیچھے بٹھانا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
یعنی یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ ایک مرد کو دوسرے مرد کے پیچھے سواری پر بٹھانا جائز ہے۔ علامہ ابن بطال کی کتاب میں یہ باب بغیر عنوان کے مذکور ہے اور اس باب کی حدیث کا محل ہے سوار کے پیچھے بیٹھنا، اور اگر امام بخاری اس باب کو حدیثِ اسامہ کے ساتھ ذکر کرتے تو زیادہ مناسب تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۵۹۶۷۔ حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ ﷺ قَالَ بَيْنَا أَنَا رَدِيفُ النَّبِيِّ ﷺ لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ إِلَّا أَخِرَةُ الرَّحْلِ فَقَالَ يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ قُلْتُ لَبَّيْكَ رَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ھدبۃ بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی از حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ يَا مُعَاذُ قُلْتُ لَبَّيْكَ رَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ يَا مُعَاذُ قُلْتُ لَبَّيْكَ رَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ اللهِ عَلَى عِبَادِهِ قُلْتُ اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ حَقُّ اللهِ عَلَى عِبَادِهِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ قُلْتُ لَبَّيْكَ رَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ فَقَالَ هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ إِذَا فَعَلُوهُ قُلْتُ اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ۔

کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا، میرے اور آپ کے درمیان صرف پالان کی پچھلی لکڑی تھی، آپ نے فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں حاضر ہوں اور آپ کی نصرت کے لیے موجود ہوں، پھر آپ کچھ دور چلے، پھر فرمایا: اے معاذ! میں نے کہا: یارسول اللہ! میں حاضر ہوں اور آپ کی نصرت کے لیے موجود ہوں، پھر آپ کچھ دور چلے، پھر فرمایا: اے معاذ! میں نے کہا: یارسول اللہ! میں حاضر ہوں اور آپ کی نصرت کے لیے موجود ہوں، آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو اللہ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے، آپ نے فرمایا: اللہ کا اپنے بندوں پر حق یہ ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، پھر آپ کچھ دور چلے، پھر فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں نے کہا: یارسول اللہ! میں حاضر ہوں اور آپ کی نصرت کے لیے موجود ہوں، آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے جب وہ اس کی عبادت کرلیں۔ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں، آپ نے فرمایا: بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے۔

(صحیح مسلم: ۳۰، سنن ترمذی: ۲۶۴۳، سنن ابن ماجہ: ۴۲۹۶، مسند احمد: ۱۳۳۳۱)

صحیح البخاری: ۵۹۶۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "ایک مرد کو سواری پر دوسرے مرد کے پیچھے بٹھانا" اور اس حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں سواری پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہمام، یہ ابن یحییٰ البصری ہیں۔ امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الرقاق میں بھی حدبۃ سے روایت کیا ہے اور کتاب الاستیذان میں بھی روایت کیا ہے۔ اور امام نسائی نے اس حدیث کو کتاب الیوم واللیلۃ میں عمرو بن علی

سے روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے"بینا"۔ہم کئی مرتبہ ذکر کر چکے ہیں کہ اس کی اصل بینَ ہے اور اس کے آخر میں الف کو زیادہ کر دیا اور بعض اوقات اس کے آخر میں میم کا بھی اضافہ کیا جاتا ہے اور یہ جملہ کی طرف مضاف ہوتا ہے اور یہ جواب کا محتاج ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے"ردیف النبی ﷺ"بعض روایات میں ردف کا لفظ بھی ہے،اور ردیف اور ردف اس سوار کو کہتے ہیں جو سوار کے پیچھے بیٹھا ہو۔اور ہر چیز کا ردف وہ ہوتا ہے جو اس کا پچھلا حصہ ہو،اور القراظ کی الجامع میں مذکور ہے کہ ردف وہ ہے جو تمہارے پیچھے سوار ہو۔اور عرب کہتے ہیں"جئت مردفا لفلان"یعنی میں فلاں کے بعد آیا۔اور زمانہ جاہلیت میں جو ایک بادشاہ کے بعد دوسرا بادشاہ آتا تھا اس کو بھی ارداف کہتے تھے۔اور ابن مندہ نے کتاب الارداف میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سواری پر اپنے پیچھے ایک جماعت کو بٹھایا وہ تقریباً تیس افراد ہیں،ان میں سے حضرت عباس کی اولاد ہے،حضرت عبداللہ بن جعفر ہیں،قیس بن سعد بن عبادہ ہیں،حضرت صفیہ ام المومنین رضی اللہ عنہم ہیں اور ام حبیب الجہنیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے"میرے اور آپ کے درمیان صرف پالان کی پچھلی لکڑی تھی"۔اس سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ وہ نبی ﷺ کے بہت زیادہ قریب تھے تاکہ رسول اللہ ﷺ کا کلام ان کے دل میں اچھی طرح منضبط ہو جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے"آخرۃ"یہ فاعلۃ کے وزن پر ہے اور یہ وہ لکڑی ہے جس کی طرف سوار اپنے پیچھے والوں کے لیے سہارا ہوتا ہے اور اس حدیث میں مذکور ہے"رحل"یہ اونٹنی میں ایسا ہے جیسے گھوڑی میں زین ہوتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے"یا معاذ"نبی ﷺ نے اس کی تکرار کی تاکہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ زیادہ توجہ کے ساتھ آپ کی بات سنیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے"ماحق اللہ":حق اس چیز کو کہتے ہیں جو ثابت ہو اور حق کا معنی ہے:باطل کا خلاف اور یہ واجب اور لائق کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے"بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟"حق سے مراد ہے حقِ شرعی،نہ کہ وہ حق جو عقلاً واجب ہو جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں،گویا کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کے عطا کرنے کا وعدہ کیا اور اس کا وعدہ سچا ہے تو وہ اس اعتبار سے حق ہو گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۲۳۔۱۲۴،دارالکتب العلمیہ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۰۲۔بَابُ: إِرْدَافِ الْمَرْأَةِ خَلْفَ الرَّجُلِ　　عورت کو سواری پر مرد کے پیچھے بٹھانا

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عورت کو سواری پر مرد کے پیچھے بٹھایا جائے۔

النسفی کی روایت میں یہ عنوان اسی طرح ہے اور اکثرین کی روایت میں یہ عنوان اس طرح ہے"عورت کو اس مرد کے پیچھے

بٹھانا جو محرم ہو''۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۲۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۶۸۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ صَبَّاحٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عَبَّادٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ أَقْبَلْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ خَيْبَرَ وَإِنِّي لَرَدِيفُ أَبِي طَلْحَةَ وَهُوَ يَسِيرُ وَبَعْضُ نِسَاءِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم رَدِيفُ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذْ عَثَرَتِ النَّاقَةُ فَقُلْتُ الْمَرْأَةَ فَنَزَلْتُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّهَا أُمُّكُمْ فَشَدَدْتُ الرَّحْلَ وَرَكِبَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَمَّا دَنَا أَوْ رَأَى الْمَدِينَةَ قَالَ آيِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ۔

(صحیح بخاری: ۱۷۰۳، صحیح مسلم: ۱۳۴۵، سنن ترمذی: ۹۵۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حسن بن محمد بن صباح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن عباد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یحییٰ بن ابی اسحاق نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر سے آئے، اور میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے سواری پر تھا، اور وہ چل رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھیں، اس وقت اونٹنی نے ٹھوکر کھائی۔ میں نے کہا: عورت کو سنبھالو، پھر میں سواری سے اترا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہاری ماں ہیں، پھر میں نے کجاوے کو کس کر باندھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے۔ پھر جب آپ قریب پہنچے یا آپ نے مدینہ کو دیکھا تو آپ نے فرمایا: ہم لوٹ کر آنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں، اور اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں۔

صحیح البخاری: ۵۹۶۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں صباح کا ذکر ہے، یہ البغدادی ہیں، اور یحییٰ بن عباد کا ذکر ہے۔ اور یحییٰ بن ابی اسحاق کا ذکر ہے، یہ الحضرمی البصری ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجہاد میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ردیف ابی طلحه''۔ حضرت ابوطلحہ کا نام زید بن سہل الانصاری ہے اور یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کے شوہر ہیں۔ میں نے کہا ''المراۃ'' یعنی عورت کی حفاظت کرو۔ یا اس پر پیش ہے یعنی ''وقعت المراۃ''، (یعنی عورت گر گئی) اور یہ عورت سیدتنا صفیہ بنت حیی ام المومنین ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "انہا امکم" یہ تمہاری ماں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ اس لیے فرمایا تا کہ ان کو یاد دلائیں کہ حضرت صفیہ واجب التعظیم ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ یہ کام حضرت ابوطلحہ نے کیا تھا اور جس نے کہا تھا: عورت کو سنبھالو، وہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ اور اس میں اختلاف یحییٰ بن ابی اسحاق کی وجہ سے ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کر رہے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۲۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۰۳۔ بَابٌ: الِاسْتِلْقَاءِ وَوَضْعِ الرِّجْلِ عَلَى الْأُخْرَى — یعنی چت لیٹنا اور ایک پیر کو دوسرے پیر پر رکھنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مرد کا اپنی پیٹھ کے بل یعنی چت لیٹنا اور ایک پیر کا دوسرے پیر پر رکھ کر لیٹنا جائز ہے، اور اس عنوان کو کتاب اللباس میں داخل کیا ہے اور اسی پر کتاب اللباس کو ختم کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی چت لیٹتا ہے تو اس کی شرمگاہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۲۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۶۹۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَمِّهِ أَنَّهُ أَبْصَرَ النَّبِيَّ ﷺ يَضْطَجِعُ فِي الْمَسْجِدِ رَافِعًا إِحْدَى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن شہاب نے حدیث بیان کی از عباد بن تمیم از عم خود، انہوں نے دیکھا کہ نبی ﷺ مسجد میں لیٹے ہوئے ہیں اور آپ نے دو پیروں میں سے اپنا ایک پیر دوسرے پر رکھا ہوا ہے۔

(صحیح بخاری: ۴۷۵، ۵۹۶۹، ۶۲۸۷، صحیح مسلم: ۲۱۰۰، سنن ترمذی: ۲۷۶۵، سنن نسائی: ۷۲۱، سنن ابوداؤد: ۴۸۶۶، مسند احمد: ۱۵۹۹۵، موطا امام مالک: ۴۱۸)

صحیح البخاری: ۵۹۶۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں احمد بن یونس کا ذکر ہے، وہ احمد بن عبداللہ بن یونس کوفی ہیں جو اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن سعد کا ذکر ہے، یہ ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف ہیں، اور یہ بغداد میں قاضی تھے اور ابن شہاب کا ذکر ہے، وہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔ اور عباد کا ذکر ہے، یہ ابن تمیم بن زید بن عاصم الانصاری المدنی ہیں جو اپنے چچا عبداللہ بن زید الانصاری سے روایت کرتے ہیں۔

مسجد میں چت لیٹ کر ایک ٹانگ دوسری ٹانگ پر رکھنے کا جواز

اس حدیث سے ایک جماعت نے یہ استدلال کیا ہے کہ مسجد میں چت لیٹ کر ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر رکھنا جائز ہے، ان میں حسن بصری، الشعبی، سعید بن المسیب، ابومجلد، محمد بن الحنفیہ ہیں۔ اور دوسرے فقہاء نے ان کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ مکروہ ہے اور ان فقہاء میں محمد بن سیرین ہیں اور مجاہد ہیں اور طاؤس ہیں اور ابراہیم النخعی ہیں، انہوں نے امام مسلم کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک کپڑے کو بطورِ صماء پہننے سے اور بطورِ احتباء پہننے سے منع فرمایا ہے۔ (کیونکہ صماء اور احتباء اگر ایک کپڑے میں ہو تو ستر کھلنے کا خطرہ ہے) اور آپ نے اس سے منع فرمایا کہ آدمی اپنی دو ٹانگوں میں سے ایک ٹانگ دوسری ٹانگ پر رکھ لے اور وہ پشت کے بل چت لیٹا ہوا ہو۔

اور جو فقہاء اس کو جائز قرار دیتے ہیں انہوں نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل سے منسوخ ہے جو اس باب کی حدیث ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطورِ راحت کے ایسا کیا تھا، اور اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق، حضرت فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔

مخالفین نے یہ کہا ہے کہ مسجد میں چت لیٹ کر ٹانگ پر ٹانگ رکھنے کا عمل منسوخ ہو گیا ہے، لیکن ان کا یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر یہ منسوخ ہوتا تو یہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے مخفی نہ رہتا اور یہ خلفاء راشدین مسجد میں چت نہ لیٹتے اور ٹانگ پر ٹانگ نہ رکھتے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۲۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: کتاب اللباس میں دو سو بائیس (۲۲۲) احادیث مرفوعہ ہیں، اور ان میں چھیالیس (۴۶) تعلیقات ہیں اور باقی احادیث موصولہ ہیں۔ اور ان میں مکرر احادیث ایک سو بیاسی (۱۸۲) ہیں اور خالص احادیث چالیس (۴۰) ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۷۸- کِتَابُ الْأَدَبِ

ادب سے متعلق احادیث کا بیان

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، لکھتے ہیں:

یعنی یہ کتاب ادب کے بیان میں ہے اور اس کی متعدد انواع ہیں جن کا ہم عنقریب ذکر کریں گے، اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ کتاب ابواب کی جامع ہوتی ہے اور ابواب فصول کی جامع ہوتے ہیں، اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں لفظ فصل نہیں لکھا، البتہ یہ بعض جگہوں پر لفظ باب لکھتے ہیں اور وہ اسی طرح بغیر عنوان کے ہوتا ہے اور وہ امام بخاری کے نزدیک بمنزلہ فصل کے ہوتا ہے اور ماقبل سے متعلق ہوتا ہے۔

ادب کا لفظ مأدُبہ سے ماخوذ ہے، یہ وہ طعام ہے جو تیار کیا جاتا ہے، پھر لوگوں کو اس طعام کے کھانے کی طرف بلایا جاتا ہے، پس ادب ایسا وصف ہے جس کی طرف ہر ایک کو بلایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے: ''ادب المؤدب تادیبا فهو مؤدَب'' یعنی ادب سکھانے والے نے اس کو ادب سکھایا تو وہ ادب سیکھا ہوا ہو گیا۔ اور ابوزید سے منقول ہے ''ادب ایسا اسم ہے جو ہر ریاضت محمودہ پر مشتمل ہے اور ادب کے ساتھ انسان کو فضائل میں سے کوئی فضیلت حاصل ہوتی ہے''۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ادب کا استعمال اس چیز میں کیا جاتا ہے جس کی قولاً اور فعلاً تعریف کی جائے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ادب مکارمِ اخلاق کو حاصل کرنا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مستحسن کاموں سے واقف ہونا ادب ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اپنے سے بڑے کی تعظیم کرنا اور اپنے سے چھوٹے پر شفقت کرنا ادب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱- بَابُ: الْبِرِّ وَالصِّلَةِ
نیکی اور ملنے ملانے کا بیان

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا۔ (العنکبوت: ۸)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں نیکی اور ملنے ملانے کا ذکر ہے، اور بِرّ کا معنی احسان اور نیک سلوک ہے، اسی سے ماخوذ ہے ''البر فی حق والدین'' یعنی ماں باپ کے حق میں نیکی کرنا، اور رشتہ داروں کے حق میں نیکی کرنا اور البر، العقوق کی ضد ہے اور عقوق کا معنی ہے: ان کے ساتھ برا سلوک کرنا اور ان کے حقوق کو ضائع کرنا، کہا جاتا ہے ''ہو یبر فهو بار'' اور اس کی جمع ''بررۃ'' ہے اور ''بر'' کی جمع ابرار ہے۔ اور صلہ کا معنی ہے: ''صلة الارحام'' یعنی رشتہ داروں سے ملاپ اور ملنا ملانا۔ اور یہ رشتہ داروں کی طرف احسان اور

نیکی کرنے سے کنایہ ہے، خواہ وہ رشتہ دار نسبی ہوں یا سسرالی ہوں، اور ان پر مہربانی کرنا اور ان کے احوال کی رعایت کرنا۔ اور قطع رحم ان رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنا ہے۔ یہ آیت ان لفظوں کے ساتھ سورۃ العنکبوت میں بھی ہے اور سورۃ الاحقاف میں بھی ہے، جو آیت سورۃ العنکبوت میں ہے، وہ یہ ہے:

وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۚ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا. (العنکبوت: ۸)

اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور (اے مخاطب!) اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک قرار دے جس کا تجھے علم نہیں ہے تو، تو ان کی اطاعت نہ کر۔

اور جو آیت سورۃ الاحقاف میں ہے، وہ یہ ہے:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا. (الاحقاف: ۱۵)

اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا تاکیدی حکم دیا، اس کی ماں نے اس کو مشقت کے ساتھ پیٹ میں اٹھایا اور تکلیف جھیل کر اس کو جنا۔

اور یہ آیت سورۂ لقمان میں بھی ہے، اور وہ یہ ہے:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ. (لقمان: ۱۴)

اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا، اس کی ماں نے کم زور پر کم زوری برداشت کرتے ہوئے اس کو پیٹ میں رکھا۔

مراد یہاں پر وہ آیت ہے جو سورۃ العنکبوت میں ہے اور اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے جو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیتِ مذکورہ خصوصیت سے میرے متعلق نازل ہوئی ہے، میں ایسا شخص تھا جو اپنی ماں کے ساتھ بہت نیکی کرتا تھا، پس جب میں نے اسلام قبول کر لیا تو میری ماں نے کہا: اے سعد! یہ کیسا نیا دین ہے جس کو تم نے اختیار کر لیا ہے، تم اس دین کو چھوڑ دو ورنہ نہ میں کھانا کھاؤں گی اور نہ میں پانی پیوں گی اور نہ میں کسی چھت کے نیچے رہوں گی حتیٰ کہ میں مر جاؤں، پس تمہارا حال میرے سبب سے متغیر ہوگا اور کہا جائے گا: اے اپنی ماں کے قاتل! میں نے کہا: اے اماں جان! ایسا نہ کرنا، کیونکہ میں اس دین کو چھوڑنے والا نہیں ہوں، پھر میری ماں ایک دن اور ایک رات تک ٹھہری رہی، اس نے کچھ نہیں کھایا، پھر جب صبح ہوئی تو وہ بہت کمزور ہو چکی تھی اور ایک دن اور ایک رات اور اسی طرح اس نے گزارا، جب میں نے اپنی ماں کا یہ حال دیکھا تو میں نے ان سے کہا: اللہ کی قسم اے میری ماں! اگر تمہاری ایک سو جانیں ہوتیں اور پھر ایک ایک کر کے وہ جانیں نکل جاتیں تب بھی میں اس دین کو چھوڑنے والا نہیں تھا، پس خواہ تم کھاؤ یا نہ کھاؤ، پھر جب میری ماں نے میرا یہ پختہ عزم دیکھا تو انہوں نے کھانا کھا لیا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور وہ آیت نازل ہوئی جو سورۂ لقمان اور سورۃ الاحقاف میں ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو یہ حکم دیا کہ اپنی ماں کو راضی کریں اور ان سے نیک سلوک کریں اور شرک میں ان کی اطاعت نہ کریں۔

میں کہتا ہوں: حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کی ماں کا نام حمنہ بنت سفیان بن امیہ ہے، اور یہ ابوسفیان بن حرب بن امیہ کے چچا

کی بیٹی ہیں، اور ان کے اسلام لانے کا علم نہیں ہو سکا۔

اور اس آیت کریمہ کا تقاضا یہ ہے کہ والدین کے ساتھ خیر خواہی کی جائے اور اس میں ان کی اطاعت کرنے کا حکم ہے خواہ وہ دونوں کافر ہوں، مگر یہ کہ جب وہ دونوں شرک کا حکم دیں تو پھر ان کی نافرمانی کرنا واجب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۲۶۔ ۱۲۷)

میں کہتا ہوں کہ شرک کے علاوہ بھی کسی معصیت کے کام میں، ماں باپ کی فرماں برداری نہیں ہوگی بلکہ ہر حال میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی جائے گی۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۹۷۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ الْوَلِيدُ بْنُ عَيْزَارٍ أَخْبَرَنِي قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَمْرٍو الشَّيْبَانِيَّ يَقُولُ أَخْبَرَنَا صَاحِبُ هَذِهِ الدَّارِ وَأَوْمَأَ بِيَدِهِ إِلَى دَارِ عَبْدِ اللهِ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ قَالَ الصَّلَاةُ عَلَى وَقْتِهَا قَالَ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قَالَ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي بِهِنَّ وَلَوِ اسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ ولید بن عیزار نے کہا: مجھے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے ابو عمرو الشیبانی سے سنا، وہ کہتے تھے: مجھے اس گھر والے نے خبر دی ہے اور اپنے ہاتھ سے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف اشارہ کیا، انہوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ سے سوال کیا: کون سا عمل اللہ عزوجل کی طرف زیادہ محبوب ہے؟ تو انہوں نے بتایا: نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا، انہوں نے کہا: پھر کونسا عمل؟ تو آپ نے فرمایا: ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا، انہوں نے کہا: پھر کونسا عمل؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کرنا، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے ان اعمال کی خبر دی اور اگر میں آپ سے زیادہ سوال کرتا تو آپ مجھے زیادہ عمل بتاتے۔

(صحیح بخاری: ۵۲۷، ۲۷۸۲، ۵۹۷۰، ۷۵۳۴، صحیح مسلم: ۸۵، سنن ترمذی: ۱۸۹۸، سنن نسائی: ۶۱۰، مسند احمد: ۳۸۸۰، سنن دارمی: ۱۲۲۵)

صحیح البخاری: ۵۹۷۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "البر والصلة" اور اس سے مراد ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا اور ان سے ملاپ رکھنا ہے، اور جو آیت مذکور ہے اس میں بھی ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور اس حدیث میں بھی دوسرے نمبر پر برالوالدین کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو الولید، یہ ہشام بن عبد الملک الطیالسی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الولید بن

عیزار، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ولید بن عیزار نے مجھے خبر دی، اور اس میں راوی کے نام کو صیغہ پر مقدم کر دیا ہے اور یہ جائز ہے اور شعبہ اس کا اکثر استعمال کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو عمرو شیبانی، ان کا تعلق شیبان بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل سے ہے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور ایک سو بیس سال تک زندہ رہے۔ اور اس حدیث کی سند میں عبد اللہ کا ذکر ہے، وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ باب الایمان میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ کھانا کھلانا اسلام کے اعمال میں سب سے بہتر ہے اور سب سے محبوب عمل ہے، اور یہاں فرمایا ہے کہ سب سے بہتر عمل نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا ہے، تو ان میں کس طرح تطبیق ہوگی؟

میں کہتا ہوں: یہ اوقات یا احوال یا حاضرین کے اعتبار سے ہے، یعنی کسی وقت میں افضل اعمال نماز کو اپنے وقت میں پڑھنا ہے اور کسی وقت میں افضل عمل والدین کے ساتھ نیکی کرنا ہے۔ علیٰ ھذا القیاس۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۲۷۔۱۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابٌ: مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ الصُّحْبَةِ لوگوں میں سب سے زیادہ حسنِ صحبت کا مستحق کون ہے؟

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ حسنِ صحبت کا مستحق کون ہے؟ الجوہری نے کہا ہے: الصحابۃ والاصحاب اصل میں مصدر ہیں اور اصحاب، صحب کی جمع ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۷۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ شُبْرُمَةَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي قَالَ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ أَبُوكَ وَقَالَ ابْنُ شُبْرُمَةَ وَيَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنَا أَبُو زُرْعَةَ مِثْلَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از عمارہ بن قعقاع بن شبرمہ از ابی زرعہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس اس نے کہا: یا رسول اللہ! لوگوں میں سے سب سے زیادہ میری مصاحبت کے حسن کا کون مستحق ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں، اس نے کہا: پھر کون: فرمایا: تمہاری ماں، اس نے کہا: پھر کون، فرمایا: تمہاری ماں، اس نے کہا: پھر کون؟ فرمایا: تمہارا باپ!

ابن شبرمہ اور یحییٰ بن ایوب نے کہا: ہمیں ابو زرعہ نے اس کی مثل حدیث بیان کی۔

(صحیح مسلم: ۲۵۴۸، مسند احمد: ۸۸۳۸، سنن ترمذی: ۱۸۹۷، سنن ابو داؤد: ۵۱۳۹، سنن ابن ماجہ: ۲۷۰۶)

صحیح البخاری:۵۹۷۱ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریر، یہ ابن عبدالحمید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمارہ، یہ ابن القعقاع ہیں۔

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمارۃ بن القعقاع بن شبرمہ، اور اسی طرح اکثرین کی روایت میں ہے۔ اور نسفی اور ابوذر کی الحموی اور المستملی سے روایت ہے، اس میں ہے عمارۃ ابن القعقاع وابن شبرمہ، واؤ کے اضافہ کے ساتھ ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ واؤ نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ ابن شبرمہ کی روایت کو اس حدیث کے آخر میں ذکر کیا ہے اور وہ عبداللہ بن شبرمہ ہیں جو کوفہ کے قاضی ہیں اور عمارہ بن القعقاع بن شبرمہ کے چچا ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۲۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "جاء رجل"۔

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا: ہوسکتا ہے کہ یہ مرد معاویہ بن حیدہ ہوں، اس لئے کہ امام بخاری نے الادب المفرد میں معاویہ بن حیدہ سے روایت کیا ہے، اس میں ہے: اس مرد نے کہا: یارسول اللہ! میں کس کے ساتھ نیکی کروں؟ تو آپ نے فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ۔ الحدیث۔ اور امام ابوداؤد اور ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۵، دارالمعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس باب میں ایسی احادیث آئی ہیں جن سے یہ باب مشتبہ ہوجاتا ہے، پس احتمال میں یہ متعین نہیں ہوگا کہ یہ معاویہ بن حیدہ ہیں۔ وہ احادیث درج ذیل ہیں:

ماں کا درجہ بلند ہونے کے متعلق احادیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کو امام طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، سو اس نے کہا: میں جہاد کرنا چاہتا ہوں اور مجھے اس پر قدرت نہیں ہے، آپ نے فرمایا: کیا تمہارے والدین میں سے کوئی ایک باقی ہے، اس نے کہا: ہاں! میری ماں ہے، آپ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کی مدد سے اپنی ماں کے ساتھ نیکی میں قتال کرو، پس جب تم نے یہ کرلیا تو تم حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اور جہاد کرنے والے ہوگے۔

اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کو امام طبرانی نے المعجم الصغیر میں روایت کیا ہے، کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس نے کہا: یارسول اللہ! میں نے اپنی ماں کو اپنی گردن پر سخت گرمی میں دو فرسخ تک سوار کیا، وہ اتنی گرمی تھی کہ اگر میں گوشت کا ٹکڑا زمین پر ڈالتا تو وہ پک جاتا، پس کیا میں نے اپنی ماں کا شکر ادا کردیا؟ آپ نے فرمایا: شاید کہ یہ ماں کے ایک مرتبہ تمہیں مسکرا کر دیکھنے کے برابر ہو۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جس کی تمام نے روایت کی ہے کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس اس نے

کہا: میں نے نذر مانی ہے کہ اگر اللہ عزوجل نے آپ کے لیے مکہ فتح کر دیا تو میں بیت اللہ کے پاس آکر اس کی نچلی چوکھٹ کو بوسہ دوں گا، آپ نے فرمایا: تم اپنی ماں کے قدم کو بوسہ دو تو تمہاری نذر پوری ہو جائے گی۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کو امام طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، اس نے کہا: یارسول اللہ! میرے گھر والے ہیں اور میرے والد ہیں اور میری ماں ہے، پس ان میں سے کون زیادہ میرے نیک سلوک کا حقدار ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں اور تمہارا باپ، تمہاری بہن، تمہارا بھائی اور پھر جو اس سے کم ہو اور پھر جو اس سے کم ہو۔

اور حضرت معاویہ بن جاہمہ کی حدیث ہے جس کی امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، پس میں نے کہا: یارسول اللہ! میں آپ کے ساتھ جہاد پر جانے کا ارادہ کرتا تھا اور میں اس سے اللہ کی رضا حاصل کرنا چاہتا تھا اور دار آخرت کو حاصل کرنا چاہتا تھا، آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے، کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: جاؤ تم اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرو، پھر میں آپ کے پاس دوسری جانب سے آیا، پھر میں نے اپنا سوال دوبارہ ذکر کیا، آپ نے فرمایا: جاؤ اور اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرو، اس نے پھر تیسری مرتبہ سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے تم اپنی ماں کے پیروں کو لازم پکڑ لو اور سونگھو، وہیں جنت ہے۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ماں کے ساتھ محبت اور ماں پر شفقت، باپ کے ساتھ محبت سے کئی درجہ زیادہ ہونی چاہیے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ سوال کے جواب میں ماں کا ذکر کیا اور باپ کا ذکر صرف چوتھی مرتبہ میں کیا، اور جب تم اس پر غور کرو گے تو تم پر واضح ہوگا کہ حمل کی مشقت اور وضع حمل کی تکلیف اور دودھ پلانے اور پرورش کرنے کی ذمہ داری میں ماں منفرد ہے، اور یہ ساری سختی ماں اٹھاتی ہے باپ نہیں اٹھاتا، پس یہ تین مرتبے ایسے ہیں جس میں صرف ماں پرورش کی سختی کو اٹھاتی ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ ماں کی اطاعت کرنا مقدم ہے۔

اور محاسبی نے کہا ہے کہ ماں کی فضیلت باپ کے اوپر نیکی کرنے میں اور اطاعت کرنے میں زیادہ ہے، اس پر علماء کا اجماع ہے۔ حسن بصری سے پوچھا گیا کہ والدین کے ساتھ نیکی کس طرح کی جائے، تو انہوں نے کہا: تم والدین کے لیے ہر اس چیز کو خرچ کرو جو تمہاری ملکیت میں ہے اور والدین تمہیں جس بات کا حکم دیں تم اس پر عمل کرو جب تک کہ وہ اللہ کی معصیت نہ ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۔ بَابٌ: لَا يُجَاهِدُ إِلَّا بِإِذْنِ الْأَبَوَيْنِ

ماں باپ کی اجازت کے بغیر جہاد نہ کرنے کا بیان

۵۹۷۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ وَشُعْبَةَ قَالَا حَدَّثَنَا حَبِيبٌ قَالَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الْعَبَّاسِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أُجَاهِدُ قَالَ لَكَ أَبَوَانِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از سفیان وشعبہ، ان دونوں نے کہا: ہمیں حبیب نے حدیث بیان کی ح انہوں نے کہا: اور ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از حبیب از ابی العباس از

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا میں جہاد کروں؟ آپ نے پوچھا: کیا تمہارے ماں باپ ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: پس تم ان دونوں میں جہاد کرو۔

(صحیح بخاری: ۳۰۰۴، ۵۹۷۲، صحیح مسلم: ۲۵۴۹، سنن ترمذی: ۱۶۷۱، سنن نسائی: ۳۱۰۳، سنن ابوداؤد: ۲۵۲۹، مسند احمد: ۶۵۰۸)

صحیح البخاری: ۵۹۷۲ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "ماں باپ کی اجازت کے بغیر جہاد نہ کرے" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب اس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کی اجازت طلب کی تو آپ نے اس کو جہاد کرنے کا حکم نہیں دیا مگر فرمایا کہ تم اپنے ماں باپ میں جہاد کرو، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم اس وقت جہاد کے لیے جاؤ جب تمہارے ماں باپ تم کو جہاد کے لیے اجازت دیں۔

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر تمہارے ماں باپ ہیں تو ماں باپ کی خدمت میں جہاد کرو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۳۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۔ بَابٌ: لَا يَسُبُّ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ — کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی نہ دے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
جب کوئی شخص کسی کے ماں باپ کو گالی دے گا تو اس کا سبب یہ ہوگا کہ وہ شخص اس کے ماں باپ کو گالی دے گا، تو کسی کے ماں باپ کو گالی دینے والا اپنے ماں باپ کو گالی دینے کا سبب بنے گا، اس لیے منع فرمایا کہ تم اپنے ماں باپ کو گالی نہ دو یعنی کسی کے ماں باپ کو گالی نہ دو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۳۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۷۳۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضی الله عنهما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِنَّ مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ أَنْ يَلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ وَكَيْفَ يَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قَالَ يَسُبُّ الرَّجُلُ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از والد خود از حمید بن عبدالرحمن، از حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ سب سے بڑا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین کو لعنت کرے، عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کوئی مرد کیسے اپنے والدین کو لعنت کرے گا؟ آپ نے فرمایا: ایک مرد دوسرے

مرد کے باپ کو گالی دے تو وہ اس کے باپ کو گالی دے گا اور وہ
اس کی ماں کو گالی دے گا، تو وہ اس کی ماں کو گالی دے گا۔

(صحیح مسلم: ۹۰، سنن ترمذی: ۱۹۰۲، سنن ابوداؤد: ۵۱۴۱، مسند احمد: ۶۴۹۳)

صحیح البخاری: ۵۹۷۳ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے معنی سے سمجھ میں آ رہی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے احمد بن یونس، وہ احمد بن عبداللہ بن یونس الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم بن سعد، وہ اپنے باپ سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعد، وہ حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف القرشی الزہری سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

گناہِ کبیرہ کے اعداد و شمار

اس حدیث میں مذکور ہے "من اکبر الکبائر ان یلعن الرجل والدیہ" یعنی کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی اپنے والدین پر لعنت کرے۔ اور سنن ترمذی کی روایت میں اس طرح ہے کہ کبیرہ گناہوں میں سے یہ ہے کہ کوئی مرد اپنے والدین کو گالی دے، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ مرد کا اپنے والدین کو گالی دینا گناہِ کبیرہ ہے۔ اور صحیح بخاری کی روایت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے اور ان دونوں حدیثوں میں فرق ہے، اس حیثیت سے کہ کبائر مختلف قسم کے ہیں، بعض کبیرہ گناہ دوسرے بعض کبیرہ گناہوں سے زیادہ بڑے ہیں اور یہ جمہور علماء کا قول ہے۔

اور حضرت ابوبکرہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ کبائر میں سے بڑے گناہ تین ہیں، ایک اللہ کے ساتھ شریک بنانا، دوسرا ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور تیسرا جھوٹ بولنا ہے، اور وہی جھوٹی گواہی دینا ہے۔ اور کبیرہ گناہوں میں بڑے گناہوں کا ان تین میں اقتصار کیا گیا ہے۔ اور امام بزار نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ فاضل پانی دینے سے منع کرنا اور نر جانور کو یا نر حیوان کو دینے سے منع کرنا، سو یہ پانچ ہو گئے۔ اور امام ترمذی نے از ابوامامہ از عبداللہ بن اُنیس روایت کی ہے کہ کبیرہ گناہوں میں بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا ہے اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا ہے اور جھوٹی قسم کھانا ہے، تو اب یہ پانچ گناہ ہو گئے جو کبیرہ گناہوں میں بڑے گناہ ہیں۔

اور عمرو بن حزم نے ایک طویل حدیث میں اور اضافہ کیا ہے، اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن کبیرہ گناہوں میں بڑا گناہ یہ ہوگا: "اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا اور کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے بھاگنا

اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور پاک دامن عورت کے اوپر زنا کی تہمت لگانا اور جادو سیکھنا اور سود کھانا اور یتیم کا مال کھانا''۔ اس طرح اب یہ کبیرہ گناہوں میں بڑے گناہ دس ہو گئے۔

اور امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خمر، ام الفواحش ہے اور اکبر الکبائر ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت کی ہے، انہوں نے کہا: کبائر میں سب سے بڑا کبیرہ (گناہ) خمر کا پینا ہے، اور اس کی مثل کو اپنی رائے سے نہیں کہا جا سکتا۔

اور انہوں نے المعجم الکبیر میں یہ بھی روایت کی ہے کہ حضرت واثلہ بن الاسقع بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اکبر کبائر میں سے یہ ہے کہ کوئی مرد میری طرف منسوب کر کے وہ بات کہے جو میں نے نہیں کہی، تو اب یہ چودہ (۱۴) اکبر الکبائر ہو گئے۔

اور وہ اکبر کبائر جن کو بغیر عدد اور شمار کے ذکر کیا گیا ہے، تو ان میں سے صحیحین میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والے کاموں سے اجتناب کرو، صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا، جادو کرنا، اور جس کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدانِ جہاد سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا اور مسلمان پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا۔

اور امام بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کی ہے کہ ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! کبائر کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک کرنا، اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا اور اللہ کی رحمت سے ناامید ہونا۔

اور امام حاکم نے المستدرک میں عبید بن عمیر سے روایت کی ہے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل تھی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا اور اس حدیث میں ہے: کبائر سے اجتناب کیا جائے، اور آپ نے فرمایا کہ نو کبائر ہیں اور ان کو ذکر کیا جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہیں اور یہ اضافہ کیا: بیت اللہ الحرام کو حلال قرار دینا جو تمہارے زندوں اور مردوں کا قبلہ ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہر وہ کام جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، وہ کبیرہ ہے۔

اور امام طبری نے نقل کیا ہے کہ ہر وہ گناہ جس کو اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے عذاب پر ختم کیا ہو یا لعنت پر ختم کیا ہو یا غضب پر ختم کیا ہو تو وہ کبیرہ ہے۔

اور طاؤس نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ کیا کبائر سات ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ کبائر ستر کے قریب ہیں۔

اور سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: کیا کبائر سات ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ سات سو کے قریب ہیں۔ اور انہوں نے کہا کہ استغفار کے ساتھ کوئی کبیرہ نہیں ہے اور اصرار کے ساتھ کوئی صغیرہ نہیں ہے۔ (یعنی اگر گناہِ کبیرہ کے ارتکاب کے بعد استغفار کر لیا جائے تو وہ کبیرہ مٹ جاتا ہے اور صغیرہ گناہ پر اگر توبہ نہ کی جائے تو وہ کبیرہ ہو جاتا ہے)۔

اور امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سات کبیرہ گناہوں سے بچو۔الحدیث۔

اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور اس میں کبیرہ گناہوں میں ان اشیاء کا ذکر کیا ہے:

جھوٹی قسم کھانا، مالِ غنیمت میں خیانت کرنا، زکوٰۃ دینے سے منع کرنا، شہادت کو چھپانا، عمداً نماز کو ترک کرنا، اور وہ چیزیں جن کو اللہ نے فرض کیا ہے، ان کو ترک کرنا اور عہد توڑنا۔

اور امام ابن ابی الدنیا نے کتاب التوبہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا: ہر وہ گناہ جس پر بندہ اصرار کرے، وہ کبیرہ ہے۔

اور ہمارے شیخ زین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: ان مجموعی احادیث مرفوعہ اور موقوفہ سے تقریباً چالیس کبائر شمار ہوتے ہیں، پھر انہوں نے ان کا ذکر کیا، پس ہم ان میں سے ان کا ذکر کر رہے ہیں جن کا پہلے ذکر نہیں کیا گیا اور وہ یہ ہیں:

مرد کا اپنے آپ کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کرنا، صغیرہ گناہ پر اصرار کرنا، اپنے بیٹے کے نسب کا انکار کرنا، مومن پر بہتان باندھنا، کینہ رکھنا، زنا کرنا، چوری کرنا، کسی بے قصور کی سلطنت والے کی طرف شکایت کرنا یا چغلی کرنا تا کہ وہ اس کو قتل کر دے، مالِ غنیمت میں خیانت کرنا، غیبت کرنا، لواطت کرنا، کسی سورت کو یا قرآن مجید کی آیت کو بھولنا، چغلی کرنا۔

اور امام رافعی نے ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کبیرہ گناہوں میں سے ان کو بھی شمار کیا ہے: کسی کا مال چھیننا۔

اور صاحب العدۃ نے ان میں اس کا بھی اضافہ کیا ہے:

رمضان میں بغیر عذر کے روزہ نہ رکھنا اور ناپ اور تول میں خیانت کرنا، نماز کو اس کے وقت سے پہلے پڑھنا یا بغیر عذر کے وقت کے بعد پڑھنا، کسی مسلمان کو ناحق مارنا، صحابہ کرام کو سب و شتم کرنا، رشوت لینا، نیکی کے حکم دینے کو اور برائی سے روکنے کو قدرت کے باوجود ترک کرنا، کسی جاندار کو جلانا، عورت کا بغیر کسی سبب کے مرد (شوہر) کے پاس نہ آنا، علماء اور حفاظِ قرآن کو (ان کی دینداری کی وجہ سے) برا کہنا۔اور جن چیزوں کو کبیرہ گناہ میں شمار کیا گیا ہے، وہ یہ ہیں:

خنزیر کا گوشت کھانا، بلا عذر مردار کو کھانا، ان کو رافعی نے بیان کیا ہے۔

اور امام شافعی سے منقول ہے کہ حیض میں وطی کرنا گناہِ کبیرہ ہے، اور ستار (ایک قسم کا باجا) کو سننا اور ریشم کا پہننا اور ریشم پر بیٹھنا، اس میں اختلاف ہے کہ یہ گناہِ کبیرہ ہے یا گناہِ صغیرہ ہے۔امام الحرمین کا میلان اس طرف ہے کہ یہ گناہِ کبیرہ ہے اور امام رافعی نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ صغائر ہیں، واللہ اعلم۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کوئی مرد اپنے والدین کو کیسے لعنت کرے گا؟" سائل نے والدین پر لعنت کرنے کو بہت بعید سمجھا، کیونکہ طبیعتِ مستقیمہ اس سے انکار کرتی ہے، تو آپ نے جواب میں بتایا کہ وہ از خود لعنت نہیں کرے گا بلکہ لعنت کرنے کا سبب مہیا کرے گا، یعنی وہ دوسرے کے ماں باپ کو لعنت کرے گا اور دوسرا اس کے ماں باپ کو لعنت کرے گا۔

اور اس زمانہ میں ایسے بھی لوگ ہیں جو اپنے ماں باپ کو گالی دیتے ہیں بلکہ مارتے ہیں، اور ایک جماعت نے اس کا بہت بڑے فاجروں سے مشاہدہ کیا، اور بعض اوقات بیٹا باپ کو قتل کر دیتا ہے اور یہ مصیبت مصر کے شہروں میں بہت زیادہ ہو گئی ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے عفو اور عافیت کا سوال کرتے ہیں۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۳۱۔۱۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۔ بَابُ: إِجَابَةِ دُعَاءِ مَنْ بَرَّ وَالِدَيْهِ

جس نے اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کی اس کی دعا کا قبول ہونا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس نے اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کی یا اچھا سلوک کیا تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۷۴۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُقْبَةَ قَالَ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما عَنْ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ بَيْنَمَا ثَلَاثَةُ نَفَرٍ يَتَمَاشَوْنَ أَخَذَهُمُ الْمَطَرُ فَمَالُوا إِلَى غَارٍ فِي الْجَبَلِ فَانْحَطَّتْ عَلَى فَمِ غَارِهِمْ صَخْرَةٌ مِنَ الْجَبَلِ فَأَطْبَقَتْ عَلَيْهِمْ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ انْظُرُوا أَعْمَالًا عَمِلْتُمُوهَا لِلّٰهِ صَالِحَةً فَادْعُوا اللهَ بِهَا لَعَلَّهُ يُفَرِّجُهَا فَقَالَ أَحَدُهُمُ اللّٰهُمَّ إِنَّهُ كَانَ لِي وَالِدَانِ شَيْخَانِ كَبِيرَانِ وَلِي صِبْيَةٌ صِغَارٌ كُنْتُ أَرْعَى عَلَيْهِمْ فَإِذَا رُحْتُ عَلَيْهِمْ فَحَلَبْتُ بَدَأْتُ بِوَالِدَيَّ أَسْقِيهِمَا قَبْلَ وَلَدِي وَإِنَّهُ نَاءَ بِيَ الشَّجَرُ فَمَا أَتَيْتُ حَتَّى أَمْسَيْتُ فَوَجَدْتُهُمَا قَدْ نَامَا فَحَلَبْتُ كَمَا كُنْتُ أَحْلُبُ فَجِئْتُ بِالْحِلَابِ فَقُمْتُ عِنْدَ رُءُوسِهِمَا أَكْرَهُ أَنْ أُوقِظَهُمَا مِنْ نَوْمِهِمَا وَأَكْرَهُ أَنْ أَبْدَأَ بِالصِّبْيَةِ قَبْلَهُمَا وَالصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ قَدَمَيَّ فَلَمْ يَزَلْ ذٰلِكَ دَأْبِي وَدَأْبَهُمْ حَتَّى طَلَعَ الْفَجْرُ فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ لَنَا فُرْجَةً نَرَى مِنْهَا السَّمَاءَ فَفَرَجَ اللهُ لَهُمْ فُرْجَةً حَتَّى يَرَوْنَ مِنْهَا السَّمَاءَ وَقَالَ الثَّانِي اللّٰهُمَّ إِنَّهُ كَانَتْ لِي ابْنَةُ عَمٍّ أُحِبُّهَا كَأَشَدِّ مَا يُحِبُّ الرِّجَالُ النِّسَاءَ فَطَلَبْتُ إِلَيْهَا نَفْسَهَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے نافع نے خبر دی از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جس وقت تین آدمی پیدل جا رہے تھے ان پر بارش آ گئی، تو انہوں نے ایک پہاڑ کے غار میں پناہ لی، پھر غار کے منہ پر پہاڑ سے ایک بڑا پتھر آ کر گر گیا اور ان کے اوپر منطبق ہو گیا، سو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: اپنے اعمال پر غور کرو تم نے جو عمل صالح اللہ کے لیے کیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ سے اس صالح عمل کے واسطہ سے دعا کرو شاید کہ اللہ تعالیٰ ہم پر کشادگی کرے، تو ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ! میرے ماں باپ بہت بوڑھے تھے اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے تھے اور میں ان کے لیے بکریاں چراتا تھا، پس جب شام ہوتی تو ان کے پاس آتا اور ان میں سے کسی بکری کا دودھ نکالتا اور اپنے ماں باپ سے ابتداء کرتا اور اپنے بچے کو دودھ پلانے سے پہلے انہیں دودھ پلاتا، اور ایک دن چارے کی تلاش میں مجھے بہت دیر ہو گئی پس میں نہیں آ سکا حتیٰ کہ شام ہو گئی، تو میں نے دیکھا کہ میرے ماں باپ سوئے ہوئے ہیں، پھر میں نے معمول کے مطابق دودھ دوہا اور دودھ لے کر آیا اور ان کے سرہانے کھڑا رہا، میں ان کو نیند سے جگانا ناپسند کرتا تھا اور اپنے بچوں کو ان سے پہلے دودھ پلانا بھی ناپسند

فَأَبَتْ حَتَّى آتِيَهَا بِمِائَةِ دِينَارٍ فَسَعَيْتُ حَتَّى جَمَعْتُ مِائَةَ دِينَارٍ فَلَقِيتُهَا بِهَا فَلَمَّا قَعَدْتُ بَيْنَ رِجْلَيْهَا قَالَتْ يَا عَبْدَ اللهِ اتَّقِ اللهَ وَلَا تَفْتَحِ الْخَاتَمَ فَقُمْتُ عَنْهَا اللّٰهُمَّ فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي قَدْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ لَنَا مِنْهَا فَفَرَجَ لَهُمْ فُرْجَةً وَقَالَ الْآخَرُ اللّٰهُمَّ إِنِّي كُنْتُ اسْتَأْجَرْتُ أَجِيرًا بِفَرَقِ أَرُزٍّ فَلَمَّا قَضٰى عَمَلَهُ قَالَ أَعْطِنِي حَقِّي فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَقَّهُ فَتَرَكَهُ وَرَغِبَ عَنْهُ فَلَمْ أَزَلْ أَزْرَعُهُ حَتَّى جَمَعْتُ مِنْهُ بَقَرًا وَرَاعِيَهَا فَجَائَنِي فَقَالَ اتَّقِ اللهَ وَلَا تَظْلِمْنِي وَأَعْطِنِي حَقِّي فَقُلْتُ اذْهَبْ إِلٰى ذٰلِكَ الْبَقَرِ وَرَاعِيهَا فَقَالَ اتَّقِ اللهَ وَلَا تَهْزَأْ بِي فَقُلْتُ إِنِّي لَا أَهْزَأُ بِكَ فَخُذْ ذٰلِكَ الْبَقَرَ وَرَاعِيَهَا فَأَخَذَهُ فَانْطَلَقَ بِهَا فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ مَا بَقِيَ فَفَرَجَ اللهُ عَنْهُمْ۔

کرتا تھا، بچے میرے قدموں میں روتے رہے، پھر یہی میرا اور ان کا معمول رہا حتیٰ کہ صبح ہوگئی، اے اللہ! اگر تجھے یہ علم ہے کہ میں نے یہ کام محض تیری رضا کے لیے کیا تھا تو، تُو اس غار میں کچھ کشادگی کردے حتیٰ کہ ہم آسمان کو دیکھ لیں، تو اللہ تعالیٰ نے اس غار میں کشادگی کردی حتیٰ کہ انہوں نے آسمان کو دیکھ لیا، پھر دوسرے مرد نے کہا: اے اللہ! بے شک میری ایک چچا زاد بہن تھی جس سے میں بہت محبت کرتا تھا جتنی مرد عورتوں سے محبت کرتے ہیں، میں نے اس سے اس کے نفس کو طلب کیا اس نے انکار کیا حتیٰ کہ میں اس کو سو دینار لا کر دوں، سو میں نے محنت کی حتیٰ کہ سو دینار جمع کیے، پھر اپنے چچا کی بیٹی سے ملا، پس جب میں اس کی دو ٹانگوں کے درمیان بیٹھا تو اس نے کہا: اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر، اور اس مہر کو نہ توڑ، تو میں اس سے الگ ہو کر کھڑا ہو گیا، اے اللہ! اگر تجھے علم ہے کہ میں نے یہ کام محض تیری رضا کے لیے کیا ہے تو، تُو اس غار کے منہ کو ہمارے لیے کشادہ کردے، پھر ان کے لیے مزید کشادگی کردی گئی، اور تیسرے مرد نے کہا: اے اللہ! میں نے ایک مزدور لیا اور آٹھ کلو گرام چاول کے عوض اس سے مزدوری کرائی، پس جب اس نے کام کر لیا تو کہا: میرا حق مجھے دو تو میں نے اس پر وہ چاول پیش کیے، اس نے ان کو چھوڑ دیا اور اس سے اعراض کیا، میں نے ان چاولوں کی کاشت کرلی، حتیٰ کہ اس کی پیداوار سے میں نے گائیں اور ان کے چرواہے جمع کر لیے، پھر ایک دن وہ آیا اور کہا اللہ سے ڈر، مجھ پر ظلم نہ کر اور میرا حق مجھے دے، تو میں نے کہا: یہ جو گائیں ہیں اور ان کے چرواہے ہیں ان کی طرف چلے جاؤ، اس نے کہا: اللہ سے ڈر اور میرے ساتھ مذاق نہیں کر، میں نے کہا: میں تم سے مذاق نہیں کر رہا، تم یہ گائے لے لو اور یہ چرواہا لے لو، اس نے گائے لے لی اور چرواہا لے لیا اور چلا گیا، پس اگر تجھے یہ علم ہے کہ میں نے یہ کام تیری رضا کے لئے کیا ہے تو باقی جو غار میں بندش ہے

اس کو کھول دے، تو اللہ تعالیٰ نے اس غار کو ان کے لیے کھول دیا۔

(صحیح بخاری: ۲۲۱۵، ۲۲۷۲، ۲۳۳۳، ۳۴۶۵، ۵۹۷۴، صحیح مسلم: ۲۷۴۳، سنن ابوداؤد: ۳۳۸۷، مسند احمد: ۷ ۵۹۳)

صحیح البخاری: ۵۹۷۴ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''جو ماں باپ کے ساتھ نیکی کرے اس کی دعا کا قبول ہونا''۔ اور اس حدیث میں ہے کہ جو تین آدمی غار میں پھنس گئے تھے ان میں سے پہلے آدمی نے کہا: اپنے اعمال پر غور کرو تم نے جو نیک عمل اللہ کے لیے کیا ہے تو اس کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو، شاید اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کشادگی کر دے اور اسی آدمی نے اپنے ماں باپ کے ساتھ یہ نیکی کی تھی کہ رات بھر دودھ کا پیالہ لے کر اپنے ماں باپ کے سرہانے کھڑا رہا اور اس کے اپنے بچے روتے رہے، اس نے ان کو دودھ نہیں پلایا، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ثلاثةُ نفر'' تین سے لے کر دس تک کی جماعت کو نفر کہا جاتا ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''فمالوا الی غار'' اور ایک روایت میں ہے ''فاووا الی غار'' یعنی انہوں نے ایک غار کی پناہ لی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''صبیة'' یہ صبی کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے غلام یعنی لڑکا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''نای بی الشجرة'' اس کا معنی ہے: ہماری جگہ سے وہ درخت دور ہو گیا جہاں پر ہم اپنے مویشی کو چراتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''الحلاب'' یہ وہ برتن ہے جس میں دودھ دوہا جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یتضاغون'' اس کا معنی ہے: وہ چیختے تھے۔ یہ ضغی سے ماخوذ ہے جب کوئی چیخے، اور ہر وہ آواز جو ذلیل اور مقہور ہو اس کو ضغوا کہتے ہیں۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے یتضاغون: یعنی وہ روتے تھے اور درد سے چلاتے تھے۔

یہاں پر یہ اعتراض ہے کہ اولاد کا خرچ ماں باپ کے خرچ پر مقدم ہے، تو پھر اس شخص نے اپنے بچے کو بھوک سے روتا ہوا چھوڑا اور اپنے ماں باپ کے لیے دودھ کا پیالہ لیے رات بھر کھڑا رہا، یہ کیسی نیکی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان کی شریعت میں اس طرح ہو کہ ماں باپ پر خرچ کرنا اولاد پر خرچ کرنے پر مقدم ہو۔ اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ بچے جو رو رہے تھے تو ان کا پیٹ بھرا ہوا تھا اور وہ زائد دودھ پینے کے لیے رو رہے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ولا تفتح الخاتم'' یہ بکارت کے ازالہ سے کنایہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''بفرق'' یہ مدینہ کا ایک معروف پیانہ ہے جس میں آٹھ کلو چیز آ جاتی ہے۔

(عمدة القاری ج ۲۲ ص ۱۳۳۔ ۱۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦- بَابُ: عُقُوقِ الْوَالِدَيْنِ مِنَ الْكَبَائِرِ

والدین کی نافرمانی کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے

قَالَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

اس حدیث کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

ماں باپ کی نافرمانی کا مصداق اور ''عقوق'' کی لفظی تحقیق

اس عنوان میں ''عقوق'' کا لفظ ہے اور اس کا معنی ہے کاٹنا ''عق عن ابنه'' یعنی اس نے اپنے بیٹے کا عقیقہ کیا یعنی اس کے لیے بکری کو ذبح کیا اس بکری کو عقیقہ کہتے ہیں۔ اور ''عق عن والده'' کا معنی ہے: اس نے اپنے والد کی لاٹھی کو توڑ دیا۔ اور علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ ''عق عن والده'' اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شخص اپنے باپ کو اذیت دے اور اس کی نافرمانی کرے، اور کہا ہے کہ یہ البر یعنی نیکی کی ضد ہے۔

الشیخ تقی الدین السبکی نے کہا ہے کہ عقوق کا ضابطہ یہ ہے کہ والدین کو ایذاء پہنچائی جائے خواہ کسی قسم کی ایذاء ہو کم ہو یا زیادہ ہو۔ وہ جس کام کا حکم دیں اس کے خلاف کرے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو۔

اور اکثر علماء نے کہا ہے کہ شبہات میں بھی والدین کی اطاعت کرنا واجب ہے۔ اور علامہ طرطوسی مالکی نے کہا ہے: جب ماں باپ کسی سنتِ مؤکدہ سے منع کریں اور بار بار منع کریں تو ان کی اطاعت کرے اور اگر وہ ہمیشہ سنتِ مؤکدہ سے منع کریں تو پھر ان کی اطاعت نہ کرے، کیونکہ ان کی اطاعت کرنے میں شریعت کی مخالفت ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یہ تعلیق ابوذر عمر کی روایت میں ہے، اور امام بخاری نے ''کتاب الأیمان والنذور'' میں اس کو از شعبی از عبداللہ بن عمرو بن العاص از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اللہ کا شریک بنانا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی بے گناہ کو قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا یہ کبائر ہیں۔

اور امام نسائی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عاق کے لفظ میں حدیث روایت کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

تین شخصوں کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا: العاق لوالديه (یعنی جو اپنے ماں باپ کا نافرمان ہو)، مدمن الخمر (یعنی دائماً خمر پینے والا) اور منان (یعنی احسان کر کے اس کو جتانے والا)۔ اس حدیث کی امام بزار اور امام ابن حبان نے بھی روایت کی ہے اور الحاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۳۴۔ ۱۳۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۷۵- حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ وَرَّادٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعد بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از منصور از المسیب از وراد از المغیرہ بن شعبہ از

عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ وَمَنْعًا وَهَاتِ وَوَأْدَ الْبَنَاتِ وَكَرِهَ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: بے شک اللہ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی حرام کردی ہے، اور کسی چیز کو دینے سے منع کرنا اور کسی چیز کو مانگنا بھی حرام کردیا گیا ہے، اور بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا اور تمہارا قیل وقال (فضول بحث کرنا) اور کثرت سوال اور مال کو ضائع کرنا مکروہ قرار دیا ہے۔

(صحیح بخاری: ۲۴۰۸، صحیح مسلم: ۵۹۳، مسند احمد: ۱۸۱۶۷، سنن دارمی: ۲۷۵۱)

صحیح البخاری: ۵۹۷۵ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "والدین کی نافرمانی کرنا" اور اس حدیث میں صرف ماں کی نافرمانی کا ذکر ہے، کیونکہ ماؤں کا ذکر اس میں تخصیص کے لیے نہیں ہے بلکہ اس لیے ہے کہ زیادہ تر ماؤں کی نافرمانی کی جاتی ہے کیونکہ وہ کمزور ہوتی ہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ ماؤں کی نافرمانی کرنے کا قبح آباء کی نافرمانی کرنے سے زیادہ ہے، یا اس لئے کہ مراد والدین کی نافرمانی ہے مگر ان میں سے ایک کا ذکر کردیا یعنی ماؤں کی نافرمانی کا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعد بن حفص، یہ ابو محمد الطلحی الکوفی ہیں، ان کو الضخم بھی کہا جاتا ہے، امام بخاری ان سے روایت کرنے میں منفرد ہیں، یہ ۲۱۵ ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں شیبان کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالرحمٰن النحوی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں منصور کا ذکر ہے، یہ ابن المعتمر ہیں۔ اور مسیب کا ذکر ہے، یہ تسییب سے اسم مفعول ہے اور یہ ابن رافع الکاہلی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں وراد کا ذکر ہے، یہ مغیرہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، اور مغیرہ کا ذکر ہے، یہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "منعا وھات" یعنی تم پر یہ حرام کردیا گیا ہے کہ تم اس چیز کو عطا کرنے سے منع کرو جس کا عطا کرنا تم پر واجب ہے، اور تم پر حرام کردیا گیا ہے کہ تم اس چیز کو طلب کرو جس کا لینا تمہارے لیے جائز نہیں ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ کسی شخص کے مال، اس کے اقوال اور اس کے افعال میں سے جو چیز واجب ہے، اس کو منع کرنا ممنوع ہے۔ اور اس چیز کو مانگنا جائز نہیں ہے جو اس کے لیے جائز نہیں ہے۔ اور "ھات" یہ ایتاء سے فعل امر ہے، خلیل نے کہا: اصل میں یہ اتِ تھا، ہمزہ کو ہاء سے تبدیل کردیا تو ھاتِ ہو گیا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "وأد البنات": یعنی ان پر بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا بھی حرام کردیا گیا ہے، اس بیٹی کو "موؤدۃ"

کہا جاتا ہے یعنی جو زندہ درگور کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے اور زمانہ جاہلیت میں لوگ اس طرح کرتے تھے، کیونکہ وہ بیٹیوں کے وجود کو ناپسند کرتے تھے۔

کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے جس نے اپنی بیٹی کو زندہ درگور کیا وہ قیس بن عاصم تمیمی تھا۔ اس کے کسی دشمن نے اس پر حملہ کیا اور اس کی لڑکی کو پکڑ کر لے گیا، بعد میں صلح ہوئی اور لڑکی کو اختیار دے دیا گیا کہ چاہے تو تو باپ کے پاس چلی جایا شوہر کے پاس رہ جائے، بیٹی نے شوہر کے پاس رہنے کو اختیار کیا تب اس کے باپ قیس نے اپنے اوپر قسم کھائی کہ اس کے ہاں آئندہ جو بھی بیٹی پیدا ہوئی اس کو زندہ دفن کر دے گا، چنانچہ اس نے اس پر عمل کیا اور یہ رسم عام ہوتی گئی۔

اور عرب میں دوسرا فریق وہ تھا جو مطلقاً اپنی اولاد کو قتل کر دیتا تھا، یا تو اس وجہ سے کہ اس کے ہاں اولاد ہوئی تو اس کے مال کو خرچ کر کے کم کرے گی، یا اس وجہ سے کہ اولاد کی پرورش کے لیے اس کے پاس خرچ نہیں ہوتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان کا ذکر کیا ہے کہ تم اپنی اولاد کو رزق کی تنگی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وکثرۃ السوال'' یعنی جن مسائل میں سوال کرنے کی ضرورت نہ ہو، ان میں سوال کرنا بھی حرام ہے، یا لوگوں کے اموال کے متعلق سوال کرنا، یا لوگوں کے احوال کے متعلق بلاضرورت سوال کرنا حرام ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''اضاعۃ المال'' یعنی مال کو ضائع کرنا، خرچ میں اسراف کرنا، یہ بھی حرام ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۳۶۔ ۱۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۷۶۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْوَاسِطِيُّ عَنِ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ رضى الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ قُلْنَا بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الْإِشْرَاكُ بِاللهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ فَقَالَ أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ فَمَا زَالَ يَقُولُهَا حَتَّى قُلْتُ لَا يَسْكُتُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد الواسطی نے حدیث بیان کی از الجریری از عبد الرحمٰن بن ابی بکرہ، از والد خود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں سب سے بڑے کبیرہ گناہ کی خبر نہ دوں؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا، آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے، پھر آپ بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا: سنو! اور جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی، سنو! اور جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی، پھر آپ مسلسل کہتے رہے، حتیٰ کہ میں نے کہا: کاش آپ خاموش نہیں ہوتے۔

(صحیح بخاری: ۲۶۵۴، ۵۹۷۶، ۶۲۷۳، ۶۲۷۴، ۶۹۱۹، صحیح مسلم: ۸۷، سنن ترمذی: ۳۰۱۹، مسند احمد: ۱۹۸۷۲)

صحیح البخاری: ۵۹۷۶ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "ماں باپ کی نافرمانی کرنا گناہِ کبیرہ میں سے ہے" اور اس باب کی حدیث میں ہے کہ گناہِ کبیرہ میں سے سب سے بڑا گناہ اللہ کا شریک بنانا ہے اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تعارف

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق، یہ ابن شاہین الواسطی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خالد، وہ ابن عبد اللہ الطحاوی الواسطی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریری، یہ جریر بن عباد کی طرف نسبت ہے جو الحارث بن عباد بن ذبیعہ بن قیس بن بکر بن وائل کے بھائی ہیں اور وہ سعید بن ایاس البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبد الرحمن بن ابی بکرہ کا ذکر ہے، وہ اپنے والد حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، ان کا نام نفیع ہے۔

یہ حدیث کتاب الشہادات میں اس باب میں گزر چکی ہے "باب ما قیل فی شهادة الزور" اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الا انبئكم" اور کتاب الاستیذان میں روایت ہے "الا اخبركم" اور ان دونوں کا معنی ایک ہے، اور سنن ترمذی میں روایت ہے "الا احدثكم" یعنی کیا میں تم کو حدیث نہ بیان کروں؟

اس میں یہ دلیل ہے کہ عالم کو چاہیے کہ وہ اپنے اصحاب کو جو خبر دینا چاہتا ہو، تو پہلے ان کو مطلع کرے تاکہ ان کو اس پر برانگیختہ کرے جس میں ان کی بھلائی ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "باكبر الكبائر" یعنی جو کبائر میں سب سے بڑا گناہ ہے اور صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں مذکور ہے کہ آپ نے یہ تین مرتبہ فرمایا اور تین مرتبہ اس لیے تکرار کی تاکہ سننے والا اپنے دل میں اس بات کو اچھی طرح حاضر کرلے اور یہ نہ گمان کیا جائے کہ اس سے مراد ہے کہ کبائر تین ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الاشراك بالله" یعنی ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا ہے۔ علامہ ابن دقیق العید نے لکھا ہے: یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد مطلق کفر ہے۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کے شریک بنانے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو واجب الوجود اور قدیم بالذات مانیں اور یہ مانیں کہ اس کی ہر صفت مستقل بالذات ہے اور اس کو عبادت کا مستحق سمجھیں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "عقوق الوالدين" اس کی تفسیر ابھی گزر چکی ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا کہ ماں باپ کی نافرمانی کرنا گناہِ کبیرہ ہے، کیونکہ شارع علیہ السلام نے خصوصیت کے ساتھ اس سے ڈرایا ہے، پھر اس کا سب سے بڑا کبیرہ گناہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟ پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ والد ظاہر کے اعتبار سے اولاد کا موجد ہے، اسی لیے اللہ عزوجل نے اپنی توحید کے ساتھ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا ذکر کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًاؕ (بنی اسرائیل: ۲۳) اور آپ کا رب حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے''، یعنی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے شروع کے کلمات بیان کیے تو آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے اور جب آپ نے جھوٹ کا ذکر کیا تو آپ بیٹھ گئے، اور ''زُور'' کا معنی اصل میں انحراف ہے۔ اور اس کا استعمال اس معنی میں ہوتا ہے کہ باطل کو اس طرح پیش کیا جائے کہ اس کے حق ہونے کا وہم ہو، اسی وجہ سے آپ نے اس کو کئی بار مقرر فرمایا، کیونکہ اس کے محرکات بہت زیادہ ہیں اور لوگوں پر اس کا واقع ہونا بہت آسان ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''وشھادۃ الزور'' اس کا عطف ہے ''قول الزور'' پر، اس لیے کہ جھوٹ اس سے عام ہے کہ وہ کفر ہو یا وہ جھوٹی شہادت ہو یا جھوٹوں میں سے کوئی اور جھوٹ ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ یہاں ''قول الزور'' سے مراد کفر ہے، کیونکہ کافر جھوٹ کی شہادت دیتا ہے اور اس کا قائل ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حتیٰ کہ میں نے کہا کہ کاش آپ خاموش نہیں ہوتے''۔ اس قول کے قائل حضرت ابوبکرہ ہیں، اور سنن ترمذی میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل یہ کہتے رہے حتیٰ کہ ہم نے کہا: کاش آپ خاموش ہو جائیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۳۷۔ ۱۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۷۷ - حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِیْدِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنِیْ عُبَیْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِیْ بَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم الْكَبَائِرَ أَوْ سُئِلَ عَنِ الْكَبَائِرِ فَقَالَ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ فَقَالَ أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ قَالَ قَوْلُ الزُّوْرِ أَوْ قَالَ شَهَادَةُ الزُّوْرِ قَالَ شُعْبَةُ وَأَكْثَرُ ظَنِّیْ أَنَّهُ قَالَ شَهَادَةُ الزُّوْرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عبید اللہ بن ابی بکر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبائر کا ذکر کیا، یا آپ سے کبائر سے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اللہ کا شریک بنانا اور کسی (بے قصور) کو قتل کرنا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا، پھر فرمایا: کیا میں تم کو سب سے بڑے کبیرہ گناہ کی خبر نہ دوں؟ آپ نے فرمایا: جھوٹی بات، یا فرمایا: جھوٹی شہادت، شعبہ نے کہا: اور میرا زیادہ گمان یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: جھوٹی گواہی۔

(صحیح بخاری: ۲۶۵۳، ۵۹۷۷، ۶۸۷۱، صحیح مسلم: ۸۸، سنن ترمذی: ۱۲۰۷، سنن نسائی: ۴۰۱۰، مسند احمد: ۱۱۹۶۳، سنن دارمی: ۲۳۶۰)

صحیح البخاری: ۵۹۷۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن الولید، یہ عبد الحمید ہیں اور ان کا لقب حمدان ہے اور وہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبید اللہ بن ابی بکر، یہ ابن انس ہیں اور یہ اپنے دادا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے" آپ سے کبائر سے متعلق سوال کیا گیا"۔ اس میں راوی کو شک ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود کبائر کا ذکر کیا تھا یا آپ سے کبائر کے متعلق سوال کیا گیا تھا۔ اور کتاب الشہادات میں فقط" سُئِل " کا ذکر ہے یعنی آپ سے سوال کیا گیا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۔ بَابُ: صِلَةِ الْوَالِدِ الْمُشْرِكِ — مشرک والد کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ مسلمان کے لیے اپنے مشرک والد کے ساتھ صلۂ رحم کرنا اور حسنِ سلوک کرنا جائز ہے، اور علامہ ابن بطال مالکی نے اس کو واجب لکھا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا (لقمان:۱۵) اور دنیا میں ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔

کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرک ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۷۸۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ أَخْبَرَنِي أَبِي أَخْبَرَتْنِي أَسْمَاءُ بِنْتُ أَبِي بَكْرٍ رضی اللہ عنہما قَالَتْ أَتَتْنِي أُمِّي رَاغِبَةً فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم آصِلُهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى فِيهَا ﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾ (الممتحنہ:۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نے خبر دی، وہ بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس میری ماں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں آئیں حالانکہ وہ اس وقت اسلام سے اعراض کرنے والی تھیں، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا میں ان کے ساتھ حسنِ سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں!

ابن عیینہ نے کہا: تو اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق یہ آیت نازل فرمادی: اللہ تم کو ان کے ساتھ نیکی کرنے اور تھوڑا دینے سے

نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین میں جنگ نہیں کی۔ (الممتحنہ:۸)

(صحیح بخاری: ۲۶۲۰، ۳۱۸۳، ۵۹۷۸، ۵۹۷۹، صحیح مسلم: ۱۰۰۳، سنن ابوداؤد: ۱۶۶۸، مسند احمد: ۲۶۳۹۹)

صحیح البخاری: ۵۹۷۸ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: مشرک والد کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا اور حدیث میں مشرکہ والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا ذکر ہے، سو جب مشرکہ والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا جائز ہے تو مشرک والد کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا بطریقِ اولیٰ جائز ہوگا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حمیدی، یہ عبداللہ بن زبیر بن عیسیٰ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام بن عروہ، یہ اپنے والد عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں از حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''میرے پاس میری ماں آئیں'': حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی ماں کا نام قُتَیلہ بنت عبدالعزیٰ ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ ان کی رضاعی ماں تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''راغبة'' اس کا معنی ہے: وہ میری نیکی اور میرے حسنِ سلوک میں رغبت کرتی تھیں۔ اور ایک قول ہے کہ وہ اسلام سے اعراض کرتی تھیں اور اسلام کو ناپسند کرتی تھیں، اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار سے معاہدہ کیا ہوا تھا اور یہ ان سے مصالحت کی مدت تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ابن عیینہ نے کہا'': یہ سفیان راوی ہیں۔

اس آیت میں ہے ''لا ینھاکم اللہ... الآیة''۔ مجاہد نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور مکہ میں ہی رہے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی، اور جن لوگوں نے مسلمانوں سے ان کے دین میں قتال کیا تھا وہ کفار مکہ تھے۔ ابوصالح نے کہا: یہ لوگ خزاعہ ہیں۔ اور قتادہ نے کہا: یہ آیت درج ذیل آیت سے منسوخ ہوگئی:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبہ:۵) تو تم مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کردو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۳۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۸۔ بَابُ: صِلَةِ الْمَرْأَةِ أُمَّهَا وَلَهَا زَوْجٌ
کسی عورت کا اپنی ماں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا اور اس کی ماں کا خاوند بھی ہو

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کوئی عورت اپنی ماں کے ساتھ حسنِ سلوک کرے، حالانکہ اس عورت کا خاوند بھی ہو۔

۵۹۷۹۔ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي هِشَامٌ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ أَسْمَاءَ قَالَ قَدِمَتْ أُمِّي وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِي عَهْدِ قُرَيْشٍ وَمُدَّتِهِمْ إِذْ عَاهَدُوا النَّبِيَّ ﷺ مَعَ أَبِيهَا فَاسْتَفْتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ إِنَّ أُمِّي قَدِمَتْ وَهِيَ رَاغِبَةٌ أَفَأَصِلُهَا قَالَ نَعَمْ صِلِي أُمَّكِ۔

اور اللیث نے کہا: مجھے ہشام نے حدیث بیان کی از عروہ از حضرت اسماء رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میری والدہ مشرکہ تھیں، وہ قریش کے ساتھ صلح کے زمانہ میں اپنے والد کے ساتھ (مدینہ منورہ) آئیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے متعلق پوچھا: سو میں نے کہا کہ میری والدہ آئی ہیں اور وہ اسلام سے اعراض کرنے والی ہیں، کیا میں ان کے ساتھ حسنِ سلوک کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تم اپنی والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔

(صحیح بخاری: ۲۶۲۰، ۳۱۸۳، ۵۹۷۸، ۵۹۷۹، صحیح مسلم: ۱۰۰۳، سنن ابوداؤد: ۱۶۶۸، مسند احمد: ۲۶۳۹۹)

صحیح البخاری: ۵۹۷۹ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں کس کا خاوند مراد ہے؟

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس باب کے عنوان میں مذکور ہے ''اور اس کا خاوند بھی ہو'' ۔تو حدیث میں وہ لفظ کہاں ہے جو اس کے خاوند پر دلالت کرتا ہے؟ پھر انہوں نے یہ جواب دیا کہ اگر ''لھا زوج'' میں ضمیر عورت کی طرف راجع ہو تو پھر ظاہر ہے کیونکہ حضرت اسماء حضرت زبیر کی زوجہ تھیں جب ان کی ماں ان کے پاس آئی تھیں، اور اگر یہ ضمیر ان کی ماں کی طرف راجع ہو تو پھر اس سے مراد ہوگا حضرت اسماء کی ماں کا شوہر، اور حضرت اسماء کی ماں کے شوہر حضرت اسماء کے باپ کے حکم میں ہیں۔

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ''وقال اللیث'' امام بخاری نے اس حدیث کو لیث بن سعد سے بطور تعلیق روایت کیا ہے، اور ابونعیم نے المستخرج میں یہ لکھا ہے کہ اس مدت میں جس کو صلح کے لیے معین کر دیا تھا اور قتال کو ترک کر دیا تھا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''مع ابیھا'' یعنی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی ماں کے باپ۔

میں کہتا ہوں کہ ظاہر یہ ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی ماں کے خاوند۔ (سعیدی غفرلہ)

اس حدیث میں مذکور ہے ''قال صلی امك'' یعنی آپ نے فرمایا: تم اپنی مشرکہ ماں کے ساتھ صلۂ رحم کرو یا حسنِ سلوک کرو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۳۹۔ ۱۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کا خلاصہ

''ولھا زوج'' کے مرجع میں دو احتمال ہیں، اس میں ضمیر المرأۃ کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے اور ام کی طرف بھی، دوسری صورت میں مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ماں کا شوہر ہو (ماں کا شوہر یا سگا باپ ہوتا ہے یا سوتیلا) پھر بھی اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا چاہیے۔

اس حدیث میں یہ دونوں صورتیں ہیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا شادی شدہ تھیں ان کے شوہر حضرت زبیر بن العوام تھے، ان کی والدہ ان کے پاس آئیں ''مع ابیھا'' یعنی اپنے والد کے ساتھ جو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے نانا تھے اور یا ضمیر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی

طرف راجع ہے یعنی ان کی والدہ حضرت اسماء کے پاس آئیں حضرت اسماء کے سوتیلے باپ کے ساتھ جوان کی ماں کا شوہر تھا۔

۵۹۸۰۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ أَخْبَرَهُ أَنَّ هِرَقْلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ فَقَالَ فَمَا يَأْمُرُكُمْ يَعْنِي النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَأْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ وَالْعَفَافِ وَالصِّلَةِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب از عبید اللہ بن عبداللہ، کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے ان کو خبر دی کہ حضرت ابوسفیان نے ان کو خبر دی کہ ہرقل نے ان کو بلایا، پس کہا: تمہیں کیا حکم دیتے ہیں یعنی تمہارے نبی ﷺ، تو ابوسفیان نے کہا: وہ ہمیں نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہیں اور صدقہ کرنے کا اور پاک دامنی کا اور رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کرنے کا (حکم دیتے ہیں)۔

(صحیح بخاری: ۷، ۵۱، ۲۶۸۱، ۲۹۴۱، ۲۹۷۸، ۳۱۷۴، ۴۵۵۳، ۵۹۸۰، ۶۲۶۰، ۷۱۹۶، ۷۵۴۱، صحیح مسلم: ۱۷۷۳، سنن ترمذی: ۲۷۱۷، سنن ابوداؤد: ۵۱۳۶، مسند احمد: ۲۳۶۶)

صحیح البخاری: ۵۹۸۰ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، وہ ابن عبداللہ بن بکیر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عقیل، یہ ابن خالد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن شہاب، یہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔ اور عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود ہیں۔

یہ حدیث کتاب کے شروع میں گزر چکی ہے اور اس کی شرح وہاں کی جا چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۹۔ بَابُ: صِلَةِ الْأَخِ الْمُشْرِكِ — مشرک بھائی کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کوئی مسلمان اپنے مشرک بھائی کے ساتھ حسنِ سلوک کرے تو یہ جائز ہے۔

۵۹۸۱۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما يَقُولُ رَأَى عُمَرُ حُلَّةَ سِيَرَاءَ تُبَاعُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ ابْتَعْ هَذِهِ وَالْبَسْهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَإِذَا جَاءَتْكَ الْوُفُودُ قَالَ إِنَّمَا يَلْبَسُ هَذِهِ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فَأُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْهَا بِحُلَلٍ فَأَرْسَلَ إِلَى عُمَرَ بِحُلَّةٍ فَقَالَ كَيْفَ أَلْبَسُهَا وَقَدْ قُلْتَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں عبداللہ بن دینار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کر رہے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیراء (ریشم) کا حلہ بکتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا: یارسول اللہ! اس کو خرید لیں اور اس کو جمعہ کے دن پہنیں اور جب آپ کے

فِيهَا مَا قُلْتَ قَالَ إِنِّي لَمْ أُعْطِكَهَا لِتَلْبَسَهَا وَلَكِنْ تَبِيعُهَا أَوْ تَكْسُوهَا فَأَرْسَلَ بِهَا عُمَرُ إِلَى أَخٍ لَهُ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ قَبْلَ أَنْ يُسْلِمَ۔

پاس وفود آئیں تو اس وقت پہنیں، آپ نے فرمایا: اس کو وہ پہنتا ہے جس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس میں سے چند حلّے آئے تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بھی ایک حلّہ بھیجا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس کو کیسے پہنوں گا حالانکہ آپ نے اس کے متعلق فرمایا تھا جو فرمایا تھا؟ آپ نے فرمایا: میں نے تم کو یہ اس لئے نہیں عطا کیا ہے کہ تم اس کو پہنو، لیکن تم اس کو بیچ دو یا کسی کو پہنا دو، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ حلّہ اہلِ مکہ میں سے اپنے بھائی کی طرف بھیج دیا ان کے اسلام لانے سے پہلے۔

(صحیح البخاری: ۸۸۶، ۹۴۸، ۲۱۰۴، ۲۶۱۲، ۲۶۱۹، ۳۰۵۴، ۵۸۴۱، ۵۹۸۱، ۶۰۸۱، صحیح مسلم: ۲۰۸۶، سنن نسائی: ۱۳۸۲، سنن ابوداؤد: ۱۰۷۶، سنن ابن ماجہ: ۳۵۹۱، مسند احمد: ۵۷۶۳، موطا امام مالک: ۱۷۰۵)

صحیح البخاری: ۵۹۸۱ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکور بھائی کا بیان

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس بھائی کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ عثمان بن حکیم بن امیہ تھے جو حضرت خولہ بنت حکیم کے بھائی تھے، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ماں شریک بھائی زید بن الخطاب کے بھائی تھے، زید بن خطاب کی والدہ کا نام اسماء بنت وہب تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام حنتمہ بنت ہاشم ہے۔ امام نسائی نے کہا ہے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ماں شریک بھائی تھے، لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۴۰۔ ۱۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۰۔ بَابُ: فَضْلِ صِلَةِ الرَّحِمِ — صلۂ رحم کی فضیلت کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب صلۂ رحم کی فضیلت کے بیان میں ہے، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ صلۂ رحم فی الجملہ واجب ہے، اور رحم کے رشتہ کو منقطع کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اور صلۂ رحم کے کئی درجات ہیں، کم سے کم درجہ یہ ہے کہ بند کی ہوئی بات چیت کو ترک کر دیا جائے اور ملاپ کیا جائے خواہ سلام کے ساتھ۔ اور یہ اختلاف قدرت اور حاجت سے مختلف ہوتا ہے، پس بعض ان میں سے واجب ہیں اور بعض مستحب ہیں۔ اگر کسی شخص نے بعض حسنِ سلوک کیا اور حسنِ سلوک کو انتہا پر نہیں پہنچایا تو اس کو رحم قطع کرنے والا نہیں کہا جائے گا۔

صلہ رحم کی حد میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ہر وہ محرم کہ جن میں سے ایک مرد ہو اور دوسرا عورت ہو یعنی ان کے درمیان نکاح حرام ہو تو ان کے درمیان صلۂ رحم واجب ہے، اس بناء پر چچا اور ماموں کی اولاد صلۂ رحم کے حکم میں داخل نہیں ہوں گے اور دوسرا قول یہ ہے کہ جو میراث میں ذوی الارحام ہیں، ان کے درمیان حسنِ سلوک کرنا واجب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۸۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ عُثْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ مُوسَى بْنَ طَلْحَةَ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن عثمان نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے موسیٰ بن طلحہ سے سنا از ابی ایوب، انہوں نے کہا کہ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتلایئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔

(صحیح بخاری: ۱۳۹۶، ۵۹۸۲، ۵۹۸۳، صحیح مسلم: ۱۳، سنن نسائی: ۴۶۸، مسند احمد: ۲۳۰۳۸)

۵۹۸۳۔ وحَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ بِشْرٍ حَدَّثَنَا بَهْزُ بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا ابْنُ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ وَأَبُوهُ عُثْمَانُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُمَا سَمِعَا مُوسَى بْنَ طَلْحَةَ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رضی الله عنه أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ فَقَالَ الْقَوْمُ مَا لَهُ مَا لَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَرَبٌ مَا لَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ تَعْبُدُ اللهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ وَتَصِلُ الرَّحِمَ ذَرْهَا قَالَ كَأَنَّهُ كَانَ عَلَى رَاحِلَتِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبدالرحمٰن بن بشر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں بھز بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عثمان بن عبداللہ بن موہب نے حدیث بیان کی، اور ان کے والد عثمان بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، ان دونوں نے موسیٰ بن طلحہ سے سنا، از حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ، کہ ایک مرد نے کہا: یارسول اللہ! مجھے اس عمل کی خبر دیجئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے، تو لوگوں نے کہا: اس کو کیا ہوا، اس کو کیا ہوا؟ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو اس سوال کی ضرورت ہے اور کیا ہوا۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا: تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو بالکل شریک نہ کرو، اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، اور صلۂ رحم کرو، اور اس کو چھوڑ دو، راوی نے کہا: گویا کہ وہ سواری پر تھا۔

(صحیح بخاری: ۱۳۹۶، ۵۹۸۲، ۵۹۸۳، صحیح مسلم: ۱۳، سنن نسائی: ۴۶۸، مسند احمد: ۲۳۰۳۸)

صحیح البخاری: ۵۹۸۲، ۵۹۸۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ تم صلۂ رحم کرو، یعنی رشتہ

داروں سے حسنِ سلوک کرو، اس حدیث کی امام بخاری نے دو سندوں کے ساتھ روایت کی ہے، پہلی سند ابوالولید سے ہے اور دوسری سند عبدالرحمٰن بن بشر سے ہے۔

یہ حدیث کتاب الزکوٰۃ کے شروع میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو گئی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مالہ"، یہ استفہام ہے اور تاکید کے لیے اس کو دوبارہ ذکر کیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ارب" اس کے معنی ہیں: حاجت، اور اصل عبارت اس طرح ہے کہ اس کو ضرورت ہے، یعنی اس کو اس سوال کے جواب کی ضرورت ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ذرھا" یعنی سواری کو چھوڑ دو، گویا کہ وہ مرد جب یہ سوال کر رہا تھا تو سواری پر سوار تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا کہ اس کو جلدی ہے، پس جب اس کا مقصود حاصل ہو گیا اور اس کو جواب مل گیا تو آپ نے فرمایا: تم سواری کو چھوڑ دو اور اپنی منزل کی طرف جاؤ، کیونکہ اب تمہاری کوئی اور ضرورت باقی نہیں ہے۔ یا وہ مرد سوار تھا اور وہ سواری کی لگام پکڑے ہوئے تھا تو آپ نے جواب دینے کے بعد فرمایا کہ سواری کی لگام کو چھوڑ دو اور اپنی مہم پر روانہ ہو جاؤ۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۴۱۔ ۱۴۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۱۔ بَابُ: إِثْمِ الْقَاطِعِ

قطع رحم کرنے والے کا گناہ

۵۹۸۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ إِنَّ جُبَيْرَ بْنَ مُطْعِمٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عُقیل از ابن شہاب، وہ بیان کرتے ہیں کہ محمد بن جبیر بن مطعم نے کہا: کہ بے شک جبیر بن مطعم نے ان کو خبر دی کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو رحم کو قطع کرنے والا ہو، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

(صحیح مسلم: ۲۵۵۶، سنن ترمذی: ۱۹۰۹، سنن ابوداؤد: ۱۶۹۶، مسند احمد: ۱۶۷۹۱)

صحیح البخاری: ۵۹۸۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

معصیت سے مسلمان کافر نہیں ہوتا، تو پھر قطع رحم کرنے والا جنت میں داخل کیوں نہیں ہوگا؟

اس حدیث میں مذکور ہے "قاطع" یعنی جو رحم کے رشتہ کو توڑنے والا ہو۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ مومن کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں ہوتا، پس ضروری ہے کہ وہ جنت میں داخل ہو؟

پھر انہوں نے اس کا جواب دیا کہ اس کا مفہوم محذوف ہے اور اس کا مفہوم عموم پر دلالت کرتا ہے، یعنی جس نے ان تمام احکام

کو قطع کیا جن احکام کے وصل کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جس نے قطع رحم کو حلال جان کر قطع رحم کیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور جنت میں داخل نہیں ہوگا، یا مراد ہے کہ وہ سابقین کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۲۔ بَابُ: مَنْ بُسِطَ لَهُ فِي الرِّزْقِ بِصِلَةِ الرَّحِمِ

صلۂ رحم کرنے کی وجہ سے جس کے رزق میں کشادگی کی گئی

۵۹۸۵۔ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَعْنٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَأَنْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن معن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از سعید بن ابی سعید از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو اس بات سے خوش ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی موت کو مؤخر کیا جائے تو وہ صلۂ رحم کرے یعنی رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کرے۔

(صحیح بخاری: ۲۰۶۷، ۵۹۸۶، صحیح مسلم: ۲۵۵۷، سنن ابوداؤد: ۱۶۹۳، سنن ترمذی: ۱۸۵۳، سنن ابن ماجہ: ۳۲۸۹، مسند احمد: ۹۲۷۴، سنن دارمی: ۲۰۷۴)

صحیح البخاری: ۵۹۸۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن معن، یہ ابن محمد بن معن بن نضلۃ ہیں، اور نضلۃ کو شرف صحابیت حاصل ہے، اور محمد بن معن روایت کرتے ہیں اپنے والد معن بن محمد سے اور وہ ثقہ ہیں اور امام بخاری نے ان کی صرف یہی حدیث ذکر کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''وان ینسأله'' یہ لفظ النسأ سے ماخوذ ہے، اس کے معنی ہیں: تاخیر۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''فی عصرہ'' اس کا معنی ہے: اس کی مدتِ حیات، یعنی جس کو یہ پسند ہو کہ اس کی زندگی دراز کی جائے اور اس کی موت میں تاخیر کی جائے۔

اس اشکال کا جواب کہ زندگی کی مدت تو متعین ہے، پھر صلۂ رحم کی وجہ سے زندگی کی مدت کیسے بڑھے گی؟

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ زندگیاں بھی مقدر ہیں اور رزق بھی مقدر ہے، ان میں زیادتی اور کمی نہیں ہوتی، قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ (الاعراف: ۳۴)

جب وہ میعاد پوری ہو جائے گی تو وہ نہ ایک گھڑی پیچھے ہو سکیں گے اور نہ ایک گھڑی آگے ہو سکیں گے ○

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ زیادتی اس فرشتے کے علم کے اعتبار سے ہے جس کو زندگی کے ساتھ مقرر کر دیا گیا ہے اور جو لوحِ محفوظ میں ظاہر ہوتا ہے جس کو کتاب المحو والاثبات کہتے ہیں، اس کے اعتبار سے ہے، مثلاً فلاں شخص کی عمر ساٹھ سال ہے لیکن اگر وہ صلۂ رحم کرے گا تو اس کی عمر دس سال زیادہ کر دی جائے گی اور وہ ستر سال زندہ رہے گا، اور اللہ عزوجل کو معلوم ہے کہ وہ صلۂ رحم کرے گا اور اس کی عمر ستر سال ہوگی تو اللہ تعالیٰ کے علم کے اعتبار سے اس میں کوئی زیادتی اور کمی نہیں ہوگی اور اس کو قضائے مبرم کہا جاتا ہے۔ اور یہ زیادتی اس فرشتہ کے اعتبار سے ہے اور اس کو قضائے معلق کہا جاتا ہے۔

اور یہ بھی جواب دیا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ اس کے مرنے کے بعد بھی اس کا ذکرِ جمیل باقی رہے گا گویا کہ وہ نہیں مرا۔ اور یا تو یہ اس وجہ سے ہے کہ اس نے لوگوں کو ایسا علم پہنچایا جس سے ان کو نفع حاصل ہوا یا اس نے صدقۂ جاریہ کیا اور یا اس نے نیک اولاد چھوڑی، تو اس کے مرنے کے بعد بھی اس کی نیکیوں کا سلسلہ جاری رہے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۸۶۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى ابْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَيُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عُقیل از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس کو یہ پسند ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی موت کو مؤخر کیا جائے تو وہ صلۂ رحم کرے۔

(صحیح بخاری: ۲۰۶۷، ۵۹۸۶، صحیح مسلم: ۲۵۵۷، سنن ترمذی: ۱۶۹۳، سنن ابن ماجہ: ۱۸۵۳، مسند احمد: ۳۲۸۹ ۹۲۷۴، سنن دارمی: ۲۰۷۴)

صحیح البخاری: ۵۹۸۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صلۂ رحم کی فضیلت میں احادیث

صلہ رحم کی فضیلت میں بکثرت احادیث وارد ہیں:

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کو اس سے خوشی ہو کہ اس کی عمر میں اضافہ کیا جائے اور اس کے رزق میں وسعت کی جائے اور اس سے بری موت کو دور کیا جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ صلۂ رحم کرے (یعنی رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کرے)۔ اس حدیث کی عبداللہ بن احمد نے زوائد علی المسند میں روایت کی ہے اور امام بزار نے اور امام طبرانی نے اور الحاکم نے المستدرک میں روایت کی ہے۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صلۂ رحم کرنے سے اہل میں محبت ہوتی ہے اور مال میں کثرت ہوتی ہے اور عمر دراز ہوتی ہے۔اس حدیث کی امام ترمذی نے روایت کی ہے۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صلۂ رحم کرنا اور پڑوسیوں سے نیک سلوک کرنا اور حسن الخلق اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا عمر میں اضافہ کرتے ہیں اور جھوٹ رزق کو کم کرتا ہے، اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا سب سے عظیم صلۂ رحم ہے۔

(۴) حضرت ابن عباس اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہم نے توراۃ سے روایت کی ہے اے ابنِ آدم! اپنے رب سے ڈر اور اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کر اور رشتہ داروں سے نیک سلوک کر تو میں تیری عمر میں اضافہ کر دوں گا۔

(۵) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر میں اضافہ صرف ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے سے ہوتا ہے اور رزق میں اضافہ صرف صلۂ رحم سے ہوتا ہے۔

(۶) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ (الرعد:۳۹) اللہ جس چیز کو چاہے مٹا دیتا ہے اور (جس چیز کو چاہے) ثابت رکھتا ہے اور اصل کتاب اسی کے پاس ہے O

تو آپ نے فرمایا: یہ صحیح طریقہ سے صدقہ کرنا ہے اور والدین کے ساتھ نیکی کرنا ہے اور نیک کام کرنا ہے اور صلۂ رحم کرنا ہے۔ یہ امور بدبختی کو نیک بختی سے بدل دیتے ہیں، اور عمر میں اضافہ کرتے ہیں اور بری موت سے بچاتے ہیں۔اے علی! جس کو ان اوصاف میں سے ایک وصف بھی حاصل ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو تین خصال عطا فرماتا ہے۔

(۷) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان صلہ رحم کرتا ہے اور اس کی عمر میں سے صرف تین دن باقی رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں تیس سال اضافہ کر دیتا ہے، اور جو مرد قطع رحم کرتا ہے اور اس کی عمر میں سے تیس سال باقی ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی عمر کم کر دیتا ہے حتیٰ کہ اس کی عمر میں صرف تین دن رہ جاتے ہیں۔

(۸) حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہم مدینہ کے چبوترے میں تھے تو آپ نے فرمایا: میں نے گذشتہ رات ایک عجیب بات دیکھی، میں نے اپنی امت میں سے ایک مرد کو دیکھا، اس کے پاس ملک الموت آیا تاکہ اس کی روح قبض کرے تو اس نے اپنے ماں باپ کے ساتھ جو نیکی کی تھی وہ آئی اور اس نے ملک الموت کو اس شخص کے پاس سے لوٹا دیا، ابوموسیٰ نے کہا: یہ حدیث بہت عمدہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۴۳۔۱۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۳۔ بَابٌ: مَنْ وَصَلَ وَصَلَهُ اللّٰهُ جو شخص رشتہ جوڑے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے تعلق جوڑے گا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص رحم کے ساتھ وصل کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ وصل کرے گا۔

۵۹۸۷۔ حَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي مُزَرِّدٍ قَالَ سَمِعْتُ عَمِّي سَعِيدَ بْنَ يَسَارٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللهَ خَلَقَ الْخَلْقَ حَتَّى إِذَا فَرَغَ مِنْ خَلْقِهِ قَالَتِ الرَّحِمُ هَذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيعَةِ قَالَ نَعَمْ أَمَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ قَالَتْ بَلَى يَا رَبِّ قَالَ فَهُوَ لَكِ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾ (محمد:۲۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے بشر بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معاویہ بن ابی مزرد نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے اپنے چچا سعید بن یسار سے سنا، وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کر رہے تھے از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا، حتیٰ کہ جب ان کی تخلیق سے فارغ ہو گیا تو رحم نے عرض کیا کہ یہ اس شخص کی جگہ ہے جو قطع رحم سے تیری پناہ طلب کرے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں! کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ میں اس کے ساتھ وصل کروں جو تمہارے ساتھ وصل کرے، اور میں اس سے قطع تعلق کروں جو تم کو قطع کرے، رحم نے کہا: کیوں نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس یہ تمہارے لیے ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو: تم سے یہ بعید نہیں ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد کرو گے اور اپنے رشتے توڑ ڈالو گے O (محمد:۲۲)

(صحیح بخاری: ۴۸۳۰، ۴۸۳۱، ۴۸۳۲، ۵۹۸۷، ۷۵۰۲، صحیح مسلم: ۲۵۵۴، مسند احمد: ۸۱۷۶)

صحیح البخاری: ۵۹۸۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بشر، یہ ابن محمد ابومحمد السختیانی المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ عبداللہ بن المبارک المروزی ہیں۔

یہ حدیث کتاب التفسیر میں سورۂ محمد کی تفسیر میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

قاضی عیاض نے کہا: ہو سکتا ہے رحم کے کھڑے ہونے سے کسی فرشتہ کا کھڑا ہونا مراد ہو، رحم عرش کے ساتھ معلق ہو گیا اور اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا، اور علامہ قرطبی نے کہا: رحم کو جوڑا جاتا ہے اور توڑا جاتا ہے۔ یہ معانی میں سے ایک معنی ہے، اس کا نہ قیام ہو سکتا ہے اور نہ اس کا کلام ہو سکتا ہے، پس اس حدیث سے مراد اس کی تعظیم اور فضیلت ہے اور یہ بیان کرنا ہے کہ رحم کو توڑنا بہت بڑا گناہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "خلق الخلق" ہوسکتا ہے اس سے مراد ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی تخلیق کر لی، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد ہو مکلفین کی تخلیق کر لی۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "حتیٰ اذا فرغ" فراغت سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا اس کام کو پورا کرنا اور مکمل کرنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایک کام میں مشغولیت دوسرے کام میں مشغولیت سے مانع نہیں ہے۔

رحم کے قیام کرنے اور اس کے کلام کرنے کی وضاحت

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "قالت الرحم" ہوسکتا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے کے بعد رحم نے کہا ہو، یا رحم کو پیدا کرنے کے بعد رحم نے کہا ہو، یا بنو آدم کی تمام روحوں کو پیدا کرنے کے بعد رحم نے کہا ہو، یا جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" (الاعراف: ۱۷۲) اس وقت رحم نے کہا ہو، جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کی روحوں کو نکالا۔ پھر اس حدیث میں جو ہے کہ رحم نے کہا، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رحم نے زبانِ حال سے کہا ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رحم نے زبانِ مقال سے کہا ہو اور اس نے کلام کیا ہو، یا اللہ تعالیٰ نے اس کے کلام کے وقت اس میں حیات اور عقل کو پیدا کر دیا ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حقیقت میں استعارہ تمثیلیہ ہے۔

اور قاضی عیاض نے کہا ہے: رحم جس سے وصل کیا جاتا ہے اور جس سے قطع کیا جاتا ہے، یہ معانی میں سے ایک معنی ہے جسم نہیں ہے، یہ ایک قرابت ہے اور ایک نسبت ہے جس کو والدہ کا رحم جمع کرتا ہے اور اس کا بعض، بعض کے ساتھ متصل ہوتا ہے، پس اس اتصال کا نام رحم رکھا گیا ہے، اور جو معانی اور اعراض ہوں وہ نہ قیام کرتے ہیں اور نہ کلام کرتے ہیں، پس اس حدیث میں جو رحم کے قیام کا ذکر ہے اور عرش کے ساتھ متعلق ہونے کا ذکر ہے، یہ ایک مثال اور استعارہ کا بیان ہے اور اس میں رحم کی تعظیم اور رحم کے ساتھ وصل کرنے والے کی فضیلت اور رحم کے ساتھ قطع کرنے والے کے گناہ کو بیان کیا گیا ہے، اسی وجہ سے عقوق یعنی نافرمانی کو قطعِ رحم فرمایا ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رحم کے کھڑے ہونے سے مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فرشتہ کھڑا ہوا ہو اور اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کلام کیا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ میں اس سے وصل کروں جو تم سے وصل کرے؟" اللہ تعالیٰ کا وصل کرنا اس کے عظیم احسان سے کنایہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا قطع کرنا اس کے احسان سے محروم کرنا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۴۵۔۱۴۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۸۸۔ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ الرَّحِمَ شَجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ اللهُ مَنْ وَصَلَكِ وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَكِ قَطَعْتُهُ۔ (مسند احمد: ۸۷۵۲)

۵۹۸۸۔ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں خالد بن مخلد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن دینار نے حدیث بیان کی از ابی صالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: کہ رحم (رحمٰن سے ملی ہوئی) شاخ ہے،

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو تجھ سے وصل کرے گا میں اس سے وصل کروں گا اور جو تجھ سے قطع کرے گا میں اس سے قطع کروں گا۔

صحیح البخاری: ۵۹۸۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خالد بن مَخلد (مخلد میں میم پر زبر ہے)۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سلیمان، یہ ابن بلال ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوصالح، وہ ذکوان السمان ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''شجنة'' اس کا اصل معنی ہے گھنے درخت کی جڑیں، اور یہاں مراد یہ ہے کہ رحم، رحمٰن سے مشتق ہے یا رحمٰن سے ماخوذ ہے جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اللہ ہوں اور میں رحمٰن ہوں اور میں نے رحم کو پیدا کیا اور میں نے اپنے نام سے اس کا نام مشتق کیا، جو اس سے وصل کرے گا میں اس سے وصل کروں گا اور جو اس سے قطع کرے گا میں اس سے قطع کروں گا۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

اور امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے روایت کی ہے از والد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: رحم میری شاخ ہے، پس جس نے اس سے وصل کیا میں اس سے وصل کروں گا اور جس نے اس سے قطع کیا میں اس سے قطع کروں گا۔ اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ رحم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار میں سے ایک اثر ہے اور اس سے متعلق ہے، پس جو رحم کو قطع کرے گا وہ اللہ کی رحمت کو منقطع کرنے والا ہے۔

اور اسماعیلی نے کہا: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ رحم کا اسم رحمٰن کے اسم سے مشتق ہے، پس رحم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہے، اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ رحم اللہ تعالیٰ کی ذات سے بنا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بلند اور برتر ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۲۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۸۹۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي مُزَرِّدٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنها زَوْجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الرَّحِمُ شِجْنَةٌ فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعْتُهُ۔

(صحیح البخاری: ۵۹۸۸، مسند احمد: ۸۷۵۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان بن بلال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے معاویہ بن ابی مزرد نے خبر دی از یزید بن رومان از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: رحم (رحمٰن سے ملی ہوئی) شاخ ہے، (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:) پس جس نے

اس کے ساتھ وصل کیا تو میں اس کے ساتھ وصل کروں گا اور جس نے اس کو قطع کیا تو میں اس کے ساتھ قطع کروں گا۔

اس حدیث کی شرح حسب سابق ہے۔

۱۴۔ بَابٌ: تُبَلُّ الرَّحِمُ بِبَلَالِهَا

رحم کی تری کے ساتھ رشتوں کو تر کرے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ رحم کی تری کے ساتھ رشتوں کو تر کرے۔ ''تبل'' کا لفظ معلوم کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل محذوف ہے، اصل اس کا معنی یہ ہوگا کہ جو شخص مکلف ہے وہ رحم کی تری کے ساتھ رشتوں کو تر کرے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۴۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۹۰۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ أَنَّ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم جِهَارًا غَيْرَ سِرٍّ يَقُولُ إِنَّ آلَ أَبِي قَالَ عَمْرٌو فِي كِتَابِ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ بَيَاضٌ لَيْسُوا بِأَوْلِيَائِي إِنَّمَا وَلِيِّيَ اللهُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ زَادَ عَنْبَسَةُ بْنُ عَبْدِ الْوَاحِدِ عَنْ بَيَانٍ عَنْ قَيْسٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَكِنْ لَهُمْ رَحِمٌ أَبُلُّهَا بِبَلَاهَا يَعْنِي أَصِلُهَا بِصِلَتِهَا قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ بِبَلَاهَا كَذَا وَقَعَ وَبِبَلَالِهَا أَجْوَدُ وَأَصَحُّ وَبِبَلَاهَا لَا أَعْرِفُ لَهُ وَجْهًا۔

(صحیح مسلم: ۲۱۵، مسند احمد: ۱۷۳۴۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن عباس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از اسماعیل بن ابی خالد از قیس بن ابی حازم، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ آواز بلند سنا خفیہ طور پر نہیں، آپ فرما رہے تھے کہ بے شک آلِ ابی فلاں (عمرو نے کہا: محمد بن جعفر کی کتاب میں یہاں پر بیاض ہے یعنی جگہ چھوڑی ہوئی ہے) میرے اولیاء نہیں ہیں، میرا ولی تو اللہ ہے اور صالح مومنین ہیں۔

عنبسہ بن عبدالواحد نے اضافہ کیا از بیان از قیس از حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا: لیکن ان کے لیے رحم ہے، میں اس کی تری سے تر کرتا رہتا ہوں یعنی میں ان کے ساتھ صلۂ رحم کرتا ہوں۔

ابو عبداللہ نے کہا: ''ببلاھا'' واقع ہوا ہے اور ''ببلالھا'' زیادہ عمدہ اور زیادہ صحیح ہے اور ''ببلاھا'' کا میں کوئی طریق نہیں جانتا۔

صحیح البخاری: ۵۹۹۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو، یہ ابوعثمان البصری ہیں۔ اور اس میں مذکور ہے محمد بن جعفر، یہ غندر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل بن ابی خالد، یہ البجلی الکوفی ہیں اور ابو خالد کا نام سعد ہے، اور ایک قول ہے کہ ہرمز ہے۔ اور قیس بن ابی حازم کا نام عوف البجلی ہے، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مدینہ میں آئے تھے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے" جهارا "یعنی میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات بلند آواز سے سنی ہے، آپ نے چپکے سے نہیں کہی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے" ان آل ابی فلاں ": علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ صحیح مسلم میں اس جگہ فلاں کی بجائے خالی جگہ چھوڑی ہوئی ہے، پھر بعض لوگوں نے یہاں پر فلاں لکھ دیا بطورِ اصلاح اور فلاں کا لفظ اس میں علم سے کنایہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے" لیسوا باولیائی ": یعنی آلِ ابی فلاں میرے اولیاء نہیں ہیں، میرا ولی تو اللہ ہے اور صالح مومنین ہیں۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے: اس حدیث کا فائدہ یہ ہے کہ مسلم اور کافر کے درمیان ولایت منقطع ہے، خواہ وہ اس کا قریبی دوست ہو۔ اور علامہ طیبی نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں کسی کے ساتھ قرابت داری کی وجہ سے دوستی نہیں رکھتا، میں تو اللہ سے محبت کرتا ہوں اور صالح مومنین سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں اور ان کی مدد کرتا ہوں ان کے ایمان کی وجہ سے اور ان کے اعمالِ صالحہ کی وجہ سے، خواہ وہ میرے رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں، لیکن میں رشتہ داروں کی بھی رعایت کرتا ہوں صلۂ رحم کی وجہ سے۔

صالح المومنین کے متعدد مصادیق

اس میں بھی اختلاف ہے کہ صالح مومنین کا مصداق کون ہے؟

(۱) ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں، یہ امام طبری نے قتادہ سے روایت کی ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد صحابہ ہیں، یہ ابن ابی حاتم نے سدی سے روایت کی ہے۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مومنین ہیں، اس کی روایت ابن ابی حاتم نے ضحاک سے کی ہے۔

(۴) اس سے مراد حضرت ابوبکر، حضرت عمر، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم ہیں، یہ ابن ابی حاتم نے بصر سے روایت کی ہے۔

(۵) اس سے مراد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں، اس کی روایت امام طبری نے حضرت ابن مسعود سے کی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

(۶) اس سے مراد بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، اس کی روایت ابن ابی حاتم نے سندِ صحیح کے ساتھ سعید بن جبیر سے کی ہے۔

(۷) اس سے خصوصی طور پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مراد ہیں، اس کا علامہ قرطبی نے المسیب بن شریک سے ذکر کیا ہے۔

(۸) اس سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، اس کی امام ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۴۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۵۔ بَابٌ: لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ — صرف بدلہ دینے والا رحم کو وصل کرنے والا نہیں ہے

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جو شخص بدلہ اتارتا ہو، وہ رحم کو وصل کرنے والا نہیں ہے یعنی حقیقۃً وہ شخص واصل نہیں ہے جو کسی کے ساتھ ایسا سلوک کرے جیسا سلوک اس نے کیا ہو، کیونکہ یہ ایک قسم کا معاوضہ ہے۔

اور امام عبدالرزاق نے از معمر از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ شخص وصل کرنے والا نہیں ہے جو وصل کے بدلہ میں وصل کرے، لیکن وصل کرنے والا وہ ہے کہ جو تم سے تعلق توڑے وہ اس سے تعلق جوڑے، اور یہ وصل کی حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اس پر اجرِ جزیل کا وعدہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ۔ (الرعد: ۲۱) — اور جو ان رشتوں کو جوڑے رکھتے ہیں جن کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۴۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۹۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ وَالْحَسَنِ بْنِ عَمْرٍو وَفِطْرٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سُفْيَانُ لَمْ يَرْفَعْهُ الْأَعْمَشُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَرَفَعَهُ حَسَنٌ وَفِطْرٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلَكِنِ الْوَاصِلُ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا۔

(سنن ترمذی: ۱۹۰۸، سنن ابوداؤد: ۱۶۹۷، مسند احمد: ۶۳۸۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از الاعمش اور الحسن بن عمرو اور فطر از مجاہد از حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں: سفیان نے کہا: اس حدیث کو اعمش نے نبی ﷺ تک مرفوع نہیں کیا۔ اس حدیث کو الحسن نے اور فطر نے نبی ﷺ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: جو بدلہ اتارنے والا ہو وہ وصل کرنے والا نہیں ہے، لیکن وصل کرنے والا وہ ہے کہ جب اس سے قطع رحمی کی جائے تو وہ رحم کا تعلق جوڑے۔

صحیح البخاری: ۵۹۹۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ سفیان ثوری ہیں۔ اور اس میں مذکور ہے الاعمش، یہ سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحسن بن عمرو، یہ الفقیمی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۴۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۶۔ بَابٌ: مَنْ وَصَلَ رَحِمَهُ فِي الشِّرْكِ ثُمَّ أَسْلَمَ — جس نے زمانہ شرک میں رحم کے ساتھ وصل کیا، پھر اسلام کو قبول کیا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کسی شخص نے حالتِ شرک میں رحم کے رشتوں کے ساتھ حسن سلوک کیا، پھر اس کے بعد اس نے اسلام قبول کیا تو کیا اسے اس رحم کے رشتہ کے ساتھ وصل کرنے کا ثواب ملے گا یا نہیں، کیونکہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۹۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ أُمُورًا كُنْتُ أَتَحَنَّثُ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ صِلَةٍ وَعَتَاقَةٍ وَصَدَقَةٍ هَلْ لِي فِيهَا مِنْ أَجْرٍ قَالَ حَكِيمٌ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَسْلَمْتَ عَلَى مَا سَلَفَ مِنْ خَيْرٍ وَيُقَالُ أَيْضًا عَنْ أَبِي الْيَمَانِ أَتَحَنَّتُ وَقَالَ مَعْمَرٌ وَصَالِحٌ وَابْنُ الْمُسَافِرِ أَتَحَنَّثُ وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ التَّحَنُّثُ التَّبَرُّرُ وَتَابَعَهُمْ هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر نے خبر دی کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر دی، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ بتایئے کہ چند کام جن کو میں زمانۂ جاہلیت میں بطورِ عبادت کرتا تھا، صلۂ رحم کرتا تھا، غلام آزاد کرتا تھا اور صدقہ کرتا تھا، کیا مجھے اس کا کوئی اجر ملے گا؟ حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے جو پہلے نیک کام کیے تھے انہی کی وجہ سے تم اسلام لائے ہو۔

اور کہا جاتا ہے از ابی الیمان "اتحنت" اور معمر اور صالح اور ابن المسافر نے کہا "اتحنث" اور ابن اسحاق نے کہا "التحنث" کا معنی ہے: نیکی کرنا۔

اور ان کی متابعت ہشام نے کی ہے از والد خود۔

(صحیح البخاری: ۱۴۳۶، ۲۲۲۰، ۲۵۳۸، ۵۹۹۲، صحیح مسلم: ۱۲۳، مسند احمد: ۱۴۸۹۴)

صحیح البخاری: ۵۹۹۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالیمان کا ذکر ہے، یہ الحکم بن نافع ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ارءیت"، اس کا معنی ہے: مجھے خبر دیجئے یا مجھے بتایئے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اتحنث" یعنی میں عبادت کرتا تھا اور حنث کا معنی ہے: گناہ اور تحنث کا معنی ہے: گناہ سے دور

ہونا، گویا کہ عبادت کرنے والا عبادت کر کے اپنے نفس سے گناہوں کو گرا دیتا ہے۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مومن نے نیک کام جو حالتِ کفر میں کیے ہوں، ان پر بھی اس کو اجر ملتا ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حالتِ کفر میں کیے ہوئے کاموں پر اجر نہیں ملتا اور علامہ عینی کا رد از مصنف

قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ۔ (المائدہ:۵)
اور جس نے ایمان (لانے) کے بعد کفر کیا تو بے شک اس کا عمل ضائع ہو گیا۔

وَ قَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝ (الفرقان:۲۳)
انہوں نے (اپنے زعم میں) جس قدر (نیک) کام کیے تھے ہم ان کی طرف قصد کریں گے اور ان کو فضا میں بکھرے ہوئے (غبار کے) باریک ذرے بنا دیں گے ۝

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (النحل:۹۷)
جس نے نیک کام کیے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو پاکیزہ زندگی کے ساتھ ضرور زندہ رکھیں گے اور ہم ان کو ان کے ان نیک کاموں کی ضرور جزا دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے ۝

ان آیات سے صراحۃً یہ واضح ہو رہا ہے کہ ایمان کے بغیر کوئی عملِ صالح مقبول نہیں ہوتا۔

۱۷۔ بَابُ: مَنْ تَرَكَ صَبِيَّةَ غَيْرِهِ حَتّٰى تَلْعَبَ بِهِ أَوْ قَبَّلَهَا أَوْ مَازَحَهَا

جس نے دوسرے کی بچی کو چھوڑ دیا حتیٰ کہ وہ بچی اس کے ساتھ کھیلی یا اس نے بچی کو بوسا دیا یا بچی کو دعا دی

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس عنوان میں مذکور ہے ''حتی تلعب'' یعنی اس نے بچی کو چھوڑ دیا حتیٰ کہ وہ اس کے جسم کے ساتھ کھیلنے لگی۔
نیز اس عنوان میں مذکور ہے ''او قبلھا'' یعنی اس نے اس بچی کو شفقت سے بوسا دیا۔
اور اس عنوان میں مذکور ہے ''او مازحھا'' یعنی اس بچی کو دعا دی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۵۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۹۹۳۔ حَدَّثَنَا حِبَّانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ عَنْ خَالِدِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أُمِّ خَالِدٍ بِنْتِ خَالِدِ بْنِ سَعِيدٍ قَالَتْ أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَعَ أَبِي وَعَلَيَّ قَمِيصٌ أَصْفَرُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم سَنَهْ سَنَهْ قَالَ عَبْدُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حبان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی از خالد بن سعید از والد خود از ام خالد بنت خالد بن سعید، وہ بیان کرتی ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے والد کے ساتھ آئی اور

اللهِ وَهِيَ بِالْحَبَشِيَّةِ حَسَنَةٌ قَالَتْ فَذَهَبْتُ أَلْعَبُ بِخَاتَمِ النُّبُوَّةِ فَزَبَرَنِي أَبِي قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ دَعْهَا ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَبْلِي وَأَخْلِقِي ثُمَّ أَبْلِي وَأَخْلِقِي ثُمَّ أَبْلِي وَأَخْلِقِي قَالَ عَبْدُ اللهِ فَبَقِيَتْ حَتَّى ذَكَرَ يَعْنِي مِنْ بَقَائِهَا۔

مجھ پر ایک زرد قمیص تھی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سنہ، سنہ۔ عبداللہ نے کہا: حبشی زبان میں اس کا معنی ہے: اچھا ہے۔ تو انہوں نے بیان کیا: پھر میں رسول اللہ ﷺ کی مہر نبوت کے ساتھ کھیلنے لگی تو میرے والد نے مجھے ڈانٹا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اس قمیص کو بوسیدہ کرو اور پھاڑو، پھر اس کو بوسیدہ کرو اور پھاڑو، پھر اس کو بوسیدہ کرو اور پھاڑو۔

عبداللہ نے کہا: پھر وہ کافی عرصہ تک زندہ رہیں حتیٰ کہ ان کی طویل زندگی کا چرچا کیا جاتا تھا۔

(صحیح بخاری: ۳۰۷۱، ۳۸۷۴، ۵۸۲۳، ۵۸۴۵، ۵۹۹۳، سنن ابوداؤد: ۴۰۲۴، مسند احمد: ۲۶۵۱۷)

صحیح البخاری: ۵۹۹۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں ذکر ہے "حتیٰ کہ وہ بچی ان کے ساتھ کھیلنے لگی" اور حدیث میں مذکور ہے "پس میں نبی ﷺ کی مہر نبوت کے ساتھ کھیلنے لگی"۔ اور اس طرح حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ہوگئی۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: عنوان میں بوسا دینے کا بھی ذکر ہے اور حدیث میں بوسا دینے کا ذکر نہیں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب نبی ﷺ نے اس بچی کو مہر نبوت کے ساتھ کھیلنے سے منع نہیں کیا تو یہ گویا کہ شفقت کے ساتھ اس کو بوسا دینے کے معنی میں ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حبان، یہ ابن موسیٰ ابومحمد السلمی المروزی ہیں، یہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں اور یہ ۲۳۳ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ عبداللہ بن مبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خالد بن سعید، یہ اپنے والد سعید بن عمرو بن سعید بن العاص القرشی الاموی سے روایت کرتے ہیں، ان سے روایت میں امام بخاری منفرد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ام خالد بنت خالد بن سعید بن العاص بن امیہ بن عبد شمس، یہ اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں اور ان کا نام ہے "امۃ" اور ان کی ماں ھمیمہ ہیں ان کو ہمیمہ بھی کہا جاتا ہے، یہ بنت خلف بن اسعد بن بیاضہ ہیں۔

اس حدیث میں نبی ﷺ کا معجزہ ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے ام خالد کو طویل عمر کی دعا دی تھی کہ تم یہ کپڑا بوسیدہ کرو اور پھاڑو یعنی اتنا پہنو گی کہ بوسیدہ ہو جائے گا اور پھٹ جائے گا، اور ان کی لمبی عمر ہوئی حتیٰ کہ ان کی لمبی عمر کا چرچا ہونے لگا، اور اس حدیث سے معلوم

ہوا کہ کسی مرد کا اتنی چھوٹی بچی کے ساتھ کھیلنا جائز ہے جس پر شہوت نہ آتی ہو، خواہ وہ اس کی محرم نہ ہو۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح برحق ہوتا تھا اسی وجہ سے مزاح جائز ہے جب برحق ہو، لیکن جب وہ ناحق ہو اور بے حیائی کی طرف پہنچاتا ہو تو پھر جائز نہیں ہے۔ اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع ہے اور آپ کا حلم ہے، کیونکہ آپ نے ام خالد کو مہر نبوت کے ساتھ کھیلنے سے منع نہیں فرمایا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۵۱۔ ۱۵۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۸۔ بَابُ: رَحْمَةِ الْوَلَدِ وَتَقْبِيلِهِ وَمُعَانَقَتِهِ

بچوں پر رحم کرنا اور ان کو بوسا دینا اور ان کے ساتھ معانقہ کرنا

وَقَالَ ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ: أَخَذَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِبْرَاهِيمَ فَقَبَّلَهُ وَشَمَّهُ۔

اور ثابت نے کہا از حضرت انس رضی اللہ عنہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے صاحبزادے) حضرت ابراہیم کو پکڑا اور ان کو بوسا دیا اور ان کو سونگھا۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں بچوں پر رحمت کرنے کا اور ان پر شفقت کرنے کا اور ان پر مہربانی کرنے کا اور ان کو نفع پہنچانے کا اور ان سے ضرر کو دور کرنے کا بیان ہے اور اس عنوان میں فاعل کا ذکر نہیں ہے، فاعل محذوف ہے، اصل عبارت اس طرح سے ہے: والد کا اپنے بچوں پر رحم کرنا اور ان کو بوسا دینا اور ان سے معانقہ کرنا، اور اس سے معلوم ہوا کہ باپ کا اپنے بچوں کو بوسا دینا جائز ہے۔ علامہ ابن بطال نے کہا ہے: چھوٹے بچے کے ہر عضو کو بوسا دینا جائز ہے، اور اکثر علماء کے نزدیک بڑے بچے کا بھی یہی حکم ہے جب تک کہ اس کی شرمگاہ نہ ہو یعنی شرمگاہ کے علاوہ بڑے بچوں کے باقی اعضاء پر بوسہ دینا جائز ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں ثابت کا ذکر ہے، یہ ابن اسلم البصری ابو محمد البنانی ہیں۔ امام بخاری نے اس تعلیق کی کتاب الجنائز میں موصولاً روایت کی ہے اور وہ طویل حدیث ہے۔ اور ابراہیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں جو حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۵۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۹۴۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا مَهْدِيٌّ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي يَعْقُوبَ عَنِ ابْنِ أَبِي نُعْمٍ قَالَ كُنْتُ شَاهِدًا لِابْنِ عُمَرَ وَسَأَلَهُ رَجُلٌ عَنْ دَمِ الْبَعُوضِ فَقَالَ مِمَّنْ أَنْتَ فَقَالَ مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ قَالَ انْظُرُوا إِلَى هَذَا يَسْأَلُنِي عَنْ دَمِ الْبَعُوضِ وَقَدْ قَتَلُوا ابْنَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مہدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی یعقوب نے حدیث بیان کی از ابن ابی نُعم، انہوں نے کہا: میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر تھا، ان سے ایک مرد نے مچھر کے خون سے متعلق سوال کیا، حضرت ابن عمر نے پوچھا: تم کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا: میں اہل عراق سے ہوں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے

فرمایا: اس شخص کی طرف دیکھو، یہ مجھ سے مچھر کے خون سے متعلق سوال کر رہا ہے اور ان لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کو قتل کر دیا ہے، اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: یہ دونوں دنیا میں میرے پھول ہیں۔

(صحیح بخاری: ۳۷۵۳، ۵۹۹۴، سنن ترمذی: ۳۷۷۰، مسند احمد: ۵۵۴۳)

صحیح البخاری: ۵۹۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کا عنوان ہے بچے پر رحم کرنا اور ان کو بوسا دینا اور اس میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے متعلق فرمایا: یہ دونوں دنیا میں میرے پھول ہیں، اور پھولوں کو سونگھا جاتا ہے اور بچوں کو بھی سونگھا جاتا ہے اور بوسا دیا جاتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے موسیٰ بن اسماعیل، یہ ابوسلمہ التبوذکی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مہدی، یہ ابن میمون الازدی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی یعقوب، یہ محمد بن عبداللہ بن یعقوب الضبی البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی نعم، یہ عبدالرحمن ہیں، ان کے باپ کا نام معروف نہیں ہے اور یہ ثقہ اور عادل ہیں۔

یہ حدیث حضرت الحسن اور الحسین رضی اللہ عنہما کے مناقب میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "کنت شاھدا" یعنی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وسالہ رجل عن دم البعوض" اور کتاب المناقب میں مذکور ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا کہ ان سے ایک محرم نے سوال کیا کہ اگر وہ مکھی کو مار دے تو اس پر کیا تاوان ہوگا؟ علامہ کرمانی نے کہا: ہوسکتا ہے سوال ان دونوں کے متعلق ہو یعنی مچھر اور مکھی دونوں کے متعلق ہو، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ راوی نے مکھی کا مچھر کے اوپر اطلاق کر دیا، کیونکہ ان دونوں کی مشابہت قریب ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ممن انت؟" یعنی تم کس شہر سے آئے ہو، کس شہر کے رہنے والے ہو؟ اس شخص نے کہا: میں اہل عراق سے ہوں۔ اور کتاب المناقب میں مذکور ہے کہ اہل عراق مکھی کو مارنے کے متعلق سوال کرتے تھے حالانکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو قتل کر دیا تھا یعنی حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ھما ریحانتای": یعنی حضرت الحسن اور حضرت الحسین رضی اللہ عنہما، اور ریحان سے مراد وہ چیز ہے جس کو سونگھا جائے۔ اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ یہ دونوں ان میں سے ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اکرام کیا ہے اور ان

دونوں کو میرے نزدیک محبوب بنایا ہے، کیونکہ اولاد کو سونگھا جاتا ہے اور اس کو بوسا دیا جاتا ہے، پس گویا کہ وہ پھولوں سے ہیں، یعنی دنیا میں میرے لیے پھول ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۵۳۔ ۱۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۹۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ حَدَّثَتْهُ قَالَتْ جَائَتْنِي امْرَأَةٌ مَعَهَا ابْنَتَانِ تَسْأَلُنِي فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِي غَيْرَ تَمْرَةٍ وَاحِدَةٍ فَأَعْطَيْتُهَا فَقَسَمَتْهَا بَيْنَ ابْنَتَيْهَا ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ فَدَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ فَحَدَّثْتُهُ فَقَالَ مَنْ يَلِي مِنْ هَذِهِ الْبَنَاتِ شَيْئًا فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ بن ابی بکر نے حدیث بیان کی کہ عروہ بن الزبیر نے ان کو خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ نے ان کو حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ میرے پاس ایک عورت آئی اور اس کے ساتھ دو بیٹیاں تھیں تو وہ مجھ سے سوال کر رہی تھی، پس اس نے میرے پاس صرف ایک کھجور کو پایا، سو میں نے وہ کھجور اس عورت کو دے دی، اس عورت نے اس کھجور کے دو ٹکڑے کیے اور اپنی دو بیٹیوں میں تقسیم کر دی اور پھر کھڑی ہوئی اور چلی گئی، پھر نبی ﷺ داخل ہوئے تو میں نے آپ کو یہ واقعہ سنایا، آپ نے فرمایا: جوان بیٹیوں کی تھوڑی سی بھی سرپرستی کرتا ہے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا ہے تو وہ بیٹیاں اس کے لیے دوزخ سے حجاب بن جاتی ہیں۔

(صحیح البخاری: ۱۴۱۸، ۵۹۹۵، صحیح مسلم: ۲۶۲۹، سنن ترمذی: ۱۹۱۵، مسند احمد: ۲۴۸۰۴)

صحیح البخاری: ۵۹۹۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس عورت کی دو بیٹیاں تھیں، اس عورت کو جب حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے کھجور دی تو اس نے خود اس میں سے کچھ نہیں کھایا اور یہ اس عورت کی اپنی بیٹیوں پر رحمت اور شفقت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، یہ حکم بن نافع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن ابی بکر، یہ ابن محمد بن عمرو بن حزم ہیں۔

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب الادب میں روایت کی ہے اور امام ترمذی نے کتاب البر والصلہ میں روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

حدیث مذکور کا دوسری حدیث سے تعارض اور ان میں تطبیق کا بیان

عراک بن مالک نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ میرے پاس ایک مسکین عورت آئی جو دو بیٹیوں کو اٹھائے ہوئے تھی، میں نے اس کو تین کھجوریں کھلائیں، اس نے دو بیٹیوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک کھجور دی اور تیسری کھجور اپنے منہ میں رکھ لی تا کہ اس کو کھائے، پھر ان بیٹیوں نے اور کھانے کو طلب کیا تو جو کھجور اس نے منہ میں رکھی تھی اس کے بھی اس نے دو ٹکڑے کیے اور ہر بیٹی کو ایک ایک ٹکڑا کھلا دیا، تو مجھے اس عورت کے حال پر تعجب ہوا۔ اس حدیث کی امام مسلم نے روایت کی ہے۔ اور امام بخاری کی روایت میں یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس عورت کو ایک کھجور دی تھی۔ تو ان دونوں روایات میں کس طرح تطبیق ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہوسکتا ہے کہ ابتداء میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو صرف ایک کھجور ملی ہو اور وہ انہوں نے اس عورت کو دے دی ہو، اور پھر ان کو دو کھجوریں ملی ہوں، پھر انہوں نے وہ بھی اس عورت کو دے دی ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ قصے ہوں۔

بیٹیوں کی پرورش کے متعلق دیگر احادیث

اس حدیث میں مذکور ہے ''جوان بیٹیوں میں سے کسی چیز کا ولی ہوتا ہے'': اس مضمون کے متعلق کئی احادیث ہیں:

امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی ہو۔

اور امام احمد نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے: جس نے دو بیٹیوں پر یا دو بہنوں پر یا دو رشتہ داروں پر خرچ کیا اور اس میں ثواب کی نیت کی۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''پس اس نے ان کی طرف احسان کیا'' اور اس کی مثل امام بخاری نے الادب المفرد میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور اسی طرح امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور اس میں اضافہ کیا ہے کہ جس نے ان بیٹیوں کو کھلایا، پلایا اور ان کو پہنایا۔

اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، پس جس نے ان پر خرچ کیا اور ان کا نکاح کیا اور ان کو اچھا ادب سکھایا۔

اور امام احمد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: جس نے ان کو اپنے پاس رکھا اور ان پر رحم کیا اور ان کی کفالت کی، اور امام طبرانی نے یہ اضافہ کیا ہے: اور ان کا نکاح کیا۔

اور امام بخاری نے الادب المفرد میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: پس اس نے ان کے ساتھ اچھی مصاحبت کی اور ان کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرا۔

اور امام ترمذی نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جس شخص کی بھی تین بیٹیاں ہوں گی یا تین بہنیں ہوں گی، پس وہ ان کے ساتھ نیک سلوک کرے گا تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

اور امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: جس کی تین بیٹیاں ہوں، وہ ان کی پرورش کرے اور ان کو اپنے پاس رکھے اور ان کی کفالت کرے تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، ہم نے پوچھا: اور اگر وہ دو کی پرورش کرے؟ تو آپ نے فرمایا: اور دو کی بھی، ہم نے عرض کیا: اگر وہ ایک کی پرورش کرے؟ تو آپ نے فرمایا: ایک کی بھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ستراً" یعنی وہ بیٹیاں اس کے لیے دوزخ کی آگ سے حجاب بن جائیں گی۔

اس حدیث میں بیٹوں کے حق کے اوپر بیٹیوں کے حق کو تاکید سے بیان فرمایا، کیونکہ بیٹیاں کمزور ہوتی ہیں، وہ از خود کسب نہیں کر سکتیں اور عمدہ تصرف نہیں کر سکتیں، اور جب بھی انہیں کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو وہ اپنے باپ کی طرف رجوع کرتی ہیں۔

اور امام ابن ماجہ نے حضرت سراقہ بن مالک سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا میں افضل صدقہ پر تمہاری رہنمائی نہ کروں؟ تمہاری بیٹی تمہاری طرف رد کی جاتی ہے، اس کے لیے تمہارے سوا اور کوئی کسب کرنے والا نہیں ہوتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۵۴۔۱۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۹۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ سُلَيْمٍ حَدَّثَنَا أَبُو قَتَادَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَأُمَامَةُ بِنْتُ أَبِي الْعَاصِ عَلَى عَاتِقِهِ فَصَلَّى فَإِذَا رَكَعَ وَضَعَ وَإِذَا رَفَعَ رَفَعَهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت سعید المقبری رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن سلیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو قتادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر ہمارے پاس تشریف لائے اور حضرت امامہ بنت ابی العاص آپ کے کندھے پر سوار تھیں، سو آپ نے نماز پڑھی، پس جب آپ رکوع کرتے تو ان کو کندھے سے اتار کر زمین پر بٹھا دیتے اور جب رکوع سے کھڑے ہوتے تو پھر ان کو اٹھا لیتے۔

(صحیح البخاری: ۵۱۶، ۵۹۹۶، صحیح مسلم: ۵۴۳، سنن نسائی: ۱۲۰۴، سنن ابو داؤد: ۹۱۷، مسند احمد: ۲۲۰۷۳)

صحیح البخاری: ۵۹۹۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں بچوں پر رحمت کا ذکر ہے، اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل سے بچوں پر رحمت اور شفقت کا ثبوت ہے کہ آپ نے اپنی نواسی پر رحمت اور شفقت کی اور ان کو کندھے پر بٹھا کر نماز پڑھی، اور حضرت امامہ بنت ابی العاص بن الربیع حضرت زینب بنت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نواسی تھیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالولید کا ذکر ہے، یہ ہشام بن عبدالملک ہیں۔ اور عمرو بن سلیم کا ذکر ہے، یہ انصاری ہیں۔ اور ابوقتادہ کا ذکر ہے، یہ الحارث بن ربعی الانصاری ہیں۔ یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''جب آپ رکوع کرتے تو حضرت امامہ کو کندھے سے اتار کر زمین پر بٹھا دیتے'' اور کتاب الصلوٰۃ میں مذکور ہے کہ جب آپ سجدہ کرتے تو ان کو زمین پر بٹھا دیتے لیکن ان میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ آپ رکوع کے وقت بھی انہیں کندھے سے اتارتے ہوں اور سجدہ کے وقت بھی انہیں اتارتے ہوں۔

اور التوضیح میں مذکور ہے کہ یہ نماز فرض تھی، اور وہاں اس پر کلام گزر چکا ہے۔

حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، اور حضرت امامہ بنت ابی العاص آپ کی گردن پر تھیں، جب آپ سجدہ کرتے تو ان کو زمین پر رکھ دیتے۔ (سنن ابوداؤد: ۹۱۹)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بیان کرتے ہیں: ہم ظہر یا عصر کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپ کو نماز کے لیے بلایا، آپ تشریف لائے اور حضرت امامہ بنت ابی العاص آپ کی صاحبزادی رضی اللہ عنہا کی بیٹی آپ کی گردن پر تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جانماز پر کھڑے ہوئے اور ہم آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے، اور حضرت ابوامامہ آپ کی گردن پر ہی تھیں، آپ نے اللہ اکبر کہا، پھر ہم نے اللہ اکبر کہا، حتیٰ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو ان کو پکڑ کر زمین پر رکھ دیا، پھر آپ نے رکوع کیا اور سجدہ کیا حتیٰ کہ جب آپ سجدہ سے فارغ ہو کر کھڑے ہوئے تو پھر آپ نے ان کو پکڑ کر اپنی گردن پر رکھ لیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رکعت اسی طرح پڑھاتے رہے حتیٰ کہ آپ اپنی نماز سے فارغ ہو گئے۔ (سنن ابوداؤد: ۹۲۰)

۵۹۹۷ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ قَبَّلَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ وَعِنْدَهُ الْأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ التَّمِيمِيُّ جَالِسًا فَقَالَ الْأَقْرَعُ إِنَّ لِي عَشَرَةً مِنَ الْوَلَدِ مَا قَبَّلْتُ مِنْهُمْ أَحَدًا فَنَظَرَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم ثُمَّ قَالَ مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: ہمیں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی، کہ بے شک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو بوسا دیا اور آپ کے پاس اس وقت الاقرع بن حابس التمیمی بیٹھے ہوئے تھے، تو اقرع نے کہا: میرے دس بچے ہیں، میں نے ان میں سے کسی کو بھی بوسا نہیں دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا، پھر فرمایا: جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

(صحیح مسلم: ۲۳۱۸، سنن ترمذی: ۱۹۱۱، سنن ابوداؤد: ۵۲۱۸، مسند احمد: ۷۵۹۲)

صحیح البخاری: ۵۹۹۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، اور ابوالیمان کا نام الحکم بن نافع ہے، اور یہ حدیث امام بخاری کے تفردات میں سے ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''وعندہ الاقرع بن حابس جالسا'' اقرع بن حابس مولفۃ القلوب میں سے تھے اور انہوں نے اسلام میں بہت اچھے کام کیے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)
میں کہتا ہوں: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اپنے بچوں کو شفقت سے بوسا دینا بھی ان بچوں پر رحم کرنا ہے، اور جو کسی پر رحم کرتا ہے اسی پر رحم کیا جاتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان، دوسرے انسانوں کے ساتھ جو سلوک کرتا ہے، اس کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کیا جاتا ہے۔ اگر انسان دوسرے انسانوں پر رحم کرے گا تو اس پر بھی رحم کیا جائے گا اور اگر انسان دوسرے انسانوں پر ظلم کرے گا تو اس پر بھی ظلم کیا جائے گا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۹۹۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ تُقَبِّلُونَ الصِّبْيَانَ فَمَا نُقَبِّلُهُمْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَوَأَمْلِكُ لَكَ أَنْ نَزَعَ اللهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ۔

(صحیح مسلم: ۲۳۱۷، سنن ابن ماجہ: ۳۶۶۵، مسند احمد: ۲۴۷۷۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ہشام از عروہ، از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک اعرابی آیا، سو اس نے کہا: آپ بچوں کو بوسا دیتے ہیں ہم تو ان کو بوسا نہیں دیتے؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے رحمت نکال لی ہے تو کیا میں اس پر قادر ہوں؟

صحیح البخاری: ۵۹۹۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن یوسف، وہ فریابی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ ثوری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام، وہ ابن عروہ ہیں جو اپنے والد عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔
یہ حدیث امام بخاری کے تفردات میں سے ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''جاء اعرابی'' ایک قول یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ اقرع بن حابس ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ قیس

بن عاصم التمیمی السعدی ہو۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ عیینہ بن حصن بن حذیفہ الفزاری ہو، کیونکہ اس نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سوال کیا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "او املك لك ان نزع الله من قلبك الرحمة" یعنی استفہام انکاری ہے، اور حاصل معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل سے رحمت نکال لی ہے تو میں اس پر قادر نہیں ہوں کہ میں تمہارے دل میں رحمت ڈال دوں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۹۹۔ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی الله عنه قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم سَبْيٌ فَإِذَا امْرَأَةٌ مِنَ السَّبْيِ قَدْ تَحْلُبُ ثَدْيَهَا تَسْقِي إِذَا وَجَدَتْ صَبِيًّا فِي السَّبْيِ أَخَذَتْهُ فَأَلْصَقَتْهُ بِبَطْنِهَا وَأَرْضَعَتْهُ فَقَالَ لَنَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَتُرَوْنَ هَذِهِ طَارِحَةً وَلَدَهَا فِي النَّارِ قُلْنَا لَا وَهِيَ تَقْدِرُ عَلَى أَنْ لَا تَطْرَحَهُ فَقَالَ لَلَّهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ هَذِهِ بِوَلَدِهَا۔
(صحیح مسلم: ۲۷۵۴)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو غسان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے زید بن اسلم نے حدیث بیان کی از والد خود، از حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیدی آئے، پس قیدیوں میں ایک عورت تھی، وہ اپنے پستان سے دودھ پلانے کے لیے دودھ نکال رہی تھی، جب وہ اپنے بچے کو دیکھتی تو اس کو پکڑ کر اپنے سینے سے چمٹاتی اور اس کو دودھ پلاتی، پس ہم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارا گمان ہے کہ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ ہم نے کہا: نہیں! اگر وہ اس کو آگ میں نہ ڈالنے پر قادر ہوگی تو نہیں ڈالے گی، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ رحم کرنے والا ہے جتنا یہ عورت اپنے بچے پر رحم کرتی ہے۔

صحیح البخاری: ۵۹۹۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں ذکر ہے: اپنے بچوں پر رحم کرنا، اور اس حدیث میں ہے کہ اس قیدی عورت کو جب اپنا بچہ مل گیا تو اس نے اس کو اپنے سینے سے چمٹالیا اور اس کو اپنا دودھ پلایا، اور یہ اس عورت کی اپنے بچے پر رحمت کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی مریم، اور یہ سعید بن محمد بن الحکم بن ابی مریم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو غسان، یہ محمد بن مطرف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زید بن اسلم، وہ اپنے والد اسلم حبشی البجاوی سے روایت کرتے

ہیں جو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد شدہ غلام ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "قدم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم سبی" یعنی چند لڑکے اور عورتیں قید کی گئی تھیں اور یہ ہوازن کے قیدی تھے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "تحلب" یعنی اس کے پستان دودھ سے بھرے ہوئے تھے، اور دوسری روایت میں ہے "تسعی" یعنی وہ تیز تیز چل رہی تھی۔ اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے: وہ اپنے بچے کو ڈھونڈ رہی تھی۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اذا وجدت صبیا" یعنی وہ عورت جب کسی بچے کو پاتی تو اس کو اپنے سینے سے چمٹا لیتی اور اس کو دودھ پلاتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ وہی عورت تھی جو اپنے بچے کو ڈھونڈ رہی تھی، جب بچہ مل گیا تو خوشی سے اس نے اپنے بچے کو سینے سے چمٹا لیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بعبادہ" ایک قول یہ ہے کہ لفظ عباد عام ہے اور اس کا معنی خاص ہے یعنی اللہ مومنین پر اس سے زیادہ رحم فرماتا ہے جتنا یہ عورت اپنے بچے پر رحم کرتی ہے۔

اور ظاہر یہ ہے کہ یہ عام ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق پر رحم فرماتا ہے، جیسا کہ اگلے باب کی حدیث میں آئے گا کہ میں نے زمین میں اپنی رحمت کا ایک حصہ نازل کیا ہے اور اسی رحمت سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت کا بیان اور یہ کہ بعض بندوں کو دوزخ میں ڈالنا یا بعض بندوں کو دنیا میں مصائب اور بیماری میں مبتلا کرنا، اس کی ان پر رحمت کے خلاف نہیں ہے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا: تمہارا کیا گمان ہے یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ تو صحابہ نے کہا: اگر یہ عورت اس پر قادر ہوگی تو نہیں ڈالے گی۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جتنا یہ عورت اپنے بچے پر رحم کرتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دوزخ میں تو ڈالے گا، تو پھر یہ کیسے درست ہوگا کہ یہ عورت تو اپنے بچے کو آگ میں نہیں ڈالتی اور اللہ تعالیٰ جو اس عورت سے زیادہ اپنے بندوں پر رحم کرنے والا ہے، وہ اپنے بعض بندوں کو آگ میں ڈال دے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دوزخ میں نہیں ڈالے گا، جن کو دوزخ میں ڈالے گا ان میں سے کوئی اپنے آپ کو سورج کا بندہ کہتا ہے، کوئی اپنے آپ کو آگ کا بندہ کہتا ہے، کوئی پتھر کی بنائی ہوئی مورتیوں اور بتوں کا بندہ کہتا ہے، کوئی اپنے آپ کو پیپل کے درخت کا بندہ کہتا ہے، سو جو اللہ کا بندہ ہے اور اپنے آپ کو وہ اللہ کا بندہ کہتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں نہیں ڈالے گا۔

اس پر پھر یہ سوال ہے کہ بعض مومنین کو بھی تو دوزخ میں ڈالا جائے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو دوزخ میں عذاب کے لیے نہیں ڈالا جائے گا بلکہ گناہوں سے پاک کرنے کے لیے ڈالا جائے گا۔ یہ ایسا ہے کہ بچے کے بدن پر میل کچیل ہو تو ماں بچے کو صابن سے رگڑ رگڑ کر نہلاتی ہے، بچہ روتا ہے چلاتا ہے لیکن ماں بچے کی خیر کی خاطر اس کو رگڑ رگڑ کر نہلاتی ہے۔

اسی طرح یہ سوال بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب بندوں سے ماں سے زیادہ رحمت کرتا ہے تو پھر بندوں کو مصائب میں کیوں مبتلا کرتا ہے؟ ان پر آفات کیوں نازل کرتا ہے؟ ان پر بیماریاں کیوں مسلط کرتا ہے؟ علیٰ ھذا القیاس۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مصائب اور قدرتی آفات اور بیماریاں بھی بندوں پر ان کے گناہوں کی وجہ سے آتی ہیں، اور ان مصائب اور بیماریوں کی وجہ سے بندہ گناہوں سے پاک اور صاف ہو جاتا ہے اور جتنے زیادہ اس پر مصائب آئیں گے یا بیماریاں آئیں گی اتنا زیادہ وہ گناہوں سے پاک ہوگا، اور بعض نیک لوگوں پر بھی مصائب آتے ہیں جیسے اہل بیت کرام پر مصائب آئے اور بعض صحابہ کرام پر مصائب آئے، وہ ان کے درجات بلند کرنے کے لیے ہوتے ہیں، حتیٰ کہ قیامت کے دن دنیا میں مصائب اٹھانے والوں کے درجات جنت میں اتنے بلند ہوں گے کہ جن مومنین پر دنیا میں مصائب نہیں آئے تھے وہ حسرت سے انہیں دیکھ کر کہیں گے: کاش! ہم پر وہ مصائب آتے اور ہمیں بھی یہ مرتبہ اور ثواب ملتا جو مرتبہ اور ثواب تم کو ملا ہے۔

۱۹۔ بَابٌ: جَعَلَ اللّٰهُ الرَّحْمَةَ مِائَةَ جُزْءٍ — اس کا بیان کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کیے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کیے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۰۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ الْبَهْرَانِيُّ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ جَعَلَ اللّٰهُ الرَّحْمَةَ مِائَةَ جُزْءٍ فَأَمْسَكَ عِنْدَهُ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ جُزْءًا وَأَنْزَلَ فِي الْأَرْضِ جُزْءًا وَاحِدًا فَمِنْ ذَلِكَ الْجُزْءِ يَتَرَاحَمُ الْخَلْقُ حَتّٰى تَرْفَعَ الْفَرَسُ حَافِرَهَا عَنْ وَلَدِهَا خَشْيَةَ أَنْ تُصِيبَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحکم بن نافع البہرانی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن المسیب نے خبر دی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے کیے، پس ننانوے حصے اپنے پاس رکھ لیے اور زمین پر ایک حصہ نازل کیا، اور اسی ایک حصہ سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے، حتیٰ کہ گھوڑا اپنے بچے کے اوپر سے اپنا پیر اٹھا لیتا ہے کہ کہیں وہ بچہ پیر کے نیچے دب نہ جائے۔

(صحیح بخاری: ۶۴۶۹، صحیح مسلم: ۲۷۵۲، سنن ترمذی: ۳۵۴۱، سنن ابن ماجہ: ۴۲۹۳، مسند احمد: ۹۳۲۶، سنن دارمی: ۲۷۸۵)

صحیح البخاری: ۶۰۰۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحکم بن نافع، یہ ابوالیمان ہیں۔ اور امام بخاری نے اپنی کتاب میں اکثر جگہ پر ان کا ذکر ان کی کنیت کے ساتھ کیا ہے اور ان کے نام کا ذکر صرف یہیں پر کیا ہے۔ اور امام بخاری نے اس حدیث کو اسی طرح سنا اور اسی سند کے ساتھ سنا۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کیے اور ننانوے اپنے پاس رکھ لیے''۔ اس حدیث پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تو غیر متناہی ہے، نہ اس کے سو اجزاء ہیں اور نہ دو سو اجزاء ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ رحمت سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ قدرت ہے جو خیر کے پہنچانے کے ساتھ متعلق ہے، اور قدرت صفتِ واحدہ ہے اور اس کا تعلق غیر متناہی ہے۔ پس اس کا سو میں حصر کرنا بطورِ تمثیل کے ہے تا کہ اس بات کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور زمین پر اس نے ایک رحمت نازل کی ہے''۔ اس سے غرض مبالغہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے رحمت کو تمام روئے زمین میں منتشر رکھا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ سو کے عدد کو مبالغہ ظاہر کرنے کے لیے کیا حکمت ہے، جب کہ عرب کی عادت یہ ہے کہ مبالغہ ظاہر کرنے کے لیے ستر کا عدد ذکر کرتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اس خاص عدد کا اطلاق کیا گیا ہے تا کہ تکثیر اور مبالغہ کا اظہار ہو، اور ستر بھی سو کے اجزاء میں سے ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ثابت ہے کہ آخرت کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر درجہ زائد ہے، پس اگر رحمت کا ہر جز کے ساتھ تقابل کیا جائے تو رحمت کے تیس اجزاء زائد ہوں گے، اس سے معلوم ہوا کہ آخرت میں رحمت دنیاوی سزا سے زیادہ ہوگی اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حتی ترفع الفرس حافرھا'': گھوڑے کا پیر یا کھر ایسا ہے جیسے بکری کا سینگ ہوتا ہے، اور گھوڑے کو ذکر کے ساتھ اس لیے خاص کیا کہ جو حیوان انسان سے مانوس ہوتے ہیں ان میں گھوڑا سب سے زیادہ مانوس ہوتا ہے، اور دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ وہ کس طرح اپنے بچے کے ساتھ حرکت کرتا ہے، وہ بہت تیزی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے اس کے باوجود وہ اپنے بچے کو ضرر سے بچانے کے لیے اپنا پیر اٹھالیتا ہے۔

اور عطاء کی روایت میں ہے: اسی ایک رحمت کے سبب سے لوگ ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور وحشی جانور اور پرندے ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۵۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٢٠- بَابُ: قَتْلِ الْوَلَدِ خَشْيَةَ أَنْ يَأْكُلَ مَعَهُ

اس کا بیان کہ بیٹے کو اس خوف سے قتل کرنا کہ وہ اس کے ساتھ کھائے گا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ کسی مرد کا اپنے بیٹے کو اس خوف سے قتل کرنا کہ وہ اس کے ساتھ کھائے گا، یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۵۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۶۰۰۱- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُرَحْبِيلَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ قَالَ أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَأْكُلَ مَعَكَ قَالَ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ وَأَنْزَلَ اللهُ تَصْدِيقَ قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللهِ إِلٰهًا آخَرَ﴾ الْآيَةَ (الفرقان: ۶۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن کثیر نے حدیث بیان بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از منصور از ابی وائل از عمرو بن شرحبیل از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اللہ کے لیے شریک بناؤ، حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے، میں نے کہا: پھر کونسا گناہ؟ آپ نے فرمایا: تم اپنے بیٹے کو قتل کرو اس خوف سے کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گا، انہوں نے کہا: پھر کونسا گناہ؟ آپ نے فرمایا: کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔ اور اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی: اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے۔ (الفرقان: ۶۸)

(صحیح بخاری: ۴۴۷۷، ۴۷۶۱، ۶۰۰۱، ۶۸۱۱، ۶۸۶۱، ۷۵۲۰، ۷۵۳۲، صحیح مسلم: ۸۶، سنن ترمذی: ۳۱۸۲، سنن نسائی: ۴۰۱۳، سنن ابوداؤد: ۲۳۱۰، مسند احمد: ۴۱۲۰)

صحیح البخاری: ۶۰۰۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، اور وہ ثوری ہیں۔ اور اس کی سند میں مذکور ہے منصور، اور وہ ابن المعتمر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو وائل، یہ شقیق بن سلمہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو بن شرحبیل، یہ ابو میسرہ الہمدانی ہیں۔ اور اس میں مذکور ہے عبد اللہ، یہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

یہ حدیث سورۃ الفرقان کی تفسیر میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ندا'' اس کا معنی ہے: کسی چیز کی مثل جو کئی امور میں اس کی مخالفت کرے اور اس کی جمع انداد آتی ہے۔
اور اس حدیث میں مذکور ہے ''خشية ان یاکل''۔ علامہ کرمانی نے کہا: اس حدیث کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر اس کو یہ خوف نہ ہو کہ بیٹا اس کے ساتھ کھائے گا تو پھر اس کو قتل کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے، پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ اس مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہے اور اس کا ذکر اس لئے فرمایا ہے کہ ان کی عادت یہی تھی کہ وہ اس لیے بیٹے کو قتل کر دیتے تھے کہ وہ ان کے ساتھ کھائے گا اور نیز اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس سبب سے بیٹے کو قتل کرنا زیادہ گناہ ہے اگر وہ اس سبب کے بغیر قتل کرے گا۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''حليلة جارك'' حليلة کا معنی ہے بیوی، یعنی پڑوسی کی بیوی اور بیوی کو حلیلۃ اس لیے فرمایا کہ اس کا خاوند اس کے لئے حلال ہے، بلکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے لئے حلال ہے۔

سب سے بڑے گناہ کے متعدد مصداق

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ تمام گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اللہ عزوجل کے ساتھ شریک بنانا ہے۔ پھر ہر مقام میں اس گناہ کے بڑے ہونے کا اعتبار کیا جو اس مقام کے اعتبار سے تقاضا ہو اور اس میں سننے والوں کو زجر و توبیخ کی گئی ہو، کیونکہ وہ اس کو آسان سمجھتے تھے اور یا جھوٹ بولنا معاصی قولیہ میں سب سے بڑا گناہ ہے۔ اور قتل کرنا معاصی فعلیہ میں سب سے بڑا گناہ ہے ان معاصی میں جن کا تعلق لوگوں کے حقوق کے ساتھ ہو۔ اور پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا، زنا کی انواع میں سب سے بڑا گناہ ہے۔
نیز اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کی تصدیق میں آیت نازل فرمائی۔
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین گناہوں کو بڑا گناہ فرمایا تھا: ایک گناہ ہے اللہ کا شریک بنانا، دوسرا گناہ ہے قتل ناحق، اور تیسرا گناہ ہے زنا کرنا اور ان تینوں گناہوں کا ذکر سورۂ فرقان کی اس آیت میں ہے:

وَ الَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا یَزْنُوْنَ ۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا ۟

اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ وہ کسی ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے ناحق قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو ایسے کام کرے گا وہ اپنے گناہوں کی سزا پائے گا (الفرقان: ۶۸)

اور تصدیق کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قتل کو اور زنا کو شرک کی سلک میں ذکر فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب سے بڑے گناہ ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۱۔ بَابٌ: وَضْعِ الصَّبِیِّ فِی الْحِجْرِ — بچے کو گود میں رکھنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب ہے کہ بچے کو شفقت اور مہربانی کے جذبہ سے گود میں رکھنا جائز ہے۔اور جس کی گود میں رکھا جائے اس میں اس کی تواضع اور حلم کی دلیل ہے، کیونکہ بچے سے یہ خطرہ رہتا ہے کہ وہ گود میں پیشاب کر دے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۰۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ هِشَامٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَضَعَ صَبِيًّا فِي حَجْرِهِ يُحَنِّكُهُ فَبَالَ عَلَيْهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَتْبَعَهُ.

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حدیث بیان کی محمد بن المثنیٰ نے، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی از ہشام، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچے کو اپنی گود میں رکھا، آپ اس کو گھٹی دے رہے تھے، اس نے آپ کے اوپر پیشاب کر دیا، آپ نے پانی منگا کر اس پر بہا دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۲۲، ۵۴۶۸، ۶۰۰۲، ۶۳۵۵، صحیح مسلم: ۲۸۶، سنن نسائی: ۳۰۳، سنن ابن ماجہ: ۵۲۳، مسند احمد: ۲۴۰۲۵، موطا امام مالک: ۱۴۲)

صحیح البخاری: ۶۰۰۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن سعید، اور وہ القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام، اور وہ ابن عروہ ہیں، وہ اپنے والد عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث کتاب الطہارۃ میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فی حجرہ" حجر کے لفظ میں حاء پر زبر بھی ہے اور اس کے نیچے زیر بھی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یحنکہ" یہ تحنیک سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: گھٹی دینا، یعنی کسی پھل کو چبا کر بچے کے منہ میں رکھنا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

پیشاب کا مطلقاً نجس ہونا

فقہاء شافعیہ یہ کہتے ہیں کہ دودھ پیتی بچی کا پیشاب زیادہ بدبودار اور نجس ہوتا ہے اور اس کو دھونا واجب ہے اور دودھ پیتے بچے کا پیشاب زیادہ نجس نہیں ہوتا اور اس کو دھونا ضروری نہیں ہے، صرف اس کے اوپر پانی چھڑک دینا کافی ہے۔

اور فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ پیشاب مطلقاً نجس ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پیشاب کے قطروں سے بچو، کیونکہ اسی کی وجہ سے عام عذاب قبر ہوتا ہے۔ (سنن دار قطنی: ۴۵۷، دار المعرفہ بیروت، اس حدیث کی سند صحیح ہے)۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکر اور مؤنث کا فرق کیے بغیر مطلقاً فرمایا کہ پیشاب کے قطروں سے بچو۔

۲۲۔ بَابٌ: وَضْعِ الصَّبِيِّ عَلَى الْفَخِذِ — بچے کو ران پر بٹھانے کا بیان

اس باب میں بچے کو ران پر بٹھانے کا بیان ہے، یعنی یہ جائز ہے۔

۶۰۰۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَارِمٌ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا تَمِيمَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ يُحَدِّثُهُ أَبُو عُثْمَانَ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رضی الله عنهما كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَأْخُذُنِي فَيُقْعِدُنِي عَلَى فَخِذِهِ وَيُقْعِدُ الْحَسَنَ عَلَى فَخِذِهِ الْأُخْرَى ثُمَّ يَضُمُّهُمَا ثُمَّ يَقُولُ اللّٰهُمَّ ارْحَمْهُمَا فَإِنِّي أَرْحَمُهُمَا وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ قَالَ التَّيْمِيُّ فَوَقَعَ فِي قَلْبِي مِنْهُ شَيْءٌ قُلْتُ حَدَّثْتُ بِهِ كَذَا وَكَذَا فَلَمْ أَسْمَعْهُ مِنْ أَبِي عُثْمَانَ فَنَظَرْتُ فَوَجَدْتُهُ عِنْدِي مَكْتُوبًا فِيمَا سَمِعْتُ۔

(صحیح البخاری: ۳۷۳۵، ۳۷۴۷، ۶۰۰۳، مسند احمد: ۲۱۳۲۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عارم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں المعتمر بن سلیمان نے حدیث بیان کی، وہ اپنے والد سے حدیث بیان کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے سنا ابوتمیمہ حدیث بیان کرتے تھے از ابی عثمان النہدی، ان کو ابوعثمان نے حدیث بیان کی از حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پکڑتے اور مجھے اپنی ران پر بٹھاتے، اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دوسری ران پر بٹھاتے، پھر ان دونوں کو اپنے ساتھ ملاتے، پھر فرماتے: اے اللہ! ان پر رحم فرما، کیونکہ میں ان پر رحم کرتا ہوں۔

اور حضرت علی، وہ بیان کرتے ہیں: ہمیں حدیث بیان کی یحییٰ نے، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی سلیمان نے از ابی عثمان، انہوں نے بیان کیا کہ التیمی نے کہا: پس میرے دل میں اس سے کوئی شبہ واقع ہوا، میں نے کہا: مجھے اس طرح اور اس طرح حدیث بیان کی گئی ہے اور میں نے اس حدیث کو ابی عثمان سے نہیں سنا، پھر میں نے تلاش کیا تو میرے پاس بھی یہ حدیث اسی طرح لکھی ہوئی تھی جس طرح میں نے سنا تھا۔

صحیح البخاری: ۶۰۰۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن محمد، یہ المسندی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عارم، یہ محمد بن الفضل السدوسی کا لقب ہے اور وہ امام بخاری کے مشائخ میں سے ہیں، انہوں نے کتاب الایمان میں ان سے بالواسطہ اور بلاواسطہ حدیث روایت کی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں المعتمر بن سلیمان کا ذکر ہے، یہ ابن طرخان ہیں، اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوتمیمہ کا ذکر ہے، یہ ابن مجالب الہجیمی ہیں، صحیح بخاری میں ان کی صرف یہی حدیث ہے۔ اور کتاب

الاحکام میں جندب بجلی سے ان کی روایت ہے۔اوراس حدیث کی سند میں ابوعثمان کا ذکر ہے، یہ عبد الرحمٰن بن مل النھدی ہیں۔
اور سلیمان اور ابوتمیمہ اور ابوعثمان یہ تینوں تابعین میں سے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''یحدثه ابوعثمان''یعنی ابوعثمان عبدالرحمٰن نے ابوتمیمہ کو حدیث بیان کی۔

اللہ تعالیٰ اور بندوں کی طرف نسبت کرنے سے رحم کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''اللھم ارحمھما''جب رحم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتو اس کا معنی ہوتا ہے خیر کو پہنچانا، اور جب رحم کی نسبت بندوں کی طرف ہوتو اس کا معنی ہوتا ہے شفقت اور مہربانی۔

حضرت اسامہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ران پر بٹھانے پر ایک اشکال کا جواب

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ میری رائے میں ان دونوں کو بیک وقت آپ نے اپنی ران پر نہیں بٹھایا، کیونکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے عمر میں بڑے تھے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عمر آٹھ سال تھی اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں مکمل مرد تھے، اور آپ نے ان کو ایک لشکر کا امیر بنایا تھا جس میں بکثرت صحابہ تھے، ان میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔اور ایک جماعت نے خبر دی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی عمر بیس سال تھی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس اشکال کا جواب دیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کو ان کی کسی بیماری کی وجہ سے اپنی ران پر بٹھایا ہو، اور اسی حالت میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی آگئے تو ان کو دوسری ران پر بٹھالیا۔ پھر آپ نے اس کا عذر پیش کرتے ہوئے فرمایا: میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں، اور اس میں غور کرنا چاہیے۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: اگر معترض اس احتمالی جواب سے راضی ہوجائے تو میں بھی کہتا ہوں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنی ران کے سامنے یا بالمقابل بٹھایا تاکہ ان کی بیماری میں غور کریں، اور اس حالت کو حضرت اسامہ نے اس طرح تعبیر کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی ران پر بٹھاتے تھے، یا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے محبت میں مبالغہ کی وجہ سے کہا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۳۔ بَابُ: حُسْنِ الْعَهْدِ مِنَ الْإِيمَانِ پرانے تعلق اور صحبت کو نبھانا بھی ایمان کی علامت ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
یہ باب اس کے بیان میں ہے کہ پرانے تعلق اور صحبت کو نبھانا اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنا بھی کمال ایمان سے ہے، کیونکہ تمام نیک کام ایمان کی علامت ہیں۔اور عہد سے یہاں پر مراد حرمت کے تعلق کی رعایت ہے، یہ ابوعبید کا قول ہے۔اور قاضی عیاض نے کہا: کسی شے کی حفاظت کرنا اور اس کو لازم رکھنا، یہ عہد کا معنی ہے۔اور امام راغب اصفہانی نے کہا: کسی شے کی حفاظت کرنا اور

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی رعایت کرنا یہ حسن العہد ہے۔ اور لفظِ عہد کا اطلاق کئی معانی پر ہوتا ہے:
زمان، مکان، قسم، ذمہ، صحبت، میثاق، امان، نصیحت، وصیت، اور بارش۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۰۴۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ مَا غِرْتُ عَلَى امْرَأَةٍ مَا غِرْتُ عَلَى خَدِيجَةَ وَلَقَدْ هَلَكَتْ قَبْلَ أَنْ يَتَزَوَّجَنِي بِثَلَاثِ سِنِينَ لِمَا كُنْتُ أَسْمَعُهُ يَذْكُرُهَا وَلَقَدْ أَمَرَهُ رَبُّهُ أَنْ يُبَشِّرَهَا بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ وَإِنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَيَذْبَحُ الشَّاةَ ثُمَّ يُهْدِي فِي خُلَّتِهَا مِنْهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں: مجھے کسی عورت پر اتنی غیرت نہیں آئی جتنی غیرت مجھے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر آتی تھی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میرے ساتھ شادی کرنے سے تین سال پہلے وفات پا گئی تھیں، کیونکہ میں آپ سے ان کا ذکر سنتی رہتی تھی، اور آپ کو آپ کے رب نے حکم دیا کہ آپ ان کو جنت میں کھوکھلے موتیوں کے محل کی بشارت دیں، اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بکری ذبح کرتے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو اس میں سے حصہ بھیجتے۔

(صحیح بخاری: ۳۸۱۶، ۳۸۱۷، ۳۸۱۸، ۵۲۲۹، ۶۰۰۴، ۷۴۸۴، صحیح مسلم: ۲۴۳۵، سنن ترمذی: ۳۸۷۵، سنن ابن ماجہ: ۱۹۹۷، مسند احمد: ۲۵۱۳۰)

صحیح البخاری: ۶۰۰۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''پرانے تعلق اور صحبت کو نبھانا'' اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے لیے گوشت بھیجتے تھے، اور ان کے ساتھ جو وقت گزارا تھا اس کی رعایت کرتے ہوئے ان کی سہیلیوں کے ساتھ نیکی کرتے۔

امام حاکم اور بیہقی نے شعب الایمان میں اپنی سندوں کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ایک بوڑھی عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، آپ نے اس سے پوچھا: تم کیسی ہو؟ تمہارا کیا حال ہے؟ اور ہمارے بعد تم کیسے رہوگی؟ اس بوڑھی عورت نے کہا: یا رسول اللہ! آپ پر میرا باپ اور میری ماں فدا ہوں، ہم بہت اچھی طرح ہیں، جب وہ بوڑھی عورت چلی گئی تو میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ اس بوڑھی عورت کے ساتھ بہت اچھی طرح ملے۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! یہ ہمارے پاس خدیجہ کے زمانہ میں آیا کرتی تھی، اور عہد اور صحبت کا حسن بھی ایمان سے ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو اسامہ، یہ حماد بن اسامہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام، یہ اپنے والد عروہ

بن الزبیر سے روایت کرتے ہیں از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ماغرت" یعنی جتنی مجھے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر غیرت آتی تھی، اتنی کسی اور عورت پر نہیں آئی۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے "لما کنت" یعنی اس وجہ سے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر بہت زیادہ سنتی تھی۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے "وان کان" یہ ان ثقیلہ سے مخفف ہے اور اس کا معنی ہے: بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم بکری ذبح کرتے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "فی خلتها" تو اس کا گوشت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو بھیجتے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۴۔ بَابُ: فَضْلِ مَنْ يَعُولُ يَتِيمًا — جو یتیم کی پرورش کرے، اس کی فضیلت کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص یتیم کی پرورش کرے، اس پر خرچ کرے اور اس کی اصلاح کرے، اس کی فضیلت کتنی ہے۔

۶۰۰۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَقَالَ بِإِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن عبدالوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عبدالعزیز بن ابی حازم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور آپ نے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کے ساتھ اشارہ کیا۔

(صحیح البخاری: ۵۳۰۴، ۶۰۰۵، سنن ترمذی: ۱۹۱۸، سنن ابوداؤد: ۵۱۵۰، مسند احمد: ۲۲۳۱۳)

صحیح البخاری: ۶۰۰۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "یتیم کی پرورش کرنے والے کی فضیلت" اور اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ساتھ ہوں گے جس طرح انگشتِ شہادت درمیانی انگلی کے ساتھ ہے، اور یہ بہت بڑی فضیلت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدالعزیز کا ذکر ہے، یہ اپنے والد ابی حازم سلمہ بن دینار سے روایت کرتے ہیں از حضرت سہل بن سعد الساعدی الانصاری رضی اللہ عنہ۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''کافل الیتیم'' یعنی یتیم کی مصلحتوں کا منتظم اور اس کے معاملات کا متولی۔

انگشتِ سبابہ اور انگشتِ سباحہ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''السبابہ''، دوسری روایت میں سبابہ کی جگہ السباحہ ہے، اور یہ وہ انگلی ہے جو انگوٹھے کے ساتھ ہوتی ہے، اس کو سباحہ اس لیے فرمایا کہ نماز میں اس کے ساتھ تسبیح کی جاتی ہے اور تشہد میں اس کے ساتھ اشارہ کیا جاتا ہے، اور اس کو سبابہ بھی کہا جاتا ہے، اس لیے کہ اس انگلی کے ساتھ شیطان کو سب کیا جاتا ہے یعنی اسے برا کہا جاتا ہے۔

اس جگہ یہ اعتراض ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے درجات مخلوق کے درجات سے بلند ہوتے ہیں، خاص طور پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ، تو یتیم کی پرورش کرنے والا آپ کے درجہ میں کس طرح ہوگا؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس سے غرض اس شخص کے جنت میں درجہ کی بلندی میں مبالغہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۶۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۵۔ بَابُ: السَّاعِیِ عَلَی الْأَرْمَلَةِ

بیوہ کی مصلحتوں میں کوشش کرنے والے کی فضیلت کا بیان

''ارملة'' کا معنی ہے: وہ عورت جس کا خاوند نہ ہو، اور اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بیوہ کی مصلحتوں میں کوشش کرنے والے کی کتنی فضیلت ہے۔

۶۰۰۶۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوْ كَالَّذِي يَصُومُ النَّهَارَ وَيَقُومُ اللَّيْلَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدِّيلِيِّ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ مَوْلَى ابْنِ مُطِيعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم مِثْلَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از صفوان بن سلیم، وہ اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں، آپ نے فرمایا: بیوہ عورت اور مسکین کی مصلحتوں میں کوشش کرنے والا اس شخص کی مثل ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو یا اس شخص کی مثل ہے جو دن میں روزہ رکھتا ہو اور رات کو قیام کرتا ہو۔

ہمیں حدیث بیان کی اسماعیل نے، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ثور بن زید الدیلی از ابی الغیث مولیٰ ابن مطیع

از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اسی کی مثل حدیث ہے۔

(صحیح بخاری: ۵۳۵۳، ۶۰۰۶، ۶۰۰۷، صحیح مسلم: ۲۹۸۳، سنن ترمذی: ۱۹۶۹، سنن نسائی: ۲۵۷۷، سنن ابن ماجہ: ۲۱۴۰، مسند احمد: ۸۵۱۵)

صحیح البخاری: ۶۰۰۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل بن عبداللہ، یہ اسماعیل بن ابی اویس ہیں جو امام مالک بن انس کے بھانجے ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے صفوان بن سُلیم، یہ حمید بن عبدالرحمٰن المدنی کے آزاد کردہ غلام ہیں، یہ بہت بڑے امام اور پیشوا ہیں، کہا جاتا ہے: انہوں نے چالیس سال تک زمین پر اپنا پہلو نہیں رکھا، اور یہ بادشاہوں کے انعامات کو قبول نہیں کرتے تھے۔

یہ حدیث مرسل ہے، کیونکہ صفوان بن سُلیم تابعی ہیں لیکن جب امام بخاری نے کہا: وہ اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں تو پھر یہ حدیث مسند ہو گئی، اور مجہول ہے، ان کے شیخ کا نام نہیں ذکر کیا گیا، یا تو نسیان کی وجہ سے یا کسی اور غرض کی وجہ سے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۶۔ بَابُ: السَّاعِيْ عَلَى الْمِسْكِيْنِ — مسکین کی مصلحتوں میں کوشش کرنے والے کا بیان

اس باب میں اس شخص کی فضیلت کا بیان ہے جو مسکین کے لیے کوشش کرتا ہو، اور اس کے لیے کماتا ہو، اس کی مصلحتوں کا انتظام کرتا ہو۔

۶۰۰۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيْلِ اللهِ وَأَحْسِبُهُ قَالَ يَشُكُّ الْقَعْنَبِيُّ كَالْقَائِمِ لَا يَفْتُرُ وَكَالصَّائِمِ لَا يُفْطِرُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از ثور بن زید از ابی الغیث، از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیوہ اور مسکین کے لیے کوشش کرنے والا اس کی مثل ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو، اور میرا گمان ہے کہ انہوں نے کہا: قعنبی کو اس میں شک ہے: اس شخص کی مثل ہے جو نماز میں قیام کرتا ہو اور تھکتا نہ ہو، اور اس روزہ دار کی مثل ہے جو روزہ چھوڑتا نہ ہو۔

(صحیح بخاری: ۵۳۵۳، ۶۰۰۶، ۶۰۰۷، صحیح مسلم: ۲۹۸۳، سنن ترمذی: ۱۹۶۹، سنن نسائی: ۲۵۷۷، سنن ابن ماجہ: ۲۱۴۰، مسند احمد: ۸۵۱۵)

صحیح البخاری: ۶۰۰۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث وہی ہے جس کا اس باب سے پہلے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ذکر کیا ہے، اور یہاں بھی اس حدیث کا ذکر

کیا ہے تا کہ بجائے حدیثِ مرسل کے حدیثِ مسند پر اقتصار ہو۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''واحسبه قال'': یعنی قعنبی نے کہا کہ میں امام مالک کو گمان کرتا ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یشك القعنبی''، یہ امام بخاری کا کلام ہے اور قعنبی سے مراد ہیں عبد اللہ بن مسلمہ بن قعنب جو امام بخاری کے شیخ ہیں اور امام مالک سے روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لا یفطر'' یعنی وہ جو نماز میں قیام کرتا ہے اور تہجد پڑھتا ہے اور تھکتا نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۷۔ بَابُ: رَحْمَةِ النَّاسِ وَالْبَهَائِمِ — لوگوں پر اور جانوروں پر رحم کرنے کا بیان

اس باب میں لوگوں پر اور جانوروں پر رحم کرنے کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔

۶۰۰۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي سُلَيْمَانَ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ أَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ وَنَحْنُ شَبَبَةٌ مُتَقَارِبُونَ فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ عِشْرِينَ لَيْلَةً فَظَنَّ أَنَّا اشْتَقْنَا أَهْلَنَا وَسَأَلَنَا عَمَّنْ تَرَكْنَا فِي أَهْلِنَا فَأَخْبَرْنَاهُ وَكَانَ رَفِيقًا رَحِيمًا فَقَالَ ارْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ فَعَلِّمُوهُمْ وَمُرُوهُمْ وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي وَإِذَا حَضَرَتْ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از ابی قلابہ از ابی سلیمان مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے پاس آئے اور ہم سب جوان تھے اور ہم عمر تھے۔ ہم آپ کے پاس بیس راتیں ٹھہرے، پھر آپ نے گمان کیا کہ ہم اپنے گھر والوں کے مشتاق ہو گئے ہیں، تو آپ نے ہم سے سوال کیا کہ ہم اپنے گھر میں کس کو چھوڑ کر آئے ہیں، سو ہم نے آپ کو بتایا اور آپ بہت نرم دل مہربان تھے، آپ نے فرمایا: تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ اور ان کو تعلیم دو اور ان کو حکم دو اور نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اور جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے ایک شخص اذان دے، پھر جو تم میں سے بڑا ہو، وہ امامت کرائے۔

(صحیح بخاری: ۶۲۸، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۵۸، ۶۸۵، ۸۱۹، ۲۸۴۸، ۶۰۰۸، ۷۲۴۶، صحیح مسلم: ۶۷۴، سنن نسائی: ۶۳۵، مسند احمد: ۱۵۱۷۱، سنن دارمی: ۱۲۵۳، سنن ترمذی: ۲۰۵، سنن ابوداؤد: ۵۸۹، سنن ابن ماجہ: ۹۷۹)

صحیح البخاری: ۶۰۰۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "لوگوں پر اور جانوروں پر رحم کرنا" اور اس حدیث میں باب کی جزِ اول کے ساتھ مطابقت ہے، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے "نبی ﷺ نرم دل اور مہربان تھے اور جب آپ نے دیکھا کہ ہمیں گھر کی یاد آ رہی ہے تو آپ نے ہمیں گھر جانے کی اجازت دے دی"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، وہ ابن علیہ ہیں اور یہ ان کی ماں کا نام ہے اور ان کے باپ کا نام ابراہیم ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ایوب، وہ ابن ابی تمیمہ السختیانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو قلابہ، یہ عبداللہ بن زید الجرمی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو سلیمان، یہ مالک بن الحویرث اللیثی ہیں، انہوں نے بصرہ میں رہائش اختیار کر لی تھی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "شببة" یہ فعلة کے وزن پر ہے اور شاب کی جمع ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "متقاربون" یعنی ہم سب عمر میں ایک دوسرے کے قریب تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ومروھم" یعنی انہیں احکامِ شرعیہ پر عمل کرنے کا حکم دو اور ان کو نماز کی تعلیم دو اور انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اکبرکم" یعنی جو تم میں افضل ہو یا تم میں بڑی عمر کا ہو، کیونکہ وہ سب عمر میں تقریباً برابر تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۰۹۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ فَوَجَدَ بِئْرًا فَنَزَلَ فِيهَا فَشَرِبَ ثُمَّ خَرَجَ فَإِذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ يَأْكُلُ الثَّرَى مِنَ الْعَطَشِ فَقَالَ الرَّجُلُ لَقَدْ بَلَغَ هَذَا الْكَلْبَ مِنَ الْعَطَشِ مِثْلُ الَّذِي كَانَ بَلَغَ بِي فَنَزَلَ الْبِئْرَ فَمَلَأَ خُفَّهُ ثُمَّ أَمْسَكَهُ بِفِيهِ فَسَقَى الْكَلْبَ فَشَكَرَ اللَّهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَإِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ أَجْرًا فَقَالَ نَعَمْ فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی، از سمی مولیٰ ابی بکر از ابی صالح السمان از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پچھلی امتوں میں ایک مرد راستے پر پیدل جا رہا تھا، اس کو بہت شدید پیاس لگی، اس نے ایک کنواں دیکھا تو وہ اس کنویں میں اترا اور اس نے پانی پیا، پھر کنویں سے باہر آیا تو اس وقت ایک کتا پیاس کی شدت کی وجہ سے اپنی زبان باہر نکال رہا تھا اور کیچڑ کو کھا رہا تھا، اس مرد نے کہا: اس کتے کو بھی اتنی ہی پیاس لگی ہے جتنی پیاس مجھے لگی تھی، وہ پھر کنویں میں اترا، سو اس نے اپنے موزے میں پانی بھرا، پھر اس موزے کو اپنے منہ سے پکڑا، پھر کتے کو پانی پلایا، تو

اللہ تعالیٰ نے اس کے اس فعل کی قدر افزائی کی، سو اس کو بخش دیا۔ صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! کیا ہمارے لیے ان جانوروں میں بھی اجر ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں! ہر تر جگر والے میں اجر ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۷۳، ۲۳۶۳، ۲۴۶۶، ۶۰۰۹، صحیح مسلم: ۲۲۴۴، سنن ابوداؤد: ۲۵۵۰، مسند احمد: ۱۰۳۷۳، موطا امام مالک: ۱۷۲۹)

صحیح البخاری: ۶۰۰۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان کے دو جز ہیں: انسانوں پر رحم کرنا اور جانوروں پر رحم کرنا، اور اس حدیث کی مطابقت جز ثانی کے اعتبار سے ہے، کیونکہ اس حدیث میں ذکر ہے کہ ایک مرد نے پیاسے کتے کو کنویں سے پانی نکال کر پلایا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، وہ ابن ابی اویس ہیں اور ان کا نام عبداللہ ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سُمی، یہ مولیٰ ابی بکر بن عبدالرحمٰن المخزومی ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے ابوصالح السمان، یہ ذکوان الزیات ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یلھث" یعنی وہ پیاس کی شدت سے زبان باہر نکال رہا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الثریٰ" اس کا معنی ہے: مٹی یا کیچڑ۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فشکر اللہ لہ" یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کے اس فعل کی اس کو جزا دی، سو اس کو بخش دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فی کل ذات کبد" یعنی ہر حیوان کو سیراب کرنے کی وجہ سے اجر ملتا ہے اور رطوبت حیات سے کنایہ ہے۔

کتاب بدء الخلق کے آخر میں یہ حدیث گزری ہے، اس میں مذکور ہے کہ ایک عورت نے پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ مرد سے بھی ظہور میں آیا ہو اور عورت سے بھی ظہور میں آیا ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۶۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

کسی گناہ کو کم نہیں سمجھنا چاہیے اور نہ ہی کسی نیکی کو حقیر سمجھنا چاہیے

میں کہتا ہوں: ایک حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے بلی کو باندھ کے رکھا اور اس کو کچھ کھانے کو نہیں دیا حتیٰ کہ وہ بلی بھوک سے مرگئی اور اس حدیث میں ہے کہ ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے سے ایک آدمی کے سارے گناہ بخش دیے گئے، ان دونوں حدیثوں سے یہ پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نکتہ نواز ہے، وہ چاہے تو ذرا سی خطا پر گرفت کرلے اور چاہے تو ذرا سی نیکی پر سارے گناہ معاف فرمادے، تو آدمی کو چاہیے کہ کسی گناہ کو کم نہ سمجھے اور کسی نیکی کو حقیر نہ جانے، کیا معلوم جس گناہ کو وہ کم سمجھ رہا تھا وہی گناہ اس

کے دوزخ میں جانے کا سبب بن گیا اور جس نیکی کو وہ معمولی سمجھ رہا تھا، وہی نیکی اس کی مغفرت کا سبب بن گئی۔ (سعیدی غفرلہ)

٦٠١٠ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي صَلَاةٍ وَقُمْنَا مَعَهُ فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ اللّٰهُمَّ ارْحَمْنِي وَمُحَمَّدًا وَلَا تَرْحَمْ مَعَنَا أَحَدًا فَلَمَّا سَلَّمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم قَالَ لِلْأَعْرَابِيِّ لَقَدْ حَجَّرْتَ وَاسِعًا يُرِيدُ رَحْمَةَ اللهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہوئے تو ایک اعرابی نے کہا اور وہ بھی نماز میں تھا، اے اللہ! مجھ پر رحم کر اور محمد پر رحم کر اور ہمارے ساتھ کسی اور پر رحم نہ کر، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو آپ نے اس اعرابی سے فرمایا: تم نے وسیع چیز کو تنگ کر دیا ہے، آپ کی مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی۔

(سنن ترمذی: ۱۴۷، سنن نسائی: ۱۲۱۶، سنن ابوداؤد: ۱۸۸۳، سنن ابن ماجہ: ۵۵۲۹، مسند احمد: ۷۲۱۴)

صحیح البخاری: ۶۰۱۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان انسانوں اور جانوروں پر رحم کرنا ہے، اور حدیث میں یہ ذکر ہے کہ ایک اعرابی نے اللہ کی رحمت کو تنگ کر دیا، حالانکہ اللہ کی رحمت ہر چیز کو شامل اور محیط ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

جس اعرابی نے اللہ کی رحمت کو تنگ کیا تھا، اس کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے "ایک اعرابی نے کہا": ایک قول یہ ہے کہ یہ وہی اعرابی ہے جس نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا اور وہ ذوالخویصرہ الیمانی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ الاقرع بن حابس تھا۔ اور اس کی تائید کہ یہ اعرابی وہ تھا جس نے مسجد میں پیشاب کیا تھا اس سے ہوتی ہے کہ امام ابن ماجہ نے ایک اور سند کے ساتھ از ابوسلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ ایک اعرابی مسجد میں داخل ہوا، پس اس نے کہا: اے اللہ! میری مغفرت فرما اور محمد کی مغفرت فرما اور ہمارے ساتھ اور کسی کی مغفرت نہ کرنا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے وسیع چیز کو تنگ کر دیا۔ پھر وہ اعرابی ایک طرف گیا اور اس نے مسجد کی ایک جانب میں پیشاب کر دیا۔۔۔الحدیث

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "لقد حجرت" یہ حجر اور تحجیر سے ماخوذ ہے، کہا جاتا ہے "حجر القاضی علیہ" یعنی اس شخص کو قاضی نے تصرف کرنے سے روک دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ضیقت واسعا" تم نے وسیع چیز کو تنگ کر دیا اور اس کو

خاص کر دیا جو عام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تو ہر چیز کو شامل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۱۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ عَنْ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى عُضْوًا تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ جَسَدِهِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى۔

(صحیح مسلم: ۲۵۸۶، مسند احمد: ۱۷۹۰۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زکریاء نے حدیث بیان کی از عامر، ان سے عامر نے کہا: میں نے انہیں یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے نعمان بن بشیر سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مومنوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحمت ومحبت کا معاملہ کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ لطف ونرم خوئی میں ایک جسم جیسا پاؤ گے، جب اس جسم کا کوئی جز بھی تکلیف میں ہوتا ہے تو سارا جسم تکلیف میں ہوتا ہے اور اس کی ساری رات بیداری میں اور بخار میں گزرتی ہے۔

صحیح البخاری: ۶۰۱۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان تھا انسانوں اور جانوروں پر رحم کرنا، اور اس حدیث میں انسانوں کے ایک دوسرے پر رحم کرنے کو بیان فرمایا ہے، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابونعیم، یہ الفضل بن دُکین ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں زکریاء کا ذکر ہے، وہ ابن ابی زائدہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عامر کا ذکر ہے، وہ شعبی ہیں۔ اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کا ذکر ہے، وہ ابن سعد الانصاری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی تراحمھم'' یہ بابِ تفاعل ہے، اس کا خاصہ ہے کہ ایک جماعت اصلِ فعل میں شریک ہو۔
اور اس حدیث میں مذکور ہے ''توادھم'' یہ اصل میں توادُدھم ہے، دال کا دال میں ادغام کر دیا اور اس کا معنی ہے: مودت اور محبت۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے ''تعاطفھم'' یہ بھی اسی طرح بابِ تفاعل سے ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ تینوں الفاظ متقاربۃ المعنی ہیں لیکن ان کے درمیان ایک لطیف فرق ہے۔
رہا ''تراحم''، تو اس سے مراد یہ ہے کہ بعض بعض پر رحم کریں، یا تو ایمان کی محبت کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے۔ اور رہا ''توادد'' تو اس سے مراد ایسا تواصل ہے جو محبت کو کھینچے جیسے تزاور اور تہادی، یعنی جب کوئی کسی سے بار بار ملتا ہے یا اس کو بار بار ہدیہ دیتا ہے تو وہ اس کی محبت کو کھینچ لیتا ہے۔ اور رہا ''تعاطف'' تو اس سے مراد ہے: بعض کا بعض کی اعانت کرنا جیسے کپڑے کی

ایک طرف کو لپیٹا جاتا ہے تاکہ وہ قوی ہو جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے"تداعی" اس کا معنی ہے: جسم کے بعض اجزاء دوسرے اجزاء کو درد میں شرکت کی دعوت دے دیں، اسی سے ان کا قول ہے"تداعت الحیطان" یعنی دیوار گرنے کے قریب ہوگئی۔

اس حدیث میں مذکور ہے"بالسھر والحمیٰ"۔ رہا بیدار ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ درد سونے سے روکتا ہے اور رہا بخار تو علامہ کرمانی نے بخار کی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ بخار ایک حرارتِ غریبہ ہے جو دل میں مشتعل ہوتی ہے اور پورے بدن میں پھیل جاتی ہے، پس پورے بدن کو اس سے ضرر پہنچتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے حقوق کی تعظیم کرنی چاہیے اور ان کو ایک دوسرے کی مدد پر اور ایک دوسرے کے ساتھ نرمی کرنے پر برانگیختہ کرنا چاہیے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۱۲ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ غَرَسَ غَرْسًا فَأَكَلَ مِنْهُ إِنْسَانٌ أَوْ دَابَّةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جو مسلمان بھی کوئی پودا اگاتا ہے، پھر اس سے کوئی انسان کھائے یا جانور کھائے تو وہ اس کے لیے صدقہ ہو جاتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۳۰۲، ۶۰۱۲، صحیح مسلم: ۱۵۵۳، سنن ترمذی: ۱۳۸۲، مسند احمد: ۱۲۰۸۶)

صحیح البخاری: ۶۰۱۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں رحم کرنے اور شفقت کرنے کا معنی ہے، اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ جو مسلمان پودا اگاتا ہے، اس سے کوئی انسان یا حیوان کھاتا ہے تو اس کو اجر ملتا ہے اور مسلمان کا حال اس پر دلالت کرتا ہے کہ جب وہ پودا اگاتا ہے تو یہ قصد کرتا ہے کہ اس سے کوئی انسان یا حیوان کھائے گا تو اس کو ثواب ملے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالولید، یہ ہشام بن عبد الملک ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعوانہ، ان کا نام الوضاح الیشکری ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے"او دابۃ" اگر دابۃٌ سے مراد ہے کہ جو زمین پر چلتا ہو، تو یہ عام کا عطف خاص پر ہے، اور اگر دابۃ سے مراد دابہ عرفیہ ہے تو یہ جنس کا عطف جنس پر ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: ظاہر پہلا احتمال ہے اس عموم کی وجہ سے جو تمام اجناس پر دلالت کرتا ہے، پس اس میں تمام بہائم داخل ہیں۔ اور اسی معنی میں یہ ہے کہ دابہ پر کم سامان لادا جائے اور اس کو زیادہ مال اٹھانے کی مشقت میں مبتلا نہ کیا جائے، یہ بھی جانوروں پر رحم اور ان پر احسان ہے، اور اسی معنی میں یہ ہے کہ جانور کو مارنے میں حد سے نہ بڑھا جائے اور ان کو زیادہ ایذاء نہ پہنچائی جائے اور ان کو رات میں نہ لے جایا جائے۔ اور ہمیں اس سے منع کیا گیا ہے کہ ہم اپنے نوکروں کو رات میں خدمت کے لیے کہیں، کیونکہ ان کے لیے رات آرام کے واسطے ہوتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۶۷۔۱۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۱۳۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ قَالَ سَمِعْتُ جَرِيرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ لَا يَرْحَمْ لَا يُرْحَمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے زید بن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے سنا از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ نے فرمایا: جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۷۳۷۶، صحیح مسلم: ۲۳۱۹، سنن ترمذی: ۱۹۲۲، مسند احمد: ۱۸۶۸۳)

صحیح البخاری: ۶۰۱۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں رحم کرنے کا ذکر ہے اور اس حدیث میں بھی رحم کرنے کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن حفص، یہ اپنے والد حفص بن غیاث سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، یہ سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زید بن وہب، یہ ابو سلیمان الہمدانی ہیں اور یہ تمام راوی کوفی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

جو کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہ کیے جانے کی متعدد روایات

اس حدیث میں مذکور ہے "من لا یرحم"، صحیح مسلم میں اس طرح ہے کہ جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اس پر اللہ تعالیٰ رحم نہیں فرماتا۔ اور امام طبرانی کی روایت میں ہے: جو زمین پر رہنے والوں پر رحم نہیں کرتا، تو اللہ تعالیٰ اس پر آسمانوں میں رحم نہیں کرتا۔ اور طبرانی نے اوسط میں اس طرح روایت کیا ہے "جو مسلمانوں پر رحم نہیں کرتا اس پر اللہ تعالیٰ رحم نہیں فرماتا"۔ اور امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس طرح روایت کی ہے: جو رحم کرنے والے ہیں، ان پر رحمٰن رحم فرماتا ہے، تم ان پر رحم کرو جو

زمین میں ہیں، تم پر وہ رحم کرے گا جو آسمان میں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۶۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۸۔ بَابُ: الْوَصَاةِ بِالْجَارِ

پڑوسی کی خیر خواہی کرنا

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: وَاعْبُدُوا اللهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۗ اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا (النساء: ۳۶)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قرابت دار پڑوسی اور اجنبی پڑوسی اور مجلس کے ساتھی اور مسافر اور اپنے غلاموں کے ساتھ (نیکی کرو) بے شک اللہ مغرور متکبر کو پسند نہیں کرتا O

اس باب میں مذکور آیت کی شرح میں علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں مذکور ہے "وَاعْبُدُوا اللهَ" اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کو واحد مانو اور تم اس کے ساتھ بالکل شرک نہ کرو، پھر اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت کی، پھر والدین کے ساتھ احسان کے ساتھ قرابت داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت فرمائی، پھر اس پڑوسی کے لیے وصیت کی جو قرابت دار ہو، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے "والجار ذی القربیٰ" یعنی جس پڑوسی کے اور تمہارے درمیان رشتہ داری ہو "والجار الجنب" یعنی وہ پڑوسی جس کے اور تمہارے درمیان رشتہ داری نہیں ہے، اسی طرح عکرمہ، مجاہد، ضحاک، قتادہ، مقاتل اور ابن حبان سے روایت ہے۔ اور ابو اسحاق نے نوف البکالی سے روایت کی ہے کہ "والجار ذی القربیٰ" سے مراد ہے مسلم، اور "والجار الجنب" سے مراد ہے یہودی اور نصرانی، یعنی مسلمان پڑوسی کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کرو اور یہودی اور عیسائی پڑوسی کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کرو۔ اور مجاہد سے روایت ہے کہ "والجار الجنب" سے مراد ہے جو سفر میں رفیق ہو۔ اور دوسری روایت میں ہے: اس سے مراد ہے نیک رفیق، اور زید بن اسلم نے کہا: یہ تمہارا حضر میں ساتھی ہے جو تمہارا سفر میں رفیق ہے۔ اور "ابن السبیل" کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: یہ وہ شخص ہے جو تمہارے پاس سے سفر میں گزر رہا ہو۔ اور "ما ملکت ایمانکم" اس سے مراد ہے غلام۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۶۹۔ ۱۷۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۱۴۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا زَالَ يُوصِينِي جِبْرِيلُ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن ابی اویس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حدیث بیان کی امام مالک نے از یحییٰ بن سعید، انہوں نے کہا: مجھے ابوبکر بن محمد نے خبر دی از عمرہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: حضرت جبریل مسلسل مجھے پڑوسی کے متعلق وصیت کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے گمان کیا کہ وہ عنقریب اس کو وارث قرار دیں گے۔

(صحیح مسلم: ۲۶۲۴، سنن ترمذی: ۱۹۴۲، سنن ابوداؤد: ۵۱۵۱، سنن ابن ماجہ: ۳۶۷۳، مسند احمد: ۲۴۷۳۹)

صحیح البخاری: ۶۰۱۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت جبریل مسلسل پڑوسی کے ساتھ خیر خواہی کی وصیت کرتے رہے ہیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن سعید، یہ الانصاری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوبکر بن محمد، یہ ابن عمرو بن حزم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرہ، وہ بنت عبدالرحمٰن ام ابی بکر ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "سیورثہ" یعنی عنقریب حضرت جبرائیل پڑوسی کو میرا قریب اور وارث قرار دیں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت جبرائیل مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم پہنچائیں گے کہ پڑوسی کو وارث قرار دیا جائے، اور یہ پڑوسی کے حقوق کی رعایت میں بہت شدید مبالغہ ہے اور پڑوسی کا لفظ مسلمان اور کافر دونوں کو شامل ہے اور عابد اور فاسق کو، دوست اور دشمن کو، مسافر اور شہری کو، اور نفع پہنچانے والے اور ضرر پہنچانے والے کو، اور قریب اور اجنبی کو، خواہ اس کا گھر قریب ہو یا دور ہو۔ علامہ قرطبی نے کہا کہ جار کا لفظ بولا جاتا ہے اور اس سے وہ مراد ہوتا ہے جو قرب و جوار میں داخل ہو اور یہ لفظ بولا جاتا ہے اور اس سے وہ مراد ہوتا ہے جو گھر میں مجاور ہو۔

پڑوسی کی حد کا بیان

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: جو اذان کو سنے وہ پڑوسی ہے، دوسرا قول ہے کہ جو صبح کی نماز تمہارے ساتھ مسجد میں پڑھے وہ تمہارا پڑوسی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہر جانب سے چالیس گھر پڑوسی ہیں۔ اور زاعی سے بھی اسی کی مثل روایت ہے۔

اور پڑوسی کے حقوق یہ ہیں کہ ان کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا جائے اور ان سے ضرر کو دور کیا جائے اور ان کی خیر خواہی کی جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۷۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۱۵- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن محمد نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت جبریل مسلسل مجھے پڑوسی کے متعلق وصیت کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے گمان کیا کہ وہ

عنقریب اس کو میرا وارث قرار دیں گے۔

(صحیح مسلم: ۲۶۲۴، سنن ترمذی: ۱۹۴۲، سنن ابوداؤد: ۵۱۵۱، سنن ابن ماجہ: ۳۶۷۳، مسند احمد: ۲۳۷۳۹)

صحیح البخاری: ۶۰۱۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن محمد، وہ اپنے والد محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۷۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۹۔ بَابُ: إِثْمِ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ
اس کے گناہ کا بیان جس کا پڑوسی اس کے ظلم و ستم سے مامون اور محفوظ نہیں

يُوبِقْهُنَّ: يُهْلِكْهُنَّ، مَوْبِقًا: مَهْلِكًا۔

یوبقھن کا معنی ہے: ان کو ہلاک کر دے، اور موبقا کا معنی ہے: ہلاک کرنا یا ہلاک کرنے کی جگہ

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

''بوائق'' ''بائقۃ'' کی جمع ہے، اور ''بائقۃ'' کا معنی ہے: وہ ہلاکت یا وہ مصیبت جو اچانک ٹوٹ پڑے، اور قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے: ظلم اور دھوکا، اور الکسائی نے کہا: اس کا معنی ہے: شر۔

تعلیق مذکور کی شرح از علامہ عینی

''یوبقھن'' سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَوْ يُوبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ ۝ (الشوریٰ: ۳۴)

یا وہ چاہے تو ان کشتیوں کو ان لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے تباہ کر دے اور بہت سی خطاؤں سے وہ درگزر فرما لیتا ہے ۝

امام ابوعبیدہ نے کہا: اس کا معنی ہے: وہ ان کو ہلاک کر دے۔

اور ''موبقا'' سے اشارہ اس آیت کی طرف کیا ہے:

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَوْبِقًا ۝ (الکہف: ۵۲)

اور ہم ان کے درمیان ہلاکت کی ایک جگہ بنا دیں گے ۝

اور ''موبقا'' کی تفسیر کی ہے: ہلاکت کی جگہ۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۷۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۱۶۔ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ وَاللّٰهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عاصم بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی ذئب نے

لَا يُؤْمِنُ وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ قِيلَ وَمَنْ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ تَابَعَهُ شَبَابَةُ وَأَسَدُ بْنُ مُوسَى وَقَالَ حُمَيْدُ بْنُ الْأَسْوَدِ وَعُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ وَشُعَيْبُ بْنُ إِسْحَاقَ عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ۔

(صحیح مسلم: ۴۶، مسند احمد: ۸۲۲۷)

حدیث بیان کی از سعید از حضرت ابی شریح رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! وہ ہرگز مومن نہیں ہے، اللہ کی قسم! وہ ہرگز مومن نہیں ہے، اللہ کی قسم! وہ ہرگز مومن نہیں ہے، عرض کیا گیا: کون یارسول اللہ ؟! آپ نے فرمایا: جس کا پڑوسی اس کے شر اور ہلاکت آفرینی سے محفوظ نہیں ہے۔

عاصم بن علی کی متابعت شبابہ نے کی اور اسد بن موسیٰ نے۔

اور حمید بن الاسود اور عثمان بن عمر اور ابوبکر بن عیاش اور شعیب بن اسحاق نے کہا از ابن ابی ذئب از المقبری از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

صحیح البخاری: ۶۰۱۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عاصم بن علی، یہ ابن عاصم بن صہیب ابوالحسین ہیں جو اہل واسط سے ہیں، یہ ۲۲۱ھ میں فوت ہو گئے تھے اور امام بخاری ان سے روایت کرنے میں منفرد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی ذئب، یہ محمد بن عبدالرحمن ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید، یہ مقبری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوشریح، ان کا نام خُویلد ہے، اور ایک قول ہے کہ عمرو، دوسرا قول ہے ہانی، تیسرا قول ہے کہ کعب ہے، یہ صحابی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "واللہ لا یومن" یعنی اللہ کی قسم! ہرگز وہ شخص مومن نہیں ہے، اسی طرح اس کی تقریر تین مرتبہ صراحۃً ہے، اور مسند احمد میں ذکر ہے کہ آپ نے تین مرتبہ اس طرح فرمایا، اور مسند ابویعلیٰ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں ہے"۔ اور امام طبرانی نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا، اور اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا ایمان کامل نہیں ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جس کے شر سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو وہ معصیت کا ارتکاب کر رہا ہے، اور جو عاصی ہو اس کا ایمان کامل نہیں ہوتا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۷۱۔ ۱۷۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۰۔ بَابٌ: لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا — کوئی پڑوسن دوسری پڑوسن کو حقیر نہ سمجھے

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ کوئی پڑوسن دوسری پڑوسن کو حقیر نہ سمجھے، یعنی اگر کوئی پڑوسن دوسری پڑوسن کو کم چیز دے تو اس کی دی ہوئی چیز کی کمی کی وجہ سے اس کو حقیر نہ جانے۔

۶۰۱۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ هُوَ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ۔

(صحیح مسلم: ۱۰۳۰، سنن ترمذی: ۲۱۳۰، مسند احمد: ۷۵۴۳)

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید نے حدیث بیان کی اور وہ المقبری ہیں از والد خود از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: اے مسلمان عورتو! تم میں سے کوئی پڑوسن دوسری پڑوسن کو ہرگز حقیر نہ سمجھے خواہ وہ ایک بکری کا پایہ دے۔

صحیح البخاری: ۶۰۱۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سعید مقبری یہاں پر اپنے والد کیسان سے روایت کرتے ہیں از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، اور اس سے پہلی حدیث میں سعید نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے والد کے واسطہ کے بغیر روایت کی تھی، اور یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں، کیونکہ سعید نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو پایا اور ان سے وہ احادیث سنیں جو ان کے والد سے فوت ہوگئی تھیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لاتحقرن": یہ ممانعت یا تو دینے والی کے لیے ہے، یعنی کوئی عورت اپنی پڑوسن کو کوئی چیز صدقہ دینے سے اس لیے نہ روکے کہ وہ چیز کم ہے اور اس کی کمی کی وجہ سے اس چیز کو حقیر جانے، بلکہ اگر کوئی چیز تھوڑی بھی ہو اگرچہ بکری کا پایا ہو تو وہ بھی صدقہ کردے کیونکہ نہ ہونے سے تھوڑی چیز تو بہتر ہے، اور یا اس سے مراد ہے کہ جس عورت کو کوئی چیز دی ہے یعنی جس عورت پر صدقہ کیا گیا ہے خواہ وہ بکری کا پایا ہی کیوں نہ ہو تو وہ اس کو حقیر نہ سمجھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۱۔ بَابُ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ

جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہو اور یوم آخرت پر، وہ اپنے پڑوسی کو ایذاء نہ دے

۶۰۱۸۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالاحوص نے حدیث بیان کی از ابی حصین از ابی صالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور یوم آخرت پر، وہ اپنے پڑوسی کو ایذاء نہ دے، اور جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو اور یوم آخرت پر، وہ اپنے مہمان کی تعظیم کرے، اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور یوم آخرت پر، اسے چاہیے کہ نیک بات کہے ورنہ خاموش رہے۔

(صحیح مسلم: ۴۷، سنن ابن ماجہ: ۳۶۷۲، سنن دارمی: ۲۰۳۶، مسند احمد: ۷۵۷۱)

صحیح البخاری: ۶۰۱۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالاحوص، یہ سلام بن سُلیم الحنفی الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو حصین، یہ عثمان بن عاصم الاسدی الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو صالح، یہ ذکوان السمان الزیات ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس سوال کا جواب کہ پڑوسی کو ایذاء پہنچانا معصیت ہے تو اس سے ایمان کی نفی کیسے ہوگی؟

اس حدیث میں مذکور ہے "فلا یؤذ جارہ":

ایذاء معصیت ہے اور اس سے ایمان کی نفی لازم نہیں آتی، اس لیے یہاں مراد کمال ایمان کی نفی ہے۔

جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے ان میں سے اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان کی تخصیص کی توجیہ

اس میں یہ اشارہ ہے کہ مبدأ اور معاد پر ایمان لانا ضروری ہے، یعنی جب وہ اللہ پر ایمان لایا جس نے اس کو پیدا کیا اور اس پر ایمان لایا کہ وہی اس کو قیامت کے دن خیر اور شر کی جزا دے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فلیکرم ضیفہ":

مہمان کا اکرام مختلف مقامات کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، کبھی مہمان کی تکریم فرضِ عین ہوتی ہے اور کبھی فرضِ کفایہ ہوتی ہے، اور کم سے کم یہ کہ مہمان کی تکریم کرنا مکارمِ اخلاق کے باب سے ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مہمان نوازی کرنا مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ جتنا وہ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے، مہمان کی ضیافت میں اس سے زیادہ خرچ کرے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان تین امور کے ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام جوامع الکلم میں سے ہے، کیونکہ یہ اصول میں سے ہیں اور ان میں سے تیسرا حکم جو ہے وہ قول کی طرف اشارہ ہے اور پہلے دو فعل کی طرف اشارہ ہیں، یعنی پہلے دو میں یہ کہا ہے کہ وہ پڑوسی کو ایذاء نہ دے اور مہمان کی تکریم کرے، ان کا تعلق فعل کے ساتھ ہے، اور تیسرے حکم میں یہ کہا ہے کہ یا تو وہ نیک بات کہے ورنہ خاموش رہے، اس میں قول کی طرف اشارہ ہے۔ اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ جب یہ فرمایا کہ پڑوسی کو ایذاء نہ پہنچائے تو یہ برے وصف سے خالی ہونا ہے، اور جب فرمایا کہ وہ مہمان کی تکریم کرے تو یہ نیک وصف کے ساتھ متصف ہونا ہے، یعنی جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعظیم کرتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کی مخلوق پر شفقت کرے، یا تو نیک بات کہے یا بری بات کہنے سے خاموش رہے۔ یا ایسا فعل کرے جس سے نفع پہنچے جیسے مہمان کی تکریم، یا ایسا فعل کرے جس سے نقصان کو ترک کرنا ہو جیسے پڑوسی کو ایذاء نہ دے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۱۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْعَدَوِيِّ قَالَ سَمِعَتْ أُذُنَايَ وَأَبْصَرَتْ عَيْنَايَ حِينَ تَكَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ جَائِزَتَهُ قَالَ وَمَا جَائِزَتُهُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ وَالضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ فَمَا كَانَ وَرَاءَ ذَلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ عَلَيْهِ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سعید المقبری نے حدیث بیان کی از ابی شریح العدوی، انہوں نے کہا: میرے دونوں کانوں نے سنا اور میری دونوں آنکھوں نے دیکھا جب نبی ﷺ نے یہ فرمایا، سو آپ نے فرمایا: جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو وہ پڑوسی کی تکریم کرے۔ اور جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، وہ مہمان کو تکریم کے ساتھ عطا کرے، عرض کیا گیا اور عطا کی کتنی مدت ہے یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: ایک دن اور ایک رات اور مہمانی تین دن ہوتی ہے اور جو تین دن سے زیادہ ہو تو وہ اس پر صدقہ ہے اور جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور یوم آخرت پر تو یا تو وہ نیک بات کہے، ورنہ خاموش رہے۔

(صحیح البخاری: ۶۱۳۵، ۶۴۷۶، صحیح مسلم: ۴۸، سنن ترمذی: ۱۹۶۷، سنن ابوداؤد: ۳۷۴۸، مسند احمد: ۲۶۶۲۰، موطا امام مالک: ۱۷۲۸)

صحیح البخاری: ۶۰۱۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "سمعت اذنای" اگرچہ سنتے کان ہی ہیں لیکن یہاں پر کانوں کا ذکر تاکید کے لیے کیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "جائزته" اس کا معنی ہے: العطاء، جو جواز سے ماخوذ ہے، کیونکہ یہ مہمان کا حق ہے میزبان کے اوپر۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یوم ولیلة" یعنی اس کو ایک دن اور ایک رات تک عطا کرے۔ علامہ الخطابی نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ایک دن اور ایک رات تو تکلف کر کے مہمان کے لیے کھانا وغیرہ پیش کرے اور جتنا ہو سکے نیکی زیادہ کرے، اور بعد کے دو دن میں اس کے سامنے ماحضر پیش کر دے، اور جب تین دن گزر جائیں تو مہمان کا حق گزر گیا اور جب اس سے زیادہ اس کی ضیافت کرے گا تو وہ صدقہ ہو گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اور مہمانی تین دن ہے": ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ پہلے دن کے بعد تین دن مہمانی ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں پہلا دن داخل ہو اور وہی حق کے مشابہ ہے۔ علامہ ہروی نے کہا ہے: ان کی تین دن ضیافت کرے، پھر اتنا دے جتنا ایک دن اور ایک رات کی مسافت میں دیا جاتا ہے۔ علامہ سحنون مالکی نے کہا ہے: ضیافت بستیوں والوں پر واجب ہے شہر والوں پر واجب نہیں ہے، اور امام شافعی نے کہا ہے کہ ضیافت مطلقاً واجب ہے اور یہ مکارم اخلاق میں سے ہے۔ اور مجاہد سے منقول ہے کہ ایک رات کی مہمانی کرنا فرض ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۷۴۔۱۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۲۔بَابٌ:حَقِّ الْجِوَارِ فِي قُرْبِ الْأَبْوَابِ — پڑوسی کا حق دروازوں کے قرب کے اعتبار سے ہے

یعنی پڑوس کا حق دروازوں کے قرب کے اعتبار سے ہے، امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ جس شخص کا دروازہ قریب ہوگا اس کا حق ہوگا۔

۶۰۲۰۔حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو عِمْرَانَ قَالَ سَمِعْتُ طَلْحَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ لِي جَارَيْنِ فَإِلَى أَيِّهِمَا أُهْدِي قَالَ إِلَى أَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابوعمران نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے طلحہ سے سنا از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے کہا: یارسول اللہ! میرے دو پڑوسی ہیں تو میں ان میں سے کس کو ہدیہ پیش کروں، آپ نے فرمایا: جس کا دروازہ تمہارے زیادہ قریب ہو۔

(صحیح البخاری: ۲۲۵۹، ۲۵۹۵، ۶۰۲۰، سنن ابوداؤد: ۵۱۵۵، مسند احمد: ۲۴۸۹۵)

صحیح البخاری: ۶۰۲۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فالی ایھما اھدی؟" یعنی میں کس پڑوسی کو ہدیہ پیش کروں؟

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ شاید اس میں راز یہ ہے کہ وہ اس میں غور کرے کہ کون اس کے گھر میں داخل ہوتا ہے اور ضروریات کے وقت کون جلدی آ کر اس سے ملتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۷۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۳۔بَابٌ:كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ — ہر نیک کام صدقہ ہے

۶۰۲۱۔حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ۔ (سنن ترمذی: ۱۹۷۰، مسند احمد: ۱۴۲۹۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عیاش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوغسان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے محمد بن المنکدر نے حدیث بیان کی از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: ہر نیکی صدقہ ہے۔

صحیح البخاری: ۶۰۲۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "کل معروف"، معروف اس چیز کے لیے اسم ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے لوگوں کے درمیان معروف ہو، اور جس کام کی طرف شریعت نے راغب کیا ہو وہ معروف ہے، اور شریعت نے نیک چیزوں کا حکم دیا ہے اور قوی چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۷۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۲۲۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ قَالُوا فَإِنْ لَمْ يَجِدْ قَالَ فَيَعْمَلُ بِيَدَيْهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهُ وَيَتَصَدَّقُ قَالُوا فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ أَوْ لَمْ يَفْعَلْ قَالَ فَيُعِينُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوفَ قَالُوا فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ قَالَ فَيَأْمُرُ بِالْخَيْرِ أَوْ قَالَ بِالْمَعْرُوفِ قَالَ فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ قَالَ فَيُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَإِنَّهُ لَهُ صَدَقَةٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ اشعری نے حدیث بیان کی از والد خود از جد خود، انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ہر مسلمان پر صدقہ کرنا واجب ہے، صحابہ نے پوچھا: پس اگر وہ نہ پائے؟ آپ نے فرمایا: پس وہ اپنے ہاتھوں سے کوئی کام کر کے اس کو نفع پہنچائے اور صدقہ کرے، صحابہ نے پوچھا: اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھے یا نہ کر سکے، آپ نے فرمایا: پھر وہ ضرورت مند مظلوم کی مدد کرے، صحابہ نے عرض کیا: اگر وہ یہ نہ کر سکے؟ آپ نے فرمایا: پھر وہ خیر کا حکم دے یا فرمایا: نیکی کا حکم دے، راوی نے کہا: اگر وہ یہ نہ کر سکے؟ آپ نے فرمایا: پھر وہ برائی سے باز رہے، کیونکہ یہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۰۰۸، سنن نسائی: ۲۵۳۸، مسند احمد: ۱۹۰۳۷، سنن دارمی: ۲۷۴۷)

صحیح البخاری: ۶۰۲۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ الاشعری، یہ اپنے والد ابی بردہ سے روایت کرتے ہیں اور ان کا نام عامر ہے، یہ اپنے والد ابی موسیٰ عبد اللہ بن قیس الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ملھوف" اس کا معنی ہے: مظلوم، جو فریاد کرتا ہو، یا غمزدہ ہو اور تکلیف میں بے چین ہو۔
اس حدیث میں مذکور ہے "فان لم یفعل؟" یعنی اگر وہ عجز کی وجہ سے یا سستی کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے۔

خیر کے دروازے بہت زیادہ ہیں اور جب کسی شخص سے کوئی ایک دروازہ نہ کھل سکے تو وہ دوسرے دروازہ کو کھولنے کی کوشش کرے

اس حدیث میں اس مومن کے لیے تنبیہ ہے جس کے لیے اپنے ہاتھ سے عمل کرنا مشکل ہو کہ وہ اپنے نفس کے اوپر خرچ کرے، اور اس کو صدقہ قرار دے اور دوسروں کے اوپر بار نہ بنے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: اے قراء کی جماعت! تم اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقہ پر عمل کرو اور اپنے سروں کو بلند رکھو اور مسلمانوں کے اوپر بار نہ بنو۔

نیز اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مومن جب خیر کے ابواب میں سے کسی ایک باب پر قادر نہ ہو اور وہ باب اس سے نہ کھل سکے تو اس پر لازم ہے کہ وہ دوسرے باب کی طرف منتقل ہو جائے، کیونکہ خیر کے ابواب بہت زیادہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے راستے لامحدود ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۷۶۔۱۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۴۔ بَابٌ: طِيْبِ الْكَلَامِ — اچھے کلام کا بیان

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ الْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھی بات بھی صدقہ ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ تعلیق اس حدیث موصول کی ایک طرف ہے جس کو امام بخاری نے کتاب الصلح میں وارد کیا ہے اور کتاب الجہاد میں۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اچھی بات کا صدقہ ہونا اس اعتبار سے ہے کہ جب کوئی انسان کسی کو اچھی چیز عطا کرتا ہے تو اس سے اس کا دل خوش ہوتا ہے، اور اس کے دل میں اس کے خلاف جو بات ہو تو وہ نکل جاتی ہے، اسی طرح کسی سے اچھی بات سن کر بھی اس کا دل خوش ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۲۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو عَنْ خَيْثَمَةَ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ ذَكَرَ النَّبِيُّ ﷺ النَّارَ فَتَعَوَّذَ مِنْهَا وَأَشَاحَ بِوَجْهِهِ ثُمَّ ذَكَرَ النَّارَ فَتَعَوَّذَ مِنْهَا وَأَشَاحَ بِوَجْهِهِ قَالَ شُعْبَةُ أَمَّا مَرَّتَيْنِ فَلَا أَشُكُّ ثُمَّ قَالَ اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عمرو نے خبر دی از خیثمہ از عدی بن حاتم، انہوں نے کہا: کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ کا ذکر کیا، پھر آپ نے اس سے پناہ مانگی اور اپنے چہرہ سے اعراض کیا، پھر آپ نے دوزخ کا ذکر کیا اور اس سے پناہ مانگی اور اپنے چہرہ سے اعراض کیا، شعبہ نے کہا: لیکن دو مرتبہ کے بارے میں تو مجھے شک نہیں ہے، پھر آپ نے فرمایا: دوزخ کی آگ سے بچو خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے کو صدقہ کر دو، پس اگر تمہیں کھجور کا ٹکڑا نہ ملے تو کسی سے

اچھی بات ہی کہہ کر دوزخ کی آگ سے بچو۔

(صحیح البخاری: ۱۴۱۳، ۱۴۱۷، ۳۵۹۵، ۶۰۲۳، ۶۵۳۹، ۶۵۴۰، ۶۵۶۳، ۷۴۴۳، ۷۵۱۲، صحیح مسلم: ۱۰۱۶، سنن ترمذی: ۲۴۱۵، سنن نسائی: ۲۵۵۳، سنن ابن ماجہ: ۱۸۴۳، مسند احمد: ۱۷۷۸۲، سنن دارمی: ۱۶۵۷)

صحیح البخاری: ۶۰۲۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے اچھا کلام کرنا اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ اگر تمہیں کھجور کا ٹکڑا بھی صدقہ کرنے کے لیے نہ ملے تو اچھی بات کہو، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالولید، یہ ہشام بن عبدالملک ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو، یہ ابن مرہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خیثمہ، یہ ابن عبدالرحمٰن الجعفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عدی بن حاتم، یہ الطائی ابوطریف ہیں، انہوں نے کوفہ میں رہائش اختیار کر لی تھی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "واشاح" اس کا معنی ہے: آپ نے اعراض کیا۔ علامہ خطابی نے کہا ہے: "أشاح بوجهه" اس وقت کہتے ہیں جب انسان کسی چیز سے منہ پھیرے اور اس سے ڈرائے جیسے اس کو ناپسند کرتا ہو، گویا کہ نبی ﷺ دوزخ کو دیکھ رہے تھے اور اس سے ڈرا رہے تھے اور اس کی تپش سے بچنے کے لیے آپ نے اپنا چہرہ مبارک پھیرا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اما" یہ اما تفصیلیہ ہے اور اس کا قسیم محذوف ہے، اصل عبارت یوں ہے "رہا تین مرتبہ آپ کا فرمانا تو مجھے اس میں شک ہے اور دو مرتبہ میں شک نہیں ہے"۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ولو بشق" یعنی خواہ آدھی کھجور کو صدقہ کر کے دوزخ کی آگ سے بچو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۷۷۔۱۷۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۵۔ بَابٌ: الرِّفْقِ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ — ہر کام میں نرمی کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں تمام امور میں نرمی کی فضیلت کا بیان کیا گیا ہے اور "الرفق" کا معنی ہے: قول اور فعل میں نرمی کرنا اور آسان چیز کو اختیار کرنا۔ اور یہ سختی اور ملامت کرنے کی ضد ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۷۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۲۴ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا — امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز

إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ دَخَلَ رَهْطٌ مِنَ الْيَهُودِ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالُوا السَّامُ عَلَيْكُمْ قَالَتْ عَائِشَةُ فَفَهِمْتُهَا فَقُلْتُ وَعَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ قَالَتْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَهْلًا يَا عَائِشَةُ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَدْ قُلْتُ وَعَلَيْكُمْ۔

بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب از عروہ بن الزبیر، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ نے بیان کیا کہ یہود کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی، پس انہوں نے کہا: ''السام علیکم'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے اس کا مطلب سمجھ لیا سو کہا: ''اور تم پر سام ہو اور لعنت ہو''، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ٹھہرو اے عائشہ! بے شک اللہ تعالیٰ ہر کام میں نرمی کو پسند فرماتا ہے، پس میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے نہیں سنا انہوں کیا کہا تھا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے کہہ دیا تھا: ''اور تم پر ہو''۔

(صحیح بخاری: ۲۹۳۵، ۶۰۲۴، ۶۰۳۰، ۶۲۵۶، ۶۲۹۵، ۶۴۰۱، ۶۹۲۷، صحیح مسلم: ۲۱۶۵، سنن ترمذی: ۲۷۰۱، سنن ابن ماجہ: ۳۶۹۸، مسند احمد: ۲۳۵۷۰)

صحیح البخاری: ۶۰۲۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالعزیز بن عبداللہ، یہ ابن یحییٰ الاویسی المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم بن سعد، یہ ابن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے صالح، وہ ابن کیسان ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''دخل رھط من الیھود'' رھط دس سے کم مردوں کی جماعت کو کہتے ہیں، دوسرا قول ہے کہ چالیس مردوں کی جماعت کو کہتے ہیں جن میں کوئی عورت نہ ہو، رھط کا واحد اس لفظ سے نہیں آتا، اور اس کی جمع ارھط اور ارھاط ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''السام علیکم'' سام کا معنی ہے: موت، گویا کہ یہودیوں نے نبی ﷺ کو موت کی بددعا دی تھی، اور قتادہ اس کو مد کے ساتھ روایت کرتے ہیں یعنی ''السآم'' اور اس کا معنی: ملال ہے، یعنی تمہیں اپنے دین کی ناکامی کی وجہ سے ملال ہو۔ اور کہا گیا ہے کہ ان کا ارادہ یہ تھا کہ تم سب کو اسی ساعت میں اللہ تعالیٰ مار ڈالے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ان اللہ یحب الرفق فی الامر کلہ''، صحیح مسلم میں مذکور ہے ''ان اللہ رفیق یحب الرفق'' یعنی اللہ تعالیٰ حلیم ہے اور نرمی کو پسند فرماتا ہے، اور نرمی پر اتنا اجر دیتا ہے جو سختی پر نہیں دیتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے"اولم تسمع؟"یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے جواب میں فرمایا"وعلیکم"یعنی ہم اور تم ہر ایک پر موت نے آنا ہے، یا یہ واؤ استیناف کے لیے ہے اور عطف کے لیے نہیں ہے اور اصل میں عبارت یوں ہے"علیکم ما تستحقونه"تم پر وہ چیز آئے جس کے تم مستحق ہو، اور آپ نے یہ طریقہ اختیار کیا تا کہ یہ ان کو وحشت میں ڈالنے سے دور ہو اور نرمی اور ملامت کے قریب ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۷۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۲۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَالَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَامُوا إِلَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَا تُزْرِمُوهُ ثُمَّ دَعَا بِدَلْوٍ مِنْ مَاءٍ فَصُبَّ عَلَيْهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن عبدالوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ثابت نے حدیث بیان کی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا، تو صحابہ اسے ڈانٹنے یا مارنے کے لیے کھڑے ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے پیشاب کو منقطع نہ کرو، پھر آپ نے ایک ڈول پانی منگایا اور اس کے پیشاب کے اوپر بہا دیا گیا۔

(صحیح مسلم: ۲۸۴، سنن ترمذی: ۱۴۷، سنن نسائی: ۳۲۹، سنن ابن ماجہ: ۵۲۸، مسند احمد: ۱۲۹۵۵، موطا امام مالک: ۱۴۴، سنن دارمی: ۷۴۰)

صحیح البخاری: ۶۰۲۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے نرمی کرنا، اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کیا تو صحابہ کرام نے اس کو ڈانٹا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع فرمایا اور فرمایا: اس کے پیشاب کو منقطع نہ کرو، اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کے ساتھ نرمی فرمائی اور صحابہ کو اس کا پیشاب منقطع کرنے سے منع فرمایا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۶۔ بَابُ: تَعَاوُنِ الْمُؤْمِنِينَ بَعْضِهِمْ بَعْضًا — مومنوں کا ایک دوسرے کی معاونت کرنے کا بیان

اس باب میں مومنین کے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

۶۰۲۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بُرَيْدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ أَخْبَرَنِي جَدِّي أَبُو بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابی بردہ برید بن ابی بردہ، انہوں نے کہا: مجھے خبر دی میرے دادا ابو بردہ نے از والد خود ابی موسیٰ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: مومن، مومن کے لیے عمارت کی طرح ہے، اس کا بعض، بعض کو مضبوط کرتا ہے، پھر آپ نے اپنی انگلیاں، انگلیوں

میں ڈالیں۔

(صحیح البخاری: ۴۸۱، ۲۴۴۶، ۶۰۲۶، صحیح مسلم: ۲۵۸۵، سنن ترمذی: ۱۹۲۸، سنن نسائی: ۲۵۶۰، مسند احمد: ۱۹۱۲۷)

۶۰۲۷۔ وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ جَالِسًا إِذْ جَاءَ رَجُلٌ يَسْأَلُ أَوْ طَالِبُ حَاجَةٍ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ فَقَالَ اشْفَعُوا فَلْتُؤْجَرُوا وَلْيَقْضِ اللهُ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ مَا شَاءَ۔

اور نبی ﷺ بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک مرد نے آکر سوال کیا یا اپنی حاجت طلب کی تو آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے فرمایا: تم سفارش کرو تمہیں اجر ملے گا، اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان پر جو چاہے گا فیصلہ فرمائے گا۔

(صحیح بخاری: ۱۴۳۲، ۶۰۲۷، ۶۰۲۸، ۷۴۷۶، صحیح مسلم: ۲۶۲۷، سنن نسائی: ۲۵۵۶، سنن ابوداؤد: ۵۱۳۱، مسند احمد: ۱۹۰۸۷)

صحیح البخاری: ۶۰۲۶، ۶۰۲۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۶۰۲۶، کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن یوسف، یہ الفریابی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ ثوری ہیں۔ اور ابو بردہ کا ذکر ہے، یہ بُرید کی کنیت ہے، یہ ابن عبداللہ بن ابی بردہ ہیں، نیز ان کا نام عامر بن موسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری ہے، پس ابو بردہ روایت کرتے ہیں اپنے دادا ابو بردہ سے اور وہ روایت کرتے ہیں اپنے والد حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "المومن" اس میں لام تعریف جنس کے لیے ہے، اور مراد ہے مومن ایک دوسرے کے لیے۔

مومن ایک دوسرے کی معاونت کریں خواہ امورِ آخرت میں، خواہ دنیاوی امورِ مباح میں

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ یہاں معاونت سے مراد ہے امورِ آخرت میں معاونت کرنا، اسی طرح جو امور مباح ہیں دنیا میں، ان میں معاونت کرنا بھی مستحب ہے، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی مدد میں رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر فرمایا کہ مومنین اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہوتے ہیں، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی بات میں مبالغہ مقصود ہو تو اسے سمجھانے کے لیے ہاتھ وغیرہ سے اشارہ اور حرکت کر سکتے ہیں تا کہ سننے والا اس کو اچھی طرح سمجھ سکے۔

کسی مسلمان کی سفارش کرنے سے اس پر اجر کا ملنا

اس حدیث میں فرمایا ہے "تم سفارش کرو اور تمہیں اجر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان سے جو چاہے گا فیصلہ فرمائے گا"۔

یعنی جب کوئی ضرورت مند اپنی ضرورت پیش کرے تو تم اس کی سفارش کرو، سفارش کی وجہ سے تمہیں اجر ملے گا خواہ تمہاری

سفارش قبول ہو یا نہ ہو، اللہ عزوجل میری زبان پر اسی چیز کو جاری فرمائے گا جو اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوگی، تمہاری سفارش کی وجہ سے کسی کی کوئی ضرورت پوری ہوگئی تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہے اور نہیں ہوئی تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور حکم سے ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سفارش کا قبول ہونا یا نہ ہونا ایک الگ بات ہے، محض سفارش کر لینے سے اجر کا استحقاق حاصل ہو جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۷۔ باب:

قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ۝ (النساء: ۸۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو اچھی شفاعت کرے گا اس کے لیے (بھی) اس میں سے حصہ ہے، اور جو بری سفارش کرے گا، اس کے لیے (بھی) اس میں سے حصہ ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۝

كِفْلٌ: نَصِيبٌ، قَالَ أَبُو مُوسَى: كِفْلَيْنِ أَجْرَيْنِ بِالْحَبَشِيَّةِ۔

کفل کا معنی ہے: حصہ، ابو موسیٰ نے کہا: کفلین کا معنی حبشی زبان میں دو اجر ہیں۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

مجاہد وغیرہ نے کہا: یہ آیت لوگوں کی ایک دوسرے کے لیے شفاعت کرنے کے متعلق نازل ہوئی ہے، یعنی جو شخص دنیا میں کسی کے لیے اچھی سفارش کرتا ہے تو اس کو آخرت میں اس سے اجر ملے گا، اور کہا گیا ہے: اچھی شفاعت مومنین کے لیے دعا ہے، اور بری شفاعت مومنین کے لیے بددعا ہے، اور شفاعت پر جو اجر ملتا ہے وہ علی العموم نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ مخصوص ہے جس کے ساتھ شفاعت جائز ہو۔ اور اچھی شفاعت وہ ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہو، اور بری شفاعت وہ ہے جس کی شریعت نے اجازت نہ دی ہو۔

اس آیت میں "مُقِيْتًا" کا لفظ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ شاہد ہے اور مطلع ہے ہر چیز پر۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "مقیت" کا معنی ہے اللہ تعالیٰ بدنی اور روحانی روزیوں کا خالق ہے اور ان کو بدنوں اور روحوں تک پہنچانے والا ہے، اور ایک قول ہے کہ مقیت کا معنی ہے: مقتدر، یہ لغتِ قریش ہے۔ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: "يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ" (الحدید: ۲۸) (اللہ تمہیں اپنی رحمت کے دو حصے عطا فرمائے گا)۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: اس آیت میں کفلین کا معنی ہے ضعفین یعنی دگنا اور یہاں حبشی لغت، عربی لغت کے موافق ہوگئی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۲۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ كَانَ إِذَا أَتَاهُ السَّائِلُ أَوْ صَاحِبُ الْحَاجَةِ قَالَ اشْفَعُوا فَلْتُؤْجَرُوا وَلْيَقْضِ اللهُ عَلَى لِسَانِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از برید از ابی بردہ از ابی موسیٰ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، جب آپ کے پاس کوئی سائل آتا یا ضرورت مند آتا تو آپ فرماتے:

رَسُولِهِ مَا شَاءَ۔

تم سفارش کرو تمہیں اجر دیا جائے گا، اور اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی زبان پر جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے۔

(صحیح بخاری: ۱۴۳۲، ۶۰۲۷، ۶۰۲۸، ۷۴۷۶، صحیح مسلم: ۲۶۲۷، سنن نسائی: ۲۵۵۶، سنن ابوداؤد: ۵۱۳۱، مسند احمد: ۱۹۰۸۷)

اس حدیث کی شرح ابھی گزر چکی ہے۔

۳۸۔ بَابٌ: لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا

نبی ﷺ نہ طبعاً فحش گو تھے نہ تکلفاً

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

فحش کا معنی ہے: ہر وہ چیز جو اپنی مقدار سے نکل جائے حتیٰ کہ اس کو قبیح سمجھا جائے اور اس میں قول، فعل اور صفت تینوں داخل ہیں۔ کہا جاتا ہے فلاں آدمی قبیلِ فاحش ہے، یعنی اس کا طول بہت زیادہ ہے لیکن اس کا استعمال قول میں اکثر ہے۔ اور متفحش وہ شخص ہے جو قصداً اور تکلفاً فحش گفتاری کرے۔ یعنی نبی ﷺ میں فحش گفتاری اصلاً نہیں تھی، نہ ذاتی تھی اور نہ عرضی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ بری باتیں اور بے حیائی والی باتیں بالکل نہیں کرتے تھے۔ علامہ داؤدی نے کہا کہ متفحش وہ شخص ہے جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے بے حیائی کی باتیں کرے اور طبری نے کہا: فاحش وہ شخص ہے جو قبیح اور بری باتیں کرے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۸۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۲۹۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ سَمِعْتُ مَسْرُوقًا قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو ح وحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ دَخَلْنَا عَلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو حِينَ قَدِمَ مَعَ مُعَاوِيَةَ إِلَى الْكُوفَةِ فَذَكَرَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ لَمْ يَكُنْ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا وَقَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ مِنْ أَخْيَرِكُمْ أَحْسَنَكُمْ خُلُقًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از سلیمان، انہوں نے کہا: میں نے ابو وائل سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے مسروق سے سنا، انہوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ح اور ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش از شقیق بن سلمہ از مسروق، انہوں نے کہا: ہم حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے پاس داخل ہوئے جب وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفہ کی طرف آئے، پس انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا: آپ نہ فاحش تھے اور نہ متفحش تھے اور انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

(صحیح بخاری:۳۵۵۹، ۳۷۵۹، ۶۰۲۹، ۶۰۳۵، صحیح مسلم:۲۳۲۱، سنن ترمذی:۱۹۷۵، مسند احمد:۶۴۶۸)

صحیح البخاری:۶۰۲۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ان من اخیرکم" اس میں یہ دلیل ہے کہ افعل التفضیل کا استعمال خیر اور شر دونوں میں جائز ہے۔

خُلق کا معنی

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "خُلقا" خُلق سے مراد ہے کسی چیز کا ایسا ملکہ جس سے بغیر غور وفکر کے سہولت کے ساتھ افعال صادر ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۸۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۳۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها أَنَّ يَهُودَ أَتَوُا النَّبِيَّ ﷺ فَقَالُوا السَّامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ عَلَيْكُمْ وَلَعَنَكُمُ اللهُ وَغَضِبَ اللهُ عَلَيْكُمْ قَالَ مَهْلًا يَا عَائِشَةُ عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَإِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ قَالَتْ أَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا قَالَ أَوَلَمْ تَسْمَعِي مَا قُلْتُ رَدَدْتُ عَلَيْهِمْ فَيُسْتَجَابُ لِي فِيهِمْ وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِيَّ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوہاب نے خبر دی از ایوب از عبداللہ بن ابی ملیکہ، از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ یہود نبی ﷺ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا: "السام علیکم" تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "سام تم پر ہو اور اللہ تم پر لعنت فرمائے اور اللہ تعالیٰ تم پر غضب ناک ہو"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ٹھہرو اے عائشہ! تم پر نرمی لازم ہے اور تم اپنے آپ کو سخت گوئی اور درشت کلام کرنے سے بچاؤ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا آپ نے نہیں سنا انہوں نے کیا کہا تھا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے نہیں سنا کہ میں نے کیا جواب دیا تھا؟ میں نے ان پر ان کا کلام لوٹا دیا، تو میرا کلام میرے لیے ان کے حق میں قبول ہوگا اور ان کا کلام میرے حق میں قبول نہیں ہوگا۔

(صحیح بخاری:۲۹۳۵، ۶۰۲۴، ۶۰۳۰، ۶۲۵۶، ۶۲۹۵، ۶۴۰۱، ۶۹۲۷، صحیح مسلم:۲۱۶۵، سنن ترمذی:۲۷۰۱، سنن ابن ماجہ:۳۶۹۸، مسند احمد:۲۳۵۷)

صحیح البخاری:۶۰۳۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس سے پہلے باب میں گزر چکی ہے "باب الرفق فی الامر کلہ"۔ اور امام بخاری نے اس حدیث کو یہاں پر دوبارہ ذکر کیا ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نہ فاحش تھے اور نہ متفحش تھے۔ اور آپ نے نرمی کا حکم دیا ہے اور سخت گوئی اور

درشت گوئی سے منع فرمایا ہے اور اس حدیث کو یہاں پر ذکر کرنے کی یہی وجہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''العنف'' کا ذکر ہے، یہ لطف کی ضد ہے یعنی سخت گفتاری۔ اور فحش کا معنی ہے: قبیح باتیں کرنا۔
آپ نے فرمایا: میرا کلام مقبول ہوگا کیونکہ میرا کلام برحق ہے اور ان کا کلام مقبول نہیں ہوگا کیونکہ ان کا کلام باطل ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۸۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۳۱۔ حَدَّثَنَا أَصْبَغُ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنَا أَبُو يَحْيَى هُوَ فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِلَالِ بْنِ أُسَامَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ سَبَّابًا وَلَا فَحَّاشًا وَلَا لَعَّانًا كَانَ يَقُولُ لِأَحَدِنَا عِنْدَ الْمَعْتَبَةِ مَالَهُ تَرِبَ جَبِينُهُ۔
(صحیح البخاری: ۶۰۳۱، ۶۰۴۶، مسند احمد: ۱۱۸۶۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اصبغ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو یحییٰ نے خبر دی، وہ فلیح بن سلیمان ہیں، از ہلال بن اسامہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نہ گالی دینے والے تھے، نہ سخت بات کرنے والے تھے اور نہ لعنت کرنے والے تھے۔ جب ہم میں سے کسی پر غصہ ہوتے تو آپ فرماتے: اس کو کیا ہوا اس کی پیشانی خاک آلودہ ہو۔

صحیح البخاری: ۶۰۳۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اصبغ، یہ ابن الفرج المصری ہیں اور یہ عبداللہ بن وہاب المصری سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہلال بن اسامہ، وہ ہلال بن علی ہیں اور ان کو ہلال بن ہلال اور ہلال بن ابی میمونہ المدنی بھی کہا جاتا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''سبابا'' یہ تشدید کے ساتھ فعال کے وزن پر ہے، اسی طرح اس حدیث میں فحاش اور لعان کا بھی ذکر ہے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ فعال مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس کا معنی ہے کہ آپ بہت زیادہ گالی دینے والے نہیں تھے، اور یہ مبالغہ کا صیغہ فاعل کے صیغہ کی نفی کو مستلزم نہیں ہے، یعنی بہت زیادہ گالیاں نہیں دیتے تھے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اصلاً گالی نہ دیتے ہوں، اور نبی ﷺ ان چیزوں سے اصلاً متصف نہیں ہوئے نہ کم نہ زیادہ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اس آیت کی مثل ہے:

وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝ (حم السجدہ: ۴۶) اور آپ کا رب اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے ۝

ظلام بھی فعال کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے، اور اس کا معنی ہے زیادہ ظلم کرنے والا، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے

بندوں پر بالکل ظلم نہیں کرتا۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہاں تین لفظ ذکر کیے گئے ہیں، سباب، فحاش اور لعان۔ ان کے درمیان کیا فرق ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ لعنت کا تعلق آخرت کے ساتھ ہو، کیونکہ لعنت کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنا، اور سبّ یعنی گالی کا تعلق نسب کے ساتھ ہے جیسے کسی پر تہمت لگانا، اور فحش کا تعلق حسب یعنی خاندانی شرافت کے ساتھ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''مالہ وترب یبینہ'' یعنی اس کی پیشانی خاک آلود ہو، جیسے کہا جاتا ہے ''تربت یداک'' یعنی تیرے ہاتھ خاک آلودہ ہوں، اس کا معنی ہے: تمہیں کوئی خیر نہ پہنچے۔ علامہ خطابی نے کہا ہے: اس دعا کے دو معنی ہیں، پہلا معنی یہ ہے کہ یہ آدمی منہ کے بل گر جائے تو اس کی پیشانی زمین پر لگے اور خاک آلود ہو، اور دوسرا معنی یہ ہے کہ یہ اس کے حق میں دعا ہے کہ یہ عبادت کرے، نماز پڑھے اور اس کی پیشانی مٹی کے ساتھ لگ جائے۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے: یہ وہ کلمہ ہے جو عربوں کی زبان پر جاری ہوتا ہے اور اس سے اس کی حقیقت مراد نہیں ہوتی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۳۲- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَوَاءٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ الْقَاسِمِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَجُلًا اسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا رَآهُ قَالَ بِئْسَ أَخُو الْعَشِيرَةِ وَبِئْسَ ابْنُ الْعَشِيرَةِ فَلَمَّا جَلَسَ تَطَلَّقَ النَّبِيُّ ﷺ فِي وَجْهِهِ وَانْبَسَطَ إِلَيْهِ فَلَمَّا انْطَلَقَ الرَّجُلُ قَالَتْ لَهُ عَائِشَةُ يَا رَسُولَ اللهِ حِينَ رَأَيْتَ الرَّجُلَ قُلْتَ لَهُ كَذَا وَكَذَا ثُمَّ تَطَلَّقْتَ فِي وَجْهِهِ وَانْبَسَطْتَ إِلَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَا عَائِشَةُ مَتَى عَهِدْتِنِي فَحَّاشًا إِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ شَرِّهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن عیسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن سواء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح بن القاسم نے حدیث بیان کی، از محمد بن المنکدر از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرد نے نبی ﷺ سے اجازت طلب کی، جب آپ نے اس کو دیکھا تو فرمایا: یہ اپنے قبیلہ کا برا آدمی ہے اور یہ اپنے قبیلہ کا برا بیٹا ہے، پس جب وہ بیٹھ گیا تو نبی ﷺ اس سے بہت کشادہ روئی کے ساتھ ملے اور خندہ پیشانی سے پیش آئے، جب وہ مرد چلا گیا تو آپ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یا رسول اللہ! جب آپ نے اس مرد کو دیکھا تھا تو آپ نے اس طرح اور اس طرح کہا، پھر آپ بہت خندہ پیشانی کے ساتھ اس سے ملے اور بہت کشادہ روئی سے اس سے باتیں کیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! تم نے مجھے بدگو کب پایا؟ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے برے مرتبے کا شخص وہ ہوگا جس سے لوگ اس کے شر کی وجہ سے ملنا چھوڑ دیں گے۔

(صحیح بخاری: ۶۰۳۲، ۶۰۵۴، ۶۱۳۱، صحیح مسلم: ۲۵۹۱، سنن ترمذی: ۱۹۹۶، سنن ابوداؤد: ۴۷۹۱، مسند احمد: ۲۳۵۸۶)

صحیح البخاری: ۶۰۳۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو بن عیسیٰ، یہ ابوعثمان الضبعی البصری ہیں اور امام بخاری نے اس حدیث کے سوا ان سے اور کوئی حدیث روایت نہیں کی اور محمد بن سواء سے کتاب الصلوٰۃ کے آخر میں روایت کی ہے، یہ ابوخطاب السدوسی ہیں، امام بخاری نے ان سے یہ حدیث روایت کی ہے اور کتاب المناقب میں بھی ان سے ایک حدیث روایت کی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے رَوح بن القاسم، یہ مشہور ہیں اور کثیر الحدیث ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن المنکدر، المنکدِر اسمِ فاعل کے وزن پر ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ان رجلا''۔ علامہ ابن بطال نے کہا: اس مرد کا نام عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر الفزاری ہے، اس شخص کو ''الاحمق المطاع'' کہا جاتا تھا، یہ اپنی قوم کے اسلام لانے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، تو آپ اس کے آنے سے خوش ہوئے۔ اور یہ اس وقت آیا جب یہ مشرک تھا، اس کے آنے پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم سے بات منقطع کر دی، تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی ۙ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ۞ (رسول) چیں بہ جبیں ہوئے اور انہوں نے منہ پھیرا O کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا O (عبس: ۲۔۱)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عبداللہ بن ام مکتوم سے باتیں کر رہے تھے، جب یہ شخص آیا تو آپ نے اس کے اسلام قبول کرنے کی توقع پر حضرت عبداللہ بن ام مکتوم سے باتیں ترک کر دیں اور اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

اور عبدالغنی نے از ابی عامر الخزاز از ابی یزید المدنی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ مخرمہ بن نوفل آیا اور اس نے اجازت طلب کی، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی آواز سنی تو آپ نے فرمایا: یہ اپنے قبیلہ کا برا آدمی ہے۔۔ الحدیث۔

اور حافظ المنذری نے اپنی مختصر میں دو قول روایت کیے ہیں، پس کہا: یہ عیینہ تھا، اور کہا: یہ مخرمہ تھا۔ آپ نے فرمایا: بئس اخو العشیرۃ یا بئس ابن العشیرۃ، اور معمر کی روایت میں ہے بئس اخو القوم، یعنی وہ اپنے قبیلہ کا برا آدمی ہے یا اپنی قوم کا برا آدمی ہے۔ قاضی عیاض نے کہا: عشیرہ سے مراد ہے جماعت یا قبیلہ، یعنی یہ مرد اس قبیلہ کا برا آدمی ہے یا اس جماعت کا برا آدمی ہے، جیسے تم کسی مرد کے متعلق کہو ''یا اخ العرب''۔ اور یہ کلام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیب کی خبروں سے ہے، کیونکہ یہ شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مرتد ہو گیا تھا اور اسے قید کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''تطلّق'' (یہ تفعّلَ کے وزن پر ہے) یعنی آپ شرح صدر اور کشادہ روئی کے ساتھ اس سے ملے، اور اسی سے کہا جاتا ہے ''وجه طلق وطليق'' یعنی اس سے اس طرح ملے کہ تیوری پر بل نہیں ڈالے۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث میں مدارات کا ثبوت ہے، یعنی جس شخص کی فحش گوئی کا خطرہ ہو تو اس سے کشادہ روئی کے ساتھ ملنا۔

اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو فاسق معلن ہو یعنی جو اپنے فسق کو ظاہر کرتا ہو اس کی غیبت کرنا جائز ہے اور یہ حدیث مدارات کی اصل ہے اور اہل کفر، اہل فسق، ظالموں اور اہل فساد کی غیبت کے جواز کی دلیل ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۸۴۔ ۱۸۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

مداہنت اور مدارات کا فرق

میں کہتا ہوں: کسی کافر، مشرک یا ظالم کے ساتھ نرمی سے پیش آنا اور اس کے کفر اور ظلم کو نہ بیان کرنا اگر دنیاوی فائدہ کی وجہ سے ہو تو اس کو مداہنت کہتے ہیں اور یہ جائز نہیں ہے اور کسی کافر یا فاسق سے اچھی طرح پیش آنا اور اس کے منہ پر اس کی برائی کو نہ بیان کرنا اگر دینی فائدہ کی بناء پر ہو تو اس کو مدارات کہتے ہیں اور یہ جائز ہے، اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے ساتھ مدارات کی تھی۔ (سعیدی غفرلہ)

۳۹۔ بَابُ: حُسْنِ الْخُلُقِ وَالسَّخَاءِ وَمَا يُكْرَهُ مِنَ الْبُخْلِ

حسن خلق اور سخاوت کا بیان اور بخل کا ناپسندیدہ ہونا

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَجْوَدَ النَّاسِ وَأَجْوَدُ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ وَقَالَ أَبُو ذَرٍّ: لَمَّا بَلَغَهُ مَبْعَثُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لِأَخِيهِ: ارْكَبْ إِلَى هَذَا الْوَادِي فَاسْمَعْ مِنْ قَوْلِهِ فَرَجَعَ فَقَالَ: رَأَيْتُهُ يَأْمُرُ بِمَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں آپ زیادہ سخاوت فرماتے تھے، اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا جب ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی خبر پہنچی تو انہوں نے اپنے بھائی سے کہا: اس وادی کی طرف سوار ہو کر جاؤ اور ان کے قول سے سنو، پھر ان کا بھائی واپس آیا، سو اس نے کہا: میں نے ان کو دیکھا وہ مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں حسن اخلاق کا بیان ہے اور سخاوت کا بیان ہے اور بخل کے ناپسندیدہ ہونے کا ذکر ہے۔

خُلق کا لفظ پیش کے ساتھ بھی ہے اور لام کے پیش کے ساتھ بھی ہے یعنی خُلُق۔ امام راغب اصفہانی نے کہا ہے: "الخَلق (خاء پر زبر کے ساتھ) اور الخُلق (خاء پر پیش کے ساتھ) دونوں کا ایک معنی ہے جیسا کہ الشَّرب اور الشُّرب ہے، لیکن خَلق جو زبر کے ساتھ ہے وہ ان شکلوں اور صورتوں کے ساتھ خاص ہے جن کا آنکھ سے ادراک کیا جاتا ہے اور خُلق جو خاء پر پیش کے ساتھ ہے وہ ان قوتوں کے ساتھ اور ان خصلتوں کے ساتھ خاص ہے جن کا ادراک بصیرت سے کیا جاتا ہے۔ اور رہی سخاوت تو اس کا معنی

ہے: جس کو دینا چاہیے اس کو اتنا دینا جتنا دینا چاہیے اور جو مال اس نے رکھا ہوا ہے، اس کو بغیر عوض کے دینا۔ اور سخاوت بھی محاسنِ اخلاق میں سے ہے بلکہ سب سے عظیم حسن خلق ہے، اور رہا بخل تو وہ سخاوت کی ضد ہے، کیونکہ بخل نہ انبیاء علیہم السلام کی صفت ہے اور نہ جلیل فضلاء کی صفت ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ بخل اس کو کہتے ہیں کہ جس چیز کو اس نے حفاظت سے رکھا ہوا ہے اس کو کوئی طلب کرے تو وہ اس سے منع کرے اور سب سے برا بخل یہ ہے کہ طلب کرنے والا مستحق ہو، پھر بھی وہ اس کو نہ دے۔

امام بخاری نے عنوان میں کہا ہے: ''مایکرہ من البخل'' یعنی بخل میں سے جو چیز ناپسندیدہ ہے، اس کی کیا توجیہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ بعض وہ چیزیں جن پر بخل کا اطلاق ہوتا ہے، وہ مذموم نہیں ہوتیں۔

صحیح بخاری کے اس باب کی تعلیقات کی شرح از علامہ عینی

امام بخاری نے کتاب الایمان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ سخاوت کرتے تھے اور رمضان میں آپ زیادہ سخاوت کرتے تھے۔ رہا یہ کہ آپ رمضان میں زیادہ سخاوت کیوں کرتے تھے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ رمضان بہت عظیم مہینہ ہے، اس میں اللہ کے لیے روزے رکھے جاتے ہیں، اور اس میں لیلۃ القدر ہے، اور روزہ تمام عبادات میں زیادہ اشرف ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزہ خاص میرے لیے ہے اور اس کی جزاء میں خود دوں گا، اس وجہ سے رمضان میں صدقہ کرنے کا اجر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ الزہری نے کہا ہے: رمضان کے مہینہ میں ایک بار سبحان اللہ کہنا، دوسرے مہینوں میں ستر مرتبہ سبحان اللہ کہنے سے بہتر ہے۔

امام بخاری کی دوسری تعلیق یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی سے کہا: جاؤ اس وادی میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام سنو، انہوں نے واپس آ کر بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکارمِ اخلاق کا حکم دیتے ہیں۔ امام بخاری نے یہ تعلیق حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے واقعہ میں روایت کی ہے۔

مکارمِ اخلاق سے مراد ہے فضائل اور محاسن، نہ کہ رذائل اور قبائح۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس لیے مبعوث کیا گیا ہے کہ میں مکارمِ اخلاق کو پورا کردوں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۸۵۔۱۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۳۳۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ هُوَ ابْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَحْسَنَ النَّاسِ وَأَجْوَدَ النَّاسِ وَأَشْجَعَ النَّاسِ وَلَقَدْ فَزِعَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَانْطَلَقَ النَّاسُ قِبَلَ الصَّوْتِ فَاسْتَقْبَلَهُمُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم قَدْ سَبَقَ النَّاسَ إِلَى الصَّوْتِ وَهُوَ يَقُولُ لَنْ تُرَاعُوا لَنْ تُرَاعُوا وَهُوَ عَلَى فَرَسٍ لِأَبِي طَلْحَةَ عُرْيٍ مَا عَلَيْهِ سَرْجٌ فِي عُنُقِهِ سَيْفٌ فَقَالَ لَقَدْ وَجَدْتُهُ بَحْرًا أَوْ إِنَّهُ لَبَحْرٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن عون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی، وہ ابن زید ہیں از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ حسین تھے، تمام لوگوں سے زیادہ سخاوت کرنے والے تھے، اور تمام لوگوں سے زیادہ بہادر تھے، اور ایک رات کو مدینہ والے سخت خوفزدہ ہو گئے (لوگوں کو یہ خوف تھا کہ شور کی آواز اس وجہ سے آ رہی ہے کہ کسی دشمن نے حملہ کر دیا ہے) تو سب لوگ اس شور کی آواز کی طرف

بڑھے تو انہیں آگے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملے۔ آپ لوگوں سے پہلے شور کی آواز کی طرف چلے گئے تھے اور آپ فرما رہے تھے: نہ ڈرو، نہ ڈرو، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر بغیر زین کے سوار تھے اور آپ کی گردن میں تلوار لٹک رہی تھی، آپ نے فرمایا: میں نے اس گھوڑے کو سمندر پایا یا فرمایا: یہ دوڑنے میں سمندر کی مثل ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۶۲۷، ۲۸۲۰، ۲۸۵۷، ۲۸۶۲، ۲۸۶۶، ۲۸۶۷، ۲۹۰۸، ۲۹۶۸، ۲۹۶۹، ۳۰۴۰، ۶۰۳۳، ۶۲۱۲، صحیح مسلم: ۲۳۰۷، سنن ترمذی: ۱۶۸۶، سنن ابوداؤد: ۴۹۸۸، سنن ابن ماجہ: ۲۷۷۲، مسند احمد: ۱۲۳۳۳)

صحیح البخاری: ۶۰۳۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو بن عون، یہ ابن اویس سلمی الواسطی ہیں اور انہوں نے بصرہ میں رہائش اختیار کر لی تھی۔

حدیث مذکور کے معانی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اوصافِ کمالیہ کا جامع ہونا

اس حدیث میں مذکور ہے "احسن الناس"۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین اوصاف ذکر کیے ہیں، اور یہ جوامع الکلم میں سے ہیں، کیونکہ یہ تین اوصاف امہات الاخلاق ہیں، کیونکہ ہر انسان میں تین قوتیں ہوتی ہیں، قوتِ غضبیہ، قوتِ شہویہ اور قوتِ عقلیہ۔ قوتِ غضبیہ کا کمال شجاعت ہے، اور قوتِ شہویہ کا کمال جود اور سخا ہے اور قوتِ عقلیہ کا کمال حکمت ہے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے احسن کا لفظ ذکر کیا، اس میں اشارہ ہے کہ آپ کے تمام افعال اور اقوال میں حُسن تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فزع" یعنی ایک رات اہل مدینہ شور کی آواز سن کر خوفزدہ ہو گئے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "فاستقبلهم النبی صلی اللہ علیہ وسلم" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں آگے سے ملے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لن تراعوا" یعنی تم خوفزدہ نہ ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمہ لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے اور پرسکون کرنے کے لیے فرمایا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "علی فرس" نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہوئے، اس گھوڑے کا نام مندوب تھا، اور حضرت ابوطلحہ کا نام زید بن سہل الانصاری رضی اللہ عنہ ہے، یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کے شوہر تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ما علیه سرج" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے کی ننگی پشت پر سوار ہوئے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "بحرا" یعنی وہ گھوڑا بہت تیز رفتار تھا اور سمندر کی رفتار دوڑتا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص

۱۸۵۔۱۸۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۳۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرًا رضی الله عنه يَقُولُ مَا سُئِلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ شَيْءٍ قَطُّ فَقَالَ لَا۔

(صحیح مسلم: ۲۳۱۱، مسند احمد: ۱۳۸۸۲، سنن دارمی: ۷۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از ابن المنکدر، انہوں نے کہا: کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کر رہے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کے متعلق سوال نہیں کیا گیا تو آپ نے فرمایا ہو: نہیں!

صحیح البخاری: ۶۰۳۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ سفیان ثوری ہیں، وہ از محمد بن المنکدر روایت کرتے ہیں اور وہ از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ما سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیا کے اموال میں سے کسی چیز کا سوال کیا جاتا تو آپ "لا" نہیں فرماتے تھے، یعنی منع نہیں فرماتے تھے، عطا کر دیتے تھے۔ فرزدق کا ایک شعر ہے:

ما قال: لا قط الا فی تشھدہ   لولا التشھد کانت لاؤہ: نعم

آپ نے "لا" صرف کلمہ شہادت میں فرمایا ہے   اگر کلمہ شہادت نہ ہوتا تو آپ کا "لا" بھی نعم ہوتا

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۸۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

بعض اوقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کے جواب میں "لا" فرمایا، اس کی توجیہ

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بعض مواقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "لا" بھی فرمایا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے اصحاب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ میں آپ سے سواریوں کا سوال کروں، تو آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تمہیں کسی چیز پر سوار نہیں کروں گا اور میں آپ سے اس وقت ملا تھا جب آپ ناراض تھے، پھر جب میں دوبارہ آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا: اپنے اصحاب کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ بے شک اللہ نے یا بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو سوار کیا ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۶۷۸)

نیز امام بخاری نے اس حدیث کی زیادہ تفصیل اس طرح روایت کی ہے:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اشعریین کی ایک جماعت میں گیا، ہم آپ سے سواری طلب کر رہے تھے تو آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تم کو سوار نہیں کروں گا اور نہ میرے پاس ایسی سواری ہے جس پر میں تم کو

سوار کروں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مالِ غنیمت میں سے اونٹ آئے تو آپ نے ہمارے متعلق دریافت کیا اور فرمایا: وہ اشعریین کی جماعت کہاں ہے؟ پس آپ نے سفید کوہان والے پانچ اونٹ ہمیں دینے کا حکم دیا، پس جب ہم روانہ ہوئے تو ہم نے کہا: ہم نے جو کام کیا ہے اس میں ہمیں برکت نہیں دی جائے گی، پھر ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس گئے تو ہم نے کہا: ہم نے آپ سے سواری کا سوال کیا تھا، پس آپ نے قسم کھائی تھی کہ آپ ہم کو سوار نہیں کریں گے، کیا آپ بھول گئے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: میں نے تم کو سواری پر سوار نہیں کیا لیکن اللہ نے تم کو سواری پر سوار کیا ہے، اور بے شک اللہ کی قسم! میں ان شاء اللہ کسی کام (کے نہ کرنے) کی قسم نہیں کھاتا، مگر پھر میں دیکھتا ہوں کہ اس قسم کے خلاف کرنا بہتر ہے تو میں اس کام کو کرتا ہوں جو بہتر ہو اور اس قسم کا کفارہ دے دیتا ہوں۔

(صحیح بخاری: ۳۱۳۳، ۴۳۵۸، ۴۴۱۵، ۵۵۱۷، ۵۵۱۸، ۶۶۲۳، ۶۶۴۹، ۶۶۷۸، ۶۶۸۰، ۶۷۱۸، ۶۷۱۹، ۶۷۲۱، ۷۵۵۵، صحیح مسلم: ۱۶۴۹، سنن نسائی: ۳۷۸۰، سنن ابن ماجہ: ۲۱۰۷، مسند احمد: ۱۹۰۹۴)

خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعریین سے جو فرمایا تھا کہ "میں تم کو سوار نہیں کروں گا" یہ تادیباً فرمایا تھا، کیونکہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چیز کا سوال کیا تھا جو اس وقت آپ کے پاس نہیں تھی، کیونکہ جس وقت انہوں نے سواریوں کا سوال کیا اس وقت آپ کے پاس سواریاں نہیں تھیں، پھر جب آپ کے پاس سواریاں آئیں تو آپ نے ان کو عطا کر دیں، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی چیز ہو اور اس کا کوئی سائل سوال کرے تو آپ اس کو رد نہیں فرماتے تھے۔ اور جب آپ کے پاس کوئی چیز نہ ہو، پھر کوئی سائل سوال کرے اور آپ اس کے جواب میں منع فرما دیں تو یہ آپ کے جود و سخا کے منافی نہیں ہے۔ اسی طرح کی ایک اور حدیث ہے:

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے کچھ عطا کرنے کا سوال کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس اس وقت کچھ نہیں ہے، لیکن تم مجھ پر ادھار خرید لو، جب میرے پاس کچھ مال آئے گا تو میں وہ ادھار ادا کر دوں گا، حضرت عمر نے کہا: یا رسول اللہ! (اس سے پہلے) آپ اس کو عطا کر چکے ہیں (لہٰذا آپ پر دوبارہ اس کو عطا کرنا ضروری نہیں ہے)، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا مکلف نہیں کیا کہ جس پر آپ قادر نہیں ہیں وہ عطا کریں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو ناپسند فرمایا، پھر ایک انصاری مرد نے کہا: یا رسول اللہ! آپ خرچ کیجیے، اور عرش والے سے تنگی کا خوف نہ رکھیے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور آپ کے چہرہ مبارک پر انصاری کی بات سے خوشی کے آثار ظاہر ہوئے، پھر آپ نے فرمایا: مجھے اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے۔ (شمائل ترمذی: ۳۵۵)

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی چیز سوال کے وقت ہوتی تو آپ عطا فرما دیتے، اور نہ ہوتی تو آپ فرماتے: اس چیز کو میرے نام پر قرض خرید لو، ادائیگی میں کروں گا۔

۶۰۳۵۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي شَقِيقٌ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا مَعَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو يُحَدِّثُنَا إِذْ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا وَإِنَّهُ كَانَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے شقیق نے حدیث بیان کی از مسروق،

يَقُولُ إِنَّ خِيَارَكُمْ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا۔

انہوں نے بیان کیا کہ ہم حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، وہ ہمیں حدیث بیان کر رہے تھے، جب انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ طبعاً فحش گو تھے اور نہ تکلفاً، اور آپ فرماتے تھے: تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جن کے اخلاق تم میں سے سب سے اچھے ہوں۔

(صحیح بخاری: ۳۵۵۹، ۳۷۵۹، ۶۰۲۹، ۶۰۳۵ صحیح مسلم: ۲۳۲۱ سنن ترمذی: ۱۹۷۵، مسند احمد: ۶۴۶۸)

صحیح البخاری: ۶۰۳۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن حفص، یہ اپنے والد حفص بن غیاث النخعی الکوفی سے روایت کرتے ہیں جو وہاں کے قاضی تھے، اور وہ روایت کرتے ہیں از سلیمان الاعمش از شقیق بن سلمہ از مسروق بن الاجدع۔

یہ حدیث اس سے پہلے باب میں گزر چکی ہے۔

حسنِ اخلاق کے متعلق متعدد احادیث

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مومنوں میں از روئے ایمان کے کامل ترین وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔ اس حدیث کی ابو یعلیٰ نے روایت کی ہے۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مومنوں میں سے کامل ترین وہ ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہوں، اس حدیث کی امام ترمذی نے روایت کی ہے اور اس کو حسن کہا ہے۔

(۳) امام حاکم نے از حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۴) امام احمد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک قیامت کے دن میرے نزدیک تم سب سے زیادہ محبوب اور تم سب سے زیادہ میری مجلس کے قریب وہ شخص ہوگا جس کے اخلاق تم سب سے اچھے ہوں گے۔ اس حدیث کی امام ترمذی نے روایت کی ہے۔

(۵) امام ابن حبان اور امام طبرانی اور امام حاکم نے حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ کے بندوں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۸۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۳۶۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو غسان نے

جَائَتْ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِبُرْدَةٍ فَقَالَ سَهْلٌ لِلْقَوْمِ أَتَدْرُونَ مَا الْبُرْدَةُ فَقَالَ الْقَوْمُ هِيَ الشَّمْلَةُ فَقَالَ سَهْلٌ هِيَ شَمْلَةٌ مَنْسُوجَةٌ فِيهَا حَاشِيَتُهَا فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ أَكْسُوكَ هَذِهِ فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ ﷺ مُحْتَاجًا إِلَيْهَا فَلَبِسَهَا فَرَآهَا عَلَيْهِ رَجُلٌ مِنَ الصَّحَابَةِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَا أَحْسَنَ هَذِهِ فَاكْسُنِيهَا فَقَالَ نَعَمْ فَلَمَّا قَامَ النَّبِيُّ ﷺ لَامَهُ أَصْحَابُهُ قَالُوا مَا أَحْسَنْتَ حِينَ رَأَيْتَ النَّبِيَّ ﷺ أَخَذَهَا مُحْتَاجًا إِلَيْهَا ثُمَّ سَأَلْتَهُ إِيَّاهَا وَقَدْ عَرَفْتَ أَنَّهُ لَا يُسْأَلُ شَيْئًا فَيَمْنَعَهُ فَقَالَ رَجَوْتُ بَرَكَتَهَا حِينَ لَبِسَهَا النَّبِيُّ ﷺ لَعَلِّي أُكَفَّنُ فِيهَا۔

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابو حازم نے حدیث بیان کی از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی ﷺ کے پاس بردہ لے کر آئی، حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ بردہ کیا چیز ہے؟ صحابہ نے کہا: بردہ تہبند کو کہتے ہیں، تو حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں ایسا تہبند جس میں حاشیہ بُنا ہوا ہوتا ہے، تو اس عورت نے کہا: یارسول اللہ! میں آپ کو یہ تہبند پہناؤں گی، تو نبی ﷺ نے وہ تہبند لے لیا در اں حالیکہ آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی، پھر آپ نے اس کو پہن لیا، پھر صحابہ میں سے ایک مرد نے آپ پر اس تہبند کو دیکھا تو کہا: یارسول اللہ! یہ کتنا خوبصورت ہے، یہ آپ مجھے پہنا دیجئے، آپ نے فرمایا: اچھا! پس جب نبی ﷺ (جانے کے لیے) کھڑے ہو گئے تو صحابہ نے اس مرد کو ملامت کی، انہوں نے کہا: تم نے اچھا نہیں کیا جب تم نے دیکھ لیا تھا کہ نبی ﷺ نے وہ تہبند لے لیا ہے اور آپ کو اس کی ضرورت بھی ہے، پھر تم نے نبی ﷺ سے اس کا سوال کیا اور تم کو معلوم ہے کہ نبی ﷺ سے جس چیز کا سوال کیا جائے تو آپ اس کو منع نہیں کرتے، اس مرد نے کہا: مجھے اس تہبند کی برکت کی توقع تھی جب نبی ﷺ نے اس کو پہن لیا، شاید میں اس تہبند میں کفن دیا جاؤں۔

(صحیح بخاری: ۱۲۷۷، ۲۰۹۳، ۵۸۱۰، ۶۰۳۶، سنن نسائی: ۵۳۲۱، سنن ابن ماجہ: ۳۵۵۵، مسند احمد: ۲۲۳۱۸)

صحیح البخاری: ۶۰۳۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "حسنِ اخلاق اور سخاوت" اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ نبی ﷺ کو ایک تہبند کی ضرورت تھی، آپ اسے پہن چکے تھے، پھر بھی ایک مرد نے آپ سے سوال کیا تو آپ نے وہ تہبند اسے عطا کر دیا، یہ آپ کا حسن اخلاق بھی ہے اور آپ کی سخاوت بھی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابو غسان کا ذکر ہے، یہ محمد بن مطرف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو حازم کا ذکر ہے، یہ سلمہ بن دینار ہیں۔

بردہ اور شملہ کے معنی

بُردہ اس سیاہ چوکور چادر کو کہتے ہیں جس کو عرب پہنتے ہیں، اور شملہ اس چادر کو کہتے ہیں جس کو بطور تہبند کے باندھا جاتا ہے۔ اور حدیث میں بردہ کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ وہ چادر جس کے حاشیے بُنے ہوئے ہوں، علامہ داؤدی نے کہا ہے: بُردہ اون سے بُنی ہوئی چادر ہوتی ہے اور سوت سے بنی ہوئی ہوتی ہے، اور چھوٹی بھی ہوتی ہے جیسے چھوٹا تہبند اور کبیر بھی ہوتی ہے جیسے بڑی چادر۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۳۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ وَيَنْقُصُ الْعَمَلُ وَيُلْقَى الشُّحُّ وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ قَالُوا وَمَا الْهَرْجُ قَالَ الْقَتْلُ الْقَتْلُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے خبر دی حمید بن عبدالرحمٰن نے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمانہ قریب ہوتا جائے گا اور عمل کم ہوتے جائیں گے، اور بخل گرا دیا جائے گا اور ھرج بہت زیادہ ہوگا، پوچھا: ہرج کیا ہے؟ فرمایا: قتل، قتل۔

(صحیح مسلم: ۱۵۷، سنن ابوداؤد: ۴۲۵۵، سنن ابن ماجہ: ۴۰۵۲، مسند احمد: ۷۱۴۶)

صحیح البخاری: ۶۰۳۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''حسن اخلاق اور سخاوت'' اور اس حدیث میں ذکر ہے بخل کو گرا دیا جائے گا، اور بخل کا گرنا سخاوت کو مستلزم ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، وہ الحکم بن نافع ہیں۔

زمانہ کے قریب ہونے کا معنی

علامہ خطابی نے کہا: اس سے مراد ہے قیامت کے آنے کا قرب، یعنی جب قیامت قریب ہوگی تو عمل کم ہو جائیں گے اور بخل بھی کم ہو جائے گا اور قتل زیادہ ہوگا، یا اس سے مراد ہے کہ زمانہ کی مدت جو عادتاً ہے، وہ اس سے کم ہوگی اور یہ بھی قیامت کی علامات

میں سے ہے جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا، یا عمروں کے زمانے کم ہو جائیں گے، یا اس کا معنی یہ ہے کہ لوگ عبادات کم کریں گے کیونکہ دنیا میں ان کی مشغولیت زیادہ ہوگی، اور کبھی اس کا معنی یہ ہے کہ امانات میں خیانات کا ظہور ہوگا۔ اور قاضی بیضاوی نے کہا: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ زمانہ کے قریب ہونے سے مراد یہ ہو کہ جلدی جلدی حکومتیں آ کر ختم ہوں گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور عمل کم ہوں گے'' اور الکشمیھنی کی روایت میں ہے کہ علم کم ہوگا اور یہی معروف ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''الشح کو گرا دیا جائے گا'' الشح کا معنی بخل ہے اور کہا گیا ہے کہ ان میں فرق ہے، الشح اس بخل کو کہتے ہیں جس میں حرص ہو، پس یہ بخل سے زیادہ خاص ہے۔

اس حدیث میں ''هرج'' کا ذکر ہے اور اس کا معنی قتل بتایا ہے، یہ حبشی زبان کا لفظ ہے، ابن فارس نے کہا: هرج سے مراد فتنہ اور اختلاط ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۸۸۔۱۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۳۸۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ سَمِعَ سَلَّامَ بْنَ مِسْكِينٍ قَالَ سَمِعْتُ ثَابِتًا يَقُولُ حَدَّثَنَا أَنَسٌ رضی الله عنه قَالَ خَدَمْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم عَشْرَ سِنِينَ فَمَا قَالَ لِي أُفٍّ وَلَا لِمَ صَنَعْتَ وَلَا أَلَّا صَنَعْتَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے سلام بن مسکین سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے ثابت سے سنا، وہ کہتے تھے: ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے دس سال نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی، آپ نے کبھی مجھ سے اُف نہیں فرمایا اور نہ یہ فرمایا: تم نے یہ کام کیوں کیا، اور نہ یہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟

(صحیح بخاری: ۲۷۶۸، ۶۰۳۸، ۶۹۱۱، صحیح مسلم: ۲۳۰۹، سنن ترمذی: ۲۰۱۵، سنن ابوداؤد: ۴۷۷۳، مسند احمد: ۱۱۵۷۷)

صحیح البخاری: ۶۰۳۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''حسن خلق اور سخاوت'' اور اس حدیث میں مذکور ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی، آپ نے کبھی مجھے اُف نہیں فرمایا اور یہ حُسنِ اخلاق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سلام بن مسکین، یہ النمری ہیں۔ اور ثابت کا ذکر ہے، وہ البنانی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''عشر سنین''، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آپ کی خدمت نو سال کی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ میں آنے کے چند مہینے

بعد آپ کی خدمت کی، تو یہ مدت نو سال اور چند مہینے ہے، تو جس روایت میں نو سال کا ذکر ہے اس میں چند مہینوں کو ترک کر دیا ہے، اور جس روایت میں دس سال کا ذکر ہے اس میں چند مہینوں کو ملا کر دس سال کر دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فما قال لی أف" اُف ایسی آواز ہے کہ جس کو انسان اس وقت نکالتا ہے جب اس کو کسی چیز سے تکلیف ہو یا وہ اس چیز کو ناپسند کرے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ولا لما صنعتَ؟" یعنی میں نے جس کام کو نہ کیا ہوتا تو آپ یہ نہ فرماتے کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا، اور میں جس کام کو کرتا اس کے متعلق آپ یہ نہ فرماتے کہ تم نے یہ کام کیوں کیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۸۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۰۔ بَابٌ: كَيْفَ يَكُونُ الرَّجُلُ فِي أَهْلِهِ — مرد کو اپنے گھر میں کس طرح رہنا چاہیے؟

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ مرد کو اپنے گھر میں کس طرح رہنا چاہیے، یعنی وہ گھر میں اپنے کام کس طرح کرے، گھر والوں کے کام کس طرح کرے جیسا کہ اس باب کی احادیث میں ذکر آیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۸۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۳۹۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَصْنَعُ فِي أَهْلِهِ قَالَتْ كَانَ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الحکم از ابراہیم از الاسود، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی ﷺ اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ گھر کے کام کاج کرتے تھے اور جب نماز کا وقت ہو جاتا تو نماز کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے تھے۔

(صحیح بخاری: ۶۷۶، ۵۳۶۳، ۶۰۳۹، سنن ترمذی: ۲۴۸۹، مسند احمد: ۲۴۲۷۰۶)

صحیح البخاری: ۶۰۳۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "مرد کو گھر میں کس طرح رہنا چاہیے" اس عنوان میں ابہام تھا، اور حدیث نے اس ابہام کو دور کر دیا یعنی مرد کو گھر میں رہ کر گھر کے کام کاج کرنے چاہئیں اور نماز کے وقت مسجد میں جا کر نماز پڑھنی چاہیے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''مهنة'' کا ذکر ہے اور اس کی تفسیر کی ہے: گھر والوں کی خدمت کرنا۔ اور ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کام کرتے تھے؟ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کپڑا سی لیتے تھے، اپنی جوتی کی مرمت کر لیتے تھے، اور جو مرد گھر میں کام کرتے ہیں، وہ سب کام کرتے تھے۔ اس حدیث کی امام احمد نے روایت کی ہے اور امام ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، اور امام احمد نے از عمرہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان الفاظ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بشروں میں سے ایک بشر تھے، آپ اپنے کپڑوں میں جوئیں دیکھ لیتے تھے اور بکری کا دودھ دوہ لیتے تھے اور اپنے ذاتی کام خود کرتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس کا جوؤں سے پاک صاف ہونا

میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے از عمرہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو روایت ذکر کی ہے، اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ اپنے کپڑوں میں سے جوئیں دیکھ لیتے تھے، سو اس روایت کے یہ الفاظ صحیح نہیں ہیں۔ جوئیں کپڑوں میں اس وقت پڑتی ہیں جب انسان میلا کچیلا رہے اور میلے کچیلے کپڑے پہنے، تو اس کے میل سے اور پسینے سے جوئیں پیدا ہوتی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر صاف اور نظیف تھے اور آپ دوسروں کو بھی صاف اور نظیف رہنے کی تلقین کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہفتہ میں ایک مرتبہ غسل کر لیا کرو، اور آپ کا پسینہ خوشبودار تھا، اور آپ کا بدن پاک اور صاف تھا، تو آپ کے جسم میں جوؤں کے پیدا ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس لیے عمرہ کی یہ روایت درایۃً صحیح نہیں ہے اور امام احمد نے اس کی روایت کرتے وقت اور علامہ عینی نے اس روایت کا حوالہ دیتے وقت زیادہ غور وفکر نہیں کیا ورنہ وہ یہ الفاظ روایت نہ کرتے۔ (سعیدی غفرلہ)

۴۱۔ بَابُ: الْمِقَةِ مِنَ اللهِ تَعَالٰى — اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبت کا ہونا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

''المقة'' اصل میں الوِمق ہے، اس کا معنی محبت ہے، صرفی قانون کے تحت واؤ گر گئی تو یہ المقة ہو گیا جیسے وعد سے عدۃ ہو جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۶۰۴۰۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ إِذَا أَحَبَّ اللهُ عَبْدًا نَادَى جِبْرِيلَ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ فَيُنَادِي جِبْرِيلُ فِي أَهْلِ السَّمَاءِ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عاصم نے حدیث بیان کی از ابن جریج، انہوں نے کہا: مجھے موسیٰ بن عقبہ نے خبر دی از نافع از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبریل کو ندا فرماتا ہے کہ بے شک اللہ فلاں سے محبت کرتا ہے، تم بھی اس سے

الْقَبُولُ فِی أَهْلِ الْأَرْضِ۔

محبت کرو۔پس حضرت جبریل اس سے محبت کرتے ہیں، پھر حضرت جبریل آسمان والوں میں ندا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتے ہیں تم بھی اس سے محبت کرو، پھر آسمان والے بھی اس بندے سے محبت کرتے ہیں، پھر اس کے لیے زمین میں قبولیت کو رکھ دیا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری:۳۲۰۹، ۶۰۴۰، ۷۴۸۵، صحیح مسلم:۲۶۳۷، سنن ترمذی:۳۱۶۱، مسند احمد:۱۰۲۹۶)

صحیح البخاری:۶۰۴۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو بن علی، یہ ابن بحر ابوحفص الباہلی البصری الصیرفی ہیں اور یہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں ابوعاصم کا ذکر ہے، یہ الضحاک بن مخلد النبیل البصری ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں ابن جریج کا ذکر ہے، وہ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فی اهل السماء" اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے "سات آسمانوں کے اہل میں نداء کرتے ہیں"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "القبول" یعنی بندوں کے قلوب اس کو قبول کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں اس کی محبت ہوتی ہے اور وہ اس سے راضی ہوتے ہیں، اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی محبت اللہ عزوجل کی محبت کی علامت ہے۔اور جس کو مسلمان اچھا سمجھتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہوتا ہے، اور اللہ کی محبت کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ اس کے لیے خیر کا ارادہ کرتا ہے، اور ملائکہ کی محبت کا معنی ہے کہ فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے ہیں، اور اس کے لیے دنیا اور آخرت کی خیر کا ارادہ کرتے ہیں، اور ان کا دل اس کی طرف مائل ہوتا ہے اور یہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۹۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے محبوبِ الٰہی ہونے کی دلیل

میں کہتا ہوں کہ بندوں کا کسی سے محبت کرنا اس کی دلیل ہے کہ اللہ اس بندے سے محبت کرتا ہے، اب تمام دنیا کے مسلمان حضرت غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے ہیں تو یہ اس کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت فرماتا ہے۔(سعیدی غفرلہٗ)

۴۲۔ بَابُ: الْحُبِّ فِي اللهِ — اللہ تعالیٰ کے سبب سے محبت کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سبب سے محبت کرنی چاہیے جس میں نہ دکھاوا ہو نہ خواہشِ نفس ہو۔

۶۰۴۱۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَجِدُ أَحَدٌ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ حَتَّى يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ وَحَتَّى أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللهُ وَحَتَّى يَكُونَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اس وقت تک کوئی شخص ایمان کی مٹھاس نہیں پائے گا حتیٰ کہ جس مرد سے محبت کرے تو اس سے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرے حتیٰ کہ اس کو آگ میں ڈالا جانا اس سے زیادہ پسند ہو کہ وہ کفر کی طرف لوٹے جب کہ اللہ نے اس کو کفر سے نجات دے دی، حتیٰ کہ اللہ اور اس کا رسول اس کے نزدیک ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں۔

(صحیح بخاری: ۱۶، ۲۱، ۶۰۴۱، ۶۹۴۱، صحیح مسلم: ۴۷، سنن نسائی: ۵۰۱۹، سنن نسائی: ۴۹۸۹، سنن ابن ماجہ: ۴۰۳۳، مسند احمد: ۱۱۵۹۱)

صحیح البخاری: ۶۰۴۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "اللہ تعالیٰ کے سبب سے محبت کرنا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ مرد جس سے بھی محبت کرے، اس سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے آدم، اور یہ آدم بن ابی ایاس ہیں۔

یہ حدیث کتاب الایمان میں "باب حب رسول اللہ ﷺ من الایمان" میں گزر چکی ہے اور اس کی مفصل شرح وہاں ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "حلاوۃ الایمان"، ایمان کو شہد کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور وجہ مشابہت یہ ہے کہ شہد کی طرف بھی دل کا میلان ہوتا ہے اور ایمان کی طرف بھی دل کا میلان ہوتا ہے۔ اور ایمان کی طرف اس چیز کی نسبت کی جو شہد کے خواص میں سے ہے، سو یہ استعارہ بالکنایہ ہے۔

یہاں پر یہ اعتراض ہے کہ محبت تو امرِ طبعی ہے، انسان کے اختیار کے تحت داخل نہیں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں محبتِ عقلی مراد ہے، محبت عقلی کی تعریف یہ ہے کہ عقل جس کا تقاضا کرے اور اس کو ترجیح دے اور یہ انسان کے اختیار میں ہے، اگر چہ یہ اس کی خواہش کے خلاف ہے جیسا کہ مریض دوا کو ناپسند کرتا ہے اور اپنی عقل سے دوا کو اختیار کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ اور اس کے رسول کو ایک ضمیر میں جمع کرنا جائز ہے اور کسی اور کے لیے جائز نہیں ہے

اس حدیث میں مذکور ہے ''احب الیه مما سواھما'' یعنی اللہ اور اس کا رسول اس کو ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ ایک خطیب نے کہا: جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہوگیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم برے خطیب ہو، تو ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ یعنی دونوں میں اللہ اور اس کے رسول کو ایک ضمیر میں جمع کیا گیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس نے یہ کہا: جس نے اللہ اور اس کے رسول کی معصیت کی وہ گمراہ ہوا، اس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ جس نے ان دونوں کی معصیت کی وہ گمراہ ہوا، حالانکہ ان میں سے ایک کی معصیت بھی گمراہی ہے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطیب کے متعلق فرمایا کہ تم برے خطیب ہو۔ یعنی اس کے برے خطیب ہونے کی یہ وجہ نہیں ہے کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایک ضمیر میں جمع کیا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے قول کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول دونوں کی نافرمانی کرنا گمراہی ہے حالانکہ ان میں سے ایک کی نافرمانی کرنا بھی گمراہی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ''حتیٰ کہ اللہ اور اس کا رسول اس کو ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں''، سو آپ نے بھی اللہ اور اس کے رسول کو ایک ضمیر میں جمع کیا ہے لیکن آپ کے متعلق کوئی یہ گمان نہیں کرے گا کہ آپ ان دونوں کو برابر سمجھتے ہیں، لیکن اور کوئی شخص جب کہے گا تو یہ گمان ہوگا کہ شاید یہ اللہ اور اس کے رسول کو برابر سمجھتا ہے، اس لیے دونوں کو ایک ضمیر میں جمع کیا ہے۔ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ اور اس کے رسول کو ایک ضمیر میں جمع کرنا جائز ہے اور آپ کے سوا کسی اور کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو ایک ضمیر میں جمع کرنا جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۳۔ باب:

قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (الحجرات:۱۱)

۴۳۔ باب:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! مردوں کا کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے، ہوسکتا ہے کہ وہ ان (مذاق اڑانے والوں) سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور تم ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو، اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے بلاؤ، ایمان کے بعد فاسق کہلانا کتنا برا نام ہے اور جو لوگ توبہ نہ کریں تو وہی ظالم ہیں ○

آیت مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مفسرین نے کہا ہے: یعنی مسلمان ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیں، یعنی ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ جس کو وہ طعنہ دے رہے ہوں وہ ان سے اللہ کے نزدیک بہتر ہو، کیونکہ بعض صحابہ نے فقراء صحابہ کے فقر کی وجہ سے ان کو طعنہ دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ان کے قد چھوٹا ہونے کی وجہ سے طعنہ دیا، اور حضرت صفیہ بنت حیی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، پس کہا کہ عورتیں مجھ کو عار دلاتی ہیں اور کہتی ہیں اے یہودیہ بنت یہودیین، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے یہ کیوں نہ کہا کہ میرے باپ ہارون ہیں اور میرے چچا موسیٰ ہیں اور میرے خاوند محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی ''وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ'' (اور تم ایک دوسرے کو طعنہ نہ دو۔ (الحجرات: ۱۱) اور ''اللمز'' کا معنی ہے: طعنہ دینا اور زبان سے کسی کو مارنا، اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم جو ایک دوسرے کو طعنہ دیتے ہو، یہ نہ کرو۔ کیونکہ جس نے اس کو طعنہ دیا جو اس طعنہ کا مستحق نہیں تھا تو گویا اس نے حقیقۃً اپنے آپ کو طعنہ دیا اور اس آیت میں ''تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ'' سے منع فرمایا ہے اور ''نبز'' سے مراد ہے برا لقب، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو آپ نے دیکھا کہ لوگ ایک دوسرے کو القاب سے پکارتے ہیں تو کہا گیا: یارسول اللہ! یہ لوگ القاب سے پکارنے کو برا جانتے ہیں یعنی برے لقب سے پکارنے کو، لیکن وہ لقب جو اچھا ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسے حضرت ابوبکر کو عتیق کہا جاتا ہے، حضرت عمر کو فاروق، حضرت عثمان کو ذوالنورین، اور حضرت علی کو ابوتراب اور حضرت خالد کو سیف اللہ (رضی اللہ عنہم)۔ اور فرمایا ''بئس الاسم الفسوق'' یعنی برے لقب سے پکارنا بہت برا ہے جیسے کسی کو یا یہودی یا یا نصرانی کہا جائے حالانکہ وہ ایمان لا چکا ہو۔ اور جس نے اس برے لقب کے ساتھ پکارنے سے توبہ نہیں کی تو وہی لوگ ظالم ہیں، یعنی وہ اپنے نفس کو ضرر پہنچا رہے ہیں اپنی معصیت کی وجہ سے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۹۱۔ ۱۹۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۴۲۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَمْعَةَ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَضْحَكَ الرَّجُلُ مِمَّا يَخْرُجُ مِنَ الْأَنْفُسِ وَقَالَ بِمَ يَضْرِبُ أَحَدُكُمُ امْرَأَتَهُ ضَرْبَ الْفَحْلِ ثُمَّ لَعَلَّهُ يُعَانِقُهَا وَقَالَ الثَّوْرِيُّ وَوُهَيْبٌ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ هِشَامٍ جَلْدَ الْعَبْدِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از عبداللہ بن زمعہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص کسی کی ہوا خارج ہونے کی بناء پر اس پر ہنسے، اور آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایک شخص اپنی بیوی کو سانڈ یا اونٹ کی طرح مارتا ہے اور پھر شاید اس کو (بعد میں) گلے لگائے گا۔

اور ثوری اور وہیب اور معاویہ نے کہا از ہشام: یعنی غلام کی طرح مارتا ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۸۵۵، سنن ترمذی: ۳۳۴۳، سنن ابن ماجہ: ۱۹۸۳، مسند احمد: ۱۵۷۸۸، سنن دارمی: ۲۲۲۰)

صحیح البخاری: ۶۰۴۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی آیت کریمہ کے ساتھ مناسبت

اس حدیث کی اس آیت کریمہ کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ آیت کریمہ میں کسی مسلمان پر ہنسنے اور اس کا مذاق اڑانے سے منع فرمایا ہے، اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ کوئی شخص دوسرے شخص کی ہوا خارج ہونے کی بناء پر اس کا مذاق نہ اڑائے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''مما یخرج من الانفس'' یعنی جو چیز انسان سے خود اس کے اختیار کے بغیر خارج ہوتی ہے اور وہ چیز سب لوگوں میں مشترک ہے، اس پر کسی کا مذاق نہیں اڑانا چاہیے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۹۲۔ ۱۹۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۴۳۔ حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ أَخْبَرَنَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ بِمِنًى أَتَدْرُونَ أَيُّ يَوْمٍ هَذَا قَالُوا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّ هَذَا يَوْمٌ حَرَامٌ أَفَتَدْرُونَ أَيُّ بَلَدٍ هَذَا قَالُوا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ بَلَدٌ حَرَامٌ أَتَدْرُونَ أَيُّ شَهْرٍ هَذَا قَالُوا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ شَهْرٌ حَرَامٌ قَالَ فَإِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن ہارون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عاصم بن محمد بن زید نے خبر دی از والد خود از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے منیٰ میں فرمایا: کیا تم جانتے ہو آج کونسا دن ہے؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ یومِ حرام ہے، کیا تم جانتے ہو یہ کونسا شہر ہے؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو ہی زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ شہرِ حرام ہے۔ (آپ نے پوچھا): کیا تم جانتے ہو یہ کونسا مہینہ ہے؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے، آپ نے فرمایا: یہ مہینہ حرام ہے۔ آپ نے فرمایا: بے شک اللہ نے تم پر تمہاری جانوں کو اور تمہارے مالوں کو اور تمہاری عزتوں کو اس طرح حرام کر دیا ہے جس طرح تمہارے آج کے دن میں اور تمہارے اس مہینہ میں اور تمہارے اس شہر میں حرمت ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۷۴۲، ۴۴۰۳، ۶۰۴۳، ۶۱۶۶، ۶۷۸۵، ۶۸۶۸، ۷۰۷۷، سنن ابوداؤد: ۱۹۴۵، سنن ابن ماجہ: ۳۰۵۸، مسند احمد: ۱۵۴۵۶)

صحیح البخاری: ۶۰۴۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی آیت کریمہ کے ساتھ مناسبت

الحجرات:۱۱ میں بھی مسلمانوں کا مذاق اڑانے سے منع فرمایا ہے، یعنی ان کی عزتوں کے خلاف کوئی بات نہ کہی جائے۔اور اس حدیث میں بھی فرمایا ہے کہ مسلمانوں کی عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''ای یوم ھذا؟'' اور یہ منیٰ کا دن ہے، اور شہر مکہ ہے اور مہینہ ذوالحجہ کا ہے، اور یہ مہینہ حرمت والے مہینوں میں سے ہے۔نیز اس حدیث میں مذکور ہے''اعراضکم'' یہ عرض کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: عزت، کیونکہ مسلمان کی عزت کے خلاف کوئی بات کہنا کسی حال میں جائز نہیں ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۹۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۴۔بَابٌ: مَا يُنْهَى عَنْهُ مِنَ السِّبَابِ وَاللَّعْنِ گالیاں دینے اور لعنت کرنے سے ممانعت کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

سباب، سب کی جمع ہے، یا یہ پھر باب مفاعلہ ہے اور اس کا معنی ہے: سب وشتم کرنا، یعنی کسی انسان کا ذکر عیب کے ساتھ کرنا، اور لعن کا معنی ہے: اللہ عزوجل کی رحمت سے دور کرنا۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۹۳۔۱۹۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۴۴۔حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ تَابَعَهُ غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از منصور، انہوں نے کہا: میں نے ابووائل سے سنا، وہ حدیث بیان کرتے ہیں از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو گالی دینا فسق ہے، اور مسلمان سے قتال کرنا کفر ہے۔
سلیمان بن حرب کی متابعت غندر نے کی ہے از شعبہ۔

(صحیح البخاری:۴۸، ۶۰۴۴، ۷۰۷۶، صحیح مسلم:۶۴، سنن ترمذی:۲۶۳۵، سنن نسائی:۴۱۰۵، سنن ابن ماجہ:۶۹، مسند احمد:۳۶۳۹)

صحیح البخاری:۶۰۴۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے منصور، وہ ابن المعتمر ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابووائل، یہ شقیق بن سلمہ ہیں۔

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''فسوق''فسق کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے خارج ہونا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے''وقتالہ کفر''یعنی مسلمان سے لڑنا حقوقِ مسلمین کی ناشکری ہے۔ اور اگر وہ حلال سمجھ کر مسلمان سے قتال کرے تو پھر یہ کفر ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۹۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۴۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنِ الْحُسَيْنِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ يَعْمَرَ أَنَّ أَبَا الْأَسْوَدِ الدِّيلِيَّ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضى الله عنه أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوقِ وَلَا يَرْمِيهِ بِالْكُفْرِ إِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذٰلِكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو معمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی از الحسین از عبداللہ بن بریدہ، انہوں نے کہا: مجھے یحییٰ بن یعمر نے حدیث بیان کی کہ ابو الاسود دیلی نے ان کو حدیث بیان کی از حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جو مرد بھی کسی دوسرے مرد پر فسق یا کفر کی تہمت لگائے گا تو اگر اس کا صاحب اس تہمت کا مصداق نہیں ہے تو وہ فسق یا کفر تہمت لگانے والے کی طرف لوٹ آئے گا۔

(صحیح بخاری: ۳۵۰۸، ۶۰۴۵، صحیح مسلم: ۶۱، سنن ابن ماجہ: ۲۳۱۹، مسند احمد: ۲۰۹۵۴)

صحیح البخاری: ۶۰۴۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو معمر، یہ عبداللہ بن عمرو المقعدی البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبدالوارث کا ذکر ہے، یہ ابن سعید ہیں۔ اور الحسین کا ذکر ہے، یہ المعلم ہیں۔ اور عبداللہ بن بریدہ کا ذکر ہے، یہ ابن حسیب الاسلمی ہیں جو مرو کے قاضی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن یعمر کا ذکر ہے، یہ بھی مرو کے قاضی ہیں۔ اور ابو الاسود کا ذکر ہے، یہ ظالم بن عمرو الدولی ہیں، یہ جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی طرف سے بصرہ کے والی ہوئے اور وہیں ان کی وفات ہوئی، یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے علمِ نحو میں کلام کیا۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو ذر کا ذکر ہے، ان کا نام جندب بن جنادہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''لا یرمی رجل رجلا بالفسوق''یعنی جو شخص بھی دوسرے کی طرف فسق کی نسبت کرے گا، یعنی اسے کہے گا: یا فاسق یا کفر کی نسبت کرے یا بایں طور کہ کہے گا: یا کافر۔

اس حدیث میں مذکور ہے''الا ارتدت علیہ''یعنی اس کا فاسق کہنا اسی کی طرف لوٹ آئے گا یا اس کا کافر کہنا اسی کی طرف

لوٹ آئے گا۔

اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے: جس نے کسی مرد کو کفر کے ساتھ پکارا، یا کہا: اللہ کا دشمن اور وہ اس طرح نہیں تھا تو اس کا یہ قول کہنے والے کی طرف لوٹ آئے گا۔

اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ جس نے دوسرے شخص سے کہا: تم فاسق ہو، یا کہا: اے فاسق یا کہا: تم کافر ہو یا کہا: اے کافر، تو اگر وہ شخص اس طرح نہیں ہے تو کہنے والے کی طرف یہ اوصاف لوٹ آئیں گے۔

لیکن اس میں تفصیل ہے، اگر اس کا قصد یہ کہنے سے اس کی خیر خواہی تھی یا اس کے حال کا بیان کرنا تھا تو یہ جائز ہے، اور اگر اس کا قصد اس کو عار دلانا اور مذمت کرنا تھا یا محض اس کو ایذاء پہنچانا تھا تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے عیوب کو چھپائیں اور خیر خواہی سے نصیحت کریں۔

علامہ نووی نے کہا ہے: اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ "اگر وہ اس کا مستحق نہیں ہے تو وہ کفر یا فسق کہنے والے کی طرف لوٹ آئے گا" اس رجوع کی تاویل میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ اگر اس نے جائز اور حلال سمجھ کر اسے کافر کہا تو اس کی طرف کفر لوٹ آئے گا، اور یہ اس حدیث کے سیاق و سباق سے بعید ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حدیث خوارج پر محمول ہے کیونکہ وہ مومنین کو کافر کہتے تھے۔ اسی طرح قاضی عیاض نے امام مالک سے نقل کیا ہے اور یہ ضعیف ہے، اس لیے کہ اکثرین کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ خوارج اپنی بدعت کی وجہ سے کافر نہیں ہیں۔

اور زیادہ صحیح اور راجح یہی ہے کہ جس نے کسی ایسے شخص کو کافر کہا جس کا اسلام معروف تھا اور اس کے اسلام میں کوئی شبہ بھی نہیں تھا اور کسی شخص نے اس کو کافر کہا تو کہنے والا کافر ہو جائے گا اور یہی اس حدیث کا معنی ہے کہ اس کی طرف اس کی تکفیر لوٹ آئے گی۔ پس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اس کی طرف تکفیر لوٹ آئے گی نہ کہ کفر، کیونکہ اس نے اپنے آپ کو بھی کافر کہا ہے کیونکہ وہ بھی اسی کی مثل ہے، یعنی جس نے کسی مسلمان کو کافر کہا اور وہ خود بھی مسلمان ہے تو اس کی تکفیر اسی کی طرف لوٹ آئے گی اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بعض احادیث میں مذکور ہے کہ دو میں سے ایک کا کفر واجب ہو جائے گا، یعنی اگر واقع میں وہ کافر نہیں ہے تو کہنے والے کی طرف اس کی تکفیر لوٹ آئے گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۹۴۔ ۱۹۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۴۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَاحِشًا وَلَا لَعَّانًا وَلَا سَبَّابًا كَانَ يَقُولُ عِنْدَ الْمَعْتَبَةِ مَالَهُ تَرِبَ جَبِينُهُ۔

(صحیح البخاری: ۶۰۳۱، ۶۰۴۶، مسند احمد: ۱۱۸۶۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سنان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فلیح بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہلال بن علی نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحش کلام کرنے والے نہ تھے اور نہ لعنت کرنے والے تھے، اور نہ کسی کو برا کہنے والے تھے، آپ غصہ کے وقت صرف اتنا فرماتے: اسے کیا ہوا، اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔

یہ حدیث عنقریب اس باب میں گزر چکی ہے "باب لم یکن النبی صلى الله عليه وسلم فاحشا ولا متفحشا" اور وہاں اس حدیث کی

شرح کی جا چکی ہے۔

٦٠٤٧ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ أَنَّ ثَابِتَ بْنَ الضَّحَّاكِ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلَى مِلَّةٍ غَيْرِ الْإِسْلَامِ فَهُوَ كَمَا قَالَ وَلَيْسَ عَلَى ابْنِ آدَمَ نَذْرٌ فِيمَا لَا يَمْلِكُ وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ فِي الدُّنْيَا عُذِّبَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا فَهُوَ كَقَتْلِهِ وَمَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عثمان بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں علی بن المبارک نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن ابی کثیر از ابی قلابہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ثابت بن الضحاک اصحاب شجرہ میں سے تھے، انہوں نے ان کو حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے یہ قسم کھائی کہ اگر اس نے فلاں کام کیا تو وہ اسلام کے علاوہ کسی اور دین پر ہوگا، تو اسی طرح ہوگا جس طرح اس نے کہا ہے، اور جس چیز کا ابن آدم مالک نہیں ہے، اس کی اس میں نذر صحیح نہیں ہے اور جس نے اپنی جان کو دنیا میں کسی چیز سے قتل کیا، اسے اسی چیز کے ساتھ قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور جس نے کسی مومن کو لعنت کی، تو وہ اس کو قتل کرنے کی مثل ہے اور جس نے کسی مومن پر کفر کی تہمت لگائی تو یہ اس کو قتل کرنے کی مثل ہے۔

(صحیح بخاری: ۱۳۶۳، ۴۱۷۱، ۴۸۴۳، ۶۰۴۷، ۶۱۰۵، ۶۶۵۲، صحیح مسلم: ۱۱۰، سنن ترمذی: ۱۵۴۳، سنن نسائی: ۳۷۷۰، سنن ابوداؤد: ۳۲۵۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۹۸، مسند احمد: ۱۵۹۵۷)

صحیح البخاری: ۶۰۴۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے گالیاں دینے اور لعنت کرنے کی ممانعت، اور اس حدیث میں مذکور ہے جس نے کسی مومن کو لعنت کی تو وہ اس کو قتل کرنے کی مثل ہے۔ اور اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن بشار، یہ ابن عثمان البصری ہیں، ان کا لقب بندار ہے اور یہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عثمان بن عمر، یہ ابن فارس البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو قلابہ، یہ عبد اللہ بن زید الجرمی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ثابت بن الضحاک، یہ الاشعری الانصاری ہیں اور یہ اصحاب شجرہ میں سے ہیں یعنی حدیبیہ میں بیعت رضوان جس درخت کے نیچے لی گئی تھی، اس درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے ہیں۔

حدیث مذکور کے پانچ احکام

(۱) اس حدیث میں غیر ملتِ اسلام پر حلف اٹھانے کی ممانعت ہے، اس کی دو صورتیں ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے کافروں کے طریقہ پر مثلاً لات اور عزیٰ کی قسم کھائی تو وہ ایسا ہی ہوگا یعنی وہ غیر ملتِ اسلام پر ہوگا، کیونکہ بت کی قسم کھانا اس بت کی تعظیم ہے اور بت کی تعظیم کرنا کفر ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی مرد نے قسم کھائی کہ اگر اس نے اس طرح کام کیا تو وہ یہودی ہے، سو وہ اسی طرح یہودی ہوگا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس نے ڈرانے اور دھمکانے کے لیے قسم کھائی ہو۔

(۲) جو چیز انسان کی ملکیت میں نہ ہو، اس کی نذر جائز نہیں ہے، مثلاً کسی شخص نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ نے میرے مریض کو شفاء دے دی تو اللہ کی رضا کے لیے میں فلاں آدمی کے غلام کو آزاد کردوں گا۔

(۳) خودکشی کے متعلق، یعنی انسان جس چیز سے خودکشی کرے گا، اس کو اسی چیز کی جنس سے قیامت کے دن عذاب دیا جاتا رہے گا۔

(۴) جو شخص کسی مومن پر لعنت کرے تو اس کا گناہ اس کے قتل کرنے کے برابر ہے، کیونکہ لعنت کرنے والا اس کو آخرت کے منافع سے منقطع کرتا ہے۔

(۵) مومن پر کفر کی تہمت لگانا، مثلاً کوئی انسان کسی مومن کو کہے: اے کافر یا کہے: تم کافر ہو، تو اس کا گناہ اس کو قتل کرنے کے برابر ہے، کیونکہ قاتل مقتول کو دنیا کے منافع سے منقطع کرتا ہے اور اس پر اجماع ہے کہ کفر کی تہمت لگانے سے قتل نہیں کیا جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۴۸۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ قَالَ سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ صُرَدٍ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَغَضِبَ أَحَدُهُمَا فَاشْتَدَّ غَضَبُهُ حَتَّى انْتَفَخَ وَجْهُهُ وَتَغَيَّرَ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ الَّذِي يَجِدُ فَانْطَلَقَ إِلَيْهِ الرَّجُلُ فَأَخْبَرَهُ بِقَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَقَالَ تَعَوَّذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ فَقَالَ أَتُرَى بِي بَأْسٌ أَمَجْنُونٌ أَنَا اذْهَبْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عدی بن ثابت نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے سلیمان بن صُرد سے سنا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک مرد ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو مردوں نے ایک دوسرے کو بُرا کہا۔ پس ان دونوں میں سے ایک غضبناک ہوگیا اور اس کا غضب بہت شدید ہوگیا حتیٰ کہ اس کا چہرہ پھول گیا اور متغیر ہوگیا، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں ضرور ایسا کلمہ جانتا ہوں، اگر یہ وہ کلمہ کہتا تو اس کا وہ غیض وغضب دور ہوجاتا جس کو یہ پا رہا ہے، سو ایک مرد اس کے پاس گیا اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی خبر دی اور کہا: ”تم شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرو“۔ اس شخص نے کہا: کیا تمہارے

خیال میں مجھے کوئی بیماری ہے یا میں پاگل ہوں، جاؤ اپنا کام کرو۔

(صحیح بخاری:۳۲۸۲،۶۰۴۸،۶۱۱۵، صحیح مسلم:۲۶۱۰، سنن ترمذی:۳۴۵۲، سنن ابوداؤد:۴۷۸۱، مسند احمد:۲۱۶۰۶)

صحیح البخاری:۶۰۴۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عمر بن حفص کا ذکر ہے، وہ اپنے والد حفص بن غیاث الکوفی سے روایت کرتے ہیں جو وہاں کے قاضی تھے، اور اس حدیث کی سند میں الاعمش کا ذکر ہے، یہ سلیمان ہیں۔ اور حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ الخزاعی الکوفی اور صحابی ہیں، اور ان کا نام زمانہ جاہلیت میں یسار تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام سلیمان رکھ دیا۔ یہ کوفہ میں رہے اور وہاں عین الوردہ نامی جگہ میں ان کو شہید کر دیا گیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کو ایک جنگ میں قتل کیا گیا جو عبید اللہ بن زیاد کے لشکر کے ساتھ تھی اور ان کا سر مروان بن الحکم کے پاس پہنچایا گیا، اس وقت ان کی عمر ۹۳ سال تھی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "حتی انتفخ وجھہ" اور اس سے پہلی روایت میں مذکور ہے کہ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس کی رگیں پھول گئیں، اور مسلم کی روایت میں ہے کہ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور اس کی رگیں پھول گئیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بی باس" یعنی کیا تمہارے گمان میں مجھے کوئی بیماری ہے یا میں پاگل ہوں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اذھب" یعنی جس مرد کو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کرنے کا حکم دیا گیا تھا، اس نے کہا: جاؤ اپنا کام کرو۔

علامہ نووی نے کہا ہے: یہ اس شخص کا کلام ہے جس کو اللہ کے دین کی سمجھ نہ ہو، اور جو یہ نہ جانتا ہو کہ غضب شیطان کے نوچنے کی وجہ سے آتا ہے، اور اس نے یہ وہم کیا تھا کہ اعوذ باللہ پڑھنا صرف پاگلوں کے ساتھ مختص ہے اور شاید وہ عرب کے جفا کار لوگوں میں سے تھا۔ یا کہا جاتا ہے کہ وہ شخص کافر تھا یا منافق تھا، یا شدتِ غضب نے ہر چیز کو اعتدال سے نکال دیا حتیٰ کہ جو اس کی خیر خواہی سے اس کو نصیحت کی گئی تھی وہ بھی اعتدال سے نکل گئی۔ اور امام ابوداؤد نے عطیہ سعدی سے روایت کی ہے کہ غضب شیطان کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۹۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۴۹ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ قَالَ أَنَسٌ حَدَّثَنِي عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لِيُخْبِرَ النَّاسَ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحَى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ فَتَلَاحَى فُلَانٌ وَفُلَانٌ وَإِنَّهَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں بشر بن المفضل نے حدیث بیان کی از حمید، انہوں نے کہا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: مجھے عبادہ بن الصامت نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تا کہ لوگوں کو لیلۃ القدر کی خبر دیں تو دو

رُفِعَتْ وَعَسَى أَنْ يَكُونَ خَيْرًا لَكُمْ فَالْتَمِسُوهَا فِي التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ۔

مسلمان آپس میں لڑے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نکلا تھا تاکہ تم کو خبر دوں، پس فلاں اور فلاں لڑے اور لیلۃ القدر کی تعیین اٹھالی گئی، اور ہوسکتا ہے کہ وہ تمہارے لیے بہتر ہو، پس تم لیلۃ القدر کو تلاش کرو انتیسویں رات میں، ستائیسویں رات میں اور پچیسویں رات میں۔

(صحیح البخاری:۴۹، ۲۰۲۳، ۶۰۴۹، مسند احمد: ۲۲۱۶۴، موطا امام مالک: ۷۰۵، سنن دارمی: ۱۷۸۱)

صحیح البخاری: ۶۰۴۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے گالیاں دینے اور لعنت کرنے کی ممانعت، اور اس حدیث میں دو مسلمانوں کے لڑنے کا ذکر ہے، کیونکہ لڑنا اور جھگڑنا عموماً گالیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "رجلان" یہ دو مرد عبداللہ بن ابی حدرد اور کعب بن مالک تھے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: حضرت عبداللہ کا حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہما پر قرض تھا، اس لیے وہ دونوں لڑ پڑے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "رفعت" یعنی لیلۃ القدر کی تعیین میرے دل سے اٹھالی گئی، یعنی میں اس کو بھول گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فالتمسوھا" یعنی اب تم لیلۃ القدر کو رمضان کی انتیسویں میں اور ستائیسویں میں اور پچیسویں میں تلاش کرو جیسا کہ دوسری احادیث میں ذکر ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۹۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۵۰۔ حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنِ الْمَعْرُورِ هُوَ ابْنُ سُوَيْدٍ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ رَأَيْتُ عَلَيْهِ بُرْدًا وَعَلَى غُلَامِهِ بُرْدًا فَقُلْتُ لَوْ أَخَذْتَ هَذَا فَلَبِسْتَهُ كَانَتْ حُلَّةً وَأَعْطَيْتَهُ ثَوْبًا آخَرَ فَقَالَ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ رَجُلٍ كَلَامٌ وَكَانَتْ أُمُّهُ أَعْجَمِيَّةً فَنِلْتُ مِنْهَا فَذَكَرَنِي إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ لِي أَسَابَبْتَ فُلَانًا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ أَفَنِلْتَ مِنْ أُمِّهِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ قُلْتُ عَلَى حِينِ سَاعَتِي هَذِهِ مِنْ كِبَرِ السِّنِّ قَالَ نَعَمْ هُمْ إِخْوَانُكُمْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از المعرور وہ ابن سوید ہیں از حضرت ابی ذر رضی اللہ عنہ، معرور نے کہا: میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پر ایک چادر دیکھی اور ان کے غلام پر ایک چادر دیکھی تو میں نے کہا: اگر آپ یہ چادر لے لیتے تو اس کو پہن لیتے تو یہ آپ کا حلہ ہوجاتا اور غلام کو کوئی اور کپڑا دے دیتے، تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میرے اور ایک مرد (حضرت بلال رضی اللہ عنہ) کے درمیان کچھ جھگڑا ہوگیا، اور اس کی ماں

جَعَلَهُمُ اللهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ جَعَلَ اللهُ أَخَاهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا يُكَلِّفُهُ مِنَ الْعَمَلِ مَا يَغْلِبُهُ فَإِنْ كَلَّفَهُ مَا يَغْلِبُهُ فَلْيُعِنْهُ عَلَيْهِ۔

عجمی تھی، تو میں نے اسے اس کی ماں کی طرف سے طعنہ دیا، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا ذکر کیا، آپ نے مجھ سے فرمایا: کیا تم نے فلاں کو گالی دی ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تم نے اس کو اس کی ماں کا طعنہ دیا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: تم ایسے مرد ہو جس میں زمانہ جاہلیت کی خصلت ہے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ! کیا اس بڑھاپے میں بھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں یادرکھو، یہ غلام بھی تمہارے بھائی ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارا ماتحت کردیا ہے، پس اللہ تعالیٰ جس کے ماتحت اس کے بھائی کو رکھے اسے چاہیے کہ جو وہ خود کھائے تو اسے بھی کھلائے اور جو خود پہنے اسے بھی پہنائے، اور اسے ایسا کام کرنے کے لیے نہ کہے جو اس کی طاقت میں نہ ہو اور اگر اسے کوئی ایسا کام کرنے کے لیے کہنا ہی پڑے تو اس کام میں اس کی مدد کرے۔

(صحیح بخاری: ۳۰، ۲۵۴۵، ۶۰۵۰، صحیح مسلم: ۱۶۶۱، سنن ترمذی: ۱۹۴۵، سنن ابوداؤد: ۵۱۵۷، سنن ابن ماجہ: ۳۶۹۰، مسند احمد: ۲۰۹۲۱)

صحیح البخاری: ۶۰۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: گالی دینے کی ممانعت، اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال کو برا کہا تھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن حفص، اور وہ ابن غیاث ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اعمش، وہ سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معرور، وہ ابن سوید ہیں، اور یہ سوید، اسود کی تصغیر ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "قال" یعنی معرور نے کہا: میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پر بھی ایک چادر دیکھی اور ان کے غلام پر بھی ویسی ہی چادر دیکھی، تو میں نے کہا: اگر تم اس غلام سے یہ چادر لے لو تو تمہارے پاس ایک قسم کی دو چادریں ہو جائیں گی اور تمہارا حلہ ہو جائے گا اور اس غلام کو کوئی اور کپڑا دے دو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بینی وبین رجل کلام" اس رجل سے مراد ہے حضرت بلال رضی اللہ عنہ، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے اور ان کی ماں کا نام حمامہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فنلت منھا'' یعنی میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ان کی ماں کی عزت کے خلاف طعنہ دیا۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''جاھلیۃ'' یعنی تم نے بلال کو ان کی ماں کا طعنہ دیا، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں کیا مجھ میں اب بھی جہالت ہے؟ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۹۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۵۔ بَابُ: مَا يَجُوزُ مِنْ ذِكْرِ النَّاسِ نَحْوَ قَوْلِهِمُ الطَّوِيلُ وَالْقَصِيرُ
لوگوں کے اوصاف بیان کرنے کا جواز مثلاً فلاں کا طویل قد ہے یا فلاں کا قصیر قد ہے

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَا يَقُولُ ذُو الْيَدَيْنِ؟ وَمَا لَا يُرَادُ بِهِ شَيْنُ الرَّجُلِ۔

اور نبی ﷺ نے فرمایا کہ ذوالیدین کیا کہہ رہا ہے؟ اور جس کے ساتھ مرد کی غیبت کا ارادہ نہ کیا جائے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ لوگوں کے ایسے اوصاف کا ذکر کرنا جائز ہے جیسے فلاں آدمی کا لمبا قد ہے یا فلاں آدمی کا چھوٹا قد ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

امام بخاری نے اس تعلیق کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ لقب کا ذکر کرنا اگر کسی شخص کی پہچان اور اس کی تعیین کے لیے ہو تو یہ جائز ہے، کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا تو حضرت ذوالیدین نے کہا: کیا نماز اب کم ہو گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں یا رسول اللہ (ﷺ)؟ آپ نے پوچھا: ذوالیدین کیا کہہ رہا ہے۔ اور یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ کے شروع میں ''باب تشبیك الاصابع فی المسجد'' میں گزر چکی ہے۔ اور حدیث کے الفاظ میں ہے ''اکما یقول ذو الیدین؟'' یعنی کیا اسی طرح ہوا ہے جس طرح ذوالیدین نے کہا ہے۔
اور امام بخاری نے دوسری تعلیق میں کہا ہے کہ اس کے ساتھ مرد کی غیبت کا ارادہ نہ کیا جائے، یعنی لوگوں کے اوصاف کو بیان کرنا اس وقت جائز ہے جب ان اوصاف کے ذکر سے کسی مرد کی غیبت کا ارادہ نہ کیا جائے، اور یہ ایک جماعت کا مذہب ہے اور متقدمین میں سے بعض حضرات نے کہا ہے کہ مرد کی وہ صفت بیان کرنا جو اس میں ہو یہ غیبت ہے۔ شعبہ نے کہا: میں نے معاویہ بن قراء کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: اگر تمہارے پاس سے کوئی ہاتھ کٹا ہوا شخص گزرے اور تم یہ کہو کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہے تو یہ تمہاری طرف سے غیبت ہے، لیکن دوسروں کا مذہب یہ ہے کہ جب کسی شخص کا وصف بیان کرنا اس کی تعیین کے لیے اور اس کی پہچان کے لیے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے، اور امام بخاری نے جو اس تعلیق کو وارد کیا ہے کہ اس کے ساتھ وہ مرد کی غیبت کا ارادہ نہ کرے اس سے بھی یہی مراد ہے لیکن جب وہ اس لقب کے ساتھ اس کے عیب بیان کرنے کا ارادہ کرے تو پھر جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں اس مرد کی تنقیص ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۹۸۔۱۹۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۵۱۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ
امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن

حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ ﷺ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ قَامَ إِلَى خَشَبَةٍ فِي مُقَدَّمِ الْمَسْجِدِ وَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهَا وَفِي الْقَوْمِ يَوْمَئِذٍ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ فَهَابَا أَنْ يُكَلِّمَاهُ وَخَرَجَ سَرَعَانُ النَّاسِ فَقَالُوا قَصُرَتِ الصَّلَاةُ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَدْعُوهُ ذَا الْيَدَيْنِ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللهِ أَنَسِيتَ أَمْ قَصُرَتْ فَقَالَ لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تَقْصُرْ قَالُوا بَلْ نَسِيتَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ صَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ فَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَبَّرَ ثُمَّ وَضَعَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَبَّرَ۔

عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہمیں ظہر کی نماز کی دو رکعت پڑھائیں، پھر آپ نے سلام پھیر دیا۔ پھر مسجد کے اگلے حصہ میں لکڑی کا ایک ستون نصب تھا، آپ اس کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے، اور نمازیوں میں اس وقت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے، وہ آپ سے بات کرتے ہوئے ڈرے اور لوگ جلدی جلدی مسجد سے نکلنے لگے، پس لوگوں نے کہا کہ نماز اب کم ہو گئی ہے اور نمازیوں میں ایک مرد تھا جس کو نبی ﷺ ذوالیدین کہہ کر بلاتے تھے، انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! کیا آپ بھول گئے یا نماز اب کم ہو گئی؟ آپ نے فرمایا: نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز کم ہوئی ہے، اس نے کہا: بلکہ آپ بھول گئے ہیں یا رسول اللہ! (ﷺ) آپ نے فرمایا: ذوالیدین نے سچ کہا ہے، پھر آپ کھڑے ہوئے پس آپ نے (مزید) دو رکعت نماز پڑھائی، پھر آپ نے سلام پھیر دیا، پھر آپ نے اللہ اکبر کہا اور اپنے پہلے سجدہ کی مثل سجدہ کیا یا اس سے بھی لمبا سجدہ کیا، پھر آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور اللہ اکبر کہا اور پھر اسی سجدہ کی مثل یا اس سے لمبا سجدہ کیا، پھر اپنا سر اٹھایا اور اللہ اکبر کہا۔

(صحیح بخاری: ۴۸۲، ۷۱۴، ۷۱۵، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۶۰۵۱، ۷۲۵۰، صحیح مسلم: ۵۷۳، سنن ترمذی: ۳۹۹، سنن نسائی: ۱۲۲۴، سنن ابوداؤد: ۱۰۰۸، سنن ابن ماجہ: ۱۲۱۴، مسند احمد: ۷۱۶۰، موطا امام مالک: ۲۱۰، سنن دارمی: ۱۴۹۶)

صحیح البخاری: ۶۰۵۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "لوگوں کا ان کے اوصاف کے ساتھ ذکر کرنا" اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ نبی ﷺ اس شخص کو ذوالیدین کہتے تھے، کیونکہ وہ شخص اسی صفت کے ساتھ مشہور تھا۔ اسی لیے نبی ﷺ نے اس کو ذوالیدین فرمایا اور اس کا نام خرباق

تھا۔ اور اس کو ذوالیدین کا لقب اس لیے دیا گیا تھا کہ اس کے ہاتھ لمبے تھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یزید بن ابراہیم، یہ ابو سعید التستری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد، یہ ابن سیرین ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۶۔ بَابُ: الْغِيبَةِ

غیبت کرنے کا بیان

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللهَ ۚ إِنَّ اللهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ۝ (الحجرات: ۱۲)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو، کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، سو تم اس کو ناپسند کرو گے اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب غیبت کے حرام ہونے کے بیان میں ہے، غیبت کی تعریف یہ ہے کہ انسان کسی شخص کی پیٹھ پیچھے اس کا عیب بیان کرے جس کو اگر وہ شخص سنے تو مغموم ہو اور وہ عیب بھی سچ بیان کرے، لیکن جب وہ جھوٹ بیان کرے گا تو پھر اس کا نام بہتان ہے۔ اور کسی کی پیٹھ پیچھے لکھنا یا اشارہ وغیرہ کرنا بھی اسی کے حکم میں ہے۔

آیت مذکورہ کی تفسیر از علامہ عینی

امام بخاری نے یہاں پر صرف اس آیت کے ذکر کرنے پر اکتفاء کی ہے، کیونکہ اس آیت میں صراحتاً غیبت سے ممانعت ہے، اور امام بخاری نے عنوان میں یہ نہیں لکھا کہ غیبت کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ امام بخاری نے چغلی کے باب میں چغلی کا حکم بھی لکھا ہے کہ چغلی کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۹۹۔ ۲۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۵۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ سَمِعْتُ مُجَاهِدًا يُحَدِّثُ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ مَرَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى قَبْرَيْنِ فَقَالَ إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ أَمَّا هَذَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ وَأَمَّا هَذَا فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ ثُمَّ دَعَا بِعَسِيبٍ رَطْبٍ فَشَقَّهُ بِاثْنَيْنِ فَغَرَسَ عَلَى هَذَا وَاحِدًا وَعَلَى هَذَا وَاحِدًا ثُمَّ قَالَ لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از الاعمش، انہوں نے کہا: میں نے مجاہد سے سنا وہ حدیث بیان کرتے تھے از طاؤس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: ان دو قبر والوں کو عذاب دیا جا رہا ہے، اور ان کو کسی بڑی بات میں عذاب نہیں دیا جا رہا ہے، رہا یہ شخص تو یہ پیشاب کرتے وقت اپنے آپ کو لوگوں سے نہیں چھپاتا تھا، اور رہا

یہ، تو یہ چغلی کھاتا تھا، پھر آپ ﷺ نے درخت کی ایک تر شاخ منگوائی، اس کے دو ٹکڑے کیے اور آپ نے اس قبر پر بھی شاخ کے ایک ٹکڑے کو گاڑ دیا اور دوسری قبر پر بھی شاخ کے ایک ٹکڑے کو گاڑ دیا، پھر آپ نے فرمایا: شاید کہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی جب تک یہ کھجور کی شاخیں خشک نہ ہوں گی۔

(صحیح بخاری: ۲۱۶، ۲۱۸، ۱۳۶۱، ۱۳۷۸، ۶۰۵۲، ۶۰۵۵، صحیح مسلم: ۲۹۲، سنن ترمذی: ۷۰، سنن نسائی: ۲۰۶۸، سنن ابوداؤد: ۲۰، سنن ابن ماجہ: ۳۴۷، مسند احمد: ۱۹۸۱)

صحیح البخاری: ۶۰۵۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''غیبت'' اور اس حدیث میں ''النمیمۃ'' یعنی چغلی کا ذکر ہے، علامہ ابن التین نے اس کی توجیہ میں یہ کہا ہے کہ چغلی اور غیبت دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ جس کی چغلی یا غیبت کی جائے، اسے اگر معلوم ہو کہ اس کے متعلق یہ کہا گیا ہے تو وہ مغموم ہوگا۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ چغلی بھی غیبت کی ایک قسم ہے، کیونکہ جس کی چغلی کی گئی ہے اگر اس کو پتا چل جائے کہ اس کے متعلق کیا کہا گیا ہے تو وہ مغموم ہوگا۔ اسی طرح غیبت سے بھی وہ مغموم ہوتا ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس میں یہ اشارہ ہو کہ بعض احادیث میں ''نمیمۃ'' کی جگہ غیبت کا لفظ وارد ہے، کیونکہ امام بخاری نے الادب المفرد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے، آپ دو قبروں پر آئے، پھر اس کے بعد اسی طرح حدیث ہے اور آپ نے فرمایا: رہا ان میں سے ایک تو وہ لوگوں کی غیبت کرتا تھا۔ اس حدیث کی امام احمد نے اور امام طبرانی نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے، آپ نے فرمایا: ان دونوں کو عذاب دیا جارہا ہے اور ان کو کسی بڑی بات میں عذاب نہیں دیا جارہا، اور آپ روئے اور اس حدیث میں ہے ''ان دونوں کو غیبت کرنے اور پیشاب کی وجہ سے عذاب دیا جارہا ہے''۔ اور امام احمد اور امام طبرانی نے بھی یعلیٰ بن شبابہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ ایک قبر کے پاس سے گزرے جس قبر والے کو عذاب دیا جارہا تھا، تو آپ نے فرمایا: بے شک یہ شخص لوگوں کا گوشت کھاتا تھا (یعنی غیبت کرتا تھا)۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، یا تو یہ ابن موسیٰ الحدانی ہیں، اور یا ابن جعفر البلخی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے وکیع، یہ ابن الجراح الرؤاسی ابوسفیان الکوفی ہیں اور یہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں سے ہیں اور انہوں نے ان سے بہت احادیث کا سماع کیا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں الاعمش کا ذکر ہے، یہ سلیمان ہیں۔

یہ حدیث کتاب الطہارۃ کے "باب من الکبائر ان لا یستتر من البول" میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لا یستتر" یعنی یہ شخص قضائے حاجت کے وقت اپنے آپ کو لوگوں سے چھپاتا نہیں تھا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "بالنمیمۃ" نمیمۃ کا معنی ہے: چغلی، یعنی لوگوں کو آپس میں لڑانے کے لیے ایک کی بات دوسرے کو پہنچانا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "عسیب" عسیب کا معنی ہے: کھجور کے درخت کی شاخ۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "مالم ییبسا" یعنی جب تک درخت کی یہ شاخیں خشک نہیں ہوں گی، ان سے عذاب موقوف رہے گا، یہ اس پر محمول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کی شفاعت کی تھی کہ جب تک درخت کی شاخیں خشک نہ ہوں، ان سے عذاب موقوف کر دیا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۰۰۔۲۰۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے دیگر فوائد

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ نے ان دو قبر والوں کے متعلق فرمایا: ان کو عذاب ہو رہا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ زمین پر چلتے تھے لیکن آپ کی نظر زمین کے نیچے بھی ہوتی تھی، بلکہ عالم برزخ پر ہوتی تھی، کیونکہ عذاب اور ثواب عالم برزخ میں ہوتا ہے۔ نیز حضور ﷺ نے صرف یہ نہیں بتایا کہ انہیں عذاب ہو رہا ہے بلکہ دونوں کے عذاب کا سبب بھی بیان فرما دیا کہ ان میں سے ایک پیشاب کرتے وقت ستر نہیں کرتا تھا اور دوسرا غیبت کرتا تھا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کو ان کے اس وقت کے حال کا بھی علم تھا اور ان کے اس سے پہلے کے حال کا بھی علم تھا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کو وحی کے ذریعہ اس کا علم ہوا ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی صفتِ بصارت عطا فرمائی تھی جس سے آپ موجودہ احوال کو بھی جان لیتے تھے اور گزشتہ احوال کو بھی جان لیتے تھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تک یہ کھجور کی شاخیں خشک نہیں ہوں گی اس وقت تک ان سے عذاب موقوف رہے گا، یعنی رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی بتا دیا کہ ان کو عذاب ہو رہا ہے اور ایسا طریقہ بھی بتا دیا جس سے وہ عذاب دور ہو سکتا ہے۔

نیز اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ قبر پر درخت کی شاخیں گاڑنے سے عذاب دور ہو جاتا ہے، اور اسی معنی میں یہ ہے کہ قبر پر سبزہ ڈال دیا جائے یا پھول ڈال دیے جائیں تو ان سے بھی یہ سنت ادا ہو جاتی ہے۔

۴۷۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ خَيْرُ دُوْرِ الْأَنْصَارِ

نبی ﷺ کا یہ ارشاد کہ انصار کا فلاں گھر سب سے بہتر ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے یہاں پر پورا عنوان نہیں لکھا، پورا عنوان یوں ہے کہ انصار کے گھروں میں سب سے بہتر گھر بنونجار کا ہے، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ بنونجار کے علاوہ جو باقی گھر ہیں وہ بہتر نہیں ہیں، اور یہ ان گھروں کی غیبت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اتنا کلام غیبت نہیں ہوتا، جیسے تم کہو کہ حضرت ابوبکر حضرت عمر سے افضل ہیں، تو یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غیبت نہیں ہے، اور اسی سے ہے کہ یحییٰ بن معین اور دوسرے ائمہ حدیث نے جو ضعیف راویوں کی تخریج کی ہے اور ان کے احوال بیان کیے ہیں تا کہ عام لوگ ان کو دین کا امام نہ سمجھ لیں، جب کہ وہ اس کے مستحق نہیں ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۵۳۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي أُسَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْرُ دُورِ الْأَنْصَارِ بَنُو النَّجَّارِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابی الزناد از ابی سلمہ از حضرت ابی اسید الساعدی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: انصار کے گھروں میں بہترین گھر بنونجار کا ہے۔

(صحیح بخاری: ۳۷۸۹، ۳۸۰۷، ۶۰۵۳، صحیح مسلم: ۲۵۱۱، سنن ترمذی: ۳۹۱۱، مسند احمد: ۱۵۶۱۹)

صحیح البخاری: ۶۰۵۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے قبیصہ، یہ ابن عقبہ الکوفی ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، وہ ثوری ہیں۔ اور ابوالزناد کا ذکر ہے، وہ عبداللہ بن ذکوان المدنی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوسلمہ کا ذکر ہے، وہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں۔ اور ابواُسید کا ذکر ہے، وہ مالک بن ربیعہ الساعدی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "خیر دور الانصار" علامہ ابن قتیبہ نے کہا کہ یہاں "دُوْر" سے مراد قبائل ہیں، اور اس پر دوسری حدیث دلالت کرتی ہے جس میں مذکور ہے "کوئی گھر باقی نہیں بچا مگر اس میں مسجد بنا دی گئی ہے" یہاں گھر سے مراد قبیلہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بنونجار" علامہ ابن ملقن نے کہا ہے کہ بنونجار کی یہ فضیلت اس لیے بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کرنے میں سبقت کی تھی اور اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں سبقت کرنے والوں کی فضیلت بیان فرمائی ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ۔

اور مہاجرین اور انصار میں سے (نیکی میں) سبقت کرنے والے۔ (التوبہ: ۱۰۰)

بنونجار نے اسلام قبول کرنے میں سبقت کی تھی اور بنوعبدالاشہل نے تاخیر سے اسلام قبول کیا تھا، اس وجہ سے بنونجار کو خیریت کی صفت حاصل ہوئی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۸۔ بَابُ: مَا يَجُوزُ مِنِ اغْتِيَابِ أَهْلِ الْفَسَادِ وَالرِّيَبِ

مفسدین اور مشکوک لوگوں کے عیوب بیان کرنا غیبت نہیں ہے

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مفسدین اور مشکوک لوگوں کے عیوب بیان کرنا یہ غیبت نہیں ہے، عنوان میں ریب کا لفظ ہے (راء پر کسرہ) اور یہ ریب کی جمع ہے جس کا معنی شک اور تہمت ہے۔

۶۰۵۴ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ سَمِعْتُ ابْنَ الْمُنْكَدِرِ سَمِعَ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَخْبَرَتْهُ قَالَتْ اسْتَأْذَنَ رَجُلٌ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ ائْذَنُوا لَهُ بِئْسَ أَخُو الْعَشِيرَةِ أَوِ ابْنُ الْعَشِيرَةِ فَلَمَّا دَخَلَ أَلَانَ لَهُ الْكَلَامَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ قُلْتَ الَّذِي قُلْتَ ثُمَّ أَلَنْتَ لَهُ الْكَلَامَ قَالَ أَيْ عَائِشَةُ إِنَّ شَرَّ النَّاسِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ أَوْ وَدَعَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ فُحْشِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں صدقہ بن الفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عیینہ نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے ابن المنکدر سے سنا، انہوں نے عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خبر دی، انہوں نے بیان کیا کہ ایک مرد نے رسول اللہ ﷺ سے ملنے کی اجازت طلب کی، آپ نے فرمایا: اس کو اجازت دے دو، وہ اپنے قبیلے کا برا بھائی ہے، یا فرمایا: وہ اپنے قبیلے کا برا بیٹا ہے۔ پھر جب وہ داخل ہو گیا تو نبی ﷺ نے اس کے ساتھ نرمی سے بات کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے اس شخص کے متعلق فرمایا تھا جو فرمایا تھا، پھر آپ نے اس کے متعلق نرمی سے بات کی، آپ نے فرمایا: اے عائشہ! لوگوں میں بدترین شخص وہ ہے جس کو لوگ اس کی بدکلامی کے ڈر کی وجہ سے چھوڑ دیں، یا فرمایا: اس کی بدکلامی کی وجہ سے اس سے الگ ہو جائیں۔

(صحیح بخاری: ۶۰۳۲، ۶۰۵۴، ۶۱۳۱، صحیح مسلم: ۲۵۹۱، سنن ترمذی: ۱۹۹۶، سنن ابوداؤد: ۴۷۹۱، مسند احمد: ۲۳۵۸۶)

صحیح البخاری: ۶۰۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "مفسدین کا عیب بیان کرنا غیبت نہیں ہے" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ شخص غائب تھا اور اس کے پس پشت نبی ﷺ نے بیان فرمایا: وہ اپنے قبیلہ کا برا بھائی ہے یا برا بیٹا ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ جو مفسدین اور شریر ہوں ان کا پس پشت عیب بیان کرنا غیبت نہیں ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ یہ غیبت نہیں تھی بلکہ یہ تو دوسرے مسلمانوں کی خیر خواہی تھی تا کہ وہ اس سے ہوشیار رہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بہر حال یہ کلام صورتاً غیبت ہے، لیکن یہ وہ غیبت نہیں ہے جو شرعاً مذموم ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن عیینہ، یہ سفیان ہیں۔ اور اس میں مذکور ہے ابن المنکدر، یہ محمد ہیں۔ اور یہ حدیث عنقریب ''باب لم یکن النبی ﷺ فاحشا ولا متفحشا'' میں گزر چکی ہے، اور وہاں اس کی شرح بھی ہو چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۹۔ بَابٌ: النَّمِيمَةُ مِنَ الْكَبَائِرِ — چغلی کھانا گناہِ کبیرہ میں سے ہے

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ چغلی کرنا گناہِ کبیرہ میں سے ہے، اور کبائر، کبیرۃ کی جمع ہے، ہر وہ گناہ کہ جس کے نیچے کوئی گناہ ہو، وہ کبیرہ ہے۔

۶۰۵۵۔ حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا عَبِيدَةُ بْنُ حُمَيْدٍ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ بَعْضِ حِيطَانِ الْمَدِينَةِ فَسَمِعَ صَوْتَ إِنْسَانَيْنِ يُعَذَّبَانِ فِي قُبُورِهِمَا فَقَالَ يُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ وَإِنَّهُ لَكَبِيرٌ كَانَ أَحَدُهُمَا لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ وَكَانَ الْآخَرُ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ ثُمَّ دَعَا بِجَرِيدَةٍ فَكَسَرَهَا بِكِسْرَتَيْنِ أَوْ ثِنْتَيْنِ فَجَعَلَ كِسْرَةً فِي قَبْرِ هٰذَا وَكِسْرَةً فِي قَبْرِ هٰذَا فَقَالَ لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبیدہ بن حمید ابو عبدالرحمٰن نے خبر دی از منصور از مجاہد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ مدینہ کے کسی باغ سے باہر نکلے تو آپ نے دو انسانوں کی آواز سنی جنہیں ان کی قبروں میں عذاب دیا جا رہا تھا، آپ نے فرمایا: ان کو عذاب دیا جا رہا ہے اور ان کو کسی ایسے گناہ کے سبب سے عذاب نہیں دیا جا رہا جس سے بچنا دشوار ہو، اور بے شک وہ گناہِ کبیرہ ہے، ان دونوں میں سے ایک پیشاب کرتے وقت اپنے آپ کو چھپاتا نہیں تھا، اور دوسرا چغلی کرتا تھا، پھر آپ نے ایک شاخ منگائی اور اس کے دو ٹکڑے کیے، اور ایک ٹکڑا ان میں سے ایک کی قبر پر رکھ دیا اور دوسرا ٹکڑا دوسرے کی قبر پر رکھ دیا، پھر فرمایا: شاید ان سے عذاب میں تخفیف کی جاتی رہے گی جب تک یہ کھجور کی شاخیں خشک نہ ہوں۔

(صحیح بخاری: ۲۱۶، ۲۱۸، ۱۳۶۱، ۱۳۷۸، ۶۰۵۲، ۶۰۵۵، صحیح مسلم: ۲۹۲، سنن ترمذی: ۷۰، سنن نسائی: ۲۰۶۸، سنن ابوداؤد: ۲۰، سنن ابن ماجہ: ۳۴۷، مسند احمد: ۱۹۸۱)

صحیح البخاری: ۶۰۵۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''چغلی کرنا گناہ کبیرہ ہے'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ انہیں کسی ایسے گناہ کے سبب سے عذاب نہیں دیا جارہا جس سے بچنا دشوار ہو اور بے شک وہ گناہِ کبیرہ ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن سلام، یہ محمد بن سلام ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبیدہ، یہ ابن حمید ہیں اور حُمید، حمد بن صہیب تیمی کی تصغیر کی ہے، دوسرا قول ہے کہ وہ حمد بن صہیب اللیثی کی تصغیر ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ الضبی عبدالرحمن الکوفی ہیں جو الحذ ی کے نام سے مشہور ہیں، یہ ۱۹۰ھ میں فوت ہو گئے تھے۔

اور اس حدیث کی سند میں منصور کا ذکر ہے، وہ ابن المعتمر ہیں۔

یہ حدیث عنقریب باب ''الغیبۃ'' میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''وانہ لکبیرۃ'' یعنی اللہ کے نزدیک وہ گناہِ کبیرہ ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''وما یعذبان فی کبیرۃ'' اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے نزدیک یہ گناہِ کبیرہ نہیں ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ اس گناہ سے بچنا تمہارے لیے مشکل اور دشوار نہیں ہے کیونکہ اس میں کوئی مشقت نہیں ہے کہ تم چھپ کر پیشاب کرو یا تم کسی کی چغلی نہ کرو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لا یستتر'' یعنی وہ شخص قضائے حاجت کے وقت اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں سے نہیں چھپاتا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۰۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی تسبیح سے عذاب کا اٹھ جانا

اس حدیث میں مذکور ہے ''جب تک کھجور کی یہ شاخ خشک نہیں ہوگی یعنی تر رہے گی، اس وقت تک ان سے عذاب موقوف رہے گا''، کیونکہ جو شاخ تر ہو وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی تسبیح کرتی رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی تسبیح سے عذاب اٹھ جاتا ہے اور جب درخت کی شاخ کی تسبیح سے عذاب اٹھ جاتا ہے، تو اگر مومن قبر کے پاس تلاوتِ قرآن کرے تو پھر عذاب کا اٹھ جانا زیادہ متوقع ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبرستان کے درمیان سے گزرا اور اس نے گیارہ مرتبہ (سورہ) ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' کو پڑھا، پھر اس کا ثواب قبرستان کے مُردوں کو بخش دیا تو اس شخص کو بھی اتنا اجر دیا جائے گا جتنا اجر ان مُردوں کو دیا جائے گا۔ (جمع الجوامع: ۲۳۱۵۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبرستان میں گیا اور اس نے سورۂ یٰسین تلاوت کی تو اللہ تعالیٰ اس دن ان مُردوں کے عذاب میں تخفیف کر دیتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے والدین کی یا ان میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت کی اور ان کے پاس سورہ یٰس کی تلاوت کی، اس کی مغفرت کردی جائے گا۔ (کنز العمال: ۴۵۴۸۶)

۵۰۔ بَابُ: مَا يُكْرَهُ مِنَ النَّمِيمَةِ

چغلی کرنے کے مکروہ ہونے کا بیان

وَقَوْلِهِ تَعَالَىٰ: هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ ۝ (القلم: ۱۱) وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝ (الہمزہ: ۱) يَهْمِزُ وَيَلْمِزُ وَيَعِيبُ وَاحِدٌ۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو بہت طعنہ دینے والا اور چلتا پھرتا چغل خور ہے O ہر طعنہ زن عیب جو کے لیے ہلاکت ہے O یھمز اور یلمز اور یعیب، تینوں کا ایک معنی ہے، یعنی کسی کا عیب بیان کرنا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ چغلی کھانا مکروہ ہے، اور چغلی کا معنی یہ ہے کہ ایک آدمی کسی شخص کی بات دوسرے شخص کو ان میں جھگڑا پیدا کرنے کے لیے پہنچائے۔ امام بخاری نے اس عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے: بعض مرتبہ چغلی کرنا مکروہ نہیں ہوتا، مثلاً کسی کافر کی بات پہنچائی جائے یا جیسے کافروں کے ملک میں جاسوسی کر کے ان کی بات پہنچائی جائے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف اس طرح کی سازشیں کر رہے ہیں۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

القلم: ۱۱ میں مذکور ہے "هَمَّازٍ" اس کا معنی ہے: بہت چغلی کرنے والا۔ امام بخاری نے کہا ہے کہ همز اور لمز اور عیب تینوں کا ایک معنی ہے، اللیث نے کہا: "همز" وہ ہے جو تمہارے پسِ پشت تمہارا عیب بیان کرے، اور "لمز" وہ ہے جو تمہارے سامنے تمہارا عیب بیان کرے، اور النعاس نے مجاہد سے اس کے برعکس بیان کیا ہے۔ اور اس آیت میں "مشاء" کا ذکر ہے، یہ ماشی کا مبالغہ ہے، ماشی کا معنی ہے: چلنے والا، اور تفسیر میں لکھا ہے کہ "مشاء بنمیم" کا معنی ہے: وہ شخص جو بعض لوگوں کی باتیں بعض دوسرے لوگوں تک لڑانے کے لیے پہنچاتا ہو، یہ جمہور کا قول ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ جو جھوٹ کو پھیلانے کی کوشش کرے اور یہ ایک دن میں اتنا فساد پیدا کر دیتا ہے جو جادوگر ایک ماہ میں فساد پیدا کر دیتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۰۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۵۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ هَمَّامٍ قَالَ كُنَّا مَعَ حُذَيْفَةَ فَقِيلَ لَهُ إِنَّ رَجُلًا يَرْفَعُ الْحَدِيثَ إِلَى عُثْمَانَ فَقَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از منصور از ابراہیم از ہمام، انہوں نے بیان کیا کہ ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، پس ان سے کہا گیا کہ ایک آدمی باتیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچاتا ہے، تو اس سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ چغل

خور جنت میں نہیں جائے گا۔

(صحیح مسلم: ۱۰۵، سنن ترمذی: ۲۰۲۶، سنن ابوداؤد: ۴۸۷۱، مسند احمد: ۲۳۲۷۶)

صحیح البخاری: ۶۰۵۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''چغلی کرنا مکروہ ہے'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ قتات جنت میں داخل نہیں ہوگا، اور ''قتات'' کا معنی بھی ''النمام'' یعنی چغل خور ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس باب کی سند میں مذکور ہے ابونعیم، یہ الفضل بن دُکین ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ الثوری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں منصور کا ذکر ہے، وہ ابن المعتمر ہیں۔ اور اس میں ابراہیم کا ذکر ہے، وہ النخعی ہیں۔ اور ہمام کا ذکر ہے، وہ ابن الحارث النخعی الکوفی ہیں۔ اور حذیفہ کا ذکر ہے، وہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''یرفع الحدیث الی عثمان'' یعنی یہ آدمی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تک یہ بات پہنچادے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: القتات لا یدخل الجنۃ'' علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اہل لغت نے النمام اور القتات میں فرق کیا ہے، الخطابی نے کہا: کہ ''نمام'' وہ شخص ہے جو لوگوں کے ساتھ باتیں کر رہا ہو اور ان کی باتیں دوسروں تک پہنچادے، اور قتات وہ شخص ہے: جو لوگوں کی باتیں سن رہا ہو اور ان کو یہ پتا نہ ہو کہ وہ ہماری باتیں سن رہا ہے، پھر وہ ان کی باتیں دوسروں تک پہنچادے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''لا یدخل الجنۃ''۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ وہ جنت میں اس طرح داخل نہیں ہوگا جس طرح کامیاب لوگ جنت میں داخل ہوتے ہیں، یا وہ چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا جو بغیر کسی تاویل کے چغلی کو جائز سمجھ کر چغلی کرتا ہو حالانکہ اس کو علم ہو کہ چغلی کرنا حرام ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے اس کے اوپر اپنی وعید نافذ کی، کیونکہ اہل سنت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی وعید لازماً نافذ نہیں کرے گا، اگر وہ چاہے گا تو ان کو عذاب دے گا اور اگر وہ چاہے گا تو اپنے فضل سے ان کو معاف کر دے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۰۳۔ ۲۰۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۱۔ باب:

قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝ (الحج: ۳۰)

۵۱۔ باب:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جھوٹی بات سے پرہیز کرو O

باب مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کی حدیث کتاب الصیام کے شروع میں اس سند کے ساتھ گزر چکی ہے از آدم بن ابی ایاس از ابن ابی الذئب اور متن بھی وہی ہے اور اس کی شرح وہاں گزر چکی ہے۔

اس حدیث کے آخر میں اس حدیث کے راوی احمد بن یونس نے کہا: ایک مرد نے مجھے اس حدیث کی سند سمجھائی اور اس کا معنی یہ ہے کہ احمد بن یونس نے جب اس حدیث کو اپنے شیخ ابن ابی ذئب سے سنا تو انہوں نے اپنے شیخ سے اس حدیث کی سند کو نہیں سمجھا تو کسی اور مرد نے جوان کے ساتھ مجلس میں بیٹھا ہوا تھا، اس نے ان کو وہ سند سمجھائی، اور امام ابوداؤد نے امام بخاری کی اس روایت کی مخالفت کی ہے، پس انہوں نے اس حدیث کی روایت از احمد بن یونس کی ہے لیکن اس کے آخر میں انہوں نے کہا ہے کہ احمد بن یونس نے کہا: میں نے اس حدیث کی سند کو ابن ابی ذئب سے سمجھا، اور اس حدیث کو مجھے ایک اور مرد نے سمجھایا جوان کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے اور وہ ان کے بھتیجے تھے، اسی طرح اس حدیث کی اسماعیلی نے از ابراہیم بن شریک از احمد بن یونس روایت کی ہے اور یہ امام بخاری نے جو ذکر کیا ہے اس کے برعکس ہے، کیونکہ امام بخاری کی روایت کا تقاضا یہ ہے کہ احمد بن یونس نے متن کو تو اپنے شیخ ابن ابی ذئب سے سمجھ لیا تھا لیکن سند کو نہیں سمجھا تھا، اس کے برخلاف وہ ہے جو ابوداؤد نے اور ابراہیم بن شریک نے کہا۔ پس اس کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ احمد بن یونس نے اس حدیث کی دو طریقوں سے روایت کی ہے۔

اور علامہ کرمانی کو اس مقام پر خبط ہوا، انہوں نے کہا کہ احمد بن یونس نے بتایا کہ میں اس سند کو بھول گیا تھا، پس مجھے ایک مرد نے یہ سند یاد دلائی اور خبط کی وجہ یہ ہے کہ علامہ کرمانی نے احمد بن یونس کی طرف اسناد کے بھولنے کی نسبت کی ہے اور یہ کہا ہے کہ اس کے بعد ایک مرد نے ان کو یہ سند یاد دلائی حالانکہ اس طرح نہیں ہے، بلکہ احمد بن یونس کی مراد یہ ہے کہ جب انہوں نے اس حدیث کو ابن ابی ذئب سے سنا تو ان سے بعض الفاظ مخفی رہ گئے، یا تو امام بخاری کی روایت کے بعض الفاظ مخفی رہ گئے یا امام ابوداؤد کے متن میں جو روایت ہے اس کے الفاظ مخفی رہ گئے اور ان کے پہلو میں جو آدمی بیٹھا ہوا تھا اس نے سمجھ لیا کہ کیا چیز احمد بن یونس پر مخفی رہی ہے تو انہوں نے احمد بن یونس کو وہ سمجھا دیا۔ پھر اس کے بعد جب احمد بن یونس اس حدیث کی روایت کے در پے ہوئے تو انہوں نے اس کو جائز نہیں سمجھا کہ وہ اس بات کے بیان کے بغیر اس حدیث کی روایت کی نسبت ابن ابی ذئب کی طرف کریں۔

پھر علامہ کرمانی نے کہا: احمد بن یونس نے جو کہا ہے کہ ایک مرد نے مجھے اس حدیث کا مطلب سمجھایا، اس میں رجل پر تنوین تعظیم کی ہے یعنی ایک عظیم مرد نے مجھے اس کا مطلب سمجھایا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ احمد بن یونس اس مرد کا نام بھول گئے تھے تو انہوں نے اس کو رجلٌ یعنی ایک مرد کے لفظ سے تعبیر کیا، اور رہا اپنے شیخ کی تعظیم تو وہ سیاق کلام سے ظاہر نہیں ہوتی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ ابن ابی ذئب، وہ محمد بن عبدالرحمٰن بن المغیرہ المخزومی ہیں اور ان کے دو بھائی تھے، ایک مغیرہ اور دوسرے طالوت، اور میں ان کے بھتیجے کے نام پر واقف نہیں ہوا اور نہ اس پر مطلع ہوا کہ ان کے بھتیجے کا باپ ان

دونوں میں سے کون تھا۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ جس نے روزہ میں غیبت کی اس کا روزہ ٹوٹ گیا اور بعض متقدمین کا یہی مسلک تھا اور جمہور اس کے خلاف ہیں، کیونکہ حدیث کا معنی یہ ہے کہ غیبت گناہِ کبیرہ میں سے ہے اور روزہ رکھنے کا اجر اس کے گناہ کو مٹا تا نہیں ہے، پس گویا کہ اس نے روزہ نہیں رکھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ان کے کلام میں مناقشہ ہے، اس لیے کہ اس باب کی حدیث میں غیبت کا ذکر نہیں ہے، اس میں تو جھوٹ بولنے کا ذکر ہے اور جھوٹ کے تقاضے پر عمل کرنے کا ذکر ہے اور جہل کے تقاضے پر عمل کرنے کا ذکر ہے۔

اور اس حدیث میں ہے کہ اللہ کو اس کے روزے کی کوئی حاجت نہیں ہے، یہ مجاز ہے کہ اس کا روزہ قبول نہیں ہوگا۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۱۸۲، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اللہ عزوجل کے اس ارشاد میں ہے "وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝" (الحج: ۳۰) اور زور کا معنی ہے: جھوٹ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ زُور کا لغوی معنی ہے: میلان کرنا، اور جھوٹ میں بھی حق سے باطل کی طرف میلان ہوتا ہے۔ اور ابن الاثیر نے کہا: "زُور" کا معنی جھوٹ ہے اور تہمت اور باطل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۵۷۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ وَالْجَهْلَ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ قَالَ أَحْمَدُ أَفْهَمَنِي رَجُلٌ إِسْنَادَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی از المقبری از والد خود از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: جس نے جھوٹی بات کو نہیں چھوڑا اور اس کے تقاضے پر عمل کرنے کو نہیں چھوڑا اور جہل (کے تقاضے پر عمل کرنے) کو نہیں چھوڑا، تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا اور پینا چھوڑ دے۔

احمد (بن یونس) نے کہا: مجھے ایک مرد نے اس حدیث کی سند سمجھائی۔

(صحیح البخاری: ۱۹۰۳، ۶۰۵۷، سنن ترمذی: ۷۰۷، سنن ابوداؤد: ۲۳۶۲، سنن ابن ماجہ: ۱۶۸۹، مسند احمد: ۹۵۲۹)

صحیح البخاری: ۶۰۵۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جھوٹی بات سے پرہیز کرو" اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس نے جھوٹ کو

نہیں چھوڑا اور جھوٹ کے تقاضے پر عمل کرنے کو نہیں چھوڑا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے احمد بن یونس، یہ احمد بن عبداللہ بن یونس الیربوعی الکوفی ہیں، یہ اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی ذئب، یہ محمد بن عبدالرحمٰن المغیرہ بن الحارث بن ابی ذئب ہیں اور ان کا نام ہشام القرشی المدنی ہے۔

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے المقبری، یہ سعید بن ابی سعید ہیں اور ان کا نام کیسان ہے، یہ مقبرہ کے پاس رہتے تھے اس لیے ان کو مقبرہ کی طرف منسوب کیا گیا۔

یہ حدیث کتاب الصوم میں ''باب من لم یدع قول الزور'' میں گزر چکی ہے، وہاں امام بخاری نے اس حدیث کی از آدم بن ابی ایاس از ابن ابی ذئب۔۔۔روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''والعمل به'' یعنی جھوٹ کے تقاضہ پر عمل کرنے کو نہیں چھوڑا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''والجهل'' یعنی اس نے جہالت کو نہیں چھوڑا، اس سے مراد جاہلوں کے افعال ہیں یا جاہلوں کی طرح لوگوں کے ساتھ بدسلوکی کرنا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فلیس لله حاجة'' یہ مجاز ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے روزے کو قبول نہیں فرمائے گا۔

اس حدیث کے بعد مذکور ہے ''قال احمد'' اس سے مراد احمد بن یونس مذکور ہیں۔

اس حدیث کے بعد مذکور ہے ''افهمني رجل اسناده'' یعنی اس حدیث کی سندِ مذکور، گویا کہ احمد بن یونس نے اپنے شیخ ابن ابی ذئب کے ذکر کردہ الفاظ سے اس کی سند پر یقین نہیں کیا تھا تو پھر احمد بن یونس کو کسی اور مرد نے یہ سند سمجھا دی، اور امام ابوداؤد نے اس کے برعکس کہا ہے، کیونکہ انہوں نے اس حدیث کی روایت کے آخر میں یہ کہا کہ احمد نے کہا: میں اس حدیث کی سند کو ابن ابی ذئب سے سمجھا اور اس حدیث کے متن کو مجھے ایک مرد نے سمجھایا جوان کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا اور میرا گمان ہے کہ وہ ان کا بھتیجا تھا۔

علامہ کرمانی نے کہا کہ احمد بن یونس نے کہا کہ مجھے سمجھایا، یعنی میں اس سند کو بھول گیا تھا تو ایک مرد نے مجھے اس کی سند کو یاد دلایا، یا یہ ارادہ کیا کہ ایک عظیم مرد نے یاد دلایا اور تنوین تعظیم کی ہے اور غرض اپنے شیخ ابن ابی ذئب کی مدح کرنا ہے، یا ایک دوسرے مرد کی جس نے ان کو اس حدیث کی سند سمجھائی۔ (علامہ کرمانی کی عبارت ختم ہوئی)۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

اور بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا کہ علامہ کرمانی کو یہاں پر خبط ہوا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: بلکہ حافظ ابن حجر عسقلانی کو کئی وجوہ سے خبط ہوا ہے، اول اس وجہ سے کہ انہوں نے علامہ کرمانی کے متعلق ادب کو ترک کر دیا، حالانکہ علامہ کرمانی (متوفی ۷۸۶ھ) علامہ ابن حجر (متوفی ۸۵۲ھ) پر اسلام میں اور علم میں اور تصنیف

میں مقدم ہیں۔ اور دوسری اس وجہ سے کہ انہوں نے علامہ کرمانی کا کلام اس طرح نہیں نقل کیا جس طرح میں نے نقل کیا ہے، بلکہ اس میں ان کو خبط ہو گیا ہے، انہوں نے کہا کہ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ میں اس سند کو بھول گیا تھا تو مجھے ایک مرد نے وہ سند یاد دلائی یا ارادہ کیا کہ ایک عظیم مرد نے وہ سند یاد دلائی جس پر تنکیر کی تنوین دلالت کرتی ہے، انتہیٰ۔ پس تم غور کرو ان دونوں کلاموں کی طرف، پس غور کرنے والا جان لے گا کہ خبط کس کو ہوا ہے۔ اور تیسرا خبط اس وجہ سے ہے کہ حافظ ابن حجر نے سمجھا کہ وہ اس دوسرے مرد کی مدح کر رہے ہیں اور اس طرح نہیں ہے، بلکہ علامہ کرمانی کی غرض یہ ہے کہ وہ اپنے شیخ کی مدح کر رہے ہیں یا اس مرد کی مدح کر رہے ہیں جس نے ان کو یہ سند سمجھائی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۰۴۔ ۲۰۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۰۵۷ کی شرح کا خلاصہ

اس حدیث کی شرح جو حافظ ابن حجر عسقلانی نے اور علامہ بدرالدین عینی نے کی ہے، وہ خالص علمی اور فنی ہے اور عام قارئین کی سمجھ سے بالاتر ہے، اس لیے ہم اس حدیث کی آسان شرح بیان کر رہے ہیں۔

اس حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص روزہ رکھتا ہے لیکن اس کے باوجود جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو ایسے روزے کی حاجت نہیں ہے یعنی اللہ تعالیٰ ایسا روزہ قبول نہیں فرمائے گا، کیونکہ اس شخص نے کھانے پینے اور جماع سے تو اپنے آپ کو روک لیا جو روزہ کے علاوہ عام حالات میں جائز ہیں، لیکن جھوٹ بولنے اور جھوٹ پر عمل کرنے سے اپنے آپ کو نہیں روکا جو تمام اوقات میں حرام ہیں۔

۵۲۔ بَابُ: مَا قِيلَ فِي ذِي الْوَجْهَيْنِ — دو چہرے رکھنے والے (دوغلا) کے متعلق وعید

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اس شخص کی وعید کے متعلق ہے جو دو چہرے رکھتا ہے، دو چہروں کا مطلب یہ ہے کہ وہ کچھ لوگوں کے ساتھ ایک چہرہ کے ساتھ ملاقات کرے، اور کچھ لوگوں کے ساتھ دوسرے چہرہ کے ساتھ ملاقات کرے، جیسا کہ عنقریب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آئے گا اور یہ وہ مداہنت ہے جس کو حرام کر دیا گیا ہے، اور دو چہرے رکھنے والے کو مداہن کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ برا کام کرنے والے لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ان میں سے ہے کہ وہ ان سے راضی ہے اور ان سے خوش دلی اور خندہ پیشانی سے ملاقات کرتا ہے، اور جب اہل حق کے ساتھ ملاقات کرتا ہے تو ان سے ان کی موافقت کو ظاہر کرتا ہے، پس وہ دونوں فریقوں سے مل جل کر رہتا ہے اور وہ ان کے افعال سے رضامندی کا جو اظہار کرتا ہے اس کی وجہ سے وہ مداہنت کے اسم کا مستحق ہوا اور وعید شدید کا بھی مستحق ہوا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذوالوجہین اللہ تعالیٰ کے نزدیک وجیہ نہیں ہے، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی دنیا میں دو زبانیں ہوں گی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے لیے آگ کی دو زبانیں بنا دے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۰۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۵۸۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا — امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن

الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ تَجِدُ مِنْ شَرِّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ اللهِ ذَا الْوَجْهَيْنِ الَّذِي يَأْتِي هَؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهَؤُلَاءِ بِوَجْهٍ۔

حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوصالح نے حدیث بیان کی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں سے سب سے برا اس شخص کو پاؤ گے جس کے دو چہرے ہوں، وہ ان لوگوں کے پاس ایک چہرہ کے ساتھ آئے اور ان لوگوں کے ساتھ دوسرے چہرہ کے ساتھ آئے۔

(صحیح بخاری: ۳۴۹۴، ۶۰۵۸، ۷۱۷۹، صحیح مسلم: ۲۵۲۶، سنن ترمذی: ۲۰۲۵، سنن ابوداؤد: ۴۸۷۲، مسند احمد: ۷۲۹۶، موطا امام مالک: ۱۸۶۴)

صحیح البخاری: ۶۰۵۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن حفص، وہ اپنے والد حفص بن غیاث سے روایت کرتے ہیں از سلیمان الاعمش از ابی الصالح ذکوان السمان الزیات۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "تجد من شر الناس" الکشمیھنی کی روایت میں ہے "تم جسے سب سے شریر لوگوں میں سے پاؤ گے وہ ذوالوجہین ہے"۔ اور امام ترمذی کی روایت میں اس طرح ہے "بے شک لوگوں میں سے شر ذوالوجہین ہے" اور امام مسلم کی روایت میں ہے "تم سب سے زیادہ شر اس کو پاؤ گے"۔ اور ایک اور روایت میں ہے "تم لوگوں میں سے شر اس کو پاؤ گے جو ذوالوجہین ہے"۔ اور امام ابوداؤد کی روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے "شر الناس میں سے ذوالوجہین ہے" اور اسماعیلی کی روایت میں ہے "اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے سب سے زیادہ شر ذوالوجہین ہے"۔ اور یہ الفاظ متقارب ہیں اور یہ روایات اس پر محمول ہیں کہ لوگوں میں سے شر وہ ہے جو ذوالوجہین ہو۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ لوگوں سے کیا مراد ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں سے مراد دو جماعتیں ہیں اور یہ شخص ان میں سب سے زیادہ شر ہے، اور اولیٰ یہ ہے کہ اس کو عموم پر محمول کیا جائے۔ یہ شخص ہر جماعت کے پاس جائے گا اور ان کے سامنے یہ ظاہر کرے گا کہ یہ ان میں سے ہے اور دوسروں کا مخالف ہے اور ان سے بغض رکھتا ہے، اور اگر یہ شخص ہر جماعت کے پاس اصلاح کی غرض سے جاتا تو اس شخص کی مدح کی جاتی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۰۵۔۲۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۳۔ بَابٌ: مَنْ أَخْبَرَ صَاحِبَهُ بِمَا يُقَالُ فِيهِ

جس نے اپنے صاحب کو خبر دی کہ اس کے متعلق کیا کہا جا رہا ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اس کے جواز کے بیان میں ہے کہ اگر کوئی مرد اپنے صاحب کو یہ بتائے کہ اس نے سنا ہے کہ اس کے متعلق کیا کہا جا رہا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کا قصد خیر خواہی ہو اور وہ سچ کا قصد کرے اور ایذاء رسانی سے بچے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے شارع علیہ السلام کو یہ خبر دی کہ ایک انصاری آپ کے متعلق کہہ رہا ہے کہ یہ وہ تقسیم ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ تم ایسی بات کہہ رہے ہو جو جائز نہیں ہے بلکہ آپ اس بات کو سن کر راضی رہے اور اس کا جواب یہ دیا کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، ان کو اس سے زیادہ اذیت دی گئی تھی تو انہوں نے صبر کیا، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ خبر دینا چغلی نہیں تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۰۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۵۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی الله عنه قَالَ قَسَمَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قِسْمَةً فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ وَاللهِ مَا أَرَادَ مُحَمَّدٌ بِهٰذَا وَجْهَ اللهِ فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَخْبَرْتُهُ فَتَمَعَّرَ وَجْهُهُ وَقَالَ رَحِمَ اللهُ مُوسَى لَقَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از الاعمش از ابووائل از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ تقسیم فرمایا، تو انصار کے ایک مرد نے کہا: اللہ کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس تقسیم سے اللہ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا، پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے آپ کو اس بات کی خبر دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا اور آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، ان کو اس سے زیادہ اذیت دی گئی تھی تو انہوں نے صبر کیا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۵۰، ۳۴۰۵، ۴۳۳۵، ۴۳۳۶، ۶۰۵۹، ۶۱۰۰، ۶۲۹۱، ۶۳۳۶، صحیح مسلم: ۱۰۶۲، مسند احمد: ۳۵۹۷)

صحیح البخاری: ۶۰۵۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب الجہاد میں اس باب میں گزر چکی ہے ''باب ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعطی المؤلفۃ قلوبہم'' اور وہاں اس حدیث کی شرح بیان کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''قَسَمَ'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے دن مال غنیمت تقسیم کیا اور الاقرع بن حابس کو

آپ نے سو اونٹ عطا فرمائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فتمعر'' یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا، اور الکشمیھنی کی روایت میں ہے: ''فتمغر'' یعنی آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ ہلکا سرخ ہو گیا یعنی گلابی ہو گیا۔ علامہ ابن الملقن نے کہا: یہ روایت ابوذر کی ہے۔

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ اہلِ فضل کو کبھی ایسی خبر دی جاتی ہے جو ان پر دشوار ہوتی ہے اور یہ انسانوں کی فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے مگر اہلِ فضل ایسی خبر سن کر صبرِ جمیل کو اختیار کرتے ہیں اور اپنے پیش رو مومنین کی اقتداء کرتے ہیں۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں صبر کیا اور حضرت موسیٰ صلوات اللہ وسلمہ علیہ کی سیرت پر عمل کیا، کیونکہ بعض بنی اسرائیل نے ان کے متعلق کہا کہ یہ ''آدر'' ہیں یعنی جس کے خصیتین معمول سے بڑے ہوں، پس وہ گئے اور برہنہ غسل کر رہے تھے، انہوں نے اپنے کپڑے ایک پتھر پر رکھے، تو پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگ گیا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے پاس سے گزرے تو انہوں نے ان کو اس عیب سے بری پایا۔ اسی طرح قارون نے اپنی بیوی سے متعلق کہا جو بہت خوبصورت اور شریف خاندان کی تھی کہ تمہاری کیا رائے ہے اگر میں تم کو اپنے اہل میں اور مال میں شریک کرلوں تم بنی اسرائیل کی جماعت کے پاس جاؤ اور یہ کہو کہ بے شک موسیٰ (علیہ السلام) نے میرا ارادہ کیا ہے، جب وہ گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو بدل دیا اور اس نے جا کر کہا کہ قارون نے مجھ سے اس اس طرح کہا ہے، پس یہ خبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہنچ گئی اور وہ بہت غصہ کرنے والے تھے اور جب ان کو غصہ آتا تو ان کے بال کپڑے سے باہر نکل آتے، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے رو رو کر دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: میں نے زمین کو حکم دے دیا ہے کہ وہ تمہاری اطاعت کرے، اب تم جو چاہو زمین کو حکم کرو، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام قارون کی طرف گئے، جب قارون نے ان کو دیکھا تو کہا: اے موسیٰ! مجھ پہ رحم کرنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا اے زمین اس کو پکڑ لے، پس وہ زمین میں ٹخنوں تک دھنس گیا اور اس کا گھر بھی، اس نے کہا: اے موسیٰ! مجھ پہ رحم کر، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا تو اس نے اس کو اور اس کے گھر کو دھنسا دیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۰۶۔ ۲۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۔ بَابُ: مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّمَادُحِ — کسی کی حد سے زیادہ تعریف کرنے کی کراہت

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب اس بیان میں ہے کہ لوگوں کا کسی کی تعریف میں مبالغہ کرنا اور حد سے تجاوز کرنا مکروہ ہے، اور اس باب کے عنوان سے یہی مراد ہے کیونکہ حدیث اسی معنی پر دلالت کرتی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: اس کا معنی ہے کہ دو آدمیوں سے ہر ایک دوسرے کی تعریف کرے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۱۸۴، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کا رد فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو معنی بیان کیا ہے، یہ باب مفاعلہ کا خاصہ ہے

جس میں دو مردوں میں سے ہر ایک فاعل بھی ہوتا ہے اور مفعول بھی ہوتا ہے، اور "تمادح" باب تفاعل ہے، اس کا خاصہ ہے ایک فعل میں کئی لوگ مشترک ہوں، یعنی کئی لوگوں کا کسی مرد کی مدح کرنا، اور جس کو علم صرف کی تھوڑی بھی سمجھ بوجھ ہو اس پر یہ مخفی نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۶۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ صَبَّاحٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ حَدَّثَنَا بُرَيْدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ سَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا يُثْنِي عَلَى رَجُلٍ وَيُطْرِيهِ فِي الْمِدْحَةِ فَقَالَ أَهْلَكْتُمْ أَوْ قَطَعْتُمْ ظَهْرَ الرَّجُلِ۔

(صحیح البخاری: ۲۶۶۳، ۶۰۶۰، صحیح مسلم: ۳۰۰۱، مسند احمد: ۱۹۱۹۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن صباح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن زکریاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں برید بن عبداللہ بن ابی بردہ نے حدیث بیان کی از ابی بردہ از ابی موسیٰ، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے ایک مرد کو سنا جو دوسرے مرد کی تعریف کر رہا تھا اور تعریف میں مبالغہ کر رہا تھا، تو آپ نے فرمایا: تم نے ہلاک کر دیا یا فرمایا: تم نے اس مرد کی کمر توڑ دی۔

صحیح البخاری: ۶۰۶۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "کسی کی حد سے زیادہ تعریف کرنے کی کراہت" اور اس عنوان کا معنی یہ ہے کہ کسی مرد کی بہت زیادہ مدح کی جائے اور ایسے اوصاف بیان کیے جائیں جو اس میں نہ ہوں تو اس وجہ سے وہ اس مرد کو خوش فہمی اور تکبر میں داخل کر دے گا اور وہ یہ گمان کرے گا کہ حقیقت میں وہ اسی طرح ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اس مرد کی کمر توڑ دی جب تم نے اس کی ایسی صفت بیان کی جو اس میں نہیں ہے، کیونکہ ایسی تعریف بسا اوقات اس کو خوش فہمی اور تکبر میں مبتلا کر دے گی اور وہ عمل کو ضائع کرے گا اور زیادہ عمل کرنے کو چھوڑ دے گا، اسی وجہ سے علماء نے اس حدیث میں تاویل کی ہے جس میں آپ نے فرمایا: مدح کرنے والوں کے چہروں میں مٹی ڈال دو، یعنی اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی باطل کے ساتھ مدح کرتے ہیں، اور ان اوصاف کو بیان کرتے ہیں جو اس مرد میں نہیں ہوتے، اور اس سے آپ نے یہ ارادہ نہیں کیا کہ کوئی آدمی کسی مرد کی مدح کرے اور اس میں وہ وصف موجود ہو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی بھی مدح کی گئی ہے اشعار میں اور خطبوں میں، اور آپ نے مدح کرنے والوں کے چہروں میں مٹی نہیں ڈالی اور نہ ہی اس کا حکم دیا۔ ابو طالب نے آپ کی مدح میں کہا:

وابیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامی عصمة للارامل

وہ سفید رنگ والے کہ بادل بھی ان کے چہرہ سے پانی طلب کرتا ہے وہ یتیموں کی پناہ گاہ ہیں اور بیواؤں کی حفاظت ہیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن الصباح، ان کو الصباح البغدادی کہا جاتا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے

اسماعیل بن زکریاء، یہ الاسدی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے برید، یہ ابن عبداللہ بن ابی بردہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو بردہ، ان کا نام عامر ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام حارث ہے، یہ اپنے والد حضرت ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں برید بن عبداللہ مذکور ہے، یہ اپنے دادا ابو بردہ سے روایت کرتے ہیں از ابوموسیٰ۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ویطریه'' اس کا معنی ہے: تعریف میں حد سے تجاوز کرنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''او قطعتم'' یہ راوی کو شک ہے کہ آپ نے کیا فرمایا تھا، اور کمر کو توڑنا اس کو ہلاک کرنے سے مجاز ہے، یعنی تم نے اس کو تکبر میں مبتلا کر دیا جس سے اس کا دین ہلاک ہو جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۶۱۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَجُلًا ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَأَثْنٰى عَلَيْهِ رَجُلٌ خَيْرًا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَيْحَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ يَقُولُهُ مِرَارًا إِنْ كَانَ أَحَدُكُمْ مَادِحًا لَا مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ أَحْسِبُ كَذَا وَكَذَا إِنْ كَانَ يُرٰى أَنَّهُ كَذٰلِكَ وَحَسِيبُهُ اللّٰهُ وَلَا يُزَكِّي عَلَى اللّٰهِ أَحَدًا قَالَ وُهَيْبٌ عَنْ خَالِدٍ وَيْلَكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از خالد از عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ از والد خود، نبی ﷺ کے سامنے ایک مرد کا ذکر کیا گیا، پھر دوسرے مرد نے اس کی تعریف میں کہا: یہ بہت اچھا ہے، پس نبی ﷺ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے! تم نے تو اپنے ساتھی کی گردن کاٹ ڈالی، آپ نے کئی بار اس طرح فرمایا۔ اگر تم میں سے کوئی شخص ضرور بدح کرنے والا ہو تو وہ یوں کہے کہ میں اس کو ایسا اور ایسا گمان کرتا ہوں، اگر وہ سمجھتا ہو کہ وہ اس طرح سے ہے اور اس کا حساب لینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اور وہ اللہ کے سامنے کسی کی پاکیزگی نہ بیان کرے، اور حقیقتِ حال کو اللہ ہی جاننے والا ہے۔

وہیب نے کہا از خالد ''ویلك''۔

(صحیح بخاری: ۲۶۶۲، ۶۰۶۱، ۶۱۶۲، صحیح مسلم: ۳۰۰۰، سنن ابوداؤد: ۴۸۰۵، سنن ابن ماجہ: ۳۷۴۴)

صحیح البخاری: ۶۰۶۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے آدم، یہ ابن ابی ایاس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خالد، یہ ابن مہران الحذاء ہیں۔

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوبکرہ، یہ نفیع بن الحارث الثقفی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ویحك'' یہ کلمہ ترحم ہے، یہ کلمہ اس شخص کے لیے کہا جاتا ہے جو کسی ایسی ہلاکت میں واقع ہو جائے جس کا وہ مستحق نہ ہو، اور کبھی یہ مدح اور تعجب کے معنی میں بھی ہوتا ہے، اور یہ بطور مصدر کے منصوب ہوتا ہے، اور کبھی اس پر پیش ہوتا ہے اور اس کی اضافت کی جاتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''قطعت عنق صاحبك'' گردن کے کاٹنے سے مراد ہے قتل کرنا، کیونکہ قتل کرنا بھی ہلاکت کے معنی میں ہے لیکن یہ ہلاکت دین میں ہے اور وہ ہلاکت دنیا میں ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''وحسیبه الله'' اس کا معنی ہے: اللہ اس کا حساب لے گا جو حقیقتِ حال کا جاننے والا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ان کان مادحًا فلیقل'' یعنی اگر وہ کسی کی مدح کرنے والا ہو تو یوں کہے کہ میں فلاں کو اس طرح اور اس طرح گمان کرتا ہوں اور اللہ ہی اس کی حقیقت کو جانتا ہے کہ وہ کیسے کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس پر جزا دے گا، اور یہ نہ کہے کہ میں یقین کرتا ہوں کہ وہ نیکی کرنے والا ہے اور اللہ اس پر گواہ ہے۔ اور نہ یہ کہے کہ اللہ پر واجب ہے کہ وہ اس کے ساتھ ایسا کرے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''ولا یزکی'' یعنی وہ کسی کے انجام کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہ کہے، کیوں کہ وہ نہیں جانتا کہ حتمی طور پر اس کا انجام کیا ہوگا، وہ اس سے غائب ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وہیب نے کہا از خالد ''ویلك''۔ یعنی ویحك کی جگہ ویلك ہے، اور ویلک کا کلمہ افسوس کا کلمہ ہے اور یہ ہلاکت پر بولا جاتا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ ویح اور ویل دونوں کا ایک معنی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۰۸۔ ۲۰۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۔ بَابُ: مَنْ أَثْنَى عَلَى أَخِيهِ بِمَا يَعْلَمُ

وَقَالَ سَعْدٌ: مَا سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ لِأَحَدٍ يَمْشِي عَلَى الْأَرْضِ: إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ إِلَّا لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ۔

جو اپنے علم کے مطابق اپنے بھائی کی تعریف کرے

اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے سوا کسی ایسے آدمی کے متعلق جو زمین پر چلتا ہو یہ نہیں سنا کہ وہ اہل جنت میں سے ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص کو اپنے بھائی کے متعلق کسی تعریف کا علم ہو، تو اس کے لیے اپنی بھائی کی ایسی تعریف کرنا جائز ہے، یعنی وہ اپنے بھائی کی ایسی تعریف کر سکتا ہے جس کا اسے علم ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اس میں مبالغہ نہ کرے اور اپنے علم سے زائد بات نہ کہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یعنی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تعلیق اس سے پہلے کتاب المناقب میں حضرت عبداللہ بن سلام کے مناقب میں سند موصول کے ساتھ گزر چکی ہے، یہاں پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام بھی ان صحابہ میں سے ہیں جن کو جنت کی بشارت دی گئی ہے، لہٰذا جن کو جنت کی بشارت دی گئی ہے ان کا دس میں حصر کرنا صحیح نہیں ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ عدد کے ساتھ تخصیص زائد کی نفی نہیں کرتی۔ یا عشرہ مبشرہ سے مراد یہ ہے کہ جن دس صحابہ کو یکبارگی جنت کی بشارت دی گئی، ورنہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما اور ان کی والدہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن بالاتفاق اہل جنت میں سے ہیں۔

یہاں پر دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین پر چلنے والوں میں سے صرف حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت دی گئی ہے، حالانکہ اوروں کے لیے بھی بشارت دی گئی ہے؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کسی اور کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا تھا، یا اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے متعلق اس وقت یہ فرمایا کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں جب وہ زمین پر چل رہے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۰۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۶۲۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم حِينَ ذَكَرَ فِي الْإِزَارِ مَا ذَكَرَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ إِزَارِي يَسْقُطُ مِنْ أَحَدِ شِقَّيْهِ قَالَ إِنَّكَ لَسْتَ مِنْهُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن عقبہ نے حدیث بیان کی از سالم از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہبند کے متعلق وہ ذکر فرمایا جو آپ نے ذکر فرمایا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! میرا تہبند ایک جانب سے پھسل جاتا ہے، آپ نے فرمایا: تم ان میں سے نہیں ہو۔

(صحیح بخاری: ۳۶۶۵، ۳۷۸۳، ۵۷۸۴، ۵۷۹۱، ۶۰۶۲، صحیح مسلم: ۲۰۸۵، سنن ترمذی: ۱۷۳۰، سنن نسائی: ۵۳۳۵، سنن ابوداؤد: ۴۰۸۵، سنن ابن ماجہ: ۳۵۷۱، مسند احمد: ۵۳۲۸)

صحیح البخاری: ۶۰۶۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "اپنے علم کے مطابق اپنے بھائی کی تعریف کرنے کا جواز" اور اس حدیث میں ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم ان میں سے نہیں ہو"۔ اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے علم کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مدح کی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن عبداللہ کا ذکر ہے، یہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، یہ ابن عیینہ ہیں۔ اور سالم کا ذکر ہے، وہ ابن عبداللہ بن عمر ہیں، جو اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین ذکر فی الازار ما ذکر" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تہبند کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: جس نے اپنے تہبند کو تکبر سے گھسیٹا تو اللہ عزوجل قیامت کے دن اس کی طرف نہیں دیکھے گا، یہ حدیث کتاب اللباس کے اول میں گزر چکی ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! میرے تہبند کی ایک جانب پھسل جاتی ہے، اور وہ لٹک جاتا ہے اور گھسیٹنے کی مثل ہو جاتا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ان میں سے نہیں ہو، یعنی تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو اپنے کپڑوں کو تکبر کی نیت سے گھسیٹتے ہیں، یعنی تم اپنے تہبند کو تکبر سے نہیں گھسیٹتے، اور اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مدح ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کا فقہی مسئلہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لوگوں کی ان اوصاف کے ساتھ تعریف کرنا جائز ہے جن اوصاف کا تعریف کرنے والے کو علم ہو، تاکہ دوسروں کو ان صفات کا علم ہو اور ان کو بھی معلوم ہو جائے کہ اس شخص کی فضیلت کی وجہ کیا ہے اور وہ اس سے اس کے مرتبہ کے مطابق سلوک کریں اور اس کو دوسروں پر مقدم کریں اور خیر میں اس کی اقتداء کریں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دس مردوں کو جنت کی بشارت دی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا: جب میں نے تبلیغ کی تو سب لوگوں نے مجھ سے کہا: آپ نے جھوٹ کہا اور ابوبکر نے مجھ سے کہا: آپ نے سچ کہا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے علم کے مطابق دوسرے صحابہ کی تعریف فرمانا

اور معمر نے از قتادہ از ابن قلابہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے میری امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابوبکر ہیں اور اللہ کے دین میں سب سے قوی عمر ہیں اور سب سے زیادہ حیاء کرنے میں صادق عثمان ہیں اور سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے علی ہیں اور میری امت کے امین ابوعبیدہ بن الجراح ہیں اور میری امت میں سے حلال چیزوں کے سب سے زیادہ جاننے والے معاذ بن جبل ہیں اور سب سے اچھی قرأت کرنے والے ابی بن کعب ہیں اور سب سے زیادہ میراث کے مسائل جاننے والے زید بن ثابت (رضی اللہ عنہم) ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۰۹۔۲۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۔ باب:

قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى وَ یَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَ الْبَغْیِ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾ (النحل: ۹۰)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ حکم دیتا ہے کہ عدل اور احسان (نیک کام) کرو اور رشتہ داروں کو دو اور بے حیائی اور برائی اور سرکشی سے منع فرماتا ہے، وہ تم کو نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم نصیحت

قبول کرو۔

وَقَوْلِهٖ: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ۔ (یونس:۲۳)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! تمہاری بغاوت صرف تمہارے لیے ہی (مضر) ہے۔

وَقَوْلِهٖ: ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ (الحج:۶۰)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ اس لیے ہے کہ جس نے اتنی ہی اذیت پہنچائی جتنی اسے اذیت پہنچائی گئی تھی، پھر اس پر زیادتی کی گئی تو اللہ اس کی ضرور مدد فرمائے گا۔

وَتَرْكِ إِثَارَةِ الشَّرِّ عَلَى مُسْلِمٍ أَوْ كَافِرٍ۔

اور مسلمان یا کافر پر شر کے پھیلانے کو ترک کرنا واجب ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے ان آیات کو وارد کر کے یہ اشارہ کیا ہے کہ مسلمان ہو یا کافر، اس پر شر کے پھیلانے کو ترک کرنا واجب ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں نیکی کا حکم دیتا ہے یعنی کسی کی برائی پر سزا دینے کو ترک کرنا۔

عدل اور احسان کی تفسیر میں متعدد اقوال

النحل: ۹۰ میں مذکور ہے ''اللہ تعالیٰ تمہیں عدل کا حکم دیتا ہے''۔ عدل کی تعریف میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) عدل سے مراد ہے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کی شہادت دینا۔ اور احسان سے مراد ہے فرائض کو ادا کرنا، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

(۲) عدل سے مراد ہیں فرائض، اور احسان سے مراد ہیں نوافل۔

(۳) عدل سے مراد ہے ظاہر اور باطن کا یکساں ہونا اور احسان سے مراد ہے باطن کا ظاہر سے افضل ہونا، یہ ابن عیینہ کا قول ہے۔

(۴) عدل سے مراد ہے بتوں کو چھوڑنا اور احسان سے مراد ہے کہ تم اس طرح اللہ کی عبادت کرو گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو۔

(۵) عدل سے مراد ہے عبادت، اور احسان سے مراد ہے عبادت میں خضوع اور خشوع۔

(۶) عدل سے مراد ہے انصاف، اور احسان سے مراد ہے فضل۔

(۷) عدل سے مراد ہے احکام پر عمل کرنا اور احسان سے مراد ہے ممنوعہ کاموں سے اجتناب کرنا۔

(۸) عدل افعال میں ہے اور احسان اقوال میں ہے۔

(۹) عدل سے مراد ہے حق کو ظاہر کرنا اور احسان سے مراد ہے ظلم کو ترک کرنا۔

(۱۰) عدل سے مراد ہے خرچ کرنا اور احسان سے مراد ہے معاف کرنا۔

الفحشاء والمنکر کی تفسیر

''وینھی عن الفحشاء والمنکر'': یعنی ہر فعل قبیح اور قول قبیح سے منع فرماتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے

مراد وزنا اور سرکشی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد تکبر اور ظلم ہے، اور تیسرا قول ہے: اس سے مراد تعدی اور حد سے تجاوز ہے۔
''انما بغیکم علیٰ انفسکم'' ابن عیینہ نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ سرکشی کی سزا سرکشی کرنے والے کو دنیا میں جلدی مل جاتی ہے۔ پھر جس کے خلاف سرکشی کی جائے، اللہ تعالیٰ اس کی نصرت کا ضامن ہو گیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۔ اور اگر تم ان کو سزا دو تو اتنی ہی سزا دینا جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے۔ (النحل: ۱۲۶)

لیکن کسی کی سرکشی سے درگزر کرنا اولیٰ ہے، تا کہ اس آیت پر عمل ہو:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ اور جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو بے شک یہ ضرور ہمت کے کاموں میں سے ہے ○ (الشوریٰ: ۴۳)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذات کا انتقام نہیں لیتے تھے اور جو آپ پر ظلم کرتا آپ اس کو معاف کر دیتے تھے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یعنی اللہ تعالیٰ نے شر کو پھیلانے سے اور شر کو برانگیختہ کرنے سے منع فرمایا ہے خواہ شر کو مسلمان پر پھیلایا جائے یا کافر پر۔ اور مسلمان کا حال یہ تقاضا کرتا ہے کہ تمام لوگوں سے شر کو بجھا دیا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۱۰۔ ۲۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۶۳۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ مَكَثَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم كَذَا وَكَذَا يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ يَأْتِي أَهْلَهُ وَلَا يَأْتِي قَالَتْ عَائِشَةُ فَقَالَ لِي ذَاتَ يَوْمٍ يَا عَائِشَةُ إِنَّ اللّٰهَ أَفْتَانِي فِي أَمْرٍ اسْتَفْتَيْتُهُ فِيهِ أَتَانِي رَجُلَانِ فَجَلَسَ أَحَدُهُمَا عِنْدَ رِجْلَيَّ وَالْآخَرُ عِنْدَ رَأْسِي فَقَالَ الَّذِي عِنْدَ رِجْلَيَّ لِلَّذِي عِنْدَ رَأْسِي مَا بَالُ الرَّجُلِ قَالَ مَطْبُوبٌ يَعْنِي مَسْحُورًا قَالَ وَمَنْ طَبَّهُ قَالَ لَبِيدُ بْنُ أَعْصَمَ قَالَ وَفِيمَ قَالَ فِي جُفِّ طَلْعَةٍ ذَكَرٍ فِي مُشْطٍ وَمُشَاقَةٍ تَحْتَ رَعُوفَةٍ فِي بِئْرِ ذَرْوَانَ فَجَاءَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ هٰذِهِ الْبِئْرُ الَّتِي أُرِيتُهَا كَأَنَّ رُءُوسَ نَخْلِهَا رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ وَكَأَنَّ مَاءَهَا نُقَاعَةُ الْحِنَّاءِ فَأَمَرَ بِهِ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَأُخْرِجَ قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَهَلَّا تَعْنِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروہ نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے اور اتنے دن اس حال پر ٹھہرے رہے کہ آپ کی طرف یہ خیال ڈالا جاتا کہ آپ اپنی اہلیہ کے پاس گئے ہیں حالانکہ آپ نہیں گئے ہوتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: پس آپ نے مجھ سے ایک دن فرمایا: اے عائشہ! بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے اس چیز کا جواب دے دیا ہے جس چیز کا میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا، میرے پاس دو مرد آئے، پس ایک میرے پیروں کے پاس بیٹھ گیا اور دوسرا میرے سر کے پاس بیٹھ گیا، پس جو میرے پیروں کے پاس بیٹھا ہوا تھا اس نے اس سے سوال کیا جو میرے سر کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اس مرد کا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا: یہ مطبوب ہے یعنی مسحور ہے (اس پر جادو کیا گیا ہے)،

تَنَشَّرْتَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَمَّا اللّٰهُ فَقَدْ شَفَانِي وَأَمَّا أَنَا فَأَكْرَهُ أَنْ أُثِيرَ عَلَى النَّاسِ شَرًّا قَالَتْ وَلَبِيدُ بْنُ أَعْصَمَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي زُرَيْقٍ حَلِيفٌ لِيَهُودَ

اس نے پوچھا: اور کس نے ان پر جادو کیا ہے؟ اس نے کہا: لبید بن اعصم نے، اس نے پوچھا: کس چیز میں جادو کیا ہے، اس نے کہا: کھجور کے نر شگوفہ کے غلاف میں، اس کے اندر کنگھی ہے اور سوت کے تار ہیں، اور اس کو ذروان کے کنویں میں ایک پتھر کے نیچے دبا دیا ہے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ یہی وہ کنواں ہے جو مجھے خواب میں دکھایا گیا تھا، اس باغ کے کھجور کے درخت شیاطین کے سروں کی طرح ہیں، اور اس کا پانی مہندی کے تل چھٹ کی طرح ہے، پھر نبی ﷺ کے حکم سے اس چیز کو نکالا گیا جس میں جادو کیا گیا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: پس میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے اس واقعہ کو پھیلایا کیوں نہیں دیا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: سنو! اللہ تعالیٰ نے مجھے شفاء دے دی اور سنو میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ میں لوگوں کے اوپر شر پھیلاؤں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ لبید بن اعصم یہود کے حلیف بنو زریق سے تعلق رکھتا تھا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۷۵، ۳۲۶۸، ۵۷۶۳، ۵۷۶۵، ۵۷۶۶، ۶۰۶۳، ۶۳۹۱، صحیح مسلم: ۲۱۸۹، سنن ابن ماجہ: ۳۵۴۵، مسند احمد: ۲۳۷۹)

صحیح البخاری: ۶۰۶۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور اور آیات مذکورہ کے درمیان مطابقت

اللہ تعالیٰ نے سرکشی کرنے سے منع فرمایا اور یہ بتایا کہ سرکشی کرنے کا ضرر سرکشی کرنے والے کی طرف پہنچتا ہے، اور جس کے خلاف سرکشی کی گئی اس کی مدد کرنے کا اللہ تعالیٰ ضامن ہو گیا، تو اب جس کے خلاف سرکشی کی گئی اس پر یہ حق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس نے اس پر احسان کیا اور جس نے اس کے خلاف سرکشی کی تھی اس کو معاف کر دے، کیا یہ نہیں دیکھا گیا کہ نبی ﷺ کس طرح جادو کے اثر میں مبتلا ہوئے اور آپ نے اس جادوگر کو کوئی سزا نہیں دی حالانکہ آپ اس پر قادر تھے۔ اور اس تعلیق کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس تعلیق میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان ہو یا کافر اس پر شر کو نہ پھیلایا جائے، اور حدیث میں اس کی مطابقت اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ لوگوں کے اوپر شر پھیلاؤں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحمیدی، وہ عبداللہ بن زبیر بن عیسیٰ ہیں اور اپنے اجداد میں سے ایک حُمید کی طرف منسوب

ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ ابن عیینہ ہیں، اور ہشام بن عروہ اپنے والد عروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں اور وہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''کذا و کذا'' اس کا معنی ہے: کئی ایام تک۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یخیل الیه انه یاتی اهله'' یعنی آپ کو یہ خیال ڈالا جاتا کہ آپ نے اپنی اہلیہ سے مباشرت کی ہے، حالانکہ مباشرت نہیں کی ہوتی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی امر'' یعنی جو خیال مجھے ڈالا جاتا تھا اس کے متعلق میں نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''رجلان'' یعنی وہ دو فرشتے تھے جو دو مردوں کی صورت میں آئے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی جف'' اور یہ کھجور کے شگوفہ کا غلاف ہے۔اور اس کا مذکر اور مونث دونوں پر اطلاق ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''و مشاطة'' یہ وہ ہے جو سوت کو کاتا جاتا ہے، یعنی سوت کاتنے کے بعد جو دھاگے نکلتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''رعوفة'' یہ کنویں کی تہہ میں ایک پتھر تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''رؤوس الشياطين'' یعنی ان درختوں کی صورت ایسی وحشت ناک تھی جسے دیکھ کر ڈر محسوس ہوتا تھا۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۱۱۔۲۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: ہم اس حدیث کی تحقیق صحیح البخاری: ۵۷۶۳ میں لکھ چکے ہیں۔

۵۷۔بَابُ: مَا يُنْهَى عَنِ التَّحَاسُدِ وَالتَّدَابُرِ

لوگوں سے حسد کرنے اور لوگوں کی طرف پیٹھ کرنے کی ممانعت

وَقَوْلِهٖ تَعَالٰى: وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ۝ (الفلق: ۵)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (میں پناہ مانگتا ہوں) حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۝

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

''تحاسد اور تدابر'' دونوں باب تفاعل سے ہیں اور حسد کا معنی ہے کہ ایک مرد اپنے بھائی کے پاس کوئی نعمت دیکھے، پس یہ تمنا کرے کہ یہ نعمت اس سے زائل ہو جائے اور یہ نعمت اس کے بغیر اسے مل جائے۔اور تدابر یہ ہے کہ لوگوں میں سے ہر ایک اپنے بھائی کی طرف اپنی پیٹھ کرے، پس اس سے اعراض کرے اور اس کو چھوڑ دے۔ یہ ابن اثیر کا بیان ہے۔اور علامہ الہروی نے کہا ہے کہ تدابر کا معنی ہے ''تقاطع'' کہا جاتا ہے ''تدابر القوم'' یعنی ہر ایک نے اپنے صاحب سے پیٹھ پھیر لی۔اور اس کے بعد آیت کو اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ حسد ممنوع ہے خواہ ایک جانب سے ہو۔اور یہاں پر یہ کہنا درست نہیں ہے کہ حسد دونوں جانبوں سے ہو، کیونکہ تفاعل قوم کے درمیان ہوتا ہے دو کے درمیان نہیں ہوتا، اور حسد کرنے والوں میں سے ہر ایک پر یہ

صادق آتا ہے کہ وہ حاسد ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۶۴۔ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں بشر بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از ہمام بن منبہ از ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے، اور دوسروں کے عیب تلاش نہ کرو اور کسی کی جاسوسی نہ کرو، کسی سے حسد نہ کرو، دوسروں سے پیٹھ نہ پھیرو، دوسروں سے بغض نہ رکھو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔

(صحیح بخاری: ۵۱۴۳، ۶۰۶۴، ۶۰۶۶، ۶۷۲۴، صحیح مسلم: ۲۵۶۳، سنن ترمذی: ۱۹۸۸، سنن ابوداؤد: ۴۹۱۷، مسند احمد: ۸۲۹۹، موطا امام مالک: ۱۶۸۴)

صحیح البخاری: ۶۰۶۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''لوگوں سے حسد کرنے اور لوگوں سے پیٹھ پھیرنے کی ممانعت'' اور اس حدیث میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے ''تم لوگوں سے نہ حسد کرو اور نہ ان سے پیٹھ پھیرو، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بشر بن محمد، یہ ابو محمد السختیانی المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ عبداللہ بن المبارک ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر، یہ ابن راشد ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے ہمام، اور یہ اسم فاعل کے مبالغہ کا صیغہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اجتنبوا الظن'' علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ ظن سے مراد یہاں پر وہ تہمت ہے جس کا کوئی سبب نہ ہو، جیسے کوئی شخص کسی مرد کو بے حیائی کے کام کی تہمت لگائے بغیر اس کے کہ اس مرد سے کوئی ایسی چیز ظاہر ہو جو بے حیائی کا تقاضا کرتی ہو۔ اسی لیے اس پر عطف کیا گیا ہے ''ولا تحسسوا'' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کے دل میں کسی کے خلاف تہمت آئے گی تو وہ اس کا کھوج لگائے گا اور تحقیق کرے گا تو اس کو اس سے منع کر دیا گیا ہے۔

علامہ خطابی وغیرہ نے کہا ہے: اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس ظن پر عمل نہ کرے جس پر اکثر احکام موقوف ہوتے ہیں، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس ظن کی تحقیق نہ کرو جس سے مظنون کو ضرر پہنچتا ہے، اسی طرح دل میں بھی کسی کے خلاف بغیر دلیل کے کوئی بات

آتی ہے، کیونکہ ظنون کی ابتداء میں دل میں خیالات آتے ہیں جن کو دفع کرنا ممکن نہیں ہوتا اور جو ممکن نہ ہو اس کا بندے کو مکلف نہیں کیا جاتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فان الظن اکذب الحدیث" یعنی ظن میں اکثر جھوٹا کلام ہوتا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کذب تو اقوال کی صفت ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں کذب سے مراد ہے واقع کے مطابق نہ ہونا، برابر ہے کہ وہ قول ہو یا فعل ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ولا تحسسوا ولا تجسسوا" علامہ کرمانی نے کہا: ان دونوں لفظوں کا ایک معنی ہے۔ اور علامہ ابن الانباری نے کہا کہ دوسرا لفظ تاکید کے لیے ہے جیسے کہتے ہیں "بعدا وسحقا"۔

علامہ عینی فرماتے ہیں "ولا تحسسوا اور ولا تجسسوا" دونوں میں فرق ہے، لاتجسسوا کا معنی ہے: کسی کی پوشیدہ باتوں کا کھوج نہ لگایا جائے، اور "ولا تحسسوا" کا معنی ہے: کسی کے متعلق لوگوں کی باتیں نہ سنی جائیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ "لاتجسسوا" کا معنی ہے: کسی کے باطنی معاملات کا کھوج نہ لگایا جائے اور اکثر اس کا اطلاق شر میں ہوتا ہے، اور "لاتحسسوا" کا معنی ہے: کسی کے عیب کو دیکھنے کی کوشش نہ کرے یا کسی کے عیب کو سننے کی کوشش نہ کرے۔ اور اس ممانعت سے یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ کوئی معتمد آدمی یہ خبر دے کہ فلاں شخص دوسرے کے ساتھ خلوت میں مل رہا ہے تاکہ اس کو قتل کر دے، یا فلاں مرد خلوت میں کسی عورت سے مل رہا ہے تاکہ اس سے زنا کرے، تو ان صورتوں میں کھوج لگانا مشروع ہے تاکہ کسی بے قصور مرد کو قتل سے بچایا جائے یا کسی عورت کو زنا سے بچایا جائے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ولا تباغضوا" یعنی بغض کے اسباب مہیا نہ کرو، ایک قول یہ ہے کہ اس ممانعت سے مراد ہے وہ ناجائز خواہشیں جو بغض کا تقاضا کرتی ہیں۔ اور یہاں بغض کی ممانعت سے مراد یہ ہے جو غیر اللہ کے لیے بغض ہو، اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی وجہ سے کسی سے بغض رکھتا ہے تو وہ واجب ہے اور اس کو ثواب ملے گا کیونکہ وہ اللہ عزوجل کے حق کی تعظیم کر رہا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وکونوا عباد اللہ" یعنی اے اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔ علامہ قرطبی نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ تم ایسے بھائی بن جاؤ جیسا نسبی بھائی ہوتا ہے یعنی اس پر شفقت کرنے میں، اس پر رحمت کرنے میں، اس کی غمگساری کرنے میں، اس کی مدد کرنے میں اور خیر خواہی کرنے میں اس کے بھائی بن جاؤ۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۱۳۔ ۲۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۶۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ تم لوگوں سے بغض رکھو، نہ ان سے حسد رکھو اور نہ ان سے پیٹھ پھیرو اور اللہ کے بندے آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ، اور کسی مسلمان

کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے
زیادہ چھوڑے رکھے۔

(صحیح بخاری:٦٠٧٦،صحیح مسلم:٢٥٥٩،سنن ترمذی:١٩٣٥،سنن ابوداؤد:٤٩١٠،مسند احمد:١١٦٦٣)

صحیح البخاری:٦٠٦٥،کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر کسی نے دینی وجہ سے ترکِ تعلق کیا ہو تو پھر تین دن سے زیادہ بھی ترکِ تعلق جائز ہے

اس حدیث میں مذکور ہے"ولا یحل لمسلم"اس حدیث میں تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے قطع تعلق کرنے کی ممانعت ہے،لیکن یہ اس شخص کے متعلق ہے جس نے دین کی نافرمانی نہ کی ہو،اور جس شخص نے دین میں زیادتی کی ہو اور اپنے رب کی نافرمانی کی ہو تو اس پر تین دن سے زیادہ ترکِ تعلق کی رخصت ہے جیسا کہ وہ تین صحابی جو غزوۂ تبوک میں نہیں گئے تھے،تو شارع علیہ السلام نے حکم دیا کہ ان سے قطع تعلق کیا جائے اور پچاس راتوں تک مسلمانوں سے ان سے قطع تعلق رکھا حتیٰ کہ ان کی توبہ نازل ہوگئی۔اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج سے ایک ماہ تک نہ ملنے کی قسم کھائی اور اپنے بالا خانے پر تشریف لے گئے اور اپنی ازواج کی طرف نہ اترے حتیٰ کہ مہینہ پورا ہوگیا۔

اس میں اختلاف ہے کہ کسی شخص نے جو اپنے مسلمان بھائی سے ترکِ تعلق کیا ہوا ہے،تو کیا صرف سلام کر لینے سے وہ اس ترکِ تعلق سے نکل جائے گا یا نہیں؟ البغدادہ نے کہا:ہاں اور یہی جمہور علماء کا قول ہے کہ ترکِ تعلق محض سلام کرنے سے زائل ہو جاتا ہے اور سلام کا جواب دینے سے۔اور امام مالک کا بھی ایک روایت میں یہی قول ہے۔اور امام احمد بن حنبل نے کہا کہ ترکِ تعلق سے وہ اس وقت تک بری نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اس کے ساتھ پہلے جیسا تعلق قائم نہ کر لے اور یہ بھی کہا کہ اگر کلام کو ترک کرنے سے اس کو ایذاء پہنچتی ہے تو صرف سلام کرنے سے وہ ترکِ تعلق منقطع نہیں ہوگا۔ابن القاسم مالکی نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ٢٢ ص ٢١٤،دارالکتب العلمیہ،بیروت ١٤٢١ھ)

۵۸۔باب:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا (الحجرات:١٢)

۵۸۔باب:

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ ہیں اور نہ تم (کسی کے متعلق) تجسس کرو۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت ان دو مردوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے متعلق غیبت کی تھی،اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اکثر گمانوں سے احتراز کرو،اور سعید بن جبیر نے کہا:اس سے مراد یہ ہے کہ ایک آدمی اپنے بھائی سے کوئی بات سنتا ہے جس نے اس بات سے کسی برائی کا ارادہ نہیں کیا،پھر اس کا مسلمان بھائی اس کے کلام کے متعلق بدگمانی کرتا ہے،

اس سے قرآن مجید نے منع فرمایا ہے۔ اور زجاج نے کہا: وہ یہ ہے کہ نیک لوگوں کے ساتھ برا گمان کیا جائے اس سے منع کیا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے" کثیرا من الظن، ان بعض الظن اثم " اس آیت میں اس پر دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام گمانوں سے منع نہیں فرمایا، اور ظن کی چار قسمیں ہیں:

(۱) ممنوع (۲) مامور بہ (۳) مباح (۴) مستحب

ظن ممنوع

جو ظن ممنوع ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی کی جائے اور اسی طرح ان مسلمانوں کے ساتھ بدگمانی کی جائے جن کا ظاہر حال یہ ہے کہ وہ نیک ہیں۔

ظن مامور بہ

یہ وہ ظن ہے کہ کسی حکم کے اوپر کوئی دلیل قائم نہ کی گئی ہو جس سے اس حکم تک پہنچا جا سکے، اور ہمیں مکلف کیا گیا ہو کہ ہم اس میں حکم جاری کریں تو ایسی صورت میں غلبہ ظن کے اوپر اقتصار کیا جائے گا اور غلبہ ظن کے اعتبار سے حکم جاری کرنا واجب ہے۔ اور اس کی مثال یہ ہے جیسے ہم کو نیک لوگوں کی شہادت قبول کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو ہم غور و فکر کر کے ان کی شہادت کو قبول کریں، اسی طرح ہمیں نماز پڑھنے کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تو اب ہم اپنے ظن سے قبلہ کی سمت کا تعین کریں گے۔ اسی طرح کسی نے کسی کی کوئی چیز ضائع کر دی تو اس چیز کی ہم اپنے ظن سے قیمت لگائیں گے۔ یا کسی نے حالت احرام میں شکار کیا تو اس کے تاوان میں بھی ہم اپنے ظن سے حکم لگائیں گے۔ سو ایسی تمام صورتیں جن کی مقدار معلوم نہ ہو، تو ان کی مقدار پر ہم اپنے ظن سے حکم لگائیں گے، پس یہ اور اس کی مثالیں اس میں ہمیں غلبہ ظن کے ساتھ مکلف کیا گیا ہے۔

ظن مباح

ظن مباح یہ ہے جیسے نماز میں آدمی کو شک ہو جائے کہ اس نے تین رکعت پڑھی ہیں یا چار رکعت پڑھی ہیں جب وہ امام ہو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے اور غلبہ ظن کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا ہے، تو اگر کسی نے ایسی صورت میں ظن کے مطابق عمل کیا تو یہ مباح ہے اور اگر کسی دلیل سے اس پر یقینی صورت حال منکشف ہو گئی تو پھر یقین پر عمل کرے۔

ظن مستحب

یعنی اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ نیک گمان کرے تو اس نیک گمان کرنے پر اس کو ثواب دیا جائے گا۔

اور" لاتجسسوا " کی تفسیر اس سے پہلی حدیث میں گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۶۶ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ

ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بدگمانی

أَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا

کرنے سے بچو، کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے، اور تم لوگوں کی باتیں نہ سنو، اور لوگوں کے عیوب کی چھان بین نہ کرو، اور جس چیز کو خریدنے کا ارادہ نہ ہو اس کی قیمت نہ بڑھاؤ، اور لوگوں سے حسد نہ کرو اور لوگوں سے بغض نہ رکھو اور لوگوں سے پیٹھ نہ موڑو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔

(صحیح بخاری: ۵۱۴۳، ۶۰۶۴، ۶۰۶۶، ۶۷۲۴، صحیح مسلم: ۲۵۶۳، سنن ترمذی: ۱۹۸۸، سنن ابوداؤد: ۴۹۱۷، مسند احمد: ۸۲۹۹، موطا امام مالک: ۱۶۸۴)

صحیح البخاری: ۶۰۶۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں جو آیت ذکر کی گئی ہے اس آیت میں بدگمانی کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور حدیث میں بغض اور حسد سے منع کیا گیا ہے اور بغض اور حسد بدگمانی سے پیدا ہوتے ہیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو الزناد، یہ عبداللہ بن ذکوان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعرج، یہ عبدالرحمٰن بن ہرمز ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث مذکور کے اکثر الفاظ اس سے پہلی حدیث میں آچکے ہیں اور ان کے معانی کا بیان کیا جا چکا ہے، البتہ اس میں ایک لفظ ہے ''ولا تناجشوا'' اور نجش کا معنی یہ ہے کہ ایک آدمی کسی چیز کا اضافہ کرے اور اس چیز کو خریدنے میں اس کی رغبت نہ ہو بلکہ وہ دوسرے کو دھوکا دینا چاہتا ہو، تاکہ دوسرا شخص دھوکا کھا کر اس کی قیمت زیادہ لگائے۔

اور ''ولا تنافسوا'' کا معنی ہے: کسی نفیس چیز میں رغبت کرنا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۹۔ بَابُ: مَا يَكُونُ مِنَ الظَّنِّ — جائز گمان کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب اس گمان کے بیان میں ہے جو جائز ہو، اور القابسی اور الجرجانی کی روایت میں ہے: جو گمان مکروہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۶۷۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَا أَظُنُّ فُلَانًا وَفُلَانًا يَعْرِفَانِ مِنْ دِينِنَا شَيْئًا قَالَ اللَّيْثُ كَانَا رَجُلَيْنِ مِنَ الْمُنَافِقِينَ۔ (صحیح بخاری:۶۰۶۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں فلاں اور فلاں کے متعلق یہ گمان نہیں کرتا کہ وہ ہمارے دین میں سے کسی چیز کو جانتے ہوں گے۔
اللیث نے کہا: یہ دونوں مرد منافقین میں سے تھے۔

صحیح البخاری: ۶۰۶۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہاں پر یہ اعتراض ہے کہ حدیث اور عنوان کے درمیان مطابقت نہیں ہے، کیونکہ عنوان میں ظن کا اثبات ہے اور حدیث میں ظن کی نفی ہے، اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ حدیث میں ظن نہ کرنے کا ذکر ہے اور ظن کی نفی نہیں ہے لہٰذا، ان میں منافات نہیں ہے۔

منافقین کے علم کی نفی کا محمل

علامہ داؤدی نے کہا ہے: اللیث نے جو اس حدیث کی تاویل کی ہے، وہ بعید ہے اور نبی ﷺ تمام منافقین کو نہیں پہچانتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ۔ (الانفال:۶۰)

اور ان کے سوا دوسرے دشمنوں کو جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ انہیں جانتا ہے۔

التوضیح میں مذکور ہے کہ ظن یہاں پر یقین کے معنی میں ہے، کیونکہ نبی ﷺ منافقین کو اللہ تعالیٰ کے خبر دینے کی وجہ سے پہچانتے تھے، جو اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ میں نبی ﷺ کو منافقین کی خبر دی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہم سورۂ توبہ کو سورۃ الفاضحہ کہتے تھے، یعنی اس صورت میں منافقین کی خبر دے کر ان کو رسوا کر دیا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا اور ہم اپنے گمان سے اس طرح نہیں جانتے جس طرح نبی ﷺ کو علم تھا، کیونکہ آپ پر وحی نازل ہوتی تھی، پس ہمارے لیے قطعی طور پر منافقین کو بتانا واجب نہیں ہے۔ ہاں جس نے کوئی برا کام کیا اور اس نے اپنے نفس کو بدگمانی پر اور دین میں اس کے متعلق تہمت پر پیش کر دیا تو اس کے متعلق بدگمانی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم جس مرد کو عشاء اور فجر کی نماز میں غیر حاضر پاتے تو اس کے متعلق نفاق کی بدگمانی کرتے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۶۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بِهَذَا وَقَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمًا وَقَالَ يَا عَائِشَةُ مَا أَظُنُّ فُلَانًا وَفُلَانًا يَعْرِفَانِ دِينَنَا الَّذِي نَحْنُ عَلَيْهِ۔ (صحیح البخاری: ۶۰۶۷، ۶۰۶۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے یہ حدیث بیان کی، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ نبی ﷺ ایک دن ان کے پاس آئے اور فرمایا: اے عائشہ! میں فلاں اور

فلاں کے متعلق یہ گمان نہیں کرتا کہ وہ ہمارے اس دین کو پہچانتے ہیں جس پر ہم ہیں۔

صحیح البخاری: ۶۰۶۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ بھی اس حدیث کی دوسری سند ہے، جو از یحییٰ بن بکیر ابی زکریا المخزومی المصری ہے از اللیث بن سعد بھی یہی حدیث مذکور مروی ہے۔

اس حدیث کی شرح ابھی گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۱۶۔۲۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۔ بَابُ: سَتْرِ الْمُؤْمِنِ عَلَى نَفْسِهِ — مومن کا خود اپنی پردہ پوشی کرنے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب مومن سے کوئی عیب صادر ہو تو اس عیب کی پردہ پوشی کرنی چاہیے۔

۶۰۶۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ كُلُّ أُمَّتِي مُعَافًى إِلَّا الْمُجَاهِرِينَ وَإِنَّ مِنَ الْمُجَاهَرَةِ أَنْ يَعْمَلَ الرَّجُلُ بِاللَّيْلِ عَمَلًا ثُمَّ يُصْبِحَ وَقَدْ سَتَرَهُ اللهُ عَلَيْهِ فَيَقُولَ يَا فُلَانُ عَمِلْتُ الْبَارِحَةَ كَذَا وَكَذَا وَقَدْ بَاتَ يَسْتُرُهُ رَبُّهُ وَيُصْبِحُ يَكْشِفُ سِتْرَ اللهِ عَنْهُ۔

(صحیح مسلم: ۲۹۹۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد العزیز بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از ابن شہاب کے بھتیجے از ابن شہاب از سالم بن عبد اللہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: میرے ہر امتی کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا سوا ان کے جو علی الاعلان گناہ کرتے ہوں، اور علی الاعلان گناہ کرنے کی یہ صورت بھی ہے کہ کوئی مرد رات کو کوئی (گناہ کا) کام کرے، پھر جب صبح ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس کا پردہ رکھ لیا ہو، پھر وہ کہے: اے فلاں! میں نے رات کو اس طرح اور اس طرح (برا) کام کیا، حالانکہ اس نے اس طرح رات گزاری تھی کہ اس کے رب نے اس کا پردہ رکھ لیا تھا اور صبح کو وہ اللہ کے رکھے ہوئے پردہ کو خود کھول دے۔

صحیح البخاری: ۶۰۶۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس جگہ یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ باب کے عنوان اور اس حدیث میں کوئی مطابقت نہیں ہے، کیونکہ باب کا عنوان یہ ہے کہ

مومن خود اپنے عیب کو چھپائے اور حدیث میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کے عیب کو چھپائے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پردہ رکھنا اس کو مستلزم ہے کہ مومن خود بھی اپنا پردہ رکھے، سو جس نے اللہ کی نافرمانی کا اظہار کیا اور علی الاعلان گناہ کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کو غضب میں لایا، پس اللہ تعالیٰ اس کی معصیت کا پردہ نہیں رکھے گا اور جس نے حیاء کی وجہ سے اپنی معصیت کو چھپانے کا ارادہ کیا کہ وہ اپنے رب سے بھی اپنی معصیت کو چھپائے اور لوگوں سے بھی، تو اللہ تعالیٰ اس کی معصیت کا پردہ رکھتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم بن سعد، یہ ابراہیم بن سعد بن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں، اور یہاں انہوں نے زہری سے ایک واسطہ کے ساتھ روایت کی ہے اور وہ اکثر زہری سے بلاواسطہ روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن شہاب کے بھتیجے کا ذکر ہے، ان کا نام محمد بن عبداللہ بن مسلم ہے، وہ اپنے چچا سے از سالم بن عبداللہ بن عمر از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "مُعَافًى" اس میں میم پر پیش ہے اور فاء پر زبر ہے اور یہ اسم مفعول مقصور ہے اور یہ عافیت سے ماخوذ ہے۔ کہا جاتا ہے "عافاہ اللہ عافیۃ" اور عافیت کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کا بندے سے دفاع کرنا۔ اور یہاں مراد ہے اللہ تعالیٰ کا معاف فرمانا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "الا المجاھرین" اس کا معنی ہے: لیکن جو علی الاعلان اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نہیں معاف فرمائے گا۔ اور مُجاہر وہ شخص ہے جو کھلم کھلا اللہ کی نافرمانی کرے اور اللہ کی معصیت کو ظاہر کرے اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ میری امت میں سے ہر شخص کے گناہ کو معاف کر دیا جائے گا سوائے فاسق معلن کے۔

علامہ نووی نے کہا ہے: جو آدمی اپنے فسق کو ظاہر کرے یا اپنی بدعت کو ظاہر کرے تو اس کے فسق اور بدعت کا ذکر کرنا جائز ہے، اور جو اپنے فسق اور بدعت کو چھپائے، اس کے فسق اور بدعت کا ذکر کرنا جائز نہیں ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ "مُجاھر" تو بابِ مفاعلہ سے ہے اور اس کا معنی ہے ہر ایک فاعل بھی ہو اور مفعول بھی ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی بابِ مفاعلہ مجرد کے معنی میں بھی ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ (آل عمران: ۱۳۳) اور اپنے رب کی بخشش کی طرف جلدی کرو۔

اس آیت میں "سَارِعُوْٓا" بھی بابِ مفاعلہ سے ہے لیکن یہ مجرد کے معنی میں ہے، یعنی اپنے رب کی بخشش اور مغفرت کی طرف جلدی کرو۔ اور "مجاھرۃ" کا معنی ظہور اور اظہار ہے، اور "اھجار" بے حیائی اور کثرت کلام کو کہتے ہیں، جب کوئی شخص فضول بکواس کرے تو اس کو "ھجر" اور "اھجر" کہا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۱۷-۲۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۷۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا أَبُوعَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ ابْنَ عُمَرَ كَيْفَ سَمِعْتَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ فِي النَّجْوَى قَالَ يَدْنُو أَحَدُكُمْ مِنْ رَبِّهِ حَتَّى يَضَعَ كَنَفَهُ عَلَيْهِ فَيَقُولُ عَمِلْتَ كَذَا وَكَذَا فَيَقُولُ نَعَمْ وَيَقُولُ عَمِلْتَ كَذَا وَكَذَا فَيَقُولُ نَعَمْ فَيُقَرِّرُهُ ثُمَّ يَقُولُ إِنِّي سَتَرْتُ عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا فَأَنَا أَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از صفوان بن محرز، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے النجویٰ کے متعلق کیا سنا ہے آپ کیا فرماتے تھے؟ تو انہوں نے کہا کہ تم میں سے کوئی ایک اپنے رب کے قریب ہوگا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا پر اس کے اوپر رکھ دے گا، پھر فرمائے گا: تو نے فلاں فلاں کام کیا ہے، وہ بندہ کہے گا: جی ہاں! اور فرمائے گا: تو نے فلاں فلاں کام کیا ہے، وہ بندہ کہے گا: جی ہاں! سو اللہ تعالیٰ اس سے اس کے کاموں کا اقرار کرائے گا، پھر فرمائے گا: میں نے دنیا میں تجھ پر پردہ رکھا تھا تو میں آج کے دن تیری مغفرت کر دیتا ہوں۔

(صحیح بخاری: ۲۴۴۱، ۴۶۸۵، ۶۰۷۰، ۷۵۱۴، مسلم: ۲۷۶۸، سنن ابن ماجہ: ۱۸۳، مسند احمد: ۵۴۱۳)

صحیح البخاری: ۶۰۷۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس جگہ بھی یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ باب کا عنوان ہے: مومن کا خود اپنے عیب پر پردہ رکھنا، اور حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندے کے عیب پر پردہ رکھے گا۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پردہ رکھنا بندے کے پردہ رکھنے کو مستلزم ہے، دوسرا جواب یہ ہے: کیونکہ بندے کے افعال اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کا پردہ رکھنا بندے کا پردہ رکھنا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعوانہ، یہ الوضاح الیشکری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے صفوان بن مُحرِز، یہ المازنی البصری ہیں، اور امام بخاری نے ان کی صرف یہی حدیث روایت کی ہے، اور ایک اور حدیث بھی ہے جو ''بدأ الخلق'' میں گزر چکی ہے، اور ان دونوں حدیثوں کو امام بخاری نے کئی جگہ پر ذکر کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی النجویٰ'' نجویٰ کے معنی ہیں: سرگوشی، یعنی وہ چپکے چپکے باتیں جو اللہ عزوجل اور اس کے مومن بندہ کے درمیان قیامت کے دن ہوں گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یدنوا'' یہ لفظ الدنو سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: مرتبہ کے اعتبار سے قریب ہونا نہ کہ مکان کے

اعتبار سے قریب ہونا۔ اس حدیث میں مذکور ہے "کنفه" یہ ساتر ہے، یعنی وہ چھپانے والا، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی توجہ سے بندہ کو اپنی رحمت کے پروں میں چھپالے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "عملت کذا و کذا" یعنی تو نے اس طرح اور اس طرح کام کیا، اور اللہ تعالیٰ بندہ سے اقرار کرائے گا، یہ حدیث متشابہات میں سے ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے معنی کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے، یا اس کی ایسی تاویل کی جائے جو مقام کے مناسب ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۱۸۔ ۲۱۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۔ بَابُ: الْكِبْرِ

تکبر کا بیان

وَقَالَ: مُجَاهِدٌ: ثَانِيَ عِطْفِهِ (الحج:۹) مُسْتَكْبِرٌ فِي نَفْسِهِ۔ عِطْفُهُ: رَقَبَتُهُ۔

مجاہد نے (الحج:۹ کی تفسیر میں) کہا: "وہ (ازراہِ تکبر) اپنی گردن موڑے ہوئے ہے"۔ یعنی وہ اپنے دل میں تکبر کرنے والا ہے، عِطفه: کا معنی ہے: وہ اپنی گردن موڑنے والا ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب تکبر کی مذمت کے بیان میں ہے۔ اور بہت سے علماء اور عبادت گزار اور زاہدین تکبر کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔

تکبر اس حالت کو کہتے ہیں جس حالت کو انسان اپنے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور اپنے آپ کو اچھا سمجھتا ہے، اور اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا اور عظیم سمجھتا ہے، اور وہ اپنے رب کے سامنے بھی تکبر کرتا ہے اور حق کے قبول کرنے اور اس کے ماننے سے انکار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی اطاعت کا انکار کرتا ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس باب کی تعلیق مجاہد سے منقول ہے، انہوں نے کہا: عطف کا معنی ہے: گردن موڑنا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں کہا ہے: جو اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والا ہو، تکبر کرنے والا ہو۔

نیز مجاہد سے مروی ہے کہ یہ آیت النضر بن الحارث کے متعلق نازل ہوئی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۱۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۷۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا مَعْبَدُ بْنُ خَالِدٍ الْقَيْسِيُّ عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ الْخُزَاعِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ كُلُّ ضَعِيفٍ مُتَضَاعِفٍ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معبد بن خالد القیسی نے حدیث بیان کی، از حارثہ بن وہب الخزاعی از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: کیا میں تم کو اہل جنت کی خبر نہ دوں؟ ہر وہ شخص جو کمزور ہو اور تواضع کرنے والا ہو، اگر وہ اللہ کا نام لے کر قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی

قسم میں پورا کر دے گا، اور کیا میں تم کو اہل دوزخ کی خبر نہ دوں؟
ہر بدمزاج، اکڑ کر چلنے والا اور تکبر کرنے والا۔

(صحیح بخاری: ۴۹۱۸، ۶۰۷۱، ۶۶۵۷، صحیح مسلم: ۲۸۵۳، سنن ترمذی: ۲۶۰۵، سنن ابن ماجہ: ۴۱۱۶، مسند احمد: ۱۸۲۵۵)

صحیح البخاری: ۶۰۷۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ سفیان ثوری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معبد بن خالد القیسی، یہ الجدلی القیسی الکوفی القاضی ہیں، یہ خالد بن عبد اللہ کی ولایت میں ۱۱۸ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حارثہ بن وہب الخزاعی، الخزاعی میں خزاعہ کی طرف نسبت ہے اور یہ الازد کا قبیلہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "کل ضعیف متضاعف" ضعیف سے مراد ہے جس کا حال ضعیف ہو نہ وہ کہ جس کا بدن ضعیف ہو، اور متضاعف کا معنی ہے متواضع، جو عاجزی کرنے والا ہو اور یہ وہ شخص ہے جس کو عام لوگ دنیا میں اس کے حال کے ضعف کی وجہ سے حقیر جانتے ہوں اور وہ اللہ کے نزدیک اتنا مقرب ہوتا ہے کہ اگر وہ کوئی قسم کھالے کہ اللہ تعالیٰ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ ایسا ہی کرتا ہے اور اس کو اس کی قسم میں سچا کر دیتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "عتل" اس کا معنی ہے: بدخو، اور "الجواظ" کا معنی ہے: خیر سے روکنے والا اور اکڑ کر چلنے والا۔

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ زیادہ تر اہل جنت وہ ہوں گے جو تواضع اور عاجزی کرنے والے ہوں گے، اور زیادہ تر اہل دوزخ وہ ہوں گے جو تکبر کرنے والے اور اکڑنے والے ہوں گے اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ جنت اور دوزخ میں صرف ایسے ہی لوگ ہوں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۱۹۔ ۲۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۷۲۔ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ الطَّوِيلُ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ إِنْ كَانَتِ الْأَمَةُ مِنْ إِمَاءِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ لَتَأْخُذُ بِيَدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَتَنْطَلِقُ بِهِ حَيْثُ شَاءَتْ۔

اور محمد بن عیسیٰ نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حمید الطویل نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: اہل مدینہ کی باندیوں میں سے کوئی باندی رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیتی اور جہاں چاہتی آپ کو لے جاتی۔

(سنن ابن ماجہ: ۴۱۷۷، مسند احمد: ۱۱۵۳۰)

صحیح البخاری: ۶۰۷۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن عیسیٰ کا ذکر ہے، یہ محمد بن عیسیٰ بن الطباع ابوجعفر البغدادی ہیں، یہ اذنہ میں آ کر رہنے لگے تھے جو طرطوس کا شہر ہے، امام ابوداؤد نے کہا: ان کو تقریباً چالیس ہزار احادیث حفظ تھیں، اور یہ ۲۲۴ھ میں فوت ہو گئے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ امام بخاری نے صرف اسی جگہ ان کی حدیث روایت کی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: جنہوں نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے رجال کو جمع کیا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ امام بخاری نے ان سے کتاب الحج اور کتاب الادب کے اخیر میں حدیث روایت کی ہے، اور دونوں جگہ محمد بن عیسیٰ کہا ہے اور صاحب التوضیح علامہ ابن ملقن نے کہا ہے: مشابہ بالحق یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنے شیخ محمد بن عیسیٰ سے یہ حدیث مذاکرہ کے درمیان حاصل کی، اور ابو جعفر بن حمدان النیشاپوری نے کہا کہ ہر وہ حدیث جس میں امام بخاری یہ کہیں کہ مجھ سے فلاں نے یہ کہا تو وہ عرض اور مناولہ ہے، اور بعض مغاربہ نے کہا: امام بخاری کہتے ہیں ''قال لی اور قال لنا'' یہ اس وقت کہتے ہیں جب انہیں اس کی سند کا علم ہو لیکن اس کا ذکر نہ کریں، اور اس کا وہ ذکر استشہاد کے لیے کرتے ہیں اور اکثر محدثین اس لفظ کو وہاں ذکر کرتے ہیں جہاں وہ مذاکرات اور مناظرات میں حدیث کو حاصل کرتے ہیں۔ اور جو احادیث المذاکرہ ہوں، ان سے بہت کم استدلال کیا جاتا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''باندیوں میں سے کوئی باندی رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیتی اور آپ کو جہاں چاہتی لے جاتی''۔

یہ رسول اللہ ﷺ کا خلقِ عظیم ہے کہ اگر کسی باندی کو بھی آپ سے کوئی کام ہوتا تو آپ کو مدینہ میں جہاں چاہتی لے جاتی۔

اور یہ حدیث نبی ﷺ کی زیادہ تواضع پر دلیل ہے اور تکبر کی تمام اقسام سے آپ کی براءت کی دلیل ہے۔

اور اس حدیث میں کئی قسم کا مبالغہ ہے، ایک تو اس میں عورت کا ذکر کیا ہے مرد کا ذکر نہیں کیا، اور عورتوں کی اصناف میں سے بھی باندی کا ذکر کیا ہے، اور باندی کے لفظ کو بھی عام رکھا ہے یعنی خواہ کوئی باندی ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۲۰۔۲۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۔ بَابُ: الْهِجْرَةِ — اپنے مسلمان بھائی سے سلام کلام چھوڑنے کا بیان

وَقَوْلِ رَسُولِ اللهِ ﷺ: لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ۔

اور رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ کسی مرد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تین راتوں سے زیادہ چھوڑے رکھے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان ہے ہجرت، اور ہجرت کا معنی ہے: اپنے مومن بھائی سے اس کی ملاقات کے وقت کلام نہ کرنا اور ہر ایک کا دوسرے سے اجتماع کے وقت اعراض کرنا، اور یہاں ہجرت سے مراد یہ نہیں ہے کہ اپنے وطن کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلا جائے

کیونکہ اس کا حکم پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس حدیث میں مذکور ہے تین دن سے زیادہ، اور ایک روایت میں مذکور ہے تین راتوں سے زیادہ۔

علامہ نووی نے کہا ہے کہ علماء نے فرمایا: مسلمانوں کے درمیان تین راتوں سے زیادہ ایک دوسرے سے سلام اور کلام کو منقطع کرنا نصِ صریح سے ممنوع ہے، اور اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ تین دن یا تین راتوں تک اگر سلام، کلام منقطع کرے تو یہ معاف ہے، کیونکہ آدمی کی فطرت میں یہ ہے کہ وہ ناپسندیدہ بات پر غضب میں آ جاتا ہے تو غضب کے تقاضے سے تین دن تک اس کو سلام اور کلام منقطع کرنے میں تسامح کیا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۷۳، ۶۰۷۴، ۶۰۷۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي عَوْفُ بْنُ مَالِكِ بْنِ الطُّفَيْلِ هُوَ ابْنُ الْحَارِثِ وَهُوَ ابْنُ أَخِي عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم لِأُمِّهَا أَنَّ عَائِشَةَ حُدِّثَتْ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ قَالَ فِي بَيْعٍ أَوْ عَطَاءٍ أَعْطَتْهُ عَائِشَةُ وَاللهِ لَتَنْتَهِيَنَّ عَائِشَةُ أَوْ لَأَحْجُرَنَّ عَلَيْهَا فَقَالَتْ أَهُوَ قَالَ هَذَا قَالُوا نَعَمْ قَالَتْ هُوَ لِلّٰهِ عَلَيَّ نَذْرٌ أَنْ لَا أُكَلِّمَ ابْنَ الزُّبَيْرِ أَبَدًا فَاسْتَشْفَعَ ابْنُ الزُّبَيْرِ إِلَيْهَا حِينَ طَالَتِ الْهِجْرَةُ فَقَالَتْ لَا وَاللهِ لَا أُشَفِّعُ فِيهِ أَبَدًا وَلَا أَتَحَنَّثُ إِلَى نَذْرِي فَلَمَّا طَالَ ذَلِكَ عَلَى ابْنِ الزُّبَيْرِ كَلَّمَ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الْأَسْوَدِ بْنِ عَبْدِ يَغُوثَ وَهُمَا مِنْ بَنِي زُهْرَةَ وَقَالَ لَهُمَا أَنْشُدُكُمَا بِاللهِ لَمَّا أَدْخَلْتُمَانِي عَلَى عَائِشَةَ فَإِنَّهَا لَا يَحِلُّ لَهَا أَنْ تَنْذِرَ قَطِيعَتِي فَأَقْبَلَ بِهِ الْمِسْوَرُ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ مُشْتَمِلَيْنِ بِأَرْدِيَتِهِمَا حَتَّى اسْتَأْذَنَا عَلَى عَائِشَةَ فَقَالَا السَّلَامُ عَلَيْكِ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ أَنَدْخُلُ قَالَتْ عَائِشَةُ ادْخُلُوا قَالُوا كُلُّنَا قَالَتْ نَعَمْ ادْخُلُوا كُلُّكُمْ وَلَا تَعْلَمُ أَنَّ مَعَهُمَا ابْنَ الزُّبَيْرِ فَلَمَّا دَخَلُوا دَخَلَ ابْنُ الزُّبَيْرِ الْحِجَابَ فَاعْتَنَقَ عَائِشَةَ وَطَفِقَ يُنَاشِدُهَا وَيَبْكِي وَطَفِقَ الْمِسْوَرُ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عوف بن مالک بن طفیل نے حدیث بیان کی اور وہ ابن الحارث ہیں اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ماں شریک بھائی کے بھتیجے ہیں، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کو بتایا گیا کہ حضرت عبد اللہ بن الزبیر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کسی بیع یا ان کی کسی عطاء کے متعلق کہا: اللہ کی قسم! عائشہ باز آ جائیں ورنہ میں ان پر پابندی لگا دوں گا، پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا واقعی اس نے یہ کہا ہے؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں اللہ کے لیے نذر مانتی ہوں کہ میں ابن الزبیر سے کبھی بھی کلام نہیں کروں گی۔ پھر جب یہ ہجرت (کلام کو منقطع کرنا) طویل ہو گئی تو حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ کی طرف لوگوں کو سفارشی بنایا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: نہیں! اللہ کی قسم میں اس کے متعلق کبھی بھی سفارش کو قبول نہیں کروں گی اور میں اپنی نذر کو نہیں توڑوں گی، پھر جب حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما پر اس کا زمانہ طویل ہو گیا تو انہوں نے حضرت المسور بن مخرمہ اور حضرت عبد الرحمن بن الاسود بن عبد یغوث سے اس مسئلہ میں گفتگو کی اور یہ دونوں بنو زہرہ سے تھے اور ان سے کہا: میں تم دونوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جب تم دونوں مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس داخل

يُنَاشِدَانِهَا إِلَّا مَا كَلَّمَتْهُ وَقَبِلَتْ مِنْهُ وَيَقُولَانِ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَمَّا قَدْ عَلِمْتِ مِنَ الْهِجْرَةِ فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ فَلَمَّا أَكْثَرُوا عَلَى عَائِشَةَ مِنَ التَّذْكِرَةِ وَالتَّحْرِيجِ طَفِقَتْ تُذَكِّرُهُمَا نَذْرَهَا وَتَبْكِي وَتَقُولُ إِنِّي نَذَرْتُ وَالنَّذْرُ شَدِيدٌ فَلَمْ يَزَالَا بِهَا حَتَّى كَلَّمَتِ ابْنَ الزُّبَيْرِ وَأَعْتَقَتْ فِي نَذْرِهَا ذَلِكَ أَرْبَعِينَ رَقَبَةً وَكَانَتْ تَذْكُرُ نَذْرَهَا بَعْدَ ذَلِكَ فَتَبْكِي حَتَّى تَبُلَّ دُمُوعُهَا خِمَارَهَا۔

(صحیح بخاری: ۳۵۰۳، ۳۵۰۵، ۶۰۷۳)

کردو تو ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مجھ سے قطع تعلق کی نذر برقرار رکھیں تو اس کو حضرت المسور اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما دونوں نے قبول کرلیا، وہ دونوں اپنی چادروں میں لپٹے ہوئے تھے، (اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ بھی ان چادروں میں تھے) حتیٰ کہ ان دونوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے داخل ہونے کی اجازت طلب کی، پس ان دونوں نے کہا: السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! کیا ہم داخل ہوجائیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: داخل ہو جاؤ، انہوں نے کہا: ہم سب داخل ہوجائیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہاں تم سب داخل ہوجاؤ، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کے ساتھ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ بھی ہیں، پس جب وہ داخل ہوگئے تو ان کے ساتھ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ بھی حجاب کے اندر داخل ہوگئے، پس حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لپٹ گئے اور اللہ کی قسم دینے لگے اور رونے لگے، اور حضرت المسور اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما بھی رونے لگے اور قسم دینے لگے (کہ آپ ان کو معاف فرمادیں) ان سے بات کرلیں اور ان کا عذر قبول کرلیں، اور وہ دونوں یہ بھی کہہ رہے تھے کہ آپ کو معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قطع تعلق کرنے کے متعلق کیا فرمایا ہے کہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو تین راتوں سے زیادہ چھوڑے رکھے، جب انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت زیادہ اصرار کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان سے کہنے لگیں اور رو رہی تھیں کہ میں نے تو نذر مان لی ہے اور نذر بہت شدید ہے، پھر وہ دونوں برابر کوشش کرتے رہے حتیٰ کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے بات کرلی اور اپنی نذر کے کفارہ میں چالیس غلام آزاد کردیئے، اس کے بعد جب بھی آپ نذر کا یہ واقعہ یاد کرتیں تو آپ روتیں حتیٰ کہ آپ کے آنسوؤں سے آپ کا دوپٹا بھیگ جاتا۔

صحیح البخاری: ۶۰۷۳، ۶۰۷۴، ۶۰۷۵ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''اپنے مسلمان بھائی سے سلام کلام چھوڑنے کا بیان'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے قطع تعلق کر لیا تھا اور اس پر تین دن سے زیادہ گزر گئے تھے، اس اعتبار سے یہ باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے جو تین دن سے زیادہ قطع تعلق رکھا، اس کی توجیہ

اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے تین دن سے زیادہ کیوں قطع تعلق رکھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھا، اس پر ہجرتِ مذمومہ کا اطلاق نہیں ہوتا، کیونکہ ہجرتِ مذمومہ یہ ہے کہ دو مسلمان ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو سلام نہ کریں اور بات نہ کریں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے ملاقات نہیں ہوتی تھی کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پردہ کے پیچھے ہوتی تھیں اور کوئی پردہ کے اندر ان کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہو سکتا تھا، لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو چھوڑے رکھنا ہجرتِ مذمومہ نہیں تھی۔ اور نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ اس لیے جائز تھا کہ آپ ام المومنین تھیں، خصوصاً حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی نسبت سے، کیونکہ آپ ان کی خالہ تھیں، اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے ان سے متعلق جو کہا تھا وہ یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی داد و دہش اور سخاوت سے باز آ جائیں ورنہ میں ان پر پابندی لگا دوں گا، تو حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ کلام نافرمانی کی مثل تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ان کو چھوڑنا ان کے لیے تادیباً تھا، اور یہ نافرمانی کرنے والے سے قطع تعلق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، یہ الحکم بن نافع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شعیب، یہ ابن ابی حمزہ الحمصی ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الزہری، یہ محمد بن مسلم بن شہاب ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے جو کہا تھا کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فروخت کرنے اور عطاء کرنے پر پابندی لگا دوں گا، اس کی تفصیل

اس حدیث میں مذکور ہے ''حدثت فی بیع او عطاء اعطتہ عائشہ'' اوزاعی کی روایت میں ہے کہ ایک گھر کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیچ دیا تھا تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اس گھر کے بیچنے پر ناراض ہوئے اور کہا: اللہ کی قسم! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا باز

آ جائیں ورنہ میں ان پر پابندی لگا دوں گا۔ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے زیادہ محبوب تھے، اور وہ بھی تمام لوگوں سے زیادہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نیکی کرتے تھے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جو چیز بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی تو وہ اس کو اپنے پاس نہیں رکھتی تھیں بلکہ صدقہ کر دیتی تھیں تو حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ان کے ہاتھوں کو روکنا چاہیے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا میرے ہاتھوں کو روکا جائے گا؟ مجھ پر نذر ہے (یعنی قسم ہے) اگر میں ان سے بات کروں، اور یہ واقعہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت سے پہلے کا تھا، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۵۷ھ میں فوت ہو گئی تھیں اور اس وقت حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کسی چیز کے والی نہیں تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا ابن الزبیر نے یہ بات کہی ہے؟" یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: عبداللہ بن زبیر نے یہ بات کہی ہے؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں! تب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اب شان یہ ہے کہ میں اللہ کے لیے نذر مانتی ہوں کہ ابن الزبیر سے کبھی بھی بات نہیں کروں گی۔

علامہ ابن التین نے کہا: اصل عبارت اس طرح ہے کہ اگر میں ان سے بات کروں تو مجھ پر نذر ہے اور مقصود یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قسم کھالی کہ وہ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے بات نہیں کریں گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاستشفع ابن الزبیر الیها" یعنی حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سفارش کرنے والوں کو طلب کیا اور سفارش کا معنی یہ ہے کہ گناہوں اور جرائم سے درگزر کر لیا جائے، پھر لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سفارش کی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی سفارش کو قبول نہیں کیا اور عبدالرحمٰن بن خالد کی روایت میں ہے: حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے مہاجرین کو سفارشی بنایا۔ اور ابراہیم حربی نے حمید بن قیس سے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے عبید بن عمیر کو سفارشی بنایا اور ان سے کہا: وہ حدیث کہاں ہے جو تم نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچائی ہے کہ آپ نے تین دن سے زیادہ قطع تعلقی سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "واللہ لا اشفع فیه" یعنی میں ان کے متعلق سفارش کو قبول نہیں کروں گی۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ولا اتحنث الی نذری" یعنی میں اپنی نذر کو یا اپنی قسم کو نہیں توڑوں گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فلما طال ذالك" یعنی جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے قطع تعلق بہت طویل ہو گیا تو پھر حضرت ابن الزبیر نے حضرت المسور بن مخرمہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن الاسود رضی اللہ عنہما سے اس سلسلہ میں بات کی اور وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فانها لا یحل لها ان تنذر قطیعتی" یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ یہ نذر مانیں کہ مجھ سے قطع تعلق کریں گی کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی خالہ ہیں اور انہوں نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی زیادہ تر تربیت کی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اندخل کلنا؟" کیا ہم سب داخل ہو جائیں، اور ان دونوں نے کہا: اور جو ہمارے ساتھ ہیں وہ

بھی داخل ہو جائیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہاں سب داخل ہو جائیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ینا شدانہا الا ماکلمتہ" یعنی وہ دونوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو قسم دیتے تھے کہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیر سے بات کر لیں اور ان کا عذر قبول کر لیں، اور انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کے ساتھ قطع تعلق سے منع فرمایا ہے اور انہیں یاد دلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے اور معاف کرنے اور غصہ پینے کا حکم دیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "واعتقت فی نذرھا ذالک اربعین رقبۃ" اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں نذر سے مراد قسم ہے۔ اور التوضیح میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا تھا: مجھ پر نذر ہے کہ میں ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے کبھی بھی کلام نہیں کروں گی، اور یہ نذر غیر عبادت میں ہے، لہٰذا امام مالک کے نزدیک اس نذر کے توڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور اس میں اختلاف ہے کہ کسی شخص نے اگر کہا کہ مجھ پر نذر ہے کہ میں ضرور ایسا کروں گا تو اس کا کفارہ وہ ہے جو قسم کا کفارہ ہے، اور یہ امام مالک کا اور ایک سے زیادہ تابعین کا قول ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: اس پر سب سے غلیظ کفارہ ہے جیسا کہ ظہار کے کفارہ میں ہوتا ہے، کیونکہ اس نے اللہ کی قسم کے الفاظ نہیں کہے اور نہ اس کی نیت کی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اگر وہ چاہے تو ایک دن کا روزہ رکھ لے یا ایک مسکین کو کھانا کھلا دے یا دو رکعت نماز پڑھ لے۔ واللہ اعلم

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۲۲۔ ۲۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۷۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ تم لوگوں سے بغض رکھو اور نہ لوگوں سے حسد رکھو، نہ لوگوں سے پیٹھ موڑو اور تم اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ، اور کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تین راتوں سے زیادہ چھوڑے رکھے۔

(صحیح بخاری: ۶۰۷۶، صحیح مسلم: ۲۵۵۹، سنن ترمذی: ۱۹۳۵، سنن ابوداؤد: ۴۹۱۰، مسند احمد: ۱۱۶۶۳)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۶۰۶۵ میں گزر چکی ہے۔

۶۰۷۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هَذَا وَيُعْرِضُ هَذَا وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از عطاء بن یزید اللیثی از حضرت ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مرد کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تین راتوں سے زیادہ چھوڑے رکھے، ایک دوسرے سے

ملاقات کریں، پس یہ بھی منہ موڑ لے اور وہ بھی منہ موڑ لے، اور ان دونوں میں بہتر وہ ہوگا جو سلام کرنے میں پہل کرے۔

(صحیح بخاری:۶۲۳۷،صحیح مسلم:۲۵۶۰،سنن ترمذی:۱۹۳۲،سنن ابوداؤد:۴۹۱۱،مسند احمد:۲۳۰۱۷،موطا امام مالک:۱۶۸۲)

صحیح البخاری:۶۰۷۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوایوب انصاری، ان کا نام خالد بن زید بن کلیب ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''فیُعرض''اس میں یاء پر پیش ہے اور اس کا معنی ہے: چہرہ سے اعراض کرنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''خیرھما''اس سے مراد ہے: ان دونوں میں افضل وہ ہے جو سلام میں ابتداء کرے یعنی جو یہ کہے: السلام علیکم۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام اور کلام سے جو تعلق منقطع کیا ہوا ہو، وہ سلام کرنے سے ختم ہو جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ص ۲۲۴۔۲۲۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۔ بَابُ: مَا یَجُوزُ مِنَ الْهِجْرَانِ لِمَنْ عَصَى

نافرمانی کرنے والے سے قطع تعلق کرنے کا جواز

وَقَالَ كَعْبٌ حِينَ تَخَلَّفَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَنَهَى النَّبِيُّ ﷺ الْمُسْلِمِينَ عَنْ كَلَامِنَا وَذَكَرَ خَمْسِينَ لَيْلَةً.

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا جب وہ نبی ﷺ سے غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے، اور نبی ﷺ نے مسلمانوں کو ہم سے کلام کرنے سے منع فرمادیا اور انہوں نے پچاس راتوں کا ذکر کیا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو نافرمانی کرے اس سے سلام اور کلام کو منقطع کرنا جائز ہے۔

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس باب سے امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ یہ بیان کریں کہ جو قطع تعلق جائز ہو اس کی صفت بیان کریں اور اس کی جرم کے اعتبار سے کئی قسمیں ہیں۔ پس جس کا جرم زیادہ بڑا ہو، پس لائق ہے کہ اس کو چھوڑ دیا جائے اور اس سے اجتناب کیا جائے اور اس سے بات چیت ترک کردی جائے جیسا کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے باقی دو صاحبوں کے بارے میں ہے۔ اور اگر قطع تعلق اس وجہ سے ہو کہ اپنی اہلیہ یا اپنے بھائیوں پر کسی وجہ سے ناراضگی ہو تو ان سے جو ترک تعلق جائز ہے، وہ یہ ہے کہ ان کو سلام نہ کیا جائے اور ان سے خندہ پیشانی سے ملاقات نہ کی جائے جیسا کہ جب حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ناراض ہوتیں تو وہ ایسا کرتی تھیں۔

(میں کہتا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوجاتا ہے کب تم مجھ سے ناراض ہو اور کب تم مجھ سے راضی ہو، جب تم مجھ سے ناراض ہو تو کہتی ہو "و رب ابراهيم" یعنی رب ابراہیم کی قسم، اور جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو تو کہتی ہو "و رب محمد" اور محمد کے رب کی قسم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یعنی حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا جب وہ غزوۂ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو ان کے ساتھ اور ان کے دو صاحبوں کے ساتھ کلام کرنے سے منع فرمادیا تھا، ان کے دو صاحب حضرت برارہ بن ربیع اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہما تھے۔ یہ وہ تین صحابی ہیں جو غزوۂ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے اور پیچھے رہ گئے تھے۔ ذکر کیا گیا ہے کہ مسلمانوں نے جو ان سے ترکِ تعلق رکھا وہ پچاس راتوں پر مشتمل تھا۔ اس کا ذکر امام بخاری نے کتاب المغازی کے آخر میں تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۲۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۷۸ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِنِّي لَأَعْرِفُ غَضَبَكِ وَرِضَاكِ قَالَتْ قُلْتُ وَكَيْفَ تَعْرِفُ ذَاكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ إِنَّكِ إِذَا كُنْتِ رَاضِيَةً قُلْتِ بَلَى وَرَبِّ مُحَمَّدٍ وَإِذَا كُنْتِ سَاخِطَةً قُلْتِ لَا وَرَبِّ إِبْرَاهِيمَ قَالَتْ قُلْتُ أَجَلْ لَسْتُ أُهَاجِرُ إِلَّا اسْمَكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ نے خبر دی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے ناراض ہونے اور تمہارے راضی ہونے کو ضرور پہچانتا ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اس کو کیسے پہچانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: جب تم راضی ہوتی ہو تو کہتی ہو "بلی و رب محمد" کیوں نہیں! رب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قسم!" اور جب تم ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو "لا و رب ابراهیم، ربِ ابراہیم کی قسم" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے عرض کیا: ہاں! میں صرف آپ کے نام کو چھوڑتی ہوں۔

(صحیح بخاری: ۵۲۲۸، ۶۰۷۸، صحیح مسلم: ۲۴۳۹، مسند احمد: ۲۳۷۹۷)

صحیح البخاری: ۶۰۷۸ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "نافرمانی کرنے والے سے قطع تعلق کرنے کا جواز" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ میں صرف آپ کے

نام کو چھوڑتی ہوں اور یہ وہ چھوڑنا ہے جو جائز ہے جیسا کہ ہم نے علامہ المہلب مالکی سے نقل کیا ہے کہ یہ جائز چھوڑنے کی مثال ہے۔

قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ناراض ہونا اس غیرت کی بناء پر ہوتا تھا جو عورتوں کے حق میں معاف کر دی گئی ہے، اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر عظیم حرج ہوتا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ناراض ہونا بہت سنگین گناہ ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں صرف آپ کے نام کو چھوڑتی ہوں، اس میں یہ دلیل ہے کہ ان کا دل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے بھرا ہوا تھا اور ان کو جو دوسری ازواج پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے التفات کی وجہ سے غیرت آتی تھی وہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرطِ محبت کی وجہ سے تھی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے، وہ ابن سلام ہیں۔ اور اس میں عبدہ مذکور ہے، وہ ابن سلیمان الکلابی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: اجل، اجل، نعم کے وزن پر ہے اور اس کا معنی بھی وہی ہے لیکن اخفش نے کہا ہے: استفہام کے جواب میں نعم کا ذکر کرنا زیادہ بہتر ہے، اور تصدیق کرنے کے لیے اجل کا لفظ زیادہ بہتر ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری کی سنگین لغزش

امام بخاری نے اس حدیث کے باب کا عنوان لکھا ہے ''معصیت کرنے والے سے قطع تعلق کرنے کا جواز'' اور اس حدیث کا یہ عنوان صحیح نہیں ہے اور دلیل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پیش کی ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کہنا کہ آپ سے معصیت ہوئی یا آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نافرمانی کی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ناراض ہوئیں، یہ قطعاً ناجائز ہے، کیونکہ معصیت اور نافرمانی چھوٹے کی بڑے سے ہوتی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے چھوٹے یا کم تر نہیں تھے کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نافرمانی کرتے یا ان کی معصیت کرتے، بلکہ یہاں پر تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پر ناراض ہوئی تھیں اس حدیث کو ذکر کرنا مناسب تھا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو حضرت کعب بن مالک اور ان کے دو صاحبوں پر ناراض ہوئے تھے اس کو ذکر کرنا مناسب تھا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ناراض ہونا بہ طور ناز تھا اور احباء اپنے محبوبین سے ناز میں اس طرح کا تعلق روا رکھتے ہیں، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر میں دعا کی تھی ''اے اللہ! اگر آج مسلمانوں کی یہ جماعت ہار گئی تو روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا اور کوئی نہیں ہوگا''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دعا کرنا بھی بہ طور ناز کے تھا اور آپ کے علاوہ اور کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس قسم کا کلام کرے۔ (سعیدی غفرلہ)

۶۴۔ بَابٌ: هَلْ يَزُورُ صَاحِبَهُ كُلَّ يَوْمٍ أَوْ بُكْرَةً وَعَشِيًّا؟

کیا کوئی شخص اپنے صاحب سے ہر روز ملاقات کرے یا صبح اور شام میں ملاقات کرے؟

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ کیا کوئی شخص اپنے صاحب کی ہر روز زیارت کرے یا دن کی دو طرفوں میں زیارت کرے۔ ''بکرۃ وعشیۃ''۔ پس ''بکرۃ'' اول نہار کو کہتے ہیں جو طلوع شمس سے لے کر نصف النہار تک کا وقت ہوتا ہے۔ اور ''عشیۃ'' آخر نہار کو کہتے ہیں، اور بخاری کے بعض نسخوں میں ''عشیا'' ہے۔

علامہ الجوہری نے کہا ہے ''العشی والعشیۃ'' مغرب سے لے کر عشاء کی نماز تک کے وقت کو کہتے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ''العشی'' زوال سے لے کر عشاء تک کے وقت کو کہتے ہیں۔ اور تیسرا قول ہے ''العشی'' زوال سے لے کر فجر تک کے وقت کو کہتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ ابن فارس نے بیان کیا ہے ''العَشَاء'' عین کی زبر کے ساتھ اور مد کے ساتھ زوال سے لے کر عشاء کی نماز تک کے وقت کو کہتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۰۱، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ غلط ہے، علامہ الجوہری نے کہا ہے: عشاء کا لفظ مد اور زبر کے ساتھ معین طعام کو کہتے ہیں، اور ظاہر یہ ہے کہ ابن فارس نے کہا ہے ''العشاء'' مد اور زیر کے ساتھ ہے، اور یہ غلطی ناقل سے ہوئی ہے۔

(میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''انتقاض الاعتراض ج ۲'' میں علامہ عینی کے اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں لکھا ہے۔ سعیدی غفرلہ) (انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۳۷۸) (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۷۹۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَأَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ لَمْ أَعْقِلْ أَبَوَيَّ إِلَّا وَهُمَا يَدِينَانِ الدِّينَ وَلَمْ يَمُرَّ عَلَيْهِمَا يَوْمٌ إِلَّا يَأْتِينَا فِيهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ طَرَفَيِ النَّهَارِ بُكْرَةً وَعَشِيَّةً فَبَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ فِي بَيْتِ أَبِي بَكْرٍ فِي نَحْرِ الظَّهِيرَةِ قَالَ قَائِلٌ هَذَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي سَاعَةٍ لَمْ يَكُنْ يَأْتِينَا فِيهَا قَالَ أَبُو بَكْرٍ مَا جَاءَ بِهِ فِي هَذِهِ السَّاعَةِ إِلَّا أَمْرٌ قَالَ إِنِّي قَدْ أُذِنَ لِي بِالْخُرُوجِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی از معمر ح اور اللیث نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی، ابن شہاب نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ نے بیان کیا: میں نے اپنے ماں باپ کو ہوش سنبھال کر جبھی دیکھا جب وہ دین دار تھے اور عبادت گزار تھے، اور ہم پر جو دن بھی گزرتا اس دن ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تھے دن کی دو طرفوں میں سے ایک طرف میں صبح کو یا شام کو، پس جس وقت کہ ہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں دوپہر کے وقت بیٹھے ہوئے تھے تو کسی کہنے والے نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس ساعت میں جس میں آپ ہمارے پاس نہیں آتے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ اس ساعت میں اسی وجہ سے آئے ہیں کہ کوئی خاص اور اہم کام ہے، رسول اللہ؟ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک مجھے (مکہ سے) نکلنے کی اجازت مل گئی ہے۔

(صحیح بخاری: ۴۷۶، ۲۱۳۸، ۲۲۶۳، ۲۲۶۴، ۲۲۹۷، ۳۹۰۵، ۴۰۹۳، ۵۸۰۷، ۶۰۷۹، مسند احمد: ۲۵۰۹۸)

صحیح البخاری:۶۰۷۹ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے''کیا کوئی شخص اپنے صاحب سے ہر روز ملاقات کرے یا صبح اور شام میں ملاقات کرے؟''اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اس ساعت میں صبح یا شام کو نہیں آتے تھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم بن موسیٰ، یہ ابن موسیٰ بن یزید الفراء ابو اسحاق الرازی ہیں جو صغیر کے نام سے پہچانے جاتے ہیں اور وہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام، وہ ابن یوسف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر، اور وہ ابن راشد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''یدینان الدین''یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد مومن تھے اور دین اسلام کے مطابق عمل کرتے تھے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے''ولم یمر علیھما یوم الا یاتینا فیہ''۔ یعنی کوئی دن ایسا نہ گزرتا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر نہ آتے ہوں۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ اس کے معارض حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، آپ نے ان سے فرمایا: تم کبھی کبھی میری زیارت کیا کرو تاکہ تمہاری محبت بڑھے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس میں کوئی معارضہ نہیں ہے، کیونکہ ہر حدیث کا ایک معنی ہے۔ پس اس باب کی حدیث سے معلوم ہوا کہ دوست کی اپنے مہربان دوست سے ہر روز ملاقات کرنا بقدر ضرورت جائز ہے اور اس کے ساتھ شرکت سے نفع اٹھانا بھی جائز ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا یہ معنی ہے کہ جس کے ساتھ کوئی خصوصیت نہ ہو اور کوئی دوستی ثابت نہ ہو تو اس کی زیادہ زیارت کرنا اور زیادہ ملاقات کرنا بسا اوقات بغض کی طرف پہنچا دیتا ہے اور وہ قطع تعلق کا سبب ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی حدیث کا حدیث مشہور''کبھی کبھی زیارت کرو۔۔۔الحدیث''سے معارضہ اور اس کی تحقیق

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ امام بخاری نے اس باب کے عنوان سے اس حدیث مشہور کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں ارشاد ہے: کبھی کبھی تم زیارت کرو تاکہ تمہاری محبت بڑھے اور یہ حدیث متعدد سندوں کے ساتھ مروی ہے اور اس کی اکثر سندیں غریب ہیں اور کوئی ایک سند بھی قیل وقال سے خالی نہیں ہے، اور امام ابونعیم وغیرہ نے اس کے تمام طرق کو جمع کیا ہے، یہ حضرت علی، حضرت ابوذر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبد الرحمٰن بن عمرو، حضرت ابو برزہ، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت انس، حضرت جابر، حضرت حبیب بن مسلمہ بن حیدہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور میں نے ان طرق کو ایک مستقل رسالے میں جمع کیا ہے۔

اس کا سب سے قوی طریقہ وہ ہے جس کو امام حاکم نے اپنی تاریخ میں از یحییٰ بن حبیب از جعفر بن عون از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے اور اس یحییٰ کی کنیت ابو عقیل ہے، یہ اپنی کنیت سے مشہور ہیں اور اس کے تمام رجال کی توثیق کی گئی ہے، لیکن اس کی سند میں اختلاف ہے، بعض راوی اس کو وصل کرتے ہیں اور بعض راوی اس کو مرفوع بیان کرتے ہیں، اور امام ابو عبید نے کتاب الامثال میں وثوق کے ساتھ کہا ہے کہ یہ امثالِ عرب سے ہے، یعنی عرب والے اس کی مثالیں دیتے ہیں، اور انہوں نے کہا: اس حدیث میں اور امام بخاری کے اس باب کی حدیث میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کا عموم تخصیص کا تقاضا کرتا ہے، پس یہ حدیث اس پر محمول ہے جس کی کوئی خصوصیت نہ ہو اور اس کے لیے دوستی ثابت نہ ہو، تو کثرتِ زیارت سے اس کا مرتبہ کم نہیں ہوگا، اور ابن بطال نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۰۱، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی پر اعتراض

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ ان کا امام بخاری کے حق میں محض گمان ہے، کیونکہ یہ حدیث مشہور ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے منقول ہے اور ان کے اسماء یہ ہیں:

حضرت علی، حضرت ابوذر، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوبرزہ، حضرت انس، حضرت جابر، حضرت حبیب بن مسلمہ، حضرت معاویہ بن حیدہ، رضی اللہ عنہم۔

امام ابونعیم وغیرہ نے اس حدیث کے تمام طرق کو جمع کیا ہے اور اس حدیث کو امام حاکم نے تاریخ نیشاپور میں روایت کیا ہے اور خطیب بغدادی نے قوی سند کے ساتھ تاریخ بغداد میں روایت کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کے اعتراضِ مذکور کا جواب از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ علامہ عینی کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

تم بغور علامہ عینی کی عبارت پڑھو اور تعجب کرو، کیونکہ علامہ عینی نے بعینہٖ حافظ ابن حجر کی عبارت نقل کی ہے اور پھر الٹا حافظ ابن حجر پر اعتراض کیا ہے، پس اللہ سے ہی مدد طلب کی گئی ہے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۳۷۸۔۳۷۹، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بجائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ روز چل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاتے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آنے کی مشقت نہ ہوتی

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روزانہ زیارت کرنے کے زیادہ لائق تھے تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تکرار کی مشقت کو زائل کیا جاتا۔

علامہ عینی اس کے جواب میں لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں: علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس محض

زیارت کے لیے نہیں آتے تھے، بلکہ آپ کے پاس جو اللہ کا علم ہوتا تھا، وہ اس کو پہنچانے کے لیے آتے تھے۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف جاتے تو مشرکین کی ایذاء رسانی سے مامون رہتے۔ اس کے برخلاف اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روزانہ جاتے تو وہ مشرکین کی ایذاء رسانی سے محفوظ نہ رہتے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دن اور رات میں دو مرتبہ سے زیادہ جاتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "نحر الظهيرة" علامہ کرمانی نے کہا: اس کا معنی ہے ظہر کے اول وقت میں یعنی سخت گرمی میں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اذن لی بالخروج" یعنی مجھے مکہ سے مدینہ کی طرف جانے کی اجازت دی گئی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۔ بَابُ: الزِّيَارَةِ وَمَنْ زَارَ قَوْمًا فَطَعِمَ عِنْدَهُمْ

زیارت کا بیان، اور جو لوگوں کی زیارت کرے تو انہیں کے پاس کھانا کھائے

وَزَارَ سَلْمَانُ أَبَا الدَّرْدَاءِ فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَأَكَلَ عِنْدَهُ۔

اور حضرت سلمان نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی زیارت کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں، پس ان کے پاس کھانا کھایا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ دوستوں کی زیارت کرنا جائز ہے، اور اس بات کے بیان میں ہے کہ جو کسی کی زیارت کے لیے جائے تو وہ کھانا بھی وہیں کھائے۔ اور زیارت کے اتمام سے یہ ہے کہ زائر کے لیے ماحضر کو پیش کیا جائے۔ علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس سے دوستی ثابت ہوتی ہے اور محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں ایک حدیث ہے جس کو امام احمد اور امام ابو یعلیٰ نے عبید اللہ بن عبد بن عمیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی ایک جماعت آئی تو انہوں نے ان کی طرف روٹی اور سرکہ کو پیش کیا، پس کہا: آپ لوگ کھائیں، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ بہترین سالن سرکہ ہے، اور کسی مرد کی ہلاکت یہ ہے کہ اس کے پاس اس کے بھائیوں کی جماعت آئے اور وہ ماحضر کو ان کے سامنے پیش کرنا حقیر سمجھے اور قوم کی ہلاکت یہ ہے کہ جو چیز ان کو پیش کی جائے وہ اس کو حقیر سمجھے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، ان کا نام عویمر ہے جو کہ عامر کی تصغیر ہے، یہ انصاری ہیں اور یہ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی ایک طرف ہے جو کتاب الصیام میں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۸۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضى الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوہاب نے خبر دی از خالد الحذاء از حضرت انس بن سیرین رضی اللہ عنہ، از حضرت

ﷺ زَارَ أَهْلَ بَيْتٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَطَعِمَ عِنْدَهُمْ طَعَامًا فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ أَمَرَ بِمَكَانٍ مِنَ الْبَيْتِ فَنُضِحَ لَهُ عَلَى بِسَاطٍ فَصَلَّى عَلَيْهِ وَدَعَا لَهُمْ

انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے گھر والوں کی زیارت کی تو ان کے پاس وہاں کھانا کھایا، پھر جب آپ نے وہاں سے نکلنے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے گھر کی ایک جگہ میں حکم دیا، وہاں صاف کر کے چٹائی بچھائی گئی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز پڑھائی اور ان کے لیے دعا فرمائی۔

(صحیح بخاری: ۶۷۰، ۱۱۷۹، ۶۰۸۰، سنن ابوداؤد: ۶۵۷، مسند احمد: ۱۳۶۸۷)

صحیح البخاری: ۶۰۸۰ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالوہاب، وہ ابن عبدالمجید الثقفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے انس بن سیرین، وہ محمد بن سیرین کے بھائی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''زار اهل بيت من الانصار'' یہ حضرت عتبان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کا گھر تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فطعم'' یعنی آپ نے کھایا، کیونکہ ''طعم'' کا معنی ہے طعام کھانا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا (الاحزاب: ۵۳) پھر جب کھانا کھا چکو تو فوراً چلے جاؤ۔

اور ''طعم'' کا معنی چکھنا بھی ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي (البقرہ: ۲۴۹) اور جس نے اس پانی کو چکھا بھی نہیں تو وہ میرے طریقہ پر ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فنضح له'' یعنی کسی جگہ پر پانی کو چھڑک کر اس کو صاف کیا یا اس جگہ کو پانی سے دھو کر صاف کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''علی بساط'' اس سے مراد ہے چٹائی بچھائی، جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ودعا لهم'' اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص کسی کی زیارت کرنے کے لیے جائے اور جس کی زیارت کرنے کے لیے گیا ہے وہ اسے کھانا کھلائے تو اسے چاہیے کہ اس کے لیے اور اس کے گھر والوں کے لیے دعائے خیر کرے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۲۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۔ بَابٌ: مَنْ تَجَمَّلَ لِلْوُفُودِ

جس نے ملاقات کے لیے آنے والوں کی وجہ سے خوبصورت لباس پہنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس نے مباح چیزوں کے ساتھ خوبصورتی حاصل کی وہ جائز ہے، ''تجمل'' کا معنی ہے: مرد کا اپنی ہیئت اور حالت کو اچھے کپڑے پہن کر خوبصورت بنانا۔ اس باب میں ''للوفود'' لکھا ہے، یہ وفد کی جمع ہے اور وفد، وافد کی جمع ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو جمع ہو کر شہروں میں جانے کا قصد کریں، اسی طرح جو لوگ امراء اور حکام سے ملاقات اور ان کی زیارت کا قصد کریں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۸۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ قَالَ لِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ مَا الْإِسْتَبْرَقُ قُلْتُ مَا غَلُظَ مِنَ الدِّيبَاجِ وَخَشُنَ مِنْهُ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ يَقُولُ رَأَى عُمَرُ عَلَى رَجُلٍ حُلَّةً مِنْ إِسْتَبْرَقٍ فَأَتَى بِهَا النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ اشْتَرِ هَذِهِ فَالْبَسْهَا لِوَفْدِ النَّاسِ إِذَا قَدِمُوا عَلَيْكَ فَقَالَ إِنَّمَا يَلْبَسُ الْحَرِيرَ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فَمَضَى مِنْ ذَلِكَ مَا مَضَى ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ إِلَيْهِ بِحُلَّةٍ فَأَتَى بِهَا النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ بَعَثْتَ إِلَيَّ بِهَذِهِ وَقَدْ قُلْتَ فِي مِثْلِهَا مَا قُلْتَ قَالَ إِنَّمَا بَعَثْتُ إِلَيْكَ لِتُصِيبَ بِهَا مَالًا فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَكْرَهُ الْعَلَمَ فِي الثَّوْبِ لِهَذَا الْحَدِيثِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالصمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یحییٰ بن ابی اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھ سے سالم بن عبداللہ نے کہا: استبرق (ریشم) کیا چیز ہے؟ میں نے کہا: وہ دیباج کا دبیز اور کھردرا کپڑا ہے، سالم نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرد پر استبرق کا ایک حلہ دیکھا، پس وہ اس حلے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے، پس کہا یا رسول اللہ! آپ اس کو خرید لیجئے اور اس کو پہنیں جب وفد آپ سے ملاقات کے لیے آئیں، آپ نے فرمایا: ریشم کو وہ لوگ پہنتے ہیں جن کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا، پھر جو عرصہ گزرا وہ گزر گیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف ایک حلہ بھیجا، وہ اس حلہ کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: آپ نے میری طرف یہ حلہ بھیجا ہے حالانکہ اس کی مثل میں آپ نے وہ فرمایا تھا جو فرمایا تھا، آپ نے فرمایا: میں نے یہ تمہاری طرف اس لیے بھیجا ہے کہ تم اس کی وجہ سے مال حاصل کرو (یعنی فروخت کردو)، پس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس حدیث کی وجہ سے کپڑے میں ریشم کے نقش و نگار کو مکروہ قرار دیتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۸۸۶، ۹۴۸، ۲۱۰۴، ۲۶۱۲، ۲۶۱۹، ۳۰۵۴، ۵۸۴۱، ۵۹۸۱، ۶۰۸۱، صحیح مسلم: ۲۰۸۶، سنن نسائی: ۱۳۸۲، سنن ابوداؤد: ۱۰۷۶، سنن ابن ماجہ: ۳۵۹۱، مسند احمد: ۵۷۶۳، موطا امام مالک: ۱۷۰۵)

صحیح البخاری: ۶۰۸۱ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ داؤدی نے اس حدیث پر انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ باب کے موافق نہیں ہے، کیونکہ اس باب کا عنوان ہے ”جس نے ملاقاتیوں کی وجہ سے خوبصورت لباس پہنا“ اور حدیث میں یہ نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خوبصورت لباس پہنا۔ اس لیے اس باب کا عنوان یوں ہونا چاہیے تھا کہ ”ملاقاتیوں کے لیے خوبصورت لباس پہننے کا بیان“۔

اور اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ باب کے عنوان کا معنی یہ ہے کہ جس نے ایسا کیا، حدیثِ مذکور سے استدلال کرتے ہوئے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ معنی بعید ہے اور عنوان کا معنی وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے اور مطابقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کلام سے سمجھ میں آتی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت جاریہ یہ تھی کہ ملاقاتیوں کی وجہ سے خوبصورت کپڑے پہنتے تھے، کیونکہ اس میں اسلام کی عظمت ہے اور دشمنوں پر رعب ہے اور ان پر غیظ ہے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جو انکار کیا وہ ریشم پہننے کی وجہ سے تھا اور مطلقاً خوبصورت لباس پہننے کا آپ نے انکار نہیں کیا حتیٰ کہ علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ زیادہ نفیس کپڑے پہننا وفود سے ملاقات کے وقت جائز ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ”خشن“ اس کا معنی ہے: موٹا اور کھردرا، اور بعض روایات میں ہے ”حسن“۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ”لا خلاق له“ یعنی آخرت میں اس کے لیے نیکی سے کوئی حصہ نہیں ہوگا اگر اس نے ریشم کو حلال جان کر پہنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ”لتصیب بها مالا“ یعنی میں نے تم کو یہ جبہ اس لیے دیا تھا کہ تم اس کو فروخت کر کے مال حاصل کرو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ”کان ابن عمر یکرہ العَلَم فی الثوب“۔ علامہ خطابی نے کہا ہے: ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اس مسئلہ میں تقویٰ پر عمل تھا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اگر کسی کپڑے میں ریشم کے بیل بوٹے بنے ہوئے ہوں تو وہ جائز ہے، کیونکہ جتنی مقدار میں بیل بوٹے بنے ہوں، اس پر لباس پہننے کا اطلاق نہیں آتا۔ اور ابو عثمان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ریشم پہننا ممنوع ہے مگر دو انگل یا تین انگل یا چار انگل کی مقدار ہو تو جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۔ بَابُ: الْإِخَاءِ وَالْحِلْفِ

مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنانا اور معاہدہ کرنا

وَقَالَ أَبُو جُحَيْفَةَ: آخَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بَيْنَ سَلْمَانَ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہما کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا۔

وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ: لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ آخَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بَيْنِي وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ۔

اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے بیان کیا کہ جب ہم مدینہ میں آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور سعد بن ربیع کے درمیان اخوت قائم کی۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنانے کی مشروعیت اور جواز کے بیان میں ہے اور حلف کا معنی ہے: کسی قوم کے ساتھ کوئی عہد و پیمان یا معاہدہ کرنا۔

بابِ مذکور کی تعلیقات کی شرح از علامہ عینی

امام بخاری کی پہلی تعلیق حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، ابو جحیفہ میں جیم پر پیش ہے اور حاء پر زبر ہے، ان کا نام وہب بن عبداللہ السوائی ہے، یہ کوفہ میں رہنے لگے تھے اور وہیں پر انہوں نے مکان بنالیا تھا، یہ تعلیق اس باب میں گزر چکی ہے ''باب کیف آخی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین اصحابہ''۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان اخوت قائم کی اور ان کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا جب آپ ابتداءً مدینہ میں تشریف لائے اور ان کے درمیان معاہدہ کرایا، اور وہ اس اخوت اور معاہدہ کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے تھے اور ذوی الارحام وارث نہیں ہوتے تھے، حسن بصری نے کہا: یہ معمول آیتِ مواریث کے جاری ہونے سے پہلے تھا اور اہل جاہلیت اس طرح کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۭ وَ الَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝ (النساء:۳۳)	اور ہم نے ہر شخص کے ترکہ کے لیے وارث مقرر کر دیئے ہیں اولاد اور قرابت دار، اور وہ لوگ جن سے تمہارا عہد ہو چکا ہے، سو تم انہیں ان کا حصہ دے دو، بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے ۝

اور کہا جاتا ہے کہ حلیف بھی چھٹے حصہ کا وارث ہوتا تھا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہو گئی:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۔ (الانفال:۷۵)	اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (بہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔

امام طبری نے کہا: اب اسلام میں حلف یعنی کسی قوم سے معاہدہ کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ حضرت جبیر بن مطعم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا:

لا حلف فی الاسلام وما کان من حلف فی الجاھلیہ فلا یزیدہ الاسلام الا شدۃ۔	یعنی اسلام میں کسی قوم کے ساتھ معاہدہ نہیں ہے، اور وہ جو زمانہ جاہلیت میں معاہدہ تھا، اسلام اس میں صرف شدت کا اضافہ کرتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جاہلیت اور اسلام کے معاہدہ کو منسوخ کر دیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۔ (الانفال:۷۵)	اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (بہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔

اور وراثت کو قرابت داروں کی طرف راجع کر دیا۔

اور دوسری تعلیق حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ہے اور یہ "باب فضائل الانصار" میں حدیث موصول کے ساتھ ذکر ہو چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۲۹۔ ۲۳۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۸۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ عَلَيْنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ فَآخَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بَيْنَهُ وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از حُمید از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہمارے پاس حضرت عبدالرحمٰن آئے رضی اللہ عنہ، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان اور حضرت سعد بن الربیع کے درمیان اخوت قائم کر دی، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے کرو۔

(صحیح بخاری: ۲۰۴۹، ۲۲۹۳، ۳۷۸۱، ۳۹۳۷، ۵۰۷۲، ۵۱۴۸، ۵۱۵۳، ۵۱۵۵، ۵۱۶۷، ۶۰۸۲، ۶۳۸۶، صحیح مسلم: ۱۴۲۷، سنن ترمذی: ۱۹۳۳، سنن نسائی: ۳۳۸۸، سنن ابوداؤد: ۲۱۰۹، سنن ابن ماجہ: ۱۹۰۷، مسند احمد: ۱۲۵۶۴، موطا امام مالک: ۱۱۵۷، سنن داری: ۲۲۰۴)

صحیح البخاری: ۶۰۸۲ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، یہ القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حمید، وہ ابن ابی حمید ہیں، اور آپ نے فرمایا "تم ولیمہ کرو"۔ کیونکہ انہوں نے معاہدہ کے بعد نکاح کر لیا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۳۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۸۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ صَبَّاحٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ قَالَ قُلْتُ لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَبَلَغَكَ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا حِلْفَ فِي الْإِسْلَامِ فَقَالَ قَدْ حَالَفَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بَيْنَ قُرَيْشٍ وَالْأَنْصَارِ فِي دَارِي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن صباح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن زکریاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عاصم نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام میں کوئی معاہدہ نہیں ہے؟ تو انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر میں قریش اور انصار کے درمیان معاہدہ کرایا۔

(صحیح بخاری: ۲۲۹۴، ۶۰۸۳، ۷۳۴۰، صحیح مسلم: ۲۵۲۹، سنن ابوداؤد: ۲۹۲۶، مسند احمد: ۱۳۵۷۴)

صحیح البخاری: ۶۰۸۳ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عاصم، یہ ابن سلیمان الاحول ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لاحِلف فی الاسلام" کیونکہ حِلف باہمی اتفاق کے لیے ہوتا ہے، اور اسلام نے انہیں باہم جمع کر دیا تھا اور ان کے درمیان دلوں میں الفت ڈال دی تھی، پس ان کے لیے کسی اور معاہدہ کی ضرورت نہیں تھی۔ اور لوگ زمانہ جاہلیت میں حِلف اٹھا کر معاہدہ کرتے تھے کیونکہ وہ آپس میں منتشر اور متفرق تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قد حالف النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کیونکہ ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے، ایک حدیث میں ہے کہ اسلام میں حلف نہیں ہے، اور دوسری حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش اور انصار کے درمیان معاہدہ کرایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جو منفی ہے وہ زمانہ جاہلیت کا معاہدہ ہے اور جو مثبت ہے وہ مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنانا ہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے "لاحِلف فی الاسلام" کا معنی ہے کہ ایک دوسرے کے وارث بننے کا معاہدہ، یا جو چیز شرعاً ممنوع ہو، اس کا معاہدہ اسلام میں جائز نہیں ہے، لیکن مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنانا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نیکی کے کاموں میں تعاون کرنے کا جو معاہدہ ہو وہ منسوخ نہیں ہوا، منسوخ وہ ہوا ہے جس کا تعلق زمانہ جاہلیت کے ساتھ تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۳۰-۲۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

زمانہ جاہلیت کے معاہدہ کو منسوخ کرنے کی توجیہ

میں کہتا ہوں کہ زمانہ جاہلیت میں معاہدہ اس طرح ہوتا تھا کہ ایک فریق دوسرے فریق سے معاہدہ کرتا کہ اسے ہر حال میں دوسرے فریق کی مدد کرنا ہوگی خواہ دوسرا فریق حق پر ہو یا باطل پر ہو، حتیٰ کہ اگر دوسرے فریق نے کسی کو قتل کر دیا ہو تو اسے قاتل کی بھی مدد کرنا پڑتی تھی، اسلام نے ایسے معاہدہ کو منسوخ کر دیا، البتہ نیکی اور احکامِ شرعیہ کی پیروی میں ایک دوسرے کی مدد کا جو معاہدہ کیا جائے، وہ اب بھی باقی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۶۸- بَابُ: التَّبَسُّمِ وَالضَّحِكِ
مسکرانے اور ہنسنے کا بیان

وَقَالَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ أَسَرَّ إِلَيَّ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَضَحِكْتُ

حضرت فاطمہ علیہا السلام نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے چپکے سے کوئی بات کہی تو میں ہنسی۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَى.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ مسکرانا اور ہنسنا دونوں مباح ہیں۔ مسکرانے کا معنی ہے: کسی تعجب میں ڈالنے والی چیز کو

دیکھ کر دانتوں کا ظاہر ہونا بغیر آواز کے۔اور اگر آواز کے ساتھ ہو تو یا وہ ایسی آواز ہوگی کہ اس شخص کا پڑوسی بھی اسے سنے گا، یا پڑوسی نہیں سنے گا صرف وہ خود سن سکے گا، اگر اس کا پڑوسی بھی اس آواز کو سنے تو وہ قہقہہ ہے ورنہ وہ ہنسنا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب احناف نے کہا: ضحک یعنی ہنسنا یہ ہے کہ ہنسنے والا خود اپنی آواز سنے۔اور قہقہہ یہ ہے کہ دوسرا بھی اس آواز کو سنے، اور تبسم کی تعریف یہ ہے کہ نہ اسے کوئی آواز آئے اور نہ دوسرے کو۔پس ضحک (یعنی ہنسنا) نماز کو فاسد کر دیتا ہے لیکن وضو کو فاسد نہیں کرتا اور قہقہہ نماز کو بھی فاسد کر دیتا ہے اور وضو کو بھی فاسد کر دیتا ہے، اور تبسم ان میں سے کسی کو فاسد نہیں کرتا۔اور کہا جاتا ہے تبسم کا لغوی معنی ہے: ضحک کے مبادی اور ضحک یہ ہے کہ انسان کا پورا چہرہ کھل اٹھے حتیٰ کہ خوشی سے اس کے دانت بھی ظاہر ہو جائیں۔پس اگر وہ آواز کے ساتھ ہو کہ دور سے اس کی آواز سنی جائے تو وہ قہقہہ ہے ورنہ وہ ضحک ہے اور اگر بغیر آواز کے وہ آواز سنی جائے تو وہ تبسم ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس حدیث کی پہلی تعلیق میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ علیہا السلام سے چپکے سے کوئی بات کی تو آپ ہنسیں، یہ تعلیق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کی طرف ہے جس کو وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں اور یہ حدیث ''باب وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' میں گزر چکی ہے۔اور جب موت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آئی تو آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''تم وہ ہو جو سب سے پہلے میرے گھر والوں میں سے میرے پیچھے آئے گی''۔

اور اس باب کی دوسری تعلیق میں ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بے شک اللہ ہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے۔کیونکہ وجود میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مؤثر نہیں ہے جیسا کہ اشاعرہ کا مذہب ہے، اور یہ تعلیق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کی ایک طرف ہے، وہ حدیث ''کتاب الجنائز'' میں گزر چکی ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۸۴۔ حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها أَنَّ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيَّ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ فَبَتَّ طَلَاقَهَا فَتَزَوَّجَهَا بَعْدَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الزَّبِيرِ فَجَائَتِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَهَا آخِرَ ثَلَاثِ تَطْلِيقَاتٍ فَتَزَوَّجَهَا بَعْدَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الزَّبِيرِ وَإِنَّهُ وَاللهِ مَا مَعَهُ يَا رَسُولَ اللهِ إِلَّا مِثْلُ هَذِهِ الْهُدْبَةِ لِهُدْبَةٍ أَخَذَتْهَا مِنْ جِلْبَابِهَا قَالَ وَأَبُو بَكْرٍ جَالِسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَابْنُ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ جَالِسٌ بِبَابِ الْحُجْرَةِ لِيُؤْذَنَ لَهُ فَطَفِقَ خَالِدٌ يُنَادِي أَبَا بَكْرٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حبان بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان فرماتی ہیں کہ حضرت رفاعہ القرظی نے اپنی بیوی کو طلاقِ مغلظہ دے دی، ان کی بیوی نے اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر سے نکاح کر لیا، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، پس (اس عورت نے) کہا: یارسول اللہ! وہ پہلے حضرت رفاعہ کے نکاح میں تھیں، سو انہوں نے ان کو آخری تین طلاقیں دے دیں، پھر اس کے بعد انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر سے نکاح کر لیا اور بے شک اللہ کی قسم یارسول اللہ! ان کے پاس صرف اتنا ہے جتنا کپڑے کا یہ پلو ہے، انہوں نے اپنی

يَا أَبَا بَكْرٍ أَلَا تَزْجُرُ هٰذِهِ عَمَّا تَجْهَرُ بِهِ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَمَا يَزِيدُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى التَّبَسُّمِ ثُمَّ قَالَ لَعَلَّكِ تُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلَى رِفَاعَةَ لَا حَتّٰى تَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ وَيَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ۔

چادر سے ایک پلو بنایا، عروہ نے کہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور ابن سعید بن العاص کے حجرہ کے دروازہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تا کہ ان کو آنے کی اجازت دی جائے، پس حضرت خالد نے ندا کر کے کہا: اے ابوبکر! اے ابوبکر! کیا آپ اس عورت کو منع نہیں کرتے، یہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بلند آواز سے کیا کہہ رہی ہے؟ اور رسول اللہ ﷺ یہ سن کر صرف مسکرا رہے تھے، پھر فرمایا: شاید کہ تم رفاعہ کی طرف واپس جانے کا ارادہ کرتی ہو؟ نہیں! حتیٰ کہ تم تھوڑی سی اس کی مٹھاس چکھ لو اور وہ تھوڑی سی تمہاری مٹھاس چکھ لے۔

صحیح البخاری: ۲۶۳۹، ۵۲۶۰، ۵۲۶۱، ۵۲۶۵، ۵۳۱۷، ۵۷۹۲، ۵۸۲۵، ۶۰۸۴، صحیح مسلم: ۱۴۳۳، سنن ترمذی ۱۱۱۸، سنن نسائی: ۳۲۸۳، سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۲، مسند احمد: ۲۳۵۷۸، سنن دارمی: ۲۲۶۷)

صحیح البخاری: ۶۰۸۴ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حبان، یہ ابن موسیٰ المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، وہ عبداللہ بن مبارک مروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر، وہ ابن راشد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے رفاعہ، یہ رفاعہ القرظی ہیں۔ (رفاعہ میں راء کے نیچے زیر ہے) ان کی نسبت قریظہ الخزرج کی طرف ہے اور قریظہ نضیر کے بھائی تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فبتّ" یعنی انہوں نے مجھے قطعی طور پر تین طلاقیں دے دیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "عبدالرحمٰن بن الزبیر" الزبیر میں زاء کے اوپر زبر ہے اور باء کے نیچے زیر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الھدبۃ" اس سے مراد ہے کپڑے کا پلو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ابن سعید" وہ خالد بن العاص بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی القرشی الاموی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لا! حتی تذوقی" یعنی تم رفاعہ کے پاس واپس نہیں جاسکتیں حتیٰ کہ تم اس کی مٹھاس چکھ لو یعنی عبدالرحمٰن بن الزبیر کی اور آپ نے مٹھاس سے لذت جماع کا کنایہ کیا۔

اس پر یہ سوال ہے کہ وہ کیسے ایک دوسرے کی مٹھاس چکھیں گے حالانکہ عبدالرحمٰن بن الزبیر کا آلہ تو کپڑے کے پلو کی طرح

تھا؟ یعنی کپڑے کے پلو کی طرح نرم تھا اور باریک تھا اور اس میں سختی اور حرکت نہیں تھی۔ یہ علامہ کرمانی کی شرح ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس کی مراد یہ تھی کہ وہ جماع پر اصلاً قادر نہیں ہیں، پس اگر یہی مراد ہو تو پھر جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حتیٰ کہ تم اس کی مٹھاس چکھ لو، یعنی جب وہ جماع پر قادر ہو تو پھر تم اس کی مٹھاس چکھ لینا، تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ صبر کرے حتیٰ کہ عبدالرحمٰن بن الزبیر جماع پر قادر ہو جائیں، اور اگر وہ عبدالرحمٰن بن الزبیر کے نکاح میں نہ رہنا چاہتی ہو تو پھر ضروری ہے کہ کسی اور مرد سے نکاح کریں اور وہ ان کے ساتھ جماع کرے اور ان کا اس کی فرج میں ادخال کرنا کافی ہے اور انزال شرط نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت رفاعہ قرظی کے قصہ میں علامہ عینی کے جواب پر مصنف کی تنقید

میں کہتا ہوں: علامہ عینی کا یہ جواب درست نہیں ہے، کیونکہ صحیح البخاری: ۵۸۲۵ میں تصریح ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم یا رسول اللہ! یہ عورت جھوٹی ہے، میں اس کو اس طرح اٹھا کر پٹختا ہوں جس طرح چمڑے کو پٹختے ہیں، لیکن یہ نافرمان ہے اور رفاعہ کے پاس واپس جانا چاہتی ہے اور حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر رضی اللہ عنہ دو بچوں کو اپنے ساتھ لے کر آئے تھے جو ان کی پہلی بیوی سے ہوئے تھے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ اس عورت نے حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر رضی اللہ عنہ پر نامردی کا جو الزام لگایا تھا، وہ غلط تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق کی کہ عبدالرحمٰن بن الزبیر اپنے ساتھ جو دو بچے لائے ہیں وہ انہی سے ہوئے ہیں، لہٰذا حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر پر نامردی کا الزام جھوٹا ہے تو جب تک وہ عورت حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر کی مٹھاس نہ چکھ لے، وہ حضرت رفاعہ سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۰۸۵ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زَيْدِ بْنِ الْخَطَّابِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ اسْتَأْذَنَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضی الله عنه عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَعِنْدَهُ نِسْوَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ يَسْأَلْنَهُ وَيَسْتَكْثِرْنَهُ عَالِيَةً أَصْوَاتُهُنَّ عَلٰى صَوْتِهِ فَلَمَّا اسْتَأْذَنَ عُمَرُ تَبَادَرْنَ الْحِجَابَ فَأَذِنَ لَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَدَخَلَ وَالنَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَضْحَكُ فَقَالَ أَضْحَكَ اللّٰهُ سِنَّكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي فَقَالَ عَجِبْتُ مِنْ هٰؤُلَاءِ اللَّاتِي كُنَّ عِنْدِي لَمَّا سَمِعْنَ صَوْتَكَ تَبَادَرْنَ الْحِجَابَ فَقَالَ أَنْتَ أَحَقُّ أَنْ يَهَبْنَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْهِنَّ فَقَالَ يَا عَدُوَّاتِ أَنْفُسِهِنَّ أَتَهَبْنَنِي وَلَمْ تَهَبْنَ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم نے حدیث بیان کی از صالح بن کیسان از ابن شہاب از عبدالحمید بن عبدالرحمٰن بن زید بن الخطاب از محمد بن سعد از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت طلب کی، اس وقت قریش کی خواتین آپ سے سوال کر رہی تھیں اور آپ سے زیادہ طلب کر رہی تھیں اور ان کی آوازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اونچی تھیں، پس جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی تو وہ سب حجاب کی طرف لپکیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اجازت دی، پس وہ داخل ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ آپ کے دانتوں کو ہمیشہ ہنستا ہوا رکھے، آپ پر میرے باپ اور میری ماں فدا ہوں! پھر آپ نے فرمایا: مجھے ان عورتوں پر

فَقُلْنَ إِنَّكَ أَفَظُّ وَأَغْلَظُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِيهٍ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا لَقِيَكَ الشَّيْطَانُ سَالِكًا فَجًّا إِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيْرَ فَجِّكَ۔

تعجب ہے جو ابھی میرے پاس بیٹھی تھیں، انہوں نے جیسے ہی تمہاری آواز سنی تو یہ حجاب کی طرف لپکیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ زیادہ حق دار ہیں کہ یہ خواتین آپ سے ڈریں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان خواتین کی طرف متوجہ ہوئے، پس کہا: اے اپنی جان کی دشمنو! تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ ﷺ سے نہیں ڈرتیں؟ تو انہوں نے کہا: آپ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ سخت اور درشت کلام کرتے ہو، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں اے ابن الخطاب! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! جب بھی شیطان تم کو کسی راستہ پر جاتے ہوئے دیکھے تو پھر وہ دوسرے راستہ سے جاتا ہے۔

(صحیح بخاری: ۳۲۹۴، ۶۰۸۵، صحیح مسلم: ۲۳۹۷، مسند احمد: ۱۴۷۵)

صحیح البخاری: ۶۰۸۵ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے" تبسم اور ہنسنا" اور اس حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ ہنسے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کے دانتوں کو ہنستا ہوا رکھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، یہ ابن ابی اویس ہیں، اس کی تصریح حافظ المزی نے کی ہے، اور علامہ الغسانی نے کہا ہے کہ شاید یہ ابن ابی اویس اصحی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم، یہ ابن سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے صالح بن کیسان، یہ ابو محمد مؤدب ہیں جو عمر بن العزیز کے بیٹے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن شہاب، وہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد الحمید بن عبد الرحمن بن زید بن الخطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ، یہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن سعد بن ابی وقاص، یہ اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، اور یہ تمام راوی مدنی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے"ایہ" یہ اسم فعل ہے، یہ کسی کام یا بات کی زیادتی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے"فجا" یہ کشادہ راستے کو کہتے ہیں۔ اور دو پہاڑوں کے درمیان جو وسیع راستہ ہو اس کو بھی فجا

کہتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۸۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ أَبِي الْعَبَّاسِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمَّا كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالطَّائِفِ قَالَ إِنَّا قَافِلُونَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللهُ فَقَالَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ لَا نَبْرَحُ أَوْ نَفْتَحَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَاغْدُوا عَلَى الْقِتَالِ قَالَ فَغَدَوْا فَقَاتَلُوهُمْ قِتَالًا شَدِيدًا وَكَثُرَ فِيهِمُ الْجِرَاحَاتُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّا قَافِلُونَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللهُ قَالَ فَسَكَتُوا فَضَحِكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بِالْخَبَرِ كُلِّهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو از ابی العباس از عبداللہ بن عمرو، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ طائف میں تھے، تو آپ نے فرمایا: ہم ان شاء اللہ کل واپس لوٹیں گے، تو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے بعض نے کہا: ہم جب تک طائف کو فتح نہ کرلیں نہیں جائیں گے، تو نبی ﷺ نے فرمایا: پس تم قتال کے لیے تیار ہو جاؤ، راوی نے کہا: پس انہوں نے صبح کی، پس انہوں نے طائف والوں سے بڑا شدید قتال کیا اور اس میں بہت صحابہ زخمی ہو گئے، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک ان شاء اللہ ہم کل واپس جائیں گے، تو سب خاموش رہے، پس رسول اللہ ﷺ ہنسے۔

حمیدی نے کہا: ہمیں سفیان نے پوری سند خبر کے لفظ کے ساتھ بیان کی۔

(صحیح بخاری: ۴۳۲۵، ۶۰۸۶، ۷۴۸۰، صحیح مسلم: ۱۷۷۸، مسند احمد: ۴۵۷۴)

صحیح البخاری: ۶۰۸۶ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ہنسنا، اور اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے ہنسنے کا ذکر ہے، آپ تعجب سے ہنس رہے تھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ سفیان بن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو، یہ ابن دینار ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو العباس، یہ السائب بن فروخ الشاعر الاعمی المکی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن عمرو بن العاص، یہ فقط حموی کی روایت میں ہے، اور اکثرین کی روایت میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما۔ یہ حدیث کتاب المغازی میں غزوۃ الطائف کے باب میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لا نبرح او نفتحها" اس میں (نفتحها میں) حاء پر زبر ہے، یعنی ہم اس وقت تک نہیں جائیں گے جب تک ہم طائف فتح نہ کرلیں۔

اس حدیث کی تعلیق میں مذکور ہے "قال الحمیدی" یہ عبداللہ بن زبیر بن عیسیٰ ہیں۔ اس تعلیق میں مذکور ہے "کله بالخبر" یعنی پوری تعلیق لفظ الخبر کے ساتھ ہے یعنی لفظ عنعن کے ساتھ نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۳۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۸۷۔ حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ هَلَكْتُ وَقَعْتُ عَلَى أَهْلِي فِي رَمَضَانَ قَالَ أَعْتِقْ رَقَبَةً قَالَ لَيْسَ لِي قَالَ فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا أَسْتَطِيعُ قَالَ فَأَطْعِمْ سِتِّينَ مِسْكِينًا قَالَ لَا أَجِدُ فَأُتِيَ بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ قَالَ إِبْرَاهِيمُ الْعَرَقُ الْمِكْتَلُ فَقَالَ أَيْنَ السَّائِلُ تَصَدَّقْ بِهَا قَالَ عَلَى أَفْقَرَ مِنِّي وَاللَّهِ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا أَهْلُ بَيْتٍ أَفْقَرُ مِنَّا فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ قَالَ فَأَنْتُمْ إِذًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن شہاب نے خبر دی از حمید بن عبدالرحمٰن کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرد نبی ﷺ کے پاس آیا، پس اس نے کہا: میں ہلاک ہوگیا، میں رمضان میں اپنی بیوی کے اوپر واقع ہوگیا، آپ نے فرمایا: تم غلام آزاد کرو، اس نے کہا: میرے پاس غلام نہیں ہے، آپ نے فرمایا: تم دو ماہ کے مسلسل روزے رکھو، اس نے کہا: میں اس کی طاقت نہیں رکھتا، آپ نے فرمایا: پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، اس نے کہا: اتنی وسعت میرے پاس نہیں ہے، پس نبی ﷺ کے پاس کھجوروں کا ایک ٹوکرا لایا گیا، ابراہیم نے کہا: العرق کے معنی ٹوکرا ہیں، آپ نے فرمایا: وہ سائل کہاں ہے؟ پھر اس سے فرمایا: ان کھجوروں کو تم صدقہ کردو، اس نے کہا: کیا مجھ سے بھی زیادہ ضرورت مند پر؟ اللہ کی قسم! مدینہ کے ان دو کناروں کے درمیان کوئی گھرانہ مجھ سے زیادہ محتاج نہیں ہے، پس نبی ﷺ ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں، آپ نے فرمایا: پھر تم لے لو۔

(صحیح بخاری: ۱۹۳۶، ۱۹۳۷، ۲۶۰۰، ۵۳۶۸، ۶۰۸۷، ۶۱۶۴، ۶۷۰۹، ۶۷۱۰، ۶۷۱۱، ۶۸۲۱، صحیح مسلم: ۱۱۱۱، سنن ترمذی: ۷۲۴، سنن ابوداؤد: ۲۳۹۰، سنن ابن ماجہ: ۱۶۷۱، مسند احمد: ۷۲۴۸، موطا امام مالک: ۶۶۰، سنن دارمی: ۱۷۱۶)

صحیح البخاری: ۶۰۸۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے''ہنسا اور مسکرانا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے موسیٰ، وہ ابن اسماعیل ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم، وہ ابن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں، یہاں انہوں نے ابن شہاب زہری سے بلاواسطہ روایت کی ہے اور وہ ان سے صالح بن کیسان کے واسطہ سے بھی روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حمید، وہ ابن عبدالرحمٰن الحمیر ی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''العرق'' یہ اتنا بڑا ٹوکرا ہے جس میں تقریباً آٹھ کلو کھجوریں آسکیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے''لابتیھا'' یعنی مدینہ منورہ کے دونوں طرفوں پر جو سیاہ پتھریلی زمینیں ہیں، ان کو''حَرَّتین'' بھی کہا جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''حتی بدت نواجذہ'' نواجذ کے معنی ڈاڑھیں ہیں، منہ کے شروع میں جو دانت ہیں ان کو الثنایا کہتے ہیں، پھر الرباعیات ہیں، پھر الانیاب ہیں، پھر الضواحک ہی، پھر الانیاب ہیں۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ اس حدیث میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں تعارض ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا حتیٰ کہ میں آپ کا تالو بھی دیکھوں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: ان احادیث میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے دیکھنے کی نفی کی ہے، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مشاہدہ کی خبر دی ہے اور جو حدیث مثبت ہو اور نافذ اور مقدم ہوتی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نہ دیکھنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے نہ دیکھنے کو مستلزم نہیں ہے، ہر ایک نے وہ خبر بیان کی جس کا اس نے مشاہدہ کیا تھا اور یہ دونوں خبریں مختلف ہیں اور ان میں تضاد نہیں ہے۔ اور ایک اور جواب یہ ہے کہ بعض لوگ انیاب اور الضواحک کو النواجذ کہتے ہیں، کتاب الصیام میں ہے''حتی بدت انیابہ'' سو اختلاف زائل ہوگیا، اور یہ سب ڈاڑھوں کی قسمیں ہیں۔

ہنسنے کے ثبوت میں احادیث

یہ حدیث حسن بصری کے اس قول کا رد کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنستے نہیں تھے اور ابن سیرین ہنستے تھے، اور حسن بصری کے خلاف استدلال کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ ہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے، اور صحابہ بھی ہنستے تھے۔

امام عبدالرزاق نے از معمر از قتادہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب ہنستے تھے، انہوں نے کہا: ہاں اور ایمان ان کے دلوں میں پہاڑوں سے زیادہ عظیم تھا۔ اور کسی شخص کا زہد اور تقویٰ سید الخلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زہد اور تقویٰ کی مثل نہیں ہے، اور یہ ثابت ہے کہ آپ ہنسے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور آپ کے اصحاب مہدیین میں عمدہ نمونہ ہے، اور جو چیز اس باب میں مکروہ ہے وہ زیادہ ہنسنا ہے، جیسا کہ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا:

تم اپنے آپ کو زیادہ ہنسنے سے بچاؤ، کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے، اور زیادہ وقت ہنستے رہنا مذموم ہے اور ممنوع ہے، اور یہ جاہل اور باطل لوگوں کا کام ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فانتم اذا" یہ جواب ہے یعنی اگر مدینہ میں تم سے زیادہ کوئی محتاج نہیں ہے تو پھر تم لوگ یہ کھجوریں کھاؤ۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۳۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۸۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأُوَيْسِيُّ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنْتُ أَمْشِي مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ نَجْرَانِيٌّ غَلِيظُ الْحَاشِيَةِ فَأَدْرَكَهُ أَعْرَابِيٌّ فَجَبَذَ بِرِدَائِهِ جَبْذَةً شَدِيدَةً قَالَ أَنَسٌ فَنَظَرْتُ إِلَى صَفْحَةِ عَاتِقِ النَّبِيِّ ﷺ وَقَدْ أَثَّرَتْ بِهَا حَاشِيَةُ الرِّدَاءِ مِنْ شِدَّةِ جَبْذَتِهِ ثُمَّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ مُرْ لِي مِنْ مَالِ اللهِ الَّذِي عِنْدَكَ فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ فَضَحِكَ ثُمَّ أَمَرَ لَهُ بِعَطَاءٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ الاویسی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا اور آپ کے اوپر نجرانی چادر تھی جس کے کنارے دبیز تھے، پس ایک اعرابی نے آپ کو پکڑ لیا اور آپ کی چادر کو پکڑ کر آپ کو بہت شدت کے ساتھ کھینچا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا: پس میں نے نبی ﷺ کے کندھوں کی طرف دیکھا تو اس اعرابی کے شدت کے ساتھ چادر کو کھینچنے کی وجہ سے آپ کے کندھوں پر نشان پڑ گئے تھے، پھر اس اعرابی نے کہا: یا محمد! مجھے اللہ کے اس مال میں سے حکم دیجئے جو آپ کے پاس ہے، نبی ﷺ نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا، پھر آپ ہنسے، پھر آپ نے اس کو عطا کرنے کا حکم دیا۔

(صحیح بخاری: ۳۱۴۹، ۵۸۰۹، ۶۰۸۸، صحیح مسلم: ۱۰۵۷، سنن ابن ماجہ: ۳۵۵۳، مسند احمد: ۱۲۱۳۹)

صحیح البخاری: ۶۰۸۸ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ، ان کا نام زید بن سہل الانصاری ہے اور یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "علیہ برد نجرانی" نجران، حجاز اور یمن کے درمیان ایک مشہور شہر ہے، یہ چادر وہاں کی بنی ہوئی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے''جبذۃ شدیدۃ'' یعنی اس اعرابی نے اتنے زور سے اس چادر کو پکڑ کر کھینچا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مڑ کر اس اعرابی کی طرف دیکھا اور آپ کے گردن کے حصہ میں نشان پڑ گئے تھے، حتیٰ کہ وہ چادر پھٹ گئی اور اس کا کنارہ آپ کی گردن میں رہ گیا۔ ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حجرہ میں پہنچے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''مُرلی'' اوزاعی کی روایت میں ہے: آپ ہمیں عطا کیجئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''فضحک'' اور اوزاعی کی روایت میں ہے کہ آپ نے تبسم فرمایا، پھر آپ نے کہا: اس کے لیے کچھ دینے کا حکم دو۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوتِ حلم اور شدتِ صبر کا بیان

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنے نفس کے اوپر اذیت برداشت کرنے کی بہت زیادہ طاقت تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذیت پر بہت صبر کرتے تھے، خواہ آپ کے نفس میں اذیت پہنچائی جائے یا مال میں۔ اور آپ جن لوگوں کے اسلام کی توقع رکھتے تھے، ان کے سخت رویے کو برداشت کرتے تھے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو حکمران آئیں تو وہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس خلقِ جمیل کی پیروی کریں اور درگزر کریں اور برائی کو اچھے طریقہ سے دفع کریں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۳۵۔۲۳۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۸۹۔ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ عَنْ جَرِيرٍ قَالَ مَا حَجَبَنِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مُنْذُ أَسْلَمْتُ وَلَا رَآنِي إِلَّا تَبَسَّمَ فِي وَجْهِي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن نمیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ادریس نے حدیث بیان کی از اسماعیل از قیس از جریر، انہوں نے بیان کیا جب میں نے اسلام قبول کیا ہے، کبھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے اوجھل نہیں ہوئے، اور آپ جب بھی مجھے دیکھتے تھے تو آپ کے چہرہ پر مسکراہٹ ہوتی تھی۔

(صحیح بخاری: ۳۰۲۰، ۳۰۳۶، ۳۰۷۶، ۳۸۲۳، ۴۳۵۵، ۴۳۵۶، ۴۳۵۷، ۶۰۸۹، ۶۳۳۳، صحیح مسلم: ۲۴۷۶، سنن ابوداؤد: ۲۷۷۲، سنن ابن ماجہ: ۱۵۹، مسند احمد: ۱۸۷۲۲)

صحیح البخاری: ۶۰۸۹ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے ابن نمیر، اور یہ محمد بن عبداللہ بن نمیر ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ادریس، وہ عبداللہ الاودی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، وہ ابن ابی خالد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے قیس، وہ ابن ابی حازم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریر، وہ جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ، صحابی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ما حجبنی النبی ﷺ منذ اسلمت" یعنی جب سے میں نے اسلام قبول کیا، کبھی نبی ﷺ میری آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوئے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ کیسے جائز ہوا کہ وہ نبی ﷺ کے حجروں میں بلا حجاب داخل ہوں۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا، نبی ﷺ مجھ سے اس مجلس سے اوجھل نہیں ہوئے جو مجلس آپ نے مردوں کے لیے مخصوص کی ہوئی تھی، یا اس کا معنی یہ ہے کہ جب بھی میں نے آپ سے کسی چیز کو طلب کیا آپ نے مجھے اس سے منع نہیں فرمایا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۹۰۔ وَلَقَدْ شَكَوْتُ إِلَيْهِ أَنِّي لَا أَثْبُتُ عَلَى الْخَيْلِ فَضَرَبَ بِيَدِهِ فِي صَدْرِي وَقَالَ اللَّهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا۔

اور میں نے نبی ﷺ سے شکایت کی کہ میں گھوڑوں پر جم کر نہیں بیٹھ سکتا، تو نبی ﷺ نے میرے سینہ پر اپنا ہاتھ مارا اور دعا کی: اے اللہ! اس کو ثابت قدم رکھ اور اس کو ہدایت دینے والا اور ہدایت قبول کیا ہوا بنادے۔

(صحیح بخاری: ۳۰۲۰، ۳۰۳۶، ۳۰۷۶، ۳۸۲۳، ۴۳۵۵، ۴۳۵۶، ۴۳۵۷، ۶۰۸۹، ۶۳۳۳، صحیح مسلم: ۲۴۷۶، سنن ابوداؤد: ۲۷۷۲، سنن ابن ماجہ: ۱۵۹، مسند احمد: ۱۸۷۲۲)

صحیح البخاری: ۶۰۹۰ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

نبی ﷺ نے جو دعا کی: اے اللہ اس کو ثابت قدم رکھ، یا تو اس کا معنی یہ ہے کہ گھوڑوں پر جم کر بیٹھنے میں اس کو ثابت قدم رکھ، یا اس کا معنی عام ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۹۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ هَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ غُسْلٌ إِذَا احْتَلَمَتْ قَالَ نَعَمْ إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ فَضَحِكَتْ أُمُّ سَلَمَةَ فَقَالَتْ أَتَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَبِمَ شَبَهُ الْوَلَدِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از ہشام، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از زینب بنت ام سلمہ، از حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام سُلیم نے کہا: یا رسول اللہ! بے شک اللہ تعالیٰ حق کو بیان کرنے سے حیا نہیں فرماتا، کیا عورت کو بھی جب احتلام ہو جائے تو اس پر غسل واجب ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! جب وہ پانی کو دیکھ لے، تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہنسیں، پس انہوں نے پوچھا:

کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر کس وجہ سے بچہ اس کے مشابہ ہوتا ہے؟

(صحیح بخاری: ۱۳۰، ۲۸۲، ۳۳۲۸، ۶۰۹۱، ۶۱۲۱، صحیح مسلم: ۳۱۳، سنن ترمذی: ۱۲۲، سنن نسائی: ۱۹۷، سنن ابن ماجہ: ۶۰۰، مسند احمد: ۲۵۹۶۴، موطا امام مالک: ۱۱۸)

صحیح البخاری: ۶۰۹۱ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''ہنسنا'' اور اس حدیث میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہنسنے کا ذکر ہے، اور ان کا ہنسنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھا اور آپ نے ان کے ہنسنے پر انکار نہیں فرمایا۔ آپ نے اس پر انکار فرمایا کہ ان کو اس پر تعجب تھا کہ عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، وہ القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام، وہ اپنے والد عروہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اور وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں۔ اور حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا، وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں، اور ان کا نام رمیصاء ہے، یہ الارمص کی تانیث ہے، اور ان کے خاوند حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اذا رات الماء'' یعنی جب عورت پانی کو دیکھ لے، پانی سے مراد منی ہے، یعنی عورت پر غسل واجب ہوتا ہے جب اسے احتلام ہو اور انزال ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فبما شبه الولد؟'' یعنی پھر کس چیز کے سبب سے بچہ اپنی ماں کے مشابہ ہوتا ہے؟ یعنی کس چیز کے اندر بچہ اور اس کی ماں میں مشابہت ہوتی ہے، اگر اس کا پانی منعقد نہ ہوتا ہو۔ اور حکماء نے کہا ہے کہ مرد کے پانی میں قوتِ عاقدہ ہوتی ہے اور عورت کے پانی میں قوتِ منعقدہ ہوتی ہے۔ قوتِ عاقدہ سے مراد ہے کسی کام کو کرنے کی قوت اور قوتِ منعقدہ سے مراد ہے کسی کام کو قبول کرنے کی قوت۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۳۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۹۲ ۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنَا عَمْرٌو أَنَّ أَبَا النَّضْرِ حَدَّثَهُ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها قَالَتْ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم مُسْتَجْمِعًا قَطُّ ضَاحِكًا حَتَّى أَرَى مِنْهُ لَهَوَاتِهِ إِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حدیث بیان کی یحییٰ بن سلیمان نے، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی ابن وہب نے، انہوں نے کہا: ہمیں خبر دی عمرو نے کہ بے شک ابوالنضر نے ان سے حدیث بیان کی از سلیمان بن یسار از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کو مکمل ہنستے ہوئے نہیں دیکھا حتیٰ کہ میں آپ کے تالو کو بھی دیکھتی،
آپ صرف مسکرایا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری: ۴۸۲۸، ۶۰۹۲، صحیح مسلم: ۸۹۹، سنن ابوداؤد: ۵۰۹۸، مسند احمد: ۲۴۸۴۸)

صحیح البخاری: ۶۰۹۲ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "ہنسنا اور مسکرانا" اور اس حدیث میں مذکور ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکمل نہیں ہنستے تھے، آپ صرف مسکراتے تھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن سلیمان، وہ ابی سعید الجعفی الکوفی ہیں جو مصر میں آ کر رہنے لگے تھے، وہ عبد اللہ بن وہب سے روایت کرتے ہیں از ابی عمرو بن الحارث النضر از سلیمان بن یسار۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لھواتہ" یہ لھات کی جمع ہے، اور "لھات" تالو کو کہتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۹۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوبٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ وَقَالَ لِي خَلِيفَةُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَهُوَ يَخْطُبُ بِالْمَدِينَةِ فَقَالَ قَحَطَ الْمَطَرُ فَاسْتَسْقِ رَبَّكَ فَنَظَرَ إِلَى السَّمَاءِ وَمَا نَرَى مِنْ سَحَابٍ فَاسْتَسْقَى فَنَشَأَ السَّحَابُ بَعْضُهُ إِلَى بَعْضٍ ثُمَّ مُطِرُوا حَتَّى سَالَتْ مَثَاعِبُ الْمَدِينَةِ فَمَا زَالَتْ إِلَى الْجُمُعَةِ الْمُقْبِلَةِ مَا تُقْلِعُ ثُمَّ قَامَ ذَلِكَ الرَّجُلُ أَوْ غَيْرُهُ وَالنَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَخْطُبُ فَقَالَ غَرِقْنَا فَادْعُ رَبَّكَ يَحْبِسْهَا عَنَّا فَضَحِكَ ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا فَجَعَلَ السَّحَابُ يَتَصَدَّعُ عَنْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن محبوب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عوانہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ اور مجھ سے خلیفہ نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد جمعہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس وقت آپ مدینہ میں خطبہ دے رہے تھے، پس اس نے کہا: بارش کا قحط آ گیا ہے، آپ اپنے رب سے بارش طلب کیجئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف دیکھا، اور ہم بادل نہیں دیکھتے تھے، پھر آپ نے بارش کے لیے دعا کی، پس بادل ایک دوسرے کے اوپر امڈ کر آئے، پھر بارش ہوئی حتیٰ کہ مدینہ کے نالے بہنے لگے، پھر مسلسل اگلے جمعہ تک بارش ہوتی رہی اور بارش منقطع نہیں

الْمَدِينَةِ يَمِينًا وَشِمَالًا يُمْطَرُ مَا حَوَالَيْنَا وَلَا يُمْطِرُ مِنْهَا شَيْءٌ يُرِيهِمُ اللّٰهُ كَرَامَةَ نَبِيِّهِ ﷺ وَإِجَابَةَ دَعْوَتِهِ۔

ہوئی، پھر وہی مرد آ کر کھڑے ہوئے یا کوئی دوسرا تھا اور نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے، اس مرد نے کہا: ہم تو غرق ہو گئے، آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ اس بارش کو ہم سے روک لے، پس نبی ﷺ ہنسے، پھر آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ! ہمارے اردگرد بارش نازل کر، ہم پر نہ نازل کر۔ آپ نے دو مرتبہ یا تین مرتبہ دعا کی، پھر بادل مدینہ سے چھٹنا شروع ہو گئے دائیں جانب اور بائیں جانب، اور بارش ہمارے اردگرد ہو رہی تھی، اور مدینہ میں بالکل بارش نہیں ہو رہی تھی، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نبی ﷺ کی کرامت دکھائی اور آپ ﷺ کی دعا کا قبول ہونا دکھایا۔

(صحیح بخاری: ۹۳۲، ۹۳۳، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۱، ۱۰۳۳، ۳۵۸۲، ۶۰۹۳، ۶۳۴۲، صحیح مسلم: ۸۹۷، سنن نسائی: ۱۵۱۵، سنن ابوداؤد: ۱۱۷۴، مسند احمد: ۱۲۶۰۴)

صحیح البخاری: ۶۰۹۳ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن محبوب، یہ ابو عبداللہ البنانی البصری ہیں۔ اور صاحب التوضیح (علامہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ) نے کہا ہے: محمد بن محبوب، یہ محمد بن الحسن ہیں اور ان کا لقب حسن ہے، نام محمد بن ہلال ابو جعفر ہے، اور دوسرا قول ہے: یہ ابو عبداللہ القرشی البنانی البصری ہیں۔ ان کی امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کی ہے، یہ ۲۲۳ھ میں فوت ہو گئے تھے۔

یہ حدیث کتاب الاستسقاء میں ''باب الاستسقاء علی المنبر'' میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۹۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ (التوبہ: ۱۱۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور (ہمیشہ) سچوں کے ساتھ رہو ○

وَمَا يُنْهٰى عَنِ الْكَذِبِ

اور وہ احادیث جن میں جھوٹ بولنے سے منع کیا گیا ہے

باب مذکور کی آیت کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اے ایمان والو صدقین سے ہو جاؤ، یا صدقین کی مثل ہو جاؤ، صادقین سے مراد وہ مومنین ہیں جو اپنے قول اور عمل میں صادق ہوتے ہیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ جو مسلمان اپنے عہد اور ایمان میں صادق ہوتے ہیں اور اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں، اور اس باب میں وہ احادیث ہیں جن میں جھوٹ بولنے سے منع کیا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۹۴۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتَّى يَكُونَ صِدِّيقًا وَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از ابی وائل از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، از نبی ﷺ آپ نے فرمایا: صدق نیکی کی طرف ہدایت دیتا ہے اور نیکی جنت کی طرف ہدایت دیتی ہے، اور بے شک مرد سچ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ صدیق ہو جاتا ہے اور کذب اللہ کی نافرمانیوں کا راستہ دکھاتا ہے اور اللہ کی نافرمانیاں دوزخ کا راستہ دکھاتی ہیں، اور مرد جھوٹ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۶۰۷، سنن ترمذی: ۱۹۷۱، سنن ابوداؤد: ۴۹۸۹، سنن ابن ماجہ: ۴۶، مسند احمد: ۴۰۹۷، سنن دارمی: ۲۷۱۵)

صحیح البخاری: ۶۰۹۴ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور اور آیت مذکورہ کے درمیان مطابقت

اس آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ، اور حدیث میں ہے کہ صدق جنت کی ہدایت دیتا ہے اور صادقین کے ساتھ رہنا بھی جنت کی ہدایت دیتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عثمان بن ابی شیبہ، یہ ابوبکر بن ابی شیبہ کے بھائی ہیں، اور ابو شیبہ کا نام ابراہیم ہے، اور وہ عثمان کے دادا ہیں کیونکہ وہ محمد بن ابراہیم کے بیٹے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریر، وہ ابن عبد الحمید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے منصور، وہ ابن معتمر ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابووائل، وہ شقیق بن سلمہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبد اللہ کا ذکر ہے، وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یھدی" یہ لفظ ہدایت سے ماخوذ ہے اور ہدایت اس رہنمائی کو کہتے ہیں جو مطلوب تک پہنچانے والی ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''الی البر'' بِر کا معنی ہے: وہ نیک عمل جو ہر بری چیز سے خالی ہو، اور یہ وہ اسم ہے جو تمام اچھے کاموں کا جامع ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''صدیقا'' یہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''الی الفجور'' فجور کا معنی ہے: فساد اور خرابی کی طرف میلان کرنا۔ دوسرا قول ہے: اس کا معنی ہے: اللہ کی نافرمانیوں کی طرف برانگیختہ کرنا اور یہ تمام برے کاموں کا جامع ہے، اور بر اور فجور دونوں متقابل ہیں، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۝ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ۝ (الانفطار: ۱۳۔۱۴)

بے شک نیکوکار ضرور (جنت کی) نعمت میں ہیں O اور بے شک بدکار ضرور دوزخ میں ہیں O

اس حدیث میں مذکور ہے ''حتیٰ یکتب'' یعنی اس کے لیے صدیق کا حکم کر دیا جاتا ہے اور الکشمیھنی کی روایت میں ہے کہ حتیٰ کہ وہ صدیق ہو جاتا ہے، اور اس سے مراد یہ ہے کہ مخلوقین پر ظاہر کر دیا جاتا ہے یا ملائکہ مقربین پر ظاہر کر دیا جاتا ہے، اور یا مراد یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ڈال دیا جاتا ہے اور ان کی زبانوں پر جاری کر دیا جاتا ہے کہ وہ صدیق ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا حکم تو ازلی ہے۔ اور اس سے غرض یہ ہے کہ وہ شخص صدیقین کے وصف اور ان کے ثواب کا مستحق ہو جاتا ہے اور جو جھوٹ بولتا رہتا ہے، وہ کذابین کی صفت اور ان کی سزا کا مستحق ہو جاتا ہے، اور کیوں نہ ہو کہ جھوٹ نفاق کی علامات میں سے ہے۔ اور صدیق کے لفظ میں یہ نہیں فرمایا کہ وہ لکھ دیا جاتا ہے، اس میں یہ اشارہ ہے کہ صدیق ان تمام لوگوں میں سے ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا ۝ (النساء: ۶۹)

اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے جو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں اور یہ کیا ہی عمدہ ساتھی ہیں O

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے معارض ہے جس کی امام مالک نے روایت کی ہے، وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا: کیا مومن کذاب ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں!

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت صفوان بن سُلیم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مومن سے مراد ہے مومن کامل، یعنی جو مومن کامل ہو اور ایمان کے اعلیٰ درجات کا حامل ہو، وہ کذاب نہیں ہوتا حتیٰ کہ اس کے اوپر کذب غالب آ جائے، کیونکہ کذاب مبالغہ کا صیغہ ہے، یعنی جو اکثر جھوٹ بولتا ہو، حتیٰ کہ لوگوں کے درمیان وہ جھوٹا مشہور ہو جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۳۸۔۲۳۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۹۵۔ حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِیلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ أَبِی سُهَیْلٍ نَافِعِ بْنِ مَالِكِ بْنِ أَبِی عَامِرٍ عَنْ أَبِیهِ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ آیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن جعفر نے حدیث بیان کی از ابی سہیل نافع بن مالک بن ابی عامر از والد خود از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ۔

نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے، اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

(صحیح بخاری: ۳۳، ۲۶۸۲، ۲۷۴۹، ۶۰۹۵، صحیح مسلم: ۵۹، سنن ترمذی: ۲۶۳۱، سنن نسائی: ۵۰۲۱، مسند احمد: ۸۴۷۰)

صحیح البخاری: ۶۰۹۵ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے" وہ احادیث جن میں جھوٹ سے منع کیا گیا ہے"۔اور یہ ترجمہ کا دوسرا جز ہے اور اس کا معنی جھوٹ سے ممانعت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن سلام، وہ محمد بن سلام ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل بن جعفر، وہ ابراہیم انصاری کے والد ہیں اور وہ بغداد میں ایک سو اسی ہجری (۱۸۰ھ) میں فوت ہو گئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو سہیل، ان کا نام نافع ہے، یہ اپنے والد مالک بن ابی عامر الاصبحی سے روایت کرتے ہیں جو مالک بن انس کے دادا ہیں۔

یہ حدیث کتاب الایمان "باب علامات المنافق" میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس سوال کے متعدد جوابات کہ کیا جھوٹ بولنے والا حقیقتاً منافق ہو جاتا ہے؟

اس حدیث میں مذکور ہے"آیۃ المنافق" آیت کا معنی علامت ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس پر اجماع منعقد ہے کہ مسلمان کے اوپر جھوٹ کے واسطہ سے اس نفاق کا حکم نہیں کیا جائے گا جس کا تقاضا ہے کہ وہ دوزخ کے آخری طبقہ میں رہے۔ پھر یہ جواب دیا گیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ خلافی کرتا ہے اور امانت میں خیانت کرتا ہے، وہ منافق کے مشابہ ہے، یا اس کو منافق اس وقت کہا جائے گا جب وہ ان تین کاموں کا عادی ہو جائے، یا یہ حدیث تغلیظ پر محمول ہے۔ یا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں منافقین تھے، یا اس سے کوئی خاص منافق مراد ہیں، یا اس حدیث سے نفاق ایمانی مراد نہیں ہے بلکہ نفاق عرفی مراد ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۹۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ أَتَيَانِي قَالَا الَّذِي رَأَيْتَهُ يُشَقُّ شِدْقُهُ فَكَذَّابٌ يَكْذِبُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابورجاء نے حدیث بیان کی از حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

بِالْكَذْبَةِ تُحْمَلُ عَنْهُ حَتَّى تَبْلُغَ الْآفَاقَ فَيُصْنَعُ بِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

نے فرمایا: آج رات خواب میں میرے پاس دو مرد آئے ہیں، ان دونوں نے کہا کہ آپ نے جس شخص کو دیکھا تھا جس کا جبڑا توڑا جا رہا تھا وہ کذاب ہے، وہ جھوٹی بات بولتا ہے اور وہ جھوٹ تمام دنیا میں پھیلا دیا جاتا ہے، تو اس کا جبڑا قیامت تک اسی طرح توڑا جاتا رہے گا۔

(صحیح بخاری:۸۴۵، ۱۱۴۳، ۱۳۸۶، ۲۰۱۲، ۲۷۹۱، ۳۲۳۶، ۳۳۵۴، ۴۶۷۴، ۶۰۹۶، ۷۰۴۷، صحیح مسلم:۲۲۷۵، سنن ترمذی:۲۲۹۴، مسند احمد:۱۹۶۵۲)

صحیح البخاری:۶۰۹۶ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں جریر کا ذکر ہے، وہ جریر بن حازم ہیں۔ اور ابو رجاء کا ذکر ہے، وہ عمران عطاردی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''رایت'' اس کا معنی ہے: میں نے خواب میں دیکھا، اور صحیح بخاری کے اکثر نسخوں میں ''اللیل'' کا لفظ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''الذی رایتہ یشق شدقہ'' یعنی رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ ایک مرد بیٹھا ہوا ہے اور دوسرا مرد کھڑا ہوا ہے اور اس کے ہاتھ میں لوہے کا ایک آنکڑا ہے، وہ اس آنکڑے کو اس کے جبڑے میں داخل کرتا ہے حتیٰ کہ وہ آنکڑا اس کی گدی تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر وہ اس کے دوسرے جبڑے میں بھی اسی کی مثل کارروائی کرتا ہے اور پہلا جبڑا اتنے میں جڑ جاتا ہے، پھر وہ اس کے ساتھ اسی طرح کارروائی کرتا ہے، میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ تو ان دونوں نے کہا: جس کو آپ نے دیکھا کہ اس کے جبڑے کو پھاڑا جا رہا تھا وہ کذاب ہے، اس کے ساتھ قیامت تک اسی طرح کیا جاتا رہے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''کذاب'' اور اس شخص کو معصیت کی جگہ میں عذاب دیا جائے گا اور معصیت کی جگہ اس کا منہ ہے جہاں سے وہ جھوٹ بولتا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۰۔ بَابٌ فِي الْهَدْيِ الصَّالِحِ — نیک سیرت کے بیان میں

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب نیک سیرت کے بیان میں ہے، علامہ ابن اثیر نے کہا ہے ''الھدی: السیرۃ'' یعنی ہدی کا معنی سیرت ہے اور ہیئت اور طریقہ ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ عمار کی سیرت کے مطابق اپنی سیرت بناؤ، کہا جاتا ہے ''ھدی فلان'' جب وہ سیرت کے

مطابق چلے۔

امام بخاری نے الادب المفرد میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک سیرت اور اچھا چال چلن اور میانہ روی نبوت کے پچیس اجزاء میں سے ایک جز ہے، اس حدیث کی امام ابوداؤد اور امام احمد نے بھی روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۹۷۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي أُسَامَةَ أَحَدَّثَكُمُ الْأَعْمَشُ سَمِعْتُ شَقِيقًا قَالَ سَمِعْتُ حُذَيْفَةَ يَقُولُ إِنَّ أَشْبَهَ النَّاسِ دَلًّا وَسَمْتًا وَهَدْيًا بِرَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَابْنُ أُمِّ عَبْدٍ مِنْ حِينِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهِ إِلَى أَنْ يَرْجِعَ إِلَيْهِ لَا نَدْرِي مَا يَصْنَعُ فِي أَهْلِهِ إِذَا خَلَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا: میں نے ابو اسامہ سے کہا: (کیا) تمہیں اعمش نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ میں نے شقیق سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے کہ سیرت اور ہیئت اور چال ڈھال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ ابن ام عبد تھے، جب وہ اپنے گھر سے نکلتے حتیٰ کہ وہ اپنے گھر لوٹ آتے، اور ہم نہیں جانتے کہ وہ اپنے گھر میں تنہائی میں کیا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری: ۳۷۶۲، ۶۰۹۷، سنن ترمذی: ۳۸۰۷، مسند احمد: ۲۲۸۹۹)

صحیح البخاری: ۶۰۹۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں ''الهدی الصالح'' کا ذکر ہے اور حدیث میں ''هدی'' کا ذکر ہے۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

بعض شارحین نے کہا ہے کہ اسحاق بن ابراہیم سے مراد اسحاق بن راہویہ ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: ہوسکتا ہے کہ یہ اسحاق بن ابراہیم بن نصر ابو ابراہیم السعدی البخاری ہوں، کیونکہ ان میں سے ہر ایک ابو اسامہ سے روایت کرتا ہے، پس بعض شارحین نے یہ کیسے وثوق سے کہا کہ یہ ابن راہویہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''حدثکم'' اور یہ بھی روایت ہے ''احدثکم'' یعنی کیا تم کو حدیث بیان کی ہے اور اس میں ہمزہ استفہام کا محذوف ہے۔ اور جواب سے سکوت تصدیق اور تسلیم کے قائم مقام ہے جب قرائن موجود ہوں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''دلا''۔ علامہ کرمانی نے کہا: ''الدل'' کا معنی ''الهدی'' کے قریب ہے، اور ان دونوں کا معنی

سکون اور وقار ہے یعنی ہیئت میں اور منظر میں اور شمائل میں سکون اور وقار ہے اور ''الھدی'' کا معنی سیرت ہے اور ''السمت'' کا معنی الطریق اور المقصد ہے اور اہل خیر کی ہیئت ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لابن ام عبد'' اس سے مراد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کی والدہ ام عبد بنت عبدوُد تھیں اور وہ صحابیہ تھیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب ان کے پاس جاتے تھے اور ان کے قول اور فعل اور ان کی حرکت اور سکون کا مشاہدہ کرتے تھے، اور پھر وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مشابہت اختیار کرتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''من حین یخرج من بیتہ'' یعنی گھر سے نکلنے اور گھر میں واپس جانے تک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے تمام افعال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہوتے تھے، باقی گھر کے اندر تنہائی میں وہ کیا کرتے تھے اس کا ہمیں علم نہیں اور ان کی اس سے مراد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میں کوئی نقص نکالنا نہیں ہے۔

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ لوگوں کو چاہیے اہل فضل اور اہل صلاح کی تمام احوال میں اتباع اور اقتداء کریں، ان کی ہیئت میں مخلوق کے لیے ان کی تواضع میں، لوگوں پر ان کی رحمت میں، اور وہ جو اپنے نفس کے ساتھ انصاف کرتے ہیں اس میں، اور ان کے کھانے اور پینے میں، اور ان کی میانہ روی میں، تمام امور میں ان کی اقتداء اور اتباع کریں تاکہ ان سے تبرک حاصل ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۹۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُخَارِقٍ سَمِعْتُ طَارِقًا قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ إِنَّ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ وَأَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از مخارق، انہوں نے کہا: میں نے طارق سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ سے سنا، کہ بہترین کلام کتاب اللہ ہے اور بہترین سیرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔

(صحیح بخاری: ۶۰۹۸، ۷۲۷۷، مسند احمد: ۲۲۰۱۴، سنن نسائی: ۱۳۱۱، سنن ابن ماجہ: ۴۶، سنن دارمی: ۲۰۷)

صحیح البخاری: ۶۰۹۸ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالولید، یہ ہشام بن عبدالملک ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مخارق، یہ ابن عبداللہ ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ عبدالرحمن ہیں، اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ ابن خلیفہ بن جابر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے طارق، یہ ابن شہاب الاحمسی ہیں، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔

حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ طارق بن شہاب بن عبد شمس ابو عبداللہ نے زمانۂ جاہلیت کو پایا اور ان کی سند کے ساتھ از قیس بن مسلم از طارق بن شہاب روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، اور میں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما

کی خلافت میں تینتالیس (۴۳) جنگوں میں شرکت کی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۴۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۰۹۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابوالخلیفہ نے از ابوالولید شیخ بخاری اس حدیث کے آخر میں یہ اضافہ کیا ہے ''وشر الامور محدثاتھا'' یعنی تمام کاموں میں سب سے برا کام بدعات ہیں، اور اس آیت کا اضافہ کیا ہے:

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ۝ (الانعام: ۱۳۴) بے شک جس (روزِ قیامت) کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور آنے والا ہے اور تم (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو۝

اور امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی، اور امام ابن ماجہ نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ میں کلمہ شہادت پڑھنے کے بعد فرماتے تھے: بہترین کتاب کلام اللہ ہے اور بہترین سیرت (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت ہے، اور یحییٰ نے کہا: مجھے نہیں معلوم مگر یہ فرمایا کہ سب سے برے کام بدعات ہیں۔ اور امام مسلم کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ فرماتے: امابعد! بہترین کتاب کلام اللہ ہے اور بہترین سیرت (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت ہے اور بدترین امور بدعات ہیں، اور ہر بدعتِ سیئہ گمراہی ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۱۱، دارالمعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

۷۱۔ بَابُ: الصَّبْرِ عَلَی الْأَذٰی — ایذاء رسانی پر صبر کرنا

وَقَوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی: اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۝ (الزمر: ۱۰) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: صرف صبر کرنے والوں کو ہی ان کا پورا پورا بے حساب اجر دیا جائے گا۝

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اذیت برداشت کرنے پر صبر کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے، یعنی لوگوں کا اذیت پہنچانا اور اس پر صبر کرنا۔

اور صبر کا لغوی معنی ہے: اپنے آپ کو روکنا یعنی فریاد سے اور جذع اور فزع سے روکنا، اسی وجہ سے روزہ کو بھی صبر کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں نفس کو کھانے اور پینے اور جماع سے روکا جاتا ہے۔ اور اسی سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر البہائم سے منع فرمایا، یعنی کسی جانور کو باندھ کر اس پر نشانہ بازی کی مشق کرنا، اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اور ایذاء رسانی پر صبر کرنا نفس کا جہاد ہے اور اس کو شہوت سے روکنا ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام اور صالحین کے اخلاق میں سے ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ نے نفوس کی فطرت میں یہ رکھا ہے کہ ایذاء رسانی پر ان کو درد ہوتا ہے اور مشقت ہوتی ہے اور تکلیف ہوتی ہے۔

اور اس عنوان کے بعد امام بخاری نے سورۂ زمر کی یہ آیت ذکر کی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا، یعنی جو ایذاء رسانی پر صبر کرتے ہیں، اور صابرین سے مراد وہ ہیں جو مصائب اور بلاؤں پر صبر کرتے ہیں، دوسرا قول ہے کہ جن لوگوں نے بے وطن ہونے پر صبر کیا، حالانکہ ان کے خاندان اور رشتہ دار مکہ میں تھے اور انہوں نے مدینہ کی

طرف ہجرت کی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے جب کہ انہوں نے اپنے دین کو ترک نہیں کیا۔

''بِغَیْرِ حِسَابٍ'' کا معنی یہ ہے کہ عقل اس کے اجر کا حساب نہیں کر سکتی، اور نہ اس کا بیان کر سکتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۴۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۰۹۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِي الْأَعْمَشُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ عَنْ أَبِي مُوسَى رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَيْسَ أَحَدٌ أَوْ لَيْسَ شَيْءٌ أَصْبَرَ عَلَى أَذًى سَمِعَهُ مِنَ اللهِ إِنَّهُمْ لَيَدْعُونَ لَهُ وَلَدًا وَإِنَّهُ لَيُعَافِيهِمْ وَيَرْزُقُهُمْ۔

(صحیح بخاری: ۷۳۷۸، صحیح مسلم: ۲۸۰۴، مسند احمد: ۱۹۰۳۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی از سفیان، انہوں نے کہا: مجھے الاعمش نے حدیث بیان کی از سعید بن جبیر از ابوعبدالرحمٰن السلمی، از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ، از نبی ﷺ، آپ نے ارشاد فرمایا: کوئی ایک یا کوئی چیز بھی کسی اذیت کو سن کر اس پر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والی نہیں ہے، کیونکہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو عافیت سے رکھتا ہے اور ان کو رزق دیتا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۰۹۹ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''ایذاء رسانی پر صبر کرنا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی ایذاء پر صبر کرنے والا نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ پر صبر کا اطلاق حلم کے معنی میں ہے، یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی شان میں نازیبا کلمات کہہ کر سزا کا مستحق ہو، اللہ تعالیٰ اس سے فوری مواخذہ نہیں فرماتا اور اس کی سزا کو یومِ حساب تک مؤخر کر دیتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن سعید، اور وہ القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ سفیان ثوری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، وہ سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعبدالرحمٰن، یہ عبداللہ بن حبیب السلمی ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوموسیٰ یہ عبداللہ بن قیس الاشعری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''لیس شیء اصبر'' ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صبر کا لفظ جو استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد حلم ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لیدعون له'' یعنی لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف اس چیز کو منسوب کرتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات

منزہ ہے، اور وہ پھر بھی لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہے، ان کو عافیت میں رکھتا ہے اور ان کو رزق عطا فرماتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۴۲۔ ۲۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۰۰۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ سَمِعْتُ شَقِيقًا يَقُولُ قَالَ عَبْدُ اللهِ قَسَمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم قِسْمَةً كَبَعْضِ مَا كَانَ يَقْسِمُ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ وَاللهِ إِنَّهَا لَقِسْمَةٌ مَا أُرِيدَ بِهَا وَجْهُ اللهِ قُلْتُ أَمَا أَنَا لَأَقُولَنَّ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَأَتَيْتُهُ وَهُوَ فِي أَصْحَابِهِ فَسَارَرْتُهُ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَتَغَيَّرَ وَجْهُهُ وَغَضِبَ حَتّٰى وَدِدْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ أَخْبَرْتُهُ ثُمَّ قَالَ قَدْ أُوذِيَ مُوسٰى بِأَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَصَبَرَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے شقیق سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (مال غنیمت کو) تقسیم کیا، جیسے آپ بعض مسلمانوں میں (مال غنیمت) تقسیم کرتے تھے، پس انصار کے ایک مرد نے کہا: اللہ کی قسم! یہ وہ قسمت (تقسیم) ہے جس سے اللہ عزوجل کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا، میں نے (دل میں) کہا: رہا میں تو میں ضرور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتاؤں گا، پس میں آپ کے پاس آیا اور آپ اپنے اصحاب میں بیٹھے ہوئے تھے، میں نے چپکے سے آپ کو یہ بات کہی، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بہت شاق گزری، اور آپ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا، اور آپ غصہ میں آ گئے، حتیٰ کہ میں نے پسند کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر نہ دی ہوتی، پھر آپ نے فرمایا: بے شک حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے زیادہ اذیت دی گئی تھی تو آپ نے صبر فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۵۰، ۳۴۰۵، ۴۳۳۵، ۴۳۳۶، ۶۰۵۹، ۶۱۰۰، ۶۲۹۱، ۶۳۳۶، صحیح مسلم: ۱۰۶۲، مسند احمد: ۳۵۹۷)

صحیح البخاری: ۶۱۰۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن حفص، یہ اپنے والد حفص بن غیاث سے روایت کرتے ہیں از سلیمان الاعمش از شقیق بن سلمہ۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد اللہ، وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "قَسَمَ" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے دن (مال غنیمت کو) تقسیم کیا اور عرب کے معزز لوگوں کو تقسیم فرمایا اور انصار کو نہیں دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقال رجل من الانصار" بعض شارحین نے یہ زعم کیا ہے کہ یہ حرقوص بن زہیر ہیں، اور ان پر رد کیا گیا ہے اور اس کا بیان غزوۂ حنین کے باب میں گزر چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۲۔ بَابُ: مَنْ لَمْ يُوَاجِهِ النَّاسَ بِالْعِتَابِ — جن پر عتاب ہو ان کا نام ذکر نہ کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جن پر غصہ یا عتاب ہو تو ان سے حیاء کی وجہ سے ان کا نام ذکر نہ کیا جائے۔

۶۱۰۱۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَتْ عَائِشَةُ صَنَعَ النَّبِيُّ ﷺ شَيْئًا فَرَخَّصَ فِيهِ فَتَنَزَّهَ عَنْهُ قَوْمٌ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَخَطَبَ فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُونَ عَنِ الشَّيْءِ أَصْنَعُهُ فَوَاللّٰهِ إِنِّي لَأَعْلَمُهُمْ بِاللّٰهِ وَأَشَدُّهُمْ لَهُ خَشْيَةً۔

(صحیح بخاری: ۷۳۰۱، صحیح مسلم: ۲۳۵۶، مسند احمد: ۲۳۶۶۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مسلم نے حدیث بیان کی از مسروق، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ نبی ﷺ نے کوئی کام کیا، پھر اس کام میں آپ نے رخصت دی، تو بعض لوگوں نے اس کام کو نہ کرنا اچھا سمجھا، پس نبی ﷺ کو یہ بات پہنچی، سو آپ نے خطبہ دیا، پس اللہ تعالیٰ کی حمد کی، پھر آپ نے فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اس کام سے پرہیز کرتے ہیں جس کام کو میں کرتا ہوں، پس اللہ کی قسم! بے شک میں ان سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں اور ان سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔

صحیح البخاری: ۶۱۰۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے کہ عتاب کے وقت ان لوگوں کی طرف متوجہ نہ ہونا جن پر عتاب ہے، اور اس حدیث میں بھی اسی طرح ہے کہ آپ نے ایک قوم پر عتاب فرمایا اور اس قوم کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔

اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ نبی ﷺ عتاب کے وقت لوگوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے جب کہ آپ کو خاص اپنی ذات کے متعلق عتاب ہو، جیسے آپ جاہلوں کی جہالت اور دیہاتیوں کی جفا پر صبر کرتے تھے، کیا یہ نہیں دیکھا گیا کہ نبی ﷺ نے اس شخص کو چھوڑ دیا جس نے آپ کی گردن میں چادر کو زور سے کھینچا تھا حتیٰ کہ کھینچنے کے نشان آپ کی گردن میں پڑ گئے، لیکن جب کوئی شخص دین کی بے حرمتی کرے تو پھر آپ اس پر عتاب کو ترک نہیں کرتے تھے اور بلند آواز سے حق کو بیان کرتے تھے، اور جو سلوک بے حرمتی کرنے والے کے ساتھ کرنا مشروع ہو اس کے ساتھ وہی سلوک کرتے تھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن حفص، یہ اپنے والد حفص بن غیاث سے روایت کرتے ہیں از سلیمان از الاعمش، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مسلم، یہ اسم فاعل کے صیغہ کے وزن پر ہے۔

بعض شارحین نے کہا ہے: یہ ابن صبیح ابوالضحیٰ ہیں، اور جس نے یہ زعم کیا کہ یہ ابن عمران البطین ہیں تو اس کو وہم ہوا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: حافظ ابن حجر نے علامہ کرمانی کی طرف تعریض کی ہے، انہوں نے وثوق سے نہیں کہا کہ یہ مسلم بن عمران البطین ہیں، انہوں نے یہ کہا کہ یا تو یہ مسلم بن عمران البطین ہیں اور یا یہ مسلم بن صبیح ہیں، اور یہ دونوں امام بخاری کی شرط کے مطابق مسروق سے اور الاعمش سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "صنع النبی صلی اللہ علیہ وسلم شیئا" یہ پتا نہیں چلا کہ آپ نے کیا کام کیا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فرخص فیه" یعنی آپ نے اس میں شدت نہیں کی بلکہ معاملہ کو آسان رکھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فتنزہ عنه قوم" یعنی بعض لوگوں نے اس کام سے احتراز کیا اور اس کے قریب نہیں گئے، اور امام مسلم کی روایت میں اس طرح ہے: گویا انہوں نے اس کام کو ناپسند کیا اور اس سے پرہیز کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فبلغ ذالك" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک ان کے پرہیز کی خبر پہنچ گئی تو آپ نے فرمایا: ان لوگوں کا یہ حال ہے جو اس کام سے پرہیز کرتے ہیں، اور امام مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ آپ غضبناک ہوئے حتیٰ کہ غضب کے آثار آپ کے چہرہ مبارک پر تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "انی لاعلمهم بالله واشدهم خشية" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ان سب سے زیادہ اللہ کا علم رکھتا ہوں، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت علمیہ کی طرف اشارہ ہے، اور فرمایا کہ ان سب سے زیادہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ عقلیہ کی طرف اشارہ ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرنی چاہیے اور گہرائی میں واقع نہیں ہونا چاہیے اور مباح چیز سے پرہیز کرنے کی مذمت فرمائی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۰۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ هُوَ ابْنُ أَبِي عُتْبَةَ مَوْلَى أَنَسٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَشَدَّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا فَإِذَا رَأَى شَيْئًا يَكْرَهُهُ عَرَفْنَاهُ فِي وَجْهِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از قتادہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ سے سنا اور وہ ابن ابی عتبہ ہیں جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے آزاد شدہ غلام ہیں از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ۔۔۔

بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کنواری لڑکی سے زیادہ حیاء کرنے والے تھے جتنی وہ اپنے کنوارے پن میں حیاء کرتی ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی چیز دیکھتے جو آپ کو ناپسند ہوتی، تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک میں ناپسندیدگی کے آثار دیکھتے۔

(صحیح بخاری: ۳۵۶۲، ۶۱۰۲، ۶۱۱۹، صحیح مسلم: ۲۳۲۰، سنن ابن ماجہ: ۴۱۸۰، مسند احمد: ۱۱۳۳۹)

صحیح البخاری: ۶۱۰۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''جن پر عتاب ہو ان کا ذکر نہ کرنا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شدتِ حیاء کی وجہ سے کسی کو اس کے منہ پر برا نہیں کہتے تھے، اور جب کوئی چیز ناپسندیدہ دیکھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر ناپسندیدگی کے آثار ظاہر ہوتے۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عتاب فرماتے تو کسی کام کرنے والے کو معین نہیں فرماتے، بلکہ آپ کا عتاب بالعموم ہوتا۔ اور آپ اپنی امت پر نرمی کرتے تھے اور ان کا پردہ رکھتے تھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدان، یہ عبداللہ بن عثمان المروزی کا لقب ہے، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ عبداللہ بن مبارک ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوسعید، ان کا نام سعد بن مالک الخدری ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''من العذراء'' اس کا معنی ہے کنواری عورت، کیونکہ اس کی بکارت کی کھال باقی ہوتی ہے، اور ''خدر'' کا معنی ہے پردہ، جو باکرہ عورت کے گھر کی ایک جانب میں ڈالا جاتا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کسی شخص کے لیے جائز ہے کہ وہ دلیل سے کوئی حکم لگائے، کیونکہ صحابہ کرام نے جان لیا کہ جب آپ کا چہرہ متغیر ہے تو آپ نے کسی چیز کو ناپسند کیا ہے، اسی طرح وہ نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کو آپ کی ڈاڑھی مبارک کے ہلنے سے جان لیتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۴۴۔ ۲۴۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۳۔ بَابُ: مَنْ كَفَّرَ أَخَاهُ بِغَيْرِ تَأْوِيلٍ فَهُوَ كَمَا قَالَ

جس نے اپنے مسلمان بھائی کو بغیر دلیل کے کافر کہا تو وہ خود کافر ہو جائے گا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس نے اپنے مسلمان بھائی کی بغیر دلیل کے تکفیر کی یعنی اس کو کافر کہا یا اس کو کفر کی طرف منسوب کیا۔

بغیر دلیل کی قید اس لیے لگائی ہے کہ جب اس نے کسی دلیل کی وجہ سے اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہا تو وہ معذور ہوگا اور گناہ گار نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معذور قرار دیا جب انہوں نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو تاویل سے منافق قرار دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہ گمان کیا کہ کیونکہ حضرت حاطب نے مشرکین کی طرف ایک مکتوب لکھا تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کے احوال بیان کیے تھے، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز پر مشرکین کو مطلع کرنے کی وجہ سے منافق ہو گئے تھے۔ سو جس نے بغیر کسی دلیل کے اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہا تو جس کو کافر کہا ہے وہ صحیح الایمان ہے اور جس شخص نے بغیر دلیل کے اس کو کافر کہا ہے وہ ایمان سے نکل جائے گا۔ سو جس نے اپنے مسلمان بھائی کو بغیر دلیل کے کافر کہا، وہ خود کافر ہو جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۶۱۰۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ وَأَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَا حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِأَخِيهِ يَا كَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهِ أَحَدُهُمَا وَقَالَ عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ عَنْ يَحْيَى عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ سَمِعَ أَبَا سَلَمَةَ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم مِثْلَهُ۔

(صحیح مسلم: ۶۰، مسند احمد: ۴۶۷۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد اور احمد بن سعید نے حدیث بیان کی، ان دونوں نے کہا: ہمیں عثمان بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں علی بن المبارک نے خبر دی از یحییٰ بن ابی کثیر از ابی سلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی شخص نے اپنے بھائی سے کہا: اے کافر! تو اس کفر کے ساتھ دو میں سے ایک لوٹے گا۔

اور عکرمہ بن عمار نے کہا از یحییٰ از عبد اللہ بن یزید، انہوں نے ابو سلمہ سے سنا، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اسی حدیث کی مثل۔

صحیح البخاری: ۶۱۰۳ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد، اور وہ یا ابن بشار ہیں اور یا ابن المثنی ہیں، اسی طرح علامہ کرمانی نے کہا ہے۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ محمد، ابن یحییٰ الذہلی ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اگر حافظ ابن حجر کا کہنا صحیح ہو کہ اس محمد سے مراد محمد بن یحییٰ ذہلی ہیں، تو محمد کا ذکر بغیر نسبت کے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب امام بخاری نیشاپور میں گئے تو ان کے خلاف محمد بن یحییٰ ذہلی نے شور مچا دیا کہ یہ قرآن مجید کے الفاظ کو مخلوق

مانتے ہیں، جس کی وجہ سے امام بخاری کو نیشاپور سے جانا پڑا۔اور امام بخاری نے چند احادیث محمد بن یحییٰ الذہلی سے سنی تھیں تو انہوں نے محمد بن یحییٰ ذہلی کی روایت کو ترک نہیں کیا، اور ان کے والد کے نام کی تصریح نہیں کی، بلکہ کسی جگہ وہ کہتے ہیں ''حدثنا محمد بن عبد الله'' اور محمد بن یحییٰ کو ان کے دادا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے احمد بن سعید، یہ ابن صخر بن سلیمان ابوجعفر الدارمی المروزی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عثمان بن عمر، یہ ابن فارس العبدی البصری ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوسلمہ، یہ ابن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں۔اور یہ حدیث امام بخاری کے تفردات میں سے ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۴۵۔۲۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۰۴۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ أَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِأَخِيهِ يَا كَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا۔

(صحیح بخاری: ۶۱۰۳، صحیح مسلم: ۶۰، مسند احمد: ۴۶۷۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن دینار، از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنے بھائی سے کہا: اے کافر! پس بے شک اس کفر کے ساتھ دو میں سے ایک لوٹے گا۔

صحیح البخاری: ۶۱۰۳، ۶۱۰۴ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

ان دونوں حدیثوں میں مذکور ہے ''جس نے اپنے بھائی سے کہا'' اور بھائی سے مراد اخوتِ اسلام ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''فقد باء به'' یعنی کفر کے ساتھ دو میں سے ایک رجوع کرے گا، کیونکہ اگر وہ شخص اپنے بھائی کو کافر کہنے میں صادق ہے، تو جس کو کافر کہا ہے، وہ کافر ہوگا۔اور اگر جھوٹ کہا ہے تو کہنے والا کافر ہوگا، کیونکہ اس نے مومن کو کافر کہا یا ایمان کو کفر قرار دیا، اور یہ بجائے خود کفر ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ مسلمان معصیت کی وجہ سے کافر نہیں ہوتا، سو مسلمان کو کافر کہنا معصیت ہے، تو وہ اس قول سے کافر نہیں ہوگا۔اس کا جواب یہ ہے کہ علماء نے اس حدیث کو اس صورت پر محمول کیا ہے جب وہ حلال سمجھ کر اس کو کافر کہے۔دوسرا قول یہ ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ تکفیر اس شخص کی طرف لوٹ آئے گی، کیونکہ جب وہ شخص اسی کی طرح مسلمان تھا تو اس نے اپنی مثل شخص کو کافر کہا، لہٰذا وہ بھی کافر ہوگا۔

اور علامہ خطابی نے کہا ہے کہ کہنے والا اس کفر کے ساتھ لوٹے گا بشرطیکہ اس نے بغیر دلیل کے دوسرے شخص کو کافر کہا ہو۔اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے: یعنی اپنے بھائی کی طرف کفر کی تہمت لگانے کی وجہ سے اس تکفیر کا گناہ کہنے والے کو ہوگا اگر وہ جھوٹا ہے تو۔اور ایک قول یہ ہے کہ کفر کا گناہ اس کی طرف لوٹے گا، کیونکہ جب وہ شخص کافر نہیں ہے تو وہ دین میں کہنے والے کی مثل ہے تو، اس کو کافر کہنے کی وجہ سے لازم آئے گا کہ یہ اپنے آپ کو کافر کہہ رہا ہے، کیونکہ وہ ایمان میں اس کے مساوی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦١٠٥ـ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ حَلَفَ بِمِلَّةٍ غَيْرِ الْإِسْلَامِ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ عُذِّبَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ وَلَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ وَمَنْ رَمَى مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از ابی قلابہ از ثابت بن الضحاک از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: جس نے غیر ملت اسلام کی جھوٹی قسم کھائی، تو وہ اس قول کا مصداق ہوگا، اور جس نے کسی چیز سے اپنے آپ کو قتل کیا تو اس کو اسی چیز کے ساتھ دوزخ میں عذاب دیا جائے گا، اور مسلمان کو لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کی مثل ہے اور جس نے کسی مومن پر کفر کی تہمت لگائی تو وہ اس کو قتل کرنے کی مثل ہے۔

(صحیح بخاری: ۱۳۶۳، ۴۱۷۱، ۴۸۴۳، ۶۰۴۷، ۶۱۰۵، ۶۶۵۲، صحیح مسلم: ۱۱۰، سنن ترمذی: ۱۵۴۳، سنن نسائی: ۳۷۷۰، سنن ابوداؤد: ۳۲۵۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۹۸، مسند احمد: ۱۵۹۵۷)

صحیح البخاری: ٦١٠٥ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے وہیب، یہ وہب کی تصغیر ہے اور یہ ابن خالد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ایوب، یہ السختیانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوقلابہ، یہ عبداللہ بن زید الجرمی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ثابت بن الضحاک، یہ ابن الضحاک بن خلیفہ بن ثعلبہ الانصاری ہیں، ابوعمر نے کہا: یہ ۳ ہجری میں پیدا ہوئے، ان کی کنیت ابویزید ہے، یہ شام میں رہائش پذیر تھے اور بصرہ کی طرف منتقل ہو گئے اور ۴۵ھ میں ان کی وفات ہوگئی، اہل بصرہ میں سے ابوقلابہ اور عبداللہ بن مغفل نے ان سے روایت کی ہے۔ یہ حدیث کتاب الجنائز میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی مفصل شرح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "من حلف بملة غير الاسلام" علامہ ابن بطال نے کہا: اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ اگر میں نے فلاں کام کیا تو میں یہودی ہوں، تو وہ ایسا ہی ہوگا جیسا اس نے کہا ہے، یعنی جھوٹا ہوگا کافر نہیں ہوگا، کیونکہ اس نے اس قول سے یہ قصد نہیں کیا کہ اگر اس نے وہ کام کیا تو وہ حقیقت میں یہودی ہوگا، بلکہ یہ اس نے دھوکا دینے کے لیے کہا ہے، سو یہ وعید ہے۔

اور قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ وہ اس حلف سے اپنے اسلام میں خلل ڈال رہا ہے اور وہ یہودی ہو جائے گا جیسا اس نے کہا ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد وعید میں مبالغہ ہو اور دھمکانا ہو، گویا کہ اس نے کہا کہ اگر اس نے وہ کام کیا تو وہ بھی یہودیوں کے عذاب کا مستحق ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "عذب بہ" یعنی اس کی خودکشی کے عمل کی جنس سے اس کو عذاب دیا جائے گا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "ولعن المومن کقتلہ" یعنی مسلمان کو لعنت کرنا اس طرح حرام ہے جس طرح مسلمان کو قتل کرنا حرام ہے، یا مسلمان کو لعنت کرنے کا گناہ ایسا ہے جیسے اس کو قتل کرنے کا گناہ ہے، یا مسلمان کو لعنت کرنے سے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوگا، کیونکہ لعنت کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہونا اور قتل حیات سے دور کرتا ہے۔
اور اس حدیث میں مذکور ہے "ومن رمی مومنا بکفر فهو کقتله" یعنی جس نے مومن پر کفر کی تہمت لگائی تو یہ اس کو قتل کرنے کی مثل ہے، کیونکہ کسی شخص کی نسبت کفر کی طرف کرنا اس شخص کو قتل کرنے کا موجب اور سبب ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۴۶۔ ۲۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۴۔ بَابُ: مَنْ لَمْ يَرَ إِكْفَارَ مَنْ قَالَ ذٰلِكَ مُتَأَوِّلًا أَوْ جَاهِلًا

جن کے نزدیک کسی کو دلیل سے کافر کہنے یا جہالت سے کافر کہنے سے وہ شخص کافر نہیں ہوتا

وَقَالَ عُمَرُ لِحَاطِبِ بْنِ أَبِي بَلْتَعَةَ إِنَّهُ مُنَافِقٌ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللهَ قَدِ اطَّلَعَ إِلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے متعلق کہا کہ یہ منافق ہے، تو نبی ﷺ نے فرمایا: تمہیں کیا معلوم، تحقیق اللہ تعالیٰ اہل بدر کی طرف متوجہ ہوا، پس ارشاد فرمایا: میں نے تمہاری مغفرت فرما دی ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص نے کسی کو دلیل سے کافر کہا بایں طور کہ اس کے گمان میں وہ کافر ہے، یا جہالت سے اس کو کافر کہا تو اس کی طرف کفر نہیں لوٹے گا۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس کی شرح یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا کہ وہ منافق ہے، کیونکہ انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ مشرکین کی طرف خط لکھنے کی وجہ سے منافق ہو گئے جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ اور یہ تعلیق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کی ایک طرف ہے، جو حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے قصہ میں سورۃ الممتحنہ میں گزر چکی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۰۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَادَةَ أَخْبَرَنَا يَزِيدُ أَخْبَرَنَا سَلِيمٌ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ رضی الله عنه كَانَ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ يَأْتِي قَوْمَهُ فَيُصَلِّي بِهِمُ الصَّلَاةَ فَقَرَأَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیم نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن دینار نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت جابر بن عبداللہ

بِهِمُ الْبَقَرَةَ قَالَ فَتَجَوَّزَ رَجُلٌ فَصَلَّى صَلَاةً خَفِيفَةً فَبَلَغَ ذَلِكَ مُعَاذًا فَقَالَ إِنَّهُ مُنَافِقٌ فَبَلَغَ ذَلِكَ الرَّجُلَ فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا قَوْمٌ نَعْمَلُ بِأَيْدِينَا وَنَسْقِي بِنَوَاضِحِنَا وَإِنَّ مُعَاذًا صَلَّى بِنَا الْبَارِحَةَ فَقَرَأَ الْبَقَرَةَ فَتَجَوَّزْتُ فَزَعَمَ أَنِّي مُنَافِقٌ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَا مُعَاذُ أَفَتَّانٌ أَنْتَ ثَلَاثًا اقْرَأْ وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَنَحْوَهَا۔

رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، پھر اپنی قوم کے پاس جاتے، پھر ان کو نماز پڑھاتے، پس ایک دن انہوں نے نماز میں سورۂ بقرہ پڑھی، پس ایک مرد جماعت سے علیحدہ ہو گیا اور اس نے الگ ہو کر مختصر نماز پڑھی، پس حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا: یہ شخص منافق ہے، پس اس شخص تک یہ بات پہنچ گئی، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: یا رسول اللہ! ہم مشقت سے کام کرنے والے لوگ ہیں، ہم اپنے اونٹوں پر پانی لاد کر لاتے ہیں، اور بے شک معاذ نے ہمیں گزشتہ رات نماز پڑھائی تو اس میں سورۃ البقرہ پڑھی، اس لیے میں نماز توڑ کر الگ ہو گیا، اس پر انہوں نے میرے متعلق کہا کہ یہ منافق ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: اے معاذ! کیا تم فتنہ میں ڈالنے والے ہو؟ تم وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا پڑھو، اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى پڑھو، اور ان کی مثل (سورتیں) پڑھو۔

(صحیح بخاری: ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۵، ۷۱۱، ۶۱۰۶، صحیح مسلم: ۴۶۵، سنن ترمذی: ۵۸۳، سنن نسائی: ۸۳۵، سنن ابوداؤد: ۶۰۰، مسند احمد: ۱۴۳۵۳، سنن داری: ۱۲۹۶)

صحیح البخاری: ۶۱۰۶ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''جن کے نزدیک کسی کو دلیل سے کافر کہنے یا جہالت سے کافر کہنے سے وہ شخص کافر نہیں ہوتا'' اور اس حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس صحابی کو منافق کہا جو ان کے پیچھے نماز توڑ کر علیحدہ نماز پڑھنے لگا تھا، کیونکہ ان کا گمان یہ تھا کہ جماعت کا تارک منافق ہے، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن عبادہ، یہ الواسطی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یزید، اور یہ ابن ہارون ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سلیم، یہ ابن حیان ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فیصلی بہ الصلوٰۃ'' یہ نماز، عشاء کی نماز تھی اور امام ابوداؤد اور امام نسائی کی روایت میں ہے کہ یہ

مغرب کی نماز تھی، اور امام بیہقی نے کہا ہے کہ عشاء کی روایات زیادہ صحیح ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فتجوز" یعنی اس نے تخفیف سے نماز پڑھی، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس لفظ میں جیم نہ ہو حاء ہو، اور یہ لفظ "فتحوز" ہو، یعنی اس نے علیحدہ ہوکر اکیلے نماز پڑھی، اور یہ روایت امام مسلم کی روایت کے موافق ہے، اس میں مذکور ہے کہ وہ مرد منحرف ہوگیا، اس نے سلام پھیرا اور پھر اس نے اکیلے نماز پڑھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بنواضحنا" یہ "ناضح" کی جمع ہے اور یہ اس اونٹ کو کہتے ہیں جس پر پانی لاد کر لاتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ثلثا" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا تم فتنہ ڈالنے والے ہو؟

متنفل کی اقتداء میں مفترض کی نماز کی تحقیق

صاحب التوضیح یعنی علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جو اپنی قوم کو جا کر عشاء کی نماز پڑھاتے تھے، اس میں یہ دلیل ہے کہ مفترض کی نماز متنفل کے پیچھے جائز ہے، کیونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ عشاء کی نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں پہلے پڑھ چکے تھے، پھر جا کر اپنی قوم کو جو عشاء کی نماز پڑھاتے تھے تو وہ ان کی نماز نفل تھی اور پیچھے لوگوں کی نماز فرض تھی۔

علامہ ابن التین نے اپنے مذہب کی نصرت کرتے ہوئے کہا ہے: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز نفل تھی، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ نہ بتایا ہو کہ متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز ادا نہیں ہوتی۔

علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں: یہ دونوں جواب کس قدر بعید ہیں، اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے متعلق کس طرح یہ گمان کیا جائے گا کہ وہ عشاء کے فرض مؤخر کردیں تاکہ اپنی قوم کو عشاء کی نماز پڑھائیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نفل پڑھیں، اور یہ کیسے انہوں نے دعویٰ کیا کہ شارع علیہ السلام نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ مسئلہ نہیں بتایا تھا، حالانکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شکایت کی تھی کہ وہ شخص ان کے پیچھے نماز توڑ کر علیحدہ نماز پڑھنے لگا اور آپ نے فرمایا: اے معاذ! تم فتنہ میں ڈالتے ہو؟

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ کلام درست نہیں ہے، کیونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر یہ معاملہ مشتبہ ہوگیا تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں فرض نہ پڑھیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں فرض نماز پڑھنے کی فضیلت انہیں حاصل نہیں ہوگی اور اپنی قوم کو جو وہ نفل نماز پڑھائیں گے تو یہ ادائے فرض کے قائم مقام ہوگا یا نہیں؟

اور یہ حدیث مذکور منسوخ ہے۔ امام طحاوی نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ ان دنوں میں ایک فرض کو دو مرتبہ پڑھنے کی اجازت ہو، یعنی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں بھی عشاء کے فرض پڑھتے تھے اور بعد میں جا کر اپنی قوم کو بھی عشاء کے فرض پڑھاتے تھے، اور یہ معاملہ ابتدائے اسلام میں تھا، پھر امام طحاوی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ذکر کی کہ "ایک دن میں ایک نماز دو مرتبہ نہ پڑھی جائے"۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ احتمال سے کسی حدیث کا منسوخ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ جب وہ احتمال دلیل پر مبنی ہو تو پھر اس سے کسی حدیث کو منسوخ قرار دینا صحیح ہے۔ اور امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ پہلے

صحابہ ایک فرض ایک دن میں دو مرتبہ پڑھتے تھے حتیٰ کہ ان کو پھر اس سے منع کر دیا گیا، اور اسی طرح علامہ المہلب نے ذکر کیا ہے،
اور ممانعت اباحت کے بعد ہوتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۴۸۔ ۲۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۰۷۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا أَبُو الْمُغِيرَةِ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ حَلَفَ مِنْكُمْ فَقَالَ فِي حَلِفِهِ بِاللَّاتِ وَالْعُزَّى فَلْيَقُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ تَعَالَ أُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو المغیرہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں الاوزاعی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے حدیث بیان کی از حُمید از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص حلف اٹھائے اور اپنے حلف میں کہے "لات اور عزیٰ کی قسم" تو اسے چاہیے کہ وہ کہے لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے) اور جس نے اپنے صاحب سے کہا: آؤ میں تمہارے ساتھ جوا کھیلتا ہوں، تو اسے چاہیے کہ وہ کچھ صدقہ کرے۔

(صحیح بخاری: ۴۸۶۰، ۶۱۰۷، ۶۳۰۱، ۶۶۵۰، صحیح مسلم: ۱۶۴۷، سنن ترمذی: ۱۵۴۵، سنن نسائی: ۳۷۷۵، سنن ابوداؤد: ۳۲۴۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۹۶، مسند احمد: ۸۰۲۶)

صحیح البخاری: ۶۱۰۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "جس کے نزدیک کسی کو دلیل سے کافر کہنے یا جہالت سے کافر کہنے سے وہ شخص کافر نہیں ہوتا"، یعنی جس شخص نے جہالت کی وجہ سے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی تو وہ کافر نہیں ہوگا۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب میں سے ان کو معذور قرار دیا جنہوں نے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی، کیونکہ صحابہ کا زمانہ ان لوگوں کے معمول کے قریب تھا جو اپنی زبانوں سے جہالت کی وجہ سے یہ قسم کھاتے تھے، اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے لات اور عزیٰ کی قسم کھالی، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: یارسول اللہ! زمانہ قریب ہے تو میں نے لات اور عزیٰ کی قسم کھالی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کہو "لا الہ الا اللہ"۔ سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ تعلیم دی کہ جو شخص بھول گیا یا جس نے جہالت کے ساتھ ایسی قسم کھائی تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ دوبارہ کلمۂ شہادت پڑھے اور توحید کی گواہی دے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق۔ حافظ ابن حجر نے کہا: یہ اسحاق بن راہویہ ہیں، گویا کہ انہوں نے اس کو ابن السکن سے

اخذ کیا ہے، کیونکہ انہوں نے کہا: یہ اسحاق ابن راہو یہ ہے۔ اور علامہ الکلاباذی نے کہا: یہ اسحاق بن منصور ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوالمغیرہ مذکور ہے، یہ عبدالقدوس بن الحجاج الخولانی الحمصی ہیں، اور یہ بھی امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں۔ اور امام بخاری نے یہاں ان سے بالواسطہ روایت کی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاوزاعی، ان کا نام عبدالرحمٰن ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الزہری، یہ محمد بن مسلم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حمید، جو حمد کی تصغیر ہے، یہ ابن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فلیقل لا الہ الا اللہ" کیونکہ اس شخص نے بتوں کا نام تعظیم سے لیا جب اس نے بتوں کے نام سے حلف اٹھایا، تو اسے حکم دیا گیا کہ وہ اس کی تلافی کلمۂ توحید پڑھ کر کریں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ومن قال لصاحبہ" یعنی جس شخص نے کسی سے کہا: آؤ میرے ساتھ جوا کھیلو، تو بتوں کی قسم کھانے کے بعد جوئے کا ذکر کیا، جس طرح قرآن مجید میں جوئے کے بعد اس بتوں کے نصب شدہ پتھر کا ذکر ہے، قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ (المائدہ:۹۰) شراب، جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر۔

جس طرح قرآن مجید میں جوئے کے بعد بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر کا ذکر فرمایا ہے، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لات اور عزیٰ کی قسم کھانے کے بعد جوا کھیلنے کی دعوت کا ذکر فرمایا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ لات اور عزیٰ کی قسم کھانے کی تلافی اس طرح ہے کہ وہ کلمہ توحید پڑھے، اور جوا کھیلنے کی دعوت دینے کی تلافی اس طرح ہے کہ وہ کچھ صدقہ کردے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ اتنے پیسوں کا صدقہ کرے جتنے پیسوں سے وہ جوا کھیلنا چاہتا تھا، دوسرا قول یہ ہے کہ جب جوئے کی دعوت دینے والے نے مال کو باطل میں خرچ کرنے کا ارادہ کیا تو اسے حکم دیا گیا کہ اب وہ مال کو حق کی راہ میں خرچ کرے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۴۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۰۸۔ حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ حَدَّثَنَا لَیْثٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّهُ أَدْرَكَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فِي رَكْبٍ وَهُوَ يَحْلِفُ بِأَبِيهِ فَنَادَاهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَلَا إِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ فَمَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ وَإِلَّا فَلْيَصْمُتْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو سواروں کی جماعت میں پایا اور وہ اپنے والد کی قسم کھا رہے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ندا کی، سنو! اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے منع فرماتا ہے کہ تم اپنے باپ دادا کی قسمیں کھاؤ، پس جس نے قسم کھانی ہے تو وہ اللہ کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے۔

(صحیح مسلم: ۱۶۴۶، سنن ترمذی: ۱۵۳۴، سنن نسائی: ۳۷۶۷، سنن ابوداؤد: ۳۲۴۹، سنن ابن ماجہ: ۲۰۹۴، مسند احمد: ۴۵۰۹، موطا امام مالک: ۱۰۳۷، سنن دارمی: ۲۳۴۱)

صحیح البخاری: ۶۱۰۸ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "جن کے نزدیک کسی کو دلیل سے کافر کہنے یا جہالت سے کافر کہنے سے وہ شخص کافر نہیں ہوتا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کی قسم کھائی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معذور قرار دیا، کیونکہ وہ تاویل سے یہ سمجھ رہے تھے کہ باپ کا حق بھی اولاد پر ہوتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے قتیبہ، یہ ابن سعید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اللیث، یہ ابن سعد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ان تحلفوا بآبائکم" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے باپ دادا کی قسم نہ کھاؤ۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "افلح وابیہ" یعنی وہ کامیاب ہو گیا اور اس کے باپ کی قسم۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جملہ کلام میں تقریر کے لیے ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے قسم کا ارادہ نہیں کیا جاتا اور آباء کی قسم کھانے کی ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ جس کی قسم کھائی جائے اس کا تقاضا اس کی تعظیم ہوتا ہے، اور عظمت کی حقیقت اللہ تعالیٰ وحدہٗ کے ساتھ مخصوص ہے، پس کوئی دوسرا اس کے مشابہ نہیں ہو سکتا۔

پھر اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی قسمیں کھائی ہیں جیسے "وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ" اور "وَالطُّوْرِ" وغیرہ۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے، وہ جس کی چاہے قسم کھائے تاکہ قسم کھا کر اس چیز کے شرف اور مرتبہ کو ظاہر فرمائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۵۔ بَابُ: مَا يَجُوْزُ مِنَ الْغَضَبِ وَالشِّدَّةِ لِأَمْرِ اللهِ

اللہ کی تعظیم کے لیے غضب اور شدت کا جواز

وَقَالَ اللهُ تَعَالٰى: جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (التوبہ: ۷۳)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے نبی!) کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ عزوجل کی تعظیم کے سبب سے غضب اور شدت کا اظہار جائز ہے۔ امام بخاری نے اس عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو ایذاء رسانی پر صبر کرتے تھے، وہ اپنے حق میں صبر کرتے تھے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہوتو آپ اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "(اے نبی!) کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے"۔ کفار کے خلاف جہاد کریں یعنی تلوار سے، اور منافقین کے خلاف جہاد کریں یعنی دلائل سے۔ اور قتادہ نے بیان کیا کہ منافقین کے خلاف جہاد یہ ہے کہ ان پر حدود کو قائم کیا جائے، اور مجاہد نے کہا: ان کے خلاف جہاد یہ ہے کہ ان کو وعید سنائی جائے، اور فرمایا "وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ" یعنی دونوں فریقوں پر غصہ اور سختی کریں، قتال سے اور دلائل سے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۰۹ - حَدَّثَنَا يَسَرَةُ بْنُ صَفْوَانَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَفِي الْبَيْتِ قِرَامٌ فِيهِ صُوَرٌ فَتَلَوَّنَ وَجْهُهُ ثُمَّ تَنَاوَلَ السِّتْرَ فَهَتَكَهُ وَقَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِينَ يُصَوِّرُونَ هَذِهِ الصُّوَرَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یسرہ بن صفوان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم نے حدیث بیان کی از الزہری، از القاسم از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، اور گھر میں ایک پردہ لٹکا ہوا تھا جس میں تصویریں تھیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا، پھر آپ نے اس پردہ کو پکڑ کر پھاڑ ڈالا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو یہ تصویریں بناتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۶۱۰۹، ۲۴۷۹، صحیح مسلم: ۲۱۰۷، سنن نسائی: ۵۳۶۴، مسند احمد: ۲۵۱۰۳)

صحیح البخاری: ۶۱۰۹ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "اللہ کی تعظیم کے لیے غضب اور شدت کا جواز" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کا متغیر ہونا اللہ تعالیٰ کے غضبناک ہونے کی وجہ سے تھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یسرہ، یہ ابن صفوان اللخمی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم، یہ ابن سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف ہیں۔ یہ محمد بن مسلم الزہری سے روایت کرتے ہیں از القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "قرام" اس کا معنی ہے پردہ۔
اس حدیث میں مذکور ہے "فھتکہ" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پردہ کو پھاڑ دیا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "ان من اشد الناس" یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔
یہ حدیث "کتاب اللباس" میں صحیح البخاری: ۵۹۵۰ میں گزر چکی ہے اور اس کی مفصل شرح بھی وہاں کی جا چکی ہے، نیز مزید تفصیل کے لیے صحیح البخاری: ۵۹۸۵ کی شرح کو دیکھا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۱۰ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ إِنِّي لَأَتَأَخَّرُ عَنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مِنْ أَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيلُ بِنَا قَالَ فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَطُّ أَشَدَّ غَضَبًا فِي مَوْعِظَةٍ مِنْهُ يَوْمَئِذٍ قَالَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ فَأَيُّكُمْ مَا صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ فَإِنَّ فِيهِمُ الْمَرِيضَ وَالْكَبِيرَ وَذَا الْحَاجَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از اسماعیل بن ابی خالد، انہوں نے کہا: ہمیں قیس بن ابی حازم نے حدیث بیان کی از حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: میں صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے سے رہ جاتا ہوں فلاں شخص کی وجہ سے جو ہمیں بہت لمبی نماز پڑھاتا ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: پس میں نے اس دن سے زیادہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت کرتے ہوئے اتنے غضب میں نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا: اے لوگو! بے شک تم میں سے لوگوں کو متنفر کرنے والے ہیں، ان کو بھگانے والے ہیں، تم میں سے جو آدمی لوگوں کو نماز پڑھائے تو اختصار کے ساتھ نماز پڑھائے، کیونکہ نمازیوں میں بیمار بھی ہوتے ہیں، بوڑھے بھی ہوتے ہیں اور کسی کام کے لیے جانے والے بھی ہوتے ہیں۔

(صحیح بخاری: ۹۰، ۷۰۲، ۷۰۴، ۶۱۱۰، ۷۱۵۹، صحیح مسلم: ۴۶۶ سنن ابن ماجہ: ۹۸۴، مسند احمد: ۱۶۶۱۷، سنن داری: ۱۲۵۹)

صحیح البخاری: ۶۱۱۰ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "اللہ کی تعظیم کے لیے غضب اور شدت کا جواز" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ جو امام لمبی نماز پڑھاتے تھے ان پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہت سخت ناراض ہوئے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تعارف

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، اور وہ القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو مسعود، وہ عقبہ بن عامر البدری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''منہ'' یعنی من النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اعتبار سے مفضل ہیں اور دوسرے اعتبار سے مفضل علیہ ہیں، یعنی حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنے غضب میں اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ائمہ کو لمبی نماز پڑھانے سے منع فرمایا ہے اور بعض اوقات آپ نے خود بھی لمبی نماز پڑھائی ہے

امام کو لمبی نماز پڑھانے کا محمل یہ ہے کہ جب نمازیوں میں بوڑھے، کمزور اور بیمار ہوں اور اگر نمازیوں میں سب صحت منداور توانا ہوں اور وہ لمبی نماز پڑھانے سے خوش ہوں تو پھر امام کے لیے لمبی نماز پڑھانا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لمبی سورتوں مثلاً سورۂ یوسف پڑھ کر بھی نماز پڑھاتے تھے اور آپ نے مغرب کی نماز میں سورۃ الاعراف بھی پڑھی ہے، تاہم جب آپ نماز میں کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتے تو نماز مختصر کر دیتے تھے کہ بچے کے رونے کی وجہ سے اس کی ماں نماز میں مضطرب ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ائمہ کو نماز میں لمبی قرأت کرنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ نمازیوں میں بوڑھے بھی ہوتے ہیں، بیمار بھی ہوتے ہیں اور کمزور بھی ہوتے ہیں۔ جب امام لمبی نماز پڑھائے گا تو بوڑھا آدمی تنگ ہوتا رہے گا، بیمار اپنی بیماری کی وجہ سے پریشان ہوگا، اور کمزور اپنی کمزوری کی وجہ سے نڈھال ہوتا رہے گا، لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں لمبی قراءت کرتے تھے تو نمازی قراءت سن کر وجد میں آجاتے، اور ان کی خواہش ہوتی کہ کاش اگر ان کی عمر نوح علیہ السلام جتنی بھی ہوتی تو وہ اسی طرح آپ کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے گزر جاتی، آپ قرآن پڑھتے رہتے اور وہ کیف آور قراءت کو سنتے رہتے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جو بیمار نماز پڑھتے تھے وہ آپ کے فیض سے تندرست ہو جاتے تھے، جو کمزور نماز پڑھتے تھے وہ توانا ہو جاتے تھے اور جو کسی کام کے لیے جانے والے ہوتے تو ان کے کام بن جاتے تھے۔

۶۱۱۱۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه قَالَ بَيْنَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّي رَأَى فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ نُخَامَةً فَحَكَّهَا بِيَدِهِ فَتَغَيَّظَ ثُمَّ قَالَ إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا كَانَ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّ اللهَ حِيَالَ وَجْهِهِ فَلَا يَتَنَخَّمَنَّ حِيَالَ وَجْهِهِ فِي الصَّلَاةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جویریہ نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں: جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے تو آپ نے مسجد کے قبلہ میں بلغم دیکھا، آپ نے اپنے ہاتھ سے اس کو کھرچ دیا، پھر آپ ناراض ہوئے، پھر فرمایا: بے شک تم میں سے جب

کوئی ایک نماز میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرہ کے سامنے ہوتا ہے، تو کوئی شخص نماز میں اپنے چہرہ کے سامنے بلغم نہ تھوکے۔

(صحیح بخاری: ۴۰۶، ۷۵۳، ۱۲۱۳، ۶۱۱۱، صحیح مسلم: ۵۴۷، سنن نسائی: ۷۲۴، سنن ابوداؤد: ۴۷۹، سنن ابن ماجہ: ۷۶۳، مسند احمد: ۵۳۱۳، موطا امام مالک: ۴۵۶، سنن دارمی: ۱۳۹۷)

صحیح البخاری: ۶۱۱۱ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد کے قبلہ کی جانب بلغم دیکھ کر ناراض ہوئے، اور اس باب کے عنوان میں اللہ کے لیے غضب میں آنے کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جویریہ، ان کا نام ابن اسماء ہے اور یہ دونوں علم ہیں جس میں مذکر اور مؤنث دونوں شریک ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "حیال وجھہ" یعنی نمازی اللہ تعالیٰ کے بالمقابل ہوتا ہے۔ اور علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ جہت اور مکان سے منزہ ہے تو پھر اس کا کیا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے چہرہ کے بالمقابل ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بطور تشبیہ ہے۔ اور علامہ خطابی نے کہا ہے کہ نمازی کی توجہ قبلہ کی طرف ہوتی ہے اور قبلہ کی وساطت سے اس کی توجہ اپنے رب کی طرف ہوتی ہے، گویا کہ نمازی کا مقصود اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۵۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۱۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ أَخْبَرَنَا رَبِيعَةُ بْنُ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ عَرِّفْهَا سَنَةً ثُمَّ اعْرِفْ وِكَاءَهَا وَعِفَاصَهَا ثُمَّ اسْتَنْفِقْ بِهَا فَإِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَأَدِّهَا إِلَيْهِ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَضَالَّةُ الْغَنَمِ قَالَ خُذْهَا فَإِنَّمَا هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَضَالَّةُ الْإِبِلِ قَالَ فَغَضِبَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حَتَّى احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ أَوِ احْمَرَّ وَجْهُهُ ثُمَّ قَالَ مَا لَكَ وَلَهَا مَعَهَا حِذَاؤُهَا وَسِقَاؤُهَا حَتَّى يَلْقَاهَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن نے خبر دی از یزید مولی المنبعث، از حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے رسول اللہ ﷺ سے لقطہ یعنی گری ہوئی چیز کے متعلق سوال کیا، آپ نے فرمایا: تم ایک سال تک اس کی پہچان یاد رکھو، پھر تھیلی کی ڈوری کی پہچان یاد رکھو، پھر اس تھیلی کی پہچان یاد رکھو، پھر تم اس کو خرچ کر دو۔ اگر اس کا مالک آ جائے تو وہ اس کے مالک کو ادا کر دو، اس مرد نے کہا: یا رسول اللہ! پس گم شدہ بکری (کا کیا حکم ہے؟) آپ نے فرمایا: تم اس بکری کو لے لو، یا وہ

رَبُّهَا۔

تمہارے لیے ہوگی، یا تمہارے بھائی کے لیے ہوگی، یا وہ بھیڑیے کے لیے ہوگی، اس نے پوچھا: یارسول اللہ! پس گم شدہ اونٹ؟ راوی نے بیان کیا: پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں رخسار سرخ ہو گئے، یا کہا کہ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا، پھر کہا: تمہیں اونٹ سے کیا مطلب ہے، اس کے ساتھ اس کی جوتیاں ہیں اور اس کے ساتھ اس کا پانی ہے، وہ چلتا رہے گا حتیٰ کہ اس کا مالک اس سے ملاقات کرلے گا۔

(صحیح مسلم: ۱۷۲۲، سنن ترمذی: ۱۳۷۳، سنن ابوداؤد: ۱۷۰۴، سنن ابن ماجہ: ۲۵۰۴، مسند احمد: ۱۶۵۸۹، موطا امام مالک: ۱۴۸۲)

صحیح البخاری: ۶۱۱۲ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مرد کے نامناسب سوال کرنے پر ناراض ہوئے، کیونکہ بکری کے متعلق تو خطرہ ہے کہ اسے بھیڑیا کھا جائے گا یا کوئی آدمی لے جائے گا، اور اونٹ کے متعلق ایسا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد، اور یہ ابن سلام ہیں۔ اور اس حدیث کے تمام راوی مدنی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "وکاءھا" اس کا معنی ہے: جس کے ساتھ تھیلی کے منہ کو باندھا جاتا ہے یعنی ڈوری۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "العفاص" اس سے مراد ہے ظرف یا تھیلی جس میں رقم رکھی جاتی ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ثم استنفق" یعنی تم اس میں تصرف کرو اور اس میں نفع حاصل کرو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وجنتاہ" یہ وجنۃ کا تثنیہ ہے، اور اس کا معنی ہے: ابھرے ہوئے گال یا رخسار۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مالک ولھا؟" یعنی تم اس اونٹ کو نہ پکڑو، وہ اپنی معیشت میں مستقل ہے اور اس کے ساتھ اس کے اسباب ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حذاؤھا" یعنی جن کے ساتھ اونٹ چلتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "سقاؤھا" اس کا معنی ہے: دودھ اور پانی کا ظرف، جیسے مشک ہوتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦١١٣ - وَقَالَ الْمَكِّيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ ح و حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنِي سَالِمٌ أَبُو النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رضی الله عنه قَالَ احْتَجَرَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم حُجَيْرَةً مُخَصَّفَةً أَوْ حَصِيرًا فَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّي فِيهَا فَتَتَبَّعَ إِلَيْهِ رِجَالٌ وَجَاءُوا يُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِ ثُمَّ جَاءُوا لَيْلَةً فَحَضَرُوا وَأَبْطَأَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَنْهُمْ فَلَمْ يَخْرُجْ إِلَيْهِمْ فَرَفَعُوا أَصْوَاتَهُمْ وَحَصَبُوا الْبَابَ فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ مُغْضَبًا فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَا زَالَ بِكُمْ صَنِيعُكُمْ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُكْتَبُ عَلَيْكُمْ فَعَلَيْكُمْ بِالصَّلَاةِ فِي بُيُوتِكُمْ فَإِنَّ خَيْرَ صَلَاةِ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ۔

اور مکی نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی عبداللہ بن سعید نے، ح اور مجھے حدیث بیان کی محمد بن زیاد نے، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی محمد بن جعفر نے، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی عبداللہ بن سعید نے، انہوں نے کہا: مجھے حدیث بیان کی سالم ابوالنضر مولیٰ عمر بن عبید اللہ نے از بسر بن سعید از زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹائیوں کا اور کھجور کے پتوں کا یا چٹائیوں کا ایک حجرہ بنالیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ سے نکلے اور اس میں (تہجد کی) نماز پڑھتے تھے، پھر لوگوں نے بھی آپ کی اتباع کی اور وہ آئے اور آپ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھنے لگے، پھر ایک رات لوگ آئے اور وہ حاضر ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس آنے میں ان سے تاخیر کردی، پس ان کی طرف آپ نہ آئے، تو انہوں نے اپنی آوازیں بلند کیں اور دروازہ پر کنکریاں ماریں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف آئے اس حال میں کہ آپ غصہ میں تھے، پس ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ہمیشہ اسی طرح نماز پڑھتے رہے حتیٰ کہ میں نے گمان کیا کہ یہ نماز تم پر فرض کردی جائے گی، پس تم پر لازم ہے کہ تم اپنے گھروں میں نماز پڑھو، کیونکہ مرد کی بہترین نماز اس کے گھر میں ہوتی ہے سوائے فرض نماز کے۔

(صحیح بخاری: ٧٣١، ٦١١٣، صحیح مسلم: ٧٨١، سنن ابوداؤد: ١٤٤٧، مسند احمد: ٢١١٢٣)

صحیح البخاری: ٦١١٣ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف غصہ کی حالت میں آئے، اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں غضب کرنا واجب ہے، کیونکہ یہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے باب سے ہے۔ اور اس پر اجماع منعقد ہے کہ یہ ائمہ پر فرض ہے کہ وہ نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور ظالموں کے ہاتھوں کو پکڑ لیں اور مظلومین کو انصاف مہیا کریں اور امور شرعیہ کی حفاظت کریں، حتیٰ کہ شریعت متغیر نہ ہو اور اس کی بے حرمتی نہ ہو۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مکی، اور وہ ابن ابراہیم ہیں۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ مکی، مکہ مکرمہ کی طرف منسوب ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ مکی ان کا نام ہے اور یہ نسبت نہیں ہے۔

امام بخاری نے اس حدیث کی دو طریقوں سے روایت کی ہے، ایک طریقہ تو حدیث معلق ہے از مکی بن ابراہیم از عبداللہ بن سعید بن ابی ہند الفزاری۔ اور امام احمد اور امام دارمی نے اپنی مسندوں میں اس حدیث کو مکی بن ابراہیم کی سند سے موصولاً روایت کیا ہے۔ اور امام بخاری کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو بہ طور مسند روایت کیا ہے از محمد بن زیاد۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''احتجر'' یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے حجرہ بنالیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''مخصفة'' یعنی کھجور کے پتوں سے وہ حجرہ بنایا۔

علامہ نووی نے کہا ہے: ''الخصفة'' کھجور کے پتوں اور چٹائی کا ایک ہی معنی ہے، مقصود یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حجرہ بنالیا جو مسجد کی ایک جگہ میں تھا اور چٹائیوں سے اس کو ستر کیا ہوا تھا تا کہ آپ اس میں نماز پڑھیں اور وہاں آپ کے پاس کوئی نہ آئے اور وہاں آپ دل سے نماز کی طرف متوجہ رہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فتتبع الیه'' یعنی لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تتبع کیا یعنی آپ کو تلاش کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ثم جاء و الیلة'' یعنی لوگ ایک رات آپ کے ساتھ آئے تا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فلم یخرج الیهم فرفعوا اصواتهم وحصبوا الباب'' یعنی لوگوں نے اس حجرہ کے دروازہ پر کنکریاں مارنی شروع کردیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف آئے اس حال میں کہ آپ غصہ میں تھے، اور غصہ کا سبب یہ تھا کہ صحابہ آپ کے حکم کے بغیر جمع ہوئے اور انہوں نے اشارہ کرنے پر اکتفاء نہیں کی، کیونکہ آپ ان کی طرف تشریف نہیں لائے اور انہوں نے مبالغہ کیا اور دروازہ پر کنکریاں ماریں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کا غصہ اس وجہ سے تھا کہ آپ صحابہ پر نرمی کرنے کے لیے دیر سے تشریف لائے تا کہ ان پر یہ نماز فرض نہ ہو جائے اور صحابہ کچھ اور گمان کر رہے تھے۔ اور علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ آپ اس لیے ناراض ہوئے کہ صحابہ آپ کی اس خاص مسجد میں آپ کی اجازت کے بغیر نماز پڑھنے لگے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا نماز میں اس اشتیاق کو دیکھ کر مجھے یہ خدشہ ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کردی جائے۔

افضل نفل وہ ہیں جو گھر میں پڑھے جائیں

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ افضل نوافل وہ ہیں جو گھر میں پڑھے جائیں اور لوگوں کی نظروں سے چھپ کر پڑھے جائیں سوا ان نمازوں کے جو شریعت کا شعار بن گئی ہیں جیسے عید۔ علامہ ابن التین نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ اپنے گھر میں بھی کوئی فرض نماز پڑھے اور یہ حدیث ان کا رد کرتی ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنے گھروں میں بھی نمازیں پڑھا کرو اور گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، تو اس کا

جواب یہ ہے کہ یہ حدیث نوافل پر محمول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۵۳۔ ۲۵۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۶۔ بَابُ: الْحَذَرِ مِنَ الْغَضَبِ

غضب سے احتراز کرنے کا بیان

لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى عَزَّوَجَلَّ: وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ۝ (الشوریٰ: ۳۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور وہ غضب کے وقت معاف کر دیتے ہیں O

وَقَوْلِهٖ عَزَّوَجَلَّ: الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۝ (آل عمران: ۱۳۴)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ خوش حالی اور تنگ دستی میں خرچ کرتے ہیں اور جو غصہ پینے والے ہیں اور لوگوں (کی خطاؤں) کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ غضب سے احتراز کرنا چاہیے، اور غضب کا معنی ہے: انتقام کے ارادہ سے خون کا جوش میں آنا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: امام بخاری نے غضب سے احتراز کرنے کے لیے دو آیتوں سے استدلال کیا ہے۔

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے: ان دونوں آیتوں میں غضب سے احتراز پر دلالت نہیں ہے، سوا اس کے کہ جب دوسری آیت میں جو مذکور ہے "غصہ کو پینے والے" اس کو ملا لیا جائے فواحش سے اجتناب کے ساتھ تو اس میں مقصود کی طرف اشارہ ہوگا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو کہا ہے، یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ ان دونوں آیتوں میں غضب سے احتراز کے اوپر دلیل ہے، رہی پہلی آیت تو اس میں ان لوگوں کی مدح کی گئی ہے جو کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ کبیرہ گناہ شرک اور بے حیائی کے کام ہیں اور السدی نے کہا: یعنی زنا، اور مقاتل نے کہا: یعنی وہ گناہ جو حد کو واجب کرتے ہیں، اور فرمایا: "وہ غضب کے وقت معاف کر دیتے ہیں" یعنی تجاوز کرتے ہیں اور برداشت کرتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت اور اس کا ماقبل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوا ہے، پس جب کہ جو ذکر کیا گیا ہے وہ مدح ہے تو اس کی ضد مذمت ہوگی۔ اور اس کی ضد جو مذمت ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ جب کوئی شخص غضب میں آئے تو وہ حد سے تجاوز نہ کرے، پس یہ بالبداہۃ اس پر دلالت کرتا ہے کہ جو غضب مذموم ہے، اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

اور رہی دوسری آیت تو اس میں ان متقین کی مدح ہے جن کے اللہ تعالیٰ نے وہ اوصاف بیان کیے ہیں جو ذکر کیے گئے ہیں، پس یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان اوصاف کی ضد مذموم ہے، اور مذموم میں سے یہ ہے کہ انسان غصہ کو برداشت نہ کرے اور لوگوں کو معاف نہ کرے، اور غصہ کو نہ برداشت کرنا وہ بعینہٖ غصہ اور غضب کرنا ہے، پس یہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ غضب سے

احتراز کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۵۴۔ ۲۵۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۱۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از سعید بن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ پہلوان نہیں ہے جو کشتی میں پچھاڑ دے، پہلوان وہ ہے جو غضب کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے۔

(صحیح مسلم: ۲۶۰۹، مسند احمد: ۷۱۷۸، موطا امام مالک: ۱۶۸۱)

صحیح البخاری: ۶۱۱۴ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "غضب سے احتراز کرنے کا بیان" اور اس حدیث میں اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ آدمی غصہ کے وقت بے قابو نہ ہو۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "بالصرعة" اس کا معنی ہے: کشتی لڑنا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۵۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۱۵۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ وَنَحْنُ عِنْدَهُ جُلُوسٌ وَأَحَدُهُمَا يَسُبُّ صَاحِبَهُ مُغْضَبًا قَدِ احْمَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ لَوْ قَالَ أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ فَقَالُوا لِلرَّجُلِ أَلَا تَسْمَعُ مَا يَقُولُ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ إِنِّي لَسْتُ بِمَجْنُونٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش از عدی بن ثابت، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی سلیمان بن صرد نے، انہوں نے کہا: دو آدمی نبی ﷺ کے سامنے ایک دوسرے سے لڑے اور ایک دوسرے کو برا کہہ رہے تھے، ہم آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اور ان میں سے ایک اپنے صاحب کو برا کہہ رہا تھا اور سخت غصہ میں تھا اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا، تو نبی ﷺ نے فرمایا: بے شک میں ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ شخص وہ کلمہ پڑھ لے تو اس کے اندر جو غیظ اور غضب ہے، وہ چلا جائے گا۔ اگر یہ کہہ لے کہ "میں شیطان مردود سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں" تو صحابہ نے اس مرد سے کہا:

کیا تم نہیں سن رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرما رہے ہیں، اس مرد نے کہا: میں دیوانہ نہیں ہوں۔

(صحیح البخاری: ۳۲۸۲، ۶۰۴۸، ۶۱۱۵، صحیح مسلم: ۲۶۱۰، سنن ترمذی: ۳۴۵۲، سنن ابوداؤد: ۴۷۸۱، مسند احمد: ۲۱۶۰۶)

صحیح البخاری: ۶۱۱۵ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "غضب سے احتراز کرنا" اور اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ شخص وہ کلمہ پڑھ لے تو اس کے اندر جو غصہ اور غضب ہے وہ نکل جائے گا، پس جو شخص یہ کلمہ پڑھے گا تو اس کا غضب اتر جائے گا اور اس کا جوش ٹھنڈا ہو جائے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریر، وہ ابن عبدالحمید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، وہ سلیمان ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "انی لست بمجنون" یا تو اس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کرنے کے متعلق کہا کہ میں دیوانہ نہیں ہوں، اس صورت میں وہ منافق تھا، یا اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے متعلق نہیں کہا بلکہ صحابہ نے جو اس سے کہا تھا کہ یہ کلمہ پڑھ لو تو ان کے متعلق کہا تھا کہ میں مجنون نہیں ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۵۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۱۶ - حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ هُوَ ابْنُ عَيَّاشٍ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَوْصِنِي قَالَ لَا تَغْضَبْ فَرَدَّدَ مِرَارًا قَالَ لَا تَغْضَبْ۔

(سنن ترمذی: ۲۰۲۰، مسند احمد: ۹۶۸۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوبکر نے خبر دی اور وہ ابن عیاش ہیں از ابی حصین از ابی صالح، از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: مجھے وصیت کیجئے! آپ نے فرمایا: تم غصہ نہ کرنا۔ اس نے کئی بار کہا، آپ یہ فرماتے کہ تم غصہ نہ کرنا۔

صحیح البخاری: ۶۱۱۶ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "غضب سے احتراز کرنا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو غصہ نہ کرنے کی وصیت کی، اور اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحیٰی بن یوسف، یہ الزِ قی ہیں، امام بخاری نے ان سے صرف ابوبکر بن عیاش کے واسطہ سے روایت کی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوحُصین، (حاء پر زبر اور صاد کے نیچے کسرہ) ان کا نام عثمان بن عاصم الاسدی الکوفی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوصالح، یہ ذکوان الزیات السمان ہیں۔

غصہ اور غضب کو ترک کرنے کی نصیحت کی توجیہات

اس حدیث میں مذکور ہے ''لا تغضب''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد سے فرمایا: تم غضب نہ کیا کرو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مخلوق کی صفات منکشف تھیں تو آپ لوگوں کو اس چیز کا حکم دیتے تھے جو ان کے حال کے زیادہ لائق ہوتی یا مناسب ہوتی اور شاید کہ وہ مرد غضب بہت کرتا تھا، تو آپ نے اس کو غضب کے ترک کرنے کی وصیت کی۔

اور قاضی بیضاوی نے کہا ہے: جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا کہ تمام خرابیاں جو انسان کو پیش آتی ہیں، وہ اس کی شہوت اور غضب کی وجہ سے پیش آتی ہیں، پس جب اس مرد نے آپ سے یہ سوال کیا کہ آپ ایسی چیز کی طرف رہنمائی کریں جس کی وجہ سے وہ برے کاموں اور بری باتوں سے رک جائے اور غضب سے بھی رک جائے جس کا ضرر سب سے زیادہ ہے اور جس کا گناہ بھی سب سے زیادہ ہے، اور بے شک جب وہ غضب پر قابو پالے گا تو باقی بری صفات پر قابو پانا اس کے لیے آسان ہوگا۔

اور علامہ خطابی نے کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس مرد کو فرمایا کہ تم غصہ نہ کیا کرو، اس کا معنی یہ ہے کہ تم ایسے اسباب کے درپے نہ ہو جن کی وجہ سے غصہ آتا ہے، اور ان امور کے درپے نہ ہو جو غصہ کو لاتی ہیں، کیونکہ غصہ اور غضب تو انسان کی طبیعت میں مرکوز ہے، یا اس کا معنی یہ ہے کہ تم وہ کام نہ کرو جس کام کا حکم تمہیں غضب دیتا ہے اور تمہیں افعال اور اقوال پر برانگیختہ کرتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۷۔ بَابُ: الْحَيَاءِ — حیاء کا بیان

اس باب میں حیاء کی فضیلت کا بیان کیا گیا ہے، جب انسان کو یہ خوف ہو کہ کسی کام کی وجہ سے اس کا عیب بیان کیا جائے گا اور اس کی مذمت کی جائے گی اور اس خوف کی وجہ سے اس کے اندر جو تغیر اور انکسار طاری ہو، اس کو حیاء کہتے ہیں۔

۶۱۱۷۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي السَّوَّارِ الْعَدَوِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم الْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ فَقَالَ بُشَيْرُ بْنُ كَعْبٍ مَكْتُوبٌ فِي الْحِكْمَةِ إِنَّ مِنَ الْحَيَاءِ وَقَارًا وَإِنَّ مِنَ الْحَيَاءِ سَكِينَةً فَقَالَ لَهُ عِمْرَانُ أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَتُحَدِّثُنِي عَنْ صَحِيفَتِكَ۔ (صحیح مسلم: ۳۷، مسند احمد: ۱۹۳۲۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از ابی السوار العدوی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عمران بن حصین سے سنا، انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حیاء سے صرف خیر حاصل ہوتی ہے، پس بُشیر بن کعب نے کہا: حکمت میں یہ لکھا ہوا ہے کہ بے شک حیاء سے انسان باوقار ہوتا ہے اور حیاء سے انسان پر سکون ہوتا ہے، تو ان سے حضرت عمران رضی اللہ عنہ

نے کہا: میں تم کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تم
مجھے اپنے صحیفہ سے بیان کرتے ہو۔

صحیح البخاری: ۶۱۱۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے ابوسوار، یہ حسان بن حریث ہیں، اور حریث، حرث کی تصغیر ہے جس کا معنی کھیت ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام حجیر بن الربیع ہے، اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

حیاء کے فضائل

اس حدیث میں مذکور ہے "الحیاء لا یاتی الا بخیر" اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص لوگوں سے حیاء کرتا ہے کہ کہیں لوگ اس کو گناہ کرتے ہوئے نہ دیکھ لیں، یا محارم کا ارتکاب کرتے ہوئے نہ دیکھ لیں، سو یہ وصف اس کی دعوت دے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ حیاء کرنے والا ہے، اور جو اپنے رب سے حیاء کرے گا تو اس کی حیاء اس کو فرائض کے ضائع کرنے اور گناہوں پر سوار ہونے سے منع کرے گی اور حیاء بے حیائی کے کاموں کے کرنے سے منع کرتی ہے اور نیکی اور خیر پر برانگیختہ کرتی ہے، جیسا کہ ایمان مومن کو گناہوں سے منع کرتا ہے اور گناہوں سے دور رکھتا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت پر برانگیختہ کرتا ہے، پس گویا کہ حیاء ایمان کی مثل ہے، کیونکہ دونوں نیکی کے حاصل کرنے اور برائی کے ترک کرنے میں مساوی ہیں۔ ہر چند کہ حیاء ایک طبعی اور جبلی وصف ہے اور ایمان مومن کا فعل ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "الحیاء من الایمان" یعنی حیاء ایمان کے اسباب سے ہے۔

امام احمد بن حنبل نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے از عمران بن حصین، کہ حیاء کل کی کل خیر ہے، اور امام طبرانی نے قرہ بن غیاث سے روایت کی ہے، کہا گیا: یارسول اللہ! کیا حیاء دین سے ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ کل کا کل دین ہے۔

حکمت کی تعریف

اس حدیث کی تعلیق میں مذکور ہے "فی الحکمۃ"۔ حکمت کی تعریف یہ ہے کہ یہ وہ علم ہے جس میں حقائق موجودات کے احوال سے بحث کی جاتی ہے۔

اور اس تعلیق میں مذکور ہے "وقار" وقار کا معنی ہے: حلم اور بردباری۔

اس حدیث کی تعلیق میں مذکور ہے "فقال له عمران" یعنی جب بشیر بن مذکور نے حکمت کے متعلق اپنے صحیفہ سے بیان کیا تو حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: میں تمہیں حدیث بیان کرتا ہوں اور حضرت عمران نے یہ غصہ سے کہا تھا، کیونکہ ان معاملات میں حجت تو رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، نہ کہ وہ چیزیں جن کو کتب حکمت سے بیان کیا جائے، جن کی حقیقت کے بارے میں کوئی پتا نہیں ہے اور نہ ہی ان کے صدق کے بارے میں کوئی پتا ہے۔

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ حضرت عمران کیوں غصہ میں آئے، حالانکہ وقار اور سکون میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو حکمت کے خیر ہونے کے منافی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ابو قتادہ العدوی نے بُشیر کی پوری روایت بیان کی ہے، اس میں یہ ہے کہ حیاء سے سکون اور وقار حاصل ہوتا ہے اور اسی سے ضعف حاصل ہوتا ہے، تو حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے ان پر ناراضگی کا اظہار کیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۵۷۔۲۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۱۸۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى رَجُلٍ وَهُوَ يُعَاتِبُ أَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ يَقُولُ إِنَّكَ لَتَسْتَحْيِي حَتَّى كَأَنَّهُ يَقُولُ قَدْ أَضَرَّ بِكَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ دَعْهُ فَإِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْإِيمَانِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن ابی سلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن شہاب نے حدیث بیان کی از سالم از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کا ایک شخص پر گزر ہوا جو اپنے بھائی پر حیاء کی وجہ سے ناراض ہو رہا تھا اور کہہ رہا تھا: تم بہت حیاء کرتے ہو گویا کہ وہ کہہ رہا تھا: تم اس کی وجہ سے اپنا نقصان کرتے ہو، رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: اس کو چھوڑو، کیونکہ حیاء ایمان سے ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۴، ۶۱۱۸، صحیح مسلم: ۳۶، سنن ترمذی: ۲۶۱۵، سنن نسائی: ۵۰۳۳، سنن ابوداؤد: ۴۷۹۵، مسند احمد: ۵۱۶۱، موطا امام مالک: ۱۶۷۹)

صحیح البخاری: ۶۱۱۸ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں احمد بن یونس کا ذکر ہے، وہ احمد بن عبداللہ بن یونس الیربوعی الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبدالعزیز بن ابی سلمہ کا ذکر ہے، اور وہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمہ ہیں، اور ان کا نام دینار ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فان الحیاء من الایمان" یعنی حیاء ایمانِ کامل کا جز ہے۔ علامہ الہروی نے کہا ہے کہ حیاء ایک طبعی اور جبلی وصف ہے، نبی ﷺ نے اس کو ایمان سے قرار دیا حالانکہ ایمان اکتساب ہے، کیونکہ حیاء کرنے والا حیاء کی وجہ سے گناہوں سے رک جاتا ہے خواہ اس کی نیت نہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۱۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ مَوْلَى أَنَسٍ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ اسْمُهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حدیث بیان کی علی بن الجعد نے، انہوں نے کہا: ہمیں خبر دی شعبہ نے، از

عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي عُتْبَةَ سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ يَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَشَدَّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا-

قتادہ از مولی انس، امام ابوعبداللہ نے کہا: ان کا نام عبداللہ بن ابی عتبہ ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی ﷺ کنواری پردہ دار لڑکی سے زیادہ حیاء کرنے والے تھے۔

(صحیح بخاری: ۳۵۶۲، ۶۱۰۲، ۶۱۱۹، صحیح مسلم: ۲۳۲۰، سنن ابن ماجہ: ۴۱۸۰، مسند احمد: ۱۱۳۳۹)

اس حدیث کی شرح عنقریب گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۵۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۸۔ بَابٌ: إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ

اس کا بیان کہ جب تم حیاء نہ کرو تو جو چاہو کرو

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم حیاء نہ کرو تو جو مرضی آئے کرو۔ اور امام بخاری نے اسی حدیث کو عنوان بنا دیا ہے۔

۶۱۲۰۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ حَدَّثَنَا أَبُو مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُولَى إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں منصور نے حدیث بیان کی از ربعی بن حراش، انہوں نے کہا: ہمیں ابومسعود نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو پہلے نبیوں کا کلام جو ملا، اس میں یہ مذکور تھا کہ جب تم حیاء نہ کرو تو جو چاہو کرو۔

(صحیح البخاری: ۳۴۸۳، ۳۴۸۴، ۶۱۲۰، سنن ابوداؤد: ۴۷۹۷، سنن ابن ماجہ: ۴۱۸۳، مسند احمد: ۱۶۶۴۱)

صحیح البخاری: ۶۱۲۰ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زہیر، یہ الیربوعی ہیں اور وہ ابی معاویہ ابن خیثمہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے منصور، وہ ابن المعتمر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ربعی بن حراش، وہ الغطفانی الاعور ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابومسعود، وہ حضرت عقبہ بن عامر البدری صحابی رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ان مما ادرک الناس" اس میں "ادرک" کا معنی ہے "بلغ" یعنی لوگوں کو جو نبوت کا پہلا کلام ملا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "اذا لم تستحی" یعنی حیاء انبیاء سابقہ کی شریعتوں میں بھی مستحسن قرار دی جاتی تھی اور اس کا حکم

باقی ہے، منسوخ نہیں ہوا۔ پس مقدمین اور متاخرین حیاء کو مستحسن قرار دینے میں ایک جیسے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاصنع ما شئت" یہ امر تہدید کے لیے ہے، یعنی دھمکانے کے لیے ہے، یعنی جن کاموں سے تم کو حیاء نہیں آتی ان میں سے جو چاہو تم کرو، اور وہ کام نہ کرو جن سے تم کو حیاء آتی ہے، یا اس حدیث میں امر بمعنی خبر ہے یعنی جب تم میں حیاء نہیں ہوگی جو برے کاموں سے منع کرتی ہے تو تم جو چاہو گے وہ کرو گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۵۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۹۔ بَابُ: مَا لَا يُسْتَحْيَا مِنَ الْحَقِّ لِلتَّفَقُّهِ فِي الدِّينِ

حق بات کو معلوم کرنے میں اور دین کو سمجھنے میں حیاء نہیں کرنی چاہیے

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سوال کرنے میں حیاء کرنا جائز نہیں ہے اور تمام حقائق جن میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے، ان میں حیاء کرنا مذموم ہے، اور امام بخاری نے اس عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے کہ حدیث میں جو ہے کہ حیاء کل خیر ہے، اس عموم سے بعض کی تخصیص کی گئی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۵۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۲۱۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ اللهَ لَا يَسْتَحِي مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ غُسْلٌ إِذَا احْتَلَمَتْ فَقَالَ نَعَمْ إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود از زینب بنت ابی سلمہ از حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام سلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، پس کہا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ حق بات سے حیاء نہیں فرماتا، کیا جب عورت کو احتلام ہو جائے تو اس پر بھی غسل واجب ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! جب وہ پانی کو دیکھ لے۔

(صحیح بخاری: ۱۳۰، ۲۸۲، ۳۳۲۸، ۶۰۹۱، ۶۱۲۱، صحیح مسلم: ۳۱۳، سنن ترمذی: ۱۲۲، سنن نسائی: ۱۹۷، سنن ابن ماجہ: ۶۰۰، مسند احمد: ۲۵۹۶۴، موطا امام مالک: ۱۱۸)

صحیح البخاری: ۶۱۲۱ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "حق بات کو معلوم کرنے میں اور دین کو سمجھنے میں حیاء نہیں کرنی چاہیے" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کا ایک مسئلہ معلوم کرنے میں حیاء نہیں کی، یعنی حیاء کی وجہ سے اس سوال کو ترک نہیں کیا۔

اس حدیث کی شرح کتاب العلم میں "باب الحیاء فی العلم" اور کتاب الغسل میں "باب اذا احتلمت المرأۃ" میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں اور ان کا نام ہند بنت ابی امیہ ہے اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا، یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں، ان کے نام میں اختلاف ہے جس کا ذکر ہم نے کتاب الغسل میں کر دیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۲۲ ـ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا مُحَارِبُ بْنُ دِثَارٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ شَجَرَةٍ خَضْرَاءَ لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَلَا يَتَحَاتُّ فَقَالَ الْقَوْمُ هِيَ شَجَرَةُ كَذَا هِيَ شَجَرَةُ كَذَا فَأَرَدْتُ أَنْ أَقُولَ هِيَ النَّخْلَةُ وَأَنَا غُلَامٌ شَابٌّ فَاسْتَحْيَيْتُ فَقَالَ هِيَ النَّخْلَةُ وَعَنْ شُعْبَةَ حَدَّثَنَا خُبَيْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مِثْلَهُ وَزَادَ فَحَدَّثْتُ بِهِ عُمَرَ فَقَالَ لَوْ كُنْتَ قُلْتَهَا لَكَانَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ كَذَا وَكَذَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محارب بن دثار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی مثال سبز درخت کی طرح ہے، اس کے پتے گرتے ہیں اور نہ جھڑتے ہیں، تو صحابہ نے کہا: یہ فلاں درخت ہے، کسی نے کہا: یہ فلاں درخت ہے، تو میں نے ارادہ کیا کہ میں بتاؤں کہ یہ کھجور کا درخت ہے، اور میں نوجوان لڑکا تھا، سو مجھے حیاء آئی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کھجور کا درخت ہے۔ اور شعبہ سے روایت ہے: ہمیں خبیب بن عبد الرحمن نے حدیث بیان کی از حفص بن عاصم از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کی مثل اور اس میں یہ اضافہ کیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بتایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اگر تم بتا دیتے کہ یہ کھجور کا درخت ہے تو یہ مجھے فلاں فلاں چیزوں سے زیادہ محبوب ہوتا۔

(صحیح بخاری: ۶۱، ۶۲، ۷۲، ۱۳۱، ۲۲۰۹، ۴۶۹۸، ۵۴۴۴، ۵۴۴۸، ۶۱۲۲، ۶۱۴۴، صحیح مسلم: ۲۸۱۱، سنن ترمذی: ۲۸۶۷، مسند احمد: ۴۸۴۴، سنن دارمی: ۲۸۲)

صحیح البخاری: ۶۱۲۲ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس جگہ یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس حدیث میں اور باب کے عنوان میں کوئی مطابقت نہیں ہے، کیونکہ باب کا عنوان ہے۔

''حق بات کو معلوم کرنے میں اور دین کو سمجھنے میں حیاء نہ کی جائے'' اور حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حیاء کی کہ ان اکابر کے سامنے وہ اپنا منہ کھولیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس جگہ خاموش رہنا مستحسن نہیں تھا، کیونکہ اگر اس جگہ خاموش رہنا مستحسن ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے: تم نے اچھا کیا۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کلام کے اعتبار سے یہ حدیث اس باب میں داخل ہوگئی کہ حیاء نہ کی جائے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محارِب بن دِثار، (اس میں راء کے نیچے کسرہ ہے ابن الدثار میں بھی دال کے نیچے کسرہ ہے)۔ اور اس حدیث کی دوسری سند میں مذکور ہے خبیب، یہ عبدالرحمٰن بن خبیب الحارث الانصاری المدنی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حفص بن عاصم، یہ عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''لکان احب الیہ من کذا و کذا'' اور دوسری حدیث میں مذکور ہے ''جو مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہوتا''۔

اس حدیث میں یہ فرمایا ہے کہ مومن کی مثال سبز درخت کی طرح ہے، اور مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ سبز رنگ کے کھجور کے درخت میں بہت زیادہ خیر ہوتی ہے اور اس میں کئی جہات سے منافع ہوتے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب اس کا سر کاٹ دیا جائے یا یہ غرق ہو جائے تو یہ مرجاتا ہے، اور کھجور کا یہ درخت اس وقت تک حاملہ نہیں ہوتا جب تک اس میں پیوند نہ لگایا جائے۔ اور اس کے شگوفوں کی بُو انسان کی منی کی بو کی طرح ہوتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۶۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

مصنف کے نزدیک کھجور کے درخت کی مومن کے ساتھ مشابہت کی توجیہ

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ مومن سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہے حتیٰ کہ اپنے ماں باپ سے اور اپنی جان سے بھی زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور کھجور کے درخت میں بھی یہ صفت تھی، کیونکہ اس درخت کا تنا مسجد میں مرکوز تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے منبر بنا دیا گیا اور آپ نے اس تنے سے ٹیک لگانا چھوڑ کر منبر پر بیٹھنا شروع کر دیا تو کھجور کا یہ تنا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق میں زور زور سے رو رہا تھا، اور مومن کا بھی یہی حال ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق میں روتا ہے اور آپ کو یاد کرتا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۶۱۲۳ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا مَرْحُومٌ سَمِعْتُ ثَابِتًا أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسًا رضی اللہ عنہ يَقُولُ جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم تَعْرِضُ عَلَيْهِ نَفْسَهَا فَقَالَتْ هَلْ لَكَ حَاجَةٌ فِيَّ فَقَالَتِ ابْنَتُهُ مَا أَقَلَّ حَيَاءَهَا فَقَالَ هِيَ خَيْرٌ مِنْكِ عَرَضَتْ عَلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَفْسَهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مرحوم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ثابت سے سنا، انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور وہ اپنے آپ کو آپ کے اوپر پیش کر رہی تھی، پس

اس عورت نے کہا: کیا آپ کو میری ضرورت ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے کہا: یہ کتنی کم حیاء والی عورت تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ تم سے بہتر تھی، اس نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا۔

(صحیح بخاری: ۵۱۲۰، ۶۱۲۳، سنن نسائی: ۳۲۵۰، سنن ابن ماجہ: ۲۰۰۱، مسند احمد: ۱۳۴۲۳)

صحیح البخاری: ۶۱۲۳ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ اس عورت نے اپنے سوال میں حیا نہیں کی، کیونکہ اس کا سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب حاصل کرنے کے لیے تھا اور اس لیے کہ وہ امہات المومنین میں سے ہو جائے جو سعادت دارین کی حاملہ ہیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مرحوم، (راء اور حاء کے ساتھ) یہ ابن عبدالعزیز العطار البصری ہیں۔ اور ثابت کا ذکر ہے، یہ البنانی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "تعرض علیه نفسها" یعنی وہ عورت اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کرتی تھی تا کہ آپ اس سے نکاح فرمالیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ابنته" یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بیٹی، ان کی بیٹی نے کہا: اس عورت میں کتنی کم حیا تھی تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ تم سے بہتر تھیں کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رغبت رکھتی تھیں تا کہ ان کا شمار بھی امہات المومنین میں سے ہو جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۸۰۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ آسانی کرو اور مشکل میں نہ ڈالو

وَكَانَ يُحِبُّ التَّخْفِيفَ وَالْيُسْرَ عَلَى النَّاسِ۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تخفیف کو اور لوگوں پر آسانی کو پسند فرماتے تھے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو ذکر کیا جائے گا کہ آسانی کرو اور مشکل میں نہ ڈالو، اور عنقریب اس کا ذکر باب میں سند موصول کے ساتھ آئے گا۔ اور امام مالک نے الموطا میں الزہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے اور اس میں چاشت کی نماز کا ذکر کیا ہے اور اس میں یہ ارشاد ہے کہ آپ اس چیز کو پسند فرماتے تھے جو لوگوں پر آسان ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۶۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۲۴ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا النَّضْرُ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ لَمَّا بَعَثَهُ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَمُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قَالَ لَهُمَا يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَتَطَاوَعَا قَالَ أَبُو مُوسَى يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا بِأَرْضٍ يُصْنَعُ فِيهَا شَرَابٌ مِنَ الْعَسَلِ يُقَالُ لَهُ الْبِتْعُ وَشَرَابٌ مِنَ الشَّعِيرِ يُقَالُ لَهُ الْمِزْرُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں النضر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از سعید بن ابی بردہ از والد خود از جد خود، وہ بیان کرتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو بھیجا، تو ان دونوں سے فرمایا: تم دونوں آسان احکام بیان کرنا اور لوگوں کے لیے مشکل احکام نہ بیان کرنا، اور تم دونوں بشارت دینا اور لوگوں کو متنفر نہ کرنا اور آپس میں موافقت رکھنا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہم ایسی زمین میں جا رہے ہیں جہاں پر شہد کی شراب بنائی جاتی ہے جسے البتع کہا جاتا ہے، اور جو کی شراب بنائی جاتی ہے اسے المزر کہا جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نشہ آور مشروب حرام ہے۔

(صحیح بخاری: ۴۳۴۲، ۴۳۴۳، ۴۳۴۴ صحیح مسلم: ۱۷۳۳، سنن نسائی: ۵۶۰۳، سنن ابو داؤد: ۳۶۸۴، سنن ابن ماجہ: ۳۳۹۱، مسند احمد: ۱۹۱۷۴، سنن دارمی: ۲۰۹۸)

صحیح البخاری: ۶۱۲۴ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق، علامہ کرمانی نے کہا: یا تو یہ ابن ابراہیم ہیں یا ابن منصور ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ الکلاباذی کا قول ہے۔ اور ابونعیم نے کہا: یہ اسحاق بن راہویہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے النضر، یہ ابن شمیل ہیں، یہ شمل کی تصغیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید بن ابی بردہ، ان کا نام عامر بن ابی موسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری ہے، اور یہ سعید اپنے والد عامر سے روایت کرتے ہیں اور عامر اپنے والد ابوموسیٰ مذکور سے روایت کرتے ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ باپ کی روایت دادا سے ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے"تطاوعا" یعنی تم دونوں معاملات میں ایک دوسرے کی موافقت کرنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے"بارض "اس سے ان کی مراد یمن کی سرزمین ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۶۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

خمر کے علاوہ باقی شرابیں حرام ظنی ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کی شراب اور جو کی شراب کے متعلق فرمایا"ہر نشہ آور حرام ہے"۔اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اگر شہد کا نبیذ یا جو کا نبیذ اتنی کم مقدار میں پیا جائے جو نشہ آور نہ ہو تو پھر وہ حرام نہیں ہے اور یہی فقہائے احناف کا موقف ہے کہ جو مشروب نشہ آور مقدار میں پیا جائے تو وہ حرام ہوتا ہے اور جب یہ حرام ہوگا تو حرام ظنی ہوگا، کیونکہ حرام قطعی صرف خمر ہے جس کی حرمت قرآن مجید کی نص قطعی سے ثابت ہے اور باقی شرابیں جن کی حرمت حدیث سے ثابت ہے، وہ حرام ظنی ہیں۔خمر کا ایک قطرہ بھی آدمی پی لے تو وہ حرام ہے اور حد کا موجب ہے، اس کے برخلاف دوسری شرابیں اگر کم مقدار میں پی جائیں جن سے نشہ نہ ہو تو وہ حرام نہیں ہیں۔

۶۱۲۵۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضي الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَسَكِّنُوا وَلَا تُنَفِّرُوا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی التیاح، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آسان احکام بیان کرو اور لوگوں کو مشکل میں نہ ڈالو اور لوگوں کو پرسکون رکھو اور ان کو وحشت میں مبتلا نہ کرو۔

(صحیح بخاری:۶۹، ۶۱۲۵، صحیح مسلم: ۱۷۳۴، مسند احمد: ۱۱۹۲۴)

صحیح البخاری: ۶۱۲۵ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے آدم، وہ ابن ابی ایاس ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالتیاح، یہ یزید بن حمید الضبعی البصری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے"لوگوں کے سامنے آسان احکام بیان کرو" تاکہ لوگ خوش ہوں۔اور لوگوں کے سامنے مشکل احکام نہ بیان کرو، تاکہ لوگ متنفر نہ ہوں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے"وسکنوا" یہ تسکین سے امر ہے، اور یہاں مراد یہی ہے کہ لوگوں کو بھگاؤ مت۔

اور اس حدیث کا منشاء یہ ہے کہ یہ دین آسان احکام پر مبنی ہے مشکل احکام پر مبنی نہیں ہے۔اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے رہبانیت کے ساتھ مبعوث نہیں کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین دین وہ ہے جو باطل سے الگ ہو اور آسان ہو۔اور اہل کتاب اپنے اوپر سختی کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے،انہوں نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے اوپر سختی کی۔

(عمدة القاری ج ۲۲ ص ۲۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

ضرورت کی بناء پر ایلوپیتھک ادویات سے علاج کا جواز

میں کہتا ہوں: ہمارے زمانہ میں بعض مفتی حضرات ڈھونڈ ڈھونڈ کر سخت اور نا قابلِ عمل احکام بیان کرتے ہیں مثلاً وہ ایلوپیتھک کی مائع ادویات سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں الکوحل ملی ہوتی ہے اور وہ شراب ہے، حالانکہ مائع ادویات میں ان کے تحفظ کے لیے بہت قلیل مقدار میں الکوحل ملائی جاتی ہے اور اتنی مقدار میں وہ نشہ آور نہیں ہوتی، نیز اس میں دیگر کیمیاوی اجزاء کا بھی غلبہ ہوتا ہے اور خالص شراب میں بھی اگر نمک ملا دیا جائے تو وہ سرکہ ہو جاتی ہے،اسی طرح یہ مفتی حضرات انتقالِ خون سے منع کرتے ہیں، حالانکہ جب کسی شخص کا کسی حادثے میں بہت زیادہ خون نکل جائے تو جب تک اس کو خون مہیا نہ کیا جائے وہ صحت یاب نہیں ہوتا۔اسی طرح بعض لوگوں کو بلڈ کینسر ہو جاتا ہے،اس کا علاج ہی یہی ہے کہ ان کے جسم کا پورا خون تبدیل کر دیا جائے۔اسی طرح پوسٹ مارٹم سے منع کرتے ہیں، حالانکہ بعض صورتوں میں قاتل کی تعیین اور شناخت کے لیے پوسٹ مارٹم ضروری ہوتا ہے تاکہ کسی بے قصور کے اوپر قتل کا الزام عائد نہ ہو۔(سعیدی غفرلہٗ)

۶۱۲۶ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّهَا قَالَتْ مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بَيْنَ أَمْرَيْنِ قَطُّ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا فَإِنْ كَانَ إِثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ وَمَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لِنَفْسِهِ فِي شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللهِ فَيَنْتَقِمَ بِهَا لِلّٰهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از ابن شہاب از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں: جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو کاموں کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ ان دونوں میں سے آسان کام کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہوتا۔پس اگر وہ گناہ ہوتا تو آپ تمام لوگوں سے زیادہ اس سے دور رہنے والے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی چیز میں بھی اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حرمت کو پامال کیا جا رہا ہو تو پھر آپ اس کا انتقام لیتے تھے۔

(صحیح بخاری: ۳۵۶۰، ۶۱۲۶، ۶۷۸۶، ۶۸۵۳، صحیح مسلم: ۲۳۲۷، سنن ابوداؤد: ۴۷۸۵، مسند احمد: ۲۵۷۳۰، موطا امام مالک: ۱۶۷۱)

صحیح البخاری: ۶۱۲۶ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ما خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین امرین" اس سے مراد ہے کہ جن دنیاوی کاموں میں آپ کو

اختیار دیا جاتا، اس میں آپ زیادہ آسان کام کو اختیار فرماتے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مالم یکن اثما" گناہ تو صرف آخرت کے امور میں ہوتا ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دو کاموں کے درمیان کیسے اختیار دیا جائے گا جن میں سے ایک کام گناہ ہوگا۔

پھر علامہ کرمانی نے اس کا یہ جواب دیا کہ اگر کفار کی جانب سے آپ کو اختیار دیا گیا ہو پھر تو ظاہر ہے کہ کفار آپ کو دو کاموں میں سے کوئی ایک کام کرنے کا کہیں اور ان میں سے کوئی ایک کام گناہ ہو۔ اور اگر آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اختیار دیا گیا یا مسلمانوں کی طرف سے تو اس کا معنی یہ ہے: جب تک کہ وہ کام کسی گناہ کی طرف نہ پہنچاتا ہو جیسا کہ آپ کو عبادت میں مجاہدہ اور عبادت میں میانہ روی میں سے کسی ایک چیز کا اختیار دیا جائے، کیونکہ عبادت میں اتنا مجاہدہ کرنا جو آدمی کو ہلاکت تک پہنچا دے جائز نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الا ان تنتهك حرمة الله" یعنی جس کام کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، اس حد کو کوئی توڑے تو آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا بدلہ لیتے اور جو اس کا ارتکاب کرتا، آپ اس سے انتقام لیتے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۶۲۔ ۲۶۳، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۲۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنِ الْأَزْرَقِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ كُنَّا عَلَى شَاطِئِ نَهَرٍ بِالْأَهْوَازِ قَدْ نَضَبَ عَنْهُ الْمَاءُ فَجَاءَ أَبُو بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيُّ عَلَى فَرَسٍ فَصَلَّى وَخَلَّى فَرَسَهُ فَانْطَلَقَتِ الْفَرَسُ فَتَرَكَ صَلَاتَهُ وَتَبِعَهَا حَتَّى أَدْرَكَهَا فَأَخَذَهَا ثُمَّ جَاءَ فَقَضَى صَلَاتَهُ وَفِينَا رَجُلٌ لَهُ رَأْيٌ فَأَقْبَلَ يَقُولُ انْظُرُوا إِلَى هَذَا الشَّيْخِ تَرَكَ صَلَاتَهُ مِنْ أَجْلِ فَرَسٍ فَأَقْبَلَ فَقَالَ مَا عَنَّفَنِي أَحَدٌ مُنْذُ فَارَقْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَقَالَ إِنَّ مَنْزِلِي مُتَرَاخٍ فَلَوْ صَلَّيْتُ وَتَرَكْتُهُ لَمْ آتِ أَهْلِي إِلَى اللَّيْلِ وَذَكَرَ أَنَّهُ قَدْ صَحِبَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَرَأَى مِنْ تَيْسِيرِهِ۔

(صحیح البخاری: ۱۲۱۱، ۶۱۲۷، مسند احمد: ۱۹۲۹۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو النعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ازرق بن قیس، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اہواز (ایران کا ایک شہر) میں دریا کے کنارے پر تھے جس کا پانی سوکھ چکا تھا، پس حضرت ابو برزہ اسلمی اپنے گھوڑے پر آئے، سو انہوں نے نماز پڑھی اور گھوڑے کو چھوڑ دیا، پس گھوڑا چلا گیا، انہوں نے نماز چھوڑ دی اور گھوڑے کا پیچھا کیا حتیٰ کہ گھوڑے کو پکڑ لیا، پس اس کو پکڑ کر لائے، پھر آ کر اپنی نماز ادا کی، اور ہم میں ایک مرد تھا جو صاحب رائے تھا وہ آگے بڑھا اور کہنے لگا: اس بوڑھے کی طرف دیکھو، اس نے گھوڑے کی وجہ سے نماز چھوڑ دی تو حضرت ابو برزہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: جب سے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہوا ہوں، مجھے کسی نے ملامت نہیں کی اور انہوں نے کہا کہ میرا گھر کافی دور ہے، پس اگر میں نماز پڑھتا رہتا اور گھوڑے کو چھوڑ دیتا تو میں رات تک بھی اپنے گھر والوں کے پاس نہیں پہنچ سکتا تھا، انہوں نے بتایا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آسانی کو دیکھا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۱۲۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں آسانی کرنے کا ذکر ہے اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابو برزہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ آسان کام کو اختیار کرتے تھے، کیونکہ یہ جائز نہیں تھا کہ وہ اپنی طرف سے کوئی کام کریں، بغیر اس کے کہ انہوں نے اس کام کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشاہدہ کیا ہو۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالنعمان، یہ محمد بن الفضل السدوسی ہیں جن کو عارم کہا جاتا ہے، یہ ۲۲۴ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں ازرق بن قیس کا ذکر ہے، یہ الحارثی البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو برزہ کا ذکر ہے، یہ ابن عبید بن الحارث الاسلمی ہیں، انہوں نے بصرہ میں رہائش اختیار کر لی تھی اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث کا سماع کیا تھا۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الاھواز" یہ عراق اور فارس کے درمیان ایک جگہ ہے خولستان۔

اس حدیث میں مذکور ہے "نضب" یعنی اس دریا کا پانی زمین میں دھنس گیا تھا اور دریا خشک ہو گیا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقضی صلوته" یعنی حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے اپنی نماز ادا کی، اور قضا ادا کے معنی میں بھی آتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے "فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ" (الجمعہ: ۱۰) یعنی جب نماز ادا کر لی جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وفینا رجل" گویا کہ یہ مرد خوارج کی رائے کو صحیح سمجھتا تھا یعنی خارجی تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "متراخ" یعنی متباعد، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا گھر دور تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وترکتھا" یعنی میں نے گھوڑی کو چھوڑ دیا، اور فرس کے لفظ کا مذکر اور مونث دونوں پر اطلاق ہوتا ہے، لیکن یہ لفظ مؤنث سماعی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فرای من تیسیرہ" یعنی انہوں نے کاموں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آسانی کو اختیار کرنے کو دیکھا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۹۳ دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۲۸ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَالَ فِي الْمَسْجِدِ فَثَارَ إِلَيْهِ النَّاسُ لِيَقَعُوا بِهِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم دَعُوهُ وَأَهْرِيقُوا عَلَى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری ح اور اللیث نے کہا: مجھے یونس نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے خبر دی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر دی کہ ایک اعرابی نے

بَوْلِهِ ذَنُوبًا مِنْ مَاءٍ أَوْ سَجْلًا مِنْ مَاءٍ فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ۔

مسجد میں پیشاب کر دیا، لوگ اس کی طرف دوڑے تا کہ اس کو سزا دیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اس کو چھوڑ دو اور اس کے پیشاب کے اوپر ایک ڈول پانی ڈال دو (راوی کو شک ہے کہ یہاں ذنوب کا لفظ ہے یا سجل کا لفظ ہے) پھر آپ نے فرمایا: تمہیں آسان احکام بیان کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے اور تمہیں لوگوں کو مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بھیجا گیا۔

(صحیح البخاری: ۲۱۹، ۲۲۰، ۶۰۲۵، ۶۱۲۸، صحیح مسلم: ۲۸۴، سنن ترمذی: ۱۴۷، سنن نسائی: ۵۵، سنن ابن ماجہ: ۵۲۹، مسند احمد: ۷۲۲۲، ۱۰۰۹۷، موطا امام مالک: ۱۴۴، سنن دارمی: ۷۴۰)

صحیح البخاری: ۶۱۲۸ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فثار اليه" یہ لفظ ثوران سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: ہیجان یعنی خون کا جوش میں آنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ليقعوا به" یعنی تا کہ اس کو سزا دیں یا ایذاء پہنچائیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "دعوه" اس کا معنی ہے: اس کو چھوڑ دو، اور آپ نے یہ دو مصلحتوں کی وجہ سے فرمایا، ایک مصلحت یہ تھی کہ اگر اس پر اس کا پیشاب منقطع کیا گیا تو اس کو ضرر ہوگا اور نجاست کو مسجد کی تھوڑی سی جگہ میں حاصل ہوئی ہے، اور اگر وہ اس کو پیشاب کے درمیان کھڑا کر دیتے تو اس کے کپڑے نجس ہو جاتے اور کپڑے بھی نجس ہو جاتے اور مسجد کی متعدد جگہیں بھی نجس ہو جاتیں جب کہ ابھی صرف ایک ہی جگہ تھوڑی سی نجس ہوئی تھی جس کو دھونا آسان تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "واهريقوا" یعنی اس پر پانی بہا دو، یہ لفظ اصل میں "اريقوا" ہے اور "اراقة" سے ماخوذ ہے پھر ہا کو ہمزہ سے بدل دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ذنوبا" اس کا معنی ہے: بھرا ہوا ڈول۔

اس حدیث میں مذکور ہے "سجلا" راوی کو شک ہے۔ سجل کا معنی ڈول ہے جس میں پانی ہو خواہ کم ہو یا زیادہ۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۶۴، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۸۱۔ بَابُ: الْاِنْبِسَاطِ إِلَى النَّاسِ

لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملنا

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: خَالِطِ النَّاسَ وَدِينَكَ لَا تَكْلِمَنَّهُ وَالدُّعَابَةَ مَعَ الْأَهْلِ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگوں سے میل جول رکھو اور اپنے دین کو ہرگز زخمی نہ کرنا اور اہل کے ساتھ مزاح کرنا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ لوگوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ اور مسکراتے ہوئے ملنا جائز ہے، اور اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی لوگوں سے ملے ایسے چہرہ کے ساتھ جس پر مسکراہٹ ہو، جب کہ ان لوگوں میں کوئی گناہ کے آثار نہ ہوں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے اور آپ کے چہرہ پر سب سے زیادہ مسکراہٹ رہتی تھی اور اللہ عزوجل نے آپ کے اس وصف کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم:۴) اور بے شک آپ ضرور عظیم اخلاق پر فائز ہیں O

پس آپ مردوں، عورتوں اور بچوں سب سے ہنستے مسکراتے ہوئے ملتے اور ان سے مزاح بھی فرماتے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مزاح کرتا ہوں لیکن میں حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتا۔ پس مومن کو بھی چاہیے کہ وہ حسنِ اخلاق میں اور خندہ پیشانی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یہ تعلیق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ لوگوں سے خندہ پیشانی اور کشادہ روئی کے ساتھ ملنا اور ان سے مل جل کر رہنا مشروع ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس سے دین میں کوئی خلل نہ آئے، اور انہوں نے جو کہا: تم اپنے دین کو ہرگز زخمی نہ کرنا تو اس سے یہی مراد ہے، کیونکہ کِلم کا معنی زخمی کرنا ہے۔ امام طبرانی نے اس تعلیق کو المعجم الکبیر میں سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اور دوسری تعلیق میں مذکور ہے: اہل کے ساتھ مزاح کرنا اور کھیلنا۔

اور امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! بے شک آپ ہمارے ساتھ مزاح کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: بے شک میں حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتا۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرو اور نہ اس سے مزاح کرو۔ الحدیث۔ سو اس حدیث میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاح سے منع فرمایا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان احادیث میں اس طرح تطبیق ہے کہ جس مزاح سے منع فرمایا ہے، وہ ایسا مزاح ہے جس میں افراط ہو، یا اس مزاح پر دوام ہو، کیونکہ جس مزاح میں افراط ہو اور اس پر دوام ہو تو اس سے ایذاء ہوتی ہے اور جھگڑا ہوتا ہے اور اس سے ہیبت اور وقار ساقط ہو جاتے ہیں، اور جو ایسا مزاح ہو جو افراط اور مداومت سے خالی ہو تو وہ مباح ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۶۴۔ ۲۶۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۲۹۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو التَّيَّاحِ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے

قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضی الله عنه يَقُولُ إِنْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَيُخَالِطُنَا حَتَّى يَقُولَ لِأَخٍ لِي صَغِيرٍ يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ۔

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالتیاح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کر رہے تھے کہ بے شک نبی ﷺ ہم سے مل جل کر رہتے تھے حتیٰ کہ آپ میرے چھوٹے بھائی سے فرماتے "اے ابوعمیر! تمہارا نُغیر نامی پرندہ کیسا ہے؟

(صحیح بخاری: ۶۲۰۳، صحیح مسلم: ۲۱۵۰، سنن ترمذی: ۱۹۸۹، سنن ابوداؤد: ۴۹۶۹، سنن ابن ماجہ: ۳۷۲۰، مسند احمد: ۱۱۷۸۹)

صحیح البخاری: ۶۱۲۹ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یخالطنا" یعنی آپ ہمارے ساتھ مل جل کر رہتے اور مسکراتے ہوئے چہرہ کے ساتھ ملتے اور مزاح فرماتے اور لطف فرماتے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یاباعمیر" اس کی اصل "یا ابا عمیر" ہے، تخفیف کے لیے الف کو حذف کر دیا ہے اور عمیر، عمر کی تصغیر ہے، اور یہ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں، اور ان کا نام زید بن سہل ہے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ماں شریک بھائی ہیں، اور ان دونوں کی ماں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا ہیں۔ زید بن سہل، رسول اللہ ﷺ کے عہد میں وفات پا گئے تھے، اور نبی ﷺ ان کے ساتھ کھیلتے اور مزاح فرماتے: "یا باعمیر مافعل النغیر" فرماتے، اور نغیر، نغر کی تصغیر ہے اور وہ نغرۃ کی جمع ہے، یہ چڑیا کی طرح ایک پرندہ ہے جس کی چونچ سرخ ہوتی ہے، اور "مافعل النغیر" کا معنی ہے: یعنی اس کی کیا شان ہے، کیا حال ہے، کیسا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۶۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

نبی ﷺ کے مزاح کی چند مثالیں

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے نبی ﷺ سے سواری طلب کی، آپ نے فرمایا: میں تم کو اونٹنی کے بچے پر سوار کروں گا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا؟ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر اونٹ اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔

(شمائل ترمذی: ۲۳۹، سنن ابوداؤد: ۴۹۹۸، سنن ترمذی: ۱۹۹۱، الادب المفرد: ۲۶۸، مسند ابویعلیٰ: ۳۷۶۷، سنن بیہقی: ۲۴۸، شرح السنۃ: ۳۶۰۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد دیہات کا رہنے والا تھا اور اس کا نام زاہر تھا، وہ رسول اللہ ﷺ کو دیہات سے لا کر ہدیے پیش کرتا تھا، اور جب وہ جانے لگتا تو نبی ﷺ بھی اسے کچھ عطا فرماتے، پس نبی ﷺ نے فرمایا کہ زاہر ہمارا دیہاتی ہے اور ہم اس کے شہری ہیں، اور رسول اللہ ﷺ اس سے محبت فرماتے تھے اور وہ بدشکل تھا اور کریہہ المنظر

تھا۔ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آئے، وہ اپنا سامان بیچ رہا تھا، آپ نے پیچھے سے اس کو لپٹا لیا، وہ آپ کو نہیں دیکھ رہا تھا، اس نے کہا: یہ کون ہے؟ مجھے چھوڑو، پھر اس نے مڑکر دیکھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا، اور اس کی کمر کا حصہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کے ساتھ مس ہوا تھا اس کو اسی طرح رہنے دیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: اس غلام کو کون خریدے گا؟ اس مرد نے کہا: یارسول اللہ! تب اللہ کی قسم! آپ مجھے کھوٹا پائیں گے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم کھوٹے نہیں ہو، یا فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیمتی ہو۔

(شمائل ترمذی: ۲۴۰، مصنف عبدالرزاق: ۱۹۶۸۸، مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۱، مسند ابویعلیٰ: ۳۴۵۶، صحیح ابن حبان: ۵۷۹۰، مسند البزار: ۲۷۳۵، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۴۸، شرح السنۃ: ۳۶۰۴، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۶۸، المعجم الکبیر للطبرانی: ۵۳۱۰۔ علامہ ہیثمی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے تمام رجال کی توثیق کی گئی ہے۔ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۶۹)

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ ایک بوڑھی عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، کہنے لگی: یارسول اللہ! آپ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کردے، آپ نے فرمایا: اے فلاں کی ماں! جنت میں کوئی بوڑھی عورت داخل نہیں ہوگی، وہ عورت روتے ہوئے مڑکر جانے لگی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو خبر دو کہ جنت میں کوئی عورت بڑھاپے کے حال میں داخل نہیں ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّآ أَنشَأْنَٰهُنَّ إِنشَآءً ۝ فَجَعَلْنَٰهُنَّ أَبْكَارًا ۝ عُرُبًا أَتْرَابًا ۝ (الواقعہ: ۳۵۔۳۷)

ہم نے ان کی بیویوں کو خصوصیت سے پیدا کیا ہے O ہم نے ان کو دوشیزہ بنایا O محبت کرنے والیاں ہم عمر O

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: ''یاذا الاذنین'' ابواسامہ نے کہا: آپ یہ ان سے مزاح میں فرماتے تھے اور یہ کلام برحق تھا کیونکہ ہر آدمی کے دو کان ہوتے ہیں۔ (شمائل ترمذی: ۲۲۷)

مزاح کی حدود اور قیود

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مزاح فرماتے تھے، اور آپ فرماتے تھے کہ مزاحِ صادق میں اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں فرماتا، لیکن مزاح پر دوام نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ ہنسی کو پیدا کرتا ہے اور دل کی سختی کو پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کرتا ہے اور دین کے مسائل میں غور وفکر سے مانع ہوتا ہے اور اکثر اوقات میں مزاح کا نتیجہ ایذاء ہوتا ہے، کیونکہ یہ کینہ کو پیدا کرتا ہے اور رعب کو ساقط کرتا ہے، پس مزاح میں افراط ممنوع ہے اور مباح وہ ہے جو ان چیزوں سے خالی ہو، بلکہ اگر مخاطب کے دل کو خوش کرنے کے لیے اور اسے مانوس کرنے کے لیے ہو تو درست ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات مزاح فرماتے تھے۔

(المواہب اللدنیہ علی الشمائل المحمدیہ ص ۳۷۸)

۶۱۳۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ كُنْتُ أَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَكَانَ لِي صَوَاحِبُ يَلْعَبْنَ مَعِي فَكَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابومعاویہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گڑیوں

دَخَلَ يَتَقَمَّعْنَ مِنْهُ فَيُسَرِّبُهُنَّ إِلَيَّ فَيَلْعَبْنَ مَعِي۔

کے ساتھ کھیلتے تھی اور میری سہیلیاں تھیں وہ بھی میرے ساتھ کھیلتی تھیں، پس رسول اللہ ﷺ جب گھر میں داخل ہوتے تو وہ سہیلیاں آپ سے چھپ جاتیں، پھر آپ ان کو میری طرف بلاتے اور پھر وہ میرے ساتھ کھیلتیں۔

(صحیح مسلم: ۲۴۴۰، سنن ابوداؤد: ۴۹۳۱، سنن ابن ماجہ: ۱۹۸۲، مسند احمد: ۷ ۲۵۴۳)

صحیح البخاری: ۶۱۳۰ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملنا اور اپنے اہل کے ساتھ مزاح کرنا'' ۔اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملتے تھے اور وہ جو گڑیوں سے کھیلتی تھیں تو اس سے خوش ہوتے تھے اور ان کے ساتھ ان کی سہیلیوں کو بھیجتے تھے حتیٰ کہ وہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کھیلتی تھیں، اور اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نابالغہ تھیں اس لیے ان کو گڑیوں کے ساتھ کھیلنے کی اجازت دی گئی تھی، اور بالغوں کے ساتھ یہ کراہت باقی ہے۔

حدیث مذکور کے مسائل

اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ گڑیوں کی صورت بنانا جائز ہے تاکہ بچیاں اس کے ساتھ کھیلیں اور یہ تصویر بنانے کے عموم سے خارج ہے۔ قاضی عیاض مالکی نے اسی کو وثوق سے کہا ہے اور جمہور نے اس کو نقل کیا ہے اور فقہاء نے گڑیوں کی بیع کو جائز قرار دیا ہے تاکہ بچیاں گڑیوں کے ساتھ کھیل کر گھر کے معاملات کو سمجھ لیں۔ اور بعض علماء نے کہا کہ یہ حکم منسوخ ہے۔ علامہ ابن بطال کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ اور علامہ ابن الجوزی نے وثوق سے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گڑیوں کے ساتھ کھیلنے کی جو رخصت دی گئی تھی، یہ تصویر بنانے کی تحریم سے پہلے کی بات ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۶۶، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۸۲۔ بَابُ: الْمُدَارَاةِ مَعَ النَّاسِ

لوگوں سے نرمی کے ساتھ کلام کرنے کا بیان

وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ إِنَّا لَنَكْشِرُ فِي وُجُوهِ أَقْوَامٍ وَإِنَّ قُلُوبَنَا لَتَلْعَنُهُمْ۔

اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا جاتا ہے، انہوں نے کہا: ہم قوموں کے ساتھ ہنستے ہیں اور مسکراتے ہیں اور ہمارے دل ان پر لعنت کرتے ہیں۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مدارات مستحب ہے اور مدارات کا معنی ہے'' نرمی سے کلام کرنا اور ڈانٹ ڈپٹ اور درشت کلام کو ترک کر دینا'' اور یہی مومنین کے اخلاق میں سے ہے۔ اور'' مداھنۃ'' حرام ہے، ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ کوئی شخص کسی

فاسق معلن سے ملاقات کرے اور اس سے محبت کی باتیں کرے اور اس پر انکار نہ کرے خواہ دل سے انکار ہو، اور مدارات یہ ہے کہ اس جاہل کے ساتھ نرمی سے کلام کرنا جو اپنے گناہوں کو چھپاتا ہے اور اس کے ساتھ لطف سے پیش آنا۔

علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: مدارات کا شمار حسنِ خلق میں ہوتا ہے اور حسنِ صحبت میں ہوتا ہے۔ پھر امام بخاری نے یہاں پر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی تعلیق ذکر کی ہے کہ ہم لوگوں سے ہنستے ہوئے ملتے ہیں اور ہمارے دل ان پر لعنت کرتے ہیں۔

یہ تعلیق عویمر بن مالک نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اس تعلیق میں "لنکشر" کا لفظ ہے، یہ الکشر سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے دانتوں کو ظاہر کرنا اور اس کا اکثر اطلاق ہنسنے پر ہوتا ہے، اور اس کا اسم الکشرۃ، العشرۃ کی طرح ہے۔

اکثرین کی روایت میں ہے کہ ہمارے دل ان پر لعنت کرتے ہیں اور الکشمیھنی کی روایت میں ہے "لتقلیھم" اور ہمارے دل ان سے بغض رکھتے ہیں، یعنی ہم بہ ظاہر ان سے خوشی کے ساتھ ملتے ہیں اور ہمارے دل ان سے بغض رکھتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۳۱- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ حَدَّثَهُ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهُ اسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم رَجُلٌ فَقَالَ ائْذَنُوا لَهُ فَبِئْسَ ابْنُ الْعَشِيرَةِ أَوْ بِئْسَ أَخُو الْعَشِيرَةِ فَلَمَّا دَخَلَ أَلَانَ لَهُ الْكَلَامَ فَقُلْتُ لَهُ يَا رَسُولَ اللهِ قُلْتَ مَا قُلْتَ ثُمَّ أَلَنْتَ لَهُ فِي الْقَوْلِ فَقَالَ أَيْ عَائِشَةُ إِنَّ شَرَّ النَّاسِ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللهِ مَنْ تَرَكَهُ أَوْ وَدَعَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ فُحْشِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابن المنکدر، انہوں نے ان کو عروہ بن الزبیر سے حدیث بیان کی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرد نے اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: اس کو اجازت دے دو، وہ اپنے قبیلہ کا برا بیٹا ہے یا اپنے قبیلے کا برا بھائی ہے، پھر جب وہ گھر میں داخل ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نرمی سے کلام کیا، تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: یارسول اللہ! آپ نے تو وہ فرمایا تھا جو فرمایا تھا، پھر آپ نے اس کے ساتھ بہت نرمی سے بات کی، آپ نے فرمایا: اے عائشہ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں سب سے برا وہ ہوتا ہے جس کو لوگ اس کی فحش کلامی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔

(صحیح بخاری: ۶۰۳۲، ۶۰۵۴، ۶۱۳۱، صحیح مسلم: ۲۵۹۱، سنن ترمذی: ۱۹۹۶، سنن ابوداؤد: ۴۷۹۱، مسند احمد: ۲۳۵۸۶)

صحیح البخاری: ۶۱۳۱ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ ابن عیینہ ہیں، وہ محمد بن المنکدر سے روایت کرتے ہیں از عروہ۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "رجل" یعنی ایک مرد نے اجازت طلب کی۔ علامہ کرمانی نے کہا: اس کا نام عیینہ بن حصن ہے۔
اور اس حدیث میں مذکور ہے "فبئس ابن العشيرة" یعنی یہ مرد قبیلے کا برا آدمی ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "یا عائشة!" یعنی اے عائشہ!
اس حدیث میں مذکور ہے "ترکه او ودعه" راوی کو شک ہے کہ آپ نے "ترکه" فرمایا تھا یا "ودعه" فرمایا تھا معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "اتقاء فحشه" یعنی اس کی بدکلامی سے بچنے کے لیے لوگ اس کو چھوڑ دیں۔

فاسق معلن کی غیبت کا جواز

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فاسق معلن کی غیبت کرنا جائز ہے، اور اس کے عیوب اس لیے بیان کیے جائیں تا کہ لوگ اس سے بچ کر رہیں۔ اور جس مرد کا ذکر کیا گیا ہے وہ اسی طرح تھا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیونکہ آپ کی حیات میں وہ ضعیف الایمان تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ مرتد ہو گیا۔
علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ لوگوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کریں جس طرح کے اوصاف ان سے ظاہر ہوں، اور وہ مرد اسلام کو ظاہر کرتا تھا تو آپ نے اس کے داخل ہونے سے پہلے اپنے علم کے مطابق فرمایا کہ وہ اپنے قبیلے کا برا آدمی ہے اور اس کے بعد آپ نے اس کا ذکر فرمایا جو اس کے اوصاف سے ظاہر تھا، کیونکہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۳۲ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ أَخْبَرَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أُهْدِيَتْ لَهُ أَقْبِيَةٌ مِنْ دِيبَاجٍ مُزَرَّرَةٌ بِالذَّهَبِ فَقَسَمَهَا فِي نَاسٍ مِنْ أَصْحَابِهِ وَعَزَلَ مِنْهَا وَاحِدًا لِمَخْرَمَةَ فَلَمَّا جَاءَ قَالَ قَدْ خَبَأْتُ هَذَا لَكَ قَالَ أَيُّوبُ بِثَوْبِهِ وَأَنَّهُ يُرِيهِ إِيَّاهُ وَكَانَ فِي خُلُقِهِ شَيْءٌ رَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ وَقَالَ حَاتِمُ بْنُ وَرْدَانَ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ الْمِسْوَرِ قَدِمَتْ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَقْبِيَةٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن عبدالوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن علیہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے خبر دی، از عبداللہ بن ابی ملیکہ، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہدیہ میں دیباج کی اچکنیں آئیں جن میں سونے کے بٹن لگے ہوئے تھے، آپ نے وہ اچکنیں اپنے اصحاب میں تقسیم فرما دیں، ان میں سے ایک اچکن بچ گئی وہ آپ نے حضرت مخرمہ کے لیے رکھ دی، پھر جب وہ آئے تو آپ نے فرمایا: میں نے یہ تمہارے لیے چھپا کر رکھی تھی، ایوب نے کہا کہ آپ نے اس اچکن کو کپڑے میں چھپا کے رکھا تھا، آپ وہ اچکن ان کو دکھا رہے تھے اور ان (مخرمہ) کے اخلاق میں کچھ سختی تھی، اس حدیث کی حماد بن زید نے بھی از

ایوب روایت کی ہے اور حاتم بن وردان نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از ابن ابی ملیکہ از المسور کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مختلف اچکنیں آئی تھیں۔

(صحیح بخاری: ۲۵۹۹، ۲۶۵۷، ۳۱۲۷، ۵۸۰۰، ۵۸۶۲، ۶۱۳۲، صحیح مسلم: ۱۰۵۸، سنن ترمذی: ۲۸۱۸، سنن نسائی: ۵۳۲۴، سنن ابو داؤد: ۴۰۲۸، مسند احمد: ۱۸۴۴۸)

صحیح البخاری: ۶۱۳۲ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی عنوان کے ساتھ مطابقت اس سے معلوم ہوتی ہے کہ حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ کے اخلاق میں کوئی چیز تھی یعنی کچھ سخت مزاج کے تھے تو اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے یہ اچکن تمہارے لیے چھپا کے رکھی تھی، پھر آپ ان کو وہ اچکن دکھا رہے تھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن علیہ، اور یہ اسماعیل بن ابراہیم ہیں، اور عُلَیّہ ان کی ماں کا نام ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ایوب، وہ السختیانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن ابی ملیکہ، یہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی ملیکہ ہیں، اور ان کا نام زہیر القرشی ہے اور یہ عبداللہ التابعی ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مخرمہ، یہ المسور کے والد ہیں اور یہ دونوں صحابی ہیں رضی اللہ عنہما۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اقبیة" یہ قباء کی جمع ہے اور دیباج ریشم کی ایک قسم ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قال ایوب" قال یہاں پر أشارَ کے معنی میں ہے یعنی انہوں نے اشارہ کیا، کیونکہ لفظ قول بولا جاتا ہے اور اس سے فعل کا ارادہ کیا جاتا ہے، یعنی ایوب نے کپڑے کی طرف اشارہ کیا تا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مستحضر ہو یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مخرمہ کو وہ کپڑا دکھایا جس کو انہوں نے ان کے لیے چھپا کر رکھا تھا تا کہ ان کا دل خوش ہو، کیونکہ ان کے خُلق میں تھوڑی سی سخت مزاجی تھی۔

اس حدیث میں حماد بن زید کی تعلیق ہے، یعنی اس حدیث مذکور کو حماد بن زید نے از ایوب السختیانی روایت کیا ہے۔

اور امام بخاری نے بھی اس کو سندِ موصول کے ساتھ "باب قسمة الامام مایقدم علیه" میں ذکر کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۸۳- بَابٌ: لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ مَرَّتَيْنِ
اس کا بیان کہ مومن ایک سوراخ سے دومرتبہ نہیں ڈسا جاتا

وَقَالَ مُعَاوِيَةُ: لَا حَكِيمَ إِلَّا ذُو تَجْرِبَةٍ۔
اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: حلیم وہی شخص ہوتا ہے جو تجربہ کر چکا ہو۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے ذکر میں ہے کہ مومن کو سوراخ سے دومرتبہ نہیں ڈسا جاتا، البتہ حدیث میں یہ ہے کہ مومن کو ایک سوراخ سے دومرتبہ نہیں ڈسا جاتا، اور ''لدغ'' کا معنی ہے: زہریلے جانوروں کا کاٹنا اور ''اللدع'' (عین کے ساتھ) یہ وہ ہے جو آگ سے ہو۔

اس حدیث کی تعلیق حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، اور اس تعلیق کی باب کی حدیث کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ جو حلیم تجربہ کار نہ ہو تو وہ ایک کام کرے گا اور اس کے بعد پھر دوسرا کام کرے گا، تو اسی لیے حلیم کی قید تجربہ کے ساتھ لگائی ہے، یعنی حلیم وہی ہوتا ہے جو تجربے والا ہو۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی مرد اس وقت تک حلم کے ساتھ متصف نہیں ہوتا جب تک کہ وہ متعدد امور کا تجربہ نہ کر لے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس نے متعدد کاموں کا تجربہ کر لیا تو ان کاموں کے انجام کو پہچاننے والا ہو جاتا ہے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس تعلیق کو امام ابی بکر بن ابی شیبہ نے سندِ موصول کے ساتھ اپنی سند میں ذکر کیا ہے، اس میں مذکور ہے کہ ''لاحلم الا بالتجارب''۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۶۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۳۳- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ قَالَ لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از زہری از ابن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: مومن کو ایک سوراخ سے دومرتبہ نہیں ڈسا جائے گا۔

(صحیح مسلم: ۲۹۹۸، سنن ابوداؤد: ۴۸۶۲، سنن ابن ماجہ: ۳۹۸۲، مسند احمد: ۸۷۰۹، سنن دارمی: ۲۷۸۱)

صحیح البخاری: ۶۱۳۳ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عقیل بن خالد، یہ روایت کرتے ہیں محمد بن مسلم الزہری سے اور وہ روایت کرتے ہیں سعید بن المسیب سے از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

اس حدیث کی امام مسلم نے بھی آخر کتاب میں روایت کی ہے اور امام ابوداؤد نے کتاب الادب میں روایت کی ہے اور دونوں نے اس کی روایت قتیبہ سے کی ہے اور امام ابن ماجہ نے اس کی روایت کتاب الفتن میں کی ہے از محمد بن الحارث المصری۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لایلدغ"۔ علامہ خطابی نے کہا ہے: یہ جملہ لفظاً خبر ہے اور معناً امر ہے، یعنی مومن کو چاہیے کہ وہ محتاط اور خبردار رہے، اس کو کسی جانب سے اس کی غفلت میں یکے بعد دیگرے دھوکا نہ دیا جائے، اور کبھی اس کو دنیاوی امور میں دھوکا دیا جاتا ہے اور کبھی دینی امور میں دھوکا دیا جاتا ہے تو اس لیے اس کو زیادہ محتاط اور خبردار رہنا چاہیے۔

امام ابوعبید نے کہا: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب مومن سے ایک بار عہد کو توڑا جائے تو اس کو ہوشیار رہنا چاہیے کہیں دوسری بار اس سے عہد کو نہ توڑا جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس حدیث میں مومن سے مراد مومن کامل ہے جو تمام اسرار اور دقائق سے واقف ہو حتیٰ کہ آنے والی مشکلات اور مصائب سے خبردار رہتا ہو۔ رہا وہ مومن جو نادان ہو تو وہ تو بار بار ڈسا جاتا ہے۔

مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا، اس ارشاد کا شانِ نزول

یہ کلام اس قبیل سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف سبقت نہیں کی تھی، اور سب سے پہلے جس نے یہ بات کہی وہ ابوعزہ الجحی ہے، وہ شاعر تھا اور غزوہ بدر میں قید کیا گیا، اس نے اپنے بال بچوں اور فقر کی شکایت کی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر احسان فرمایا اور اس کو فدیہ لیے بغیر آزاد کر دیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ احد میں اس کو پکڑنے میں کامیاب ہوئے تو اس نے پھر کہا: مجھ پر احسان کریں اور اپنے فقر کا اور اپنے بال بچوں کا ذکر کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم کبھی مکہ میں اپنا منہ نہ دکھانا اور تم کہو گے کہ میں نے دو مرتبہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دھوکا دیا، پھر آپ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن ملقن نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے:

ابوعزہ نام کا ایک شاعر تھا اور وہ غزوہ بدر کے دن قید کیا گیا، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ اس پر احسان فرمائیں اور اس نے اپنے فقر کا آپ سے ذکر کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر احسان فرمایا اور اس سے یہ عہد لیا کہ وہ اسلام کے خلاف کسی کو برانگیختہ کرے گا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کرے گا، پھر اس نے یہ عہد کر لیا اور وہ مکہ چلا گیا، تو صفوان بن امیہ کے پاس ٹھہرا، وہ اس کے قیام کا اور اس کے بچوں کے خرچ کا ضامن ہوا، پھر وہ قریش کے ساتھ نکلا اور اسلام کے خلاف اس نے لوگوں کو برانگیختہ کیا، پھر وہ قید کیا گیا اور اس نے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ اس پر احسان فرمائیں تو آپ نے فرمایا کہ "مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا" تم اپنا منہ مکہ میں کسی کو نہ دکھانا اور تم کہو گے کہ میں نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دو مرتبہ دھوکا دیا، پھر آپ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۸ ص ۵۱۷، سنن بیہقی ج ۹ ص ۶۵)

۸۴۔ بَابُ: حَقِّ الضَّيْفِ — مہمان کے حق کا بیان

اس باب میں مہمان کو ٹھہرانے کی مدت کا بیان کیا گیا ہے اور عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے حق کا بیان بھی آئے گا۔ اور مہمان نوازی کرنا رسولوں کی اور عبادِ صالحین کی سنت ہے۔

۶۱۳۴۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَقُومُ اللَّيْلَ وَتَصُومُ النَّهَارَ قُلْتُ بَلَى قَالَ فَلَا تَفْعَلْ قُمْ وَنَمْ وَصُمْ وَأَفْطِرْ فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّكَ عَسَى أَنْ يَطُولَ بِكَ عُمُرٌ وَإِنَّ مِنْ حَسْبِكَ أَنْ تَصُومَ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَإِنَّ بِكُلِّ حَسَنَةٍ عَشْرَ أَمْثَالِهَا فَذَلِكَ الدَّهْرُ كُلُّهُ قَالَ فَشَدَّدْتُ فَشُدِّدَ عَلَيَّ فَقُلْتُ فَإِنِّي أُطِيقُ غَيْرَ ذَلِكَ قَالَ فَصُمْ مِنْ كُلِّ جُمُعَةٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ قَالَ فَشَدَّدْتُ فَشُدِّدَ عَلَيَّ قُلْتُ أُطِيقُ غَيْرَ ذَلِكَ قَالَ فَصُمْ صَوْمَ نَبِيِّ اللهِ دَاوُدَ قُلْتُ وَمَا صَوْمُ نَبِيِّ اللهِ دَاوُدَ قَالَ نِصْفُ الدَّهْرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن منصور نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح بن عبادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حسین نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن ابی کثیر از ابوسلمہ بن عبدالرحمن از حضرت عبداللہ بن عمرو، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: کیا مجھے یہ خبر نہیں دی گئی کہ تم رات بھر قیام کرتے ہو اور دن میں روزہ رکھتے ہو، میں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: تم ایسا نہ کرو، تم رات کو کسی وقت قیام بھی کیا کرو اور سویا بھی کرو اور روزہ رکھا بھی کرو اور روزہ چھوڑا بھی کرو، کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے، اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، اور بے شک عنقریب تمہاری عمر لمبی ہوگی اور تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تم ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھا کرو اور ہر روزے کا دس گنا اجر ملے گا تو اس طرح تمہیں ساری عمر روزے رکھنے کا ثواب مل جائے گا، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: پس میں نے سختی کی تو آپ نے مجھ پر سختی کی، میں نے کہا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، آپ نے فرمایا: پھر تم ہر جمعہ (یعنی ہر ہفتہ میں) تین روزے رکھ لیا کرو، حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا: پس میں نے سختی کی تو آپ نے مجھ پر سختی فرمائی، میں نے کہا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، تو آپ نے فرمایا: پھر تم نبی اللہ داؤد کے روزے رکھو، میں نے پوچھا: اور نبی اللہ داؤد کے روزے کیسے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نصف الدہر (یعنی ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن روزہ چھوڑ دو)۔

(صحیح بخاری: ۱۹۷۵، ۶۱۳۴، صحیح مسلم: ۱۱۵۹، سنن نسائی: ۲۳۹۱، مسند احمد: ۶۸۳۹)

صحیح البخاری: ۶۱۳۴ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''مہمان کا حق'' اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا ذکر ہے کہ ''تم پر تمہارے مہمان کا حق ہے''۔ مہمان کے لیے اس حدیث میں ''زود'' کا لفظ ہے اور زور بمعنی زائر ہے اور اس کا معنی ہے مہمان، اور اس کا حق ایک دن اور ایک رات قیام کرنا ہے۔ اور اس کے وجوب میں اختلاف ہے۔ اللیث بن سعد نے کہا کہ ایک رات مہمان کا ٹھہرانا فرض ہے، اور عبدِ مأذون (وہ بندہ جس کو اجازت دی گئی ہو) کو یہ اجازت دی کہ جو اس کو میسر ہو اس کے ساتھ مہمان کی ضیافت کرے۔ اور اہلِ علم کی جماعت نے کہا ہے کہ مہمان نوازی کرنا مکارمِ اخلاق سے ہے خواہ وہ شہر میں ہو یا گاؤں میں، اور یہ امام شافعی کا قول ہے۔ اور امام مالک نے کہا کہ شہر والوں پر اس کی ضیافت واجب نہیں ہے، اور علامہ سحنون مالکی نے کہا: ضیافت صرف گاؤں والوں پر واجب ہے، رہا شہر تو مسافر سرائے کے اندر ٹھہریں گے۔ اور عقبہ کی حدیث میں جو ضیافت کے واجب ہونے کا ذکر ہے، سو یہ ابتدائے اسلام پر محمول ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ مومنوں پر وسعت اور خیر کو لے آیا تو اب ضیافت کرنا مستحب ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دن اور ایک رات میں اس کو عطیات اور انعامات پیش کیے جائیں، یہ اس کی دلیل ہے کہ ضیافت فرض نہیں ہے، اور ''جائزۃ'' کا معنی عربی زبان میں عطیہ اور بخشش ہے، اور یہ فضل ہے واجب نہیں ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''دخل علیّ'' اس میں یاء پر تشدید ہے اور دخل کا فاعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ان یطول بك عمر'' یعنی قریب ہے کہ تمہاری عمر طویل ہو، پھر تمہاری قوی کمزور ہو جائیں گے اور تمہارے حواس اور تمہارے عقل پر بھی ضعف طاری ہو جائے گا، پھر تم روزہ رکھنے پر اس طرح دوام نہیں کر سکو گے اور بہترین عمل وہ ہوتا ہے جو ہمیشہ ہو اگرچہ تھوڑا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وان من حسبك'' یعنی تمہارے لیے کافی ہے کہ تم ہر مہینے تین روزے رکھ لو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''الدھر'' یعنی اگر تم نے داؤد علیہ السلام کے روزے رکھے تو یہ تمہارے لیے تمام دہر کے روزے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۸۵۔ بَابُ: إِكْرَامِ الضَّيْفِ وَخِدْمَتِهِ إِيَّاهُ بِنَفْسِهِ

مہمان کی ازخود تکریم اور ضیافت کرنا

وَقَوْلِهٖ تَعَالٰی: هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۞ (الذاریات ۲۴)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) کیا آپ کے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے؟O

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: يُقَالُ هُوَ زَوْرٌ وَهٰؤُلَاءِ زَوْرٌ وَضَيْفٌ وَمَعْنَاهُ أَضْيَافُهُ وَزُوَّارُهُ لِأَنَّهَا مَصْدَرٌ مِثْلُ قَوْمٍ رِضًا وَعَدْلٍ

امام ابوعبداللہ (یعنی امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ''ضیف'' کی طرح تین دوسرے الفاظ بھی ہیں جو مفرد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں): ''ھو زود'' وہ مہمان

يُقَالُ مَاءٌ غَوْرٌ وَبِئْرٌ غَوْرٌ وَمَاءَانِ غَوْرٌ وَمِيَاهٌ غَوْرٌ وَيُقَالُ: الْغَوْرُ الْغَائِرُ لَا تَنَالُهُ الدِّلَاءُ كُلُّ شَيْءٍ غُرْتَ فِيهِ فَهُوَ مَغَارَةٌ تَزَّاوَرُ تَمِيلُ مِنَ الزَّوَرِ وَالْأَزْوَرُ: الْأَمْيَلُ۔

ہے'''وھؤلاء زور''اور وہ سب مہمان ہیں''اس کا معنی ہے: وہ سب اس کے مہمان اور زیارت کرنے والے ہیں، کیونکہ زور کا لفظ مصدر ہے (یہ مفرد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے) جیسے ''قوم'' راضی ہے اور عادل ہے، اور کہا جاتا ہے'' پانی دھنسا ہوا ہے اور کنواں دھنسا ہوا ہے دو پانی دھنسے ہوئے ہیں اور ان دونوں کا پانی دھنسا ہوا ہے''۔اور''الغور'' کو الغائر کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، یعنی اس کنویں میں اتنا کم پانی ہے جو ڈول میں نہیں آسکتا، اور ہر وہ چیز جس میں تم جاؤ وہ مغار ہے اور غار اور کہف ہے، ''تزاور'' بھی زور سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی میلان ہے، اور ''الازور'' کا معنی ہے''الامیل'' یعنی زیادہ میلان کرنے والا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مہمان کی تعظیم اور تکریم کرنا مستحب ہے۔ امام بخاری نے عنوان میں لکھا ہے''اکرام الرجل ضیفہ'' یعنی مرد کا مہمان کی تعظیم کرنا اور اس کی خدمت کرنا۔ پھر اس کے بعد لکھا''بنفسہ'' یہ تخصیص بعد التعمیم ہے، کیونکہ مہمان کا اکرام کرنا عام ہے کہ میزبان خود اس کی تکریم کرے یا اپنے کسی خادم کو کہے کہ وہ اس کی خدمت کرے۔ اس کے بعد امام بخاری نے یہ آیت'' ضَيْفِ إِبْرٰهِيمَ الْمُكْرَمِينَ ''لکھی ہے، اس میں یہ اشارہ ہے کہ مہمان کا اطلاق ایک پر بھی کیا جاتا ہے اور جمع پر بھی کیا جاتا ہے، اسی لیے مکرمین، ضیف کی صفت ہے، اور اس کی جمع قلت اضیاف ہے اور جمع کثرت ضیوف اور ضیفان ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے''قال ابو عبد اللہ'' اس سے مراد خود امام بخاری ہیں۔

اس کے بعد اس تعلیق میں مذکور ہے''ھو زور وھؤلاء زور وضیف'' اس سے امام بخاری نے یہ ارادہ کیا کہ زور کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے اور جمع پر بھی ہوتا ہے، واحد کی مثال ہے''ھو زور'' اور جمع کی مثال ہے''ھؤلاء القوم زور''۔

اور اس تعلیق میں مذکور ہے''ومعناہ'' یعنی''ھؤلاء زور'' کا معنی ہے کہ یہ مہمان اور زیارت کرنے والے، اور''زوار'' زائر کی جمع ہے۔

اس کے بعد اس تعلیق میں مذکور ہے''لانھا مصدر'' یعنی امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ لفظ زور کا اطلاق زوار پر اس طرح ہے جیسے لفظ قوم کا اطلاق جماعت پر ہوتا ہے اور یہ مصدریت میں مثال نہیں ہے، کیونکہ لفظ قوم اسم ہے مصدر نہیں ہے برخلاف لفظ زور کے، وہ اصل میں مصدر ہے۔

اس کے بعد امام بخاری نے کہا "رِضا وعدل" یعنی کہا جاتا ہے "قوم رضا" اس کا معنی ہے: وہ قوم پسندیدہ ہے، اور کہا جاتا ہے "قوم عدل" یعنی وہ قوم عدول ہے، یعنی نیک ہے، قوم کی صفت لفظ کے اعتبار سے مفرد لائی گئی ہے، کیونکہ قوم لفظ کے اعتبار سے مفرد ہے اور معنی کے اعتبار سے جمع ہے۔

اور اس تعلیق میں مذکور ہے: کہا جاتا ہے "ماء غور" اس کا معنی ہے: پانی غائر ہے، یعنی زمین میں نیچے کی جانب دھنسنے والا ہے، اور کہا جاتا ہے "غار الماء غورا" اور غور اصل میں مصدر ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے ماء غور، وماثان غور، ومیاہ غور یعنی اس کا اطلاق واحد، تثنیہ اور جمع سب پر ہوتا ہے۔ اور "غور" اور "غائر" کہا جاتا ہے، یعنی وہ زمین کی نشیب کی طرف جانے والا ہے، یعنی پانی اتنا تھوڑا رہ جائے گا کہ ڈولوں میں نہیں جا سکے گا۔

اس کے بعد امام بخاری نے "تزاور" کا ذکر کیا، یعنی سورۂ کہف کے اندر جو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ تَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ (الکہف: ۱۷)

اور (اے مخاطب!) جب سورج نکلتا ہے تو، تو دیکھے گا کہ دھوپ ان کے غار سے دائیں طرف جھکی رہتی ہے۔

امام بخاری اس آیت کو ذکر کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس آیت میں "تزاور" کا لفظ بھی زور سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے میلان اور "ازور" کا لفظ اسم تفضیل کا صیغہ ہے یعنی زیادہ میلان کرنے والا۔ اور "تزاور" اصل میں "تتزاور" تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۳۵ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْكَعْبِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ جَائِزَتُهُ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ وَالضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ فَمَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَثْوِيَ عِنْدَهُ حَتّٰى يُحْرِجَهُ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ مِثْلَهُ وَزَادَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از سعید بن ابی سعید المقبری، از ابی شریح الکعبی، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والا ہے، اسے چاہیے کہ مہمان کی تکریم کرے، ایک دن اور ایک رات اس کے لیے عطیات ہیں، اور مہمانی تین دن ہے، اور اس کے بعد وہ صدقہ ہے۔ اور مہمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ میزبان کے پاس اس سے زیادہ ٹھہرے حتیٰ کہ میزبان کو حرج اور مشقت میں ڈالے۔ ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے اس کی مثل حدیث بیان کی، اور یہ اضافہ کیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔

(صحیح البخاری: ۶۰۱۹، ۶۱۳۵، ۶۴۷۶، صحیح مسلم: ۴۸، سنن ترمذی: ۱۹۶۷، سنن ابوداؤد: ۳۷۴۸، مسند احمد: ۲۶۶۲۰، موطا امام مالک: ۱۷۲۸)

صحیح البخاری: ۶۱۳۵ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے''مہمان کی تعظیم کرنا''اور اس حدیث میں مذکور ہے''جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، وہ مہمان کی تکریم کرے''۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوشریح، ان کا نام خویلد بن عمرو ہے، اور یہ بنی عدی بن عمرو بن لحی سے ہیں جو کعب بن عمرو کے بھائی ہیں، اسی وجہ سے ان کو الکعبی کہا گیا ہے، اور کہا گیا ہے کہ الکعبی ۶۸ ھ میں مدینہ میں فوت ہو گئے تھے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''جائزتہ'' یہ فاعل کا وزن ہے اور''جواز'' سے ماخوذ ہے، اور اس کا معنی ہے: عطاء اور شارع نے یہ مقرر کر دیا کہ مہمان کا زیادہ اعزاز اور اس کو عطیات ایک دن اور ایک رات تک دیے جائیں، کیونکہ مسافروں کی عادت یہی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''والضیافۃ ثلاثۃ ایام'' یعنی مہمان کی مہمانی تین دن ہے، اب اس میں اختلاف ہے کہ وہ ایک دن اور ایک رات جو''جائزہ'' ہے، وہ ان تین دن میں داخل ہے یا نہیں، اور جب ہم یہ کہیں کہ یہ جائزہ یعنی عطیات اور پر تکلف دعوت ان تین دن میں داخل ہے، یعنی پہلے ایک دن تو اس کی پر تکلف ضیافت کی جائے اور دوسرے دو دن میں جو طعام اس کے پاس حاضر ہو وہ کھلایا جائے۔ اور جب ہم یہ کہیں کہ یہ ایک دن ان تین دنوں سے خارج ہے یا ان تین دنوں کے بعد ہے، کیونکہ امام مسلم اور امام احمد نے اپنی سندوں کے ساتھ ابوشریح سے اس طرح روایت کی ہے کہ ضیافت تین دن ہے اور''جائزہ'' ایک دن اور ایک رات ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مہمان کے معاملہ کی تین قسمیں کر دیں، پہلے دن تو اس کو تحفے تحائف دے، اور دوسرے دن اس کو پر تکلف کھانا کھلائے، اور تیسرے دن میں اس کو ما حضر پیش کرے۔ اور تین دن کے بعد اسے اختیار ہے جیسے صدقہ بھی ہوتا ہے۔

اور نیز علامہ ابن بطال نے کہا کہ امام مالک سے اس کا سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ اس کی تکریم کرے اور اس کو تحفے وغیرہ دے ایک دن اور ایک رات۔ اور تین دن میں اس کی ضیافت کرے، امام مالک کا یہ جواب اس پر دلالت کرتا ہے کہ ایک دن اور ایک رات تین دن کی ضیافت سے پہلے ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''ولا یحل لہ ان یثوی عندہ'' اور مہمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ میزبان کے مکان میں ٹھہرے حتیٰ کہ میزبان کو حرج میں مبتلا کرے، یعنی تین دن کے بعد میزبان تنگ ہوگا۔ اور مسلم کی روایت میں ہے ''حتیٰ کہ اسے گناہ میں مبتلا کرے'' کیونکہ جب وہ تین دن سے زیادہ ٹھہرے گا تو میزبان اس کے بارے میں بدگمانی کرے گا اور

غیبت کرے گا۔ اور امام احمد نے ابو شریح سے روایت کی ہے، عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ اس کو کیسے گناہ میں مبتلا کرے گا؟ آپ نے فرمایا: اس کے پاس ٹھہرے، اور اس کے (یعنی میزبان کے) پاس اسے کھلانے اور اس کی ضیافت کرنے کے لیے کوئی چیز نہ ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۷۲۔ ۱۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۳۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن مہدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابی حصین از ابی صالح، از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے پڑوسی کو ایذاء نہ پہنچائے، اور جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو وہ اپنے مہمان کی تعظیم کرے، اور جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، وہ اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔

(صحیح بخاری: ۶۰۱۸، صحیح مسلم: ۴۷، سنن ابن ماجہ: ۳۶۷۲، سنن دارمی: ۲۰۳۶، مسند احمد: ۷۵۷۱)

اس حدیث کی شرح اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

۶۱۳۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی الله عنه أَنَّهُ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّكَ تَبْعَثُنَا فَنَنْزِلُ بِقَوْمٍ فَلَا يَقْرُونَنَا فَمَا تَرَى فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنْ نَزَلْتُمْ بِقَوْمٍ فَأَمَرُوا لَكُمْ بِمَا يَنْبَغِي لِلضَّيْفِ فَاقْبَلُوا فَإِنْ لَمْ يَفْعَلُوا فَخُذُوا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّيْفِ الَّذِي يَنْبَغِي لَهُمْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یزید بن ابی حبیب از ابی الخیر، از حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بے شک آپ ہمیں بھیجتے ہیں، ہم کسی قوم کے پاس جا کر ٹھہرتے ہیں، وہ ہماری ضیافت نہیں کرتے، سو آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ تب رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا: اگر تم کسی قوم کے پاس جا کر ٹھہرو، اور وہ تمہارے لیے ان چیزوں کا حکم دیں جو مہمان کے لیے ہوتی ہیں تو اس کو تم قبول کر لو، پس وہ اگر ایسا نہ کریں تو ان سے تم مہمان کا حق وصول کر لو جو ان پر لائق تھا۔

(صحیح بخاری: ۲۴۶۱، ۶۱۳۷، صحیح مسلم: ۱۷۲۷، سنن ترمذی: ۱۵۸۹، سنن ابوداؤد: ۳۷۵۲، سنن ابن ماجہ: ۳۶۷۶، مسند احمد: ۶۸۹۴)

صحیح البخاری: ۶۱۳۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فخذوہ" یعنی تم جبراً ان سے اپنا حق لے لو، اور یہ اسی وقت جائز ہے جب اضطرار ہو، یعنی مہمانوں کے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہ ہو اور وہ لوگوں سے کہیں کہ ہمیں نقد یا ادھار کھانے پینے کی چیزیں دے دو اور وہ پھر بھی نہ دیں تو جان بچانے کے لیے بقدرِ ضرورت ان سے چھین کر کھانا جائز ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۳۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از ابی سلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو وہ اپنے مہمان کی تکریم کرے اور جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو وہ رشتہ داروں کے ساتھ ملنا جلنا رکھے، اور جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، وہ اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔

(صحیح بخاری: ۵۱۸۵، ۶۰۱۸، صحیح مسلم: ۴۷، سنن ابن ماجہ: ۳۶۷۲، سنن دارمی: ۲۰۳۶، مسند احمد: ۷۵۷۱)

صحیح البخاری: ۶۱۳۸ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس باب میں گزر چکی ہے اور یہاں دوسری سند کے ساتھ اس کو دہرایا ہے، اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو وہ رشتہ داروں سے ملنا جلنا رکھے۔ اور صلۂ رحم کا معنی ہے کہ رشتہ داروں کو نیکیوں میں شریک کرے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۸۶۔ بَابُ: صُنْعِ الطَّعَامِ وَالتَّكَلُّفِ لِلضَّيْفِ

مہمان کے لیے کھانا تیار کرنے کا بیان اور صاحبِ ثروت پر اس میں تکلف کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مہمان کی وجہ سے کھانا تیار کرنا چاہیے اور جو پر تکلف کھانا تیار کرنے پر قادر ہو تو اس کو مہمان کے لیے پر تکلف کھانا بنانا چاہیے، کیونکہ یہ رسولوں کی سنت ہے۔ کیا نہیں دیکھا گیا کہ حضرت ابراہیم الخلیل صلوات اللہ علیہ نے اپنے مہمان کے لیے ایک فربہ بچھڑا ذبح کیا۔ مفسرین نے کہا: یہ مہمان تین تھے، حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لیے تکلف کیا اور ان کے لیے بچھڑے کو ذبح کیا اور اس کا گوشت کھانے کے لیے ان کو

پیش کیا، اور یہ قصہ مشہور ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۳۹۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ حَدَّثَنَا أَبُو الْعُمَيْسِ عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ آخَى النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ سَلْمَانَ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ فَزَارَ سَلْمَانُ أَبَا الدَّرْدَاءِ فَرَأَى أُمَّ الدَّرْدَاءِ مُتَبَذِّلَةً فَقَالَ لَهَا مَا شَأْنُكِ قَالَتْ أَخُوكَ أَبُو الدَّرْدَاءِ لَيْسَ لَهُ حَاجَةٌ فِي الدُّنْيَا فَجَاءَ أَبُو الدَّرْدَاءِ فَصَنَعَ لَهُ طَعَامًا فَقَالَ كُلْ فَإِنِّي صَائِمٌ قَالَ مَا أَنَا بِآكِلٍ حَتَّى تَأْكُلَ فَأَكَلَ فَلَمَّا كَانَ اللَّيْلُ ذَهَبَ أَبُو الدَّرْدَاءِ يَقُومُ فَقَالَ نَمْ فَنَامَ ثُمَّ ذَهَبَ يَقُومُ فَقَالَ نَمْ فَلَمَّا كَانَ آخِرُ اللَّيْلِ قَالَ سَلْمَانُ قُمِ الْآنَ قَالَ فَصَلَّيَا فَقَالَ لَهُ سَلْمَانُ إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا فَأَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ صَدَقَ سَلْمَانُ أَبُو جُحَيْفَةَ وَهْبٌ السُّوَائِيُّ يُقَالُ وَهْبُ الْخَيْرِ۔

(صحیح بخاری: ۶۱۳۹، سنن ترمذی: ۲۴۱۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جعفر بن عون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالعمیس نے حدیث بیان کی از عون بن ابی جحیفہ از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت سلمان اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کے درمیان اخوت قائم کی، پس حضرت سلمان، حضرت ابولدرداء رضی اللہ عنہما سے ملنے کے لیے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا بغیر زینت کے عام کپڑے پہنے ہوئے تھیں، تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ تمہارا کیا حال ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ آپ کے بھائی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو تو دنیا کی حاجت ہے نہیں، پھر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بھی آ گئے، تو انہوں نے ان کے لیے کھانا تیار کیا، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ کھائیں میں تو روزہ سے ہوں، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نہیں کھاؤں گا جب تک آپ میرے ساتھ نہیں کھائیں گے، سو انہوں نے کھایا۔ پس جب رات ہوگئی تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، حضرت سلمان نے کہا: سو جاؤ، تو وہ سو گئے، پھر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، تو حضرت سلمان نے کہا: سو جاؤ، پھر جب رات کا آخری حصہ رہ گیا تب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اب اٹھو، پھر ان دونوں نے اٹھ کر نماز پڑھی، پھر ان سے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، سو تم ہر حق دار کو اس کا حق دو۔ پھر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس گئے اور اس بات کا ذکر کیا، تو نبی ﷺ نے فرمایا: سلمان نے سچ کہا۔

ابو جحیفہ کا نام وہب السوائی ہے، ان کو وہب الخیر بھی کہا جاتا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۱۳۹ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے مہمان کے لیے کھانا تیار کرنا، اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے لیے کھانا تیار کیا۔ سو اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جعفر بن عون، یہ المخزومی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالعمیس، یہ ابن عبداللہ المسعودی الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عون بن ابی جحیفہ، یہ اپنے والد ابوجحیفہ سے روایت کرتے ہیں، ان کا نام وہب ہے۔ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا نام عویمر ہے اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فارسی ہیں۔

علامہ نووی نے کہا ہے: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں تھیں اور ان میں سے ہر ایک کی کنیت ام الدرداء ہے، تو ان میں جو کبریٰ تھیں وہ صحابیہ ہیں اور ان کا نام خیرہ ہے اور جو صغریٰ ہیں، وہ تابعیہ ہیں، ان کا نام جہیمہ ہے، یہ جہمہ کی تصغیر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "متبذلة" یعنی حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا نے بغیر بناؤ سنگھار کے اور بغیر زینت کے سادہ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اخوك ابوالدرداء ليس له حاجة في الدنيا" حضرت ام الدرداء نے بالعموم کہا کہ تمہارے بھائی کو دنیا کی کسی چیز کی حاجت نہیں ہے، کیونکہ اس سے شرم آئی کہ وہ صراحت سے کہیں کہ تمہارے بھائی ابوالدرداء کو تو مجھ سے مباشرت کی حاجت ہی نہیں ہے، میں کس لیے زینت کروں۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوست کی زیارت کرنی چاہیے اور اس کی غیر حاضری میں بھی اس کے گھر میں داخل ہونا جائز ہے۔ اور مہمان کی وجہ سے روزہ توڑنا اور عبادت میں تشدد کو اختیار کرنے کی کراہیت ہے اور افضل میانہ روی ہے۔ اور تہجد کی نماز رات کے آخری حصہ میں پڑھنا زیادہ لائق ہے۔ اور اس میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی منقبت ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات کی تصدیق کی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۷۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۸۷۔ بَابُ: مَا يُكْرَهُ مِنَ الْغَضَبِ وَالْجَزَعِ عِنْدَ الضَّيْفِ — مہمان کے سامنے غصہ کرنے اور بے صبری کرنے کے مکروہ ہونے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مہمان کے سامنے کسی پر غصہ اور غضب نہیں کرنا چاہیے۔ غضب کا معنی ہے: انتقام لینے کے لیے دل کے خون کا جوش میں آنا، اور جزع کا معنی ہے: چیخ و پکار کرنا اور بے صبری کا اظہار کرنا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۷۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۴۰ - حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْجُرَيْرِيُّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ رضی الله عنهما أَنَّ أَبَا بَكْرٍ تَضَيَّفَ رَهْطًا فَقَالَ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ دُونَكَ أَضْيَافَكَ فَإِنِّي مُنْطَلِقٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَافْرُغْ مِنْ قِرَاهُمْ قَبْلَ أَنْ أَجِيءَ فَانْطَلَقَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ فَأَتَاهُمْ بِمَا عِنْدَهُ فَقَالَ اطْعَمُوا فَقَالُوا أَيْنَ رَبُّ مَنْزِلِنَا قَالَ اطْعَمُوا قَالُوا مَا نَحْنُ بِآكِلِينَ حَتَّى يَجِيءَ رَبُّ مَنْزِلِنَا قَالَ اقْبَلُوا عَنَّا قِرَاكُمْ فَإِنَّهُ إِنْ جَاءَ وَلَمْ تَطْعَمُوا لَنَلْقَيَنَّ مِنْهُ فَأَبَوْا فَعَرَفْتُ أَنَّهُ يَجِدُ عَلَيَّ فَلَمَّا جَاءَ تَنَحَّيْتُ عَنْهُ فَقَالَ مَا صَنَعْتُمْ فَأَخْبَرُوهُ فَقَالَ يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ فَسَكَتُّ ثُمَّ قَالَ يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ فَسَكَتُّ فَقَالَ يَا غُنْثَرُ أَقْسَمْتُ عَلَيْكَ إِنْ كُنْتَ تَسْمَعُ صَوْتِي لَمَّا جِئْتَ فَخَرَجْتُ فَقُلْتُ سَلْ أَضْيَافَكَ فَقَالُوا صَدَقَ أَتَانَا بِهِ قَالَ فَإِنَّمَا انْتَظَرْتُمُونِي وَاللَّهِ لَا أَطْعَمُهُ اللَّيْلَةَ فَقَالَ الْآخَرُونَ وَاللَّهِ لَا نَطْعَمُهُ حَتَّى تَطْعَمَهُ قَالَ لَمْ أَرَ فِي الشَّرِّ كَاللَّيْلَةِ وَيْلَكُمْ مَا أَنْتُمْ لِمَ لَا تَقْبَلُونَ عَنَّا قِرَاكُمْ هَاتِ طَعَامَكَ فَجَاءَهُ فَوَضَعَ يَدَهُ فَقَالَ بِاسْمِ اللَّهِ الْأُولَى لِلشَّيْطَانِ فَأَكَلَ وَأَكَلُوا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عیاش بن الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالاعلیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید الجریری نے حدیث بیان کی از ابی عثمان از حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چند لوگوں کو مہمان بنایا، پس حضرت عبدالرحمٰن سے کہا: تم اپنے ان مہمانوں کا خیال رکھو، میں رسول اللہ ﷺ کی طرف جا رہا ہوں، پس تم میرے آنے سے پہلے ان کو کھانا کھلا کر فارغ ہو جانا، پس حضرت عبدالرحمٰن مہمانوں کے پاس گئے اور جو گھر میں کھانا تھا وہ ان کے سامنے پیش کیا اور ان سے کہا کہ آپ لوگ یہ کھانا کھائیں، انہوں نے پوچھا: گھر کے مالک کہاں ہیں؟ حضرت عبدالرحمٰن نے کہا: آپ لوگ کھانا کھائیں، انہوں نے کہا: ہم کھانا اس وقت تک نہیں کھائیں گے حتیٰ کہ اس گھر کے مالک آجائیں۔ حضرت عبدالرحمٰن نے کہا: آپ ہماری طرف سے کھانا قبول کر لیں، کیونکہ اگر وہ آئے اور آپ لوگوں نے کھانا نہ کھایا ہوا تو ہمیں ان کی ناراضگی کا سامنا ہوگا، سو انہوں نے پھر بھی انکار کیا، پس میں نے جان لیا کہ مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ناراضگی کا سامنا ہوگا، پس جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے تو میں ایک طرف ہو گیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آپ لوگوں نے کیا کیا؟ تو مہمانوں نے بتا دیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عبدالرحمٰن! سو میں خاموش رہا، پھر کہا: اے عبدالرحمٰن! میں پھر بھی خاموش رہا، پھر کہا: اے ملامت زدہ! میں نے قسم کھائی ہے کہ اگر تم میری آواز سن رہے ہو (تو باہر آجاؤ) سو میں باہر نکلا اور عرض کیا: آپ اپنے مہمانوں سے پوچھیں، تو مہمانوں نے کہا: یہ سچ کہہ رہے ہیں، یہ ہمارے پاس کھانا لائے تھے، حضرت ابوبکر

رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم لوگ میرا انتظار کرتے رہے، اللہ کی قسم! میں آج رات کھانا نہیں کھاؤں گا، اور مہمانوں نے بھی قسم کھائی کہ اللہ کی قسم ہم بھی کھانا نہیں کھائیں گے حتیٰ کہ آپ ہمارے ساتھ کھائیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے آج رات کی مثل خرابی کو نہیں دیکھا تھا، تم پر افسوس ہے، تم لوگ کیوں ہماری میزبانی کو قبول نہیں کر رہے، عبدالرحمٰن! کھانا لے آؤ، سو وہ کھانا لے کر آئے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس پر ہاتھ رکھا اور کہا: بسم اللہ، پہلے جو میں نے قسم کھائی تھی وہ شیطان کے اثر کی وجہ سے تھی، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی کھایا اور انہوں نے بھی کھایا۔

(صحیح بخاری: ۶۰۲، ۳۵۸۱، ۶۱۴۰، ۶۱۴۱، صحیح مسلم: ۲۰۵۷، مسند احمد: ۱۷۰۴)

صحیح البخاری: ۶۱۴۰ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''مہمان کے سامنے غصہ کا اظہار مکروہ ہے'' اور اس حدیث میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ پر ناراض ہوں گے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عیاش بن الولید، اور ابو الولید الرقام البصری ہیں، یہ ۲۲۶ ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالاعلیٰ، یہ ابن عبدالاعلیٰ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید الجریری، حافظ الدمیاطی نے کہا کہ یہ ۱۴۴ ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ علامہ کرمانی نے کہا: الجریری، جرکی تصغیر ہے، اور جیم اور راء مشدد ہیں۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ وہم عظیم ہے، اور جریر نسبت ہے اور الجریری، جریر بن عباد کی طرف نسبت ہے، جو الحارث بن عباد کے بھائی ہیں۔

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعثمان، یہ عبدالرحمٰن بن مل النھدی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''دون اضیافلک'' یعنی اپنے مہمانوں کے ساتھ لازم رہو اور ان کو کھانا کھلاؤ۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''انہ یجد علی'' یعنی حضرت عبدالرحمٰن نے کہا کہ اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ پر ناراض ہوں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''تنحیت عنہ'' یعنی میں نے اپنے آپ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سمت سے دور کر لیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''غنثر'' اس کا معنی ہے جاہل، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے ملامت زدہ۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لمّا جئت" یہ "الاجئت" کے معنی میں ہے، یعنی میں تم سے صرف یہ طلب کر رہا ہوں کہ تم آ جاؤ۔
اس حدیث میں مذکور ہے "کاللیلة" یعنی میں نے کوئی رات آج کی رات کی طرح شرانگیز نہیں دیکھی۔
(عمدة القاری ج ۲۲ ص ۲۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۸۸۔ بَابُ: قَوْلِ الضَّيْفِ لِصَاحِبِهِ لَا آكُلُ حَتَّى تَأْكُلَ

مہمان کا اپنے میزبان سے یہ کہنا: اللہ کی قسم میں نہیں کھاؤں گا جب تک کہ آپ نہ کھائیں

فِيهِ حَدِيثُ أَبِي جُحَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

اس باب میں حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو نبی ﷺ سے مروی ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو نبی ﷺ سے مروی ہے، اور یہ وہی حدیث ہے جس میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ میں نہیں کھاؤں گا حتیٰ کہ ابو الدرداء بھی کھائیں، اور یہ حدیث عنقریب "باب صنع الطعام والتکلف للضیف" میں گزر چکی ہے۔ (عمدة القاری ج ۲۲ ص ۲۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۴۱۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ رضی اللہ عنہما جَاءَ أَبُو بَكْرٍ بِضَيْفٍ لَهُ أَوْ بِأَضْيَافٍ لَهُ فَأَمْسَى عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا جَاءَ قَالَتْ لَهُ أُمِّي احْتَبَسْتَ عَنْ ضَيْفِكَ أَوْ عَنْ أَضْيَافِكَ اللَّيْلَةَ قَالَ مَا عَشَّيْتِهِمْ فَقَالَتْ عَرَضْنَا عَلَيْهِ أَوْ عَلَيْهِمْ فَأَبَوْا أَوْ فَأَبَى فَغَضِبَ أَبُو بَكْرٍ فَسَبَّ وَجَدَّعَ وَحَلَفَ لَا يَطْعَمُهُ فَاخْتَبَأْتُ أَنَا فَقَالَ يَا غُنْثَرُ فَحَلَفَتِ الْمَرْأَةُ لَا تَطْعَمُهُ حَتَّى يَطْعَمَهُ فَحَلَفَ الضَّيْفُ أَوِ الْأَضْيَافُ أَنْ لَا يَطْعَمَهُ أَوْ يَطْعَمُوهُ حَتَّى يَطْعَمَهُ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ كَأَنَّ هَذِهِ مِنَ الشَّيْطَانِ فَدَعَا بِالطَّعَامِ فَأَكَلَ وَأَكَلُوا فَجَعَلُوا لَا يَرْفَعُونَ لُقْمَةً إِلَّا رَبَا مِنْ أَسْفَلِهَا أَكْثَرُ مِنْهَا فَقَالَ يَا أُخْتَ بَنِي فِرَاسٍ مَا هَذَا فَقَالَتْ وَقُرَّةِ عَيْنِي إِنَّهَا الْآنَ لَأَكْثَرُ قَبْلَ أَنْ نَأْكُلَ فَأَكَلُوا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی عدی نے حدیث بیان کی از سلیمان از ابو عثمان، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ حضرت ابو بکر اپنے مہمان کو لے کر آئے یا کہا کہ اپنے مہمانوں کو لے کر آئے، پھر شام کو وہ نبی ﷺ کے پاس رہے، پھر جب وہ آئے تو ان سے میری والدہ نے کہا: آپ اپنے مہمان یا کہا کہ اپنے مہمانوں سے آج رات غائب رہے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا آپ نے انہیں رات کا کھانا نہیں کھلایا؟ حضرت عبد الرحمٰن کی والدہ نے کہا: ہم نے اس پر یا ان پر کھانا پیش کیا تھا، پس اس نے یا انہوں نے انکار کیا، پس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ناراض ہوئے، پس انہوں نے برا کہا اور یہ بددعا دی کہ اللہ کرے اس کی ناک کٹ جائے، اور یہ قسم کھائی کہ اب وہ یہ کھانا نہیں کھائیں گے۔ حضرت عبد الرحمٰن نے کہا: پس میں چھپ گیا،

وَبَعَثَ بِهَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَذَكَرَ أَنَّهُ أَكَلَ مِنْهَا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ملامت زدہ! پھر ان کی والدہ نے بھی قسم کھالی کہ وہ اس کھانے کو نہیں کھائیں گی حتیٰ کہ ابوبکر اس کھانے کو کھالیں، پھر مہمان نے یا مہمانوں نے بھی قسم کھائی کہ وہ اس کھانے کو نہیں کھائیں گے حتیٰ کہ ابوبکر اس کھانے کو کھائیں، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ میرا یہ قسم کھانا کہ میں اس کھانے کو نہیں کھاؤں گا، شیطان کی طرف سے تھا، پس انہوں نے کھانا منگوایا اور پھر اس کھانے کو کھایا، اور مہمانوں نے بھی اس کھانے کو کھایا، پھر وہ ایک لقمہ بھی نہیں اٹھاتے تھے مگر وہ کھانا نیچے سے زیادہ مقدار میں ہو جاتا تھا، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے بنو فراس کی بہن، یہ کیا ہے؟ تو حضرت عبدالرحمٰن کی والدہ نے کہا: اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! یہ کھانا تو اس سے بہت زیادہ ہو گیا ہے جتنا پہلے تھا۔ پس سب نے وہ کھانا کھایا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ کھانا نبی ﷺ کی طرف بھیج دیا اور یہ بتایا کہ وہ اس کھانے سے کھا چکے ہیں۔

(صحیح بخاری: ۶۰۲، ۳۵۸۱، ۶۱۴۰، ۶۱۴۱، صحیح مسلم: ۲۰۵۷، مسند احمد: ۱۷۰۴)

صحیح البخاری: ۶۱۴۱ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی عدی، یہ محمد بن ابی عدی ہیں اور ابن عدی کا نام ابراہیم البصری ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سلیمان، یہ سلیمان بن طرخان تیمی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعثمان، یہ عبدالرحمٰن النہدی ہیں جن کا ذکر عنقریب ہو چکا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "وجدع" اس کا معنی ہے انہوں نے کہا: اے وہ جس کے کان کاٹے گئے ہیں، اور "الجدع" کا معنی ہے ناک کاٹنا۔ اور ایک روایت میں "جدع" کی جگہ "جزع" کا لفظ ہے، یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بے صبری کا اظہار کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاختبات" یعنی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سامنا کرنے سے بچنے کے لیے چھپ گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ربا" یعنی ہم ایک لقمہ کھانے کے لیے لیتے تو نیچے سے اتنا ہی اور بڑھ جاتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اخت بنی فراس" یہ عبدالرحمان کی بیٹی ہیں اور ان کا نام زینب ہے، اور یہ ام رومان کے نام سے مشہور ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وقرت عینی" یعنی میری آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم ہے، اور یہ اس سے پہلے کا واقعہ ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر اللہ کی قسم کھانے سے منع فرمایا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۷۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۸۹۔ بَابُ: إِكْرَامِ الْكَبِيرِ وَيَبْدَأُ الْأَكْبَرُ بِالْكَلَامِ وَالسُّؤَالِ

بڑی عمر والے کی تکریم کرنا، اور بڑی عمر والے سے کلام اور سوال کی ابتداء کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں بڑی عمر والے کی تکریم کا بیان ہے، کیونکہ امام حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہمارے چھوٹے پر رحم نہیں کیا اور ہمارے بڑے کے حق کو نہیں پہچانا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اس حدیث کی امام ابوداؤد نے بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ اور امام عبدالرزاق نے ذکر کیا ہے کہ حدیث میں ہے کہ اللہ کے جلال کی تعظیم میں سے یہ ہے کہ جس کے اسلام میں بال سفید ہو گئے ہوں اس کی تکریم کی جائے۔ اور اسلام کے آداب میں سے اور محاسنِ اخلاق میں سے یہ ہے کہ جو عمر میں بڑا ہو، اس سے کلام کی ابتداء کی جائے، لیکن یہ بطورِ عموم نہیں ہے، یہ اس وقت ہے جب چھوٹا اور بڑا دونوں علم میں برابر ہوں، لیکن جب چھوٹے کا علم زیادہ ہو تو پھر چھوٹے کو مقدم کیا جائے گا اور یہ بڑے کے حق کی کمی نہیں ہے۔

اور اس عنوان میں کہا ہے کہ سوال کی ابتداء بڑے سے کی جائے گی، اور جب چھوٹا بڑے سے زیادہ علم والا ہو تو اس چھوٹے کو بڑے پر مقدم کیا جائے گا، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب بچے تھے تو ان سے سوال کیا جاتا تھا اور وہاں پر بڑے بوڑھے لوگ موجود ہوتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۷۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۴۲، ۶۱۴۳۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ هُوَ ابْنُ زَيْدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ مَوْلَى الْأَنْصَارِ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ وَسَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةَ بْنَ مَسْعُودٍ أَتَيَا خَيْبَرَ فَتَفَرَّقَا فِي النَّخْلِ فَقُتِلَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَهْلٍ فَجَاءَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَهْلٍ وَحُوَيِّصَةُ وَمُحَيِّصَةُ ابْنَا مَسْعُودٍ إِلَى النَّبِيِّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی اور وہ ابن زید ہیں، از یحییٰ بن سعید از بشیر بن یسار مولی الانصار، از حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور سہل بن ابی حثمہ، وہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سہل اور حضرت محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہما خیبر میں آئے، پھر ایک کھجوروں کے باغ میں متفرق ہو گئے، پس حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کو قتل

ﷺ فَتَكَلَّمُوا فِي أَمْرِ صَاحِبِهِمْ فَبَدَأَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ وَكَانَ أَصْغَرَ الْقَوْمِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ كَبِّرِ الْكُبْرَ قَالَ يَحْيَى يَعْنِي لِيَلِيَ الْكَلَامَ الْأَكْبَرُ فَتَكَلَّمُوا فِي أَمْرِ صَاحِبِهِمْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَتَسْتَحِقُّونَ قَتِيلَكُمْ أَوْ قَالَ صَاحِبَكُمْ بِأَيْمَانِ خَمْسِينَ مِنْكُمْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ أَمْرٌ لَمْ نَرَهُ قَالَ فَتُبْرِئُكُمْ يَهُودُ فِي أَيْمَانِ خَمْسِينَ مِنْهُمْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ قَوْمٌ كُفَّارٌ فَوَدَاهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ قِبَلِهِ قَالَ سَهْلٌ فَأَدْرَكْتُ نَاقَةً مِنْ تِلْكَ الْإِبِلِ فَدَخَلَتْ مِرْبَدًا لَهُمْ فَرَكَضَتْنِي بِرِجْلِهَا قَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ بُشَيْرٍ عَنْ سَهْلٍ قَالَ يَحْيَى حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ مَعَ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ بُشَيْرٍ عَنْ سَهْلٍ وَحْدَهُ۔

کر دیا گیا۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود کے دو بیٹے حویصہ اور محیصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس انہوں نے اپنے صاحب کے معاملہ میں گفتگو کی تو حضرت عبدالرحمٰن نے بات کرنی شروع کی اور وہ قوم میں سب سے چھوٹے تھے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: بڑے کو موقع دو، یحییٰ نے کہا: یعنی بڑے کو مجھ سے بات کرنے کا موقع دو، پس انہوں نے اپنے صاحب کے معاملہ میں گفتگو کی، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اپنے مقتول یا فرمایا: اپنے صاحب (کی دیت) کے مستحق ہو گے جب تم میں سے پچاس آدمی یہ قسم کھالیں کہ عبداللہ کو یہودیوں نے قتل کیا ہے، تو انہوں نے کہا: یارسول اللہ! یہ ایسا معاملہ ہے جس کو ہم نے دیکھا نہیں، آپ نے فرمایا: پھر یہود اپنے پچاس آدمیوں سے قسم کھلوا کر تم سے بری ہو جائیں گے، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! یہ کافر لوگ ہیں (ہم ان کی قسم کا کیسے اعتبار کریں؟) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن سہل کے وارثوں کو خود اپنی طرف سے دیت ادا کر دی۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جن اونٹوں کو دیت میں ادا کیا گیا تھا، ان میں سے ایک اونٹ ان کے اصطبل میں گھس گیا، اس نے مجھے اپنی لات ماری۔

اور اللیث نے کہا: مجھے یحییٰ نے حدیث بیان کی از بُشیر از سہل، یحییٰ نے کہا کہ میں نے گمان کیا کہ انہوں نے کہا رافع بن خدیج کے ساتھ اور ابن عیینہ نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از بُشیر از سہل اور صرف انہی سے روایت کی۔

(صحیح بخاری: ۳۱۷۳، صحیح مسلم: ۱۶۶۹، سنن نسائی: ۴۷۱۴، سنن ترمذی: ۱۴۲۲، سنن ابوداؤد: ۴۵۲۱، سنن ابن ماجہ: ۲۶۷۷، مسند احمد: ۱۶۸۲۵، موطا امام مالک: ۱۶۳۱)

صحیح البخاری: ۶۱۴۲۔ ۶۱۴۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''بڑی عمر والے کی تکریم کرنا، اور بڑی عمر والے سے کلام اور سوال کی ابتداء کرنا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ بڑی عمر والے کو بات کرنے کا موقع دو۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن سعید، یہ الانصاری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بُشیر، یہ ابن یسار ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے رافع بن خدیج، یہ ابن رافع بن عدی بن زید بن جشم بن حارثہ الاوسی المدنی ہیں، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث سنیں، اور ۷۳ھ یا ۷۴ھ میں ان کی وفات ہوگئی، اور جس دن ان کی وفات ہوئی اس دن ان کی عمر چھیاسی (۸۶) سال تھی۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سہل بن ابی حثمہ، ان کا نام عامر بن ساعدہ بن عامر ابو یحییٰ ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام ابو محمد الانصاری الحارثی المدنی ہے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث سنی ہیں اور جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی، اس وقت ان کی عمر ۸ سال تھی۔ اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن سہل انصاری کا ذکر ہے، یہ عبدالرحمٰن بن سہل انصاری کے بھائی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ذکر ہے حویصہ اور محیصہ، یہ دونوں منصور بن کعب بن عامر بن عدی کے بیٹے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی امر صاحبھم'' یعنی ان کے مقتول کے متعلق گفتگو، اور مقتول عبداللہ بن سہل ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''کبِّرِ الکُبرَ'' یعنی جو بڑی عمر کا ہے اس کو بات کرنے کا موقع دو۔ اور بڑی عمر والے کو بات کرنے کا اس لیے فرمایا تا کہ وہ واقعہ کی صحیح صورت کو بتائے، یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ دعویٰ کرے، کیونکہ حقیقت میں دعویٰ اس کے بھائی عبدالرحمٰن کے لیے تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اتستحقون قتیلکم'' یعنی تم اپنے مقتول کی دیت کے مستحق ہو گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''او قال صاحبکم'' یہ راوی کو شک ہے۔ اور صاحب سے مراد مقتول ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''بایمان خمسین منکم'' یعنی تم میں سے پچاس مرد قسم کھائیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''امر لم نرہ'' یعنی جس چیز کا ہم نے مشاہدہ نہیں کیا، ہم اس کے متعلق حلف کیسے اٹھائیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فتبرئکم یھود فی ایمان خمسین'' یعنی اگر تم نے قسم نہیں کھائی تو یہود میں سے پچاس آدمی قسم کھا کر تم کو بری کر دیں گے۔ اور جان لو کہ قسامت کا حکم تمام دعاوی کے خلاف ہے، اس جہت سے کہ اس میں قسم مدعی پر ہوتی ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا کہ وارث بھائی ہے اور وہی مدعی ہے نہ کہ چچا کے بیٹے، پس ان کے اوپر قسم کیوں پیش کی؟

اس کا انہوں نے یہ جواب دیا کہ ان کو یہ معلوم تھا کہ یمین وارث کے ساتھ مختص ہے، اس لیے ان سے مطلقاً خطاب کیا اور ارادہ کیا کہ جو ان کے ساتھ خاص ہے، اور اس جہت سے کہ یہ پچاس قسمیں ہیں اور یہ خون کے امر کی تعظیم کی وجہ سے ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدعیین سے ابتداء کی، پس جب انہوں نے اپنا عذر پیش کیا تو آپ نے قسم مدعا علیہ پر لوٹا دی، اور جب کہ وہ مدعی یہود

کی قسموں سے راضی نہیں تھے، کیونکہ وہ کفار تھے اور وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ ان کی طرف سے دیت دی جائے، کیونکہ یہ دیت مسلمانوں کو دی جاتی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے جو دیت ادا کرنے کا فرمایا وہ ان کی دلجوئی کے لیے فرمایا، ورنہ ان کا استحقاق ثابت نہیں ہوا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فوداهم" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقتول کی دیت اپنی طرف سے ادا کر دی، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے اپنے خالص مال سے اس کی دیت ادا کی، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیت المال سے اس کی دیت ادا کی ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مربد الهم" یعنی وہ جگہ جہاں پر اونٹ جمع ہوتے ہیں، یعنی اونٹوں کا اصطبل۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فرکضتنی" اس اونٹنی نے مجھ کو لات ماری، اس کلام سے یہ ارادہ کیا گیا ہے کہ یہ حدیث انہیں پوری طرح یاد ہے۔

حدیث مذکور کے مسائل

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام اور سربراہِ ملک کو یہ چاہیے کہ وہ عام لوگوں کی مصلحتوں کی رعایت کرے۔ اور لوگوں کے درمیان صلح کرائے، اور اس حدیث میں قسامت کا اثبات ہے۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ گمان کے ساتھ بھی قسم کھانا جائز ہے اور کافر کی قسم بھی جائز ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۷۹۔۲۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۶۱۴۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَخْبِرُونِي بِشَجَرَةٍ مَثَلُهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَلَا تَحُتُّ وَرَقَهَا فَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ فَكَرِهْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ وَثَمَّ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ فَلَمَّا لَمْ يَتَكَلَّمَا قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم هِيَ النَّخْلَةُ فَلَمَّا خَرَجْتُ مَعَ أَبِي قُلْتُ يَا أَبَتَاهُ وَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ قَالَ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَقُولَهَا لَوْ كُنْتَ قُلْتَهَا كَانَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ كَذَا وَكَذَا قَالَ مَا مَنَعَنِي إِلَّا أَنِّي لَمْ أَرَكَ وَلَا أَبَا بَكْرٍ تَكَلَّمْتُمَا فَكَرِهْتُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عبید اللہ، انہوں نے کہا: مجھے نافع نے حدیث بیان کی از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے بتاؤ، وہ درخت کونسا ہے جس کی مثال مسلمان کی مثل ہے، وہ اپنا پھل ہر وقت لاتا ہے اپنے رب کی اجازت سے، اور اس کے پتے نہیں گرتے، سو میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، پس میں نے ناپسند کیا کہ میں بات کروں اور وہاں پر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے، پس جب ان دونوں نے کلام نہیں کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کھجور کا درخت ہے، پس جب میں اپنے والد کے ساتھ نکلا تو میں نے کہا: اے ابا جان! میرے دل میں یہ آیا تھا کہ یہ کھجور کا درخت ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا: تمہیں یہ بتانے سے کس چیز نے منع کیا، اگر تم یہ بتا دیتے تو یہ میرے لیے فلاں چیز اور فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہوتا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: مجھے صرف اس چیز نے منع کیا کہ میں نے آپ کو اور

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ انہوں نے کلام نہیں کیا، پس میں نے ناپسند کیا کہ میں بولوں۔

(صحیح بخاری: ۶۱، ۶۲، ۷۲، ۱۳۱، ۲۲۰۹، ۴۶۹۸، ۵۴۴۴، ۵۴۴۸، ۶۱۲۲، ۶۱۴۴، صحیح مسلم: ۲۸۱۱، سنن ترمذی: ۲۸۶۷، مسند احمد: ۴۸۴۴، سنن دارمی: ۲۸۲)

صحیح البخاری: ۶۱۴۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ولا تحت ورقھا" یعنی اس درخت کے پتے نہیں گرتے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "فکرہت" یعنی میں نے اکابر کے ہوتے ہوئے اپنا بولنا مکروہ جانا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۸۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۹۰۔ بَابُ: مَا يَجُوزُ مِنَ الشِّعْرِ وَالرَّجَزِ وَالْحُدَاءِ وَمَا يُكْرَهُ مِنْهُ

شعر اور رجز اور "الحداء" (اونٹوں کو ہانکنے کے لیے گانا) کا جواز اور جو اس میں مکروہ ہیں، اس کا بیان

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۗ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝ (الشعراء: ۲۲۴۔۲۲۷)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں O کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں O اور بے شک وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے O سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، اور انہوں نے اللہ کو بہت زیادہ یاد کیا اور انہوں نے اپنے مظلوم ہونے کے بعد بدلہ لیا، اور ظلم کرنے والے عنقریب جان لیں گے کہ وہ کیسی لوٹنے کی جگہ لوٹ کر جاتے ہیں O

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فِي كُلِّ لَغْوٍ يَخُوضُونَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ ہر لغو اور باطل چیز میں مشغول رہتے ہیں۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ شعر کہنا جائز ہے، اور شعر کی تعریف یہ ہے کہ "وہ کلام موزون جس میں وزن کا قصد کیا جائے" اور رجز اکثرین کے نزدیک وہ بھی شعر کی قسم ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ وہ شعر نہیں ہے، اس لیے کہ رجز کرنے والے کو راجز کہا جاتا ہے شاعر نہیں کہا جاتا۔ اور "الحداء" اس کا معنی ہے: جس گانے کو کھینچا جائے اور اس میں قصر کیا جائے، کہا جاتا ہے:

''حدوت الابل حداء'' جیسے ''دعوت دعاء'' اور یہ اونٹوں کو ہانکنا ہے اور اونٹوں کو گانا ہے، اور غالباً یہ رجز کے ساتھ ہوتا ہے، اور کبھی بغیر رجز کے اشعار پڑھے جاتے ہیں۔ اور جس نے سب سے پہلے اونٹوں کو گا کر ہانکا وہ مضر بن نزار بن معد بن عدنان کا غلام تھا، وہ مُضر کے اونٹ لے کر جا رہا تھا تو مضر نے اس کے ہاتھ پر مارا اور اس کو درد میں مبتلا کر دیا، تو اس نے کہا: ''یا یدیاہ، یا یدیاہ'' یعنی ہائے میرا ہاتھ، ہائے میرا ہاتھ۔ اور اس کی آواز بہت اچھی تھی، جب اونٹوں نے اس کی آواز سنی تو بہت تیز چلنا شروع کر دیا۔ اس وقت سے یہ اونٹوں کو گا کر ہانکنے کا مبدا بن گیا۔ اس کو محمد بن سعد نے سندِ صحیح کے ساتھ طاؤس سے مرسلاً روایت کیا ہے، اور امام بزار نے سندِ موصول کے ساتھ اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

نیز اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ جو شعر پڑھنا مکروہ ہیں اور جو شعر پڑھنا جائز ہیں۔

امام بخاری نے ان چار آیات کو ان شعراء کی مذمت میں وارد کیا ہے جو لوگوں کی ہجو کرتے ہیں، اور ان شعراء کی مذمت میں وارد کیا ہے جو لوگوں کی ایسے اوصاف کے ساتھ مدح کرتے ہیں جو اوصاف ان لوگوں میں نہیں ہوتے، اور اس میں اتنا مبالغہ کرتے ہیں کہ ان میں سے بعض اسلام کی حدود سے نکل جاتے ہیں۔ اور وہ اپنے اشعار میں خرافات اور باطل باتوں کا ذکر کرتے ہیں۔

''وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۞'':

اہل التاویل نے کہا ہے جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ ہیں کہ یہ شعراء مشرکین ہیں، ان کی پیروی گمراہ لوگ کرتے تھے اور سرکش شیاطین اور نافرمان جن ان کی پیروی کرتے تھے، کیونکہ گمراہ کی پیروی، گمراہ ہی کرتا ہے۔ اور الضحاک نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دو مرد لڑے، ان میں سے ایک انصار میں سے تھا اور دوسرا دوسری قوم میں سے تھا، اور ہر ایک کے ساتھ اس کی قوم کے سرکش اور جاہل لوگ تھے، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ اور الثعلبی نے کہا ہے کہ ان شعراء سے مراد کفار کے شعراء ہیں۔ عبداللہ بن الزبعری اور ہبیرہ بن ابی وہب اور مسافع بن عبد مناف اور عمرو بن عبداللہ اور امیہ بن ابی الصلت، یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کر رہے تھے، تو لوگ ان کی پیروی کرنے لگے۔

''اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ۞'':

اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک آپ ان میں اللہ تعالیٰ کا فعل دیکھیں گے۔ دوسرا قول ہے کہ یہ لوگ ہر فن میں سے لغو اور جھوٹ لے لیتے ہیں، پس باطل کے ساتھ مدح کرتے ہیں اور باطل کے ساتھ ہی مذمت کرتے ہیں۔ ''یھیمون'' کا معنی ہے: حیران رہتے ہیں۔ اور خیر کے راستہ سے اور ہدایت کے راستہ سے اور حق کے راستہ سے منحرف ہوتے ہیں۔

''وَاَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ۞'':

یعنی یہ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ کام کیا ہے، اور حالانکہ انہوں نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا۔

''اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' اس سے ان شعراء مومنین صالحین کا استثناء کیا ہے جو گناہ کی بات نہیں کہتے، اور مفسرین نے کہا ہے کہ جب یہ آیت ''وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۞'' نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت کعب بن مالک اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روتے ہوئے آئے، پس انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ہم شعراء ہیں، تو آپ نے فرمایا: اس کے بعد کی آیت پڑھو: ''اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس آیت سے حضرت ابن رواحہ اور حضرت حسان بن ثابت کا استثناء کیا ہے۔
''وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا'' یعنی وہ اپنے اشعار میں اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرتے ہیں، اور مشرکین نے جوان پر ظلم کیا ہے، اس کا بدلہ لیتے ہیں، یعنی مشرکین نے ہجو کی ابتداء کی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھا تھا اور مسلمانوں کو مکہ سے بے وطن کیا تھا۔
''وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا'': یعنی عنقریب وہ لوگ جان لیں گے جنہوں نے ظلم کیا، یعنی شرک کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی ہجو کی کہ ''اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ'' یعنی مرنے کے بعد وہ کونسی جگہ لوٹائے جاتے ہیں، اس کا معنی یہ ہے کہ وہ جہنم کی طرف لوٹیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ''فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ'' کا معنی ہے: یعنی وہ ہر لغو اور باطل چیز میں مشغول رہتے ہیں۔
اس تعلیق کو امام ابن ابی حاتم اور طبرانی نے اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۸۲۔ ۲۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۴۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْأَسْوَدِ بْنِ عَبْدِ يَغُوثَ أَخْبَرَهُ أَنَّ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ابوبکر بن عبدالرحمٰن نے خبر دی کہ مروان بن الحکم نے ان کو خبر دی کہ عبدالرحمٰن بن الاسود بن عبد یغوث نے ان کو خبر دی کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک بعض شعروں میں حکمت ہوتی ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۸۴۴، سنن ابوداؤد: ۵۰۱۰، مسند احمد: ۲۰۶۵۱، سنن دارمی: ۲۷۰۴)

صحیح البخاری: ۶۱۴۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں یہ ذکر کیا ہے کہ کون سے شعر جائز ہیں اور کون سے شعر مکروہ ہیں، اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''بعض اشعار میں حکمت ہوتی ہے''۔ اور حکمت اس وقت ہوگی کہ جب اس شعر کا بنانا جائز ہو، اور حکمت سے مراد ہے سچی بات جو واقعہ کے مطابق ہو۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالیمان کا ذکر ہے، وہ الحکم بن نافع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام کا ذکر ہے، وہ المخزومی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "حکمة" اس کی تفسیر ابھی ہم نے کی ہے یعنی قول صادق، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حکمت کا اصل معنی ہے منع کرنا، اور اس کا معنی یہ ہے کہ بعض اشعار میں ایسا مفید کلام ہوتا ہے جو جہالت کی باتوں سے منع کرتا ہے۔

علامہ ابن التین نے کہا کہ اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ بعض شعر اس طرح نہیں ہوتے، کیونکہ اس میں مِن تبعیضیہ ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا: جس شعر میں اور رجز میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو، اور اس کی تعظیم ہو اور اس کی وحدانیت کا بیان ہو، اور اس کی اطاعت کرنے کی ترغیب ہو تو وہ شعر حسن ہے اور اس میں رغبت کی جاتی ہے، اور حدیث میں جو ہے کہ بعض اشعار میں حکمت ہوتی ہے، اس سے مراد ایسے اشعار ہیں۔ اور جن اشعار میں جھوٹی اور بے حیائی کی باتیں ہوں، وہ مذموم ہیں۔

امام الطبری نے کہا: اس حدیث میں کثرتِ شعر پر مطلقاً رد فرمایا۔ اور امام طبری نے صحابہ کی ایک جماعت سے اور کبار تابعین سے روایت کی ہے۔ اور امام ترمذی نے اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شعر کا مذاکرہ کرتے اور جاہلیت کی باتوں کا ذکر کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو منع نہیں فرماتے تھے اور بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۴۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ سَمِعْتُ جُنْدَبًا يَقُولُ بَيْنَمَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَمْشِي إِذْ أَصَابَهُ حَجَرٌ فَعَثَرَ فَدَمِيَتْ إِصْبَعُهُ فَقَالَ

هَلْ أَنْتِ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيتِ
وَفِي سَبِيلِ اللهِ مَا لَقِيتِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الاسود بن قیس، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت چل رہے تھے، اچانک ایک پتھر آ کر آپ کو لگا اور آپ گر گئے تو آپ کی ایک انگلی زخمی ہوگئی، آپ نے فرمایا:

تو صرف ایک انگلی ہے جو زخمی ہوگئی
اور اللہ کی راہ میں تو زخمی ہوئی ہے

(صحیح بخاری: ۲۸۰۲، ۶۱۴۶، صحیح مسلم: ۱۷۹۶، سنن ترمذی: ۳۳۴۵، مسند احمد: ۲۷۶۹)

صحیح البخاری: ۶۱۴۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے شعر اور رجز، اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر شعر پڑھا۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابونعیم کا ذکر ہے، یہ الفضل بن دُکین ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، یہ ابن عیینہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''بینما النبی ﷺ یمشی'' ابوعوانہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ کسی غزوہ میں جارہے تھے۔ اور شعبہ نے اسود سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نماز کی طرف جارہے تھے۔اور اسود نے از جندب روایت کی ہے کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ غار میں تھا، ایک پتھر آپ کو آکر لگا، آپ گر گئے اور آپ کی انگلی زخمی ہوگئی۔

اس میں اختلاف ہے کہ کیا نبی ﷺ نے ازخود یہ شعر بنایا یا یہ کسی کا شعر تھا جو آپ نے پڑھا۔

امام طبری وغیرہ نے کہا ہے کہ آپ نے کسی کا شعر پڑھا ہے اور یہ کلامِ موزون ہے۔اور علامہ ابن التین نے اس کو وثوق کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن رواحہ کا شعر ہے۔اور اس میں اختلاف ہے کہ کسی کا شعر پڑھنا نبی ﷺ کے لیے جائز ہے، پس صحیح یہ ہے کہ یہ جائز ہے اور امام طبری نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ نبی ﷺ بعض اوقات کسی کا شعر پڑھا کرتے تھے، اور آپ نے فرمایا: بہترین کلام وہ ہے جس کو شاعر نے کہا ہے، سنو! اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے۔اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ اس شعر کو پڑھا کرتے تھے:''الا کل شیء ما خلا اللہ باطل''۔(ترجمہ: سنو! اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے)۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت جبیر بن معطم رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ جب آپ نماز شروع کرتے تو شیطان سے پناہ طلب کرتے اور آپ فرماتے:''من همزة ونفخه ونفثه''۔اور عمرو بن مرہ نے اس کی تفسیر کی کہ''نفث'' سے مراد ہے شعر، اور''نفخ'' سے مراد ہے تکبر، اور''همز'' سے مراد ہے جنون۔

اور ابن لہیعہ نے از ابی روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ جس نے تین شعر ازخود بنا کر پڑھے، وہ فردوس میں داخل نہیں ہوگا۔اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ شعر شیطان کے مزامیر ہیں۔امام طبری نے کہا: یہ سب ضعیف احادیث ہیں۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۸۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۴۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيدٍ

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللهَ بَاطِلُ

وَكَادَ أُمَيَّةُ بْنُ أَبِي الصَّلْتِ أَنْ يُسْلِمَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن مہدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبدالملک، انہوں نے کہا: ہمیں ابوسلمہ نے حدیث بیان کی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: سب سے سچی بات وہ ہے جس کو شاعر نے کہا ہے، وہ لبید کا کلمہ ہے''الا کل شیء ما خلا اللہ باطل''۔اور قریب تھا کہ امیہ بن ابی الصلت اسلام لے آتا۔

(صحیح مسلم: ۲۲۵۶، سنن ترمذی: ۲۸۴۹، سنن ابن ماجہ: ۳۷۵۷، مسند احمد: ۷۳۳۶)

صحیح البخاری: ۶۱۴۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شعر پڑھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن بشار، یہ امام بخاری کے شیخ ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن مہدی، وہ عبدالرحمٰن ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالملک، وہ ابن نمیر الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوسلمہ، یہ ابن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں۔

لبید کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے "کلمۃ لبید" یہ ابن ربیعہ العامری الصحابی ہیں، یہ ایک سو چون (۱۵۴) سال تک زندہ رہے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کی وفات ہوئی۔

امیہ بن ابی الصلت کا تذکرہ

اور اس حدیث میں مذکور ہے "امیہ بن ابی الصلت الثقفی"، اور ابوالصلت کا نام ربیعہ بن وہب بن بلال بن ابی سلمہ ہے، یہ ثقیف سے ہیں۔ اور حافظ ابن عساکر نے کہا ہے کہ ابی صلت کا نام عبداللہ بن ربیعہ بن عوف بن عقدہ ابوعثمان ہے جو زمانہ جاہلیت کے شاعر تھے، ایک قول یہ ہے کہ وہ نیک آدمی تھے۔ اور علامہ واقدی نے کہا ہے کہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اور ابتداء میں یہ مومن تھے اور بعد میں یہ گمراہ ہو گئے تھے۔

اور ہشام نے کہا ہے کہ امیہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا تھا اور وہ اس وقت شام میں تھا، پھر وہ حجاز میں آیا تا کہ طائف سے اپنا مال لے اور وہاں سے ہجرت کرے، پس جب وہ بدر میں پہنچا تو اسے کہا گیا: اے ابوعثمان! تم کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا: میں طائف کی طرف جا رہا ہوں تا کہ اپنا مال لوں اور مدینہ کی طرف جاؤں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کروں، اس سے کہا گیا: کیا تم جانتے ہو اس کنویں میں کیا ہے؟ تو اس نے کہا: نہیں! اس سے کہا گیا کہ اس کنویں میں شیبہ اور عتبہ ہیں، وہ تمہارے ماموں کے بیٹے ہیں، اور اس میں فلاں اور فلاں ہے، وہ تمہارے چچا کے بیٹے ہیں، اور اس کے اور رشتہ داروں کو گنا، تو اس نے غصہ میں اپنی اونٹنی کی ناک کاٹ ڈالی اور اس کی دم کے بال اکھیڑے اور اپنے کپڑے پھاڑے اور رویا، پھر طائف کی طرف گیا اور وہیں فوت ہو گیا۔ اور اس کی وفات ۲ ھ میں ہوئی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

۶۱۴۸ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِلَى خَيْبَرَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حاتم بن اسماعیل نے حدیث بیان کی از یزید بن ابی عبید از سلمہ بن الاکوع، انہوں

فَسِرْنَا لَيْلًا فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ لِعَامِرِ بْنِ الْأَكْوَعِ أَلَا تُسْمِعُنَا مِنْ هُنَيْهَاتِكَ قَالَ وَكَانَ عَامِرٌ رَجُلًا شَاعِرًا فَنَزَلَ يَحْدُو بِالْقَوْمِ يَقُولُ

اللّٰهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَاغْفِرْ فِدَاءٌ لَكَ مَا اقْتَفَيْنَا
وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا
وَأَلْقِيَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا
إِنَّا إِذَا صِيحَ بِنَا أَتَيْنَا
وَبِالصِّيَاحِ عَوَّلُوا عَلَيْنَا

نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کی طرف گئے، ہم نے رات کو سفر کیا، پس قوم میں سے ایک مرد نے عامر بن الاکوع سے کہا کہ تم ہم کو اپنے کچھ اشعار سناؤ اور عامر ایک شاعر مرد تھے۔ پس وہ اونٹ سے اتر کر اپنے شعر گا کر سنانے لگے، اور وہ کہہ رہے تھے:

اے اللہ! (بالفرض) اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے
اور نہ ہم صدقہ کرتے اور نہ ہم نماز پڑھتے
ہم تجھ پر فداء ہوں، ہم نے جو اپنے گناہ کیے تھے تو ان کو معاف فرمادے
اور اگر ہمارا دشمن سے مقابلہ ہو تو ہم کو ثابت قدم رکھ
اور ہم پر سکون ڈال دے
اور بے شک جب ہم کو جہاد کیلئے بلایا جاتا ہے تو ہم حاضر ہو جاتے ہیں
اور دشمن نے بھی پکار کر ہم سے نجات چاہی ہے

فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ هٰذَا السَّائِقُ قَالُوا عَامِرُ بْنُ الْأَكْوَعِ فَقَالَ يَرْحَمُهُ اللّٰهُ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ وَجَبَتْ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ لَوْلَا أَمْتَعْتَنَا بِهِ قَالَ فَأَتَيْنَا خَيْبَرَ فَحَاصَرْنَاهُمْ حَتّٰى أَصَابَتْنَا مَخْمَصَةٌ شَدِيدَةٌ ثُمَّ إِنَّ اللّٰهَ فَتَحَهَا عَلَيْهِمْ فَلَمَّا أَمْسَى النَّاسُ الْيَوْمَ الَّذِي فُتِحَتْ عَلَيْهِمْ أَوْقَدُوا نِيرَانًا كَثِيرَةً فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا هٰذِهِ النِّيرَانُ عَلٰى أَيِّ شَيْءٍ تُوقِدُونَ قَالُوا عَلٰى لَحْمٍ قَالَ عَلٰى أَيِّ لَحْمٍ قَالُوا عَلٰى لَحْمِ حُمُرٍ إِنْسِيَّةٍ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَهْرِقُوهَا وَاكْسِرُوهَا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَوْ نُهَرِيقُهَا وَنَغْسِلُهَا قَالَ أَوْ ذَاكَ فَلَمَّا تَصَافَّ الْقَوْمُ كَانَ سَيْفُ عَامِرٍ فِيهِ قِصَرٌ فَتَنَاوَلَ بِهِ يَهُودِيًّا لِيَضْرِبَهُ وَيَرْجِعُ ذُبَابُ سَيْفِهِ فَأَصَابَ رُكْبَةَ عَامِرٍ فَمَاتَ مِنْهُ فَلَمَّا قَفَلُوا قَالَ سَلَمَةُ رَآنِي رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم شَاحِبًا فَقَالَ لِي مَا لَكَ فَقُلْتُ فِدًى لَكَ أَبِي وَأُمِّي زَعَمُوا أَنَّ عَامِرًا حَبِطَ

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کون اونٹوں کو گاتے ہوئے ہانک رہا ہے؟، تو صحابہ نے بتایا کہ یہ عامر بن الاکوع ہیں۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ان پر رحم فرمائے۔ پس قوم میں سے ایک مرد نے کہا: اے اللہ کے نبی! آپ کی یہ دعا قبول ہوگئی، آپ ہمیں اس سے چند دن فائدہ اٹھانے دیتے، راوی نے بیان کیا: پس ہم خیبر میں آئے اور ہم نے ان کا محاصرہ کر لیا حتیٰ کہ ہم کو سخت بھوک لگی، پھر بے شک اللہ تعالیٰ نے خیبر والوں پر ہم کو فتح عطا فرمائی، اس دن شام کو لوگوں نے جگہ جگہ آگ جلائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ کیسی آگ ہے اور کس چیز پر یہ آگ جلائی گئی ہے؟ انہوں نے کہا: گوشت پر، آپ نے پوچھا: کون سے گوشت پر؟ تو انہوں نے بتایا: پالتو گدھوں کے گوشت پر، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو پھینک دو اور برتنوں کو توڑ دو، ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! یا ہم گوشت کو پھینک دیں اور برتنوں کو دھولیں، آپ نے فرمایا: یا ایسا کرلو۔ پھر جب قوم نے لڑنے کے لیے صفیں بنائیں تو حضرت عامر بن الاکوع کی تلوار چھوٹی تھی،

عَمَلُهُ قَالَ مَنْ قَالَهُ قُلْتُ قَالَهُ فُلَانٌ وَفُلَانٌ وَفُلَانٌ وَأُسَيْدُ بْنُ الْحُضَيْرِ الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ كَذَبَ مَنْ قَالَهُ إِنَّ لَهُ لَأَجْرَيْنِ وَجَمَعَ بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ إِنَّهُ لَجَاهِدٌ مُجَاهِدٌ قَلَّ عَرَبِيٌّ نَشَأَ بِهَا مِثْلَهُ۔ (صحیح مسلم:۱۸۰۲،مسند احمد:۱۶۰۷۶)

انہوں نے اس تلوار سے ایک یہودی پر حملہ کیا تا کہ اس کو قتل کریں، اس تلوار کی نوک پلٹ کر حضرت عامر بن الاکوع کے گھٹنوں پر لگی اور وہ اس کے اثر سے شہید ہو گئے، پس جب وہ لوٹے تو حضرت سلمہ بن الاکوع نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حال میں مجھے دیکھا کہ میرا چہرہ بدلا ہوا تھا، آپ نے مجھ سے پوچھا: تمہیں کیا ہوا؟ میں نے کہا: آپ پر میرا باپ اور میری ماں فداء ہوں، ان لوگوں نے یہ زعم کیا ہے کہ عامر کے اعمال ضائع ہو گئے، آپ نے فرمایا: کس نے یہ کہا ہے؟ تو میں نے بتایا کہ فلاں، فلاں اور فلاں اور اسید بن بن حضیر انصاری نے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے یہ کہا اس نے جھوٹ بولا، اس کے لیے دو اجر ہیں، اور آپ نے اپنی دو انگلیوں کو جمع کیا، وہ عابد بھی تھے اور مجاہد بھی۔ اور عرب میں ان جیسے بہادر کم پیدا ہوئے ہیں۔

صحیح البخاری:۶۱۴۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "من هنيهاتك؟" علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: ابن الاکوع کی حدیث میں ہے "ولا تسمعنا من هناتك؟" یعنی "من كلماتك او من عراجيزك" یعنی آپ ہمیں اپنے اشعار کے کلمات نہیں سناتے یا رجز کے کلمات نہیں سناتے؟

اس حدیث میں مذکور ہے "فداء لك" یعنی ہم تیرے رسول کے اوپر فداء ہو جائیں۔ علامہ المازری نے کہا: اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں کہا جاتا "فداء لك"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ما اقتفينا" یعنی ہم آپ کی اتباع نہ کرتے، اور یہ بھی روایت ہے "ما اتقينا" یعنی ہم گناہوں سے نہ بچتے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "وبالصياح عولوا علينا" یعنی انہوں نے چیخ چیخ کر ہم پر حملہ کیا نہ بہادری سے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ کتاب الجہاد میں گزر چکا ہے کہ نبی ﷺ نے یہ کلمات خندق کھودتے وقت کہے تھے اور یہ حضرت عبداللہ بن رواحہ کے کلمات کے رجز میں سے ہے۔ پھر جواب دیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ان کا دو مرتبہ وقوع ہوا ہو۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کا شعر پڑھے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "وجبت" یعنی شہادت واجب ہو گئی۔ حافظ ابو عمر نے کہا ہے کہ صحابہ یہ جانتے تھے کہ جب نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے لیے میدانِ جنگ میں استغفار کریں تو وہ یقیناً شہید ہو جاتا ہے، تو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عامر بن الاکوع پر رحم فرمائے تو انہوں نے کہا: یارسول اللہ! آپ ہمیں چند دن عامر سے فائدہ اٹھا لینے دیتے، پھر اسی دن دشمن پر حملہ کرتے ہوئے تلوار ان کی پنڈلی پر لگی اور وہ اس سے شہید ہو گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''ذباب سیفه''یعنی تلوار کی ایک طرف۔

اس حدیث میں مذکور ہے''شاحبا''یعنی ان کا رنگ متغیر ہو گیا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''حبط عمله''یعنی ان کے عمل باطل ہو گئے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے''ان له لاجرین''یعنی ان کے لیے دو اجر ہیں، جہاد کا اجر بھی ہے اور اطاعت اور عبادت کا اجر بھی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک اجر تو ان کی موت فی سبیل اللہ کی وجہ سے ہے، اور دوسرا اجر یہ ہے کہ وہ ایسے اشعار پڑھتے تھے جن میں وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ دشمن سے مقابلہ کے وقت وہ ثابت قدم رہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے''لجاهد مجاهد''، یہ دونوں لفظ اسمِ فاعل ہیں، اول ثلاثی مجرد سے ہے اور دوسرا ثلاثی مزید فیہ سے ہے، اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اجر کے حصول میں جہاد کرنے والے ہیں اور اللہ کی راہ میں بہت زیادہ جہاد کرنے والے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے''قل عربی نشأبها''یعنی دنیا میں بہت کم ایسی خصلت کے لوگ ہیں، یا عرب میں قلیل لوگ اس خصلت کے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۴۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضى الله عنه قَالَ أَتَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَلَى بَعْضِ نِسَائِهِ وَمَعَهُنَّ أُمُّ سُلَيْمٍ فَقَالَ وَيْحَكَ يَا أَنْجَشَةُ رُوَيْدَكَ سَوْقًا بِالْقَوَارِيرِ قَالَ أَبُو قِلَابَةَ فَتَكَلَّمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِكَلِمَةٍ لَوْ تَكَلَّمَ بِهَا بَعْضُكُمْ لَعِبْتُمُوهَا عَلَيْهِ قَوْلُهُ سَوْقَكَ بِالْقَوَارِيرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از ابی قلابہ، از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (ایک سفر کے موقع پر) اپنی بعض عورتوں کے پاس آئے، اور ان کے ساتھ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا بھی تھیں، تو آپ نے فرمایا: افسوس اے انجشہ! شیشوں کو آہستگی کے ساتھ لے کر چلو۔ ابو قلابہ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے متعلق ایسے الفاظ استعمال فرمائے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص یہ الفاظ استعمال کرے تو تم اس پر عیب جوئی کرو اور وہ آپ کا یہ قول تھا کہ شیشوں کو نرمی سے لے کر چلو۔

(صحیح بخاری: ۶۱۶۱، ۶۲۰۲، ۶۲۰۹، ۶۲۱۰، ۶۲۱۱، صحیح مسلم: ۲۳۲۳، مسند احمد: ۱۱۶۳۰)

صحیح البخاری: ۶۱۴۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں ''الحُداء'' کا لفظ ہے یعنی اونٹوں کو ہنکانے کے لیے گیت گانا اور اس حدیث میں مذکور ہے اونٹوں کو ہنکانے والا گانا گا رہا تھا اور اونٹ تیز چل رہے تھے، تو آپ نے فرمایا: افسوس اے انجشہ! آہستہ، آہستہ چلاؤ۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، وہ ابن عُلَیّہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ایوب کا ذکر ہے، وہ السختیانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوقلابہ کا ذکر ہے، وہ عبداللہ بن زید الجرمی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی بعض نسائه'' حماد بن زید کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے، اور از شعبہ از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ آپ اپنے گھر کے قریب تھے تو اونٹ کو ہنکانے والے نے گانا شروع کیا۔ اور اس حدیث کی امام نسائی اور اسماعیلی نے اس طرح روایت کی ہے کہ ان کے ساتھ اونٹ کو ہنکانے والا تھا اور گانے والا تھا۔ اور ابوداؤد الطیالسی نے از حماد بن سلمہ از الثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ انجشہ عورتوں کو سوار کر کے جارہا تھا اور گیت گارہا تھا۔ اور حضرت البراء بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ مردوں کو لے جاتے ہوئے گیت گارہا تھا۔ اور قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے گا کر ہنکانے والا تھا جس کا نام انجشہ تھا اور اس کی آواز بہت اچھی تھی۔ اور وہیب کی روایت میں ہے کہ انجشہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام تھا جو اونٹنیوں کو ہنکاتا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور ان کے ساتھ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا بھی تھیں''۔ اور یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ اور سلیمان التیمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کے ساتھ تھیں۔ نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''ویحك''۔ کئی بار گزر چکا ہے کہ یہ کلمہ ترحم ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یا انجشہ'' علامہ البلاذری نے کہا ہے کہ انجشہ حبشی تھا اور اس کی کنیت ابو ماریہ تھی۔ اور التوضیح میں مذکور ہے کہ انجشہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سیاہ فام غلام تھا جس کا ذکر صحابہ میں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ ابوعمر نے الاستیعاب میں ذکر کیا ہے کہ انجشہ سیاہ فام غلام تھا اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو حجۃ الوداع کے سال میں لے کر جارہا تھا اور وہ خوش آواز تھا اور جب وہ گیت گاتا تو اونٹ دوڑنے لگتے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے انجشہ! شیشوں کو لے کر آہستہ چلو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''بالقواریر'' یہ قارورۃ کی جمع ہے، اس کا معنی شیشہ ہے، اس کو قارورہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں مشروب مستقر ہو جاتا ہے۔ اور ہشام نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ آہستہ چلو اور شیشوں کو نہ توڑو۔ ابوقلابہ نے کہا: یعنی عورتوں کو۔ قتادہ نے کہا: یعنی کمزور عورتوں کو۔

علامہ ابن الاثیر نے کہا: عورتوں کو شیشوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے، کیونکہ جس طرح شیشہ جلدی ٹوٹ جاتا ہے، عورتیں بھی جلدی

ٹوٹ جاتی ہیں۔ اور انجشہ گیت گا رہا تھا اور رجز پڑھ رہا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بے خوف نہیں ہوئے کہ وہ گیت ان کے دلوں میں اتر جائے، تو آپ نے اس کو حکم دیا کہ اس کو روکو۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اونٹ جب گیت کی آواز کو سنیں گے تو وہ تیزی سے دوڑیں گے اور اس پر جو سوار ہیں وہ گر جائیں گے اور وہ تھک جائیں گے، تو آپ نے اس سے منع فرمایا: کیونکہ عورتیں کمزور ہوتی ہیں۔

الرامہ ہرمزی نے کہا ہے کہ عورتوں کا شیشوں سے کنایہ کیا، کیونکہ عورتیں بھی پتلی ہوتی ہیں اور حرکت کرنے سے کمزور ہوتی ہیں اور عورتیں باریکی میں، لطافت میں اور کمزور بنیاد میں شیشوں کے مشابہ ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تم ان عورتوں کو اس طرح لے کر جاؤ جس طرح شیشوں کو لے کر جاتے ہو، گویا تمہارے اونٹوں پر شیشے لادے ہوئے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''قال ابو قلابہ لو تکلم بھا بعضکم لعبتموھا علیہ'' یعنی اگر اس طرح کا کلام تم کہو تو لوگ تمہارا عیب نکالیں گے۔ علامہ کرمانی نے کہا کہ اگر تم یہ کہو کہ یہ استعارہ لطیفہ بلیغہ ہے، تو اس کو کیوں عیب والا کہا جائے گا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ شاید انہوں نے اس طرف نظر کی کہ استعارہ کی شرط یہ ہے کہ اس میں وجہ شبہ تمام لوگوں کے نزدیک ظاہر ہے اور شیشہ اور عورت کے درمیان وجہ شبہ ظاہر نہیں ہے۔ اور حق یہ ہے کہ یہ کلام انتہائی حسن میں ہے اور عیوب سے سلامت ہے اور اس طرح استعارہ میں یہ لازم نہیں ہے کہ اس میں وجہ شبہ کتنی ظاہر ہو بلکہ اس کے لیے کافی ہے کہ قرائن سے وجہ شبہ ظاہر ہو جائے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابو قلابہ کا مقصد یہ ہو کہ یہ استعارہ اس کے لیے حسین ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثل بلیغ ہو، اور جو بلیغ نہ ہو وہ اگر اس طرح کا کلام کرے گا تو تم اس کا عیب نکالو گے، اور یہی توجیہ ابو قلابہ کے منصب کے لائق ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۸۸۔ ۲۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کو شیشہ سے تشبیہ دی تو آپ کے متعلق صرف حسنِ کلام کا عقیدہ ہوگا جب کہ دوسروں کی طرف نقص کا پہلو نکالا جا سکتا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۹۱۔ بَابُ: هِجَاءِ الْمُشْرِكِينَ مشرکین کی ہجو کرنے کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین کی ہجو کرنا جائز ہے۔ اور امام احمد، امام ابو داؤد، امام نسائی اور امام ابن حبان نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مشرکین سے اپنی زبانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ اور امام طبرانی نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب مشرکین نے ہماری ہجو کی تو ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم بھی ان سے اس طرح کہو جس طرح وہ تمہارے متعلق کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ہے اور یہ اشارہ کیا ہے کہ بعض شعر مستحب ہوتے ہیں۔ اور ہجاء اور ہجو کا معنی ہے: شعر میں مذمت کرنا۔ اور الجوہری نے کہا ہے کہ ہجو مدح کے خلاف ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۵۰- حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ اسْتَأْذَنَ حَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي هِجَاءِ الْمُشْرِكِينَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَكَيْفَ بِنَسَبِي فَقَالَ حَسَّانُ لَأَسُلَّنَّكَ مِنْهُمْ كَمَا تُسَلُّ الشَّعَرَةُ مِنَ الْعَجِينِ وَعَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ ذَهَبْتُ أَسُبُّ حَسَّانَ عِنْدَ عَائِشَةَ فَقَالَتْ لَا تَسُبُّهُ فَإِنَّهُ كَانَ يُنَافِحُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروہ نے خبر دی از والدخود، از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کی ہجو کرنے کی اجازت طلب کی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس میرے نسب کا کیا ہوگا؟ تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ کو ان سے اس طرح نکال لوں گا جس طرح بال کو گوندھے ہوئے آٹے سے نکالا جاتا ہے۔

اور از ہشام بن عروہ از والدخود، انہوں نے بیان کیا کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے حسان کو برا کہنے لگا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس کو برا نہ کہو، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت کرتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۳۵۳۱، ۴۱۴۵، ۶۱۵۰، صحیح مسلم: ۲۴۸۷، ۲۴۸۹، مسند احمد: ۲۳۹۱۶)

صحیح البخاری: ۶۱۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد، وہ ابن سلام ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدہ، وہ ابن سلیمان ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فکیف بنسبی؟" یعنی تم کیسے ان کی ہجو کرو گے، اور میرا نسب جو مہذب الشریف ہے، وہ بھی ان میں ہے؟ پس بعض اوقات اس ہجو کا کچھ حصہ مجھے بھی پہنچے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لاسلنك" یعنی میں آپ کے نسب کو ان کی ہجو میں سے خالی کرلوں گا، اس حیثیت سے کہ آپ کے نسب کے کسی جز کو بھی وہ ہجو نہیں پہنچے گی، جیسے بال کو گندھے ہوئے آٹے سے نکال لیا جائے تو اس بال پر کوئی چیز لگی ہوئی نہیں ہوتی۔

اس تعلیق میں ہے کہ ہشام نے کہا کہ میں حسان کو برا کہنے لگا، کیونکہ یہ بھی ان منافقین کے ساتھ تھے جنہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تھی، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے منع فرمایا اور کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت کرتے تھے اور آپ کی طرف سے جھگڑتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۹۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۵۱- حَدَّثَنَا أَصْبَغُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اصبغ نے

قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ الْهَيْثَمَ بْنَ أَبِي سِنَانٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ فِي قَصَصِهِ يَذْكُرُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ إِنَّ أَخًا لَكُمْ لَا يَقُولُ الرَّفَثَ يَعْنِي بِذَاكَ ابْنَ رَوَاحَةَ قَالَ

وَفِينَا رَسُولُ اللهِ يَتْلُو كِتَابَهُ
إِذَا انْشَقَّ مَعْرُوفٌ مِنَ الْفَجْرِ سَاطِعٌ
أَرَانَا الْهُدَى بَعْدَ الْعَمَى فَقُلُوبُنَا
بِهِ مُوقِنَاتٌ أَنَّ مَا قَالَ وَاقِعٌ
يَبِيتُ يُجَافِي جَنْبَهُ عَنْ فِرَاشِهِ
إِذَا اسْتَثْقَلَتْ بِالْكَافِرِينَ الْمَضَاجِعُ

تَابَعَهُ عُقَيْلٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ الزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدٍ وَالْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ۔

(صحیح بخاری: ۱۱۵۵، ۶۱۵۱، مسند احمد: ۱۵۳۱۰)

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ بن وہب نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے یونس نے خبر دی از ابن شہاب، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہیثم بن ابی سنان نے ان کو خبر دی، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ اپنے قصوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: تمہارا بھائی بے حیائی کی باتیں نہیں کرتا، آپ کی اس سے مراد تھی حضرت ابن رواحہ، انہوں نے کہا:

اور ہم میں رسول اللہ ہیں جو اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں
اس وقت جب فجر کی روشنی پھوٹ کر پھیل جاتی ہے
انہوں نے ہمیں گمراہی کے بعد ہدایت کا راستہ دکھایا سو ہمارے دل
اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ آپ نے جو کچھ فرمایا وہ ضرور واقع ہوگا
آپ رات اس طرح گزارتے ہیں کہ آپ کا پہلو بستر سے دور رہتا ہے
جب کہ کافروں کی خواب گاہیں ان کے بوجھ سے بوجھل رہتی ہیں

یونس نے عقیل کی متابعت کی از الزہری۔ اور زبیدی نے کہا از الزہری از سعید والاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

صحیح البخاری: ۶۱۵۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "مشرکین کی ہجو کرنا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ مشرکین رات بھر اپنے بستروں پر سوئے رہتے ہیں یعنی رات کو اٹھ کر اللہ کی عبادت نہیں کرتے اور یہ ان کی بعینہٖ ہجو ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اصبغ، یہ ابن الفرج ابوعبداللہ المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہیثم، یہ ابن سنان ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "رفث" یعنی فحش گفتاری اور بے حیائی کی باتیں۔
اس حدیث میں مذکور ہے "ابن رواحہ" یہ عبداللہ بن رواحہ ہیں۔ اور یہ اشعار جو ذکر کیے گئے ہیں یہ بحر طویل سے ہیں۔
اور "الساطع" کا معنی ہے: المرتفع یعنی بلند۔ اور "العمی" کا معنی ہے: گمراہی۔

پہلے شعر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ اس میں کہا ہے کہ وہ اللہ کی کتاب سے تلاوت کرتے ہیں۔
اور تیسرے شعر میں آپ کے عمل کی طرف اشارہ ہے، اس میں مذکور ہے کہ آپ بستر سے دور رہتے ہیں، یعنی رات کو اٹھ کر عبادت کرتے ہیں، سو آپ علم اور عمل دونوں اعتبار سے کامل ہیں۔
اور دوسرے شعر میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ دوسروں کے لیے مکمل ہیں، انہیں کامل کرنے والے ہیں، کیونکہ اس میں مذکور ہے کہ آپ نے ہم کو گمراہی کے بعد ہدایت دکھائی۔
اس باب کی تعلیق میں ذکر ہے کہ یونس نے عقیل کی متابعت کی۔ عُقیل کا پورا نام عقیل بن خالد ہے۔
اور دوسری تعلیق میں الزبیدی کا ذکر ہے، زبیدی کا نام محمد بن الولید الشامی ہے جو الزہری کے صاحب ہیں۔ اور سعید سے مراد ابن المسیب ہیں اور اعرج، عبدالرحمٰن بن ہرمز ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۹۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۵۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح وحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّهُ سَمِعَ حَسَّانَ بْنَ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيَّ يَسْتَشْهِدُ أَبَا هُرَيْرَةَ فَيَقُولُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ نَشَدْتُكَ بِاللَّهِ هَلْ سَمِعْتَ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ يَا حَسَّانُ أَجِبْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ اللَّهُمَّ أَيِّدْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ نَعَمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری ح اور ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے بھائی نے حدیث بیان کی از سلیمان از محمد بن ابی عتیق از ابن شہاب از ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف، انہوں نے حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے گواہی طلب کرتے تھے اور کہتے تھے: اے ابوہریرہ! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: اے حسان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب دو؟ اے اللہ! اس کی روح القدس سے تائید فرما؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں!

(صحیح البخاری: ۴۵۳، ۳۲۱۲، ۶۱۵۲، صحیح مسلم: ۲۴۸۵، سنن نسائی: ۷۱۶، مسند احمد: ۲۱۴۲۹)

صحیح البخاری: ۶۱۵۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''مشرکین کی ہجو کرنا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب دو، یعنی مشرکین کی ہجو کرو۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "نشدتك بالله" یعنی میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں اور اس کے واسطہ سے تم سے سوال کرتا ہوں۔
اس حدیث میں مذکور ہے "اجب" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت کرو۔
اس حدیث میں مذکور ہے "بروح القدس" اس سے مراد حضرت جبریل ہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۹۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۵۳۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنِ الْبَرَاءِ رضی الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لِحَسَّانَ اهْجُهُمْ أَوْ قَالَ هَاجِهِمْ وَجِبْرِيلُ مَعَكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عدی بن ثابت از حضرت البراء رضی اللہ عنہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان سے فرمایا کہ ان کی ہجو کرو، یا آپ نے فرمایا "ھاجھم" اور حضرت جبریل بھی تمہارے ساتھ ہیں۔

(صحیح بخاری: ۳۲۱۲، ۴۱۲۳، ۴۱۲۴، ۶۱۵۳، صحیح مسلم: ۲۴۸۶، مسند احمد: ۱۸۱۷۶)

صحیح البخاری: ۶۱۵۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "مشرکین کی ہجو کرنا" اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: مشرکین کی ہجو کرو۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "او ھاجھم" راوی کو اس میں شک ہے کہ آپ نے "اھجھم" فرمایا تھا یا "ہاجھم"۔
اور اس حدیث میں مذکور ہے "وجبریل معك" یعنی حضرت جبریل تمہاری تائید اور معاونت کرنے کے لیے تمہارے ساتھ ہیں۔
علامہ ابن بطال لکھتے ہیں کہ کفار کی ہجو کرنا افضلِ اعمال میں سے ہے، اور اس کی شرف اور فضیلت کے لیے کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! حسان کی تائید فرما۔ اور یہ اس وقت ہے کہ جب مشرکین مسلمانوں کی ہجو کریں اور اس کے جواب میں ان کی ہجو کی جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۹۲۔ ۲۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

گمراہ فرقوں کا رد کرنا بھی افضلِ اعمال میں سے ہے

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کا رد فرمایا جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ نے آپ کو مجنون کہا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "آپ اللہ کی نعمت سے مجنون نہیں ہیں"۔ اور ولید بن مغیرہ کے دس عیوب بیان فرمائے:

وَ لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ۝ آپ بہت قسمیں کھانے والے بے حد ذلیل کی بات نہ مانیں! جو

مَنَّاعٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۝ (القلم: ۱۰۔ ۱۳)

بہت طعنے دینے والا اور چلتا پھرتا چغل خور ہے O نیکی سے بہت روکنے والا، حد سے تجاوز کرنے والا سخت گنہ گار ہے O بہت بدخو، ان سب کے بعد نطفہ حرام ہے O

اسی طرح جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی وفات ہوگئی، تو العاص بن وائل نے آپ کو ابتر کہا یعنی مقطوع النسل، تو اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو کوثر عطا کی ہے، اور جس نے آپ کو ابتر کہا ہے وہی ابتر ہے۔ (الکوثر: ۱۔ ۳)

اس سے معلوم ہوا کہ جو فرقے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کرتے ہیں، ان کا رد کرنا اور ان کی مذمت کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے، اور ان گستاخ لوگوں کا رد کرنا اور ان کی مذمت کرنا افضل اعمال میں سے ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۹۲۔ بَابٌ: مَا يُكْرَهُ أَنْ يَكُونَ الْغَالِبَ عَلَى الْإِنْسَانِ الشِّعْرُ حَتَّى يَصُدَّهُ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَالْعِلْمِ وَالْقُرْآنِ.

اس کا بیان کہ شعر وشاعری میں اس طرح غلو کرنا مکروہ اور ممنوع ہے کہ انسان اللہ کے ذکر اور حصولِ علم اور تلاوتِ قرآن سے محروم ہو جائے

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اشعار کے اس طرح درپے ہونا مکروہ ہے کہ وہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور حصولِ علم اور قرآن کی تلاوت سے منع کرے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۹۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۱۵۴۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا حَنْظَلَةُ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَأَنْ يَمْتَلِئَ جَوْفُ أَحَدِكُمْ قَيْحًا خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَمْتَلِئَ شِعْرًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حنظلہ نے خبر دی از سالم از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، از نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا: اگر تم میں سے کسی ایک کا پیٹ پیپ سے بھر جائے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ شعر سے بھر جائے۔

(صحیح مسلم: ۲۲۵۷، سنن ترمذی: ۲۸۵۱، سنن ابوداؤد: ۵۰۰۹، سنن ابن ماجہ: ۳۷۵۹، مسند احمد: ۸۱۴۷، سنن دارمی: ۲۷۰۵)

صحیح البخاری: ۶۱۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "شعر وشاعری کی مشغولیت میں غلو مکروہ ہے" اور اس حدیث میں یہ فرمایا کہ اشعار سے بھرا ہوا پیٹ، پیپ سے بھرے ہوئے پیٹ سے زیادہ برا ہے۔

شعروشاعری میں زیادہ مشغولیت کی مذمت

یعنی انسان کا ہر وقت شعروشاعری میں مشغول رہنا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے فارغ نہ ہونا اور نہ قرآن پڑھنے کے لیے فارغ ہونا اور نہ حصولِ علم کے لیے فارغ ہونا، یہ انتہائی مذموم ہے۔ اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ جب کسی انسان کا زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں اور قرآن کے پڑھنے میں اور علم کے حصول میں گزرتا ہو، اور پھر وہ کچھ وقت شعروشاعری میں گزارے تو وہ مذموم نہیں ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ شعروشاعری جھوٹ اور فحش باتوں پر مشتمل نہ ہو۔

جن اشعار میں مسلمانوں کی ہجو نہ ہو اور اللہ اور اس کے رسول کا ذکر ہو، ان میں مشغول رہنا مستحسن ہے

الشعبی، عامر بن سعد، محمد بن سیرین، سعید بن المسیب، قاسم، ثوری، امام اوزاعی، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف، اسحاق بن راہویہ، ابو ثور، اور امام ابوعبید، ان سب نے کہا ہے کہ اس شعر کی روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جس میں مسلمانوں کی ہجو نہ ہو اور نہ کوئی بے حیائی کی بات ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت البراء بن عازب، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت معاویہ بن ابی سفیان، حضرت عمران بن حصین، حضرت اسود بن سریع، اور حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہم سے اسی طرح روایت ہے۔

اور جن اشعار میں نصیحت ہو، اور زہد کی ترغیب ہو اور نیکی کی تلقین ہو، وہ اس میں داخل نہیں ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۹۳۔۲۹۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۵۵۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَأَنْ يَمْتَلِئَ جَوْفُ رَجُلٍ قَيْحًا يَرِيهِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَمْتَلِئَ شِعْرًا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: کہ میں نے ابو صالح سے سنا از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کسی مرد کا پیٹ پیپ سے بھر جائے حتیٰ کہ وہ اس کو دیکھے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ شعر سے بھر جائے۔

(صحیح البخاری: ۶۱۵۴، صحیح مسلم: ۲۲۵۷، سنن ترمذی: ۲۸۵۱، سنن ابوداؤد: ۵۰۰۹، سنن ابن ماجہ: ۳۷۵۹، مسند احمد: ۷۸۱۴، سنن دارمی: ۲۷۰۵)

اس حدیث کی شرح بھی حسب سابق ہے۔

۹۳۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم تَرِبَتْ يَمِينُكِ وَعَقْرَى حَلْقَى

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا بیان ”تمہارے ہاتھ خاک آلود ہو جائیں اور زخمی ہو اور تیرے حلق میں بیماری ہو“

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب ان احادیث کے بیان میں ہے جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے ہاتھ خاک آلود ہو جائیں۔

ابن السکیت نے کہا: ''تربت'' کا معنی ہے ''افتقرت'' یعنی تمہارے ہاتھ محتاج ہو جائیں، لیکن یہ ایسا کلمہ ہے جو بولا جاتا ہے اور اس سے دعا کے معنی کا ارادہ نہیں کیا جاتا، اس سے صرف کسی فعل پر برانگیختہ کرنا مراد ہوتا ہے۔ اور اگر وہ اس کے خلاف کرے گا تو برا کرے گا۔ اور النحاس نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تم نے یہ کام نہیں کیا تو تمہارے ہاتھوں میں مٹی کے سوا اور کچھ نہیں آئے گا۔

اور ابن کیسان نے کہا: یہ ایک مثال ہے جو ان کاموں میں جاری ہوتی ہے کہ اگر تم نے میرے کہنے کے مطابق عمل نہیں کیا تو تم اس کام کی طرف محتاج ہو جاؤ گے۔ علامہ داؤدی نے کہا: اس کا معنی ہے کہ تم علم سے محتاج ہو جاؤ گے۔ علامہ ابن الاثیر نے کہا: ''ترب الرجل'' اس وقت کہتے ہیں جب وہ محتاج ہو جائے، یعنی اس کے ہاتھ خاک آلود ہو جائیں۔

اور اس حدیث میں ذکر ہے ''عقریٰ، حلقیٰ''۔ ''عقریٰ'' کا معنی ہے: اللہ اس کو زخمی کر دے۔ اور ''حلقیٰ'' کا معنی ہے: یعنی اس کے حلق میں درد ہو جائے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ ''عقریٰ'' کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ اس کے جسم کو زخمی کر دے، اور ''حلقیٰ'' کا معنی ہے: اس کے حلق میں درد ہو جائے۔ اور الاصمعی نے کہا ہے کہ یہ تعجب کے موقع پر کہا جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۹۵۔۲۹۶، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۵۶۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ أَفْلَحَ أَخَا أَبِي الْقُعَيْسِ اسْتَأْذَنَ عَلَيَّ بَعْدَ مَا نَزَلَ الْحِجَابُ فَقُلْتُ وَاللهِ لَا آذَنُ لَهُ حَتَّى أَسْتَأْذِنَ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَإِنَّ أَخَا أَبِي الْقُعَيْسِ لَيْسَ هُوَ أَرْضَعَنِي وَلَكِنْ أَرْضَعَتْنِي امْرَأَةُ أَبِي الْقُعَيْسِ فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ الرَّجُلَ لَيْسَ هُوَ أَرْضَعَنِي وَلَكِنْ أَرْضَعَتْنِي امْرَأَتُهُ قَالَ ائْذَنِي لَهُ فَإِنَّهُ عَمُّكِ تَرِبَتْ يَمِينُكِ قَالَ عُرْوَةُ فَبِذَلِكَ كَانَتْ عَائِشَةُ تَقُولُ حَرِّمُوا مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ افلح جو ابوالقعیس کے بھائی تھے، انہوں نے مجھ سے گھر میں آنے کی اجازت طلب کی، اور یہ حجاب کے احکام نازل ہونے کے بعد کی بات تھی۔ سو میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں آپ کو اجازت نہیں دوں گی حتیٰ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کر لوں، کیونکہ ابوالقعیس کے بھائی نے مجھ کو دودھ نہیں پلایا، لیکن مجھے تو ابوالقعیس کی بیوی نے دودھ پلایا تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے تو میں نے کہا: یا رسول اللہ! ایک مرد جس نے مجھے دودھ نہیں پلایا لیکن اس کی بیوی نے مجھے دودھ پلایا ہے (وہ میرے پاس آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا)، آپ نے فرمایا: اس کو اجازت دے دو، کیونکہ وہ تمہارا چچا ہے تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں۔

عروہ نے کہا: اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ کہتی تھیں: رضاعت سے ان رشتوں کو حرام کردو جو رشتے نسب سے حرام ہیں۔

(صحیح بخاری: ۲۶۴۴، ۴۷۹۶، ۵۱۰۳، ۵۱۱۱، ۵۲۳۹، ۶۱۵۶، صحیح مسلم: ۱۴۴۵، سنن ترمذی: ۱۱۴۸، سنن نسائی: ۳۳۱۶، سنن ابوداؤد: ۲۰۵۷، مسند احمد: ۲۳۵۶۵، موطا امام مالک: ۱۲۷۸)

صحیح البخاری: ۶۱۵۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے دو جز ہیں، پہلا جز یہ ہے کہ کوئی شخص یہ کہے "تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں"۔ اور اس حدیث میں اسی طرح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں۔ سو یہ باب کے پہلے جز کے ساتھ مطابقت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے افلح، یہ فلاح سے ماخوذ ہے اور افعل کے وزن پر ہے۔ حافظ ابوعمر نے کہا: افلح بن ابی قعیس، اور اس کو اخو ابوالقعیس کہا جاتا ہے۔ اور زیادہ صحیح وہی ہے جس کو امام مالک نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میرے پاس ابوالقعیس کا بھائی افلح آیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد کے سبب سے کسی بچے نے جو دودھ پیا ہو تو اس سے بھی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۹۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۵۷۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ أَرَادَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ يَنْفِرَ فَرَأَى صَفِيَّةَ عَلَى بَابِ خِبَائِهَا كَئِيبَةً حَزِينَةً لِأَنَّهَا حَاضَتْ فَقَالَ عَقْرَى حَلْقَى لُغَةٌ لِقُرَيْشٍ إِنَّكِ لَحَابِسَتُنَا ثُمَّ قَالَ أَكُنْتِ أَفَضْتِ يَوْمَ النَّحْرِ يَعْنِي الطَّوَافَ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ فَانْفِرِي إِذًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الحکم نے حدیث بیان کی از ابراہیم، از الاسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (مکہ سے) کوچ کا ارادہ فرمایا تو آپ نے دیکھا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا خیمہ کے دروازہ پر افسردہ اور مغموم کھڑی ہیں، کیونکہ ان کو حیض آ گیا تھا، تو آپ نے فرمایا: تم زخمی ہو جاؤ، تمہارے حلق میں درد ہو جائے، (یہ قریش کی لغت ہے) بے شک تم ہم کو روکنے والی ہو، پھر آپ نے پوچھا: کیا تم نے یوم نحر کو طواف زیارت کر لیا تھا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: پھر اب چلو۔

(صحیح بخاری: ۲۹۴، ۳۰۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۹، ۳۲۸، ۱۵۱۶، ۱۵۱۸، ۱۵۵۶، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۶۳۸، ۱۶۵۰، ۱۷۰۹، ۱۷۲۰، ۱۷۳۳، ۱۷۵۷، ۱۷۶۲، ۱۷۷۱، ۱۷۷۲، ۱۷۸۳، ۱۷۸۶، ۱۷۸۷، ۱۷۸۸، ۲۹۵۲، ۲۹۸۴، ۴۳۹۵، ۴۴۰۱، ۴۴۰۸، ۵۳۲۹، ۵۵۴۸، ۵۵۵۹،

۶۱۵۷، ۶۲۲۹، صحیح مسلم: ۱۲۱۱، سنن ترمذی: ۹۴۵، سنن نسائی: ۲۹۰، سنن ابوداؤد: ۱۷۸۲، مسند احمد: ۲۵۳۱۰)

صحیح البخاری: ۶۱۵۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

یہ حدیث باب کے دوسرے جز کے مطابق ہے، یعنی کسی شخص کا کسی عورت کو یہ کہنا ''عقری، حلقی'' تم زخمی ہو اور تمہارے حلق میں درد ہو۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے آدم، یہ ابن ابی ایاس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحکم، یہ ابن عتیبہ ہیں جو کہ ''عتبۃ الدار'' کی تصغیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابراہیم مذکور ہے، وہ النخعی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں الاسود مذکور ہے، وہ ابن یزید النخعی الکوفی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ان ینفر'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج سے واپس جانے کا ارادہ کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''خباءھا'': ''خباء'' کا معنی ہے: خیمہ۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''کئیبۃ'' یہ الکآبۃ سے ماخوذ ہے، یہ وہ عورت ہے جو بدحال ہو اور غم سے ٹوٹی پھوٹی ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لغۃ قریش'' یعنی ''عقری، حلقی'' کے الفاظ قریش کی لغت ہے، وہ یہ لفظ بولتے ہیں اور اس سے ان کے معانی کا ارادہ نہیں کرتے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اکنتِ افضتِ یوم النحر'' اس سے آپ نے طوافِ افاضہ کا ارادہ کیا جس کو طوافِ زیارت کہتے ہیں اور یہ حج کا رکن ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فانفری'' یعنی اب واپس چلو، کیونکہ حضرت صفیہ کا حج پورا ہو گیا اور ان کے اوپر اب طوافِ وداع نہ کرنے کی وجہ سے نہ ٹھہرنا واجب نہیں ہے، کیونکہ طوافِ وداع فرض نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۹۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۹۴۔ بَابُ: مَا جَاءَ فِي زَعَمُوا — ''زعموا'' کہنے کے بیان میں

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں قول ''زعموا'' کا بیان ہے۔ اصل میں ''زعم'' اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی چیز کی حقیقت کا علم نہ ہو۔

علامہ ابن بطال نے کہا کہ ''زعم'' اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی خبر کا ذکر کیا جائے اور یہ پتا نہ چلے کہ آیا یہ حق ہے یا باطل

ہے۔اور علامہ ابن الاثیر نے کہا''زعموا'' اس حدیث کے متعلق کہتے ہیں جس کی سند نہ ہو اور نہ اس کا ثبوت ہو، اور وہ حدیث لوگوں کی زبان پر جاری ہو۔اور دوسروں نے کہا:''زعم'' کا اکثر استعمال قول کے معنی میں ہے، اور سیبویہ نے اپنی کتاب میں ناپسندیدہ باتوں کے متعلق ''زعموا'' کہا۔اور ابن الاثیر نے کہا: زعم ظن کے قریب ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۹۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۵۸۔حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ أَنَّ أَبَا مُرَّةَ مَوْلَى أُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أُمَّ هَانِئٍ بِنْتَ أَبِي طَالِبٍ تَقُولُ ذَهَبْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ ابْنَتُهُ تَسْتُرُهُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ مَنْ هٰذِهِ فَقُلْتُ أَنَا أُمُّ هَانِئٍ بِنْتُ أَبِي طَالِبٍ فَقَالَ مَرْحَبًا بِأُمِّ هَانِئٍ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ قَامَ فَصَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ مُلْتَحِفًا فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ زَعَمَ ابْنُ أُمِّي أَنَّهُ قَاتِلٌ رَجُلًا قَدْ أَجَرْتُهُ فُلَانُ بْنُ هُبَيْرَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِئٍ قَالَتْ أُمُّ هَانِئٍ وَذَاكَ ضُحًى۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از ابی النضر مولیٰ عمر بن عبید اللہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ابو مرہ جو ام ہانی بنت ابی طالب کے آزاد کردہ غلام تھے، انہوں نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے سنا، وہ کہتی تھیں کہ میں فتح مکہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی تو میں نے آپ کو غسل کرتے ہوئے پایا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جو آپ کی صاحبزادی ہیں وہ آپ کا پردہ کر رہی تھیں، میں نے آپ کو سلام کیا، آپ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ میں نے کہا: میں ام ہانی بنت ابی طالب ہوں، آپ نے فرمایا: ام ہانی کو خوش آمدید ہو، پھر جب آپ اپنے غسل سے فارغ ہو گئے تو آپ نے کھڑے ہو کر آٹھ رکعت نماز پڑھی۔اس وقت آپ نے اپنے آپ کو ایک کپڑے میں لپیٹا ہوا تھا، پھر جب آپ مڑے تو میں نے کہا: یا رسول اللہ! میری ماں کے بیٹے کا یہ زعم ہے کہ وہ اس مرد کو قتل کرنے والا ہے جس کو میں پناہ دے چکی ہوں، وہ فلاں بن ہبیرہ ہے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم نے اس کو پناہ دے دی جس کو اے ام ہانی تم نے پناہ دی ہے، حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: یہ چاشت کا وقت تھا۔

(صحیح بخاری: ۲۸۰، ۳۵۷، ۳۱۷۱، ۶۱۵۸، صحیح مسلم: ۳۳۶، سنن ترمذی: ۲۷۳۴، سنن نسائی: ۲۲۵، مسند احمد: ۲۶۸۳۳، موطا امام مالک: ۳۵۹، سنن دارمی: ۱۴۵۳)

صحیح البخاری: ۶۱۵۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ''زعم'' کہنے کے متعلق ہے، اور اس حدیث میں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میری ماں کے بیٹے کا یہ زعم ہے۔اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالنضر، ان کا نام سالم بن ابی امیہ ہے، یہ عمر بن عبیداللہ بن معمر القرشی التیمی المدنی کے غلام تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابومرہ، یہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت ام ہانی کا نام فاختہ بنت ابی طالب ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے" مرحبا" یعنی تم کو وسعت اور کشادگی ملے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ تمہیں کشادگی عطا کرے۔ نیز اس حدیث میں مذکور ہے" زعم ابن امی" یعنی میری ماں کے بیٹے نے کہا اور وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے" فلان بن هبيرة" یعنی وہ مرد فلاں بن ہبیرہ ہے، ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام الحارث بن ہشام المخزومی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے" ضحی" جب سورج چوتھائی آسمان تک یا اس سے زیادہ تک بلند ہو جائے تو وہ وقت ضحی یعنی چاشت کا وقت ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اس کی توجیہ کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو میری ماں کا بیٹا کہا، بھائی نہیں کہا

میں کہتا ہوں: حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے کہا: میری ماں کا بیٹا، اور یہ نہیں کہا کہ میرا بھائی۔ کیونکہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا اس سے ناراض تھیں کہ وہ ابن ہبیرہ کو پناہ دے چکی ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو قتل کرنا چاہتے تھے، تو یہ بھائی کا کام تو نہیں ہے، اس لیے بھائی کے بجائے یہ کہا کہ میری ماں کا بیٹا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۹۵۔ بَابُ: مَا جَاءَ فِي قَوْلِ الرَّجُلِ وَيْلَكَ — لفظ" ویلک" کہنے کے متعلق احادیث

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کوئی مرد دوسرے کے متعلق کہے:" ویلک"۔ سیبویہ نے کہا:" ویلک" اس کے لیے کہا جاتا ہے جو کسی ہلاکت میں واقع ہو اور" ویحك" ترحم کا کلمہ ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان دونوں کا ایک معنی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ویل کا معنی ہے حسرت، اور ویح کا معنی ہے رحم۔ اور امام ترمذی سے منقول ہے کہ ویل اور ویح، ان دونوں کا ایک معنی ہے۔ اور اکثر اہل لغت نے کہا ہے کہ لفظ ویل عذاب کا کلمہ ہے، اور لفظ ویح رحمت کا کلمہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۵۹۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضى الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے

رَأَى رَجُلًا يَسُوقُ بَدَنَةً فَقَالَ ارْكَبْهَا قَالَ إِنَّهَا بَدَنَةٌ قَالَ ارْكَبْهَا قَالَ إِنَّهَا بَدَنَةٌ قَالَ ارْكَبْهَا وَيْلَكَ۔

حدیث بیان کی از قتادہ، از حضرت انس رضی اللہ عنہ، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو دیکھا جو اونٹنی کو ہنکا کر لے جا رہا تھا، آپ نے اس سے فرمایا: اس اونٹنی پر سوار ہو جاؤ، اس نے کہا: یہ "بدنہ" (یعنی یہ قربانی کی اونٹنی) ہے، آپ نے فرمایا: اس پر سوار ہو جاؤ، اس نے کہا: یہ "بدنہ" ہے، آپ نے فرمایا: اس پر سوار ہو جاؤ، تم پر افسوس ہے۔

(صحیح بخاری: ۱۵۸۹، ۱۷۰۶، ۲۷۵۵، ۶۱۶۰، صحیح مسلم: ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، سنن ترمذی: ۹۱۱، سنن نسائی: ۲۷۹۹، سنن ابو داؤد: ۱۷۶۰، مسند احمد: ۹۹۴۲، موطا امام مالک: ۸۴۸، سنن دارمی: ۱۹۱۳)

صحیح البخاری: ۶۱۵۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "ویلک" کہنا۔ اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا: تم پر افسوس ہے! اس پر سوار ہو جاؤ۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بدنہ"، یہ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کو مکہ میں نحر کیا جائے یا ذبح کیا جائے۔ یعنی یہ ہدی ہے جس کو حرم کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۶۰ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم رَأَى رَجُلًا يَسُوقُ بَدَنَةً فَقَالَ لَهُ ارْكَبْهَا قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّهَا بَدَنَةٌ قَالَ ارْكَبْهَا وَيْلَكَ فِي الثَّانِيَةِ أَوْ فِي الثَّالِثَةِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی از امام مالک از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو دیکھا جو اپنی اونٹنی کو ہنکا کر لے جا رہا تھا، آپ نے اس سے فرمایا: اس اونٹنی پر سوار ہو جاؤ، اس نے کہا: یا رسول اللہ! یہ بدنہ ہے (ہدی ہے یا قربانی کی اونٹنی ہے)، آپ نے دوسری یا تیسری مرتبہ فرمایا: تم پر افسوس ہے، اس پر سوار ہو جاؤ۔

(صحیح بخاری: ۱۵۸۹، ۱۷۰۶، ۲۷۵۵، ۶۱۶۰، صحیح مسلم: ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، سنن ترمذی: ۹۱۱، سنن نسائی: ۲۷۹۹، سنن ابو داؤد: ۱۷۶۰، مسند احمد: ۹۹۴۲، موطا امام مالک: ۸۴۸، سنن دارمی: ۱۹۱۳)

صحیح البخاری: ۶۱۶۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالزناد، یہ عبداللہ بن ذکوان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعرج، یہ عبدالرحمٰن بن ہرمز ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "وفی الثالثة" راوی کو شک ہے کہ آپ نے دوسری بار "ویلک" فرمایا تھا یا تیسری مرتبہ۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۶۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ح وَأَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي سَفَرٍ وَكَانَ مَعَهُ غُلَامٌ لَهُ أَسْوَدُ يُقَالُ لَهُ أَنْجَشَةُ يَحْدُو فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَيْحَكَ يَا أَنْجَشَةُ رُوَيْدَكَ بِالْقَوَارِيرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از ثابت البنانی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ح اور ایوب از ابی قلابہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے اور آپ کے ساتھ آپ کا سیاہ فام غلام تھا جس کو انجشہ کہا جاتا تھا، وہ گانا گا کر اونٹ کو ہنکا تا تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: تم پر افسوس ہے اے انجشہ! شیشوں کو آہستگی کے ساتھ لے کر چلو۔

(صحیح بخاری: ۶۱۴۹، ۶۱۶۱، ۶۲۰۲، ۶۲۰۹، ۶۲۱۰، ۶۲۱۱، صحیح مسلم: ۲۳۲۳، مسند احمد: ۱۱۶۳۰)

اس حدیث کی شرح عنقریب "باب مایجوز من الشعر والرجز والحداء ومایکرہ منہ" میں گزر چکی ہے، اور وہاں اس کی شرح بھی کی جا چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۶۲۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَثْنَى رَجُلٌ عَلَى رَجُلٍ عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ وَيْلَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ أَخِيكَ ثَلَاثًا مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَادِحًا لَا مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ أَحْسِبُ فُلَانًا وَاللهُ حَسِيبُهُ وَلَا أُزَكِّي عَلَى اللهِ أَحَدًا إِنْ كَانَ يَعْلَمُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی از خالد از عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دوسرے مرد کی تعریف کی، آپ نے تین بار فرمایا: تم پر افسوس ہے، تم نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی، تم میں سے جو شخص ضرور کسی کی مدح کرنے والا ہو تو اگر وہ جانتا ہو تو یوں کہے کہ میں فلاں کو ایسا گمان کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ اس کے عمل کا حساب کرنے والا ہے۔ اور میں اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کسی کو پاکباز نہیں بتلاتا۔

(صحیح البخاری: ۲۶۶۲، ۶۰۶۱، ۶۱۶۲، صحیح مسلم: ۳۰۰۰، سنن ابوداؤد: ۴۸۰۵، سنن ابن ماجہ: ۳۷۴۴، مسند احمد: ۱۹۹۴۹)

صحیح البخاری: ۶۱۶۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے وہیب، یہ وہب کی تصغیر ہے، اور یہ ابن خالد البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خالد، وہ ابن مہران الحذاء ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ، جو اپنے والد حضرت ابوبکرہ نفیع بن الحارث الثقفی سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''قطعت عنق اخیک'' گردن کا کاٹنا قتل کرنے سے مجاز ہے، پس یہ دونوں لفظ ہلاک کرنے میں مشترک ہیں، اگرچہ دینی ہلاکت ہے اور گردن کاٹنا دنیاوی ہلاکت ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حسیبه'' یعنی اللہ تعالیٰ اس کے عمل کا حساب کرنے والا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ولا ازکی'' یعنی میں کسی کے متعلق وثوق سے اللہ کی شہادت نہیں دیتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس طرح اور اس طرح ہے، کیونکہ میں اس شخص کے باطن کو نہیں جانتا۔ میں قطعیت کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ اس کے اعمال کا انجام اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۰۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۶۱۶۳۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَالضَّحَّاكِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَقْسِمُ ذَاتَ يَوْمٍ قِسْمًا فَقَالَ ذُو الْخُوَيْصِرَةِ رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اعْدِلْ قَالَ وَيْلَكَ مَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَعْدِلْ فَقَالَ عُمَرُ ائْذَنْ لِي فَلْأَضْرِبْ عُنُقَهُ قَالَ لَا إِنَّ لَهُ أَصْحَابًا يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلَاتَهُ مَعَ صَلَاتِهِمْ وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمُرُوقِ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ يُنْظَرُ إِلَى نَصْلِهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ ثُمَّ يُنْظَرُ إِلَى رِصَافِهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ ثُمَّ يُنْظَرُ إِلَى نَضِيِّهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ ثُمَّ يُنْظَرُ إِلَى قُذَذِهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ قَدْ سَبَقَ الْفَرْثَ وَالدَّمَ يَخْرُجُونَ عَلَى حِينِ فُرْقَةٍ مِنَ النَّاسِ آيَتُهُمْ رَجُلٌ إِحْدَى يَدَيْهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبدالرحمٰن بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الولید نے حدیث بیان کی از الاوزاعی، از الزہری از ابی سلمہ والضحاک، از ابی سعید الخدری، وہ بیان کرتے ہیں جس وقت ایک دن نبی ﷺ تقسیم فرمارہے تھے، تو ذوالخویصرہ یہ بنو تمیم کا ایک مرد تھا، نے کہا: یارسول اللہ! عدل کیجئے۔ آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے، جب میں عدل نہیں کروں گا تو کون عدل کرے گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن اڑادوں، آپ نے فرمایا: نہیں! اس کے ایسے اصحاب ہیں کہ تم میں سے کوئی ایک اپنی نماز کو ان کی نمازوں کے مقابلہ میں حقیر جانے گا اور اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابلہ میں حقیر جانے گا، یہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے پار ہوجاتا ہے، تیر کے پھل میں دیکھا جائے گا تو اس میں بھی

مِثْلُ ثَدْيِ الْمَرْأَةِ أَوْ مِثْلُ الْبَضْعَةِ تَدَرْدَرُ قَالَ أَبُو سَعِيدٍ أَشْهَدُ لَسَمِعْتُهُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ وَأَشْهَدُ أَنِّي كُنْتُ مَعَ عَلِيٍّ حِينَ قَاتَلَهُمْ فَالْتُمِسَ فِي الْقَتْلَى فَأُتِيَ بِهِ عَلَى النَّعْتِ الَّذِي نَعَتَ النَّبِيُّ ﷺ۔

کوئی نشان نہیں ملے گا، پھر اس کی لکڑی پر دیکھا جائے گا تو اس پر بھی کوئی نشان نہیں ملے گا، پھر اس کے دندانوں میں دیکھا جائے گا تو اس میں بھی کچھ نہیں ملے گا، پھر اس کے پر میں دیکھا جائے تو اس میں بھی کچھ نہیں ملے گا، تیر لید اور خون کو پار کر کے نکل چکا ہوگا، یہ لوگ اس وقت ظاہر ہوں گے جب لوگوں میں اختلاف ہو جائے گا۔ ان کی نشانی یہ ہے کہ ان میں کا ایک مرد ایسا ہوگا کہ اس کا ایک ہاتھ عورت کے پستان کی طرح ہوگا، یا فرمایا کہ گوشت کے لوتھڑے کی طرح ہوگا جو ہل رہا ہوگا، حضرت ابوسعید نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث سنی اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا جب انہوں نے ان خارجیوں سے (نہروان میں) جنگ کی تھی، مقتولین کی تلاشی لی گئی تو ایک شخص ان ہی صفات کا لایا گیا جو صفات رسول اللہ ﷺ نے بیان کی تھیں (کہ اس کا ایک ہاتھ پستان کی طرح ہوگا)۔

(صحیح بخاری: ۳۶۱۰، ۶۱۶۳، صحیح مسلم: ۱۰۶۴، سنن ابن ماجہ: ۱۷۲، مسند احمد: ۱۱۱۴۳)

صحیح البخاری: ۶۱۶۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالرحمن بن ابراہیم، یہ ابوسعید ہیں جو دحیم الیتیم الدمشقی کے نام سے معروف ہیں، اور اس حدیث کی سند میں ابن ولید کا ذکر ہے، وہ ابن مسلم ابوالعباس الدمشقی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں الاوزاعی کا ذکر ہے، وہ عبدالرحمن بن عمرو ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں الزہری کا ذکر ہے، وہ محمد بن مسلم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوسلمہ کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالرحمن بن عوف ہیں۔ اور ضحاک کا ذکر ہے، یہ ابن شراحیل ہیں۔ اور ایک قول ہے شرحبیل المشرقی۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوسعید کا ذکر ہے، یہ حضرت سعد بن مالک الخذری رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سونے کے ٹکڑے بھیجے تھے جن کو رسول اللہ ﷺ تقسیم فرما رہے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''ذوالخویصرۃ''اس سے پہلے''کتاب الانبیاء باب ھود''میں اس کی صفت گزر چکی ہے کہ اس کے رخسار ابھرے ہوئے تھے اور اس کی گھنی ڈاڑھی تھی اور اس کا سر منڈا ہوا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''قال عمر ائذن لی فلا ضرب عنقہ''حضرت ابوسعید نے کہا: میرا گمان یہ ہے کہ جس شخص نے اس کو قتل کرنے کا سوال کیا تھا وہ خالد بن الولید رضی اللہ عنہ تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے قطعیت کے ساتھ نہیں کہا تھا کہ وہ خالد بن الولید ہیں، بلکہ بطورِ گمان کہا تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں نے اس کو قتل کرنے کا قصد کیا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''من الرمیۃ''یہ رمی کا مفعول ہے یعنی جس کو تیر مارا گیا ہو اور وہ شکار ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''الی نصلہ''یہ تیر کا لوہا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''رصاف''یہ رصفۃ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: وہ پٹھا جو تیر کے داخل ہونے والی جگہ کے اوپر لگایا جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''فلا یوجد فیہ شیء''یعنی شکار میں تیر کے نفوذ کا کوئی اثر مثلاً خون وغیرہ نہیں پایا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''نضیہ''یہ تیر کی لکڑی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ تیر کے پھل اور اس کے پر کے درمیان ہوتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''قذذۃ''یہ تیر کا پر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''سبق الفرث والدم''یعنی وہ تیر گوبر اور خون سے پار گزرے گا اور اس پر گوبر اور خون کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

القذاذ نے کہا ہے: یہ تشبیہ ہے، یعنی ان کی عبادات کا انہیں کوئی ثواب نہیں ملے گا، اس لیے کہ وہ دین سے اپنے فاسد اعتقادات کی وجہ سے نکل گئے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دین سے مراد امام کی اطاعت ہے، اور یہ لوگ خوارج ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے''یخرجون علی حین فرقۃ''یعنی ان خوارج کا ظہور اس وقت ہوگا جب امتِ مسلمہ اختلاف کا شکار ہوگی۔

اس حدیث میں مذکور ہے''آیتھم''یعنی ان کی علامات۔

اور یہ شخص یا تو خوارج کا امیر ہوگا، یا ان میں سے کوئی ایک مرد ہوگا، ان لوگوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا تھا اور آپ نے ان سے نہروان میں قتال کیا تھا جو المدائن کے قریب ہے۔

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے، اور حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی منقبت ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۰۰-۳۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۶۴- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَجُلًا أَتَى رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل ابوالحسن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں الاوزاعی نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے ابن شہاب نے حدیث بیان کی از حمید بن عبدالرحمٰن از

يَا رَسُولَ اللهِ هَلَكْتُ قَالَ وَيْحَكَ قَالَ وَقَعْتُ عَلَى أَهْلِي فِي رَمَضَانَ قَالَ أَعْتِقْ رَقَبَةً قَالَ مَا أَجِدُهَا قَالَ فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا أَسْتَطِيعُ قَالَ فَأَطْعِمْ سِتِّينَ مِسْكِينًا قَالَ مَا أَجِدُ فَأُتِيَ بِعَرَقٍ فَقَالَ خُذْهُ فَتَصَدَّقْ بِهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَعَلَى غَيْرِ أَهْلِي فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا بَيْنَ طُنُبَيِ الْمَدِينَةِ أَحْوَجُ مِنِّي فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى بَدَتْ أَنْيَابُهُ قَالَ خُذْهُ تَابَعَهُ يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَيْلَكَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، پس اس نے کہا: یارسول اللہ! میں ہلاک ہوگیا، آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے اس نے کہا: میں نے رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کرلیا، آپ نے فرمایا: ایک غلام آزاد کردو، اس نے کہا: میں غلام کو نہیں پاتا، آپ نے فرمایا: پھر تم دو ماہ کے مسلسل روزے رکھو، اس نے کہا: میں اس کی طاقت نہیں رکھتا، آپ نے فرمایا: پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، اس نے کہا: میں اس کو نہیں پاتا، پھر آپ کے پاس کھجوروں کا ایک ٹوکرا آیا، آپ نے فرمایا: اس کو لے جاؤ اور اس کو صدقہ کردو، اس نے کہا: یارسول اللہ! کیا یہ میں اپنے اہل کے غیر پر صدقہ کروں؟ پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! مدینہ کی دو جانبوں کے درمیان مجھ سے زیادہ محتاج کوئی نہیں، پس نبی ﷺ ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں، پھر آپ نے فرمایا: یہ ٹوکرا تم لے لو، پھر فرمایا: (یہ تم اپنے اہل کو کھلادو)۔

اوزاعی کی یونس نے متابعت کی ہے از زہری۔

اور عبدالرحمٰن بن خالد نے از الزہری کہا: ''ویلک'' تم پر افسوس ہے۔

(صحیح بخاری: ۱۹۳۶، ۱۹۳۷، ۲۶۰۰، ۵۳۶۸، ۶۰۸۷، ۶۱۶۴، ۶۷۰۹، ۶۷۱۰، ۶۷۱۱، ۶۸۲۱، صحیح مسلم: ۱۱۱۱، سنن ترمذی: ۷۲۴، سنن ابوداؤد: ۲۳۹۰، سنن ابن ماجہ: ۱۶۷۱، مسند احمد: ۷۲۴۸، موطا امام مالک: ۶۶۰، سنن دارمی: ۱۷۱۶)

صحیح البخاری: ۶۱۶۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''ویلک'' کہنا اور اس حدیث میں ''ویحک'' ہے اور جو اس کی تعلیق زہری سے منقول ہے اس میں ''ویلک'' کا لفظ ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، وہ عبداللہ بن المبارک ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ویحک'' یعنی تم پر افسوس ہے تم نے کیا کیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے رمضان میں دن کے وقت اپنی بیوی سے جماع کر لیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''طنبی المدینه'' اس سے مراد ہے مدینہ کے اطراف۔ اصل میں ''الطنب'' کا معنی ہے خیمہ کی رسی اور اس کی جمع الاطناب ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا: مدینہ کو خیمہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو دو رسوں سے بندھا ہوتا ہے۔ اور یہاں دو رسوں سے مراد مدینہ کی دونوں طرف کی سیاہ پتھریلی زمینیں ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۰۲۔ ۳۰۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۶۵۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ حَدَّثَنَا أَبُو عَمْرٍو الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ الزُّهْرِيُّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی الله عنه أَنَّ أَعْرَابِيًّا قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَخْبِرْنِي عَنِ الْهِجْرَةِ فَقَالَ وَيْحَكَ إِنَّ شَأْنَ الْهِجْرَةِ شَدِيدٌ فَهَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَهَلْ تُؤَدِّي صَدَقَتَهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاعْمَلْ مِنْ وَرَاءِ الْبِحَارِ فَإِنَّ اللهَ لَنْ يَتِرَكَ مِنْ عَمَلِكَ شَيْئًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعمرو الاوزاعی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن شہاب زہری نے حدیث بیان کی، از عطاء بن یزید اللیثی از حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے ہجرت کے متعلق خبر دیجئے، آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے، ہجرت کا معاملہ تو بہت سخت ہے، کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تم اس کی زکوٰۃ ادا کرتے ہو، اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: پھر تم سمندروں کے پار عمل کرو، پس بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے عمل میں سے کسی چیز کو نہیں چھوڑے گا۔

(صحیح بخاری: ۱۴۵۲، ۲۶۳۳، ۳۹۲۳، ۶۱۶۵، صحیح مسلم: ۱۸۶۵، سنن نسائی: ۴۱۶۴، سنن ابوداؤد: ۲۴۷۷، مسند احمد: ۱۳۷)

صحیح البخاری: ۶۱۶۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''ویلك'' کہنا۔ اس لیے یہاں اعتراض ہے کہ یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے ''ویحك'' اور باب کا عنوان ہے ''ویلك''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ''ویحك'' اور ''ویلك'' دونوں کا معنی ایک ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الولید، وہ ابن مسلم الدمشقی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعمرو، وہ عبدالرحمٰن

الاوزاعی ہیں۔

یہ حدیث ''باب الھجرۃ'' میں گزر چکی ہے۔

ہجرت کی تفصیل اور تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے ''اخبرنی عن الھجرۃ''۔

ہجرت کا معنی ہے: وطن چھوڑ کر مدینہ کی طرف جانا، اور ہجرت کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ارضِ خوف کو چھوڑ کر ارضِ امن کی طرف جانا (۲) ارضِ کفار کو چھوڑ کر ارضِ اسلام کی طرف جانا (۳) ارضِ معصیت کو چھوڑ کر ارضِ اطاعت کی طرف جانا۔

میں کہتا ہوں: ہمارے دور میں جو لوگ پاکستان یا بھارت سے انگلینڈ، امریکہ اور جرمنی کی طرف چلے جاتے ہیں، ان میں سے بعض کو اپنے وطن میں فتنہ اور فساد کا خوف ہوتا ہے، اس لیے وہ امن کی سرزمین میں چلے جاتے ہیں جیسے بھارت سے لوگ برطانیہ اور امریکہ چلے جاتے ہیں اور پاکستان سے جو لوگ ترکِ وطن کر کے برطانیہ وغیرہ چلے جاتے ہیں، تو وہ کسی خوف کی وجہ سے نہیں جاتے بلکہ اپنی معیشت اور اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کے لیے برطانیہ وغیرہ چلے جاتے ہیں، کیونکہ وہاں روزگار کے اچھے مواقع ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''ویحك ان شان الھجرۃ شدید'' کہا گیا ہے کہ یہ حدیث فتحِ مکہ کے زمانہ سے پہلے پر محمول ہے، کیونکہ فتحِ مکہ سے پہلے جو مکہ کے علاوہ کسی اور شہر سے اسلام قبول کرتا تو آپ اس کو ہجرت اور اپنے اہل اور وطن چھوڑنے سے ڈراتے تھے۔ اور ان کی ہجرت یہ ہوتی تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فھل تودی صدقتھا'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں کی زکوٰۃ کے متعلق سوال کیا، اور دوسرے اعمال واجبہ کے متعلق سوال نہیں کیا، کیونکہ لوگوں کی مال پر حرص بہت زیادہ ہوتی ہے اور اعمال بدنیہ پر اتنی حرص نہیں ہوتی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فاعمل من وراء البحار'' یعنی تم اپنی بستیوں اور اپنے شہروں کے پار عمل کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے عمل میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔

اور اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہجرت کے حق کو قائم کرنا بہت سخت ہے، پس تم نیک عمل کرتے رہو خواہ کہیں بھی ہو، کیونکہ جب تم اللہ کا فرض ادا کرو گے تو پھر یہ پرواہ نہ کرو کہ تم اپنے گھر میں مقیم ہو یا اپنے گھر سے دور مدینہ میں مقیم ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے عمل کے اجر کو ضائع نہیں کرے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۶۶ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَاقِدِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدٍ سَمِعْتُ أَبِي عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ وَيْلَكُمْ أَوْ وَيْحَكُمْ قَالَ شُعْبَةُ شَكَّ هُوَ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن عبدالوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد بن الحارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از واقد بن محمد بن زید، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے

بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ وَقَالَ النَّضْرُ عَنْ شُعْبَةَ وَيْحَكُمْ وَقَالَ عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ وَيْلَكُمْ أَوْ وَيْحَكُمْ۔

(صحیح بخاری:۱۷۳۹، سنن ترمذی:۲۱۹۳، مسند احمد:۲۰۳۷)

فرمایا"ویلکم"(تم پر افسوس ہے) یا فرمایا"ویحکم"(تم پر افسوس ہے) شعبہ نے کہا:اس میں شک ہے،(آپ نے فرمایا:) تم میرے بعد کفار نہ ہو جانا، پھر تم ایک دوسرے کی گردنیں مارو گے، اور نضر نے کہا از شعبہ"ویحکم" اور عمر بن محمد نے کہا از والد خود"ویلکم یا ویحکم"۔

صحیح البخاری:۶۱۶۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن عبدالوہاب، یہ ابومحمد الحجبی البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خالد بن الحارث، یہ الہجیمی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے واقد، یہ ابن محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے"شك هو" یعنی شعبہ کے شیخ کو شک ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے"لاترجعوابعدی کفارا" یعنی لوگ مسلمانوں کی تکفیر نہ کریں، جیسے خوارج نے تکفیر کی۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کیا اور ان سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قتال کیا۔ اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد خوارج ہیں جو زنا اور کفر اور دوسرے گناہِ کبیرہ کی وجہ سے تکفیر کرتے تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب ہر کوئی اپنے صاحب کو قتل کرنے کے لیے کافر قرار دے گا تو وہ کافر ہو جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۰۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۶۷۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ أَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَتَى السَّاعَةُ قَائِمَةٌ قَالَ وَيْلَكَ وَمَا أَعْدَدْتَ لَهَا قَالَ مَا أَعْدَدْتُ لَهَا إِلَّا أَنِّي أُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ قَالَ إِنَّكَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ فَقُلْنَا وَنَحْنُ كَذَلِكَ قَالَ نَعَمْ فَفَرِحْنَا يَوْمَئِذٍ فَرَحًا شَدِيدًا فَمَرَّ غُلَامٌ لِلْمُغِيرَةِ وَكَانَ مِنْ أَقْرَانِي فَقَالَ إِنْ أُخِّرَ هَذَا فَلَنْ يُدْرِكَهُ الْهَرَمُ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ وَاخْتَصَرَهُ شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ سَمِعْتُ أَنَسًا عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن عاصم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، کہ دیہاتیوں میں سے ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس اس نے کہا: یارسول اللہ! قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے، تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟، اس نے کہا: میں نے قیامت کے لیے کوئی تیاری نہیں کی مگر یہ کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں، آپ نے فرمایا: بے شک تم اس کے ساتھ ہوگے جس سے تم محبت کرتے ہو۔ پس ہم نے کہا: اور ہم بھی اسی طرح

ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! پس اس دن ہم بہت زیادہ خوش ہوئے، پھر حضرت مغیرہ کا ایک لڑکا وہاں سے گزرا جو میرا ہم عمر تھا، پس آپ نے فرمایا: اس کے آخر میں یہ ہے: اگر یہ زندہ رہا تو اس کے بڑھاپے سے پہلے قیامت آجائے گی۔
اور شعبہ نے اس کا اختصار کیا ہے قتادہ سے، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

(صحیح بخاری: ۳۶۸۸، ۶۱۶۷، ۶۱۷۱، ۷۱۵۳، صحیح مسلم: ۲۶۳۹، سنن ترمذی: ۲۳۸۵، مسند احمد: ۱۲۹۵۸)

صحیح البخاری: ۶۱۶۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ان رجلا من اهل البادیة" ایک دیہاتی نے کہا کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ علامہ کرمانی نے کہا: "قیامة" پر نصب ہے اور علامہ ابن حجر نے کہا کہ اس پر پیش ہے، علامہ عینی نے کہا کہ نصب اس وجہ سے ہے کہ یہ حال ہو، یعنی قیامت کب واقع ہوگی دراں حالیکہ وہ قائم ہو، اور رفع اس وجہ سے ہے کہ وہ خبر ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ویلك وما اعددت لها؟"۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میرے شیخ کے شیخ علامہ طیبی نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سائل کے ساتھ حکیم کے اسلوب کو اختیار کیا، کیونکہ اس نے قیامت کے وقت کے متعلق سوال کیا تھا، اور آپ نے یہ جواب دیا کہ تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ یعنی اہم چیز یہ جاننا نہیں ہے کہ قیامت کب آئے گی، اہم چیز یہ ہے کہ تم نے قیامت کے لیے کیا نیک اعمال تیار کر کے رکھے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "انك مع من احببت" یعنی تم بھی انہی کے ساتھ ملا دیے جاؤ گے جن سے تم محبت کرتے ہو، اور ان کے گروہ میں شامل کر دیے جاؤ گے۔ صحابہ یہ جواب سن کر اس لیے خوش ہوئے کہ وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گے اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ بھی اہل جنت میں سے ہوں گے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت میں درجہ تو مسلمانوں کے درجات سے بہت اعلیٰ ہوگا، پس وہ آپ کے ساتھ کیسے ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ساتھ ہونا اس کا تقاضا نہیں کرتا کہ ان کا درجہ بھی ایک ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "للمغیرة" اس سے مراد ہیں المغیرہ بن شعبہ الثقفی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وکان من اقرانی" یعنی وہ میرے ہم عمر تھے۔

ابن بشکوال نے کہا: اس لڑکے کا نام محمد تھا اور اس پر دلیل یہ ہے کہ امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: قیامت کب ہوگی؟ اور انصار میں سے ایک لڑکا تھا جس کو محمد کہا جاتا تھا۔۔۔ الحدیث

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا نام سعد تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے قیامت کے

متعلق سوال کیا، پھر حدیث کا ذکر کیا، انہوں نے کہا: پھر دوس کے ایک لڑکے نے دیکھا جس کو سعد کہا جاتا تھا، اسی طرح الماوردی نے اس کی روایت کی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ قصہ کئی بار واقع ہوا، ایک بار محمد نامی لڑکا ساتھ تھا، اور دوسری بار سعد نامی لڑکا ساتھ تھا۔ نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ان آخر ھذا" یعنی اگر یہ لڑکا اپنے بچپن میں فوت نہیں ہوا اور زندہ رہا تو یہ بوڑھا نہیں ہوگا حتیٰ کہ قیامت آجائے گی۔

علامہ کرمانی نے کہا: اس حدیث کی کیا توجیہ ہے، کیونکہ یہ مشکلات میں سے ہے۔ پھر انہوں نے خود جواب دیا کہ اس میں قیامت کے قریب ہونے کی مثال ہے، اور اس سے اس کی حقیقت کا ارادہ نہیں کیا۔ علامہ نووی نے کہا ہے: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہو کہ یہ لڑکا نہ مؤخر ہوگا، نہ معمر ہوگا اور نہ بوڑھا ہوگا اور بوڑھا ہونے سے پہلے فوت ہو جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۰۵_۳۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے کہا: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس لڑکے کے بڑھاپے سے پہلے تم سب کی قیامت آجائے گی، "الساعۃ" سے مراد موت ہے، یعنی تم سب کی موت آجائے گی، یعنی جب تم سب کی موت آگئی تو تمہاری قیامت بھی آگئی، کیونکہ ایک روایت میں ہے جو مر گیا تو اس کی قیامت قائم ہوگئی۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۶۸۱، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور)

میں کہتا ہوں کہ خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کی دو قسمیں ہیں: ایک قیامت صغریٰ ہے وہ انسان کی موت ہے اور ایک قیامت کبریٰ ہے جو حضرت اسرافیل علیہ السلام کے صور پھونکنے سے واقع ہوگی۔ اس حدیث میں قیامت سے مراد قیامتِ کبریٰ نہیں ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم قیامت کبریٰ کے متعلق کیوں پوچھ رہے ہو، تمہاری قیامت تو اسی وقت واقع ہو جائے گی جب تمہاری موت آجائے گی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۹۶_ بَابُ: عَلَامَةِ حُبِّ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ — اللہ عزوجل کی محبت کی علامت کا بیان

لِقَوْلِهِ تَعَالَىٰ: إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ (آل عمران: ۳۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تم اللہ سے محبت کے دعوے دار ہو تو میری پیروی کرو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اللہ عزوجل کی محبت کی علامت کا بیان ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اس لفظ سے یہ بھی مراد ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو بندے سے محبت رکھتا ہے اس کی علامت۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ مُحب ہوگا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بندہ جو اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے اس کی علامت، اس صورت میں اللہ تعالیٰ محبوب ہوگا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اگر اللہ تعالیٰ محب ہو تو اس کی محبت سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا بندوں کو ثواب عطا فرمانا۔ اور اگر مراد ہو بندہ جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ محبوب ہو، تو اس سے مراد ہے بندوں کا اللہ تعالیٰ کی اخلاص کے ساتھ عبادت کرنا جس میں ہوائے نفس اور ریاکاری کا شائبہ نہ ہو۔

اس باب میں جو تعلیق ہے اور آل عمران کی آیت کریمہ ذکر کی گئی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبت کرنے کا معنی یہ ہے کہ بندے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کریں، پس جب بندے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کریں گے اور آپ کی شریعت اور سنت کی اتباع کریں گے تو اللہ عزوجل ان سے محبت کرے گا۔ اور حسن بصری اور ابن جریج سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بعض لوگوں نے یہ زعم کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں، پس انہوں نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم اپنے رب سے محبت کرتے ہیں تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمادی کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۰۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۶۸۔ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ

(صحیح بخاری: ۶۱۶۹، صحیح مسلم: ۲۶۴۱، مسند احمد: ۱۰۷ ۴، ۱۹۱۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں بشر بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر از شعبہ از سلیمان از ابی وائل از حضرت عبداللہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: مرد اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ وہ محبت رکھے گا۔

صحیح البخاری: ۶۱۶۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "اللہ عزوجل کی محبت کی علامت" اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ مرد اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ وہ محبت رکھے۔ یہ اس سے عام ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھے یا کسی بندہ سے محبت رکھے محض اللہ تعالیٰ کی وجہ سے۔ پس جس طرح اس باب کا عنوان عموم کی گنجائش رکھتا ہے، اسی طرح یہ حدیث بھی عموم کی گنجائش رکھتی ہے۔ پس حدیث اور عنوان میں مطابقت ہوگئی، اور عموم کے اوپر دلیل لفظ "مَن" ہے، کیونکہ یہ عموم کا تقاضا کرتا ہے اور مفعول کی ضمیر محذوف ہے، یعنی "من احبہ" اور وہ لفظِ "مَن" کی طرف رجوع کرتی ہے، تو اس سے بھی عموم حاصل ہوتا ہے، اس کو بغور سمجھو کیونکہ یہ دقیق جگہ ہے اور مجھے انوارِ ربانیہ سے حاصل ہوئی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بشر بن خالد، یہ ابومحمد العسکری ہیں اور یہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں، ان کی وفات ۲۵۳ھ میں ہوئی تھی۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن جعفر، وہ غندر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سلیمان کا ذکر ہے، وہ الاعمش ہیں۔ اور ابووائل کا ذکر ہے، وہ شقیق بن سلمہ ہیں۔ اور عبداللہ کا ذکر ہے، وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "مع من احب" یعنی "فی الجنۃ" اس کا معنی ہے کہ مرد اسی کے ساتھ جنت میں ہوگا جس کے ساتھ وہ محبت رکھے گا، یعنی اللہ تعالیٰ اس کو اس کے حسنِ نیت کی وجہ سے جنتیوں میں داخل کردے گا بغیر اس کے کہ اس نے زیادہ اعمال

صالحہ کیے ہوں۔

علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ کی رضا کے لیے کسی بندہ سے محبت رکھے گا تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جنت میں جمع کر دے گا اگر چہ اس کے عمل میں تقصیر ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ صالحین سے ان کی اطاعت کی وجہ سے محبت رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی اتنی اطاعت کا ثواب عطا فرمائے گا، کیونکہ اصل چیز نیت ہے اور عمل اس کے تابع ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جس کو جو چاہے عطا فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ بہت فضلِ عظیم کا مالک ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۶۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ رضی الله عنه جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ تَقُولُ فِي رَجُلٍ أَحَبَّ قَوْمًا وَلَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ تَابَعَهُ جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ وَسُلَيْمَانُ بْنُ قَرْمٍ وَأَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابی وائل، انہوں نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، پس کہا: یا رسول اللہ! آپ اس مرد کے متعلق کیا فرماتے ہیں جو کسی قوم کے ساتھ محبت رکھے اور ان کے ساتھ ملا نہ ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مرد اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔
ان کی متابعت کی ہے جریر بن حازم نے اور سلیمان بن قرم نے اور ابو عوانہ نے از الاعمش از ابو وائل از حضرت عبد اللہ از نبی ﷺ

(صحیح بخاری: ۶۱۶۸، ۶۱۶۹، صحیح مسلم: ۲۶۴۰، مسند احمد: ۱۰۷۳ ۱،۳۱۹۱۳)

صحیح البخاری: ۶۱۶۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریر، یہ عبد الحمید رازی ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک مرد ایک قوم سے محبت رکھتا ہے اور وہ ان کے ساتھ ملا نہیں، یعنی عمل میں اور فضیلت میں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۷۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قِيلَ لِلنَّبِيِّ ﷺ الرَّجُلُ يُحِبُّ الْقَوْمَ وَلَمَّا يَلْحَقْ بِهِمْ قَالَ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ تَابَعَهُ أَبُو مُعَاوِيَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابو وائل از ابی موسیٰ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ ایک مرد کسی قوم سے محبت رکھتا ہے اور وہ ابھی

عُبَيْدٍ۔

تک ان سے ملا نہیں، آپ نے فرمایا: مرد اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ محبت رکھے۔
سفیان کی متابعت کی ابومعاویہ محمد بن حازم نے اور محمد بن عبید نے۔

(صحیح بخاری: ۶۱۶۸، ۶۱۶۹، صحیح مسلم: ۲۶۴۱، مسند احمد: ۱۹۱۳۱،۳،۱۰ ج ۱۹۱۳۱)

صحیح البخاری: ۶۱۷۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابونعیم، یہ الفضل بن دکین ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، یہ الثوری ہیں۔ اور ابوموسیٰ کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن قیس الاشعری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ولما یلحق بھم" یعنی ابھی تک وہ ان سے ملا نہیں، اس سے پہلی حدیث میں تھا "ولم یلحق بھم" یعنی وہ ان سے نہیں ملا، اور اس حدیث میں مذکور ہے "وہ ابھی تک ان سے نہیں ملا" یعنی ان سے ملنا متوقع ہے۔
علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس میں یہ اشارہ ہے کہ ان کے ساتھ ملنا متوقع ہے، اور وہ شخص ان سے ملنے کا ارادہ کر رہا ہے اور اس مرتبہ کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۷۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا أَبِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ مَتَى السَّاعَةُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ مَا أَعْدَدْتَ لَهَا قَالَ مَا أَعْدَدْتُ لَهَا مِنْ كَثِيرِ صَلَاةٍ وَلَا صَوْمٍ وَلَا صَدَقَةٍ وَلٰكِنِّي أُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ قَالَ أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے خبر دی از شعبہ از عمرو بن مرہ از سالم بن ابی الجعد از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے نبی ﷺ سے سوال کیا: قیامت کب ہوگی یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے کہا: میں نے اس کے لیے زیادہ نمازیں، روزے اور صدقے تو تیار نہیں کیے، لیکن میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں، آپ نے فرمایا: تم اسی کے ساتھ رہو گے جس کے ساتھ تم محبت کرو گے۔

(صحیح بخاری: ۳۶۸۸، ۶۱۶۷، ۶۱۷۱، ۷۱۵۳، صحیح مسلم: ۲۶۳۹، سنن ترمذی: ۲۳۸۵، مسند احمد: ۱۲۹۵۸)

صحیح البخاری: ۶۱۷۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدان، یہ عبد اللہ بن عثمان المروزی کا لقب ہے جو اپنے والد عثمان بن جبلہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شعبہ، وہ روایت کرتے ہیں از عمرو بن مرہ از سالم بن ابی الجعد سے، ان کا نام رافع ہے اور وہ کوفی ہیں۔ وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

میں کہتا ہوں: ہم بھی اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتے ہیں اور یہ امید رکھتے ہیں کہ ہم قیامت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ما اعددت لھا؟'' تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ یہ حکیم کا اسلوب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۰۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

وقتِ وقوعِ قیامت کو مخفی رکھنا

متعدد علماء نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وقتِ وقوعِ قیامت کا علم دیا تھا اور اس علم کو مخفی رکھنے کا حکم دیا تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً (الاعراف: ۱۸۷) وہ تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی۔

یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتادیا کہ محرم کے مہینہ میں قیامت آئے گی، تاریخ بھی بتادی کہ دس تاریخ کو آئے گی، دن بھی بتادیا کہ جمعہ کے دن قیامت آئے گی، اور خاص وقت بھی بتادیا کہ عصر اور مغرب کے درمیان آئے گی، لیکن سن نہیں بتایا کہ کس سن میں قیامت آئے گی۔ اس لیے جب بھی قیامت آئے گی تو وہ اچانک ہی آئے گی۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ سوال کرتے کہ قیامت کب آئے گی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکمت سے پہلو بدلتے اور فرماتے: تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ یعنی تمہارے لیے یہ جاننا اہم نہیں ہے کہ قیامت کب آئے گی، تمہارے لیے اہم یہ ہے کہ تم قیامت کی تیاری کرو اور نیک کام کرو اور برے کاموں کو ترک کرو، تاکہ روزِ جزا کو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے انعامات سے نوازے اور اپنے عذاب سے محفوظ رکھے۔

۹۷۔ بَابُ: قَوْلِ الرَّجُلِ لِلرَّجُلِ اخْسَأْ — ایک مرد کا دوسرے مرد سے یہ کہنے کا بیان کہ ''دفع ہو''

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ ''اخسأ'' کہہ کر کتے کو جھڑکتے ہیں، ڈانٹتے ہیں اور اس کو بھگاتے ہیں۔ یہ اس کلمہ کی اصل ہے، اور عرب اس کلمہ کو ہر اس شخص کے متعلق استعمال کرتے ہیں جس نے کوئی نازیبا بات کہی یا کوئی نازیبا کام کیا جس سے اللہ تعالیٰ

ناراض ہوتا ہوتو پھر اسے ''اخسأ'' (یعنی دفع ہو) کہتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۰۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۷۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا سَلْمُ بْنُ زَرِيرٍ سَمِعْتُ أَبَا رَجَاءٍ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِابْنِ صَائِدٍ قَدْ خَبَأْتُ لَكَ خَبِيئًا فَمَا هُوَ قَالَ الدُّخُّ قَالَ اخْسَأْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلم بن زریر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابورجاء سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن صائد سے فرمایا: میں نے تمہارے لیے دل میں ایک بات چھپائی ہے، بتاؤ وہ کیا ہے؟ اس نے کہا: وہ ''الدخ'' ہے، آپ نے فرمایا: دفع ہو جاؤ۔

(صحیح بخاری: ۱۳۵۴، ۳۰۵۵، ۶۱۷۳، ۶۶۱۸، صحیح مسلم: ۲۹۳۰، سنن ترمذی: ۲۲۴۹، مسند احمد: ۶۳۲۴)

صحیح البخاری: ۶۱۷۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے کسی مرد کا دوسرے مرد سے ''اخسأ'' کہنا اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن صائد سے کہا ''اخسأ'' یعنی دفع ہو۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالولید، یہ ہشام بن عبدالملک ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سلم بن زریر، یہ البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابورجاء، یہ عمران العطاردی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''لابن صائد'' ایک روایت میں ہے ''ابن صیاد'' اور یہی زیادہ مشہور ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''خبیئا'' یہ فعیل کے وزن پر ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کو چھپایا گیا ہو، اور وہ چیز غائب اور مستور ہو۔ کہا جاتا ہے ''خبئت الشیء'' جب تم کسی چیز کو چھپالو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ھو الدخ'' نبی ﷺ نے دل میں دخان چھپایا تھا جس کو وہ نہیں جان سکا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اخسأ'' نبی ﷺ نے فرمایا: چپ ہو دراں حالیکہ تم ذلیل اور مردود ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۰۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اس اشکال کا جواب کہ ابن صیاد نے ''الدخ'' کو بھی کیسے جان لیا

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ ہر چند کہ ابن صیاد دخان نہیں بتا سکا، لیکن اس نے کچھ حصہ تو بتا دیا اور ''الدخ'' کہا۔ تو آپ کے دل

میں چھپی ہوئی بات کا اتنا حصہ بھی اس نے کیسے بتا دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بتایا تھا کہ میں نے دل میں یہ آیت چھپائی ہے، تاکہ صحابہ کو معلوم ہو جائے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چھپائی ہوئی آیت کو نہیں جان سکا، اور وہ آیت یہ تھی:

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝ سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان واضح دھواں لائے گا O

(الدخان:۱۰)

تو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو یہ بتا رہے تھے تو شیطان نے کچھ سن لیا اور وہ ابن صیاد کے دل میں پھونک دیا، اور وہ پورا دخان نہیں سمجھ سکا صرف دخ کہہ دیا۔

۶۱۷۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ أَخْبَرَهُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ انْطَلَقَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي رَهْطٍ مِنْ أَصْحَابِهِ قِبَلَ ابْنِ صَيَّادٍ حَتَّى وَجَدَهُ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فِي أُطُمِ بَنِي مَغَالَةَ وَقَدْ قَارَبَ ابْنُ صَيَّادٍ يَوْمَئِذٍ الْحُلُمَ فَلَمْ يَشْعُرْ حَتَّى ضَرَبَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم ظَهْرَهُ بِيَدِهِ ثُمَّ قَالَ أَتَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللهِ فَنَظَرَ إِلَيْهِ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ الْأُمِّيِّينَ ثُمَّ قَالَ ابْنُ صَيَّادٍ أَتَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللهِ فَرَضَّهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم ثُمَّ قَالَ آمَنْتُ بِاللهِ وَرُسُلِهِ ثُمَّ قَالَ لِابْنِ صَيَّادٍ مَاذَا تَرَى قَالَ يَأْتِينِي صَادِقٌ وَكَاذِبٌ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم خُلِّطَ عَلَيْكَ الْأَمْرُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنِّي خَبَأْتُ لَكَ خَبِيئًا قَالَ هُوَ الدُّخُّ قَالَ اخْسَأْ فَلَنْ تَعْدُوَ قَدْرَكَ قَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللهِ أَتَأْذَنُ لِي فِيهِ أَضْرِبْ عُنُقَهُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنْ يَكُنْ هُوَ لَا تُسَلَّطُ عَلَيْهِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ هُوَ فَلَا خَيْرَ لَكَ فِي قَتْلِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے حدیث نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سالم بن عبداللہ نے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی، کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت میں ابن صیاد کی طرف گئے حتیٰ کہ آپ نے اس کو بنی مغالہ کے مکانوں میں لڑکوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھا، اور ابن صیاد اس دن بلوغت کے قریب تھا، اس کو نبی کا پتا نہیں چلا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پشت کے اوپر اپنا ہاتھ مارا، پھر آپ نے فرمایا: کیا تو یہ گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ سو اس نے آپ کی طرف دیکھا، پھر کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ان پڑھ لوگوں کے رسول ہیں۔ پھر ابن صیاد نے کہا: کیا آپ یہ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوڑ دیا، پھر فرمایا: میں اللہ پر ایمان لایا اور اس کے تمام رسولوں پر۔ پھر آپ نے ابن صیاد سے پوچھا: تو کیا دیکھتا ہے؟ اس نے کہا: میرے پاس سچی خبر بھی آتی ہے اور جھوٹی خبر بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرے اوپر معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تیرے لیے ایک بات چھپائی ہے، اس نے کہا: وہ الدخ ہے، آپ نے فرمایا: دفع ہو! تو اپنی حد سے تجاوز نہیں کر سکتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اس

کی گردن اڑادوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ وہی ہے (یعنی دجال) تو تم اس پر مسلط نہیں ہو، اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو پھر اس کو قتل کرنے کا تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(صحیح بخاری: ۱۳۵۴، ۳۰۵۵، ۶۱۷۳، ۶۶۱۸، صحیح مسلم: ۲۹۳۰، سنن ترمذی: ۲۲۴۹، مسند احمد: ۶۳۲۴)

صحیح البخاری: ۶۱۷۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے کسی مرد کا دوسرے سے یہ کہنا کہ دفع ہو، اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن صیاد سے فرمایا: دفع ہو، تو ہرگز اپنی حد سے تجاوز نہیں کرسکتا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، یہ الحکم بن نافع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شعیب، یہ ابن ابی حمزہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "قبل ابن صیاد" یعنی نبی ﷺ ابن صیاد کی طرف گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بی اطم" "أطُم" کا معنی ہے قلعہ۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بنی مغالہ"۔ مدینہ کی سرزمین کی دو قسمیں ہیں۔ وہ قبیلہ انصار کی دو شاخوں کی ہیں: بنومعاویہ اور بنومغالہ۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ بنومغالہ وہ ہیں کہ جب تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد کی طرف منہ کر کے جارہے ہو تو جو تمہارے دائیں ہاتھ پر مکان ہیں وہ بنومغالہ کے مکان ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "الحُلم" یعنی بلوغت۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الامیین" اس کا معنی ہے: عرب۔ ابن صیاد نے کہا تھا کہ آپ ان پڑھ لوگوں کے رسول ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فرضہ النبی ﷺ" یعنی نبی ﷺ نے اس کو دھتکار دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "خلط" یعنی ابن صیاد پر اس کا معاملہ مشتبہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ان یکن ھو" "ھُوَ" ضمیر دجال کی طرف لوٹ رہی ہے، ہرچند کہ اس کا پہلے ذکر نہیں ہے لیکن دجال مشہور ہے اور معنی یہ ہے کہ اگر یہ ابن صیاد وہی ہے یعنی دجال تو تم اس کو قتل کرنے پر مامور نہیں ہو، اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو اس کو قتل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ائذن لی فیہ اضرب عنقہ" نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس سے منع کیا کہ وہ ابن صیاد کو قتل کریں جب کہ وہ نبوت کا دعویٰ کرچکا تھا، اور جو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے وہ واجب القتل ہے، تو پھر آپ نے کیوں منع کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ابھی تک بالغ نہیں ہوا تھا، اس لیے آپ نے اس کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ یا یہ واقعہ ان دنوں کا ذکر ہے جب آپ کی یہود سے صلح تھی۔ یا آپ نے اس لیے منع فرمایا کہ آپ کو ابھی اس کے اسلام لانے کی امید تھی۔

علامہ ابن الملقن نے التوضیح میں لکھا ہے: علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ وہ مسلمان ہوگیا تھا اور اس کو علامہ ابن شاہین نے اپنی کتاب الصحابہ میں وارد کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ عبداللہ بن صیاد تھا، اس کا باپ یہودی تھا۔ پس عبداللہ پیدا ہوا، وہ کانا تھا اور مجنون تھا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہی دجال تھا، پھر وہ مسلمان ہوگیا، وہ تابعی ہے اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا بھی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۰۔۳۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

ابن صیاد کی اصلیت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشتباہ کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے میں اس کو قتل کردوں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ وہی ہے جو تمہارا گمان ہے تو تم اس کو قتل نہیں کرسکو گے۔

علامہ اُبی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے کہا: آپ کا منشاء یہ تھا کہ اگر دجال یہی ہے تو یہ اخیر زمانہ تک رہے گا اور تم اس کے قتل پر قادر نہیں ہوگے، اس کو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے، اور اگر یہ دجال نہیں ہے تو پھر اس کو قتل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ ایک تو یہ نابالغ ہے اور دوسرا یہ کہ یہودیوں سے معاہدہ کیا ہوا ہے۔

علامہ خطابی نے کہا: یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ ابن صیاد کی اصلیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر واضح نہیں تھی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (از خود) غیب کو نہیں جانتے، ماسوا ان امور کے جن کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم عطا فرمایا ہے، اور شاید اللہ تعالیٰ کے علم میں ابن صیاد کے امر کو مخفی رکھنے میں کوئی مصلحت تھی، اور جس چیز پر ایمان واجب ہے وہ یہ ہے کہ دجال ضرور نکلے گا اور وہ الوہیت کا دعویٰ کرے گا اور وہ کذاب اور کانا ہوگا، جیسا کہ اتنی زیادہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے جن سے علم قطعی حاصل ہوجاتا ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۷ ص ۲۵۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

نیز ایک اور حدیث میں ہے: ابن صیاد لیٹا ہوا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھپ کر اس کی بڑبڑاہٹ کو سننا چاہا، اس کی ماں نے اس کو خبردار کردیا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر اس کی ماں اس کو چھوڑ دیتی تو اس کا امر واضح ہوجاتا۔

علامہ اُبی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ یعنی وہ نیند میں بڑبڑا رہا تھا، اس سے معلوم ہوجاتا کہ آیا وہ دجال ہے یا نہیں؟ البتہ اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: تین آدمیوں سے (مکلف کرنے کا) قلم اٹھالیا گیا ہے، ان میں سے ایک سونے والا ہے حتیٰ کہ وہ بیدار ہوجائے، اور اس پر اجماع ہے کہ سونے والے سے نیند میں جو اقوال صادر ہوں ان پر مواخذہ نہیں ہوتا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر مواخذہ کا معاملہ نہیں ہے کہ یہ اشکال ہو، یہاں تو اس کے احوال اور قرائن میں غور کرکے اس کی اصلیت کو معلوم کرنے کا مسئلہ تھا، کیونکہ کسی شخص کی بیداری میں جو افکار ہوتے ہیں، انہی کا ظہور بڑبڑاہٹ کی صورت میں نیند میں ہوتا ہے اور شاید نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ انتظار تھا کہ نیند کی حالت میں اس سے ایسی چیز کا ظہور ہوگا جس سے اس کی بیداری کی کیفیت معلوم ہوجائے

گی۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۷ ص ۲۶۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

اللہ تعالیٰ نے اس وقت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن صیاد کی اصلیت سے مطلع نہیں فرمایا تھا اور شاید اس میں یہ حکمت ہو کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام علمی عظمتوں کے باوجود، خدا ہیں نہ عالم الغیب ہیں اور امور غیبیہ میں سے انہی کو جانتے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہے۔

دجال کے متعلق علماء اسلام کے نظریات

علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں:

اس باب کی احادیث سے اہل سنت و جماعت نے یہ استدلال کیا ہے کہ دجال ایک معین شخص ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کے سبب سے بندوں کو امتحان میں مبتلاء کیا ہے اور اس کو چند اشیاء پر قدرت دی ہے تاکہ اچھوں کو بروں سے ممتاز کر دے، پھر اللہ تعالیٰ اس کے امر کو باطل کر دے گا، اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھے گا۔ خوارج، جہمیہ اور بعض معتزلہ نے دجال کا انکار کیا ہے اور دوسرے معتزلہ میں سے جبائی اور اس کے تابعین نے دجال کے وجود کا اعتراف کیا، البتہ انہوں نے یہ کہا کہ دجال کے ہاتھوں جو امور خارقہ ظاہر ہوں گے، وہ اس کی شعبدہ بازی ہوگی، کیونکہ اگر یہ حقائق ہوں تو اس سے نبوت پر طعن ہوگا لیکن یہ ان کا وہم ہے، کیونکہ دجال نبوت کا دعویٰ نہیں کرے گا کہ ان خوارق سے اس کا صادق ہونا لازم آئے، وہ الوہیت کا دعویٰ کرے گا اور اس دعویٰ کا وہ خود مکذب ہوگا، کیونکہ اس کی ذات میں نقص اور حدوث کی علامتوں کا ظہور ہوگا اور وہ اپنی ذات سے اس نقص کو دور کرنے سے عاجز ہوگا، کسی مومن کو اس کے دعویٰ کے کذب کے متعلق کوئی شک نہیں ہوگا، اس کی اتباع یا تو کوئی شخص اضطرار کی وجہ سے کرے گا، یا کفر کی وجہ سے یا تقیہ اور اس کے خوف کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ اس سے بہت بڑے فتنہ کا ظہور ہوگا اور پہلی بار ہی اس کو دیکھ کر بہت سے لوگ دہشت زدہ ہو جائیں گے اور ان کی عقل کام نہیں کرے گی، وہ تیز آندھی کی طرح سرعت سے زمین پر چلے گا اور جس شخص کی نظر اور بصیرت کام نہیں کرے گی وہی اس کی تصدیق کرے گا۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۷ ص ۲۶۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

ابن صیاد کے متعلق دیگر احادیث

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ کے کسی راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی ابن صیاد سے ملاقات ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اس نے کہا: کیا آپ میرے رسول اللہ ہونے کی گواہی دیتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ پر اس کے فرشتوں پر، اور اس کی کتابوں پر ایمان لاتا ہوں، تم کو کیا نظر آتا ہے؟ اس نے کہا: مجھے پانی پر تخت نظر آتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سمندر پر ابلیس کا عرش دیکھتے ہو، تمہیں اور کیا نظر آتا ہے؟ اس نے کہا: میں دو سچوں اور ایک جھوٹے کو یا دو جھوٹوں اور ایک سچے کو دیکھتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو، اس کا معاملہ اس پر مشتبہ ہو گیا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۹۲۵، سنن ترمذی: ۲۲۵۵، مسند احمد: ۲۰۴۴۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے ابن صیاد نے ایک بات کہی جس سے مجھے شرم آگئی، اس نے کہا: میں اور لوگوں کو معذور سمجھتا ہوں مگر اے اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! تمہیں میرے متعلق کیا ہو گیا ہے، کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ

دجال یہودی ہوگا اور میں مسلمان ہو چکا ہوں اور یہ کہ وہ لاولد ہوگا اور میری اولاد ہے اور آپ نے فرمایا تھا کہ اللہ نے اس پر مکہ حرام کر دیا ہے اور میں حج کر چکا ہوں، ابن صائد مسلسل ایسی باتیں کرتا رہا جن سے میں ممکن ہے متاثر ہو جاتا، کہ اس نے کہا: بہ خدا میں جانتا ہوں کہ دجال کہاں ہے اور میں اس کے ماں باپ کو بھی جانتا ہوں، اس سے پوچھا گیا کہ کیا تم کو یہ پسند ہے کہ تم ہی دجال ہو، اس نے کہا: اگر مجھ پر وہ پیش کیا جائے تو میں ناپسند نہیں کروں گا۔ (صحیح مسلم: ۲۹۲۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حج یا عمرہ کرنے کے لیے گئے، اور ہمارے ساتھ ابن صائد تھا، ہم ایک پڑاؤ پر اترے، لوگ منتشر ہو گئے، میں اس کے ساتھ رہ گیا۔ اس کے متعلق جو کچھ کہا جاتا تھا مجھے اس سے سخت وحشت ہوئی، وہ اپنا سامان لے کر آیا اور اس کو میرے سامان کے ساتھ رکھ دیا، میں نے کہا: گرمی بہت سخت ہے اگر تم اپنا سامان اس درخت کے نیچے رکھ دیتے تو بہتر ہوتا، اس نے ایسا ہی کیا، پھر کچھ بکریاں آئیں وہ دودھ کا ایک پیالہ لے آیا اور کہا: اے ابوسعید! پیو، میں نے کہا: گرمی بہت سخت ہے اور دودھ گرم ہے اور وجہ صرف یہ تھی کہ میں اس کے ہاتھ سے دودھ لینا نہیں چاہتا تھا، وہ کہنے لگا: اے ابو سعید! لوگ میرے متعلق جو باتیں کرتے ہیں ان کی وجہ سے میرا دل چاہتا ہے کہ رسی لے کر درخت پر لٹکاؤں اور اپنا گلا گھونٹ لوں، اے ابوسعید! جن لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث معلوم نہیں (ان کی بات الگ ہے) اے انصار کی جماعت! تم پر تو کچھ مخفی نہیں ہے! کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کے زیادہ جاننے والے نہیں ہو! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا: وہ کافر ہے اور میں مسلمان ہوں! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ وہ بانجھ اور لاولد ہوگا اور میں نے اپنی اولاد کو مدینہ میں چھوڑا ہوا ہے، اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ وہ مکہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہوگا اور میں مدینہ سے آیا ہوں اور مکہ جا رہا ہوں! حضرت ابوسعید نے کہا: قریب تھا کہ میں اس کا عذر قبول کر لیتا کہ اس نے کہا: بہ خدا! میں دجال کو پہچانتا ہوں اور یہ جانتا ہوں کہ وہ کہاں پیدا ہوا اور اب کہاں ہے، میں نے کہا: تیرے لئے سارے دن تباہی اور بربادی ہو۔ (صحیح مسلم: ۲۹۲۷، سنن ترمذی: ۲۲۵۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن صائد سے فرمایا: جنت کی مٹی کیسی ہے؟ اس نے کہا: اے ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! باریک سفید مشک کی طرح، آپ نے فرمایا: تو نے سچ کہا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۹۲۸)

نافع بیان کرتے ہیں کہ مدینہ کے بعض راستوں میں حضرت ابن عمر کی صیاد سے ملاقات ہوئی، حضرت ابن عمر نے اس سے کوئی ایسی بات کہی جس سے وہ غضب ناک ہو گیا اور وہ اتنا پھول گیا کہ راستہ بھر گیا، حضرت ابن عمر حضرت حفصہ کے پاس گئے، ان کو یہ خبر مل چکی تھی، انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے! تم نے ابن صیاد سے کیا ارادہ کیا تھا، کیا تم کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: دجال کسی پر غصہ آنے کی وجہ سے ہی نکلے گا۔ (صحیح مسلم: ۲۹۳۲، مسند احمد: ۲۶۴۸۷)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے تھے کہ میں ابن صیاد سے دو بار ملا ہوں، ایک بار ملا تو میں نے بعض لوگوں سے کہا: تم یہ کہتے ہو کہ وہ دجال ہے، انہوں نے کہا: نہیں، خدا کی قسم! میں نے کہا: تم نے مجھے جھوٹا کر دیا، بہ خدا! تم میں سے بعض لوگوں نے یہ کہا تھا کہ وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ تم سب سے زیادہ مال دار اور صاحب اولاد نہ ہو جائے، سو آج کل وہ لوگوں کے زعم میں ایسا ہی ہے، پھر ابن صیاد نے ہم سے باتیں کیں، پھر میں اس سے جدا ہو گیا، پھر میں اس سے دوبارہ ملا، اس وقت اس کی آنکھ نکل چکی تھی، میں نے اس سے پوچھا: تیری آنکھ کیا ہوئی؟ اس نے کہا: مجھے پتا نہیں، میں نے کہا: وہ آنکھ تمہارے سر میں تھی اور تم کو

اس کا پتا نہیں، اس نے کہا: اگر اللہ چاہے گا تو وہ آنکھ تیری لاٹھی میں پیدا کرے گا، پھر وہ گدھے کی آواز کی طرح چیخا، اس سے زیادہ (سخت) آواز میں نے نہیں سنی تھی، میرے بعض ساتھیوں کا یہ گمان ہے کہ میں نے اس کو اپنی لاٹھی ماری تو وہ لاٹھی ٹوٹ گئی، اور بہ خدا! مجھے اس کا پتا نہیں چلا، پھر حضرت ابن عمر، حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ان سے یہ واقعہ بیان کیا، انہوں نے فرمایا: تم کو اس سے کیا کام تھا کیا تم کو معلوم نہیں کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ سب سے پہلے جو چیز دجال کو لوگوں کے پاس بھیجے گی وہ اس کا غصہ ہوگا جو اس کو کسی پر غصہ آئے گا۔ (صحیح مسلم: ۲۹۳۲)

۶۱۷۴۔ قَالَ سَالِمٌ فَسَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ يَقُولُ انْطَلَقَ بَعْدَ ذٰلِكَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ الْأَنْصَارِيُّ يَؤُمَّانِ النَّخْلَ الَّتِي فِيهَا ابْنُ صَيَّادٍ حَتّٰى إِذَا دَخَلَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم طَفِقَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَتَّقِي بِجُذُوعِ النَّخْلِ وَهُوَ يَخْتِلُ أَنْ يَسْمَعَ مِنِ ابْنِ صَيَّادٍ شَيْئًا قَبْلَ أَنْ يَرَاهُ وَابْنُ صَيَّادٍ مُضْطَجِعٌ عَلٰى فِرَاشِهِ فِي قَطِيفَةٍ لَهُ فِيهَا رَمْرَمَةٌ أَوْ زَمْزَمَةٌ فَرَأَتْ أُمُّ ابْنِ صَيَّادٍ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ يَتَّقِي بِجُذُوعِ النَّخْلِ فَقَالَتْ لِابْنِ صَيَّادٍ أَيْ صَافِ وَهُوَ اسْمُهُ هٰذَا مُحَمَّدٌ فَتَنَاهَى ابْنُ صَيَّادٍ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَوْ تَرَكَتْهُ بَيَّنَ۔

سالم نے کہا: پس میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں: اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابی بن کعب انصاری قصد کرتے تھے ان کھجور کے درختوں کا جن میں ابن صیاد تھا، حتیٰ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو کھجور کے تنوں میں چھپانے لگے، اور آپ یہ حیلہ کر رہے تھے کہ آپ ابن صیاد کے دیکھنے سے پہلے اس کی کوئی بات سن لیں، اور ابن صیاد اپنے بستر پر ایک چادر اوڑھے ہوئے لیٹا ہوا تھا، اس میں اس کے گنگنانے کی آواز آ رہی تھی، تو ابن صیاد کی ماں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا کہ آپ کھجوروں کے تنوں میں چھپ رہے ہیں، تو اس نے ابن صیاد سے کہا: اے صاف! اور یہ اس کا نام تھا، یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، پھر ابن صیاد رک گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس کی ماں چھوڑ دیتی تو اس کا معاملہ ظاہر ہو جاتا۔

(صحیح بخاری: ۱۳۵۵، ۲۶۳۸، ۳۰۳۳، ۳۰۵۶، ۶۱۷۴، صحیح مسلم: ۲۹۳۱، مسند احمد: ۶۳۲۷)

صحیح البخاری: ۶۱۷۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے ''یؤمان'' اس کا معنی ہے: وہ دونوں قصد کرتے تھے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابی بن کعب انصاری دونوں ان درختوں کا قصد کرتے تھے جن میں ابن صیاد تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یختل'' یعنی آپ یہ طلب کرتے تھے کہ ابن صیاد غافل ہو تو آپ اس کی کوئی بات سن لیں تاکہ صحابہ کو اس کا حال دکھائیں کہ وہ کاہن ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی قطیفة'' اس سے مراد ہے مخملی چادر۔

اس حدیث میں مذکور ہے''زمزمة''یعنی آہستہ آواز جیسے گنگناہٹ۔
اس حدیث میں مذکور ہے''ای صافِ''یعنی''یا صافِ''۔یعنی اس کا نام صافِ تھا۔
اس حدیث میں مذکور ہے''لوترکته''یعنی اگر ابن صیاد کی ماں اس کو متنبہ نہ کرتی اور یہ نہ بتاتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے ہوئے ہیں اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پتا نہ چلتا تو تم لوگ اس کا کلام سن کر جان لیتے کہ اس کی کیا حقیقت ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۷۵۔ قَالَ سَالِمٌ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي النَّاسِ فَأَثْنَى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ ذَكَرَ الدَّجَّالَ فَقَالَ إِنِّي أُنْذِرُكُمُوهُ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ أَنْذَرَهُ قَوْمَهُ لَقَدْ أَنْذَرَهُ نُوحٌ قَوْمَهُ وَلَكِنِّي سَأَقُولُ لَكُمْ فِيهِ قَوْلًا لَمْ يَقُلْهُ نَبِيٌّ لِقَوْمِهِ تَعْلَمُونَ أَنَّهُ أَعْوَرُ وَأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِأَعْوَرَ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ خَسَأْتُ الْكَلْبَ بَعَّدْتُهُ خَاسِئِينَ مُبْعَدِينَ۔

۶۱۷۵۔ سالم نے کہا: حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے، آپ نے اللہ عزوجل کی ایسی حمد وثنا کی جس کا وہ اہل ہے، پھر آپ نے دجال کا ذکر فرمایا۔ آپ نے فرمایا: میں تم کو دجال سے ڈرا رہا ہوں، اور ہر نبی نے دجال سے اپنی امت کو ڈرایا ہے، بے شک حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی امت کو ڈرایا، لیکن میں تم سے ایسی بات کہوں گا جو مجھ سے پہلے کسی نبی نے اپنی امت سے نہیں کہی، تم جانتے ہو کہ وہ کانا ہے اور اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہے۔
ابو عبد اللہ نے کہا کہ میں نے کتے کو دھتکارا، یعنی اس کو دور بھگا دیا، اور''خاسئین''کا معنی ہے: دور کیے ہوئے، دھتکارے ہوئے۔

(صحیح بخاری: ۳۰۵۷، ۳۳۳۷، ۳۴۳۹، ۴۴۰۲، ۶۱۷۵، ۷۱۲۳، ۷۱۲۷، ۷۴۰۸، صحیح مسلم: ۲۳۹۱، سنن ترمذی: ۲۲۳۵، سنن ابو داؤد: ۴۷۵۷، مسند احمد: ۶۳۲۹)

صحیح البخاری: ۶۱۷۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے''لقد انذرہ نوح قومہ''پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تعمیم کی تھی کہ ہر نبی نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا ہے، پھر اس کے بعد تخصیص کی کہ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی امت کو دجال سے ڈرایا ہے، اور نوح علیہ السلام کی تخصیص اس لیے کی کہ نوح علیہ السلام دوسرے ابو البشر ہیں، اور ان کی اولاد بھی قیامت تک باقی رہے گی۔
اس حدیث میں مذکور ہے''لیس باعور''علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ دجال کا الٰہ نہ ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہے، پھر اس کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ دجال کانا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان لوگوں سے فرمایا جو عقل سے کام نہیں لیتے۔

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے ابوعبداللہ نے کہا: اس سے مراد خود امام بخاری ہیں۔

اس حدیث میں قرآن مجید کی اس آیت کا ذکر ہے "كُونُوا قِرَدَةً خٰسِئِينَ" (البقرہ: ٦٥) یعنی تم دھتکارے ہوئے بندر بن جاؤ۔ اس آیت سے یہ بتلایا ہے کہ "خسئی" کا معنی ہے دھتکارنا۔ اور قرآن مجید میں ہے:

يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيرٌ (الملک: ٤) تیری نظر تھک کر تیری طرف ناکام پلٹ آئے گی۔

(عمدۃ القاری ج ٢٢ ص ٣١١، دار الکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

٩٨- بَابُ: قَوْلِ الرَّجُلِ مَرْحَبًا
کسی مرد کا مرحبا کہنا

وَقَالَتْ عَائِشَةُ: قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لِفَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ: مَرْحَبًا بِابْنَتِي۔ (صحیح بخاری: ٣٦٢٣)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ علیہا السلام سے فرمایا: مرحبا میری بیٹی۔

وَقَالَتْ أُمُّ هَانِئٍ: جِئْتُ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ مَرْحَبًا بِأُمِّ هَانِئٍ۔ (صحیح بخاری: ٣٥٧)

اور حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ام ہانی کو مرحبا ہو۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب اس بیان میں ہے کہ ایک مرد دوسرے سے کہے "مرحبا"۔ الاصمعی نے کہا ہے کہ مرحبا کا معنی ہے: تم وسعت اور کشادگی سے ملے ہو، اور الفراء نے کہا: اس کا معنی ہے: تم وسعت اور فراخی سے ملے ہو نہ کہ تنگی سے۔

(عمدۃ القاری ج ٢٢ ص ٣١٢، دار الکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

٦١٧٦- حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا أَبُو التَّيَّاحِ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنهما قَالَ لَمَّا قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَرْحَبًا بِالْوَفْدِ الَّذِينَ جَاءُوا غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامَى فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا حَيٌّ مِنْ رَبِيعَةَ وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مُضَرُ وَإِنَّا لَا نَصِلُ إِلَيْكَ إِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ فَمُرْنَا بِأَمْرٍ فَصْلٍ نَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ وَنَدْعُو بِهِ مَنْ وَرَاءَنَا فَقَالَ أَرْبَعٌ وَأَرْبَعٌ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَصُومُوا رَمَضَانَ وَأَعْطُوا خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ وَلَا تَشْرَبُوا فِي الدُّبَّاءِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمران بن میسرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو التیاح نے حدیث بیان کی از ابی جمرہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب عبد القیس کا وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا: اس وفد کو مرحبا ہو جو آیا ہے، نہ یہ شرمندہ ہوں گے اور نہ یہ نادم ہوں گے، ان لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم ربیعہ کے قبیلہ سے ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان مضر ہے، اور ہم آپ کی طرف صرف حرمت والے مہینوں میں پہنچ سکتے ہیں، سو آپ ہمیں کسی فیصلہ کن حکم کی خبر دیجئے جس پر عمل کر کے ہم جنت میں داخل

وَالْحَنْتَمِ وَالنَّقِيرِ وَالْمُزَفَّتِ۔

ہوں اور جو ہمارے پیچھے لوگ ہیں ہم ان کو بھی اس عمل کی دعوت دیں، آپ نے فرمایا: چار اور چار، نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رمضان کے روزے رکھو، اور مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ (بیت المال) کو دو، اور کھو کھلے کدو میں نہ پیو، اور نہ سبز مرتبانوں میں اور نہ کھوکھلی لکڑی میں اور نہ تارکول ملے ہوئے برتنوں میں۔

(صحیح بخاری: ۵۳، ۸۷، ۵۲۳، ۱۳۹۸، ۳۰۹۵، ۳۵۱۰، ۴۳۶۸، ۴۳۶۹، ۶۱۷۶، ۷۲۶۶، ۷۵۵۶، صحیح مسلم: ۱۷، سنن ترمذی: ۲۶۱۱، سنن نسائی: ۵۶۹۲، سنن ابوداؤد: ۳۶۹۲، مسند احمد: ۳۳۹۶)

صحیح البخاری: ۶۱۷۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالوارث، یہ ابن سعید الثقفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالتیاح، ان کا نام یزید بن حمید ضبعی البصری ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالتیاح، یہ نصر بن عمران الضبعی البصری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے ''عبدالقیس'' یہ ربیعہ کی اولاد سے ہیں۔ اور یہ القطیف کے اردگرد ٹھہرتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''غیر خزایا'' یہ الخزیان کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: جو ذلیل اور شرمندہ ہو۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''الندامی'' یہ ندمان کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے نادم۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''مُضَر'' میم پر پیش ہے اور ضاد پر زبر ہے، یہ ایک قبیلہ ہے جس میں کفار تھے اور ان سے عموماً لڑائی رہتی تھی، اس لیے انہوں نے کہا: ہم صرف حرمت والے مہینوں میں آپ کے پاس آسکتے ہیں، کیونکہ ان مہینوں میں کفار کے ساتھ جنگ نہیں ہوتی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''الشھر الحرام'' یعنی رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ کیونکہ عرب ان مہینوں میں لڑائی نہیں کرتے تھے۔ ذوالقعدہ اور ذوالحجہ میں حج کے لیے جاتے تھے اور محرم میں حج سے واپس آتے تھے، اور رجب میں عمرہ کرتے تھے، اس لیے ان مہینوں میں عرب آپس میں لڑائی نہیں کرتے تھے تاکہ حج اور عمرہ امن کے ساتھ ادا ہو سکے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فمرنا بامر فصل'' یعنی ہمیں ایسا امر لکھوادیں جو حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اربع واربع'' یعنی میں تمہیں چار کاموں کے کرنے کا حکم دیتا ہوں اور چار کاموں سے منع کرتا ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وصوموا رمضان'' ایک روایت میں ہے کہ رمضان کے روزے رکھو۔ اور اس حدیث میں فرمایا کہ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال کو ادا کرو، کیونکہ ان لوگوں کے پاس مالِ غنیمت آتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ذکر نہیں کیا، یا

تو اس لیے کہ حج اس وقت تک فرض نہیں ہوا تھا، یا اس لیے کہ آپ کو علم تھا کہ ان لوگوں میں حج کرنے کی استطاعت نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الحنتم" یہ سبز رنگ کے مرتبان ہیں۔ ابن حبیب نے کہا: یہ گھڑے ہیں اور یہ ہر وہ برتن ہے جو سفید یا سبز ٹھیکروں سے بنا ہوا ہو۔ اور بعض علماء نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ "الحنتم" وہ ہے جس پر روغن ملا ہوا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "والنقیر" اس کا معنی ہے: کھوکھلی لکڑی، اس کے جوف میں نبیذ بنایا جاتا ہے، یہ فعیل کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے یعنی المنقور۔

اس حدیث میں مذکور ہے "المزفت" یعنی جن برتنوں پر تارکول ملا ہوا ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۲۔ ۳۱۳، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۹۹۔ بَابٌ: مَا یُدْعَی النَّاسُ بِآبَائِهِمْ — لوگوں کو ان کے آباء کے نام سے پکارا جائے گا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب ان احادیث کے بیان میں ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کے آباء کے نام سے پکارا جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۳، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۷۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا یَحْیَی عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللّٰه عنهما عَنِ النَّبِیِّ صلی اللّٰه علیه وسلم قَالَ إِنَّ الْغَادِرَ یُرْفَعُ لَهُ لِوَاءٌ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یُقَالُ هٰذِهٖ غَدْرَةُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عبید اللہ از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: عہد شکن کے لیے ایک جھنڈا قیامت کے دن بلند کیا جائے گا، کہا جائے گا: یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی ہے۔

(صحیح بخاری: ۳۱۸۸، صحیح مسلم: ۱۷۳۵، سنن ترمذی: ۱۵۸۱، سنن ابوداؤد: ۲۷۵۶، مسند احمد: ۴۶۳۴، ۵۱۷۰)

صحیح البخاری: ۶۱۷۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "قیامت کے دن آباء کے نام سے پکارا جائے گا" اور اس حدیث میں ہے کہ عہد شکن کے متعلق کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن باپ کے نام سے پکارا جائے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، اور وہ القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبید اللہ، وہ ابن عبد اللہ العمری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''الغادر'' غادر اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے کیے ہوئے عہد کو پورا نہ کرے۔
اس حدیث میں مذکور ہے''لِواء'' اس کا معنی ہے: جھنڈا، اور زمانہ جاہلیت میں جب کوئی شخص عہد شکنی کرتا تو اس کے لیے حج کے ایام میں ایک جھنڈے کو بلند کیا جاتا تا کہ لوگ جان لیں کہ یہ عہد شکنی کرنے والا ہے اور اس سے اجتناب کریں۔
اس حدیث میں مذکور ہے''ھذہ غدرۃ فلان بن فلان'' یعنی اس شخص کا نام لیا جائے گا اور اس کے باپ کا نام لیا جائے گا اور یہ بتایا جائے گا کہ یہ فلاں شخص کے بیٹے کی عہد شکنی ہے۔

اس سوال کا جواب کہ امام بخاری نے اس باب میں اس حدیث کی روایت کیوں نہیں کی جس میں صراحتاً آباء کی طرف نسبت کرنے کا حکم دیا ہے

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام ابو داؤد نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم قیامت کے دن اپنے ناموں سے اور اپنے آباء کے ناموں سے پکارے جاؤ گے، تو اپنے نام اچھے رکھا کرو۔ اس حدیث کو امام ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ پھر امام بخاری نے اس حدیث کو کیوں ترک کر دیا، حالانکہ یہ مقصود پر زیادہ صراحت سے دلالت کرتی تھی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس کی سند میں انقطاع ہے۔ عبداللہ بن ابی زکریا اور اس حدیث کے راوی حضرت ابوالدرداء کے درمیان انقطاع ہے، کیونکہ عبداللہ بن ابی زکریاء نے حضرت ابوالدرداء کو نہیں پایا، تو امام بخاری نے اس حدیث کو ترک کر دیا کیونکہ یہ ان کی شرط کے مطابق نہیں ہے۔ اور اس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں: قیامت کے دن لوگوں کو ان کی ماؤں کی طرف نسبت کر کے پکارا جائے گا، تا کہ ان کے آباء پر پردہ رہے۔ اور اس حدیث میں باطنی امر پر حکم لگانے کا بیان ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۱۷۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جن کا یہ زعم ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو صرف ان کی ماؤں کے نام کی طرف نسبت کر کے پکارا جائے گا تا کہ ان کے آباء پر پردہ رہے۔

جس حدیث میں ماؤں کی طرف نسبت کر کے پکارنے کا بیان ہے اس کے ضعف کی تصریح

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ حدیث ہے جس کو امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور اس کی سند بہت ضعیف ہے، اور امام ابن عدی نے اس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بھی اسی کی مثل ضعیف ہے۔ اور امام ابن عدی نے کہا: یہ حدیث منکر ہے۔

کسی چیز پر اس کے ظاہر کے اعتبار سے حکم لگانا

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: آباء کے ساتھ پکارنا کسی شخص کی پہچان کرانے میں زیادہ قوی ہے اور اس کی تمیز میں زیادہ بلیغ ہے، اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کے اوپر اس کے ظاہر کے اعتبار سے حکم لگانا چاہیے۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ آباء کو ان پر محمول کیا جائے جن کی طرف دنیا میں نسبت کی جاتی تھی، نہ ان پر جو اس کے حقیقت میں آباء ہوں، اور یہی قول معتمد ہے۔

اور ابن ابی جمرہ نے کہا: عہد شکنی اپنے عموم پر ہے، بڑی چیز میں ہو یا چھوٹی چیز میں ہو۔ اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ گناہوں میں سے ہر وہ گناہ جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنا چاہے اس کی کوئی علامت ہوگی جس علامت سے وہ گناہ کرنے والا اس گناہ کو پہچان لے گا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَ الْاَقْدَامِ ۝ (الرحمٰن: ۴۱)

(اس دن) مجرمین اپنے حلیوں سے پہچان لیے جائیں گے اور ان کو ان کی پیشانیوں کے بالوں اور قدموں سے پکڑ لیا جائے گا O

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ ہر عہد شکنی کا ایک جھنڈا ہوگا، اور اس بناء پر ایک شخص کے متعدد جھنڈے ہوں گے جتنی اس نے عہد شکنیاں کی ہوں گی اتنے ہی جھنڈے ہوں گا۔ ابن جمرہ نے کہا کہ جھنڈا نصب کرنے میں حکمت یہ ہے کہ غالباً سزا گناہ کی ضد سے دی جاتی ہے۔ پس جب کہ عہد شکنی کرنا پوشیدہ امور میں سے ہے تو اس کے مناسب یہ تھا کہ اس کی سزا مشہور ہو اور جھنڈے کو نصب کرنا عربوں کے نزدیک سب سے زیادہ مشہور چیز ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۵۳، دارالمعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

۶۱۷۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ الْغَادِرَ يُنْصَبُ لَهُ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ هٰذِهٖ غَدْرَةُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از عبداللہ بن دینار از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ عہد شکن کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا، پس کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی ہے۔

(صحیح بخاری: ۳۱۸۸، ۶۱۷۷، صحیح مسلم: ۱۷۳۵، سنن ترمذی: ۱۵۸۱، سنن ابوداؤد: ۲۷۵۶، مسند احمد: ۴۶۳۴، ۵۱۷۰)

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ حدیث مذکور کی ایک اور سند ہے۔

۱۰۰۔ بَابٌ: لَا يَقُلْ خَبُثَتْ نَفْسِي — کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میرا نفس خبیث ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میرا نفس خبیث ہے، کیونکہ خبث کے لفظ کا مومن پر اطلاق کرنا حرام ہے۔

علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے: خبیث کا اطلاق اعتقادِ باطل پر ہوتا ہے اور کلام میں جھوٹ پر ہوتا ہے اور افعال میں قبیح چیز پر ہوتا ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اس میں ممانعت بطورِ وجوب کے نہیں ہے، یہ ممانعت بطورِ ادب کے ہے۔ اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس کی گدی پر شیطان تین گرہیں لگا دیتا ہے، وہ صبح کو اٹھتا ہے تو اس کا نفس خبیث ہوتا ہے اور سست ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۷۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ خَبُثَتْ نَفْسِي وَلَكِنْ لِيَقُلْ لَقِسَتْ نَفْسِي۔

(صحیح مسلم: ۲۲۵۰، سنن ابوداؤد: ۴۹۷۹، مسند احمد: ۲۳۷۲۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میرا نفس خبیث ہے، لیکن یہ کہے کہ میرا دل پریشان ہے۔

صحیح البخاری: ۶۱۷۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ ابن عیینہ ہیں جو روایت کرتے ہیں از ہشام بن عروہ از والد خود عروہ بن زبیر از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ولکن لیقل لقست نفسی'' لقست کا معنی بھی خبثت ہے، لیکن خبیث کے لفظ کا اطلاق مکروہ ہے۔ علامہ خطابی نے کہا: ''لقست و خبثت'' دونوں کا معنی ایک ہے، لیکن لفظِ خبثت قبیح ہے، اس لیے ایسے لفظ کو اختیار کریں جس کا معنی ہو کہ وہ خوشی سے محروم ہے، اور آپ کی سنت یہ تھی کہ آپ اسمِ قبیح کو اسمِ حسن کے ساتھ تبدیل فرما دیتے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۱۷۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جہاں تک ممکن ہو انسان اپنے آپ کو اچھائی کی طرف منسوب کرے اور برائی سے اپنے آپ کو دور کرے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ''وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ'' (ابراہیم: ۲۶)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: اس کا ارادہ صرف مذمت کے معنی میں ہے، پس یہ اس کے منافی نہیں ہے جس پر اس باب کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ انسان کے لیے مکروہ ہے کہ اپنے آپ کو قبیح کی صفت کے ساتھ متصف کرے۔ قاضی عیاض نے کہا

ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی صفت سے خبر دی ہے جو مذموم الحال ہو، پس اس کے اوپر اس لفظ کا اطلاق ممتنع نہیں ہے۔ اور ابن ابی جمرہ نے کہا: خبیث کے لفظ کے اطلاق کی ممانعت بطور استحباب ہے اور ''لقست'' کہنے کا جو حکم دیا ہے، وہ بھی بطور استحباب ہے۔ اگر اس کی جگہ اس لفظ کو بولا جائے جس سے یہی معنی ادا ہو تب بھی جائز ہے۔ اور ابن ابی جمرہ نے کہا: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو الفاظ قبیحہ ہوں اور اسماء قبیحہ ہوں، ان سے اجتناب کرنا مستحب ہے۔ اور ان الفاظ کی طرف عدول کرنا چاہیے جن میں قبح نہ ہو۔ اور الخبث اور اللقس اگر چہ ان دونوں لفظوں کا معنی قبیح ہے، لیکن لفظ خبث میں قبح اور قبیح معنی بھی ہے بخلاف لقس کے، کیونکہ لقس کا معنی ہے معدہ کا پر ہونا۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد کو نیک فال کی طلب کرنی چاہیے۔ اور اپنی طرف خیر کو منسوب کرے اور جہاں تک ممکن ہو اپنے نفس سے شر کو دفع کرے۔ اور اسی کے ساتھ یہ لاحق ہے کہ جب کسی کمزور آدمی سے پوچھا جائے تمہارا کیا حال ہے تو وہ یہ نہ کہے کہ میں اچھا نہیں ہوں، بلکہ یہ کہے کہ میں ضعیف ہوں اور اپنے نفس کو طیبین سے نہ نکالے اور اپنے آپ کو خبیثین میں داخل نہ کرے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۵۳، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

۶۱۸۰ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ خَبُثَتْ نَفْسِي وَلٰكِنْ لِيَقُلْ لَقِسَتْ نَفْسِي تَابَعَهُ عُقَيْلٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی از یونس از الزہری از حضرت ابو امامہ بن سہل از والد خود از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میرا نفس خبیث ہے لیکن اسے چاہیے کہ وہ کہے کہ میرا دل پریشان ہے۔ اس حدیث میں یونس کی عقیل نے متابعت کی۔

(صحیح بخاری: ۶۱۷۹، صحیح مسلم: ۲۲۵۰، سنن ابوداؤد: ۴۹۷۹، مسند احمد: ۲۳۷۲۳)

اس حدیث کی شرح وہی ہے جو ابھی گزر چکی ہے۔

۱۰۱ - بَابٌ: لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ

دہر (زمانہ) کو برا نہ کہو

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ایسی احادیث لائی گئیں ہیں کہ دہر کو برا کہنا ممنوع ہے۔ اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دہر کو برا نہ کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی دہر ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۵، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۸۱ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ قَالَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اللهُ يَسُبُّ بَنُو آدَمَ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ بِيَدِي اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابو سلمہ نے خبر دی، انہوں نے کہا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا

ہے: بنو آدم دہر کو برا کہتے ہیں اور میں ہی دہر ہوں، میرے ہی
ہاتھ میں رات اور دن ہیں۔

(صحیح بخاری: ۴۸۲۶، ۶۱۸۱، ۷۴۹۱، صحیح مسلم: ۲۲۴۶، سنن ابوداؤد: ۵۲۷۴، مسند احمد: ۷۲۰۴، موطا امام مالک: ۱۸۴۶)

صحیح البخاری: ۶۱۸۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "بنو آدم دہر کو برا کہتے ہیں"۔ علامہ خطابی نے کہا ہے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ مصائب اور آفات کو دہر کی طرف منسوب کرتے تھے اور دہر کا معنی ہے: رات اور دن کی گردش۔

دہر کو برا کہنے والوں کے دو فرقے

دہر کو برا کہنے والوں کے دو فرقے ہیں۔ ایک فرقہ وہ ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتا اور دہر یعنی رات اور دن کے سوا کسی کو نہیں جانتا اور رات اور دن ہی وہ ہیں جو حوادث کا محل ہیں اور آفات اور مصائب کا ظرف ہیں۔ تو وہ ناپسندیدہ اور مکروہ چیزوں کو رات اور دن کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ یہ رات اور دن کا فعل ہے اور یہ نہیں دیکھتے کہ رات اور دن کے علاوہ مصائب کا کوئی اور مدبر ہے اور اسی فرقہ کو دہریہ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سے حکایت فرمائی ہے:

وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ (الجاثیہ: ۲۴) اور ہمیں صرف دہر (زمانہ) ہلاک کرتا ہے۔

اور دوسرا فرقہ وہ ہے جو خالق کو پہچانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس سے منزہ کرتا ہے کہ اس کی طرف ناپسندیدہ چیزوں کی نسبت کی جائے، پس وہ ان چیزوں کی نسبت دہر اور زمانہ کی طرف کرتا ہے۔ اور ان دونوں طریقوں سے لوگ دہر کو برا کہتے ہیں اور اس کی مذمت کرتے ہیں، پس کوئی کہنے والا کہتا ہے: ہائے دہر کی ناکامی، ہائے دہر کی خرابی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس قول کو باطل قرار دیتے ہوئے فرمایا: تم میں سے ہرگز کوئی شخص دہر کو برا نہ کہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی دہر ہے اور اللہ ہی خوب جانتا ہے، آپ کی مراد یہ تھی کہ تم اس بناء پر دہر کو برا نہ کہو کہ دہر ہی فاعل ہے اور تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا ہے اس کا کرنے والا دہر ہے۔ پس اللہ ہی فاعل ہے، پس جب تم نے ان مصائب کی وجہ سے دہر کو برا کہا تو یہ برائی اللہ عزوجل کی طرف راجع ہوگی۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "انا الدھر" یعنی میں دہر کا مالک ہوں اور اس میں تصرف کرنے والا ہوں۔ اور دوسروں نے یہ کہا کہ "انا الدھر" کا معنی ہے: میں دہر کا یعنی زمانہ کا مدبر ہوں، یا میں دہر کا صاحب یعنی مالک ہوں، یا میں دہر کو پلٹنے والا ہوں، یا دہر کو گردش میں لانے والا ہوں، اس لیے اس کے بعد فرمایا "میرے ہی ہاتھ میں رات اور دن ہیں"۔ علامہ کرمانی نے کہا کہ ظاہر سے کیوں عدول فرمایا؟ پھر کہا: دلائلِ عقلیہ عدول کرنے کی موجب ہیں، اور اس کا یہ بھی معنی بیان کیا گیا ہے کہ میں باقی ہوں یا ثابت ہوں دہر میں۔ اور امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت اس طرح کی ہے کہ دہر کو برا نہ کہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں دہر ہوں، دنوں کو اور راتوں کو میں وجود میں لاتا ہوں، اور میں بلاؤں کو لاتا ہوں، اور میں ایک بادشاہ کے بعد

دوسرے بادشاہ کو لاتا ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۱۵۔۲۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۱۸۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دہر کے معنی کی تحقیق

قاضی عیاض نے کہا ہے: جن لوگوں کی تحقیق نہیں ہے ان کا یہ زعم ہے کہ دہر اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے اور یہ غلط ہے، کیونکہ دہر کا معنی ہے: دنیا کے زمانہ کی مدت یا دہر کا معنی ہے مدتِ طویلہ۔ اور بعض لوگوں نے اس کی تعریف کی ہے کہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے مفعولات کی انتہا ہے، یا موت سے پہلے اس کا فعل ہے۔ اور دہریہ میں سے جاہلوں اور معطلین نے اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کیا ہے، ان کے نزدیک دہر کا معنی ہے: فلک کی حرکات اور عالم کی انتہا۔ اور ان کے نزدیک دہر کے سوا اور کوئی صانع نہیں ہے۔ اور ان کے رد کے لیے کافی ہے کہ اس حدیث میں ہے کہ میں دہر ہوں اور میں رات اور دن کو پلٹتا رہتا ہوں، پس جیسے کوئی اپنے نفس کو پلٹے گا، اللہ تعالیٰ ان کے قول سے بہت بلند ہے۔

اور شیخ ابو محمد بن ابو جمرہ نے کہا ہے: یہ مخفی نہ رہے کہ صنعت کو برا کہنا اس کے صانع کو برا کہنا ہے، پس جس نے رات اور دن کو برا کہا تو اس نے گویا اللہ تعالیٰ کو برا کہا۔

پس بندوں کے احکام بندوں کے کسب کی وجہ سے ہوتے ہیں، اسی لیے ان کے اوپر احکام مرتب ہوتے ہیں اور وہ ابتداءً میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی وجہ سے ہیں اور بعض افعال وہ ہیں جو بغیر واسطہ کے صادر ہوتے ہیں اور وہ منسوب ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف، اور رات اور دن کا کوئی فعل نہیں ہوتا اور نہ کوئی تاثیر ہوتی ہے نہ لغۃً، نہ عقلاً اور نہ شرعاً۔ اور اس حدیث میں یہی معنی بیان کیا ہے کہ مصائب اور آفات کے نازل ہونے میں رات اور دن کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۵۵، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۶۱۸۲ - حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا تُسَمُّوا الْعِنَبَ الْكَرْمَ وَلَا تَقُولُوا خَيْبَةَ الدَّهْرِ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عیاش بن الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الاعلیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے حدیث بیان کی از الزہری از ابو سلمہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: تم عنب (انگور) کا نام کرم نہ رکھو۔ اور نہ یہ ہو کہ ہائے دہر (زمانہ) کی ناکامی کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی دہر ہے۔

(صحیح بخاری: ۶۱۸۳، صحیح مسلم: ۲۲۴۷، مسند احمد: ۲۶۹۴، ۹۸۰۷)

صحیح البخاری: ۶۱۸۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث سابق کی ایک اور سند ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عیاش، یہ ابن الولید البصری الرقام ہیں جو عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ از معمر از راشد از محمد بن مسلم الزہری از سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف از ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

علامہ خطابی نے کہا: عِنَب کو کرم کہنے سے منع فرمایا تاکہ خمر کی تحریم کی تاکید ہو اور اس کی ممانعت کا دوام ہو۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''ولا تقولوا خیبة الدھر''۔ علامہ داؤدی نے کہا: یہ دہر کے لیے ناکامی اور نامرادی کی بددعا ہے، اور یہ ایسا ہے جیسے لوگ کہتے ہیں کہ فلاں زمین پر قحط آ جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۰۲۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ إِنَّمَا الْكَرْمُ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ

نبی ﷺ کا ارشاد: کرم صرف مومن کا دل ہے

وَقَدْ قَالَ: إِنَّمَا الْمُفْلِسُ الَّذِيْ يُفْلِسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، كَقَوْلِهِ: إِنَّمَا الصُّرَعَةُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ، كَقَوْلِهِ لَا مَلِكَ إِلَّا اللّٰهُ، فَوَصَفَهُ بِانْتِهَاءِ الْمُلْكِ، ثُمَّ ذَكَرَ الْمُلُوْكَ أَيْضًا فَقَالَ: ﴿إِنَّ الْمُلُوْكَ إِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً أَفْسَدُوْهَا﴾ (النمل: ۳۴)

اور نبی ﷺ نے فرمایا: مفلس صرف وہ ہے جو قیامت کے دن مفلس ہوگا، جیسے آپ کا یہ ارشاد ہے: پہلوان صرف وہ ہے جو اپنے نفس پر غضب کے وقت قابو رکھے، جیسے آپ کا یہ ارشاد ہے: ''اللہ کے سوا کوئی بادشاہ نہیں''۔ پس آپ نے بادشاہت کی انتہاء کا بیان کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے بادشاہوں کا بھی ذکر کیا، پس فرمایا: ''بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو اجاڑ دیتے ہیں''۔ (النمل: ۳۴)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں نبی ﷺ کے اس ارشاد کا ذکر کیا گیا ہے کہ کرم صرف مومن کا دل ہے، یہ ایک اور حدیث کا قطعہ ہے جس کو امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہرگز کرم نہ کہے، کیونکہ کرم صرف مومن کا دل ہے۔ اور دوسری روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: تم انگور کو کرم نہ کہو، کیونکہ کرم تو مسلمان مرد ہے۔ اور علقمہ بن وائل نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم کرم نہ کہو لیکن تم کہو: انگور اور انگور کی بیل اور شاخیں۔ اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ کرم صرف مومن کا دل ہے، یعنی چونکہ اس میں ایمان اور تقویٰ کا نور ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ (الحجرات: ۱۳)

بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

اور اس سے پہلے باب میں حدیث تھی کہ تم انگور کو کرم نہ کہو، اور یہاں ارشاد فرمایا کہ کرم صرف مومن کا دل ہے۔

علماء نے بیان کیا کہ انگور کو کرم کہنے کی کراہت کا سبب یہ ہے کہ لفظ کرم کا عرب کے لوگ انگور کے درخت پر بھی اطلاق کرتے ہیں اور اس خمر پر بھی اطلاق کرتے ہیں کہ جو انگوروں سے بنائی جاتی ہے، اس کا نام بھی انہوں نے کرم رکھا کیونکہ وہ انگوروں سے بنائی جاتی ہے۔ اور اس لیے کہ کرم کا لفظ سخا پر محمول کیا جاتا ہے، پس شارع علیہ السلام نے کرم کے لفظ کا اطلاق انگوروں پر اور درخت پر مکروہ قرار دیا ہے، اس لیے کہ جب وہ لوگ اس لفظ کو سنیں گے تو بسا اوقات وہ اس سے خمر کو یاد کریں گے اور ان کے دلوں میں خمر کے لیے ہیجان ہوگا، پس وہ شراب نوشی میں واقع ہو جائیں گے یا اس کے قریب ہو جائیں گے۔ اور علماء نے کہا کہ یہ اسم مومن کے قلب کا مستحق ہے، کیونکہ مومن کرم اور تقویٰ اور نور اور ہدایت کا منبع ہے۔ اور لغت میں مشہور ہے کہ کَرْمٌ (راء پر جزم) میں جب راء پر جزم ہو تو اس کا معنی انگور ہے۔

الازہری نے کہا ہے کہ انگوروں کو کرم اس لیے کہا جاتا ہے کہ انگور بھی سخاوت کرتے ہیں اور انگور بہت کثیر ہوتے ہیں اور جو چیز بہت کثیر ہو وہ کرم ہے۔

اور ابن الانباری نے کہا کہ انگوروں کو کرم اس لیے کہا گیا کہ خمر اس سے بنتی ہے اور خمر سخاوت پر برانگیختہ کرتی ہے اور مکارم اخلاق کا حکم دیتی ہے۔ (میں کہتا ہوں: ابن الانباری کا یہ قول صحیح نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس ہے، خمر پینے کے بعد نشہ آتا ہے اور وہ آدمی کو برے کاموں پر برانگیختہ کرتا ہے نہ کہ مکارمِ اخلاق پر۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

اور آپ نے فرمایا: انگوروں کو کرم نہ کہو، آپ نے اس کو مکروہ فرمایا کہ خمر کی اصل کا نام وہ رکھا جائے جو کرم سے ماخوذ ہے۔ اور جو مومن خمر کے پینے سے بچتا ہے، اس کو کرم فرمایا۔ آپ نے یہ سمجھایا کہ خمر کو ترک کرنے میں کرم کا نام زیادہ حق دار ہے۔ اور خمر کو اس مرتبہ سے موخر کر دیا اس کی تحقیر کے لیے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق سے امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ جس کلام میں حصر کے حروف ہوتے ہیں یا حصر کے کلمات ہوتے ہیں، اس کلام میں حصر ادعائی ہوتا ہے حقیقی نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس ارشاد میں حصر ہے کہ کرم صرف مومن کا دل ہے۔ پس کرم حقیقی دل ہے نہ کہ درخت۔ اور یہ بطور ادعاء ہے نہ کہ بطور حقیقت۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کرم کا اس کے غیر پر بھی اطلاق ہوتا ہے یعنی مومن کے غیر کے دل پر۔ اور اسی طرح آپ کا ارشاد ہے: مفلس صرف وہ ہے جو قیامت کے دن مفلس ہوگا۔ یہ ترمذی کی ایک حدیث کا قطعہ ہے۔ وہ حدیث اس طرح ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے کہا: مفلس ہم میں وہ ہے یا رسول اللہ! جس کے پاس نہ درہم ہو اور نہ کوئی سامان ہو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے مفلس وہ ہوگا جو قیامت کے دن نمازیں، روزے اور زکوٰۃ کو لے کر آئے گا اور اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی پر ضرب لگائی ہوگی۔ پس وہ بیٹھ جائے گا اور ان مظالم کے بدلہ میں اپنی نیکیاں دے گا اور یہ اس کی نیکیاں ہیں۔ پس جب اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی، اس سے پہلے کہ اس کے مظالم کا تدارک ہو جائے، تو پھر مظلوم کے گناہوں کو اس کے

اوپر لا دیا جائے گا، پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اسی طرح اس تعلیق میں یہ حدیث ہے کہ پہلوان صرف وہ ہے جو غضب کے وقت اپنے غصہ پر قابو رکھے۔ اور یہ حدیث بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس باب سے پچیس ابواب پہلے گزر چکی ہے۔

اسی طرح آپ کا ارشاد ہے: اللہ کے سوا کوئی بادشاہ نہیں ہے، آپ نے ارادہ فرمایا کہ اس میں حصر ہے جیسا کہ اس سے پہلی حدیثوں میں حصر ہے، کیونکہ نفی اور اثبات بھی حصر کے کلمات میں سے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے دوسروں پر بھی بادشاہ کا اطلاق کیا ہے، اور نفس الامر اور حقیقت میں صرف اللہ تعالیٰ بادشاہ ہے اور باقی مجازاً بادشاہ ہیں، پھر النمل: ۳۴ کو پیش کیا جس میں یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غیر پر بھی بادشاہ کا اطلاق ہوتا ہے، کیونکہ اس میں ملوک کا لفظ فرمایا، یہ ملک کی جمع ہے اور قرآن مجید میں اس طرح کی بہت مثالیں ہیں جیسا کہ سورہ یوسف (آیت: ۵۰) میں ہے "قَالَ الْمَلِكُ" اور جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ اللہ کے علاوہ جس پر بھی ملک کا اطلاق آیا ہے وہ مجازاً آیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۷۔۳۱۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۸۳ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَيَقُولُونَ الْكَرْمُ إِنَّمَا الْكَرْمُ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ۔

(صحیح مسلم: ۲۲۴۷، مسند احمد: ۹۸۰۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الزہری، از سعید بن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ الکرم کہتے ہیں، کرم صرف مومن کا دل ہے۔

صحیح البخاری: ۶۱۸۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، یہ ابن المدینی کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ ابن عیینہ ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۰۳ - بَابُ: قَوْلِ الرَّجُلِ فَدَاكَ أَبِي وَأُمِّي

مرد کا یہ کہنا کہ آپ پر میرا باپ اور میری ماں فدا ہو

فِيهِ الزُّبَيْرُ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس باب میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں مرد کے اس قول کا ذکر کیا ہے جو وہ اپنے کلام میں کہتا ہے کہ آپ پر میرا باپ اور میری ماں فداء ہوں، یعنی آپ پر میرا باپ اور میری ماں قربان کیے گئے ہیں۔

فدا کا اصل معنی ہے: فدیہ دے کر قیدی کو چھڑانا۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یعنی حضرت الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، اس روایت کو امام بخاری نے مناقب زبیر میں بیان کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں اور ابوسلمہ احزاب کے دن عورتوں میں تھے، پس جب میں لوٹا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے اپنے ماں باپ کو جمع کیا پس فرمایا: تم پر میرا باپ اور میری ماں فداء ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۸۔۳۱۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۸۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنِي سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ عَلِيٍّ رضی الله عنه قَالَ مَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُفَدِّي أَحَدًا غَيْرَ سَعْدٍ سَمِعْتُهُ يَقُولُ ارْمِ فَدَاكَ أَبِي وَأُمِّي أَظُنُّهُ يَوْمَ أُحُدٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از سفیان، انہوں نے کہا: مجھے سعد بن ابراہیم نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن شداد از حضرت علی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کے لیے اپنے آپ کو فدا کرنے کا لفظ کہتے ہوئے نہیں سنا، سوائے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرمار ہے تھے: اے سعد! تیر مارو میرے ماں باپ تم پر فداء ہوں اور میرا گمان ہے کہ یہ آپ نے غزوہ احد کے موقع پر فرمایا تھا۔

(صحیح بخاری: ۲۹۰۵، ۴۰۵۸، ۴۰۵۹، ۶۱۸۴، صحیح مسلم: ۲۴۱۱، سنن ترمذی: ۳۷۵۵، سنن ابن ماجہ: ۱۲۹، مسند احمد: ۱۰۲۰)

صحیح البخاری: ۶۱۸۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، اور وہ القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ ثوری ہیں۔ اور سعد بن ابراہیم کا ذکر ہے، وہ ابن عبدالرحمن بن عوف ہیں۔ اور عبداللہ بن شداد کا ذکر ہے، وہ ابن الہاد اللیثی المدنی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے یہ نہیں سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے لیے یہ فرمایا ہو کہ میرے ماں باپ تجھ پر فداء ہوں، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے لیے بھی اس طرح فرمایا ہے جیسا کہ امام بخاری نے اپنی اس تعلیق میں ذکر کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ اپنے علم کے اعتبار سے فرمایا ہے، واقعہ کے اعتبار سے نہیں فرمایا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۱۰۴۔ بَابُ: قَوْلِ الرَّجُلِ جَعَلَنِی اللّٰہُ فِدَاكَ
مرد کا یہ کہنا: اللہ تعالیٰ مجھے آپ کے اوپر فدا کردے

وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ لِلنَّبِیِّ ﷺ فَدَيْنَاكَ بِآبَائِنَا وَأُمَّهَاتِنَا۔
اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ہم آپ کے اوپر اپنے آباء کو اور اپنی امہات کو فدا کرتے ہیں۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب اس بیان میں ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد سے کہے: اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فداء کردے، آیا یہ جائز ہے یا مکروہ ہے؟ اور امام ابوبکر بن عاصم نے وہ احادیث جمع کی ہیں جو اس کے جواز پر دلالت کرتی ہیں، اور انہوں نے وثوق سے کہا کہ یہ جائز ہے کہ مرد سلطان سے کہے یا کسی بڑی شخصیت سے کہے یا کسی بڑے عالم سے کہے، یا اپنے بھائیوں میں سے جس سے زیادہ محبت کرتا ہو اس سے کہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فداء کردے۔ اور یہ ممنوع نہیں ہے بلکہ اس پر ثواب دیا جائے گا جب کہ وہ اس کی تعظیم کا ارادہ کرے گا، اور اگر یہ ممنوع ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع فرمادیتے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ہم آپ کے اوپر اپنے آباء کو اور امہات کو فداء کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے: یہ حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کی ایک طرف ہے جو مناقب ابوبکر رضی اللہ عنہ میں سندِ موصول کے ساتھ گزر چکی ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۲۵۷، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ، فتح الباری ج ۱۰ ص ۵۶۹، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ)

علامہ بدرالدین عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس عبارت کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اس طرح نہیں ہے، کیونکہ مناقب ابوبکر رضی اللہ عنہ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا۔۔۔الحدیث۔ اور اس میں یہ لفظ نہیں ہے کہ ہم آپ کے اوپر اپنے آباء اور اپنی امہات کو فداء کرتے ہیں۔ یہ الفاظ تو صرف عبید بن حنین کی روایت میں ہیں جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے باب هجرة النبی ﷺ میں مروی ہے، اس کے الفاظ یوں ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھ گئے، پس آپ نے فرمایا: ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا۔۔۔الحدیث، اور اس میں یہ لفظ ہے کہ ہم آپ کے اوپر اپنے آباء اور اپنی امہات کو فداء کرتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کے اعتراض کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: گویا کہ علامہ عینی نے مناقب ابوبکر میں بخاری کے متن کو دیکھا ہے اور اس میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ نہیں ملے، اور اگر وہ رجوع کرتے اس شرح کی طرف جس کا نام فتح الباری ہے تو اس میں ان کو بعینہٖ یہ الفاظ مل جاتے، کیونکہ یہ حدیث واحد ہے اور اس کی بعض سندوں میں وہ الفاظ ہیں جو دوسری سندوں میں نہیں ہیں، اور صاحب فتح الباری کی عادت یہ ہے کہ وہ سندوں کے تمام الفاظ کو ایک جگہ پر جمع کرتے ہیں جہاں اس کی شرح کرتے ہیں۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری، ج ۲ ص ۷۰۰، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۹ھ)

فتح الباری کی مفصل عبارت

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ہم آپ کے اوپر اپنے آباء کو اور اپنی امہات کو فداء کرتے ہیں۔ یہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کی ایک طرف ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے درمیان اور جو اللہ کے پاس اجر ہے، اس کے درمیان اختیار دیا تو بندے نے اس کو اختیار کر لیا جو اللہ کے پاس اجر ہے، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم آپ کے اوپر اپنے آباء اور اپنی امہات کو فداء کرتے ہیں... الحدیث۔ اور یہ حدیث سندِ موصول کے ساتھ مناقب ابوبکر رضی اللہ عنہ میں اس کی شرح کے ساتھ گزر چکی ہے۔

پھر امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پیچھے سواری پر بٹھایا ہوا تھا اور اس کی شرح کتاب اللباس کے اواخر میں گزر چکی ہے اور اس حدیث سے مراد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا ہے: اے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ مجھے آپ کے اوپر فداء کر دے، کیا آپ کو کوئی چوٹ لگی ہے؟ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ''لبیک وسعدیک'' اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فداء کر دے... الحدیث۔

اسی طرح اس حدیث کو امام بخاری نے الادب المفرد میں روایت کیا ہے، امام طبرانی نے کہا: ان احادیث میں اس قول کے جواز کی دلیل ہے اور وہ جو مبارک بن فضالہ نے حسن بصری سے روایت کی ہے کہ حضرت زبیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور وہ بیمار تھے تو انہوں نے کہا: آپ اپنے آپ کو کیسا پاتے ہیں اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فداء کرے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے ابھی تک اپنا دیہاتی پن نہیں چھوڑا، پھر انہوں نے اس حدیث کو ایک اور سند کے ساتھ بیان کیا، پھر کہا: اس حدیث میں اس قول کی ممانعت کی دلیل نہیں ہے، کیونکہ یہ حدیث صحت میں ان احادیث کے معارض نہیں ہو سکتی اور بر تقدیرِ ثبوت اس میں ممانعت کی تصریح نہیں ہے بلکہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ مریض کو یہ نہیں کہنا چاہیے۔

پس اگر یہ کہا جائے کہ یہ دعا اس کے لیے جائز ہے جس کے والدین مشرک ہوں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے یہ دعائیہ کلمات اس وقت کہے جب وہ اسلام لا چکے تھے، اسی طرح حضرت ابوذر

رضی اللہ عنہ نے ،اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ دعائیہ جملہ اس وقت کہا جب ان کے والدین اسلام لا چکے تھے۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۵۶۹ ،دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۷ ص ۲۵۷ ،دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے مناقشہ کا خلاصہ از مصنف

میں کہتا ہوں: اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ عینی نے حافظ ابن حجر عسقلانی پر یہ اعتراض کیا تھا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات اس وقت کہی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار دیا تو اس بندے نے آخرت کو اختیار کر لیا، تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ ہمارے آباء اور امہات کو آپ پر فداء کر دے۔اور یہ حدیث مناقب ابوبکر رضی اللہ عنہ میں ہے۔

علامہ عینی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ قول مناقبِ ابوبکر میں نہیں ہے بلکہ بابِ ہجرت میں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا کہ علامہ عینی نے صرف صحیح بخاری کو دیکھا اور اس میں مناقبِ ابوبکر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نہیں ہے، لیکن میں نے جو اس کی شرح فتح الباری کی ہے اگر وہ اس کو بہ غور دیکھ لیتے تو میں نے اس میں متعدد سندوں کے ساتھ یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ پر ہمارے آباء اور امہات فداء ہو جائیں اور اس اعتراض کا جواب بھی دیا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بیماری کی حالت میں آپ سے کہا: آپ پر میرے آباء اور امہات فداء ہوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارا دیہاتی پن ابھی تک نہیں گیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۱۸۵۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ أَقْبَلَ هُوَ وَأَبُو طَلْحَةَ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَمَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم صَفِيَّةُ مُرْدِفُهَا عَلَى رَاحِلَتِهِ فَلَمَّا كَانُوا بِبَعْضِ الطَّرِيقِ عَثَرَتِ النَّاقَةُ فَصُرِعَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَالْمَرْأَةُ وَأَنَّ أَبَا طَلْحَةَ قَالَ أَحْسِبُ اقْتَحَمَ عَنْ بَعِيرِهِ فَأَتَى رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللهِ جَعَلَنِي اللهُ فِدَاكَ هَلْ أَصَابَكَ مِنْ شَيْءٍ قَالَ لَا وَلَكِنْ عَلَيْكَ بِالْمَرْأَةِ فَأَلْقَى أَبُو طَلْحَةَ ثَوْبَهُ عَلَى وَجْهِهِ فَقَصَدَ قَصْدَهَا فَأَلْقَى ثَوْبَهُ عَلَيْهَا فَقَامَتِ الْمَرْأَةُ فَشَدَّ لَهُمَا عَلَى رَاحِلَتِهِمَا فَرَكِبَا فَسَارُوا حَتَّى إِذَا كَانُوا بِظَهْرِ الْمَدِينَةِ أَوْ قَالَ أَشْرَفُوا عَلَى الْمَدِينَةِ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم آيِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ فَلَمْ يَزَلْ يَقُولُهَا حَتَّى دَخَلَ الْمَدِينَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں بشر بن المفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن اسحاق نے حدیث بیان کی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تھیں جو سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھیں، پھر جب وہ بعض راستہ میں پہنچے تو وہ اونٹنی لڑکھڑا گئی، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خاتون گر گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میرا گمان ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فوراً اپنے آپ کو سواری سے گرا دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ گئے، پس کہا: اے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فداء کر دے، کیا آپ کو کوئی چوٹ لگی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! لیکن تم عورت کو دیکھو، پس حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کپڑا اپنے چہرہ پر رکھا اور اس خاتون کا قصد کیا اور ان کے اوپر بھی کپڑا ڈال دیا،

(صحیح بخاری: ۶۱۸۵، صحیح مسلم: ۱۳۴۵، مسند احمد: ۱۲۵۳۵)

پس وہ خاتون کھڑی ہوگئیں، پس حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کے لیے سواری کو بٹھایا، پس وہ دونوں سواری پر سوار ہوئے اور روانہ ہوگئے، حتیٰ کہ جب مدینہ کی پشت پر پہنچے یا کہا: جب وہ مدینہ کی طرف متوجہ ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیہ کلمات کہے: ہم لوٹ کر آنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں اور اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں، آپ مسلسل یہ کلمات کہتے رہے حتیٰ کہ مدینہ منورہ میں داخل ہوگئے۔

صحیح البخاری: ۶۱۸۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، وہ ابن مدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بشر بن المفضل، یہ ابن لاحق بصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن ابی اسحاق، یہ حضارمہ البصری کے غلام ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اقبل" یعنی حضرت انس بن مالک اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہما عسفان سے مدینہ کی طرف جا رہے تھے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "صفیہ" یعنی صفیہ بنت حیی ام المومنین رضی اللہ عنہا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "ان ابا طلحة" ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا نام زید بن سہل ہے اور یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کے شوہر ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "علیك بالمرأة" یعنی تم حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی حفاظت کرو اور ان کے معاملہ کو دیکھو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اقتحم عن بعیرہ" یعنی حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو سواری سے گرا دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقصد قصدها" یعنی حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی سمت یا ان کی جہت کی طرف گئے، تاکہ انہیں سنبھالیں۔

کسی کے اوپر اپنے ماں باپ کو فداء کرنے کے قول کا جواز

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس حدیث میں ان علماء کا رد ہے جنہوں نے کہا ہے: کسی مرد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو یا اپنے ماں باپ کو کسی پر فداء کرے، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فداء کرے۔

اور ان علماء نے یہ زعم کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ پر اپنے ماں باپ پر فداء کیا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ دونوں

مشرک تھے۔اور رہا مسلم تو اس کو کسی پر فداء کرنا جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: جنہوں نے یہ زعم کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: تم تیر مارو، تم پر میرے ماں باپ فداء ہوں، اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے ماں باپ مشرک تھے، سو یہ زعم فاسد ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء اور امہات ہر دور میں مومن رہے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۱۰۵۔ بَابُ: أَحَبِّ الْأَسْمَاءِ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ — جو نام اللہ عزوجل کو سب سے زیادہ محبوب ہیں

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کون سے نام اللہ عزوجل کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

امام مسلم نے از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ اللہ عزوجل کو جو سب سے زیادہ محبوب نام ہیں وہ عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے: ان دو ناموں کے ساتھ وہ نام لاحق ہے جو ان کی مثل ہے جیسے عبدالرحیم، عبدالملک اور عبدالصمد وغیرہا۔ اور یہ اللہ عزوجل کو سب سے زیادہ اس لیے محبوب ہیں کہ یہ اسماء اس وصف کو شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں اور اس وصف کو بھی شامل ہیں جو انسان کے لیے واجب ہیں، اللہ تعالیٰ کے لیے جو وصف ثابت ہے وہ الوہیت ہے، اور انسان کے لیے جو وصف ثابت ہے وہ عبودیت ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان دو ناموں پر اختصار کرنے کی حکمت یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کسی اسم کی طرف ان دو اسموں کے علاوہ اضافت نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ۔ (الجن: ۱۹) — اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لیے کھڑا ہوا۔

اور دوسری آیت میں ارشاد ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا۔ (الفرقان: ۶۳) — اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی کے ساتھ چلتے ہیں۔

اور اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ۔ (بنی اسرائیل: ۱۱۰) — آپ کہیے: تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۲۰۔۳۲۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۸۶۔ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ رضی الله عنه قَالَ وُلِدَ لِرَجُلٍ مِنَّا غُلَامٌ فَسَمَّاهُ الْقَاسِمَ فَقُلْنَا لَا نَكْنِيكَ أَبَا الْقَاسِمِ وَلَا كَرَامَةَ فَأَخْبَرَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ سَمِّ ابْنَكَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ۔ (صحیح بخاری: ۳۱۱۴، صحیح مسلم:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں صدقہ بن الفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عیینہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن المنکدر نے حدیث بیان کی از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم میں سے ایک مرد کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو اس نے اس کا نام القاسم رکھا، تو ہم نے کہا: ہم

(۲۱۳۳

تمہاری کنیت ابوالقاسم نہیں رکھیں گے اور نہ اس وجہ سے تمہاری تعظیم کریں گے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا: تم اپنے بیٹے کا نام عبدالرحمن رکھو۔

صحیح البخاری: ۶۱۸۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے جو نام اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں، اور اس حدیث میں مذکور ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد کو فرمایا: تم اپنے بیٹے کا نام عبدالرحمن رکھو، اس لیے کہ عبدالرحمن ان ناموں میں سے ہے جو اللہ عزوجل کو سب سے زیادہ محبوب ہیں، جیسا کہ ابھی صحیح مسلم کی حدیث کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔ اور اس لیے کہ اگر کوئی اور نام اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس نام کو رکھنے کا حکم دیتے، کیونکہ غالب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکمل چیز کا حکم دیتے تھے۔

علامہ کرمانی نے یہاں مناسبت کے بیان میں غلطی کی ہے، انہوں نے کہا: دوسری روایت میں آیا ہے کہ اللہ عزوجل کو جو نام زیادہ محبوب ہے وہ عبدالرحمن ہے اور تم دیکھتے ہو کہ یہ اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت نہیں ہے۔ اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ احب بمعنی محبوب ہے۔

علامہ عینی اس پر بھی رد فرماتے ہیں کہ یہ لفظ کو اس کے ظاہر معنی سے نکالنا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن عیینہ، یہ سفیان بن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن المنکدر، یہ محمد بن المنکدر ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ولا کرامة" یہ مفعول مطلق ہے، یعنی ہم تمہاری عزت نہیں کریں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۲۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۰۶۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: میرا نام رکھو اور میری کنیت نہ رکھو

قَالَهُ أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اس کے بیان میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا نام رکھو اور میری کنیت نہ رکھو۔ کنیت ہر اس مرکب اضافی کو کہتے ہیں جس کے شروع میں اب یا ام کا ذکر ہو جیسے ابوبکر یا ام کلثوم۔

اس عنوان میں ذکر کیا ہے "قالہ انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وہ کہا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے، اور یہ تعلیق سندِ موصول کے ساتھ کتاب البیوع میں اس باب میں گزر چکی ہے "باب ما ذکر فی الاسواق" اور وہ حدیث یہ ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بازار میں تھے تو ایک مرد نے کہا "یا ابا القاسم!" تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا، اس نے کہا: میں نے تو اس کو بلایا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرا نام رکھو اور میری کنیت نہ رکھو۔ اور اس باب میں اختلاف ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام اور آپ کی کنیت رکھنے کے متعلق فقہاءِ اسلام کے نظریات

امام طحاوی نے اس مسئلہ میں ایک باب منعقد کیا ہے اور اس کے اندر بہت احادیث اور مباحثِ کثیرہ لائے ہیں۔ پس پہلی حدیث یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر میرے ہاں کوئی بیٹا ہوا تو میں آپ کے نام پر اس کا نام رکھوں گا اور آپ کی کنیت پر اس کی کنیت رکھوں گا، تو آپ نے فرمایا: ہاں! امام طحاوی نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے رخصت ہے۔

پھر امام طحاوی نے کہا: ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ کوئی شخص ابوالقاسم کنیت رکھے، اور اس کے ساتھ محمد نام رکھے اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: امام طحاوی نے قوم سے ارادہ کیا ہے محمد بن الحنفیہ کا، امام مالک کا اور ایک روایت میں ہے امام احمد کا۔ پھر ان لوگوں کے دو فرقے ہیں، ایک فرقہ نے کہا کہ کسی کے لیے ابوالقاسم کنیت رکھنا جائز نہیں ہے خواہ اس کا نام محمد ہو یا نہ ہو، اس فرقہ کا نام ہے محمد بن سیرین، ابراہیم نخعی اور امام شافعی۔

اور دوسرے فرقہ نے کہا اور وہ ظاہریہ ہے اور ایک روایت کے مطابق وہ امام احمد ہے، کہ جس کا نام محمد ہو اس کو ابوالقاسم کنیت نہیں رکھنی چاہیے، اور جس کا نام محمد نہ ہو وہ اگر ابوالقاسم کنیت رکھے تو کوئی حرج نہیں ہیں۔ اور اس باب کی حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو عنقریب آئے گی کہ آپ کے نام اور آپ کی کنیت کو جمع کرنا منع ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں منع تھا، اور بعض لوگوں نے کہا کہ محمد نام رکھنا بھی منع ہے۔ سالم بن ابی الجعد روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہلِ کوفہ کی طرف لکھا کہ تم نبی کے نام پر نام نہ رکھو۔

اور امام ابوداؤد نے از الحکم بن عطیہ از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی اولاد کا نام محمد رکھتے ہو، پھر تم اس کو لعنت بھی کرتے ہو۔ امام طبری نے کہا: یہ ممانعت کراہت پر محمول ہے، تحریم پر محمول نہیں ہے۔ اور یہ تمام احادیث صحیح ہیں اور ان میں کوئی تعارض بھی نہیں ہے اور کوئی حدیث منسوخ بھی نہیں ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے نام اور کنیت رکھنے کی رخصت اس بات کی خبر ہے کہ آپ کے نام اور آپ کی کنیت کو جمع کرنا جائز ہے مگر مکروہِ تنزیہی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۲۱۔ ۳۲۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦١٨٧ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا خَالِدٌ حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ عَنْ سَالِمٍ عَنْ جَابِرٍ رضي الله عنه قَالَ وُلِدَ لِرَجُلٍ مِنَّا غُلَامٌ فَسَمَّاهُ الْقَاسِمَ فَقَالُوا لَا نَكْنِيهِ حَتَّى نَسْأَلَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي۔

(صحیح بخاری:٣١١٥، صحیح مسلم:٢١٣٣، مسند احمد:١٤٢٧١)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حصین نے حدیث بیان کی از سالم از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم میں سے ایک مرد کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا، اس نے اس کا نام القاسم رکھا، تو صحابہ نے کہا: ہم اس کی کنیت نہیں رکھیں گے حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کرلیں، تو آپ نے فرمایا: میرا نام رکھو اور میری کنیت نہ رکھو۔

صحیح البخاری: ٦١٨٧، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خالد، وہ ابن جعفر بن عبداللہ ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حُصین، (حا پر پیش اور صاد پر زبر) یہ ابن عبدالرحمٰن ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سالم، وہ ابن ابی الجعد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ولا تکتنوا" یہ بابِ افتعال کے ساتھ ہے، اور "ولا تکنوا" بھی مروی ہے اور یہ باب تفعیل ہے۔ علماء نے بیان کیا ہے کہ عَلَم (نام) یا تو مدح یا مذمت کی خبر دے گا اور وہ لقب ہے۔ اور یا اس طرح نہیں ہوگا، پھر اگر وہ اب یا ام کے ساتھ شروع ہو تو وہ کنیت ہے، اور اگر اب اور ام کے ساتھ شروع نہ ہو تو وہ اسم ہے۔

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم محمد ہے، اور آپ کی کنیت ابوالقاسم ہے، اور آپ کا لقب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور اس حدیث میں ان علماء کا رد ہے جنہوں نے محمد نام رکھنے سے منع کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٢٢ ص ٣٢٢، دارالکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

٦١٨٨ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ صلی اللہ علیہ وسلم سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي۔

(صحیح بخاری: ٣١١٥، ٦١٨٧، صحیح مسلم: ٢١٣٣، مسند احمد: ١٤٢٧١)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ایوب از ابن سیرین، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے کہا کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا نام رکھو اور میری کنیت نہ رکھو۔

صحیح البخاری: ٦١٨٨، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، یہ ابن مدینی کے نام سے معروف ہیں اور یہ روایت کرتے ہیں سفیان بن عیینہ سے از ایوب السختیانی از محمد بن سیرین از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا "قال ابوالقاسم" اور یہ نہیں کہا "قال النبی" یا "قال الرسول": اس میں نکتہ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ابوالقاسم کنیت رکھنا ممنوع تھی، اس لیے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ابوالقاسم کا لفظ استعمال کیا بایں طور کہ وہ ابوالقاسم کنیت دوسروں کے لیے جائز قرار نہیں دیتے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۸۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما وُلِدَ لِرَجُلٍ مِنَّا غُلَامٌ فَسَمَّاهُ الْقَاسِمَ فَقَالُوا لَا نَكْنِيكَ بِأَبِي الْقَاسِمِ وَلَا نُنْعِمُكَ عَيْنًا فَأَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ أَسْمِ ابْنَكَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ۔

(صحیح بخاری: ۳۱۱۴، ۶۱۸۹، صحیح مسلم: ۲۱۳۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابن المنکدر سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا کہ ہم میں سے ایک شخص کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا، اس نے اس کا نام القاسم رکھا تو صحابہ نے کہا: ہم تمہاری کنیت ابوالقاسم نہیں رکھیں گے اور نہ تمہاری آنکھ اس کنیت سے پکار کر ٹھنڈی کریں گے۔ وہ مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: تم اپنے بیٹے کا نام عبدالرحمٰن رکھو۔

صحیح البخاری: ۶۱۸۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان تھا "میرا نام رکھو اور میری کنیت نہ رکھو" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ جس شخص نے اپنے بیٹے کا نام قاسم رکھا اور اس کو لوگوں نے اس نام سے منع کیا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے یہ قصہ بیان کیا، تو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم یہ کنیت رکھ لو اور نہ یہ فرمایا کہ تم اپنے بیٹے کا نام محمد رکھو، بلکہ فرمایا: تم اپنے بیٹے کا نام عبدالرحمٰن رکھو۔ اور اس حدیث کے ظاہر سے ان علماء نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم اور آپ کے نام محمد کو جمع نہ کیا جائے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ولا ننعمك عینا" یہ انعام سے ماخوذ ہے، یعنی اس نام کے ساتھ ہم تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈا نہیں کریں گے۔

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار کنیتوں سے منع فرمایا ہے: ابوعیسیٰ، ابوالحکم، ابومالک اور ابوالقاسم اس شخص کے لیے جس کا

نام محمد ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

چار کنیتوں کی ممانعت کی توجیہ

میں کہتا ہوں: ابوعیسیٰ کنیت رکھنے سے اس لیے منع فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی باپ نہیں تھا۔ اور ابوالحکم اور ابو مالک سے اس لیے منع فرمایا کہ حَکَم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور مالک بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، تو اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا باپ ہو، اور ابوالقاسم کنیت رکھنے سے اس شخص کے لیے منع فرمایا جس کا نام محمد ہو۔ اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ ممانعت صرف آپ کی حیات میں تھی یا بعد میں بھی رہی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۱۰۷۔ بَابُ: اسْمِ الْحَزْنِ

حزن (سخت) نام رکھنے کا حکم

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جس کا نام حزن ہو اس کا کیا حکم ہے؟۔

حزن کا معنی ہے: سخت زمین اور یہ سہل کی ضد ہے اور یہ جسمانی بناوٹ میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے "فلان فی حزونة" یعنی وہ سختی اور قساوت میں ہے، اور اگر حاء پر پیش ہو یعنی حُزن، تو اس کا معنی ہے غم۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۹۰۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ أَبَاهُ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ مَا اسْمُكَ قَالَ حَزْنٌ قَالَ أَنْتَ سَهْلٌ قَالَ لَا أُغَيِّرُ اسْمًا سَمَّانِيهِ أَبِي قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ فَمَا زَالَتِ الْحُزُونَةُ فِينَا بَعْدُ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ وَمَحْمُودٌ هُوَ ابْنُ غَيْلَانَ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ بِهٰذَا۔

(صحیح البخاری: ۶۱۹۳، سنن ابوداؤد: ۴۹۵۶، مسند احمد: ۲۳۶۱۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن نصر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از ابن المسیب از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد نبی ﷺ کے پاس آئے، آپ نے پوچھا: تمہارا کیا نام ہے؟ انہوں نے کہا: حزن، آپ نے فرمایا: تم سہل ہو۔ انہوں نے کہا: میں اس نام کو تبدیل نہیں کروں گا جو میرے والد نے رکھا ہے، حضرت ابن المسیب نے کہا: پھر اس کے بعد ہمیشہ ہم میں سختی رہی۔

ہمیں علی بن عبداللہ اور محمود نے حدیث بیان کی اور وہ ابن غیلان ہیں، ان دونوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از ابن المسیب از والد خود از جد خود یہی حدیث۔

صحیح البخاری: ۶۱۹۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق بن نصر، یہ اسحاق بن ابراہیم بن نصر البخاری ہیں۔ اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالرزاق، یہ عبدالرزاق بن ہمام الیمانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر، یہ ابن راشد ہیں۔

سعید بن المسیب اور ان کے والد حضرت حزن رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن المسیب، یہ سعید بن المسیب ہیں۔ رہے سعید، تو وہ کبار تابعین میں سے ہیں اور ان کے سردار ہیں، ان سے تقریباً چالیس احادیث مروی ہیں، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دو سال گزرنے کے بعد یہ پیدا ہوئے تھے اور یہ ۹۴ھ میں الولید بن عبدالملک کی خلافت میں فوت ہوئے۔ رہے ان کے والد المسیب تو یہ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔ محدثین نے کہا ہے: حضرت المسیب سے صرف سعید نے روایت کی ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس میں مشہور اختلاف ہے، کیونکہ امام بخاری کی شرط یہ ہے کہ وہ ایسے کسی شخص سے روایت نہیں کرتے جن سے صرف ایک نے روایت کی ہو۔ اور رہے ان کے دادا حزن بن ابی وہب بن عمیر بن عابد بن عمران بن مفروق القرشی المخزومی ہیں، سو یہ مہاجرین میں سے تھے اور زمانہ جاہلیت میں اشرافِ قریش میں سے تھے۔

علامہ الکلاباذی نے کہا ہے کہ حضرت حزن رضی اللہ عنہ سے ان کے بیٹے المسیب نے ایک حدیث روایت کی ہے جو کتاب الادب میں ہے۔ اور ایک اور حدیث ہے جو موقوف ہے اور ایامِ جاہلیت کے ذکر میں ہے۔ اور یہ حدیث امام بخاری کے تفردات میں سے ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "انت سهل" اسماعیلی نے محمود بن غیلان سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا تھا: بلکہ تمہارا نام سہل ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "فما زالت الحزونة فينا بعد" احمد بن صالح کی روایت میں ہے: پس میں نے یہ گمان کیا کہ ہمیں عنقریب اس کے بعد سختی اور مشکلات پیش آئیں گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۲۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۰۸- بَابُ: تَحْوِيلِ الِاسْمِ إِلَى اسْمٍ أَحْسَنَ مِنْهُ — ایک نام کو اس سے اچھے نام کی طرف تبدیل کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب کسی قبیح نام کو اچھے نام کی طرف تبدیل کرنے کے بیان میں ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے عروہ سے مرسلاً روایت کی ہے کہ نبی ﷺ جب کوئی قبیح نام سنتے تو اس کو اس سے بہتر نام سے طرف تبدیل کر دیتے۔ اور حدیث میں ہے کہ عنقریب تم قیامت کے دن اپنے ناموں سے اور اپنے آباء کے ناموں سے پکارے جاؤ گے تو اپنے نام اچھے رکھو۔

امام طبری نے کہا ہے: کسی شخص کو یہ نہیں چاہیے کہ اپنا نام ایسا رکھے جس کا معنی قبیح ہو، اور نہ ایسا نام رکھے جس کے معنی میں خود پسندی ہو اور اپنی تعریف ہو اور نہ ایسا نام رکھے جس کے معنی میں مذمت اور برائی ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۹۱ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ قَالَ أُتِيَ بِالْمُنْذِرِ بْنِ أَبِي أُسَيْدٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ حِينَ وُلِدَ فَوَضَعَهُ عَلَى فَخِذِهِ وَأَبُو أُسَيْدٍ جَالِسٌ فَلَهَا النَّبِيُّ ﷺ بِشَيْءٍ بَيْنَ يَدَيْهِ فَأَمَرَ أَبُو أُسَيْدٍ بِابْنِهِ فَاحْتُمِلَ مِنْ فَخِذِ النَّبِيِّ ﷺ فَاسْتَفَاقَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ أَيْنَ الصَّبِيُّ فَقَالَ أَبُو أُسَيْدٍ قَلَبْنَاهُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ مَا اسْمُهُ قَالَ فُلَانٌ قَالَ وَلٰكِنِ اسْمُهُ الْمُنْذِرَ فَسَمَّاهُ يَوْمَئِذٍ الْمُنْذِرَ۔ (صحیح مسلم: ۲۱۴۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوغسان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابوحازم نے حدیث بیان کی از سہل، انہوں نے کہا: المنذر بن ابی اسید جب پیدا ہوئے تو ان کو نبی ﷺ کے پاس لایا گیا، پس آپ نے ان کو اپنی ران پر بٹھا لیا اور ابواُسید بیٹھے ہوئے تھے تو نبی ﷺ کے سامنے کوئی چیز تھی آپ اس کے ساتھ مشغول ہو گئے، پھر حضرت ابواُسید نے حکم دیا تو ان کے بیٹے کو نبی ﷺ کی ران سے اٹھا لیا گیا، پھر جب نبی ﷺ اپنے شغل سے فارغ ہوئے تو آپ نے پوچھا: بچہ کہاں ہے؟ تو حضرت ابواُسید نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نے اس کو گھر بھیج دیا ہے، آپ نے پوچھا: اس کا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا: فلان، آپ نے فرمایا: لیکن اس کا نام المنذر ہے، پس اس دن آپ نے ان کا نام المنذر رکھ دیا۔

صحیح البخاری: ۶۱۹۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''کسی کا نام بدل کر اچھا نام رکھ دینا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: لیکن اس کا نام منذر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب نبی ﷺ نے ان کے نام کے متعلق پوچھا تو حضرت ابواسید نے کہا: ان کا نام فلاں ہے، آپ نے فرمایا: لیکن اس کا نام المنذر ہے، پس گویا کہ ان کے والد نے جو ان کا نام رکھا وہ قبیح تھا تو نبی ﷺ نے ان کا نام المنذر رکھ دیا۔

علامہ داؤدی نے کہا: آپ نے ان کا نام المنذر نیک فال کے طور پر رکھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسا علم عطا فرمائے جس علم سے وہ لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ایک مشہور صحابی کا نام المنذر بن عمرو تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے نام پر ان کا نام المنذر رکھ دیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوغسان، ان کا نام ہے محمد بن مطرِّف۔ نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو حازم، یہ سلمہ بن دینار الاعرج ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سہل، وہ ابن سعد الساعی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو اسید، ان کا نام مالک بن ربیعہ الساعدی الانصاری ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فوضعه" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بچے کے اکرام کے لیے اس کو اپنی ران پر بٹھالیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فلها النبی صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کوئی چیز تھی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس چیز میں مشغول ہو گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاستفاق" یعنی جس چیز میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشغول ہوئے تھے، اس سے فارغ ہو گئے اور پھر متوجہ ہوئے تو آپ نے بچے کو نہیں دیکھا، پھر آپ نے پوچھا: وہ بچہ کہاں ہے؟ تو حضرت ابو اسید نے کہا: ہم نے اس کو گھر کی طرف بھیج دیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۹۲۔ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي مَيْمُونَةَ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ زَيْنَبَ كَانَ اسْمُهَا بَرَّةَ فَقِيلَ تُزَكِّي نَفْسَهَا فَسَمَّاهَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم زَيْنَبَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں صدقہ بن الفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے خبر دی از شعبہ از عطاء بن ابی میمونہ از ابی رافع، از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، کہ بے شک زینب کا نام پہلے برہ تھا، پس کہا گیا کہ یہ اپنی تعریف کرتی ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام زینب رکھ دیا۔

(صحیح مسلم: ۲۱۴۱، سنن ابن ماجہ: ۳۷۳۲، مسند احمد: ۹۵۹۸، سنن دارمی: ۲۶۹۸)

صحیح البخاری: ۶۱۹۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "کسی نام کو تبدیل کر کے اچھا نام رکھ دینا" اور اس حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برہ کا نام تبدیل کر کے زینب (رضی اللہ عنہا) رکھ دیا۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن جعفر، وہ غندر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عطاء بن ابی میمونہ، وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابورافع، یہ نفیع الساعر المدنی البصری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ان زینب" یہ حضرت زینب بنت جحش ام المومنین رضی اللہ عنہا ہیں، پہلے ان کا نام برہ تھا۔ یا یہ زینب بنت ام سلمہ ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لے پالک یا پرورده تھیں، انہوں نے بیان کیا کہ میرا نام برہ رکھا گیا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی تعریف نہ کرو، پس اللہ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کون نیکی کرنے والا ہے، پھر لوگوں نے کہا: ہم ان کا کیا نام رکھیں؟ تو آپ نے فرمایا: ان کا نام زینب رکھو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۹۳ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ شَيْبَةَ قَالَ جَلَسْتُ إِلَى سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ فَحَدَّثَنِي أَنَّ جَدَّهُ حَزْنًا قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ مَا اسْمُكَ قَالَ اسْمِي حَزْنٌ قَالَ بَلْ أَنْتَ سَهْلٌ قَالَ مَا أَنَا بِمُغَيِّرٍ اسْمًا سَمَّانِيهِ أَبِي قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ فَمَا زَالَتْ فِينَا الْحُزُونَةُ بَعْدُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی کہ ابن جریج نے ان کو خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے عبدالحمید بن جبیر بن شیبہ نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں سعید بن المسیب کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو انہوں نے مجھے حدیث بیان کی کہ ان کے دادا حزن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ نے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا: میرا نام حزن ہے، آپ نے فرمایا: بلکہ تم سہل ہو۔ انہوں نے کہا: میں اس نام کو بدلنے والا نہیں ہوں جو میرا نام میرے باپ نے رکھا ہے، ابن المسیب نے کہا: پھر اس کے بعد ہم میں ہمیشہ سختیاں اور مشکلات رہیں۔

(صحیح البخاری: ۶۱۹۳، سنن ابوداؤد: ۴۹۵۶، مسند احمد: ۲۳۱۶۱)

صحیح البخاری: ۶۱۹۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم بن موسیٰ، یہ ابن یزید الفراء ابواسحاق الرازی ہیں اور یہ صغیر کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام، یہ ابن یوسف الصنعانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن جریج، یہ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالحمید بن جبیر، یہ المکی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "حدثنا هشام" اور ایک روایت میں ہے "اخبرنا هشام"

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۰۹۔ بَابُ: مَنْ سَمَّى بِأَسْمَاءِ الْأَنْبِيَاءِ

انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر نام رکھنے کا بیان

وَقَالَ أَنَسٌ: قَبَّلَ النَّبِيُّ ﷺ إِبْرَاهِيمَ يَعْنِي ابْنَهُ.

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم کو یعنی اپنے بیٹے کو بوسا دیا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ جس نے اپنے بیٹے کا یا کسی اور کا اپنی جہت سے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کے نام پر نام رکھا، تو یہ نام رکھنا جائز ہے اور سعید بن المسیب نے کہا ہے کہ اللہ عزوجل کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب انبیاء علیہم السلام کے نام ہیں۔ اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا نام رکھو اور اس سے ان لوگوں کا رد ہوتا ہے جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کے نام رکھنے کو مکروہ کہا ہے۔ اور یہ ایک روایت ہے جو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی اولاد کا نام محمد رکھتے ہو، پھر تم ان کو لعنت کرتے ہو، یہ حدیث حکم بن عطیہ سے مروی ہے اور یہ حکم ضعیف ہے، امام بخاری نے اس کا ضعفاء میں ذکر کیا ہے، اور ابو الولید بھی اس کو ضعیف قرار دیتے تھے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق کو امام بخاری نے کتاب الجنائز میں سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۲۶۔ ۳۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۹۴۔ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قُلْتُ لِابْنِ أَبِي أَوْفَى رَأَيْتَ إِبْرَاهِيمَ ابْنَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَاتَ صَغِيرًا وَلَوْ قُضِيَ أَنْ يَكُونَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ ﷺ نَبِيٌّ عَاشَ ابْنُهُ وَلَكِنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۵۱۰، مسند احمد: ۱۸۶۳۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن نمیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن بشر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کیا آپ نے ابراہیم رضی اللہ عنہ بن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا؟ انہوں نے بتایا کہ وہ بچپن میں فوت ہو گئے تھے، اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا آنا تقدیر میں ہوتا تو آپ کا بیٹا زندہ رہتا، لیکن آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

صحیح البخاری: ۶۱۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن نمیر، یہ محمد بن عبد اللہ بن نمیر ہیں جن کی اپنے دادا کی طرف نسبت ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن بشر، یہ العبدی ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، وہ ابن ابی خالد البجلی ہیں۔ اور یہ تمام راوی کوفی ہیں اور حضرت ابن ابی اوفی عبد اللہ الصحابی ابن صحابی ہیں اور حضرت ابی اوفی رضی اللہ عنہ کا نام علقمہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "مات صغیرا" اس وقت حضرت ابراہیم بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۱۸ مہینے تھی اور ان کی وفات ذوالحجہ ۱۰ ہجری میں ہوئی اور ان کو البقیع میں دفن کیا گیا۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہما نے جو جواب دیا، وہ سوال کے مطابق نہیں ہے۔ سوال یہ تھا کہ کیا آپ نے حضرت ابراہیم بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا؟ تو انہوں نے کہا: وہ بچپن میں فوت ہو گئے، یہ جواب نہیں ہے۔ پھر علامہ کرمانی نے کہا: ان کے اس قول سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت ابراہیم بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا، وہ بچپن میں فوت ہو گئے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ولو قضی" یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں یہ لکھا ہوتا کہ آپ کے بعد کوئی نبی ہوگا تو ابراہیم زندہ ہوتے لیکن آپ خاتم النبیین ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۹۵ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ قَالَ لَمَّا مَاتَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم إِنَّ لَهُ مُرْضِعًا فِي الْجَنَّةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از عدی بن ثابت، انہوں نے کہا: میں نے حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا: جب ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے لیے جنت میں ایک دودھ پلانے والی ہے۔

(صحیح بخاری: ۱۳۸۲، ۳۲۵۵، ۶۱۹۵، سنن ابن ماجہ: ۱۵۱۱، مسند احمد: ۱۸۱۸۹)

۶۱۹۶ - حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ حُصَيْنِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي فَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ أَقْسِمُ بَيْنَكُمْ وَرَوَاهُ أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از حصین بن عبد الرحمن از سالم بن ابی الجعد، از حضرت جابر بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا نام رکھو اور میری کنیت نہ رکھو، کیونکہ میں قاسم ہوں،

تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔

اس حدیث کی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

(صحیح بخاری: ۳۱۱۴، ۳۱۱۵، ۳۵۳۸، ۶۱۸۶، ۶۱۸۷، ۶۱۸۹، ۶۱۹۶، صحیح مسلم: ۲۱۳۳، مسند احمد: ۱۴۵۴۶)

صحیح البخاری: ۶۱۹۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے آدم، وہ ابن ابی ایاس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں حُصَین کا ذکر ہے (اس میں حاء پر پیش ہے اور صاد پر زبر ہے)۔ اس حدیث کی شرح ابھی قریب میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''انا قاسم'' اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ کنیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہے، کیونکہ آپ اللہ کے مال کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرتے ہیں، اور دوسرا شخص اس مرتبہ کا نہیں ہے۔ اور اس میں یہ خبر دی ہے کہ کنیت کسی صفت کے سبب سے رکھی جاتی ہے جو وصف اس شخص میں ہو جس کی کنیت رکھی جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح میں دیگر علماء کے اقوال

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

اور حاصل یہ ہے کہ میں ابو القاسم صرف اس وجہ سے نہیں ہوں کہ میرے بیٹے کا نام قاسم ہے، بلکہ مجھ میں قاسمیت کے معنی کا لحاظ کیا گیا ہے باعتبار قسمتِ ازلیہ کے، یعنی تمام دینی اور دنیاوی امور میں ازل سے میں ہی تقسیم کرتا ہوں، پس تم میں سے کوئی ایک بھی میری مثل نہیں ہے نہ ذات میں، نہ اسماء میں اور نہ صفات میں۔ (مرقات ج ۸ ص ۵۱۰، المکتبۃ الحقانیہ پشاور پاکستان)

علامہ عبد الوہاب بن احمد بن علی الشعرانی المصری الحنفی متوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو کہ کیا کوئی ایسا بشر ہے جو دنیا میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ کے بغیر علم کو حاصل کرلے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ شیخ اکبر محی الدین ابن العربی متوفی ۶۳۸ھ نے کہا ہے: دنیا میں ہر شخص کو جو علم حاصل ہوتا ہے وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی باطنیت سے حاصل ہوتا ہے، خواہ وہ انبیاء ہوں اور وہ علماء ہوں جو آپ کی بعثت سے مقدم ہیں یا وہ علماء ہوں جو آپ کی بعثت سے مؤخر ہیں۔ (الیواقیت والجواہر ص ۳۴۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان ۱۴۱۸ھ)

۶۱۹۷ ـ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ حَدَّثَنَا أَبُو حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي وَمَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي فَإِنَّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو حصین نے حدیث بیان کی از ابی صالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے

الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ فِي صُورَتِي وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔

فرمایا: میرا نام رکھو اور میری کنیت نہ رکھو، اور جس نے مجھ کو نیند میں دیکھا، اس نے مجھ ہی کو دیکھا ہے، کیونکہ شیطان میری مثال نہیں بن سکتا، اور جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا، پس وہ دوزخ کو اپنا ٹھکانہ بنالے۔

(صحیح بخاری: ۱۱۰، ۳۵۳۹، ۶۱۸۸، ۶۱۹۷، ۶۹۹۳، صحیح مسلم: ۲۱۳۴، سنن ترمذی: ۲۲۸۰، سنن ابوداؤد: ۴۹۶۵، سنن ابن ماجہ: ۳۷۳۵، مسند احمد: ۷۱۲۸)

صحیح البخاری: ۶۱۹۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "انبیاء علیہم السلام کے نام پر نام رکھنا" اور اس حدیث میں مذکور ہے: میرا نام رکھو، سو یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام رکھنے کے جواز پر دلالت کرتی ہے، اسی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کے نام رکھنے کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعوانہ، یہ الوضاح بن عبداللہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوحصین، یہ عثمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوصالح، یہ ذکوان الزیات ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی کیفیت

اس زیارت کی کیفیت یہ ہے کہ اللہ عزوجل اپنے ارادہ سے کسی مسلمان کے دل میں آپ کی زیارت کو پیدا کر دیتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ وہ میرے جسم کو دیکھتا ہے، بلکہ وہ ایک مثال کو دیکھتا ہے اور وہ مثال ایک آلہ ہے جو میری شخصیت کے معنی کو اس تک پہنچاتی ہے، بلکہ بیداری میں بھی بدن صرف نفس کا آلہ ہے، پس حق یہ ہے کہ دیکھنے والا آپ کی روح مقدسہ کی حقیقت کی مثال کو دیکھتا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ دیکھنے والے کو کیسے پتا چلتا ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کسی اور کو نہیں دیکھا؟

اس کا یہ جواب ہے کہ اللہ عزوجل اس میں علم بدیہی پیدا فرماتا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقد رآنی" اس کا معنی یہ ہے کہ اس کو خوش ہونا چاہیے کہ اس نے مجھ کو دیکھا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لا یتمثل بی" اور ایک روایت میں ہے "وہ میری صورت کی مثال نہیں بنا سکتا"۔ محققین نے کہا ہے کہ یہ حدیث متواتر ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۲۸۔۳۲۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۱۹۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن

عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ وُلِدَ لِي غُلَامٌ فَأَتَيْتُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ فَسَمَّاهُ إِبْرَاهِيمَ فَحَنَّكَهُ بِتَمْرَةٍ وَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ وَدَفَعَهُ إِلَيَّ وَكَانَ أَكْبَرَ وَلَدِ أَبِي مُوسَى۔

(صحیح بخاری: ۵۴٦۷، ٦۱۹۸، صحیح مسلم: ۲۱۴۵، مسند احمد: ۱۹۰۷٦)

العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از برید بن عبداللہ بن ابی بردہ از ابی بردہ از ابو موسیٰ، انہوں نے بیان کیا کہ میرا ایک بیٹا پیدا ہوا، میں اس کو لے کر نبی ﷺ کے پاس آیا، آپ نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور ایک کھجور (چبا کر) اس کو گھٹی دی، اور اس کے لیے برکت کی دعا کی اور وہ بچہ مجھے دے دیا، اور وہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کا بڑا بیٹا تھا۔

صحیح البخاری: ٦۱۹۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو اسامہ، یہ حماد بن اسامہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے برید، یہ ابن عبداللہ ہیں اور اپنے دادا ابو بردہ عامر سے روایت کرتے ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ حارث ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور ان کا نام عبداللہ بن قیس ہے۔

یہ حدیث باب العقیقہ میں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦۱۹۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ عِلَاقَةَ سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ رَوَاهُ أَبُو بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زائدہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زیاد بن علاقہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ جس دن حضرت ابراہیم علیہ السلام (بن نبی ﷺ) کی وفات ہوئی سورج کو گہن لگ گیا تھا۔

اس حدیث کو ابو بکر نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے۔

(صحیح بخاری: ۱۰۴۳، ۱۰٦۰، ٦۱۹۹، صحیح مسلم: ۹۱۵، مسند احمد: ۱۷۷۱۳)

صحیح البخاری: ٦۱۹۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو الولید، یہ ہشام بن عبد الملک ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زائدہ، یہ ابن قدامہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زیاد بن علاقہ، (زیاد زاء کے نیچے زیر ہے) اور علاقہ میں عین کے نیچے زیر ہے۔

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یعنی اس حدیث کی روایت ابوبکرہ نفیع الثقفی نے کی ہے۔اور حضرت ابوبکرہ کی حدیث باب الکسوف میں گزر چکی ہے،لیکن اس میں یہ نہیں ہے کہ جس دن حضرت ابراہیم بن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تھی جیسا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کی حدیث میں تصریح ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۲۹،دار الکتب العلمیہ ،بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۱۱۰۔بَابُ: تَسْمِيَةِ الْوَلِيدِ ولید نام رکھنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں ان احادیث کا ذکر کیا جائے گا جو ولید نام رکھنے کے متعلق ہیں۔اس عنوان کو لکھنے سے امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ امام طبرانی کی ایک حدیث کا رد کریں،وہ حدیث یہ ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص اپنے غلام کا یا اپنے بیٹے کا نام حرب رکھے،یا مرہ رکھے یا ولید رکھے،کیونکہ یہ حدیث بہت ضعیف ہے۔

اس حدیث کی تحقیق کہ ولید نام کے شخص میں شر ہوتا ہے

اور امام بخاری،امام عبداللہ بن احمد کی اس حدیث کا رد کرنا چاہتے ہیں،وہ بیان کرتے ہیں: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی،انہوں نے کہا: ہمیں ابوالمغیرہ نے حدیث بیان کی،انہوں نے کہا: ہمیں ابن عیاش نے حدیث بیان کی اور وہ اسماعیل ہیں،انہوں نے کہا کہ ہمیں اوزاعی وغیرہ نے از زہری روایت کی ہے از سعید بن المسیب از حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ،وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ کے بھائی کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا،انہوں نے اس کا نام الولید رکھا،تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اس کا نام الولید رکھا ہے جو تمہارے فرعونوں کے ناموں میں سے ہے،اس امت میں ضرور ایک مرد ہوگا جس کو الولید کہا جائے گا اور وہ اس امت کے اوپر اس سے زیادہ شر ہوگا جتنا فرعون اپنی قوم کے لیے شر تھا۔

ابوحاتم بن حبان نے کہا ہے: یہ خبر باطل ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح نہیں فرمایا اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے اس کی روایت کی ہے اور نہ اس کی سعید بن المسیب نے روایت کی ہے اور نہ الزہری نے،اور نہ اس سند کے ساتھ اوزاعی کی حدیث ہے۔امام ابن حبان نے کہا: جب اسماعیل بوڑھا ہو گیا تو اس کا حافظہ متغیر ہو گیا،وہ حدیث میں بہت زیادہ خطا کرتا تھا اور اس کو پتا نہیں چلتا تھا،اور اس نے حدیث کی روایت کی اور اس کا حافظہ مختلط ہو چکا تھا۔

اور ابن جوزی نے کہا: میں نے اوزاعی سے بعض روایات دیکھی ہیں،انہوں نے کہا: میں نے الزہری سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: اگر الولید بن یزید کو خلیفہ بنایا گیا،ورنہ وہ الولید بن عبدالملک ہے۔اور اس روایت کی صحت کا مجھے علم نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اگر یہ روایت صحیح ہو تو یہ اس حدیث کے ثبوت پر دلالت کرتی ہے،اور ولید بن یزید اس

روایت کے ساتھ زیادہ اولیٰ ہے، کیونکہ وہ اپنے الحاد میں زیادہ مشہور تھا اور عناد کو ظاہر کرتا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارے فرعونوں کے اسماء'' کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کا نام الولید تھا۔ اور جب کہ یہ دونوں حدیثیں اور ان کی امثال امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں تھیں تو امام بخاری نے ان میں سے کسی حدیث کا ذکر نہیں کیا۔ اور اس باب میں اس حدیث کی روایت کی ہے جو ولید نام رکھنے کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۲۹۔ ۳۳۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۰۰۔ أَخْبَرَنَا أَبُو نُعَيْمٍ الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا رَفَعَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ اللّٰهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَعَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ بِمَكَّةَ اللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ اللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم الفضل بن دکین نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عیینہ نے حدیث بیان کی از الزہری از سعید از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے سر اٹھایا تو آپ نے پڑھا: اے اللہ! ولید بن الولید کو نجات دے، اور سلمہ بن ہشام کو اور عیاش بن ابی ربیعہ کو اور مکہ میں ان کمزور مومنین کو، اے اللہ! مضر کے اوپر اپنی گرفت کو سخت کر، اے اللہ! ان کے اوپر حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ قحط کی طرح سال مقدر کر دے۔

(صحیح بخاری: ۷۹۷، ۸۰۴، صحیح مسلم: ۶۷۵، سنن نسائی: ۱۰۷۴، سنن ابوداؤد: ۱۴۴۲، سنن ابن ماجہ: ۱۲۴۴، مسند احمد: ۷۲۱۹، سنن دارمی: ۱۵۹۵)

صحیح البخاری: ۶۲۰۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''ولید نام رکھنے کا بیان'' اور اس حدیث میں ہے: اے اللہ! ولید بن ولید کو نجات دے۔ اور اس حدیث نے اس باب کے عنوان کے ابہام کو زائل کر دیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن عیینہ، اور وہ سفیان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید، وہ سعید بن المسیب ہیں، اور یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اللھم اشدد وطأتک علی مضر'' وطی کا معنی ہے: کسی چیز کو پاؤں سے روندنا، اور یہاں اس سے مراد ہے ہلاک کرنا، یعنی ان پر سختی سے گرفت کر۔ اور مضر قریش کا ایک قبیلہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "کسنی یوسف" حضرت یوسف علیہ السلام کے سالوں سے تشبیہ دینے سے غرض یہ ہے کہ ان کے اوپر بھی قحط کے ایام دراز ہو جائیں اور یہ بھی مصائب میں اور آفات اور تکلیفوں میں مبتلا ہو جائیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۲۹۔۳۳۰، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۱۱۔ بَابُ: مَنْ دَعَا صَاحِبَهُ فَنَقَصَ مِنْ اسْمِهِ حَرْفًا

اپنے صاحب کے لیے دعا کرنا اور صاحب کے نام کے آخری حرف کو کم کر دینا

وَقَالَ أَبُو حَازِمٍ: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَا أَبَا هِرٍّ۔

اور ابو حازم نے کہا از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یا اباھر"۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص اپنے صاحب کو ندا کر کے بلائے، پھر اس کے نام میں سے ایک حرف کم کر دے، جیسے تم "یا مالک" کی جگہ "یا مال" کہو اور اس کو نحو کی اصطلاح میں الترخیم کہتے ہیں اور یہ منادیٰ کے آخری حرف کو تخفیف کی وجہ سے حذف کر دینا ہے، اور آخر کے لفظ کی تخصیص اس لیے کی کہ وہی حذف کی صورت میں تغییر کا محل ہے، اور منادیٰ میں ترخیم کی شرط یہ ہے کہ وہ نہ مضاف ہو اور نہ مستغاث ہو اور نہ جملہ ہو۔ اور غیر منادیٰ میں سوائے ضرورت شعر کی وجہ سے ترخیم جائز نہیں ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں ابو حازم کا ذکر ہے، ان کا نام سلمان الاشجعی الکوفی ہے۔ اور اس تعلیق کو امام بخاری نے کتاب الاطعمہ میں سند موصول کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور اس حدیث کے شروع میں ہے کہ مجھے سخت بھوک لگی تھی اور تھکاوٹ ہو گئی تھی۔ الحدیث۔ اور اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے سر کے پاس کھڑے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا "ای اباھر"۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا کہ یہ تعلیق باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ اس تعلیق میں ترخیم نہیں ہے، اور اس میں تو لفظ کو تصغیر اور تانیث سے تکبیر اور تذکیر کی طرف نقل کرنا ہے، اس لیے کہ آپ نے ان کی کنیت ابو ہریرہ رکھی تھی اور ہریرہ تصغیر ہے ہرۃ کی، پس آپ نے ابو ہریرہ کو ان کے نام کے ساتھ مخاطب کیا جو مذکر ہے، پس وہ لفظ میں کمی ہے اور معنی میں زیادتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

اور بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی) نے کہا: اس میں فی الجملہ کمی ہے، لیکن اس میں ایک حرف کے کم ہونے میں غور و فکر کرنا چاہیے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: کسی شخص کو کسی فن میں اس وقت تک بات نہیں کرنی چاہیے جب تک کہ اس کو اس فن میں مہارت نہ ہو، پس جو انہوں نے ذکر کیا ہے کیا اس سے علامہ ابن بطال کا کلام باطل ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری میں اصل عبارت

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

اسی طرح اگر ایک حرف کے حذف پر اقتصار کیا جائے تو وہ بھی اس باب کی احادیث کے مطابق ہوگا، جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے "یا عائش" یا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا "یا انجش" اور رہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث تو اس میں اعتراض ہے، اور ممکن ہے کہ اس میں تصغیر سے پہلے اسم کا حصہ ہو کیونکہ یہ ہوگا "یا اباھرۃ" پس جب اس میں ہاء اخیرہ کو حذف کیا تو اس پر یہ صادق آئے گا کہ اس اسم پر ایک حرف کو کم کر دیا گیا ہے، اور علامہ بطال نے اس میں منازعہ کیا ہے، انہوں نے کہا: یہ ترخیم سے نہیں ہے، یہ ایک لفظ کو تصغیر سے تقصیر کی طرف اور تذکیر کی طرف نقل کرنا ہے، اور اس لیے آپ نے ان کی کنیت ابو ہریرہ رکھی تھی، اور ہریرہ، ہرۃ کی تصغیر ہے، پس آپ نے ان کو ان کے مذکر اسم سے مخاطب کیا، اس میں لفظ میں کمی ہے اور معنی میں زیادتی ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں: بہر حال اس میں فی الجملہ لفظ کی کمی ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۵۸۱-۵۸۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ)

علامہ عینی کے اعتراض کے جواب میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی عبارت

حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ عینی کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

علامہ عینی سے یہ کہا جائے گا کہ تمہارے لیے علم حدیث میں کلام کرنا کس طرح جائز ہوگا اور تم بہت عظیم چیز کے درپے ہو رہے ہو اور وہ صحیح بخاری کی شرح کرنا ہے جو تمام فنون کی جامع ہے اور جس نے آنکھوں کو روشن کر دیا ہے۔ پھر تم کہتے ہو کہ امام بخاری نے یہ نہیں کہا حالانکہ ان کا عنوان ایک حرف کی کمی کے ساتھ ہے، اور وہ ترخیم اور غیر ترخیم دونوں پر صادق آتا ہے۔ پس پہلی دو مثالیں ترخیم میں ظاہر ہیں (یا عائش اور یا انجش) اور تیسری صورت میں اگرچہ ترخیم کی صورت نہیں ہے، لیکن اس کے اوپر ایک حرف کی کمی صادق آتی ہے۔ لہٰذا علامہ ابن بطال کا اعتراض صحیح نہیں ہے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی صحیح البخاری: ج ۲ ص ۳۸۷-۳۸۷، مکتبۃ الرشد ریاض، ۱۴۱۸ھ)

۶۲۰۱- حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا زَوْجَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَا عَائِشُ هٰذَا جِبْرِيلُ يُقْرِئُكِ السَّلَامَ قُلْتُ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ قَالَتْ وَهُوَ يَرَى مَا لَا نَرَى۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن نے حدیث بیان کی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائش! یہ جبریل ہیں جو تم پر سلام پڑھ رہے ہیں، میں نے کہا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: حضرت جبریل وہ چیز دیکھتے تھے جس کو ہم نہیں دیکھتے تھے۔

(صحیح بخاری: ۳۲۱۷، ۳۷۶۸، ۶۲۰۱، ۶۲۴۹، ۶۱۵۳، صحیح مسلم: ۲۴۴۷، سنن ترمذی: ۳۸۸۱، سنن نسائی: ۳۹۵۳، سنن ابو داؤد: ۵۲۳۲، سنن ابن ماجہ: ۳۶۹۶، مسند احمد: ۲۴۳۳۶، سنن دارمی: ۲۶۳۸)

صحیح البخاری: ۶۲۰۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اے عائش! اس حدیث میں لفظ عائشہ میں ترخیم ہے، اور عائش کی شین پر زبر پڑھنا بھی جائز ہے اور اکثر کا یہی مذہب ہے اور پیش پڑھنا بھی جائز ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یقرئک علیک السلام" یہ لفظ اور "قرء علیک السلام" ان دونوں کا ایک معنی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وھو یری مالانری" اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا جسم ہے، پس جب وہ مجلس میں حاضر ہوں گے تو ان کو دیکھنا کس طرح بعض کے ساتھ خاص ہوگا اور دوسروں کے ساتھ خاص نہیں ہوگا؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ دیکھنا ایسا امر ہے جس کو اللہ تعالیٰ زندہ میں پیدا کرتا ہے، پس اگر اللہ نے اس کو پیدا کیا ہے تو وہ دیکھے گا، اور اگر نہیں پیدا کیا تو وہ نہیں دیکھے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۳۱، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۰۲ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه قَالَ كَانَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ فِي الثَّقَلِ وَأَنْجَشَةُ غُلَامُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يَسُوقُ بِهِنَّ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَا أَنْجَشُ رُوَيْدَكَ سَوْقَكَ بِالْقَوَارِيرِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از ابی قلابہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا مسافروں کے سامان کے ساتھ تھیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام انجشہ اونٹوں کو ہانک رہے تھے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انجش! آہستگی کے ساتھ لے چلو، جیسے تم شیشوں کے ساتھ چلتے ہو۔

(صحیح البخاری: ۶۱۴۹، ۶۱۶۱، ۶۲۰۲، ۶۲۰۹، ۶۲۱۰، ۶۲۱۱، صحیح مسلم: ۲۳۲۳، مسند احمد: ۱۱۶۳۰)

صحیح البخاری: ۶۲۰۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "جس کو پکارا جائے، اس کے نام کے ایک حرف کو کم کر دیا جائے" اور اس حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یا انجش" یہ منادیٰ مرخم ہے اور اس کی اصل ہے یا انجشۃ۔ اس میں آخری لفظ پر زبر اور پیش دونوں جائز ہیں جیسا کہ مرخمات کا قاعدہ ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے وہیب، وہ ابن خادم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ایوب، وہ السختیانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوقلابہ، وہ عبداللہ بن زید ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''کانت ام سلیم'' یہ حضرت انس رضی اللہ عنہا کی والدہ ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی الثقل'' اس کا معنی ہے: مسافروں کا سامان اور ان کی متاع۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''رویدك'' یعنی تم عورتوں کو چلانے میں جلدی نہ کرو کیونکہ عورتیں شیشہ کی طرح ہیں جو بہت جلد اثر قبول کرتی ہیں۔

انجشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاہ فام غلام تھے اور گانے میں ان کی آواز بہت اچھی تھی جسے سن کر اونٹ بھی بہت مست ہو جایا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو شیشہ سے تشبیہ دی ہے، یہ تشبیہ ان کی نزاکت کی بناء پر ہے، اور انجشہ کو تیز سواری چلانے سے روکا کہیں سواری سے کوئی گر نہ جائے، اور انجشہ کو آپ نے انجش سے پکارا، یہی اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۳۱۔ ۳۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۱۲۔ بَابُ: الْكُنْيَةِ لِلصَّبِيِّ وَقَبْلَ أَنْ يُولَدَ لِلرَّجُلِ — بچے کی کنیت رکھنا اور اس سے پہلے کہ مرد کی اولاد ہو

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں بچے کی کنیت رکھنے کا جواز ہے، اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: تم اپنی اولاد کی کنیت رکھنے میں جلدی کرو، کہیں ان کی طرف برے القاب جلدی سے منسوب نہ ہوں۔

اور علماء نے کہا ہے کہ وہ لوگ نیک فال کے لیے بچے کی کنیت رکھتے تھے بایں طور کہ وہ عنقریب زندہ رہے گا حتیٰ کہ اس کی اولاد ہوگی۔ اور اس لیے کہ اس کی طرف کوئی لقب منسوب نہ ہو، کیونکہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ کسی شخص کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کی تعظیم اس طرح ہوتی ہے کہ اس کو اس کے خاص نام کے ساتھ ذکر نہ کیا جائے، پس جب اس کی کوئی کنیت ہوگی تو اس کی طرف کسی لقب کے منسوب نہ ہونے سے اطمینان ہوگا۔ اور وہ کہتے تھے: عرب کی کنیت ایسے ہے جیسے عجم کا لقب ہوتا ہے۔

نیز امام بخاری نے کہا: ''اس سے پہلے کہ اس کی اولاد ہو''۔ یعنی کسی مرد کی اولاد ہونے سے پہلے بھی اس کی کنیت رکھنا جائز ہے، یعنی اس سے پہلے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔

امام طحاوی، امام احمد، امام ابن ماجہ اور امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: کیا وجہ ہے کہ تم اپنی کنیت ابویحییٰ نہیں رکھتے اور تمہاری کوئی اولاد نہیں ہے، تو انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میری

کنیت رکھی ہے۔

اور امام ابن شیبہ نے از زہری روایت کی ہے کہ صحابہ میں سے کئی مرد کنیت رکھتے تھے اس سے پہلے کہ ان کے ہاں اولاد ہو۔ اور امام طبرانی نے سندِ صحیح کے ساتھ از علقمہ از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اولاد ہونے سے پہلے ان کی کنیت ابو عبد الرحمن رکھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۶۲۰۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَحْسَنَ النَّاسِ خُلُقًا وَكَانَ لِي أَخٌ يُقَالُ لَهُ أَبُو عُمَيْرٍ قَالَ أَحْسِبُهُ فَطِيمًا وَكَانَ إِذَا جَاءَ قَالَ يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ نُغَرٌ كَانَ يَلْعَبُ بِهِ فَرُبَّمَا حَضَرَ الصَّلَاةَ وَهُوَ فِي بَيْتِنَا فَيَأْمُرُ بِالْبِسَاطِ الَّذِي تَحْتَهُ فَيُكْنَسُ وَيُنْضَحُ ثُمَّ يَقُومُ وَنَقُومُ خَلْفَهُ فَيُصَلِّي بِنَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوارث نے حدیث بیان کی از ابی التیاح از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق تمام لوگوں سے زیادہ حسین تھے، اور میرا ایک بھائی تھا جس کو ابو عمیر کہا جاتا تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا گمان ہے کہ اس کا دودھ چھوٹ چکا تھا (اور وہ روٹی کھانے لگا تھا) اور جب وہ آتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: اے ابا عمیر! النغیر نے کیا کیا۔ نُغر ایک پرندہ تھا جس کے ساتھ ابو عمیر کھیلتے تھے، پس بعض اوقات نماز کا وقت حاضر ہوتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں ہوتے، پس آپ اس چٹائی کو بچھانے کا حکم دیتے جو آپ کے نیچے ہوتی تھی، تو اس کو جھاڑ کر صاف کر دیا جاتا اور اس پر پانی چھڑکا جاتا، پھر آپ کھڑے ہوتے اور ہم آپ کے پیچھے کھڑے ہوتے، پھر آپ ہم کو نماز پڑھاتے۔

(صحیح بخاری: ۶۱۲۹، ۶۲۰۳، صحیح مسلم: ۲۱۵۰، سنن ترمذی: ۱۹۸۹، سنن ابوداؤد: ۴۹۶۹، سنن ابن ماجہ: ۳۷۲۰، مسند احمد: ۱۱۷۸۹)

صحیح البخاری: ۶۲۰۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے دو جز ہیں، ایک جز ہے بچے کی کنیت اور دوسرا جز ہے مرد کی اولاد ہونے سے پہلے اس کی کنیت کو رکھنے کا جواز۔ اس حدیث میں بچے کی کنیت کا ذکر ہے، کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھائی کا ابھی دودھ چھوٹا تھا اور ان کی کنیت کا ذکر ہے ابو عمیر۔ اور ظاہر یہ ہے کہ امام بخاری کو اپنی شرط کے مطابق دوسرے جز کے متعلق حدیث نہیں ملی، اس لیے انہوں نے کچھ ذکر نہیں کیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد الوارث، یہ ابن عبد المجید الثقفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو التیاح، ان کا

نام یزید بن امیر ہے۔ اور یہ حدیث بچے کی کنیت رکھنے کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ اور ابوعمیر، یہ عمر کی تصغیر ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''احسبه''یعنی میں گمان کرتا ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے''فطیم''یعنی جس کا دودھ پینا چھڑا دیا گیا ہو۔

اور حماد بن سلمہ نے از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ امام احمد سے روایت کی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ایک چھوٹا بھائی تھا اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ماں شریک بھائی تھا اور اس کا تازہ تازہ دودھ چھڑایا ہوا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''وکان اذا جاء''یعنی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لاتے تو چھوٹے بچے سے مزاح فرماتے اور اس سے فرماتے: اے ابا عمیر! اس پرندے کا کیا ہوا، اور وہ پرندہ فوت ہو چکا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''نغر''یعنی النغیر، نغر کی تصغیر ہے، اور یہ ایک پرندہ ہے جو چڑیا کی جسامت کا تھا یا چڑیا کے برابر تھا اور اس کی چونچ سرخ تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۳۲۔ ۲۳۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۱۳۔ بَابُ: التَّكَنِّي بِأَبِي تُرَابٍ وَإِنْ كَانَتْ لَهُ كُنْيَةٌ أُخْرَى

ابوتراب کنیت رکھنا اگر چہ ان کی پہلے بھی دوسری کنیت ہو

اس باب میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قصہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کی کنیت ابوتراب رکھی گئی، حالانکہ ان کی پہلے بھی کنیت تھی۔

۶۲۰۴۔ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ إِنْ كَانَتْ أَحَبَّ أَسْمَاءِ عَلِيٍّ رضي الله عنه إِلَيْهِ لَأَبُو تُرَابٍ وَإِنْ كَانَ لَيَفْرَحُ أَنْ يُدْعَى بِهَا وَمَا سَمَّاهُ أَبُو تُرَابٍ إِلَّا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم غَاضَبَ يَوْمًا فَاطِمَةَ فَخَرَجَ فَاضْطَجَعَ إِلَى الْجِدَارِ إِلَى الْمَسْجِدِ فَجَاءَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَتْبَعُهُ فَقَالَ هُوَ ذَا مُضْطَجِعٌ فِي الْجِدَارِ فَجَاءَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَامْتَلَأَ ظَهْرُهُ تُرَابًا فَجَعَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَمْسَحُ التُّرَابَ عَنْ ظَهْرِهِ وَيَقُولُ اجْلِسْ يَا أَبَا تُرَابٍ۔

(صحیح بخاری: ۴۴۱، ۳۷۰۳، ۶۲۰۴، ۶۲۸۰، صحیح مسلم: ۲۴۰۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں خالد بن مخلد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابوحازم نے حدیث بیان کی از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام ناموں میں سب سے زیادہ محبوب ابوتراب تھا، اور جب ان کو ابوتراب کے ساتھ پکارا جاتا تو وہ بہت خوش ہوتے تھے، اور ان کا نام ابوتراب صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا۔ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ناراض ہوئے، پس گھر سے نکل گئے اور مسجد کی دیوار کی طرف جا کر لیٹ گئے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تلاش کرتے ہوئے آئے، سو آپ نے فرمایا جب وہ دیوار کے ساتھ لیٹے ہوئے تھے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیٹھ مٹی سے بھری ہوئی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پیٹھ سے مٹی کو صاف کر رہے تھے اور فرما رہے تھے بیٹھو اے ابوتراب!

صحیح البخاری: ۶۲۰۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خالد بن مخلد، یہ البجلی الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سلیمان، یہ ابن بلال ابو ایوب القرشی التیمی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوحازم، یہ سلمہ بن دینار الاعرج ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سہل بن سعد، یہ حضرت سہل بن سعد الانصاری الساعدی رضی اللہ عنہ ہیں۔ امام بخاری اس حدیث کی روایت میں متفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لابوتراب" یہ لام تاکید کے لیے ہے اور یہ جملہ میں خبر ہے، یعنی تحقیق یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے ناموں میں جو نام سب سے زیادہ محبوب تھا، وہ ابوتراب تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ان کان لیفرح" یہ ان مخففہ ہے، یعنی تحقیق یہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابوتراب کہا جاتا تو وہ بہت خوش ہوتے تھے۔ نیز اس حدیث میں مذکور ہے "غاضب یوما" یعنی کسی دن حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ناراض ہوئے، اس سے معلوم ہوا کہ اہل الفضل اور مقدس لوگوں میں بھی فطری اور جبلی تقاضے رکھے ہیں اور اس تقاضا کی وجہ سے کسی بات پر حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ناراض ہوئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فخرج" یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر سے باہر نکل آئے کہ کہیں حالت غضب میں ان کے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو جنابِ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی شان اور ان کے ادب کے خلاف ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۳۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

فائدہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پہلے کنیت ابوالحسن مشہور تھی، مگر بعد میں جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہِ محبت آپ کو ابوتراب کنیت سے پکارا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی کنیت سے خوش ہونے لگے، اس سے معلوم ہوا کہ دو کنیتیں رکھنا بھی جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو غایت محبت تھی، اسی کا تقاضا تھا کہ آپ ان کو راضی کرنے کے لیے بنفس نفیس خود ان کے پاس تشریف لے گئے، چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پشت پر کافی مٹی لگ گئی تھی تو اس لیے آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیار سے ابوتراب یعنی مٹی والا فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت چار سال اور نو ماہ ہے، ۱۷ رمضان ۴۰ھ بروز ہفتہ ایک خارجی ابن ملجم نے آپ پر حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون وارضاہ۔ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ۳ رمضان ۱۱ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد انتقال فرمایا۔

۱۱۴۔ بَابُ: أَبْغَضِ الْأَسْمَاءِ إِلَى اللهِ — اللہ کے نزدیک جو نام سب سے زیادہ مبغوض ہیں

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ اللہ عزوجل کے نزدیک سب سے زیادہ ناراضگی کا موجب کون سے نام ہیں، امام بخاری نے یہ ذکر نہیں کیا وہ کون سے نام ہیں اور اس کے لیے اس باب کی حدیث پر اکتفاء کر لی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۰۵ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَخْنَى الْأَسْمَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ اللهِ رَجُلٌ تَسَمَّى مَلِكَ الْأَمْلَاكِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ عزوجل کے نزدیک سب سے برا اور فحش نام یہ ہوگا کہ کوئی شخص (از خود) شہنشاہ کہلائے۔

(صحیح بخاری: ۶۲۰۶، صحیح مسلم: ۲۱۴۳، سنن ترمذی: ۲۸۳۷، سنن ابوداؤد: ۴۹۶۱، مسند احمد: ۷۲۸۵)

صحیح البخاری: ۶۲۰۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''جو نام اللہ کے نزدیک مبغوض ہو'' اور اس حدیث میں مذکور ہے ''اخنی الاسماء'' یعنی تمام ناموں میں جو سب سے زیادہ فحش اور سب سے زیادہ قبیح ہو اور جو سب سے زیادہ فحش اور سب سے زیادہ قبیح ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ مبغوض ہوگا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، یہ الحکم بن نافع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شعیب، وہ ابن ابی حمزہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالزناد، یہ عبداللہ بن ذکوان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعرج، یہ عبدالرحمن بن ہرمز ہیں۔ اس حدیث کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اخنی الاسماء'' اور اکثرین کی روایت میں اسی طرح ہے۔ اور المستملی کی روایت میں ہے اخنع۔ ''اخنی'' کا معنی تو ہم بیان کر چکے ہیں یعنی سب سے زیادہ فحش اور قبیح۔ اور اخنع کا لفظ الخنوع سے ماخوذ ہے، اور یہ لفظ ذلت سے ماخوذ ہے، اور الاخنع کا معنی ہے الاذل۔

سفیان نے از ابن ابی نجیح از حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ نام ملک الاملاک ہے یعنی شہنشاہ۔ اور ملک الاملاک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض اس لیے ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے،

اور مخلوق کو شہنشاہ کہنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے اسما مخلوق کے لائق نہیں ہیں، کیونکہ بندے صرف ذلت، خضوع اور عبودیت کے ساتھ متصف ہوتے ہیں۔

اور عطاء نے از حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے بیٹوں کا نام حکیم نہ رکھو اور نہ ابوالحکم رکھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ حکیم اور علیم ہے۔ اور علامہ داؤدی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے مبغوض نام خالد اور مالک ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص بھی ہمیشہ نہیں رہے گا اور مالک صرف اللہ عزوجل ہے۔ پھر انہوں نے کہا: میرا گمان ہے کہ یہ محفوظ نہیں ہے کیونکہ بعض صحابہ کا نام خالد یا مالک تھا۔

صاحب التوضیح (علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ) نے کہا: یہ عجیب ہے، کیونکہ صحابہ میں ستر سے زائد کا نام خالد ہے اور صحابہ میں جن کا نام مالک ہے وہ ایک سو سے زائد ہیں۔ اور بندے اگرچہ مرجاتے ہیں لیکن ان کی ارواح فنا نہیں ہوتیں، پھر ان کے دنیا میں جو اجسام تھے ان میں روحیں لوٹ آتی ہیں اور ہر فریق کو کسی ایک دار میں خلود ہوتا ہے۔

علامہ ابن ملقن کی اس دلیل پر کہ ارواح فنا نہیں ہوتیں اور ان کے لیے خلود ہوتا ہے، اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے تو یہ واضح نہیں ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرمایا:

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ۔ (الانبیاء: ۳۴)

اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کے لیے (دنیا میں) دوام مقدر نہیں کیا۔

اور خُلد کا معنی ہے: موت کے بغیر دائمی بقاء۔ لہٰذا ارواح کے فناء ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان ارواح کے اجسام بھی فنا ہوں اور ان کے لیے خالد کہا جائے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ اعتراض غیر واضح ہے اور غیر وارد ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی بشر کے لیے خُلد اور دوام کی نفی دنیا میں ہے اور معترض نے جو کہا کہ خُلد کا معنی موت کے بغیر دائمی بقاء ہے، تو یہ بھی دنیا میں ہے۔ اور اس فاسد مقدمہ پر جو نتیجہ مرتب کیا ہے وہ بھی لازم نہیں آتا، بلکہ یہ آخرت میں لازم آتا ہے۔ (یعنی آخرت میں تو ہر شخص کے لیے خلود ہوگا اور دنیا میں کسی شخص کے لیے خلود نہیں ہوگا، ہر شخص فنا ہوگا)۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ملک الاملاک"۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ قاضی القضاۃ کا لقب بھی ناجائز ہونا چاہیے، اگرچہ یہ لقب مشرق کے شہروں میں قدیم زمانہ سے مشہور ہے اور کسی بڑے قاضی کے اوپر قاضی القضاۃ کا اطلاق کرتے ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: سب سے پہلے قاضی القضاۃ کا لقب جس کو دیا گیا، وہ امام ابو یوسف ہیں جو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے ہیں اور ان کے زمانہ میں بڑے بڑے فقہاء اور محدثین تھے اور کسی نے قاضی القضاۃ کے لقب پر انکار نہیں کیا۔ ہاں یہ کہنا ممنوع ہوگا کہ اقضی القضاۃ کہا جائے، کیونکہ اس کا معنی ہے احکم الحاکمین اور اللہ سبحانہ ہی احکم الحاکمین ہے۔ اور یہ قاضی القضاۃ سے زیادہ بلیغ ہے، کیونکہ اقضی اسم تفضیل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۳۵۔۳۳۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۰۶۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رِوَايَةً قَالَ أَخْنَعُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے

اسْمٍ عِنْدَ اللهِ وَقَالَ سُفْيَانُ غَيْرَ مَرَّةٍ أَخْنَعُ الْأَسْمَاءِ عِنْدَ اللهِ رَجُلٌ تَسَمَّى بِمَلِكِ الْأَمْلَاكِ قَالَ سُفْيَانُ يَقُولُ غَيْرُهُ تَفْسِيرُهُ شَاهَانْ شَاهْ۔

حدیث بیان کی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: سب سے ذلیل نام اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور سفیان نے ایک سے زائد مرتبہ کہا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ذلیل نام یہ ہے کہ کوئی مرد اپنا نام (از خود) ملک الاملاک (شہنشاہ) رکھے۔

سفیان نے کہا: ابوالزناد کے غیر نے کہا: اس کی تفسیر ہے شاہان شاہ۔

(صحیح بخاری: ۶۲۰۵، ۶۲۰۶، صحیح مسلم: ۲۱۴۳، سنن ترمذی: ۲۸۳۷، سنن ابوداؤد: ۴۹۶۱، مسند احمد: ۷۲۸۵)

اس حدیث کی شرح ابھی گزر چکی ہے۔

۱۱۵۔ بَابُ: كُنْيَةِ الْمُشْرِكِ

مشرک کی کنیت کو ذکر کرنے کا بیان

وَقَالَ مِسْوَرٌ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ: إِلَّا أَنْ يُرِيدَ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ۔

اور حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے: سوا اس کے کہ ابوطالب کا بیٹا اس کا ارادہ کرے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ کیا ابتداءً مشرک کی کنیت رکھنا جائز ہے، اور جب اس کی کنیت ہو تو کیا اس کی کنیت کے ساتھ اس کو مخاطب کرنا جائز ہے، اور جب مشرک غائب ہو تو کیا اس کی کنیت کے ساتھ اس کو ذکر کرنا جائز ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق کو امام بخاری نے سندِ موصول کے ساتھ کتاب النکاح کے آخر میں بیان کیا ہے، وہ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از ابن ابی ملیکہ از حضرت المسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بنو ہشام بن المغیرہ نے مجھ سے اجازت طلب کی کہ وہ اپنی بیٹی کا علی بن ابی طالب سے نکاح کر دیں، سو میں اجازت نہیں دیتا، پھر میں اجازت نہیں دیتا مگر یہ کہ ابوطالب کا بیٹا میری بیٹی کو طلاق دینے کا ارادہ کرے اور ان کی بیٹی سے نکاح کر لے۔۔۔ الحدیث (صحیح البخاری: ۵۲۳۰)

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۰۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ رضی اللہ عنہما أَخْبَرَهُ أَنَّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، اور انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے بھائی نے حدیث بیان کی از سلیمان از

رَسُولَ اللهِ ﷺ رَكِبَ عَلَى حِمَارٍ عَلَيْهِ قَطِيفَةٌ فَدَكِيَّةٌ وَأُسَامَةُ وَرَائَهُ يَعُودُ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ فِي بَنِي حَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ قَبْلَ وَقْعَةِ بَدْرٍ فَسَارَا حَتَّى مَرَّا بِمَجْلِسٍ فِيهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ وَذٰلِكَ قَبْلَ أَنْ يُسْلِمَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ فَإِذَا فِي الْمَجْلِسِ أَخْلَاطٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُشْرِكِينَ عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ وَالْيَهُودِ وَفِي الْمُسْلِمِينَ عَبْدُ اللهِ بْنُ رَوَاحَةَ فَلَمَّا غَشِيَتْ الْمَجْلِسَ عَجَاجَةُ الدَّابَّةِ خَمَّرَ ابْنُ أُبَيٍّ أَنْفَهُ بِرِدَائِهِ وَقَالَ لَا تُغَبِّرُوا عَلَيْنَا فَسَلَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَيْهِمْ ثُمَّ وَقَفَ فَنَزَلَ فَدَعَاهُمْ إِلَى اللهِ وَقَرَأَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنَ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ أَيُّهَا الْمَرْءُ لَا أَحْسَنَ مِمَّا تَقُولُ إِنْ كَانَ حَقًّا فَلَا تُؤْذِنَا بِهِ فِي مَجَالِسِنَا فَمَنْ جَاءَكَ فَاقْصُصْ عَلَيْهِ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ رَوَاحَةَ بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ فَاغْشَنَا فِي مَجَالِسِنَا فَإِنَّا نُحِبُّ ذٰلِكَ فَاسْتَبَّ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ وَالْيَهُودُ حَتَّى كَادُوا يَتَثَاوَرُونَ فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُخَفِّضُهُمْ حَتَّى سَكَتُوا ثُمَّ رَكِبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ دَابَّتَهُ فَسَارَ حَتَّى دَخَلَ عَلَى سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَيْ سَعْدُ أَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالَ أَبُو حُبَابٍ يُرِيدُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أُبَيٍّ قَالَ كَذَا وَكَذَا فَقَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ أَيْ رَسُولَ اللهِ بِأَبِي أَنْتَ اعْفُ عَنْهُ وَاصْفَحْ فَوَالَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ لَقَدْ جَاءَ اللهُ بِالْحَقِّ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ وَلَقَدِ اصْطَلَحَ أَهْلُ هٰذِهِ الْبُحَيْرَةِ عَلَى أَنْ يُتَوِّجُوهُ وَيُعَصِّبُوهُ بِالْعِصَابَةِ فَلَمَّا رَدَّ اللهُ ذٰلِكَ بِالْحَقِّ الَّذِي أَعْطَاكَ شَرِقَ بِذٰلِكَ فَذٰلِكَ فَعَلَ بِهِ مَا رَأَيْتَ فَعَفَا عَنْهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ

محمد بن ابی عتیق از ابن شہاب از عروہ بن الزبیر، کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ ایک دراز گوش پر سوار تھے اور اس پر ایک فدک کی چادر تھی، اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے تھے، آپ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے بنو الحارث بن الخزرج میں جا رہے تھے، یہ غزوہ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے، پس وہ دونوں چلتے رہے حتیٰ کہ وہ دونوں اس مجلس کے پاس سے گزرے جس میں عبداللہ بن ابی ابن سلول بیٹھا ہوا تھا، اور یہ عبداللہ بن ابی کے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہے، پس اس وقت اس مجلس میں مسلمانوں کی بھی جماعتیں تھیں اور مشرکین بت پرست اور یہود بھی تھے، اور مسلمانوں میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تھے، پس جب مجلس کو سواری کے گرد و غبار نے ڈھانپ لیا تو ابن ابی نے اپنے ناک کو اپنی چادر سے ڈھانپ لیا اور کہا: ہم پر گرد و غبار نہ اڑاؤ، پس رسول اللہ ﷺ نے ان کو سلام کیا پھر آپ ٹھہر گئے، پھر آپ سواری سے اترے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور ان پر قرآن مجید کی تلاوت کی، تو آپ سے عبداللہ بن ابی ابن سلول نے کہا: اے مرد! جس کلام کی تم تلاوت کر رہے ہو اس سے عمدہ کوئی کلام نہیں ہے، اگر یہ برحق ہے تو تم ہماری مجلسوں میں اسے پڑھ کر ہمیں ایذاء نہ دو، پس جو تمہارے پاس آئے تم اس کے سامنے یہ کلام پڑھو، تو حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ ہماری مجلس میں آئیں، ہم اس کو پسند کرتے ہیں، پھر مسلمان اور مشرک اور یہود ایک دوسرے کو برا کہنے لگے حتیٰ کہ قریب تھا کہ وہ ایک دوسرے سے لڑ پڑتے لیکن رسول اللہ ﷺ انہیں خاموش کرتے رہے، بالآخر جب سب لوگ خاموش ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ اپنی سواری پر بیٹھ کر روانہ ہو گئے حتیٰ کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچ گئے، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے سعد! کیا تم نے نہیں سنا ابو حباب نے کیا کہا؟ آپ کی

وَأَصْحَابُهُ يَعْفُونَ عَنِ الْمُشْرِكِينَ وَأَهْلِ الْكِتَابِ كَمَا أَمَرَهُمُ اللهُ وَيَصْبِرُونَ عَلَى الْأَذَى قَالَ اللهُ تَعَالَى ﴿وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوْٓا أَذًى كَثِيْرًا﴾ (آل عمران:۱۸۶) الْآيَةَ وَقَالَ ﴿وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ إِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا﴾ (البقرہ: ۱۰۹) فَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَتَأَوَّلُ فِي الْعَفْوِ عَنْهُمْ مَا أَمَرَهُ اللهُ بِهِ حَتَّى أَذِنَ لَهُ فِيهِمْ فَلَمَّا غَزَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بَدْرًا فَقَتَلَ اللهُ بِهَا مَنْ قَتَلَ مِنْ صَنَادِيدِ الْكُفَّارِ وَسَادَةِ قُرَيْشٍ فَقَفَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَصْحَابُهُ مَنْصُورِينَ غَانِمِينَ مَعَهُمْ أُسَارَى مِنْ صَنَادِيدِ الْكُفَّارِ وَسَادَةِ قُرَيْشٍ قَالَ ابْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ هَذَا أَمْرٌ قَدْ تَوَجَّهَ فَبَايِعُوا رَسُولَ اللهِ ﷺ عَلَى الْإِسْلَامِ فَأَسْلَمُوا۔

مراد عبداللہ بن ابی سے تھی، اس نے اس طرح اور اس طرح کہا، تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے رسول اللہ! آپ پر میرا باپ فداء ہو، آپ اس سے درگزر فرمائیں اور اس کو معاف فرما دیں، پس اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب کو نازل کیا ہے! بے شک اللہ تعالیٰ اس حق کو لایا ہے جو اس نے آپ پر نازل کیا ہے اور اس بستی کے لوگوں نے یہ مشورہ کیا تھا کہ عبداللہ بن ابی کو تاج پہنائیں گے اور اس کے سر پر عمامہ باندھ دیں گے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس کو اس حق کی وجہ سے مسترد کر دیا جو اس نے آپ کو عطاء کیا ہے تو اس سے یہ عبداللہ بن ابی چڑ گیا اور اسی وجہ سے اس نے وہ کیا جو آپ نے دیکھا، پس رسول اللہ ﷺ نے اس کو معاف کر دیا، اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب، مشرکین اور اہل کتاب کو معاف کر دیتے تھے جیسا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے اور ان کی ایذاؤں پر صبر کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے تم ان سے اور مشرکوں سے ضرور بہت سی دل آزار باتیں سنو گے۔ (آل عمران:۱۸۶) بہت سے اہل کتاب نے (ان پر حق واضح ہو جانے کے باوجود اپنے حسد کی وجہ سے یہ چاہا کہ) کاش وہ ایمان کے بعد تم کو پھر کفر کی طرف لوٹا دیں (البقرہ:۱۰۹)۔ پس رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان کو معاف کر دیتے تھے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کو ان سے جہاد کرنے کی اجازت دی گئی، پس جب رسول اللہ ﷺ نے غزوہ بدر میں کفار پر حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے کفار کے بڑے بڑے بہادروں اور قریش کے سرداروں کو قتل کر دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کامیاب و کامران مالِ غنیمت لیے ہوئے لوٹے اور ان کے ساتھ بڑے بڑے کافر اور قریش کے سردار قیدی تھے، ابن ابی ابن سلول اور جو اس کے ساتھ مشرکین اور بت پرست تھے، انہوں نے کہا: کہ اب ان مسلمانوں کا غلبہ ہو چکا ہے، لہٰذا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کرلو، سو ان لوگوں نے اسلام کو قبول کرلیا۔

(صحیح بخاری: ۲۹۸۷، ۴۵۶۶، ۵۶۶۳، ۵۹۶۴، ۶۲۰۷، ۶۲۵۴، صحیح مسلم: ۱۷۹۸، مسند احمد: ۲۱۲۶۰)

صحیح البخاری: ۶۲۰۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے مشرک کی کنیت، اور اس حدیث میں مذکور ہے ابو حباب، یہ عبداللہ بن ابی کی کنیت ہے۔ اور حباب شیطان کا نام ہے، اور سانپ کو بھی شیطان کہتے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حباب ایک معین سانپ کو کہتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "قطیفۃ" یہ ایک چادر ہے جس کی نسبت فدک کی طرف ہے، فدک میں فاء اور دال پر زبر ہے، اور یہ مدینہ کے قریب میں ایک بستی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ابنُ سلُول" ابن پر پیش ہے کیونکہ یہ عبداللہ کی صفت ہے اور سلول اس کی ماں کا نام ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "عَجاجۃ الدابۃ" اس کے معنی ہیں: گردو غبار۔

اس حدیث میں مذکور ہے "خمر عبداللہ" یعنی عبداللہ نے اپنی ناک کو ڈھانپ لیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لا تغبروا علینا" یعنی ہم پر گردو غبار نہ اڑاؤ یا نہ پھیلاؤ۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لا احسن مما تقول" یعنی قرآن سے حسین اور کسی چیز کی تلاوت نہیں ہے بشرطیکہ یہ حق ہو۔ یہ شرط ہے اور اس کی جزا ہے "سو تم ہم کو ایذاء نہ پہنچاؤ"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ھذہ البحرۃ" اور اس کی تصغیر کے ساتھ بھی روایت کی گئی ہے یعنی "ھذہ البحیرۃ"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ان یتوجوہ" یعنی وہ اس کو بادشاہ بنائیں گے اور اس کو تاج پہنائیں گے اور اس پر بادشاہ کا عمامہ باندھیں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "شرق" یعنی وہ اس پر غضب میں آگیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من صنادید الکفار" یہ صندید کی جمع ہے، اور اس کا معنی ہے: سردار اور مہاجر۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قد توجہ" یعنی اسلام اپنے تمام پر پہنچ گیا۔ کہا جاتا ہے "توجہ الشیخ" یعنی بوڑھا ہو گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۰۸۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عوانہ نے

بْنِ نَوْفَلٍ عَنْ عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ هَلْ نَفَعْتَ أَبَا طَالِبٍ بِشَيْءٍ فَإِنَّهُ كَانَ يَحُوطُكَ وَيَغْضَبُ لَكَ قَالَ نَعَمْ هُوَ فِي ضَحْضَاحٍ مِنْ نَارٍ لَوْلَا أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالملک نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن الحارث بن نوفل از حضرت عباس بن عبدالمطلب، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! کیا آپ نے ابوطالب کو کوئی فائدہ پہنچایا؟ وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کے لیے لوگوں پر غضب ناک ہوتے تھے، آپ نے فرمایا: ہاں! وہ تھوڑی سی آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتے۔

(صحیح بخاری: ۳۸۸۳، ۶۲۰۸، ۶۵۷۲، صحیح مسلم: ۲۰۹، مسند احمد: ۱۷۷۴)

صحیح البخاری: ۶۲۰۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے مشرک کی کنیت اور اس حدیث میں ذکر ہے ابوطالب، اور یہ عبدِ مناف کی کنیت ہے اور عبدِ مناف حضرتِ عبداللہ کے سگے بھائی تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد تھے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''یحوطك'' یہ لفظ حاط سے ماخوذ ہے، جب کوئی کسی کی رعایت کرے تو اسے حاطہ کہتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی ضحضاح'' ضحضاح کے معنی ہیں قلیل اور تھوڑا، مطلب یہ ہے کہ ابوطالب تھوڑی سی آگ میں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لکان فی الدرك الاسفل'' یہ جہنم کے طبقات میں سے سب سے نچلا طبقہ ہے۔ اور ''درک'' کا معنی لغت میں ہے منزل۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرک کی کنیت بطورِ تالیف قلب یا کسی اور مصلحت سے رکھنا جائز ہے، اور کہا گیا ہے کہ یہ کنیت نفس الامر میں تکریم کے لیے نہیں تھی، اور رہی ابوطالب کی کنیت تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی کنیت کے ساتھ مشہور تھا نام کے ساتھ مشہور نہیں تھا۔

ابولہب کی کنیت کی توجیہات

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ابولہب کی کنیت کی کیا توجیہ ہے؟ تو اس کے چند جوابات ہیں:

(۱) اس کا چہرہ حسن و جمال کی وجہ سے بھڑکتا تھا، تو جس چہرہ کی وجہ سے وہ دنیا میں فخر کرتا تھا اور زینت حاصل کرتا تھا، اس کو اللہ،

تعالیٰ نے اس کے عذاب کا سبب بنا دیا۔

(۲) اس میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے "سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ○ " (اللہب: ۳) "وہ عنقریب سخت شعلوں والی آگ میں ڈالا جائے گا" ○

(۳) اس کا نام عبد العزیٰ ہے اور اس کی کنیت ابو عتبہ ہے۔ اور رہا ابولہب تو یہ لقب ہے جو اس کے جمال کی وجہ سے دیا گیا ہے یہ اس کی کنیت نہیں ہے۔

(۴) علامہ زمخشری نے کہا ہے کہ یہ کنیت تکریم کے لیے نہیں تھی بلکہ اہانت کے لیے تھی، کیونکہ یہ کنیت جہنمی سے کنایہ ہے، کیونکہ اس کا معنی ہے "تبت یدا جھنمیا" یعنی جہنمی کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے۔

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ کنیت میں لفظ کے مدلول کی طرف نہیں دیکھا جاتا بلکہ جو اسم اب یا ام کے لفظ سے شروع ہو تو وہ کنیت ہوتی ہے، معترض کی عبارت ختم ہوئی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں بہ کثرت اسماء ایسے ہیں جواب یا ام سے شروع کیے جاتے ہیں اور ان سے کنیت کا ارادہ نہیں کیا جاتا، ان سے یا تو علَم یعنی نام کا قصد کیا جاتا ہے یا لقب کا قصد کیا جاتا ہے اور ان سے کنیت کا قصد نہیں کیا جاتا۔ اسی وجہ سے ایاد یا نزار کے قبیلہ سے ایک شخص کو ابو ارب کہا جاتا ہے، (ارب کا معنی ہے: مرد کا ذکر)۔ اور اس کے ساتھ کثرت جماع میں مثال بیان کی جاتی ہے، کہا جاتا ہے "فلاں شخص ابو ارب سے زیادہ جماع کرتا ہے"۔ اور کہا جاتا ہے "اس نے ایک رات میں ستر کنواری لڑکیوں کا پردہ بکارت چاک کیا" اس کا امام ابن الاثیر نے اپنی کتاب مرصع میں ذکر کیا ہے۔ اور اسی قبیل سے ہے "ابو براقش" اس کا اس کے سوا اور کوئی نام نہیں تھا۔ اور اسی طرح کہا جاتا ہے "ام الابرد" یہ اس کپڑے کو کہا جاتا ہے جس میں سفید اور کالی دھاریاں ہوں، اور اسی طرح "ام احراد" کہا جاتا ہے، یہ مکہ کا ایک کنواں ہے جو بصریین کے دروازہ کے قریب ہے، اس کو خلف بن اسد الخزاعی نے کھودا تھا۔

کافر کو اس کے کسی کام کی وجہ سے اجر دینا

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی کافر کو اس کے ان اعمال کے عوض اجر دیتا ہے جن اعمال کی مثال اہل ایمان کے لیے عبادت ہوتی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ ان کے چچا نے ان کو نفع پہنچایا تھا اور ان کی تربیت کی تھی اور ان کی حفاظت کی تھی۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے عذاب میں تخفیف کر دی اور اگر وہ دنیا میں آپ کی مدد نہ کرتا تو اس کے عذاب میں تخفیف نہ ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اس کی مدد کرنے کے عوض تخفیف ہے اور اس کی رشتہ داری کی بناء پر تخفیف نہیں ہے، کیونکہ ابولہب کے لیے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی رشتہ داری تھی جس طرح ابو طالب کی رشتہ داری تھی، پس اس رشتہ داری سے اسے کوئی نفع نہیں پہنچا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

ابو طالب کے ایمان کے عدم ثبوت کی دلیل

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ابو طالب دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں عذاب کا مستحق تھا، لیکن اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حفاظت اور تربیت کی تھی اس کی وجہ سے اس کے عذاب میں تخفیف کر دی گئی۔ اور اس میں یہ دلیل ہے کہ ابو طالب کا

ایمان ثابت نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۱۱۶۔ بَابٌ: الْمَعَارِيضُ مَنْدُوحَةٌ عَنِ الْكَذِبِ

تعریض میں جھوٹ سے اجتناب کی گنجائش ہے

وَقَالَ إِسْحَاقُ سَمِعْتُ أَنَسًا: مَاتَ ابْنٌ لِأَبِي طَلْحَةَ، فَقَالَ: كَيْفَ الْغُلَامُ؟ قَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ هَدَأَ نَفْسُهُ، وَأَرْجُو أَنْ يَكُونَ قَدِ اسْتَرَاحَ، وَظَنَّ أَنَّهَا صَادِقَةٌ۔

اور اسحاق نے کہا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا فوت ہوگیا تو انہوں نے پوچھا: بچہ کیسا ہے؟ تو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: اس کے نفس کو آرام آگیا ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ راحت میں ہے اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے گمان کیا کہ وہ سچ بول رہی ہیں۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

تعریض کا معنی ہے: صریح قول کے خلاف کوئی بات کہنا، اور یہ کسی چیز کا دوسری چیز سے توریہ کرنا ہے، اور مندوحۃ کا معنی ہے: اس میں وسعت اور گنجائش ہے۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ تعریض کی وجہ سے مرد اضطرار کی صورت میں جھوٹ بولنے سے مستغنی ہوجاتا ہے، اور یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ معاریض میں جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے ''ھدأت نفسه'' پس بے شک ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اس کلام میں توریہ کیا، ان کا لڑکا بالکلیہ فوت ہو چکا تھا، اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس کلام سے یہ سمجھا کہ وہ تندرست ہوگیا ہے۔

اس تعلیق میں اسحاق کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن ابی طلحہ انصاری کے بیٹے ہیں۔ اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا نام زید ہے اور وہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے شوہر ہیں جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ اور یہ تعلیق صحیح بخاری کی ایک طویل حدیث جو کتاب الجنائز میں ہے، اس کی ایک طرف ہے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے ''ھدأت نفسه'' یعنی جب نفس ساکن ہوجائے۔ اس سے ان کا ارادہ یہ تھا کہ ان کا نفس پرسکون ہوگیا اور اس سے انہوں نے اس لڑکے کی موت کا کنایہ کیا اور اس کو جھوٹ نہیں کہا جائے گا، کیونکہ اس نے دنیا کے مصائب سے راحت پالی۔ اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے یہ گمان کیا کہ وہ سچی ہیں، اور اس قسم کے کلام کو حقیقت میں جھوٹ نہیں کہا جاتا ہے بلکہ کہا جاتا ہے اس کلام کو جھوٹ سے بچایا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۰۹۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي مَسِيرٍ لَهُ فَحَدَا الْحَادِي فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم ارْفُقْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ثابت البنانی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے

يَا أَنْجَشَةُ وَيْحَكَ بِالْقَوَارِيرِ۔

ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں جا رہے تھے تو حدی خواں گاتا ہوا اونٹ چلا رہا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انجشہ! تم پر افسوس ہے، شیشوں کو آہستہ لے چلو۔

(صحیح بخاری: ۶۱۴۹، ۶۱۶۱، ۶۲۰۲، ۶۲۰۹، ۶۲۱۰، ۶۲۱۱، صحیح مسلم: ۲۳۲۳، مسند احمد: ۱۱۶۳۰)

صحیح البخاری: ۶۲۰۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "تعریض میں جھوٹ سے اجتناب کی گنجائش ہے" اور اس حدیث میں آپ نے شیشوں کے لفظ سے عورتوں کو مراد لیا ہے، کیونکہ عورتیں بھی شیشوں کی طرح کمزور اور نازک ہوتی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۰۴۰ ص ۳۰۱۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۱۰ـ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ وَأَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ فِي سَفَرٍ وَكَانَ غُلَامٌ يَحْدُو بِهِنَّ يُقَالُ لَهُ أَنْجَشَةُ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم رُوَيْدَكَ يَا أَنْجَشَةُ سَوْقَكَ بِالْقَوَارِيرِ قَالَ أَبُو قِلَابَةَ يَعْنِي النِّسَاءَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از ثابت از انس اور ایوب از ابی قلابہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے اور ایک غلام گاتا ہوا اونٹ ہنکار رہا تھا جس کو انجشہ کہتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آہستہ چلو اے انجشہ! تم شیشوں کو چلا رہے ہو۔ ابو قلابہ نے کہا: یعنی خواتین کو۔

(صحیح بخاری: ۶۱۴۹، ۶۱۶۱، ۶۲۰۲، ۶۲۰۹، ۶۲۱۰، ۶۲۱۱، صحیح مسلم: ۲۳۲۳، مسند احمد: ۱۱۶۳۰)

اس حدیث کی وجہ مطابقت، حدیث سابق کی وجہ مطابقت کی طرح ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۰۱۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۱۱ـ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا حَبَّانُ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ كَانَ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم حَادٍ يُقَالُ لَهُ أَنْجَشَةُ وَكَانَ حَسَنَ الصَّوْتِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم رُوَيْدَكَ يَا أَنْجَشَةُ لَا تَكْسِرِ الْقَوَارِيرَ قَالَ قَتَادَةُ يَعْنِي ضَعَفَةَ النِّسَاءِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حبان نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گا کر اونٹ کو ہنکانے والا تھا، اس کا نام انجشہ تھا، اس کی آواز بہت حسین اور خوبصورت تھی، اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آہستہ چلو اے انجشہ! شیشوں

کو توڑ نہ دینا۔ قتادہ نے کہا: یعنی کمزور اور نازک عورتوں کو۔

(صحیح بخاری: ۶۱۴۹، ۶۱۶۱، ۶۲۰۲، ۶۲۰۹، ۶۲۱۰، ۶۲۱۱، صحیح مسلم: ۲۳۲۳، مسند احمد: ۱۱۶۳۰)

صحیح البخاری: ۶۲۱۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی وجہ مطابقت، حدیث سابق کی وجہ مطابقت کی طرح ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لا تکسر" اس حدیث میں کمزور عورتوں کو شیشوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے، کیونکہ ان میں بھی تاثیر بہت جلد نفوذ کر جاتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۱۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ قَالَ حَدَّثَنِي قَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ بِالْمَدِينَةِ فَزَعٌ فَرَكِبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَرَسًا لِأَبِي طَلْحَةَ فَقَالَ مَا رَأَيْنَا مِنْ شَيْءٍ وَإِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحیٰ نے حدیث بیان کی از شعبہ، انہوں نے کہا: مجھے قتادہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: مدینہ میں کسی (دشمن کا) خوف پھیل گیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہوئے اور فرمایا: ہم نے تو کوئی (خطرہ کی) چیز نہیں دیکھی اور بے شک ہم نے اس گھوڑے کو ضرور سمندر کی طرح پایا ہے۔

(صحیح بخاری: ۲۶۲۷، ۲۸۲۰، ۲۸۵۷، ۲۸۶۲، ۲۸۶۶، ۲۸۶۷، ۲۹۰۸، ۲۹۶۸، ۲۹۶۸، ۲۹۶۹، ۳۰۴۰، ۶۰۳۳، ۶۲۱۲، صحیح مسلم: ۲۳۰۷، سنن ترمذی: ۱۶۸۶، سنن ابوداؤد: ۴۹۸۸، سنن ابن ماجہ: ۲۷۷۲، مسند احمد: ۱۲۳۳۳)

صحیح البخاری: ۶۲۱۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس جگہ یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ گھوڑے کی حدیث میں کوئی تعریض نہیں ہے، اسی طرح شیشوں کی حدیث میں بھی کوئی تعریض نہیں ہے بلکہ یہ دونوں حدیثیں باب مجاز سے ہیں، یعنی عورتوں کو مجازاً شیشہ کہا اور گھوڑے کو مجازاً سمندر کہا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: ہاں یہ اسی طرح ہے، لیکن بعض لوگوں نے تکلف سے اس کا جواب دیا ہے اور کہا ہے کہ شاید امام بخاری نے یہ گمان کیا کہ جب یہ جائز ہے تو معاریض بطریق اولیٰ جائز ہوئیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحیٰ، یہ ابن سعید القطان ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فزع" اصل میں فزع ڈر اور خوف کو کہتے ہیں، پھر اس کو مدد کرنے کی جگہ پر رکھا گیا، اور یہاں اس کا معنی اس طرح ہے کہ اہلِ مدینہ نے مدد طلب کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھوڑے پر سوار ہوئے جس کا نام مندوب تھا، اور یہ حضرت ابوطلحہ زید بن سہل، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کے خاوند کا گھوڑا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لبحرا" یعنی یہ گھوڑا بہت تیز دوڑتا ہے اور اس کا دوڑنا سمندر میں تیرنے کے مشابہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۴۱۔ ۳۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۱۷۔ بَابُ: قَوْلِ الرَّجُلِ لِلشَّیْءِ لَیْسَ بِشَیْءٍ وَهُوَ یَنْوِی أَنَّهُ لَیْسَ بِحَقٍّ

مرد کا کسی چیز کے لیے یہ کہنا کہ یہ کچھ بھی نہیں اور اس سے اس کی مراد یہ ہو کہ یہ حق نہیں ہے

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم لِلْقَبْرَیْنِ: یُعَذَّبَانِ بِلَا كَبِیرٍ وَإِنَّهُ لَكَبِیرٌ۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں کے متعلق فرمایا: ان کو کسی بڑی بات کے بغیر عذاب دیا جارہا ہے، اور بے شک یہ بڑا گناہ ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب مرد کے کسی موجود چیز کے متعلق یہ کہنے کے بیان میں ہے کہ یہ کچھ نہیں ہے، اور حال یہ ہے کہ اس کی مراد یہ ہو کہ یہ صحیح اور حق نہیں ہے۔ اور عموماً یہ نفی میں مبالغہ کے لیے کہا جاتا ہے، جیسا کہ اس شخص کے لیے کہا جائے کہ جس نے کوئی ناپختہ عمل کیا ہو تو اس سے کہا جائے: تم نے کچھ کام نہیں کیا، یا اس نے کوئی نادرست بات کہی ہو، تو اس سے تم کہو: تم نے تو کچھ نہیں کہا۔ اور یہ جھوٹ نہیں ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق کی عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "بلا کبیر" یہ نفی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انه لکبیر" یہ اثبات ہے۔ گویا کہ ایک چیز کے لیے یہ کہنا ہے کہ یہ کچھ نہیں ہے، اور یہ تعلیق کتاب الطہارۃ میں سند موصول کے ساتھ پوری گزر چکی ہے اور وہ اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو عذاب دیا جارہا ہے اور ان کو کسی بڑی بات میں عذاب نہیں دیا جارہا، پھر فرمایا: کیوں نہیں! ان کو بڑے گناہ میں عذاب دیا جارہا ہے، ان میں سے ایک پیشاب کرتے وقت پردہ نہیں کرتا تھا، اور دوسرا چغلی کرتا تھا، یعنی ان دونوں گناہوں سے بچنا ان پر دشوار نہیں تھا حالانکہ اللہ عزوجل کے نزدیک یہ سنگین گناہ ہیں، اور اس کے مباحث اور شرح وہیں گزر چکے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۱۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا مَخْلَدُ بْنُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن

يَزِيدَ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ عُرْوَةَ أَنَّهُ سَمِعَ عُرْوَةَ يَقُولُ قَالَتْ عَائِشَةُ سَأَلَ أُنَاسٌ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْكُهَّانِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَيْسُوا بِشَيْءٍ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ فَإِنَّهُمْ يُحَدِّثُونَ أَحْيَانًا بِالشَّيْءِ يَكُونُ حَقًّا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم تِلْكَ الْكَلِمَةُ مِنَ الْحَقِّ يَخْطَفُهَا الْجِنِّيُّ فَيَقُرُّهَا فِي أُذُنِ وَلِيِّهِ قَرَّ الدَّجَاجَةِ فَيَخْلِطُونَ فِيهَا أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ كَذْبَةٍ۔

سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مخلد بن یزید نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے خبر دی، ابن شہاب نے کہا: مجھے یحییٰ بن عروہ نے خبر دی، انہوں نے عروہ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے متعلق دریافت کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: وہ کچھ بھی نہیں ہیں، صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! کبھی کبھی کسی چیز کے متعلق وہ کچھ کہتے ہیں اور وہ برحق ہوتی ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس حق بات کو جن فرشتوں سے سن کر اڑا لیتا ہے اور پھر اسے اپنے ولی (کاہن) کے کان میں مرغ کے آواز کی طرح ڈالتا ہے، اس کے بعد کاہن اس ایک بات میں سو سے زیادہ جھوٹ ملا دیتے ہیں۔

(صحیح بخاری: ۳۲۱۰، ۵۷۶۲، ۶۲۱۳ صحیح مسلم: ۲۲۲۸، مسند احمد: ۲۴۰۴۹)

صحیح البخاری: ۶۲۱۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''ناحق بات کو یہ کہنا کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے'' اور اس حدیث میں مذکور ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاہنوں کی باتوں کے متعلق فرمایا: یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ علامہ خطابی نے کہا ہے کہ کاہن جو غیب کی خبر دیتے ہیں، ان کی بات نہ صحیح ہوتی ہے اور نہ قابلِ شمار ہوتی ہے جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی سے خبر دیتے ہیں تو وہ خبر قابلِ شمار ہوتی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مخلد، یہ ابن یزید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن جریج، یہ عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج ہیں۔ اور اس میں مذکور ہے ابن شہاب، یہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔ اور اس میں مذکور ہے یحییٰ بن عروہ، یہ ابن زبیر بن العوام ہیں۔

یہ حدیث کتاب الطب میں ''باب الکہانۃ'' میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''قر الدجاجۃ'' اس کا معنی ہے کہ مخاطب کے کان میں کسی بات کو بار بار کہنا حتیٰ کہ وہ اس کو سمجھ لے۔ اور ''قر الدجاجۃ'' مرغی کی آواز ہے۔ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ ایک روایت میں ہے ''کقر الزجاجۃ'' یعنی شیشہ کی بوتل میں

جب پانی ڈالا جائے تو اس سے جو آواز آتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۴۳، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۱۸۔ بَابٌ: رَفْعِ الْبَصَرِ إِلَى السَّمَاءِ
آسمان کی طرف نظر اٹھانے کا بیان

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝ (الغاشیہ: ۱۷۔۱۸)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا یہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے بنایا گیا ہے O اور آسمان کو کہ وہ کیسے بلند کیا گیا ہے O

وَقَالَ أَيُّوبُ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَفَعَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ۔

اور ایوب نے کہا از ابن ابی ملیکہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اس بیان میں ہے کہ آسمان کی طرف نظر اٹھانا جائز ہے، اور اس میں ان بعض زاہدوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ آسمان کی طرف ڈرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ذلت کرتے ہوئے نظر نہیں اٹھانی چاہیے۔ عطاء السلمی سے منقول ہے کہ وہ چالیس سال ٹھہرے رہے اور انہوں نے آسمان کی طرف نہیں دیکھا۔ پھر کسی وقت ان کی نظر آسمان پر پڑی تو وہ بے ہوش ہو کر گر گئے، پھر ان کے جسم کے اندر کی کھال میں کوئی بیماری ہوگئی۔ اور امام طبری نے از ابراہیم التیمی ذکر کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ یہ مکروہ ہے کہ دعا میں انسان آسمان کی طرف نظر اٹھائے، اور نمازی کو منع کیا گیا ہے کہ وہ دعا ہو یا غیر دعا ہو نماز میں آسمان کی طرف نہ دیکھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے جو نماز میں اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں، پھر آپ نے اس پر تشدید (سختی) کی اور فرمایا: یہ باز آجائیں ورنہ ان کی آنکھوں کو اچک لیا جائے گا۔

الغاشیہ: ۱۸ میں فرمایا ہے "کیا یہ لوگ آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے بلند کیا گیا ہے" یہ اولیٰ ہے، اس لیے کہ اس سے مقصود نظر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنے کا جواز ہے، یعنی یہ آسمان کی طرف کیوں نہیں دیکھتے وہ کس طرح بلند کیا گیا ہے، آسمان بغیر ستون کے قائم ہے۔

اور الغاشیہ: ۱۷ میں فرمایا کہ "یہ لوگ اونٹ کی طرف کیوں نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے پیدا کیا گیا ہے"۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت میں اونٹ کی تخصیص کی وجوہ حسب ذیل ہیں:

(۱) الکلبی نے کہا: اونٹ کو بٹھا کر اس کے اوپر بھاری سامان لاد دیا جاتا ہے۔

(۲) مقاتل نے کہا: عرب کے نزدیک اونٹ سب سے قیمتی اور سب سے بہترین مال ہے۔

(۳) حسن بصری سے جب یہ سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: اس سے زیادہ ہاتھی عجیب ہے، اور عرب ہاتھی کو نہیں جانتے تھے، پس وہ نہ اس کی پشت پر سوار ہوتے تھے اور نہ اس کا گوشت کھاتے تھے اور نہ اس کا دودھ پیتے تھے۔

(۴) کہا گیا ہے کہ اونٹ باوجود اس کے کہ بہت بڑا جانور ہے، پھر بھی کوئی کمزور چلانے والا ہو تو یہ اس کی اطاعت کرتا ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یہ تعلیق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی ایک طرف ہے، اس کے شروع میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں اور میری باری کے دن فوت ہوئے تھے، اور میرے سینے اور کوکھ کے درمیان، اور صحیح بخاری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کے باب میں یہ حدیث گزر چکی ہے، لیکن اس میں یہ ہے کہ آپ نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا۔ اور امام مسلم نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت مرتبہ اپنی نظر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتے، اور امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھ کر باتیں کرتے تو بکثرت اپنا سر آسمان کی طرف بلند کرتے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۴۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۱۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يَقُولُ أَخْبَرَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ ثُمَّ فَتَرَ عَنِّي الْوَحْيُ فَبَيْنَا أَنَا أَمْشِي سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ بَصَرِي إِلَى السَّمَاءِ فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحِرَاءٍ قَاعِدٌ عَلَى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ مجھے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے: پھر وحی مجھ سے منقطع ہوگئی، پس جس وقت کہ میں چل رہا تھا تو میں نے آسمان سے ایک آواز سنی، میں نے اپنی نظر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تو اچانک وہی فرشتہ جو میرے پاس غارِ حرا میں آیا تھا، وہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی کے اوپر بیٹھا ہوا تھا۔

(صحیح البخاری: ۴، ۳۲۳۸، ۴۹۲۲، ۴۹۲۳، ۴۹۲۴، ۴۹۲۵، ۴۹۲۶، ۴۹۵۴، ۶۲۱۴، صحیح مسلم: ۱۶۱، مسند احمد: ۱۴۶۱۵)

صحیح البخاری: ۶۲۱۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے ''پس میں نے اپنی نظر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا'' اور اسی جملے کی وجہ سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔ اور اس حدیث کی شرح اس کتاب کے اول میں گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۴۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۱۵۔ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ أَخْبَرَنِي شَرِيكٌ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے

اللہ عنہما قَالَ بِتُّ فِي بَيْتِ مَيْمُونَةَ وَالنَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عِنْدَهَا فَلَمَّا كَانَ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ أَوْ بَعْضُهُ قَعَدَ فَنَظَرَ إِلَى السَّمَاءِ فَقَرَأَ ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ۝﴾ (آل عمران:١٩٠)	حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے شریک نے خبر دی از کریب از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر ایک رات گزاری، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے پاس تھے، پس جب تہائی رات کا آخر ہوا یا اس کا کچھ حصہ، تو آپ بیٹھ گئے اور آپ نے آسمان کی طرف دیکھا، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: بلاشبہ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش اور رات اور دن کے اختلاف میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O (آل عمران:١٩٠)

(صحیح البخاری: ١١٧، ١٣٨، ١٨٣، ٦٩٧، ٦٩٨، ٦٩٩، ٧٢٦، ٨٥٩، ٩٩٢، ١١٩٨، ٤٥٦٩، ٤٥٧٠، ٤٥٧١، ٤٥٧٢، ٥٩١٩، ٦٢١٥، ٦٣١٦، ٧٤٥٢، سنن ابوداؤد: ١٣٥٧، مسند احمد: ٣١٥٩، سنن دارمی: ١٢٥٥)

صحیح البخاری: ٦٢١٥، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی مریم، اور وہ سعید بن مریم بن الحکم بن مریم المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن جعفر، یہ ابن ابی کثیر ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے شریک، یہ ابن عبداللہ بن ابی نمر بن عبداللہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے کریب، یہ ابن ابی مسلم ہیں جو مولیٰ ابن عباس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں۔

یہ حدیث ''باب التھجد'' میں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٢٢ ص ٣٤٤، دار الکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

١١٩۔ بَابُ: نَكْتِ الْعُودِ فِي الْمَاءِ وَالطِّينِ — جس نے لکڑی کو پانی اور مٹی میں کریدا

''نکت فی الارض'' کا معنی ہے: لکڑی سے زمین میں نشان ڈالا۔

٦٢١٦۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُثْمَانَ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبُو عُثْمَانَ عَنْ أَبِي مُوسَى أَنَّهُ كَانَ مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي حَائِطٍ مِنْ حِيطَانِ الْمَدِينَةِ وَفِي يَدِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم عُودٌ يَضْرِبُ بِهِ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ	امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عثمان بن غیاث، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعثمان نے حدیث بیان کی از حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی

فَجَاءَ رَجُلٌ يَسْتَفْتِحُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ افْتَحْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَذَهَبْتُ فَإِذَا أَبُو بَكْرٍ فَفَتَحْتُ لَهُ وَبَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ رَجُلٌ آخَرُ فَقَالَ افْتَحْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَإِذَا عُمَرُ فَفَتَحْتُ لَهُ وَبَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ رَجُلٌ آخَرُ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ فَقَالَ افْتَحْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ عَلَى بَلْوَى تُصِيبُهُ أَوْ تَكُونُ فَذَهَبْتُ فَإِذَا عُثْمَانُ فَقُمْتُ فَفَتَحْتُ لَهُ وَبَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ فَأَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي قَالَ قَالَ اللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔

ﷺ کے ساتھ مدینہ کے باغات میں سے ایک باغ میں تھے اور نبی ﷺ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس کو آپ پانی اور مٹی کے درمیان مار رہے تھے، پھر ایک مرد آیا، اس نے دروازہ کھلوایا، تو نبی ﷺ نے فرمایا: دروازہ کھول دو اور اس کو جنت کی بشارت دے دو، سو میں گیا، پس وہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، میں نے ان کے لیے دروازہ کھولا اور ان کو جنت کی بشارت دے دی، پھر ایک اور مرد نے دروازہ کھلوایا، آپ نے فرمایا: اس کے لیے دروازہ کھول دو اور اس کو جنت کی بشارت دے دو، تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، پس میں نے ان کے لیے اور دروازہ کھول دیا اور ان کو جنت کی بشارت دے دی، پھر ایک اور مرد نے دروازہ کھلوایا، اور نبی ﷺ ٹیک لگائے ہوئے تھے، پھر آپ بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا: ان کے لیے بھی دروازہ کھول دو اور ان کو جنت کی بشارت دو ان آزمائشوں کے ساتھ جن سے دنیا میں انہیں واسطہ پڑے گا، یا فرمایا: کہ مصیبت آئے گی، پس میں گیا تو وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے، پس میں کھڑا ہوا اور ان کے لیے دروازہ کھولا اور ان کو جنت کی بشارت دی اور ان کو اس کی خبر دی جو نبی ﷺ نے فرمایا: تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی ہوئی ہے۔

(صحیح بخاری: ۳۶۷۴، ۳۶۹۳، ۳۶۹۵، ۶۲۱۶، ۷۰۹۷، ۷۲۶۲، صحیح مسلم: ۲۴۰۳، سنن ترمذی: ۳۷۱۰، مسند احمد: ۱۹۴۹۹)

صحیح البخاری: ۶۲۱۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے کہ نبی ﷺ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس کو آپ پانی اور مٹی کے درمیان مار رہے تھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، وہ ابن سعید القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عثمان بن غیاث، یہ

البصری ہیں۔علامہ کرمانی نے کہا:اور بعض نسخوں میں مذکور ہے یحییٰ بن عثمان، اور وہ سہو فاحش ہے۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو عثمان، وہ عبد الرحمن بن مل النہدی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ، اور ان کا نام عبداللہ بن قیس ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''بلویٰ''اس کا معنی ہے: بلاء اور مصیبت۔

اور اس حدیث میں''الحائط''کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: باغ۔اور اس باغ میں اریس کا کنواں تھا۔

عصا کی فضیلت

اور عرب کی عادت ہے کہ وہ لکڑی یا عصا اپنے ہاتھ میں رکھتے اور بات کرتے وقت محافل میں اور خطبہ میں اس پر اعتماد کرتے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ان کے عصا میں بڑی بڑی نشانیاں اور معجزات رکھ دیے تھے، جس کی وجہ سے وہ جادوگر جو ان کے مخالف تھے وہ ان پر ایمان لے آئے۔اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے بھی عصا رکھا تھا، اپنے خطبہ کے لیے اور نصیحت کرنے کے لیے اور نماز کے طول میں۔اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عصا کو سنبھالنے والے تھے۔اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی عصا ہاتھ میں لے کر خطبہ دیتے تھے، اس سے عصا کا شرف ظاہر ہوتا ہے۔اور خلفاء اور خطباء کا یہی طریقہ رہا ہے۔اور بعض لوگ جو عربوں سے بغض رکھتے ہیں وہ عصا کی اس فضیلت کا انکار کرتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۴۵۔۳۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

فائدہ:اس حدیث میں مذکور ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لیے دروازہ کھولا گیا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ تھا اور ان کا لقب صدیق ہے اور آپ کی کنیت ابو بکر ہے، آپ کی خلافت دو سال تین ماہ اور دس دن رہی، اور تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر میں بائیس (۲۲) جمادی الثانی ۱۳ ہجری میں آپ کی وفات ہوئی۔اور اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے غلام ابولؤلؤ فیروز ایرانی کے ہاتھوں شہید ہوئے، اس وقت ان کی عمر تریسٹھ (۶۳) سال تھی، ۲۷ ذوالحجہ ۲۳ ہجری میں آپ پر حملہ کیا گیا اور یکم محرم الحرام ۲۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا، آپ کی مدت خلافت ساڑھے دس سال سے کچھ زیادہ ہے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں چند باغیوں نے آپ کے خلاف بغاوت کی اور آزمائش سے اشارہ اسی بغاوت کی طرف ہے، ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ھ میں آپ کو شہید کر دیا گیا۔آپ کی مدت خلافت تقریباً ۱۲ سال ہے۔

۱۲۰۔بَابُ:الرَّجُلِ يَنْكُتُ الشَّيْءَ بِيَدِهِ فِي الْأَرْضِ

مرد کا اپنے ہاتھ کی کسی چیز کو زمین پر مارنے کا بیان

۶۲۱۷۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ وَمَنْصُورٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ رضی

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا:ہمیں ابن ابی عدی نے حدیث بیان کی از شعبہ از سلیمان ومنصور از سعد بن عبیدہ از

اللہ عنہ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي جَنَازَةٍ فَجَعَلَ يَنْكُتُ الْأَرْضَ بِعُودٍ فَقَالَ لَيْسَ مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ فُرِغَ مِنْ مَقْعَدِهِ مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَقَالُوا أَفَلَا نَتَّكِلُ قَالَ اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ۝﴾ (اللیل:۵)

ابوعبدالرحمٰن السلمی از حضرت علی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ میں تھے، آپ لکڑی سے زمین کو کریدنے لگے، پس آپ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کی جنت اور دوزخ میں بیٹھنے کی جگہ سے فراغت ہوگئی ہے۔ پس صحابہ نے کہا: کیا ہم اسی پر اعتماد نہ کرلیں، آپ نے فرمایا: تم عمل کرتے رہو، ہر چیز آسان کردی گئی ہے: جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہاO

(صحیح بخاری: ۱۳۶۲، ۴۹۴۵، ۴۹۴۶، ۴۹۴۷، ۴۹۴۸، ۴۹۴۹، ۶۲۱۷، ۶۶۰۵، ۷۵۵۲، صحیح مسلم: ۲۶۴۷، سنن ترمذی: ۳۳۴۴، سنن ابو داؤد: ۴۶۹۴، مسند احمد: ۱۰۷۰)

صحیح البخاری: ۶۲۱۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے "پس نبی ﷺ زمین کو کریدنے لگے"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابن ابی عدی کا ذکر ہے، وہ محمد ہیں اور ابی عدی کا نام ابراہیم البصری ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں سلیمان کا ذکر ہے، علامہ کرمانی نے کہا: وہ تیمی ہیں، اور وہ الاعمش نہیں ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں منصور کا ذکر ہے، وہ ابن المعتمر ہیں۔ اور سعد بن عبیدہ کا ذکر ہے، وہ ابوحمزہ الکوفی السلمی ہیں جو ابوعبدالرحمٰن السلمی کے داماد تھے، اور ان کا نام عبداللہ المقری الکوفی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فرغ" یعنی تم میں سے ہر شخص کی جنت اور دوزخ میں بیٹھنے سے فراغت ہوگئی ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے متعلق حکم لگادیا ہے کہ وہ اہلِ جنت میں سے ہے یا اہلِ دوزخ میں سے ہے، اور ازل میں یہ حکم کردیا گیا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "افلا نتکل" یعنی کیا ہم اسی حکم پر اعتماد نہ کرلیں اور عمل نہ کریں؟ تو نبی ﷺ نے ان کی اس بات کو رد فرمایا اور ارشاد فرمایا: تم عمل کرو اور ہر عمل آسان کردیا گیا ہے، پس تم میں سے ہر ایک کے لیے وہ عمل آسان ہے۔ پس اگر اس کے لیے یہ مقدر کیا گیا ہے کہ وہ اہل جنت میں سے ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اہلِ جنت کے عمل کو آسان کردے گا، اور اگر اس کے لیے یہ مقدر کردیا گیا ہے کہ وہ اہل دوزخ میں سے ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اہلِ دوزخ کے عمل کو آسان کردے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے"فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ "(اللیل:۵)

اس آیت میں دونوں فریقوں کا ذکر کر دیا گیا ہے:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝

جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا O اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہا O پس عنقریب ہم اس کو آسانی (جنت) مہیا کریں گے O اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پرواہ رہا O اور نیک باتوں کی تکذیب کی O پس عنقریب ہم اس کو دشواری (دوزخ) مہیا کریں گے O (اللیل:۵۔۱۰)

یعنی پہلے فریق کے لیے اللہ تعالیٰ ان اعمال کو آسان کر دے گا جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے، اور دوسرے فریق کے لیے اللہ تعالیٰ ان اعمال کو آسان کر دے گا جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ دوزخ کا مستحق ہو جائے گا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہم اس کو عنقریب جہنم میں داخل کر دیں گے۔ اور اس آیت میں "العُسریٰ" کا لفظ ہے یہ دوزخ کا نام ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۲۱۔ بَابُ: التَّكْبِيرِ وَالتَّسْبِيحِ عِنْدَ التَّعَجُّبِ
تعجب کے وقت اللہ اکبر اور سبحان اللہ کہنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کسی چیز پر تعجب کے وقت اللہ اکبر کہنا اور سبحان اللہ کہنا مستحب ہے، یعنی جب کسی چیز کو وہ بہت عظیم گمان کرے۔ امام بخاری نے اس عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے کہ ان لوگوں کا قول صحیح نہیں ہے جنہوں نے تعجب کے وقت اللہ اکبر اور سبحان اللہ کہنے سے منع کیا ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: تسبیح اور تکبیر کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا بیان کرنا اور بری چیزوں سے اس کے منزہ ہونے کا بیان کرنا۔ اور اس میں زبان پر اللہ تعالیٰ کے ذکر کو جاری کرنے کی مشق ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۴۶۔۳۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۱۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَتْنِي هِنْدُ بِنْتُ الْحَارِثِ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ رضی الله عنها قَالَتْ اسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ سُبْحَانَ اللهِ مَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الْخَزَائِنِ وَمَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الْفِتَنِ مَنْ يُوقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجَرِ يُرِيدُ بِهِ أَزْوَاجَهُ حَتَّى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ہند بنت الحارث نے حدیث بیان کی کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی ﷺ بیدار ہوئے تو آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! کتنے خزانے نازل کیے گئے اور کتنے

يُصَلِّينَ رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٌ فِي الْآخِرَةِ وَقَالَ ابْنُ أَبِي ثَوْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ قَالَ قُلْتُ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم طَلَّقْتَ نِسَائَكَ قَالَ لَا قُلْتُ اللهُ أَكْبَرُ۔

فتنے نازل کیے گئے؟ حجرہ والیوں کو کون بیدار کرے گا؟ آپ کی مراد تھی آپ کی ازواج حتیٰ کہ وہ نماز پڑھیں۔ بہت سی عورتیں دنیا میں کپڑے پہننے والی ہوتی ہیں اور آخرت میں برہنہ ہوتی ہیں۔

اور ابن ابی ثور نے کہا از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، از حضرت عمر رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! تو میں نے کہا: ''اللہ اکبر''۔

(صحیح البخاری: ۱۱۵، ۱۱۲۶، ۳۵۹۹، ۵۸۴۴، ۶۲۱۸، ۷۰۶۹، سنن ترمذی: ۲۱۹۶، مسند احمد: ۲۶۰۰۵، موطا امام مالک: ۱۶۹۵)

صحیح البخاری: ۶۲۱۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالیمان کا ذکر ہے، وہ الحکم بن نافع ہیں۔ اور ہند کا لفظ منصرف بھی ہوتا ہے اور غیر منصرف بھی، یہ بنت الحارث الفراسیہ ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ القرشیہ ہیں، اور یہ محمد بن المقداد الاسود کے نکاح میں تھیں۔ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ام المومنین ہیں، اور ان کا نام ہند بنت ابی امیہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''من الخزائن'' اس سے مراد ہے رحمت، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو خزانہ سے تعبیر کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''خزائن رحمة ربی'' یعنی میرے رب کی رحمت کے خزانے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''من الفتن'' فتن سے مراد عذاب ہے، اور آپ نے عذاب کو فتنہ سے تعبیر فرمایا، کیونکہ فتنے عذاب تک پہنچاتے ہیں۔ یا یہ معجزات میں سے ہے، کیونکہ اس کے بعد فتنے واقع ہوں گے۔ اور خزانے اس وقت کھولے گئے جب صحابہ فارس اور روم کے اوپر مسلط ہوئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''رُبَّ کاسیة'' اس سے مراد ہے جو عورتیں باریک کپڑے پہنتی ہیں۔ اور وہ کپڑا جسم کی کھال کے ادراک سے مانع نہیں ہوتا تو انہیں آخرت میں یہ سزا دی جائے گی کہ وہ برہنہ ہوں گی، یا مراد یہ ہے کہ عمدہ اور نفیس کپڑے پہننے والی نیکیوں سے خالی ہوتی ہیں۔

علامہ ابن بطال مالکی کی طرف سے حدیث مذکور کی مطابقت کی توجیہ اور علامہ عینی کا اس پر تعاقب

صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں یہ حدیث ''باب التکبیر'' سے پہلے ہے، اور اب یہ حدیث اس باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہوگی۔ علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کہتے ہیں کہ میں نے علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ سے کہا کہ حضرت ام سلمہ

رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث اس باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے، تو علامہ المہلب نے کہا: یہ حدیث سابق کی تقویت کر رہی ہے، یعنی جب اس سے پہلی حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ہر نفس کے لیے اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر سے جنت یا دوزخ میں ایک ٹھکانہ ہے، تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ سے ڈرانے کو مؤکد فرمایا اور دوزخ میں دخول کے قوی اسباب سے ڈرایا اور وہ فتنہ اور سرکشی ہے اور خزانے کھولنے کے وقت ان پر اترانا ہے، اور اس میں کوئی تقصیر نہیں ہے کہ پہلے اس چیز کو ذکر کیا جائے جو عنوان کے موافق ہو، اور بعد میں اس چیز کو ذکر کیا جائے جو عنوان کے معنی کے موافق ہو۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ تکلفات ہیں اور اس باب کی حدیث عنوان کے مطابق ہے۔

اس کے بعد علامہ عینی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں: یہ ابن ابی ثور کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، اور ابن ابی ثور کا نام عبید اللہ بن عبد اللہ بن ابی ثور ہے، یہ بنی نوفل سے ہیں۔ اور یہ تعلیق کتاب العلم میں مذکور ایک طویل حدیث کی طرف ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۴۷۔ ۳۴۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۱۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح وَحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ أَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ زَوْجَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا جَاءَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم تَزُورُهُ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فِي الْمَسْجِدِ فِي الْعَشْرِ الْغَوَابِرِ مِنْ رَمَضَانَ فَتَحَدَّثَتْ عِنْدَهُ سَاعَةً مِنَ الْعِشَاءِ ثُمَّ قَامَتْ تَنْقَلِبُ فَقَامَ مَعَهَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقْلِبُهَا حَتَّى إِذَا بَلَغَتْ بَابَ الْمَسْجِدِ الَّذِي عِنْدَ مَسْكَنِ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم مَرَّ بِهِمَا رَجُلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ فَسَلَّمَا عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ثُمَّ نَفَذَا فَقَالَ لَهُمَا رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى رِسْلِكُمَا إِنَّمَا هِيَ صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ قَالَا سُبْحَانَ اللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَكَبُرَ عَلَيْهِمَا مَا قَالَ قَالَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنِ ابْنِ آدَمَ مَبْلَغَ الدَّمِ وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَقْذِفَ فِي قُلُوبِكُمَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری ح اور ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے بھائی نے حدیث بیان کی از سلیمان از محمد بن ابی عتیق از ابن شہاب از حضرت علی بن الحسین رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت صفیہ بنت حیی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ، انہوں نے خبر دی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے آئیں، اور آپ رمضان کے آخری عشرہ میں مسجد میں معتکف تھے، پس وہ عشاء کے تھوڑے وقت تک آپ سے باتیں کرتی رہیں، پھر جانے کے لیے اٹھیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہیں چھوڑنے کے لیے آئے حتیٰ کہ جب وہ مسجد کے اس دروازہ پر پہنچیں جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے پاس ہے، تو انصار کے دو مرد وہاں سے گزرے اور ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور پھر چل پڑے، تو ان دونوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں ٹھہرو، یہ عورت صرف صفیہ بنت حیی تھیں۔ انہوں نے کہا: سبحان اللہ یا رسول اللہ! اور ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول شاق گزرا، تو آپ نے فرمایا: شیطان ابن آدم کے خون کے جاری ہونے کی جگہ میں دوڑتا ہے، اور مجھے خطرہ ہوا کہ وہ تمہارے دل

میں کوئی (غلط) بات ڈال دے گا۔

(صحیح بخاری: ۲۰۳۵، ۲۰۳۸، ۲۰۳۹، ۳۱۰۱، ۳۲۸۱، ۶۲۱۹، ۷۱۷۱، صحیح مسلم: ۲۱۷۵، سنن ابوداؤد: ۲۴۷۰، سنن ابن ماجہ: ۱۷۷۹، مسند احمد: ۲۶۳۲۲، سنن دارمی: ۱۷۸۰)

صحیح البخاری: ۶۲۱۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''تعجب کے موقعہ پر سبحان اللہ کہنا'' اور ان دو انصاری مردوں نے سبحان اللہ اس موقعہ پر کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وضاحت کی کہ یہ صفیہ بنت حیی ہیں، انہیں اس پر تعجب ہوا کہ کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی غلط گمان کر سکتے تھے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''الغوابر'' اس سے مراد ہے الباقیات، اور لفظ غابر دو ضدوں کے درمیان مشترک ہے یعنی باقی اور ماضی کے درمیان۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''تنقلب'' یعنی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر جا رہی تھیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یقلبھا'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں گھر کی طرف واپس کر رہے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ثم نفذا'' اس کا معنی ہے: وہ جلدی جلدی اور تیز تیز چلنے لگیں۔ عرب کہتے ہیں ''نفذ السھم من الرمیۃ'' تیر شکار سے جلدی نکل گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''علی رسلکما'' یعنی تم دونوں ٹھہر جاؤ۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فقالا سبحان اللہ'' یعنی ان دو انصاری مردوں نے کہا ''سبحان اللہ'' اور ان کا سبحان اللہ کہنا یا تو حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو اس بات سے منزہ کر رہا ہو کہ وہ کسی نامناسب بات کے ساتھ متہم ہو، اور یا ان دونوں کے تعجب کرنے سے کنایہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وکبر'' یعنی ان دو انصاری مردوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بہت سخت گزرا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ان الشیطان یجری ___ الخ'' یعنی شیطان خون کے جاری ہونے کی جگہوں میں پہنچ جاتا ہے اور یہ دراصل تشبیہ ہے، اور وجہ شبہ یہ ہے کہ شیطان انسان سے الگ نہیں ہوتا اور اس کا انسان کے ساتھ کمال اتصال ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ویقذف'' یعنی شیطان تم دونوں کے دلوں کے اندر کوئی ایسی چیز ڈال دے جس کے سبب سے تم دونوں ہلاک ہو جاؤ، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ایسی تہمت کفر ہے۔ نعوذ باللہ۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۴۸۔ ۳۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۲۲۔ بَابُ: النَّهْيِ عَنِ الْخَذْفِ — انگلیوں سے کنکر یا پتھر پھینکنے کی ممانعت

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ انگلیوں سے کنکر یا پتھر پھینکنا ممنوع ہے، خذف کا معنی ہے: انگلیوں سے کنکر یا پتھر مارنا۔ اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس کا معنی ہے: انگشتِ شہادت اور انگوٹھے سے کسی کو کنکر یا پتھر مارنا، اور مقصود اس سے مسلمانوں کو اذیت پہنچانے کی ممانعت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۲۰۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ عُقْبَةَ بْنَ صُهْبَانَ الْأَزْدِيَّ يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيِّ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الْخَذْفِ وَقَالَ إِنَّهُ لَا يَقْتُلُ الصَّيْدَ وَلَا يَنْكَأُ الْعَدُوَّ وَإِنَّهُ يَفْقَأُ الْعَيْنَ وَيَكْسِرُ السِّنَّ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ، انہوں نے کہا: میں نے عقبہ بن صہبان الازدی سے سنا، وہ حضرت عبد اللہ بن المغفل المزنی رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کرتے تھے کہ نبی ﷺ نے انگلیوں سے کنکر یا پتھر مارنے سے منع فرمایا ہے، اور فرمایا: یہ شکار کو قتل نہیں کرتا اور نہ دشمن کو ہلاک کرتا ہے، یہ آنکھ پھوڑ دیتا ہے اور دانت توڑ دیتا ہے۔

(صحیح بخاری: ۱۸۴۱، ۴۸۴۱، ۵۴۷۹، ۶۲۲۰، صحیح مسلم: ۱۹۵۴، سنن نسائی: ۴۸۱۵، سنن ابو داؤد: ۵۲۷۰، سنن ابن ماجہ: ۳۲۲۷، مسند احمد: ۲۰۰۳۸، سنن دارمی: ۴۴۰)

صحیح البخاری: ۶۲۲۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کا عنوان ہے "انگلیوں سے کنکر یا پتھر مارنے کی ممانعت" اور حدیث میں بھی اسی کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عقبہ بن صہبان الازدی کا ذکر ہے، اس میں ازد بن الغوث کی طرف نسبت ہے، یہ ایک قبیلہ ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں حضرت عبد اللہ بن المغفل المزنی رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، المزنی، مزینہ بنت کلب کی طرف نسبت ہے، یہ بڑا قبیلہ ہے۔

یہ حدیث سورۃ الفتح کی تفسیر میں گزر چکی ہے اور کتاب الصید والذبائح میں بھی گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۲۳۔ بَابُ: اَلْحَمْدُ لِلْعَاطِسِ — چھینکنے والے کے لیے الحمدللہ کہنے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ چھینکنے والے کے لیے الحمدللہ کہنا مستحب ہے۔

۶۲۲۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ عَطَسَ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَشَمَّتَ أَحَدَهُمَا وَلَمْ يُشَمِّتِ الْآخَرَ فَقِيلَ لَهُ فَقَالَ هَذَا حَمِدَ اللهَ وَهَذَا لَمْ يَحْمَدِ اللهَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان نے حدیث بیان کی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس دو آدمیوں کو چھینک آئی، پس آپ نے ان میں سے ایک کی چھینک کا جواب دیا (یعنی یرحمک اللہ فرمایا) اور دوسرے کی چھینک کا جواب نہیں دیا، آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا: اس نے اللہ کی حمد کی تھی اور اُس نے اللہ کی حمد نہیں کی تھی۔

(صحیح بخاری: ۶۲۲۵، صحیح مسلم: ۲۹۹۱، سنن ترمذی: ۲۷۴۲، سنن ابوداؤد: ۵۰۳۹، سنن ابن ماجہ: ۳۷۱۳، مسند احمد: ۱۱۵۵۱، سنن دارمی: ۲۶۶۰)

صحیح البخاری: ۶۲۲۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ سفیان ثوری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سلیمان کا ذکر ہے، وہ سلیمان بن طرخان التیمی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''دو مردوں کو چھینک آئی'' اور امام طبرانی نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ دو مرد عامر بن الطفیل اور ان کے بھتیجے تھے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''فشمت'' اس کا لغوی معنی ہے: دشمنوں کی خوشی کو زائل کرنا۔ اور باب تفعیل سلب ماخذ کے لیے آتا ہے جیسے ''جلدت البعیر'' اس کا معنی ہے: میں نے اس کی کھال کو زائل کیا۔ پس تشمیت کا لفظ دعائے خیر کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، خاص طور پر اس کے لیے ''یرحمك الله'' کہا جاتا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''فشمت احدهما'' یعنی نبی ﷺ نے دو مردوں میں سے ایک کی چھینک کا جواب دیا۔ اور یہ وہ تھا جس نے چھینک آنے کے بعد الحمدللہ کہا تھا، اور دوسرے کی چھینک کا جواب نہیں دیا، یہ وہ تھا جس نے اللہ تعالیٰ کی حمد نہیں کی تھی۔ آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا: اس نے اللہ کی حمد کی تھی یعنی الحمدللہ کہا تھا۔

چھینک کے بعد الحمدللہ کہنے کا بیان

علامہ ابن بطال وغیرہ نے ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ جس شخص کو چھینک آئے، وہ اس کے بعد الحمدللہ پر اضافہ نہ کرے، جیسا کہ عنقریب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث دو ابواب کے بعد آئے گی۔ اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ وہ کہے ''الحمد للہ علی کل حال'' اور انہوں نے کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی طرح منقول ہے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح تعلیم دی ہے۔ اور اس حدیث کی امام بزار اور امام طبرانی نے اسی طرح روایت کی ہے۔

اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ وہ کہے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کو امام طبرانی نے نقل کیا ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان دونوں لفظوں کو جمع کرے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس نے چھینک آنے کے بعد کہا ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ علی کل حال'' تو اسے ڈاڑھ کا درد کبھی نہ ہوگا اور نہ اسے کان میں درد ہوگا۔ یہ حدیث موقوف ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں، امام بخاری نے اس کی الادب المفرد میں روایت کی ہے، اور اس حدیث کی مثل رائے سے نہیں کہی جا سکتی، لہٰذا یہ حکماً مرفوع ہے۔

اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد کو چھینک آئی تو اس نے کہا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یرحمك الله، دوسرے کو چھینک آئی تو اس نے کہا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ''، تو آپ نے فرمایا: یہ اس پہلے شخص پر انیس درجے بڑھ گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۵۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۲۴۔ بَابٌ: تَشْمِيتِ الْعَاطِسِ إِذَا حَمِدَ اللّٰهَ — چھینکنے والے کو جواب دینا جب وہ اللہ کی حمد کرے

فِيهِ أَبُو هُرَيْرَةَ۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ چھینکنے والے کو جواب دینا جائز ہے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے۔ امام بخاری نے اس کا حکم نہیں بیان کیا اور اس باب کی حدیث پر اکتفاء کر لی۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یعنی جس کو چھینک آئے اس کے جواب دینے کے متعلق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حدیث سے مراد وہی حدیث ہو جو اس باب کے بعد آئے گی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہی حدیث ہو جو اس باب میں ذکر کی گئی ہے۔ پس ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جب وہ چھینکنے والے کو الحمدللہ کہتے ہوئے سنے تو اس کو جواب میں یرحمک اللہ کہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۵۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۲۲۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ — امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن

الْأَشْعَثِ بْنِ سُلَيْمٍ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ عَنِ الْبَرَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ أَمَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ أَمَرَنَا بِعِيَادَةِ الْمَرِيضِ وَاتِّبَاعِ الْجَنَازَةِ وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ وَإِجَابَةِ الدَّاعِي وَرَدِّ السَّلَامِ وَنَصْرِ الْمَظْلُومِ وَإِبْرَارِ الْمُقْسِمِ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ عَنْ خَاتَمِ الذَّهَبِ أَوْ قَالَ حَلْقَةِ الذَّهَبِ وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ وَالسُّنْدُسِ وَالْمَيَاثِرِ۔

حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الاشعث بن سلیم، انہوں نے کہا: کہ میں نے معاویہ بن سوید بن مقرن سے سنا از حضرت البراء رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ ہمیں نبی ﷺ نے سات چیزوں کا حکم دیا اور سات کاموں سے منع فرمایا، ہمیں مریض کی عیادت کرنے کا حکم دیا، اور جنازہ کے ساتھ جانے کا حکم دیا، اور جس کو چھینک آئے اس کو جواب دینے کا حکم دیا، اور جو دعوت دے اس کی دعوت کو قبول کرنے کا حکم دیا، اور سلام کا جواب دینے کا، اور مظلوم کی مدد کرنے کا، اور جو قسم کھائے اس کی قسم کو پوری کرنے کا، اور سات کاموں سے منع فرمایا: سونے کی انگوٹھی پہننے سے، یا فرمایا: سونے کا چھلہ پہننے سے، اور ریشم کے پہننے سے، دیباج اور سندس (باریک ریشمی کپڑے) پہننے سے اور میاثر (ریشمی زین) سے (منع فرمایا)۔

(صحیح بخاری: ۱۲۳۹، ۲۴۴۵، ۵۱۷۵، ۵۶۳۵، ۵۶۵۰، ۵۸۳۸، ۵۸۶۳، ۵۸۴۹، ۵۸۶۳، ۶۲۲۲، ۶۲۳۵، ۶۶۵۴، صحیح مسلم: ۲۰۶۶، سنن ترمذی: ۲۸۰۹، سنن نسائی: ۱۹۳۹، مسند احمد: ۱۸۱۷۰)

صحیح البخاری: ۶۲۲۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس باب کا عنوان ہے "تشمیت العاطس" اور حدیث میں بھی "تشمیت العاطس" کا ذکر ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: اس باب کا عنوان مقید ہے کہ چھینک آنے والے کو جواب اس وقت دیا جائے جب وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے، اور حدیث مطلق ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم چھینکنے والے کو جواب دیں، تو امام بخاری کو چاہیے تھا کہ وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو پہلے بیان کرتے، اور پھر بعد میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بیان کرتے۔

پھر علامہ ابن بطال نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا کہ یہ باب ان ابواب میں سے ہے کہ جن پر نظر ثانی سے پہلے امام بخاری کی وفات ہو گئی تھی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ علامہ ابن بطال کا جواب غیر واضح ہے، کیونکہ اگر امام بخاری نے مقید کو مطلق پر مقدم کر دیا تو اس پر یہ اعتراض وارد کیا جائے گا کہ مقید مطلق کا جز ہے، اور جو کلام جز کو متضمن ہو اس کو مقدم کرنا اولیٰ ہے۔ اور امام بخاری نے جو قصد کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب اس میں شرط نہیں ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

چھینک کے جواب دینے کے شرعی حکم میں مذاہب فقہاء

اس حدیث میں مذکور ہے "وتشمیت العاطس"۔

اس حدیث میں چھینکنے والے کو جواب دینے کا امر فرمایا ہے اور ظاہر امر وجوب پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح اس باب کی دیگر احادیث بھی وجوب پر دلالت کرتی ہیں۔ ابن المزین مالکی اور غیر مقلدین کا بھی یہی قول ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ چھینک کا جواب دینا فرضِ عین ہے۔ اور مذاہب اربعہ کے جمہور فقہاء کا موقف یہ ہے کہ یہ فرضِ کفایہ ہے، جب کسی ایک نے چھینکنے والے کو جواب دے دیا تو باقیوں سے اس کی فرضیت ساقط ہو جائے گی۔ اور عبدالوہاب اور مالکیہ کی ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ چھینک کا جواب دینا مستحب ہے۔

چھینک کے جواب دینے کے حکم سے بعض افراد کا استثناء

حسب ذیل افراد کو چھینک کا جواب نہ دیا جائے:

(۱) جو چھینکنے کے بعد الحمدللہ نہ کہے اس کو جواب نہ دیا جائے۔

(۲) کافر کو اس کی چھینک کا جواب نہ دیا جائے۔ امام ابوداؤد نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ یہود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چھینکتے تھے اس امید سے کہ آپ ان کے لیے دعائیہ کلمہ فرمائیں گے "یرحمکم (اللہ تم پر رحم فرمائے)" اور آپ یہ فرماتے تھے: "یھدیکم اللہ ویصلح بالکم" (اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے اور تمہارے حال کی اصلاح فرمائے)۔

(۳) جس آدمی کو زکام ہو اور اس کو بار بار چھینک آئے اور تین سے زیادہ مرتبہ چھینک آئے تو اس کو چھینک کا جواب نہ دیا جائے، امام بخاری نے الادب المفرد میں از محمد بن عجلان از سعید المقبری از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث روایت کی ہے، انہوں نے کہا: تم ایک دفعہ، یا دو دفعہ یا تین دفعہ کسی کو چھینک کا جواب دو، اگر اس کے بعد بھی کسی کو چھینک آئے تو اس کو زکام ہے۔ اس حدیث کی امام ابو داؤد نے روایت کی ہے از اللیث از ابن عجلان، اور یہ کہا ہے کہ مجھے صرف یہ علم ہے کہ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع ہے۔ اور امام ابن ابی شیبہ نے از حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کی ہے: تم تین مرتبہ چھینک کا جواب دو، پس اگر اس سے زیادہ چھینک آئے تو وہ بیماری ہے جو اس کے سر سے نکلتی ہے اور یہ حدیث بھی موقوف ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے سامنے ایک مرد کو چھینک آئی تو انہوں نے اس کو جواب دیا، اسے پھر چھینک آئی تو انہوں نے چوتھی مرتبہ کہا: تم کو زکام ہے۔

(۴) جو چھینک کے جواب کو مکروہ سمجھتا ہے، اسے چھینک کا جواب نہ دیا جائے۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ وہ شخص سنت کو کیسے ترک کرے گا؟ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ چھینک کا جواب دینا اس کے لیے مستحب ہے جو اس کو پسند کرے لیکن جو اس کو مکروہ سمجھے اور اس سے اعراض کرے تو اس کو چھینک کا جواب نہ دیا جائے اور یہ قاعدہ سلام اور عیادت میں بھی جاری ہے۔

(۵) جمعہ کے دن خطبہ کے وقت چھینک کا جواب نہ دیا جائے، کیونکہ چھینک کا جواب دینے سے خطبہ کے وقت چپ رہنے کے حکم پر عمل میں خلل آئے گا۔

(۶) جس شخص کو مجامعت کرنے کے حال میں چھینک آئے یا بیت الخلاء میں چھینک آئے تو اس کو مؤخر کر دیا جائے، اور وہ بعد میں الحمدللہ کہے اور سننے والا اس کو یرحمک اللہ کہے۔ اور اگر اس نے مخالفت کی اور اسی حال میں الحمدللہ کہا تو کیا وہ اس کے جواب کا مستحق ہوگا؟ تو بعضوں نے کہا: اس میں غور وفکر کرنا چاہیے، علامہ عینی فرماتے ہیں: نظر کا تقاضا یہ ہے کہ ظاہر حدیث کے مطابق اسے بھی چھینک کا جواب دیا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ابرار المقسم'' یعنی جس نے تم پر قسم کھائی ہے اس کی تصدیق کرو اور وہ کام کرو جس کا اس نے سوال کیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''المیاثر'' یہ المیثرۃ کی جمع ہے۔ یہ ریشمی زین ہے جو عورتیں اپنے خاوندوں کے لیے بناتی ہیں۔

یہاں پر یہ سوال ہے کہ ممنوعہ کام پانچ ذکر کیے گئے ہیں سات نہیں ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: چھٹا ممنوعہ کام ہے قسی کو پہننا (یہ بھی ریشم کی قسم ہے) اور ساتواں ہے چاندی کے برتن کو استعمال کرنا۔ ان کا ذکر کتاب اللباس میں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۲۵۔ بَابٌ: مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْعُطَاسِ وَمَا يُكْرَهُ مِنَ التَّثَاؤُبِ

چھینک کا مستحب ہونا اور جماہی کا مکروہ ہونا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ چھینک لینا مستحب ہے اور جماہی لینا مکروہ ہے۔ اور جماہی کا مطلب ہے کہ منہ زیادہ کھول کر یا منہ پھاڑ کر سانس لینا اور نفس کا بوجھل ہونا اور حواس کا مقدر ہونا جو غفلت اور سستی کو پیدا کرتے ہیں۔ اسی لیے شیطان جماہی کو پسند کرتا ہے اور ہنستا ہے۔ اور چھینک آنا دماغ کی خفت کا سبب ہے اور اس سے فضلات خارج ہوتے ہیں اور روح صاف ہوتی ہے، اسی وجہ سے چھینک کا لینا مستحب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۲۳۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْعُطَاسَ وَيَكْرَهُ التَّثَاؤُبَ فَإِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللهَ فَحَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ سَمِعَهُ أَنْ يُشَمِّتَهُ وَأَمَّا التَّثَاؤُبُ فَإِنَّمَا هُوَ مِنَ الشَّيْطَانِ فَلْيَرُدَّهُ مَا اسْتَطَاعَ فَإِذَا قَالَ هَا ضَحِكَ مِنْهُ الشَّيْطَانُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید المقبری نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند فرماتا ہے اور جماہی کو ناپسند فرماتا ہے۔ پس جب کسی شخص کو چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہے تو ہر اس مسلمان پر واجب ہے جو اس سے الحمدللہ کو سنے کہ اس کا جواب دے۔ اور رہی جماہی تو وہ صرف شیطان کی

طرف سے ہے، پوری کوشش سے جماہی آنے کو رو کے، پس جب
وہ جماہی کے وقت کہے "ہا" تو اس سے شیطان ہنستا ہے۔

(صحیح بخاری: ۳۲۸۹، ۶۲۲۳، ۶۲۲۶، صحیح مسلم: ۲۹۹۴، سنن ترمذی: ۲۷۴۷، سنن ابوداؤد: ۵۰۲۸، مسند احمد: ۹۲۴۶)

صحیح البخاری: ۶۲۲۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی ذئب، یہ محمد بن عبدالرحمٰن بن المغیرہ بن الحارث بن ابی ذئب ہیں۔ اور ان کا نام ہشام بن سعد القرشی المدنی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں سعید المقبری کا ذکر ہے، یہ ابن کیسان المدنی ہیں۔ ان کو مقبری اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ مقبرہ کے پاس رہتے تھے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ان اللہ یحب العطاس" یعنی جس آدمی کو زکام نہ ہو اور اس کو چھینک آئے تو وہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، کیونکہ وہ اس میں الحمدللہ کہتا ہے اور سننے والا اس کو جواب دیتا ہے، اور ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ جس کو تین مرتبہ سے زیادہ چھینک آئے اس کو جواب نہ دیا جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فحق علی کل مسلم سمعہ ان یشمتہ" اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ جس نے بھی چھینکنے والے سے الحمدللہ سنا، اس پر واجب ہے کہ اس کو جواب دے۔ لیکن علامہ نووی نے نقل کیا ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ یہ جواب دینا مستحب ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من الشیطان" جماہی کو شیطان کی طرف اس لیے منسوب کیا گیا ہے کہ شیطان انسان کے لیے جماہی لینے کو مزین کرتا ہے اور جب زیادہ کھانے سے بدن پر ہوتا ہے تو آدمی جماہی لیتا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ کسی نبی نے کبھی جماہی نہیں لی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس عمل کو منسوب نہیں کیا جاتا جس میں شیطان کا حصہ ہو۔

چھینک لینے اور جماہی لینے کے آداب

اس حدیث میں مذکور ہے "فلیردہ" یعنی جماہی کو رد کرے یا تو منہ پر ہاتھ رکھ لے یا دونوں ہونٹوں کو ملا لے، تا کہ شیطان کی مراد پوری نہ ہو اور نہ وہ اس پر ہنسے، کیونکہ جماہی لیتے وقت جماہی لینے والے کی صورت قبیح ہو جاتی ہے اور بعض روایات میں آتا ہے کہ شیطان اس کے منہ میں داخل ہو جاتا ہے، اور اپنی آواز پست رکھے اور جماہی لیتے وقت اپنی آواز کو نہ کھینچے۔ اور فقہاء نے کہا ہے کہ مجلس کے آداب یہ ہیں کہ چھینک لیتے وقت بھی اپنی آواز کو پست رکھے۔ اور اپنے چہرہ کو ڈھانپ کے رکھے تا کہ اس کے منہ یا ناک سے ایسی چیز ظاہر نہ ہو جو اس کے ساتھ بیٹھنے والے کو ایذاء پہنچائے۔ اور چھینک لیتے وقت دائیں یا بائیں گردن نہ موڑے تا کہ اس کو ضرر نہ ہو۔ اور امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے سند جید کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

جب چھینک لیتے تو اپنا ہاتھ اپنے چہرہ مبارک پر رکھ لیتے اور اپنی آواز پست رکھتے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ھا" یہ ہا کا لفظ جماہی لینے والے کی آواز کی حکایت ہے، یعنی جب وہ اس آواز میں مبالغہ کرتا ہے تو شیطان ہنستا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۵۳۔ ۳۵۴، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۲۶۔ بَابٌ: إِذَا عَطَسَ كَيْفَ يُشَمَّتُ — جب کسی کو چھینک آئے تو اس کو کس طرح جواب دیا جائے؟

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کسی کو چھینک آئے تو اس کو کس طرح جواب دیا جائے۔

۶۲۲۴۔ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلْيَقُلْ لَهُ أَخُوهُ أَوْ صَاحِبُهُ يَرْحَمُكَ اللهُ فَإِذَا قَالَ لَهُ يَرْحَمُكَ اللهُ فَلْيَقُلْ يَهْدِيكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ۔

(سنن ابوداؤد: ۵۰۳۳، مسند احمد: ۸۴۱۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مالک بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد العزیز بن ابی سلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن دینار نے خبر دی، از ابی صالح از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی ایک کو چھینک آئے تو وہ کہے: الحمد للہ، اور اس کے بھائی یا اس کے صاحب کو کہنا چاہیے: یرحمک اللہ، پس جب وہ اس سے یرحمک اللہ کہے، تو چھینک لینے والا کہے "یھدیکم اللہ ویصلح بالکم" اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہارے احوال کی اصلاح فرمائے۔

صحیح البخاری: ۶۲۲۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو صالح، یہ ذکوان الزیات ہیں۔ اور اس حدیث کے تمام رجال مدنی ہیں سوائے شیخ بخاری کے اور یہ تابعی کی تابعی سے روایت ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فلیقل الحمد للہ" صحیح بخاری کے تمام نسخوں میں اسی طرح مذکور ہے۔ اور امام نسائی، اسماعیلی اور ابو نعیم کی روایت میں ہے کہ وہ کہے "الحمد للہ علی کل حال"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ولیقل لہ اخوہ او صاحبہ" اس میں راوی کو شک ہے کہ آپ نے بھائی فرمایا تھا یا صاحب فرمایا تھا۔ اور اخوت سے مراد دینِ اسلام کی اخوت ہے۔

چھینک لینے والے کے جواب میں متعدد کلمات

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: ایک قوم کا یہی مذہب ہے، انہوں نے کہا: چھینکنے والے کو جواب میں کہے: یرحمک اللہ اور صرف اسی کو دعا کے ساتھ خاص کرے، اور امام طبری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ کہے "یرحمنا اللہ وایاکم" (اللہ ہم پر رحم فرمائے اور تم پر رحم فرمائے)۔

اور امام بخاری نے الادب المفرد میں سند صحیح کے ساتھ ابو جمرہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، جب تم چھینک کا جواب دو تو کہو: "عافانا اللہ وایاکم من النار یرحمکم اللہ" (اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں دوزخ سے عافیت میں رکھے اور تم پر رحم فرمائے)۔

اور موطا امام مالک میں از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت ہے کہ جب ان کو چھینک آتی اور ان سے کہا جاتا "یرحمك اللہ" تو وہ کہتے "یرحمنا اللہ وایاکم ویغفر اللہ لنا ولکم" (اللہ ہم پر رحم فرمائے اور تم پر اور اللہ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے)۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فلیقل یھدیکم اللہ ویصلح بالکم"

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: جمہور فقہاء کا یہی مذہب ہے، اور فقہاء کوفہ نے کہا ہے کہ وہ کہے "یغفر اللہ لنا ولکم" (اللہ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے)۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ امام مالک اور امام شافعی نے کہا ہے: ان دونوں لفظوں کے درمیان اختیار ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بالکم" یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری شان کی اصلاح کرے یا تمہارے حال کی اصلاح فرمائے یا تمہارے دل کی اصلاح فرمائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۲۷۔ بَابٌ: لَا يُشَمَّتُ الْعَاطِسُ إِذَا لَمْ يَحْمَدِ اللهَ

جب چھینکنے والا اللہ کی حمد نہ کرے تو اس کو جواب نہ دیا جائے

یعنی اس باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب چھینکنے والا الحمد للہ نہ کہے تو اس کو جواب میں یرحمک اللہ نہ کہا جائے۔

۶۲۲۵۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا رضی اللہ عنہ يَقُولُ عَطَسَ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَشَمَّتَ أَحَدَهُمَا وَلَمْ يُشَمِّتِ الْآخَرَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللهِ شَمَّتَّ هَذَا وَلَمْ تُشَمِّتْنِي قَالَ إِنَّ هَذَا حَمِدَ اللهَ وَلَمْ تَحْمَدِ اللهَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان تیمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ کے پاس دو آدمیوں کو چھینک آئی، آپ نے ایک کو اس کی چھینک کا جواب دیا اور دوسرے کو اس کی چھینک کا جواب نہیں دیا۔ پس ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے اس کو چھینک کا جواب دیا اور مجھے چھینک کا جواب نہیں دیا،

آپ نے فرمایا: اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی تھی اور تم نے اللہ تعالیٰ کی حمد نہیں کی تھی۔

(صحیح بخاری: ۶۲۲۵، صحیح مسلم: ۲۹۹۱، سنن ترمذی: ۲۷۴۲، سنن ابوداؤد: ۵۰۳۹، سنن ابن ماجہ: ۳۷۱۳، مسند احمد: ۱۱۵۵۱، سنن دارمی: ۲۶۶۰)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۶۲۲۱ میں گزر چکی ہے۔

۱۲۸۔ بَابٌ: إِذَا تَثَاءَبَ فَلْيَضَعْ يَدَهُ عَلَى فِيهِ

جب کوئی شخص جماہی لے تو وہ اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لے

۶۲۲۶۔ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْعُطَاسَ وَيَكْرَهُ التَّثَاؤُبَ فَإِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ وَحَمِدَ اللهَ كَانَ حَقًّا عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ سَمِعَهُ أَنْ يَقُولَ لَهُ يَرْحَمُكَ اللهُ وَأَمَّا التَّثَاؤُبُ فَإِنَّمَا هُوَ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرُدَّهُ مَا اسْتَطَاعَ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا تَثَاءَبَ ضَحِكَ مِنْهُ الشَّيْطَانُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عاصم بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی از سعید المقبری از والد خود از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند فرماتا ہے اور جماہی کو ناپسند فرماتا ہے۔ پس جب تم میں سے کسی شخص کو چھینک آئے اور وہ اللہ کی حمد کرے تو ہر اس مسلمان پر واجب ہے جو اس کی حمد کو سنے کہ وہ اس سے کہے "یرحمک اللہ" (اللہ تم پر رحم فرمائے)، لیکن جماہی، تو وہ شیطان کی طرف سے ہے، پس جب تم میں سے کسی شخص کو جماہی آئے تو وہ جتنا ممکن ہو سکے اس کو رد کرے، کیونکہ جب تم میں سے کوئی شخص جماہی لیتا ہے تو شیطان اس پر ہنستا ہے۔

(صحیح بخاری: ۳۲۸۹، ۶۲۲۳، ۶۲۲۶، صحیح مسلم: ۲۹۹۴، سنن ترمذی: ۲۷۴۷، سنن ابوداؤد: ۵۰۲۸، مسند احمد: ۹۲۴۶)

صحیح البخاری: ۶۲۲۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ باب کے عنوان میں مذکور ہے "اپنے منہ پر ہاتھ رکھے" اور اس حدیث میں عموم ہے کہ جس طرح بھی ہو جماہی کو روکو، اور امام مسلم اور امام ابوداؤد نے از حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ جب تم میں سے کسی ایک کو چھینک آئے تو وہ اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لے۔

شیطان کے ہنسنے کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے کہ شیطان ہنستا ہے، آیا وہ حقیقۃً ہنستا ہے یا مجازاً فرمایا کہ شیطان اس کی جماہی سے خوش ہوتا ہے؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اصل تو حقیقت ہے، لہٰذا اس سے عدول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر تم یہ سوال کرو کہ اکثر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات میں مطلقاً جماہی روکنے کا حکم ہے، اور صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں جماہی لے تو وہ اس کو روکے جتنا ہو سکے، کیونکہ شیطان اس کے منہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ہمارے شیخ زین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ حدیث مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے۔ اور شیطان کی قوی غرض یہ ہوتی ہے کہ نمازی کو نماز میں تشویش میں مبتلاء کرے۔ ایک قول یہ ہے مطلق کو مقید پر امر میں محمول کیا جاتا ہے اور نہی میں محمول نہیں کیا جاتا۔

اور علامہ ابن العربی نے کہا ہے: لائق یہ ہے کہ جماہی کو ہر حال میں روکے اور نماز کو اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ نماز تمام احوال میں اولیٰ ہے، تا کہ اس میں نمازی اپنی ہیئت کو اعتدال میں رکھے۔ اور مسلم کی روایت میں ہے کہ شیطان داخل ہوتا ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد ہو حقیقتاً شیطان داخل ہوتا ہے، اور شیطان جب انسان کی خون کی رگوں میں جاری ہوتا ہے تو اس کے منہ میں بھی داخل ہو سکتا ہے، لیکن جب تک انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہتا ہے تو شیطان داخل نہیں ہو سکتا، اور جماہی کے حال میں انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کر رہا ہوتا تو شیطان کے لیے اس حال میں داخل ہونا ممکن ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حدیث میں دخول کا اطلاق کیا ہو اور اس سے مراد یہ ہو کہ شیطان اس کو ورغلانے پر قادر ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۵۵-۳۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

کتاب الادب کا اختتام

کتاب الادب میں دو سو چھپن (۲۵۶) احادیث مرفوعہ ہیں، ان میں سے پچھتر (۷۵) تعلیقات ہیں اور بقیہ احادیث موصولہ ہیں۔ ان میں مکرر احادیث دو سو (۲۰۰) ہیں۔

نعم الباری جلد ثانی عشر (۱۲) کی تکمیل

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری جلد ثانی عشر کا افتتاح ۱۹ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ/ 7 اکتوبر 2012ء، بروز اتوار کو ہوا تھا اور اب اس کی تکمیل ۱۸ صفر المظفر ۱۴۳۴ھ/ کیم جنوری 2013ء بروز منگل کو ہو گئی ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ کما یحب ربنا ویرضیٰ، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین۔

اس جلد میں (۵۴۸) احادیث کی شرح نہایت تفصیل کے ساتھ آ گئی ہے۔ اس جلد کی کمپوزنگ بھی پر مولانا محمد جمشید ہاشمی سلمہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے اور اس کی پروف ریڈنگ بھی پر ہمارے معزز اور مکرم عزیز سید عمیر الحسن البرنی زید حبہ نے نہایت عرق ریزی سے کی ہے۔ (اس جلد کی تکمیل تقریباً ۲ ماہ اور ۲۲ دن میں ہوئی ہے۔)

جلد ثانی عشر (۱۲) کتاب الطب سے شروع ہوئی ہے اور اس کا اختتام کتاب الادب پر ہوا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو قبول فرمائے اور نعم الباری کو مقبول اور مشکور فرمائے۔ میں اس جلد کی تکمیل میں اپنے تمام معاونین اور محسنین کا خلوص قلب سے شکر گزار ہوں اور ان کے لیے دعا گو ہوں، خصوصاً مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن زید حبہم و لطفہم، اور محترم حفیظ البرکات شاہ صاحب شکر اللہ سعیہم، اور صاحبزادہ حبیب الرحمٰن محبوبی (بریڈ

فورڈ) اور مشہور عالمی اسکالر حافظ عبدالجید (برسٹل)، اور مولانا حامد قیوم (ناروے)، اور حافظ محمد اکرم ساجد صاحب مدظلہ، اور مولانا مختار احمد صاحب، مولانا مفتی محمد اسماعیل نورانی زید علمہم، حافظ محمد جمشید ہاشمی سلمہ اور علاوہ ازیں اندرونِ ملک و بیرونِ ملک کے تمام معاونین کے لیے دعا گو ہوں۔

میں عرصہ دراز سے شوگر، ہائی بلڈ پریشر اور کمر کے درد کے عوارض میں مبتلا ہوں، اور ابھی چند ماہ سے گھٹنوں کی دو ہڈیوں کے درمیان فاصلہ ہونے کی وجہ سے گھٹنوں میں شدید تکلیف ہے جس کی وجہ سے چلنے پھرنے سے تقریباً معذور ہو گیا ہوں، عصا کے سہارے تھوڑا بہت چل لیتا ہوں۔ میری بڑی بہن بھی متعدد امراض میں مبتلا ہیں، میں اپنے لیے، ان کے لیے اور تمام بیمار مسلمان کے لیے دعا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو شفاء عطا فرمائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ شرح صحیح بخاری کو میرے ہاتھوں مکمل کرا دے اور اس کتاب کو موافقین کے لیے مسلکِ حق پر استقامت کا سبب بنائے اور مخالفین کے لیے ذریعۂ ہدایت بنائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی میں کسی کا محتاج نہ کرے، صحت اور عافیت کے ساتھ ایمان پر ہم سب کا خاتمہ فرمائے اور ہمیں دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا اہل بنا دے اور آخرت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرما دے، اور آخرت کے مراحل کو ہمارے لیے آسان فرما دے۔ قبر کے عذاب، دوزخ کے عذاب، قیامت کی ہولناکیوں اور میدانِ محشر کی سختیوں سے ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے، اور اپنے بے پایاں فضل سے ہم سب کو جنت الفردوس عطا فرمائے۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ
خادم الحدیث، دار العلوم نعیمیہ، کراچی
بلاک ۱۵ فیڈرل بی ایریا، کراچی ۳۸
۱۸ صفر المظفر ۱۴۳۴ھ / یکم جنوری ۲۰۱۳ء

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین حمدا الشاکرین، والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین اکرم الاولین والأخرین شفیع المذنبین وعلی الہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ اجمعین۔

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد ثانی عشر (۱۲) کی ڈائری

افتتاح: 19 ذوالقعدہ / 1433ھ / 7/اکتوبر 2012ء بروز اتوار

تقویم میلادی	تقویم ہجری	دن	ایک ماہ کے صفحات	کل صفحات	ایک ماہ کی احادیث	تعدادِ حدیث
7/اکتوبر 2012ء	۱۹ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ	اتوار	۲۵۰	۲۵۰	۱۰۴	۵۷۸۲
یکم نومبر 2012ء	۱۵ ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ	جمعرات	۲۰۰	۴۵۰	۱۳۱	۵۹۱۳
یکم دسمبر 2012ء	۱۶ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ	ہفتہ	۱۹۰	۶۴۰	۱۳۷	۶۰۵۰
یکم جنوری 2013ء	۱۸ صفر المظفر ۱۴۳۴ھ	منگل	۲۷۸	۹۱۸	۱۷۶	۶۲۲۶

مصادر التحقیق فی نعم الباری

کتب سماویہ

۱۔ قرآن مجید

۲۔ تورات

۳۔ زبور

۴۔ انجیل

کتب احادیث

۵۔ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی 150ھ، مسند امام اعظم، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی، المکتبۃ الامدادیہ، مکہ مکرمہ ۱۴۳۱ھ

۶۔ امام مالک بن انس اصبحی، متوفی 179ھ، موطا امام مالک، مطبوعہ: دارالفکر بیروت، 1409ھ، المکتبۃ التوفیقیہ، دارالمعرفہ بیروت، 1420ھ

۷۔ امام عبداللہ بن مبارک حنفی، متوفی 181ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۸۔ امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی، متوفی 183ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

۹۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، موطا امام محمد، مطبوعہ: نور محمد، کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۱۰۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1407ھ

۱۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، المسند، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1400ھ

۱۲۔ امام سلیمان بن داؤد الجارود شافعی، متوفی 204ھ، مسند ابوداؤد والطیالسی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1425ھ

۱۳۔ امام محمد بن عمر بن واقد شافعی، متوفی 207ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت، 1404ھ

۱۴۔ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی شیعی، متوفی 211ھ، مصنف عبدالرزاق، مطبوعہ: مکتب اسلامی بیروت 1390ھ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۱۵۔ الامام الجلیل ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی، متوفی 216ھ، مسند ابوعوانہ، دارالمعرفہ بیروت

۱۶۔ امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی شافعی، متوفی 219ھ، المسند، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت

۱۷۔ امام سعید بن منصور خراسانی مکی شافعی، متوفی 227ھ، سنن سعید بن منصور، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، دار الصمیعی 1428ھ

۱۸۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، المصنف، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی 1406ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۱۹۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۲۰۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: مجلس علمی، بیروت 1427ھ

۲۱۔ امام احمد بن حنبل، متوفی 241ھ، المسند، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت، 1398ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دارالفکر، بیروت 1415ھ، موسسۃ الرسالہ، بیروت 1420، عالم الکتب، بیروت 1419ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ

۲۲۔ امام ابوعبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی شافعی، متوفی 255ھ، سنن دارمی، مطبوعہ: دارالکتاب العربی 1407ھ، دارالمعرفہ، بیروت 1420ھ

۲۳۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، صحیح بخاری، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1430ھ، دارارقم، بیروت، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1431ھ، دارالفکر بیروت 1421ھ، موسسۃ الرسالہ 1431ھ، دارالمعرفہ، بیروت 1425ھ، دارالعلم الحدیث: 1426ھ

۲۴۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، الادب المفرد، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت 1412ھ

۲۵۔ امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری شافعی، متوفی 261ھ، صحیح مسلم، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ، دارالفکر، بیروت 1424ھ

۲۶۔ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ شافعی، متوفی 273ھ، سنن ابن ماجہ: مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1415ھ، دارالجیل، بیروت، دارالفکر، بیروت 1421ھ

۲۷۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی 275ھ، سنن ابوداؤد، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ، دارالفکر بیروت، 1421ھ

۲۸۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی 275ھ، مراسیل ابوداؤد، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۲۹۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفی 279ھ، سنن ترمذی، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1422ھ، دارالجیل، بیروت 1998ء، دارالمعرفہ بیروت 1423ھ

۳۰۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفی 279ھ، شمائل محمدیہ، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ، 1415ھ

۳۱۔ حافظ ابوبکر عمرو بن ضحاک بن مخلد الشیبانی، متوفی، 287ھ، کتاب السنہ، المکتب الاسلامی 1400ھ

۳۲۔ امام ابن ابی عاصم شافعی، متوفی 287ھ، الاحاد والمثانی، مطبوعہ: دارالرایہ، ریاض، 1411ھ

۳۳۔ امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار شافعی، متوفی 292ھ، البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت

۳۴۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، سنن نسائی، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت 1412ھ، دارالفکر، بیروت، 1421ھ

۳۵۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ عمل الیوم واللیلہ، مطبوعہ: موسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت 1408ھ

۳۶۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1411ھ موسسۃ الرسالہ 1421ھ

۳۷۔ امام ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی شافعی، متوفی 307ھ، مسند الصحابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۸۔ امام احمد بن عالی المثنی التمیمی شافعی، متوفی 307ھ، مسند ابویعلیٰ موصلی، مطبوعہ: دارالمامون التراث، بیروت، 1404ھ

۳۹۔ امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری شافعی، متوفی 307ھ، المنتقیٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1417ھ

۴۰۔ امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ شافعی، متوفی 311ھ، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت 1395ھ

۴۱۔ امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق شافعی، متوفی 316ھ، مسند ابوعوانہ، مطبوعہ: دارالباز، مکہ مکرمہ

۴۲۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، تحفۃ الاخیار، مطبوعہ: داربلنسیہ، ریاض 1420ھ

۴۳۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، مشکل الآثار، مطبوعہ: مکتبہ دارالباز 1415ھ

۴۴۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، شرح معانی الآثار، مطبوعہ: مطبع مجتبائی، پاکستان لاہور، 1404ھ، قدیمی کتب خانہ کراچی

۴۵۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، شرح مشکل الآثار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1427ھ

۴۶۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ مسند الطحاوی، مطبوعہ: مکتبۃ الحرمین، دبئی 1426ھ

۴۷۔ امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی شافعی، متوفی 322ھ، کتاب الضعفاء الکبیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ

۴۸۔ امام ابوبکر احمد بن مروان بن محمد الدینوری القاضی المالکی، متوفی 333ھ، المجالسۃ وجواہر العلم، دار ابن حزم بیروت، 1419ھ

۴۹۔ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفی 354ھ، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت، 1407ھ

۵۰۔ امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفی 354ھ، الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1425ھ

۵۱۔ امام ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجری الشافعی، متوفی 360ھ، کتاب الشریعہ، مطبوعہ: موسسۃ الریان 1429ھ

۵۲۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم صغیر، مطبوعہ: مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ 1388ھ، مکتبہ اسلامی، بیروت 1405ھ

۵۳۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم کبیر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت

۵۴۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم اوسط، مطبوعہ: مکتبۃ المعارف، ریاض 1405ھ، دارالفکر بیروت، 1420ھ

۵۵۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، مسند الشامیین، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1409ھ

۵۶۔ حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق الدینوری المعروف بابن السنی، شافعی، متوفی 364ھ، کتاب عمل الیوم واللیلۃ، مطبوعہ: موسسۃ الکتب الثقافیہ، 1408ھ

۵۷۔ امام عبد اللہ بن عدی الجرجانی شافعی، متوفی 365ھ، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۵۸۔ امام ابوحفص عمر بن احمد المعروف بابن شاہین شافعی، متوفی 385ھ، الناسخ والمنسوخ من الحدیث، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۵۹۔ امام الحافظ علی بن عمر الدارقطنی، متوفی 385ھ، سنن الدارقطنی، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت، لبنان 1422ھ

۶۰۔ امام عبد اللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ شافعی، متوفی 396ھ، کتاب العظمۃ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۶۱۔ امام ابوعبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری شافعی، متوفی 405ھ، المستدرک، مطبوعہ: دار الباز، مکہ مکرمہ، دار المعرفہ بیروت، 1427ھ، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1420ھ

۶۲۔ امام ابوعبد اللہ محمد بن عمر واقد الواقدی شافعی، متوفی 407ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۶۳۔ امام ابونعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی شافعی، متوفی 430ھ، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ، دار الکتب العربی 1407ھ

۶۴۔ امام ابونعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی شافعی، متوفی 430ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دار النفائس، بیروت

۶۵۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان

۶۶۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب الاسماء والصفات، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت

۶۷۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، معرفۃ السنن والآثار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۶۸۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1423ھ

۶۹۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب الآداب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

۷۰۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب فضائل الاوقات، مطبوعہ: مکتبۃ المنارہ، مکہ مکرمہ 1410ھ

۷۱۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1401ھ

۷۲۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، الجامع لشعب الایمان، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1423ھ

۷۳۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، البعث والنشور، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1414ھ

۷۴۔ امام ابوعمر یوسف ابن عبد البر قرطبی مالکی، متوفی 463ھ، جامع بیان العلم وفضلہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۷۵۔ حافظ ابی بکر عبد اللہ بن محمد بن عبید بن سفیان القرشی المعروف بابن ابی الدنیا، متوفی 184ھ، موسوعہ الامام ابن ابی الدنیا، مکتبۃ العصریہ، بیروت

۷۶۔ امام محمد بن فتوح الحمیدی شافعی، متوفی 488ھ، الجمع بین الصحیحین، مطبوعہ: دار ابن حزم 1423ھ

۷۷۔ امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی شافعی، متوفی 509ھ، الفردوس بماثور الخطاب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

۷۸۔ امام حسین بن مسعود بغوی شافعی، متوفی 516ھ، شرح السنہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ
۷۹۔ علامہ عمر بن عبدالعزیز ابن مازہ البخاری الحنفی الملقب بالصدر الشہید المتوفی 536ھ، شرح الجامع الصغیر، دارالکتب العلمیہ بیروت 1427ھ
۸۰۔ امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفی 571ھ، تاریخ دمشق الکبیر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ
۸۱۔ امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفی 571ھ، تہذیب تاریخ دمشق، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1407ھ
۸۲۔ امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، جامع المسانید، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ
۸۳۔ امام مجدالدین بن محمد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری شافعی، متوفی 606ھ، جامع الاصول، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ، دارابن کثیر، بیروت 1432ھ
۸۴۔ امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری شافعی، متوفی 656ھ، الترغیب والترہیب، مطبوعہ: دارالحدیث، قاہرہ 1407ھ، دارابن کثیر، بیروت 1414ھ
۸۵۔ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، التذکرہ فی امور الآخرہ، مطبوعہ: دارالبخاری، مدینہ منورہ
۸۶۔ امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی شافعی، متوفی 676ھ، الاذکار من کلام سید الابرار، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز 1417ھ
۸۷۔ امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی، متوفی 676ھ، ریاض الصالحین، قدیمی کتب خانہ، کراچی
۸۸۔ امام ابومحمد علی بن زکریا المنبجی الحنفی، متوفی 686ھ، اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب، دارخضر، بیروت 1419ھ
۸۹۔ امام محی الدین تبریزی شافعی، متوفی 742ھ، مشکوٰۃ، مطبوعہ: اصح المطابع، دہلی، دارارقم، بیروت، دارابن حزم 1423ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت
۹۰۔ امام علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی الشافعی، متوفی 746ھ، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، مطبوعہ: الدائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد، دکن
۹۱۔ تاج الدین علی بن عبداللہ بن الحسن الارذ دیلی التبریزی الشافعی، متوفی 746ھ، المعیار فی الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ التی استشہد بہا الفقہاء، دارالاصلاح 2009ء
۹۲۔ امام شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر المعروف بابن قیم الجوزیہ حنبلی، متوفی 751ھ، جلاء الافہام فی فضل الصلوٰۃ والسلام علی محمد خیر الانام، مطبوعہ: دارالکتاب العربی، بیروت 1417ھ، دارالطباعۃ المحمدیہ 1388ھ
۹۳۔ حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی حنفی، متوفی 762ھ، نصب الرایہ، مطبوعہ: مجلس علمی سورۃ ہند، 1357ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
۹۴۔ حافظ ابوالفرج زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب الحنبلی البغدادی الدمشقی، متوفی 795ھ، احوال القبور واحوال اہلہا الی النشور، دارالکتب العربی، بیروت 1418ھ
۹۵۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، مجمع الزوائد، مطبوعہ: دارالکتاب العربی، بیروت 1402ھ، دارالفکر،

بیروت 1414ھ

۹۶۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، کشف الاستار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1404ھ

۹۷۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، تقریب البغیہ بترتیب احادیث الحلیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1420ھ

۹۸۔ امام ابو العباس احمد بن ابو بکر بوصیری شافعی، متوفی 840ھ، اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرہ، مطبوعہ: مکتبہ دار الکتب العلمیہ، بیروت 1442ھ

۹۹۔ امام ابو العباس احمد بن ابو بکر بوصیری شافعی، متوفی 840ھ، زوائد ابن ماجہ علی الکتب الخمسہ، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1414ھ،

۱۰۰۔ حافظ علاؤ الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمانی حنفی، متوفی 845ھ، الجوہر النقی، مطبوعہ: نشر السنہ ملتان

۱۰۱۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 848ھ، تلخیص المستدرک، مطبوعہ: مکتبہ دار الباز، مکہ مکرمہ

۱۰۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفی 852ھ، المطالب العالیہ، مطبوعہ: مکتبہ دار الباز، مکہ مکرمہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۱۰۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفی 852ھ، نتائج الافکار فی احادیث الاذکار، مطبوعہ: دار ابن کثیر، 1421ھ

۱۰۴۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفی 852ھ، تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث رافعی الکبیر، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، 1417ھ

۱۰۵۔ امام زین الدین ابو العباس احمد بن عبد اللطیف الزبیری حنفی متوفی 893ھ، التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت، 1430ھ

۱۰۶۔ امام عبد الرحمٰن بن عبد السلام بن عبد الرحمٰن بن عثمان الصفوری الشافعی، متوفی 894ھ، نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۰۷۔ حافظ شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی الشافعی، متوفی 902ھ، القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع، مطبوعہ: مکتبۃ المؤید، دمشق 1408ھ

۱۰۸۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ

۱۰۹۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جامع الاحادیث الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1414ھ

۱۱۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جمع الجوامع، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1421ھ

۱۱۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، البدور السافرہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ، دار ابن حزم، بیروت 1414ھ

۱۱۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ

۱۱۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الخصائص الکبریٰ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۱۱۴۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافی، متوفّی 974ھ، الصواعق المحرقۃ فی الرد علی اہل البدع والزندقۃ، مطبوعہ: مکتبۃ القاہرہ، مصر 1385ھ

۱۱۵۔ علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری حنفی، متوفّی 975ھ، کنز العمال، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت

۱۱۶۔ حافظ عبد الرؤف بن علی بن زین العابدین المناوی الشافعی، متوفّی 1031ھ، کنوز الحقائق من حدیث خیر الخلائق، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۱۱۷۔ امام محمد بن سلیمان المغربی المالکی، متوفّی 1094ھ، جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد، مطبوعہ: مکتبہ ابن کثیر 1418ھ

۱۱۸۔ امام ابوعبداللہ محمد بن درویش الحوت البیرونی الحنفی، متوفّی 1276ھ، اسنی المطالب فی احادیث مختلف المراتب، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1412ھ

۱۱۹۔ الحافظ ابوالفیض احمد بن محمد بن الصدیق الغماری الحسنی الشافعی، متوفّی 1380ھ، المداوی لعلل الجامع الصغیر وشرح المناوی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1996ھ

۱۲۰۔ علامہ محمد ناصر الدین البانی المتوفیٰ 1420ھ، سلسلہ احادیث صحیحہ، انصار السنہ پبلی کیشنز لاہور، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع 1420ھ

۱۲۱۔ مولانا صالح بن عبداللہ بن حمید، نضرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم، دار الوسیلہ للنشر والتوزیع 1425ھ

۱۲۲۔ مولانا عبدالسلام بن محمد بن عمر علوش، کتاب الجامع فی الاحادیث القدسیہ، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامی، 1426ھ

کتب تفاسیر

۱۲۳۔ امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء حنفی، متوفّی 207ھ، معانی القرآن، مطبوعہ: بیروت

۱۲۴۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفّی 310ھ، جامع البیان، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1409ھ، دار الفکر بیروت

۱۲۵۔ امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی شافعی، متوفّی 327ھ، تفسیر القرآن العظیم، مطبوعہ: نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ

۱۲۶۔ امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی، متوفّی 333ھ، تاویلات اہل السنہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۲۷۔ امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی، متوفّی 370ھ، احکام القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، 1400ھ

۱۲۸۔ امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی، متوفّی 427ھ، تفسیر الثعلبی، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1422ھ

۱۲۹۔ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک القشیری الشافعی، متوفّی 465ھ، تفسیر القشیری المسمّیٰ لطائف الاسرار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۱۳۰۔ علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری شافعی، متوفی 468ھ، الوسیط، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۱۳۱۔ امام شیخ الاسلام ابوالمظفر السمعانی الشافعی، متوفّی 489ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ: دار الوطن، ریاض 1418ھ

۱۳۲۔ علامہ محمود بن عمر زمخشری معتزلی، متوفّی 538ھ، الکشاف، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ،

۱۳۳۔ علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المالکی المتوفی 543ھ، احکام القرآن، مطبوعہ: دارالفکر بیروت
۱۳۴۔ امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفی 606ھ تفسیر کبیر مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ
۱۳۵۔ امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفی 606ھ، اسرار التنزیل وانوار التاویل، مطبوعہ: دارالکتب الوثاق، بغداد، عراق 1990ء
۱۳۶۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1415ھ
۱۳۷۔ قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی، متوفی 685ھ، انوار التنزیل واسرار التاویل، مطبوعہ: دارفراس للنشر والتوزیع مصر
۱۳۸۔ علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی، متوفی 710ھ، مدارک التنزیل، مطبوعہ: دارالکتب العربیہ، پشاور
۱۳۹۔ علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن مخلوف ثعالبی، متوفی 857ھ تفسیر الثعالبی، مطبوعہ: موسسۃ العالمی للمطبوعات، بیروت
۱۴۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جلالین، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۱۴۱۔ علامہ اسماعیل حقی حنفی، متوفی 1137ھ، روح البیان، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ
۱۴۲۔ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی، متوفی 1223ھ تفسیر صاوی، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1421ھ
۱۴۳۔ علامہ السید عبداللہ سبر، متوفی 1242ھ تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ: دارالاسوۃ للطباعۃ والنشر، 1421ھ
۱۴۴۔ علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی، متوفی 1270ھ، روح المعانی، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت، دارالفکر بیروت 1417ھ
۱۴۵۔ نواب صدیق حسن بھوپالی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، فتح البیان، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۱۴۶۔ شیخ محمود الحسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، حاشیۃ القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور
۱۴۷۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، بیان القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور
۱۴۸۔ علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی بریلوی، متوفی 1367ھ خزائن العرفان
۱۴۹۔ مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی بریلوی، متوفی 1391ھ، نور العرفان، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، گجرات
۱۵۰۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفی 1399ھ، تفہیم القرآن، مطبوعہ: ادارہ ترجمان القرآن، لاہور
۱۵۱۔ غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی بریلوی، متوفی 1406ھ، التبیان العظیم فی تفسیر سورۃ التحریم، مطبوعہ: مکتبہ فانوس پبلی کیشنز، پاکستان 2003ء
۱۵۲۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری حنفی بریلوی، متوفی 1418ھ، ضیاء القرآن، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
۱۵۳۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1428ھ
۱۵۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، انوار تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1431ھ
۱۵۵۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہ، ترجمہ وتحقیق وتخریج تفسیر خازن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور 1427ھ
۱۵۶۔ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی حنفی بریلوی غفرلہ، برکات القرآن، ترجمہ تفسیر مدارک التنزیل، فرید بک اسٹال لاہور 1430ھ

شروح احادیث

۱۵۷۔ امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی 318ھ، الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، مطبوعہ: دار الفلاح 1430ھ

۱۵۸۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388ھ، معالم السنن، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۵۹۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388ھ، اعلام السنن، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۶۰۔ علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال مالکی، متوفی 449ھ، شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1420ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۱۶۱۔ حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، الاستذکار (شرح الموطا)، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت، 1413ھ

۱۶۲۔ حافظ ابوعمرو بن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، التمہید، مطبوعہ: مکتبۃ القدوسیہ لاہور 1404ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۶۳۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی 543ھ، القبس فی شرح موطا بن انس، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۶۴۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی 543ھ، عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح الترمذی، دار الکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ

۱۶۵۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی 544ھ، اکمال المعلم بفوائد مسلم، مطبوعہ: دار الوفاء بیروت 1419ھ

۱۶۶۔ علامہ عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، کشف المشکل علی صحیح البخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1444ھ

۱۶۷۔ امام ابومحمد عبدالجلیل بن موسیٰ اندلسی مالکی، متوفی 608ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1416ھ

۱۶۸۔ امام عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری شافعی، متوفی 656ھ، مختصر سنن ابوداؤد، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت

۱۶۹۔ علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی، متوفی 656ھ، المفہم، مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت 1417ھ

۱۷۰۔ علامہ ابوعبداللہ فضل اللہ بن الحسن التورپشتی الشافعی، متوفی 661ھ، کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنہ، مکتبہ نزار مصطفیٰ 1422ھ

۱۷۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، شرح مسلم، مطبوعہ: نور محمد اصح المطابع، کراچی 1375ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1417ھ

۱۷۲۔ امام ابومحمد عبداللہ بن ابی حمزہ الاندلسی المالکی، متوفی 699ھ، بہجۃ النفوس، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1428ھ

۱۷۳۔ علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی 736ھ، فتح الباری، دار ابن الجوزی، ریاض 1417ھ

۱۷۴۔ علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی 736ھ، الاحادیث والآثار، مطبوعہ: مکتبۃ الرشید 1429ھ

۱۷۵۔ علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی، متوفی 743ھ، شرح الطیبی، ادارۃ القرآن 1413ھ

۱۷۶۔ حافظ علاء الدین مغلطائی ابن قلیج بن عبداللہ الحنفی المتوفی 762ھ، شرح ابن ماجہ، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1424ھ

۱۷۷۔ علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی، متوفی 786ھ، تحقیق الکواکب الدراری شرح البخاری، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ

۱۷۸۔ علامہ محمد بن بہادر الزرکشی التوفی 794ھ، التنقیح لالفاظ الجامع الصحیح ،دارالکتب العلمیہ بیروت 1424ھ

۱۷۹۔ علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن ،متوفی 804ھ، التوضیح لشرح الجامع الصحیح ،مطبوعہ: وزارۃ الاوقاف ،قطر 1429ھ

۱۸۰۔ امام قاضی بدرالدین الدمامینی المالکی ،متوفی 827ھ، مصابیح الجامع ،مطبوعہ: دارالنور 1431ھ

۱۸۱۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلیفہ وشتانی مالکی ،متوفی 828ھ، اکمال اکمال المعلم ،مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ ، بیروت 1415ھ

۱۸۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی ،متوفی 852ھ، تغلیق التعلیق علی صحیح البخاری ،المکتب الاسلامی بیروت 1420ھ

۱۸۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی ،متوفی 852ھ، فتح الباری ،مطبوعہ: دارنشر الکتب الاسلامیہ ،لاہور 1401ھ، بیروت 1420ھ، دارالمعرفہ ، بیروت 1426ھ

۱۸۴۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی ،متوفی 852ھ، انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ،مکتبۃ الرشد ، ریاض 1418ھ

۱۸۵۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی ،متوفی 852ھ، نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار ،مطبوعہ: دار ابن کثیر ، بیروت

۱۸۶۔ حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی ،متوفی 855ھ، عمدۃ القاری ،مطبوعہ: ادارۃ الطباعۃ المنیریہ ،مصر 1348ھ ، دارالکتب العلمیہ ، بیروت 1421ھ

۱۸۷۔ حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی ،متوفی 855ھ، شرح سنن ابوداؤد ،مطبوعہ: مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع 1420ھ

۱۸۸۔ علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی ،متوفی 895ھ، مکمل اکمال المعلم ،مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ ، بیروت 1415ھ

۱۸۹۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی ،متوفی 911ھ، ارشاد الساری ،مطبوعہ: مطبع میمنہ مصر 1306ھ

۱۹۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی ،متوفی 911ھ، التوشیح علی الجامع الصحیح ،مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ بیروت 1420ھ

۱۹۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی ،متوفی 911ھ، الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج ،مطبوعہ: ادارۃ القرآن ،کراچی 1412ھ

۱۹۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی ،متوفی 911ھ، تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک ،مطبوعہ: ادارۃ القرآن ، بیروت 1418ھ

۱۹۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی ،متوفی 911ھ، الرسائل العشر ،مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ ، بیروت 1409ھ

۱۹۴۔ علامہ ابویحییٰ زکریا بن محمد انصاری شافعی ،متوفی 926ھ، تحفۃ الباری فی شرح صحیح البخاری ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ ، بیروت 1425ھ

۱۹۵۔ علامہ ابویحییٰ زکریا بن محمد انصاری شافعی ،متوفی 926ھ، منحۃ الباری بشرح صحیح البخاری ،مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1426ھ

۱۹۶۔ علامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی الشافعی ،متوفی 974ھ، اشرف الوسائل الی فہم الشمائل ،مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ ، بیروت 1419ھ

۱۹۷۔ علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی ،متوفی 1003ھ، فیض القدیر ،مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ ، بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفی الباز ،

مکہ مکرمہ 1418ھ
۱۹۸۔ علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ، شرح الشمائل، مطبوعہ: اصح المطابع، کراچی
۱۹۹۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۲۰۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ
۲۰۱۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، مرقات، مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ، ملتان 1390ھ
۲۰۲۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار المرفوعہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ
۲۰۳۔ شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی غیر مقلد، متوفی 1025ھ، تحفۃ الذاکرین، مطبوعہ: مطبع مصطفی البابی، مصر 1350ھ
۲۰۴۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، اشعۃ اللمعات، مطبوعہ: مطبع تیج کمار لکھنو، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۲۰۵۔ علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر الخفاجی المصری الحنفی، متوفی 1069ھ، نسیم الریاض فی شرح الشفاء قاضی عیاض، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۲۰۶۔ شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1073ھ، تیسیر القاری فی شرح صحیح بخاری، مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۲۰۷۔ امام محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المصری المالکی، متوفی 1122ھ، شرح الزرقانی (شرح موطا امام مالک)، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ
۲۰۸۔ شیخ ابوالطیب صدیق بن حسن الحسینی القنوجی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، عون الباری لحل ادلۃ الصحیح البخاری، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ
۲۰۹۔ امام محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی، متوفی 1398ھ، الفجر الساطع علی الصحیح الجامع، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1430ھ
۲۱۰۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، لامع الدراری علی جامع البخاری، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی
۲۱۱۔ شیخ عبدالرحمن مبارک پوری غیر مقلد، متوفی 1325ھ، تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ
۲۱۲۔ شیخ وحید الزمان غیر مقلد، متوفی 1328ھ، تیسیر الباری ترجمہ وتشریح صحیح بخاری، مطبوعہ: نعمانی کتب خانہ، لاہور 1990ھ
۲۱۳۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جامع الاحادیث مطبوعہ: مکتبہ مرکز اہلسنت برکات رضا، گجرات 1422ھ
۲۱۴۔ شیخ انور شاہ کشمیری دیوبندی، متوفی 1352ھ، فیض الباری، مطبوعہ: مطبع حجازی، مصر 1375ھ
۲۱۵۔ شیخ شبیر احمد عثمانی دیوبندی، متوفی 1369ھ، فتح الملہم، مطبوعہ: مکتبۃ الحجاز، کراچی
۲۱۶۔ الشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی الحنفی، متوفی 1414ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دارالکلم الطیب، بیروت 1430ھ
۲۱۷۔ شیخ محمد بن زکریا بن محمد کاندھلوی دیوبندی، اوجز المسالک الی موطا امام مالک، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۲۱۸۔ شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی، متوفی 1421ھ، شرح صحیح بخاری، مکتبۃ الطبری، 1429ھ
۲۱۹۔ ابومحمد عبداللہ بن مانع الروقی، الحلل الابریزیہ من التعلیقات البازیہ علی صحیح البخاری، دارالتدمریہ، ریاض 1428ھ

۲۲۰۔ شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی، کشف الباری، مطبوعہ: مکتبہ فاروقیہ، کراچی

۲۲۱۔ شیخ محمد تقی عثمانی دیوبندی، انعام الباری شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الحراء

کتب اصول احادیث

۲۲۲۔ علامہ ابوبکر محمد بن موسیٰ بن عثمان بن حازم الحازمی الہمدانی المتوفی 584ھ، کتاب الفیصل فی علم الحدیث، مکتبۃ الرشد، ریاض 1428ھ

۲۲۳۔ علامہ یحیٰی بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، تقریب النواوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ

۲۲۴۔ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، تدریب الراوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ

۲۲۵۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح نخبۃ الفکر، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ

کتب اسماء الرجال

۲۲۶۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، التاریخ الکبیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1422ھ

۲۲۷۔ امام احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، منہج الامام النسائی فی الجرح والتعدیل، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1424ھ

۲۲۸۔ امام ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی شافعی، متوفی 436ھ، تاریخ بغداد، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۲۲۹۔ حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی شافعی، متوفی 742ھ، تہذیب الکمال، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1414ھ

۲۳۰۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، میزان الاعتدال، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۲۳۱۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، الکاشف، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1418ھ

۲۳۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تہذیب التہذیب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۲۳۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ج تقریب التہذیب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۲۳۴۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ اللآلی المصنوعہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۲۳۵۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، طبقات الحفاظ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ

۲۳۶۔ حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی الشافعی، متوفی 923ھ، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1422ھ

۲۳۷۔ علامہ محمد بن طولون شافعی، متوفی 953ھ، الشذرہ فی الاحادیث المشتہرہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ

۲۳۸۔ علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی شافعی، متوفی 963ھ، تنزیہ الشریعہ المرفوعہ عن الاخبار الشریعہ الموضوعہ

۲۳۹۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی 986ھ، تذکرۃ الموضوعات، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1401ھ

۲۴۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، موضوعات کبیر، مطبوعہ: مکتبہ مجتبائی دہلی

۲۴۱۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ، مطبوعہ: دار الباز للنشر والتوزیع 1405ھ

۲۴۲۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، مطبوعہ: مکتبہ المطبوعات الاسلامیہ، حلب 1389ھ

۲۴۳۔ علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی، متوفی 1164ھ، کشف الخفاء ومزیل الالباس، مطبوعہ: مکتبہ الغزالی، دمشق

۲۴۴۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز 1415ھ

۲۴۵۔ یوسف عبدالرحمٰن المرعشلی معجم المعاجم والمشیخات، مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ

کتب لغت

۲۴۶۔ امام اللغۃ خلیل بن احمد فراہیدی، متوفی 175ھ، کتاب العین، مطبوعہ: انتشارات اسوہ، ایران 1414ھ

۲۴۷۔ امام ابوعبید القاسم بن سلام الھروی الشافعی، متوفی 224ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۲۴۸۔ امام ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری، متوفی 276ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1408ھ

۲۴۹۔ علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی، متوفی 398ھ، الصحاح، مطبوعہ: دار العلم، بیروت 1404ھ

۲۵۰۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی شافعی، متوفی 502ھ، المفردات، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1418ھ

۲۵۱۔ علامہ نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد النسفی الحنفی، متوفی 537ھ، طلبۃ الطلبہ فی الاصطلاحات الفقہیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۲۵۲۔ امام ابونصر احمد بن محمد سمرقندی حنفی، متوفی 550ھ، انیس الفقہاء، فی تعریفات الالفاظ المتداولۃ بین الفقہاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ،

۲۵۳۔ علامہ محمد بن اثیر الجزری الشافعی، متوفی 606ھ، نہایہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۲۵۴۔ علامہ محمد بن ابوبکر بن عبدالقادر رازی حنفی، متوفی 660ھ، مختار الصحاح، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ

۲۵۵۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۲۵۶۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی، متوفی 711ھ، لسان العرب، مطبوعہ: نشر ادب الحوزہ، قم ایران، دار صادر، بیروت 2003ء

۲۵۷۔ علامہ علی بن محمد بن علی الجرجانی الحنفی، متوفی 816ھ، کتاب التعریفات، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت

۲۵۸۔ علامہ مجدالدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی، متوفی 817ھ، القاموس المحیط، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت

۲۵۹۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی 986ھ، مجمع بحار الانوار، مطبوعہ: مکتبہ دار الایمان، مدینہ منورہ 1415ھ

۲۶۰۔ علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی 1205ھ، تاج العروس، مطبوعہ: المطبعۃ الخیریہ، مصر
۲۶۱۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد، مطبوعہ المطبع الکاثولیکہ، بیروت 1927ء
۲۶۲۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد مترجم، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی
۲۶۳۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد فی الاعلام، مطبوعہ: دارالمشرق، بیروت 1976ء
۲۶۴۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد فی اللغت، مطبوعہ: انتشارات اسلام 1379ء
۲۶۵۔ مولانا محمد غیاث الدین، غیاث اللغات (فارسی)، مطبوعہ: مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۲۶۶۔ الحاج مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات (اردو)، مطبوعہ، مطبع فیروز سنز لمیٹڈ
۲۶۷۔ سعدی الوجیب، القاموس الفقہی لغۃ واصطلاحا، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، پاکستان
۲۶۸۔ غلام احمد پرویز، متوفی 1985، لغات القرآن، ادارہ طلوع اسلام گلبرگ لاہور 1984ء
۲۶۹۔ قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری حنفی، دستور العلماء، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، بیروت 1421ھ
۲۷۰۔ ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری، قائد اللغات، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور

کتب تاریخ، سیرت وفضائل

۲۷۱۔ امام ابومحمد عبدالملک بن ہشام المعافری، متوفی 218ھ، السیرۃ النبویہ، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ
۲۷۲۔ امام محمد بن سعد، متوفی 230ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ: دارصادر، بیروت 1388ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ
۲۷۳۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفی 310ھ، تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ: دارالقلم، بیروت
۲۷۴۔ امام ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سھل السامری الخرائطی، متوفی 327ھ، مکارم الاخلاق ومعالیہا ومحمود طرائقہا ومرضیہا، مطبوعہ: مطبع المدنی، موسسۃ السعودیہ، 1411ھ
۲۷۵۔ امام ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی، متوفی 405ھ، اعلام النبوۃ، داراحیاء العلوم، بیروت 1408ھ
۲۷۶۔ امام ابوسعید عبدالملک بن ابی عثمان نیشاپوری شافعی، متوفی 406ھ، شرف المصطفیٰ، مطبوعہ: دارالبشائر الاسلامیہ، مکہ مکرمہ 1424ھ
۲۷۷۔ امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی، متوفی 463ھ، تاریخ بغداد، دارالفکر بیروت، 1424ھ
۲۷۸۔ حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، الاستیعاب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۷۹۔ امام محی السنہ الحسین بن مسعود بن محمد الفراء البغوی الشافعی، متوفی 510ھ، الانوار فی شمائل النبی المختار، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ
۲۸۰۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی 544ھ، الشفاء، مطبوعہ: عبدالتواب اکیڈمی، ملتان، دارالفکر بیروت 1415ھ
۲۸۱۔ امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد الخثعمی السہیلی، متوفی 581ھ، الروض الانف فی تفسیر سیرۃ النبویہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۲۸۲۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، الوفاء، مطبوعہ: مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد
۲۸۳۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، مولد العروس الشہیر بابن الجوزی، مطبوعہ: المکتبۃ الثقافیہ، بیروت
۲۸۴۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر شافعی، متوفی 630ھ، اسد الغابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، دارالفکر بیروت
۲۸۵۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی 630ھ، الکامل فی التاریخ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۸۶۔ علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان شافعی، متوفی 681ھ، وفیات الاعیان، مطبوعہ: منشورات الشریف الرضی، ایران
۲۸۷۔ امام ابوجعفر احمد الشہیر بالمحب الطبری، متوفی 694ھ، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۸۸۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، سیر اعلام النبلاء، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1417ھ
۲۸۹۔ شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ الحنبلی، متوفی 751ھ، زاد المعاد، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1419ھ
۲۹۰۔ حافظ علاؤالدین ابوعبداللہ مغلطائی بن قلیج، متوفی 762ھ، الاشارۃ الی سیرۃ المصطفیٰ وتاریخ من بعدہ من الخلفاء، مطبوعہ: دارالقلم، دمشق 1416ھ
۲۹۱۔ علامہ تاج الدین ابونصر عبدالوہاب سبکی شافعی، متوفی 771ھ، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۲۹۲۔ حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی 774ھ، البدایہ والنہایہ، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1418ھ
۲۹۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، الاصابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۹۴۔ شیخ عبدالرحمٰن الثعلبی، متوفی 875ھ، الانوار فی آیات النبی المختار، مطبوعہ: دار ابن حزم 1426ھ
۲۹۵۔ علامہ نورالدین علی بن احمد سمہودی شافعی، متوفی 911ھ، وفاء الوفاء، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ
۲۹۶۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
۲۹۷۔ علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، متوفی 942ھ، سبل الہدیٰ والرشاد، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۲۹۸۔ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، مدارج النبوۃ، مکتبہ نوریہ، سکھر پاکستان 1397ھ
۲۹۹۔ علامہ محمد عبدالباقی زرقانی مالکی، متوفی 1124ھ، شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1393ھ
۳۰۰۔ شیخ عبداللہ بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی، متوفی 1242ھ، مختصر سیرۃ الرسول، مطبوعہ: المکتبۃ السلفیہ 1399ھ

کتب فقہ حنفی

۳۰۱۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (کتاب الاصل)، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی
۳۰۲۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (شرح الکافی)، مطبوعہ: دارالمعرفہ بیروت، 1398ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۳۰۳۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: مصطفائی ہند 1291ھ

۳۰۴۔ امام محمد بن الشہیر الحاکم الشہید البلخی الحنفی، متوفی 344ھ، الکافی، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۳۰۵۔ امام ابوبکر الرازی الجصاص التوفی 370ھ، شرح مختصر الطحاوی، فتاوی فی الفقہ الحنفی، مکتبۃ الکریمیہ کانسی روڈ کوئٹہ
۳۰۶۔ ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمر قندی، متوفی 373ھ، خزانۃ الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ، امجد اکیڈمی، لاہور 1397ھ
۳۰۷۔ امام ابو اللیث نصر بن محمد ابراہیم السمر قندی التوفی 373ھ، فتاویٰ ابو اللیث سمرقندی، السیاۃ بختلف الروایۃ، مکتبہ محمدیہ 1423ھ
۳۰۸۔ امام ابو اللیث نصر بن محمد ابراہیم السمر قندی، متوفی 373ھ، خزانۃ الفقہ، المکتبۃ الغفوریہ العاصمیہ، کراچی
۳۰۹۔ شیخ الاسلام قاضی القضاۃ ابوالحفص علی بن الحسن بن محمد السغدی الحنفی التوفی 461ھ، اکتنف فی الفتاویٰ، مکتبہ عثمانیہ، کوئٹہ
۳۱۰۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، المبسوط، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت 1398ھ
۳۱۱۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، شرح سیر کبیر، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامیہ، افغانستان 1405ھ
۳۱۲۔ علامہ علاؤالدین محمد السمر قندی، متوفی 539ھ، تحفۃ الفقہاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ
۳۱۳۔ الامام الاکمل الفقیہ الامجد طاہر بن عبد الرشید البخاری، متوفی 542ھ، خلاصۃ الفتاویٰ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
۳۱۴۔ الوزیر عون الدین ابوالمظفر یحییٰ بن محمد ہبیرہ، متوفی 560ھ، الافصاح عن معانی الصحاح، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۳۱۵۔ علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی، متوفی 587ھ، بدائع الصنائع، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۳۱۶۔ علامہ حسین بن منصور اوز جندی، متوفی 592ھ، فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ: کبریٰ بولاق، مصر 1310ھ
۳۱۷۔ علامہ حسین بن منصور اوز جندی، متوفی 592ھ، شرح الزیادات، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ
۳۱۸۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، ہدایہ اولین وآخرین، مطبوعہ: شرکت علمیہ، ملتان
۳۱۹۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، کتاب التجنیس والمزید، مطبوعہ: ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ 1424ھ
۳۲۰۔ علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری، متوفی 616ھ، المحیط البرہانی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1424ھ
۳۲۱۔ علامہ عبداللہ بن محمود بن مودود حنفی، متوفی 683ھ، الاختیار لتعلیل المختار، مطبوعہ: دار فراس للنشر والتوزیع
۳۲۲۔ امام فخر الدین عثمان بن علی، متوفی 743ھ، تبیین الحقائق، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی 1421ھ
۳۲۳۔ علامہ محمد بن محمود بابرتی، متوفی 786ھ، عنایہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت 1415ھ
۳۲۴۔ علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی، متوفی 786ھ، فتاویٰ تاتارخانیہ، مطبوعہ: ادارۃ القرآن کراچی 1411ھ
۳۲۵۔ علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، بنایہ، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1411ھ
۳۲۶۔ علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی 861ھ، فتح القدیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ
۳۲۷۔ علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی 956ھ، غنیۃ المستملی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور 1412ھ
۳۲۸۔ امام شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی، متوفی 962ھ، جامع الرموز، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
۳۲۹۔ علامہ زین الدین بن نجیم، متوفی 970ھ، البحر الرائق، مطبوعہ: علمیہ، مصر 1311ھ

۳۴۰۔ امام شہاب الدین احمد محمد بن علی بن حجر الہیتمی، متوفی 974ھ، الفتاوی الکبری الفقہیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۴۱۔ امام سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم الحنفی، متوفی 1005ھ، النہر الفائق، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی

۳۴۲۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، فتح باب العنایہ، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۴۳۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، مناسک ملا علی قاری، مطبوعہ: ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ 1417ھ

۳۴۴۔ ملا نظام الدین، متوفی 1061ھ، فتاویٰ عالمگیری، مطبوعہ: مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر، 1310ھ

۳۴۵۔ علامہ ابو الاخلاص حسن بن عمار بن علی الفقیہ العصری الحنفی، متوفی 1069ھ، امداد الفتاح شرح نور الایضاح ونجات الارواح، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ،

۳۴۶۔ علامہ محمد سلیمان داماد آفندی، متوفی 1078ھ، مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر، مطبوعہ: المکتبۃ الغفاریہ، کوئٹہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۳۴۷۔ علامہ خیر الدین رملی، متوفی 1081ھ، جامع الفصولین، مکتبۃ القدس، کوئٹہ 1300ھ

۳۴۸۔ علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی، متوفی 1088ھ، الدر المختار، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۴۹۔ علامہ السید اسعد بن ابی بکر آفندی الحنفی المتوفی 110ھ، الفتاوی الاسعدیہ فی الفقہ الحنفیہ، المکتبۃ الحقانیہ، کوئٹہ 1431ھ

۳۵۰۔ علامہ شاہ عبد العزیز محمد دہلوی، متوفی 1229ھ، فتاویٰ عزیزی، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1390ھ

۳۵۱۔ علامہ احمد بن محمد طحطاوی، متوفی 1231ھ، حاشیۃ الطحطاوی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۳۵۲۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، منحۃ الخالق، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مصر 1311ھ

۳۵۳۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، تنقیح الفتاوی الحامدیہ، مطبوعہ: دار الاشاعۃ العربی، کوئٹہ

۳۵۴۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، رسائل ابن عابدین شامی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور

۳۵۵۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، رد المحتار، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ

۳۵۶۔ علامہ شاہ محمد مسعود محدث دہلوی، متوفی 1309ھ، فتاویٰ مسعودی، سرہند پبلی کیشنز 1407ھ

۳۵۷۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، فتاویٰ رشیدیہ، مطبوعہ: محمد سعید اینڈ سنز، کراچی

۳۵۸۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، احسن الفتاویٰ، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی 1425ھ

۳۵۹۔ امام احمد رضا خان بریلوی، متوفی 1340ھ، العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور 1427ھ

۳۶۰۔ علامہ سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی، متوفی 1356ھ، فتاویٰ مہریہ، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور 1418ھ

۳۶۱۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفی 1367ھ، بہار شریعت، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 1416ھ

۳۶۲۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفی 1367ھ، فتاویٰ امجدیہ، مطبوعہ: مکتبہ رضویہ 1419ھ

۳۶۳۔ شیخ محمد شفیع دیوبندی، متوفی 1396ھ، جواہر الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی 1395ھ

۳۶۴۔ مولانا نور اللہ نعیمی بصیرپوری حنفی بریلوی، متوفی 1403ھ، فتاویٰ نوریہ، مطبوعہ: کمبائن پرنٹرز، لاہور 1983ء

۳۶۵۔ مولانا وقار الدین حنفی بریلوی، متوفی 1413ھ، وقار الفتاویٰ، مطبوعہ: بزم وقار الدین 1997ء
۳۶۶۔ الشیخ اسعد محمد سعید الصاگرجی الحنفی المتوفی 1414ھ، الفقہ الحنفی وادلتہ، دار الکلم الطیب، بیروت 1420ھ
۳۶۷۔ مولانا محمد عبداللہ نعیمی حنفی بریلوی، متوفی 1982ء، فتاویٰ مجددیہ نعیمیہ، ناشر: مفتی اعظم سندھ اکیڈمی 1411ھ
۳۶۸۔ شیخ الاسلام علامہ الشیخ عبدالغنی النابلسی الحنفی النقشبندی المتوفی 1123ھ، فتاوی النابلسی المسماۃ بنھایۃ المراد فی شرح ہدایہ، ابن العماد، مکتبہ حقانیہ کوئٹہ 1429ھ
۳۶۹۔ مفتی اہلسنت علامہ سید شجاعت علی قادری حنفی بریلوی، متوفی 1993ء، فقہ اہلسنت، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1978ء
۳۷۰۔ مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن حنفی بریلوی غفرلہ، تفہیم المسائل، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، 1407ھ
۳۷۱۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی، انوار الفتاویٰ، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1428ھ
۳۷۲۔ شیخ سعید بن علی السمرقندی الحنفی الفتاویٰ فی الحیل والمخارج المسمی بجنۃ الاحکام وجنۃ الخصام، المکتبۃ الحقانیہ، کوئٹہ 1431ھ
۳۷۳۔ شیخ عبدالحمید محمود طہماز، الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید، المکتبۃ الحقانیہ کوئٹہ 1418ھ

کتب فقہ شافعیہ

۳۷۴۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، الام، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1403ھ
۳۷۵۔ علامہ ابوالحسین علی بن محمد حبیب الماوردی شافعی، متوفی 450ھ، الحاوی الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1414ھ
۳۷۶۔ علامہ ابواسحاق شیرازی، متوفی 455ھ، المہذب، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت، 1393ھ
۳۷۷۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی 676ھ، شرح المہذب، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت 1423ھ
۳۷۸۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی 676ھ، روضۃ الطالبین، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ
۳۷۹۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، الفتاویٰ الحدیثیہ، 1419ھ

کتب فقہ مالکیہ

۳۸۰۔ امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی، متوفی 256ھ، المدونۃ الکبریٰ، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت
۳۸۱۔ امام ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی المالکی، متوفی 494ھ، المنتقیٰ شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1331ھ
۳۸۲۔ قاضی عبدالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی، متوفی 595ھ، بدایۃ المجتہد، مطبوعہ: دار الفکر بیروت
۳۸۳۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن الخطاب المغربی، متوفی 954ھ، مواہب الجلیل لشرح مختصر خلیل، مطبوعہ: مکتبۃ النجاح، لیبیا
۳۸۴۔ علامہ علی بن عبداللہ بن الخرشی، متوفی 1101ھ، الخرشی علی مختصر خلیل، مطبوعہ: دار صادر، بیروت
۳۸۵۔ علامہ ابوالبرکات، احمد دردیر مالکی، متوفی 1197ھ، الشرح الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

۳۸۶۔ علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی، متوفی 1219ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۸۷۔ علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، المغنی، مطبوعہ: دار الحدیث قاہرہ، 1425ھ
۳۸۸۔ علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، الکافی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۳۸۹۔ شیخ ابو العباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، مجموعۃ الفتاویٰ، مطبوعہ: ریاض، دار الجیل، بیروت 1418ھ
۳۹۰۔ شیخ ابو العباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1424ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت 1426ھ
۳۹۱۔ علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن فتاح مقدسی، متوفی 763ھ، کتاب الفروع، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت
۳۹۲۔ علامہ ابو الحسین علی بن سلیمان مرداوی، متوفی 885ھ، الانصاف، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1387ھ
۳۹۳۔ علامہ موسیٰ بن احمد صالحی، متوفی 960ھ، الاقناع، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ
۳۹۴۔ شیخ منصور بن یونس البھوتی الحنبلی، متوفی 1015ھ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۳۹۵۔ شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن عبد الرحمن ابن باز حنبلی، متوفی 1420ھ، 1999ء، مجموع فتویٰ ومقالات متنوعہ، مکتبۃ المورد، ریاض 1427ھ

کتب فقہ غیر مقلدین

۳۹۶۔ شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی، متوفی 456ھ، المحلی بالآثار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۳۹۷۔ شیخ محمد بن علی شوکانی، متوفی 1250ھ، نیل الاوطار، مکتبۃ الکلیات الازہریہ مصر 1398ھ، دار الوفاء، 1421ھ
۳۹۸۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری، متوفی 1367ھ، فتاویٰ ثنائیہ، مطبوعہ: النور اکیڈمی، مکتبہ ثنائیہ سرگودھا
۳۹۹۔ مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی، متوفی 1805ھ، فتاویٰ نذیریہ، مکتبۃ المعارف الاسلامیہ، پاکستان 1333ھ
۴۰۰۔ شیخ حافظ عبد اللہ محدث روپڑی، متوفی 1920ھ، فتاویٰ اہلحدیث، مطبوعہ: دار احیاء السنۃ النبویہ، پاکستان 1404ھ

کتب اصول فقہ

۴۰۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، الرسالہ، مطبوعہ: مطبع امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1312ھ
۴۰۲۔ فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی حنفی، متوفی 482ھ، اصول بزدوی، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
۴۰۳۔ علامہ ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی الحنفی، متوفی 483ھ، اصول السرخسی، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت
۴۰۴۔ امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفی 505ھ، مستصفیٰ، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1294ھ
۴۰۵۔ علامہ علاؤ الدین عبد العزیز بن احمد البخاری الحنفی، متوفی 730ھ، کشف الاسرار، مطبوعہ: دار الکتاب العربی 1411ھ

۴۰۶۔ علامہ جمال الدین اسنوی، متوفی 772ھ، شرح المنہاج، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1403ھ
۴۰۷۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی، متوفی 861ھ، تحریر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1403ھ
۴۰۸۔ علامہ ابن امیر الحاج حنفی، متوفی 879ھ، التقریر والتحریر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1403ھ
۴۰۹۔ بحر العلوم عبد العلی بن نظام الدین حنفی، متوفی 1225ھ، فواتح الرحموت، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1294ھ
۴۱۰۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل
۴۱۱۔ علامہ محمد امین بن عمر بن عابدین شامی حنفی، متوفی 1252ھ، شرح شرح المنار للعلامۃ الشامی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی

مذاہب اربعہ

۴۱۲۔ امام ابوبکر احمد بن علی الجصاص الرازی المتوفی 370ھ مختصر اختلاف العلماء، دار البشاء الاسلامیہ، 1417ھ
۴۱۳۔ علامہ عبد الوہاب شعرانی حنفی، متوفی 973ھ، میزان الشریعۃ الکبریٰ، مطبوعہ: مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر 1359ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۴۱۴۔ علامہ عبد الرحمن الجزیری، الفقہ علی مذاہب الاربعہ، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت
۴۱۵۔ الفتاویٰ الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ القاہرہ، 1400ھ
۴۱۶۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1405ھ
۴۱۷۔ موسوعۃ الفقہ الاسلامی، مطبوعہ: القاہرہ 1410ھ

کتب شیعہ

۴۱۸۔ شیخ ابوجعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الاصول من الکافی، دارالکتب الاسلامیہ، تہران
۴۱۹۔ شیخ ابوجعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الفروع من الکافی، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، تہران
۴۲۰۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، تہذیب الاحکام، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، تہران
۴۲۱۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، الاستبصار، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، تہران
۴۲۲۔ نہج البلاغہ (مع فارسی)، مطبوعہ: انتشارات زرین، ایران
۴۲۳۔ نہج البلاغہ (مع اردو)، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز
۴۲۴۔ شیخ عز الدین عبد الحمید بن ابی الحدید، متوفی 656ھ، شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ: موسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان ایران
۴۲۵۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، بحار الانوار، مطبوعۃ المطبعہ الاسلامیہ، تہران 1392ھ
۴۲۶۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حق الیقین، مطبوعہ: خیابان ناصر خسرو، ایران 1347ھ
۴۲۷۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، جلاء العیون (مترجم)، مطبوعہ: انصاف پریس، لاہور
۴۲۸۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حیات القلوب (مترجم) مطبوعہ: حمایت اہل بیت وقف، لاہور

۴۲۹۔ شیخ محمد بن حسین طباطبائی، متوفی 1293ھ، المیزان، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، ایران 1302ھ

کتب متفرقات

۴۳۰۔ ابوالمعالی عبدالملک الجوینی الشہیر بامام الحرمین الشافعی، متوفی 478ھ، مغیث الخلق فی ترجیح القول الحق، مطبوعہ: مکتبہ قدوسیہ، لاہور 1400ھ

۴۳۱۔ امام ابوالفتح ظہیرالدین الولوالجیہ حنفی، متوفی 540ھ، الفتاوی الولوالجیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۴۳۲۔ ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن ابوبکر الدمشقی المعروف بابن قیم حنبلی، متوفی 751ھ، الداء والدواء، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ، 1410ھ

۴۳۳۔ علامہ علی بن سلطان القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، القائلین بوحدۃ الوجود، مطبوعہ: دار المامون للتراث 1415ھ

۴۳۴۔ میر عبدالواحد بلگرامی حنفی، متوفی 1016ھ، سبع سنابل، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1402ھ

۴۳۵۔ ملا باقر مجلسی شیعی، متوفی 1110ھ، ضیاء العیون، مطبوعہ: ایرانی کتب خانہ

۴۳۶۔ شیخ سید محمد اسماعیل دہلوی دیوبندی، متوفی 1246ھ، تقویۃ الایمان، مطبوعہ: مطبع علیمی، اندرون لاہور

۴۳۷۔ مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی حنفی، متوفی 1258ھ، شمائم امدادیہ، مطبوعہ: مدنی کتب خانہ، ملتان 1405ھ

۴۳۸۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ، آب حیات، ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان 1413ھ

۴۳۹۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ، تحذیر الناس، دار الاشاعت، کراچی

۴۴۰۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی حنفی، متوفی 1304ھ، سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت 1408ھ

۴۴۱۔ شیخ محمود بن حسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، الجہد المقل فی تنزیہ المعز والمذل، مکتبہ مدینہ، لاہور 1409ھ

۴۴۲۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، ملفوظات، حامد اینڈ کمپنی، لاہور

۴۴۳۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین، حامد اینڈ کمپنی، لاہور، 1401ھ

۴۴۴۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، احکام شریعت، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 2002ء

۴۴۵۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الامن والعلی، شبیر برادرز، لاہور 1396ھ

۴۴۶۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جمل مجلیۃ ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصیۃ، صدیقی پبلشرز 2009ء

۴۴۷۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ، مطبوعہ: موسسۃ رضا الجامعۃ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ

۴۴۸۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، انباء الحی، موسسۃ رضا الجامعۃ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ

۴۴۹۔ شیخ خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی، متوفی 1346ھ، البراہین القاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ، مطبوعہ: مطبع بلالی، ڈھونڈ

۴۵۰۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، تحقیق الحق فی کلمۃ الحق، گولڑہ شریف، اسلام آباد 1421ھ

۴۵۱۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، ملفوظات مہریہ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لمیٹڈ، لاہور 1406ھ

۴۵۲۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان وما اھل بہ لغیر اللہ، گولڑہ شریف، کتب خانہ درگاہ غوثیہ 1421ھ
۴۵۳۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، شمس الہدایہ فی اثبات حیات المسیح، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لاہور، 1406ھ
۴۵۴۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز 1415ھ
۴۵۵۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، تصفیہ مابین السنی والشیعہ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور 1399ھ
۴۵۷۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، حفظ الایمان مع بسط البنان وتغیر العنوان، مکتبہ تھانوی، کراچی
۴۵۸۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق
۴۵۹۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، جمال الاولیاء
۴۶۰۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفی 1399ھ، خلافت وملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور 1975ھ
۴۶۱۔ مولانا محمد عبداللہ معمار امرتسری غیر مقلد، محمدیہ پاکٹ بک بجواب احمدیہ پاکٹ بک، المکتبۃ السلفیہ، لاہور 1391ھ
۴۶۲۔ ابوالحسنات علامہ محمد اشرف سیالوی حنفی بریلوی، انبیاء سابقین اور بشارات سید المرسلین، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 1998ء
۴۶۳۔ شیخ عبدالحی الکتانی، نظام الحکومت النبویہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت
۴۶۴۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، متوفی 1985ء، دو اسلام، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی
۴۶۵۔ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، انشورنس اسلامی معیشت میں، مطبوعہ: اسلامی پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور 1982ء
۴۶۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مطبوعہ: دانش گاہ پنجاب، لاہور
۴۶۷۔ میر عبدالواحد بلگرامی، سبع سنابل، حامد اینڈ کمپنی، لاہور
۴۶۸۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، صحیفہ ہمام بن منبہ، اکیڈمی آف لائف اینڈ لیٹرز
۴۶۹۔ عقیدہ ختم نبوت، الادارہ لتحفظ العقائد الاسلامیہ، پاکستان
۴۷۰۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری، دیوبندی، متوفی 1346ھ، المھند علی المفند، ادارہ اسلامیات 1404ھ
۴۷۱۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری، حسین احمد دیوبندی، متوفی 1377ھ، منظور نعمانی، عقائد علماء دیوبند اور حسام الحرمین، دار الاشاعت، کراچی
۴۷۲۔ شیخ حسین احمد دیوبندی، متوفی 1377ھ، الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب، میر محمد کتب خانہ، کراچی
۴۷۳۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی، متوفی 2009ء، تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور، ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ 1407ھ
۴۷۴۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی، متوفی 2009ء، عبارات اکابر، مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ
۴۷۵۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفی 2000ء، تحفہ قادیانیت، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان 2001ء
۴۷۶۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفی 2000ء، اختلاف امت اور صراط مستقیم، مکتبہ بینات، بنوری ٹاؤن، کراچی 1399ھ

۴۷۷۔ مخدوم محمد ہاشم سندھی، متوفی 1174ھ، ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول، مکتبہ لدھیانوی، کراچی 1995ء
۴۷۸۔ محمد الیاس برنی، قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت 2001ء
۴۷۹۔ مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری بریلوی، متوفی 1354ھ، فتاویٰ دیداریہ، مطبوعہ: مکتبۃ العصر، گجرات
۴۸۰۔ مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی حنفی بریلوی، متوفی 2003ء، مقالاتِ مفتیٔ اعظم، مطبوعہ: بزمِ رضا، لاہور 1428ھ
۴۸۱۔ مولانا محمد منشاء تابش قصوری حنفی بریلوی غفرلہ، دعوتِ فکر، مطبوعہ: مکتبہ اشرفیہ، مرید کے شیخوپورہ 1403ھ
۴۸۲۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، حیاتِ استاذ العلماء، مطبوعہ: دار الاسلام لاہور 1433ھ
۴۸۳۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، توضیح البیان، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1422ھ
۴۸۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، ذکر بالجہر، مطبوعہ فرید بک اسٹال، لاہور 1427ھ
۴۸۵۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تذکرۃ المحدثین، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1426ھ
۴۸۶۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، مقالاتِ سعیدی، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1428ھ
۴۸۷۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، مقامِ ولایت ونبوت، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1426ھ
۴۸۸۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تاریخ نجد وحجاز، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 2004ء
۴۸۹۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہ، حقائق شرح صحیح مسلم ودقائق تبیان القرآن، فرید بک اسٹال لاہور، 1425ھ
۴۹۰۔ مولانا غلام نصیر الدین گولڑوی حنفی بریلوی، غفرلہ سفر آخرت کی منازل، فرید بک اسٹال لاہور، 1427ھ

پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن

کی زیور طبع سے آراستہ ہونے والی مؤثر تصنیف

تفہیم المسائل

قرآن وحدیث کی روشنی میں
فقہی مسائل کا
مؤثر انداز میں نچوڑ

تفسیر سورۃ النسآء

دورِ جدید کی منفرد جامع اور عام فہم تفسیر، اندازِ بیان مؤثر و دلکش قدیم و جدید اہم تفاسیر کا نچوڑ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وان تعدوا نعمت اللہ لا تحصوھا

نعم الباری

فی

شرح صحیح البخاری

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

شرح صحیح البخاری کے نام "**نِعم الباری**" کی توجیہ

میں نے 18 رجنوری 2006ء کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ کی مشہور زمانہ کتاب "المسند الصحیح الجامع المعروف به صحیح البخاری" کی شرح لکھنے کا آغاز کیا، میں نے ابتداءً اس کا نام انعام الباری رکھا تھا، بعد ازاں مجھے معلوم ہوا کہ شیخ محمد تقی عثمانی بھی اس نام سے صحیح البخاری کی شرح لکھ رہے ہیں اور اس وقت تک انعام الباری کی چار جلدیں ہو چکی تھیں، اس لیے میں نے اس کا نام بدل کر نعمۃ الباری رکھ دیا اور فرید بک اسٹال لاہور سے اس کی سات جلدیں لکھنے کا معاہدہ کیا اور 14 ستمبر 2010ء کو میں نے نعمۃ الباری کی ساتویں جلد مکمل کر کے سید محسن اعجاز شاہ صاحب کے حوالہ کر دی اور یوں میری حد تک اس معاہدہ کی تکمیل ہوگئی۔

بعد ازاں میرا رابطہ ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز سے ہوا اور میں نے محترم محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب سے شرح صحیح البخاری لکھنے کا معاہدہ طے کیا اور اب آٹھویں جلد سے میں نے اس کا نام نعمۃ الباری کے بجائے "**نِعم الباری**" رکھ دیا ہے تاکہ معاندین اور مفسدین کے لیے کسی شر کی گنجائش نہ رہے اور وہ یہ نہ کہیں کہ نعمۃ الباری کا معاہدہ تو ہم سے تھا اب یہ ضیاء القرآن اس کو کیوں شائع کر رہا ہے۔ اس لیے میں نے اس کا نام ہی بدل دیا ہے اور بجائے نعمۃ الباری کے اس کا نام "**نِعم الباری**" رکھ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ میرا اور ضیاء القرآن پبلی کیشنز کا حافظ اور ناصر ہو اور ہمیں معاندین اور مفسدین کے شر اور فساد سے محفوظ اور مامون رکھے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلی الہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ الف الف صلوات وتسلیمات دائما ابدا۔

غلام رسول سعیدی

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی 38

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم ۳۴)

نعم الباری

فی

شرح صحیح البخاری

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نعم الباری

فی

شرح صحیح البخاری

علامہ غلام رسول سعیدی

الجزء ثالث عاشر

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم ۳۴)

نعم الباری

فی

شرح صحیح البخاری

جلد ثالث عاشر (۱۳)

الاحادیث: ۶۲۲۷ ـــــ ۶۴۸۱

کتاب الاستئذان، کتاب الدعوات

کتاب الرقاق (۲۵ ابواب)

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

نام کتاب	نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد ثالث عاشر (۱۳)
تصنیف	علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی
سال اشاعت	بار اول اکتوبر 2013ء
تعداد	دو ہزار
کمپیوٹر کوڈ	HS26

ملنے کا پتہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی
فون:۔ 021-32212011-32630411۔ فیکس:۔ 021-32210212
e-mail:- info@zia-ul-quran.com
ziaulquranpublications@gmail.com
Website:- www.ziaulquran.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری (ثالث عاشر)

افتتاحیہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین، الذی جعلنا من المسلمین، ووصفنا بخیر امۃ من الأمم الماضین، و انعم علینا بتنزیل القرآن الکریم و ھدانا بہ الی الصراط المستقیم، و الصلوٰۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین قائد الغر المحجلین، الذی شرح الفرقان باحادیثہ و بیانہ القویم، و کشف عن اسرارہ و غوامضہ لھدایۃ الناس اجمعین، و انقذنا بحسن سیرتہ من الظلمات والضلال المبین. و علی الہ الطیبین واصحابہ الطاھرین الذین قاموا باشاعۃ الدین المتین مع کمال الخلوص والجھد العظیم. و علی ازواجہ الطاھرات امھات المؤمنین، و علی جمیع الائمۃ التابعین من المفسرین والمحدثین المخلصین الکاملین الی یوم الدین۔

و بعد فیقول العبد الفقیر الی مولاہ القدیر غلام رسول السعیدی دائم الاحتیاج الی کرم ربہ السرمدی انّ بعد الفراغ من التفسیر قد شرعت فی شرح الصحیح للامام البخاری (علیہ نعم الباری) توکلا علی رحمۃ اللہ و فضلہ العمیم۔ ولا یکون تحریرہ و تقریرہ و تکمیلہ الا نعمتہ العظمیٰ۔ فلذا سمیتہ بنعمۃ الباری فی شرح الصحیح للبخاری۔ (تقبلہ اللہ بلطفہ و تغمدنی بغفرانہ بمحض فضلہ)

اشھدان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا و مولانا محمدا عبدہ و رسولہ۔ اعوذ باللہ من شرور نفسی و من سیئات اعمالی۔ من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ۔ اللھم ارنی الحق حقاً وارزقنی اتباعہ۔ اللھم ارنی الباطل باطلاً وارزقنی اجتنابہ۔ اللھم اجعلنی فی تصنیف ھذا الکتاب علی صراط مستقیم واجعلہ موافقاً باسمہ واحفظہ من شرور الاشرار والحاسدین۔ اللھم اجعلہ خالصا لوجھک الکریم و مقبولاً عندک وعند رسولک الرؤف الرحیم واجعلہ شائعاً و مستفیضاً و مفیضاً و مرغوباً فی اطراف العالمین الی یوم الدین واجعلہ لی ولجمیع من انتسب الی من المسلمین صدقۃ جاریۃ الی یوم القیامۃ وارزقنی زیارۃ النبیّ الکریم صلی اللہ علیہ وسلم فی الدنیا و شفاعتہ فی الاخرۃ واحینی علی الاسلام بالسلامۃ و امتنی علی الایمان بالکرامۃ۔ اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عھدک ووعدک ما استطعت۔ اعوذ بک من شر ما صنعت ابؤ لک بنعمتک علیّ وابؤ لک بذنبی فاغفرلی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت۔ رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علیّ و علی والدیّ وان اعمل صالحاً ترضٰہ۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہیں، جس نے ہمیں مسلمان بنایا اور سب سے بہترین امت کا لقب عطا فرمایا، قرآن کریم نازل فرما کر ہم پر احسان کیا اور اس کتاب کے ذریعہ ہمیں سیدھی راہ دکھائی۔ حمد کے بعد سب سے افضل اور بلند رتبہ پیغمبر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام ہو، جو سفید رو اور سفید ہاتھ پیروں والوں کے قائد ہیں، جنہوں نے اپنی احادیث اور مستحکم بیان سے قرآن مجید کی تشریح فرمائی اور تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے اس کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھایا اور ہمیں اپنا بہترین نمونہ عمل عطا کر کے ظلمت و گمراہی سے نجات بخشی۔ آپ کے بعد آپ کی اولاد پاک اور صحابہ کرام پر رحمتوں کا نزول ہو جو پورے اخلاص اور محنت کے ساتھ اشاعت دین میں مصروف رہے، اور آپ کی ازواج مطہرات پر رحمتوں کا نزول ہو جو مسلمانوں کی مائیں ہیں اور ان سب کے بعد تا قیام قیامت آنے والے مخلص اور با کمال ائمہ مفسرین اور محدثین پر رحمتیں نازل ہوں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد رب کائنات کے دائمی کرم کا بندۂ محتاج غلام رسول سعیدی غفرلہٗ عرض پرداز ہے کہ میں تفسیر تبیان القرآن سے فارغ ہونے کے بعد اللہ عزوجل کی رحمت اور اس کی عنایت پر بھروسا کرتے ہوئے صحیح بخاری کی شرح کا آغاز کر چکا ہوں۔ چونکہ ظاہری قویٰ اس عظیم کام کے متحمل نہیں ہیں اس لیے تصنیف کے جملہ مراحل سے گزر کر پایۂ تکمیل کو پہنچنے تک اس شرح کا مکمل دارومدار صرف اور صرف اللہ عزوجل کی خصوصی نعمت اور احسان پر ہے۔ اسی لیے میں نے اس شرح کا نام ''نعم الباری فی شرح صحیح البخاری'' رکھا ہے۔ (اللہ تعالیٰ اپنے لطف و عنایت سے اس تصنیف کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور محض اپنے فضل و کرم سے مجھے اپنی بخشش میں ڈھانپ لے)۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ عزوجل کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح فرما اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور باطل کو مجھ پر منکشف فرما اور اس سے بچنے کی توفیق مرحمت فرما۔ اے اللہ! مجھے اس شرح کی تصنیف میں صراط مستقیم پر گامزن فرما اور اس شرح کو اسم بہ مسمّٰی کر دے اور اسے شریروں کے شر اور حاسدوں کے حسد سے محفوظ فرما۔ اے اللہ! اس تصنیف میں صرف اپنی رضا مقدر فرما دے اور اس کو اپنی اور اپنے مہربان رسول (سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں مقبول بنا دے، اور صبح قیامت تک اس کو اکناف عالم میں مشہور و مقبول، مرغوب و محبوب اور اثر آفرین بنا دے، اس کو میرے لیے اور میرے جملہ مسلمان متعلقین کے لیے قیامت تک صدقۂ جاریہ بنا۔ مجھے دنیا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرما۔ مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندگی اور عزت کے ساتھ ایمان پر خاتمہ نصیب فرما۔ اے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور تجھ سے کیے ہوئے وعدہ پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں ان کا میں اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ میری بخشش فرما، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے، پروردگار! تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر جو انعامات فرمائے ہیں ان پر مجھے ہمیشہ شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما اور مجھے ایسے نیک اعمال کی توفیق دے جو تجھے محبوب اور پسند ہوں۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

۷۹۔ کِتَابُ الۡاِسۡتِئۡذَانِ

اجازت لینے کا بیان

''استئذان'' کا لغوی معنی

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

لغت میں استئذان کا معنی ہے: اجازت طلب کرنا، اور اس کا مادہ اذن ہے، اور اذن دو چیزوں پر دلالت کرتا ہے: (اول) ہر اس شخص سے اجازت طلب کرنا جو اجازت دینے کا اہل اور مالک ہو، (ثانی) علم اور اعلام یعنی کسی چیز کا جاننا اور کسی چیز کے معنی پر مطلع کرنا، عرب کہتے ہیں: ''قد اذنت بھذا الامر'' یعنی مجھے اس چیز کا علم ہو گیا، اور کہتے ہیں: ''آذننی فلان'' یعنی مجھے فلاں نے اس چیز کا علم دے دیا، اور اسی باب سے لفظ اذان ہے جس کا معنی ہے: وقت کے داخل ہونے کی خبر دینا، قرآن مجید میں ہے:

فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ۔ (البقرہ: ۲۷۹) تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لو۔

یعنی تم کو اس چیز پر مطلع کیا جاتا ہے کہ سود نہ چھوڑنے کی بناء پر تم اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کو قبول کر لو۔

اور حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو کسی چیز کے متعلق اتنی اجازت نہیں دی جتنی قرآن مجید کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ (غریب الحدیث لابی عبید ج ۲ ص ۱۴۰ طبع ہند)

یعنی اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنی توجہ کے ساتھ نہیں سنتا جتنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خوش آوازی سے قرآن مجید پڑھنے کو سنتا ہے۔

لفظِ استئذان قرآن مجید میں

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتًا غَیۡرَ بُیُوۡتِکُمۡ حَتّٰی تَسۡتَاۡنِسُوۡا وَتُسَلِّمُوۡا عَلٰۤی اَهۡلِهَا ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ۝ فَاِنۡ لَّمۡ تَجِدُوۡا فِیۡهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدۡخُلُوۡهَا حَتّٰی یُؤۡذَنَ لَکُمۡ ۚ وَاِنۡ قِیۡلَ لَکُمُ ارۡجِعُوۡا فَارۡجِعُوۡا هُوَ اَزۡکٰی لَکُمۡ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِیۡمٌ ۝ (النور: ۲۷۔۲۸)

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ کر لو، یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ۝ اور اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہو، حتیٰ کہ تمہیں اجازت دے دی جائے، اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جاؤ، یہ (لوٹ جانا) تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کا خوب جاننے والا ہے ۝

محمود استئذان

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰى یَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (النور: ۶۲)

مومنین صرف وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر حقیقۃً ایمان رکھتے ہیں، اور جب وہ کسی مجتمع ہونے والی مہم میں رسول کے ساتھ ہوتے ہیں تو ان کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاتے، بے شک جو لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں، پس جب وہ اپنے کسی کام کے لیے آپ سے اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جس کو چاہیں اجازت دے دیں، اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں، بے شک اللہ بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

مذموم استئذان

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا وَّ لَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِیْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِیْنَ ۝ (التوبہ: ۸۳)

(اے رسول مکرم!) اگر اللہ آپ کو ان منافقوں کے کسی گروہ کی طرف واپس لائے اور یہ آپ سے جہاد میں جانے کی اجازت طلب کریں تو آپ ان سے کہیں کہ اب تم کبھی بھی میرے ساتھ نہ جاسکو گے، اور کبھی میرے ہمراہ دشمن سے قتال نہیں کرو گے، تم پہلی بار بیٹھے رہنے پر راضی ہوئے، سو اب پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو O

وَ اِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ جَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَ قَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِیْنَ ۝ (التوبہ: ۸۶)

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ جہاد کرو تو ان میں سے متمول لوگ آپ سے اجازت مانگنے لگتے ہیں، اور کہتے ہیں: ہم کو چھوڑ دیجئے ہم بیٹھنے والوں کے ساتھ رہ جائیں O

وَ اِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَ یَسْتَاْذِنُ فَرِیْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِیَّ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ وَ مَا هِیَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝ (الاحزاب: ۱۳)

اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا تھا: اے یثرب والو! اب تمہارا یہاں کوئی ٹھکانا نہیں ہے تم واپس جاؤ، اور ان کا دوسرا فریق نبی سے جانے کی اجازت طلب کر رہا تھا، وہ کہہ رہا تھا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے، وہ صرف بھاگنا چاہ رہے تھے O

لفظِ استئذان کے متعلق احادیث

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کی ہجو کرنے کی اجازت طلب کی، آپ نے فرمایا: میرے نسب کا کیا کرو گے؟ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ کو ان میں سے اس طرح کھینچ لوں گا جس طرح بال کو گوندھے ہوئے آٹے سے کھینچا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری: ۳۵۳۱، صحیح مسلم: ۲۴۸۷، مسند احمد: ۲۴۹۱۶)

(۲) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت طلب کی اور اس وقت آپ کے پاس قریش کی خواتین بیٹھی ہوئی تھیں جو آپ سے باتیں کر رہی تھیں اور ان کی آواز آپ کی آواز پر بلند ہو رہی تھی، پس جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی تو وہ کھڑی ہو کر جلدی سے پردہ میں چلی گئیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اجازت دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کے دانتوں کو ہمیشہ ہنستا ہوا رکھے یا رسول اللہ! پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے ان عورتوں پر تعجب ہو رہا ہے جو میرے پاس تھیں، جب انہوں نے تمہاری آواز سنی تو یہ جلدی سے حجاب میں چلی گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ یہ آپ سے ڈریں یا رسول اللہ! پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اپنی جان کی دشمنو! کیا تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ڈرتیں؟ تو ان عورتوں نے کہا: ہاں! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تند مزاج اور سخت ہیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن الخطاب! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! جب بھی شیطان کسی راستہ میں تم سے ملتا ہے تو وہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۲۹۴، صحیح مسلم: ۲۳۹۷، مسند احمد: ۱۴۷۵)

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم سے تمہاری بیوی مسجد میں جانے کی اجازت طلب کرے تو تم اس کو منع نہ کرو۔ (صحیح البخاری: ۸۶۵، صحیح مسلم: ۴۴۲)

(۴) ربعی بن حراش بیان کرتے ہیں کہ ہمیں بنو عامر کے ایک مرد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت اپنے گھر میں تھے تو آپ سے ایک شخص نے اجازت طلب کی اور کہا: کیا میں اندر آ جاؤں؟ آپ نے اپنے خادم سے فرمایا: جاؤ اور اس کو استئذان کی تعلیم دو، اس سے کہو کہ تم کہو: السلام علیکم! کیا میں داخل ہو جاؤں؟ اس مرد نے یہ سن لیا، پس اس نے کہا: السلام علیکم! کیا میں داخل ہو جاؤں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجازت دے دی۔ (سنن ابوداؤد: ۵۱۷۷)

(۵) حضرت کلدہ بن الحنبلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صفوان بن امیہ نے دودھ اور کچھ سبزیاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجیں، اور اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم وادی کی بلندی پر تھے، وہ آپ کے پاس داخل ہوا اور اس نے نہ سلام کیا اور نہ اجازت طلب کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واپس جاؤ، پھر کہو: السلام علیکم! کیا میں داخل ہو جاؤں؟ اور یہ صفوان کے اسلام لانے کے بعد کا واقعہ ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۷۱۰، سنن ابوداؤد: ۵۱۷۶، الادب المفرد: ۱۰۸۱)

(۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام مومنین قیامت کے دن جمع ہوں گے، پس وہ کہیں گے: اگر ہم کسی کو اپنے رب کے پاس شفاعت کرنے والا بنائیں، پھر وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے، پس وہ کہیں گے: آپ تمام لوگوں کے باپ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور آپ کے لیے فرشتوں کو سجدہ ریز کیا، اور آپ کو تمام چیز

کے نام سکھائے، پس آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کریں حتیٰ کہ ہم کو اس جگہ سے وہ راحت میں لے آئے، حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے: میں اس مرتبہ کا نہیں اور وہ اپنی ظاہری خطا کو یاد کر کے حیا فرمائیں گے، تم حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ، کیونکہ وہ پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا، پس لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے، سو وہ کہیں گے: میں اس مرتبہ کا نہیں اور وہ یاد کریں گے کہ انہوں نے اپنے رب سے اس چیز کا سوال کیا تھا جس کا انہیں علم نہ تھا، پس وہ حیا فرمائیں گے، سو وہ کہیں گے: تم خلیل الرحمٰن کے پاس جاؤ، وہ ان کے پاس جائیں گے، تو وہ بھی کہیں گے: میں اس مرتبہ کا نہیں، تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ ایسے بندے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا ہے اور ان کو تورات عطا فرمائی ہے، وہ ان کے پاس جائیں گے تو وہ کہیں گے: میں اس مرتبہ کا نہیں اور وہ یاد کریں گے کہ انہوں نے ایک جان کو بغیر کسی جان کے بدلہ قتل کیا تھا، سو وہ اپنے رب سے حیا فرمائیں گے، پس وہ کہیں گے: تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کے کلمہ ہیں اور اس کی روح ہیں، سو وہ کہیں گے: میں اس مرتبہ کا نہیں، تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ، وہ ایسے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام اگلی اور پچھلی ظاہری خطائیں معاف فرما دی ہیں، سو وہ میرے پاس آئیں گے، پس میں چلوں گا حتیٰ کہ اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا، سو مجھے اجازت دی جائے گی۔ پھر میں اپنے رب کو دیکھوں گا اور میں سجدہ میں گر جاؤں گا، اللہ تعالیٰ مجھے جب تک چاہے گا سجدہ میں چھوڑے گا، پھر فرمائے گا: اپنا سر اٹھائیں، آپ سوال کریں آپ کو دیا جائے گا، آپ بات کریں آپ کی بات سنی جائے گی، آپ شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، پس میں اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد کروں گا جو اللہ تعالیٰ مجھے اس وقت تعلیم دے گا، پھر میں شفاعت کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی، پس میں ان لوگوں کو جنت میں داخل کر دوں گا، پھر دوبارہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹوں گا، پس جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو پھر میں شفاعت کروں گا، پس میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی، پس میں ان کو جنت میں داخل کر دوں گا، پھر میں تیسری مرتبہ جاؤں گا، پھر چوتھی مرتبہ جاؤں گا، پس میں کہوں گا کہ دوزخ میں صرف وہی ہیں جن کو قرآن نے روک لیا ہے اور جن کے اوپر خلود اور دوام کو واجب کر دیا ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۷۴۴، صحیح مسلم: ۱۹۳، سنن ابن ماجہ: ۴۳۱۲، مسند احمد: ۱۳۱۵۰)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے اجازت طلب کی کہ میں اپنی ماں کے لیے استغفار کروں تو مجھے اجازت نہیں دی گئی، پھر میں نے اپنے رب سے اجازت طلب کی کہ میں ان کی قبر کی زیارت کروں تو مجھے اس کی اجازت دے دی گئی۔ (صحیح مسلم: ۹۷۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت نہ دینے کی توجیہ

جب غیر معصوم کے لیے استغفار کیا جاتا ہے تو اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے کوئی کبیرہ گناہ کیا ہے جس کی وجہ سے اس کے لیے استغفار ہو رہا ہے، تو اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کے لیے استغفار کرتے تو یہ شبہ ہوتا کہ شاید آپ کی والدہ نے کوئی گناہِ کبیرہ کیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے استغفار کی اجازت نہ دے کر یہ واضح فرما دیا کہ آپ کی والدہ ماجدہ مومنہ کاملہ تھیں اور ان سے کوئی گناہِ کبیرہ سرزد نہیں ہوا تھا۔

(۸) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص سلام کرنے سے پہلے اجازت طلب کرے، اس کو اجازت نہ دی جائے حتیٰ

کہ وہ پہلے سلام کرے۔ (الادب المفرد: ۱۰۷۰)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ النور: ۲۷۔ ۲۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے مومنین کو دوسروں کے گھروں میں اس وقت تک داخل ہونے کی اجازت نہیں دی حتیٰ کہ گھر والوں کو وہ سلام کریں اور ان سے اجازت طلب کریں، یہ آداب شرعیہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو کسی کے گھر میں داخل ہونے کا ادب سکھایا ہے اور یہ استئذان ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ دوسروں کے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہوں حتیٰ کہ داخل ہونے سے پہلے ان سے اجازت طلب کریں اور اس کے بعد سلام کریں اور لائق ہے کہ تین مرتبہ اجازت طلب کریں، جب انہیں اجازت مل جائے تو آجائیں ورنہ واپس چلے جائیں۔ اور اجازت طلب کرنے والے کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ کسی گھر کے دروازہ کے سامنے نہ کھڑا ہو، اسے چاہیے کہ دروازہ کے دائیں جانب یا بائیں جانب کھڑا ہو، اور جب اس سے پوچھا جائے کہ تم کون ہو؟ تو وہ یہ نہ کہے کہ میں ہوں، کیونکہ ایسا کہنا مکروہ ہے، اور یہ اس لیے مکروہ ہے کہ اس لفظ سے اجازت طلب کرنے والے کی پہچان نہیں ہوتی حتیٰ کہ وہ اپنے نام کو یا اپنی کنیت کو ظاہر کرے، ورنہ جو شخص اپنے آپ کو میں سے تعبیر کرتا ہے تو اس سے وہ مقصود حاصل نہیں ہوتا جو استئذان سے مطلوب ہے اور جس کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر زیر آیت النور: ۲۷۔ ۲۹)

علامہ الشنقیطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اگر اجازت طلب کرنے والے کو معلوم ہو جائے کہ گھر والوں نے اس کی اجازت طلب کرنے کو سن لیا ہے تو اس پر لازم ہے کہ تیسری بار اجازت طلب کرنے کے بعد چلا جائے، کیونکہ جب گھر والوں نے اس کی آواز سن لی اور اس کو اجازت نہیں دی تو یہ اس پر دلیل ہے کہ انہوں نے اس کو اجازت نہیں دی، اور سنتِ صحیحہ میں تین سے زیادہ مرتبہ اجازت طلب کرنے کی تصریح نہیں ہے، اس لیے اس پر لازم ہے کہ تیسری مرتبہ اجازت طلب کرنے کے بعد واپس چلا جائے۔

(اضواء البیان ج ۶ ص ۱۷۵۔ ۱۶۷)

استئذان کے فوائد

(۱) اگر استئذان یعنی اجازت طلب کر کے کسی کے گھر میں جانا مشروع نہ ہو تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ کوئی اجنبی انسان کسی شخص کے گھر کی پردہ دار عورتوں کو دیکھے یا اور ایسی چیزوں کو دیکھے جن کا دیکھنا جائز نہیں ہے۔

(۲) استئذان کے مشروع ہونے کی وجہ سے انسان کو یہ حق ہوتا ہے کہ وہ جس کو چاہے اپنے گھر میں آنے دے اور جس کو چاہے اپنے گھر میں آنے سے روک دے۔

(۳) استئذان انس اور محبت کی طرف پہنچاتا ہے اور ڈر اور خوف سے روکتا ہے۔

(۴) استئذان کی وجہ سے گھر کے مالک کو یہ موقع ملتا ہے کہ وہ جس چیز کو چھپانا چاہتا ہو وہ چھپا لے اور جس چیز کو ظاہر کرنا چاہتا ہو، ظاہر کر لے۔

١- بَابُ: بَدْءِ السَّلَامِ — سلام کی ابتداء کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کا عنوان سلام کے ساتھ قائم کیا ہے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ اس شخص کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی جو سلام نہیں کرے گا۔

امام ابوداؤد از ربعی بن حراش روایت کرتے ہیں کہ ہمیں بنو عامر کے ایک مرد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: نبی ﷺ جس وقت اپنے گھر میں تھے تو آپ سے ایک شخص نے اجازت طلب کی اور کہا: کیا میں اندر آ جاؤں؟ آپ نے اپنے خادم سے فرمایا: جاؤ اور اس کو استئذان کی تعلیم دو، اس سے کہو کہ تم کہو: السلام علیکم! کیا میں داخل ہو جاؤں؟ اس مرد نے یہ سن لیا، پس اس نے کہا: السلام علیکم! کیا میں داخل ہو جاؤں؟ تو نبی ﷺ نے اس کو اجازت دے دی۔ (سنن ابوداؤد: ۵۱۷۷)

٦٢٢٧ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ خَلَقَ اللهُ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ طُولُهُ سِتُّونَ ذِرَاعًا فَلَمَّا خَلَقَهُ قَالَ اذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلَى أُولَئِكَ النَّفَرِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ جُلُوسٌ فَاسْتَمِعْ مَا يُحَيُّونَكَ فَإِنَّهَا تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالُوا السَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ فَزَادُوهُ وَرَحْمَةُ اللهِ فَكُلُّ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلَى صُورَةِ آدَمَ فَلَمْ يَزَلِ الْخَلْقُ يَنْقُصُ بَعْدُ حَتَّى الْآنَ.

(صحیح بخاری: ۳۳۲۶، ۶۲۲۷، صحیح مسلم: ۲۸۴۱، مسند احمد: ۲۷۳۸۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی از معمر از ہمام از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا، ان کا طول ساٹھ ہاتھ تھا، پس جب ان کو پیدا کیا تو فرمایا: جاؤ! فرشتوں کی جو جماعت بیٹھی ہوئی ہے ان کو سلام کرو اور سنو وہ تمہیں کیا جواب دیتے ہیں۔ پس وہی تمہارا سلام ہوگا اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا۔ پس حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: السلام علیکم! تو فرشتوں نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ، تو انہوں نے رحمت کا اضافہ کیا، پس ہر وہ شخص جو جنت میں داخل ہوگا تو وہ حضرت آدم علیہ السلام کی صورت پر ہوگا۔ پھر مسلسل مخلوق اس کے بعد (اپنی قامت میں) کم ہوتی رہی حتیٰ کہ اب تک۔

صحیح البخاری: ۶۲۲۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''سلام کی ابتداء کا بیان'' اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا:

جاؤ! فرشتوں کی اس جماعت کو سلام کرو اور دیکھو وہ تمہیں کیا جواب دیتے ہیں، پس وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا۔ اس حدیث سے سلام کی ابتداء کی کیفیت معلوم ہوجاتی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن جعفر بن اعین ابوزکریا البخاری البیکندی، ان کا ۲۴۳ھ میں انتقال ہوگیا تھا۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالرزاق، یہ عبدالرزاق بن ہمام ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر، یہ ابن راشد البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہمام، یہ ابن منبہ الصنعانی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

''صورتہ'' میں صورت کی ضمیر کا مرجع اور اس کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے ''علی صورتہ'':۔ ''علی صورتہ'' کی ضمیر کے مرجع میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ضمیر آدم کی طرف راجع ہے کیونکہ وہ قریب ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اول امر میں ایک بشر کو پیدا کیا جو مستقیم تھا اور اس کی خلقت کامل تھی اور اس کی قامت کا طول ساٹھ ہاتھ تھا۔ اور دوسروں کا معاملہ اس کے خلاف ہے، کیونکہ انسان پہلے نطفہ ہوتا ہے، پھر جما ہوا خون ہوتا ہے، پھر گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے، پھر پیٹ میں بچہ بن جاتا ہے، پھر وہ طفل ہوتا ہے، پھر وہ مرد ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کا طولِ قامت مکمل ہوجاتا ہے، تو دوسرے انسانوں کی تخلیق مختلف اطوار میں ہوتی ہے۔

علامہ ابن بطال نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے دہریہ کے قول کو باطل فرمایا ہے، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ انسان ہمیشہ پہلے نطفہ ہوتا ہے اور جو بھی نطفہ ہو وہ انسان سے حاصل ہوتا ہے، تو گویا کہ ہر انسان سے پہلے ایک انسان ہے۔ اور قدریہ کے قول کو باطل فرمایا ہے، وہ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی صفات دو قسموں پر تھیں، ایک صفات وہ تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، اور دوسری صفات وہ تھیں کہ جن کو خود حضرت آدم نے پیدا کیا۔ اور کہا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرد کے پاس سے گزرے جو اپنے غلام کے چہرہ پر تھپڑ مار رہا تھا، تو آپ نے اس کو ڈانٹا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے، اور اس صورت میں یہ ضمیر اس مضروب کے چہرہ کی طرف راجع ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے یعنی اللہ کی صورت پر پیدا کیا ہے۔ اور صورت اجسام کی شکل کو کہتے ہیں، اور صورت کا اطلاق صرف اجسام پر ہی صحیح ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو اجسام سے مبرا اور منزہ ہے تو یہاں صورت کا معنی صفت ہے، جیسے کہا جاتا ہے ''مجھے اس معاملہ کی صورت بتاؤ'' یعنی اس کی صفت بتاؤ۔ اور اس حدیث کی صفت کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی صفت پر پیدا کیا ہے، یعنی وہ زندہ ہیں، عالم ہیں، سمیع ہیں، بصیر ہیں اور متکلم ہیں۔ یا یہ اضافتِ تشریفیہ ہے جیسے بیت اللہ، تو اس گھر کی عزت افزائی کے لیے اس کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی ہے، اور روح اللہ، یعنی روح کی تعظیم کے لیے اس کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت کی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو ابتداءً پیدا کیا اور اس سے پہلے اس کی صورت کا کوئی انسان نہیں تھا، بلکہ ازسرِ نو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور اس کی اپنی طرف اضافت کر کے اس کی عزت افزائی فرمائی۔

حضرت آدم کے قد کے ساتھ ہاتھ لمبائی کا بیان

اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی چوڑائی کتنی تھی اور ایک حدیث میں وارد ہے کہ ان کی چوڑائی سات ہاتھ تھی۔
اس حدیث میں مذکور ہے "النفر" یہ مردوں کی تین سے لے کر دس تک کی گنتی ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "جلوش" جلوس، جالس کی جمع ہے اور اس پر پیش اس وجہ سے ہے کہ یہ ایک خبر کے بعد دوسری خبر ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "من ذریتك" یعنی فرشتے جو آپ کے سلام کا جواب دیں گے، وہی آپ کا اور آپ کی اولاد کا سلام ہوگا اور اس اولاد سے مراد ہے جو مسلمان ہوں۔

لفظِ سلام اور اس کے جواب کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے "السلام علیکم"، اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب سلام کرتے تھے تو السلام علیکم کہتے تھے اور جب سلام کا جواب دیتے تھے تو تب بھی السلام علیکم کہتے تھے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سلام کا لفظ برکت تک پہنچتا ہے اور کسی شخص کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ وہ اپنے سلام میں کہے "سلام الله علیك" یعنی اللہ کا تم پر سلام ہو، لیکن وہ کہے "علیک السلام" یا "السلام علیکم" کہے۔ اور کم سے کم سلام یہ ہے کہ "السلام علیکم" کہے، خواہ مخاطب ایک ہو، تو افضل جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے، تاکہ یہ سلام فرشتوں کو بھی شامل ہو جائے اور زیادہ کامل یہ ہے کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کہے، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر عمل کرتے ہوئے:

رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ۔ (ہود:۷۳) اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

اور کوئی شخص سلام کی ابتداء میں کہے: "علیکم السلام" تو یہ مکروہ ہے۔ اور اگر اس نے ایسا کہہ دیا ہے تو تب بھی صحیح قول کے مطابق وہ جواب کا مستحق ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ جواب کا مستحق نہیں ہوگا۔

امام ترمذی نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجری الہجیمی سے فرمایا: تم "علیک السلام" نہ کہنا، کیونکہ علیک السلام مردوں کا سلام ہے، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ اور افضل اور اکمل جواب یہ ہے کہ جس کو سلام کیا جائے وہ جواب میں کہے: "وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ"۔ اور "واؤ" کا ذکر کرے یعنی وعلیکم۔ علامہ نووی نے کہا: اگر اس نے واؤ کو حذف کر دیا تو جائز ہے لیکن وہ افضل کا تارک ہوگا۔ اور اگر اس نے "وعلیکم السلام" پر اقتصار کیا تو یہ بھی جائز ہے۔ اور اگر اس نے صرف "وعلیکم" پر اقتصار کیا تو یہ جائز نہیں ہے۔ اور کم سے کم سلام ابتداءً اور جواب میں یہ ہے کہ اس کا صاحب سنے اور اس سے کم جائز نہیں ہے۔ اور جواب میں شرط یہ ہے کہ فوراً جواب دیا جائے، اگر اس نے جواب کو مؤخر کر دیا، پھر بعد میں جواب دیا تو یہ جواب شمار نہیں ہوگا اور وہ جواب کے ترک کی وجہ سے گناہگار ہوگا۔ اور اگر اس کے پاس غائب کا سلام آئے کسی قاصد کی طرف سے تب بھی اس کو فوراً جواب دینا واجب ہے اور مستحب یہ ہے کہ سلام پہنچانے والے کو بھی جواب دے اور کہے "وعلیك وعلیه السلام"۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۵۹۔۳۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ ابتداءً سلام کرنے والا کہے: "السلام علیکم" اور جواب دینے والا کہے: "وعلیکم السلام" یعنی ابتداءً سلام کرنے والا بھی پہلے ابتداءً لفظِ سلام کو ذکر کرے اور جواب دینے والا آخر میں لفظ سلام کہے، اس میں یہ نکتہ ہے کہ سلام سے ابتداء ہو اور سلام

پر ہی انتہا ہو، کیونکہ سلام اللہ تعالیٰ کا اسم ہے تو گویا اللہ تعالیٰ کے نام سے ہی ابتداء ہے اور اللہ کے نام پر ہی انتہا ہے اور یا اس لیے کہ یہ دعا ہے کہ اول میں بھی سلامتی ہو اور آخر میں بھی سلامتی ہو۔

اور ہر مسلمان کو سلام کرنا چاہیے، اگر کسی شخص کے متعلق یہ علم نہ ہو کہ آیا وہ مسلمان ہے یا کافر ہے یا بدعقیدہ اور گمراہ ہے تب بھی اس کو سلام کرنا چاہیے اور اس شخص کے دائیں بائیں جو فرشتے ہیں ان کی نیت کر کے کہے: السلام علیکم۔ (سعیدی غفرلہٗ)

ملائکہ مقربین کا عربی زبان میں باتیں کرنا اور اس کی توجیہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو فرشتوں کے پاس بھیجا اور خود سلام کا طریقہ نہیں بتایا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی التوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی التوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ فرشتے ملاءِ اعلیٰ میں (یعنی ملائکہ مقربین) عربی زبان میں کلام کرتے ہیں اور عربی زبان میں سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اور سلام کے ساتھ کسی کی تعظیم کرنا یہی وہ چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے تحیت سے ارادہ فرمایا ہے۔

اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ علم کی تعلیم کا امر کرنا چاہیے اور جن سے علم حاصل کیا جائے ان کی طرف جانے کا قصد کرنا چاہیے۔ اور جس نے اُس سے علم حاصل کیا جس سے اللہ تعالیٰ نے علم حاصل کرنے کا حکم دیا تھا تو وہ عبادت میں اپنے عذر کو پہنچ گیا، اور اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اس کے ساتھ لازم رہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ وہ ملائکہ سے یہ علم حاصل کریں کہ وہ کس طرح سلام کرتے ہیں اور اس سلام کو تحیت باقیہ قرار دیا۔ اور اللہ تعالیٰ فرشتوں سے زیادہ عالم ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سلام کی تعلیم خود نہیں دی بلکہ یہ کہا کہ فرشتوں کے پاس جائیں اور سنیں وہ کیا کہتے ہیں، تا کہ علم کا حاصل کرنا سنت ہو جائے۔

اس جہان کے فانی ہونے کی دلیل

اس حدیث میں یہ ارشاد ہے: ''پس مسلسل مخلوق کی تخلیق کم ہوتی رہی حتیٰ کہ جواب ہے اس حد پر پہنچ گئی''۔ اور اس حدیث کے معنی میں قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۞ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۞ (التین: ۵۔۴)

بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا O پھر ہم نے اس کو سب سے نچلے طبقہ میں لوٹا دیا O

اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو پیدا کیا اور اس میں ایسی چیزیں رکھیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور حکیم ہے اور اس عالم کی حرکات میں اس پر دلیل رکھی کہ یہ عالم فنا ہوگا اور اس میں دہریہ کے مذہب کا ابطال ہے جو یہ زعم کرتے ہیں کہ یہ عالم فنا نہیں ہوگا، تو اللہ تعالیٰ نے انسان کے قامت میں کمی کو باقی رکھا اور جب انسان کی قامت میں مسلسل کمی ہو رہی ہے تو یہ اس کی دلیل ہے کہ اس کے پہلے قد کی لمبائی فنا ہو گئی ہے۔ اور جب اس کے قد کے بعض اجزاء پر فنا آ گئی تو کل پر بھی فنا آ جائے گی، لہٰذا یہ عالم قدیم نہیں ہوگا اور دہریہ کا قول باطل ہو جائے گا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۲۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''علی صورتہ'' میں ضمیر کے مرجع کے احتمالات

سلام کی ابتداء کا معنی یہ ہے کہ سلام کے مشروع ہونے کی کیفیت۔ اور ''صورتہ'' میں جو ضمیر ہے یہ حضرت آدم علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جس کے چہرہ پر ضرب لگائی گئی یہ ضمیر اس کی طرف لوٹتی ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ ضمیر لفظ اللہ کی طرف لوٹتی ہے۔ پس جنہوں نے کہا کہ یہ ضمیر حضرت آدم علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ لفظ اللہ ذکر میں زیادہ قریب ہے اور ضمیر کو قریب کی طرف لوٹانا چاہیے۔ اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کو ہمارے باپ آدم علیہ السلام پر مکمل فرمادیا، کیونکہ ان کو یہ فضیلت دی کہ ان کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا، فرشتوں کو ان کے سامنے سجدہ ریز کیا اور ان پر اس طرح عتاب نہیں کیا جس طرح دوسروں پر عتاب کیا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا گیا تو ان کے ساتھ سانپ اور مور کو بھی نکالا گیا تھا، پس سانپ کو یہ سزا دی کہ اس کی تخلیق سیاہ رنگ کی کردی اور اس سے اس کی ٹانگوں کو سلب کرلیا اور اس کی خوراک مٹی بنادی اور مور کے دونوں پیروں کو بدہیئت بنادیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی اصل پر باقی رکھا۔
(تفسیر عبدالرزاق ج ۱ ص ۲۱۶، رقم الحدیث: ۸۹۲)

اس حدیث کا فائدہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور دوسرے جو آپ کے ساتھ جنت سے نکالے گئے تھے ان کے درمیان فرق کو بیان کیا جائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں دہریوں کے اس مذہب کو باطل کرنا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہر انسان نطفہ سے پیدا ہوتا ہے اور نطفہ اس سے پہلے انسان سے پیدا ہوتا ہے اور انسان کا نہ کوئی اول ہے اور نہ اس کا کوئی آخر ہے، تو شارع علیہ السلام نے ان کے اس قول کی تکذیب کی ہمیں تعلیم دی اور فرمایا کہ اولِ بشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کی صورت پر پیدا کیا، ان کو کسی نطفہ سے پیدا نہیں کیا اور نہ تناسل سے اور نہ وہ طفل سے اور نہ وہ کسی رحم کے اندر رہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا بغیر اس کے کہ وہ کسی طبعی تاثیر کی وجہ سے ہو یا عنصر کی تاثیر کی وجہ سے ہو اور اس میں طبائعیین کے اس قول کا رد ہے کہ آدم علیہ السلام طبیعت کے فعل اور اس کی تاثیر سے پیدا ہوئے۔

اور علامہ ابن فورک نے ذکر کیا کہ اس حدیث کی زیادہ ظاہر تاویل یہ ہے کہ اس حدیث کا ایک سبب ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرد کے پاس سے گزرے جو اپنے بیٹے کے یا غلام کے چہرہ پر تھپڑ مار رہا تھا اور کہہ رہا تھا: ''اللہ تعالیٰ تیرے چہرہ کو بدصورت کردے'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے غلام کو مارے تو اس کے چہرہ پر مارنے سے بچے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۶۱۲)

تو اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد کو ڈانٹا۔ اور آدم علیہ السلام کا خصوصیت سے ذکر کیا کیونکہ آدم علیہ السلام ہی وہ شخص ہیں جن سے چہرہ کی تخلیق کی ابتداء ہوئی۔ اور اسی طریقہ پر آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کو پیدا کیا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے اور صورت کا معنی صفت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی

صفت پر پیدا کیا، ان کو زندہ، عالم، سمیع، بصیر، متکلم، مختار اور ارادہ کرنے والا بنایا۔ اس سے ہم نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے اور ان کو ان اوصاف کے ساتھ مشرع کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت کی اقسام

(۱) اضافت الفعل: جیسے کہا جاتا ہے: خلق اللہ، وارض اللہ، وسماء اللہ، یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اللہ تعالیٰ کی زمین اور اللہ تعالیٰ کا آسمان۔

(۲) اضافت الملک: جیسے کہا جاتا ہے: رزق اللہ، وعبد اللہ یعنی رزق اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہے اور اللہ تعالیٰ کا بندہ، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہے۔

(۳) اضافت التخصیص وتنویہ: جیسے الکعبۃ بیت اللہ، اور جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ'' (الحجر:۲۹) ''اور اس میں اپنی (پسندیدہ) روح پھونک دوں''۔ اور اس قسم کی ایک اور مثال ہے جیسے کلام اللہ، علم اللہ اور قدرت اللہ۔ یہ بھی اختصاص کی اضافت ہے اور یہ باعتبار ملک اور تشریف کے نہیں ہے۔

پھر ہم نے غور کیا کہ صورت کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کس اعتبار سے ہے، پس یہ اس طرح نہیں ہو سکتی جیسا کہ صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہوتی ہے اور صفت موصوف کے ساتھ قائم ہوتی ہے؛ کیونکہ یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کوئی حادث قائم ہو۔ پس اضافت کی اقسام میں سے الملک، الفعل اور التشریف باقی بچیں۔ اضافت ملک اور فعل کے اعتبار سے عام ہوتی ہے اور اس میں تخصیص کا فائدہ نہیں ہوتا، لہٰذا تیسری قسم باقی بچی یعنی اضافتِ تشریف۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کی تصویر کی ابتداء کی، اس سے پہلے آدم کی کوئی صورت نہیں تھی بلکہ از سر نو اللہ تعالیٰ نے آدم کی صورت کو ایجاد کیا۔ پس ان کی صورت کی اپنی طرف اضافت کر کے اس کو شرف بخشا، اور یہ معنی نہیں ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی کوئی صورت ہے، کیونکہ صورت تو اجسامِ مرکبہ کی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ صورتہ کی ضمیر حضرت آدم کی طرف راجع ہے، اور اس میں قدریہ کی تکذیب کی ہے جن کا زعم یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی صورت اور ان کی صفات وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کیا، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی صفات دو قسموں کی ہیں، ایک قسم وہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور دوسری قسم صفات کی وہ ہیں جن کو خود حضرت آدم علیہ السلام نے پیدا کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تکذیب کی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام صورتوں کو اور تمام صفات کو اور تمام اعراض کو پیدا کیا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ضمیر حضرت آدم کی طرف راجع ہو جیسا کہ اہل سنت کا اصول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سعید کو سعید پیدا کیا اور شقی کو شقی پیدا کیا اور آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کو یہ تعلیم دی کہ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا، اس کے حکم کی مخالفت کرے گا تو وہ شقی ہوگا۔ اور پھر وہ توبہ کرلے گا تو اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی قضا جاری ہوگی اور تمام امور حادث ہوتے ہیں اور احوال متغیر ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو پیدا کیا اور اس کے لیے ان چیزوں کو آسان کر دیا۔

سلام کرنے کے فقہی مسائل

سلام کرنے کی ابتداء کرنا سنتِ کفایہ ہے اور ہمارے اصحاب شافعیہ میں سے قاضی حسین نے کہا ہے: ہمارے لیے صرف ایک

سنتِ کفایہ ہے لیکن انہوں نے جو کہا ہے وہ صحیح نہیں ہے، چھینک لینے والے کو دعائیہ کلمات کہنا اور اس کو جواب دینا وہ بھی سنتِ کفایہ ہے۔اسی طرح گھر والوں کے حق میں قربانی کرنا یہ بھی سنتِ کفایہ ہے۔

اور سلام کا جواب دینا واجب ہے اور یہ ابتداءً سلام کرنے سے افضل ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ابتداءً سلام کرنا ہی افضل ہے۔ پس اگر جن پر سلام کیا گیا ہے، وہ ایک جماعت ہو تو اس کا اس سلام کا جواب دینا فرضِ کفایہ ہے، اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے۔ ہاں افضل یہ ہے کہ سب جواب دیں، اور اگر اس جماعت کے علاوہ کسی اور نے جواب دیا تو وہ جماعت گناہگار ہوگی، اور کم سے کم سلام یہ ہے کہ آدمی کہے ''السلام علیکم''۔

اور اگر مخاطب ایک ہو تو السلام علیک کہے لیکن افضل السلام علیکم کہنا ہے تاکہ فرشتوں کو بھی سلام شامل ہو جائے اور یہ زیادہ کامل ہے اور اس میں ''ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کا اضافہ کرے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ'' (ہود: ۷۳) کے بموجب اور ''علیکم السلام'' کہنا مکروہ ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی جری الہجیمی سے فرمایا: تم علیک السلام نہ کہو، کیونکہ علیک السلام کہنا مردوں کا سلام ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۵۲۰۹، سنن ترمذی: ۲۷۲۲، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۰۱۵۰)

علامہ ابن بطال نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے، اور اگر اس نے یہ کہا تو صحیح مذہب یہ ہے کہ وہ جواب کا مستحق ہوگا۔ اور یہ حدیث ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبور پر سلام کرتے ہوئے فرمایا ''السلام علیکم دار قوم مومنین''۔ (صحیح مسلم: ۲۴۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو زندوں کا سلام کیا، صغیر کا کبیر کو سلام کرنا اور قلیل کا کثیر کو سلام کرنا مستحب ہے، اور اگر اس کے برخلاف ہو تو تب بھی جائز ہے اور یہ خلاف افضل ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم کو سلام کرتے تو تین مرتبہ سلام کرتے۔ (صحیح البخاری: ۶۲۴۴)

اور یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ جب مجمع کثیر ہو۔

امام ترمذی نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت اسماء بنت یزید سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں گزرے تو آپ نے ہاتھ کے اشارہ سے سلام کیا۔ (سنن ترمذی: ۲۶۹۷)

یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ آپ نے لفظ اور اشارہ دونوں کے اعتبار سے سلام کیا، جیسا کہ سنن ابوداؤد (۵۲۰۴) میں مذکور ہے کہ آپ نے ہم کو سلام کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود انگلیوں سے اشارہ کر کے سلام کرتے ہیں اور نصاریٰ ہتھیلی سے اشارہ کر کے سلام کرتے ہیں۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے جیسا کہ امام ترمذی نے بیان کیا ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۶۹۵)

اگر بہرے کو سلام کرنا ہو تو تلفظ کے ساتھ اشارہ سے سلام کرنا چاہیے تاکہ افہام حاصل ہو ورنہ وہ جواب کا مستحق نہیں ہوگا، اور جب گونگے کو سلام کرنا ہو اور گونگے نے ہاتھ کے اشارہ سے جواب دیا تو اس سے فرض ساقط ہو جائے گا، اور اسی طرح جب گونگے نے اشارہ سے سلام کیا تو وہ جواب کا مستحق ہوگا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۰۔۱۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۲۔ بَابُ: قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝

(النور:۲۷۔۲۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ کر لو، یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو O اور اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہو، حتیٰ کہ تمہیں اجازت دے دی جائے، اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جاؤ یہ (لوٹ جانا) تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کا خوب جاننے والا ہے O اور اگر تم ایسے گھروں میں داخل ہو جن میں کوئی رہتا نہ ہو اور ان میں تمہارا سامان ہو تو تم پر کوئی حرج نہیں ہے اور اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے جس کو تم ظاہر کرتے ہو اور جس کو تم چھپاتے ہو O

اس باب کی حسب ذیل تعلیقات ہیں:

(۱) وَقَالَ سَعِيْدُ بْنُ اَبِي الْحَسَنِ لِلْحَسَنِ: اِنَّ نِسَاءَ الْعَجَمِ يَكْشِفْنَ صُدُوْرَهُنَّ وَرُءُوْسَهُنَّ۔ قَالَ: اِصْرِفْ بَصَرَكَ عَنْهُنَّ، يَقُوْلُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: (قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ) (النور:۳۰)

(۱) سعید بن ابی الحسن نے حسن بصری سے کہا کہ عجم کی عورتیں اپنا سینہ اور اپنا سر کھولے رکھتی ہیں تو حسن بصری نے کہا: تم اپنی نظر ان سے ہٹا لو۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ مسلمان مردوں سے کہیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں''۔ (النور:۳۰)

(۲) قَالَ قَتَادَةُ: عَمَّا لَا يَحِلُّ لَهُمْ۔ (وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ) (النور:۳۱)
خَائِنَةُ الْاَعْيُنِ مِنَ النَّظَرِ اِلٰى مَا نُهِيَ عَنْهُ۔

(۲) اور قتادہ نے کہا: یہ اس قبیل سے ہے جو ان کے لیے جائز نہیں ہے۔ (اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) ''اور آپ مسلمان عورتوں سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں''۔ (النور:۳۱)۔ خیانت کرنے والی آنکھیں وہ ہیں جو ان چیزوں کو دیکھیں جن کو دیکھنے سے منع کیا گیا ہے۔

(۳) وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِي النَّظَرِ إِلَى الَّتِي لَمْ تَحِضْ مِنَ النِّسَاءِ: لَا يَصْلُحُ النَّظَرُ إِلَى شَيْءٍ مِنْهُنَّ مِمَّنْ يُشْتَهَى النَّظَرُ إِلَيْهِنَّ وَإِنْ كَانَتْ صَغِيرَةً۔

(۳) اور الزہری نے کہا: جن عورتوں کو حیض نہیں آیا یعنی جو نابالغہ ہیں ان کی طرف دیکھنے کے متعلق حکم یہ ہے کہ ان کے کسی ایسے عضو کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے جس کی طرف دیکھنے سے شہوت پیدا ہو خواہ وہ کم عمر لڑکیاں ہوں۔

(۴) وَكَرِهَ عَطَاءٌ النَّظَرَ إِلَى الْجَوَارِي الَّتِي يُبَعْنَ بِمَكَّةَ إِلَّا أَنْ يُرِيدَ أَنْ يَشْتَرِيَ۔

(۴) اور عطاء نے کہا کہ جو باندیاں مکہ میں فروخت کی جاتی ہیں ان کی طرف دیکھنا مکروہ ہے، سوا اس شخص کے جوان باندیوں میں سے کسی کو خریدنا چاہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ تین آیات ہیں جن کو العصیلی اور کریمہ نے اپنی روایات میں ذکر کیا ہے۔

ان آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ انصار کی ایک عورت آئی، سو اس نے کہا: یارسول اللہ! میں اپنے گھر میں کسی ایسے حال میں ہوتی ہوں کہ میں یہ پسند نہیں کرتی کہ مجھے اس حال میں کوئی دیکھے نہ والد اور نہ بیٹا جو میرے پاس آئے اور ہمیشہ میرے پاس میرے اہل میں سے کوئی مرد داخل ہوتا ہے اور میں اسی حال پر ہوتی ہوں، سو میں کیا کروں؟ تو النور: ۲۷ نازل ہوئی جس میں مذکور ہے کہ اے ایمان والو! تم میں سے کوئی بھی دوسرے گھر میں داخل نہ ہو حتیٰ کہ تم ان سے اجازت طلب کرلو۔

علامہ الثعلبی نے کہا: اس آیت میں مذکور ہے ''حَتّٰى تَسْتَأْنِسُوْا'' اس کا معنی ہے: حتیٰ کہ تم اجازت طلب کرلو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ یہ لفظ تستأذنوا تھا لیکن لکھنے والے نے خطاء کی اور اس نے تستانسوا لکھ دیا اور حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور الاعمش اس آیت کو اسی طرح ''تستاذنوا'' پڑھتے تھے، اور اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے اور یہ آیت اس طرح تھی ''حتیٰ تسلموا علیٰ اھلھا و تستانسوا'' حتیٰ کہ تم گھر والوں کو سلام کرو اور ان سے مانوس ہو جاؤ۔

اور امام بیہقی نے کہا: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ پہلی قراءت ہو، پھر معنیٰ اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی ہو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس پر مطلع نہیں ہوئے۔ اور استیناس سے مراد استئذان ہے یعنی آدمی داخل ہوتے وقت کھانسے، یہ جمہور کا مذہب ہے۔

اور امام طبری نے مجاہد سے روایت کی ہے ''حَتّٰى تَسْتَأْنِسُوْا'' اس کا معنی ہے ''تتنحنحوا'' یعنی حتیٰ کہ تم کھنکھارو اور کھانسو۔

اور امام ابن ابی حاتم نے سندِ ضعیف سے حضرت ایوب سے روایت کی ہے، میں نے پوچھا: یارسول اللہ! یہ تو سلام ہے، پس استیناس کیا ہے، تو آپ نے فرمایا: مرد تسبیح پڑھے یعنی سبحان اللہ کہے اور اللہ اکبر کہے اور کھنکھارے تو گھر والے اس کو اجازت دیں۔

اور امام طبری نے قتادہ کی سند سے روایت کی ہے کہ استئذان تین مرتبہ ہے، پہلی مرتبہ اس لیے کہ وہ سن لیں، دوسری مرتبہ اس لیے تاکہ وہ تیار ہو جائیں اور تیسری مرتبہ اس لیے کہ اگر وہ چاہیں تو اس کو اجازت دیں اور اگر چاہیں تو اس کو واپس کردیں۔ اور استیناس کا لغت میں معنی ہے اُنس کو طلب کرنا اور اُنس کا معنی وحشت کی ضد ہے۔

اور امام بیہقی نے کہا: ''تَسْتَأْنِسُوْا'' کا معنی ہے: تاکہ تم بصیرت حاصل کرو، تاکہ گھر میں داخل ہونے والا بالبصیرت پر ہو اور وہ

اس چیز کا سامنا نہ کرے جو گھر والے کو ناپسند ہو کہ کوئی اس بات پر مطلع ہو۔

اور امام بیہقی نے حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ کلامِ عرب میں استیناس کا معنی ہے ''دیکھو گھر میں کون ہے؟'' (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی) نے کہا ہے کہ امام طحاوی نے حکایت کی ہے کہ لغتِ یمن میں استیناس کا معنی استئذان ہے، پھر کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا انکار منقول ہے۔ پس امام سعید بن منصور وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ وہ پڑھتے تھے ''حتیٰ تستاذنوا'' اور کہتے تھے کہ کاتب نے خطاء کی ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۲۹۶، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: یہ قتادہ ہیں جنہوں نے استیناس کی تفسیر استئذان کے ساتھ کی ہے جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے، پس اس قائل نے صرف یہ قصد کیا ہے کہ اس کے دل میں جو احناف کے خلاف کینہ ہو اس کو ظاہر کرے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے علامہ عینی کے اعتراض کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

یہ تعاقب مردود ہے، کیونکہ قتادہ کی تفسیر میں استئذان کے معنی کی رعایت کی گئی ہے، اس کے برخلاف جو علامہ عینی نے طحاوی سے نقل کیا ہے اس میں یہ رعایت نہیں ہے، اس لیے کہ جو امام طحاوی دوسروں سے نقل کرتے ہیں اس میں خطاء لازم نہیں آتی، اگر منقول خطاء ہو مگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے گا کہ انہوں نے خطاء کو برقرار رکھا۔ اور حافظ ابن حجر نے یہ تصریح نہیں کی کہ طحاوی نے یہ خطاء کی ہے۔ اور علامہ عینی کے اکثر اعتراضات ان کی اپنی طرف سے من گھڑت ہوتے ہیں۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۳۹۴۔ ۳۹۵)

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

النور: ۲۷ میں ارشاد ہے: ''ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ''۔ یعنی استئذان اور تسلیم (یعنی اجازت طلب کرنا اور سلام کرنا) تمہارے لیے جاہلیت کے طریقہ سے بہت بہتر ہے، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں طریقہ تھا کہ بغیر اجازت لیے ہوئے کسی کے گھر میں داخل ہو جاتے تھے۔

النور: ۲۸ میں مذکور ہے: ''فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا'' یعنی اگر تم کو گھروں میں کوئی اجازت دینے والا نہ ملے تو پھر تم گھروں میں داخل نہ ہو، پس صبر کرو حتیٰ کہ تم اس کو پاؤ جو تم کو اجازت دے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس آیت کا یہ معنی ہو کہ اگر تم گھروں میں کسی گھر والے کو نہ پاؤ اور تمہیں گھر میں داخل ہونے کی شدید حاجت ہو تب بھی تم گھر میں داخل نہ ہو جب تک کہ گھر والے تمہیں اجازت نہ دیں۔

نیز اس آیت میں مذکور ہے: ''وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا'' یعنی اگر تم سے کہا جائے کہ تم واپس جاؤ، تو تم واپس چلے

جاؤ، اور تم گھر کے دروازوں پر نہ کھڑے رہو اور نہ ان دروازوں کو لازم رکھو۔

غیر آباد گھروں کے متعلق فقہاء کے متعدد اقوال

نیز اس آیت میں مذکور ہے "هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ" یعنی یہ واپس چلے جانا تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہے اور اس میں زیادہ مصلحت ہے۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! یہ بتایئے کہ جو سرائے ہوتے ہیں اور راستے میں خالی مکانات ہوتے ہیں جن میں کوئی رہنے والا نہیں ہوتا ان کا کیا حکم ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝ (النور: ۲۹)

اور اگر تم ایسے گھروں میں داخل ہو جن میں کوئی رہتا نہ ہو اور ان میں تمہارا سامان ہو تو تم پر کوئی حرج نہیں ہے اور اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے جس کو تم ظاہر کرتے ہو اور جس کو تم چھپاتے ہو O

اس میں اختلاف ہے کہ ان گھروں سے کیا مراد ہے؟ قتادہ نے کہا: یہ سرائے ہیں اور وہ مکانات ہیں جو سائلین کے لیے بنائے جاتے ہیں، وہ ان مکانات میں ٹھہرتے ہیں اور اپنا سامان ان مکانوں میں رکھتے ہیں۔ اور مجاہد نے کہا کہ لوگ مدینہ کے راستے میں اپنی چیزیں اور سامان ان گھروں میں رکھتے تھے جن میں کوئی نہیں ہوتا تھا اور اس زمانہ میں وہ راستے امن والے ہوتے تھے، پس ان کے لیے جائز قرار دیا کہ وہ ان گھروں میں بغیر اجازت کے داخل ہوں۔ اور محمد بن حنفیہ اور ان کے والد حضرت علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ مکہ کے مکانات ہیں۔ اور ضحاک نے کہا: یہ وہ کھنڈرات ہیں جن میں مسافر گرمیوں اور سردیوں کے اندر پناہ لیتے ہیں۔ اور عطاء نے کہا: یہ ویران گھر ہیں۔ اور "متاع" سے مراد ہے ان گھروں میں قضائے حاجت کرنا۔ اور ابن زید نے کہا: یہ تاجروں کے گھر ہیں اور ان کی دکانیں ہیں جو بازاروں میں ہوتی ہیں۔ اور ابن جریج نے کہا: یہ تمام وہ مکانات ہیں جن میں کوئی رہنے والا نہیں ہوتا۔ (النور: ۲۷-۲۹ کی تفسیر ختم ہوئی)

باب مذکور کی چار تعلیقات میں سے پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

ان تین آیات کے بعد اس تعلیق کے ذکر میں یہ اشارہ ہے کہ استئذان کی مشروعیت کی بنیاد یہ ہے کہ کوئی داخل ہونے والا اس چیز کی طرف نظر نہ ڈالے جس چیز کی طرف گھر والا کسی کے دیکھنے کو پسند نہیں کرتا۔

حسن بصری نے اس آیت سے اسی چیز کا استدلال کیا ہے، اور امام بخاری نے اس کے بعد قتادہ کا اثر اس کی تفسیر کے لیے نقل کیا ہے۔ اور سعید بن ابی الحسن وہ الحسن البصری کے بھائی ہیں، اور یہ ثقہ تابعی ہیں۔ امام بخاری نے بتایا کہ یہ حسن بصری سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔

حسن بصری کے بھائی نے پوچھا کہ عجمی عورتیں اپنے سینے اور سر کو کھلا رکھتی ہیں، تو حسن بصری نے اپنے بھائی سے کہا: تم اپنی نظر ان سے ہٹا کر رکھو۔ اور بتایا کہ قرآن مجید میں ہے کہ "وہ اپنی شرمگاہوں کی ان سے حفاظت کریں جو دوسروں کے لیے حلال نہیں ہیں"۔

باب مذکور کی چار تعلیقات میں سے دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں یہ آیت نقل کی ہے "اور آپ مسلمان عورتوں سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی

حفاظت کریں"۔ (النور:۳۱)۔ یہ آیت بھی حسن بصری کے استدلال کا تتمہ ہے، اور قتادہ کے اثر کو ان کے درمیان میں امام بخاری نے ذکر کر دیا۔

خیانت کرنے والی آنکھ کی تفسیر میں متعدد اقوال

نیز اس تعلیق میں کہا گیا ہے کہ "خیانت کرنے والی آنکھیں وہ ہیں جو ان چیزوں کو دیکھیں جن کو دیکھنے سے منع کیا گیا ہے"۔

اور کریمہ کی روایت میں ہے کہ اللہ عزوجل نے جن چیزوں کو دیکھنے سے منع فرمایا، نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ ۝ (المومن:۱۹)

خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور سینہ میں چھپی ہوئی باتوں کو اللہ خوب جانتا ہے ○

یعنی اللہ تعالیٰ ان نظروں کو خوب جانتا ہے جو چوری سے ان چیزوں کو دیکھتی ہیں جن کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔ اور امام ابن ابی حاتم نے از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا ہے: اس سے مراد وہ مرد ہے کہ جو اس خوبصورت عورت کی طرف دیکھتا ہے جو اس کے پاس سے گزرتی ہے۔ یا اس گھر میں داخل ہوتا ہے جس میں وہ عورت رہتی ہے۔ پس جب اس کو پتا چل جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنی نظروں کو جھکا لے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ مرد یہ پسند کرتا ہے کہ وہ مرد اس عورت کی شرمگاہ پر مطلع ہو اور اگر اس کے ساتھ زنا پر قادر ہو تو زنا کرے۔

باب مذکور کی چار تعلیقات میں سے تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

الزہری نے اس تعلیق میں یہ کہا ہے کہ اگر نابالغ لڑکیوں میں سے بھی کوئی لڑکی شہوت انگیز ہو تو اس کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے۔ اور اسی آیت سے علامہ ابن القاسم مالکی نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کسی مرد کے لیے اجنبی نابالغ مردہ لڑکی کو غسل دینا جائز نہیں ہے۔ اور اس مسئلہ میں اشعب مالکی کا اختلاف ہے۔

باب مذکور کی چار تعلیقات میں سے چوتھی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں عطاء کا ذکر ہے، یہ عطاء بن ابی رباح ہیں، ان کے اس اثر کو امام ابن ابی شیبہ نے اوزاعی کی سندِ موصول سے روایت کیا ہے، اس میں مذکور ہے کہ عطاء بن ابی رباح سے ان باندیوں کے متعلق سوال کیا گیا جنہیں مکہ میں فروخت کیا گیا ہے، انہوں نے کہا: ان کی طرف دیکھنا مکروہ ہے سوا اس شخص کے جو ان باندیوں میں سے کسی کو خریدنا چاہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۵۹۔ ۳۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۲۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ يَسَارٍ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما قَالَ أَرْدَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْفَضْلَ بْنَ عَبَّاسٍ يَوْمَ النَّحْرِ خَلْفَهُ عَلَى عَجُزِ رَاحِلَتِهِ وَكَانَ الْفَضْلُ رَجُلًا وَضِيئًا فَوَقَفَ النَّبِيُّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سلیمان بن یسار نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما

ﷺ لِلنَّاسِ يُفْتِيهِمْ وَأَقْبَلَتْ امْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمَ وَضِيئَةٌ تَسْتَفْتِي رَسُولَ اللهِ ﷺ فَطَفِقَ الْفَضْلُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا وَأَعْجَبَهُ حُسْنُهَا فَالْتَفَتَ النَّبِيُّ ﷺ وَالْفَضْلُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا فَأَخْلَفَ بِيَدِهِ فَأَخَذَ بِذَقَنِ الْفَضْلِ فَعَدَلَ وَجْهَهُ عَنِ النَّظَرِ إِلَيْهَا فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ فَرِيضَةَ اللهِ فِي الْحَجِّ عَلَى عِبَادِهِ أَدْرَكَتْ أَبِي شَيْخًا كَبِيرًا لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَسْتَوِيَ عَلَى الرَّاحِلَةِ فَهَلْ يَقْضِي عَنْهُ أَنْ أَحُجَّ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ۔

کو قربانی کے دن سواری کے پچھلے حصہ پر اپنے پیچھے بٹھایا، اور حضرت الفضل حسین مرد تھے، پس نبی ﷺ لوگوں کے لیے ٹھہر گئے، آپ لوگوں کو ان کے سوالات کے جوابات دے رہے تھے، اور قبیلہ خثعم کی ایک حسین عورت آئی، وہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کر رہی تھی، تو حضرت فضل اس عورت کی طرف دیکھنے لگے، ان کو اس عورت کا حسن اچھا لگا، پس نبی ﷺ نے مڑ کر دیکھا اور حضرت فضل رضی اللہ عنہ اس عورت کی طرف دیکھ رہے تھے، تو آپ نے اپنا ہاتھ پیچھے کیا اور حضرت فضل رضی اللہ عنہ کی ٹھوڑی کو پکڑا اور ان کا چہرہ اس عورت کی طرف سے پھیر دیا، اس عورت نے پوچھا: یا رسول اللہ! بے شک اللہ تعالیٰ نے حج کو فرض کر دیا ہے اپنے بندوں پر، میں نے اپنے باپ کو سخت بوڑھا پایا، وہ سواری پر سیدھا بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتا، کیا اس سے یہ کفایت کرے گا کہ میں اس کی طرف سے حج کر لوں، آپ نے فرمایا: ہاں!

(صحیح البخاری: ۱۵۱۳، ۱۸۵۴، ۱۸۵۵، ۴۳۹۹، ۶۲۲۸، صحیح مسلم: ۱۳۳۴، سنن ترمذی: ۹۲۸، سنن نسائی: ۲۶۴۱، سنن ابوداؤد: ۱۸۰۹، سنن ابن ماجہ: ۲۹۰۷، مسند احمد: ۳۳۶۵، موطا امام مالک: ۸۰۶، سنن دارمی: ۱۸۳۱)

صحیح البخاری: ۶۲۲۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی یہاں پر روایت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نظر کو جھکا کے رکھنا فتنہ کے خوف سے ہے، اور اس حدیث کی سند میں ابوالیمان کا ذکر ہے، ان کا نام الحکم بن نافع ہے، اور یہ حدیث کتاب الحج میں اس باب میں گزر چکی ہے "الحج عمن لا یستطیع الثبوت علی الراحلة"۔ اور وہاں اس کی شرح بھی گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "علی عجز راحلته" عجز میں عین پر زبر ہے اور جیم پر پیش ہے، اس سے مراد ہے سواری کا پچھلا حصہ۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وضیئا" یعنی ان کا چہرہ حسین تھا اور ان کی صورت پر کشش تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "خثعم" خاء پر زبر اور ثاء پر جزم، یہ ایک قبیلہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت الفضل بن عباس رضی اللہ عنہما کا تذکرہ

اس حدیث میں حضرت الفضل کا ذکر ہے، ان کا نام ہے: حضرت الفضل بن عباس بن عبد المطلب بن ہاشم القرشی الہاشمی، ابوعبداللہ، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد ہیں، ان کی والدہ حضرت ام الفضل لبابۃ الکبریٰ بنت الحارث بن حزن الہلالیہ ہیں، ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں، حضرت الفضل، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جنگ یرموک میں شہید ہو گئے تھے، ان کی شہادت صفر ۱۳ھ میں ہوئی، اس وقت ان کی عمر بائیس سال تھی۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت الفضل سواری پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ ایک سواری پر دو آدمیوں کا بیٹھنا جائز ہے۔

حضرت الفضل اس عورت کی طرف دیکھنے لگے اور وہ ان کی طرف دیکھنے لگی، اس میں یہ دلیل ہے کہ عورت کا چہرہ احرام میں کھلا رہنا چاہیے۔ حضرت الفضل نے اس عورت کے چہرہ کی طرف دیکھا، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی طبیعت پر شہوت کا غلبہ ہے اور وہ طبعی تقاضوں کو روکنے میں کمزور ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت الفضل کا چہرہ دوسری طرف کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے چہرہ کی طرف دیکھنا ممنوع ہے اور عالم کو چاہیے کہ وہ اس سے روکے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو حضرت الفضل کی طرف دیکھنے سے منع نہیں فرمایا کیونکہ جب آپ نے حضرت الفضل کے چہرہ کو اس کی طرف سے پھیر دیا تو وہ عورت بھی متنبہ ہو گئی تھی، اس حدیث کی وجہ سے بعض مالکی فقہاء نے یہ کہا ہے کہ عورت پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اپنے چہرہ کو ڈھانپے بلکہ مرد پر لازم ہے کہ وہ عورت کے چہرہ کی طرف نہ دیکھے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو چہرہ ڈھانپنے کے لیے اس لیے نہیں فرمایا کیونکہ وہ احرام میں تھی اور احرام میں چہرہ کھلا رکھا جاتا ہے، اور آپ نے حضرت الفضل کو اس عورت کی طرف دیکھنے سے منع کرنے کے بجائے ان کا چہرہ دوسری طرف کر دیا کیونکہ فعل سے منع کرنا قول سے منع کرنے کی بہ نسبت زیادہ قوی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۹ ص ۱۸۰۔۱۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۲۸، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کی تحقیق کہ قرآن مجید میں مذکور کوئی لفظ خطا پر مبنی نہیں ہے

اور سعید بن جبیر نے کہا: استیناس کا معنی استئذان ہے اور میرا گمان ہے کہ قرآن مجید میں جو ''حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا'' کا ذکر ہے، یہ لکھنے والے کی خطاء ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی کہا کہ یہ لفظ ''حتی تستاذنوا'' ہے اور کاتب سے یہ لفظ ساقط ہو گیا۔

اسماعیل بن اسحاق نے کہا: کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ قرآن میں فلاں لفظ لکھنے والے کی خطاء ہے، کیونکہ پورا قرآن محفوظ ہے اور اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن مجید کو اس سے محفوظ رکھا ہے کہ اس میں کوئی باطل چیز سامنے سے آسکے یا پیچھے سے آسکے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿٤٢﴾ (حم سجدہ: ۴۲) اس میں باطل کہیں سے نہیں آسکتا نہ سامنے سے اور نہ پیچھے سے، یہ کتاب بہت حکمت والے، حمد کیے ہوئے کی طرف سے نازل شدہ ہے O

استیناس کے معانی

مجاہد سے روایت ہے کہ استیناس کا معنی ہے کہ جب کوئی شخص کسی گھر میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو کھنکارے اور بلغم نکالے۔

اور علامہ ابن وہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ استیناس کا معنی ہے بیٹھ جانا، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ'' (الاحزاب: ۵۳) ''اور باتیں کرنے کے لیے نہ بیٹھ جانا''۔ اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بالا خانہ میں تشریف فرما ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ''استانس یا رسول اللہ!'' یارسول اللہ کیا میں بیٹھ جاؤں؟، آپ نے فرمایا: ہاں! پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ اور اسماعیل نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ''استانس'' اس پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے یہ پسند کیا کہ وہ یہ جان لیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا بیٹھنا ناپسند نہیں ہے۔

کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے پہلے اجازت لینے کی حکمت

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ لکھتے ہیں:

استئذان کا معنی یہ ہے کہ گھر والوں میں سے کسی کو یہ خوف ہو کہ مرد کی اچانک نظر کسی ایسی چیز پر پڑے گی جس کو دیکھنا اس کے لیے جائز نہیں ہوگا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ استئذان کو دیکھنے کے لیے مشروع کیا گیا ہے اور آنکھ کو بند کرنے کا حکم دیا گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ۔ (النور: ۳۰) آپ مسلمان مردوں سے کہیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت الفضل بن عباس رضی اللہ عنہما کا چہرہ اس عورت کے چہرہ کی طرف سے پھیر دیا تھا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے راستوں میں بیٹھنے سے منع فرمایا ہے سوا اس کے کہ نظر کو نیچے رکھا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو نظر نیچے رکھنے کا حکم دیا ہے وہ اس لیے کہ اس پر نظر نہ پڑے جس کو دیکھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ دیکھنا فتنہ کا ذریعہ بنتا ہے۔ پس جب تم فتنہ سے مامون ہو تو پھر تمہارے لیے دیکھنا مباح ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت الفضل بن عباس رضی اللہ عنہما کا چہرہ اس عورت کے چہرہ کی طرف سے پھیر دیا جب آپ نے یہ دیکھا کہ وہ مسلسل اس کی طرف دیکھ رہے ہیں اور اس کا حسن ان کو اچھا لگا ہے، تو آپ کو ان کے اوپر شیطان کے فتنہ کا خوف ہوا۔

ابن آدم کی طبیعت کا کمزور ہونا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ابن آدم پر اس کی بشری طبیعت کے تقاضے غالب رہتے ہیں، اور اس کی طبیعت میں جو عورتوں کی طرف میلان کرنا مرکوز ہے تو ابن آدم کا اپنے آپ کو اس سے روکنا کمزور ہے۔

عورتوں کے حجاب کا ہر حال میں فرض نہ ہونا

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مومنین کی عورتوں پر ہر حال میں حجاب کو لازم رکھنا فرض نہیں ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے اوپر ہر حال میں حجاب میں رہنا لازم تھا۔ اور اگر ایسا ہوتا یعنی اگر تمام عورتوں پر ہر حال میں حجاب کا رکھنا فرض ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس خثعمیہ خاتون کو پردہ کرنے کا حکم دیتے، اور حضرت فضل بن عباس کے چہرہ کو موڑنے پر اکتفاء نہ کرتے بلکہ انہیں حکم دیتے کہ وہ اپنی نظر پھیر لیں اور ان کو بتاتے کہ یہ فرض ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کے خوف سے ان کا چہرہ پھیر دیا، اور اس سے پہلے ان کو چھوڑ دیا تھا۔

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ مومن عورتوں کا اپنے چہرہ کو غیر ذی محرم سے چھپانا سنت ہے، کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ نماز میں اپنے چہرہ کو ظاہر کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ۔ (النور: ۳۰) آپ مسلمان مردوں سے کہیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔

یہ چہرہ کو دیکھنے کے علاوہ نظر کو جھکانا فرض ہے اور تمام محرمات سے نظر کو نیچا کرنا بھی فرض ہے اور جس چیز سے فتنہ کا خوف ہو تو وہاں نظر کو جھکانا واجب ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: تم ایک مرتبہ دیکھنے کے بعد دوسری بار نہ دیکھو کیونکہ تمہاری یہ پہلی نظر معاف ہے اور دوسری نظر تمہارے لیے نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۴۹، سنن ترمذی: ۲۷۷۷، مسند احمد: ۵۳۵۳، بیہقی ج ۷ ص ۹۰)

اس لیے کہ پہلی نظر کا انسان مالک نہیں ہے، اس لیے اس میں تبعیض واجب ہے اور فرج میں اس لیے اس طرح نہیں فرمایا کیوں کہ اس کا انسان مالک ہوتا ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۹ ص ۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

۶۲۲۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا أَبُو عَامِرٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضي الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ بِالطُّرُقَاتِ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ مَا لَنَا مِنْ مَجَالِسِنَا بُدٌّ نَتَحَدَّثُ فِيهَا فَقَالَ إِذْ أَبَيْتُمْ إِلَّا الْمَجْلِسَ فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهُ قَالُوا وَمَا حَقُّ الطَّرِيقِ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ غَضُّ الْبَصَرِ وَكَفُّ الْأَذَى وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

[صحیح بخاری: ۲۴۶۵، ۶۲۲۹، صحیح مسلم: ۲۱۲۱، سنن ابو داؤد: ۴۸۱۵، مسند احمد: ۱۰۹۱۶]

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عامر نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی از زید بن اسلم از عطاء بن یسار از حضرت ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے آپ کو راستوں میں بیٹھنے سے بچاؤ، صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! ہمارے لیے تو اپنی مجالس سے کوئی چارہ کار نہیں ہے، ہم وہاں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں، تو آپ نے فرمایا: جب تم راستہ میں مجلس کو نہیں چھوڑتے تو پھر راستہ کا حق ادا کرو، صحابہ کرام نے پوچھا: اور راستہ کا حق کیا ہے یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: نظر نیچی رکھنا اور تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹا دینا، سلام کا جواب دینا اور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔

صحیح البخاری: ۶۲۲۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کو یہاں پر ذکر کرنے کی مناسبت یہ ہے کہ اس حدیث میں نظر نیچی رکھنے کا صراحۃً حکم ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن محمد کا ذکر ہے، وہ مسندی ہیں۔ اور ابو عامر کا ذکر ہے، وہ عبدالملک العقدی ہیں۔ اور الزہیر کا ذکر ہے، وہ ابن محمد التیمی الخراسانی ہیں۔ اور زید بن اسلم ہیں، وہ ابو اسامہ مولیٰ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوسعید الخدری کا ذکر ہے، ان کا نام سعد بن مالک الخدری رضی اللہ عنہ ہے، یہ حدیث کتاب المظالم میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ایاکم'' یہ تحذیر کے لیے ہے، یعنی تم ایسا کام نہ کرو۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''الجلوس بالطرقات'' اس کا معنی ہے: راستوں پر نہ بیٹھو اور مجلسیں نہ لگاؤ۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اذا ابیتم'' یعنی جب تم اس سے نہ رکو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وکف الاذیٰ'' یعنی جس چیز کی وجہ سے لوگوں کا گزرنا تنگ ہو۔ اور مردوں کو سرراہ اس لیے بیٹھنے سے منع فرمایا کہ عورتیں اپنی ضروریات کی وجہ سے گھروں سے باہر نکلتی ہیں، اور اگر مرد راستوں پر بیٹھے ہوں تو عورتوں کا اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے باہر جانا دشوار ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۲۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

راستہ میں بیٹھنے کے حکم کی ممانعت کا وجوب کے لیے نہ ہونا

امام مسلم بن حجاج القشیری متوفی ۲۶۱ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوطلحہ سے روایت کی ہے کہ ہم اپنے گھر کے سامنے کھلی جگہ میں بیٹھے ہوئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور آپ نے فرمایا: تمہیں اس کھلی جگہ میں مجلس لگانے کی کیا ضرورت ہے۔

صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہمارے لیے ان مجالس میں بیٹھنا ضروری ہے، ہم یہاں باتیں کرتے ہیں۔

قاضی عیاض نے کہا: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو یہ حکم دینا وجوب کے لیے نہیں تھا بلکہ یہ بطریق ترغیب اور بطریقِ اولیٰ تھا، کیونکہ اگر صحابہ اس حکم سے وجوب کو سمجھتے تو یہ جواب نہ دیتے۔ اور جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ امر وجوب کے لیے نہیں ہوتا، انہوں نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صحابہ کو یہ امید ہو کہ ہے تو یہ واجب لیکن شاید اس میں تخفیف ہو جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے وجوب کو منسوخ فرما دیں، کیونکہ انہوں نے اپنی حاجت کا ذکر کیا تھا۔

راستہ میں بیٹھنے والوں کے ذمہ متعدد حقوق

جب صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! راستہ کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: نظر نیچے رکھنا، راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔

اور ابوطلحہ کی حدیث میں حسنِ کلام کا اضافہ کیا ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مسافروں کی رہنمائی کرنے کا اضافہ ہے، اور جس شخص کو چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہے تو اس کی چھینک کے جواب دینے کا حکم ہے۔ اور مرسلِ یحییٰ بن یعمر میں یہ اضافہ ہے کہ مصیبت زدہ کی مدد کرو، اور جس کو راستہ معلوم نہ ہو، اس کو راستہ کی ہدایت دو۔

اور مسند احمد اور ترمذی میں حضرت البراء سے روایت ہے کہ راستہ کی ہدایت دو، مظلوم کی مدد کرو اور سلام کو پھیلاؤ۔ امام بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سواری پر سامان لادنے میں مدد کرنا۔

اور امام طبرانی کی حدیث میں یہ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بہ کثرت ذکر کرو۔ اور حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کی حدیث طبرانی میں ہے، اس میں یہ اضافہ ہے کہ ناسمجھوں کو ہدایت دو، اور مظلوم کی مدد کرو۔ اور یہ بارہ آداب ہیں جن کو میں نے اشعار میں جمع کیا ہے۔

راستہ کے حقوق کے متعلق بارہ (۱۲) آداب

ان بارہ آداب کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) سلام کو پھیلانا (۲) عمدگی سے کلام کرنا (۳) جو چھینک لے اس کو الحمدللہ کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا (۴) ابتداءً سلام کرنا (۵) سلام کا جواب دینا (۶) سواری پر سامان لادنے میں مدد کرنا (۷) مظلوم کی مدد کرنا (۸) جس کو راستہ معلوم نہ ہو اس کو راستہ دکھانا (۹) کسی حیران آدمی کو ہدایت دینا (۱۰) نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا (۱۲) راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا اور نظر نیچی رکھنا۔

راستہ میں بیٹھنے کی ممانعت کی حکمت

راستہ میں بیٹھنے کی ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ آدمی فتنوں سے بچے، کیونکہ جوان عورتیں راستے سے گزرتی ہیں اور یہ خطرہ ہوتا ہے کہ مردان اجنبی جوان عورتوں کی طرف دیکھے گا، کیونکہ عورتوں کو تو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے گھر سے باہر نکلنے سے منع نہیں کیا جاسکتا۔ اور وہ حقوق اللہ کی ادائیگی کے لیے بھی گھر سے باہر نکلتی ہیں۔ پس مسلمان پر واجب ہے کہ وہ راستے پر نہ بیٹھے تاکہ ان خطرات میں مبتلا نہ ہو۔

اسی طرح جو لوگ راستے سے گزرتے ہیں تو ہر شخص کو سلام کرنا اور ہر شخص کے سلام کا جواب دینا تو بسا اوقات یہ مشکل ہوتا ہے، اور سلام کا جواب دینا فرض ہے تو وہ گناہگار ہوگا۔ تو اس لیے اس گناہ کے خطرہ سے بچنے کے لیے وہ راستے میں نہ بیٹھے۔ اس وجہ سے شارع علیہ السلام نے ان کو راستوں میں بیٹھنے سے منع فرمایا، تاکہ ان خرابیوں کی جڑ کٹ جائے۔ پھر جب صحابہ نے اپنی ضرورت کا ذکر کیا کہ وہ ان مجلسوں میں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں، مذاکرات کرتے ہیں، دین اور دنیا کے مصالح میں غور وفکر کرتے ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس چیز پر رہنمائی کی جس سے ان مفسدات مذکورہ کا ازالہ ہو سکے۔

بارہ آدابِ مذکورہ میں سے ہر ادب کے متعلق حدیث

اوران آدابِ مذکورہ میں سے ہر ادب کے لیے دوسری احادیث میں شواہد ہیں۔ رہا سلام کو پھیلانا تو اس کا ذکر عنقریب ایک مستقل باب میں آئے گا۔ اور رہا عمدگی سے کلام کرنا تو قاضی عیاض نے کہا: اس میں مسلمانوں کے ساتھ اچھے طریقہ سے معاملہ کرنے کا استحباب ہے، کیونکہ جو شخص راستے میں بیٹھا ہوگا اس کے پاس سے بہت سارے لوگ گزریں گے، پس بعض اوقات وہ بعض چیزوں کے متعلق سوال کریں گے تو راستہ میں بیٹھنے والے پر لازم ہے کہ حسن وخوبی کے ساتھ ان سے ملاقات کرے اور کلام کرے اور تنگی اور سختی کے ساتھ ان سے بات نہ کرے اور یہ بھی تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹانا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: حضرت ابوشریح ہانی نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کام جنت کو واجب کرتے ہیں، وہ کھانا کھلانا ہے اور سلام کو پھیلانا ہے اور حسن اور عمدگی کے ساتھ کلام کرنا ہے۔

اور حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مرد عمدگی سے کلام کرے تو جنت میں ایک پودا اگتا ہے۔۔ الحدیث۔

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دوزخ کی آگ سے بچو خواہ ایک کھجور کے ٹکڑے کو صدقہ کر کے، اور جس کو کھجور کا ٹکڑا نہ ملے تو وہ عمدہ بات کے ذریعہ سے۔۔

اور رہا چھینکنے والے کو جواب دینا تو اس کے متعلق کتاب الادب کے اخیر میں بہ کثرت احادیث گزر چکی ہیں۔

اور رہا سلام کا جواب دینا تو اس کا بھی عنقریب ذکر آئے گا۔

اور رہا سواری پر سامان لادنے میں مدد کرنا تو اس کی دلیل صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کے ہر جوڑ کے اوپر صدقہ دینا لازم ہے۔۔ الحدیث۔ اور اس میں یہ مذکور ہے کہ مرد کسی کو سواری پر سوار ہونے میں مدد کرے اور اس کا سامان سواری پر لادنے میں مدد کرے۔ اس کا سامان سواری پر رکھنا یہ بھی صدقہ ہے۔

اور رہا مظلوم کی اعانت کرنا، تو اس کا عنقریب حضرت البراء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ذکر ہو چکا ہے اور اس کا ایک اور شاہد ہے جو کتاب المظالم میں گزر چکا ہے۔

اور رہا مصیبت زدہ یا فریاد کرنے والے کی مدد کرنا تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے "اور ضرورت مند فریادی کی مدد کرے"۔ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح ابن حبان میں ہے کہ جو مصیبت زدہ فریاد کر رہا ہو اس کی مدد کرو۔

اور رہا راستہ کی ہدایت دینا تو امام ترمذی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارا کسی مرد کو گمشدہ زمین میں راستہ دکھانا، یہ بھی صدقہ ہے۔

اور رہا حیران کو ہدایت دینا تو اس کے لیے بھی اس سے پہلی حدیث میں شاہد ہے۔

اور رہا نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا تو اس سلسلہ میں تو بہت سی احادیث ہیں، ان میں سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث

ہے کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے۔
اور رہا تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹانا، تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس طرح راستہ پر نہ بیٹھے کہ ان کا راستے پر چلنا دشوار ہو جائے۔ یا کسی آدمی کو اپنے گھر پہنچنے میں ایذاء ہو۔ اور صحیح حدیث میں ہے: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا برائی سے رکنا بھی صدقہ ہے۔
اور رہا نظر نیچی رکھنا تو یہ وہی ہے جو اس باب میں مقصود ہے۔
اور رہا یہ کثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا تو اس میں متعدد احادیث ہیں جن کا ذکر ان شاء اللہ کتاب الدعاء میں آئے گا۔
(فتح الباری ج ۱۱ ص ۱۱۔ ۱۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۷ ص ۲۹۸۔ ۲۹۹، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۔ بَابٌ: السَّلَامُ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللهِ تَعَالَى — لفظِ السلام، اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے

وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا (النساء: ۸۶)
اور جب تم کو کسی لفظ سے سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر لفظ کے ساتھ سلام کرو یا اسی لفظ کو لوٹا دو۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ لفظِ السلام اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ علامہ طیبی نے اس اسم کی تفسیر میں کہا ہے: اس کا معنی ہے: جو ہر آفت اور نقص سے سلامتی والا ہو، یعنی جس کی ذات حدوث اور عیب سے سلامت ہو اور اس کی صفات نقص سے سلامت ہوں اور اس کے افعال شرِ محض سے سلامت ہوں، کیونکہ تم دنیا میں جو شر ور دیکھتے ہو وہ اس حیثیت سے نہیں ہیں کہ ان کو ان کے شر ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے کسی خیر کو بنایا اور وہ خیر کسی شر کو بھی متضمن تھی اور اس شر کو ترک کرنا بجائے خود بہت بڑا شر تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو بنایا ہے وہ خیر ہے، وہ خیر بالذات ہے اور شر اس کے ضمن میں ہے۔ اس بناء پر سلام کا لفظ اللہ تعالیٰ کے اسماء تنزیہیہ میں سے ہے۔
اور قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے: سلام کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی حفاظت، جیسے کہا جاتا ہے: تمہارے ساتھ اللہ ہے، اور تمہارا مصاحب اللہ ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم جو کچھ بھی کام کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس پر مطلع ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ سلام کا معنی ہے: سلامتی، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۞ (الواقعہ: ۹۱)
(اے دائیں طرف والے!) تجھ پر سلام ہو کیونکہ تو دائیں طرف والوں سے ہے O

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لفظِ سلام کا اطلاق چند معانی پر ہوتا ہے، ان میں سے ایک معنی ہے: سلامتی، دوسرا معنی ہے: تحیت اور تعظیم، اور تیسرا معنی یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ اور کبھی یہ لفظ محض سلام کے معنی میں آتا ہے اور کبھی یہ لفظ محض تحیت کے معنی میں آتا ہے، اور کبھی ان دونوں معنی میں متردد ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ (النساء: ۹۴) اور جو تم کو سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔

کیونکہ اس آیت میں یہ احتمال ہے کہ یہ لفظ تحیت اور سلامتی کے معنی میں ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ۞ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۞ (یٰس: ۵۷۔۵۸) اور ہر وہ چیز جس کی وہ خواہش کریں گے وہ انہیں ملے گی O رب رحیم کی طرف سے ان کے حق میں سلام فرمایا ہوا ہوگا O

اور تشہد کی حدیث میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فان اللہ ھو السلام'' یعنی اللہ تعالیٰ خود سلام ہے۔ اور قرآن مجید میں ثابت ہے ''السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ'' (الحشر: ۲۳) ''ہر نقصان سے سالم، امان دینے والا''۔

اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت کی ہے کہ السلام اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور یہ اہلِ جنت کی دعا ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا ذکر کیا ہے کہ ''جب تم کو کسی لفظ سے سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر لفظ کے ساتھ سلام کرو یا اسی لفظ کو لوٹا دو''۔

اس آیت کریمہ میں یہ اشارہ کیا ہے کہ تحیت کا جو عام حکم ہے وہ لفظِ سلام کے ساتھ مخصوص ہے اور اسی پر علماء کا اتفاق ہے، مگر علامہ ابن التین نے بعض فقہاء مالکیہ سے یہ نقل کیا ہے کہ اس آیت میں تحیت سے مراد ہدیہ ہے، اور علامہ قرطبی نے یہ نقل کیا ہے کہ فقہاء احناف کا بھی یہی قول ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس قول کی فقہائے احناف کی طرف نسبت کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ قول مفسرین کے قول کے خلاف ہے، مفسرین نے کہا ہے: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم کو مسلمان سلام کرے تو اس کو اس کے سلام سے افضل جواب دو یا اسی کا سلام اس کی طرف لوٹا دو جس طرح مسلمان نے تم کو سلام کیا ہے، اور اس پر اضافہ کرنا مستحب ہے، اور اسی کی مثل جواب دینا یہ فرض ہے۔

اور امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے جو تم کو سلام کرے تو اس کو جواب دو، خواہ وہ سلام کرنے والا مجوسی ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اس کو اس سے اچھا جواب دو یا وہی سلام لوٹا دو۔

اور قتادہ نے کہا کہ ''فحیوا باحسن منھا'' یہ مسلمانوں کے لیے ہے، یعنی مسلمان اگر سلام کرے تو ان کے سلام کا بہتر جواب دو۔ ''او ردوھا'' اس کا تعلق اہل ذمہ کے ساتھ ہے، یعنی اگر اہلِ ذمہ سلام کریں تو ان کو وہی لفظِ سلام لوٹا دو۔

اور حافظ ابنِ کثیر نے کہا: یہ صحیح نہیں ہے۔ (غیر مسلموں کے سلام کے جواب میں فقط وعلیکم کہنا چاہیے یعنی ''وعلیکم ما علیکم'' تم پر تمہارے لیے وہ دعا ہے جس کے تم مستحق ہو)۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۳۔ ۳۶۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۳۰۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن

الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي شَقِيقٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَى اللَّهِ قَبْلَ عِبَادِهِ السَّلَامُ عَلَى جِبْرِيلَ السَّلَامُ عَلَى مِيكَائِيلَ السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ وَفُلَانٍ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّلَامُ فَإِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَقُلْ التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ فَإِنَّهُ إِذَا قَالَ ذَلِكَ أَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ثُمَّ يَتَخَيَّرُ بَعْدُ مِنَ الْكَلَامِ مَا شَاءَ۔

حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے شقیق نے حدیث بیان کی از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تو ہم کہتے تھے ''السلام علی اللہ'' بندوں پر سلام سے پہلے۔ ''السلام علی جبرائیل''، السلام علی میکائیل، ''السلام علی فلاں وفلاں''۔ پس جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ کر مڑے تو ہماری طرف اپنا چہرہ کر کے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ خود سلام ہے، پس جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں بیٹھے تو اسے چاہیے کہ یوں کہے ''تمام قولی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، اور تمام بدنی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، اور تمام مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، اے نبی! آپ کے اوپر سلام ہو اور اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں ہوں، ہم پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر سلام ہو، کیونکہ جب وہ یہ کلمات کہے گا تو آسمان اور زمین کے درمیان ہر نیک بندے کو اس کا سلام پہنچ جائے گا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ پھر اس کے بعد وہ جس قسم کا کلام کرنا چاہے اس کی اجازت ہے۔

(صحیح بخاری: ۸۳۱، ۸۳۵، ۱۲۰۲، ۶۲۳۰، ۶۲۶۵، ۶۳۲۸، ۷۳۸۱، صحیح مسلم: ۴۰۲، سنن ترمذی: ۲۸۹، سنن نسائی: ۱۱۶۸، سنن ابوداؤد: ۹۶۸، سنن ابن ماجہ: ۸۹۹، مسند احمد: ۴۰۵۴، سنن دارمی: ۱۳۴۰)

صحیح البخاری: ۶۲۳۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ خود سلام ہے، اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن حفص، یہ اپنے باپ حفص بن غیاث سے روایت کرتے ہیں از سلیمان از الاعمش از ابی

وائل شقیق بن سلمہ از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ میں ''باب التشھد فی الاخیرۃ'' میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''قبل عبادہ'' یعنی بندوں پر سلام سے پہلے، اور اس لفظ کی روایت قاف کے زیر کے ساتھ اور باء پر زبر کے ساتھ بھی ہے یعنی بندوں کی طرف سے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ویتخیر'' یعنی اختیار کرے، اور تخیر اور اختیار کا ایک معنی ہے۔ یہ علامہ کرمانی کا قول ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس طرح نہیں ہے، کیونکہ تخیر کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے غیر کو اختیار دے، اور اختیار کا معنی ہے: وہ اپنے نفس کے لیے اختیار کرے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۴۔۳۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۳۰، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اسماء کا توقیفی ہونا

اللہ تعالیٰ کے اسماء وہ ہیں جن کو کتاب اور سنت سے توقیفاً اخذ کیا جاتا ہے (یعنی اپنی رائے سے اللہ تعالیٰ پر کسی اسم کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ اس اسم کا ثبوت قرآن اور حدیث میں نہ آ گیا ہو، مثلاً اللہ تعالیٰ کو عالم اور علام کہنا جائز ہے کیونکہ قرآن مجید میں ان لفظوں کا ثبوت ہے، اور اللہ تعالیٰ کو علامۃ اور معلّم کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان لفظوں کا اللہ تعالیٰ کے لیے قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ میں ثبوت نہیں ہے۔) اس لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وہ نام لیا جائے جس نام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود ذکر نہیں فرمایا۔ اور جب کہ لفظِ سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے تو پھر یہ کہنا جائز نہیں ہے ''السلام علی اللہ'' اور یہ کہنا جائز ہے ''السلام علیکم'' کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تم پر محافظ ہے یا اللہ تمہارا ناصر اور مددگار ہے۔

میں کہتا ہوں: اس بناء پر اللہ تعالیٰ کو اللہ میاں کہنا جائز نہیں ہے اور نہ اللہ سائیں کہنا جائز ہے، کیونکہ میاں اور سائیں کا لفظ قرآن اور حدیث کے الفاظ میں سے نہیں ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ میاں کا لفظ بیوی کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور شوہر کے معنی میں ہوتا ہے اور کسی بوڑھے آدمی کو بھی میاں جی کہتے ہیں، اور سائیں کا لفظ فقیر کے معنی میں بولا جاتا ہے، اس لیے اللہ میاں اور اللہ سائیں کہنا جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کہا جائے یا اللہ عزوجل کہا جائے۔

ایک سوال یہ ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ کو خدا بھی نہیں کہنا چاہیے، کیونکہ خدا کا لفظ بھی قرآن اور حدیث کا لفظ نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور دوسری اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات کو کسی بھی لفظ سے تعبیر کرنا جائز ہے خواہ لفظِ خدا سے اللہ تعالیٰ کو تعبیر کیا جائے یا لفظِ اللہ سے یا لفظِ رحمٰن سے اللہ تعالیٰ کو تعبیر کیا جائے، اور اس کی صفات کے بارے میں یہ قاعدہ ہے کہ اس پر اسی صفت کا اطلاق کیا جائے گا جس صفت کا ذکر قرآن اور حدیث میں آ چکا ہو اور اپنی رائے اور اپنی عقل سے اللہ تعالیٰ پر کسی صفت کا اطلاق نہیں کیا جائے گا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

سلام کا جواب دینے کی تحقیق

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ لفظِ سلام کے ساتھ ابتداء کرنا سنتِ مرغوبہ ہے یعنی مستحب ہے، کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا۔ (النساء:٨٦) توتم اس سے بہتر لفظ کے ساتھ سلام کرو یا اسی لفظ کو لوٹا دو۔

اور اس پر دلیل کہ سلام سے ابتداء کرنا سنتِ مرغوبہ ہے، درج ذیل حدیث ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از عطاء بن یزید اللیثی از حضرت ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مرد کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تین راتوں سے زیادہ چھوڑے رکھے، ایک دوسرے سے ملاقات کریں، پس یہ بھی منہ موڑ لے اور وہ بھی منہ موڑ لے، اور ان دونوں میں بہتر وہ ہوگا جو سلام کرنے میں پہل کرے۔

(صحیح بخاری:٦٢٣٧، صحیح مسلم:٢٥٦٠، سنن ترمذی:١٩٣٢، سنن ابوداؤد:٤٩١١، مسند احمد:٢٣٠١٧، موطا امام مالک:١٦٨٢)

سو اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ سلام سے ابتداء کرنے والا بہتر ہے۔

امام مالک اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی جماعت کو سلام کرے اور اس جماعت میں سے کوئی ایک شخص اس کے سلام کا جواب دے دے تو وہ جواب سب کی طرف سے ہو جائے گا اور وہ اس آیت کا مصداق ہے:

فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا۔ (النساء:٨٦) توتم اس سے بہتر لفظ کے ساتھ سلام کرو یا اسی لفظ کو لوٹا دو۔

کیونکہ اس نے سلام کرنے والے کی مثل جواب دیا۔ اور علماء نے اس کو چھینک کے جواب کے مشابہ قرار دیا۔

اور فقہاء نے کہا ہے کہ سلام کا جواب دینا فرضِ کفایہ میں سے ہے جیسے جہاد اور علمِ دین کو طلب کرنا اور مردوں کو دفن کرنا اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا بعض کے ادا کرنے سے دوسروں سے اس کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔

علامہ ابن بطال کا جماعت سے نماز کو فرضِ کفایہ قرار دینا اور مصنف کا اس پر تعاقب

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں کسی کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، سو وہ لکڑیاں جمع کرے، پھر نماز کا حکم دوں، پس اس کے لیے اذان دی جائے، پھر میں کسی مرد کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے، پھر میں ان مردوں کو دیکھوں جو نماز پڑھنے نہیں آئے تو ان کے گھروں کو آگ لگا دوں، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اگر ان میں سے کسی کو معلوم ہو کہ اس کو گوشت سے پر ہڈی ملے گی یا دو اچھی ہڈیاں ملیں گی تو وہ عشاء کی نماز میں حاضر ہوگا۔

(صحیح البخاری:٦٤٤، صحیح مسلم:٦٥١، سنن ترمذی:٢١٧، سنن نسائی:٨٤٨، سنن ابوداؤد:٥٤٨، سنن ابن ماجہ:٧٩١، مسند احمد:٨٦٧٣، موطا امام مالک:٢٩٢، سنن دارمی:١٢٧٤)

فرضِ کفایہ وہ ہوتا ہے کہ بعض کے ادا کرنے سے دوسروں سے اس کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے، اگر جماعت سے نماز پڑھنا فرضِ کفایہ ہوتا تو بعض مسلمانوں کے جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لینے سے ان سے جماعت سے نماز پڑھنے کی فرضیت ساقط ہو جاتی اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ جو لوگ نماز پڑھنے نہیں آئے میں ان کے گھروں میں آگ لگا دوں، کیونکہ وہ کسی فرضیت

کے ترک کے مرتکب نہیں ہوئے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو عذاب دینے کا ارادہ نہ کرتے۔ (سعیدی غفرلہ)

نیز علامہ ابن بطال فرماتے ہیں:

اور امام مالک نے از زید بن اسلم یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب قوم میں سے ایک شخص سلام کرلے تو باقی لوگوں کی طرف سے وہ کفایت کرتا ہے۔ اور امام ابوداؤد نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کی ہے اور کہا ہے کہ کسی جماعت کے لیے یہ کافی ہے کہ جب وہ گزرے تو ان میں سے کوئی ایک شخص سلام کرلے اور جو لوگ بیٹھے ہوئے ہوں اور ان میں سے کوئی ایک شخص سلام کا جواب دے دے تو وہ باقی لوگوں کی طرف سے کفایت کرے گا۔

اور فقہاءِ احناف کا مذہب یہ ہے کہ سلام کا جواب دینا ہر شخص پر فرضِ عین ہے اور ایک کے جواب دینے سے دوسروں سے اس کی فرضیت ساقط نہیں ہوگی۔ انہوں نے کہا ہے کہ سلام کرنا سلام کا جواب دینے کے خلاف ہے، کیونکہ سلام سے ابتداء کرنا نفل ہے اور اس کا جواب دینا فرض ہے۔ اور اگر اس نے کسی ایسے شخص کو سلام کا جواب دیا جس نے اس کو سلام نہیں کیا تھا تو اس سے جواب دینے کی فرضیت ساقط نہیں ہوگی، تو اس سے معلوم ہوا کہ سلام کا جواب دینا ہر انسان پر فرضِ عین ہے۔

امام ابو یوسف نے امام مالک کی مرسل حدیث کا انکار کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ سلام کا جواب دینا فرضِ کفایہ سے نہیں ہے، اور ان کا فقہاءِ مالکیہ نے رد کیا ہے بایں طور کہ فقہاء نے کہا ہے کہ بعض سنتیں فرائض کے قائم مقام ہوتی ہیں جیسا کہ جمعہ کا غسل کرنا بعض علماء کے نزدیک غسلِ جنابت کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اور جیسے وضو سے پہلے ہاتھ دھولینا کلائیوں کے ساتھ ہاتھ دھونے کے قائم مقام ہوتا ہے، یہ عطاء کا قول ہے۔

اور فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے اس کو سلام کا جواب دیا جس نے اس کو سلام نہیں کیا تھا تو اس سے سلام کے جواب کی فرضیت ساقط نہیں ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ جو تم کو سلام کرے اس کے سلام کا جواب دو، نہ یہ کہ جو سلام نہ کرے اس کو سلام کا جواب دو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ دشمن مسلمانوں کی کسی شے پر حملہ کریں اور مسلمان اس سے مدافعت میں قتال نہ کریں اور مسلمانوں کی طرف سے اہل کتاب کے لوگ قتال کریں تو مسلمانوں سے قتال کی فرضیت ساقط نہیں ہوگی۔ اسی طرح جب اس نے اس کو سلام کا جواب دیا جس نے اس کو سلام نہیں کیا تھا تو ان سے سلام کے جواب کی فرضیت ساقط نہیں ہوگی۔

سلام کا جواب دینے کے مسائل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قلیل کثیر کو سلام کرے، اور فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ واحد جماعت پر سلام کرے، اور یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جماعت کے ہر فرد کو سلام کرے۔ اسی طرح جماعت میں سے کوئی ایک شخص کسی کے سلام کا جواب دے تو اس کا جواب باقیوں کے قائم مقام ہو جائے گا اور فقہاءِ احناف نے اس کا انکار اس لیے کیا ہے کہ یہ امام مالک کی مرسل حدیث ہے، حالانکہ فقہائے احناف کے پاس اپنے اس موقف پر کہ سلام کا جواب دینا ہر شخص پر فرضِ عین ہے اور فرضِ کفایہ نہیں ہے، اس پر نہ کوئی مرسل حدیث ہے اور نہ مسند حدیث ہے۔ لہٰذا مرسل کی طرف رجوع کرنا اولیٰ ہے بجائے اس کے کہ رائے پر عمل کیا جائے۔

(شرح ابن بطال ج ۹ ص ۹۔۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

۴۔ بَابُ: تَسْلِيمِ الْقَلِيلِ عَلَى الْكَثِيرِ — کم لوگوں کا زیادہ لوگوں کو سلام کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ کم لوگوں کو زیادہ لوگوں پر سلام کرنا چاہیے، اور قلت اور کثرت ایک امر نسبی ہے یا امرِ اضافی ہے، پس ایک دو کی بہ نسبت قلیل ہے اور دو تین کی نسبت قلیل ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۲۳۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يُسَلِّمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل ابوالحسن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از ہمام بن منبہ، از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: چھوٹا بڑے کو سلام کرے اور گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور قلیل کثیر کو سلام کرے۔

(صحیح بخاری: ۶۲۳۲، ۶۲۳۳، ۶۲۳۴، صحیح مسلم: ۲۱۶۰، سنن ترمذی: ۲۷۰۳، سنن ابوداؤد: ۵۱۹۸، مسند احمد: ۷۹: ۲۷۳)

صحیح البخاری: ۶۲۳۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، وہ ابن المبارک ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں معمر کا ذکر ہے، وہ ابن راشد ہیں۔ اور ہمام کا ذکر ہے، وہ ابن منبہ ہیں، اور منبہ، تنبیہ سے اسمِ فاعل ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "چھوٹا بڑے کو سلام کرے"۔ یہ خبر ہے امر کے معنی میں۔ اور مصنف عبدالرزاق اور مسند احمد میں صراحتاً یہ حدیث لفظِ امر کے ساتھ وارد ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۳۱، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سلام کرنے کے آداب اور ان کی حکمتیں

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ لکھتے ہیں:

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھائے ہوئے آداب ہیں، صغیر کے کبیر کو سلام کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کبیر کا صغیر پر حق ہوتا ہے، اس لیے صغیر کو تواضع کرنے کا اور تعظیم کرنے کا حکم دیا اور گزرنے والے کو بیٹھنے والے پر سلام کرنے کا حکم دیا ہے، یہ اس طرح ہے جیسے کسی قوم پر داخل ہونے والا اس قوم کو ابتداءً سلام کرتا ہے، اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام نے ملائکہ کے ساتھ کیا جب ان سے کہا گیا: جاؤ! اور یہ جو فرشتے بیٹھے ہوئے ہیں ان کو سلام کرو۔ اور قلیل کا کثیر کو سلام کرنا بھی تواضع کے باب سے ہے، کیونکہ کثیر کا حق قلیل کے حق سے زیادہ ہے۔ اور اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کا فعل ہے کہ وہ ایک تھے اور فرشتوں کی ایک جماعت تھی جو کثیر تھی تو آپ کو حکم دیا گیا کہ ان کو سلام کریں۔ اور سوار کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ پیدل چلنے والے کو سلام کرے تاکہ سوار ہونے کی وجہ سے اس میں تکبر نہ پیدا ہو اور وہ پیدل چلنے والے پر اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھے تو اس لیے اس کو تواضع کا حکم دیا گیا ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۹ ص ۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

۵۔ بَابُ: تَسْلِيمِ الرَّاكِبِ عَلَى الْمَاشِي — سوار کا پیدل چلنے والے کو سلام کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص سوار ہو، وہ پیدل چلنے والے کو سلام کرے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۲۳۲۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا مَخْلَدٌ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي زِيَادٌ أَنَّهُ سَمِعَ ثَابِتًا مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زَيْدٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِي وَالْمَاشِي عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مخلد نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے زیاد نے خبر دی کہ انہوں نے ثابت سے سنا جو عبد الرحمٰن بن زید کے آزاد کردہ غلام ہیں، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور قلیل کثیر کو سلام کرے۔

(صحیح بخاری: ۶۲۳۱، ۶۲۳۲، ۶۲۳۳، ۶۲۳۴، صحیح مسلم: ۲۱۶۰، سنن ترمذی: ۲۷۰۳، سنن ابوداؤد: ۵۱۹۸، مسند احمد: ۷۹: ۲۷۳)

صحیح البخاری: ۶۲۳۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن سلام کا ذکر ہے اور لام کو تخفیف کے ساتھ پڑھا گیا ہے یعنی اس پر تشدید نہیں ہے۔ اور مَخْلَد میں میم پر زبر ہے اور خاء ساکن ہے، یہ ابن یزید الحیرانی ہیں، اور اس حدیث کی سند میں ابن جریج کا ذکر ہے، یہ عبد الملک بن عبد العزیز

بن جریج ہیں۔اور زیاد میں زاء کے نیچے زیر ہے، یہ ابن سعد اور خراسانی ثم المکی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں ثابت کا ذکر ہے، یہ ابن عیاض ہیں جو عبدالرحمن بن زید الخطاب کے آزاد کردہ غلام ہیں اور امام بخاری نے ان کی صرف یہی حدیث روایت کی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۵۔۳۶۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦۔ بَابُ: تَسْلِيمِ الْمَاشِي عَلَى الْقَاعِدِ — پیدل چلنے والے کا بیٹھے ہوئے شخص کو سلام کرنا

یعنی یہ باب اس بیان میں ہے کہ پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے۔

۶۲۳۳۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي زِيَادٌ أَنَّ ثَابِتًا أَخْبَرَهُ وَهُوَ مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ قَالَ يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِي وَالْمَاشِي عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح بن عبادہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے زیاد نے خبر دی، ان کو ثابت نے خبر دی اور وہ عبدالرحمن بن زید کے آزاد کردہ غلام ہیں از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور قلیل کثیر کو سلام کرے۔

(صحیح بخاری: ۶۲۳۱، ۶۲۳۲، ۶۲۳۳، ۶۲۳۴، صحیح مسلم: ۲۱۶۰، سنن ترمذی: ۲۷۰۳، سنن ابوداؤد: ۵۱۹۸، مسند احمد: ۷۹۲۳)

صحیح البخاری: ۶۲۳۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق بن ابراہیم، یہ ابن راہویہ کے نام سے معروف ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے روح بن عُبادہ، عُبادہ میں عین پر پیش ہے، اور یہ وہی حدیث ہے جو اس سے پہلے مذکور ہے لیکن امام بخاری نے اس کی دوسری سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۔ بَابُ: تَسْلِيمِ الصَّغِيرِ عَلَى الْكَبِيرِ — چھوٹے کا بڑے کو سلام کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ چھوٹے کو چاہیے کہ بڑے کو سلام کرے۔

۶۲۳۴۔ وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُسَلِّمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ

اور ابراہیم طہمان نے کہا از موسیٰ بن عقبہ از صفوان بن سُلیم، از عطاء بن یسار از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ صغیر کبیر کو سلام کرے اور گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور قلیل کثیر کو سلام کرے۔

(صحیح بخاری: ۶۲۳۱، ۶۲۳۲، ۶۲۳۳، ۶۲۳۴، صحیح مسلم: ۲۱۶۰، سنن ترمذی: ۲۷۰۳، سنن ابوداؤد: ۵۱۹۸، مسند احمد: ۷۹۲۳)

صحیح البخاری: ۶۲۳۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم، وہ ابن طہمان ہیں۔ اسی طرح ابوذر کی روایت میں ہے۔ علامہ کرمانی لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے اس سند کو لفظ قال سے شروع کیا ہے اور لفظ حدثنی سے شروع نہیں کیا، کیونکہ امام بخاری نے ابراہیم سے مذاکرہ کے درمیان یہ حدیث سنی اور بطورِ روایتِ حدیث کے نہیں سنی۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ غلط ہے کہ امام بخاری نے ابراہیم بن طہمان کو نہیں پایا چہ جائیکہ وہ ان سے حدیث کا سماع کرتے۔ ابراہیم بن طہمان امام بخاری کی ولادت سے چھبیس (۲۶) سال پہلے فوت ہو گئے تھے۔ اور امام بخاری نے اپنی کتاب الادب المفرد میں ان کی روایت سندِ موصول کے ساتھ بیان کی ہے، وہ لکھتے ہیں: مجھے احمد بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابراہیم بن طہمان نے حدیث بیان کی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "والمار علی القاعد" اس حدیث کا یہ جملہ اس سے پہلی حدیث کے اس جملہ سے زیادہ بلیغ ہے جس میں مذکور ہے "الماشی علی القاعد" کیونکہ گزرنے والا عام ہے کہ سوار ہو یا پیدل جا رہا ہو۔ اور امام ترمذی نے ابو علی الجنبی سے حدیث روایت کی ہے از حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھوڑ سوار پیدل کو سلام کرے اور پیدل چلنے والا کھڑے ہوئے کو سلام کرے اور کم لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں۔ اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ اور ابو علی الجنبی، ان کا نام عمرو بن مالک ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ جب قائم کو مستقر پر محمول کیا جائے تو وہ اس سے عام ہوگا کہ وہ بیٹھا ہوا ہو یا کھڑا ہوا ہو یا ٹیک لگائے ہوئے ہو یا لیٹا ہوا ہو۔ اور جب ان صورتوں کی اضافت سوار کی طرف کی جائے گی تو پھر متعدد صورتیں بن جائیں گی۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۰۲، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ، حافظ ابن حجر عسقلانی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ یہ کلام بحیثیت لغت صحیح ہے اور نہ بحیثیت اصطلاح صحیح ہے اور نہ بحیثیت عرف صحیح ہے، کیونکہ کوئی شخص بھی کھڑے ہوئے شخص کو بیٹھا ہوا نہیں کہتا اور نہ اسے ٹیک لگانے والا کہتا ہے اور نہ اسے لیٹا ہوا کہتا ہے۔ اور جب دو سوار ملیں یا دو پیدل چلنے والے ملیں تو علامہ مازری نے کہا ہے کہ سلام کی ابتداء ادنیٰ کرے گا اعلیٰ کی بزرگی اور اس کی فضیلت کے لیے اور جب دونوں ہر جہت سے مساوی ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو سلام کی ابتداء کرنے کا حکم ہے اور ان میں سے بہتر وہ ہے جو سلام کی ابتداء کرے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۶۔ ۳۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا علامہ عینی حنفی کے اعتراض کا جواب

علامہ عینی کے اعتراض کی بنیاد اس بات پر ہے کہ قائم کا معنی ہو: جو شخص اپنی ٹانگوں پر یا اپنے پیروں پر کھڑا ہوا ہو، لیکن قائم کا معنی اس کے علاوہ بھی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ عینی کے اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِیْنَارٍ لَّا یُؤَدِّهٖۤ اِلَیْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْهِ قَآىٕمًا۔ (آل عمران:۷۵) اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھو تو وہ تم کو ادا نہیں کریں گے سوا اس کے کہ تم ان کے سر پر کھڑے رہو۔

اہل تفسیر نے کہا ہے: اس آیت میں قائما کا معنی ہے کہ اس کے ساتھ لازم رہے اور اس سے تقاضا کرتا رہے اور بعض مفسرین نے تصریح کی ہے کہ یہاں قیام سے مراد پیروں پر کھڑا ہونا نہیں ہے۔

امام راغب اصفہانی نے کہا ہے: "قام یقوم قیاماً فھو قائم" پھر کہا: قیام کی متعدد قسمیں ہیں، بعض قیام تسخیر سے ہوتا ہے جیسے "قائم وحصید" (یعنی بعض بستیاں موجود ہیں اور بعض بستیاں نیست و نابود ہو گئی ہیں)، سو اس میں بھی قائم کا معنی پیروں پر کھڑا ہونا مراد نہیں ہے۔ اور بعض قیام اختیار کے ساتھ ہوتا ہے جیسے "ساجدا و قائما" اور کبھی قائم کا معنی کسی چیز کی رعایت کرنا اور نگہبانی کرنا ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اَفَمَنْ هُوَ قَآىٕمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ۔ (الرعد:۳۳) کیا جو ہر شخص کے اعمال کا نگران ہے (وہ بتوں کی مانند ہو سکتا ہے)۔

اس آیت میں قائم کا معنی محافظ اور نگران ہے۔ نیز قرآن میں ہے:

اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْهِ قَآىٕمًا۔ (آل عمران:۷۵) سوا اس کے کہ تم ان کے سر پر کھڑے رہو۔

اور مفسرین نے تصریح کی ہے کہ یہاں پر قیام سے پیروں پر کھڑا ہونا مراد نہیں ہے۔ اور امام راغب نے کہا ہے: یہاں پر قائم کا معنی ہے: جو اپنی طلب پر ثابت ہو۔

اور قیام کا معنی عزم بھی آتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ۔ (المائدہ:٦) یعنی جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو۔

اور قیام کا معنی دوام بھی ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ۔ (البقرہ:۳) یعنی وہ دائما نماز کا فعل کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ قائم کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے جو کسی چیز کی حفاظت کرنے والا ہو، اور اس پر بھی ہوتا ہے جو کسی چیز پر لازم ہو، اور اس پر بھی ہوتا ہے جو کسی چیز پر دوام کرے، اور اس پر بھی ہوتا ہے جو کسی چیز پر ثابت ہے، اور ان میں سے کوئی معنی بھی وہ نہیں ہے جو قعود کی ضد ہے یعنی پیروں پر کھڑا ہو۔

علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: حکیم بن حزام کی حدیث میں ہے: کہا جاتا ہے کہ "قام فلان علی الشیء" جب وہ اس چیز پر

ثابت ہو اور اس کو پکڑے رکھے۔ پھر ابن اثیر نے کہا: ''سنة قائمة'' یعنی سنتِ دائمہ مستمرہ۔ اور اس کے بہ کثرت شواہد ہیں کہ قیام کا معنی صرف پیروں پر کھڑا ہونا نہیں ہے بلکہ یہ معانی بھی ہیں، اور یہ چند مثالیں اس شخص کا رد کرنے کے لیے کافی ہیں جو اس کا انکار کرتا ہے۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی صحیح البخاری ج ۲ ص ۳۹۹، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

۸۔ بَابُ: إِفْشَاءِ السَّلَامِ — سلام کو پھیلانا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب سلام کو پھیلانے کے بیان میں ہے، سلام کو پھیلانے سے مراد ہے: سلام کا اظہار کرنا، یعنی لوگوں کے درمیان اس کو پھیلانا۔ پس لوگ اس کو بھی سلام کریں جس کو جانتے ہوں اور اس کو بھی سلام کریں جس کو نہ جانتے ہوں، اور اسی کے ساتھ اثر وارد ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۳۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ أَشْعَثَ بْنِ أَبِي الشَّعْثَاءِ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی اللہ عنہما قَالَ أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بِسَبْعٍ بِعِيَادَةِ الْمَرِيضِ وَاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ وَنَصْرِ الضَّعِيفِ وَعَوْنِ الْمَظْلُومِ وَإِفْشَاءِ السَّلَامِ وَإِبْرَارِ الْمُقْسِمِ وَنَهَى عَنِ الشُّرْبِ فِي الْفِضَّةِ وَنَهَانَا عَنْ تَخَتُّمِ الذَّهَبِ وَعَنْ رُكُوبِ الْمَيَاثِرِ وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ وَالْقَسِّيِّ وَالْإِسْتَبْرَقِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از شیبانی از اشعث ابی الشعثاء از معاویہ بن سوید بن مقرن از حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے سات چیزوں کا حکم دیا: مریض کی عیادت کا، جنائز کے ساتھ جانے کا، چھینک لینے والے کو جواب دینے کا، کمزور کی مدد کرنے کا، مظلوم کی داد رسی کرنے کا، اور سلام کو پھیلانے کا، اور قسم کھانے والے کی قسم پوری کرنے میں کوشش کرنے کا، اور چاندی کے برتن میں پینے سے منع فرمایا، اور ہمیں سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا، اور ریشمی زین پر سوار ہونے سے منع فرمایا، اور ریشم پہننے سے منع فرمایا اور دیباج پہننے سے اور قسی پہننے سے اور استبرق پہننے سے منع فرمایا۔

(صحیح بخاری: ۱۲۳۹، ۲۴۴۵، ۵۱۷۵، ۵۶۳۵، ۵۶۵۰، ۵۸۳۸، ۵۸۶۳، ۶۲۲۲، ۶۲۳۵، ۶۶۵۴، صحیح مسلم: ۲۰۶۶، سنن ترمذی: ۲۸۰۹، سنن نسائی: ۱۹۳۹، مسند احمد: ۱۸۱۷۰)

صحیح البخاری: ۶۲۳۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے باب کا عنوان ہے "افشاء السلام" یعنی سلام کو پھیلانا اور یہ الفاظ بعینہٖ اس حدیث میں مذکور ہیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے قتیبہ بن سعید اور جریر بن عبدالحمید اور الشیبانی، اور وہ ابو اسحاق سلیمان ہیں۔

یہ حدیث کتاب الادب کے اواخر میں گزر چکی ہے، وہاں اس حدیث کی از سلیمان بن حرب از شعبہ از الاشعث بن سلیم از معاویہ بن سوید بن المقرن از حضرت البراء رضی اللہ عنہ روایت کی تھی۔

حدیث مذکور کی متعدد سندوں کے ساتھ روایت کا بیان

اور اس حدیث کی کتاب الجنائز میں از عبدالولید روایت کی ہے، اور اس حدیث کی کتاب المظالم میں از سعید بن الربیع روایت کی ہے، اور کتاب اللباس میں از آدم اور از محمد بن مقاتل اور قبیصہ روایت کی ہے۔ اور کتاب الطب میں اس حدیث کی از حفص بن عمر روایت کی ہے۔ اور کتاب الادب میں از سلیمان بن حرب روایت کی ہے۔ اور کتاب النزول میں از بندار از غندر روایت کی ہے اور کتاب النکاح میں از الحسن بن الربیع روایت کی ہے۔ اور کتاب الاشربہ میں از موسیٰ بن اسماعیل روایت کی ہے۔ اور کتاب النذور میں بھی قبیصہ سے روایت کی ہے۔

اس باب کی روایت اور کتاب الجنائز کی روایت کا فرق

اب ہم بیان کرتے ہیں کہ ان روایات میں جو زیادتی اور کمی کا اختلاف ہے۔

اس باب کی حدیث میں سات میں سے دو نئی چیزوں کا ذکر کیا ہے، ضعیف کی مدد کرنا اور مظلوم کی دادرسی کرنا۔

اور کتاب الجنائز میں ذکر کیا ہے دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرنا اور مظلوم کی مدد کرنا اور یہاں پر دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرنے کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اور یہاں پر "نصر المظلوم" کے عوض میں "عون المظلوم" کا ذکر کیا ہے۔ (دونوں کا معنی ایک ہے۔) اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ ذکر میں عدد کی تخصیص کرنا غیر کی نفی نہیں کرتا، یا یہ کہ نیز ضعیف دعوت دینے والا ہے۔

اور یہاں پر سلام پھیلانے کا ذکر کیا ہے اور وہاں سلام کا جواب دینے کا ذکر کیا ہے اور یہ دونوں شرعاً متلازم ہیں۔ لیکن کتاب المظالم میں پس اسی طرح ہے، اس میں دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنے کا ذکر ہے اور "نصر المظلوم" کا ذکر ہے اور وہاں "عون المظلوم" کا ذکر ہے اور عون اور نصر کا ایک ہی معنی ہے۔

حدیث مذکور کا دیگر ابواب میں ذکر اور ان کا باہمی فرق

کتاب اللباس میں اس حدیث کی تین سندوں کے ساتھ روایت کی ہے:

(۱) از آدم: اس میں دعوت دینے والے کی دعوت کے قبول کرنے کا ذکر ہے اور "نصر المظلوم" کا ذکر ہے۔

(۲) از محمد بن مقاتل: یہاں امام بخاری نے اختصار سے روایت کی ہے اور اس میں مذکور ہے "ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ میاثر اور القسی سے منع فرمایا"۔

(۳) از قبیصہ: اس میں مذکور ہے ''ہمیں نبی ﷺ نے سات چیزوں کا حکم دیا: مریض کی عیادت کرنا، جنازوں کے ساتھ جانا، چھینک لینے والے کو جواب دینا، اور ہمیں حریر اور دیباج اور القسی اور استبرق اور سرخ میاثر سے منع فرمایا''۔

اور یہ حدیث کتاب الطب میں بھی ہے، اس میں ممانعت مقدم ہے اور امر مؤخر ہے، اور ممانعت میں چھ چیزوں کا ذکر کیا ہے، چھٹی چیز سرخ میاثر ہے، اور امر میں تین چیزوں کا ذکر کیا ہے کہ ہم جنائز کے ساتھ جائیں، اور ہم مریض کی عیادت کریں اور ہم سلام کو پھیلائیں۔

اور کتاب الادب میں امر کو مقدم کیا ہے اور چھ چیزوں کا ذکر کیا ہے، دو ان میں سے دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرنا ہے اور مظلوم کی مدد کرنا ہے اور اس میں سلام پھیلانے کی جگہ سلام کا جواب دینے کا ذکر ہے۔ اور ممانعت میں بھی چھ چیزوں کا ذکر ہے اور اس کی آخر المیاثر ہے۔ اور اُس میں قسم کھانے والے کی قسم پوری کرنے کا ذکر ہے۔

اور کتاب النکاح میں امر کو مقدم کیا ہے اور اس میں سات چیزوں کا ذکر ہے، اور اس میں دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنے کا ذکر ہے اور ممانعت میں چھ چیزوں کا ذکر ہے اور اس میں مذکور ہے کہ ہم کو میاثر اور قسی سے منع فرمایا۔

اور کتاب الاشربہ میں بھی اسی طرح ہے، امر کو مقدم کیا ہے اور ممانعت میں پانچ چیزیں ذکر کی ہیں۔ اور اس میں ریشم کی انواع کو گنوایا ہے جس سے وہ سات ہو گئیں، اور اس میں میاثر اور القسی کا ذکر ہے۔ اور ہم نے ہر باب میں ان میں سے ہر عنوان کی شرح کر دی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''وافشاء السلام'' اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ ہر ایک کو سلام کیا جائے، لیکن فاسق اور بچے پر سلام کی مشروعیت میں اختلاف ہے۔ اور مرد کے عورت کو سلام کرنے میں یا عورت کے مرد کو سلام کرنے میں بھی اختلاف ہے۔

جن لوگوں کو سلام کیا جائے اور نہ ان لوگوں کے سلام کا جواب دیا جائے

علامہ نووی شافعی نے کہا ہے: سلام سے ابتداء کرنے کے حکم سے وہ مستثنیٰ ہے جو کھانے یا پینے میں مشغول ہو یا جو جماع میں مشغول ہو، یا جو بیت الخلاء میں مشغول ہو، یا جو حمام میں ہو، یا جو سویا ہوا ہو، یا جو اونگھ رہا ہو، یا جو نماز پڑھ رہا ہو، یا جو اذان دے رہا ہو، جب تک وہ ان میں سے کسی کام میں بھی مشغول ہو تو اس کو ابتداءً سلام نہ کیا جائے۔ اور اگر کھانے والے کے منہ میں لقمہ نہ ہو تو اس کو بھی سلام کی ابتداء کرنا مشروع ہے، اور خرید و فروخت کرنے والے پر بھی سلام کی ابتداء کرنا مشروع ہے، اور جو باقی معاملات مشہور ہیں ان میں بھی سلام کرنا مشروع ہے۔

اور کتاب الطہارت میں گزر چکا ہے کہ جو شخص حمام میں ہو اگر اس نے تہبند باندھا ہوا ہو تو اس کو سلام کیا جائے ورنہ نہ کیا جائے۔ اور جو شخص خطبہ دے رہا ہو تو اس حال میں اس کو سلام نہ کیا جائے اور اگر کسی نے سلام کیا تو اس پر اس سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے، کیونکہ خطبہ کو سننا واجب ہے۔

اور جو شخص مدعی ہو، وہ قاضی کو سلام نہ کرے اور جب اس نے سلام کر لیا تو قاضی پر اس کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے۔

اور جو شخص شطرنج کھیل رہا ہو اس کو سلام نہ کرے، ہاں اگر اس کا مقصد ان کے کھیل میں خلل ڈالنا ہو تو پھر وہ سلام کرے، اور

الملتقیہ میں مذکور ہے کہ جو شخص اپنے استاذ سے فقہ پڑھ رہا ہو اس کو سلام نہ کرے، اور اگر سلام کر لیا تو اس پر سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے۔

اور جو بوڑھا مذاق کر رہا ہو، یا جو کذاب ہو، یا جو شخص کوئی لغو کام کر رہا ہو، اور جو شخص لوگوں کو گالیاں دے رہا ہو، ان کو سلام نہ کرے۔ اور اس کو بھی سلام نہ کرے جو راستوں میں عورتوں کو دیکھ رہا ہو اور اس کی توبہ معروف نہ ہو۔ اور نہ بدعتی کو سلام کرے اور نہ اس کو سلام کرے جس نے کوئی سنگین گناہ کیا ہو اور اس نے توبہ نہ کی ہو اور اس کے سلام کا جواب بھی نہ دے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: خمر پینے والوں کو سلام نہ کرے، اور صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا قول ہے، اور ظالم حکمرانوں کو سلام نہ کرے سوا اس صورت کے کہ کوئی مجبوری ہو۔ علامہ ابن العربی نے کہا کہ انہیں سلام کرے اور یہ نیت کرے کہ سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور اس کا معنی دل میں یوں کرے کہ اللہ تمہارا نگہبان ہے۔

اور جب کوئی مسلمان کسی ایک مرد کے پاس سے یا اکثر کے پاس سے گزرا ہے اور اس کو یہ ظنِ غالب ہو کہ جب اس نے ان کو سلام کیا ہے تو وہ اس کے سلام کا جواب نہیں دے گا یا تکبر کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے، پھر بھی اس کو سلام کرے اور اپنی اس بدگمانی کی وجہ سے سلام کو ترک نہ کرے، کیونکہ بعض اوقات ظن میں خطا ہوتی ہے۔ اور اگر مسلمان نے کسی مرد کو اس گمان سے سلام کیا کہ وہ مسلمان ہے لیکن وہ کافر تھا تو مستحب یہ ہے کہ اپنا سلام واپس لے لے اور کہے: مجھ پر میرا اسلام واپس کر دو۔ اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اس کو وحشت میں ڈالے اور یہ ظاہر کرے کہ ان دونوں کے درمیان محبت اور الفت کا تعلق نہیں ہے۔ اور جب وہ کسی گھر میں داخل ہو اور وہاں کوئی نہ ہو تب بھی سلام کرے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مستحب یہ ہے کہ جب گھر میں کوئی نہ ہو تو وہ کہے: ''السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین''۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''المیاثر''، یہ میثرۃ کی جمع ہے، علامہ الجوہری نے کہا: المیثرۃ، زین کو کہتے ہیں۔ اور امام ابوعبیدہ نے کہا: سرخ ریشم کی زین وہ ہے جس کی ممانعت آئی ہے، کیونکہ عجمی لوگ اپنی سواریوں کے اوپر دیباج یا ریشم کی زین ڈالتے تھے اور اس پر کئی مرتبہ بحث ہو چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۷۔۳۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۳۵، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور میں جن کاموں کے کرنے کا حکم فرمایا ہے آیا ان کاموں کا نہ کرنا باعثِ حرج ہے یا نہیں؟

امام ابوجعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ یہ اوصاف جن کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا ہے آیا یہ ان حقوق میں سے ہے کہ اگر ان کو ادا نہ کرے تو ان کے نہ ادا کرنے کی وجہ سے حرج ہوگا اور وہ اپنے رب کا نافرمان ہوگا یا نہیں؟ تو اس سے کہا جائے گا کہ بعض کام ایسے ہیں کہ ان کے ترک کرنے میں حرج ہے، اور بعض کام ایسے ہیں کہ ان کے ترک کرنے میں حرج نہیں ہے۔ اور بعض کام ایسے ہیں کہ کسی حال میں ان کے ترک کرنے میں حرج ہے اور دوسرے حال میں ان کے ترک کرنے میں حرج نہیں ہے۔ پھر امام طبری نے اس کا بیان کیا۔

جن کاموں کا کرنا ہر حال میں فرض ہے

رہے وہ کام جن کا کرنا ہر حال میں محمود ہے اور ان کے ترک کرنے میں حرج ہے تو وہ ہے کمزور کی مدد کرنا اور مظلوم کی دادرسی کرنا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! ہم مظلوم کی مدد تو کریں گے پس ظالم کی مدد کیسے کریں؟ تو آپ نے فرمایا: تم ظلم کرنے والے کے ہاتھوں کو اوپر سے پکڑ لو۔ (صحیح بخاری: ۲۴۴۳، ۲۴۴۴، سنن ترمذی: ۲۲۵۵، مسند احمد: ۱۲۶۶۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم مومنین کو دیکھتے ہو، وہ ایک دوسرے پر رحم کرنے میں اور ایک دوسرے سے دوستی کرنے میں اور ایک دوسرے پر شفقت کرنے میں ایک جسم کی طرح ہیں، جب جسم کے کسی ایک عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو اس کا سارا جسم رات بھر درد اور بخار سے کراہتا رہتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۰۱۱، صحیح مسلم: ۲۵۸۶، مسند احمد: ۱۷۹۰۷)

علامہ طبری فرماتے ہیں: پس ہر مرد پر لازم ہے کہ وہ اپنے جسم کے اعضاء میں سے ہر عضو کی اصلاح کے لیے کوشش کرے۔ پس اسی طرح ان پر لازم ہے کہ جو ان کے دینی بھائی ہیں اور ان کے شرکاء ملت ہیں ان کی اصلاح کے لیے بھی کوشش کرے۔ اور ان کے دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کرے، اور ان کی مدد اس طرح کرے جیسا کہ وہ اپنے معاملات میں مدد کرتا ہے، کیونکہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور وہ تمام ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ (النساء: ۲۹)

اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو بے شک اللہ تم پر بہت رحم فرمانے والا ہے O

اور اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم ایک دوسرے کو قتل نہ کرو، کیونکہ مومن اپنے دوسرے مومن بھائی کے لیے اس کے اپنے نفس کے حکم میں ہے اس کے ساتھ نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرنے کے لیے اور ان میں سے ہر ایک کو وہ چیز درد پہنچاتی ہے جو اسے خود درد پہنچاتی ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع کیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیں اور ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکاریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۔ (الحجرات: ۱۱)

اور تم ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے بلاؤ، ایمان کے بعد فاسق کہلانا کتنا برا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے مسلمان بھائی کو طعنہ دینا اپنا قرار دیا جیسے انسان اپنے آپ کو طعنہ دے، کیونکہ اس کا بھائی اس کی اپنی ذات کے حکم میں ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ جو شخص بھی صحیح العقل ہوگا، وہ اپنے آپ کو طعنہ نہیں دے گا، پس معلوم ہوا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص بھی اپنے مسلمان بھائی کو طعنہ نہ دے۔

اور اسی طریقہ سے جن کاموں کا کرنا ہر حال میں فرض ہے، وہ ہے قسم کھانے والے کی قسم پوری کرنے میں کوشش کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاحْفَظُوٓا اَیْمَانَکُمْ۔ (المائدہ:۸۹) اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔

جن کاموں کو کرنا کسی حال میں فرض ہے اور کسی حال میں مستحب ہے

رہے وہ کام جن کا بعض احوال میں کرنا فرض ہے اور بعض احوال میں ان کا کرنا مستحب ہے، پس مسلمان بھائی کے جنازہ میں حاضر ہونا، اگر اس کے جنازہ میں اس کے سوا کوئی اور منتظم نہ ہوتو پھر اس کے جنازہ میں حاضر ہونا فرض ہے۔اس صورت میں اس کا اس کے جنازہ میں حاضر ہونے کو ترک کرنا جائز نہیں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان فوت شدگان کا زندوں پر یہ فرض ہے کہ وہ ان کو غسل دے، ان کو کفن پہنائے اور ان کی نماز جنازہ پڑھائے اور ان کو دفن کرے، اور یہ ان پر فرضِ کفایہ ہے۔اگر بعض مسلمانوں نے یہ فرض ادا کرلیا تو باقی مسلمانوں سے اس کی فرضیت ساقط ہو جائے گی۔

رہے وہ کام جن کا کرنا مستحب ہے اور ان کے ترک پر مذمت نہیں ہے تو وہ مسلمان کو اس وقت سلام کرنا ہے جب اس سے ملاقات ہو۔معلوم ہوا کہ مسلمان کو سلام کی ابتداء کرنا مستحب ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو مردوں کے متعلق فرمایا جنہوں نے ایک دوسرے سے ملنا جلنا چھوڑا ہوا تھا، آپ نے فرمایا: ان دونوں میں بہتر وہ شخص ہے جو سلام کی ابتداء کرے۔

امام بخاری حضرت ابوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مرد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تین راتوں سے زیادہ چھوڑے رکھے، وہ ایک دوسرے سے ملیں، پس یہ اس سے منہ موڑ لے اور وہ اس سے منہ موڑ لے، اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو پہلے سلام کرتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۰۷۷، صحیح مسلم: ۲۵۶۰، سنن ترمذی: ۱۹۳۲، سنن ابوداؤد: ۴۹۱۱، مسند احمد: ۲۳۰۱۷، موطا امام مالک: ۱۶۸۲)

اور اسی باب سے ہے کسی شخص کا اپنے بھائی کی عیادت کرنا، اور جب وہ اسے طعام کی دعوت دے تو اسے قبول کرنا۔اگر کسی مسلمان نے اس طعام کو ترک کیا تو فرض کا ترک کرنے والا نہیں ہوگا بلکہ مستحب کا ترک کرنے والا ہوگا۔اور اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۹ ص ۱۱۔۱۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

۹۔ بَابُ: السَّلَامِ لِلْمَعْرِفَةِ وَغَيْرِ الْمَعْرِفَةِ ہر ایک کو سلام کرنا خواہ اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ سلام کرنا مطلقاً سنت ہے خواہ جس کو سلام کیا جائے اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو۔ امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ سلام اس کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جس کی معرفت ہو اور جس کی معرفت نہ ہو اس کو سلام کرنا ترک کردے۔

امام طحاوی، امام طبرانی اور امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ ایک مرد مسجد کے پاس سے گزرے گا اور وہ اس میں نماز نہیں پڑھے گا اور صرف انہی کو سلام کرے گا جن کو وہ پہچانتا ہو۔اور امام طحاوی کی عبارت یہ ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ سلام صرف جان پہچان

والے کو کیا جائے اور اس حدیث کے یہ الفاظ اس باب کے عنوان کے موافق ہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۳۶ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي يَزِيدُ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَعَلَى مَنْ لَمْ تَعْرِفْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یزید نے حدیث بیان کی از ابی الخیر از عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما، کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: اسلام کا کونسا وصف سب سے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: تم کھانا کھلاؤ اور سلام کرو جن کو تم پہچانتے ہو اور جن کو تم نہیں پہچانتے۔

(صحیح بخاری: ۱۲، ۲۸، ۶۲۳۶، صحیح مسلم: ۳۹، سنن نسائی: ۵۰۰۰، سنن ابوداؤد: ۵۱۹۴، سنن ابن ماجہ: ۳۲۵۳، مسند احمد: ۶۵۴۵)

صحیح البخاری: ۶۲۳۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یزید کا ذکر ہے، وہ ابن ابی حبیب ہیں، اور اس حدیث کی سند میں ابوالخیر کا ذکر ہے، وہ مرثد بن عبداللہ الیزنی ہیں، اور اس سند کے تمام راوی بصری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ای الاسلام خیر'' یعنی اسلام کے کون سے اعمال سب سے بہتر ہیں؟۔
(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۳۷ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ رضی الله عنهُ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ يَلْتَقِيَانِ فَيَصُدُّ هَذَا وَيَصُدُّ هَذَا وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ وَذَكَرَ سُفْيَانُ أَنَّهُ سَمِعَهُ مِنْهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الزہری از عطاء بن یزید اللیثی، از حضرت ابی ایوب رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے، وہ دونوں ایک دوسرے سے ملاقات کریں، یہ ادھر منہ موڑ لے اور دوسرا ادھر منہ موڑ لے، اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو لفظ سلام کے ساتھ ابتداء کرے۔
اور سفیان نے ذکر کیا کہ انہوں نے ابوایوب سے یہ حدیث تین مرتبہ سنی ہے۔

(صحیح بخاری: ۶۰۷۷، ۶۲۳۷، صحیح مسلم: ۲۵۶۰، سنن ترمذی: ۱۹۳۲، سنن ابوداؤد: ۴۹۱۱، مسند احمد: ۲۳۰۱۷)

صحیح البخاری: ۶۲۲۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے باب کا عنوان ہے ''خواہ پہچان ہو یا نہ ہو ہر ایک کو سلام کرنا''۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے ''جو دو مسلمان بھائی باہم ناراض ہوں اور ملاقات کے وقت ہر ایک دوسرے سے منہ پھیر لیتا ہو، ان میں بہتر وہ ہے جو سلام سے ابتداء کرے''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، یہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوایوب، وہ حضرت خالد بن زید رضی اللہ عنہ ہیں۔

یہ حدیث کتاب الادب میں باب الہجرۃ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فیصد ھذا'' پس یہ ایک اعراض کرتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۹۔ ۳۷۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۲۳، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سلام کرنے کی تاکید اور انجان کو سلام کرنے کا بیان اور اس پر دلائل

ہر ایک کو سلام کرنا بھی ادب اور تواضع کے باب سے ہے، اور کسی اجنبی کو بغیر معرفت کے سلام کرنے سے ملنے جلنے کی راہ کھلتی ہے اور انس کا باب کھلتا ہے، تاکہ تمام مومن بھائی بھائی ہو جائیں اور کسی کو دوسرے سے وحشت نہ ہو۔ اور بغیر معرفت کے سلام نہ کرنے کی وجہ سے ایک دوسرے سے اعراض کرنے کا راستہ ہموار ہوتا ہے۔ پس مناسب یہ ہے کہ مومن اس سے اجتناب کریں کہ صرف واقف کو سلام کریں اور ناواقف کو سلام نہ کریں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ صرف واقفیت کی وجہ سے سلام کیا جائے گا۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۷)

امام عبدالرزاق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بازار میں داخل ہوتے تو جس چھوٹے سے یا بڑے سے ملاقات ہوتی تو اس کو سلام کرتے۔ اور وہ کسی نابینا آدمی کے پاس سے گزرتے تو اس کو بھی سلام کرتے۔ اور دوسرا ان کے سلام کا جواب نہیں دیتا تھا تو کہا گیا کہ وہ نابینا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۹۴۴۲)

اور سلف صالحین بہ کثرت سلام کرنے کی حفاظت کرتے تھے جیسا کہ معمر نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے دو

مڑ کر جا رہے تھے، پھر ان دونوں کے درمیان ایک درخت آ گیا، اس کے بعد وہ پھر ملے تو ایک نے دوسرے کو سلام کیا۔
(مصنف عبدالرزاق: ۱۹۴۴۶)

ہر ایک پر سلام کرنے کی تاکید پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ جو شخص کسی غیر آباد گھر میں داخل ہو تو وہاں بھی دخول کے وقت سلام کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ۔ (النور: ۶۱) پھر جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں پر سلام کرو۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور النخعی اور علقمہ اور عطاء اور عکرمہ اور قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ جب تم ایسے گھر میں داخل ہو جس میں کوئی نہ ہو تو کہو "السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین"، چونکہ فرشتے تمہارے سلام کا جواب دیں گے۔ اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ جب کوئی شخص ایسے گھر میں داخل ہو کہ جو آباد ہو اور اس میں لوگ رہتے ہوں تو وہ اس کے زیادہ لائق ہے کہ ان کو سلام کیا جائے۔

اور ابن وہب نے از حفص بن میسرہ از زید بن اسلم روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اپنے گھروں میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو اور اللہ کے نام کا ذکر کرو، کیونکہ جب تم میں سے کوئی ایک شخص گھر میں داخل ہوتا ہے اور اللہ کا ذکر کرتا ہے اور کھانے پر اللہ کے نام کا ذکر کرتا ہے تو شیطان اپنے چیلوں سے کہتا ہے کہ تمہارے لیے نہ یہاں ٹھہرنے کی جگہ ہے اور نہ کھانا ہے، اور جب وہ دخول کے وقت سلام نہ کریں اور کھانے پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیں تو شیطان اپنے اصحاب سے کہتا ہے کہ تم نے رات گزارنے کی جگہ کو بھی پالیا اور رات گزارنے کے کھانے کو بھی پالیا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۴۰۱)

یہ حدیث صحیح مسلم (۲۰۱۸) میں بھی مذکور ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۹ ص ۱۳۔ ۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۳۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صرف جان پہچان کی وجہ سے سلام نہ کرنے کے مزید شواہد

امام ابوجعفر الطحاوی نے مشکل الآثار میں مسروق سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور علقمہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا رہے تھے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہمارے درمیان میں تھے تو ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا: السلام علیکم اے ابن ام عبد! تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہنسے اور انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ جان پہچان کی وجہ سے سلام کیا جائے گا۔ (مشکل الآثار: ۱۵۹۱)

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنی حدیث میں کہا کہ میں بیت اللہ میں آیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لائے، آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی اور پھر میں آپ کے پاس آیا اور میں پہلا شخص تھا جس نے اسلام کی تحیت کے ساتھ آپ کو سلام کیا، آپ نے فرمایا: وعلیك السلام من انت؟ یعنی تم پر بھی سلام ہو اور تم کون ہو؟ (صحیح مسلم: ۲۴۷۳)

امام طحاوی نے کہا: یہ حدیث پہلی حدیث کے معارض نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق

ساتھ ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے میں مشغول ہوں یا طواف میں مشغول ہوں، اس لیے کہ یہ مکہ کا واقعہ ہے بیت اللہ کے پاس، اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سلام کرنے کی ضرورت نہیں تھی، اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنے کی حاجت تھی تو اس لیے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ (مشکل الآثار ج ۴ ص ۲۷۳)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے لیے اجنبی تھے پھر بھی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو جواب دیا، اس میں یہ دلیل ہے کہ سلام کا جواب دینا سلام کے جواب کے خلاف ہے، کیونکہ جو مسلمان جماعت میں سے صرف ایک شخص کو سلام کرے اور باقیوں کو سلام نہ کرے تو وہ باقیوں پر ظلم کرنے والا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب کو سلام کرتے تھے۔ اور جواب دینے کا یہ حکم نہیں ہے، کیونکہ جو شخص سلام کرے اس کو بھی جواب دیا جا سکتا ہے اور جس جماعت کے اندر وہ موجود ہے اس پوری جماعت کو بھی جواب دیا جا سکتا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: نہ نماز میں کمی کی جائے اور نہ سلام میں۔ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ نماز میں اس طرح کمی نہ کرے کہ رکوع اور سجود میں سے کوئی رکن کم کرے اور سلام میں اس طرح کمی نہ کرے کہ ایک شخص کو سلام کرے یعنی السلام علیک کہے۔ یا جواب میں وعلیک کہے اور وعلیکم نہ کہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۴۶-۴۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۱۰۔ بَابُ: آيَةِ الْحِجَابِ
عورتوں کے پردہ کی آیت کا بیان

اس باب میں پردہ کی آیت کے نزول کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو مردوں سے پردہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

۶۲۳۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّهُ كَانَ ابْنَ عَشْرِ سِنِينَ مَقْدَمَ رَسُولِ اللهِ ﷺ الْمَدِينَةَ فَخَدَمْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَشْرًا حَيَاتَهُ وَكُنْتُ أَعْلَمَ النَّاسِ بِشَأْنِ الْحِجَابِ حِينَ أُنْزِلَ وَقَدْ كَانَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يَسْأَلُنِي عَنْهُ وَكَانَ أَوَّلَ مَا نَزَلَ فِي مُبْتَنَى رَسُولِ اللهِ ﷺ بِزَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ أَصْبَحَ النَّبِيُّ ﷺ بِهَا عَرُوسًا فَدَعَا الْقَوْمَ فَأَصَابُوا مِنَ الطَّعَامِ ثُمَّ خَرَجُوا وَبَقِيَ مِنْهُمْ رَهْطٌ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَأَطَالُوا الْمُكْثَ فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَخَرَجَ وَخَرَجْتُ مَعَهُ كَيْ يَخْرُجُوا فَمَشَى رَسُولُ اللهِ ﷺ وَمَشَيْتُ مَعَهُ حَتَّى جَاءَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یونس نے خبر دی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ جس وقت ان کی عمر دس سال تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے، پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دس سال خدمت کی اور میں لوگوں میں سے سب سے زیادہ عورتوں کے پردہ کے متعلق جاننے والا تھا جب یہ حکم نازل ہوا۔ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مجھ سے اس کے متعلق سوال کرتے تھے، اور سب سے پہلے جو چیز نازل ہوئی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو شب زفاف گزاری تھی اس کے متعلق تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ بطور دولہا کے

عَتَبَةَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ ثُمَّ ظَنَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنَّهُمْ خَرَجُوا فَرَجَعَ وَرَجَعْتُ مَعَهُ حَتَّى دَخَلَ عَلَى زَيْنَبَ فَإِذَا هُمْ جُلُوسٌ لَمْ يَتَفَرَّقُوا فَرَجَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَرَجَعْتُ مَعَهُ حَتَّى بَلَغَ عَتَبَةَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ فَظَنَّ أَنْ قَدْ خَرَجُوا فَرَجَعَ وَرَجَعْتُ مَعَهُ فَإِذَا هُمْ قَدْ خَرَجُوا فَأُنْزِلَ آيَةُ الْحِجَابِ فَضَرَبَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ سِتْرًا۔

صبح کی، آپ نے مسلمانوں کو بلایا، پس انہوں نے طعام کھایا، پھر گھر سے چلے گئے اور ان کے درمیان سے ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھی رہی، اور ان کا بیٹھنا کافی طویل ہو گیا، پھر رسول اللہ ﷺ اٹھے اور آپ گھر سے نکلے اور میں بھی آپ کے ساتھ نکلا تا کہ وہ لوگ بھی گھر سے نکل جائیں، پس رسول اللہ ﷺ چلتے رہے اور میں بھی آپ کے ساتھ چلتا رہا حتیٰ کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی چوکھٹ پر آئے، پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ گمان کیا کہ اب وہ لوگ گھر سے نکل گئے ہوں گے، پس آپ واپس آئے اور میں بھی آپ کے ساتھ واپس آیا حتیٰ کہ آپ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس داخل ہوئے، پس اس وقت بھی وہ بیٹھے ہوئے تھے اور گھر سے الگ نہیں ہوئے تھے، پس رسول اللہ ﷺ واپس آئے اور میں بھی آپ کے ساتھ واپس آیا حتیٰ کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی چوکھٹ پر پہنچ گئے، پس آپ نے یہ گمان کیا کہ اب وہ گھر سے نکل گئے ہوں گے، پس آپ واپس آئے اور میں بھی آپ کے ساتھ واپس آیا، پس اس وقت وہ گھر سے نکل چکے تھے، پھر پردہ کرنے کی آیت نازل ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے اور میرے درمیان پردہ ڈال دیا۔

(صحیح بخاری: ۴۷۹۱، ۴۷۹۲، ۴۷۹۳، ۴۷۹۴، ۵۱۵۴، ۵۱۶۳، ۵۴۶۶، ۵۱۶۸، ۵۱۷۰، ۵۱۷۱، ۵۴۶۶، ۶۲۳۸، ۶۲۳۹، ۶۲۷۱، ۷۴۲۱، صحیح مسلم: ۱۴۲۸، سنن ترمذی: ۳۲۱۷، مسند احمد: ۱۲۹۴۸)

صحیح البخاری: ۶۲۳۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے باب کا عنوان ہے ''اٰیۃ الحجاب'' اور اس حدیث میں مذکور ہے ''پھر پردہ کے احکام کی آیت نازل ہو گئی'' اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن سلیمان، یہ ابو سعید الجعفی الکوفی ہیں، جو مصر میں رہائش پذیر تھے۔ اور یہ عبداللہ بن

وہب سے روایت کرتے ہیں۔اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یونس، وہ ابن یزید ہیں اور وہ ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں اور وہ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ہیں، جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "مقدم" یعنی جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "حیاتہ" یعنی آپ کی باقی حیات تک میں آپ کی خدمت میں رہا یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نزولِ حجاب کے حکم کو تمام صحابہ سے زیادہ جاننے والے تھے

اس حدیث میں مذکور ہے "کنت اعلم الناس بشان الحجاب" یعنی میں لوگوں میں سے سب سے زیادہ پردہ کے حکم کے نازل ہونے کے سبب کو جاننے والا تھا۔اور یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بطور فخر کے نہیں کہا بلکہ خبر دینے کے لیے کہا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "وقد کان ابی بن الکعب یسالنی عنہ" یعنی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مجھ سے پردہ کے لزوم کے حکم کے سبب کے متعلق سوال کرتے تھے،اور وہ حجاب کی آیت ہے۔اور وہ آیت درج ذیل ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَ اللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ (الاحزاب:۵۳)

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو،سوا اس کے کہ تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے،کھانا پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو بلکہ جب تمہیں بلایا جائے اس وقت جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو فوراً چلے جاؤ اور (وہاں) باتوں میں دل نہ لگاؤ، بے شک تمہارے اس عمل سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے،سو وہ تم سے حیاء کرتے ہیں،اور اللہ حق بات کہنے سے نہیں رکتا،اور جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ پردے کا حکم نازل ہونے کے متعلق سب سے زیادہ جاننے والے تھے، کیونکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان سے زیادہ عالم تھے اور عمر میں ان سے بڑے تھے اور مرتبہ اور عظمت میں بھی ان سے بڑے تھے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ ان سے استفادہ کرتے تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پردہ کے حکم کے نازل ہونے کے سبب کے متعلق دریافت کیا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "مبتنی" یہ ابتناء سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: شب زفاف گزارنا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "عروسا" یہ صفت کا صیغہ ہے اور اس میں مرد اور عورت دونوں مساوی ہیں جب تک کہ وہ شادی کی تقریب میں منہمک ہوں۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۰۷۔۳۷۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۳۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ أَبِي حَدَّثَنَا أَبُو مِجْلَزٍ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنهُ قَالَ لَمَّا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو النعمان نے حدیث بیان کی،انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان

تَزَوَّجَ النَّبِيُّ ﷺ زَيْنَبَ دَخَلَ الْقَوْمُ فَطَعِمُوا ثُمَّ جَلَسُوا يَتَحَدَّثُونَ فَأَخَذَ كَأَنَّهُ يَتَهَيَّأُ لِلْقِيَامِ فَلَمْ يَقُومُوا فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ قَامَ فَلَمَّا قَامَ قَامَ مَنْ قَامَ مِنَ الْقَوْمِ وَقَعَدَ بَقِيَّةُ الْقَوْمِ وَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَاءَ لِيَدْخُلَ فَإِذَا الْقَوْمُ جُلُوسٌ ثُمَّ إِنَّهُمْ قَامُوا فَانْطَلَقُوا فَأَخْبَرْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَجَاءَ حَتَّى دَخَلَ فَذَهَبْتُ أَدْخُلُ فَأَلْقَى الْحِجَابَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ وَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ﴾ الْآيَةَ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ فِيهِ مِنَ الْفِقْهِ أَنَّهُ لَمْ يَسْتَأْذِنْهُمْ حِينَ قَامَ وَخَرَجَ وَفِيهِ أَنَّهُ تَهَيَّأَ لِلْقِيَامِ وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَقُومُوا۔

کی، انہوں نے بیان کیا: میرے والد نے کہا: ہمیں ابومجلز نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: جب نبی ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو صحابہ آپ کے گھر آئے، پس انہوں نے کھانا کھایا، پھر بیٹھ کر آپس میں باتیں کرتے رہے، پس آپ کھڑے ہونے کے لیے تیار ہوئے، پس صحابہ نہیں کھڑے ہوئے، جب آپ نے یہ دیکھا تو آپ کھڑے ہو گئے، پس جب آپ کھڑے ہوئے تو صحابہ میں سے کچھ لوگ بھی کھڑے ہو گئے اور باقی صحابہ بیٹھے رہے، اور نبی ﷺ آئے تا کہ گھر میں داخل ہوں تو وہ صحابہ ہنوز بیٹھے ہوئے تھے، پھر وہ لوگ کھڑے ہوئے اور گھر سے نکل گئے تو میں نے نبی ﷺ کو بتایا، پس آپ آئے حتیٰ کہ گھر میں داخل ہو گئے، پس میں بھی گھر میں داخل ہونے لگا تو آپ نے میرے اور اپنے درمیان حجاب ڈال دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو۔

امام عبداللہ نے کہا ہے: اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ ان صحابہ نے جب آپ کھڑے ہوئے اور گھر سے نکل گئے تو انہوں نے آپ سے اجازت طلب نہیں کی۔ اور اس میں یہ ہے کہ آپ کھڑے ہونے کے لیے تیار ہوئے اور آپ یہ ارادہ کرتے تھے کہ یہ صحابہ بھی کھڑے ہو جائیں۔

(صحیح بخاری: ۴۷۹۱، ۴۷۹۲، ۴۷۹۳، ۴۷۹۴، ۵۱۵۴، ۵۱۶۳، ۵۱۶۶، ۵۱۶۸، ۵۱۷۰، ۵۱۷۱، ۵۴۶۶، ۶۲۳۸، ۶۲۳۹، ۶۲۷۱، ۷۴۲۱، صحیح مسلم: ۱۴۲۸، سنن ترمذی: ۳۲۱۷، مسند احمد: ۱۲۹۴۸)

صحیح البخاری: ۶۲۳۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سابق کی ایک اور سند کا ذکر ہے۔

امام عبداللہ نے کہا ہے: اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ ان صحابہ نے جب آپ کھڑے ہوئے اور گھر سے نکل گئے تو انہوں نے آپ سے اجازت طلب نہیں کی۔ اور اس میں یہ ہے کہ آپ کھڑے ہونے کے لیے تیار ہوئے اور آپ یہ ارادہ کرتے تھے کہ یہ صحابہ بھی کھڑے ہو جائیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ابوعبداللہ، اس سے مراد خود امام بخاری ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فیه من الفقه" یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث مذکور میں سمجھنے کی یہ بات ہے۔ اور یہ تعلیق صرف مستملی کی روایت میں ہے اور دوسروں نے اس کا ذکر نہیں کیا اور نہ اس کے ذکر کا کوئی محرک ہے، کیونکہ امام بخاری نے اس کا ایک الگ عنوان قائم کیا ہے جو بائیس ابواب کے بعد آئے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۴۰۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ رضی الله عنها زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَقُولُ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ احْجُبْ نِسَاءَكَ قَالَتْ فَلَمْ يَفْعَلْ وَكَانَ أَزْوَاجُ النَّبِيِّ ﷺ يَخْرُجْنَ لَيْلًا إِلَى لَيْلٍ قِبَلَ الْمَنَاصِعِ فَخَرَجَتْ سَوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ وَكَانَتِ امْرَأَةً طَوِيلَةً فَرَآهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَهُوَ فِي الْمَجْلِسِ فَقَالَ عَرَفْتُكِ يَا سَوْدَةُ حِرْصًا عَلَى أَنْ يُنْزَلَ الْحِجَابُ قَالَتْ فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ آيَةَ الْحِجَابِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتے تھے کہ آپ اپنی ازواج مطہرات کو پردہ میں رکھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ آپ نے ایسا نہیں کیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ایک رات سے دوسری رات تک گھر سے نکل کر کھلے میدانوں کی طرف جاتی تھیں، پس حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا بھی نکلیں اور وہ لمبے قد والی عورت تھیں، پس ان کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا اور وہ اسی مجلس میں تھے تو انہوں نے کہا: اے سودہ! میں نے آپ کو پہچان لیا، اس سبب سے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ حرص تھی کہ پردہ کے احکام نازل ہو جائیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ پھر اللہ عزوجل نے حجاب کی آیت نازل فرما دی۔

(صحیح بخاری: ۱۴۶، ۱۷۹۵، ۴۷۹۵، ۵۲۳۷، ۶۲۴۰، صحیح مسلم: ۲۱۷۰، مسند احمد: ۲۴۲۹۰)

صحیح البخاری: ۶۲۴۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق، علامہ کرمانی نے کہا: یا تو یہ ابن ابراہیم ہیں یا ابن منصور ہیں۔ اور امام ابونعیم نے مستخرج میں وثوق سے کہا ہے کہ یہ ابن راہویہ ہیں۔ اور وہ اسحاق بن ابراہیم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یعقوب کا ذکر ہے، وہ

ابن ابراہیم ہیں، وہ اپنے والد ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف سے روایت کرتے ہیں۔ اور ابراہیم بغداد میں قضاء کے عہدے پر فائز تھے، وہ ابوصالح بن کیسان سے روایت کرتے ہیں از محمد بن مسلم بن شہاب الزہری۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "قِبَلَ المناصع" یعنی مناصع کی طرف اور مناصع مدینہ کی ایک مشہور جگہ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت

اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے، کیونکہ قرآن مجید ان کی رائے کے موافق نازل ہوا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۷۳۔ ۱۷۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۰، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی التوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ازواجِ مطہرات کے پردہ کا مشورہ دینا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے اوپر حجاب کی فرضیت کا بیان ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا: آپ اپنی ازواج کو پردہ میں رکھیں۔ (صحیح البخاری: ۶۲۴۰) اور دوسری حدیث میں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! کاش آپ امہات المومنین کو پردہ میں رکھیں، کیونکہ ان کے پاس نیک بھی آتا ہے اور فاجر بھی آتا ہے، تو پھر حجاب کی آیت نازل ہوگئی۔ (صحیح البخاری: ۴۴۸۳)

حجاب میں عورت کے لیے اپنے جسم کے کس حصہ کو چھپانا واجب ہے

اور اس کی وضاحت فقہاء کے اس قول سے ہوتی ہے کہ عورت کا احرام اس کے چہرہ اور ہتھیلیوں میں ہے۔ اور اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ گواہی دینے کے لیے اپنے چہرہ کو کھولے۔ اور امہات المومنین کے لیے اس کی اجازت نہیں ہے۔

اور سلف صالحین کا اس آیت کی تاویل میں اختلاف ہے:

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا۔ (النور: ۳۱) اور اپنی زیبائش کو ظاہر نہ کریں مگر جو خود ظاہر ہو۔

جو زینت خود ظاہر ہے اس سے مراد ہے سرمہ اور انگوٹھی اور خضاب اور ہاتھوں کے کنگن اور کانوں کی بالیاں اور کپڑے۔ یا اس سے مراد چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے اسی طرح مروی ہے۔ اور مکحول، عطاء اور حسن بصری کا بھی یہی قول ہے۔

(تفسیر الطبری ج ۹ ص ۳۰۴۔ ۳۰۵، تفسیر ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۵۷۵۔ ۲۵۷۰، تفسیر ابن کثیر ج ۱۰ ص ۲۱۷)

اور اسماعیل بن اسحاق نے کہا: اس تفسیر میں وہ داخل ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ "ماظهر" (جو خود بہ خود ظاہر

ہو) سے مراد چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں، کیونکہ عورت پر واجب ہے کہ نماز میں اپنے چہرہ اور ہتھیلیوں کے ماسوا کو چھپائے۔ اور اس میں یہ دلیل ہے کہ مسافروں کے لیے عورت کو دیکھنا جائز ہے۔

عالم کا اپنی تعریف میں اپنے علم کی خصوصیت اور تفرد بیان کرنے کا جواز

اس حدیث میں مذکور ہے "حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں حجاب کی آیت کے نزول کے متعلق سب سے زیادہ جاننے والا ہوں"۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ عالم کے لیے یہ جائز ہے کہ اس کے پاس جو علم ہے وہ لوگوں پر اس علم کو ظاہر کرے اور بتائے کہ یہ علم صرف اسی کے پاس ہے، تاکہ لوگوں کو اس سے اس علم کو حاصل کرنے میں رغبت ہو اور عالم اپنے اوپر فخر کرنے اور اپنی شان بڑھانے کی وجہ سے ایسا نہ کہے۔ (شرح ابن بطال ج ۹ ص ۱۷۔۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"المناصع" کا بیان

ابو سعید نے کہا: یہ وہ جگہیں ہیں جہاں پر لوگ بول و براز کو رفع کرنے کے لیے جاتے ہیں، اس کا واحد "منصع" ہے۔

الازہری نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ یہ وہ جگہیں ہیں جو مدینہ سے باہر ہیں۔ (تہذیب اللغۃ، ج ۴، ص ۳۵۸۶)

اور امام بخاری نے صحیح البخاری: ۱۴۶ میں ذکر کیا ہے کہ "منصع" کا معنی ہے کھلا میدان۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۱، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ ابن الملقن نے جو کتب لغت کے حوالوں سے "منصع" کا معنی بیان کیا ہے کہ یہ کھلے میدانوں کو کہتے ہیں جن میں لوگ اپنی حوائج ضروریہ سے فارغ ہوتے ہیں، اس سے واضح ہوا کہ علامہ عینی کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ "منصع" مدینہ میں ایک مشہور مقام ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حجاب کے تین مراتب

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے: آپ اپنی ازواج کو حجاب میں رکھیں۔

قرآن مجید میں حجاب کے متعلق تین حکم ہیں:

(۱) يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ۔ (الاحزاب: ۵۹)

اے نبی! آپ اپنی ازواج سے اور اپنی صاحب زادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہیے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکالیا کریں۔

اس حکم کا منشاء یہ ہے کہ وہ اپنے چہروں کو اجنبی مردوں سے حجاب میں رکھیں اور عورتوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے چہروں اور ہاتھوں کو چھپا کر رکھیں۔

امام ابن جریر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو یہ حکم دیا

ہے کہ جب وہ کسی ضرورت کی بناء پر اپنے گھروں سے نکلیں تو اپنی چادروں سے سر کو اور چہرے کو اس طرح ڈھانپ لیں کہ فقط ایک آنکھ کھلی رہے۔ (جامع البیان: ۲۱۸۶۱)

عہد رسالت میں حجاب اور نقاب کا معمول تھا، امام بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے واقعۂ افک کی حدیث میں روایت کرتے ہیں: میں اپنے پڑاؤ پر بیٹھی ہوئی تھی کہ مجھ پر نیند غالب آ گئی، اور میں سو گئی اور حضرت صفوان بن معطل اسلمی رضی اللہ عنہ لشکر کے پیچھے تھے، وہ رات کے آخری حصہ میں چلے اور صبح کے وقت میرے پڑاؤ پر پہنچے تو انہوں نے ایک انسانی ہیولا دیکھا، جب وہ میرے پاس آئے تو انہوں نے مجھے پہچان لیا کیونکہ انہوں نے حجاب کے حکم سے پہلے مجھے دیکھا ہوا تھا، انہوں نے کہا: "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ" میں یہ سن کر بیدار ہو گئی اور میں نے اپنی چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ (صحیح البخاری: ۴۱۴۱)

یہ حدیث اس بات کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ احکام حجاب نازل ہونے کے بعد ازواجِ مطہرات چادروں سے اپنے چہروں کو ڈھانپتی تھیں، حضرت شماس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ام خلاد نام کی ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، درآں حالیکہ اس نے نقاب پہنی ہوئی تھی، اس کا بیٹا شہید ہو گیا تھا اور وہ اس کے متعلق پوچھنے آئی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے کہا: تم اپنے بیٹے کے متعلق پوچھ رہی ہو اور اس حال میں بھی تم نقاب پہنے ہوئے ہو، اس نے کہا: میں نے اپنا بیٹا کھویا ہے، اپنی حیا نہیں کھوئی۔ (سنن ابوداؤد: ۲۴۸۸) (انوار تبیان القرآن ص ۶۸۰، فرید بک اسٹال، لاہور)

(۲) اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ۔ (الاحزاب: ۵۳) جب تم نبی کی ازواج سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات اور مسلمانوں کے درمیان پردہ لٹکا دیا جائے۔

اس سے مراد دنیا اور دنیا کی وہ تمام چیزیں ہیں جن کی ضرورت پیش آتی ہے، نیز اس آیت میں دلیل ہے کہ مسلمان ازواج مطہرات سے پردہ کی اوٹ سے دینی مسائل بھی طلب کر سکتے ہیں، اس اجازت میں عام مسلم خواتین بھی داخل ہیں، کیونکہ عورتیں مجسم چھپائی جانے والی جنس ہیں، ان کا بدن اور ان کی آواز سب مستور ہے بلکہ واجب الستر ہے اور سوائے شہادت یا علاج کے ان کے لیے اپنے جسم کے کسی حصہ کو ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔ (انوار تبیان القرآن ص ۶۷۹، فرید بک اسٹال، لاہور)

(۳) وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰى۔ (الاحزاب: ۳۳) اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور قدیم جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگھار کا اظہار نہ کرو۔

اس آیت میں یہ حکم دیا ہے کہ ازواجِ مطہرات اپنے گھروں میں لازم رہیں اور اگر کسی ضرورت کی وجہ سے گھر سے باہر جانا پڑے تو بناؤ سنگھار کر کے گھر سے باہر نہ نکلیں۔

اس آیت میں ایک لفظ "قرن" ہے، یہ جمع مونث، امر حاضر کا صیغہ ہے، اس میں دو احتمال ہیں، ایک یہ یا تو یہ "قرار" سے بنا ہے، اس صورت میں اس کا معنی ہوگا: اے نبی کی بیویو! اپنے گھروں میں برقرار رہو اور بغیر شرعی ضرورت کے گھر سے باہر نہ نکلو، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ "وقار" سے بنا ہے، اس صورت میں اس کا معنی ہے: اپنے گھروں میں سکونت پذیر رہو اور بغیر شرعی ضرورتوں کے گھروں سے باہر نہ نکلو، لیکن اس کا حکم تمام مسلمان عورتوں کو شامل ہے اور کسی مسلمان عورت کے لیے شرعی ضرورت کے بغیر گھر

سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عورت سراپا چھپانے کی چیز (واجب الستر) ہے، جب عورت گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تکتا رہتا ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۱۷۳) حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر آنکھ زانیہ ہے اور جب عورت معطر ہو کر کسی مجلس سے گزرتی ہے تو وہ زانیہ ہوتی ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۷۸۶)

(انوار تبیان القرآن ص ۶۷۳، فرید بک اسٹال، لاہور)

۱۱- بَابٌ: اَلِاسْتِئْذَانُ مِنْ أَجْلِ الْبَصَرِ
آنکھ سے دیکھنے کی وجہ سے اجازت لینے کو مشروع کیا گیا ہے

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ استئذان کو اس لیے مشروع کیا گیا ہے تاکہ کوئی شخص اپنے آنکھ سے کسی کے گھر کے وہ احوال نہ دیکھے جن کو گھر والا دکھانا نہیں چاہتا۔

۶۲۴۱- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ الزُّهْرِيُّ حَفِظْتُهُ كَمَا أَنَّكَ هَا هُنَا عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ اطَّلَعَ رَجُلٌ مِنْ جُحْرٍ فِي حُجَرِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَمَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مِدْرًى يَحُكُّ بِهِ رَأْسَهُ فَقَالَ لَوْ أَعْلَمُ أَنَّكَ تَنْظُرُ لَطَعَنْتُ بِهِ فِي عَيْنِكَ إِنَّمَا جُعِلَ الِاسْتِئْذَانُ مِنْ أَجْلِ الْبَصَرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے بتایا کہ الزہری نے کہا: میں نے اس حدیث کو اس طرح محفوظ رکھا ہے جیسا کہ تم میرے یہاں پر ہو، از سہل بن سعد روایت ہے کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حجروں کے سوراخ میں سے جھانکا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں لوہے کی سلاخ تھی جس سے آپ اپنے سر کے بال کھجا رہے تھے، آپ نے فرمایا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم انتظار کر رہے ہو (یا دیکھ رہے ہو) تو میں اس سلاخ کے ساتھ تمہاری آنکھوں کو زخمی کر دیتا۔ آنکھ سے دیکھنے کی وجہ سے استئذان کو مشروع کیا گیا ہے۔

(صحیح بخاری: ۵۹۲۴، ۶۲۴۱، ۶۹۰۱، صحیح مسلم: ۲۱۵۶، سنن ترمذی: ۲۷۰۹، سنن نسائی: ۴۸۵۹، مسند احمد: ۲۲۲۹۶، سنن دارمی: ۲۳۸۴)

صحیح البخاری: ۶۲۴۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، یہ المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ ابن عیینہ ہیں۔

یہ حدیث کتاب اللباس کے باب الامتشاط میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "حفظتہ" یعنی میں نے اس حدیث مذکور کو اس طرح محفوظ رکھا ہے جیسا کہ تم یہاں پر ہو، یعنی جس طرح

تمہارا یہاں پر ہونا بالکل ظاہر اور محسوس ہے اور اس میں کوئی شک اور شبہ نہیں ہے، اسی طرح میں نے اس حدیث کو محفوظ رکھا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من جحر" جحر کا معنی ہے سوراخ۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "فی حُجَرِ النبی ﷺ" یہ لفظ حجرے کی جمع ہے، اور بعض روایات میں آیا ہے "فی حجرۃ النبی ﷺ" یعنی وہ نبی ﷺ کے حجرے کے سوراخ سے جھانک رہا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مدری" اس کا وزن مِفعل ہے نہ کہ فعلی، ابن فارس نے کہا: کہا جاتا ہے "مدرت المرأۃ شعرھا" جب عورت اپنے بالوں کو لوہے کی سلاخ سے سیدھا کرے یا سنوارے۔ الجوہری نے کہا: یہ ایسی چیز ہے جو بناؤ سنگھار کرنے والی عورتوں کے بالوں کی مینڈھیوں کو سیدھا کرتی ہے اور سنوارتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تتنتظر" اور ایک روایت میں ہے "تنظر" یعنی وہ مرد حجرے کے سوراخ سے جھانک رہا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "انما جعل الاستئذان من اجل البصر" یعنی گھر میں داخل ہونے کے وقت اجازت طلب کرنے کو اس لیے مشروع کیا گیا ہے تا کہ داخل ہونے والے کی نظر گھر والوں کی چھپانے والی چیزوں کے اوپر نہ پڑے اور تا کہ وہ ان کے احوال پر مطلع نہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۴۲ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَجُلًا اطَّلَعَ مِنْ بَعْضِ حُجَرِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَامَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ بِمِشْقَصٍ أَوْ بِمَشَاقِصَ فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ يَخْتِلُ الرَّجُلَ لِيَطْعُنَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از عبید اللہ بن ابی بکر از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نبی ﷺ کے کسی حجرے سے دیکھ رہا تھا، نبی ﷺ اس کی طرف کھڑے ہوئے اور آپ کے پاس ایک نوکدار چیز تھی یا نوکدار چیزیں تھیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: گویا میں دیکھ رہا تھا کہ نبی ﷺ حیلہ کر رہے تھے کہ کس طرح وہ نوکدار چیز اس میں گھونپ دیں۔

(صحیح بخاری: ۶۸۸۹، ۶۹۰۰، صحیح مسلم: ۲۱۵۷، سنن ترمذی: ۲۷۰۸، سنن نسائی: ۴۸۵۸، سنن ابوداؤد: ۵۱۷۱، مسند احمد: ۱۳۰۹۵)

صحیح البخاری: ۶۲۴۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے عبید اللہ بن ابی بکر بن انس الانصاری، یہ ابو معاذ البصری ہیں اور وہ اپنے دادا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "بمشقص" یہ تیر کا نوکدار پھل ہے جب کہ وہ صرف لمبا ہو اور چوڑا نہ ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یختل" یعنی رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ اس کی غفلت میں وہ نوکدار چیز اس کو مار دیں، اور یہ اس کے ساتھ مخصوص ہے جو عمداً دیکھے۔ اور جب کسی کی نظر غیر ارادی طور پر واقع ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اس سے اس پر استدلال کیا جاتا ہے کہ جس نے ایسے دیکھنے والے کو وہ نوکدار چیز ماری تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس کو وہ نوکدار چیز ماری گئی ہے تو اس کا زخم شرعاً ضائع ہے، رائیگاں ہے، یعنی اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ خفیف چیز کے ساتھ اس کو مارنا جائز ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو اس کو نوکدار چیز مارنے کا فرمایا، یہ بطور تہدید اور تغلیظ ہے، یعنی اس کو دھمکانے اور ڈرانے کے لیے فرمایا۔ ایک قول یہ ہے کہ کیا اس کو نوکدار چیز ڈرانے سے پہلے مارنا جائز ہے، اس میں دو قول ہیں اور صحیح قول یہ ہے کہ ہاں ڈرانے سے پہلے بھی اس کو مارنا جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۲، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بغیر اجازت کسی کے گھر میں داخل ہونے کی ممانعت کے مزید دلائل

اس حدیث سے استئذان کے معنی کا بیان معلوم ہوتا ہے، اور استئذان کو اس لیے مشروع کیا گیا ہے تا کہ کوئی شخص مومن کی ان چیزوں پر نظر نہ ڈالے جن کو وہ چھپانا چاہتا ہے اور جن کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میں اپنی ماں کے پاس آنے کے لیے بھی اجازت طلب کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا: وہ تو میرے ساتھ گھر میں رہتی ہے، آپ نے فرمایا: اس کے پاس آنے کے لیے بھی اجازت طلب کرو، کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم اپنی ماں کو برہنہ دیکھو، اس نے کہا: نہیں! تو آپ نے فرمایا: پھر اس کے پاس آنے کے لیے اجازت طلب کرو۔ (موطا امام مالک ص ۵۹۷)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب کوئی لڑکا بالغ ہو جائے تو وہ اپنی ماں کے پاس اور نہ اپنی بہن کے پاس بغیر اجازت کے جائے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کی اصل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۟ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى

اے ایمان والو! تمہارے مملوک غلاموں اور نابالغ لڑکوں کو (گھروں میں داخل ہونے کے لیے) تین اوقات میں اجازت طلب کرنی چاہیے، نماز فجر سے پہلے اور ظہر کے وقت جب تم اپنے (فالتو) کپڑے اتار دیتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد، یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں، ان تین اوقات کے بعد

بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝ (النور: ۵۸)

(بلا اجازت آنے میں) نہ تم پر کوئی حرج ہے اور نہ ان پر کوئی گناہ ہے، وہ تمہارے ہاں ایک دوسرے کے پاس گھروں میں آنے جانے والے ہیں، اللہ اسی طرح (اپنی) آیتیں تمہارے لیے بیان فرماتا ہے، اور اللہ خوب علم والا، بے حد حکمت والا ہے O

اس آیتِ مبارکہ میں ان تین اوقات کے علاوہ نابالغ لڑکے کو بغیر اجازت گھر میں آنے کی اجازت دی ہے، جس کا مفہومِ مخالف یہ ہے کہ بالغ لڑکے کو بغیر اجازت کسی کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

حکم کا کسی علت پر موقوف ہونا اور اس کے انکار پر غیر مقلدین کا رد

غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ حکم صرف خصوصیت کے ساتھ اسماء پر لاگو ہوتا ہے اور علت کی وجہ سے کسی چیز پر حکم لگانا جائز نہیں ہے۔ ان کے رد کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت طلب کرنے کی علت یہ بیان فرمائی تا کہ داخل ہونے والے کی نظر گھر کی مخفی چیزوں پر نہ پڑے، اس میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی کاموں کو واجب قرار دیا اور کئی کاموں سے منع فرمایا اور ان کاموں کے وجوب اور ممانعت کی علت آپ نے بیان فرمادی کہ وہ علت پائی جائے گی تو وہ حکم واجب ہو جائے گا اور ممانعت کی علت پائی جائے گی تو حکم ممنوع ہوگا۔

اور قرآن مجید میں اس کی بہ کثرت نظائر ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ جَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ ۪ وَ جَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ۝ (الانبیاء: ۳۱)

اور ہم نے زمین میں اونچے اونچے پہاڑ بنا دیئے تا کہ لوگوں کے بوجھ سے زمین ایک طرف ڈھلک نہ جائے اور ہم نے اس زمین میں کشادہ راستے بنائے تا کہ لوگ ہدایت حاصل کریں O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زمین پر اونچے اونچے پہاڑ بنانے کی علت بیان فرمائی ہے تا کہ لوگوں کے بوجھ سے زمین ایک طرف ڈھلک نہ جائے، اور اسی طرح یہ آیت ہے:

مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ (الحشر: ۷)

اللہ نے ان بستیوں والوں سے جو اموال نکال کر اپنے رسول پر لوٹا دیئے، سو وہ اللہ کے ہیں اور رسول کے اور (رسول کے) قرابت داروں کے اور یتیموں کے اور مسکینوں کے اور مسافروں کے تا کہ وہ (اموال) تم میں سے (صرف) مال داروں کے درمیان گردش نہ کرتے رہیں اور رسول جو تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے تم کو روکیں اس سے رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ کفار جو مال چھوڑ کر وطن سے چلے جائیں اور مسلمان ان کے اموال پر قبضہ کرلیں، وہ مالِ فئے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ اس مالِ فئے کو رسول کے قرابت داروں، اور یتیموں اور مسکینوں

اور مسافروں پر خرچ کیا جائے، اور پھر اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مالِ فئے کو ضرورت مندوں کے لیے دینے کا جو حکم فرمایا ہے، یہ اس لیے فرمایا ہے تاکہ وہ اموال تم میں سے صرف مال داروں کے درمیان گردش نہ کرتے رہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ۔ (النساء:۱۶۵) (اور ہم نے) خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجے تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ پر کوئی حجت نہ رہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں رسولوں کو بھیجنے کی یہ علت بیان فرمائی ہے تاکہ لوگ عذر نہ پیش کریں کہ ہم نے برے کام کیے لیکن ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا اور ہم نے اچھے کاموں کو ترک کیا کیونکہ ہمارے پاس کوئی بتانے والا نہیں تھا، تو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں رسولوں کو بھیج دیا تاکہ کوئی آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بے عملی پر کوئی عذر نہ پیش کر سکے۔

اس طرح کی اور بھی بہت آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی حکم کو کسی علت کی وجہ سے نازل فرماتا ہے، اور جب وہ علت پائی جائے گی تو وہ حکم بھی پایا جائے گا، غیر مقلدین اور اہل ظاہر اس کا انکار کرتے ہیں، لیکن قرآن مجید کی ان نصوصِ صریحہ اور بہ کثرت احادیث کے ہوتے ہوئے ان کے انکار کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال ج۹ ص ۱۸۔۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۲، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بغیر اجازت کسی کے گھر میں جھانکنے والے کی آنکھ کو پھوڑنا حملہ آور کی مدافعت نہیں ہے بلکہ جنایت کرنے والے کی سزا ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ حیلہ کر رہے تھے کہ آپ کے حجرے میں دیکھنے والے کو غافل پا کر اس کی آنکھ پھوڑ دیں، اگر یہ حملہ کو دفاع کرنے کے باب سے ہوتا تو آپ پہلے اس کو تنبیہ فرماتے، پھر جب وہ دیکھنے پر اصرار کرتا اور نہ ہٹتا سوا اس کے کہ اس کی آنکھ پھوڑ دی جائے، تو اس کی آنکھ پھوڑ دی جاتی، لیکن جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا، تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ حملہ کی مدافعت نہیں ہے بلکہ جرم کرنے والے کی سزا ہے۔

کیا گھر والوں کی باتیں سننا بھی جرم ہے؟

یعنی کوئی شخص دروازے کے پیچھے سے کھڑا ہو کر آپ کی باتیں سنے تو کیا اب بھی آپ کے لیے جائز ہے کہ آپ اس کی آنکھ پھوڑ دیں؟ اہل علم نے کہا: نہیں! اس لیے کہ آنکھ سے دیکھنا اور لوگوں کی مخفی چیزوں پر مطلع ہونا کسی کی بات سننے سے زیادہ سنگین ہے، نیز کسی کی بات سننا اس وقت ہوگا جب بلند آواز سے بات کی جائے اور جب گھر والے اپنی آوازوں کو بلند کریں حتیٰ کہ ان کی آواز باہر نکلے تو یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی آوازوں کو بلند کیا ہے اور اس وجہ سے اگر دروازہ کھلا ہوا ہو اور کوئی آدمی دروازے کے سامنے کھڑا ہو کر دیکھے تو کیا اس کی آنکھ پھوڑ دی جائے گی؟ نہیں! اس لیے کہ یہ تفریط اور تقصیر گھر والوں کی طرف سے ہے، پس وہی لوگ ہیں جنہوں نے دروازے کی حفاظت نہیں کی، لیکن جب دروازہ بند ہو اور انسان پھر دیکھے تو پھر اس کی یہ سزا ہے کہ اس کی آنکھ

چھوڑ دی جائے۔

کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرنے کی حکمت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اجازت طلب کرنے کی ایک حکمت ہے اور وہ یہ ہے کہ کہیں اجازت طلب کرنے والے کی نظر گھر کی مخفی چیزوں پر نہ پڑے، اسی لیے بعض علماء نے کہا ہے کہ ادب یہ ہے جب تم دروازہ کے پاس کھڑے ہو تو دروازہ کی دائیں جانب کھڑے ہو یا بائیں جانب کھڑے ہو، حتیٰ کہ جب وہ شخص آئے جو دروازہ کھولنے کا ارادہ کرتا ہے تو تم اس کے گھر کی اندرونی چیزوں کو دروازہ کھلنے کے بعد نہ دیکھو، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مستحسن ادب ہے خاص طور پر قدیم دروازوں میں۔ اور رہا گھر والے کا اس طرف دیکھنا کہ جو دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات کوئی دشمن دروازے پر آیا ہو۔ اور جو شخص اس جرم کی سزا دینے کے لیے کسی کے دماغ پر چوٹ لگائے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ رخصت صرف آنکھ پھوڑنے کے متعلق ہے۔

صحابہ کرام کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشورہ دینا کہ آپ ازواج کو حجاب میں رکھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر عمل نہ فرمانا

ایک سوال یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں کس طرح تطبیق دی جائے گی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ اپنی ازواجِ مطہرات کو حجاب میں رکھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہیں کرتے تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات گھر سے باہر جاتی تھیں جیسا کہ دیگر عورتیں جاتی تھیں، اس میں کوئی خطرہ بھی نہیں تھا، لیکن صحابہ کرام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت تعظیم اور توقیر کیا کرتے تھے، انہوں نے پسند کیا کہ آپ کی ازواج حجاب میں رہیں حتیٰ کہ لوگ ان کو نہ دیکھیں۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۴۲، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۲۔ بَابٌ: زِنَا الْجَوَارِحِ دُوْنَ الْفَرْجِ — شرم گاہ کے بغیر دیگر اعضاء سے زنا کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ شرم گاہ کے بغیر دیگر اعضاء کا زنا کس طرح ہے، اور جوارح، جارحۃ کی جمع ہے اور انسان کے جوارح اس کے وہ اعضاء ہیں جن کے ساتھ وہ تصرف کرتا ہے۔

امام بخاری نے اس عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے کہ زنا کا اطلاق شرم گاہ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ شرمگاہ کے بغیر دیگر اعضاء پر بھی زنا کا اطلاق ہوتا ہے، پس آنکھوں کا زنا اجنبی عورت کو دیکھنا ہے اور زبان کا زنا فحش کلام کرنا ہے جیسا کہ اس کا بیان حدیث میں آ رہا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۴۳۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ لَمْ أَرَ شَيْئًا أَشْبَهَ بِاللَّمَمِ مِنْ قَوْلِ أَبِي هُرَيْرَةَ ح حَدَّثَنِي مَحْمُودٌ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، از ابن طاؤس از والد خود، از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے کوئی چیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے

طَاؤُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَشْبَهَ بِاللَّمَمِ مِمَّا قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ إِنَّ اللهَ كَتَبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ حَظَّهُ مِنَ الزِّنَا أَدْرَكَ ذَٰلِكَ لَا مَحَالَةَ فَزِنَا الْعَيْنِ النَّظَرُ وَزِنَا اللِّسَانِ الْمَنْطِقُ وَالنَّفْسُ تَمَنَّى وَتَشْتَهِي وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذَٰلِكَ كُلَّهُ وَيُكَذِّبُهُ۔

قول سے زیادہ لمم (صغیرہ گناہ) کے مشابہ نہیں دیکھی ح اور مجھے محمود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از ابن طاؤس از والد خود از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول کی بہ نسبت کوئی چیز لمم (صغیرہ گناہ) کے مشابہ نہیں دیکھی، وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر اس کے زنا کا حصہ لکھ دیا ہے جس کو وہ لامحالہ پائے گا، پس آنکھوں کا زنا (اجنبی عورت کو) دیکھنا ہے، اور زبان کا زنا (فحش) کلام کرنا ہے، اور نفس اس کی تمنا کرتا ہے اور خواہش کرتا ہے، اور شرمگاہ اس سب کی تصدیق کرتی ہے اور تکذیب کرتی ہے۔

(صحیح بخاری: ۶۶۱۲، صحیح مسلم: ۲۶۵۷، سنن ابوداؤد: ۲۱۵۲، مسند احمد: ۷۶۶۲)

صحیح البخاری: ۶۲۴۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابق اس جملہ میں ہے: ''پس آنکھوں کا زنا (اجنبی عورت کو) دیکھنا ہے''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی پہلی سند میں مذکور ہے الحمیدی، یہ عبداللہ بن زبیر بن عیسیٰ ہیں جو اپنے اجداد میں سے ایک کی طرف منسوب ہیں، اور لفظ حُمید، حمد کی تصغیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور ابن طاؤس کا ذکر ہے، وہ عبداللہ ہیں، اور طاؤس، ابن کیسان الہمدانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں محمود کا ذکر ہے، وہ ابن غیلان ہیں۔ اور عبدالرزاق کا ذکر ہے، وہ ابن ہمام ہیں۔ اور معمر کا ذکر ہے، وہ ابن راشد ہیں۔

اور اس حدیث کی دوسری سند میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول پر اکتفاء کی ہے جو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا تھا۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اللمم'' اس کا معنی ہے: جو چیز کسی شخص کو نفس کی شہوات میں داخل کر دے۔ دوسرا قول ہے اس کا معنی ہے: وہ کام جو گناہوں کے قریب ہو، اور تیسرا قول ہے کہ اس کا معنی ہے: گناہ صغیرہ۔

اس حدیث میں مذکور ہے" لا مَحالة "یعنی اللہ تعالیٰ نے بندے کے کسی کام کے متعلق جو لکھ دیا ہے، بندے کے لیے اس کام کو کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے" والفرج یصدق ذالك "اس پر یہ سوال ہے کہ تصدیق اور تکذیب تو خبر کی صفت ہیں، تو یہاں اس کا کیا معنی ہے؟

اس کا جواب دیا گیا ہے کہ تصدیق کا معنی ہے: وہ حکم جو واقع کے مطابق ہو اور تکذیب کا معنی ہے وہ حکم جو واقع کے مطابق نہ ہو، سو اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اس کا نفس جو بھی خواہش کرتا ہے تو اس کی شرمگاہ اگر اس کے مطابق عمل کرے تو وہ تصدیق ہے، اور اگر اس کے خلاف عمل کرے تو وہ اس کی تکذیب ہے۔

آنکھ سے زنا کی وضاحت

انسان جو پہلی نظر کسی اجنبی عورت پر ڈالے تو وہ معاف ہے، اور جب وہ دوسری نظر لذت اور شہوت کے اعتبار سے اس عورت پر ڈالے تو یہ آنکھ کا زنا ہے۔ اور اسی طرح اگر وہ کسی عورت کے ساتھ فحش کام کرنے کے متعلق لذت سے کلام کرے تو یہ پھر اس کی زبان کا زنا ہے۔

جب کسی شخص نے کہا کہ تمہارے ہاتھ نے زنا کیا یا تمہارے پیر نے زنا کیا، تو اس پر حدِ قذف نہیں لگائی جائے گی۔ اور ابن القاسم مالکی نے اس کی مخالفت کی ہے۔ اور التوضیح میں مذکور ہے: امام شافعی نے کہا: جب کسی شخص نے کہا کہ تیرے ہاتھ نے زنا کیا تو اس پر حدِ قذف لگائی جائے گی اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ کنایہ ہے، پس الروضۃ میں لکھا ہوا ہے کہ جب کسی شخص نے کہا کہ تیری آنکھ نے زنا کیا، یا تیرے ہاتھ نے زنا کیا، یا تیرے پیر نے زنا کیا تو یہ کنایہ کے ساتھ اس کی طرف زنا کی نسبت کرنا ہے اور جمہور شافعیہ کا یہی قول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۳، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی التوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آنکھوں اور زبان کے زنا کے گناہِ صغیرہ ہونے کی توجیہ

آنکھوں کا زنا یہ ہے کہ کسی اجنبی عورت پر پہلی نظر پڑنے سے روکنے پر انسان کو قدرت نہیں ہے لیکن جب وہ پہلی نظر کے بعد دوبارہ اس اجنبی عورت کی طرف لذت اور شہوت کے ساتھ دیکھے گا تو یہ اس کی آنکھ کا زنا ہے۔

اسی طرح زبان کا زنا یہ ہے کہ وہ کسی عورت کے ساتھ زنا کرنے کی لذت کے ساتھ بات کرے جس عورت کے ساتھ مباشرت کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہے۔

اور نفس کا زنا یہ ہے کہ وہ دل میں زنا کی تمنا اور خواہش کرے، کیونکہ یہ شرمگاہ میں زنا کرنے کے دواعی ہیں۔

اور اس حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر اس کے زنا کا حصہ لکھ دیا ہے جس کو وہ لامحالہ پائے گا، یعنی ابن آدم اس حصے سے چھٹکارا پانے کی طاقت نہیں رکھتا۔

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے متعلق جو کچھ لکھ دیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی میں سابق ہے، اور اس کا کرنا ضروری ہے۔ اور انسان اس پر قادر نہیں ہے کہ اس چیز کو اپنے آپ سے دور کر دے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فضل فرمایا اور آنکھ اور زبان کے زنا کو لمم اور گناہِ صغیرہ قرار دیا۔ اور انسان سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ وہ گناہِ صغیرہ کو ترک کرے، جب تک کہ اس کی شرمگاہ نے ان گناہوں کی تصدیق نہ کی ہو۔ پس جب شرم گاہ اس کی تصدیق کر دے تو پھر یہ گناہِ کبیرہ ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر نرمی ہے اور رحمت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو کمزور خلقت میں پیدا کیا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ لمم اور گناہِ صغیرہ پر بھی مواخذہ کرتا اور حدیثِ نفس پر بھی مواخذہ کرتا تو یہ اس کا عدل ہوتا اپنے بندوں پر، کیونکہ اللہ تعالیٰ جو کام بھی کرے اس کے متعلق اس سے سوال نہیں کیا جائے گا، لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت ہے کہ وہ تھوڑی سی نیکی کو قبول کر لیتا ہے اور بڑے بڑے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، یہ اس کا فضل اور احسان ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۹ ص ۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۳، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امرد اور بے ریش لڑکے کی طرف شہوت سے دیکھنے کا حکم

بے ریش لڑکے کی طرف شہوت سے دیکھنا اجنبی عورت کی طرف دیکھنے سے زیادہ خبیث ہے، جیسا کہ لواطت زنا سے زیادہ خبیث ہے، یہی وجہ ہے کہ لواطت کی حد میں راجح یہ ہے کہ اس کی حد زنا سے زیادہ سنگین ہے، اور فاعل اور مفعول بہ کو ہر حال میں قتل کیا جائے گا خواہ وہ غیر شادی شدہ ہو، پس فاعل اور مفعول بہ کو قتل کر دیا جائے گا۔

اور شیخ ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ صحابہ کا اس پر اجماع ہے یعنی فاعل اور مفعول کو قتل کرنے پر خواہ وہ غیر شادی شدہ ہوں، لیکن اس کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا: انہیں آگ میں جلا دیا جائے، اور بعض دوسرے علماء نے کہا: ان کو پتھروں سے رجم کر دیا جائے، اور بعض دوسروں نے کہا: انہیں بلندی سے شہر میں پھینکا جائے اور پھر ان پر پتھر مارے جائیں۔

اہم بات یہ ہے کہ صحابہ کا اس پر اجماع ہے کہ فاعل اور مفعول بہ کو قتل کر دیا جائے، کیونکہ اس کا فساد بہت سنگین ہے۔ اس میں مرد عورتوں کی مثل ہو جاتا ہے۔ اور مفعول بہ کا نفس ٹوٹ جاتا ہے اور وہ مردوں کو اس طرح دیکھتا ہے جیسا کہ عورتیں مرد کی طرف دیکھتی ہیں، اسی لیے اس کا جرم زنا سے زیادہ سنگین ہے، پس جس نے بے ریش کی طرف شہوت سے دیکھا تو پس وہ العیاذ باللہ اس کی طرح ہے جو عورتوں کی طرف دیکھتا ہے بلکہ اس سے زیادہ سخت ہے۔ اور بعض اہل علم نے کہا ہے کہ امرد سے بچو کیونکہ اس کا فتنہ کنواری لڑکیوں سے زیادہ شدید ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۴۳۔ ۴۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۳۔ بَابُ: التَّسْلِيمِ وَالِاسْتِئْذَانِ ثَلَاثًا — تین مرتبہ سلام کرنے اور تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سلام اور اجازت کو طلب کرنا تین تین مرتبہ ہونا چاہیے، خواہ وہ ملے ہوئے ہوں یا الگ الگ ہوں۔

تین مرتبہ سلام اور کلام کرنے کی حکمت

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: یہ سنانے اور بات سمجھانے میں مبالغہ کے لیے ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کا قرآن مجید میں ذکر کیا ہے، پس قصوں کو اور خبروں کو اور اوامر کو مکرر ذکر کیا ہے تاکہ اللہ کے بندے یہ سمجھ لیں کہ دوسری مرتبہ سننے کے بعد تدبر کریں اور تیسری مرتبہ سننے کے بعد پہلی مرتبہ سے زیادہ تدبر کریں اور وہ چیز ان کے دل میں راسخ ہو جائے اور بار بار ذکر کرنے سے پختہ ہو جائے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی بات کا تکرار کرنا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تاکید کے لیے ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کو یہ خیال ہو کہ پتا نہیں اس نے یہ بات سمجھ لی ہے یا نہیں اس لیے دوبارہ ذکر کیا ہو، پھر تیسری مرتبہ ذکر کیا تاکہ زیادہ پختگی حاصل ہو جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۷۴۔ ۳۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۴۴۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا سَلَّمَ سَلَّمَ ثَلَاثًا وَإِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا۔

(صحیح بخاری: ۹۵، ۶۲۴۴، سنن ترمذی: ۲۷۲۳، مسند احمد: ۱۲۸۰۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الصمد نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ثمامہ بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام کرتے تو تین مرتبہ سلام کرتے اور جب آپ کلام فرماتے تو ایک بات کو تین مرتبہ دہراتے۔

صحیح البخاری: ۶۲۴۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسحاق کا ذکر ہے، وہ ابن منصور ہیں۔ اور علامہ کرمانی نے کہا: وہ ابن ابراہیم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبد الصمد کا ذکر ہے، وہ ابن عبد الوارث ہیں۔ اور عبد اللہ بن المثنیٰ کا ذکر ہے، وہ ابن عبد اللہ بن انس ہیں۔ اور ثمامہ کا ذکر ہے، وہ ابن عبد اللہ بن انس ہیں جو بصرہ کے قاضی ہیں اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے دادا سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث کتاب العلم میں "باب من اعاد الحدیث ثلاثا لیفهم" میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی کا بیان اور تین مرتبہ سے زیادہ سلام کرنے کی تحقیق

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام کرتے تو تین مرتبہ سلام کرتے، اور جب کوئی بات کرتے تو اس کو تین مرتبہ دہراتے۔ علامہ ابن بطال نے کہا کہ یہ صیغہ عموم کا تقاضا کرتا ہے لیکن مراد خصوص ہے، یعنی

غالب احوال میں رسول اللہ ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔ اور اسی طرح علامہ کرمانی نے کہا ہے۔

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ اس پر اعتراض ہے، کیونکہ محض صیغہ دوام اور تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔

علامہ عینی ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فعل مضارع تکرار کی خبر دیتا ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ جب تین مرتبہ سلام کیا، پھر اس نے یہ گمان کیا کہ شاید اس کا سلام مخاطب نے نہیں سنا یا گھر والے نے نہیں سنا تو وہ کیا تین مرتبہ سے زیادہ سلام کرے؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: جمہور کا مذہب یہ ہے کہ وہ تین مرتبہ پر زیادہ نہ کرے، اور ظاہر حدیث کی پیروی کرنا زیادہ اولیٰ ہے۔

اور امام مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین مرتبہ سے زیادہ سلام کرے حتیٰ کہ اسے متحقق ہو جائے کہ گھر والوں نے سن لیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۴۵۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خُصَيْفَةَ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كُنْتُ فِي مَجْلِسٍ مِنْ مَجَالِسِ الْأَنْصَارِ إِذْ جَاءَ أَبُو مُوسَى كَأَنَّهُ مَذْعُورٌ فَقَالَ اسْتَأْذَنْتُ عَلَى عُمَرَ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لِي فَرَجَعْتُ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ قُلْتُ اسْتَأْذَنْتُ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لِي فَرَجَعْتُ وَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ فَلْيَرْجِعْ فَقَالَ وَاللهِ لَتُقِيمَنَّ عَلَيْهِ بِبَيِّنَةٍ أَمِنْكُمْ أَحَدٌ سَمِعَهُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَاللهِ لَا يَقُومُ مَعَكَ إِلَّا أَصْغَرُ الْقَوْمِ فَكُنْتُ أَصْغَرَ الْقَوْمِ فَقُمْتُ مَعَهُ فَأَخْبَرْتُ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ ذَلِكَ وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ أَخْبَرَنِي ابْنُ عُيَيْنَةَ حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ خُصَيْفَةَ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ بِهَذَا۔

(صحیح بخاری: ۲۰۶۲، ۶۲۴۵، صحیح مسلم: ۲۱۵۴)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن خصیفہ نے حدیث بیان کی از بُسر بن سعید از حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں انصار کی مجالس میں سے کسی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا، اس وقت حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ آئے گویا کہ وہ خوفزدہ تھے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تین مرتبہ اجازت طلب کی تو مجھے اجازت نہیں دی گئی، تو میں واپس چلا گیا، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہیں کس چیز نے اندر آنے سے روکا، میں نے کہا کہ میں نے تین مرتبہ اجازت طلب کی تو مجھے اجازت نہیں دی گئی، سو میں واپس چلا گیا، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جب تم میں سے کوئی شخص تین مرتبہ اجازت طلب کرے، سو اس کو اجازت نہ دی جائے تو وہ واپس چلا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! تم ضرور اس حدیث پر کوئی گواہ پیش کرو، کیا تم میں سے کسی ایک نے اس حدیث کو نبی ﷺ سے سنا ہے، تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! تمہارے ساتھ صرف وہی شہادت دے گا جو لوگوں میں سب سے کم عمر ہے، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: پس میں لوگوں میں سب سے کم عمر تھا، میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے

ساتھ کھڑا ہوا اور میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا تھا۔
اور ابن المبارک نے کہا: مجھے ابن عیینہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے یزید بن خصیفہ نے حدیث بیان کی از بُسر بن سعید، میں نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے اسی طرح سنا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۲۴۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، یہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یزید بن خصیفہ، خصیفہ، خصفۃ کی تصغیر ہے، یہ کوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بُسر، یہ ابن سعید المدنی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو سعید الخذری، یہ حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ابو موسیٰ، یہ عبداللہ بن قیس الاشعری ہیں۔
اس حدیث میں مذکور ہے "کانہ مذعور" کہا جاتا ہے "ذعرتہ" یعنی میں نے اس کو ڈرایا، دھمکایا۔ اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ہم نے پوچھا: کیا بات ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میری طرف پیغام بھیجا کہ میں ان کی طرف آؤں، پس میں ان کے دروازہ پر گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حفاظتِ حدیث کے معاملہ میں سختی

اس حدیث میں مذکور ہے "فقال ما منعك" یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہیں مجلس میں داخل ہونے سے کس چیز نے روکا۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ پس انہیں اجازت نہیں دی گئی تو وہ اپنے گھر کی طرف چلے گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی کام میں مشغول تھے، جب وہ فارغ ہوئے تو انہوں نے کہا: کیا تم نے حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کی آواز نہیں سنی؟ انہیں اجازت دو، کہا گیا: وہ تو واپس چلے گئے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بلایا اور کہا: تمہیں کس چیز نے داخل ہونے سے منع کیا، تو انہوں نے کہا کہ میں نے تین مرتبہ داخل ہونے کی اجازت طلب کی، پس مجھے اجازت نہیں دی گئی تو میں واپس چلا گیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جب تم میں سے کوئی شخص تین مرتبہ اجازت طلب کرے اور اسے اجازت نہ دی جائے تو وہ واپس چلا جائے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! تم ضرور اس حدیث پر گواہ پیش کرو ورنہ میں تم کو دردناک سزا دوں گا۔ اور بکیر بن الاشج کی روایت میں ہے کہ پس اللہ کی قسم! میں تمہاری پیٹھ کے اوپر اور پیٹ کے اوپر کوڑے ماروں گا اگر تم میرے پاس کوئی ایسا شخص نہیں لائے جو تمہارے حق میں گواہی دے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح

فرمایا ہے۔اور عبید بن عمیر کی روایت میں ہے کہ تم ضرور اس پر کوئی گواہ لاؤ۔اور ابونضرہ کی روایت میں ہے: اگر تم گواہ نہیں لائے تو میں تم کو عبرت کا نشان بنا دوں گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''کیا تم میں سے کسی نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟'' اور عبید بن عمیر کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ انصار کی مجلس کی طرف گئے اور ان سے سوال کیا۔اور ابونضرہ کی حدیث میں ہے، انہوں نے کہا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین مرتبہ اجازت طلب کی جائے۔ راوی نے کہا: پس وہ ہنسنے لگے تو میں نے کہا کہ تمہارے پاس تمہارا بھائی آیا ہے اور وہ خوف زدہ ہے اور تم ہنس رہے ہو؟

اس حدیث میں مذکور ہے ''فقال ابی بن کعب'' حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمہارے ساتھ شہادت کے لیے وہی جائے گا جو قوم میں سب سے کم عمر ہے۔اور بکیر بن الاشج کی روایت میں ہے، پس اللہ کی قسم! تمہارے ساتھ وہی جائے گا جو ہم میں سب سے کم عمر ہے، اے ابوسعید! تم اٹھو، پس میں اٹھ کر ان کے ساتھ گیا اور میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہے۔اے ابن خطاب! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب پر عذاب نہ بنیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے ایک حدیث سنی تو میں نے چاہا کہ میں اس کی تحقیق کر لوں تو کون ابوموسیٰ کی اس حدیث میں موافقت کرے گا؟

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۷۵۔۳۷۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۵، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کے مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف

علامہ المہلب مالکی نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تین مرتبہ سلام کرنا اور تین مرتبہ کسی کلام کو دہرانا اس لیے ہوتا تھا کہ اچھی طرح مسئلہ کو سمجھایا جا سکے اور اچھی طرح کسی بات کو پہنچایا جا سکے، اور اسی وجہ سے قرآن مجید میں قصص اور اخبار اور اوامر اور نواہی کو مکرر بیان فرمایا گیا ہے۔

اور دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ تین مرتبہ اجازت طلب کی جائے، اگر اس کو اجازت مل جائے تو فبہا، ورنہ اگر وہ چاہے تو واپس چلا جائے، اور اگر چاہے تو تین دفعہ سے زیادہ سلام کرے اور اجازت طلب کرے، یعنی اس پر تین دفعہ کے بعد واپس جانا واجب نہیں ہے۔

اور علامہ ابن وہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ تین دفعہ اجازت طلب کرنا مستحسن ہے، اور میں یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص تین دفعہ سے زیادہ اجازت طلب کرے مگر جب اس کو یہ یقین ہو کہ گھر والوں نے اس کی آواز نہیں سنی تو اب کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ تین دفعہ سے زیادہ اجازت طلب کرے یا سلام کرے۔

اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ظاہر اس قول کو مسترد کرتا ہے، کیونکہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا کہ تین مرتبہ سے زیادہ اجازت طلب نہیں کی جائے گی، اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے اس معنی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا۔اور اگر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ جائز ہوتا کہ تین دفعہ سے بھی زیادہ سلام کرنا اور اجازت

طلب کرنا جائز ہے تو وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی مخالفت نہ کرتے، اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اس کی ضرورت نہ ہوتی کہ وہ اپنے موقف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کریں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے تین مرتبہ زیادتی نہ کرنے پر انکار کیا۔

بعض اہل بدعت کے اس قول کا رد کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ واحد عدل کی خبر کو قبول نہیں کرتے تھے اور یہ غلط تاویل ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر اسلاف کے مذہب سے جہالت ہے

اور اس حدیث کی بعض سندوں سے یہ روایت ہے (سنن ابوداؤد: ۵۱۸۳۔۵۱۸۴) کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا: لیکن میں تم پر کوئی تہمت نہیں لگاتا، لیکن میرا ارادہ یہ ہے کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے اوپر بے دھڑک جرأت نہ کریں۔

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ واحد کی خبر میں غور وخوض کرنا چاہیے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس کو کوئی سہو ہو گیا ہو۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خبر واحد کو قبول کرنا بہت مشہور ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ضحاک بن سفیان کی خبرِ واحد کو قبول کیا کہ عورت اپنے خاوند کی دیت کی وارث ہوتی ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۹۲۷، سنن ترمذی: ۱۴۱۵، ۲۱۱۰، سنن ابن ماجہ: ۲۶۴۲، مسند احمد ج ۲ ص ۴۵۲)

نیز سفیان بن عیینہ نے از زہری از سعید بن المسیب روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یہ کہتے تھے کہ دیت عاقلہ کے لیے ہوتی ہے اور عورت اپنے خاوند کی دیت کی بالکل وارث نہیں ہوتی حتیٰ کہ ان سے الضحاک بن سفیان نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف یہ لکھا تھا کہ میں اشیم الضبابی کی بیوی کو اس کے خاوند کی دیت سے وارث بناؤں، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح ابوداؤد: ۲۵۹۹، الارواح: ۲۶۴۹)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حمل بن مالک الہذلی الاعرابی کی خبرِ واحد کو قبول کر لیا کہ پیٹ کے بچے کی دیت ایک غلام کو آزاد کرنا ہے یا ایک باندی کو آزاد کرنا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۵۷۲، سنن نسائی ج ۸ ص ۲۲۔۲۱، سنن ابن ماجہ: ۲۶۴۱، مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۴)

عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے طاؤس سے سنا از ابن عباس از حضرت عمر رضی اللہ عنہم، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے متعلق معلوم کیا تو حمل بن مالک النابغہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ میں دو عورتوں کے درمیان تھا، ایک عورت نے دوسری عورت کو ایک لکڑی ماری اور اس کو بھی مار ڈالا اور اس کے پیٹ کے بچہ کو بھی مار ڈالا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ کے بچہ میں ایک غلام کی دیت کو واجب کیا اور اس عورت کے متعلق حکم دیا کہ اسے قتل کیا جائے۔ (صحیح ابن حبان: ۶۰۲۱)

اور شیخ البانی نے صحیح ابن ماجہ میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی خبرِ واحد کو جزیہ کے متعلق قبول فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۵۷، ۳۱۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۰۴۳، مسند احمد: ۱۶۶۰)

اور اسی طرح حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی خبرِ واحد کو طاعون کے متعلق قبول فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۵۷۲۹، ۵۷۳۰، ۶۹۷۳، صحیح مسلم: ۲۲۱۹، سنن ابوداؤد: ۳۱۰۳، مسند احمد: ۱۶۸۵، ۱۶۶۹، موطا امام مالک: ۱۶۵۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خبرِ واحد کو قبول کرنے کی متعدد مثالیں اور واقعات

اور کوئی عقل منداس میں شک نہیں کرے گا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا عادل ہونا اس اعرابی الہز لی سے زیادہ مشہور تھا۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حدیثِ ثقیفہ میں کہا کہ میں ایک حدیث بیان کر رہا ہوں، جس نے اس کو یاد کرلیا اور اس کو اپنے دل میں محفوظ کرلیا، اس کو چاہیے کہ وہ اس کی روایت کرے۔

(صحیح البخاری، ۶۸۳۰، صحیح مسلم: ۱۶۹۱، سنن ترمذی: ۱۴۳۲، سنن ابوداؤ: ۴۴۱۸، سنن ابن ماجہ: ۲۵۵۳، مسند احمد: ۳۹۳، موطا امام مالک: ۱۵۵۸، سنن داری: ۲۷۸۴)

اور پس یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ یہ حکم دیں کہ جو ان سے حدیث سنے وہ اس کو روایت کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو روایت کرنے سے منع کرے اور خبرِ واحد کو قبول نہ کرے، یہ بات وہی شخص کہے گا جو معاند ہوگا اور جاہل ہوگا۔

نیز اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو عالم متبحر ہو کبھی اس سے بھی کوئی علم مخفی رہ جاتا ہے جسے اس سے بہت کم درجے کے لوگ جانتے ہیں، اور تمام چیزوں کے علم کا احاطہ کرنا تو صرف اللہ تعالیٰ وحدہٗ کی شان ہے۔

(شرح ابن بطال ج ۹ ص ۲۲۔ ۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۵، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ ملے تو اجازت طلب کرنے والے کو لوٹ جانا چاہیے

یہ بھی استئذان ہے کہ جب انسان کو تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کے باوجود اجازت نہ دی جائے تو وہ لوٹ جائے، کیونکہ جب اس نے تین مرتبہ اجازت طلب کی اور اس کو اجازت نہیں دی گئی تو اس کی دو وجہیں ہیں: (۱) یا تو گھر والا موجود نہیں ہے (۲) یا وہ موجود تو ہے لیکن وہ اس کے آنے کو پسند نہیں کرتا۔ پس اگر ہم فرض کرلیں کہ اس نے تمہارے لیے دروازہ کھول دیا اور کہا کہ تم لوٹ جاؤ، تو تم پر لازم ہے کہ تم لوٹ جاؤ اور یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ عمل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ (النور: ۲۸)

اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جاؤ یہ (لوٹ جانا) تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کا خوب جاننے والا ہے ۝

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول نہ کرنے کی توجیہ

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو قصہ ہے، تو اس میں ایک اشکال ہے اور یہ معلوم ہے کہ حدیث کو قبول کیا جاتا ہے خواہ اس کو روایت کرنے والا ایک شخص ہو، پھر کس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے گواہ کو طلب کیا، حالانکہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ثقہ ہیں اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث کی روایت کی ہے۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ ہم اسی حدیث کو قبول کریں گے جس کے ساتھ کوئی گواہ ہو، پھر تو تمام وہ احادیث ضائع ہو جائیں گی جن کی صرف ایک

صحابی روایت کرتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مقام اپنے نفس سے مدافعت کا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ صادق ہیں، لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان اپنے نفس کے دفاع کے لیے کوئی حدیث گھڑ لیتا ہے، تو اس کے سدِ باب کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے گواہ کو طلب کیا، تا کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی اور شخص ایسا نہ کرے کہ وہ اپنے نفس کے دفاع میں کوئی حدیث گھڑ لے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے خلاف ہو، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے سدِ باب کے لیے اس شخص سے بھی گواہ طلب کیا جس کا صادق ہونا روزِ روشن کی طرح واضح تھا، پس ہم کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ پر تہمت نہیں لگائی لیکن انہوں نے زیادہ ثبوت کا ارادہ کیا، یہ امر ان کے نزدیک ثابت تھا لیکن ان کو یہ خوف ہوا کہ کوئی شخص اپنے نفس کے دفاع میں کہہ دے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہے تا کہ اپنے نفس سے کسی تہمت کو دور کرے۔ اور یہ ایسا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کہ کیا ذوالیدین نے صحیح کہا ہے؟ حالانکہ حضور کو معلوم تھا کہ ذوالیدین صحابی ہیں اور وہ غلط بات نہیں کہہ سکتے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ثبوت اور تحقیق کے لیے پوچھا کہ کیا ذوالیدین نے سچ کہا ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۴۶۔ ۴۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۴۔ بَابٌ: إِذَا دُعِيَ الرَّجُلُ فَجَاءَ هَلْ يَسْتَأْذِنُ؟

اس کا بیان کہ جب کسی مرد کو بلایا جائے، پس وہ آ جائے تو کیا وہ اجازت طلب کرے گا؟

قَالَ سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: هُوَ إِذْنُهُ۔

اور سعید نے کہا از قتادہ از ابورافع از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یعنی اس کو بلانا ہی اجازت ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جب کوئی مرد کسی شخص کو اپنے گھر کی طرف بلائے، سو وہ آ جائے تو کیا اب وہ اجازت طلب کرے گا؟ امام بخاری نے اس کا جواب ذکر نہیں کیا، اور اس سلسلہ میں جو حدیث آ رہی ہے، اسی پر اکتفاء کر لی۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں جس سعید کا ذکر ہے، یہ سعید بن عروبہ ہیں۔ اور اس میں ابورافع کا ذکر ہے، شعبہ بن الحجاج نے کہا کہ ابورافع کا نام نفیع ہے، اور یہ سنان بصری ہیں، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے جاہلیت کو پایا اور یہ مدینہ میں تھے، پھر مدینہ سے بصرہ کی طرف منتقل ہو گئے، اس تعلیق کو سندِ موصول کے ساتھ امام ابوجعفر طحاوی نے از ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ از المعتمر روایت کیا ہے اور ان کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ جب تم میں سے کسی ایک کو بلایا جائے، سو وہ بلانے والے کے ساتھ آ جائے، پس یہ اس کے لیے اذن ہے یعنی اجازت ہے، یعنی اس کو بلانا ہی نفسِ اذن ہے تو دوبارہ اذن کی تجدید کی ضرورت نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۷۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۴۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ ذَرٍّ وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ ذَرٍّ أَخْبَرَنَا مُجَاهِدٌ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ دَخَلْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَوَجَدَ لَبَنًا فِي قَدَحٍ فَقَالَ أَبَا هِرٍّ الْحَقْ أَهْلَ الصُّفَّةِ فَادْعُهُمْ إِلَيَّ قَالَ فَأَتَيْتُهُمْ فَدَعَوْتُهُمْ فَأَقْبَلُوا فَاسْتَأْذَنُوا فَأُذِنَ لَهُمْ فَدَخَلُوا۔ (سنن ترمذی: ۲۴۷۷، مسند احمد: ۱۰۳۰۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن ذر نے حدیث بیان کی، اور ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا ہمیں عمر بن ذر نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں مجاہد نے خبر دی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ داخل ہوا، پس آپ نے ایک پیالے میں دودھ کو پایا، تو آپ نے فرمایا: اے ابوہر، اہل صفہ کے پاس جاؤ، سوان کو میرے پاس بلاؤ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پس میں ان کے پاس آیا، پس ان کو بلایا، تو انہوں نے میرے بلانے کو قبول کیا اور انہوں نے اجازت طلب کی، تو آپ نے ان کو اجازت دی، پس وہ داخل ہو گئے۔

صحیح البخاری: ۶۲۴۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی مطابقت اس وقت تک واضح نہیں ہوگی جب تک کہ ہم اس باب کے عنوان میں تفسیر کو بیان نہ کریں، کیونکہ اس عنوان میں کہا ہے: پس وہ آ گیا، تو کیا وہ اجازت طلب کرے گا؟ یعنی اگر بلانے والے کے ساتھ وہ شخص آیا، یا وہ اکیلا آیا جب اس کو معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو بلایا تھا، تو جب وہ بلانے والے کے ساتھ آئے گا تو اب اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور حدیث معلق بھی اسی پر محمول ہے، اسی لیے فرمایا کہ وہ اس کی اجازت ہے، اور حدیثِ ثانی میں مذکور ہے کہ وہ تنہا آئے یعنی جن کو بلایا تھا وہ تنہا آئے۔ تو اس لیے انہیں ضرورت ہوئی کہ وہ اجازت طلب کریں تو اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے، پس انہوں نے قبول کیا اور یہ نہیں کہا کہ ہم نے قبول کیا، کیونکہ اگر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ آتے تو کہتے کہ ہم نے قبول کیا، اور اس سے وہ تعارض دور ہو گیا جو ان دونوں حدیثوں میں باعتبار صورت کے ہے، پس حدیثِ اول اور عنوان میں مطابقت اس طرح ہے کہ جس کو بلایا تھا، وہ بلانے والے کے ساتھ آیا اور حدیثِ ثانی میں اور عنوان کے درمیان مطابقت اس طرح ہے کہ بلانے والا ان کے ساتھ نہیں آیا تھا، پس اصل عبارت یوں ہوگی کہ کیا اس صورت میں اجازت طلب کی جائے، جواب ہے کہ ہاں، جب وہ بلانے والے کے ساتھ آئے گا تو پھر اجازت نہیں طلب کی جائے گی اور جب وہ اکیلا آئے گا اور بلانے والے کے ساتھ نہیں آئے گا تو پھر اجازت طلب کی جائے گی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اباھر" یعنی اے ابا ہر۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اھل الصفه" یہ وہ چبوترہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں تھا اور اس میں فقراء صحابہ رہتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۷۸۔۳۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۶، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی التوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب کسی شخص کو بلایا جائے تو بعض صورتوں میں اس کو اجازت لینے کی ضرورت ہے اور بعض صورتوں میں اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: جب کسی شخص کو بلایا جائے اور وہ اس بلانے پر فوراً آ جائے اور دیر نہ کرے تو اس کو بلانا ہی اس کی اجازت ہے، پس اگر اس کو بلایا جائے اور جس وقت اسے بلایا جائے اس کے بعد وہ آئے تو پھر وہ اجازت طلب کرے گا، اسی طرح جب اسے کسی ایسی جگہ بلایا جائے جس کے متعلق اسے یہ علم نہ ہو کہ یہاں پر کسی شخص کو داخل ہونے کی اجازت دی گئی ہے تو وہ نہ داخل ہو حتیٰ کہ اجازت طلب کرلے، اور اگر وہاں پر کوئی ایسا شخص ہو جس کو اس کے بلانے سے پہلے اجازت دی گئی ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ بھی داخل ہو جائے خواہ اس کے بلانے کو تاخیر ہو چکی ہو۔ اور اس کے اور اس زمانہ کے درمیان اتنا ممکن ہو کہ بلانے والا اپنے کسی کام سے فارغ ہو جائے یا کسی اور کام میں مصروف ہو جائے یا اپنے گھر والوں کے ساتھ کوئی تصرف کرے تو پھر اس کا بلانا فوت نہیں ہوگا حتیٰ کہ وہ شخص اجازت طلب کرے۔

(شرح ابن بطال ج ۹ ص ۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری کی تعلیق اور ان کی روایت میں تعارض کا جواب

امام بخاری نے اپنی تعلیق میں کہا ہے کہ جب کسی شخص کو بلایا گیا تو اس کو بلانا ہی اس کے داخل ہونے کی اجازت ہے، اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام ابوجعفر نے از ابراہیم از معتمر از ابن عیینہ از سعید روایت کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ جب تم میں سے کسی ایک کو بلایا جائے اور وہ بلانے والے کے ساتھ آ جائے تو یہ اس کی اجازت ہے، اور جو اس کے بعد حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے، اس سے اس کا کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ پہلی حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس کو بلایا گیا ہے وہ بلانے والے کے ساتھ آیا تو اب وہ سلام کرنے سے اور اجازت طلب کرلے سے مستغنی ہو گیا، اور دوسری حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس کو بلایا گیا وہ بلانے والے کے ساتھ نہیں آیا، تو جب وہ بلانے والے کے ساتھ نہیں آیا تو پھر وہ اجازت طلب کرے گا، تو اصحاب صفہ نے اجازت طلب کی، اور آپ نے انہیں اجازت دی تو وہ داخل ہو گئے۔

گھر میں داخل ہونے کی اجازت لینے کا طریقہ

امام ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں از ربعی بن حراش روایت کرتے ہیں کہ مجھے ایک مرد نے حدیث بیان کی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی اور آپ اس وقت گھر میں تھے، اس نے کہا کیا: میں داخل ہو جاؤں، تو آپ نے خادم سے فرمایا: جاؤ اس کے پاس اور اس کو اجازت کا طریقہ سکھاؤ اور اس سے کہو کہ تم کہو: السلام علیکم، کیا میں داخل ہو جاؤں؟ اور ابوایوب سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ سلام ہے، تو اجازت طلب کرنا کیسے ہوگا، تو آپ نے فرمایا: کوئی مرد سبحان اللہ کہے یا اللہ اکبر کہے یا الحمد للہ کہے یا کھنکھارے تو گھر والے اس کو اجازت دیں گے۔

اور حارث از عبد الرحمٰن بن نجیح از حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رات کو بھی اور دن کو بھی آتا جاتا تھا، پس جب میں آپ کے پاس آتا اور آپ نماز پڑھ رہے ہوتے تو آپ میرے لئے کھنکھارتے۔

اور زید بن اسلم نے کہا کہ مجھے میرے والد نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف بھیجا تو میں نے کہا: کیا میں داخل ہو جاؤں؟ تو انہوں نے کہا: اس طرح نہ کہو لیکن کہو: السلام علیکم! پس جب تمہیں سلام کا جواب دیا جائے تو پھر داخل ہو جانا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۵۶۶۳، ۲۵۶۶۵، ۲۵۶۶۷)

اور ابوزبیر نے کہا کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ ایک مرد مجھ سے اجازت طلب کرتا ہے اور سلام نہیں کرتا، کیا میں اجازت دوں؟ تو انہوں نے کہا: میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں اور لوگ ایسا کرتے ہیں۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم کسی کو اجازت نہ دو حتیٰ کہ وہ تم کو سلام کرے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: جب تمہیں بلایا جائے تو یہ تمہارے لیے اجازت ہے، پس تم سلام کرو اور پھر داخل ہو، اور ابن یزید نے کہا: ایک مرد نے کسی صحابی سے اجازت طلب کی اور وہ مرد دروازہ پر کھڑا ہوا تھا، اس نے کہا: کیا میں داخل ہو جاؤں تین مرتبہ، اور وہ اس صحابی کی طرف دیکھ رہا تھا، انہوں نے اس کو اجازت نہیں دی، پھر اس نے کہا: السلام علیکم کیا میں داخل ہو جاؤں تو انہوں نے کہا: ہاں، پس انہوں نے کہا: اگر تم ساری رات کھڑے رہتے اور کہتے: کیا میں داخل ہو جاؤں تو میں تمہیں اجازت نہ دیتا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۵۸۱۷، ۲۵۸۲۰) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۶۲ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۶، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بلانے کے باوجود داخل ہونے کے لیے اجازت لینا عرف پر موقوف ہے

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جب کسی شخص کو بلایا جائے تو آیا وہ داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرے یا نہ کرے؟ اور صحیح یہ ہے کہ یہ معاملہ عرف پر موقوف ہے۔

اگر عرف اور عادت اس پر مبنی ہو کہ کسی کا بلانا اس کو داخل ہونے کی اجازت دینا ہے جیسا کہ ایک مرد کسی گھر میں آیا اور دروازہ کھلا ہوا ہے اور لوگ اس میں داخل ہو رہے ہیں تو یہ اجازت ہے، اور اس کو اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ داخل ہونے کے لیے

اجازت طلب کرے، لیکن اگر اس نے دیکھا کہ دروازہ بند ہے تو وہ اجازت طلب کرے گا خواہ اس کو بلایا گیا ہو، اس لیے کہ مرد بسا اوقات گھر میں داخل ہوتا ہے اور دروازہ بند کر دیتا ہے اور اس وقت کسی کو بغیر اجازت کے اس گھر میں داخل نہیں ہونا چاہیے۔

ضرورت سے زیادہ کھانا یا مضر چیز کو کھانا جائز نہیں ہے

اور امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو حدیث ذکر کی ہے، اس میں اہلِ صفہ کا قصہ مشہور ہے اور اس حدیث میں یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دودھ پیا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! پیو، انہوں نے کہا: میرے پیٹ میں تو اب جگہ نہیں ہے، اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کبھی انسان اپنے پیٹ کو بھر لیتا ہے لیکن خفیف چیز سے جیسے دودھ نہ کہ ثقیل چیز سے۔ اسی لیے شیخ ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ کسی انسان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایسا طعام کھائے جس سے اس کو ایذاء ہو یا اس سے اس کو بدہضمی ہو، کیونکہ اس میں بدن کو نقصان پہنچانا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لا ضرر ولا ضرار'' کوئی شخص کسی کو ضرر نہ پہنچائے، اور نہ دو آدمیوں سے ہر ایک دوسرے کو ضرر پہنچائے'' (سنن ابن ماجہ: ۲۳۴۱)۔ پس انسان کے لیے جائز ہے کہ وہ کھانے سے اپنے پیٹ کو بھر لے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھوکے تھے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۴۷۔۴۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۱۵۔ بَابُ: التَّسْلِيمِ عَلَى الصِّبْيَانِ — بچوں کو سلام کرنے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بچوں کو سلام کرنا بھی مشروع اور جائز ہے۔

۶۲۴۷۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَيَّارٍ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه أَنَّهُ مَرَّ عَلَى صِبْيَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ وَقَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَفْعَلُهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن الجعد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از سیار از ثابت البنانی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بچوں کے پاس سے گزرے تو ان کو سلام کیا اور کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس طرح کرتے تھے۔

(صحیح مسلم: ۲۱۶۸، سنن ترمذی: ۲۶۹۶، سنن ابوداؤد: ۵۲۰۲، سنن ابن ماجہ: ۳۷۰۰، مسند احمد: ۱۱۹۲۸، سنن داری: ۲۶۳۶)

صحیح البخاری: ۶۲۴۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن الجعد مذکور ہے، یہ ابن عبید ابوالحسن الجوہری البغدادی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سیار مذکور ہے، یہ ابوالعنز الواسطی ہیں۔ اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ثابت سے صرف یہی حدیث مروی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ثابت البنانی کا ذکر ہے، سعد بن لوی کی اولاد ان کی طرف منسوب ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''یفعلہ'' یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو سلام کرتے تھے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بچوں کو سلام کرنا آپ کا خلق

عظیم ہے اور ادب شریف ہے۔ اور اس حدیث میں سنتوں کی تعلیم دینے کی مشق ہے اور آداب شریعت کی ریاضت ہے، تاکہ لوگ سنت کے آداب پر عمل کریں۔ ایک قول یہ ہے کہ خوبصورت بچے کو سلام نہ کیا جائے کیونکہ اس کو سلام کرنے میں فتنہ کا خدشہ ہے۔ اور اگر بچہ کسی بالغ کو سلام کرے تو بالغ پر واجب ہے کہ اس کے سلام کا جواب دے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۸۷ ۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: ہم نے اس باب کی شرح میں علامہ ابن بطال اور علامہ ابن ملقن سے کچھ نقل نہیں کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ علامہ ابن بطال نے اس باب کی شرح میں جو کچھ لکھا ہے اور علامہ ابن ملقن نے جو کچھ لکھا ہے یہ وہی ہے جس کو علامہ عینی سے ہم نقل کر چکے ہیں، ذیل میں ہم دونوں کے حوالے پیش کر رہے ہیں۔ (شرح ابن بطال ج ۹ ص ۲۴، التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ٦٦)

صحیح البخاری: ۶۲۴۷، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے کہ آپ جب چھوٹے بچوں کے ساتھ گزرتے تو ان کو سلام کرتے، اور یہ مکارم اخلاق اور تواضع کے باب سے ہے اور بچوں کو اخلاق اور مکارم کی تعلیم دینا ہے۔ ایک سوال یہ ہے کہ کیا بچوں کے سلام کا جواب دینا جائز ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی کہا جاتا ہے کہ بچوں کے سلام کا جواب دینا واجب ہے، کیونکہ یہ آدمی کے حق کو متضمن ہے، اور کبھی کہا جاتا ہے کہ واجب نہیں ہے کیونکہ وہ غیر مکلف ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کو تعلیم دی جائے اور ان کو یہ بتایا جائے کہ جب کوئی سلام کرے تو ان کو جواب دیا جاتا ہے اور بچہ وہ ہے جو بلوغت کی عمر تک نہ پہنچا ہو۔

(شرح صحیح البخاری ج ٦ ص ۴۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بچوں کو سلام کرنے کے متعلق دیگر احادیث اور ان کے مسائل

امام نسائی نے اس باب کی حدیث کو جعفر بن سلیمان کی سند سے زیادہ مکمل طریقے سے روایت کیا ہے، اس کے الفاظ اس طرح سے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار سے ملاقات کے لیے جاتے تو ان کے بچوں کو سلام کرتے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے اور ان کے حق میں دعا فرماتے، اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسا اکثر کرتے تھے بخلاف صحیح بخاری کی حدیث کے، کیونکہ اس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے ان کو سلام کیا، سو یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے، اور میں ان بچوں کے اسماء پر واقف نہیں ہوا۔

اور امام ابو نعیم نے عمل الیوم واللیلۃ میں از عثمان بن مطر از ثابت اس طرح روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: السلام علیکم بچو! اور اس حدیث کی روایت کرنے والا عثمان ضعیف ہے۔ اور امام ابوداؤد نے از حمید از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے اور میں اس وقت ایک لڑکا تھا اور لڑکوں میں موجود تھا تو آپ نے ہم کو سلام کیا، پھر آپ نے مجھے ایک پیغام دے کر

بھیجا۔الحدیث۔۔۔اور عنقریب حفظ السر کے باب میں یہ حدیث آئے گی۔اور امام بخاری نے الادب المفرد میں بھی اس کی مثل ایک حدیث روایت کی ہے،اس میں مذکور ہے کہ ہم بچے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سلام کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی کام سے بھیجا اور آپ راستہ میں بیٹھ گئے اور میرا انتظار کر رہے تھے حتیٰ کہ میں واپس آیا۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: بچوں کو سلام کرنے میں ان کو شریعت کے آداب سکھانے کی مشق کرانی ہے،اور اس میں یہ ثبوت ہے کہ بڑوں کو چاہیے کہ بڑائی کی چادر کو اتار دیں اور تواضع کے راستہ کو اختیار کریں اور نرم جانب کو اختیار کریں۔ابو سعید المتولی نے التتمہ میں لکھا ہے کہ جس نے بچے کو سلام کیا تو بچے پر اس سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے،کیونکہ بچہ اہلِ فرائض میں سے نہیں ہے،اور بچے کے ولی کو یہ چاہیے کہ اس کو سلام کا جواب دینے کا حکم دے تاکہ بچے کو سلام کا جواب دینے کی عادت پڑے۔اور اگر ایک جماعت کو سلام کیا جائے جس میں بچہ بھی ہو اور صرف بچہ سلام کا جواب دے اور بڑے سلام کا جواب نہ دیں تو بڑوں سے سلام کا جواب دینا ساقط نہیں ہوگا۔اسی طرح قاضی حسین نے کہا ہے۔اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ کافی نہیں ہے، اور اگر بچہ سلام کی ابتداء کرے تو بالغ پر اس سلام کا جواب دینا واجب ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس سے اس بچے کے سلام کو مستثنیٰ کیا جائے گا جو خوبصورت ہو اور یہ خوف ہو کہ اس کو سلام کرنے سے فتنہ میں پڑنے کا خدشہ ہے،خاص طور پر جب وہ بچہ قریب بہ بلوغ ہو اور اکیلا ہو۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج ۷ ص ۳۱۵،دار المعرفہ،بیروت ۱۴۲۶ھ)

۱۶۔بَابُ: تَسْلِيمِ الرِّجَالِ عَلَى النِّسَاءِ وَالنِّسَاءِ عَلَى الرِّجَالِ

مردوں کا عورتوں کو سلام کرنے اور عورتوں کا مردوں کو سلام کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مردوں کا عورتوں کو سلام کرنا اور عورتوں کا مردوں کو سلام کرنا جائز ہے بشرطیکہ فتنے کا خوف نہ ہو۔امام بخاری نے اس عنوان سے امام عبد الرزاق کی اس روایت کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے،وہ از معمر از یحییٰ بن ابی کثیر روایت کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ مردوں کا عورتوں کو سلام کرنا اور عورتوں کا مردوں کو سلام کرنا مکروہ ہے،اور یہ حدیث مقطوع ہے یا معضل ہے۔(یعنی اس حدیث سے سند کے درمیان سے ایک راوی منقطع ہے یا دو راوی منقطع ہیں)۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۷۸۔۳۷۹،دار الکتب العلمیہ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۴۸۔حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَهْلٍ قَالَ كُنَّا نَفْرَحُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قُلْتُ وَلِمَ قَالَ كَانَتْ لَنَا عَجُوزٌ تُرْسِلُ إِلَى بُضَاعَةَ قَالَ ابْنُ مَسْلَمَةَ نَخْلٍ بِالْمَدِينَةِ فَتَأْخُذُ مِنْ أُصُولِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی،انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی حازم نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت سہل رضی اللہ عنہ،وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جمعہ کے دن سے بہت خوش ہوتے تھے،میں نے پوچھا:

السِّلْقِ فَتَطْرَحُهُ فِي قِدْرٍ وَتُكَرْكِرُ حَبَّاتٍ مِنْ شَعِيرٍ فَإِذَا صَلَّيْنَا الْجُمُعَةَ انْصَرَفْنَا وَنُسَلِّمُ عَلَيْهَا فَتُقَدِّمُهُ إِلَيْنَا فَنَفْرَحُ مِنْ أَجْلِهِ وَمَا كُنَّا نَقِيلُ وَلَا نَتَغَدَّى إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ۔

کیوں؟ انہوں نے کہا: ہمارے ہاں ایک بڑی بی تھیں جو مقام بضاعہ میں جاتی تھیں، ابن مسلمہ نے بیان کیا: وہ مقام مدینے کا ایک باغ تھا، پس اس میں سے چقندر کی جڑوں کو لیتیں اور ان کو ایک پتیلی میں ڈالتیں اور اس میں جو کے دانے پیس کر ملاتیں، پس جب ہم جمعہ کی نماز پڑھ لیتے تو ہم واپس آتے اور ان کو سلام کرتے، تو وہ ہمارے سامنے وہ طعام رکھتیں، تو ہم اس طعام کی وجہ سے خوش ہوتے تھے۔ اور ہم قیلولہ نہیں کرتے تھے اور نہ ناشتہ کرتے تھے مگر جمعہ کے بعد۔

(صحیح بخاری: ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۱، ۲۳۴۹، ۵۴۰۳، ۶۲۴۸، ۶۲۷۹، صحیح مسلم: ۵۸۹، سنن ترمذی: ۵۲۵، سنن ابن ماجہ: ۱۰۹۹)

صحیح البخاری: ۶۲۴۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی حازم، یہ عبدالعزیز ہیں اور ابو حازم کا نام ہے سلمہ بن دینار۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سہل، وہ حضرت ابن سعد الانصاری الساعدی رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "بُضاعة" اس لفظ میں باء پر ضمہ بھی ہے اور کسرہ بھی ہے۔ اور یہ مدینہ میں انصار کے بنو ساعدہ کے گھروں میں ایک کنواں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ابن مسلمہ، یہ عبداللہ بن مسلمہ ہیں جو امام بخاری کے شیخ ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "نخل" یعنی باغ، اس کی تفسیر ابن مسلمہ نے کر دی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تُكَرْكِرُ" اس کی اصل "الکر" ہے، اس کو مضاف لایا گیا کیونکہ چکی کا پتھر بار بار گھومتا ہے اور اس کے اندر جو دانے ہوتے ہیں ان کو پیستا ہے۔ اور کبھی "الکرکرہ" کا معنی آواز بھی ہوتا ہے اور "الکرکرہ" سخت آواز کو بھی کہتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۴۹ - حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَا عَائِشَةُ هَذَا جِبْرِيلُ يَقْرَأُ عَلَيْكِ السَّلَامَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از ابی سلمہ بن عبدالرحمن از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

قَالَتْ قُلْتُ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ تَرَى مَا لَا نَرَى تُرِيدُ رَسُولَ اللهِ ﷺ تَابَعَهُ شُعَيْبٌ وَقَالَ يُونُسُ وَالنُّعْمَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَبَرَكَاتُهُ۔

بیان فرمایا کہ اے عائشہ! یہ جبرائیل ہیں جوتم کو سلام کر رہے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے کہا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ، آپ وہ چیزیں دیکھتے ہیں جن کو ہم نہیں دیکھتے، وہ ارادہ کرتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان چیزوں کو دیکھتے ہیں جن کو ہم نہیں دیکھتے۔ اس حدیث میں معمر کی متابعت شعیب نے کی ہے اور یونس اور نعمان نے کہا الزہری ''وبرکاتہ''۔

(صحیح بخاری: ۳۲۱۷، ۳۷۶۸، ۶۲۰۱، ۶۲۴۹، ۶۲۵۳، صحیح مسلم: ۲۴۴۷، سنن ترمذی: ۳۸۸۱، سنن نسائی: ۳۹۵۳، سنن ابوداؤد: ۵۲۳۲، سنن ابن ماجہ: ۳۶۹۶، مسند احمد: ۲۴۳۳۶، سنن دارمی: ۲۶۳۸)

صحیح البخاری: ۶۲۴۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور پر یہ اعتراض کہ یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے اور اس کا جواب

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے عنوان اور حدیث کے درمیان کوئی مطابقت نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کا عنوان ہے ''مردوں کا عورتوں کو سلام کرنا'' اور اس حدیث میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سلام کا ذکر ہے، اور حضرت جبرائیل فرشتہ ہیں اور فرشتے نہ مرد ہوتے ہیں اور نہ عورت ہوتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا مذکر کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

علامہ عینی اس کے جواب میں فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ یہ کہا گیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک مرد کی صورت میں آتے تھے، پس اس اعتبار سے مطابقت حاصل ہو گئی اور باب کے عنوان اور حدیث میں ادنیٰ مطابقت بھی کافی ہوتی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن مقاتل، اور یہ محمد بن مقاتل المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ عبداللہ بن المبارک المروزی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''تری'' یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہے۔ ایک سوال یہ کیا گیا ہے کہ فرشتہ جسم ہے، پس جب وہ کسی جگہ پر ہوگا تو اس کا دکھائی دینا بعض حاضرین کے ساتھ مخصوص نہیں ہو سکتا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ دکھائی دینا ایک ایسا امر ہے جس کو اللہ تعالیٰ کسی شخص میں پیدا کرتا ہے، پس دکھائی دینا اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے تابع ہے، اسی وجہ سے اشعریہ کے نزدیک یہ جائز ہے کہ ایک نابینا شخص چین میں ہو اور وہ اندلس کے کسی مقام کو دیکھ لے اور جو اس کے پاس بیٹھا ہو وہ اس کو نہ دیکھے۔

عورتوں کوسلام کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے کہ عورتوں پر سلام کرنا جائز ہے ماسوا جوان عورتوں کے، کیونکہ جب جوان عورتوں سے کلام کرے گا تو اس میں نظر کی خیانت کا خوف ہوگا اور شیطان کے بہکانے کا خوف ہوگا، یہ قتادہ کا قول ہے اور امام مالک اور علماء کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے۔ اور فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ مرد عورتوں کو سلام نہ کرے جب تک ان میں کوئی محرم عورتیں نہ ہوں، اور انہوں نے کہا ہے کہ عورتوں سے اذان دینے اور اقامت پڑھنے اور نماز میں بلند آواز میں قراءت کرنے کا حکم ساقط نہیں ہے اور ان سے سلام کا جواب دینا ساقط ہے، پس ان کو سلام نہ کیا جائے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ فقہائے احناف کا مذہب نہیں ہے، کیونکہ ان کے نزدیک عورتوں کے لیے نہ اذان مشروع ہے اور نہ اقامت پڑھنا مشروع ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۷۹۔۳۸۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عورتوں کوسلام کرنے کے متعلق مفصل احادیث اور احکام

امام بخاری نے اس عنوان سے امام عبدالرزاق کی اس روایت کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جو از معمر از یحییٰ بن ابی کثیر مروی ہے، اس میں مذکور ہے کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ مردوں کا عورتوں کو سلام کرنا اور عورتوں کا مردوں کو سلام کرنا مکروہ ہے، اور یہ حدیث مقطوع ہے یا معضل ہے، اور امام بخاری نے جو یہ کہا ہے کہ مردوں کا عورتوں کو سلام کرنا جائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ فتنہ سے مامون ہوں، اور امام بخاری نے اس باب میں دو احادیث کا ذکر کیا ہے جن سے ان کا جواز معلوم ہوتا ہے، اور اس مسئلہ میں ایک حدیث وارد ہے جو امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہے، اور وہ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں میں گزرے تو آپ نے ہم پر سلام کیا۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے اور یہ امام بخاری کی شرط پر نہیں ہے، اس لیے امام بخاری نے اپنی شرط والی حدیث پر اکتفاء کی، اور اس حدیث کا ایک شاہد ہے جس کی امام احمد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ علامہ حلیمی نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے اور فتنہ سے مامون تھے، پس جس شخص کو اپنے نفس پر سلامتی کا اعتماد ہو تو وہ سلام کرے ورنہ چپ رہنے میں زیادہ سلامتی ہے۔ اور امام ابونعیم نے عمل الیوم واللیلۃ میں حضرت واثلہ کی حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد عورتوں کو سلام کریں اور عورتیں مردوں کو سلام نہ کریں، اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اور صحیح مسلم میں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپ غسل کر رہے تھے تو میں نے آپ کو سلام کیا۔

"بئر بضاعہ" کا بیان

عبداللہ بن مسلمہ جو امام بخاری کے شیخ ہیں اور انہی کو القعنبی کہا جاتا ہے، انہوں نے بضاعہ کی یہ تفسیر کی ہے کہ وہ مدینہ میں ایک باغ ہے، اسی وجہ سے وہاں سے چقندر لائے جاتے تھے اور کتاب الجمعہ میں یہ گزر چکا ہے کہ وہاں ان بڑی بی کی ایک کیاری تھی،

اور دوسروں نے یہ تفسیر کی ہے کہ وہاں پر بنو ساعدہ کے مکان تھے اور وہیں پر ایک مشہور کنواں تھا۔ اور اصحاب السنن نے روایت کی ہے کہ اس کنویں کے اندر حیض کے کپڑے ڈالے جاتے تھے، اور دراصل وہ کپڑے باغ میں ڈالے جاتے تھے، پھر بارش ان کپڑوں کو بہا کر اس کنویں تک لے جاتی تھی۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام ابوداؤد نے اپنی سند میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے بئر بضاعہ کو اور اس کھیت کو دیکھا ہے اور اس کے پانی کو دیکھا ہے، اور اس کو تفصیل سے انہوں نے اپنی کتاب سنن ابوداؤد میں کتاب الطہارۃ میں بیان کیا ہے۔ اور امام طحاوی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ زمین پر بہتا ہوا پانی تھا۔

حضرت جبریل علیہ السلام کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سلام کرنے کی تحقیق

علامہ ابن التین نے نقل کیا ہے کہ علامہ داؤدی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ملائکہ کو مرد نہیں کہا جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا مذکر کے صیغوں سے ذکر کیا ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مرد کی صورت میں آتے تھے جیسا کہ بدء الوحی کے اندر گزر چکا ہے۔

مردوں اور عورتوں کے ایک دوسرے کو سلام کرنے کے متعلق مذاہبِ فقہاء

علامہ ابن بطال مالکی نے المہلب سے نقل کر کے لکھا ہے کہ مردوں کا عورتوں پر سلام کرنا اور عورتوں کا مردوں کو سلام کرنا جائز ہے جب فتنہ کا خوف نہ ہو، اور فقہاء مالکیہ نے جوان اور بوڑھی عورت کے درمیان فرق کیا ہے تا کہ فتنہ کا سدِ باب ہو۔ اور ربیعہ نے تو مطلقاً منع کیا اور فقہاء احناف نے کہا: عورتوں کے لیے مردوں کو ابتداءً سلام کرنا ممنوع ہے، کیونکہ عورتوں کو اذان اور اقامت اور بلند آواز کے ساتھ قراءت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اس میں مَحرم کا استثناء ہے، پس عورت کے لیے اپنے مَحرم کو سلام کرنا جائز ہے۔

المہلب مالکی نے کہا ہے: امام مالک کی دلیل اس باب میں حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، کیونکہ جو مرد ان بڑی بی کی زیارت کرتے تھے اور وہ ان کو چقندر کھلاتی تھیں وہ ان کے محارم نہیں تھے۔ مہلب کا کلام ختم ہوا۔

المتولی نے کہا ہے: اگر مرد کی بیوی ہو یا محرم ہو یا باندی ہو تو وہ ایسی ہے جیسے مرد کے لیے مرد ہوتا ہے، اور اگر عورت اجنبی ہو اور اس کی طرف دیکھنے سے فتنے کا خوف ہو تو اس کو سلام کرنا مشروع نہیں ہے نہ ابتداءً سلام کرے اور نہ اس کے سلام کا جواب دے، اور اگر ان میں سے کسی نے سلام کی ابتداء کی تو دوسرے کے لیے اس کے سلام کا جواب دینا مکروہ ہے، اور اگر وہ بوڑھی ہو اور اسے فتنہ کا خوف نہ ہو تو پھر اس کو سلام کرنا جائز ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں مالکیہ نے تو جوان عورت میں فرق کیا ہے خوبصورتی اور عدمِ خوبصورتی کا، کیونکہ خوبصورتی فتنہ کا محل ہے بخلاف مطلق جوان عورت کے۔ پس اگر کسی مجلس میں مرد اور عورتیں جمع ہوں تو جانبین سے سلام کرنا جائز ہے جب کہ فتنہ کا خوف نہ ہو۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۱۶۔ ۳۱۷، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۹، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحابہ کرام کے بڑی بی کو سلام کرنے کی تحقیق

اگر صورت ایسی ہو جیسی اس حدیث میں ذکر کی گئی ہے تو پھر مردوں کے عورتوں کو سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ وہاں کوئی فتنہ نہیں تھا، نہ تو وہاں کوئی خلوت تھی اور نہ کوئی اور ممنوع امر تھا۔ پس مردوں کی ایک جماعت تھی اور عورت ایک بوڑھی خاتون تھی، لیکن جب عورت جوان ہو اور مرد اکیلا ہو تو پھر یہاں پر سلام فتنہ کو پیدا کرے گا، اس لیے ہم اس صورت میں سلام کے مشروع ہونے کا قول نہیں کرتے کیونکہ اس کے اندر عورت اور مرد دونوں کے اعتبار سے فتنہ ہے۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ جوان مرد جب جوان عورت کے پاس سے گزرے تو اس میں زیادہ شر حاصل ہوگا۔ اور اگر ہم کہیں کہ ان مواقع پر سلام کرنا جائز ہے تو جب بھی مرد کسی جوان عورت کے پاس سے گزریں گے تو اس کو سلام کریں گے، اور اس سے فتنہ عظیم برپا ہوگا۔ اسی وجہ سے جب ایسی صورت ہو کہ صحابہ کی ایک جماعت تھی اور وہ ایک بوڑھی عورت کے پاس گئے تھے تو فتنہ سے ہر اعتبار سے ممنوع تھے، تو وہ اس پر سلام کرتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۷۔ بَابُ إِذَا قَالَ: مَنْ ذَا؟ فَقَالَ: أَنَا جب گھر والوں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ تو آنے والے نے کہا: میں ہوں

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا: جب ایک مرد نے اس شخص سے کہا جس نے دروازہ کھٹکھٹایا: کون ہے؟ یعنی وہ کون ہے جس نے دروازہ کھٹکھٹایا، تو دروازہ کھٹکھٹانے والے نے کہا: میں ہوں، امام بخاری نے اس کا حکم نہیں بیان کیا، کیونکہ اس باب کی حدیث سے اس کا حکم معلوم ہو جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۵۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما يَقُولُ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي دَيْنٍ كَانَ عَلَى أَبِي فَدَقَقْتُ الْبَابَ فَقَالَ مَنْ ذَا فَقُلْتُ أَنَا فَقَالَ أَنَا أَنَا كَأَنَّهُ كَرِهَهَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید ہشام بن عبدالملک نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از محمد بن المنکدر، انہوں نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پاس آیا اس قرض کے متعلق بات کرنے کے سلسلہ میں جو میرے والد پر تھا، تو میں نے دروازہ کھٹکھٹایا، آپ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ میں نے کہا: میں ہوں، آپ نے فرمایا: میں، میں، گویا کہ آپ نے اس کو ناپسند فرمایا۔

(صحیح بخاری: ۶۱۵۵، سنن ترمذی: ۲۷۱۱، سنن ابوداؤد: ۵۱۸۷، سنن ابن ماجہ: ۳۷۰۹، مسند احمد: ۱۴۰۳۰، سنن دارمی: ۲۶۳۰)

صحیح البخاری: ۶۲۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''من ذا'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے دو بار انا انا کہا، اور دوسری بار انا کا ذکر پہلے انا کی تاکید ہے، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ گویا کہ آپ نے میرے اس جواب کو ناپسند کیا ہے، کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کے مطابق نہیں تھا، کیونکہ جواب میں مفید یہ تھا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے کہ میں جابر ہوں۔ ورنہ اس میں صرف یہ بیان تھا کہ گویا کہ اجازت طلب کرنے والا یہ سمجھتا تھا کہ میری آواز کو آپ پہچان لیں گے۔

اور علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ یہ آیتِ استئذان کے نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۰، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے جواب کو ناپسند کرنے کی وجہ

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قول کو اس لیے ناپسند فرمایا کہ اس میں صرف اس کے لیے بیان ہے جو آواز کو پہچانتا ہو، اور جو آواز کو نہ پہچانتا ہو تو اس کے اوپر مشتبہ ہوگا کہ کون آیا ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند فرمایا ہے، اور بعض علماء نے کہا ہے کہ انہیں چاہیے تھا کہ وہ لفظِ سلام کے ساتھ اجازت طلب کرتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواب کو اس لیے ناپسند فرمایا کہ انہوں نے لفظِ سلام کے ساتھ اجازت طلب نہیں کی تھی۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حاکم کے دروازہ کو کھٹکھٹانا جائز ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی ضرورت کے پیشِ نظر گھر سے باہر نکلنا جائز ہے جیسا کہ حضرت کعب بن مالک اور حضرت ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہما کے واقعہ میں مذکور ہے۔

(شرح ابن بطال ج ۹ ص ۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی شرح میں علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اس جواب سے تعریف اور تعیین حاصل نہیں ہوئی بلکہ ابہام باقی رہا، اور انہیں چاہیے تھا کہ وہ اپنا نام لے کر کہتے کہ میں فلاں شخص ہوں، اور اگر وہ کہتے کہ میں فلاں شخص ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کون ہے تو انہوں نے کہا: میں ام ہانی ہوں۔

اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ دروازہ کھٹکھٹانے والا کہے کہ میں ابو فلاں ہوں، یا قاضی فلاں ہوں، یا شیخ فلاں ہوں،

جگہ اس کے نام سے تعیین حاصل نہ ہو، اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ کہے کہ میں فلاں شخص ہوں جو اس نام سے معروف ہے۔

اگر دروازہ کھٹکھٹانے والا نام نہ بتائے تو اس میں ایک قسم کا تکبر ہے

علامہ ابن الجوزی نے یہ کہا ہے کہ جب آنے والا شخص یہ کہے کہ میں ہوں اور اپنا نام نہ بتائے تو اس میں ایک قسم کا تکبر ہے، گویا کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میں وہ ہوں کہ جس کو اپنا نام بتانے کی ضرورت نہیں ہے، یا میں اپنے نام بتانے کو اپنے تکبر کے خلاف سمجھتا ہوں، جس کے بعد علامہ ابن ملقن نے علامہ المہلب کی شرح ذکر کی ہے جس کو ہم علامہ ابن بطال کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۷۱، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۱۸۔ بَابُ: مَنْ رَدَّ فَقَالَ: عَلَيْكَ السَّلَامُ — جس نے سلام کے جواب میں کہا ''علیک السلام''

وَقَالَتْ عَائِشَةُ: وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ رَدَّ الْمَلَائِكَةُ عَلَى آدَمَ السَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اور نبی ﷺ نے فرمایا: فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سلام کا جواب دیا: السلام علیک ورحمۃ اللہ۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جس نے سلام کرنے والے کے جواب میں کہا ''علیک السلام'' اور سلام کرنے والے پر لفظ خطاب کے ساتھ ابتداء کی، پھر لفظِ سلام کا ذکر کیا۔ اور یہ طریقہ جس کا امام بخاری نے ذکر کیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں وارد ہے جب حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے اپنے اس قول سے جواب دیا ''وعلیہ السلام''۔ پس انہوں نے اس کے ذکر کو مقدم کیا جس کو سلام کیا گیا ہے، پھر لفظِ سلام کا ذکر کیا۔

اور سلام کے جواب دینے میں اور بھی کئی طریقے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ کہا جائے: السلام علیک۔ اور ابتداء میں لفظِ سلام کو ذکر کیا جائے اور جواب میں کہا جائے: ''والسلام علیکم'' اور ''وعلیک السلام''۔ اور کہا جائے: ''وعلیک السلام ورحمۃ اللہ'' اور کہا جائے: ''والسلام علیک ورحمۃ اللہ''۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ امام بخاری نے اس قول سے اس کے قول کے رد کی طرف اشارہ کیا ہو جس نے علیک السلام کے علاوہ کوئی جواب دیا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۱۸، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس شرح پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: یہ محض اندازہ ہے، پس اس پر اعتماد نہیں کیا جائے گا، اور امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ علیک السلام کے ساتھ جواب دیا جائے اور اس میں انحصار نہیں کیا، کیونکہ فرشتوں نے سلام کے جواب میں کہا: السلام علیک۔ اور اس باب کی حدیث میں مذکور ہے ''وعلیک السلام'' اور اس کے ساتھ واو عاطفہ کا ذکر ہے اور قرآن مجید میں سلام کرنے والے کے نام کے اوپر لفظ سلام کو

مقدم ذکر فرمایا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ۝ (الصّٰفّٰت: ۱۳۰) آل یاسین پر سلام ہو O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت: ۱۲۰) موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو O

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا:

رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۔ (ہود: ۷۳) اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

اور التوضیح میں مذکور ہے کہ یحییٰ نے از ابن کثیر از ابوسلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لفظِ سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے، پس اس کو تم آپس میں پھیلاؤ، پس اگر یہ حدیث صحیح ہے تو سلام کرنے میں مختار اور ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کو مخلوق کے نام پر مقدم کیا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر کا علامہ عینی کے اعتراض کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ عینی کے اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

ہوسکتا ہے کہ امام بخاری کا یہ عنوان اس طرف اشارہ ہو کہ جس نے کہا ہے کہ لفظِ سلام کے اوپر کسی چیز کو مقدم نہ کیا جائے بلکہ سلام کی ابتداء میں اور اس کے جواب میں السلام علیک کہا جائے، یا جس نے کہا کہ مفرد کے صیغہ پر اقتصار نہ کیا جائے بلکہ جمع کے صیغہ کو لایا جائے یا جس نے کہا کہ واؤ کو حذف نہ کیا جائے بلکہ واوِ عاطفہ کو جواب میں ذکر کیا جائے، پس کہے: وعلیک السلام، یا جس نے کہا کہ جواب میں یہ کافی ہے کہ علیک پر اقتصار کیا جائے بغیر لفظِ سلام کے، یا جس نے کہا: علیک السلام پر اقتصار نہ کیا جائے بلکہ ورحمۃ اللہ کا اضافہ کیا جائے، اور یہ پانچ جگہیں ہیں جن کے متعلق آثار وارد ہیں، اور اول کے متعلق وہ اثر ہے جو گزشتہ حدیث میں گزر چکا ہے کہ سلام اللہ کا اسم ہے، پس لائق ہے کہ اللہ کے نام کے اوپر کسی چیز کو مقدم نہ کیا جائے، اس پر ابن دقیق العید نے متنبہ کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۱۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

پھر علامہ عینی نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ یہ محض اندازہ ہے اس پر اعتماد نہ کیا جائے۔ اور امام بخاری نے باب کا عنوان علیک السلام سے قائم کیا ہے اور اس پر انحصار نہیں کیا، پھر علامہ عینی نے حافظ ابن حجر کے اسی کلام کو نقل کیا ہے اور اس کو حافظ ابن حجر کی طرف منسوب نہیں کیا جیسا کہ ان کی عادت ہے۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۳۹۷، مکتبۃ الرشد ۱۴۱۸ھ)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

بعض شافعیہ سے یہ منقول ہے کہ سلام کی ابتداء کرنے والا اگر کہے: علیک السلام تو یہ کافی نہیں ہے۔ اور علامہ نووی نے التولی سے نقل کیا ہے کہ جس نے ابتداء میں کہا: وعلیکم السلام تو یہ سلام نہیں ہے اور وہ جواب کا مستحق نہیں ہوگا۔ اور پھر انہوں نے کہا کہ مشروع یہ ہے کہ لفظِ علیکم کو مقدم کیا جائے۔ علامہ نووی نے کہا: اگر اس نے واؤ کو ساقط کر دیا اور کہا: علیکم السلام تو علامہ واحدی نے کہا ہے کہ یہ سلام ہے اور وہ جواب کا مستحق ہوگا، اگرچہ اس نے معروف لفظ کو تبدیل کر دیا ہے۔ اسی طرح علامہ نووی نے واؤ کو ساقط کرنے اور واؤ کو ثابت رکھنے میں اختلاف کا ذکر کیا ہے اور متبادر یہ ہے کہ اختلاف علیکم کو سلام پر مقدم کرنے میں ہے جیسا کہ

الواحدی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔علامہ نووی نے کہا ہے کہ اس میں دو صورتیں ہو سکتی ہیں کہ مجلس کو علیکم السلام کے ساتھ ختم کرے، اور زیادہ صحیح حصول ہے۔ اور امام بخاری نے الادب المفرد میں معاویہ بن قراء کی سند سے روایت کی ہے کہ مجھ سے ابوقراء بن ایاس المزنی الصحابی نے کہا: جب تمہارے ساتھ کوئی مرد گزرے اور کہے: السلام علیکم، تو تم وعلیک السلام نہ کہو واحد کے صیغہ کے ساتھ، کیونکہ وہ واحد نہیں ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ اور اس مسئلہ کی فروع یہ ہیں کہ اگر ابتداء میں جمع کا صیغہ ہو تو واحد کے صیغہ کے ساتھ جواب دینا کافی نہیں ہے، کیونکہ جمع کا صیغہ تعظیم کا تقاضا کرتا ہے، تو واحد کے صیغہ کے ساتھ اس کا جواب صحیح نہیں ہوگا۔ اس پر ابن دقیق العید نے تنبیہ کی ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۱۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح بخاری کی تعلیقات کی شرح از علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی

پہلی تعلیق میں امام بخاری نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، یہ اس حدیث کی ایک طرف ہے جس کا ذکر "باب تسلیم الرجال والنساء" میں پہلے ہو چکا ہے اور اس میں بیان ہے کہ جس نے جواب میں وبرکاتہٗ کا اضافہ کیا۔

اور امام بخاری کی دوسری تعلیق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو جواب دیا اور کہا: السلام علیک ورحمۃ اللہ، یہ دوسری حدیث کا ایک طرف ہے جس کا ذکر کتاب الاستئذان میں ہو چکا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۱۸۔۳۱۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۲۵۱۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَرَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم جَالِسٌ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَعَلَيْكَ السَّلَامُ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ فَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ فَارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ فِي الثَّانِيَةِ أَوْ فِي الَّتِي بَعْدَهَا عَلِّمْنِي يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَسْتَوِيَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن منصور نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن نمیر نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عبیداللہ نے حدیث بیان کی از سعید ابن ابی سعید المقبری از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، کہ ایک مرد مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد کے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے، پس اس نے نماز پڑھی اور پھر آیا، پس آپ کو سلام کیا، تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وعلیک السلام، پس واپس جاؤ، اور نماز پڑھو اور تم نے نماز نہیں پڑھی، سو وہ شخص واپس گیا اور نماز پڑھی اور پھر آیا اور آپ کو سلام کیا، آپ نے فرمایا: وعلیک السلام اور واپس جاؤ اور نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی، پس اس نے دوسری مرتبہ کہا یا اس کے بعد کے مرتبہ میں کہا: یا رسول اللہ! مجھے تعلیم دیجئے، آپ نے فرمایا: جب تم نماز کی طرف کھڑے ہو تو پورا وضو کرو، پھر قبلہ کی طرف منہ کرو اور پھر اللہ اکبر کہو، اور پھر جو تمہیں قرآن آسانی سے یاد ہو اس کو پڑھو،

ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا وَقَالَ أَبُو أُسَامَةَ فِي الْأَخِيرِ حَتّٰى تَسْتَوِيَ قَائِمًا۔

پھر رکوع کرو، حتیٰ کہ اطمینان سے رکوع کرلو، پھر رکوع سے سر اٹھاؤ حتیٰ کہ تم سیدھے کھڑے ہوجاؤ، پھر سجدہ کرو، حتیٰ کہ اطمینان سے سجدہ کرو، پھر سجدہ سے سر اٹھاؤ حتیٰ کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ، پھر سجدہ کرو حتیٰ کہ اطمینان سے سجدہ کرو، پھر سجدہ سے سر اٹھاؤ، حتیٰ کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ، پھر اسی طرح اپنی پوری نماز میں کرو۔
اور ابو اسامہ نے آخر میں کہا: حتیٰ کہ تم سیدھے کھڑے ہوجاؤ۔

(صحیح بخاری: ۷۵۷، ۷۹۳، ۶۲۵۱، ۶۲۵۲، ۶۶۶۷، صحیح مسلم: ۳۹۷، سنن ترمذی: ۳۰۳، سنن نسائی: ۸۸۴، سنن ابوداؤد: ۸۵۶، سنن ابن ماجہ: ۱۰۶۰، مسند احمد: ۹۳۵۲)

صحیح البخاری: ۶۲۵۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''جس نے سلام کے جواب میں کہا: علیک السلام'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب ایک شخص نے آپ کو سلام کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: وعلیک السلام۔

اور باب کے عنوان میں اور حدیث میں دونوں میں جس کو سلام کیا گیا اس کا ذکر مقدم ہے اور لفظ سلام موخر ہے، اور یہ بھی جائز ہے جیسا کہ شروع میں بیان ہو چکا ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ السلام کو پہلے ذکر کیا جائے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔

اس تعلیق میں ابو اسامہ کا ذکر ہے اور ان کا نام ہے حماد بن اسامہ، اور اس میں ذکر ہے کہ ابو اسامہ نے اخیر میں کہا اور وہ یہ ہے کہ جب تم اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ، تو اس کی جگہ کہا: حتیٰ کہ تم سیدھے کھڑے ہوجاؤ۔ امام بخاری نے اس تعلیق کو کتاب الایمان والنذور میں سند موصول کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۲، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۵۲۔ حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ حَدَّثَنِي سَعِيدٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یحییٰ نے حدیث بیان کی از عبیداللہ، انہوں نے کہا: مجھے سعید نے حدیث بیان کی از والد خود، از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تم سجدہ سے سر اٹھاؤ حتیٰ کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔

(صحیح بخاری: ۷۵۷، ۷۹۳، ۶۲۵۱، ۶۲۵۲، ۶۶۶۷، صحیح مسلم: ۳۹۷، سنن ترمذی: ۳۰۳، سنن نسائی: ۸۸۴، سنن ابوداؤد: ۸۵۶، سنن ابن ماجہ: ۱۰۶۰، مسند احمد: ۹۳۵۲)

صحیح البخاری: ۶۲۵۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن بشار، یہ محمد بن بشار ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، وہ قطان ہیں۔ اور عبیداللہ کا ذکر ہے، وہ العمری ہیں جن کا ابھی ذکر کیا گیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے از سعید از والد خود، یعنی کیسان جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ امام بخاری نے یہاں اس حدیث کا اختصار کیا ہے اور کتاب الصلوٰۃ میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۲۔ ۳۸۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۲، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس کو سلام کیا گیا ہے آیا اس کا پہلے ذکر کیا جائے یا لفظِ سلام کا پہلے ذکر کیا جائے

اس باب میں آثار مختلف ہیں، پس یہ بھی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سلام کے جواب میں فرمایا: علیک السلام۔ اور فرشتوں نے جو حضرت آدم علیہ السلام کو جواب دیا، اس میں انہوں نے کہا: ''السلام علیک''۔ (صحیح البخاری: ۳۳۲۶) اور قرآن مجید میں لفظِ سلام اس پر مقدم ہے جس کو سلام کیا گیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ يَاسِيْنَ ۝ (الصّٰفّٰت: ۱۳۰) آلِ یاسین پر سلام ہو ○

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت: ۱۲۰) موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو ○

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں ارشاد فرمایا:

رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ۔ (ہود: ۷۳) اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

اور ابوعفان نے از ابی تمیمہ الہجیمی از ابی دری یا ابی جری روایت کی ہے کہ ایک مرد نے نبی ﷺ سے کہا: علیک السلام یا رسول اللہ، تو آپ نے فرمایا: علیک السلام نہ کہو، یہ مُردوں کا سلام ہے، کہو السلام علیک، اور یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

اور نبی ﷺ سے دونوں طریقے صحیح ہیں مگر یہ کہ عرب کی عادت اس طرح ہے کہ اگر شر کا موقع ہو تو جس کے خلاف دعا کی جائے اس کے ذکر کو مقدم کرتے ہیں جیسے ان کا قول ہے ''علیہ لعنۃ اللہ وغضب اللہ'' اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَّ اِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْۤ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ (ص: ۷۸) بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت ہے ○

اور اللہ تعالیٰ نے لعان کرنے والوں کے متعلق فرمایا:

وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ۝ (النور:۷)
اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو O

اور عورت کے لعان میں فرمایا:

وَ الْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝ (النور:۹)
اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر وہ (خاوند) سچوں میں سے ہو O

اور یحییٰ بن ابی کثیر نے از ابی سلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلفظ السلام اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے، پس تم اس کو اپنے درمیان پھیلاؤ۔

(مصنف عبدالرزاق: ۲۰۱۱۷، الضعفاء للعقیلی ج۱ ص۱۴۱، المعجم الاوسط للطبرانی: ۳۰۰۸)

حافظ الہیثمی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند میں بشر بن رافع ہے اور وہ ضعیف راوی ہے۔ (مجمع الزوائد: ۱۲۷۲۸)

اور اس باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قوی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے۔ (الصحیحہ للالبانی: ۱۸۴، ۱۶۰۷، ۱۸۹۴)

پس اگر یہ حدیث صحیح ہو تو سلام کرنے میں مختار یہ ہے اور ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسم کو مخلوق کے اسم پر مقدم کیا جائے، اور اگر اس کے علاوہ کیا گیا، اور اس نے جس کو سلام کیا ہے اس نے اس کو مقدم کر دیا اللہ کے اسم پر تو اس نے کوئی حرام کام نہیں کیا اور اس پر کوئی حرج بھی نہیں ہے، کیونکہ اس کا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثبوت ہے۔

رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ علیک السلام مُردوں کا سلام ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے خلاف ثابت ہے، آپ نے قبر والوں کو سلام کرتے ہوئے فرمایا: ''السلام علیکم دار قوم مومنین'' اور ان کو وہ سلام کیا جو زندوں کو سلام کیا جاتا ہے۔ اور ابن ابی زید نے کہا: ''السلام علیکم'' تو جواب دینے والے نے کہا: وعلیکم السلام یا وہ کہے: سلام علیکم، جیسا کہا گیا ہے ''او ردوھا''۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا۔ (النساء:۸۶)
اور جب تم کو کسی لفظ سے سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر لفظ کے ساتھ سلام کرو یا اسی لفظ کو لوٹا دو۔

اس آیت میں فرمایا کہ تم اسی طرح اس کے سلام کا جواب دو یا اس سے بہتر جواب دو، اور جواب میں یہ نہ کہو: سلام علیک۔ اور اکثر سلام برکت پر ختم ہوتا ہے۔ (شرح ابن بطال ج۹ ص ۳۰۔۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۲، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آیا انسان جہالت کی وجہ سے معذور ہے یا نہیں؟

یہاں پر ایک اہم مسئلہ ہے جس پر تنبیہ ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان جہالت کی وجہ سے

معذور نہیں ہوتا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی سے فرمایا: جاؤ نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی، اور دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان جہالت کی وجہ سے معذور ہوتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پچھلی نمازوں کے دہرانے کا حکم نہیں دیا حالانکہ وہ پچھلی نمازیں بھی اسی طریقہ سے پڑھتا تھا، لیکن جب کہ اب نماز کا وقت تھا اور اس سے نماز کا مطالبہ تھا تو وہ اپنے ذمہ سے اس وقت تک بری نہیں ہوگا جب تک کہ وہ صحیح طریقہ سے نماز نہیں پڑھے گا، اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان ترک واجب میں اس وقت معذور ہوتا ہے جب اس کا تدارک اور تلافی ممکن نہ ہو، لیکن جب اس کا تدارک اور تلافی ممکن ہو بلکہ اس سے اس وقت اس فرض کی ادائیگی کا مطالبہ ہو تو ضروری ہے کہ وہ اس فرض کو صحیح طریقہ سے ادا کرے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۵۴۔ ۵۵، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۹۔ بَابٌ: إِذَا قَالَ: فُلَانٌ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ — جب کوئی کہے کہ فلاں آدمی تم پر سلام پڑھ رہا تھا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جب کوئی شخص کہے کہ فلاں شخص تم پر سلام پڑھ رہا تھا، تو وہ شخص جواب میں کیا کہے۔

امام بخاری نے اس جواب کو ذکر نہیں کیا کیونکہ اس باب میں جو حدیث مذکور ہے، اس سے وہ جواب معلوم ہو جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۵۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ قَالَ سَمِعْتُ عَامِرًا يَقُولُ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ عَائِشَةَ رضي الله عنها حَدَّثَتْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا إِنَّ جِبْرِيلَ يُقْرِئُكِ السَّلَامَ قَالَتْ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زکریا نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے عامر سے سنا، وہ کہتے تھے کہ مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے حدیث بیان کی، کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ بے شک جبریل تم پر سلام پڑھ رہے تھے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ۔

(صحیح بخاری: ۳۲۱۷، ۳۷۶۸، ۶۲۰۱، ۶۲۴۹، ۶۱۵۳، صحیح مسلم: ۲۴۴۷، سنن ترمذی: ۳۸۸۱، سنن نسائی: ۳۹۵۳، سنن ابوداؤد: ۵۲۳۲، سنن ابن ماجہ: ۳۶۹۶، مسند احمد: ۶۔ ۲۴۳۳۶، سنن دارمی: ۲۶۳۸)

صحیح البخاری: ۶۲۵۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابونعیم کا ذکر ہے، یہ الفضل بن دکین ہیں۔ اور زکریا کا ذکر ہے، یہ ابن ابی زائدہ الاعمی الکوفی ہیں۔ اور

اس حدیث کی سند میں عامر کا ذکر ہے، وہ شعبی ہیں۔اور یہ حدیث عنقریب گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۳، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سلام کا جواب دینا امانت ہے

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس شخص کے پاس کسی غائب کا سلام پہنچے تو وہ اس کے سلام کا اس طرح جواب دے جس طرح حاضر کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

ایوب نے از ابی قلابہ روایت کی ہے کہ ایک مرد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے تھے: آپ کو سلام ہو، حضرت سلمان نے پوچھا: کب؟ اس نے کہا: تین دن ہوئے، تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم یہ ادا نہ کرتے تو یہ سلام تمہارے پاس امانت رہتا۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۹۴۶۴، شعب الایمان للبیہقی: ۸۹۲۱)

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سلام کرنے کے آداب اور احکام

ہر قسم کے کلام کرنے سے پہلے سلام کرنے سے ابتداء کرنا سنت ہے، اور احادیث صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں اور امت کے متقدمین اور متاخرین کا عمل بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ امام ترمذی نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ کلام سے پہلے سلام ہے اور امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۶۹۹)

اور سلام سے ابتداء کرنا افضل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از عطاء بن یزید اللیثی از حضرت ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مرد کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تین راتوں سے زیادہ چھوڑے رکھے، ایک دوسرے سے ملاقات کریں، پس یہ بھی منہ موڑ لے اور وہ بھی منہ موڑ لے، اور ان دونوں میں بہتر وہ ہوگا جو سلام کرنے میں پہل کرے۔

(صحیح بخاری: ۶۲۳۷، صحیح مسلم: ۲۵۶۰، سنن ترمذی: ۱۹۳۲، سنن ابوداؤد: ۴۹۱۱، مسند احمد: ۲۳۰۱۷، موطا امام مالک: ۱۶۸۲)

اور سلام کا جواب دینا افضل ہے، اور جس کو سلام کیا گیا ہے اگر وہ پیشاب کرنے میں مشغول ہو یا جماع کرنے میں مشغول ہو تو ایسی حالت میں اس کو سلام کرنا مکروہ ہے۔ اور اگر اس نے سلام کر دیا تو وہ شخص جواب کا مستحق نہیں ہوگا۔ اسی طرح جو شخص سویا ہوا ہو یا اونگھ رہا ہو یا نماز پڑھ رہا ہو یا اذان دے رہا ہو یا اقامت پڑھ رہا ہو یا حمام میں ہو یا کھانا کھا رہا ہو اور لقمہ اس کے منہ میں ہو تو

ان کو بھی سلام نہ کیا جائے۔ اور اگر سلام کیا تو وہ جواب کا مستحق نہیں ہوگا۔

یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے کا حکم

ذمی کو سلام کی ابتداء کرنا حرام ہے، اگر اس نے ہم کو سلام کیا تو ہم اس کو جواب میں کہیں گے: علیکم، اور اس پر کوئی اضافہ نہیں کریں گے، اور ایک قول یہ ہے کہ ہم کہیں گے: علیک اور اس پر کوئی اضافہ نہیں کریں گے، اور ایک قول یہ ہے کہ ہم کہیں گے: علیک السلام فقط۔

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اہل کتاب کے ایک مرد کی طرف لکھا: السلام علیک!

اور کریب نے ان سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک یہودی عالم کی طرف مکتوب لکھا تو اس کو سلام کیا، تو کریب نے کہا کہ کیا آپ نے اس کو سلام کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ خود سلام ہے۔

ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ جب تم کسی یہودی یا نصرانی کی طرف کسی اپنی ضرورت میں مکتوب لکھو تو سلام سے ابتداء کرو۔

اور محمد بن کعب سے روایت ہے کہ میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ ہم ان کو سلام سے ابتداء کریں، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ۔ (الانعام: ۵۴) اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں، تو آپ کہیں: تم پر سلام ہو۔

اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کوئی مسلمان یا یہودی یا نصرانی یا چھوٹا یا بڑا انہیں گزرتا تھا مگر وہ اس کو ابتداءً سلام کرتے تھے، ان سے کہا گیا: آپ ایسا کیوں کرتے ہیں، انہوں نے کہا: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم سلام کو پھیلائیں۔

اور ابن عجلان روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ، حضرت ابوالدرداء، اور حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہم مشرکین کو ابتداءً سلام کرتے تھے، اور نیز ابن عجلان سے روایت ہے از ابوعیسیٰ، انہوں نے کہا کہ تواضع یہ ہے کہ ہم ابتداءً سلام کریں جس سے بھی ملاقات کریں۔ اور ابو بردہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اہل ذمہ کے ایک مرد کی طرف مکتوب لکھا تو اس کو سلام کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۵۷۳۹، ۲۵۷۴۳، ۲۵۷۴۵)

قاضی عیاض نے ایک جماعت سے روایت کی ہے کہ ضرورت کے وقت ان کو ابتداءً سلام کرو، اور یہی علقمہ اور نخعی کا قول ہے۔

اور اوزاعی سے سوال کیا گیا کہ کوئی مسلمان کافر کے ساتھ گزرے اور اس کو سلام کرے؟ تو انہوں نے کہا: اگر تم نے ان کو سلام کیا ہے تو صالحین نے ان کو سلام کیا ہے اور اگر تم نے ان کے سلام کرنے کو ترک کیا تو صالحین نے ان کے سلام کرنے کو ترک کیا ہے۔

(اکمال المعلم ج ۷ ص ۵۴)

اور عنقریب اس کی زیادہ تفسیر وہاں آئے گی جہاں امام بخاری اس مسئلہ کو ذکر کریں گے۔

جن کو سلام کرنا مکروہ ہے

جب دو فریق قاضی کے پاس مقدمہ کریں تو قاضی کو سلام نہ کریں، اور مذاق کرنے والے بوڑھے کو سلام نہ کریں، یا مرتد کو سلام نہ کریں، یا کذاب کو سلام نہ کریں، یا کھیلنے والے کو سلام نہ کریں، اور جو لوگوں کو برا کہتا ہو اس کو سلام نہ کریں۔ اور جو بازار میں لوگوں

کے چہرہ کی طرف دیکھتا ہو اور اس کی توبہ معروف نہ ہو تو اس کو سلام نہ کریں۔ اور جو لوگ مسجد میں قرآن پڑھنے کے لیے بیٹھے ہوں یا تسبیح پڑھنے کے لیے یا نماز کے انتظار میں اور وہ اس لیے نہ بیٹھے ہوں کہ کوئی ان کو زیارت کرنے کے لیے آئے گا تو یہ ان کو سلام کرنے کا وقت نہیں ہے، پس ان کو سلام نہ کیا جائے۔ اسی لیے فقہاء نے کہا ہے کہ اگر ان پر داخل ہونے والا سلام کرے تو اسے جواب دینے کی گنجائش ہے، کیونکہ سلام صرف اس پر مکروہ ہے جو زیارت اور سلام کے انتظار میں بیٹھا ہو۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۷۷۔۹۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۲۰۔ بَابُ: التَّسْلِيمِ فِي مَجْلِسٍ فِيهِ أَخْلَاطٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُشْرِكِينَ

جس مجلس میں مسلمانوں اور مشرکین کی جماعت ہو، ان کو سلام کرنے کا بیان

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس مجلس میں مسلمان اور مشرکین ملے جلے بیٹھے ہوں، اس مجلس میں سلام کرنے کا کیا حکم ہے؟ امام بخاری نے اس حکم کو عنوان میں بیان نہیں کیا، کیونکہ اس حدیث سے اس کا حکم معلوم ہو جائے گا۔

۶۲۵۴۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ أَخْبَرَنِي أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَكِبَ حِمَارًا عَلَيْهِ إِكَافٌ تَحْتَهُ قَطِيفَةٌ فَدَكِيَّةٌ وَأَرْدَفَ وَرَائَهُ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ وَهُوَ يَعُودُ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ فِي بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ وَذٰلِكَ قَبْلَ وَقْعَةِ بَدْرٍ حَتَّى مَرَّ فِي مَجْلِسٍ فِيهِ أَخْلَاطٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُشْرِكِينَ عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ وَالْيَهُودِ وَفِيهِمْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ وَفِي الْمَجْلِسِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ فَلَمَّا غَشِيَتِ الْمَجْلِسَ عَجَاجَةُ الدَّابَّةِ خَمَّرَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أُبَيٍّ أَنْفَهُ بِرِدَائِهِ ثُمَّ قَالَ لَا تُغَبِّرُوا عَلَيْنَا فَسَلَّمَ عَلَيْهِمُ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ وَقَفَ فَنَزَلَ فَدَعَاهُمْ إِلَى اللّٰهِ وَقَرَأَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنَ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ أَيُّهَا الْمَرْءُ لَا أَحْسَنَ مِنْ هٰذَا إِنْ كَانَ مَا تَقُولُ حَقًّا فَلَا تُؤْذِنَا فِي مَجَالِسِنَا وَارْجِعْ إِلَى رَحْلِكَ فَمَنْ جَاءَكَ مِنَّا فَاقْصُصْ عَلَيْهِ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ اغْشَنَا فِي مَجَالِسِنَا فَإِنَّا نُحِبُّ ذٰلِكَ فَاسْتَبَّ الْمُسْلِمُونَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی از معمر از الزہری از عروہ بن الزبیر، انہوں نے کہا: مجھے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دراز گوش پر سوار ہوئے جس پر پالان تھا اور اس کے نیچے فدک کی بنی ہوئی چادر تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیٹھے ہوئے تھے اور آپ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے بنو الحارث بن الخزرج میں جا رہے تھے، اور یہ غزوہ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے، حتیٰ کہ آپ ایسی مجلس کے پاس سے گزرے جس میں مسلمانوں اور مشرکین کی اور بت پرستوں کی اور یہود کی جماعت بیٹھی ہوئی تھی، اور ان میں عبداللہ بن ابی ابن سلول بھی تھا، اور اس مجلس میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، جب اس مجلس کے اوپر اس سواری کا گرد و غبار چھا گیا تو عبداللہ بن ابی نے اپنی ناک کو اپنی چادر سے ڈھانپ لیا، پھر کہا: ہم پر اپنا گرد و غبار نہ ڈالو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سلام کیا، پھر آپ ٹھہر گئے، پھر آپ سواری سے اترے، پھر آپ نے ان سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کی، تو عبداللہ بن

وَالْمُشْرِكُونَ وَالْيَهُودُ حَتّٰى هَمُّوا أَنْ يَتَوَاثَبُوا فَلَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ ﷺ يُخَفِّضُهُمْ ثُمَّ رَكِبَ دَابَّتَهُ حَتّٰى دَخَلَ عَلٰى سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فَقَالَ أَيْ سَعْدُ أَلَمْ تَسْمَعْ إِلٰى مَا قَالَ أَبُو حُبَابٍ يُرِيدُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أُبَيٍّ قَالَ كَذَا وَكَذَا قَالَ اعْفُ عَنْهُ يَا رَسُولَ اللهِ وَاصْفَحْ فَوَاللهِ لَقَدْ أَعْطَاكَ اللهُ الَّذِي أَعْطَاكَ وَلَقَدِ اصْطَلَحَ أَهْلُ هٰذِهِ الْبَحْرَةِ عَلٰى أَنْ يُتَوِّجُوهُ فَيُعَصِّبُونَهُ بِالْعِصَابَةِ فَلَمَّا رَدَّ اللهُ ذٰلِكَ بِالْحَقِّ الَّذِي أَعْطَاكَ شَرِقَ بِذٰلِكَ فَذٰلِكَ فَعَلَ بِهِ مَا رَأَيْتَ فَعَفَا عَنْهُ النَّبِيُّ ﷺ

ابی ابن سلول نے کہا: اے مرد، اس سے اچھا کوئی کلام نہیں ہے اگر آپ جو کچھ کہتے ہو وہ برحق ہے تو آپ ہم کو ہماری مجلسوں میں ایذاء نہ پہنچائیں، اور آپ اپنے ڈیرے کی طرف رجوع کریں، سو جو آپ کے پاس ہم میں سے آئے، اس کے سامنے آپ یہ قصہ بیان کریں، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ ہماری مجالس کو ڈھانپ لیں، ہم اس کو پسند کرتے ہیں، پھر مسلمان اور مشرکین اور یہودی آپس میں ایک دوسرے کو برا کہنے لگے حتیٰ کہ انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ ایک دوسرے پر حملہ کریں گے تو نبی ﷺ مسلسل ان کو چپ کراتے رہے، پھر آپ اپنی سواری پر سوار ہوئے حتیٰ کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، پھر آپ نے فرمایا: اے سعد! کیا تم نے نہیں سنا کہ ابوحباب نے کیا کہا ہے، آپ کی مراد تھی عبداللہ بن ابی ابن سلول، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! اس کو معاف کر دیجئے اور اس سے درگزر کیجئے، پس اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ منصب عطا کیا ہے جو عطا کیا ہے، اور بے شک اس بستی کے لوگوں نے اس پر اکتفاء کر لیا تھا کہ اس کو تاج پہنائیں گے اور اس کے سر کے اوپر عمامہ باندھیں گے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو اس حق کے سبب رد کر دیا جو حق اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے تو یہ اس وجہ سے ناراض ہو گیا، پس اس وجہ سے اس نے وہ کام کیا جو آپ نے دیکھا تو نبی ﷺ نے اس کو معاف فرما دیا۔

(صحیح بخاری: ۲۹۸۷، ۴۵۶۶، ۵۶۶۳، ۵۹۶۴، ۶۲۰۷، ۶۲۵۴، صحیح مسلم: ۱۷۹۸، مسند احمد: ۲۱۲۶۰)

صحیح البخاری: ۶۲۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "جس جماعت میں مسلمان اور مشرکین موجود ہوں تو اس جماعت کو سلام کرنے کا حکم" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ ایسی جماعت کے پاس سے گزرے جس میں مشرکین اور مسلمان تھے، پس نبی ﷺ نے اس مجلس

والوں کو سلام کیا۔اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم بن موسیٰ، یہ الفراء ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابواسحاق الرازی، جو صغیر کے نام سے معروف ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام، یہ ابن یوسف الصنعانی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر، یہ ابن راشد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ابن سلول" ابن کا لفظ مرفوع ہے اور یہ عبداللہ کی صفت ہے، کیونکہ سلول عبداللہ کی ماں کا نام ہے، اور یہ گمان نہ کیا جائے کہ سلول عبداللہ بن ابی کا باپ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "القطیفة" اس کا معنی ہے: فدک کی بنی ہوئی مخملی چادر۔اور فدک خیبر کی بستی ہے۔

اور اس حدیث میں "عَجاجة" کا لفظ ہے (عین پر زبر ہے) اس کا معنی ہے: گرد و غبار۔

اس حدیث میں مذکور ہے "خمّر" اس کا معنی ہے: ڈھانپ لیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لاتغبروا" اس کا معنی ہے: گرد و غبار نہ اڑاؤ۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لااحسن" یعنی آپ جو پڑھ رہے ہیں اس سے حسین کلام اور کوئی نہیں ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "رحل" اس کا معنی ہے: منزل، اور کسی شخص کے سامان رکھنے کی جگہ۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وھموا" یعنی انہوں نے آپس میں لڑنے اور ایک دوسرے کو مارنے کا قصد کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "البحرۃ" اس کا معنی ہے شہر، اور بُحیرہ تصغیر کے ساتھ بھی روایت ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یتوجوہ" تتویج کا معنی ہے عمامہ باندھنا، اس سے مراد یہ ہے کہ یا تو وہ اس کو حقیقت میں عمامہ باندھنا چاہتے تھے اور یا مراد ہے کہ وہ اس کو بادشاہ بنانا چاہتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "شرق" اس کا معنی ہے کہ کوئی چیز آدمی کے گلے میں پھنس جائے جس کو نہ وہ اگل سکے اور نہ نگل سکے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۴، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

منافقین اور مشرکین کو سلام کرنے کی تحقیق

علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ اظہار ہے کہ اگر کوئی مسلمان ایسی جماعت کے ساتھ بیٹھے جس میں منافق ہوں یا کافر ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس جماعت کو سلام کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے جب وہ اس جماعت کے پاس پہنچے اور وہ لوگ بیٹھے ہوئے

ہوں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو سلام کیا جن میں عبداللہ بن ابی بھی تھا۔ اور عبداللہ بن ابی کی وجہ سے آپ ان لوگوں کو سلام کرنے کی وجہ سے نہیں رکے، حالانکہ عبداللہ بن ابی کا نفاق اور اس کی اسلام کے ساتھ عداوت اور مسلمانوں کے ساتھ اس کی دشمنی بہت مشہور تھی، کیونکہ اس جماعت کے اندر مومنین بھی تھے۔

حسن بصری سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ جب تم ایسی مجلس کے پاس سے گزرو جس میں مسلمان ہوں اور کفار ہوں تو ان کو سلام کرو۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۹۴۶۱، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۲۱ھ) اور یہ اس کے خلاف ہے جو بعض لوگوں نے کہا ہے کہ جو لوگ حق سے منحرف ہوں کسی بدعت کی وجہ سے یا باطل خواہشوں کی گمراہی کی وجہ سے یا کفار کے دین کی وجہ سے تو ان کو سلام کرنا اور ان سے کلام کرنا جائز نہیں ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی گمراہی اور کوئی بدعت اور کوئی کفر نفاق سے زیادہ نہ برا ہے اور نہ خبیث ہے، اور اس دن عبداللہ بن ابی کے نفاق میں کوئی شک نہیں تھا۔

اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس دن اس لیے سلام کیا اور سواری سے اس کی طرف اترے تا کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیں اور یہ آپ پر فرض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سواری سے اترنا اس کو دعوت دینے کے لیے نہیں تھا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے عبداللہ بن ابی کو اور منافقین کی جماعت کو ابتداء اسلام میں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے چکے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو سواری سے اترے تھے تو ان کی تالیف قلب کے لیے اور ان کے ساتھ نرمی کرنے کے لیے اور اس توقع پر اترے تھے کہ شاید یہ حق کی طرف رجوع کر لیں۔

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم مال کے ساتھ بھی ان کی تالیف قلب کرتے تھے، چہ جائیکہ سلام کے ساتھ اور اچھی باتوں کے ساتھ ان کی تالیف قلب کریں، اور آپ کی تالیف قلب سے یہ ہے کہ آپ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ اس کو معاف کیجئے اور اس سے درگزر کیجئے، یعنی اس سے دشمنی مول نہ لیں، اور یہ سب اس لیے تھا کہ آپ کو یہ توقع تھی کہ وہ اسلام کی طرف رجوع کر لے گا۔

امام ابوجعفر طبری نے کہا ہے کہ سلف صالحین سے یہ روایت ہے کہ وہ اہل کتاب کو سلام کرتے تھے۔ جریر نے از منصور از ابراہیم از علقمہ روایت کی ہے کہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا تو ایک دہقان ایک پل سے دوسرے سرے تک ہمارا مصاحب ہوا، پھر اس کو اپنا راستہ مل گیا تو وہ اس پر چلا گیا، حضرت عبداللہ نے پوچھا: وہ مرد کہاں گیا، میں نے کہا: وہ اپنے راستہ پر چلا گیا، تو حضرت عبداللہ کی نظر نے اس کا پیچھا کیا اور کہا: السلام علیکم، میں نے کہا: اے ابوعبدالرحمن! کیا ان کو سلام کی ابتداء کرنا مکروہ نہیں ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں! لیکن یہ صحبت کا حق ہے۔ (شعب الایمان ج ۶ ص ۴۶۳)

اور ابن محیریز سامرہ کے پاس سے گزرتے تو ان کو سلام کرتے اور قتادہ نے کہا: جب تم اہل کتاب کے گھروں میں داخل ہو تو کہو: "سلام علی من اتبع الھدیٰ" جو ہدایت کا پیروکار ہو اس کو سلام۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۹۴۵۹، ۹۸۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

ابراہیم نے کہا ہے: جب تمہیں یہودی سے کوئی کام ہو تو اس کو سلام سے ابتداء کرو۔ اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ جب اپنے گھر جاتے تو جس مسلمان یا نصرانی صغیر یا کبیر کے پاس سے گزرتے تو اس کو سلام کرتے، تو ان سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم سلام کو پھیلائیں۔

یہود ونصاریٰ کو سلام کی ابتداء کرنے کے متعلق دو حدیثوں میں تعارض اور اس کا جواب

اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود ونصاریٰ کو سلام کی ابتداء نہ کرو اور جب تم ان سے راستہ میں ملو تو ان کو تنگ راستہ کی طرف مجبور کرو۔ (صحیح مسلم: ۲۱۶۷) تو اس روایت کے متعلق آپ کیا کہیں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور ان دونوں حدیثوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے مخالف نہیں ہے۔ اور حدیثِ حضرت اسامہ میں بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کا معنی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مخرج کا عموم ہے اور حضرت اسامہ کی حدیث خصوص کو بیان کرتی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ عبداللہ بن ابی بیٹھا ہوا ہے اور اس کے گرد اس کے قوم کے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں تو آپ نے ناپسند کیا کہ آپ وہاں سے گزر جائیں، تو آپ سواری سے اترے اور سلام کیا اور بیٹھ گئے، تو آپ کا سواری سے اترنا ذمہ کو ادا کرنے کے لیے تھا۔

اور اس کی نظیر وہ ہے جو علقمہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے دہقان کو سلام کیا جو کوفہ کے راستہ میں ان کی صحبت میں شریک تھا، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ ہمارا مصاحب رہا ہے اور صحبت کا حق ہوتا ہے، اور جیسا کہ نخعی نے کہا ہے: جب تمہیں یہودی سے کوئی کام ہو یا نصرانی سے کوئی کام ہو تو سلام سے ابتداء کرو، پس معلوم ہوا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وہ چیز ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ رہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ ان سے تم سلام کی ابتداء نہ کرو، اس کا معنی یہ ہے کہ بغیر کسی سبب داعی کے ابتداء نہ کرو، جو تمہیں اس بات کی دعوت دے کہ ان کے ساتھ سلام کی ابتداء کرو، کوئی ذمہ ادا کرنا ہو یا تمہاری کوئی ضرورت ہو جو ان سے متعلق ہو یا صحبت کا حق ہو پڑوس میں یا سفر میں۔

خلاصہ یہ ہے کہ بغیر کسی سبب کے یہود ونصاریٰ کو سلام کی ابتداء نہ کی جائے، اور اگر کوئی سبب ہو یعنی یہودی یا نصرانی سے کوئی کام ہو، یا وہ تمہارے پڑوس میں ہوں یا سفر میں ہوں اور صحبت کا حق ہو تو ان کو سلام کرنا جائز ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ دور دراز سے مریض کی عیادت کرنی چاہیے اور سوار ہو کر ان کی طرف جانا چاہیے، اور اس میں یہ ثبوت ہے کہ اشرف الناس کو بھی دراز گوش پر سواری کرنی چاہیے اور کسی کو اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھانا چاہیے۔ (شرح ابن بطال ج ۹ ص ۳۲۔ ۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہود ونصاریٰ کو سلام کرنے کی مزید تحقیق

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے: سنت یہ ہے کہ جب کسی ایسی مجلس کے ساتھ گزر ہو جس میں مسلمان بھی ہوں اور کافر بھی تو لفظِ عام کے ساتھ سلام کیا جائے اور اس سے صرف مسلمان کا قصد کیا جائے، اور علامہ ابن العربی نے کہا ہے: اسی کی مثل یہ ہے کہ جب ایسی مجلس کے ساتھ گزر ہو جس میں اہل سنت بھی ہوں اور اہل بدعت بھی، اور ایسی مجلس کے پاس سے گزر ہو جس میں

نیک لوگ بھی ہوں، اور ایسی مجلس کے ساتھ گزر ہو جس میں محبت کرنے والے لوگ بھی ہوں اور نفرت کرنے والے لوگ بھی ہوں۔

کافروں اور بدمذہبوں کو ابتداءً سلام نہ کرنے کے دلائل

علامہ نووی نے اس موقف پر اس باب کی حدیث سے استدلال کیا ہے، اور اس کی اصل یہ ہے کہ کافر کو ابتداءً سلام کرنا ممنوع ہے، اور اس کی ممانعت صراحۃً وارد ہے، کیونکہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور امام بخاری نے الادب المفرد میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود و نصاریٰ کو سلام کی ابتداء نہ کرو اور ان کو تنگ راستہ کی طرف مجبور کرو۔ اور امام بخاری نے الادب المفرد میں اور امام نسائی نے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ ابوبصرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: میں کل یہود کی طرف سوار ہو کر جاؤں گا، پس تم ان کو سلام کی ابتداء نہ کرنا۔

کافر کو سلام کی ابتداء کرنے کے دلائل اور ان کے جوابات

اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ ان کو ابتداءً سلام کرنا جائز ہے، امام ابوجعفر طبری نے ابن عیینہ کی سند سے روایت کی ہے کہ کافر کو سلام کی ابتداء کرنا جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ (الممتحنہ:۸)

اللہ تم کو ان کے ساتھ نیکی کرنے اور تھوڑا تھوڑا دینے سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین میں جنگ نہیں کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آذر سے کہا:

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝ (مریم:۴۷)

ابراہیم نے کہا: تجھے سلام ہو میں عنقریب اپنے رب سے تیرے لیے استغفار کروں گا، بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے O

اور امام ابن ابی شیبہ نے از عون بن عبداللہ از محمد بن کعب روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے سوال کیا کہ کیا اہل ذمہ کو سلام کیا جائے؟ تو انہوں نے کہا: ہم ان کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور ہم ان کو ابتداءً سلام نہیں کرتے، عون نے کہا: میں نے ان سے کہا: پس آپ کیا فرماتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: میں ان کو ابتداءً سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، میں نے پوچھا کیوں؟ تو انہوں نے کہا: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۭ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ (الزخرف:۸۹)

آپ ان سے درگزر کیجئے اور کہیے: بس ہمارا اسلام! پس یہ عنقریب جان لیں گے O

امام بیہقی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کرنے کے بعد کہا کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ ہر اس شخص کو سلام کرتے تھے جو ان سے ملاقات کرے، ان سے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے لفظ سلام کو ہماری امت کے لیے تحیت بنایا ہے اور ہمارے ذمیوں کے لیے امان بنایا ہے۔ یہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی رائے ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں انہیں ابتداءً سلام کرنے سے منع کیا گیا ہے، سو وہ حدیث اولیٰ ہے۔

اور قاضی عیاض نے اس آیت سے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو آذر سے کہا تھا "سلم علیك" اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ان کا قصد اس سے ان کو چھوڑنا تھا اور ان کو دور کرنا تھا اور ان سے تحیت مقصود نہیں تھی، اور بعض سلف نے تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جو ارشاد ہے:

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ (الزخرف:۸۹) آپ ان سے درگزر کیجئے اور کہیے: بس ہمارا سلام! پس یہ عنقریب جان لیں گے O

یہ آیت، آیت قتال سے منسوخ ہو گئی ہے۔

حضرت اسامہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیثوں میں تطبیق

اور ابوجعفر طبری نے کہا ہے: حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو یہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کو سلام کیا جب کہ کفار مسلمانوں کے ساتھ تھے، اس میں اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو کفار کو سلام کرنے کی ممانعت ہے ان میں کوئی مخالفت نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث عام ہے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث خاص ہے، پس حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس کو خاص کیا جائے گا کہ جب ان کو سلام کرنا بغیر کسی سبب اور بغیر کسی ضرورت کے ہو جس میں نہ کوئی صحبت کا حق ہو نہ پڑوس کا حق ہو، نہ کوئی بدلہ ہو اور نہ کوئی اور حق ہو، اور مراد یہ ہے کہ ان کو سلام کی جو سزا مشروع ہے اس کی ان سے ابتداء کرنا ممنوع ہے، لیکن اگر کسی ایسے لفظ کے ساتھ ان کو سلام کیا جائے جس سے وہ سلام سے نکل جائیں مثلاً یوں کہا جائے "السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین" تو یہ جائز ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل وغیرہ کی طرف لکھا "سلم علی من اتبع الهدیٰ" (جو ہدایت کا پیروکار ہے اس کو سلام ہو)۔

مشرکین کو سلام کرنے کا طریقہ

اور امام عبدالرزاق نے از معمر از قتادہ روایت کی ہے کہ جب تم اہل کتاب کے گھروں میں داخل ہو تو ان کو اس طرح سلام کرو "السلام علی من اتبع الهدیٰ"۔

اور امام ابن ابی شیبہ نے ابو مالک کی سند سے روایت کی ہے کہ جب تم مشرکین کو سلام کرو تو کہو "السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین" تو وہ یہ گمان کریں گے کہ تم نے ان کو سلام کیا ہے، حالانکہ تم نے ان سے سلامتی کو دور کیا ہے۔

یہود کو تنگ راستہ کی طرف جانے کے لیے مجبور کرنے کا محمل

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ حدیث میں ہے کہ جب تم ان سے کسی راستہ میں ملو تو ان کو تنگ راستہ کی طرف جانے پر مجبور کر دو۔ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ تم تنگ راستہ میں ان کا اکرام اور ان کا احترام نہ کرو، اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ جب تم ان سے کسی کشادہ راستہ میں ملو تو ان کو تنگ راستہ کی طرف جانے میں مجبور کر دو، کیونکہ یہ ان کو ایذاء پہنچانا ہے اور ہمیں ان کو بغیر کسی سبب کے ایذاء پہنچانے سے منع کیا گیا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۲۰-۳۲۱، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۴، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد درج ذیل ہیں

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان جب کسی ایسی مجلس کے پاس سے گزرے جس میں کفار اور مسلمین ہوں تو سلام کرے، لیکن علماء نے یہ کہا ہے کہ اسے چاہیے کہ اس سلام سے مسلمانوں کا قصد کرے اور جو ان کے ساتھ مشرکین ہیں ان کا قصد نہ کرے۔

(۲) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع پر دلیل ہے، کیونکہ آپ دراز گوش پر سوار ہوئے اور آپ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے بٹھایا، کیونکہ متکبرین صرف گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں، نیز وہ اپنی سواری پر کسی کو پیچھے نہیں بٹھاتے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ تواضع کرنے والے تھے۔

(۳) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مریض کی عیادت کے لیے سوار ہو کر جانا چاہیے، اور مریض اگر دور دراز علاقہ میں ہو جہاں انسان کو سوار ہو کر جانا پڑے تو مریض کی عیادت کرنے کے لیے دور دراز علاقہ میں بھی جائے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے سفر کر کے گئے۔

(۴) اس حدیث میں عبداللہ بن ابی ابن سلول کے تکبر کا ذکر ہے، کیونکہ اس نے اپنی چادر سے اپنی ناک کو ڈھانپ لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر کو ظاہر کرنے کے لیے، اور اسی لیے اس نے کہا کہ ہم پر اپنا گرد وغبار نہ ڈالو۔

(۵) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کا کوئی موقع نہیں چھوڑتے تھے، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم راستہ میں ٹھہر گئے اور ان لوگوں کو اللہ عزوجل کی دعوت دی۔

(۶) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینا چاہتا ہو، وہ اطمینان سے دعوت دے یعنی اگر وہ سواری پر سوار ہو تو سواری سے اترے، پھر مطمئن ہو کر ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے۔

(۷) اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اللہ کی طرف دعوت دینے کے لیے سب سے افضل چیز اللہ عزوجل کا کلام ہے، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر قرآن مجید کو پڑھا، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن مجید کی بہت بلیغ تاثیر ہے، خصوصاً جب کوئی شخص اپنے دل سے قرآن پڑھے اور جو اس کے معانی کو جانتا ہو۔

(۸) اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ منافق حق بات کو قطعی طور پر رد نہیں کرتا لیکن شک میں پڑ جاتا ہے، اسی لیے عبداللہ بن ابی نے کہا: اس سے اچھی اور برحق کوئی بات نہیں ہے جو آپ کہہ رہے ہیں۔

(۹) عبداللہ بن ابی نے یہ نہیں کہا کہ یہ کلام باطل ہے لیکن اس نے اپنے دل کی سیاہی کو اس طرح ظاہر کیا کہ اگر آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ حق ہے، کیونکہ منافقین کی عادت ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی صراحۃً تحسین نہیں کرتے تھے۔

(۱۰) اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ منافقین کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے سے تکلیف ہوتی تھی اور وہ تنگ ہوتے تھے، اس لیے عبداللہ بن ابی نے کہا کہ آپ ہماری مجلسوں میں آ کر ہمیں ایذاء نہ پہنچائیں، لیکن حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ مومن تھے

انہوں نے کہا: آپ ضرور ہماری مجلسوں میں آئیں اور ہم اس کو پسند کرتے ہیں، اور یہاں پر دو مردوں میں فرق ہو گیا حالانکہ دونوں بنو آدم میں سے ہیں لیکن ایک منافق تھا اور دوسرا مومن تھا۔

(۱۱) اور اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ عبداللہ بن ابی نے اس قرآن کی تکریم نہیں کی، کیونکہ اس نے کہا: جو شخص آپ کے پاس آئے آپ اس کو قصہ بیان کریں، گویا اس نے قرآن مجید کو قصص قرار دیا، گویا کہ وہ اساطیر الاولین ہیں جیسا کہ لوگوں پر قصے بیان کیے جاتے ہیں خواہ وہ حق ہوں یا باطل ہوں۔

(۱۲) اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سیرت ہے کہ آپ یہ نہیں چاہتے تھے کہ خواہ مخواہ فتنہ بھڑکے، اور آپ چاہتے تھے کہ جو مسلمانوں میں تنازع ہو تو وہ اس حد تک نہ پہنچے کہ وہ فتنہ کو پہنچ جائے، لہٰذا جب ان دونوں فریقوں میں تنازع ہوا اور وہ ایک دوسرے پر حملہ کے درپے ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کو ٹھنڈا کر رہے تھے۔

(۱۳) اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ جو قوم میں بڑا ہو اس کی طرف قوم کے کسی فرد کی شکایت کرنی چاہیے، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سید الخزرج تھے اور عبداللہ بن ابی خزرج سے تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کی شکایت حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کی۔

(۱۴) اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کافر یا منافق کو کنیت کے ساتھ تعبیر کرنا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے سنا نہیں کہ ابوحباب نے کیا کہا، اور یہ نہیں فرمایا کہ کیا تم نے نہیں سنا کہ عبداللہ بن ابی نے کیا کہا؟

(۱۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کے حق میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی شفاعت کو قبول فرمایا، کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ عبداللہ بن ابی نے جو کچھ کہا ہے وہ غیرت کے سبب سے کہا ہے، اسی وجہ سے اکثر اہل علم کا یہ مذہب ہے کہ سب و شتم حتیٰ کہ قذف اور تہمت بھی جب بطورِ غیرت کے ہو تو اس کا کوئی حکم نہیں ہے، کیونکہ غیرت ایسا امر ہے کہ انسان کے لیے اپنے نفس کو اس میں ضبط کرنا ممکن نہیں ہے حتیٰ کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی کئی کام غیرت کے سبب سے کرتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے درگزر فرماتے تھے، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ غیرت ایسی چیز ہے جو انسان کی فطرت کا تقاضا ہے اور اس سے چھٹکارا انسان کی طاقت میں نہیں ہے، پس جب کوئی شخص کافر کے حق میں سفارش کرے تو اس پر یہ غور کیا جائے کہ کافر نے جو کیا ہے آیا وہ اس کو کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن اس کو وہ حاصل نہیں ہوا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عبداللہ بن ابی کے حق میں سفارش کو قبول فرمالیا۔

(۱۶) نیز اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ اخلاق کا بیان ہے، کیونکہ آپ کی استطاعت میں یہ تھا کہ آپ عبداللہ بن ابی کو تعزیراً سزا دیتے کہ اس نے بہت سارے ایسے کام کیے تھے جو گناہ ہیں مثلاً اس نے اپنے ناک پر کپڑا ڈالا اور کہا کہ ہم پر غبار نہ ڈالو، اور کہا: اگر آپ جو کہتے ہیں وہ برحق ہے، اور کہا کہ آپ ہماری مجالس میں آکر ہمیں ایذا نہ دیں، اور کہا کہ جو آپ کے پاس آئے اس کو یہ قصہ بیان کریں، یہ تمام امور ایسے ہیں کہ جن پر تعزیراً سزا دینے کا حق ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرمادیا۔

(۱۷) نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ تعزیر میں ایسی شفاعت جائز ہے جو سزا سے حائل ہو، یا اس معصیت میں جو تعزیر کو واجب کرتی ہے، اور حد اس کے برخلاف ہے، کیونکہ حد میں شفاعت جائز نہیں ہے۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کی شفاعت

اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد میں حائل ہوگئی تو اس نے اللہ تعالیٰ کے امر کو رد کیا۔ (صحیح الجامع:٦١٩٦) اور آپ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما پر ناراض ہوئے جب انہوں نے اس مخزومیہ عورت کی سفارش کی جس نے چوری کی تھی تو آپ نے ان سے فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد میں سفارش کر رہے ہو۔ (صحیح البخاری:٣٤١٦، صحیح مسلم:٢١٩٦) تعزیر اس کے برخلاف ہے، کیونکہ تعزیر میں شفاعت جائز ہے خواہ وہ معصیت سلطان تک پہنچ جائے، کیونکہ سلطان کے لیے جائز ہے کہ وہ تعزیر کو قائم کرے یا قائم نہ کرے، اگرچہ فقہاء کا ظاہر کلام یہ ہے کہ تعزیر واجب ہے اور اس کو ساقط کرنا صحیح نہیں ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ امام جب تعزیر کو ساقط کرنے میں مصلحت دیکھے تو اس کو ساقط کر دے۔

(١٨) اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار کو سلام کی ابتداء کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود و نصاریٰ کو سلام کی ابتداء نہ کرو۔ (صحیح مسلم:٤٠٣٠، سنن ترمذی:٢٦٢٤)

(١٩) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عام کی تخصیص کرنا جائز ہے، کیونکہ جب انسان کسی عام قول کا یا کسی عام لفظ کا ذکر کرے اور اس سے خاص کا ارادہ کرے اپنی نیت کے اعتبار سے تو یہ جائز ہے، مثلاً اگر اس نے کہا: میں طعام نہیں کھاؤں گا اور اس کی یہ نیت ہو کہ میں وہ طعام نہیں کھاؤں گا جس میں چکنائی ہو، تو یہ جائز ہے۔

(٢٠) تعزیر کی نوع اور کیفیت اور اس کی مقدار کی کوئی حد نہیں ہے، لیکن اگر وہ ایسی معصیت ہو کہ اس کی جنس میں حد ہو تو وہ حد کو نہیں پہنچتی۔ اور تعزیر مال کے ساتھ بھی ہوتی ہے، یعنی کسی پر جرمانہ عائد کر دیا جائے اور زجر و توبیخ یعنی ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ بھی ہوتی ہے اور حبس اور قید کرنے کے ساتھ بھی ہوتی ہے، یا کوڑے لگانے کے ساتھ بھی ہوتی ہے لیکن اتنے کوڑے نہ لگائے جائیں جو حد کی مقدار کو پہنچتے ہوں۔ (شرح صحیح البخاری ج٦ ص٥٦۔٥٩، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ١٤٢٩ھ)

٢١۔ بَابٌ: مَنْ لَمْ يُسَلِّمْ عَلَى مَنِ اقْتَرَفَ ذَنْبًا وَلَمْ يَرُدَّ سَلَامَهُ حَتَّى تَتَبَيَّنَ تَوْبَتُهُ وَإِلَى مَتَى تَتَبَيَّنُ تَوْبَةُ الْعَاصِي؟

جس نے اس شخص کو سلام نہیں کیا جس نے گناہ کا ارتکاب کیا، اور نہ اس کے سلام کا جواب دیا حتیٰ کہ اس کی توبہ ظاہر ہو جائے، اور گناہ کرنے والے کی توبہ کس وقت تک ظاہر ہوگی؟ اس کا بیان

وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو: لَا تُسَلِّمُوا عَلَى شَرَبَةِ الْخَمْرِ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا کہ شراب پینے والوں کو سلام نہ کرو۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص نے گناہ کا ارتکاب کیا ہو اس کو سلام نہ کیا جائے، اکثر شارحین کی یہی تفسیر ہے۔ امام ابو عبیدہ نے کہا: اس کا معنی ہے کہ جس پر گناہ کی تہمت ہو۔ اس باب کے دو جز ہیں اور یہ پہلا جز ہے، اور دوسرا جز یہ ہے کہ گناہ کرنے والے کی توبہ کب تک ظاہر ہوگی؟ پس پہلے حکم کی تفصیل میں جمہور علماء کا اختلاف ہے، انہوں نے کہا کہ فاسق معلن اور بدعتی کو سلام نہ

کیا جائے۔اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص فاسق کو سلام کرنے پر مجبور ہو جائے،یعنی اسے یہ خطرہ ہو کہ اس نے اگر سلام نہیں کیا تو اس کے دین یا دنیا میں کوئی ضرر پہنچے گا تو وہ اس نیت سے سلام کرے کہ سلام اللہ تعالیٰ کا نام ہے، گویا کہ وہ یوں کہے کہ اللہ تم پر نگران ہے،یعنی السلام علیکم کا معنی ہے"الله رقيب عليكم" "اللہ تم پر نگران ہے۔علامہ ابن العربی مالکی نے بھی اسی طرح کہا ہے۔اور ابن وہب نے کہا: ہر شخص کو ابتداءً سلام کرنا جائز ہے خواہ کافر ہو،اور ان کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔(البقرہ:۸۳) اور لوگوں سے اچھی باتیں کرو۔

اس دلیل پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ مدعا خاص ہے کہ ہر شخص کو سلام کرنا چاہیے اور دلیل عام ہے کہ لوگوں سے اچھی بات کرنی چاہیے،اور اچھی بات عام ہے کہ وہ سلام ہو یا کوئی اور بات ہو۔

اور اس باب کے عنوان کا دوسرا حکم یہ ہے کہ گناہ کرنے والے کی توبہ کب تک ظاہر ہوگی؟ یعنی اس کی توبہ کی صحت کب معلوم ہوگی؟ امام بخاری نے اس سے یہ ارادہ کیا ہے کہ صرف اس کا توبہ کر لینا اس کے لیے کافی نہیں ہے کہ اس کی توبہ صحیح ہو گئی ہے، بلکہ ضروری ہے کہ اس کے توبہ کرنے کے بعد اتنی مدت گزر جائے جتنی مدت کے اندر قرائن سے اس کی توبہ کا صحیح ہونا معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے کئے ہوئے کام کے اوپر نادم ہے اور اپنے گناہ کے تدارک کرنے کی طرف متوجہ اور درپے ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا: اس کی کوئی حد معین نہیں ہے لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ جس وقت اس نے توبہ کی تو فوراً اس کی توبہ کا صحیح ہونا معلوم نہیں ہوگا، نہ اس دن معلوم ہوگا حتیٰ کہ اس کے اوپر اتنی مدت گزر جائے جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی توبہ صحیح ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس پر ایک سال گزر جائے، دوسرا قول یہ ہے کہ چھ ماہ گزر جائیں، تیسرا قول یہ ہے کہ اس کی توبہ کرنے کے بعد پچاس دن گزر جائیں جیسا کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے، اور اس کو رد کر دیا گیا ہے بایں طور کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ کے لیے پچاس دن معین نہیں فرمائے تھے، بلکہ آپ نے صحابہ کو ان کے ساتھ کلام کرنے سے منع فرما دیا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اجازت دے، اور یہ ایک مخصوص واقعہ ہے اس میں کوئی عام حکم نہیں ہے۔اور اس کا حکم جرم کرنے والے کے جرم کی نوعیت سے مختلف ہوتا ہے۔

امام بخاری نے اس باب کی تعلیق میں کہا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: شراب پینے والوں کو سلام نہ کرو۔ یہ تعلیق باب کے عنوان کے پہلے جز کے مطابق ہے، اس عنوان میں "شربة" کا لفظ ہے، یہ شارب کی جمع ہے۔علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ اہل لغت نے اس وزن پر جمع کو نہیں لکھا، انہوں نے کہا ہے کہ "شارب وشرب" جیسے "صاحب وصحب"۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فصحاء صحابہ میں سے ہیں اور کون سا لغوی ان کے مرتبہ کے برابر ہوگا، اور اس وزن پر جمع آتی ہے جیسے فاسق کی جمع "فسقة" اور کاذب کی جمع "كذبة"۔ اس تعلیق کو امام بخاری نے "الادب المفرد" میں سند موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔اور امام ابو جعفر طبری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس اثر کی روایت اسی طرح کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "لا تسلموا على شربة الخمر" یعنی شراب پینے والوں کو سلام نہ کرو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۴۔۳۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۵۵۔ حَدَّثَنَا ابْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن بکیر

عن ابن شهاب عن عبد الرحمن بن عبد الله بن كعب أن عبد الله بن كعب قال سمعت كعب بن مالك يحدث حين تخلف عن تبوك ونهى رسول الله ﷺ عن كلامنا وآتي رسول الله ﷺ فأسلم عليه فأقول في نفسي هل حرك شفتيه برد السلام أم لا حتى كملت خمسون ليلة وآذن النبي ﷺ بتوبة الله علينا حين صلى الفجر۔

نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب از عبدالرحمن بن عبداللہ بن کعب، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن کعب نے کہا: میں نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا جب وہ غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ہمارے ساتھ کلام کرنے سے صحابہ کو منع فرما دیا تھا، میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آتا تھا اور آپ کو سلام کرتا تھا، پھر میں اپنے دل میں سوچتا تھا: کیا حضور نے سلام کا جواب دینے کے لیے اپنے ہونٹ ہلائے ہیں یا نہیں، حتیٰ کہ پچاس راتیں گزر گئیں اور جب نبی ﷺ نے صبح کی نماز پڑھی تو آپ نے ہماری توبہ کے مقبول ہونے کا اعلان فرما دیا۔

(صحیح بخاری: ۴۴۱۸، صحیح مسلم: ۲۷۶۹، سنن ترمذی: ۳۱۰۲، سنن نسائی: ۳۴۲۲، سنن ابوداؤد: ۲۲۰۲، مسند احمد: ۱۵۳۶۲)

صحیح البخاری: ۶۲۵۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

یہ حدیث بہت طویل ہے جو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ کے متعلق ہے۔ امام بخاری نے اس کو غزوۂ تبوک میں تفصیل سے بیان کیا ہے اور یہاں امام بخاری نے اس کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور اس حدیث کی اتنی مقدار کو ذکر کیا ہے جس کی یہاں پر ضرورت تھی اور اسی کے مطابق یہاں پر عنوان قائم کیا ہے کہ جو شخص نافرمانی کرے اس کو تادیباً سلام نہ کیا جائے اور تادیباً اس کے سلام کا جواب نہ دیا جائے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ سلام کو پھیلایا جائے اور یہ حکم عام ہے، تو میں کہوں گا: جمہور کے نزدیک اس عموم سے فاسق کے سلام اور اس کے جواب کو خاص کر لیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن بکیر، اور یہ یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عقیل، یہ عقیل بن خالد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالرحمن بن عبداللہ، یہ ابن کعب بن مالک الانصاری السلمی المدنی ہیں، یہ اپنے والد عبداللہ بن کعب سے روایت کرتے ہیں، اور عبداللہ اس حدیث کو اپنے والد حضرت کعب بن مالک الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے"وآتی" یہ مضارع کا صیغہ ہے یعنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۴۔۳۸۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۵، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اہلِ معاصی کو ان کی تادیب کے لیے سلام نہ کرنا پہلے مسلمانوں کی سنت ہے، جیسا کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے تین اصحاب کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے جو غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ اور اکثر اہلِ علم نے یہی کہا ہے کہ اہلِ بدعت کی تادیب کے لیے ان کو سلام نہ کیا جائے۔ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ نے فرمایا: جو عادی شرابی ہو اس کو سلام نہ کرو، اور جو لہو ولعب میں مشغول ہو اس کو سلام نہ کرو۔

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ یزید بن ابی حبیب سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: اگر تم ایسے لوگوں کے پاس سے گزرو جو شطرنج کھیل رہے ہوں تو ان کو سلام نہ کرو۔ (شعب الایمان: ۶۵۲۶)

امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ سعید بن جبیر جب ان لوگوں کے پاس سے گزرتے جو چوسر کھیلتے تھے تو ان کو سلام نہ کرتے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۶۱۶۴)

امام مالک نے اجازت دی ہے کہ جو شخص دائماً لہو ولعب میں مشغول نہ ہو، کبھی کبھی لہو ولعب میں مشغول ہوتا ہو تو اس کو سلام کرنا جائز ہے۔

اسی طرح حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب سے کلام نہ کرنے کا معنی ہے: جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تادیباً ان پر غم وغصہ کا اظہار فرمایا تھا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ۔ (النساء: ۳۴)

اور تم کو جن عورتوں کی نافرمانی کا اندیشہ ہو تو ان کو نصیحت کرو اور ان کو ان کے بستروں پر اکیلا چھوڑ دو، اور ان کو (تادیباً) مارو۔

امام بخاری کے عنوان کا دوسرا جزو یہ ہے کہ گناہ کرنے والے کی توبہ کب تک ظاہر ہوگی؟

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں: اس کی کوئی حد معین نہیں ہے، لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے توبہ کرتے ہی اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور نہ اسی دن اس کی توبہ قبول ہوگی، حتیٰ کہ اس کے اوپر اتنا عرصہ گزر جائے جس عرصہ میں قرائن سے اس کی توبہ کا صحیح ہونا معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے گناہ پر نادم ہو اور اس کی تلافی کرنے کے درپے ہو۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۳۶۔۳۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فاسق اور مرتکب معصیت کی توبہ کی کوئی حد معین نہ ہونے پر دلیل

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دو صاحبوں کے متعلق توبہ کے مقبول ہونے کی کوئی حد معین نہیں ہوئی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں توقف فرمایا تھا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی وحی کا انتظار فرمایا تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ ان کی توبہ قبول ہوگئی۔

بدعتی اور فاسق سے سلام اور کلام کے منقطع ہونے پر دلیل

مبتدع اور جس نے کسی بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہو اس کو سلام نہیں کرنا چاہیے اور نہ اس کے سلام کا جواب دینا چاہیے جیسا کہ امام بخاری اور دیگر علماء نے ذکر کیا ہے اور انہوں نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے قصہ سے استدلال کیا ہے۔ اور اگر کوئی شخص ظالموں کو سلام کرنے پر مجبور ہو جائے تو انہیں اس نیت سے السلام علیکم کہے کہ سلام اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص دائماً شراب نوشی کرتا ہو، اس کو سلام نہ کرو اور نہ اس کو سلام کرو جو اپنے ماں باپ کے ساتھ برا سلوک کرتا ہو۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۸۶۔ ۸۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بکثرت مذاق کرنے والے اور فحش باتیں کرنے والے کے متعلق فقہائے اسلام کا نظریہ

بعض فقہائے احناف نے اس کے ساتھ ان گناہ کرنے والوں کو لاحق کیا ہے جو بکثرت مذاق کرتے ہیں، لہو ولعب میں مشغول رہتے ہیں اور فحش باتیں کرتے ہیں اور بازاروں میں بیٹھتے ہیں تاکہ گزرنے والی عورتوں کو تاڑیں، اور اس طرح کے بیہودہ کام کرنے والوں کو بھی ان کے ساتھ لاحق کیا ہے۔

اور علامہ ابن رشد مالکی نے کہا ہے کہ امام مالک نے فرمایا: جو لوگ اپنی بری خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں ان کو سلام نہ کیا جائے۔

اور علامہ ابن دقیق العید نے کہا ہے: یہ بطور تادیب ہے اور ان سے بیزاری سے اظہار کے لیے ہے۔

فساق، فجار سے سلام اور کلام کو منقطع کرنے کے متعلق دلائل

امام بخاری نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے قصہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ فساق فجار کو سلام نہ کیا جائے اور نہ ان کے سلام کا جواب دیا جائے۔ اور یہ قید لگانا کہ جو فاسق اپنے فسق پر توبہ نہ کرے، یہ عمدہ ہے لیکن حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے قصہ سے اس پر استدلال کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے جو گناہ سرزد ہو گیا تھا، وہ اس پر نادم ہوئے اور انہوں نے اس پر توبہ کی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ کلام کرنے کو مؤخر کر دیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی، اور اس کا

تقاضا یہ ہے کہ کسی فاسق سے کلام نہ کیا جائے حتیٰ کہ اس کی توبہ قبول ہو جائے، اور اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ کے قبول ہونے پر مطلع ہونا تو ممکن تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تو یہ ممکن نہیں ہے، پھر اس کی توبہ کے قبول ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے گناہ پر نادم ہو اور جو گناہ اس سے سرزد ہو گیا ہے تو اب دوبارہ اس گناہ کو نہ کرے۔

صحیح بخاری کی تعلیق کی تائید میں دیگر احادیث

امام ابو جعفر طبری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ شراب پینے والے اگر بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرو۔

اور امام سعید بن منصور نے سندِ ضعیف سے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو لوگ شراب پینے والے ہوں، ان کو سلام نہ کرو اور جب وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرو، اور جب وہ مر جائیں تو ان کی نمازِ جنازہ نہ پڑھو۔

امام ابن عدی نے بھی اس حدیث کی سندِ ضعیف کے ساتھ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کی ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں باہر نکلتا تھا اور مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے حاضر ہوتا تھا اور بازاروں میں پھرتا تھا اور مجھ سے کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے دیوار سے ان کے گھر میں جھانکا اور حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا۔

امام بخاری نے اس قصہ سے صرف اتنا ہی ذکر کیا ہے جس کی یہاں ضرورت تھی، تاکہ ان کا یہ عنوان ثابت ہو کہ جو شخص اللہ اور رسول کی نافرمانی کرے، اس سے تادیباً سلام کو ترک کر دیا جائے اور نہ اس کے سلام کا جواب دیا جائے۔ اور جس حدیث میں ہے کہ بہ کثرت سلام کرو، اس حدیث سے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مخصوص کی گئی ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے اس کے برعکس کہا۔ امام ابو جعفر طبری نے سندِ جید کے ساتھ ان سے روایت کی ہے کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے کوئی مسلمان گزرتا، یا عیسائی گزرتا، یا چھوٹا گزرتا یا بڑا گزرتا تو وہ اس پر سلام کرتے، ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا: ہمیں سلام کو پھیلانے کا حکم دیا گیا ہے اور گویا کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ اس حدیث پر مطلع نہیں ہوئے جس سے سلام پھیلانے کے اس حکمِ عام کو خاص کر لیا گیا ہے۔

کسی دینی یا دنیاوی ضرورت کی بناء پر غیر مسلموں کو سلام کی ابتداء کرنے کا جواز

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ کہا ہے کہ غیر مسلم کو سلام نہ کیا جائے، لیکن اگر کسی مسلمان کو کوئی دینی یا دنیاوی ضرورت ہو، مثلاً اس نے سفر میں رفاقت کا حق ادا کرنا ہو تو وہ سلام کر سکتا ہے۔ اور امام طبری نے سندِ صحیح کے ساتھ علقمہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا تو ایک دہقان ہمارا مصاحب ہو گیا یعنی ہمارے ساتھ سفر کرنے لگا، پھر جب ہمارے راستے الگ الگ ہوئے تو وہ اپنے راستہ پر چلا گیا، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نظر اس کا پیچھا کرتی رہی اور آپ نے فرمایا: السلام علیکم، علقمہ بیان کرتے ہیں، میں نے کہا: کیا آپ اس کو مکروہ قرار نہیں دیتے کہ غیر مسلموں سے سلام کی ابتداء کی جائے، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! لیکن یہ صحبت اور رفاقت کا حق ہے، اور ابو جعفر طبری نے بھی اسی کے موافق کہا اور کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مجلس والوں پر سلام کیا تھا جن میں مسلمان بھی تھے اور کفار بھی تھے، اور اس کا جواب اس سے

پہلے باب میں گزر چکا ہے۔ (فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۲۱۔ ۳۲۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۵، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فساق کو سلام کرنے اور ان کے سلام کا جواب دینے کے متعلق تفصیل

جس آدمی نے تنہائی میں گناہ کا ارتکاب کیا اور اس کا اعلان نہیں کیا اس کو سلام کیا جائے گا، کیونکہ سلام کرنے والے نے کوئی مخالفت نہیں کی۔ اور اصل یہ ہے کہ مسلمان کو ابتداءً سلام کیا جائے اور اس کے سلام کا جواب دیا جائے۔ اور اگر کوئی شخص کھلم کھلا گناہ کا ارتکاب کرتا ہو مثلاً شراب پیتا ہو تو جس وقت وہ شراب پی رہا ہو اس وقت اس کو سلام نہ کیا جائے اور اس کے بعد اس کو سلام کرنا جائز ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے وہ شخص اس کو سلام کر کے اس کو نیکی کا حکم دینا چاہتا ہو اور برائی سے روکنا چاہتا ہو۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۶۰، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۲۔ بَابٌ: كَيْفَ يُرَدُّ عَلَى أَهْلِ الذِّمَّةِ السَّلَامُ؟

اس کا بیان کہ ذمیوں کو سلام کا جواب کس طرح دیا جائے؟

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں اہل ذمہ کے سلام کے جواب کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے، اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ اہل ذمہ کے سلام کا جواب دینا منع نہیں ہے، اس لیے امام بخاری نے ان کے جواب کی کیفیت کے متعلق عنوان قائم کیا ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: ایک قوم نے یہ کہا ہے کہ اہل ذمہ کے سلام کا جواب دینا فرض ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بطور عموم فرمایا ہے:

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا۔ (النساء: ۸۶)

اور جب تم کو کسی لفظ سے سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر لفظ کے ساتھ سلام کرو یا اسی لفظ کو لوٹا دو۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ جو شخص تم کو سلام کرے تو تم اس کے سلام کا جواب دو خواہ وہ مجوسی ہو، اور شعبی اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک اور جمہور فقہاء نے اس سے منع کیا ہے۔ اور عطاء نے کہا کہ یہ آیت مسلمین کے ساتھ مخصوص ہے، لہٰذا کفار کے سلام کا مطلقاً جواب نہ دیا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۵۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ دَخَلَ رَهْطٌ مِنَ الْيَهُودِ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عروہ نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

فَقَالُوا السَّامُ عَلَيْكَ فَفَهِمْتُهَا فَقُلْتُ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَهْلًا يَا عَائِشَةُ فَإِنَّ اللهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَدْ قُلْتُ وَعَلَيْكُمْ۔

نے بیان کیا کہ یہود کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی تو انہوں نے کہا: السام علیک، میں نے ان کی بات سمجھ لی تو میں نے کہا: تم پر سام (موت) ہو اور لعنت ہو، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ٹھہرو اے عائشہ! اللہ تعالیٰ تمام امور میں نرمی کو پسند فرماتا ہے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ نے نہیں سنا انہوں نے کیا کہا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے ان کو جواب دے دیا تھا "وعلیکم" (یعنی تم پر ہو)۔

(صحیح بخاری: ۲۹۳۵، ۶۰۲۴، ۶۰۳۰، ۶۲۵۶، ۶۳۹۵، ۶۴۰۱، ۶۹۲۷، صحیح مسلم: ۲۱۶۵، سنن ترمذی: ۲۷۰۱، سنن ابن ماجہ: ۳۶۹۸، مسند احمد: ۲۳۵۷۰)

صحیح البخاری: ۶۲۵۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، یہ الحکم بن نافع ہیں، اور یہ حدیث کتاب الادب میں اس باب میں گزر چکی ہے کہ نبی ﷺ فحش کلام نہیں فرماتے تھے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "السام" اس کا معنی ہے: موت۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: تم پر فوراً موت آئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقلت وعلیکم السام واللعنۃ" اور ابوملیکہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تم پر اللہ کی لعنت ہو اور تم پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ اور صحیح مسلم میں ہے "بلکہ تم پر موت آئے اور مذمت آئے"۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کفار کے سلام کے جواب کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اہل کتاب تم کو سلام کریں تو تم کہو "وعلیکم"۔

(صحیح البخاری: ۶۹۲۶، صحیح مسلم: ۲۱۶۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب یہود تم کو سلام کریں تو ان میں سے کوئی ایک کہتا ہے: "السام علیک" تو تم کہو: "وعلیک"۔ (یعنی وہ کہتے ہیں: تم پر موت ہو تو تم کہو: اور تم پر ہو)۔ (صحیح البخاری: ۶۹۲۸، صحیح مسلم: ۲۱۶۴)

السام کا معنی

امام ابوعبید نے کہا ہے: السام کا معنی موت ہے۔ اور قتادہ نے اس کی تاویل کی ہے، کہ وہ کہتے ہیں کہ تمہارے دین پر موت آجائے۔

سعید نے بیان کیا از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، ایک یہودی آیا اور اس نے آپ کو سلام کیا تو صحابہ نے اس کے سلام کا جواب دیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو اس نے کیا کہا؟ صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! اس نے سلام کیا ہے، آپ نے فرمایا: اس نے کہا ہے '' سام علیکم'' یعنی تمہارے دین پر موت آئے۔

(تفسیر طبری ج ۱۲ ص ۱۵، صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۵۶)

اور ایک روایت میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا: ''علیکم السام والذام'' یعنی تم پر موت آئے اور تمہاری مذمت ہو یا تم پر دائمی موت آئے۔ (صحیح مسلم: ۲۱۶۵)

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ایک روایت میں ''وعلیکم'' کے الفاظ ہیں اور دوسری روایت میں ''علیکم'' کے الفاظ ہیں اور بغیر واؤ کے ''علیکم'' کے الفاظ زیادہ بہتر ہیں، کیونکہ واؤ حرف تشریک ہے۔ اس کا معنی ہے کہ تم بھی اس میں شریک ہو۔

(غریب الحدیث للخطابی ج ۱ ص ۳۲۲)

علامہ ابن حبیب نے کہا ہے: جب تم نے کہا ''وعلیک'' تو تم نے اپنے نفس پر بھی اس کو محقق کر دیا جو اس نے کہا اور اپنے نفس کو اس کے ساتھ شریک کر دیا، لیکن تم کہو: علیک، گویا کہ تم نے اس کے قول کو اس کے اوپر رد کر دیا اور شاید کہ علامہ ابن حبیب تک یہ حدیث نہیں پہنچی۔

اہل ذمہ کو سلام کا جواب دینے میں مذاہب فقہاء

بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اہل ذمہ کے سلام کا جواب دینا فرض ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا۔ اور جب تم کو کسی لفظ سے سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر لفظ کے ساتھ سلام کرو یا اسی لفظ کو لوٹا دو۔ (النساء: ۸۶)

حضرت ابن عباس اور قتادہ اور دوسروں نے کہا: یہ آیت مسلمانوں کے سلام کا جواب دینے اور کفار کے سلام کا جواب دینے، دونوں کے متعلق عام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ''أَوْ رُدُّوهَا'' اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار سے کہو ''وعلیکم''۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے جو بھی تم کو سلام کرے تو اس کے سلام کا جواب دو خواہ وہ مجوسی ہو۔

(تفسیر طبری ج ۴ ص ۱۹۱)

علامہ ابن وہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ یہودی اور نصرانی کے سلام کا جواب نہ دو، اگر تم جواب دو تو کہہ دو ''علیک''۔

(المنتقی ج ۷ ص ۲۸۰۔۲۸۱)

علامہ ابن عبد الحکیم نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ یہودی اور نصرانی کی کنیت رکھنا جائز ہے اور ان کی عیادت کرنا بھی جائز

ہے اور یہ سلام کا جواب دینے سے بڑی بات ہے۔ (المنتقی ج ۳ ص ۳۴۳)

اور یحییٰ نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ ان سے سوال کیا گیا: جس شخص نے یہودی یا نصرانی کو سلام کیا تو کیا وہ اس سے اپنے سلام کو واپس لے؟ تو امام مالک نے کہا: نہیں! (المؤطا ج ۲ ص ۹۶۰)

اور ابن وہب نے کہا کہ یہود اور نصاریٰ کو سلام کرو اور اس آیت سے استدلال کیا:

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔ (البقرہ: ۸۳) اور لوگوں سے اچھی باتیں کرو۔

اور انہوں نے اس آیت سے بھی استدلال کیا:

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ (الزخرف: ۸۹) آپ ان سے درگزر کیجئے اور کہیے: بس ہمارا سلام! پس یہ عنقریب جان لیں گے ○

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ آیت قتال اور جہاد کی آیات سے منسوخ ہو گئی ہے، اور کہا گیا ہے کہ ان کو سلام کا جواب نہ دیا جائے اور سلام کا جواب دینے کی آیت اہل اسلام کے ساتھ خاص ہے۔ یہ عطاء کا قول ہے۔ (تفسیر طبری ج ۴ ص ۹۱)

اور شارع علیہ السلام نے یہودی کے سلام کا جواب ''وعلیکم'' کے لفظ کے ساتھ دیا ہے، لہٰذا عطاء کا قول ساقط ہو گیا۔

علامہ المہلب المالکی نے کہا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی معزز آدمی یا سلطان کی طرف سے بدلہ لینا جائز ہے، کیونکہ جب یہود نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ''السام علیک'' تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''علیکم السام واللعنة'' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لیے صرف ''وعلیک'' کہہ دینا کافی ہے۔

المعونة میں مذکور ہے کہ صحیح یہ ہے کہ ان سے کہا جائے: ''السلام علی من اتبع الهدیٰ'' جو ہدایت کا پیروکار ہو اس پر سلام ہو، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کے متعلق فرمایا تھا۔ (صحیح البخاری: ۷، صحیح مسلم: ۱۷۷۳)

جس شخص نے کسی کو مسلمان سمجھ کر سلام کیا، پھر اس کو معلوم ہو گیا کہ یہ تو کافر ہے تو مستحب یہ ہے کہ وہ اس سے اپنا سلام واپس لے لے اور اس سے کہے کہ میرا سلام مجھے واپس کر دو۔ اور اس سے مقصود یہ ہے کہ وہ اس شخص کو وحشت میں ڈالے اور یہ ظاہر کرے کہ ان دونوں کے درمیان الفت اور محبت نہیں ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک مرد کو سلام کیا، پس انہیں بتایا گیا کہ یہ تو یہودی ہے تو انہوں نے اس کا پیچھا کیا اور کہا: میرا اسلام مجھے واپس کر دو۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۹۴۵۸، مکتب اسلامی، بیروت)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۸۸۔۹۱، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۶، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہود کو لعنت کرنے کا بیان

اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ جب یہود نے کہا ''السام علیک'' تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں فرمایا: ''علیکم،

السام واللعنۃ'' تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو ان کے کلام سے زیادہ سخت جواب دیا اور وہ اس کے اہل بھی تھے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود اور نصاریٰ پر اللہ عزوجل کی لعنت ہو، انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

(صحیح البخاری: ۴۱۷، صحیح مسلم: ۸۲۶، سنن نسائی: ۶۹۶)

لیکن یہ مقام اس کا تقاضا نہیں کرتا تھا، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھہرو اے عائشہ! اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں نرمی کو پسند فرماتا ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۰۲۴، صحیح مسلم: ۲۱۶۵، سنن ترمذی: ۲۷۰۱، سنن ابن ماجہ: ۳۶۸۹)

پس یہ عظیم کلمہ ہے جو ہر معاملہ میں نرمی کرنے پر مشتمل ہے، خواہ عبادات ہوں، معاملات ہوں، یا مخاطبات ہوں، نیکی کا حکم دینا ہو یا برائی سے روکنا ہو، اللہ تعالیٰ ہر چیز میں نرمی کو پسند فرماتا ہے، پس اس کو تم قاعدہ بنالو اور اس کو تمام احوال میں جاری کرو، اور تم نرم ہو جاؤ خواہ تمہارے ساتھ کوئی نرمی نہ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو نرمی کرنا پسندیدہ ہے اور یہ کافی ہے، اور جب تم اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں وہ کرو گے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں عمدہ اجر دے گا۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۶۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۲۵۷ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمُ الْيَهُودُ فَإِنَّمَا يَقُولُ أَحَدُهُمُ السَّامُ عَلَيْكَ فَقُلْ وَعَلَيْكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از عبداللہ بن دینار از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کو یہود سلام کریں تو ان میں سے کوئی ایک شخص تم سے کہتا ہے: السام علیک (یعنی تم پر موت آئے) تو تم جواب میں کہو: ''وعلیک''۔

(صحیح بخاری: ۶۹۲۸، صحیح مسلم: ۲۱۶۴، سنن ترمذی: ۱۶۰۳، سنن ابوداؤد: ۵۲۰۶، مسند احمد: ۴۵۶۳، موطا امام مالک: ۱۷۹۰، سنن دارمی: ۲۶۳۵)

صحیح البخاری: ۶۲۵۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں اہل ذمہ کے سلام کے جواب دینے کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اہل ذمہ کو سلام کرنے کے دیگر مباحث اور بقیہ احادیث

اس حدیث میں مذکور ہے ''فقل وعلیک'' اس حدیث میں واؤ کا ذکر کیا گیا ہے اور الموطا میں بغیر واؤ کے مذکور ہے۔ اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ واؤ کے ساتھ اپنے ظاہر پر محمول ہے یعنی تم پر بھی موت آئے گی، کیونکہ ہم اور تم اس میں برابر ہیں، ہم سب پر موت آنی ہے۔ اسی طرح حدیث سابق میں جو ''وعلیکم'' ہے اس کی بھی یہی شرح ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس حدیث میں واؤ

استیناف کے لیے ہے عطف کے لیے نہیں ہے اور اصل عبارت یوں ہے ''تم پر وہ نازل ہو جس مذمت کے تم مستحق ہو''۔ اور قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: ''تم پر وہ چیز نازل ہو جس کا تم ہمارے ساتھ ارادہ کرتے ہو یا جس کے تم مستحق ہو''۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۵۸۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَنَسٍ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ فَقُولُوا وَعَلَيْكُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن ابی بکر بن انس نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم کو اہل کتاب سلام کریں تو تم کہو وعلیکم۔

(صحیح بخاری: ۶۹۲۶، صحیح مسلم: ۲۱۶۳، سنن ترمذی: ۳۳۰۱، سنن ابوداؤد: ۵۲۰۷، سنن ابن ماجہ: ۳۶۹۷، مسند احمد: ۱۱۵۳۷)

صحیح البخاری: ۶۲۵۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ہشیم کا ذکر ہے، یہ ابن بشیر الواسطی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبید اللہ ابن ابی بکر بن انس بن مالک انصاری کا ذکر ہے، یہ اپنے دادا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

یہ حدیث امام بخاری کے تفردات میں سے ہے، ایک قول یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: تم کہو ''وعلیکم السِلام'' (سین کے نیچے زیر) اور اس کے معنی ہیں پتھر، یعنی تم پر پتھر برسیں۔ اور حافظ ابو عمر ابن عبد البر نے اس کو رد کر دیا ہے، کیونکہ ہمارے لیے اہل ذمہ کو سب وشتم کرنا مشروع نہیں ہے۔

اور طاؤس سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: یوں کہو ''وعلاکم السلام'' (الف کے ساتھ) جس کے معنی ہیں بلندی، حافظ ابو عمر ابن عبد البر نے اس کو بھی مسترد کر دیا ہے اور متقدمین کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ ان کے سلام کے جواب میں یہ کہنا جائز ہے ''علیکم السلام'' جیسا کہ مسلمان کے سلام کے جواب میں کہا جاتا ہے، اور بعض علماء نے درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٩﴾ (الزخرف: ۸۹)

آپ ان سے درگزر کیجئے اور کہیے: بس ہمارا سلام! پس یہ عنقریب جان لیں گے O

یہ علامہ ماوردی شافعی نے بعض شافعیہ سے نقل کیا ہے، لیکن یہ نہ کہا جائے: ورحمۃ اللہ، اور کہا گیا ہے کہ مطلقاً ان کے سلام کا جواب دینا جائز ہے۔ اور حضرت ابن عباس اور علقمہ سے روایت ہے کہ ضرورت کے وقت انہیں سلام کا جواب دینا جائز ہے، اور

حنفیوں کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ ان کے سلام کا بالکل جواب نہ دیا جائے۔ اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اہل ذمہ اور اہل حرب کے جواب میں فرق کیا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۳۔ بَابُ: مَنْ نَظَرَ فِي كِتَابِ مَنْ يُحْذَرُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ لِيَسْتَبِينَ أَمْرُهُ

کسی کے اس مکتوب کو پڑھنے کا جواز جس میں مسلمانوں کے خلاف کوئی بات لکھی ہوتا کہ صورت حال منکشف ہو جائے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص کے مکتوب میں مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش لکھی ہو تو اس کا پڑھنا جائز ہے تاکہ اصل صورت حال معلوم ہو جائے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے: جس نے اپنے بھائی کے مکتوب کو اس کی اجازت کے بغیر دیکھا تو گویا کہ اس نے دوزخ کو دیکھا۔

علامہ عینی اس حدیث کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے اس شخص کے مکتوب کو خاص کر لیا جائے گا جس نے مسلمانوں کے خلاف کوئی بات لکھی ہو، کیونکہ کسی سازش کو دور کرنا زیادہ اہم ہے بہ نسبت بغیر اجازت کسی کے خط کو پڑھنے کے، علاوہ ازیں یہ حدیث ضعیف ہے اور صحیح بخاری کی حدیث کے پائے کی نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۵۹۔ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ بُهْلُولٍ حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ قَالَ حَدَّثَنِي حُصَيْنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ رضي الله عنهُ قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ وَالزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ وَأَبَا مَرْثَدٍ الْغَنَوِيَّ وَكُلُّنَا فَارِسٌ فَقَالَ انْطَلِقُوا حَتَّى تَأْتُوا رَوْضَةَ خَاخٍ فَإِنَّ بِهَا امْرَأَةً مِنَ الْمُشْرِكِينَ مَعَهَا صَحِيفَةٌ مِنْ حَاطِبِ بْنِ أَبِي بَلْتَعَةَ إِلَى الْمُشْرِكِينَ قَالَ فَأَدْرَكْنَاهَا تَسِيرُ عَلَى جَمَلٍ لَهَا حَيْثُ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ قُلْنَا أَيْنَ الْكِتَابُ الَّذِي مَعَكِ قَالَتْ مَا مَعِي كِتَابٌ فَأَنَخْنَا بِهَا فَابْتَغَيْنَا فِي رَحْلِهَا فَمَا وَجَدْنَا شَيْئًا قَالَ صَاحِبَايَ مَا نَرَى كِتَابًا قَالَ قُلْتُ لَقَدْ عَلِمْتُ مَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یوسف بن بہلول نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ادریس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حصین بن عبدالرحمن نے حدیث بیان کی از سعد بن عبیدہ از ابوعبدالرحمن السلمی از حضرت علی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اور حضرت الزبیر بن العوام اور ابومرثد الغنوی رضی اللہ عنہم کو بھیجا اور ہم سب گھوڑوں پر سوار تھے، آپ نے فرمایا: تم روضہ خاخ میں جاؤ، کیونکہ وہاں مشرکین کی ایک عورت ہے اس کے ساتھ حاطب بن ابی بلتعہ کا ایک مکتوب ہے جو مشرکین کی طرف انہوں نے بھیجا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم تھوڑی دور گئے جہاں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا تھا تو ہم نے اس عورت کو پکڑ لیا، ہم نے اس سے کہا: وہ خط کہاں ہے جو تمہارے پاس ہے؟ اس نے کہا:

كَذَبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَالَّذِي يُحْلَفُ بِهِ لَتُخْرِجِنَّ الْكِتَابَ أَوْ لَأُجَرِّدَنَّكِ قَالَ فَلَمَّا رَأَتِ الْجِدَّ مِنِّي أَهْوَتْ بِيَدِهَا إِلَى حُجْزَتِهَا وَهِيَ مُحْتَجِزَةٌ بِكِسَاءٍ فَأَخْرَجَتِ الْكِتَابَ قَالَ فَانْطَلَقْنَا بِهِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ مَا حَمَلَكَ يَا حَاطِبُ عَلَى مَا صَنَعْتَ قَالَ مَا بِي إِلَّا أَنْ أَكُونَ مُؤْمِنًا بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَمَا غَيَّرْتُ وَلَا بَدَّلْتُ أَرَدْتُ أَنْ تَكُونَ لِي عِنْدَ الْقَوْمِ يَدٌ يَدْفَعُ اللهُ بِهَا عَنْ أَهْلِي وَمَالِي وَلَيْسَ مِنْ أَصْحَابِكَ هُنَاكَ إِلَّا وَلَهُ مَنْ يَدْفَعُ اللهُ بِهِ عَنْ أَهْلِهِ وَمَالِهِ قَالَ صَدَقَ فَلَا تَقُولُوا لَهُ إِلَّا خَيْرًا قَالَ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِنَّهُ قَدْ خَانَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ فَدَعْنِي فَأَضْرِبَ عُنُقَهُ قَالَ فَقَالَ يَا عُمَرُ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللهَ قَدِ اطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ وَجَبَتْ لَكُمُ الْجَنَّةُ قَالَ فَدَمَعَتْ عَيْنَا عُمَرَ وَقَالَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ۔

میرے پاس کوئی خط نہیں ہے، ہم نے اس کو نیچے بٹھایا اور ہم نے اس کے پالان کے سامان کی تلاشی لی اس میں کوئی چیز نہیں تھی، میرے دونوں ساتھیوں نے کہا: ہم نے تو کوئی مکتوب نہیں دیکھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں خوب جانتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ نہیں بولا، اور جس ذات کی قسم کھائی جاتی ہے تم ضرور وہ خط نکالو ورنہ میں تمہارے کپڑے اتار دوں گا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب اس نے دیکھا کہ میں اس بات میں سنجیدہ ہوں تو اس نے ازار باندھنے کی جگہ کی طرف ہاتھ بڑھایا، وہ ایک چادر ازار کے طور پر باندھی ہوئی تھی اور خط نکالا، ہم وہ خط لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے، آپ نے فرمایا: اے حاطب! تمہیں اس کام پر کس نے برانگیختہ کیا؟ تو حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوں کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والا ہوں، اور میں نے اس ایمان میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں کیا، میں نے ارادہ کیا کہ میرا ان مشرکین کے اوپر کوئی احسان ہو جائے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ میرے اہل اور مال سے ان کے شر کو دور کر دے، اور آپ کے جتنے بھی اصحاب یہاں پر ہیں ان کے پاس ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے اہل اور مال سے مشرکین کے شر کو دور فرمادے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے سچ کہا ہے تم اس کے متعلق خیر کے سوا اور کچھ نہ کہو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: پس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی ہے، آپ مجھے چھوڑیں میں اس کی گردن اڑا دیتا ہوں، آپ نے فرمایا: اے عمر! تمہیں کیا پتا اللہ تعالیٰ اہل بدر کی طرف متوجہ ہوا، پس فرمایا: تم جو چاہے عمل کرو تمہارے لیے جنت واجب ہو گئی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور کہا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۰۰۷، ۳۰۸۱، ۳۹۸۳، ۴۲۷۴، ۴۸۹۰، ۶۲۵۹، ۶۹۳۹، صحیح مسلم: ۲۴۹۴، سنن ترمذی: ۳۳۰۵، سنن ابوداؤد: ۲۶۵۰، مسند احمد: ۶۰۱)

صحیح البخاری: ۶۲۵۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "جس مکتوب میں مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش لکھی ہو اس کو پڑھنے کا جواز" اور بعض سندوں کے ساتھ روایت ہے کہ مکتوب کو کھولنا اور لکھنے والے کی اجازت کے بغیر اس کو پڑھنا تا کہ اصل معاملہ معلوم ہو جائے، یہ حدیث کتاب الجہاد میں "باب الجاسوس" میں گزر چکی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم اس مکتوب کو لے آئے جو حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے ساتھ بھیجا تھا، اس مکتوب میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے بعض مشرکین مکہ کی طرف یہ لکھ کے بھیجا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

یہ حدیث کتاب المغازی کے غزوہ بدر میں گزر چکی ہے اس باب میں "باب فضل من شهد بدراً"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یوسف بن بُہلول کا ذکر ہے، یہ التمیمی الکوفی ہیں جو ۲۱۸ھ میں فوت ہو گئے تھے، ائمہ ستہ میں سے صرف امام بخاری نے ان سے حدیث روایت کی ہے، اور صحیح بخاری میں صرف ان سے یہی حدیث روایت کی گئی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن ادریس کا ذکر ہے، وہ عبداللہ بن ادریس بن یزید اودی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں حصین کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالرحمٰن ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سعد بن عبیدہ کا ذکر ہے، یہ ابوعبدالرحمٰن کے داماد ہیں اور ابوعبدالرحمٰن کا نام عبداللہ بن حبیب السلمی ہے۔ اس حدیث کے تمام رجال کوفی ہیں۔ اور ابومرثد ابن حصین الغنوی ہیں، اور کتاب الجہاد میں ابومرثد کی جگہ حضرت مقداد کا ذکر ہے، اس میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی ساتھ ہوں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "خاخ" یہ ایک جگہ کا نام ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فان بها امراة" اس عورت کا نام سارہ تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فابتغینا" یعنی ہم نے اس کے پالان میں سامان کی تلاشی لی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اهوت بیدها" یعنی اس عورت نے ازار باندھنے کی جگہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وما غیّرت" یعنی میں نے دین اسلام میں کوئی تغیر نہیں کیا اور میں مرتد نہیں ہوا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ید" یعنی میرا ان پر کوئی احسان ہو جائے اور میری طرف سے ان پر کوئی نعمت ہو جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اعملوا" یعنی آخرت میں تمہاری مغفرت ہو جائے گی، سوا اس کے کہ اگر ان میں سے کوئی ایسے جرم کا

مرتکب ہوا جس پر حد واجب ہوتی ہو تو اس پر حد جاری کی جائے گی یا کسی کا حق اس پر واجب ہو تو وہ حق اس سے وصول کیا جائے گا۔
علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس سے معلوم ہوا کہ جس نے گناہ کیا ہے اس کی پردہ دری کرنا جائز ہے اور جو عورت نافرمان ہو اس کے کپڑے اتارنا جائز ہیں۔ اور جب مسلمانوں کی کوئی مصلحت ہو تو کسی کے مکتوب کو بغیر اجازت کے پڑھنا جائز ہے، کیونکہ ایسی صورت میں لکھنے والے کی کوئی حرمت نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۸۔۳۸۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہ کرنے والے کے پردہ کو چاک کرنا جائز ہے، اور جو عورت نافرمانی کرے اس کے کپڑے اتارنا جائز ہیں، اور جس حدیث میں یہ روایت ہے کہ کسی کے خط کو نہیں پڑھنا چاہیے اور یہ حرام ہے، اور اس سلسلہ میں جو تغلیظ آئی ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے:
امام ابوداؤد از محمد بن کعب القرظی روایت کرتے ہیں کہ مجھے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دیوار پر پردے نہ ڈالو اور جس نے اپنے بھائی کے خط میں اس کی اجازت کے بغیر دیکھا تو وہ صرف دوزخ کی آگ کو دیکھتا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۴۸۵)
امام ابوداؤد نے کہا: یہ حدیث متعدد سندوں کے ساتھ محمد بن کعب سے مروی ہے اور یہ تمام سندیں ضعیف ہیں۔ اور امام ابوداؤد کی سند بھی ضعیف ہے۔ (المعجم الطبرانی: ۱۰۷۸۱، مسند الشہاب ج ۱ ص ۲۸۴)
یہ حدیثیں بھی ضعیف ہیں۔

اگر کسی کے مکتوب میں مسلمانوں کے خلاف کسی سازش کا ذکر ہو تو اس کی اجازت کے بغیر اس خط کو پڑھنا جائز ہے

برتقدیرِ ثبوت اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جس شخص کے مکتوب میں خیر کے سوا اور کچھ نہ لکھا ہو اور اگر اس نے مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش کی ہو یا مسلمانوں کے خلاف لکھا ہو تو اس کی کتاب کی کوئی حرمت اور عزت نہیں ہے اور نہ اس شخص کی کوئی حرمت اور عزت ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کسی عورت کو غیر محرم کے لیے برہنہ دیکھنا جائز نہیں ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ وہ اس کے کپڑے اتار دیں گے اگر اس نے وہ خط نہیں نکالا، اور انہوں نے قسم کھا کر فرمایا کہ اگر تم نے خط نہیں نکالا تو تمہارے کپڑے اتار دیں گے۔ اور عورت کی حرمت مکتوب کی حرمت سے زیادہ ہے، اور جب اس عورت نے خیانت کی تو اس کی حرمت ساقط ہو گئی، اسی طرح اس مکتوب کی حرمت بھی ساقط ہو گئی۔

ضرورت کے وقت اجنبی شرمگاہ کو دیکھنے کا جواز

نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی عورت کی شرمگاہ کی طرف اس وقت دیکھنا جائز ہے کہ جب کوئی ایسی مصیبت نازل ہو کہ اس کی طرف دیکھنے کے بغیر اور کوئی چارہ نہ ہو، اور اس کی صحت پر دلیل درج ذیل حدیث ہے:
امام مالک از سہیل بن ابی صالح از والد خود از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ نے کہا: یا رسول

اللہ! یہ بتایئے کہ اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھوں تو کیا میں اس کو اتنی مہلت دوں کہ میں چار گواہ لے کر آؤں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! (الموطا ص ۴۵۹)

امام ابو جعفر طبری نے کہا: اور اگر چار گواہ آجائیں تب بھی ان کے لیے اس زانی مرد اور زانی عورت کی شرمگاہوں کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے اور ان کا حاضر ہونا اور ان کا غائب ہونا برابر ہے، کیونکہ زنا پر گواہی دینا جائز نہیں ہے سوا اس کے کہ وہ گواہ اس طرح گواہی دیں کہ انہوں نے اس طرح دیکھا ہے جیسے سلائی سرمہ دانی میں داخل ہوتی ہے۔ (اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت عورت اور مرد کو برہنہ دیکھنا جائز ہے اور یہاں پر ضرورت زنا کے ثبوت پر گواہی کو مہیا کرنا ہے)۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۹۳ - ۹۴ ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

امام بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم خط نکالو ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتار لیں گے، تو اس عورت نے اپنے بالوں کے گچھے کے اندر سے وہ خط نکالا۔ (صحیح البخاری: ۳۰۰۷)

جو عورت حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا مکتوب لے کر مشرکین کی طرف جا رہی تھی اس کا تذکرہ

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، لکھتے ہیں:

اس مسافرہ عورت کا نام سارہ تھا، یہ ابو عمرو بن صیفی بن ہاشم کی باندی تھی۔ اور اس کے نام میں اور بھی اقوال ہیں۔ حضرت حاطب نے یہ خط تین مشرکین کی طرف لکھا تھا (۱) صفوان بن امیہ (۲) سہیل بن عمرو (۳) عکرمہ بن ابی جہل۔ امام حاکم نے اکلیل میں بیان کیا ہے کہ یہ عورت علی الاعلان گاتی بجاتی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں اشعار پڑھتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اس کو قتل کرنے کا حکم دیا، سو یہ قتل کر دی گئی۔ لیکن ابو نعیم اور ابن مندہ دونوں نے ذکر کیا ہے کہ یہ عورت صحابیات میں سے تھی، اور قاضی اسماعیل نے حضرت حاطب کے قصہ میں لکھا ہے کہ جن صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلاش کے لیے بھیجا تھا، ان سے فرمایا تھا کہ وہاں مسلمانوں میں سے ایک عورت ہے جس کے پاس مشرکین کے نام ایک مکتوب ہے، اور صحابہ نے جب اس کے کپڑے اتارنے کا ارادہ کیا تو اس عورت نے کہا: کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ حاکم سے روایت ہے کہ اس عورت کو فتح مکہ کے دن قتل کر دیا گیا تھا اور ابو عبید البکری کی روایت میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ وہاں مشرکین میں سے ایک عورت ہوگی، اس میں مسلمین کی بجائے مشرکین کا لفظ ہے۔

اور علامہ واحدی نے اسباب النزول میں لکھا ہے کہ جب وہ عورت مدینہ میں آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: کیا تم مسلمان عورت آئی ہو؟ اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: پھر تم کیوں آئی ہو، اس نے کہا: میں کسی کام سے آئی ہوں، آپ نے فرمایا: تم قریش کے جوانوں سے کیسے بچ کر نکل گئیں؟ (اسباب النزول للواحدی: ۸۱۱)

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے مکتوب کے متن کے متعلق روایات

علامہ ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن احمد السہیلی المتوفی ۵۸۱ھ لکھتے ہیں:

اس مکتوب میں اس طرح لکھا ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرف رات کو ایک لشکر کے ساتھ آرہے ہیں اور اللہ کی قسم کھا کر کہا:

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا بھی تمہاری طرف جاتے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو تم پر فتح عطا فرماتا اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو ان کے اوپر پورا فرماتا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کا ولی ہے اور آپ کا مددگار ہے، اور تفسیر ابن سلام میں لکھا ہے کہ اس میں لکھا ہوا تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا تمہاری طرف روانہ ہو رہے ہیں یا کسی اور کی طرف، سو تم پر احتیاط لازم ہے۔ (الروض الانف ج ۴ ص ۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ)

دوسرا قول یہ ہے کہ اس مکتوب میں یہ لکھا ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مکہ پر حملہ کی اجازت دے دی ہے، اور میری یہ رائے نہیں ہے کہ آپ نے تمہارے علاوہ اور کسی کا ارادہ کیا ہو، تو میں نے پسند کیا کہ میرا تم پر احسان ہو کہ میں اس مکتوب سے تمہیں خبر دے رہا ہوں۔

اور علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ منقول ہے کہ انہوں نے اپنے مکتوب میں لکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر بہت عظیم ہے اور تم ان سے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے۔ (المفہم شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۴۴۰)

العِقاص یعنی بالوں کے گچھے کا معنی

کہا جاتا ہے کہ بالوں کا گچھا انار کی مثل ہوتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک دھاگے سے بالوں کی مینڈھیوں کو باندھ دیا جاتا ہے اور علامہ ابن التین نے وثوق سے کہا ہے کہ العِقاص اس دھاگے کو کہتے ہیں جس سے مینڈھیوں کی اطراف کو باندھ دیا جاتا ہے۔ اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ اس عورت نے اس مکتوب کو اپنے ازار باندھنے کی جگہ سے نکالا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو منافق کہا، اس کی توجیہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ پر نفاق کے لفظ کا اطلاق کیا، کیونکہ انہوں نے کفارِ قریش کی مدد کی، حالانکہ ان کے باطن میں یہ تھا کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے جو یہ مکتوب لکھا تھا وہ ایک تاویل سے لکھا تھا اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرر پہنچانے کا ارادہ نہیں کیا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی نیت کے صدق کو ظاہر فرما دیا اور ان کو اس سے نجات عطا فرمائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن اڑا دوں، کیونکہ اس نے کفر کیا ہے۔

علامہ باقلانی نے کہا کہ ہو سکتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہو کہ اس نے کفرانِ نعمت کیا ہے اور ان سے ان کی یہ مراد نہ ہو کہ یہ اسلام کے بعد کافر ہو گیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَ اِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَ اَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَ مَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ① (الممتحنہ: ۱)

اے ایمان والو! میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ وہ اس حق کا کفر کرتے ہیں جو تمہارے پاس آ چکا ہے۔ وہ رسول کو اور تمہیں اس وجہ سے نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو، اگر تم میرے راستہ میں جہاد کرنے اور میری رضا طلب کرنے کے لیے نکلے ہو (تو ان سے دوستی نہ رکھو) تم ان کی طرف دوستی کا خفیہ پیغام بھیجتے ہو، اور میں خوب جانتا ہوں جس کو تم نے چھپایا اور جس کو تم نے ظاہر کیا اور تم میں سے جو ایسا کرے گا وہ راہِ راست سے

بھٹک گیاO۔

اس آیت میں بھی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے ایمان پر دلیل ہے، کیونکہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا واقعہ اس آیت کے نزول سے پہلے کا ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو منع فرمایا ہے کہ وہ اللہ کے دشمنوں سے دوستی نہ کریں، تو اگر حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے مشرکین مکہ سے دوستی رکھی بھی تھی تب بھی وہ مومنین کے خطاب میں داخل ہیں۔

اہلِ بدر کے لیے عمومی مغفرت کی بشارت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ بدر میں حاضر ہو چکے ہیں اور تمہیں کیا معلوم کہ بے شک اللہ تعالیٰ اہلِ بدر کی طرف متوجہ ہوا، پس فرمایا: تم جو چاہے عمل کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۰۰۷)

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ بشارت اہلِ بدر کے گزشتہ گناہوں کے لیے ہے یا آئندہ گناہوں کے لیے ہے۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے: مجھ پر اس کی یہ توجیہ منکشف ہوئی ہے کہ یہ خطاب، خطابِ اکرام وتشریف ہے۔ یعنی ان صحابہ کے لیے ایسی حالت حاصل ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے گزشتہ گناہوں کو معاف فرما دیا اور وہ اس کے اہل ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعد کے گناہوں کو بھی بخش دے اگر بعد میں ان سے گناہ صادر ہوں، یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کی اسی وقت مغفرت فرما دی جو گناہ ان سے ابھی نہیں ہوئے تھے اور ہونے والے تھے۔ یعنی ان میں ایسی صلاحیت تھی کہ وہ اس صلاحیت کی وجہ سے ان سے بعد میں صادر ہونے والے گناہ بھی معاف کر دیے جائیں، اور کسی کام کی صلاحیت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کام بھی ہو، جیسے کئی صحابہ میں خلافت کی صلاحیت تھی لیکن ہر صحابی خلیفہ نہیں ہوا۔ اور اگر بدری صحابہ میں سے کسی نے کوئی گناہ کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے موت سے پہلے ان کو توبہ کی توفیق دے دی، اور جو آدمی ان کے احوال پر مطلع ہوا سے اس چیز کا علم ہوگا۔

(المفہم شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۴۴۱۔۴۴۲، دار ابن کثیر، بیروت)

اور قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ اگر ان میں سے کسی کا ایسا جرم ثابت ہو جس پر حد واجب ہوتی ہے تو اس پر اس بشارت کے باوجود حد قائم کی گئی جیسا کہ حضرت مسطح بن اُثاثہ رضی اللہ عنہ جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین پر تہمت لگائی تھی تو ان پر بھی حدِ قذف جاری کی گئی۔ (اکمال المعلم ج ۷ ص ۵۳۹، بیروت)

میں کہتا ہوں: اسی طرح حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی بدری صحابی تھے اور انہوں نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں میں حصہ لیا تھا، سو ان پر بھی حدِ قذف جاری کی گئی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جاسوس کا پردہ چاک کرنا جائز ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو جب کہ اس میں کوئی مصلحت ہو اور اس کا پردہ رکھنے میں کوئی خرابی ہو۔

(۲) علامہ ابن الجوزی نے کہا: جو آدمی تاویل سے کوئی ممنوع کام کرے اس کا حکم اس کے خلاف ہے جو عمداً ممنوع کام کو کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کی خبر مشرکین کو دینا ممنوع ہے، لیکن حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے تاویل کے ساتھ یہ کام

کیا تھا اس لیے ان سے مواخذہ نہیں ہوا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی براءت فرمائی کہ وہ مسلمان ہیں اور بدری صحابی ہیں۔

(۳) علامہ قرطبی نے کہا کہ مسلمان کے احوال کی مشرکین کو خبر دینا گناہِ کبیرہ ہے، لیکن کفر نہیں ہے۔

(المفہم شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۴۴۷، دار ابن کثیر بیروت)

(۴) علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ جاسوس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو قتل اس لیے نہیں کیا گیا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔

لیکن امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جو جاسوس مسلمان ہو اس کو تعزیراً سزا دی جائے گی اور اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر وہ کوئی باوقار شخص ہو تو اس کو معاف کر دیا جائے گا، کیونکہ حدیث میں ہے:

کسی مسلمان مرد کو قتل کرنا صرف ان صورتوں میں جائز ہے: جب وہ ایمان کے بعد کفر کرے، یا شادی کے بعد زنا کرے، یا کسی کو ناحق قتل کرے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۵۰۲، سنن ترمذی: ۲۱۵۹، سنن نسائی: ج ۷ ص ۹۱۔ ۹۲، سنن ابن ماجہ: ۲۵۳۳)

ابن وہب مالکی نے کہا: اگر جاسوس توبہ کرلے تو فبہا ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور بعض مالکیہ نے کہا: اگر جاسوسی کرنا اس کی عادت ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور ابن ماجیشون مالکی کا بھی یہی قول ہے۔ اور ابن قاسم مالکی نے کہا ہے: اس کی گردن اڑا دی جائے گی اور اس کی توبہ معروف نہیں ہے۔ (اکمال المعلم ج ۷ ص ۹۳)

امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی سے منقول ہے کہ اس کو لمبے عرصہ تک قید میں رکھا جائے گا اور سزا دی جائے گی۔

(معالم السنن للخطابی ج ۲ ص ۲۳۸)

امام ابوجعفر طبری نے کہا ہے کہ جب امام پر یہ ظاہر ہو کہ کسی شخص نے مشرکین کو مسلمانوں کے معاملات کی خبر دی ہے اور وہ لکھنے والا بے وقوف نہ ہو اور نہ اسلام میں دھوکا دینے والا ہو اور اس کا یہ فعل اس کی لغزش کی بناء پر ہو، اور اس نے اس طرح کے اور جرائم نہ کیے ہوں تو اس کو معاف کرنا جائز ہے، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو معاف فرما دیا تھا باوجود اس کے کہ آپ ان کے جرم پر مطلع ہو گئے تھے۔ حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ مرتبہ والے ہوں اور باعزت ہوں، ان کی لغزشوں کو معاف کر دو، سوا اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کا ارتکاب کریں۔

(سنن ابوداؤد: ۴۳۷۵، مسند احمد ج ۶ ص ۱۸۱، صحیح ابن حبان: ۲۹۶)

(۵) امام ابوجعفر طبری نے کہا ہے: اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض نبوت کی خبروں اور علمِ غیب کا بیان ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس عورت کی خبر دی جو حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا مکتوب لے کر قریش کی طرف جا رہی تھی اور اس جگہ کی خبر دی جہاں پر وہ عورت تھی اور یہ تمام امور بغیر وحی کے معلوم نہیں ہو سکتے۔

(۶) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جس کے متعلق جاسوسی کا یقین ہو اس کا پردہ چاک کرنا جائز ہے، اور نافرمان عورت کے کپڑے اتارنا جائز ہیں۔ اور یہ کہ کبھی جاسوس مومن بھی ہوتا ہے اور اس کا تجسس اس کو ایمان سے نہیں نکالتا اور بغیر سربراہِ ملک کی اجازت کے کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کرے جاسوسی کر کے یا کسی اور طریقہ سے تو اس کو معاف

کرنا بھی جائز ہے۔

(۷) اور اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی وعید کو جس کے لیے چاہے مؤخر کر دیتا ہے، کیونکہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تحقیق اللہ تعالیٰ اہلِ بدر پر مطلع ہوا اور فرمایا: تم جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا ہے، کیونکہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ بدری صحابی تھے اور اس فضیلت کی وجہ سے ان کے اس جرم کو معاف فرما دیا کہ انہوں نے مسلمانوں کے احوال کی مشرکین کو خبر دی تھی۔

(۸) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو گناہ ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے ان کو بھی معاف کرنا جائز ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۸ ص ۱۶۲۔ ۱۷۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

بدری صحابہ کے گناہوں کی مغفرت کی بشارت کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی تحقیق

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا کہ تم جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ آخرت میں ان کو بخش دیا جائے گا، ورنہ اگر ان میں سے کسی ایک کے اوپر کوئی حد واجب ہوتی تو دنیا میں وہ حد ساقط نہ ہوتی۔

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے: یہ نوید بطور استقبال نہیں ہے بلکہ یہ ماضی کے متعلق بشارت ہے، اور اصل عبارت یوں ہے کہ تم جو چاہو عمل کرو، تم جو بھی عمل کرو گے تمہاری مغفرت ہو چکی ہے۔ انہوں نے کہا: اگر یہ مستقبل کے لیے بشارت ہوتی تو اس کا جواب یوں ہوتا کہ میں عنقریب تم کو بخش دوں گا۔ اور اگر اس طرح ہوتا تو یہ گناہ کرنے کی مطلقاً اجازت ہوتی حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ صحابہ اپنے انجام سے خوفزدہ رہتے تھے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھتے تھے کہ کیا میں ان لوگوں میں سے تو نہیں ہوں جن کے متعلق تمہیں علم ہے کہ یہ منافق ہیں؟

اور علامہ قرطبی مالکی نے اس کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ تم عمل کرو، یہ امر کا صیغہ ہے اور یہ استقبال کے لیے وضع کیا گیا ہے، اور عرب امر کے صیغہ کو ماضی کے لیے نہیں استعمال کرتے نہ قرینہ کے ساتھ اور نہ بغیر قرینہ کے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ تم جو چاہو عمل کرو، تو اس کو فعل کی طلب پر محمول کیا جائے گا یہ صحیح نہیں ہے کہ یہ ماضی کے معنی میں ہے۔ پھر علامہ قرطبی نے یہ کہا کہ مجھ پر یہ نکتہ منکشف ہوا ہے کہ یہ خطاب تکریم اور تشریف کا خطاب ہے، یعنی ان لوگوں کو یہ مرتبہ حاصل ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے گزشتہ گناہوں کو معاف فرما دیا اور ان میں یہ صلاحیت تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعد کے گناہوں کو بھی معاف فرما دے، اور کسی چیز کی صلاحیت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس چیز کا وقوع بھی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے صدق کو آپ کی دی ہوئی ہر خبر کے اندر ظاہر فرما دیا، کیونکہ بدری صحابہ کرام ہمیشہ اہلِ جنت کے عمل کرتے رہے یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہو گئے اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ ان سے کوئی گناہ کبیرہ سرزد ہوا تو وہ فوراً توبہ کر لیتے، اور یہ ان کے احوال سے معلوم ہو جاتا ہے جو ان کی سیرت کے اوپر مطلع ہوا ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ میں نے تمہیں معاف فرما دیا، یعنی تمہارے گناہ بخش دیے جائیں گے، یہ مراد نہیں ہے کہ ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوگا، کیونکہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ بدری صحابہ تھے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں جو کہا وہ کہا، اور اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ان کو یہ بشارت دی کہ ان صحابہ کے گناہ بخش دیے گئے، اور اگر بعد میں ان سے کوئی گناہ واقع ہو تو وہ بھی بخش دیا جائے گا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۷۔ ۵۸، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کردی تھی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کیوں کہا: یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن اڑادوں؟

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کردی تھی تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اس لیے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دین میں بہت قوی تھے اور نفاق سے بہت زیادہ بغض رکھتے تھے، اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی، وہ قتل کیے جانے کا مستحق ہے، لیکن انہوں نے اس پر وثوق نہیں کیا اسی لیے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے قتل کی اجازت طلب کی۔ اور ان پر منافق کا اطلاق اس لیے کیا کیونکہ انہوں نے اپنے دل میں اس بات کو مخفی رکھا جو ان کے ظاہر کے خلاف تھی۔ اور حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا عذر یہ ہے کہ انہوں نے اس تاویل سے وہ خط بھیجا تھا کہ اس میں کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ اور امام ابوجعفر طبری نے از حارث از حضرت علی رضی اللہ عنہ اس قصہ میں روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: کیا یہ بدر میں حاضر نہیں ہوا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ بدر میں حاضر نہیں ہوا؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: لیکن انہوں نے عہد شکنی کی اور آپ کے خلاف آپ کے دشمنوں کی مدد کی۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قتل کرنے کے ترک کی وجہ کی طرف رہنمائی کی کہ یہ بدر میں حاضر ہوا ہے تو گویا کہ یوں کہا گیا کہ کیا بدر میں حاضر ہونے کی وجہ سے ان کا یہ سنگین گناہ بخش دیا جائے گا، تو آپ نے یہ جواب دیا کہ تمہیں کیا پتا کہ اللہ تعالیٰ اہلِ بدر کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے کہا: تم جو عمل چاہو کرو، میں نے تم کو بخش دیا ہے۔

اس حدیث میں ''لعل'' کا لفظ ہے، شاید اللہ تعالیٰ اہلِ بدر کی طرف متوجہ ہوا، لیکن اللہ اور اس کے رسول کے کلام میں جب امید کا لفظ آئے تو وہ یقین کے معنی میں ہوتا ہے، اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس میں وثوق کے صیغہ کے ساتھ یہ روایت ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۷، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

بدری صحابہ کے گناہوں کی مغفرت کی بشارت کے متعلق مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا کہ ''اے اہلِ بدر تم جو چاہو عمل کرو میں نے تم کو بخش دیا''۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خواہ تم کفر یا شرک کرو یا گناہِ کبیرہ کرو تم کو کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس فکر اور تشویش میں نہ رہو کہ تم سے کوئی بڑا گناہ ہو جائے گا اور تم کو اس کی سزا ملے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا ضامن ہو گیا ہے کہ تم سے کفر و شرک یا گناہِ کبیرہ سرزد ہونے نہیں دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کی خدمات کی وجہ سے ان کو یہ فضیلت عطا کی کہ ان سے کوئی بڑا گناہ سرزد نہیں ہوگا۔ اور اگر بالفرض ان سے کوئی کبیرہ گناہ سرزد ہو گیا تو اللہ تعالیٰ موت سے پہلے ان کو اس گناہ سے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔

اس کی نظیر درج ذیل حدیث ہے:

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں از حضرت عبدالرحمن بن خباب رضی اللہ عنہ کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صحابہ کو غزوۂ تبوک کی مدد کے لیے برانگیختہ فرمارہے تھے تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: یارسول اللہ! میرے ذمہ ایک سو اونٹ، ان کے پالان اور چادروں سمیت اللہ کی راہ میں ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر غزوۂ تبوک کے لشکر کی مدد پر

صحابہ کرام کو برانگیختہ کیا تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ذمہ دوسو اونٹ اپنے پالان اور چادروں سمیت اللہ کی راہ میں ہیں، آپ نے پھر غزوۂ تبوک کے لشکر کی مدد پر صحابہ کرام کو برانگیختہ کیا تو پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ذمہ تین سو اونٹ اپنے پالان اور چادروں سمیت اللہ کی راہ میں ہیں۔ پس میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور فرما رہے تھے کہ اب عثمان کے اوپر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس کے بعد جو بھی عمل کریں، آپ نے پھر فرمایا: اب عثمان کے اوپر کوئی حرج نہیں ہے اس کے بعد وہ جو بھی عمل کریں۔ (سنن ترمذی: ۳۷۰۰)

اور دوسری حدیث میں ہے: حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ہزار دینار لے کر آئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے لشکر کی مدد کے لیے برانگیختہ کر رہے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان دیناروں کو اپنی گود میں بکھیر رہے تھے، حضرت عبدالرحمن نے کہا: میں نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنی گود میں الٹ پلٹ کر رہے تھے اور فرما رہے تھے: آج کے بعد عثمان جو بھی عمل کرے اس کو ضرر نہیں ہوگا۔ آپ نے یہ دو مرتبہ فرمایا۔ (سنن ترمذی: ۳۷۰۱، مسند احمد ج ۵ ص ۶۳)

اس حدیث کا بھی یہی مطلب ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دینی خدمات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہوگئیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان کو یہ مقام عطا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بات کا ضامن ہوگیا کہ وہ ان سے کوئی گناہِ کبیرہ یا کوئی غلط کام سرزد ہونے نہیں دے گا۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہیں کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے کہ وہ جو چاہیں کریں۔ اسی طرح صحیح بخاری کی اس حدیث میں اہلِ بدر کی مغفرت کی جو نوید ہے وہ بھی اسی معنی پر محمول ہے۔

صحیح البخاری: ۶۲۵۹، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مسلمانوں کو کفار کے شرور سے متنبہ کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اسلام کے دشمنوں سے خبردار رہیں جو اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں اور وہ مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد کرتے رہتے ہیں، عام ازیں کہ وہ قائد میں اختلاف کریں یا غیر قائد میں، پس ان سے خبردار رہنا چاہیے حتیٰ کہ ہم کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔

حدیث مذکور میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے متعدد نشانیاں ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس عورت کی طلب میں تین صحابہ کو بھیجنا اور اس عورت کا وہیں پایا جانا وحی الٰہی پر مبنی تھا

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب، حضرت زبیر بن العوام اور حضرت ابومرثد الغنوی رضی اللہ عنہم کو بھیجا اس عورت کی طرف جس کے پاس حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا مکتوب تھا جو انہوں نے مشرکین کی طرف لکھا تھا، اور جب وہ اس جگہ میں پہنچ گئے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معین فرمایا تھا تو اس عورت نے اس بات سے انکار کیا کہ اس کے پاس کوئی چیز ہے، اور جب انہوں نے اس پر عزم کیا کہ وہ مکتوب نکالے تو اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان کو خبر دی تھی، وہ وحی سے دی تھی

اور وہ برحق تھی۔

مسلمان جاسوس کو بھی قتل کرنے کا جواز

(۲) اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان جاسوس کو بھی قتل کرنا جائز ہے، جب ہم کو یہ معلوم ہو کہ یہ مرد ہمارے دشمن کے لیے جاسوسی کر رہا ہے تو اس کو قتل کرنا جائز ہے بلکہ اس کو قتل کرنا واجب ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کرنے سے کوئی مانع ذکر نہیں فرمایا سوا اس کے کہ وہ بدری صحابی ہیں، اور یہ فضیلت صرف شرکاء بدر کو حاصل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب ہم کو یقین ہو جائے کہ یہ شخص دشمن کے لیے جاسوسی کر رہا ہے تو ہم پر واجب ہے کہ ہم اس کو قتل کر دیں، سوا اس کے کہ سربراہِ مملکت اس کو قتل نہ کرنے میں کوئی مصلحت دیکھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دین میں قوت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دین میں بہت قوی تھے، کیونکہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اجازت طلب کی کہ وہ اس کو قتل کر دیں اور اس میں ان کا کمالِ ادب ہے، کیونکہ انہوں نے خود اس کو قتل کرنے کی جرأت نہیں کی، اور اس سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ ہمیں یہ چاہیے کہ ہم ایسے کاموں میں جرأت نہ کریں، مثلاً ہم بعض منکرات کو دیکھیں اور ان منکرات کو زائل کریں اور ہم کو ان منکرات کے زائل کرنے پر نہ ولایت عامہ ہو اور نہ ولایت خاصہ ہو تو ایسی صورت میں ہمیں چاہیے کہ جس سربراہ کو ولایت عامہ حاصل ہو ہم اس سے اجازت لے کر اس منکر کو زائل کریں۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی کیونکہ ان کا فعل بہ ظاہر قتل کرنے کا موجب تھا لیکن اس کے باوجود یہ ان کا ادب تھا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا مانع بیان فرمایا۔

اہلِ بدر کی فضیلت اور ان کے ایمان پر خاتمہ کی دلیل

(۴) اس حدیث سے اہلِ بدر کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم جو چاہو عمل کرو تمہارے لیے جنت واجب ہو چکی ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے تم کو بخش دیا، لیکن یہاں پر یہ اشکال ہے کہ تم جو چاہو عمل کرو، کیا یہ حکم اباحت کے لیے ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اہلِ بدر کے لیے ہے کہ وہ چاہیں تو کفر کریں یا چاہیں تو گناہ کریں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم امتناع کے لیے ہے، اباحت کے لیے نہیں ہے۔ اور اہلِ بدر کے لیے یہ فضیلت حاصل ہے کہ ان سے ان کے کیے ہوئے کاموں کی مغفرت ہو جائے گی، لیکن اس میں ایک اور وجہ سے بشارت یہ ہے کہ اہلِ بدر سے شرک نہیں ہوگا اور وہ اسلام کے بعد مرتد نہیں ہوں گے، کیونکہ اگر وہ اسلام کے بعد مرتد ہو جاتے تو ان کے اعمال ضائع ہو جاتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ (البقرہ: ۲۱۷)

اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو گیا اور وہ حالتِ کفر میں ہی مر گیا تو ان لوگوں کے (نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے۔

اور اس طرح اہلِ بدر کے لیے یہ بشارت ہے کہ انہوں نے شرک کے سوا جو بھی گناہ کیا ان کی مغفرت ہو جائے گی، اور وہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گی اور ان کو جنت میں دخول سے مانع نہیں ہوگی، کیونکہ انہوں نے غزوۂ بدر میں حصہ لے کر بہت عظیم

نیکی کی ہے جو ان کی تمام سیئات کو مٹانے کی موجب ہے۔

(۵) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حق میں شدید ہونے کے باوجود رقیق القلب تھے، سو اس حدیث میں تین امور ہیں، ایک یہ کہ وہ حق بات کہنے میں بہت شدید تھے، دوسری یہ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب کرتے تھے اور تیسری یہ کہ جب ان پر حق واضح ہو جاتا تو ان کے دل پر رقت طاری ہوتی تھی، یہی وجہ ہے کہ جب ان پر یہ ظاہر ہو گیا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور انہوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والا ہے، اور انہوں نے اس معاملہ کو اللہ اور اس کے رسول کے سپرد کر دیا۔

مسلمانوں کے خلاف کفار کے لیے جاسوسی کرنا اللہ اور اس کے رسول کی خیانت ہے

(۶) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کافروں کے لیے جاسوسی کرنا اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کرنا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو برقرار رکھا کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے۔ اور ان کو قتل کرنے سے مانع کا بیان کیا کہ یہ بدری صحابی ہیں۔

فرقۂ جبریہ کا ابطال

(۷) اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اختیار دیا ہے اور وہ اپنے اختیار سے جو چاہے کام کرتے ہیں، اور اس میں جبریہ کے اس قول کا بطلان ہے کہ انسان کی کوئی خواہش نہیں ہوتی، اس کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا، انسان عمل کرنے میں مجبور ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تم جو چاہو عمل کرو۔

فلاسفہ اور بے دینوں کی کتابوں کے مطالعہ کرنے کا جواز

(۸) امام بخاری نے اس باب کا یہ عنوان قائم کیا ہے کہ مسلمانوں کو فتنہ سے بچانے کے لیے کسی کا خط اس کی اجازت کے بغیر پڑھنا جائز ہے، تو کیا اس بناء پر فلاسفہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنا جائز ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں بلکہ واجب ہے کہ جس آدمی کو اپنے علم پر وثوق اور اعتماد ہو اور فلاسفہ اور ملاحدہ اور بے دینوں کی کتابیں پھیلی ہوئی ہوں تو اس پر واجب ہے کہ ان کی کتابوں کا مطالعہ کرے، اور مسلمانوں کے ان کے فتنہ سے بچائے، ان کے شبہات کا جواب دے اور دلائل سے ان کا رد کرے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۶۵۔ ۶۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۴۔ بَابٌ: كَيْفَ يُكْتَبُ الْكِتَابُ إِلَى أَهْلِ الْكِتَابِ؟

اہل کتاب کی طرف کس طرح مکتوب لکھا جائے؟ اس کا بیان

۶۲۶۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ بْنَ حَرْبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ هِرَقْلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ فِي نَفَرٍ مِنْ قُرَيْشٍ وَكَانُوا تِجَارًا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل ابوالحسن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے خبر دی کہ ان کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ ابو سفیان بن حرب نے ان

بِالشَّامِ فَأَتَوْهُ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ قَالَ ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقُرِءَ فَإِذَا فِيهِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللهِ وَرَسُولِهِ إِلَى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ السَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى أَمَّا بَعْدُ۔

کو خبر دی کہ بے شک ہرقل نے انہیں قریش کی ایک جماعت میں بلایا اور وہ شام میں تاجر تھے، پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب منگایا، پس اس کو پڑھا گیا، اس میں لکھا ہوا تھا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی جانب سے ہرقل عظیم الروم کی طرف، اس پر سلام ہو جو ہدایت کا پیروکار ہو۔ اما بعد۔

(صحیح البخاری: ۷، ۵۱، ۲۶۸۱، ۲۸۰۴، ۲۹۴۱، ۲۹۸۷، ۳۱۷۴، ۴۵۵۳، ۵۹۸۰، ۶۲۶۰، ۷۱۹۶، ۷۵۴۱، صحیح مسلم: ۱۷۷۳، سنن ترمذی: ۲۷۱۷، سنن ابوداؤد: ۵۱۳۶، مسند احمد: ۲۳۶۶)

صحیح البخاری: ۶۲۶۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے باب کا عنوان ہے ''اہل کتاب کی طرف مکتوب کس طرح لکھا جائے''۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہرقل کی طرف مکتوب لکھا اس میں لکھا ہوا تھا ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم محمد عبداللہ اور اس کے رسول کی جانب سے ہرقل کی طرف جو روم کا بادشاہ ہے''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن مقاتل، یہ المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ ابن المبارک المروزی ہیں۔ وہ روایت کرتے ہیں از یونس بن یزید از محمد بن مسلم الزہری از عبیداللہ، جو عبداللہ بن عتبہ کے بیٹے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''تجارا'' یہ تاجر کی جمع ہے۔

اس حدیث کی شرح کتاب کے اول میں تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۶۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اہلِ ذمہ کو سلام کی ابتداء کرنے کی دلیل

اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ اہلِ کتاب کی طرف بسم اللہ لکھ کر بھیجی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور کاتب مکتوب کے شروع میں

اپنا نام لکھے جیسا کہ مسلمان کی طرف مکتوب لکھا جائے تو اس طرح کیا جاتا ہے، اس حدیث میں ان فقہاء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ ضرورت کے وقت اہل کتاب کو سلام کرنا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کی طرف مکتوب لکھا اور اس کو اسلام کی دعوت دی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۹۶ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۶۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اہل ذمہ کو سلام کی ابتداء کی دلیل پر حافظ ابن حجر کا تبصرہ

اس باب میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ہرقل کا جو قصہ بیان کیا تھا، اس حدیث کی ایک طرف ذکر کی گئی ہے۔ امام بخاری نے جو اس کا عنوان قائم کیا ہے اس سے اس حدیث کا مطلب واضح ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اہل کتاب کو مکتوب لکھا جائے تو اس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی جائے اور کاتب مکتوب سے پہلے اپنا نام لکھے اور انہوں نے کہا: اس میں یہ دلیل ہے کہ اہل کتاب کو ضرورت کے وقت سلام کے ساتھ ابتداء کرنا جائز ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں: مطلقاً اہل کتاب کو سلام کے ساتھ ابتداء کرنے پر اعتراض ہے، کیونکہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان کو ایک قید کے ساتھ سلام کیا جائے جیسا کہ حدیث میں ہے "اس پر سلام ہو جو ہدایت کا پیروکار ہو" یا اس پر سلام ہو جو حق سے تمسک کرے وغیرہ وغیرہ، اور کتاب الاستیذان کے شروع میں اس میں فقہاء کا اختلاف بیان کیا جا چکا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۲۷، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۶۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہرقل کو "والسلام علی من اتبع الهدیٰ" فرمانے کی حکمتیں

اس حدیث میں مذکور ہے: یہ مکتوب ہرقل کی طرف ہے جو عظیم الروم ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف العظیم نہیں فرمایا، کیونکہ وہ فقط اپنی قوم کا عظیم تھا اور اس کے لیے عظمتِ مطلقہ ثابت نہیں تھی۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "بل فعله كبيرهم" بلکہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے، اور یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام بڑے نے کیا ہے، بلکہ ان کا بڑا کہا، یعنی بتوں میں جو سب سے بڑا بت ہے اس نے یہ کام کیا ہے۔

نیز اس حدیث میں فرمایا: "السلام علی من اتبع الهدیٰ" اور یہ نہیں فرمایا: "السلام علیک" کیونکہ یہود و نصاریٰ کو سلام کی ابتداء نہیں کی جاتی، اور آپ کے اس ارشاد میں بلاغت کی دو قسم ہے جس کو "براعة الاستهلال" کہا جاتا ہے، یعنی کلام کے شروع میں ان الفاظ کو لایا جائے جو مقام کے مناسب ہوں، گویا کہ آپ نے یوں فرمایا: تم ہدایت کی اتباع کرو تا کہ تم پر سلام ہو۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں قرآن مجید کی ان آیات کو ملحوظ رکھا:

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ (الانعام:۹۰)

یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے، سو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا:

قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَ السَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾ (طٰہٰ:۴۷)

بے شک ہم تیرے رب کی طرف سے تیرے پاس نشانی لے کر آئے ہیں اور اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی O

سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح ہرقل کو سلام کرنے میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کیا۔

مکتوب میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کے فوائد

اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہیے حتیٰ کہ اہلِ کتاب کی طرف مکتوب لکھا جائے تو اس میں بھی پہلے بسم اللہ لکھی جائے، کیونکہ بسم اللہ برکت اور خیر ہے اور عجب بات یہ ہے کہ بسم اللہ کا پڑھنا خبیث کو طیب کر دیتا ہے اور بسم اللہ کا نہ پڑھنا طیب کو خبیث کر دیتا ہے، پس جب تم ذبیحہ کو ذبح کرو اور بسم اللہ پڑھو تو وہ ذبیحہ طیب اور حلال ہوگا، اگر بسم اللہ نہ پڑھو تو خبیث اور حرام ہوگا۔ اور کھانے سے پہلے جب بسم اللہ پڑھ لی جائے تو شیطان اس سے محروم ہوگا، اور جب بسم اللہ کو نہ پڑھا جائے تو شیطان کھانے میں تمہارے ساتھ شریک ہو جائے گا، اور حدیث میں آیا ہے کہ ہر وہ کام جس کی ابتداء میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے، وہ ابتر ہے یعنی ناقص البرکت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پوری لکھی جائے یا فقط بسم اللہ کو لکھا جائے

فقط بسم اللہ کو لکھنا بھی جائز ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ مکمل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی جائے، البتہ بعض علماء نے کہا ہے کہ ذبح کے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ پڑھا جائے، کیونکہ رحمٰن اور رحیم ان دو اسموں کا تقاضا یہ ہے کہ جانور کو ذبح نہ کیا جائے بلکہ اس پر رحم کیا جائے، پس ان دو اسموں کو کیسے لایا جائے گا جو فعل کی ضد ہیں۔ لیکن یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتا ہوں اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم کیا کہ میرے لیے اس جانور کو ذبح کرنا مباح کر دیا، اور اگر ایسا نہ ہوتا تو اس جانور کا ذبح کرنا مجھ پر حرام ہوتا اور میں اس جانور کا گوشت کھانے سے محروم ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ ذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَ مِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَ لَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَ مَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ (یٰس:۷۲۔۷۳)

اور ہم نے ان مویشیوں کو ان کے تابع کر دیا، پس ان میں سے بعض پر وہ سوار ہوتے ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں O اور ان کے لیے ان میں اور بھی فوائد ہیں اور پینے کی چیزیں ہیں، کیا پس وہ شکر ادا نہیں کرتے O

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۶۸۔۶۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۵۔ بَابٌ: بِمَنْ يُبْدَأُ فِي الْكِتَابِ

کتاب میں کس کے نام سے ابتداء کی جائے، اس کا بیان

۶۲۶۱۔ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ

اور اللیث نے کہا: مجھے جعفر بن ربیعہ نے حدیث بیان کی از

عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّهُ ذَكَرَ رَجُلًا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَخَذَ خَشَبَةً فَنَقَرَهَا فَأَدْخَلَ فِيهَا أَلْفَ دِينَارٍ وَصَحِيفَةً مِنْهُ إِلَى صَاحِبِهِ وَقَالَ عُمَرُ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِيهِ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ نَجَرَ خَشَبَةً فَجَعَلَ الْمَالَ فِي جَوْفِهَا وَكَتَبَ إِلَيْهِ صَحِيفَةً مِنْ فُلَانٍ إِلَى فُلَانٍ۔

عبدالرحمٰن بن ہرمز از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، از رسول اللہ ﷺ، آپ نے بنی اسرائیل کے ایک مرد کا ذکر کیا، جس نے لکڑی کا ایک تنا لیا، پھر اس میں سوراخ کیا اور پھر اس میں ایک ہزار دینار رکھ دیے اور اس کے صاحب کی طرف ایک خط لکھ دیا، اور عمر بن ابی سلمہ نے کہا از والد خود، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اس نے لکڑی کے ایک تنے میں سوراخ کیا اور اس کے اندر مال رکھ دیا اور اس کی طرف ایک خط لکھ دیا کہ یہ فلاں کے لیے فلاں کی طرف سے ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۹۸، ۲۰۶۳، ۲۲۹۱، ۲۴۰۴، ۲۴۳۰، ۲۷۳۴، ۶۲۶۱، مسند احمد: ۸۳۸۱)

صحیح البخاری: ۶۲۶۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے کہ یہ مکتوب فلاں کی طرف سے فلاں کی جانب ہے، کیونکہ اس میں کاتب نے اپنے نام سے ابتداء کی اور پھر مکتوب الیہ کا ذکر کیا۔ اور اس تعلیق کو ہم نے کتاب الکفالۃ میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ کس نے اس کو طول کے ساتھ ذکر کیا اور کس نے اس کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا۔

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ سنت یہ ہے کہ لکھنے والا اپنے نام سے شروع کرے۔ حدیث میں ہے:

امام ابوداؤد نے از ابن العلاء بن الحضرمی از العلاء روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے مکتوب لکھا اور اپنے نام سے ابتداء کی۔ اور اس حدیث کو امام عبدالرزاق نے از معمر از ایوب روایت کیا ہے کہ میں نے ایک مکتوب پڑھا العلاء بن الحضرمی کی جانب سے سیدنا محمد ﷺ کی طرف۔ اور از معمر از ایوب روایت ہے کہ بسا اوقات وہ اس مرد کا نام پہلے ذکر کرتے جس کی طرف مکتوب لکھتے اور امام مالک سے سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۹۔ ۳۹۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۶۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لکھنے والا اپنے نام سے ابتداء کرے یا مکتوب الیہ کے نام سے ابتداء کرے، دونوں کا جواز

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے والد رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب لکھا تو اپنے نام سے ابتداء کی اور ان سے

ایک مرد نے یہ سوال کیا کہ وہ اپنے کسی کام کے متعلق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھنا چاہتا ہے اور اس نے یہ ارادہ کیا کہ وہ اپنے نام سے ابتداء کرے، تو اس سے کہا گیا کہ اگر تم نے اپنے نام سے ابتداء کی تو یہ تمہاری ضرورت پوری کرنے کے لیے زیادہ مفید ہوگا اور اس نے ایسا کیا۔ اور امام مالک نے کہا کہ مکتوب الیہ سے ابتداء کرنا بھی جائز ہے، اور کہا کہ آج کل کے لوگوں کے عرف کے مطابق یہی ہے۔

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے لکھا ہے کہ سنت یہی ہے کہ لکھنے والا اپنے ذکر سے شروع کرے اور یہ حکم تمام چیزوں میں ہے، مگر یہ کہ حدیث میں آیا ہے کہ جانور کا مالک اس کے اگلے حصہ کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۵۴۶۶، مسند احمد ج ۱ ص ۱۹)

مسند احمد کی پوری روایت اس طرح ہے: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ جانور کا مالک اس کے اگلے حصہ کا زیادہ مستحق ہے۔ اور امام احمد نے مسند احمد ج ۳ ص ۳۲ میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرد جانور کے اگلے حصہ کا زیادہ مستحق ہے۔

حافظ نور الدین الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ نے کہا ہے: اس حدیث کی امام احمد نے روایت کی ہے اور اس میں ایک راوی اسماعیل بن رافع ہے، امام بخاری نے کہا: یہ ثقہ ہے اور مقارب الاحادیث ہے، اور جمہور ائمہ نے اس کو ضعیف قرار دیا اور اس کے باقی رجال صحیح ہیں۔

اس حدیث کی امام ترمذی نے بھی روایت کی ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۷۷۳)

اور امام احمد نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے از بریدہ۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۳)

اور امام ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں اس کی حضرت بریدہ سے روایت کی ہے۔ (۴۷۳۵)

اور معمر نے روایت کی ہے از ایوب، انہوں نے کہا: میں نے ایک مکتوب پڑھا از العلاء بن الحضرمی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب۔

اور شعبی نے کہا: ابو عبیدہ بن الجراح اور معاذ بن جبل نے لکھا: از ابو عبیدہ اور معاذ، اللہ کے بندے عمر امیر المومنین کی طرف۔

اور نافع نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمال جب ان کی طرف مکتوب لکھتے تو اپنے ناموں سے ابتداء کرتے۔ اور معمر نے کہا از ایوب از نافع کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے غلاموں کو حکم دیتے تھے کہ جب ان کی طرف مکتوب لکھیں تو اپنے ناموں سے ابتداء کریں ورنہ وہ ان کو جواب نہیں دیں گے۔ (مصنف عبد الرزاق: ۲۰۹۱۲، ۲۰۹۱۴، ۲۰۹۱۶)

اور ایک قوم نے یہ اجازت دی ہے کہ لکھنے والا اپنے نام سے پہلے کسی اور کا نام لکھ سکتا ہے، اور ایوب بسا اوقات اپنے نام سے پہلے کسی مرد کا نام لکھتے۔ (مصنف عبد الرزاق: ۲۰۹۱۴)

اشہب نے روایت کی ہے کہ امام مالک سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص اپنے سے چھوٹے کی طرف مکتوب لکھے اور وہ اس سے افضل نہ ہو تو امام مالک نے کہا: اس کا نام پہلے لکھا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اہل عراق نے کہا: کہ اپنے سے پہلے کسی کا نام نہ لکھو خواہ وہ تمہارا باپ ہو یا تمہارا بڑا ہو۔ اور ان کے قول کے خلاف یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کبر کبر" یعنی کسی شخص

نے یہ ارادہ کیا کہ وہ اپنے صاحب سے پہلے کلام کرے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بڑے کو پہلے کلام کرنے کا موقع دو۔
(صحیح البخاری: ۳۱۷۳، صحیح مسلم: ۱۶۶۹)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۹۷۔۹۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۲۶۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ قُومُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ

نبی ﷺ کے اس ارشاد کا بیان کہ اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں نبی ﷺ کے اس ارشاد کا ذکر کیا گیا ہے "کہ اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو"۔ اور اس عنوان سے امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ یہ بیان کیا جائے کہ جو شخص بیٹھا ہوا ہو اس کا آنے والے کے لیے کھڑے ہونے کا کیا حکم ہے؟ لیکن امام بخاری نے وثوق کے ساتھ حکم نہیں بیان کیا، کیونکہ اس میں اختلاف ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۶۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ أَهْلَ قُرَيْظَةَ نَزَلُوا عَلَى حُكْمِ سَعْدٍ فَأَرْسَلَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَيْهِ فَجَاءَ فَقَالَ قُومُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ أَوْ قَالَ خَيْرِكُمْ فَقَعَدَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ هَؤُلَاءِ نَزَلُوا عَلَى حُكْمِكَ قَالَ فَإِنِّي أَحْكُمُ أَنْ تُقْتَلَ مُقَاتِلَتُهُمْ وَتُسْبَى ذَرَارِيُّهُمْ فَقَالَ لَقَدْ حَكَمْتَ بِمَا حَكَمَ بِهِ الْمَلِكُ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ أَفْهَمَنِي بَعْضُ أَصْحَابِي عَنْ أَبِي الْوَلِيدِ مِنْ قَوْلِ أَبِي سَعِيدٍ إِلَى حُكْمِكَ.

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از سعد بن ابراہیم از ابی امامہ بن سہل بن حُنیف از حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ، کہ اہلِ قریظہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے حکم سے قلعہ سے نیچے اتر آئے، تو نبی ﷺ نے ان کی طرف پیغام بھیجا، سو وہ آئے، پس آپ نے فرمایا: اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو یا فرمایا: اپنے سے بہتر کی طرف کھڑے ہو۔ سو وہ آ کر نبی ﷺ کے پاس بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا: یہ لوگ (بنو قریظہ) تمہارے حکم کے مطابق قلعہ سے اتر آئے، تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: میں یہ حکم دیتا ہوں کہ ان کے جنگجو لوگوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کے بچوں کو قید کر لیا جائے، آپ نے فرمایا: تم نے وہی حکم دیا ہے جس کا فیصلہ بادشاہ (اللہ تعالیٰ) نے کیا تھا۔

امام ابوعبداللہ نے کہا: مجھے میرے بعض اصحاب نے از ابوالولید حضرت ابوسعید کے قول کی روایت کی کہ یہ تمہارے حکم کی طرف قلعہ سے اترے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۰۴۳، ۳۸۰۴، ۴۱۲۱، ۶۲۶۲، صحیح مسلم: ۱۷۶۸، سنن ابوداؤد: ۵۲۱۵، مسند احمد: ۱۰۷۸۴)

صحیح البخاری: ۶۲۶۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالولید کا ذکر ہے، یہ ہشام بن عبد الملک الطیالسی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سعد بن ابراہیم کا ذکر ہے، یہ ابن عبد الرحمٰن بن عوف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابواُمامہ (الف پر پیش ہے)، ان کا نام اسعد بن سہل بن حُنیف (حاء پر پیش) ہے، یہ انصاری ہیں۔ اور ابوسعید کا نام سعد بن مالک الخدری رضی اللہ عنہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث کی سند میں قریظہ کا ذکر ہے، یہ یہود کے ایک قبیلہ کا نام ہے جو ایک قلعہ میں بند ہو گئے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مقاتلتھم" یعنی مردوں کی وہ جماعت جو لڑنے والی تھی۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "الذراری"، یہ الذریۃ کی جمع ہے یعنی عورتیں اور بچے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "المَلِك" (اس میں لام کے نیچے زیر ہے) یعنی بادشاہ اور وہ اللہ تعالیٰ ہے، کیونکہ وہی علی الاطلاق حقیقی بادشاہ ہے۔ اور عصیلی کی روایت میں ہے کہ لام پر زبر ہے یعنی فرشتہ، اور اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جو یہ حکم لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے تھے۔

کسی سردار یا بڑے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونے کا جواز

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سلطان یا حاکم مسلمانوں کو حکم دے کہ وہ ان کے کسی بڑے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں اور اس حدیث میں سلطانِ اکبر کی مجلس میں اہلِ فضل کی تکریم کے لیے کھڑے ہونے کا جواز ہے۔ اور تمام لوگوں پر یہ لازم کیا ہے کہ وہ اپنے سردار کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں۔ اور بعض علماء نے اس قیامِ تعظیم سے منع کیا ہے اور درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک لاٹھی پر ٹیک لگائے ہوئے باہر نکلے، ہم آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا: تم اس طرح نہ کھڑے ہو جس طرح عجمی کھڑے ہوتے ہیں۔

امام ابوجعفر طبری نے کہا: یہ حدیث ضعیف ہے اور مضطرب السند ہے اور اس حدیث کی سند میں مجہول راوی ہے۔

نیز ان علماء نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے:

امام حاکم حضرت عبد اللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کو خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے: جو یہ پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے رہیں تو اس کے لیے دوزخ واجب ہے۔

امام ابوجعفر طبری نے کہا ہے: اس میں اس کے لیے قیام کرنے سے منع فرمایا ہے جو اس قیام سے خوش ہوتا ہو اور اس کو منع نہیں فرمایا جو کسی کی تعظیم کے لیے کھڑا ہوتا ہو۔

علامہ ابوسلیمان حمد بن محمد خطابی الشافعی متوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

اس باب کی حدیث میں کسی بڑے عالم کے اوپر سید کے لفظ کے اطلاق کرنے کا جواز ہے۔ اور اس حدیث میں کسی رئیس فاضل اور امامِ عادل کی تعظیم کے لیے اس کے متبوعین کے کھڑے ہونے کا جواز ہے، اور اسی طرح متعلم کے لیے عالم کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونے کا جواز اور استحباب ہے۔ اور اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا مکروہ ہے جو ان صفات سے متصف نہ ہو۔

قیام کی چار قسمیں

علامہ ابوالولید بن رشد نے کہا ہے کہ قیام کی چار قسمیں ہیں:

(۱) اس شخص کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا ممنوع ہے جو اپنے تکبر اور بڑائی اور اپنی عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے یہ چاہتا ہو کہ لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں۔

(۲) اس شخص کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا مکروہ ہے جو نہ تو تکبر کرتا ہے اور نہ کھڑے ہونے والوں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہو لیکن یہ خدشہ ہو کہ وہ بھی ان میں داخل ہو جائے گا جن کے لیے کھڑے ہونے سے منع کیا گیا ہے، اور اس وجہ سے کہ اس میں متکبرین کے ساتھ مشابہت ہے۔

(۳) اس شخص کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے کہ لوگ نیکی کے قصد سے اور اس کی تکریم کے لیے کھڑے ہوتے ہوں اور اس شخص کا یہ ارادہ نہ ہو کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں، اور وہ متکبرین کے ساتھ مشابہت سے مامون ہو۔

(۴) اس شخص کے لیے کھڑا ہونا مستحب ہے جو کسی سفر سے آیا ہو اور اس کے آنے کی خوشی پر اس کے لیے قیام کیا جائے تا کہ اس کو سلام کرے، یا جس شخص کو نئی اور تازہ نعمتیں ملی ہوں تو وہ ان نعمتوں کے حصول پر اس کو مبارکباد دینے کے لیے کھڑا ہو، یا جو شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہو تو اس کی تعزیت کے لیے کھڑا ہو۔

علامہ التورپشتی کا حدیث مذکور سے قیام تعظیم کے استدلال پر اعتراض اور علامہ طیبی کا جواب

علامہ ابوعبد اللہ فضل اللہ بن الحسن التورپشتی الشافعی، متوفی 661ھ نے کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنہ میں لکھا ہے کہ حدیث میں جو مذکور ہے "قوموا الی سید کم" (اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو) تو اس کا معنی یہ ہے کہ سردار کی مدد کرنے کے لیے اور اس کو سواری سے اتارنے کے لیے کھڑے ہو۔ اور اگر اس سے مراد سردار کی تعظیم ہوتی تو آپ یوں فرماتے "قوموا لسید کم" یعنی اپنے سردار کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو۔

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی، متوفی 743ھ، نے شرح الطیبی میں اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس امر کے تعظیم کے لیے نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اکرام کے لیے بھی نہ ہو، اور وہ جو علامہ التورپشتی نے الی اور لام کا فرق بیان کیا ہے وہ ضعیف ہے، کیونکہ اس مقام پر الی، لام کے معنی میں ہے، گویا کہ یوں کہا گیا ہے کہ تم کھڑے ہو اور اپنے سردار کی طرف چل کر جاؤ اس سے ملاقات کے لیے اور اس کے اکرام کے لیے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی مشتق پر حکم لگایا جائے تو اس مشتق کا ماخذِ اشتقاق اس حکم کی علت ہوتا ہے اور اس حدیث میں سیّد کی طرف کھڑے ہونے پر حکم لگایا ہے اور سیّد کا ماخذِ اشتقاق سیادت ہے، گویا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف کھڑے ہونے کی علت ان کی سیادت ہے، یعنی چونکہ وہ تمہارے سردار ہیں اس لیے تم ان کی طرف کھڑے ہو۔

اور امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، نے کہا ہے کہ نیکی اور تکریم کے طور پر قیام کرنا جائز ہے جیسا کہ انصار نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لیے قیام کیا تھا، اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے لیے قیام کیا تھا، اور جس کے لیے قیام کیا جائے اس کو یہ اعتقاد نہیں کرنا چاہیے کہ وہ اس قیام کا مستحق ہے، حتیٰ کہ اگر اس کے لیے قیام نہ کیا جائے تو وہ اس کو ڈانٹے یا اس کی شکایت کرے اور اس پر ناراض ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۶۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قیامِ تعظیم کی تحقیق

اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اگر کوئی بڑا مجلس میں آئے تو اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا جائز اور مستحب ہے اور اس کے خلاف درج ذیل حدیث ہے:

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس وقت آپ اپنی لاٹھی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، ہم آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے تو آپ نے فرمایا: تم اس طرح نہ کھڑے ہو جس طرح بعض عجمی بعض کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ (سنن ابوداؤد: ۵۲۳۰، مسند احمد ج ۳ ص ۲۵۳، تہذیب الآثار للطبری: ۸۳۳)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا: اس حدیث سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کی سند میں ابوالعدبس اور ابومرزوق ہیں جو مجہول راوی ہیں اور ناقلین کا اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے۔

اسی طرح اس کے خلاف یہ حدیث بھی ہے:

حضرت عبداللہ بن بریدہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو یہ پسند کرے کہ لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے رہیں اس کے لیے دوزخ واجب ہو جائے گی۔ (تہذیب الآثار للطبری: ۸۳۸)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی ممانعت اس پر مبنی ہے کہ جو شخص اس سے خوش ہو کہ اس کے لیے کھڑا ہوا جائے۔ اور مطلقاً قیام کی اس حدیث میں ممانعت نہیں ہے۔ نیز قیامِ تعظیم پر درج ذیل حدیث دلیل ہے:

قیامِ تعظیم کے جواز اور استحباب کے دلائل

امام نسائی سندِ جید کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھتے کہ وہ آ رہی ہیں تو آپ انہیں خوش آمدید کہتے اور ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاتے اور ان کو بوسا دیتے، پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۳۹۱)

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو یہ ارشاد ہے کہ اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو، یہ ان کی تعظیم کے لیے ہے۔ کیونکہ ان کی دین میں خدمات تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان کا بڑا مرتبہ تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر فتنہ کا خوف

نہیں تھا۔

نیز حدیث میں ہے:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے لیے کھڑے ہوئے جب ان کی توبہ قبول کی گئی تھی۔

(صحیح البخاری:۴۴۱۸، صحیح مسلم:۲۷۶۹)

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انکار نہیں کیا۔صرف دنیاداروں کی تعظیم کے لیے قیام کرنا مکروہ ہے اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ایسے دین دار کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے۔

قیام تعظیم کے متعلق امام مالک کا موقف

امام مالک سے سوال کیا گیا کہ کوئی عورت اپنے خاوند کے ساتھ نیک سلوک کرنے میں بہت مبالغہ کرتی ہے، وہ اس کے کپڑے اتارتی ہے، اس کی جوئیں دیکھتی ہے اور اس کے سامنے کھڑی رہتی ہے حتیٰ کہ وہ بیٹھ جائے تو امام مالک نے اس کے جواب میں کہا کہ اس کا خاوند کے کپڑے اتارنا اور اس کی جوئیں دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اس کے لیے کھڑے رہنا حتیٰ کہ وہ بیٹھ جائے یہ درست نہیں ہے، یہ تو متکبرین کا فعل ہے اور بسااوقات لوگ انتظار کرتے رہتے ہیں، جب وہ آتا ہے تو اس کی طرف کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ اسلام میں نہیں ہے۔اور کہا گیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے لیے ایسا کیا گیا جب وہ خلیفہ ہوئے اور لوگوں کی طرف آئے تو لوگ ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوئے تو انہوں نے اس کا انکار کیا اور کہا کہ قیام صرف رب العالمین کے لیے کرنا چاہیے۔(الذخیرہ ج ۱۳ ص ۲۹۹)

علامہ داؤدی نے کہا: اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کسی کو یا سیدی کہہ کر بلانا جائز ہے، اور امام مالک اس کو مکروہ کہتے تھے، اور غالباً ان کو یہ حدیث نہیں پہنچی تھی۔قرآن مجید میں ہے:

وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ۔(یوسف:۲۵) اور ان دونوں نے اس عورت کے خاوند کو دروازے کے قریب پایا۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا۔(آل عمران:۳۹) اور سردار اور عورتوں سے بہت بچنے والے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۰۰۔۱۰۲، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۶۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قیام تعظیم کے متعلق علامہ نووی شافعی اور حافظ ابن الحاج مالکی کا مباحثہ

علامہ نووی نے قیام تعظیم کے جواز پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے لیے قیام کیا۔

علامہ ابن الحاج مالکی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس لیے قیام کیا تھا تا کہ حضرت کعب بن مالک کو ان کی توبہ کے مقبول ہونے پر مبارک باد دیں اور ان سے مصافحہ کریں۔ اسی وجہ سے امام بخاری نے اس حدیث سے قیامِ تعظیم کے اوپر استدلال نہیں کیا۔ اور امام بخاری نے اس حدیث کو صرف مصافحہ پر استدلال کرنے کے لیے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔ اور اگر یہ قیام وہ ہوتا جس میں فریقین کا نزاع ہے تو اس قیام میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ منفرد نہ ہوتے۔ پس یہ منقول نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے لیے کھڑے ہوئے ہوں یا آپ نے کسی کو کھڑے ہونے کا حکم دیا ہو اور نہ حاضرین میں سے کسی اور نے اس وجہ سے قیام کیا تھا۔ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اس موقع پر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے لیے قیام میں اس لیے منفرد ہیں کہ ان دونوں کے درمیان بہت زیادہ دوستی اور محبت تھی اور جیسا کہ مسلمانوں میں عادت جاری ہے کہ وہ خوشی کے مواقع پر مبارک باد دیتے ہیں، سو جس کی جتنی محبت ہوتی ہے وہ اتنی زیادہ خوشی مناتا ہے اور اتنا زیادہ ملتا جلتا ہے۔ اس کے برخلاف سلام ہے، کیونکہ سلام ہر اس شخص کے لیے مشروع ہے جس کو تم جانتے ہو یا نہ جانتے ہو۔ اور دوستی میں تفاوت اور فرق حقوق میں تفاوت کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ امر معروف ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس کے دل میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی اتنی محبت اور دوستی ہوتی جتنی محبت اور دوستی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے دل میں تھی اور وہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی خوشی کے وقوع پر مطلع نہ ہوا ہوتا جس طرح حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ مطلع ہوئے تھے تو وہ بھی حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو مبارک باد دینے کے لیے کھڑا ہوتا، کیونکہ یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا جب حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے لوگوں کو کلام کرنے سے مطلقاً منع کر دیا گیا تھا اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تھا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ مہاجرین میں سے کوئی اور میری طرف کھڑا نہیں ہوا، مہاجرین کی تخصیص میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی طرف مہاجرین کے علاوہ انصار میں سے لوگ انہیں مبارکباد دینے کے لیے کھڑے ہوئے تھے۔

علامہ ابن الحاج نے اس دلیل پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے کھڑے ہونے کو قیامِ تعظیم پر محمول کیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ دیگر مہاجرین نے اس مستحب کام کو ترک کر دیا اور ان کے ساتھ یہ گمان نہیں کیا جا سکتا۔

نیز علامہ نووی نے قیامِ تعظیم پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے تھے۔

علامہ ابن الحاج مالکی نے اس دلیل کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے اس وجہ سے کھڑے ہوئے ہوں تا کہ آپ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی جگہ پر بٹھائیں ان کے اکرام اور اعزاز کے لیے۔ نہ اس وجہ سے کہ آپ ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوئے ہوں۔ خاص طور پر اس وجہ سے کہ یہ معروف ہے کہ اس وقت لوگوں کے گھر تنگ تھے اور فرش کم بچھا ہوا تھا اور آپ کا ارادہ یہ تھا کہ آپ ان کو اپنی جگہ پر بٹھائیں اور یہ آپ کے قیام کو مستلزم تھا۔ اور ابن الحاج مالکی نے اس دلیل میں بہت غور وفکر کیا ہے۔

پھر علامہ نووی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کی امام ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن بیٹھے ہوئے تھے تو آپ کے رضاعی والد آئے تو آپ نے ان کے لیے اپنا بعض کپڑا بچھا دیا جس پر وہ بیٹھ گئے۔ پھر آپ کی رضاعی والدہ آئیں تو آپ نے ان کے لیے کپڑے کی دوسری طرف پھاڑ کر بچھا دی، پھر آپ کے رضاعی بھائی آئے تو آپ کھڑے ہوئے

اور آپ نے ان کو اپنے سامنے بٹھایا، اور یہ قیامِ تعظیم ہے۔

علامہ ابن الحاج مالکی نے اس دلیل پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر یہ وہ قیام ہوتا جس میں فریقین کا نزاع ہے یعنی قیامِ تعظیم تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رضائی والدین اس تعظیم کے زیادہ مستحق تھے بہ نسبت ان کے رضائی بھائی کے اور آپ رضائی بھائی کے لیے صرف اس لیے کھڑے ہوئے تھے کہ مجلس میں جو چادر بچھی ہوئی تھی اس میں ان کے لیے توسیع کی جائے۔

پھر علامہ نووی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کو امام مالک نے حضرت عکرمہ بن ابی جہل کے قصہ میں روایت کیا ہے کہ جب وہ فتح مکہ کے دن یمن کی طرف بھاگ گئے اور ان کی بیوی نے ان کی طرف سفر کیا حتیٰ کہ ان کو حالتِ اسلام میں واپس لے آئیں، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو آپ خوشی سے اچھل کر کھڑے ہو گئے اور آپ کے اوپر کوئی چادر نہیں تھی۔ اور علامہ نووی نے اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حبشہ سے آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا: مجھے پتا نہیں میں کس چیز سے زیادہ خوش ہوا ہوں جعفر کے آنے سے یا خیبر کی فتح سے۔ اور علامہ نووی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تھے، انہوں نے دروازہ کو کھٹکھٹایا، آپ ان کی طرف کھڑے ہوئے اور آپ نے ان کو گلے لگایا اور ان کو بوسا دیا۔

علامہ ابن الحاج مالکی نے ان احادیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ قیام محلِ نزاع سے متعلق نہیں ہے، کیونکہ آپ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے آنے پر جو کھڑے ہوئے تھے وہ ان کے اسلام لانے کی خوشی کی وجہ سے کھڑے ہوئے تھے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے لیے جو کھڑے ہوئے تھے تو وہ بھی ان کے آنے کی خوشی کی وجہ یا خیبر کی فتح کی خوشی کی وجہ سے کھڑے ہوئے تھے، اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لیے جو کھڑے ہوئے تھے تو وہ بھی ان کے آنے کی خوشی کی وجہ سے کھڑے ہوئے تھے۔

اس کے بعد علامہ نووی نے قیامِ تعظیم کے جواز پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کی امام ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے باتیں کرتے تھے، جب آپ کھڑے ہوتے تو ہم کھڑے ہو جاتے حتیٰ کہ ہم دیکھتے کہ آپ گھر میں داخل ہو جاتے، یعنی اس وقت تک کھڑے رہتے۔

علامہ ابن الحاج نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ صحابہ کرام کا قیام کرنا اس ضرورت کی بناء پر تھا کہ اب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سننے سے فارغ ہو گئے ہیں اور اب وہ اپنے کاموں کی طرف متوجہ ہوں گے، اور اس لیے کہ آپ کے حجرہ یا آپ کے گھر کا دروازہ مسجد میں تھا اور وہ مسجد کشادہ نہیں تھی کہ وہ سیدھے کھڑے رہتے حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہو جاتے۔ اسی طرح علامہ ابن الحاج مالکی نے کہا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: مجھ پر علامہ نووی کی اس دلیل کا یہ جواب منکشف ہوا ہے کہ شاید صحابہ اتنی دیر اس لیے کھڑے رہتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک یہ ہو سکتا تھا کہ آپ کو کوئی کام پیش آئے حتیٰ کہ اگر وہ متفرق ہو جاتے تو آپ کو انہیں بلانے کی تکلیف اٹھانی پڑتی۔ پھر میں نے سنن ابوداؤد کا مطالعہ کیا تو مجھے ایک حدیث کے آخر میں وہ بات مل گئی جو میں نے کہی ہے اور وہ اس اعرابی کا قصہ ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کو پکڑ کر کھینچا تو آپ نے کسی مرد کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ اس اعرابی کے لیے اس کے اونٹ پر کھجور یا جو لاد دو، اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ پھر آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ واپس جاؤ اللہ

تعالیٰ تم پر رحم کرے، یعنی صحابہ کرام اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھڑے رہے کہ شاید آپ کوئی اور حکم دیں۔

پھر علامہ نووی نے ان احادیث کے عمومات سے استدلال کیا ہے کہ جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ لوگوں کو ان کے اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق ٹھہراؤ اور سفید بالوں والے کی تعظیم کرو اور بڑے آدمی کی توقیر کرو۔ اور یہ حدیث بھی قیام تعظیم کی تائید کرتی ہے۔

علامہ ابن الحاج مالکی نے اس دلیل پر یہ اعتراض کیا ہے کہ بطور تکریم کسی کے لیے قیام کرنا ان عمومات میں داخل ہے لیکن جو محلِ نزاع ہے اس سے ممانعت ثابت ہے، لہٰذا ان عمومات سے وہ محلِ نزاع خاص کر لیا جائے گا۔

اور علامہ نووی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے پاس تلوار لے کر کھڑے ہو گئے تھے۔

علامہ ابن الحاج مالکی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا یہ قیام تعظیم کے لیے نہیں تھا بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت کرنے کے لیے تھا تا کہ مشرکین کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی اذیت نہ پہنچے اور یہ محلِ نزاع نہیں ہے۔

پھر علامہ نووی نے حضرت معاویہ اور حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہما کی حدیثوں کو ذکر کیا ہے جو پہلے گزر چکی ہیں۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس وقت آپ اپنی لاٹھی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، ہم آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے تو آپ نے فرمایا: تم اس طرح نہ کھڑے ہو جس طرح بعض عجمی بعض کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن بریدہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو یہ پسند کرے کہ لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے رہیں اس کے لیے دوزخ واجب ہو جائے گی۔

اور اس سے پہلے امام ترمذی کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہیں تھا اور جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تو قیام نہیں کرتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ اس قیام کو ناپسند فرماتے ہیں۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے اور اس کا عنوان قائم کیا ہے کہ ایک مرد کا دوسرے مرد کے لیے قیام کرنا مکروہ ہے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے لیے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ لوگوں کے لیے قیام کرنا مکروہ ہے۔

علامہ نووی نے کہا: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کے زیادہ قریب ہے جس سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اور اس کے دو جواب ہیں۔

ایک جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے قیام کو اس لیے ناپسند کرتے تھے کہ آپ کو ان پر فتنہ کا خوف تھا کہ وہ آپ کی تعظیم میں افراط کریں گے تو اس وجہ سے آپ نے ان کے قیام کو ناپسند فرمایا، جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے "لا تطرونی" میری تعریف میں زیادہ مبالغہ نہ کرو۔ اور آپ نے بعض صحابہ کے دوسرے بعض صحابہ کے لیے قیام کو ناپسند نہیں فرمایا، کیونکہ صحابہ آپ کے علاوہ دوسروں کے لیے آپ کے سامنے قیام کرتے تھے، اور آپ نے اس کو منع نہیں فرمایا بلکہ اس کو مقرر رکھا اور اس کا حکم دیا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے درمیان کمال درجہ کی محبت اور انس اور دوستی اور صفائے قلب تھی جو آپ کی تعظیم کے لیے قیام سے بہت زائد تھی، لہٰذا قیام مقصود نہیں تھا۔ اور جب کسی انسان کو ایسی حالت میں فرض کیا جائے تو پھر قیام کی ضرورت نہیں ہوگی۔

علامہ ابن الحاج نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ پہلا جواب اس وقت مکمل ہوگا جب یہ تسلیم کرلیا جائے کہ صحابہ کرام کسی کے لیے بھی اصلاً قیام نہیں کرتے تھے، پھر جب وہ خصوصیت سے آپ کے لیے قیام کریں گے تو یہ تعظیم کے مبالغہ میں داخل ہو جائے گا، لیکن علامہ نووی نے یہ اقرار کیا ہے کہ وہ دوسروں کے لیے قیام کرتے تھے۔ پس ان کے لیے کس طرح جائز ہوگا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر کے لیے وہ کام کریں جس میں تعظیم میں مبالغہ سے امن نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس کو ترک کر دیں۔ پس اگر ان کا یہ فعل اکرام کے لیے تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکرام کے زیادہ لائق تھے، کیونکہ نصوص میں تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور توقیر کی جائے، پس ظاہر یہ ہے کہ صحابہ کرام جو دوسروں کے لیے قیام کرتے تھے وہ یا اس لیے تھا کہ کسی کے آنے کی وجہ سے قیام کرتے تھے یا کسی کو مبارک باد دینے کے لیے قیام کرتے تھے یا دوسرے اسباب کی وجہ سے قیام کرتے تھے جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اور جو محلِ نزاع میں داخل نہیں ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنے لیے قیام کو ناپسند فرماتے تھے یہ وہی قیام تھا جو محلِ نزاع میں ہے یا وہ قیام ہے جو مذموم ہے جیسا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔

اور دوسرے جواب پر علامہ ابن الحاج مالکی نے یہ تبصرہ کیا ہے: اگر کسی صحابی کی صحابیت زیادہ مؤکد نہ ہو اور نہ اس کا مرتبہ معروف اور مشہور ہو اور وہ قیام نہ کرے تو وہ معذور ہے۔ اس کے برخلاف جس کی صحابیت مؤکد ہو اور اس کا مرتبہ بھی عظیم ہو تو اس کے لیے یہ متوجہ ہوگا کہ اس کے ساتھ زیادہ نیکی کرنا اور اس کا زیادہ اکرام کرنا مطلوب ہے اور اس کی زیادہ توقیر کرنی چاہیے۔ اور علامہ نووی کے قول پر یہ لازم آئے گا کہ جو آپ کے ساتھ زیادہ حق دار ہو اور جو آپ کے مرتبہ کے زیادہ قریب ہو وہ آپ کی تعظیم اور توقیر اس سے کم کرتا تھا جو آپ سے بعید ہو۔ اور احادیثِ صحیحہ میں اس کے برخلاف ہے جیسا کہ سہو کے قصہ میں روایت ہے کہ صحابہ میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے، سو وہ آپ سے کلام کرنے سے ڈرے اور آپ سے حضرت ذوالیدین نے کلام کیا، حالانکہ ان کا مرتبہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی بہ نسبت بہت بعید تھا۔ علامہ ابن الحاج نے کہا کہ اس قصہ سے یہ لازم آئے گا کہ عالم کے خواص اور کبیر اور رئیس اس عالم کی تعظیم نہیں کرتے تھے اور کھڑے ہو کر اس کی تعظیم نہیں بجالاتے تھے بخلاف اس کے جو ان سے بعید ہو۔ اور اس میں قیام کے ساتھ تعرض ہے اور نہ کسی اور چیز کے ساتھ اور یہ متفق علیہ ہے۔ علامہ ابن الحاج مکی نے کہا کہ جو چیز ممنوع ہے وہ محبت سے قیام کرنا ہے، اگر ان کے دل میں اس کا خطرہ نہ ہو تو ان کے لیے قیام کریں یا نہ کریں تو ان پر کوئی ملامت نہیں ہوگی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ جب قیام کو ترک کرنا توہین کی خبر دے یا اس پر کوئی فساد مترتب ہو تو پھر قیام کو ترک کرنا ممنوع ہوگا۔ اور اسی طرف ابن عبد السلام نے اشارہ کیا ہے جس کو حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بعض محققین سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ممنوع یہ ہے کہ لوگ قیام کو عادت بنالیں جیسا کہ عجمیوں نے عادت بنالی ہے اور جیسا کہ اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے۔ اور

اگر قیام اس لیے ہو کہ کوئی شخص سفر سے آیا ہے، یا حاکم کے لیے اس کے محلِ ولایت میں قیام ہو تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اسی کے ساتھ وہ جوابات لاحق ہو جائیں گے جو علامہ ابن الحاج نے دیے ہیں جیسے کہ کسی شخص کو کوئی نعمت ملے اور اس کو مبارک باد دینی ہو یا کسی عاجز کی مدد کرنی ہو یا مجلس میں کشادگی کے لیے قیام کیا جائے یا اور کسی وجہ سے تو یہ جائز ہے۔ اور امام غزالی نے کہا ہے: قیام بطورِ اعظام کے مکروہ ہے اور بطورِ اکرام کے مکروہ نہیں ہے اور یہ عمدہ تفصیل ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۳۰۔۳۳۱، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

مجلس میں آنے والے شخص کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونے کے متعلق مذاہب فقہاء

اس حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا: ''قوموا الی سیدکم'' اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو۔ اس حدیث کو امام بخاری نے بھی متعدد اسانید سے روایت کیا ہے۔ امام احمد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۲، ج ۳ ص ۱۴۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی) اور امام ابوداؤد نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۹۵، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

قیام تعظیم کے متعلق علامہ نووی شافعی کا موقف

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ جب معزز لوگ آئیں تو ان کی تعظیم اور اکرام کے لیے قیام کیا جائے، اسی طرح جمہور فقہاء اسلام نے اس حدیث سے قیام کے استحباب پر استدلال کیا ہے، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ یہ وہ قیام نہیں ہے جس سے منع کیا گیا ہے، قیام ممنوع یہ ہے کہ ایک شخص بیٹھا ہو اور دوسرے لوگ اس کی تعظیم کے لیے جب تک وہ بیٹھا ہو کھڑے رہیں، (علامہ نووی کہتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ اہل فضل کے آنے کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے۔ اس کے متعلق احادیث موجود ہیں۔ اور اس کی ممانعت میں صراحت سے کوئی چیز ثابت نہیں ہے، میں نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں مانعین کے تمام شکوک اور شبہات کو زائل کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ)

قیام تعظیم کے متعلق علامہ ابی مالکی کا موقف

علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی مالکی متوفی ۸۲۸، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے کہا: اس حدیث سے لازم آتا ہے کہ قوم کے رئیس اور اہل خیر اور اہل فضل کی تعظیم کے لیے قیام کرنا چاہیے، کیونکہ تحقیق سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سے زیادہ افراد کے لیے کھڑے ہوئے اور یہ وہ قیام نہیں ہے جس سے منع کیا گیا ہے، قیام ممنوع یہ ہے کہ جیسے عجمی بادشاہ بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور لوگ ان کی تعظیم کے لیے کھڑے رہتے ہیں، صحابہ کا اس میں اختلاف تھا کہ آپ نے صرف انصار کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے قیام کا حکم دیا تھا یا تمام مہاجرین اور انصار کو یہ حکم دیا تھا۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۹۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

قیام تعظیم کے متعلق علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی کا موقف

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ، لکھتے ہیں:

آنے والے کی تعظیم کے لیے اٹھنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے، جیسا کہ عالم کے سامنے پڑھنے والے کے لیے بھی تعظیماً کھڑے ہونا مستحب ہے۔ (درمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۵ ص ۲۳۸، مطبوعہ مطبع عثمانیہ، استنبول، ۱۳۲۷ھ)

قیام تعظیم کے متعلق علامہ شامی کا موقف

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، لکھتے ہیں:

یعنی اگر وہ شخص تعظیم کا مستحق ہو (تو اس کے آنے پر کھڑے ہونا مستحب ہے)۔ قنیہ میں ہے: جو شخص مسجد میں بیٹھا ہوا اس کا آنے والے کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے، اسی طرح قرآن مجید پڑھنے والے کا بھی آنے والے کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے، البتہ جس شخص کے لیے قیام کیا جائے اس کا قیام کو پسند کرنا مکروہ ہے۔ علامہ ابن وہبان نے کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں قیام مستحب ہے، کیونکہ قیام نہ کرنے سے کینہ، بغض اور عداوت پیدا ہوتی ہے، خاص طور پر جس شخص کے لیے عموماً لوگ قیام کرتے ہوں وہاں قیام کرنا مستحب ہے، باقی قیام پر جو وعید ہے وہ اس شخص کے بارے میں ہے جو یہ پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں، جیسا کہ ترک اور عجمی کرتے ہیں اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ عنایہ وغیرہ میں ہے کہ شیخ حکیم ابوالقاسم کے پاس جب کوئی غنی آتا تو اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے اور فقراء اور طلباء کے لیے نہیں کھڑے ہوتے تھے، جب ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: غنی مجھ سے تعظیم کی توقع رکھتا ہے اگر میں اس کی تعظیم نہ کروں تو اس کو تکلیف ہوگی، اور فقراء اور طلباء مجھ سے صرف سلام کے جواب اور علمی مباحث میں گفتگو چاہتے ہیں۔ (ردالمحتار ج ۵ ص ۲۳۸، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ، استنبول، ۱۳۲۷ھ)

قیام تعظیم کے متعلق علامہ قاضی خاں کا موقف

علامہ حسن بن منصور اوزجندی المعروف بہ قاضی خاں، متوفی ۲۹۵ھ، لکھتے ہیں:

ایک قوم مصحف میں دیکھ کر قرآن مجید پڑھ رہی ہو یا ایک اکیلا شخص پڑھ رہا ہو اور اس کے پاس معزز اور معظم لوگوں میں سے کوئی شخص آئے اور پڑھنے والا اس کی خاطر کھڑا نہ ہو تو فقہاء نے کہا کہ اگر آنے والا عالم دین، اس کا والد یا اس کو علم دین سکھانے والا استاذ ہے تو اس کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں ج ۳ ص ۴۲۲، علی ہامش الہندیہ، مطبوعہ مصر ۱۳۱۰ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک اشراف اور معزز لوگوں کے لیے قیام تعظیمی جائز ہے بلکہ مستحب ہے اور اگر کوئی شخص سفر سے واپس آئے، یا کسی کو مبارک باد دینی ہو یا اور کوئی جائز مقصد ہو تو پھر قیام کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، فقہاء مالکیہ میں سے علامہ ابن الحاج اور فقہاء حنبلیہ میں سے علامہ ابن قیم نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے، لیکن موخر الذکر صورتوں میں وہ قیام کو جائز کہتے ہیں۔

ان حوالوں سے ظاہر ہو گیا کہ قیام تعظیم کے جواز اور استحباب پر امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام بیہقی اور جمہور فقہاء اسلام نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور ان عظیم ائمہ اور فقہاء کے مقابلہ میں علامہ ابن الحاج اور علامہ تورپشتی کا اختلاف کچھ وقعت نہیں رکھتا خصوصاً جب ان کے اعتراض کا جواب بھی دیا جا چکا ہے۔

قیام تعظیم کے ثبوت میں دیگر احادیث و آثار

ہم ابھی ابھی امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، اور امام احمد کے حوالوں سے حدیث "قوموا الی سیدکم" کا ذکر کر چکے ہیں، جس سے جمہور فقہاء اسلام نے قیام تعظیمی کے جواز اور استحباب پر استدلال کیا ہے، اب ہم اس سلسلہ میں دیگر احادیث پیش کر رہے ہیں۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھنے اور بیٹھنے میں مشابہ نہیں دیکھا، جب حضرت فاطمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتیں تو آپ ان کے لیے کھڑے ہوتے اور ان کو بوسا دیتے اور ان کو اپنی جگہ بٹھاتے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے تو وہ اپنی نشست سے کھڑی ہوتیں، آپ کو بوسا دیتیں اور آپ کو اپنی جگہ بٹھاتیں۔ (جامع ترمذی ص ۵۵۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ج ۲ ص ۳۵۲، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ)

نیز امام بخاری نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (الادب المفرد ص ۲۴۴، مطبوعہ مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن کعب بیان کرتے ہیں کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وہ غزوۂ تبوک سے رہ گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تھی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی تو ہمیں اللہ کے توبہ قبول فرمانے کی خبر دی گئی، اس وقت مجھ سے صحابہ فوج در فوج ملے اور مجھے توبہ قبول ہونے پر مبارک باد دینے لگے، وہ کہتے تھے کہ اللہ کا تمہاری توبہ قبول کرنا مبارک ہو، میں جب مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صحابہ کرام بیٹھے ہوئے تھے۔ (مجھے دیکھ کر) حضرت طلحہ بن عبیداللہ کھڑے ہوئے اور دوڑ کر آ کے مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے مبارک باد دی، بخدا مہاجرین میں سے ان کے سوا اور کوئی شخص میرے لیے نہیں کھڑا ہوا۔ (الادب المفرد ص ۲۴۳، مطبوعہ مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل)

حافظ نورالدین علی بن ابی بکر متوفی ۸۰۷، لکھتے ہیں:

محمد بن ہلال اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لے جاتے تو ہم آپ کے گھر میں داخل ہونے تک آپ کے لیے کھڑے رہتے۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۴۰، مطبوعہ دارالکتب العربی، ۱۴۰۲ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس حدیث کو امام ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱)

ان احادیث کے علاوہ اور بھی متعدد احادیث ہیں جو قیام تعظیم پر دلالت کرتی ہیں، علامہ نووی نے ان کو کتاب القیام میں بیان کیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی ان کا تفصیلاً ذکر کیا ہے، لیکن ہم نے بغرض اختصار صرف مذکور الصدر احادیث کے بیان پر اکتفاء کی ہے۔ اب ہم ان احادیث کا ذکر کریں گے جن کو قیام تعظیم کے مخالفین بیان کرتے ہیں اور ان احادیث کے جوابات بھی بیان کریں گے۔

قیام تعظیم کے خلاف احادیث اوران کے جوابات

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصا پر ٹیک لگائے ہوئے ہمارے پاس تشریف لائے، ہم آپ کے لیے کھڑے ہوگئے، آپ نے فرمایا: عجمیوں کی طرح مت کھڑے ہو، جو بعض، بعض کی تعظیم کرتے ہیں۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۵۴، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان، لاہور، ۱۴۰۵ھ)

پہلی بات یہ ہے کہ امام طبرانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، مضطرب السند ہے۔ اوراس کی سند میں مجہول راوی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور دیگر صحاح کی حدیث کے معارض ہے جن میں آپ نے قیام کا حکم دیا ہے اور خود بھی قیام کیا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس میں مطلقاً قیام سے منع نہیں فرمایا بلکہ عجمیوں کے قیام سے منع فرمایا ہے جس میں سردار بیٹھا رہتا ہے اور لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے رہتے ہیں، اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوگئے، ہم نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی درآں حالیکہ آپ بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت ابوبکر نماز کی تکبیریں کہہ رہے تھے، آپ نے ہم کو کھڑے ہوئے دیکھ لیا، پھر آپ نے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا ہم بیٹھ گئے، جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا: مجھے خدشہ ہے کہ تم اہل روم اور فارس کی طرح کام کرنے لگو گے، جو اپنے بادشاہوں کے سامنے کھڑے رہتے ہیں درآں حالیکہ وہ بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں، سو ایسا نہ کرو۔ (الادب المفرد ص ۲۴۴، مطبوعہ مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہیں تھا (اس کے باوجود) وہ حضور کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ انہیں علم تھا کہ آپ قیام کو ناپسند فرماتے ہیں۔

(جامع ترمذی ص ۳۹۳، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ نووی سے اس حدیث کے دو جواب نقل کیے ہیں، پہلا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کا قیام کرنا اس لیے ناپسند تھا کہ آپ کو یہ خدشہ تھا کہ کہیں وہ تعظیم میں زیادہ افراط نہ کرنے لگیں، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا: "لاتطرونی" "میری تعظیم میں زیادہ مبالغہ نہ کرو" اور آپ نے آپس میں صحابہ کا قیام کرنا ناپسند نہیں کیا، کیونکہ بعض صحابہ کے لیے آپ نے خود قیام کیا اور آپ کے سامنے صحابہ دوسروں کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ نے اس پر انکار نہیں کیا بلکہ ان کو مقرر اور ثابت رکھا اور اس کا حکم دیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ کے اور صحابہ کے درمیان اس قدر انس اور محبت تھی جس میں قیام تعظیمی کی گنجائش نہیں تھی، اور جب لوگ کمال محبت کے ساتھ آپس میں گھل مل کر رہنے لگیں تو پھر قیام کے تکلف کی ضرورت نہیں رہتی۔ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۳، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ)

علامہ ابوحامد نے لکھا ہے: ہر چند کہ قیام، ثناء اور اعتذار وغیرہ صحبت کے حقوق میں سے ہیں، لیکن ان میں ایک طرح کی اجنبیت اور تکلف ہے اور جب جانبین میں مکمل اتحاد ہوتا ہے تو تکلف کی بساط بالکلیہ لپیٹ دی جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کا قیام

کرنا اور قیام کو ترک کرنا یہ دونوں امر ثابت ہیں اور دونوں کا ثبوت ازمنہ، احوال اور اشخاص کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہے۔

نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

ابومجلز بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ آئے تو حضرت عبداللہ بن الزبیر اور ابن صفوان ان کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: بیٹھ جاؤ! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے: جو اس سے خوش ہوتا ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے۔ (جامع ترمذی ص ۳۹۳، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ نووی سے اس حدیث کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ اس حدیث سے قیام کی محبت سے ممانعت ہے اور اس میں مطلقاً قیام کی ممانعت کا بیان نہیں ہے، جس شخص کے دل میں قیام کی محبت نہ ہو، اس کے لیے لوگ قیام کریں یا نہ کریں اس پر کوئی ملامت نہیں ہے اور اگر کسی شخص کے دل میں قیام کی محبت ہو تو وہ حرام کا مرتکب ہوگا خواہ لوگ اس کے لیے قیام کریں یا نہ کریں، لہٰذا اس حدیث سے ترکِ قیام پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قیام کی وجہ سے کوئی شخص اس کی محبت میں مبتلا ہوگا جس سے منع کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ممنوع قیام کی محبت ہے قیام کرنا ممنوع نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۳، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ)

علامہ ابن الحاج اور علامہ ابن قیم نے یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بہر حال اس حدیث سے ترکِ قیام پر استدلال کیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد ہے جو صحیح اور صریح احادیث کے مقابلہ میں حجت نہیں ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ امام ترمذی کی تصریح کے مطابق یہ حدیث حسن ہے اور جن احادیث میں قیام کا حکم اور قیام کا ثبوت ہے وہ احادیث صحیحہ ہیں اور حدیث حسن حدیث صحیح سے معارضہ کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

نیز علامہ ابن قتیبہ نے اس حدیث کا یہ جواب دیا کہ اس حدیث میں اس قیام کی محبت پر وعید ہے جو عجمی بادشاہوں کے سامنے قیام کیا جاتا ہے بایں طور کہ جب تک بادشاہ بیٹھا رہے لوگ اس کے سامنے کھڑے رہتے ہیں۔

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۰، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ)

قیام تعظیم کے متعلق علامہ ابن بطال مالکی کا موقف

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سلطان یا حاکم مسلمانوں کے کسی سردار کی تکریم کا حکم دے اور سلطانِ اکبر کی مجلس میں اہلِ فضل کی تکریم کرنا جائز ہے اور ان کے اصحاب وغیرہ کا اس کی تعظیم کے لیے قیام کرنا جائز ہے اور تمام لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے سردار کی تعظیم کے لیے قیام کریں۔

علامہ طبری نے کہا ہے: اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے معارض وہ حدیث ہے جس کی مسعر نے از ابی العنبس از ابی العدبس از ابی مرزوق از ابی غالب از ابی امامہ روایت کی ہے کہ ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لاٹھی کا سہارا لیتے ہوئے آئے، ہم آپ کے لیے کھڑے ہو گئے تو آپ نے فرمایا: تم اس طرح نہ کھڑے ہو جس طرح بعض عجمی دوسرے

بعض عجمیوں کی طرح کھڑے ہوتے ہیں۔

علامہ طبری نے کہا: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے دین میں استدلال کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ابوالعدبس اور ابومرزوق دونوں مجہول ہیں۔علاوہ ازیں ان کی سند میں ناقلین کا اضطراب ہے۔

پھر اگر کوئی گمان کرنے والا یہ گمان کرے کہ حضرت عبداللہ بن بریدہ سے روایت ہے کہ ان کے والد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انہوں نے یہ خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جو یہ پسند کرے کہ مرد اس کے لیے کھڑے رہیں تو اس کے لیے دوزخ کی آگ واجب ہے۔سو یہ گمان صحیح نہیں ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر اس کے لیے دی ہے جو اس سے خوش ہوتا ہے کہ اس کے لیے قیام کیا جائے اور اس میں نفسِ قیام سے ممانعت نہیں ہے۔

اور امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ منہال نے بیان کیا کہ مجھے حضرت عائشہ بنت طلحہ نے حدیث بیان کی از حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنی صاحبزادی کو دیکھتے کہ وہ آ رہی ہیں تو آپ انہیں خوش آمدید کہتے، پھر ان کی طرف قیام فرماتے اور پھر ان کو بوسا دیتے اور پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو اپنی جگہ پر بٹھاتے۔

(شرح ابن بطال ج ۹ ص ۴۷۔۴۸، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۶۲، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر ہم دیکھیں کہ کوئی شخص دروازہ میں داخل ہوا ہے اور ہم کھڑے ہو جائیں اور اس کی طرف چل کر جائیں تو یہ جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے جب کہ وہ اکرام اور تکریم کا اہل ہو اور ہمارا اس کی تکریم کرنا امور مسنونہ میں سے ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو۔

اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ان کے بازو کی رگ میں ایک تیر لگ گیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ان سے محبت تھی اور آپ کے نزدیک جو ان کا مرتبہ تھا، اس وجہ سے آپ نے حکم دیا کہ مسجدِ نبوی میں ان کا خیمہ بنایا جائے تاکہ آپ قریب سے ان کی عیادت کر سکیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت کرتے تھے، کیونکہ وہ اس کے مستحق تھے۔انہوں نے دعا کی تھی کہ اے اللہ! مجھ پر اس وقت تک موت طاری نہ کرنا حتیٰ کہ میری آنکھیں بنو قریظہ کی سزا سے ٹھنڈی ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احزاب کے بعد ان کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں اور بنو قریظہ کو ان کے حکم کے مطابق قلعہ سے اتارا۔پس یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے یہ اختیار کیا تھا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ان کے متعلق فیصلہ کریں، کیونکہ حضرت سعد ان کے حلیف تھے، پس انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ عنقریب ان کے اوپر احسان رکھیں گے اور عنقریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کی شفاعت کریں گے، لیکن حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال نہیں کیا۔اور جب وہ آئے تو انہوں نے بنو قریظہ سے کہا: میرا فیصلہ تم پر نافذ ہو جائے گا تو انہوں نے کہا: ٹھیک ہے، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو۔

اس کے بعد شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں:

ایک روایت میں ہے: ''قوموا لسید کم'' تم اپنے سردار کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو''۔اس سے مراد ہے: کسی شخص کی تعظیم

کے لیے کھڑے ہونا اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ افضل اس کو ترک کرنا ہے۔ اور اگر لوگ عدم قیام کی عادت بنالیں تو یہ زیادہ اولیٰ ہے، کیونکہ یہ صحابہ کا وہ فعل ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ کرتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ اس کو ناپسند فرماتے ہیں لیکن کسی کا اکرام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب ثقیف کا وفد آیا اور آپ مقام جعرانہ میں تھے تو آپ نے ان کے لیے قیام کیا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۰۷۔۱۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

علماء دیوبند کے نزدیک قیام تعظیم

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی لکھتے ہیں:

کسی کے لیے قیام کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، ان میں اکثر صورتیں متفق علیہ ہیں اور ان کا حکم واضح ہے، سردار بیٹھا ہے اور حاضرین تعظیم وتکریم میں مسلسل کھڑے ہیں، یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے، یا آنے والے کے دل میں تکبر و بڑائی ہو اور وہ چاہتا ہو کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں، یہ صورت بھی بالاتفاق ناجائز ہے، آنے والے کے دل میں تکبر پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کے لیے قیام مکروہ ہے، کسی کی آمد پر خوشی کی وجہ سے استقبال کے لیے کھڑا ہونا بالاتفاق مستحب ہے، مبارک باد دینے کے لیے کھڑا ہونا بھی مستحب ہے۔ کسی مصیبت زدہ کو تسلی دینے کے لیے کھڑا ہونا بھی بالاتفاق مستحب ہے۔ ان تمام صورتوں کے حکم میں اختلاف نہیں۔

صرف ایک صورت قیام تعظیمی کے حکم میں اختلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ آنے والے کے اکرام میں کوئی آدمی کھڑا ہوتا ہے اور آنے والے کے دل میں نہ اپنے لیے اس قیام تعظیمی کی خواہش ہے اور نہ تمنا، اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ جائز ہے لیکن یہ اجازت دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔ ایک یہ کہ جس کے لیے کھڑے ہو رہے ہیں، اس کے دل میں یہ طلب نہ ہو کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ کھڑے ہونے والے کے دل میں اس قیام کا داعیہ ہو، اگر دل میں اس کے اکرام کا داعیہ نہیں، محض ریاء اور تملق کی بناء پر کھڑا ہو رہا ہے تو جائز نہیں۔ (کشف الباری، کتاب الاستیذان، ص ۹۴۔۹۵، مکتبہ فاروقیہ، کراچی ۱۴۳۱ھ)

قیام تعظیم کے متعلق مصنف کا موقف

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے لیے قیام کو ناپسند فرمایا، وہ آپ کی تواضع اور آپ کا انکسار تھا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعظیم کا حکم دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی قیام فرماتے تھے جیسا کہ گزرا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آنے پر آپ قیام فرماتے تھے اور وفد ثقیف کے لیے آپ نے قیام فرمایا اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ نووی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الاعراف: ۱۵۷)

سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی تعظیم کی اور اس کی نصرت اور حمایت کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں O

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ (الفتح: ۹)

تاکہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تم ان کے رسول کی تعظیم اور توقیر کرو۔

سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لیے قیام خواہ آپ کی حیات مبارکہ میں ہو یا بعد از وصال ہو ہر دو صورتوں میں جائز اور مستحب ہے۔

۲۷۔ بَابُ: الْمُصَافَحَةِ

مصافحہ کرنے کا بیان

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: عَلَّمَنِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم التَّشَهُّدَ، وَكَفِّي بَيْنَ كَفَّيْهِ۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد کی تعلیم دی اور میری دونوں ہتھیلیاں آپ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھیں۔

وَقَالَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ: دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَإِذَا بِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَامَ إِلَيَّ طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ يُهَرْوِلُ حَتَّى صَافَحَنِي وَهَنَّأَنِي۔

اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: میں مسجد میں داخل ہوا تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پر تشریف فرما تھے، پس حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ میری طرف کھڑے ہوئے اور تیز چل کر آئے حتیٰ کہ میرے ساتھ مصافحہ کیا اور مجھ کو مبارک باد دی۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں مصافحہ کرنے کے جواز کا بیان ہے۔ مصافحہ بابِ مفاعلہ سے ہے، اس کا معنی ہے: ایک ہتھیلی کی چوڑائی کو دوسری ہتھیلی کی چوڑائی کے ساتھ ملانا اور چہرہ کو چہرہ کے مقابل کرنا۔ علامہ کرمانی نے کہا: مصافحہ کا معنی ہے ہاتھ کو پکڑنا اور یہ محبت کو پیدا کرتا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تعلیق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد کی تعلیم دی اور میری ہتھیلی آپ کی دو ہتھیلیوں کے درمیان تھی۔ امام بخاری نے اس تعلیق کو اس باب کے بعد سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس کے بعد امام بخاری کی دوسری تعلیق ہے جس میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے قیام اور ان کے مصافحہ کرنے اور مبارک باد دینے کا ذکر ہے۔ یہ تعلیق حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے توبہ قبول ہونے کے سلسلہ میں ہے۔ اس تعلیق کی حدیث میں "یہرول" کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: ایک قسم کا دوڑنا۔ اور اس تعلیق میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ کا ذکر ہے، یہ ان دس صحابہ میں سے ایک ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زندگی میں جنت کی بشارت دی تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۶۳۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قُلْتُ لِأَنَسٍ أَكَانَتِ الْمُصَافَحَةُ فِي أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ نَعَمْ۔ (سنن ترمذی: ۲۷۲۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن عاصم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از قتادہ، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے درمیان مصافحہ ہوتا تھا؟ انہوں نے کہا: ہاں!

صحیح البخاری: ۶۲۶۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو بن عاصم، یہ ابن عبید اللہ البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہمام، وہ ابن یحییٰ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے درمیان مصافحہ کرنے کا معمول تھا۔ اور وہی حجت ہیں اور امت کے لیے پیشوا ہیں۔ پھر ان کے بعد صحابہ کرام کے تابعین ہیں۔ اور ان سے بھی مصافحہ کے متعلق آثار حسان مروی ہیں۔

علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے کہ مصافحہ عام علماء کے نزدیک مستحسن ہے اور امام مالک نے پہلے اسے مکروہ کہا تھا اور بعد میں اس کو مستحسن کہا ہے۔ اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ تمام علماء کے نزدیک ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا ایسی سنت ہے جس پر سب کا اجماع ہے اور مصافحہ کے عمومی حکم سے اجنبی عورت اور بے ریش لڑکے سے مصافحہ کرنا مستثنیٰ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۶۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي حَيْوَةُ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو عَقِيلٍ زُهْرَةُ بْنُ مَعْبَدٍ سَمِعَ جَدَّهُ عَبْدَ اللهِ بْنَ هِشَامٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ۔

(صحیح بخاری: ۳۶۹۴، ۶۲۶۴، ۶۶۳۲، مسند احمد: ۱۷۵۸۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حیوۃ نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے ابو عقیل زہرہ بن معبد نے حدیث بیان کی، انہوں نے اپنے دادا حضرت عبد اللہ بن ہشام سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھوں کو پکڑا ہوا تھا۔

صحیح البخاری: ۶۲۶۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "المصافحة" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھوں کو پکڑا ہوا تھا اور اسی کو مصافحہ کہتے ہیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن سلیمان کا ذکر ہے، وہ ابی سعید الجعفی الکوفی ہیں جو مصر میں رہتے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن وہب کا ذکر ہے، وہ عبد اللہ بن وہب ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں حیوۃ کا ذکر ہے، یہ حیوۃ بن شریح ہیں۔ وہ زہرہ بن معبد سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن عبد اللہ بن ہشام بن عثمان بن عمرو القرشی التیمی کا ذکر ہے جن کا اہل حجاز

میں شمار کیا جاتا ہے۔ ابوعمر بن عبدالبر نے کہا: ان کو ان کی والدہ زینب بنت حُمید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں، وہ اس وقت کم سن تھے۔ آپ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے لیے دعا کی اور ان کو بیعت نہیں کیا کیونکہ وہ اس وقت کم عمر تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۲۔ ۳۹۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

مصافحہ کے ثبوت میں دیگر احادیث

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی الکوفی المتوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی از شعبہ از سماک، وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ مصافحہ کے متعلق بحث کر رہے تھے تو النعمان بن حُمید نے کہا: میں اپنے ماموں عباد بن شرحبیل کے ساتھ سلیمان کے پاس گیا، پس جب سلمان نے ان کو دیکھا تو ان سے مصافحہ کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۲۶۲۳۰، المجلس العلمی، بیروت ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ از ابواسحاق از حضرت البراء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بھی دو مسلمان ملاقات کے وقت ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے جدا ہونے سے پہلے ان کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۲۶۲۳۱، المجلس العلمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۶ھ)

یہ حدیث درج ذیل کتب حدیث میں بھی روایت کی گئی ہے:

(سنن ابوداؤد: ۵۱۷۰، سنن ابن ماجہ: ۳۷۰۳، سنن ترمذی: ۲۷۲۷، مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۹، ۳۰۳)

امام ابن ابی شیبہ از حنظلہ السدوسی از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم ایک دوسرے سے مصافحہ کیا کریں، آپ نے فرمایا: ہاں!

(مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۲۶۲۳۲، المجلس العلمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۶ھ)

یہ حدیث درج ذیل کتب حدیث میں بھی روایت کی گئی ہے:

(سنن ترمذی: ۲۷۲۸، سنن ابن ماجہ: ۳۷۰۲، مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۸، مصنف عبد بن حمید: ۱۲۱۷، مصنف ابویعلیٰ: ۴۲۸۷، ۴۲۸۷)

اس حدیث کے بہ کثرت شواہد ہیں۔ اور درج ذیل حدیث بھی ان میں سے ایک ہے:

نیز امام ابن ابی شیبہ از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۲۶۲۳۳، المجلس العلمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۶ھ)

یہ حدیث درج ذیل کتب حدیث میں بھی روایت کی گئی ہے:

(صحیح البخاری: ۶۲۶۳، سنن ترمذی: ۲۷۲۹)

امام ابن ابی شیبہ از شعبہ از غالب روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے شعبی سے کہا کہ ابن سیرین مصافحہ کرنے کو مکروہ کہتے ہیں تو شعبی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مصافحہ کرتے تھے۔ اور جب ان میں سے کوئی ایک سفر سے واپس آتا تو اپنے صاحب کو گلے لگاتا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۲۶۲۳۴، المجلس العلمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۳۲،

دارالکتب العلمیہ ، بیروت ۱۴۱۶ھ)

معاذ بن معاذ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عون سے مصافحہ کرنے کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ محمد (ابن سیرین) ہمارے ساتھ مصافحہ نہیں کرتے تھے اور نہ ہم ان کے ساتھ مصافحہ کرتے تھے۔ اور جب کوئی شخص ان کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو وہ اپنے ہاتھ کو کسی سے نہیں روکتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۲۶۲۳۵، المجلس العلمی ، بیروت ، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۳۲، دارالکتب العلمیہ ، بیروت ۱۴۱۶ھ)

ابن فضیل بیان کرتے ہیں از اللیث از ابن الاسود، انہوں نے کہا کہ سلام کی تکمیل مصافحہ سے ہوتی ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۲۶۲۳۶، المجلس العلمی ، بیروت ، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۳۲، دارالکتب العلمیہ ، بیروت ۱۴۱۶ھ)

امام ابن ابی شیبہ بیان کرتے ہیں: ہمیں ابن مبارک نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن ایوب از عبید اللہ بن زحر از علی بن زید از القاسم از حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: تمہارے سلام کی تکمیل مصافحہ سے ہوتی ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۲۶۲۳۸، المجلس العلمی ، بیروت ، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۳۲، دارالکتب العلمیہ ، بیروت ۱۴۱۶ھ)

یہ حدیث درج ذیل کتب حدیث میں بھی روایت کی گئی ہے:

(سنن ترمذی: ۲۷۳۱، مسند احمد: ج ۵ ص ۲۶۰، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اس حدیث کا ایک شاہد امام ترمذی نے نقل کیا ہے، سنن ترمذی: ۲۷۳۰)

علاوہ ازیں امام بخاری نے سندِ حسن کے ساتھ اس حدیث کو الادب المفرد: ۹۶۸ میں حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ سلام کی تکمیل یہ ہے کہ تم اپنے بھائی سے مصافحہ کرو۔

معانقہ کے متعلق احادیث اور آثار

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن مسعر نے حدیث بیان کی از الاجلح از الشعبی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے ان کو گلے لگایا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسا دیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۲۶۲۴۳، المجلس العلمی ، بیروت ، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۳۳، دارالکتب العلمیہ ، بیروت ۱۴۱۶ھ)

یہ حدیث درج ذیل کتب حدیث میں بھی روایت کی گئی ہے:

(امام حاکم نے اس حدیث کو سندِ موصول کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ المستدرک ج ۲ ص ۶۲۴ اور حافظ ذہبی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور ج ۳ ص ۱۱ میں اس کا دوبارہ ذکر کیا ہے۔)

(نیز امام حاکم نے اس حدیث کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ سند صحیح ہے اور اس پر کوئی غبار نہیں ہے اور حافظ ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے۔ المستدرک ج ۱ ص ۳۱۹)۔

(نیز علامہ الزبیدی نے اس کو احیاء العلوم کی شرح میں نقل کیا ہے۔ اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۷۹ ۴۔ اور امام بیہقی نے اس کو دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۲۴۶ میں ذکر کیا ہے)۔

(امام طبرانی نے اس حدیث کی حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے معاجم ثلثہ میں روایت کی ہے۔ المعجم الکبیر: ۴۷۰ ۱، المعجم الاوسط: ۲۰۲۴، المعجم الصغیر:

۳۰۔اور حافظ ذہبی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے)۔

(اور امام ابن عدی نے الضعفاء الکامل ج ٦ ص ۲۲۲۵ میں اس کی روایت کی ہے)۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن فضیل نے حدیث بیان کی از حجاج بن دینار از عتبہ بن ابی عثمان کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو گلے لگایا یعنی معانقہ کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۶۲۴۴، المجلس العلمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱٦ھ)

نیز امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی از ابی بلج، انہوں نے کہا: میں نے عمرو بن میمون اور اسود بن ہلال کو دیکھا، دونوں کی باہم ملاقات ہوئی اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے صاحب کو گلے لگایا یعنی معانقہ کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۶۲۴۵، المجلس العلمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱٦ھ)

نیز امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معتمر بن سلیمان نے حدیث بیان کی از عباد بن عباد، انہوں نے کہا: میں نے ابومجلز اور خالد الاشج کو دیکھا، پس دونوں نے ملاقات کی اور دونوں نے اپنے صاحب سے معانقہ کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۶۲۴٦، المجلس العلمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱٦ھ)

صحیح البخاری: ٦۲٦۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مصافحہ کے جواز اور استحسان کے متعلق دلائل

عام علماء کے نزدیک مصافحہ کرنا مستحسن ہے۔امام مالک نے پہلے اس کو مکروہ کہا تھا اور بعد میں اس کو مستحب قرار دیا اور انہوں نے کہا کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: لوگ مصافحہ نہیں کرتے اور میں اس کو کرتا ہوں۔اور انہوں نے دو آدمیوں کے معانقہ کرنے کو مکروہ قرار دیا۔اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَتَحِیَّتُھُمْ فِیْھَا سَلٰمٌ۔(یونس:۱۰) اور جنتوں میں ان کی ایک دوسرے کے لیے یہ دعا ہوگی''سلام علیکم''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا منشاء یہ ہے کہ اس آیت میں صرف سلام کا ذکر ہے اور معانقہ کا ذکر نہیں ہے۔

اور امام مالک سے یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے سفیان بن عیینہ سے مصافحہ کیا اور یہ دوستی اور محبت کو پختہ اور مضبوط کرتا ہے۔

(المنتقیٰ ج ۷ ص ۲۱٦)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث ہے، جب ان کی طرف حضرت طلحہ بن عبید اللہ کھڑے ہوئے اور ان سے مصافحہ کیا تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں حضرت طلحہ کی اس مبارک باد کو کبھی نہیں بھولوں گا اور انہیں یہ خبر دی کہ حضرت طلحہ نے ان کی طرف تعظیم قیام کیا اور مصافحہ کیا اور خوش ہوئے۔اور صحابہ کرام کے نزدیک سب سے افضل صلۂ رحم مصافحہ کرنا ہے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مصافحہ کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں معمول تھا اور وہی دین میں حجت اور امت کے لیے پیشوا ہیں، پھر ان کے بعد تابعین کا مرتبہ ہے۔اور ان کے متعلق بھی آثار حسان مروی ہیں۔

امام ابن ابی شیبہ نے از ابی خالد وابن نمیر از الاجلح از ابی اسحاق از حضرت البراء رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو دو مسلمان ایک دوسرے سے مل کر ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے جدا ہونے سے پہلے ان کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔(مصنف ابن ابی شیبہ:۲۵۷۰۸)

اور حماد نے از حُمید از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: سب سے پہلے اہلِ یمن نے آکر مصافحہ کیا۔(سنن ابوداؤد:۵۲۱۳،مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۲)

اور حضرت عبداللہ بن مبارک نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب کوئی مرد آتا تو آپ اس سے مصافحہ فرماتے اور آپ اپنا ہاتھ اس سے نہیں کھینچتے تھے حتیٰ کہ وہی اپنا ہاتھ کھینچتا اور آپ اپنا منہ اس سے نہیں موڑتے تھے حتیٰ کہ وہ مرد آپ سے منہ موڑتا۔(سنن ترمذی:۲۴۹۰)

اور روایت ہے کہ تم ایک دوسرے سے مصافحہ کیا کرو، یہ کینہ کو دور کرتا ہے اور ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو، یہ بغض کو دور کرتا ہے۔(موطا امام مالک ج ۲ ص ۹۰۸)

مصنف کے تتبع سے مصافحہ کے جواز کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو مسلمان ایک دوسرے سے ملاقات کریں، پھر وہ ایک دوسرے سے مصافحہ کریں اور اللہ عزوجل کی حمد کریں اور اللہ عزوجل سے استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کی مغفرت فرمادیتا ہے۔(سنن ابوداؤد:۵۲۱۱،دارالفکر،بیروت،۱۴۲۱ھ)

نیز حضرت البراء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بھی دو مسلمان ایک دوسرے سے ملاقات کریں، پس مصافحہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان کے جدا ہونے سے پہلے دونوں کی مغفرت فرمادیتا ہے۔

(سنن ابوداؤد:۵۲۱۲،دارالفکر،بیروت،۱۴۲۱ھ،سنن ترمذی:۲۷۲۷،سنن ابن ماجہ:۳۷۰۳،مسند احمد:۱۸۵۷۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اہلِ یمن آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس اہلِ یمن آئے ہیں اور یہ وہ پہلے لوگ ہیں جنہوں نے مصافحہ کیا۔(سنن ابوداؤد:۵۲۱۳،دارالفکر،بیروت،۱۴۲۱ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عنزہ کے ایک مرد نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے اس وقت پوچھا جب وہ شام سے آئے کہ جب آپ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے تھے تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں سے مصافحہ کرتے تھے؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں جب بھی آپ سے ملا تو آپ نے مجھ سے مصافحہ کیا اور ایک دن آپ نے کسی کو میرے گھر بھیجا، میں گھر میں نہیں تھا اور جب میں آیا تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام لانے والے کی خبر دی گئی تو میں آپ کے پاس آیا، اس وقت آپ اپنے تخت کے اوپر تھے، آپ نے مجھے لپٹالیا۔ الحدیث (مسند احمد:۲۱۴۷۶،ج ۵ ص ۱۶۸،موسسۃ الرسالہ،بیروت ۱۴۲۰ھ)

فلاں العنزی بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آئے، جب لوگ ان سے چھٹ گئے تو میں نے کہا: اے

ابوذر! میں آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کام کے متعلق سوال کرتا ہوں، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر وہ کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز ہے تو میں نہیں بیان کروں گا، میں نے کہا: وہ راز نہیں ہے۔ لیکن جب کوئی مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتا تو کیا آپ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے مصافحہ کرتے تھے؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے اس شخص سے سوال کیا ہے جس کو اس حدیث کی مکمل خبر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی مجھے نہیں ملے مگر میرا ہاتھ پکڑتے سوا ایک دفعہ کے اور وہ آخری دفعہ تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا، میں آپ کے پاس آپ کے اس مرض میں آیا جس میں آپ کی وفات ہوگئی، میں نے آپ کو لیٹا ہوا پایا، میں آپ کے اوپر جھک گیا، آپ نے اپنا ہاتھ اٹھا کر مجھے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

(مسند احمد: ۲۱۴۴۳، مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۳، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

ابوواصل بیان کرتے ہیں، میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ملا تو انہوں نے مجھ سے مصافحہ کیا۔۔۔ الحدیث

(۲۳۵۴۲، مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۷، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم حج کرنے والے سے ملاقات کرو تو اس کو سلام کرو اور اس سے مصافحہ کرو اور اس سے درخواست کرو کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے تمہارے لیے مغفرت کی دعا کرے، کیونکہ اس کی مغفرت کر دی گئی ہے۔ (مسند احمد: ۵۳۷۱، مسند احمد ج ۲ ص ۶۹، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

مصافحہ کرنے کے جواز کے متعلق فقہاء احناف کا موقف

قنیہ میں مذکور ہے: مسلمان اپنے عیسائی پڑوسی سے مصافحہ کرے جب کہ وہ کافی مدت کے بعد لوٹا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔
اور امام ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ ابن محیریز نے مسجد دمشق میں ایک نصرانی سے مصافحہ کیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۶۷۷۸)
اور صاحب قنیہ نے کہا ہے: مصافحہ کرنے میں سنت یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۰۴۔۱۰۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

مصافحہ کرنے کے جواز کے متعلق فقہاء مالکیہ کا موقف

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، لکھتے ہیں:
جمہور علماء کے نزدیک مصافحہ کرنا مستحسن ہے، امام مالک نے بھی اس کو پہلے مکروہ کہا تھا اور بعد میں اس کو مستحب قرار دیا۔ مصافحہ کرنے سے دوستی اور محبت پیدا ہوتی ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے جو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول ہونے کی خوشی میں ان کے پاس قیام کیا اور ان کو مبارک باد دی اور ان سے مصافحہ کیا اور خوش ہوئے تو یہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے لیے بہترین صلہ تھا۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں مصافحہ کرنے کا معمول تھا اور وہی دین میں حجت ہیں اور مسلمانوں کے لیے پیشوا ہیں، لہٰذا ان کی اتباع لازم ہے۔
اور فقہاء تابعین سے بھی مصافحہ کرنے کے جواز کے متعلق آثار حسان مروی ہیں۔
نیز حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب کوئی مرد آتا تو آپ اس سے مصافحہ کرتے اور آپ اپنا ہاتھ نہیں کھینچتے تھے حتیٰ کہ وہ خود اپنا ہاتھ کھینچتا اور اپنا چہرہ اس کی طرف سے نہیں پھیرتے تھے حتیٰ کہ وہ خود اپنا

چہرہ پھیرتا۔ (شرح ابن بطال ج ۹ ص ۴۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

مصافحہ کرنے کے جواز اور استحسان کے متعلق فقہاء شافعیہ کا موقف

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، لکھتے ہیں:

ہمام بیان کرتے ہیں: قتادہ نے کہا کہ حسن بصری مصافحہ کرتے تھے۔ اور دوسری سند کے ساتھ روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، عرض کیا گیا: یارسول اللہ! ایک آدمی اپنے بھائی سے ملاقات کرتا ہے تو کیا وہ اس کے لیے جھک جائے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! اس نے کہا: پس وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے مصافحہ کرے؟ آپ نے فرمایا: ہاں!

اس حدیث کی امام ترمذی نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے کہ ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا ایسی سنت ہے جس پر اجماع ہے۔ امام احمد بن حنبل اور امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بھی دو مسلمان ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے جدا ہونے سے پہلے ان کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔

اور امام ابوداؤد کی دوسری روایت میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اس سے استغفار کرتے ہیں۔

امام ابوبکر الرویانی نے اپنی مسند میں ایک اور سند کے ساتھ حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تو آپ نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! میں یہ گمان کرتا تھا کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے، تو آپ نے فرمایا: ہم مصافحہ کرنے کے زیادہ مستحق ہیں۔

عطاء الخراسانی نے الموطا میں یہ مرسل روایت ذکر کی ہے کہ مصافحہ کرو، یہ کینہ کو دور کرتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: میں اس حدیث کی سندِ موصول پر مطلع نہیں ہو سکا۔ اور حافظ ابن عبدالبر نے اپنے شواہد میں حضرت البراء رضی اللہ عنہ کی حدیث پر اقتصار کیا ہے۔

رہا صبح اور عصر کی نمازوں کے بعد مصافحہ کرنے کو مخصوص کرنا جیسا کہ علامہ ابن عبدالسلام نے ''القواعد البدعیہ المباحہ'' میں ذکر کیا ہے۔ اس کے متعلق علامہ نووی نے کہا ہے کہ مصافحہ کی اصل سنت ہے، اور رہا یہ کہ بعض احوال میں مسلمان مصافحہ کی حفاظت کرتے ہیں تو یہ اس کو اصلِ سنت سے خارج نہیں کرتا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: اس میں غور و فکر کرنے کی گنجائش ہے، کیونکہ نفل نماز کی اصل سنتِ مرغوبہ ہے، اس کے باوجود محققین نے کہا ہے کہ نفل نماز کو کسی خاص وقت کے ساتھ مخصوص کرنا مکروہ ہے۔ اور بعض فقہاء نے ''صلوٰۃ الرغائب'' پر حرام کا اطلاق کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اور مصافحہ کرنے کے عمومی حکم سے اجنبی عورت اور بے ریش لڑکے کو مستثنیٰ کیا جائے گا۔

امام مالک سے بھی مصافحہ کا جواز منقول ہے جیسا کہ موطا امام مالک میں انہوں نے مصافحہ کا ذکر کیا ہے اور مصافحہ کے جواز پر تمام متقدمین اور متاخرین علماء کا اجماع ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۳۲-۳۳۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مصافحہ کے جواز اور استحباب کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا موقف

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی متوفی ۱۴۲۱ھ، لکھتے ہیں:

مصافحہ کا معنی ہے: دونوں ہاتھوں سے ملاقات کرنا، لیکن اس کا کیا حکم ہے آیا یہ جائز ہے یا سنت ہے یا کیا ہے؟

پس امام بخاری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس حال میں تشہد کی تعلیم دی کہ ان کی ہتھیلی آپ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دونوں ہاتھوں کو پکڑا ہوا تھا۔ اور اس میں حکمت یہ ہے تا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ ان سے بیان فرمائیں، وہ اس کو غور سے سنیں۔ پھر اس کے بعد امام بخاری نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی، جب اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تو وہ مسجد میں داخل ہوئے اور وہ یہ کہہ رہے تھے کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ میرے پاس دوڑتے ہوئے آئے، حتیٰ کہ انہوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے مبارک باد دی۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ رہے تھے، کیونکہ آپ اس وقت وہاں موجود تھے۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مصافحہ کرنا اور کسی خوشی کی خبر پر مبارک باد دینا جائز ہے۔

ہر جائز خوشی پر مبارک باد دینے کا جواز اور کفار کو ان کی عیدوں کے اوپر مبارک باد دینے کا عدم جواز

یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ ہم کسی شخص کو صرف توبہ کے قبول ہونے پر مبارک باد دیں گے بلکہ ہم ہر انسان کو ہر خوشی کی خبر پر مبارک باد دیں گے جس کا تعلق اس کے دین کے ساتھ ہو یا اس کی دنیا کے ساتھ ہو، حتیٰ کہ اگر کسی شخص کو اپنی تجارت میں غیر معمولی نفع حاصل ہو تو ہم اس کو بھی مبارک باد دیں گے، اس لیے ہم کہتے ہیں کہ کفار کو ان کی عیدوں پر مبارک باد دینا جائز نہیں، کیونکہ ان کو اس موقع پر مبارک باد دینا ان کو شرک اور کفر پر برقرار رہنے کی مبارک باد دینا ہے۔

کیا ہر وقت مصافحہ کیا جائے یا صرف ملاقات کے وقت؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ مصافحہ کرنا صحابہ کرام کا معمول تھا، لیکن وہ ہر وقت مصافحہ نہیں کرتے تھے بلکہ ملاقات کے وقت مصافحہ کرتے تھے۔

اب یہاں پر یہ سوال ہے کہ جب انسان کسی مجلس میں داخل ہو تو کیا تمام اہل مجلس سے ایک ایک کر کے مصافحہ کرے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ میرے گمان میں یہ سنت نہیں ہے اگرچہ آج کل بعض لوگ ایسا کرتے ہیں اور میرے گمان میں یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے نہیں ہے، پس حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے قصہ میں مذکور ہے کہ وہ آئے اور بیٹھ گئے اور کھڑے نہیں ہوئے اور نہ انہوں نے کسی ایک سے مصافحہ کیا اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا اور نہ صحابہ نے ایسا کیا، جیسا کہ وہ ہر ایک سے الگ الگ سلام نہیں کرتے تھے اسی طرح وہ ہر ایک سے الگ الگ مصافحہ بھی نہیں کرتے تھے۔ اس لیے جب کوئی شخص مجلس میں داخل ہو تو وہ تمام لوگوں کو ایک ہی مرتبہ سلام کرے گا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۷۳۔ ۷۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

مصافحہ کرنے کے متعلق علماء دیوبند کا موقف

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی، مہتمم جامعہ فاروقیہ لکھتے ہیں:

ان احادیث کی بناء پر امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مصافحہ کے سنت ہونے پر اجماع ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کراہت کا قول منقول ہے لیکن انہوں نے بعد میں اس سے رجوع کر لیا تھا۔

مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ''فیض الباری'' میں فرمایا کہ مصافحہ کا عام طریقہ تو یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائے، تاہم اگر کسی نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا تو بھی سنت ادا ہو جائے گی۔ (فیض الباری کتاب الاستئذان؛ باب المصافحہ ج ۴ ص ۴۱۱)

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الکوکب الدری'' میں فرمایا کہ مصافحہ ایک ہاتھ سے بھی ثابت ہے اور دونوں ہاتھوں سے بھی ثابت ہے لیکن ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا چونکہ فرنگیوں کا شعار بن چکا ہے، اس لیے واجب الترک ہے۔

(الکوکب الدری، کتاب الاستئذان باب المصافحہ ج ۳ ص ۳۹۲، لامع الدراری، کتاب الاستئذان، باب المصافحہ ج ۱۰ ص ۵۶)

غیر مقلدین کے مصافحہ کرنے کا طریقہ

مشہور غیر مقلد عالم شیخ محمد داؤد راز میواتی لکھتے ہیں:

لفظ مصافحہ ''صفح'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہتھیلی ہے۔ پس ایک آدمی کا سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی دوسرے آدمی کی سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی سے ملانا مصافحہ کہلاتا ہے، جو مسنون ہے۔ یہ ہر دو جانب سے سیدھے ہاتھوں کے ملانے سے ہوتا ہے۔ بایاں ہاتھ ملانے کا یہاں کوئی محل نہیں ہے جو لوگ دایاں اور بایاں دونوں ہاتھ ملاتے ہیں ان کو لفظ مصافحہ کی حقیقت پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(شرح صحیح بخاری، ج ۷ ص ۵۸۱، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۰۴ء)

نیز شیخ میواتی لکھتے ہیں:

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا جس طرح اہل حدیث مصافحہ کرتے ہیں، احادیث صحیحہ صریحہ اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے نہایت صاف طور پر ثابت ہے۔ اس کے ثبوت میں ذرا بھی شک نہیں ہے اور دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا جس طرح اس زمانہ کے حنفیہ میں رائج ہے نہ کسی حدیث صحیح سے ثابت ہے اور نہ کسی صحابی کے اثر سے اور نہ کسی تابعی کے قول و فعل سے اور ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم) سے بھی کسی امام کا دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا یا اس کا فتویٰ دینا بسند منقول نہیں اور فقہائے حنفیہ نے تشبیہ اور تمثیل کے پیرایہ میں جو یہ لکھا ہے کہ ''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فقہ کی کاشت کی اور زراعت لگائی اور علقمہ نے اس میں آبپاشی کی اور اس کو سینچا اور ابراہیم نخعی نے اس کو کاٹا اور حماد رحمۃ اللہ علیہ نے مالش کی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے غلہ کو چکی میں پیسا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے آٹے کو گوندھا اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی روٹی پکائی اور باقی تمام لوگ (یعنی مقلدین احناف) اس روٹی سے کھا رہے ہیں۔'' سو واضح ہو کہ ان کی کاشت کرنے والے، زراعت لگانے والے، آبپاشی کرنے والے، کاٹنے والے، مالش کرنے والے، آٹا پیسنے والے، آٹا گوندھنے والے اور روٹی پکانے والے میں سے بھی کسی کا دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا یا اس کا فتویٰ دینا ثابت نہیں۔ (شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۵۸۲۔ ۵۸۳، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۴ء)

غیر مقلدین کے طریقہ کو باطل قرار دینا

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی، مہتمم جامعہ فاروقیہ لکھتے ہیں:

آج کل بعض غیر مقلدین ایک ہاتھ سے مصافحہ کو سنت قرار دیتے ہیں اور باب میں ذکر کردہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے

قول سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد سکھایا اور میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے ایک غیر مقلد سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا اور اس نے ایک ہاتھ سے اور استدلال میں ''وکفی بین کفیہ'' کو پیش کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا ایک ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔ مولانا نے فرمایا: پھر سنت پر کس نے عمل کیا میں نے یا آپ نے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو دونوں ہاتھ ملائے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل پر عمل کرنا سنت کہلاتی ہے، تب وہ لاجواب ہو کر خاموش ہوا۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۲۹۸)

(کشف الباری، کتاب الاستیذان، ص ۱۰۱، مکتبہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی، کراچی)

غیر مقلدین کے قول کا بطلان مصنف کی طرف سے

میں کہتا ہوں کہ غیر مقلدین نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ''وکفی بین کفیہ'' کہ میری ہتھیلی آپ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی، یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تو اپنا ایک ہاتھ ملایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ ملائے۔ میں کہتا ہوں: یہ ادب کے خلاف ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھ ملا رہے ہوں تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنا صرف ایک ہاتھ ملائیں اور صحابہ کرام کے افعال کو خلاف ادب پر محمول کرنا درست نہیں ہے۔ اس لیے صحیح یہ ہے کہ اس حدیث میں ''کفی بین کفیہ'' ہے یعنی میری دونوں ہتھیلیاں آپ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھیں۔ اور یہی بات مقام صحابہ اور ادب کے موافق ہے۔ اور اگلے باب میں آنے والی تعلیق سے بھی دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کی تائید ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں میں یہ کہتا ہوں کہ اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ سے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا ہو اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کی جائے گی یا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی سنت کی ابتداء کی جائے گی؟ کیا غیر مقلدین کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے افعال میں جب تعارض ہو تو کیا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے فعل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل پر ترجیح دی جاتی ہے؟

۲۸۔ بَابُ: الْأَخْذِ بِالْيَدَيْنِ

دونوں ہاتھوں کو پکڑنا

یعنی دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا

وَصَافَحَ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ابْنَ الْمُبَارَكِ بِيَدَيْهِ۔

اور حماد بن زید نے ابن المبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ دونوں ہاتھوں کو پکڑنا سنت ہے، اس کے بعد امام بخاری نے یہ تعلیق ذکر کی ہے کہ حماد بن زید نے ابن السبارک سے دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کیا۔

عبداللہ بن المبارک کا تذکرہ

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں: ابن المبارک کا نام عبداللہ بن المبارک المروزی ہے جو مشہور ائمہ اور حفاظِ اسلام میں سے شمار کیے جاتے ہیں، انہوں نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری سے فقہ کا علم حاصل کیا اور ہمارے اصحابِ احناف نے ان کو امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں سے شمار کیا۔ امام محمد بن سعد نے کہا ہے کہ ان کی وفات ۱۸۱ھ میں ہوئی تھی جب وہ ایک غزوہ سے واپس آ رہے تھے، اس وقت ان کی عمر ۶۳ سال تھی۔ ان سے محدثین کی ایک جماعت نے روایت حدیث کی ہے۔

اور امام ترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلام اور دعا کی تکمیل مصافحہ سے ہوتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۶۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سَيْفٌ قَالَ سَمِعْتُ مُجَاهِدًا يَقُولُ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ سَخْبَرَةَ أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ يَقُولُ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَكَفِّي بَيْنَ كَفَّيْهِ التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنِي السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَهُوَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْنَا فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا السَّلَامُ يَعْنِي عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سیف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے مجاہد سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن سخبرہ ابومعمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد کی تعلیم دی اور اس وقت میری دونوں ہتھیلیاں آپ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھیں جس طرح آپ نے مجھے قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم دی تھی۔ تمام قولی عبادتیں اور تمام بدنی عبادتیں اور تمام مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں۔ اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں ہوں، ہم پر سلام ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس وقت آپ ہمارے درمیان تھے، جب آپ کی وفات ہو گئی تو ہم نے کہا: "السلام" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

(صحیح بخاری: ۸۳۱، ۸۳۵، ۱۲۰۲، ۶۲۳۰، ۶۲۶۵، ۶۳۲۸، ۷۳۸۱، صحیح مسلم: ۴۰۲، سنن ترمذی: ۲۸۹، سنن نسائی: ۱۱۶۸، سنن ابوداؤد: ۹۶۸، سنن ابن ماجہ: ۸۹۹، مسند احمد: ۴۰۵۴، سنن دارمی: ۱۳۴۰)

صحیح بخاری: ۶۲۶۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے باب کا عنوان ہے ''دونوں ہاتھوں سے پکڑنا یعنی مصافحہ کرنا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میری دونوں ہتھیلیاں آپ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان میں تھیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابونعیم۔ وہ الفضل بن دُکین ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سیف، وہ ابن ابی سلیمان ہیں اور انہیں ابن سلیمان مخزومی بھی کہا جاتا ہے، وہ بنو مخزوم کے آزاد شدہ غلام تھے۔ یحییٰ القطان نے کہا: وہ ۱۵۰ھ تک زندہ رہے اور ہمارے نزدیک وہ ثقہ تھے اور ان راویوں میں سے تھے جن کی تصدیق کی جاتی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن سخبرہ کا ذکر ہے، یہ الازدی الکوفی ہیں۔

تشہد کی یہ حدیث صحیح بخاری کی کتاب الصلوٰۃ میں متعدد ابواب میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث کی میں مذکور ہے ''فلما قبض'' اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ صحابہ تشہد میں کہتے تھے ''السلام علیک ایہا النبی'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں خطاب کے صیغہ کے ساتھ کہتے تھے، جب آپ کا وصال ہو گیا تو انہوں نے خطاب کو چھوڑ دیا اور غائب کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا اور وہ کہتے تھے ''السلام علی النبی'' اس حدیث میں علی النبی کے قائل امام بخاری ہیں رحمہ اللہ۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۳۔ ۳۹۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

غیر مقلدین کا نماز کے تشہد میں خطاب کے صیغہ کو غیر واجب قرار دینا

مشہور غیر مقلد شیخ صدیق بن حسن بھوپالی التوفی ۱۳۰۷ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم ''السلام علیک ایہا النبی'' اس وقت پڑھتے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود تھے، جب آپ کی وفات ہوگئی تو ہم نے کہا ''السلام علی النبی''۔ اسی طرح صحیح بخاری میں ہے۔

اور امام ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں اور السراج الجوزقی اور ابونعیم اصفہانی اور امام بیہقی نے متعدد سندوں کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ جب آپ کی وفات ہوگئی تو ہم نے کہا ''السلام علی النبی'' اور علامہ سبکی نے شرح المنہاج میں یہ کہا ہے کہ اگر صحابہ سے یہ صحیح منقول ہے تو یہ اس پر دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام میں خطاب کرنا آپ کی وفات کے بعد واجب نہیں ہے، پس ''السلام علی النبی'' کہا جائے گا۔ (عون الباری لحل ادلۃ صحیح البخاری ج ۲ ص ۱۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۹ھ)

مشہور غیر مقلد شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

اس سے ان لوگوں کو نصیحت لینا چاہیے جو کہتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبت میں یعنی دوسرے ملکوں میں رہ کر یوں کہنا درست ہے ''السلام علیک یارسول اللہ'' کیونکہ اگر یہ کہنا درست ہوتا تو عبداللہ بن مسعود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تشہد میں یوں کیوں بدلتے السلام علی النبی باوجودیکہ تشہد ایک ماثور ذکر تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی سورت کی طرح ان کو سکھایا

تھا اور اس لیے ہمارے علماء نے تشہد میں اب بھی یوں پڑھنا جائز رکھا ہے السلام علیك ایها النبی کیونکہ یہ ایسا ہے جیسے قرآن میں ہے یاایها النبی، یاایها الرسول اور حق یہ ہے کہ اگر کوئی قبر شریف کے پاس یوں کہے: السلام علیک یارسول اللہ تب تو جائز ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور زائر کا سلام سنتے ہیں مگر دوسرے مقاموں میں اس طرح کہنا مفید نہیں اس لیے کہ آپ کا سننا دوسرے مقاموں میں کہیں ثابت نہیں ہوا۔ (تیسیر الباری شرح صحیح بخاری، ج ۵ ص ۶۹۸ نعمانی کتب خانہ، لاہور)

صحیح البخاری: ۶۲۶۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الجمعہ سے پہلے شقیق بن سلمہ کی سند سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ نہیں ہے (کہ ہم آپ کی حیات میں تو ''السلام علیك ایها النبی'' کہتے تھے اور آپ کی وفات کے بعد ہم کہتے تھے السلام، یعنی کافِ خطاب کو حذف کر کے۔ امام بخاری نے کہا: یعنی ''علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم'')۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو تشہد کے کلمات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور بعد از وفات کا فرق کیا ہے، وہ دیگر صحابہ کے نزدیک معتبر نہیں تھا

میں کہتا ہوں کہ کتاب الاستئذان میں اس روایت میں یہ اضافہ ہے اور کتاب الصلوٰۃ میں یہ اضافہ نہیں ہے، اس لیے یہ قطعی طور پر ثابت نہ ہوا کہ صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ''السلام علیك ایها النبی'' پڑھنا چھوڑ دیا۔

نیز میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو جس تشہد کی تعلیم دی تھی اس میں خطاب کا صیغہ تھا، اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات پڑھنے کا حکم دیا ''السلام علیك ایها النبی و رحمة الله وبرکاته'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیمات دی ہیں وہ قیامت تک کے لیے ہیں، اس لیے راجح وہی ہے جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ تشہد میں ''السلام علیك ایها النبی'' پڑھا جائے۔ اور بعد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو اس کو تبدیل کر کے کہا کہ ہم بعد میں پڑھنے لگے ''السلام'' یا ''السلام علی النبی'' تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس تبدیل کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ شارع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نہ کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس صیغہ کو اپنے اجتہاد سے تبدیل کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح کے مقابلہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ نیز نماز میں تشہد اس وقت بھی تمام بلادِ اسلامیہ میں پڑھا جاتا تھا خواہ وہاں حضور بہ نفس نفیس موجود ہوں یا نہ ہوں۔

علاوہ ازیں یہ اضافہ صرف حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں ہے جو کتاب الاستئذان میں ہے۔

دوسرے صحابہ کی احادیث میں یہ اضافہ نہیں ہے۔

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تشہد کی اس طرح تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن مجید کی سورت کی تعلیم دیتے تھے، آپ فرماتے تھے ''التحیات المبارکات الصلوات الطیبات لله، السلام علیك ایها النبی و رحمة الله وبرکاته، السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین اشهد ان لا

اللہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ ''۔

اور ایک روایت میں اس طرح مذکور ہے کہ آپ ہمیں اس طرح تشہد کی تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے۔

(صحیح مسلم: ۴۰۳، الرقم المسلسل: ۷۸۸، سنن ابوداؤد: ۹۷۴، سنن ترمذی: ۲۹۰، سنن نسائی: ۱۱۷۳، سنن ابن ماجہ: ۹۰۰، مسند احمد: ۲۸۹۴)

نیز امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت کی ہے کہ جب تم قعدہ اولیٰ میں ہوتو کہو: ''التحیات الطیبات الصلوات للہ السلام علیك ایھا النبی و رحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمد عبدہ ورسولہ ''۔

(صحیح مسلم: ۴۰۴، الرقم المسلسل: ۷۹۰، سنن ابوداؤد: ۹۷۲، ۹۷۳، سنن ابن ماجہ: ۸۴۷، ۹۰۱، مسند احمد: ۱۹۵۲۱)

ان احادیث سے واضح ہوگیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکور الصدر روایت سے اتفاق نہیں کیا اور سب نے اس اضافہ کے بغیر یہ روایت کی ہے کہ تشہد میں ''السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ '' پڑھا جائے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور بعد از وفات میں تشہد کے کلمات پڑھنے کا فرق نہیں کیا۔ اور کتاب الاستئذان میں جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ صرف حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اجتہاد ہے جس کی دیگر صحابہ نے موافقت نہیں کی، اس لیے صحیح یہی ہے کہ نماز کے تشہد میں ''السلام علیك ایھا النبی و رحمۃ اللہ وبرکاتہ '' پڑھا جائے۔ اور آپ کی حیات اور بعد از وفات کا فرق نہ کیا جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ اور آپ کی سماعت کی وسعت کی بناء پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد کے سلام میں حیات اور بعد از وفات کا فرق کرنا مرجوح ہے اور ضعیف ہے

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس تشہد کی علی وجہ الاطلاق تعلیم دی اور یہ نہیں فرمایا کہ جب تک میں زندہ ہوں اس طرح کہو یعنی ''السلام علیك ایھا النبی و رحمۃ اللہ وبرکاتہ '' اور جب میں وفات پا جاؤں تو تم کہنا ''السلام علی النبی ''۔ اور یہ معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب اس کی صلاحیت رکھتا ہے کہ اس پر قیامت تک عمل کیا جائے۔ اور اس سے ہم کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول ضعیف اور مرجوح ہے، اور صحیح یہ ہے کہ انسان تشہد میں قیامت تک یہ کہتا رہے ''السلام علیك ایھا النبی ''۔

باقی رہا یہ سوال کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح کہا جائے ''السلام علیك ''، حالانکہ آپ سنتے نہیں ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شیخ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''اقتضاء الصراط المستقیم '' میں کہا ہے کہ تشہد میں خطاب کا صیغہ اس لیے وارد ہے تاکہ بندہ اپنے ذہن میں یہ حاضر کرے گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سامنے ہیں اور وہ آپ سے خطاب کر رہا ہے۔ (شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۷۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت اوس بن اوس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے ایام میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے، اس دن میں حضرت آدم کی تخلیق ہے، اسی دن میں ان کی وفات ہے، اسی دن میں صور پھونکا جائے

گا، اسی دن میں سب لوگ بے ہوش ہوں گے، سوتم اس دن میں مجھ پر بہ کثرت درود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ بوسیدہ ہو چکے ہوں گے، آپ نے فرمایا: اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۰۴۷، سنن نسائی: ۱۳۷۳، سنن ابن ماجہ: 1085)

نیز شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن قیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ، اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امام طبرانی نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ یہ وہ دن ہے جس دن میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور کوئی بندہ نہیں ہے جو مجھ پر درود پڑھتا ہو مگر اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے وہ جہاں کہیں بھی ہو، ہم نے عرض کیا: آپ کی وفات کے بعد بھی؟ آپ نے فرمایا: میری وفات کے بعد بھی۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام کے کھانے کو حرام کر دیا ہے۔

(جلاء الافہام ص ۶۳، المکتبۃ النوریہ الرضویہ بالجامع البغدادی، لائل پور، پاکستان)

ایام حرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور سے سعید بن المسیب کا اذان کو سننا

حافظ ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی المتوفی ۲۵۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن عبدالعزیز بیان کرتے ہیں کہ ایام حرہ میں تین دن تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اذان نہیں دی گئی اور نہ اقامت ہوئی۔ اور سعید بن المسیب مسجد سے باہر نہیں نکلے اور وہ نماز کے وقت کو صرف اس آواز سے پہچانتے تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک سے آتی تھی۔ (سنن دارمی: ۹۴، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مشکوٰۃ المصابیح: 5951، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

شیخ تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام المعروف بہ ابن تیمیہ الدمشقی المتوفی ۷۲۸ھ، لکھتے ہیں:

ایک قوم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک سے سلام کا جواب سنا یا آپ کے علاوہ دیگر صالحین کی قبروں سے سلام کا جواب سنا، اور بے شک سعید ابن المسیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے ایام حرہ میں اذان کی آواز سنتے تھے۔ پس یہ تمام امور حق ہیں اور معاملہ اس سے زیادہ عظیم ہے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم، ص ۳۳۸۔ ۳۳۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

امام ابوبکر بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مالک الدار، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وزیر خوراک تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (ایک بار) لوگوں پر قحط آ گیا، تو ایک شخص (حضرت بلال بن حارث المزنی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک پر گئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے، کیونکہ وہ (قحط سے) ہلاک ہو رہی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: عمر کے پاس جاؤ، ان کو سلام کہو اور یہ خبر دو کہ تم پر یقیناً بارش ہوگی، اور ان سے کہو: تم پر سوجھ بوجھ لازم ہے، تم پر سوجھ بوجھ لازم ہے، پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کو یہ خبر دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہا: اے اللہ! میں صرف اسی چیز کو ترک کرتا ہوں جس سے میں عاجز ہوں۔ (المصنف ج ۱۲ ص ۳۲، ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: کہ یہ حدیث سنداً صحیح ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۴۹۵۔ ۴۹۶، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ)

شیخ ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

اسی طرح جو روایت ہے کہ ایک مرد نبی ﷺ کی قبر پر آیا اور آپ سے ایام قحط میں بارش نہ ہونے کی شکایت کی تو اس نے خواب میں دیکھا کہ آپ اسے حکم دے رہے ہیں کہ تم عمر کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ لوگوں کو نمازِ استسقاء پڑھائیں، اور اس کی مثل نبی ﷺ سے کم درجہ کے اولیاء سے بھی ثابت ہے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۳۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

تشہد میں ''السلام علیک ایھا النبی'' پڑھتے وقت اہل عرفان کی خطاب کے صیغہ کی توجیہ

امام شرف الدین حسین بن محمد بن عبد اللہ الطیبی المتوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

اہل عرفان کہتے ہیں کہ جب نمازیوں نے ملکوت کے دروازہ کو کھلوایا اور تحیات پڑھ کر اس کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی تو ان کو ''الملک الحی الذی لا یموت'' کی بارگاہ میں دخول کی اجازت مل گئی۔ پس ان کی آنکھیں مناجات اور دعا کے ساتھ ٹھنڈی ہوگئیں، جیسا کہ حدیث میں ہے ''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے'' پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مزید حمد وثنا کی اور اپنی حاجات طلب کیں۔ اس وقت ان کو اس پر تنبیہ کی گئی کہ ان پر یہ الطاف نبی الرحمہ کے واسطہ سے نازل ہوئے ہیں اور ان کی متابعت کی برکت سے حاصل ہوئے ہیں، پس ان کو کشف ہوا تو دیکھا کہ اللہ کا حبیب محبوب کے حرم میں حاضر ہے، پھر وہ ان پر سلام کرتے ہوئے متوجہ ہوئے اور کہا ''السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ''۔

(شرح الطیبی ج ۲ ص ۳۵۳، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی ۱۴۱۳ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی صحیح البخاری: ۸۳۱ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی تحیت کے بعد نبی ﷺ کی تحیت کی طرف منتقل ہونا، پھر اپنی تحیت کی طرف منتقل ہونا، پھر صالحین کی تحیت کی طرف منتقل ہونا۔ اس کی شرح میں علامہ طیبی نے لکھا ہے کہ جب نمازیوں نے التحیات کے ساتھ ملکوت کا دروازہ کھولا تو ان کو اللہ عزوجل کے حریم میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی جو حی لا یموت ہے، سو اللہ تعالیٰ سے مناجات کی وجہ سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں۔ پھر ان کو اس پر متنبہ کیا گیا کہ یہ نبی الرحمۃ کے واسطہ سے اور ان کی اتباع کی برکت کی وجہ سے ہے۔ پس وہ متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ حبیب حرم الحبیب میں موجود ہیں تو پھر وہ آپ کی طرف یہ کہتے ہوئے متوجہ ہوئے ''السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ''۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۳۹۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

نیز علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی علامہ طیبی کی اس عبارت کا اپنی شرح میں ذکر کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۵۸۔ ۱۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ تحریر فرماتے ہیں:

بعض عرفاء نے کہا ہے کہ یہ خطاب اس وجہ سے ہے کہ حقیقتِ محمدیہ تمام ذرائر موجودات اور افرادِ ممکنات میں جاری وساری ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر ہیں۔ پس نمازی کو چاہیے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے غافل نہ ہوتا کہ انوارِ قرب اسرارِ معرفت سے منور اور فائز ہو جائے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۴۳۰، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

شیخ نور الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۷۳ھ لکھتے ہیں:

ہمارے امام اور ہمارے شیخ نے کہا ہے کہ یہ خطاب اس وجہ سے ہے کہ حقیقتِ محمدیہ تمام ذرائر موجودات اور افرادِ ممکنات میں

جاری و ساری ہے۔ الیٰ آخرہ (تیسیر القاری شرح فاری صحیح بخاری ج ا ص ۲۸۱، مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ، کوئٹہ)

علامہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی المالکی المتوفی ۱۱۲۲ھ لکھتے ہیں:

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہلِ عرفان کے طریقہ پر یہ کہا جائے کہ جب نمازیوں نے التحیات کے ساتھ ملکوت کا دروازہ کھلوایا تو انہیں ''الحی الذی لا یموت'' کے حرم میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی، سو ان کی آنکھیں مناجات کے ساتھ ٹھنڈی ہو گئیں، پھر وہ اس پر متنبہ ہوئے کہ یہ مقام ان کو نبی الرحمۃ کے واسطہ اور ان کی متابعت کی برکت کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔ پس وہ متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ حبیب حرمِ حبیب میں حاضر ہے، پس وہ یہ کہتے ہوئے متوجہ ہوئے ''السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و برکاته''۔

(شرح الزرقانی علی موطا الامام مالک، ج ا ص ۲۹۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

مشہور دیوبندی عالم مفتی رشید احمد صاحب متوفی ۱۴۲۳ھ لکھتے ہیں:

قراءت کے سوا نماز کے جمیع وظائف انشاءً پڑھے جاتے ہیں، جیسا کہ حقیقتِ صلوٰۃ پر غور کرنے سے ظاہر ہے، حقیقتِ صلوٰۃ کی تفصیل لکھنے کی نہ تو اس وقت ضرورت ہے اور نہ ہی فرصت، لہٰذا صرف ''السلام علیك ایها النبی'' کی حکمت تحریر کی جاتی ہے۔ دربارِ سلطانی سے واپس ہوتے وقت کچھ نذرانہ پیش کرنے کا دستور ہے، اس لئے مصلی ''التحیات لله والصلوٰت والطیبات'' کا نذرانہ پیش کرتا ہے، پھر یکا یک خیال آتا ہے کہ یہ قربِ الٰہی و مناجات بالرب صرف سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ مسعود کی بدولت ہے، ہدایت کا ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا وجود ہے تو بے ساختہ مصلی اپنے محسنِ اعظم و منعمِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے۔

(احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۸، ایچ ایم سعید کمپنی پاکستان چوک، کراچی ۱۴۰۱ھ)

علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی المتوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

جب نمازی تشہد کا سلام عرض کرے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد کرے اور ان الفاظ کو قصد اور ارادہ کے ساتھ انشاءً پڑھے اور یہ الفاظ جن معانی کے لیے وضع کیے گئے ہیں ان معانی کا قصد کرے، گویا کہ وہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کو تحیت پیش کرتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرتا ہے اور اپنے نفس پر سلام پیش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء پر سلام پیش کرتا ہے۔ اس کے برخلاف بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ اللہ عز و جل کے سلام کی حکایت ہے نہ کہ نمازی اپنی طرف سے سلام کرے۔

(مراقی الفلاح شرح نور الایضاح مع حاشیۃ الطحطاوی، ج ا ص ۲۸۸، المکتبۃ الغوثیہ، کراچی)

علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

تشہد کے الفاظ سے ان کے معانی کا قصد کرے اور بطورِ انشاء ان معانی کا ارادہ کرے، گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو تحیت پیش کرتا ہے اور اس کے نبی کو اپنی طرف سے سلام عرض کرتا ہے اور اس کے اولیاء کو۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو شبِ معراج آپ کو سلام کیا تھا اس کی حکایت اور خبر کا قصد نہ کرے۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۱۹۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی الحنفی المتوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

یعنی شبِ معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اللہ تعالیٰ نے سلام فرمایا تھا اس کی خبر دینے کا قصد نہ کرے بلکہ اپنی طرف سے آپ کو سلام عرض کرے۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۹۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

نیز امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی الشافعی المتوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

نماز کے تشہد میں جب تم بیٹھو تو ادب سے بیٹھو، اور التحیات کا معنی یہ ہے کہ اپنے دل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے شخص کریم کو حاضر کرو اور کہو "سلام علیك ایها النبی و رحمة الله وبرکاته"۔ (احیاء علوم الدین، ج ۱ ص ۱۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

امام عبد الوہاب شعرانی الشافعی ثم الحنفی المتوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ عظمیٰ ہیں اور ادب کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ بھولیں جب بھی ہم آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے کبھی الگ نہیں ہوتے۔ (میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۱۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ)

نیز امام شعرانی لکھتے ہیں کہ سیدی علی الخواص رحمہ اللہ سے میں نے سنا کہ شارع علیہ السلام نے نمازی کو تشہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا حکم دیا تا کہ جو لوگ اللہ عزوجل کے سامنے بیٹھے ہیں اور اس بارگاہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود ہیں تو وہ اس سے غافل نہ ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے کبھی الگ نہیں ہوتے، پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالمشافہ سلام کریں۔

(میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۱۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد میں خطاب کے صیغہ کو غائب کے صیغہ کے ساتھ بدلنے کے متعلق ملا علی قاری کی تحقیق

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

امام غزالی نے احیاء العلوم میں کہا ہے "السلام علیك ایها النبی" پڑھنے سے پہلے تم اپنے دل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شخص کریم کو حاضر کر لو اور پھر کہو "السلام علیك ایها النبی و رحمة الله وبرکاته" اور رہا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں تو "السلام علیك ایها النبی" کہتے تھے اور جب آپ کی وفات ہو گئی تو ہم "السلام علی النبی" کہتے تھے۔ اور امام بخاری نے اپنی روایت میں یہ بیان کیا ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نہیں ہے بلکہ راوی نے یہ سمجھا ہے، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں کہ جب آپ کی وفات ہو گئی تو ہم نے کہا "سلام" یعنی نبی پر سلام۔ پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو کہا "سلام" اس سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم اسی طریقہ کے مطابق ہمیشہ پڑھتے رہے جیسا کہ آپ کی حیات میں پڑھتے تھے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ ہم نے خطاب کے صیغہ کو تبدیل کر دیا اور "السلام علی النبی" پڑھا۔ اور جب لفظ میں یہ دونوں احتمال ہوں تو اس میں کسی ایک معنی پر تعیین کے ساتھ دلالت نہیں ہوگی۔

(مرقات المفاتیح ج ۲ ص ۱۶۳، المکتبۃ الحقانیہ، پشاور)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تفردات

میں کہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد میں مطلقاً "السلام علیك ایها النبی و رحمة الله وبرکاته" کہنے کی تعلیم فرمائی تھی اور اس میں یہ قید نہیں تھی کہ تم میری زندگی میں اس طرح پڑھنا اور وفات کے بعد اس کو بدل دینا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم

قیامت تک کے لیے تھی جیسا کہ دیگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیے ہوئے مطلقاً احکام قیامت تک کے لیے حجت ہیں اور قائم ہیں۔ اس کے برخلاف حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں تو "السلام علیك ایها النبی" کہتے تھے اور آپ کی وفات کے بعد "السلام علی النبی" کہنے لگے۔ لیکن یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تفردات میں سے ہے۔ صحابہ میں سے کسی نے اس کی موافقت نہیں کی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے گزر چکا ہے۔

سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کا قرآن ہونے کا انکار کرنے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تفرد

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ از زر بن حبیش رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے المعوذتین (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝) کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا: مجھ سے کہا گیا تھا (کہ یہ سورتیں پڑھو) تو میں نے پڑھیں، تو ہم اسی طرح کہتے ہیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ (صحیح بخاری: ۴۹۷۶، مسند احمد: ۲۰۶۷۷)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس طرح اور اس طرح کہتے، یعنی یہ دو سورتیں قرآن نہیں ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا کہ مجھ سے کہا گیا ہے کہ ان کو پڑھو، اس کا معنی یہ ہے کہ یہ دو سورتیں قرآن ہیں۔ ان میں صحابہ کا اختلاف رہا ہے اور بعد میں یہ اختلاف اٹھ گیا۔ اب اس پر اجماع ہو گیا کہ یہ دو سورتیں قرآن ہیں۔ اب اگر کوئی ان کا انکار کرے گا تو وہ کافر ہو جائے گا۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام احمد نے اور امام ابن حبان نے از عاصم یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے مصحف میں معوذتین کو نہیں لکھتے تھے اور امام طبرانی نے یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے مصحف سے المعوذتین کو مٹا دیتے تھے، تو میں کہوں گا کہ امام بزار نے کہا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس مسئلہ میں کسی نے موافقت نہیں کی اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں ان کو پڑھا ہے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور امام ابن حبان نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ اگر تم ایسا کر سکو کہ نماز میں ان کی قراءت نہ چھوٹے تو ایسا کرو۔ اور امام احمد نے یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی کو معوذتین پڑھائیں اور آپ نے فرمایا: جب تم نماز پڑھو تو ان سورتوں کو پڑھو۔ اور اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اور امام سعید بن منصور نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی اور اس کی دو رکعتوں میں المعوذتین کو پڑھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۱۵۱، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے دیگر تفردات

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب حضرت ابوالدرداء کے پاس آئے تو حضرت ابوالدرداء نے ان میں سے کسی قاری کو طلب کیا، پس انہوں نے اس کو پالیا۔ پس حضرت ابوالدرداء نے پوچھا: تم میں سے کون حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے موافق پڑھتا ہے، ابراہیم نے کہا: ہم سب ان کی قراءت کے موافق

پڑھتے ہیں، پھر انہوں نے پوچھا: تم میں سے سب سے زیادہ حافظ کون ہے، تو ہم نے حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کا نام بتایا، تو انہوں نے حضرت علقمہ سے پوچھا: تم نے حضرت ابن مسعود سے ''وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ○ '' (الیل:۱) کو کس طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے؟ علقمہ نے کہا ''والذکر والانثی'' حضرت ابوالدرداء نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ اور یہ لوگ (اہل شام) ارادہ کرتے ہیں کہ میں وما خلق الذکر والانثی پڑھوں، اور اللہ کی قسم میں ان کی موافقت نہیں کروں گا۔

(صحیح بخاری: ۴۹۴۳، ۴۹۴۴، صحیح مسلم: ۸۲۴، سنن ترمذی: ۲۹۳۹، مسند احمد: ۲۷۰۰۶)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ہر چند کہ اس روایت کی نسبت حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی طرف بہت قوی ہے، مگر اب قراءت متواترہ پر اجماع ہو چکا ہے اور غالباً حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی قراءت ''والذکر والانثی'' کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے۔ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں تک اس کے منسوخ ہونے کا علم نہیں پہنچا تھا۔ اور تعجب ہے کہ کوفہ میں جو علقمہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے انہوں نے بھی ان کی قراءت کے موافق نہیں پڑھا۔ اور اسی طرح اہل شام نے بھی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی قراءت کے موافق نہیں پڑھا۔ اس سے یہ بات قوی ہو جاتی ہے کہ ان کی قراءت کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۲۰، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جنبی کے لیے تیمم کے جواز کے قائل نہیں تھے اور وہ کہتے تھے کہ جب تک جنبی کو پانی نہ ملے وہ نماز نہ پڑھے، اور جب پانی مل جائے تو وہ وضو کر کے نماز پڑھے۔ اس سلسلہ میں جمہور صحابہ کا ان سے اختلاف رہا ہے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مناظرہ کیا جس کی کچھ تفصیل امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں روایت کی ہے جس کو ہم پیش کر رہے ہیں:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ شقیق بن سلمہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بتایا کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، پس حضرت عبداللہ بن مسعود سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! یہ بتایئے کہ جب جنبی کو پانی نہ ملے تو وہ کیا کرے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ نماز نہ پڑھے حتیٰ کہ پانی کو پالے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: تو آپ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے اس قول کا کیا جواب دیں گے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تمہارے لیے تیمم کر لینا کافی تھا۔ (حضرت عمار اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں ایک سفر میں جنبی ہو گئے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو نماز نہیں پڑھی اور حضرت عمار پوری مٹی پر لوٹ پوٹ ہو گئے یعنی پورے جسم کا تیمم کر لیا، پھر واپس آ کر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا تو آپ نے فرمایا: تمہارے لیے تیمم کر لینا کافی تھا)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کیا تم کو معلوم نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے مطمئن نہیں ہوئے تھے؟ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: چلیے حضرت عمار کی اس حدیث کو چھوڑیے، آپ بتایئے اس آیت کا آپ کیا جواب دیں گے:

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا

اور اگر تم بیمار ہو یا مسافر ہو یا تم میں سے کوئی قضاء حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو، پس تم پانی کو نہ پاؤ تو تم

صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ پاک مٹی سے تیمم کرو، سوتم اپنے چہروں اور ہاتھوں پر اس پاک مٹی سے مسح کرو۔ (المائدہ:٦)

پس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو پتا نہیں چلا کہ وہ جواب میں کیا کہیں، پس انہوں نے کہا: اگر ہم ان کو اس صورت میں تیمم کرنے کی اجازت دے دیں تو جس شخص کو ذرا بھی پانی ٹھنڈا لگے گا تو وہ پانی کو چھوڑ کر تیمم کرے گا، پس میں نے شقیق سے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس وجہ سے جنبی کے لیے تیمم کو مکروہ کہتے تھے، انہوں نے کہا: ہاں! (صحیح البخاری: ٣٤٦، ٣٤٧)

میں کہتا ہوں کہ اس تفصیل کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا کوئی اجتہاد یا ان کا کوئی قول دین میں حجت نہیں ہے بلکہ ان کا وہ اجتہاد اور وہ قول دین میں حجت نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صریح حدیث کے خلاف ہو اور جمہور صحابہ نے اس کی موافقت نہ کی ہو۔ اور ان کا جو قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی صریح حدیث کے خلاف نہیں ہے اور جمہور صحابہ نے اس کی مخالفت نہیں کی بلکہ موافقت کی ہے تو ان کا وہ قول اور اجتہاد دین میں حجت ہے۔

دیگر بعض صحابہ کے تفردات

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ از علی بن حسین (زین العابدین) علیہما السلام از مروان بن الحکم روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے سامنے حاضر تھا اور حضرت عثمان تمتع بالحج یعنی حج اور عمرہ کو جمع کرنے سے منع کر رہے تھے۔ (یعنی ایک سفر میں حج اور عمرہ کیا جائے) جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو فرمایا: ''لبیك بعمرة وحجة'' اور کہا: میں کسی ایک شخص کے قول کی بناء پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو نہیں چھوڑوں گا۔

(صحیح بخاری: ١٥٦٣، ١٥٦٩، صحیح مسلم: ١٢٢٣، سنن نسائی: ٢٧٢٣، مسند احمد: ١١٤٣، سنن دارمی: ١٩٢٣)

نیز امام بخاری اپنی سند کے ساتھ ابو جمرہ نصر بن عمران الضبعی سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے تمتع کیا تو مجھے چند لوگوں نے منع کیا۔ پس میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا تو انہوں نے مجھے تمتع کرنے کا حکم دیا، پھر میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک مرد مجھ سے کہہ رہا تھا ''حج مبرور وعمرة متقبلة'' (یعنی یہ حج اور عمرہ مقبول ہیں)۔ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس کی خبر دی تو انہوں نے کہا: یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔ (صحیح البخاری: ١٥٦٧، صحیح مسلم: ١٢٤٢، مسند احمد: ٢١٥٩)

نیز امام بخاری سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا مقام عسفان میں تمتع میں اختلاف ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ اس کام سے کیوں منع کرتے ہیں جس کام کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہے اور اس ممانعت سے آپ کی کیا مراد ہے؟ پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھ لیا۔ (١٥٦٩، ١٥٦٣)

امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کو صحابہ کرام کے اقوال اور آثار پر مقدم کیا جائے

ہم نے اس بحث میں یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد تشہد میں سلام کے صیغہ کو بدل دیا اور خطاب کی بجائے غائب کے صیغہ سے سلام عرض کرنے لگے، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم یہ تھی کہ تشہد میں ''السلام علیك ایها النبی و رحمة الله وبرکاته'' پڑھا جائے اور اس میں آپ نے حیات اور بعد از وفات کی کوئی قید نہیں لگائی

تھی جس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی حیات ہو یا آپ کی وفات ہو چکی ہو تشہد میں سلام اسی طرح پڑھا جائے گا" السلام علیك ایها النبی و رحمة الله وبرکاته" اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو آپ کی وفات کے بعد اس صیغہ کو بدل دیا یہ ان کے تفردات میں سے ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بھی تشہد میں سلام کی روایت کی ہے اور انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی موافقت نہیں کی بلکہ یہی کہا ہے کہ مطلقاً "السلام علیك ایها النبی و رحمة الله وبرکاته" پڑھا جائے۔اس تحقیق کو لکھنے کے بعد مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب مہذب بھی یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحابہ کرام کے اقوال اوران کے آثار پر مقدم ہیں۔

امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

میں نے یحییٰ بن ضریس سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں سفیان کے پاس حاضر تھا اوران کے پاس ایک مرد آیا، اس نے کہا: آپ ابوحنیفہ پر کیا اعتراض کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں نے ابوحنیفہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب سے احکام حاصل کرتا ہوں، پس اگر اس میں کوئی حکم نہ پاؤں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے حکم حاصل کرتا ہوں، اور اگر میں اللہ کی کتاب میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں حکم نہ پاؤں تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے قول پر عمل کرتا ہوں، اوران میں سے جس صحابی کے قول کو چاہوں اس پر عمل کرتا ہوں، اوران میں سے جس صحابی کے قول کو چھوڑنا چاہوں تو چھوڑ دیتا ہوں۔اور صحابہ کے قول سے کسی اور کے قول کی طرف نہیں نکلتا، لیکن جب صحابہ کے قول ختم ہو جائیں اور ابراہیم النخعی اور الشعبی، ابن سیرین، حسن بصری، عطاء بن ابی رباح، سعید بن المسیب اور انہوں نے کئی نام لیے، ان کے اقوال شروع ہوں، تو یہ تابعین وہ لوگ ہیں جنہوں نے اجتہاد کیا، سو میں بھی اسی طرح اجتہاد کرتا ہوں جس طرح یہ تابعین اجتہاد کرتے تھے۔ پھر سفیان کافی دیر تک خاموش رہے اور پھر کہا: یہ کلمات انہوں نے اپنی رائے سے کہے ہیں اور مجلس میں کوئی شخص باقی نہیں رکھا مگر اس نے ان کلمات کو لکھ لیا۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: ہم حدیث شدید کو سنتے ہیں اوراس سے ڈرتے ہیں اور ضعیف حدیث کو سنتے ہیں اوراس کی امید رکھتے ہیں اور زندہ لوگوں سے محاسبہ نہیں کرتے، اور جو لوگ فوت ہو گئے ہیں ان کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کرتے۔اور جو احادیث ہم نے سنی ہیں ان کو تسلیم کرتے ہیں، اور جن باتوں کو ہم نہیں جانتے ان کو ان کے عالم کی طرف مفوض کر دیتے ہیں۔

(تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۳۶۱، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

خلاصہ بحث

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تشہد میں اسی طرح سلام پڑھنا چاہیے جس طرح سلام پڑھنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے صیغہ کو اپنی طرف سے تبدیل نہیں کرنا چاہیے۔اور ہر شعبہ میں اور ہر معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر ہی عمل کرنا چاہیے، کیونکہ ہمیں آپ کی ہی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ۝ (آل عمران: ۳۲) آپ کہیے: اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی، پھر اگر وہ روگردانی کریں تو بے شک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا ۝

ہاں! جس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح حکم موجود نہ ہو یا ہمیں معلوم نہ ہو تو اس مسئلہ میں ہمیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے

طریقہ پر عمل کرنا چاہیے۔ اور اگر ان کا طریقہ بھی میسر نہ ہو تو پھر ہمیں ائمہ مجتہدین کے اجتہاد کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے اصحاب نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجنے کا ارادہ کیا تو آپ نے پوچھا: جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہو تو تم اس کا کس طرح فیصلہ کرو گے؟ تو انہوں نے کہا: میں اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا، آپ نے فرمایا: اگر تم اللہ کی کتاب میں حکم نہ پاؤ؟ تو انہوں نے کہا: پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا، آپ نے فرمایا: اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں نہ پاؤ اور نہ کتاب اللہ میں؟ تو انہوں نے کہا: پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوشش کو ترک نہیں کروں گا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندہ کو اس چیز کی ہدایت دی جس سے اللہ تعالیٰ کا رسول راضی ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۳۵۹۲، سنن ترمذی: ۱۳۲۷، مسند احمد: ج ۵ ص ۵۳۶)

اس حدیث سے بھی یہ واضح ہو گیا کہ کسی بھی پیش آمدہ مسئلہ پر عمل کرنے کے لیے سب سے پہلے قرآن مجید پر عمل کیا جائے گا، اور اگر اس میں صریح حکم نہ ملے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور آپ کی حدیث پر عمل کیا جائے گا، اور اگر آپ کی حدیث میں بھی صریح حکم نہ ملے تو اس کے بعد اقوال اور آثارِ صحابہ پر عمل کیا جائے گا اور پھر اس کے بعد اجتہاد کا مرتبہ ہے۔ لہٰذا اس تفصیل سے بھی یہ واضح ہو گیا کہ تشہد میں سلام پڑھتے وقت وہی صیغہ اختیار کرنا چاہیے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے اور وہ ہے "السلام علیك ایها النبی و رحمة الله وبرکاته"۔۔۔۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مصافحہ کرتے ہوئے ہاتھوں کو بوسہ دینے کی تحقیق

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ میری دونوں ہتھیلیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلیوں میں تھیں، اور یہ مصافحہ کرنے میں مبالغہ ہے اور علماء کے نزدیک یہ مستحب ہے۔ اور ہاتھوں کو بوسہ دینے میں اختلاف ہے۔ پس امام مالک نے اس کا انکار کیا ہے اور اس سلسلہ میں جو روایت ہے اس کا بھی انکار کیا ہے اور دوسرے فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے اور انہوں نے استدلال کیا ہے کہ حضرت ابولبابہ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کو اس وقت بوسہ دیا جب اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ امام مالک نے اس کو اس صورت میں مکروہ قرار دیا ہے کہ جب کوئی بطور تحیہ اور تعظیم کسی کے ہاتھوں کو بوسہ دے، لیکن جب وہ دینی قربت کی بناء پر یا کسی کے علم کی بناء پر، یا کسی کی بزرگی کی بناء پر ہاتھوں کو بوسہ دے تو یہ جائز ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو بوسہ دینا اس قبیل سے ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اور جو شخص کسی کو دنیاوی منفعت کی وجہ سے بوسہ دے، یا بادشاہ کو بوسہ دے، یا کسی متکبر کے ہاتھ کو بوسہ دے تو یہ مکروہ ہے۔

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکروں میں سے ایک لشکر میں تھے، پس لوگ بھاگے اور میں بھی ان لوگوں میں تھا جو بھاگے تھے۔ جب ہم رک گئے تو ہم نے کہا: یہ ہم نے کیا کیا کہ ہم جنگ میں مقابلہ سے بھاگے اور اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے۔ ہم نے کہا کہ ہم مدینہ منورہ چلے

جائیں، پس وہیں رہیں اور ہم اس طرح جائیں کہ ہمیں کوئی نہ دیکھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ پس ہم مدینہ میں داخل ہوئے۔ پھر ہم نے کہا کہ اگر ہم اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کریں، اگر ہماری توبہ قبول ہو تو ہم وہیں رہیں اور اگر توبہ قبول نہ ہو تو ہم چلے جائیں۔ پھر ہم فجر کی نماز سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کھڑے ہو گئے، پس ہم نے کہا: ہم بھاگنے والوں میں سے ہیں۔ آپ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: بلکہ تم حملہ کرنے والوں میں سے ہو۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر ہم نزدیک ہوئے اور ہم نے آپ کے مبارک ہاتھ کو بوسا دیا، پھر آپ نے فرمایا: میں مسلمانوں کی پناہ گاہ ہوں۔ (سنن ابوداؤد: ۲۶۴۷، سنن ترمذی: ۱۷۱۶، مسند احمد: ۵۵۹۵، ۵۹۰۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے ماویٰ اور ملجا ہیں اور ٹوٹے ہوئے دلوں کو تسکین پہنچاتے ہیں اور ان کی دلجوئی کرتے ہیں۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کو بوسا دینا جائز ہے۔

امام ترمذی صفوان بن عسال سے روایت کرتے ہیں کہ دو یہودی آئے، ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: ہمیں اس نبی کے پاس لے چلو ہم اس سے سوال کرتے ہیں۔ اس نے کہا: ان کو نبی نہ کہو کیونکہ اگر انہوں نے سن لیا کہ تم ان کو نبی کہتے ہو تو ان کی چار آنکھیں ہو جائیں گی۔ پھر وہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے ان دونوں نے سوال کیا کہ اللہ عزوجل یہ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ فَسْئَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۰۱)

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو نو واضح احکام دیئے، سو آپ بنی اسرائیل سے پوچھئے جب موسیٰ ان کے پاس آئے تو فرعون نے موسیٰ سے کہا: اے موسیٰ! میں تم کو ضرور جادو کیا ہوا گمان کرتا ہوں ۝

انہوں نے آپ سے یہ سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جو نو نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے، وہ نو نشانیاں کون سی ہیں؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (۱) تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ (۲) اور تم زنا نہ کرو (۳) اور تم کسی اس جان کو قتل نہ کرو جس کے قتل ناحق کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے (۴) اور تم چوری نہ کرو (۵) اور تم جادو نہ کرو (۶) اور تم کسی بے قصور کو بادشاہ کے پاس اس لیے لے کر نہ جاؤ کہ وہ اس کو قتل کر دے (۷) اور تم سود نہ کھاؤ (۸) اور تم کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت نہ لگاؤ (۹) اور تم میدانِ جنگ سے پیٹھ موڑ کر نہ بھاگو۔ اور اے یہودیو! تم خاص طور پر ہفتہ کے دن حد سے تجاوز نہ کرو۔ تو ان دونوں یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کو اور آپ کے پیروں کو بوسا دیا اور ان دونوں نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ نبی ہیں۔ آپ نے پوچھا: پھر تم کو اسلام قبول کرنے سے کیا چیز مانع ہے؟ ان دونوں نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ ان کی اولاد میں ہمیشہ نبی رہے، اور ہم کو یہ خطرہ ہے کہ اگر ہم نے اسلام قبول کر لیا تو یہود ہم کو قتل کر دیں گے۔

(سنن ترمذی: ۳۱۴۴، ۲۷۳۳، سنن نسائی: ۴۰۸۹ (کتاب المحاربہ، باب السحر)، سنن ابن ماجہ: ۳۷۰۵، کتاب الادب، باب الرجل یقبل ید الرجل)

اس باب سے واضح ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کو بوسا دینا بھی جائز ہے اور آپ کے پیروں کو بوسا دینا بھی جائز ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۰۷۔۱۰۸ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

ہاتھوں کو بوسا دینے کے متعلق مزید احادیث

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

(۱) حضرت الزارع العبدی بیان کرتے ہیں اور وہ عبدالقیس کے وفد میں تھے، انہوں نے کہا: ہم اپنی سواریوں سے جلدی اتر رہے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ اور آپ کے پیر کو بوسا دے رہے تھے۔ اس حدیث کی امام ابوداؤد نے روایت کی ہے۔ اور مزیدہ العصری کی حدیث بھی اسی کی مثل ہے۔

(۲) حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کھڑے ہوئے، پس ہم نے آپ کے ہاتھ کو بوسا دیا۔ اس حدیث کی سند قوی ہے۔

(۳) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کھڑے ہوئے اور انہوں نے آپ کے ہاتھ کو بوسا دیا۔

(۴) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی اعرابی اور درخت کے قصہ میں یہ حدیث ہے، اس نے کہا: یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے سر کو، آپ کے پیروں کو بوسا دوں، سو آپ نے اس کو اجازت دے دی۔

(۵) اور امام بخاری نے الادب المفرد میں عبدالرحمٰن بن رزین سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: اے سلمہ بن الاکوع! آپ ہمارے لیے اپنا ہاتھ بڑھایئے، تو انہوں نے اپنا بھاری ہاتھ بڑھایا گویا کہ وہ اونٹ کا ہاتھ تھا، ہم اس ہاتھ کی طرف کھڑے ہوئے اور ہم نے اس ہاتھ کو بوسا دیا۔

(۶) اور حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو بوسا دیا۔

(۷) نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم محترم) کے ہاتھ اور پیر کو بوسا دیا۔

(۸) اور ابو مالک اشجعی کی سند سے مروی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما سے کہا: آپ میرے سامنے اپنا وہ ہاتھ بڑھایئے جس ہاتھ سے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی تھی، تو انہوں نے وہ ہاتھ بڑھایا تو میں نے اس کو بوسا دیا۔

علامہ نووی نے کہا ہے: کسی شخص کے ہاتھ کو اس کے زہد اور تقویٰ کی بناء پر اور اس کی نیکی کی بناء پر، یا اس کے علم کی بناء پر، یا اس کے شرف کی بناء پر، یا اس کے تقویٰ کی بناء پر، یا اسی طرح دیگر امورِ دینیہ کی بناء پر بوسا دینا مکروہ نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔ اور اگر اس سے مال و دولت حاصل کرنے کے لیے بوسا دے، یا اس کی دنیاوی شوکت کی وجہ سے اس کے ہاتھ کو بوسا دے، تو یہ شدید مکروہ ہے۔ ابوسعید متولی نے کہا: بلکہ یہ جائز نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۴۳، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۲۹۔ بَابُ: الْمُعَانَقَةِ، وَقَوْلِ الرَّجُلِ: كَيْفَ أَصْبَحْتَ؟

کسی شخص کے ساتھ گلے ملنے کا بیان اور ایک شخص کا دوسرے سے یہ پوچھنا: آج صبح آپ کا مزاج کیسا ہے؟

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں معانقہ کرنے کا بیان ہے۔ اور معانقہ کا لفظ باب مفاعلہ سے ماخوذ ہے۔ جب ایک شخص اپنے دونوں ہاتھ کسی

کے گلے میں ڈالے اور اس شخص کو اپنے ساتھ ملائے اور چپکائے۔

امام بخاری نے کہا: اور ایک شخص کا دوسرے شخص سے یہ کہنا کہ آج صبح آپ کا مزاج کیسا ہے؟ علامہ کرمانی نے نقل کیا ہے کہ امام بخاری نے باب ''ماذکر فی الاسواق'' میں ذکر کیا ہے کہ کسی شخص کے آنے پر یا اس سے ملاقات کے وقت اس سے معانقہ کرنا۔ اور شاید کہ امام بخاری نے اس سے یہ اخذ کیا ہے کہ لوگوں کی عادت ہے کہ جب وہ معانقہ کرتے ہیں: تو کہتے ہیں تم نے آج کی صبح کیسی کی؟ اور امام بخاری کو ایسی حدیث نہیں ملی جو معانقہ کے مناسب ہوتی۔

علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے کہ امام بخاری نے معانقہ کا عنوان قائم کیا اور اس باب میں معانقہ کے متعلق کوئی حدیث ذکر نہیں کی، پس یہ باب فارغ تھا حتیٰ کہ امام بخاری کی وفات ہوگئی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۴۔ ۳۹۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۶۶۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ شُعَيْبٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ كَعْبٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَلِيًّا يَعْنِي ابْنَ أَبِي طَالِبٍ خَرَجَ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ ﷺ ح و حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رضی الله عنه خَرَجَ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ ﷺ فِي وَجَعِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ فَقَالَ النَّاسُ يَا أَبَا حَسَنٍ كَيْفَ أَصْبَحَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ أَصْبَحَ بِحَمْدِ اللهِ بَارِئًا فَأَخَذَ بِيَدِهِ الْعَبَّاسُ فَقَالَ أَلَا تَرَاهُ أَنْتَ وَاللهِ بَعْدَ الثَّلَاثِ عَبْدُ الْعَصَا وَاللهِ إِنِّي لَأُرَى رَسُولَ اللهِ ﷺ سَيُتَوَفَّى فِي وَجَعِهِ وَإِنِّي لَأَعْرِفُ فِي وُجُوهِ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ الْمَوْتَ فَاذْهَبْ بِنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَنَسْأَلَهُ فِيمَنْ يَكُونُ الْأَمْرُ فَإِنْ كَانَ فِينَا عَلِمْنَا ذَلِكَ وَإِنْ كَانَ فِي غَيْرِنَا أَمَرْنَاهُ فَأَوْصَى بِنَا قَالَ عَلِيٌّ وَاللهِ لَئِنْ سَأَلْنَاهَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَيَمْنَعُنَا لَا يُعْطِينَاهَا النَّاسُ أَبَدًا وَإِنِّي لَا أَسْأَلُهَا رَسُولَ اللهِ ﷺ أَبَدًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں بشر بن شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ بن کعب نے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی کہ حضرت علی یعنی ابن ابی طالب نبی ﷺ کے پاس سے نکلے ح اور ہم کو احمد بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عنبسہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ بن کعب بن مالک نے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے ان کو خبر دی کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس سے اس مرض میں نکلے جس مرض میں آپ کی وفات ہوگئی تھی، تو لوگوں نے کہا: اے ابوحسن! رسول اللہ ﷺ نے کس طرح صبح کی؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: الحمدللہ! رسول اللہ ﷺ پرسکون ہیں، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پکڑا، پس کہا: کیا تم آپ کو نہیں دیکھتے اور اللہ کی قسم! تمہیں تین دن کے بعد لاٹھی کا بندہ بننا پڑے گا، اور اللہ کی قسم! میں یہ گمان کرتا ہوں کہ عنقریب رسول اللہ ﷺ کی اس مرض میں وفات ہوجائے گی۔ اور بے شک میں عبدالمطلب کے بیٹوں کے چہروں کو موت کے وقت پہچانتا ہوں، تم ہمارے ساتھ رسول

(صحیح بخاری: ۴۴۴۷، ۶۲۶۶، مسند احمد: ۲۳۰۷)

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلو، ہم آپ سے سوال کرتے ہیں کہ یہ خلافت کن لوگوں میں ہوگی؟ اگر ہم میں یہ خلافت ہو تو ہم اس کو جان لیں، اور اگر دوسروں میں ہو تو ہم عرض کریں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے متعلق کچھ وصیت فرمادیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر ہم نے خلافت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور آپ نے ہم کو خلافت سے منع کر دیا تو لوگ ہمیں کبھی بھی خلافت نہیں دیں گے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خلافت سے متعلق کبھی بھی سوال نہیں کروں گا۔

صحیح البخاری: ۶۲۶۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے دو جزو ہیں، پہلا جزو ہے معانقہ اور دوسرا جزو ہے کہ کوئی شخص کسی سے پوچھے: آج صبح آپ کا مزاج کیسا تھا؟ سو یہ حدیث اس باب کے دوسرے جزو کے مطابق ہے، کیونکہ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج کیسا تھا؟ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۶۶، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

معانقہ کے متعلق مباحث

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب میں معانقہ کا عنوان قائم کیا ہے اور اس باب میں انہوں نے معانقہ کے متعلق حدیث ذکر نہیں کی۔ اور اس باب میں اس حدیث کو ذکر کرنا چاہیے تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے معانقہ کیا تھا۔ وہ حدیث درج ذیل ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ الدوسی رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دن کے ایک حصہ میں گھر سے باہر نکلے، نہ آپ مجھ سے بات کر رہے تھے اور نہ میں آپ سے بات کر رہا تھا حتیٰ کہ آپ بنو قینقاع کے بازار میں آئے۔ پھر آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے صحن میں بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا: کیا یہاں وہ بچہ ہے؟ تو حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تھوڑی دیر کے لیے آپ کو روکے رکھا، میں نے گمان کیا کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ان کو ہار پہنا رہی ہیں یا ان کو نہلا رہی ہیں۔ پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آئے، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معانقہ کیا اور ان کو بوسا دیا اور آپ نے دعا

کی: اے اللہ! اس سے محبت رکھ اور جو اس سے محبت رکھے، اس سے بھی محبت رکھ۔

(صحیح بخاری: ۲۱۲۲، ۵۸۸۴، صحیح مسلم: ۲۴۲۱، سنن ابن ماجہ: ۱۴۲، مسند احمد: ۸۱۸۰)

معانقہ کے متعلق مذاہب فقہاء

فقہاء کا معانقہ کے جواز میں اختلاف ہے، امام مالک نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے اور ابن عیینہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

سعید بن اسحاق اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ علی بن یونس اللیثی المدنی نے بیان کیا کہ میں امام مالک بن انس کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اس وقت سفیان بن عیینہ آئے اور انہوں نے دروازہ پر کھڑے ہو کر اجازت طلب کی، تو امام مالک نے کہا: یہ صاحبِ سنت ہیں ان کو گھر میں داخل کرو، پس وہ گھر میں داخل ہوئے اور انہوں نے کہا: ''السلام علیک ورحمۃ اللہ'' تو گھر والوں نے ان کے سلام کا جواب دیا۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: ہمارا سلام خاص اور عام ہے: ''السلام علیک یا اباعبداللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' تو امام مالک نے کہا: وعلیک السلام یا ابا محمد ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، پھر امام مالک نے سفیان بن عیینہ سے مصافحہ کیا اور پھر کہا: اے ابومحمد! اگر یہ بات بدعت نہ ہوتی تو میں تم سے معانقہ کرتا۔ تو سفیان نے کہا: جو تم سے بہتر ہیں یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہوں نے معانقہ کیا ہے۔ امام مالک نے کہا: جعفر سے؟ انہوں نے کہا: ہاں! امام مالک نے کہا: یہ حدیث خاص ہے اے ابومحمد۔ سفیان نے کہا: جو حکم جعفر کے لیے عام ہے وہ ہمارے لیے بھی عام ہے، اور جو حکم جعفر کے لیے خاص ہے اور ہمارے لیے بھی خاص ہے، کیونکہ ہم نیک لوگ ہیں، کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں اس مجلس میں آپ کے سامنے وہ حدیث بیان کروں؟ انہوں نے کہا: ہاں اے ابومحمد! آپ وہ حدیث بیان کریں، تو انہوں نے یہ حدیث بیان کی:

مجھے عبداللہ بن طاؤس نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے کہا کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ جب حبشہ کی سرزمین سے آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گلے لگایا یعنی معانقہ کیا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسا دیا۔ اور حضرت جعفر نے کہا: آپ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ صورت اور سیرت میں میرے مشابہ تھے۔ (الذخیرہ ج ۱۳ ص ۲۹۷)

نیز امام عبدالرزاق نے از سلیمان بن داؤد روایت کی ہے کہ میں نے الثوری اور معمر کو دیکھا کہ جب وہ ایک دوسرے سے ملتے تو ان میں سے ہر ایک معانقہ کرتا اور ہر ایک دوسرے کو بوسا دیتا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۴۲)

معانقہ کے متعلق بہ کثرت آثار مروی ہیں، ان میں سے یہ حدیث ہے:

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت زید بن حارثہ مدینہ میں آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے، سو انہوں نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف کھڑے ہوئے اور آپ کے بالائی جسم پر کپڑا نہیں تھا اور آپ اپنے تہبند کو گھسیٹتے ہوئے گئے، اور اللہ کی قسم! میں نے اس سے پہلے کبھی آپ کے بالائی جسم کو عریاں نہیں دیکھا اور نہ اس کے بعد۔ پس آپ نے ان سے معانقہ کیا اور ان کو بوسا دیا۔

(سنن ترمذی: ۲۷۳۲، مسند احمد: ج ۴ ص ۲۳۹)

امام ابوداؤد عنزہ کے ایک مرد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے اس وقت کہا جب وہ شام سے آئے تھے، میں آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کے متعلق سوال کرتا ہوں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمہیں ضرور وہ

حدیث بتاؤں گا بشرطیکہ وہ راز نہ ہو، میں نے کہا: وہ راز نہیں ہے، پھر پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں سے ملاقات کرتے تھے تو کیا مصافحہ کرتے تھے، انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بھی میری ملاقات ہوئی تو آپ نے مجھ سے مصافحہ کیا، اور ایک دن آپ نے مجھے بلایا جب میں گھر میں نہیں تھا، جب میں آیا تو مجھے خبر دی گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا ہے، پھر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس وقت آپ تخت پر تھے، اور آپ نے مجھے لپٹا لیا، اور یہ لپٹانا بہت عمدہ تھا، بہت عمدہ تھا۔

(سنن ابوداؤد: ۵۲۱۴، ۲۱۵۰۰)

اور سلیمان بن داؤد نے از عبدالحکیم بن منصور از عبدالملک بن عمیر از ابوسلمہ بن عبدالرحمن از ابی الہیثم التیہان روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ان سے ملاقات کرتے تو ان سے معانقہ کرتے اور ان کو بوسا دیتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کو ذکر نہ فرمانے کی تحقیق

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کا اصلاً ذکر نہیں کیا گیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خلافت کے متعلق دریافت کرو آیا وہ ہمیں ملے گی یا کسی اور کو ملے گی۔

حدیث کے بعض اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد خلیفہ بنانے کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درد شدید ہو گیا تو آپ کے پاس حضرت بلال رضی اللہ عنہ آئے اور نماز پڑھانے کی خبر دی تو آپ نے فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! حضرت ابوبکر نرم دل ہیں، جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو اپنی قراءت نہیں سنا سکیں گے، پس آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیجئے، آپ نے فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، میں نے حفصہ سے کہا کہ آپ کہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو نرم دل ہیں، وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو اپنی قراءت نہیں سنا سکیں گے، پس آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیجئے، آپ نے فرمایا: تم بھی یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی عورتوں کی طرح ہو، ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ الحدیث

(صحیح البخاری: ۷۱۳) (شرح ابن بطال ج ۹ ص ۵۰۔ ۵۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ بنانے کے متعلق دیگر احادیث

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض کے ایام میں فرمایا: میرے لیے اپنے باپ ابوبکر کو اور اپنے بھائی کو بلاؤ حتیٰ کہ میں ان کو ایک مکتوب لکھ دوں، کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے گا اور کوئی کہنے والا کہے گا کہ میں ہی (خلافت) کے لائق ہوں۔ اور اللہ اور مومنین ابوبکر کے ماسوا کا انکار کر دیں گے۔ (صحیح مسلم: ۲۳۸۷، الرقم المسلسل: ۶۰۷۵، مسند احمد: ۲۴۸۰۵)

نیز امام مسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلیفہ بناتے تو کس کو بناتے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو، پھر ان سے پوچھا گیا کہ پھر حضرت ابوبکر کے بعد آپ کس کو خلیفہ بناتے؟ تو انہوں نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو، پھر ان سے پوچھا گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد پھر آپ کس کو خلیفہ بناتے؟ تو

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو۔ (صحیح مسلم: ۲۳۸۵، الرقم المسلسل: ۶۰۷۲)

معانقہ کے جواز کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی کا تتبع

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

معانقہ کے جواز کے متعلق درج ذیل احادیث ہیں:

(۱) یہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کو ہم اس سے پہلے امام ابوداؤد کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں۔

(۲) امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب صحابہ ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تو مصافحہ کرتے اور جب کسی سفر سے آتے تو ایک دوسرے سے معانقہ کرتے۔

اپنے صاحب سے اس سوال کا جواز کہ آپ نے صبح کیسے کی؟

علامہ ابن التین نے علامہ داؤدی سے یہ نقل کی ہے کہ سب سے پہلے اس لفظ کا استعمال اس وقت ہوا جب عمواس کے طاعون کا زمانہ تھا۔ سنت یہ ہے کہ سلام سے ابتداء کی جائے۔ اور عمواس کے طاعون میں اس بات کے دواعی تھے کہ کوئی شخص اپنے دوست سے اس کا حال پوچھے، پھر یہ بہت کثرت سے ہونے لگا حتیٰ کہ بس یہی سوال کرتے کہ تم نے صبح کیسے کی ہے اور تمہارا کیا حال ہے؟

امام ابن ابی شیبہ نے از ابن ابی عمر روایت کی ہے اور امام بخاری نے بھی الادب المفرد میں یہ روایت کی ہے، حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ نے کیسے صبح کی؟ تو آپ نے فرمایا: خیر کے ساتھ۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۳۵۔۳۳۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۶۶، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کسی انسان کا دوسرے انسان سے یہ پوچھنا تم نے کیسے صبح کی؟ آیا جائز ہے یا نہیں

اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے انسان کے اس قول پر استدلال کیا ہے ''تم نے کیسے صبح کی؟''۔ اور واقع میں یہ حدیث عنوان کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ لوگوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بطور تحیت یہ سوال نہیں کیا تھا اور لوگ ایک دوسرے سے بطور تحیت یہ سوال کرتے ہیں کہ تم نے کیسے صبح کی؟ اور لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کی خبر معلوم کرنے کے لیے یہ سوال کیا تھا کہ آپ کی طبیعت صبح کیسی تھی، آیا آپ صحت مند تھے یا آپ پر مرض کی شدت تھی، اس لیے اس حدیث سے باب کے عنوان پر استدلال کرنا محل نظر ہے، کیونکہ جب لوگ ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ تم نے صبح کیسے کی، تو کبھی تو بطور تحیت اور تعظیم کے کہتے ہیں اور کبھی اس کا حال معلوم کرنے کے لیے کہتے ہیں۔

امام بخاری نے ''الادب المفرد'' میں یہ باب قائم کیا ہے ''کیف اصبحت؟'' اور اس باب میں محمود بن لبید سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بازو کی رگ میں جب تیر چبھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کے پاس سے گزرتے تو پوچھتے کہ تم نے صبح کیسے کی؟ اسی طرح امام نسائی نے از حضرت عمر بن ابی سلمہ از والد خود از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر

رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس کہا: آپ نے کیسے صبح کی؟ آپ نے فرمایا: صالح، یعنی میں تندرست تھا۔ اور امام ابن ابی شیبہ نے از سالم بن ابی الجعد از ابن ابی عمرہ اس کی مثل روایت کی ہے۔ اور امام بخاری نے ''الادب المفرد'' میں نیز یہ روایت بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ نے کیسے صبح کی؟ تو آپ نے فرمایا: خیریت کے ساتھ۔

اور مہاجر الصائغ سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک مرد کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو جب ان سے کہا گیا کہ تم نے کیسے صبح کی؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم اللہ کے ساتھ شرک نہیں کرتے تھے۔

ان آثار سے معلوم ہوا کہ کسی کی خیریت معلوم کرنے کے لیے یہ کہنا جائز ہے کہ تم نے صبح کیسے کی؟

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا خلافت کے لیے سوال کرنے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منع کرنے کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلیں اور ہم آپ سے سوال کریں کہ یہ خلافت کن لوگوں میں ہوگی؟ اگر ہم میں ہے تو ہمیں معلوم ہو جائے، اور اگر ہمارے غیر میں ہے تو ہم حضور سے عرض کریں کہ حضور اس کو ہماری خیر خواہی کا حکم دیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! اگر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خلافت کا سوال کیا، پس آپ نے اس سے ہم کو منع کر دیا تو لوگ ہمیں کبھی بھی خلافت نہیں دیں گے، اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بھی خلافت کا سوال نہیں کروں گا''۔

یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کمالِ ذکاوت پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حج میں اپنا خلیفہ بنایا اور نماز کی امامت میں اپنا خلیفہ بنایا، اور آپ نے ارشاد فرمایا: اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا، اور آپ نے فرمایا: مسجد میں سے سب کے ذیلی دروازے ختم کر دیے جائیں گے سوائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دروازہ کے۔ اور یہ تمام احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے والے ہیں۔ اور ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت سے فرمایا: اگر تم مجھ کو نہ پاؤ تو پھر ابوبکر کے پاس جانا اور نیز آپ نے فرمایا: اللہ اور اس کا رسول اور مومنین ابوبکر کے غیر کا انکار کر دیں گے۔ اس طرح کی بہت چیزیں ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ ہونے والے تھے۔ اس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خطرہ ہوا کہ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خلافت کی طلب کے لیے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع کر دیا تو پھر بعد میں لوگ ہمیں خلیفہ نہیں بنائیں گے اور خلافت ہماری طرف نہیں لوٹے گی۔

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ ولایت اربابِ حل وعقد کے اتفاق سے منعقد ہوتی ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''پھر لوگ ہمیں خلافت کبھی بھی نہیں دیں گے''۔ یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ خلافت اربابِ حل وعقد کے اجماع سے ثابت ہوتی ہے۔ اور خلافت امورِ متعددہ سے ثابت ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک نصِ صریح ہے۔ اور خلافت اجماع سے منعقد ہوتی ہے جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہو گیا تھا۔ اور تیسرا طریقہ ہے غلبہ، کوئی شخص اپنے زورِ بازو اور قوت سے لوگوں پر غالب آ کر خلیفہ بن جائے، جیسے اس امت کے شروع میں جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو شہید کر دیا گیا تو عبدالملک بن مروان غلبہ سے حجاز کا حکمران بن گیا اور لوگوں نے اس کی اتباع کی۔ اب اس کے احکام کو سننا اور اس کی اطاعت کرنا

واجب تھا۔

تاہم کسی شخص کو خلافت کا سوال نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ حدیث میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم امارت کا سوال نہ کرنا، کیونکہ اگر تمہارے سوال کی وجہ سے امارت تم کو دی گئی تو تم کو اس کے سپرد کر دیا جائے گا۔ اور اگر تم کو بغیر سوال کے امارت دی گئی تو تمہاری مدد کی جائے گی۔

(صحیح البخاری: ۶۱۳۲، صحیح مسلم: ۱۶۵۲، سنن ترمذی: ۱۵۲۹، سنن نسائی: ۵۳۸۴، سنن ابوداؤد: ۲۹۲۹)

لیکن اگر کوئی شخص شرحِ صدر سے یہ جانتا ہو کہ وہ خلافت کا اہل ہے اور اگر اس نے خلافت کو قبول نہیں کیا تو لوگ کسی نااہل کو خلیفہ بنا لیں گے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو خلافت اور امارت کے لیے پیش کر دے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا:

قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۵﴾ (یوسف: ۵۵)

(حضرت یوسف علیہ السلام نے) کہا: مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیں، بے شک میں حفاظت کرنے والا علم والا ہوں O

(شرح صحیح البخاری: ج ۶ ص ۸۷۔۸۱، ملخصاً، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۰۔ بَابٌ: مَنْ أَجَابَ بِلَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ

کسی کے بلانے پر یہ جواب دینا ''لبیک'' (میں حاضر ہوں) اور ''سعدیک'' (میں آپ کی اطاعت کے لیے مستعد ہوں)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس آدمی نے کسی کے سوال کے جواب میں ''لبیک'' کہا اور اس کا معنی ہے: میں آپ کی اطاعت پر قائم ہوں۔ جب کوئی شخص کسی جگہ پر قیام کرے تو کہتے ہیں ''لبّ بالمکان'' اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: ایک بار اجابت کے بعد دوسری مرتبہ اجابت کرنا۔ اور ''سعدیک'' کا معنی ہے: میں آپ کے حکم کی اتباع کرنے والا ہوں اور اس کی مخالفت کرنے والا نہیں ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۶۷۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنْ مُعَاذٍ قَالَ أَنَا رَدِيفُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ يَا مُعَاذُ قُلْتُ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ ثُمَّ قَالَ مِثْلَهُ ثَلَاثًا هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ قُلْتُ لَا قَالَ حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، از حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں سواری پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، آپ نے فرمایا: اے معاذ! میں نے کہا: ''لبیک وسعدیک''

يُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا ثُمَّ سَارَ سَاعَةً فَقَالَ يَا مُعَاذُ قُلْتُ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ قَالَ هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ إِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ حَدَّثَنَا هُدْبَةُ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ عَنْ مُعَاذٍ بِهٰذَا۔

(میں حاضر ہوں اور آپ کی اطاعت کے لیے مستعد ہوں)۔ پھر اس کی مثل تین مرتبہ آپ نے فرمایا اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح جواب دیا۔ پھر آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ میں نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں، پھر آپ چلتے رہے، اور پھر تھوڑی دیر بعد کہا: اے معاذ! میں نے کہا: "لبیک وسعدیک" آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے جب وہ اس کی اطاعت کرلیں یعنی جب وہ اس کی عبادت کرلیں، میں نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ جب وہ یہ کرلیں (یعنی اس کی عبادت کرلیں) تو اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دے۔

ہمیں ہدبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ از حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، اسی طرح۔

(صحیح البخاری: ۲۸۵۶، ۵۹۶۷، ۶۲۶۷، ۶۵۰۰، ۷۳۷۳، صحیح مسلم: ۳۰، سنن ترمذی: ۲۶۴۳، سنن ابوداؤد: ۲۵۵۹، سنن ابن ماجہ: ۴۲۹۶، مسند احمد: ۲۱۴۸۶)

صحیح البخاری: ۶۲۶۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ باب میں "لبیک اور سعدیک" کہنے کا ذکر ہے۔ اور اس حدیث میں بھی ذکر ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کے جواب میں "لبیک وسعدیک" کہا۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ان یعبدوہ" یعنی لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ یہ عملیات کی طرف اشارہ ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "اور لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ کریں"۔ یہ اعتقادیات کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ توحید تمام عقائد کی اصل ہے۔ توحید کا معنی ہے: اللہ کو ایک ماننا۔

اللہ تعالیٰ پر بندوں کے حق کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے "بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے"۔ اس پر یہ سوال ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حق ثابت کے معنی میں ہے، یا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس حق کو خود اپنے اوپر واجب کرلیا ہے، بندوں نے اس پر کچھ واجب نہیں کیا، یا بندوں کے کسی عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر کچھ واجب نہیں ہوا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۶۸۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنَا وَاللّٰهِ أَبُو ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ قَالَ كُنْتُ أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي حَرَّةِ الْمَدِينَةِ عِشَاءً اسْتَقْبَلَنَا أُحُدٌ فَقَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ مَا أُحِبُّ أَنَّ أُحُدًا لِي ذَهَبًا يَأْتِي عَلَيَّ لَيْلَةٌ أَوْ ثَلَاثٌ عِنْدِي مِنْهُ دِينَارٌ إِلَّا أَرْصُدُهُ لِدَيْنٍ إِلَّا أَنْ أَقُولَ بِهِ فِي عِبَادِ اللّٰهِ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَأَرَانَا بِيَدِهِ ثُمَّ قَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ الْأَكْثَرُونَ هُمُ الْأَقَلُّونَ إِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا ثُمَّ قَالَ لِي مَكَانَكَ لَا تَبْرَحْ يَا أَبَا ذَرٍّ حَتّٰى أَرْجِعَ فَانْطَلَقَ حَتّٰى غَابَ عَنِّي فَسَمِعْتُ صَوْتًا فَخَشِيتُ أَنْ يَكُونَ عُرِضَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَأَرَدْتُ أَنْ أَذْهَبَ ثُمَّ ذَكَرْتُ قَوْلَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لَا تَبْرَحْ فَمَكَثْتُ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ سَمِعْتُ صَوْتًا خَشِيتُ أَنْ يَكُونَ عُرِضَ لَكَ ثُمَّ ذَكَرْتُ قَوْلَكَ فَقُمْتُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ ذَاكَ جِبْرِيلُ أَتَانِي فَأَخْبَرَنِي أَنَّهُ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِي لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ قُلْتُ لِزَيْدٍ إِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّهُ أَبُو الدَّرْدَاءِ فَقَالَ أَشْهَدُ لَحَدَّثَنِيهِ أَبُو ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ قَالَ الْأَعْمَشُ وَحَدَّثَنِي أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ نَحْوَهُ وَقَالَ أَبُو شِهَابٍ عَنِ الْأَعْمَشِ يَمْكُثُ عِنْدِي فَوْقَ ثَلَاثٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے باپ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زید بن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی اللہ کی قسم! ابوذر نے ربذہ میں، انہوں نے بیان کیا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کی سیاہ پتھریلی زمینوں میں رات کے وقت جارہا تھا، ہمارے سامنے احد پہاڑ تھا۔ آپ نے فرمایا: اے ابوذر! میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو اور اس کے اوپر ایک رات یا تین راتیں گزر جائیں، سوا ایک دینار کے جس کو میں قرض کی ادائیگی کے لیے محفوظ رکھوں۔ مگر میں کہتا ہوں اللہ کے بندوں میں کہ اس طرح، اور اس طرح اور اس طرح کریں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنا ہاتھ دکھایا۔ پھر آپ نے فرمایا: اے ابوذر! میں نے کہا: لبیک وسعدیک یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: جو (دنیا میں) زیادہ مالدار ہیں وہ آخرت میں کم ہوں گے، مگر جو اس طرح دے اور اس طرح دے، پھر مجھ سے فرمایا: اے ابوذر! تم یہیں ٹھہرے رہو حتیٰ کہ میں واپس آؤں، پھر آپ چلے گئے حتیٰ کہ مجھ سے غائب ہو گئے، پھر میں نے ایک آواز سنی، میں خوفزدہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی چیز پیش آئی ہے، پس میں نے ارادہ کیا کہ میں جاؤں، پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد آیا کہ تم کہیں نہ جانا، پس میں ٹھہرا رہا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے ایک آواز سنی تھی مجھے یہ خوف ہوا کہ شاید آپ کو کوئی چیز

پیش آئی ہے، پھر مجھے آپ کا قول یاد آیا تو میں ٹھہرا رہا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے، یہ میرے پاس آئے، پس انہوں نے مجھے خبر دی کہ جو میری امت سے اس حال میں فوت ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بالکل شریک نہیں کرتا تھا، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا: خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو۔

اعمش نے بیان کیا: میں نے زید سے کہا: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ یہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ تھے، تو زید بن وہب نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ مجھے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث ربذہ میں بیان کی تھی۔

الاعمش نے کہا: مجھے ابوصالح نے حدیث بیان کی ہے از حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اسی کی مثل۔

اور ابوشہاب نے کہا از الاعمش، کہ وہ سونا میرے پاس تین دن سے زیادہ رہے۔

(صحیح البخاری: ۱۲۳۷، ۱۴۰۸، ۲۳۸۸، ۳۲۲۲، ۵۸۲۷، ۶۲۶۸، ۶۴۴۳، ۶۴۴۴، ۷۴۸۷، صحیح مسلم: ۹۴، سنن ترمذی: ۲۶۴۴، مسند احمد: ۲۰۹۰۵)

صحیح البخاری: ۶۲۶۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عمر بن حفص کا ذکر ہے، یہ اپنے والد حفص بن غیاث سے روایت کرتے ہیں اور وہ سلیمان الاعمش سے روایت کرتے ہیں از زید بن وہب ابوسلیمان الہمدانی الجہنی الکوفی، یہ بنو قضاعہ سے تھے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جانے کے لیے نکلے، اس اثناء میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور یہ راستہ میں ہی تھی۔ ان کی وفات ۹۶ھ میں ہوئی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، ان کا نام جندب بن جنادہ ہے، یہ ۳۲ھ میں ربذہ میں فوت ہو گئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں حضرت ابوالدرداء کا ذکر ہے، ان کا نام عویمر بن زید ہے۔ یہ بھی دمشق میں ۳۲ھ میں فوت ہوئے تھے اور یہ فتح مصر کے موقع پر حاضر تھے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''واللہ''یعنی اللہ کی قسم۔اس کا ذکر انہوں نے تاکید یا مبالغہ کے لیے کیا ہے، کیونکہ یہ کہا گیا تھا کہ اس حدیث کے راوی حضرت ابوالدرداء ہیں نہ کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما جیسا کہ اس حدیث کے آخر میں پتا چلتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''فی حرۃ المدینۃ''''حرۃ'' سیاہ پتھریلی زمین کو کہتے ہیں اور یہ زمین مدینہ کے ایک طرف میں تھی جس میں سیاہ پتھر بہت زیادہ تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''لا ارصدہ فیھا''یعنی میں اس دینار کو صرف قرض کی ادائیگی کے لیے محفوظ رکھوں گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''ھکذا ثلاث مرات''یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں طرف ہاتھ بڑھایا اور بائیں طرف ہاتھ بڑھایا اور سامنے ہاتھ بڑھایا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''الاکثرون ھم الاقلون''یعنی جو لوگ دنیا میں مال کے اعتبار سے زیادہ ہیں، وہ آخرت میں ثواب کے اعتبار سے کم ہوں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''عرض''یعنی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو یہ خطرہ ہوا کہ شاید کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب آ گیا یا آپ پر کوئی آفت اور مصیبت پہنچی۔

اس حدیث میں مذکور ہے''ربذۃ'' یہ مدینہ سے تین مرحلہ دور ایک ریگستان ہے جو ذاتِ عرق کے قریب تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۷۔۳۹۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۶۷، ۶۲۶۸، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

ابن الانباری نے کہا ہے کہ''لبیک'' کا معنی یہ ہے کہ میں آپ کی اطاعت پر قائم ہوں۔یہ عرب کے اس قول سے ماخوذ ہے''لب فلان بمکان''جب کوئی شخص کسی جگہ ٹھہرے یا قائم ہو۔اور''سعدیک'' کا لفظ اسعاد سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے: متابعت۔

اور دوسروں نے کہا:''لبیک'' کا معنی ہے: ایک بار اجابت کے بعد دوسری بار اجابت کرنا، اور''سعدیک'' کا معنی ہے: میں تمہاری ایک بار موافقت کے بعد دوسری بار موافقت کرتا ہوں۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: کسی کی پکار پر''نعم''(جی ہاں) کے ساتھ جواب دینا یا کسی بھی ایسے لفظ کے ساتھ جواب دینا جو سمجھ میں آتا ہو، یہ کافی ہوتا ہے۔لیکن سید اور مالک کی پکار پر لبیک کے ساتھ جواب دینا اس کی عزت افزائی کے لیے ہے اور اسعاد کے ساتھ جواب دینا افضل ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر حق کو ثابت کرنا مرجئہ کا مذہب ہے

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر اعتراض کیا جائے کہ'' آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق

ہے؟'' آپ کے اس ارشاد سے تو مرجئہ کے اس زعم کی تائید ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ اطاعت گزاروں کو ثواب عطا فرمائے۔ سو اہلِ سنت ان کو یہ جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اوپر بندوں کا کوئی حق واجب نہیں ہے۔ اور یہاں پر یہ لفظ بطور تقابل کے ذکر فرمایا ہے، کیونکہ پہلے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ اور اس کے بعد فرمایا کہ بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ (الشوریٰ: ۴۰) اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے۔

یہاں پر ''سیئۃ'' کی جزا کو بھی ''سیئۃ'' فرمایا ہے یعنی برائی، حالانکہ جو شخص کسی کے ساتھ برائی کرے، پھر اس کے بدلہ میں اس کو جو سزا دی جائے وہ ''سیئۃ'' نہیں ہوتی، وہ عدل اور انصاف ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ صورت اور شکل میں دونوں فعل ایک جیسے ہیں اور ایک دوسرے کے مقابل ہیں، اس لیے ''سیئۃ'' کی جزا کو بھی ''سیئۃ'' فرمایا۔ اسی طرح یہاں بھی عبادت گزاروں کے ثواب کو اس طرح فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ثواب کے مستحق ہیں۔ اور بندوں کا جو اللہ تعالیٰ پر حق ہے اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس وعدہ کو پورا فرمائے کہ اس نے فرمایا ہے کہ وہ نیکی کرنے والوں کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے اس وعدہ کو پورا فرمائے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری، ج۹ ص ۵۲۔ ۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۶۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوذر اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کا تذکرہ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا نام جندب ہے۔ دوسرا قول ہے کہ ان کا نام بریر بن جنادہ بن سفیان ہے۔ یہ ۳۲ھ میں ربذہ میں فوت ہو گئے تھے۔ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا نام عویمر بن زید بن قیس ہے۔ یہ دمشق میں ۳۲ھ میں فوت ہو گئے تھے اور ان کی شام میں اولاد ہے اور یہ مصر کے فتح کے موقع پر حاضر تھے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۱۶۔ ۱۱۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۶۷، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایک سواری پر دو سواروں کے بیٹھنے کا جواز

اس حدیث میں ذکر ہے کہ ایک سواری پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک سواری پر دو سواروں کا بیٹھنا جائز ہے، بشرطیکہ سواری کو اس سے اذیت اور تکلیف نہ پہنچے۔ اگر سواری کو اس سے اذیت اور تکلیف پہنچے تو پھر یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ سواری پر ظلم اور عدوان ہے۔

استاذ کا شاگرد سے امتحاناً سوال کرنے کا جواز

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو پکارا تو انہوں نے ''لبیک وسعدیک'' کہا اور یہ تین مرتبہ

ہوا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ اور یہ ان سے بطور امتحان سوال کیا تھا تاکہ اس پر دلیل قائم ہو کہ استاذ اپنے شاگرد کی لیاقت اور فہم کو ظاہر کرنے کے لیے اس سے سوال کرے۔ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ اس میں کوئی اشکال نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا، ان کی مدد فرمائی، ان کو رزق دیا، تو ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق ہو۔

بندوں کا اللہ تعالیٰ پر حق نہ ہونے کی دلیل

بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اور اپنے کرم سے اپنے اوپر نیک بندوں کے ثواب دینے کو واجب کرلیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ۔ (الانعام: ۵۴) تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے۔

نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ توحیدِ خالص عبادت کے ساتھ بندہ سے عذاب کو دور کرنے کی موجب ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندوں کا اللہ تعالیٰ پر حق یہ ہے کہ جب وہ یہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دے۔ یعنی جب بندے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور عبادت کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کا حکم دیا ہے ان کو بجالائے، اور جن کاموں سے منع کیا ہے ان سے رک جائے، تو یہی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ (اللیل: ۵۔۱۰)

پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا ○ اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہا ○ پس عنقریب ہم اس کو آسانی (جنت) مہیا کریں گے ○ اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پرواہ رہا ○ اور نیک باتوں کی تکذیب کی ○ پس عنقریب ہم اس کو دشواری (دوزخ) مہیا کریں گے ○

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار کیا ''کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟'' تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، میں نے کہا نہیں!

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نہیں اس لیے کہا کہ صحابہ کرام کا یہی طریقہ تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کوئی بات پوچھتے تو وہ کہتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول کو علم ہے، حتیٰ کہ جب حضور نے پوچھا: آج کون سا دن ہے؟ تو صحابہ نے کہا: اللہ ورسولہ اعلم۔ تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی بیان فرمائیں اور وہ اپنی معلومات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ پیش کریں۔

اہل سنت وجماعت کا یہ اعتقاد ہے کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت داخل ہے، اگر وہ چاہے تو ان کو عذاب دے اور اگر وہ چاہے تو ان کو معاف فرمادے۔ (شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۸۲۔ ۸۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۶۸، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث متعدد فوائد پر مشتمل ہے جو درج ذیل ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے ''کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشاء کی نماز کے بعد حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ چل رہے تھے''۔

عشاء کی نماز کے بعد چہل قدمی کرنے کا جواز

اس حدیث میں عشاء کی نماز کے بعد کہیں جانے اور چہل قدمی کرنے کا جواز ہے، کیونکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز کے بعد چل رہے تھے۔لیکن اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ کس کام کے لیے جارہے تھے، اللہ ہی اس کو بہتر جانتا ہے۔ ہوسکتا ہے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے جارہے ہوں یا صرف چلنے کے قصد سے جارہے ہوں۔

بندوں کے حقوق ادا کرنے کے لیے مال جمع کرنے کا جواز

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو اور اس پر ایک رات یا تین راتیں گزر جائیں اور میرے پاس ان میں سے ایک دینار بھی باقی ہو مگر میں اس کو قرض کی ادائیگی کے لیے رکھوں''۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رضا کے لیے مال کو جمع کرنا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرض کی ادائیگی کے لیے مال رکھنا چاہتے تھے اور باقی تمام مال اللہ کی راہ میں تقسیم کرنا چاہتے تھے۔

اپنے اجتہاد پر عمل نہ کرنے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر عمل کرنے کا وجوب

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابوذر! تم اس جگہ سے نہ جانا حتیٰ کہ میں واپس آجاؤں، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بتایا: پھر آپ چلے گئے حتیٰ کہ میری نظر سے اوجھل ہو گئے، پھر میں نے ایک آواز سنی، مجھے خطرہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی حادثہ پیش آگیا ہے، سو میں نے جانے کا ارادہ کیا، پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول یاد آیا کہ تم یہاں سے نہ جانا، پس میں ٹھہرا رہا''۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر عمل کرتے تھے۔اگرچہ اس مقام کا تقاضا یہ تھا کہ جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو یہ خطرہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی حادثہ پیش آگیا ہے تو وہ فوراً دوڑ کر جاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرتے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت گئے تھے اور رات کو متعدد خطرات ہوتے ہیں اور ان کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق خطرہ ہوا، کیونکہ مدینہ میں منافقین تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن تھے لیکن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر عمل کرنے کو راجح جانا، کیونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ تم یہاں سے نہ جانا جب تک کہ میں واپس نہ آجاؤں۔اور اس میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر ثابت قدم رہنا یہ لائق مدح ہے اور اپنے اجتہاد سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے خلاف جلدی نہیں کرنی چاہیے۔

تاحیات توحید کے عقیدہ پر برقرار رہنے کی فضیلت

اس حدیث میں توحید کے عقیدہ پر برقرار رہنے کی فضیلت کی دلیل ہے۔اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے جو شخص اس حال میں مرگیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا تھا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

اس جگہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو انسان شرک نہ کرے وہ جنت میں داخل ہوگا حتیٰ کہ کوئی نیک عمل

اس نے نہ کیا ہو۔اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا سمجھنا بہت بڑی خطا ہے، کیونکہ اس سے پہلی حدیث میں مذکور ہے کہ "اللہ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں"۔ پھر آپ نے جو فرمایا کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، وہ اس کو مستلزم نہیں ہے کہ اس کو اس کی معصیت پر سزا نہ ملے، کیونکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ انجام کار جنت میں داخل ہو جائے گا۔اور اگر اس کے کچھ گناہ معاف نہیں ہوئے تو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل ہونے سے پہلے اس کو عذاب دے کر اس کو پاک صاف کر دے گا اور جنت میں جانے کے قابل بنا دے گا۔اور یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔

مال دنیا کی طرف التفات نہ کرنے کی فضیلت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر احد پہاڑ بھی میرے لیے سونا بن جائے تو میں وہ سب تقسیم کر دوں گا، صرف اس دینار کو رکھ لوں گا جو قرض کی ادائیگی کے لیے ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مال دنیا کی طرف توجہ اور التفات اور رغبت نہیں کرتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مستشرقین کے لگائے ہوئے الزامات کا رد

مستشرقین یہ کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ملک کا ارادہ کرتے تھے اور آپ شہوت پسند مرد تھے اور صرف عورتوں کی طرف رغبت کرتے تھے۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہوانی مرد ہوتے تو کنواری اور خوبصورت عورتوں سے شادی کرتے، اور ان کو اس چیز سے کیا رکاوٹ یا مانع تھا کہ آپ خوبصورت کنواری عورتوں سے شادی کرتے، جب کہ آپ کے اصحاب آپ کے اتنے اطاعت شعار تھے کہ اگر آپ انہیں حکم دیتے کہ اپنا سر کاٹ دو، تو وہ اپنا سر کاٹ دیں، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا اور کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں کیا اور ان سے بھی نکاح اس لیے کیا تا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دوستی اور رفاقت کا حق ادا ہو جائے۔ لیکن آپ نے ہر قبیلہ کی عورتوں سے نکاح کیا تا کہ ان سے مصاہرت کا رشتہ قائم ہو جائے، جس سے ان سے تعلق اور ربط قائم ہو اور تبلیغ دین کے مواقع آسان ہوں۔اور کبھی آپ کسی کی دلجوئی کے لیے نکاح کرتے۔حضرت صفیہ بنت حیی جن کے والد بنو نضیر کے سردار تھے اور وہ قیدیوں کے ساتھ گرفتار ہو گئیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دلجوئی کے لیے ان کے ساتھ نکاح کیا۔لیکن مستشرقین جو حقائق کو مسخ کرتے ہیں، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بے ہودہ الزام لگایا کہ آپ پر شہوت کا غلبہ تھا اور آپ نے ملک اور ریاست کو حاصل کیا تا کہ اپنی پسند کی عورتوں سے نکاح کریں، اور انہوں نے حقائق کو اس طرح مسخ کر دیا جس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا، حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے اور اس کا بندہ کہلانے سے کوئی عار نہیں تھا۔

کیا صاحب معصیت کو مشرک کہنا جائز ہے؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

أَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَىٰهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ پس کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود

وَخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ بنالیا، اور اللہ نے اس کو علم کے باوجود گمراہ کر دیا اور اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا۔ (الجاثیہ: ۲۳)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے روگردانی کر کے اپنی خواہشات کے موافق عمل کرنا، یہ گویا اپنی خواہشات کی پرستش کرنا ہے اور غیر اللہ کی پرستش کرنا شرک ہے، تو جو شخص معصیت کا ارتکاب کرے، آیا اس کو مشرک کہنا جائز ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شرک کا عام معنی ہے۔ اور جس شرک کی اللہ تعالیٰ مغفرت نہیں فرمائے گا وہ شرک خاص ہے، یعنی کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو عبادت میں یا عمل میں شریک قرار دے، اس لیے ایسے شخص کو تہدیداً مشرک کہنا تو جائز ہے حقیقتاً مشرک کہنا اس کو جائز نہیں ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۸۵۔۸۶، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۱۔ بَابٌ: لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهٖ

کوئی مرد دوسرے مرد کو اس کے بیٹھنے کی جگہ سے نہ اٹھائے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ کوئی مرد دوسرے مرد کو اس کے بیٹھنے کی جگہ سے نہ اٹھائے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ممانعت تحریم کے لیے ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ممانعت تنزیہہ کے لیے ہے۔ اور یہ آدابِ مجلس اور محاسنِ اخلاق میں سے ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۶۹ ۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهٖ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی نافع از از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: کوئی مرد دوسرے مرد کو اس کی مجلس سے نہ اٹھائے، پھر خود وہاں پر بیٹھ جائے۔

(صحیح مسلم: ۲۱۷۷، سنن ترمذی: ۲۷۴۹، مسند احمد: ۴۶۴۵، سنن دارمی: ۲۶۵۳)

صحیح البخاری: ۶۲۶۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، وہ ابن عبد اللہ ہیں۔ اور یہ حدیث موطا امام مالک میں ابن وہب اور محمد بن الحسن کی روایت سے مذکور ہے۔

اور کتاب الجمعہ میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ کوئی مرد اپنے بھائی کو جمعہ کے دن اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس کی جگہ پر نہ

بیٹھے۔اور ابن جریج نے از نافع از ابن عمر روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی مرد اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے اٹھائے اور خود اس کی جگہ بیٹھ جائے۔ابن جریج نے کہا: میں نے نافع سے پوچھا: یہ جمعہ کے متعلق ہے؟ تو انہوں نے کہا: جمعہ ہو یا کوئی اور موقع ہو۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۸۔۳۹۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۲۔بَابٌ: إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللهُ لَكُمْ ۚ وَإِذَا قِيلَ انْشُزُوا فَانْشُزُوا الآيَة (المجادلہ:۱۱)

جب تم سے کہا جائے کہ مجالس میں کشادہ ہو جاؤ تو کشادہ ہو جایا کرو، اللہ تمہارے لیے کشادگی فرمادے گا اور جب تم سے کہا جائے: کھڑے ہو تو کھڑے ہو جایا کرو

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ وہ باب ہے جس میں اللہ عزوجل کے اس قول کو ذکر کیا جائے گا کہ "جب تم سے کہا جائے کہ مجالس میں کشادہ ہو جاؤ تو کشادہ ہو جایا کرو، اللہ تمہارے لیے کشادگی فرمادے گا اور جب تم سے کہا جائے: کھڑے ہو تو کھڑے ہو جایا کرو"۔

اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے۔پس علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس آیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس بالخصوص مراد ہے۔اسی طرح مجاہد اور قتادہ نے کہا ہے۔اور امام طبری نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں رغبت کرتے تھے۔اور جب آپ کو آتے ہوئے دیکھتے تو اپنی مجلس کو وہ تنگ کر دیتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ بعض صحابہ بعض کے لیے کشادگی کریں۔

اور امام ابن ابی حاتم نے مقاتل بن حیان سے روایت کی ہے کہ یہ آیت جمعہ کے دن نازل ہوئی۔مہاجرین اور انصار جو اہلِ بدر میں سے تھے وہ آئے تو انہوں نے کوئی جگہ نہیں پائی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو اٹھا دیا جن کا اسلام متاخر تھا اور ان صحابہ کو ان کی جگہ بٹھا دیا تو ان متاخرین صحابہ پر یہ بات دشوار گزری اور منافقین نے اس پر نکتہ چینی کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

"اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجالس میں کشادہ ہو جاؤ تو کشادہ ہو جایا کرو، اللہ تمہارے لیے کشادگی فرمادے گا اور جب تم سے کہا جائے: کھڑے ہو تو کھڑے ہو جایا کرو"۔

اور حسن البصری نے کہا: یہ خصوصیت کے ساتھ غزوہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور یزید بن ابی حبیب نے کہا: یعنی تم جنگ میں ثابت قدم رہو۔اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے۔

اس میں ارشاد ہے "یَفْسَحِ اللهُ لَكُمْ" یعنی تم کشادگی کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے جنت کے مقامات میں کشادگی کر دے گا۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فَانْشُزُوا" یعنی جب تم سے کہا جائے: اٹھو تو اٹھ جاؤ اور دشمن سے لڑنے کے لیے کھڑے ہو جاؤ، یا نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو جاؤ، یا کسی نیک کام کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

اور حسن بصری نے کہا: جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔اور قتادہ اور مجاہد نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متفرق ہو جاؤ اور کھڑے ہو جاؤ۔اور ابن زید نے کہا: آپ کے گھر میں آپ کے پاس سے کھڑے ہو جاؤ، کیونکہ آپ کو گھر میں کئی کام ہوتے ہیں۔

صاحب الافعال نے کہا: ''نشز القوم عن مجلسهم'' کا معنی ہے کہ وہ اس مجلس سے کھڑے ہو گئے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۷۰ـ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ نَهَى أَنْ يُقَامَ الرَّجُلُ مِنْ مَجْلِسِهِ وَيَجْلِسَ فِيهِ آخَرُ وَلَكِنْ تَفَسَّحُوا وَتَوَسَّعُوا وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَكْرَهُ أَنْ يَقُومَ الرَّجُلُ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يَجْلِسَ مَكَانَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں خلاد بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبید اللہ از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے اس سے منع فرمایا کہ کسی مرد کو اس کی جگہ سے اٹھایا جائے اور دوسرا آدمی اس جگہ میں بیٹھ جائے، لیکن تم مجلس میں کشادگی کرو اور وسعت اختیار کرو۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کو مکروہ قرار دیتے تھے کہ کوئی مرد اپنی مجلس سے اٹھے تو دوسرا اس کی جگہ بیٹھ جائے۔

(صحیح بخاری: ۹۱۱، ۶۲۶۹، ۶۲۷۰، صحیح مسلم: ۲۱۷۷، سنن ترمذی: ۲۷۴۹، سنن ابوداؤد: ۴۸۲۸، مسند احمد: ۵۵۴۲، سنن دارمی: ۲۶۵۳)

صحیح البخاری: ۶۲۷۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں خلاد بن یحییٰ کا ذکر ہے، یہ ابن یحییٰ بن صفوان السلمی الکوفی ہیں۔ یہ مکہ میں رہتے تھے اور وہیں ان کی وفات ۲۱۳ھ میں ہو گئی تھی۔ اور اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ ثوری ہیں۔ اور عبید اللہ کا ذکر ہے، وہ العمری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ویجلس فیہ آخر'' یعنی اس میں دوسرا شخص آ کر بیٹھ جائے۔

اس حدیث میں کسی شخص کو اس کی جگہ سے اٹھا کر دوسرے شخص کے اس کی جگہ بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے۔

بعض علماء نے کہا کہ یہ حکم بطور استحباب ہے، اور انہوں نے کہا ہے کہ یہ ادب کا تقاضا ہے، کیونکہ جگہ کسی کی ملکیت میں نہیں ہوتی۔ اور دوسرے علماء نے کہا کہ اس حکم پر عمل کرنا واجب ہے اور ان کا استدلال درج ذیل حدیث سے ہے:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنی جگہ سے اٹھے اور پھر واپس آئے تو وہی اس جگہ کا زیادہ مستحق ہے''۔

اور محمد بن مسلم نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے کسی کام کی وجہ سے اپنی جگہ سے اٹھے اور پھر واپس آئے تو وہ اس جگہ کا زیادہ مستحق ہے۔ لیکن جب وہ جگہ چھوڑ کر چلا جائے تو اب وہ دوسروں سے اولیٰ نہیں ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جب وہ اس لیے اٹھا ہو کہ واپس آئے گا تو اب وہ اس جگہ کا حقدار ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اگر وہ قریب سے لوٹ آیا تو وہ اس کا حقدار ہے۔

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

امام ابوداؤد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا تو اس کے لیے دوسرا مرد اپنی جگہ سے اٹھا تو وہ آنے والا وہاں بیٹھنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع فرمایا۔

کسی شخص کی جگہ پر دوسرے آدمی کے بیٹھنے کے متعلق اختلاف فقہاء

اور علامہ النووی نے بیان کیا ہے: ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ یہ اس شخص کے حق میں ہے جو مسجد کی کسی جگہ پر بیٹھا ہوا ہو اور پھر وہ مثلاً نماز پڑھنے کے لیے اٹھ کر جائے، یا پھر وہاں سے اٹھ کر جائے تاکہ وضو کرے یا کوئی اور تھوڑا سا کام ہو اور پھر لوٹ آئے، تو اس جگہ کے اختصاص میں اس کا حق باطل نہیں ہوگا۔ اور اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ جو اس کے پیچھے ہو اس کو اٹھائے اور اس کی جگہ بیٹھ جائے اور جو پیچھے بیٹھا ہوا اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی اطاعت کرے۔ اور اس کے وجوب میں اختلاف ہے۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ واجب ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ مستحب ہے اور یہ امام مالک کا مذہب ہے۔

ہمارے اصحاب نے کہا ہے: اس کا زیادہ حق اس جگہ نماز پڑھنے میں ہوگا اور کسی کام میں نہیں ہوگا۔ اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ وہاں سے اٹھ کر جائے اور اپنی جگہ پر جانماز چھوڑ کر جائے یا کوئی چیز نہ چھوڑ کر جائے۔

قاضی عیاض نے کہا ہے: اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ جس شخص کی مسجد میں کوئی معین جگہ ہو جہاں بیٹھ کر وہ تدریس کرتا ہے یا فتوے دیتا ہے، امام مالک سے منقول ہے کہ وہ اس جگہ کا حقدار ہے جب یہ بات معروف ہو۔ اور انہوں نے کہا کہ جمہور کا موقف یہ ہے کہ یہ استحسان ہے، حق واجب نہیں ہے۔ فقہاء نے کہا ہے کہ جس آدمی کی کسی جگہ بیٹھنے کی عادت ہو تو وہ اس جگہ کا زیادہ حق دار ہے حتیٰ کہ اس کی غرض پوری ہو جائے۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ جمہور کا موقف یہ ہے کہ یہ واجب نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۷۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اپنی جگہ کو دوسرے کے لیے ایثار کرنے کی متعدد صورتیں

اپنی جگہ چھوڑ کر دوسرے کو اس جگہ بیٹھنے کے لیے کہا جائے تو اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ایک قسم یہ ہے کہ وہ عبادت نہ ہو۔ پس اس چیز میں ایثار کرنا کہ جو عبادت نہ ہو یہ عمدہ خصلت ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی مدح فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر: ۹) اور وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں خواہ انہیں خود شدید ضرورت ہو۔

(۲) دوسری قسم وہ ہے کہ اس چیز کا ایثار کیا جائے جو عبادت تو ہو لیکن عبادتِ واجبہ نہ ہو۔ سو بعض علماء نے یہ کہا کہ یہ مستحسن ہے اور بعض علماء نے کہا کہ یہ مکروہ ہے۔ اور فقہائے حنابلہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے، مثلاً آپ صفِ اول میں بیٹھے ہیں اور پیچھے سے کوئی

شخص آ رہا ہے تو آپ اس کو صفِ اول میں بٹھائیں اور خود پچھلی صف میں چلے جائیں، تو یہ مکروہ ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ" (البقرہ:۱۴۸) "سوتم نیکیوں میں دوسروں سے آگے نکلو"۔

اور صحیح یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تفصیل ہے۔ پس جب کوئی شخص یہ دیکھے کہ مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ دوسرے شخص کو ترجیح دی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ مستحب کام کا ترک مکروہ کو مستلزم نہیں ہے اور یہ قاعدہ اہلِ علم کے نزدیک مقرر ہے۔ پس اگر کسی انسان نے کسی مستحب کام کو ترک کر دیا تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے مکروہ کام کیا لیکن یہ کہا جائے گا کہ اس نے ایک خیر کو ترک کر دیا۔ اور اگر مصلحت کا تقاضا یہ ہو کہ دوسرے شخص کو ترجیح دی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، مثلاً بیٹا صفِ اول میں بیٹھا ہو اور اس کا باپ پیچھے سے آ رہا ہو اور اس کو معلوم ہو کہ اگر وہ پیچھے نہیں ہٹا اور باپ کو آگے نہیں کیا تو باپ کے دل میں کوئی ملال ہوگا تو ہم کہیں گے کہ ایسی صورت میں افضل ایثار ہے اور یہ نیکی ہے۔

(۳) کسی واجب کام کا ایثار کرنا۔ پس واجب کام میں ایثار کرنا حرام ہے، مثلاً ایک آدمی کے پاس تھوڑا پانی ہے جس سے صرف وہ وضو کر سکتا ہے تو اب وہ کسی دوسرے کو وہ پانی دے دے اور خود تیمم کر کے نماز پڑھے تو یہ جائز نہیں ہے بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ اس پانی سے خود وضو کرے اور تیمم نہ کرے، کیونکہ یہ ایثار میں اس کے اوپر واجب کو ترک کرنا لازم آئے گا اور یہ حرام ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۸۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۳۔ بَابُ: مَنْ قَامَ مِنْ مَجْلِسِهِ أَوْ بَيْتِهِ وَلَمْ يَسْتَأْذِنْ أَصْحَابَهُ أَوْ تَهَيَّأَ لِلْقِيَامِ لِيَقُومَ النَّاسُ

جو شخص اپنے اصحاب کی اجازت کے بغیر مجلس یا گھر میں کھڑا ہوا یا کھڑے ہونے کا ارادہ کیا تاکہ دوسرے لوگ بھی کھڑے ہو جائیں

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جو شخص اپنی مجلس سے کھڑا ہو گیا اور اس کے پاس دوسرے لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور انہوں نے اس کے پاس لمبی نشست کی اور اس نے اس سے حیاء کی کہ ان سے کہے کہ تم اٹھ جاؤ۔ اور یہ جو عنوان میں کہا ہے کہ "اس نے اپنے اصحاب سے اجازت نہیں لی" اس کا یہی مطلب ہے۔ یا وہ کھڑا ہونے کے لیے تیار ہوا تاکہ لوگ اٹھ جائیں، حتیٰ کہ جو وہاں لوگ بیٹھے ہوئے ہیں وہ یہ سمجھیں کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ لوگ کھڑے ہو جائیں، تو یہ امر جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۰۔۴۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۷۱۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ سَمِعْتُ أَبِي يَذْكُرُ عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضى الله عنه قَالَ لَمَّا تَزَوَّجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ دَعَا النَّاسَ طَعِمُوا ثُمَّ جَلَسُوا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحسن بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا وہ ابی مجلز سے ذکر کرتے ہیں اور وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے

يَتَحَدَّثُونَ قَالَ فَأَخَذَ كَأَنَّهُ يَتَهَيَّأُ لِلْقِيَامِ فَلَمْ يَقُومُوا فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ قَامَ فَلَمَّا قَامَ قَامَ مَنْ قَامَ مَعَهُ مِنَ النَّاسِ وَبَقِيَ ثَلَاثَةٌ وَإِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم جَاءَ لِيَدْخُلَ فَإِذَا الْقَوْمُ جُلُوسٌ ثُمَّ إِنَّهُمْ قَامُوا فَانْطَلَقُوا قَالَ فَجِئْتُ فَأَخْبَرْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُمْ قَدِ انْطَلَقُوا فَجَاءَ حَتَّى دَخَلَ فَذَهَبْتُ أَدْخُلُ فَأَرْخَى الْحِجَابَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ وَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى ﴿يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّآ أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِينَ إِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۭ إِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۡ وَاللهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ۭ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ۭ ذٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۭ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللهِ وَلَآ أَنْ تَنْكِحُوٓا أَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ أَبَدًا ۭ إِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللهِ عَظِيمًا ۝﴾

(الاحزاب: ۵۳)

بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش سے نکاح کیا تو آپ نے لوگوں کو دعوت دی، انہوں نے کھانا کھایا، پھر وہ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آپ اس طرح تیار ہوئے گویا اٹھنا چاہتے ہیں تو لوگ نہیں اٹھے، پھر جب آپ نے یہ دیکھا تو آپ کھڑے ہو گئے، پھر جب آپ کھڑے ہوئے تو آپ کے ساتھ جو لوگ تھے وہ بھی کھڑے ہو گئے اور تین لوگ باقی رہ گئے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے تا کہ گھر میں داخل ہوں تو وہ لوگ اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر وہ لوگ کھڑے ہو گئے، پس میں آیا اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ وہ لوگ چلے گئے ہیں۔ پس آپ آئے حتیٰ کہ گھر میں داخل ہو گئے، سو میں بھی داخل ہونے لگا تو آپ نے میرے اور اپنے درمیان حجاب ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو، سوا اس کے کہ تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے، کھانا پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو بلکہ جب تمہیں بلایا جائے اس وقت جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو فوراً چلے جاؤ اور (وہاں) باتوں میں دل نہ لگاؤ، بے شک تمہارے اس عمل سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے، سو وہ تم سے حیاء کرتے ہیں، اور اللہ حق بات کہنے سے نہیں رکتا، اور جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے نہایت پاکیزگی کا باعث ہے، تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو ایذاء پہنچاؤ، اور نہ یہ جائز ہے کہ نبی کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو، بے شک اللہ کے نزدیک یہ بہت سنگین بات ہے O

(صحیح بخاری: ۴۷۹۱، ۴۷۹۲، ۴۷۹۳، ۴۷۹۴، ۵۱۵۴، ۵۱۶۳، ۵۷۶۶، ۵۱۶۸، ۵۱۷۰، ۵۱۷۱، ۵۴۶۶، ۶۲۳۸، ۶۲۳۹، ۶۲۷۱، ۷۴۲۱، صحیح مسلم: ۱۴۲۸، سنن ترمذی: ۳۲۱۷، مسند احمد: ۱۲۹۴۸)

صحیح البخاری: ۶۲۷۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حسن بن عمر کا ذکر ہے، یہ ابن شقیق البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں معتمر کا ذکر ہے، یہ اپنے والد سلیمان بن طرخان البصری سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابومجلز کا ذکر ہے، ان کا نام لاحق بن حمید السدوسی البصری ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت عظیم اخلاق تھے۔ آپ تمام لوگوں سے ان چیزوں میں زیادہ حیاء فرماتے تھے جن کا آپ کو نہ حکم دیا گیا ہو اور نہ آپ کو ان سے منع کیا گیا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ آپ کو کسی چیز کا حکم دیتا تو آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کرنے میں کوئی حیاء نہیں فرماتے تھے اور اس کا پرزور اعلان کرتے۔ اور جو لوگ کھانے کے بعد آپ کے گھر میں بیٹھے رہے تھے یہ آپ کو اور آپ کی اہلیہ کو اذیت پہنچانے کا سبب تھا، اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانے سے منع فرمایا ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۰۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۷۱، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الاحزاب: ۵۳ کا شان نزول

بعض احادیث میں وارد ہے کہ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بہت دیر تک بیٹھے رہے تو آپ نے اس سے حیاء فرمائی کہ ان سے کہیں کہ تم گھر سے اٹھ کر چلے جاؤ اور ان کو اپنے گھر سے نکال دیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خلقِ عظیم پر فائز تھے اور سب لوگوں سے زیادہ حیاء کرتے تھے، جن چیزوں میں نہ آپ کو حکم دیا گیا تھا اور نہ آپ کو منع کیا گیا تھا۔ پس جب اللہ تعالیٰ آپ کو کسی چیز کا حکم دیتا تو اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کرنے سے آپ بالکل حیاء نہیں فرماتے تھے اور اس کا پرزور اعلان کرتے تھے۔ اور لوگوں کا کھانے کے بعد آپ کے گھر میں بیٹھے رہنا آپ کے لیے اور آپ کی اہلیہ کے لیے اذیت کا باعث تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانے سے منع فرمادیا اور اس کو حرام کر دیا ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے الاحزاب: ۵۳ نازل فرمائی۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے لیے دوسرے کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ اور جس کو داخل ہونے کی اجازت دی گئی ہو، اسے چاہیے کہ اپنی حاجت پوری ہونے کے بعد زیادہ دیر تک نہ بیٹھے تاکہ داخل ہونے والا اس شخص کو ایذاء نہ پہنچائے جس نے اس کو داخل کیا ہے۔

(۲) جو شخص دوسرے کے گھر میں زیادہ دیر تک بیٹھا رہے حتیٰ کہ گھر والے کو یہ ناپسند ہو تو گھر والے کے لیے یہ جائز ہے کہ ان سے اجازت لیے بغیر کھڑا ہو جائے۔ اور ان لوگوں پر یہ ظاہر کرے کہ ان کا اتنی دیر تک بیٹھے رہنا اس کے لیے بوجھ کا باعث ہے۔ اور جب وہ کھڑا ہو جائے تو گھر میں داخل ہونے والے کو بھی چاہیے کہ وہ بھی اس کے ساتھ کھڑے ہو جائیں اور ان کے لیے اس کے بعد

بیٹھنا جائز نہیں ہے، الّا یہ کہ گھر والا ان کو اجازت دے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۴-۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

۳۴- بَابُ: اَلِاحْتِبَاءِ بِالْيَدِ، وَهُوَ الْقُرْفُصَاءُ

ہاتھ سے ''احتباء'' کرنا اور اس کو ''القرفصاء'' کہتے ہیں

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی مقعد کو زمین پر ٹکا کر بیٹھنا اور ہاتھوں کو پنڈلیوں پر جوڑ کر بیٹھنا جائز ہے۔ اس کو عربی میں ''القرفصاء'' کہتے ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ دونوں رانوں کو کھڑا کر کے مقعد پر بیٹھے اور ہاتھوں کو پنڈلیوں کے اوپر حلقہ بنائے اور رانوں کو پیٹ سے ملائے۔ امام بخاری نے اس کا حکم نہیں بیان کیا اور اس پر اکتفاء کر لی کہ اس باب کی حدیث سے اس کا حکم واضح ہو جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۱-۴۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۷۲- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي غَالِبٍ أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضى الله عنهما قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ بِفِنَاءِ الْكَعْبَةِ مُحْتَبِيًا بِيَدِهِ هَكَذَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن ابی غالب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن المنذر الحزامی نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن فلیح نے حدیث بیان کی از والد خود از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، انہوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو کعبہ کے صحن میں اپنے ہاتھ سے احتباء کی صورت میں بیٹھے ہوئے اس طرح دیکھا۔

تنبیہ: اس حدیث کی تخریج نہیں مل سکی۔

صحیح البخاری: ۶۲۷۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن ابی غالب کا ذکر ہے، یہ ابو عبداللہ القومسی ہیں، یہ بغداد میں ٹھہرے تھے اور یہ امام بخاری کے کم عمر شیوخ میں سے ہیں۔ اور امام بخاری کی وفات سے چھ سال پہلے فوت ہو گئے تھے۔ امام بخاری نے ان کی صرف یہی حدیث روایت کی ہے، اور ایک دوسری حدیث کتاب التوحید میں روایت کی ہے۔ اور امام بخاری کے ایک اور شیخ ہیں جن کا نام محمد بن ابی غالب الواسطی ہے، وہ بغداد میں رہتے تھے۔ علامہ الکلاباذی نے کہا: انہوں نے ہشیم سے سماع کیا ہے اور قومسی سے ۲۶ سال پہلے فوت ہو گئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن المنذر کا ذکر ہے، یہ ابن عبداللہ ابو اسحاق الحزامی ہیں، حزام ان کے اجداد میں سے ایک ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں محمد بن فلیح کا ذکر ہے، جو اپنے والد فلیح سے روایت کرتے ہیں، وہ ابن سلیمان بن

المغیرہ بن حنین المدنی ہیں۔ وہ از نافع از ابن عمر روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''آپ اپنے ہاتھ سے بصورتِ احتباء بیٹھے ہوئے تھے''۔ اس حدیث سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ایک ہاتھ سے اپنے گھٹنوں کو پکڑا ہوا تھا، لیکن سنن ابوداؤد میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھتے تو دونوں ہاتھوں سے احتباء کرتے تھے، یعنی دونوں ہاتھوں کا گھٹنوں کے درمیان حلقہ بنا لیتے تھے۔ اور امام بزار کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ دونوں گھٹنوں کو کھڑا کر لیتے۔ نیز امام بزار نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ کعبہ کے پاس بیٹھتے اور دونوں ٹانگوں کو ملاتے، پھر ان کو کھڑا کر لیتے اور ہاتھوں سے ان کے گرد حلقہ بنا لیتے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۵۔ بَابُ: مَنِ اتَّكَأَ بَيْنَ يَدَيْ أَصْحَابِهِ

جو اپنے اصحاب کے سامنے ٹیک لگا کر بیٹھا

قَالَ خَبَّابٌ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً، قُلْتُ: أَلَا تَدْعُو اللهَ؟ فَقَعَدَ۔

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ایک چادر سے ٹیک لگائے ہوئے تھے، میں نے عرض کیا: کیا آپ اللہ سے دعا نہیں کرتے؟ تو آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب ٹیک لگانے کے بیان میں ہے۔ کہا گیا ہے کہ ''الاتکاء'' کا معنی ہے: لیٹنا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تخت پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تخت پر لیٹے ہوئے تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ تخت کے نشانات آپ کے پہلو پر نقش ہو گئے تھے۔

علامہ خطابی نے کہا: ہر وہ شخص جس نے کسی چیز کا سہارا لیا ہو اور اس پر متمکن ہو تو وہ ٹیک لگانے والا ہے۔

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یہ تعلیق حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو مشہور صحابی ہیں۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی اس حدیث معلق کو وارد کر کے امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ ''الاضطجاع'' ٹیک لگانا اور اس پر اضافہ ہے۔

اور امام دارمی نے اور امام ترمذی نے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کی ہے۔ اور ابوعوانہ نے اور ابن حبان نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ گدے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ اور علامہ ابن العربی نے بعض

اطباء سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ٹیک لگانے کو مکروہ کہا ہے۔اور علامہ ابن العربی نے ان کا رد کیا ہے کہ اس میں جسم کو راحت پہنچانا ہے جیسے کسی چیز کا سہارا لینا اور احتباء کی کیفیت سے بیٹھنا۔(فتح الباری ج ۷ ص ۳۴۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس طرح نہیں ہے، کیونکہ ''اضطجاع'' کا معنی ہے: سونا، نیند کرنا، یہ ابن اثیر نے کہا ہے۔اور الجوہری نے کہا ہے''ضجع الرجل'' کا معنی ہے کہ کسی شخص نے اپنا پہلو زمین پر رکھا اور''اضطجع'' بھی اس کی مثل ہے، بلکہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی حدیث کو وارد کرنے کا امام بخاری کا مقصد وہ ہے جو انہوں نے تعلیق میں بیان کیا، کیونکہ اس تعلیق میں مذکور ہے''وھو متوسد'' اور''التوسد'' ٹیک لگانے کے معنی میں ہے۔اور یہ تعلیق علامات نبوت میں تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے۔امام بخاری نے حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، اس وقت آپ اپنی چادر سے کعبہ کے سائے میں لیٹے ہوئے تھے، ہم نے ان سے کہا کہ کیا آپ ہمارے لیے مدد طلب نہیں کرتے، کیا آپ ہمارے لیے دعا نہیں کرتے۔۔۔الحدیث (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا علامہ عینی کے اعتراض کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ فرماتے ہیں:

فتح الباری کی پوری عبارت علامہ عینی نے نقل نہیں کی۔فتح الباری میں مذکور ہے کہ''الاتکاء'' کا معنی ہے''الاضطجاع'' (لیٹنا) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جو کتاب الطلاق میں حدیث ہے، اس میں یہ گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تخت پر ٹیک لگائے ہوئے تھے یعنی لیٹے ہوئے تھے، کیونکہ اس میں مذکور ہے کہ تخت کے نشانات آپ کے پہلو میں نقش ہو گئے تھے۔اس طرح قاضی عیاض نے کہا ہے۔اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ اگر مکمل لیٹنا نہ ہو تب بھی تخت کے نشانات نقش ہو جاتے ہیں۔اور علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ہر وہ شخص جس نے کسی چیز کا سہارا لیا ہو اور وہ اس پر متمکن ہو تو وہ''متکیء'' یعنی ٹیک لگانے والا ہے۔

میں نے جو شرح کی ہے وہ علامہ خطابی کے قول کے موافق ہے اور جوہری کا قول اس کے منافی نہیں ہے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی علی صحیح البخاری ج ۲ ص ۳۹۸، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

۶۲۷۳۔حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا الْجُرَيْرِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الْإِشْرَاكُ بِاللهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں بشر بن المفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الجریری نے حدیث بیان کی از عبد الرحمٰن بن ابی بکرہ از والد خود، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو سب سے بڑے کبیرہ گناہ کی خبر نہ دوں؟ صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔

(صحیح بخاری: ۲۶۵۴، ۵۹۷۶، ۶۲۷۳، ۶۲۷۴، ۶۹۱۹، صحیح مسلم: ۸۷، سنن ترمذی: ۳۰۱۹، مسند احمد: ۱۹۸۷۲)

۶۲۷۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا بِشْرٌ مِثْلَهُ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ فَقَالَ أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتَّى قُلْنَا لَيْتَهُ سَكَتَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں بشر نے اس کی مثل بیان کی: آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے پھر سیدھے بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا: سنو! اور جھوٹی بات کہنا۔ پھر آپ بار بار فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم نے کہا: کاش! آپ سکوت فرماتے۔

(صحیح بخاری: ۲۶۵۴، ۵۹۷۶، ۶۲۷۳، ۶۲۷۴، ۶۹۱۹، صحیح مسلم: ۸۷، سنن ترمذی: ۳۰۱۹، مسند احمد: ۱۹۸۷۲)

صحیح البخاری: ۶۲۷۳، ۶۲۷۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ دوسری حدیث دراصل پہلی حدیث کی دوسری سند ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''وعقوق الوالدین''۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ ''عقوق'' کا معنی ہے: ماں باپ کی نافرمانی کرنا، تو یہ شرک کے درجہ میں کیسے ہوگا، حالانکہ شرک کرنا تو کفر ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں باپ کی نافرمانی کو شرک کے ساتھ ذکر فرمایا، یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ ماں باپ کی فرمانبرداری کرنا بہت عظیم اطاعت ہے اور نافرمانی کرنا بہت سنگین گناہ ہے۔ اور اس میں ماں باپ کے نافرمان پر آپ نے تغلیظ فرمائی ہے۔ یا مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں سب سے بڑا کبیرہ گناہ شرک کرنا ہے اور لوگوں کے حقوق میں سب سے بڑا گناہ ماں باپ کی نافرمانی کرنا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۷۴، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں اس چیز کا جواز ہے کہ عالم کا لوگوں کے سامنے ٹیک لگا کر بیٹھنا جائز ہے اور اسی طرح مجلس فتویٰ میں۔ اور اسی طرح سلطان اور امیر کا بعض ضروری کاموں کے لیے ٹیک لگا کر بیٹھنا جائز ہے، کیونکہ اس سے بیٹھنے میں راحت حاصل ہوتی ہے۔ یا اس کے بعض اعضاء میں جو تکلیف ہو تو اس سے نجات ملتی ہے، لیکن بہ طور عموم یا عام حالات میں ٹیک لگا کر نہیں بیٹھنا چاہیے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس طرح کھاتا ہوں جس طرح بندہ کھاتا ہے اور اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح بندہ بیٹھتا ہے اور آپ ٹیک لگا کر نہیں کھاتے تھے۔ (مسند ابو یعلیٰ: ۴۹۲۰)

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری، ج ۹ ص ۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

۳۶۔ بَابُ: مَنْ أَسْرَعَ فِي مَشْيِهِ لِحَاجَةٍ أَوْ قَصْدٍ — جو شخص کسی ضرورت کی وجہ سے یا کسی قصد کی وجہ سے تیزی سے چلا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب اس بیان میں ہے کہ کسی شخص کا اپنی حاجتِ مقصودہ کو پورا کرنے کے لیے تیزی سے چلنا جائز ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر وہ بغیر کسی ضرورت کے تیزی سے چلے تو پھر درست نہیں ہے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تیزی سے چلتے تھے اور فرماتے تھے کہ تیزی سے چلنا حاجت پوری کرنے میں جلدی کا سبب ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تیزی سے چلنے کی وجہ سے انسان ان چیزوں کو دیکھنے میں مشغول نہیں ہوتا جن کو دیکھنا نہیں چاہیے۔ علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ بقدرِ ضرورت چلنا سنت ہے خواہ تیزی سے چلے خواہ آہستہ چلے۔ امام بخاری نے کہا "او قصدا" یعنی تیزی سے چلے کسی مقصد کو پورا کرنے کے لیے۔ علامہ کرمانی نے کہا کہ قصد کا معنی ہے کسی شے کا ایثار کرنا اور عدل کرنا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد ہو کہ وہ تیز تیز چل کر کسی نیکی کو حاصل کرنے کا قصد کرے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۷۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ أَنَّ عُقْبَةَ بْنَ الْحَارِثِ حَدَّثَهُ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْعَصْرَ فَأَسْرَعَ ثُمَّ دَخَلَ الْبَيْتَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوعاصم نے حدیث بیان کی از عمر بن سعید از ابن ابی ملیکہ، کہ حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی اور پھر جلدی چلتے ہوئے گھر میں داخل ہو گئے۔

(صحیح بخاری: ۸۵۱، ۱۲۲۱، ۱۴۳۰، ۶۲۷۵، سنن نسائی: ۱۳۶۵، مسند احمد: ۱۵۷۱۸)

صحیح البخاری: ۶۲۷۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

حدیث مذکور کتاب الصلوٰۃ کی مفصل حدیث کی ایک طرف ہے۔ اس باب کا عنوان ہے "جس شخص نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور پھر اسے کوئی کام یاد آیا تو لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر تیزی سے نکل گیا"۔ پھر امام بخاری نے از حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث روایت کی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مدینہ میں عصر کی نماز پڑھی، آپ نے سلام پھیرا، پھر کھڑے ہوئے اور پھر تیز تیز چلتے ہوئے لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر اپنی ازواج مطہرات کے کسی حجرہ میں گئے۔ سو لوگ آپ کے تیزی سے جانے کی وجہ سے خوفزدہ ہو گئے۔ پھر آپ لوگوں کے پاس آئے، آپ نے دیکھا کہ ان کو آپ کے تیز چلنے پر تعجب تھا تو آپ نے فرمایا: مجھے یاد آیا کہ ہمارے پاس ایک سونے کا ٹکڑا پڑا ہوا ہے، تو میں نے ناپسند کیا کہ یہ سونے کا ٹکڑا مجھے روک لے، تو میں نے اسے تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ اور کتاب الزکوٰۃ میں اس میں یہ اضافہ ہے کہ میں نے گھر میں ایک صدقہ کا سونا چھوڑا تھا، میں نے ناپسند کیا کہ میں اس کے

ساتھ رات گزاروں تو میں نے اس کو تقسیم کرنے کا حکم دیا۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلطان یا عالم کو اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے جلدی جلدی اور تیز تیز چلنا چاہیے۔اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نیکی کے کام کو جلدی کرنے میں فضیلت ہے اور اس میں دیر کرنے کو ترک کرنا چاہیے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۷۵، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلطان اور عالم کو اپنی ضروریات پوری کرنے میں جلدی کرنا چاہیے اور ان کی طرف سبقت کرنا چاہیے۔اور حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں داخل ہونے میں جلدی کرتے تھے،اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو یاد آیا کہ آپ کے پاس صدقہ ہے تو آپ نے پسند فرمایا کہ اس کو پہلے تقسیم کر دیں۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نیکی کے کام میں جلدی کرنی چاہیے اور اس میں تاخیر کو ترک کر دینا چاہیے۔اور امام ابن المبارک نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں تیزی سے چلتے تھے،عاجز اور سست لوگوں کی طرح نہیں چلتے تھے۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تیزی سے چلتے تھے اور اپنی حاجت کو جلدی پورا کرتے تھے۔(کتاب الزہد لابن المبارک ص ۲۸۸)

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۷۵، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

چلنے کا اصل طریقہ

یعنی اصل یہ ہے کہ آدمی اطمینان اور آرام سے چلے اور جلدی نہ کرے،لیکن اگر اس کو کوئی ایسی ضرورت ہو جس کا تقاضا جلدی جانا ہو تو پھر جلدی جانے میں کوئی حرج نہیں ہے،جیسا کہ حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی اور پھر جلدی سے گھر میں داخل ہو گئے۔اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی شخص کو بے ترتیبی سے چلتے ہوئے دیکھتے تو اس کو درّہ سے مارتے تھے۔

پس انسان کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی حاجت یا اپنا قصد پورا کرنے کے لیے جلدی جلدی چلے،سوا اس کے کہ اس کو یہ خوف ہو کہ اس کا تہبند نیچے گر جائے گا اور اس کی شرمگاہ کھل جائے گی۔

مسئلہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چلتے تھے تو گویا کہ وہ بلندی سے نشیب کی طرف اترتے تھے،تو کیا یہ جلدی چلنے پر دلیل ہے؟

جواب:
نہیں بلکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قوت سے چلنے پر دلیل ہے بغیر تیزی اور جلدی کے۔
(شرح صحیح البخاری، ج ٦ ص ٩٥، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ١٤٢٩ھ)

٣٧۔ بَابُ: السَّرِيرِ　　تخت کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
یعنی اس حدیث میں تخت کو رکھنے کا حکم بیان کیا گیا ہے اور یہ معروف ہے۔ علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ سریر کا لفظ ''سرور'' سے ماخوذ ہے، کیونکہ عموماً صاحب نعمت تخت کو رکھتا ہے۔ اور میت کے تخت کو سریر مشابہۃ کہا جاتا ہے، اس میں اس کے خوش ہونے کی نیک فال ہے۔ اور کبھی سریر کے لفظ کو ملک کے ساتھ کنایہ کیا جاتا ہے اور اس کی جمع ''السرۃ''، اور ''سرر'' آتی ہے۔
ایک سوال یہ ہے کہ اس عنوان کو اور اس کے بعد جو دو عنوان ہیں، ان کو کتاب الاستئذان میں ذکر کرنے کی کیا توجیہ ہے؟
اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ استئذان سے مراد ہے گھر میں داخل ہونا، پس گھر کے متعلقات کا تبعاً ذکر کیا گیا ہے۔
(عمدۃ القاری ج ٢٢ ص ٤٠٥، دار الکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

٦٢٧٦۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّي وَسْطَ السَّرِيرِ وَأَنَا مُضْطَجِعَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ تَكُونُ لِي الْحَاجَةُ فَأَكْرَهُ أَنْ أَقُومَ فَأَسْتَقْبِلَهُ فَأَنْسَلُّ انْسِلَالًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابی الضحیٰ از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تخت کے وسط میں نماز پڑھتے تھے اور میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان لیٹی ہوئی ہوتی تھی، مجھے کوئی کام ہوتا اور میں آپ کے سامنے سے گزرنا ناپسند کرتی تو میں چپکے سے نکل جاتی تھی۔

(صحیح بخاری: ٣٨٢، ٣٨٣، ٣٨٤، ٥٠٨، ٥١١، ٥١٢، ٥١٣، ٥١٤، ٥١٥، ٥١٩، ٩٩٧، ١٢٠٩، ٦٢٧٦، صحیح مسلم: ٥١٢، سنن نسائی: ١٦٨، سنن ابو داؤد: ٧١٢، مسند احمد: ٢٥٣٥٦، موطا امام مالک: ٢٥٨، سنن دارمی: ١٤١٣)

صحیح البخاری: ٦٢٧٦، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں جریر کا ذکر ہے، وہ ابن عبدالحمید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں الاعمش کا ذکر ہے، وہ سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوالضحیٰ کا ذکر ہے، وہ مسلم بن صبیح ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مسروق کا ذکر ہے، وہ ابن الاجدع ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

لفظِ وسط کی تحقیق

علامہ ابن التین نے کہا ہے: ہم نے اس لفظ کو سین کی جزم کے ساتھ پڑھا ہے اور لغتِ مشہورہ میں سین کی زبر کے ساتھ ہے۔
علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے: ''وَسَط'' اگر سین کی زبر کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے: مقدارِ متصل، جیسے جسمِ واحد کی ہوتی ہے۔
اور سین کی جزم کے ساتھ یہ اس مقدار کے لیے موضوع ہے جو دو جسموں کے درمیان منفصل ہو جیسے وسط القوم۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: میں نے اپنی ایک کتاب جس کا نام میں نے ''التذکرۃ البدریۃ'' رکھا ہے ان دونوں لفظوں میں یعنی ''وَسْط'' اور ''وَسَط'' میں فرق یہ ہے کہ وَسَط جس میں سین پر زبر ہے، اس کا معنی ہے: ایک چیز کی دو طرفیں جیسے تم کہو ''قبضت وسَط الحبل'' میں نے رسی کے دو طرفوں کو پکڑ لیا''۔ اور ''کسرت وسط الرمح'' اور ''جلست وسط الدار'' میں گھر کی ایک طرف کو بیٹھ گیا، اور وسْط جس میں سین پر جزم ہے یہ ظرف ہے، اسم نہیں ہے جیسے تم کہو ''جلست وسْط القوم'' میں قوم کے درمیان بیٹھ گیا۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھر میں تخت کو رکھنا جائز ہے۔ اور تخت پر نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔ اور عورت کا شوہر کے سامنے لیٹنا بھی جائز ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۷۶، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صالحین کا تخت کو رکھنا جائز ہے اور اس پر سونا بھی جائز ہے اور اس پر نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔
اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کا اپنے شوہر کے سامنے لیٹنا جائز ہے۔
(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۷۶، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں مذکور ہے ''انسل انسلالا'' یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑی ہونے اور آپ کو چھونے کے خطرہ سے چپکے سے تخت سے اتر جاتی تھیں، یعنی تخت سے پھسل جاتی تھیں حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے الگ ہونے کے بعد کھڑی ہو جاتی تھیں۔ (شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۹۵۔۹۶، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۸۔ بَابُ: مَنْ أُلْقِيَ لَهُ وِسَادَةٌ

۶۲۷۷۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا خَالِدٌ ح و حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ خَالِدٍ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو الْمَلِيحِ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ أَبِيكَ زَيْدٍ عَلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو فَحَدَّثَنَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ذُكِرَ لَهُ صَوْمِي فَدَخَلَ عَلَيَّ فَأَلْقَيْتُ لَهُ وِسَادَةً مِنْ أَدَمٍ حَشْوُهَا لِيفٌ فَجَلَسَ عَلَى الْأَرْضِ وَصَارَتِ الْوِسَادَةُ بَيْنِي وَبَيْنَهُ فَقَالَ لِي أَمَا يَكْفِيكَ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ خَمْسًا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ سَبْعًا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ تِسْعًا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ إِحْدَى عَشْرَةَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ لَا صَوْمَ فَوْقَ صَوْمِ دَاوُدَ شَطْرَ الدَّهْرِ صِيَامُ يَوْمٍ وَإِفْطَارُ يَوْمٍ۔

گدا بچھانے کا جواز

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی ح انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن عون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از خالد از ابی قلابہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابوالملیح نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں آپ کے والد زید کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے پاس گیا، انہوں نے ہمیں یہ حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ کے سامنے میرے روزوں کا ذکر کیا گیا، آپ میرے پاس تشریف لائے، میں نے آپ کے لیے چمڑے کا ایک گدا بچھایا جس کے اندر کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، آپ زمین پر بیٹھ گئے اور گدا میرے اور آپ کے درمیان تھا، آپ نے فرمایا: کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ہر مہینے تین روزے رکھا کرو، میں نے کہا: یارسول اللہ! تو آپ نے فرمایا: پانچ؟ میں نے کہا: یارسول اللہ! تو آپ نے فرمایا: سات؟ میں نے کہا: یارسول اللہ! تو آپ نے فرمایا: نو؟ میں نے کہا: یارسول اللہ! تو آپ نے فرمایا: گیارہ؟ میں نے کہا: یارسول اللہ! تو آپ نے فرمایا: حضرت داؤد سے زیادہ روزے نہ رکھو، ان کے روزے نصف دہر پر مشتمل تھے، ایک دن روزہ اور ایک دن افطار۔

(صحیح بخاری: ۱۹۷۵، ۶۲۷۷، صحیح مسلم: ۱۱۵۹، سنن نسائی: ۲۳۹۱، مسند احمد: ۶۸۳۹)

صحیح البخاری: ۶۲۷۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "دخلت مع ابیک زید" اس جملہ میں ابوقلابہ سے خطاب ہے اور ان کا نام عبداللہ ہے اور ان کے باپ کا نام زید ہے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور زید کا ذکر صرف اسی حدیث میں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قلت یا رسول اللہ!" اس جملہ میں کچھ عبارت محذوف ہے، اصل عبارت یوں ہے "میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں یا رسول اللہ!" یا عبارت یوں ہے "یہ روزے مجھے کافی نہیں ہوں گے یا رسول اللہ!"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قال خمسا" اسی طرح باقی جملوں میں بھی اصل عبارت محذوف ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "شطر الدھر" یعنی "نصف الدھر"۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھیں اور ایک دن افطار کریں۔ اس کی فضیلت اس لیے ہے کہ اس میں زیادہ فضیلت ہے، کیونکہ جو شخص مسلسل روزے رکھے گا تو روزہ رکھنا اس کی طبیعت کا خاصہ بن جائے گا اور اس کو روزہ رکھنے میں زیادہ مشقت نہیں ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۷۷، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے مسلسل روزے رکھنے کی توجیہ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے جو منقول ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ جب تک میں زندہ رہوں گا تو دن میں روزے رکھا کروں گا اور رات میں قیام کیا کروں گا، کیونکہ ان کو عبادات میں زیادہ کوشش کرنے کی رغبت تھی اور نیکی کے کاموں میں حرص تھی۔ لیکن یہ ان کے نفس پر شاق ہوا۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے۔ پھر آپ ان کو مسلسل نصیحت کرتے رہے حتیٰ کہ ان کا حال یہ ہو گیا کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے اور آدھی رات تک سوتے اور پھر رات کے چھٹے حصہ میں سوتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام کا قیام ہے۔ لیکن بعد میں جب حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بوڑھے ہو گئے تو انہوں نے یہ تمنا کی کہ کاش وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی رخصت پر عمل کر لیتے، کیونکہ مسلسل ایک دن روزہ رکھنے اور ایک دن روزہ چھوڑنے سے ان کا جسم کمزور ہو گیا تھا۔ پھر وہ پندرہ دن روزہ رکھتے اور پندرہ دن افطار کرتے تھے۔ اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گدا رکھا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی معزز شخص کے لیے گدا رکھنا جائز ہے۔ اور یہ اس آسائش میں شمار نہیں ہے جو منع کی گئی ہے، بلکہ یہ نفس کو اس کا حق ادا کرنا ہے تاکہ نفس کو راحت اور اطمینان پہنچے۔

مسئلہ: جن ایام میں حضرت عبداللہ بن عمرو دن کو روزہ رکھتے تھے اور رات کو قیام کرتے تھے، کیا یہ ان پر فرض تھا؟

جواب: نہیں! لیکن انہوں نے اس کو ناپسند کیا کہ جس حال میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہوئے تھے، اس حال کو ترک کر دیں، ورنہ یہ نفلی روزے تھے۔

مسئلہ: جب انسان یہ نیت کرے کہ وہ ہر مہینہ میں سات دن روزے رکھے گا یا نو دن روزے رکھے گا، تو کیا اس کے لیے مسلسل روزے رکھنا جائز ہے؟

جواب: اس کے لیے جائز ہے کہ وہ مسلسل روزے رکھے یا منقطع رکھے، اور اس میں کوئی مانع نہیں ہے۔

(شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۹۶۔۹۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۶۲۷۸ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مُغِيرَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ أَنَّهُ قَدِمَ الشَّأْمَ ح و حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُغِيرَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ ذَهَبَ عَلْقَمَةُ إِلَى الشَّأْمِ فَأَتَى الْمَسْجِدَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي جَلِيسًا فَقَعَدَ إِلَى أَبِي الدَّرْدَاءِ فَقَالَ مِمَّنْ أَنْتَ قَالَ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ قَالَ أَلَيْسَ فِيكُمْ صَاحِبُ السِّرِّ الَّذِي كَانَ لَا يَعْلَمُهُ غَيْرُهُ يَعْنِي حُذَيْفَةَ أَلَيْسَ فِيكُمْ أَوْ كَانَ فِيكُمُ الَّذِي أَجَارَهُ اللهُ عَلَى لِسَانِ رَسُولِهِ ﷺ مِنَ الشَّيْطَانِ يَعْنِي عَمَّارًا أَوَلَيْسَ فِيكُمْ صَاحِبُ السِّوَاكِ وَالْوِسَادِ يَعْنِي ابْنَ مَسْعُودٍ كَيْفَ كَانَ عَبْدُ اللهِ يَقْرَأُ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى قَالَ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى فَقَالَ مَا زَالَ هَؤُلَاءِ حَتَّى كَادُوا يُشَكِّكُونِي وَقَدْ سَمِعْتُهَا مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید نے حدیث بیان کی از شعبہ از مغیرہ از ابراہیم از علقمہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ شام میں آئے ح اور ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از مغیرہ از ابراہیم، انہوں نے کہا: علقمہ شام کی طرف گئے، پس ایک مسجد میں آ کر دو رکعت نماز پڑھی اور دعا کی: اے اللہ! مجھے کوئی نیک ہم نشیں عطا فرما۔ پھر وہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر بیٹھ گئے، انہوں نے پوچھا: تم کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ میں اہل کوفہ سے ہوں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم میں رسول اللہ ﷺ کے ان رازوں کو جاننے والا نہیں ہے جن رازوں کو ان کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا تھا یعنی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، یا تم میں وہ نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی زبان سے شیطان سے محفوظ ہونے کی بشارت دی یعنی حضرت عمار رضی اللہ عنہ، یا تم میں نبی ﷺ کی مسواک اور آپ کا گدا اٹھانے والے نہیں ہیں؟ یعنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ یہ آیت کس طرح پڑھتے ہیں: "والیل اذا یغشیٰ" انہوں نے کہا "والذکر والانثیٰ"۔ اور وہ مسلسل مجھ کو اس آیت میں شک ڈالتے رہے حالانکہ میں نے اس آیت کو رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا۔

(صحیح بخاری: ۳۲۸۷، ۳۷۴۲، ۳۷۴۳، ۳۷۶۱، ۴۹۴۳، ۴۹۴۴، ۶۲۷۸، سنن ترمذی: ۳۸۱۱، مسند احمد: ۲۷۰۰۱)

صحیح البخاری: ۶۲۷۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی مطابقت باب کے عنوان سے اس طرح ہے کہ اس حدیث میں "الوسادة" یعنی گدے کا ذکر ہے اور حدیث کا عنوان بھی یہی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن جعفر، یہ ابن اعین ابوزکریا البخاری البیکندی ہیں جو ۲۴۳ھ میں فوت ہو گئے تھے۔

اوراس حدیث کی سند میں یزید کا ذکر ہے، یہ ابن ہارون الواسطی ہیں جو واسط میں ۲۰۶ھ میں فوت ہوئے تھے۔ اوراس حدیث کی سند میں مغیرہ کا ذکر ہے، اوران کو المغیرہ بن المقسم الضبی بھی کہا جاتا ہے۔ اوراس حدیث کی سند میں ابوالولید کا ذکر ہے، اوروہ ہشام بن عبدالملک الطیالسی ہیں۔ اوراس حدیث کی سند میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، ان کا نام عویمر بن مالک ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فقال ممن انت؟" یہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے علقمہ سے پوچھا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "صاحب السر" علامہ کرمانی نے کہا ہے: یعنی نفاق کے رازوں کا علم جن کو تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کے اسماء اوران کی تعیین حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بتادی تھی اوران کو اس منقبت کے ساتھ مخصوص کرلیا تھا کیونکہ دوسرے اس پر مطلع نہیں تھے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ "سر" (راز) سے مراد جیسا کہا گیا ہے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو سترہ منافقین کے نام بتائے تھے اوران کے علاوہ کسی اور کو وہ نہیں بتائے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جس کے متعلق شک ہوتا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق پوچھتے، اگر وہ اس کے جنازے میں جاتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی جاتے، اوراگر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اس کے جنازے میں نہ جاتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی نہ جاتے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "او کان فیکم" اس میں شعبہ کو شک ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "الذی اجارہ اللہ علی لسان رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبان سے شیطان سے پناہ میں رکھا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو شیطان سے امان میں رکھے اور فرمایا تھا کہ یہ طیب اور مطیب ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "والوسادۃ" یعنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسواک اور گدے اور وضو کے آلہ کو اٹھانے والے تھے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا: میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ تم حجاب کو اٹھاؤ اور میری بات سنو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بہت زیادہ خصوصیت عطا فرماتے تھے، جب وہ آتے تو آپ ان سے حجاب میں نہیں ہوتے تھے۔ اور جب وہ کوئی سوال کرتے تو آپ ان کے سوال کو مسترد نہیں فرماتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "کیف کان عبداللہ یقرء؟" یہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا قول ہے، وہ علقمہ سے پوچھتے تھے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ "وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى ۝ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى ۝" (الیل: ۱۔۲) کو کس طرح پڑھتے تھے؟ انہوں نے بتایا کہ وہ "والذکر والانثی" پڑھتے تھے بغیر "وما خلق" کے۔ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح پڑھتے تھے اور اہل شام اس آیت کو قراءت مشہورہ متواترہ کے ساتھ پڑھتے تھے اور وہ ہے "وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى ۝" (الیل: ۳) اور وہ لوگ قراءت شاذہ کے متعلق شک میں رہتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۷۔۴۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۷۸، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے اس حدیث کے حسب ذیل فوائد بیان کیے ہیں:

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلطان اور عالم کی تکریم کرنی چاہیے اور ان کے لیے گدا بچھانا چاہیے۔

(۲) سلطان اور عالم کے اصحاب کو اس کی زیارت کرنی چاہیے اور اس کا قصد کرنا چاہیے اور اس کے گھر جانا چاہیے۔ اور اپنے دین میں جن مسائل کو جاننے کی ضرورت ہو وہ اس سے پوچھنا چاہیے۔

(۳) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سلطان یا عالم کی عزت افزائی کے لیے گدا بچھایا جائے تو وہ اس پر نہ بیٹھے اور تواضع اختیار کرتے ہوئے زمین پر بیٹھے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کے لیے گدا بچھایا تو آپ گدے کو چھوڑ کر زمین پر بیٹھے۔

(۴) نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سربلندی کو ترک کر کے تواضع کو اختیار کرنا چاہیے اور نفس کو تذلل پر برانگیختہ کرنا چاہیے۔

(۵) نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلطان کی خدمت ہر اس شخص پر واجب ہے جو اس کے مرتبہ پر مطلع ہو۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۷۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علقمہ کا تذکرہ

علقمہ کوفہ کے تابعین کے سردار تھے اور امام مالک ان کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں فوقیت دیتے تھے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسود کو فضیلت دیتی تھیں اور بعض علماء ابو میسرہ کو فضیلت دیتے تھے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے مناقب

امام محمد بن سعد نے حسن بصری سے روایت کی ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں انسانوں اور جنات سے قتال کیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے انسانوں سے تو قتال کیا تو جنات سے کیسے قتال کیا؟ انہوں نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک منزل میں ٹھہرا تو میں نے اپنی مشک اور اپنا ڈول لیا تاکہ پانی پیوں، تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! عنقریب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں گے جو تم کو پانی سے منع کریں گے، پھر جب میں کنوئیں کے سرہانے تھا تو ایک کالے رنگ کا مرد آیا۔ اس نے کہا: نہیں! اللہ کی قسم! تم آج اس کنوئیں سے ایک ڈول پانی بھی نہیں لو گے، پس اس نے مجھ سے ڈول چھینا اور میں نے اس کو پکڑا اور پھر میں نے اس کو پچھاڑ دیا، پھر میں نے ایک پتھر کو پکڑا اور اس سے اس کی ناک اور اس کا چہرا توڑ دیا۔ پھر میں نے اپنی مشک بھر لی اور وہ لے کر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، تو آپ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس اس پانی پر کوئی آیا تھا، میں نے کہا: ایک سیاہ فام بندہ آیا تھا، آپ نے فرمایا: تم نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ تو میں نے

بتایا۔آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو وہ کون تھا؟ میں نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: وہ شیطان تھا جو تم کو پانی سے روکنے آیا تھا۔(الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۲۵۱)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۳۲۔۱۳۳ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۷۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن بطال اور علامہ ابن ملقن کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۴۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۷۸، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نیک ساتھی کے حصول کی دعا کرنا

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ عزوجل سے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو نیک ساتھی عطا کرے، کیونکہ نیک ہم نشیں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ مشک اٹھانے والے کی طرح ہے، یا تو وہ تمہیں مشک ہدیہ میں دے گا، یا تم اس سے خرید لو گے، ورنہ تم اس سے اچھی خوشبو تو حاصل کرو گے۔(صحیح مسلم: ۲۶۲۸، سنن ترمذی: ۲۸۶۳)

اس کے برخلاف جو برا ہمنشیں ہو تو وہ لوہار کی بھٹی کی طرح ہے، یا تو وہ تمہارے کپڑے جلا دے گی، یا تم اس سے ناگوار بدبو حاصل کرو گے۔(صحیح مسلم: ۲۶۲۸، سنن ترمذی: ۲۸۶۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ''صاحب السواك والوسادة'' ہونے کی توجیہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت یہ تھی کہ آپ اپنے اصحاب میں سے ہر ایک کو کوئی خصوصیت عطا فرمائیں، کیونکہ اس میں مشقت نہیں ہے۔اور جو مرکزی اعمال ہیں وہ لوگوں پر دشوار ہوتے ہیں، لیکن جب وہ اعمال لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیے جائیں تو اس میں لوگوں کے لیے راحت ہوتی ہے اور عمل کرنے والے کے لیے بھی راحت ہوتی ہے، کیونکہ انسان بشر ہے اور وہ یہ طاقت نہیں رکھتا کہ وہ تمام خصائص کو حاصل کر لے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان خصائص کو اپنے اصحاب کے درمیان تقسیم فرما دیتے تھے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ''صاحب السر'' ہونے کی خصوصیت

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کے اسماء کی خبر دی تھی اور ان کے علاوہ اور کسی کو ان پر مطلع نہیں کیا تھا، حتیٰ کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھتے تھے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں میرا نام تو منافقین کے ناموں میں نہیں بتایا تھا؟ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے نفس پر نفاق کا خطرہ محسوس کرتے تھے، اور آج کل ایک عام آدمی جو ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا ایمان حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ایمان سے زیادہ ہے، حالانکہ نفاق ایک لطیف راز ہے جو دل میں ہوتا ہے اور بندے کو اس کا شعور نہیں ہوتا حتیٰ کہ وہ ایسی چیزوں کا اعتقاد کر لیتا ہے جو شرک ہوتی ہیں اور اس کو پتا نہیں چلتا۔اور وہ دکھاوا اور

ریا کاری ہے۔اسی لیے رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: مجھے تم پر جس چیز کا سب سے زیادہ خطرہ ہے، وہ شرک اصغر ہے یعنی ریا۔(صحیح الجامع:۱۵۵۵)

اور شرک خفی یہ ہے کہ انسان نماز پڑھ رہا ہو اور اس کو بہت مزین کر کے اچھی طرح نماز پڑھے، کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ کوئی آدمی اسے دیکھ رہا ہے، تو بہت خشوع اور خضوع ظاہر کر کے نماز پڑھے۔خلاصہ یہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ''صاحب السر'' تھے۔

میں کہتا ہوں: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے منافقین میں میرا نام تو نہیں لیا تھا؟'' ۔یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کمالِ تقویٰ اور شدتِ الٰہی کے خوف کی وجہ سے تھا، کیونکہ وہ ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں ان سے نادانستگی میں کوئی ایسا کام سرزد نہ ہو گیا ہو جو دکھاوا ہو اور ریا ہو اور وہ بھی نفاق ہے۔(سعیدی غفرلہٗ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کی تحقیق

نبی ﷺ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن مجید پڑھنے کی تاکید فرمائی۔آپ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اس طرح قرآن پڑھنا چاہتا ہو جس طرح قرآن نازل ہوا ہو تو وہ ابن ام عبد کی قراءت پر پڑھے۔(صحیح الجامع:۵۹۶۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس طرح پڑھتے تھے:

وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ۙ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۙ وَالذَّکَرِ وَالْاُنْثٰی ۝ (اللیل:۱۔۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے جس طرح انہوں نے نبی ﷺ کے منہ سے سنا تھا اور قراءت معروفہ اور قراءت متواترہ اس طرح ہے ''وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی ۝ ''(اللیل:۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں یہ تینوں آیات متناسب ہیں:

وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ۙ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۙ وَالذَّکَرِ وَالْاُنْثٰی ۝ (اللیل:۱۔۳) اور رات کی قسم جب وہ (دن کو) چھپا لے! ۝ اور دن کی (قسم) جب وہ روشن ہو! ۝ اور نر اور مادہ کی قسم ۝

اس صورت میں ان تینوں آیات میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی قسمیں ہیں۔اور یہ تینوں آیات متناسب ہیں، کیونکہ رات اور دن بھی ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور نر اور مادہ بھی ایک دوسرے کے متقابل ہیں، تو گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے متقابلات کی قسمیں کھائیں۔اور قراءتِ معروفہ میں تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی قسم ہے۔یعنی پہلی دو آیات میں مخلوق کی قسم ہے اور تیسری آیت میں خالق کی قسم ہے، اور بہ ظاہر یہ آیات غیر متناسب ہیں:

وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ۙ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۙ وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی ۝ (اللیل:۱۔۳) اور رات کی قسم جب وہ (دن کو) چھپا لے! ۝ اور دن کی (قسم) جب وہ روشن ہو! ۝ اور اس ذات کی (قسم) جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا ۝

مسئلہ: کیا ہمارے لیے جائز ہے کہ ہم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے مطابق وہ پڑھیں جو نبی ﷺ سے صحت کے ساتھ ثابت ہے، خواہ متواتر نہ ہو؟

الجواب: اس طرح پڑھنا اگرچہ جائز ہے لیکن چونکہ عوام اس قراءت سے مانوس نہیں ہے، تو ایسی قراءت نہ کی جائے جو عوام کے

نزدیک غیر مانوس ہو، کیونکہ اس سے فتنہ عظیمہ پیدا ہوگا۔ کیونکہ لوگ کہیں گے کہ کبھی قرآن اس طرح پڑھتے ہیں اور کبھی دوسری طرح پڑھتے ہیں، انہوں نے قرآن کو کھیل بنا رکھا ہے۔ (شرح صحیح بخاری ج۶ ص ۹۷۔۹۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۹۔ بَابُ: الْقَائِلَةِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ — جمعہ کے بعد قیلولہ یعنی نیند کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں جمعہ کی نماز کے بعد قیلولہ کرنے کا بیان ہے۔ اور قیلولہ ظہر کے بعد سونے کو کہتے ہیں۔ علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: ''المقیلۃ اور القیلولۃ' نصف النہار کے بعد استراحت کرنے کو کہتے ہیں، خواہ اس کے بعد نیند نہ آئے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۷۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كُنَّا نَقِيلُ وَنَتَغَدَّى بَعْدَ الْجُمُعَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابی حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جمعہ کی نماز کے بعد قیلولہ کرتے تھے اور ناشتہ کرتے تھے۔

(صحیح بخاری: ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۱، ۲۳۴۹، ۵۴۰۳، ۶۲۴۸، ۶۲۷۹، صحیح مسلم: ۸۵۹، سنن ترمذی: ۵۲۵، سنن ابن ماجہ: ۱۰۹۹)

صحیح البخاری: ۶۲۷۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں محمد بن کثیر کا ذکر ہے۔ اور سفیان کا ذکر ہے، وہ الثوری ہیں۔ اور سہل بن سعد کا ذکر ہے، وہ حضرت سعد بن مالک انصاری الساعدی ہیں۔

اس حدیث کی شرح کتاب الجمعہ میں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۷۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قیلولہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیلولہ کیا کرو، کیونکہ شیطان قیلولہ نہیں کرتا۔ اور اس حدیث کی سند میں کثیر بن مروان ہے اور وہ متروک ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۴۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۰۔ بَابُ: الْقَائِلَةِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں سونے کا بیان

۶۲۸۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَا كَانَ لِعَلِيٍّ اسْمٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَبِي تُرَابٍ وَإِنْ كَانَ لَيَفْرَحُ بِهِ إِذَا دُعِيَ بِهَا جَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْتَ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ فَلَمْ يَجِدْ عَلِيًّا فِي الْبَيْتِ فَقَالَ أَيْنَ ابْنُ عَمِّكِ فَقَالَتْ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ شَيْءٌ فَغَاضَبَنِي فَخَرَجَ فَلَمْ يَقِلْ عِنْدِي فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِإِنْسَانٍ انْظُرْ أَيْنَ هُوَ فَجَاءَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ هُوَ فِي الْمَسْجِدِ رَاقِدٌ فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهُوَ مُضْطَجِعٌ قَدْ سَقَطَ رِدَاؤُهُ عَنْ شِقِّهِ فَأَصَابَهُ تُرَابٌ فَجَعَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَمْسَحُهُ عَنْهُ وَهُوَ يَقُولُ قُمْ أَبَا تُرَابٍ قُمْ أَبَا تُرَابٍ۔

(صحیح بخاری: ۴۴۱، ۳۷۰۳، ۶۲۰۴، ۶۲۸۰، صحیح مسلم: ۲۴۰۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن ابی حازم نے حدیث بیان کی از ابی حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابوتراب سے زیادہ اپنا کوئی نام پسند نہیں تھا اور جب ان کو ابوتراب کہہ کر بلایا جاتا تو وہ خوش ہوتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہ علیہا السلام کے گھر آئے، پس گھر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ پایا، تو فرمایا: تمہارے چچا کا بیٹا کہاں ہے؟ انہوں نے بتایا کہ میرے اور ان کے درمیان کچھ اختلاف ہو گیا تھا، سو وہ مجھ پر ناراض ہوئے اور گھر سے نکل گئے اور میرے پاس قیلولہ نہیں کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے کسی انسان سے فرمایا: جاؤ دیکھو وہ کہاں ہیں؟ پس وہ آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! وہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں، پس رسول اللہ ﷺ آئے اور وہ مسجد میں لیٹے ہوئے تھے اور ان کے جسم کے اوپر کی چادر ان کے پہلو سے ڈھلک گئی تھی اور اس پر مٹی لگی ہوئی تھی تو رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھ سے اس مٹی کو صاف کر رہے تھے اور فرما رہے: اٹھو ابوتراب! اٹھو ابوتراب! (یعنی مٹی والے)۔

صحیح البخاری: ۶۲۸۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی مطابقت اس طرح ہے کہ اس باب کا عنوان ہے مسجد میں سونا اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں سوئے ہوئے تھے۔

یہ حدیث کتاب الاستئذان سے پہلے "باب التکنی بابی تراب" میں گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۰، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس حدیث کے درج ذیل فوائد ہیں:

(۱) اس حدیث میں دن کے وقت سونے کا ثبوت ہے اور رات کو بھی مسجد میں بغیر ضرورت کے سونے کا ثبوت ہے۔ اور اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے اور بعض فقہاء نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور کتاب الصلوۃ میں یہ باب گزرا ہے "باب نوم الرجل فی المسجد" یعنی مرد کے مسجد میں سونے کا بیان۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے داماد کے ساتھ مزاح فرمانا اور ان کی کنیت کے علاوہ ان کی کنیت رکھنا: ایسی چیز کے ساتھ کنیت رکھنا جو ان کو عارض ہوئی ہو جیسا کہ آپ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی کنیت "ھرۃ" یعنی بلی کے ساتھ رکھی۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کی کنیت مٹی کے ساتھ رکھی جو ان کے جسم کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔

(۳) اس حدیث میں ارباب فضیلت کے مزاح کرنے کا جواز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مزاح فرماتے تھے مگر آپ حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتے تھے۔

(۴) اور اس حدیث میں داماد کے ساتھ نرمی اور ملائمت کا بیان ہے اور ان پر عتاب نہ کرنے کا بیان ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ناراض ہوئے تو آپ نے اس پر انہیں عتاب نہیں فرمایا بلکہ آپ انہیں ڈھونڈنے مسجد میں گئے اور انہیں فرمایا: اٹھو! اور ان کو ان کے گھر جانے کی طرف راغب کیا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن ملقن نے علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ کی حرف بہ حرف شرح کو نقل کر دیا ہے جو ہم نے علامہ ابن بطال کے حوالہ سے ذکر کر دی ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۳۵، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی وہی شرح کی ہے جو علامہ ابن بطال نے کی ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۴۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۱- بَابٌ: مَنْ زَارَ قَوْمًا فَقَالَ عِنْدَهُمْ — جو شخص کسی سے ملاقات کرنے گیا، پھر وہیں سو گیا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص دن کے وقت کسی کی زیارت کے لیے گیا، پھر وہیں سو گیا۔ اس عنوان میں "فقال" کا

لفظ "قیلولة" سے ماخوذ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۸۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ ثُمَامَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ كَانَتْ تَبْسُطُ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم نِطَعًا فَيَقِيلُ عِنْدَهَا عَلَى ذَلِكَ النِّطَعِ قَالَ فَإِذَا نَامَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَخَذَتْ مِنْ عَرَقِهِ وَشَعَرِهِ فَجَمَعَتْهُ فِي قَارُورَةٍ ثُمَّ جَمَعَتْهُ فِي سُكٍّ قَالَ فَلَمَّا حَضَرَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ الْوَفَاةُ أَوْصَى إِلَيَّ أَنْ يُجْعَلَ فِي حَنُوطِهِ مِنْ ذَلِكَ السُّكِّ قَالَ فَجُعِلَ فِي حَنُوطِهِ۔ (صحیح مسلم: ۲۳۳۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن عبداللہ الانصاری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از ثمامہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا (حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چمڑے کا پارچہ بچھاتی تھیں، آپ اسی چمڑے کے ٹکڑے پر ان کے ہاں سو جاتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سو جاتے تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ سے اور آپ کے بالوں سے کچھ لے کر ان کو ایک شیشی میں جمع کر لیتیں، پھر اس میں ایک قسم کی خوشبو ملاتیں، فرمایا: جب حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے مجھے وصیت کی کہ ان کی خوشبو میں وہ خوشبو ملادی جائے، پھر وہ خوشبو ملادی گئی۔

صحیح البخاری: ۶۲۸۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دن کے وقت حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر میں سونے کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ام سلیم، یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں، اور یہ ملحان بن خالد بن زید انصاریہ کی بیٹی ہیں اور ان کا نام الغمیصاء ہے۔ اور دوسرا قول ہے کہ رمیصاء ہے۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اور حضرت ام حرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ تھیں اور ان کے بھائی حرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی ماموں تھے۔ اور ابن وہب نے کہا ہے کہ حضرت ام حرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ تھیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فی سُكٍّ" یہ ایک قسم کی خوشبو ہے جس میں دوسری خوشبو ملائی جاتی ہے اور استعمال کیا جاتا ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کس طرح لیتی تھیں حالانکہ آپ سوئے ہوئے ہوتے تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا وہ معنی نہیں ہے جو ذہن میں متبادر ہوتا ہے، بلکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کنگھی کرتے تھے تو جو آپ کے

بال جھڑتے تھے ان کو وہ آپ کے پسینہ کے ساتھ ایک خوشبو میں ملا دیتی تھیں۔ اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ امام محمد بن سعد نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب منیٰ میں اپنا سر منڈایا تو حضرت ابوطلحہ نے وہ بال لیے اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ان سے وہ بال لیے اور ان کو خوشبو میں ملا دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس حدیث میں بالوں کا ذکر غیر مناسب ہے، اس لیے امام مسلم نے اپنی روایت میں بالوں کا ذکر نہیں کیا۔

اس حدیث میں "حنوط" کا ذکر ہے۔ یہ ایک خاص قسم کی خوشبو ہے جو میت کے جسم پر لگائی جاتی ہے اور اس میں کافور اور صندل ملا ہوا ہوتا ہے۔ علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: حنوط ایک قسم کی خوشبو ہے جو میت کے کفن پر لگائی جاتی ہے اور اس کے جسم پر لگائی جاتی ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام اور رئیس اور عالم کا اپنے مستند بھائیوں کے گھر میں دن کے وقت سونا جائز ہے۔ اور یہ وہ چیز ہے جس سے دوستی اور محبت مؤکد ہوتی ہے۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ابن آدم کے بال پاک ہیں۔ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے آپ کے بالوں اور آپ کے پسینہ کو تبرکاً لیا تھا اور اس کے ساتھ ایک قسم کی خوشبو ملا دی۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنی حنوط کے ساتھ اس لیے ملوا دیا تا کہ ناپسندیدہ چیزوں سے پناہ میں رہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ جمع کرنے کے متعلق متعدد روایات

امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے، پس آپ دن کے وقت وہاں سو گئے۔ آپ کو پسینہ آیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: پس میری والدہ ایک شیشی لے کر آئیں اور پھر آپ کے پسینہ کو اس شیشی میں جمع کیا، پس آپ بیدار ہو گئے تو آپ نے فرمایا: اے ام سلیم! یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟ تو انہوں نے کہا: یہ آپ کا پسینہ ہے، ہم اس کو خوشبو میں ملا رہے ہیں، اور آپ کا پسینہ سب سے بہترین خوشبو ہے۔ اور اسحاق بن ابی طلحہ کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ چمڑے کے ٹکڑے پر گرا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ نے اس چمڑے سے پسینہ کو شیشی میں ڈال لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو پوچھا: آپ کیا کر رہی ہیں؟ تو انہوں نے کہا: ہم آپ کے پسینہ کی برکت سے اپنے بچوں کے لیے امید رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم نے اچھا کیا۔ اور ابوقلابہ کی روایت میں ہے کہ وہ آپ کے پسینہ کو جمع کرتیں اور ایک خوشبو کے ساتھ ملا دیتیں، آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: یہ آپ کا پسینہ ہے، میں اس کو خوشبو کے ساتھ ملا رہی ہوں۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے اس فعل پر مطلع تھے اور آپ نے ان کے اس فعل کو جائز قرار دیا۔

علامہ ابن بطال نے کہا تھا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کے بال پاک ہوتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ اگر دلیل سے ثابت ہو کہ انسان کے بال پاک نہیں ہوتے تو پھر یہ رسول اللہ ﷺ کے بالوں کی خصوصیت ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۴۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

نبی ﷺ کے فضلات کریمہ کے متعلق شیخ ابن عثیمین کی ہفوات

شیخ ابن عثیمین حافظ ابن حجر عسقلانی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس میں نبی ﷺ کی کوئی تخصیص نہیں ہے اور آپ ﷺ کے فضلات دوسرے انسانوں کے فضلات کی طرح ہیں جو ان میں سے طاہر ہو، وہ طاہر ہیں اور جو نجس ہو، وہ نجس ہیں۔ اور اگر اس طرح نہ ہوتا تو ہم منی کی طہارت کے اوپر استدلال نہ کرتے، کیونکہ ہر انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ نبی ﷺ کی منی کا طاہر ہونا آپ کے خصائص میں سے تھا اور صحیح بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے وہی چیز طاہر ہے جو چیز ہماری طاہر ہے اور آپ کے لیے اسی چیز کی نجاست کا حکم ہے جو ہمارے لیے نجاست کا حکم ہے۔

اور اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ نبی ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ کسی عورت کا آپ کے جسم کو چھونا حرام نہیں ہے۔ اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کسی عورت کے ساتھ خلوت میں رہنا جائز ہے اور یہ بھی آپ کے خصائص میں سے ہے جیسا کہ آپ کے خصائص میں سے یہ ہے کہ کسی عورت پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ آپ سے حجاب میں رہے اور اس کے متعدد دلائل ہیں۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۰۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

شیخ ابن عثیمین کی ہفوات کا جواب از مصنف

جس طرح شیخ ابن عثیمین نے نبی ﷺ کے فضلات کریمہ کو نجس قرار دیا ہے، اسی طرح شیخ تھانوی نے بھی نبی ﷺ کے فضلات کریمہ کو نجس قرار دیا ہے۔ اور بعض غیر مقلدین نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ ہم ان سب کا جواب لکھ رہے ہیں:

شیخ تھانوی کے نزدیک نبی ﷺ کے فضلات کا نجس ہونا

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ نے بھی اپنی آخری تصنیف میں لکھا ہے:

بعض روایات کا تو ثبوت مقدوح ہے اور بعض کی دلالت اور بعض روایات میں شارحین کا یہ قول مذکور ہے: میں نے پیا اور مجھے پتا نہیں تھا اور ایک روایت میں حضور ﷺ کا نہی فرمانا مذکور ہے اور وہ یہ ہے کہ سالم بن ابی الحجاج نے رسول اللہ ﷺ کو فصد لگائی، پھر خون نکل لیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ ہر خون حرام ہے اور دوسری روایت میں دوبارہ نہ پینا، کیونکہ ہر خون حرام ہے، پس مسئلہ بالکل منقح ہو گیا کہ طہارت کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ (بوادر النوادر ص ۴۴۹، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور)

شیخ تھانوی نے اس پر غور نہیں کیا کہ کسی چیز کا حرام ہونا، اس کی نجاست کو مستلزم نہیں ہے، انسان کا گوشت کھانا بھی حرام ہے، لیکن وہ نجاست کی بناء پر حرام نہیں ہے، کرامت کی بناء پر حرام ہے تو رسول اللہ ﷺ کے خون کا پینا تو بہ طریق اولیٰ کرامت کی وجہ سے حرام ہو گا نہ کہ نجاست کی بناء پر۔

الماوردی کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے منڈائے ہوئے بال اور آپ کے فضلات نجس ہیں (العیاذ باللہ) لیکن بہ کثرت علماء شافعیہ کے نزدیک آپ کے بال مبارک اور آپ کے فضلات طاہر ہیں۔

بعض غیر مقلد علماء کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات کا نجس ہونا

معروف غیر مقلد عالم عبداللہ روپڑی متوفی ۱۳۸۴ھ لکھتے ہیں:

ام ایمن سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک مٹی کا پیالہ تھا، جس میں آپ رات کو (عذر کی بناء پر) پیشاب کیا کرتے تھے۔ ایک رات میں پیاسی ہوگئی، پس غلطی سے وہ پیشاب پی لیا۔ پس رسول اللہ کے پاس میں نے اس کا ذکر کیا۔ فرمایا: اس دن کے بعد تجھے کبھی پیٹ کا درد نہیں ہوگا۔ اس روایت سے آپ کے پیشاب کا پاک ہونا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ غلطی سے پیا گیا ہے۔ رہا آپ کا یہ فرمانا کہ تیرے پیٹ میں درد نہیں ہوگا، یہ علاج ہے۔ بعض نجس چیز بھی علاج بن جاتی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ چونکہ یہ غلطی اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی وجہ سے ہوئی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا معاوضہ یہ دیا کہ اس نجس چیز کو اس کے لیے شفاء بنا دیا، بہر صورت اس غلط فعل کو طہارت کی دلیل بنانا غلط ہے۔

(فتاویٰ اہل حدیث ج ۱ ص ۲۵۰-۲۵۱، مطبوعہ: دار احیاء السنۃ النبویہ، سرگودھا)

حیرت ہے کہ یہی صاحب جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیشاب کو نجس لکھا ہے یہی مصنف بیل بلکہ ہر وہ جانور جس کا گوشت کھایا جاتا ہو، اس کے پیشاب کو نہ صرف پاک بلکہ حلال قرار دیتے ہیں۔ ان کی عبارت درج ذیل ہے:

قضیب گاؤ (بیل کا آلہ تناسل) حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے، مگر یہ مذہب صحیح نہیں ہے، بلکہ ماکول اللحم (جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہو) کا گوبر پیشاب تک پاک اور حلال ہے۔ (فتاویٰ اہل حدیث ج ۲ ص ۵۶۶)

تاہم بعض غیر مقلد علماء نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات کو پاک لکھا ہے۔ چنانچہ شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

آنحضرت کے تو تمام فضلات تک پاک اور طاہر تھے، آپ پر دوسرے آدمیوں کا قیاس نہیں ہوسکتا ہے۔

(تیسیر الباری ج ۱ ص ۱۷۹، مطبوعہ نعمانی کتب خانہ، لاہور ۱۹۹۰ء)

اکثر شافعیہ کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلاتِ مبارکہ طاہر ہیں

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ انسان کا بال جسم سے الگ ہونے کے بعد پاک ہوتا ہے، کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کے بال کو اپنے پاس بہ طور تبرک رکھا، تاہم اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بال مکرم ہے، اس پر دوسرے انسان کے بال کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، علامہ ابن المنذر اور علامہ خطابی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ خصوصیت بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہوتی اور اصل میں خصوصیت کا نہ ہونا ہے۔ اس جواب کا یہ رد کیا گیا ہے کہ ان کو چاہیے کہ یہ منی کی طہارت پر بھی اس حدیث سے استدلال نہ کریں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے کپڑوں سے منی کو کھرچ دیا کرتی تھیں، کیونکہ یہ کہنا جائز ہے کہ آپ کی منی پاک ہے اور اس پر دوسروں کی منی کو قیاس نہیں کیا جائے گا، اور حق یہ ہے کہ احکام شرعیہ میں آپ کا وہی حکم ہے جو تمام مکلفین کا ہے، ماسوا ان احکام کے جن کی خصوصیت دلیل سے ثابت ہو اور آپ کے فضلات (خون، منی، بول اور براز وغیرہ) کی طہارت پر بہ کثرت دلائل ہیں اور ائمہ نے اس کو آپ کی خصوصیت قرار دیا ہے اور ائمہ نے آپ کے فضلات کی

طہارت کو آپ کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے، اس لیے اکثر فقہاء شافعیہ کی کتابوں میں اس کے خلاف جو کچھ لکھا ہے، اس کی طرف توجہ نہ کی جائے کیونکہ ائمہ کے درمیان اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ آپ کے فضلات طاہر ہیں۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۱۱۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی طہارت کی بحث میں چونکہ آپ کے فضلات (خون اور بول و براز) کی طہارت کا ذکر کیا گیا ہے، اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اصل احادیث کے حوالوں سے آپ کے فضلات کی طہارت کو بیان کر دیں۔ فنقول وباللہ التوفیق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کی طہارت کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاءِ حاجت کے لیے (بیت الخلاء میں) گئے، پھر میں گئی تو میں نے وہاں جا کر کوئی چیز نہیں دیکھی اور مجھے وہاں مشک کی خوشبو آ رہی تھی، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے وہاں کوئی چیز نہیں دیکھی، آپ نے فرمایا: بے شک زمین کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت سے جو کچھ نکلے، اس کو ڈھانپ لے۔

(المستدرک ج ۴ ص ۷۲، طبع قدیم، المستدرک: ۶۹۵۰ طبع جدید، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۲۰ھ، کنز الاعمال: ۳۴۲۵۳، الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۳۵ طبع جدید، علامہ خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ نے لکھا ہے کہ ابن دحیہ نے کہا: اس حدیث کی سند ثابت ہے اور یہ اس باب میں سب سے قوی حدیث ہے، نسیم الریاض ج ۲ ص ۲۱، طبع جدید، ۱۴۲۱ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم جماعت انبیاء کے اجسام اہل جنت کی ارواح پر بنائے گئے ہیں اور زمین کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم سے جو چیز نکلے، اس کو نگل لے۔ (الفردوس بماثور الخطاب: ۱۴۳، جمع الجوامع: ۸۰۳۶، کنز العمال: ۳۲۲۴)

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر کی ایک جانب میں مٹی کا ایک برتن رکھا ہوا تھا، آپ رات کو اٹھ کر اس میں پیشاب کرتے تھے، ایک رات میں اٹھی، مجھے پیاس لگ رہی تھی، میں نے اس برتن سے پی لیا اور مجھے پتا نہیں چلا (کہ یہ پیشاب ہے) جب صبح ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام ایمن! اس مٹی کے برتن کو اٹھاؤ اور اس میں جو کچھ ہے اس کو پھینک دو، میں نے کہا: اللہ کی قسم! اس میں جو کچھ ہے، اس کو میں نے پی لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں، پھر آپ نے فرمایا: سنو! اس کے بعد کبھی تمہارے پیٹ میں درد نہیں ہوگا۔

(المستدرک ج ۴ ص ۶۳-۶۴، طبع قدیم، المستدرک: ۶۹۱۲، طبع جدید، المعجم الکبیر: ۲۳۰، ج ۲۵ ص ۸۹، کنز العمال: ۳۴۲۵۶، جمع الجوامع: ۲۷۵۴۹، تاریخ دمشق الکبیر ج ۴ ص ۱۰۸۹-۲۰۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۱، البدایہ والنہایہ، ج ۴ ص ۴۲۱، الطبع الجدید، ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ برکہ نام کی دو عورتوں نے لکڑی کے پیالہ سے آپ کا پیشاب پیا، ایک کی کنیت ام ایمن تھی اور دوسری کی کنیت ام یوسف تھی، جب ام یوسف نے آپ کا پیشاب پی لیا تو آپ نے فرمایا: تم صحت مند ہو گی، سو وہ تا حیات بیمار نہیں ہوئیں۔ (تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۴)

حکیمہ بنت امیمہ بنت رقیقہ اپنی ماں رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لکڑی کا پیالہ تھا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کرتے تھے اور اس کو اپنے تخت کے نیچے رکھتے تھے، آپ نے اس میں پیشاب کیا، پھر آپ آئے تو دیکھا کہ اس

پیالہ میں کوئی چیز نہیں تھی، ایک خاتون جن کا نام برکہ تھا، جو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کرتی تھیں اور ان کے ساتھ سرزمین حبشہ سے آئی تھی، آپ نے ان سے پوچھا: وہ پیشاب کہاں ہے جو اس پیالہ میں تھا؟ انہوں نے کہا: میں نے اس کو پی لیا، آپ نے فرمایا: تم پر دوزخ کی آگ منع کر دی گئی ہے۔

(المعجم الکبیر: ۴۷۷، ج ۲۴ ص ۱۸۹، المعجم الکبیر: ۵۲۷، ج ۲۴ ص ۲۰۶، ۲۰۶، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۶۷، تاریخ دمشق الکبیر: ۵۲۰۰۔ ج ۳ ص ۳۸، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۱ھ، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے راوی صحیح ہیں اور ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۱، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۲۲، ۳۲۱، طبع جدید، ۱۴۱۸ھ)

عامر بن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فصد لگائی، آپ نے مجھ سے پوچھا: تم نے اس (خون) کا کیا کیا؟ میں نے کہا: میں نے اس کو غائب کر دیا، آپ نے فرمایا: شاید تم نے پی لیا، میں نے کہا: میں نے اس کو پی لیا۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار: ۲۴۳۶، حافظ الہیثمی نے کہا: بزار کی سند صحیح اور ثقہ ہے، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰)

بریہ بن عمر بن سفینہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فصد لگائی، آپ نے فرمایا: یہ خون لے جاؤ اور اس کو چوپایوں، پرندوں اور لوگوں سے چھپا کر دفن کر دو، میں نے اس کو چھپ کر پی لیا، پھر میں نے اس کا (آپ سے) ذکر کیا تو آپ ہنسے۔

(المعجم الکبیر: ۶۴۳۴، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰، التاریخ الکبیر للبخاری: ۵۴۱۸، ۲۵۲۴، ج ۴ ص ۱۸۰، المطالب العالیہ، ۳۸۴۸، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۶۷، تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۲)

عبدالرحمن بن ابی سعید اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد مالک بن سنان بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ زخمی ہو گیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون چوس کر نگل لیا، ان سے کہا گیا: کیا تم نے خون پی لیا؟ انہوں نے کہا: ہاں! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون پی لیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا خون جس کے خون کے ساتھ مل گیا، اس کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی۔

(المعجم الاوسط: ۹۰۹۸، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۰ھ، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۱۴، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں کوئی ایسا راوی نہیں ہے جس کے ضعف پر اجماع ہو، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد حضرت مالک بن سنان بیان رضی اللہ عنہ کرتے ہیں کہ جنگ احد میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ زخمی ہو گیا تو انہوں نے آپ کے زخم سے خون چوس لیا، حتیٰ کہ آپ کا چہرہ بالکل سفید اور صاف ہو گیا، ان سے کہا گیا کہ اس خون کو تھوک دو، انہوں نے کہا: نہیں، خدا کی قسم! میں اس خون کو کبھی نہیں تھوکوں گا! پھر وہ پیٹھ موڑ کر جہاد کرنے چلے گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی جنتی آدمی کو دیکھنا چاہتا ہے، وہ اس کو دیکھ لے، پس وہ شہید ہو گئے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۲۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۳، رقم الحدیث: ۱۹)

عامر بن عبداللہ بن الزبیر بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فصد لگائی، جب وہ فصد لگا کر فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے عبداللہ! اس خون کو ایسی جگہ گرا دو، جہاں اس کو کوئی نہ

دیکھے، حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گیا تو میں نے اس خون کو پی لیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس گیا تو آپ نے فرمایا: شاید تم نے اس کو پی لیا؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: تم کو خون پینے کے لیے کس نے کہا تھا؟ تمہیں لوگوں کی طرف سے افسوس ہوگا اور لوگوں کو تمہاری طرف سے افسوس ہوگا! دوسری روایت میں ہے: آپ نے فرمایا: تم نے وہ خون کیوں پیا؟ حضرت ابن الزبیر نے کہا: میں نے یہ پسند کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون میرے پیٹ میں ہو، آپ نے حضرت ابن الزبیر کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا: تمہیں لوگوں کی طرف سے افسوس ہوگا اور لوگوں کو تمہاری طرف سے افسوس ہوگا اور تم کو صرف قسم پوری کرنے کے لیے دوزخ کی آگ چھوئے گی۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۳۰ طبع قدیم، حلیۃ الاولیاء: ۱۱۶۷، ۱۱۶۶، طبع جدید، سنن دارقطنی ج ۱ ص ۲۲۸ طبع قدیم، سنن دارقطنی: ۱:۸۷ طبع جدید، المستدرک ج ۳ ص ۵۵۴ طبع قدیم، المستدرک ۶۳۴۳ طبع جدید، تاریخ دمشق الکبیر: ۶۲۲۵ ۔ ۶۲۲۴، ۶۲۲۳، ۶۲۲۲، ج ۳۰ ص ۱۲۵ ۔ ۱۲۴، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۶۷، تلخیص الحبیر: ۱۸، ج ۱ ص ۴۳ ۔ ۴۲، کنز العمال: ۳۴۲۳۷ ۔ ۳۳۵۹۱، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۹۹ ۔ ۹۸، الطبع الجدید، ۱۴۱۸ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن الزبیر سے فرمایا: تمہیں لوگوں کی طرف سے افسوس ہوگا اور لوگوں کو تمہاری طرف سے افسوس ہوگا، اس میں حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی پیش گوئی ہے، حضرت ابن الزبیر نے ۶۳ ھ میں مکہ میں اپنی حکومت قائم کر دی تھی، بنو امیہ کو اس پر افسوس ہوا، یزید نے محرم چونسٹھ ہجری میں ان کے خلاف لشکر بھیجا اور کعبہ پر سنگ باری کی گئی اور کعبہ کے پردوں کو جلایا گیا اور چودہ ربیع الاول ۶۴ ھ کو یزید کے مرنے کے بعد یہ لشکر واپس آ گیا، پھر عبد الملک بن مروان نے اپنے دورِ حکومت میں حجاج بن یوسف کی کمان میں لشکر بھیجا، بالآخر سترہ جمادی الاولیٰ ۷۲ ھ میں حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو شہید کر دیا گیا اور حضرت ابن الزبیر اور بنو امیہ دونوں فریقوں کو ایک دوسرے سے افسوس ہوا اور یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی پوری ہوگئی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن الزبیر سے جو یہ فرمایا کہ تم کو صرف قسم پوری کرنے کے لیے دوزخ کی آگ چھوئے گی، اس میں ان آیتوں کی طرف اشارہ ہے:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۚ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا (مریم: ۷۲ ۔ ۷۱)

اور بیشک تم سے ہر شخص ضرور دوزخ پر وارد ہوگا، یہ آپ کے رب کے نزدیک قطعی فیصلہ کیا ہوا ہے ○ پھر ہم متقین کو دوزخ سے نکال لیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے ○

اس آیت کی تفسیر میں جمہور مفسرین کا مختار یہ ہے کہ مسلمانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی اس قسم کو پورا کرنے کے لیے دوزخ میں داخل کیا جائے گا اور پھر ان کو نکال لیا جائے گا اور دوزخ مسلمانوں پر ٹھنڈی ہوگی اور کافروں کو جلا رہی ہوگی، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ کافروں کو دوہرا عذاب ہو، ایک عذاب ان کو اپنے جلنے کا ہوگا اور دوسرا عذاب یہ ہوگا کہ ان کے مخالف مسلمان اسی دوزخ سے گزر رہے ہیں اور ان کو عذاب نہیں ہو رہا، حسب ذیل احادیث اس تفسیر پر دلیل ہیں:

حضرت یعلیٰ بن منیہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن دوزخ مومن سے کہے گی:

جزیا مومن فقد اطفانورك لهبی۔ اے مومن! (جلدی سے) گزر جا کیونکہ تیرے نور نے میرے شعلہ کو بجھا دیا ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۲۵۸، حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں سلیم بن منصور بن عمار ضعیف راوی ہیں، مجمع الزوائد: ۱۸۴۴۶)

حضرت ابو سمینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس آیت میں ''ورود'' کا معنی دخول ہے، پس ہر نیک اور بد شخص دوزخ میں داخل ہوگا اور مومنوں پر دوزخ اس طرح ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ ٹھنڈی ہوگئی تھی، پھر ہم متقین کو دوزخ سے نکال لیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۹، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد: ۱۸۴۴۷)

اس کی پوری بحث تبیان القرآن جلد سابع میں مریم: ۷۲۔۷۱ کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب اور آپ کے تمام فضلات طاہر ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض ائمہ شافعیہ نے یہ تصریح کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب اور آپ کے تمام فضلات طاہر ہیں، اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۵۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۹ھ)

نیز صحیح بخاری کی اس حدیث مذکور میں بھی شیخ ابن عثیمین کا رد ہے، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ام سلیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ مبارک کو ایک شیشی میں جمع کر کے رکھتی تھیں، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو متعدد روایات سے بیان کیا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آپ کیا کر رہی ہیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ میں آپ کے پسینہ کو برکت کے لیے جمع کر رہی ہوں کیوں کہ اس کی خوشبو بہت زیادہ ہے، آپ نے فرمایا: تم ٹھیک کر رہی ہو۔

میں کہتا ہوں: غور کریں! ہمارا پسینہ بد بودار ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ خوشبودار ہوتا تھا، حتیٰ کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے آپ کے پسینہ کو جمع کر کے ایک شیشی میں رکھا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ اس خوشبو کو حنوط کے ساتھ ملا کر ان کے کفن پر لگایا جائے۔ (سعیدی غفرلہ)

فضلات کریمہ کی طہارت پر ملا علی قاری کے اعتراضات کے جوابات

ملا علی بن سلطان محمد القاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے جو یہ روایت ذکر کی ہے کہ زمین پھٹ جاتی اور آپ کے بول و براز نگل لیتی اور اس جگہ خوشبو پھیل جاتی، اس کو امام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ موضوع ہے (اس کا جواب جمع الوسائل کے حوالے سے خود ملا علی قاری کی عبارت میں آرہا ہے۔) قاضی عیاض نے دوسری روایت جو امام محمد بن سعد کے حوالے سے ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے عائشہ! کیا تم نہیں جانتیں کہ انبیاء علیہم السلام سے جو چیز نکلتی ہے زمین اس کو نگل لیتی ہے۔۔

الحدیث۔ابن دحیہ نے کہا کہ اس کی سند ثابت ہے اور یہ اس باب میں قوی ترین حدیث ہے۔

ملا علی قاری کہتے ہیں کہ یہ حدیث فضلات کی طہارت پر نہیں بلکہ اس کی ضد پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ زمین کے نگلنے سے معلوم ہوتا ہے، البتہ پاکیزہ خوشبو ان کی طہارت پر دلالت کرتی ہے۔امام بغوی نے فضلات کی طہارت پر یہ دلیل قائم کی کہ آپ کے پیشاب اور خون سے شفاء حاصل کی گئی ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ جس چیز سے شفاء حاصل کی جائے اس کا طاہر ہونا لازم نہیں ہے، کیونکہ اونٹوں کے پیشاب سے بھی شفاء حاصل کی گئی ہے اور جمہور فقہاء کے نزدیک اونٹوں کا پیشاب نجس ہے۔

(شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ملخصاج ا ص ۳۵۳۔ ۳۵۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ملا علی قاری پر رحم فرمائے! کہاں حضور کا بول مبارک اور کہاں اونٹوں کا پیشاب! اونٹوں کا پیشاب سخت بدبو دار ہوتا ہے اور جہاں آپ کا بول و براز گرتا تھا اس جگہ خوشبو پھیل جاتی تھی، اس حدیث کی قوت خود ملا علی قاری کو بھی تسلیم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بول مبارک پر اونٹوں کے پیشاب سے معارضہ کرنا، سخت حیرت کا باعث ہے۔

علامہ خفاجی لکھتے ہیں:

حضرت ابوطیبہ حجام نے رسول اللہ ﷺ کا خون پیا، اور آپ نے ان پر انکار نہیں فرمایا، حضرت ام ایمن نے حضور ﷺ کا پیشاب پیا اور آپ نے ان پر انکار نہیں، بلکہ فرمایا: تمہارا پیٹ آگ میں داخل نہیں ہوگا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے آپ کا خون پیا۔ان احادیث کو بہ طور دوا پینے پر محمول کیا گیا ہے اور یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے فصد لگانے والے سے فرمایا: دوبارہ نہ پینا کیونکہ ہر خون حرام ہے۔(واضح رہے کہ حرام ہونا نجس ہونے کو مستلزم نہیں ہے، کیونکہ انسان بھی حرام ہے لیکن اس کی حرمت کرامت کی بناء پر ہے نہ کہ نجاست کی بناء پر، اور رسول اللہ ﷺ کے خون کا حرام ہونا بہ درجہ اولیٰ کرامت کی بناء پر ہے۔۔۔سعیدی غفرلہٗ)۔

علامہ نووی نے کہا کہ پیشاب پینے والی حدیث صحیح حسن ہے اور یہ طہارت پر استدلال کے لیے کافی ہے کیونکہ آپ نے اس فعل پر انکار نہیں کیا، منہ دھونے کا حکم دیا اور نہ دوبارہ پینے سے منع کیا۔قاضی حسین نے کہا کہ تمام فضلات کی طہارت کا قول زیادہ صحیح ہے اور یہی کثیر متاخرین کا مختار ہے اور بطور دوا پینے کا جواب یہ ہے کہ (یہ ملا علی قاری کے اعتراض کا بھی جواب ہے) یہ احتمال اس حدیث سے مردود ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے میری امت کی شفاء حرام چیزوں میں نہیں رکھی“۔اور اس کا نکتہ یہ ہے کہ فرشتوں نے آپ کے پیٹ کو دھو کر پاک کر دیا تھا، اس باب میں بہت زیادہ احادیث ہیں جیسے حضرت ابن الزبیر کا خون پینا، اور حضرت ام ایمن کا رات کو تخت کے نیچے رکھے ہوئے پیالہ سے پیشاب پینا۔(نسیم الریاض ج ا ص ۳۵۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ نبی ﷺ میں کوئی چیز ناپسندیدہ اور ناپاک نہیں تھی، ملا علی قاری اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کے کپڑوں سے منی دھوتی تھیں، آپ پتھر اور ڈھیلوں سے استنجاء کرتے تھے، نیز اگر آپ سے خارج ہونے والی چیزیں پاک ہوتیں تو وہ چیزیں حدث ناقض (وضو اور غسل کا سبب) نہ ہوتیں، جیسے پسینہ، آنسو، تھوک اور رینٹ وغیرہ ہیں۔اور اس پر اجماع ہے کہ وضو ٹوٹنے میں نبی ﷺ امت کی مثل ہیں سوا اس چیز کے جس کا استثناء ہے، مثلاً نیند، کیونکہ

آپ کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل نہیں سوتا تھا۔ (شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۱ ص ۵۵ ۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

اللہ تعالیٰ ملا علی قاری پر رحم فرمائے، آپ کے فضلات کریمہ کے طاہر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ امت کے لیے طاہر ہیں، باقی آپ کے حق میں ان کا خروج موجب حدث ہے، اسی وجہ سے آپ استنجاء، وضو اور غسل فرماتے تھے۔ امت کے لیے ان کے طاہر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ کئی صحابہ اور صحابیات نے آپ کا پیشاب اور خون پیا اور آپ نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ جنگ احد کے دن حضرت مالک بن سنان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم سے خون چوس کر پی لیا۔

ملا علی قاری نے کہا ہے کہ اس حدیث کی مثل کو حاکم، بزار، بیہقی اور دار قطنی نے روایت کیا ہے لیکن قاضی عیاض نے اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کی طہارت پر جو استدلال کیا ہے اس پر ملا علی قاری نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ضرورت سے ممنوع چیز مباح ہو جاتی ہے۔ (شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۱ ص ۵۹ ۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

ہماری سمجھ میں یہ نہیں آسکا کہ حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم سے خون چوسنے سے کون سی طبعی یا شرعی ضرورت تھی، جس کی وجہ سے ان کے لیے خون چوسنا مباح ہو گیا تھا! حقیقت یہ ہے کہ حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے کسی ضرورت کی وجہ سے نہیں بلکہ غلبہ محبت کی بناء پر آپ کے زخم سے خون چوسا تھا۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ جن صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون یا پیشاب پیا، آپ نے ان میں سے کسی کو یہ نہیں کہا کہ اپنا منہ دھوؤ، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا خون اور پیشاب پاک ہے، ملا علی قاری اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان احادیث میں دھونے کے حکم پر دلالت ہے نہ عدم حکم پر دلالت ہے، علاوہ ازیں پیشاب لگنے سے منہ دھونا صحابہ کو بالبداہت معلوم تھا اور اگر مان لیا جائے کہ آپ نے دھونے کا حکم نہیں دیا، تب بھی محض احتمال سے طہارت ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ آپ کو ذہول ہو گیا ہو، یا آپ کو اعتماد ہو کہ وہ منہ دھو لیں گے۔ ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ آپ نے ان میں سے کسی کو دیکھا کہ وہ منہ دھوئے بغیر نماز پڑھ رہا ہے اور آپ نے اس پر سکوت کیا اور اس کو برقرار رکھا تب طہارت ثابت ہو جائے گی۔

(شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۱ ص ۳۶۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

ملا علی قاری نے جو یہ کہا ہے کہ ان احادیث میں دھونے کے حکم پر دلالت ہے نہ عدمِ حکم پر دلالت ہے، یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ فضلات نجس ہوتے تو آپ پر لازم تھا کہ آپ انہیں دھونے کا حکم دیتے اور جب دھونے کا حکم نہیں دیا تو روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ یہ فضلات طاہر ہیں جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔

ملا علی قاری نے جو یہ کہا ہے کہ پیشاب لگنے سے منہ دھونا صحابہ کو بالبداہت معلوم تھا۔ سوال یہ ہے کہ کس کے پیشاب لگنے سے منہ دھونا واجب ہے عام آدمی کے؟ تو بے شک یہ انہیں معلوم تھا کہ عام آدمی کے پیشاب لگنے سے اس جگہ کو دھونا لازم ہے، لیکن یہ عام آدمی کا پیشاب تو نہیں تھا! اگر ان کے نزدیک اس پیشاب کا حکم بھی عام آدمی کے پیشاب کی طرح ہوتا تو وہ اس کو کیوں پیتے؟ ظاہر ہے کہ وہ آپ کے پیشاب کو طاہر سمجھتے تھے جبھی تو انہوں نے اس کو پیا تھا، اب اگر بالفرض یہ پیشاب ان کے گمان کے برخلاف ناپاک ہوتا تو آپ پر لازم تھا کہ آپ بتاتے کہ اپنا منہ دھو لو۔

ملا علی قاری نے کہا: اگر مان لیا جائے کہ آپ نے دھونے کا حکم نہیں دیا تب بھی محض احتمال سے طہارت ثابت نہیں ہوگی،

کیونکہ ہوسکتا ہے کہ آپ کو ذہول ہو گیا ہو یا آپ کو اعتماد ہو کہ وہ خود دھولیں گے۔

اگر مان لیا جائے کا کیا مطلب ہے؟ فی الواقع آپ نے دھونے کا حکم نہیں دیا تھا، اور یہ صرف طہارت کا احتمال نہیں ہے بلکہ طہارت پر قوی دلیل ہے کیونکہ نبوت کے منصب کا یہ تقاضا ہے کہ جب بھی کوئی شخص غلط کام کرے تو نبی اس کی اصلاح کرے، اس وجہ سے نبی کا کسی چیز پر خاموش رہنا اس کے جواز کی دلیل ہوتا ہے کیونکہ نبی کسی غلط کام پر خاموش نہیں رہ سکتا۔ اور یہ جو کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ آپ کو ذہول ہو گیا ہو، سو یہ بھی غلط ہے، کیوں کہ امور تبلیغیہ میں ذہول نہیں ہوتا، پھر یہ ایک دفعہ کا واقعہ تو نہیں ہے متعدد مرتبہ آپ کے سامنے خون پیا گیا اور آپ نے کسی مرتبہ منہ دھونے کا حکم نہیں دیا۔ کیا ہر بار آپ کو ذہول ہو گیا تھا؟ اور یہ جو کہا ہے کہ آپ کو یہ اعتماد تھا کہ وہ خود دھولیں گے، یہ بھی غلط ہے، آپ کو یہ اعتماد تو تب ہوتا جب آپ یہ جانتے کہ صحابہ کے نزدیک آپ کے فضلات نجس ہیں، وہ تو آپ کے فضلات کو پاک سمجھتے تھے اور ان کو پیتے تھے تو پھر آپ کو ان کے دھونے پر اعتماد کیسے ہوتا! ملا علی قاری نے لکھا ہے: ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ آپ نے ان میں سے کسی کو دیکھا کہ وہ منہ دھوئے بغیر نماز پڑھ رہا ہے اور آپ نے اس پر سکوت فرمایا اور اس کو مقرر رکھا تو پھر طہارت ثابت ہو گی۔

یعنی اگر کوئی شخص مثلاً صبح سے ظہر تک، یا ظہر سے عصر تک اپنے منہ پر کوئی ناپاک چیز لگائے رکھے تو ملا علی قاری کے نزدیک حضور اس کو اس لیے منع نہیں کریں گے کہ یہ ابھی نماز نہیں پڑھ رہا، کیا نماز کے علاوہ باقی اوقات میں منہ پر ناپاک چیز لگائے رکھنا جائز ہے؟ اور نماز کے علاوہ کوئی شخص اپنے منہ پر خون یا پیشاب مل لے تو کوئی حرج نہیں ہے؟ اس لیے فضلات کریمہ کی طہارت پر ملا علی قاری کا یہ اعتراض بھی غلط ہے۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو پیشاب یا خون دوبارہ پینے سے منع نہیں فرمایا اور یہ ان کی طہارت کی دلیل ہے۔ ملا علی قاری اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

منع کرنے کی ضرورت اس وقت پیش آتی جب کسی شخص نے عمداً اور بلاضرورت یہ کام کیا ہوتا اور عنقریب روایت میں آ رہا ہے کہ حضرت برکہ نے لاعلمی میں پیشاب پیا تھا (یعنی ان کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ پیشاب ہے) اور ابن عبد البر نے روایت کیا ہے کہ سالم بن ابی الحجاج نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فصد لگائی اور خون پی لیا تو آپ نے فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ ہر خون حرام ہے؟ اور ایک روایت میں ہے دوبارہ نہ پینا کیونکہ ہر خون حرام ہے۔ (شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۱ ص ۳۶۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

صحابہ میں سے جس نے بھی آپ کا خون یا پیشاب پیا تھا وہ کسی ضرورت سے نہیں پیا تھا بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور عقیدت کی وجہ سے پیا تھا اور عمداً پیا تھا۔ خون اور پیشاب پینے کے متعدد واقعات ہیں۔

علامہ خفاجی لکھتے ہیں:

حاکم اور دار قطنی نے روایت کیا ہے اور حضرت ام ایمن بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو ایک جانب رکھے ہوئے مٹی کے برتن میں پیشاب کیا، میں رات کو اٹھی، میں پیاسی تھی میں نے اس کو پی لیا درآں حالیکہ مجھے پتا نہیں تھا، جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا: اے ام ایمن! اس برتن میں جو کچھ ہے اس کو پھینک دو، میں نے کہا: اس میں جو کچھ تھا وہ میں نے پی لیا، آپ ہنسے اور فرمایا: بخدا تمہارے پیٹ میں کبھی درد نہیں ہو گا۔

اور امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں: ابن جریج نے بیان کیا کہ مجھے خبر دی گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی کے ایک پیالے میں پیشاب کرتے تھے جس کو آپ کے تخت کے نیچے رکھا جاتا تھا، ایک دن آپ نے وہ پیالہ دیکھا تو اس میں کچھ نہیں تھا، ایک عورت جس کا نام برکہ تھا جو حضرت ام حبیبہ کی خادمہ تھی اور ان کے ساتھ حبشہ سے آئی تھی آپ نے اس سے پوچھا: اس پیالہ میں جو پیشاب تھا وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: اس کو میں نے پی لیا، آپ نے فرمایا: اے ام یوسف! تم صحت مند رہو گی۔ ابن دحیہ نے کہا: یہ دو مختلف عورتوں کے دو مختلف واقعے ہیں۔ پہلی عورت برکہ ام ایمن ہیں اور دوسری عورت برکہ ام یوسف ہیں۔

(نسیم الریاض ج ۱ ص ۳۶۳، مطبوعہ دارالفکر، بیروت)

ملا علی قاری نے بھی تسلیم کیا ہے کہ یہ دو الگ واقعہ ہیں۔ (شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۱ ص ۳۶۳، مطبوعہ دارالفکر، بیروت)

جب یہ واضح ہو گیا کہ یہ دو واقعہ ہیں اور یہ قول کہ میں نے لاعلمی میں پیا تھا حضرت برکہ ام ایمن کا ہے اور حضرت برکہ ام یوسف کے واقعہ میں یہ قول نہیں ہے کہ میں نے لاعلمی میں پیا تھا، اس لیے ملا علی قاری کا مطلقاً یہ کہنا درست نہیں ہے کہ پینے والوں نے عمداً اور بلاضرورت نہیں پیا۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خون پینے کے بھی متعدد واقعات ہیں۔ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم سے نکلا ہوا خون پیا، ان میں ابوطیبہ نام کے فصد لگانے والے ہیں اور قریش کا ایک لڑکا ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فصد لگائی تھی اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خون پیا، یہ روایات بزار، طبرانی، حاکم، بیہقی اور ابونعیم کی حلیہ میں ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے آپ کے جسم سے نکلا ہوا خون پیا۔

(شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۱ ص ۳۶۱، مطبوعہ دارالفکر، بیروت)

ان احادیث میں سے کسی میں یہ مذکور نہیں ہے کہ انہوں نے لاعلمی میں خون پیا، صرف حضرت ام ایمن کی روایت سے ''لا اشعر'' کا لفظ دیکھ کر مطلقاً یہ کہنا کہ ''حضور دوبارہ پینے سے اس وقت منع کرتے جب پینے والوں نے بلاضرورت اور عمداً پیا ہوتا'' سخت مغالطہ آفرینی ہے۔

اس کے بعد ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ: سالم بن ابی الحجاج نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فصد لگائی اور خون پی لیا تو آپ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ ہر خون حرام ہے اور ایک روایت میں ہے کہ دوبارہ نہ پینا کیونکہ ہر خون حرام ہے۔

ہر خون کا حرام ہونا اور اسی طرح آپ کے خون کا بھی حرام ہونا طہارت کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ یہ حرمت کرامت کی بناء پر ہے نجاست کی بناء پر نہیں ہے، دراصل اس عبارت سے ملا علی قاری، قاضی عیاض پر یہ رد کرنا چاہتے ہیں کہ قاضی عیاض نے یہ استدلال کیا تھا کہ اگر آپ کے فضلات نجس ہوتے تو آپ کسی کو دوبارہ پینے سے منع کرتے، سو ملا علی قاری نے ابن عبدالبر کے حوالے سے یہ لکھا کہ ایک روایت میں ہے: ''لا تعد فان الدم کله حرام''۔ ''دوبارہ نہ پینا کیونکہ ہر خون حرام ہے'' اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے ابن عبدالبر کی کتاب کو دیکھا اس میں سالم کے تذکرہ میں فصد کا یہ واقعہ مذکور ہے لیکن ''لا تعد فان الدم کله حرام'' کا ذکر نہیں ہے اور ملا علی قاری کے استدلال کا مرکزی نکتہ یہی ہے، ابن عبدالبر کی اصل عبارت یہ ہے:

(سالم) رجل من الصحابة حجم النبی صلی اللہ علیہ وسلم سالم ایک صحابی ہیں، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فصد لگائی اور فصد

وشرب دم الحجم فقال له رسول الله ﷺ اما علمت ان الدم کله حرام۔ کا خون پی لیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ ہر خون حرام ہے۔

(استیعاب علی ہامش الاصابہ ج ۲ ص ۷، دار الفکر، بیروت)

علامہ ابن عبد البر نے ''فی روایۃ لا تعد'' نہیں لکھا، اور اگر ملا علی قاری کا مطلب یہ ہے کہ کسی اور نے لکھا ہے یا کسی اور روایت میں ہے تو ملا علی قاری نے اس کا حوالہ نہیں دیا اور جو چیز مذاہب اربعہ کے جمہور علماء کا مختار ہو اور مستند احادیث سے ثابت ہو اس کو ایک بے سند اور مجہول روایت کی بنیاد پر مسترد نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ ملا علی قاری پر رحم فرمائے، ہو سکتا ہے کہ اس تمام بحث سے ان کا مقصود یہ ہو کہ فضلات کریمہ کی طہارت ایک ظنی مسئلہ ہے اس پر کوئی دلیل قطعی نہیں ہے، کیونکہ جن وجوہ سے استدلال کیا گیا ہے ان پر اعتراضات ہو سکتے ہیں، ملا علی قاری کی طرف سے اس توجیہ کی وجہ یہ ہے کہ ملا علی قاری نے اپنی دوسری تصانیف میں اس کے برخلاف لکھا ہے۔

فضلات کریمہ سے متعلق بعض احادیث کی فنی حیثیت اور اس مسئلہ میں جمہور علماء کا موقف !!!

ملا علی قاری حنفی شرح شمائل ترمذی میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کے فضلات کے متعلق امام طبرانی نے سند حسن یا سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ کو بیت الخلاء میں جاتے ہوئے دیکھتی ہوں، پھر جو شخص آپ کے بعد بیت الخلاء میں جاتا ہے وہ آپ سے خارج ہونے والی کسی چیز کا کوئی اثر نہیں دیکھتا، آپ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تم نہیں جانتیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو یہ حکم دیا ہے کہ انبیاء سے جو کچھ خارج ہو وہ اس کو نگل لے، اس حدیث کو امام ابن سعد نے ایک اور سند سے روایت کیا ہے اور امام حاکم نے مستدرک میں ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے۔ علامہ ابن حجر نے یہ کہا ہے کہ امام بیہقی کا یہ کہنا کہ یہ حدیث حسن بن علوان کی موضوعات میں سے ہے اور اس کا ذکر مناسب نہیں ہے، کیونکہ احادیث صحیحہ مشہورہ میں نبی ﷺ کے اس قدر معجزات کا ذکر ہے جو حسن بن علوان کے کذب سے مستغنی کر دیتے ہیں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۷۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

امام بیہقی کی یہ عبارت بالخصوص ابن علوان کے روایت کردہ متن پر محمول ہے اور وہ یہ ہے: ''کیا تم نہیں جانتیں کہ ہمارے اجسام ارواح اہل جنت کے مطابق پیدا ہوئے ہیں اور جو کچھ ان سے نکلتا ہے اس کو زمین نگل لیتی ہے''۔ یا اس حدیث پر موضوع کا حکم لگانا صرف ابن علوان کی سند کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسری جن سندوں سے یہ حدیث مروی ہے ان پر موضوع کا حکم نہیں ہے، یا امام بیہقی ان اسانید پر مطلع نہیں ہوئے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے (یعنی امام طبرانی، امام ابن سعد، اور امام حاکم کی ذکر کردہ اسانید)، اور یہ جواب زیادہ ظاہر ہے۔

امام بیہقی کا یہ تبصرہ براز کے متعلق تھا، اور پیشاب کا تو بہت صحابہ نے مشاہدہ کیا ہے، آپ کی خادمہ برکہ ام ایمن نے آپ کا پیشاب پیا، اور حضرت ام حبیبہ کی خادمہ برکہ ام یوسف نے آپ کا پیشاب پیا، آپ کا ایک لکڑی کا پیالہ تھا جو آپ کے تخت کے نیچے رکھا جاتا تھا، آپ اس میں پیشاب کرتے تھے، اور دوسری برکہ نے اس کو پی لیا، تو آپ نے ان سے فرمایا: اے ام یوسف! تم تندرست ہو گئیں، اور وہ مرض موت کے سوا پھر کبھی بیمار نہیں ہوئیں اور پہلی برکہ سے یہ روایت ہے کہ رات کو رسول اللہ ﷺ نے

گھر کی ایک جانب رکھے ہوئے ٹھیکرے میں پیشاب کیا، وہ کہتی ہیں کہ میں رات کو پیاس سے اٹھی اور جو کچھ اس ٹھیکرے میں موجود تھا میں نے اس کو پی لیا اور مجھ کو پتا نہیں چلا (کہ یہ پیشاب ہے)، صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام ایمن جو کچھ اس ٹھیکرے میں ہے اس کو پھینک دو، میں نے کہا: بہ خدا! جو کچھ اس میں تھا میں نے پی لیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں، پھر آپ نے فرمایا: سنو! خدا کی قسم! تمہارے پیٹ میں کبھی درد نہیں ہوگا، علامہ ابن حجر نے کہا: ہمارے ائمہ متقدمین اور دوسرے ائمہ کی ایک جماعت نے ان احادیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات طاہر ہیں اور متاخرین کی ایک جماعت کا بھی یہی مختار ہے اور طہارت فضلات پر بکثرت دلائل ہیں اور ائمہ نے اس کو آپ کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۲۷۲، مطبوعہ لاہور) ایک قول یہ ہے کہ اس کا سبب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر آپ کے باطن کو دھونا ہے۔
(جمع الوسائل ج ۲ ص ۳۔۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی)

۶۲۸۲، ۶۲۸۳۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا ذَهَبَ إِلَى قُبَاءٍ يَدْخُلُ عَلَى أُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ فَتُطْعِمُهُ وَكَانَتْ تَحْتَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ فَدَخَلَ يَوْمًا فَأَطْعَمَتْهُ فَنَامَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم ثُمَّ اسْتَيْقَظَ يَضْحَكُ قَالَتْ فَقُلْتُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللهِ يَرْكَبُونَ ثَبَجَ هَذَا الْبَحْرِ مُلُوكًا عَلَى الْأَسِرَّةِ أَوْ قَالَ مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ شَكَّ إِسْحَاقُ قُلْتُ ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ فَدَعَا ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ فَنَامَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ يَضْحَكُ فَقُلْتُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللهِ يَرْكَبُونَ ثَبَجَ هَذَا الْبَحْرِ مُلُوكًا عَلَى الْأَسِرَّةِ أَوْ مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ فَقُلْتُ ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ فَرَكِبَتِ الْبَحْرَ زَمَانَ مُعَاوِيَةَ فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا حِينَ خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ فَهَلَكَتْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قباء کی طرف جاتے تو حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے۔ اور وہ آپ کو کھانا کھلاتیں، اور وہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، ایک دن آپ ان کے گھر گئے تو انہوں نے کھانا کھلایا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے اور پھر آپ ہنستے ہوئے بیدار ہوئے، انہوں نے کہا: میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کو کس چیز نے ہنسایا؟ آپ نے فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ مجھ پر پیش کیے گئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے اس سمندر کے وسط میں تخت کے اوپر سوار ہو رہے تھے جیسے بادشاہوں کے تخت ہوتے ہیں، یا فرمایا جیسے بادشاہ اپنے تختوں پر ہوتے ہیں، راوی اسحاق کو شک ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے کر دے۔ سو آپ نے دعا کی، پھر آپ نے اپنا سر رکھا اور پھر سو گئے۔ پھر آپ ہنستے ہوئے بیدار ہوئے، میں نے پوچھا: آپ کو کیا چیز ہنساتی ہے یا رسول اللہ! فرمایا: میری امت میں سے کچھ لوگ مجھ پر پیش کیے گئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوں گے اور اس سمندر کے اندر تختوں پر اس طرح

سوار ہوں گے جس طرح بادشاہ تختوں پر بیٹھتے ہیں یا فرمایا: بادشاہوں کی مثل تختوں پر ہوں گے۔ میں نے عرض کیا: آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے کردے۔ آپ نے فرمایا: تم پہلوں میں سے ہو۔ پھر حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سمندر میں سوار ہوئیں، جب وہ سمندر سے نکلیں تو ان کی سواری نے ان کو گرا دیا، پس وہ فوت ہوگئیں۔

(صحیح بخاری: ۲۷۸۸، ۲۸۰۰، ۲۸۷۸، ۲۸۹۵، ۲۹۲۴، ۶۲۸۳، ۷۰۰۲، صحیح مسلم: ۱۹۱۲، سنن ترمذی: ۱۶۴۵، سنن نسائی: ۳۱۷۱، سنن ابوداؤد: ۲۴۹۰، سنن ابن ماجہ: ۲۷۷۶، مسند احمد: ۱۳۳۷۹، موطا امام مالک: ۱۰۱۱، سنن دارمی: ۲۴۲۱)

صحیح البخاری: ۶۲۸۲۔ ۶۲۸۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب الجہاد کے باب "فضل من یصرع فی سبیل اللہ" اور باب "غزوۃ المرأۃ فی البحر" میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ام حرام"۔ یہ بنت ملحان ہیں۔ اور یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خالہ ہیں۔ (اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی رضاعی خالہ تھیں)۔ ابن الکلبی نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ غزوہ ۲۸ھ میں ہوا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۲۔ ۶۲۸۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں مذکور ہے کہ میری امت کے مجاہدین سمندر میں تخت پر اس طرح سوار ہوں گے جیسا کہ بادشاہ سوار ہوتے ہیں، یعنی جس طرح بادشاہوں کا دنیا میں حال ہوتا ہے کہ ان پر دنیا وسیع ہوتی ہے اور ان کے ہتھیار بہت ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ ہوں گے۔

(۲) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان مجاہدین کو پیش کیا گیا ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں ان کے حال پر مطلع کیا گیا ہو کہ وہ اس طریقہ سے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔

(۳) اس حدیث میں عورتوں کے جہاد کرنے کی دلیل ہے۔ امام مالک نے بڑے لشکروں میں اس کی اجازت دی ہے۔

(۴) اس حدیث میں مذکور ہے "ثبج البحر" اس کا معنی ہے: وسط البحر۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۳۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۲۔ ۶۲۸۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کی وفات کے متعلق مختلف روایات

امام بخاری کی روایت میں ہے کہ جب حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا سمندر سے نکلیں تو وہ اپنی سواری سے گر گئیں اور فوت ہو گئیں۔ اور اللیث کی روایت میں ہے کہ جب مجاہدین اپنے غزوہ سے شام کی طرف لوٹے تو حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کی طرف ایک سواری لائی گئی تا کہ وہ اس سواری پر سوار ہوں تو وہ اس سواری سے گر گئیں اور فوت ہو گئیں۔ اور امام احمد نے زید سے روایت کی ہے کہ ان کو ایک سفید خچر نے گرا دیا، پس وہ گر گئیں اور فوت ہو گئیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ فوت ہو گئیں۔ اور ان میں اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ سفید خچر ان کے قریب لایا گیا تا کہ وہ اس پر سوار ہوں، تو وہ سوار ہونے کے لیے (چڑھنے لگیں) شروع ہوئیں تو گر گئیں اور ان کی گردن ٹوٹ گئی، پس وہ فوت ہو گئیں۔

اور اللیث کی روایت کا حاصل یہ ہے کہ یہ واقعہ شام کے ساحل میں ہوا جب وہ سمندر سے نکلیں غزوۂ قبرس سے لوٹنے کے بعد۔ لیکن ابن ابی عاصم نے کتاب الجہاد میں از ہشام بن عمار از یحییٰ بن حمزہ، حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے قصہ میں بیان کیا ہے کہ حضرت عبادہ حمص کے ساحل پر اترے۔ اور ہشام بن عمار نے کہا: میں نے ام حرام کی قبر حمص کے ساحل میں دیکھی ہے۔ اور ایک جماعت نے وثوق سے کہا کہ ان کی قبر جزیرہ قبرس میں ہے۔ اور ابن حبان نے اس حدیث کی روایت بیان کرنے کے بعد لیث بن سعد کی سند سے کہا ہے کہ ام حرام کی قبر بحر روم میں ہے جس کو قبرس کہا جاتا ہے۔

اور ابن عبد البر نے وثوق سے کہا ہے کہ جب وہ سمندر سے قبرس کی طرف نکلیں تو ان کے پاس ایک سواری لائی گئی، پس اس سواری نے ان کو گرا دیا۔ اور امام طبری نے الواقدی کی سند سے کہا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی فتح کے بعد ان سے صلح کر لی تھی کہ اب وہ ہر سال سات ہزار دینار دیا کریں گے۔ جب انہوں نے وہاں سے نکلنے کا ارادہ کیا تو حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے پاس ایک سواری لائی گئی تا کہ وہ اس پر سوار ہوں۔ وہ سواری سے گر گئیں پس فوت ہو گئیں۔ ان کی قبر وہاں پر ہے، ان کی قبر کے پاس بارش کے لیے دعا کی جاتی ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ ایک نیک عورت کی قبر ہے۔ اس بناء پر شاید ہشام بن عمار کی مراد یہ ہے کہ میں نے ان کی قبر کو ساحل پر دیکھا تھا یعنی جزیرہ قبرس کے ساحل پر دیکھا تھا۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں جہاد کی ترغیب ہے اور جہاد پر برانگیختہ کرنا ہے اور مجاہد کی فضیلت ہے۔

(۲) اس میں جہاد کے لیے سمندر کے سفر کا جواز ہے اور یہ گزر چکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمندر کے سفر سے منع کرتے تھے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت دے دی۔ علامہ ابوبکر ابن العربی نے کہا: پھر عمر بن عبد العزیز نے سمندر کے سفر سے منع کیا اور پھر بعد میں اس کی اجازت دے دی، اور اسی پر معاملہ مستقر ہو گیا۔ اور منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حج اور عمرہ کے بغیر سمندر کے سفر سے منع فرمایا تھا۔

اور علامہ ابن عبدالبر نے نقل کیا ہے کہ جب سمندر موجزن ہو تو پھر سمندر کا سفر کرنا حرام ہے۔ اور امام مالک نے عورتوں کے لیے سمندر کے سفر سے مطلقاً منع کیا ہے، انہیں خوف تھا کہ عورتیں مردوں کی شرمگاہوں پر مطلع ہو جائیں گی کیونکہ وہاں پر اس سے بچنا مشکل ہے۔ اور ان کے اصحاب نے کہا: یہ چھوٹی کشتیوں کے متعلق امام مالک کا قول ہے لیکن جو بڑی کشتیاں اور جہاز ہوں جس میں پردے کا اہتمام ممکن ہو تو پھر عورتوں کے لیے سمندری سفر میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۳) اس حدیث میں شہادت کی تمنا کا جواز ہے اور میں نے باب الشہداء میں ذکر کیا ہے کہ کئی لوگوں پر شہداء کا اطلاق ہوتا ہے خواہ وہ قتل نہ کیے گئے ہوں۔

(۴) اور اس حدیث میں قیلولہ کرنا یعنی دوپہر کے وقت سونے کا جواز ہے، کیونکہ اس سے رات کے قیام میں مدد ملتی ہے۔

(۵) اور ہر امام کے ساتھ جہاد کرنا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ قیصر میں جہاد کرنے والوں کی مدح فرمائی ہے اور اس غزوہ کا امیر یزید بن معاویہ تھا۔

(۶) بعض شارحین نے کہا ہے کہ اس حدیث میں قیامت تک مجاہدین کی فضیلت ہے۔

(۷) ہم سے ابن وہب نے کہا کہ ام حرام رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالاؤں میں سے ایک تھیں، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس قیلولہ کرتے تھے اور ان کی گود میں سر رکھ کے سوتے تھے اور وہ آپ کے سر میں جوئیں دیکھتی تھیں۔

میں کہتا ہوں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں جوئیں نہیں ہو سکتیں۔ آپ طیب و طاہر تھے اور صاف ستھرے رہتے تھے اور جوئیں میل کچیل سے اور پسینہ کی بدبو سے پیدا ہوتی ہیں، اس لیے آپ کا سر جوؤں سے پاک تھا۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا اپنی عادت کے مطابق آپ کے سر کو سہلاتی تھیں جس کو راوی نے جوئیں دیکھنے سے تعبیر کیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اکثر علماء کے نزدیک حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ اور محرم ہونا

(۸) ابن عبدالبر نے کہا کہ جو صورت بھی ہو حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محرم تھیں۔ اور المہلب نے ابن وہب سے نقل کیا ہے کہ وہ آپ کے باپ یا دادا کی خالہ تھیں۔ اور ابن الجوزی نے کہا: میں نے بعض حفاظ سے سنا ہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا حضرت آمنہ بنت وہب کی رضاعی بہن تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ تھیں۔

اور ابن عربی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے معصوم تھے کہ آپ کو آپ کی زوجہ کے علاوہ اور کسی پر شہوت آئے اور آپ ہر فعل قبیح سے مبرأ تھے اور ہر قبیح بات سے منزہ تھے۔ پس حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کا آپ کے سر کے بالوں کو دیکھنا یہ آپ کی خصوصیت تھی۔ پھر کہا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حجاب سے پہلے کا واقعہ ہو۔ اور اس قول کو رد کیا گیا ہے کہ یہ واقعہ یقینی طور پر حجاب کے بعد کا ہے، کیونکہ یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔

قاضی عیاض نے خصوصیت کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ خصائص احتمال سے ثابت نہیں ہوتے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معصوم ہونا مسلم ہے لیکن اصل یہ ہے کہ خصوصیت نہ ہو۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام افعال کی اقتداء کرنا جائز ہے حتیٰ کہ کسی فعل کا خصوصیت ہونا دلیل سے ثابت ہو۔

علامہ دمیاطی کا حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کا آپ کی رضاعی خالہ ہونے کا انکار کرنا

علامہ دمیاطی نے کہا: جس نے بھی یہ زعم کیا کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی یا نسبی خالاؤں میں سے ایک تھیں، وہ اس بات کو بھول گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبی مائیں اور رضاعی مائیں تو معلوم ہیں اور ان میں سے کوئی بھی انصار میں سے نہیں تھیں اور حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا انصار میں سے تھیں، سوائے ام عبد المطلب کے۔اور یہ سلمہ بنت عمرو بن زید بن لبید بن خراش بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار ہیں۔اور حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا، یہ بنتِ ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم ہیں۔پس حضرت ام حرام اور حضرت سلمہ رضی اللہ عنہما صرف عامر بن غنم میں جمع ہوتی ہیں جو ان کے جدِ اعلیٰ ہیں۔اور اس وجہ سے خالہ ہونا محرمیت کو ثابت نہیں کرتا، کیونکہ ان کا خالہ ہونا مجازی ہے اور یہ ایسا ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا کہ یہ میرے ماموں ہیں، کیونکہ وہ بنی زہرہ سے تھے اور وہ حضرت سیدہ آمنہ کے رشتہ دار تھے جو آپ کی والدہ تھیں۔اور حضرت سعد حضرت آمنہ کے بھائی نہیں تھے نہ نسب سے اور نہ رضاع سے۔پھر علامہ دمیاطی نے کہا: جب یہ مقرر ہو گیا تو حدیثِ صحیح میں ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات کے سوا کسی عورت کے پاس نہیں جاتے تھے سوائے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے۔آپ سے ان کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: میں ان پر رحم کرتا ہوں کیونکہ ان کا بھائی میرے ساتھ جہاد میں حاضر ہوا اور شہید ہوا، یعنی حرام بن ملحان اور وہ بئر معونہ کے دن شہید کیے گئے تھے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ قصۂ جہاد میں باب ''فضل من جهز غازيا'' میں یہ بات گزر چکی ہے۔اور میں نے وہاں پر یہ بات واضح کی ہے کہ ایک طرف تو صحیح حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے سوا کسی عورت کے پاس نہیں جاتے تھے اور اس باب کی حدیث میں ہے کہ آپ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے تھے۔اس میں تطبیق اس طرح سے ہے کہ حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حرام رضی اللہ عنہما دونوں بہنیں تھیں اور دونوں ایک گھر میں رہتی تھیں اور حرام بن ملحان ان دونوں کے بھائی تھے، پس علت دونوں میں مشترک تھی۔اور اگر ام عبد اللہ بنت ملحان کا قصہ ثابت ہو جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے تو اس میں بھی وہی قول ہوگا جو حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے متعلق قول ہے۔اور اس علت کے ساتھ یہ بات بھی ملے گی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے۔اور یہ عادت جاری ہے کہ مخدوم اور خادم، اور خادم کے اہل مل جل کر رہتے ہیں۔

پھر علامہ دمیاطی نے کہا: اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے جو اس پر دلالت کرے کہ آپ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے ساتھ تنہائی میں ملتے تھے، ہو سکتا ہے اس وقت حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کا بیٹا بھی ہو یا خادم ہو یا شوہر ہو یا کوئی اور تابع ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ احتمال قوی ہے لیکن اصل اشکال کو دور نہیں کرتا، کیونکہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لمس کرنا ثابت ہے کہ وہ آپ کی جوئیں دیکھتی تھیں اور بہترین جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس تنہائی میں جانا یہ آپ کی خصوصیت ہے۔اور اس پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ خصوصیت بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ دلیل اس پر واضح ہے۔(فتح الباری ج ۷ ص ۳۴۷۔۳۵۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ ہونے یا نہ ہونے کے متعلق حرف آخر

میں کہتا ہوں: علامہ ابن عربی، علامہ الدمیاطی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے سوا سب مستند علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ تھیں اور محرم تھیں۔ لیکن علامہ الدمیاطی نے دلائل سے واضح کیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ نہیں تھیں اور نہ نسبی خالہ تھیں، کیونکہ آپ کی نسبی اور رضاعی خالہ سب مہاجرات میں سے تھیں اور حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا انصار میں سے تھیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے پاس خلوت میں جانا صرف آپ کی خصوصیت ہے۔

صحیح البخاری: ۶۲۸۳، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

راجح یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے پاس خلوت میں جانا آپ کی خصوصیت تھی۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ باب خصوصیت سے ہے حتیٰ کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کا رضاعی خالہ ہونا ثابت ہو اور اصل یہ ہے کہ یہ ثابت نہیں ہے۔ پس زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ باب خصوصیت سے ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ کے لیے چار سے زیادہ ازواج سے نکاح کرنا جائز ہے، تو اسی طرح نکاح اور محرمیت کے متعلق بھی آپ کے وہ خصائص ہیں جو دوسروں کے لیے ثابت نہیں ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے یہ ہے کہ صحابہ آپ کے آثار اور فضلات طاہرہ سے تبرک حاصل کرتے تھے، جیسا کہ وہ آپ کے تھوک اور بلغم سے تبرک حاصل کرتے تھے۔ اور آپ کے پسینہ اور لعاب دہن اور کپڑوں اور بالوں سے تبرک حاصل کرتے تھے۔

حدیث مذکور کے دیگر فوائد

(۱) اس حدیث میں دن میں قیلولہ کرنے اور سونے کا جواز ہے، کیونکہ اس سے رات کے قیام پر مدد حاصل ہوتی ہے۔

(۲) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو چیز بدن کو ایذاء پہنچائے جیسے جوئیں، ان کو بدن سے نکالنا جائز ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں جوئیں اپنی عادت کے مطابق دیکھتی تھیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فی الواقع آپ کے سر میں جوئیں تھیں، کیونکہ جوئیں میل کچیل، گندگی اور پسینہ کی بدبو سے پیدا ہوتی ہیں اور آپ کا جسم مبارک ان تمام آلائشوں سے مبرا اور منزہ تھا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر امام کے ساتھ جہاد کرنا مشروع ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ قیصر کے خلاف جہاد کرنے والوں کی مدح فرمائی اور اس غزوہ کا امیر یزید بن معاویہ تھا۔

(۴) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد خبریں اور پیش گوئیاں ہیں جو بعد میں اسی طرح واقع ہوئیں جس طرح آپ نے فرمایا تھا اور ان کو نبوت کی علامات میں سے شمار کیا گیا ہے۔ ان میں سے یہ ہے کہ آپ کی امت آپ کے بعد بھی باقی رہے گی اور یہ کہ آپ کی امت میں بہت قوی مرد ہوں گے جو دشمن پر غلبہ پائیں گے۔ اور یہ کہ وہ شہروں پر قبضہ کریں گے حتیٰ کہ سمندر کے راستہ سے جہاد کریں گے۔ اور یہ کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا اس زمانہ تک زندہ رہیں گی اور ان صحابہ کے ساتھ ہوں گی جو سمندر کے راستہ جہاد کریں گے۔ اور یہ کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا دوسرے غزوہ کو نہیں پائیں گی بلکہ پہلے غزوہ میں فوت ہو جائیں گی۔

(۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو نعمت تازہ ملی ہو اس پر ہنسنا اور خوش ہونا جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے ہنسے کہ آپ کی امت آپ کے بعد جہاد کرے گی اور اللہ تعالیٰ ان کو اس پر ثواب عطا فرمائے گا۔

(۶) بعض علماء نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے ہنسے تھے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مہمان کا اپنے گھر کے علاوہ دوسرے کے گھر میں رہنا جائز ہے جب کہ اجازت لے لی ہو اور فتنہ سے مامون ہو اور اجنبی عورت کا مہمان کی خدمت کرنا اور اس کو کھانا کھلانا یہ جائز ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس باب میں دوسروں کے مساوی نہیں ہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتنہ سے بہت دور ہیں اور بہت مامون ہیں۔ اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کا اجنبی عورت کو دیکھنا جائز ہے اور اس کے ساتھ خلوت کرنا جائز ہے اور آپ کا باتیں کرنا بھی جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ آپ کے سر میں جوئیں دیکھے اور اس باب میں جو دوسرے کام ہیں۔ (شرح صحیح البخاری، ج ۶ ص ۱۱۰۔ ۱۱۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۴۲۔ بَابُ: اَلْجُلُوسِ كَيْفَمَا تَيَسَّرَ — جس طرح آسانی ہو بیٹھنے کا جواز

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس طرح آسانی ہو اس طرح بیٹھنا جائز ہے۔ اور اس سے اس کو مستثنیٰ کیا جائے گا جس کی ممانعت کی گئی ہے، جیسا کہ اس باب کی حدیث میں آ رہا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۸۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضي الله عنه قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ لِبْسَتَيْنِ وَعَنْ بَيْعَتَيْنِ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ وَالِاحْتِبَاءِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ لَيْسَ عَلَى فَرْجِ الْإِنْسَانِ مِنْهُ شَيْءٌ وَالْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ تَابَعَهُ مَعْمَرٌ وَمُحَمَّدُ بْنُ أَبِي حَفْصَةَ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ بُدَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الزہری، از عطاء بن یزید اللیثی از حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قسم کے لباسوں اور دو قسم کی بیع سے منع فرمایا ہے۔ ''اشتمال الصماء'' سے منع فرمایا، اور ایک کپڑے کے ساتھ احتباء سے منع فرمایا، جب کہ انسان کی شرمگاہ پر کوئی کپڑا نہ ہو، اور (بیع میں) ''الملامسہ'' اور ''المنابذہ'' سے منع فرمایا۔

سفیان کی متابعت معمر اور محمد بن ابی حفصہ اور عبداللہ بن بدیل نے زہری سے کی ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۶۷، ۱۹۹۱، ۲۱۴۴، ۲۱۴۷، ۵۸۲۰، ۵۸۲۲، ۶۲۸۴، سنن نسائی: ۵۳۴۱، سنن ابوداؤد: ۲۴۱۷، سنن ابن ماجہ: ۳۵۵۹، مسند احمد: ۱۰۷۱۰)

صحیح البخاری: ۶۲۸۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ باب کے عنوان میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس طرح آسانی سے بیٹھا جا سکے اس طرح بیٹھنا جائز ہے۔ اور اس حدیث کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ دو قسم کے لباسوں یعنی ''اشتمال الصماء'' اور ''الاحتباء'' جب کہ شرم گاہ ڈھکی ہوئی نہ ہو، کے سوا بیٹھنے کی حالت ممنوع نہیں ہے، کیونکہ اصل یہ ہے کہ ماسوا میں ممانعت نہیں ہے اور اصل ہر ہیئت اور ہر لباس میں جواز ہے جب کہ شرمگاہ ڈھکی ہوئی ہو۔ اور طاؤس سے روایت ہے کہ آلتی پالتی مار کر بیٹھنا بھی مکروہ ہے، کیونکہ یہ ہلاک کرنے والی بیٹھنے کی حالت ہے۔

میں کہتا ہوں: طاؤس کی یہ روایت صحیح نہیں ہے، کیونکہ سنن ابوداؤد میں یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آلتی پالتی مار کر بیٹھتے تھے یعنی چارزانو بیٹھتے تھے:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھ لیتے تو اپنی مجلس میں چارزانو بیٹھتے حتیٰ کہ سورج حسین صورت میں نکل آتا۔ (سنن ابوداؤد: ۴۸۵۰، صحیح مسلم: ۶۷۰، سنن ترمذی: ۵۸۵، سنن نسائی: ۱۳۵۶)

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ حدیث کتاب البیوع میں از عیاش از عبدالاعلیٰ از معمر گزر چکی ہے اور اس پر تفصیلی بحث بھی گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''لبستین'' یعنی دو قسم کے پہناوے۔ ایک پہناوا ہے ''اشتمال الصماء'' اور وہ یہ ہے کہ کپڑے کو کسی ایک کندھے پر ڈال لیا جائے اور دوسری جانب ظاہر ہو جس پر کپڑا نہ ہو۔ (جیسے دیہاتوں میں لوگ پیچھے سے دھوتی اٹھا کر سر پر رکھ لیتے ہیں اور پیچھے کی شرمگاہ کھلی ہوتی ہے۔) اور دوسرا پہناوا ''الاحتباء'' ہے یعنی کوئی شخص سرین کو زمین پر ٹکا کر اکڑوں بیٹھا ہوا ہو اور اس کی شرمگاہ ڈھکی ہوئی نہ ہو (یعنی تہبند کھلا ہوا ہو)۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''الملامسة'' یعنی ایک شخص دوسرے شخص کے کپڑے کو رات یا دن کے وقت چھوئے اور کہے جس چیز کو میں نے چھو لیا اس کی بیع واجب ہو جائے گی۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''المنابذة'' یعنی ایک شخص دوسرے کی طرف کپڑا پھینک دے اور وہ اس کی طرف کپڑا پھینک دے اور یہ ان کے درمیان کپڑوں کو دیکھے بغیر بیع ہو جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۴، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''الصماء'' اور ''الاحتباء'' کے بغیر دوسرے لباس پہننے کا جواز

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ ھ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو قسم کے لباسوں کی حالتوں سے منع فرمایا ہے، کیونکہ

دوسری حالتوں میں اور دوسرے لباسوں میں جب شرمگاہ ڈھکی ہوئی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور ان دو لباسوں سے نماز میں منع فرمایا ہے اور وہ ''الصماء'' اور ''الاحتباء'' کی کیفیت ہے، کیونکہ جب نماز میں انسان جھکے گا یا اٹھے گا تو اس کی شرمگاہ کے کھلنے کا خطرہ ہے۔ اور جب وہ بیٹھا ہوگا اور کچھ نہیں کرے گا اور اپنے ہاتھوں سے تصرف نہیں کرے گا تو اس کی شرمگاہ ڈھکی ہوئی ہوگی اور اس صورت میں لباس کی ان حالتوں میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے صحن میں ''احتباء'' کی ہیئت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
علامہ ابن ملقن نے علامہ ابن بطال کی شرح کو من وعن نقل کر دیا ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۳۹ ملخصا و ملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی کی شرح پر حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا تعاقب

علامہ المہلب مالکی نے لکھا ہے کہ ''الصماء'' اور ''الاحتباء'' کی حالتوں میں جب نمازی جھکے یا اوپر اٹھے تو اس کی شرمگاہ مستور نہیں رہے گی۔ لیکن جو غیر نماز میں بیٹھا ہو اور کچھ نہ کر رہا ہو اور اپنے ہاتھوں سے تصرف نہ کرے تو اس کی شرمگاہ نہیں کھلتی اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور ''باب الاحتباء'' میں یہ گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحنِ کعبہ میں احتباء کی کیفیت سے بیٹھے تھے۔
حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علامہ المہلب مالکی رحمۃ اللہ علیہ اس بات سے غافل رہے کہ یہ قید تو نفسِ حدیث میں مذکور ہے، کیونکہ حدیث میں ہے ''ایک کپڑے میں احتباء اس وقت ممنوع ہے جب اس کی شرمگاہ پر کوئی کپڑا نہ ہو''۔ اور کتاب اللباس کے ''اشتمال الصماء'' کے باب میں یہ گزر چکا ہے کہ ''الصماء'' یہ ہے کہ کپڑے کی ایک طرف اس کے ایک کندھے پر ہو اور دوسرا کندھا اور دوسری جانب اس کی کھلی ہوئی اور ظاہر ہو۔ اور شرمگاہ کا ستر کرنا ہر حالت میں مطلوب ہے۔ ہر چند کہ وہ نماز کی حالت میں زیادہ مؤکد ہے، کیونکہ سترِ عورت کے ترک سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔
اور علامہ ابن بطال نے ابن طاؤس سے نقل کیا ہے کہ چارزانو بیٹھنا ممنوع ہے۔ اور اس پر یہ تعاقب کیا گیا ہے کہ امام مسلم اور ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز پڑھتے تو مجلس میں چارزانو بیٹھتے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جاتا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۵۱، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۴، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس طرح بیٹھنے میں سہولت ہو، اس طرح بیٹھنے کا جواز

امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ جس طرح بیٹھنے میں سہولت ہو اس طرح بیٹھنے کا جواز ہے۔ اس میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق جگہ کے ساتھ ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق ہیئت اور کیفیت کے ساتھ ہو اور یہ دونوں باتیں صحیح ہیں۔ جگہ میں اس لیے صحیح ہے، کیونکہ انسان کو کبھی آخر میں بیٹھنا میسر ہوتا ہے اور کبھی درمیان میں بیٹھنا میسر ہوتا ہے اور کبھی اول میں بیٹھنا میسر ہوتا ہے، سو جس طرح اس کو بیٹھنا میسر ہو تو وہ اس طرح بیٹھ جائے اور نہ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالے اور نہ دوسروں کو۔ اور ہیئت اور حالت میں بھی یہی حکم ہے۔ وہ اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالے، کیونکہ کبھی انسان کو صرف اسی صورت میں راحت ہوتی ہے جب وہ چار زانو بیٹھے، یا وہ اپنے پیر بچھا کر بیٹھے، کیونکہ ہمیں یہ قاعدہ حاصل ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے نفس کے اوپر آسانی کرے اور اپنے آپ کو سہولت میں رکھے جس قدر سہولت حاصل ہو سکے، سوا ان چیزوں کے جن چیزوں کو اللہ عزوجل نے حرام فرما دیا ہے۔

پھر اس کے بعد امام بخاری نے یہ حدیث ذکر کی کہ رسول اللہ ﷺ نے دو قسم کے پہناووں اور دو قسم کی بیع سے منع فرمایا ہے۔ پہناوے "اشتمال الصماء" اور ایک کپڑے میں "الاحتباء" ہیں۔

"اشتمال الصماء" کی تعریف

"اشتمال الصماء" یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو ایک کپڑے میں لپیٹ لے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو باہر نہ نکالے، یہ صورت جیسا کہ اہل علم نے کہا ہے اس لیے ممنوع ہے کہ اس صورت میں اگر اس پر کوئی اچانک حملہ کرے تو اپنے نفس سے دفاع کی طاقت نہیں رکھتا، اس لیے اس کا نام "الصماء" رکھا گیا ہے، کیونکہ اس لباس میں کوئی منفذ اور سوراخ نہیں ہوتا۔

ایک کپڑے میں "الاحتباء" کی تعریف

یہ بھی ممنوع ہے۔ اور اس کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ اپنی سرین کو جما کر اکڑوں بیٹھے گا اور گھٹنوں کو اپنے ہاتھوں کے حلقہ میں لے لے گا اور اس صورت کو احتباء کہتے ہیں، تو اس کی شرمگاہ اوپر سے کھل جائے گی، کیونکہ "الاحتباء" میں انسان اپنی پشت کو ایک کپڑے سے لپیٹ لیتا ہے اور وہ کپڑا اس کی پنڈلیوں پر بھی ہوتا ہے، اور جب وہ ایسا کرے گا تو اس کی شرمگاہ اوپر سے کھل جائے گی اور ظاہر ہو جائے گی اور بعض اوقات اس کی پیٹھ سے بھی کپڑا ڈھلک جائے گا۔ اسی لیے آپ نے فرمایا ہے کہ اس کی شرمگاہ پر کوئی چیز نہ ہو۔ لیکن اگر فرض کیا جائے کہ کوئی ایک کپڑا یا اس کا کوئی جزو اس کی شرمگاہ پر لپٹا ہوا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اب اس کی شرمگاہ کے کھلنے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

رہا دو قسم کی بیع! سو ایک "ملامسہ" ہے اور دوسری "منابذہ" ہے۔ اور ملامسہ "لمس" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے چھونا اور منابذہ "نبذ" سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: پھینکنا۔

ملامسہ کی ممانعت کی توجیہ

ملامسہ یہ ہے کہ ایک آدمی یہ کہے کہ تم نے جس کپڑے کو بھی چھو لیا تو وہ مثلاً تمہارے لیے سو روپے کا ہے، کیونکہ اس میں غرر اور دھوکا ہے۔ کیونکہ بسا اوقات وہ ایسے کپڑے کو چھو لیتا ہے جو سو ریال کا ہے اور وہ صرف اس کپڑے کو لینا چاہتا ہے جو ایک ریال کا ہو،

تو اب اس کی قیمت مجہول ہوگی۔ اسی طرح کبھی وہ اس کپڑے کو چھوتا ہے جو سفید یا سرخ ہے تو یہ مجہول العین ہے۔ تو ملامسہ میں یا قیمت مجہول ہوگی یا عین مجہول ہوگا، اس لیے ممنوع ہے۔

منابذہ کی ممانعت کی توجیہ

منابذہ مثلاً یہ ہے کہ وہ کہے کہ میں جو کپڑا ابھی تمہاری طرف پھینکوں وہ دس ریال کا ہے، یہ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ وہ مجہول العین بھی ہے اور مجہول الثمن بھی ہے۔ اور کبھی وہ ایسا کپڑا پھینک دیتا ہے جس کی مالیت ایک درہم بھی نہیں ہوتی اور اس کو وہ دس درہم میں بیچ رہا ہے۔ اور کبھی وہ سفید کپڑا پھینک دیتا ہے اور کبھی سرخ کپڑا پھینک دیتا ہے، اس میں جہالۃ العین ہے، اس لیے ممنوع ہے۔

(شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۱۶، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۴۳۔ بَابُ: مَنْ نَاجَى بَيْنَ يَدَيِ النَّاسِ وَمَنْ لَمْ يُخْبِرْ بِسِرِّ صَاحِبِهِ، فَإِذَا مَاتَ أَخْبَرَ بِهِ

جس نے لوگوں کے سامنے کسی کے ساتھ سرگوشی کی، اور جس نے اپنے صاحب کے راز کی خبر نہیں دی، پس جب اس صاحب کی وفات ہوگئی تو پھر اس کی خبر دی

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص نے کسی کے ساتھ سرگوشی کی، یعنی اس نے دوسرے سے خطاب کیا اور لوگوں کے سامنے اس کے ساتھ چپکے سے بات کی۔ اور اس باب کا دوسرا عنوان ہے کہ اس نے اپنے صاحب سے راز کی جو بات کی ہے تو اپنے صاحب کی حیات میں اس کی خبر کسی کو نہیں دی۔ اور جب اس کا صاحب فوت ہوگیا تو پھر اس نے دوسروں کو اس کی خبر دی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس باب کا عنوان دو اجزاء پر مشتمل ہے۔ اور امام بخاری نے اس کے حکم کو واضح نہیں کیا، کیونکہ اس حدیث سے اس کا حکم معلوم ہوجاتا ہے اور اس پر اکتفاء کرلی۔

پہلا جزو یہ ہے کہ ایک شخص کا ایک جماعت کے سامنے کسی سے راز کی کوئی بات کرنا، سو یہ جائز ہے۔ اور یہ اس باب سے نہیں ہے جس میں ایک آدمی دوسرے کے سامنے کسی سے چپکے سے کوئی بات کرے اور دوسرے کو نہ بتائے کہ کیا بات کی ہے، کیونکہ جب وہ ایک سے بات کرے گا اور دوسرے کو نہیں بتائے گا تو اس کو یہ خوف ہوگا کہ شاید میرے خلاف کوئی بات کر رہا ہے۔ لیکن جب وہ ایک جماعت کے سامنے کسی ایک بندے سے یا کسی ایک شخص سے چپکے سے کوئی بات کرے گا تو اس کو یہ خطرہ نہیں ہوگا کہ یہ میرے خلاف کوئی بات کر رہا ہے۔ سو جب ایک جماعت کے سامنے کسی ایک سے کوئی بات کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور دوسرا عنوان یہ ہے کہ جب اس کا صاحب فوت ہوجائے تو پھر وہ اس خبر کو بتا سکتا ہے، کیونکہ زندگی میں اس کا راز بتانا نامناسب تھا، کیونکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اگر بتادیتیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس وقت کیا راز کی بات کی ہے یعنی اپنی وفات کے وقت، تو آپ کی ازواج مطہرات بہت غمگین ہوتیں۔ اسی طرح اگر وہ یہ بتادیتیں کہ وہ تمام مومنین کی سردار ہیں، تب بھی ان کو شدید رنج ہوتا اور جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مطمئن ہوگئیں کہ اب کوئی حرج نہیں ہے تو انہوں نے اس کی خبر

دے دی۔ اور اسی سے اس حدیث کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۸۵، ۶۲۸۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَى عَنْ أَبِي عَوَانَةَ حَدَّثَنَا فِرَاسٌ عَنْ عَامِرٍ عَنْ مَسْرُوقٍ حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ قَالَتْ إِنَّا كُنَّا أَزْوَاجَ النَّبِيِّ ﷺ عِنْدَهُ جَمِيعًا لَمْ تُغَادَرْ مِنَّا وَاحِدَةٌ فَأَقْبَلَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ تَمْشِي لَا وَاللهِ مَا تَخْفَى مِشْيَتُهَا مِنْ مِشْيَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَلَمَّا رَآهَا رَحَّبَ قَالَ مَرْحَبًا بِابْنَتِي ثُمَّ أَجْلَسَهَا عَنْ يَمِينِهِ أَوْ عَنْ شِمَالِهِ ثُمَّ سَارَّهَا فَبَكَتْ بُكَاءً شَدِيدًا فَلَمَّا رَأَى حُزْنَهَا سَارَّهَا الثَّانِيَةَ فَإِذَا هِيَ تَضْحَكُ فَقُلْتُ لَهَا أَنَا مِنْ بَيْنِ نِسَائِهِ خَصَّكِ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالسِّرِّ مِنْ بَيْنِنَا ثُمَّ أَنْتِ تَبْكِينَ فَلَمَّا قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ سَأَلْتُهَا عَمَّا سَارَّكِ قَالَتْ مَا كُنْتُ لِأُفْشِيَ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ سِرَّهُ فَلَمَّا تُوُفِّيَ قُلْتُ لَهَا عَزَمْتُ عَلَيْكِ بِمَا لِي عَلَيْكِ مِنَ الْحَقِّ لَمَّا أَخْبَرْتِنِي قَالَتْ أَمَّا الْآنَ فَنَعَمْ فَأَخْبَرَتْنِي قَالَتْ أَمَّا حِينَ سَارَّنِي فِي الْأَمْرِ الْأَوَّلِ فَإِنَّهُ أَخْبَرَنِي أَنَّ جِبْرِيلَ كَانَ يُعَارِضُهُ بِالْقُرْآنِ كُلَّ سَنَةٍ مَرَّةً وَإِنَّهُ قَدْ عَارَضَنِي بِهِ الْعَامَ مَرَّتَيْنِ وَلَا أَرَى الْأَجَلَ إِلَّا قَدِ اقْتَرَبَ فَاتَّقِي اللهَ وَاصْبِرِي فَإِنِّي نِعْمَ السَّلَفُ أَنَا لَكِ قَالَتْ فَبَكَيْتُ بُكَائِي الَّذِي رَأَيْتِ فَلَمَّا رَأَى جَزَعِي سَارَّنِي الثَّانِيَةَ قَالَ يَا فَاطِمَةُ أَلَا تَرْضَيْنَ أَنْ تَكُونِي سَيِّدَةَ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ أَوْ سَيِّدَةَ نِسَاءِ هَذِهِ الْأُمَّةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی از ابی عوانہ، انہوں نے کہا: ہمیں فراس نے حدیث بیان کی از عامر از مسروق، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کی ازواج آپ کے پاس اکٹھی بیٹھی تھیں اور ہم میں سے کوئی بھی غیر حاضر نہیں تھیں تو حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام چلتی ہوئی آئیں۔ اللہ کی قسم! ان کی چال رسول اللہ ﷺ کی چال کے مطابق تھی، پس جب آپ نے ان کو دیکھا تو خوش آمدید کہا اور فرمایا: میری بیٹی کو مرحبا ہو۔ پھر ان کو اپنی دائیں طرف یا بائیں طرف بٹھایا۔ پھر آپ نے ان سے چپکے سے کوئی بات کی تو وہ بہت زیادہ روئیں، پھر جب آپ نے ان کے غم کو دیکھا تو دوبارہ ان سے بات کی، اس وقت وہ ہنس پڑیں۔ میں نے ان سے کہا: اس وقت میں آپ کی ازواج کے درمیان تھی، کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے درمیان آپ کو ایک راز کے ساتھ خاص کیا، پھر آپ روئیں۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ اٹھ گئے تو میں نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ سے کیا راز کی بات کی تھی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کا راز فاش نہیں کروں گی، پھر جب آپ کی وفات ہو گئی تو میں نے ان سے کہا: میں آپ کو یہ قسم دیتی ہوں کہ میرا جو آپ کے اوپر حق ہے، آپ اس حق کی وجہ سے ضرور مجھے بتائیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو کیا خبر دی تھی؟ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہاں! اب بتانے میں کوئی حرج نہیں ہے، پس انہوں نے مجھے خبر دی، انہوں نے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے پہلی مرتبہ مجھ سے راز کی بات کی تو مجھے یہ خبر دی کہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے ساتھ ہر سال ایک مرتبہ قرآن کا دور کرتے تھے اور انہوں نے اس سال میرے ساتھ دو مرتبہ قرآن مجید کا دور کیا ہے،

اور میں یہ گمان کرتا ہوں کہ میری وفات کا وقت اب قریب آ گیا ہے، سو تم اللہ سے ڈرنا اور صبر کرنا، کیونکہ میں تمہارے لیے بہترین سلف یعنی پیش رو ہوں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: پھر میں روئی جو آپ نے مجھے روتے ہوئے دیکھا تھا، پھر جب آپ نے میری بے صبری کو دیکھا تو دوبارہ مجھ سے راز کی بات کی اور فرمایا: اے فاطمہ! کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ تم تمام مومن عورتوں کی سردار ہو، یا تم اس امت کی عورتوں کی سردار ہو۔

(صحیح بخاری: ۳۶۲۳، ۳۶۲۴، ۳۶۲۵، ۳۷۱۵، ۴۴۳۳، ۶۲۸۵، صحیح مسلم: ۲۴۵۰، سنن ترمذی: ۳۸۷۲، سنن ابن ماجہ: ۱۶۲۱، مسند احمد: ۲۵۸۷۴)

صحیح البخاری: ۶۲۸۵۔۶۲۸۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے موسیٰ، وہ ابن اسماعیل ابو سلمٰی البصری التبوذکی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو عوانہ، یہ الوضاح بن عبداللہ الیشکری ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے فراس، یہ ابن یحییٰ المکتب الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عامر، وہ ابن شراحیل الشعبی ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے مسروق، وہ ابن الاجدع ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لافشی" یہ لفظ "الافشاء" سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: کسی بات کو پھیلانا اور ظاہر کرنا۔
اور اس حدیث میں مذکور ہے "عزمت" یعنی میں نے قسم کھائی ہے۔ نیز اس حدیث میں مذکور ہے "جزعی" "الجزع" کا معنی ہے: کم صبر کرنا۔ اور دوسرا قول ہے کہ اس کا معنی ہے بے صبری اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ باقی ابحاث ان ابواب میں گزر چکی ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۵۔۶۲۸۶، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جماعت کے سامنے کسی ایک سے راز کی بات کرنا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو منع فرمایا ہے کہ "ایک آدمی کو چھوڑ کر دوسرے سے سرگوشی نہ کرو"۔ تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس دوسرے آدمی کو یہ خطرہ ہوگا کہ شاید میرے خلاف بات کی جارہی ہے اور جب جماعت کے سامنے کسی ایک سے بات کی جائے گی تو پھر خطرہ نہیں ہوگا۔ اور یہ حسن ادب اور کرم

المعاشرت میں سے ہے۔

(۲) جب کسی کا راز دوسروں کو بیان کرنے سے ضرر کا خطرہ ہو تو پھر اس کا راز افشاء نہ کیا جائے، کیونکہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے سامنے اس وقت بتادیتیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ عنقریب آپ کی وفات ہو جائے گی تو ازواجِ مطہرات کو بہت شدید غم ہوتا۔ اسی طرح اگر وہ یہ بتادیتیں کہ وہ تمام مومنین کی عورتوں کی سردار ہیں تو بھی ان کو بہت رنج و غم ہوتا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کو یہ خطرہ نہیں تھا تو انہوں نے یہ خبر دے دی۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۵-۶۲۸۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کسی غیر کو اپنی قسم دینے کا بیان

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو کہا ''میں آپ کو قسم دیتی ہوں کہ آپ پر جو میرا حق ہے'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا جائز ہے اور المدونہ میں امام مالک سے روایت ہے کہ جب کسی شخص نے کہا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تم یہ کام کرو اور وہ یہ کام نہ کرے تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ اور اگر یہ کہا کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ تم یہ کام کرو اور اس نے وہ کام نہیں کیا تو وہ حانث ہو جائے گا، کیونکہ یہ قسم ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک دونوں صورتوں میں اس کا رجوع قسم کھانے والے کے قصد کی طرف ہوگا۔ اگر اس نے قسم کا قصد کیا تو یہ قسم ہے اور اگر مخاطب کی قسم کا قصد کیا یا اس مخاطب کی شفاعت کا قصد کیا یا مطلقاً کہا تو یہ قسم نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۵۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں کہ یہ علامہ ابن بطال کی ذاتی رائے ہے ورنہ ازواجِ مطہرات کا دل اور دماغ اس قسم کے خیالات سے پاک تھا بلکہ نہ بتانے کی وجہ یہی ہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سے ایذاء پہنچتی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۵-۶۲۸۶، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات آپس میں مل کر بیٹھی تھیں۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے خلاف غیرت نہیں رکھتی تھیں اور یہی چاہیے کہ جب متعدد ازواج ہوں تو وہ اپنے دلوں سے غیرت کو جہاں تک ہو سکے نکال دیں، اور ایک دوسرے کے ساتھ الفت اور محبت کے ساتھ پیش آئیں اور ملتی جلتی رہیں۔

(۲) اولاد اپنے والد کے مشابہ ہوتی ہے خواہ صفت میں خواہ ہیئت میں، خواہ چال ڈھال میں خواہ آواز میں، خواہ اس کے سوا، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی چال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چال کے مشابہ تھی۔

(۳) اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ خلق کا بیان ہے کہ آپ اپنی اولاد کے ساتھ بہت شفقت اور محبت سے پیش آتے تھے، حضرت

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آتیں تو آپ ان کو مرحبا فرماتے۔اسی طرح والد کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کے ساتھ رہے۔اور والد کو چاہیے کہ ان کے اوپر تکبر کی نظر نہ ڈالے لیکن ان کی طرف رحمت سے نظر کرے اور شفقت سے نظر کرے۔

(۴) جب انسان کے کسی کلام سے دوسرے کو رنج پہنچے تو اس کو چاہیے کہ اس کے ساتھ ایسی بات کرے جس سے اس کا رنج زائل ہو جائے۔جس طرح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی وفات کی خبر دی تو وہ رنجیدہ ہوئیں، پھر آپ نے دوسری خبر یہ دی کہ وہ مومنین کی عورتوں کی سردار ہوں گی جس سے وہ خوش ہوئیں۔

(۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان دوسرے سے پوچھ سکتا ہے کہ تم نے فلاں سے کیا راز کی بات کی تھی، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کیا بات کی تھی؟ لیکن یہ اس وقت ہے کہ جب اس میں کوئی مصلحت ہو، ورنہ حسنِ اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ جس بات کے ساتھ انسان کا مقصود نہ ہو اس کو ترک کردے۔

(۶) جب کوئی عذر زائل ہو جائے تو پھر افشاءِ راز جائز ہے، کیونکہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بتادیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کیا راز کی بات فرمائی تھی۔

(۷) اس حدیث میں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کی دلیل ہے کہ وہ تمام مومنین کی عورتوں کی سردار ہیں یا اس امت کی عورتوں کی سردار ہیں، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک تمام مومنین میں افضل اس امت کے مومنین ہیں، پس جب حضرت سیدہ اس امت کی مومنات کی سردار ہوئیں تو گویا قیامت تک کی مومنات کی سردار ہیں۔

(۸) اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ قرائن سے استدلال کرنا جائز ہے، کیونکہ جب اس سال دو مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کا دور کیا تو اس قرینہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ استدلال کیا کہ اس سال آپ کی وفات ہو جائے گی۔اور قرینہ سے استدلال پر دلیل یہ بھی ہے کہ سورۂ یوسف میں مذکور ہے:

اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۞ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ (یوسف: ۲۷-۲۶)

اگر یوسف کی قمیص آگے سے پھٹی ہے تو وہ عورت سچی ہے اور یوسف جھوٹوں میں سے ہے O اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو وہ عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچوں میں سے ہے O

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اگر یوسف علیہ السلام کی قمیص سامنے سے پھٹی ہوئی ہے تو وہ اس عورت کے سچی ہونے پر قرینہ ہے اور اگر ان کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے سچے ہونے پر قرینہ ہے۔اور اس آیت میں قرینہ سے استدلال پر دلیل ہے۔

(۹) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کو چاہیے کہ دوسروں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور صبر کرنے کی وصیت کرے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ وصیت کی کہ تم اللہ سے ڈرو اور صبر کرو۔اور یہ اس لیے آپ نے حکم دیا کہ آپ نے اپنی وفات کی جو خبر دی ہے، تو اس مصیبت کے اوپر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا صبر کریں، کیونکہ آپ کی وفات کی خبر سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رنجیدہ ہونا متوقع تھا تو آپ نے انہیں وصیت کی کہ تم صبر کرنا۔

(۱۰) اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ اگر مصلحت ہو تو انسان خود اپنی تعریف کرسکتا ہے، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے

لیے بہترین سلف اور پیش رو ہوں، کیونکہ سب سے پہلے آپ کی شفاعت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا داخل ہوئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام امت کے لیے سلف ہیں اور خصوصاً اس امت کے عبادِ صالحین کے لیے۔ لیکن جب اس میں مصلحت نہ ہو تو انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی خود ستائی اور تعریف نہ کرے، کیونکہ اس سے تکبر پیدا ہوتا ہے۔ (شرح صحیح بخاری ج ٦ ص ١١٧۔ ١١٨، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ١٤٢٩ھ)

۴۴۔ بَابُ: الِاسْتِلْقَاءِ — پیٹھ کے بل چت لیٹنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں چت لیٹنے کے جواز کا بیان ہے اور وہ پیٹھ کے بل سونا ہے اور اپنی پشت زمین پر رکھنا ہے۔ اور اس باب میں اختلاف ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے پانچ سندوں کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مکروہ قرار دیا کہ مرد اپنی ایک ٹانگ دوسری ٹانگ پر رکھے۔

اور امام مسلم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "اشتمال الصماء" سے اور ایک کپڑے میں "الاحتباء" سے منع فرمایا۔ اور یہ کہ آدمی اپنی ایک ٹانگ دوسری ٹانگ پر رکھے اور وہ اپنی پشت پر لیٹا ہوا ہو۔

امام طحاوی نے کہا ہے: ایک قوم نے ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر رکھنے کو مکروہ قرار دیا اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: کہ قوم سے امام طحاوی کی مراد محمد بن سیرین، مجاہد، طاؤس اور ابراہیم النخعی ہیں۔ پھر امام طحاوی نے کہا: دوسرے فقہاء نے ان کی مخالفت کی اور کہا کہ ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور ان کا استدلال اس باب کی دوسری حدیث سے ہے۔ اور یہ فقہاء حسن بصری، شعبی، سعید بن المسیب، ابومجلز، لاحق بن حمید اور محمد بن حنفیہ رحمہم اللہ علیہم ہیں۔

امام طحاوی نے اس باب میں طویل بحث کی ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس باب کی حدیث نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو منسوخ کر دیا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں تطبیق دی جائے گی کہ ممانعت اس صورت پر محمول ہے جب تہبند باندھا ہوا ہو اور جواز اس صورت پر محمول ہے جب شرمگاہ ظاہر نہ ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

(عمدۃ القاری ج ٢٢ ص ٤١٣۔ ٤١٤، دار الکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

٦٢٨٧۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبَّادُ بْنُ تَمِيمٍ عَنْ عَمِّهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الْمَسْجِدِ مُسْتَلْقِيًا وَاضِعًا إِحْدَى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عباد بن تمیم نے خبر دی از عمِ خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا، آپ کی ایک ٹانگ دوسری ٹانگ کے اوپر تھی۔

(صحیح بخاری: ٤٧٥، ٥٩٦٩، ٦٢٨٧، صحیح مسلم: ٢١٠٠، سنن ترمذی: ٢٧٦٥، سنن نسائی: ٧٢١، سنن ابوداؤد: ٤٨٦٦، مسند احمد: ١٥٩٩٥، موطا امام

مالک: ۱۸ ۴ ۴، سنن دارمی: ۲۶۵۶)

صحیح البخاری: ۶۲۸۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، وہ ابن المدینی ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور الزہری کا ذکر ہے، وہ محمد بن مسلم ہیں۔ اور عباد کا ذکر ہے، وہ ابن تمیم المازنی ہیں اور ان کے عم حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۱۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو چت لیٹنے کی ممانعت منقول ہے، وہ منسوخ ہے، کیونکہ امام بخاری نے باب مذکور کی حدیث کے بعد یہ بھی روایت کیا ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما مسجد میں چت لیٹتے تھے، اگر اس طرح لیٹنا ممنوع ہوتا تو حضرت عمر اور حضرت عثمان اس طرح نہ لیٹتے اور یہ متصور نہیں ہے کہ ان سے اس کی ممانعت مخفی تھی۔
(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۲ ص ۱۵۸۔۱۵۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

حافظ ابن حجر نے علامہ ابن بطال پر یہ اعتراض کیا ہے کہ محض احتمال سے حضرت جابر کی حدیث کو منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۱۱۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
علامہ ابن بطال نے یہ نہیں کہا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے منسوخ ہونے کا احتمال ہے، بلکہ انہوں نے پورے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی چت لیٹنے سے ممانعت کی حدیث منسوخ ہے اور اس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اس طرح لیٹتے تھے اور ان سے اس ممانعت کا مخفی ہونا متصور نہیں ہے۔
یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ممانعت تنزیہی ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی ضرورت کی بناء پر بیان جواز کے لیے چت لیٹے ہوں، یا اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زیادہ صحابہ نہ ہوں، کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابہ ہوتے تھے تو آپ مسجد میں وقار کے ساتھ چار زانو بیٹھتے تھے اور تواضع کے ساتھ بیٹھتے تھے، دوزانو بیٹھتے تھے یا اکڑوں بیٹھتے تھے۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں ٹیک لگا کر بیٹھنا اور لیٹنا جائز ہے، البتہ مسجد میں منہ کے بل اوندھا لیٹنا جائز نہیں ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۴ ص ۳۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اوندھے منہ لیٹ کر سونے کی ممانعت اور لیٹنے اور سونے کی چار اقسام

میں کہتا ہوں کہ اوندھے منہ لیٹنے کی ممانعت کے متعلق یہ حدیث ہے:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا، وہ اپنے پیٹ کے بل (اوندھا) لیٹا ہوا تھا،

آپ نے فرمایا: یہ لیٹنے کا ایسا طریقہ ہے جس کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ (سنن ترمذی: ۲۷۶۸، مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۷)

یعیش بن طخفہ بن قیس الغفاری بیان کرتے ہیں کہ میرے والد رضی اللہ عنہ اصحاب الصفہ میں سے تھے (وہ بیان کرتے ہیں کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے ساتھ عائشہ کے گھر چلو، چنانچہ ہم گئے، آپ نے فرمایا: اے عائشہ! ہم کو کچھ کھلاؤ، وہ حشیشہ (گندم کے موٹے آٹے میں گوشت یا کھجوریں ڈال کر بنایا ہوا طعام) لے کر آئیں، وہ پرندے کی خوراک کے برابر تھا، ہم نے اس کو کھالیا، پھر آپ نے فرمایا: اے عائشہ! ہمیں کچھ پلاؤ، وہ العس (بہت بڑا پیالہ جس میں چار کلو سما سکے) میں دودھ لے کر آئیں، سو ہم نے اس کو پی لیا، پھر فرمایا: اے عائشہ! ہمیں پلاؤ تو وہ چھوٹا پیالہ لائیں، پس ہم نے اس کو پی لیا، پھر فرمایا: اگر تم لوگ چاہو تو سو جاؤ، اور اگر تم چاہو تو مسجد میں چلے جاؤ تو جس وقت میں سحر کے وقت مسجد میں منہ کے بل (اوندھا) لیٹا ہوا تھا، میں نے دیکھا: ایک شخص مجھے اپنے پیر سے ہلا رہا ہے، میں نے دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، آپ نے فرمایا: اس طرح لیٹنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۵۰۴۰، سنن ابن ماجہ: ۳۷۲۳، صحیح ابن حبان: ۵۰۵۰، مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۹)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخری حصہ میں لیٹتے تو دائیں کروٹ پر لیٹتے اور جب صبح سے تھوڑی دیر پہلے لیٹتے تو اپنی دونوں کلائیوں کو کھڑا کر کے اپنے سر کو اپنی ہتھیلیوں پر رکھ لیتے۔

(صحیح مسلم: ۳۱۳، الرقم المسلسل: ۶۸۳، شرح السنۃ: ۳۳۵۹، مسند احمد ج ۵ ص ۳۰۹)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ مؤخر الذکر حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ جب رات کے آخری حصہ میں آپ لیٹتے تو دائیں کروٹ پر لیٹتے اور جب صبح کا وقت قریب ہوتا تو دونوں کلائیوں کو نصب کر کے ہتھیلیوں پر سر رکھ لیتے اور سو جاتے اور یہ اس لیے کرتے تھے تاکہ گہری اور میٹھی نیند نہ آئے اور نماز فجر فوت نہ ہو جائے، اور پہلی صورت میں جب آپ دائیں کروٹ پر سوتے تھے، اس کی وجہ یہ ہے کہ پھر بائیں جانب دل معلق رہتا تھا اور قرار اور سکون کم ہوتا تھا اور گہری نیند نہیں آتی تھی۔

اگر بائیں کروٹ پر لیٹا جائے تو دل اپنی جگہ پر سکون رہتا ہے اور گہری نیند آتی ہے اور اطباء چونکہ جسم کو آرام پہنچانا چاہتے ہیں، اس لیے وہ کہتے ہیں بائیں کروٹ پر سونا چاہیے تاکہ کھانا اچھی طرح ہضم ہو جائے اور ظاہر کی حرارت باطن میں پہنچ جائے، جو کھانے کے ہضم ہونے کی موجب ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۳۶، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

نیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

سونے کی چار قسمیں ہیں: (۱) چت لیٹ کر سونا، یہ غور و فکر کرنے والوں کا طریقہ ہے، جو آسمان اور اجرام فلکیہ کو دیکھ کر ان میں غور و فکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت پر استدلال کرتے ہیں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے بھی چت لیٹنا ثابت ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث میں مذکور ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)۔ (۲) دائیں کروٹ پر سونا، یہ عبادت گزاروں کے سونے کا طریقہ ہے، کیونکہ اس صورت میں گہری نیند نہیں آتی اور انسان عبادت کے لیے اپنے وقت پر بیدار ہو جاتا ہے۔ (۳) بائیں کروٹ پر سونا، یہ اطباء کا طریقہ ہے کیونکہ اس صورت میں کھانا جلد ہضم ہو جاتا ہے اور جسم کو راحت اور آرام ملتا ہے۔ (۴) منہ کے بل اوندھے لیٹ کر سونا، یہ غافل لوگوں کے سونے کا طریقہ ہے، کیونکہ انسان کے بدن کا سب سے عزت والا حصہ سینہ ہے، وہ خاک

ذلت پر ہوتا ہے یا نیچے ہوتا ہے اور یہ وہ طریقہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۷۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

ان حدیثوں کی شرح میں حضرت محدث دہلوی منفرد ہیں، میں نے ان حدیثوں کی شرح کے لیے عمدۃ القاری، فتح الباری لابن رجب، فتح الباری لابن حجر، شرح نووی، معالم السنن، عارضۃ الاحوذی، تحفۃ الاحوذی اور مرقاۃ المفاتیح کو دیکھا، کسی نے بھی دائیں کروٹ پر سونے اور جب فجر قریب ہو تو کلائیوں کو نصب کر کے ہتھیلیوں پر سر رکھنے کی توجیہ نہیں بیان کی، نہ سونے کی مذکور الصدر اقسام بیان کیں، یہ صرف حضرت محدث دہلوی کا تفرد ہے، اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر نور اور رحمتیں نچھاور فرمائے اور ان کے فیوضات سے ہمیں بھی حظ وافر عطا فرمائے۔ آمین۔

صحیح البخاری: ۶۲۸۷، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ چت لیٹنا جائز ہے، کیونکہ یہ بھی ایک لیٹنے کی ہیئت ہے لیکن اس میں ضروری یہ ہے کہ انسان اس بات سے مامون ہو کہ اس کی شرمگاہ ظاہر نہیں ہے۔ لیکن اگر اس کو یہ خطرہ ہو کہ اس کی شرمگاہ ظاہر ہو جائے گی تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ بعض لوگ جب ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ کے اوپر رکھتے ہیں اور اگر انہوں نے شلوار نہ پہنی ہوئی ہو تو ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر رکھتے وقت ان کی شرمگاہ کھل جاتی ہے۔

اسی طرح شرط ہے کہ انسان فتنہ سے محفوظ ہو۔ پس عورت ایسی جگہ پر نہ لیٹے جہاں پر اس کے شوہر کے علاوہ دوسرے مرد ہوں اور اس کا اتفاق رمضان اور غیر رمضان میں مسجد حرام میں پیش آتا ہے، کیونکہ بعض عورتیں فتنہ میں مبتلا ہوتی ہیں جب وہ چت لیٹی ہوئی ہوں۔ اور جب یہ دونوں شرطیں فوت ہو جائیں تو پھر کوئی حرج نہیں ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں چت لیٹے ہوئے تھے۔

(شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۱۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۴۵۔ بَابٌ: لَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُونَ الثَّالِثِ — دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی نہ کریں

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دو شخص تیسرے کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی نہ کریں۔ ہاں اگر اس سے اجازت لے لیں تو پھر جائز ہے، کیونکہ معمر نے از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ جب تین آدمی ہوں تو دو آدمی آپس میں تیسرے کو چھوڑ کر سرگوشی نہ کریں، سوا اس کے کہ انہوں نے اس سے اجازت لے لی ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

وقولہ تعالیٰ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ (المجادلہ: ۹)

اے ایمان والو! جب تم آپس میں سرگوشی کرو تو تم گناہ، سرکشی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کرنا، اور نیکی اور خوف خدا کی سرگوشی کرنا، اور اللہ سے ڈرتے رہنا، اسی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے ۝

وقوله تعالى: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (المجادلہ: ۱۲۔ ۱۳)

اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کرنے کا ارادہ کرو، تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ کیا کرو، یہ تمہارے لیے بہت اچھا اور نہایت پاکیزہ ہے، پس اگر تم کو کچھ نہ ملے (تو غم نہ کرو) بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے O کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ کرنے سے گھبرا گئے، پس جب تم نے (صدقہ) نہ کیا اور اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی، پس تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو، اور اللہ تمہارے کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے O

المجادلہ: ۹ کی تفسیر از مصنف:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ شیطان منافقین کو اس پر برانگیختہ کرتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے اس طرح سرگوشیاں کیا کریں جس سے مسلمان فکر، تشویش اور غم میں مبتلا ہوں، اس لیے کہ جب مسلمان منافقوں کو ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتے ہوئے دیکھیں گے تو وہ یہ گمان کریں گے کہ شاید ان کو یہ خبر پہنچی ہے کہ ہمارے بھائی اور رشتہ دار جو جہاد میں گئے ہوئے تھے، وہ قتل ہو گئے ہیں یا شکست کھا گئے ہیں اور اس وجہ سے وہ تشویش اور غم میں مبتلا ہوں گے، اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ جب تین مسلمان ہوں تو ایسا نہ کریں کہ ایک کو چھوڑ کر دو مسلمان آپس میں سرگوشی کرنا شروع کر دیں، اس سے تیسرا مسلمان اس تشویش میں مبتلا ہوگا کہ شاید یہ میرے خلاف کوئی بات کر رہے ہیں، اسی حکم میں یہ بھی ہے کہ تین آدمیوں میں سے ایک آدمی پشتو یا گجراتی یا کسی بھی دوسری زبان جس کو تیسرا آدمی نہیں جانتا اور دو آدمی آپس میں پشتو یا گجراتی وغیرہ میں بات کرنا شروع کر دیں تو اس سے وہ تیسرا آدمی خواہ مخواہ اس بدگمانی میں مبتلا ہوگا کہ شاید یہ میرے خلاف یا میرے متعلق کوئی بات کر رہے ہیں، حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی کے سامنے دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں۔ (صحیح البخاری: ۶۲۸۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم تین افراد ہو تو ایک کو چھوڑ کر دو آدمی باہم سرگوشی نہ کریں حتیٰ کہ تم اس کو تشویش اور غم میں مبتلا کرو، تم لوگوں سے میل جول رکھو۔ (صحیح البخاری: ۶۲۹۰)

ان احادیث میں عدد کی خصوصیت مراد نہیں ہے، لہٰذا چار آدمیوں میں سے ایک کو چھوڑ کر تین سرگوشیاں نہ کریں، اسی طرح دس آدمی ایک کو چھوڑ کر آپس میں پشتو یا سندھی یا کسی اور زبان میں بات نہ کریں، اس لیے جب مجلس میں بہت آدمی ہوں تو اس زبان میں بات کریں جو سب کو آتی ہو اور مجلس میں سے کسی ایک آدمی کے لیے بھی غم اور تشویش میں مبتلا ہونے کا سبب نہ بنیں۔

المجادلہ: ۱۲۔ ۱۳ کی تفسیر از مصنف:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنے یعنی خفیہ طریقہ سے آپ سے سوال کرنے پر جو صدقہ کرنے کا حکم دیا، اس کی حسب ذیل

حکمتیں ہیں:

(۱) اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کا اظہار ہے، کیونکہ مال خرچ کرنے میں مشقت ہوتی ہے اور جو چیز مشقت سے حاصل ہو، اس کی بہت قدر و منزلت ہوتی ہے، اس کے برخلاف جو چیز آسانی سے حاصل ہو جائے اس کی کوئی خاص قدر نہیں ہوتی اور جب مسلمان مال خرچ کرنے کے بعد آپ سے سرگوشی کر سکیں گے تو اس سرگوشی کی بہت قدر و منزلت ہوگی۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ کثرت سوالات کرنے لگے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے مشقت ہوتی تھی کیونکہ آپ نے احکام کی تبلیغ کرنی ہوتی تھی، مصالح امت کے کام کرنے ہوتے تھے اور دیگر عبادات کرنی ہوتی تھیں، پس اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تخفیف کا ارادہ کیا اور جب اللہ تعالیٰ نے سوال کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم دیا تو مسلمان (بہ کثرت) سوالات کرنے سے رک گئے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۴۹۳)

(۳) اس میں فقراء کی مدد ہے کیونکہ وہ صدقہ فقراء کو دیا جائے گا۔ (انوار تبیان القرآن ص ۸۶۷۔ ۸۶۸، فرید بک اسٹال، لاہور)

المجادلہ: ۱۲۔ ۱۳ کی تفسیر از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، المجادلہ: ۱۲۔ ۱۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جب مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا تو صحابہ پر یہ حکم دشوار گزرا، پھر اس کے متعلق رخصت نازل ہوگئی۔ مجاہد نے کہا ہے کہ مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنے سے منع کیا گیا حتیٰ کہ وہ صدقہ کریں۔ پس آپ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی نے سرگوشی نہیں کی۔ انہوں نے ایک دینار پیش کیا اور اس کا صدقہ کیا تو پھر رخصت نازل ہوگئی اور صدقہ کا حکم منسوخ ہو گیا۔ اور مقاتل بن حیان سے روایت ہے کہ یہ حکم دس راتوں تک رہا پھر منسوخ ہو گیا۔ اور کلبی سے روایت ہے کہ دن کے ایک گھنٹہ تک یہ حکم تھا، پھر منسوخ ہو گیا۔

اس آیت میں فرمایا ہے ''ءاشفقتم'' یعنی کیا تم اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے سے گھبراتے ہو، ناپسند کرتے ہو اور شیطان تم کو فقر سے ڈراتا ہے اور تم کو بخل کا حکم دیتا ہے۔ اور جب تم نے اس حکم پر عمل نہیں کیا جس کا تمہیں حکم دیا گیا تھا اور تم پر دشوار ہوا تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی اور تم سے درگزر فرمایا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۸۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ ح وحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ إِذَا كَانُوا ثَلَاثَةٌ فَلَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُونَ الثَّالِثِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی ح اور ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی، از نافع از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تین آدمی ہوں تو دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر سرگوشی نہ کریں۔

(صحیح مسلم: ۲۱۸۳، سنن ترمذی: ۲۸۲۵، سنن ابوداؤد: ۴۸۵، سنن ابن ماجہ: ۳۷۷۶، مسند احمد: ۴۵۵۰، موطا امام مالک: ۱۸۵۷، سنن دارمی: ۲۶۵۷)

صحیح البخاری: ۶۲۸۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث میں یہ بتایا ہے کہ پھر وہ تیسرا آدمی یہ وہم کرے گا کہ شاید یہ دونوں آدمی اسے کوئی دھوکا دینا چاہتے ہیں، اور اس میں مجلس کا ادب ہے اور جلیس یعنی ہم نشیں کی تکریم ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایک آدمی کو چھوڑ کر دو آدمیوں کی آپس میں سرگوشی کرنے کی ممانعت

اس باب کی حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دو آدمی آپس میں چپکے چپکے بات نہ کریں اور اپنے صاحب کو چھوڑ دیں، کیونکہ اس سے اس آدمی کو وحشت ہوگی، وہ یہ گمان کرے گا کہ یہ دونوں اس کے متعلق بات کر رہے ہیں اور وہ گھبرائے گا اور خوفزدہ ہوگا۔ اور اس کے متعلق یہ حدیث بھی ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب تین آدمی ہوں تو دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی نہ کریں مگر اس کی اجازت سے، کیونکہ اس صورت میں یہ جائز ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۲۶، رقم الحدیث: ۱۹۸۰۶، مسند احمد ج ۲ ص ۱۴۶)

سفر میں خصوصیت کے ساتھ ایک آدمی کو چھوڑ کر دو آدمیوں کا باہم سرگوشی کرنا ممنوع ہے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تین آدمی کسی جنگل میں سفر کر رہے ہوں تو یہ حلال نہیں ہے کہ ان میں سے دو آدمی باہم سرگوشی کریں اور اپنے صاحب کو چھوڑ دیں، اس سے وہ غمزدہ ہوگا۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۶۔۱۷۷، حافظ نورالدین الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے لکھا ہے: اس حدیث کی سند میں ابن لہیعہ ہے اور وہ ضعیف راوی ہے اور اس حدیث کے باقی رجال حدیث صحیح کے رجال ہیں۔ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۶۳۔۶۴)

اللہ ہی بہتر جانتا ہے، کیونکہ جنگل میں مرد کے اوپر زیادہ خطرہ ہوتا ہے اور وحشت اور گھبراہٹ بھی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگل میں ایک آدمی کو چھوڑ کر باقی دو آدمیوں کا آپس میں سرگوشی کرنے کو ممنوع قرار دیا۔

باہم سرگوشی کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین آدمیوں میں سے دو آدمیوں کو باہم سرگوشی کرنے سے منع فرمایا ہے، اسی طرح اگر زیادہ آدمی ہوں تو تب بھی ایک کو چھوڑ کر دو آدمیوں کا باہم سرگوشی کرنا ممنوع ہے۔ پس ایک جماعت کے لیے ایک کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی کرنا منع ہے، سوا اس کے کہ اس ایک سے اجازت لے لیں۔ اور انہوں نے کہا: امام مالک کا مذہب یہ ہے اور ہمارے اصحاب کا اور جمہور علماء کا بھی یہی مذہب ہے کہ یہ ممانعت ہر زمانہ میں، ہر سفر میں اور ہر حضر میں ہے۔ اور

بعض نے کہا: یہ ممانعت سفر کے ساتھ خاص ہے۔ اور بعض نے کہا: یہ ممانعت منسوخ ہوگئی ہے، یہ ممانعت اول اسلام میں تھی اور جب اسلام غالب ہوگیا اور لوگ امن میں ہوگئے تو یہ ممانعت منسوخ ہوگئی۔ (المنتقی ج ۷ ص ۳۱۳)

اور منافقین مومنین کے سامنے ایک دوسرے سے سرگوشی کرتے تھے تاکہ مومنین کو غم میں مبتلا کریں، لیکن جب وہ چار ہوں اور دو سرگوشی کریں اور دو نہ کریں تو پھر کوئی حرج نہیں ہے اور اس پر اجماع ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱۴ ص ۱۶۷۔۱۶۸)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۴۵۔۱۴۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۸، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مناجات کا معنی

مناجات کا معنی ہے: کسی سے چپکے چپکے بات کرنا، قرآن مجید میں ہے:

وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا۝ (مریم: ۵۲)

ہم نے انہیں طور کی دائیں جانب سے ندا کی اور ہم نے انہیں قریب کر کے راز دار بنایا O

اس آیت میں ندا کا لفظ بھی ہے اور ''نجیا'' کا لفظ ہے جس کا معنی ہے: سرگوشی کرنے والا۔ ندا میں بلند آواز سے کلام کیا جاتا ہے اور سرگوشی میں چپکے چپکے کلام کیا جاتا ہے۔

تو مناجات دو قسم کی ہیں: ایک قسم کی مناجات جائز ہے جب کہ اس مناجات میں نیکی اور تقویٰ کی بات کی جائے۔ اور ایک قسم کی مناجات سے منع فرمایا گیا ہے اور یہ وہ مناجات ہے جس میں گناہ اور سرکشی کی بات ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی بات ہو۔

پس اثم یہ ہے کہ دو آدمی کسی برے کام کے لیے سرگوشی کریں، مثلاً وہ یہ سرگوشی کریں کہ وہ شراب پئیں گے۔ اور سرکشی یہ ہے کہ دو آدمی کسی برے کام کے متعلق سرگوشی کریں جس کا تعلق دوسروں کے ساتھ ہو مثلاً وہ سرگوشی کریں کہ کسی کا مال چرائیں گے یا کسی کے گھر ڈاکہ ڈالیں گے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کے متعلق سرگوشی کی مثال یہ ہے کہ دو آدمی یہ سرگوشی کریں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد یا دوسرے تنظیمی کاموں کے متعلق جو حکم دیا ہو اس کی مخالفت کے متعلق سرگوشی کریں۔ اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہو اور کسی جگہ کا حاکم ہو وہ بھی اس کے قائم مقام ہے یعنی حاکم کے خلاف اگر دو آدمی سرگوشی کریں کہ وہ حاکم کے حکم کی مخالفت کریں گے اور اس عمل میں مخالفت کریں گے جس امر میں اس کی اطاعت واجب ہے تو یہ بھی معصیت ہے۔

نیکی اور تقویٰ کے متعلق سرگوشی کرنا

یعنی اچھے کاموں کے متعلق سرگوشی کرنا، مثلاً دو آدمی سرگوشی کریں کہ وہ اللہ عزوجل کی اطاعت میں قیام کریں گے اور تقویٰ یہ ہے کہ وہ سرگوشی کریں کہ وہ کسی حرام کام کو ترک کریں گے۔

مباح کام کے متعلق سرگوشی کرنا

یہاں ایک تیسری قسم بھی ہے کہ وہ سرگوشی نہ کسی گناہ کے متعلق ہو اور نہ کسی نیکی کے متعلق ہو۔ ایسی سرگوشی مباح ہے نہ اس کا حکم دیا گیا ہے اور نہ اس سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن اگر وہ کسی نیکی کو متضمن ہو تو وہ نیکی کی قسم میں داخل ہوگی اور اگر کسی گناہ کو متضمن ہو تو گناہ کی قسم میں داخل ہوگی۔

شیطان کا غمزدہ کرنے کے لیے سرگوشی کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ الشَّیْطٰنِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَیْسَ بِضَآرِّهِمْ شَیْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ (المجادلہ:۱۰)

سرگوشی تو صرف شیطان کی طرف سے ہوتی ہے تاکہ وہ ایمان والوں کو غمگین کرے اور وہ اللہ کے اذن کے بغیر ایمان والوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے والا نہیں ہے، اور مومنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے ○

بہ کثرت منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں آپس میں سرگوشی کرتے تھے اور جب ان میں سے کوئی ایک اپنے صاحب سے سرگوشی کرتا تو وہ کسی مسلمان کی طرف دیکھتا تاکہ وہ اسے ڈرائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا'' تاکہ وہ ایمان والوں کو غمگین کرے'' یعنی ان کے دلوں میں غم ڈالے۔ اور ان کی سرگوشی اگرچہ مسلمانوں کو غمگین کرنے کے لیے ہو لیکن اللہ کی اجازت کے بغیر وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اور اگر یہ اللہ کے اذن سے ہو تو مومن اس کام پر راضی ہوتا ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اذن سے ہو۔ اور فرمایا: ''اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے''۔ یعنی ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر توکل کریں اور ان لوگوں کی سرگوشیوں سے ہم تشویش میں مبتلا نہ ہوں اور غمگین نہ ہوں اور خوفزدہ نہ ہوں۔

بعض تقدیری معاملات سے غمزدہ ہونا شیطان کی طرف سے نہیں ہوتا

اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات تقدیری اور تکوینی امور سے انسان کو غم ہوتا ہے اور یہ حزن طبعی ہے اور یہ شیطان کی طرف سے نہیں ہوتا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لایا گیا اور وہ نزع کی کیفیت میں تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور آپ نے فرمایا'' آنکھ روتی ہے اور دل غمزدہ ہوتا ہے اور ہم وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہوتا ہے اور اے ابراہیم! ہم تمہارے فراق سے غمزدہ ہیں''۔

(صحیح البخاری:۱۳۰۳، صحیح مسلم:۲۳۱۵، سنن ابوداؤد:۳۱۲۶)

خواب میں شیطان کا انسان کو غمزدہ کرنا

اسی قبیل سے یہ ہے کہ شیطان سونے والے کو خواب میں یہ دکھاتا ہے کہ انسان بیمار ہو رہا ہے۔ اور اس صورت میں انسان کو یہ چاہیے کہ وہ کام کرے جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جب وہ خواب میں کوئی مکروہ چیز دیکھے تو اپنی بائیں جانب تین مرتبہ تھوک دے اور یہ دعا کرے: اے اللہ! میں شیطان کے شر سے اور میں نے خواب میں جو شر دیکھا ہے اس سے تیری پناہ میں آتا

ہوں۔ اور وہ یہ خواب کسی کو بیان نہ کرے اور جس کروٹ پر وہ سویا ہوا تھا اس کروٹ کو بدل کر دوسری کروٹ پر سو جائے۔ اور اگر دوبارہ ایسا خواب دیکھے تو کھڑا ہو اور وضو کرے اور نماز پڑھے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو پھر یہ ڈراؤنا خواب اس کو ضرر نہیں پہنچائے گا۔
(شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۲۰۔ ۱۲۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۴۶۔ بَابُ: حِفْظِ السِّرِّ راز کی حفاظت کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں راز کی حفاظت کرنے کا بیان ہے۔ یعنی راز کے افشاء کرنے کی اور اس کو ظاہر کرنے کی ممانعت ہے، کیونکہ وہ امانت ہے اور امانت کی حفاظت کرنا واجب ہے اور یہی مومنین کے اخلاق ہیں۔

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی کے راز کو افشاء کرنا جائز نہیں ہے جب کہ راز والے کو اس کے افشاء کرنے سے ضرر ہو۔ اور اکثر علماء یہ کہتے ہیں کہ جب راز بیان کرنے والا فوت ہو جائے تو پھر اس کے راز کو چھپانا لازم نہیں ہے جب کہ اس کی زندگی میں اس کے راز کو چھپانا واجب تھا۔

علامہ داؤدی نے کہا: راز بیان کرنے والے کی وفات کے بعد بھی اس کے راز کو افشاء نہیں کرنا چاہیے، سوائے حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے، کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز کو آپ کی وفات کے بعد فاش کر دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دوسری بار کیا پیش گوئی کی تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز کو افشاء کرنا اس وجہ سے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کے علم کو آگے پہنچایا جائے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۲۸۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَبَّاحٍ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ أَسَرَّ إِلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ سِرًّا فَمَا أَخْبَرْتُ بِهِ أَحَدًا بَعْدَهُ وَلَقَدْ سَأَلَتْنِي أُمُّ سُلَيْمٍ فَمَا أَخْبَرْتُهَا بِهِ۔

(صحیح مسلم: ۲۴۸۲، مسند احمد: ۱۲۸۸۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن صباح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ایک راز کی بات کہی، سو میں نے اس راز کی کسی کو بھی آپ کے بعد خبر نہیں دی اور مجھ سے ام سلیم نے اس کے متعلق سوال کیا تو میں نے ان کو بھی اس کی خبر نہیں دی۔

صحیح البخاری: ۶۲۸۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن صباح، یہ عطار ہیں اور اہل بصرہ سے ہیں اور ۲۵۱ھ میں ان کی وفات ہوگئی تھی۔ اور یہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں، اور اس حدیث کی سند میں معتمر کا ذکر ہے، یہ اپنے والد سلیمان بن طرخان التیمی البصری سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "بعدہ" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ راز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ مخصوص تھا ورنہ اگر اس راز کا تعلق علم سے ہوتا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے اس علم کو چھپانا جائز نہ تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ام سلیم" یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ رضی اللہ عنہا۔ اور یہ راز کو چھپانے میں مبالغہ ہے، کیونکہ جب انہوں نے اپنی والدہ سے بھی اس راز کو چھپایا تو دوسروں سے بہ طریق اولیٰ چھپایا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

راز کی حفاظت کے متعلق احادیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں دس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا، آپ نے فرمایا: میرے راز کی حفاظت کرنا تو تم مومن ہو گے۔ (مسند ابو یعلیٰ: ۳۶۲۴، المعجم الاوسط للطبرانی: ۵۹۹۱، المعجم الصغیر: ۸۵۶)

امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بات کرنے والا مڑ کر چلا جائے تو اس کی بات امانت ہوتی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۵۵۸۹)

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اس لیے سوال کیا تھا کہ ان کو یہ پتا نہیں تھا کہ آپ کی یہ بات راز ہے، اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک بات راز کی فرمائی ہے تو انہوں نے کہا: تم اس کی خبر نہ دینا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۴۷۔ ۱۴۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مجالس کا امانت ہونا

ثابت کی روایت میں ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: حضور کو کیا کام تھا، میں نے کہا: وہ حضور کا راز ہے تو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز کسی کو نہ بتانا۔

اور حدیث میں ہے: مجلس میں بیٹھنے والوں کی بات امانت ہوتی ہے۔ پس کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے صاحب کا راز افشاء کرے۔ امام عبدالرزاق نے اور امام القضاعی نے مسند الشہاب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''المجالس بالامانة'' یعنی مجلس میں جو باتیں ہوتی ہیں وہ امانت ہوتی ہیں۔

اور ابی داؤد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کی ہے اور یہ اضافہ کیا ہے کہ مجالس امانت ہوتی ہیں مگر تین صورتوں میں، جب اس مجلس میں کسی ناحق خون کرنے کی بات کی جائے، یا کسی پاک دامن عورت سے زنا کرنے کی بات کی جائے، یا کسی کا مال ناحق چھیننے کی بات کی جائے، یعنی ان صورتوں میں وہ بات امانت نہیں ہوتی، بلکہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کرنے کے لیے اس راز کا افشاء کرنا واجب ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۵۴۔ ۳۵۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۷۔ بَابٌ: إِذَا كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثَةٍ فَلَا بَأْسَ بِالْمُسَارَّةِ وَالْمُنَاجَاةِ

اس بات کا بیان کہ جب تین سے زیادہ لوگ ہوں تو چپکے سے بات کرنے یا سرگوشی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ جب سرگوشی کرنے والے تین سے زیادہ ہوں تو سرگوشی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، یعنی بعض لوگ دوسروں سے سرگوشی کریں، کیونکہ اس میں وہ وہم پیدا نہیں ہوگا جو تین لوگوں میں پیدا ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

''المناجاة'' (یعنی سرگوشی کرنے) کا ''المسارة'' (یعنی چپکے چپکے بات کرنے) پر عطف ہے، یہ کسی چیز کا اپنے نفس پر عطف ہے، کیونکہ ان دونوں لفظوں کا ایک معنی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے درمیان مغایرت ہے اور وہ یہ ہے کہ ''المسارة'' کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے چپکے چپکے بات کریں، لیکن اس اعتبار سے کہ ایک شخص اپنا راز دوسرے کو بتاتا ہے اور وہ اپنا راز دوسرے کو بتاتا ہے۔ اور ''المناجاة'' کا تقاضا ہے کہ کلام دونوں جانبوں سے چپکے چپکے ہو، تو ''المناجاة'' ''المسارة'' سے خاص ہے، تو یہ خاص کا عام پر عطف ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۵۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ جب دو لفظ ہوں اور ان کا معنی واحد ہو تو پھر ایک کا دوسرے پر عطف کرنا جائز ہے، اس اعتبار سے کہ دونوں کے لفظ مختلف ہیں۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے کہا: ان دونوں لفظوں میں مغایرت ہے، یہ صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ ان دونوں میں من حیث اللغة فرق نہیں ہے۔

علامہ الجوہری نے کہا: ''سِر'' (راز) وہ ہے جس کو چھپایا جاتا ہے۔ پھر انہوں نے باب ''نجا'' میں کہا کہ ''النجوی'' دو

آدمیوں کے درمیان سر (راز) ہے، کہا جاتا ہے''نجوته نجوا'' یعنی میں نے اس کے ساتھ چپکے چپکے بات کی۔اسی طرح کہا جاتا ہے''ناجیته''۔اور ہر ایک''المسارة''اور''المناجاة''میں باب مفاعلہ سے ہے، اور یہ باب مشارکت کے لیے ہے جن میں سے ایک کے ساتھ فعل کا تعلق صراحۃً ہوتا ہے اور دوسرے کے ساتھ فعل کا تعلق ضمناً ہوتا ہے۔پس جب اس طرح ہے تو ''المناجاة'' کس طرح ''المسارة'' سے اخص ہوگی، پھر جب ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے خاص نہیں ہے تو پھر یہ خاص کا عام پر عطف کس طرح ہوگا؟۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

علامہ عینی نے''المکابرة''سے کچھ زیادہ بات نہیں کی، اور اپنے سینہ سے رد کیا ہے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی علی صحیح البخاری، ج ۲ ص ۳۹۹، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

۶۲۹۰۔حَدَّثَنَا عُثْمَانُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَلَا يَتَنَاجَى رَجُلَانِ دُونَ الْآخَرِ حَتَّى تَخْتَلِطُوا بِالنَّاسِ أَجْلَ أَنْ يُحْزِنَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از ابی وائل از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم تین افراد ہو تو دو آدمی دوسرے کو چھوڑ کر سرگوشی نہ کریں حتیٰ کہ وہ لوگوں کے ساتھ مختلط ہو جائیں اس وجہ سے کہ وہ اس کو غم میں ڈالے گا۔

(صحیح بخاری: ۶۲۸۸، صحیح مسلم: ۲۱۸۳، سنن ترمذی: ۲۸۲۵، سنن ابوداؤد: ۴۸۵۱، سنن ابن ماجہ: ۳۷۷۵، مسند احمد: ۴۵۵۰، موطا امام مالک: ۱۸۵۷، سنن دارمی: ۲۶۵۷)

صحیح البخاری: ۶۲۹۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت مفہوم مخالف کے طور پر ہے، یعنی اگر مجلس میں صرف تین آدمی نہ ہوں بلکہ زیادہ ہوں تو پھر دو آدمی آپس میں سرگوشی کر سکتے ہیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عثمان، وہ ابن ابی شیبہ ہیں جو ابوبکر کے بھائی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں جریر کا ذکر ہے، وہ ابن عبدالحمید ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں منصور کا ذکر ہے، وہ ابن المعتمر ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں ابو وائل کا ذکر ہے، وہ شقیق بن سلمہ ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "دون الآخر" کیونکہ جب ایک آدمی اکیلا رہ جائے گا اور دو آدمی آپس میں سرگوشی کریں گے تو وہ آدمی اس لیے غمگین ہوگا کہ اس سے وہ سرگوشی نہیں کر رہے اور اس کے دل میں یہ بات آئے گی کہ شاید ان کی سرگوشی اس کو نقصان پہنچانے کے لیے ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "حتیٰ یختلطوا" یعنی وہ تین آدمی دوسروں کے ساتھ مختلط ہو جائیں، خواہ وہ دوسرا ایک ہو یا زیادہ ہوں۔

کہا گیا ہے: ایک آدمی کے حق میں یہ اس لیے مکروہ ہے کیونکہ جب وہ ایک آدمی اکیلا رہ جائے گا اور دو آدمی آپس میں سرگوشی کریں گے تو وہ اس سے غمگین ہوگا۔ یا تو اس کو یہ گمان ہوگا کہ وہ دونوں اس کے خلاف کوئی بات کر رہے ہیں یا اس کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس کے برخلاف جب وہ لوگوں کے سامنے بات کریں گے تو پھر اختلاط کی وجہ سے یہ وجہ نہیں رہے گی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۹۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لوگوں کی جماعت میں دو آدمیوں کے باہم سرگوشی کرنے کے جواز کی توجیہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ ایک آدمی کو چھوڑ کر دو آدمی باہم سرگوشی کریں، تا کہ بدگمانی، حسد اور جھوٹ سے اجتناب ہو۔

علامہ خطابی نے بیان کیا ہے کہ ابن حرب نے یہ کہا ہے کہ یہ صورت سفر میں مکروہ ہے، کیونکہ وہاں پر بدگمانی اور تہمت ہو سکتی ہے۔ پس تیسرا آدمی یہ خوف کرے گا کہ یہ دونوں اس کو کوئی دھوکا دینا چاہتے ہیں یا اس کے ساتھ کوئی مکروہ کام کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے برخلاف جب ایک جماعت ہوگی تو پھر ایسا نہیں ہوگا۔ اور اگر ایک جماعت دوسری جماعت کے ساتھ سرگوشی کرے تو یہ جائز ہے، کیونکہ لوگ ان کے ساتھ اس سرگوشی میں شریک ہیں، تو پھر غم زائل ہو جائے گا۔ اور ابن الجلاب کے نسخہ میں مذکور ہے: اسی طرح ایک جماعت دوسری جماعت کو چھوڑ کر سرگوشی کرے تو یہ بھی مکروہ ہے اور بعض نسخوں میں مذکور ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور امام مالک سے منقول ہے کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو پہلے گزر چکی ہے وہ اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ اور اگر اس نے کسی کی اجازت سے سرگوشی کی ہے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور امام مالک نے حضرت عبد اللہ بن دینار رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب ارادہ کرتے کہ کسی شخص سے سرگوشی کریں اور وہ تین افراد ہوتے تو پھر وہ چوتھے آدمی کو بلا لیتے، پھر ان دو سے کہتے کہ آپ ذرا پیچھے ہٹ جائیں، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک آدمی کو چھوڑ کر دو آدمی سرگوشی نہ کریں۔ پس جب وہ تین سے زیادہ ہوں تو پھر ایک کے ساتھ سرگوشی کرنا جائز ہے۔ پھر جتنی جماعت زیادہ ہوگی اتنا سرگوشی کرنا بہتر ہوگا اور تہمت سے اور بدگمانی سے دور ہوگا۔ کیا

تم نہیں دیکھتے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کی اور آپ لوگوں کی ایک جماعت میں تھے اور انہوں نے آپ کو خبر دی کہ کوئی کہنے والا کیا کہہ رہا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۵۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۹۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دو آدمیوں کی بات تیسرے کے لیے سننے کی ممانعت

جب دو آدمی ابتداءً بات کر رہے ہوں اور وہاں تیسرا آدمی ہو جو ان کی بات نہ سن رہا ہو، اگر وہ جہراً کلام کریں تو یہ ان کی بات سننے کے لیے آئے تو یہ جائز نہیں ہے۔ اور امام بخاری نے "الادب المفرد" میں حضرت سعید المقبری سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس سے گزرا اور ان کے ساتھ ایک اور آدمی بات کر رہا تھا تو میں بھی وہاں کھڑا ہو گیا تو انہوں نے میرے سینہ پر تھپڑ مارا اور کہا: جب دو آدمی بات کر رہے ہوں تو ان کے درمیان کھڑا نہیں ہونا چاہیے۔

اور امام احمد نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت سعید مقبری سے یہ اضافہ کیا ہے: کیا تم نے نہیں سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب دو آدمی سرگوشی کر رہے ہوں تو ان کے درمیان تیسرا آدمی داخل نہ ہو حتیٰ کہ وہ ان سے اجازت لے لے۔

علامہ ابن عبد البر نے کہا ہے: کسی ایک کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دو سرگوشی کرنے والوں کی سرگوشی کے درمیان حائل ہو جائے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کہتے ہیں: اور میں کہتا ہوں: جب دو آدمی بیٹھے ہوئے ہوں تو تیسرا آدمی ان کے درمیان نہ داخل ہو اور اس کی تاکید اس سے ہوتی ہے کہ جب ان میں سے کوئی ایک بلند آواز سے بات کر رہا ہو تب بھی وہ ان کے درمیان دخیل نہ ہو۔ اور بعض لوگوں کی سمجھ زیادہ ہوتی ہے اور وہ تھوڑی سی بات سن لیں تو اس سے باقی بات پر استدلال کر لیتے ہیں۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ یہ حکم اسلام کی ابتداء میں تھا، جب اسلام پھیل گیا اور لوگ مامون اور محفوظ ہو گئے تو اب یہ حکم ساقط ہو گیا۔ اور علامہ قرطبی نے اس پر تعاقب کیا ہے کہ یہ ان کا قول محض ان کی رائے پر مبنی ہے اور یہ بغیر دلیل کے تخصیص ہے۔

اور علامہ ابن العربی نے کہا ہے: حدیث کے الفاظ عام ہیں اور معنی بھی عام ہے اور اس کی علت یہ ہے کہ تیسرے آدمی کو غم ہوگا، اور یہ علت سفر اور حضر دونوں میں موجود ہے۔ پس واجب ہے کہ اس کو عام قرار دیا جائے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۵۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۲۹۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمًا قِسْمَةً فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ إِنَّ هٰذِهِ لَقِسْمَةٌ مَا أُرِيدَ بِهَا وَجْهُ اللهِ قُلْتُ أَمَا وَاللهِ لَآتِيَنَّ النَّبِيَّ ﷺ فَأَتَيْتُهُ وَهُوَ فِي مَلَإٍ فَسَارَرْتُهُ فَغَضِبَ حَتّٰى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی از ابی حمزہ، از الاعمش از شقیق از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مال غنیمت تقسیم کیا تو انصار کے ایک مرد نے کہا: یہ وہ تقسیم ہے جس سے اللہ عزوجل کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا، حضرت عبد اللہ نے

احْمَرَّ وَجْهُهُ ثُمَّ قَالَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَى مُوسَى أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ۔

بیان کیا: میں نے دل میں کہا: میں بے شک اللہ کی قسم! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں گا، پس میں آپ کے پاس آیا اور آپ لوگوں کی ایک جماعت میں تھے تو میں نے چپکے سے آپ کو خبر دی، آپ ناراض ہوئے حتیٰ کہ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا، پھر آپ نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی رحمت ہو ان کو اس سے زیادہ اذیت دی گئی تھی تو انہوں نے صبر کیا۔

(صحیح بخاری: ۳۱۵۰، ۳۴۰۵، ۴۳۳۵، ۴۳۳۶، ۶۰۵۹، ۶۱۰۰، ۶۲۹۱، ۶۳۳۶، صحیح مسلم: ۱۰۶۲، مسند احمد: ۳۵۹۷)

صحیح البخاری: ۶۲۹۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول سے کہ انہوں نے کہا "میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ ایک جماعت میں تھے تو میں نے چپکے سے آپ کو اس بات کی خبر دی"۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ چپکے سے کسی کے ساتھ بات کرنا اس وقت منع ہے جب صرف دو آدمی ہوں اور جب لوگوں کے درمیان ایک جماعت ہو اور اس وقت کسی کے ساتھ چپکے سے بات کی جائے تو یہ ممنوع نہیں ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدان، یہ عبداللہ بن عثمان بن جبلہ المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوحمزہ کا ذکر ہے، ان کا نام محمد بن میمون السکری ہے، یہ سلیمان الاعمش سے روایت کرتے ہیں از شقیق بن سلمہ از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فی ملأ" یعنی "فی جماعۃ"۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس باب اور اس کی مثل کو کتاب الاستئذان میں ذکر کرنے کی کیا مناسبت ہے؟
پھر انہوں نے کہا: میں کہتا ہوں کہ استئذان کی مشروعیت اس وجہ سے ہے کہ اجنبی شخص جو گھر میں داخل ہو، وہ گھر کے اندرونی احوال پر مطلع نہ ہو۔ یا اس لیے کہ اکثر اور غالب یہ ہے کہ سرگوشی صرف گھروں میں ہوتی ہے اور خالی جگہوں میں ہوتی ہے، تو امام بخاری نے اس حدیث کا کتاب الاستئذان میں بالتبع ذکر کر دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۱۷۔ ۴۱۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا: آپ عدل کریں، اس کو قتل نہ کرنے کی وجوہ

ایک شخص نے کہا: اللہ کی قسم! اس تقسیم میں عدل نہیں کیا گیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے آپ کو چپکے سے یہ بتایا تو آپ سن کر سخت غضب ناک ہوئے اور آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا، حتیٰ کہ میں نے یہ تمنا کی کہ کاش! میں نے آپ کو نہ بتایا ہوتا۔ (صحیح مسلم: ۱۰۶۲)

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہا وہ کافر ہو گیا اور اس کو قتل کیا جائے گا۔ اور اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ اس شخص کو قتل کیا گیا۔

علامہ مازری نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس کے کلام سے نبوت میں طعن کا مفہوم نہ نکلتا ہو اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صرف تقسیم میں عدل کے ترک کرنے کو منسوب کیا ہو، اور ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو اس لیے سزا نہ دی ہو کہ اس کا یہ جرم ثابت نہیں ہوا تھا، صرف ایک شخص نے اس کی بدگوئی کو نقل کیا تھا، اور صرف ایک شخص کی گواہی سے خون نہیں بہایا جاتا۔

(اکمال المعلم ج ۳ ص ۶۰۷)

علامہ مازری کی تاویل کو لکھنے کے بعد قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

یہ تاویل اس لیے درست نہیں ہے کہ اس شخص نے کہا تھا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! عدل کیجئے، اور کہا تھا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ سے ڈریں۔ (صحیح مسلم: ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۳) اور اس نے صحابہ کی جماعت میں اس طرح کہا تھا، حتیٰ کہ حضرت عمر اور حضرت خالد رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: معاذ اللہ! لوگ کہیں گے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب کو قتل کر رہے ہیں، تو اس شخص کو قتل نہ کرنے کا یہ سبب ہے، اور آپ نے اس شخص کو ان منافقین کے حکم میں رکھا جنہوں نے متعدد بار آپ کو ایذاء دی اور آپ نے ان سے ناگفتنی باتیں سنیں، لیکن آپ نے ان کی باتوں پر صبر کیا اور تحمل کیا تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ آپ اپنے اصحاب کو قتل کر رہے ہیں اور ہم نے اپنی کتاب الشفاء کی قسم رابع میں بہت تفصیل سے لکھا ہے کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کرے، وہ کافر ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۳ ص ۶۰۷۔ ۶۰۸، دار الوفاء)

علامہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اگر یہ سوال کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان منافقین کو قتل کیوں نہیں کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالعموم ایذاء پہنچاتے تھے اور اس یہودی کو قتل کیوں نہیں کیا جس نے آپ سے کہا تھا: ''السام علیکم'' (تم پر موت آئے)۔ حالانکہ یہ بددعا تھی اور اس شخص کو قتل کیوں نہیں کیا جس نے آپ کی تقسیم پر اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس تقسیم سے اللہ کی رضامندی کا ارادہ نہیں کیا گیا، اور ایک مرتبہ کہا: عدل کر! اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے منافقین کو اس لیے قتل نہیں کیا کہ وہ اسلام کا ابتدائی دور تھا، اس وقت آپ لوگوں کے ایمان لانے کی خاطر ان کی تالیف قلب (دل جوئی) کرتے تھے، اور اسلام کو ان کے دلوں میں مزین کرتے تھے، اور اس وقت مسلمانوں کی کثرت کی ضرورت تھی، اور اس وقت آپ صحابہ سے فرماتے تھے کہ لوگوں کو اپنی طرف راغب کرو اور ان کو متنفر نہ کرو، اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے بھی آپ سے یہی ارشاد فرمایا تھا:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ (المومنون: ۹۶) اچھے طریقہ سے برائی کو دور کیجئے۔

اور آپ فرماتے تھے: اللہ تعالیٰ نے مجھے ان لوگوں کے قتل سے منع فرمایا ہے، اس وجہ سے آپ ان کی ایذاء رسانی کو برداشت کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب دین اسلام پھیل گیا اور تمام ادیان پر غالب آ گیا تو آپ جن گستاخوں کو قتل کرنے پر قادر ہوئے، ان کے قتل کا حکم دیا، اسی طرح آپ نے بعض گستاخوں کے خون کو مباح کر دیا، جیسے کعب بن زہیر اور ابن زبعری وغیرہ۔

منافقین کو قتل نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ منافقوں کا بہ ظاہر مسلمانوں میں شمار ہوتا تھا، اور بارگاہِ رسالت میں منافقوں

کے جو گستاخانہ کلمات پہنچائے گئے تھے، ان کو کسی ایک صحابی نے نقل کیا تھا، اور منافقین ان کلمات سے بری ہونے پر قسم کھا لیتے تھے، علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ایمان کے خواہش مند تھے، اس لیے ان کی ایذاء رسانیوں پر صبر کرتے تھے، جیسا کہ ہمیشہ اولوا العزم رسول کرتے رہے ہیں، یہاں تک کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا، اور ان کی وجہ سے اسلام کو بہت تقویت پہنچی۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ان سے وہ گستاخانہ کلمات قطعی طور پر ثابت نہیں تھے، کیونکہ ان کلمات کو کسی بچہ نے نقل کیا تھا، یا غلام نے یا عورت نے اور نصاب شہادت یعنی دو مردوں کی گواہی کے بغیر کسی کا خون بہانا جائز نہیں ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے علم نبوت سے ان کے خلاف فیصلہ اس لیے نہیں کیا کہ بہ ظاہر ان کا شمار مسلمانوں اور صحابہ میں ہوتا تھا، اور اگر آپ ان کو اس وجہ سے قتل کر دیتے کہ آپ کے علم میں وہ منافق تھے تو مخالفین اور معاندین آپ کے خلاف پروپیگنڈا کرتے کہ آپ جس کو قتل کرنا چاہتے ہیں، اس پر نفاق کی تہمت لگا کر قتل کر دیتے ہیں اور اس سے اسلام کی تبلیغ اور اشاعت میں رکاوٹ ہوتی، یہی وجہ ہے کہ آپ نے اس شخص کو قتل کرنے سے منع فرمایا جس نے آپ سے کہا تھا: ''اعدل'' اور قتل کرنے سے اس لیے منع فرمایا کہ لوگ کہیں گے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں، اسی وجہ سے ابن معاذ اور ابن قصار نے کہا ہے کہ یہ لوگ اگر اپنے نفاق کو ظاہر کرتے تو آپ ان کو قتل کر دیتے۔ رہا یہ کہ آپ نے اس یہودی کو قتل نہیں کیا جس نے کہا تھا: ''السام علیکم'' (تم پر موت آئے)، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس یہودی کا مسلمانوں سے معاہدہ تھا اور یہ ابتداء اسلام کا واقعہ تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کو قتل نہ کرنے کی وجہ یہ ہو کہ آپ کو یہ توقع تھی کہ اس کے ساتھ نرمی کرنے کی وجہ سے کچھ لوگ اسلام قبول کر لیں گے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۳ ص ۱۹۳۔ ۱۹۲، بیروت)

قاضی عیاض مالکی نے اپنی کتاب الشفاء میں جو گستاخ رسول کے متعلق فقہاء کے قول کا ذکر کیا ہے، وہ عبارت یہ ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کرنے والے کے متعلق ائمہ اربعہ کے مسالک

جان لو کہ امام مالک ان کے اصحاب، سلف صالحین اور جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس نے گالی دی اور اس کے بعد توبہ کر لی تو اس کو بہ طور حد قتل کیا جائے گا نہ بہ طور کفر، شیخ ابو الحسن قابسی رحمہ اللہ نے فرمایا: جب کسی شخص نے آپ کو گالی دینے کا اقرار کیا اور اس کے بعد توبہ کر لی اور توبہ کا اظہار کر دیا تو اس کو گالی دینے کے سبب سے قتل کیا جائے گا کیونکہ یہ اس کی حد ہے، ابو محمد بن ابی زید نے بھی یہی کہا ہے، البتہ اس کی توبہ اس کو آخرت میں نفع دے گی اور وہ عند اللہ مؤمن قرار پائے گا۔

(الشفاء ج ۲ ص ۲۲۳۔ ۲۲۲، مطبوعہ ملتان)

علامہ سید محمد ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی ہو، اس کی توبہ قبول نہ کرنا امام مالک کا مشہور مذہب ہے۔ اور امام احمد بن حنبل کا مشہور مذہب بھی یہی ہے اور ایک روایت میں ان سے یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی، لہٰذا ان کا مذہب امام مالک کی طرح ہے، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس کا حکم مرتد کی طرح ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ مرتد کی توبہ قبول کی جاتی ہے جیسا کہ بعض وغیرہ سے منقول ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ ہے تو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما یا ان میں سے کسی ایک کو گالی دینے والے کا حکم بہ طریق اولیٰ یہی ہوگا کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے، بہر حال یہ بات ظاہر ہو گئی کہ احناف اور شوافع

مذہب یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور امام مالک سے بھی یہ ایک ضعیف روایت سے ثابت ہے۔

(ردالمحتار ج ۳ ص ۴۰۴۔۴۰۱، مطبوعہ عثمانیہ، استنبول)

صحیح البخاری: ۶۲۹۱، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۶۲۹۱ میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن مال غنیمت کو تقسیم کیا، تو انصار کے ایک مرد نے کہا: یہ وہ تقسیم ہے جس سے اللہ عزوجل کی رضاء کا ارادہ نہیں کیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سنو! اللہ کی قسم! میں ضرور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بیان کروں گا، پس میں آپ کے پاس آیا اور آپ ایک جماعت میں تھے، میں نے آپ کو چپکے سے یہ بات بتائی، آپ ناراض ہوئے حتیٰ کہ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا، پھر آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ پر رحم فرمائے، ان کو اس سے زیادہ اذیت دی گئی تھی تو انہوں نے اس پر صبر کیا۔ (صحیح مسلم: ۱۷۵۹)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ شیطان ابن آدم کے خون جاری ہونے کی جگہوں میں دوڑتا ہے۔ پس انصار کے جس مرد نے یہ سنگین بات کہی کہ اس تقسیم سے اللہ عزوجل کی تقسیم کا ارادہ نہیں کیا گیا تو شیطان کبھی انسان کو سنگین الزام پر برانگیختہ کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی تقسیم کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہیں ہے۔ پھر کون آپ کے بعد اللہ کی رضا کے لیے کام کرے گا؟!! کوئی نہیں کر سکتا۔ اور اس حدیث میں ایک اور انصاری کے قول کی نظیر ہے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ کیا کہ وہ اپنی پتھریلی زمینوں کو سیراب کریں، کیونکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا وہاں پر باغ تھا اور ان کے پڑوسی انصاری کا بھی ایک باغ تھا اور پانی پہلے حضرت زبیر کے باغ میں بہہ کر آتا تھا، پھر انصاری کے باغ میں بہہ کر آتا تھا، اور ان میں زیادہ حقدار وہ تھا جو بلندی پر ہو اور وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تھے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے زبیر! تم پانی دو اور پھر اپنے پڑوسی کے باغ کی طرف چھوڑ دو، پھر وہ اپنے باغ کو پانی دیں گے۔ اور جو اس پانی کی وجہ سے تم کو فصل حاصل ہو اس کو صدقہ کر دینا خواہ تھوڑی مقدار میں ہو، تو وہ انصاری غضبناک ہو گیا، اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ نے یہ فیصلہ اس لیے کیا ہے کہ یہ آپ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور آپ نے فرمایا: اے زبیر! تم اپنے باغ کو پانی دو حتیٰ کہ پانی تمہاری دیواروں تک پہنچ جائے، پھر اس کو اپنے پڑوسی کے لیے چھوڑ دینا۔ (صحیح البخاری: ۲۱۸۷، صحیح مسلم: ۲۳۵۷)

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حق کی حفاظت کی اور ان دیواروں کی جو اس کھیت میں پانی کے حوض کے درمیان حدود فاصلہ تھیں۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حضرت زبیر بن العوام کو ان کے بعض حقوق عطا کیے تا کہ ان کو کافی مقدار میں پانی پہنچ جائے۔ اور باقی ان کے پڑوسی کو مل جائے، تو اس میں دو مصلحتیں تھیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی مصلحت بھی تھی اور ان کے پڑوسی کی مصلحت بھی تھی، کیونکہ اس کو پانی کی سیرابی سے محروم نہیں فرمایا۔ پس جب اس نے یہ سنگین بات کہی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کو ان کا پورا حق دیا اور ان کو حکم دیا کہ پانی کو دیواروں تک پہنچاؤ، پھر اپنے پڑوسی کے لیے چھوڑ دینا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذاء دینے کی تفصیل

اس حدیث کا دوسرا جز دیہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہوئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحمت فرمائے، ان کو اس سے زیادہ اذیت دی گئی تھی تو انہوں نے صبر کیا۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا درج ذیل ارشاد ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۞ (الاحزاب:٦٩)

اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو اذیت پہنچائی تھی، تو اللہ نے موسیٰ کو ان کی تہمت سے بری کر دیا، اور وہ اللہ کے نزدیک معزز تھے O

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ایذاء نہ دو جس طرح موسیٰ (علیہ السلام) کو اذیت دی گئی تھی۔ پس موسیٰ (علیہ السلام) کو حسی اور معنوی طور پر ایذاء دی گئی۔ ان کو ان کے دین میں بھی ایذاء دی گئی اور ان کی خلقت میں بھی ایذاء دی گئی حتیٰ کہ انہوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آدر ہیں، یعنی ان کے خصیے بڑے ہیں اور یہ عیب ہے، تو اللہ عزوجل نے ان کو ان کے لگائے ہوئے عیب سے بری کر دیا جب کہ انہوں نے ایک دن غسل کیا اور اپنے کپڑے پتھر پر رکھ دیے تو پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگ گیا حتیٰ کہ وہ بنی اسرائیل تک پہنچے اور جب وہ بنی اسرائیل تک پہنچے تو پتھر ٹھہر گیا اور موسیٰ علیہ السلام نے اس پتھر کو پالیا، اور فرمایا: اے پتھر! میرے کپڑے دے، اے پتھر! میرے کپڑے دے۔ اور بنی اسرائیل نے آپ کو برہنہ دیکھ لیا اور انہوں نے مشاہدہ کر لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں کوئی عیب نہیں ہے، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے لگائے ہوئے عیب سے بری کر دیا۔

(شرح صحیح بخاری ج ٦ ص ١٢٥، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ١٤٢٩ھ)

٤٨۔ بَابُ: طُوْلِ النَّجْوٰى

لمبی سرگوشی کا بیان

وقوله: (وَ اِذْهُمْ نَجْوٰى) (بنی اسرائیل:٤٧) مَصْدَرٌ مِنْ نَاجَيْتُ، فَوَصَفَهُمْ بِهَا وَالْمَعْنٰى: يَتَنَاجَوْنَ۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''اور جب وہ آپس میں سرگوشی کرتے ہیں'' ''نجویٰ'' ناجیت کا مصدر ہے، اس مصدر کے ساتھ ان لوگوں کی صفت فرمائی اور معنی یہ ہے کہ وہ مناجات یعنی سرگوشی کرتے ہیں۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں لمبی سرگوشی کا بیان ہے اور ''نجویٰ'' ''تناجی'' کا اسم ہے جو مصدر کے قائم مقام ہے۔

امام بخاری نے تعلیق ذکر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وَ اِذْهُمْ نَجْوٰى'' یعنی وہ سرگوشی ہیں۔ سرگوشی کرنے والوں پر سرگوشی کا اطلاق کرنا باب مبالغہ سے ہے، جیسے کہا جاتا ہے ''ابوحنیفہ فقہ ہیں''۔ امام بخاری نے کہا: یہ مصدر ہے، ہم نے بیان کیا ہے کہ یہ اسم مصدر ہے جو مصدر کے قائم مقام ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ازہری نے کہا ہے کہ وہ سرگوشی کرنے والے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ٢٢ ص ٤١٨، دارالکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

٦٢٩٢ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنهُ قَالَ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ وَرَجُلٌ يُنَاجِي رَسُولَ اللهِ ﷺ فَمَا زَالَ يُنَاجِيهِ حَتَّى نَامَ أَصْحَابُهُ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبدالعزیز از حضرت انس رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: نماز قائم کی گئی اور ایک مرد رسول اللہ ﷺ سے سرگوشی کر رہا تھا، وہ مسلسل سرگوشی کرتا رہا حتیٰ کہ آپ کے اصحاب سو گئے، پھر آپ کھڑے ہوئے اور آپ نے ان کو نماز پڑھائی۔

(صحیح بخاری: ٦٤٢، ٦٤٣، ٦٢٩٢، صحیح مسلم: ٣٧٦، سنن ترمذی: ٥١٨، سنن نسائی: ٧٩١، سنن ابوداؤد: ٥٤٤، مسند احمد: ١١٥٧٦)

صحیح البخاری: ٦٢٩٢، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کی حدیث کے عنوان کے ساتھ مطابقت نفسِ حدیث سے ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن بشار، یہ بندار ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن جعفر، یہ غندر ہیں۔ اور اس میں مذکور ہے عبدالعزیز، یہ ابن صہیب ہیں۔

یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ میں "باب الامام تعرض له الحاجة بعد الاقامة" میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اور ایک مرد رسول اللہ ﷺ سے سرگوشی کر رہا تھا"۔ اور وہاں پر حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ نبی ﷺ ایک مرد سے مسجد کی ایک جانب میں سرگوشی کر رہے تھے، آپ اس وقت تک نماز پڑھانے کے لیے کھڑے نہیں ہوئے حتیٰ کہ لوگ سو گئے۔ (عمدۃ القاری ج ٢٢ ص ٣١٨۔٣١٩، دارالکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

صحیح البخاری: ٦٢٩٢، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ١٤٢١ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لمبی سرگوشی کے جواز اور عدم جواز کا محمل

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے صاحب سے لمبی سرگوشی کر سکتا ہے یا نہیں؟

اور ہمیں رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث معلوم ہے: "کہ جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ وہ نیک بات کہے ورنہ خاموش رہے"۔ (صحیح البخاری: ٥٩٩٤، صحیح مسلم: ٦٧)

اور جب ہم کو یہ معلوم ہو گیا تو لمبی سرگوشی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جب کہ اس سرگوشی کا تعلق کسی نیک بات سے ہو۔ اور

جب وہ سرگوشی کسی بری بات سے یا شر سے متعلق ہو اور اس میں خیر نہ ہو تو پھر اس سرگوشی کا لمبا ہونا ممنوع ہے۔
نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نماز کی اقامت کے بعد امام سے مناجات اور سرگوشی کرنا جائز ہے۔ اور لمبی سرگوشی کرنا بھی مضر نہیں ہے، کیونکہ یہ شرط نہیں ہے کہ نماز کی اقامت اور نماز پے در پے ہو، کیونکہ صحابہ سو گئے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے "حتیٰ کہ آپ کے اصحاب سو گئے، پھر آپ نے ان کو نماز پڑھائی"۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز کی اقامت اور نماز کے درمیان طویل فصل جائز ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ مکبر نے نماز کے ارادہ سے اقامت کہی ہو، یعنی اگر مکبر کو یہ معلوم ہو کہ ابھی نماز نہیں پڑھائی جائے گی اور دیر میں پڑھائی جائے گی اور وہ اقامت کہے اور پھر اقامت اور نماز میں فصل ہو اور اس کو اس چیز کے پیدا ہونے کا کوئی علم نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے خواہ طویل فصل ہو۔

مطلقاً نیند سے وضو نہ ٹوٹنے کا بیان

نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مطلقاً نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا، کیونکہ نفسِ نیند حدث نہیں ہے۔ نیند حدث کے گمان کا سبب ہے، کیونکہ جو شخص سو گیا تو اس کے متعلق یہ گمان ہوگا کہ وہ نیند میں بے وضو ہو گیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ "آنکھ سرین کی حفاظت کرتی ہے، پس جب دونوں آنکھیں سو جائیں گی تو اس کے پٹھے ڈھیلے پڑ جائیں گے اور ہوا خارج ہو جائے گی"۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب اس نے گہری نیند کی اور اس کو اپنے نفس کا پتا نہیں چلا اگر اس کا وضو ٹوٹ گیا، لیکن تھوڑی سی نیند اگر انسان کو پیش آئے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا، جب کہ وہ سرین کو جما کر بیٹھا ہوا ہو یا رکوع میں ہو یا سجدہ میں ہو یا قیام میں ہو اور اس حالت میں نیند آ جائے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۷۰ ۱۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۴۹۔ بَابٌ: لَا تُتْرَكُ النَّارُ فِي الْبَيْتِ عِنْدَ النَّوْمِ — سوتے وقت گھر میں آگ کو نہ چھوڑا جائے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ سوتے وقت گھر میں آگ کو نہ چھوڑا جائے۔ یعنی کوئی شخص سوتے وقت اپنے گھر میں آگ کو نہ چھوڑے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۹۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا تَتْرُكُوا النَّارَ فِي بُيُوتِكُمْ حِينَ تَنَامُونَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عیینہ نے حدیث بیان کی از الزہری از سالم از والد خود از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: تم اپنے گھروں میں اس وقت آگ کو نہ چھوڑو جب تم سوتے ہو۔

(صحیح مسلم: ۲۰۱۵، سنن ترمذی: ۱۸۱۳، سنن ابوداؤد: ۵۲۴۶، سنن ابن ماجہ: ۳۷۶۹، مسند احمد: ۴۵۰۱)

صحیح البخاری: ۶۲۹۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابونعیم، یہ الفضل بن دکین ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن عیینہ، یہ سفیان ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے سالم، یہ حضرت ابن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم ہیں، وہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "تم آگ کو نہ چھوڑو"۔ اس حدیث میں لفظِ آگ عام ہے، اس میں چراغ کی آگ اور موم بتی کی آگ داخل ہے، اور وہ قندیلیں جو مساجد وغیرہ میں معلق ہوتی ہیں جب ان سے ضرر کا خطرہ نہ ہو جیسا کہ اکثر ایسا ہوتا ہے تو ظاہر ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "جس وقت تم سو رہے ہو"۔ اس حدیث میں سونے کے ساتھ مقید فرمایا ہے، کیونکہ اس وقت میں غفلت ہوتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۹۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى رضی اللہ عنہ قَالَ احْتَرَقَ بَيْتٌ بِالْمَدِينَةِ عَلَى أَهْلِهِ مِنَ اللَّيْلِ فَحُدِّثَ بِشَأْنِهِمُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ هٰذِهِ النَّارَ إِنَّمَا هِيَ عَدُوٌّ لَكُمْ فَإِذَا نِمْتُمْ فَأَطْفِئُوهَا عَنْكُمْ۔ (صحیح مسلم: ۲۰۱۶، سنن ابن ماجہ: ۳۷۷۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی از برید بن عبداللہ از ابی بردہ از حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ میں رات کے وقت ایک گھر ان کے گھر والوں کے اوپر جل گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ بتایا گیا، تو آپ نے فرمایا: یہ آگ صرف تمہاری دشمن ہے، پس جب تم سوؤ تو اس آگ کو اپنے پاس سے بجھادو۔

صحیح البخاری: ۶۲۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ آگ کو بجھادو، کیونکہ آگ کو بجھانا اس کو مستلزم ہے کہ گھر میں آگ کو جلتا ہوا نہ چھوڑا جائے۔ اور اس باب کا عنوان بھی یہی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن العلاء، یہ ابوکریب الہمدانی الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے ابواسامہ، یہ حماد بن اسامہ ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے برید بن عبداللہ بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری رضی اللہ عنہ، اور یہ برید اپنے دادا حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ان کا نام عامر ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام الحارث ہے، وہ از حضرت ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ان هذه النار انما هی عدو لکم" یعنی یہ آگ تمہاری دشمن ہے۔

علامہ ابن العربی نے کہا ہے: آگ کا ہماری دشمن ہونے کا معنی یہ ہے کہ یہ آگ ہمارے ابدان اور ہمارے اموال کے اس طرح منافی ہے جس طرح دشمن منافی ہوتا ہے۔ ہر چند کہ اس آگ میں ہمارے لیے منفعت بھی ہے مگر وہ کسی واسطہ سے حاصل ہوتی ہے۔ پس اس کے اوپر ہمارے دشمن ہونے کا اطلاق کیا، کیونکہ اس میں عداوت کا معنی پایا جاتا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس سے واضح بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ تم جس وقت میں اور جس جگہ میں بھی آگ کے قریب جاؤ گے تو وہ تمہیں جلا دے گی اور تم کو چھوڑے گی نہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۱۹۔ ۴۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۹۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ كَثِيرٍ هُوَ ابْنُ شِنْظِيرٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ خَمِّرُوا الْآنِيَةَ وَأَجِيفُوا الْأَبْوَابَ وَأَطْفِئُوا الْمَصَابِيحَ فَإِنَّ الْفُوَيْسِقَةَ رُبَّمَا جَرَّتِ الْفَتِيلَةَ فَأَحْرَقَتْ أَهْلَ الْبَيْتِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از کثیر (اور وہ ابن شنظیر ہیں) از عطا از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: برتنوں کو ڈھانپ دو، اور دروازوں کو لوٹا دو (یعنی بند کر دو)، اور چراغوں کو بجھا دو، کیونکہ "فاسق جانور" (یعنی چوہا) بعض اوقات چراغ کی بتی کو کھینچ لیتا ہے اور گھر والوں کو جلا دیتا ہے۔

(صحیح بخاری: ۳۳۱۶، صحیح مسلم: ۲۰۱۲، سنن ترمذی: ۲۸۵۷، مسند احمد: ۱۴۴۷۷، موطا امام مالک: ۱۷۲۷)

صحیح البخاری: ۶۲۹۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حماد، وہ ابن زید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں کثیر کا ذکر ہے، وہ ابن شنظیر الازدی البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عطاء، وہ ابن ابی رباح ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے"خمّروا" یہ تخمیر کے باب سے امر کا صیغہ ہے، اس کا معنی ہے: ڈھانپنا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے"اجیفوا" یہ "اجافة" سے امر کا صیغہ ہے، اس کا معنی ہے: رد کرنا۔ کہا جاتا ہے "اجفت الباب" یعنی میں نے دروازہ کو لوٹا دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے"الفویسقة" یہ "فاسقة" کی تصغیر ہے، اس سے مراد ہے چوہا۔

علامہ قرطبی مالکی نے کہا ہے: اس حدیث میں امر بھی ہے اور نہی بھی ہے۔ اور اس حدیث میں ارشاد اور رہنمائی ہے۔ اور کبھی یہ استحباب کے لیے ہوتا ہے۔ علامہ نووی نے وثوق سے کہا ہے کہ یہ ارشاد کے لیے ہے، کیونکہ اس میں دنیاوی مصلحتیں ہیں۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ کبھی اس میں دینی مصلحت ہوتی ہے اور وہ ہے نفس کی حفاظت کرنا جس کو قتل کرنا حرام ہے اور مال کی حفاظت کرنا جس کو ضائع کرنا حرام ہے۔

حدیث میں ہے: امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی اور امام ابن حبان نے اور امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ روایت کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک چوہا آیا اور اس نے چراغ کی بتی کو کھینچا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مصلّٰی پر ڈال دیا جس پر آپ بیٹھے ہوئے تھے، سو اس سے ایک درہم جتنی جگہ جل گئی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم سوؤ تو اپنے چراغوں کو بجھا دو، کیونکہ شیطان اس قسم کی چیزوں کی رہنمائی کرتا ہے تاکہ تم کو جلا دے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۹۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض الفاظ کے معانی اور اس باب کی حدیث کی تائید میں دیگر احادیث

اس حدیث میں "تخمیر" کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے ڈھانپنا، اسی سے خمر کا لفظ ماخوذ ہے کیونکہ وہ بھی عقل کو ڈھانپتی ہے، اور عورت کے دوپٹہ کو خمار کہتے ہیں اور خمر اس چیز کو کہتے ہیں جو تم سے مستور ہو۔

اس حدیث میں "اجیفوا" کا لفظ ہے یعنی دروازہ کو بند کر دو تاکہ چور سے اور شیطان سے حفاظت رہے۔

اس حدیث میں "الفویسقة" کا لفظ ہے یعنی چوہا۔ اس کو فاسق فرمایا ہے اگرچہ اس کو نہ کسی بات کا حکم دیا جاتا ہے اور نہ کسی چیز سے منع کیا جاتا ہے، کیونکہ اس کا فعل فساد کا فعل ہے۔ اسی کی مثل یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ فاسق ہیں ان کو حرم میں بھی قتل کر دیا جائے: (۱) چوہا (۲) بچھو (۳) چیل (۴) کوا (۵) کاٹنے والا کتا۔

(صحیح بخاری: ۱۸۲۹، ۳۳۱۴، صحیح مسلم: ۱۱۹۸، سنن ترمذی: ۸۳۷، سنن نسائی: ۲۸۸۸، سنن ابن ماجہ: ۳۰۸۷، مسند احمد: ۲۴۰۴۸، سنن دارمی: ۱۹۱۷)

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ تمہارا دشمن ہے"۔ یعنی چوہا دشمن کا فعل کرتا ہے کہ گھر کو جلا دیتا ہے۔ اور آپ نے برتن کو ڈھانپنے کا حکم دیا، اسی طرح مشک کے منہ کو بند کرنے کا حکم دیا، کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ برتنوں کو ڈھانپ کر رکھو اور مشک کا منہ ڈوری سے باندھ دو، کیونکہ سال میں ایک ایسی رات آتی ہے جس میں وبا نازل ہوتی ہے، وہ کسی ایسے برتن پر نہیں گزرتی جو ڈھکا ہوا نہ ہو، یا کسی مشک پر سے نہیں گزرتی جس کا منہ باندھا ہوا نہ ہو مگر اس میں وہ وبا نازل ہو جاتی ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۰۱۴، مسند احمد: ۱۴۸۳۵)

ان احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص رات کو اس گھر میں سونے کا ارادہ کرے جس میں اس کے علاوہ اور کوئی نہ ہو اور اس میں آگ بھی ہو یا چراغ بھی ہو تو وہ سونے سے پہلے چراغ کو بجھا دے اور آگ سے حفاظت کر لے تا کہ اس کے جلانے کا ضرر نہ پہنچے۔ اسی طرح اگر اس کے گھر میں جماعت ہو تو ان پر واجب ہے کہ جب وہ سونے کا ارادہ کریں تو اس وقت تک نہ سوئیں جب تک کہ یہ حفاظتی تدابیر اختیار نہ کر لی جائیں، کیونکہ شارع علیہ السلام نے اس کا حکم دیا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک چوہا آیا اور اس نے چراغ کی بتی کو گھسیٹا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس جانماز پر ڈال دیا جس پر آپ بیٹھے ہوئے تھے، تو اس جانماز سے ایک درہم جتنی جگہ جل گئی۔

(سنن ابوداؤد: ۵۲۴۷، صحیح ابن حبان: ۵۵۱۹، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۲۸۵۔ ۲۸۴)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۵۳۔ ۱۵۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اس باب کی شرح میں جو کچھ لکھا ہے وہ علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی شرح سے ماخوذ ہے۔ (دیکھیے: شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۷۰۔ ۷۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۹۵، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی آفت اور مصیبت کے نازل ہونے سے پہلے اس کا سدِ باب کرنا چاہیے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ پرہیز علاج سے بہتر ہے۔

(۲) اگر گھر والے بیدار ہوں تو پھر آگ کو نہ بجھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۳) اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ جب اس آگ سے حفاظت اور امن ہو، تو پھر آگ کو چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۴) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ چوہے کو قتل کرنا چاہیے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فاسق فرمایا ہے، کیونکہ بسا اوقات یہ چوہا چراغ کی بتی کو گھسیٹتا ہے اور گھر والوں کو آگ لگا دیتا ہے۔

(۵) چوہا سونے کی دھات میں رغبت کرتا ہے۔

ہمارے شیخ عبدالرحمٰن السعدی نے بیان کیا کہ ایک عالم دین بیٹھے ہوئے کتاب لکھ رہے تھے۔ پس ایک چوہا آیا، انہوں نے اس کے اوپر کوئی چیز رکھ دی، پھر اس چوہے کی بہن اس کو طلب کرنے کے لیے آئی لیکن وہ اس چیز کو اٹھانے پر قادر نہ ہوئی، پھر وہ چھت کی طرف گئی اور میرے پاس ایک دینار کو لا کر پھینک دیا لیکن انہوں نے اس گرفتار چوہے کو آزاد نہیں کیا، پھر وہ گئی اور ایک

اور دینار لے آئی، پھر تیسرا، پھر چوتھا یہاں تک کہ وہ دس دینار لے کر آئی، اور آخر میں وہ تھیلی لے کر آئی جس میں دینار تھے، اور ظاہر یہ ہے کہ اس شیخ نے اس چوہے اور اس کی بہن دونوں کو مار ڈالا تھا۔

آگ کے متعلق قرآن مجید کی درج ذیل آیات ہیں

أَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ۝ ءَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ ۝ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۝ (الواقعہ: ۷۱۔۷۴)

بھلا بتاؤ کہ جس آگ کو تم سلگاتے ہو O کیا اس کے لیے درختوں کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں O ہم نے اس کو نصیحت بنایا اور مسافروں کے لیے فائدہ کی چیز O سو آپ اپنے رب کے اسم کی تسبیح کرتے رہیے O

آیاتِ مذکور کی تفسیر اور آگ کے فوائد

اس زمانہ میں آگ کے حصول کا یہی ذریعہ تھا کہ درختوں سے لکڑیاں کاٹ کر ایندھن حاصل کیا جائے، پھر زمین کی کانوں سے پتھر کا کوئلہ نکل آیا اور لکڑیوں کو جلا کر اس سے بھی کوئلہ حاصل کیا جانے لگا، پھر زمین سے تیل نکل آیا اور قدرتی گیس نکل آئی، لیکن جس طرح جنگل میں درخت اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں، اسی طرح پتھر کا کوئلہ اور گیس اور تیل کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور بندوں پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں۔

یعنی ہم نے دنیا کی آگ کو پیدا کیا تا کہ تم اس کی حدت، حرارت اور سوزش کو دیکھ کر آخرت کی آگ سے ڈرو۔ اس آیت میں ''مقوین'' کا لفظ ہے، اس کا مادہ ''قوی'' ہے، اس کا معنی ہے: وہ گھر جو رہنے والوں سے خالی ہو۔ مسافروں کو ''مقوین'' اس لیے کہتے ہیں کہ بعض اوقات وہ دورانِ سفر ایسی جگہ جاتے ہیں جہاں چٹیل میدان اور ویرانہ ہو اور کھانے پینے کی کوئی چیز دستیاب نہ ہو، وہاں جنگل میں قیام کے وقت مسافر آگ جلاتے ہیں تا کہ کوئی جنگلی درندہ آ کر ان کو ضرر نہ پہنچائے۔ اور بعض اوقات وہ کسی حلال جانور یا پرندہ کو شکار کر کے اس کو آگ پر بھون لیتے ہیں اور یوں اپنی بھوک مٹاتے ہیں۔ (انوار تبیان القرآن ص ۸۵۶، فرید بک اسٹال، لاہور)

شیخ ابن عثیمین نے لکھا ہے کہ خلاصہ یہ ہے کہ آگ میں فوائد بھی ہیں اور آگ سے ضرر بھی ہوتا ہے۔ سو ہمیں چاہیے کہ اس کے ضرر سے احتراز کریں اور اس کے فوائد کے حصول کی امید اور توقع رکھیں۔ (شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۲۸۔۱۲۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۰۔ بَابُ إِغْلَاقِ الْأَبْوَابِ بِاللَّيْلِ

رات میں دروازوں کو بند کر دینے کا بیان

۶۲۹۶۔ حَدَّثَنَا حَسَّانُ بْنُ أَبِي عَبَّادٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا عَطَاءٌ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَطْفِئُوا الْمَصَابِيحَ بِاللَّيْلِ إِذَا رَقَدْتُمْ وَغَلِّقُوا الْأَبْوَابَ وَأَوْكُوا الْأَسْقِيَةَ وَخَمِّرُوا الطَّعَامَ وَالشَّرَابَ قَالَ هَمَّامٌ وَأَحْسِبُهُ قَالَ وَلَوْ بِعُودٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حسان بن ابی عباد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از عطاء از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم سوؤ تو رات کے وقت چراغوں کو بجھا دو اور دروازوں کو بند کر دو اور مشک کے منہ کو ڈوری سے باندھ دو، اور کھانے اور پینے کی چیزوں کو ڈھانپ دو۔ ہمام

نے کہا: میرا گمان ہے انہوں نے بیان کیا خواہ لکڑی سے۔

(صحیح بخاری: ۵۶۲۴، صحیح مسلم: ۲۰۱۲، سنن ترمذی: ۱۸۱۲، مسند احمد: ۱۴۵۹۷، موطا امام مالک: ۱۷۲۷)

صحیح البخاری: ۶۲۹۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حسان بن ابی عباد کا ذکر ہے اور ابو عباد کا نام بھی حسان ہی ہے۔ نیز ابو علی البصری مکہ میں رہے اور ۲۱۳ھ میں فوت ہو گئے اور امام بخاری ان سے روایت کرنے میں منفرد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ہمام کا ذکر ہے، یہ ابن یحییٰ ہیں۔ اور عطاء کا ذکر ہے، یہ ابن ابی رباح ہیں۔

رات کے وقت دروازہ بند کرنے کی حکمت

اس حدیث میں دروازوں کے بند کرنے کا حکم فرمایا ہے، کیونکہ رات کو شیاطین پھیل جاتے ہیں اور یہ مسلمانوں پر مسلط ہوتے ہیں اور ان کو ایذاء پہنچاتے ہیں۔ اور ایک اور حدیث میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رات اپنے پر پھیلائے تو اپنی اولاد کو گھروں میں روک لیا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ رات کو اپنی مخلوق میں سے ان کو پھیلا دیتا ہے جن کو دن میں نہیں پھیلاتا۔ اور شیاطین کے لیے رات میں انتشار اور پھیلنا ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۹۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب مذکور کی تائید میں دیگر احادیث

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رات اپنے پر پھیلاتی ہے تو تم اپنے بچوں کو روک لو، کیونکہ اس وقت شیطان پھیل جاتے ہیں۔ پس جب عشاء کی ایک ساعت گزر جائے تو اپنے بچوں کو کھول دو اور اپنا دروازہ بند کر دو اور بسم اللہ پڑھو اور اپنے چراغ کو بجھا دو، اور اللہ کے نام کا ذکر کرو، اور اپنی مشک کا منہ بند کر دو، اور اللہ کے نام کا ذکر کرو، اور اپنے برتنوں کو ڈھانپ دو۔ اور اللہ کے نام کا ذکر کرو، اور اگر تم برتن پر کوئی چیز عرض کی جانب رکھ دو۔

(صحیح البخاری: ۳۲۸۰، ۳۳۰۴، ۳۳۱۶، ۵۶۲۳، ۵۶۲۴، ۶۲۹۵، ۶۲۹۶، صحیح مسلم: ۲۰۱۲، سنن ترمذی: ۱۸۱۲، سنن ابوداؤد: ۳۷۳۱، مسند احمد: ۱۴۰۲۵)

اور عقیل نے کہا: عورت کو اس وقت وضو کرنے سے اپنی حفاظت کرنی چاہیے، سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن میں ان کے لیے مصلحت ہے ان کی نیند میں اور ان کی بیداری میں۔

اور امام مالک نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ شیطان کسی بند دروازہ کو نہیں کھولتا اور نہ اس مشک کو کھولتا ہے جس کا منہ بند کیا ہوا ہو۔ اور نہ کسی ڈھکے ہوئے برتن کو کھولتا ہے۔ (موطا امام مالک ج ۲ ص ۹۲۸-۹۲۹)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۵۶-۱۵۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: علامہ ابن ملقن کی شرح دراصل علامہ ابن بطال کی شرح کا خلاصہ ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۷۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۹۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ کے ذکر کی برکت کی وجہ سے شیطان مسلمانوں کے گھروں میں داخل نہیں ہوسکتا

علامہ ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازوں کو بند کرنے کا جو حکم دیا ہے، یہ ان کی دینی اور دنیاوی مصلحتوں کی وجہ سے ہے تاکہ ان کی جانیں اور ان کے اموال مفسدین کے فساد سے محفوظ رہیں، خصوصاً شیاطین کے شر سے محفوظ رہیں۔

اور آپ نے جو فرمایا ہے کہ ''شیطان کسی بند دروازہ کو نہیں کھولتا''۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ دروازہ کو بند رکھنے کا حکم اس مصلحت سے ہے کہ شیطان کو انسان کے ساتھ مختلط ہونے سے دور رکھا جائے۔ اور یہ ایسی حکمت ہے جس پر سوائے وحی کے اطلاع نہیں ہوسکتی، جو صرف نبی کو حاصل ہوتی ہے۔

اس حدیث میں شیطان پر الف لام جنس کے لیے ہے، کیونکہ اس سے مراد کوئی معین شیطان نہیں ہے۔

اور اس حدیث میں ہے ''کھانے اور پینے کی چیزوں کو ڈھانپ دو''۔ ہمام نے کہا: میرا گمان ہے کہ آپ نے فرمایا: خواہ کسی لکڑی کی چوڑائی سے ڈھانپ دو۔

اور فرمایا ''اللہ کے نام کا ذکر کرو''۔ اور دودھ پینے کے باب میں اس کی حکمت بیان کی جاچکی ہے۔

علامہ ابن بطال نے اس حدیث میں شیطان کو عموم پر محمول کیا ہے اور اس اشکال کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ شیطان کو یہ قوت نہیں دی کہ وہ کسی ڈھکی ہوئی چیز کو کھولے، اگرچہ اس سے زیادہ قوت اسے عطا کی گئی ہے، کیونکہ وہ ان جگہوں میں داخل ہوجاتا ہے جہاں آدمی داخل نہیں ہوسکتا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: اور اس میں اضافہ یہ ہے کہ جب مسلمان اللہ عزوجل کے نام کا ذکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا نام ان چیزوں کے کاموں کے درمیان حائل ہوجاتا ہے۔ اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب مسلمان اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر نہ کرے تو پھر شیطان ان چیزوں میں داخل ہوجاتا ہے اور تصرف کرتا ہے۔ اور اس کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

امام مسلم اور امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہو اور دخول کے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کرے اور کھانے کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کرتا ہے اور کھانے کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے: تمہارے لیے نہ رات گزارنے کی جگہ ہے اور نہ کھانا ہے۔ اور جب وہ دخول کے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر نہ کرے تو شیطان کہتا ہے کہ تم نے اپنا ٹھکانا اور کھانا پینا پالیا۔

علامہ ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ حدیث میں مذکور ہے کہ شیطان بند دروازہ کو نہیں کھولتا۔ یہ اپنے عموم پر ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اس کے ساتھ خاص ہو جو اللہ کے نام کا ذکر کرے۔

حدیث مذکور میں جس شیطان کے گھر میں داخل ہونے کی ممانعت کو ذکر فرمایا ہے، اس سے مراد شیطانِ خارج ہے ہمزاد نہیں ہے

نیز انہوں نے کہا: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ شیطانِ خارج، داخل نہیں ہوسکتا لیکن وہ شیطان جس کو ہمزاد کہتے ہیں جو انسان کے جسم کے ساتھ ہوتا ہے تو یہ حدیث اس کے نکلنے پر دلالت نہیں کرتی۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دروازہ بند کرتے وقت بسم اللہ پڑھنے سے گھر میں جو شیطان ہیں، وہ بھاگ جاتے ہیں۔ اور بعض علماء نے اس سے یہ استنباط بھی کیا ہے کہ جماہی لیتے وقت منہ کو بند کرلیا جائے تو شیطان اس میں داخل نہیں ہوسکتا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۵۷۔۳۵۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۱۔ بَابُ: الْخِتَانِ بَعْدَ الْكِبَرِ وَنَتْفِ الْإِبْطِ

بڑی عمر کے بعد ختنہ کرنے اور بغل کے بال اکھیڑنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں مرد کی بڑی عمر کے بعد ختنہ کرنے کا بیان ہے اور بغل کے بال اکھیڑنے کا بھی بیان ہے۔ علامہ کرمانی نے بیان کیا ہے کہ اس باب کو کتاب الاستئذان میں ذکر کرنے کی مناسبت یہ ہے کہ عموماً ختنہ گھروں میں کیا جاتا ہے اور گھروں میں بغیر استئذان کے داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۲۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۹۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْفِطْرَةُ خَمْسٌ الْخِتَانُ وَالِاسْتِحْدَادُ وَنَتْفُ الْإِبْطِ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن قزعہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی، از ابن شہاب از سعید بن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: فطرت (سنت) پانچ ہیں: ختنہ کرنا، زیرِ ناف بالوں کا مونڈنا، بغل کے بال اکھیڑنا، اور مونچھوں کو کاٹنا اور ناخن تراشنا۔

(صحیح بخاری: ۵۸۸۹، ۵۸۹۱، ۶۲۹۷، صحیح مسلم: ۲۵۷، سنن ترمذی: ۲۷۵۶، سنن نسائی: ۱۰، سنن ابوداؤد: ۴۱۹۸، سنن ابن ماجہ: ۲۹۲، مسند احمد: ۷۲۲۰)

صحیح البخاری: ۶۲۹۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن قزعہ کا ذکر ہے، یہ حجازی ہیں۔ اور ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف کا ذکر ہے۔ یہ حدیث کتاب اللباس میں باب "قص الشارب" میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''الفطرۃ'' یعنی انبیاء علیہم السلام کی سنت، جن کی اقتداء کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ سب سے پہلے ان کاموں کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ (البقرہ: ۱۲۴) اور جب کئی باتوں میں ابراہیم کی ان کے رب نے آزمائش کی۔

اس حدیث میں پانچ کی تخصیص اس روایت کے خلاف نہیں ہے جس میں لکھا ہے کہ دس چیزیں سنت ہیں۔ ان میں یہ پانچ چیزیں زائد ہیں: مسواک کرنا، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، استنجا کرنا اور انگلیوں کے جوڑوں کو دھونا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''الختان''۔ ظاہر اقوال کے مطابق مردوں اور عورتوں پر ختنہ کرنا واجب ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ عورتوں میں سنت ہے۔ امام مالک اور فقہاء احناف کا یہی مذہب ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ مردوں پر واجب ہے اور عورتوں پر واجب نہیں ہے۔ اور ایک حدیث میں مذکور ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ختنہ کرنا عورتوں کے لیے سنت ہے اور عورتوں کے لیے تکریم ہے، لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ ختنہ کرنے کے وقت میں اختلاف ہے۔ فقہاء شافعیہ نے کہا ہے کہ بلوغت کے بعد ختنہ کیا جائے، اور ولادت کے ساتویں روز ختنہ کرنا مستحب ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء ہے کہ آپ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا ولادت کے ساتویں دن ختنہ کیا۔ اس حدیث کی امام حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے۔

اللیث نے کہا: لڑکے کا ختنہ سات سال کی عمر سے لے کر دس سال کی عمر تک کیا جائے۔ امام مالک نے کہا: ہمارے شہر میں عام لوگوں کا چلن یہ ہے کہ جب بچہ سمجھدار ہو جائے تو اس کا ختنہ کیا جائے۔ مکحول نے کہا کہ حضرت ابراہیم صلوات اللہ علیہ وسلامہ نے اپنے بیٹے اسحاق علیہ السلام کا سات دن کے بعد ختنہ کیا اور اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ختنہ تیرہ سال کی عمر میں کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''الاستحداد'' یعنی زیر ناف بالوں کو مونڈنے کے لیے استرا استعمال کرنا۔ شعبی سے روایت ہے کہ ان بالوں پر چونا لگایا جائے، اور یہ معروف کے خلاف ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''تقلیم الاظفار'' یعنی ناخنوں کو تراشنا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

ختنہ کرنے کے مفصل احکام

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی اور کثیر علماء کے نزدیک ختنہ کرنا واجب ہے اور امام مالک اور اکثر علماء کے نزدیک ختنہ کرنا سنت ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ختنہ کرنا مردوں اور عورتوں دونوں پر واجب ہے، مرد پر واجب ہے کہ وہ اس پوری کھال کو کاٹ دے جس نے حشفہ کو چھپایا ہوا ہوتا ہے حتیٰ کہ پورا حشفہ ظاہر ہو جائے۔ اور عورت پر واجب ہے کہ فرج کے اوپر جو کھال ہے اس کا نچلا حصہ کاٹ دے۔

ہمارے جمہور اصحاب کے نزدیک صحیح مذہب یہ ہے کہ بچپن میں ان دونوں ختنوں کو کرنا جائز ہے واجب نہیں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ولی پر واجب ہے کہ بچے کے بالغ ہونے سے پہلے اس کا ختنہ کرادے اور ایک قول یہ ہے کہ دس سال سے پہلے ختنہ کرنا حرام

ہے اور صحیح قول یہ ہے کہ ولادت کے ساتویں دن ختنہ کرنا مستحب ہے۔
خنثیٰ مشکل کے متعلق کئی اقوال ہیں: ایک قول یہ ہے کہ بلوغ کے بعد اس کا ختنہ کرنا واجب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جب تک اس کا مذکر یا مونث ہونا معلوم نہ ہو اس کا ختنہ کرنا جائز نہیں، تیسرا قول یہ ہے کہ جس آلہ سے وہ پیشاب کرے یا جماع کرے اس کا ختنہ کر دیا جائے۔
اگر کوئی شخص بغیر ختنہ کے مرجائے تو اس میں تین قول ہیں: صحیح اور مشہور قول یہ ہے کہ اس کا ختنہ نہ کیا جائے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا ختنہ کیا جائے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ بڑے کا ختنہ کیا جائے اور چھوٹے کا ختنہ نہ کیا جائے۔
(شرح مسلم ج ۱ ص ۱۲۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:
مردوں پر ختنہ کرنا واجب ہے اور عورتوں پر ختنہ کرنا واجب نہیں ہے بلکہ ان کی عزت کا سبب ہے۔ امام احمد نے فرمایا: مردوں پر یہ حکم شدید ہے کیونکہ مرد جب ختنہ نہیں کرے گا تو اس کی کھال حشفہ پر لٹکی رہے گی اور اس کے اندر جو کچھ ہے اس کی صفائی نہیں ہو سکے گی۔ اور عورت کا معاملہ آسان ہے، ابو عبداللہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مرد کے معاملہ میں سختی کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے: جو مرد ختنہ نہ کرائے اس کا حج ہے نہ نماز۔ حسن بصری یہ رخصت دیتے تھے کہ جو شخص اسلام لائے وہ اگر ختنہ نہ کرائے تو کچھ حرج نہیں ہے، وہ کہتے تھے کہ کئی سیاہ فام اسلام لائے اور ان میں سے کسی کی تفتیش نہیں کی گئی اور نہ ان کا ختنہ کرایا گیا، اور اس کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ شرمگاہ کا چھپانا واجب ہے تو اگر ختنہ کرنا واجب نہ ہوتا تو ختنہ کرنے کے لیے مختون کی شرمگاہ کو دیکھنا جائز نہ ہوتا، نیز یہ مسلمانوں کے شعار میں سے ہے، اس لیے دیگر شعائر کی طرح یہ بھی واجب ہوگا اور اگر کوئی بوڑھا شخص مسلمان ہو اور ختنہ کرنے سے اس کی جان کو خطرہ ہو تو اس سے ختنہ کا حکم ساقط ہو جائے گا جیسا کہ غسل، وضوء وغیرہ کا حکم جان کے خطرہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر اس کو خطرہ نہ ہو تو پھر ختنہ کرنا لازم ہے۔ حنبل نے کہا: میں نے ابو عبداللہ سے ذمی کے متعلق سوال کیا جب وہ مسلمان ہو تو آیا اس کا ختنہ کیا جائے گا؟ انہوں نے کہا: اس کے لیے ختنہ ضروری ہے، میں نے پوچھا: اگر وہ بوڑھا ہو یا بوڑھی ہو؟ انہوں نے کہا: ان کے لیے ختنہ کرانا مستحب ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں ختنہ کرایا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ۔ (الحج: ۷۸) (تمہارے لیے) تمہارے باپ ابراہیم کا دین (پسند کیا)۔
اور عورتوں کے حق میں بھی ختنہ مشروع ہے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مرد عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھ جائے اور مرد کی ختنہ کی جگہ عورت کی ختنہ کی جگہ کو چھو لے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔
اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ عورتیں بھی ختنہ کراتی تھیں۔ اور خلال نے اپنی سند کے ساتھ حضرت شداد بن اوس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ختنہ کرنا مردوں کے لیے سنت ہے اور عورتوں کے لیے تکریم ہے۔
(المغنی ج ۱ ص ۶۴۔ ۶۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ)

علامہ دردیر مالکی لکھتے ہیں:

ولادت کے دن ختنہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ یہود کے افعال سے ہے، یہ اس وقت کرنا مستحب ہے جب بچہ کو نماز کا حکم دیا جاتا ہے۔ (یعنی سات سال کی عمر میں) مردوں کا ختنہ کرنا سنت ہے اور عورتوں کا ختنہ کرنا مستحب ہے اور مستحب یہ ہے کہ عورت کی کھال کاٹنے میں مبالغہ نہ کرے۔ (الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۲۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

عرب عورتوں کا ختنہ بھی کرتے ہیں، جصاص نے کتاب ادب القضاء میں حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ختنہ کرنا مردوں کے لیے سنت ہے اور عورتوں کے لیے مکرمت (فضیلت) ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۵ ص ۳۵۷، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر، ۱۳۴۸ھ)

عالمگیری میں ہے:

ختنہ کرنے کے حکم میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ختنہ کرنا سنت ہے۔ غرائب میں مذکور ہے یہی صحیح قول ہے، ختنہ کرنے کے لیے مستحب وقت سات سال سے لے کر بارہ سال کی عمر ہے، سراجیہ میں ہے: یہی مختار قول ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ ولادت سے لے کر سات سال کی عمر تک ختنہ کرنا جائز ہے، اسی طرح جواہر الفتاوی میں ہے۔ عورتوں کے ختنہ کے متعلق روایات مختلف ہیں۔ بعض مشائخ سے منقول ہے کہ یہ سنت ہے۔ شمس الائمہ حلوانی نے خصاف کی ادب القاضی میں ذکر کیا ہے کہ عورتوں کا ختنہ کرنا مکرمت (فضیلت) ہے۔ کسی لڑکے کا ختنہ کیا گیا اور پوری کھال نہیں کٹی تو اگر نصف سے زیادہ کھال کٹ گئی ہے تو یہ ختنہ ہے اور اگر نصف یا نصف سے کم کھال کٹی ہے تو یہ ختنہ نہیں ہے۔ (خزانۃ المفتیین) صلوٰۃ النوازل میں مذکور ہے: ایک بچہ کا ختنہ نہیں کیا گیا اور اب شدت سے کھینچنے کے سوا اس کی کھال کو کاٹا نہیں جاسکتا اور اس کا حشفہ ظاہر ہوا اور دیکھنے میں وہ مختون معلوم ہو تو ختنہ کے ماہرین کو دکھایا جائے، اگر وہ کہیں کہ اس کا ختنہ کرنا مشکل ہے تو اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ بوڑھا اور کمزور شخص اسلام لایا تو اگر ماہرین نے کہا کہ یہ ختنہ کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کو چھوڑ دیا جائے گا کیونکہ عذر کی وجہ سے واجب کو بھی ترک کر دیا جاتا ہے تو سنت کو ترک کرنا اولیٰ ہے۔

(خلاصہ): ایک قول یہ ہے کہ جب بوڑھا شخص خود ختنہ کر سکتا ہو تو کر لے ورنہ چھوڑ دے۔ ہاں اگر اس کے لیے ممکن ہو تو وہ شادی کر لے یا ختنہ کرنے والی باندی کو خرید لے اور وہ اس کا ختنہ کر دیں۔ بچہ کا ختنہ نہیں کیا گیا پھر کھال بڑھ گئی، اگر اس کھال نے حشفہ کو ڈھانپ لیا ہے تو اس کا دوبارہ ختنہ کیا جائے ورنہ نہیں۔ (عالمگیری ج ۵ ص ۳۵۷، مطبع کبریٰ امیریہ بولاق، مصر، ۱۳۱۰ھ)

۶۲۹۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبُ بْنُ أَبِي حَمْزَةَ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ اخْتَتَنَ إِبْرَاهِيمُ بَعْدَ ثَمَانِينَ سَنَةً وَاخْتَتَنَ بِالْقَدُومِ مُخَفَّفَةً قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا الْمُغِيرَةُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ وَقَالَ بِالْقَدُّومِ مُشَدَّدَةً وَهُوَ مَوْضِعٌ۔

[1] (صحیح بخاری: ۳۳۵۶، ۶۲۹۸، صحیح مسلم: ۲۳۷۰، مسند احمد: ۹۱۳۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب بن ابی حمزہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے خبر دی از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی (۸۰) سال کی عمر کے بعد ختنہ کیا، اور انہوں نے مقام قدوم میں ختنہ کیا تھا۔

امام ابوعبداللہ بخاری بیان کرتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ نے حدیث

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں المغیرہ نے حدیث بیان کی از ابی
الزناد اور کہا ''القدّوم'' مشدد ہے اور یہ ایک جگہ کا نام ہے۔

صحیح البخاری: ۶۲۹۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت باب کے جزء اول کے ساتھ ہے، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑی عمر کے بعد ختنہ کیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، یہ الحکم بن نافع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالزناد، یہ عبداللہ بن ذکوان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں الاعرج کا ذکر ہے، یہ عبدالرحمٰن بن ہرمز ہیں۔ اور یہ حدیث امام بخاری کے تفردات میں سے ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر کے متعلق روایات

اس حدیث میں مذکور ہے ''بعد ثمانین سنۃ'' (یعنی اسی سال کے بعد)۔ امام مالک نے الموطا میں از ابی الزناد الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ موقوفاً روایت کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے ۱۲۰ سال کی عمر میں ختنہ کیا اور مقام قدوم میں ختنہ کیا۔ اور اس کے بعد ۸۰ سال تک زندہ رہے۔

اور فوائد ابن السماک میں از ابو اویس از ابوالزناد اسی سند کے ساتھ یہ روایت مرفوعاً مذکور ہے۔

اور اکثر روایات میں یہ مذکور ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں ختنہ کیا۔ اور بعض علماء نے ان دونوں روایتوں میں تطبیق دی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دو سو سال تک زندہ رہے۔ اسی سال غیر مختون تھے اور ان میں سے ایک سو بیس سال ختنہ کے ساتھ تھے۔ اور پہلی روایت کا معنی یہ ہے کہ جب ان کی عمر کے اسی سال گزر گئے تو انہوں نے ختنہ کیا۔ اور دوسری روایت کا معنی یہ ہے کہ جب ان کی عمر کے ایک سو بیس سال باقی تھے تو انہوں نے ختنہ کیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: ان دو حدیثوں میں تطبیق کی ضرورت اس وقت ہو گی جب یہ دونوں صحت کے درجہ میں مساوی ہوں اور اس باب کی حدیث چونکہ صحیح بخاری کی ہے تو دوسری حدیث اس کے مزاحم نہیں ہو سکتی۔ علاوہ ازیں بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

قدوم کے معنی کی تحقیق

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قدوم میں ختنہ کیا"۔ کہا گیا ہے کہ "القدوم" بڑھئی کے آلہ کو کہتے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ایک جگہ کا نام ہے۔ علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے کہ اگر القدوم تخفیف کے ساتھ ہو تو اس کا معنی آلہ ہے اور اگر یہ قدّوم ہو یعنی تشدید کے ساتھ تو پھر یہ جگہ کا نام ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے دونوں معنی کا اتفاق ہے، یعنی انہوں نے آلہ کے ساتھ ایک جگہ میں ختنہ کیا۔ اور یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ القدوم کا معنی کلہاڑی ہے۔ اور امام عبدالرزاق نے سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ القدوم ایک بستی ہے اور الحازمی سے روایت ہے کہ یہ حلب (شام) کی بستی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مجلس ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۳۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۹۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ أَخْبَرَنَا عَبَّادُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ سُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ مِثْلُ مَنْ أَنْتَ حِينَ قُبِضَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أَنَا يَوْمَئِذٍ مَخْتُونٌ قَالَ وَكَانُوا لَا يَخْتِنُونَ الرَّجُلَ حَتَّى يُدْرِكَ۔ (صحیح بخاری: ۶۳۰۰، مسند احمد: ۲۳۷۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبدالرحیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عباد بن موسیٰ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن جعفر نے خبر دی از اسرائیل از ابی اسحاق از سعید بن جبیر، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو اس وقت آپ کی کیا عمر تھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ میرا اس وقت ختنہ ہو چکا تھا۔ اور انہوں نے کہا کہ لوگ آدمی کا اس وقت تک ختنہ نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے۔

صحیح البخاری: ۶۲۹۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن عبدالرحیم، جن کو صاعقۃ البغدادی کہا جاتا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں عباد بن موسیٰ کا ذکر ہے، یہ الختلی ہیں۔ اور یہ امام بخاری کے نچلے مشائخ میں سے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، وہ ابن یونس ہیں، وہ اپنے دادا ابواسحاق عمرو بن عبداللہ السبیعی سے روایت کرتے ہیں۔ امام بخاری ان سے روایت کرنے میں منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو اس وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ختنہ ہو چکا تھا"۔

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ سعید بن جبیر نے از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور اس وقت میری عمر دس سال تھی اور ان سے عبیداللہ بن عبداللہ نے روایت کی ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس منیٰ میں حاضر ہوا اور اس وقت

میں بلوغت کے قریب تھا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ صحیح اور محفوظ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر تیرہ سال تھی، کیونکہ ارباب السیر (یعنی سیرت نگاروں) نے یہ تصریح کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما شعب ابی طالب میں پیدا ہوئے اور وہ ہجرت سے تین سال پہلے کا واقعہ ہے۔ لہٰذا ان کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تیرہ سال ہوئی۔ اور جس حدیث میں ہے کہ میں اس وقت دس سال کا تھا تو انہوں نے کسر (یعنی تین کے عدد کو) کو ساقط کر دیا۔ علاوہ ازیں امام احمد نے ایک اور سند سے روایت کی ہے کہ ان کی عمر اس وقت پندرہ سال تھی۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''عرب اس وقت تک ختنہ نہیں کرتے تھے جب تک کہ لڑکا بالغ نہ ہو جائے''۔

(عمدة القاری ج ۲۲ ص ۴۲۳۔ ۴۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۰۰۔ وَقَالَ ابْنُ إِدْرِيسَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قُبِضَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَنَا خَتِينٌ۔

اور ابن ادریس نے کہا از والد خود از ابی اسحاق از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو میں اس وقت ختنہ شدہ تھا۔

(صحیح بخاری: ۶۲۹۹، ۶۳۰۰، مسند احمد: ۲۳۷۵)

صحیح البخاری: ۶۳۰۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے۔ (عمدة القاری ج ۲۲ ص ۴۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ختنہ کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

ہمارے نزدیک مردوں اور عورتوں پر ختنہ کرنا واجب ہے، یہی ظاہر اقوال ہے۔ (الجموع ج ۱ ص ۳۴۹۔ ۳۴۸)

دوسرا قول یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں دونوں میں ختنہ کرنا سنت ہے۔

اور تیسرا قول یہ ہے: مردوں پر ختنہ کرنا واجب ہے اور عورتوں پر سنت ہے۔ (المغنی ج ۱ ص ۱۱۵)

اور دوسرا قول امام مالک اور فقہاء احناف کا ہے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ فطرت پانچ چیزیں ہیں۔ پس حدیث میں ختنہ کا ذکر ہے اور فطرت کا معنی ہے سنت، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان سنتوں میں سے شمار کیا ہے جن کی فطرت کی طرف اضافت کی ہے۔

(مواہب الجلیل ج ۴ ص ۳۹۵، المنتقیٰ ج ۷ ص ۲۲۲، الاستذکار ج ۸ ص ۳۳۸، حاشیة الدسوقی ج ۱ ص ۱۲۶)

اور مرفوعاً روایت ہے کہ ختنہ کرنا مردوں کے لیے سنت ہے اور عورتوں کے لیے تکریم ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۷۵، سنن بیہقی ج ۸ ص ۳۲۵۔ ۳۲۴، امام بیہقی نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

میں کہتا ہوں: یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ جب بھی دو مسلمان ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ختنہ کرنے کا حکم نہیں دیا اور اگر ختنہ فرض ہوتا تو آپ اس کو ترک نہ فرماتے۔ اور امام شافعی نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا (النحل: ۱۲۳) پھر ہم نے آپ کی طرف یہ وحی کی کہ آپ ملتِ ابراہیم کی پیروی کریں جو باطل سے مجتنب تھے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت میں ختنہ کرنا تھا، کیونکہ انہوں نے مقامِ قدوم میں خود اپنا ختنہ کیا جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ملت کا اصل معنی شریعت اور توحید ہے۔ اور یہ ثابت ہے کہ ملتِ ابراہیم میں فرائض بھی ہیں اور سنن بھی ہیں۔ پس جائز ہے کہ ختنہ کرنا سنتوں میں سے ہو۔

اور فطرت سے مراد ہے فطرتِ اسلام، اور یہ اسلام کی سنتیں ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (فاطر: ۱) تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً پیدا کرنے والا ہے۔

اور ختنہ کرنا اس شخص کے مسلمان ہونے کی علامت ہے جو اسلام میں داخل ہو، لہٰذا ختنہ کرنا شعائرِ مسلمین میں سے ہے۔

اور القزاز نے کہا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ فطرت سے مراد یہاں پر وہ وصف ہے جس وصف پر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اور ان کی طبیعت کو پیدا کیا ہے۔ اور انسان کے جسم میں جو چیز اس کی زینت میں سے نہ ہو، وہ مکروہ ہے۔

ختنہ کرنے کے وقت کے متعلق فقہاء کا اختلاف

ختنہ کرنے کے وقت میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک بلوغ کے بعد ختنہ کرنا چاہیے۔ اور ولادت کے ساتویں دن ختنہ کرنا مستحب ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء ہے، کیونکہ آپ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا ختنہ ولادت کے ساتویں دن کیا۔ اس حدیث کی امام حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

(المستدرک ج ۴ ص ۲۶۳)

اور اللیث نے کہا: لڑکے کا ختنہ سات سال سے دس سال کی عمر تک کرنا چاہیے۔ اور امام مالک نے کہا: ہمارے شہر میں عام لوگ اس وقت ختنہ کرتے ہیں جب بچہ کے دانت نکل آتے ہیں۔ (المنتقیٰ ج ۷ ص ۲۳۲)

اور مکحول نے کہا کہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن نے اپنے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کا سات دن میں ختنہ کیا، اور اپنے دوسرے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ختنہ تیرہ سال کی عمر میں کیا۔ اور امام ابوجعفر نے روایت کی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے بیٹوں کا ختنہ ساتویں دن کرتی تھیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۴۲۴۸)

اور حسن بصری نے اور امام مالک بن انس نے ساتویں دن ختنہ کو مکروہ کہا ہے۔ (المنتقیٰ ج ۷ ص ۲۳۲)

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اسی سال کی عمر میں ختنہ کیا تھا، یہ ہم پر واجب نہیں ہے، کیونکہ عام لوگ اسی (۸۰) سال تک نہیں پہنچتے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت ختنہ کیا جب ان کی طرف اس کی وحی کی گئی تھی، سو انہوں نے اس کے مطابق عمل کیا۔ اور نظر کا تقاضا یہ ہے کہ ختنہ جلد کر لینا چاہیے، کیونکہ اس عضو کو جماع کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بلوغت کے قریب ختنہ کیا اور انہوں نے کہا کہ جب مرد کو سمجھ آ جائے تو اسے ختنہ کر لینا چاہیے، کیونکہ اس میں صفائی ہے تا کہ وضو کے وقت مکمل طہارت ہو جائے۔ اسی وجہ سے لوگوں نے کہا ہے کہ اس کھال کو کم عمری میں کاٹ لینا چاہیے تا کہ بچہ پر درد کم ہو اور اس کا عضو بھی کمزور ہوتا ہے اور اس کی سمجھ بھی کم ہوتی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۵۹۔ ۱۶۲، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

ختنہ کے فقہی مسائل کے متعلق فقہاء شافعیہ کی تحقیق

علامہ ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ جو کھال مرد کے آلہ کے سر کو چھپا لیتی ہے اس زائد کھال کو ختنہ کے وقت کاٹنا واجب ہے، اس طرح کہ آلہ پورا منکشف ہو جائے۔ اگر اس کے بعض حصہ کو کاٹا تو دوبارہ باقی حصہ کو کاٹنا واجب ہے۔

اور عورت میں یہ واجب ہے کہ پیشاب نکلنے کی جگہ کے اوپر کی کھال کو کاٹ دیا جائے۔ اس کی ہمارے اصحاب نے تصریح کی ہے اور اس پر ان کا اتفاق ہے۔ اور عورت کے متعلق مستحب یہ ہے کہ تھوڑی سی کھال کاٹی جائے اور زیادہ کھال نہ کاٹی جائے۔ اور اس پر درج ذیل حدیث سے استدلال ہے:

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت مدینہ میں ختنہ کرتی تھی، اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کھال کاٹنے میں مبالغہ نہ کرنا، کیونکہ اس میں عورت کا زیادہ حصہ ہے اور اس کے شوہر کے لیے زیادہ پسندیدہ ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۵۲۷۱، المستدرک ج ۳ ص ۵۲۵، سنن بیہقی ج ۸ ص ۳۲۴)

ہمارے اصحاب نے کہا ہے: ختنہ کے وجوب کا وقت بالغ ہونے کے بعد ہے، لیکن بچہ کے سرپرست کے لیے مستحب یہ ہے کہ اس کے بچپن میں ختنہ کر دے، کیونکہ اس میں آسانی ہے۔ اور صاحب الحاوی وغیرہ نے کہا ہے کہ پیدائش کے ساتویں دن ختنہ کرنا مستحب ہے، کیونکہ اس سلسلہ میں حدیث وارد ہے۔ (المجموع شرح المہذب ج ۲ ص ۳۱۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۰، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ختنہ کے متعلق فقہاء مالکیہ اور فقہاء احناف کا موقف

علامہ ابن القصار نے کہا ہے: امام مالک اور فقہاء احناف کے نزدیک ختنہ کرنا سنت ہے اور امام شافعی نے کہا ہے کہ ختنہ کرنا فرض ہے۔ امام مالک اور فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فطرت پانچ چیزیں ہیں اور ان میں آپ نے ختنہ کا ذکر فرمایا اور ''الفطرۃ'' سنت کو کہتے ہیں، کیونکہ آپ نے ختنہ کو سنتوں میں سے قرار دیا ہے۔ اور جب حضرت سلمان فارسی نے اسلام قبول کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ختنہ کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اور اگر ختنہ کرنا فرض ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم کے بیان کرنے کو ترک نہ فرماتے۔

اور امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ثُمَّ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا (النحل: ۱۲۳) پھر ہم نے آپ کی طرف یہ وحی کی کہ آپ ملت ابراہیم کی پیروی کریں جو باطل سے مجتنب تھے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت میں ختنہ کرنا تھا، کیونکہ انہوں نے مقامِ قدوم میں خود اپنا ختنہ کیا جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ملت کا اصل معنی شریعت اور توحید ہے۔ اور یہ ثابت ہے کہ ملت ابراہیم میں فرائض بھی ہیں اور سنن بھی ہیں۔ پس جائز ہے کہ ختنہ کرنا سنتوں میں سے ہو۔

اور فطرت سے مراد ہے فطرتِ اسلام، اور یہ اسلام کی سنتیں ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (فاطر: ۱) تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً پیدا کرنے والا ہے۔

اور ختنہ کرنا اس شخص کے مسلمان ہونے کی علامت ہے جو اسلام میں داخل ہو، لہٰذا ختنہ کرنا شعائرِ مسلمین میں سے ہے۔

اور القزاز نے کہا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ فطرت سے مراد یہاں پر وہ وصف ہے جس وصف پر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اور ان کی طبیعت کو پیدا کیا ہے۔ اور انسان کے جسم میں جو چیز اس کی زینت میں سے نہ ہو، وہ مکروہ ہے۔

ختنہ کرنے کے وقت میں بھی اختلاف ہے۔ اللیث نے کہا: لڑکے کا سات سال کی عمر سے لے کر دس سال کی عمر تک ختنہ کیا جائے اور امام مالک نے کہا: ہمارے شہر کے عام لوگ اس وقت ختنہ کرتے ہیں جب بچہ دانت نکالتا ہے۔ اور مکحول نے کہا کہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن نے اپنے بیٹے حضرت اسحاق کا ختنہ سات دن بعد کیا اور اپنے دوسرے بیٹے حضرت اسماعیل کا ختنہ تیرہ سال کی عمر میں کیا۔

اور امام ابوجعفر نے روایت کی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے کا ختنہ ساتویں دن کیا۔

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اسی سال کے بعد ختنہ کیا تھا، یہ ہم پر واجب نہیں ہے، کیونکہ عام لوگ اسی (۸۰) سال تک پہنچنے سے پہلے فوت ہو جاتے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں اس وجہ سے ختنہ کیا تھا کہ ان پر اسی وقت اسی عمر میں یہ حکم نازل ہوا تھا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ختنہ کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا موقف

اس حدیث میں فطرت کا ذکر ہے، فطرت کی دو قسمیں ہیں: فطرتِ باطنہ اور فطرتِ ظاہرہ۔

فطرتِ باطنہ کی تعریف اور اس کے متعلق قرآن مجید اور حدیث کی تصریح

فطرتِ باطنہ، دل کو شرک سے پاک کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ سو آپ باطل پرستوں سے کنارہ کش ہو کر اپنے آپ کو دین حق پر

النَّاسَ عَلَيْهَا (الروم: ٣٠) قائم رکھیں۔

اور حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر بچہ الفطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنادیتے ہیں یا نصرانی بنادیتے ہیں یا مجوسی بنادیتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ١٣٥٨، صحیح مسلم: ٢٦٥٨، مسند احمد: ٧٦٥٥، سنن ابوداؤد: ٤٧١٤)

فطرت ظاہرہ کی تعریف

فطرت ظاہرہ یہ ہے کہ یہ ظاہر جسم کی پاکیزگی اور صفائی ہے اور ان میں سے یہ پانچ چیزیں بھی ہیں۔ اور صحیح مسلم میں ثابت ہے کہ دس چیزیں فطرت ہیں۔ ان میں پہلی چیز ختنہ ہے۔

ختنہ کے مسائل

ختنہ مرد اور عورت دونوں میں ہوتا ہے، مرد میں ختنہ یہ ہے کہ آلہ کے سر کے اوپر جو کھال آلہ کے سر کو چھپا لیتی ہے اور اس کو القلفہ کہتے ہیں، اس کو کاٹ دیا جائے۔ اور عورت میں اس کھال کے کاٹنے کو کہتے ہیں جو پیشاب نکلنے کی جگہ کے اوپر ہوتی ہے اور یہ عورتوں میں معروف ہے۔

اہلِ علم کا اس میں اختلاف ہے کہ ختنہ آیا واجب ہے یا سنت ہے، یا مردوں کے حق میں واجب ہے اور عورتوں کے حق میں سنت ہے۔

امام احمد کا مشہور مذہب یہ ہے کہ ختنہ مردوں اور عورتوں دونوں کے حق میں واجب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے: بلکہ یہ مردوں اور عورتوں دونوں کے حق میں سنت ہے جیسا کہ زیر ناف بالوں کو مونڈنا اور ناخنوں کو تراشنا۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ مردوں کے حق میں ختنہ کرنا واجب ہے اور عورتوں کے حق میں سنت ہے، کیونکہ مرد اس سے اتنا استفادہ کرتے ہیں جتنا عورتیں اس سے استفادہ نہیں کرتیں، کیونکہ اگر مرد کا قلفہ باقی رہے تو وہ نجاست میں لتھڑ جائے گا کیونکہ پیشاب قلفہ اور حشفہ کے درمیان داخل ہوگا اور اس جگہ کو فاسد کردے گا، اور بسا اوقات اس سے زخم پیدا ہوگا۔ اس کے برخلاف عورت میں ایسا نہیں ہوتا۔ (شرح صحیح بخاری، ج ٦ ص ١٣٠۔ ١٣١، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ١٤٢٩ھ)

٥٢۔ بَابٌ: كُلُّ لَهْوٍ بَاطِلٌ إِذَا شَغَلَهُ عَنْ طَاعَةِ اللهِ

اس کا بیان کہ ہر وہ کھیل باطل ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے باز رکھے

وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ: تَعَالَ أُقَامِرْكَ، وَقَوْلُهُ تَعَالَى: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللهِ۔ (لقمان: ٦)

اور جس شخص نے اپنے ساتھی سے کہا: آؤ میں تمہارے ساتھ جوا کھیلوں۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بعض لوگ غافل کرنے والی کہانیاں خریدتے ہیں تاکہ بغیر علم کے لوگوں کو اللہ کے راستہ سے بہکائیں۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان ہے"ہر لہو یعنی ہر کھیل باطل ہے"۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ کھیل جس کو مسلمان مرد کھیلتا ہے، وہ باطل ہے سوائے تیر اور کمان کے اور سوائے گھوڑے کو سدھانے کے اور سوائے اپنی بیوی کے ساتھ دل لگی کرنے کے۔

جب کہ یہ حدیث امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں تھی تو امام بخاری نے اس حدیث کا ایک جز و اس باب کا عنوان قرار دیا اور اس حدیث کی "الجامع الصحیح" میں روایت نہیں کی۔

امام بخاری نے یہ قید لگائی ہے کہ جب وہ کھیل انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے باز رکھے تو وہ باطل ہے اور یہ قید احترازی ہے، کیونکہ اگر کوئی کھیل انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نہ روکے تو وہ مباح ہوگا اور اہل حجاز کا یہی موقف ہے، کیونکہ شارع علیہ السلام نے دو بچیوں کے گانے بجانے کو عید کے دن جائز قرار دیا جیسا کہ کتاب العیدین میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ اور مسجد میں جو حبشی جنگی مشقیں کر رہے تھے، اس کے دیکھنے کو بھی آپ نے جائز قرار دیا۔

اور اس باب کو کتاب الاستئذان میں ذکر کرنے کی توجیہ یہ ہے کہ لہو اور کھیل عموماً گھروں میں ہوتے ہیں اور اسی سے جوا بھی ہے، کیونکہ وہ کسی خاص جگہ پر ہوتا ہے۔

اس باب میں یہ تعلیق ہے کہ "کسی شخص نے اپنے صاحب سے کہا: آؤ میرے ساتھ جوا کھیلو"۔

اس تعلیق سے مقصود یہ ہے کہ اس کا حکم بیان کیا جائے۔

"تعال" کہا جاتا ہے اور "تعالوا" کہا جاتا ہے اور "تعالیا" بھی کہا جاتا ہے اور اس کی مزید گردان نہیں ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا ذکر کیا جو لقمان: ٦ میں مذکور ہے۔ اور اس آیت کو اس عنوان کے بعد ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ جو کھیل گمراہی کی طرف پہنچائے وہ باطل ہے۔ اور اس آیت کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جو شخص کسی کھیل کو خریدے اور اس کا مقصد گمراہ کرنا نہ ہو تو وہ مذموم نہیں ہے جیسا کہ اس باب کے عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی کھیل اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نہ روکے تو وہ مذموم نہیں ہے۔

"لھو" کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف

اس آیت میں جس لہو کا ذکر ہے، اس کے مصداق میں مفسرین کا اختلاف ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے مراد گانا بجانا ہے، اور انہوں نے اس پر تین بار قسم کھائی اور فرمایا کہ گانا بجانا دل میں نفاق کو پیدا کرتا ہے۔ مجاہد نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ گانے بجانے کو سننا یہ لہو ہے اور اسی کی مثل باطل چیزوں کو سننا لہو ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ جو غنا آدمی کو مشغول کر دے اور ابن جریج سے منقول ہے کہ اس سے مراد طبل یعنی ڈھولک ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد شرک ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت اس مرد کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے ایک باندی کو خرید ا جو رات دن گاتی تھی اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت النضر بن الحارث کے متعلق نازل ہوئی ہے جو فارس میں تجارت کے لیے جاتا تھا اور وہاں سے عجمیوں کی قصہ کہانیوں کی کتابیں خرید کر لاتا تھا، پھر وہ قریش کو پڑھ کر سناتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں عاد اور ثمود کی کہانیاں سناتے ہیں، میں تم کو رستم اور بہرام کی کہانیاں سناتا ہوں، اور بادشاہوں کے قصے سناتا ہوں، تو لوگ اس کی کہانیوں کی طرف مائل ہوتے اور قرآن سننے کو چھوڑ دیتے۔

نیز اس آیت میں فرمایا ''تاکہ وہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے گمراہ کردے''۔ امام بخاری نے اسی سے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ جو کھیل اللہ کی اطاعت سے باز رکھے اور روکے، وہ باطل ہے۔

اس آیت میں ''سبیل اللہ'' کا لفظ ہے، اس سے مراد قرآن ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد دینِ اسلام ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۲۴۔۴۲۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۰۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَنْ حَلَفَ مِنْكُمْ فَقَالَ فِي حَلِفِهِ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى فَلْيَقُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ تَعَالَ أُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے حمید بن عبدالرحمٰن نے خبر دی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے تم میں سے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی، اسے چاہیے کہ وہ کہے لا الٰہ الا اللہ۔ اور جس نے اپنے صاحب سے کہا: آؤ! میں تمہارے ساتھ جوا کھیلتا ہوں، تو وہ صدقہ کرے۔

(صحیح بخاری: ۴۸۶۰، ۶۱۰۷، ۶۳۰۱، ۶۶۵۰، صحیح مسلم: ۱۶۴۷، سنن ترمذی: ۱۵۴۵، سنن نسائی: ۳۷۷۵، سنن ابوداؤد: ۳۲۴۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۹۶، مسند احمد: ۸۰۲۶)

صحیح البخاری: ۶۳۰۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ ''جو شخص لات اور عزیٰ کی قسم کھائے، وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہے'' اور لات اور عزیٰ کی قسم کھانا یہ حق سے اعراض کرنا ہے۔ اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

بتوں کی قسم کھانے کی تلافی اور تدارک

اس حدیث میں مذکور ہے "فلیقل لا الٰہ الا اللہ" کیونکہ جس شخص نے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی تو اس نے صورتاً بتوں کی تعظیم کی جب اس نے ان بتوں کے نام کا حلف اٹھایا، تو اس کو کلمۂ توحید پڑھنے کا حکم دیا تاکہ بتوں کی قسم کھانے کے فعل کی تلافی اور تدارک ہو، کیونکہ اس کا کفارہ ہے کلمۂ شہادت۔ اور جس نے جوا کھیلنے کی دعوت دی تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ صدقہ دے، کوئی چیز بھی صدقہ کر دے جس پر صدقہ کا اطلاق ہو سکے۔

جوئے کے حرام ہونے کا بیان

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (المائدہ: ۹۰)

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں، شیطانی کاموں (میں) سے ہیں، سو تم ان سے اجتناب کرو تاکہ تم کامیاب ہو O

اہل تفسیر کا اس پر اتفاق ہے کہ "المیسر" سے مراد یہاں پر "القمار" یعنی جوا ہے۔ اور زمانہ جاہلیت میں لوگ جوا کھیلتے تھے اور ہارنے والا جیتنے والے کو ایک مقرر شدہ رقم ادا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے افعالِ جاہلیت کو منسوخ قرار دیا اور قمار کو حرام کر دیا۔ اور ان کو صدقہ کرنے کا حکم دیا، یہ اس کے عوض ہے کہ انہوں نے جوئے کو مباح کر لیا جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرما دیا۔ اور کفارہ گناہ کی جنس سے ہوتا ہے، کیونکہ جوا کھیلنے والا یا غالب ہوگا یا مغلوب ہوگا۔ اگر وہ غالب تھا تو اس کے ہاتھ میں جو جوئے کی رقم آئی ہے، اس رقم کو صدقہ کر کے وہ جوا کھیلنے کی تلافی کرے گا، اور اگر وہ مغلوب تھا تو اس کا صدقہ دینا اللہ کی رضا کے لیے زیادہ لائق ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۲۵۔۴۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لہو کی تفسیر میں مفسرین کی عبارات

امام طبری نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: لہو سے مراد غنا ہے اور اس پر انہوں نے تین بار قسم کھائی۔

(تفسیر الطبری: ۲۸۰۴۰، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۳)

نیز علامہ طبری نے بیان کیا ہے کہ ضحاک نے کہا ہے کہ اس آیت میں لہو سے مراد شرک ہے۔ (تفسیر الطبری: ۲۸۰۶۴)

امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: غنا دل میں نفاق کو پیدا کرتا ہے۔

(سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۲۳)

اور مجاہد نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اس آیت میں "لہو الحدیث" سے مراد غنا کو سننا ہے یا اس کی مثل کسی باطل چیز کو سننا

ہے۔(تفسیر الطبری:۲۸۰۵۷)

علامہ قرطبی نے بیان کیا ہے: اور القاسم بن محمد نے کہا کہ غنا باطل ہے اور باطل دوزخ میں ہے۔(تفسیر القرطبی ج ۱۴ ص ۵۲)

ایک قول یہ ہے کہ جس نے قلیل مقدار میں غنا کیا تا کہ اپنے نفس کو راحت پہنچائے اور اس سے اطاعت پر مدد حاصل کرے تو یہ جائز ہے۔

اور امام مالک نے کہا ہے کہ اگر کم مقدار میں غنا ہو تو پھر بھی ناجائز ہے، تا کہ حرام کام کا راستہ نہ کھلے اور اس کا سدِ باب ہو۔

اور یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ''لہو'' جب تھوڑی مقدار میں ہو اور اطاعت سے مشغول نہ کرے اور اللہ کے ذکر سے نہ روکے تو وہ حرام نہیں ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ شارع علیہ السلام نے عید کے دن دو لڑکیوں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے غنا کے سننے کو جائز قرار دیا، کیونکہ وہ دن عید کا تھا۔(صحیح البخاری:۹۴۹)

اور اسی طرح شارع علیہ السلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے حبشیوں کے جنگی کھیل کی مشقوں کو مسجد میں دیکھنا جائز قرار دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو چھپایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئیں، آپ نے ان سے فرمایا: کیا تم کو یہ کافی ہے؟(صحیح البخاری:۹۵۰)

اسی طرح جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک انصاری مرد کی بیوی کی شب زفاف میں گئیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے عائشہ! کیا تمہارے پاس کوئی لہو نہیں ہے، کیونکہ انصار لہو سے خوش ہوتے ہیں۔(صحیح البخاری:۵۱۶۲)

اور اس سے پہلے سنت العیدین کے باب میں گزر چکا ہے کہ تھوڑے سے غنا کی رخصت ہے اور یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ کون سا غنا مکروہ ہے۔ پس یہ آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ تھوڑا سا غنا اور لہو جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور اس کی اطاعت سے نہ روکے، وہ مباح ہے۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ، اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اہلِ حجاز نے غنا کے سماع کو جائز قرار دیا ہے۔ امام مالک سے کہا گیا کہ اہلِ مدینہ غنا کا سماع کرتے ہیں تو انہوں نے کہا: ہمارے نزدیک فاسق و فاجر لوگ غنا کا سماع کرتے ہیں۔(تفسیر القرطبی ج ۱۴ ص ۵۲)

امام اوزاعی نے کہا ہے: آلاتِ لہو کے سماع کے متعلق اہلِ حجاز کے قول کو ترک کر دیا جائے گا۔

علامہ ابن وہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ ان سے بانسری وغیرہ کے سماع کے متعلق سوال کیا گیا جن کے سننے سے تم کو لذت حاصل ہوتی ہے جب کہ تم بازار میں ہو یا مجلس میں ہو، کیا اس کو یہ کہا جائے گا کہ وہ اس راستہ کو چھوڑ دے یا اس مجلس سے اٹھ جائے، تو امام مالک نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ وہ وہاں سے اٹھ جائے سوا اس کے کہ وہ کسی کام کی وجہ سے بیٹھا ہوا ہو، یا ایسی حالت پر ہو کہ اٹھ نہ سکتا ہو۔ اسی وجہ سے جو آدمی راستہ میں ہو وہ بانسری وغیرہ کی آواز سنے تو وہاں سے لوٹ جائے۔

محمد بن المنکدر سے روایت ہے، انہوں نے کہا: ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: ''میرے وہ بندے کہاں ہیں جو اپنی جانوں کو لہو اور مزامیر شیطان کے سننے سے دور رکھتے تھے، میں ان کے لیے مشک کے باغات حلال کرتا ہوں اور انہیں خبر دو کہ میں نے ان کے اوپر اپنی رضا کو حلال کر دیا ہے''۔(مسند ابن الجعد:۱۶۸۲)

جوئے اور دیگر لہو کے کھیلوں کے متعلق فقہاء کی عبارات

امام مالک نے چوسر اور دیگر باطل کھیلوں کے ساتھ کھیلنے کو مکروہ کہا ہے۔ (المنتقی ج ۷ ص ۲۸۷، الذخیرہ ج ۱۳ ص ۲۸۳)

اور امام مالک نے یہ آیت تلاوت کی:

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ (یونس: ۳۲) تو حق کو چھوڑ کر گمراہی کے سوا اور کیا ہے۔

اور امام مالک نے کہا: جو آدمی دائماً لہو ولعب میں مشغول رہے، اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔

(تفسیر القرطبی ج ۱۴ ص ۵۲)

اور امام شافعی نے کہا: جب لہو ولعب میں مشغول ہونے کی وجہ سے وہ نماز اپنے وقت میں نہ پڑھ سکے تو اس کی شہادت جائز نہیں ہے۔ (کتاب الام ج ۶ ص ۲۲)

اور ہمارے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ چوسر کے ساتھ کھیلنا مکروہ ہے۔

اور ابوثور نے کہا ہے: جس نے بعض لہو کھیلے حتیٰ کہ نماز کا وقت گزر گیا تو اس کی شہادت قبول نہیں ہوگی۔ اور علماء نے بطورِ استحباب اس کو صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک کے سوا اور کسی قول پر مواخذہ نہیں فرماتا حتیٰ کہ اس کا فعل اس کے قول کی تصدیق کرے یا تکذیب کرے، حتیٰ کہ اگر ایک مرد نے کسی عورت سے کہا: آ میں تیرے ساتھ زنا کرتا ہوں یا شراب پیتا ہوں اور اس نے ایسا کیا نہیں تو نہ اس پر دنیا میں اور نہ آخرت میں سزا ہوگی، جب کہ وہ کبائر سے بچتا ہو۔ لیکن مستحب یہ ہے کہ جس کی زبان سے ایسی بات جاری ہو اور اس کا دل بھی اس کی نیت کرے، تو اس پر لازم ہے کہ وہ صدقہ کرے اور یہ صغیرہ گناہوں میں سے ہوگا۔ اور اسی طرح جس نے لات اور عزیٰ کا حلف اٹھایا تو اس پر لازم ہے کہ وہ کلمہ شہادت پڑھے، تا کہ اس کی زبان سے جو شرکیہ کلمہ صادر ہوا ہے وہ منسوخ ہو جائے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۶۳۔۱۶۸ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

غنا، سماع اور وجد کی تحقیق

علامہ سید محمود آلوسی البغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ غنا قلب کا جاسوس ہے اور یہ مروت اور عقول کو چرا لیتا ہے اور دلوں میں جوش پیدا کرتا ہے۔ اور دل کے رازوں پر مطلع ہوتا ہے اور دل میں جو ہوئی اور شہوت وغیرہ مرکوز ہوتی ہے، اس کو منتشر کرتا ہے۔ جب کوئی شخص غنا کو سنتا ہے تو اس کی عقل اور حیاء کم ہو جاتی ہے۔ اور اس کی مروۃ اور رونق رخصت ہو جاتی ہے۔ اور جن چیزوں کو وہ غناء سے پہلے قبیح جانتا تھا ان کو مستحسن جانتا ہے اور بسا اوقات اپنے ہاتھوں سے تالیاں بجاتا ہے اور پیروں سے زمین کو کوٹتا ہے۔ فقہاء کا اس کے حکم میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اس کی تحریم منقول ہے۔ القاضی ابوالطیب علامہ القرطبی الماوردی اور قاضی عیاض نے اسی طرح لکھا ہے۔

غنا اور سماع کے حکم کے متعلق فقہاء احناف کی تصریحات

الفتاویٰ التاتارخانیہ میں مذکور ہے: جان لو کہ تمام ادیان میں گانا بجانا حرام ہے اور الزیادات میں مذکور ہے کہ گانے والے مردوں اور گانے والی عورتوں کے لیے وصیت کرنا ہمارے اور اہل کتاب کے نزدیک معصیت ہے۔ اور علامہ ظہیر الدین المرغینانی

سے منقول ہے، انہوں نے کہا: جس نے ہمارے زمانہ میں گانے والے کے لیے اس کے گانے کے دوران کہا ''احسنت'' یعنی بہت اچھا تو اس کو کافر قرار دیا جائے گا اور صاحب ہدایہ اور صاحب الذخیرہ نے غنا کو گناہِ کبیرہ قرار دیا۔ یہ عید اور شادی کے موقع کے علاوہ غنا کا حکم ہے۔ اور اس میں ہمارے زمانہ کے صوفیاء کا غنا داخل ہے جو مساجد میں اور دعوات میں اشعار اور اذکار کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اس میں اہلِ ھویٰ مختلط ہوتے ہیں۔ اور یہ ہر غناء سے زیادہ شدید ہے کیونکہ اس کے ساتھ عبادت کا اعتقاد ہوتا ہے، لیکن اگر کوئی تنہائی میں بیٹھ کر وحشت کو دور کرنے کے لیے اشعار گا کر پڑھے یا عید کے مواقع پر یا شادی کے مواقع پر تو اس میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس زمانہ میں یہ بھی مطلقاً ممنوع ہے۔ (تاتارخانیہ کی عبارت ختم ہوئی)۔

اور الدر المختار میں مذکور ہے کہ تنہائی میں وحشت کو دور کرنے کے لیے گانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ علامہ عینی نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اگر ان اشعار میں نصیحت اور حکمت ہو تو وہ اتفاقاً جائز ہیں۔ اور بعض فقہاء نے شادی کے موقع پر اشعار گا کر پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے جیسا کہ شادی کے موقع پر دف کو بجانا جائز ہے۔ اور بعض فقہاء نے اس کو مطلقاً مباح قرار دیا ہے اور بعض فقہاء نے اس کو مطلقاً مکروہ کہا ہے۔ اور البحر الرائق میں مذکور ہے: مذاہب کے نزدیک غنا مطلقاً حرام ہے۔ پس اختلاف منقطع ہو گیا بلکہ ہدایہ کی ظاہر عبارت یہ ہے کہ غنا گناہِ کبیرہ ہے خواہ اپنے نفس کے لیے پڑھے۔ اور مصنف نے بھی اس کو مقرر رکھا ہے اور کہا ہے کہ جو شخص غنا کا سماع کرتا ہے یا مجلسِ غنا میں بیٹھتا ہے، اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ (الدر المختار کی عبارت ختم ہوئی)

اور امام ابوبکر الطرسوسی نے اپنی کتاب ''تحریم السماع'' میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ غنا کو مکروہ قرار دیتے تھے اور اس کو گناہوں میں شمار کرتے تھے۔ اسی طرح اہلِ کوفہ کا مذہب ہے جن میں سفیان، حماد، ابراہیم اور شعبی وغیرہ ہیں۔ ان کا غنا کی کراہت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور ہم اس کی کراہت میں اہلِ بصرہ کے اختلاف کو اور ان کے منع کرنے کو نہیں جانتے۔ اور ان کی مراد کراہت سے کراہتِ تحریمی ہے اور متقدمین بہ کثرت مکروہ بول کر حرام مراد لیتے تھے۔ اور انہوں نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے غنا اور اس کے سماع سے منع فرمایا ہے، انہوں نے کہا کہ جب کسی شخص نے باندی خریدی اور اس کو مغنیہ پایا تو اس کے لیے جائز ہے کہ اس باندی کو اس کے عیب کی وجہ سے واپس کر دے۔ اور ان سے سوال کیا گیا کہ اہلِ مدینہ غنا کی رخصت دیتے ہیں تو انہوں نے کہا: ہمارے نزدیک فساق غنا کے ساتھ شغل کرتے ہیں۔ اور انہوں نے تمام حنبلیوں کی طرف غنا کی تحریم کو نقل کیا ہے جیسا کہ المقنع کے شارح نے نقل کیا ہے۔

غنا اور سماع کے حکم کے متعلق فقہاءِ حنبلیہ اور فقہاءِ شافعیہ کی تصریحات

شیخ ابن تیمیہ نے ''کتاب البلغۃ'' میں ذکر کیا ہے کہ اکثر اصحابِ حنبلیہ غنا کی تحریم پر متفق ہیں۔ اور امام احمد بن حنبل کے بیٹے عبداللہ سے منقول ہے کہ میں نے اپنے والد یعنی امام احمد بن حنبل سے غنا کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: غنا قلب میں نفاق پیدا کرتا ہے اور انہوں نے امام مالک کے اس قول کو نقل کیا کہ غنا ہمارے نزدیک فساق کا شیوہ ہے اور المحاسبی نے رسالۃ الانشاء میں لکھا کہ غنا مردے کی طرح حرام ہے۔ اور الطرسوسی نے کتاب ادب القاضی میں نقل کیا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا کہ غنا لہو مکروہ ہے جو باطل کے مشابہ ہے۔ اور جس نے بہ کثرت غنا یا سماع کیا تو وہ جاہل ہے، اس کی شہادت مردود ہے۔ اور اس میں مذکور ہے کہ امام شافعی کے مذہب کے عارفین نے کہا ہے کہ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ غنا حرام ہے۔ اور انہوں نے ان فقہاء پر انکار کیا جنہوں نے

امام شافعی کی طرف غنا کے حلال ہونے کو منسوب کیا ہے جیسا کہ قاضی ابوالطیب اور الطبری اور الشیخ ابواسحاق۔ اور امام بغوی کے بعض تلامذہ نے اپنی کتاب ''التقریب'' میں لکھا ہے کہ غنا حرام ہے، اس کا فعل بھی اور اس کا سماع بھی۔ اور علامہ ابن الصلاح نے اپنے فتاویٰ میں طویل بحث کے بعد لکھا ہے: ''پس یہ سماع مسلمین کے اہل الحل والعقد کے اجماع سے حرام ہے''۔

اور میں نے فاضل مناوی کی جامع صغیر کی شرح کبیر میں دیکھا ہے کہ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ غنا اس وقت مکروہ تنزیہی ہے جب فتنہ سے مامون ہو۔ اور المنہاج میں مذکور ہے: بغیر آلہ کے غنا مکروہ ہے۔ علامہ نووی شافعی اور علامہ رافعی شافعی نے لکھا ہے کہ غنا معصیت ہے اور یہ اس پر محمول ہے جس میں شراب کی صفت ہو یا کسی بے ریش لڑکے کی تعریف ہو یا اجنبی عورت کی صفت ہو اور اس قسم کی چیزیں جو عموماً معصیت پر برانگیختہ کرتی ہیں۔ اور انہوں نے جو کہا ہے کہ بغیر آلہ کے اشعار پڑھنا اور گانا مکروہ ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ آلات کے ساتھ گانا بجانا حرام ہے۔ اور علامہ الزرکشی نے کہا ہے کہ قیاس یہ ہے کہ فقط آلات کو بجانا حرام ہے اور نفس غنا مکروہ ہے۔ (شیخ ابن تیمیہ کی عبارت ختم ہوئی)

سماع کے متعلق علماء کی عبارات

علامہ العز بن عبد السلام سے محبت کے اشعار کے سماع اور رقص کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: رقص بدعت ہے اور اس کو وہی اختیار کرے گا جو ناقص العقل ہوگا۔ پس عورتوں کے سوا کسی کا رقص کرنا جائز نہیں ہے۔ اور رہا ان اشعار کا سننا جو عمدہ احوال کی تحریک پیدا کرتے ہیں اور امور آخرت کی یاد دلاتے ہیں ان میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ سستی کے وقت ان کا سننا مستحب ہے۔ اور جس کے قلب میں خبیث خواہش ہو وہ محفل سماع میں حاضر نہ ہو۔ اور نیز انہوں نے کہا کہ سامعین اور مسموع کے اختلاف سے سماع کا حکم مختلف ہے۔ جو عارفین باللہ ہیں ان کا سماع ان کے احوال کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے، پس جس پر خوف خدا کا غلبہ ہو تو اس میں سماع کا اثر ہوتا ہے جب اس کے سامنے اللہ کے خوف کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اور غم کرنے کا اور رونے کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے۔ اور وہ یا تو عذاب کا خوف ہوتا ہے یا ثواب نہ ملنے کا خوف ہوتا ہے۔ اور ان میں قرآن کی تاثیرات زیادہ غالب ہوتی ہیں۔

اور قاضی حسین نے از جنید قدس سرہٗ نقل کیا ہے کہ لوگ سماع کرتے ہیں۔ رہے عوام تو ان کے اوپر سماع حرام ہے اور رہے زاہدین تو ان کے لیے سماع مباح ہے، کیونکہ اس سے ان کے مجاہدات میں مدد ہوتی ہے اور رہے عارفین تو ان کے لیے سماع مستحب ہے، کیونکہ اس سے ان کے قلوب زندہ ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح ابو طالب مکی نے ذکر کیا ہے اور علامہ السہروردی نے عوارف المعارف میں ذکر کیا ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت جنید نے حرام سے اس کے اصطلاحی معنی کا ارادہ کیا ہے۔ نیز حضرت جنید قدس سرہ سے منقول ہے کہ ان سے سماع کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: یہ مبتدی کے لیے گمراہی ہے اور منتہی کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔

اور علامہ قشیری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سماع کی کئی شرائط ہیں۔ ان میں سے یہ ہے کہ سماع کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کی معرفت ہو تاکہ ان کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ کیا ہیں اور صفات افعال کیا ہیں اور ان کو یہ معلوم ہو کہ اللہ سبحانہ کے حق میں کس قسم کی نعت جائز نہیں ہے اور کس قسم کا وصف بیان کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ پر کن اسماء کا اطلاق جائز ہے اور کن اسماء کا اطلاق ممنوع ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ سماع کی یہ شرائط اہل تحسین میں سے ذوالعقول کے لیے

ہیں۔اور اہلِ حقائق کے نزدیک سماع کی شرط یہ ہے کہ صدق مجاہدہ سے نفس فانی ہو چکا ہو، پھر مشاہدہ کی رو سے دل کی حیات ہو۔ اور جس کو ان چیزوں کا پتا نہ ہو اس کا سماع کرنا وقت کو ضائع کرنا ہے۔انہوں نے اس مسئلہ میں طویل بحث کی ہے، پھر لکھا ہے کہ اکثر صوفیاء کے نزدیک اس زمانہ میں سماع حرام ہے، کیونکہ اس کی شرائط پائی نہیں جاتیں۔

سماع اور وجد کے متعلق ایک جھوٹی روایت اور اس کا ابطال

علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

تعجب اس پر ہوتا ہے کہ بعض لوگ سماع اور تواجد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں اور انہوں نے عطیہ سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب صفہ کے پاس گئے اور وہاں بیٹھے اور آپ نے فرمایا: کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو اشعار پڑھے تو کسی نے ایک شعر پڑھا:

لسعت حیة الهوی کبدی ولا طبیب لها ولا راق

الا الحبیب الذی شغفت به فعنده رقیتی وتریاق

ترجمہ: خواہش کے سانپ نے میرے جگر کو ڈس لیا اور اس کے لیے نہ کوئی طبیب ہے اور نہ کوئی دم کرنے والا ہے،

سوا اس محبوب کے جس پر میں عاشق ہوں اور اسی کے پاس اس ڈنک کا دم ہے اور تریاق ہے۔

سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور آپ جھومنے لگے حتیٰ کہ آپ کی چادر مبارک آپ کے کندھے سے گر گئی، پس اصحاب صفہ نے اس چادر کو لے لیا اور اس کے چار سو ٹکڑے کر کے آپس میں تقسیم کر لیے۔

اور مجھے اپنی زندگی کی قسم! یہ صریح جھوٹ ہے اور قبیح تہمت ہے اور اہلِ سنت کے محدثین کے اجماع کے نزدیک اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور میرا یہی گمان ہے کہ اس کو زندیقوں نے وضع کر لیا ہے اور یہ قرآن عظیم ہے جس کی جبریل علیہ السلام تلاوت کرتے تھے اور اس کو متعدد اصحاب سنتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی پر ایسا حال طاری نہیں ہوتا تھا۔اور وہ جو انہوں نے ان دو شعروں میں سماع کا ذکر کیا ہے، سو اللہ پاک ہے اور یہ بہتان عظیم ہے۔

اور میں کہتا ہوں کہ اب غنا اور سماع کے اندر عام لوگ مبتلا ہو چکے ہیں، تمام شہروں میں اور تمام جگہوں میں حتیٰ کہ مساجد بھی اس سے منزہ نہیں ہیں، بلکہ گانے والے اوقاتِ مخصوصہ میں منبر پر گاتے ہیں اور ان کے گانوں میں شراب کی اور دیگر ممنوعات کی صفات ہوتی ہیں۔اور اس کے باوجود وقف کی آمدنی سے اس کے لیے حصہ مقرر کیا جاتا ہے۔

اور سب سے قبیح بات یہ ہے کہ ابلیسی صوفیاء یہ کہتے ہیں کہ ہم خمر سے مراد محبتِ الٰہی کی شراب لیتے ہیں اور سکر سے مراد محبتِ الٰہی کے غلبہ کو مراد لیتے ہیں اور محبوب سے مراد محبوبِ اعظم ہے اور وہ اللہ عزوجل ہے۔اور یہ سب ان کی خرافات ہیں۔

اور بعض علماء نے تالیاں بجانے کو حرام قرار دیا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تالی بجانا عورتوں کے لیے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردوں پر مشابہت اختیار کرتی ہیں اور مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں پر مشابہت اختیار کرتی ہیں۔اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اور اس کی تعظیم کرتا ہے، اس سے رقص کرنا اور تالی بجانا متصور نہیں ہے اور یہ رقص کرنا اور

تالی بجانا اسی سے صادر ہوتا ہے جو جاہل ہوتا ہے۔ اور ان کی جہالت پر دلیل یہ ہے کہ شریعت میں اور کتاب وسنت میں رقص اور تالی بجانے کے متعلق کوئی ہدایت نہیں ہے اور انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا اور نہ ان کے متبعین میں سے کسی نے ایسا کیا۔ یہ صرف وہ جاہل اور بے وقوف کرتے ہیں جن پر حقائق ان کی خواہشات کے ساتھ مشتبہ ہو گئے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ ایک قوم جب قرآن کو سنتی ہے تو بے ہوش ہو جاتی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: قرآن کریم اس سے زیادہ کریم ہے کہ اس کے سننے سے لوگوں کی عقول سلب ہو جائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝ (الزمر: ۲۳)

اللہ نے بہترین کلام کو نازل کیا جس کے مضامین ایک جیسے ہیں بار بار دہرائے ہوئے، اس سے ان کے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر ان کے جسم اور ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے نرم ہو جاتے ہیں، یہ اللہ کی ہدایت ہے، وہ جس کو چاہتا ہے اس کی ہدایت دیتا ہے اور جس کو اللہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے ○

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''غنا دل میں نفاق کو پیدا کرتا ہے جیسا کہ پانی سبزہ کو اگاتا ہے''۔

جس محفل میں گانا بجانا ہو اس میں شریک ہونے کا حکم

تنویر الابصار اور اس کی شرح الدر المختار میں مذکور ہے: جس شخص کو کسی ولیمہ میں بلایا گیا اور وہاں پر لہو ولعب اور غنا ہے، اور وہ وہاں پر بیٹھا اور اس نے کھانا کھایا تو اس کو وہاں بیٹھنا نہیں چاہیے بلکہ وہاں سے اٹھ جانا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (الانعام: ۶۸)

اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے کے بعد تم ظلم کرنے والوں کے ساتھ نہ بیٹھو ○

اگر وہ شخص ان کو گانے بجانے سے منع کرنے پر قادر ہو تو منع کرے۔ اور اگر وہ شخص دینی پیشوا نہیں ہے تو صبر کرے، اور اگر دینی پیشوا ہے اور منع کرنے پر قادر نہیں ہے تو اٹھ کر چلا جائے اور ان کے ساتھ نہ بیٹھے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے حکایت کی گئی ہے کہ اگر وہ دینی پیشوا ہے تو ایسی مجلس میں نہ بیٹھے۔ پس یہ ہوسکتا ہے کہ وہاں بیٹھنا حرام ہو یا مکروہ ہو۔ اور گانے بجانے کے سنتے وقت کانوں میں انگلیاں دینا مستحب ہے۔ (روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۱۸۔ ۱۰۴ ملخصا وملتقطا، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ آلوسی نے یہاں بہت طویل بحث کی ہے اور ہم نے اختصار کے ساتھ ان کے کلام میں سے ضروری مباحث کو لکھ دیا ہے۔

غنا، سماع، وجد اور تواجد کی مزید تحقیق

لہو الحدیث کا محمل غناء کو قرار دینا

امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی النیشاپوری المتوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

کلبی اور مقاتل نے کہا ہے کہ یہ آیت النضر بن الحارث کے متعلق نازل ہوئی ہے، وہ تجارت کے لیے فارس جاتا تھا، وہاں سے عجمیوں کی خبریں خرید کر لاتا، ان کو روایت کرتا اور قریش کو سناتا، اور کہتا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو عاد اور ثمود کی خبریں سناتے ہیں اور میں تم کو رستم اور اسفندیار کی خبریں سناتا ہوں اور عجمی بادشاہوں کے قصے سناتا ہوں، لوگ اس کی خبروں اور قصوں کی طرف مائل ہوتے اور قرآن سننا چھوڑ دیتے۔ (علامہ قرطبی نے بھی یہی شانِ نزول لکھا ہے۔ الجامع لاحکام القرآن ج ۱۴ ص ۴۸)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گانے والیوں کو تعلیم دینا اور ان کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے اور ان کی قیمت حرام ہے۔ اور اسی کی مثل میں یہ آیت نازل ہوئی ہے: ''اور بعض لوگ غافل کرنے والی کہانیاں خریدتے ہیں تاکہ بغیر علم کے لوگوں کو بہکائیں۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۹۵، سنن الکبریٰ: ج ۶ ص ۱۴، کنز العمال ج ۴ ص ۳۹)

علامہ ثعلبی لکھتے ہیں: جو شخص گانا گاتے وقت اپنی آواز بلند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دو شیطان بھیج دیتا ہے، ایک اس کے ایک کندھے پر بیٹھ جاتا ہے اور دوسرا اس کے دوسرے کندھے پر بیٹھ جاتا ہے اور جب تک وہ گاتا رہتا ہے شیطان اس کو لاتوں سے مارتے رہتے ہیں۔

دوسرے مفسرین نے کہا: اس آیت کا محمل وہ لوگ ہیں جو قرآن مجید کو چھوڑ کر لہو، معازف، مزامیر اور غنا سنتے ہیں اور انہوں نے کہا اللہ کے راستہ سے مراد قرآن مجید ہے (معازف سے مراد وہ آلات غنا ہیں جن کو ہاتھوں سے بجایا جائے اور مزامیر سے مراد وہ آلات غنا ہیں جن کو منہ سے بجایا جائے)۔

ابو الصہبا البکری بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے تین بار قسم کھا کر فرمایا: اس سے مراد غنا ہے، ضحاک نے کہا: غنا مال کو ضائع کرتا ہے، رب کو ناراض کرتا ہے اور دل کو یادِ الٰہی سے غافل کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت اس شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے ایک باندی خریدی جو اس کو دن رات گانا سناتی تھی اور ہر وہ بات جو اللہ کے راستہ سے غافل کر کے اس کے منع کیے ہوئے کام کی طرف لے جائے وہ لہو الحدیث ہے اور گانا بھی اسی قسم سے ہے۔ (الکشف والبیان ج ۷ ص ۳۱۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

غناء کی تحریم اور ممانعت میں قرآن مجید کی آیات

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے غنا کی تحریم میں حسب ذیل آیات پیش کی ہیں:

(۱) غناء کی تحریم میں ایک یہی زیر تفسیر آیت ہے یعنی لقمان: ۶، اس آیت سے علماء نے غناء کی کراہت اور ممانعت پر استدلال کیا ہے۔

(۲) وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ (النجم: ۶۱) اور تم کھیل میں پڑے ہوئے ہو O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد غنا ہے، باندی سے کہا جائے ''اسمدی لنا'' اس کا معنی ہے: ہمیں گانا سناؤ۔

(۳) وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ۔ تو ان میں سے جن کو بھی اپنی آواز سے بہکا سکتا ہو، بہکا لے۔

(بنی اسرائیل: ۶۴)

مجاہد نے کہا: اس سے مراد غنا اور مزامیر ہیں، اس کی تفسیر سورۃ بنی اسرائیل میں گزر چکی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴، ص ۴۸، دار الفکر، تلبیس ابلیس ص ۲۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ)

غناء کی تحریم اور ممانعت میں احادیث اور آثار

علامہ قرطبی نے غنا کی تحریم اور ممانعت پر حسب ذیل احادیث اور آثار سے استدلال کیا ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو آوازیں ملعون اور فاجر ہیں، میں ان سے منع کرتا ہوں، مزمار کی آواز اور شیطان کی آواز جو کسی نغمہ اور خوشی کے وقت ہو، اور کسی مصیبت کے وقت رونے پیٹنے اور گریبان پھاڑنے کی آوازیں۔ (امام ترمذی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے)۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۰۵، مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۰۰۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے مزامیر توڑنے کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۴۰۶۸۹، تلبیس ابلیس ص ۲۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت میں زمین میں دھنسا، مسخ اور آسمان سے پتھر برسنا ہوگا، مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! اور یہ کب ہوگا؟ آپ نے فرمایا: جب گانے والیوں اور آلات موسیقی کا ظہور ہو اور شرابوں کو (کھلے عام) پیا جائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۲، علل الترمذی رقم الحدیث: ۶۰۲، المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۰۹۲۳)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میری امت میں پندرہ خصلتیں ہوں گی تو ان پر بلاؤں کا نزول حلال ہو جائے گا، آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! وہ کون سی خصلتیں ہیں آپ نے فرمایا: (۱) جب مال غنیمت کو ذاتی دولت بنا لیا جائے (۲) اور امانت کو مال غنیمت بنا لیا جائے (۳) اور زکوٰۃ کو جرمانہ سمجھا جائے (۴) اور آدمی اپنی بیوی کی اطاعت کرے (۵) اور ماں کی نافرمانی کرے (۶) اور دوست کے ساتھ نیکی کرے (۷) اور باپ کے ساتھ بے وفائی کرے (۸) اور مساجد میں آوازیں بلند کی جائیں (۹) اور سب سے رذیل شخص کو قوم کا سردار بنا لیا جائے (۱۰) اور کسی شخص کے شر سے بچنے کے لیے اس کی عزت کی جائے (۱۱) اور شرابیں (برسرعام) پی جائیں (۱۲) اور ریشم پہنا جائے (۱۳) اور گانے والیوں (۱۴) اور آلات موسیقی کو رکھا جائے (۱۵) اور اس امت کے بعد والے پہلوں کو برا کہیں، اس وقت تم سرخ آندھیوں یا زمین میں دھنسنے کا اور مسخ کا انتظار کرو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۰، المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۰۳۸۶، تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۵۸، ج ۱۲ ص ۳۹۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مال فے (کافروں کا چھوڑا ہوا مال) کو ذاتی دولت بنا لیا جائے اور امانت کو مال غنیمت بنا لیا جائے، اور زکوٰۃ کو جرمانہ قرار دیا جائے، اور دین کے علاوہ علم حاصل کیا جائے، اور آدمی اپنی بیوی کی اطاعت کرے اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے، اور اپنے دوست کو قریب رکھے اور اپنے باپ کو دور رکھے، اور مسجدوں میں آوازوں کو بلند کیا جائے اور فاسق کو قبیلہ کا سردار بنایا جائے اور قوم کا سربراہ رذیل ہو، اور کسی شخص کے شر کی بناء پر اس کی عزت کی جائے، اور گانے والیوں اور آلات موسیقی کا ظہور ہو اور شرابیں پی جائیں اور اس امت کے پچھلے لوگ پہلوں پر لعنت کریں، اس وقت تم سرخ آندھی کا اور زلزلہ کا اور زمین میں دھنسنے کا اور مسخ کا اور آسمان سے پتھر برسنے کا انتظار کرو اور ان نشانیوں کا انتظار کرو جو پے در پے آئیں گی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۱، المسند الجامع رقم الحدیث ۱۵۲۳۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی باندی کے پاس گانا سننے کے لیے بیٹھا

اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ انڈیلا جائے گا۔ (الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۴۲۸، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۰۲۴۰، حافظ سیوطی نے اس حدیث کو امام ابن عساکر کے حوالہ سے ذکر کیا ہے اور اس حدیث کے ضعف کی طرف رمز کی ہے)۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے گانے کو سنا قیامت کے دن اس کو جنت میں روحانیین کی آواز سننے کی اجازت نہیں ہوگی، آپ سے پوچھا گیا کہ روحانیین کون ہیں یارسول اللہ!؟ آپ نے فرمایا: وہ جنت کے قاری ہیں۔ اس حدیث کی سند بھی ضعیف ہے۔

(نوادر الاصول ج ۲ ص ۸۷، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۰۲۳۹، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۴۲۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۰۲۳۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جو شخص اس حال میں مرگیا کہ اس کے پاس گانے والی تھی اس کی نماز جنازہ نہ پڑھو۔

(الجامع لاحکام القرآن، جز ۱۴ ص ۵۱۔ ۴۹، دارالفکر، بیروت، تلبیس ابلیس لابن الجوزی ص ۲۴۰۔ ۲۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

جس قسم کے اشعار کا دف کے ساتھ یا بغیر دف کے سماع جائز ہے

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ فرماتے ہیں:

ان احادیث اور ان کے علاوہ دیگر احادیث اور آثار کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ غنا حرام ہے۔ غنا سے مراد وہ معروف غنا ہے جس سے دلوں میں تحریک پیدا ہوتی ہے، اس سے عشق میں جولانی پیدا ہوتی ہے۔ اس قسم کے اشعار میں عورتوں کا اور ان کے حسن کا ذکر ہو اور ان کی خوبیوں کا بیان ہو اور شراب اور دیگر محرمات کا ذکر ہو تو اس کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہ لہو ہے اور مذموم غنا ہے، اور جو اشعار ان چیزوں سے خالی ہوں ان کی قلیل مقدار کو خوشی کے ایام میں گانا جائز ہے، مثلاً شادی اور عید کے ایام میں اور سخت مشقت کے کاموں کی مشقت کو سرور سے زائل کرنے کے قصد سے جیسا کہ خندق کھودنے کے موقع پر تھا، یا جیسا کہ حبشی غلام انجشہ اور سلمہ بن اکوع نے اونٹوں کو چلاتے وقت غنا کیا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۵۱)

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ خندق کے دن مٹی کھود رہے تھے حتیٰ کہ آپ کا پیٹ خاک آلود ہوگیا اور آپ یہ منظوم کلام پڑھ رہے تھے:

واللہ لولا اللہ ما اھتدینا	ولا تصدقنا ولا صلینا
اللہ کی قسم! اگر اللہ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے	اور نہ ہم صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے
فانزلن سکینۃ علینا	وثبت الاقدام ان لاقینا
پس تو ہم پر طمانیت نازل فرما	اور دشمن کے مقابلہ کے وقت ہم کو ثابت قدم رکھ
ان الاولی قد بغوا علینا	ان ارادو فتنۃ ابینا
بے شک پہلوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی	اگر وہ ہم کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کریں گے تو ہم انکار کریں گے

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''ابینا ابینا'' کا تکرار کرتے اور اس پر آواز کو بلند فرماتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۸۳، ۴۱۰۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۰۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۷۰۷، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۴۵۹، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۸۵۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مہاجرین اور انصار مدینہ کے گرد خندق کھود رہے تھے اور اپنی پیٹھوں پر رکھ کر مٹی کو نقل کر رہے تھے اور یہ منظوم کلام پڑھ رہے تھے:

نحن الذین بایعوا محمدا علی الجهاد مابقینا ابدا

ہم وہ ہیں جنہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد پر بیعت کی ہے جب تک ہم زندہ ہیں

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جواب دیتے ہوئے فرماتے:

اللهم انه لا خیر الا خیر الاخرة فبارك فی الانصار والمهاجرة

اے اللہ! اچھائی تو صرف آخرت کی اچھائی ہے سو تو انصار اور مہاجرین میں برکت نازل فرما

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۰۰، ۱۸۰۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۵۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۷۸۷)

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے ان احادیث کی شرح میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کو کفار کے خلاف شجاعت پر ابھارنے کے لیے اشعار اور رجزیہ کلام پڑھنا جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۱۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ نیز انہوں نے لکھا ہے کہ مشقت زائل کرنے کے لیے اور کسی کام کو خوشی سے کرنے کے لیے اشعار پڑھنا جائز ہے۔ عمدۃ القاری ج ۱۷ ص ۲۳۸)

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی الحنبلی التوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

ہم پر چودھویں کا چاند طلوع ہوا مدینہ کے جنوب کی گھاٹیوں سے

وجب الشکر علینا مادعی للہ داع

ہم پر شکر کرنا واجب ہے جب تک کوئی دعا کرنے والا اللہ سے دعا کرتا رہے

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۵۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اس قسم کے اشعار وہ لوگ مدینہ میں پڑھتے تھے، اور بسا اوقات ان اشعار کو دف کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اسی جنس کے اشعار سے یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے، اور ان کے پاس ایام منیٰ میں دو بچیاں تھیں جو دف بجا رہی تھیں اور جنگ بعاث کے گیت گا رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کپڑا اوڑھے ہوئے تھے، حضرت ابوبکر نے ان بچیوں کو ڈانٹا، اور کہا: تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مزمار شیطان بجا رہی ہو! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرے کو کھولا اور فرمایا: اے ابوبکر ان کو چھوڑ دو، کیونکہ یہ عید کے ایام ہیں، اور ایک روایت میں ہے: اے ابوبکر ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۵۲، ۹۴۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۹۸)

امام ابن جوزی فرماتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ یہ لڑکیاں کم عمر تھیں کیونکہ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کم سن تھیں اور لڑکیاں آ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کھیلتی تھیں۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی نے لکھا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وضاحت فرمائی کہ ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے جیسے مجوسیوں کی عید نیروز ہے اور یہ دن ہماری عید کا دن ہے، اور شرعاً خوشی کا دن ہے، سو اتنی مقدار میں خوشی کے دن غنا کا انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ وہ غنا نہیں ہے جو دلوں میں فسق و فجور کی آگ بھڑکاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۱۶، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ سرور شرعی کا دن ہے اور اس دن اتنی مقدار میں غنا کا انکار نہیں کیا جاتا جیسا کہ شادی کے موقع پر انکار نہیں کیا جاتا۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۱۶، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی کسی رشتہ دار لڑکی کی شادی انصار کے کسی لڑکے سے کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: تم نے لڑکی کو رخصت کر دیا؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: کیا تم نے اس کے ساتھ کسی گانے والی کو بھیجا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جی نہیں! تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انصار ایسے لوگ ہیں جنہیں گانے کا شوق ہے، کاش! تم اس کے ساتھ اس کو بھیجتے جو یہ گاتا:

اتیناکم اتیناکم فحیانا وحیاکم

ہم تمہارے پاس آئے ہیں، ہم تمہارے پاس آئے ہیں سو اللہ تمہیں بھی زندہ رکھے اور ہمیں بھی زندہ رکھے

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۰۰، مسند احمد ج ۳ ص ۳۹۱، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۲۵۱۴، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۱۹۴، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۹۲، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۱۵۵، اس حدیث کی سند ضعیف ہے مگر اس کی تائید صحیح البخاری میں ہے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک لڑکی کی انصار کے ایک مرد کی طرف رخصتی کی گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تمہارے ساتھ لہو (گانا بجانا) نہیں تھا؟ کیونکہ انصار کو لہو اچھا لگتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۶۴)

حضرت محمد بن حاطب الجمحی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حرام اور حلال کے درمیان فرق دف اور آواز ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۸۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۳۶۹، ۳۳۷۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۹۶، مسند احمد ج ۳ ص ۴۱۸، المستدرک ج ۲ ص ۱۸۴، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۸۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نکاح کا اعلان کرو اور اس کو مساجد میں منعقد کرو اور اس پر دفوف (دف کی جمع) بجاؤ۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۸۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۹۵، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۹۰)

حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ شب زفاف کو میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرے بستر پر اس طرح بیٹھ گئے جس طرح تم میرے پاس بیٹھے ہو اور اس وقت بچیاں دف بجا رہی تھیں اور میرے جو آباء غزوہ بدر میں شہید ہو گئے تھے ان کا مرثیہ گا رہی تھیں یہاں تک کہ ان میں سے کسی ایک نے یہ مصرع پڑھا:

وفینا نبی یعلم ما فی غد اور ہم میں ایسے نبی موجود ہیں جو (از خود) غیب کو جانتے ہیں۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: اس مصرع پر چپ رہو، اور وہی پڑھو جو اس سے پہلے پڑھ رہی تھیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۰۰۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۲۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۹۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۹۰، مسند احمد ج ۶ ص ۳۵۹، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۸۷۸، المعجم الکبیر ج ۲۴ رقم الحدیث: ۶۹۸، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۸۹)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے مستفاد ہوا کہ شادی کی صبح کو دف بجانے کی آواز کو سننا جائز ہے، اور مخلوق میں سے کسی ایک کی طرف بھی علم غیب کی نسبت کرنا مکروہ ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۰، مطبوعہ دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

کیونکہ جب علی الاطلاق کسی کی طرف علم غیب کی نسبت کی جائے تو اس سے متبادر علم غیب بالذات ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (الملفوظات ج ۳ ص ۴۷، نوری کتب خانہ، لاہور) اسی لیے جو لڑکیاں یہ مصرع پڑھ رہی تھیں آپ نے انہیں اس مصرع پر خاموش ہونے کا حکم دیا اس لیے حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کو مکروہ لکھا ہے، لیکن بہر حال مخلوق کی طرف علم غیب کی نسبت کرنا کفر و شرک نہیں ہے ورنہ آپ ان لڑکیوں کو توبہ کرنے کا اور دوبارہ ایمان لانے کا حکم دیتے۔

اور حافظ بدر الدین محمد بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوا کہ شادی کی صبح کو دف بجانا اور اس کا سننا جائز ہے اور جو علماء اس کو منع کرتے ہیں وہ اس کو ابتداء اسلام پر محمول کرتے ہیں، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص مخلوق میں سے کسی کی طرف علم غیب کی نسبت کرے اس کو منع کرنا چاہیے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۷ ص ۱۴۶، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن محمد بن علی بن جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

عید، شادی اور دیگر خوشی کی تقاریب میں قلیل مقدار میں دف بجا کر اس قسم کے اشعار پڑھنا امام احمد بن حنبل کے نزدیک جائز ہے، اسی طرح وہ اشعار جو وعظ و نصیحت پر مشتمل ہوں وہ بھی امام احمد کے نزدیک جائز ہیں، امام احمد بن حنبل سے کسی نے پوچھا: ایسے اشعار جن میں دلوں کو نرم کرنے کا اور جنت اور دوزخ کا ذکر ہو آیا ان کو پڑھنا جائز ہے، امام احمد نے کہا: کوئی اس قسم کا شعر سناؤ تو سائل نے یہ اشعار پڑھے:

اذا ما قال لی ربی اما استحیت تعصینی

وتخفی الذنب من خلقی وبالعصیان تاتینی

ترجمہ: جب مجھ سے میرا رب فرمائے گا: تجھ کو حیا نہیں آتی تو میری نافرمانی کرتا ہے اور تو میری مخلوق سے گناہ کو چھپاتا ہے اور ان گناہوں کے ساتھ میرے پاس آتا ہے۔

امام احمد نے کہا: یہ شعر مجھے پھر سناؤ، وہ بار بار فرمائش کر کے یہ شعر سنتے رہے، پھر جب وہ گھر گئے تو خود یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔ اور رہے وہ اشعار جو کہ مرثیہ پڑھنے والے اور نوحہ کرنے والے پڑھتے ہیں اور خود بھی آواز سے روتے ہیں اور لوگوں کو بھی آواز سے رلاتے ہیں تو ایسے اشعار پڑھنا اور لوگوں کو آواز سے رلانا ناجائز اور حرام ہے۔ اسی طرح آلات موسیقی کے ساتھ اشعار کو پڑھنا بھی ناجائز اور حرام ہے۔

آلات موسیقی کے ساتھ سماع کا حرام ہونا

عبدالرحمٰن بن غنم اشعری کہتے ہیں کہ مجھے ابو عامر یا ابو مالک اشعری نے حدیث بیان کی اور بہ خدا! انہوں نے جھوٹ نہیں کہا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب

اور باجوں (آلات غنا) کو حلال قرار دیں گے، اور کچھ ایسے لوگ پہاڑ کے دامن میں رہیں گے کہ جب شام کو وہ اپنے جانوروں کا ریوڑ لے کر لوٹیں گے اور ان کے پاس کوئی فقیر اپنی حاجت لے کر آئے گا تو وہ کہیں گے کہ "کل آنا" اللہ تعالیٰ پہاڑ گرا کر ان کو ہلاک کر دے گا اور دوسرے لوگوں (شراب اور باجوں وغیرہ کو حلال کرنے والوں) کو مسخ کر کے قیامت تک کے لیے بندر اور خنزیر بنا دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۵۹۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۶۷۵۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۶۸۸، مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۲، سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۲۲۱)

اس حدیث میں معازف (آلات غنا) کے حلال کرنے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ کیے جانے کی وعید سنائی ہے، بندر اور خنزیر کی شکل میں تبدیل کیے جانے سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ حقیقتاً بندر اور خنزیر کی شکل میں متشکل کر دیئے جائیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے اخلاق یا ان کے قلوب بندر اور خنزیر کے اخلاق اور قلوب کے ساتھ تبدیل کر دیئے جائیں۔

آلات موسیقی کے ساتھ سماع میں فقہاء احناف کا نظریہ

صحیح البخاری:۵۵۹۰، کی شرح میں علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

امام سعید بن منصور نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانہ میں میری امت کو مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا جائے گا، مسلمانوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ گواہی دیتے ہوں گے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اور وہ نماز پڑھتے ہوں گے، روزے رکھتے ہوں گے اور حج کرتے ہوں گے، اور وہ ان شرابوں کو پئیں گے، وہ اس لہو میں اور شراب نوشی میں رات گزاریں گے اور جب وہ صبح اٹھیں گے تو مسخ ہو کر بندر اور خنزیر ہو چکے ہوں گے۔ امام ترمذی نے اس مضمون کی حدیث روایت کی ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۲) اور حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں روایت کیا ہے، حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں گھبراہٹ ہوگی، لوگ اپنے علماء کی طرف جائیں گے تو وہ بندر اور خنزیر ہو چکے ہوں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۶۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نیز علامہ بدرالدین عینی حنفی صحیح البخاری:۹۴۹، کی شرح میں لکھتے ہیں:

الغنا (گانے بجانے) کی تحریم میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہ اس لہو ولعب سے ہے جو بالاتفاق مذموم ہے، اور رہا وہ غنا جو محرمات سے خالی ہو تو اس کی قلیل مقدار، عید، شادی اور خوشی کی تقاریب میں جائز ہے، اور امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ حرام ہے، اور اہل عراق کا بھی یہی قول ہے، امام شافعی کے مذہب میں یہ مکروہ ہے، امام مالک کا مشہور مذہب بھی یہی ہے، صوفیاء کی ایک جماعت نے عید کے دن لڑکیوں کے دف بجانے کی حدیث سے غنا کے مباح ہونے پر استدلال کیا ہے خواہ وہ آلات موسیقی کے ساتھ ہو یا اس کے بغیر ہو، اور ان کا یہ استدلال مردود ہے کیونکہ ان لڑکیوں کا یہ غنا صرف جنگ اور بہادری کی نظم سے متعلق تھا، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی، لیکن جو غنا معروف اور مشہور ہے وہ بے ریش لڑکوں اور عورتوں کے محاسن پر مشتمل ہوتا ہے اور دیگر حرام چیزوں کا بیان ہوتا ہے جو پرسکون آدمی کے دل میں شہوت کا جوش اور ہیجان پیدا کر دیتا ہے اس کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور صوفیاء نے اس کی جو بدعت نکالی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور جب تم ان کے اقوال اور

افعال کو دیکھو گے تو اس میں زندیق کے آثار پاؤ گے اور اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کی گئی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

آلاتِ موسیقی کے ساتھ سماع میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ صحیح مسلم: ۸۹۲ کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: وہ لڑکیاں پیشہ ور گانے والیاں نہیں تھیں، یعنی گانا بجانا ان کی عادت نہیں تھی اور نہ وہ اس میں مشہور تھیں، اور غناء میں علماء کا اختلاف ہے، اہل حجاز کی ایک جماعت نے اس کو مباح کہا ہے اور یہ امام مالک سے ایک روایت ہے، اور امام ابوحنیفہ اور اہل عراق نے اس کو حرام کہا ہے، امام شافعی کا مذہب: اس کی کراہت ہے، امام مالک کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔

پیشہ ور گانے والیاں وہ ہوتی ہیں جو اپنے گانے سے عورتوں کا شوق اور ان کی محبت پیدا کرتی ہیں اور بے حیائی کی طرف اپنے کلام میں تعریض اور اشارے کرتی ہیں اور پرسکون دلوں میں حسین عورتوں کی طلب کے جذبات کی آگ بھڑکاتی ہیں، اسی لیے کہا گیا ہے کہ غنا میں زنا ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۴ ص ۲۵۰۶، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

آلات موسیقی کے متعلق ایک قوم نے لکھا ہے کہ ان کی تحریم پر اجماع ہے اور بعض علماء نے اس کے برعکس لکھا ہے، ہم کتاب الاشربہ میں حدیث معازف کی تشریح میں اس پر مفصل لکھیں گے اور فریقین کے شبہات کا ذکر کریں گے۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۱۱۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کتاب الاشربہ میں حدیث معازف کی شرح میں آلات موسیقی کی تحریم کی جس بحث کا وعدہ کیا ہے اس کا ذکر کرنا وہ بھول گئے۔

آلاتِ موسیقی کے ساتھ سماع میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

صوفیہ نے آلات موسیقی کے ساتھ سماع کی جو بدعت رائج کی ہوئی ہے، اس کی تحریم میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے، لیکن جو لوگ نیکی کی طرف منسوب ہیں ان میں سے اکثر کے اوپر نفوس شہوانیہ اور اغراض شیطانیہ غالب ہو چکی ہیں اور اس کا ذکر ان میں اس قدر مشہور ہو چکا ہے کہ وہ اس کی تحریم اور اس کے فحش سے اندھے ہو چکے ہیں اور ان میں سے بہت لوگوں سے بے حیاؤں، ہیجڑوں اور بچوں کی قبیح حرکات صادر ہوتی ہیں، اور وہ موزون اور منضبط حرکات کے ساتھ رقص کرتے ہیں اور ناچتے ہیں جس طرح جاہل اور بے حیاء کرتے ہیں، اور ان کی بے حیائی یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ وہ کہتے ہیں: یہ کام عبادات اور نیک اعمال سے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ آلات موسیقی کے سماع سے دلوں کا زنگ دور ہو جاتا ہے، اور تحقیق یہ ہے کہ یہ زندیق کے آثار ہیں اور اہل باطل کے اقوال ہیں، ہم بدعتوں سے اور فتنوں سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں اور اللہ سے توبہ کا اور سنت پر عمل کرنے کا سوال کرتے ہیں۔

(المفہم ج ۲ ص ۵۳۴، مطبوعہ دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

آلاتِ موسیقی کے ساتھ سماع میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

ایک قوم کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ سماع اللہ عزوجل کی عبادت ہے، جنید سے منقول ہے کہ ان صوفیاء پر تین وقتوں میں رحمت نازل ہوتی ہے، کھانے کے وقت کیونکہ یہ فاقہ کے بعد کھاتے ہیں، اور مذاکرہ کے وقت کیونکہ یہ صدیقین کے مقامات اور انبیاء کے احوال سے متجاوز ہوتے ہیں اور سماع کے وقت کیونکہ یہ وجد کے ساتھ سنتے ہیں اور حق کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

امام ابن جوزی فرماتے ہیں اگر جنید سے یہ روایت صحیح ہے تو اس سماع سے ان اشعار کا سماع مراد ہے جو دلوں کو نرم کرتے ہیں اور آخرت کی یاد دلاتے ہیں، ابن عقیل نے کہا: ہم نے ان صوفیاء سے سنا ہے کہ جب کوئی ساربان اونٹ کو ہنکاتے وقت گاناگاتا ہے اس وقت دعا کی جائے تو مستجاب ہوتی ہے، کیونکہ ان کا اعتقاد ہے کہ گانے سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے، ابن عقیل نے کہا: یہ کفر ہے کیونکہ جو شخص حرام یا مکروہ کو عبادت اعتقاد کرے وہ اس اعتقاد سے کافر ہو جائے گا۔

(تلبیس ابلیس ص ۲۵۲، ملخصاً، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

امام ابن جوزی لکھتے ہیں: جب یہ صوفیاء غناء کو سنتے ہیں تو وجد کرتے ہیں اور تالیاں بجاتے ہیں اور چیختے ہیں اور کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ کتنے ہی عابد جب قرآن مجید کو سنتے ہیں تو بعض مر جاتے ہیں، بعض بے ہوش ہو جاتے ہیں اور بعض چیختے اور چلاتے ہیں، اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جھوٹ ہے، حضرات صحابہ سے اس کی مثل نہیں سنی گئی۔

سب سے صاف دل صحابہ کرام کے تھے اور جب ان کو وجد آتا تو وہ صرف روتے تھے اور خدا سے ڈرتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ کیا تو ایک شخص بے ہوش ہو گیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ہم پر دین میں کون تلبیس کر رہا ہے، اگر یہ سچا ہے تو یہ اپنی شہرت کر رہا ہے اور اگر جھوٹا ہے تو اللہ اس کو مٹا دے گا۔

(تلبیس ابلیس ص ۲۵۴-۲۵۳، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

نیز امام ابن جوزی لکھتے ہیں: جب صوفیاء پر رقص کے حال میں طرب طاری ہوتا ہے تو یہ ناچتے ناچتے کسی شخص کو مجلس سے اٹھا لیتے ہیں تاکہ وہ بھی کھڑا ہو جائے، اور ان کے مذہب میں یہ جائز نہیں ہے کہ جو شخص جذب سے ناچ رہا ہو تو اہل مجلس بیٹھے رہیں اور جب وہ کھڑا ہو تو باقی لوگ بھی کھڑے ہو جاتے ہیں اور جب کوئی شخص سر ننگا کرے تو باقی لوگ بھی سر ننگا کر لیتے ہیں، حالانکہ سر ننگا کرنا قبیح ہے اور خلاف ادب ہے اور صرف حالت احرام میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اظہار ذلت کے لیے سر ننگا کیا جاتا ہے۔

(تلبیس ابلیس ص ۲۶۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ لکھتے ہیں:

آلات موسیقی تین قسم کے ہیں: ستار، بانسری اور منہ سے بجائے جانے والے تمام قسم کے باجے، سارنگی، طنبور اور ہاتھ سے بجائے جانے والے تمام قسم کے باجے، ان کا بجانا حرام ہے اور جو شخص عادتاً ان باجوں کو سنے اس کی شہادت مردود ہے، اور دوسری قسم دف ہے، خوشی کے مواقع پر عورتوں کا دف بجانا جائز ہے۔ اور مردوں کے لیے دف بجانا ہر حال میں مکروہ ہے، کیونکہ عورتیں اور مخنث دف بجاتے ہیں اور مردوں کے دف بجانے میں عورتوں کی مشابہت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر لعنت کی ہے

جو عورتوں کی مشابہت کرتے ہیں، تیسری قسم چھڑی بجانا ہے، یہ اس وقت مکروہ ہے جب اس کے ساتھ کوئی حرام یا مکروہ چیز ہو جیسے تالی بجانا، گانا یا ناچنا۔ (المغنی ج ۱۰ ص ۱۷۴۔ ۱۷۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۶ھ)

غناء اور سماع کے متعلق مفسرین احناف کی تصریحات

اور جو لوگ غافل کرنے والی کہانیاں خریدتے ہیں تاکہ بغیر علم کے لوگوں کو اللہ کے راستے سے بہکائیں، ان پر جب کتاب اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ تکبر سے پیٹھ پھیر لیتے ہیں اور حق کو سننے سے اعراض کرتے ہیں، آپ ان لوگوں کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے۔

یہ آیت بھی ''لھو الحدیث'' کی مذمت میں ہے اور ''لھو الحدیث'' کی تفسیر میں آلات موسیقی اور غنا کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

علامہ ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں:

ایک تفسیر یہ ہے کہ وہ شخص گانے بجانے والی باندیوں کو خریدتا تھا۔ امام ابو اللیث نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گانے والیوں کو بیچنا اور ان کی تجارت کرنا جائز نہیں ہے اور ان کی قیمت کھانا حرام ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۱۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۶۸)

(بحر العلوم تفسیر السمرقندی ج ۳ ص ۱۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

لہو ہر اس باطل چیز کو کہتے ہیں جو انسان کو مشغول کر کے خیر سے روک دے، اور یہاں لہو سے مراد رات کو سنائی جانے والی جھوٹی کہانیاں اور غنا ہے اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم قسم کھا کر کہتے تھے: اس سے مراد غنا ہے، ایک قول یہ ہے کہ غنا قلب کو خراب کرتا ہے، مال کو ختم کرتا ہے اور رب کو ناراض کرتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جو شخص بھی غنا کے ساتھ آواز بلند کرتا ہے اللہ اس کے اوپر دو شیطان مسلط کر دیتا ہے، ایک اس کندھے پر اور دوسرا اس کندھے پر اور وہ اس وقت تک اس کو لاتیں مارتے رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ گر جاتا ہے۔ (مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۳ ص ۴۶۸، مطبوعہ پشاور)

علامہ اسماعیل حقی البروسی الحنفی المتوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں مزامیر (منہ سے بجائے جانے والے آلات موسیقی) اور برابط اور معازف (ہاتھوں سے بجائے جانے والے آلات موسیقی) کو اور ان بتوں کو مٹا دوں جن کی زمانہ جاہلیت میں پرستش کی جاتی تھی۔ الحدیث (مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۷، المعجم الکبیر للطبرانی: ۷۸۰۳) نیز حدیث میں ہے کہ مجھے مزامیر کو توڑنے اور خنزیروں کو قتل کرنے کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔

اہل معانی نے کہا: اس آیت میں ہر وہ شخص داخل ہے جو لہو و لعب کو اور مزامیر اور معازف کو قرآن مجید کے مقابلہ میں ترجیح دے، اور ذمیوں کو مزامیر اور طنابیر کی بیع سے منع کیا جائے گا اور غنا کے اظہار سے بھی روکا جائے گا، اور جن احادیث میں عید کے ایام میں غنا کی رخصت ہے وہ متروک ہیں، اس زمانہ میں ان پر عمل نہیں کیا جائے گا، اسی لیے عید کے دن معازف کو جلانا مستحب ہے (علامہ اسماعیل حقی نے یہ صحیح نہیں لکھا کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی رائے اور قیاس سے احادیث کو منسوخ کرے اور صحیح یہ ہے

کہ عید، نکاح اور دیگر خوشی کے ایام میں اچھے اشعار کو دف کے ساتھ اور بغیر دف کے قلیل مقدار میں پڑھنا جائز ہے، البتہ دیگر آلاتِ موسیقی کو استعمال کرنا مطلقاً ممنوع ہے، اسی طرح ان اشعار کا پڑھنا بھی مطلقاً ممنوع ہے جن کا مضمون غیر شرعی ہو۔ غلام رسول سعیدی غفرلہٗ)

بعض علماء نے کہا ہے کہ آلاتِ موسیقی کی حرمت لعینہا نہیں ہے، جیسے خمر اور زنا کی حرمت ہے، بلکہ یہ حرمت لغیرہا ہے، اسی لیے علماء نے اس سے جہاد کے طبل کو مستثنیٰ کیا ہے، پس جب آلاتِ موسیقی کو بہ طور لہو ولعب استعمال کیا جائے تو یہ حرام ہیں اور جب لہو ولعب نہ ہو تو پھر حرمت زائل ہو جائے گی۔ (یہ قول بھی صحیح نہیں ہے صرف عید، نکاح اور خوشی کے ایام میں قلیل مقدار میں بہ طور لہو ولعب دف بجانے کی رخصت ہے جیسا کہ احادیث کے حوالے سے گزر چکا ہے اور ان کے علاوہ دف بجانے کی رخصت نہیں ہے، خواہ لہو ولعب مقصود ہو یا نہ ہو۔ غلام رسول سعیدی غفرلہٗ)

جائز اور ناجائز سماع

طرز اور خوش الحانی کے ساتھ اشعار سننے میں اختلاف ہے، اگر اشعار میں عورتوں کا ذکر ہو اور انسان کے قد اور رخسار کا ذکر ہو جس سے نفس اور شہوت کی آگ بھڑکتی ہو تو دین دار لوگوں کے لیے ان کا سننا جائز نہیں ہے خصوصاً جب کہ اس کو بہ طور مشغلہ سنا جائے۔ اور اگر ان اشعار میں جنت اور دوزخ کا ذکر ہو، دوزخ سے ڈرایا گیا ہو اور جنت کی ترغیب دی گئی ہو اور اللہ عزوجل کی نعمتوں کی تعریف کی گئی ہو، اور نیک کاموں کی تحریک ہو تو پھر ان کے سننے پر انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے، اور اسی قبیل سے جہاد اور حج کے فضائل کے اشعار ہیں، جن کو سن کر جہاد کرنے اور حج کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور اگر اشعار پڑھنے والا بے ریش نوخیز لڑکا ہو جس کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہو یا عورتیں بھی اس مجمع کو جھانک کر دیکھ رہی ہوں تو یہ عین فسق ہے اور اس کے حرام ہونے پر اجماع ہے۔

بعض لوگ تکلف سے سماع کرتے ہیں، اس کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم یہ ہے کہ لوگ کسی مرتبہ کے حصول یا دنیاوی منفعت کے لیے سماع کرتے ہیں، یہ تلبیس اور خیانت ہے، اور حقیقت کی طلب کے لیے تکلف کرنا ہے جیسے کوئی شخص مصنوعی اور بناوٹی وجد خود پر طاری کر کے وجد کو طلب کرتا ہے، فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں بیٹھا ہو اور اس کے سامنے پورا قرآن مجید پڑھا جائے تو اگر وہ سچے جذب سے اپنے آپ کو گرا دے تو فبہا ورنہ صاحب عقل کو چاہیے کہ وہ شیطان کو اپنے پیٹ میں داخل کرنے سے ڈرے، اور اس کا سماع کے وقت نعرہ مارنا، یا تالی بجانا یا کپڑے پھاڑنا یا رقص کرنا اگر لوگوں کو دکھانے یا سنانے کے لیے ہو تو اس سے بچنا لازم ہے۔

دکھانے اور سنانے کے لیے سماع کے متعدد گناہ ہیں:

دکھاوے کے لیے حال کھیلنے کی خرابیاں

(۱) وہ شخص اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے کہ اللہ نے اس پر وجد طاری کر دیا ہے اور بے خودی اور جذب میں رقص کر رہا ہے یا اس پر حال طاری ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا، اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا بدترین گناہ ہے۔

(۲) وہ حاضرین محفل کو اس فریب میں مبتلا کرتا ہے وہ اس کے متعلق حسن ظن رکھیں اور لوگوں کو دھوکے میں ڈالنا خیانت ہے، رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ہم کو دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۲۵)
(۳) وہ اپنے کھڑے ہونے میں اور بیٹھنے میں دوسرے لوگوں کو اپنی موافقت اور اپنا ساتھ دینے پر ابھارتا ہے، سو وہ لوگوں کو جھوٹ اور باطل کا مکلف کرتا ہے۔ آج کل محفل سماع میں جو لوگ حال کھیلتے ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر کا حال ایسا ہی ہوتا ہے۔ (مصنف)
سماع کی طرف میلان کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

سماع کے اسباب

(۱) انسان کی طبیعت خوش آوازی کی طرف مائل ہو اور یہ شہوت اور حرام ہے (یہ وجہ درست نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)
(۲) انسان کے نفس میں نغمات اور خوش الحانی کی طرف میلان ہو یہ بھی حرام ہے کیونکہ یہ لذت شیطانی ہے جو مردہ قلب اور زندہ نفس کو حاصل ہوتی ہے اور دل کے مردہ ہونے کی علامات یہ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اور آخرت کو بھول جائے اور دنیا کے اشغال میں منہمک ہو اور اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہو اور ہر وہ دل جو دنیا کی محبت میں ملوث ہو اس کا سماع طبیعت کا سماع ہے اور تکلف ہے۔
(۳) اللہ تعالیٰ کے افعال کے نور کے مطالعہ سے اس کے دل میں سماع کی طرف میلان ہو اور یہ عشق ہے اور حلال ہے، کیونکہ یہ میلان رحمانی ہے اور زندہ دل اور مردہ نفس کو حاصل ہوتا ہے (زندہ دل سے مراد یہ ہے کہ اس کا دل اللہ کی یاد سے زندہ ہو اور مردہ نفس سے مراد یہ ہے کہ اس کی حیوانی اور نفسانی خواہشات مر چکی ہوں، ایسا شخص بغیر آلات موسیقی کے ان ہی اشعار کو سنے گا جن کا مضمون غیر شرعی نہ ہو۔)
(۴) اللہ تعالیٰ کی ذات سے نور کے مشاہدہ سے اس کی روح میں سماع سے انس پیدا ہو جائے اور یہ محبت اور سکون ہے اور یہ بھی حلال ہے۔

سماع کی حقیقت

شیخ سعدی کے ایک شعر کا مفہوم یہ ہے: اے برادر! میں نہیں جانتا کہ سماع کیا ہے! میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ سماع کرنے والا کون ہے، یہ وہ شخص ہے جس کی روح برج معنی کی طرف پرواز کرتی ہے اور اس کی پرواز سے فرشتہ بھی عاجز رہتا ہے۔ یہ عاشق صادق کا حال ہے اور اصحاب حال وہ لوگ ہیں جن میں اعمال صالحہ کے انوار کا اثر ہوتا ہے تو اللہ ان کو دین پر استقامت کے ساتھ حال اور وجد اور ذوق اور کشف اور مشاہدہ اور معائنہ اور معرفت عطا فرماتا ہے، زین الدین الحافی قدس سرہٗ نے کہا: جس شخص کے دل میں یہ نور پیدا ہو وہ ان علماء کے قول پر عمل کر کے سماع کرے جو سماع کو جائز کہتے ہیں (یعنی آلات موسیقی کے بغیر ان اشعار کا سماع کرے جو شریعت کے مطابق ہوں) ورنہ ان علماء کے قول پر عمل کرنے میں زیادہ سلامتی ہے جو سماع کو مکروہ کہتے ہیں، اور سماع کا معنی ہے دل کش اور اچھی آواز کو سننا جس کی طرف دل بے اختیار کھنچتا ہو اور یہ انسان کی فطرت میں مرکوز ہے حتیٰ کہ جن میں عقل نہیں ہے وہ بھی اچھی اور سریلی آواز کی طرف مائل ہوتے ہیں کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی کی وجہ سے پرندے ان کے پاس آ کر ٹھہر جاتے تھے۔ (روح البیان ج ۷ ص ۸۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

سماع کی انواع، شرائط، آلات موسیقی کے استعمال اور تواجد کی تحریم اور ممانعت پر دلائل

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام غزالی نے فرمایا: سماع یا تو محبوب ہوگا بایں طور کہ سننے والے پر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس سے ملاقات کے شوق کا غلبہ ہو، تا کہ اس سے اس کو مکاشفات اور ملاطفات حاصل ہوں، یا سماع مباح ہوگا بایں طور کہ اس کو اپنی بیوی سے عشق ہو (اور وہ حسن کو اپنی بیوی کے حسن پر محمول کرے گا) یہ مباح ہے، جب کہ اس پر اللہ کی محبت کا غلبہ ہو نہ نفسانی خواہشوں کا، اور یا سماع حرام ہوگا بایں طور کہ اس کے اوپر ناجائز اور حرام خواہشوں کا غلبہ ہو۔

العز بن عبد السلام سے محبت کے اشعار سننے، سر دھننے اور رقص کے متعلق سوال کیا گیا، انہوں نے کہا: رقص کرنا بدعت ہے، اور وہی شخص رقص کرے گا جس کی عقل ناقص ہوگی، اور رہے عشق و محبت کے اشعار تو اگر وہ امور آخرت پر مشتمل ہوں تو ان کے سننے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ جب انسان کا دل دنیا میں منہمک ہو تو ایسے اشعار کا سننا مستحب ہے، اور جس شخص کے دل میں ناپاک اور ناجائز خواہشیں ہوں وہ سماع نہ کرے کیونکہ اس سے اس کی ناپاک خواہشوں کو تحریک ہوگی، اور انہوں نے کہا کہ سننے والوں اور جن سے سنا جاتا ہے ان کے اختلاف سے سماع کا حکم مختلف ہے۔ پس سننے والے یا تو عارف باللہ ہوں گے اور ان کے احوال بھی مختلف ہوتے ہیں جن پر خوفِ خدا اور خشیتِ الٰہی کا غلبہ ہوتا ہے، جب وہ سماع کرتے ہیں تو ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہوتا ہے اور ان پر غم کے آثار طاری ہوتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں یا ان کو عذاب کا خوف ہوتا ہے یا ثواب کے فوت ہونے کا غم ہوتا ہے یا اللہ کا انس اور قرب ہوتا ہے، اور وہ سب سے افضل ڈرنے والے اور سب سے عمدہ سننے والے ہیں اور جس کلام کو سنا جائے اس میں قرآن مجید کی تاثیر سب سے زیادہ ہے۔

جس شخص پر امید کا غلبہ ہو اس پر نعمتوں کا ذکر سننے سے اثر ہوتا ہے اور اگر اس کو اللہ کے انس اور قرب کی امید ہو تو وہ امید رکھنے والوں میں افضل ہے اور اگر اس کو ثواب کی امید ہو تو اس کا سماع دوسرے درجہ میں ہے، اور جو اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کی وجہ سے اللہ سے محبت کرتا ہو تو اس کے انعام و اکرام کا سماع اس میں اثر کرتا ہے۔ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے جمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا سماع اس میں تاثیر کرتا ہے اور یہ سماع پہلے درجات سے افضل ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اجلال کا غلبہ ہو اس کا سماع سب سے افضل ہے۔

یہ تو جس نوع کا ذکر سنا جائے اس کے اعتبار سے سننے والوں کے مدارج تھے، اور جس سے ذکر کو سنا جائے اس کے اعتبار سے اختلاف مدارج کی تفصیل یہ ہے کہ عام آدمی کی بہ نسبت عالم سے سماع کرنے میں زیادہ تاثیر ہوتی ہے، عالم کی بہ نسبت اللہ تعالیٰ کے ولی سے سماع کرنے میں زیادہ تاثیر ہوتی ہے اور ولی کی بہ نسبت اللہ تعالیٰ کے نبی سے سماع میں زیادہ تاثیر ہوتی ہے اور سب سے زیادہ تاثیر خود اللہ عزوجل سے سننے میں ہوتی ہے اور یہ بلا واسطہ سماع صرف کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہوا یا حبیب اللہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا، اور ان درجات کی وجہ یہ ہے کہ محب کے دل میں سب سے زیادہ تاثیر محبوب کے کلام کی ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام، صدیقین، اور ان کے اصحاب اور اتباع اور مومنین صالحین آلات موسیقی کے سماع میں مشغول نہیں رہے اور صرف اپنے رب اللہ عزوجل کے کلام کے سننے میں مشغول رہے۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے سماع کی شرائط ذکر کی ہیں، ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کی معرفت ہو تاکہ صفات ذات، صفات افعال سے ممتاز ہوں اور معلوم ہو جائے کہ کس چیز کو اللہ تعالیٰ کی صفت میں ذکر کرنا جائز ہے اور کیا چیز اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے اور اس کا اللہ تعالیٰ کی صفت میں ذکر کرنا جائز نہیں ہے، اور اہل تحقیق کے نزدیک شرط یہ ہے کہ وہ صدق مجاہدہ سے اپنے نفس کو فنا کر چکا ہو اور اپنی روح کے مشاہدہ سے اپنے دل کو زندہ کر چکا ہو اور جو اس مرتبہ پر نہیں پہنچا اس کا سماع کرنا وقت کا ضیاع اور اس کا بناوٹی وجد کرنا ریا ہے اور اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ ہمارے زمانہ کے اکثر صوفیاء کا سماع کرنا حرام ہے۔

جو لوگ سماع میں تالیاں بجاتے ہیں اور چیختے چلاتے ہیں اور بے ہوشی اور وجد کا ڈھونگ رچاتے ہیں، یہ سب تصنع اور ریا ہے، اسی طرح بال نوچنا، سینہ کوبی کرنا اور کپڑے پھاڑنا حرام ہے۔

اور ہم نے جو ذکر کیا ہے اس سے واضح ہو گیا کہ آلات موسیقی کو استعمال کرنا حرام ہے اور امام بخاری، امام احمد، اور امام ابن ماجہ، امام ابونعیم اور امام ابوداؤد نے اسانید صحیحہ کے ساتھ روایت کی ہے کہ ضرور میری امت میں ایسی قوم ہوگی جو ریشم کو، شراب کو اور آلات موسیقی کو حلال کرے گی اور یہ حدیث تمام آلات موسیقی کی تحریم اور ممانعت میں بالکل صریح ہے۔ اور اسی کے مشابہ وہ حدیث ہے جس کو امام ابن ابی الدنیا نے حضرت انس سے اور امام احمد اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابوامامہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ میری امت میں ضرور زمین میں دھنسنا اور آسمان سے پتھر برسنا اور مسخ ہوگا، اور یہ اس وقت ہوگا جب وہ شرابیں پئیں گے، گانے والیوں کو رکھیں گے اور آلات موسیقی کو استعمال کریں گے۔ امام دولقی نے آلات موسیقی کی تحریم کے دلائل بہت تفصیل سے ذکر کیے ہیں۔

بعض صوفیاء نے مزامیر اور دیگر آلات موسیقی کے جواز میں رسائل لکھے ہیں اور ان میں اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم، تابعین، علماء عاملین اور ان کے مقلدین پر حیرت ناک افتراء باندھا ہے اور بہتان تراشا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان جس کے ساتھ لہو ولعب کرتا ہے اس کو خواہش کے گڑھے میں گرا دیتا ہے، سو وہ حق سے بہت بعید ہوتا ہے اور تصوف سے ہزارہا میل دور ہوتا ہے، لہٰذا اگر بعض اکابر آلات موسیقی کے استعمال کو حلال کہیں تو تم ان کے قول سے دھوکا نہ کھانا کیونکہ یہ قول ائمہ مذاہب اربعہ اور دیگر مستند فقہاء کبار کے اقوال کے خلاف ہے، اور ہر شخص ان فقہاء کے قول پر عمل کرے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماسوا کو ترک کر دے گا، اور جس شخص کو عقل سلیم دی گئی ہے اور اس کا دل باطل خواہشوں سے پاک ہے اس کو اس میں کوئی شک نہیں ہوگا کہ آلات موسیقی سے ساز اور آواز کو سننا دین میں سے نہیں ہے اور یہ سید المرسلین وسیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مقاصد سے کوسوں دور ہے۔ (روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۱۷۔۱۰۸ ملخصاً وموضحاً، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

غناء اور سماع کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تحقیق

مسئلہ: راگ یا مزامیر کرانا یا سننا گناہ کبیرہ ہے یا صغیرہ، اس فعل کا مرتکب فاسق ہے یا نہیں؟

جواب: مزامیر یعنی آلات لہو ولعب بروجہ لہو ولعب بلاشبہ حرام ہے، جن کی حرمت اولیاء وعلماء دونوں فریق مقتدا کے کلمات عالیہ میں مصرح، ان کے سننے سنانے کے گناہ ہونے میں شک نہیں کہ بعد اصرار کبیرہ ہے اور حضرات علیہ سادات بہشت کبرائے سلسلہ عالیہ چشت رضی اللہ عنہم وعنابہم کی طرف اس کی نسبت محض باطل وافتراء ہے، حضرت سیدی فخر الدین زرادی قدس سرہ کہ حضور سیدنا

محبوب الٰہی سلطان الاولیاء نظام الحق والدنیاوالدین محمد احمد رضی اللہ عنہ کے اجلۂ خلفاء سے ہیں جنہوں نے خاص عہد کرامت مہد حضور ممدوح میں بلکہ خود بحکم حضور والا مسئلہ سماع میں رسالہ کشف القناع عن اصول السماع تالیف فرمایا، اپنے اسی رسالہ میں فرماتے ہیں: سمع بعض المغلوبین السماع من المزامیر فی غلبات الشوق واما سماع مشائخنا رضی اللہ تعالیٰ عنهم فبریٔ عن هذه التهمة وهو مجرد صوت القوال مع الاشعار المشعرة من کمال صنعة اللہ تعالیٰ۔ یعنی بعض مغلوب الحال لوگوں نے اپنے غلبۂ حال وشوق میں سماع مع مزامیر سنا اور ہمارے پیران طریقت رضی اللہ عنہم کا سننا اس تہمت سے بری ہے وہ تو صرف قوال کی آواز ہے ان اشعار کے ساتھ جو کمال صنعتِ الٰہی جل وعلا سے خبر دیتے ہیں انتہیٰ۔ بلکہ خود حضور ممدوح رضی اللہ عنہ نے اپنے ملفوظات شریفہ فوائد الفواد وغیرہا میں جابجا حرمت مزامیر کی تصریح فرمائی، بلکہ حضور والا صرف تالی کو بھی منع فرماتے کہ مشابہ لہو ہے بلکہ ایسے افعال میں عذر غلبہ حال کو بھی پسند نہ فرماتے کہ مدعیان باطل کو راہ نہ ملے واللہ یعلم المفسد من المصلح فرضی اللہ عن الائمة ما انصحهم للامة، یہ سب امور ملفوظات اقدس میں مذکور وماثور، فوائد الفواد شریف میں صاف تصریح فرمائی ہے کہ مزامیر حرام است کما نقل احمد عنه رضی اللہ تعالیٰ عنه سیدی الشیخ المحقق مولانا عبد الحق المحدث الدهلوی رحمة اللہ تعالیٰ علیهم وعلینا بهم آمین۔ حضور ممدوح کے یہ ارشادات عالیہ ہمارے لیے سند کافی اوران اہل ہوا وہوس مدعیان چشتیت پر حجت وافی۔ ہاں جہاد کا طبل، سحری کے نقارہ، حمام کا بوق، اعلان نکاح کا بے جلاجل دف جائز ہیں کہ یہ آلات لہو ولعب نہیں، یونہی یہ بھی ممکن کہ بعض بندگان خدا جو ظلمت نفس وکدورات شہوت سے یک لخت بری ومنزہ ہوکر فانی فی اللہ وباقی باللہ ہوگئے کہ لایقولون الا اللہ ولا یسمعون بل لایعلمون الا اللہ بل لیس هناك الا اللہ اون میں سے کسی نے بحالت غلبہ حال خواہ عین الشریعۃ الکبریٰ تک پہنچ کر ازانجا کہ اون کی حرمت بعینہا نہیں وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امریٔ ما نوی بعد وثوق تام واطمینان کامل کہ حالاً ومآلاً فتنہ منعدم احیاناً اس پر اقدام فرمایا ہو ولہٰذا افاضل محقق آفندی شامی قدس اللہ تعالیٰ سرہ السامی رد المحتار میں زیر قول درمختار ومن ذالك (ای الملاهی) ضرب النوبة للتفاخر فلو للتنبه فلا باس به کما اذا ضرب فی ثلثة اوقات لتذکیر ثلاث نفخات الصور الخ فرماتے ہیں: هذا یفید ان الة اللهو لیست بحرمة بعینها بل لقصد اللهو منها اما من سامعها او من المشتغل بها وبه تشعر الاضافة الا تری ان ضرب تلك الالة بعینها حل تارة وحرم اخری باختلاف النیة والامور بمقاصدها وفیه دلیل لساداتنا الصوفیة الذین یقصدون بسماعها امورا هم اعلم بها فلا یبادر المعترض بالانکار کی لایحرم برکتهم فانهم السادة الاخیار امدنا اللہ تعالیٰ بامداداتهم واعاد علینا من صالح دعواتهم وبرکاتهم۔

اقول بلکہ یہاں ایک اور وجہ ادق واعمق ہے، صحیح بخاری شریف میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: رب العزۃ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبه فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها ورجله التی تمشی بها، یعنی میرا بندہ بذریعہ نوافل میری نزدیکی چاہتا رہتا ہے یہاں تک کہ میرا محبوب ہوجاتا ہے، پھر جب میں اسے دوست رکھتا ہوں تو میں خود اس کا وہ کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی وہ آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے اور اوس کا وہ ہاتھ جس سے کوئی چیز پکڑتا ہے اور اوس کا وہ پاؤں جس سے چلتا ہے انتہیٰ۔ اب کہیے: کون کہتا اور کون سنتا ہے آواز تو شجرۂ طور سے آتی ہے مگر لا واللہ پیڑ نے نہ کہا انی انا اللہ رب العلمین۔ گفتۂ

اونگفتۂ اللہ بود۔ گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود، یہی حال سننے کا ہے وللہ الحجۃ البالغۃ، مگر اللہ اللہ یہ عبادت اللہ کبریت احمر و کوہ یاقوت ہیں، اور نادر احکام شرعیہ کی بنا نہیں تو اون کا حال مفید جواز یا حکم تحریم میں قید نہیں ہو سکتا کما افادہ المولی المحقق حیث اطلق سیدی کمال الدین محمد بن الھمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فی اخر الحج من فتح القدیر فی مسئلۃ الجواز، نہ یہ مدعیان فامکار اون کے مثل ہیں نہ بے بلوغ مرتبہ محفوظیت نفس پر اعتماد جائز فانہا اکذب مایکون اذا حلفت فکیف اذا وعدت، رجماً بالغیب کسی کو ایسا ٹھہرالینا صحیح ہاں یہ احتمال صرف اتنا کام دے گا کہ جہاں اوس کا انتفا معلوم نہ ہو تحسین ظن کو ہاتھ سے نہ دیجئے اور بے ضرورت شرعی ذات قائل سے بحث نہ کیجئے ھذا ھو الانصاف فی امثال الباب واللہ الھادی الی سبیل الصواب۔ سماع مجرد بے مزامیر اوس کی چند صورتیں ہیں۔ اول: رنڈیوں ڈومنیوں محل فتنہ امردوں کا گانا، دوم: جو چیز گائی جائے معصیت پر مشتمل ہو، مثلاً فحش یا کذب یا کسی مسلمان یا ذمی کی ہجو یا شراب و زنا وغیرہ فسقیات کی ترغیب یا کسی زندہ عورت خواہ امرد کی بالتعیین تعریف حسن یا کسی معین عورت کا اگرچہ مردہ ہو ایسا ذکر جس سے اوس کے اقارب احبا کو حیا و عار آئے۔ سوم: بطور لہو و لعب سنا جائے اگرچہ اوس میں کوئی ذکر مذموم نہ ہو تینوں صورتیں ممنوع ہیں الاخیرتان ذاتا والاولی ذریعۃ حقیقۃ ایسا ہی گانا لہو الحدیث ہے، اس کی تحریم میں اور کچھ نہ ہو تو صرف حدیث کل لعب ابن ادم حرام الا ثلثۃ کافی ہے، ان کے علاوہ وہ گانا جس میں نہ مزامیر ہوں نہ گانے والے محل فتنہ نہ لہو و لعب مقصود نہ کوئی ناجائز کلام گائیں بلکہ سادے عاشقانہ گیت غزلیں ذکر باغ و بہار و فساق و فجار و اہل شہوات دنیہ کو اس سے بھی روکا جائے گا وذالک من باب الاحتیاط القاطع والنصح الناصح وسد الذرائع المخصوص بہ ھذا الشرع الھادع والدین الفارع اسی طرح حدیث الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء البقل ناظر۔ رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الملاھی عن ابن مسعود والبیہقی فی شعب الایمان عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی ﷺ اور اہل اللہ کے حق میں یقیناً جائز بلکہ مستحب کہیے تو دور نہیں گانا کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتا بلکہ دبی بات کو ابھارتا ہے جب دل میں بری خواہش بے ہودہ آلائشیں ہوں تو انہیں کو ترقی دے گا اور جو پاک مبارک ستھرے دل شہوات سے خالی اور محبت خدا اور رسول سے مملو ہیں اون کے اس شوق محمود و عشق مسعود کو افزائش دے گا وحکم المقدمۃ حکم ماھی مقدمۃ لہ انصافا، ان بندگان خدا کے حق میں اوسے ایک عظیم دینی کام ٹھہرانا کچھ بے جا نہیں۔ فتاویٰ خیریہ میں ہے لیس فی القدر المذکور من السماع مایحرم بنص ولا اجماع وانما الخلاف فی غیر ما عین والنزاع فی سوی ما بین وقد قال بجواز السماع من الصحابۃ والتابعین جم غفیر (الی ان قال) اما سماع السادۃ الصوفیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فبمعزل عن ھذا الخلاف بل ومرتفع عین درجۃ الاباحۃ الی رتبۃ المستحب کما صرح بہ غیر واحد من المحققین، یہ اوس چیز کا بیان تھا جسے عرف میں گانا کہتے ہیں اور اگر اشعار حمد و نعت و منقبت و وعظ و پند و ذکر آخرت بوڑھے یا جوان مرد خوش الحانی سے پڑھیں اور بہ نیت نیک سنے جائیں کہ اسے عرف میں گانا نہیں بلکہ پڑھنا کہتے ہیں تو اس کے منع پر تو شرح سے اصلاً دلیل نہیں حضور پرنور سید عالم ﷺ کا حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے لیے خاص مسجد میں منبر رکھنا اور اون کا اوس پر کھڑے ہو کر نعت اقدس سنانا، اور حضور اقدس ﷺ و صحابہ کرام کا استماع فرمانا خود حدیث صحیح بخاری شریف سے واضح اور عرب کے رسم حدی زمانہ صحابہ و تابعین بلکہ عہد اقدس رسالت میں رائج رہنا خوش الحانی رجال کے جواز پر دلیل لائح، انجشہ رضی اللہ عنہ کے حدی پر حضور والا صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ نے انکار نہ فرمایا بلکہ بلحاظ عورت رویدک یا انجشہ لا تکسر

القوا ریر ارشاد ہوا کہ اون کی آواز دلکش ودل نواز تھی، عورتیں نرم نازک شیشیاں ہیں، جنہیں تھوڑی ٹھیس بہت ہوتی ہے، غرض مدار کار تحقق وتوقع فتنہ ہے، جہاں فتنہ ثابت وہاں حکم حرمت جہاں توقع واندیشہ وہاں بنظر سد ذریعہ حکم ممانعت جہاں نہ یہ نہ وہ بلکہ بہ نیت محمود استحباب موجود۔ بحمد اللہ یہ چند سطروں میں تحقیق نفیس ہے کہ ان شاء اللہ العزیز حق اس سے متجاوز نہیں نسال اللہ سوی الصراط من دون تفریط ولا افراط واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ ص ۵۶۔ ۵۴ مطبوعہ دار العلوم امجدیہ، کراچی)

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی عبارت ہر چند کہ کافی دقیق اور علمی ہے اور ہم ایسے عام لوگوں کی ذہنی سطح سے بلند ہے، تاہم اعلیٰ حضرت نے وہی لکھا ہے جو ہم اس سے پہلے قرآن مجید کی آیات، احادیث صحیحہ اور مفسرین، محدثین، ائمہ مذاہب اور دیگر فقہاء کی عبارات کو آسان انداز میں پیش کر چکے ہیں، عوام کے لیے یہ کافی ہے اور اہل علم کی ضیافت طبع کے لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے فتاویٰ سے اقتباس پیش کر دیا ہے۔

۵۳۔ بَابٌ: مَا جَاءَ فِي الْبِنَاءِ

عمارت بنانے کے متعلق احادیث

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ إِذَا تَطَاوَلَ رِعَاءُ الْبَهْمِ فِي الْبُنْيَانِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ جب جانوروں کو چرانے والے عمارتیں بنائیں گے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ان احادیث کو بیان کیا گیا ہے جو عمارت بنانے کے متعلق وارد ہیں اور احادیث میں ان کی مذمت ہے۔ اور عمارت بنانا اس سے عام ہے کہ وہ مٹی کی بنائی جائے یا پتھروں کی یا لکڑی کی یا سرکنڈوں کی، یا اور اس طرح کی چیزوں کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت کی ہے کہ آدمی گرمی اور سردی سے محفوظ رکھنے کی مقدار سے زیادہ عمارت بنائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴿۱۲۹﴾ (الشعراء: ۱۲۸۔۱۲۹)

کیا تم ہر اونچی جگہ پر لہو ولعب کی ایک یادگار تعمیر کر رہے ہو؟ O اور تم اس توقع پر مضبوط مکان بنا رہے ہو کہ تم ہمیشہ رہو گے O

یعنی تم محل بناتے ہو۔ اور حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از اسماعیل بن ابی خالد از قیس بن ابی حازم، انہوں نے کہا: ہم حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی عیادت کرنے کے لیے گئے، اور ان کو گرم لوہے سے سات داغ لگائے ہوئے تھے، تو انہوں نے کہا: بے شک ہمارے اصحاب گزر گئے اور چلے گئے اور انہوں نے دنیا میں کوئی کمی نہیں کی اور بے شک ہم نے اتنا مال پایا کہ ہم اس کو رکھنے کے لیے جگہ بھی نہیں پاتے سوائے مٹی کے اور اگر نبی ﷺ نے ہمیں موت کی دعا سے منع نہ کیا ہوتا تو میں ضرور موت کی دعا کرتا، پھر ہم دوبارہ ان کے پاس گئے اور وہ اپنی ایک دیوار بنا رہے تھے، پس انہوں نے کہا کہ بے شک مسلمان کو ہر اس چیز میں اجر دیا جاتا ہے جس کو وہ خرچ کرتا ہے، سوائے اس چیز کے جس کو وہ اس مٹی میں بناتا ہے (یعنی عمارت بناتا ہے)۔ (صحیح البخاری: ۶۳۴۹، ۶۳۵۰، ۶۴۳۰، ۶۴۳۱، ۷۲۳۴، صحیح مسلم: ۲۶۸۱،

ترمذی: ۲۴۸۳، سنن نسائی: ۱۸۲۳، مسند احمد: ۲۰۵۶۷)

اور مکان کی جتنی مقدار کی ضرورت ہو جو اس کو گرمی، سردی اور بارش سے بچا سکے، اتنی مقدار میں مکان کا بنانا مباح ہے اور سلف صالحین اسی طرح کرتے تھے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے: میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا گھر بنایا جو میری بارش سے حفاظت کرتا ہے۔ الحدیث

اور ابن وہب اور ابن نافع نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ حضرت سلیمان کا کوئی مکان نہیں تھا، وہ دیوار اور درخت سے سایہ طلب کرتے تھے۔ اور امام ابن ابی الدنیا نے حضرت عمارہ بن عامر سے روایت کی ہے کہ جب کوئی مرد سات ہاتھ سے اوپر مکان بناتا تو اس کو یہ کہہ کر بلایا جاتا: اے فاسق!

اس کے بعد امام بخاری نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس روایت کو ذکر کیا ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ جانوروں کو چرانے والے اونچی اونچی عمارتیں بنائیں گے۔

یہ تعلیق سند موصول کے ساتھ کتاب الایمان میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جنگلوں اور دیہاتوں کے فقراء پر دنیا کشادہ کر دی جائے گی اور وہ لمبی اور اونچی عمارتیں بنا کر ایک دوسرے پر فخر کریں گے۔ یہ لوگ محلات بناتے ہیں اور اس میں سونے اور چاندی کے پل بناتے ہیں اور کھانے پینے اور پہننے میں بہت اسراف کرتے ہیں اور ایسا اسراف کرتے ہیں کہ جس سے اللہ اور اس کا رسول راضی نہیں ہیں اور حکم صرف اللہ کا ہے جو الواحد القہار ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۲۶۔ ۴۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۰۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ هُوَ ابْنُ سَعِيدٍ عَنْ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما قَالَ رَأَيْتُنِي مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بَنَيْتُ بِيَدِي بَيْتًا يُكِنُّنِي مِنَ الْمَطَرِ وَيُظِلُّنِي مِنَ الشَّمْسِ مَا أَعَانَنِي عَلَيْهِ أَحَدٌ مِنْ خَلْقِ اللهِ۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۱۶۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی وہ ابن سعید ہیں، از سعید از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا، میں نے اپنے ہاتھ سے گھر بنایا جو مجھے بارش سے محفوظ رکھے اور دھوپ سے مجھ پر سایہ کرے۔ اور اللہ کی مخلوق میں سے کسی نے میری اس معاملہ میں مدد نہیں کی۔

صحیح البخاری: ۶۳۰۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے کہ ”میں نے اپنے ہاتھ سے ایک گھر بنایا جو مجھے بارش سے محفوظ رکھے۔

الاسماعیلی نے امام بخاری پر یہ اعتراض کیا ہے کہ امام نے اس حدیث کو اس باب میں داخل کیا ہے جس میں مٹی اور پتھروں اور کنکروں کے ساتھ مکان بنانے کا ذکر ہے۔اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں مٹی اور پتھروں وغیرہ سے مکان بنانے کا ذکر نہیں کیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو نعیم ، یہ الفضل بن دُکین ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق ، یہ ابن سعید بن عمرو بن سعید بن العاص الاموی القرشی ہیں۔اور یہ اسحاق مکہ میں رہتے تھے، انہوں نے اس حدیث کی اپنے والد سے روایت کی ہے اور راز سعید از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے وہی مراد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے" رایتنی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم "یعنی میں نے اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیکھا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے"بنیت بیدی بیتا یکننی من المطر"یعنی میں نے اپنے ہاتھوں سے بغیر کسی کی مدد کے ایک گھر بنایا جو مجھے بارش سے اور دھوپ سے بچائے۔الکسائی سے منقول ہے"کننت الشیء" کا معنی ہے میں نے اس کو چھپایا اور دھوپ سے بچایا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے"ما اعاننی علیه"یعنی اس گھر کو بنانے میں لوگوں میں سے کسی نے بھی میری تائید نہیں کی۔یہ اس کی تاکید ہے کہ میں نے اس کو اپنے ہاتھوں سے بنایا۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۲۷، دارالکتب العلمیہ ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۰۳۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَمْرٌو قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَاللهِ مَا وَضَعْتُ لَبِنَةً عَلَى لَبِنَةٍ وَلَا غَرَسْتُ نَخْلَةً مُنْذُ قُبِضَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم قَالَ سُفْيَانُ فَذَكَرْتُهُ لِبَعْضِ أَهْلِهِ قَالَ وَاللهِ لَقَدْ بَنَى قَالَ سُفْيَانُ قُلْتُ فَلَعَلَّهُ قَالَ قَبْلَ أَنْ يَبْنِيَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی ، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی ،عمرو نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی ہے اللہ کی قسم! میں نے کبھی ایک اینٹ کے اوپر دوسری اینٹ نہیں رکھی اور نہ کوئی کھجور کا درخت اگایا۔سفیان نے کہا: میں نے اپنے گھر والوں میں سے کسی سے یہ حدیث بیان کی تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! انہوں نے بنایا ہے۔سفیان نے کہا: میں کہتا ہوں کہ شاید حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے گھر بنانے سے پہلے یہ بات کہی تھی۔

صحیح البخاری: ۶۳۰۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "سفیان نے کہا: میں کہتا ہوں کہ شاید حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے گھر بنانے سے پہلے یہ بات کہی تھی"۔ یعنی شاید کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے گھر بنانے سے پہلے یہ کہا تھا کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے ہیں میں نے ایک اینٹ پر دوسری اینٹ نہیں رکھی اور یہ سفیان کی طرف سے اچھا عذر پیش کیا گیا ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا کہ ایک روایت یہ ہے "قبل ان یبتنی" یعنی انہوں نے شادی کرنے سے پہلے اپنے ہاتھ سے گھر نہیں بنایا تھا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے حقیقت مراد ہو یعنی انہوں نے اپنے ہاتھوں سے گھر نہیں بنایا تھا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مراد یہ ہو کہ انہوں نے اپنی ضرورت سے زائد گھر نہیں بنایا تھا۔ اور ان کے بعض گھر والوں نے جو یہ ثابت کیا ہے کہ انہوں نے گھر بنایا تھا تو اس سے بھی یہی مراد ہے کہ انہوں نے گھر کی اصلاح کے لیے کچھ بنایا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۲۔ ۶۳۰۳ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی تعلیق کے بعض الفاظ کی شرح

اس حدیث کی تعلیق میں مذکور ہے "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ "البُہم" کے چرانے والے لمبی لمبی عمارتیں بنائیں گے۔

"اشراط الساعۃ" کے معنی ہیں قیامت کی علامتیں۔ اشراط کا لفظ "شرط" کی جمع ہے اور "البُہم" کا لفظ بھمۃ کی جمع ہے۔ علامہ الجوہری نے کہا ہے کہ یہ چھوٹے دنبہ کو کہتے ہیں۔ (الصحاح ج ۵ ص ۱۸۷۵)

اور امام ابوعبید نے اپنی مصنف میں کہا ہے کہ البُہم' کا معنی ہے بکرے کی اولاد اور یہ نر اور مادہ دونوں کو شامل ہے۔

اور ابن فارس نے کہا: "البُہم" کا معنی ہے چھوٹی بکریاں۔ (مجمل اللغۃ ج ۱ ص ۱۳۸)

باب میں مذکور حدیث کے بعض الفاظ کی شرح

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: "بنیت بیدی بیتا ما اعاننی علیه احد من خلق الله" یعنی میں نے اپنے ہاتھوں سے ایک گھر بنایا اور اللہ کی مخلوق میں سے کسی نے بھی میری مدد نہیں کی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مراد یہ تھی کہ چونکہ اس گھر کو بنانے میں زیادہ مشقت نہیں تھی، اس لیے میں نے خود ہی اس گھر کو بنالیا۔

اور سفیان نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات ہونے سے پہلے گھر بنایا تھا، کیونکہ عالم سے جب دو مختلف قول مروی ہوں یا کوئی ایسا قول مروی ہو جو اس کے فعل کے خلاف ہو تو ان اقوال کو ایسی صورت پر محمول کرنا چاہیے جس میں تناقض نہ ہو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قریبی رشتہ داروں میں سے کسی نے بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس قول کی تکذیب نہیں کی جس میں انہوں نے یہ کہا تھا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کوئی عمارت نہیں بنائی۔

لمبے اور اونچے گھروں کے بنانے کی مذمت کی توجیہ

الشعراء: ۱۲۸۔۱۲۹ میں مضبوط مکان بنانے کی مذمت کی ہے یعنی محلات بنانے کی۔ لیکن اگر بقدرِ ضرورت بڑا مکان بنایا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں نے اپنے ہاتھ سے ایک گھر بنایا جو مجھے بارش سے محفوظ رکھے۔

امام طبری نے از الحسن از حمران بن ابان از حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ چیز جو اس طعام کے ٹکڑے سے زائد ہو اور یہ پانی اور وہ گھر جو آدمی کو سایہ کر سکے اور وہ کپڑا جو اس کا ستر کر سکے، تو ابن آدم کا اس سے زائد میں کوئی حق نہیں ہے۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمارت کی اتنی مقدار بنانے کو مباح قرار دیا ہے جو اسے دھوپ اور بارش کی اذیت سے بچائے، کیونکہ کسی میں بھی یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ دھوپ اور بارش کے مصائب کو برداشت کر سکے، جیسا کہ آپ نے غذا کی اتنی مقدار کو مباح قرار دیا ہے جس سے اس کا بدن قائم رہ سکے، سو اتنی مقدار کو اس کے لیے کھانا پینا جائز ہے اور لباس کی اتنی مقدار کو جائز قرار دیا ہے جو اس کی شرمگاہ کو چھپا سکے اور جو اس سے زائد ہو اس میں ابن آدم کا حق نہیں ہے۔

اور ابن وہب اور ابن نافع نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ سے گھر بناتے تھے، حالانکہ وہ حاکم تھے اور ان کا کوئی گھر نہیں تھا، وہ دیواروں اور درختوں کے سائے میں رہتے تھے۔ ایک مرد نے ان سے کہا: کیا میں آپ کے لیے ایسا گھر نہ بنا دوں جس میں آپ سکونت رکھیں، انہوں نے کہا: مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ مرد ان سے مسلسل اصرار کرتا رہا حتیٰ کہ اس نے کہا: میں ایک ایسے گھر کو پہچانتا ہوں جو آپ کے موافق ہوگا، انہوں نے کہا: اچھا بتاؤ! اس نے کہا: میں آپ کے لیے گھر بناتا ہوں، جب آپ کھڑے ہوں گے تو آپ کا سر چھت کو لگے گا اور جب آپ پیروں کو پھیلائیں گے تو پیر دیواروں کے ساتھ لگیں گے، تو انہوں نے کہا: گویا کہ تم میرے دل میں رہتے ہو۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۶۹۔۱۷۱، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

طویل و عریض مکان بنانے کی مذمت میں دیگر احادیث

امام ابن ابی الدنیا نے عمارہ بن عامر سے روایت کی ہے کہ جب کوئی مرد سات ہاتھ سے اوپر مکان بناتا تو اسے یہ کہہ کر پکارا جاتا اے فاسق! کہاں جا رہے ہو۔ اور اس حدیث کی سند میں ضعف ہے اور یہ موقوف ہے۔

امام ترمذی سندِ صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد کو اس کے خرچ کرنے پر اجر دیا جائے گا سوائے مٹی کے، یا فرمایا: سوائے عمارت تعمیر کرنے کے، کیونکہ اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔

اور امام طبرانی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ شر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل میں

اینٹوں اور مٹی کی محبت ڈال دیتا ہے جس سے وہ تعمیر کرتا ہے۔

اور نیز امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت ابوبشر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اپنے مال کو عمارت بنانے میں خرچ کرتا ہے۔

اور امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ میرے پاس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم گزرے اور میں ایک دیوار بنا رہا تھا، آپ نے فرمایا: موت اس سے بھی پہلے آنے والی ہے۔ اور یہ تمام روایات اس صورت پر محمول ہیں جو ضرورت سے زائد تعمیر کی جائے۔ لیکن رہائش کے لیے جتنی عمارت کا بنانا ضروری ہے جو انسان کو سردی اور گرمی سے بچا سکے اس کی تعمیر کرنا جائز ہے۔

اور امام ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر تعمیر بنانے والے پر وبال ہے سوا اس کے کہ جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو، سوا اس کے کہ جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۶۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۳، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مکان بنانے کی صحت کا مدار

بعض احادیث میں زیادہ اور بڑے مکان بنانے کی مذمت ہے اور یہ اس صورت پر محمول ہے کہ جب انسان قرض حاصل کر کے مکان کو بنائے لیکن جب اسے گرمی یا سردی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی ضرورت ہو اور مکان بنانے کے لیے قرض حاصل کرنے کی ضرورت نہ پڑے تو پھر اس کے لیے مکان بنانا جائز ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۴۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: آج کل ہمارے زمانہ میں تین سے چار منزل تک مکان بنانے کا عام رواج ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ زمین مہنگی ہے اور الگ الگ ایک منزل کے مکان بنانے میں زیادہ خرچ آتا ہے اور تین چار منزل کا مکان بنالیا جائے تو زمین پر زیادہ خرچ نہیں آتا اور کئی خاندان اس میں رہائش رکھ سکتے ہیں۔ اور بعض مقامات پر دفاتر پر مشتمل دس سے بیس اور پچیس منزل تک کی عمارتیں بنائی جاتی ہیں، اس میں بھی زمین اور جگہ کی بچت ملحوظ ہوتی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

تنبیہ: کتاب الاستئذان میں پچاسی (۸۵) احادیث مرفوعہ ہیں۔ ان میں سے بارہ (۱۲) تعلیقات ہیں اور باقی احادیث موصولہ ہیں۔ اور ان میں سے مکرر پینسٹھ (۶۵) احادیث ہیں اور خالص احادیث کی تعداد بیس (۲۰) ہے۔

کتاب الاستئذان اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مکمل ہو گئی۔ اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز کتاب الدعوات شروع ہو گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

٨٠۔ کِتَابُ الدَّعَوَاتِ

دعاؤں کا بیان

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کتاب میں ''الدعوات'' کا بیان ہے۔ دعوات، دعوۃ کی جمع ہے اور یہ مصدر ہے، اس سے مراد ہے دعا۔ کہا جاتا ہے: ''دعوت اللہ'' یعنی میں نے اللہ سے سوال کیا۔ اور کہا جاتا ہے: ''دعوتہ'' یعنی میں نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی۔ اور دعا واحد ہے اور اس کی جمع ادعیۃ ہے۔ اور دعا کا اطلاق عبادت پر بھی کیا جاتا ہے اور دعا کا معنی چیخ و پکار بھی ہوتا ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ (الاعراف:۵) جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو اس وقت ان کی یہی چیخ و پکار تھی کہ بے شک ہم ہی ظالم تھے O

اور دعا کا اطلاق تسمیہ اور نام پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ (النور:۶۳) تم رسول کے بلانے کو ایسا نہ قرار دو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔

اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے معنی میں درج ذیل آیت کریمہ ہے:

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝ (المومن:۶۰) اور تمہارے رب نے فرمایا: تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت سے جہنم میں داخل ہوں گے O

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۲۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

المومن:۶۰ کی تفسیر از مصنف

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ آیا اس سے مراد دعا ہے یا اس آیت میں دعا سے مراد عبادت ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں دعا سے مراد عبادت ہے، ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے المومن:۶۰، کی تفسیر میں فرمایا: ہر عبادت دعا میں منحصر ہے اور آپ نے یہ آیت پڑھی: (ترجمہ) بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت سے دوزخ میں داخل ہوں گے۔ (سنن الترمذی:۲۹۲۹) اور دعا سے اگر اس کا معروف معنی مراد لیا جائے تو وہ بھی درست ہے اور اس حدیث کے منافی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا بھی اس کی عبادت کرنا ہے۔ دعا کرنے کی ترغیب اور اس کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے فرمایا: میں اپنے بندے کے

گمان کے موافق ہوتا ہوں اور جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ (صحیح البخاری: ۷۴۰۵)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ کسی چیز کی فضیلت نہیں ہے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ بہت حیاء فرمانے والا بہت کریم ہے، جب بندہ اس کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ ان ہاتھوں کو خالی اور ناکام لوٹانے سے حیاء فرماتا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۴۸۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دعا عبادت کا مغز ہے۔ (سنن الترمذی: ۳۳۷۱)

دعا کی ترغیب اور فضیلت میں دیگر احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک دعا سے زیادہ کسی چیز میں فضیلت نہیں ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۲۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۶۷، المستدرک ج ۱ ص ۴۹۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جس شخص کے لیے دعا کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ یہ پسند ہے کہ اس سے عافیت کا سوال کیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر کوئی مصیبت آئے یا نہ آئے، دعا ہر حال میں تمہیں نفع دیتی ہے، سو! اے اللہ کے بندو! دعا کو لازم رکھو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۴۸، المستدرک ج ۱ ص ۴۹۸، جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۲۷۸۴)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تقدیر صرف دعا سے ٹلتی ہے، عمر میں صرف نیکی کی وجہ سے اضافہ ہوتا ہے اور انسان گناہ کرنے کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔ (صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۷۲، المستدرک ج ۱ ص ۴۹۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو، کیونکہ اللہ سوال کرنے کو پسند فرماتا ہے اور سب سے افضل عبادت کشادگی کا انتظار کرنا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۱، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۲۸۔۱۲۷، جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۶۵۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا، اللہ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۳، سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: ۳۸۲۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۰۰، مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۲، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۶۵۵، المستدرک ج ۱ ص ۴۹۱، شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۳۸۹)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جو تمہیں تمہارے دشمنوں سے نجات دے اور تمہارے رزق کو زیادہ کرے: تم دن رات اللہ سے دعائیں کیا کرو کیونکہ دعا مومن کا ہتھیار ہے۔

(مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۸۱۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ اپنے رب عزوجل کے سب سے زیادہ قریب سجدہ میں ہوتا ہے، پس تم (سجدہ میں) بہ کثرت دعا کیا کرو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۷۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب ہر رات کو آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا

ہے، جب رات کا تیسرا حصہ باقی رہ جاتا ہے تو فرماتا ہے: کون مجھ سے دعا کرتا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں، کون مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں اس کو عطا کروں؟ کون مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے کہ میں اس کی مغفرت کر دوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۹۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۸، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۶۱۹، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۶۵۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۴، سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۴۸۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۱۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۶۶، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۱۵۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۱۹)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کس وقت کی دعا سب سے زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: رات کے آخری حصہ میں اور فرض نمازوں کے بعد۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۹، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۹۴۸)

دعا قبول نہ ہونے کی وجوہات اور قبولیت دعا کی شرائط

اس آیت میں یہ ارشاد ہے: ''اور تمہارے رب نے فرمایا ہے: تم مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا''۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کتنی مرتبہ لوگ دعا کرتے ہیں اور ان کی دعا قبول نہیں ہوتی، اس کا جواب یہ ہے کہ دعا کے قبول ہونے کی چند شرائط ہیں، جب ان شرائط کے مطابق دعا کی جائے تو پھر دعا ضرور قبول ہوتی ہے، وہ شرائط اور ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) دعا کرنے والے کا کھانا، پینا اور لباس رزق حلال سے ہونا چاہیے، اگر اس کا رزق حرام ہو تو پھر اس کی دعا قبول نہیں ہوگی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ طیب (پاک) ہے، وہ طیب کے سوا کسی چیز کو قبول نہیں کرتا۔ پھر آپ نے فرمایا: ایک آدمی لمبا سفر کرتا ہے، اس کے بال بکھرے ہوئے غبار آلود ہیں، وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب! حالانکہ اس کا کھانا حرام ہوتا ہے اور اس کا پینا حرام ہوتا ہے اور اس کا لباس حرام ہوتا ہے اور اس کی غذا حرام ہوتی ہے، اس کی دعا کہاں سے قبول ہوگی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۸۹، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۸۸۳۹، مسند احمد: ج ۲ ص ۳۲۸، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۲۰، الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۲۶۴، سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۴۶، شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۰۲۸)

(۲) دعا کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے دل و دماغ کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور حاضر کر کے دعا کرے، قلب غافل سے دعا نہ کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ سے اس طرح دعا کرو کہ تمہیں دعا کے قبول ہونے کا یقین ہو، یاد رکھو: اللہ اس دل کی دعا قبول نہیں فرماتا جو غافل ہو اور اس کا دھیان لہو و لعب میں ہو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۷۹، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۱۰۵، الکامل لابن عدی ج ۴ ص ۱۳۸۰، المستدرک ج ۱ ص ۴۹۳، تاریخ بغداد ج ۴ ص ۳۵۶)

(۳) دعا کرنے والا راحت کے ایام میں بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو اس سے خوشی ہو کہ اللہ مشکلات اور مصائب میں اس کی دعا قبول کرے اس کو چاہیے کہ وہ آسانی سے اور راحت کے ایام میں اس سے زیادہ دعا کرے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:

۲۳۸۲، المستدرک ج ۱ ص ۵۴۴)

(۴) بے نیازی سے دعا نہ کرے، بلکہ اصرار اور گڑگڑا کر دعا کرے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو پورے عزم کے ساتھ دعا کرے اور یہ ہرگز نہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے عطا فرما، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۳۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۱۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۰۰۳، جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۱۸۶۰)

(۵) دعا کے قبول ہونے میں جلدی نہ کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کسی شخص کی دعا اس وقت قبول کی جاتی ہے جب وہ دعا کی قبولیت میں جلدی نہ کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۴۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۳۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۸۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۵۳)

(۶) کسی گناہ کے حصول یا رشتہ منقطع کرنے کی دعا نہ کرے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں سے جو شخص بھی اللہ سے دعا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اس کا سوال عطا کر دیتا ہے یا اس سے کسی مصیبت کو ٹال دیتا ہے، بہ شرطیکہ وہ کسی گناہ کی دعا نہ کرے یا رشتہ منقطع کرنے کی دعا نہ کرے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۱، مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۰)

(۷) گڑگڑا کر، عاجزی سے، ڈرتے ہوئے اور مسکین بن کر دعا کرے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو دو رکعت نماز پڑھو اور ہر دو رکعت کے بعد تشہد پڑھو، پھر گڑگڑاؤ، عاجزی کرو، مسکین بنو، پھر اپنے دونوں ہاتھ اللہ عزوجل کی طرف اس طرح اٹھا کر دعا کرو کہ ہتھیلیاں تمہاری طرف ہوں اور کہو: اے میرے رب! اے میرے رب! اور جو اس طرح نہیں کرے گا اس کی نماز ناقص ہوگی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۸۵، مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۱، ج ۴ ص ۱۶۷، المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۲۹۵، کتاب الدعاء رقم الحدیث: ۲۱۰)

(۸) دنیا میں کسی مصیبت کے نزول کی دعا نہ کرے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان شخص کی عیادت کی، جو چوزے کی طرح بہت کم زور ہو چکا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تم اللہ سے کوئی دعا یا کوئی سوال کرتے تھے؟ اس نے کہا: جی ہاں! میں یہ دعا کرتا تھا کہ اے اللہ! اگر تو مجھے آخرت میں کوئی سزا دینے والا ہے تو تو مجھے دنیا میں ہی سزا دے دے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ! تم اس کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، تم یہ دعا کیوں نہیں کرتے: اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی اچھائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرما اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا، پھر آپ نے اس کے لیے اللہ سے دعا کی تو اللہ نے اس کو شفا دے دی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۸۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۸۷، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۸۹۲، جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۱۱۹۰)

(۹) اپنے مسلمان بھائی کے لیے پس پشت دعا کرے تو جو دعا وہ اس مسلمان بھائی کے لیے کرے گا وہ اس کے حق میں بھی قبول ہو جائے گی۔

حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان شخص اپنے بھائی کے پس پشت اس کے لیے دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے: اے اللہ! اس کو بھی اس کی مثل عطا فرما۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۳۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۳۴)۔

(۱۰) دعا کی ابتداء میں اللہ عزوجل کی حمد و ثناء کرے تو اس کی دعا رد نہیں کی جاتی۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے یہ پانچ کلمات پڑھ کر دعا کی وہ اللہ سے جس چیز کا بھی سوال کرے گا اللہ اس کو وہ عطا فرما دیگا، (وہ پانچ کلمات یہ ہیں:) لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر، لا الہ الا اللہ، ولاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

(المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۳۶۱، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۶۳۴، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۰، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۲۶۴)

(۱۱) دعا میں سب سے پہلے اللہ عزوجل کی حمد و ثناء کرے، پھر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے، پھر اس کے بعد اپنے لیے دعا کرے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب تم میں سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے کا ارادہ کرے تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد و ثناء کرے جو اس کے شایان شان ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے، پھر دعا کرے تو اس کا قبول ہونا اور کامیاب ہونا زیادہ متوقع ہے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۱۰ ص ۴۴۱ طبع قدیم، مصنف عبدالرزاق ج ۱۰ ص ۵۲، رقم الحدیث: ۱۹۸۱۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۷۸۰، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کو حضرت ابوعبیدہ نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے اور ان کا سماع حضرت ابن مسعود سے ثابت نہیں ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۲۵۰، میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان کا سماع ثابت ہے۔ عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۰۳، مصر)

(۱۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی وہیں تھے۔ جب میں (نماز پڑھ کر) بیٹھا تو میں نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا، پھر اپنے لیے دعا کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوال کرو تم کو عطا کیا جائے گا، سوال کرو تم کو عطا کیا جائے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۹۳، شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۴۰۱، جلاء الافہام رقم الحدیث: ۱۴۰۱)

(۱۳) دعا کے اول اور آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے تو وہ دعا رد نہیں ہوتی۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دعا آسمان اور زمین کے درمیان موقوف رہتی ہے اور اس کا کوئی لفظ اوپر نہیں چڑھتا حتیٰ کہ تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ لو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۸۶، جلاء الافہام رقم الحدیث: ۵۰، جامع المسانید والسنن مسند عمر بن

الخطاب رقم الحدیث: ۱۲۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر دعا کے اور آسمان کے درمیان حجاب ہوتا ہے حتیٰ کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے اور جب نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ لیا جائے تو وہ حجاب پھٹ جاتا ہے اور دعا قبول ہو جاتی ہے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھا جائے تو وہ دعا قبول نہیں ہوتی۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۸۱۴۸، زہر الفردوس ج ۴ ص ۲۳، الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۶۰۴، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۲۵، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۰)

(۱۳) روزہ دار، امام عادل اور مظلوم کی دعا رد نہیں کی جاتی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں کی دعا رد نہیں کی جاتی، روزہ دار جب روزہ افطار کرتا ہے اور امام عادل اور مظلوم کی دعا، اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کو بادلوں کے اوپر اٹھالیتا ہے اور ان کے لیے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور رب فرماتا ہے: مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میں تیری ضرور مدد کروں گا، خواہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۲۶۔ ۳۵۹۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۵۲، مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۵، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۹۰۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۴۱۹، مسند البزار رقم الحدیث: ۳۱۱۹، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۵۱)

(۱۴) مسافر کی دعا اور والد کی اپنی اولاد کے لیے دعا بھی رد نہیں کی جاتی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں کی دعا قبول ہونے میں کوئی شک نہیں ہے: (۱) مظلوم کی دعا (۲) مسافر کی دعا (۳) اور والد کی اپنی اولاد کے لیے دعا۔

(اس حدیث کی سند حسن ہے) (سنن ترمذی: رقم الحدیث: ۳۴۶۲، سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: ۳۸۶۲)

(۱۵) جس دعا کے آخر میں آمین کہا جائے، اس کی قبولیت پر مہر لگ جاتی ہے۔

حضرت ابوزہیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک رات ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باہر نکلے، ہم ایک شخص کے پاس آئے جو بہت گڑگڑا کر دعا کر رہا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر اس کی دعا سننے لگے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس نے دعا پر مہر لگا دی تو اس کی قبولیت واجب ہو جائے گی، ایک شخص نے پوچھا: یارسول اللہ! کس چیز سے مہر لگے گی؟ آپ نے فرمایا: آمین سے، اگر اس نے دعا کو آمین پر ختم کیا تو اس کی قبولیت واجب ہو جائے گی، پھر وہ آدمی چلا گیا جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا، پھر آپ اس شخص کے پاس آئے جو دعا کر رہا تھا، پس آپ نے فرمایا: اے فلاں! دعا کو آمین پر ختم کرو اور بشارت لو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۳۸)

(۱۶) دعا کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ شخص دعا کرے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرتا ہو، قرآن مجید میں ہے:

أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي۔ (البقرۃ: ۱۸۶)

جب کوئی دعا کرنے والا مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو ان کو بھی چاہیے کہ یہ بھی میرا کہا مانا کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سے مستغنی ہے، وہ پھر بھی ہمارا کہا مان لیتا ہے اور ہم اس کے محتاج ہیں، سو ہم کو تو بہت زیادہ اس کا کہا ماننا چاہیے،

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم اس کا کہا مانتے رہتے خواہ وہ ہمارا کہا مانتا یا نہ مانتا، کیونکہ وہ مالک ہے اور ہم مملوک ہیں۔ لیکن یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے کہا: آؤ برابر کا سلوک کرلو۔

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (البقرہ:۱۵۲) تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔

وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ۔ (البقرہ:۴۰) تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا۔

اور تم میرا حکم مانو میں تمہاری دعا قبول کرلوں گا (البقرہ:۱۸۶)۔ اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم خواہ اس کا حکم مانیں یا نہ مانیں وہ ہماری دعائیں قبول کرتا رہے، گویا ہم اس کے ساتھ برابر کا سلوک کرنے پر بھی تیار نہیں ہیں۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ۔ (الانعام:۹۱) انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہ کی جیسی اس کی قدر کرنی چاہیے تھی۔

دعا قبول نہ ہونے کی وجوہات اور دعا کی شرائط اور اوقات کے متعلق علماء اور فقہاء کے اقوال

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

سہل بن عبداللہ تستری نے کہا: دعا کی سات شرطیں ہیں: (۱) گڑگڑانا (۲) خوف (۳) امید (۴) دوام یعنی ہمیشہ دعا کرنا (۵) خشوع (۶) عموم یعنی عموم کے صیغوں سے دعا کرنا (۷) حلال رزق کھانا۔

ابن عطاء نے کہا: دعا کے ارکان ہیں یا پر ہیں اور اسباب ہیں اور اوقات ہیں۔ اگر دعا اپنے ارکان کے موافق ہو تو وہ قوی ہوتی ہے اور اگر اپنے پروں کے موافق ہو تو آسمان پر اڑ کر پہنچتی ہے، اگر اپنے وقت کے موافق ہو تو کامیاب ہوتی ہے اور اگر اپنے اسباب کے موافق ہو تو ظفریاب ہوتی ہے، دعا کے ارکان یہ ہیں: حضور قلب، تواضع اور انکسار اور خشوع، اور اس کے پر صدق ہیں اور اس کا وقت رات کا پچھلا پہر ہے اور اس کا سبب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ دعا کی چار شرطیں ہیں: (۱) تنہائی میں دل کی حفاظت کرنا (۲) لوگوں کے سامنے زبان کی حفاظت کرنا (۳) نظر کی محارم سے حفاظت کرنا (۴) پیٹ کی لقمۂ حرام سے حفاظت کرنا۔

ابراہیم بن ادھم سے پوچھا گیا: کیا وجہ ہے کہ ہم دعا کرتے ہیں اور ہماری دعا قبول نہیں ہوتی، انہوں نے کہا: کیونکہ تم اللہ کو پہچانتے ہو پھر اس کی اطاعت نہیں کرتے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے ہو پھر آپ کی اتباع نہیں کرتے اور تم قرآن کریم کو پڑھتے ہو پھر اس پر عمل نہیں کرتے اور تم اللہ کی نعمتیں حاصل کرتے ہو اور ان کا شکر ادا نہیں کرتے اور تمہیں جنت کا علم ہے اور تم اس کو طلب نہیں کرتے اور تمہیں دوزخ کی معرفت ہے اور تم اس سے نہیں بھاگتے اور تم شیطان کو جانتے ہو پھر بھی تم اس سے جنگ کرنے کے بجائے اس کی موافقت کرتے ہو اور تمہیں موت پر یقین ہے پھر بھی تم اس کی تیاری نہیں کرتے اور تم مردوں کو دفن کرتے ہو پھر بھی تم اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے اور تم اپنے عیوب کو نظر انداز کرتے ہو اور لوگوں کے عیوب میں مشغول رہتے ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نوف البکالی سے کہا: اے نوف! اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف یہ وحی کی کہ آپ بنی اسرائیل سے کہیے: میرے گھر میں صرف پاک دل، خائف نظر اور صاف ہاتھوں کے ساتھ داخل ہوں اور جب تک کوئی شخص میری مخلوق میں سے کسی پر بھی ظلم کرنے میں بری نہ ہو میں اس کی دعا قبول نہیں کرتا اور نوف! تم شاعر نہ بنو (یعنی جھوٹے، خیالی قصے اور لوگوں کی خوشامد پر مشتمل اشعار کہنے والا، اس سے اللہ اور رسول کی حمد اور نعت اور وعظ اور نصیحت کے اشعار مستثنیٰ ہیں) اور نہ گری پڑی چیز کا

اعلان کرنے والا اور نہ (ظالم) سپاہی اور نہ (ظالم) ٹیکس وصول کرنے والا اور نہ (ظالم) عشر وصول کرنے والا، کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام رات کی ایک ساعت میں کھڑے ہوئے اور کہا: اس ساعت میں اللہ تعالیٰ ہر بندے کی دعا قبول فرماتا ہے، سوا اس کے جو اعلان کرنے والا ہو یا سپاہی ہو یا ٹیکس وصول کرنے والا ہو یا عشر وصول کرنے والا ہو یا ڈھول بجانے والا ہو یعنی موسیقار۔

موطا امام مالک میں ہے: جب تم میں سے کوئی دعا کرے، تو پورے عزم سے دعا کرے، یہ نہ کہے: اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے اور اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما۔ (صحیح البخاری: ۶۳۳۸، موطا امام مالک: ۴۹۳۔۴۹۲)، ہمارے علماء نے کہا ہے کہ آپ نے جو فرمایا ہے کہ "پورے عزم سے سوال کرے" اس میں یہ دلیل ہے کہ مومن کو دعا میں خوب کوشش کرنی چاہیے اور اس کو دعا کے قبول ہونے کی امید رکھنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ کریم سے دعا کر رہا ہے۔

سفیان بن عیینہ نے کہا: انسان اپنی کسی جائز خواہش کی دعا کرنے سے باز نہ رہے کیونکہ بدترین خلائق ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے حشر تک کی مہلت دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو ان میں سے ہے جن کو مہلت دی گئی ہے اور دعا کے لیے ایسے اوقات اور احوال ہوتے ہیں جن میں دعا کے قبول ہونے کا ظن غالب ہوتا ہے اور وہ اوقات یہ ہیں: وقت سحر، وقت افطار، اذان اور اقامت کے درمیان کا وقت، جہاد کا وقت، اور ان تمام اوقات کے متعلق آثار وارد ہیں۔ (ان اوقات میں ساعت جمعہ کو بھی ذکر کرنا چاہیے تھا)۔

شہر بن حوشب نے روایت کیا ہے کہ حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا نے کہا: اے شہر! کبھی خوف خدا سے تمہارے رونگٹے کھڑے ہوئے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں! انہوں نے کہا: اس وقت اللہ سے دعا کیا کرو کیونکہ یہ قبولیت کا وقت ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۲ ص ۲۹۱۔۲۹۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

بعض دعاؤں کے قبول نہ ہونے کے متعلق امام رازی کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے: "تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا"۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بعض اوقات ہم دعا کرتے ہیں اور ہماری دعا قبول نہیں ہوتی۔ امام رازی فرماتے ہیں: میرے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ پس ہر وہ شخص جو اللہ سے دعا کرے اور اس کے دل میں اپنے مال، اپنے اقتدار، اپنے رشتہ داروں، اپنے دوستوں اور اپنی جدوجہد پر اگر ذرہ برابر بھی اعتماد ہو تو درحقیقت اس نے صرف زبان سے دعا کی ہے اور دل سے اس کا اعتماد ان چیزوں پر ہے جو اللہ کی غیر ہیں، تو اس شخص نے کسی وقت بھی اللہ سے ایسی دعا نہیں کی جس میں اس کے دل کی توجہ غیر اللہ کی طرف نہ ہو، پس ظاہر یہ ہے کہ انسان کی دعا اسی وقت قبول ہوگی جب اس کا دل غیر اللہ سے بالکلیہ منقطع ہو اور انسان کا دل غیر اللہ سے بالکلیہ اس وقت منقطع ہوتا ہے جب اس کی موت قریب ہو، کیونکہ اس وقت انسان کو قطعی طور پر اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اس کو اللہ کے فضل کے سوا کوئی چیز نفع نہیں دے گی، لہٰذا اس قاعدہ کے مطابق جس کو ہم نے ذکر کیا ہے اللہ کے نزدیک انسان کی دعا صرف اسی وقت قبول ہوگی جب اس کی موت قریب ہوگی، اور ہم اللہ کے فضل اور احسان سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ جب موت کا وقت قریب ہوگا تو وہ ہمیں ایسی دعا کرنے کی توفیق دے گا جو اخلاص اور گڑگڑانے سے مقرون ہوگی۔ اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر زندگی میں بہت دفعہ ہماری دعائیں قبول نہیں ہوئیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں ہوتی کیونکہ ہم کو دوسری چیزوں پر بھی اعتماد ہوتا ہے اور اخلاص

کے ساتھ ہماری دعا اس وقت ہو گی جب موت قریب ہو گی اور اس وقت ہماری دعا قبول ہو جائے گی۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۲۸۔۵۲۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کے جواب پر مصنف کی نقد و نظر

میرے نزدیک امام رازی کا یہ جواب حسب ذیل وجوہ سے صحیح نہیں ہے:

(۱) یہ لازم نہیں ہے کہ انسان اخلاص کے ساتھ اللہ سے صرف اسی وقت دعا کر سکتا ہے جب اس کی موت کا وقت قریب ہو، اگر ایسا ہوتا تو قرآن اور حدیث میں ہم کو صرف اسی وقت دعا کرنے کی ہدایت دی جاتی جب ہماری موت کا وقت قریب ہو۔

(۲) یہ قاعدہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ زندگی میں متعدد بار ایسی صورت پیش آتی ہے کہ جب انسان کے تمام سہارے ختم ہو جاتے ہیں اور وہ اخلاص کے ساتھ اللہ سے دعا کرتا ہے اور اللہ کے سوا اس کی اور کسی کی طرف نظر نہیں ہوتی۔

(۳) قرآن مجید میں ہے:

وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِیْبًا اِلَیْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِیَ مَا كَانَ یَدْعُوْۤا اِلَیْهِ مِنْ قَبْلُ۔ (الزمر:۸)

اور انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب سے رجوع کرتے ہوئے دعا کرتا ہے، پھر جب اس کو اللہ اپنے پاس سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ یہ بھول جاتا ہے کہ وہ اس سے پہلے کیا دعا کرتا رہا تھا۔

اس آیت میں انسان کے دعا کرنے اور اس دعا کے قبول کیے جانے کا ذکر ہے اور یہ قرب موت کا وقت نہیں ہے۔

(۴) وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآىِٕمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ یَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ۔ (یونس:۱۲)

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہم کو لیٹے ہوئے بھی پکارتا ہے، بیٹھے ہوئے بھی اور کھڑے ہوئے بھی، پھر جب ہم اس سے اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو وہ اس طرح گزر جاتا ہے گویا کہ اس نے ہمیں کبھی اس تکلیف میں پکارا ہی نہ تھا جو اسے پہنچی تھی۔

اس آیت میں بھی انسان کے دعا کرنے اور اس کی دعا کے قبول ہونے کا ذکر ہے اور یہ بھی قرب موت کے وقت کی دعا نہیں ہے۔

(۵) اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ۔ (النمل:۶۲)

وہ کون ہے جو مجبور کی دعا کو قبول کرتا ہے جب وہ اس سے دعا کرتا ہے اور وہ کون ہے جو اس سے مصیبت کو دور کرتا ہے۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ جب کوئی شخص مجبور ہو کر اس سے دعا کرے تو وہ اس کی دعا کو قبول کرتا ہے اور وہ قرب موت کا وقت نہیں ہوتا۔

(۶) فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ۬ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ یُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ (العنکبوت:۶۵)

اور جب مشرکین کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اللہ سے دعا کرتے ہیں، پھر جب اللہ انہیں خشکی کی طرف بچا کر لے آتا ہے تو پھر شرک کرنے لگتے ہیں O

اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ مشرکین بھی اخلاص کے ساتھ دعا کرتے ہیں اور اللہ ان کی دعا قبول فرماتا ہے اور کشتی میں سوار ہونے کا وقت قرب موت کا وقت نہیں ہے۔

(۷) وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ (الروم: ۳۳)

اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس سے دعا کرتے ہیں، پھر جب اللہ ان کو اپنی رحمت کا ذائقہ چکھا دیتا ہے تو پھر ان میں سے ایک فریق اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے O

اس آیت میں اس بات کا واضح بیان ہے کہ جو انسان بھی تکلیف کے وقت اللہ سے دعا کرے اللہ اس پر رحم فرماتا ہے اور اس میں بھی قرب موت کا وقت نہیں ہے۔

(۸) وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ۝ (لقمان: ۳۲)

اور جب ان پر موجیں سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو وہ اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اللہ سے دعا کرتے ہیں، پھر جب اللہ انہیں خشکی کی طرف بچا کر لے آتا ہے تو ان میں سے بعض اعتدال پر رہتے ہیں اور ہماری آیتوں کا انکار صرف وہی کرتے ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہوں۔

جب سمندر میں موجوں کے اٹھنے کے وقت مشرکین بھی اللہ سے اخلاص کے ساتھ دعا کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول فرما لیتا ہے اور یہ بھی قرب موت کا وقت نہیں ہوتا، موت اس وقت ان کے قریب ہوتی جب موجوں کے تھپیڑوں سے کشتی ان کے ہاتھ سے نکل جاتی اور وہ صرف لہروں کے رحم و کرم پر ہوتے اور ڈوب رہے ہوتے۔

(۹) وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۶۷)

اور جب سمندر میں تم پر مصیبت آتی ہے تو اللہ کے سوا وہ سب گم ہو جاتے ہیں جن کو تم پکارا کرتے تھے، پھر جب وہ تم کو بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو تم اعراض کر لیتے ہو اور انسان بہت ناشکرا ہے O

اس آیت میں یہ بھی بتلایا ہے کہ جب مشرک بھی مصیبت کے وقت اخلاص کے ساتھ اللہ سے دعا کریں تو وہ ان کی دعا قبول فرما لیتا ہے حالانکہ وہ بھی قرب موت کا وقت نہیں ہوتا۔

(۱۰) قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ (الانعام: ۶۳)

آپ کہیے کہ وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور سمندر کے اندھیروں سے نجات دیتا ہے، تم اس سے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعا کرتے ہو کہ اگر تو نے ہمیں ان اندھیروں سے نجات دے دی تو ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے O

اندھیروں سے نجات کی دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتا ہے، حالانکہ وہ قرب موت کا وقت نہیں ہے۔

(۱۱) قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَ مِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾ (الانعام: ۶۴) آپ کہیے کہ اللہ ہی تم کو ان اندھیروں سے نجات دیتا ہے اور ہر مصیبت سے نجات دیتا ہے تم پھر بھی شرک کرتے ہو O

یعنی مشرکین جب مصائب سے نجات کی دعا کرتے ہیں تو اللہ قبول فرماتا ہے اور دعا قبول کرنے کے موقع پر ان دس آیتوں میں سے کسی آیت میں بھی قرب موت کا وقت بیان نہیں فرمایا، کسی قسم کی تکلیف ہو، مصیبت ہو، بیماری ہو، کشتیوں میں سوار ہونے کا وقت ہو، موجوں کا سامنا ہو، بحر و بر کے اندھیرے ہوں، جس وقت بھی اس سے اخلاص کے ساتھ دعا کی جائے وہ دعا قبول فرمالیتا ہے، خواہ دعا کرنے والا مومن ہو یا مشرک اور یہ ضروری نہیں ہے کہ اخلاص صرف موت کو سامنے دیکھ کر ہو، کسی بھی وقت اخلاص ہوسکتا ہے اور جب بھی اخلاص کے ساتھ دعا کی جائے گی اللہ تعالیٰ دعا قبول فرمالے گا، صرف وہ دعا قبول نہیں ہوگی جس میں اخلاص نہ ہو۔

ہم نے پہلے دس آیتوں سے امام رازی کے اس قول کا رد کیا ہے کہ صرف موت کو قریب دیکھ کر جو دعا کی جائے وہ قبول ہوتی ہے، اب ہم صحیح اور صریح احادیث سے اس قول کا رد کرتے ہیں۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

(۱۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں کی دعا رد نہیں کی جاتی: (۱) روزہ دار جب روزہ افطار کرتا ہے (۲) امام عادل (۳) اور مظلوم کی دعا۔ الحدیث (سنن الترمذی: ۲۵۲۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین آدمیوں کی دعا کے قبول ہونے کی گارنٹی دی ہے اور ان میں سے کسی کی بھی دعا اس وقت قبول نہیں ہوتی جب موت قریب ہوتی ہے۔

(۱۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں کی دعا قبول ہونے میں کوئی شک نہیں ہے: (۱) مظلوم کی دعا (۲) مسافر کی دعا (۳) والد کی اپنی اولاد کے لیے دعا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۶۲)

اس حدیث میں بھی یہ قید نہیں ہے کہ جب موت قریب ہو تو ان کی دعا قبول ہوگی بلکہ مطلقاً فرمایا: ان کی دعا قبول ہوگی۔

(۱۴) حضرت ابوزہیر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دعا کے آخر میں آمین کہا جائے وہ دعا قبول ہوتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۳۸)

(۱۵) حضرت عمر نے فرمایا: جس دعا کے اول اور آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔ (سنن ترمذی: ۴۸۶)

ان احادیث سے بھی واضح ہوگیا کہ امام رازی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ صرف وہی دعا قبول ہوتی ہے جو قرب موت کے وقت کی جائے۔

(۱۶) امام رازی نے یہ کہا ہے کہ اخلاص کے ساتھ توبہ اسی وقت ہوسکتی ہے جب موت قریب ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ تلقین کی ہے کہ انسان سے جب گناہ سرزد ہوجائے وہ اسی وقت توبہ کرے:

(۱۶) وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۟ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ اور جب لوگ کوئی بے حیائی کا کام کر گزریں یا اپنی جانوں پر ظلم کرلیں، پھر فوراً اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشے گا، اور اپنے کاموں پر دانستہ اصرار نہ کیا

یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳۵﴾ (آل عمران: ۱۳۵) ہو O

(۱۷) اِنَّمَا التَّوۡبَۃُ عَلَی اللّٰہِ لِلَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السُّوۡٓءَ بِجَہَالَۃٍ ثُمَّ یَتُوۡبُوۡنَ مِنۡ قَرِیۡبٍ فَاُولٰٓئِکَ یَتُوۡبُ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ﴿۱۷﴾ (النساء: ۱۷)

اللہ پر صرف ان ہی لوگوں کی توبہ قبول کرنا ہے، جو ناواقفیت سے کوئی گناہ کرلیں، پھر فوراً توبہ کرلیں، پس اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا اور اللہ بہت علم والا، بے حد حکمت والا ہے O

امام رازی نے جو قرب موت کے وقت دعا کی تلقین کی ہے وہ ان آیات کے خلاف ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(۱۸) وَ ہُوَ الَّذِیۡ یَقۡبَلُ التَّوۡبَۃَ عَنۡ عِبَادِہٖ وَ یَعۡفُوۡا عَنِ السَّیِّاٰتِ۔ (الشوریٰ: ۲۵)

اور وہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان کے گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔

(۱۹) وَ اِنِّیۡ لَغَفَّارٌ لِّمَنۡ تَابَ۔ (طٰہٰ: ۸۲)

اور بے شک میں اس کو ضرور بے حد بخشنے والا ہوں جو توبہ کرے۔

ان آیتوں کا تقاضا ہے کہ بندہ جس وقت بھی توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور اس کو معاف فرما دیتا ہے اور حدیث میں ہے:

(۲۰) حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل رات کو ہاتھ پھیلاتا ہے کہ دن میں گناہ کرنے والا توبہ کرے اور دن میں ہاتھ پھیلاتا ہے کہ رات میں گناہ کرنے والا توبہ کرے، حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۹، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۳۵)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ بندہ دن کے گناہ کی رات آنے سے پہلے توبہ کرلے اور رات کے گناہ کی دن آنے سے پہلے توبہ کرلے اور اگر اس نے بندہ کی توبہ اور اس کی دعا صرف قرب موت کے وقت قبول کرنی ہوتی تو وہ بندوں کو جلد توبہ کرنے کی تلقین کیوں فرماتا جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو توبہ کرنے میں تاخیر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَیۡسَتِ التَّوۡبَۃُ لِلَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ اَحَدَہُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ اِنِّیۡ تُبۡتُ الۡـٰٔنَ۔ (النساء: ۱۸)

اللہ پر ان کی توبہ قبول کرنا نہیں ہے جو گناہ کرتے رہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی ایک کے سامنے موت آجائے تو وہ کہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں۔

امام رازی نے جو اس آیت کی تفسیر کی ہے اور بعض دعاؤں کے قبول نہ ہونے کا یہ جواب دیا ہے کہ اخلاص سے توبہ صرف قرب موت کے وقت ہوتی ہے اور اسی وقت کی دعا قبول ہوتی ہے اور یہ کہا ہے کہ ہم اللہ کے فضل اور احسان سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ جب موت کا وقت قریب ہوگا تو وہ ہمیں ایسی دعا کرنے کی توفیق دے گا جو اخلاص کے ساتھ ہوگی۔ امام رازی کی یہ تقریر اور تلقین اور ان کی یہ توقع بہ کثرت آیات اور احادیث کے خلاف ہے اور اللہ ہی صحیح تفسیر کی ہدایت اور توفیق دینے والا ہے۔

(تبیان القرآن ج ۱۰ ص ۳۹۶۔ ۴۰۶)

۱۔ بَابٌ: لِکُلِّ نَبِیٍّ دَعۡوَۃٌ مُّسۡتَجَابَۃٌ

اس کا بیان کہ ہر نبی کی ایک دعا مستجاب یعنی مقبول ہوتی ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ۝ (المومن:۶۰)

اور تمہارے رب نے فرمایا: تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت سے جہنم میں داخل ہوں گے O

یعنی مجھے واحد مانو اور صرف میری عبادت کرو، کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ میں تمہاری عبادت کو قبول کروں گا اور تمہاری مغفرت کروں گا اور تم کو ثواب عطا فرماؤں گا۔ اور کہا جاتا ہے کہ دعا کے معنی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ہے اور اس سے سوال کرنا ہے۔

اس آیت کا ظاہر یہ ہے کہ دعا کا رجوع اس طرف ہے کہ اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کر دیے جائیں۔ ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ افضل یہ ہے کہ دعا نہ کی جائے اور اپنے تمام معاملات قضا و قدر کے سپرد کر دیے جائیں۔ اور اس آیت کا انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں دعا سے مراد عبادت ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''دعا ہی عبادت ہے''۔ اس حدیث کی امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام حاکم نے روایت کی ہے۔ اور ایک اور جماعت کا یہ قول شاذ ہے کہ اس آیت میں دعا سے مراد ہے گناہوں کا ترک کرنا اور جمہور نے یہ جواب دیا ہے کہ دعا سب سے عظیم عبادت ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے: ''الحج عرفة'' یعنی حج عرفہ ہے، کیونکہ حج کا معظم رکن وہ میدانِ عرفات میں قیام ہے۔ اور اس کی تائید امام ترمذی کی اس روایت سے ہوتی ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دعا عبادت کا مغز ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی ترغیب کے متعلق تواتر کے ساتھ احادیث مروی ہیں۔

امام احمد اور امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ جو اللہ سے سوال نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس سے بغض رکھتا ہے۔

اور مبغوض وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو۔

نیز امام ترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے فضل سے سوال کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے۔

امام طبرانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو پسند فرماتا ہے جو اصرار سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۲۹۔ ۴۳۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۶۳۰۴۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث

قَالَ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ يَدْعُو بِهَا وَأُرِيدُ أَنْ أَخْتَبِئَ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي فِي الْآخِرَةِ۔

بیان کی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کی ایک دعا مستجاب ہوتی ہے جس کے ساتھ وہ دعا کرتا ہے اور میں ارادہ کرتا ہوں کہ میں اپنی اس دعا کو چھپالوں تا کہ اپنی امت کی آخرت میں شفاعت کروں۔

(صحیح بخاری: ۷۴۷۴، صحیح مسلم: ۱۹۸، سنن ترمذی: ۳۶۰۲، سنن ابن ماجہ: ۴۳۰۷، مسند احمد: ۷۶۵۷، موطا امام مالک: ۴۹۲، سنن دارمی: ۲۸۰۵)

صحیح البخاری: ۶۳۰۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، وہ ابن ابی اویس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالزناد، وہ عبداللہ بن ذکوان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعرج، وہ عبداللہ بن ہرمز ہیں۔ امام بخاری ان سے حدیث میں منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لکل نبی دعوۃ مستجابۃ یدعوبھا" یعنی وہ نبی اس مستجاب دعا کو کر لیتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہر نبی وہ دعا جلدی کر لیتا ہے اور میں نے وہ دعا اپنی امت کے قیامت کے دن شفاعت کرنے کے لیے چھپا کر رکھی ہے۔

اور کتاب التوحید میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت آرہی ہے، اس میں مذکور ہے: پس میں ارادہ کرتا ہوں ان شاء اللہ کہ میں اس دعا کو چھپاؤں، اور اس میں ان شاء اللہ کا اضافہ تبرک کے لیے ہے۔

اور امام مسلم نے "از ابوصالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ میں نے وہ دعا چھپالی ہے"۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے "میں نے وہ دعا قیامت کے لیے رکھی ہے"۔

آیا ہر نبی کی صرف ایک دعا قبول ہوتی ہے یا ہر دعا قبول ہوتی ہے

اگر تم یہ سوال کرو کہ بہ کثرت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعائیں قبول ہوئی ہیں، خصوصاً ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا۔ اور اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر نبی کی فقط ایک دعا مستجاب ہوتی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں دعاء مستجابہ سے مراد یہ ہے کہ جس دعا کی قبولیت اور استجابت قطعی ہو، اور ان کے ماسوا جو انبیاء علیہم السلام کی دعائیں ہیں ان میں دعا کے قبول ہونے کی توقع ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ "ہر نبی کی ایک دعا ہوتی ہے" یعنی ہر نبی کی افضل ایک دعا ہوتی ہے۔

اور تیسرا جواب یہ ہے کہ ان میں سے ہر نبی کی ایک دعا عام ہوتی ہے جو امت کے حق میں مستجاب ہوتی ہے۔ یا تو وہ امت کی ہلاکت کی دعا کریں یا وہ امت کی نجات کی دعا کریں۔ لیکن ان کی جو خاص دعائیں ہیں ان میں سے بعض مستجاب ہوتی ہیں اور بعض

مستجاب نہیں ہوتیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ انبیاء کے حق میں یہ کہنا مناسب نہیں ہے کہ ان کی بعض دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ اور ان کے حال کے لائق جو معنی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی بعض دعائیں اسی وقت قبول ہو جاتی ہیں اور بعض دعائیں اس وقت تک مؤخر ہو جاتی ہیں جس وقت اللہ تعالیٰ ان کے قبول کرنے کا ارادہ فرمائے۔ اور "میں نے دعا کو چھپا لیا ہے" اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے دعا کو ذخیرہ کر لیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳۰۔۴۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۰۵۔ وَقَالَ لِي خَلِيفَةُ قَالَ مُعْتَمِرٌ سَمِعْتُ أَبِي عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كُلُّ نَبِيٍّ سَأَلَ سُؤْلًا أَوْ قَالَ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ قَدْ دَعَا بِهَا فَاسْتُجِيبَ فَجَعَلْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

اور مجھ سے خلیفہ نے کہا کہ معتمر نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: ہر نبی نے ایک سوال کیا، یا فرمایا: ہر نبی کی ایک دعا تھی جو اس نے کر لی، سو اس کی دعا قبول کی گئی، پس میں نے اپنی دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے کر دیا۔

(صحیح بخاری: ۴۷۴۷، صحیح مسلم: ۱۹۸، سنن ترمذی: ۳۶۰۲، سنن ابن ماجہ: ۴۳۰۷، مسند احمد: ۷۶۵۷، موطا امام مالک: ۴۹۲، سنن دارمی: ۲۸۰۵)

صحیح البخاری: ۶۳۰۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں خلیفہ کا ذکر ہے، یہ ابن خیاط ابو عمرو العصفری البصری ہیں۔ اسی طرح العسیلی اور کریمہ کی روایت میں واقع ہوا ہے کہ مجھ سے خلیفہ نے کہا۔ اور اکثرین کی روایت میں مذکور ہے "اور معتمر نے کہا" اور وہ ابن سلیمان التیمی ہیں۔ پس روایتِ اولیٰ کی بناء پر یہ حدیث متصل ہے اور امام مسلم نے بھی اس کو سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن عبد الاعلیٰ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے خبر دی از حضرت انس بن مالک کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔۔۔ پھر اسی طرح ذکر کیا جس طرح قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اور قتادہ کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت اس طرح ہے کہ نبی اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کی ایک دعا ہے جو اس نے اپنی امت کے لیے کی اور میں نے اپنی دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے چھپا کر رکھا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی حدیث کی تخریج از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام مسلم بن حجاج القشیری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ ان شاء اللہ میں اپنی دعا کو چھپا کر رکھوں گا تا کہ قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کر سکوں۔

(صحیح مسلم: ۱۹۸، مسند احمد: ۷۷۱۸)

نیز امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کی ایک دعا مستجاب ہوتی ہے، پس ہر نبی نے اپنی دعا کرنے میں جلدی کی اور میں نے اپنی دعا کو چھپا کر رکھا ہے تا کہ قیامت کے دن میں اپنی امت کی شفاعت کر سکوں۔ پس یہ دعا ان شاء اللہ میری امت میں سے ہر اس شخص کو حاصل ہوگی جو اس حال میں فوت ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے بالکل شرک نہ کرتا ہو۔ (صحیح مسلم: ۱۹۹، سنن ترمذی: ۳۶۱۳، سنن ابن ماجہ: ۴۳۰۷، مسند احمد: ۱۰۳۱۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی دعا کو مؤخر کرنے میں اپنی امت پر شفقت فرمانا

یہ تاخیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن نظر کی بناء پر ہے، کیونکہ آپ نے یہ اختیار کیا کہ آپ کی دعا ان امور میں ہو جو مناسب ہوں، اور آپ کا اس امت پر فضل اور کرم یہ ہے کہ آپ نے اپنی امت کے گناہگاروں کے لیے شفاعت کو مؤخر کر دیا تا کہ جو اپنی مغفرت سے مایوس ہو چکے ہوں ان کو سابقین مقربین کے ساتھ لاحق فرما دے۔

صحیح مسلم: ۱۹۹، میں ہے کہ "ہر نبی کی ایک دعا مقبول ہوتی ہے جو اس نے اپنی امت کے متعلق کی"۔ اس حدیث کے دو محمل ہیں: ایک محمل یہ ہے کہ نبی نے وہ دعا اپنے لیے کی جب کہ وہ اس امت میں موجود تھے۔ یا نبی نے وہ دعا امت کے متعلق کی یا ان کی اصلاح کے لیے یا ان کی ہلاکت کے لیے۔

ہر نبی کی ایک دعا مستجاب ہونے کی توجیہ

اس کا معنی یہ ہے کہ ہر نبی کی ایک دعا اس کی دعاؤں میں سب سے افضل ہوتی ہے جیسے دوسری حدیث میں ہے کہ "ہر نبی نے ایک سوال کیا اور سوال وہ ہے جس کا مردے سوال کیا جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰی ۝ (طٰہٰ: ۳۶) فرمایا: اے موسیٰ! تمہارا سوال پورا کر دیا گیا ۝

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا اور ایک سخت اور مشکل کام کرنے کا حکم دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے آٹھ چیزوں کا سوال کیا اور اخیر میں یہ عرض کیا کہ میں نے ان آٹھ چیزوں کا اس لیے سوال کیا تا کہ میں تیری تسبیح اور تیرا ذکر زیادہ سے زیادہ کر سکوں۔ پہلا سوال یہ کیا کہ میرا سینہ کھول کر وسیع کر دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ فرمایا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ۔ (الشعراء: ۱۳) میرا سینہ تنگ ہے اور میری زبان نہیں چل رہی۔

سو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے سینہ کی تنگی کو فراخی اور وسعت سے تبدیل کر دے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا منشاء یہ تھا: ان کو جرأت، ہمت اور حوصلہ عطا فرما۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ عرض نہیں کیا کہ میرا سینہ کھول دے بلکہ یہ عرض کیا: میرے لیے میرا سینہ کھول دے تا کہ یہ معلوم ہو کہ اس شرح صدر کا فائدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہنچے گا نہ کہ اللہ تعالیٰ کو۔

دوسرا سوال یہ کیا: اور میرے لیے میرا کام (مشن) آسان کر دے۔ یعنی اس مشن میں جو رکاوٹیں ہیں ان کو دور فرما دے اور اس مشن کی تکمیل کے جو اسباب اور وسائل ہیں وہ مہیا فرما دے۔

اور انبیاء علیہم السلام نے اس ایک مستجاب کے علاوہ اور بھی دعائیں کی ہیں۔ پس ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ آپ کی امت کو قحط سالی سے ہلاک نہ کیا جائے تو آپ کی یہ دعا منظور فرمائی۔ اور آپ نے یہ سوال کیا کہ آپ کی امت کے اوپر ان کے دشمن غالب نہ

ہوں اور سوال کیا کہ میری امت آپس میں ایک دوسرے سے جنگ نہ کرے تو آپ کو اس دعا سے روک دیا اور ان کے آپس میں جنگ کرنے کو ان کے گناہوں کا کفارہ قرار دیا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۶، ۱۵۶، امام ابن خزیمہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا۔ ۱۲۲۸، اور امام حاکم نے المستدرک میں اس کو صحیح قرار دیا، ج ۱ ص ۳۱۴)

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں جو یہ دعا ہے کہ ''میری امت پر ان کا دشمن غالب نہ ہو'' اس کا محمل یہ ہے کہ میری پوری امت پر ان کا دشمن غالب نہ ہو، تاکہ یہ سوال نہ ہو کہ یہودی فلسطین پر غالب ہو گئے، اور انگریز برصغیر پر غالب ہو گئے، کیونکہ ان کا غلبہ بعض علاقوں پر تھا پوری امتِ مسلمہ پر نہیں تھا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

ہر نبی کی مستجاب دعا کی تفصیل

یہ وہ دعا ہے جو ہر نبی نے دنیا میں طلب کر لی جیسے حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (نوح: ۲۶)

اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ O

اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی:

وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا (مریم: ۵-۶)

اور مجھے اپنے بعد اپنے قرابت داروں سے خطرہ ہے، اور میری اہلیہ بانجھ ہے، سو تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما O جو میرا اور آلِ یعقوب کا وارث ہو، اور اے میرے رب! اس کو پسندیدہ بنا O

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی:

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (ص: ۳۵)

اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو، بے شک تو ہی بہت دینے والا ہے O

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنی امت کے لیے دعا کو چھپا کر رکھا تھا، وہ امت پر آپ کی رحمت تھی اور شفقت تھی تاکہ جس وقت امت کو شدید ضرورت ہو اور ان کے اعمال منقطع ہوں اس وقت اس دعا کو خرچ کیا جائے۔

عمر بن عبدالعزیز نے کہا ہے: مجھے سب سے زیادہ خوف اس بات کا ہے کہ میں اپنی دعا کی مقبولیت سے محروم ہو جاؤں۔

اور ابن عیینہ نے کہا: اگر دوزخ کے کافروں کو یہ میسر ہوتا کہ وہ دعا کر کے دوزخ سے نکل جائیں گے تو وہ ضرور نکل جاتے، لیکن انہوں نے یہ دعا کی:

وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۖ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ (الزخرف: ۷۷)

اور وہ (دوزخ کے نگران فرشتے سے) پکار کر کہیں گے: اے مالک! چاہیے کہ تمہارا رب ہمیں ختم کر دے، وہ کہے گا: تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو O

نیز انہوں نے یہ دعا کی:

رَبَّنَآ اَخۡرِجۡنَا مِنۡهَا فَاِنۡ عُدۡنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوۡنَ ۝ اے ہمارے رب! ہمیں اس دوزخ سے نکال، اگر ہم پھر (کفر کی طرف) لوٹیں تو بے شک ہم ظالم ہوں گے O (المومنون: ۱۰۷)

اور بے شک اللہ سبحانہٗ کو علم تھا کہ اگر ان کو دوزخ سے نکال دیا گیا تو یہ پھر کفر کی طرف لوٹ جائیں گے، اور اگر انہوں نے یہ شرط نہ لگائی ہوتی کہ وہ کفر کی طرف نہیں لوٹیں گے تو ان کی دعا خالص ہوتی اور ان کو دوزخ سے نکال لیا جاتا۔

مومنین کی دعا مقبول ہونے کی تحقیق

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادۡعُوۡنِيۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَكُمۡ ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِيۡ سَيَدۡخُلُوۡنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيۡنَ ۝ اور تمہارے رب نے فرمایا: تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت سے جہنم میں داخل ہوں گے O (المومن: ۶۰)

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کی دعا کے مقبول ہونے کا ضامن ہو گیا ہے جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ مومنین کی بہت سی دعائیں قبول نہیں ہوتیں، پھر اس آیت کا کیا محمل ہے؟

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم اپنی اطاعت کے ساتھ مجھے پکارو، تو تم نے اپنی اطاعت سے جس چیز کو طلب کیا ہے میں وہ تم کو عطا فرماؤں گا اور بندہ کی اپنے رب کی اطاعت اس سے دعا کرنا ہے اور اپنی حاجات میں اس کی طرف رغبت کرنا ہے اور وہ اپنی حاجات میں اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر مانگے اور یہ یقین رکھے کہ اس دعا کا پورا ہونا اللہ سبحانہٗ کے ہاتھ میں ہے۔

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ سے دعا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۸۲۷، مسند احمد: ج ۲ ص ۴۴۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۲)

حضرت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دعا عبادت ہی ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادۡعُوۡنِيۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَكُمۡ ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِيۡ سَيَدۡخُلُوۡنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيۡنَ ۝ اور تمہارے رب نے فرمایا: تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت سے جہنم میں داخل ہوں گے O (المومن: ۶۰)

پس آپ نے دعا کا نام عبادت رکھا۔

(سنن ابوداؤد: ۱۴۷۹، الادب المفرد: ۷۱۴، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۶ ص ۴۵۰، کتاب الدعا للطبرانی: ۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو گڑگڑا کر اور اصرار سے دعا کرتے ہیں۔

(کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۴ ص ۴۵۲، الکامل لابن عدی ج ۸ ص ۵۰۰، کتاب الدعا للطبرانی: ۲۰، شعب الایمان للبیہقی ج ۲ ص ۳۸، رقم: ۱۱۰۸)

اصرار اور گڑگڑا کر دعا کرنے پر ایک اعتراض کا جواب

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ نیک اعمال کے ساتھ اتنی دعا کرنا کافی ہے جتنا کھانے میں نمک ہوتا ہے۔ اور سفیان سے کہا گیا: اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تو انہوں نے کہا: گناہوں کو ترک کرنا ہی دعا ہے۔ سو یہ اقوال اصرار اور گڑگڑا کر دعا کرنے کے خلاف ہیں۔

علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ایسا نہیں ہے، کیونکہ انسان کی طبیعت جس پر پیدا کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی اس شخص سے حاجت طلب کرے جو اس پر پہلے سے ناراض ہو تو اس کا دعا سے محروم ہونا زیادہ لائق ہے بہ نسبت اس کے کہ جس پر وہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی وجہ سے راضی ہو اور وہ اس کی ناراضگی سے اجتناب کرتا ہو۔ پس جب اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ اس کا فلاں بندہ اس کا اطاعت گزار ہے اور وہ اس سے حاجت طلب کرتا ہے تو اس کی تھوڑی دعا بھی کافی ہے۔

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ دعا کے مقبول ہونے کی علامات کیا ہیں؟

تو میں کہوں گا کہ شہر بن حوشب نے حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، انہوں نے ان سے کہا: اے شہر! کیا کبھی خوفِ الٰہی سے کبھی تمہارے رونگٹے کھڑے نہیں ہوتے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں! تو انہوں نے کہا: تم اللہ سے دعا کرو کیونکہ اس وقت میں دعا قبول ہوتی ہے۔

ابورھم السماعی یہ کہتے تھے کہ دعا کے وقت چھینک آنا دعا کے مقبول ہونے کی علامت ہے۔

انبیاء کی ایک دعا قبول ہونے پر اعتراض کا جواب

اگر تم یہ کہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ ہر نبی کی ایک دعا مقبول ہوتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کے لیے فرمایا ہے:

ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (المومن: ۶۰) تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے وعدہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کی ہر دعا کو قبول فرمائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا، پھر اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی ایک دعا کی تخصیص کی ہے کہ وہ اس کو قبول فرمائے گا، تو نبوت کے درجہ کی فضیلت کہاں رہی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معاملہ اس طرح نہیں ہے جس طرح تم نے گمان کیا ہے اور نہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہر دعا کرنے والے کی دعا مقبول ہوتی ہے اور قتادہ نے کہا: وہ دعا مقبول ہوتی ہے جو تقدیر کے موافق ہو۔ اور حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی صرف ایک دعا مقبول ہوتی ہے اور ہمارے نبی سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہ کثرت دعائیں مقبول ہوئیں جو اسانید صحیحہ سے ثابت ہیں اور ان میں سے وہ دعا ہے جو آپ نے مشرکین کے خلاف کی تھی کہ ان پر یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے سات قحط کے سال مسلط کر دیے جائیں۔ (صحیح البخاری: ۱۰۰۷، صحیح مسلم: ۲۷۹۸)

اور اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے ان کافر سرداروں کے خلاف دعا کی جو آپ کے معاند تھے اور وہ سب غزوۂ بدر میں قتل کر دیے گئے۔ (صحیح البخاری: ۲۴۰، ۱۷۹۴)

اور ان کے علاوہ بے شمار دعائیں ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبول کی گئیں، اور ہمیں کوئی ایسی حدیث نہیں پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی

دعارد کر دی گئی ہو، سو اس دعا کے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ آپ کی امت آپس میں جنگیں نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دعا کے کرنے سے روک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝ (البقرہ: ۲۵۳) اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں قتال نہ کرتے، لیکن اللہ وہی کرتا ہے جس کا وہ ارادہ فرماتا ہے O

اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ہر نبی کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دعا ہوتی ہے جو ضرور قبول ہوتی ہے، کیونکہ نبی کا جو بلند درجہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو اس کا عزت والا مقام ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ نبی جو چاہے وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور اللہ تعالیٰ اس کی آرزو کو پورا فرمائے۔

اور حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر آپ چاہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے لیے تہامہ کے پہاڑوں کو سونا بنا دے، تو اللہ تعالیٰ ایسا کر دے گا۔ اور آپ کو یہ اختیار دیا کہ آپ بندہ اور نبی ہوں یا نبی اور بادشاہ ہوں تو آپ نے آخرت کو دنیا پر اختیار کر لیا۔ (المعجم الاوسط للطبرانی ج ۷ ص ۸۸ رقم: ۷۹۳)

اور یہ درجہ عام لوگوں میں سے کسی کے لیے نہیں ہے۔ ہمیں دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے تا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کے مقبول ہونے کی امید رکھیں۔ اور خوف اور امید کی درمیانی کیفیت میں رہیں۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت

اس حدیث میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام انبیاء پر فضیلت کا بیان ہے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہم۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شفاعت کی دعا کو قبول فرمالیا۔ اور اس دعا کو آپ کے حق میں یا آپ کے اہل بیت کے حق میں خاص نہیں کیا، پس اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی امت کی طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے اوپر رؤف اور رحیم ہیں، قرآن مجید میں ہے:

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (التوبہ: ۱۲۸) تمہاری فلاح پر وہ بہت حریص ہیں اور مومنوں پر بہت شفیق اور نہایت مہربان ہیں O

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۷۷۔ ۱۸۲، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

باب مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

''الدعوات'' کا لفظ ''دعوۃ'' کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: سوال کرنا۔ اور دعا کا معنی ہے: طلب کرنا اور کسی کام کی دعوت دینا اور اس کام پر برانگیختہ کرنا۔ اور ''دعوت فلانا'' کا معنی ہے: میں نے اس سے سوال کیا، اور ''دعوتہ'' کا معنی ہے: میں نے اس سے مدد طلب کی۔ اور علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ دعا کا اطلاق عبادت پر بھی کیا جاتا ہے جیسا کہ یہ آیت ہے:

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (یونس: ۱۰) اور جنتوں میں ان کی (بے ساختہ) یہ پکار ہوگی ''پاک ہے تو اے اللہ!'' اور جنتوں میں ان کی ایک دوسرے کے لیے یہ دعا ہوگی:

''سلام (علیکم)'' اور ہر بات کے آخر میں ان کا یہ کہنا ہوگا
''الحمد للہ رب العالمین'' O

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ۝ (الاعراف:٥)
جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو اس وقت ان کی یہی چیخ و پکار تھی کہ بے شک ہم ہی ظالم تھے O

امام راغب نے کہا ہے کہ دعا کا اطلاق نام لینے پر بھی کیا جاتا ہے، جیسا کہ یہ آیت ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ (النور:٦٣)
تم رسول کے بلانے کو ایسا نہ قرار دو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔

علامہ راغب نے کہا ہے کہ دعا اور نداء دونوں کا معنی واحد ہے لیکن کبھی نداء کو اسم سے مجرد کر لیا جاتا ہے، لیکن دعا کو اسم سے مجرد نہیں کیا جاتا۔

اور شیخ ابو القاسم قشیری نے ''الاسماء الحسنیٰ'' کی شرح میں لکھا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں دعا کئی معانی میں استعمال ہے، ان میں سے ایک معنی عبادت ہے جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے:

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ (یونس:١٠٦)
اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں جو آپ کو نہ نفع پہنچا سکے نہ نقصان پہنچا سکے۔

اور دعا کا دوسرا معنی مدد طلب کرنا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (البقرہ:٢٣)
اور اللہ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو۔

اور دعا سوال کے معنی میں بھی قرآن مجید میں مذکور ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (المومن:٦٠)
تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا۔

اور دعا قول کے معنی میں بھی وارد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ (یونس:١٠)
اور جنتوں میں ان کی (بے ساختہ) یہ پکار ہوگی ''پاک ہے تو اے اللہ!'' اور جنتوں میں ان کی ایک دوسرے کے لیے یہ دعا ہوگی: ''سلام (علیکم)'' اور ہر بات کے آخر میں ان کا یہ کہنا ہوگا ''الحمد للہ رب العالمین'' O

اور دعا کا لفظ قرآن مجید میں نداء کے لیے بھی وارد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا۝ (بنی اسرائیل:٥٢)
جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے چلے آؤ گے اور تم یہ گمان کرو گے کہ تم تھوڑی دیر ہی ٹھہرے تھے O

اور دعا کا لفظ قرآن مجید میں ثناء کے معنی میں بھی وارد ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ
آپ کہیے: تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو، تم جس نام سے

الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ (الاسراء:١١٠) پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں۔

آیا حالات کو اللہ پر چھوڑ دینا افضل ہے یا دعا کرنا

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ۠ (المومن:٦٠)

اور تمہارے رب نے فرمایا: تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت سے جہنم میں داخل ہوں گے O

اس آیت کا ظاہر یہ ہے کہ دعا کرنا تقدیر پر تفویض سے افضل ہے، اور دعا کو تفویض پر ترجیح ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ دعا کو ترک کرنا افضل ہے اور اپنے حالات اور معاملات کو قضاء وقدر کے سپرد کر دینا چاہیے۔ اور انہوں نے اس آیت کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں لفظِ دعا سے مراد عبادت ہے، کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے" بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت سے جہنم میں داخل ہوں گے"۔

اور بعض دوسرے علماء نے کہا: اس آیت میں دعا سے مراد ہے: گناہوں کو ترک کرنا۔ اور جمہور نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حدیث میں ہے کہ" دعا ہی عبادت ہے" یہ اس لیے فرمایا کہ دعا کرنا بہت عظیم عبادت ہے، جیسا کہ دوسری حدیث میں فرمایا: "حج عرفہ ہے" یعنی حج کا عظیم رکن وقوفِ عرفہ ہے۔ اور اس کی تائید امام ترمذی کی اس روایت سے ہوتی ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دعا کرنا عبادت کا مغز ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی ترغیب میں بہ کثرت احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے۔ اس حدیث کی امام ترمذی نے روایت کی ہے۔

(۲) دعا ان مصائب میں نفع پہنچاتی ہے جو نازل ہو چکے ہیں اور ان میں بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئے، پس اے اللہ کے بندو تم پر دعا کرنا لازم ہے۔

اس حدیث کو امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور امام طبرانی نے کتاب الدعا میں اس حدیث کی ثقات کی سند سے روایت کی ہے۔

اور دعا میں اخلاص شرط ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ۔ (المومن:٦٥) سو تم اسی کی اطاعت کرتے ہوئے اخلاص کے ساتھ اس سے دعا کرو۔

علامہ الطیبی نے کہا ہے کہ دعا میں اللہ تعالیٰ کی طرف احتیاج اور غایت تذلل کا اظہار ہوتا ہے۔ اور تمام عبادات صرف اللہ عزوجل کی طرف افتقار اور خشوع اور خضوع کے ساتھ مشروع کی گئی ہیں، کیونکہ المومن: ٦٠ میں اللہ تعالیٰ کی طرف تذلل اور خشوع نہ کرنے کو تکبر سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے دعا کو اپنی عبادت کو قرار دیا۔

علامہ القشیری نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ اولیٰ دعا کرنا ہے یا سکوت کرنا اور اللہ کی رضا پر راضی رہنا ہے، سو ایک قول یہ ہے کہ افضل دعا کرنا ہے اور اسی کو ترجیح دینا افضل ہے، کیونکہ دعا کرنے کے متعلق بہ کثرت دلائل ہیں۔ کیونکہ اس میں خشوع اور خضوع کا اظہار ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف افتقار اور احتیاج کا اظہار ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ سکوت اور رضا اولیٰ ہے، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر پر اپنے آپ کو چھوڑ دینا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ان کا شبہ یہ ہے کہ دعا کرنے والا نہیں جانتا کہ اس کے لیے کیا چیز مقدر کی گئی ہے، پس اس کی دعا اگر تقدیر کے موافق ہے تو وہ تحصیل الحاصل ہے، اور اگر اس کی دعا قضاء و قدر کے خلاف ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے معاندہ ہے۔

پہلے شبہ کا جواب یہ ہے کہ دعا بھی جملہ عبادات میں سے ہے کیونکہ اس میں خشوع اور افتقار ہے۔ اور دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ جب بندہ کا یہ اعتقاد ہے کہ وہی چیز واقع ہو گی جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقدر کی ہے تو پھر یہ معاندہ نہیں ہے۔ اور دعا کرنے کا فائدہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے سے ثواب کا حصول ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو اس نے دعا کی ہو اسی پر تقدیری معاملات موقوف ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اسباب اور مسببات کا خالق ہے۔

علامہ قشیری نے کہا ہے: جس دعا کا تعلق اللہ تعالیٰ یا مسلمانوں کے ساتھ ہو، تو اس میں دعا کرنا افضل ہے، اور جس دعا کا تعلق اس کے اپنے نفس کے ساتھ ہو تو اس میں سکوت کرنا افضل ہے۔ اور علامہ ابن بطال نے اس معنی کی اس طرح تاویل کی ہے کہ دوسروں کے لیے دعا کرنا مستحب ہے اور اپنے لیے دعا کو ترک کرنا افضل ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کتنے لوگ دعا کرتے ہیں اور ان کی دعا قبول نہیں ہوتی، تو اگر یہ آیت اپنے ظاہر پر ہوتی تو اس کے خلاف نہ ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے: ہر دعا کرنے والے کی دعا قبول ہوتی ہے لیکن قبولیت کی مختلف اقسام ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو اس نے دعا کی وہ بعینہٖ قبول ہو جاتی ہے، اور کبھی اللہ تعالیٰ اس دعا کے عوض میں اسے کوئی اور چیز عطا فرماتا ہے جیسا کہ امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روئے زمین پر جب بھی کوئی مسلمان دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ عطا فرماتا ہے، یا اس سے اس کی مثل کوئی مصیبت ٹال دیتا ہے۔

اور امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یا تو اللہ تعالیٰ اس کی فوراً دعا قبول کر لیتا ہے یا اس کے اجر کو اپنے پاس ذخیرہ کر لیتا ہے۔

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان بھی کوئی دعا کرتا ہے بشرطیکہ اس میں کسی گناہ کا سوال نہ ہو، نہ قطع رحم کا سوال ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کے عوض اس کو تین چیزوں میں سے ایک چیز عطا فرماتا ہے، یا تو اس کی دعا بعینہٖ قبول فرما لیتا ہے، یا اس کے اجر کو آخرت میں ذخیرہ فرما لیتا ہے، یا اس سے اس کی مثل کوئی مصیبت ٹال دیتا ہے۔

اور دعا کی قبولیت کی اور بھی شرائط ہیں، ان میں سے یہ ہے کہ دعا کرنے والا حلال کھانا کھاتا ہو، اور حلال کپڑے پہنتا ہو، اور بیس ابواب کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث آئے گی کہ دعا کی قبولیت کی شرط یہ ہے کہ وہ دعا کی قبولیت میں جلدی نہ کرے، یہ نہ کہے کہ میں نے دعا کی تو میری دعا قبول نہیں ہوئی۔ اس حدیث کی امام مالک نے روایت کی ہے۔ (فتح الباری ج ۷، ص

۳۶۳۔۳۶۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۴۔۶۳۰۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابو صالح نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ان شاء اللہ یہ دعا میرے ہر اس امتی کو شامل ہوگی جو اس حال میں فوت ہوا جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالکل شرک نہ کیا ہو۔ گویا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ اس دعا کو مؤخر کریں، پھر آپ نے اس دعا کو کرنے کا عزم کیا اور وہ دعا کر لی اور اس کے وقوع کی امید رکھی۔ اور اس کلام کا تتمہ شفاعت اور اس کی اقسام کی بحث میں آئے گا ان شاء اللہ ''کتاب الرقاق'' کے اول میں۔

حدیث مذکور پر ایک اشکال کا جواب

اس حدیث کے ظاہر پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ اکثر انبیاء علیہم السلام نے دعائیں کیں اور وہ قبول ہوئیں اور خصوصاً ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں۔ اور اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ ہر نبی کی فقط ایک دعا قبول ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں جو مذکور ہے کہ فقط ایک دعا قبول ہوتی ہے، اس کا محمل یہ ہے کہ قطعیت کے ساتھ صرف ایک دعا قبول ہوتی ہے، اور اس کے ماسوا جو انبیاء علیہم السلام کی دعائیں ہیں وہ قبولیت کی توقع پر ہیں۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حدیث میں جو مذکور ہے کہ ہر نبی کی ایک دعا مستجاب ہوتی ہے یعنی جو اس کی دعاؤں میں سب سے افضل ہو، اور ان کی اور دعائیں بھی ہوتی ہیں۔

تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہر نبی کی اپنی امت کے متعلق ایک عام دعا ہوتی ہے جو قبول ہوتی ہے یا وہ اس امت کو ہلاک کرنے کے متعلق یا اس امت کی نجات کرنے کے متعلق۔ رہی ان کی مخصوص دعائیں تو ان میں سے بعض مستجاب ہوتی ہیں اور بعض مستجاب نہیں ہوتیں۔

چوتھا جواب یہ دیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں سے ہر نبی کی ایک خاص دعا ہوتی ہے جو وہ دنیا کے لیے کریں یا اپنے نفس کے لیے کریں جیسے نوح علیہ السلام نے دعا کی:

وَ قَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِينَ دَيَّارًا ۝ (نوح:۲۶)

اور نوح نے دعا کی: اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ ۝

اور جیسے حضرت زکریا علیہ السلام نے خاص اپنے نفس کے لیے دعا کی تھی:

وَ إِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِي وَ كَانَتِ امْرَاَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِي وَ يَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوبَ ۖ وَ اجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝ (مریم:۵۔۶)

اور مجھے اپنے بعد اپنے قرابت داروں سے خطرہ ہے، اور میری اہلیہ بانجھ ہے، سو تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما ۝ جو میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو، اور اے میرے رب! اس کو پسندیدہ بنا ۝

اور جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی تھی:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ (ص:٣٥)

انہوں نے دعا کی: اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو، بے شک تو ہی بہت دینے والا ہے O

اشکالِ مذکور کا بعض شارحین کی طرف سے جواب اور اس پر علامہ طیبی اور علامہ ابن حجر عسقلانی کا تعاقب

مصابیح السنہ کے بعض شارحین نے یہ کہا ہے: ''جان لو کہ انبیاء علیہم السلام کی تمام دعائیں مستجاب ہوتی ہیں، اور اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ ہر نبی نے اپنی امت کے خلاف ہلاکت کی دعا کی مگر میں نے یہ دعا نہیں کی، تو اس دعا کے عوض مجھے شفاعت عطا کی گئی، کیونکہ میں نے اپنی امت کی اذیتوں پر صبر کیا اور امت سے مراد امت الدعوۃ ہے نہ کہ امتِ اجابت۔

علامہ الطیبی نے اس جواب پر تعاقب کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے کئی قبائل کے خلاف دعا کی اور قریش کے معین مردوں کے خلاف آپ نے دعا کی۔ آپ نے رعل اور ذکوان کے خلاف دعا کی اور مضر کے خلاف دعا کی۔

پھر علامہ طیبی نے کہا: زیادہ بہتر یہ ہے کہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کے لیے اس کی امت کے حق میں ایک دعا کو مستجاب کر دیا ہے، پس ہر نبی نے اس کو دنیا میں پا لیا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی بعض امت دعوت کے متعلق دعا کی تو آپ پر یہ آیت نازل ہوئی:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ (آل عمران:١٢٨)

آپ ان میں سے کسی چیز کے مالک نہیں ہیں، اللہ (چاہے تو) ان (کافروں) کی توبہ قبول فرمائے یا وہ ان کو عذاب دے کیوں کہ بے شک وہ ظلم کرنے والے ہیں O

پس وہ دعائے مستجاب آخرت کے لیے ذخیرہ ہو گئی۔ اور غالب یہ ہے کہ آپ نے جن کے خلاف دعا کی آپ نے ان کی ہلاکت کا ارادہ نہیں کیا، آپ کا ارادہ یہ تھا کہ وہ شرک اور کفر سے باز آ کر توبہ کر لیں۔

رہا یہ کہ مصابیح کے بعض شراح نے یہ کہا کہ انبیاء علیہم السلام کی تمام دعائیں مستجاب ہوتی ہیں تو وہ اس حدیث سے غافل ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ سے تین چیزوں کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں مجھے عطا فرما دیں اور ایک چیز سے مجھے منع فرما دیا۔۔۔الحدیث

اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت پر کمالِ شفقت ہے اور مہربانی ہے کہ آپ نے ان کی مصلحتوں کی طرف نظر کرتے ہوئے اپنی مخصوص دعا کو مؤخر کر لیا تا کہ جب امت کو زیادہ ضرورت ہو تو اس موقع پر وہ دعا کی جائے۔ اور یہ جو فرمایا کہ یہ دعا ان شاء اللہ ہر اس امتی کو حاصل ہو گی جس کی وفات اس حال میں ہوئی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بالکل شرک نہ کرتا ہو، آپ کے اس ارشاد میں یہ دلیل ہے کہ جو شرک پر نہیں مرا اس کو دوزخ میں دائمی عذاب نہیں ہو گا، خواہ وہ اس حال میں مرا ہو کہ کبائر پر اصرار کرتا ہو۔ (فتح الباری ج ۷ ص ٣٦٥، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)۔

صحیح البخاری: ۶۳۰۴۔ ۶۳۰۵، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی التوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی اقسام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی حسب ذیل تین اقسام ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اہل محشر کی شفاعت کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ جنت کے لیے شفاعت کریں گے کہ ان کو جنت میں داخل کر دیا جائے۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے چچا ابو طالب کے متعلق تخفیفِ عذاب کی شفاعت، جب آپ کی شفاعت کی وجہ سے صرف اس کے ٹخنوں تک آگ تھی اور اس کی آگ کی دو جوتیاں پہنائی گئیں جس سے اس کا دماغ کھول رہا تھا اور اس کا عذاب تمام اہلِ دوزخ کے عذاب سے کم تھا۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ تیسری قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کافر کے لیے کبھی بھی شفاعت کرے سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، کیونکہ آپ عنقریب ابو طالب کے لیے شفاعت فرمائیں گے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ ابو طالب نے اسلام کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی نصرت کی تھی جیسی نصرت کسی کافر نے نہیں کی، پس اسی لیے آپ کو شفاعت کے ساتھ خاص کر دیا گیا۔

قبولیتِ دعا کی شرائط

(۱) انسان صدقِ دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے، وہ اللہ تعالیٰ سے گڑ گڑا کر سوال کرے اور اللہ تعالیٰ سے مستغنی ہو کر سوال نہ کرے، کیونکہ جب تم نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا اور وہ سوال ایسا تھا کہ جیسے تم اللہ تعالیٰ سے مستغنی ہو اور تمہیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ تمہاری دعا قبول ہوگی یا نہیں ہوگی تو یہ دعا اس لائق ہے کہ اس کو قبول نہ کیا جائے۔ پس ضروری ہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو تم اپنی حاجت کا اظہار کرو اور اپنی احتیاج کا اللہ عزوجل کی طرف اظہار کرو۔

(۲) تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور تم اس دعا کے قبول ہونے کی امید رکھتے ہو اور اس دعا کے قبول ہونے کو مستبعد نہ جانتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کا تجربہ نہ کرنا چاہتے ہو۔ پس جس نے اللہ تعالیٰ سے بہ طور تجربہ دعا کی یا اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور وہ جانتا تھا کہ اس دعا کا قبول ہونا بہت بعید ہے تو اب یہ دعا بھی اس لائق ہے کہ اس کو قبول نہ کیا جائے، اس لیے کہ حدیث میں وارد ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے اس حال میں دعا کرو کہ تمہیں اس دعا کے قبول ہونے کا یقین ہو۔

(۳) دعا میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے، اگر اس نے دعا میں حد سے تجاوز کیا بایں طور کہ ایسی چیز کا سوال کیا جو شروع نہیں ہے یا مقدر نہیں ہے تو یہ بھی دعا کے اندر حد سے تجاوز ہے اور یہ جائز بھی نہیں ہے اور یہ دعا قبول بھی نہیں ہوتی۔

پس جب کسی شخص نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو مجھ سے ظہر کی نماز کی فرضیت کو اٹھالے تو یہ دعا میں تجاوز ہے، اور اگر اس نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! مجھے نبی بنا دے، تو یہ بھی دعا میں حد سے تجاوز ہے، یہ جائز نہیں ہے اور نہ یہ دعا قبول

ہوگی۔ اور دعا میں حد سے تجاوز یہ ہے کہ آدمی کسی شخص کے متعلق ناحق دعا کرے۔ اگر کسی شخص کے متعلق ناحق دعا کی تو وہ بھی قبول نہیں ہوگی۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کے متعلق فرمایا: ہماری دعائیں ان کے متعلق قبول ہوتی ہیں اور ان کی دعائیں ہمارے متعلق قبول نہیں ہوتیں، کیونکہ وہ ظالم ہیں اور ہم حق پر ہیں، اس لیے یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی شخص کسی کے متعلق ناحق دعا کرے۔

(۴) دعا کرنے والا حرام کے کھانے سے اجتناب کرے، اگر اس نے حرام غذا کھائی تو اس کی دعا کا مقبول ہونا بہت بعید ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا کہ ایک مرد لمبا سفر کرتا ہے، اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور غبار آلود ہیں، وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے: اے میرے رب اے میرے رب! اور اس کا کھانا حرام ہے اور اس کا لباس حرام ہے اور اس کو حرام غذا دی گئی ہے، تو آپ نے فرمایا: اس کی دعا کیسے قبول ہوگی؟

خلاصۂ بحث

اس بحث کے خلاصہ میں تین امور ہیں:

مسئلہ: جو شخص حرام غذا کھاتا ہو، کیا اس کی دعا بالکل قبول نہیں ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں! کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی دعا کیسے قبول ہوگی، یہ نہیں فرمایا کہ اس کی دعا قبول نہیں ہوگی۔

جب کوئی شخص مضطر یعنی بے قرار ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی مدح فرمائی ہے کہ وہ مضطر (بے قرار) کی دعا قبول فرماتا ہے:

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْأَرْضِ ۗ ءَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾ (النمل: ۶۲)

(بتاؤ!) جب بے قرار اس کو پکارتا ہے تو اس کی دعا کو کون قبول کرتا ہے اور کون تکلیف کو دور کرتا ہے، اور تم کو زمین پر پہلوں کا قائم مقام بناتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے، تم لوگ بہت کم نصیحت کو قبول کرتے ہو O

جب کوئی شخص مظلوم ہو تو اس کی دعا ظالم کے متعلق قبول ہوتی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''مظلوم کی دعا سے بچنا، کیونکہ اس کی دعا اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا''۔

(شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۴۹۔ ۱۵۰، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۔ بَابُ: أَفْضَلِ الِاسْتِغْفَارِ

مغفرت طلب کرنے کی سب سے افضل دعا

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠﴾ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿١١﴾ وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَّبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ أَنْهٰرًا ﴿١٢﴾ (نوح: ۱۰۔ ۱۲)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''پس میں نے ان سے کہا: تم اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہے O وہ تم پر موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا O اور مالوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے لیے باغات اگائے گا اور تمہارے لیے دریا بہائے گا O''

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ (آل عمران:۱۳۵)

اور جن لوگوں نے جب کوئی بے حیائی کا کام کیا یا اپنی جانوں پر ظلم کیا تو انہوں نے اللہ کو یاد کیا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے، اور انہوں نے دانستہ ان کاموں پر اصرار نہیں کیا O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں سب سے افضل طلب مغفرت کی دعا کا بیان ہے۔ اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اس میں استغفار کی فضیلت ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ امام بخاری کا عنوان ہے ''افضل استغفار''۔ پس اگر تم یہ سوال کرو کہ افضل کا معنی یہ ہے کہ جس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ ہو تو اس کی یہاں پر کیا توجیہ ہے، کیونکہ ثواب تو استغفار کرنے والے کو حاصل ہوگا۔

تو میں کہتا ہوں کہ یہ کلام ایسے ہے جیسے کہا جائے: مکہ افضل ہے مدینہ سے، یعنی مکہ میں عبادت کرنے کا ثواب مدینہ میں عبادت کرنے کے ثواب سے زیادہ ہے۔ پس مراد یہ ہے کہ اس قسم کے استغفار کا ثواب اس سے زیادہ ہے جو اس قسم کے بغیر ہو۔

باب مذکور کی تعلیقات کی شرح از علامہ عینی

امام بخاری نے ان دونوں آیتوں سے یہ اشارہ کیا ہے کہ استغفار کرنا مشروع ہے اور استغفار کرنے پر برانگیختہ کیا ہے۔ اس لیے انہوں نے اس کا عنوان ''افضل استغفار'' قائم کیا ہے۔ اور دوسری آیت سے یہ اشارہ کیا ہے کہ استغفار ہر چیز میں حاصل ہوتا ہے۔ اور اس کی تائید امام ثعلبی کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ ایک مرد حسن بصری رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے قحط سالی کی شکایت کی تو حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو، پھر دوسرا آیا اور اس نے فقر اور تنگدستی کی شکایت کی تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو، اور پھر تیسرا آیا اور اس نے کہا: آپ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بیٹا عطا فرمائے، تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو، پھر ایک اور آیا اور اس نے اپنے باغات کی خشک سالی کی شکایت کی، تو انہوں نے کہا: تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو، ان سے پوچھا گیا کہ آپ کے پاس مختلف قسم کے لوگ مختلف شکایات لے کر آئے اور وہ اپنے معاملات میں سوال کرتے تھے، آپ نے سب کو استغفار کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا: میں نے اپنی طرف سے یہ نہیں کہا بلکہ میں نے اللہ عزوجل کی اس آیت میں غور کیا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا: ''استغفروا ربکم'' ''تم اپنے رب سے استغفار کرو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَوْلِهٖ تَعَالٰى: فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۠ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ (نوح:۱۰۔۱۲)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''پس میں نے ان سے کہا: تم اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہے O وہ تم پر موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا O اور مالوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے لیے باغات اگائے گا اور تمہارے لیے دریا بہائے گا O''

حضرت نوح علیہ السلام نے بارش کے متعلق بھی فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو، اور یہ بھی فرمایا کہ وہ تمہاری بیٹوں اور مال سے مدد فرمائے گا اور یہ بھی فرمایا کہ وہ تمہارے لیے باغات بنادے گا اور تمہارے لیے دریا بہادے گا۔ تو معلوم ہوا کہ ہر قسم کی پیش آمدہ ضرورت میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کیا جائے اور اس سے استغفار کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کو پورا فرمادیتا ہے اور اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳۱-۴۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۳۰۶ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بُرَيْدَةَ قَالَ حَدَّثَنِي بُشَيْرُ بْنُ كَعْبٍ الْعَدَوِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي شَدَّادُ بْنُ أَوْسٍ رضى الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم سَيِّدُ الِاسْتِغْفَارِ أَنْ تَقُولَ اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَأَبُوءُ لَكَ بِذَنْبِي فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ قَالَ وَمَنْ قَالَهَا مِنَ النَّهَارِ مُوقِنًا بِهَا فَمَاتَ مِنْ يَوْمِهِ قَبْلَ أَنْ يُمْسِيَ فَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَنْ قَالَهَا مِنَ اللَّيْلِ وَهُوَ مُوقِنٌ بِهَا فَمَاتَ قَبْلَ أَنْ يُصْبِحَ فَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو معمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الحسین نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن بریدہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے بشیر بن کعب العدوی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ نے از نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ حدیث بیان کی، آپ نے فرمایا: سید الاستغفار یہ ہے کہ تم کہو "اے اللہ تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کیے ہوئے عہد اور تجھ سے کیے ہوئے وعدہ پر اپنی استطاعت کے مطابق قائم ہوں، میں نے جو جو (برے) کام کیے، ان کے شر سے میں تیری پناہ میں آتا ہوں، تیری مجھ پر جو نعمتیں ہیں ان کا میں اعتراف کرتا ہوں اور میں تیرے حضور اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہوں، سو تو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشے گا۔ آپ نے فرمایا: جس نے یہ دعا یقین کے ساتھ صبح پڑھی، پھر وہ اسی دن شام سے پہلے فوت ہو گیا تو وہ اہلِ جنت میں سے ہے۔ اور جس نے یہ دعا رات کو یقین کے ساتھ پڑھی اور پھر وہ صبح ہونے سے پہلے فوت ہو گیا تو وہ اہلِ جنت میں سے ہے۔

(صحیح بخاری: ۶۳۲۳، سنن ترمذی: ۳۳۹۳، سنن نسائی: ۵۵۲۲، مسند احمد: ۱۶۶۶۲)

صحیح البخاری: ۶۳۰۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے''افضل الاستغفار'' اور اس حدیث میں بھی سید الاستغفار کا ذکر ہے، کیونکہ سید اصل میں اس رئیس کو کہتے ہیں جس کا ضروریات اور حاجات میں قصد کیا جاتا ہے اور جس کی طرف معاملات میں رجوع کیا جاتا ہے۔ اور جب کہ یہ دعا توبہ کے تمام معانی کی جامع ہے تو اس کے لیے اس اسم کا استعارہ کیا گیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو قوم کا سید اور سردار ہوتا ہے وہ قوم میں افضل ہوتا ہے، اور یہ دعا بھی تمام دعاؤں کی سید اور سردار ہے اور وہ استغفار ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابومعمر، یہ عبداللہ بن عمرو بن ابی الحجاج المنقری المقعد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالوارث، یہ ابن سعید العنبری البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحسین، یہ ابن ذکوان المعلم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن بریدہ، یہ ابن الحصیب الاسلمی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بشیر بن کعب، یہ العدوی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بن ثابت بن المنذر بن الحرام الانصاری، یہ حضرت حسان بن ثابت الشاعر رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں اور حضرت شداد جلیل القدر صحابی ہیں۔ یہ شام میں چلے گئے تھے اور ان کی کنیت ابویعلیٰ ہے اور ان کے والد کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ اور امام بخاری نے حضرت شداد رضی اللہ عنہ کی صرف یہی حدیث ذکر کی ہے۔

اس حدیث کی امام نسائی نے استعاذہ کے باب میں روایت کی ہے اور''عمل الیوم واللیلۃ'' میں بھی روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''سید الاستغفار''۔ اس پر یہ سوال کیا گیا ہے کہ اس دعا کو سید الاستغفار قرار دینے کی کیا حکمت ہے؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ نام اور اس کی دیگر امثال تعبدیات میں سے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی ان کو زیادہ جاننے والا ہے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کے اکمل اوصاف سے ہے اور اپنا ذکر انقص حالات سے ہے۔ اور یہ انتہائی عاجزی اور تواضع ہے، جس عاجزی اور تواضع کا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی مستحق نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''وانا علی عھدک ما استطعت'':

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ بندہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ میں نے تجھ سے جو عہد کیا ہے اور تجھ پر ایمان لانے کا جو وعدہ کیا ہے اور اچھے طریقہ سے تیری اطاعت کرنے کا جو وعدہ کیا ہے تو میں اس پر حتی المقدور قائم رہوں گا۔ اور اس میں استطاعت کی شرط اس لیے ہے کہ بندہ اپنے عجز کا اور قصور کا اعتراف کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا کماحقہٗ حق ادا نہیں کر سکتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''وانا علی عھدک ووعدک'' اس عہد سے مراد وہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے نکالا تو وہ چیونٹیوں کی مثل تھے اور ان بندوں کو ان کے نفسوں پر گواہ کر کے پوچھا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے اس کی ربوبیت کا اقرار کیا اور اس کی وحدانیت کا اقرار کیا۔ اور''میں تیرے وعدہ پر قائم ہوں'' یعنی وہ وعدہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بندوں کے ساتھ کیا تھا کہ جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا ہوگا

اور اس نے اللہ تعالیٰ کے فرض کیے ہوئے کاموں کو ادا کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جو کام اس پر فرض کیے گئے تھے اس نے اس کو ادا کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ابوء لك بنعمتك علیَّ"۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: اس سے بندہ اعتراف کا ارادہ کرتا ہے، کہا جاتا ہے "باء فلان بذنبه" جب کسی شخص نے کسی چیز کو اٹھایا جس کو اپنے نفس سے دور کرنے کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔

علامہ الطیبی نے کہا ہے: بندہ نے پہلے یہ اعتراف کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر انعام کیا ہے اور انعام کو مقید نہیں کیا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تمام نعمتوں کو شامل ہو جائے۔ پھر اپنے نفس کی تقصیر اور کمی کا اعتراف کیا کہ اس نے ان نعمتوں کا پورا شکر ادا نہیں کیا۔ پھر اس میں مبالغہ کیا اور شکر کے ادا نہ کرنے کو گناہ قرار دیا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "من قالها من النهار موقنا" جس نے دعا کے ان کلمات کو اخلاصِ قلب کے ساتھ کہا اور ان کلمات کے ثواب کی تصدیق کرتے ہوئے کہا تو وہ اہل جنت میں سے ہے۔ امام نسائی کی روایت میں ہے کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اور عثمان بن ربیعہ کی روایت میں ہے: جس نے یہ کلمات کہے اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ مومن ان دعائیہ کلمات کو نہ کہے پھر بھی وہ اہلِ جنت میں سے ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دعائیہ کلمات کہنے والا جنت میں ابتداءً داخل ہو جائے گا بغیر اس کے کہ وہ دوزخ میں داخل ہو، کیونکہ غالب یہ ہے کہ جو ان کلمات کی حقیقت پر یقین رکھتا ہو وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتا۔ یا اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو اس استغفار کی برکت سے معاف فرما دے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳۲۔ ۴۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

استغفار کا معنی، اس کا حکم اور اس معنی میں مروی دیگر احادیث

استغفار ان گناہوں کو مٹا دیتا ہے جو گناہ اس کے مرتکب کی جان اور مال میں کسی حکم کو واجب نہیں کرتے خواہ اس کا گناہ کبائر میں سے ہو۔ لیکن جس نے اپنی جان اور مال میں کسی حکم کو واجب کر لیا ہے کسی گناہ کے کرنے کی وجہ سے تو پھر یہ استغفار اس کے لیے کافی نہیں ہوتا جب تک کہ اس حکم کو قائم نہ کیا جائے اور وہ بندہ اس حکم سے باہر نہ ہو جائے۔

حدیث میں ہے: از بلال بن یسار بن زید از والد خود از جد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کہا: "استغفر الله الذی لا اله الا هو الحی القیوم و اتوب الیه" اس کے گناہوں کو بخش دیا جائے گا خواہ وہ میدانِ جہاد سے پیٹھ دے کر بھاگا ہو۔ (سنن ابوداؤد: ۱۵۱۷، سنن ترمذی: ۳۵۷۷)

کیونکہ جہاد سے بھاگنا اگرچہ کبائر میں سے ہے، لیکن یہ ان گناہوں میں سے ہے جو اس کے مرتکب پر اس کے جان اور مال میں سے کسی حکم کو واجب نہیں کرتے، اور اللہ تعالیٰ مالک ہے کہ وہ معاف فرما دے یا درگزر فرمائے ہر اس گناہ سے جو شرک کے علاوہ ہو، کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۗ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۞ (آل عمران: ۱۳۵)

اور جن لوگوں نے جب کوئی بے حیائی کا کام کیا یا اپنی جانوں پر ظلم کیا تو انہوں نے اللہ کو یاد کیا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے، اور انہوں نے دانستہ ان کاموں پر اصرار نہیں کیا○

نیز حدیث میں ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ تعالیٰ مجھ کو اس حدیث سے وہ نفع عطا فرماتا جو نفع مجھے عطا فرمانا چاہتا۔ اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کوئی مرد مجھے حدیث بیان کرتا تو میں اس سے حلف طلب کرتا، پس جب وہ حلف اٹھالیتا تو میں اس کی تصدیق کرتا۔ اور مجھ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو مرد کوئی گناہ کرلے، پھر وہ کھڑا ہو کر وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے، پھر اللہ عزوجل سے استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے، پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۗ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۞ (آل عمران: ۱۳۵)

اور جن لوگوں نے جب کوئی بے حیائی کا کام کیا یا اپنی جانوں پر ظلم کیا تو انہوں نے اللہ کو یاد کیا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے، اور انہوں نے دانستہ ان کاموں پر اصرار نہیں کیا○

(سنن ابوداؤد: ۱۵۲۱، سنن ترمذی: ۴۰۶، سنن ابن ماجہ: ۱۳۹۵، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۰۲۵۰)

گناہ پر اصرار کا معنی

اس آیت میں مذکور ہے "وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا" یعنی انہوں نے جو گناہ کرلیا ہے اس پر اصرار نہ کریں۔ مجاہد نے بیان کیا کہ اس کا معنی ہے: اس گناہ پر جاری نہ رہیں۔ اور معروف یہ ہے کہ اصرار اس وقت کہا جاتا ہے جب آدمی کسی کام پر دوام کرے۔

اور حدیث میں ہے:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے گناہ کے بعد استغفار کرلیا اس نے اصرار نہیں کیا خواہ وہ دن میں ستر مرتبہ بھی اس گناہ کا ارتکاب کرے۔

(سنن ابوداؤد: ۱۵۱۴، سنن ترمذی: ۳۵۵۹، مسند ابویعلیٰ: ۱۳۷، سنن بیہقی: ج ۱۰ ص ۱۸۸)

نیز اس آیت میں مذکور ہے "وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ" یعنی ان کو یہ علم ہو کہ وہ اس گناہ سے توبہ کر چکے ہیں۔

حدیث مذکور کے الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "وانا علی عهدك ووعدك ما استطعت" یعنی وہ عہد جو اللہ تعالیٰ نے بندوں سے ان کی اصل تخلیق کے وقت لیا جب بندوں کو ان کے آباء کی پشتوں سے نکالا اس وقت وہ چیونٹیوں کی مثل تھے اور ان کو ان کے نفسوں پر گواہ کیا اور فرمایا "الست بربکم؟" (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) انہوں نے کہا "بلیٰ" (کیوں نہیں) تو بندوں نے اپنے تخلیق کے اندر

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کی وحدانیت کا اقرار کر لیا۔ اور وعدہ سے مراد یہ وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زبانِ رسالت سے ان کے ساتھ یہ وعدہ کیا ہے کہ جو ان میں سے اس حال میں مر گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے فرائض کو ادا کرتا ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل فرما دے گا۔

پس ہر مومن کو چاہیے کہ وہ اللہ عزوجل سے یہ دعا کرے کہ وہ اسی عہد پر اس کا خاتمہ کر دے اور اس کو ایمان پر وفات دے، تاکہ وہ اس اجر کو حاصل کرلے جس کا اللہ عزوجل نے وعدہ فرمایا ہے۔ اور اس قسم کی دعا انبیاء علیہم السلام نے اپنے رب سے کی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی:

وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ (ابراہیم: ۳۵) اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی پرستش کرنے سے محفوظ رکھ O

اور حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کی:

تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ (یوسف: ۱۰۱) مجھے (دنیا سے) مسلمان اٹھانا، اور مجھے نیک بندوں کے ساتھ ملا دینا O

اور ہمارے نبی علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے یہ دعا کی:

''اور جب تو کسی قوم کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کرے تو مجھے تو اپنی طرف اٹھا لینا اس حال میں کہ میں فتنہ میں مبتلا نہ ہوں''۔

(المستدرک ج ۱ ص ۵۲۷)

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''انا علی عهدك ووعدك ما استطعت'' یعنی میں اپنی استطاعت کے مطابق تجھ سے کیے ہوئے عہد اور تجھ سے کیے ہوئے وعدہ پر قائم ہوں، کیونکہ کوئی شخص بھی اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کیے ہوئے تمام احسانات کے مطابق اس کی عبادت کرے اور نہ کوئی اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت کر سکتا ہے اور نہ اس کی تمام نعمتوں پر شکر ادا کر سکتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بہت زیادہ ہیں، ان کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً۔ (لقمان: ۲۰) اور اس نے اپنی تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ کی تمام ظاہری نعمتوں کا شکر بھی ادا کون کر سکتا ہے چہ جائیکہ اس کی تمام باطنی نعمتوں کا بھی شکر ادا کرے۔ تو اس میں بندہ اپنے عجز اور قصور کا اعتراف کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پورا حق ادا نہیں کر سکتا۔

دعاءِ مذکور کو استغفار کہنے پر ایک اعتراض کا جواب

اگر تم یہ کہو کہ اس دعا میں لفظِ استغفار کہاں ہے، حالانکہ شارع علیہ السلام نے اس دعا کا نام سید الاستغفار رکھا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عرب کی زبان میں استغفار کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ سے مغفرت کو طلب کرنا اور اللہ تعالیٰ سے اپنے پچھلے گناہوں کی مغفرت کا سوال کرنا اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا۔ اور ہر وہ دعا جس میں یہ معانی ہوں تو وہ استغفار ہے، حالانکہ اس حدیث میں لفظِ استغفار بھی ہے اور وہ بندہ کا یہ قول ہے ''سو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشتا''۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۸۴۔۱۸۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں جو امور تحریر فرمائے ہیں ان میں سے اکثر وہ ہیں جن کو علامہ ابن ملقن اپنی شرح التوضیح میں لکھ چکے ہیں اور ان میں سے تقریباً تمام کو ہم نے نقل کر دیا ہے۔ تاہم پھر بھی حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح کی چند امور قابل ذکر ہیں۔

فضیلتِ استغفار کے متعلق دیگر احادیث

امام احمد نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابلیس نے کہا: اے میرے رب! میں ہمیشہ لوگوں کو گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کی روحیں ان کے جسموں میں ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری عزت کی قسم! میں ہمیشہ ان کی مغفرت کرتا رہوں گا جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے۔

اور ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے استغفار کر لیا اس نے اصرار نہیں کیا خواہ وہ ایک دن میں ستر مرتبہ اس گناہ کو دہرائے۔

اس حدیث میں ستر مرتبہ کا ذکر مبالغہ کے لیے ہے، ورنہ کتاب التوحید میں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت آ رہی ہے اس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک بندہ نے گناہ کیا، پس کہا: اے میرے رب! میں نے ایک گناہ کیا ہے سو تو مجھ کو معاف فرما دے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف فرما دیا۔ الحدیث۔ اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ اس بندہ کو معلوم تھا کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ کو معاف فرماتا ہے اور گناہ پر مواخذہ بھی فرماتا ہے، تم جو چاہو کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔

صحیح البخاری: ۶۳۰۶ میں مذکور ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سید الاستغفار یہ ہے کہ تم کہو: اے اللہ تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کئے ہوئے عہد پر اور تجھ سے کیے ہوئے وعدہ پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں، میں ان کاموں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو میں نے کئے اور تیری جو مجھ پر نعمتیں ہیں ان کا میں اعتراف کرتا ہوں اور میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں، سو تو مجھے بخش دے کیونکہ گناہوں کو بخشنے والا تیرے سوا اور کوئی نہیں ہے، اور جس نے یہ دعائیہ کلمات یقین کے ساتھ دن میں کہے اور اسی دن وہ شام سے پہلے فوت ہو گیا تو وہ اہلِ جنت میں سے ہے، اور جس نے رات کو یہ دعائیہ کلمات یقین کے ساتھ کہے اور وہ صبح ہونے سے پہلے فوت ہو گیا تو وہ اہلِ جنت میں سے ہے۔

سید الاستغفار کو سید الاستغفار کہنے کی توجیہ

علامہ ابن ابی جمرہ نے بیان کیا کہ اس حدیث میں بدیع، معانی اور حسین الفاظ کو جمع کر دیا گیا ہے، اس وجہ سے اس استغفار کا یہ حق ہے کہ اس کو سید الاستغفار کا نام دیا جائے، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدت کا اقرار ہے اور بندہ کی عبودیت کا اعتراف ہے اور یہ ماننا ہے کہ وہی خالق ہے اور اس اقرار کا عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں سے لیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی امید ہے اور بندہ کی طرف سے جو برے کام ہو گئے ان کے شر سے پناہ کا ذکر ہے، اور نعمتوں کی اضافت ان کے موجد کی طرف ہے

اور گناہ کی اضافت اپنے نفس کی طرف ہے اور اللہ کی مغفرت میں رغبت ہے اور یہ اعتراف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس مغفرت کے اوپر اور کوئی قادر نہیں ہے اور ان تمام چیزوں میں شریعت اور حقیقت کے اجتماع کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ تکالیفِ شرعیہ اسی وقت حاصل ہوتی ہیں جب اس میں اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال ہو اور اتنی قدر حقیقت میں بھی ہوتی ہے۔ پس اگر یہ اتفاق ہو کہ بندہ نے اس کے خلاف کیا حتیٰ کہ اس پر وہ چیز جاری ہوگئی جو اس کے لیے مقدر کی گئی ہے اور اس کے خلاف حجت قائم ہوگئی تو پھر دو چیزوں میں سے ایک چیز باقی رہے گی، یا تو اللہ تعالیٰ کے عدل کے تقاضا سے اس کو سزا ہوگی یا اللہ تعالیٰ کے فضل کے تقاضا سے اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمادے گا۔

اور نیز استغفار کی شرائط میں سے یہ ہے کہ نیت صحیح ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہو اور ادب ہو۔ پس اگر کسی ایک نے ان شرائط کو حاصل کر کے استغفار کیا خواہ یہ الفاظِ مذکورہ نہ ہوں اور دوسرے الفاظ سے استغفار کیا، یا اس نے ان شرائط کو پورا نہیں کیا تو کیا یہ دونوں امر برابر ہیں؟ پس جواب یہ ہے کہ جو چیز زیادہ ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ یہ الفاظ جو اس حدیث میں ذکر کیے گئے ہیں، یہی سید الاستغفار ہیں جب کہ ان شروطِ مذکورہ کے ساتھ یہ الفاظ ادا کیے جائیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۶۷۔ ۳۶۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۶، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

استغفار کا معنی ہے: مغفرت کو طلب کرنا اور مغفرت دو چیزوں کو متضمن ہے:

ایک ہے گناہ کو ستر کرنا اور اس پر پردہ رکھنا اور دوسری چیز ہے گناہ سے درگزر کرنا اور اس پر عذاب نہ دینا، کیونکہ یہ لفظ ماخوذ ہے مِغفر سے، اور مغفر خود کو کہتے ہیں جو جنگ کے موقع پر سر پر لوہے کی ایک ٹوپی پہنی جاتی ہے اور اس سے سر کی حفاظت ہوتی ہے، پس جب تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہو کہ اے اللہ میری مغفرت فرما تو تم اللہ تعالیٰ سے دو چیزوں کا سوال کرتے ہو، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو لوگوں سے چھپائے اور دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں پر مواخذہ نہ فرمائے اور ان کو معاف فرمادے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اقوال کی جن قائلین کی طرف نسبت کی ہے، اس کی تحقیق

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ (نوح: ۱۰۔۱۱)

''پس میں نے ان سے کہا: تم اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہے O وہ تم پر موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا O

اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں حضرت نوح علیہ السلام کی طرف یہ نسبت کی ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے یہ کہا کہ تم اپنے رب سے استغفار کرو وہ بہت بخشنے والا ہے، وہ تم پر موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا۔ حالانکہ حضرت نوح علیہ السلام نے بعینہٖ یہ الفاظ نہیں کہے تھے، کیونکہ لغتِ عربی حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حادث ہوئی ہے اور حضرت نوح علیہ السلام کی لغت عربی نہیں تھی، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس قول کی ان کی طرف نسبت کی، جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلٰى بَارِئِكُمْ۔ (البقرہ: ۵۴)

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی امت سے کہا: اے میری امت! بے شک تم نے بچھڑے کو (معبود) بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، پس تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف توبہ کرو۔

حالانکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے بعینہٖ یہ الفاظ نہیں فرمائے تھے۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ أَقْتُلْ مُوسٰى۔ (المومن: ۲۶)

اور فرعون نے کہا: مجھے موسیٰ کو قتل کرنے دو۔

حالانکہ فرعون نے بھی بعینہٖ یہ الفاظ نہیں کہے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے: چونکہ ان قائلین نے اپنے اپنے زمانہ کی زبانوں میں جو الفاظ کہے تھے ان الفاظ کے معانی کو اللہ تعالیٰ نے لغتِ عربی میں نقل فرما دیا۔

لفظِ غفار کا معنی

اس آیت میں ارشاد ہے "اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۖ إِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝":

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ حکم دیا کہ وہ اللہ عزوجل سے استغفار کریں اور اس کی علت یہ بیان کی کہ اللہ تعالیٰ غفار ہے، اور غفار مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ لازمہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے کے ساتھ متصف ہے ازلاً اور ابداً اور بہت مغفرت کرنے والا ہے۔

اعترافِ معصیت کی فضیلت

حدیث سید الاستغفار میں مذکور ہے کہ "میں اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہوں"۔

کیونکہ ہر انسان سے کوئی نہ کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بنی آدم خطا کار ہے اور خطا کاروں میں بہترین وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں، اور ہمارے گناہ بہت ہوتے ہیں۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ ہمارے گناہ ہماری طاعت سے زیادہ ہیں تو ہم اس میں صادق ہوں گے، کیونکہ ہماری عبادات گناہوں کے ساتھ مخلوط ہوتی ہیں۔ پس وہ کون ہے جو اپنی طاعت اور عبادت کو بر طریقِ مطلوب کر سکے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ۔ (ہود: ۱۱۴)

بے شک نیکیاں، گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔

سو ہماری خطائیں بہت ہیں، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کرنے کی تعلیم اور تلقین کی کہ میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں، سو تو مجھے معاف فرما اور تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف فرمانے والا نہیں ہے۔ اور یہ حدیث اس وجہ سے سید الاستغفار ہے، کیونکہ اس میں توحید ہے اور گناہ کا اعتراف ہے اور ایمان کی تقریر ہے اور اللہ کی نعمتوں کا اعتراف ہے۔ اور یہ اس سے زیادہ بلیغ ہے کہ آدمی صرف یہ کہے کہ "اللھم اغفرلی" اسی وجہ سے اس کو سید الاستغفار فرمایا ہے۔

(شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۵۱۔ ۱۵۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳- بَابُ: اسْتِغْفَارِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ

دن اور رات میں نبی ﷺ کے مغفرت طلب کرنے کا بیان

اس باب میں دن اور رات میں نبی ﷺ کے استغفار کرنے کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے۔

۶۳۰۷- حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ وَاللهِ إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً۔

(سنن ترمذی: ۳۲۵۹، سنن ابن ماجہ: ۳۸۱۶، مسند احمد: ۷۷۳۴)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے خبر دی، انہوں نے بتایا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اور اللہ کی قسم! بے شک میں دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔

صحیح البخاری: ۶۳۰۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں باب کے عنوان کے اجمال کی وضاحت کر دی ہے، کیونکہ باب کے عنوان میں نبی ﷺ کے استغفار کی مقدار کا بیان نہیں تھا، اور اس حدیث میں بیان کیا ہے کہ آپ دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کیا کرتے تھے۔

نبی ﷺ کے معصوم ہونے کے باوجود آپ کے استغفار کرنے کی توجیہ

نبی ﷺ معصوم اور مغفور ہیں، اس کے باوجود آپ ستر مرتبہ سے زیادہ ایک دن میں استغفار فرماتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا عبادت ہے، تو آپ بطور عبادت کے استغفار فرماتے تھے، یا آپ امت کی تعلیم کے لیے استغفار کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کتنی مرتبہ استغفار کرے، یا جو کام آپ کسی حکمت کی وجہ سے ترکِ اولیٰ کرتے تو وہ اگرچہ گناہ نہیں ہے لیکن اس کے باوجود آپ اس پر استغفار فرماتے، یا آپ تواضعاً استغفار کرتے تھے، یا جو کام آپ سے سہواً سرزد ہو گئے آپ ان پر استغفار کرتے تھے، یا اعلانِ نبوت سے پہلے جو کام آپ نے کیے آپ ان پر استغفار کرتے تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ امت کی مصلحت کے کاموں میں مشغول رہتے تھے اور دشمنانِ اسلام سے جہاد میں مصروف رہتے تھے اور نو مسلموں کی تالیف میں مصروف رہتے تھے، اور اس طرح کے اور ایسے کاموں میں مشغول رہتے تھے جو آپ کو اپنے عظیم مقام کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے مشغول رکھتے تھے، تو آپ اپنے مقامِ عالی کے اعتبار سے ان کاموں کو گناہ قرار دیتے، اگرچہ یہ کام عظیم طاعات میں سے ہیں اور افضل اعمال میں سے ہیں۔ لیکن ان کاموں میں بلند درجہ سے نزول ہوتا ہے اس لیے آپ ان پر استغفار فرماتے تھے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ اپنے احوال میں دائماً ترقی کرتے تھے۔ پس جب آپ دیکھتے کہ آپ کا کیا ہوا پہلا کام کم درجہ کا

ہے تو آپ اس پر استغفار کرتے، جیسے کہا گیا ہے "حسنات الابرار سیئات المقربین" (نیکوں کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ کے حکم میں ہوتی ہیں)۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ طبیعت میں غفلات طاری ہوتی ہیں جو استغفار کی محتاج ہوتی ہیں۔

اور علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے: بشر کی طبعی ہفوات سے کوئی محفوظ نہیں ہے اور انبیاء علیہم السلام اگرچہ کبائر سے معصوم ہوتے ہیں، لیکن وہ صغائر سے معصوم نہیں ہوتے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ انبیاء علیہم السلام صغائر اور کبائر تمام سے نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد معصوم ہوتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے "میں اللہ تعالیٰ سے ایک دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا ہوں"۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس میں مبالغہ ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے معین عدد مراد ہو۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا ہوں" یہ ہوسکتا ہے کہ یہ اس روایت کی تفسیر ہو جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں اللہ عزوجل سے ایک دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

اور امام نسائی نے از ابی سلمہ روایت کی ہے کہ میں اللہ عزوجل سے استغفار کرتا ہوں اور ایک دن میں سو مرتبہ اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: انبیاء علیہم السلام کا استغفار کرنا ان کے درجات میں اضافہ اور بلندی کے لیے ہوتا ہے۔ و نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کرنا اس لیے نہیں تھا کہ آپ سے کوئی گناہ ہوا تھا اور آپ اس پر استغفار کرتے تھے، بلکہ آپ کا استغفار آپ کے درجات کی بلندی کے لیے ہوتا تھا۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۷، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین کا بہ کثرت استغفار کرنا

تمام بندوں میں سب سے زیادہ عبادت کی کوشش کرنے والے انبیاء علیہم السلام ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنی معرفت رکھی ہے۔ پس وہ ہمیشہ اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں اور عبادت میں اپنی تقصیر کا اعتراف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔

مکحول نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے کسی ایک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ استغفار کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

مکحول بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو استغفار کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور مکحول خود بھی بہ کثرت استغفار کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم صبح کے وقت ستر مرتبہ استغفار کریں۔

اور ابواسحاق نے از مجاہد از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، میں نے سنا کہ آپ یہ دعا کر رہے تھے، آپ نے کھڑے ہونے سے پہلے سو مرتبہ یہ دعا کی:

استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم و اتوب الیہ۔ میں اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور وہ ہمیشہ زندہ ہے اور ہمیشہ قائم ہے اور میں اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ وہ اپنے گھر والوں سے بہت تیز زبان سے بات کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: اے حذیفہ! تم السحاق سے بے خبر ہو (یعنی مٹانے والی چیزیں)۔ انہوں نے پوچھا: وہ مٹانے والی چیزیں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: الاستغفار۔ میں اللہ تعالیٰ سے ایک دن میں ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت فرمایا جب ان پر منافقین نے تہمت لگائی تھی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم سے کسی گناہ کا ارتکاب ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور اس کی طرف توبہ کرو، کیونکہ گناہ سے توبہ کرنا ندامت ہے اور استغفار ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات سے پہلے بہ کثرت پڑھتے تھے "سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ واتوب الیہ"۔ میں نے آپ سے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا: مجھے میرے رب نے خبر دی ہے کہ میں عنقریب اپنی امت میں ایک علامت کو دیکھوں گا، پس جب آپ اس علامت کو دیکھیں تو بہ کثرت یہ پڑھا کریں، پس میں نے وہ علامت دیکھی، اور وہ علامت یہ ہے:

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ ﴿۱﴾ (النصر:۱) جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے ○

(یعنی اس آیت میں آپ کی وفات کی علامت کا ذکر ہے)۔

اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: جو مسلمان تین مرتبہ اس طرح استغفار کرتا ہے "استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم و اتوب الیہ" تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں خواہ اس کے گناہ سمندر کی جھاگ سے زیادہ ہوں اور خواہ وہ میدانِ جہاد سے پیٹھ موڑ کر بھاگا ہو۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بہ کثرت پڑھتے تھے "الحمد للہ و استغفر اللہ" ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: یہ نعمت ہے، تو میں اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں، اور اگر یہ خطا ہے تو میں اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔

اور عمر بن عبدالعزیز نے کہا: میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا گویا کہ وہ ایک باغ میں ہیں، میں نے ان سے پوچھا: آپ نے اپنے کون سے عمل کو افضل پایا؟ تو انہوں نے کہا: الاستغفار۔

اور ابوعثمان نے از سلیمان روایت کی ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ سے وسعت اور کشادگی میں دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر مصیبت اور بلاء نازل فرما دیتا ہے، وہ پھر دعا کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں: یہ ایک کمزور مرد کی معروف آواز ہے جواب کمزور ہو چکا ہے، پھر وہ اس کی شفاعت کرتے ہیں اور جب کوئی بندہ وسعت اور کشادگی میں زیادہ دعائیں نہیں کرتا اور اس پر مصیبت نازل ہوتی

ہے اور پھر وہ دعا کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں: یہ ایک کمزور مرد کی اجنبی آواز ہے، وہ اس کی شفاعت نہیں کرتے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۷۳-۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہ کثرت استغفار کرنے کی متعدد توجیہات

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ کثرت استغفار کر کے اپنی امت کو استغفار کے طریقہ کی تعلیم کی اور یہ بتایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے خضوع اور خشوع پیش کریں اور عبودیت کا اظہار کریں اور اپنی تقصیر کا اعتراف کریں، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نقص سے بری ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو گے اور زیادہ روؤ گے۔

(صحیح البخاری: ۱۰۴۴ (کتاب الکسوف باب الصدقۃ فی الکسوف)، صحیح مسلم: ۹۰۱ (کتاب صلوٰۃ الکسوف، باب صلوٰۃ الکسوف))

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ استغفار کرنا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے تھا، حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے لیے یا نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ کے دونوں قدم سوج جاتے، آپ سے کہا جاتا: آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں، تو آپ فرماتے: کیا میں اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر کرنے والا بندہ نہ بنوں۔

(صحیح بخاری: ۱۱۳۰، صحیح مسلم: ۲۸۱۹، سنن ترمذی: ۴۱۲، سنن نسائی: ۱۶۴۴، سنن ابن ماجہ: ۱۴۱۹، مسند احمد: ۱۷۷۴۴)

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ استغفار اس لئے کرتے تھے کہ آپ تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے اور آپ تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جاننے والے تھے، حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: وہ بیان کرتے ہیں کہ تین آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے گھروں میں گئے اور ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق دریافت کیا، پس جب ان کو خبر دی گئی تو گویا کہ انہوں نے اس عبادت کو کم سمجھا، سو انہوں نے کہا: کہاں ہم اور کہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے آپ کی تو اگلی پچھلی تمام ظاہری خطاؤں کی معافی فرما دی ہے، پس ان میں سے ایک نے کہا کہ رہا میں، تو میں ہمیشہ رات بھر نمازیں پڑھوں گا، اور دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ ساری عمر روزے رکھوں گا اور کوئی روزہ نہیں چھوڑوں گا اور تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی بھی نکاح نہیں کروں گا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ نے فرمایا: تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے اس طرح اور اس طرح کہا ہے، سنو! اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور میں تم سب سے زیادہ متقی ہوں لیکن میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور روزہ چھوڑتا بھی ہوں اور میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور رات کو سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، سو جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہوگا۔ (صحیح بخاری: ۵۰۶۳، صحیح مسلم: ۱۴۰۱، سنن نسائی: ۳۲۱۷، مسند احمد: ۱۳۶۳۱)

علامہ ابن الجوزی مالکی کی بیان کردہ توجیہ پر علامہ ابن الملقن الشافعی کا تعاقب

(۴) ہم نے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کثرت استغفار کی توجیہات بیان کی ہیں وہ اس سے کہیں اولیٰ ہیں جو ابن الجوزی نے بیان کی ہیں۔ انہوں نے کہا: ھفوات الطبع (طبیعتوں کی خرابی) سے کوئی شخص سلامت نہیں ہے، سو انبیاء علیہم السلام اگر چہ کبائر سے معصوم ہوتے ہیں لیکن وہ صغائر سے معصوم نہیں ہوتے اور ان کی طبیعت پر غفلات طاری ہوتے ہیں، اس وجہ سے وہ استغفار کی طرف محتاج ہوتے ہیں۔

علامہ ابن الجوزی کا یہ قول غلط ہے، کیونکہ مختار مذہب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کبائر اور صغائر دونوں سے معصوم ہوتے ہیں اور ان کی فطرت پاکیزہ ہوتی ہے۔

کثرتِ استغفار کے متعلق بعض دیگر علماء کی بیان کردہ توجیہات

(۵) بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ترقی کرتے رہتے تھے، پس جب وہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ترقی کرتے تو اس سے پہلے کے حال کو کم خیال فرماتے اور اس سے استغفار کرتے، جیسا کہ کہا گیا ہے "حسنات الابرار سیئات المقربین" (نیکوں کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ کے حکم میں ہوتی ہیں)۔

یہ ابوسعید الخراز کا قول ہے جیسا کہ خطیب بغدادی نے اس کی اپنی تاریخ میں روایت کی ہے۔(ج ۴ ص ۲۷۶) اور حافظ ابن عساکر نے اس قول کی تاریخ دمشق ج ۵ ص ۱۳۷ میں روایت کی ہے۔ اور بعض لوگوں نے اس قول کو حدیث گمان کیا ہے۔ اسی وجہ سے شیخ شوکانی نے اپنی کتاب "الفوائد المجموعه" میں اس کو وارد کیا ہے اور اس کو ابن عساکر کی طرف منسوب کر کے رد کیا ہے۔

(۶) بعض علماء نے بیان کیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کی شان یہ تھی کہ آپ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہتے لیکن بعض اوقات دیگر معاملات میں مصروف ہونے کی وجہ سے آپ کا ذکر منقطع ہو جاتا، یا آپ امت کی اصلاح کی فکر میں رہتے اور ذکر میں منہمک نہ ہو سکتے۔ تو اس انقطاعِ ذکر کی وجہ سے آپ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے۔

(۷) اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تمام بندوں میں سے سب سے زیادہ عبادت کی کوشش کرنے والے انبیاء علیہم السلام ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنی معرفت رکھی ہے، پس وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور اپنی تقصیر کا اعتراف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ استغفار کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور مکحول نے کہا: میں نے کسی شخص کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ استغفار کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

اور مکحول بھی بہ کثرت استغفار کرتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں امر کیا گیا کہ ہم صبح کے وقت ستر مرتبہ استغفار کیا کریں۔

(المعجم الاوسط للطبرانی: ۹۴۸۴، علامہ نورالدین الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ نے کہا: اس حدیث کی سند میں حسن بن ابی جعفر راوی ہے اور وہ متروک ہے۔ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۰۹)

ابواسحاق از مجاہد از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو میں نے سنا آپ قیام سے پہلے سو مرتبہ یہ دعا کر رہے تھے: "استغفر الله الذی لا اله الا هو الحی القیوم و اتوب الیه"۔

(الادب المفرد للبخاری: ۶۲۷، الطبرانی: ۱۳۵۳۲، ان دونوں کتابوں میں یہ عبارت ہے'' کہ آپ مجلس میں سو مرتبہ یہ استغفار کرتے: اے میرے رب میری مغفرت فرما، میری توبہ قبول فرما اور مجھ پر رحم فرما بے شک تو توبہ قبول فرمانے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شکایت کی کہ ان کی زبان ان کے اہل کے اوپر تیز ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حذیفہ! تم مٹانے والی چیزوں سے کہاں ہو، انہوں نے پوچھا: یارسول اللہ وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: الاستغفار، بے شک میں اللہ تعالیٰ سے دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا ہوں۔

(مصنف ابن شیبہ: ۲۹۴۳۲، سنن کبریٰ للنسائی ج ۶ ص ۱۱۷، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ج ۱ ص ۲۷۶)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت فرمایا جب منافقین نے ان پر تہمت لگائی تھی: ''اے عائشہ! مجھے تمہارے متعلق اس طرح کی اور اس طرح کی بات پہنچی ہے، پس اگر تم بری ہو تو عنقریب تم کو اللہ تعالیٰ بری کر دے گا، اور اگر تم نے گناہ کر لیا ہے تو تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور اس کی طرف توبہ کرو، کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے، پھر اس پر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے''۔ (صحیح بخاری: ۲۶۶۱، صحیح مسلم: ۲۷۷۰، مسند احمد: ۲۵۰۹۵)

اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: جو مسلمان بھی تین مرتبہ یہ دعا کرتا ہے: ''استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ'' تو اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں خواہ اس کے گناہ سمندر کی جھاگ سے زیادہ ہوں اور خواہ وہ میدان جہاد سے پیٹھ موڑ کر بھاگا ہو اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بہ کثرت یہ دعا کرتے تھے ''الحمد للہ واستغفر اللہ'' ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا: اگر یہ نعمت ہے پس میں اللہ تعالیٰ کی اس پر حمد کرتا ہوں اور اگر یہ گناہ ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔

اور عمر بن عبدالعزیز نے کہا: میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا گویا کہ وہ باغ میں ہیں، تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے اپنے کس عمل کو سب سے افضل پایا تو انہوں نے کہا: استغفار۔

اور ابوعثمان نے از حضرت سلمان رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ سے وسعت اور کشادگی میں دعا کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس پر کوئی مصیبت نازل کرتا ہے، پس وہ پھر دعا کرتا ہے تو فرشتے اس سے کہتے ہیں: یہ ایک مرد ضعیف کی آواز ہے جو جانی پہچانی ہے، پھر وہ اس کی سفارش کرتے ہیں اور جب وہ وسعت اور کشادگی میں بہ کثرت دعائیں نہیں کرتا اور اس پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے پھر وہ دعا کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں: یہ ایک مرد ضعیف کی آواز ہے جو اجنبی ہے، وہ اس کی سفارش نہیں کرتے۔

اور علامہ ابن التین نے اس حدیث کی شرح میں اس پر کوئی اور اضافہ نہیں کیا، البتہ یہ نقل کیا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ سے سو مرتبہ استغفار کیا تو اس کی سات سو خطاؤں کو بخش دیا جاتا ہے اور کونسا بندہ یا بندی ہے جو ہر دن سات سو گناہ کرتا ہے۔

استغفار کے فوائد

(۱) گناہوں کا مٹنا (۲) عیوب پر پردہ (۳) رزق میں وسعت (۴) مخلوق سے سلامت رہنا (۵) مال کی حفاظت (۶) امیدوں کا پورا ہونا (۷) مال میں برکت کا ہونا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۹۰۔ ۱۹۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغفار کے متعلق متعدد روایات

باب مذکور کی حدیث میں ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! بے شک میں ایک دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں''۔

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ آپ مغفرت کو طلب فرماتے ہیں اور توبہ کا عزم فرماتے ہیں۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو حدیث میں الفاظ مذکور ہیں وہی بعینہٖ مراد ہوں۔اور اس کی تائید امام نسائی کی درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں مجلس سے اٹھنے سے پہلے سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں کہ جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور وہ ہمیشہ زندہ ہے اور قائم ہے اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔

از نافع از حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان الفاظ سے روایت ہے کہ ہم مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سو مرتبہ یہ دعا گنتے تھے:

''اے رب! میری مغفرت فرما اور میری توبہ قبول فرما، بے شک تو بہت توبہ قبول فرمانے والا اور بہت مغفرت فرمانے والا ہے''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے ایک دن میں ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

اور زہری نے یہ روایت کی ہے: بے شک میں اللہ تعالیٰ سے ایک دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

اور ابو سلمہ نے یہ روایت کی ہے کہ میں ہر دن سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔

اور امام نسائی نے از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو جمع کیا، پس فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو، کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف ایک دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔

اور امام مسلم نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے: ''بے شک میرے دل پر ایک ابر چھا جاتا ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے ہر روز سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں''۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب پر ابر چھانے کی متعدد توجیہات

(۱) قاضی عیاض نے کہا: اس حدیث میں غین کا لفظ ہے یعنی میرے دل پر زنگ چڑھ جاتا ہے یا ابر چھا جاتا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جس ذکر کی شان یہ ہے کہ اس پر دوام کیا جائے، کبھی کسی وجہ سے اس ذکر میں کمی یا سستی ہو جاتی ہے تو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذنب قرار دے کر اس کی وجہ سے استغفار کرتے۔

(۲) اس سے مراد وہ چیز ہے جو دل میں حدیثِ نفس واقع ہوتی ہے، یعنی کسی کام کی طرف ترغیب اور دل کا اس طرف مائل ہونا۔

(۳) اس سے مراد وہ سکینہ ہے جو دل کو ڈھانپ لیتی ہے اور اس پر استغفار کرنا عبودیت کے اظہار کے لیے ہے اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے ہے۔

(۴) یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی ایک حالت ہے اور اس پر استغفار کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے۔ پھر علامہ المحاسبی نے کہا: عام لوگوں کا خوف گناہوں پر مواخذہ کی وجہ سے عذاب کا خوف ہوتا ہے اور مقربین کا خوف اللہ تعالیٰ کے اجلال اور اعظام کی وجہ سے ہوتا ہے۔

(۵) الشیخ شہاب الدین السہر وردی نے کہا: یہ گمان نہ کیا جائے کہ آپ کے دل پر غین یا ابر کا چھا جانا کوئی نقص کی حالت ہے بلکہ وہ کمال ہے یا تتمہ کمال ہے، جیسا کہ کسی چیز کو مسلسل دیکھنے کی وجہ سے ہم آنکھ کو بند کر لیتے ہیں تا کہ آنکھ کو آرام حاصل ہو۔ اسی طرح تجلیات الٰہیہ کے مسلسل مشاہدہ کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر ابر چھا جاتا ہے اور کچھ دیر کے لئے یہ حالت موقوف ہو جاتی ہے اور یہ درحقیقت حصول کمال کا سبب ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معصوم ہونے کے باوجود آپ کے استغفار کرنے کی توجیہات

یہاں پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے استغفار کیا حالانکہ آپ معصوم ہیں اور استغفار کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے پہلے کسی معصیت کا وقوع ہو۔ اور اس اشکال کے متعدد جوابات ہیں، بعض ازاں یہ ہیں:

(۱) اس سے مراد وہ غین ہے یا وہ ابر ہے جو آپ کے قلب پر چھا جاتا ہے اور اس کی متعدد توجیہات ابھی ہم بیان کر چکے ہیں۔

(۲) علامہ عبدالرحمن بن علی جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ ھ نے لکھا ہے کہ ہفوات الطبائع البشریہ یعنی بشری کمزوریوں سے کوئی نفس خالی نہیں ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام اگرچہ گناہ کبیرہ سے معصوم ہوتے ہیں لیکن گناہ صغیرہ سے معصوم نہیں ہوتے۔ اور علامہ ابن الجوزی کا یہ جواب تحقیق کے خلاف ہے اور مختار نہیں ہے۔

(۳) علامہ ابن بطال نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کرنا اللہ تعالیٰ کے اس حق کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے ہے جس حق کو ادا کرنا آپ پر واجب تھا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اس وجہ سے ہو کہ آپ کئی مباح کاموں میں مشغول ہو جاتے مثلاً کھانے پینے میں یا جماع کرنے میں یا نیند کرنے میں یا آرام کرنے میں یا لوگوں سے باتیں کرنے میں اور لوگوں کی مصلحتوں کے متعلق غور کرنے میں اور دشمنان اسلام کے خلاف جنگ کرنے میں اور مؤلفین کی تالیف کرنے میں، اس طرح کے اور دیگر امور جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے رکاوٹ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف گریہ وزاری کرنے اور اس کی تجلیات کا مشاہدہ کرنے اور مراقبہ کرنے میں فرق آتا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بلند مقام کے اعتبار سے ان احوال کو بھی ذنب خیال فرماتے، یعنی آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مسلسل توجہ نہ رکھ سکتے، اس وجہ سے آپ استغفار فرماتے۔

(۴) اور یہ جواب دیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کرنا امت کو استغفار کے طریقہ کی تعلیم کے لیے تھا، یا امت کے گناہوں پر ان کی شفاعت کرنے کے لیے تھا۔

(۵) اور امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ترقی کرتے رہتے تھے اور جب آپ کم درجہ کے حال کو دیکھتے تو اس کو اپنے بلند مقام کے اعتبار سے گناہ قرار دیتے اور اس پر استغفار فرماتے۔ لیکن یہ جواب اس ظاہر حدیث کے خلاف ہے، کیونکہ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ آپ ہر روز ستر مرتبہ استغفار کرتے تھے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۶۸۔۳۶۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

علامہ الحافظ ابو العباس احمد بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ٦٥٦ ھ، لکھتے ہیں:

ہر دن سو مرتبہ استغفار اور توبہ کی تجدید کرنا

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ از الاغر المزنی (اور وہ صحابی ہیں) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میرے دل پر ایک پردہ پڑ جاتا ہے اور میں اللہ عزوجل سے ایک دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم: ٢٧٠٢، سنن ابوداؤد: ١٥١٥، مسند احمد ج ٤ ص ٢٦٠)

اس حدیث میں ''لیغان'' کا لفظ ہے۔ یہ ''الغین'' سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: پردہ، اور بادل اور ابر کو بھی الغین کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی ڈھانپ لیتے ہیں۔ اور کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں کسی گناہ کی وجہ سے ایسا اثر ہوا جس سے آپ کے دل پر پردہ پڑا، کیونکہ جنہوں نے انبیاء علیہم السلام پر صغائر کے ارتکاب کو جائز قرار دیا ہے انہوں نے بھی یہ نہیں کہا کہ جب انبیاء علیہم السلام سے کوئی گناہِ صغیرہ سرزد ہو تو اس سے ان کے دل میں اس طرح اثر ہو جاتا ہے جس طرح نافرمانوں کے دلوں میں گناہوں سے اثر ہوتا ہے بلکہ وہ مغفور ہیں اور ان کی تکریم کی گئی ہے اور ان پر ان میں سے کسی چیز کے سبب سے مواخذہ نہیں ہوتا۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ یہ پردہ یا ابر گناہ کے سبب سے نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر غین یا ابر تھا، اس کی توجیہات

(١) ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ تھی کہ دائماً اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے لیکن کبھی مختلف مشغولیات کی وجہ سے آپ یہ ذکر نہیں کر سکتے تھے تو ان مشغولیات کی بناء پر آپ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔

(٢) دوسرا قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے احوال پر مطلع ہوتے اور آپ کے بعد جو آپ کی امت کے احوال ہوں گے ان پر آپ مطلع ہوتے، تو آپ اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لیے استغفار کرتے تھے۔

(٣) نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی امت کے حالات اور معاملات پر غور و فکر کرتے اور آپ کی امت جو دشمنانِ اسلام سے جہاد کرتی اس کے متعلق غور کرتے اور یہ بھی بہت عظیم مقام ہے اور عظیم عبادات میں سے ہے اور افضل اعمال میں سے ہے، لیکن اس میں غور و فکر کرنے کی وجہ سے آپ دائماً جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے اس میں رکاوٹ ہو جاتی تو اس پر آپ اللہ تبارک و تعالیٰ سے استغفار فرماتے تھے۔

(٤) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اللہ تعالیٰ کو عظیم جاننے کا ایک مقام ہے اور آپ جو استغفار کرتے وہ اس غین یا ابر کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے کھڑے ہوتے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حدیث میں آپ کا ارشاد ہے کہ میرے قلب پر پردہ پڑ جاتا ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔

(٥) اور بعض اربابِ اشارات نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنے مقامات میں ترقی کرتے تھے اور ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ میں جلدی منتقل ہوتے تھے، پس جب آپ ایک مقام سے ترقی کر کے دوسرے مقام کی طرف جاتے تو نچلے مقام کو اپنے مقامِ عالی کے اعتبار سے نقص شمار فرماتے، تو اس نچلے مقام کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے۔

اور جنید بغدادی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے"حسنات الابرار سیئات المقربین"۔

"حسنات الابرار سیئات المقربین" کی شرح از مصنف

میں کہتا ہوں:"حسنات الابرار سیئات المقربین" کا معنی یہ ہے کہ بعض وہ کام جو نیکوں کی نیکیاں ہیں مثلاً دشمنانِ اسلام سے جہاد میں مشغول رہنا، مسلمانوں کی مصلحتوں میں غور وفکر کرنا وغیرہ، یہ بھی فی نفسہٖ نیکیاں ہیں لیکن مقربین جن کی شان یہ ہے وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہیں اور کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضوری سے منقطع نہ ہوں اور ہر وقت تجلیاتِ الٰہیہ کا مشاہدہ اور مراقبہ کرتے رہیں اور کسی آن اس میں انقطاع نہ ہو اور جس آن میں اس سے انقطاع ہو جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر نہ رہیں تو وہ اس کو بھی گناہ خیال کرتے ہیں۔ ہر چند کہ جن وجوہ کی بناء پر وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس آن کے لیے حاضر نہ ہو سکے تھے وہ بھی فی نفسہٖ نیکی تھی لیکن اس سے بڑی نیکی جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری ہے، وہ نہیں تھی، اس لیے وہ اس کو بھی گناہ خیال کر کے اس پر استغفار کرتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

توبہ کرنے کا لغوی اور شرعی معنی

نیز اس باب کی حدیث میں مذکور ہے: اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو جیسا کہ درج ذیل آیات میں ارشاد ہے:

وَ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ (النور:۳۱)
اور اے مسلمانو! تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا (التحریم:۸)
اے ایمان والو! اللہ کی طرف خالص توبہ کرو۔

وَ مَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝ (الحجرات:۱۱)
اور جو لوگ توبہ نہ کریں تو وہی ظالم ہیں○

اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ توبہ ہر اس شخص پر واجب ہے جو گناہ کرے اور لغت میں توبہ کا معنی ہے: رجوع کرنا۔ اور شرع میں توبہ کا معنی ہے: جو کام شرعاً مذموم ہو اس سے رجوع کر کے اس کام کو کرنا جو شرعاً محمود ہے۔

نیز امام مسلم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اللہ کی طرف توبہ کرو کیونکہ میں اللہ کی طرف ایک دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم:۲۷۰۲، مسند احمد ج ۴ ص ۲۶۰)

یہ حدیث دائماً توبہ کرنے پر دلالت کرتی ہے اور انسان جب بھی اپنے گناہ کو یاد کرے تو دوبارہ توبہ کرے، کیونکہ گناہ کا حصول تو یقینی طور پر ہوا ہے اور گناہ کی سزا سے خروج مشکوک ہے، تو توبہ کرنے والے پر حق یہ ہے کہ اپنے گناہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے اور اس پر ہمیشہ افسوس کرتا رہے حتیٰ کہ متحقق ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس گناہ کو معاف فرما دیا ہے۔ اور اس کی امثال کا ہمارے لیے اسی وقت تحقق ہوگا جب ہماری اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگی۔ پس انسان پر واجب ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے خوف کو اپنے اوپر لازم رکھے اور جو اس سے گناہ کا کام ہو گیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کے سامنے ندامت کا اظہار کرتا رہے اور یہ عزم کرتا رہے کہ وہ دوبارہ اس گناہ کی طرف رجوع نہیں کرے گا اور اس گناہ کو اپنے آپ سے اکھاڑے گا۔ اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ہم پر یہ متحقق

ہو گیا ہے کہ ہمارا وہ گناہ معاف کر دیا گیا ہے تب بھی ہمارے اوپر اس نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ حدیث میں ہے:
جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی کثرتِ عبادت کے متعلق سوال کیا کہ آپ تو مغفور ہیں پھر آپ اتنی عبادت کیوں کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: کیا میں اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر گزار بندہ نہ بنوں؟
(صحیح البخاری: ۴۸۳۷، صحیح مسلم: ۲۸۲۰، مسند احمد ج ۶ ص ۱۱۵)
اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی کہ وہ ہر روز اپنی توبہ کا تکرار کرتے ہیں حالانکہ آپ مغفور ہیں تا کہ آپ کی امت اس طریقہ پر بدرجہ اولیٰ عمل کرے، کیونکہ آپ کا غیر یہ کہے گا کہ جن کے ذنوب کی مغفرت متحقق ہو چکی ہے جب ان کا حال یہ ہے کہ وہ ایک دن میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے ہیں تو وہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ وہ بھی اسی طرح بہ کثرت توبہ اور استغفار کرے، لیکن توبہ لوگوں کے مراتب کے اعتبار سے منقسم ہوتی ہے۔
عوام گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور خواص غفلات سے توبہ کرتے ہیں یعنی جس آن وہ کسی وجہ سے عبادت سے غافل رہیں اس پر توبہ کرتے ہیں۔ اور خواص الخواص حسنات کی طرف التفات کرنے سے توبہ کرتے ہیں۔
(المفہم شرح صحیح مسلم، ج ۷ ص ۲۶۔ ۲۸، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

کثرتِ استغفار کا استحباب

علامہ محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی المالکی المتوفی ۸۲۸ھ، لکھتے ہیں:
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بہ کثرت استغفار کرنا عبودیت کے اظہار کے لیے تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف دائماً احتیاج کو ظاہر کرنے کے لیے تھا اور اللہ سبحانہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے تھا۔ علامہ المحاسبی نے کہا ہے: ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کا جو اللہ عزوجل سے خوف ہوتا ہے وہ اس کی عظمت کی وجہ سے خوف ہوتا ہے اگر چہ وہ عذاب سے مامون ہوتے ہیں اور ان کا استغفار کرنا اس کا شکر ادا کرنے کے لیے ہوتا ہے، نہ ابرار اور پردہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتیں فرمائی ہیں: ایک یہ فرمایا ہے کہ میرے دل پر پردہ آ جاتا ہے، اور یہ فرمایا کہ میں اللہ عزوجل سے استغفار کرتا ہوں۔ ان میں سے کوئی امر دوسرے پر موقوف نہیں ہے۔ پس ابر کا ذکر کرنا ایک قضیہ ہے اور استغفار کرنا دوسرا قضیہ ہے، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے آخر میں فرمایا: اے لوگو! اللہ کی طرف توبہ کرو کیونکہ میں ایک دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سجدہ میں عرض کرتے تھے: میں تجھ سے استغفار کرتا ہوں اور تیری طرف توبہ کرتا ہوں۔ اور اس دعا میں آپ قرآن پر عمل کرتے تھے۔
اور جو لوگ انبیاء علیہم السلام پر صغائر کے ارتکاب کو جائز قرار دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ آپ کا استغفار اس لیے تھا کہ ایسا نہ ہو کہ آپ کی زبان یا آپ کے اعضاء سے کوئی ایسی چیز سرزد ہو جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہو اگر چہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی اور پچھلی مغفرت فرما دی ہے۔
دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ وہ چیز ہے جو قلوبِ صافیہ پر طاری ہو جاتی ہے، کیونکہ نفس میں چھوٹی چھوٹی نافرمانیوں کا خیال آتا ہے اور غفلت طاری ہوتی ہے۔
قاضی عیاض فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ہمارے بعض شیوخ یہ کہتے تھے کہ ان جوابات کی ضرورت نہیں ہے، اور اس حدیث

کا معنی یہ ہے کہ آپ ایک مقام سے اس سے اعلیٰ مقام کی طرف منتقل ہوتے تھے، پھر مقامِ اول کو مقامِ اعلیٰ کے اعتبار سے ابر اور پردہ خیال فرماتے اور پھر اس پر استغفار فرماتے تھے۔

نیز اس حدیث میں ارشاد ہے "میں ایک دن میں ایک سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں"۔

علامہ خطابی فرماتے ہیں: یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ بندہ کو چاہیے کہ دائماً توبہ کرتا رہے اور بندہ جب بھی اپنے گناہ کو یاد کرے تو دوبارہ توبہ کرے، کیونکہ گناہ تو اس سے یقینی طور پر سرزد ہو چکا ہے اور اس کی توبہ مشکوک ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ مکرر توبہ کرتا رہے حتیٰ کہ اس کو یقین ہو جائے کہ اس کی توبہ قبول ہو گئی ہے اور یہ یقین اسی وقت ہوگا جب اس پر موت آجائے گی۔ پس واجب ہے کہ وہ خوف کو لازم رکھے، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم جن کی مغفرت کی بشارت دی جا چکی ہے جب وہ ہر دن سو مرتبہ توبہ اور استغفار کرتے تھے تو دوسروں کو کتنی زیادہ توبہ اور استغفار کرنے کی ضرورت ہوگی۔

(اکمال اکمال المعلم شرح صحیح مسلم ج ۹ ص ۱۰۳۔ ۱۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۷، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کرنے کی توجیہات

اس میں اختلاف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس وجہ سے استغفار کرتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام اگلے اور پچھلے ذنوب کی مغفرت فرما دی ہے۔ (ذنوب سے مراد خلافِ اولیٰ کام ہیں نہ کہ گناہ)۔ اس کی متعدد توجیہات ہیں:

(۱) آپ سے جو سہواً کام واقع ہوئے ان پر آپ استغفار کرتے تھے۔

(۲) اعلانِ نبوت سے پہلے آپ نے جو کام کیے آپ ان پر استغفار کرتے تھے۔

(۳) آپ کا کوئی گناہ نہیں تھا لیکن آپ تواضع اور اظہارِ عبودیت کے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔

(۴) آپ امت کی رہنمائی اور انہیں اللہ تعالیٰ سے استغفار کی تعلیم دینے کے لیے استغفار کرتے تھے۔

اور حق بات یہ ہے کہ امام مسلم نے اپنی سند سے روایت کی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے دل پر غین (ابر) چھا جاتا ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم: ۲۷۰۲، کتاب الذکر والدعاء، باب استحباب الاستغفار والاستکثار منہ)

علماء نے بیان کیا ہے: اس حدیث میں غین کا ذکر ہے، اس سے مراد ہے ابر، کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو ملاحظہ فرماتے اور اس کے جمال کا مشاہدہ کرتے جیسا کہ بشریت کا تقاضا ہے یا امت کی مصلحتوں میں غور و فکر کرنے میں مشغول ہوتے جب کہ آپ پر حق یہ تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی تجلیات میں مستغرق رہتے جیسا کہ ملائکہ کروبین ہیں بلکہ ان سے زیادہ تو اس وجہ سے آپ استغفار کرتے، کیونکہ ابرار کی حسنات بھی مقربین کے نزدیک گناہ کے حکم میں ہوتی ہیں۔

امام غزالی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ترقی کرتے تھے، تو حالتِ سابقہ میں جب کم درجہ کو دیکھتے تو اس سے اگلے مرتبہ میں جا کر اس نچلے مرتبہ پر استغفار کرتے، لیکن مسلم کی یہ حدیث اس توجیہ کے مناسب نہیں ہے، اگرچہ امام غزالی کا یہ کہنا برحق ہے

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ترقی فرماتے تھے۔

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری، ج ۱۰ ص ۵۷۔۵۸، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

صحیح البخاری: ۶۳۰۷، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کثرتِ استغفار کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کا اس آیت میں اعلان فرمادیا ہے:

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۙ لِّيَـغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح: ۱۔۲) (اے رسول مکرم!) ہم نے آپ کے لیے کھلی ہوئی فتح عطا فرمائی O تا کہ اللہ آپ کے لیے معاف فرمادے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام۔

اس آیت کے نازل ہونے کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے، اور یہ ظاہر فرماتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی محتاج ہے۔ اور یہ ممکن ہے کہ اس سے کوئی خطا واقع ہوجائے لیکن انبیاء علیہم السلام اپنی خطا پر برقرار نہیں رہتے تھے بلکہ ان کو اس خطا کے خلاف نیکی کی طرف راجع کر دیا جاتا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اس عظیم مقام کے حاصل ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے دن میں ستر مرتبہ استغفار کرتے تھے اور اس کی طرف توبہ کرتے تھے تو ہم لوگوں کو کتنا زیادہ اللہ تعالیٰ سے دن اور رات میں استغفار کرنا چاہیے۔ ہم لوگ نماز میں یا نماز کے بعد تھوڑا بہت استغفار کرتے ہیں اور باقی وقت ہم غفلت میں گزار دیتے ہیں۔ (شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۵۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

شیخ محمد تقی العثمانی، شیخ الحدیث دار العلوم کراچی لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے قاضی عیاض سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں جو غین کا ذکر ہے اس سے مراد وہ غفلت ہے جو ان لوگوں پر طاری ہوجاتی ہے جن کی شان یہ ہے کہ وہ دائماً اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں۔ پس جب ان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے سستی یا غفلت طاری ہوتو وہ اس کو ذنب قرار دیتے ہیں اور اس پر استغفار کرتے ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اپنی امت کے جن احوال پر مطلع ہوتے ہیں ان میں غور وفکر کرتے ہیں، پھر اپنی امت کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ وہ اپنی امت کی مصلحتوں میں غور وفکر کرتے ہیں اور ان امور میں غور وفکر کرتے ہیں جن میں ان کی امت دشمنانِ اسلام سے جہاد کرتی ہے۔ تو اس عظیم مقام سے رکاوٹ آجاتی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ دائماً اللہ تعالیٰ کو یاد کریں اور اس کا ذکر کریں، سو اس کو وہ ذنب قرار دیتے ہیں اگر چہ یہ امور بہت عظیم طاعات میں سے ہیں اور افضلِ اعمال میں سے ہیں۔ پس یہ عالی درجہ سے نزول ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے اور اس کی تجلیات کا مشاہدہ کرنے اور اس کا مراقبہ کرنے سے ان امور میں مشغول ہونے کی وجہ سے رکاوٹ آجاتی ہے تو وہ اس پر استغفار کرتے ہیں۔ (تکملۃ فتح الملہم ج ۵ ص ۵۶۳۔۵۶۴، مکتبہ

دار العلوم کراچی ۱۴)

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

یہاں پر اشکال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں اور آپ سے گناہ کا ارتکاب نہیں ہوتا۔ پھر آپ نے کس وجہ سے یہ فرمایا کہ ''میں اللہ تعالیٰ سے ایک دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرتا ہوں''۔

اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حق جو بندوں پر واجب ہے اس کی ادائیگی میں جو تقصیر ہوگئی اس پر آپ استغفار کرتے تھے اور یہ تقصیر اس وجہ سے ہوئی کہ آپ بعض مباح امور میں مشغول رہتے تھے، کھانے میں پینے میں، جماع میں، سونے میں، آرام میں، لوگوں سے باتیں کرنے میں، اور دشمنانِ اسلام سے جنگ کرنے میں اور مؤلفۃ قلوب کی تالیف میں اور بہت سے ایسے امور جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضوری سے رکاوٹ ہو جاتی ہے اس وجہ سے آپ استغفار کرتے تھے، یا آپ اپنی امت کو استغفار کا طریقہ سکھانے کے لیے استغفار کرتے تھے، یا امت کے ذنوب کے اوپر آپ استغفار کرتے تھے اور یہ ان کی شفاعت کے حکم میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقتِ حال کو جاننے والا ہے۔ (عون الباری لحل ادلۃ صحیح البخاری، ج ۶ ص ۱۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۷، کی شرح از شیخ محمد علی صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کی وجوہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کسی گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے نہیں تھا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبائر اور صغائر سے معصوم ہیں، آپ کا استغفار امت کی تشریع کے لیے تھا اور امت کو استغفار کے طریقہ کی تعلیم دینے کے لئے تھا، کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتے تو آپ کی امت آپ کی اقتداء کرے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سبحانہٗ کے اس حکم پر عمل کرتے تھے:

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ (محمد:۱۹)

پس آپ جان لیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اور آپ اپنے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کاموں پر استغفار کیجئے اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے لیے۔

تا کہ آپ کی امت کے مسلمان مرد اور عورتیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے میں رہیں۔ اس میں آپ نے اپنی امت کی اس طرف رہنمائی کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں اور اس سے استغفار کریں اور توبہ کریں، کیونکہ ہر ابن آدم خطا کار ہے اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے ہیں۔ (الشرح المیسر لصحیح البخاری، ج ۵ ص ۴۰۸)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں تو انہیں استغفار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

(۱) اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء کبائر اور اصرار علی الصغائر سے تو معصوم ہوتے ہیں لیکن صغائر سے معصوم نہیں ہوتے، استغفار صغائر کی وجہ سے کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ جواب مردود ہے، صحیح اور مختار مذہب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام صغائر اور کبائر دونوں سے معصوم ہوتے ہیں۔
(سعیدی غفرلہٗ)

(۲) بعض علماء کے نزدیک انبیاء کبائر اور صغائر دونوں سے معصوم ہوتے ہیں، ان کے نزدیک جواب یہ ہے کہ بسا اوقات خلاف اولیٰ کام انبیاء سے صادر ہو جاتے ہیں وہ اگرچہ گناہ کے زمرے میں داخل نہیں ہوتے لیکن انبیاء کی بلند شان اور ارفع مقام کی وجہ سے ''حسنات الابرار سیئات المقربین'' کے قاعدے کی بناء پر انبیاء اسے بھی اپنے حق میں سیئہ سمجھتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔
(کشف الباری شرح صحیح بخاری، کتاب الدعوات، ص ۱۸۱، مکتبہ فاروقیہ شاہ فیصل کراچی)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغفار کرنے کی توجیہات از مصنف

اس بحث میں یہ جواب بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ (نصر: ۳) سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح فرمائیں اور اس سے استغفار کریں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو استغفار کرنے کا حکم دیا تو آپ امتثال امر اور اس کا حکم ماننے کے لیے استغفار کرتے تھے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ۔ (بقرہ: ۲۲۲) اللہ تعالیٰ بہت توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

تو آپ اللہ تعالیٰ کی محبت کو حاصل کرنے کے لیے دن میں سو بار سے زیادہ استغفار کرتے تھے۔

اس بحث کو لکھتے وقت یہ دو جواب اللہ تعالیٰ نے میرے ذہن میں القاء کیے۔ وللہ الحمد علی ذالك

۴۔ بَابُ: التَّوْبَةِ — توبہ کا بیان

قَالَ قَتَادَةُ ''تُوبُوا إِلَى اللهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا'' الصَّادِقَةُ: النَّاصِحَةُ۔

اور قتادہ نے کہا: ''اللہ کی طرف خالص توبہ کرو''۔ یعنی سچی اور پکی توبہ کرو۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں توبہ کا بیان کیا گیا ہے۔ علامہ الجوہری نے کہا ہے: توبہ کا معنی ہے: گناہ سے رجوع کرنا۔ اسی طرح سے لفظ ''التوب'' ہے اور الاخفش نے کہا ہے ''التوب'' ''توبة'' کی جمع ہے ''تاب الی اللہ توبة ومتابة'' کہا جاتا ہے۔ اور ''وقد تاب اللہ علیہ'' اس کا معنی ہے ''اللہ تعالیٰ نے اس کو توبہ کی توفیق دی''۔ اور اس کی توبہ یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرے کہ وہ اس کی توبہ قبول فرمائے۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے: اس سلسلہ میں مشائخ کی عبارات مختلف ہیں۔ پس کسی نے کہا کہ توبہ کا معنی ندامت ہے، اور کسی نے کہا کہ توبہ کا معنی دوبارہ گناہ نہ کرنے کا عزم ہے۔ اور کسی اور نے کہا کہ توبہ کا معنی ہے: گناہ کو اکھاڑ دینا۔ اور بعض علماء نے ان تینوں

امور کو جمع کیا اور وہ کامل ترین توبہ ہے۔

علامہ ابن المبارک نے کہا ہے کہ حقیقتِ توبہ کی چھ علامات ہیں:

(۱) گزشتہ گناہ پر نادم ہونا (۲) دوبارہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرنا (۳) ہر وہ فرض جو گناہ سے ضائع ہو گیا اس کو ادا کرنا (۴) بندہ نے کسی پر ظلم کر کے کسی کا جو حق مارا ہے وہ حق اس کو ادا کرنا (۵) اور مالِ حرام سے جو اس نے اپنے بدن کو فربہ کیا ہے اس کو تفکرات اور غموں سے اتنا پگھلانا حتیٰ کہ اس کی کھال ہڈیوں کے ساتھ چمٹ جائے، پھر کھال اور ہڈی کے درمیان دوبارہ پاکیزہ گوشت پیدا ہو (۶) بدن کو عبادت کا درد چکھانا جس طرح اس نے بدن کو معصیت کی لذت چکھائی تھی۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

امام بخاری نے جو تعلیق ذکر کی ہے، اس کی امام عبد بن حمید نے از شیبان از قتادہ روایت کی ہے اور قتادہ نے ''توبة النصوح'' کی تعریف کی ہے سچی توبہ۔ اور صاحب العین نے کہا ہے کہ توبہ خالص اور سچی ہوتی ہے۔ اور اس کو ''توبة النصوح'' اس لیے کہا گیا ہے کہ بندہ اس توبہ سے اپنے نفس کی خیر خواہی کرتا ہے اور اس کو دوزخ کی آگ سے بچاتا ہے۔

الاصمعی نے کہا ہے: ''الناصح'' کا معنی ہے: خالص شہد یا کوئی اور خالص چیز۔ اور ہر وہ چیز جو خالص ہو تو اس کو نصوح کہتے ہیں۔ اور ''وانتصح فلان'' اس کا معنی ہے فلاں نے نصیحت کو قبول کر لیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳۴۔۴۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۰۸۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا أَبُو شِهَابٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ حَدِيثَيْنِ أَحَدُهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَالْآخَرُ عَنْ نَفْسِهِ قَالَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَأَنَّهُ قَاعِدٌ تَحْتَ جَبَلٍ يَخَافُ أَنْ يَقَعَ عَلَيْهِ وَإِنَّ الْفَاجِرَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَذُبَابٍ مَرَّ عَلَى أَنْفِهِ فَقَالَ بِهِ هَكَذَا قَالَ أَبُو شِهَابٍ بِيَدِهِ فَوْقَ أَنْفِهِ ثُمَّ قَالَ لَلّٰهُ أَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ مِنْ رَجُلٍ نَزَلَ مَنْزِلًا وَبِهِ مَهْلَكَةٌ وَمَعَهُ رَاحِلَتُهُ عَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ فَوَضَعَ رَأْسَهُ فَنَامَ نَوْمَةً فَاسْتَيْقَظَ وَقَدْ ذَهَبَتْ رَاحِلَتُهُ حَتَّى إِذَا اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْحَرُّ وَالْعَطَشُ أَوْ مَا شَاءَ اللهُ قَالَ أَرْجِعُ إِلَى مَكَانِي فَرَجَعَ فَنَامَ نَوْمَةً ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَإِذَا رَاحِلَتُهُ عِنْدَهُ تَابَعَهُ أَبُو عَوَانَةَ وَجَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ وَقَالَ أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوشہاب نے حدیث بیان کی از الاعمش از عمارہ بن عمیر از الحارث بن سوید، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دو حدیثیں بیان کیں، ان میں سے ایک از نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور دوسری ان کی اپنی طرف سے ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ بے شک مومن اپنے گناہوں کو اس طرح سمجھتا ہے جیسے وہ پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہوا اور یہ سمجھے کہ اس کے اوپر پہاڑ گرنے والا ہے اور فاجر اپنے گناہ کو اس طرح سمجھتا ہے جیسے مکھی اس کے ناک پر بیٹھی ہے اور وہ اپنے ہاتھ سے ناک پر اشارہ کر کے اس مکھی کو اڑا دے، پھر (دوسری حدیث انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیان کی) اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی توبہ سے اس سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے جس نے کسی ہلاکت کی جگہ قیام کیا، اس کے ساتھ اس کی سواری بھی تھی اور کھانے پینے کی

الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا عُمَارَةُ سَمِعْتُ الْحَارِثَ وَقَالَ شُعْبَةُ وَأَبُو مُسْلِمٍ اسْمُهُ عُبَيْدُ اللهِ كُوفِيٌّ قَائِدُ الْأَعْمَشِ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ وَقَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ عُمَارَةَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللهِ وَعَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ۔

(صحیح مسلم: ۲۷۴۴، سنن ترمذی: ۲۴۹۸، مسند احمد: ۱۲۸۱۵)

چیزیں بھی تھیں، پھر وہ سر رکھ کر سو گیا اور جب وہ بیدار ہوا تو اس کی سواری غائب تھی، حتیٰ کہ اسے جب سخت گرمی اور پیاس لگی یا جو اللہ نے چاہا تو اس نے کہا: میں اپنی جگہ واپس جاتا ہوں، پس لوٹ گیا اور سو گیا، پھر سر اٹھایا تو اس کی سواری اس کے پاس موجود تھی۔

ابو شہاب کی متابعت ابو عوانہ اور جریر نے کی ہے از الاعمش۔

اور ابو اسامہ نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمارہ نے حدیث بیان کی، میں نے الحارث بن سوید سے سنا۔

اور شعبہ نے اور ابو مسلم جن کا نام عبید اللہ کوفی ہے اور وہ اعمش کے قائد تھے، نے بیان کیا از الاعمش از ابراہیم التیمی از الحارث بن سوید۔

اور ابو معاویہ نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از عمارہ از الاسود از عبد اللہ اور از ابراہیم التیمی از الحارث بن سوید از حضرت عبد اللہ۔

صحیح البخاری: ۶۳۰۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "باب التوبہ" یعنی توبہ کا بیان۔ اور اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی توبہ سے بہت خوش ہوتا ہے۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے احمد بن یونس، یہ احمد بن عبد اللہ بن یونس التمیمی الیربوعی الکوفی ہیں۔ یہ اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں اور اسی کے ساتھ مشہور ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو شہاب، ان کا نام عبد ربہ بن نافع الحناط ہے اور یہ ابو شہاب الحناط الصغیر ہیں۔ اور رہے ابو شہاب الحناط الکبیر، وہ اس طبقہ کے شیوخ میں ہیں اور ان کا نام موسیٰ بن نافع ہے، اور یہ دونوں بھائی نہیں ہیں اور یہ دونوں کوفی ہیں اور اسی طرح اس سند کے باقی رجال بھی کوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، یہ سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمارہ بن عمیر التیمی، یہ تیم اللہ ہیں بنی تیم اللات بن ثعلبہ، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحارث بن سوید التیمی، یہ تیم الرباب ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

یہ صحابی ہیں۔

اس حدیث میں نسق (بالترتیب) واحد سے تین تابعین کا ذکر ہے۔ان میں سے پہلے الاعمش ہیں اور یہ صغار تابعین میں سے ہیں اور ان میں سے دوسرے عمارہ بن عمیر ہیں، یہ اوساط تابعین میں سے ہیں، اور ان میں سے تیسرے الحارث بن سوید ہیں اور یہ کبار تابعین میں سے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دو حدیثیں بیان کیں، ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور دوسری اپنی طرف سے'':

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تصریح نہیں کی، علامہ نووی اور علامہ ابن بطال نے بھی کہا ہے مرفوع حدیث وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں انہوں نے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت خوش ہوتا ہے کہ جب کوئی مرد کسی جگہ ٹھہرے اور وہاں اس کی ہلاکت ہو۔۔الحدیث۔

اور پہلی حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے، امام مسلم نے از جریر از الاعمش از عمارہ از الحارث روایت کی ہے کہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی عیادت کرنے کے لیے گیا اور وہ اس وقت بیمار تھے تو انہوں نے ہمیں دو حدیثیں بیان کیں، ایک حدیث اپنی طرف سے اور دوسری حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے۔۔الحدیث

اس حدیث میں مذکور ہے''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: مومن اپنے گناہوں کو اس طرح خیال کرتا ہے گویا کہ پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہوا اور وہ ڈرتا ہو کہ پہاڑ اس کے اوپر آ کر گرے گا''۔

اس کا سبب یہ ہے کہ مومن کا قلب منور ہوتا ہے، جب وہ اپنے نفس کا جائزہ لیتا ہے اور کوئی اپنا ایسا کام دیکھتا ہے جو اللہ عز وجل کے حکم کے خلاف ہو تو وہ اس کو بہت سنگین شمار کرتا ہے اور پہاڑ کے ساتھ مثال دینے میں حکمت یہ ہے کہ دوسری ہلاک کرنے والی چیزوں سے کبھی نجات حاصل ہو جاتی ہے، اس کے برخلاف جب پہاڑ کسی بندہ کے اوپر گر جائے تو عادۃً اس سے نجات نہیں ہوتی۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے''اور فاجر یعنی عاصی اور فاسق جب گناہ کرتا ہے تو وہ اپنے گناہ کو اس طرح قرار دیتا ہے جیسے مکھی اس کے ناک پر بیٹھی ہو اور وہ ہاتھ سے اس کو اڑا دیتا ہے''۔

یعنی عاصی اور فاسق اپنے گناہ کو بہت آسان خیال کرتا ہے، کیونکہ اس کے قلب میں تاریکی ہوتی ہے تو گناہ اس کے نزدیک بہت معمولی ہوتا ہے اور جس طرح ہاتھ سے مکھی اڑاتے ہیں تو وہ اس طریقہ سے اس گناہ کو اپنے سے دور کرتا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے بہت زیادہ خوشی ہوتی ہے جب بندہ کسی ایسی جگہ ٹھہرے جو ہلاکت کی جگہ ہو اور اس کی سواری جس پر اس کے کھانے اور پینے کی چیز ہو وہ گم ہو جائے، وہ اس کو ڈھونڈنے کے لیے نکلے، پھر تھک ہار کر اپنی جگہ پر آ کر سو جائے'' اور جلیل کی روایت میں ہے''میں اسی جگہ لوٹتا ہوں جہاں میں سویا تھا حتیٰ کہ میں مر جاؤں، پھر اپنا سر اپنی کلائی کے نیچے رکھے تا کہ مر جائے پھر اس کو نیند آ جائے، پھر جب وہ بیدار ہو تو اچانک اس کی

سواری وہیں کھڑی ہو جس پر اس کے کھانے اور پینے کی چیزیں رکھی ہوئی ہوں تو گویا اس کو از سر نو زندگی ملی تو کس قدر خوش ہو گا، سو اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندہ کی توبہ سے اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳۵۔۴۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۳۰۹۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا حَبَّانُ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ح وحَدَّثَنَا هُدْبَةُ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اللهُ أَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ مِنْ أَحَدِكُمْ سَقَطَ عَلَى بَعِيرِهِ وَقَدْ أَضَلَّهُ فِي أَرْضٍ فَلَاةٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حبان نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی از نبی ﷺ ح اور ہمیں ہدبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ اپنے بندہ کی توبہ سے اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے کہ تم میں سے جس کا اونٹ اچانک اسے مل جائے حالانکہ وہ ایک چٹیل میدان میں گم ہوا تھا۔

(صحیح بخاری: ۶۳۰۸، صحیح مسلم: ۲۷۴۴، سنن ترمذی: ۲۴۹۸، مسند احمد: ۱۲۸۱۵)

صحیح البخاری: ۶۳۰۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی پہلی سند میں اسحاق کا ذکر ہے۔ الغسانی نے کہا: شاید یہ ابن منصور ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں حبان کا ذکر ہے، یہ ابن ہلال الباہلی البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ہمام بن یحییٰ کا ذکر ہے از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ۔

اور دوسری سند از ہدبہ بن خالد از ہمام الیٰ آخرہ ہے۔

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح بندہ اپنے گم شدہ اونٹ کے اچانک مل جانے سے خوش ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی توبہ کرنے سے اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"توبۃ النصوح" کے معانی

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "توبۃ النصوح" یہ ہے کہ بندہ کسی گناہ سے توبہ کرے اور پھر دوبارہ وہ گناہ نہ کرے۔

علامہ ابن المبارک نے کہا ہے کہ حقیقتِ توبہ کی چھ علامات ہیں:

(۱) گزشتہ گناہ پر نادم ہونا (۲) دوبارہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرنا (۳) ہر وہ فرض جو گناہ سے ضائع ہو گیا اس کو ادا کرنا (۴) بندہ نے کسی پر ظلم کر کے کسی کا جو حق مارا ہے وہ حق اس کو ادا کرنا (۵) اور مالِ حرام سے جو اس نے اپنے بدن کو فربہ کیا ہے اس کو تفکرات اور غموں سے اتنا پگھلانا حتیٰ کہ اس کی کھال ہڈیوں کے ساتھ چمٹ جائے، پھر کھال اور ہڈی کے درمیان دوبارہ پاکیزہ گوشت پیدا ہو (۶) بدن کو عبادت کا درد چکھانا جس طرح اس نے بدن کو معصیت کی لذت چکھائی تھی۔

اور میمون بن مہران حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ کتنے ہی توبہ کرنے والے ہیں جو قیامت کے دن یہ گمان کریں گے کہ وہ توبہ کرنے والوں میں سے ہیں حالانکہ وہ توبہ کرنے والوں میں سے نہیں ہوں گے، کیونکہ انہوں نے توبہ کے دروازوں کو نہیں کھولا۔ (اس حدیث کی امام بیہقی نے شعب الایمان: ۷۱۷۹ میں روایت کی ہے)

عبداللہ بن سمیط نے کہا ہے: جب تک بندہ کا قلب کسی ایک گناہ کے اوپر اصرار کرتا رہتا ہے تو اس کے اعمال ہوا میں معلق ہوتے ہیں، اگر وہ اس گناہ سے توبہ کر لے تو فبہا ورنہ اس کے اعمال ہمیشہ معلق ہوتے ہیں۔

اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جب میرا بندہ میری طرف توبہ کر لیتا ہے تو میں اس کے اعضاء سے وہ گناہ بھلا دیتا ہوں اور اس جگہ سے وہ گناہ بھلا دیتا ہوں اور کراماً کاتبین سے وہ گناہ بھلا دیتا ہوں حتیٰ کہ وہ اس کے خلاف گواہی نہیں دیتے"۔

توبہ کے متعلق قرآن مجید کی آیات

توبہ کرنا اللہ تعالیٰ سے ہر مسلمان کے اوپر فرض ہے خواہ اس نے صغیرہ گناہ کئے ہوں خواہ کبیرہ گناہ کئے ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) وَ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (النور: ۳۱)

اور اے مسلمانو! تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ ۝

(۲) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔ (التحریم: ۸)

اے ایمان والو! اللہ کی طرف خالص توبہ کرو۔

(۳) اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ (النساء: ۱۷)

توبہ کی مقبولیت اللہ پر صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو جہالت سے گناہ کر بیٹھیں، پھر عنقریب توبہ کر لیں تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ (اپنے فضل سے حتما) قبول فرماتا ہے، اور اللہ خوب جاننے والا بہت حکمت والا ہے ۝

پس ہر گناہ کرنے والا جس وقت وہ گناہ کرتا ہے وہ جاہل ہوتا ہے خواہ وہ عالم ہو۔ اور جس نے موت سے پہلے توبہ کرلی تو اس نے عنقریب توبہ کی۔

اور ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ندامت توبہ ہے''۔

(سنن ابن ماجہ: ۴۲۵۲، مسند احمد: ۳۵۶۸، مسند بزار: ۱۹۲۶، المعجم الاوسط للطبرانی: ۶۷۹۹، المستدرک للحاکم: ۷۶۱۲، ۷۶۱۳، شعب الایمان للبیہقی: ۷۰۲۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۲۰۵۵۸)

ابن شہاب الزہری نے بیان کیا: جب بنی اسرائیل سے کہا گیا:

فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ۔ (البقرہ: ۵۴) پس تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف توبہ کرو، سو تم ایک دوسرے کو قتل کرو۔

تو وہ دو صفوں میں کھڑے ہو گئے اور انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا حتیٰ کہ ان سے کہا گیا: کافی ہو گیا، تو یہ مقتول کی شہادت ہو گئی اور زندوں کی توبہ ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے قتل کو اٹھالیا کیونکہ انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کرنے میں بہت کوشش کی، پس اللہ تعالیٰ کا اس امت پر اسلام کے بعد کتنا بڑا انعام ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے کیے ہوئے برے کاموں پر نادم ہو کر اس سے توبہ کرلیں۔

مرد اپنی عمر کو گناہ میں فنا کر دیتا ہے اور وہ گناہوں میں اور نافرمانیوں میں اپنی عمر کو فنا کرتا ہے، پھر نادم ہوتا ہے اور اس گناہ کو اپنی ذات سے اکھاڑ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے گناہ کو ساقط کر دیتا ہے اور اس کو اپنا حبیب بنالیتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ اللہ تعالیٰ بہت توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے O (بقرہ: ۲۲۲)

امام ابن ماجہ اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص گناہ سے توبہ کرلیتا ہے، وہ اس شخص کی مثل ہے جس کا کوئی گناہ نہ ہو۔

(سنن ابن ماجہ: ۴۲۵۰، المطبرانی ج ۱۰ ص ۱۵۰، رقم الحدیث: ۱۰۲۸۱، حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۲۱۰، مسند الشہاب ج ۱ ص ۹۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۱۵۴)

نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے جو حدیث ذکر کی، اس میں یہ فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ مومنین میں اس کا شمار ہو، تو وہ اپنے گناہوں سے ڈرے اور اس کو بہت زیادہ گناہوں سے خوف ہو اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مامون نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کو کم نہ سمجھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تھوڑی سی چیز پر بھی مواخذہ فرماتا ہے اور اسی کے لیے حجت بالغہ ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو دوسری حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بیان کی ہے، اس میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندہ سے بہت خوش ہوتا ہے جو توبہ کرتا ہے، اور خوشی کے معنی رضا ہیں، قرآن مجید میں ہے:

كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾ (المومنون: ۵۳) ہر گروہ اسی سے خوش ہوتا ہے جو اس کے پاس ہو O

یعنی ہر گروہ اس سے راضی ہوتا ہے جس کام کو وہ کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے خوش ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ سے راضی ہوتا ہے۔

توبہ اور استغفار کا معنی لطیف یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے اور متقدمین اور متاخرین توبہ پر ہمیشہ عمل کرتے رہے، اور انبیاء علیہم السلام نے بہ کثرت توبہ کی اور استغفار کیا اور وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے تھے اور گناہوں سے براءت کا اظہار کرتے تھے اور استغفار میں توبہ کا معنی ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (التوبہ: ۱۱۷)

بے شک اللہ نے نبی پر فضل فرمایا اور ان مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے تنگی کے وقت میں نبی کی اتباع کی جب کہ اس کے بعد یہ قریب تھا کہ ان کے ایک گروہ کے دل اپنی جگہ سے ہل جائیں، پھر اس کے بعد اس نے ان کی توبہ قبول کی، بے شک وہ ان پر نہایت مہربان بہت رحم والا ہے O

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۹۸۔ ۲۰۳ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

باب مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

دعاؤں کے بیان سے پہلے استغفار اور توبہ کی ضرورت کی توجیہ

امام بخاری نے ان دو بابوں کو یعنی استغفار اور توبہ کو کتاب الدعاء کے شروع میں وارد کر کے یہ اشارہ کیا ہے کہ قبولیت اس شخص کی دعا کی جلدی ہوتی ہے جو معصیت اور گناہ کے ساتھ متصف نہ ہو۔ پس جب امام بخاری نے توبہ اور استغفار کو دعا کی احادیث لانے سے پہلے ذکر کیا تو اس سے بندہ کی دعا کی قبولیت زیادہ متوقع ہے۔

اور علامہ ابن الجوزی سے سوال کیا گیا، کسی شخص نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کروں یا اس سے استغفار کروں؟ تو انہوں نے جواب دیا: جب کپڑا میلا کچیلا ہو تو انسان خوشبو لگانے کی بجائے صابن کی طرف زیادہ محتاج ہوتا ہے۔ یعنی پہلے وہ اپنے کپڑے کو صاف کرے گا، پھر خوشبو لگائے گا۔ اسی طرح بندہ پہلے استغفار کر کے توبہ کرے گا اور پھر تسبیح پڑھے گا۔ اور استغفار کا معنی ہے: غفران کو طلب کرنا۔ اور کسی چیز کی اس سے حفاظت کرنا جو اس کو میلا کچیلا کرتی ہے۔ اور ہر چیز کا میل اور کچیل اس کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا بندہ کی مغفرت فرمانا اس لئے ہے کہ وہ اس کو عذاب سے محفوظ رکھے اور توبہ کا معنی ہے کہ بندہ گناہ کو ترک کرے۔ اور شرعی معنی یہ ہے کہ گناہ کی قباحت کی وجہ سے اس کو ترک کرے اور اس کے فعل پر نادم ہو اور یہ عزم کرے کہ وہ دوبارہ گناہ نہیں کرے گا۔ اور جس شخص کا حق اس نے سلب کیا ہو وہ حق اس کو واپس کرے یا حق دار سے اس کے حق سے براءت کو طلب کرے اور یہ سب سے بلیغ عذر ہے۔

علامہ قرطبی کی توبہ کی تعریف

علامہ الحافظ ابوالعباس احمد بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ، المفہم شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

توبہ کی تعریف میں مشائخ کی عبارات مختلف ہیں۔ کسی نے کہا: توبہ ندامت ہے، اور دوسرے نے کہا: دوبارہ گناہ نہ کرنے کا

عزم توبہ ہے۔اور تیسرے نے کہا: گناہ کو اکھاڑ دینا یہ توبہ ہے۔اور بعض نے ان تینوں امور کو جمع کیا اور یہ توبہ کی سب سے کامل تعریف ہے۔

علامہ قرطبی کی تعریف کا مانع اور جامع نہ ہونا

لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: کہ یہ تعریف جامع اور مانع نہیں ہے۔مانع اس لئے نہیں ہے کہ کبھی یہ تینوں امور مجتمع ہوتے ہیں اور وہ شرعاً توبہ کرنے والا نہیں ہوتا، کیونکہ بسا اوقات وہ مال کی حرص کی وجہ سے ایسا کرتا ہے یا وہ اس لئے ایسا کرتا ہے تا کہ لوگ اس کو ملامت نہ کریں اور اس کو عار نہ دلائیں۔

اور توبہ صرف اس وقت صحیح ہوتی ہے جب کوئی بندہ اخلاص سے توبہ کرے یعنی نہ مال کے لالچ کی وجہ سے اور نہ ملامت کے خوف کی وجہ سے اور جس نے غیر اللہ کی وجہ سے گناہ کو ترک کیا وہ بالاتفاق توبہ کرنے والا نہیں ہے۔

اور یہ تعریف جامع اس لئے نہیں ہے کہ اس تعریف سے یہ صورت نہیں نکلتی کہ جس آدمی نے مثلاً زنا کیا، پھر اس کا آلہ کاٹ دیا گیا تو اب اس سے گزشتہ فعل پر ندامت کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوگا، رہا یہ کہ وہ یہ عزم کرے کہ وہ دوبارہ زنا نہیں کرے گا تو اب یہ اس سے متصور ہی نہیں ہے۔

توبہ کی تعریف میں صرف ندامت کا کافی نہ ہونا

اور اسی طرح جس نے یہ کہا کہ توبہ کی تعریف میں ندامت کافی ہے، وہ بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ جو شخص صرف نادم ہوا اور اس نے اس گناہ کو اپنی طبیعت سے نہیں اکھاڑا اور اس نے یہ عزم نہیں کیا کہ وہ دوبارہ گناہ نہیں کرے گا تو وہ بھی اتفاقاً توبہ کرنے والا نہیں ہے۔

توبہ کی صحیح تعریف

بعض محققین نے توبہ کی تعریف میں یہ کہا کہ انسان سے جو گناہ پہلے حقیقتاً ہو چکا ہے یا تقدیراً تو وہ محض اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے اس گناہ کو ترک کر دے اور یہ سب سے زیادہ صحیح اور سب سے زیادہ جامع توبہ کی تعریف ہے، کیونکہ توبہ کرنے والا اس گناہ کو ترک کرنے والا نہیں ہے جس کو وہ کر چکا ہے، کیونکہ وہ اس گناہ کے عین پر اور نہ اس کے ترک پر اور نہ اس کے فعل پر قادر ہے۔وہ صرف اس پر قادر ہے کہ دوبارہ اس کی مثل گناہ کرے۔

اسی طرح جس سے کوئی گناہ واقع نہیں ہوا، اس سے یہ ممکن ہے کہ وہ اس گناہ کے کرنے سے بچے، سو وہ متقی ہے تائب نہیں ہے۔اور اس پر باعث اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے تنبیہ ہے جو شخص گناہ کی برائی اور اس کے ضرر کی وجہ سے گناہ کو چھوڑنا چاہتا ہے، کیونکہ گناہ ایک ہلاک کرنے والا زہر ہے جو انسان کی دنیا اور آخرت کی سعادت کو ہلاک کر دیتا ہے اور اس کو دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی معرفت سے حجاب میں رکھتا ہے۔اور جب انسان کے اوپر ہلاکت کا خوف غالب ہو تو وہ اس کے تدارک کی تدبیر کرے گا تا کہ اپنے نفس سے اس زہر کے اثر کو دور کر سکے، پس اس وقت وہ اپنے پچھلے کئے ہوئے کام پر نادم ہوگا اور دوبارہ اس کے نہ کرنے کا پختہ عزم کرے گا۔

مختلف گناہوں کے اعتبار سے توبہ کی اقسام اور اس کے احکام

جان لو کہ توبہ یا کفر سے ہوتی ہے یا گناہ سے۔ پس کافر کی توبہ قطعی طور پر مقبول ہے اور گناہ گار کی توبہ سچے وعدہ کی وجہ سے مقبول ہے، اور قبول کا معنی ہے: گناہ کے ضرر سے خالی ہونا حتیٰ کہ انسان ایسا ہو جائے جیسے اس نے وہ گناہ نہیں کیا۔ پھر گناہگار کی توبہ یا اللہ تعالیٰ کے حق کی وجہ سے ہوگی یا کسی اور وجہ سے ہوگی، پس اگر اللہ تعالیٰ کے حق کی وجہ سے وہ توبہ کر رہا ہے تو اس توبہ میں یہ کافی ہے کہ وہ گزشتہ گناہ کو ترک کر دے۔ البتہ شریعت نے فقط ترک کو کافی نہیں قرار دیا بلکہ اس کی طرف قضاء کو یا کفارہ کو بھی لازم کیا ہے، مثلاً نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے توبہ کرتا ہے تو جو نمازیں نہیں پڑھیں ان کی قضاء کرے۔ اور اگر روزہ توڑنے یا قسم توڑنے یا قتل کرنے کی وجہ سے توبہ کرتا ہے تو لازم ہے کہ روزہ توڑنے کا کفارہ ادا کرے یا قسم توڑنے کا کفارہ ادا کرے یا قتل کرنے کا کفارہ ادا کرے۔

اور جب اللہ کے غیر کے حق کو ادا نہ کرنے کی وجہ سے توبہ کرتا ہے تو اس میں ضروری ہے کہ اس کا وہ حق اس کے مستحق تک پہنچائے، ورنہ وہ اس گناہ کے ضرر سے خالی نہیں ہوگا۔ لیکن جو شخص حق دار تک اس کا حق پہنچانے پر پوری کوشش کے باوجود قادر نہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید رکھی جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا ضامن ہوگا اور اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔

علامہ عبد اللہ بن المبارک کی بیان کردہ شرائط توبہ

علامہ عبد اللہ بن المبارک نے توبہ کی زیادہ شرائط ذکر کی ہیں۔ انہوں نے کہا: توبہ کی شرط ندامت ہے اور دوبارہ گناہ نہ کرنے کا عزم ہے اور جو حقوق ادا نہیں کئے ان کو واپس کرنا ہے۔ اور جو فرائض ضائع کئے ہیں ان فرائض کو ادا کرنا ہے۔ اور اس کا جو بدن مال حرام سے بڑھا ہوا اس بدن کو غم اور تفکرات سے پگھلائے حتیٰ کہ پھر اس کے لئے صاف اور پاک گوشت پیدا ہو جائے۔ اور اپنے نفس کو عبادت کا درد اس طرح چکھائے جس طرح اس نے اپنے نفس کو معصیت کی لذت چکھائی تھی۔

علامہ عبد اللہ بن المبارک کی بیان کردہ شرائط توبہ پر حافظ ابن حجر عسقلانی کا تبصرہ

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ان میں سے بعض چیزیں توبہ کی تکمیل کرنے والی ہیں۔ اور جن علماء نے توبہ کی تفصیل ندامت کے ساتھ کی ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ امام احمد اور امام ابن ماجہ اور دیگر محدثین نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ندامت توبہ ہے۔ لیکن اس حدیث میں ان کی دلیل نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کا معنی ہے توبہ پر برانگیختہ کرنا۔ اور یہ کہ ندامت توبہ کا سب سے عظیم رکن ہے نہ یہ کہ ندامت خود توبہ ہے۔

اور ہم نے جو کہا تھا کہ یہ توبہ اللہ کے لیے ہونی چاہیے، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ گزشتہ کئے ہوئے کام پر ندامت ہونی چاہیے اور یہ اس کو مستلزم نہیں ہے کہ وہ اپنی طبیعت سے اس معصیت کی جڑ کو اکھاڑ دے۔ پس مثلاً جس شخص نے اپنے بیٹے کو قتل کیا اور وہ اس وجہ سے اس پر نادم ہوا کہ وہ اس کا بیٹا ہے (یعنی اس وجہ سے نادم نہیں ہوا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی معصیت کی ہے) اور جس شخص نے کسی گناہ میں مال کو خرچ کیا، پھر وہ اس پر نادم ہوا کہ اس کا مال کم ہو گیا (یعنی وہ اس پر نادم نہیں ہوا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کی ہے) اس لئے ضروری ہے کہ جو شخص اپنے گزشتہ کئے ہوئے فعل پر نادم ہو تو اس کی وہ ندامت محض اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے ہو۔

اور حقوق العباد میں توبہ کی صحت کے لئے یہ شرط اس لئے ضروری ہے کہ جس شخص نے کسی مرد کی باندی کو چھین لیا اور اس سے زنا کیا تو اس کی توبہ اسی وقت صحیح ہوگی جب وہ اس باندی کو اس کے مالک کی طرف واپس کردے گا، اور جس شخص نے کسی شخص کو عمداً قتل کیا تو اس کی توبہ اسی وقت صحیح ہوگی جب وہ اپنے آپ کو اس مقتول کے ولی کے سپرد کردے کہ وہ چاہے تو اس سے قصاص لے اور یا چاہے تو اس کو معاف کردے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ غصب اور مقتول کے حق کی توبہ کے متعلق واضح ہے، لیکن ممکن ہے کہ اس کی توبہ زنا دوبارہ نہ کرنے کے ساتھ صحیح ہو اگر وہ باندی بدستور اس کے قبضہ میں رہے۔ اور اسی طرح قتل دوبارہ نہ کرنے سے اس کی توبہ صحیح ہو اگرچہ وہ اپنے آپ کو مقتول کے ولی کے سپرد نہ کرے۔

توبہ کی شرائط مذکورہ پر بعض علماء کا اضافہ کرنا

بعض محققین علماء نے توبہ کی شرائطِ مذکورہ پر درج ذیل شرائط کا اضافہ کیا ہے:

(۱) گناہ کرنے والا گناہ کی جگہ سے دور چلا جائے۔

(۲) اور اخیر عمر تک دوبارہ اس جگہ نہ جائے حتیٰ کہ اس کو موت آجائے۔

(۳) اس وقت تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہوا ہو۔

(۴) وہ اس گناہ کا دوبارہ ارتکاب نہ کرے، اگر اس نے اس گناہ کا دوبارہ ارتکاب کیا تو اس کی توبہ باطل ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: پہلی شرط مستحب ہے۔ اور دوسری اور تیسری شرط حدِ تکلیف میں داخل ہے۔ اور چوتھی اور آخری شرط قاضی ابوبکر الباقلانی کی طرف منسوب ہے۔ اور بیس ابواب کے بعد ایک حدیث آرہی ہے جو اس چوتھی شرط کو باطل کرتی ہے اور وہ باب ہے ''فضل الاستغفار''۔

علامہ حلیمی نے الاسماء الحسنٰی میں ''تواب'' کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ پر اپنی رحمت کے فضل سے رجوع فرماتا ہے، وہ جب بھی عبادت کی طرف رجوع کرتا ہے اور اپنی معصیت پر نادم ہوتا ہے تو اس نے پہلے جو نیکی کی ہے اللہ تعالیٰ اس کو ضائع نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے جو اس سے ثواب کا وعدہ کیا ہے اس سے ثواب کو محروم نہیں کرتا۔

اور علامہ خطابی نے کہا ہے ''التواب'' وہ ہے کہ جب بھی بندہ گناہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کرلیتا ہے۔ (یعنی اس کی توبہ باطل نہیں ہوتی)۔

''توبة نصوحا'' کی تحقیق

قتادہ نے کہا ہے کہ ''توبة نصوحا'' وہ ہے جو توبہ صادقہ ہو۔

کہا گیا ہے: اس کو توبہ نصوحا اس لئے کہتے ہیں کہ بندہ اپنے نفس کو نصیحت کرتا ہے یعنی اس کی خیر خواہی کرتا ہے۔ اور اس کو مبالغہ کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے اپنی تفسیر میں ''توبة نصوحا'' کے متعلق حسب ذیل اقوال ذکر کئے

ہیں:

(۱) حضرت عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابی بن کعب اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ "توبة النصوح" وہ ہے کہ جس کے بعد گناہ دوبارہ نہ کرے، جس طرح دودھ تھن سے نکلنے کے بعد اس میں واپس نہیں جاتا۔ اس حدیث کی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

(۲) اور قتادہ نے کہا ہے کہ "توبة النصوح" وہ ہے جو توبہ صادقہ ہو اور خالصہ ہو۔

(۳) حسن بصری نے کہا ہے کہ "النصوح" یہ ہے کہ بندہ گناہ سے اس طرح بغض رکھے جس طرح پہلے اس سے محبت رکھتا تھا اور جب بھی اس گناہ کو یاد کرے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔

(۴) ایک قول یہ ہے کہ "توبة النصوح" یہ ہے کہ جس کے قبول ہونے کا وثوق نہ ہو اور بندہ ڈرتا رہے۔

(۵) ایک قول یہ ہے کہ "توبة النصوح" وہ ہے جس کے بعد مزید توبہ کی ضرورت نہ ہو۔

(۶) الکلبی نے کہا: "توبة النصوح" یہ ہے کہ دل سے گناہ پر نادم ہو، زبان سے استغفار کرے اور گناہ کو اکھاڑ دے اور اس کو یہ اطمینان ہو کہ اب وہ دوبارہ یہ گناہ نہیں کرے گا۔

(۷) اور سعید بن جبیر نے کہا کہ "توبة النصوح" توبۃ المقبولہ ہے، اور توبہ اس وقت مقبول ہوتی ہے جب اس میں تین شرطیں ہوں: ایک قبول نہ ہونے کا خوف، دوسرا قبول ہونے کی امید، اور تیسرا ادائی عبادات کرنا۔

(۸) سعید بن المسیب نے کہا: "توبة النصوح" وہ ہے جس کے ساتھ تم اپنے نفسوں کی خیر خواہی کرو۔

(۹) القرظی نے کہا: "توبة النصوح" میں چار چیزیں جمع ہوتی ہیں: زبان سے استغفار، بدن سے گناہ کو اکھاڑ پھینکنا، اور دل سے دوبارہ نہ کرنے کا عزم کرنا، اور برائی اور بدخلقی کو چھوڑ دینا۔

(۱۰) سفیان ثوری نے کہا: "توبة النصوح" میں چار چیزیں ہیں: "القلة، والعلة، والذلة، والغربة"۔

(۱۱) اور الفضیل بن عیاض نے کہا: توبۃ النصوح یہ ہے کہ گناہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہو، پس وہ ہمیشہ اس کی طرف دیکھتا رہے۔

(۱۲) ابن السماک نے کہا کہ تم گناہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے کھڑا کرو اور اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنے سے حیاء کرو۔

(۱۳) ابوبکر الوراق نے کہا کہ تم یہ سمجھو کہ زمین باوجود وسعت کے تم پر تنگ ہوگئی ہے۔

(۱۴) ابوبکر الواسطی نے کہا: یہ وہ توبہ ہے جو کسی عوض کے فوت ہونے کی وجہ سے نہ ہو، کیونکہ جس نے دنیا میں کوئی گناہ کیا اپنے نفس کی آسانی کے لئے، پھر اس نے توبہ کی تاکہ اسے آخرت میں آسانی مل جائے تو اس کی توبہ اپنے نفس کی حفاظت کے لئے ہے اللہ کے لئے نہیں ہے۔

(۱۵) اور ابوبکر الدقاق المصری نے کہا: "توبة النصوح" یہ ہے کہ لوگوں کے چھینے ہوئے حقوق واپس کردے، دشمنوں سے کی ہوئی زیادتی کو معاف کرائے اور عبادات پر دوام کرے۔

(۱۶) رُویم نے کہا کہ توبہ صرف اللہ کے لئے ہو جیسا کہ معصیت صرف اپنے لیے کرتے تھے۔

(۱۷) ذوالنون نے کہا: "توبة النصوح" کی تین علامتیں ہیں: کم باتیں کرنا، کم کھانا اور کم سونا۔

(۱۸) شقیق بلخی نے کہا: جس نے گناہ کیا ہے وہ اپنے نفس کے اوپر زیادہ ملامت کرے اور کبھی ندامت سے الگ نہ ہو، تاکہ گناہ کی آفات سے نجات پائے۔
(۱۹) سری سقطی نے کہا کہ ''توبۃ النصوح'' اس وقت تک متحقق نہیں ہوگی جب تک کہ اپنے نفس اور تمام مومنین کی خیر خواہی نہ چاہے۔
(۲۰) اور جنید بغدادی نے کہا: ''توبۃ النصوح'' یہ ہے کہ گناہ کو بھول جائے اور کبھی اس کو یاد نہ کرے، کیونکہ جس کی توبہ صحیح ہوتی ہے، وہ اللہ سے محبت کرنے والا ہوجاتا ہے، اور جو اللہ سے محبت کرتا ہے وہ اللہ کے ماسوا کو بھول جاتا ہے۔
(۲۱) اور ذوالاذنین یعنی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری رہیں، اور اس کا دل غمزدہ ہو۔
(۲۲) فتح الموصلی نے کہا: ''توبۃ النصوح'' کی تین علامتیں ہیں: خواہش کی مخالفت کرے، زیادہ روئے، بھوک اور پیاس برداشت کرے۔
(۲۳) سہل بن عبد اللہ التستری نے کہا: یہ توبہ اہل سنت و جماعت کی ہے، کیونکہ بدعتی کی کوئی توبہ نہیں ہوتی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر بدعتی کی توبہ سے حجاب میں ہے۔
(۲۴) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کسی آدمی کے شر کے لئے کافی ہے کہ گناہ سے توبہ کرے اور پھر اس گناہ کی طرف رجوع کرے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۱۸۲۔ ۱۸۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان اقوال پر یہ تبصرہ کیا ہے کہ علامہ قرطبی نے ان اقوال کو صوفیاء کے کلام سے مختلف عبارات سے اخذ کیا ہے اور یہ تمام اقوال توبہ کے مکملات میں سے ہیں، توبہ کی صحت کی شرائط سے نہیں ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فاسق کے گناہ پر تبصرہ

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب مومن سے کوئی گناہ ہوجاتا ہے تو وہ اس طرح ڈرتا ہے جیسے پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے اور اس کو یہ خطرہ ہے کہ پہاڑ اس کے اوپر گر جائے گا۔ اور فاسق جب کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنی ناک پر بیٹھی ہوئی مکھی کو اڑا دے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مومن کے اوپر اس کے ایمان کی قوت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے خوف کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف نہیں ہوتا اور یہی مسلمان کی شان ہے، وہ ہمیشہ خوف الٰہی میں رہتا ہے اور اپنے نیک اعمال کو بھی کم سمجھتا ہے اور اس سے چھوٹا سا بھی گناہ ہوجائے تو اس کی پکڑ، گرفت اور عذاب سے ڈرتا رہتا ہے۔ اور فاسق کا یہ اعتقاد نہیں ہوتا کہ اس گناہ کی وجہ سے اس کو کوئی بڑا عذاب ہوگا یا کوئی بڑا ضرر پہنچے گا جیسا کہ مکھی کا ضرر اس کے نزدیک آسان ہوتا ہے، اور اس کو دور کرنا بھی آسان ہوتا ہے، تو اسی طرح وہ سمجھتا ہے کہ اس نے جو گناہ کیا ہے اس کا کوئی خاص عذاب نہیں ہوگا اور اس سے اس کو دور کرنا بھی آسان ہے۔

فاسق کی گناہ سے بے پرواہی اور مومن کے گناہ سے شدید خوف کے اوپر فقہاء اسلام کے تبصرے

المحب الطبری نے کہا ہے کہ مومن کی یہ صفت اللہ تعالیٰ سے شدت خوف کی وجہ سے اور اس کے عذاب کے شدت خوف کی وجہ سے ہوتی ہے، کیونکہ اس کو اپنے گناہ کا تو یقین ہوتا ہے اور مغفرت کا یقین نہیں ہوتا۔ اور فاسق و فاجر کی اللہ تعالیٰ سے بہت کم معرفت

ہوتی ہے، اسی وجہ سے اس کا خوف بھی کم ہوتا ہے اور وہ گناہ اور معصیت کو معمولی سمجھتا ہے۔

اور علامہ ابن ابی جمرہ نے کہا: اس کا سبب یہ ہے کہ فاجر کے قلب میں تاریکی ہوتی ہے تو اس کے نزدیک گناہ بہت کم اور معمولی ہوتا ہے۔

فاجر کے گناہوں کو مکھی اڑانے کے ساتھ تشبیہ دینے کی حکمت یہ ہے کہ مکھی سب سے ہلکا پرندہ ہے اور سب سے حقیر پرندہ ہے اور وہ چھوٹی سی چیز پر گر جاتی ہے، اور ناک کے ذکر میں یہ مبالغہ ہے کہ وہ گناہ کو بہت معمولی سمجھتا ہے۔ اور ہاتھ سے مکھی اڑانے میں یہ اشارہ ہے کہ فاسق یہ سمجھتا ہے کہ اس معمولی مقدار سے اس کا ضرر دور ہو جائے گا۔ اور اس میں یہ رہنمائی کی ہے کہ نفس کا محاسبہ کرنا چاہیے۔ اور اس میں اہل سنت کی دلیل ہے کہ وہ گناہ کی وجہ سے کسی کو کافر نہیں کہتے اور خوارج وغیرہ کا رد ہے جو گناہ کی وجہ سے انسان کو کافر قرار دیتے ہیں۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مومن کو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ خوف ہونا چاہیے خواہ گناہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ قلیل گناہ پر بھی عذاب دیتا ہے، کیونکہ وہ اپنے کسی فعل پر جواب دہ نہیں ہے۔

بندہ کی توبہ سے اللہ تعالیٰ کی فرح کا بیان

علامہ ابن العربی نے کہا ہے: ہر وہ صفت جو تغیر کا تقاضا کرتی ہو، اللہ تعالیٰ کا اس صفت کے ساتھ موصوف ہونا جائز نہیں ہے۔ اگر قرآن و حدیث میں کوئی ایسی چیز وارد ہے تو اس کو ایسے معنی پر محمول کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہو، اس لئے یہاں فرحت کا معنی اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔

علامہ ابن ابی جمرہ نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے پر جو احسان فرماتا ہے اور اس سے درگزر فرماتا ہے، اس کا کنایہ فرحت کے ساتھ کیا ہے، کیونکہ بادشاہ کی یہ عادت ہے کہ جب وہ کسی کے کام سے خوش ہوتا ہے تو اس پر زیادہ احسان فرماتا ہے۔

اور علامہ القرطبی نے المفہم میں کہا ہے: اس مثال سے یہ قصد کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے بندہ کی توبہ کو بہت جلد قبول فرماتا ہے۔ اور اس کی توبہ قبول کر کے اس کی مغفرت فرماتا ہے اور اس کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو کوئی خوش ہونے والا دوسرے کے ساتھ کرتا ہے۔

اور اس مثال کی توجیہ یہ ہے کہ عاصی اپنی معصیت کے سبب سے شیطان کے قبضہ میں اور اس کی قید میں ہوتا ہے اور اپنی ہلاکت کے قریب ہوتا ہے، پس جب اللہ تعالیٰ اس پر لطف فرماتا ہے اور اس کو توبہ کی توفیق دیتا ہے اور وہ اس معصیت کے پنجہ سے نکل جاتا ہے اور شیطان کی قید سے نجات پاتا ہے اور اس ہلاکت سے نجات پاتا ہے جس کے قریب پہنچ گیا تھا تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ اس پر متوجہ ہوتا ہے اور مغفرت کے ساتھ اس پر توجہ فرماتا ہے، ورنہ جو فرح اور خوشی مخلوقین کی صفات میں سے ہے وہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے، کیونکہ جب کسی انسان کو کوئی کامیابی حاصل ہوتی ہے یا وہ اپنے نفس سے کسی ضرر کو دور کرتا ہے یا نفع کو حاصل کرتا ہے تو اس پر خوشی سے بے حال ہو جاتا ہے اور یہ چیزیں اللہ تعالیٰ پر محال ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں کامل ہے، اپنے وجود میں غنی ہے، اس کو کوئی نقص لاحق نہیں ہوتا اور نہ کوئی قصور طاری ہوتا ہے اور اس فرح کا ہمارے نزدیک ایک ثمرہ اور فائدہ ہے اور وہ کسی چیز پر متوجہ ہونا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس بندہ کے اوپر اپنی کمال رحمت اور عظیم مغفرت کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے جو اس کی

بارگاہ میں سچی توبہ کرتا ہے اور ندامت سے آنسو بہاتا ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

علامہ ابن ابی جمرہ نے کہا ہے: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں متعدد فوائد ہیں:

(۱) کسی مرد کا تنہا سفر کرنے کا جواز، کیونکہ شارع علیہ السلام اسی چیز کی مثال دیں گے جو جائز ہو اور جس حدیث میں تنہا سفر کرنے کی ممانعت ہے، وہ تنزیہہ پر محمول ہے۔

(۲) جس جگہ پر کھانے پینے کی چیزیں دستیاب نہ ہوں، اس کو ہلاکت کی جگہ سے تعبیر کرنے کا جواز۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بشر کا خوش ہونا اور غم کرنا، وہ بہ طریقِ عادت جاریہ ہے۔ اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس بندہ کا غم اس وجہ سے تھا کہ اس کی سواری غائب ہوگئی اور سواری کے غائب ہونے کی وجہ سے اس کو خوراک میسر نہ تھی تو اس کو موت کا خوف ہوا اور خوشی اس وجہ سے تھی کہ سواری مل گئی اور عادۃً جن چیزوں سے حیات حاصل ہوتی ہے، وہ چیزیں مل گئیں۔

(۴) اور اس میں اللہ کے حکم ماننے کی برکت ہے، کیونکہ اس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جو اپنی سواری کے ملنے سے مایوس ہو گیا تھا اور موت کو اپنے سامنے پا رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر احسان فرمایا کہ اس کی سواری اس کو مل گئی۔

(۵) اور اس حدیث میں مثال کو بیان کرنے کا جواز ہے تا کہ امورِ محسوسہ جو عقلوں کے قریب ہوتے ہیں، ان سے مسئلہ بیان کیا جا سکے اور انسان کو اپنے نفس کے محاسبہ پر برانگیختہ کرنا ہے۔ اور ان علامات کا اعتبار کرنا ہے جو نعمت کی بقا پر دلالت کرتی ہیں۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۰۷ ۳۔ ۷۴ ۳، ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۸، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب انسان ایک گناہ سے توبہ کرے اور دوسری قسم کے گناہوں میں مشغول ہو تو اس کی توبہ مقبول ہوگی یا نہیں؟

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ جب وہ ایک گناہ سے توبہ کر لے اور دوسری اقسام کے گناہوں میں مشغول ہو تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔

اور دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ اس کی توبہ صحیح ہوتی ہے خواہ وہ دوسرے قسم کے گناہوں میں مشغول ہو یا ان پر اصرار کرتا ہو، مثلاً اس نے اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے سے توبہ کی ہے یا ان سے بات کرنے سے توبہ کی ہے۔ اور دوسری قسم کے گناہ میں مشغول ہے مثلاً اس نے سودی کاروبار سے توبہ کی ہے اور وہ جھوٹ بولتا ہے، اس لئے کہ جھوٹ بولنا اور جنس ہے اور سودی کاروبار کرنا اور جنس ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ جس نے کسی گناہ سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا، کیونکہ اس پر عمومی دلائل ہیں، حتیٰ کہ اگر وہ اس کی جنس پر اصرار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔

لیکن اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ توبہ مطلقہ جس کی وجہ سے انسان ثنا اور تعریف کا مستحق ہوتا ہے اور جو توبہ اس کو توابین میں داخل کرتی ہے، وہ توبہ اس وقت صحیح نہیں ہوگی جب وہ کسی اور قسم کے گناہ پر اصرار کرتا ہے یا اس میں مشغول ہوتا ہے، اور وہ تواب کا

صفت کے ساتھ متصف نہیں ہوگا۔

رہا مطلق توبہ، تو وہ صحیح ہے خواہ وہ دوسری قسم کے گناہ پر اصرار کرتا ہو، لیکن اس وجہ سے وہ "تَوّابین" کے زمرہ میں داخل نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کو فرح کے ساتھ متصف کرنا

اہل سنت و جماعت کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس وصف کے ساتھ متصف کرنا جائز ہے جس وصف کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو خود متصف کیا ہے اور اس کے رسول نے کیا ہے بغیر تحریف کے اور تبدیل کے، پس ہم ان صفات پر ایمان لاتے ہیں، یہ برحق ہیں لیکن بغیر تمثیل کے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔ (الشوریٰ:۱۱) اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی فرح کا اور معنی ہے اور بندوں کی فرح کا اور معنی ہے۔

(شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۵۶۔ ۱۵۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۔ بَابٌ: الضَّجْعِ عَلَى الشِّقِّ الْأَيْمَنِ — دائیں کروٹ پر سونے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دائیں کروٹ پر سونا مستحب ہے۔ "الضجع" کا معنی ہے: اپنا پہلو زمین پر رکھنا۔ اور کتاب الصلوٰۃ میں یہ باب گزر چکا ہے "فجر کی دو سنتوں کے بعد دائیں کروٹ پر سونا"۔ اور اس باب کا تعلق کتاب الدعوات کے ساتھ اس طرح ہے کہ اس باب کی احادیث سے یہ معلوم ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لیٹتے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸ ۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۱۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً فَإِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ حَتَّى يَجِيءَ الْمُؤَذِّنُ فَيُؤْذِنَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو گیارہ رکعات (تہجد) پڑھتے، پس جب فجر طلوع ہوتی تو آپ دو ہلکی رکعت سنتِ فجر پڑھتے، اس کے بعد آپ دائیں پہلو پر لیٹ جاتے حتیٰ کہ موذن آتا، پس وہ آپ کو اقامتِ نماز کی اطلاع دیتا۔

(صحیح بخاری: ۶۲۶، ۹۹۴، ۱۱۲۳، ۱۱۶۰، ۱۱۷۰، ۶۳۱۰، صحیح مسلم: ۷۳۶، سنن نسائی: ۱۷۶۲، سنن ابن ماجہ: ۱۱۹۸، مسند احمد: ۲۴۵۸۱، سنن دارمی: ۱۴۷۳)

صحیح البخاری: ۶۳۱۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے "پھر آپ دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد اللہ بن محمد الجعفی، یہ المسندی کے نام سے معروف ہیں۔

یہ حدیث ابواب الوتر میں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

سنتِ فجر کے بعد دائیں کروٹ پر لیٹنا اور گھر میں نماز کا انتظار کرنا بھی مسجد میں نماز کے انتظار کی مثل ہے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فجر کی دو رکعت پڑھنے کے بعد دائیں کروٹ پر لیٹنا سنت ہے، اس سلسلہ میں یہ حدیث بھی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص فجر کی دو رکعت پڑھے تو اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جائے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۲۶۱، سنن ترمذی: ۴۲۰، مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۵)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو مستقل امام ہو، موذن کو اس کے پاس جا کر نماز کی خبر دینی چاہیے اور اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ گھر میں نماز کا انتظار کرنا مسجد میں نماز کے انتظار کی مثل ہے، کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حجرہ سے نکل کر مسجد میں آجاتے تاکہ آپ کو نماز کے انتظار کی فضیلت حاصل ہوتی کیونکہ نماز کا انتظار کرنے والے کا نماز میں شمار ہوتا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۳۱۰، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک بن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیئات میں سے ایک ہیئت ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتے تھے۔ اور اللہ ہی خوب جانتا ہے یہ ہیئت لیٹنے میں زیادہ مناسب اور ملائم ہے۔ یا آپ اس لئے کرتے تھے کیونکہ دائیں جانب کو بائیں جانب پر فضیلت حاصل ہے۔ اور یہ تمام صورتیں مباح ہیں، ان میں سے کوئی ہیئت واجب نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۱۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جو شخص تہجد کی نماز سے تھک جائے اس کے لئے نمازِ فجر سے پہلے لیٹنا سنت ہے

یہ لیٹنا سنتِ فجر کے بعد ہوتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ہر شخص کے لیے یہ لیٹنا سنت ہے جو اپنے گھر میں نماز پڑھے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سنت نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ صرف آرام کے لئے کیا ہے۔ پس بعض علماء نے کہا: اگر انسان نے تہجد کی نماز میں قیام کیا ہو اور اس کو نیند کرنے اور لیٹنے کی ضرورت ہو تاکہ آرام حاصل ہو اور صبح کی نماز ترو تازگی کے ساتھ پڑھے تو اس کے لیے لیٹنا سنت ہے ورنہ نہیں ہے۔ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اس کو یہ خوف نہ ہو کہ فجر کی نماز بھی اس کی نیند میں گزر جائے گی۔ پس اگر اس کو

یہ خوف ہو کہ فجر کی نماز سے وہ سو جائے گا تو پھر یہ لیٹنا سنت نہیں ہوگا بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ لیٹنا جائز بھی نہیں ہوگا۔

اور ابن حزم نے بہت مبالغہ کیا، انہوں نے کہا کہ یہ لیٹنا فجر کی نماز کی صحت کے لیے شرط ہے۔ پس جو شخص فجر کی سنت پڑھنے کے بعد دائیں کروٹ پر نہیں لیٹا تو اس کی نماز صحیح نہیں ہے بلکہ باطل ہے۔ اور یہ قول غرائب علم سے ہے، کیونکہ یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فعل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محض فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا جب تک آپ نے اس کا حکم نہ دیا ہو۔ اور جس حدیث میں آپ کا یہ ارشاد ہے کہ "جب تم میں سے کوئی شخص فجر کی دو سنتیں پڑھے تو وہ دائیں کروٹ پر لیٹ جائے" سو یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ صحیح صرف یہ ہے کہ یہ فقط نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فعل ہے۔ (شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۵۸۔۱۵۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

٦۔ بَابُ: إِذَا بَاتَ طَاهِرًا — باوضو سونے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اس شخص کی فضیلت بیان کی گئی ہے جب وہ باوضو سوئے۔ اس باب میں جو احادیث بیان کی گئی ہیں وہ امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہیں۔

ان میں سے ایک وہ حدیث ہے جس کو امام ابوداؤد اور امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان بھی اللہ کا ذکر کرتے ہوئے باوضو سوئے، پھر رات کو وہ کسی وقت اٹھے اور اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت کی خیر کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ سوال عطا فرماتا ہے۔ اور اس باب کی حدیث کو امام بخاری نے کتاب الدعوات میں اس لیے ذکر کیا ہے کہ اس میں ایک عظیم دعا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۳۱۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ سَمِعْتُ مَنْصُورًا عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ قَالَ حَدَّثَنِي الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ رضي الله عنهما قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا أَتَيْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوءَكَ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلَى شِقِّكَ الْأَيْمَنِ وَقُلِ اللَّهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ رَهْبَةً وَرَغْبَةً إِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ فَإِنْ مُتَّ مُتَّ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاجْعَلْهُنَّ آخِرَ مَا تَقُولُ فَقُلْتُ أَسْتَذْكِرُهُنَّ وَبِرَسُولِكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ قَالَ لَا وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے منصور سے سنا از سعد بن عبیدہ انہوں نے کہا: مجھے حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی، انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: جب تم اپنے بستر پر آؤ، پھر تم ایسا وضو کرو جیسا نماز کے لیے وضو کرتے ہو، پھر تم دائیں کروٹ پر لیٹ جاؤ اور تم کہو: "اے اللہ! میں نے اپنی جان تیرے سپرد کر دی اور میں نے اپنا معاملہ تجھے سونپ دیا اور میں نے اپنی پشت تیری پناہ میں دے دی تجھ سے ڈرتے ہوئے اور تیری طرف رغبت کرتے ہوئے، نہ کوئی ٹھکانا ہے اور نہ کوئی تجھ سے نجات کی جگہ ہے مگر تیری ہی طرف، میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جس کو تو نے نازل فرمایا، اور تیرے اس نبی

پر ایمان لایا جس کو تو نے بھیجا''، پس اگر تم مرجاؤ تو فطرت پر مرو
گے اور اپنے ان دعائیہ کلمات کو اخیر میں کہنا۔ پس میں نے کہا اور
میں ان کلمات کو یاد کرنے والا تھا: اور میں اس رسول پر ایمان
لایا جس کو تو نے بھیجا، تو آپ نے فرمایا: نہیں! وہی کہو میں اس نبی
پر ایمان لایا جس کو تو نے بھیجا۔

(صحیح بخاری: ۲۴۷، ۶۳۱۱، ۶۳۱۳، ۶۳۱۵، ۷۴۸۸، صحیح مسلم: ۲۷۱۰، سنن ترمذی: ۳۵۷۴، سنن ابوداؤد: ۵۰۴۶، سنن ابن ماجہ: ۳۸۷۶، مسند احمد: ۱۸۱۷۷، سنن دارمی: ۲۶۸۳)

صحیح البخاری: ۶۳۱۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''جب کوئی شخص رات کو باوضو سوئے'' اور اس حدیث میں مذکور ہے ''پس تم ایسا وضو کرو جیسا کہ نماز کے لیے وضو کرتے ہو، پھر لیٹ جاؤ''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معتمر، یہ ابن سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے منصور، وہ ابن المعتمر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعد بن عبیدہ، یہ ابوحمزہ الکوفی ہیں، یہ ابوعبدالرحمٰن کے داماد ہیں۔ اور عمر بن ہبیرہ کی جب کوفہ پر ولایت تھی اس وقت ان کی وفات ہوگئی تھی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''جب تم اپنے بستر پر جاؤ اور ایسا وضو کرو جو نماز کے لیے وضو کیا جاتا ہے، پھر دائیں کروٹ پر لیٹ جاؤ''۔
اس حدیث میں امر استحباب کے لیے ہے۔ اور امام ترمذی نے کہا ہے: احادیث میں نیند کے وقت وضو کرنے کا ذکر نہیں ہے، سوا اس حدیث کے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''میں نے اپنی جان تیرے سپرد کر دی'' اور ابوذر اور ابوزید کی روایت میں ہے: میں نے اپنا چہرہ تیرے سپرد کر دیا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ نفس اور چہرہ دونوں سے مراد ذات اور شخص ہے یعنی میں نے اپنی ذات اور اپنے شخص کو تیرے سپرد کر دیا۔ اور ایک اور باب کے بعد ایک حدیث آئے گی اس میں یہ الفاظ ہیں ''میں نے اپنی جان تیرے سپرد کر دی اور اپنا چہرہ تیرے سپرد کر دیا'' پس جب اس طرح ہو تو نفس سے مراد ہوگی ذات اور الوجہ (یعنی چہرہ) سے مراد ہوگی قصد۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''اسلمت، استسلمت، انقدت'' ان سب کا معنی ہے: میں نے اپنے نفس اور اپنی ذات کو تیرے حکم کے تابع کر دیا، کیونکہ اس کی تدبیر پر مجھے قدرت نہیں ہے۔ اور نہ اس پر قدرت ہے کہ میں اس کے لیے نفع آور چیزوں کو کھینچوں اور نہ اس پر قدرت ہے

کہ میں اسے ضرر دینے والی چیزوں سے دور کردوں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''وفوضت'' یہ تفویض سے ماخوذ ہے، یعنی معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''والجأت ظهری الیك'' یعنی میں نے اپنی پشت تیری پناہ میں دے دی۔ یعنی میں نے اپنے معاملات میں تجھ پر اعتماد کیا جیسا کہ انسان جب کسی چیز کے ساتھ اپنی پیٹھ کو ٹیک لگاتا ہے تو اس پر اعتماد کرتا ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''ڈرتے ہوئے اور رغبت کرتے ہوئے'' یعنی تیرے عذاب کے خوف سے ڈرتے ہوئے اور تیرے ثواب کی امید کرتے ہوئے۔

اور امام نسائی نے روایت کیا ہے ''رهبة منك و رغبة الیك'' تجھ سے ڈرتے ہوئے اور تیری طرف رغبت کرتے ہوئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جس کو تو نے نازل کیا''۔ ہوسکتا ہے اس سے مراد قرآن مجید ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد ہر وہ کتاب ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔

اور ابو زید المروزی کی روایت میں ہے ''انزلته و ارسلته'' یعنی جس کتاب کو تو نے نازل کیا اور جس رسول کو تو نے بھیجا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''وبنبیك الذی ارسلت'' رسول اس نبی کو کہتے ہیں جو صاحب کتاب ہو اور یہ نبی سے خاص ہے، اور ہم نے اس کلام کی زیادہ شرح اپنی ہدایہ کی شرح میں یعنی ہدایہ کے دیباچہ میں کی ہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے: رسالت کو نبوت لازم ہے اور نبوت کو رسالت لازم نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''جس نے یہ کلمات پڑھے اور اس رات مر گیا تو وہ دینِ اسلام پر مرے گا''۔

اور مسند احمد کی روایت میں ہے ''اگر تم مر گئے تو فطرت پر مرو گے اور تمہارے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا''۔

اور کتاب التوحید میں اس حدیث کے آخر میں ہے کہ ''جب تم صبح اٹھو گے تو خیر کے ساتھ اٹھو گے'' یعنی اس حال میں نیکی ہوگی اور نیک اعمال زیادہ ہوں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فقلت استذ کرهن'' یعنی حضرت البراء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے ان کلمات کو حفظ کرنے کے لیے دہرایا اور نبی کے لفظ کی جگہ رسول کا لفظ کہا۔

نیز اس حدیث میں ہے، آپ نے فرمایا ''نہیں! وہی پڑھو (یعنی وبنبیك الذی ارسلت)'' علماء نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت البراء رضی اللہ عنہ کے کلام کو اس لیے رد فرمایا تا کہ دو منصب اور دو مرتبے جمع ہوں ایک نبوت کا مرتبہ اور دوسرا رسالت کا۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ آپ نے کلام کو التباس سے محفوظ رکھنے کے لیے اس طرح فرمایا، کیونکہ رسول کے لفظ میں تو حضرت جبریل بھی داخل ہو جاتے ہیں۔

اور تیسری توجیہ یہ ہے کہ یہ کلمات ذکر اور دعاء ہیں۔ پس ان کلمات میں انہی الفاظ پر اقتصار کیا جائے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے ہوں، کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ ان خاص کلمات کی وہ تاثیر ہو جو دوسرے کلمات میں نہ ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۴۰۔۴۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۱۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باوضو سونے کے متعلق اقوال اور احادیث

اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ آدمی وضو کر کے سوئے۔ پس جب وہ وضو کر کے سوئے گا تو یہ اس کے لیے کافی ہوگا اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ اگر وہ اس رات کو فوت ہو جائے تو وہ طہارت پر فوت ہوگا اور اس لیے کہ باوضو سونے سے اس کا خواب سچا ہوگا اور نیند میں شیطان کے کھیلنے سے محفوظ رہے گا۔

اور امام عبد الرزاق اپنی سند کے ساتھ از ابو بکر بن عیاش روایت کرتے ہیں کہ مجھے ابویحیٰ نے خبر دی، انہوں نے مجاہد سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم بغیر وضو کے ہرگز نہ سونا، کیونکہ روحیں اسی کیفیت پر اٹھائی جاتی ہیں جس کیفیت میں ان کو قبض کیا جاتا ہے۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۹۸۴۴)

نیز امام عبد الرزاق اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ اعمش نے دیوار پر تیمم کیا، ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا مجھے یہ خطرہ ہے کہ کہیں وضو کرنے سے پہلے مجھے موت نہ آجائے۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۹۸۴۳)

حکم بن عتیبہ سے ایک مرد نے سوال کیا کہ کیا کوئی مرد بغیر وضو کے سو سکتا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ مکروہ ہے اور ہم ایسا کرتے ہیں۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۹۸۴۲)

ابوتوبہ العجلی بیان کرتے ہیں: جو باوضو اپنے بستر پر گیا یا اللہ کا ذکر کرتے ہوئے سویا تو اس کا بستر مسجد ہوگا۔ اور اس کا نماز میں یا ذکر میں ہی شمار ہوگا حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۹۸۳۷)

اور دائیں کروٹ پر سونا اس لیے مطلوب ہے کہ دائیں جانب کو بائیں جانب پر شرف حاصل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب سے ابتداء کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ اور اس لیے بھی کہ دائیں کروٹ پر سونے سے آدمی جلدی بیدار ہوتا ہے۔
(صحیح البخاری: ۴۲۶، صحیح مسلم: ۲۶۸)

''وبرسولك الذى ارسلت'' پر انکار کی توجیہات

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما نے ''وبرسولك الذى ارسلت'' دہرایا تو آپ نے اس پر انکار فرمایا، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ رسول کا لفظ رسلِ ملائکہ کو بھی شامل ہے جیسے حضرت جبریل علیہ السلام اور دیگر ملائکہ۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ''وبنبيك الذى ارسلت'' کی تعلیم فرمائی، وہ ذکر اور دعا ہے، پس انہی کلمات پر اقتصار کرنا چاہیے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو انہی الفاظ کے پڑھنے کی وحی فرمائی ہو، اس لیے انہی الفاظ کے ساتھ ادا کرنا متعین ہو گیا ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ ''وبنبيك الذى ارسلت'' میں نبوت اور رسالت دونوں کو جمع کر دیا ہے۔ اور ''وبرسولك الذى

ارسلت‘‘ میں لفظِ رسول کا تکرار ہے اور اہلِ بلاغت تکرار کو ناپسند کرتے ہیں۔

بعض علماء نے اس حدیث کی بناء پر روایت بالمعنیٰ سے منع کیا ہے اور مجھے وزیر نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ روایت بالمعنیٰ اس وقت منع ہے جب اس سے معنیٰ مختلف ہو جائے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۰۶۔ ۲۰۸ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۱۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باوضو سونے کے متعلق دیگر احادیث اور فوائد

امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص باوضو سوتا ہے اس کے لباس میں ایک فرشتہ سوتا ہے، پس جب وہ شخص بیدار ہوتا ہے تو فرشتہ دعا کرتا ہے: اے اللہ! اپنے فلاں بندہ کی مغفرت فرما۔ اور امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سندِ جید کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ بندہ طہارت اور پاکیزگی پر رات گزارے تاکہ اچانک اس کو موت آئے تو وہ ہیئت کاملہ پر ہو۔ اور اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ انسان موت کی تیاری کرے تو یہ مستحب ہے، کیونکہ بدن کی طہارت سے قلب کی طہارت اولیٰ ہے۔

اور دائیں کروٹ پر سونے کی تخصیص اس لئے ہے کہ دائیں کروٹ پر سونے سے آدمی جلدی بیدار ہوتا ہے، نیز قلب دائیں جانب متوجہ ہوتا ہے، پس وہ نیند سے بوجھل نہیں ہوگا۔ اور علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ اطباء نے تصریح کی ہے کہ یہ ہیئت بدن کے لیے زیادہ سودمند ہے۔ اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ تھوڑی دیر دائیں جانب کروٹ لے کر سوئے، پھر بائیں جانب کروٹ بدل کر سوئے، کیونکہ پہلی صورت سے نیند میں کمی ہوگی اور کھانا جلدی ہضم ہوگا۔

الخرائطی نے مکارم الاخلاق میں ایک اور سند کے ساتھ حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب وہ اپنے بستر پر جائے تو کہے: اے اللہ! تو میرا رب ہے اور میرا مالک ہے اور میرا معبود ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، تیری ہی طرف میں نے اپنی ذات کو متوجہ کر دیا۔

کلماتِ دعائیہ کے الفاظ کے معانی

اس حدیث میں ’’وجہ‘‘ کا لفظ ہے اور اس کا معنیٰ ذات اور شخص ہے، یعنی میں نے اپنی ذات اور شخص کو تیری طرف سونپ دیا ہے۔ لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ ابواسحاق نے حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اس میں نفس اور وجہ دونوں لفظوں کو جمع کیا ہے، اس کی عبارت اس طرح ہے ’’میں نے اپنا نفس تیری طرف سپرد کر دیا اور اپنا معاملہ تیری طرف مفوض کر دیا اور اپنا چہرہ تیری طرف متوجہ کر دیا‘‘۔

اس حدیث میں ’’اسلمت‘‘ کا لفظ ہے، اس کا معنیٰ ہے: میں نے تیرے حکم کی اطاعت کی اور میں نے اپنے نفس اور اپنی

ذات کو تیرے حکم کے تابع کر دیا، کیونکہ مجھے نفس کی تدبیر کے اوپر کوئی قدرت نہیں ہے، اور میں نفس کی نفع دینے والی چیزوں کو حاصل کر سکتا ہوں اور نہ ضرر دینے والی چیزوں کو نفس سے دور کر سکتا ہوں۔

اور فرمایا ''وفوضت امری الیك'' یعنی میں نے اپنے تمام معاملات میں تجھ پر توکل کیا ہے۔

اور فرمایا ''والجات'' یعنی میں نے اپنے تمام امور میں تجھ پر اعتماد کیا ہے تاکہ تو میری ان چیزوں میں مدد کرے جو مجھے نفع دیں۔

علامہ طیبی نے ذکر کیا ہے: اس ذکر میں ایسے عجائب ہیں جس کو ماہر اہلِ بیان کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ پس ''اسلمت نفسی'' میں یہ اشارہ کیا کہ بندہ کے اعضاء اللہ تعالیٰ کے احکام کے تابع ہیں جن چیزوں کا وہ حکم دے اور جن چیزوں سے وہ منع فرمائے۔

اور ''وجهت وجهی'' میں یہ اشارہ ہے کہ اس کی ذات اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص ہے اور نفاق سے بری ہے۔

اور ''فوضت امری'' میں یہ اشارہ ہے کہ اس کے خارجی اور داخلی معاملات سب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان کا مدبر اور تدبیر کرنے والا نہیں ہے۔

اور ''الجات ظهری'' میں یہ اشارہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کے بعد بھی اگر کوئی نقصان دہ چیز پیش آئے یا ایذاء پہنچانے والی چیز پیش آئے تو ان تمام اسباب میں وہ اللہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے۔

اور ''رغبة و رهبة'' میں یہ اشارہ ہے کہ میں نے اپنے تمام معاملات کو تیری طرف رغبت کی وجہ سے پیش کیا اور میں نے اپنی پشت کو تیرے خوف سے تیری طرف رکھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''جس نے یہ دعائیہ کلمات کہے، پھر اسی رات کو وہ فوت ہو گیا تو وہ فطرت پر فوت ہوگا''۔

علامہ طیبی نے بیان کیا: اس میں یہ اشارہ ہے کہ فطرت سے مراد ہے دینِ قویم جو ملتِ ابراہیم ہے، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا اور اس کے احکام کی اطاعت کی، کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلۡبٍ سَلِيۡمٍ ﴿۸۴﴾ (الصّٰفّٰت: ۸۴) وہ قلبِ سلیم کے ساتھ اپنے رب کے سامنے حاضر ہوئے ہیں O

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے فرمایا:

اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۳۱﴾ (البقرہ: ۱۳۱) میں تمام جہانوں کے رب کی اطاعت پر قائم ہوں O

نیز فرمایا:

فَلَمَّاۤ اَسۡلَمَا۔ (الصّٰفّٰت: ۱۰۳) سو جب دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

ان کلماتِ دعائیہ میں اور مرتے وقت کلمۂ ایمان کے پڑھنے کے ثمرات کا فرق

علامہ ابن بطال اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ فطرت سے مراد یہاں دینِ اسلام ہے اور یہ وہی ہے جس کا دوسری حدیث میں بیان ہے کہ جس شخص کا آخری کلام لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہو، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

علامہ القرطبی نے المفہم میں یہ کہا ہے کہ اسی طرح دیگر شیوخ نے بھی کہا ہے اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ کلمات جو تا حیات توحید اور تسلیم و رضا کا تقاضا کرتے ہیں، جب ان کلمات کا کہنے والا اس شخص کی مثل ہوگا جس نے لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا ہے تو پھر ان کلماتِ عظیمہ کا کہنے والا بھی جنتی ہوا اور جس کا خاتمہ ایمان پر ہوا وہ بھی جنتی ہوا تو پھر ان کلمات کی کیا خصوصیت رہی؟

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: کہ اس کا جواب یہ ممکن ہے کہ اگر چہ ان دونوں حدیثوں کا تقاضا یہ ہے کہ جس کا خاتمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پر ہوا اور جس نے یہ دعائیہ کلمات پڑھے، دونوں کا خاتمہ فطرت پر ہوگا لیکن دونوں فطرتوں میں فرق ہے۔ پس اول کی فطرت مقربین کی فطرت ہے اور دوسری کی فطرت اصحاب الیمین کی فطرت ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

علامہ نووی نے کہا ہے: اس حدیث کے تین فوائد ہیں:

(۱) سوتے وقت وضو کرنا اگر چہ وہ پہلے سے باوضو ہو، کیونکہ مقصود ہے طہارت پر سونا۔

(۲) دائیں کروٹ پر سونا۔

(۳) اپنی دعا کو اللہ کے ذکر پر ختم کرنا۔

اور علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ حدیث اس پر مشتمل ہے کہ انسان ان چیزوں پر ایمان لائے جن پر ایمان لانا اجمالاً واجب ہے، اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابوں پر، اس کے بھیجے ہوئے رسولوں پر اور الٰہیات اور نبویات پر۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال کی طرف اسناد کرے۔ اور چہرہ اور نفس کے ذکر میں اور اپنی پشت کو اللہ کی طرف ٹیک لگانے کے ذکر میں توکل کا اشارہ ہے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کی طرف اشارہ ہے اور اس کی تقدیر پر راضی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ سب باعتبار معاش کے ہے۔ اور یہ اعتراف ہے کہ ثواب اور عقاب اور خیر اور شر یہ باعتبار معاد کے ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۷۵ ۳۔۷۷ ۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۔ بَابُ: مَا يَقُولُ إِذَا نَامَ

جب کوئی شخص سوئے تو اس وقت کیا دعا کرے

۶۳۱۲۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ قَالَ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا وَإِذَا قَامَ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ يُنْشِزُهَا يُخْرِجُهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبد الملک از ربعی بن حراش از حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر جاتے تو یہ دعا کرتے "میں تیرے نام سے مرتا ہوں اور تیرے نام سے زندہ ہوتا ہوں" اور جب بیدار ہوتے تو یہ دعا کرتے "تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف جمع ہونا ہے۔" "وہ اس کو اٹھاتا ہے: وہ اس کو نکالتا ہے"۔

(صحیح بخاری: ۶۳۱۴، ۶۳۲۴، ۷۳۹۴، صحیح مسلم: ۲۷۱۱، سنن ترمذی: ۳۴۱۷، سنن ابوداؤد: ۵۰۴۹، سنن ابن ماجہ: ۳۸۸۰، مسند احمد: ۲۳۷۶۰، مسند احمد: ۲۲۷۶۰)

صحیح البخاری: ۶۳۱۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے "میں تیرے نام سے مرتا ہوں اور تیرے نام سے زندہ ہوتا ہوں" اور اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب بندہ نیند سے بیدار ہو تو پھر کیا کہے۔ تو باب کی حدیث میں عنوان پر اضافہ ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے قبیصہ، یہ ابن عقبہ الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے سفیان، یہ الثوری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد الملک، یہ ابن عمیر ہیں۔ اور یہ حدیث از ربعی بن حراش از حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ مروی ہے۔
صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں الیمان کا ذکر نہیں ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر جاتے تو یہ دعا کرتے: میں تیرے نام سے مرتا ہوں اور تیرے نام سے زندہ ہوتا ہوں"۔ یعنی جب تک میں زندہ ہوں تو تیرے نام سے زندہ رہوں گا اور جب میں وفات پاؤں گا تو تیرے نام سے وفات پاؤں گا۔

اس تقریر سے یہ سوال ساقط ہو جاتا ہے کہ حیات اور موت اللہ کے سبب سے ہے نہ کہ اس کے نام کے سبب سے۔
دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اسم مسمّٰی کا عین ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ اسم اس میں زائد ہو۔
اس حدیث میں مذکور ہے "اور اسی کی طرف اٹھنا ہے"۔ یعنی قیامت کے دن لوگ اسی کی طرف زندہ ہو کر جمع ہوں گے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ زندہ ہونا اور مرنا نہیں ہے بلکہ بیدار ہونا اور سونا ہے۔
اس کا جواب دیا گیا ہے کہ موت کا معنی ہے "روح کے تعلق کا بدن سے منقطع ہو جانا" اور کبھی یہ لفظ سے ظاہر ہوتا ہے اور وہ نیند ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ نیند موت کا بھائی ہے، یا ظاہراً اور باطناً ہے اور وہ موتِ متعارف ہے۔ اور اس پر زندہ کرنے اور مارنے کا اطلاق بطورِ تشبیہ کیا گیا ہے اور یہ استعارہ مصرحہ ہے۔
اور ابو اسحاق الزجاج نے کہا ہے: جو نفس انسان سے نیند کے وقت الگ ہو جاتا ہے وہ نفس تمیز کے لیے ہے اور جو نفس موت کے وقت انسان سے الگ ہو جاتا ہے وہ حیات کے لیے ہے۔ اور نیند کو موت اس لیے کہا گیا ہے کہ نیند سے عقل اور حرکت زائل ہو جاتی ہے تو یہ اطلاق بطور تمثیل اور تشبیہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۴۱-۴۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۱۴- حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ الرَّبِيعِ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ سَمِعَ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم أَمَرَ رَجُلًا ح و حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن الربیع نے اور محمد بن عرعرہ نے حدیث بیان کی، ان دونوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابو اسحاق، انہوں نے حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو حکم دیا ح اور ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ

أَوْصَى رَجُلًا فَقَالَ إِذَا أَرَدْتَ مَضْجَعَكَ فَقُلِ اللَّهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ فَإِنْ مُتَّ مُتَّ عَلَى الْفِطْرَةِ۔

نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسحاق الہمدانی نے حدیث بیان کی از حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو وصیت کی کہ جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو یہ دعا کرو "اے اللہ! میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کر دیا، اور میں نے اپنا معاملہ تجھ پر چھوڑ دیا، اور میں نے اپنے چہرہ کو تیری طرف متوجہ کیا، اور میں نے اپنی پشت تیری پناہ میں دے دی تیری طرف رغبت اور تیرے خوف کی وجہ سے، تیرے سوا نہ کوئی ٹھکانا ہے اور نہ تجھ سے کوئی نجات کی جگہ ہے مگر تیری طرف۔ میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جس کو تو نے نازل کیا اور اس نبی پر ایمان لایا جس کو تو نے رسول بنایا (یعنی بھیجا)۔" پس اگر تم مر گئے تو فطرت پر مرو گے۔

(صحیح بخاری: ۲۴۷، ۶۳۱۱، ۶۳۱۳، ۶۳۱۵، ۷۴۸۸، صحیح مسلم: ۲۷۱۰، سنن ترمذی: ۳۵۷۴، سنن ابوداؤد: ۵۰۴۶، سنن ابن ماجہ: ۳۸۷۶، مسند احمد: ۱۸۱۷۷، سنن دارمی: ۲۶۸۳)

صحیح البخاری: ۶۳۱۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث اسی حدیث کی مثل ہے جس کو امام بخاری نے حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور یہاں اس حدیث کی دو سندیں بیان کی ہیں۔ ایک سند سعید بن الربیع کی ہے جو البصری ہیں اور وہ ہرات کے کپڑے بیچتے تھے تو ان کو الہروی کہا جاتا ہے۔ اور محمد بن عرعرہ، یہ دونوں از شعبہ از ابی اسحاق از عمرو بن عبداللہ السبیعی روایت کرتے ہیں۔ اور دوسری حدیث از آدم از شعبہ از ابی اسحاق ہے۔

پہلی سند سے جو روایت ہے اس میں آپ نے ایک مرد کو حکم دیا۔ اور دوسری سند سے جو روایت ہے اس میں یہ ہے کہ آپ نے ایک مرد کو وصیت کی، اور دونوں معنی متقارب ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۴۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۱۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث میں مذکور دعا کی حکمت

سوتے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا مستحب ہے، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اس کے اعمال کا خاتمہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ہو۔ اور جب صبح کرے تو اللہ کا نام لے تاکہ اس کے اعمال میں سے پہلا عمل اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر ہو اور کلمہ طیب ہو۔

نیز اس حدیث میں ہے کہ ''آخر میں یہ دعائیہ کلمات کہنا'' یعنی اس کے بعد اور کوئی دنیاوی بات نہ کرنا جو تمہارے عمل کے خاتمہ پر دلیل ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ آپ نے فرمایا ''اگر تم مر گئے تو فطرت پر مروگے''۔

اس حدیث میں موت سے مراد ہے نیند اور ''نشور'' سے مراد ہے قیامت کے دن زندہ کرنا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۱۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارة الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۱۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اسم کا مسمّٰی کا عین ہونا

علامہ قرطبی نے کہا ہے: حدیث میں ہے ''میں تیرے نام کے ساتھ مرتا ہوں''۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ اسم ہی مسمّٰی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ (الاعلیٰ: ۱) اپنے رب کے نام کی تسبیح پڑھیے جو سب سے بلند ہے ۝

یعنی اپنے رب کی تسبیح پڑھیے۔ اسی طرح اکثر شارحین نے کہا ہے۔ انہوں نے کہا: میں نے بعض مشائخ سے ایک اور معنی کا استفادہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا نام ''الاسماء الحسنیٰ'' رکھا ہے اور ان اسماء کے معانی اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں؛ پس جو معنی بھی وجود میں ظاہر ہوتا ہے، وہ ان اسماء کے تقاضوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ پس گویا کہ آپ نے فرمایا: میں تیرے اس نام کے ساتھ جو زندہ کرنے والا ہے زندہ ہوتا ہوں اور میں تیرے اس نام کے ساتھ جو مارنے والا ہے مرتا ہوں۔

موت کے دیگر معانی

موت کا معنی ہے: روح کے تعلق کا بدن سے منقطع ہو جانا اور سانس کا زائل ہو جانا۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ موت سے مراد یہاں سکون ہو، جیسا کہ اہل عرب کہتے ہیں ''ماتت الریح'' یعنی ہوا ساکن ہوگئی۔ تو ہو سکتا ہے کہ یہاں سونے والے پر موت کا اطلاق اس لحاظ سے کیا گیا ہو کہ اب اس کی حرکات ساکن ہوگئیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ۔ (یونس: ۶۷) وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تا کہ تم اس میں سکون پاؤ۔

علامہ الطیبی نے کہا ہے: کبھی سخت احوال کے لیے بھی موت کے لفظ کا استعارہ کیا جاتا ہے جیسے الفقر اور ذلت اور سوال اور بڑھاپا اور معصیت اور جہالت۔

نیز علامہ الطیبی نے لکھا ہے: نیند کے اوپر موت کا اطلاق کرنے کی حکمت یہ ہے کہ انسان حیات سے جو فائدہ اٹھاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو تلاش کرنا ہے اور اس کی اطاعت کا قصد کرنا ہے اور اس کی ناراضگی اور اس کے عذاب سے اجتناب کرنا ہے۔ پس جو شخص سو جاتا ہے تو اس سے یہ انتفاع زائل ہو جاتا ہے۔ پس وہ میت کی طرح ہے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر حمد کرتا ہے اور اس معنی کے زائل ہونے پر حمد کرتا ہے۔

اور علامہ طیبی نے کہا ہے کہ یہ تاویل دوسری حدیث کے موافق ہے جس میں مذکور ہے: ''اگر تو نے اس روح کو بھیج دیا تو اس کی حفاظت کر جس طرح تو اپنے عباد صالحین کی حفاظت کرتا ہے'' اور اسی کے ساتھ یہ قول منتظم ہوجاتا ہے ''والیہ النشور'' یعنی ثواب کے پانے میں اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: جس حدیث کا علامہ طیبی نے اشارہ کیا ہے وہ عنقریب اپنی شرح کے ساتھ آئے گی۔

نیز اس حدیث میں ارشاد ہے: ''والیہ النشور'' یعنی قیامت کے دن اسی کی طرف اٹھنا ہے اور موت کے بعد اللہ تعالیٰ کا زندہ کرنا ہے۔ کہا جاتا ہے ''نشر اللہ الموت فنشروا'' یعنی اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کیا سو وہ زندہ ہوگئے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۸۷۳۔۹۷۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۸۔ بَابُ: وَضْعِ الْيَدِ الْيُمْنَى تَحْتَ الْخَدِّ الْأَيْمَنِ — دائیں ہاتھ کو دائیں رخسار کے نیچے رکھنے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سونے والے کا دائیں ہاتھ کو دائیں رخسار کے نیچے رکھنا مستحب ہے۔

۶۳۱۴۔ حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ رِبْعِيٍّ عَنْ حُذَيْفَةَ رضی الله عنه قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ وَضَعَ يَدَهُ تَحْتَ خَدِّهِ ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا وَإِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از عبدالملک از ربعی از حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب رات کے وقت بستر پر آتے تو اپنا ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھتے اور پھر یہ دعا کرتے ''اے اللہ میں تیرے نام کے ساتھ مرتا ہوں اور تیرے نام کے ساتھ زندہ ہوتا ہوں''۔ اور جب بیدار ہوتے تو یہ دعا کرتے ''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد ہمیں زندہ کیا اور اسی کی طرف اٹھنا ہے''۔

(صحیح بخاری: ۶۳۱۲، ۶۳۱۴، ۶۳۲۴، ۷۳۹۴، صحیح مسلم: ۲۷۱۱، سنن ترمذی: ۳۴۱۷، سنن ابوداؤد: ۵۰۴۹، سنن ابن ماجہ: ۳۸۸۰، مسند احمد: ۲۲۷۶۰، مسند احمد: ۲۲۷۶۰)

صحیح البخاری: ۶۳۱۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ اس حدیث میں اور باب کے عنوان میں کوئی مطابقت نہیں ہے، کیونکہ عنوان مقید ہے کہ دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے ہو اور حدیث میں یہ قید نہیں ہے۔

اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ قید بھی مستفاد ہے یا تو اسی حدیث سے جس کی امام بخاری نے تصریح کی ہے اور وہ ان کی

شرط پر نہیں ہے، یا اس حدیث سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر کام میں دائیں جانب کو پسند فرماتے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۱۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوتے وقت اپنا ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھنا اس لیے تھا تاکہ آپ کی امت آپ کی اقتداء کرے

یہ وہی حدیث ہے جو صحیح البخاری: ۶۳۱۲ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے گزر چکی ہے، امام بخاری نے اس حدیث کو یہاں پر اس لیے بیان کیا ہے کہ اس میں یہ اضافہ ہے کہ آپ اپنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھتے تھے۔ اور ہوسکتا ہے یہ عجز کے اظہار کے لیے ہو اور موت کے حال کا شعور طلب کرنے کے لیے ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس لیے کیا تاکہ آپ کی امت آپ کی اقتداء کرے۔ اور وہ اس سے بے خوف نہ ہوں کہ نیند کی حالت میں اچانک ان پر موت آجائے گی۔ اور وہ اچانک موت کے آنے پر تیاری پر ہوں۔ پس موت کے لیے تیار رہیں اپنی بیداری میں اور اپنے تمام احوال میں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اللہ کے نام سے مرتا ہوں اور اسی کے نام سے زندہ رہتا ہوں''۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۱۱ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۱۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب مذکور کی تائید میں ایک اور حدیث

اس باب میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے جس کی امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر جاتے تو اپنا دایاں ہاتھ اپنے دائیں رخسار کے نیچے رکھتے اور یہ دعا کرتے: ''اے اللہ! جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا اس دن مجھے اپنے عذاب سے بچانا''۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور امام نسائی نے اس حدیث کی ایک اور سند کے ساتھ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ آپ یہ دعا تین مرتبہ کرتے تھے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۹۷۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۱۴، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی التوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب میں مذکور کیفیت کے ساتھ سونا صرف رات کی نیند کے متعلق ہے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اپنے بستر پر جاتے۔ الحدیث۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب آپ دن میں نیند کرتے تھے تو اس طرح نہیں کرتے تھے یعنی دائیں ہاتھ کو دائیں رخسار کے نیچے نہیں رکھتے تھے۔ اور بسا اوقات آپ رات کی نیند کے وقت یہ دعا کرتے: ''اے اللہ! میں تیرے نام سے مرتا ہوں اور تیرے نام

سے زندہ ہوتا ہوں''۔اور آپ یہ دعا کرتے: ''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف اٹھنا ہے''۔ کیونکہ قرآن مجید میں رات کی نیند کے متعلق فرمایا:

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضٰى أَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ (الانعام:۶۰)

اور وہی رات میں تمہاری روحوں کو قبض کر لیتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم نے دن میں کیا، پھر دن میں تم کو اٹھا دیتا ہے تا کہ مقررہ میعاد پوری ہو، پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے، پھر وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جو تم کرتے تھے O

اگرچہ قرآن مجید میں یہ بھی ارشاد ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْأُخْرٰى إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ (الزمر:۴۲)

اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور جن روحوں کی موت نہیں آئی ان کو نیند میں (قبض کرتا ہے)۔ پھر جن روحوں کی موت کا فیصلہ کر لیا ہے ان کو روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک مقررہ میعاد تک چھوڑ دیتا ہے، بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں O

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ موت وفات ہے خواہ وہ رات میں ہو یا دن میں ہو، لیکن ہم ہر حال میں حدیث کی اتباع کریں گے اور حدیث میں یہ ہے کہ نبی ﷺ رات میں نیند کے وقت اپنا دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھتے تھے، لہٰذا اس کیفیت سے سونا رات میں مستحب ہے، کیونکہ مطلق فعل استحباب پر دلالت کرتا ہے اور وجوب کا فائدہ نہیں دیتا، سوا اس صورت کے کہ اس میں کسی امر مجمل کا بیان ہو۔

سوال: نیند کے وقت بہ کثرت دعائیں وارد ہیں، کیا ان میں سے تمام دعائیں ہر روز پڑھی جائیں گی یا انسان کو اختیار دیا جائے گا کہ کسی دن کوئی دعا پڑھ لے اور کسی دن کوئی دعا پڑھ لے۔

جواب: جو چیز ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ جو دعائیں اس طرح وارد ہیں ان سب پر عمل کیا جائے گا سوا اس کے کہ ہمیں معلوم ہو کہ ان میں سے بعض دعائیں بعض دوسری دعاؤں کے قائم مقام ہیں یا کسی دلیل سے یہ معلوم ہو جائے کہ ان میں سے کسی ایک دعا کی قسم پر اقتصار کیا جائے گا۔ (شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۶۱۔ ۱۶۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۹۔ بَابُ: النَّوْمِ عَلَى الشِّقِّ الْأَيْمَنِ

دائیں کروٹ پر سونے کا بیان

۶۳۱۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ الْمُسَيَّبِ قَالَ حَدَّثَنِيْ أَبِيْ عَنْ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَوٰى إِلٰى فِرَاشِهِ نَامَ عَلٰى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِيْ إِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد بن زیاد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں العلاء بن المسیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ

أَمْرِي إِلَيْكَ وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ وَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ قَالَهُنَّ ثُمَّ مَاتَ تَحْتَ لَيْلَتِهِ مَاتَ عَلَى الْفِطْرَةِ اسْتَرْهَبُوهُمْ مِنَ الرَّهْبَةِ مَلَكُوتٌ مُلْكٌ مَثَلُ رَهَبُوتٌ خَيْرٌ مِنْ رَحَمُوتٍ تَقُولُ تَرْهَبُ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَرْحَمَ۔

رسول اللہ ﷺ جب اپنے بستر پر جاتے تو دائیں کروٹ پر لیٹتے، پھر دعا کرتے: اے اللہ! میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کر دیا اور اپنا چہرہ تیری طرف پھیر دیا اور اپنا معاملہ تجھے سونپ دیا اور اپنی پیٹھ تیری پناہ میں دی تجھ سے رغبت کرتے ہوئے اور تجھ سے ڈرتے ہوئے، نہ کوئی ٹھکانا ہے اور نہ تجھ سے نجات کی جگہ ہے مگر تیری طرف، میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جو تو نے نازل فرمائی اور اس نبی پر ایمان لایا جس کو تو نے بھیجا، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے یہ کلمات کہے، پھر اسی رات کو فوت ہو گیا تو فطرت پر فوت ہوگا۔

''استرھبوھم'' کا لفظ رھبة سے ماخوذ ہے۔ ''ملکوت'' ملک کی مثل ہے اور رھبوت کا لفظ رحموت سے بہتر ہے، کہا جاتا ہے ''ترھب'' ترحم سے بہتر ہے۔

(صحیح بخاری: ۲۴۷، ۶۳۱۱، ۶۳۱۳، ۶۳۱۵، ۷۴۸۸، صحیح مسلم: ۲۷۱۰، سنن ترمذی: ۳۵۷۴، سنن ابوداؤد: ۵۰۴۶، سنن ابن ماجہ: ۳۸۷۶، مسند احمد: ۱۸۱۷۷، سنن دارمی: ۲۶۸۳)

صحیح البخاری: ۶۳۱۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ وہی حدیث ہے جو اس سے پہلے باب میں گزر چکی ہے۔ اور اس میں بعض الفاظ کی زیادتی اور بعض کی کمی ہے۔

حدیث میں مذکور تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں ''استرھبوھم'' کا لفظ ہے، اس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

قَالَ أَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ أَلْقَوْا سَحَرُوْٓا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ۝ (الاعراف: ۱۱۶)

موسیٰ نے کہا: تم ڈالو، جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان کو خوف زدہ کر دیا اور انہوں نے بہت بڑا جادو پیش کیا ○

یعنی فرعون کے جادوگروں نے جب اپنی بھاری اور لمبی لمبی لکڑیاں ڈالیں تو وہ اچانک پہاڑوں کی مثل سانپ بن گئیں اور انہوں نے وادی کو بھر لیا اور بعض رسیاں بعض پر سوار تھیں، سو انہوں نے لوگوں کو ڈرایا اور لوگ خوفزدہ ہو گئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ''رھبت'' کا لفظ ڈرانے کے معنی میں ہے۔

اور اس تعلیق میں دوسرا لفظ ''ملکوت'' ہے، یہ ''فعلوت'' کے وزن پر ہے۔ امام بخاری نے اس کی تفسیر ملک کے ساتھ کی ہے۔

اور علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ الملکوت وہ اسم ہے جو ملک سے بنایا گیا ہے جیسا کہ جبروت اور رہبوت جو کہ جبر اور رہبت سے

بنائے گئے ہیں۔

اور کہا جاتا ہے "رجل رھبوت" یعنی جو مرد ڈرایا گیا ہو اور یہ رحموت سے بہتر ہے، اس لیے کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم اس سے رحم کی دعا کرو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۴۳۔ ۴۴۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۱۵، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کا دیگر احادیث سے تعارض کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر جاتے وقت یہ دعا کرتے تھے اور اس سے پہلے ایک حدیث میں گزرا ہے کہ آپ نے حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما کو یہ دعا کرنے کا حکم دیا۔ اور اس کے بعد دوسری حدیث تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما کو اس دعا کرنے کی وصیت کی۔ سو ان احادیث میں تعارض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس دعا کے پڑھنے کے حکم دینے میں اور اس کی وصیت کرنے میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ اس حکم کو بطور تاکید کے وصیت سے تعبیر فرمایا اور رہا یہ کہ آپ خود بھی یہ دعا پڑھتے تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو امت کو حکم دیتے تھے خود بھی اس پر عمل فرماتے تھے، بلکہ بسا اوقات آپ کا عمل آپ کے قول سے زیادہ ہوتا تھا۔

(شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۶۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۰۔ بَابُ: الدُّعَاءِ إِذَا انْتَبَهَ بِاللَّيْلِ

رات کے وقت جب بیدار ہو تو کیا دعا کرے

۶۳۱۶۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سَلَمَةَ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ بِتُّ عِنْدَ مَيْمُونَةَ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَأَتَى حَاجَتَهُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ ثُمَّ نَامَ ثُمَّ قَامَ فَأَتَى الْقِرْبَةَ فَأَطْلَقَ شِنَاقَهَا ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوءًا بَيْنَ وُضُوءَيْنِ لَمْ يُكْثِرْ وَقَدْ أَبْلَغَ فَصَلَّى فَقُمْتُ فَتَمَطَّيْتُ كَرَاهِيَةَ أَنْ يَرَى أَنِّي كُنْتُ أَتَّقِيهِ فَتَوَضَّأْتُ فَقَامَ يُصَلِّي فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَأَخَذَ بِأُذُنِي فَأَدَارَنِي عَنْ يَمِينِهِ فَتَتَامَّتْ صَلَاتُهُ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتَّى نَفَخَ وَكَانَ إِذَا نَامَ نَفَخَ فَآذَنَهُ بِلَالٌ بِالصَّلَاةِ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ وَكَانَ يَقُولُ فِي دُعَائِهِ اللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا وَفِي بَصَرِي نُورًا وَفِي سَمْعِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن مہدی نے حدیث بیان کی از سفیان از سلمہ از کریب از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک رات حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں سویا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اٹھے، آپ قضاء حاجت کو گئے، پھر آپ نے اپنا چہرہ دھویا اور ہاتھوں کو دھویا، پھر آپ سو گئے، پھر آپ اٹھے، پھر آپ مشک کے پاس آئے اور اس کا منہ کھولا، پھر آپ نے دو وضوؤں کا درمیانی وضو کیا اور زیادہ پانی خرچ نہیں کیا لیکن اعضاء پر پوری طرح پانی کو پہنچایا پھر آپ نے نماز پڑھی، پس میں اسی طرح لیٹا رہا کیونکہ میں یہ پسند نہیں کرتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سمجھیں کہ میں آپ کے انتظار میں جاگ رہا ہوں، میں نے بھی وضو کر لیا، سو آپ کھڑے ہوئے نماز پڑھ

نُوْرًا وَعَنْ يَمِينِي نُوْرًا وَعَنْ يَسَارِي نُوْرًا وَفَوْقِي نُوْرًا وَتَحْتِي نُوْرًا وَأَمَامِي نُوْرًا وَخَلْفِي نُوْرًا وَاجْعَلْ لِي نُوْرًا قَالَ كُرَيْبٌ وَسَبْعٌ فِي التَّابُوتِ فَلَقِيتُ رَجُلًا مِنْ وَلَدِ الْعَبَّاسِ فَحَدَّثَنِي بِهِنَّ فَذَكَرَ عَصَبِي وَلَحْمِي وَدَمِي وَشَعَرِي وَبَشَرِي وَذَكَرَ خَصْلَتَيْنِ۔

رہے تھے، پس میں آپ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا، آپ نے میرا کان پکڑ کر مجھے گھمایا اور مجھے اپنے دائیں جانب کھڑا کر دیا، پھر آپ نے تیرہ رکعت نماز مکمل کی، پھر آپ لیٹ گئے، پھر آپ نے نیند کی، حتیٰ کہ آپ نے خراٹے لیے اور آپ جب سوتے تو خراٹے لیتے تھے، پھر حضرت بلال نے آپ کو نماز کی خبر دی، پھر آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا، اور آپ اپنی دعاء میں یہ پڑھتے تھے: اے اللہ! میرے دل میں نور کر دے اور میری آنکھ میں نور کر دے اور میرے کان میں نور کر دے اور میرے دائیں طرف نور کر دے اور میرے بائیں طرف نور کر دے اور میرے اوپر نور کر دے اور میرے نیچے نور کر دے اور میرے آگے نور کر دے اور میرے پیچھے نور کر دے اور میرے لیے نور بنا دے ۔کُریب نے کہا: یہ سات دعائیں تابوت (یعنی بدنِ انسان کے لیے ہیں)، پس میری ملاقات حضرت عباس کی اولاد میں سے کسی سے ہوئی تو انہوں نے یہ کلماتِ دعائیہ مجھ سے بیان کیے اور اس میں ذکر کیا ''اور میرے پٹھوں کو اور میرے گوشت کو اور میرے خون کو اور میرے بالوں کو اور میری کھال کو'' پس انہوں نے دو خصلتوں کا ذکر کیا۔

(صحیح مسلم: ۷۶۳، سنن ترمذی: ۳۴۲۳، سنن نسائی: ۱۱۲۱، سنن ابوداؤد: ۱۳۵۳، مسند احمد: ۲۱۶۵، موطا امام مالک: ۲۶۷، سنن دارمی: ۱۲۵۵)

صحیح البخاری: ۶۳۱۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''رات کے وقت بیدار ہو تو کیا دعا کرے'' اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو بیدار ہوئے تو آپ نے یہ دعا فرمائی۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن عبداللہ کا ذکر ہے، یہ ابن المدینی ہیں۔ اور ابن مہدی کا ذکر ہے، یہ عبدالرحمٰن بن حسان العنبری البصری ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، یہ الثوری ہیں۔ اور سلمہ کا ذکر ہے، یہ ابن کہیل ہیں۔ اور کریب کا ذکر ہے، یہ حضرت ابن عباس

رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام تھے۔

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب الصلوٰۃ میں از عبداللہ بن ہاشم روایت کی ہے اور کتاب الطہارت میں از ابوبکر بن ابی شیبہ روایت کی ہے اور امام ابوداؤد نے کتاب الادب میں از عثمان از وکیع روایت کی ہے۔ اور امام ترمذی نے شمائل میں از بندار از ابن مہدی اس حدیث کے بعض حصوں کی روایت کی ہے۔ اور امام نسائی نے کتاب الصلوٰۃ میں از ھناد روایت کی ہے۔ اور امام ابن ماجہ نے کتاب الطہارۃ میں از علی بن محمد روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے، یہ بنت الحارث الہلالیہ ام المومنین ہیں اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ تھیں۔

نیز اس حدیث میں ''شناق'' کا لفظ مذکور ہے، یہ وہ دھاگا ہے جس سے مشک کا منہ باندھا جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''آپ نے دو وضوؤں کے درمیان وضو کیا'' یعنی آپ کا یہ وضو خفیف اور کامل تھا جو تمام وضو کی سنتوں کا جامع تھا۔

اور اس حدیث میں ہے کہ ''آپ نے اکثار نہیں کیا'' یعنی آپ نے ایک مرتبہ سے زائد اعضاء کو نہیں دھویا۔ اور آپ نے پانی کو اعضاء وضو کی ان جگہوں پر پہنچایا جہاں پر پانی کا پہنچانا واجب ہے۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ نے عمدہ وضو کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اتقیہ'' یعنی میں آپ سے ڈرتا تھا یا بچتا تھا۔ اور نسفی اور دوسروں کی روایت میں ہے ''ارقبہ'' میں آپ کا انتظار کرتا تھا۔ اور ایک روایت میں ہے ''انقبہ'' یہ تنقیب سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے تفتیش کرنا۔ اور اکثر روایات میں ہے ''ارقبہ'' یعنی میں آپ کا انتظار کرتا تھا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: ''واجعلنی نورا'' یعنی میرے لیے نور بنادے۔ یہ لفظ عام ہے اور اس کے بعد لفظ خاص ہے اور تنوین اس میں تعظیم کے لیے ہے یعنی میرے لیے نور عظیم بنادے۔

لفظ تابوت کی تفسیر میں متعدد اقوال

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''وسبع فی التابوت'' یعنی سات دوسرے کلمات تابوت میں، تابوت سے مراد ہے انسان کا بدن جو روح کے لیے بمنزلہ تابوت ہے۔ اور وہ بدن جس کا مآل یہ ہے کہ وہ تابوت میں ہو یعنی جس پر میت کو اٹھایا جاتا ہے، اور یہ پٹھے ہیں اور گوشت ہے اور خون ہے اور بال ہیں اور کھال ہیں اور دوسری دو خصلتیں ہیں۔ علامہ کرمانی نے کہا: شاید کہ وہ چربی اور ہڈی ہیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ہڈی اور قبر ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث بہت طویل بیان کی ہے۔ اس میں مذکور ہے: اے اللہ! میری ہڈیوں کو نور بنادے اور میری قبر میں نور کردے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ان دو خصلتوں سے مراد زبان اور نفس ہے، کیونکہ عقیل نے مسلم کی روایت میں اس کا اضافہ کیا ہے اور یہ بھی جسد کے اجزاء میں سے ہے۔

اور علامہ الدمیاطی نے اپنے حاشیہ میں وثوق سے کہا ہے کہ تابوت سے مراد سینہ ہے جو دل کا ظرف ہے۔ اور اسی طرح علامہ ابن بطال نے کہا ہے۔ پھر کہا: جو شخص علم کو محفوظ کر لے اس کے متعلق کہا جاتا ہے اس کا علم تابوت میں رکھا ہوا ہے۔

اور علامہ نووی نے دوسروں کی اتباع کرتے ہوئے کہا: تابوت سے مراد پسلیاں ہیں، اور جن چیزوں کو پسلیاں شامل ہیں یعنی قلب وغیرہ، اس میں تابوت کو تشبیہ دی ہے جس میں سامان کو محفوظ کر کے رکھا جاتا ہے، پس یہ سات کلمات میرے دل میں ہیں لیکن میں ان کو بھول گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سات انوار ہیں جو اس تابوت میں لکھے ہوئے تھے جو بنی اسرائیل کا تھا جس میں سکینہ تھی۔

اور علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے: تابوت سے مراد صندوق ہے، یعنی سات مکتوبہ صندوق میں ہیں۔ اور اس وقت وہ مجھے محفوظ نہیں ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''پھر دو خصلتوں کا ذکر کیا'' تا کہ سات مکمل ہوں۔

اگر تم سوال کرو کہ اس حدیث میں نور سے کیا مراد ہے؟

تو میں کہوں گا کہ نور سے مراد ہے حق کا بیان اور تمام حالات میں توفیق۔

علامہ طیبی نے کہا ہے: اعضاء کے لیے نور کو طلب کرنے کا معنی یہ ہے کہ یہ تمام اعضاء انوارِ معرفت سے آراستہ ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے مزین ہو جائیں اور اس کے ماسوا سے خالی ہو جائیں، کیونکہ شیاطین اپنے وسوسے چھ جہات سے ڈالتے ہیں، پس ان سے خلاصی کے لیے یہ انوار ہوں جو ان چھ جہات کا راستہ روک دیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۴۵۔۴۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۱۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رات گزاری''۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دعا کرتے ''اے اللہ! تیرے لیے ہی حمد ہے اور تو آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے (یعنی منوّر ہے)۔ (صحیح البخاری: ۶۹۷، ۱۱۲۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن اور رات کے مختلف اوقات میں دعا کرتے تھے، سوتے وقت اور بیدار ہوتے وقت آپ مختلف دعائیں کرتے جو اس حال کے مناسب ہوتیں۔ اور بعض اوقات آپ خلوت میں دعا کرتے جب آپ کا دل مختلف چیزوں سے فارغ ہوتا اور آپ اصرار سے اور گڑگڑا کر دعا کرتے اور دعا میں بہت کوشش کرتے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو آپ نے یہ دعا کی: اے اللہ! میرے دل کو نور بنا دے، میرے کان کو نور بنا دے، میرے تمام اعضاء کو نور بنا دے۔ اور بعض وہ اوقات ہیں جن میں آپ جامع دعا کرتے اور معانی پر اقتصار کرتے اور تعیین اور شرح نہ کرتے۔ لہٰذا ان اوقات میں دعاؤں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرنی چاہیے اور ہر حال میں آپ کی پیروی کرنی چاہیے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال کو جاننے کی حکمت

اس حدیث میں مذکور ہے "پس میں اسی طرح لیٹا رہا کیونکہ میں یہ پسند نہیں کرتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سمجھیں کہ میں آپ کے انتظار میں جاگ رہا ہوں"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ اس لیے کیا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دکھائیں کہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور وہ آپ کے احوال کو نہیں دیکھ رہے، کیونکہ ہر شخص جب اپنے گھر میں تنہا ہو تو وہ ایسے افعال کرتا ہے جن کے متعلق وہ کسی دوسرے کے مطلع ہونے کو پسند نہیں کرتا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس پر اس چیز نے برانگیختہ کیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رات میں حرکات کو اور آپ کے افعال کو دیکھ لیں اور اس سے ان کے علم کی حرص کا پتا چلتا ہے۔ اور ہم پہلے کتاب الصلوٰۃ میں لکھ چکے ہیں کہ ان کے والد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ وصیت کی تھی کہ تم اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رات کے احوال کو دیکھنا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حصولِ علم کی حرص کرنی چاہیے اور علماء کے ساتھ نرمی سے پیش آنا چاہیے اور جس چیز کے متعلق معلوم ہو کہ یہ علماء پر دشوار ہوگی اس کو چھوڑ دینا چاہیے۔

فائدہ

امام طبری نے از معقل بن یسار از حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شرک چیونٹی کے چلنے سے بھی زیادہ مخفی طریقہ سے انسان میں داخل ہوتا ہے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس سے کس طرح نجات ہوگی یا اس سے نکلنے کی کیا صورت ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسے کلمات کی تعلیم نہ دوں جب تم وہ پڑھو تو تم قلیل اور کثیر اور صغیر اور کبیر شرک سے بری ہو جاؤ؟ میں نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: تم یہ دعا کرو "اے اللہ! میں اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں جس سے میں ایسا شرک کروں جس کو میں جانتا ہوں، اور تجھ سے اس شرک پر استغفار کرتا ہوں جس کو میں نہیں جانتا" اور یہ دعائیہ کلمات تم تین مرتبہ پڑھو۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۱۴۔۲۱۶ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

دعائے نور کے متعلق مفصل روایت

امام ترمذی نے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس میں دعائے نور کی بعض تفصیلات ہیں:

اے اللہ! میرے لیے میری قبر میں نور کر دے، اور میرے دل میں نور کر دے، اور میرے آگے نور کر دے، اور میرے پیچھے نور کر دے، اور میرے دائیں طرف نور کر دے، اور میرے بائیں طرف نور کر دے، اور میرے اوپر نور کر دے، اور میرے نیچے نور کر دے، اور میرے کان میں نور کر دے، اور میری آنکھوں میں نور کر دے، اور میرے بالوں میں نور کر دے، اور میری کھال میں نور کر دے، اور میرے گوشت میں نور کر دے، اور میرے خون میں نور کر دے، اور میری ہڈیوں میں نور کر دے، اے اللہ! میرے لیے نور کو عظیم کر دے، اور مجھے نور عطا فرما، اور میرے لیے نور کر دے۔۔۔ الحدیث (سنن ترمذی: ۳۴۱۹)

صحیح البخاری: ۶۳۱۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور میں نور کا معنی

علامہ قرطبی نے کہا ہے: یہ انوار جن کے حصول کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ہے، ان الفاظ کو ظاہر پر محمول کرنا بھی ممکن ہے۔ پس آپ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اعضاء میں سے ہر عضو کے اندر ایک نور پیدا کر دے جس کی وجہ سے وہ نور قیامت کے دن قیامت کے اندھیروں میں روشن ہو، آپ کے لیے بھی اور آپ کے متبعین کے لیے بھی یا جن کے لیے اللہ تعالیٰ چاہے۔ علامہ قرطبی نے کہا: اولیٰ یہ ہے کہ کہا جائے کہ یہاں نور سے علم اور ہدایت کا استعارہ ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ (الزمر: ۲۲)

پس کیا جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا، سو وہ اپنے رب کی طرف سے نور (ہدایت) پر قائم ہو۔

اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ۔ (الانعام: ۱۲۲)

کیا جو شخص پہلے مردہ تھا، پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس کے لیے ایک نور بنایا جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے۔

علامہ القرطبی نے کہا: اور تحقیق یہ ہے کہ نور کے معنی سے وہ مراد ہے جس کی طرف اس کی نسبت کی گئی ہو اور یہ اپنے مضاف کے اعتبار سے مختلف ہے۔ پس سماعت کا نور وہ ہے جو مسموعات کو ظاہر کرنے والا ہو اور بصر کا نور وہ ہے جو مبصرات کو کشف کرنے والا ہو، قلب کا نور وہ ہے جو معلومات کو کشف کرنے والا ہو اور اعضاء ظاہرہ کا نور وہ ہے جن سے عبادات ظاہرہ کے اعمال ظاہر ہوتے ہیں۔

علامہ طیبی نے کہا: ان اعضاء کے لیے نور کو طلب کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اعضاء کو معرفت کے انوار سے آراستہ کر دے اور عبادات کے انوار سے مزین کر دے اور ان کے ماسوا سے خالی کر دے، کیونکہ شیاطین چھ جہات سے وسوسے ڈالتے ہیں، پس اس سے تخلص اس طرح ہوگا کہ ایسے انوار ہوں جو ان جہات میں شیطان کے راستہ کو روک دیں۔ اور ان تمام امور کا رجوع ہدایت، بیان اور حق کی روشنی کی طرف ہے۔

اور علامہ طیبی نے نیز کہا کہ سمع، بصر اور قلب کو حضور نے اپنے ساتھ خاص کیا یعنی میرے کان میں نور کر دے اور میرے بصر میں نور کر دے اور میرے قلب میں نور کر دے، کیونکہ قلب اللہ کی نعمتوں میں غور و فکر کرنے کے قرار کی جگہ ہے، اور سمع اور بصر اللہ تعالیٰ کی آیات کی حفاظت کی جگہ ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۸۳۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۱۶، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو بیدار ہوتے تو سورۂ آل عمران کی آخری دس آیتیں پڑھتے۔

ان میں سے بعض آیات درج ذیل ہیں:

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ (آل عمران: ۱۹۰)

بلاشبہ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش اور رات اور دن کے اختلاف میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O

(۲) اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زہد پر دلیل ہے، کیونکہ آپ نے گھر میں مشک لٹکائی ہوئی تھی جس میں وضو کے لیے اور پینے کے لیے پانی تھا۔ آپ ایک مد (ایک لیٹر) اور ایک صاع (چار لیٹر) سے غسل فرماتے تھے۔

(۳) اس حدیث میں تربیت کی کیفیت کا بیان ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ کہتے تھے کہ میں نے انگڑائی لی تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ دیکھیں کہ میں آپ کے احوال کو جانچ رہا ہوں، کیونکہ بعض لوگوں کی عادت ہے کہ جب وہ نیند سے اٹھتے ہیں تو انگڑائی لیتے ہیں۔

(۴) اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ نماز کے درمیان میں امامت کی نیت کرنا جائز ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے درمیان میں بہ طور مقتدی داخل ہوئے۔

(۵) اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ جب مقتدی ایک ہو تو اسے امام کی دائیں طرف کھڑا ہونا چاہیے، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ میں بائیں طرف کھڑا ہوا تو آپ نے مجھے کان سے پکڑ کر گھمایا اور دائیں طرف کر دیا۔

(۶) اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نماز کی مصلحت کے لیے نماز میں حرکت کرنا جائز ہے۔

مقتدی کے دائیں طرف کھڑے ہونے کا حکم بہ طور استحباب ہے نہ کہ بہ طور وجوب

کیونکہ دائیں جانب افضل ہے۔ اہل علم کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں کہ آیا یہ واجب ہے یا مستحب ہے؟

ہمارے شیخ عبدالرحمٰن نے اس کو ترجیح دی ہے کہ یہ حکم استحباب کے لیے ہے وجوب کے لیے نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف اس فعل کا صدور ہوا ہے اور آپ کا فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ اگر یہ واجب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد اس پر متنبہ کرتے اور فرماتے کہ ایسا نہ کرنا جس طرح جب صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کے ایام میں آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی جب کہ آپ بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ بیٹھ جائیں، پھر سلام پھیرنے کے بعد آپ نے انہیں خبر دی کہ امام کو صرف اس لیے امام بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔ پس جب اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ بتایا ہو کہ ایک مقتدی کا امام کی بائیں طرف کھڑے ہونا جائز نہیں ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ واجب نہیں ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تعلیل قوی ہے اور حجت ظاہرہ ہے، کیونکہ اہل علم کے نزدیک یہ قاعدہ مقرر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا، وہ صرف استحباب پر دلالت کرتا ہے۔

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ نماز میں حرکت کرنے کی اصل میں ممانعت ہے۔ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دائیں طرف لانے کے لیے حرکت کی تو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس طرح سے قیام حرام ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی ادنیٰ سبب کی وجہ سے نماز میں حرکت کرنا جائز ہے حتیٰ کہ بچہ کو رونے سے چپ کرانے کے لیے حرکت کرنا بھی جائز ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہما کو نماز کی حالت میں اٹھایا اور یہ بھی نماز میں حرکت ہے۔

خلاصہ یہ ہے جیسا کہ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ایک مقتدی کا امام کی دائیں طرف کھڑا ہونا سنت ہے واجب نہیں ہے۔ اور جب ایک مقتدی امام کی بائیں جانب کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور دائیں جانب خالی رہے تب بھی نماز جائز اور صحیح ہے لیکن خلاف اولیٰ ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نمازِ تہجد کی رکعات

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس نمازِ تہجد کی تیرہ رکعات تھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوسری حدیث میں روایت ہے کہ آپ نے تہجد کی نماز میں گیارہ رکعات پڑھیں اور اس حدیث میں روایت ہے کہ آپ نے تیرہ رکعات پڑھیں۔اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی تہجد کی نماز میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے اور کبھی تیرہ رکعات پڑھتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نیند سے وضو نہ ٹوٹنا آیا آپ کی خصوصیت ہے یا نہیں؟

شیخ ابن عثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ لکھتے ہیں:

نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نیند وضو کو نہیں توڑتی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوجاتے حتیٰ کہ آپ خراٹے لیتے اور ان کی آواز سنی جاتی اور آپ کھڑے ہوجاتے اور نماز پڑھتے اور وضو نہیں کرتے، پس یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ نیند وضو کو نہیں توڑتی۔

لیکن اس پر کوئی قائل یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کی نیند آپ کے وضو کو نہیں توڑتی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں سوتی تھیں اور آپ کا دل نہیں سوتا تھا۔

ہم کہتے ہیں: اصل خصوصیت کا نہ ہونا ہے اور ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کی آنکھیں سوتی ہیں اور آپ کا دل نہیں سوتا''، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نیند کی حالت میں بھی ذکر میں مشغول رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں ہوتے۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ کیا حدیث میں یہ نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب ایک سفر میں رات کے آخری حصہ میں سو گئے اور سورج طلوع ہوگیا اور ان کو صرف سورج کی گرمی نے بیدار کیا، سو تم کیسے کہتے ہو کہ آپ نہیں سوتے تھے؟

ہم کہتے ہیں: ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ کا جسم نہیں سوتا تھا، پس جو نہیں سوتا تھا وہ آپ کا دل ہے اور آپ کا احساسِ باطن آپ کے ساتھ رہتا تھا، اور رہا احساسِ ظاہر تو وہ سو جاتا تھا، اسی لیے آپ نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۶۵۔۱۶۶، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

شیخ ابن عثیمین کی تحقیق پر مصنف کا تعاقب

میں کہتا ہوں کہ شیخ ابن عثیمین کا یہ کہنا غلط ہے کہ نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا اور یہ آپ کی خصوصیت نہیں ہے، کیونکہ متعدد ین شارحین اور محققین علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ نیند سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سو کر اٹھنا اور پھر وضو کیے بغیر نماز پڑھنا آپ کی خصوصیت ہے۔نیند سے وضو کے ٹوٹنے پر دلیل حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو گئے اور آپ سجدہ میں تھے حتیٰ کہ آپ نے خراٹے لیے، پھر آپ نے کھڑے ہوکر نماز پڑھی، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ تو سو گئے تھے، آپ نے فرمایا: وضو اس شخص پر واجب ہوتا ہے جو لیٹ کر یا کروٹ کے بل سوئے، کیونکہ جب وہ لیٹ جاتا ہے تو اس کے مفاصل اور جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔

(سنن ابوداؤد: ۲۰۲، سنن ترمذی: ۷۷، مسند احمد: ج ۱ ص ۲۵۶، سنن دار قطنی ج ۱ ص ۱۵۹، ۱۶۰، سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۲۱)

از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی حالتِ قیام میں سوجائے یا

حالت قعود میں سو جائے اس پر وضو نہیں ہے، حتیٰ کہ وہ پہلو کے بل زمین پر لیٹ جائے۔ (الکامل لابن عدی ج ۶ ص ۲۶۸)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ کی مسجد میں بیٹھا ہوا نیند سے ہل رہا تھا کہ اچانک کسی نے پیچھے سے مجھے گود میں بھر لیا، میں نے دیکھا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا مجھ پر وضو واجب ہو گیا؟ تو آپ نے فرمایا: نہیں! جب تک تم اپنا پہلو زمین پر نہ رکھو۔ (سنن کبریٰ ج ۱ ص ۱۲۰، الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۵۵)

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، آنکھ سرین کی رسی ہے، جب آنکھ سو جاتی ہے تو یہ رسی ڈھیلی ہو جاتی ہے، امام طبرانی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ”سو جو شخص سو جائے تو وہ وضو کرے“۔

(سنن دارقطنی: ۵۸۷، المعجم الکبیر: ۸۷۵، مسند احمد ج ۴ ص ۹۶۔۹۷، مسند ابو یعلیٰ: ۷۳۷۲، سنن دارمی: ۷۲۲، سنن ابن ماجہ: ۴۷۷، سنن کبریٰ ج ۱ ص ۱۱۸، سنن ابو داؤد: ۲۰۳، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۴۷، الجامع الصغیر: ۵۷۴۹، الجامع الکبیر: ۱۴۵۶۳)

ہر چند کہ بعض احادیث کی سند ضعیف ہے لیکن جب کوئی حدیث متعدد سندوں سے مروی ہو تو وہ حسن لغیرہ ہو جاتی ہے اور لائق استدلال ہوتی ہے۔ نیز اگر ضعیف حدیث سے مجتہدین استدلال کریں تب بھی وہ حدیث قوی ہوتی ہے اور لائق استدلال ہوتی ہے۔ اور اس حدیث سے تمام مجتہدین نے یہ استدلال کیا ہے کہ نیند سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اب اس پر اجماع امت ہو گیا ہے کہ نیند سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نیند سے وضو نہ ٹوٹنا یہ آپ کی خصوصیت ہے۔

نیز شیخ ابن عثیمین نے جو یہ حدیث نقل کی ہے کہ ایک سفر میں رات کے آخری حصہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سو گئے، وہ پوری حدیث درج ذیل ہے:

امام مالک از زید بن اسلم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات مکہ کے راستہ میں رات کے آخری حصہ میں ٹھہرے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا کہ ان کو نماز کے وقت بیدار کر دیں، پس حضرت بلال رضی اللہ عنہ سو گئے اور صحابہ بھی سو گئے، حتیٰ کہ جب وہ بیدار ہوئے تو ان پر سورج طلوع ہو چکا تھا، پس صحابہ بیدار ہوئے اور وہ گھبرائے ہوئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی سواریوں پر سوار ہوں حتیٰ کہ اس وادی سے نکل جائیں، اور آپ نے فرمایا: اس وادی میں شیطان ہے، پس وہ سوار ہوئے حتیٰ کہ اس وادی سے نکل گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ سواریوں سے اتریں اور وضو کریں اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا کہ وہ نماز کی اذان کہیں یا اقامت کہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی، پھر آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے ان کی گھبراہٹ کو دیکھا تھا تو آپ نے فرمایا: اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا اور اگر چاہتا تو ان روحوں کو اس وقت کے علاوہ کسی وقت میں لوٹا دیتا، پس جب تم میں سے کوئی شخص نماز سے سو جائے یا بھول جائے، پھر گھبرا کر اٹھے تو نماز پڑھ لے جس طرح نماز کو اپنے وقت پر پڑھتا تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ شیطان بلال کے پاس آیا اور وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے، اس نے بلال کو لٹا دیا اور ان کو اس طرح تھپکتا رہا جس طرح بچہ کو تھپکا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ سو گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اسی طرح خبر دی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خبر دی تھی، تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں

گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (مؤطا امام مالک:۲۶)

یہ حدیث صحیح مسلم:۶۸۰، سنن ابوداؤد:۴۳۵، سنن ابن ماجہ:۶۹۷ میں بھی مذکور ہے۔

نیز امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان میں کس طرح نماز پڑھتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان میں اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، چار رکعت نماز پڑھتے، نہ پوچھو ان کے حسن اور ان کے طول سے، پھر آپ چار رکعات نماز پڑھتے، نہ پوچھو تم ان کے حسن اور ان کے طول سے، پھر آپ تین رکعات پڑھتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ وتر پڑھنے سے پہلے سوجاتے ہیں، تو آپ نے فرمایا: اے عائشہ! میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

(صحیح بخاری:۱۱۴۷، ۲۰۱۳، ۳۵۶۹، صحیح مسلم:۷۳۸، سنن ترمذی:۴۳۹، سنن نسائی:۱۶۹۷، سنن ابوداؤد:۱۳۴۱، مسند احمد:۲۴۵۵۳، موطا امام مالک:۲۶۵)

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سوجاتے ہیں؟''

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: گویا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ وہم کیا کہ وتر (عشاء کی) نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنے والد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس کا مشاہدہ کیا تھا کیونکہ وہ (عشاء کی) نماز کے بعد وتر پڑھتے تھے۔ پھر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول اس کے خلاف دیکھا تو آپ سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خبر دی کہ آپ کی دونوں آنکھیں سوتی ہیں اور آپ کا دل نہیں سوتا۔ اور یہ مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد کو حاصل نہیں تھا اور یہ انبیاء علیہم السلام کے اعلیٰ مراتب میں سے ہے۔ اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے، کیونکہ وہ تمام بشر سے قلب کی نیند میں مفارق ہوتے ہیں۔ اور آنکھ کی نیند میں تمام بشر کے مساوی ہوتے ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خراٹے لیتے اور پھر نماز پڑھتے۔

اور عکرمہ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محفوظ تھے اور آپ نیند سے بیدار ہو کر وضو کرتے تھے اگرچہ آپ نیند کے بعد وضو نہیں کرتے تھے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے اور یہ بعید نہیں ہے کہ آپ اس وقت وضو کرتے ہوں جب نیند آپ کے قلب پر غالب ہو جاتی ہو اور یہ بہت نادر ہے، جیسا کہ آپ ایک وادی میں اس وقت تک سوئے رہے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا تاکہ آپ امت کے لیے یہ سنت قائم کریں کہ وقت کے نکلنے سے نماز ساقط نہیں ہوتی۔ اگرچہ وقت کا نکلنا نیند کی وجہ سے معلوم ہو یا نسیان کی وجہ سے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۹ ص ۱۱۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ہے ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔ یہ انبیاء علیہم السلام کا بہت اعلیٰ مرتبہ ہے، اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے کیونکہ وہ دل کے سونے میں تمام لوگوں سے ممتاز ہوتے ہیں اور آنکھوں کے سونے میں تمام لوگوں کے مساوی ہوتے ہیں۔

از ایوب از عکرمہ روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے حتیٰ کہ انہوں نے آپ کے خراٹے سنے، پھر آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا، عکرمہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ تھے۔ (صحیح بخاری: ۱۳۸)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے اٹھ کر وضو کرتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے، اور یہ بعید نہیں ہے کہ جب نیند آپ کے قلب پر غالب آجائے تو آپ وضو کریں اور یہ بہت نادر ہے جیسا کہ ایک سفر میں صبح کی نماز کے وقت آپ کو نیند تھی تا کہ آپ کی امت کے لیے یہ نمونہ ہو کہ وقت نکلنے کی وجہ سے نماز ساقط نہیں ہوتی، خواہ آپ پر نیند کا غلبہ ہو یا آپ بھول گئے ہوں۔ (شرح ابن بطال ج ۳ ص ۱۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

(عمدۃ القاری ج ۷ ص ۲۹۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھنے سے کیسے سو گئے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو گیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔ اس کا جواب دو طریقوں سے ہے۔

زیادہ صحیح اور مشہور جواب یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ قلب صرف ان محسوسات کا ادراک کرتا ہے جو قلب کے ساتھ متعلق ہوتی ہیں جیسے درد وغیرہ۔ اور طلوع فجر وغیرہ کا ادراک قلب نہیں کرتا، اس کے ادراک کا تعلق آنکھ کے ساتھ ہے اور اس کا ادراک آنکھ سے کیا جاتا ہے اور آنکھ سوئی ہوئی تھی اگرچہ قلب بیدار تھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ کی دو حالتیں ہیں، ایک حالت یہ ہے کہ جس میں دل سو جاتا ہے اور اس موقع پر ایسا ہی تھا۔ اور دوسری حالت یہ ہے کہ آپ کا دل نہیں سوتا اور آپ کے غالب احوال یہی ہوتے تھے۔

(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۳ ص ۲۰۹۷، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی المالکی المتوفی ۸۲۸ھ، صحیح مسلم کی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المازری نے کہا: اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نماز کے وقت سے سو گئے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو گیا۔ اور دوسری حدیث میں ہے: میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

(صحیح البخاری، کتاب التہجد باب: ۱۶، صحیح مسلم، کتاب المسافرین ۱۲۵، سنن ابوداؤد، کتاب الطہارۃ باب: ۷۹، سنن ترمذی: کتاب المواقیت، باب: ۲۰۸)

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ حدیث کا معنی یہ ہے کہ اکثر اوقات میں میرا دل نہیں سوتا اور کم اوقات میں میرا دل سوتا ہے۔

اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ آپ کی نیند آپ پر مستغرق نہیں ہوتی حتیٰ کہ آپ بے وضو ہو جائیں اور میرے نزدیک اس میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ آپ نے یہ خبر دی ہے کہ آپ کی دونوں آنکھیں سو جاتی ہیں جیسا کہ اس واقعہ میں ہوا، کیونکہ طلوع فجر کا آنکھ سے ادراک کیا جاتا ہے نہ کہ دل کے ساتھ۔

اور قاضی عیاض نے کہا ہے کہ آپ کا دل اس لیے نہیں سوتا کہ آپ کے دل پر وحی کی جاتی ہے، پس آپ کے دل کے اوپر نیند کا استغراق جائز نہیں ہے اور آپ نیند میں بے وضو ہونے سے محفوظ ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ آپ سو جاتے تھے حتیٰ کہ آپ کے خراٹے سنے جاتے اور آپ نماز پڑھتے اور آپ وضو نہیں کرتے۔ (اکمال اکمال المعلم، ج ۲ ص ۶۱۹۔ ۶۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن محمد بن یوسف السنوسی الحسنی التوفی ۸۹۵ھ اپنی شرح میں لکھتے ہیں:

اس اشکال کا ایک جواب یہ ہے کہ اکثر اوقات میں میرا دل نہیں سوتا اور نادر اوقات میں سو جاتا ہے جیسا کہ اس وادی کے واقعہ میں ہوا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نیند آپ پر مستغرق نہیں ہوتی تھی حتیٰ کہ آپ بے وضو ہو جائیں۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ آپ کی آنکھیں سو جاتی ہیں جیسا کہ اس وادی میں سو گئیں اور طلوع فجر کا آنکھ سے ادراک کیا جاتا ہے نہ کہ دل کے ساتھ۔ (مکمل اکمال الاکمال، جز ۲ ص ۶۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی المصری الازہری المالکی التوفی ۱۱۲۲ھ لکھتے ہیں:

تحقیق: علماء نے اس حدیث کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے ساتھ تطبیق دی ہے کہ بے شک میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا، بایں طور کہ دل کا ادراک ان محسوسات کے ساتھ ہوتا ہے جو دل کے ساتھ متعلق ہوں جیسا کہ درد وغیرہ۔ اور ان کے ساتھ دل کے ادراک کا تعلق نہیں ہوتا جن کے ادراک کا تعلق آنکھ کے ساتھ ہے، کیونکہ آنکھ سوئی ہوئی تھی اور قلب بیدار تھا۔

علامہ نووی نے کہا کہ یہ جواب صحیح اور معتمد ہے۔ (شرح الزرقانی علی موطا الامام مالک ج ۱ ص ۸۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان)

تنبیہ: ہم نے جو شارحین کی عبارات نقل کی ہیں، ان بعض عبارات میں تکرار ہے لیکن ہم نے اس تکرار کو اس لیے نظر انداز کر دیا کہ ہمارا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ اکثر علماء متقدمین اور متاخرین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصیت کو ذکر کیا ہے کہ نیند سے آپ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا۔ اور شیخ ابن عثیمین نے جو اس خصوصیت کا انکار کیا ہے یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عقیدت سے محرومی کا نتیجہ ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۳۱۷ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ أَبِي مُسْلِمٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ اللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَوْ لَا إِلٰهَ غَيْرُكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے سلیمان بن ابی مسلم سے سنا از طاؤس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اٹھتے تو تہجد پڑھتے اور آپ یہ دعا کرتے: "اے اللہ! تیرے لیے حمد ہے، تو آسمانوں اور زمینوں کا اور جو ان میں ہیں ان کا نور ہے (یعنی ان کو منور کرنے والا ہے) اور تیرے لیے ہی حمد ہے، تو آسمانوں اور زمینوں کا اور جو ان میں ہیں ان کو قائم کرنے والا ہے، اور تیرے لیے ہی حمد ہے، تو حق ہے اور تیرا وعدہ حق ہے اور تیرا قول حق ہے اور تجھ سے ملاقات حق ہے اور جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے اور قیامت حق ہے اور انبیاء حق ہیں اور محمد حق ہیں، اے اللہ! میں تیرے لیے اسلام لایا اور تجھ پر ہی توکل کیا اور تجھ پر ایمان لایا اور تیری طرف رجوع کیا اور

تیرے سبب سے میں نے جھگڑا کیا اور تیری ہی طرف میں نے محاکمہ کیا، سو تو میرے لیے بخش دے جو کام میں نے پہلے کیے اور جو کام میں نے بعد میں کیے، اور جو میں نے پوشیدہ طور پر کیے اور جو میں نے ظاہراً کیے، تو مقدم کرنے والا ہے اور تو مؤخر کرنے والا ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، یا کہا: اور تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔

(صحیح بخاری: ۱۱۲۰، ۶۳۱۷، ۷۳۸۵، ۷۴۴۲، ۷۴۹۹، صحیح مسلم: ۷۶۹، سنن ترمذی: ۳۴۱۸، سنن نسائی: ۱۶۱۹، سنن ابوداؤد: ۷۷۱، سنن ابن ماجہ: ۱۳۵۵، مسند احمد: ۳۳۵۸، موطا امام مالک: ۵۰۰، سنن دارمی: ۱۴۸۶)

صحیح البخاری: ۶۳۱۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تہجد کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور تہجد کے مباحث کی تحقیق

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی التوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ عرب کے نزدیک تہجد کا معنی بیدار ہونا ہے اور رات کی نیند کے بعد جاگنا ہے، انہوں نے کہا: ''ھجود'' کا معنی نیند کرنا بھی ہے۔ آدمی نیند سے بیدار ہو تو تب بھی کہا جاتا ہے ''تھجّد'' اور جب سویا ہوا ہو تو اس وقت بھی کہا جاتا ہے ''تھجّد''۔

(شرح ابن بطال ج ۳ ص ۱۰۸، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی متوفی ۳۹۸ھ نے کہا: ''ھجَدَ اور تھجّدَ'' کا معنی ہے جب رات کو سویا، اور یہ لغت اضداد سے ہے، اسی وجہ سے رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے کے متعلق تہجد فرمایا ہے، یعنی نیند کو ترک کر کے اٹھ کر نماز پڑھنا۔

(الصحاح للجوہری ج ۲ ص ۵۵، دارالعلم، بیروت، ۱۴۰۴ھ)

علامہ ابن الفارس نے کہا ہے کہ رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے والے کو متہجد کہا جاتا ہے۔ (مجمل اللغۃ ج ۲ ص ۸۹۹)

اور علامہ نووی نے علماء سے نقل کیا ہے کہ تہجد کا اصل معنی ہے: نیند چھوڑ کر رات کو نماز پڑھنا۔

(المجموع شرح المہذب ج ۳ ص ۵۳۴)

تہجد کی نماز پڑھنے کا شرعی حکم

قیام اللیل سنتِ مؤکدہ ہے۔ بعض سلف صالحین نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ پوری امت کے اوپر رات کا قیام کرنا واجب ہے، کم از کم اتنی مقدار جس کے اوپر تہجد کا اطلاق ہو جائے اگرچہ وہ صرف دودھ دوہنے کی مقدار ہو، اور یہ قول غلط اور مردود ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مطلق نفل جس کا کوئی سبب نہ ہو وہ دن میں پڑھنے کی بہ نسبت رات میں پڑھنا افضل ہے، کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کو نماز پڑھنا

ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۱۶۳، کتاب الصیام، باب فضل الصوم المحرم)

کیونکہ یہ نماز اس وقت پڑھی جاتی ہے جو غفلت کا وقت ہے، پس اس کا پڑھنا اہم ہے۔ پس اگر اس نے رات کے دو حصے کیے تو دوسرے حصہ میں نماز پڑھنا افضل ہے یا تین حصے کیے تو درمیانی تہائی حصہ میں نماز پڑھنا افضل ہے، یا چھ حصے کیے تو رات کے چھٹے حصے میں نماز پڑھنا افضل ہے، جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز کے متعلق حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خبر دی، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ روزے حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں، حضرت داؤد علیہ السلام آدھی رات تک سوتے تھے اور تہائی رات میں نماز میں قیام کرتے تھے، اور چھٹے حصہ میں سوتے تھے اور ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن روزہ چھوڑتے تھے۔

(صحیح بخاری: ۱۱۳۱، صحیح مسلم: ۱۱۵۹، سنن نسائی: ۱۶۳۰، سنن ابوداؤد: ۲۴۴۸، سنن ابن ماجہ: ۱۷۱۲، مسند احمد: ۶۴۵۵، سنن دارمی: ۱۷۵۲)

اور پوری رات میں قیام کرنا مکروہ ہے۔ اس کے متعلق یہ حدیث صحیح ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبداللہ! کیا مجھے یہ خبر نہیں دی گئی کہ تم دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات بھر قیام کرتے ہو، میں نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: سو تم ایسا نہ کرو، تم روزہ رکھو اور روزہ چھوڑو، اور رات کو قیام کرو اور نیند کرو، کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، اور تمہاری دونوں آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے، اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے، اور تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تم ہر مہینہ سے تین روزے رکھ لو، کیونکہ ہر نیکی کا دس گنا اجر ہوتا ہے تو یہ صیامِ دہر ہو جائیں گے۔ الحدیث

(صحیح البخاری: ۱۹۷۵، صحیح مسلم: ۱۱۵۹، سنن نسائی: ۲۳۹۱، مسند احمد: ۶۸۳۹)

بعض راتوں کو زندہ کرنا مکروہ نہیں ہے خصوصاً رمضان کی آخری دس راتوں کو ساری رات بیدار ہو کر عبادت کرنا مستحب ہے۔ اسی طرح عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی راتوں کو بھی، کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ جس نے راتوں کو زندہ کیا اس کا دل نہیں مرے گا جس دن لوگوں کے دل مر جائیں گے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عید کی دو راتوں میں اللہ کے لیے قیام کیا اس کا دل نہیں مرے گا جس دن لوگوں کے دل مر جائیں گے۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۷۸۲، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عید الفطر کی رات اور عید الاضحیٰ کی رات نماز پڑھی تو اس کا دل نہیں مرے گا جس دن لوگوں کے دل مر جائیں گے۔ (المعجم الاوسط: ۱۵۹، مکتبۃ المعارف، ریاض ۱۴۰۵ھ)

حافظ نور الدین الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، ان احادیث کے متعلق لکھتے ہیں:

عید کی راتوں کو زندہ کرنے کے متعلق امام طبرانی نے المعجم الکبیر اور المعجم الاوسط میں احادیث روایت کی ہیں۔ اس کی سند میں عمر بن ہارون البلخی ہیں جن پر غالب ضعف ہے اور جماعتِ کثیرہ نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۹۸، رقم الحدیث: ۳۲۰۳، دارالکتب العربی، بیروت، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تہجد کی نماز فرض تھی یا نفل، اس کی تحقیق

نفل کا لغت میں معنی ہے: اصل چیز پر زیادتی۔ اور اس میں اختلاف کیا گیا ہے کہ کس وجہ سے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تہجد کے ساتھ تخصیص کی گئی۔ بعض علماء نے کہا کہ آپ پر تہجد کی نماز فرض تھی اور دوسروں پر تہجد کی نماز نفل تھی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کو آپ کے لیے نفل بنا دیا۔ (جیسا کہ علامہ ابن بطال مالکی نے نقل کیا ہے۔ ج ۳ ص ۱۰۸)

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ تہجد کی نماز آپ پر واجب تھی، پھر اس کے وجوب کو منسوخ کیا گیا اور یہ نفل ہو گئی۔

امام طبری نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کو نفل اس لیے قرار دیا کہ آپ نے پہلے کوئی ایسا فعل نہیں کیا تھا جو گناہ ہو اور یہ تہجد کی نماز اس کا کفارہ ہو جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت فرما دی ہے، تو آپ کے لیے یہ محض نفل اور فضل ہے۔ اور دوسروں کے لیے تہجد کی نماز ان کے گناہوں کا کفارہ ہے اور یہ ان کے لیے نفل نہیں ہے اور اس کا نفل ہونا آپ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ آپ مغفور ہیں۔ (تفسیر الطبری ج ۸ ص ۱۳۰، رقم: ۲۲۶۱۸)

اور جن علماء نے یہ کہا کہ تہجد کی نماز آپ پر واجب تھی تو انہوں نے اس سے استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''نافلة لك'' یعنی یہ صرف آپ کے لیے فرض ہے اور پانچ فرضوں پر زائد ہے اور اس میں آپ کی، آپ کی امت سے تخصیص کی گئی ہے۔

اور امام طبری نے پہلی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے۔

اور مجاہد کے اس قول کا کوئی معنی نہیں ہے کہ چونکہ آپ کی مغفرت کر دی گئی اس لیے آپ کو تہجد کی نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مغفرت کی آیت (لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ) (الفتح: ۲) کے نزول کے بعد بھی بہ کثرت استغفار کرتے تھے۔ اور اس لیے کہ سورۃ الفتح نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حدیبیہ سے واپس ہونے کے بعد نازل ہوئی۔ اور جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال آپ پر یہ آیت نازل کی گئی:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۝ وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ (النصر: ۱۔ ۳)

جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے O اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں O سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں، بے شک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے O

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی حیات کے اخیر تک اپنے رب سے استغفار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، حالانکہ آپ کے مغفور ہونے کی آیت اس سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ سو معلوم ہوا کہ آپ کا مغفور ہونا آپ کے استغفار کرنے کے منافی نہیں ہے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ہم ایک مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کو گنتے تھے ایک سو مرتبہ۔ آپ دعا کرتے: ''رب اغفرلی وتب علی انك انت التواب الرحیم'' (اے میرے رب! میری مغفرت فرما اور میری توبہ قبول فرما، بے شک تو توبہ قبول کرنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے)۔ (سنن ابوداؤد: ۱۵۱۶، سنن ترمذی: ۳۴۳۴، سنن ابن ماجہ: ۳۸۱۴)

امام مسلم بن حجاج القشیری متوفی ۲۶۱ھ الاغر المزنی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے دل پر ابر

چھا جاتا ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے ایک دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم: ۲۷۰۲)

امام ابو جعفر طبری لکھتے ہیں:

ان احادیث سے مجاہد کے قول کا فساد ظاہر ہو گیا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مغفور ہیں تو پھر تہجد کی نماز پڑھنے کی آپ کو ضرورت نہیں ہے، کیونکہ تہجد کی نماز تو اس لیے پڑھی جائے گی کہ وہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے اور آپ معصوم ہیں آپ نے کوئی گناہ کیا نہیں، اور بفرض محال اگر کوئی گناہ ہو تو اللہ نے اس کی مغفرت فرمادی ہے۔ (تفسیر الطبری ج ۸ ص ۳۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مغفور ہونے کے باوجود آپ کے استغفار کرنے کے متعلق مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں کہ جب نبی معصوم اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرے تو اس کا معنی اس کے درجات کی بلندی ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو تہجد کی نماز میں لمبا قیام کرتے تھے اور آپ کے پائے مبارک سوج جاتے تھے تو وہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر ادا کرنے کے لیے تھا، جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے لیے یا نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ کے دونوں قدم سوج جاتے، آپ سے کہا جاتا: آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں، تو آپ فرماتے: کیا میں اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر کرنے والا بندہ نہ بنوں۔

(صحیح بخاری: ۱۱۳۰، صحیح مسلم: ۲۸۱۹، سنن ترمذی: ۴۱۲، سنن نسائی: ۱۶۴۴، سنن ابن ماجہ: ۱۴۱۹، مسند احمد: ۱۷۷۷۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ استغفار اس لئے کرتے تھے کہ آپ تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے اور آپ تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جاننے والے تھے، حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: وہ بیان کرتے ہیں کہ تین آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے گھروں میں گئے اور ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق دریافت کیا، پس جب ان کو خبر دی گئی تو گویا کہ انہوں نے اس عبادت کو کم سمجھا، سو انہوں نے کہا: کہاں ہم اور کہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے آپ کی تو اگلی پچھلی تمام ظاہری خطاؤں کی معافی فرمادی ہے، پس ان میں سے ایک نے کہا کہ رہا میں، تو میں ہمیشہ رات بھر نمازیں پڑھوں گا، اور دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ ساری عمر روزے رکھوں گا اور کوئی روزہ نہیں چھوڑوں گا اور تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی بھی نکاح نہیں کروں گا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ نے فرمایا: تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے اس طرح اور اس طرح کہا ہے، سنو! اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور میں تم سب سے زیادہ متقی ہوں لیکن میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور روزہ چھوڑتا بھی ہوں اور میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور رات کو سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، سو جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہوگا۔ (صحیح بخاری: ۵۰۶۳، صحیح مسلم: ۱۴۰۱، سنن نسائی: ۳۲۱۷، مسند احمد: ۱۳۶۳۱)

نیز آپ کے استغفار کے درج ذیل محامل ہیں:

(۱) آپ اپنی تواضع اور انکسار کو ظاہر کرنے کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اجلال کو بیان کرنے کے لیے استغفار کرتے تھے۔

(۲) آپ امت کی تعلیم کے لیے استغفار کرتے تھے تاکہ وہ بھی آپ کی اقتداء میں استغفار کریں خواہ ان سے گناہ سرزد ہوا ہو یا نہ

ہوا ہو۔

(۳) چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ النصر: ۳ میں اس کی تصریح ہے، اس حکم پر عمل کرنے کے لیے آپ استغفار کرتے تھے۔

(۴) اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (البقرہ: ۲۲۲)، سو اس کی محبت کو حاصل کرنے کے لیے آپ استغفار کرتے تھے۔

کثرتِ استغفار کے متعلق دیگر احادیث

نیز کثرتِ استغفار کی فضیلت درج ذیل حدیثوں سے بھی ظاہر ہوتی ہے:

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کہا ''استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم و اتوب الیہ'' اس کی مغفرت کردی جائے گی خواہ وہ میدانِ جہاد سے منہ موڑ کر بھاگا ہو۔

(سنن ابوداؤد: ۱۵۱۷، سنن ترمذی: ۳۵۷۷)

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مغفرت طلب کرنے کو لازم کرلیا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر تنگی سے نکلنے کی جگہ کردے گا اور ہر فقر سے خوشی اور کشادگی کردے گا اور اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۵۱۸، سنن ابن ماجہ: ۳۸۱۹)

حدیث میں مذکور دعاء کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''انت قیم السموٰت والارض'' یعنی تو آسمانوں اور زمینوں کو قائم کرنے والا ہے۔ اور الموطا میں مذکور ہے ''انت قیام''۔ (الموطا: ۱۵۰)

الہروی نے کہا: ''قوام'' کہا جاتا ہے۔ اور مجاہد اور ابوعبید نے کہا ہے ''القیوم'' کا معنی ہے: ہر چیز کو قائم کرنے والا۔

(تفسیر ابن جریر ج ۳ ص ۷، رقم: ۵۷۶۷)

اور قیوم کے لفظ کی قرآن مجید میں تصریح ہے اور قائم کی بھی تصریح ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَفَمَنْ هُوَ قَآىِٕمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ (الرعد: ۳۳) کیا جو ہر شخص کے اعمال کا نگران ہے (وہ بتوں کی مانند ہوسکتا ہے)۔

قیم کے معنی میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ قیم وہ ذات ہے جو مخلوق کی تدبیر کرنے والی ہے اور قائم ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قیم کا معنی ہے: جو ہمیشہ قائم رہے اور کبھی زائل نہ ہو۔ اس کا معنی ہے: تو ہر نفس کے اوپر قائم ہے جس کا وہ نفس کسب کرتا ہے اور تو اس نفس کا خالق ہے اور رازق ہے اور اس کو مارنے والا ہے اور اس کو زندہ کرنے والا ہے۔ اور اس کا ایک معنی ہے: جو ہر نفس کا محافظ ہے، نہ غافل ہوتا ہے اور نہ اکتاتا ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''تو آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے اور جو ان میں ہیں''۔

یعنی تیرے نور سے ہدایت پاتے ہیں جو بھی آسمانوں میں ہیں اور زمینوں میں ہیں۔ (شرح ابن بطال ج ۳ ص ۱۰۹)

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ تو آسمانوں اور زمینوں میں نور والا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس کا معنی مروی ہے یعنی آسمانوں اور زمین والوں کو ہدایت دینے والا ہے۔ (تفسیر طبری ج ۹ ص ۳۲۰، رقم: ۲۶۰۸۵)

اور مجاہد سے مروی ہے، اس کا معنی ہے: تو زمین اور آسمان اور سورج اور چاند اور ستاروں کی تدبیر کرنے والا ہے۔
(تفسیر الطبری ج ۹ ص ۳۲۱۔۳۲۰، رقم: ۲۶۰۸۵)

ابن عرفہ نے کہا: اس کا معنی ہے: تو زمین اور آسمان کو روشن کرنے والا ہے۔ اور جس نے کہا: اس کا معنی ہے: نور والا تو اس کا معنی ہے: اس کا نور قرآن ہے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ زمین اور آسمان والوں کو ہدایت دینے والا ہے، جس ہدایت سے کوئی شخص منور اور روشن ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی ہو کہ مومنین کے قلوب کو روشن کرنے والا ہے۔

اور ابو العالیہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ زمین اور آسمان کو سورج اور چاند اور ستاروں سے مزین کرنے والا ہے۔ اور زمین کو انبیاء اور اولیاء اور علماء سے مزین کرنے والا ہے۔ (تفسیر طبری ج ۱۲ ص ۲۵۷)

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "تو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے" یعنی ان کا مالک ہے اور جو آسمان اور زمین میں ہیں ان کا بھی مالک ہے اور جو ان میں ہیں ان کا خالق ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "تو حق ہے" یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے، اور اس کا معنی ہے کہ اس کا وجود محقق ہے۔ ہر وہ چیز جس کا وجود صحیح ہو اور محقق ہو، وہ حق ہے۔

اور یہ وصف رب جل جلالہ کا حقیقت میں ہے اور اس کی خصوصیت ہے اور کسی اور کے لیے یہ مناسب نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وجود لنفسہ ہے، اس سے پہلے اس کا عدم نہیں ہے اور نہ اس کو عدم لاحق ہوتا ہے۔ اور اس کے ماسوا کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ (لقمان: ۳۰) اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شک اللہ ہی حق ہے اور اس کے سوا یہ جن کی عبادت کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں۔

اور اس میں یہ بتایا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو معبود کہا وہ حق ہے اور جس نے اس کے غیر کو معبود کہا وہ کذب ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "تیرا وعدہ حق ہے"۔ یعنی اس کا وعدہ محقق ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو مدت مقرر کی ہے اس کے خلاف نہیں ہوگا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ۔ (ابراہیم: ۲۲) بے شک اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ برحق وعدہ تھا۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کرنے والوں کے لیے جنت کا وعدہ کیا اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کریں ان کو دوزخ سے ڈرایا اور اس نے لوگوں کے مرنے کے بعد ان کے اٹھنے کا وعدہ کیا اور حشر کا اور ثواب کا اور عقاب کا۔ اس میں ان کا انکار ہے جو اس کے وعدہ کا انکار کرتے ہیں اور اس کے رسولوں کی ان چیزوں میں تکذیب کرتے ہیں جن کی انہوں نے تبلیغ کی ہے اللہ تعالیٰ کے وعد اور وعید سے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اور تیری ملاقات حق ہے"۔ اس سے مراد مرنے کے بعد اٹھنا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے

مراد موت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو مارنے والا ہے اور ان کو اپنی ملاقات کے لیے اور جزاء کے لیے اٹھانے والا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''اور تیرا قول حق ہے'' یعنی تیرا قول صدق اور عدل ہے۔

علامہ ابن التین نے کہا کہ تیرا وعدہ برحق ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''اور جنت حق ہے اور نار حق ہے'' یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جو جنت اور دوزخ کی خبریں دی ہیں وہ حق ہے اور صدق ہے اور اس کا یہ معنی بھی ہے کہ جنت اور دوزخ کو پیدا کیا جا چکا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''اور قیامت حق ہے'' یعنی قیامت کا آنا ضروری ہے تاکہ جن لوگوں کو دنیا میں ان کے ظلم پر سزا نہیں دی گئی قیامت کے بعد انہیں ان کے ظلم پر سزا دی جائے۔ اور جن لوگوں کو دنیا میں ان کی مظلومیت پر جزا نہیں دی گئی ان کو اس پر جزا دی جائے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''اور انبیاء حق ہیں اور محمد حق ہیں'' یعنی انبیاء علیہم السلام اللہ کے رسول ہیں اور وہ حق ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ان کی خصوصیت کی بناء پر الگ سے کیا گیا جیسا کہ ملائکہ کے عمومی ذکر کے بعد حضرت جبریل اور میکائیل کا ذکر کیا گیا ہے۔ (البقرہ: ۹۸)

اس حدیث میں مذکور ہے ''اللھم لک اسلمت'' یعنی اے اللہ میں نے تیرے احکام کو قبول کیا اور ان پر عمل کیا جس چیز کا تو نے حکم دیا یا جس چیز سے تو نے منع کیا اس کے مطابق عمل کیا، اور تسلیم کیا اور میں راضی ہوا اور تیری اطاعت کی۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''وبک آمنت'' یعنی میں نے تیری تصدیق کی اور تو نے جو خبریں نازل کیں ان کی تصدیق کی اور جو تو نے حکم دیا اور جس چیز سے تو نے منع کیا اس کی تصدیق کی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان حقیقت میں اسلام نہیں ہے بلکہ ایمان حقیقت میں تصدیق ہے۔ قاضی ابوبکر نے کہا کہ ایمان اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ اور زیادہ مشہور یہ ہے کہ ایمان اللہ تعالیٰ کی تصدیق ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا۔ (الحجرات: ۱۴) دیہاتیوں نے کہا: ہم ایمان لائے، آپ کہیے کہ تم ایمان نہیں لائے، ہاں! یہ کہو کہ ہم نے اطاعت کی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کے لیے اسلام کو ثابت کیا، پھر ان سے ایمان کی نفی کی۔ یعنی اسلام سے مراد ظاہری اطاعت ہے اور ایمان سے مراد دل کی تصدیق ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''وعلیک توکلت'' یعنی میں نے اپنی قوت سے براءت کی اور معاملات کو تیری طرف سپرد کر دیا اور میں نے یقین کر لیا کہ مجھے وہی چیز پہنچے گی جو میرے لیے لکھی گئی ہے اور میں نے اپنے معاملات تیری طرف سپرد کر دیے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''والیک انبت'' یعنی میں نے تیرے امر کی اطاعت کی۔ منیب وہ ہے جو اپنے رب جل جلالہٗ کی طرف اپنے دل سے رجوع کرنے والا ہو۔ یعنی تو میرے لیے جو بھی تدبیر کرے میں اس کی طرف رجوع کرتا ہوں اور تیری عبادت کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''وبک خاصمت'' یعنی تو نے جو مجھے براہین اور دلائل استدلال کے لیے عطا کیے ہیں، ان سے

میں استدلال کر کے تیرے حق میں جھگڑا کرتا ہوں، جو تجھ سے معاند ہو اس سے لڑتا ہوں۔ اور اس کے خلاف زبانی دلائل دیتا ہوں، یا تلوار سے اس کے خلاف جہاد کرتا ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "والیك حاکمت" یعنی میں ہر معاملہ میں تجھے حاکم بناتا ہوں۔ نہ اس طرح جیسے زمانہ جاہلیت میں لوگ بتوں اور جاہلوں کو حکم بناتے تھے۔ پس جو تیری مخالفت کرے میرے اور اس کے درمیان تو ہی حاکم ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاغفرلی ماقدمت" یعنی جو میں نے کام پہلے کیے ان کو معاف فرما دے، یہ تواضع اور خضوع اور اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کے اجلال کی بناء پر دعا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغفور ہیں، اور یہ دعا اس لیے ہے کہ ہم اس دعا میں آپ کی پیروی کریں۔ اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور انبیاء کا مرتبہ بلند کیا کیونکہ وہ نیک اعمال میں بہت کوشش کرتے تھے اور وہ اس کی عظمت کی معرفت رکھتے تھے۔ اور مغفرت کا معنی ہے: گناہ کو ڈھانپ لینا۔ اور انبیاء علیہم السلام کے حق میں اس کا معنی ہے: ان کے مراتب کو بلند کرنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "انت المقدم وانت المؤخر" یعنی تو ہی اول ہے اور تو ہی آخر ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا: یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی طرف بھیجنے میں دوسروں پر مقدم کیا۔ آپ نے فرمایا: "نحن الآخرون السابقون" (صحیح بخاری: ۲۳۸) یعنی دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر میں بھیجا اور قیامت کے دن شفاعت کے معاملہ میں آپ کو تمام انبیاء پر مقدم فرمائے گا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" یعنی میں کسی قول اور فعل میں تصرف کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، نہ کسی قول اور فعل کی نیت کرنے کی طاقت رکھتا ہوں، مگر تیری مدد سے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۹ ص ۱۷۔ ۲۳ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۱۷، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کی عصمت اور گناہوں سے معصوم ہونے کے متعلق شیخ ابن عثیمین کا نظریہ

شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کبھی گناہ واقع ہوتا ہے، کیونکہ اس حدیث میں ہے: آپ نے دعا کی "اے اللہ! میرے ان کاموں کو بخش دے جو میں نے پہلے کیا" اور بندہ سے جب گناہ واقع ہو تو اس سے اس کو ضرر نہیں ہوتا بلکہ کبھی انسان کو گناہ سے توبہ کرنے کے بعد وہ خیر حاصل ہوتی ہے جو غیر گناہ سے پہلے حاصل نہیں تھی، کیونکہ توبہ اس کے کیے ہوئے پہلے گناہ کو مٹا دیتی ہے۔ اور انسان گناہ کرنے کے بعد اللہ عزوجل کی طرف منکسر ہوتا ہے اور اس کی طرف رجوع کرتا ہے: کیونکہ انسان پہلے اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے، پس جب وہ گناہ کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو اللہ عزوجل کے سامنے منکسر ہوتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ ‏ اور آدم نے (بہ ظاہر) اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ لغزش میں مبتلاء

وَهَدٰى ﴿﴾ (طٰہٰ: ۱۲۱۔ ۱۲۲) ہو گئے ○ پھر ان کے رب نے انہیں برگزیدہ فرمایا، اور ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کی رہنمائی فرمائی ○

اس آیت میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسے تین امور حاصل ہوئے جو پہلے حاصل نہیں تھے: ایک توبہ، دوسری بزرگی اور تیسری ہدایت۔

حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے رسل کرام علیہم السلام گناہ سے ممنوع نہیں ہیں، وہ کبھی گناہ کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرتے ہیں اور گناہ پر اصرار نہیں کرتے، یہی فرق ہے ان کے اور تمام لوگوں کے درمیان، کیونکہ تمام لوگ بعض اوقات دائماً گناہ کرتے رہتے ہیں اور اس سے رجوع نہیں کرتے، لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام گناہوں پر اصرار کرنے سے معصوم ہوتے ہیں۔ دوسرا فرق جو مجھے ظاہر ہوا وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی معصیت شہوت اور خواہش نفس سے نہیں ہوتی، بخلاف عام لوگوں کی معصیت کے، وہ شہوت اور خواہش نفس سے ہوتی ہے۔

رہی انبیاء علیہم السلام کی معصیت تو کبھی وہ اجتہاد سے ہوتی ہے جیسے اجتہاد میں ان کو خطاء ہو جاتی ہے۔ اور کبھی ان کا وہ اجتہاد ان میں گناہ کی ایک قسم پیدا کر دیتا ہے۔

شیخ ابن عثیمین کے شبہات کے جوابات

شیخ ابن عثیمین نے انبیاء علیہم السلام کی اجتہادی خطا کو بھی گناہ قرار دیا ہے حالانکہ اجتہادی خطا گناہ نہیں ہوتی، بلکہ اس پر بھی ایک اجر ملتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے اجتہاد سے ممنوع درخت سے کھایا، ان کا اجتہاد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو اس کی ممانعت کی ہے وہ تحریم کے لیے نہیں ہے بلکہ تنزیہہ کے لیے ہے۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ نے ان سے کوئی مواخذہ نہیں فرمایا بلکہ جب انہوں نے اس پر توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین کی خلافت عطا فرمائی اور نبوت عطا فرمائی۔ اور انہوں نے جنت سے اور آسمانوں سے زمین کی طرف ہجرت کی اور ہجرت کا بھی اللہ تعالیٰ بہت زیادہ اجر عطا فرماتا ہے۔

شیخ ابن عثیمین نے اپنے استدلال میں دوسری آیت یہ ذکر کی ہے۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿﴾ (التوبہ: ۴۳) اللہ آپ کو معاف فرمائے، آپ نے انہیں (غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے کی) کیوں اجازت دے دی، (اگر آپ اجازت نہ دیتے) تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ (عذر پیش کرنے میں) کون سچے ہیں اور آپ جھوٹوں کو جان لیتے ○

شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں: کہ اس لطیف عتاب پر غور کرو، اللہ تعالیٰ نے عفو کا پہلے ذکر فرمایا پھر بعد میں فرمایا کہ آپ نے منافقین کو اجازت کیوں دی۔ اور یہ خطاب لطیف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زجر و توبیخ نہیں کی بلکہ زجر و توبیخ سے پہلے معاف فرما دیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو جہاد میں نہ جانے کی اجازت دی تھی اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس میں مصلحت کا گمان کرتے تھے۔

شیخ ابن عثیمین کی شرح پر مصنف کا جواب

اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ جس کام سے اللہ نے لازماً منع کیا ہو، اس کام کا کرنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے اور جس کام سے اللہ نے لازماً منع نہ کیا ہو بلکہ ترجیحاً منع کیا ہو یعنی اس کام کا نہ کرنا راجح ہو تو اس کام کا کرنا گناہ تو نہیں لیکن مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ ہے، اب اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے منافقین کو اجازت دینے سے لازماً منع کیا ہوتا تو یہ فعل حرام اور گناہ کبیرہ ہوتا اور اگر ترجیحاً منع کیا ہوتا تو گناہ تو نہ ہوتا مگر یہ فعل مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ ہوتا، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کو منع کیا ہی نہیں تھا تو آپ کا ان کو اجازت دینا، کسی قسم کا گناہ ہے نہ یہ فعل مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ ہے، بلکہ آپ کے لیے ان کو اجازت دینا یا نہ دینا دونوں فعل مباح تھے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے محبت آمیز خطاب فرمایا ہے کہ اللہ آپ کو معاف فرمائے آپ نے ان کو جہاد میں شامل نہ ہونے کی کیوں اجازت دے دی، حالانکہ اگر آپ اجازت نہ دیتے تو پھر بھی یہ لوگ جہاد میں شریک ہونے والے نہ تھے، یعنی ان کے حق میں آپ کا اجازت دینا یا نہ دینا دونوں امر برابر تھے، لہٰذا آپ کا انہیں جہاد میں شامل نہ ہونے کی اجازت دینا کسی قسم کا گناہ نہیں ہے۔

نیز شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام ہر اس گناہ سے معصوم ہوتے ہیں جو اخلاق کے منافی ہوں، جیسے زنا اور لواطت اور جو اس کے مشابہ گناہ ہوں، تو انبیاء علیہم السلام ان کے ارتکاب سے ممنون ہوتے ہیں، کیونکہ ان کا ارتکاب رسالت کی بنیاد کو منہدم کر دیتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس لیے مبعوث ہوا ہوں تا کہ مکارمِ اخلاق کو مکمل کر دوں، اور یہ ممکن نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسا فعل کریں جو اس کے منافی یا اس کے خلاف ہو۔

نیز شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اسی طرح کذب اور خیانت سے بھی معصوم ہوتے ہیں، پس یہ ممکن نہیں ہے کہ نبی علیہ السلام جھوٹ بولیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ وہ خیانت کریں، کیونکہ اس سے ان کی رسالت پر طعن ہوگا، پس جب وہ کسی کی امانت میں خیانت کر سکتے ہیں اور جھوٹ بول سکتے ہیں تو اللہ کی وحی میں بھی خیانت کر سکیں گے اور جھوٹ بول سکیں گے، اس لیے انبیاء علیہم السلام کذب اور خیانت سے معصوم ہیں، کیونکہ اس سے رسالت کی بنیاد منہدم ہو جائے گی۔

نیز انبیاء علیہم السلام شرک سے بھی معصوم ہوتے ہیں اور یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ شرک کریں، کیونکہ شرک ان کے دعویٰ توحید کے منافی اور متناقض ہے۔

شیخ ابن عثیمین کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گناہوں پر قرآن اور سنت سے استدلال

شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں:

اس کا کیا جواب ہے جو حدیثِ صحیح میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''افلح وابیہ ان صدق'' (یہ شخص کامیاب ہوگیا اس کے باپ کی قسم! اگر اس نے سچ بولا)۔ (صحیح مسلم: ۱۱-۱) اور یہ معلوم ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا شرک ہے لیکن یہ شرکِ اصغر ہے جب تک کہ قسم کھانے والا جس کی قسم کھائی گئی ہے اس کی تعظیم کا اس طرح اعتقاد نہ کرے جس طرح اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی جاتی ہے، کیونکہ اس کی اس طرح تعظیم کرنا جس طرح اللہ کی تعظیم کی جاتی ہے اس کو گناہ کبیرہ بنا دیتا ہے۔

پس اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہ کلمہ ہے جو بلا قصد زبان پر جاری ہو جاتا ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ثکلتك امك'' (تجھے

تیری ماں روئے، یعنی تو مر جائے)۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی گناہ ہو جاتا ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ ہم جان لیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گناہ اور عام لوگوں کے گناہوں میں کیا فرق ہے اور رہے وہ لوگ جو یہ زعم کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام بالکل گناہ نہیں کرتے، سو یہ وہ قول ہے جس کا کتاب اور سنت رد کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (محمد:۱۹) پس آپ جان لیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اور آپ اپنے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کاموں پر استغفار کیجئے اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے لیے۔

(شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۷۲۔ ۱۷۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

شیخ ابن عثیمین کے استدلال کا مصنف کی طرف سے جواب

شیخ ابن عثیمین نے "افلح وابیہ" سے اس پر استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر اللہ کی قسم کھائی اور یہ کم از کم شرک اصغر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح بخاری میں چار جگہ یہ حدیث مذکور ہے (صحیح بخاری: ۴۶، ۱۸۹۱، ۲۶۷۸، ۶۹۵۶) اور کسی حدیث میں بھی "وابیہ" کے لفظ نہیں ہیں۔ اسی طرح صحیح مسلم میں بھی دو جگہ یہ حدیث مذکور ہے۔ اصل حدیث صحیح مسلم: ۱۱ ہے جو مفصل ہے اور قتیبہ بن سعید سے مروی ہے، اس میں بھی "وابیہ" کے الفاظ نہیں ہیں۔ اور صحیح مسلم کی دوسری روایت جو مجمل ہے اور یحییٰ بن ایوب سے مروی ہے، اس میں "وابیہ" کے الفاظ مذکور ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت موثوق نہیں ہے۔ امام بخاری نے تو ان الفاظ کو روایت ہی نہیں کیا۔ اور امام مسلم نے بھی ایک جگہ ان الفاظ کو روایت کیا ہے دوسری جگہ روایت نہیں کیا۔ اور بر تقدیر ثبوت اس کا جواب یہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا اس وقت ممنوع ہے جب یہ قصد کیا جائے کہ اگر اس قسم کے خلاف ہوا تو قسم کھانے والا حانث ہو جائے گا اور اگر یہ قصد نہ ہو اور صرف لغوی اعتبار سے غیر اللہ کی قسم کھائی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ قرآن مجید میں خود اللہ عزوجل نے بہ کثرت آیات میں غیر اللہ کی قسم کھائی ہے: جیسے فرمایا "لَعَمْرُكَ" (اے محمد!) آپ کی زندگی کی قسم! (الحجر: ۷۲) نیز فرمایا: "وَالطُّوْرِ ۝" (الطور: ۱) (اور پہاڑ) طور کی قسم!۔ اور فرمایا: "وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ ۝" (التین: ۱)، انجیر اور زیتون کی قسم۔ اور "وَالضُّحٰى ۝ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰى ۝" (الضحیٰ: ۱۔ ۲) چاشت کے وقت کی قسم ۝ اور رات کی قسم جب وہ پھیل جائے ۝

اور ان کے علاوہ قرآن مجید میں بہ کثرت مزید آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی قسم کھائی۔

رہا شیخ ابن عثیمین (سورہ) محمد: ۱۹، کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذنب پر استدلال کرنا تو یہ بھی درست نہیں ہے، مفسرین کرام نے اس آیت کے متعدد جوابات تحریر فرمائے ہیں۔ بعض ازاں یہ ہیں:

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: اس آیت کے دو جواب ہو سکتے ہیں (۱) اگر بالفرض آپ سے گناہ صادر ہو جائے تو آپ اللہ سے استغفار کریں (۲) آپ اللہ سے استغفار کرتے رہیں تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو گناہوں سے بچائے رکھے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۲۲۱)

امام رازی لکھتے ہیں کہ اس آیت کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس آیت میں خطاب آپ کے ساتھ ہے اور مراد مومنین ہیں اور یہ جواب بعید ہے کیونکہ مومنین اور مومنات کا الگ سے

ذکر کیا گیا ہے اور بعض لوگوں نے کہا: "لذنبك" سے مراد ہے: آپ اپنے اہل بیت کے ذنب کیلئے استغفار کیجئے اور عام مومنین اور مومنات کے لیے استغفار کیجئے جو آپ کے اہل بیت سے نہیں ہیں۔ (۲) اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی استغفار کا حکم دینا مراد ہے اور ذنب سے مراد ترک افضل (خلاف اولیٰ) ہے جو آپ کے مرتبہ کی بلندی کے اعتبار سے بہ ظاہر ذنب ہے اور ذنب کی حقیقت سے آپ بری ہیں اور بہت دور ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۲)

علامہ آلوسی اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

(۱) اس آیت میں استغفار کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد ہے: تواضع، انکسار اور تقصیر کا اعتراف (یعنی بندہ میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اللہ کی نعمتوں کا کما حقہ شکر ادا کر سکے، سو اس تقصیر کا اعتراف مراد ہے) اور یہ معانی استغفار کرنے کو لازم ہیں۔

(۲) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مرتبہ کے اعتبار سے ذنب سے مراد ہے: ترکِ اولیٰ اور یہ ہو سکتا ہے کہ ایک کام ایک شخص کے اعتبار سے نیکی ہو اور دوسرے کے اعتبار سے گناہ ہو، جیسے کہا گیا ہے: "حسنات الابرار سیئات المقربین"۔

(روح المعانی ج ۲۶ ص ۸۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے کے متعلق حاصل بحث

تمام اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ سب انبیاء علیہم السلام گناہِ صغیرہ اور کبیرہ خواہ سہواً ہوں یا عمداً ہوں، اعلانِ نبوت سے پہلے اور اعلانِ نبوت کے بعد ان سے معصوم ہوتے ہیں۔ دیگر انبیاء علیہم السلام سے بعض اوقات اجتہادی خطائیں ہو جاتی ہیں جو صورتاً خطا ہوتی ہیں حقیقتاً خطا نہیں ہوتیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بہت حکمتیں ہوتی ہیں، جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا شجرِ ممنوع سے کھانا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بہ ظاہر اور صورتاً تین جھوٹ بولنا جو حقیقت میں جھوٹ نہیں تھے۔ اور ان کی حکمتیں اپنے مقام پر بیان کی جا چکی ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق محققین اہلِ سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اجتہادی خطاء سے بھی معصوم رکھا ہے، لہٰذا شیخ ابن عثیمین کا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے گناہوں کے صدور کو بیان کرنا نہ صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی محبت اور عقیدت سے محرومی ہے بلکہ علمی تحقیق اور دیانت کے بھی خلاف ہے۔

۱۱۔ بَابُ: التَّكْبِيرِ وَالتَّسْبِيحِ عِنْدَ الْمَنَامِ سوتے وقت اللہ اکبر اور سبحان اللہ کی تسبیح پڑھنے کا بیان

اس باب میں سوتے وقت تکبیر یعنی اللہ اکبر اور تسبیح یعنی سبحان اللہ کہنے کا بیان ہے۔ اور امام بخاری کو چاہیے تھا کہ عنوان میں تحمید یعنی الحمد للہ پڑھنے کا بھی ذکر کرتے، کیونکہ اس باب کی حدیث ان تینوں امور پر مشتمل ہے۔

۶۳۱۸۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَام شَكَتْ مَا تَلْقَى فِي يَدِهَا مِنَ الرَّحَى فَأَتَتِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم تَسْأَلُهُ خَادِمًا فَلَمْ تَجِدْهُ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لِعَائِشَةَ فَلَمَّا جَاءَ أَخْبَرَتْهُ قَالَ فَجَاءَنَا وَقَدْ أَخَذْنَا مَضَاجِعَنَا فَذَهَبْتُ أَقُومُ فَقَالَ مَكَانَكِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الحکم از ابن ابی لیلیٰ از حضرت علی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام نے شکایت کی کہ ان کے ہاتھوں میں چکی پیسنے سے جو تکلیف ہوگئی ہے، سو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ سے کسی خادم کا سوال کیا، تو انہوں نے

فَجَلَسَ بَيْنَنَا حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ قَدَمَيْهِ عَلَى صَدْرِي فَقَالَ أَلَا أَدُلُّكُمَا عَلَى مَا هُوَ خَيْرٌ لَكُمَا مِنْ خَادِمٍ إِذَا أَوَيْتُمَا إِلَى فِرَاشِكُمَا أَوْ أَخَذْتُمَا مَضَاجِعَكُمَا فَكَبِّرَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَسَبِّحَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَاحْمَدَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ فَهَذَا خَيْرٌ لَكُمَا مِنْ خَادِمٍ وَعَنْ شُعْبَةَ عَنْ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ قَالَ التَّسْبِيحُ أَرْبَعٌ وَثَلَاثُونَ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا، انہوں نے اس بات کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیا، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آنے کی خبر دی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور ہم اپنے بستروں پر جا چکے تھے، میں اٹھنے لگا تو آپ نے فرمایا: تم اپنی جگہ رہو، پھر آپ ہم دونوں کے درمیان بیٹھ گئے یہاں تک کہ میں نے آپ کے قدموں کی ٹھنڈک اپنے سینے کے پاس پائی، آپ نے فرمایا: کیا میں تم کو وہ چیز نہ بتاؤں جو تمہارے لیے خادم سے بہتر ہو؟ جب تم دونوں اپنے بستروں پر جاؤ یا تم دونوں اپنے بستروں کو پکڑو تو تینتیس مرتبہ اللہ اکبر کہو اور تینتیس مرتبہ سبحان اللہ کہو اور تینتیس مرتبہ الحمد للہ کہو، یہ تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے، اور از شعبہ از خالد از ابن سیرین یہ روایت ہے کہ تسبیح چونتیس مرتبہ ہے۔

(صحیح بخاری: ۳۱۱۳، ۳۷۰۵، ۵۳۶۱، ۵۳۶۲، ۶۳۱۸، صحیح مسلم: ۲۷۲۷، سنن ترمذی: ۳۴۰۸، سنن ابوداؤد: ۵۰۶۲، مسند احمد: ۱۱۴۵، سنن داری: ۲۶۸۵)

حدیث مذکور کی تفصیل اور اس حدیث کی سنن ابوداؤد میں روایت اور دیگر فوائد

علامہ بدرالدین محمد بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: حضرت علی نے کہا: حتیٰ کہ میں نے آپ کے پیروں کی ٹھنڈک اپنے سینہ پر محسوس کی۔ حتیٰ سے پہلے عبارت اس طرح مقدر ہے: آپ ہمارے بستر میں داخل ہو گئے اور وہ سخت سردی کی رات تھی، اور حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بستر میں داخل ہو چکے تھے اور حضرت فاطمہ نے اپنا سر لحاف میں داخل کر لیا تھا، حضرت علی نے کہا: حتیٰ کہ میں نے آپ کے پیروں کی ٹھنڈک اپنے سینہ پر محسوس کی۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث کی اس طرح روایت کی ہے:

ام الحکم یا ضباعہ بنت الزبیر بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ قیدی حاصل کیے، پس میں اور میری بہن حضرت فاطمہ بنت محمد رسول اللہ کے پاس گئیں، پس ہم نے اپنے اپنے حال کی شکایت کی اور ہم نے آپ سے یہ سوال کیا کہ آپ ہمارے لیے کچھ قیدیوں کا حکم دیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر بدر کے قیدیوں نے سبقت کر لی ہے، پھر آپ نے تسبیح کا قصہ ذکر کیا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ تسبیح پڑھنا خادم سے کس طرح بہتر ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس ذکر سے آخرت میں ثواب ہوگا، اور خادم کی وجہ سے چکی پیسنے کی مشقت سے راحت ملے گی اور آخرت کا ثواب دنیا کی مشقت کی راحت کے مقابلہ میں بہت زیادہ بہتر ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

خمس کی تقسیم میں مذاہب فقہاء اور امام ابو حنیفہ کے مذہب کی ترجیح

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

اسماعیل بن اسحاق نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ امام اپنے اجتہاد کے مطابق خمس کو تقسیم کرے گا، کیونکہ نبی ﷺ کو جو قیدی ملے تھے وہ خمس میں سے تھے، ان قیدیوں کے پانچ حصے تھے، چار تو وہیں مجاہدین کو دے دیئے گئے تھے اور ان کا پانچواں حصہ نبی ﷺ کے پاس روانہ کیا گیا تھا، پھر نبی ﷺ نے یہ خمس اپنے اقربین کو نہیں دیا اور دوسروں کو دے دیا اور اسی کے موافق امام مالک اور فقہاء احناف کا مذہب ہے۔

امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ خمس میں سے ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں کو عطاء کرنا فرض ہے اور فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ خمس میں سے رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں کا حصہ معین نہیں ہے، البتہ اگر وہ فقراء ہوں تو پھر وہ فقراء اور مساکین میں داخل ہیں اور جس طرح دیگر فقراء کو حصہ دیا جائے گا، اسی طرح ان کو بھی حصہ دیا جائے گا، اور اگر وہ غنی ہوں تو پھر ان کو خمس میں سے نہیں دیا جائے گا۔

اس حدیث میں امام مالک اور فقہاء احناف کے مسلک کی تائید ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو جو قیدی حاصل ہوئے تھے وہ خمس میں سے تھے اور اگر خمس میں قرابت داروں کا حصہ ہوتا تو آپ کی صاحب زادی سیدتنا فاطمہ علیہا السلام نسب اور رحم کے لحاظ سے آپ کے سب سے زیادہ قریب تھیں، آپ نے قیدیوں میں ان کا حصہ نہیں رکھا اور نہ ان کو کوئی خادم دیا، اور آپ نے ان کو اللہ کے ذکر اور تحمید اور تہلیل کی طرف سونپ دیا اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے کامیابی کی امید رکھی۔ اس حدیث کے بقیہ فوائد حسب ذیل ہیں:

دینی طلباء کے حصہ کا مقدم ہونا، جب بیٹی اور داماد سوئے ہوئے ہوں تو ان کے درمیان بیٹھنے کا جواز، عبادت کا دنیا کے عظیم نفع سے بہتر ہونا

(۱) مال غنیمت کے پانچویں حصہ میں علم دین کے طلبہ کا حصہ باقی حصہ داروں پر مقدم ہے۔ علامہ المہلب نے کہا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ دنیا سے اپنا کم سے کم حصہ لے۔ اور اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کے لیے آخرت میں جو حصہ رکھا ہے، اس کی توقع رکھے۔ (۲) اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ کوئی شخص اپنی بیٹی کے پاس اس وقت بھی جا سکتا ہے جب وہ اپنے خاوند کے ساتھ لیٹی ہوئی ہو یا سوئی ہوئی ہو۔ (۳) بیٹی اور داماد جب سوئے ہوئے ہوں یا لیٹے ہوئے ہوں تو ان کے درمیان بیٹھنا اور اپنے قدموں کو ان میں سے کسی کے جسم کے ساتھ ملانا۔ (۴) اعمال صالحہ میں سے تھوڑا عمل بھی امور دنیا کے زیادہ فوائد سے بہتر ہے، اور جب تسبیح و تہلیل کا اجر دنیا کے خادم اور اس کی خدمت سے بہت زیادہ ہے تو سوچیے نماز، حج، روزے اور زکوٰۃ کا اجر دنیاوی فوائد کے مقابلے میں کتنا زیادہ ہوگا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۱۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تسبیحات مذکورہ کے علاوہ رات کے وقت ایک اور دعا پڑھنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس قصہ میں ایک اور دعا کا ذکر کیا ہے اور اس کی عبارت امام طبری نے اپنی کتاب تہذیب میں از ابوصالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ سے خادم کا سوال کرتی تھیں تو آپ نے فرمایا: کیا میں تمہاری اس چیز پر رہنمائی نہ کروں جو خادم سے بہتر ہے۔ تم تسبیح پڑھا کرو جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے، اور تم یہ دعا کرو:

اللھم رب السموٰت السبع ورب العرش العظیم، ربنا ورب کل شیء، منزل التوراۃ والانجیل والزبور والفرقان، اعوذ بك من شر کل ذی شر، ومن شر کل دابۃ، انت اٰخذ بناصیتھا، انت الاول فلیس قبلك شیء، وانت الاٰخر فلیس بعدك شیء، وانت الظاھر فلیس فوقك شیء، وانت الباطن فلیس دونك شیء، اقض عنی الدین واغننی من الفقر۔

اے اللہ! سات آسمانوں کے رب اور عرش عظیم کے رب، ہمارے رب اور ہر چیز کے رب، تورات اور انجیل اور زبور اور فرقان کے نازل کرنے والے، میں ہر صاحب شر کے شر سے تیری پناہ میں آتی ہوں، اور میں ہر سواری کے شر سے تیری پناہ میں آتی ہوں جس کو تو اس کے سر کے بالوں سے پکڑنے والا ہے، تو ہی اول ہے تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں، اور تو ہی آخر ہے، سو تیرے بعد کوئی چیز نہیں، اور تو ہی ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں، اور تو ہی باطن ہے اور تیرے پیچھے کوئی چیز نہیں۔ تو مجھ سے قرض کو ادا کر دے اور مجھے فقر سے غنی کر دے۔

امام مسلم نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے از سہیل بن ابی صالح از والد خود۔ اور امام ترمذی نے بھی اس حدیث کی از طریق اعمش روایت کی ہے، لیکن اس میں ذکر ثانی پر اقتصار کیا ہے اور تسبیح کا ذکر نہیں کیا ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: یہ سوتے وقت ذکر کی ایک قسم ہے اور اس کا معنی اس ذکر پر برانگیختہ کرنا اور اس ذکر کا استحباب ہے نہ کہ ذکر کا وجوب۔ اور قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوتے وقت متعدد اذکار منقول ہیں جو احوال، اشخاص اور اوقات کے اعتبار سے مختلف ہیں، اور ہر ذکر میں فضیلت ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے: اس حدیث میں ان علماء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ فقر غنا سے افضل ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تم دونوں کو اس چیز پر رہنمائی نہ کروں جو تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے، پھر ان کو اس ذکر کی تعلیم فرمائی۔

پس اگر غنا فقر سے افضل ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کو خادم عطا فرما دیتے اور آپ نے ان کو اس ذکر کی تعلیم دی، پس جب آپ نے ان کو خادم سے منع کیا اور صرف ذکر پر اقتصار کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے ان کے لیے اس چیز کو اختیار فرمایا جو اللہ کے نزدیک افضل ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ تقریر اس وقت مکمل ہوگی اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت فاضل خادم ہوتے، اور حدیث میں تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان خدام کے فروخت کرنے کی ضرورت تھی تا کہ آپ اس کی آمدنی کو اہل صفہ پر خرچ کریں۔ اسی وجہ سے قاضی عیاض نے کہا ہے کہ جو علماء اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ فقیر غنی سے افضل ہے، ان کی

اس حدیث میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

اور اس میں اختلاف ہے کہ اس حدیث میں آپ نے جو فرمایا ہے کہ میں اس سے خیر پر تمہاری رہنمائی نہ کروں، اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ قاضی عیاض نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ آپ نے یہ ارادہ کیا کہ آپ ان کو اس چیز کی تعلیم دیں جو عملِ آخرت سے ہے اور وہ ہر حال میں امورِ دنیا سے افضل ہے۔ اور آپ نے اس پر اقتصار کیا کیونکہ آپ کے لیے خادم کو عطا کرنا ممکن نہیں تھا۔ پھر ان کو یہ بتایا کہ انہوں نے جو طلب کیا ہے اس سے افضل وہ چیز ہے جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے۔

اور علامہ قرطبی نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس ذکر کے سپرد کر دیا کیونکہ یہ ضرورت کے وقت دعا کرنے سے افضل ہے یا اس لیے کہ آپ نے اپنی صاحبزادی کے لیے اس چیز کو پسند کیا جس کو آپ اپنے لیے پسند کرتے تھے کہ آپ فقر کو ترجیح دیتے تھے اور فقر کی شدت پر صبر کرتے تھے، کیونکہ اس کا عظیم اجر ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی صاحبزادی کی ضرورت پر اہلِ صفہ کی ضرورت کو ترجیح دینا

اور علامہ المہلب نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کو اس ذکر کی تعلیم دی جس کا آخرت میں نفع زیادہ ہے۔ اور اپنی صاحبزادی کے اوپر اہلِ صفہ کو ترجیح دی کیونکہ انہوں نے اپنے نفسوں کو علمِ حدیث کے سماع کے لیے وقف کیا ہوا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو منضبط کرنے کے لیے انہوں نے بھوک و پیاس کو برداشت کیا ہوا تھا۔ وہ مال کمانے میں رغبت نہیں رکھتے تھے اور نہ عیال میں رغبت رکھتے تھے لیکن انہوں نے معمولی غذا کے عوض اپنے نفسوں کو اللہ کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا، اور اس سے معلوم ہوا کہ مالِ خمس میں سے دینے کے لیے طلباءِ علم کو دوسروں پر مقدم کیا جائے گا۔ اور اسی پر صالحین کا عمل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی حمایت کی ہے اور یہی اکثر انبیاء اور اولیاء کی سنت ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں حضرت علی اور حضرت فاطمہ علیہا السلام کی منقبت ظاہرہ ہے۔

(۲) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی صاحبزادی اور اپنے داماد کے اوپر انتہائی نرمی، شفقت اور محبت کا بیان ہے، کیونکہ آپ ان دونوں کے بستر پر آ کر ان کے درمیان بیٹھ گئے۔ اور جو ان کے حال کے اعتبار سے بہتر تھا وہ ان کو عطا فرمایا، یعنی خادم کو عطا کرنے کے بجائے ان کو تسبیحات پڑھنے کی تلقین کی۔

(۳) اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ جو چیز اہم ہو وہ چیز دینی چاہیے۔ اور اہم یہ ہے کہ آخرت کی تیاری کی جائے اور دنیا کی مشقتوں کے اوپر صبر کیا جائے۔

(۴) علامہ طیبی نے کہا: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک بہت زیادہ تھا، کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان سفارت کے لیے مخصوص کیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تخصیص کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے اپنے والد یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا قصد کیا تھا اور اس دن آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر ان کی باری میں تھے اور جب

آپ کو نہیں پایا تو پھر اپنی ضرورت کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا۔

اور اس سے پہلے یہ گزر چکا ہے کہ بعض احادیث میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آنے کا ذکر کیا تھا۔ ان میں اس طرح تطبیق ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر نہیں پایا تو پھر وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئیں اور ان سے اس بات کا ذکر کیا اور اس میں یہ احتمال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دونوں ازواج باقی ازواج پر فضیلت رکھتی تھیں، کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ان دونوں کے پاس گئیں۔

(۵) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو شخص دائماً اللہ تعالیٰ کا سوتے وقت ذکر کرے تو اس کو کوئی تھکاوٹ حاصل نہیں ہوگی، کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب چکی پیسنے سے تھکاوٹ کا ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسبیحات پڑھنے کی طرف راجع کیا، اسی طرح شیخ ابن تیمیہ نے کہا ہے، لیکن یہ درست نہیں ہے۔ اور یہ لازم نہیں آتا کہ دائماً تسبیحات پڑھنے سے بندہ کو تھکاوٹ نہ ہو، لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ دائماً تسبیحات پڑھنے سے اس کو کثرت عمل سے ضرر نہ ہو اور وہ اس پر دشوار نہ ہو خواہ تھکاوٹ اس کو حاصل ہو۔ واللہ اعلم

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۸۶۔ ۳۸۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۱۸، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بیوی پر شوہر کی خدمت کرنے کا بیان

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اس قسم کے کاموں میں بیوی شوہر کی خدمت کرے، یعنی گندم پیسے، آٹا گوندے اور روٹی پکائے اور جو اس کے مشابہ کام ہوں حتیٰ کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی بیوی مدینہ کے باہر سے باغات کی طرف کھجوروں کی گٹھلیاں اٹھا کر لاتی تھیں۔ اور اس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عورت گھر کے کاموں میں سے کسی کام میں شوہر کی خدمت نہ کرے بلکہ شوہر پر لازم ہے کہ وہ پکا پکایا کھانا لا کر بیوی کو مہیا کرے اور عورت پر لازم نہیں ہے کہ وہ اس میں سے کسی کام کی اصلاح کرے اور نہ اس پر یہ لازم ہے کہ وہ کپڑے دھوئے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی سیرت کے خلاف ہے۔ اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی سیرت یہ ہے کہ بیوی اس قسم کے کاموں میں شوہر کی خدمت کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ چکی پیسنے سے ان کے ہاتھوں میں تکلیف ہوگئی ہے تو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم پر یہ واجب نہیں ہے، تم اپنے شوہر کو چھوڑ دو حتیٰ کہ وہ کوئی خادم لے کر آئے یا وہ خود پیسے، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حال کو برقرار رکھا۔

حدیث مذکور کے دیگر فوائد

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے درمیان الفت، محبت اور حسنِ صحبت کے تعلقات تھے حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس باریک امر پر مطلع ہوگئیں۔

(۲) اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ حضرت عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر رہتی تھیں اور تمام ازواج میں وہ زیادہ

مقرب تھیں۔

(۳) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کوئی شخص اپنی بیٹی اور داماد کے پاس رات کو ان کے بستر پر آسکتا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ حسین تھے اور آپ سب سے زیادہ حیادار تھے، اس کے باوجود آپ ان دونوں کے بستر پر تشریف لائے۔

(۴) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے خادم مہیا کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے، کیونکہ آپ کا ان کی ضرورت کے طلب سے عدول کرنا اس پر دلیل ہے کہ یہی افضل ہے اور انسان جب بھی خادم کے حصول سے صبر کرے تو یہ اس کے لیے افضل ہے اور یہی واقع ہے اور حق ہے۔

(۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو قید کیا تھا اور ان کو غلام بنایا تھا ان میں غیر مسلم تھے۔ اور غیر مسلم کو گھر میں خادم بنانا آپ نے مناسب نہیں جانا، کیونکہ جب خادمہ کافرہ ہو تو یہ بہت زیادہ قبیح ہے، کیونکہ کافر خادمہ اللہ اور اس کے رسول کی اور مومنین کی دشمن ہے، تو تمہارے لیے کیسے مناسب ہوگا کہ تم اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے دشمن کو اپنے گھر میں رکھو۔ اور امام احمد رحمہ اللہ اپنی آنکھیں بند کر لیتے تھے اور کہتے تھے کہ میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ میں اللہ اور اس کے رسول کے دشمن کو دیکھوں۔

(شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۷۵۔۱۷۶، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۲۔ بَابُ: التَّعَوُّذِ وَالْقِرَاءَةِ عِنْدَ الْمَنَامِ

اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرنے کی آیات کو سوتے وقت پڑھنے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جن سورتوں میں اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کی گئی ہے، ان سورتوں کو سوتے وقت پڑھنا مستحب ہے۔

۶۳۱۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ نَفَثَ فِي يَدَيْهِ وَقَرَأَ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ بِهِمَا جَسَدَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عروہ نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر جاتے تو اپنے ہاتھوں پر پھونک مارتے اور المعوذات (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ) کو پڑھتے اور ان کو پڑھ کر اپنے جسم پر ہاتھ پھیرتے۔

(صحیح بخاری: ۵۰۱۷، ۵۷۴۸، ۶۳۱۹، سنن ترمذی: ۳۴۰۲، سنن ابوداؤد: ۵۰۵۶، مسند احمد: ۲۴۳۳۲)

صحیح البخاری: ۶۳۱۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

المعوذات سے سوتے وقت اپنے اوپر دم کرنے کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیماری میں اور اپنی نیند کے وقت اپنے اوپر المعوذات کو پڑھ کر دم کرتے تھے، اس میں یہ دلیل ہے کہ ان سورتوں کو پڑھ کر دم کرنے میں عظیم برکت ہے اور ہر جس چیز سے نیند میں خطرہ ہو تو آدمی ان سورتوں کو پڑھ کر اللہ کی پناہ طلب کرے۔

امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر ایسی آیات نازل کی گئی ہیں جن کی مثل میں نے نہیں سنی، وہ المعوذتین ہیں یعنی ("قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ○ "اور" قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ○ ")۔ (تفسیر عبدالرزاق ج ۲ ص ۲۳۶، رقم الحدیث: ۳۷۵۹، صحیح مسلم: ۸۱۴)

نیز حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اپنی حدیث میں ایک مرتبہ اس طرح بیان کیا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ "اور" قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ○ "اور" قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ○ "، ان سے پناہ طلب کیا کرو، کیونکہ ان کی مثل کے ساتھ پناہ طلب نہیں کی گئی۔ (سنن نسائی ج ۸ ص ۲۵۴، صحیح مسلم: ۸۱۴)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سورتوں کو پڑھ کر دم کیا، اور دم کے لیے "نفث" کا لفظ ہے، امام ابوعبید نے کہا کہ نفث کا لفظ "التفل" سے کم ہے، کیونکہ "التفل" میں لعاب دہن کی آمیزش ہوتی ہے۔ (غریب الحدیث ج ۱ ص ۸۰)

صحیح البخاری: ۶۳۱۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سوتے وقت المعوذات کے علاوہ دیگر سورتیں اور دعائیں پڑھنے کا بیان

سوتے وقت قراءت کے متعلق متعدد احادیث صحیحہ وارد ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ سوتے وقت آیت الکرسی کو پڑھا جائے۔ یہ حدیث کتاب الوکالۃ وغیرھا میں گزر چکی ہے۔

(۲) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں سوتے وقت پڑھنی چاہئیں، اور اس کا حوالہ فضائل قرآن میں گزر چکا ہے۔

(۳) فروہ بن نوفل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نوفل رضی اللہ عنہ سے کہا: تم "قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ○ " ہر رات میں پڑھا کرو اور اس کے اختتام پر سویا کرو، کیونکہ اس میں شرک سے براءت ہے۔ اس حدیث کی امام ابوداؤد، امام نسائی، اور امام ابن حبان اور حاکم نے روایت کی ہے۔

(۴) حضرت العرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے المسبحات کی قراءت کرتے تھے، (یعنی جن سورتوں کے شروع میں سبح یا یسبح کا لفظ ہے)۔ اور آپ فرماتے: ان سورتوں کی ایک آیت کا پڑھنا ہزار آیتوں کے پڑھنے سے افضل ہے۔ اس حدیث کی بھی امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی نے روایت کی ہے۔

(۵) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نہیں سوتے تھے حتیٰ کہ سورۃ الف لام تنزیل اور سورہ تبارک الذی پڑھ لیں۔ اس حدیث کی امام بخاری نے الادب المفرد میں روایت کی ہے۔

(۶) حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان بستر پر لیٹنے سے پہلے کتاب اللہ کی کوئی سورت پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک فرشتہ کو بھیج دیتا ہے جو اس کی ہر موذی چیز سے حفاظت کرتا ہے۔ اس حدیث کی امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کی ہے۔

تعوذ کے متعلق دیگر دعاؤں کا بیان

(۱) ابو صالح ایک مسلمان مرد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم شام کے وقت یہ پڑھو:

اعوذ بکلمات اللہ التامة من شر ما خلق — میں ہر مخلوق کے شر سے اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

تو تم کو کوئی چیز ضرر نہیں دے گی۔ اور اس حدیث میں ایک قصہ ہے۔

(۲) امام ابوداؤد از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں اور اس حدیث کو حاکم نے صحیح قرار دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیتے تھے کہ جب ہم میں سے کوئی ایک اپنے بستر پر جائے تو یہ دعا پڑھے:

اللھم رب السمٰوٰت و رب الارض۔ الحدیث — اے اللہ! جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے۔

اور اس کے دوسرے الفاظ یہ ہیں:

اللھم فاطر السمٰوٰت والارض عٰلم الغیب والشھادة و رب کل شیء و ملیکه اشھد ان لا الٰه الا انت اعوذ بك من شر نفسی و من شر الشیطان الرجیم و شرکه۔

اے اللہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے! غیب اور شہادت کے جاننے والے، ہر چیز کے رب اور مالک، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں اپنے نفس کے شر سے اور شیطانِ مردود کے شر سے اور اس کے شرک سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کی ہے۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر جاتے وقت یہ دعا کرتے تھے:

اللھم انی اعوذ بوجھك الکریم و کلماتك التامات من شر کل شیء انت اٰخذ بناصیته۔

اے اللہ! میں تیرے کریم چہرہ اور تیرے کلماتِ تامہ کے ساتھ ہر اس چیز کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں جس کو تو اس کی پیشانی سے پکڑنے والا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۸۷۔۳۸۸، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۳۔ بَابٌ: ۱۳۔ باب:

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح بخاری کے اکثر نسخوں میں یہ باب عنوان کے بغیر مذکور ہے۔ علامہ ابن بطال کی شرح میں بھی اسی طرح مذکور ہے اور ہم

پہلے بیان کر چکے ہیں کہ امام بخاری جس باب کا عنوان قائم نہ کریں، وہ باب ابواب سابقہ کے لیے بمنزلہ فصل ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۲۰۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَوَى أَحَدُكُمْ إِلَى فِرَاشِهِ فَلْيَنْفُضْ فِرَاشَهُ بِدَاخِلَةِ إِزَارِهِ فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي مَا خَلَفَهُ عَلَيْهِ ثُمَّ يَقُولُ بِاسْمِكَ رَبِّ وَضَعْتُ جَنْبِي وَبِكَ أَرْفَعُهُ إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِي فَارْحَمْهَا وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِينَ تَابَعَهُ أَبُو ضَمْرَةَ وَإِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ وَقَالَ يَحْيَى وَبِشْرٌ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَرَوَاهُ مَالِكٌ وَابْنُ عَجْلَانَ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن ابی سعید المقبری نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جب کوئی اپنے بستر پر لیٹے تو اپنے بستر کو اپنے تہبند کے کنارے سے جھاڑ لے، کیونکہ وہ شخص نہیں جانتا کہ اس کے بعد اس کے بستر پر کیا چیز آ گئی ہے، پھر یہ دعا کرے: اے میرے رب! تیرے نام سے میں نے اپنا پہلو رکھا ہے اور تیرے نام سے اپنے پہلو کو اٹھاؤں گا، اگر تو نے میری جان کو روک لیا (یعنی مجھ پر موت آ گئی) تو اس پر رحم فرمانا اور اگر تو نے اس کو چھوڑ دیا تو اس کی اس طرح حفاظت کرنا جس طرح تو اپنے صالحین کی حفاظت کرتا ہے۔

زہیر بن معاویہ کی متابعت ابوضمرہ اور اسماعیل بن زکریاء نے کی ہے از عبید اللہ۔

اور یحییٰ اور بشر نے کہا از عبید اللہ از سعید از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ۔

اور اس حدیث کی امام مالک نے اور ابن عجلان نے از سعید از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے از نبی ﷺ۔

(صحیح بخاری: ۷۳۹۳، صحیح مسلم: ۲۷۱۴، سنن ترمذی: ۳۴۰۱، سنن ابوداؤد: ۵۰۵۰، سنن ابن ماجہ: ۳۸۷۴، مسند احمد: ۷۵۲۰، سنن دارمی: ۲۶۸۴)

صحیح البخاری: ۶۳۲۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے احمد بن یونس، اور وہ احمد بن عبد اللہ بن یونس ہیں۔ اور ان کی شہرت اپنے دادا کی طرف نسبت

میں زیادہ ہے۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زہیر، یہ زہر کی تصغیر ہے، یہ ابن معاویہ ابوخیثمہ الجعفی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبیداللہ بن عمر، یہ العمری ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید المقبری، یہ اپنے باپ ابوسعید سے روایت کرتے ہیں اور ان کا نام کیسان ہے جو بنولیث کے آزاد شدہ غلام ہیں از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

اس حدیث میں تین تابعین کا ذکر ترتیب سے ہے اور وہ سب مدنی ہیں۔اول عبیداللہ بن عمر ہیں، یہ صغیر تابعی ہیں۔ثانی سعید مقبری ہیں، یہ متوسط تابعی ہیں، اور ثالث ان کے والد کیسان ہیں، یہ کبیر تابعی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''اذا اوی احد کم الی فراشه''یعنی جب تم میں سے کوئی ایک اپنے بستر پر سونے کے لیے لیٹے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے''فلینفض فراشه بداخلة ازاره''یعنی وہ اپنے تہبند کے کنارہ سے بستر کو جھاڑ لے۔اور ''داخلة الازار'' سے مراد ہے تہبند کی وہ جانب جو انسان کے جسم کی طرف ہوتی ہے۔

علامہ بیضاوی نے کہا ہے: اس کو تہبند کے اندرونی کنارہ سے بستر کو جھاڑنے کا اس لیے حکم دیا ہے کہ اب وہ سونے کا ارادہ کرتا ہے، اور سوتے وقت اس کے تہبند کا بیرونی کنارہ اوپر ہوگا اور اندرونی کنارہ باقی رہے گا، تو اس کو جھاڑ لے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''فانه لا یدری ما خلفه علیه''یعنی وہ نہیں جانتا کہ اس کے بعد بستر پر کیا چیز آگئی، اس لیے بستر کو جھاڑنا مستحب ہے کہ کہیں اس میں سانپ نہ ہو یا بچھونہ ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور موذی جانور کیڑا مکوڑا نہ ہو اور اس کو پتا نہ چلے۔وہ اس طرح جھاڑے کہ اس کا ہاتھ تہبند کے کنارہ سے چھپا ہوا ہو تا کہ اس کے ہاتھ میں کوئی ناپسندیدہ چیز نہ آجائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''ثم یقول باسمك رب وضعت جنبی وبك ارفعه''یعنی پھر یہ دعا کرے کہ اے میرے رب! تیرے نام سے میں اپنا پہلو بستر پر رکھتا ہوں اور تیرے نام سے اسے اٹھاؤں گا۔اور اے میرے رب! اگر تو میری جان کو اور روح کو قبض کر لیتا ہے یعنی مجھ پر موت طاری کر دیتا ہے تو اس پر رحم فرمانا، کیونکہ رحمت اس کے مناسب ہے۔اور سنن ترمذی میں مذکور ہے کہ''اس کی مغفرت فرما دینا''۔اور اگر تو میری روح کو چھوڑ دے یعنی دنیا میں باقی رکھے تو اس کی حفاظت کرنا، کیونکہ زندگی کے مناسب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس زندگی کی حفاظت فرمائے۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۴۹۔۴۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

صحیح البخاری: ۶۳۲۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کا جدید فائدہ

اس حدیث میں ایک اور قسم کا بیان ہے جن کا احادیث متقدمہ میں ذکر نہیں ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرنے کا التزام ہے اور اللہ تعالیٰ سے یہ اقرار کرنا ہے کہ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے۔اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جن کا یہ زعم ہے کہ دم کرنا اور اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا اسی وقت جائز ہے جب بندہ بیمار ہو، اور جب ایسی چیزوں کا خطرہ ہو جن سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ پر دم کیا اور

المعوذات کو پڑھا اور ان کو آپ نے اپنے جسم پر پھیرا۔ اور اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کی اس چیز کے شر سے جو بعد میں حادث ہوئی ہو، اور اس کے بعد جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اس میں ادبِ عظیم ہے جس کی شارع علیہ السلام نے اپنی امت کو تعلیم دی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ تہبند کے کنارہ سے سوتے وقت بستر کو جھاڑ لیں کہ کہیں بعض حشرات الارض یا کیڑے مکوڑے یا ضرر دینے والی چیزیں اس کے بستر پر نہ آ گئی ہوں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۲۳۔ ۲۲۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۲۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سوتے وقت کی دعائیں

علامہ طیبی نے کہا ہے کہ یہ حدیث اللہ عزوجل کے اس قول کے موافق ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا۔ (الزمر: ۴۲) اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: عبداللہ بن الحارث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو حکم دیا کہ جب وہ بستر پر لیٹے تو یہ دعا کرے: اے اللہ! تو نے میرے نفس کو پیدا کیا ہے اور تو ہی اس کو وفات دے گا، تیرے ہی لیے اس نفس کی موت ہے اور اس کی حیات ہے۔ اگر تو اس نفس کو زندہ رکھے تو اس کی حفاظت کرنا اور اگر تو اس پر موت طاری کرے تو اس کو بخش دینا۔

اس حدیث کی امام نسائی نے روایت کی ہے اور امام ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر لیٹتے تو یہ دعا کرتے: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم کو کھلایا اور ہم کو پلایا اور ہمیں کافی ہوا اور ہمیں پناہ دی۔ سو کتنے لوگ ایسے ہیں جن کی کوئی کفایت کرنے والا نہیں ہے اور نہ کوئی ان کو پناہ دینے والا ہے۔

امام مسلم کے علاوہ امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں یہ اضافہ ہے: "اور جس نے مجھ پر احسان کیا اور جس نے مجھ کو عطا کیا تو بہت زیادہ عطا کیا"۔

اور امام ابوداؤد اور امام نسائی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر لیٹتے وقت یہ دعا کرتے تھے: "اے اللہ! میں تیرے کریم چہرہ اور تیرے کلمات تامہ کے ساتھ ان چیزوں سے پناہ طلب کرتا ہوں جن کو تو ان کی پیشانی سے پکڑنے والا ہے۔ اے اللہ! تو گناہ کو اور قرض کو کھولتا ہے، اے اللہ! تیرا لشکر شکست نہیں کھاتا اور تیرے وعدہ کا خلاف نہیں ہوتا اور کوئی بخت والا اپنے بخت کی وجہ سے تیرے مقابلہ میں نفع نہیں دے سکتا، تو سبحان ہے اور تیرے لیے حمد ہے"۔

اور امام ابوداؤد نے ابوالازہر الانماری سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو بستر پر لیٹتے تو یہ دعا کرتے: "اے اللہ!

میرے (ظاہری) گناہ کو بخش دے، اور مجھ سے میرے شیطان کو دور کر دے اور جس کو میں نے گروی رکھا ہے اس کو چھڑا دے، اور مجھ کو اعلیٰ ندا میں کر دے''۔

اس حدیث کی امام حاکم اور امام ترمذی نے روایت کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

امام حاکم اور امام ترمذی نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص بستر پر لیٹنے کے وقت تین مرتبہ یہ دعا کرے:

استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب۔ میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔

تو اس کے گناہوں کو بخش دیا جاتا ہے خواہ اس کے گناہ سمندر کی جھاگ سے زیادہ ہوں اور خواہ اس کے گناہ جمع شدہ ریت کے ذرات سے زیادہ ہوں، اور اگر چہ اس کے گناہ ایام دنیا سے زیادہ ہوں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۸۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۲۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تہبند کی اندرونی جانب سے بستر کو جھاڑنے کی حکمت

تہبند کے اندرونی کنارہ سے بستر کو جھاڑنے کی حکمت یہ ہے کہ تہبند کے بیرونی کنارہ پر دھول مٹی اور میل کچیل ہوتا ہے۔ اور اندرونی کنارہ صاف ہوتا ہے، اس وجہ سے تہبند کے اندرونی کنارہ سے بستر کو جھاڑنے کا حکم دیا ہے۔ اور بعض احادیث میں مذکور ہے کہ یہ تین مرتبہ کیا جائے۔

مسئلہ: کیا یہ جھاڑنا تہبند کے ساتھ مخصوص ہے؟

الجواب: ہوسکتا ہے اس میں خصوصیت ہو، اور تہبند کو اس لیے خاص کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اکثر لوگوں کی عادت یہ تھی کہ اوپر ایک چادر لپیٹتے تھے اور نیچے تہبند باندھتے تھے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے سونے کے لیے کوئی مخصوص کپڑا رکھے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس کے ساتھ بستر کو صاف کرے خواہ وہ تہبند نہ ہو مثلاً قمیص ہو یا شلوار ہو۔

(شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۷۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۴۔ باب: الدُّعَاءِ نِصْفَ اللَّيْلِ — آدھی رات کو دعا کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں آدھی رات کے وقت سے لے کر طلوع فجر تک دعا کرنے کی فضیلت ہے۔ علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے: یہ وقت شریف ہے۔ اللہ عزوجل نے اس وقت کو آسمانِ دنیا سے نزول کے لیے مخصوص کیا ہے، تو وہ اپنے فضل سے اپنے بندوں کی دعا کو اس وقت میں قبول فرماتا ہے اور ان کے سوال کو عطا فرماتا ہے اور ان کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ اور یہ غفلت کا وقت ہے اور

خلوت کا وقت ہے، اور اس وقت میں نیند انسان پر مستغرق ہوتی ہے اور وہ نیند سے لذت حاصل کرتا ہے اور لذت کو چھوڑنا انسان پر خصوصاً آرام طلب لوگوں پر دشوار ہوتا ہے اور سردی کے زمانہ میں، پس کامیاب وہ ہے جو اس وقت کو غنیمت جانتا ہے اور اللہ عزوجل توفیق دینے والا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۲۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ الْأَغَرِّ وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ يَتَنَزَّلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ يَقُولُ مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از ابوعبداللہ الاغر وابوسلمہ بن عبدالرحمن از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے، جب تہائی رات کا آخری حصہ باقی ہوتا ہے، فرماتا ہے: کون مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول فرماؤں، کون مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کو عطا فرماؤں، اور کون مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے تو میں اس کی مغفرت کردوں۔

(صحیح بخاری: ۱۱۴۵، ۶۳۲۱، ۷۴۹۴، صحیح مسلم: ۷۵۸، سنن ترمذی: ۳۴۹۸، سنن ابوداؤد: ۱۳۱۵، سنن ابن ماجہ: ۱۳۶۶، مسند احمد: ۹۹۴۰، موطا امام مالک: ۴۹۶، سنن داری: ۱۴۷۹)

صحیح البخاری: ۶۳۲۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آدھی رات یا تہائی رات کے وقت دعا کرنے کی توجیہ

جو شخص اپنے رب سے مناجات کے لیے اور اس کی طرف آہ وزاری کرنے کے لیے اور اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے اور اپنی گردن کو دوزخ سے چھڑانے کے لیے دعا کرتا ہے اور اس وقت میں اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہے جس وقت میں انسان بالعموم نیند کی لذت میں اور بستروں کے آرام میں ہوتا ہے تو یہ اس کی نیت کے اخلاص پر دلیل ہے اور یہ کہ اس کی اپنے رب کی طرف رغبت صحیح ہے، تو اس لیے اس کی دعا کی قبولیت متوقع ہوگی کیونکہ وہ اخلاص کے ساتھ مقرون ہے اور دعا میں اس کی نیت صادق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی غافل کی دعا کو قبول نہیں کرتا۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اس حال میں کہ تمہیں دعا کے قبول ہونے کا یقین ہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ اس قلب سے دعا کو قبول نہیں کرتا جو غافل ہو اور لہو ولعب میں مشغول ہو۔

(سنن ترمذی: ۳۴۷۹، المعجم الاوسط للطبرانی: ۵۱۰۹، المستدرک ج ۱ ص ۴۹۳، امام حاکم نے کہا: اس حدیث کی سند مستقیم ہے اور صالح مروی جو بصرہ کے زاہدوں میں سے ایک ہیں وہ اس کے ساتھ متفرد ہیں، اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس حدیث کی روایت نہیں کی۔)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج رات کو میرے پاس میرا رب تبارک وتعالیٰ حسین صورت میں آیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے گمان کیا کہ آپ کے خواب میں آیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! کیا آپ جانتے ہیں کہ ملاء اعلیٰ (ملائکہ مقربین) کس بات میں بحث کررہے ہیں، میں نے عرض کیا: نہیں، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا حتیٰ کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں پائی سو میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے، اللہ عزوجل نے فرمایا: اے محمد! کیا تم جانتے ہو کہ ملاء اعلیٰ کس بات میں بحث کررہے ہیں؟ میں نے کہا: جی ہاں! وہ کفارات میں بحث کررہے ہیں اور کفارات نمازوں کے بعد مساجد میں ٹھہرنا ہے اور پیدل چل کر نماز میں جماعت کے لیے جانا ہے اور تکلیف کے وقت پورا وضو کرنا ہے، جس نے یہ کیا تو وہ خیر کے ساتھ زندہ رہے گا اور خیر کے ساتھ فوت ہوگا۔ اور اس کی خطا ایسی ہوگی جیسے وہ اسی دن اپنی ماں سے پیدا ہوا ہو۔ اور اللہ عزوجل نے فرمایا: اے محمد! جب تم نماز پڑھو تو دعا کرو: اے اللہ! میں تجھ سے نیکیوں کے فعل کا سوال کرتا ہوں، اور برائیوں کے ترک کا سوال کرتا ہوں اور مساکین کی محبت کا سوال کرتا ہوں، اور جب تو اپنے بندوں کے فتنہ کا ارادہ کرے تو مجھے اپنی طرف اس حال میں اٹھالینا کہ میں فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔ اور فرمایا: درجات یہ ہیں کہ بہ کثرت سلام کیا جائے اور کھانا کھلایا جائے اور رات کو نماز پڑھی جائے جب لوگ سوئے ہوئے ہوں۔

(سنن ترمذی: ۳۲۳۳، ۳۲۳۵، مسند احمد: ج ۱ ص ۳۶۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت میں دعا کرنے پر تنبیہ کی ہے، کیونکہ اس وقت میں انسان کا دل دنیا کے خیالات سے خالی ہوتا ہے، تاکہ بندہ سنجیدگی اور اخلاص کے ساتھ اپنے رب سے دعا کرے تو اس کے لیے قبولیت متوقع ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق کے اوپر رحمت ہے، پس اسی کے لیے حمد ہے اور شکر ہے دائماً کثیرا، کیونکہ اس نے بندوں کی مصلحتوں کے لیے اور ان کے منافع کے لیے الہام فرمایا۔

حدیث مذکور کے عنوان کی توجیہ

اگر یہ سوال کیا جائے کہ امام بخاری نے آدھی رات کے وقت دعا کا عنوان قائم کیا ہے، حالانکہ حدیث میں مذکور ہے کہ اللہ عزوجل تہائی رات کے اخیر میں آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے اس عنوان کو قرآن مجید کی اس آیت سے اخذ کیا ہے:

قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ رات کو نماز میں قیام کریں مگر تھوڑا O آدھی رات یا اس سے کچھ کم کردیں O (المزمل: ۲۔۳)

پس اس حدیث کا عنوان قرآن مجید کی دلیل سے قائم کیا ہے اور حدیث دلالت کرتی ہے کہ مقبولیت کا وقت تہائی رات ہے، مگر نصف کا ذکر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اس پر دلالت کرتا ہے کہ وقت کے داخل ہونے سے پہلے اس کی حفاظت کرنی چاہیے تاکہ بندہ منتظر ہو اور دعا کے قبول ہونے کے لیے تیار ہو، پس یہ اجابت کا سبب ہوگا۔ اور چاہیے یہ کہ رات یا دن کا کوئی وقت بھی نہ گزرے مگر بندہ اس وقت میں اللہ تعالیٰ سے دعا کررہا ہو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کررہا ہو۔

اللہ تعالیٰ کے نزول کی توجیہ

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے نزول کا ذکر ہے اور نزول تو جسم اور جسمانیت کا تقاضا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانیت سے پاک ہے، تو ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا ہو کہ وہ اس وقت میں آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہوں اور یہ نداء کریں۔

اور اوزاعی سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ فعل اللہ تعالیٰ سے ظاہر ہوا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۲۶۔ ۲۲۸ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: اس تاویل پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ سلف صالحین کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقت میں نزول فرماتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے بلاتشبیہ اور بلاتمثیل۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حدیث مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے آسمان سے نزول کے متعلق مذاہب علماء

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے جہت کو ثابت کرتے ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بلندی کی جہت ہے اور جمہور علماء نے اس کا انکار کیا ہے، کیونکہ یہ قول اللہ تعالیٰ کے لیے مکان کے ثبوت کی طرف لے جاتا ہے اور نزول کے معنی میں اقوال مختلف ہیں:

(۱) بعض علماء نے اس حدیث کو اپنے ظاہر اور حقیقت پر محمول کیا ہے اور وہ مشبہہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے قول سے بلند ہے۔

(۲) بعض علماء نے اس موضوع پر احادیث واردہ کی صحت کا انکار کیا ہے اور وہ خوارج اور معتزلہ ہیں اور یہ ان کی ہٹ دھرمی ہے۔ اور تعجب یہ ہے کہ اس قسم کی آیات جو قرآن مجید میں مذکور ہیں ان کی تو انہوں نے تاویل کی ہے اور حدیث کا انکار کیا ہے، یہ ان کا جہل ہے یا عناد ہے۔

(۳) اور بعض علماء نے اس حدیث کو اس کے مورد کے مطابق جاری کیا ہے اور ان کا اس پر اجمالاً ایمان ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی کیفیت اور تشبیہ سے تنزیہہ کرتے ہیں اور وہ جمہور سلف صالحین ہیں۔ اور امام بیہقی وغیرہ نے اس موقف کو ائمہ اربعہ سے اور سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ سے اور حماد سے اور اوزاعی سے اور لیث وغیرہم سے نقل کیا ہے۔

(۴) اور بعض علماء نے اس حدیث کی ایسی تاویل کی ہے جو کلام عرب کے استعمال کے مناسب ہے۔

(۵) اور بعض علماء نے اس حدیث کی تاویل میں افراط سے کام لیا حتیٰ کہ قریب ہے کہ ان کی یہ تاویل تحریف تک پہنچ جائے۔

(۶) اور ان میں سے بعض نے تفصیل کی ہے کہ جو تاویل کلام عرب کے استعمال کے قریب ہے اس کے درمیان اور اس کے درمیان جو کلام عرب کے استعمال سے بعید ہے تو انہوں نے بعض میں تاویل کی اور بعض میں تفویض کی اور یہ امام مالک سے منقول ہے اور متاخرین میں سے ابن دقیق العید نے اس کو وثوق کے ساتھ بیان کیا ہے۔

امام بیہقی نے کہا کہ زیادہ سلامتی اس میں ہے کہ اس حدیث پر ایمان لایا جائے بلا کیف اور اس کی مراد سے سکوت کیا جائے، سوا اس کے کہ اس کی مراد شارع علیہ السلام سے ثابت ہو۔ اور ان کا اس پر اتفاق ہے کہ تاویل معین واجب نہیں ہے، پس اس وقت اس حدیث کے مطلب کو شریعت کی طرف مفوض کر دینے میں زیادہ سلامتی ہے۔ اور اس کی مزید تفصیل ان شاء اللہ کتاب التوحید میں آئے گی۔

حدیث مذکور کی تاویلات

علامہ ابن العربی نے کہا ہے: مبتدعین سے منقول ہے کہ وہ ان احادیث کو رد کرتے ہیں اور سلف صالحین ان احادیث کو قبول کرتے ہیں اور ایک قوم ان احادیث کی تاویل کرتی ہے۔ اور میں بھی اسی کے مطابق کہتا ہوں۔

رہا یہ کہ اس حدیث میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نازل ہوتا ہے''، یہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی طرف راجح ہے نہ کہ اس کی ذات کی طرف، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ملک سے عبارت ہے۔ یعنی اس کا امر نازل ہوتا ہے اور اس کی نہی نازل ہوتی ہے۔

اور نزول جس طرح اجسام میں ہوتا ہے اسی طرح معانی میں ہوتا ہے۔ پس اگر تم احادیث میں مذکور نزول کو نزول حسی پر محمول کرو تو یہ اس فرشتہ کی صفت ہے جو اس حکم کو لے کر نازل ہوتا ہے۔ اور اگر اس نزول کو تم نزولِ معنوی پر محمول کرو اس معنی میں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کام نہیں کیا، پھر اس کو کیا تو اس کو ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ کی طرف نزول قرار دیا، تو یہ عربی کے مطابق ہے اور صحیح ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کی تاویل دو طریقوں سے ہے۔ یا تو یہ معنی کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوتا ہے یا فرشتہ اس کے حکم سے نازل ہوتا ہے۔ یا یہ تاویل کی جائے کہ یہ استعارہ ہے اس معنی میں کہ اللہ تعالیٰ دعا کرنے والوں کے اوپر لطف و کرم فرماتا ہے اور ان کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔

اور اس تاویل کی تائید میں حسب ذیل احادیث ہیں:

امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ مہلت دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ آدھی رات گزر جاتی ہے، پھر ایک نداء کرنے والے کو حکم دیتا ہے جو کہتا ہے کہ کوئی دعا کرنے والا ہے تو اس کی دعا قبول کی جائے۔۔۔ الحدیث

اور حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک نداء کرنے والا نداء کرتا ہے کہ کوئی دعا کرنے والا ہے تو اس کی دعا قبول کی جائے۔۔ الحدیث

علامہ قرطبی نے کہا: اس سے اشکال دور ہو جاتا ہے۔

اور علامہ بیضاوی نے کہا: جب کہ دلائل قطعیہ سے یہ ثابت ہے کہ اللہ سبحانہٗ جسمیت سے اور مکان سے منزہ ہے تو اس کے اوپر ایسا نزول ممتنع ہے جو ایک جگہ سے اس سے نچلی جگہ کی طرف انتقال کے معنی میں ہو، پس اس سے مراد ہے: اس کی رحمت کا نور یعنی اس کے جلال کی صفت جو غضب کا تقاضا کرتی ہے اور انتقام کا تقاضا کرتی ہے اس سے وہ منتقل ہوتا ہے اکرام کی صفت کی طرف جو شفقت اور رحمت کا تقاضا کرتی ہے۔

تینوں دعاؤں کا فرق

اس حدیث میں تین دعاؤں کا ذکر ہے:

(۱) ''کون ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کروں'' (۲) ''کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کروں'' (۳) اور ''کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت کروں''۔

ان تینوں میں فرق یہ ہے کہ یا تو مطلوب ضرر کو دور کرنا ہوگا، یا نفع کو حاصل کرنا ہوگا۔ اور وہ نفع یا دینی ہوگا یا دنیاوی ہوگا۔ پس استغفار میں اول کی طرف اشارہ ہے یعنی دینی نفع کی طرف، اور سوال میں دوسرے کی طرف اشارہ ہے یعنی دنیاوی نفع کی طرف، اور دعا میں تیسرے مطلوب کی طرف اشارہ ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کہا جائے کہ دعا میں یا تو کسی چیز کی طلب نہیں ہوگی جیسے وہ کہے: یا اللہ۔ اور سوال میں طلب ہوگی۔

بعض دیگر دعاؤں کا ذکر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے ''کیا کوئی توبہ کرنے والا ہے تو میں اس کی توبہ قبول کروں''۔ اور ابوجعفر کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ''کون ہے جو مجھ سے رزق طلب کرے تو میں اس کو رزق دوں، اور کون ہے جو کسی تکلیف کو دور کرنے کی دعا کرے تو میں اس کی تکلیف کو دور کروں''۔ اور عطاء نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ''کون ہے جو بیمار ہو مجھ سے شفاء طلب کرے تو میں اس کو شفاء دوں''۔

اور ان دعاؤں میں عمل طاعت کی طرف ترغیب ہے اور زیادہ ثواب کی طرف اشارہ ہے۔ اور زہری نے دارقطنی سے روایت کیا ہے کہ نماز فجر تک یہ دعا کرتا رہے۔

ان احادیث کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً۔ (البقرۃ: ۲۴۵)

وہ کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسن دے؟ تو اللہ اس کو بڑھا کر اس کے لیے کئی گنا کردے۔

اور رات کے وقت دعا کرنے کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے:

اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ۝ (آل عمران: ۱۷)

جو صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، (اللہ کی) اطاعت کرنے والے، (راہِ خدا میں) خرچ کرنے والے، رات کے پچھلے پہر اٹھ کر مغفرت طلب کرنے والے ہیں O

سو یہ اجابت اور قبولیتِ دعا کا وقت ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بعض لوگ ان اوقات میں بھی دعا کرتے ہیں اور ان کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قبولیتِ دعا کی کوئی شرط نہیں پائی جاتی، مثلاً وہ اپنے کھانے پینے اور پہننے میں حرام سے احتراز نہیں کرتے

یا قبولیتِ دعا میں جلدی کرتے ہیں، یا کسی گناہ کی یا قطعِ رحم کی دعا کرتے ہیں، یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی دعا سے زیادہ بہتر کوئی اور چیز ہوتی ہے جو ان کی مصلحت کے مناسب ہوتی ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۶۳۵ ـ ۶۳۶، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۲۱، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کی تحقیق کہ اللہ عزوجل کا آسمانِ دنیا کی طرف نزول حقیقتاً ہے اور اس سے مراد اس کے حکم کا نزول نہیں ہے

یہ حدیث بہت عظیم ہے اور بعض اہلِ علم نے یہ کہا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدِ تواتر تک پہنچتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ حدیث مستفیض مشہور ہے، شیخ ابن تیمیہ نے اپنی ایک مستقل کتاب میں اس کی شرح کی ہے اور اس کے فوائدِ عظیمہ بیان کیے ہیں اور اس میں یہ ثبوت ہے کہ اللہ سبحانہٗ کا آسمانِ دنیا سے حقیقتاً نزول ہوتا ہے اور نزول اللہ تعالیٰ کی صفتِ فعلیہ سے ہے، کیونکہ یہ فعل ہے اور یہ نزول حقیقتاً ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نزول کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی ہے کہ ہمارا رب نازل ہوتا ہے اور ہم سب جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جاننے والے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق سے زیادہ فصیح ہیں اور اسی طرح ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق سے زیادہ خیر خواہی کرنے والے ہیں اور کوئی شخص بھی مخلوق میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیر خواہی میں مساوی نہیں ہے، اسی طرح ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بندوں سے صرف ہدایت کا ارادہ کرتے ہیں اور آپ یہ ارادہ نہیں فرماتے کہ بندے گمراہ ہو جائیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق سے زیادہ اللہ کے عالم ہیں اور تمام مخلوق سے زیادہ مخلوق کے خیر خواہ ہیں اور تمام مخلوق سے زیادہ فصیح کلام کرتے ہیں۔ اور اسی طرح آپ صرف مخلوق کی ہدایت کا ارادہ فرماتے ہیں، پس جب آپ نے فرمایا کہ ہمارا رب نازل ہوتا ہے تو کونسا انسان ہے جو اس لفظ کے خلاف کہے، کیونکہ پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ تہمت لگائے گا کہ آپ مثلاً عالم نہیں ہیں، کیونکہ مراد تو ہے: اللہ کا حکم نازل ہوتا ہے اور آپ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نازل ہوتا ہے، تو کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ عالم ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ عالم ہیں۔ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ تہمت لگاتے ہو کہ آپ فصیح نہیں ہیں، آپ کوئی بات کہنے کا ارادہ فرماتے لیکن کچھ اور فرماتے۔ آپ کا ارادہ یہ تھا کہ اللہ کا حکم نازل ہوتا ہے لیکن آپ نے کہا کہ ہمارا رب نازل ہوتا ہے۔

مسئلہ: کیا اللہ عزوجل کا آسمان سے نزول اس کو مستلزم ہے کہ عرش خالی ہو جائے؟

الجواب: اس سوال کی اصل بدعت ہے، کیونکہ ہم سوال کرتے ہیں: کیا تم اللہ تعالیٰ کی صفات کی فہم میں صحابہ سے زیادہ حریص ہو، اگر وہ کہے کہ ہاں تو اس نے جھوٹ بولا، اگر وہ کہے: نہیں تو پھر صحابہ نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق سوال نہیں کیا۔ اور انہوں نے یہ نہیں کہا کہ یا رسول اللہ! جب اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے تو کیا اس سے عرش خالی ہو جاتا ہے۔

پس صحیح طریقہ اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اس میں توقف کیا جائے اور سب سے ضعیف قول یہ ہے کہ عرش خالی ہو جاتا ہے اور ہم پر یہ واجب نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بیان نہیں کیا اور صحابہ نے اس کے متعلق آپ سے سوال نہیں کیا، اور اگر یہ ان چیزوں میں سے ہوتی کہ جس کا اعتقاد رکھنا ہم پر واجب ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو بیان فرما دیتا اور اس کا رسول کسی طریقہ

سے بیان فرمادیتا۔ اور ہم جانتے ہیں کہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق کو اپنی طرف سے بیان فرمادیتے اور کبھی توقف فرماتے، پھر آپ پر وحی نازل ہوتی اور کبھی کوئی اعرابی آتا اور آپ سے کسی چیز کے متعلق سوال کرتا اور کبھی صحابہ سوال کرتے اور اس مسئلہ میں حدیث میں کوئی چیز وارد نہیں ہوئی۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ یہ سوال بدعت ہے جیسا کہ ایک شخص نے امام مالک سے یہ سوال کیا تو امام مالک نے کہا: یہ سوال بدعت ہے، صحابہ نے آپ سے یہ سوال نہیں کیا تو تم اب اللہ کے دین میں بدعت اختیار کر رہے ہو کیونکہ تم ایک امر دینی کے متعلق سوال کر رہے ہو جس کے متعلق صحابہ نے سوال نہیں کیا، اور وہ تم سے افضل ہیں اور تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی صفات جاننے میں حریص ہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے یہ سوال نہیں کیا۔

مسئلہ: کیا اللہ عزوجل خود نزول فرماتا ہے؟

الجواب: بے شک اللہ عزوجل خود نزول فرماتا ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور وہ تمام مخلوق سے زیادہ عالم ہیں، سب سے زیادہ خیر خواہ ہیں، سب سے زیادہ فصیح ہیں، سب سے زیادہ صادق ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ ہمارا رب نازل ہوتا ہے تو یہ جھوٹ نہیں ہے اور نہ آپ نے امت کو کوئی دھوکا دیا ہے اور نہ آپ نے کوئی غلط بات کہی اور نہ آپ نے جہالت کی بات کہی ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ عزوجل نازل ہوتا ہے، لیکن بعض لوگوں نے کہا کہ جو چیز نازل ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور دوسروں نے کہا: جو چیز نازل ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، اور دوسروں نے کہا: جو نازل ہوتا ہے وہ اللہ کے فرشتوں میں سے فرشتہ ہے، سبحان اللہ! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے تھے کہ اس کی تعبیر اس طرح کرنی چاہیے، کیا آپ یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے یا اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ نازل ہوتا ہے، کیا آپ نہیں جانتے تھے کہ اس نزول کی کس طرح تعبیر کرنی چاہیے۔

تعجب خیز بات یہ ہے کہ یہ لوگ صفات کی نصوص میں تحریف کرتے ہیں اور یہ ان کو سمجھ نہیں سکتے اور اگر کوئی شخص اللہ کے احکام میں سے کسی حکم میں تحریف کرتا تو یہ باطل ہوتا کیونکہ اس کے احکام مصلحتوں کے ساتھ مربوط ہیں۔

پس ان لوگوں کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے نہ کوئی بنیاد ہے جس کی وجہ سے یہ اب سلامتی کے طریقہ اور منہج حکیم سے عدول کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ۔ (الشوریٰ:11) اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔

اور نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ۝ (الرحمٰن:26-27) جو بھی زمین پر ہے وہ فنا ہونے والا ہے ○ اور آپ کے رب کی ذات باقی ہے جو عظمت اور بزرگی والا ہے ○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپ کے رب کا چہرہ باقی رہے گا۔

تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے چہرہ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نزول کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ (شرح صحیح

البخاری ج ۶ ص ۱۸۰۔۱۸۵ ملخصاً وملتقطاً، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

شیخ ابن عثیمین کی تحقیق پر مصنف کا تعاقب

میں کہتا ہوں کہ شیخ ابن عثیمین نے شیخ ابن تیمیہ کے قول کا صرف ایک رخ بیان کیا ہے، انہوں نے یہ لکھا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں جو اللہ تعالیٰ کی صفات ذکر کی گئی ہیں ان صفات کا انکار کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ان صفات کی تاویل کرنا جائز ہے، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھی ہے، اس کی آنکھیں بھی ہیں، اس کا چہرہ بھی ہے، اس کی پنڈلی بھی ہے لیکن وہ مخلوق کے ہاتھ اور اس کی آنکھوں اور اس کے چہرہ اور اس کی پنڈلی کی مثل نہیں ہے، بلکہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق ہیں۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یہ صفات ہیں لیکن ان کی کیفیت کا ہمیں علم نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یہ صفات اس کی کس طرح ہیں۔

اسی طرح بعض علماء نے شیخ ابن تیمیہ کی ان ظاہر عبارات کو دیکھ کر اس پر کفر اور گمراہی کا فتویٰ لگایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے جسمیت کے قائل ہیں۔

شیخ ابن تیمیہ کے افکار اور ان پر علماء امت کے تبصرے

علامہ تقی الدین ابوبکر حصنی دمشقی متوفی ۸۲۹ھ لکھتے ہیں:

ابوالحسن دمشقی نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ ہم ابن تیمیہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، اس نے وعظ کیا اور استواء کی آیات کو بیان کیا، اس نے کہا: اللہ عرش پر اس طرح بیٹھا ہے جس طرح میں یہاں بیٹھا ہوں، یہ سن کر لوگ اس پر پل پڑے اور اس کی وتیوں سے مرمت کر دی، اور اس کو بعض حکام تک پہنچایا، انہوں نے اس کا علماء سے مناظرہ کرایا، اس نے یہ آیت پیش کی ''الرحمٰن علی العرش استویٰ'' علماء اس پر ہنسے اور انہوں نے جان لیا کہ یہ قواعد علم کو جاری کرنے سے جاہل ہے، پھر علماء نے اس پر یہ آیت پیش کی ''فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ'' (البقرہ:۱۱۵) ''تم جہاں کہیں (قبلہ کی طرف) منہ پھیرو، اللہ اسی طرف متوجہ ہے'' اس نے اس آیت کی باطل تاویلات کیں۔ اس نے کہا: اللہ حقیقۃً ہمارے ساتھ ہے، اور اللہ عرش پر بھی حقیقۃً مستوی ہے، اور یہ شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی عداوت رکھتا تھا۔ علماء نے اس کو مارنے اور اس کو کوڑے لگانے کا حکم دیا۔ قاضی مالکی کے حکم سے اس کو اور اس کے بھائیوں کو قید کر دیا گیا، اس کو قید کرنے کا سبب یہ بیان کیا گیا کہ اس نے کہا: انبیاء علیہم السلام مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی قبروں کی زیارت کے لیے رخت سفر نہ باندھا جائے، امام برہان الدین فزاری نے اس کے خلاف چالیس سطروں کا فتویٰ لکھا جس میں اس کو کافر قرار دیا، اور شیخ شہاب الدین بن جہبل شافعی نے اور مالکی علماء نے بھی اس کی موافقت کی اور اس کے گمراہ، بدعتی اور زندیق ہونے پر اتفاق کیا، سلطان نے تمام قاضیوں کو جمع کیا اور قاضی القضاۃ بدرالدین بن جماعہ نے اس فتویٰ کو پڑھ کر اس پر مہر لگائی اور لکھا کہ اس قول کا قائل بدعتی اور گمراہ ہے اور حنفی اور حنبلی علماء نے اس فتویٰ کی موافقت کی، لہٰذا اس کے کفر پر اجماع ہو گیا۔ (کتاب دفع شبہ من شبہ وتمرد ص ۴۱۔۴۵، مطبعہ دار الکتاب العربیہ، حلب، ۱۳۵۰ھ)

علامہ تاج الدین عبدالوہاب بن علی بن عبدالکافی السبکی المتوفی ۷۷۱ھ نے قصیدہ نونیہ میں ان مسائل کو جمع کیا ہے جس میں اشاعرہ کا اختلاف ہے اور بعض عقائد کی سنت کے مطابق تصحیح کی ہے، اس میں یہ شعر بھی ہے:

کذب ابن فاعله یقول لجهله الله جسم لیس کالجسمان

زانیہ کے بیٹے نے اپنے جہل کی وجہ سے یہ کہا کہ اللہ جسم ہے، حالانکہ اللہ جسموں کی مثل نہیں ہے۔

(طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ۳ ص ۷۹ ۳، دار احیاء الکتب العربیہ)

مشہور سیاح ابن بطوطہ لکھتے ہیں:

ابن تیمیہ دمشق کا بہت بڑا عالم تھا، لیکن اس کی عقل میں کمی تھی، دمشق کے علماء کے اس پر اعتراض تھے، اس کو قاضی القضاۃ کے سامنے پیش کیا گیا اور اس سے کہا: ان اعتراضات کے جواب دو، اس نے کہا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور کوئی جواب نہیں دیا، دوبارہ کہا: اس نے یہی جواب دیا، اس کو قاضی القضاۃ نے قید کر دیا، میں نے دمشق کے قیام کے دوران ایک دن اس کے پیچھے جمعہ پڑھا، یہ مسجد کے منبر پر وعظ کر رہا تھا، دورانِ وعظ اس نے کہا: اللہ آسمان دنیا سے اس طرح اترتا ہے، یہ کہہ کر اس نے منبر سے اتر کر دکھایا، پھر اس سے ابن الزہراء مالکی نے معارضہ کیا اور لوگوں نے ہاتھوں اور جوتوں سے اس کو اس قدر مارا کہ اس کی پگڑی گر گئی اور اس کا لباس پھٹ گیا۔ اس کو ایک حنبلی قاضی کے پاس لے گئے، انہوں نے اس کو قید کرنے اور تعزیر لگانے کا حکم دیا۔ اس کے مردود اقوال میں سے یہ ہیں: اس نے کلمہ واحدہ سے تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا، قبر انور کی زیارت کرنے والے کے لیے نماز قصر کرنے کو ناجائز کہا، ملک ناصر نے اس کو قلعہ میں قید کرنے کا حکم دیا اور یہ وہیں مر گیا۔ (رحلہ ابن بطوطہ ج ۱ ص ۱۱۲۔۱۱۱، مطبوعہ دار احیاء العلوم، بیروت)

امام ابو عبد اللہ شمس الدین محمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابو العباس احمد بن تیمیہ حرانی بہت بڑا عالم تھا، اس کی تصانیف تین سو مجلدات کو پہنچتی ہیں، یہ دمشق اور مصر میں کئی مرتبہ فتنہ میں پڑا، اور مصر، قاہرہ، اسکندریہ اور قلعہ دمشق میں دو مرتبہ قید ہوا اور قلعہ دمشق میں ۷۲۸ھ میں فوت ہوا، اس کے بہت سے منفردات ہیں اور ائمہ میں سے ہر ایک کے قول کو اخذ بھی کیا جاتا ہے اور ترک بھی کیا جاتا ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۴۹۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابن تیمیہ نے اللہ تعالیٰ کے (آسمان سے) نازل ہونے کی حدیث بیان کی، پھر منبر کی دو سیڑھیوں سے اتر کر کہا: جس طرح میں اترا ہوں اللہ تعالیٰ اس طرح اترتا ہے، اس وجہ سے یہ کہا گیا کہ ابن تیمیہ اللہ تعالیٰ کے لیے جسمیت کا قائل ہے۔

(الدرر الکامنہ ج ۱ ص ۱۵۴، مطبوعہ دار الجلیل، بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

احمد بن تیمیہ نے عقیدہ حمویہ اور واسطیہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ، پیر، چہرہ اور پنڈلی کا جو ذکر آیا ہے وہ اس کی صفات حقیقیہ ہیں اور اللہ تعالیٰ عرش پر بذاتہ مستوی ہے۔ اس سے کہا گیا کہ اس سے تحیز اور انقسام لازم آئے گا، تو اس نے کہا: میں یہ نہیں مانتا کہ تحیز اور انقسام اجسام کے خواص میں سے ہیں، اس وجہ سے ابن تیمیہ کے متعلق کہا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے تحیز اور انقسام کا قائل ہے، بعض علماء نے ابن تیمیہ کو زندیق قرار دیا کیونکہ وہ کہتا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد نہیں مانگنی چاہیے، اس کے قول میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص ہے اور آپ کی تعظیم کا انکار ہے، بعض علماء نے اس کو منافق قرار دیا، کیونکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کہتا

تھا کہ آپ نے سترہ مقامات میں خطاء کی، اور کتاب اللہ کی مخالفت کی، وہ جہاں بھی گئے انہوں نے شکست کھائی، انہوں نے بار بار خلافت حاصل کرنے کی کوشش کی اور ناکام رہے، اور ان کی جنگ حکومت کے لیے تھی دین کے لیے نہیں تھی، نیز ابن تیمیہ نے کہا کہ حضرت عثمان مال سے محبت کرتے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا کہ وہ بوڑھے تھے، وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا کر رہے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا کہ وہ بچپن میں اسلام لائے تھے اور بچپن کا اسلام لانا ایک قول کے مطابق صحیح نہیں ہوتا۔

(الدرر الکامنہ ج ۱ ص ۱۵۵، مطبوعہ دار الجیل، بیروت)

اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات میں متقدمین کا مسلک

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی حد ہے، نہ کوئی ضد ہے، نہ کوئی اس کا شریک ہے اور نہ کوئی اس کی مثل ہے اور اس کا ہاتھ ہے اور اس کا چہرہ ہے اور اس کا نفس ہے اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے چہرہ، ہاتھ اور نفس کا ذکر کیا ہے، پس وہ اس کی صفات بلا کیف ہیں، اور یہ نہ کہا جائے کہ اس کے ہاتھ سے مراد اس کی قدرت یا نعمت ہے، کیونکہ اس قول سے اللہ تعالیٰ کی صفات کو باطل کرنا لازم آتا ہے۔

(فقہ اکبر مع شرحہ ص ۳۶۔ ۳۷، مطبوعہ مصر، ۱۳۷۵ھ)

الامام الحسین بن مسعود البغوی التوفی ۵۱۶ھ "ثم استوی علی العرش" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کلبی اور مقاتل نے کہا: "استوی" کا معنی استقر ہے (رحمٰن عرش پر برقرار ہے) اور ابوعبیدہ نے کہا: اس کا معنی ہے: عرش پر چڑھا اور معتزلہ نے الاستواء کی تاویل استیلاء سے کی ہے (وہ عرش پر غالب ہے) اور رہے اہلسنت تو وہ کہتے ہیں کہ عرش پر استواء اللہ تعالیٰ کی صفت بلا کیف ہے، انسان پر واجب ہے کہ وہ استواء پر ایمان لائے اور اس کا علم اللہ عزوجل کے سپرد کر دے۔ ایک شخص نے امام مالک بن انس سے اس آیت کے متعلق سوال کیا "الرحمن علی العرش استوی" کہ استواء کی کیا کیفیت ہے۔ امام مالک نے تھوڑی دیر سر جھکایا اور ان کو پسینہ آ گیا، پھر انہوں نے کہا: "استواء" کا معنی معلوم ہے (معتدل و مستقیم ہونا، جم کر بیٹھنا) اور اس کی کیفیت عقل میں نہیں آ سکتی اور اس پر ایمان لانا واجب ہے، اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے اور میرے گمان میں تم محض گمراہ ہو، پھر امام مالک کے حکم سے اس کو نکال دیا گیا۔ اور سفیان ثوری، الاوزاعی، لیث بن سعد، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن مبارک اور ان کے علاوہ دیگر علماء اہلسنت سے صفاتِ متشابہات کے متعلق مروی ہے کہ جس طرح یہ صفات وارد ہوئی ہیں ان کو اسی طرح بلا کیف ماننا چاہیے۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۳۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی الحنبلی التوفی ۷۲۸ھ نے اپنے فتاویٰ میں اس مسئلہ پر متعدد جگہ بحث کی ہے، اگر ان تمام ابحاث کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل اور مفصل کتاب بن سکتی ہے، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

امام احمد رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اسی صفت کے ساتھ موصوف کیا جائے جس صفت کے ساتھ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو متصف کیا ہے، یا جس صفت کے ساتھ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موصوف کیا ہے، اور قرآن اور حدیث سے تجاوز نہ کیا جائے۔

اور سلف کا مذہب یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وہی صفت بیان کرتے تھے جو اللہ نے خود اپنی صفت بیان کی ہے یا جو صفت اس کے رسول نے بیان کی ہے، بغیر کسی تحریف اور تعطیل کے اور بغیر کسی تکییف اور تمثیل کے (تحریف سے مراد ہے مثلاً ہاتھ سے مراد قوت

اور لعنت لینا، اور تعطیل سے مراد اللہ تعالیٰ کی ان صفات کی نفی کرنا اور کہنا: اللہ تعالیٰ کا ہاتھ نہیں ہے، اور تکییف سے مراد ہے یہ کہنا کہ اس کا ہاتھ اس کیفیت کا ہے یا وہ عرش پر اس طرح بیٹھا ہے یا وہ آسمانِ دنیا کی طرف اس طرح نازل ہوتا ہے اور تمثیل سے مراد ہے یہ کہنا کہ اس کا ہاتھ مخلوق کے ہاتھ کی مثل ہے)، اور یوں ایمان رکھا جائے کہ اللہ کا ہاتھ ہے اور وہ کیسا ہے اور کس طرح ہے یہ ہم کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جو صفت بیان کی ہے وہ برحق ہے، اس میں کوئی پہیلی یا بجھارت نہیں ہے اور اس کے باوجود اللہ سبحانہٗ کی کوئی مثل نہیں ہے، اس کی ذات کی کوئی مثل ہے نہ اس کے اسماء اور صفات کی اور نہ اس کے افعال کی، پس جس طرح ہم کو یہ یقین ہے کہ اس کی ذات اور اس کے افعال کی حقیقت ہے، اسی طرح ہم کو یہ یقین ہے کہ اس کی صفات بھی حقیقی ہیں اور اس کی ذات اور اس کی صفات کی اور اس کے افعال کی کوئی مثل نہیں ہے اور ہر وہ چیز جو کسی نقص یا حدوث کو واجب کرتی ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے حقیقتاً منزہ ہے اور اللہ سبحانہٗ اس کمال کا مستحق ہے جس سے بڑھ کر کمال متصور نہیں ہے۔

اور سلف کا مذہب تعطیل اور تمثیل کے درمیان ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی صفات کے ساتھ تشبیہ نہیں دیتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو مخلوق کی ذات کے ساتھ تشبیہ نہیں دیتے، اور اللہ تعالیٰ سے ان صفات کی نفی نہیں کرتے جن صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو متصف کیا ہے اور اس کے رسول نے ان صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو متصف کیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اور اس کی عالی صفات کو معطل نہیں کرتے اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کو ان کے معانی سے موڑ کر تحریف کرتے ہیں اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی آیات میں الحاد کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا صحیح معنی یہ ہے کہ وہ عرش پر اس استواء کے ساتھ مستوی ہے جو اس کی شانِ جلال کے موافق ہے اور اس کے ساتھ مختص ہے، پس جس طرح اس کی یہ صفت ہے کہ وہ ہر چیز کا عالم ہے اور ہر چیز پر قادر ہے اور وہ سمیع اور بصیر ہے، اسی طرح اس کی یہ صفت ہے کہ وہ عرش پر مستوی ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے لیے علم اور قدرت کے اثبات سے یہ لازم نہیں آتا کہ علم اور قدرت کے جو مخلوق کے عوارض ہیں ان کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لیے لازم آئے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لیے استواء کے ثبوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ مخلوق کے استواء کے جو عوارض ہیں، ان کا ثبوت اللہ کے لیے لازم آئے، اور اللہ عزوجل عرش کے اوپر ہے، یہ اس طرح نہیں ہے جس طرح مخلوق میں سے کوئی چیز دوسرے کے اوپر ہوتی ہے اور یاد رکھو کہ سلف کے طریقہ کی مخالفت پر کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۵ ص ۲۱۔۲۰، مطبوعہ دار الجیل، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں اللہ تعالیٰ کے نزول اور استواء کے محامل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر رات کے آخری تہائی حصہ میں ہمارا رب تبارک وتعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۱۴۵، الموطا، رقم الحدیث: ۲۱۴، مسند احمد ج ۲ ص ۴۸۷)

اس قسم کے جو اطلاقات، قرآن اور سنت میں ہیں ان کے متعلق علماء اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کی کیفیت کو جانے بغیر ان پر ایمان لانا حق ہے۔ وہ کہتے ہیں: اللہ نازل ہوتا ہے اور کیفیت نزول کو بیان نہیں کرتے اور نہ کیفیت استواء کو بیان کرتے ہیں۔

بعض عوام سے شریک نے کہا: بعض لوگ ان احادیث کا انکار کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے نزول کا ذکر ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس یہ احادیث ان ہی اسانید سے پہنچی ہیں جن اسانید سے نماز، زکوٰۃ، روزے اور حج کے احکام کے متعلق

احادیث پہنچی ہیں اور ہم نے اللہ عزوجل کو ان احادیث سے ہی پہچانا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت صرف اتباع ہے، اور بعض لوگوں نے یہ توجیہ کی کہ رب کے نزول کا معنی یہ ہے کہ اس کی رحمت اور اس کی نعمت نازل ہوتی ہے، یہ توجیہ باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی نعمت تو رات اور دن کے ہر وقت میں نازل ہوتی ہے۔ اس میں رات کے آخری تہائی حصہ یا کسی اور وقت کی خصوصیت کا کیا دخل ہے؟ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت میں اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ اپنی رحمت سے دعا قبول فرماتا ہے، کیونکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کس وقت میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے، آپ نے فرمایا: آدھی رات کے بعد۔ (مسند احمد، ج ۵ ص ۱۷۹)

اور ہمیشہ نیک لوگ رات کے پچھلے پہر اٹھ کر استغفار کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے "وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ⑰" (آل عمران: ۱۷) (الاستذکار ج ۸ ص ۱۵۳۔۱۵۱، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

اللہ تعالیٰ کے لیے بلندی کی جہت سے اشارہ کرنے کا محمل

امام مالک نے عمر بن الحکم سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: میری ایک باندی بکریوں کو چراتی تھی، ایک دن ایک بکری گم ہو گئی، میں نے اس کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: اس کو بھیڑیا کھا گیا۔ مجھے اس پر افسوس ہوا۔ میں بھی آخر انسان ہوں میں نے اس کو تھپڑ مار دیا، اور مجھ پر (پہلے سے) ایک غلام کو آزاد کرنا تھا۔ کیا میں اس غلام کی جگہ اس باندی کو آزاد کر دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی سے پوچھا: اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: آسمان میں۔ آپ نے پوچھا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ رسول اللہ ہیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو آزاد کر دو۔

(الموطا، رقم الحدیث: ۱۵۱۱، صحیح مسلم: صلوٰۃ ۳۳ (۵۳۷) ۱۱۷۹، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۹۳۰)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۲ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب کہ دین حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مکان اور جہت منتفی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن اور سنت میں ایسی بے شمار تصریحات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے لیے مکان اور جہت کا ثبوت ہوتا ہے اور باوجود اختلاف آراء اور تفرق ادیان کے سب لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے لیے بلند جانب کی طرف دیکھتے ہیں اور دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جہت سے منزہ ہونا عام لوگوں کی عقلوں سے ماوراء ہے حتیٰ کہ جو چیز کسی سمت اور جہت میں نہ ہو لوگ اس کے وجود کا انکار کرتے ہیں تو ان سے خطاب کرنے کے لیے زیادہ مناسب اور ان کے عرف کے زیادہ قریب اور ان کو دین حق کی دعوت دینے کے زیادہ لائق یہ تھا کہ ان سے ایسا کلام کیا جائے جس میں بظاہر تشبیہ ہو اور ہر چند کہ اللہ تعالیٰ ہر سمت اور جہت سے منزہ ہے لیکن چونکہ بلند جانب تمام جوانب میں سب سے اشرف ہے اس لیے اس جانب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کیا گیا اور عقلاء اللہ تعالیٰ کے لیے آسمان کی طرف اس لیے متوجہ نہیں ہوتے کہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے بلکہ اس وجہ سے کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے، کیونکہ تمام خیرات اور برکات اور انوار اور بارشیں آسمان سے نازل ہوتی ہیں۔

(شرح المقاصد ج ۴ ص ۵۱۔۵۰، مطبوعہ منشورات الرضی، قم ایران، ۱۴۰۹ھ)

۱۵۔ بَابٌ: اَلدُّعَاءِ عِنْدَ الْخَلَاءِ
بیت الخلاء میں دخول کے وقت دعا کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص بیت الخلاء میں دخول کا ارادہ کرے تو کیا دعا کرے۔

۶۳۲۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ قَالَ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عرعرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبدالعزیز بن صہیب از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو دعا کرتے: اے اللہ میں خبث اور خبائث سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۱۴۲، ۶۳۲۲، صحیح مسلم: ۳۷۵، سنن ترمذی: ۶، سنن نسائی: ۱۹، سنن ابوداؤد: ۴، سنن ابن ماجہ: ۲۹۶، مسند احمد: ۱۱۵۳۶، سنن دارمی: ۶۶۹)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے الفاظ کے معانی

اس حدیث کو لفظ ''کانَ'' کے ساتھ ذکر کیا ہے جو دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے، یعنی نبی ﷺ جب بھی بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو یہ دعا کرتے۔

اور بعض روایات میں لفظ ''اذا'' کے ساتھ ذکر ہے، جیسا کہ سعید کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ جب بیت الخلاء میں دخول کا ارادہ کرتے۔

پس اگر قضائے حاجت کے لیے مخصوص مکان بنایا ہوا نہ ہو جیسے جنگل اور صحراء وغیرہ تو اس جگہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا جائز ہے اور اگر قضائے حاجت کے لیے مخصوص مکان بنایا ہوا ہو (جیسے واش روم) تو اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے متعلق فقہاء مالکیہ کا اختلاف ہے۔ پس جنہوں نے دخول کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو مکروہ قرار دیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب دخول کا ارادہ کرے تو یہ دعا کرے، کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص بیت الخلاء کا ارادہ کرے تو کہے: ''اعوذ باللہ من الخبث والخبائث''۔

(سنن ابوداؤد: ۶، سنن ابن ماجہ: ۲۹۶، مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۹۹۰۶، ۹۹۰۳، صحیح ابن خزیمہ: ۶۹، الطبرانی ج ۵ ص ۲۰۴، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۱۸۷، سنن بیہقی ج ۱ ص ۹۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ان جگہوں میں جنات اور شیاطین حاضر ہوتے ہیں، پس جب تم میں سے کوئی ایک ان میں داخل ہو تو کہے: ''اللھم انی اعوذبک من الخبث والخبائث''۔ (کتاب الدعاء للطبرانی ج ۲ ص ۹۵۹)

ابن وہب از حیوۃ بن شریح از ابی عقیل روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت سعید مقبری سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص بیت الخلاء میں قضائے حاجت کے لیے جائے اور پھر اللہ تعالیٰ کا نام لے، تو وہ ذکر اس کے اور جنات کے درمیان پردہ

ہو جاتا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرے گا تو جنات اس کی طرف دیکھیں گے اور مذاق اڑائیں گے اور ہنسیں گے۔
(کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۳ ص ۱۷۳، المعجم الاوسط للطبرانی: ۲۸۰۳، کتاب الدعا للطبرانی: ۳۵۶، کتاب عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی: ۲۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعاء کا محمل

ظاہر یہ ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہارِ عبودیت کے لیے یہ دعا کی اور امت کی تعلیم کے لیے یہ دعا کی ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات اور انسانوں کے شر سے محفوظ ہیں۔ اور آپ نے ایک خبیث اور زبردست جن کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا تھا۔ (صحیح البخاری: ۴۶۱، ۱۲۱۰، ۳۲۸۴)

نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اپنے رب کی طرف متوجہ رہتے تھے اور تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی حفاظت کرتے تھے اور جن جگہوں میں اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرنی چاہیے وہاں اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے تھے اور جہاں سکوت کرنا چاہیے وہاں پر سکوت فرماتے تھے۔

حدیث صحیح میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء سے باہر آتے تو آپ دعا کرتے ''غفرانك''۔
(سنن ابوداؤد: ۳۰، سنن ترمذی: ۷)

یعنی میں اللہ تعالیٰ سے اس حالت کے متعلق استغفار کرتا ہوں جس حالت نے مجھے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے سے اور اس کے ذکر کرنے سے روک دیا، سو آپ بیت الخلاء میں جاتے وقت بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے اور باہر آتے وقت بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے۔

بیت الخلاء جاتے وقت اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرنے کا فقہی حکم

اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرنے کی اس دعاء کے استحباب پر علماء کا اجماع ہے خواہ قضائے حاجت کسی عمارت کے مکان میں کرے یا صحراء اور جنگل میں کرے، کیونکہ یہ جگہ شیاطین کا ماویٰ ہوتی ہیں۔

الشیخ ابو حامد الاسفرائینی نے لکھا ہے کہ یہ دعا اس جگہ کے ساتھ مخصوص ہے جو قضائے حاجت کے لیے بنائی گئی ہو اور جنگل اور صحراء شیاطین کا ماویٰ نہیں ہیں۔ اگر کوئی شخص پناہ طلب کرنے کی دعا کو بھول گیا اور بیت الخلاء میں داخل ہو گیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اب پناہ طلب کرنے کی دعا کو مکروہ کہا ہے، اور دوسری جماعت جس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں، انہوں نے اس کی اجازت دی ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیت الخلاء میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا جائز ہے۔

علامہ ابن الملقن ان کا رد کرتے ہیں کہ اس طرح نہیں ہے، کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ دخول سے مراد ہے: جب دخول کا ارادہ کرے اور اس کے متعلق آثار مختلف ہیں۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ بئر جمل سے آئے تو ایک مرد نے آپ کو سلام کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جواب نہیں دیا حتیٰ کہ آپ نے دیوار پر تیمم کر لیا۔

امام بخاری نے اپنی کتاب ''خلق افعال العباد'' میں لکھا ہے کہ عطاء نے بیان کیا: جس انگوٹھی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو تو اگر انسان اس انگوٹھی کے ساتھ بیت الخلاء میں داخل ہو یا وہ اپنی بیوی کے پاس جائے اور وہ انگوٹھی اس کے ہاتھ میں ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (خلق افعال العباد: ۳۷۷)

اور یہی حسن بصری کا قول ہے۔اور وکیع نے سعید بن المسیب سے اس کی مثل روایت کی ہے۔
امام بخاری نے بیان کیا کہ طاؤس نے کہا: کسی مرد کے کمر بند میں دراہم ہوں اور وہ قضائے حاجت کر رہا ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔(خلق افعال العباد: ۳۸۲)
اور ابراہیم نخعی نے کہا: لوگوں کے لیے اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کے لیے دراہم کو رکھنا ضروری ہے۔
اور بعض تابعین نے کہا: مستحب یہ ہے کہ جس انگوٹھی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو اسے لے کر بیت الخلاء میں نہ جائے۔
(خلق افعال العباد: ۳۸۳)
امام بخاری نے کہا: یہ عبارت بغیر تحریم کے صحیح ہے۔(خلق افعال العباد: ۳۸۳، شرح ابن بطال ج ا ص ۲۳۲۔ ۲۳۴)
اور رہی بئر جمل والی حدیث تو وہ اختیار پر اور فضیلت پر محمول ہے، کیونکہ سلام کا جواب دینے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی وضو میں ہو۔اس کو امام طحاوی نے بیان کیا ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۴ ص ۸۸۔ ۹۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

بیت الخلاء سے نکلنے کے وقت کی بعض دیگر دعائیں

نیز علامہ ابن بطال مالکی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے، آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص بیت الخلاء سے آئے تو یہ دعا کرے، تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھ سے اس چیز کو نکال لیا جو مجھے ایذاء پہنچاتی، اور اس چیز کو روک لیا جو مجھے نفع دیتی۔(شرح ابن بطال ج ۱۰ ص ۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)
علامہ ابن الحسین نے الشیخ ابومحمد سے نقل کیا ہے کہ بیت الخلاء سے آتے وقت یہ دعا کرنا مستحب ہے:
الحمد لله الذی رزقنی لذته واخرج عنی مشقته وابقی فی جسمی قوته۔
تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے اپنی لذت عطاء کی اور مجھ سے مشقت کو نکال دیا اور میرے جسم میں اس کی قوت کو رکھا۔
(کتاب الدعاء للطبرانی: ۳۷۰، کتاب عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی: ۲۵)

۱۶۔ باب: مَا يَقُولُ إِذَا أَصْبَحَ
صبح اٹھتے وقت دعا کرنے کا بیان

یعنی جب انسان صبح کو اٹھے تو اس وقت اللہ تعالیٰ سے کیا دعا کرے۔

۶۳۲۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بُرَيْدَةَ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ كَعْبٍ عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ سَيِّدُ الاسْتِغْفَارِ اللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَأَبُوءُ لَكَ بِذَنْبِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حسین نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن بریدہ نے حدیث بیان کی از بشیر بن کعب از حضرت شداد بن اوس از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: سید الاستغفار یہ ہے: اے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی

فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ إِذَا قَالَ حِينَ يُمْسِي فَمَاتَ دَخَلَ الْجَنَّةَ أَوْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِذَا قَالَ حِينَ يُصْبِحُ فَمَاتَ مِنْ يَوْمِهِ مِثْلَهُ۔

مستحق عبادت نہیں ہے مگر تو، تو نے مجھے پیدا کیا، اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے اپنی طاقت کے مطابق کیے ہوئے عہد پر اور تجھ سے کیے ہوئے وعدہ پر قائم ہوں۔ میں تیرے لیے تیری دی ہوئی نعمت کا اعتراف کرتا ہوں اور میں تیرے لیے اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں۔ سو تو میری مغفرت فرما، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کی مغفرت نہیں کرتا۔ میں نے جو برے کام کیے ان سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ جب بندہ نے شام کے وقت یہ دعا کی اور وہ فوت ہو گیا تو جنت میں داخل ہوگا یا فرمایا: اہلِ جنت میں سے ہوگا۔ اور جب اس نے صبح کو یہ دعا کی اور اسی دن فوت ہو گیا تو بھی اسی کی مثل فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۶۳۲۳، سنن ترمذی: ۳۳۹۳، سنن نسائی: ۵۵۲۲، مسند احمد: ۱۶۶۶۲)

یہ حدیث اس سے پہلے افضل استغفار کے باب میں گزر چکی ہے۔

۶۳۲۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ قَالَ بِاسْمِكَ اللَّهُمَّ أَمُوتُ وَأَحْيَا وَإِذَا اسْتَيْقَظَ مِنْ مَنَامِهِ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبد الملک بن عمیر از ربعی بن حراش از حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب نیند یا سونے کا ارادہ کرتے تو یہ دعا فرماتے: اے اللہ! تیرے نام سے میں مرتا ہوں اور تیرے نام سے میں زندہ ہوتا ہوں۔ اور جب آپ نیند سے بیدار ہوتے تو دعا کرتے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد ہمیں زندہ کیا اور اسی کی طرف اٹھنا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۳۱۴، ۶۳۲۴، ۷۳۹۴، صحیح مسلم: ۲۷۱۱، سنن ترمذی: ۳۴۱۷، سنن ابوداؤد: ۵۰۴۹، سنن ابن ماجہ: ۳۸۸۰، مسند احمد: ۲۲۷۶۰، مسند احمد: ۲۲۷۶۰)

یہ حدیث بھی اس باب ''مایقول اذا نام'' میں گزر چکی ہے۔

۶۳۲۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ خَرَشَةَ بْنِ الْحُرِّ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی الله عنه قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی از ابن حمزہ از منصور از ربعی بن حراش از خرشہ بن الحر از حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب رات کو بستر پر جاتے تو یہ دعا کرتے: اے اللہ! تیرے نام

فَإِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ۔

کے ساتھ میں مرتا ہوں اور زندہ ہوتا ہوں۔ اور جب بیدار ہوتے تو یہ دعا کرتے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد ہمیں زندہ کیا اور اسی کی طرف اٹھنا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۳۱۴، ۶۳۲۴، ۷۳۹۴، ۷۳۹۵ صحیح مسلم: ۲۷۱۱، سنن ترمذی: ۳۴۱۷، سنن ابوداؤد: ۵۰۴۹، سنن ابن ماجہ: ۳۸۸۰، مسند احمد: ۲۷۷۶۰، مسند احمد: ۲۲۷۶۰)

امام بخاری نے اس حدیث کی کتاب التوحید میں روایت کی ہے۔ اس حدیث کی شرح بھی صحیح البخاری: ۶۳۱۲ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صبح اور شام اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کی حکمت

صبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کی حکمت یہ ہے تا کہ اس کے اعمال کی ابتداء اور شروع اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ہو۔ اسی طرح سوتے وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کی حکمت یہ ہے تا کہ اس کے عمل کا اختتام اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ہو۔ پس کراماً کاتبین اپنے صحیفہ کے اول میں بھی اس کا عملِ صالح لکھیں اور صحیفہ کے اخیر میں بھی اس کا عملِ صالح لکھیں۔ پھر اس کے درمیان جو اس سے گناہ ہوئے ان کی مغفرت کی امید کی جائے گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم! میرا دن کی ابتداء میں ایک ساعت کے لیے ذکر کرو اور دن کے آخر کی ایک ساعت میں بھی میرا ذکر کرو تو پھر اس دن کے درمیان کے لیے میں تمہیں کافی ہو جاؤں گا۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۱۳)

اور صالحین بازاروں میں دن کے اول میں اور دن کے وسط میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور یہ اس لیے کرتے ہیں کہ وہ صبح اور شام اللہ سے دعا کرنے میں رغبت رکھتے ہیں۔

اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تاجروں کو حکم دیتے تھے کہ تم دن کے اول کو اپنی آخرت کے لیے کرو اور اس کے ماسوا کو اپنی دنیا کے لیے کرو۔ اور اس معنی کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث مروی ہے:

حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابنِ آدم! کیا تم دن کی ابتداء میں چار رکعت پڑھنے سے عاجز ہو تو دن کے آخر میں، میں تمہارے لیے کافی ہو جاؤں۔

(سنن ترمذی: ۴۷۵، مسند احمد: ج ۵ ص ۲۸۶، السنن الکبریٰ للنسائی: ۳۶۸، مسند الشامیین للطبرانی ج ۱ ص ۱۷۳)

یہ تمام احادیث علامہ ابن الملقن نے ذکر کی ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۳۳۔ ۲۳۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ ھ)

حدیث مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صبح کے وقت دیگر دعاؤں کے متعلق احادیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے صبح کے وقت یہ دعا کی: ''اے اللہ! میں نے صبح کی، میں تیری گواہی دیتا ہوں اور تیرے حاملین عرش کی گواہی دیتا ہوں اور تیرے فرشتوں کی گواہی دیتا ہوں اور تیری تمام مخلوق کی گواہی دیتا ہوں کہ بے شک تو ہی اللہ ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اور بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں'' ۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے چوتھائی حصہ کو آگ سے آزاد کر دیتا ہے۔ اور جس نے یہ دعا دو مرتبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کے نصف کو آگ سے آزاد کر دیتا ہے۔ الحدیث

اس حدیث کی امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی نے روایت کی ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

ابو سلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے صبح کے وقت اور شام کے وقت یہ دعا کی: ''میں اللہ کو رب مان کر راضی ہوں اور اسلام کو دین مان کر راضی ہوں اور محمد کو رسول مان کر راضی ہوں'' تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اس کو راضی کرے۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد نے روایت کی ہے اور اس کی سند قوی ہے۔ اور امام ترمذی نے بھی اس حدیث کی سندِ ضعیف کے ساتھ روایت کی ہے۔

اور عبد اللہ بن غنام البیاضی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے صبح کے وقت یہ دعا کی: ''اے اللہ! صبح کو جو مجھے نعمت ملی یا تیری مخلوق میں سے کسی ایک سے نعمت ملی تو وہ صرف تیری طرف سے ہے، تیرا کوئی شریک نہیں ہے تیرے ہی لیے حمد ہے اور تیرے ہی لیے شکر ہے'' ، سو اس نے اس دن کا شکر ادا کر دیا۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کی ہے۔ اور امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تمہیں کیا چیز منع کرتی ہے کہ تم اس کو سنو جو میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم جب صبح کرو یا جب تم شام کرو تو یہ دعا کیا کرو: ''یاحی یاقیوم'' تیری رحمت سے میں مدد طلب کرتی ہوں، میرے تمام احوال کی اصلاح فرما دے اور مجھے پلک جھپکنے کے لیے بھی میرے نفس کی طرف سپرد نہ کر''۔

اس حدیث کی امام نسائی اور امام البزار نے روایت کی ہے۔ (فتح الباری ج ۷، ص ۳۹۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۷۔ بَابُ: الدُّعَاءِ فِي الصَّلَاةِ — نماز میں دعا کرنے کا بیان

اس باب میں نماز میں دعا کرنے کی کیفیت کا بیان ہے۔

۶۳۲۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي يَزِيدُ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے

عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رضی الله عنه أَنَّهُ قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ عَلِّمْنِي دُعَاءً أَدْعُو بِهِ فِي صَلَاتِي قَالَ قُلْ اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ وَقَالَ عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ يَزِيدَ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ إِنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو قَالَ أَبُو بَكْرٍ رضی الله عنه لِلنَّبِيِّ ﷺ۔

خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے یزید نے حدیث بیان کی از ابی الخیر از حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما از حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا: مجھے ایسی دعا کی تعلیم کیجئے جس کے ساتھ میں نماز میں دعا کروں۔ تو آپ نے فرمایا: تم دعا کرو: اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا اور تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشے گا، سو تو اپنے پاس سے میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما، بے شک تو بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

اور عمرو بن الحارث نے کہا از یزید از ابی الخیر، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے بتایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا۔۔۔۔

(صحیح البخاری: ۸۳۴، ۶۳۲۶، ۷۳۸۸، صحیح مسلم: ۲۷۰۵، سنن ترمذی: ۳۵۳۱، سنن نسائی: ۱۳۰۲، سنن ابن ماجہ: ۳۸۳۵، مسند احمد: ۸)

صحیح البخاری: ۶۳۲۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالخیر، ان کا نام مرثد ہے، ان کا نام ابن عبداللہ الیزنی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حضرت عبداللہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما، یہ صحابی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ان کا نام عبداللہ بن عثمان ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

علامہ محمد بن یوسف الکرمانی شافعی متوفی ۷۸۶ھ، نے کہا: کہ یہ دعا الجوامع سے ہے، کیونکہ اس میں انتہائی تقصیر کا اعتراف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بندہ اپنے اوپر بہت زیادہ ظلم کرنے والا ہے، اور اس میں اللہ تعالیٰ سے انتہائی انعام کو طلب کیا ہے، اور یہ مغفرت اور رحمت ہے، کیونکہ مغفرت کا معنی ہے: گناہوں پر پردہ ڈالنا اور ان کو مٹا دینا۔ اور رحمت کا معنی ہے خیر کو پہنچانا۔ پس پہلی دعا کا مآل ہے دوزخ کے عذاب سے دور کرنا اور دوسری دعا کا مآل ہے جنت میں داخل کرنا اور یہی عظیم کامیابی ہے۔ اے اللہ! ہمیں اپنے کرم سے ان لوگوں میں سے کر دے جو تیرے کرم سے کامیاب ہونے والے ہیں اے اکرم الاکرمین۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۵۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۲۷۔ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ سُعَيْرٍ حَدَّثَنَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے

هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا أُنْزِلَتْ فِي الدُّعَاءِ۔

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک بن سعیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروہ نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا: ''وَ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا'' بنی اسرائیل: ۱۱۰ ''(اور آپ نماز میں نہ بلند آواز سے قرآن پڑھیں اور نہ بہت پست آواز سے)۔ یہ آیت دعا کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۷۲۳، ۷۵۲۶ صحیح مسلم: ۴۴۷، موطا امام مالک: ۵۰۵)

صحیح البخاری: ۶۳۲۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی، اور وہ ابن سلمہ النیشا پوری ہیں۔ یہ الکلاباذی کا قول ہے۔

اور بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا کہ علی بن سلمہ ہیں جیسا کہ میں نے سورۃ المائدہ کی تفسیر میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

علامہ عینی ان پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ وہم ڈالا ہے کہ وہی اس قول کے قائل ہیں، حالانکہ انہوں نے اس کو الکلاباذی سے نقل کیا ہے۔

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مالک بن سعیر، یہ السعر کی تصغیر ہے۔ اور تمیمی نے اس لفظ کو صاد کے ساتھ یعنی الصعیر ذکر کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''یہ آیت دعا کے متعلق نازل ہوئی'' یعنی نماز میں دعا کے متعلق نازل ہوئی ہے تا کہ یہ حدیث عنوان کے مطابق ہو جائے۔ یہ علامہ الکرمانی کا قول ہے۔ لیکن یہ دعا عام ہے جو اس دعا کو بھی شامل ہے جو نماز میں ہو اور اس دعا کو بھی شامل ہے جو خارج از نماز ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۲۸۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه قَالَ كُنَّا نَقُولُ فِي الصَّلَاةِ السَّلَامُ عَلَى اللهِ السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ فَقَالَ لَنَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم ذَاتَ يَوْمٍ إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ فَإِذَا قَعَدَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَقُلْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از ابو وائل از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نماز میں کہتے تھے: اللہ پر سلام ہو، فلاں پر سلام ہو، تو ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا: اللہ تعالیٰ خود

التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ إِلَى قَوْلِهِ الصَّالِحِينَ فَإِذَا قَالَهَا أَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ لِلّٰهِ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ صَالِحٍ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ثُمَّ يَتَخَيَّرُ مِنَ الثَّنَاءِ مَا شَاءَ۔

سلام ہے۔پس جب تم میں سے کوئی ایک نماز میں بیٹھے تو یوں کہے: ''التحیات للہ۔۔۔الصالحین تک'' پس جب وہ یہ کہہ لے گا تو اللہ تعالیٰ کا ہر نیک بندہ جو آسمان اور زمین میں ہے اس کو یہ سلام پہنچ جائے گا۔میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔پھر وہ ثنا میں سے جو چاہے اختیار کرے۔

(صحیح البخاری:۸۳۱،۸۳۵،۱۲۰۲،۶۲۳۰،۶۲۶۵،۶۳۲۸،۷۳۸۱،صحیح مسلم:۴۰۲،سنن ترمذی:۲۸۹،سنن نسائی:۱۱۶۸،سنن ابوداؤد:۹۶۸،
سنن ابن ماجہ:۸۹۹،مسند احمد:۴۰۵۴،سنن دارمی:۱۳۴۰)

صحیح البخاری:۶۳۲۸،کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریر، یہ ابن عبدالحمید ہیں۔اور اس کی سند میں مذکور ہے منصور، وہ ابن المعتمر ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابووائل، وہ شقیق بن سلمہ ہیں۔

یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ کے اواخر میں باب التشہد کے اخیر میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جاچکی ہے۔

اور سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۵۴۔۴۵۵،دارالکتب العلمیہ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نماز کے تشہد اخیر پڑھنے کے متعلق اختلاف فقہاء

المصنف میں مذکور ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صرف تشہد اور الاستخارہ کی حدیث کو لکھتے تھے۔اور علماء کا تشہد اخیر میں اختلاف ہے۔پس امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام اوزاعی نے کہا ہے کہ تشہد اخیر فرض نہیں ہے۔(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۶۳،تبیین الحقائق ج ۱ ص ۱۲۲)

اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے کہا ہے کہ تشہد اخیر فرض ہے۔
(کتاب الام ج ۱ ص ۱۰۲،المہذب ج ۱ ص ۲۶۵،المجموع ج ۳ ص ۴۳۲،المغنی ج ۲ ص ۲۲۶،المحلی ج ۱ ص ۴۷،شرح الزرکشی ج ۱ ص ۳۲۱)

تشہد اخیر کی فرضیت پر امام شافعی کے دلائل اور اس پر بحث ونظر

امام شافعی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی ایک نماز پڑھے تو کہے ''التحیات للہ۔۔الحدیث'' اور امر وجوب کے لیے ہے۔

اس دلیل پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ہر امر وجوب کے لیے نہیں ہوتا کیونکہ تکبیرات انتقالات کا بھی امر کیا گیا ہے (یعنی رکوع سے پہلے تکبیر اور رکوع کے بعد تکبیر اور سجدہ سے پہلے اور سجدہ کے بعد تکبیر)۔

اور جب یہ آیت نازل ہوئی:

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ (الحاقۃ: ۵۲) سو آپ اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح پڑھیے O

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس تسبیح کو تم اپنے رکوع میں رکھ لو۔

اور جب یہ آیت نازل ہوئی:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى (الاعلیٰ: ۱) اپنے رب کے نام کی تسبیح پڑھیے جو سب سے بلند ہے O

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس تسبیح کو تم اپنے سجدہ میں رکھ لو۔

(سنن ابوداؤد: ۸۶۹، کتاب الصلوٰۃ باب مایقول الرجل فی رکوعه وسجوده، سنن ابن ماجہ: ۸۸۷، کتاب اقامة الصلوٰۃ وسنة فیها، باب التسبیح فی الرکوع والسجود، سنن دارمی: ۱۳۴۴، کتاب الصلوٰۃ باب مایقال فی الرکوع، صحیح ابن خزیمہ: ۶۰۰، کتاب الصلوٰۃ باب الامر بتعظیم الرب فی الرکوع، صحیح ابن حبان: ۱۸۹۸، کتاب الصلوٰۃ باب صفة الصلوٰۃ)

اور تمام فقہاء بشمول امام شافعی سب نے یہ کہا ہے کہ یہ امر استحباب کے لیے ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان تسبیحات اور تکبیرات کے پڑھنے کا حکم دیا ہے اور آپ نے یہ تسبیحات پڑھی ہیں اور تکبیرات پڑھی ہیں اس وجہ سے ان کی فرضیت کا کوئی بھی قائل نہیں ہوا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشہد کے متعلق حکم دینا یہ بھی فرضیت پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ یہ دونوں چیزیں ذکر ہیں اور اس میں کوئی بدن کا عمل نہیں ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح فرائض کا حکم دیتے تھے اسی طرح سنن کا حکم بھی دیتے تھے۔

نیز جس طرح تشہد اولیٰ اور تشہد اولیٰ میں بیٹھنے کے قائم مقام سجدہ سہو ہے، اسی طرح چاہیے کہ سجدہ سہو تشہد اخیر کے بھی قائم مقام ہو جائے جب نماز میں بیٹھ جائے اور تشہد پڑھنے سے اس کو سہو ہو جائے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ القعدۃ الاخیرہ فرض ہے، اسی طرح اس کا ذکر بھی فرض ہونا چاہیے جیسا کہ قعدہ اولیٰ سنت ہے اور اس کا ذکر بھی سنت ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ قعدہ اخیرہ تشہد کے پڑھنے کے لیے مقرر نہیں ہے بلکہ یہ سلام پڑھنے کے لیے مقرر ہے۔ اور سلف صالحین کی ایک جماعت سے روایت ہے کہ جس نے آخری سجدہ کرنے کے بعد سر اٹھا لیا تو اس کی نماز پوری ہو گئی (یعنی اس نے قعدہ اخیرہ کیا اور نہ اس میں تشہد اخیر پڑھا)۔ یہ حضرت علی اور ابن المسیب اور حسن بصری اور ابراہیم سے مروی ہے۔

(تبیین الحقائق ج ۱ ص ۱۲۲، بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۶۳، عیون المجالس ج ۱ ص ۳۰۵، بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۲۵۰، المجموع ج ۳ ص ۴۴۳)

اور عطاء نے کہا: جو شخص تشہد بھول گیا اس کی نماز جائز ہے اور حکم اور حماد سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔

امام طبری اور امام طحاوی نے کہا ہے: علماء امت میں سے تمام متقدمین اور متاخرین کا اس پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر تشہد میں صلوٰۃ پڑھنا واجب نہیں ہے۔ اور امام شافعی کا یہ شاذ قول ہے۔ انہوں نے کہا: جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تشہد اخیر میں سلام سے پہلے صلوٰۃ نہیں پڑھی تو اس کی نماز فاسد ہے اور اگر اس نے تشہد سے پہلے صلوٰۃ پڑھ لی تو یہ اس کو کفایت نہیں کرے گا۔ اور امام

شافعی کے اس قول کے موافق کسی کا قول نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی سنت مروی ہے۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

علامہ ابن ملقن کہتے ہیں کہ امام طبری اور امام طحاوی کا یہ قول درست نہیں ہے، کیونکہ امام شافعی کے اس قول کے مطابق صحابہ کی ایک جماعت نے کہا ہے اور امام احمد سے بھی اس کے متعلق روایت ہے۔

التوضیح کے حاشیہ میں مذکور ہے کہ امام احمد بن حنبل کی اس مسئلہ میں تین روایات ہیں، ایک روایت یہ ہے جو ذکر کی گئی ہے۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ تشہد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنا فرض ہے اور یہی شوافع کا مذہب ہے۔ اور تیسری روایت یہ ہے کہ تشہد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنا واجب ہے اور یہ الخرقی اور ابو البرکات کا مختار ہے۔

(الانتصار ج ۲ ص ۲۸۴-۲۸۶، المغنی ج ۲ ص ۲۲۸، کتاب الفروع ج ۱ ص ۴۶۴، شرح الزرکشی ج ۱ ص ۳۲۱)

اور مالکیہ میں سے ابن مواز کا بھی یہی قول ہے۔ (الذخیرہ ج ۲ ص ۲۱۸)

علامہ الرویانی نے حضرت عمر اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو مسعود البدری رضی اللہ عنہم سے اس کی حکایت کی ہے اور علامہ امام ابو الحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی، متوفی ۴۵۰ھ، نے از محمد بن کعب القرظی التابعی اس کی حکایت کی ہے۔

(الحاوی الکبیر ج ۲ ص ۱۳۷، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

امام ابو بکر احمد بن حسین البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ نے از الشعبی از علی بن الحسین اس کی روایت کی ہے۔

(السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۵۳۰ نشر السنہ، ملتان)

اور امام اسحاق بن راہویہ نے کہا: اگر کسی نے تشہد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کو عمداً ترک کر دیا تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی اور اگر سہواً ترک کیا تو مجھے امید ہے اس کی نماز کافی ہو جائے گی۔ (المجموع ج ۳ ص ۴۴۹)

امام ابن حبان اور امام حاکم دونوں نے اپنی صحیح میں حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمر الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرد آیا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا اور ہم آپ کے پاس تھے، اس نے کہا: یا رسول اللہ! رہا آپ پر سلام پڑھنا تو ہم نے اس کو جان لیا، پس ہم آپ پر صلوٰۃ کیسے پڑھیں جب ہم اپنی نمازوں میں آپ پر صلوٰۃ پڑھیں، آپ نے فرمایا: تم کہو "اللھم صل علی محمد"۔

(صحیح ابن حبان: ۱۹۵۹، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۲۶۸، امام حاکم نے کہا: یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کی روایت نہیں کی۔)

امام مسلم بن حجاج القشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ہم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپ سے بشیر بن سعد نے پوچھا: یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ پر صلوٰۃ پڑھنے کا حکم دیا ہے، سو ہم آپ پر صلوٰۃ کیسے پڑھیں، انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا حتیٰ کہ ہم نے تمنا کی کہ انہوں نے آپ سے یہ سوال نہ کیا ہوتا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس طرح پڑھو:

اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت اے اللہ! (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر صلوٰۃ نازل فرما اور آل

علیٰ آل ابراهیم وبارك علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد كما بارکت علیٰ آل ابراهیم فی العالمین انك حمید مجید۔

(سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر صلوٰۃ نازل فرما جیسے تو نے آلِ ابراہیم پر صلوٰۃ نازل فرمائی اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر برکت نازل فرما اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل پر برکت نازل فرما جیسا کہ تو نے آلِ ابراہیم پر تمام جہانوں میں برکت نازل فرمائی۔ بے شک تو حمد کیا ہوا بزرگ ہے۔

اور سلام اسی طرح پڑھو جس طرح تم جانتے ہو۔ (صحیح مسلم: ۴۰۵، سنن ابوداؤد: ۹۸۰، ۹۸۱، مسند احمد: ۲۲۴۱۵)

یہ حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے:

ابن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں: مجھ سے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ ملے، پس انہوں نے کہا: کیا میں تمہیں ایک ہدیہ نہ دوں؟ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، پس ہم نے کہا: ہم نے جان لیا کہ ہم کس طرح آپ پر سلام پڑھیں، سو ہم آپ پر صلوٰۃ کس طرح پڑھیں؟ آپ نے فرمایا: تم کہو: ''اللهم صل علیٰ محمد وعلیٰ آلِ محمد كما صليت علیٰ ابراهيم انك حميد مجيد، اللهم بارك علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد كما باركت علیٰ ابراهيم انك حميد مجيد''۔

(صحیح البخاری: ۳۳۷۰، صحیح مسلم: ۴۰۶، سنن ابوداؤد: ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، سنن ترمذی: ۴۸۳، سنن ابن ماجہ: ۹۰۴، مسند احمد: ۱۸۱۵۶)

نیز ایک اور سند کے ساتھ روایت ہے:

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہم آپ پر صلوٰۃ کس طرح پڑھیں، آپ نے فرمایا: تم کہو: ''اللهم صل علیٰ محمد وعلیٰ ازواجه وذريته كما صليت علیٰ ابراهيم وبارك علیٰ محمد وعلیٰ ازواجه وذريته كما باركت علیٰ آل ابراهيم انك حميد مجيد''۔ (صحیح مسلم: ۴۰۷، سنن ابوداؤد: ۱۵۳۰، سنن ترمذی: ۴۸۵، مسند احمد: ۲۳۶۶۱)

نیز امام الحافظ علی بن عمر الدارقطنی، متوفی ۳۸۵ھ، اور امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم تشہد کے فرض ہونے سے پہلے کہا کرتے: ''السلام علی اللہ قبل عبادہ السلام علیٰ جبریل و میکائیل السلام علیٰ فلان'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم یہ نہ کہو: السلام علی اللہ، کیونکہ اللہ تعالیٰ خود سلام ہے لیکن تم کہو ''التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك ايها النبی ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلیٰ عباد الله الصالحين اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله ـــــ

امام بیہقی نے کہا: یہ سند صحیح ہے۔ (سنن بیہقی ج ۲ ص ۱۳۸ نشر السنہ، ملتان، سنن دارقطنی ج ۱ ص ۳۵۰)

علامہ ابن الملقن شافعی فرماتے ہیں: اس حدیث میں دو دلیلیں ہیں:

ایک دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''تشہد کے فرض ہونے سے پہلے''، اس میں یہ دلیل ہے کہ تشہد فرض ہوگئی تھی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''قولوا'' ''تم کہو''، یہ امر ہے اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک تشہد میں اتنی دیر بیٹھنا واجب ہے جتنی دیر میں تشہد پڑھ لیا جائے اور تشہد کا پڑھنا واجب نہیں

ہے۔(بدائع الصنائع ج۱ص ۱۶۳، تبیین الحقائق ج۱ص ۱۲۲)

امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اتنی دیر بیٹھنا واجب ہے جتنی دیر میں سلام پڑھ لیا جائے۔

پھر جان لو کہ اس باب میں متعدد تشہدات مروی ہیں جن کی تعداد تیرہ ہے۔

اور امام شافعی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تشہد کو اختیار کیا ہے۔

(صحیح مسلم: ۴۰۳، کتاب الصلوٰۃ باب التشہد فی الصلوٰۃ، سنن ابوداؤد: ۹۷۴، سنن ترمذی: ۲۹۰، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۴۲۔ ۲۴۳، سنن ابن ماجہ: ۹۰۰)

اور امام مالک نے الموطا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تشہد کو اختیار کیا ہے۔

عبدالرحمن بن عبد القاری بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے سنا جس وقت وہ منبر پر تھے اور وہ لوگوں کو تشہد کی تعلیم دے رہے تھے، وہ کہہ رہے تھے: پڑھو "التحیات للہ الزاکیات للہ، الطیبات الصلوات للہ، السلام علیك ایھا النبی و رحمۃ اللہ وبرکاتہ، السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد عبدہ ورسولہ"۔ (الموطا امام مالک ص ۷۷، کتاب الصلوٰۃ، باب التشہد فی الصلوٰۃ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی ہے جیسا کہ شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی، متوفی ۴۵۶ ھ، نے کہا ہے۔(المحلی ج ۳ ص ۲۷۰)

اور امام ابوحنیفہ اور اکثر محدثین اور امام احمد بن حنبل نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کو اختیار کیا ہے۔

(مختصر اختلاف العلماء ج ۱ ص ۲۱۴، المبسوط ج ۱ ص ۲۷، المغنی ج ۲ ص ۲۲۰، المجموع ج ۱ ص ۴۴۵)

اس حدیث میں مذکور ہے "التحیات" یہ تحیۃ کی جمع ہے اور اس کا معنی ملک ہے یا بقاء ہے یا عظمت ہے یا سلامتی ہے یا حیات ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "الصلوات" اس سے مراد ہے پانچ نمازیں یا نوافل یا عبادات یا دعا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "الطیبات" یعنی پاکیزہ اقوال اور پاکیزہ اعمال۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۷ ص ۲۶۸۔ ۲۷۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: معروف یہ ہے کہ "التحیات" کا معنی ہے قولی عبادتیں۔ اور "الصلوات" کا معنی ہے بدنی عبادتیں اور "الطیبات" کا معنی ہے مالی عبادتیں۔ (سعیدی غفرلہ)

تشہد اخیر میں تشہد کے متعلق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب پر دلائل اور امام شافعی کے دلائل کے جوابات

علامہ ابن الملقن الشافعی نے تشہد کی بحث میں امام شافعی کے اس قول کو ثابت کیا ہے کہ نماز کے قعدہ اخیرہ میں تشہد کو پڑھنا فرض ہے، اور امام شافعی کی ایک دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام عمر میں تشہد پڑھنے پر دوام کیا اور یہ فرضیت کی دلیل ہے، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے کہ ہم تشہد کے فرض ہونے سے پہلے "السلام علی اللہ، السلام علی جبریل ومیکائیل" پڑھا کرتے تھے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ پہلے تشہد فرض نہیں تھا بعد میں فرض ہوا۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تقولوا" یہ امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے۔ سو ہم یہاں پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کو دلائل سے پیش کرتے ہیں۔

علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی سے فرمایا: ''جب تم نے اپنا سر آخری سجدہ سے اٹھایا اور تشہد کی مقدار بیٹھ گئے تو تمہاری نماز مکمل ہو گئی''۔ آپ نے نماز کے تمام کو صرف قعدہ کی مقدار پر موقوف کیا اور اگر تشہد فرض ہوتا تو بغیر تشہد کے نماز کا تمام ہونا ثابت نہ ہوتا۔ لیکن یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوام کی وجہ سے واجب ہے۔ اور آپ کا دائماً تشہد پڑھنا اس کے وجوب کی دلیل ہے، لہٰذا تشہد پڑھنا واجب ہے فرض نہیں ہے۔ اور حدیث وجوب پر دلالت کرتی ہے نہ کہ فرضیت پر، کیونکہ وہ خبرِ واحد ہے اور خبرِ واحد وجوب کی صلاحیت رکھتی ہے نہ کہ فرضیت کی۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۶۸۹۔ ۶۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

نیز علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز میں مغفرت کی دعا کی تعلیم دینا

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ نمازی کے لیے جائز ہے کہ اپنی تمام نماز میں وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی دنیا اور آخرت کی حاجات کے متعلق دعا کرے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ تعلیم دی کہ وہ نماز میں اپنے رب سے مغفرت کا سوال کریں اور بندہ کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے بڑی حاجت اور ضرورت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت کو طلب کرے۔ اسی طرح باقی ضروریات میں بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں سجدہ میں دعا کرتا ہوں اپنے ستر بھائیوں کے لیے اور ان کا نام لیتا ہوں اور ان کے آباء کا نام لیتا ہوں۔ (مسند ابو الجعد: ۱۰۹۸)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جب امام ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہتا تو وہ کہتے تھے:

اللھم بحولك وقوتك اقوم واقعد۔ اے اللہ! تیری دی ہوئی طاقت اور قوت سے میں کھڑا ہوتا ہوں اور بیٹھتا ہوں۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۹۶)

حدیث مذکور کے دیگر فوائد

اور اس حدیث میں یہ واضح دلیل ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان کا لفظ اسی کے لائق ہے جس کا کوئی گناہ نہ ہو اور کوئی جرم نہ ہو، کیونکہ جرائم کے مرتکبین یہ زعم کرتے ہیں کہ وہ مومن نہیں ہیں اور انہوں نے یہ زعم کیا کہ بڑے گناہ اور چھوٹے گناہ سب بڑے گناہ ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ صدیقین میں سے تھے اور اہلِ ایمان میں سے تھے، اس کے باوجود شارع علیہ السلام نے ان کو یہ دعا کرنے کا حکم دیا کہ ''اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیے ہیں تو تو میری مغفرت فرما''۔

اور اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ بندہ پر واجب ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے رب سے ڈرتا رہے خواہ وہ عبادت میں بہت زیادہ کوشش کرنے والا ہو، کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دین میں بہت عظیم مقام تھا، اس کے باوجود وہ اللہ عزوجل سے مغفرت طلب کرنے کی دعا کرنے کے محتاج تھے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۳۶۔ ۲۳۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۲۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نماز میں دعا کی مشروعیت اور حدیث میں مذکور دعا کی فضیلت

علامہ ابن ابی جمرہ نے لکھا ہے: اس حدیث میں نماز کے اندر دعا کے مشروع ہونے کا بیان ہے اور اس دعاء مذکور کی دیگر دعاؤں پر فضیلت ہے۔ اور یہ کہ اپنے سے اعلیٰ سے دعا کی تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔ اور دعا کو نماز میں اس لیے خاص کیا گیا ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب سجدہ میں ہوتا ہے، سوتم سجدہ میں زیادہ دعا کیا کرو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جو اس دعا کی تعلیم کی اس میں دنیا کے اوپر آخرت کے معاملات کو ترجیح دینے کا اشارہ ہے۔ اور گویا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حال سے یہ جان لیا تھا کہ یہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے ہیں۔

صحیح البخاری: ۶۳۲۸ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ "جب تم میں سے کوئی ایک نماز میں بیٹھے اور التحیات للہ ۔۔۔ سے لے کر صالحین پڑھے تو اس کا یہ سلام آسمان اور زمین کے درمیان ہر نیک بندہ کو پہنچ جائے گا"۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد عبدہ ورسولہ، پھر وہ اللہ تعالیٰ سے جو چاہے ثنا کرے۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث میں تشہد میں دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور تشہد بھی نماز کا ایک حصہ ہے۔ اور اس حدیث میں ثناء پڑھنے کا حکم دیا ہے اور ثناء سے مراد دعا ہے۔ اور سجدہ میں بھی دعا کرنے کا حکم ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے گزر چکا ہے کہ بندہ سب سے زیادہ اپنے رب کے قریب سجدہ میں ہوتا ہے، سجدہ میں کثرت سے دعا کرو۔

نماز کے چھ مقامات میں اللہ تعالیٰ کی ثناء اور اس سے دعا کا بیان

(۱) تکبیر تحریمہ کے بعد یہ دعا کرے:

اللھم باعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب، اللھم نقنی من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس، اللھم اغسل خطایای بالماء والثلج والبرد۔

اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اس طرح دوری کردے جس طرح تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان دوری کی ہے، اے اللہ! مجھے خطاؤں سے صاف کردے جس طرح سفید کپڑا میل کچیل سے صاف کردیا جاتا ہے، اے اللہ! میری خطاؤں کو پانی سے اور برف سے اور اولوں سے دھودے۔

(صحیح البخاری: ۷۴۴، صحیح مسلم: ۵۹۸، سنن نسائی: ۸۹۵، سنن ابوداؤد: ۷۸۱، سنن ابن ماجہ: ۸۰۵، مسند احمد: ۱۰۰۳۶، سنن دارمی: ۱۲۴۴)

(۲) امام مسلم نے اعتدال کی بحث میں "من شیء بعد" کے بعد حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث روایت کی ہے:

اللهم طهرني بالثلج والبرد والماء۔ اے اللہ! مجھے برف سے اور اولوں سے اور ٹھنڈے پانی سے پاک کردے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو صحیح مسلم کے حوالہ سے ذکر کیا ہے لیکن صحیح مسلم میں اعتدال کی بحث میں درج ذیل حدیث ہے:

اللهم ربنا لك الحمد ملء السماوات وملء الارض وملء ما شئت من شيء بعد، اهل الثناء والمجد، لا مانع لما اعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذالجد منك الجد۔ (صحیح مسلم: ۴۷۱)

اے اللہ ہمارے رب! تیرے لیے ہی اتنی حمد ہے جس سے تمام آسمان اور تمام زمینیں بھر جائیں اور جس چیز کو تو چاہے وہ بھر جائے، اہل الثناء اور مجد تیری حمد کرتے ہیں، جس چیز کو تو عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس چیز کو تو روکے اسے کوئی دینے والا نہیں ہے، اور تیرے مقابلہ میں کسی کوشش کرنے والے کی کوشش نفع نہیں دے سکتی۔

(۳) رکوع میں دعا:

سبحانك اللهم ربنا وبحمدك اللهم اغفرلي۔ اے اللہ! تو پاک ہے ہمارے رب، اور تیری حمد کے ساتھ، اے اللہ میری مغفرت فرما۔

(صحیح البخاری: ۷۹۴، صحیح مسلم: ۴۸۴، سنن نسائی: ۱۰۴۷، سنن ابوداؤد: ۸۷۷، سنن ابن ماجہ: ۸۹۹، مسند احمد: ۲۴۱۶۴)

(۴) سجدہ میں آپ اکثر دعا کرتے تھے۔

(۵) دو سجدوں کے درمیان آپ دعا کرتے تھے "اللهم اغفرلي" اے اللہ! میری مغفرت فرما۔

(۶) تشہد میں دعا، اس کا بیان آچکا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۹۲۔ ۳۹۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۲۸، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے ساتھ وسیلہ سے دعا کرنے کی انواع اور اقسام

(۱) اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے والا اپنے حال کے وسیلہ سے دعا کرے، مثلاً دعا کرے "اللهم اني ظلمت نفسي ظلما كثيرا" جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تعلیم دی۔ اور جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی:

رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ (القصص: ۲۴) اے میرے رب! بے شک میں اس خیر کا محتاج ہوں جو تو نے میری طرف نازل کی O

اور جیسے حضرت ایوب علیہ السلام نے یہ دعا کی:

اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ بے شک مجھے (سخت) تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے O (الانبیاء: ۸۳)

(۲) اللہ تعالیٰ کے اسماء کے وسیلہ سے دعا کرنا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (الاعراف: ۱۸۰) اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں تو ان ہی ناموں میں سے اس سے دعا کرو۔

جیسا کہ اس حدیث کے اخیر میں ہے:

انك انت الغفور الرحیم۔ بے شک تو بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے افعال کے ساتھ توسل کرنا:

جیسے ''اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراهیم''۔

اللہ تعالیٰ کا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوپر صلوٰۃ نازل فرمانا یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، تو اللہ تعالیٰ کے اس فعل کے وسیلہ سے دعا کی ہے کہ جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صلوٰۃ نازل فرمائی ہے، اس طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی صلوٰۃ اور سلام نازل فرما۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی صفات کے وسیلہ سے دعا کرنا:

جیسے کوئی شخص یہ دعا کرے ''اے اللہ! میں تیرے علم غیب کے وسیلہ سے اور مخلوق پر تیری قدرت کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں کہ تو مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تیرے علم میں میرے لیے حیات بہتر ہو''۔ کیونکہ علم غیب اور خلق پر قدرت اللہ تعالیٰ کی صفات کے باب سے ہے۔

(۵) صالحین کی دعا سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توسل پیش کرنا:

جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ! ہم پہلے اپنے نبی کو تیری بارگاہ میں وسیلہ پیش کرتے تھے تو تو ہم پر بارش نازل فرماتا تھا اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کو تیری بارگاہ میں وسیلہ پیش کرتے ہیں، سو تو ہم پر بارش نازل فرما۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کھڑے ہوتے اور اللہ عزوجل سے دعا کرتے، یہ توسل کی وہ اقسام ہیں جو جائز ہیں۔

نیز شیخ ابن عثیمین نے لکھا ہے:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں تیری بارگاہ میں محمد کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں، تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ بشر کی ذات ان میں سے نہیں ہے جو انسان کو اللہ کے قریب کردے۔ اسی طرح اگر کوئی کہے کہ میں تجھ سے خُلق محمد کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں یا جاہ محمد کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں تو اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۹۰، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

شیخ ابن عثیمین پر مصنف کا تعاقب

میں کہتا ہوں: شیخ ابن عثیمین نے صحیح نہیں لکھا اور حدیث اس کے خلاف ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جب قحط پڑتا تو وہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کو طلب کرتے اور یوں دعا کرتے: اے اللہ! ہم تیری طرف اپنے نبی کا وسیلہ پیش کرتے تھے تو تو ہم پر بارش نازل فرماتا تھا، اور بے شک ہم تیری طرف اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ پیش کرتے ہیں، تو تو ہم پر بارش نازل فرما، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: پس ان پر بارش نازل ہوتی۔ (صحیح البخاری: ۱۰۱۰، ۳۷۱۰)

اس حدیث میں یہ کہیں مذکور نہیں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس دعا کے بعد حضرت عباس کھڑے ہو کر دعا کرتے تو بارش ہوتی، یہ شیخ ابن عثیمین نے اپنے عقیدۂ نجدیت کے تحفظ کے لیے حدیث میں از خود اضافہ کیا ہے، بلکہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ذوات کے وسیلہ سے بھی دعا کرنا جائز ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے وسیلہ سے دعا کرتے تھے اور بعد میں انہوں نے آپ کے محترم چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعا کی اور بارش ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر ذواتِ قدسیہ کے وسیلہ کا جواز

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس کہنے لگا: یارسول اللہ! ہم آپ کے پاس آئے ہیں، ہمارا اونٹ بھوک سے بلبلا رہا ہے اور بچے بھوک سے رو رہے ہیں، پھر یہ شعر پڑھا:

ولیس لنا الا الیک فرارنا وابن فرار الناس الا الی الرسل

ہم بھاگ کر صرف آپ کے پاس ہی آسکتے ہیں اور لوگ بھاگ کر صرف رسولوں کے پاس ہی آسکتے ہیں

امام عبدالرزاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عید گاہ میں نماز پڑھائی، پھر حضرت عباس سے کہا: آپ کھڑے ہو کر بارش کی طلب کے لیے دعا کریں، پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر دعا کی۔

امام ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ مالک الداری سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگوں پر قحط پڑ گیا، پس ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر گیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش طلب کیجئے کیونکہ وہ ہلاک ہو رہے ہیں، پھر اس شخص سے خواب میں یہ کہا گیا کہ تم عمر کے پاس جاؤ۔ (الحدیث)

سیف نے فتوح میں ذکر کیا ہے کہ جس شخص نے یہ خواب دیکھا تھا وہ حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ تھے، جو صحابی ہیں۔

الزبیر بن بکار نے ''الانساب'' میں اس واقعہ کو اپنی سند سے روایت کیا ہے اور بتایا ہے کہ کس وقت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے وسیلہ سے دعا کی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا میں کہا: اے اللہ! ہر مصیبت کسی گناہ کی وجہ سے آتی ہے اور ہر مصیبت صرف توبہ سے دور ہوتی ہے، اور یہ قوم اس مصیبت میں میرے پاس آئی ہے کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ میرا تیرے نبی کے نزدیک کیا مقام تھا، اور ہم نے تیری طرف اپنے گناہ گار ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں اور توبہ کے ساتھ اپنی پیشانیاں تیرے حضور جھکائی ہوئی ہیں، ہم پر بارش نازل فرما! پھر پہاڑوں کی مثل آسمان پر بادل امڈ آئے اور اتنی بارش ہوئی کہ زمین سرسبز ہو گئی اور لوگ خوش حال ہو گئے۔

زید بن اسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ قحط کے سال میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعا کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عباس کا اس طرح احترام کرتے تھے جس طرح اولاد اپنے والد کا احترام کرتی ہے، پس اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم کے بارے میں آپ کی اقتداء کرو اور ان کو اللہ تعالیٰ کے پاس وسیلہ بناؤ، پس وہ ابھی وہاں سے روانہ نہ ہوئے تھے کہ بارش ہو گئی۔ امام ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ قحط کا یہ سال ۱۸ھ میں تھا۔ حضرت عباس کے اس قصہ سے یہ معلوم ہوا کہ اہل صلاح، اہل خیر اور اہل بیت نبوت سے شفاعت طلب کرنا مستحب ہے اور اس

حدیث میں حضرت عباس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لیے تواضع کرنا ہے اور ان کے حق کا اعتراف کرنا ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۵۳۷۔۵۳۶ ملخصا، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ سے استمداد کا ثبوت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ ہونے پر یہ واضح دلیل ہے کہ حضرت بلال بن حارث مزنی آپ کی قبر پر گئے اور آپ سے خطاب کیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش طلب کیجئے کیونکہ وہ ہلاک ہو رہے ہیں، پھر خواب میں حضرت بلال بن حارث سے یہ کہا گیا کہ عمر کے پاس جاؤ اور ان پر میرا اسلام پڑھو اور ان کو یہ خبر دو کہ تم پر عنقریب بارش ہوگی، اور ان سے کہو کہ تم فہم سے کام لو، پھر حضرت بلال بن حارث، حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس گئے اور ان کو یہ خبر دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے میرے رب! میں صرف اسی کام کو ترک کرتا ہوں جس سے میں عاجز ہوتا ہوں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۲۶۶۵ مجلس علمی، بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۲۰۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۱۲ ص ۳۲، ادارۃ القرآن)

امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے بھی اس حدیث کا حوالہ دیا ہے۔ (تاریخ کبیر: ۱۲۹۴ ج ۷ ص ۱۸۲، کتاب الجرح والتعدیل: ۹۴۴، امام ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے، ج ۶۰ ص ۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے، البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۱۶۷، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ، حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو امام بیہقی کی روایت سے بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔)

امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے اہل شام کا ذکر کیا گیا اور کہا گیا: اے امیر المومنین! ان پر لعنت کیجئے، انہوں نے کہا: نہیں، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ شام میں ابدال ہوں گے اور وہ چالیس مرد ہیں، جب ان میں سے ایک مرد فوت ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا مرد بدل دے گا، ان کے سبب سے بارش ہوگی اور دشمنوں کے خلاف مدد ہوگی اور اہل شام سے عذاب کو دور کیا جائے گا۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۲، مشکوۃ: ۶۲۷۷)

۱۸۔ بَابُ: الدُّعَاءِ بَعْدَ الصَّلَاةِ

نماز کے بعد دعا کا بیان

اس حدیث میں فرض نماز کے بعد دعا کا بیان کیا گیا ہے۔

۶۳۲۹۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا يَزِيدُ أَخْبَرَنَا وَرْقَاءُ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُورِ بِالدَّرَجَاتِ وَالنَّعِيمِ الْمُقِيمِ قَالَ كَيْفَ ذَاكَ قَالُوا صَلَّوْا كَمَا صَلَّيْنَا وَجَاهَدُوا كَمَا جَاهَدْنَا وَأَنْفَقُوا مِنْ فُضُولِ أَمْوَالِهِمْ وَلَيْسَتْ لَنَا أَمْوَالٌ قَالَ أَفَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَمْرٍ تُدْرِكُونَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ وَتَسْبِقُونَ مَنْ جَاءَ بَعْدَكُمْ وَلَا يَأْتِي أَحَدٌ بِمِثْلِ مَا جِئْتُمْ بِهِ إِلَّا مَنْ جَاءَ بِمِثْلِهِ تُسَبِّحُونَ فِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ورقاء نے خبر دی از سمی از ابی صالح از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مال دار لوگ درجات کو لے گئے اور دائمی جنت کو لے گئے، آپ نے فرمایا: وہ کیسے؟ انہوں نے کہا: وہ نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں اور جہاد کرتے ہیں جس طرح ہم جہاد کرتے ہیں اور اپنے زائد اموال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور

دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ عَشْرًا وَتَحْمَدُونَ عَشْرًا وَتُكَبِّرُونَ عَشْرًا
تَابَعَهُ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ سُمَيٍّ وَرَوَاهُ ابْنُ عَجْلَانَ عَنْ سُمَيٍّ وَرَجَاءِ بْنِ حَيْوَةَ وَرَوَاهُ جَرِيرٌ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ وَرَوَاهُ سُهَيْلٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ہمارے پاس اموال نہیں ہیں، آپ نے فرمایا: کیا میں تم کو ایسی چیز کی خبر نہ دوں جس سے تم اپنے پہلوں کے اجر کو پالو گے اور تم اپنے بعد کے لوگوں پر سبقت کرو گے، اور کوئی شخص اس اجر کو حاصل نہیں کر سکے گا سوا اس شخص کے جو تمہاری مثل عمل کرے، تم ہر نماز کے بعد دس مرتبہ سبحان اللہ پڑھو اور دس مرتبہ الحمدللہ پڑھو اور دس مرتبہ اللہ اکبر پڑھو۔
سمی کی متابعت عبداللہ بن عمر نے کیا ہے از سمی۔
اس حدیث کو ابن عجلان نے از سمی ورجاء بن حیوۃ روایت کیا ہے۔
اور اس حدیث کو جریر نے از عبدالعزیز بن رُفیع از ابوصالح از حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے۔
اور اس حدیث کو سہیل نے از والد خود از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کیا ہے۔

(صحیح البخاری: ۸۴۳، ۶۳۲۹، صحیح مسلم: ۵۹۵، سنن ابوداؤد: ۱۵۰۴، سنن ابن ماجہ: ۹۲۷، مسند احمد: ۷۲۰۲، موطا امام مالک: ۴۸۸، سنن دارمی: ۱۳۵۳)

صحیح البخاری: ۶۳۲۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق، یہ ابن منصور ہیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ابن راہو یہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یزید، یہ ابن ہارون ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ورقاء، یہ اورق کی تانیث ہے، یہ ابن عمر الیشکری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سمی، یہ ابوبکر بن عبدالرحمٰن کے آزاد کردہ غلام ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوصالح، یہ الذکوان الزیات السمان ہیں۔

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب مذکور کی حدیث کی دیگر روایات

امام مسلم بن حجاج القشیری المتوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ فقراء مہاجرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس کہا کہ مال دار لوگ تو بلند درجات کو لے گئے اور دائمی جنت کو لے گئے، آپ نے پوچھا: ایسا کیا سبب ہے؟ انہوں نے کہا: وہ نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں اور وہ روزہ رکھتے ہیں جس طرح ہم روزہ رکھتے ہیں

اور وہ صدقہ کرتے ہیں اور ہم صدقہ نہیں کر سکتے ،اور غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم غلام آزاد نہیں کر سکتے ،تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تم کو ایسی چیز کی تعلیم نہ دوں جس کی وجہ سے تم ان کے درجہ کو پالو گے جنہوں نے تم پر سبقت کی ہے اور اپنے بعد والوں پر تم سبقت کرو گے ،اور ان میں سے کوئی بھی تم سے افضل نہیں ہوگا سوا ان کے جو تمہاری مثل وہ کام کریں۔صحابہ نے کہا: کیوں نہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: تم سبحان اللہ کہو اور اللہ اکبر کہو اور الحمدللہ کہو ہر نماز کے بعد تینتیس ،تینتیس مرتبہ۔

ابو صالح نے کہا: پھر فقراء مہاجرین رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: ہمارے مال دار بھائیوں نے یہ سن لیا جو ہم کرتے تھے تو انہوں نے بھی اس کی مثل کیا ،تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے وہ عطا کرے۔

(صحیح البخاری: ۶۳۲۹ ،صحیح مسلم: ۵۹۵)

نیز امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ پڑھا اور تینتیس مرتبہ الحمدللہ پڑھا اور تینتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھا اور یہ ننانوے مرتبہ ہے اور سو پورا کرنے کے لیے کہے''لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر'' تو اس کے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ جتنے ہوں۔ (صحیح مسلم: ۵۹۷ ،مسند احمد: ۸۸۴۲ ،۱۰۲۷۱)

حدیث مذکور کے بعض الفاظ کے معانی

اس حدیث میں''الدثور'' کا لفظ ہے ،علامہ داؤدی نے کہا: اس کا معنی ہے غنا اور''الدثور'' کا معنی فنا بھی ہے ،سو یہ لغت اضداد میں سے ہے۔

اس حدیث میں''الدرجات'' کا لفظ ہے ،ہوسکتا ہے یہ درجات حسی ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ درجات معنوی ہوں۔

اس حدیث میں''کل صلوٰۃ'' کا لفظ ہے ،یہ فرض اور نفل دونوں کو شامل ہے ،اگرچہ حضرت کعب بن عجرہ کی حدیث میں فرض نماز کی قید ہے۔

غنی شاکر کی فقیر صابر پر فضیلت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غنی شاکر ،فقیر صابر سے افضل ہے۔اس سلسلہ میں پانچ مذاہب ہیں اور یہی سب سے صحیح مذہب ہے ،اگرچہ جمہور صوفیاء یہ کہتے ہیں کہ فقیر صابر کو ترجیح ہے ،کیونکہ اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے فقراء کو جنت میں داخل کیا جائے گا اور اغنیاء سے سوال کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں کہ غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ فی نفسہٖ نہ فقیر صابر افضل ہے اور نہ غنی شاکر افضل ہے ،بلکہ افضل فقیر شاکر ہے۔کیونکہ جس کے پاس مال نہ ہو تو وہ صبر کے علاوہ اور کیا کرے گا اور جس کے پاس مال ہو وہ شکر کے علاوہ اور کیا کرے گا۔ فضیلت تو اس کی ہے جس کے پاس مال نہ ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے۔

امام رازی سے منقول ہے کہ عبداللہ بن مبارک کی شقیق بلخی سے ملاقات ہوئی ،عبداللہ بن مبارک نے شقیق بلخی سے پوچھا کہ تمہارے ہاں کے فقراء کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا: انہیں کچھ نہ ملے تو صبر کرتے ہیں اور کچھ مل جائے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔عبداللہ بن مبارک نے کہا: یہ تو ہمارے ہاں کے کتوں کا حال ہے کہ اگر انہیں کچھ کھانے کو نہ ملے تو مالک کے اوپر بھونکتے نہیں

ہیں اور مل جائے تو مالک کے پیچھے دم ہلاتے پھرتے ہیں، شقیق بلخی نے کہا: پھر آپ کے ہاں کے فقراء کا کیا حال ہے؟ عبداللہ بن مبارک نے کہا: اگر ان کو کچھ نہ ملے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور کچھ مل جائے تو دوسرے ضرورت مندوں کو دے دیتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

امام طبرانی نے از قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ جب نماز قائم کی جاتی ہے تو آسمانوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دعا قبول کی جاتی ہے۔ (السنن الکبریٰ للنسائی: ۹۹۰۰)

نیز علامہ ابن ملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جعفر بن محمد بیان کرتے ہیں کہ فرض نماز کے بعد دعا کرنا نفل نماز کے بعد دعا کرنے سے افضل ہے، کیونکہ فرض نماز نفل نماز سے افضل ہے۔

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ عبدالرحمٰن بن الاسود نے اپنے والد سے روایت کی، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ دل ظرف (برتن) ہیں، ان کو قرآن کے ساتھ بھرو اور غیر قرآن کے ساتھ مشغول نہ ہو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۱۲۶)

پس ان میں سے کون افضل ہے اللہ کا ذکر کرنا یا قرآن مجید کی تلاوت کرنا؟

میں کہتا ہوں کہ میں نے عمرو بن ابی سلمہ الاوزاعی سے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ سعید سے سوال کرو، سو انہوں نے سعید سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: بلکہ قرآن مجید کی تلاوت کرنا افضل ہے۔ پھر اوزاعی نے سعید سے کہا: قرآن مجید کی تلاوت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے، لیکن سلف صالحین کی سیرت یہ ہے کہ وہ طلوع شمس سے پہلے اور غروب شمس سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔

امام طبری نے اس پر تنبیہ کی ہے کہ حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں ایسی قوم کے ساتھ بیٹھوں جو طلوع فجر کے بعد سے لے کر طلوع شمس تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے تو یہ میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور اگر میں ایسی قوم کے ساتھ بیٹھوں جو عصر کے بعد سے لے کر غروب شمس تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے تو وہ میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (شعب الایمان: ۵۵۹)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ صبح اور شام اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اللہ کی راہ میں تلواریں چلانے سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہت زیادہ مال دینے سے افضل ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۳۹۔۲۴۱، ج ۷ ص ۳۰۲۔۳۰۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۲۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کا عنوان قائم کیا ہے ''الدعاء بعد الصلوۃ'' اور اس عنوان سے امام بخاری نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جنہوں نے یہ زعم کیا ہے کہ نماز کے بعد دعا کرنا بالکل مشروع نہیں ہے اور ان کا استدلال درج ذیل حدیث سے ہے:

امام مسلم از عبداللہ بن الحارث از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد اتنی دیر بیٹھتے تھے

جتنی دیر میں یہ پڑھا جائے "اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یاذا الجلال والاکرام"۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں جو نفی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ نمازی سلام پھیرنے کے بعد اسی ہیئت پر بیٹھا رہے جس ہیئت پر سلام پھیرنے سے پہلے بیٹھا ہوا تھا، کیونکہ یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد اپنے اصحاب کی طرف مڑتے، پس نماز کے بعد جو دعائیں وارد ہیں وہ اس پر محمول ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد اپنے اصحاب کی طرف مڑتے تو وہ دعائیں کرتے۔

شیخ ابن القیم نے "الہدی النبوی" میں لکھا ہے: رہا نماز کا سلام پھیرنے کے بعد قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کرنا خواہ امام کرے یا منفرد نمازی کرے یا مقتدی کرے تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے بالکل نہیں ہے۔ اور نہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی سند صحیح یا حسن سے منقول ہے۔ اور بعض علماء نے اس کو فجر اور عصر کی دو نمازوں کے ساتھ خاص کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا اور نہ آپ کے بعد خلفاء نے کیا اور نہ اس کی طرف امت کی رہنمائی کی، یہ صرف استحسان ہے جس کو بعض علماء نے فجر اور عصر کے بعد نماز پڑھنے کے عوض میں اختیار کیا ہے۔

نیز ابن قیم نے کہا: عام دعائیں نماز کے ساتھ متعلق ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں وہ دعائیں کیں۔

نیز ابن قیم نے کہا: نمازی کے حال سے یہی مناسب ہے، کیونکہ نمازی اپنے رب سے مناجات کر رہا ہوتا ہے اور جب سلام پھیر لیتا ہے تو وہ مناجات منقطع ہو جاتی ہیں۔

پھر ابن قیم نے کہا: لیکن وہ اذکار جو فرض نماز پڑھنے کے بعد وارد ہیں، ان میں مستحب یہ ہے کہ نمازی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کے بعد وہ اذکار کرے اور ان سے فارغ ہونے کے بعد جو چاہے اپنے رب سے دعا کرے۔ اور فرض نماز کے بعد دعا نہ کرے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ فرض نماز کے بعد بالکل دعا نہ کی جائے وہ مردود ہے، کیونکہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض نماز کے بعد دعائیں کی ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے معاذ! بے شک اللہ کی قسم! میں تم سے محبت کرتا ہوں، پس تم ہر نماز کے بعد اس دعا کو نہ چھوڑو "اللھم اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک"۔ اس حدیث کی امام ابوداؤد نے اور امام نسائی نے روایت کی ہے۔ اور اس حدیث کو امام ابن حبان اور امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔

اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے: "اللھم انی اعوذ بک من الکفر والفقر وعذاب القبر"۔ اس حدیث کی امام احمد اور امام ترمذی اور امام نسائی نے روایت کی ہے۔ اور امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے: "اللھم ربنا ورب کل شیء ۔۔۔ الحدیث"۔ اس حدیث کی امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کی ہے۔

اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے مڑنے کے بعد یہ دعا کرتے تھے: "اللھم اصلح لی دینی ۔۔ الحدیث"۔ اس حدیث کی امام نسائی نے روایت کی ہے اور امام ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

نیز امام ترمذی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ کہا گیا: یا رسول اللہ! کس وقت کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ تو

آپ نے فرمایا: آدھی رات کے اخیر کی دعا۔ اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا اور کہا: یہ حدیث حسن ہے۔

اور امام طبری نے امام جعفر بن محمد صادق سے روایت کی ہے کہ فرض نماز کے بعد دعا کرنا نفل نماز کے بعد دعا کرنے سے افضل ہے جیسا کہ فرض نماز، نفل نماز سے افضل ہے۔

تسبیحات کی تعداد میں تعارض کا جواب

صحیح البخاری: ۶۳۲۹ میں مذکور ہے ''جس نے ان تسبیحات کو دس، دس مرتبہ پڑھا'' اور صحیح البخاری: ۸۴۳ میں مذکور ہے ''جس نے ان تسبیحات کو تینتیس، تینتیس مرتبہ پڑھا''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ روایت راجح ہے جس میں تینتیس، تینتیس مرتبہ پڑھنا مذکور ہے، کیونکہ جس روایت میں زیادہ الفاظ ہوں وہ مقدم ہوتی ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۹۳۔ ۳۹۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۲۹، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے باب کے عنوان کی توجیہ

اس حدیث کے باب میں مذکور ہے ''نماز کے بعد دعا''۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں کوئی ایسی حدیث روایت نہیں کی جو صراحۃً دعا پر دلالت کرتی ہو۔ یا تو امام بخاری نے اشارہ کیا ہے اس حدیث کی طرف جو ان کی شرط کے مطابق نہیں ہے جیسا کہ وہ اکثر باب کا عنوان لکھتے ہیں اور ان میں ایسی احادیث وارد کرتے ہیں جو باب کے عنوان پر دلالت نہیں کرتیں، لیکن وہ اشارہ کرتے ہیں دوسری احادیث کی طرف جو اس مسئلہ میں وارد ہوئی ہیں، لیکن وہ ان کی شرط کے موافق نہیں ہوتیں اور یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ اور ان کی ذکاوت ہے، کیونکہ اس باب میں تسبیحات اور ذکر کی روایت ہے۔ ہوسکتا ہے امام بخاری نے ذکر کو دعا قرار دیا ہو، کیونکہ ذکر کرنے والا اپنے ذکر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتا ہے اور اس کے عذاب سے نجات کی توقع رکھتا ہے اور اس صورت میں ذکر بھی دعا ہوگا اور یہ دلالتِ لزوم کے اعتبار سے ہے نہ کہ دلالتِ مطابقی یا تضمنی، کیونکہ ذکر کو دعا لازم ہے، کیونکہ اگر تم ذاکر سے سوال کرو کہ تم نے کس لیے ذکر کیا تو وہ کہے گا: میں اللہ کے ثواب کی امید رکھتا تھا اور اس کے عذاب سے ڈرتا تھا۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ صحابہ کرام کو مسابقت کی حرص تھی اور وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر عبادت کرنا چاہتے تھے۔

نیز اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ نیک اعمال پر رشک کرنا چاہیے اور یہ حسد نہیں ہے، لیکن فقراء کو اس پر رشک آیا کہ اغنیاء نے ان پر سبقت حاصل کر لی۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۹۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۳۳۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنِ الْمُسَيَّبِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ وَرَّادٍ مَوْلَى الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ كَتَبَ الْمُغِيرَةُ إِلَى مُعَاوِيَةَ بْنِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از مسیب بن رافع از وراد جو حضرت مغیرہ بن

أَبِي سُفْيَانَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ إِذَا سَلَّمَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ وَقَالَ شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ قَالَ سَمِعْتُ الْمُسَيَّبَ۔

شعبہ رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں، انہوں نے کہا کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی طرف مکتوب لکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد جب سلام پھیرتے تو یہ ذکر کرتے: (ترجمہ:) ''اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں جو واحد ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے ملک ہے اور اسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ! جس چیز کو تو عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جس چیز کو تو منع کر دے اسے کوئی دینے والا نہیں، اور کسی کا نسب تیرے مقابلہ میں فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور نہ کسی کا بخت تیرے مقابلہ میں فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ کسی کی کوشش اور جدوجہد تیرے مقابلہ میں فائدہ پہنچا سکتی ہے''۔ اور شعبہ نے کہا از منصور، میں نے المسیب سے سنا۔

(صحیح البخاری: ۸۴۴، ۱۴۷۷، ۲۴۰۸، ۵۹۷۵، ۶۳۳۰، ۶۴۷۳، ۶۶۱۵، ۷۲۹۲، صحیح مسلم: ۵۹۳، سنن نسائی: ۱۳۴۱، سنن ابوداؤد: ۱۵۰۵، مسند احمد: ۱۸۱۷۷، سنن دارمی: ۱۳۴۹)

صحیح البخاری: ۶۳۳۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے المسیب، یہ ابن رافع الکاہلی ہیں۔ یہ بہت روزہ رکھنے والے اور بہت قیام کرنے والے تھے، ۱۵۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے وراد، یہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے غلام اور ان کے منشی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۷۵۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۳۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ذکر بالجہر پر دلیل

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے غلام بیان کرتے ہیں کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی طرف مکتوب لکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے سلام پھیرنے کے بعد یہ ذکر کرتے تھے:

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں جو واحد ہے اور اس کا کوئی

وھو علی کل شیء قدیر اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذالجد منک الجد

شریک نہیں، اسی کے لیے ملک ہے اور اسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ! جس چیز کو تو عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جس چیز کو تو منع کردے اسے کوئی دینے والا نہیں، اور کسی کا نسب تیرے مقابلہ میں فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور نہ کسی کا بخت تیرے مقابلہ میں فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ کسی کی کوشش اور جدوجہد تیرے مقابلہ میں فائدہ پہنچا سکتی ہے"۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر اس ذکر کی روایت کی اور ان کا سننا اسی صورت میں متصور ہوگا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے یہ ذکر کیا ہو۔ اور یہ ذکر بالجہر کی واضح دلیل ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۹۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۹۔ بَابُ: قَوْلِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: وَصَلِّ عَلَيْهِمْ (التوبہ: ۱۰۳) وَمَنْ خَصَّ أَخَاهُ بِالدُّعَاءِ دُونَ نَفْسِهِ

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور آپ ان پر صلوٰۃ بھیجئے"۔ اور جس نے اپنے بھائی کو دعا کے ساتھ خاص کیا نہ کہ خود کو۔

وَقَالَ أَبُو مُوسَى قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم: اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعُبَيْدٍ أَبِي عَامِرٍ، اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ ذَنْبَهُ۔

اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: "اے اللہ! عبید ابی عامر کی مغفرت فرما، اے اللہ! عبد اللہ بن قیس کے گناہ کو معاف فرما"۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا ذکر کیا گیا ہے "وَصَلِّ عَلَيْهِمْ" جمہور کی روایت میں اتنا ہی مذکور ہے، اور بعض نسخوں میں اس پر اضافہ ہے اور وہ یہ ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (التوبہ: ۱۰۳)

آپ ان کے مالوں سے زکوٰۃ لیجئے جس کے ذریعہ آپ انہیں پاک کریں گے اور ان کے باطن کو صاف کریں گے اور آپ ان پر صلوٰۃ بھیجئے، بے شک آپ کی صلوٰۃ ان کے لیے باعث طمانیت ہے اور اللہ بہت سننے والا بے حد جاننے والا ہے O

مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں صلوٰۃ سے مراد دعا ہے۔ اور اس کا معنی ہے کہ "آپ ان کے لیے دعا کیجئے اور استغفار کیجئے"۔ یعنی آپ کی دعا ان کے لیے ثابت قدم رہنے اور طمانیت کا سبب ہے۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ''جس نے اپنے بھائی کو دعا کے ساتھ خاص کیا اور اپنے لیے دعا نہیں کی''۔ اس تعلیق میں امام طبری کی روایت کے رد کی طرف اشارہ ہے۔

امام طبری اپنی سند کے ساتھ سعید بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے ایک مرد کا ذکر کیا اور اس پر رحمت بھیجی یعنی کہا: ''اللہ اس پر رحم فرمائے'' تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے میرے سینے پر تھپڑ مارا اور مجھ سے فرمایا: اپنے نفس سے یا اپنے آپ سے دعا کی ابتداء کرو۔

اور اسی طرح ابراہیم النخعی سے روایت ہے، وہ کہتے تھے: جب تم دعا کرو تو اپنے نفس سے دعا کی ابتداء کرو، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ تمہاری کون سی دعا مقبول ہوگی۔ اور اس باب کی احادیث ان روایات کا رد کرتی ہیں۔

اگر کہا جائے کہ اس کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان بھی اپنے بھائی کے لیے اس کے پس پشت دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے ''اور تیرے لیے بھی اس کی مثل ہو''۔

علامہ عینی تحریر فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس استدلال میں اعتراض ہے، کیونکہ اس حدیث میں عام ہے کہ دعا کرنے والا اس غائب کے ساتھ دعا کو خاص کرتا ہو یا اپنے نفس کا بھی ذکر کرتا ہو، اور اس سے عام ہے کہ وہ اس غائب کے لیے دعا کی ابتداء کرتا ہو یا اپنے لیے دعا کی ابتداء کرتا ہو۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں یہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ''اے اللہ! عبید ابی عامر کی مغفرت فرما، اے اللہ! عبداللہ بن قیس کے گناہ کو معاف فرما''۔

اس حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبید ابی عامر اور حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہما کے لیے دعا کی ہے اور اپنے لیے دعا نہیں کی۔

یہ تعلیق حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جو غزوۂ اوطاس میں تفصیلاً ذکر ہو چکی ہے اور اس میں حضرت ابوعامر رضی اللہ عنہ کے قتل ہونے کا قصہ ہے اور وہ حضرت ابوموسیٰ مذکور کے چچا ہیں اور وہی عبداللہ بن قیس ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حضرت عبید رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کی، پھر ان سے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ ان کے لیے بھی دعا کریں تو آپ نے ان کے لیے بھی دعا کی: اے اللہ! عبداللہ بن قیس کے گناہ کو معاف فرما۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۵۷۔۴۵۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی نے جس حدیث کا اجمالاً ذکر کیا ہے، اس کی پوری روایت حسب ذیل ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی از برید بن عبداللہ از ابی بردہ از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین سے فارغ ہوئے تو آپ نے ایک

لشکر کے ساتھ حضرت ابو عامر کو وادیٔ اوطاس کی طرف بھیجا، پس وہاں درید بن الصمہ سے مقابلہ ہوا، سو درید کو قتل کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لشکر کو شکست دے دی، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: اور آپ نے مجھے حضرت عامر کے ساتھ بھیجا، پس حضرت ابو عامر کے گھٹنے میں ایک جشمی کا تیر لگا اور وہ ان کے گھٹنے میں پیوست ہو گیا، پس میں نے حضرت ابو عامر کے پاس جا کر پوچھا: اے میرے چچا! آپ کو کس نے تیر مارا ہے؟ تو انہوں نے حضرت ابو موسیٰ کو اشارہ سے بتایا کہ وہ میرا قاتل ہے جس نے مجھے تیر مارا ہے، سو میں اس کا قصد کر کے اس سے جا ملا، جب اس نے مجھے دیکھا تو وہ پیٹھ موڑ کر بھاگا، پس میں نے اس کا پیچھا کیا اور میں اس سے کہہ رہا تھا کہ تجھے حیاء نہیں آتی! تو ٹھہرتا کیوں نہیں! پس وہ ٹھہر گیا، پھر ہم دونوں کی تلواریں ٹکرائیں، پس میں نے اس کو قتل کر دیا، پھر میں نے حضرت ابو عامر سے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے قاتل کو مار ڈالا، انہوں نے کہا: تم میرے گھٹنے سے یہ تیر نکال لو، میں نے ان کے گھٹنے سے وہ تیر نکالا تو اس سے پانی نکلنے لگا، انہوں نے کہا: اے میرے بھتیجے! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر میرا اسلام پیش کرو اور آپ سے عرض کرو کہ میرے لیے بخشش کی دعا کریں، اور حضرت ابو عامر نے مجھے لوگوں پر اپنا جانشین بنایا، پس وہ تھوڑی دیر زندہ رہے، پھر وہ فوت ہو گئے، پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ اپنے گھر میں کھجور کی رسیوں سے بنی ہوئی چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے اور اس پر بستر تھا، چارپائی کی بنائی آپ کی پشت اور پہلوؤں پر نقش ہو گئی تھی، میں نے آپ کو اپنی خبریں بتائیں اور حضرت ابو عامر کی خبر بتائی اور میں نے بتایا کہ انہوں نے کہا تھا کہ آپ ان کے لیے بخشش کی دعا کریں تو آپ نے پانی منگا کر وضو کیا، پھر دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کی: اے اللہ! عبید ابی عامر کو بخش دے اور میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی، پھر آپ نے دعا کی: اے اللہ! اس کو قیامت کے دن اپنی مخلوق میں بہت لوگوں کے اوپر درجہ عطا فرمانا، میں نے عرض کیا: اور میرے لیے بھی بخشش طلب کریں تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! عبداللہ بن قیس کے گناہوں کو معاف فرما اور اس کو قیامت کے دن عزت والی جگہ میں داخل فرما دینا! حضرت ابو بردہ نے کہا: ان میں سے ایک دعا حضرت ابو عامر کے لیے تھی اور دوسری دعا حضرت ابو موسیٰ کے لیے تھی۔ (صحیح البخاری: ۴۳۲۳)

۶۳۳۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلَى سَلَمَةَ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ الْأَكْوَعِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم إِلَى خَيْبَرَ قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ أَيَا عَامِرُ لَوْ أَسْمَعْتَنَا مِنْ هُنَيْهَاتِكَ فَنَزَلَ يَحْدُو بِهِمْ يُذَكِّرُ

تَاللّٰهِ لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا

وَذَكَرَ شِعْرًا غَيْرَ هَذَا وَلَكِنِّي لَمْ أَحْفَظْهُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مَنْ هَذَا السَّائِقُ قَالُوا عَامِرُ بْنُ الْأَكْوَعِ قَالَ يَرْحَمُهُ اللّٰهُ وَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَوْلَا مَتَّعْتَنَا بِهِ فَلَمَّا صَافَّ الْقَوْمُ قَاتَلُوهُمْ فَأُصِيبَ عَامِرٌ بِقَائِمَةِ سَيْفِ نَفْسِهِ فَمَاتَ فَلَمَّا أَمْسَوْا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از یزید بن ابی عبید مولیٰ سلمہ، انہوں نے کہا: ہمیں سلمہ بن الاکوع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کی طرف گئے تو قوم میں سے ایک مرد نے کہا: اے عامر! اپنی حدیث سناؤ تو وہ پڑھنے لگے اور انہوں نے یہ شعر پڑھا:

''اللہ کی قسم! اگر اللہ (کا حکم) نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے''۔

اس کے علاوہ انہوں نے دوسرے اشعار بھی پڑھے جو مجھے یاد نہیں ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ان سواریوں کو کون ہنکا رہا ہے، لوگوں نے بتایا کہ یہ عامر بن الاکوع ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس پر رحم فرمائے۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص

أَوْقَدُوا نَارًا كَثِيرَةً فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا هَذِهِ النَّارُ عَلَى أَيِّ شَيْءٍ تُوقِدُونَ قَالُوا عَلَى حُمُرٍ إِنْسِيَّةٍ فَقَالَ أَهْرِيقُوا مَا فِيهَا وَكَسِّرُوهَا قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ أَلَا نُهَرِيقُ مَا فِيهَا وَنَغْسِلُهَا قَالَ أَوْ ذَاكَ۔

نے عرض کیا یارسول اللہ! کاش ابھی آپ ان سے ہمیں اور فائدہ اٹھانے دیتے۔ پھر جب صحابہ نے صفیں باندھیں تو مسلمانوں نے کفار سے جنگ کی اور حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی تلوار چھوٹی تھی جو خود ان کے پاؤں پر لگ گئی اور اس سے ان کی وفات ہوگئی، جب شام ہوئی تو لوگوں نے جگہ جگہ آگ جلائی، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: یہ کیسی آگ ہے، اسے کیوں جلایا گیا ہے، صحابہ نے کہا کہ پالتو گدھوں (کا گوشت) پکانے کے لیے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کچھ ان دیگچیوں میں ہے اسے پھینک دو اور دیگچیوں کو توڑ دو، ایک صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اجازت دیں تو ایسا نہ کرلیں کہ دیگچیوں میں جو کچھ ہے اسے پھینک دیں اور دیگچیوں کو دھولیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھا یونہی کرلو۔

(صحیح البخاری: ۲۴۷۷، ۴۱۹۶، ۵۴۹۷، ۶۱۴۸، ۶۳۳۱، ۶۸۹۱، صحیح مسلم: ۱۸۰۲، سنن ابن ماجہ: ۳۱۹۵، مسند احمد: ۱۶۰۷۶)

صحیح البخاری: ۶۳۳۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فقال رجل من القوم" اس سے مراد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ای عامر" اور ایک روایت میں ہے "یا عامر" اور دونوں لفظ برابر ہیں۔ اور عامر سے مراد عامر بن الاکوع ہیں جو سلمہ کے چچا ہیں اور اس حدیث کے راوی ہیں۔ علامہ کرمانی نے کہا: وہ ان کے بھائی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "هنيهاتك" یہ "هنيهة" کی جمع ہے اور هنة کی تصغیر ہے، اس کی اصل هنوة ہے، اور اس سے مراد وہ چھوٹے چھوٹے اشعار ہیں جیسے رجز کا چھوٹا چھوٹا کلام ہوتا ہے۔ اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ مذکور شعر نہیں ہے۔

اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ مقصود یہ مصرع ہے اور اس کے بعد اور بھی مصاریع ہیں جو کتاب الجہاد میں گزر چکے ہیں۔ اور اس پر یہ اعتراض بھی کیا گیا ہے کہ ان اراجیز کے ساتھ ارتجاز خندق کھودنے کی حدیث میں ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ یہ جائز ہے کہ دونوں مواقع پر یہ مصرعے پڑھے گئے ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قوم میں سے ایک مرد نے کہا: یارسول اللہ! آپ نے ان سے ہمیں کیوں نہ فائدہ پہنچنے دیا" یعنی جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عامر بن الاکوع کے لیے دعا کی: اللہ اس پر رحم فرمائے، اور یہ دعا اس کے لیے کی جاتی ہے جو وفات پاچکا ہو، تو لوگوں نے یہ سمجھا کہ اب اس جنگ میں حضرت عامر بن الاکوع فوت ہوجائیں گے یا شہید ہوجائیں گے، تبھی آپ

نے یہ دعا کی: اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے۔ یعنی آپ کی اس دعا سے ان پر شہادت واجب ہوگئی، کاش! آپ ان کو ہمارے لیے چھوڑ دیتے۔ علامہ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ وہ یہ جانتے تھے کہ جس انسان کے لیے بھی کسی جہاد میں رحم کو طلب کیا جائے تو وہ شہید ہو جاتا ہے، تو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دعا سنی تو انہوں نے کہا: کاش! ہمیں آپ عامر سے نفع یاب ہونے دیتے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "علی حمر انسیة" اس سے مراد ہے پالتو گدھے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "الا نهریق؟" جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ ان دیگچیوں کا گوشت الٹ دو اور ان دیگچیوں کو توڑ دو، تو کسی صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم ایسا نہ کریں کہ ان دیگچیوں کا گوشت الٹ دیں اور ان دیگچیوں کو دھو دیں۔ تو آپ نے فرمایا: یا ایسا کر لو۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس مشورہ کو قبول فرمالیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۵۸۔۴۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مال کو ضائع کرنے کی ممانعت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ان دیگچیوں کو توڑنے کا حکم دیا تھا جن میں پالتو گدھوں کا گوشت پکایا گیا، لیکن بعد میں آپ نے صحابہ کے مشورہ سے یہ فرمایا کہ دیگچیوں کو الٹ کر پالتو گدھوں کے پکائے ہوئے گوشت کو گرادیا جائے اور دیگچیوں کو دھو کر رکھ لیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے دیگچیوں کے توڑنے کے حکم کو منسوخ فرمادیا، کیونکہ دیگچیوں کے توڑنے سے مال کو ضائع کرنا لازم آتا تھا۔ اور اس سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں گزرا ہے کہ "جن مشکوں میں خمر ہے ان کو توڑ دیا جائے" اس کا بھی کوئی معنی نہیں ہے، کیونکہ وہ مال کو ضائع کرنا ہے اور جس کو پانی سے دھو کر پاک کرلیا جائے اس سے نفع حاصل کرنا جائز ہے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگچیوں کے متعلق فرمایا کہ ان کو دھو لیا جائے۔

امام ترمذی نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! میری گود میں جو یتیم بچے ہیں ان کے لیے میں نے خمر کو خریدا ہے، تو آپ نے فرمایا: خمر کو بہا دو اور مشکوں کو توڑ دو۔ (سنن ترمذی: ۱۲۹۳)

سو یہ حدیث بھی باب مذکور کی حدیث کی بناء پر منسوخ قرار پائے گی، کیونکہ مشکوں کو دھو کر استعمال کیا جاسکتا ہے۔

اور امام احمد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری لی اور بازار کی طرف گئے، وہاں پر مشکوں میں خمر تھی جو مشکیں شام سے لائی گئی تھیں، آپ نے چھری سے ان مشکوں کو پھاڑ ڈالا اور مجھے حکم دیا کہ میں تمام بازاروں میں جاؤں اور جہاں پر بھی کسی مشک میں خمر ہو تو اس کو پھاڑ ڈالوں تو میں نے ایسا کیا۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۳۳۔۱۳۲)

مشکوں کو پھاڑنے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ امام مالک نے یہ کہا کہ پانی سے مشک پاک نہیں ہوگی، کیونکہ مشک کے اندر خمر سرایت کر چکی ہے اور دوسرے ائمہ نے کہا کہ مشک بھی پاک کی جاسکتی ہے، اس کو بھی پانی سے دھویا جاسکتا ہے، کیونکہ پانی بھی اس میں سرایت کر جاتا ہے اور اس میں جو خمر سرایت کی جا چکی ہے وہ اس کو پاک کر دے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے گدھوں کے پکائے ہوئے گوشت کو گرانے کا حکم دیا تا کہ تحریم میں مبالغہ ہو۔ اور اس سے پہلے گدھوں کا گوشت کھایا جاتا تھا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۶ص ۲۷۔۲۸ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۶۳۳۲۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو هُوَ ابْنُ مُرَّةَ سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي أَوْفَى رضی الله عنهما كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَتَاهُ رَجُلٌ بِصَدَقَةٍ قَالَ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ فُلَانٍ فَأَتَاهُ أَبِي فَقَالَ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ أَبِي أَوْفَى۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عمرو بن مرہ، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس جب کوئی مرد صدقہ لے کر آتا تو آپ دعا کرتے: اے اللہ! آلِ فلاں پر صلوٰۃ نازل فرما۔ پس آپ کے پاس میرے والد اپنا صدقہ لے کر آئے تو آپ نے کہا: اے اللہ! ابواوفی کی آل کے اوپر صلوٰۃ نازل فرما۔

(صحیح البخاری: ۱۴۹۷، ۴۱۶۶، ۶۳۳۲، ۶۳۵۹، صحیح مسلم: ۱۰۷۸، سنن نسائی: ۲۴۵۹، سنن ابوداؤد: ۱۵۹۰، سنن ابن ماجہ: ۱۷۹۶، مسند احمد: ۱۸۹۱۵)

صحیح البخاری: ۶۳۳۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "وَصَلِّ عَلَيْهِمْ" یعنی اے اللہ! ان پر صلوٰۃ نازل فرما، اور اس حدیث میں مذکور ہے "اے اللہ! فلاں کی آل پر صلوٰۃ نازل فرما"۔

علامہ ابن التین نے کہا: یعنی فلاں پر صلوٰۃ نازل فرما اور ان کی آل پر صلوٰۃ نازل فرما۔ اور رسول اللہ ﷺ اس دعا میں اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل فرماتے تھے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (التوبہ: ۱۰۳)

آپ ان کے مالوں سے زکوٰۃ لیجئے جس کے ذریعہ آپ انہیں پاک کریں گے اور انکے باطن کو صاف کریں گے اور آپ ان پر صلوٰۃ بھیجئے، بے شک آپ کی صلوٰۃ ان کے لیے باعث طمانیت ہے اور اللہ بہت سننے والا بے حد جاننے والا ہے ۝

لفظ صلوٰۃ کے ساتھ صرف انبیاء علیہم السلام کے لیے بالاستقلال دعا کی جاتی ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کے غیر کے لیے بالاستقلال لفظ صلوٰۃ کے ساتھ دعا نہیں کی جاتی بلکہ تبعاً دعا کی جاتی ہے، مثلاً کہا جاتا ہے "اللهم صل علی سیدنا محمد وعلی آله واصحابه"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مسلم، اور وہ امام بخاری کے شیخ ہیں اور وہ ابن ابراہیم ہیں۔ اور اس میں مذکور ہے عمرو، وہ ابن

مزہ ہیں۔ اور حضرت ابو عوفی کا نام ہے عبد اللہ، اور ان کے بیٹے کا نام ہے علقمہ، اور یہ دونوں صحابی ہیں رضی اللہ عنہما۔

یہ حدیث کتاب الزکوٰۃ میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۳۳۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ جَرِيرًا قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ أَلَا تُرِيحُنِي مِنْ ذِي الْخَلَصَةِ وَهُوَ نُصُبٌ كَانُوا يَعْبُدُونَهُ يُسَمَّى الْكَعْبَةَ الْيَمَانِيَةَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي رَجُلٌ لَا أَثْبُتُ عَلَى الْخَيْلِ فَصَكَّ فِي صَدْرِي فَقَالَ اللَّهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا قَالَ فَخَرَجْتُ فِي خَمْسِينَ فَارِسًا مِنْ أَحْمَسَ مِنْ قَوْمِي وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ فَانْطَلَقْتُ فِي عُصْبَةٍ مِنْ قَوْمِي فَأَتَيْتُهَا فَأَحْرَقْتُهَا ثُمَّ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ وَاللهِ مَا أَتَيْتُكَ حَتَّى تَرَكْتُهَا مِثْلَ الْجَمَلِ الْأَجْرَبِ فَدَعَا لِأَحْمَسَ وَخَيْلِهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از اسماعیل از قیس، انہوں نے کہا: میں نے جریر سے سنا، انہوں نے کہا: مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم مجھ کو ذی الخلصۃ سے راحت نہیں پہنچاتے؟، اور وہ ایک بت تھا جس کی لوگ عبادت کرتے تھے اور اس کا نام الکعبۃ الیمانیہ رکھا گیا تھا۔ حضرت جریر نے بیان کیا: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ایسا مرد ہوں جو گھوڑوں پر جم کر نہیں بیٹھ سکتا۔ آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور پھر دعا کی: اے اللہ! اس کو ثابت قدم رکھ اور اس کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا۔ حضرت جریر نے بتایا کہ میں اپنی قوم کے پچاس بہادر سواروں کے ساتھ نکلا اور بسا اوقات سفیان نے کہا کہ میں اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ نکلا، پھر میں اس بت کے پاس آیا اور میں نے اس کو جلا دیا، پھر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! میں آپ کے پاس اسی وقت آیا ہوں جب میں نے اس کو خارش زدہ اونٹ کی طرح چھوڑ دیا، تو آپ نے میری قوم کے بہادروں اور ان کے گھوڑوں کے لیے دعا کی۔

(صحیح البخاری: ۳۰۲۰، ۳۰۳۶، ۳۰۷۶، ۳۸۲۳، ۴۳۵۵، ۴۳۵۶، ۴۳۵۷، ۶۰۸۹، ۶۳۳۳، صحیح مسلم: ۲۴۷۶، سنن ابوداؤد: ۲۷۷۲، سنن ابن ماجہ: ۱۵۹، مسند احمد: ۱۸۷۲۲)

صحیح البخاری: ۶۳۳۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے احمس (بہادروں) کے لیے اور ان کے گھوڑوں کے لیے دعا فرمائی" اس کا

معنی یہ ہے کہ آپ نے دعا کی: اے اللہ! احمس (بہادروں) کے اوپر صلوۃ نازل فرما یعنی رحمت نازل فرما اور ان کے گھوڑوں پر۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، اور وہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، اور وہ ابن ابی خالد الاحمسی الکوفی ہیں۔ اور ابو خالد کا نام سعید ہے اور ایک قول ہے کہ ہرمز ہے اور دوسرا قول ہے کہ کثیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے قیس، اور وہ ابن ابی حازم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریر، اور وہ حضرت جریر بن عبداللہ الاحمسی الصحابی ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجہاد ''باب حرق الدور والنخیل'' میں گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۰ ۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''الخلصة'' کا معنی

اس حدیث میں ''الخلصة'' کا لفظ ہے، یہ ایک بت ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جاتی تھی۔ اور التیمی نے کہا ہے: یہ ایک بت ہے یا پتھر ہے، زمانہ جاہلیت میں اس کے اوپر جانور کو رکھ کر ذبح کیا جاتا تھا۔

اس حدیث میں ''ذو الخلصة'' کا لفظ ہے، یہ خثعم کا گھر ہے جس کو کعبہ یمانیہ کہا جاتا تھا اور اس میں ایک گھر تھا جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ یہ خلصہ کا گھر ہے، پھر اس گھر کو منہدم کر دیا گیا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۴۷ ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر، ۱۴۲۹ھ)

۶۳۳۴ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ الرَّبِيعِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا قَالَ قَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ لِلنَّبِيِّ ﷺ أَنَسٌ خَادِمُكَ قَالَ اللَّهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَبَارِكْ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن الربیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بتایا کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ انس آپ کا خادم ہے، آپ نے دعا کی: اے اللہ! اس کے مال اور اس کی اولاد میں کثرت فرما۔ اور جو تو نے اس کو عطا کیا ہے اس میں برکت عطا فرما۔

(صحیح البخاری: ۱۹۸۲، ۶۳۳۴، ۶۳۴۴، ۶۳۷۸، ۶۳۸۰، صحیح مسلم: ۲۴۸۱، مسند احمد: ۱۲۵۴۱)

صحیح البخاری: ۶۳۳۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے مال اور اولاد کی کثرت کی دعا کی ہے اور ان کے رزق میں برکت کی دعا کی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید بن الربیع، یہ ابوزید الہروی ہیں۔ یہ ہروی کپڑے فروخت کیا کرتے تھے تو اس لیے ان کی نسبت ہروی کی طرف ہوگئی اور یہ اہلِ کوفہ میں سے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! انس آپ کی خدمت کرنے والے ہیں تو آپ ان کے لیے دعا کیجئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے تین دعائیں کیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے تین دعاؤں کے معانی

پہلی دعا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی دعا یہ کی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مال زیادہ ہو حتیٰ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بصرہ میں باغ تھا جو ہر سال دو مرتبہ پھل دیتا تھا، اور اس میں جو پھول تھے ان سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔

دوسری دعا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے دوسری دعا یہ کی کہ ان کی اولاد زیادہ ہو، اور ان کی ایک سو بیس اولاد ہوئی۔ دوسرا قول ہے کہ اسی اولاد ہوئی جن میں سے ۷۸ مرد تھے اور ۲ بیٹیاں تھیں حفصہ اور ام عمرو۔

علامہ ابن الاثیر نے لکھا ہے: جب حضرت انس رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو ان کے بیٹوں اور پوتوں کی تعداد ایک سو بیس تھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے گرد گھومتے تھے اور ان کے ساتھ ان کی اولاد میں سے ستر نفوس ہوتے تھے۔

تیسری دعا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے تیسری دعا لمبی عمر کی فرمائی تھی، جس پر یہ دلیل ہے کہ آپ نے دعا میں کہا کہ اے اللہ! تو نے اس کو جو کچھ دیا ہے اس میں برکت عطا فرما، اور سب سے بڑی برکت یہ ہے کہ ان کی عمر زیادہ ہوئی، پس ان کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال تھی، اس کو امام احمد نے از معتمر از حمید روایت کیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی عمر ایک سو تین (۱۰۳) سال تھی۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ ان کی عمر ایک سو دس (۱۱۰) سال تھی۔ اور چوتھا قول یہ ہے کہ ان کی عمر ایک سو سات (۱۰۷) سال تھی۔

کثرتِ مال اور کثرتِ اولاد کی دعا پر ایک اعتراض کا جواب

اگر یہ سوال کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے، آپ نے فرمایا: اے اللہ! جو مجھ پر ایمان لایا ہو اور جس نے تیرے دیے ہوئے احکام کی تصدیق کی ہو اس کے مال اور اس کی اولاد میں کمی فرما۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے اور یہ حدیث کیسے صحیح ہو سکتی ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کرنے کی اور اولاد کو طلب کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔

پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ مال کی کثرت سرکشی کو پیدا کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ ۝ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ ۝ (العلق: ٦۔٧)

بے شک انسان ضرور سرکشی کرتا ہے O اس نے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لیا ہے O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ۔ (التغابن: ۱۴)

اے ایمان والو! بے شک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں، سو ان سے ہوشیار رہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ کو علم تھا کہ آپ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے مال اور اولاد کی کثرت کے لیے جو دعا کر رہے ہیں وہ مال اور اولاد کے ضرر اور شر سے محفوظ رہیں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۶۳۳۵۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا يَقْرَأُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ رَحِمَهُ اللهُ لَقَدْ أَذْكَرَنِي كَذَا وَكَذَا آيَةً أَسْقَطْتُهَا فِي سُورَةِ كَذَا وَكَذَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے سنا ایک مرد مسجد میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے، تو آپ نے دعا کی: اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے، اس نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی جس کو میں فلاں فلاں سورت سے ساقط کر چکا تھا۔

(صحیح البخاری: ۲۶۵۵، ۵۰۳۷، ۵۰۳۸، ۵۰۴۲، ۶۳۳۵، صحیح مسلم: ۷۸۸، سنن ابوداؤد: ۱۳۳۱، مسند احمد: ۲۴۵۴۸)

صحیح البخاری: ۶۳۳۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اس مرد نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی جو میں فلاں فلاں سورت سے ساقط کر چکا تھا"۔ اس کا معنی یہ ہے کہ میں ان آیتوں کو بھول چکا تھا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نبی ﷺ کی طرف قرآن کے بھولنے کی نسبت کس طرح جائز ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نسیان آپ کے اختیار میں نہیں ہے اور جمہور نے یہ کہا ہے کہ نبی ﷺ کا ان امور میں نسیان جائز ہے جن امور کا تعلق تبلیغ کے ساتھ نہ ہو، بشرطیکہ آپ کو اس نسیان پر برقرار نہ رکھا جائے۔ لیکن جن امور کا تعلق تبلیغ سے ہے ان میں آپ کا بھولنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنسَىٰ ۝ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ۔ (الاعلیٰ: ۶۔۷)

ہم عنقریب آپ کو قرآن پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے O مگر جو اللہ چاہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۶۱۔ ۴۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۳۶۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ قَسْمًا فَقَالَ رَجُلٌ إِنَّ هَذِهِ لَقِسْمَةٌ مَا أُرِيدَ بِهَا وَجْهُ اللهِ فَأَخْبَرْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَغَضِبَ حَتَّى رَأَيْتُ الْغَضَبَ فِي وَجْهِهِ وَقَالَ يَرْحَمُ اللهُ مُوسَى لَقَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هَذَا فَصَبَرَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سلیمان نے خبر دی از ابی وائل از حضرت عبد اللہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کچھ تقسیم کیا تو ایک مرد نے کہا: یہ وہ تقسیم ہے جس سے اللہ عزوجل کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا۔ سو میں نے نبی ﷺ کو اس بات کی خبر دی، پس آپ ناراض ہوئے حتیٰ کہ میں نے آپ کے چہرہ میں غضب کے آثار دیکھے اور آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، ان کو اس سے زیادہ اذیت دی گئی تھی، انہوں نے اس پر صبر کیا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۵۰، ۳۴۰۵، ۴۳۳۵، ۴۳۳۶، ۶۰۵۹، ۶۱۰۰، ۶۲۹۱، ۶۳۳۶، صحیح مسلم: ۱۰۶۲، مسند احمد: ۳۵۹۷)

صحیح البخاری: ۶۳۳۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، یہ نبی ﷺ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے دعا ہے۔ اور اس باب میں دوسروں کے لیے دعاؤں کی احادیث کا ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سلیمان، اور وہ الاعمش ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو وائل، وہ شقیق بن سلمہ ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے عبد اللہ، وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یہ وہ تقسیم ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے وجہ (چہرہ یا ذات) کا ارادہ نہیں کیا گیا"۔ یعنی اس تقسیم میں اخلاص نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ چہرہ اور جہت سے پاک ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دوسروں کے لیے دعائیں کرنے کے متعلق دیگر احادیث

اس باب میں امام بخاری نے چھ احادیث روایت کی ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کے لیے دعائیں کی ہیں۔ اور دیگر احادیث میں بھی اس کا ثبوت ہے:

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: مسلمان مرد کے پس پشت اس کے حق میں دعا مستجاب ہوتی ہے۔ اس کے سرہانے ایک فرشتہ مقرر ہوتا ہے، جب بھی وہ اپنے بھائی کے لیے دعا کرتا ہے تو وہ مقرر فرشتہ کہتا ہے: آمین اور تیرے لیے بھی اس کی مثل ہو۔ (صحیح مسلم: ۲۷۳۳، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل دعاء للمسلمین بظهر الغیب)

امام ابوداؤد اور امام ترمذی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دعا کی قبولیت بہت جلد ہوتی ہے، وہ غائب کی غائب کے لیے دعا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۵۳۵، سنن ترمذی: ۱۹۸۰)

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ دعائیں مقبول ہوتی ہیں: (۱) مظلوم کی دعا حتیٰ کہ وہ انتقام لے لے (۲) حج کرنے والے کی دعا حتیٰ کہ وہ واپس آجائے (۳) مجاہد کی دعا حتیٰ کہ وہ جہاد سے لوٹ آئے (۴) بیمار کی دعا حتیٰ کہ وہ تندرست ہوجائے (۵) اور ایک بھائی کی اپنے بھائی کے لیے دعا۔

(شعب الایمان ج ۲ ص ۴۷-۴۶، رقم الحدیث: ۱۱۲۵)

بعض متقدمین سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی کے لیے دعا کرے تو اپنی ذات سے ابتداء کرے۔ ابراہیم نخعی نے کہا: جب تم دعا کرو تو اپنی ذات سے ابتداء کرو، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ کون سی دعا مقبول ہوگی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۲۹)

یہ تمام احادیث علامہ ابن الملقن نے اپنی شرح میں ذکر کی ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۴۶-۲۴۷ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

۲۰- بَابُ: مَا يُكْرَهُ مِنَ السَّجْعِ فِي الدُّعَاءِ — مقفّٰی کلام کے ساتھ دعا کرنے کی کراہت

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں مقفّٰی کلام کے ساتھ دعا کرنے کی کراہت کا بیان ہے۔ اور ''السجع'' کا معنی ہے: ایسا کلام جو مقفّٰی ہو اور اس میں وزن کی رعایت نہ کی گئی ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سجع کا معنی ہے کلام کی رعایت کرنا۔ اور یہ ''سجعة الحمامة'' سے ماخوذ ہے جب کبوتر اپنی آواز کو بار بار دہرائے۔ اور کہا جاتا ہے: سجع اس وقت مکروہ ہے جب تکلف کے ساتھ مقفّٰی کلام کے ساتھ دعا کی جائے، لیکن اگر بالطبع مقفّٰی کلام کے ساتھ دعا کی جائے تو یہ مکروہ نہیں ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ دعا میں سجع سے اس لیے منع کیا گیا ہے کیونکہ سجع کو طلب کرنے میں تکلف اور مشقت ہے اور یہ خشوع سے اور اخلاص کے ساتھ گڑگڑا کر دعا کرنے سے مانع ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۶۲، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ جو بہ کثرت دعائیں قافیہ بندی کے ساتھ کرتا ہو اور اس کا اکثر کلام مسجع مقفٰی ہو تو وہ ممنوع ہے۔ اور قرآن میں بھی کلامِ مقفٰی بہ کثرت ہے، اسی طرح احادیث میں بھی بہ کثرت کلامِ مقفٰی ہے۔ لیکن اگر یہ کلامِ مقفٰی اخلاص سے مانع نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ جو شخص دعا میں سجع اور قافیہ بندی کا طالب ہوگا، وہ اپنے کلام میں ہم وزن الفاظ کو لانے کی فکر میں ہوگا، اور اس کا دل خشوع سے غافل ہوگا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کلامِ مقفٰی کے ساتھ دعا کرنے سے منع کیا ہے، حالانکہ احادیث میں اس طرح کی دعائیں ہیں:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے دن مشرکین کے خلاف دعا کی تو آپ نے کہا:

اللهم منزل الكتاب، سريع الحساب، اللهم اهزم الاحزاب، اللهم اهزمهم وزلزلهم۔

اے اللہ! کتاب کو نازل کرنے والے، جلد حساب لینے والے، اے اللہ! کفار کی جماعتوں کو شکست دے، اے اللہ! ان کو شکست دے اور ان کے قدم اکھاڑ دے۔

(صحیح البخاری: ۲۹۳۳، صحیح مسلم: ۱۷۴۲، سنن ترمذی: ۱۶۷۸، سنن ابن ماجہ: ۲۷۹۶، مسند احمد: ۱۸۶۲۸)

اس کا جواب یہ ہے کہ جو تکلف سے قافیہ بندی کی جائے وہ مکروہ ہے اور اگر اتفاقاً دعا میں ہم وزن الفاظ آجائیں تو وہ مکروہ نہیں ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۵۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۶۳۳۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ السَّكَنِ حَدَّثَنَا حَبَّانُ بْنُ هِلَالٍ أَبُو حَبِيبٍ حَدَّثَنَا هَارُونُ الْمُقْرِئُ حَدَّثَنَا الزُّبَيْرُ بْنُ الْخِرِّيتِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدِّثْ النَّاسَ كُلَّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَإِنْ أَبَيْتَ فَمَرَّتَيْنِ فَإِنْ أَكْثَرْتَ فَثَلَاثَ مِرَارٍ وَلَا تُمِلَّ النَّاسَ هَذَا الْقُرْآنَ وَلَا أُلْفِيَنَّكَ تَأْتِي الْقَوْمَ وَهُمْ فِي حَدِيثٍ مِنْ حَدِيثِهِمْ فَتَقُصُّ عَلَيْهِمْ فَتَقْطَعُ عَلَيْهِمْ حَدِيثَهُمْ فَتُمِلُّهُمْ وَلَكِنْ أَنْصِتْ فَإِذَا أَمَرُوكَ فَحَدِّثْهُمْ وَهُمْ يَشْتَهُونَهُ فَانْظُرْ السَّجْعَ مِنْ الدُّعَاءِ فَاجْتَنِبْهُ فَإِنِّي عَهِدْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَأَصْحَابَهُ لَا يَفْعَلُونَ إِلَّا ذَلِكَ يَعْنِي لَا يَفْعَلُونَ إِلَّا ذَلِكَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن محمد بن السکن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حبان بن ہلال ابو حبیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہارون المقری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الزبیر بن الخریت نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا: لوگوں کے سامنے ہر جمعہ کے دن حدیث بیان کرو، اگر تم اس کا انکار کرو تو دو مرتبہ بیان کرو، اور اگر تم اور زیادہ بیان کرنا چاہو تو تین مرتبہ بیان کرو، اور لوگوں کو اس قرآن سے اکتاہٹ میں نہ ڈالو، اور میں تمہیں اس حال میں نہ پاؤں کہ تم لوگوں کے پاس جاؤ اور وہ اپنی باتوں میں سے کسی باتوں میں مشغول ہوں، تم ان کے سامنے حدیث بیان کرو اور ان کی باتوں

الاجتناب۔ (تحفۃ الاشراف: ۶۰۹۰)۔

کو منقطع کرو تو وہ تنگ ہوں گے اور ملال میں ہوں گے۔ لیکن تم خاموش رہو، پس جب وہ تمہیں کہیں پھر تم ان کے سامنے حدیث بیان کرو جب کہ انہیں حدیث سننے کا شوق ہو۔ اور دعا میں قافیہ بندی اور سجع کو دیکھو، پس اس سے اجتناب کرو، کیونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے ساتھ رہا ہوں، وہ ایسا نہیں کرتے تھے۔ یعنی وہ صرف قافیہ بندی سے اجتناب کرتے تھے۔

صحیح البخاری: ۶۳۳۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن محمد بن السکن، یہ البزار ہیں۔ ان کی حدیث ''صدقۃ الفطر'' میں گزر چکی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حبان بن ہلال، ان کی کنیت ابو حبیب الباہلی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہارون، یہ ابن موسیٰ المقری ہیں۔ یہ نحوی ہیں اور الاعور ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الزبیر بن الخریت، ان کی حدیث ''کتاب المظالم'' میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ہر جمعہ کو حدیث بیان کرو''۔ یہ امر وجوب کے لیے نہیں ہے بلکہ نصیحت اور خیر خواہی کے لیے ہے اور اس کی حکمت حدیث میں بیان کر دی ہے کہ لوگوں کو ملال میں اور اکتاہٹ میں مبتلا نہ کرو۔ اور لوگوں کو قرآن سے اکتاہٹ میں نہ ڈالو۔ اور جب لوگ اپنی گفتگو میں مصروف ہوں اس وقت ان کے سامنے کسی حدیث کا وعظ نہ کرو بلکہ اس وقت ان کو احادیث سناؤ جب وہ احادیث سننے کو طلب کریں اور اس کے مشتاق اور خواہش مند ہوں۔

حدیث مذکور کے فقہی مسائل

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ میں بھی افراط مکروہ ہے، کیونکہ اس سے اکتاہٹ کا خطرہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کرتے تھے، آپ اپنے اصحاب کو وعظ اور نصیحت کرنے میں ان کی حفاظت فرماتے تھے تاکہ صحابہ کو اکتاہٹ نہ ہو۔

(۲) حدیث بیان کرنے والے کو چاہیے کہ اس وقت حدیث بیان نہ کرے جب لوگ اپنی باتوں میں مشغول ہوں بلکہ اس وقت بیان کرے جب لوگ اس کے خواہش مند ہوں۔

(۳) حکمت اور علم کی باتوں کو ان کے سامنے نہ بیان کیا جائے جن کو ان کے سننے کی حرص نہیں ہے اور ان کو سیکھنے کا شوق نہیں ہے،

کیونکہ اس سے علم کو ذلیل کرنا لازم آئے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے علم کا مرتبہ بلند فرمایا ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۶۳۔ ۲۶۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن ملقن نے اپنی شرح میں ان فقہی مسائل کو بیان کیا ہے۔ اور علامہ عینی نے وہیں سے ان مسائل کو اخذ کیا ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۵۱، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

حدیث مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مسجع اور مقفیٰ کلام کے ساتھ دعا کرنے کی ممانعت کی حکمت

امام غزالی نے کہا ہے: وہ سجع مکروہ ہے جس میں تکلف ہو، کیونکہ تکلف سے جو دعا کی جائے وہ اظہار ذلت اور گڑگڑانے کے مناسب نہیں ہے ورنہ جو دعائیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں ان میں ایسے کلمات ہیں جو ایک وزن پر ہوتے ہیں لیکن ان میں تکلف نہیں ہے، جیسے یہ دعا ہے:

اعوذ بك من عين لا تدمع، ونفس لا تشبع، وقلب لا يخشع۔

میں اس آنکھ سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو آنسو نہ بہائے، اور اس نفس سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو سیر نہ ہو اور اس دل سے تیری پناہ میں آتا ہوں جس میں خشوع نہ ہو۔

الازہری نے کہا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مسجع کلام کے ساتھ دعا کرنے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ یہ کاہنوں کے کلام کے مشابہ ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۹۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۱۔ بَابٌ: لِيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ فَإِنَّهُ لَا مُسْتَكْرِهَ لَهُ

پورے عزم اور وثوق کے ساتھ دعا کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی جبر کرنے والا نہیں ہے

۶۳۳۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ فَلْيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ وَلَا يَقُولَنَّ اللَّهُمَّ إِنْ شِئْتَ فَأَعْطِنِي فَإِنَّهُ لَا مُسْتَكْرِهَ لَهُ۔

(صحیح البخاری: ۷۴۶۴، صحیح مسلم: ۲۶۷۸، مسند احمد: ۱۱۵۶۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز نے خبر دی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو پورے عزم کے ساتھ سوال کرے اور اس طرح ہرگز نہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے عطا فرما، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی جبر کرنے والا نہیں ہے۔

صحیح البخاری: ۶۳۳۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "پورے عزم کے ساتھ سوال کرے" یعنی قطعیت کے ساتھ سوال کرے اور اس کو مشیت کے اوپر معلق نہ کرے، کیونکہ جب وہ مشیت پر معلق کرے گا تو اس میں اپنے مطلوب سے استغناء کی صورت ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۳۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمُ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ اللّٰهُمَّ ارْحَمْنِي إِنْ شِئْتَ لِيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ فَإِنَّهُ لَا مُكْرِهَ لَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص ہرگز اس طرح دعا نہ کرے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو میری مغفرت کر دے، اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما، اسے چاہیے کہ پورے عزم کے ساتھ سوال کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی جبر کرنے والا نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: ۷۴۷۷، صحیح مسلم: ۲۶۷۹، سنن ترمذی: ۳۴۹۷، سنن ابوداؤد: ۱۴۸۳، مسند احمد: ۷۲۷۲، موطا امام مالک: ۴۹۴)

صحیح البخاری: ۶۳۳۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ داؤدی نے کہا ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ بندہ پوری کوشش سے اور اصرار کے ساتھ دعا کرے۔ اس طرح دعا کرے جیسا کہ کوئی محتاج فقیر گڑگڑا کر اصرار سے دعا کرتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۳۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بار بار دعا کرنے اور اصرار کرنے کا بیان

اس حدیث میں ہے "اللہ تعالیٰ پر کوئی جبر کرنے والا نہیں ہے" یعنی اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے کسی کے جبر کے بغیر۔ پس مومن کو چاہیے کہ وہ جد وجہد اور کوشش سے دعا کرے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کے مقبول ہونے کی توقع رکھے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، کیونکہ مومن کریم سے دعا کر رہا ہے اور رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلہ میں متعدد احادیث مروی ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو ہرگز یہ نہ کہے "اگر تو چاہے تو مجھے عطا کرے" لیکن وہ اپنی عظیم رغبت کا اظہار کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز عظیم نہیں ہے، وہ جو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۶۷۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ

تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: بندہ میرے ساتھ جو گمان کرتا ہے میں اس کے گمان کے ساتھ ہوں، اور میں اس کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے، اگر وہ مجھے اپنے نفس میں یاد کرے تو میں اس کو اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں، اگر وہ مجھے جماعت میں یاد کرے تو میں اس سے بہتر جماعت میں اس کو یاد کرتا ہوں، اگر وہ میری طرف ایک بالشت بڑھے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں، اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ بڑھے تو میں اس کی طرف دو ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر بڑھتا ہوں، اور اگر وہ میرے پاس چلتا ہوا آئے تو میں اس کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہوں۔ (صحیح البخاری: ۷۴۰۵، صحیح مسلم: ۲۶۷۵، سنن ترمذی: ۳۶۰۳، سنن ابن ماجہ: ۳۸۲۲، مسند احمد: ۷۴۲۳)

اور ابو عاصم نے از ابن جریج از ابی الزبیر از حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اسی حال میں مرے جس حال میں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نیک گمان رکھتا ہو۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۴، صحیح مسلم: ۲۸۷۷)

امام ابن ابی الدنیا نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے کسی عبد مومن کو اللہ کے ساتھ حسن ظن سے بہتر چیز عطا نہیں کی۔ اور اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے بندہ جو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ گمان کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے گمان کے مطابق اس کو عطا فرماتا ہے، کیونکہ تمام خیر اللہ کے ہاتھوں میں ہے۔ (موسوعہ ابن ابی الدنیا: ۸۳)

اور سفیان بن عیینہ نے کہا: کوئی شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے سے نہ روکے، کیونکہ تمام مخلوق میں سب سے بدتر ابلیس ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا بھی قبول فرمائی ہے، قرآن مجید میں ہے:

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝ (الحجر: ۳۶-۳۷)

اس نے کہا: اے میرے رب! تو مجھے یوم حشر تک مہلت دے ○ فرمایا: بے شک تو ان میں سے ہے جن کو مہلت دی گئی ہے ○

سفیان بن عیینہ کے اس قول کی امام بیہقی نے شعب الایمان: ۱۱۴۷، میں روایت کی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۵۳-۲۵۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۳۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ سے انتہائی رغبت اور اصرار کے ساتھ بار بار دعا کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کتاب التوحید میں روایت ہے کہ اس طرح دعا نہ کرے: اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے رزق دے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انتہائی عزم کے ساتھ دعا کرے اور عظیم رغبت کے ساتھ دعا کرے اور بار بار دعا کرے اور اصرار کرے۔

علامہ ابن عبد البر مالکی نے کہا ہے: کسی آدمی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کہے: اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے دے، خواہ وہ امور دین سے متعلق سوال کرے یا امور دنیا سے متعلق سوال کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ علامہ ابن عبد البر نے اس ممانعت کو تحریم پر محمول کیا ہے اور علامہ نووی نے اس ممانعت کو تنزیہہ پر محمول کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۹۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۳۹، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دعا کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر معلق کرنے کی خرابیاں

جب کوئی شخص دعا کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف کرے تو اس میں حسب ذیل خرابیاں ہیں:

(۱) اس شخص کی دعا سے یہ وہم ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی جبر کرنے والا ہے۔

(۲) اس شخص کی ایسی دعا سے یہ وہم ہوتا ہے کہ اس نے جو سوال کیا ہے، وہ اتنا بڑا سوال ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دینے پر قادر نہیں ہے۔

(۳) اس شخص کی ایسی دعا سے یہ وہم ہوتا ہے کہ وہ شخص اپنے سوال اور دعا میں اللہ تعالیٰ سے مستغنی ہے، کیونکہ وہ دعا کرتا ہے: اگر تو چاہے تو مجھے رزق دے دے اور اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرمائے اور اگر تو چاہے تو میری مغفرت کرے، حالانکہ اللہ تعالیٰ سے اس کائنات میں کوئی مستغنی نہیں ہے۔

سوال: اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی بخار زدہ مریض سے یہ فرماتے: کوئی حرج نہیں ہے ان شاء اللہ یہ پاک کرنے والا ہے، کیا آپ کی یہ دعا اس حدیث کے معارض ہے؟

الجواب: یہ دعا اس حدیث کے معارض نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان شاء اللہ فرمایا، یہ تعلیق کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ تبرک حاصل کرنے کے لیے ہے۔ اور جب کوئی شخص یہ کہے ''اگر تو چاہے'' تو اس میں ایک قسم کی بے ادبی ہے، اور جب وہ کہے ''ان شاء اللہ'' تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۲۰۰۔۲۰۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۲۔ بَابٌ: يُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَا لَمْ يَعْجَلْ

بندہ کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک وہ دعا کے قبول ہونے کے لیے جلدی نہ کرے

۶۳۴۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلَى ابْنِ أَزْهَرَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ يُسْتَجَابُ لِأَحَدِكُمْ مَا لَمْ يَعْجَلْ يَقُولُ دَعَوْتُ فَلَمْ يُسْتَجَبْ لِي.

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از ابی عبید جو مولیٰ ابن ازہر ہیں از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی ایک کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک وہ جلدی نہ کرے، پس وہ یہ کہے: میں نے دعا کی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی۔

(صحیح مسلم: ۲۷۳۵، سنن ترمذی: ۳۳۸۷، سنن ابوداؤد: ۱۴۸۴، سنن ابن ماجہ: ۳۸۵۳، مسند احمد: ۸۹۰۳، موطا امام مالک: ۴۹۵)

صحیح البخاری: ۶۳۴۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعبید، ان کا نام سعد بن عبید ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مولیٰ ابن ازہر، ان کا نام عبدالرحمٰن ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یستجاب لاحد کم مالم یعجل"۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے "یستجاب" اجابت کے معنی میں ہے، یعنی تم میں سے ہر شخص کی دعا اس وقت قبول ہوگی جب کہ وہ قبولیت کے لیے جلدی نہ کرے۔

ابن بطال نے کہا: اس کا معنی یہ ہے: وہ آدمی مایوس ہو جائے اور دعا کرنا چھوڑ دے، یا وہ آدمی یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول کرنے سے عاجز ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو عطا کرنے سے کوئی کمی نہیں ہوتی۔ علامہ کرمانی نے کہا:

دعا کے مقبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایک تو جلدی نہ کرے اور دوسرا یہ نہ کہے کہ میں نے دعا کی تو میری دعا قبول نہیں ہوئی۔

اس پر سوال یہ ہے کہ آدمی یہ دونوں باتیں تو نہ کہے تو پھر اس کی دعا قبول ہوگی یا نہیں ہوگی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝ (البقرہ:۱۸۶)

دعا کرنے والا جب دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں، تو چاہیے کہ وہ (بھی) میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان برقرار رکھیں تا کہ وہ کامیابی حاصل کریں O

یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جب یہ دو باتیں نہ پائی جائیں یعنی نہ تو آدمی جلدی کرے اور نہ یہ کہے کہ میں نے دعا کی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی، تو پھر اس کی دعا قبول ہوگی۔

لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ سے تین چیزوں کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے دو چیزیں دے دیں اور ایک چیز سے مجھے منع کر دیا، اور وہ میرا یہ سوال تھا کہ میری امت کے بعض لوگ دوسرے بعض لوگوں کو ضرر نہ پہنچائیں یا ان سے جھگڑا نہ کریں۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں قبول نہیں ہوئیں۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ جلدی کرنا انسان کی فطرت میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۭ (الانبیاء:۳۷)

انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔

اس لیے دعا کی قبولیت میں یہ شرط کہ انسان جلدی نہ کرے بعض احوال میں بہت مشکل ہوتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۶۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۴۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دعاؤں کے قبول نہ ہونے کی بعض صورتیں

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ کی دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے جب تک وہ کسی گناہ کی دعا نہ کرے، یا قطع رحم کی دعا نہ کرے اور جب تک دعا کی قبولیت میں جلدی کو طلب نہ کرے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! جلدی کو طلب کرنے کا کیا معنی ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ کہے کہ میں نے دعا کی اور میں نے دعا کی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی۔ پس وہ حسرت کا اظہار کرے اور دعا کرنا چھوڑ دے۔

(صحیح مسلم: ۲۷۳۵، کتاب الذکر والدعاء، باب: بیان انہ یستجاب للداعی مالم یعجل)

اور امام اسحاق بن راہویہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بندہ کہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو میری دعا قبول نہیں ہوئی، یا یہ کہے کہ مجھے کسی چیز سے مستغنی نہیں کیا گیا۔ (مسند اسحاق بن راہویہ: ۳۰۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یعنی بندہ دعا قبول نہ ہونے سے مایوس نہ ہو۔

بعض علماء نے بیان کیا ہے: بندہ اس وقت جلدی کرتا ہے جب اس کی غرض دنیا کی کسی چیز کے متعلق سوال کرنا ہو اور وہ چیز اس کو نہ ملے تو اس پر مزید دعا کرنا دشوار ہو جاتا ہے اور واجب یہ ہے کہ بندہ کی غرض دعا سے صرف اللہ کے لیے ہو، اور صرف اللہ عزوجل سے اپنی احتیاج اور افتقار کو ظاہر کرنا ہو، اور وہ عبودیت سے الگ نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں لگا رہے اور ذلت اور خشوع سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں متوجہ رہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اصرار کے ساتھ اور گڑ گڑا کر دعا کی جائے۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی دعا کرتا ہے اس کو تین چیزوں میں سے ایک چیز ملتی ہے، یا تو اس کی وہ دعا قبول ہو جاتی ہے، یا اللہ تعالیٰ اس دعا کا اجر اپنے پاس ذخیرہ کر لیتا ہے یا اللہ تعالیٰ اس کے کسی گزشتہ گناہ کو معاف فرما دیتا ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۸، الادب المفرد للبخاری: ۷۱۰، مسند ابو یعلیٰ: ۱۰۱۹، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۴۹۳، شعب الایمان للبیہقی: ۱۱۲۸)

اور قتادہ نے بیان کیا کہ بندہ کی وہ دعا قبول ہوتی ہے جو تقدیر کے موافق ہو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کے بعض افراد کو دوسرے بعض افراد سے جنگ میں مبتلا نہ کرے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دعا سے روک دیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ چیز مقرر تھی کہ امت کے درمیان اختلاف اور جھگڑا ہو گا۔

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کی دعا کو مسترد نہیں فرماتا، البتہ کبھی دعا کے قبول ہونے میں تاخیر کی وجہ کوئی مصلحت ہوتی ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بندہ نے جو سوال کیا ہوتا ہے وہ اس کے حال کے مناسب نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں بندہ کو وہ چیز عطا فرما دیتا ہے جو اس کے حال کے مناسب ہوتی ہے اور بعض اوقات اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو مؤخر کرتا ہے اور اس کے عوض میں قیامت کے دن اسے اجر عطا فرماتا ہے، سو مومن کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے کو نہ چھوڑے، کیونکہ وہ دعا

کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کا عبادت گزار ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تسلیم و رضا کا پیروکار ہوتا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۵۵۔ ۲۵۷ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۴۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قبولیتِ دعا کے آداب

قبولیت دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ دعا کرنے والا طلب کو لازم رکھے، اور دعا قبول نہ ہونے کی وجہ سے مایوس نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری اور اس کی طرف افتقار اور احتیاج کو ظاہر کرتا رہے حتیٰ کہ بعض متقدمین نے کہا ہے کہ میری دعا قبول نہ ہو اس سے زیادہ میں اس سے ڈرتا ہوں کہ میں دعا کرنے سے محروم ہو جاؤں۔ اور اس میں درج ذیل حدیث کی طرف اشارہ ہے:

امام ترمذی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے لیے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا، اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیے گئے۔

اور میں نے کتاب الدعاء کے اول میں لکھا ہے کہ مومن کی دعا مسترد نہیں ہوتی، جب کہ وہ قبولیت میں جلدی نہ کرے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دعا تو قبول نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ اس سے کوئی برائی اور مصیبت ٹال دیتا ہے یا اس کے لیے آخرت میں ذخیرہ کر دیتا ہے جو اس کے سوال سے بہتر ہوتا ہے۔

اور آدابِ دعا میں سے یہ ہے کہ ان اوقات میں دعا کرے جو فضیلت والے اوقات ہیں اور احوال ہیں، مثلاً سجدہ میں دعا کرے، اذان کے وقت دعا کرے، دعا سے پہلے وضو کرے اور نماز پڑھے اور ہاتھوں کو بلند کرے اور اس سے پہلے توبہ کرے اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرے، اور اخلاص سے دعا کرے، اور حمد اور ثناء سے نماز کی ابتداء کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اور اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ سے دعا کرے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۰۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۳۔ بَابُ: رَفْعِ الْأَيْدِي فِي الدُّعَاءِ

دعا میں ہاتھوں کو بلند کرنے کا بیان

وَقَالَ أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ: دَعَا النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ وَرَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی، پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند فرمایا اور میں نے آپ کے بغلوں کی سفیدی دیکھی۔

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: رَفَعَ النَّبِيُّ ﷺ يَدَيْهِ وَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو بلند کیا اور دعا کی: اے اللہ! میں اس کاروائی سے تیری طرف بری ہوتا ہوں جو خالد نے کی ہے۔

یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ دعا میں ہاتھوں کو بلند کرنا مشروع اور جائز ہے۔

امام بخاری کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ بن قیس ہے، اور اس حدیث میں وہ طویل قصہ ہے جو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت ابوعامر اشعری کے شہید ہونے کے متعلق ہے اور یہ قصہ کتاب المغازی میں سندِ موصول کے ساتھ غزوۂ حنین میں بیان کیا جا چکا ہے۔

امام بخاری کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں خالد کا ذکر ہے، وہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ ہیں، اور یہ تعلیق بھی اس قصہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد کو غزوۂ بنوجذیمہ میں بھیجا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس لیے بھیجا تھا کہ وہ اسلام کی دعوت دیں، بنوجذیمہ کے لوگ اچھی طرح یہ نہیں کہہ سکے کہ ہم اسلام لائے یا ہم نے اسلام قبول کیا، بلکہ وہ کہتے تھے ''صبأنا'' یعنی ہم ایک دین سے دوسرے دین میں منتقل ہو گئے، پھر حضرت خالد رضی اللہ عنہ انہیں قتل کرنے لگے اور گرفتار کرنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے دونوں ہاتھ بلند کیے اور یہ دعا کی کہ اے اللہ! میں اس کاروائی سے تیری طرف بری ہوتا ہوں جو خالد نے کی ہے۔

۶۳۴۱۔ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَقَالَ الْأُوَيْسِيُّ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ وَشَرِيكٍ سَمِعَا أَنَسًا عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى رَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ۔

اور امام ابوعبداللہ نے کہا: اور الاویسی نے بیان کیا کہ مجھے محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن سعید اور شریک، ان دونوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کیا حتیٰ کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی کو دیکھا۔

(صحیح البخاری: ۱۰۳۱، صحیح مسلم: ۸۹۵، سنن ابوداؤد: ۱۱۷۰، سنن ابن ماجہ: ۱۱۸۰، مسند احمد: ۱۲۴۹۲)

صحیح البخاری: ۶۳۴۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوعبداللہ مذکور ہے، یہ خود امام بخاری ہیں۔ اور الاویسی میں اویس کی طرف نسبت ہے، یہ اوس کی تصغیر ہے، اور اوس سے مراد اوس بن حارثہ ہیں، یہ انصار کا ایک قبیلہ ہے۔ اور یہ تغلب اور الازد اور خثعم میں ہے، اور الاویسی یہ اویس بن سعد بن ابی سرح کی طرف نسبت ہے حتیٰ کہ یہ غالب بن فہر کی طرف ختم ہے اور ان کا نام عبدالعزیز بن عبداللہ بن یحییٰ بن عمر بن اویس القرشی العامری الاویسی المدنی ہیں۔ یہ امام بخاری کے شیخ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں محمد جعفر کا ذکر ہے، یہ ابن ابی کثیر الانصاری ہیں، اور یحییٰ بن سعید کا ذکر ہے، یہ الانصاری المدنی ہیں۔ اور شریک کا ذکر ہے، یہ شریک بن عبداللہ بن نمیر القرشی المدنی ہیں۔

دعا میں دونوں ہاتھوں کے بلند کرنے کی کیفیت میں علماء کا اختلاف

یہ حدیث، حدیث استسقاء کی مختصر ہے اور یہ تعلیقات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ دعا میں ہاتھ بلند کرنے چاہئیں لیکن اس میں یہ دلالت نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف کرتے تھے یا زمین کی طرف۔ اور اس باب میں بہت اختلاف ہے۔ پس بعض علماء نے دونوں ہاتھوں کے بلند کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے، انہوں نے کہا کہ جب اللہ سے اپنی حاجت میں دعا کرے تو سبابہ (انگشتِ شہادت) سے اشارہ کرے۔

اور شعبہ نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دیکھا کچھ لوگوں نے اپنے ہاتھوں کو بلند کیا تو انہوں نے کہا: یہ لوگ کس چیز کو لے رہے ہیں۔ پس اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ کسی لمبے پہاڑ کی چوٹی پر ہوں، تب بھی اللہ تعالیٰ سے زیادہ قرب حاصل نہیں کر سکیں گے۔

اور حضرت جبیر بن معطم نے ہاتھوں کے بلند کرنے کو مکروہ کہا اور حضرت شریح نے ایک مرد کو دیکھا کہ وہ دونوں ہاتھوں کو بلند کر رہا تھا تو آپ نے کہا: یہ کس کو لے رہا ہے، تیری ماں نہ رہے۔

اور مسروق نے ان لوگوں سے کہا جو اپنے ہاتھ کو بلند کر رہے تھے اللہ تعالیٰ ان ہاتھوں کو کاٹ دے۔

اور قتادہ اپنی انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور ہاتھوں کو بلند نہیں کرتے تھے۔

اور بعض لوگوں نے ہتھیلیوں کے پھیلانے کو اختیار کیا ہے نہ کہ ان کے بلند کرنے کو۔ پھر اس کی صفت میں ان کا اختلاف ہے، بعض لوگوں نے کہا: دونوں ہاتھوں کو اپنے سینہ کے سامنے تک بلند کرے اور ہاتھوں کے بطن کو چہرہ کی طرف رکھے۔ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب ایک شخص نے اپنے ہاتھوں کو سینہ تک بلند کیا تو یہ دعا ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہتھیلیوں کے باطن سے دعا کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔ اور ان کا استدلال درج ذیل حدیث سے ہے:

صالح بن کیسان از محمد بن کعب القرظی از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اللہ عزوجل سے سوال کرو تو اس سے اپنی ہتھیلیوں کے باطن کے ساتھ سوال کرو اور ہتھیلیوں کی پشت سے سوال نہ کرو اور ان ہتھیلیوں کو اپنے چہرہ کے ساتھ ملو۔

اور بعض علماء کا مختار یہ ہے کہ چہرہ کے بالمقابل ہاتھوں کو بلند کیا جائے۔ یہ حضرت ابن عمر اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

اور بعض علماء کا مختار یہ ہے کہ ہاتھوں کو بلند کیا جائے حتیٰ کہ چہرہ کے بالمقابل ہو اور ہاتھوں کی پشت ان کے چہرہ کے قریب ہو۔

اور بعض علماء نے کہا کہ ہاتھوں کے بطون کو آسمان کی طرف کرے جب رغبت سے دعا کرے اور جب خوف سے دعا کرے تو زمین کی طرف کرے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ ہاتھوں کے بطون کو آسمان کی طرف ہر حال میں مطلقاً کرے۔

علامہ داؤدی نے کہا: ایک حدیث میں ہے کہ دعا کرنے والا دعا کے اخیر میں اپنے چہرہ پر ہاتھوں سے مسح کرے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: گویا کہ علامہ داؤدی نے اس حدیث کا ارادہ کیا ہے جس کو محمد بن کعب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اور امام ابوداؤد نے اس کو کئی سندوں سے روایت کی ہے۔ حافظ المزی نے کہا: یہ تمام سندیں ضعیف ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۶۶-۲۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۴۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دعا میں دونوں ہاتھ بلند کرنے کی کیفیت میں فقہاء کا اختلاف اور اس سلسلہ میں احادیث اور آثار

نماز کے علاوہ دعا میں دونوں ہاتھ بلند کرنے کے متعلق علماء کا اختلاف ہے، جیسا کہ امام طبری نے کہا ہے: پس بعض علماء کا مختار یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت میں دعا کرے تو انگشتِ شہادت سے اشارہ کرے اور وہ کہتے تھے کہ یہی اخلاص ہے۔

اور دونوں ہاتھوں کو بلند کرنا مکروہ ہے، شعبہ وغیرہ نے اور خالد نے از حصین از عمارہ بن رؤیبہ روایت کی ہے کہ انہوں نے بشر بن مروان کو دیکھا کہ وہ منبر پر اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کر رہے تھے، تو انہوں نے اس کو سب وشتم کیا اور کہا کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے زیادہ نہیں کرتے تھے یعنی انگشتِ شہادت سے اشارہ کرتے تھے۔

(صحیح مسلم: ۸۷۴، کتاب الجمعہ، باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبہ، صحیح ابن خزیمہ: ۱۴۵۱، سنن بیہقی ج ۳ ص ۲۱۰)

اور سعید نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو دعا میں ہاتھوں کو بلند کر رہے تھے، تو انہوں نے کہا: یہ لوگ کس چیز کو لے رہے ہیں۔ پس اللہ کی قسم! اگر یہ کسی لمبے پہاڑ کی چوٹی پر ہوں تب بھی اللہ تعالیٰ کا زیادہ قرب حاصل نہیں کر سکتے۔

اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے اس کو مکروہ کہا، اور حضرت شریح رضی اللہ عنہ نے ایک مرد کو دیکھا جو دونوں ہاتھوں کو بلند کر کے دعا کر رہے تھے تو انہوں نے کہا: تم ان ہاتھوں سے کس چیز کو لے رہے ہو تمہاری ماں نہ رہے۔

اور مسروق نے ان لوگوں سے کہا جو اپنے ہاتھ دعا میں بلند کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان ہاتھوں کو کاٹ ڈالے۔ اور ابن المسیب نے دعا میں ہاتھ اٹھانے کو اور آواز نکالنے کو مکروہ قرار دیا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۳۲۵۱)

اور قتادہ اپنی انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور ہاتھوں کو بلند نہیں کرتے تھے۔ اور سعید بن جبیر نے ایک مرد کو دیکھا جو دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کر رہا تھا تو انہوں نے کہا: ہمارے دین میں تکفیر نہیں ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جب کسی آدمی نے اپنے دونوں ہاتھوں کو سینہ کے بالمقابل رکھا تو یہ دعا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی ہتھیلیوں کے باطن سے دعا کرتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔ اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اللہ سے سوال کرو تو اپنی ہتھیلیوں کے باطن سے سوال کرو اور ہتھیلیوں کی پشت سے سوال نہ کرو اور ہتھیلیوں سے اپنے چہروں پر مسح کرو۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۸۶۶، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۰۷۷۹، المستدرک ج ۱ ص ۵۳۶)

حضرت ابن عمر اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کا مختار یہ تھا کہ اپنے ہاتھوں کو چہروں تک بلند کریں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ عرفہ میں کھڑے ہوئے، آپ دعا کر رہے تھے اور آپ نے اپنی ہتھیلیوں کی پشت کو چہرہ کے قریب کیا اور ہاتھوں کو سینہ کے اوپر اور کندھے سے نیچے تک بلند کیا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۸۵، رقم الحدیث: ۱۱۸۰۶)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جب تم میں سے کوئی شخص ایک انگلی سے اشارہ کرے تو وہ اخلاص ہے اور جب دونوں ہاتھ سینہ تک بلند کرے تو وہ دعا ہیں۔ اور جب سر سے اوپر ہاتھوں کو بلند کرے اور ہاتھوں کا ظاہر چہرہ کے قریب ہو تو وہ الابتہال ہے۔ (ابتھال کا معنی ہے: شدت سے اور گڑگڑا کر دعا کرنا)۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۲۵۰، رقم الحدیث: ۳۲۴۷)

اور ان کا استدلال حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کی حدیث سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں دونوں ہاتھوں کو بلند فرماتے تھے حتیٰ کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی دکھائی دیتی۔

پس صحیح بات یہ ہے جیسا کہ امام طبری نے کہا ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہ تمام آثار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں اور متفق ہیں، ان میں اختلاف نہیں ہے، اور جس طریقہ پر بھی عمل کیا جائے وہ صحیح ہے۔ رہا ایک انگلی سے اشارہ کرنا تو یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق ہے کہ اس میں اخلاص ہے، اور دونوں ہاتھوں کو پھیلانا یہ دعا ہے، اور دونوں ہاتھوں کو بلند کرنا، یہ ابتھال ہے۔

اور عمر بن نبہان نے از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دونوں ہتھیلیوں کے ظاہر اور باطن کے ساتھ دعا کر رہے تھے۔ اور ہوسکتا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو، کیونکہ دعا کے احوال مختلف ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس لیے کیا ہو کہ آپ یہ بتائیں کہ اس معاملہ میں گنجائش ہے، اور لوگوں کے لیے جائز ہے وہ جس حال میں بھی دعا کریں۔

رہی وہ حدیث جو قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کے علاوہ اور کسی دعا میں ہاتھوں کو بلند نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی دکھائی دیتی۔ (صحیح مسلم: ۸۹۵، کتاب: صلوٰۃ الاستسقاء، باب رفع الیدین بالدعاء فی الاستسقاء)

اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھوں کو زیادہ بلند صرف نمازِ استسقاء میں کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاتھوں کو صرف سات مقامات پر بلند کیا جائے: نماز کی ابتداء میں، اور جب تم بیت اللہ کو دیکھو، اور صفا اور مروہ پر، اور میدانِ عرفات کی شام میں، اور مزدلفہ میں، اور جمرتین کے وقت۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۷۲، مسند الشافعی: ۸۷۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطلقاً دعا میں ہاتھوں کو بلند کرنا بھی ثابت ہے۔ جعفر بن میمون از ابی عثمان از حضرت سلمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا رب حیاء کرنے والا ہے، کریم ہے، جب کوئی بندہ اس کی طرف دونوں ہاتھوں کو اٹھائے تو وہ ان ہاتھوں کو خالی لوٹانے سے حیاء فرماتا ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ عطاء اور طاؤس اور مجاہد سے روایت ہے کہ انہوں نے نماز کے بعد ہاتھوں کے بلند کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ انہوں نے اس وقت کہا ہے جب مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل نہ ہوئی ہو جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف گڑگڑا کر دعا کرنے کے محتاج ہوں۔ اس صورت میں اسی طرح ہے۔ اور اگر وہ کسی مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی طرف

دعا کرنے کے محتاج ہوں تا کہ اللہ تعالیٰ ان سے وہ مصیبت دور کر دے، ایسی صورت میں ہاتھ بلند کر کے دعا کرنا امام مالک کے نزدیک مستحسن ہے۔

المدونہ میں مذکور ہے کہ امام مالک نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے اور ہاتھوں کے بطون زمین کی طرف تھے اور ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف تھی اور امام مالک نے کہا کہ اگر ہاتھوں کو بلند کیا جائے تو اس طرح کیا جائے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ خوف کی حالت میں تو اسی طرح ہے اور رغبت کی حالت میں دونوں ہتھیلیوں کے بطون کو آسمان کی طرف کرے، اور ایک قول یہ ہے کہ ہر حال میں دونوں ہاتھوں کے بطون کو آسمان کی طرف کرے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۵۸۔ ۲۶۳ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۴۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دعا میں دونوں ہاتھ بلند کرنے کا ثبوت

بعض علماء نے دعا میں دونوں ہاتھ بلند کرنے سے منع کیا ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کے علاوہ اور کسی دعا میں ہاتھوں کو بلند نہیں کرتے تھے''۔ یہ حدیث صحیح ہے لیکن اس حدیث میں اور بعد کی احادیث میں تطبیق دی گئی ہے کہ جس حدیث میں نفی ہے وہ خاص صفت کی نفی ہے، ہاتھوں کو مطلقاً بلند کرنے کی نفی نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نماز استسقاء میں ہاتھوں کو زیادہ بلند کرنا دوسری احادیث کے خلاف ہے۔ یا تو اس لیے کہ استسقاء میں دونوں ہاتھوں کو چہرہ کے بالمقابل بلند کیا جائے اور عام دعاؤں میں کندھوں تک ہاتھوں کو بلند کیا جائے۔ یا اس طرح کہ استسقاء میں دونوں ہتھیلیاں زمین کی طرف ہوں اور دعا میں دونوں ہتھیلیاں آسمان کی طرف ہوں۔

علامہ المنذری نے کہا ہے کہ اگر ان حدیثوں کو جمع کرنا مشکل ہو تو جن احادیث میں دعا میں رفع یدین کا ثبوت ہے، وہ نفی کی احادیث سے راجح ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: جب کہ بہ کثرت احادیث دعا میں رفع یدین (ہاتھوں کو اٹھانے) کے متعلق وارد ہیں۔

امام بخاری نے ''الادب المفرد'' میں اس سلسلہ میں بہ کثرت احادیث وارد کی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ طفیل بن عمرو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس عرض کیا کہ دوس اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں، آپ ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور دونوں ہاتھ بلند کیے اور آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ! دوس کو ہدایت دے۔ یہ حدیث صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں مذکور ہے اور اس میں یہ مذکور نہیں ہے کہ آپ نے دونوں ہاتھ بلند کیے۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت طفیل بن عمرو نے ہجرت کی، پھر اس شخص کا قصہ ذکر کیا جس نے ان کے ساتھ ہجرت کی اور اس میں یہ جملہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! اس کے ہاتھوں کی بھی مغفرت فرما، اور آپ نے اپنے دونوں

ہاتھوں کو بلند کیا۔اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کی امام مسلم نے روایت کی ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کر رہے تھے: اے اللہ! میں صرف بشر ہوں۔۔۔الحدیث۔اس کی سند صحیح ہے۔

اور اس سلسلہ میں احادیث صحیحہ میں سے وہ ہیں جن کی امام بخاری نے اپنے رسالہ ''جزء رفع الیدین'' میں روایت کی ہے۔

اس میں مذکور ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ دونوں ہاتھ بلند کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کر رہے تھے۔

اور امام مسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ کی حدیث کسوف کے قصہ میں روایت کی ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور آپ دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کر رہے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی کسوف میں یہ دعا منقول ہے۔پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ آپ نے اہل بقیع کے لیے دعا کی اور اپنے ہاتھوں کو تین مرتبہ بلند کیا۔اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث فتح مکہ کے باب میں ہے کہ آپ نے دونوں ہاتھ بلند کیے اور آپ دعا کر رہے تھے۔

اور صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوحُمید کی حدیث ہے ابن اللتبیۃ کے قصہ میں، آپ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند فرمائے حتیٰ کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی اور کہا: اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا۔

اور حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کیا اور کہا: اے اللہ! میری امت۔

اور امام ترمذی اور نسائی اور حاکم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ کے چہرہ سے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح آواز آتی، ایک دن آپ پر وحی نازل ہوئی اور پھر یہ کیفیت منقطع ہوگئی تو آپ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور دونوں ہاتھ بلند کیے اور دعا فرمائی۔

اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا، آپ دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا فرما رہے تھے تو آپ کی سواری لڑکھڑائی تو اس کی مہار گر گئی۔

اور امام ابوداؤد نے قیس بن سعد سے روایت کی ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں کو بلند کیا اور آپ دعا فرما رہے تھے: اے اللہ! تیری صلوات اور رحمتیں سعد بن عبادہ کی آل پر نازل ہوں۔۔۔الحدیث، اور اس کی سند جید ہے۔اور اس سلسلہ میں احادیث بہت زیادہ ہیں۔(فتح الباری ج ۷ ص ۱۰۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مصنف کے تتبع سے خارج از نماز دعا کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانے کے متعلق احادیث

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا، انہوں نے ان کو اسلام کی دعوت دی، وہ اچھی طرح سے یہ نہیں کہہ سکے کہ ہم اسلام لائے، وہ کہنے لگے ''صبأنا صبأنا'' (ہم نے دین بدل دیا) حضرت خالد نے ان کو قتل کرنا اور قید کرنا شروع کر دیا اور ہم میں سے ہر شخص کو انہوں نے ایک قیدی دیا حتیٰ کہ جس صبح کو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ہمیں یہ حکم دیا تھا کہ ہر شخص اپنے اپنے قیدی کو قتل کر دے تو میں نے کہا: خدا کی قسم! میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا اور نہ میرے اصحاب میں سے کوئی شخص اپنے قیدی کو قتل کرے گا حتیٰ کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ ماجرا ذکر کیا، تب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر (دوسری روایت میں ہے آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر) یہ دعا کی: اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے تیری طرف بری ہوں۔ (صحیح البخاری: ۴۳۳۹، سنن نسائی: ۵۴۰۵)

(۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دیہاتیوں میں سے ایک اعرابی جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! مویشی ہلاک ہو گئے، بچے اور لوگ ہلاک ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کی اور لوگ بھی اپنے ہاتھوں کو بلند کر رہے تھے، ابھی ہم مجلس سے اٹھے نہیں تھے کہ بارش شروع ہو گئی۔۔۔ الحدیث

(صحیح البخاری: ۱۰۲۹، سنن ابوداؤد: ۱۱۶۸، ۱۱۷۴)

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے حتیٰ کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی۔ (صحیح البخاری: ۱۰۳۰، صحیح مسلم: ۸۹۵، سنن نسائی: ۱۷۴۸)

(۴) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین سے فارغ ہوئے تو آپ نے حضرت ابو عامر کو ایک لشکر کا امیر بنا کر اوطاس کی طرف بھیجا، ان کا مقابلہ درید بن الصمہ سے ہوا۔ اس حدیث کے اخیر میں ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں: جب میں لوٹا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر حاضر ہوا، آپ ایک چار پائی پر بغیر بستر کے لیٹے تھے، آپ کی پشت مبارک اور پہلو پر چار پائی کے نشانات ثبت ہو گئے تھے، میں نے آپ سے اپنا اور حضرت ابو عامر کا ماجرا عرض کیا اور یہ بتایا کہ انہوں نے کہا تھا کہ آپ سے کہنا کہ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ آپ نے پانی منگوایا، وضو کیا اور دونوں ہاتھ بلند کیے اور یہ دعا کی کہ اے اللہ! اپنے بندہ ابو عامر کی مغفرت فرما، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کی سفیدی دیکھی اور آپ نے کہا: اے اللہ! قیامت کے دن اس کو اپنی کثیر مخلوق پر فضیلت عطا فرمانا۔۔۔ الحدیث (صحیح البخاری: ۴۳۲۳، صحیح مسلم: ۱۶۵، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ رقم الحدیث: ۸۷۸۱)

(۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح سویرے خیبر پہنچے، اس وقت وہ لوگ اپنے کدال اور پھاوڑے لے کر نکل رہے تھے، جب انہوں نے آپ کو دیکھا تو کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لشکر سمیت آ پہنچے، اور انہوں نے قلعہ کی طرف دوڑنا شروع کر دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے اور دعا کی: خیبر تباہ ہو گیا۔ بے شک ہم جس قوم کے صحن میں نازل ہوتے ہیں تو لوگوں کی کیسی صبح ہوتی ہے جن کو ڈرایا جا چکا ہے۔ (صحیح البخاری: ۴۱۶۷، مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۳، ۱۱۱)

(۶) سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جمرہ اولیٰ پر سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے بعد اللہ اکبر کہتے، پھر نرم جگہ کا قصد کرتے، پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے طویل قیام کرتے، پھر دونوں ہاتھ بلند کرتے، پھر اسی طرح جمرہ وسطیٰ پر کنکریاں مارتے، پھر بائیں جانب نرم جگہ کا قصد کرتے اور قبلہ کی طرف منہ کرتے اور دونوں ہاتھوں سے دعا کرتے، پھر جمرہ عقبہ کی رمی کرتے اور وہاں نہ ٹھہرتے اور کہتے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۷۵۲، سنن نسائی: ۳۰۸۳، سنن ابن ماجہ: ۳۰۳۲)

(۷) زہری بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جمرہ کی رمی کرتے جو مسجد منیٰ کے قریب ہے تو سات کنکریاں مارتے اور ہر مرتبہ رمی کے بعد اللہ اکبر کہتے، پھر آگے بڑھ کر قبلہ کی طرف منہ کر کے ٹھہر جاتے اور پھر اپنے دونوں ہاتھ بلند کرتے اور طویل قیام کرتے۔۔۔ الحدیث (صحیح البخاری: ۱۷۵۳، سنن نسائی: ۳۰۸۳، سنن دارمی: ۱۹۰۳)

(۸) وہب بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کو دیکھا وہ دعا کرتے تھے اور اپنی ہتھلیوں کو اپنے چہرے پر پھیرتے تھے۔ (اس حدیث کی سند ضعیف ہے)۔ (الادب المفرد: ۶۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کر رہے تھے: میں محض بشر ہوں، تو میرا مواخذہ نہ فرمانا، میں جس مومن کو بھی اذیت دوں یا برا کہوں تو تو اس پر میرا مواخذہ نہ فرما۔

(الادب المفرد: ۶۲۵، یہ حدیث صحیح ہے)

(۱۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! دوس نافرمانی کرتے ہیں اور انکار کرتے ہیں، ان کے خلاف دعائے ضرر کیجئے، آپ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور دونوں ہاتھ بلند کیے اور لوگوں نے گمان کیا کہ آپ ان کے خلاف دعائے ضرر کریں گے، آپ نے کہا: اے اللہ! دوس کو ہدایت فرما اور ان کو لے آ۔ (الادب المفرد: ۶۲۶، تہذیب تاریخ دمشق ج ۷ ص ۶۶، مسند حمیدی: ۱۰۵۰)

(۱۱) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت طفیل بن عمرو نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: آپ کا ایک مضبوط قلعہ کے متعلق کیا خیال ہے جو دوس کا قلعہ ہے۔ آپ نے اس کا انکار فرمایا کیونکہ یہ سعادت اللہ تعالیٰ نے انصار کے لیے مقرر کر دی تھی۔ پھر حضرت طفیل نے ہجرت کی اور ان کے ساتھ ان کے قبیلہ کے ایک شخص نے بھی ہجرت کی، وہ شخص بیمار پڑ گیا اور اس شخص نے بے صبری کی اور چھری سے اپنے ہاتھ کی رگیں کاٹ ڈالیں اور وہ مر گیا۔ حضرت طفیل نے اس کو خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا: تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ اس نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرنے کی وجہ سے اللہ نے مجھے بخش دیا، انہوں نے پوچھا: تمہارے ہاتھ کو کیا ہوا؟ اس نے بتایا کہ مجھے بتایا گیا کہ ہم اس کو ہرگز ٹھیک نہیں کریں گے جس کو تم نے خود خراب کیا۔ حضرت طفیل نے یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا، آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی: اے اللہ! اس کے ہاتھوں کو بھی معاف فرما دے۔

(الادب المفرد: ۶۲۹)

(۱۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، یہ اس رات کی بات ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر میں تھے، آپ نے کروٹ لی، چادر اوڑھی اور جوتے نکال کر اپنے قدموں کے سامنے رکھے، اور چادر کی ایک طرف اپنے بستر پر بچھا کر لیٹ گئے، تھوڑی دیر میں نیند کے خیال سے لیٹے رہے، پھر آہستہ سے چادر اوڑھی، جوتا پہنا، چپکے سے دروازہ کھولا، آرام سے باہر نکلے اور آہستہ سے دروازہ بند کر دیا، میں نے بھی چادر سر پر اوڑھی اور ایک چادر اپنے گرد لپیٹی اور آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ آپ بقیع میں پہنچے اور وہاں پر طویل قیام کیا اور تین بار (دعا کے لیے) اپنے ہاتھ بلند کیے اور لوٹ آئے۔

(صحیح مسلم: ۱۰۳، ۹۷۴، سنن نسائی: ۲۰۳۶، مسند احمد ج ۶ ص ۲۲۱)

(۱۳) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حیادار کریم ہے، جب کوئی شخص اس کی طرف اپنے دونوں ہاتھ بلند کرتا ہے تو وہ ان کو نامراد لوٹانے سے حیا فرماتا ہے۔

(سنن الترمذی: ۳۵۶۷، سنن ابوداؤد: ۱۴۸۸، سنن ابن ماجہ: ۳۸۶۵، المستدرک ج ۱ ص ۴۹۷، ۵۳۵، مسند احمد ج ۵ ص ۴۳۸، کتاب الدعاء للطبرانی ص ۸۴، رقم الحدیث: ۲۰۲)

(۱۴) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا میں دونوں ہاتھ بلند فرماتے تو جب تک اپنے ہاتھوں کو چہرہ پر پھیر تے نہیں تھے ان کو نیچے نہیں کرتے تھے۔ (سنن ترمذی:۳۳۹۸)

(۱۵) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ دونوں ہاتھ اللہ تعالیٰ کی طرف بلند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے حیا فرماتا ہے کہ اس کے ہاتھوں کو خالی لوٹا دے اور اس کے ہاتھوں میں کچھ نہ رہے۔

(سنن ترمذی:۳۵۶۷، سنن ابوداؤد:۱۴۸۸، سنن ابن ماجہ:۳۸۶۵، المعجم الکبیر ج۶ ص ۳۱۴، کتاب الدعا للطبرانی:۲۰۲)

(۱۶) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھوں کی ہتھیلیوں اور ہاتھوں کی پشت دونوں سے سوال کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (سنن ابوداؤد:۱۴۸۷)

(۱۷) سائب بن یزید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کرتے اور اپنے ہاتھوں کو چہرہ پر پھیرتے۔ (سنن ابوداؤد:۱۴۹۲)

(۱۸) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ کے چہرے کے پاس شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی سی آواز سنائی دیتی، ایک دن آپ پر وحی نازل ہوئی، ہم کچھ دیر ٹھہرے رہے اور جب وہ کیفیت ختم ہوگئی تو آپ نے قبلہ کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ بلند کیے اور یہ دعا کی: اے اللہ! ہمیں زیادہ دے اور ہم میں کمی نہ کر اور ہمیں عزت دے اور ہمیں ذلت سے بچا اور ہمیں عطا فرما اور ہمیں محروم نہ کر اور ہمیں ترجیح دے اور ہم پر کسی کو ترجیح نہ دے اور ہمیں راضی کر اور ہم سے راضی رہ۔ الحدیث (سنن ترمذی:۳۱۸۳، سنن کبریٰ للنسائی:۱۴۳۹، مسند احمد:۲۲۳، المستدرک ج۱ ص ۵۳۵)

(۱۹) حضرت انس رضی اللہ عنہ ستر قاریوں کی شہادت کے قصہ میں بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھتے تھے تو دونوں ہاتھ بلند کر کے ان کے قاتلوں کے خلاف دعائے ضرر کرتے۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج۲ ص۲۱۱)

(۲۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ بلند کر کے دو آدمیوں کے خلاف دعا کی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ:۹۷۲۴)

(۲۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اخلاص اس طرح ہے، آپ نے انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ کیا اور یہ دعا ہے، آپ نے دونوں ہاتھ کندھوں تک بلند کیے اور یہ ابتہال ہے اور پھر آپ نے اور زیادہ ہاتھ بلند کیے۔ (کتاب الدعا للطبرانی:۲۰۸)

(۲۲) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جنگ احزاب کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی تو آپ نے چادر پھینک دی اور بغیر (اوپر کی) چادر کے کھڑے ہوئے اور دونوں ہاتھ خوب بلند کر کے دعا کی۔

(اتحاف السادۃ المھرۃ بزوائد المسانید العشر ج:۲۹۴۳)

(۲۳) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدان عرفات میں کھڑے ہوئے اس طرح دعا کر رہے تھے، انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی چھاتیوں تک بلند کیے اور ہتھیلیوں کو زمین کی جانب رکھا۔

(مسند احمد ج۳ ص ۱۳، مجمع الزوائد ج۱۰ ص ۱۶۸، سنن نسائی:۳۰۱۷)

(۲۴) حضرت خلاد بن سائب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کا سوال کرتے تو اپنی ہتھیلیوں کو اپنی جانب رکھتے اور جب کسی چیز سے پناہ طلب کرتے تو اپنے ہاتھوں کی پشت کو اپنی جانب رکھتے۔
(مسند احمد ج ۴ ص ۵۶، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۸)

(۲۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میدانِ عرفات میں دعا کرتے ہوئے دیکھا، آپ کے دونوں ہاتھ سینہ کی جانب تھے جیسے کوئی مسکین کھانا مانگ رہا ہو۔ (المعجم الاوسط: ۲۹۱۳)

(۲۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ بلند کرتے حتیٰ کہ میں ہاتھوں کو بلند کرتے ہوئے اکتا جاتی۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۲۵، اس کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۸)

(۲۷) حضرت ابو برزہ اسلمی بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کرتے حتیٰ کہ آپ کی دونوں بغلوں کی سفیدی دکھائی دیتی۔ (مسند ابو یعلیٰ: ۷۴۴۰، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۸)

(۲۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں دونوں ہاتھ بلند کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی دکھائی دیتی تھی۔ (مسند البزار: ۳۱۴۷، سنن ابن ماجہ: ۲۱۷۸)

(۲۹) حضرت یزید بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جماعت کے ساتھ آئے حتیٰ کہ آپ نے المریطاء کے نزدیک قرن پر قیام کیا۔ اس وقت آپ قبلہ کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ بلند کیے ہوئے دعا کر رہے تھے۔
(المعجم الاوسط: ۸۹۱۸، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۹)

(۳۰) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا رب حیاء کرنے والا کریم ہے، جب مرد اس کی طرف دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کرتا ہے تو اس کو اس سے حیاء آتی ہے کہ اس کے ہاتھوں کو خالی لوٹا دے اور ان میں کوئی خیر نہ ہو، پس جب تم میں سے کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ بلند کرے تو یہ تین بار کہے "یا حی یا قیوم لا الہ الا انت یا ارحم الراحمین"۔ پھر اپنے چہرے پر خیر کو انڈیل دے (یعنی اپنے چہرہ پر ہاتھ پھیرے)۔ (المعجم الکبیر: ۱۳۵۵۷)

(۳۱) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تنگ دستی کی شکایت کی، آپ نے فرمایا: اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرو اور اللہ تعالیٰ سے فراخی کا سوال کرو۔ (المعجم الکبیر: ۳۸۴۳)

(۳۲) حضرت خلاد بن السائب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کرتے تو اپنی ہتھیلیوں کو چہرہ تک بلند کرتے۔ (المعجم الکبیر: ۱۱۸۵)

(۳۳) حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے سوال کرو اور ہاتھوں کی پشت سے سوال نہ کرو۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۲۱۲، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۹)

(۳۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم بیت اللہ کو دیکھو، جب صفا اور مروہ پر ہو اور جب میدانِ عرفات میں ہو، اور جب مزدلفہ میں ہو اور جب شیطان پر کنکریاں مارو اور جب نماز قائم کرو تو دونوں ہاتھوں کو بلند کرنا۔
(المعجم الاوسط: ۱۷۰۹)

(۳۵) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم جو بات بھی کرتا ہے وہ لکھ لی جاتی ہے، جب وہ کوئی خطا کرے اور اس پر توبہ کرنا چاہے تو اسے بلند ہونے والا نور لانا چاہیے۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرے اور یہ کہے کہ میں اس خطا سے توبہ کرتا ہوں اور میں یہ دوبارہ کبھی نہیں کروں گا تو اس کی وہ خطا بخش دی جائے گی جب تک کہ وہ اس خطا کو دوبارہ نہ کرے۔ (کتاب الدعاء للطبرانی: ۲۰۷)

۲۴۔ بَابُ: الدُّعَاءِ غَيْرَ مُسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةِ — قبلہ کی طرف منہ کیے بغیر دعا کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب دعا کرنے والے کا منہ قبلہ کی طرف نہ ہو تو پھر بھی دعا کرنا جائز ہے۔

۶۳۴۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوبٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ بَيْنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ ادْعُ اللهَ أَنْ يَسْقِيَنَا فَتَغَيَّمَتِ السَّمَاءُ وَمُطِرْنَا حَتَّى مَا كَادَ الرَّجُلُ يَصِلُ إِلَى مَنْزِلِهِ فَلَمْ تَزَلْ تُمْطَرُ إِلَى الْجُمُعَةِ الْمُقْبِلَةِ فَقَامَ ذَلِكَ الرَّجُلُ أَوْ غَيْرُهُ فَقَالَ ادْعُ اللهَ أَنْ يَصْرِفَهُ عَنَّا فَقَدْ غَرِقْنَا فَقَالَ اللَّهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا فَجَعَلَ السَّحَابُ يَتَقَطَّعُ حَوْلَ الْمَدِينَةِ وَلَا يُمْطِرُ أَهْلَ الْمَدِينَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن محبوب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے، تو ایک مرد نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ ہم پر بارش نازل فرمائے۔ پس آسمان پر بادل آ گئے اور ہم پر بارش ہوئی حتیٰ کہ قریب تھا کہ کوئی مرد اپنے گھر تک نہ پہنچ سکے، پھر اگلے جمعہ تک بارش ہوتی رہی، پھر وہی مرد کھڑا ہوا یا کوئی دوسرا، سو اس نے کہا: اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ہم سے اس بارش کو پھیر دے، پس ہم تو غرق ہو گئے۔ آپ نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے اردگرد نازل فرما، ہم پر نازل نہ فرما۔ پھر بادل مدینہ کے گرد چھٹتے رہے اور اہلِ مدینہ پر بارش نہیں ہوئی۔

(صحیح البخاری: ۹۳۲، ۹۳۳، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۱، ۱۰۲۹، ۱۰۳۳، ۳۵۸۲، ۶۰۹۳، ۶۳۴۲، صحیح مسلم: ۸۹۷، سنن نسائی: ۱۵۱۵، سنن ابوداؤد: ۱۱۷۴، مسند احمد: ۱۲۷۰۴)

صحیح البخاری: ۶۳۴۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

غیر قبلہ کی طرف دعا کرنے کا ثبوت

اس حدیث سے باب کے عنوان پر استدلال کی دلیل یہ ہے کہ خطیب کے لیے یہ جائز ہے کہ قبلہ کی طرف پیٹھ کرے، اور یہ منقول نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دوسری مرتبہ دعا کی تو آپ نے گھوم کر قبلہ کی طرف منہ کر لیا۔ اور کتاب الاستسقاء میں گزر چکا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس قصہ کے اخیر میں ہے کہ یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر پلٹی اور نہ قبلہ کی طرف منہ

کیا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۰۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۵۔ بَابُ: الدُّعَاءِ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ — قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کرنے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دعا کرنے والا جب دعا کرے تو قبلہ کی طرف منہ کرے۔

۶۳۴۳۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى هَذَا الْمُصَلَّى يَسْتَسْقِي فَدَعَا وَاسْتَسْقَى ثُمَّ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَقَلَبَ رِدَاءَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن یحییٰ نے حدیث بیان کی از عباد بن تمیم از عبداللہ بن زید، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اس عیدگاہ کی طرف گئے بارش کو طلب کرنے کے لیے، پس آپ نے دعا کی اور بارش کو طلب کیا، پھر آپ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور اپنی چادر کو پلٹا۔

(صحیح البخاری: ۱۰۰۵، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۶۳۴۳ صحیح مسلم: ۸۹۴، سنن ترمذی: ۵۵۶، سنن نسائی: ۱۵۱۱، سنن ابوداؤد: ۱۱۶۷، سنن ابن ماجہ: ۱۲۶۷، مسند احمد: ۱۵۹۹۹، موطا امام مالک: ۴۴۸، سنن دارمی: ۱۵۳۳)

صحیح البخاری: ۶۳۴۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایک اعتراض کا جواب

اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے قبلہ کی طرف دعا کے بعد منہ کیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے بعض طرق میں مذکور ہے کہ جب آپ نے دعا کا ارادہ کیا تو قبلہ کی طرف منہ کیا اور چادر کو پلٹا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۴۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کرنے کے متعلق دیگر احادیث

امام مسلم اور امام ترمذی نے از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کی ہے، جب غزوہ بدر کا دن تھا تو رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کی طرف دیکھا، پھر قبلہ کی طرف منہ کیا، پھر اپنے دونوں ہاتھ بڑھائے، پھر اپنے رب سے دعا کی۔۔ الحدیث۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کعبہ کی طرف منہ کیا اور قریش کی جماعت کے خلاف آپ نے دعا کی۔۔۔ الحدیث۔۔۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

عبدالرحمن بن طارق از والد خود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب یعلیٰ کے مکان سے نکلے تو آپ نے قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کی۔ اس حدیث کی امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کی ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو عبداللہ ذوالبجادین کی قبر کے پاس دیکھا، پس جب آپ اس کی تدفین سے فارغ ہوئے تو آپ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور آپ نے دونوں ہاتھوں کو بلند کیا۔ اس حدیث کی امام ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۰۲۔ ۴۰۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۷۔ بَابُ: دَعْوَةِ النَّبِيِّ ﷺ لِخَادِمِهِ بِطُولِ الْعُمُرِ وَبِكَثْرَةِ مَالِهِ

نبی ﷺ کا اپنے خادم کے لیے لمبی عمر اور کثرت مال کی دعا کرنے کا بیان

اس باب میں نبی ﷺ کی اپنے خادم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کا بیان ہے کہ آپ نے ان کے لیے لمبی عمر اور کثرت مال کی دعا کی۔

۶۳۴۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ حَدَّثَنَا حَرَمِيٌّ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَتْ أُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ خَادِمُكَ أَنَسٌ ادْعُ اللهَ لَهُ قَالَ اللّٰهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَبَارِكْ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن ابی الاسود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حرمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میری والدہ (حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا) نے عرض کیا: یا رسول اللہ! انس آپ کا خادم ہے، آپ اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے دعا کیجئے، تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! اس کے مال اور اولاد میں کثرت کر دے، اور جو کچھ تو نے اس کو دیا ہے اس میں برکت نازل فرما۔

(صحیح البخاری: ۱۹۸۲، ۶۳۳۴، ۶۳۴۴، ۶۳۷۸، ۶۳۸۰، صحیح مسلم: ۲۴۸۱، مسند احمد: ۱۲۵۳۱)

صحیح البخاری: ۶۳۴۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایک اعتراض کا جواب

اس باب کے عنوان میں لمبی عمر کا بھی ذکر ہے، حالانکہ حدیث میں لمبی عمر کی دعا کا ذکر نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جوان کے لیے یہ دعا کی کہ جو (حضرت) انس (رضی اللہ عنہ) کو عطا فرمایا ہے اس میں برکت نازل فرما، یہ اس پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے، اور اس میں دعا کرنا لمبی عمر کو شامل ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ بعض دیگر سندوں کے ساتھ اس حدیث میں یہ روایت ہے، آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ! اس کی حیات

لمبی کر، اس کو امام بخاری نے الادب المفرد میں ایک اور سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن ابی الاسود کا ذکر ہے، اور یہ عبداللہ بن محمد بن ابی الاسود ہیں۔ اور ابوالاسود کا نام حمید بن الاسود ہے جو عبدالرحمن بن مہدی البصری الحافظ کے بھانجے ہیں۔ امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۶۹۔ ۴۷۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۴۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے لمبی عمر کی دعا کی توجیہ

اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے لمبی عمر کے لیے دعا کی۔ اگرچہ دوسری سندوں کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے کثرتِ ولد کی دعا کی اور کثرتِ اولاد متعدد سالوں میں ہوتی ہے۔ پس کثرتِ اولاد کی دعا کرنا اس کو مستلزم ہے کہ ان کی عمر لمبی ہے۔

نیز آپ نے یہ بھی دعا کی کہ جو کچھ ان کو عطا کیا ہے اس میں برکت نازل فرما، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو عمر بھی عطا کی تھی۔ اور عمر میں برکت کی دعا اس کو مستلزم ہے کہ ان کی عمر لمبی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی کثرتِ مال اور کثرتِ اولاد کا بیان

رہا حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مال کی کثرت تو ان کی کھجوریں ایک سال میں دو مرتبہ پھل دیتی تھیں۔ اور رہا ان کی اولاد کی کثرت تو حضرت انس رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے ایک ہیں جو اس وقت تک فوت نہیں ہوئے حتیٰ کہ انہوں نے اپنی پشت سے ایک سو نرینہ اولاد کو دیکھ لیا۔ اور خود حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حجاج بن یوسف جب بصرہ آیا تو اس وقت تک میں ایک سو اور کچھ اولاد کو دفن کر چکا تھا۔ اور حجاج بن یوسف ۷۵ھ میں بصرہ آیا تھا۔ اور اس کے آنے کے بعد جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اولاد ہوئی وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت سے تھی۔ اور رہی ان کی عمر تو وہ ایک سو سے زائد سال تھی۔

عمر کی طوالت پر ایک اعتراض کا جواب

اگر تم یہ کہو کہ لمبی عمر کی دعا کا کیا معنی ہے حالانکہ یہ معلوم ہے کہ عمر کی مدت میں نہ کوئی اضافہ ہوتا ہے اور نہ کوئی کمی ہوتی ہے بلکہ وہ اتنی ہی رہتی ہے جتنی عمر اس کی اس وقت لکھ دی گئی تھی جب وہ اپنی ماں کے پیٹ میں تھا۔

اس کا جواب یہ ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح لکھتا ہے کہ اگر اس کے بندہ نے اس کی اطاعت کی اور اس سے ڈرتا رہا اور گناہوں کو ترک کیا تو اس کی عمر اتنی ہوگی ورنہ اس سے کم ہوگی۔ اور اس کی وضاحت درج ذیل آیت سے ہوتی ہے:

قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۙ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَ اَطِيْعُوْنِ ۙ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۞ (نوح: ۲۔۴)

(نوح) نے کہا: اے میری قوم! میں تمہیں عذاب سے صاف صاف ڈرانے والا ہوں O کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرو O وہ تمہارے بعض گناہوں کو معاف فرمادے گا اور تمہیں ایک معین مدت تک مہلت دے گا، بے شک جب اللہ کی معین کردہ مدت آجائے گی تو اس کو مؤخر نہیں کیا جائے گا، کاش تم جانتے O

اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی تو تمہاری زندگی کی مدت میں اضافہ کر دیا جائے گا، اور اگر تم نے نافرمانی کی تو اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم میں ثابت ہے کہ ان کی عمر کی کیا مقدار ہوگی۔

علامہ ابن قتیبہ نے کہا ہے: اسی کی مثل وہ روایت ہے کہ صدقہ تقدیر مبرم کو ٹال دیتا ہے اور دعا مصیبت کو دور کر دیتی ہے، حالانکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو کوئی ٹالنے والا نہیں ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی مرد اپنے گناہوں کی وجہ سے سزا کا مستحق ہوتا ہے، پھر وہ اگر صدقہ کر دے تو اس سے وہ سزا ساقط ہو جاتی ہے۔

اور اس کی مزید تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ امام طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ خفیہ طور پر صدقہ دینا رب تبارک وتعالیٰ کے غضب کو بجھا دیتا ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۹ ص ۴۲۱، المعجم الاوسط للطبرانی ج ۱ ص ۲۸۹، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۱۵، شعب الایمان للبیہقی ج ۳ ص ۲۴۴)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے نزول کی جگہ ہوتا ہے، اور جب صدقہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کا غضب زائل ہو جائے تو عذاب بھی زائل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو دعا اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچتی ہے اور کوئی مصیبت آسمان سے نازل ہونے والی ہوتی ہے تو اس دعا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو زائل کر دیتا ہے، اور ان تمام چیزوں کے متعلق قلم تقدیر لکھ چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ وہ صدقہ کرے گا یا دعا کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے اپنے غضب کو زائل کر دے گا اور مصیبت کو ٹال دے گا۔

اور اس حدیث کے اندر غنی کی فقیر پر فضیلت کا بیان ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے مال کی کثرت کی دعا کی اور ہم ان شاء اللہ اس بحث کو دوبارہ کتاب الرقاق میں ذکر کریں گے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۶۷۔۲۶۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۴۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے طویل عمر کی دعا کی توجیہ

اس حدیث میں لمبی عمر کی دعا کا ذکر نہیں ہے، تو امام بخاری نے عنوان میں لمبی عمر کی دعا کا ذکر کیسے کیا؟

بعض شارحین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں ان کے لیے کثرتِ اولاد کا ذکر ہے، اور کثرتِ اولاد طولِ عمر کو مستلزم ہے۔اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس میں کوئی ملازمہ نہیں ہے۔البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ لوگوں کی عام عادت یہ ہے کہ جب اولاد کثیر ہوتی ہے تو عمر زیادہ ہوتی ہے لیکن بہتر جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو الادب المفرد میں ایک اور سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں کہ انس آپ کا خادم ہے، آپ اس کے لیے دعا نہیں فرماتے تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! اس کے مال میں کثرت کر، اس کی اولاد میں کثرت کر، اس کی حیات لمبی کر اور اس کی مغفرت فرما۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اولاد کی کثرت کا بیان

اور ان کی اولاد کی کثرت کا بیان یہ ہے کہ اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: اللہ کی قسم! میرا مال کثیر ہے اور میری اولاد اور اولاد کی اولاد آج ایک سو سے زیادہ ہیں۔اور کتاب الطب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول گزر چکا ہے کہ مجھے میری بیٹی امینہ نے خبر دی کہ حجاج کے بصرہ آنے تک میری پشت سے ایک سو بیس اولاد مدفون ہو چکی ہیں۔اور علامہ نووی نے لکھا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی صحابہ میں سب سے زیادہ اولاد تھی۔اور علامہ ابن قتیبہ نے المعارف میں لکھا ہے کہ بصرہ میں تین مرد ایسے تھے جو اس وقت تک نہیں فوت ہوئے حتیٰ کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنی اولاد سے ایک سو مرد دیکھ لیے جو ان کی پشت سے پیدا ہوئے تھے: حضرت ابوبکرہ، حضرت انس اور حضرت خلیفہ بن بدر اور بعض علماء نے چوتھے کا ذکر بھی کیا ہے اور وہ معلق بن ابی صفرہ ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مال کی کثرت کا بیان

اور مال کی کثرت کا بیان یہ ہے: امام ترمذی نے ابوالعالیہ سے روایت کی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ان کے باغ میں ہر سال دو مرتبہ پھل لگتے تھے اور ان کے پھلوں سے مشک کی خوشبو آتی تھی، اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر کے طول کا بیان

اور رہا ان کی عمر کا طویل ہونا تو صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ہجرت کے وقت ان کی عمر نو سال تھی اور ان کی وفات ۹۱ھ میں ہوئی۔ نیز ایک قول یہ ہے کہ ان کی عمر ایک سو تین سال ہوئی۔یہ خلیفہ کا قول ہے اور یہی معتبر ہے۔اور ان کی عمر کے متعلق جو زیادہ سے زیادہ روایت ہے، وہ یہ ہے کہ ان کی عمر ایک سو اور سات سال تھی اور کم سے کم عمر کی روایت یہ ہے کہ ان کی عمر ۹۹ سال تھی۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۰۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۷۔ بَابُ: الدُّعَاءِ عِنْدَ الْكَرْبِ — غم اور پریشانی کے وقت دعا کرنا

کرب کا معنی ہے: ایسا غم جو انسان کو اپنی گرفت میں لے اور پریشانی۔

۶۳۴۵۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے

الله عنهما قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ يَدْعُو عِنْدَ الْكَرْبِ يَقُولُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از ابی العالیہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ غم اور پریشانی کے وقت یہ دعا کرتے تھے:
''اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، جو عظیم ہے اور بردبار ہے۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے، اور عرش عظیم کا رب ہے''۔

(صحیح البخاری: ۶۳۴۶، ۷۴۲۱، ۷۴۳۱، صحیح مسلم: ۲۷۳۰، سنن ترمذی: ۳۴۳۵، سنن ابن ماجہ: ۳۸۸۳، مسند احمد: ۲۰۱۳)

صحیح البخاری: ۶۳۴۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام، وہ ابن ابوعبداللہ الدستوائی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالعالیہ، یہ ''العلو'' سے ماخوذ ہے، ان کا نام رفیع الریاحی ہے۔

سند مذکور پر ایک اعتراض کا جواب

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ امام بخاری کی اس سند میں قتادہ کا ذکر ہے، اور قتادہ مدلس ہیں کیونکہ امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں کتاب الطہارۃ میں ابوخالد الدالانی کی حدیث کے بعد لکھا ہے از قتادہ از ابی العالیہ، شعبہ نے کہا کہ قتادہ نے ابوالعالیہ سے چار حدیثوں کا سماع کیا ہے: (۱) یونس بن متی کی حدیث (۲) حضرت ابن عمر کی حدیث کتاب الصلوٰۃ میں (۳) اور حدیث القضاۃ ثلاثۃ (۴) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ''میرے نزدیک کچھ مرد پسندیدہ ہیں''۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: امام بخاری کے نزدیک یہ حصر معتبر نہیں ہے، کیونکہ شعبہ مدلسین میں سے کسی سے روایت نہیں کرتے تھے سوا اس صورت کے کہ اس مدلس نے اپنے شیخ سے سماع کیا ہو۔ اور اس حدیث کی شعبہ نے قتادہ سے روایت کی ہے، اس لیے امام بخاری نے اس حدیث کو اپنے عنوان کے آخر میں وارد کیا ہے جس مقام پر یہ کہا کہ وہب نے بیان کیا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ اسی کی مثل جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''نبی ﷺ کرب کے وقت یہ دعا کرتے تھے'' یعنی جب پریشانی نازل ہوتی تو آپ یہ دعا کرتے تھے۔ اور امام مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ ان کلمات کے ساتھ دعا کرتے تھے اور پریشانی کے وقت یہ کلمات پڑھتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لا الٰہ الا اللہ العظیم الحلیم'' یہ کلمات توحید کے اوپر مشتمل ہیں۔ اور یہ ان تنزیہات کی اصل

ہے جن کا نام اوصافِ جلالیہ رکھا گیا ہے۔اور اس میں عظمت کا ذکر ہے جو قدرتِ عظیمہ پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ عاجز عظیم نہیں ہوتا۔اور اس میں حلم کا ذکر ہے جو علم پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ جو کسی چیز سے جاہل ہو اس سے حلم متصور نہیں ہوتا۔اور علم اور حلم صفات وجودیہ حقیقیہ کی اصل ہیں جن کا نام اوصافِ اکرامیہ رکھا گیا ہے۔اور اس دعا میں حلیم کے ذکر کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ مومن کا غم اور پریشانی غالباً اطاعت میں کسی قسم کی تقصیر کی وجہ سے ہوتا ہے، یا کسی حال میں عبادت سے غافل ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔اور ان کلمات سے اللہ تعالیٰ کے معاف کرنے کی امید ہے جس سے غم کم ہو جائے گا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ کلمات ذکر ہیں نہ کہ دعا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس ذکر سے دعا کو شروع کیا جاتا ہے تاکہ پریشانی دور ہو جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''رب السمٰوٰت والارض'' اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کا اور پوری کائنات کا رب ہے لیکن ان کلماتِ دعائیہ میں آسمانوں اور زمینوں کے ذکر کی تخصیص اس وجہ سے کی گئی ہے کہ ہمارے مشاہدات میں سب سے عظیم چیز آسمان اور زمین ہیں۔

لغت میں رب کا معنی مالک، سید، تدبیر کرنے والا، پالنے والا، نعمت پوری کرنے والا اور نعمت دینے والا ہے۔رب کا لفظ مطلقاً اسی وقت بولا جاتا ہے جب اس سے مراد اللہ عزوجل کی ذات ہو۔اور جب اللہ تعالیٰ کے غیر پر رب کا اطلاق کیا جائے تو کہا جائے گا: فلاں چیز کا رب۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''رب العرش العظیم'' یہ کلماتِ دعائیہ بھی توحید اور ربوبیت پر مشتمل ہیں اور عرش کی عظمت کو متضمن ہیں۔اللہ تعالیٰ کے تمام اسماءِ حسنیٰ میں سے رب کے لفظ کو اس لیے خاص فرمایا ہے کہ پریشانی کو دور کرنے کے لیے اور غم کو ٹالنے کے لیے رب کا لفظ بہت مناسب ہے، کیونکہ یہ تربیت کا مقتضی ہے۔

اور عرش کی تخصیص اس لیے ہے کہ وہ عالم کے تمام اجسام میں سب سے عظیم ہے اور تمام چیزیں عرش کے نیچے داخل ہیں جیسے ادنیٰ، اعلیٰ میں داخل ہوتا ہے۔پھر لفظِ عظیم عرش کی صفت ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۶۹۔۴۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۴۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامِ بْنِ أَبِي عَبْدِ اللهِ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَقُولُ عِنْدَ الْكَرْبِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ وَقَالَ وَهْبٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ مِثْلَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از ہشام از ابوعبداللہ از قتادہ از ابوالعالیہ، از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غم اور پریشانی کے وقت یہ دعا کرتے تھے:

''اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، جو عظیم اور بردبار ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں جو عرشِ عظیم کا رب ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، جو آسمانوں کا رب ہے اور زمینوں کا رب ہے اور عرشِ کریم کا رب ہے''۔

اور وہب نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ اسی

حدیث کی مثل۔

(صحیح البخاری: ۶۳۴۶، ۷۴۲۱، ۷۴۳۱، صحیح مسلم: ۲۷۳۰، سنن ترمذی: ۳۴۳۵، سنن ابن ماجہ: ۳۸۸۳، مسند احمد: ۲۰۱۳)

صحیح البخاری: ۶۳۴۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث مذکور کی دوسری سند ہے۔پہلی سند کے ساتھ حدیث میں ''رب العرش العظیم'' ہے۔ اور دوسری سند کے ساتھ ''رب العرش الکریم'' ہے۔اور کریم کا معنی ہے کہ وہ کیفیت کی جہت سے حسن ہے اور ذات اور صفت کے لحاظ سے ممدوح ہے۔اور حدیث سابق میں عرش کی صفت عظیم ہے، وہ باعتبار مقدار کے ہے، یعنی اس کی جسامت بہت بڑی ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۴۶، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سوال کا جواب کہ حدیث مذکور میں دعا کا ذکر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کا ذکر ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ دعا سے پہلے اس طرح کے دعائیہ کلمات کہنے چاہئیں جس میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ذکر ہو اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے وہ کلمات ہوں جن کا اس حدیث میں ذکر ہے۔

اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ الاعمش نے النخعی سے روایت کی ہے کہ جب کوئی مرد دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کا ذکر کرے تو اس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔اور جب حمد و ثناء سے پہلے دعا کرے تو اس دعا کے مقبول ہونے کی توقع ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس پر اس طرح تنبیہ کی ہے: جب تم کو کسی امیر یا حاکم سے اپنے اوپر ظلم کا خطرہ ہو تو یہ دعا کرو: اے اللہ! سات آسمانوں کے رب اور عرش عظیم کے رب! میرے لیے فلاں سے پناہ ہو جا اور جنات اور انسانوں میں سے اس کے معاونین سے پناہ ہو جا کہ وہ میرے اوپر کوئی زیادتی کریں یا مجھ پر کوئی سرکشی کریں، جب تم یہ دعا کرو گے تو اللہ عزوجل تم کو اس سے پناہ میں رکھے گا اور وہ تمہیں کوئی ناپسندیدہ ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔

دعائے مذکور کی برکات اور ثمرات

حسین مروزی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عیینہ سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ میں کون سا ذکر زیادہ کرتے تھے؟ تو انہوں نے بتایا: آپ یہ ذکر کرتے تھے''لا الہ الا اللہ سبحان اللہ والحمد للہ واللہ اکبر وللہ الحمد'' پھر مجھ سے سفیان نے کہا: یہ ذکر ہے اور اس میں دعا نہیں ہے، پھر مجھ سے انہوں نے کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جب بندہ مجھ سے سوال کرنے کے بجائے میری حمد و ثناء کرنے میں مشغول ہو تو میں اس کو ان سے زیادہ عطا کرتا ہوں جس کا سائلین سوال کرتے ہیں، میں نے کہا: جی ہاں۔آپ نے مجھے یہ حدیث بیان کی اور ابن مہدی نے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی تحریر فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: مجھے ابوبکر رازی نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ میں اصفہان میں شیخ ابونعیم کے پاس تھا اور ان سے حدیث لکھتا تھا اور وہاں ایک اور شیخ بھی تھے جو ابوبکر بن علی کے نام سے معروف تھے اور تمام شہر والے انہی سے فتوے لیتے تھے۔ بعض شہر والوں نے ان سے حسد کیا اور ان کے خلاف سلطان سے شکایت کی، سلطان نے ان کو قید کرنے کا حکم دیا اور یہ رمضان کے مہینہ کا واقعہ ہے۔ ابوبکر رازی نے بیان کیا: پس میں نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی دائیں طرف تھے اور آپ کے ہونٹ ہل رہے تھے اور مسلسل تسبیح پڑھ رہے تھے، پس مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر بن علی سے کہو کہ وہ دعائے کرب کو پڑھیں جو صحیح البخاری میں ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان سے پریشانی کو دور کردے، پس میں صبح کو ان کے پاس آیا اور ان کو اپنے خواب کی خبر دی، انہوں نے وہ دعا کی اور چند دن کے بعد ان کو قید سے نکال دیا گیا۔ پس اس خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امام بخاری کی اس کتاب کی صحت کی خبر دی ہے اور جبریل علیہ السلام کے سامنے دی ہے اور شیطان اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں متمثل ہوجائے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۱۱۲۔ ۱۱۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے بھی حسین مروزی کی روایت سے ابوبکر بن علی کا یہ واقعہ بیان کیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۷۵۔ ۲۷۶ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۰۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

ابوبکر بن علی کے واقعہ کے فوائد اور مسائل

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے مظلومین کے احوال پر مطلع فرمایا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو مظلوم کسی مصیبت میں مبتلاء ہو، اللہ تعالیٰ نے اس سے آپ کو اس مصیبت کے دور کرنے کا طریقہ بھی بتلادیا۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحیح البخاری کے ابواب اور اس کی احادیث پر مطلع ہیں اور اپنی امت کو ان احادیث کے مطابق عمل کرنے کی ہدایت دیتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف صحیح البخاری کے ابواب اور احادیث پر مطلع نہیں تھے بلکہ آپ احادیث کے رواۃ اور ان کی ثقاہت پر بھی مطلع تھے اور امت کو اس پر آگاہ فرماتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا احادیث کے رواۃ پر مطلع ہونا اور امت کو اس سے آگاہ فرمانا

امام مسلم بن حجاج القشیری المتوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ہمیں سوید بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں علی بن مسہر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے اور حمزہ الزیات نے ابان بن ابی عیاش سے تقریباً ایک ہزار احادیث کا سماع کیا۔ علی بن مسہر کہتے ہیں کہ میری ملاقات حمزہ سے ہوئی تو

انہوں نے مجھے خبر دی کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آپ کے سامنے ابان بن اباس سے سنی ہوئی احادیث کو پیش کیا، تو آپ نے ان میں سے صرف چند احادیث کو پہچانا، وہ پانچ یا چھ احادیث تھیں۔

(مقدمہ امام مسلم: ۸۰، صحیح مسلم: ص ۲۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حافظ ابن کثیر الدمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

امام بیہقی روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوعثمان اسماعیل بن عبدالرحمن نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابونعیم احمد بن محمد بن ابراہیم البزار نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو حامد بن بلال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالازہر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن ابی حکیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، انہوں نے کہا: میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کی امت میں ایک مرد ہے جس کو سفیان ثوری کہا جاتا ہے تو وہ کیسا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لا باس بہ'' یعنی اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(تفسیر ابن کثیر (تفسیر سورۃ الاسراء)، ج ۳ ص ۱۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

ان دو مستند حوالوں سے ظاہر ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر حدیث کے راویوں پر بھی تھی اور ان کے ضعف اور قوت کو بھی آپ پہچانتے تھے اور امت کو اس سے آگاہ بھی فرماتے تھے۔

کرب اور مصیبت کے وقت صرف اللہ کو یاد کرنے اور اس سے مدد طلب کرنے کی تعلیم اور تلقین

نیز صحیح البخاری میں جو کرب اور مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی تعلیم اور تلقین ہے، اس میں زیادہ اہمیت کے ساتھ یہ ہدایت ہے کہ مصیبت کے وقت اللہ کو یاد کرنا چاہیے اور اللہ سے دعا کرنی چاہیے۔ اور یہ کہ مصیبت اللہ کا نام لینے سے ہی ٹلتی ہے، اس لیے بندہ کو چاہیے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے اور یاد کرتا رہے اور اسی سے لو لگائے رکھے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یہی تعلیم تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی مشن تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ وصیت کی: جب تم سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔

(ابن ابی عاصم فی السنۃ: ۳۱۶، سنن ترمذی: ۲۵۱۶، المعجم الطبرانی: ۱۲۹۸۸، ابن السنی فی عمل الیوم واللیلۃ: ۴۲۵، شعب الایمان للبیہقی: ۱۹۵، الآجری فی الشریعۃ ص ۱۹۸، مسند عبد بن حمید: ۶۳۶، العقیلی فی الضعفاء: ج ۳ ص ۵۳، المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۵۴۱۔ ۵۴۲، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۱۴، کتاب الآداب للبیہقی: ۱۰۷۳، مسند ابویعلیٰ: ۱۰۹۹، تاریخ بغداد، ج ۱۴ ص ۱۲۵، الدر المنثور ج ۱ ص ۱۵۹، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، مسند احمد: ج ۱ ص ۲۹۳، رقم الحدیث: ۲۶۶۹، موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۲۰ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مصیبت اور پریشانی دور کرنے کے لیے دیگر دعاؤں کے متعلق احادیث

امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تم کو

ایسے کلمات کی تعلیم نہ دوں جب تم ان کلمات کو پڑھ لو تو اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرما دے گا حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کی مغفرت حاصل کیے ہوئے ہو، (وہ کلمات یہ ہیں:) ''لا الٰه الا الله الحليم الكريم، لا الٰه الا الله العلى العظيم، سبحان الله رب السموٰت السبع و رب العرش الكريم، الحمد لله رب العالمين''۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۳۴۶)

نیز امام ابن ابی شیبہ نے دعائے کرب کے باب میں اپنی سند کے ساتھ از عبدالرحمٰن بن ابوبکرہ روایت کی ہے کہ مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصیبت زدہ کے لیے یہ دعائیہ کلمات فرمائے:

اللهم رحمتك ارجوا، فلا تكلنى الى نفس طرفة عين، واصلح لى شانى كله، لا الٰه الا انت۔

اے اللہ! میں تیری رحمت سے امید رکھتا ہوں، تو مجھے پلک جھپکنے کی مقدار بھی میرے نفس کے سپرد نہ کر، اور میرے تمام احوال کی اصلاح فرما، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۱۴۵)

امام احمد نے سندِ جید کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تعلیم دی کہ جب مجھ پر کوئی مصیبت آئے تو میں یہ دعا کروں: ''لا الٰه الا الله الحليم الكريم سبحان الله وتبارك الله رب العرش العظيم، الحمد لله رب العالمين''۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۹۱)

نیز امام ابن ابی الدنیا نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انصار صحابہ میں سے ایک مرد تھا جس کی کنیت ابو معلق تھی اور وہ تاجر تھا، اس کو چوروں نے پکڑ لیا اور اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، اس انصاری نے کہا: مجھے اجازت دو میں چار رکعت نماز پڑھ لوں، انہوں نے کہا: پڑھ لو، اس نے نماز پڑھی اور پھر یہ دعا کی:

یا ودود یا ودود، یا ذالعرش المجيد، یا فعالا لما ترید، اسألك بعزتك التى لا ترام، وملكك الذى لا يضام، وبنورك الذى ملأ اركان عرشك ان تكفينى شر هذا اللص یا مغیث اغثنی یا مغیث اغثنی یا مغیث اغثنی۔

اے محبت کرنے والے، اے محبت کرنے والے، اے عرشِ مجید کے مالک! اے وہ جو اپنے ہر ارادہ کے متعلق کام کرتا ہے، میں تیری عزت کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جو کبھی جھکتی نہیں ہے، اور تیرے ملک کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں اس میں کبھی کمی نہیں ہوتی۔ اور تیرے اس نور کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جس نے تیرے عرش کے پایوں کو بھر لیا کہ تو اس چور کے شر سے مجھے کافی ہو جا، اے مدد کرنے والے میری مدد فرما، اے مدد کرنے والے میری مدد فرما، اے مدد کرنے والے میری مدد فرما۔

پس اچانک ایک فرشتہ اپنے ہاتھ میں مارنے کا آلہ لے کر آیا اور اس نے چور کو قتل کر دیا، اس انصاری نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ اس نے کہا: میں چوتھے آسمان کا فرشتہ ہوں، جب تو نے دعا کی تو آسمان والوں نے تمہاری فریاد سنی تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے اس چور کے قتل پر مامور کر دے، سو اللہ تعالیٰ نے مجھے مامور کر دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: پس جان لو کہ جس نے چار رکعت نماز پڑھی اور پھر یہ دعا کی تو اس کی دعا قبول کی جائے گی خواہ وہ مصیبت زدہ ہو یا غیر مصیبت زدہ ہو۔

(مجابو الدعوۃ ص ۶۳، رقم: ۲۳) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۷۲۔ ۲۷۳ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

مصیبت کے وقت صرف اللہ تعالیٰ کو پکارنے کی تلقین

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہوا کہ ہر مصیبت میں اللہ تعالیٰ کو پکارنا چاہیے، اسی سے سوال کرنا چاہیے، اسی سے مدد طلب کرنی چاہیے، اور اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا چاہیے۔ ہمارے زمانہ میں لوگ اللہ تعالیٰ کو بھول چکے ہیں اور اپنے مصائب میں اور اپنی حاجات میں اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتے۔ ہر چند کہ نمازوں کے بعد اپنی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے ہی سوال کرتے ہیں لیکن وہ رسمی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں، اخلاص سے اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھیں، اسی سے سوال کریں، اسی سے دعا کریں، اسی سے مدد چاہیں۔ اور ہر پیش آمدہ مصیبت اور آفت میں اللہ تعالیٰ کو پکاریں، جیسا کہ مسند احمد اور سنن ترمذی کے حوالہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث گزر چکی ہے۔ اس حدیث کا پورا متن اس طرح ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا، آپ نے فرمایا: اے لڑکے! میں تمہیں چند کلمات کی تعلیم دیتا ہوں، اللہ کو یاد رکھو اللہ تمہاری حفاظت کرے گا، اللہ کو یاد رکھو تم اللہ کو اپنے سامنے پاؤ گے، جب تم سوال کرو سو اللہ سے سوال کرو، اور جب تم مدد طلب کرو، سو اللہ سے مدد طلب کرو۔ اور جان لو کہ پوری امت اگر تمہیں کسی چیز کا نفع پہنچانے پر جمع ہو جائے تو وہ تمہیں کسی چیز کا نفع نہیں پہنچا سکتی سوا اس کے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے، اور اگر پوری امت تمہیں ضرر پہنچانے پر جمع ہو جائے تو وہ تمہیں بالکل ضرر نہیں پہنچا سکتی، سوا اس کے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر ضرر لکھ دیا ہے، قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے لکھ کر خشک ہو گئے ہیں۔

(ابن ابی عاصم فی السنۃ: ۳۱۶، سنن ترمذی: ۲۵۱۶، المعجم للطبرانی: ۱۲۹۸۸، ابن السنی فی عمل الیوم واللیلۃ: ۴۲۵، شعب الایمان للبیہقی: ۱۹۵، الآجری فی الشریعۃ ص ۱۹۸، مسند عبد بن حمید: ۶۳۶، العقیلی فی الضعفاء: ج ۳ ص ۵۳، المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۵۴۱۔ ۵۴۲، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۱۴، کتاب الآداب للبیہقی: ۱۰۷۳، مسند ابویعلیٰ: ۱۰۹۹، تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۲۵، الدر المنثور ج ۱ ص ۱۵۹، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، مسند احمد: ج ۱ ص ۲۹۳، رقم الحدیث: ۲۶۶۹، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

حدیث مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے اور اس سے دعا کرنے کی وجہ سے مصیبت ٹلنے کے متعدد واقعات

امام ابن ابی الدنیا نے "کتاب الفرج بعد الشدۃ" میں عبد الملک بن عمیر سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ ولید بن عبد الملک نے عثمان بن حیان کو لکھا کہ الحسن بن الحسن (رضی اللہ عنہما) کو پکڑو اور ان کو سو کوڑے مارو، اور لوگوں کے سامنے پیش کرو، پھر حضرت حسن بن حسن کو بلایا گیا تو حضرت علی بن حسین (حضرت زین العابدین) ان کے پاس کھڑے ہوئے اور کہا: اے میرے چچا کے بیٹے! آپ مصیبت ٹلنے کی دعاؤں کو یاد کریں اور پڑھیں، اللہ تعالیٰ آپ سے مصیبت ٹال دے گا۔ تو حضرت الحسن بن الحسن

(رضی اللہ عنہما) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ الفاظ کہے (لا الہ الا اللہ العظیم الحلیم، لا الہ الا اللہ رب السماوات والارض ورب العرش الکریم) حضرت الحسن بن الحسن (رضی اللہ عنہما) نے وہ کلمات پڑھے تو ان کی طرف عثمان بن حبان نے سر اٹھا کر دیکھا اور کہا: میں دیکھتا ہوں کہ اس مرد کے خلاف جھوٹ بولا گیا ہے، ان کا راستہ چھوڑ دو اور میں عنقریب امیر المومنین (ولید بن عبد الملک) کو ان کا عذر لکھ کر بھیج دوں گا، سو حضرت الحسن بن الحسن (رضی اللہ عنہما) کو رہا کر دیا گیا۔

امام نسائی اور امام طبری نے از الحسن بن الحسن بن علی (رضی اللہ عنہم) روایت کی ہے، کہ جب حضرت عبد اللہ بن جعفر نے اپنی بیٹی کا نکاح کیا تو ان سے فرمایا: اگر تم پر کوئی مصیبت نازل ہو تو تم یہ دعا کرنا: ''لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم، سبحان اللہ رب العرش العظیم، الحمد للہ رب العالمین''۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر حجاج بن یوسف نے مجھے بلایا تو میں نے یہ دعا پڑھی تو حجاج نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے تمہیں بلایا تھا اور اس وقت میں تمہیں قتل کرنے کا ارادہ کرتا تھا لیکن اب تم مجھے روئے زمین پر سب سے زیادہ محبوب ہو۔ اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ اپنی حاجت بیان کیجئے۔

اور اسی قبیل سے امام ترمذی کے سوا باقی اصحاب السنن نے حضرت اسماء بنت عمیس سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسے کلمات کی تعلیم نہ دوں جن کو تم مصیبت نازل ہونے کے وقت پڑھو؟ (وہ کلمات یہ ہیں) ''اللہ، اللہ ربی، لا اشرك به شیئا'' (یعنی اللہ، اللہ میرا رب ہے، میں اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کرتی)۔

امام طبری نے از ابو الجوزاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسی کی مثل بیان کی ہے۔ اور امام ابوداؤد نے اور اس حدیث کو امام ابن حبان نے از حضرت ابی بکرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کیا ہے۔

مصیبت زدہ کی دعاؤں میں سے یہ بھی ہے:

اللھم رحمتك ارجو فلا تکلنی الی نفسی طرفة عینی، واصلح لی شانی کله لا الہ الا انت۔

اے اللہ! میں تیری رحمت سے امید رکھتا ہوں، تو مجھے پلک جھپکنے کی مقدار بھی میرے نفس کے سپرد نہ کر، اور میرے تمام احوال کی اصلاح فرما، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۰۵، ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۸۔ بَابُ: التَّعَوُّذِ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ

مصیبت کی مشقت سے اللہ کی پناہ طلب کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں مصیبت کی مشقت سے پناہ طلب کرنے کا بیان ہے، جَہد اور جُہد دونوں کا معنی مشقت ہے۔ جب بھی انسان کو شدید مشقت اور ایسی مصیبت پہنچے جسے برداشت کرنے کی اس میں طاقت نہ ہو اور وہ از خود اس مصیبت کو دور کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ ''جھد البلاء'' ہے یعنی مصیبت کی مشقت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے جھد البلاء کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: مال کا کم ہونا اور عیال کا زیادہ ہونا یہ جھد البلاء ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۳۴۷۔ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنِي سُمَيٌّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَتَعَوَّذُ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرَكِ الشَّقَاءِ وَسُوءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ قَالَ سُفْيَانُ الْحَدِيثُ ثَلَاثٌ زِدْتُ أَنَا وَاحِدَةً لَا أَدْرِي أَيَّتُهُنَّ هِيَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سمی نے حدیث بیان کی از ابی صالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مصیبت کی مشقت اور بدبختی کے حصول اور بری قضاء سے اور دشمنوں کی خوشی سے پناہ طلب کرتے تھے۔ سفیان نے کہا: حدیث میں تین چیزیں ہیں اور میں نے ایک کا اضافہ کر دیا، اور میں ازخود نہیں جانتا کہ وہ اضافہ شدہ ان تین چیزوں میں سے کون سی چیز ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۶۱۶، صحیح مسلم: ۷۰۷۲، سنن نسائی: ۵۴۹۲، مسند احمد: ۷۳۰۸)

صحیح البخاری: ۷۳۴۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، یہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سمی، یہ مولیٰ ابوبکر بن عبدالرحمٰن المخزومی ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے ابوصالح، یہ ذکوان الزیات ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "رسول اللہ ﷺ پناہ طلب کرتے تھے": اکثر احادیث میں اسی طرح ہے اور مسدد نے از سفیان اپنی سند کے ساتھ اس کی لفظِ عمرو کے ساتھ روایت کی ہے۔ اس حدیث میں ہے "تعوذوا" یعنی تم مصیبت کی مشقت وغیرہ سے پناہ طلب کرو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اور آپ "درك الشقاء" سے پناہ طلب کرتے تھے":۔ "درك" کا معنی ہے: ادراک اور لحوق، یعنی کسی چیز کو پانا اور اس کا حصول۔ اور "شقاء" کا معنی ہے: شدت، اور تنگی اور یہ سعادت کی ضد ہے یعنی بدبختی۔ اور اس کا اطلاق اس سبب پر کیا جاتا ہے جو ہلاکت کی طرف پہنچائے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ "درك الشقاء" کی دو قسمیں ہیں، ایک دنیا میں اور دوسری آخرت میں۔ اسی طرح "سوء القضاء" یعنی بری تقدیر، یہ بھی عام ہے نفس میں اور مال میں اور اہل میں اور خاتمہ میں اور آخرت میں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ "سوء القضاء" سے پناہ طلب کرتے تھے۔ قضاء سے مراد ہے المقضی، یعنی اللہ تعالیٰ

نے جس چیز کا حکم دیا ہو اور اللہ تعالیٰ کا ہر حکم حسن ہے، اس کے کسی حکم میں برائی نہیں ہے۔ علماء نے قضاء اور قدر کی تعریف میں بیان کیا ہے کہ قضاء کا معنی ہے: ازل میں کلیات کا بطورِ اجمال حکم کرنا۔ اور قدر کا معنی ہے: ان کلیات کی جزئیات کے وقوع پر بطور تفصیل کے حکم لگانا۔

وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىِٕنُهٗ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ (الحجر:۲۱) اور ہمارے ہی پاس ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم اس کو صرف معین اندازے کے مطابق نازل کرتے ہیں O

اس آیت میں ''خزائنہ'' کا لفظ ہے، یہ خزانہ کی جمع ہے، خزانہ اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں انسان اپنی چیزیں چھپا کر رکھتا ہے، یا اس جگہ انسان اپنی چیزوں کو محفوظ کر کے رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کے رزق اور معیشت کے اسباب جمع کر کے رکھے ہوئے ہیں، عام مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس خزانہ سے مراد بارش ہے، کیونکہ انسانوں، حیوانوں اور پرندوں کو رزق کی فراہمی بھی بارش کے ذریعہ ہوتی ہے۔ بارش سے سبزہ اگتا ہے اور فصل تیار ہوتی ہے، جس میں انسانوں، حیوانوں اور پرندوں سب کے لیے غذا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر سال سب جگہ یکساں بارش نازل نہیں فرماتا بلکہ اپنی حکمت سے کسی جگہ کم بارش نازل فرماتا ہے، کسی جگہ زیادہ اور کسی جگہ بالکل بارش نازل نہیں فرماتا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''وشماتة الاعداء'' اس کا معنی ہے کہ دشمنوں کی خوشی پر غم ناک ہونا اور جب دشمن اس کے غم پر خوش ہوں تو اس سے دل میں بہت زیادہ تاثیر ہوتی ہے اور بہت زیادہ قلق ہوتا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کی تعلیم کے لیے یہ دعا کی ہے۔

اور تعوذ کے یہ کلمات جامعہ ہیں، کیونکہ مصیبت یا تو مبدأ کی جہت سے ہوگی اور وہ بری تقدیر ہے۔ یا معاد کی جہت سے ہوگی اور وہ بدبختی کا حصول ہے، کیونکہ حقیقی بدبختی وہی ہے جو آخرت میں بدبختی ہو یا دنیا کی زندگی کے اعتبار سے مصیبت ہوگی یا دوسروں کی وجہ سے ہوگی یا اس کے اپنے نفس کی وجہ سے ہوگی۔ اگر دوسروں کی وجہ سے ہو تو وہ دشمنوں کا خوش ہونا ہے۔ اور اگر اپنے نفس کی وجہ سے ہو تو وہ جهد البلاء ہے یعنی مصیبت کی مشقت ہے۔

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے سفیان، اور یہ سفیان بن عیینہ ہیں جو اس حدیث کے راوی ہیں۔ اور یہ تعلیق اسی سند کے ساتھ موصول ہے۔

سفیان نے کہا کہ حدیث میں تین چیزوں کا ذکر ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں تین چیزوں کا ذکر کیا ہے اور میں نے اس میں ایک چیز کا اضافہ کر دیا تو یہ چار ہو گئیں۔ اور میں از خود نہیں جانتا کہ وہ چوتھی چیز ان میں سے کون سی ہے۔ یعنی جس چوتھی چیز کا میں نے اضافہ کیا وہ کونسی ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا: سفیان بن عیینہ کے لیے یہ کس طرح جائز ہوا کہ وہ اپنے کلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کے ساتھ ملا دیں اس طرح کہ ان دونوں میں فرق نہ کیا جا سکے؟

پھر انہوں نے یہ جواب دیا کہ انہوں نے اس طرح نہیں ملایا کہ ان پر وہ تین معین چیزیں مشتبہ ہو گئی ہیں۔ اور انہوں نے جان

کہ یہ تین چیزیں چار چیزوں میں سے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے اس روایت کی تحقیق کے لیے چار کا ذکر کیا۔ کیونکہ وہ اضافہ شدہ چیز ان سے خارج نہیں تھی۔

اور امام بخاری نے کتاب القدر میں اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس میں ان چاروں چیزوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر کے ذکر کیا ہے اور اس میں کسی تردد اور شک کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ اس میں کسی زیادتی یا کمی کا ذکر کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۷۱۔ ۴۷۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: علامہ عینی کی مذکور شرح، علامہ ابن الملقن شافعی کی شرح سے ماخوذ ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۷۷۔ ۲۷۸، ملخصا وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۴۷، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"درك الشقاء" اور "سوء القضاء" کا معنی

"درك الشقاء" کا معنی ہے کہ مجھے بدبختی لاحق ہو، اور "شقا" سعادت کی ضد ہے۔ اور "سوء القضاء" سے ہو سکتا ہے یہ مراد ہو کہ جو قضاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے لاحق ہوتی ہے، کیونکہ ہمیں جو بھی اچھائی یا برائی پہنچتی ہے تو وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اگرچہ برائی کے اسباب ہم مہیا کرتے ہیں لیکن وہ سب اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں ہوتا ہے، اور قضاء وہی ہے جو اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے "ہم اپنے نفسوں کے شرور سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں"۔

"شماتة الاعداء" کا معنی

"شماتة الاعداء" کا معنی یہ ہے کہ ہمیں جو مصائب اور تکلیفیں پہنچی ہیں، ہمارے دشمن ان پر خوش ہوں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کو جو تکلیف پہنچتی ہے تو ان کے دشمن اس سے خوش ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کرنے کے لیے آئے اور بیت اللہ تک پہنچے اور طواف کرنے لگے تو کفار قریش پردوں کے پیچھے سے دیکھ رہے تھے اور صحابہ کو سب وشتم کر رہے تھے اور وہ کہہ رہے تھے کہ عنقریب تمہارے پاس ایسے لوگ آئیں گے جن کو یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے، سو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ حجر اسود سے رکنِ یمانی تک رمل کریں یعنی بھاگ بھاگ کر چلیں، اور دو رکنوں کے درمیان عام رفتار سے چلیں، تو رمل تمام چکروں میں نہیں تھا بلکہ حجر اسود سے رکنِ یمانی تک تھا، لیکن حجۃ الوداع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں چکروں میں رمل کیا اور حجرِ اسود سے حجر اسود تک رمل کیا۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۲۱۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۴۔ بَابُ: دُعَاءِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم اللّٰهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلَى

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا "اللهم الرفيق الاعلیٰ" کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی وفات کے وقت یہ دعا کی: "اللھم الرفیق الاعلیٰ" اور "الرفیق الاعلیٰ" پر نصب ہے، اس کا معنی ہے میں نے "الرفیق الاعلیٰ" کو اختیار کیا، یا میں "الرفیق الاعلیٰ" کو اختیار کرتا ہوں یا ارادہ کرتا ہوں۔

علامہ داؤدی نے کہا: "الرفیق الاعلیٰ" جنت ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ "الرفیق الاعلیٰ" سے مراد ہے انبیاء علیہم السلام کی جماعت جو اعلیٰ علیین میں رہتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۷۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۴۸ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَعُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ فِي رِجَالٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ عَائِشَةَ رضى الله عنها قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقُولُ وَهُوَ صَحِيحٌ لَنْ يُقْبَضَ نَبِيٌّ قَطُّ حَتَّى يَرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ ثُمَّ يُخَيَّرُ فَلَمَّا نَزَلَ بِهِ وَرَأْسُهُ عَلَى فَخِذِي غُشِيَ عَلَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ أَفَاقَ فَأَشْخَصَ بَصَرَهُ إِلَى السَّقْفِ ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلَى قُلْتُ إِذًا لَا يَخْتَارُنَا وَعَلِمْتُ أَنَّهُ الْحَدِيثُ الَّذِي كَانَ يُحَدِّثُنَا وَهُوَ صَحِيحٌ قَالَتْ فَكَانَتْ تِلْكَ آخِرَ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَ بِهَا اللَّهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلَى۔

(صحیح البخاری: ۴۴۳۷، صحیح مسلم: ۲۴۴۴، مسند احمد: ۲۴۰۶۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا: مجھے اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب نے اور عروہ بن الزبیر نے اہل علم کے مردوں کے درمیان خبر دی، کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب تندرست تھے تو آپ فرمار ہے تھے کہ کسی نبی کی ہرگز روح قبض نہیں کی جاتی حتیٰ کہ اسے اس کا جنت میں ٹھکانا دکھا دیا جاتا ہے، پھر اس کو اختیار دیا جاتا ہے، پھر جب رسول اللہ ﷺ پر بیماری آئی اور آپ کا سر میرے زانو پر تھا تو ایک ساعت کے لیے آپ پر غشی طاری ہوئی پھر آپ کو ہوش آیا، پھر آپ کی نظر چھت کی طرف لگ گئی، پھر آپ نے دعا کی "اللھم الرفیق الاعلیٰ" میں نے (دل میں) کہا اب آپ ہم کو اختیار نہیں کریں گے، اور میں نے جان لیا کہ یہ وہ حدیث ہے جو آپ ہمیں تندرستی کی حالت میں بیان کرتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ یہ آخری بات تھی جو رسول اللہ ﷺ نے کہی "اللھم الرفیق الاعلیٰ"۔

صحیح البخاری: ۶۳۴۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید بن عفیر، وہ سعید بن محمد بن عفیر المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن شہاب، اور وہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فی رجال من اھل العلم" یعنی سعید بن المسیب نے اور عروہ بن زبیر نے اس حدیث کو اس وقت بیان کیا جب اہل علم کی ایک جماعت اس حدیث کو سن رہی تھی۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ثم یخیر" یعنی آپ کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ آپ جنت میں اپنے ٹھکانہ کی طرف منتقل ہو جائیں یا دنیا کی زندگی کو اختیار کریں۔ نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فلما نزل به" یعنی جب آپ پر وفات کا وقت آ گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۴۸، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"الرفیق الاعلیٰ" کی دعا کا رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہونا

امام بخاری نے اس باب کا عنوان قائم کیا ہے "اے اللہ! الرفیق الاعلیٰ" اور یہ نہیں کہا: رفیق الاعلیٰ کے لیے دعا کا باب۔ ہوسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ سمجھا ہو کہ اس دعا کی مثل صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کر سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اعلیٰ اسم تفضیل ہے اور وہ انتہائی بلندی پر دلالت کرتا ہے، اور انتہائی بلندی صرف رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے ہے اور اولوالعزم کے لیے ہے۔ پس جب انسان کوئی ایسی دعا کرے گا جو دعا صرف رسولوں کے لیے ہوتی ہے تو ایسی دعا کے اندر حد سے تجاوز ہوگا، کیونکہ ہم بتا چکے ہیں دعا میں تجاوز یہ ہے کہ انسان ایسی چیز کو طلب کرے جو جائز نہ ہو۔ یا تو اس وجہ سے کہ وہ شرعاً متعذر ہو، یا تقدیراً متعذر ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ امام بخاری نے یہ ارادہ نہ کیا ہو لیکن یہ بیان کیا ہو کہ اس امت میں سب سے پہلے جنہوں نے رفیق اعلیٰ کی دعا کی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور اس بناء پر واجب ہے کہ رفیق اعلیٰ سے مراد عموماً اہل جنت ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور انسان رفیق اعلیٰ کی دعا کرے تو پھر اس سے مراد یہ ہوگا کہ وہ عموماً اہل جنت کی دعا کرتا ہے۔

عام مومنین کے لیے "الرفیق الاعلیٰ" کے مرتبہ کی توجیہ

شیخ ابن عثیمین نے کہا کہ ہم کہتے ہیں کہ جب "الرفیق الاعلیٰ" سے اسم تفضیل کا قصد کیا جائے تو یہ رسولوں کا مرتبہ ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ رسول کا مرتبہ جنت میں سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے بھی اس مرتبہ کو پائیں گے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت بالا خانوں سے ایک دوسرے کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح چمک دار ستارہ افق میں دیکھا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ انبیاء علیہم السلام کے مراتب ہیں یا انہوں نے کہا کہ شہداء کے مراتب ہیں اور ان کے علاوہ دوسرا نہیں پاسکتا۔ آپ نے فرمایا: نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! یہ وہ مرد ہیں

جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے رسولوں کی تصدیق کی، اور یہ حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی کہ یہ لوگ انبیاء علیہم السلام کے درجہ میں ہوں گے بلکہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کیا کہ یہ انبیاء علیہم السلام کے درجات نہیں ہیں، بلکہ ان لوگوں کے درجات ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے رسولوں کی تصدیق کی، اور انبیاء علیہم السلام کے درجات اس سے بہت بلند ہیں، اور علو مطلق جنت میں رسولوں کے سوا اور کسی کے لیے نہیں ہوگی۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وفات کے وقت شدت طاری کرنے کی حکمت

اور اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وفات کے وقت شدت پیش آئی تھی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بے ہوشی طاری ہوئی، اور آپ نے سکرات الموت (موت کی سختیوں) میں شدت کو محسوس کیا۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبر کے سب سے بلند درجات کو پالیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام صبر کرنے والوں سے زیادہ صبر کرنے والے ہیں، آپ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کرتے ہیں، پس آپ رات کو قیام کرتے حتیٰ کہ آپ کے مبارک پاؤں میں ورم آجاتا، اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی معصیت سے اپنے آپ کو روکنے کے لیے صبر کیا، اور کارِ رسالت میں جو تکلیفیں آپ نے اٹھائیں، ان پر صبر کیا۔ آپ نے قریش کی اذیت پر صبر کیا۔ اور تقدیر میں آپ کے لیے جو مشکلات لکھی ہوئی تھیں ان پر صبر کیا، کیونکہ آپ کو عام انسانوں کی بہ نسبت دگنا بخار چڑھتا تھا، اور موت کے وقت آپ پر سختی اور شدت کی گئی، اور یہ سب اس لیے تھا تاکہ آپ صبر کرنے والوں میں سب سے بلند درجہ کو پالیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق کے سردار ہیں، اور صبر بہت بلند درجہ ہے اور وہ آسانی سے حاصل نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر شدت اور سختی کی گئی، پھر صالحین پر، پھر جو ان کے قریب ہیں اور پھر جو ان کے قریب ہیں۔ اور جب انسان اس مسئلہ پر غور کرے گا تو اس پر دنیا کی مشکلات آسان ہوجائیں گی اور مصیبتیں سہل ہوجائیں گی، کیونکہ وہ یہ جان لے گا کہ ان مشکلات اور مصائب پر صبر کی وجہ سے بلند درجہ کو پالے گا۔ اور ''الرفیق الاعلیٰ'' سے مراد انبیاء علیہم السلام کا درجہ ہے یا خود انبیاء علیہم السلام ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ (النساء:۶۹)

اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، جو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں، اور یہ کیا ہی عمدہ ساتھی ہیں O

(شرح صحیح البخاری، ج ۶ ص ۲۱۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۰۔ بَابُ: الدُّعَاءِ بِالْمَوْتِ وَالْحَيَاةِ — موت اور حیات کی دعا کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ موت کی دعا کرنا مکروہ ہے، اور عنوان میں مذکور ہے ''اور حیات کی''، یعنی جب بندہ کے لیے حیات شر ہو تو پھر حیات کی دعا کرنا بھی مکروہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳ ، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۴۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ — امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے

عَنْ قَيْسٍ قَالَ أَتَيْتُ خَبَّابًا وَقَدِ اكْتَوَى سَبْعًا قَالَ لَوْلَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَانَا أَنْ نَدْعُوَ بِالْمَوْتِ لَدَعَوْتُ بِهِ۔

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از اسماعیل از قیس، انہوں نے بیان کیا کہ میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، (انہوں نے کسی بیماری کی وجہ سے گرم لوہے سے) اپنے جسم پر سات داغ لگوائے ہوئے تھے، انہوں نے کہا: اگر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں موت کی دعا کرنے سے منع نہ کیا ہوتا تو میں ضرور موت کی دعا کرتا۔

(صحیح البخاری: ۵۶۷۲، ۶۳۴۹، ۶۳۵۰، ۶۴۳۰، ۶۴۳۱، ۷۲۳۴، صحیح مسلم: ۲۶۸۱، سنن ترمذی: ۲۴۸۳، سنن نسائی: ۱۸۲۳، مسند احمد: ۲۰۵۶۷)

صحیح البخاری: ۶۳۴۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

باب کے عنوان میں موت اور حیات دونوں کے لیے دعاؤں کا ذکر ہے، اور اس میں ابہام ہے۔ اور حدیث نے اس ابہام کو اٹھالیا اور بتایا کہ یہاں پر موت کی دعا کرنے کی کراہت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، وہ ابن سعید القطان ہیں۔ اور اسماعیل کا ذکر ہے، وہ ابن ابی خالد ہیں۔ اور قیس کا ذکر ہے، وہ ابن ابی حازم ہیں۔ اور حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، اور وہ ابن الارت بن جندلہ مولی خزاعہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے (گرم لوہے سے) سات داغ لگوائے ہوئے تھے''۔ یعنی ان کے پیٹ میں کسی قسم کا درد تھا، اس کو زائل کرنے کے لیے لوہا گرم کر کے سات داغ لگوائے تھے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ حدیث میں تو لوہے سے داغ لگوانے سے منع فرمایا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ممانعت اس کے لیے ہے جس کا یہ اعتقاد ہو کہ داغ لگوانے سے شفاء ہوتی ہے لیکن جس کا یہ اعتقاد ہو کہ شفاء دینے والا اللہ عزوجل ہے تو وہ اگر گرم لوہے سے داغ لگوائے تو کوئی حرج نہیں ہے، یا ممانعت اس کے لیے ہے جو کوئی اور دوا کے حصول پر قادر ہو اور جو کوئی اور دوا کے حصول پر قادر نہ ہو تو وہ اگر گرم لوہے سے داغ لگوائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۷۳۔ ۴۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۵۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنِي قَيْسٌ قَالَ أَتَيْتُ خَبَّابًا وَقَدِ اكْتَوَى سَبْعًا فِي بَطْنِهِ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ لَوْلَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَانَا أَنْ نَدْعُوَ بِالْمَوْتِ لَدَعَوْتُ بِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از اسماعیل، انہوں نے کہا: مجھے قیس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انہوں نے اپنے پیٹ

پر (گرم لوہے سے) سات داغ لگوائے ہوئے تھے، پس میں نے سنا وہ کہہ رہے تھے: اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو موت کی دعا کرنے سے منع نہ فرمایا ہوتا تو میں موت کی دعا کرتا۔

(صحیح البخاری: ۵۶۷۲، ۶۳۴۹، ۶۳۵۰، ۶۴۳۰، ۶۴۳۱، ۷۲۳۴، صحیح مسلم: ۲۶۸۱، سنن ترمذی: ۲۴۸۳، سنن نسائی: ۱۸۲۳، مسند احمد: ۲۰۵۶۷)

صحیح البخاری: ۶۳۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ وہی حدیث ہے جو بھی مسدد سے روایت کی گئی ہے، اور امام بخاری نے اس حدیث کا محمد بن المثنیٰ کی سند سے اعادہ کیا ہے، کیونکہ اس روایت میں یہ اضافہ ہے کہ انہوں نے پیٹ پر داغ لگوائے ہوئے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۷۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۵۱ - حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عُلَيَّةَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ رضى الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدٌ مِنْكُمُ الْمَوْتَ لِضُرٍّ نَزَلَ بِهِ فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ مُتَمَنِّيًا لِلْمَوْتِ فَلْيَقُلِ اللَّهُمَّ أَحْيِنِي مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن عُلَیّہ نے خبر دی از عبدالعزیز بن صہیب، از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہرگز اس تکلیف کی وجہ سے جو اس پر آئی ہو موت کی تمنا نہ کرے، پس اگر اس نے ضرور موت کی تمنا کرنی ہو تو وہ یوں دعا کرے: اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہے، اور مجھ کو اس وقت موت دینا جب موت میرے لیے بہتر ہو۔

(صحیح البخاری: ۵۶۷۱، ۶۳۵۱، ۷۲۳۳، صحیح مسلم: ۲۶۸۰، سنن ترمذی: ۹۷۱، سنن نسائی: ۱۸۲۰، سنن ابوداؤد: ۳۱۰۸، سنن ابن ماجہ: ۴۲۶۵، مسند احمد: ۱۱۵۶۸)

صحیح البخاری: ۶۳۵۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے": یہ خطاب صحابہ کرام کو ہے اور مراد صحابہ بھی ہیں اور ان کے بعد کے مسلمان بھی ہیں۔ اس حدیث میں مذکور ہے "اس تکلیف کی وجہ سے جو اس کو پہنچی ہے": یہ مرض کو بھی شامل ہے اور دوسری چیزیں جو تکلیف کی اقسام سے ہیں ان کو بھی شامل ہے۔

آیا موت کی تمنا کرنا منسوخ ہے یا نہیں؟

اس حدیث میں مصیبت نازل ہونے کے وقت موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

کیونکہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کی تھی:

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿ (یوسف:۱۰۱) مجھے (دنیا سے) مسلمان اٹھانا، اور مجھے نیک بندوں کے ساتھ ملا دینا O

اور اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے موت کی دعا کی:

وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿ (النمل:۱۹) اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے O

اور اس باب کی حدیث صحیح البخاری: ۵۶۷۴ میں مذکور ہے: "اے اللہ! میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ کے ساتھ ملا دے"۔ اور حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہما نے موت کی دعا کی ہے۔ اور اس استدلال کو رد کر دیا گیا ہے، کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت یہ دعا کی جب موت مقارن ہو گئی تھی اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہمیں ان کاملین کے درجات کے ساتھ ملا دے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جو حدیث ہے، وہ ضعیف ہے۔ اس حدیث کی روایت معمر نے از علی بن زید کی ہے اور وہ ضعیف راوی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

موت کی تمنا کے متعلق دیگر احادیث

امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ از سلمہ بن ابی زید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موت کی تمنا نہ کرو، کیونکہ موت کی ہولناکی شدید ہے اور مرد کی سعادت اس میں ہے کہ اس کی عمر لمبی ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف رجوع کی توفیق عطا فرمائے۔ امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ از عبد اللہ بن قیس روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کی عمر طویل ہو اور اس کے عمل نیک ہوں۔

(سنن ترمذی: ۲۳۲۹، مسند احمد ج ۴ ص ۱۷۷)

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ از عبد الرحمٰن بن ابی بکرہ از والد خود روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! لوگوں میں سب سے بہتر کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: جس کی عمر طویل ہو اور عمل اچھے ہوں، پھر اس نے کہا: لوگوں میں سب سے برا کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کی عمر طویل ہو اور عمل برے ہوں۔ (سنن ترمذی: ۲۳۳۰)

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حارثہ بن مضرب سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، انہوں نے پیٹ میں لوہے سے داغ لگوایا ہوا تھا، انہوں نے کہا: میرے علم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی ایک پر بھی جتنے مصائب نہیں آئے جتنے مصائب مجھ پر آئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مجھے ایک درہم بھی میسر نہ تھا، اور اب میرے گھر کی ایک جانب میں چالیس ہزار درہم ہیں اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع نہ کیا ہوتا یا کہا: ہمیں موت کی تمنا کرنے سے منع نہ کیا ہوتا تو میں ضرور موت کی تمنا کرتا۔ (سنن ترمذی: ۹۷۰، مسند احمد ج ۵ ص ۱۰۹)

حدیث مذکور کی فقہ

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں: اس باب کا حکم یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس سے منع فرمایا ہے کہ کسی مصیبت کے نازل ہونے کے وقت وہ موت کی تمنا کرے، اور ان کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ یہ دعا کریں کہ جب ان کے لیے موت میں خیر ہو تو اس وقت ان پر موت آئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے موت کی دعا کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے رفیق اعلیٰ کے ساتھ ملا دے اور حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہما نے موت کی دعا کی، سو یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ ان حضرات نے اس وقت یہ دعا کی جب موت مقارن ہو گئی تھی اور ان کی مراد یہ تھی کہ ہمیں صالحین کے درجات کے ساتھ ملا دے۔

علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں: اور شاید مراد یہ تھی کہ جب تو مجھے وفات عطا کرے تو ایسا کرنا۔ سو یہ دعا ہے، تمنا نہیں ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا کی کہ مجھے رفیقِ اعلیٰ کے ساتھ ملا دے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے یہ خبر دی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو موت کا اختیار دیا جاتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب آپ کو موت کا اختیار دیا گیا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اسی دن متحقق ہو گئی تھی، کیونکہ فرشتے آپ کے پاس یہ بشارت دینے کے لیے آئے تھے کہ آپ کی اپنے رب کے ساتھ ملاقات ہو گی اور اللہ نے جو آپ کے لیے نعمتیں تیار فرمائی ہیں ان سے آپ ملاقات کریں گے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تمہارے والد پر آج کے بعد کوئی کرب اور تکلیف نہیں ہو گی۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۶۲۹)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موت کی تمنا کا قصہ یہ ہے کہ معمر نے از الحسن از سعید بن ابی العاص روایت کی ہے کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک رات دیکھ رہا تھا، آپ البقیع میں گئے اور یہ صبح کا وقت تھا، میں بھی آپ کے پیچھے گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی: اے اللہ! میری عمر زیادہ ہو گئی ہے اور میری بصارت کمزور ہو گئی ہے اور مجھے خطرہ ہے کہ میری رعیت میں انتشار ہو گا تو مجھے اپنے طرف اٹھا لے دراں حالیکہ میں نہ عاجز ہوں اور نہ ملامت کیا ہوا۔

زہری نے کہا از ابن المسیب ایک مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۱۱ ص ۳۱۵)

اور اس حدیث کی سند میں ایک راوی علی بن زید ہے اور وہ ضعیف ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۳۱۸-۳۲۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ حضرت یوسف اور حضرت سلیمان علیہم السلام نے موت کی تمنا نہیں کی بلکہ خاتمہ بالخیر کی دعا کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سند میں ضعف ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۶۳۵۱، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

موت کی دعاء کرنے سے ممانعت کی حکمت

نبی ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا: ''تم میں سے کسی شخص کو جب کوئی بیماری یا تکلیف آئے تو وہ اس پر موت کی دعا نہ کرے، کیونکہ کبھی اس تکلیف میں اس کے دین اور دنیا میں اس کے لیے خیر ہوتی ہے'' یا تو اس تکلیف کی وجہ سے اس کے گزشتہ گناہ جھڑ جاتے ہیں اور وہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے جیسے نبی ﷺ نے اس بوڑھے شخص سے کہا جس کی آپ نے اس کے مرض میں عیادت کی اور اس کو بخار چڑھا ہوا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں، ان شاء اللہ یہ بخار تمہیں پاک کرنے والا ہے، اور کبھی اس شخص کے لیے مرض میں کئی منافع ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک نفع یہ ہے کہ اس مرض کی وجہ سے وہ شخص گناہوں سے باز رہتا ہے جب کہ وہ صحت کی حالت میں وہ گناہ کرتا تھا۔ یا اس تکلیف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے بدن اور مال سے اس کی کوئی مصیبت ٹال دیتا ہے۔ پس اللہ عزوجل اپنے بندہ مومن کے حال کو خوب جاننے والا ہے، پس بندہ کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے مرض میں اور صحت میں راضی رہے اور تقدیر پر تہمت نہ لگائے۔ اور یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بہ نسبت اس کے حال کو زیادہ جاننے والا ہے اور مرض کی وجہ سے تنگ ہو کر اور دنیا کی مشکلات کی وجہ سے موت کا سوال نہ کرے۔

موت کی دعا کے جواز کی وجوہ

(۱) جب انسان کو یہ خطرہ ہو کہ وہ ایسے فتنہ میں مبتلا ہے جس کی وجہ سے اس کا دین ضائع ہو جائے گا تو اس وقت اس کے لیے موت کی تمنا کرنا مباح ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! جب تو کسی قوم کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کرے تو مجھے اپنی طرف اس حال میں اٹھالینا کہ میں فتنہ میں مبتلاء نہ ہوں۔

(۲) جب انسان کو یہ خطرہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر جو ذمہ داریاں ڈالی ہیں وہ ان کو کما حقہ ادا نہیں کر سکے اور ان ذمہ داریوں کو ادا کرنا اس کے لیے مشکل ہوگا اور وہ ضعیف ہو تو وہ موت کی دعا کر سکتا ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی: اے اللہ! میری عمر زیادہ ہوگئی، میری قوت کمزور ہوگئی اور میری رعیت منتشر ہے، تو مجھے اس حال میں اپنی طرف اٹھالے کہ میں اپنے حقوق کو ضائع کرنے والا نہ ہوں اور نہ اس میں کمی کرنے والا ہوں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خوف ہوا کہ اگر ان کی عمر لمبی ہوگئی اور ان کا ضعف زیادہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر جو ذمہ داریاں ڈالی ہیں وہ ان کو ادا نہیں کر سکیں گے اور اپنی رعیت کے امور کو انجام نہیں دے سکیں گے اور جس سال انہوں نے یہ دعا کی اس سال ان کی عمر ساٹھ سال تھی یا اس کے لگ بھگ تھی، اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے کیا، جب انہوں نے چالیس سال کی عمر میں اپنے لیے موت کا سوال کیا، کیونکہ زندہ رہنے کی صورت میں خطرہ تھا کہ حالات متغیر ہو جائیں گے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۱۱۵۔۱۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

۳۱۔ بَابُ: الدُّعَاءِ لِلصِّبْيَانِ بِالْبَرَكَةِ وَمَسْحِ رُؤُسِهِمْ

بچوں کے لیے برکت کی دعا کرنے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرنے کا بیان

وَقَالَ أَبُو مُوسَى: وُلِدَ لِي غُلَامٌ وَدَعَا لَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِالْبَرَكَةِ.

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میرا لڑکا پیدا ہوا اور نبی ﷺ نے اس کے لیے برکت کی دعا کی۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں بچوں کے لیے برکت کی دعا کرنے کا بیان ہے، یعنی ان کی نشو و نما عمدہ طریقہ سے ہو اور وہ توفیق پر اور شرف پر قائم رہیں۔ برکت کا لفظ ''برك البعیر'' سے ماخوذ ہے جب اونٹ کو ایک جگہ پر بٹھا دیا جائے اور وہ اس جگہ پر لازم رہے۔ اور برکت کا اطلاق زیادتی اور اضافہ پر بھی ہوتا ہے۔ علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ اصل اول ہے۔

امام بخاری نے عنوان میں بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیرنے کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کے ثبوت میں درج ذیل حدیث ہے:

امام احمد اور امام طبرانی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ جس شخص نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اس کے ہاتھ کے نیچے اس یتیم کے سر کے جتنے بال آئیں گے، اللہ تعالیٰ ان بالوں کے برابر اس کے لیے نیکیاں لکھ دے گا۔ اور اس حدیث کی سند میں ضعف ہے۔

اور امام احمد نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دل کی سختی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: تم مسکین کو کھانا کھلاؤ اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرو۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا نام ہے عبد اللہ بن قیس الاشعری۔ اور یہ تعلیق حدیث موصول کی ایک طرف ہے جو کتاب العقیقہ میں گزر چکی ہے اور ان کے لڑکے کا نام ابراہیم تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۷۴۔۴۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۶۳۵۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ عَنِ الْجَعْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ يَقُولُ ذَهَبَتْ بِي خَالَتِي إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ ابْنَ أُخْتِي وَجِعٌ فَمَسَحَ رَأْسِي وَدَعَا لِي بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ تَوَضَّأَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوئِهِ ثُمَّ قُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهِ فَنَظَرْتُ إِلَى خَاتَمِهِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِثْلَ زِرِّ الْحَجَلَةِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حاتم نے حدیث بیان کی از الجعد بن عبد الرحمٰن، انہوں نے کہا: میں نے حضرت السائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ مجھے میری خالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں، سو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے بھانجے کے سر میں درد ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے برکت کی دعا کی۔ پھر آپ نے وضو کیا تو میں نے آپ کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو پیا۔ پھر میں آپ کی پیٹھ کے پیچھے کھڑا ہوا تو میں نے آپ کے دو کندھوں کے درمیان آپ کی مہرِ نبوت کو دیکھا جو چھپر کٹ (مسہری) کی گھنڈی (بٹن) کی شکل تھی۔

(صحیح البخاری: ۱۹۰، ۳۵۴۰، ۳۵۴۱، ۵۶۷۰، ۶۳۵۲، صحیح مسلم: ۲۳۴۵، سنن ترمذی: ۳۶۴۳)

صحیح البخاری: ۶۳۵۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حاتم، ان کا نام ہے ابن اسماعیل الکوفی، یہ مدینہ میں رہتے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الجعد، ان کو الجعید بھی کہا جاتا ہے، یہ ابن عبدالرحمٰن بن اوس الکندی ہیں اور ان کو التیمی المدنی بھی کہا جاتا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے السائب، یہ لفظ سَیَب کا اسمِ فاعل ہے، یہ ابن یزید ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''الزِر'' یہ قمیص کے ازرار میں سے ایک ہے۔ اور اس سے مراد ہے بٹن۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے ''الحجلة'' یہ وہ مسہری ہے جو دلہن کے لیے تیار کی جاتی ہے اور اس کے چاروں طرف کپڑے کے پردے لٹکائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور اس کے کونوں میں ایک قسم کے بٹن ہوتے ہیں جن سے ان پردوں کو ٹانکا ہوا ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۷۴۔ ۴۷۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

مہرِ نبوت کا معنی اور مفہوم

اس حدیث میں مہرِ نبوت کا ذکر ہے، اس سے مراد وہ چیز ہے جو آپ کے خاتم النبیین ہونے کی دلیل ہے کہ آپ کے بعد کوئی نیا نبی مبعوث نہیں ہوگا، قاضی بیضاوی نے کہا: خاتم النبوۃ آپ کے دو کندھوں کے درمیان ایک نشان ہے، کتب متقدمہ میں اس کی صفت بیان کی گئی ہے اور مہرِ نبوت اس بات کی علامت ہے کہ آپ وہی نبی ہیں جس کا آسمانی کتابوں میں وعدہ کیا گیا تھا۔

مہرِ نبوت کے متعلق متعدد روایات

اس حدیث میں بیان ہے کہ آپ کی مہرِ نبوت چھپر کٹ کی گھنڈی کی مثل تھی، اس کے متعلق اور بھی روایات ہیں:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت میں مہرِ نبوت کو دیکھا، وہ کبوتر کے انڈے کی طرح تھی۔

(صحیح مسلم: ۲۳۴۴، الرقم المسلسل: ۵۹۷۰، سنن ترمذی: ۳۶۴۳، شمائل ترمذی: ۱۷، مسند احمد ج ۵ ص ۹۰، ۹۵، ۹۸، ۱۰۲، ۱۰۷، المعجم الکبیر: ۱۹۰۸۔ ۱۹۱۸، الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۷۲۶)

عمر بن اخطب انصاری بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوزید! قریب آؤ اور میری پشت پر ہاتھ پھیرو، میں نے آپ کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو میری انگلیاں مہرِ نبوت پر تھیں، راوی نے پوچھا: مہرِ نبوت کیسی تھی؟ انہوں نے کہا: وہ بالوں کا گچھا تھا۔ (شمائل ترمذی: ۲۰، مسند احمد ج ۵ ص ۷۷۔ ۳۴۱، صحیح ابن حبان: ۲۰۹۶، المستدرک ج ۲ ص ۲۰۶)

ابونضرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مہرِ نبوت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: وہ آپ کی پشت میں ابھرا ہوا گوشت کا ٹکڑا تھا۔ (شمائل ترمذی: ۲۲، مسند احمد ج ۳ ص ۶۹)

حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس وقت آپ اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، میں گھوم کر آپ کے پیچھے آ گیا، آپ سمجھ گئے کہ میرا کیا ارادہ ہے، آپ نے اپنی پشت سے چادر گرادی تو میں نے آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان ملی ہوئی انگلیوں کے مجموعہ کی طرح مہر نبوت دیکھی، اس کے گرد تل تھے، وہ چنے کے برابر مسّے تھے۔ (صحیح مسلم: ۲۳۴۶، الرقم المسلسل: ۵۹۷۳، شمائل ترمذی: ۲۳، مسند احمد ج ۵ ص ۸۳۔۸۲)

۶۳۵۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ عَنْ أَبِي عُقَيْلٍ أَنَّهُ كَانَ يَخْرُجُ بِهِ جَدُّهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ هِشَامٍ مِنَ السُّوقِ أَوْ إِلَى السُّوقِ فَيَشْتَرِي الطَّعَامَ فَيَلْقَاهُ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَابْنُ عُمَرَ فَيَقُولَانِ أَشْرِكْنَا فَإِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَدْ دَعَا لَكَ بِالْبَرَكَةِ فَيُشْرِكُهُمْ فَرُبَّمَا أَصَابَ الرَّاحِلَةَ كَمَا هِيَ فَيَبْعَثُ بِهَا إِلَى الْمَنْزِلِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن ابی ایوب نے حدیث بیان کی از ابی عقیل، انہیں ان کے دادا عبداللہ بن ہشام بازار سے لے جاتے تھے یا بازار کی طرف لے جاتے تھے، پس وہ غلہ خریدتے، پھر ان سے حضرت ابن الزبیر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کی ملاقات ہوتی، وہ دونوں ان سے کہتے: ہمیں بھی شریک کرلو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے لیے برکت کی دعا کی تھی، پس وہ ان کو شریک کر لیتے، پھر بسا اوقات ابن ہشام (نفع میں) پوری سواری حاصل کرتے اور اس کو اپنے گھر کی طرف بھیج دیتے۔

(صحیح البخاری: ۲۵۰۱، ۲۵۰۲، ۶۳۵۳، ۷۲۱۰، سنن ابوداؤد: ۲۹۴۲، مسند احمد: ۱۷۵۸۵)

صحیح البخاری: ۶۳۵۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن وہب المصری اور سعید بن ابی ایوب القضاعی المصری، اور ابوایوب کا نام مقلاص ہے۔

نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعقیل، ان کا نام زہرہ بن معبد ہے، یہ عبداللہ بن ہشام القرشی التیمی کے بیٹے ہیں جو بنوتیم بن مرہ سے تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کیا ہے اور ان سے ان کے پوتے زہرہ مذکور نے حدیث روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۷۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طلب معاش کے لیے بازار میں جانا چاہیے اور برکت جہاں سے بھی ملے اس کو حاصل کرنا چاہیے۔

(۲) اس حدیث میں ان جاہل اور بناوٹی زاہدوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ معاش کو طلب کرنا مذموم ہے۔

(۳) جو بچہ شارع علیہ السلام سے کسی حدیث کو بھی یاد رکھے وہ صحابی ہے۔

(۴) اس حدیث میں تجارت کو طلب کرنے کا ثبوت ہے اور شرکت کے سوال کا بھی ثبوت ہے۔

۶۳۵۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ وَهُوَ الَّذِي مَجَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي وَجْهِهِ وَهُوَ غُلَامٌ مِنْ بِئْرِهِمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از صالح بن کیسان از ابن شہاب، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے محمود بن الربیع نے خبر دی اور یہ وہی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جن کے چہرہ میں ان کے کنوئیں سے کلی کی تھی اور یہ اس وقت لڑکے تھے۔

(صحیح البخاری: ۷۷، ۱۸۹، ۸۳۹، ۱۱۸۵، ۶۳۵۴، ۶۴۲۲، سنن ابن ماجہ: ۶۶۰، مسند احمد: ۲۳۱۰۹)

صحیح البخاری: ۶۳۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

بہ ظاہر یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ باب کا عنوان ہے بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیرنا اور ان کے لیے برکت کی دعا کرنا لیکن بچے کے منہ پر شفقت سے کلی کرنا ان کے سر پر ہاتھ پھیرنے اور ان کے لیے برکت کی دعا کرنے کے قائم مقام ہے، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہوگئی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالعزیز بن عبداللہ، یہ ابن یحییٰ بن عمر القرشی العامری الاویسی المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم بن سعد، یہ ابن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ لڑکے تھے، یعنی محمود بن ربیع کم عمر بچہ تھے۔ حافظ ابوعمر نے کہا ہے کہ انہوں نے چار سال یا پانچ سال کی عمر میں اس واقعہ کو یاد رکھا اور یہ ۹۶ھ میں فوت ہوئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

لعابِ دہن کی فضیلت

میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت محمود بن ربیع کے منہ پر کلی کی تھی اور کلی کا مطلب ہے اپنا لعاب دہن کسی چیز پر ڈالنا۔ اور پانی کی فضیلت کے کئی مراتب ہیں۔ دنیا کے پانیوں میں زمزم کا پانی بہت افضل ہے اور اس سے بھی افضل کوثر و تسنیم جنت کے دریاؤں کا پانی ہے۔ اور اس سے بھی افضل نبی ﷺ کا لعاب دہن ہے۔ اور اس سے بھی افضل وہ پانی ہے جو کئی مواقع پر رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں سے جاری ہوا۔

لعابِ دہن کے ثمرات اور برکات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن کئی صحابہ کرام کو عطا فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زہر خوردہ ایڑھی پر لعابِ دہن لگایا تو اس سے زہر کا اثر جاتا رہا۔ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی پر لعابِ دہن لگایا وہ جڑ گئی، حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی نکلی ہوئی آنکھ پر لعابِ دہن لگا کر اس کی جگہ پر رکھ دی تو وہ پہلے سے بہتر روشن ہوگئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دکھتی ہوئی آنکھ میں لعابِ دہن لگایا تو اس کو شفاء ہوگئی۔ اس طرح کی اور بھی نظائر ہیں۔

۶۳۵۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُؤْتَى بِالصِّبْيَانِ فَيَدْعُو لَهُمْ فَأُتِيَ بِصَبِيٍّ فَبَالَ عَلَى ثَوْبِهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَتْبَعَهُ إِيَّاهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروہ نے خبر دی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بچوں کو لایا جاتا، سو آپ ان کو دعا دیتے۔ پس ایک بچہ کو لایا گیا، اس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا، آپ نے پانی منگا کر اس کپڑے کے اوپر بہا دیا اور اس کو (زیادہ شدت سے) نہیں دھویا۔

(صحیح البخاری: ۲۲۲، ۵۴۶۸، ۶۰۰۲، ۶۳۵۵، صحیح مسلم: ۲۸۶، سنن نسائی: ۳۰۳، سنن ابن ماجہ: ۵۲۳، مسند احمد: ۲۵۲۴۰، موطا امام مالک: ۱۴۲)

صحیح البخاری: ۶۳۵۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب الطہارۃ کے باب بول الصبیان میں امام مالک کی دو سندوں کے ساتھ گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔ اس حدیث میں مذکور ہے "فاتبعه" یعنی آپ نے اس کے بعد اس پر پانی بہایا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

فائدہ:

امام شافعی اور امام احمد، یہ کہتے ہیں کہ دودھ پیتے بچے کا پیشاب پاک ہوتا ہے اور جس کپڑے پر اس نے پیشاب کیا اس کو دھونا ضروری نہیں ہے، اس پر صرف پانی چھڑک لینا کافی ہے۔ ان کا استدلال مذکور الصدر حدیث سے ہے۔

فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ دودھ پیتی بچی ہو یا دودھ پیتا بچہ ہو، دونوں کا پیشاب نجس ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پیشاب سے بچو، کیونکہ عام عذاب قبر اسی سے ہوتا ہے۔ (سنن دار قطنی: ۴۵۷)

۶۳۵۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ ثَعْلَبَةَ بْنِ صُعَيْرٍ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَدْ مَسَحَ عَنْهُ أَنَّهُ رَأَى سَعْدَ بْنَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر نے خبر دی

أَبِي وَقَّاصٍ يُوتِرُ بِرَكْعَةٍ۔ (مسند احمد: ۲۳۱۵۳)

اور رسول اللہ ﷺ نے ان پر ہاتھ پھیرا تھا، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو دیکھا، وہ ایک رکعت کے ساتھ وتر پڑھتے تھے۔

صحیح البخاری: ۶۳۵۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے ان پر ہاتھ پھیرا تھا" اور اس کی وضاحت غزوۃ الفتح کی اس تعلیق سے ہوتی ہے: زہری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے چہرہ پر فتح مکہ کے سال ہاتھ پھیرا تھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے ابوالیمان، یہ الحکم بن نافع ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شعیب، یہ ابن ابی حمزہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن ثعلبہ، یہ ابن صُعَیر العزری ہیں، انہیں ابن ابی صعیر بھی کہا جاتا ہے، یہ ہجرت سے چار سال پہلے پیدا ہوئے اور ۸۹ھ میں ان کی وفات ہوئی، وفات کے وقت ان کی عمر ترانوے (۹۳) سال تھی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ہجرت کے بعد پیدا ہوئے اور جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی، اس وقت ان کی عمر ۴ سال تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔ کتاب الوتر میں، وتر کے متعلق تمام ابحاث گزر چکی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۷۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

فائدہ:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک رکعت وتر پڑھنا بھی جائز ہے۔ اور فقہاء احناف کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دم کٹی نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص ایک رکعت وتر پڑھے۔ (تمہید ج ۵ ص ۲۷۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۹ھ)

اور امام نسائی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی دو رکعتیں پڑھ کر سلام نہیں پھیرتے تھے۔ (سنن نسائی: ۱۶۹۴، دارالفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

مذکورہ احادیث کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب مذکور کی احادیث کا خلاصہ

اس باب کی احادیث میں یہ بتایا ہے کہ بچوں کو صالحین کی طرف لے جانا چاہیے اور ان سے یہ سوال کرنا چاہیے کہ وہ بچوں کے لیے برکت کی دعا کریں اور نیک شگون کے لیے ان کے سروں پر ہاتھ پھیریں اور ان کی دعا سے تبرک حاصل کریں۔

صحیح البخاری: ۶۳۵۴ میں حضرت محمود بن ربیع کی حدیث ہے۔اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ائمہ اور اہل فضل کو بچوں کے ساتھ خوش طبعی اور دل لگی کرنی چاہیے۔اور یہ صالحین کے اخلاق میں سے ہے۔

صحیح البخاری: ۶۳۵۳ میں ابوعقیل کی حدیث ہے، اس میں سلف صالحین نے جائز نفع کی ترغیب دی ہے اور ان کو تجارت کی برکت پر حریص کیا ہے اور یہ کہ وہ تجارت کرتے تھے اور رزق کو طلب کرنے کے لیے کوشش کرتے تھے تا کہ اس وجہ سے وہ لوگوں کے محتاج نہ ہوں اور لوگوں کے آگے اپنی ضروریات کے لیے ہاتھ نہ پھیلائیں۔

صحیح البخاری: ۶۳۵۲ میں حضرت ابو یزید السائب بن یزید بن سعید کی روایت ہے۔یہ ہجرت کے دوسرے سال پیدا ہوئے اور بچوں کے ساتھ ثنیۃ الوداع کی طرف گئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس آرہے تھے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور یہ حجۃ الوداع میں بھی حاضر ہوئے، ان کی عمر ۸۴ سال تھی۔اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں حضرت السائب بن یزید رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی السائب بن یزید نام کا صحابی نہیں ہے۔

حضرت السائب کے آزاد شدہ غلام نے کہا کہ حضرت السائب کے سر کے اگلے حصہ کے بال سیاہ تھے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔(معرفۃ الصحابہ لابن مندہ:۴۸۵)

اور السائب نام کے صحابہ میں بیس سے زیادہ صحابہ ہیں۔اور حضرت السائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا سارا سر سفید ہو گیا تھا سوا اس جگہ کے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ پھیرا تھا، وہ جگہ سیاہ تھی حتیٰ کہ حضرت السائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی۔

حضرت محمود بن الربیع بن سراقہ الخزرجی کی وفات ۹۳ھ میں ہوئی۔علامہ داؤدی نے کہا ہے: جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ان کی عمر پانچ سال تھی۔ان کو یاد تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرہ پر کلی کی تھی، اسی وجہ سے ان کا صحابہ میں شمار ہے۔

حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہما کے متعلق علامہ ابن التین نے لکھا ہے کہ انہوں نے دس صحابہ کو پایا، ان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن ازہر رضی اللہ عنہ، حضرت السائب بن یزید رضی اللہ عنہ ہیں۔کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دو حدیثوں کا سماع کیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۸۵۔۲۸۷ ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۵۲، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حاتم نے حدیث بیان کی از الجعد بن عبدالرحمٰن، انہوں نے کہا: میں نے حضرت السائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ مجھے میری خالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں، سو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے بھانجے کے سر میں درد ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے برکت کی دعا کی۔پھر آپ نے وضو کیا تو میں نے آپ کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو پیا۔پھر میں آپ کی پیٹھ کے پیچھے کھڑا ہوا تو میں نے آپ کے دو کندھوں کے درمیان آپ کی مہر نبوت کو دیکھا جو چھپر کٹ (مسہری) کی گھنڈی (بٹن) کی مثل تھی۔

بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیرنا اور ان کے لیے برکت کی دعا کرنا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچوں کے لیے برکت کی دعا کرنی چاہیے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرنا چاہیے۔ اور یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان پر برکت نازل فرمائے۔ اور جب کسی شخص پر برکت نازل ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کے قول میں اور اس کے فعل میں، اور اس کی اولاد میں اور اس کے تمام احوال میں برکت نازل فرمائے گا۔

بچوں کے ساتھ انسان کو نرمی اور ملائمت کا سلوک کرنا چاہیے

انسان کو چاہیے کہ بچوں کے ساتھ رقت اور نرمی کا معاملہ کرے، کیونکہ اس سے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے اور بعض اوقات آنکھ سے آنسو نکل آتے ہیں۔ اور بچوں کے ساتھ نرمی کرنے کی وجہ سے جو دل میں نرمی پیدا ہوتی ہے اس میں عجیب وغریب حکمت ہے۔

انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت میں غور وفکر کرے اور مخلوقات کی کیفیت میں تدبر کرے، یہ بوڑھا آدمی ہے، اور یہ ادھیڑ عمر کا ہے اور یہ جوان ہے اور یہ کم عمر ہے اور یہ بچہ ہے۔

اور ان تمام اصناف میں انسان کو تدبر کرنا چاہیے، کیونکہ آج کوئی بچہ ہے، کل وہ بالغ ہوگا، پھر جوان ہوگا، پھر ادھیڑ عمر کا ہوگا اور پھر وہ بوڑھا ہوگا۔ اور خود انسان کے اوپر بھی یہ تمام ادوار آئیں گے۔

بچہ اس کو بھولتا نہیں ہے کہ کسی نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ جب تم کسی بچے کے سر پر ہاتھ پھیرو گے اور شفقت کرو گے تو بچہ اس بات کو کبھی نہیں بھولے گا کہ فلاں شخص نے فلاں سال میں میرے ساتھ یہ شفقت کا سلوک کیا تھا اور ہوسکتا ہے کہ بعد میں بڑا ہوکر وہ اس نیک سلوک کرنے والے کے لیے دعا کرے۔

شیخ ابن عثیمین کے نزدیک برکت کے حصول کا صرف رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہونا

اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وضو کے بچے ہوئے پانی سے برکت حاصل کرنا اور آپ کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو پینا، یا آپ کے پسینہ سے، یا آپ کے کپڑے سے برکت حاصل کرنا۔ یہ تمام امور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہیں۔

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ خصوصیت پر کیا دلیل ہے؟

تو ہم کہتے ہیں کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ نے دوسرے بعض صحابہ سے برکت حاصل نہیں کی۔ وہ حضرت ابوبکر سے، حضرت عمر سے، حضرت عثمان سے اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے اور دیگر صحابہ سے برکت حاصل نہیں کرتے تھے۔ اگر یہ امور جائز ہوتے تو صحابہ سب سے پہلے یہ کام کرتے، پس جب انہوں نے یہ کام نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ یہ جائز نہیں ہے۔ اور انسان اس سے نفع حاصل نہ کرے۔

اور میں یہ گمان کرتا ہوں کہ جس چیز کا نفع شرعاً ثابت نہ ہو تو اس کو نفع کا سبب بنالینا، یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے، کیونکہ انسان کسی حکم کو یا کسی چیز میں کسی تاثیر کو ثابت کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے نہ بنایا ہو تو اس امر میں وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا شریک ہوگا۔

(شرح صحیح بخاری ج ٦ ص ١٦۔ ٢١٧، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ١٤٢٩ھ)

شیخ ابن عثیمین کے صحابہ کی برکت کے انکار پر مصنف کا تعاقب

میں کہتا ہوں کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکات تمام رسولوں کی برکتوں سے زیادہ عظیم ہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ نے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں برکت کے حصول کا سبب رکھا ہے،اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب اور اولیاء اللہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے برکت کا سبب بنایا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ (کہف:۸۲)

اور رہی وہ دیوار تو وہ شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی،اور اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا:ان کے باپ کی نیکیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان لڑکوں کے مال کی حفاظت کرائی،کیونکہ ان کی کوئی نیکی ذکر نہیں کی گئی۔نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:اللہ تعالیٰ باپ کی نیکیوں کی وجہ سے اس کے بیٹے اور بیٹے کے بیٹے کے ساتھ نیکی فرماتا ہے اور اس کی ذریت کی حفاظت فرماتا ہے اور وہ ہمیشہ اللہ کے ستر اور اس کی حفاظت میں رہتے ہیں۔(تفسیر امام ابن ابی حاتم:۱۲۸۸۲)

اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی برکات درج ذیل احادیث سے ظاہر ہوتی ہیں:

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اصحابِ صفہ فقراء لوگ تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو،وہ تیسرے کو لے جائے اور جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو،وہ پانچویں کو لے جائے یا چھٹے کو لے جائے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تین فقراء کو لے گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس فقراء کو لے گئے۔اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رات کا کھانا کھایا،پھر وہیں ٹھہرے رہے حتیٰ کہ عشاء کی نماز پڑھ لی گئی،پھر آپ لوٹ کر آئے۔پھر آپ ٹھہرے حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانا کھالیا۔پھر رات کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد آئے تو ان کی بیوی نے کہا:آپ کو اپنے مہمانوں سے کس نے روک رکھا؟حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:کیا تم نے ان کو کھانا نہیں کھلایا،ان کی بیوی نے بتایا کہ انہوں نے کھانے سے انکار کیا حتیٰ کہ آپ آ جائیں،تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ناراض ہوئے اور انہوں نے کہا:میں اللہ کی قسم!کھانا نہیں کھاؤں گا۔اور ان کی بیوی نے قسم کھائی کہ وہ بھی کھانا نہیں کھائیں گی،اور ان کے مہمانوں نے بھی قسم کھائی کہ وہ بھی کھانا نہیں کھائیں گے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا:یہ قسم کھانا شیطان کی طرف سے تھا،پھر انہوں نے کھانا منگایا اور انہوں نے بھی کھایا اور مہمانوں نے بھی کھایا،پس جب بھی وہ لقمہ اٹھاتے تو اس کے نیچے سے اس سے زیادہ نکل آتا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا:اے بنی فراس کی بہن!یہ کیا ہو رہا ہے؟تو انہوں نے کہا:اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک!یہ تو کھانا پہلے سے تین گنا زیادہ ہو گیا ہے۔پھر سب نے کھایا اور وہ کھانا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا،پس ذکر کیا گیا کہ آپ نے بھی اس کھانے میں سے کھایا۔

(صحیح البخاری:۳۵۸۱،صحیح مسلم:۲۰۵۷،سنن ترمذی:۱۸۲۰،سنن ابن ماجہ:۳۲۵۵،سنن دارمی:۲۰۴۴،مسند احمد ج۱ ص۱۹۸)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اصحابِ صفہ اور فقراء صحابہ کی برکت سے کھانا تین گنا زیادہ ہو گیا۔لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ اور کسی کے لیے برکت کا ثبوت نہیں ہے۔نیز وہ برکت والا کھانا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی کھایا،ان کی بیوی نے بھی کھایا اور فقراء صحابہ نے بھی کھایا،پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھیج دیا اور آپ نے

اس کھانے سے تناول فرمایا۔ حافظ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام ابن جریر اور امام ابن عدی نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نیک مسلمان کے سبب سے اس کے پڑوس کے سو گھروں سے بلاؤں کو دور کر دیتا ہے۔

امام ابن جریر نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نیک مسلمان کے سبب سے اس کی اولاد، اولاد در اولاد، اس کے اہل خانہ اور اس کے پڑوس کی اصلاح فرما دیتا ہے اور جب تک وہ شخص ان میں رہے اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرماتا ہے۔

امام ابن ابی حاتم اور امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نمازیوں کے سبب بے نمازیوں سے عذاب کو دور کر دیتا ہے، اور حج کرنے والوں کے سبب سے حج نہ کرنے والوں سے عذاب کو دور کر دیتا ہے، زکوٰۃ دینے والوں کے سبب سے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے عذاب کو دور کر دیتا ہے۔

امام احمد، حکیم ترمذی اور امام ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شام میں چالیس ابدال ہیں، جب بھی ان میں سے کوئی شخص فوت ہوتا ہے تو اللہ دوسرے کو اس کا بدل بنا دیتا ہے، ان کے وسیلہ سے بارش ہوتی ہے اور دشمنوں کے خلاف مدد حاصل ہوتی ہے، اور ان کے سبب سے اہل شام سے عذاب دور کیا جاتا ہے، اور امام ابن عساکر کی روایت میں ہے، ان کے سبب سے روئے زمین سے بلاء اور غرق کیے جانے کو دور کیا جاتا ہے۔

امام طبرانی نے ''معجم کبیر'' میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں تیس ابدال ہیں، انہی کے وسیلہ سے زمین قائم ہے، انہی کے وسیلہ سے بارش ہوتی ہے اور انہی کے وسیلہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۳۲۰، مطبوعہ مکتب آیۃ اللہ العظمی، ایران)

۳۲- بَابُ: الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم — نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ یعنی درود پڑھنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود شریف) پڑھنے کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے مطلقاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کا عنوان قائم کیا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد اس کا حکم ہو اور اس کی فضیلت ہو اور اس کی صفت ہو اور اس کے محل کو بیان کرنا ہو۔ اور امام بخاری نے عنوان پر جو اقتصار کیا ہے وہ تیسری صورت کے ارادہ پر دلالت کرتا ہے یعنی صلوٰۃ کی صفت، اور اس سے دوسری صورت بھی ماخوذ ہو سکتی ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کی فضیلت۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۰۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: اس باب کی دونوں حدیثیں اس باب کے عنوان کے اطلاق کا فائدہ دیتی ہیں، کیونکہ دونوں حدیثیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کی کیفیت کو بیان کرتی ہیں اور عنوان اور حدیث کے اندر مطابقت مطلوب ہوتی ہے اور مطابقت اسی صورت میں حاصل ہوگی جو صورت ہم نے بیان کی ہے یعنی یہ باب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کی کیفیت کے بیان میں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۷۷۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی، علامہ بدرالدین عینی حنفی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس کو بغور پڑھو اور تعجب کرو۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۴۰۵، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ لکھا ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس عنوان سے مراد یہ ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کا حکم اور اس کی فضیلت اور اس کا حکم اور اس کا محل۔ اور قطعی طور پر یہ نہیں لکھا کہ اس عنوان سے یہی مراد ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۳۵۷ - حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي لَيْلَى قَالَ لَقِيَنِي كَعْبُ بْنُ عُجْرَةَ فَقَالَ أَلَا أُهْدِي لَكَ هَدِيَّةً إِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم خَرَجَ عَلَيْنَا فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ قَدْ عَلِمْنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ قَالَ فَقُولُوا اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ اللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الحکم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ میں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے سنا، انہوں نے کہا: مجھ سے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے ملاقات کی، سو انہوں نے کہا: کیا میں آپ کو ایک ہدیہ نہ دوں، بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، پس ہم نے کہا: یارسول اللہ! ہم کو معلوم ہے ہم آپ پر کس طرح سلام پڑھتے ہیں، سو ہم آپ پر صلوٰۃ (درود شریف) کیسے پڑھیں؟ آپ نے فرمایا: تم کہو: اے اللہ! (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر صلوٰۃ نازل فرما، اور آلِ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر، جیسے تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر صلوٰۃ نازل فرمائی، بے شک تو حمد کیا ہوا بزرگ ہے، اے اللہ! (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر برکت نازل فرما، اور آلِ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر، جیسا کہ تو نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر برکت نازل فرمائی، بے شک تو حمد کیا ہوا بزرگ ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۳۷۰، ۴۷۹۷، ۶۳۵۷، صحیح مسلم: ۴۰۶، سنن ترمذی: ۴۸۳، سنن نسائی: ۱۲۸۹، سنن ابوداؤد: ۹۷۶، سنن ابن ماجہ: ۹۰۴، مسند احمد: ۱۷۶۳۹، سنن دارمی: ۱۳۴۲)

صحیح البخاری: ۶۳۵۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں جو ابہام تھا، اس حدیث سے وہ ابہام دور ہو گیا۔ اور حدیث نے یہ بیان کر دیا کہ باب کے عنوان سے مراد صلوٰۃ (درود) پڑھنے کی کیفیت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے آدم، یہ ابن ابی ایاس ہیں اور ان کا نام عبدالرحمٰن ہے اور ان کی اصل خراسان سے ہے اور یہ عسقلان میں رہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حکم، یہ ابن عتیبہ ہیں، یہ ''عتبۃ الدار'' کی تصغیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، یہ کبار تابعین میں سے ہیں اور یہ محمد کے والد ہیں اور اہل کوفہ کے فقیہ ہیں۔ اور ابولیلیٰ کا نام یسار ہے، اور ابوعمرو نے کہا: ان کے لیے صحابیت اور روایت ثابت ہے، اور یہ اپنی کنیت سے مشہور ہیں۔ اور حضرت کعب بن عجرہ انصار کے حلیف ہیں اور یہ بیعتِ رضوان میں حاضر ہوئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۸۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اس حدیث میں مذکور ہے ''علمنا'' یعنی ہم کو صلوٰۃ پڑھنے کی کیفیت کی تعلیم دیجئے، اور وہ یہ ہے کہ کہا جائے ''السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ وبرکاتہ''۔

میں کہتا ہوں کہ یہ تو سلام پڑھنے کی کیفیت ہے اور علامہ عینی کا مقصود ہے صلوٰۃ پڑھنے کی کیفیت۔ اور وہ کیفیت اس حدیث میں مذکور ہے کہ تم درودِ ابراہیمی پڑھو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ نازل فرمانے کی دعا کا معنی

یعنی دنیا میں آپ کے ذکر کو بلند کر کے آپ کی دعوت کو غلبہ دے، اور آپ کی شریعت کو بقا عطا کر کے آپ کو عظمت عطا فرما۔ اور آخرت میں آپ کی شفاعت کو قبول فرما کر اور ان کے اجر و ثواب کو دگنا چوگنا کر کے ان کو مکرم فرما، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تو نے ہم کو ان پر صلوٰۃ پڑھنے کا حکم دیا ہے، ہم ان کے مرتبہ و مقام سے واقف نہیں ہے، اے اللہ! تو ہی ان کے مقام اور مرتبہ کو جاننے والا ہے، سو تو ہی ان پر صلوٰۃ نازل فرما۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صلوٰۃ کے ساتھ تشبیہ دینے کی توجیہ

نیز اس حدیث میں ہے ''جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صلوٰۃ نازل فرمائی ہے''۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مشبہ بہ ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشبہ ہیں، اور مشبہ بہ، مشبہ سے اقویٰ ہوتا ہے، اس لیے حضرت ابراہیم کی صلوٰۃ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ سے قوی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ''کما صلیت'' میں کاف تشبیہ کے لیے نہیں ہے، بلکہ تعلیل کے لیے ہے، یعنی چونکہ تو نے حضرت ابراہیم پر صلوٰۃ نازل فرمائی ہے، اس لیے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی صلوٰۃ نازل فرما۔

۶۳۵۸۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ وَالدَّرَاوَرْدِيُّ عَنْ يَزِيدَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابٍ عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ هَذَا السَّلَامُ عَلَيْكَ فَكَيْفَ نُصَلِّي قَالَ قُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن حمزہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی حازم اور دراوردی نے حدیث بیان کی از یزید از عبداللہ بن خباب از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ آپ پر سلام ہے، پس ہم آپ پر صلوٰۃ (درود) کیسے پڑھیں؟ تو آپ نے فرمایا تم کہو: اے اللہ! (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر صلوٰۃ نازل فرما جو تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں جیسے تو نے ابراہیم علیہ السلام پر صلوٰۃ نازل فرمائی، اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر برکت نازل فرما اور آل (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر برکت نازل فرما، جیسے تو نے حضرت ابراہیم پر اور آل ابراہیم پر برکت نازل فرمائی۔

(صحیح البخاری: ۴۷۹۸، ۶۳۵۸، سنن نسائی: ۱۲۹۳، سنن ابن ماجہ: ۹۰۳، مسند احمد: ۱۱۰۴۱)

صحیح البخاری: ۶۳۵۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم بن حمزہ، یہ ابواسحاق الزبیری المدنی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی حازم، یہ عبدالعزیز بن ابی حازم ہیں اور ان کا نام سلمہ بن دینار ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الدراوردی، یہ عبدالعزیز بن محمد ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یزید، یہ ابن عبداللہ بن اسامہ بن الھاد اللیثی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن خباب، یہ مولیٰ بنی عدی بن النجار الانصاری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، یہ صحابی ہیں اور ان کا نام سعد بن مالک ہے۔

حدیث مذکور میں تشبیہ پر اعتراض کا جواب

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ تشبیہ کی شرط یہ ہے کہ مشبہ بہ زیادہ قوی ہوتا ہے اور یہاں معاملہ بالعکس ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں۔

پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہ تشبیہ ناقص کو کامل کے ساتھ لاحق کرنے کے باب سے نہیں ہے، بلکہ یہ تشبیہ غیر معروف کو معروف کے ساتھ لاحق کرنے کے باب سے ہے اور اس میں یہ شرط نہیں ہے۔ یا یہ مجموعہ کی تشبیہ مجموعہ کے ساتھ ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آلِ ابراہیم، آلِ محمد سے افضل ہیں، کیونکہ آلِ ابراہیم میں انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اور آلِ محمد میں کوئی نبی نہیں

ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۸ ۷ ۴ ۔ ۹ ۷ ۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز میں صلوٰۃ (درود) پڑھنے کے شرعی حکم میں مذاہب فقہاء

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود شریف) پڑھنا آیا فرض ہے یا نہیں، پس ہمارے نزدیک نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود شریف) پڑھنا واجب ہے، اور صحابہ کی ایک جماعت سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ (الحاوی الکبیر ج ۲ ص ۱۳۔)

اور امام شافعی اس مسئلہ میں منفرد نہیں ہیں جیسا کہ امام شافعی کی طرف منسوب ہے۔ اور امام احمد سے ایک یہی روایت ہے۔

علامہ الرویانی نے البحر میں حضرت عمر سے اور حضرت عبداللہ بن عمر سے اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے اور حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہم سے اس کی حکایت کی ہے۔ اور علامہ الماوردی نے اس کو محمد بن کعب القرظی التابعی سے نقل کیا ہے۔

(الحاوی الکبیر ج ۲ ص ۷ ۱۳)

اور امام بیہقی نے اس کی شعبی وغیرہ سے از علی بن الحسین رضی اللہ عنہما روایت کی ہے۔ اور ابن المواز المالکی کا بھی یہی قول ہے جیسا کہ ابن القصار نے نقل کیا ہے۔ اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کا مسلک یہ ہے کہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا سنت ہے۔ (الحاوی الکبیر ج ۲ ص ۷ ۱۳)

علامہ ابن بطال مالکی نے اس کی جمہور علماء سے روایت کی ہے اور کہا ہے: ہمارے اصحاب کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا واجب ہے، کیونکہ انسان پر واجب ہے کہ وہ دو مرتبہ شہادت دے، ایک مرتبہ زندگی میں اور ایک مرتبہ جب اس کو قدرت ہو۔ پھر کہا: امام شافعی کا یہ شاذ قول ہے کہ انہوں نے یہ زعم کیا کہ یہ نماز میں فرض ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۱۰ ص ۱۱۳)

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں: متعدد مالکی علماء نے اس طرح لکھا ہے، اور میں اس عبارت پر راضی نہیں ہوں، کیونکہ تم جانتے ہو کہ صحابہ کی ایک جماعت بھی اس سے پہلے یہ کہہ چکی ہے۔ اور ابن المواز بھی مالکیوں میں سے ہیں۔

اور حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: یہ درود شریف نماز میں ہے۔ اور ابراہیم بن محمد نے اس حدیث کو از سعید بن اسحاق از ابن ابی لیلیٰ کعب بن عجرہ روایت کیا ہے۔

امام طحاوی نے یہ کہا ہے: امام شافعی کے مخالفین کی دلیل یہ ہے کہ ابراہیم بن محمد ان محدثین میں سے نہیں ہیں جن کی حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اور اگر یہ ثابت بھی ہو تو ان کی حدیث میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اس درود شریف کو نماز میں پڑھنا فرض ہے۔ کیونکہ ہم نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں قرآن مجید کی آیتیں پڑھیں اور آپ نے حکم دیا کہ وہ آیتیں نماز میں پڑھی جائیں لیکن آپ کی یہ مراد نہیں تھی کہ ان آیتوں کو پڑھنا فرض ہے۔ اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب "فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۝" (الواقعہ: ۷۴) نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو اپنے رکوع میں رکھو، اور جب "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝" (الاعلیٰ: ۱) نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا: اس کو اپنے سجدہ میں رکھو۔ اور جو شخص رکوع اور سجود میں ان تسبیحات کو نہ پڑھے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، تو معلوم ہوا کہ ان تسبیحات کو پڑھنا فرض نہیں ہے۔

اسی طرح روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو نماز میں تشہد کی تعلیم دی۔ اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔ اور اس کا ذکر صحیح البخاری: ۸۳۱ میں ہو چکا ہے۔ یعنی صحیح البخاری: ۸۳۱ میں صرف تشہد پڑھنے کا ذکر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔ سو اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز میں درود شریف پڑھنا فرض ہوتا تو یہاں پر اس کا بھی ذکر ہوتا۔

علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں: لیکن حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تشہد کے بعد صلوٰۃ پڑھنے کا بھی ذکر ہے، جیسا کہ صحیح مسلم: ۴۰۵، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ علی النبی بعد التشهد میں مذکور ہے۔ اور سنن ابوداؤد: ۱۴۸۱، سنن ترمذی: ۳۴۷۷، سنن نسائی: ۱۲۸۴ میں مذکور ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۹۰۔ ۲۹۲ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابن الملقن کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: مذکور الصدر روایات میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنے کا ذکر تو ہے لیکن اس میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس درود شریف کو پڑھنا فرض ہے، جب کہ امام شافعی کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں درود شریف پڑھنا فرض ہے۔ لہٰذا امام طحاوی کی دلیل مضبوط ہے اور علامہ ابن الملقن کا عذر اس سلسلہ میں مفید نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۳۵۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کے متعلق مذاہب علماء

حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعی لکھتے ہیں:

میں جو اس سلسلہ میں علماء کے کلام پر واقف ہوا ہوں تو اس میں درج ذیل دس مذاہب ہیں:

(۱) امام ابن جریر طبری نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود شریف) پڑھنا مستحبات میں سے ہے اور انہوں نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔

(۲) ابن قصار وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فی الجملہ صلوٰۃ (درود) پڑھنا واجب ہے، لیکن اس کا شمار نہیں ہے۔ اور کم سے کم عمر میں ایک مرتبہ پڑھنا کافی ہے۔

(۳) زندگی میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے خواہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں ہو اور یہ کلمۂ توحید کی مثل ہے۔ یہ امام ابوبکر رازی حنفی کا قول ہے اور ابن حزم وغیرہ نے بھی کہا ہے اور علامہ قرطبی المفسر نے کہا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عمر میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے۔ اور یہ ہر وقت سننِ مؤکدہ کی طرح واجب ہے۔

(۴) نماز کے تشہد اخیر میں سلام کے بعد آپ پر درود پڑھنا واجب ہے۔ اور اس کے بعد نماز کو ختم کرنے کے لیے سلام پڑھا جائے، یہ امام شافعی اور ان کے متبعین کا قول ہے۔

(۵) الشعبی اور اسحاق بن راہویہ نے کہا ہے کہ تشہد میں آپ پر درود پڑھنا واجب ہے۔

(۶) امام ابوجعفر الباقر نے کہا ہے کہ نماز میں بغیر تعیین محل کے آپ پر درود شریف پڑھنا واجب ہے۔
(۷) ابوبکر مالکی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت کے ساتھ درود شریف پڑھنا واجب ہے اور اس میں کسی عدد کی تعیین نہیں ہے۔
(۸) امام طحاوی نے کہا ہے اور حنفیہ کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے تو آپ پر درود شریف پڑھنا واجب ہے، اور حلیمی اور فقہاء شافعیہ کی ایک جماعت نے بھی کہا ہے۔ اور ابن العربی مالکی نے کہا ہے: اسی میں زیادہ احتیاط ہے، اسی طرح علامہ زمخشری نے بھی کہا ہے۔
(۹) علامہ الزمخشری نے کہا ہے: ہر مجلس میں ایک مرتبہ آپ پر درود شریف پڑھنا واجب ہے، اور اگر آپ کا ذکر کئی مرتبہ کیا جائے تو کئی مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے۔
(۱۰) نیز علامہ زمخشری نے کہا ہے: ہر دعا کے اندر آپ پر درود شریف پڑھنا واجب ہے۔

رہا یہ کہ کس جگہ آپ پر نماز میں درود شریف پڑھا جائے، تو یہ اس سے معلوم ہو جاتا ہے جو ہم نے درود شریف پڑھنے کے حکم میں علماء کی آراء بیان کی ہیں۔

رہا یہ کہ درود شریف پڑھنے کی صفت کیا ہے، تو اس کی صفت وہی ہے جس کا اس باب کی دونوں حدیثوں میں ذکر ہے۔

درود شریف پڑھنے کی صفت اور کیفیت

امام طبری نے از الحکم یہ روایت کی ہے کہ "میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کھڑا ہوا، پس میں نے کہا: آپ پر سلام پڑھنے کو تو ہم نے پہچان لیا، پس آپ پر صلوٰۃ کس طرح ہوگی یا رسول اللہ! تو آپ نے فرمایا: تم کہنا اللھم صل علی محمد ۔۔۔ الحدیث"۔

حضرت زید بن خارجہ کی حدیث کو امام نسائی نے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: مجھ پر درود پڑھو اور بہت کوشش سے دعا کرو اور کہو اللھم صل علی محمد ۔۔۔ الحدیث"۔

صحابہ کرام جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے تھے کہ ہم آپ پر کس طرح صلوٰۃ (درود شریف) پڑھیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ سلام پڑھنے کے متعلق تو ان کو معلوم تھا کہ اس کے الفاظ مخصوص ہیں اور وہ یہ ہیں "السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" تو صحابہ نے اس سے یہ سمجھا کہ صلوٰۃ کا بھی کوئی لفظ مخصوص ہوگا اور انہوں نے خود قیاس نہیں کیا، کیونکہ ممکن تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کر کے معلوم کر لیتے، خاص طور پر ذکر کے الفاظ جن میں قیاس نہیں ہوتا۔ تبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح نہیں فرمایا کہ تم یوں کہو "الصلوٰۃ علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" اور نہ آپ نے یوں فرمایا "الصلوٰۃ والسلام علیک" بلکہ آپ نے دوسرا صیغہ بتلایا۔ آپ نے فرمایا تم کہو "اللھم صل علی محمد"۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھی جانے والی صلوٰۃ (درود) کا معنی

ابوالعالیہ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ (درود) کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کا ملائکہ کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد و ثناء کرنا۔ اور ملائکہ کی صلوٰۃ کا معنی ہے: آپ کے لیے دعا کرنا۔

اور امام ابن ابی حاتم نے مقاتل بن حیان سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا صلوٰۃ (درود) پڑھنا اس کا مغفرت فرمانا ہے، اور ملائکہ کا صلوٰۃ (درود) پڑھنا استغفار کرنا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رب کی صلوٰۃ کا معنی ہے رحمت اور ملائکہ کی صلوٰۃ کا معنی ہے: استغفار۔
اور الضحاک بن مزاحم نے کہا: اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ (درود) اس کی رحمت ہے، اور ایک روایت ہے کہ اس کی مغفرت ہے۔ اور ملائکہ کی صلوٰۃ (درود) دعا ہے۔ ان دونوں کی اسماعیل قاضی نے روایت کی ہے اور گویا کہ دعا سے ان کی مراد مغفرت ہے۔
المبرّد نے کہا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ (درود) رحمت ہے اور ملائکہ کی صلوٰۃ، رحمت کو طلب کرنا ہے۔
اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ (درود) اور رحمت میں مغایرت کی ہے، قرآن مجید میں ہے:

أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۔ (البقرہ: ۱۵۷) یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے خصوصی نوازشیں ہیں اور رحمت ہے۔

اسی طرح صحابہ کرام نے بھی صلوٰۃ اور رحمت میں مغایرت کو سمجھا تھا، حتیٰ کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیفیتِ صلوٰۃ سے متعلق سوال کیا حالانکہ سلام کے ساتھ رحمت کا ذکر ہے "السلام علیك ایها النبی و رحمة الله وبركاته"۔ اس کے باوجود انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صلوٰۃ (درود) کی کیفیت کے متعلق سوال کیا۔ اگر صلوٰۃ رحمت کے معنی میں ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: تم سلام میں اس طریقہ کو جان چکے ہو۔
علامہ الحلیمی نے کہا: یہ جائز ہے کہ صلوٰۃ آپ پر سلام کے معنی میں ہو اور یہ درست نہیں ہے۔ اور اس باب کی حدیث اس پر رد کرتی ہے۔ اور بہترین قول وہ ہے جو ابو العالیہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) آپ کی حمد وثنا اور آپ کی تعظیم ہے اور ملائکہ کی صلوٰۃ اور دوسروں کی صلوٰۃ اس تعظیم کو اور اس میں اضافہ کو طلب کرنا ہے۔
ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر صلوٰۃ (درود) خاص بھی ہوتی ہے اور عام بھی ہوتی ہے۔ پس انبیاء علیہم السلام پر جو صلوٰۃ ہے وہ ان کی حمد وثنا ہے اور ان کی تعظیم ہے۔ اور دوسروں پر جو اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ (درود) ہے وہ اللہ تعالیٰ کی وہ رحمت ہے جو ہر چیز کو شامل ہے۔
اور قاضی عیاض نے بکر بن القشیری سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو صلوٰۃ ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف کو بیان کرنا ہے اور آپ کی زیادہ تکریم ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ پر جو صلوٰۃ ہے وہ رحمت ہے۔ اور اس تقریر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی مومنین کے درمیان صلوٰۃ (درود) کا فرق واضح ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهُ۔ (الاحزاب: ۴۳) وہی ہے جو تم پر رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے (بھی)۔

اور یہ معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کا مرتبہ اس سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے جو مومنین پر صلوٰۃ نازل ہوتی ہے۔ اور اس پر اجماع ہے کہ اس آیت میں ("صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا" الاحزاب: ۵۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تعظیم اور تکریم ہے جو دوسری آیات میں نہیں ہے۔
اور علامہ الحلیمی نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کا معنی آپ کی تعظیم ہے، پس جب ہم کہتے ہیں "اللهم صل علی محمد" تو اس کا معنی ہے: اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعظیم کر، اور مراد یہ ہے کہ دنیا میں آپ کے ذکر کو بلند کر کے اور آپ کے دین کو غالب کر کے اور آپ کی شریعت کو باقی رکھ کر آپ کی تعظیم ہو۔ اور آخرت میں آپ کی تعظیم سے مراد یہ ہے کہ آپ کو عظیم ثواب عطا کیا جائے

اور آپ کو آپ کی امت کے حق میں شفاعت کرنے والا بنایا جائے اور آپ کو مقامِ محمود پر فائز کیا جائے۔ پس قرآن مجید میں جو ارشاد ہے "صَلُّوْا عَلَيْهِ" اس کا معنی ہے: تم اپنے رب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) کی دعا کرو۔

اس پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ پر آپ کی آل اور آپ کی ازواج اور آپ کی ذرّیت کا بھی عطف ہوتا ہے، تو اس سے کوئی مانع نہیں ہے کہ ان کی تعظیم کی بھی دعا کی جائے، کیونکہ ہر ایک کی تعظیم اس کے مرتبہ اور درجہ کے مناسب ہوتی ہے۔ اور ابو العالیہ کا قول زیادہ واضح ہے، کیونکہ اس سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ جب لفظِ صلوٰۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور ملائکہ کی طرف ہو اور مومنین کی طرف ہو جنہیں صلوٰۃ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، ان سب کا ایک معنی ہے۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ غیر انبیاء کے لیے بھی رحمت کی دعا کرنا جائز ہے۔ اور غیر انبیاء پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کے جواز میں اختلاف ہے۔ اور اگر "اللهم صل على محمد" کا معنی یہ ہوتا کہ اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحم فرما، تو پھر یہ غیر انبیاء کے لیے بھی جائز ہوتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کے متعدد الفاظ اور صیغے

علامہ نووی نے شرح المہذب میں کہا ہے کہ احادیثِ صحیحہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کے جتنے بھی الفاظ وارد ہیں، ان سب کو جمع کرنا چاہیے۔ پس یوں صلوٰۃ پڑھی جائے: "اللهم صل على محمد النبي الامي وعلى آل محمد وازواجه وذريته كما صليت على ابراهيم وآلِ ابراهيم وبارك في العالمين"۔

امام سعید بن منصور، امام طبرانی، امام طبری اور ابن فارس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک حدیثِ طویل روایت کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں: "اللهم اجعل شرائف صلواتك ونوامي بركاتك ورأفة تحيتك على محمد عبدك ورسولك ۔ الحديث"۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "اللهم اجعل صلواتك وبركاتك ورحمتك على سيد المرسلين امام المتقين وخاتم النبيين محمد عبدك ورسولك ۔ الحديث"۔

اس حدیث کی امام ابن ماجہ اور امام طبری نے روایت کی ہے۔

اور ابن قیم نے دعویٰ کیا ہے کہ اکثر بلکہ کل احادیث میں یہ تصریح ہے کہ محمد اور آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر آلِ ابراہیم کے ساتھ کیا جائے۔

ابو العباس سراج نے از داؤد بن قیس از نعیم از مجمر از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ صحابہ کرام نے کہا: یارسول اللہ! ہم آپ پر کس طرح صلوٰۃ پڑھیں، تو آپ نے فرمایا: تم کہو "اللهم صل على محمد وعلى آل محمد وبارك على محمد وعلى آل محمد كما صليت وباركت على ابراهيم وآل ابراهيم انك حميد مجيد"۔

اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم یوں کہو "اللهم اجعل صلواتك ورحمتك وبركاتك على محمد وعلى آل محمد كما جعلتها على ابراهيم وعلى آل ابراهيم"۔ اس حدیث کی اصل امام احمد کے نزدیک ہے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی جس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس میں اور اضافہ بھی ہے اور وہ یہ ہے: "وارحم محمدا وآل محمد كما صليت وباركت وترحمت على ابراهيم ۔ الحديث"۔

امام طبری نے اپنی تہذیب میں از حنظلہ بن علی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کہا: "اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم وبارك على محمد

وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم وترحم علی محمد وعلی آل محمد کما ترحمت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم '' تو میں قیامت کے دن اس کے حق میں شہادت دوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے سوا اس کے کہ اس میں سعید بن سلیمان ایک راوی مجہول ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) پڑھتے ہوئے آپ کے اوپر رحمت کے ذکر کی تحقیق

جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام پڑھا جائے یا صلوٰۃ پڑھی جائے تو اس کے ساتھ رحمت کا ذکر کرنا جائز ہے اور علامہ ابن العربی الصید لانی الشافعی نے کہا ہے کہ یہ منع ہے۔ اور ابوالقاسم الانصاری نے کہا کہ صلوٰۃ اور سلام کے ساتھ رحمت کا ذکر کرنا جائز ہے، اور صلوٰۃ اور سلام کے بغیر آپ کے اوپر رحمت کی دعا کرنا جائز نہیں ہے۔

اور قاضی عیاض نے جمہور سے جواز کو مطلقاً نقل کیا ہے۔ اور علامہ قرطبی نے المفہم میں کہا ہے کہ یہی صحیح ہے، کیونکہ احادیث میں آپ کے لیے رحمت کا بھی ذکر ہے۔ اور دوسرے علماء نے اس کی مخالفت کی ہے۔ پس فقہاء احناف کی کتاب الذخیرہ میں لکھا ہوا ہے کہ امام محمد نے کہا: یہ مکروہ ہے، کیونکہ اس میں نقص کا وہم ڈالنا ہے، کیونکہ رحمت عموماً اس فعل پر کی جاتی ہے جس فعل پر ملامت کی جائے۔ اور علامہ ابن عبدالبر نے وثوق سے اس کو منع کیا ہے، انہوں نے کہا: کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرے تو کہے '' رحمه الله '' کیونکہ آپ نے فرمایا '' من صلی علی '' (جس نے مجھ پر صلوٰۃ پڑھی) اور آپ نے یہ نہیں فرمایا '' من ترحم علی '' (جس نے میرے لیے رحمت کی دعا کی) اگرچہ صلوٰۃ کا معنی بھی رحمت ہے، لیکن صلوٰۃ کا لفظ تعظیم کے لیے خاص ہے، لہٰذا اس لفظ کو چھوڑ کر دوسرا لفظ نہیں بولا جائے گا، بلکہ اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے:

لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَیۡنَکُمۡ کَدُعَآءِ بَعۡضِکُمۡ بَعۡضًا۔ (النور: ٦٣) — تم رسول کے بلانے کو ایسا نہ قرار دو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔

اور یہ بہت عمدہ بحث ہے۔

حدیث مذکور میں آل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مصداق

اس میں اختلاف ہے کہ اس حدیث میں آل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مصداق کون ہے۔ پس راجح قول یہ ہے کہ آل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مراد آپ کی وہ آل ہے جن کو صدقہ دینا حرام ہے۔ امام شافعی نے اسی کی تصریح کی ہے اور یہی جمہور کا مختار ہے۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے فرمایا: '' انا آل محمد لا تحل لنا الصدقه '' (ہم آل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں ہمارے لیے صدقہ جائز نہیں ہے)۔

اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ صدقہ لوگوں کے لیے میل ہے، اور یہ صدقہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے جائز نہیں ہے۔

امام احمد نے کہا: تشہد کی حدیث میں آل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مراد آپ کے اہل بیت ہیں۔ اور اس بناء پر کیا اس حدیث میں آل کے بجائے اہل کا لفظ کہنا جائز ہے؟ اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ آل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مراد آپ کی ازواج اور آپ کی اولاد ہیں، کیونکہ اس حدیث کی اکثر سندوں میں

"آل محمد وازواجه وذريته" کے لفظ ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ آل سے مراد آپ کی ازواج اور آپ کی اولاد ہیں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ آل سے مراد آپ کی تمام امتِ اجابت ہے۔علامہ ابن العربی مالکی نے کہا: امام مالک کا اس قول کی طرف میلان ہے۔اور ازہری کا بھی یہی مختار ہے۔اور اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے:

اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔(الانفال:۳۴) اس کے متولی تو صرف متقی مسلمان ہی ہوتے ہیں O

اور بعض علماء نے اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے،وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آل محمد کل تقی" (ہر متقی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہے)۔اس حدیث کی امام طبرانی نے روایت کی ہے لیکن اس کی سند بہت کمزور ہے،اور امام بیہقی نے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے لیکن اس کی سند بھی ضعیف ہے۔

اس سوال کے متعدد جوابات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صلوٰۃ (درود) سے تشبیہ دی گئی ہے

مشہور سوال یہ ہے کہ مشبہ بہ،مشبہ سے افضل ہوتا ہے۔اس کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں، حالانکہ آپ آلِ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) سے اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) سے افضل ہیں۔اس سوال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں صلوٰۃ (درود) پڑھنے کی تعلیم اس وقت دی تھی جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ علم نہیں دیا تھا کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں، کیونکہ امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "یا خیر البریة" (اے وہ جو تمام مخلوق میں سب سے افضل ہیں)۔تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خیر البریة" حضرت ابراہیم (علیہ السلام) ہیں۔پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرمایا کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں،اس جواب پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ علم ہو گیا کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں تو پھر آپ اس درود کو متغیر کر دیتے۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے درود کی یہ تعلیم تو اضعاً دی تھی اور امت کے لیے بھی تواضع کو مشروع کیا تا کہ وہ بھی تواضع کی فضیلت کو حاصل کر لیں۔

(۳) یہاں پر نفسِ صلوٰۃ کو نفسِ صلوٰۃ (درود) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے نہ کہ صلوٰۃ کے مرتبہ اور درجہ کے اعتبار سے فضیلت دی گئی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو صلوٰۃ (درود) نازل کی گئی ہے وہ اس سے عظیم درجہ کی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صلوٰۃ (درود) نازل کی گئی ہے۔اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

اِنَّاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ كَمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ (النساء:۱۶۳) (اے رسول معظم!) بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی (نازل) فرمائی جیسے ہم نے نوح اور ان کے بعد دوسرے نبیوں کی طرف وحی (نازل) فرمائی۔

اس آیت میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو وحی نازل کی گئی ہے،اس کو اس وحی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی نازل کی گئی تھی۔اور یہ تشبیہ بھی نفسِ وحی میں ہے وحی کی کیفیت میں نہیں ہے۔اسی طرح قرآن مجید کی درج ذیل آیت ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔(البقرۃ:۱۸۳) تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا تھا۔

اس آیت میں ہم پر جو روزے فرض کیے گئے ہیں ان روزوں کو پچھلی امتوں کے روزوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور یہ تشبیہ بھی نفس

صیام میں ہے کیفیتِ صیام میں نہیں ہے اور نہ مقدارِ صیام میں ہے، کیونکہ ان کا روزہ ہمارے روزوں سے مقدار میں بہت بڑا ہوتا تھا۔

(۴) اس حدیث میں کاف تشبیہ کے لیے نہیں ہے بلکہ تعلیل کے لیے ہے، یعنی اے اللہ! سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) نازل فرما کیوں کہ تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صلوٰۃ (درود) نازل فرمائی ہے۔ اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا (البقرہ:۱۵۱) کیونکہ ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا ہے جو تم پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہے۔

وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ (البقرہ:۱۹۸) کیوں کہ اس نے تم کو ہدایت دی ہے اس لیے اس کا ذکر کرو۔

(۵) اس سے مراد یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ اپنا خلیل بنائے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا تھا۔ اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لسانِ صدق عطا فرمائے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لسانِ صدق عطا فرمائی ہے، اگرچہ دونوں کے خلیل ہونے میں اور دونوں کی لسانِ صدق میں بہت فرق ہے۔

(۶) ''اللهم صل علی محمد'' میں محمد کی تشبیہ نہیں ہے بلکہ آلِ محمد کی تشبیہ ہے۔ یعنی آلِ محمد پر ایسی صلوٰۃ (درود) نازل فرما جیسی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صلوٰۃ (درود) نازل فرمائی تھی۔ اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونا لازم نہیں آئے گا بلکہ آلِ ابراہیم سے افضل ہونا لازم آئے گا۔ اب اس پر یہ سوال ہوگا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر صلوٰۃ (درود) بھیجنا کس طرح درست ہوگا جب کہ غیر انبیاء علیہم السلام پر صلوٰۃ (درود) بھیجنا جائز نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تشبیہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل کے ساتھ دی گئی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل میں انبیاء علیہم السلام بھی ہیں۔ یہ جواب امام شافعی کی طرف منسوب ہے۔

(۷) یہ تشبیہ مجموع کی مجموع کے ساتھ ہے یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

(۸) یہ تشبیہ نمازی کی طرف راجع ہے، گویا نمازی یہ دعا کرتا ہے: اے اللہ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کا مجھے ایسا اجر عطا فرما جیسا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کا اجر عطا فرماتا ہے۔

(۹) ہم یہ نہیں مانتے کہ ہمیشہ مشبہ بہ، مشبہ سے افضل ہوتا ہے بلکہ کبھی مشبہ، مشبہ بہ سے افضل ہوتا ہے جیسے قرآن مجید میں ہے:

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ (النور:۳۵) اس کے نور کی مثال ایسے طاق کی طرح ہے جس میں چراغ ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال طاق کے چراغ کے ساتھ دی گئی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نور کے مقابلہ میں چراغ کے نور کی کیا حیثیت ہے۔ لیکن جب کہ مشبہ بہ میں مشابہت ظاہر ہوتی ہے تو تشبیہ عمدہ ہوتی ہے، تو جو طاق میں چراغ ہو اس کا نور ظاہر ہوتا ہے، اس لیے اس کے نور کے ساتھ اللہ کے نور کو تشبیہ دی گئی ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعظیم ان پر صلوٰۃ پڑھنے کی وجہ سے مشہور تھی تو اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صلوٰۃ کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔

(۱۰) علامہ الحلیمی نے کہا ہے کہ اس تشبیہ کا سبب یہ ہے کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیت کے متعلق کہا:

رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ اے اہلِ بیت اتم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں، بے شک اللہ

مَّجِيدٌ ۞ (ہود:۷۳) حمد وثناء کا مستحق بہت بزرگ ہے O

اور یہ معلوم ہے کہ سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اہلِ بیت میں سے ہیں، گویا نمازی کہتا ہے: اے اللہ! ان فرشتوں کی دعا قبول فرما جنہوں نے سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ کے متعلق کہا تھا جیسا کہ تو نے ان کے متعلق دعا قبول فرمائی ہے۔ علامہ نووی نے ان میں سے بعض جوابات کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ بہترین جواب وہ ہے جو امام شافعی کی طرف منسوب ہے۔ اور یہ کہ تشبیہ نفسِ صلوٰۃ کی ہے نہ کہ کیفیتِ صلوٰۃ کی، یا مجموعہ کی مجموعہ کے ساتھ تشبیہ ہے۔

نبی ﷺ پر نماز میں صلوٰۃ (درود) پڑھنے کی کیفیت

ہمارے شیخ مجد الدین شیرازی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں نبی ﷺ پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کی فضیلت کو بیان کیا ہے، اس میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ پر صلوٰۃ پڑھنے کی افضل کیفیت یہ ہے کہ یوں صلوٰۃ پڑھے: ''اللھم صل علی محمد عبدك ورسولك النبی الامی وعلی آلہ وازواجہ وذریتہ وسلم عدد خلقك ورضا نفسك وزنۃ عرشك ومداد کلماتك''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو اس سے خوشی ہو کہ اس کو پورا پورا اجر دیا جائے، وہ جب ہم پر صلوٰۃ پڑھے تو یوں پڑھے: ''اللھم صل علی محمد النبی وازواجہ امھات المومنین وذریتہ واھل بیتہ کما صلیت علی ابراھیم۔۔۔ الحدیث''۔

صلوٰۃ (درود) اور سلام دونوں کو ملا کر پڑھا جائے یا الگ الگ بھی پڑھا جا سکتا ہے؟

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۞ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود پڑھو اور بہ کثرت سلام پڑھو O

(الاحزاب:۵۶)

اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کو سلام پڑھنے کی تعلیم پہلے دی گئی اور صلوٰۃ (درود) پڑھنے کی تعلیم بعد میں دی گئی، کیونکہ انہوں نے کہا: ہم نے جان لیا کہ ہم کس طرح آپ پر سلام پڑھیں، سو ہم آپ پر صلوٰۃ کیسے پڑھیں؟

اور اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ صلوٰۃ (درود) اور سلام کو الگ الگ پڑھنا مکروہ نہیں ہے، کیونکہ سلام کی تعلیم صلوٰۃ (درود) کی تعلیم سے پہلے ہے۔ پس پہلے نماز میں ایک عرصہ تک صرف سلام پڑھا جاتا تھا پھر بعد میں صلوٰۃ کو پڑھنا شروع کیا گیا۔ ہاں یہ مکروہ ہے کہ آدمی صرف صلوٰۃ کو پڑھے اور آپ پر سلام کو بالکل نہ پڑھے، لیکن اگر اس نے ایک وقت میں صلوٰۃ (درود) پڑھ لی اور دوسرے وقت میں سلام پڑھ لیا تو وہ بھی اس آیت پر عمل کرنے والا ہو جائے گا۔

نبی ﷺ پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کی فضیلت

نبی ﷺ پر صلوٰۃ پڑھنے کی فضیلت میں بہت احادیث قویہ ہیں، امام بخاری نے ان میں سے کسی کی روایت نہیں کی۔ وہ احادیث درج ذیل ہیں:

(۱) امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: جس نے مجھ پر ایک مرتبہ صلوٰۃ (درود) پڑھی، اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ صلوٰۃ پڑھتا ہے۔

(۲) امام نسائی حضرت ابوبردہ بن نیار اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے جس نے مجھ پر اخلاص قلب کے ساتھ صلوٰۃ (درود) پڑھی، اللہ تعالیٰ اس پر دس صلوات نازل فرماتا ہے اور اس کے دس درجات بلند فرماتا ہے اور اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دیتا ہے اور اس کی دس برائیوں کو مٹا دیتا ہے۔

(۳) امام ترمذی نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن وہ شخص میرے سب سے زیادہ قریب ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ صلوٰۃ (درود) پڑھتا ہوگا۔ امام ابن حبان نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۴) امام بیہقی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر جمعہ کے دن میری امت کی صلوٰۃ مجھ پر پیش کی جاتی ہے، پس جو مجھ پر زیادہ صلوٰۃ (درود) پڑھتا ہوگا، وہ میرے زیادہ قریب ہوگا۔

(۵) امام احمد، امام ابوداؤد، امام ابن حبان اور امام حاکم نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر صلوٰۃ (درود) نہ پڑھے۔ اس حدیث کی امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن حبان اور امام حاکم نے روایت کی ہے۔

(۶) امام ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور امام طبرانی نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: جو مجھ پر صلوٰۃ (درود) پڑھنا بھول گیا، وہ جنت کے راستہ سے خطا کرے گا۔

(۷) امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کی ناک خاک آلودہ کرے جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر صلوٰۃ (درود) نہیں پڑھی۔

(۸) امام عبدالرزاق نے قتادہ کی مرسل روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: بے وفائی میں سے یہ ہے کہ کسی شخص کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر صلوٰۃ (درود) نہ پڑھے۔

(۹) امام احمد نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! میں آپ پر بہت زیادہ صلوٰۃ (درود) پڑھتا ہوں، میں آپ پر کتنی صلوٰۃ (درود) پڑھا کروں؟ آپ نے فرمایا: جتنی مرتبہ تم چاہو، اس نے کہا: تہائی مرتبہ، آپ نے فرمایا: جتنی مرتبہ تم چاہو، اگر تم اس سے زیادہ پڑھو تو بہتر ہے، اس نے کہا کہ میں کل وقت میں آپ پر صلوٰۃ پڑھوں گا، آپ نے فرمایا: پھر یہ تمہارے مقصود کے لیے کافی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کے فوائد

علامہ حلیمی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے سے مقصود یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو ہم پر حق ہے اس کو ادا کیا جائے۔ اور علامہ ابن عبدالسلام نے بھی ان کی اتباع کی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کے وجوب پر دلائل

علامہ ابن العربی نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کا فائدہ نمازی کی طرف لوٹتا ہے، کیونکہ اس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنا اس کے عقیدہ کی صحت پر اور اس کی نیت کے اخلاص پر اور اس کی محبت کے اظہار پر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے دوام پر اور آپ کے واسطہ کریمہ کے احترام پر دلالت کرتا ہے۔ اور انہوں نے ان احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں آپ پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کو اس وقت واجب کیا ہے جب آپ کا ذکر کیا جائے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کی ناک خاک آلودہ کرے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر صلوٰۃ نہ پڑھے، اور اس کو بخیل فرمایا اور اس کو جفا کار فرمایا۔ اور یہ سب وعیدات ہیں۔ اور ترک پر وعید وجوب کی علامت ہے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کا حکم آپ کے احسان کے بدلہ کے لیے ہے اور آپ کا احسان تو دائم اور مستمر ہے، لہٰذا آپ پر صلوٰۃ (درود) بھی دوام اور استمرار کے ساتھ پڑھی جائے۔ اور انہوں نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔ (النور: ۶۳)

تم رسول کے بلانے کو ایسا نہ قرار دو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔

پس اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے اور کوئی مسلمان آپ پر صلوٰۃ (درود) نہ پڑھے تو وہ آپ کو عام لوگوں کی طرح قرار دے رہا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کے عدم وجوب اور استحباب پر دلائل

جو علماء نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کو واجب نہیں قرار دیتے، ان کے دلائل یہ ہیں:

(۱) صحابہ کرام اور تابعین عظام میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) پڑھنا واجب ہے، سو یہ من گھڑت قول ہے، اور اگر یہ بر سبیل عموم ہوتا تو مؤذن پر لازم ہوتا کہ جب اذان دے تو آپ پر درود پڑھے، اسی طرح اذان سننے والے پر لازم ہوتا کہ اذان سنے تو آپ پر صلوٰۃ (درود) پڑھے، اور قرآن پڑھنے والے پر لازم ہوتا کہ جب بھی قرآن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پڑھے تو آپ پر صلوٰۃ (درود) پڑھے۔ اور جو شخص اسلام میں داخل ہو تو جب بھی وہ کلمہ شہادت پڑھے تو آپ پر صلوٰۃ پڑھے، اور اس میں مشقت اور حرج ہے اور شریعت اس کے خلاف سہل ہے۔

(۲) اگر ایسا ہوتا تو جب بھی اللہ عزوجل کا ذکر کیا جاتا تو اللہ عزوجل کی حمد و ثناء کرنا واجب ہوتی اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

(۳) فقہاء احناف میں سے صاحب القدوری نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جب بھی ذکر کیا جائے تو آپ پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کے وجوب کا قول اجماع کے خلاف ہے، کیونکہ صحابہ میں سے کسی سے بھی یہ محفوظ نہیں ہے کہ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوں تو یہ کہتے ہوں "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک"۔ اور یہ اسی لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو سننے والا دوسری عبادت سے فارغ نہ ہوتا۔ اور انہوں نے ان احادیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ بطور مبالغہ اور بطور تاکید کے وارد ہیں اور اس شخص سے متعلق ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) کے ترک کرنے کو اپنی عادت بنالیتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ جب بھی مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے تو آپ پر صلوٰۃ (درود) پڑھنا

واجب ہے۔اور تمام متقدمین اور متاخرین علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص آپ پر صلوٰۃ (درود) نہ پڑھے تو وہ فرض یا لازم کا تارک نہیں ہے اور گناہ گار نہیں ہے۔پس اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کا حکم استحباب کے لیے ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کے مواقع

تشہد اول میں، جمعہ اور دیگر خطبات میں، نمازِ جنازہ میں۔

جن مواقع میں درود شریف پڑھنے کی خصوصی احادیث میں تاکید ہے، ان میں سے اکثر احادیث کی سند جید ہے اور وہ یہ ہیں:

موذن کے کلمات کا جواب دینے کے بعد اور دعا سے پہلے، دعا کے وسط میں، دعا کے آخر میں اور دعا کے اول میں درود شریف پڑھنے کی تاکید ہے۔اور قنوت کے آخر میں، اور تکبیراتِ عید کے درمیان میں اور مسجد میں داخل ہوتے وقت اور مسجد سے باہر آتے وقت اور لوگوں کے ساتھ اجتماع کے وقت اور ان سے تفریق کے وقت اور سفر میں، اور تہجد کی نماز کے وقت، ختمِ قرآن کے وقت، غم اور فکر کے وقت، گناہ سے توبہ کے وقت، حدیث پڑھنے کے وقت، علم کی تبلیغ کے وقت، ذکر کے وقت، جب کوئی چیز بھول جائے۔

اور بعض احادیثِ ضعیفہ میں وارد ہے کہ حجرِ اسود کی تعظیم کے وقت، تلبیہ پڑھنے کے وقت، وضو کے وقت، ذبح کے وقت اور چھینک کے وقت۔اور ان دونوں مواقع پر درود شریف پڑھنے کی ممانعت بھی وارد ہے اور جمعہ کے دن کثرت کے ساتھ درود شریف پڑھنے کی تاکید ہے جیسا کہ حدیثِ صحیح میں ہے۔(فتح الباری ج ۷ ص ۴۰۹۔ ۴۲۲، ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اللہ تعالیٰ حافظ ابن حجر عسقلانی پر بے شمار رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے، انہوں نے اس حدیث شریف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کے متعلق بہت عمدہ اور جامع شرح لکھی ہے اور درود شریف سے متعلق کسی گوشہ کو نہیں چھوڑا۔میں تقریباً چالیس (۴۰) سال سے شروحاتِ حدیث کا مطالعہ کر رہا ہوں اور میں نے کسی کتاب میں درود شریف سے متعلق اختصار کے ساتھ اتنی جامع بحث نہیں پڑھی۔اللہ تعالیٰ ہمیں درود شریف کو زیادہ سے زیادہ محبت کے ساتھ پڑھنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔اور میں نے انتہائی مشقت اور محنت کے ساتھ فتح الباری سے ان مباحث کو اخذ کیا ہے، اللہ تعالیٰ میری اس محنت کو بھی اپنی بارگاہ میں مقبول اور مشکور فرمائے۔آمین۔(سعیدی غفرلہٗ)

۳۳۔ بَابٌ: هَلْ يُصَلَّى عَلَى غَيْرِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم

کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر بھی صلوٰۃ (درود) پڑھی جائے گی؟

وقول الله تعالى: وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَوٰتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ (التوبۃ: ۱۰۳)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اور آپ ان پر صلوٰۃ (درود) بھیجیے، بے شک آپ کی صلوٰۃ ان کے لیے باعث طمانیت ہے“۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر استقلالاً صلوٰۃ (درود) پڑھی جائے گی یا طبعاً؟ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر کے لفظ میں فرشتے اور دیگر انبیاء علیہم السلام اور مومنین داخل ہیں۔

امام بخاری نے اس عنوان کو استفہام کے ساتھ شروع کیا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کے جواز کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے۔ سو بعض فقہاء نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کا مطلقاً انکار کیا ہے اور ان کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

امام ابو بکر بن ابی شیبہ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''میرے علم میں نہیں ہے کہ کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کے اوپر صلوٰۃ (درود) پڑھے''۔

یہ قول امام مالک سے منقول ہے۔ اور اسی کی مثل حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور سفیان سے بھی منقول ہے۔

اور بعض فقہاء نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر طبعاً صلوٰۃ پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے اور استقلالاً پڑھنے کو جائز قرار نہیں دیا ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ اور ایک جماعت کا قول ہے۔

اور بعض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر صلوٰۃ پڑھنے کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے یعنی استقلالاً بھی اور طبعاً بھی۔

رہا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر صلوٰۃ (درود) پڑھنا، اس کے متعلق درج ذیل احادیث ہیں:

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم مجھ پر صلوٰۃ پڑھو تو اللہ کے دیگر انبیاء پر بھی صلوٰۃ (درود) پڑھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اسی طرح مبعوث کیا ہے جس طرح مجھے مبعوث کیا ہے۔ اور اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حفظِ قرآن کی دعا کے متعلق حدیث ہے جس میں مذکور ہے: مجھ پر صلوٰۃ (درود) نازل فرما اور تمام انبیاء علیہم السلام پر صلوٰۃ نازل فرما۔ اس حدیث کی امام ترمذی اور امام حاکم نے روایت کی ہے۔

رہا فرشتوں پر درود پڑھنا، تو ممکن ہے کہ اس کا حدیثِ مذکور سے استنباط کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھی رسل فرمایا ہے۔

اور رہے مومنین، تو اس باب کی حدیث ان پر صلوٰۃ پڑھنے کے جواز پر دلالت کرتی ہے اور اس میں وہ اختلاف ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

امام بخاری نے اس آیت سے اس باب کو شروع کیا ہے تا کہ اس پر دلیل قائم ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر بھی صلوٰۃ (درود) پڑھنا جائز ہے۔ نیز یہ حدیث اس ابہام کو اٹھا دیتی ہے جو حدیث کے عنوان میں ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے ''وَصَلِّ عَلَيْهِمْ'' اس کا معنی ہے: ان کے لیے دعا کیجئے اور ان کے لیے استغفار کیجئے، کیونکہ صلوٰۃ کا معنی دعا ہے۔ اور علامہ ثعلبی کی تفسیر میں مذکور ہے کہ جب حاکم صدقہ کو وصول کرے تو کہے ''جو کچھ تم نے عطا کیا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اس پر اجر دے''۔

اور قتادہ اور کلبی سے منقول ہے کہ اس میں صدقہ دینے والوں کے لیے یہ اطمینان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے صدقہ کو ان سے قبول کر لیا ہے۔ اور ابو معاذ سے منقول ہے کہ یہ ان کا تزکیہ ہے۔ اور ابو عبیدہ سے منقول ہے: یہ ان کو ثابت قدم رکھنا ہے۔ (عمدۃ

القاری ج ۲۲ ص ۴۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۵۹۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنِ ابْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ كَانَ إِذَا أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم بِصَدَقَتِهِ قَالَ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ فَأَتَاهُ أَبِي بِصَدَقَتِهِ فَقَالَ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ أَبِي أَوْفَى۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عمرو بن مرہ از حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے صدقہ کو لے کر آتا تو آپ دعا فرماتے: ''اے اللہ! اس پر صلوٰۃ نازل فرما، پس آپ کے پاس میرے والد صدقہ لے کر آئے تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! ابواوفی کی آل پر صلوٰۃ نازل فرما''۔

(صحیح البخاری: ۱۴۹۷، ۴۱۶۶، ۶۳۳۲، ۶۳۵۹، صحیح مسلم: ۱۰۸۷، سنن نسائی: ۲۴۵۹، سنن ابوداؤد: ۱۵۹۰، سنن ابن ماجہ: ۱۷۹۶، مسند احمد: ۱۸۹۱۵)

صحیح البخاری: ۶۳۵۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابن ابی اوفی کا ذکر ہے، ابواوفی کے بیٹے کا نام عبداللہ ہے اور ابواوفی کا نام علقمہ بن خالد الاسلمی ہے اور یہ دونوں صحابی ہیں رضی اللہ عنہما۔

اس حدیث کی تحقیق کتاب الزکوٰۃ کے باب مذکور میں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۶۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو حُمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ أَنَّهُمْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ قَالَ قُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از عبداللہ بن ابی بکر از والد خود از عمرو بن سلیم الزرقی، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابوحمید الساعدی نے خبر دی کہ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہم آپ پر کیسے صلوٰۃ (درود) پڑھیں، تو آپ نے فرمایا: تم کہو: ''اے اللہ! (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور آپ کی ازواج پر اور آپ کی اولاد پر صلوٰۃ نازل فرما جیسا کہ تو نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر صلوٰۃ نازل فرمائی ہے، اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور آپ کی ازواج اور آپ کی اولاد پر برکت نازل فرما جیسا کہ تو نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر برکت نازل فرمائی ہے، بے شک تو تعریف کیا ہوا بزرگ ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۳۶۹، ۶۳۶۰، صحیح مسلم: ۴۰۷، سنن نسائی: ۱۲۹۴، سنن ابوداؤد: ۹۷۹، سنن ابن ماجہ: ۹۰۵، مسند احمد: ۲۳۰۸۹، موطا امام مالک: ۳۹۷)

صحیح البخاری: ۶۳۶۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر صلوٰۃ (درود) کا بیان'' اور اس حدیث میں اس ابہام کی وضاحت ہے جو باب کے عنوان میں ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن ابی بکر ہیں، یہ اپنے والد ابوبکر بن عمرو بن حزم الانصاری سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوحمید، یہ عبدالرحمن الانصاری المدنی الصحابی ہیں، اور ان کے نام میں اور ان کے والد کے نام میں اختلاف ہے۔

یہ حدیث''احادیث الانبیاء علیہم السلام'' میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جاچکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''وذریتہ'' اس کا معنی ہے نسل۔ اور کبھی اس کو عورتوں اور بچوں کے ساتھ مخصوص کیا جاتا ہے۔ اور کبھی اس کا اطلاق اصل پر ہوتا ہے اور یہ''ذرأ'' سے ماخوذ ہے، یعنی اس کو پیدا کیا گیا ہے مگر کثرت استعمال کی وجہ سے اس میں تخفیف کی گئی ہے اور ہمزہ کو حذف کر دیا گیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ''الذر'' سے ماخوذ ہے، یعنی ان کو چیونٹیوں کی مثل پیدا کیا گیا ہے۔

آل پر صلوٰۃ (درود) بھیجنے کا بیان

اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مراد آپ کی ازواج اور آپ کی اولاد ہیں۔ اور بعض علماء نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ آل پر صلوٰۃ بھیجنا واجب نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں آل کا ذکر نہیں ہے۔ اگرچہ دوسری احادیث میں آل کا بھی ذکر ہے۔

امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں:''صل علی محمد واھل بیتہ وازواجہ وذریتہ''۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۸۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۶۰، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صلوٰۃ (درود) کا معنی اور غیر نبی پر صلوٰۃ پڑھنے کے متعلق مذہب مختار

ضحاک نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ اس کی رحمت ہے، اور فرشتوں کی صلوٰۃ دعا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر صلوٰۃ پڑھنا کتاب اور سنت کی دلیل سے جائز ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کوئی شخص صدقہ لے کر آتا تو آپ دعا کرتے ''اللھم صل علیہ'' اے اللہ! اس پر صلوٰۃ نازل فرما۔ اور ابوحمید کی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج اور اولاد پر صلوٰۃ پڑھنے کا حکم دیا ہے اور وہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غیر ہیں۔ سو اس باب میں ان فقہاء کا رد ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غیر پر صلوٰۃ پڑھنے کا انکار کرتے ہیں۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۱۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۶۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء علیہم السلام پر صلوٰۃ پڑھنے کے دلائل

امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تشہد میں مجھ پر صلوٰۃ پڑھنے کو اور اللہ کے انبیاء پر صلوٰۃ پڑھنے کو ترک نہ کرو۔۔۔ الحدیث۔

اور امام بیہقی نے سندِ ضعیف کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نبیوں پر صلوٰۃ (درود) بھیجو۔۔ الحدیث

امام طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم مجھ پر صلوٰۃ پڑھو تو اللہ تعالیٰ کے دیگر نبیوں پر بھی صلوٰۃ پڑھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اسی طرح بھیجا ہے جس طرح مجھے بھیجا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غیر پر صلوٰۃ (درود) بھیجنے میں مذاہب

قاضی عیاض نے کہا: عام اہلِ علم کا مختار جواز ہے اور سفیان نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غیر پر صلوٰۃ پڑھنا مکروہ ہے۔ اور امام مالک نے کہا: انبیاء علیہم السلام کے غیر پر صلوٰۃ پڑھنے کو میں مکروہ قرار دیتا ہوں اور ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امر سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔

اور یحییٰ بن یحییٰ نے امام مالک کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ لفظِ صلوٰۃ رحمت کی دعا ہے، پس بغیر کسی نص صریح یا اجماع کے اس سے منع نہیں کیا جائے گا۔

قاضی عیاض نے کہا: اور جس چیز کی طرف میرا میلان ہے، وہ امام مالک اور سفیان کا قول ہے۔ اور وہی محققین، متکلمین اور فقہاء کا قول ہے۔ انہوں نے کہا: انبیاء علیہم السلام کے غیر کے لیے رضی اللہ عنہ کہا جائے گا یا غفر لہ کہا جائے گا۔ اور غیر انبیاء پر استقلالاً صلوٰۃ پڑھنا معروف نہیں ہے، بنو ہاشم کی حکومت میں یہ چیز حادث ہوئی۔

نیز اس پر دلیل یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو سلام کی تعلیم دی تو فرمایا: ''السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین''۔ اس سے معلوم ہوا کہ سلام انبیاء پر بھی پڑھا جائے گا اور غیر انبیاء پر بھی پڑھا جائے گا۔ اور جب آپ نے صحابہ کو صلوٰۃ کی تعلیم دی تو آپ نے صرف اس پر اقتصار کیا ''اللھم صل علی محمد وعلی اھل بیت'' اس قول کو علامہ قرطبی نے المفہم میں اختیار کیا ہے۔ اور ابوالمعالی حنبلی نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اور ابن تیمیہ کا بھی یہی مختار ہے۔ اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غیر پر طبعاً مطلقاً صلوٰۃ پڑھنا جائز ہے اور استقلالاً جائز نہیں ہے۔ اور یہ امام ابوحنیفہ اور ایک جماعت کا قول ہے۔ اور ایک جماعت نے کہا

ہے کہ استقلالاً پڑھنا مکروہ ہے اور طبعاً پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ اور یہ امام احمد سے منقول ہے۔ علامہ نووی نے کہا کہ یہ خلاف اولیٰ ہے۔ اور ایک جماعت نے کہا کہ مطلقاً جائز ہے اور امام بخاری کے عنوان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ انہوں نے اس آیت سے اس باب کو شروع کیا ہے جس میں مذکور ہے "صل علیهم" اور وہ حدیث روایت کی ہے جو مطلقاً جواز پر دلالت کرتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے غیر پر صلوٰۃ پڑھنے کے جواز کے متعلق دیگر دلائل

قیس بن عبادہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے اور آپ دعا کر رہے تھے: "اللهم اجعل صلواتك و رحمتك على آل سعد بن عبادة" (اے اللہ! اپنی صلوات اور رحمت کو سعد بن عبادہ کی آل پر نازل فرما)۔ اس حدیث کی امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کی ہے اور اس کی سند جید ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مجھ پر صلوٰۃ پڑھیے اور میرے خاوند پر صلوٰۃ پڑھیے، تو حضور نے صلوٰۃ پڑھی۔ اس حدیث کی امام احمد نے طویل روایت کی ہے اور مختصر روایت بھی کی ہے اور امام ابن حبان نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتے مومن کی روح سے کہتے ہیں "صلى الله عليك وعلى جسدك" (اللہ تعالیٰ تجھ پر اور تیرے جسم پر صلوٰۃ نازل فرمائے)۔

نیز ان علماء نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے:

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ. (الاحزاب:۴۳)	وہی ہے جو تم پر رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے (بھی)۔
اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ. (البقرہ:۱۵۷)	یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے خصوصی نوازشیں اور رحمت ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر صلوٰۃ پڑھنے کے مانعین کے جوابات

مانعین نے قرآن مجید کی ان آیات اور احادیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ صلوٰۃ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر ہے، یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہے اور ان کے لیے جائز ہے کہ وہ جس کو چاہیں جس دعا کے ساتھ خاص کر لیں اور ان کے غیر کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔

امام بیہقی نے کہا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر صلوٰۃ سے منع کیا ہے، وہ اس پر محمول ہے کہ جب غیر نبی پر بطور تعظیم کے صلوٰۃ پڑھی جائے، لیکن جب بطور رحمت کی دعا اور برکت کی دعا کے صلوٰۃ پڑھی جائے تو پھر منع نہیں ہے۔

اور ابن القیم نے کہا ہے کہ مختار یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر اور ملائکہ پر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پر اور آپ کی آل پر اور آپ کی اولاد پر اور اہل طاعت پر اجمالاً صلوٰۃ پڑھی جائے۔ اور غیر انبیاء کے لیے خصوصی طور پر صلوٰۃ نہ پڑھی جائے جیسا کہ رافضی کرتے ہیں۔ اور اگر کسی وقت بھی غیر انبیاء پر صلوٰۃ پڑھی جائے اور اس کو شعار نہ بنایا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے غیر پر سلام پڑھنے کا شرعی حکم

انبیاء علیہم السلام کے غیر پر سلام پڑھنے میں بھی اختلاف ہے جب کہ اس پر اتفاق ہے کہ زندہ پر سلام پڑھنا جائز ہے۔پس ایک قول یہ ہے کہ غیر انبیاء علیہم السلام پر مطلقاً سلام پڑھنا مشروع ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان پر بھی تبعاً سلام پڑھنا چاہیے اور کسی ایک کے لیے خصوصی طور پر سلام نہ پڑھا جائے کیونکہ یہ رافضیوں کا شعار ہے۔اور علامہ نووی نے اس کو الشیخ محمد بن الجوینی سے نقل کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۲۲۔ ۴۲۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۶۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غیر پر استقلالاً صلوٰۃ (درود) کی دعا کرنے کا بیان

امام بخاری نے حضرت ابن ابی اوفیٰ اور حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہم کی حدیث روایت کی ہے، حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابواوفیٰ رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس صدقہ لے کر آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی ''اللھم صل علیہ''۔ اور حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللھم صل علی محمد وازواجہ وذریتہ۔۔۔۔الحدیث'' اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج اور اولاد پر صلوٰۃ کی دعا کا ذکر ہے۔

شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ جب کسی دعا کا کوئی سبب ہو اور اس کو اس شخص معین کے لیے دعا کا شعار نہ بنایا جائے، اس پر صلوٰۃ کی دعا کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے۔اور اگر یہ دو شرطیں نہ پائی جائیں تو پھر کسی کے لیے بالاستقلال صلوٰۃ کی دعا کرنا جائز نہیں ہے، ہاں! بالتبع صلوٰۃ کی دعا کی جاسکتی ہے جیسے کہا جائے ''اللھم صل علی محمد وعلی ازواجہ وذریتہ''۔(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۲۲۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۴۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ آذَيْتُهُ فَاجْعَلْهُ لَهُ زَكَاةً وَرَحْمَةً

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد: میں نے جس کو تکلیف دی ہو تو اے اللہ! وہ تکلیف اس کے گناہوں کا کفارہ اور رحمت بنادے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا کی ہے کہ ''مجھ سے اگر کسی کو تکلیف یا اذیت پہنچی ہو تو اے اللہ! وہ تکلیف اس کے گناہوں کی طہارت اور اس کے جنت میں درجات کی بلندی اور صلوٰۃ اور رحمت کا سبب بنادے''۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۸۰۔۴۸۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۶۱ ـ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ اللّٰهُمَّ فَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ سَبَبْتُهُ فَاجْعَلْ ذٰلِكَ لَهُ قُرْبَةً إِلَيْكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(صحیح مسلم:۲۶۰۱، مسند احمد:۱۰۰۳۱، سنن دارمی:۲۷۶۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یونس نے خبر دی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب نے خبر دی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے: اے اللہ! میں نے جس مومن کو بھی برا کہا ہو تو وہ اس کے لیے قیامت تک اپنے قرب کا ذریعہ بنادے۔

صحیح البخاری:۶۳۶۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں احمد بن صالح کا ذکر ہے، وہ عبداللہ بن وہب المصری سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یونس کا ذکر ہے، وہ ابن یزید سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن شہاب کا ذکر ہے، وہ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے کہ نبی ﷺ نے اگر کسی مسلمان کو برا کہا ہو اور وہ اس برائی کا سبب نہ ہو تو اس کے لیے آپ کا اسے برا کہنا اس کی طہارت کا سبب ہوگا۔ اور اگر وہ اس برائی کا مستحق ہو تو پھر وہ اس کے لیے طہارت نہیں ہوگی۔ اور دوسری روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد اس صورت پر محمول ہے جب وہ مسلمان اس برائی کا مستحق ہو۔

نبی ﷺ کی دعائے مذکور کے ثبوت میں متعدد احادیث

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں: اس کی تائید درج ذیل روایات سے ہوتی ہے:

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس ایک یتیم لڑکی تھی اور اس حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں بشر ہوں، اس طرح راضی ہوتا ہوں جس طرح بشر راضی ہوتا ہے اور اس طرح ناراض ہوتا ہوں، جس طرح بشر ناراض ہوتا ہے، پس میں اپنی امت میں سے جس شخص کے خلاف کوئی ایسی دعا کروں کہ وہ اس دعا کا اہل نہ ہو تو اے اللہ! اس کے لیے اس دعا کو طہارت اور زکوٰۃ اور قرب کا ذریعہ بنادے، جس سے وہ قیامت تک قرب حاصل کرتا رہے۔

نیز امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: میں صرف ایک بشر ہوں اور میں نے اپنے رب سے یہ شرط کی ہے کہ میں جس مسلمان کو بھی برا کہوں یا اس کے خلاف

دعا کروں تو میری اس دعا کو اس کے لیے طہارت اور اجر بنا دے۔
اور نیز امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میں صرف بشر ہوں، پس میں جس مرد کو بھی برا کہوں یا جس کو لعنت کروں یا جس کو سزا دوں تو اس کو اس کے لیے طہارت اور رحمت بنا دے۔
اس پر یہ سوال کیا گیا ہے کہ جب آپ کی اس دعا پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ دعا اس بندہ کے لیے رحمت بنا دی جائے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلق کریم میں سے ایک خلق ہے اور آپ کے کرم عمیم میں سے ایک کرم ہے، کیونکہ آپ نے یہ ارادہ کیا کہ آپ سے جو بھی ایسی چیز واقع ہو اس کو خیر اور کار آمد بنا دیا جائے اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم خُلق عظیم پر فائز ہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۶۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلق عظیم اور کرم عمیم کا بیان

یہ حدیث قرآن مجید کی اس آیت کی تصدیق کرتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت بیان فرمائی ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (التوبہ: ۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آگئے ہیں، تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے، تمہاری فلاح پر وہ بہت حریص ہیں، مومنوں پر بہت شفیق اور نہایت مہربان ہیں O

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ شبِ معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک دن رات میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست کی کہ میری امت ان کی طاقت نہیں رکھتی، کچھ تخفیف فرمایئے حتیٰ کہ پچاس کی جگہ پانچ نمازیں فرض ہو گئیں اور فرمایا کہ یہ تعداد میں پانچ نمازیں ہیں اور اجر میں پچاس نمازیں ہیں۔ (ملخصا) (صحیح البخاری: ۳۴۹)
اور آپ کا یہ عمل مومنین کی فلاح پر حریص ہونے کے سبب سے تھا۔
حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۴۳۵، سنن ابوداؤد: ۴۷۳۹)
علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو برا نہیں کہتے تھے اور نہ کسی کو ظلماً ایذاء پہنچاتے تھے اور آپ کی شریعت میں اس کو واجب کر دیا گیا ہے۔ اور آپ اپنے نفس کا انتقام نہیں لیتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی فطرت میں عفو کو رکھا ہے اور کرم کو رکھا ہے۔ اور صحیح البخاری کی بابِ مذکور کی حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس کو آپ نے برا کہا ہو اس کے دل میں اُنس پیدا کیا جائے تاکہ اس کے اوپر شیطان غالب ہو کر اس کو مایوس نہ کر دے اور اس کے دل میں یہ وسوسہ نہ ڈالے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کے خلاف دعا کی وجہ سے اسے عنقریب کوئی ضرر ہوگا، کیونکہ آپ کی دعا قبول ہوتی ہے، تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ آپ مومنین کے خلاف جو دعا کریں اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے قرب کا ذریعہ بنا دے اور اس کو پاکیزگی اور رحمت بنا دے اور اس دعا

کو اس کے لیے سزا نہ بنائے اور عذاب نہ بنائے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بطور تادیب کسی کو برا کہتے تھے اور حد سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔ اور کیونکہ آپ کی دعا قبول ہوتی ہے اس لیے آپ نے اس کے عوض میں یہ دعا کی کہ اگر آپ کسی کے خلاف دعا کریں تو اللہ تعالیٰ اس شخص کے لیے آپ کی دعا کو رحمت بنا دے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۹۵ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ، نے اس حدیث کی یہ تقریر علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی شرح سے اخذ کی ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۱۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۶۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری کے باب مذکور کی حدیث کی تائید میں دیگر احادیث

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ از ابن شہاب از عم خود، روایت کرتے ہیں: اے اللہ! میں نے تجھ سے یہ عہد لیا ہے جس عہد کے تو خلاف نہیں کرے گا کہ میں نے جس مومن کو بھی برا کہا ہو یا اس کو کوڑا مارا ہو تو اس کو اس کے لیے قیامت کے دن کفارہ بنا دے۔

نیز امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: اے اللہ! میں صرف بشر ہوں، پس جس مسلمان کو بھی میں نے برا کہا ہو یا جس پر لعنت کی ہو یا جس کو کوڑا مارا ہو تو اس کو اس کے لیے طہارت اور رحمت بنا دے۔

نیز امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: میں نے مومنین میں سے جس کو بھی اذیت پہنچائی ہو یا اس کو برا کہا ہو یا اس پر لعنت کی ہو یا اس کو کوڑا مارا ہو تو اس کو اس کے لیے رحمت اور طہارت اور قیامت تک اپنے قرب کا ذریعہ بنا دے۔

نیز امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، آپ نے دعا: کی اے اللہ! (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف بشر ہے، وہ اس طرح ناراض ہوتا ہے جس طرح بشر ناراض ہوتا ہے، اور میں نے تجھ سے یہ عہد لیا ہے جس کی تو مخالفت نہیں کرے گا، اور اس حدیث میں یہ بھی ہے: پس جس مومن کو بھی میں نے ایذاء پہنچائی ہو۔ الحدیث

نیز امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو مرد آئے اور انہوں نے کسی معاملہ کے متعلق آپ سے گفتگو کی، میں نہیں جانتی کہ وہ کیا معاملہ تھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں نے ناراض کیا، آپ نے ان کو برا کہا اور ان پر لعنت کی، پس جب وہ دونوں چلے گئے تو میں نے آپ سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتی کہ میں نے اپنے رب سے کیا شرط لگائی ہے؟ میں نے یہ دعا کی ہے کہ اے اللہ! میں صرف بشر ہوں، پس جس مسلمان پر بھی میں لعنت کروں یا اس کو برا کہوں تو اس کو اس کے لیے طہارت اور اجر بنا دے۔

نیز امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں صرف بشر ہوں، میں اس طرح راضی ہوتا ہوں جس طرح بشر راضی ہوتا ہے اور اس طرح ناراض ہوتا ہوں جس طرح بشر ناراض ہوتا ہے، پس میں اپنی امت میں سے جس کسی کے

خلاف بھی کوئی دعا کروں اور وہ اس دعا کا اہل نہ ہو تو میری اس دعا کو اس کے لیے طہارت بنا دے اور رحمت بنا دے اور قیامت تک اپنے قرب کا ذریعہ بنا دے۔

جو شخص آپ کی دعائے ضرر کا مستحق نہ ہو، اس کے خلاف آپ کی دعائے ضرر کی توجیہات

علامہ المازری نے کہا ہے: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے خلاف دعا کیسے کریں گے جو آپ کی دعائے ضرر کا مستحق نہ ہو۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ وہ اس دعا کا اہل یا مستحق نہ ہو اس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! تیرے نزدیک باطنِ امر میں وہ اس دعائے ضرر کا مستحق نہ ہو نہ کہ ظاہرِ حال کے اعتبار سے اور ظاہری جرم کے اعتبار سے جب میں نے اس کے خلاف دعا کی، پس گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا کی کہ جس مسلمان کا باطنی امر تیرے نزدیک اس قبیل سے ہو کہ تو اس سے راضی ہو تو اس کے خلاف میری اس دعا کو جو میں نے ظاہرِ حال کے تقاضا سے کی ہے اس کو اس مسلمان کے لیے طہارت اور رحمت بنا دے۔ علامہ المازری نے کہا کہ یہ معنی صحیح ہے اور اس میں کوئی خرابی نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظاہرِ حال کے اعتبار سے عبادت کرتے تھے اور باطنِ امر میں جو لوگوں کا حساب ہے اسے اللہ پر چھوڑ دیتے تھے۔

یہ جواب ان علماء کے قول پر مبنی ہے جو کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم احکام میں اجتہاد کرتے تھے اور آپ اپنے اجتہاد کے اعتبار سے جو فیصلہ فرماتے اس پر عمل کرتے تھے، لیکن جو علماء یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف وحی کے مطابق حکم دیتے تھے، ان کے قول کی تقدیر پر یہ جواب نہیں بن سکتا۔

پھر علامہ المازری نے کہا: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا کیا معنی ہے کہ میں اس طرح ناراض ہوتا ہوں جس طرح بشر ناراض ہوتا ہے، کیونکہ اس قول سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس کے خلاف دعا کی، وہ جوشِ غضب کے تقاضا سے کی نہ کہ شرعی تقاضا سے کی۔ پھر دوبارہ سوال لوٹ آئے گا۔

پھر اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آپ کا ارادہ یہ ہو کہ آپ نے جس کے خلاف دعا کی یا جس کو آپ نے برا کہا یا کوڑا مارا تو آپ کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ اس کے خلاف یہ دعا کریں یا جرم کرنے والے کو سزا دیں یا ترک کر دیں۔ پس آپ کا غضب اللہ تعالیٰ کے لیے تھا جس نے آپ کو اس کے اوپر لعنت کرنے پر برانگیختہ کیا یا کوڑے مارنے پر، اور یہ شریعت سے خارج نہیں ہے۔

علامہ المازری نے تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں آپ نے اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز نہ کیا ہو اور آپ کو جو اس شخص پر غضب تھا اس نے جرم کرنے والے کو زیادہ سزا دینے پر نہ برانگیختہ کیا ہو، یا آپ کو یہ خطرہ تھا کہ آپ کے غضب نے جرم کرنے والے کو تھوڑی سی زیادہ سزا دینے پر برانگیختہ کیا ہو اور آپ کا یہ فعل گناہِ صغیرہ سے ہو گا اور یہ ان کے نزدیک ہے جو آپ کے لیے گناہِ صغیرہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔

علامہ المازری نے چوتھا جواب یہ دیا ہے کہ آپ نے جس پر لعنت کی یا جس کو برا کہا یہ بلا قصد کیا۔ اور یہ اس طرح نہیں ہے کہ آپ نے کسی پر لعنت کی ہو اور اللہ تعالیٰ سے اس لعنت کے قبول کرنے کی دعا کی ہو۔

قاضی عیاض نے اس آخری احتمال کو ترجیح دی ہے، انہوں نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو برا کہا یا دعا کی وہ مقصود

نہیں تھا اور نہ آپ کی نیت تھی، لیکن اہل عرب کی عادت ہے کہ وہ اپنے کلام میں اور اپنے خطابات میں عتاب کے وقت اس طرح کے کلمات کہتے ہیں اور ان کی یہ نیت نہیں ہوتی کہ ان کلمات کا وقوع ہو جیسے کہتے ہیں: تم زخمی ہو جاؤ، تمہارا سر مونڈ دیا جائے، تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہو جائیں، تو آپ کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں واقع میں ایسا نہ ہو جائے اور آپ کی یہ دعا قبول نہ ہو جائے، تو آپ نے اپنے نفس سے عہد کیا اور اس کی طرف رغبت کی اور آپ نے یہ دعا کی کہ اللہ اس کو رحمت اور اپنا قرب بنا دے۔ (علامہ مازری کا کلام ختم ہوا)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ یہ احتمال عمدہ ہے مگر اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ میں نے جس کو کوڑا مارا ہو تو اس کو بھی اس کے لیے رحمت بنا دے، تو یہ جواب وہاں نہیں چل سکے گا، کیونکہ بغیر قصد کے کوڑا نہیں مارا جاتا، اور آپ نے تمام امور کو ایک ترتیب سے ذکر کیا ہے سوا اس کے کہ کوڑے سے مراد ایک کوڑا ہو۔

پھر قاضی عیاض نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حالت غضب میں بھی کوئی بات خلاف حق نہیں کہتے تھے اور نہ کوئی کام خلاف حق کرتے تھے لیکن اللہ کے لیے جو آپ کا غضب ہوتا تھا وہ کبھی آپ کو برانگیختہ کرتا کہ آپ مخالف کو جلد سزا دیں اور معاف کرنے اور درگزر کرنے کو ترک کر دیں اور اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے ہوتی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے نفس کے لیے انتقام نہیں لیا سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو پامال کیا جائے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: پھر اس احتمال کی بناء پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا کیا معنی ہوگا کہ میں جس کے لیے دعائے ضرر کروں اور وہ دعائے ضرر کا مستحق نہ ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یعنی میں جلدی اس کے لیے دعائے ضرر کر دوں یا جلدی اس کو سزا دے دوں اور اس سے درگزر نہ کروں۔

اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر انتہائی درجہ شفیق تھے اور آپ کا خلق بہت جمیل تھا اور آپ کا کرم بہت عمیم تھا، کیونکہ اگر آپ سے کوئی ایسا فعل سرزد ہوتا تو آپ اس کی تلافی کرتے اور اس کے لیے دعا کرتے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۲۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۶۱، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق اور آپ کی عادت میں فحش کلام کا نہ ہونا

اس باب میں جو احادیث روایت کی گئی ہیں ان سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلق اور آپ کی عادت اور آپ کی فطرت میں فحش کلام نہیں تھا۔ اور اس میں فرق ہے کہ کسی انسان کی فطرت اور عادت میں تو فحش کلام نہ ہو لیکن کبھی کبھار اس سے کوئی سخت بات صادر ہو اور یہ اس کی عصمت کے خلاف نہیں ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۲۲۶، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ المازری نے جو بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلا قصد اگر کسی کو برا کہیں یا لعنت کریں یا اس کو کوڑا ماریں تو اس کے متعلق آپ نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! اس کو اس شخص کے لیے رحمت بنا دے، اس کی نظیر درج ذیل حدیث میں ہے:

امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی المتوفی ۹۴۲ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ غزوہ بدر میں لشکر کی صفیں سیدھی کر رہے تھے، حضرت سواد بن غزیۃ رضی اللہ عنہ صف کے آگے سے نکلے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے پیٹ میں دھکا دیا یا تیر چبھویا اور آپ نے فرمایا: اے سواد! صف میں سیدھے رہو، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے اور اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! آپ مجھے اس کا قصاص دیں تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹا دیا اور فرمایا کہ تم قصاص لے لو۔ وہ آپ کے ساتھ چمٹ گئے اور انہوں نے آپ کو بوسا دیا، آپ نے پوچھا: تمہیں اس فعل پر کس چیز نے برانگیختہ کیا، انہوں نے کہا: اللہ کی تقدیر سے وہ ہونے والا ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں اور مجھے یہ خوف ہوا کہ آج میں قتل کر دیا جاؤں تو میں نے ارادہ کیا کہ میرا آخری کام یہ ہو کہ میں آپ کے ساتھ گلے لگ چکا ہوں۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۴ ص ۳۳۔ ۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

۳۵۔ بَابُ: التَّعَوُّذِ مِنَ الْفِتَنِ — فتنوں سے پناہ طلب کرنے کی دعا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

فِتَن، فتنة کی جمع ہے، اس کا زیادہ استعمال اس میں ہے جب کسی مکروہ چیز کے ساتھ آزمائش کی جائے۔ اور پھر اس کا استعمال گناہ، کفر، قتال، جلانے اور زائل کرنے اور کسی چیز کو پھیرنے میں بھی کیا جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۶۲۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه سَأَلُوا رَسُولَ اللهِ ﷺ حَتَّى أَحْفَوْهُ الْمَسْأَلَةَ فَغَضِبَ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَقَالَ لَا تَسْأَلُونِي الْيَوْمَ عَنْ شَيْءٍ إِلَّا بَيَّنْتُهُ لَكُمْ فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ يَمِينًا وَشِمَالًا فَإِذَا كُلُّ رَجُلٍ لَافٌّ رَأْسَهُ فِي ثَوْبِهِ يَبْكِي فَإِذَا رَجُلٌ كَانَ إِذَا لَاحَى الرِّجَالَ يُدْعَى لِغَيْرِ أَبِيهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَنْ أَبِي قَالَ حُذَافَةُ ثُمَّ أَنْشَأَ عُمَرُ فَقَالَ رَضِينَا بِاللهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ ﷺ رَسُولًا نَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الْفِتَنِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا رَأَيْتُ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ كَالْيَوْمِ قَطُّ إِنَّهُ صُوِّرَتْ لِي الْجَنَّةُ وَالنَّارُ حَتَّى رَأَيْتُهُمَا وَرَاءَ الْحَائِطِ وَكَانَ قَتَادَةُ يَذْكُرُ عِنْدَ هَذَا الْحَدِيثِ هَذِهِ الْآيَةَ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا حتیٰ کہ بہت زیادہ سوال کیا۔ آپ ناراض ہو گئے اور منبر پر چڑھے، پھر آپ نے فرمایا: تم مجھ سے آج کسی چیز کے متعلق سوال نہیں کرو گے مگر میں تمہیں اس چیز کا بیان کروں گا۔ پھر میں نے اپنی دائیں اور بائیں جانب دیکھا تو ہر مرد کپڑے میں اپنا سر لپیٹے ہوئے رو رہا تھا، پھر ایک مرد تھا جب اس کا مردوں سے جھگڑا ہوتا تو اس کو اس کے باپ کے غیر کی طرف منسوب کر کے بلایا جاتا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے، آپ نے فرمایا: حذافہ، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور انہوں نے کہا: ہم اللہ کو رب مان کر راضی ہیں اور اسلام کو دین مان کر راضی ہیں اور (سیدنا) محمد (ﷺ) کو رسول مان کر

تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ﴾۔ (المائدہ:۱۰۱)

راضی ہیں، ہم فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے آج کی مثل خیر اور شر کو کبھی نہیں دیکھا، بے شک میرے لیے جنت اور دوزخ کی تصویر مہیا کی گئی حتی کہ میں نے ان دونوں کو اس دیوار کے پیچھے دیکھا، اور قتادہ اس حدیث کو روایت کرتے وقت یہ آیت پڑھتے تھے:

''اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں''۔ (المائدہ:۱۰۱)

(صحیح البخاری:۹۳، ۵۴۰، ۷۴۹، ۴۶۲۱، ۶۳۶۲، ۶۴۶۸، ۶۴۸۶، ۷۰۸۹، ۷۰۹۰، ۷۰۹۱، ۷۲۹۴، ۷۲۹۵، صحیح مسلم:۲۳۵۹، مسند احمد:۱۱۶۴۳)

صحیح البخاری: ۶۳۶۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''حتی احفوہ المسألۃ'' یعنی حتی کہ صحابہ نے بہت زیادہ سوالات کیے۔ ''الحوا علیہ فی السوال'' کا معنی ہے انہوں نے سوال کرنے میں مبالغہ کیا اور بہت زیادہ سوالات کیے۔ علامہ داؤدی نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ صحابہ نے ایسے سوالات کیے جن کا جواب دینا آپ کو ناپسند تھا تا کہ آپ کی امت پر تنگی نہ ہو۔ اور ان سوالات کا تعلق دین کے ساتھ تھا نہ کہ مال کے ساتھ۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اس شخص کو اس کے باپ کے غیر کی طرف منسوب کر کے بلایا جاتا تھا''۔ یعنی جب اس شخص کا کسی کے ساتھ جھگڑا ہوتا تو لوگ اس شخص کو اس کے باپ کے غیر کی طرف منسوب کر کے بلاتے، تو اس شخص نے چاہا کہ وہ اپنے نسب کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے معلوم کرلے اور تحقیق کرلے تو اس نے پوچھا: میرا باپ کون ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے باپ حذافہ ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ نے جو یہ حکم دیا کہ ان کے باپ حُذافہ ہیں، یا تو آپ کو وحی سے معلوم ہوا تھا یا آپ نے فراست سے یہ جواب دیا یا قیافہ سے یہ جواب دیا۔ اور جب حضرت عبداللہ اپنی ماں کے پاس لوٹے تو ان کی ماں نے ان سے کہا: تم کو اس سوال پر کس چیز نے برانگیختہ کیا؟ انہوں نے کہا: ہم زمانہ جاہلیت میں تھے اور میں نہیں جانتا تھا کہ میرا باپ کون ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہماری طرف کتاب ہے، ہم اس پر راضی ہیں، اور ہمارے نبی کی جو سنت ہے ہم اس پر راضی ہیں'' اور اس وجہ سے ہمیں سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اس لیے کہا تا کہ رسول اللہ ﷺ کی تکریم ظاہر ہو اور مسلمانوں پر شفقت کرنے کے لیے تا کہ وہ نبی ﷺ سے زیادہ سوالات کر کے آپ کو ایذاء نہ پہنچائیں۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا غضب آپ کی کامل قضاء سے مانع نہیں تھا۔اس کے خلاف باقی فیصلہ کرنے والے جو ہیں وہ حالتِ غضب میں غلط فیصلہ کر دیتے ہیں۔

نیز اس حدیث سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فہم معلوم ہوئی اور ان کے علم کی فضیلت معلوم ہوئی، کیونکہ انہیں یہ خطرہ ہوا کہ نبی ﷺ سے زیادہ سوالات کرنا کہیں آپ کی ناراضگی کا موجب نہ ہو۔

نیز اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عالم سے صرف ضرورت کے وقت سوال کیا جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وراء الحائط" یعنی رسول اللہ ﷺ کی محراب کی دیوار کے پیچھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۲۔ ۳۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

نبی ﷺ کے علم کی وسعت کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: "تم مجھ سے جس چیز کا بھی سوال کرو گے میں تمہیں اس کا جواب دوں گا"۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ہر چیز کا علم عطا فرما دیا ہے حتیٰ کہ اس مجلس میں نبی ﷺ سے جس چیز کا بھی سوال کیا جاتا آپ اس کا جواب دیتے۔اور یہ نبی ﷺ کا معجزہ ہے، ہر شخص اس مرتبہ کا نہیں ہے کہ اس سے جس چیز کا سوال کیا جائے وہ اس کا جواب دے دے، مثلاً میں حدیث پڑھاتا ہوں، اب مجھ سے کوئی شخص سوال کرے کہ زمین کی حرکت کی کیا رفتار ہے؟ یا سورج کی حرکت کی کیا رفتار ہے؟ ظاہر ہے مجھے اس کا جواب معلوم نہیں ہے، لیکن اس سے میرے حدیث پڑھانے کے منصب پر تو کوئی فرق نہیں آئے گا۔اور نبی ﷺ سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا جائے اور آپ کا دعویٰ ہو کہ میں ہر سوال کا جواب دوں گا اور آپ جواب نہ دیں سکیں تو آپ کے تو دعوئ نبوت میں فرق آجائے گا۔اس سے واضح ہوا کہ نبی ﷺ کے علاوہ اور کوئی اس مرتبہ کا نہیں ہے کہ وہ یہ دعویٰ کر سکے کہ مجھ سے جو مرضی آئے سوال کرو میں اس مجلس میں تمہیں اس سوال کا جواب دوں گا۔اور یہ حدیث نبی ﷺ کے علم کی وسعت اور آپ کے علمِ کلی اور علمِ ما کان وما یکون پر واضح دلیل ہے، حتیٰ کہ صحابہ کرام کو یقین تھا کہ نبی ﷺ ماؤں کے رحم اور باپوں کی پشت پر بھی مطلع ہیں، تبھی حضرت عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا کہ بتائیے میرا باپ کون ہے؟ ورنہ نبی ﷺ کے علاوہ اور کوئی شخص نہیں بتا سکتا کہ کس شخص کا باپ کون ہے۔

نبی ﷺ کا جنت اور دوزخ کو دیکھنا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ کی دیوار کے پیچھے جنت اور دوزخ کی تصویر اللہ تعالیٰ نے بنا دی۔بعض لوگ اس سے یہ سمجھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حقیقۃً جنت اور دوزخ کو نہیں دیکھا تھا بلکہ ان کی تصویروں کو دیکھا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نمازِ کسوف کی ایک حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ کو جنت دکھائی گئی اور آپ نے جنت کے خوشوں کو توڑنے کا ارادہ کیا۔اگر آپ کو صرف تصویر دکھائی گئی ہوتی تو تصویر کو دیکھ کر تو کوئی اس کے خوشوں کو توڑنے کا ارادہ نہیں کرتا۔جس حدیث کا ہم نے حوالہ دیا ہے وہ درج ذیل ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج کو گہن لگ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت طویل قیام کیا۔۔۔۔اس حدیث کے اخیر میں ہے: صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ اپنی جگہ پر کھڑے ہوئے کسی چیز کو پکڑ رہے تھے، پھر ہم نے آپ کو دیکھا آپ پیچھے ہٹ رہے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جنت کو دیکھا، پھر اس میں سے ایک خوشہ کو میں نے پکڑنا چاہا، اگر میں اس کو پالیتا تو تم اس کو رہتی دنیا تک کھاتے رہتے۔ پھر مجھے دوزخ دکھائی گئی، اور میں نے آج کی طرح کوئی ڈراؤنا منظر نہیں دیکھا۔۔۔الحدیث

(صحیح البخاری: ۲۹، ۴۳۱، ۷۴۸، ۱۰۵۲، ۳۲۰۲، ۵۱۹۷، صحیح مسلم: ۹۰۷، ۸۸۴، سنن نسائی: ۱۴۹۳، مسند احمد: ۲۷۰۶، موطا امام مالک: ۴۴۵)

صحیح البخاری: ۶۳۶۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غضب اور آپ کی ناراضگی آپ کے حکم دینے سے مانع نہیں ہے، کیونکہ آپ حق کے سوا بات نہیں کہتے خواہ آپ ناراض ہوں یا راضی ہوں، اور اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فہم کا ثبوت ہے اور ان کی فضیلت کا ثبوت ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۲۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۶۲، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فتنہ کی دو قسمیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فتنہ سے پناہ طلب کرنا

یعنی انسان کو چاہیے کہ وہ فتنوں سے پناہ کی طلب کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے اور ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہر نماز میں فتنوں سے پناہ طلب کریں۔ حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے:

اللھم انی اعوذبك من عذاب القبر ومن عذاب النار ومن فتنة المحیا والممات ومن فتنة المسیح الدجال۔

اے اللہ! میں عذابِ قبر سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں اور عذاب نار سے اور زندگی اور موت کے فتنوں سے اور مسیح دجال کے فتنہ سے۔

(صحیح البخاری: ۱۳۷۷، صحیح مسلم: ۵۸۸، سنن ترمذی: ۳۶۰۴، سنن نسائی: ۵۵۰۶، سنن ابوداؤد: ۹۸۳، سنن ابن ماجہ: ۹۰۹، مسند احمد: ۱۰۳۸۹)

اور فتنہ کبھی کسی شبہ کی وجہ سے ہوتا ہے، انسان کو کوئی شبہ عارض ہوتا ہے اور اس پر حق مشتبہ ہوجاتا ہے اور وہ حق کو نہیں پہچان سکتا، اور کبھی فتنہ شہوت کی بناء پر ہوتا ہے اور انسان گناہ کرتا ہے اور اس کو علم ہوتا ہے کہ یہ گناہ ہے، پس پہلا فتنہ علم میں شبہ کی وجہ سے ہے اور دوسرا فتنہ قصد میں شبہ کی وجہ سے ہے اور انسان ہمیشہ ان دونوں امروں کے درمیان رہتا ہے، وہ اپنے دین کے اندر جو فتنہ میں مبتلا ہوتا ہے تو ان دو سببوں کی وجہ سے ہوتا ہے، یا تو جہل ہوتا ہے یا اس کی خواہش اور شہوت ہوتی ہے۔ پس تم انسان کو پاؤ گے، مثلاً وہ جہل کی وجہ سے خطا کرتا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ یہ خطا ہے، اور کبھی وہ شہوت کی وجہ سے گناہ کرتا ہے اور اس کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ

گناہ ہے، اور یہ دونوں امر فتنہ ہیں اگر اللہ تعالیٰ تم کو ان سے پناہ میں نہ رکھے تو تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

سوال میں اصرار نہیں کرنا چاہیے

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان کو سوال میں اصرار نہیں کرنا چاہیے خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کے عہد میں، کیونکہ نبی ﷺ شارع ہیں اور کسی شخص نے کوئی ایسا سوال کیا اور اس کے سوال کی وجہ سے نبی ﷺ نے اس چیز کو حرام کر دیا، پس وہ شخص بہت عظیم جرم کا مرتکب ہے اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بھی اسی طرح انسان کو سوال میں اصرار نہیں کرنا چاہیے، سوا اس شخص کے کہ جس کے اوپر کوئی مصیبت نازل ہوئی ہو، پس وہ اس مصیبت کے متعلق سوال کرے یا اس کو یہ توقع ہو کہ اس کو کوئی مصیبت نازل ہوگی اور وہ اس کے متعلق سوال کرے۔ اور وہ مرد جو علم حاصل کرتا ہے اور حصولِ علم میں بحث کرتا ہے اور علم کو حاصل کرنے کے لیے سوال کرتا ہے، پس پہلی قسم وہ ہے کہ جس میں کوئی مصیبت نازل ہوئی یا اس کو کوئی توقع تھی کہ مصیبت نازل ہوگی اور اسے اس کے متعلق سوال کرنا ہوگا۔ سوان صورتوں میں سوال میں اصرار کرنا جائز ہے۔

صحابہ کرام کا اپنے سر کو کپڑے میں لپیٹ کر رونے کا سبب

جب بعض صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے بااصرار سوال کیا اور رسول اللہ ﷺ ان پر ناراض ہوئے اور آپ منبر پر چڑھ گئے اور آپ نے فرمایا: تم آج مجھ سے کسی چیز کے متعلق سوال نہیں کرو گے مگر میں تمہیں اس چیز کے متعلق بیان کروں گا۔ اور اس نے صحابہ کے لیے حد قائم کی کہ وہ زیادہ اصرار سے سوال نہ کریں اور آپ کو مشقت اور تھکاوٹ میں مبتلا نہ کریں، اسی لیے انہوں نے اپنے اوپر تنقید کی اور اپنے اوپر ملامت کی اور پھر ان میں سے ہر شخص اپنے سر پر کپڑا لپیٹ کر رو رہا تھا۔ پس وہ بااصرار سوال کرنے پر نادم ہوئے۔

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ طٰہٰ پر درود پڑھو؟

الجواب: جب کوئی تم سے کہے کہ طٰہٰ پر درود پڑھو، تو تم اس سے کہو: طٰہٰ قرآن مجید میں حروف ہجائیہ ہیں، ہاں بعض لوگوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اسماء میں سے طٰہٰ ہے اور میرا گمان ہے کہ بعض لوگوں نے کہا کہ آپ کے اسماء میں سے یٰسٓ ہے۔ اور ان کے قاعدہ پر ہم کہتے ہیں کہ آپ کے اسماء میں سے نون ہے، لیکن ہم کہتے ہیں کہ طٰہٰ رسول اللہ ﷺ کے اسماء میں سے نہیں ہے اور نہ یٰس ہے اور نہ نون ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۲۲۷۔ ۲۲۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: ہمارے زمانہ کے بعض شعراء نے کہا ہے ؎

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسٓ وہی طٰہٰ

۳۶۔ بَابُ: التَّعَوُّذِ مِنْ غَلَبَةِ الرِّجَالِ — مردوں کے غلبہ سے پناہ طلب کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں مردوں کے غلبہ سے پناہ طلب کرنے کی دعا کا بیان ہے۔ یعنی مردوں کے قہر سے پناہ طلب کرنا۔ کہا جاتا ہے:

"فلان مغلب" یعنی فلاں شخص مقہور ہے اور از خود اس کو دفع نہیں کر سکتا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ غلبہ سے مراد ہے ان کا تسلّط اور ہلاک کرنے کے لیے ان کا دباؤ۔ اور یہ عوام کے غلبہ کی مثل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۶۳ ـ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو مَوْلَى الْمُطَّلِبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَنْطَبٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِأَبِي طَلْحَةَ الْتَمِسْ لَنَا غُلَامًا مِنْ غِلْمَانِكُمْ يَخْدُمُنِي فَخَرَجَ بِي أَبُو طَلْحَةَ يُرْدِفُنِي وَرَاءَهُ فَكُنْتُ أَخْدُمُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم كُلَّمَا نَزَلَ فَكُنْتُ أَسْمَعُهُ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ فَلَمْ أَزَلْ أَخْدُمُهُ حَتَّى أَقْبَلْنَا مِنْ خَيْبَرَ وَأَقْبَلَ بِصَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ قَدْ حَازَهَا فَكُنْتُ أَرَاهُ يُحَوِّي وَرَاءَهُ بِعَبَاءَةٍ أَوْ كِسَاءٍ ثُمَّ يُرْدِفُهَا وَرَاءَهُ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالصَّهْبَاءِ صَنَعَ حَيْسًا فِي نِطَعٍ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَدَعَوْتُ رِجَالًا فَأَكَلُوا وَكَانَ ذَلِكَ بِنَاءَهُ بِهَا ثُمَّ أَقْبَلَ حَتَّى إِذَا بَدَا لَهُ أُحُدٌ قَالَ هَذَا جُبَيْلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ فَلَمَّا أَشْرَفَ عَلَى الْمَدِينَةِ قَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ جَبَلَيْهَا مِثْلَ مَا حَرَّمَ بِهِ إِبْرَاهِيمُ مَكَّةَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي مُدِّهِمْ وَصَاعِهِمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن جعفر نے حدیث بیان کی از عمرو بن ابی عمرو مولی المطلب بن عبداللہ بن حنطب، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میرے لیے اپنے لڑکوں میں سے ایک لڑکا تلاش کرو جو میری خدمت کرے، پس حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے مجھے نکالا اور اپنے پیچھے سواری پر بٹھا کر لائے، پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا، جب بھی آپ گھر میں ہوتے تو میں اکثر آپ سے سنتا تھا، آپ دعا کرتے تھے: "اے اللہ! میں فکر اور غم سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور عجز اور سستی سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور بخل اور بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور قرض کی شدت سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور مردوں کے غلبہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں، پھر میں ہمیشہ آپ کی خدمت میں رہا حتیٰ کہ ہم خیبر سے آئے اور آپ نے حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کو اپنے لیے منتخب کر لیا تھا، پس میں دیکھ رہا تھا کہ آپ نے ان کو اپنی چادر سے پردہ میں رکھا ہوا تھا اور ان کو اپنی سواری پر پیچھے بٹھایا ہوا تھا حتیٰ کہ جب مقام صہباء پر پہنچے تو آپ نے ایک قسم کا حلوہ تیار کرایا اور اس کو چمڑے کے دستر خوان پر رکھا، پھر مجھے بھیجا، میں نے لوگوں کو دعوت دی، پس لوگوں نے اس کو کھایا، یہ آپ کا ان کے ساتھ شب باشی کا ولیمہ تھا۔ پھر آپ آگے بڑھے حتیٰ کہ آپ کو احد پہاڑ دکھائی دیا، پھر آپ نے فرمایا: یہ ایک پہاڑ ہے، یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ اور جب آپ مدینہ کے قریب پہنچے تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! میں ان دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ کو اس طرح حرم قرار دیتا ہوں جس طرح حضرت

ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا۔اے اللہ! ان کے مد میں اوران کے صاع میں برکت نازل فرما۔

(صحیح البخاری:۲۸۸۹،۲۸۹۳،صحیح مسلم:۱۳۶۵،سنن ترمذی:۳۹۲۲،مسند احمد:۱۲۲۰۵،۱۳۱۳۶)

صحیح البخاری: ۶۳۶۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے''مردوں کے غلبہ سے پناہ طلب کرنا''اوراس باب کی حدیث میں مذکور ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی کہ ''اے اللہ! میں مردوں کے غلبہ سے پناہ طلب کرتا ہوں''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو بن ابی عمرو،اور وہ مطلب کے آزاد کردہ غلام ہیں،اور وہ ابن عبداللہ بن حنطب ہیں اور وہ المخزومی القرشی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے،ان کا نام زید بن سہل الانصاری ہے، یہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے اور حضرت ام سلیم حضرت انس کی والدہ ہیں رضی اللہ عنہما۔

اس حدیث میں''ھم''اور''حزن''کا ذکر ہے۔''ھم''مستقبل میں پیش آنے والی کسی پریشانی کو کہتے ہیں۔اور''حُزن''ماضی میں واقع کسی پریشانی کو کہتے ہیں۔اور بخل،کرم کی ضد ہے اور''جُبن''شجاعت اور بہادری کی ضد ہے۔اور بعض نسخوں میں مذکور ہے''والحزن والعجز والکسل''اور''عجز''قدرت کی ضد ہے اور''کسل''کے معنی ہیں سستی،یعنی آدمی میں چستی اور پھرتی نہ ہو۔اور''ضلع الدین''کا معنی ہے قرض کا بوجھ،شدت اوراس کی قوت۔

اس حدیث میں مذکور ہے''پس میں ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا رہا''یعنی آپ کی وفات تک۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے''وحازھا''یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں سے حضرت صفیہ بنت حیی کو اپنے لیے چن لیا اوران کو اپنے لیے لے لیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''یحوی''یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر کو گھما کر اونٹ کے کوہان کے ساتھ باندھ دیا،اس خطرہ سے کہ کہیں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا گر نہ جائیں۔

اوراس حدیث میں''عباءۃ''کا ذکر ہے اور یہ چادر کی ایک قسم ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''الصھباء''یہ خیبر اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''حیسا''یہ کھجوریں،گھی اور پنیر کو ملا کر ایک قسم کا ملیدہ (حلوہ) بنایا جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بنائہ بہا" یعنی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شب زفاف گزارنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یحبنا ونحبہ" یعنی احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ محبت سے مراد حقیقی محبت ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کو شامل ہے کہ احد پہاڑ میں حقیقی محبت پیدا کردے اور اس میں مجاز بھی ہوسکتا ہے یعنی احد پہاڑ کے رہنے والے ہم سے محبت کرتے ہیں اور وہ اہل مدینہ ہیں اور ہم ان اہل مدینہ سے محبت کرتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "میں ان دو پہاڑوں کی درمیانی جگہ کو اس طرح حرم قرار دیتا ہوں جس طرح حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ کو حرم قرار دیا"۔ یہ تشبیہ نفسِ حرمتِ شکار میں ہے، نہ شکار کی جزاوغیرہ میں۔

اور اس حدیث میں مد اور صاع کا ذکر ہے، صاع سے مراد ہے چار کلوگرام وزن اور مد سے مراد ہے ایک کلوگرام وزن۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۔ ۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا حتیٰ کہ ہم خیبر سے آئے"۔

غزوۂ خیبر کی تاریخ

غزوۂ خیبر جمادی الاولیٰ سات (۷) ہجری میں پیش آیا۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۶)

اور ابن اسحاق نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحجہ میں حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد خیبر کی طرف عزم کرتے ہوئے نکلے۔ (سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۳۷۸)

اور اس وقت چھ ہجری کے چند دن باقی تھے۔ اور مکی بن ابراہیم البلخی نے از سعید بن ابی عروبہ از قتادہ از ابی نضرہ از حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ (۱۲) رمضان کو خیبر کی طرف نکلے، پس لوگوں کے ایک گروہ نے روزہ رکھا اور دوسروں نے روزہ چھوڑا۔ پھر روزہ رکھنے والوں نے روزہ چھوڑنے والوں کو ملامت نہیں کی اور نہ روزہ چھوڑنے والوں نے روزہ رکھنے والوں پر ملامت کی۔ (صحیح مسلم: ۱۱۱۶)

اور امام ترمذی اور امام نسائی نے اس کو روایت کیا ہے کہ کسی نے دوسرے پر ملامت نہیں کی۔

(سنن ترمذی: ۷۱۲، سنن نسائی: ج ۴ ص ۱۸۸)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۵ ص ۳۲۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۶۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی دعاء کا جوامع الکلم سے ہونا

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ حدیث مذکور میں جو دعا ہے یہ جوامع الکلم میں سے ہے، کیونکہ رذائل کی تین قسمیں ہیں: نفسانی، بدنی اور خارجی۔ پس پہلی انسان کی قوتوں کے اعتبار سے ہے اور وہ تین ہیں: عقلی، غضبی اور شہوانی۔ پس "ھم" اور "حزن" قوتِ عقلیہ کے اعتبار سے ہے اور "جبن" قوتِ غضبیہ کے اعتبار سے ہے اور "بخل" قوتِ شہوانیہ کے اعتبار سے ہے۔ اور "عجز اور کسل" قوتِ بدنیہ کے اعتبار سے ہے۔ اور دوسری رذیلہ اس وقت ہوتی ہے جب انسان کے اعضاء سلامت ہوں اور تمام آلات اور قویٰ کارآمد ہوں۔ اور پہلی رذیلہ اس وقت ہوتی ہے جب کسی عضو میں کمی ہو۔ اور غلبہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان کے مال میں کمی ہو۔ اور دعاء ان تمام رذائل سے پناہ کی طلب پر مشتمل ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۲۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۷۔ بَابُ: التَّعَوُّذِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ

عذابِ قبر سے پناہ طلب کرنے کا بیان

۶۳۶۴۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ أُمَّ خَالِدٍ بِنْتَ خَالِدٍ قَالَ وَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا سَمِعَ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ غَيْرَهَا قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَعَوَّذُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ (صحیح البخاری: ۱۳۷۶، ۶۳۶۴، مسند احمد: ۲۶۵۱۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن عقبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ام خالد بنت خالد سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے نہیں سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے علاوہ کسی نے سنا ہو، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے سنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم عذابِ قبر سے پناہ طلب کرتے تھے۔

صحیح البخاری: ۶۳۶۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحمیدی، یہ عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ ہیں جو اپنے اجداد میں سے کسی ایک کی طرف منسوب ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے موسیٰ بن عُقبہ، عُقبہ میں عین پر پیش ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ام خالد، ان کا نام امۃ بنت خالد بن سعید بن العاص بن امیہ ہے۔ امام بخاری ان سے روایت میں منفرد ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہ بہت چھوٹی تھیں، انہوں نے آپ سے حدیث کو یاد رکھا اور ان کی وفات بعد میں ہوئی اور ان سے حضرت الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا، اور صحابہ میں بھی ام خالد بنتِ خالد بن یعیش بن قیس النجاریہ ہیں جو حارث بن النعمان کی بیوی ہیں۔ ابن سعید نے کہا کہ یہ تابعیہ ہیں اور صحابہ میں ان کا شمار نہیں ہے۔ صاحب التوضیح نے اسی طرح کہا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ حافظ ذہبی نے بھی ان کا صحابیات میں ذکر کیا ہے، ام خالد بنت الاسود بن عُبد یغوث، ان سے عبید اللہ

بن عبداللہ نے روایت کی ہے۔ اورام خالد بنت خالد رضی اللہ عنہا کا بھی ذکر کیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عذاب قبر سے پناہ طلب کرنا اپنی امت کی تعلیم اور رہنمائی کے لیے ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۔۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۶۵۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ مُصْعَبٍ كَانَ سَعْدٌ يَأْمُرُ بِخَمْسٍ وَيَذْكُرُهُنَّ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ كَانَ يَأْمُرُ بِهِنَّ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا يَعْنِي فِتْنَةَ الدَّجَّالِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالملک نے حدیث بیان کی از مصعب، انہوں نے کہا: حضرت سعد رضی اللہ عنہ پانچ چیزوں کا حکم دیتے تھے اور ان پانچ چیزوں کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کا حکم دیتے تھے، آپ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں بخل سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں اور میں بزدلی سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، اور میں اس سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں ارذل عمر کی طرف لوٹایا جاؤں، اور میں دنیا کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں آپ نے دجال کا فتنہ مراد لیا، اور میں عذاب قبر سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۲۸۲۲، ۶۳۶۵، ۶۳۷۰، ۶۳۷۴، ۶۳۹۰، سنن ترمذی: ۳۵۶۷، سنن نسائی: ۵۴۴۷، مسند احمد: ۱۶۲۴)

صحیح البخاری: ۶۳۶۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالملک، یہ ابن عمیر بن سوید بن حارثہ الکوفی ہیں اور یہ شعبی کے بعد کوفہ میں قاضی مقرر ہوئے اور سعید بن عثمان بن عفوان کے ساتھ خراسان میں جہاد کرنے کے لیے گئے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بلخ میں جیحون کا دریا عبور کیا اور یہ ثمرقند کے راستہ پر ہے، اور یہ تابعین میں سے ہیں۔ یہ ایک سو چھتیس (۱۳۶) ہجری میں فوت ہوئے۔ اور جس دن ان کی وفات ہوئی اس دن ان کی عمر ایک سو تین (۱۰۳) سال تھی۔ اور اس حدیث کی سند میں مصعب بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''حضرت سعد پانچ چیزوں کا حکم دیتے تھے'' یعنی ان پانچ چیزوں سے پناہ طلب کرنے کا ذکر کرتے تھے جن کا اس حدیث میں ذکر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''میں اس سے پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں ارذل عمر کی طرف لوٹایا جاؤں''۔ ارذل عمر سے مراد ہے

بڑھاپا، جب انسان کی جسامت کم ہو جائے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۔ (یٰس:۶۸)
اور ہم جس کو لمبی عمر دیتے ہیں تو ہم اس کی جسمانی بناوٹ کو (ابتدائی حالت کی طرف) الٹ دیتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۶۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ارذل عمر کا معنی ہے: ایسا بڑھاپا جس میں قوت اور عقل کم ہو جائے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۳۰۲، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۶۳۶۶ ـ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَتْ عَلَيَّ عَجُوزَانِ مِنْ عُجُزِ يَهُودِ الْمَدِينَةِ فَقَالَتَا لِي إِنَّ أَهْلَ الْقُبُورِ يُعَذَّبُونَ فِي قُبُورِهِمْ فَكَذَّبْتُهُمَا وَلَمْ أُنْعِمْ أَنْ أُصَدِّقَهُمَا فَخَرَجَتَا وَدَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ فَقُلْتُ لَهُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ عَجُوزَيْنِ وَذَكَرْتُ لَهُ فَقَالَ صَدَقَتَا إِنَّهُمْ يُعَذَّبُونَ عَذَابًا تَسْمَعُهُ الْبَهَائِمُ كُلُّهَا فَمَا رَأَيْتُهُ بَعْدُ فِي صَلَاةٍ إِلَّا تَعَوَّذَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از ابی وائل از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں: میرے پاس دو بوڑھی عورتیں آئیں جو مدینہ کی بوڑھی عورتوں میں سے تھیں، ان دونوں نے مجھ سے کہا کہ قبر والوں کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے تو میں نے ان دونوں کی تکذیب کی، اور میں نے ان کی تصدیق نہیں کی، پس وہ دونوں چلی گئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے، میں نے آپ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! دو بوڑھیں عورتیں آئی تھیں اور میں نے آپ سے ان کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: ان دونوں نے سچ کہا، ان لوگوں کو عذاب دیا جاتا ہے جس عذاب کو تمام جانور سنتے ہیں، پھر میں نے آپ کو اس کے بعد دیکھا کہ آپ جب بھی نماز پڑھتے تو اس میں عذابِ قبر سے پناہ طلب کرتے۔

(صحیح البخاری: ۱۰۵۵، ۱۳۷۲، ۶۳۶۶، صحیح مسلم: ۹۰۳، سنن نسائی: ۲۰۶۷، ۱۴، مسند احمد: ۲۳۷۴۷، موطا امام مالک: ۴۴۶، سنن دارمی: ۱۵۲۷)

صحیح البخاری: ۶۳۶۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''لوگوں کو عذاب دیا جاتا ہے جس عذاب کو تمام جانور سنتے ہیں''۔ اور کتاب الجنائز میں گزر چکا

ہے کہ میت کی آواز ہر چیز سنتی ہے سوا انسان کے۔

اس پر سوال کیا گیا ہے کہ عذاب تو سنائی نہیں دیتا۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ مقصود ان انسانوں کی آواز ہے جن کو عذاب دیا جاتا ہے، یا بعض عذاب سنائی دیتے ہیں، مثلاً قبر والے کو جو مار لگائی جاتی ہے تو اس مار کی آواز سنائی دیتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عذابِ قبر کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات

القاضی ابوبکر بن الطیب وغیرہ نے کہا ہے: عذابِ قبر کے متعلق جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان کی تصدیق میں قرآن مجید کی درج ذیل آیات ہیں:

اَلنَّارُ یُعۡرَضُوۡنَ عَلَیۡہَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا ۚ وَ یَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَۃُ ۟ اَدۡخِلُوۡۤا اٰلَ فِرۡعَوۡنَ اَشَدَّ الۡعَذَابِ ○

صبح اور شام ان کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت آئے گی (یہ حکم دیا جائے گا کہ) آل فرعون کو شدید ترین عذاب میں ڈال دو ○

(مومن: ۴۶)

اور اس پر اتفاق ہے کہ آخرت میں صبح اور شام نہیں ہے، صبح اور شام صرف دنیا میں ہے۔ پس آل فرعون کو ان کی موت کے بعد قیامت قائم ہونے سے پہلے عذاب میں داخل کیا جائے گا اور جب قیامت قائم ہوگی تو ان کو زیادہ شدید عذاب میں داخل کیا جائے گا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۰ ص ۱۵۴، ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

عذابِ قبر کے ثبوت میں قرآن اور احادیث سے دلائل

اہل علم نے اس آیت سے عذابِ قبر پر استدلال کیا ہے، کیونکہ اس آیت میں مذکور ہے کہ آل فرعون کو صبح اور شام دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے، اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان کو قیامت کے دن دوزخ کی آگ پر پیش کیا جائے گا، کیونکہ اس عذاب پر عطف کر کے فرمایا: اور قیامت کے دن بھی انہیں دوزخ کی آگ پر پیش کیا جائے گا اور عطف تغایر کو چاہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت سے پہلے بھی انہیں دوزخ کی آگ پر پیش کیا جا رہا ہے اور قیامت کے بعد بھی انہیں دوزخ کی آگ پر پیش کیا جائے گا۔ نیز آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ فرشتوں سے کہا جائے گا کہ آل فرعون کو زیادہ شدید عذاب میں داخل کرو، اس سے معلوم ہوا کہ نفس شدید عذاب انہیں پہلے دیا جا چکا ہے اور وہ قبر کا عذاب ہے۔

اس استدلال پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ عذابِ قبر کے قائلین کے نزدیک عذابِ قبر قیامت تک دائمی ہوگا اور اس آیت سے صرف صبح اور شام کے وقت عذابِ قبر ثابت ہو رہا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دن کی دو طرفیں صبح اور شام ہیں، پس ان دو طرفوں کا ذکر فرما دیا اور اس سے مراد یہ ہے کہ ان کو قیامت تک دائمی عذاب ہوتا رہے گا۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافروں کے متعلق ارشاد ہے:

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ ۔ (نوح:۲۵) یہ لوگ اپنے گناہوں کے سبب سے غرق کر دیئے گئے، پس ان کو فوراً دوزخ کی آگ میں داخل کر دیا گیا۔

اس آیت میں جس دوزخ کی آگ کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد وہ آگ نہیں ہے جس میں کافروں کو قیامت کے بعد ڈالا جائے گا، کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے: ان کو غرق ہوتے ہی فوراً دوزخ کی آگ میں داخل کر دیا جائے گا، اور آخرت میں جو عذاب ہوگا وہ فوراً نہیں ہوگا، غرق ہونے کے فوراً بعد جو عذاب ہوگا، وہ قبر میں ہی ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی ان دو آیتوں میں عذابِ قبر کی صاف تصریح ہے، نیز عذابِ قبر کے متعلق یہ احادیث بھی ہیں:

(۱) حضرت ام خالد بنت خالد رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے سنا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم عذابِ قبر سے پناہ طلب کر رہے تھے۔ (صحیح البخاری: ۶۳۶۴)

(۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں عاجزی سے، سستی سے، بزدلی سے اور بڑھاپے سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور عذابِ قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور زندگی اور موت کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ (صحیح البخاری: ۷۳۶۷)

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں کو قبر میں عذاب دیا جائے گا حتیٰ کہ جانور بھی ان کی آوازوں کو سنیں گے۔ (المعجم الکبیر: ۱۰۴۵۹)

حدیث مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سوال کا جواب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے عذابِ قبر کی نفی کی، پھر اس کے بعد عذابِ قبر کو ثابت فرمایا

باب الکسوف میں از عمرہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت ہے کہ ایک یہودی عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سوال کرنے کے لیے آئی تو اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دعا دی: اللہ آپ کو عذابِ قبر سے اپنی پناہ میں رکھے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: کیا لوگوں کو قبر میں عذاب دیا جائے گا؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ سے اس کی پناہ طلب کرتا ہوں۔ پھر آپ دوسرے دن ایک سواری پر سوار ہوئے تو سورج کو گہن لگ گیا، اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ پھر آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ عذابِ قبر سے پناہ طلب کریں۔ اور اس میں زہری کی روایت کی موافقت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے اس کا علم نہیں تھا۔ اور اس سے زیادہ صریح وہ روایت ہے جس کو امام احمد نے امام بخاری کی شرط کے ساتھ سعید بن عمرو بن سعید اموی سے روایت کی ہے از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ ایک یہودی عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کرتی تھی، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب بھی اس کے ساتھ کوئی نیکی کرتیں تو وہ یہودی عورت یہ دعا دیتی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عذابِ قبر سے محفوظ رکھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا قبر میں عذاب ہوتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: یہود جھوٹ بولتے ہیں، قیامت کے علاوہ کوئی عذاب نہیں ہے، پھر آپ ٹھہرے رہے جتنی مدت اللہ تعالیٰ نے آپ کو ٹھہرانا چاہا، پھر ایک دن دوپہر کے وقت آپ نکلے اور آپ بلند آواز سے یہ

اعلان کر رہے تھے کہ اے لوگو! عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو، کیونکہ عذاب قبر برحق ہے۔اور ان تمام روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کو عذاب قبر کا آخر میں مدینہ میں علم ہوا جیسا کہ صلوٰۃ کسوف کی تاریخ میں اپنی جگہ ثابت ہے۔

اس پر یہ اشکال ہے کہ اس سے پہلے مکہ میں یہ آیت نازل ہو چکی ہے:

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا ۚ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۟ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ (مومن: ۴۶)

صبح اور شام ان کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت آئے گی (یہ حکم دیا جائے گا کہ) آلِ فرعون کو شدید ترین عذاب میں ڈال دو O

اس کا جواب یہ ہے کہ سورۂ مومن کی یہ آیت آلِ فرعون کے متعلق ہے اور جو کفار آلِ فرعون کے ساتھ لاحق ہیں، پس نبی ﷺ نے جس عذاب قبر کا انکار کیا وہ موحدین کے اوپر عذاب قبر تھا۔ پھر بعد میں نبی ﷺ کو یہ علم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اس کے اوپر عذاب قبر نازل فرمائے گا، تو پھر آپ کو اس پر وثوق ہو گیا کہ عذاب قبر موحدین کو بھی ہوگا، اور پھر آپ نے عذاب قبر سے پناہ طلب کرنے میں بہت مبالغہ کیا اور اپنی امت کو تعلیم دی اور رہنمائی کی۔ پس الحمد للہ تعارض اٹھ گیا اور اس میں یہ دلیل ہے کہ عذاب قبر اس امت کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۸۰۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی نے صحیح البخاری: ۶۳۶۶ کی شرح میں لکھا ہے:

اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلے نبی ﷺ پر یہ وحی نہیں کی گئی تھی کہ مومنین کی قبر میں آزمائش کی جائے گی تو آپ نے فرمایا کہ یہود کی قبر میں آزمائش کی جائے گی۔ سو آپ نے اپنے علم کے مطابق یہ فرمایا۔ پھر جب آپ کو یہ علم دیا گیا کہ غیر یہود کو بھی عذاب دیا جائے گا تو پھر آپ نے عذاب قبر سے پناہ طلب کی اور آپ نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی کہ عذاب قبر سے پناہ طلب کریں۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۲۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۶۶، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قبر میں عذاب اور ثواب کی کیفیت

مسئلہ: کیا عذاب قبر بدن پر ہوتا ہے یا روح پر؟

الجواب: قرآن مجید کی ظاہر نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ عذاب بدن پر ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ (الانعام: ۹۳)

نکالو اپنی جانوں کو، آج تمہیں ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی کیونکہ تم اللہ پر ناحق بہتان تراشتے تھے اور تم اس کی آیتوں (پر ایمان لانے) سے تکبر کرتے تھے O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تمہاری روحوں کو عذاب چکھایا جائے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلنَّارُ يُعۡرَضُوۡنَ عَلَيۡهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا ۚ وَ يَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ ۟ اَدۡخِلُوۡۤا اٰلَ فِرۡعَوۡنَ اَشَدَّ الۡعَذَابِ ۝ (مومن:۴۶)

صبح اور شام ان کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت آئے گی (یہ حکم دیا جائے گا کہ) آل فرعون کو شدید ترین عذاب میں ڈال دو○

اسی طرح اس آیت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ صبح اور شام آل فرعون کے بدنوں اور جسموں پر عذاب کو پیش کیا جائے گا۔

پس قرآن مجید کی ظاہر نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں کہ عذاب بدن پر ہوگا اور روح کو اس کے درد کا ادراک ہوگا، لیکن یہ عذاب جو بدن کو پہنچتا ہے اس کا بدن کے اوپر اس طرح حسی ظہور نہیں ہوتا جس طرح دنیا میں کسی چوٹ کا بدن پر حسی ظہور ہوتا ہے، مثلاً قبر میں عذاب کے وقت مردہ کو جو گرز لگائے جاتے ہیں یا اس کے اوپر قبر تنگ کر دی جاتی ہے حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ادھر سے ادھر نکل آتی ہیں تو کوئی نشان مردہ پر نہیں ہوتا۔ اور عذابِ قبر، عذابِ غیبی ہے، دنیا کے عذاب کی طرح نہیں ہے جس طرح ثوابِ قبر بھی ثوابِ غیبی ہے۔ اور ظاہر نصوص یہ ہیں کہ یہ عذاب اور ثواب بدن کو ہوتا ہے۔

اور بعض اہلِ علم نے کہا ہے: بلکہ یہ عذاب اور ثواب روح کو ہوتا ہے اور بدن کو بالکل عذاب نہیں ہوتا۔ اور دوسرے علماء نے یہ کہا: بلکہ عذاب اصل میں روح کو ہوتا ہے لیکن اس کا اتصال بدن کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور میرے نزدیک معتمد قول پہلا ہے۔

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ اگر ہم قبر کو کھودیں تو مردہ اس میں اسی طرح پڑا ہوگا جس طرح کل اس کو دفن کیا گیا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امورِ غیبیہ ہیں اور مشاہدہ میں ان کا ظہور ممکن نہیں ہے، اِلّا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی نشانی دکھانا چاہے ورنہ اصل یہ ہے کہ عذاب بھی غیبی ہے اور ثواب بھی غیبی ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۲۳۲۔ ۲۳۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۸۔ بَابُ: التَّعَوُّذِ مِنۡ فِتۡنَةِ الۡمَحۡيَا وَالۡمَمَاتِ

زندگی اور موت کی آزمائش سے پناہ طلب کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں زندگی اور موت کی آزمائش سے پناہ طلب کرنے کا بیان ہے۔ یعنی زندگی کے زمانہ اور موت کے زمانہ سے مراد ہے کہ جب انسان کی روح بدن سے منفصل (جدا) ہوتی ہے، اس وقت سے لے کر قیامت تک کا زمانہ۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۶۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا الۡمُعۡتَمِرُ قَالَ سَمِعۡتُ أَبِي قَالَ سَمِعۡتُ أَنَسَ بۡنَ مَالِكٍ يَقُولُ كَانَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الۡعَجۡزِ وَالۡكَسَلِ وَالۡجُبۡنِ وَالۡبُخۡلِ وَالۡهَرَمِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنۡ عَذَابِ الۡقَبۡرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنۡ فِتۡنَةِ الۡمَحۡيَا وَالۡمَمَاتِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں المعتمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں عجز، سستی،

بزدلی، بخل اور بڑھاپے سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔اور میں
عذابِ قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور میں زندگی اور موت کی
آزمائش سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۲۸۲۳، ۴۷۰۷، ۶۳۶۷، ۶۳۷۱ صحیح مسلم: ۲۷۰۶، سنن ترمذی: ۳۴۸۵، سنن نسائی: ۵۴۵۲، سنن ابوداؤد: ۱۵۴۰، مسند احمد: ۱۲۷۰۳)

صحیح البخاری: ۶۳۶۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں معتمر کا ذکر ہے، وہ اپنے باپ سلیمان بن طرخان التیمی البصری سے روایت کرتے ہیں، وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۶۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زندگی اور موت کی آزمائش کا بیان

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: اس دعا میں کلمہ جامعہ ہے جو معانی کثیرہ پر مشتمل ہے اور مرد کو چاہیے کہ اس پر جو بلائیں نازل ہوئی ہیں ان کے اٹھانے میں اپنے رب کی طرف رغبت کرے اور جو مصیبتیں نازل نہیں ہوئیں، ان کو دفع کرنے میں بھی اپنے رب کی طرف متوجہ ہو۔ اور تمام معاملات میں اپنے رب کا محتاج رہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام چیزوں میں اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے تھے تاکہ آپ کی امت سے یہ آزمائشیں دور ہو جائیں اور آپ اپنی امت کو یہ تعلیم دیں کہ وہ کس طریقہ سے اور کس صفت سے اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۲۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

علامہ ابن دقیق العید نے کہا ہے: زندگی کے فتنہ سے مراد وہ امور ہیں جو انسان کو زندگی کی مدت میں عارض ہوتے ہیں کہ وہ دنیا اور شہوات اور جہالات کی آزمائش میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور سب سے بڑا فتنہ العیاذ باللہ یہ ہے کہ موت کے وقت اس کا خاتمہ فتنہ پر ہو، اور موت کے فتنہ سے مراد یہ ہے کہ موت کے وقت جو آزمائش ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد قبر کی آزمائش ہو، کیونکہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ تم اپنی قبروں میں ایسے فتنوں میں مبتلا کیے جاؤ گے جو دجال کے فتنہ کے قریب ہوگا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ زندگی کے فتنہ سے مراد ہے کہ انسان کسی آزمائش میں مبتلا ہو اور وہ صبر نہ کر سکے۔ اور موت کے فتنہ سے مراد ہے کہ قبر میں اس سے سوال کیا جائے اور وہ حیرت میں مبتلا ہو۔ اور یہ عام کا ذکر ہے خاص کے بعد، کیونکہ عذابِ قبر بھی موت کے فتنہ میں داخل ہے اور دجال کا فتنہ زندگی کے فتنہ میں داخل ہے۔

اور الحکیم الترمذی نے نوادر الاصول میں سفیان ثوری سے روایت کی ہے کہ میت سے جب سوال کیا جاتا ہے تیرا رب کون ہے

تو اسے شیطان دکھائی دیتا ہے اور وہ شیطان اپنی طرف اشارہ کرتا ہے کہ میں ہوں تیرا رب، پس اس لیے یہ دعا وارد ہے کہ بندہ مومن اس سوال کے جواب میں ثابت قدم رہے۔ اور پھر انہوں نے سند جید کے ساتھ عمرو بن مرّہ سے روایت کی ہے کہ صحابہ اسے مستحب قرار دیتے تھے کہ جب میت کو قبر میں رکھا جائے تو وہ کہے: اے اللہ! اس کو شیطان سے اپنی پناہ میں رکھنا۔

(فتح الباری ج ۲ ص ۳۹۳۔ ۳۹۴، ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

فتنہ کا معنی

فتنہ کا اصل معنی ہے امتحان اور آزمائش، اور شریعت میں فتنہ کا استعمال ہوتا ہے کسی مصیبت کو دور کرنے کی آزمائش۔ اور فتنہ غفلت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔ (التغابن: ۱۵) تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تو صرف آزمائش ہیں۔

یعنی تم اپنے مال اور اولاد کی محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل ہو جاتے ہو۔

نیز فتنہ کا استعمال گمراہی، کفر، عذاب اور رسوائی میں بھی ہوتا ہے اور جیسا قرینہ ہو اس کے اعتبار سے ویسا معنی کیا جاتا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۲۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۹۔ بَابُ: التَّعَوُّذِ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ گناہ اور قرض سے پناہ طلب کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں مأثم کا ذکر ہے، اس سے مراد ہے اثم اور گناہ۔ اور مغرم کا ذکر ہے، اس سے مراد ہے: جس چیز کا ادا کرنا تم پر لازم ہو جیسا کہ قرض اور دیت۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۶۸۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَقُولُ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ النَّارِ وَعَذَابِ النَّارِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْغِنَى وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْفَقْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ اللّٰهُمَّ اغْسِلْ عَنِّي خَطَايَايَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّ قَلْبِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَبَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معلی بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود، از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں سستی، بڑھاپے، گناہ، قرض اور قبر کی آزمائش اور قبر کے عذاب سے اور دوزخ کی آزمائش اور دوزخ کے عذاب سے اور غنیٰ کی آزمائش کے شر سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں اور فقر کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں اور المسیح الدجال کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، اے اللہ! مجھ سے میرے گناہوں کو برف اور اولوں کے پانی سے دھو ڈال اور میرے دل کو گناہوں سے اس

طرح صاف کر دے جیسے سفید کپڑا میل کچیل سے صاف کر دیا جاتا ہے۔ اور میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اس طرح دوری کر دے جس طرح مشرق اور مغرب کے درمیان تو نے دوری رکھی ہے۔

(صحیح البخاری: ۸۳۲، ۸۳۳، ۲۳۹۷، ۶۳۶۸، ۶۳۷۵، ۶۳۷۶، ۶۳۷۷، ۷۱۲۹، صحیح مسلم: ۵۸۹، سنن نسائی: ۱۳۰۹، سنن ابوداؤد: ۸۸۰، سنن ابن ماجہ: ۳۸۳۸، مسند احمد: ۲۳۷۸۰)

صحیح البخاری: ۶۳۶۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں فتنۂ قبر اور عذابِ قبر کا ذکر ہے، فتنۂ قبر سے مراد ہے منکر اور نکیر کا سوال۔ اور عذاب قبر اس کے بعد مجرمین کو ہوتا ہے، پس گویا کہ فتنۂ قبر عذابِ قبر کا مقدمہ ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ومن فتنة النار" "فتنة النار" سے مراد ہے: دوزخ کے فرشتوں کا بطور ڈانٹ ڈپٹ کے دوزخیوں سے سوال کرنا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ○ (الملک: ۸)	جب بھی اس میں (کافروں کا) کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ اس سے پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا تھا ○

اور دوزخ کا عذاب اس کے بعد ہوتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معانی

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ومن شر فتنة الغنی" یعنی مال و دولت کی آزمائش کے شر سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔
مال و دولت کی آزمائش کا شر ہے جیسے سرکشی اور اترانا، اور زکوٰۃ ادا نہ کرنا اور دیگر مالی حقوق ادا نہ کرنا۔ اور فقر میں شر کا صراحۃً ذکر نہیں کیا، کیونکہ اس کا ضرر دوسری چیزوں کے ضرر سے زیادہ ہے یا مالداروں پر تغلیظ کے لیے حتیٰ کہ وہ اپنے مال و دولت سے دھوکہ میں نہ آئیں اور مال و دولت کے مفاسد سے غافل نہ رہیں۔ اور اس کی دوسری خرابیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: "اور میں فقر کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں"۔ کیونکہ بسا اوقات فقر انسان کو ایسے کاموں پر برانگیختہ کرتا ہے جو دین داروں کے لائق نہیں ہوتے اور ان کو حرام کے ارتکاب پر آمادہ کرتا ہے اور وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور بسا اوقات فقر کی وجہ سے آدمی ایسے کلمات بولتا ہے جو کفر تک پہنچا دیتے ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ومن فتنة المسيح الدجال" "مسیح" فعیل کے وزن پر ہے اور یہ مفعول کے معنی میں ہے، یعنی

دجال کی آنکھ رگڑی ہوئی ہوگی۔ یا اس کا معنی ہے: وہ بہت سرعت اور تیزی کے ساتھ زمین کی مسافت کو قطع کرے گا۔

ابن فارس نے کہا ہے: مسیح وہ ہے کہ جس کے چہرہ کی ایک جانب رگڑی ہوگی اور اس کی آنکھ نہیں ہوگی اور نہ اس کا ابرو ہوگا۔ اور دجال کا لفظ دجل سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: ڈھانپنا، کیونکہ وہ ایک کثیر جماعت کو زمین میں ڈھانپ لے گا، یا وہ حق کو کذب کے ساتھ ڈھانپ لے گا، یا زمین کو تیزی سے قطع کرے گا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "خطایای" اور خطایا کی اصل ہے خطائی، یہ فعائل کے وزن پر ہے اور جب دو ہمزہ جمع ہو گئے تو دوسرے ہمزہ کو یاء سے بدل دیا گیا کیونکہ اس سے پہلے کسرہ ہے اور پھر وہ ثقیل تھا تو اس کو حذف کر دیا۔ اور پھر یاء کو الف سے تبدیل کر دیا گیا، پھر پہلے ہمزہ کو یاء سے تبدیل کر دیا کیونکہ وہ دو الفوں کے درمیان خفیف تھا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "برف اور پانی کے اولوں سے"۔ اس حدیث میں برف اور اولوں کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے کیونکہ یہ بہت صاف ہوتے ہیں اور نجاست کے ملنے سے بہت بعید ہوتے ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ونق" یہ "نقّی ینقّی تنقیة" سے ماخوذ ہے اور اس کو تاکید کے لیے ذکر کیا ہے۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ یہ مجاز ہے یعنی جب کسی چیز کو برف اور اولوں کے پانی سے دھویا جاتا ہے تا کہ جو چیز عارض ہوئی ہو وہ دھل کر صاف ہو جائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عرب کی عادت یہ ہے کہ جب دھونے میں مبالغہ کا ارادہ کیا جائے تو گرم پانی سے دھویا جاتا ہے نہ کہ ٹھنڈے پانی سے، خاص طور پر برف کے پانی سے۔

اور علامہ خطابی نے اس کا جواب دیا ہے کہ ان مثالوں کے ساتھ اعیانِ مسمیات کا ارادہ نہیں کیا بلکہ اس سے گناہوں کی تطہیر میں مبالغہ اور تاکید کا ارادہ کیا ہے کہ گناہ بالکل مٹ جائیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۸۔۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۶۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قرض سے پناہ طلب کرنے کا بیان

امام نسائی نے از سلمہ بن سعید بن عطیہ از معمر از زہری روایت کی ہے اور اس حدیث کا اختصار سے ذکر کیا ہے اور اس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرض اور گناہ سے پناہ طلب کرتے تھے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ قرض سے بہت زیادہ پناہ طلب کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے، آپ نے فرمایا: جو شخص مقروض ہو وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو اس کے خلاف کرتا ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرنے والی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں جو اس حدیث کی راویہ ہیں۔

غنیٰ کے شر اور فقر کے شر کا بیان

غنیٰ اور فقر کو شر کے ساتھ مقید کیا ہے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے اندر ایک اعتبار سے خیر ہوتی ہے تو جس چیز سے پناہ طلب کی ہے وہ غنیٰ کا شر ہے اور فقر کا شر ہے خواہ وہ کم ہو یا زیادہ۔

امام غزالی نے کہا ہے: غنیٰ کا فتنہ مال کو جمع کرنے کی حرص ہے اور مال کی محبت ہے حتیٰ کہ بندہ مال کو حاصل کرے خواہ حرام

طریقہ سے ہو۔ اور مال جمع کرنے کی حرص میں جس مال کو خرچ کرنا اس پر واجب ہے وہ نہ کرے اور مالی حقوق ادا نہ کرے۔ اور فقر کے فتنہ سے مراد یہ ہے کہ وہ فقر اور فاقہ کی وجہ سے حرام کا ارتکاب کرے۔

گرم پانی سے دھونے کے بجائے برف اور اولوں کے پانی سے دھونے کی حکمت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "میری خطاؤں کو برف کے پانی اور اولوں کے پانی سے دھو دے"۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ گرم پانی سے دھو دے، حالانکہ عادت یہ ہے کہ گرم پانی میل کچیل کے زائل کرنے میں زیادہ مؤثر اور بلیغ ہوتا ہے۔

اس میں یہ اشارہ ہے کہ برف کا پانی اور اولے کا پانی دونوں طاہر پانی ہیں جن کو ہاتھ نہیں چھوتے۔ اور وہ استعمال سے آلودہ نہیں ہوتے، پس ان کا ذکر اس مقام میں زیادہ مؤکد ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۲۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اس سوال کا جواب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں، پھر اس کی کیا توجیہ ہے کہ آپ نے اپنے گناہوں کو دھونے کی دعا کی

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ہے کہ اے اللہ! میرے گناہوں کو برف کے پانی اور اولوں کے پانی سے دھو ڈال، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں اور آپ سے کسی قسم کا کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ سرزد نہیں ہوا جس کے لیے توبہ کی ضرورت ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا امت کی تعلیم کے لیے کی ہے کہ امت جب اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت کے لیے دعا کرے تو اس طرح دعا کرے۔ یا تشریع کے لیے کی ہے تاکہ ان الفاظ کے ساتھ دعا کرنا مشروع ہو جائے اور دعا کرنے والے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ادا کرنے کی سنت کا ثواب مل جائے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی مسئلہ کی تعلیم کے لیے خلاف اولیٰ کام کرتے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیانِ جواز کے لیے زم زم کا پانی کھڑے ہو کر پیا، یا جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لیے منہ اندھیرے اول وقت میں فجر کی نماز پڑھی حالانکہ آپ نے خود فرمایا ہے کہ زیادہ اجر اس وقت ہوتا ہے جب فجر کی نماز اس وقت پڑھی جائے جب روشنی پھیل جائے۔ اسی طرح کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی مسئلہ کی تعلیم کے لیے کوئی مکروہ تنزیہی کام کرتے جیسے آپ نے فرمایا ہے کہ فصد لگانے کی اجرت نہ دی جائے اس کے باوجود آپ نے ایک بار فصد لگانے کی اجرت دی، تاکہ یہ مسئلہ معلوم ہو جائے کہ فصد لگانے کی اجرت دینا بھی جائز ہے مگر یہ مکروہ تنزیہی ہے، تو اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد حکمتوں کی وجہ سے کبھی خلاف اولیٰ کا ارتکاب کیا اور کبھی مکروہ تنزیہی کا ارتکاب کیا، اگرچہ یہ امور گناہ نہیں ہیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضعاً ان کو بھی گناہ قرار دیا اور اللہ تعالیٰ سے ان گناہوں کو دھونے کی دعا کی۔ (سعیدی غفرلہ)

۴۰- بَابٌ: الِاسْتِعَاذَةِ مِنَ الْجُبْنِ وَالْكَسَلِ

بزدلی اور سستی سے پناہ طلب کرنے کا بیان

كُسَالَى وَكَسَالَى وَاحِدٌ.

کُسالیٰ اور کَسالیٰ (سست) کا ایک ہی معنی ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

"جُبن" کا معنی ہے: بزدلی اور یہ بہادری کے خلاف ہے۔ اور "کسل" کا معنی ہے: سستی اور کسی کام کے کرنے سے بوجھل

ہونا، اور یہ چستی کے خلاف ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یعنی کُسالیٰ میں کاف پر پیش بھی ہے اور کاف پر زبر بھی ہے، اور یہ دو قرائتیں ہیں، اور جمہور نے اس کو پیش کے ساتھ یعنی کُسالیٰ پڑھا ہے اور الاعرج نے اس کو زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ بنو تمیم کی لغت ہے۔

(فتح الباری ج ۲۳ ص ۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۶۹۔ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ قَالَ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ أَبِي عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں خالد بن مخلد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عمرو بن ابی عمرو نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے فکر، غم، عجز اور سستی اور بزدلی اور بخل اور قرض کے غلبہ، اور مردوں کے غلبہ سے پناہ طلب کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۲۸۲۳، ۴۷۰۷، ۶۳۶۷، ۶۳۶۹، ۶۳۷۱، صحیح مسلم: ۲۷۰۶، سنن ترمذی: ۳۴۸۵، سنن نسائی: ۵۴۵۲، سنن ابوداؤد: ۱۵۴۰، مسند احمد: ۱۲۷۰۳)

صحیح البخاری: ۶۳۶۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں خالد بن مخلد کا ذکر ہے، مَخلد میں میم پر زبر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں سلیمان کا ذکر ہے، اور یہ ابن بلال ہیں۔ اور ابو زید المروزی کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں عمرو بن ابی عمرو کا ذکر ہے، یہ المطلب بن عبداللہ بن حنطب کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث عنقریب باب ''التعوذ من غلبة الرجال'' میں گزر چکی ہے اور حدیث میں مذکور الفاظ کی تصریح بھی بیان کی جا چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۱۔ بَابُ: التَّعَوُّذِ مِنَ الْبُخْلِ

بخل سے پناہ طلب کرنے کا بیان

الْبُخْلُ وَالْبَخَلُ وَاحِدٌ، مِثْلُ: الْحُزْنِ وَالْحَزَنِ۔

لفظ بُخل اور بَخَل کا ایک معنی ہے جیسے حُزن اور حَزن کا ایک معنی ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

"بُخل" میں باء پر پیش ہے اور "بَخل" میں باء پر زبر ہے، لفظوں میں فرق ہے اور معنی ایک ہے۔ اور اس کی نظیر حُزن اور حَزن ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۷۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنِي غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رضی الله عنه كَانَ يَأْمُرُ بِهَؤُلَاءِ الْخَمْسِ وَيُحَدِّثُهُنَّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبدالملک بن عمیر از مصعب بن سعد از حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، اور وہ ان پانچ باتوں کا حکم دیتے تھے۔ اور ان پانچ باتوں کو نبی ﷺ سے روایت کرتے تھے: اے اللہ! میں بخل سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، اور میں بزدلی سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، اور میں اس سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں کہ مجھے ارذل عمر کی طرف لوٹا دیا جائے، اور میں دنیا کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں اور میں عذابِ قبر سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۲۸۲۲، ۶۳۶۵، ۶۳۷۰، ۶۳۷۴، ۶۳۹۰، سنن ترمذی: ۳۵۶۷، سنن نسائی: ۵۴۴۷، مسند احمد: ۱۶۲۴)

صحیح البخاری: ۶۳۷۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں غندر کا ذکر ہے اور وہ محمد بن جعفر ہیں۔

یہ حدیث عنقریب باب "التعوذ من عذاب القبر" میں گزر چکی ہے۔ اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "میں دنیا کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں":

شعبہ نے کہا: میں نے عبدالملک بن عمیر سے دنیا کے فتنہ سے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: دنیا کا فتنہ دجال ہے۔ اسی طرح اسماعیلی کی روایت میں ہے، اور دجال پر دنیا کے فتنہ کا اطلاق اس وجہ سے ہے کہ اس کا فتنہ بہت بڑا ہوگا۔ اور دنیا کے تمام فتنوں سے بڑا دجال کا فتنہ ہوگا۔ اور اس کا ذکر اس حدیث میں صراحۃً ہے، حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا، پھر آپ نے فرمایا کہ روئے زمین میں جب سے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے دجال کے فتنہ سے بڑا اولادِ آدم کے لیے کوئی فتنہ نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۲۔ بَابُ: التَّعَوُّذِ مِنْ أَرْذَلِ الْعُمُرِ

ارذلِ عمر سے پناہ طلب کرنے کا بیان

أَرَاذِلُنَا: أَسْقَاطُنَا۔

اراذِلُنا کا معنی ہے: ''اسقاطنا'' اور اس کا معنی ہے: ہمارے نچلے درجہ کے کمینے اور پسماندہ لوگ۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ارذلِ عمر سے پناہ طلب کرنے کا بیان ہے۔ اور ارذلِ عمر کا معنی ہے بڑھاپا اور بے عقلی کی وجہ سے ایسی بات کرنا جس پر ہنسی آئے، اور جب انسان کے احوال پچھلی طرف لوٹ جائیں، قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ۝ (النحل: ۷۰)

اور تم میں سے بعض کو ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے، تاکہ انجام کار وہ حصولِ علم کے بعد کچھ بھی نہ جان سکے، بے شک اللہ نہایت علم والا بے حد قدرت والا ہے O

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

النحل: ۷۰ کی تفسیر از مصنف

حکماء نے انسان کی عمر کے چار مراتب ذکر کیے ہیں:

پہلا مرتبہ اس کی عمر کا وہ زمانہ ہے جب اس کے بچپن اور نوجوانی کا زمانہ ہوتا ہے، اور اس کی نشوونما ہوتی ہے۔ اور یہ ولادت سے لے کر بیس سال تک کی عمر ہے۔

اور دوسرا مرتبہ وہ ہے جب اس کی عمر اپنے شباب کو پہنچ جاتی ہے، اور یہ بیس سال سے چالیس سال تک کی عمر ہے۔

اور تیسرا مرتبہ دورِ انحطاط ہے، جب اس کی عمر ڈھل جاتی ہے اور وہ ادھیڑ عمر کو پہنچ جاتا ہے، یہ چالیس سال سے ساٹھ سال تک کی عمر کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس کو کہولت کہتے ہیں۔

اور چوتھا مرتبہ انحطاطِ کبیر کا ہے، یہ بڑھاپے کا زمانہ ہے، یہ ساٹھ سال سے لے کر ستر، اسی سال کی عمر تک کا زمانہ ہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم میں سے بعض لوگ اس قدر بوڑھے ہو جائیں گے کہ ان کی عقل فاسد اور خراب ہو جائے گی اور وہ عالم ہو جانے کے بعد جاہل ہو جائیں گے تاکہ اللہ تم کو اپنی قدرت دکھائے کہ جس طرح وہ مارنے اور زندہ کرنے پر قادر ہے، اسی طرح وہ عالم بنانے کے بعد جاہل بنانے پر قادر ہے۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۴۶۷)

۶۳۷۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَتَعَوَّذُ يَقُولُ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَرَمِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو معمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی از عبدالعزیز بن صہیب، از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح پناہ طلب کرتے ہوئے دعا کرتے تھے: ''اے اللہ! میں سستی سے تیری پناہ طلب

کرتا ہوں اور میں بزدلی سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، اور میں
بڑھاپے سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، اور میں بخل سے تیری پناہ
طلب کرتا ہوں"۔

(صحیح البخاری: ۲۸۲۳، ۴۷۰۷، ۶۳۶۷، ۶۳۷۱، صحیح مسلم: ۲۷۰۶، سنن ترمذی: ۳۴۸۵، سنن نسائی: ۵۴۵۲، سنن ابوداؤد: ۱۵۴۰، مسند احمد: ۱۷۷۰۳)

صحیح البخاری: ۶۳۷۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

یہاں پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ باب کا عنوان ہے "ارذل عمر" اور حدیث میں ارذل عمر کا ذکر نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں بڑھاپے کا ذکر ہے، اور بڑھاپا ارذل عمر کا معنی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو معمر، ان کا نام عبداللہ بن عمر ہے۔ نیز اس حدیث میں عبدالوارث کا ذکر ہے، یہ ابن سعید البصری ہیں۔ امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

اس حدیث کی شرح عنقریب گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۳۔ بَابُ: الدُّعَاءِ بِرَفْعِ الْوَبَاءِ وَالْوَجَعِ — وباء اور درد کو دور کرنے کی دعا کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں وباء اور درد کو دور کرنے کا بیان ہے، وباء کا معنی ہے: ایسا مرض جو عام ہو گیا ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: تیز رفتار موت۔

اور وباء، طاعون سے عام ہے، کیونکہ اس کی حقیقت ایک عام مرض ہے جو آب و ہوا کی خرابی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور بعض علماء نے کہا کہ وباء اور طاعون دونوں مترادف ہیں۔ اور اس پر دوسروں نے رد کیا کہ طاعون مدینہ میں داخل نہیں ہوتا اور وباء مدینہ میں داخل ہوئی ہے جیسا کہ عرینیین کی حدیث میں ہے: جن کو مدینہ کی آب و ہوا راس نہیں آئی تھی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس میں بحث ہے، کیونکہ طاعون مرضِ عام ہے، اسی طرح وبا بھی مرضِ عام ہے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ طاعون مدینہ میں داخل نہیں ہوتا، ہوسکتا ہے اس سے مراد یہ ہو کہ مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کے بعد طاعون داخل نہیں ہوتا۔

اور اس باب کے عنوان میں "الوجع" یعنی درد کا بھی ذکر ہے، یعنی درد کو دور کرنے کی دعا کرنا۔ اور اس کا اطلاق ہر قسم کے مرض پر ہوتا ہے۔ تو یہ عام کا خاص پر عطف ہے، لیکن اس اعتبار سے کہ وباء کا منشاء خاص ہے اور وہ آب و ہوا کی خرابی ہے، اس کے برخلاف درد کے متعدد اسباب ہوتے ہیں۔ اور ایک اعتبار سے وباء کا اطلاق مرضِ عام پر ہوتا ہے۔ اور درد کا اطلاق بھی مرضِ عام پر

ہوتا ہے، تو یہ عام کا عام پر عطف ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۷۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اللَّهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَمَا حَبَّبْتَ إِلَيْنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ وَانْقُلْ حُمَّاهَا إِلَى الْجُحْفَةِ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي مُدِّنَا وَصَاعِنَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! مدینہ کو ہماری طرف محبوب بنادے جیسا تو نے مکہ کو ہماری طرف محبوب بنایا ہے یا اس سے بھی زیادہ۔ اور مدینہ کے بخار کو الجحفہ کی طرف منتقل کر دے، اور ہمارے مد میں اور ہمارے صاع میں برکت نازل فرما۔

(صحیح البخاری: ۱۸۸۹، ۳۹۲۶، ۵۶۵۴، ۵۶۷۷، ۶۳۷۲، صحیح مسلم: ۱۳۷۶، مسند احمد: ۲۵۷۰۸، موطا امام مالک: ۱۶۴۸)

صحیح البخاری: ۶۳۷۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "وباء اور درد کو دور کرنے کی دعا"۔ اور اس حدیث میں وباء کا ذکر نہیں ہے، لیکن یہ کہا گیا ہے کہ اس حدیث میں یہ دعا ہے کہ مدینہ کے بخار کو الجحفہ کی طرف منتقل کر دے۔ اور بخار بھی ایک مرض عام ہے جس کی وباء کے ساتھ مناسبت ہے۔ دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس حدیث کی بعض سندوں کے ساتھ اس طرح روایت ہے کہ ہم مدینہ میں آئے اور یہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں سب سے زیادہ وباء والی جگہ تھی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ بعید وجہ ہے، کیونکہ مطابقت باب کے عنوان میں اور باب کی اس حدیث کے درمیان ہوتی ہے جو اس باب میں بعینہٖ ذکر کی گئی ہو۔

حدیث مذکور کے معانی

یہ حدیث مختصر ہے، اس کے شروع میں ہے کہ "جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو حضرت ابوبکر کو اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کو بخار آ گیا"، اور یہ کتاب الحج کے آخر میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

"الجحفہ" کے خلاف دعائے ضرر کرنے کی توجیہ

اور "الجحفہ" یہ اہلِ مصر کا اور شام کا قدیم میقات ہے۔ اور اب اہلِ شام کا میقات وہی ہے جو اہلِ مدینہ کا میقات ہے، اور اس وقت الجحفہ میں یہود رہتے تھے۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار کے خلاف بیماریوں اور وباؤں کی دعائے ضرر کرنا جائز ہے۔

صاع اور مد میں برکت کی دعا سے مقصود

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "ہمارے صاع اور مد میں برکت نازل فرما"۔ یہ دو پیمانے ہیں۔ مد ایک کلوگرام کے برابر ہے

صاع چار کلوگرام کے برابر ہے، اوران کی برکت ان چیزوں کی برکت کو مستلزم ہے جن کو ان پیمانوں میں ڈالا جاتا ہے۔ اور مراد یہ ہے کہ مدینہ میں بہ کثرت روزی ہو، پھل زیادہ ہوں اور غلہ زیادہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۷۳۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ أَبَاهُ قَالَ عَادَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ مِنْ شَكْوَى أَشْفَيْتُ مِنْهُ عَلَى الْمَوْتِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ بَلَغَ بِي مَا تَرَى مِنَ الْوَجَعِ وَأَنَا ذُو مَالٍ وَلَا يَرِثُنِي إِلَّا ابْنَةٌ لِي وَاحِدَةٌ أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثَيْ مَالِي قَالَ لَا قُلْتُ فَبِشَطْرِهِ قَالَ الثُّلُثُ كَثِيرٌ إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ وَإِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللهِ إِلَّا أُجِرْتَ حَتَّى مَا تَجْعَلُ فِي فِي امْرَأَتِكَ قُلْتُ آأُخَلَّفُ بَعْدَ أَصْحَابِي قَالَ إِنَّكَ لَنْ تُخَلَّفَ فَتَعْمَلَ عَمَلًا تَبْتَغِي بِهِ وَجْهَ اللهِ إِلَّا ازْدَدْتَ دَرَجَةً وَرِفْعَةً وَلَعَلَّكَ تُخَلَّفُ حَتَّى يَنْتَفِعَ بِكَ أَقْوَامٌ وَيُضَرَّ بِكَ آخَرُونَ اللَّهُمَّ أَمْضِ لِأَصْحَابِي هِجْرَتَهُمْ وَلَا تَرُدَّهُمْ عَلَى أَعْقَابِهِمْ لَكِنِ الْبَائِسُ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ قَالَ سَعْدٌ رَثَى لَهُ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ أَنْ تُوُفِّيَ بِمَكَّةَ۔

(صحیح البخاری: ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، صحیح مسلم: ۱۶۲۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن شہاب نے خبر دی از عامر بن سعد، وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں میری اس بیماری کی عیادت کی جس میں، میں موت کے منہ میں پہنچ چکا تھا، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ دیکھ رہے ہیں کہ مجھے کتنا درد ہورہا ہے، اور میں مال دار ہوں۔ اور میری وارث میری صرف ایک بیٹی ہے، کیا میں اپنے دوتہائی مال کو صدقہ کردوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے کہا: اچھا میں نصف مال کو صدقہ کردوں؟ تو آپ نے فرمایا: تہائی مال بہت ہے، اگر تم اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑ دو تو وہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو فقراء چھوڑو، وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں، اور بے شک تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے جس سے اللہ عزوجل کی رضا کا ارادہ کرو گے تو تمہیں اس پر اجر دیا جائے گا، حتیٰ کہ تم جو اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ رکھتے ہو (اس پر بھی اجر ملے گا)۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں اپنے اصحاب کے بعد پیچھے رہ جاؤں گا؟ آپ نے فرمایا: تم ہرگز پیچھے نہیں رہو گے، تم جو بھی ایسا عمل کرو گے جس سے اللہ عزوجل کی رضا کا ارادہ کرو گے، تمہارا اس سے درجہ بلند ہوگا، اور شاید کہ تم پیچھے رہو گے حتیٰ کہ کچھ لوگوں کو تم سے فائدہ ہوگا اور دوسرے لوگوں کو تم سے ضرر ہوگا۔ اے اللہ! میرے اصحاب کی ہجرت کو جاری رکھنا اور ان کو ان کی ایڑھیوں پر نہ لوٹانا۔ لیکن سعد بن خولہ پر افسوس ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان پر اظہار افسوس کیا کہ ان کی وفات مکہ میں ہوگئی تھی۔

صحیح البخاری: ۶۳۷۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: اس کا تعلق باب کے عنوان کے رکنِ ثانی کے ساتھ ہے، کیونکہ اس حدیث کی بعض روایات میں ہے: ''آپ نے اس درد کے لیے دعا کی جوان کو تھا''۔

علامہ عینی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ عنوان میں مطلقاً درد کو دور کرنے کی دعا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

یہ معترض اس حدیث کے بقیہ کلام سے غافل ہے، کیونکہ امام مسلم کی بعض سندوں میں یہ حدیث اس طرح ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے شفاء دے، تو آپ نے تین مرتبہ دعا کی: اے اللہ سعد کو شفاء دے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی علی صحیح البخاری، ج ۲ ص ۴۰۹، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

نیز علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہو سکتی ہے کہ آپ نے یہ دعا کی: اے اللہ! میرے اصحاب کی ہجرت کو جاری رکھنا اور ان کو ان کی ایڑھیوں پر نہ لوٹانا، کیونکہ اس دعا میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے درد سے شفاء کی دعا کی طرف اشارہ ہے، تا کہ وہ اپنے دارِ ہجرت یعنی مدینہ میں لوٹ کر چلے جائیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''عادنی'' یعنی آپ نے میری عیادت کی۔ اس کا معنی ہے: مجھے جو بیماری ہوئی تھی اس کی وجہ سے آپ مجھے دیکھنے کے لیے تشریف لائے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''اشفیت منه'' اس کا معنی ہے: میں اس مرض کی وجہ سے موت کے قریب پہنچ چکا تھا، ان کی مراد شدتِ مرض میں مبالغہ ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''اِلّا ابنة لی واحدة'' حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا: مگر میری صرف ایک بیٹی ہے، اور علامہ عینی نے لکھا ہے کہ اس کا نام عائشہ تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ذو مال'' یعنی میں بہت مالدار ہوں، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو فتوحات سے بہت زیادہ مال حاصل ہوا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ان تذر ورثتك اغنیاء خیر من ان تذرهم عالة یتکففون الناس'' یعنی اگر تم اپنے ورثاء کو خوشحال چھوڑو تو اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو فقراء چھوڑو۔ ''عالة'' العائل کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: فقیر۔ ''یتکففون الناس'' یعنی وہ سوال کے لیے لوگوں کے آگے ہاتھ دراز کریں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی فی امراتك'' یعنی ''فی فم امراتك'' اس کا معنی ہے: تم اپنی بیوی کے منہ میں جو لقمہ رکھو گے تم

اس میں بھی اجر ملے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمِ غیب کا بیان اور آپ کا معجزہ

اس حدیث میں مذکور ہے''ولعلك تخلف حتى ينتفع بك اقوام'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ شاید کہ تم پیچھے چھوڑے جاؤ گے حتیٰ کہ کچھ اقوام تم سے نفع حاصل کریں گی۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی عمر لمبی ہوگی۔ اور یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ہے، کیونکہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بعد میں زندہ رہے حتیٰ کہ انہوں نے عراق کو فتح کیا اور ان سے کچھ اقوام کو فائدہ پہنچا، اس سے آپ کی مراد ہیں مسلمان، یعنی مسلمانوں کو فائدہ ہوا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''ويضر بك آخرون'' یعنی دوسرے لوگوں کو تمہاری وجہ سے نقصان ہوگا۔ اس سے آپ نے مشرکین کا ارادہ فرمایا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عبید اللہ بن زیاد نے حضرت سعد بن ابی وقاص کے بیٹے عمر بن سعد کو اس لشکر کا امیر بنا دیا جن کا حضرت سیدنا الحسین رضی اللہ عنہ سے مقابلہ ہوا تھا۔ پس وہ کربلا کی زمین میں شہید کر دیے گئے اور ان کا قصہ مشہور ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''اللهم امض لاصحابي هجرتهم'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! میرے اصحاب کی ہجرت کو جاری اور باقی رکھنا، یعنی ان کی ہجرت کو مکمل فرمانا اور ان کی ہجرت کو ان پر کم نہ کرنا۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ مہاجرین اولین کے لیے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ اپنا مشن پورا کرنے کے بعد مکہ میں تین دن سے زیادہ ٹھہریں، تو آپ نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مہاجرین کو اس پر ثابت قدم رکھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''لكن البائس'' یہ لفظ البئوس سے ماخوذ ہے یعنی فقر اور بدحالی۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: البائس وہ ہے جس کو بہت شدید حاجت ہو۔

حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ پر اظہارِ افسوس کی وجہ

حضرت سعد بن خولہ بنو عامر بن لوی کے قبیلہ سے تھے۔ اور دوسروں کے نزدیک وہ ان کے حلیف تھے۔ اور انہوں نے حبشہ سے ہجرت کی تھی جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ علامہ واقدی نے کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کے لیے افسوس کا اظہار کیا، کیونکہ وہ مکہ میں ہی فوت ہو گئے تھے اور یہ وہی زمین تھی جہاں سے انہوں نے ہجرت کی تھی۔

اور التوضیح میں مذکور ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے اس لیے افسوس کا اظہار کیا کیونکہ حدیث میں ہے، آپ نے فرمایا: جس نے کسی شہر سے ہجرت کی اس کو ہجرت کا ثواب ملتا رہے گا، جس زمین سے اس نے ہجرت کی ہے، سو جس زمین کی طرف اس نے ہجرت کی ہے، اس زمین کی طرف ہجرت کرنے کا ثواب اسے قیامت تک ملتا رہے گا۔ سو حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ جب مکہ میں فوت ہو گئے تو وہ اس اجر سے محروم ہو گئے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ بدر میں حاضر ہونے کے بعد وہ مکہ لوٹ آئے تھے اور وہاں پر بغیر عذر کے کافی طویل قیام کیا۔ اور اگر ان کا کوئی عذر ہوتا تو وہ گناہگار نہ ہوتے، اور ان کی وفات حجۃ الوداع میں ہوئی۔

اور ابن المزین مالکی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر اس لیے اظہارِ افسوس کیا کہ وہ اسلام لائے اور مکہ میں مقیم رہے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی۔ اور اس قول پر انکار کیا گیا ہے، کیونکہ حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کا شمار بدری صحابہ میں ہوتا ہے۔ (عمدة

القاری ج ۲۳ ص ۱۲۔۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بیماری میں دعا کرنا

امام بخاری نے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا کا ذکر نہیں کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بیماری میں دعا فرمائی تھی، آپ نے دعا کی: اے اللہ! سعد کو شفاء عطا فرما۔

یہ حدیث صحیح البخاری: ۵۶۷۵ میں تعلیقاً گزر چکی ہے۔

وباء کو دور کرنے کی دعا کی توجیہ

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ ولی اور حاکم کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے خلاف دعا کریں اور کسی وباء کو دور کرنے کی دعا کریں۔ اور جس حاکم نے ایسا کیا تو اس کی ولایت صحیح نہیں ہوگی، لیکن یہ قول ساقط ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا کی: اے اللہ! ہماری طرف مدینہ کو محبوب کر دے اور مدینہ کے بخار کو ''الجحفہ'' کی طرف منتقل کر دے۔ سو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی دعا کی ہے اور کوئی شخص بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توکل کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔

اور ''الجحفہ'' اس وقت اللہ تعالیٰ کے شہروں میں ایسا شہر تھا جس میں سب سے زیادہ بخار ہوتا تھا۔ اور لوگ اس کے چشمہ سے پانی پینے سے اجتناب کرتے تھے، اس چشمہ کو ''عین الحمیٰ'' کہا جاتا تھا، کیونکہ جو اس چشمہ سے پانی پیتا اس کو بخار آ جاتا تھا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس وقت اہلِ جحفہ مشرکین تھے جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا کی تھی کہ مدینہ کا بخار الجحفہ کی طرف منتقل ہو جائے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۳۱۴۔۳۱۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشوؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۴۴۔ بَابُ: اِلاسْتِعَاذَةِ مِنْ أَرْذَلِ الْعُمُرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَفِتْنَةِ النَّارِ

ارذل عمر سے اور دنیا کے فتنہ سے اور دوزخ کے فتنہ سے پناہ طلب کرنا

اس باب میں ارذلِ عمر سے پناہ طلب کرنے کا بیان ہے، اور ارذلِ عمر کی تفسیر کئی مرتبہ گزر چکی ہے۔ اور دنیا کے فتنہ سے پناہ طلب کرنے کا بیان ہے اور اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ دنیا کے فتنہ سے مراد دجال ہے۔ اور فتنہ نار سے پناہ طلب کرنے کا بیان ہے، یعنی دوزخ کے عذاب سے پناہ طلب کرنے کا بیان ہے۔

۶۳۷۴۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا الْحُسَيْنُ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ تَعَوَّذُوا بِكَلِمَاتٍ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَتَعَوَّذُ بِهِنَّ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أُرَدَّ إِلَى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حسین نے خبر دی از زائدہ از عبد الملک از مصعب بن سعد از والد خود، انہوں نے کہا کہ ان دعائیہ کلمات کے ساتھ پناہ طلب کرو جن دعائیہ کلمات کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پناہ طلب کرتے تھے: اے اللہ! میں بزدلی

وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ أَرْذَلِ الْعُمُرِ۔

سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور میں بخل سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور میں اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ مجھے ارذل عمر کی طرف لوٹا دیا جائے، اور میں دنیا کے فتنہ سے اور عذابِ قبر کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۲۸۲۲، ۶۳۶۵، ۶۳۷۰، ۶۳۷۴، ۶۳۹۰، سنن ترمذی: ۳۵۶۷، سنن نسائی: ۵۴۴۷، مسند احمد: ۱۶۲۴)

صحیح البخاری: ۶۳۷۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق بن ابراہیم، یہ ابن نصر السعدی البخاری ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اسحاق بن راہویہ ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحسین، یہ ابن علی بن الولید الجعفی الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زائدہ، وہ ابن قدامہ ابوالصلت الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالملک، وہ ابن عمیر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مصعب، وہ ابن سعد ہیں جو اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث عنقریب باب ''التعوذ من البخل'' میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۷۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْمَغْرَمِ وَالْمَأْثَمِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَفِتْنَةِ النَّارِ وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَشَرِّ فِتْنَةِ الْغِنَى وَشَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ اللَّهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّ قَلْبِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَبَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروہ نے حدیث بیان کی از والدخود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے سستی اور بڑھاپے اور قرض اور گناہ سے پناہ طلب کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے دوزخ کے عذاب سے پناہ طلب کرتا ہوں اور دوزخ کے فتنہ سے اور قبر کے فتنہ سے اور عذابِ قبر سے اور غنیٰ کے فتنہ کے شر سے اور فقر کے فتنہ کے شر سے، اور مسیح الدجال کے فتنہ کے شر سے۔ اے اللہ! میرے گناہوں کو برف کے پانی سے اور اولوں سے دھوڈال، اور میرے دل کو گناہوں سے اس طرح صاف کردے جس طرح سفید کپڑا میل کچیل سے صاف کیا جاتا

ہے، اور میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اتنی دوری کردے جتنی تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان دوری کی ہے۔

(صحیح البخاری: ۸۳۲، ۸۳۳، ۲۳۹۷، ۶۳۶۸، ۶۳۷۵، ۶۳۷۶، ۶۳۷۷، ۷۱۲۹، صحیح مسلم: ۵۸۹، سنن نسائی: ۱۳۰۹، سنن ابوداؤد: ۸۸۰، سنن ابن ماجہ: ۳۸۳۸، مسند احمد: ۲۳۷۸۰)

صحیح البخاری: ۶۳۷۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ''الھرم'' کا ذکر ہے اور اس کی تفسیر ارذل عمر کے ساتھ کی گئی ہے۔ اور یہ حدیث صحیح مسلم کی کتاب الدعوات میں از ابوکریب ہے، اور سنن ابن ماجہ میں از علی بن محمد مروی ہے اور اس کی شرح گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۵۔ بَابٌ: اَلِاسْتِعَاذَةِ مِنْ فِتْنَةِ الْغِنَى

غنیٰ کے فتنہ سے پناہ طلب کرنے کا بیان

۶۳۷۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا سَلَّامُ بْنُ أَبِي مُطِيعٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ خَالَتِهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَتَعَوَّذُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ النَّارِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْغِنَى وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْفَقْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلام بن ابی مطیع نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از ان کی خالہ، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ اس طرح پناہ طلب کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے دوزخ کے فتنہ سے پناہ طلب کرتا ہوں اور دوزخ کے عذاب سے پناہ طلب کرتا ہوں، اور میں تجھ سے فتنہ قبر سے پناہ طلب کرتا ہوں، اور میں تجھ سے عذابِ قبر سے پناہ طلب کرتا ہوں، اور میں تجھ سے غنیٰ کے فتنہ سے پناہ طلب کرتا ہوں، اور میں تجھ سے فقر کے فتنہ سے پناہ طلب کرتا ہوں، اور میں تجھ سے مسیح الدجال کے فتنہ سے پناہ طلب کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۸۳۲، ۸۳۳، ۲۳۹۷، ۶۳۶۸، ۶۳۷۵، ۶۳۷۶، ۶۳۷۷، ۷۱۲۹، صحیح مسلم: ۵۸۹، سنن نسائی: ۱۳۰۹، سنن ابوداؤد: ۸۸۰، سنن ابن ماجہ: ۳۸۳۸، مسند احمد: ۲۳۷۸۰)

صحیح البخاری: ۶۳۷۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سلام کا ذکر ہے، جو ابن ابی مطیع الخزاعی البصری ہیں۔ یہ ایک سو سڑسٹھ (۱۶۷) ہجری میں فوت ہو گئے

تھے۔اور ہشام اپنے والد عروہ بن الزبیر سے اور وہ اپنی خالہ حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث میں دوزخ کے فتنہ کا ذکر ہے،اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ کو دیکھنے سے محفوظ رکھے، کیونکہ اس کے بعد عذاب نہیں ہوگا۔

اس حدیث کی شرح بھی گزر چکی ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۔۱۵،دارالکتب العلمیہ ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۶۔ بَابُ: التَّعَوُّذِ مِنْ فِتْنَةِ الْفَقْرِ فقر کے فتنہ سے پناہ طلب کرنے کا بیان

اس باب میں فقر سے مراد فقر مدقع ہے،یعنی وہ فقر جو بندہ کو ذلیل کردے۔

۶۳۷۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ النَّارِ وَعَذَابِ النَّارِ وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَشَرِّ فِتْنَةِ الْغِنَى وَشَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ اللَّهُمَّ اغْسِلْ قَلْبِي بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّ قَلْبِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَبَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابومعاویہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروہ نے خبر دی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے دوزخ کے فتنہ سے اور دوزخ کے عذاب سے اور قبر کے فتنہ سے اور قبر کے عذاب سے اور غنیٰ کے فتنہ کے شر سے اور فقر کے فتنہ کے شر سے پناہ طلب کرتا ہوں، اے اللہ! میں تجھ سے المسیح الدجال کے فتنہ کے شر سے پناہ طلب کرتا ہوں، اے اللہ! میرے دل کو برف کے پانی اور اولوں سے دھو دے، اور میرے دل کو گناہوں سے اس طرح پاک کردے جس طرح صاف کپڑے کو میل کچیل سے تو نے پاک کردیا ہے۔اور میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اتنی دوری کردے جتنی دوری تو نے مشرق اور مغرب میں کی ہے۔اے اللہ! میں سستی اور گناہ اور قرض سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۸۳۲، ۸۳۳، ۲۳۹۷، ۶۳۶۸، ۶۳۷۵، ۶۳۷۶، ۶۳۷۷، ۷۱۲۹، صحیح مسلم: ۵۸۹، سنن نسائی: ۱۳۰۹، سنن ابوداؤد: ۸۸۰، سنن ابن ماجہ: ۳۸۳۸، مسند احمد: ۲۴۷۸۰)

صحیح البخاری: ۶۳۷۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد کا ذکر ہے، وہ یا تو ابن سلام ہیں، یا ابن المثنیٰ ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں ابو معاویہ کا ذکر ہے، وہ

محمد بن حازم ہیں۔ اس حدیث کی شرح بھی گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۷۔ بَابُ: الدُّعَاءِ بِكَثْرَةِ الْمَالِ مَعَ الْبَرَكَةِ — برکت کے ساتھ کثرتِ مال کی دعا کرنے کا بیان

اس باب میں برکت کے ساتھ کثرتِ مال کی دعا کا ذکر ہے، اور السرخسی کے نسخہ میں یہ باب مذکور نہیں ہے۔

۶۳۷۸، ۶۳۷۹۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنْ أُمِّ سُلَيْمٍ أَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ أَنَسٌ خَادِمُكَ ادْعُ اللهَ لَهُ قَالَ اللَّهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَبَارِكْ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتَهُ وَعَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ مِثْلَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے قتادہ سے سنا از حضرت انس رضی اللہ عنہ، از حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا، انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! انس آپ کے خادم ہیں، آپ اللہ سے ان کے لیے برکت کی دعا کریں، تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! اس کے مال اور اس کی اولاد کو زیادہ کر، اور جو کچھ تو نے اس کو عطا کیا ہے اس میں برکت عطا فرما۔

اور از ہشام بن زید روایت ہے، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل سنا ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۹۸۲، ۶۳۳۴، ۶۳۴۴، ۶۳۷۸، ۶۳۸۱، صحیح مسلم: ۲۴۸۱، مسند احمد: ۱۲۵۴۱)

صحیح البخاری: ۶۳۷۸، ۶۳۷۹ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں غندر کا ذکر ہے، اور وہ محمد بن جعفر ہیں۔

اس حدیث کی شرح گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۸۔ بَابُ: الدُّعَاءِ بِكَثْرَةِ الْوَلَدِ مَعَ الْبَرَكَةِ — برکت کے ساتھ کثرتِ اولاد کی دعا کا بیان

۶۳۸۰، ۶۳۸۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو زَيْدٍ سَعِيدُ بْنُ الرَّبِيعِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا رضی الله عنه قَالَ قَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ أَنَسٌ خَادِمُكَ قَالَ اللَّهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَبَارِكْ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتَهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوزید سعید بن الربیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بتایا کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا کہ انس آپ کا خادم ہے تو آپ نے دعا کی کہ اے اللہ! اس کے مال کو اور اس کی اولاد کو زیادہ کر، اور جو کچھ تو نے اس کو عطا کیا ہے، اس میں برکت عطا فرما۔

(صحیح البخاری: ۱۹۸۲، ۶۳۳۴، ۶۳۴۴، ۶۳۷۸، ۶۳۸۱، صحیح مسلم: ۲۴۸۱، مسند احمد: ۱۲۵۴۱)

صحیح البخاری: ۶۳۸۰، ۶۳۸۱: کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید بن الربیع، یہ ابوزید الہروی ہیں۔ یہ ہروی کپڑے فروخت کرتے تھے تو ان کی اس کی طرف نسبت کر دی۔ اور یہ اہلِ بصرہ میں سے ہیں اور دو سو گیارہ (۲۱۱) ہجری میں ان کی وفات ہو گئی تھی۔

اس حدیث کی شرح بھی گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۹۔ بَابُ: الدُّعَاءِ عِنْدَ الِاسْتِخَارَةِ استخارہ کے وقت کی دعا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اس دعا کا بیان ہے جو استخارہ کے وقت کی جاتی ہے۔ استخارہ سے مراد ہے کسی چیز کی خیر کو طلب کرنا۔ کہا جاتا ہے: "استخر اللہ یخرلک" تم اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرو وہ تمہارے لیے خیر مقدر کر دے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۸۲۔ حَدَّثَنَا مُطَرِّفُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَبُو مُصْعَبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي الْمَوَالِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ رضی الله عنه قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعَلِّمُنَا الِاسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا كَالسُّورَةِ مِنَ الْقُرْآنِ إِذَا هَمَّ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَقُولُ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ اللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي أَوْ قَالَ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ فَاقْدُرْهُ لِي وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي أَوْ قَالَ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاقْدُرْ لِي الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِي بِهِ وَيُسَمِّي حَاجَتَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مطرف بن عبداللہ ابو مصعب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمٰن بن ابی الموال نے حدیث بیان کی از محمد بن المنکدر از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہمیں تمام امور میں استخارہ کی تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن کی کسی صورت کی تعلیم ہو (آپ نے فرمایا:) جب کوئی اہم کام درپیش ہو تو دو رکعت نماز پڑھو اور پھر یہ دعا کرو: "اے اللہ! میں تیرے علم سے خیر کو طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت سے قدرت کو طلب کرتا ہوں، اور تیرے فضلِ عظیم سے سوال کرتا ہوں، کیونکہ تو قادر ہے اور میں قادر نہیں ہوں اور تو جاننے والا ہے اور میں جاننے والا نہیں ہوں، اور تو علام الغیوب ہے (غیوب کو بہت جاننے والا) اے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لیے میرے دین میں اور میرے معاش میں اور میرے انجامِ کار میں بہتر ہو یا کہا: میرے مقدم کام میں یا موخر کام میں، تو اس کو میرے لیے مقدر کر دے

اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لیے شر ہے میرے دین میں اور معاش میں اور میرے انجامِ کار میں یا کہا: میرے مقدم امر میں یا مؤخر امر میں، تو اس کو مجھ سے دور کر دے اور مجھے اس سے دور کر دے، اور میرے لیے خیر کو مقدر کر دے جہاں بھی ہو، پھر مجھ سے راضی ہو جا، پھر اپنی ضرورت کا نام لے۔

(صحیح البخاری:۱۱۶۶، سنن ترمذی:۴۸۰، سنن نسائی:۳۲۵۳، سنن ابوداؤد:۱۵۳۸، سنن ابن ماجہ:۱۳۸۳، مسند احمد:۱۴۲۹۷)

صحیح البخاری:۶۳۸۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اپنے تمام کاموں کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانے کا بیان

مومن پر واجب ہے کہ وہ اپنے تمام کاموں کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے اور اپنی قوت اور طاقت سے بری ہو، اور اس کو چاہیے کہ چھوٹے کام ہوں یا بڑے کام ہوں، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو خیر کی طرف لے جائے اور شر سے اس کو دور رکھے۔ اور یہ یقین رکھے کہ وہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو استخارہ میں سنت ہے اس پر عمل کرے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعائے استخارہ کی اس طرح تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن مجید کی کسی صورت کی تعلیم دیتے تھے، کیونکہ لوگوں کو اپنی تمام حاجات میں استخارہ کی شدید حاجت ہوتی ہے جس طرح نماز میں قراءت کی شدید حاجت ہوتی ہے۔

اور اس حدیث میں قدریہ کے خلاف دلیل ہے جن کا یہ زعم ہے کہ اللہ تعالیٰ شر کو پیدا نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ ان کے افتراء سے پاک ہے، اور اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ظاہر فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ شر کا مالک ہے اور خالق ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۳۲۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

استخارہ کرنے کا طریقہ

علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض متقدمین سے منقول ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور ضمِ سورت کے بعد اس آیت کا اضافہ کرے:

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٦٩﴾ (القصص:۶۸-۶۹)

اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور جو چاہتا ہے پسند کرتا ہے، اس میں ان کا کوئی اختیار نہیں ہے، اللہ پاک ہے اور ان چیزوں سے بلند و برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں O اور آپ کا رب ان چیزوں کو جانتا ہے جن کو وہ اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں اور جن چیزوں کو وہ ظاہر کرتے ہیں O

اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور ضم سورت کے بعد اس آیت کا اضافہ کرے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (الاحزاب:۳۶)

اور نہ کسی مومن مرد اور نہ کسی مومن عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ فرمادیں تو ان کے لیے اپنے اس کام میں کوئی اختیار ہو، اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو بے شک وہ کھلی ہوئی گم راہی میں مبتلا ہو گیاO

مشائخ سے یہ سنا گیا ہے کہ آدمی باوضو قبلہ کی طرف منہ کر کے یہ دعا پڑھ کر سو جائے، اگر اس کو خواب میں سفید یا سبز چیز نظر آئے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کام میں خیر ہے، اور اگر اس کو سیاہ یا سرخ چیز نظر آئے تو وہ اس کام کے شر ہونے کی علامت ہے، پھر اس کام سے اجتناب کرنا چاہیے۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۴۱۰، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۹ھ)

اگر پہلی بار اس کو خواب میں کوئی چیز نظر نہ آئے تو دوسرے دن پھر استخارہ کرے، پھر تیسرے دن استخارہ کرے، پھر مسلسل سات دن تک استخارہ کرتا رہے، اگر پھر بھی کوئی چیز نظر نہ آئے تو جس چیز کی طرف اس کا دل جم گیا ہے اسی کو اللہ کی طرف سے گمان کرے۔

واضح رہے کہ ہر شخص اپنے لیے خود استخارہ کرے، کوئی شخص دوسرے کے لیے استخارہ نہیں کر سکتا جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں متکلم کے صیغوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ آج کل بعض لوگ مسجد کے امام سے کہتے ہیں: آپ ہمارے فلاں کام کے لیے استخارہ کریں، یا ٹی وی پر کوئی صاحب دوسروں کے لیے استخارہ کر کے مسئلہ کا حل بتاتے ہیں، یہ دونوں طریقے غلط اور خلاف حدیث ہیں۔

صحیح البخاری: ۶۳۸۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

استخارہ کے متعلق دیگر احادیث

حضرت سعد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کی سعادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرے۔ اس حدیث کی امام احمد نے روایت کی ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کام کا ارادہ کرتے تو دعا کرتے ''اللھم خرلی واختر لی'' (اے اللہ! اس کام کو میرے لیے اختیار کر اور پسند فرمالے)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے استخارہ کیا، وہ ناکام نہیں ہوگا۔ اس حدیث کی امام طبرانی نے المعجم الصغیر میں روایت کی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

کن امور میں استخارہ کرنا چاہیے

علامہ ابن ابی جمرہ نے کہا ہے: واجب اور مستحب کام میں استخارہ نہیں کیا جائے گا، اور حرام اور مکروہ کے ترک میں بھی استخارہ نہیں کیا جائے گا۔ پس استخارہ صرف مباح کام میں کیا جائے گا اور جب مستحب کام میں دو امر متعارض ہوں کہ وہ کس کام سے ابتداء کرے تو اس میں بھی استخارہ کیا جا سکتا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۳۳۔ ۴۳۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۸۲، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

استخارہ کی دعا کرنے کے بعد مطلوب کے خیر ہونے پر کیسے واقفیت ہوگی؟

حسب ذیل متعدد امور سے مطلوب کا خیر ہونا معلوم ہوسکتا ہے:

(۱) دو کاموں میں سے کسی ایک کام کے لیے اگر اس کا شرح صدر ہو جائے تو جس کام پر اس کا شرح صدر ہوا ہے اسی کو اختیار کر لے۔

(۲) وہ کوئی خواب دیکھے جس سے ان دو کاموں میں سے کوئی ایک کام راجح قرار پائے۔

(۳) کوئی نیک اور خیر خواہ شخص اس کو ان دو کاموں میں سے کسی ایک کام کے کرنے کی طرف اشارہ کرے تو وہ یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اس کام میں خیر رکھی ہے۔

(۴) وہ فال سے معلوم کرے مثلاً وہ کوئی ایسی چیز سنے جس سے ان دو کاموں میں سے کوئی ایک کام متعین ہو جائے۔

(شرح صحیح البخاری، ج۶ ص ۲۴۷۔۲۴۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۰۔ بَابُ: الدُّعَاءِ عِنْدَ الْوُضُوءِ — وضو کے وقت کی دعا کا بیان

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وضو کے وقت کیا دعا کرنی چاہیے۔

۶۳۸۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ دَعَا النَّبِيُّ ﷺ بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ بِهِ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِعُبَيْدٍ أَبِي عَامِرٍ وَرَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ فَقَالَ اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَوْقَ كَثِيرٍ مِنْ خَلْقِكَ مِنَ النَّاسِ۔

(صحیح البخاری: ۴۳۲۳، صحیح مسلم: ۲۴۹۸، مسند احمد: ۲۲۴۰۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از برید بن عبداللہ از ابی بردہ از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے پانی منگایا، پھر آپ نے اس پانی سے وضو کیا، پھر آپ نے دونوں ہاتھ بلند کیے، پس آپ نے دعا کی: اے اللہ! عبید ابی عامر کی مغفرت فرما، اور میں نے آپ کے بغلوں کی سفیدی دیکھی۔ آپ نے دعا کی: اے اللہ! اس کو قیامت کے دن اپنی مخلوق میں سے اکثر لوگوں کے اوپر فوقیت عطا فرمانا۔

صحیح البخاری: ۶۳۸۳: کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں مذکور ہے "وضو کے وقت دعا کرنے کا بیان" اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے وضو کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابواسامہ، ان کا نام حماد بن اسامہ ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بُرید، یہ ابن عبداللہ ہیں اور یہ اپنے دادا ابو بردہ سے روایت کرتے ہیں اور ان کا نام عامر بن ابی موسیٰ الاشعری ہے۔ اور حضرت ابوموسیٰ کا نام عبداللہ بن قیس ہے۔

یہ حدیث ایک طویل حدیث سے اختصار ہے جس کو امام بخاری نے کتاب المغازی میں باب غزوہ اوطاس میں روایت کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۷۔۱۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۱۔ بَابُ: الدُّعَاءِ إِذَا عَلَا عَقَبَةً

جب کسی گھاٹی پر چڑھے، تو اس وقت دعا کرنے کا بیان

۶۳۸۴۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ أَبِي مُوسَى رضی الله عنه قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ فَكُنَّا إِذَا عَلَوْنَا كَبَّرْنَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَيُّهَا النَّاسُ ارْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا وَلَكِنْ تَدْعُونَ سَمِيعًا بَصِيرًا ثُمَّ أَتَى عَلَيَّ وَأَنَا أَقُولُ فِي نَفْسِي لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ قَيْسٍ قُلْ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ فَإِنَّهَا كَنْزٌ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ أَوْ قَالَ أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى كَلِمَةٍ هِيَ كَنْزٌ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ایوب از ابی عثمان، از حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، پس جب ہم کسی بلندی پر چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے، پس نبی ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! اپنے اوپر نرمی کرو، کیونکہ تم کسی بہرے کو نہیں پکار رہے ہو اور نہ غائب کو پکار رہے ہو، تم اس کو پکار رہے ہو جو بہت سننے والا اور بہت دیکھنے والا ہے۔ پھر نبی ﷺ میرے پاس آئے اور میں اپنے دل میں پڑھ رہا تھا: ''لاحول ولا قوۃ الا باللہ'' (اللہ کی مدد کے بغیر گناہوں سے پھرنا اور نیک کام کرنے کی طاقت ممکن نہیں ہے)۔ تو آپ نے فرمایا: اے عبداللہ بن قیس! کہو ''لاحول ولا قوۃ الا باللہ''، یہ دونوں کلمات جنت کے خزانوں میں سے خزانہ ہیں، یا فرمایا: کیا میں تمہیں اس کلمہ کی رہنمائی نہ کروں جو جنت کے خزانوں میں سے خزانہ ہے، وہ ''لاحول ولا قوۃ الا باللہ'' پڑھنا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۹۹۲، ۴۲۰۵، ۶۳۸۴، ۶۴۰۹، ۶۶۱۰، ۷۳۸۶، صحیح مسلم: ۲۷۰۴، سنن ترمذی: ۳۴۶۱، سنن ابوداؤد: ۱۵۲۶، مسند احمد: ۱۹۰۲۶)

صحیح البخاری: ۶۳۸۴ : کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ایوب، اور وہ سختیانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعثمان، وہ عبدالرحمٰن بن مل النہدی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوموسیٰ، اور وہ اشعری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یایھا الناس اربعوا علی انفسکم" یعنی اے لوگو اپنے نفسوں کے ساتھ نرمی کرو، یعنی بلند آواز کے ساتھ ذکر نہ کرو، یا جہر میں مبالغہ نہ کرو۔

"لاحول ولا قوۃ الا باللہ" کا خزانہ ہونا

یعنی ان کلمات کے پڑھنے کا اجر لوگوں کی نگاہوں سے مخفی ہے، اور اس کلمہ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے اوپر گردن جھکا دینا ہے، اور تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کے اوپر چھوڑ دینا ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ برائی کو دور کرنے اور خیر اور نیکی کے حصول میں کوئی قوت اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۔۱۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۲۔ بَابُ: الدُّعَاءِ إِذَا هَبَطَ وَادِيًا — وادی سے اترنے کے وقت کی دعا

فِيهِ حَدِيثُ جَابِرٍ۔ — اس باب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

باب میں مذکور تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث وہ ہے جو کتاب الجہاد میں گزر چکی ہے۔ وہاں عنوان ہے "التسبیح اذا ھبط وادیا" اور اس میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں: جب ہم کسی گھاٹی پر چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے اور جب کسی گھاٹی سے اترتے تو ہم سبحان اللہ کہتے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب میں مذکور تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

بلندی پر چڑھنے کے وقت اللہ اکبر پڑھنے اور بلندی سے اترنے کے وقت سبحان اللہ پڑھنے کی توجیہ

بلندی پر چڑھنا بندہ کو محبوب ہوتا ہے تو اس وقت بندہ اللہ اکبر کہے اور اس بلندی کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی کبریائی کو یاد کرے کہ اللہ تعالیٰ ہر بلندی سے بلند ہے، پس اللہ تعالیٰ کی تکبیر پڑھے تا کہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر شکر ادا کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس بلندی پر چڑھنے کی توفیق عطا فرمائی۔

اور بلندی سے اترتے وقت سبحان اللہ کہنے کی حکمت یہ ہے کہ یہ تنگی اور پھسلنے کا موقع ہے، تو اس موقع پر ان اسباب کو یاد کرے جن سے کشادگی ہوتی ہے جیسا کہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام جب سات ظلمات کے اندر تھے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھی تو اللہ

تعالیٰ نے ان کو غم سے نجات دی۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۳۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۳۔ بَابُ: الدُّعَاءِ إِذَا أَرَادَ سَفَرًا أَوْ رَجَعَ

جب آدمی کسی سفر پر جانے کا ارادہ کرے یا واپس آنے کا ارادہ کرے، تو اس وقت کی دعا کا بیان

فِيهِ يَحْيَى بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَنَسٍ

اس باب میں یحییٰ بن ابی اسحاق نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب الجہاد میں گزر چکی ہے اس باب میں ''مایقول اذا رجع من الغزو''۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد سے واپس آتے تو تین مرتبہ اللہ اکبر پڑھتے، پھر یہ دعا کرتے:

آیبون ان شاء اللہ، تائبون، عابدون، حامدون، لربنا ساجدون، صدق اللہ وعدہ، ونصر عبدہ، وھزم الاحزاب وحدہ۔

ہم لوٹنے والے ہیں ان شاء اللہ، توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں، حمد کرنے والے ہیں، اپنے رب کے لیے سجدہ کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو سچا کیا، اور اپنے بندہ کی مدد کی، اور کفار کے لشکر کو تنہا اس نے شکست دی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۸۵۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ إِذَا قَفَلَ مِنْ غَزْوٍ أَوْ حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ يُكَبِّرُ عَلَى كُلِّ شَرَفٍ مِنَ الْأَرْضِ ثَلَاثَ تَكْبِيرَاتٍ ثُمَّ يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ آيِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ صَدَقَ اللهُ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از نافع، از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ سے لوٹتے یا حج کرتے یا عمرہ کرتے تو زمین کی ہر بلند جگہ پر تین مرتبہ اللہ اکبر پڑھتے، پھر یہ دعا کرتے: ''اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی کے لیے ملک ہے اور اسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہم لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں اور اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں، اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دیا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور تنہا (کفار کے) لشکر کو شکست دی۔

(صحیح البخاری: ۱۷۹۷، ۲۹۹۵، ۳۰۸۴، ۴۱۱۶، ۶۳۸۵، صحیح مسلم: ۱۳۴۴، سنن ترمذی: ۹۵۰، سنن ابوداؤد: ۲۷۷۰، مسند احمد: ۴۶۲۲، موطا امام مالک: ۹۶۰)

صحیح البخاری: ۶۳۸۵: کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اگر تم یہ سوال کرو کہ اس باب کے عنوان کے دو جز ہیں، ان میں سے ایک ہے" سفر کے ارادہ کے وقت کی دعا" اور دوسرا جز و ہے" سفر سے واپسی کے وقت کی دعا"۔ پس یہاں پر جز اول کے مطابق حدیث کہاں ہے، اور جو حدیث امام بخاری نے از یحیٰی بن ابی اسحاق ذکر کی ہے، وہ بھی جز ثانی کے متعلق صریح ہے۔

میں کہوں گا: حدیث مذکور کی ایک اور سند ہے جو صحیح مسلم میں علی بن عبداللہ الازدی از ابن عمر کی روایت سے ہے، اس کے شروع میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ پر سیدھے بیٹھتے اور کسی سفر میں نکلتے تو تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے، پھر پڑھتے:" سبحٰن الذی سخر لنا ھذا ۔۔ الحدیث۔ یہاں تک کہ جب آپ واپس آتے تو پھر یہ دعا کرتے: آیبون تائبون ۔۔۔۔ الحدیث۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، اور وہ ابن ابی اویس ہیں۔

ایک اعتراض کا جواب

اس حدیث میں چند الفاظ ایک وزن پر ہیں اور وہ ہیں:" صدق اللہ وعدہٗ، ونصر عبدہٗ، وھزم الاحزاب وحدہٗ" اور اس کو سجع کہتے ہیں، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجع سے منع فرمایا ہے اور یہ سجع ہے۔

اس کا یہ جواب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی سجع سے منع فرمایا جو کاہنوں کی سجع ہوتی ہے، کیونکہ وہ تکلف سے الفاظ ایک وزن پر لاتے ہیں اور وہ الفاظ باطل کو متضمن ہوتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۸۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث میں مذکور سفر کے دعائیہ کلمات آیا سفرِ طاعت کے ساتھ خاص ہیں یا سفر معصیت کو بھی شامل ہیں؟

اس حدیث میں مذکور ہے کہ" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ یا حج یا عمرہ سے واپس آتے تو زمین کی ہر بلندی پر تین مرتبہ تکبیرات پڑھتے"۔

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دعائیہ کلمات ان تین سفروں کے ساتھ مخصوص ہیں اور جمہور فقہاء کے ۔ اس طرح حکم نہیں ہے، بلکہ یہ ہر سفر میں مشروع ہے خواہ وہ سفر اطاعت کا ہو جیسے رشتہ داروں سے ملنے کے لیے یا طلب علم کے لیے، کیونکہ یہ تمام وہ سفر ہیں جو اطاعت کے لیے ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ کلماتِ دعائیہ سفرِ مباح کو بھی شامل ہیں، کیونکہ سفرِ مباح میں مسافر کو کوئی ثواب نہیں ہوتا، تو اس سے کوئی مانع نہیں ہے کہ وہ ایسا فعل کرے جس سے اس کو ثواب حاصل ہو۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ دعائیہ کلمات سفرِ معصیت کو بھی شامل ہیں، کیونکہ سفرِ معصیت کا مرتکب دوسروں کی بہ نسبت ثواب کے حصول کا زیادہ محتاج ہوتا ہے۔

اور اس دلیل پر اعتراض کیا گیا ہے، کیونکہ جو دعا سفرِ طاعت کے ساتھ مخصوص ہے، اس کو سفرِ مباح میں پڑھنا منع نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ کا بہ کثرت ذکر کرنے میں کوئی معصیت نہیں ہے، بحث اس میں ہے کہ یہ مخصوص ذکر اس مخصوص وقت میں کیا جائے۔ پس ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ یہ عباداتِ مخصوصہ ہیں اور ان میں ذکرِ مخصوص مشروع ہے۔ پس یہ اس کے ساتھ خاص ہوگا جیسا کہ اذان کے بعد جو ذکر منقول ہے اور نماز کے بعد جو ذکر منقول ہے، وہ انہی کے ساتھ خاص ہوگا۔ اور صحابی نے ان تین سفروں پر اقتصار کیا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر ان تین انواع میں منحصر تھا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۳۷، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۵۴۔ بَابُ: الدُّعَاءِ لِلْمُتَزَوِّجِ

نکاح کرنے والے کے لیے دعا کا بیان

۶۳۸۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ رضى الله عنه قَالَ رَأَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ أَثَرَ صُفْرَةٍ فَقَالَ مَهْيَمْ أَوْ مَهْ قَالَ قَالَ تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ بَارَكَ اللهُ لَكَ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے اوپر زرد رنگ کا اثر دیکھا، آپ نے فرمایا: یہ کیسے نشان ہیں، انہوں نے بیان کیا: میں نے ایک عورت سے ایک گٹھلی سونے کے عوض نکاح کیا تو آپ نے دعا دی: اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے تم ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے۔

(صحیح البخاری: ۲۰۴۹، ۲۲۹۳، ۳۷۸۱، ۳۹۳۷، ۵۰۷۲، ۵۱۴۸، ۵۱۵۳، ۵۱۵۵، ۵۱۶۷، ۶۰۸۲، ۶۳۸۶، صحیح مسلم: ۱۴۲۷، سنن ترمذی: ۱۹۳۳، سنن نسائی: ۳۳۸۸، سنن ابوداؤد: ۲۱۰۹، سنن ابن ماجہ: ۱۹۰۷، مسند احمد: ۱۲۵۶۴، موطا امام مالک: ۱۱۵۷، سنن دارمی: ۲۲۰۴)

صحیح البخاری: ۶۳۸۶: کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''نکاح کرنے والے کے لیے دعا کا بیان'' اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ جب حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بارک اللہ لک'' اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے۔ اور یہ ان کے لیے دعا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے"صفرة" اس کا معنی ہے: وہ خوشبو جس کو شب زفاف میں استعمال کرتے ہیں۔
اس حدیث میں مذکور ہے"مهيم" یعنی تمہارا کیا حال ہے یا تمہاری کیا شان ہے۔

امام ابوحنیفہ پر ایک اعتراض کا جواب

التوضیح میں مذکور ہے کہ اس حدیث میں امام ابوحنیفہ پر رد ہے جو کہتے ہیں کہ دس درہم سے کم مہر جائز نہیں ہے۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: سبحان اللہ! یہ کیسی فہم ہے؟ کیونکہ ایک گٹھلی سونے کا وزن پانچ درہم سونے کے برابر ہوتا ہے اور وہ ساڑھے تین مثقال ہے، اور پانچ درہم سونے کا وزن دس درہم سے زیادہ ہوتا ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۰۔۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۸۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرٍو عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ هَلَكَ أَبِي وَتَرَكَ سَبْعَ أَوْ تِسْعَ بَنَاتٍ فَتَزَوَّجْتُ امْرَأَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم تَزَوَّجْتَ يَا جَابِرُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ بِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا قُلْتُ ثَيِّبًا قَالَ هَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ أَوْ تُضَاحِكُهَا وَتُضَاحِكُكَ قُلْتُ هَلَكَ أَبِي فَتَرَكَ سَبْعَ أَوْ تِسْعَ بَنَاتٍ فَكَرِهْتُ أَنْ أَجِيئَهُنَّ بِمِثْلِهِنَّ فَتَزَوَّجْتُ امْرَأَةً تَقُومُ عَلَيْهِنَّ قَالَ فَبَارَكَ اللهُ عَلَيْكَ لَمْ يَقُلْ ابْنُ عُيَيْنَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ عَمْرٍو بَارَكَ اللهُ عَلَيْكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو النعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از عمرو از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد کی وفات ہوگئی اور انہوں نے سات یا نو بیٹیاں چھوڑیں، پس میں نے ایک عورت سے نکاح کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے جابر تم نے نکاح کر لیا؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کنواری سے یا بیوہ سے۔ میں نے کہا: بیوہ سے، آپ نے فرمایا: کیوں نہ تم نے ایک لڑکی سے نکاح کیا تم اس سے کھیلتے وہ تم سے کھیلتی (تم اس سے خوش طبعی کرتے وہ تم سے خوش طبعی کرتی)، یا فرمایا: تم اس کو ہنساتے وہ تم کو ہنساتی۔ میں نے عرض کیا: میرے والد فوت ہو گئے اور انہوں نے سات یا نو بیٹیاں چھوڑی تھیں، پس میں نے ناپسند کیا کہ میں ان لڑکیوں کی مثل کوئی لڑکی نکاح کر کے لے آؤں، تو پس میں نے ایک عورت سے نکاح کیا جو ان کی تربیت کرے، آپ نے دعا دی: "بارك الله عليك" (اللہ تعالیٰ تم پر برکت نازل فرمائے)۔
ابن عیینہ اور محمد بن مسلم نے از عمرو "بارك الله عليك" نہیں کہا۔

(صحیح البخاری: ۵۳۶۷، صحیح مسلم: ۷۱۵، سنن ترمذی: ۱۱۰۰، سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۰، مسند احمد: ۱۴۳۴۷، سنن دارمی: ۲۲۱۶)

صحیح البخاری: ۶۳۸۷: کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے" بکرا ام ثیبا؟" یعنی تم نے کنواری لڑکی سے نکاح کیا ہے یا بیوہ عورت سے۔
اس حدیث میں مذکور ہے" ھلا جاریۃ" یعنی تم نے کسی لڑکی سے نکاح کیوں نہ کیا، یعنی کنواری لڑکی سے۔
اس حدیث میں مذکور ہے" بارك الله عليك" اس سے پہلے حدیث میں مذکور تھا" بارك الله لك" لام کے ساتھ اور اس میں علیک کے ساتھ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے، پہلی روایت میں برکت کا ان کے ساتھ اختصاص ہے کیونکہ لام اختصاص کے لیے آتا ہے، اور دوسری روایت میں برکت کا استعلاء ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۸۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نکاح کرنے والے کے لیے دیگر دعاؤں کا بیان

امام نسائی نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عقیل بن ابی طالب نے بنو جشم کی ایک عورت سے نکاح کیا تو ان کو مبارک باد دی گئی کہ تم دونوں کے درمیان اتفاق رہے اور تمہیں اولاد نصیب ہو، تو انہوں نے ان سے کہا: اس طرح دعا دو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی تھی کہ اللہ تعالیٰ تم میں برکت نازل کرے یا اللہ تعالیٰ تم پر برکت نازل کرے یا خاص تم پر برکت نازل کرے۔ (سنن نسائی ج ۶ ص ۱۲۸)

اور سنن ترمذی میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی نکاح کرنے والے کو مبارک باد دیتے تو فرماتے" بارك الله لك وبارك عليك" اور فرماتے" اللہ تعالیٰ تم دونوں کو خیر کے ساتھ جمع رکھے"۔ پھر کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۰۹۱)

"الرفأ والبنين" کا معنی

اور" الرفاء والبنین" کا معنی ہے: تمہارے درمیان اچھی صحبت ہو اور بیٹے پیدا ہوں اور" الرفأ" کا معنی ہے ملنا اور ملائمت۔
اور ابن السکیت نے کہا: اس کا معنی ہے سکون اور طمانیت، یہ اس وقت ہے جب اس لفظ پر ہمزہ نہ ہو۔

گٹھلی کے وزن کی تحقیق

پہلی حدیث میں" النواۃ" کا ذکر ہے: ابن وہب نے کہا: اس کا وزن پانچ درہم کے برابر ہے، جب سونا نہ ہو تو، جیسا کہ چالیس درہم کو اوقیہ کہا جاتا ہے۔ اور ابن عیینہ نے کہا: گٹھلی کا وزن پانچ قیراط کے برابر ہے، امام احمد نے کہا: سونے کی گٹھلی کا وزن تین درہم اور ایک تہائی ہے۔ اور اسحاق نے کہا: اس کا وزن پانچ درہم اور نصف ہے۔ اور اس حدیث میں امام ابوحنیفہ پر رد ہے جو کہتے ہیں کہ دس درہم سے کم مہر جائز نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: علامہ ابن ملقن کے اس اعتراض کا جواب علامہ عینی نے اپنی شرح میں ذکر کر دیا ہے جس کو ہم نقل کر چکے ہیں۔

ولیمہ کا شرعی حکم

نیز پہلی حدیث میں مذکور ہے "آپ نے فرمایا: ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے"۔ چونکہ یہ امر کا صیغہ ہے اس لیے بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولیمہ کرنا واجب ہے اور یہ ہمارے بعض اصحاب شافعیہ کا قول ہے۔ اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ ولیمہ کرنا مستحب ہے اور یہ امام مالک کا قول ہے۔ اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ شب زفاف گزارنے کے بعد ولیمہ منعقد ہوتا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۳۳۱۔۳۳۲، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۵۵۔ بَابٌ: مَا يَقُولُ إِذَا أَتَى أَهْلَهُ — جب کوئی مرد اپنی بیوی کے پاس جائے تو کیا دعا کرے

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی سے جماع کا ارادہ کرے تو کیا دعا کرے۔

۶۳۸۸۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْتِيَ أَهْلَهُ قَالَ بِاسْمِ اللهِ اللَّهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا فَإِنَّهُ إِنْ يُقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِي ذَلِكَ لَمْ يَضُرَّهُ شَيْطَانٌ أَبَدًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از سالم از کریب از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی مرد اپنی بیوی کے پاس جانے کا ارادہ کرے تو کہے: اللہ کے نام سے، اے اللہ! ہم سے شیطان کو دور رکھ اور شیطان کو اس سے دور رکھ جو تو ہمیں اولاد عطا فرمائے، کیونکہ اگر ان کے درمیان کوئی اس عمل کے سبب سے اولاد مقدر کی جائے تو پھر شیطان اس کو کبھی ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔

(صحیح البخاری: ۱۴۱، ۳۲۷۱، ۳۲۸۳، ۵۱۶۵، ۶۳۸۸، ۷۳۹۶، صحیح مسلم: ۱۴۳۴، سنن ترمذی: ۱۰۹۲، سنن ابوداؤد: ۲۱۶۱، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۹، مسند احمد: ۱۹۱۱، سنن دارمی: ۲۲۱۲)

صحیح البخاری: ۶۳۸۸: کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں جریر کا ذکر ہے، وہ ابن عبد الحمید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں منصور کا ذکر ہے، وہ ابن المعتمر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سالم کا ذکر ہے، وہ ابن ابی الجعد ہیں، اور کریب بن مسلم کا ذکر ہے، جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "جب کوئی مرد اپنے اہل کے پاس آئے" اہل سے مراد بیوی ہے، اور آنے سے مراد ہے: جب وہ اس سے جماع کا ارادہ کرے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "شیطان اس کو ضرر نہیں دے سکے گا" یعنی اس پر اس طرح مسلط نہیں ہوگا کہ اس کے دین میں یا اس کے بدن میں ضرر پہنچانے پر قادر ہو۔ اور یہ مراد نہیں ہے کہ وہ اس کو وسوسہ بھی نہیں ڈال سکے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً (البقرہ: ۲۰۱)

نبی ﷺ کی یہ دعا: اے ہمارے رب! ہم کو دنیا میں اچھائی عطا فرما

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب نبی ﷺ کی اس دعا کے بیان میں ہے کہ اے ہمارے رب! تو ہم کو دنیا میں اچھائی عطا فرما۔ حسن نے کہا: دنیا میں اچھائی علم اور عبادت ہے اور آخرت میں اچھائی جنت ہے۔ قتادہ نے کہا: دنیا میں اچھائی عافیت ہے۔ سدی نے کہا: دنیا میں اچھائی مال ہے اور آخرت میں اچھائی جنت ہے، اور محمد بن کعب القرظی نے کہا: نیک بیوی اچھائیوں میں سے ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اے ہمارے رب! ہم کو دوزخ کے آگ سے بچا" یعنی ہم کو دوزخ کی آگ سے دور رکھنا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۸۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ أَكْثَرُ دُعَاءِ النَّبِيِّ ﷺ اللَّهُمَّ ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی از عبدالعزیز از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اکثر یہ دعا کرتے تھے: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں اچھائی عطا فرما اور آخرت میں اچھائی عطا فرما، اور ہم کو دوزخ کی آگ سے بچا۔ (البقرہ: ۲۰۱)

(صحیح البخاری: ۴۵۲۲، ۶۳۸۹، صحیح مسلم: ۲۶۹۰، سنن ابوداؤد: ۱۵۱۹، مسند احمد: ۱۳۱۶۸)

صحیح البخاری: ۶۳۸۹: کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالوارث، وہ ابن سعید البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالعزیز، وہ ابن صہیب البصری ہیں۔

قاضی عیاض نے کہا: نبی ﷺ اس آیت کے ساتھ اکثر دعا کرتے تھے، کیونکہ یہ دعا دنیا اور آخرت کے تمام معانی کو شامل ہے۔ اور ''حسنة'' سے مراد ہے نعمت، پس آپ نے دنیا اور آخرت کی نعمت کا سوال کیا اور عذاب سے بچنے کا سوال کیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۸۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''حسنة'' کی تفسیر میں متعدد اقوال

حسن بصری نے کہا: دنیا میں ''حسنة'' سے مراد علم اور عبادت ہے، اس کی امام ابن ابی حاتم سے سند صحیح کے ساتھ روایت ہے۔ اور امام ابن ابی حاتم سے سند ضعیف کے ساتھ روایت ہے کہ دنیا میں ''حسنة'' سے مراد ہے پاکیزہ رزق اور علم نافع اور آخرت میں ''حسنة'' سے مراد ہے جنت۔

علامہ ابن المنذر نے سفیان ثوری سے روایت کی ہے کہ دنیا میں ''حسنة'' ہے پاکیزہ رزق اور علم، اور آخرت میں ''حسنة'' سے مراد ہے جنت۔ اور الثعلبی نے از سدی اور مقاتل روایت کی ہے: دنیا کی حسنہ رزق حلال واسع ہے اور عمل صالح ہے اور آخرت میں ''حسنة'' سے مراد ہے مغفرت۔

اور عطیہ سے روایت ہے کہ دنیا میں ''حسنة'' سے مراد علم اور عمل صالح ہے اور آخرت میں ''حسنة'' سے مراد حساب کا آسان ہونا اور دخول جنت ہے۔

اور اسی سند کے ساتھ عوف سے مروی ہے: جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام اور قرآن عطا کیا اور اہل اور مال عطا کیا اور اولاد عطا کی تو اس کو دنیا میں اور آخرت میں ''حسنة'' عطا کر دی۔

اور کشاف میں مذکور ہے کہ دنیا میں ''حسنة'' نیک بیوی ہے اور آخرت میں ''حسنة'' حور ہے۔ اور دوزخ کا عذاب بری بیوی ہے۔

اور شیخ عماد الدین بن کثیر نے کہا ہے: دنیا میں ''حسنة'' ہر مطلوب دنیوی کو شامل ہے، عافیت ہو اور وسیع گھر ہو اور خوبصورت بیوی ہو، اور نیک اولاد ہو، اور رزق واسع ہو، اور علم نافع ہو، اور عمل صالح ہو، اور سہولت والی سواری ہو، اور ثنائے جمیل ہو۔ یہ تمام چیزیں دنیا کی ''حسنة'' میں درج ہیں اور آخرت کی ''حسنة''، سو وہ جنت میں بلند درجہ ہے اور محشر کی بڑی گھبراہٹ سے محفوظ رہنا ہے، اور حساب کا آسان ہونا ہے۔ اور عذاب نار سے بچنا، اس کا تقاضا ہے کہ دنیا میں عذاب نار سے بچے، حرام کاموں سے اجتناب کرے، شبہات کو ترک کرے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۴۰، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۷۔ بَابُ: التَّعَوُّذِ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا — دنیا کے فتنہ سے پناہ طلب کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں دنیا کے فتنہ سے پناہ طلب کرنے کا بیان ہے، اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ دنیا کے فتنہ سے مراد ہے دجال کا فتنہ اور دوسرا قول یہ ہے کہ دنیا کے فتنہ سے مراد مال ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۹۰۔ حَدَّثَنَا فَرْوَةُ بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ حَدَّثَنَا عَبِيدَةُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ أَبِيهِ رضی الله عنه قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعَلِّمُنَا هَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ كَمَا تُعَلَّمُ الْكِتَابَةُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ نُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں فروہ بن ابی المغراء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبیدہ بن حمید نے حدیث بیان کی از عبدالملک بن عمیر از مصعب بن سعد بن ابی وقاص از والد خود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہمیں ان کلماتِ دعائیہ کی اس طرح تعلیم دیتے تھے جس طرح کتابت سکھائی جاتی ہے: اے اللہ! میں بخل سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور میں بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور میں اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں ارذلِ عمر کی طرف لوٹایا جاؤں، اور میں دنیا کے فتنہ اور عذابِ قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۲۸۲۲، ۶۳۶۵، ۶۳۷۰، ۶۳۷۴، ۶۳۹۰، سنن ترمذی: ۳۵۶۷، سنن نسائی: ۵۴۴۷، مسند احمد: ۱۶۲۴)

اس حدیث کی شرح اس سے پہلے ''باب التعوذ من البخل'' میں گزر چکی ہے۔

۵۸۔ بَابُ: تَكْرِيرِ الدُّعَاءِ — مکرر دعاء کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں دعاء کی تکرار کا بیان ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک بار دعا کرنے کے بعد دوسری بار دعا کی جائے، کیونکہ دعا کے تکرار میں فقر کا اظہار ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف احتیاج کا بیان ہے اور تذلل اور خضوع ہے۔ اور امام ابوداؤد اور امام نسائی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ کو یہ پسند تھا کہ تین مرتبہ دعا کی جائے اور تین مرتبہ استغفار کیا جائے۔ اس حدیث کی امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۹۱۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُنْذِرٍ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ طُبَّ حَتَّى إِنَّهُ لَيُخَيَّلُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں انس بن عیاض نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ

إِلَيْهِ أَنَّهُ قَدْ صَنَعَ الشَّيْئَ وَمَا صَنَعَهُ وَإِنَّهُ دَعَا رَبَّهُ ثُمَّ قَالَ أَشَعَرْتِ أَنَّ اللهَ قَدْ أَفْتَانِي فِيمَا اسْتَفْتَيْتُهُ فِيهِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَمَا ذَاكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ جَائَنِي رَجُلَانِ فَجَلَسَ أَحَدُهُمَا عِنْدَ رَأْسِي وَالْآخَرُ عِنْدَ رِجْلَيَّ فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ مَا وَجَعُ الرَّجُلِ قَالَ مَطْبُوبٌ قَالَ مَنْ طَبَّهُ قَالَ لَبِيدُ بْنُ الْأَعْصَمِ قَالَ فِي مَاذَا قَالَ فِي مُشْطٍ وَمُشَاطَةٍ وَجُفِّ طَلْعَةٍ قَالَ فَأَيْنَ هُوَ قَالَ فِي ذَرْوَانَ وَذَرْوَانُ بِئْرٌ فِي بَنِي زُرَيْقٍ قَالَتْ فَأَتَاهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى عَائِشَةَ فَقَالَ وَاللهِ لَكَأَنَّ مَائَهَا نُقَاعَةُ الْحِنَّاءِ وَلَكَأَنَّ نَخْلَهَا رُؤُسُ الشَّيَاطِينِ قَالَتْ فَأَتَى رَسُولُ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرَهَا عَنِ الْبِئْرِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ فَهَلَّا أَخْرَجْتَهُ قَالَ أَمَّا أَنَا فَقَدْ شَفَانِي اللهُ وَكَرِهْتُ أَنْ أُثِيرَ عَلَى النَّاسِ شَرًّا زَادَ عِيسَى بْنُ يُونُسَ وَاللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سُحِرَ النَّبِيُّ ﷺ فَدَعَا وَدَعَا وَسَاقَ الْحَدِيثَ۔

رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا حتیٰ کہ آپ کی طرف یہ خیال ڈالا جاتا تھا کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا تھا، اور آپ نے اپنے رب سے دعا کی، پھر آپ نے فرمایا: کیا تم کو معلوم ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے جو سوال کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کا جواب دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کیا جواب ہے؟ آپ نے بیان فرمایا کہ میرے پاس دو مرد آئے، ایک میرے سرہانے بیٹھ گیا اور دوسرا میرے دونوں پاؤں کی جانب بیٹھ گیا، پھر ان میں سے ایک نے اپنے صاحب سے کہا: اس مرد کو کیسا درد ہے؟ دوسرے نے کہا: ان پر جادو کیا گیا ہے، اس نے پوچھا: کس نے جادو کیا ہے؟ اس نے بتایا: لبید بن اعصم نے، کہا: کس چیز میں جادو کیا گیا ہے، اس نے کہا: کنگھی پر کھجور کے زرخوشے میں، اس نے پوچھا: وہ کہاں ہے؟ تو اس نے بتایا کہ ذروان میں، اور ذروان بنو زریق کا کنواں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کنوئیں پر گئے، اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف لوٹ آئے، آپ نے فرمایا: بخدا! اس کنوئیں کا پانی ایسا تھا جیسے مہندی کا نچوڑا ہوا پانی ہو اور گویا اس کے کھجور کے درخت ایسے تھے جیسے شیاطین کے سر ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں گئے، اور اس کنویں کی خبر دی، میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے اس جادو کو نکالا کیوں نہیں، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے شفاء دے دی، اور میں نے لوگوں میں شر کے پھیلانے کو برا جانا۔

عیسیٰ بن یونس اور لیث بن سعد نے از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ اضافہ کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا، سو آپ نے دعا کی اور دعا کی۔ اور پھر اس کے بعد حدیث بیان کی۔

(صحیح البخاری: ۳۱۷۵، ۳۲۶۸، ۵۷۶۳، ۵۷۶۵، ۵۷۶۶، ۶۰۶۳، ۶۳۹۱، صحیح مسلم: ۲۱۸۹، سنن ابن ماجہ: ۳۵۴۵، مسند احمد: ۲۴۳۷۹)

صحیح البخاری: ۶۳۹۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے "آپ نے دعا کی، اور دعا کی" اور اس میں دعا کی تکرار کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "طب" یہ مجہول کا صیغہ ہے یعنی آپ پر جادو کیا گیا، اور مطبوب کا معنی ہے مسحور، جس پر جادو کیا گیا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حتیٰ کہ آپ کی طرف یہ خیال ڈالا جاتا": علامہ خطابی نے کہا ہے کہ آپ کی طرف یہ خیال ڈالا جاتا کہ آپ کوئی کام کر رہے ہیں حالانکہ وہ کام آپ نہیں کرتے تھے، خصوصاً بیویوں کے متعلق اور بیویوں سے جماع کے متعلق۔ اس کے سوا آپ پر جادو کا اور کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ اور اس میں آپ کی نبوت پر ضرر نہیں ہے۔ اور انبیاء کے ابدان میں جادو کا اثر قتل سے زیادہ نہیں ہے اور زہر سے زیادہ نہیں ہے۔ اور قتل اور زہر ان کی فضیلت کو دور کرنے والا نہیں ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف آزمائش ہے، اور جس چیز کا نبوت کے ساتھ تعلق ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ رکھا کہ آپ کی نبوت میں کوئی فساد واقع ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "دو مرد آپ کے پاس آئے"۔ ایک حضرت جبریل علیہ السلام تھے اور دوسرے حضرت میکائیل علیہ السلام تھے، اور وہ مردوں کی صورت میں تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "لبید بن الاعصم نے آپ پر جادو کیا تھا"۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ یہودی تھا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ منافق تھا۔ اور علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ یہودی ہو اور پھر اسلام لے آیا ہو اور اپنے نفاق کو چھپاتا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مشط اور مشاطۃ" مشط کا معنی ہے کنگھی اور مشاطۃ کا معنی ہے کہ کنگھی سے جو بال نکلتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ذروان" یہ مدینہ میں بنو زریق کا ایک کنواں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "رؤس الشیاطین" صاحب التوضیح نے کہا: اس سے مراد ہے سانپ، اور کھجور کے درختوں کو شیطان کے سروں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کیونکہ وہ بھی دیکھنے میں غیر مانوس ہوتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہونے کے متعلق مصنف کی تحقیق

اب تک میں نے دلائل سے یہی سمجھا ہے کہ یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ڈالنے میں کامیاب نہیں ہوئے اور یہ غلط ہے کہ چالیس راتوں تک آپ پر جادو کا اثر رہا یا چھ ماہ تک آپ پر جادو کا اثر رہا یا ایک سال تک آپ پر جادو کا اثر رہا۔ لیکن چونکہ علماء امت کی عظیم اکثریت کا یہ مذہب ہے کہ آپ پر جادو کا اثر ہوا تھا تو میں یہ سوچتا ہوں کہ علماء امت کی عظیم اکثریت کے مقابلہ میں میری منفرد رائے کیا حیثیت رکھتی ہے، ہو سکتا ہے یہاں پر ایسے دلائل ہوں جو مجھ پر منکشف نہ ہوئے ہوں اور ان دلائل کے اعتبار سے آپ پر جادو کا اثر ہوا ہو، سو اگر واقع میں ایسا ہے تو میں اپنی تحقیق سے رجوع کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

حضور توبہ کرتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ میرے مطالعہ میں کمی ہو اور میری فکر میں نقص ہو اور میں اس معاملہ کی حقیقت تک نہ پہنچ سکا ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے، میں نے وہی لکھا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت اور آپ کی عظمت اور شان کے مطابق سمجھا، لیکن میں بہت گناہگار انسان ہوں اور میری فکر اور عقل بھی نارسا ہے، ہوسکتا ہے جس طرح جمہور علماء نے کہا ہے اسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور آپ کی عظمت ہو اور میں اس کی حقیقت تک نہ پہنچ سکا ہوں، سو اگر ایسا ہے تو میں اپنی اس تحقیق سے رجوع کرتا ہوں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اس حدیث کی مفصل شرح کے لیے صحیح البخاری: ۶۳۰۷ کا مطالعہ فرمائیں۔

۵۹۔ بَابُ: الدُّعَاءِ عَلَى الْمُشْرِكِينَ

مشرکین کے خلاف دعا کرنا

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوسُفَ وَقَالَ: اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِأَبِي جَهْلٍ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! ان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے سات قحط کے سال کی مثل سات سال مسلط کر کے ان کے خلاف میری مدد فرما۔ اور اے اللہ! ابوجہل کی گرفت فرما۔

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: دَعَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِي الصَّلَاةِ وَقَالَ: اللَّهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَفُلَانًا حَتَّى أَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ۔ (آل عمران: ۱۲۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں دعا کی: اے اللہ! فلاں پر لعنت کر اور فلاں پر لعنت کر، حتیٰ کہ اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: "آپ ان میں سے کسی چیز کے مالک نہیں ہیں، اللہ (چاہے تو) ان (کافروں) کی توبہ قبول فرمائے یا ان کو عذاب دے"۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ان دعاؤں کا ذکر ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے خلاف کی تھیں۔ یہاں پر مطلق دعا کا ذکر ہے اور کتاب الجہاد میں ذکر ہے کہ "مشرکین پر شکست اور زلزلہ کی دعا کرنا"۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور پہلی دعا کتاب الاستسقاء میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔

اور تعلیق مذکور میں دوسری دعا کا معنی ہے کہ اے اللہ! ابوجہل کو ہلاک کر دے۔ اور یہ حدیث کتاب الطہارۃ کے آخر میں گزر چکی ہے۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق کے موافق حدیث غزوہ احد میں گزر چکی ہے اور سورہ آل عمران کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

صاحب التوضیح (علامہ ابن ملقن) نے کہا ہے: اس حدیث میں امام ابوحنیفہ کے خلاف دلیل ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ نے کہا کہ نماز میں وہی دعا کی جائے جو قرآن میں ہو۔ اور اگر نماز میں وہ دعا کی گئی جو قرآن میں نہیں ہے تو نماز باطل ہو جائے گی۔

علامہ عینی اس کے جواب میں لکھتے ہیں: اس حدیث میں امام ابوحنیفہ کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ یہ نفل نماز تھی اور امام ابوحنیفہ نے جو کہا ہے وہ فرض نماز کے متعلق کہا ہے۔

علاوہ ازیں یہ آیت نماز میں منافقین پر لعنت کرنے اور ان کے خلاف دعا کرنے کے لیے ناسخ ہے۔ اور اس کے عوض صبح کی نماز میں دعائے قنوت کو مشروع کر دیا گیا ہے۔ یہ ابن وہب وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۹۲۔ حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ عَنِ ابْنِ أَبِي خَالِدٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي أَوْفَى قَالَ دَعَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى الْأَحْزَابِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيعَ الْحِسَابِ اهْزِمِ الْأَحْزَابَ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے خبر دی از ابن ابی خالد، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب (کفار کی جماعتوں) کے خلاف دعا کی: اے اللہ! کتاب کو نازل کرنے والے، جلد حساب لینے والے، کفار کی جماعتوں کو ہلاک کر دے، ان کو شکست دے اور ان کے قدم اکھاڑ دے اور ان میں زلزلہ برپا فرما۔

(صحیح البخاری: ۲۹۳۳، ۲۹۶۵، ۳۰۲۵، ۴۱۱۵، ۶۳۹۲، ۷۴۸۹، صحیح مسلم: ۱۷۴۲، سنن ترمذی: ۱۶۷۸، سنن ابن ماجہ: ۲۷۹۶، مسند احمد: ۱۸۶۲۸)

صحیح البخاری: ۶۳۹۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن سلام، وہ محمد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی خالد، وہ اسماعیل ہیں اور ابو خالد کا نام سعد ہے اور انہیں ہرمز بھی کہا جاتا ہے اور کثیر البجلی الاحمصی الکوفی بھی کہا جاتا ہے۔ اور ابن ابی اوفی، یہ حضرت عبد اللہ ہیں، اور حضرت ابو اوفی کا نام علقمہ ہے اور یہ دونوں صحابی ہیں رضی اللہ عنہما۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے گناہوں اور ان کے جرائم کے اعتبار سے ان کے خلاف دعا کرتے تھے۔ اور آپ اس کے خلاف دعا میں مبالغہ کرتے جس نے مسلمانوں کو بہت شدید ایذاء پہنچائی ہوتی تھی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب آپ اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو آپ نے دعا کی کہ اے اللہ! مضر کے اوپر اپنی گرفت کو سخت کر دے۔ اور آپ

نے ابوجہل کے خلاف ہلاکت کی دعا کی۔ اور آپ نے کفار کی ان جماعتوں کے خلاف ہزیمت اور زلزلہ کی دعا کی جو خندق کے دن آپ کے خلاف جمع ہو گئے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف آپ کی دعا قبول فرمائی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہود پر لعنت کرنے سے منع فرمایا تھا اور آپ نے ان کو حکم دیا تھا کہ نرمی کریں اور ان کو ایسا ہی جواب دیں جیسا انہوں نے کہا ہے (کیونکہ یہودیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے ہوئے کہا تھا ''السام علیکم'' اور اس کا معنی ہے موت، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا ''السام علیکم ولعنکم اللہ'' (صحیح البخاری: ۶۴۰۱)) اور ان کے لیے اضافہ کرنے کو جائز نہیں قرار دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ آپ نے ان یہودیوں کے متعلق فرمایا ہو جن کے اسلام لانے کی آپ کو توقع تھی تو آپ نے تالیفِ قلب کے طور پر ایسا فرمایا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۔۲۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۹۳۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ أَبِي عَبْدِ اللهِ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ مِنْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ قَنَتَ اللَّهُمَّ أَنْجِ عَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ اللَّهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ اللَّهُمَّ أَنْجِ سَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ اللَّهُمَّ أَنْجِ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اللَّهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معاذ بن فضالہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن ابی عبداللہ نے حدیث بیان کی از یحییٰ از ابی سلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب عشاء کی نماز کی دوسری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ پڑھتے تو آپ دعائے قنوت پڑھتے، اور آپ دعا کرتے: اے اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات عطا فرما، اے اللہ! ولید بن الولید کو نجات دے، اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات دے، اے اللہ! کمزور مومنین کو نجات دے، اے اللہ! مضر کو سختی کے ساتھ روند ڈال، اے اللہ! ان کے اوپر یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے قحط کے سالوں کی طرح سال مسلط کردے۔

(صحیح البخاری: ۸۰۴، صحیح مسلم: ۶۷۵، سنن نسائی: ۱۰۷۴، سنن ابوداؤد: ۱۴۴۲، سنن ابن ماجہ: ۱۲۴۴، مسند احمد: ۷۲۱۹، سنن دارمی: ۱۵۹۵)

صحیح البخاری: ۶۳۹۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''مشرکین کے خلاف دعائے ضرر'' اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ہے: اے اللہ! مضر کو سختی کے ساتھ روند ڈال، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معاذ بن فضالہ، اس میں معاذ کی میم پر پیش ہے اور فضالہ کی فاء پر زبر ہے۔ اور اس حدیث کی

سند میں ہشام بن ابوعبداللہ کا ذکر ہے، یہ الدستوائی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، یہ ابن ابی کثیر ہیں۔ اور ابوسلمہ کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالرحمٰن ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مُضر کے خلاف روندنے کی دعا فرمائی، اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کردے، کیونکہ جو شخص کسی کو اپنے پاؤں کے ساتھ روندے، وہ اس کو بُری طرح ہلاک کرتا ہے۔ اور مُضر ایک قبیلہ ہے۔ اور اس حدیث میں مضاف محذوف ہے یعنی مضر کے کافروں کو سختی سے روند ڈال۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۹۴۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ سَرِيَّةً يُقَالُ لَهُمُ الْقُرَّاءُ فَأُصِيبُوا فَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَجَدَ عَلَى شَيْءٍ مَا وَجَدَ عَلَيْهِمْ فَقَنَتَ شَهْرًا فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَيَقُولُ إِنَّ عُصَيَّةَ عَصَوُا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحسن بن الربیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالاحوص نے حدیث بیان کی از عاصم از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ کیا جن کو قراء (قرآن کے قاری) کہا جاتا تھا، سو ان کو شہید کردیا گیا، پس میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی چیز کے اوپر اتنا غمزدہ نہیں دیکھا جتنا غم آپ کو ان کی شہادت پر ہوا تھا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہینہ تک فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھتے رہے اور آپ دعا کرتے تھے کہ عُصَیَّہ نے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

(صحیح البخاری: ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۳۰۰، ۲۸۰۱، ۲۸۱۴، ۳۰۶۴، ۳۱۷۰، ۴۰۸۸، ۴۰۸۹، ۴۰۹۰، ۴۰۹۱، ۴۰۹۲، ۴۰۹۴، ۴۰۹۵، ۴۰۹۶، ۶۳۹۴، ۷۳۴۱، صحیح مسلم: ۶۷۷، سنن نسائی: ۱۰۷۱، سنن ابوداؤد: ۱۴۴۴، سنن ابن ماجہ: ۱۱۸۴، مسند احمد: ۱۲۴۳۸، سنن دارمی: ۱۵۹۹)

صحیح البخاری: ۶۳۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے باب کا عنوان ہے ''مشرکین کے خلاف دعائے ضرر'' اور اس حدیث میں مذکور ہے آپ نے ''دعائے قنوت'' پڑھی۔ اور دعائے قنوت مشرکین کے خلاف دعائے ضرر کو متضمن ہے۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں الحسن بن الربیع کا ذکر ہے، یہ البجلی الکوفی ہیں۔ اور ابوالاحوص کا ذکر ہے، یہ سلّام بن سلیم الحنفی الکوفی ہیں۔ اور عاصم کا ذکر ہے، وہ ابن سلیمان الاحول ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ بھیجا": سریہ لشکر کی اس جماعت کو کہتے ہیں جن کا انتہائی عدد چار سو ہو، انہیں دشمن کے خلاف لڑنے کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ اور اس کی جمع سرایا ہے۔ ان کو سریہ اس لیے کہا ہے کہ یہ لشکر کا خلاصہ اور لشکر کے بہترین افراد تھے اور السری کا معنی ہے: نفیس۔

ستر قراء کی شہادت کی تفصیل

جن کو القراء کہا جاتا تھا، ان کو قراء اس لیے کہتے تھے کہ یہ دوسروں کی بہ نسبت قرآن مجید زیادہ پڑھتے تھے۔ یہ متفرق لوگ تھے جو صفہ میں ٹھہرتے تھے اور قرآن مجید کو سیکھتے تھے اور مسلمانوں کی مدد کرتے تھے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ستر قاریوں کو اہل نجد کی طرف بھیجا تا کہ وہ ان کو اسلام کی دعوت دیں، پس جب وہ قراء بئر معونہ کے پاس اترے تو عامر بن الطفیل نے چند لوگوں کی جماعت کے ساتھ ان کو ہلاک کرنے کا قصد کیا، سو ان سب کو شہید کر دیا۔

اور اس حدیث میں "اصیبوا" کا لفظ ہے اور اس کا معنی ہے: ان سب کو شہید کر دیا گیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بہت زیادہ غمگین ہوئے۔

اور اس حدیث میں "عصیة" کا لفظ ہے، یہ العصو کی تصغیر ہے اور یہ ایک قبیلہ ہے، اور کتاب الجہاد میں گزرا ہے کہ آپ نے چالیس دن تک ان کے خلاف دعائے قنوت پڑھی۔ اور عدد کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ستر قاریوں کے متعلق حدیث

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رعل، الذکوان اور عصیہ اور بنولحیان نے اپنے دشمن کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد طلب کی، تو آپ نے ستر انصار سے ان کی مدد کی، جن کو ہم ان کے زمانہ میں القراء (قرآن پڑھنے والے) کہتے تھے، وہ دن میں جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتے تھے اور رات کو نماز پڑھتے تھے، حتیٰ کہ جب وہ بئر معونہ کے پاس پہنچے تو ان لوگوں نے ان قراء کے خلاف غداری کی اور ان کو قتل کر دیا، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ ایک ماہ تک عرب کے قبیلوں میں سے چند قبیلوں کے خلاف صبح کی نماز میں دعا کرتے رہے، رعل، الذکوان، عصیہ اور بنولحیان کے خلاف۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: پس ہم نے قرآن میں یہ آیت پڑھی، پھر اس آیت کو اٹھا لیا گیا، ہماری قوم تک ہماری طرف سے یہ خبر پہنچا دو کہ ہم نے اپنے رب سے ملاقات کر لی، سو وہ ہم سے راضی ہو گیا اور اس نے ہم کو راضی کر دیا۔ (صحیح البخاری: ۴۰۹۰)

۶۳۹۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ كَانَ الْيَهُودُ يُسَلِّمُونَ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُونَ السَّامُ عَلَيْكَ فَفَطِنَتْ عَائِشَةُ إِلَى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری، از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ یہود نبی صلی اللہ علیہ وسلم

قَوْلِهِمْ فَقَالَتْ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَهْلًا يَا عَائِشَةُ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ فَقَالَتْ يَا نَبِيَّ اللهِ أَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا يَقُولُونَ قَالَ أَوَلَمْ تَسْمَعِي أَنِّي أَرُدُّ ذَلِكَ عَلَيْهِمْ فَأَقُولُ وَعَلَيْكُمْ

کو سلام کرتے تھے اور کہتے تھے ''السام علیک'' (آپ پر موت ہو) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے قول کی مراد سمجھ لی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''علیکم السام واللعنۃ'' (تم پر موت اور لعنت ہو)، تو نبی ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! نرمی کرو، بے شک اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں نرمی کو پسند فرماتا ہے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے نبی! کیا آپ نے سنا نہیں یہ لوگ کیا کہہ رہے تھے، آپ نے فرمایا: کیا تم نے نہیں سنا میں اسی کو ان کے اوپر لوٹا رہا تھا، پس میں کہہ رہا تھا ''وعلیکم'' (اور تم پر)۔

(صحیح البخاری: ۲۹۳۵، ۶۰۲۴، ۶۰۳۰، ۶۲۵۶، ۶۳۹۵، ۶۴۰۱، ۶۹۲۷، صحیح مسلم: ۲۱۶۵، سنن ترمذی: ۲۷۰۱، سنن ابن ماجہ: ۳۶۹۸، مسند احمد: ۲۳۵۷۰)

صحیح البخاری: ۶۳۹۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے ''وعلیکم'' یعنی نبی ﷺ نے یہودیوں کے جواب میں فرمایا: تم پر بھی وہی چیز نازل ہو جو تم نے میرے متعلق کہی ہے اور یہ ان کے خلاف دعائے ضرر ہے۔ اور اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن محمد، یہ السندی کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام، یہ ابن یوسف الصنعانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر، یہ ابن راشد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''یہودی نبی ﷺ کو سلام کرتے تو کہتے تھے ''السام علیک'' سام کے معنی موت ہیں، یعنی وہ آپ پر بددعا کرتے تھے کہ آپ پر موت آئے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ''مهلا یا عائشه'' یعنی اے عائشہ! نرمی سے بات کرو''۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۳۹۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ حَدَّثَنَا عَبِيدَةُ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الانصاری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن حسان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن سیرین نے حدیث بیان کی،

الْخَنْدَقِ فَقَالَ مَلَأَ اللّٰهُ قُبُوْرَهُمْ وَبُيُوْتَهُمْ نَارًا كَمَا شَغَلُوْنَا عَنْ صَلَاةِ الْوُسْطٰى حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ وَهِيَ صَلَاةُ الْعَصْرِ۔

انہوں نے کہا: ہمیں عبیدہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم غزوۂ خندق کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! کفار کی قبروں اور ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے، جس طرح انہوں نے ہمیں درمیانی نماز سے مشغول رکھا حتیٰ کہ سورج غروب ہوگیا، اور وہ عصر کی نماز تھی۔

(صحیح البخاری: ۲۹۳۱، ۴۱۱۱، ۴۵۳۳، ۶۳۹۶، صحیح مسلم: ۶۲۷، سنن ترمذی: ۲۹۸۴، سنن نسائی: ۴۷۳، سنن ابوداؤد: ۴۰۹، سنن ابن ماجہ: ۶۸۴، مسند احمد: ۱۲۲۵، سنن دارمی: ۱۲۳۲)

صحیح البخاری: ۶۳۹۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس حدیث میں مشرکین کے خلاف دعائے ضرر کا صراحۃً ذکر ہے کہ اے اللہ! ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الانصاری، یہ محمد بن عبداللہ بن المثنیٰ القاضی ہیں اور یہ امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں۔ یہاں امام بخاری نے ان سے بالواسطہ روایت کی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام بن حسان، بعض محدثین نے کہا ہے کہ ان کا حافظہ درست نہیں تھا، لیکن یہ محمد بن سیرین سے روایت کرنے والوں میں سب سے زیادہ روایت کو یاد رکھنے والے اور اس کو حفظ کرنے والے تھے۔ اور سعید بن ابی عروبہ نے کہا کہ ابن سیرین کی روایات میں ہشام بن حسان سے زیادہ کوئی حافظ نہیں تھا۔ اور اس حدیث کی سند میں عبیدہ کا ذکر ہے، یہ سلمانی ہیں۔

یہ حدیث غزوۂ خندق میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ہم خندق کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے" یعنی غزوۂ خندق کے دن اور اس کو غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے" یعنی جب وہ مُردہ ہوں، اور ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے، یعنی جب وہ زندہ ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "جس طرح انہوں نے ہم کو درمیانی نماز کے پڑھنے سے مشغول رکھا"۔ اس حدیث میں وجہ تشبیہ

ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو تمام محبوب عبادات سے مشغول رکھا تو اللہ تعالیٰ ان کو آگ کے ساتھ مشغول رکھے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''اور وہ عصر کی نماز ہے''۔علامہ کرمانی نے کہا: یہ درمیانی نماز کی راوی نے تفسیر کی ہے اور یہ حدیث مدرج ہے۔اور اس میں بحث ہے کیونکہ مغازی میں واقع ہے کہ عصر کی نماز میں اتنی تاخیر ہوگئی کہ سورج غروب ہو گیا اور اس میں یہ خبر ہے کہ وہ عصر کی نماز قضاء ہوئی تھی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ حدیث میں ہے ''حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا'' اور یہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ فقط عصر کی نماز قضا ہوئی تھی، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ظہر کی نماز بھی قضاء ہوئی ہو، کیونکہ بعض علماء نے کہا ہے کہ درمیانی نماز ظہر ہے۔اور یہ حدیث مدرج نہیں ہے، کیونکہ حدیث مرفوع میں ہے کہ انہوں نے ہم کو نمازِ عصر سے مشغول رکھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اس باب میں مذکور احادیث کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مشرکین کے گناہوں اور جرائم کے اعتبار سے ان کے خلاف دعا میں مبالغہ کا بیان

اس باب کی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مشرکینِ مُضر کے خلاف اس دعا کا ذکر ہے ''اے اللہ! مُضر کو سختی کے ساتھ روند ڈال''۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے خلاف ان کے گناہوں اور ان کے جرائم کے اعتبار سے دعا کرتے تھے۔اور جن کی مسلمانوں پر شدید اذیت ہوتی، ان کے خلاف دعا کرنے میں مبالغہ فرماتے تھے۔کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو آپ نے فرمایا ''اے اللہ! مضر کو سختی کے ساتھ روند ڈال، اے اللہ! ان کے خلاف میری مدد کر''۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کے خلاف ہلاکت کی دعا کی۔اور غزوۂ احزاب میں جو کفار کی جماعتیں حملہ کرنے کے لیے آئی تھیں، ان کے خلاف شکست کی اور زلزلہ کی دعا کی۔اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو ان کے متعلق قبول فرمایا۔اور جن لوگوں نے ستر قاریوں کو شہید کر دیا تھا، ان کے خلاف ایک ماہ تک قنوت پڑھتے رہے اور غزوۂ خندق میں کفار کی جماعتوں کے خلاف دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کے گھروں کو اور ان کی قبروں کو آگ میں جلا دے۔

اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مشرکین کے خلاف ہلاکت وغیرہ کی دعا جائز ہے جیسا کہ شارع علیہ السلام نے ان آثار متواترہ میں دعا کی ہے۔

صلوٰۃ وسطیٰ کا بیان

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد صلوٰۃ عصر ہے۔(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۷۶)

اور ابن حبیب مالکی نے کہا کہ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک اس سے مراد صبح کی نماز ہے۔(المنتقی ج ۱ ص ۲۴۵)

اور ابن القصار نے اس حدیث کی شرح میں کہا کہ اس دن کفار نے مسلمانوں کو ظہر، عصر اور مغرب کی نمازوں سے مشغول کر دیا تھا، اور عصر ان تین نمازوں کے درمیان تھی۔

اور ابن القابسی نے کہا: وسطیٰ دو نمازیں ہیں، قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ صبح کی نماز ہے، اور سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ عصر کی نماز ہے۔ اور اس میں اور بھی مذاہب ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۳۴۲۔ ۳۴۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

باب میں مذکور احادیث کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معاذ بن فضالہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن ابی عبداللہ نے حدیث بیان کی از یحییٰ از ابی سلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب عشاء کی نماز کی دوسری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ پڑھتے تو آپ دعائے قنوت پڑھتے، اور آپ دعا کرتے: اے اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات عطا فرما، اے اللہ! ولید بن الولید کو نجات دے، اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات دے، اے اللہ! کمزور مومنین کو نجات دے، اے اللہ! مضر کو سختی کے ساتھ روند ڈال، اے اللہ! ان کے اوپر یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے قحط کے سالوں کی طرح سال مسلط کر دے۔ (صحیح البخاری: ۶۳۹۳)

حدیث مذکور کے مسائل

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ دعائے قنوت رکوع کے بعد پڑھی جائے گی، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے۔

(۲) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس کے خلاف دعا کی جائے یا جس کے حق میں دعا کی جائے اس کی نماز میں تعیین کرنا یا اس کو نماز میں معین کرنا جائز ہے، مثلاً تم نماز میں کہو ''اللھم اغفر لفلان''، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں عیاش بن ابی ربیعہ کا نام لے کر اور الولید بن ولید کا نام لے کر اور سلمہ بن ہشام کا نام لے کر ان کے حق میں دعائیں کیں۔ اور مُضر کے کفار کے خلاف آپ نے نام لے کر دعا کی۔

(۳) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ الولید نام رکھنا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! ولید بن الولید کو نجات دے، اس کے برخلاف بعض لوگوں نے کہا کہ الولید نام رکھنا مکروہ ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نام کو نہیں بدلا حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برہ کا نام بدل کر زینب رکھ دیا تھا، اور آپ جو نام مکروہ ہو اس کو تبدیل کر دیتے تھے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ انسان ولید نام رکھ سکتا ہے۔

(۴) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمومی دعا بھی کی ہے اور خصوصی دعا بھی کی ہے۔ آپ نے مشرکین کے خلاف عمومی دعا کی اور مسلمانوں کے حق میں عمومی دعا کی، کیونکہ آپ نے فرمایا: اے اللہ! کمزور مسلمانوں کو نجات عطا فرما۔

نماز میں دعائے قنوت پڑھنے کے متعلق مذاہب

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ فرائض میں دعائے قنوت پڑھنا جائز ہے، لیکن علماء نے اس کو اس صورت کے ساتھ مقید کیا ہے کہ جب مسلمانوں کو کوئی مصیبت نازل ہو یا کوئی حادثہ پیش آئے۔ اور ایسی صورت میں تمام فرائض میں قنوت پڑھی جائے گی صرف

فجر کی نماز میں نہیں۔

دعائے قنوت صرف امام پڑھے گا یا ہر نمازی؟

ایک قول یہ ہے کہ صرف امام دعائے قنوت پڑھے گا اور باقی لوگ نہیں پڑھیں گے، ان کا استدلال اس سے ہے کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قنوت پڑھتے تھے اور مدینہ کی دیگر مساجد کے اندر نمازی دعائے قنوت نہیں پڑھتے تھے۔ اور اگر یہ بالعموم مشروع ہوتا تو سب لوگ دعائے قنوت پڑھتے۔ اور اس لیے بھی کہ امت کی جنگ اور صلح میں امام سے سوال کیا جاتا ہے، لہٰذا مصائب کے نزول کے وقت امام ہی دعائے قنوت پڑھے گا۔

اور بعض علماء نے کہا ہے: بلکہ ہر امام مسجد دعائے قنوت پڑھے گا اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے، آپ نے فرمایا: اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ اور رہا وہ جو اکیلے نماز پڑھتا ہے تو وہ بالکل قنوت نہ پڑھے۔

اس مسئلہ میں تیسرا قول یہ ہے کہ دعائے قنوت ہر نمازی کے لیے مشروع ہے حتیٰ کہ جو اکیلا نماز پڑھ رہا ہو وہ بھی پڑھے اور حتیٰ کہ عورتیں بھی پڑھیں، اس لیے کہ یہ امر عام مسلمانوں کے ساتھ متعلق ہے، لہٰذا یہ عام مسلمانوں کے لیے مشروع ہے کہ وہ دعائے قنوت کو پڑھیں۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۲۶۲۔ ۲۶۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۰۔ بَابُ: الدُّعَاءِ لِلْمُشْرِكِينَ — مشرکین کے لیے دعا کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں مشرکین کے لیے دعا کرنے کا بیان ہے اور یہ عنوان کتاب الجہاد میں گزر چکا ہے لیکن وہاں پر کہا تھا: مشرکین کے لیے ہدایت کی دعا کرنا تاکہ ان کی دلجوئی ہو، پھر وہاں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی جو اس باب کی حدیث میں ہے۔ اب یہاں دو باب ہیں، ایک باب تو مشرکین کے خلاف دعا کرنا اور ایک باب ہے: مشرکین کے حق میں دعا کرنا، اور یہ دو مختلف اعتباروں سے ہے۔ پس پہلے باب میں مشرکین کے خلاف دعاء ہے، کیونکہ وہ اپنے کفر پر ڈٹ جاتے ہیں اور مسلمانوں کو ایذاء پہنچاتے ہیں، اور دوسرے باب میں ان کے لیے اسلام کی ہدایت کی دعا ہے تاکہ ان کی دلجوئی ہو۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ ایک اور حدیث میں آیا ہے: اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما کیونکہ وہ جانتے نہیں ہیں، تو میں کہوں گا: اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو اسلام کی ہدایت دے جس کے ساتھ مغفرت صحیح ہے، کیونکہ کفر کے گناہ کی مغفرت نہیں کی جاتی، یا اس کا معنی یہ ہے کہ ان کی مغفرت فرما اگر وہ اسلام قبول کر لیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۹۷۔ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه قَدِمَ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو عَلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ دَوْسًا قَدْ عَصَتْ وَأَبَتْ فَادْعُ اللهَ عَلَيْهَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ طفیل بن عمرو رسول

فَظَنَّ النَّاسُ أَنَّهُ يَدْعُو عَلَيْهِمْ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا وَأْتِ بِهِمْ۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! دوس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے اور اسلام لانے سے انکار کیا ہے، آپ ان کے خلاف اللہ سے دعا کیجئے، لوگوں نے گمان کیا کہ بے شک آپ ان کے خلاف دعا کریں گے، آپ نے دعا کی: اے اللہ! دوس کو ہدایت دے اور ان کو یہاں لے آ۔

(صحیح البخاری: ۲۹۳۷، ۴۳۹۲، ۶۳۹۷، صحیح مسلم: ۲۵۲۴، مسند احمد: ۱۰۱۴۸)

صحیح البخاری: ۶۳۹۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی کا ذکر ہے، وہ ابن المدینی ہیں، اور سفیان کا ذکر ہے، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور ابوالزناد کا ذکر ہے، وہ عبداللہ بن ذکوان ہیں۔ اور الاعرج کا ذکر ہے، وہ عبدالرحمٰن بن ہرمز ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

حضرت طفیل بن عمرو دوسی کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "الطفیل بن عمرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے" ان کا پورا نام ہے الطفیل بن عمرو بن طریف بن العاص بن ثعلبہ بن سلیم بن غنم بن دوس الدوسی، یہ قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت طفیل مکہ میں اسلام لائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی، پھر اپنی قوم کے شہروں کی طرف سرزمین دوس میں چلے گئے، پھر وہیں رہے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کر لی۔ پھر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے جب آپ خیبر میں تھے اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے ان کی اتباع کی تھی، پھر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مقیم رہے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ پھر یہ مسلمانوں کے ساتھ رہے حتیٰ کہ جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے۔ دوسرا قول ہے کہ جنگ یرموک میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شہید کیے گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "دوس نے اللہ کی نافرمانی کی اور اسلام لانے سے انکار کیا"۔ دوس، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قبیلہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اور ان کو یہاں لے آ" یعنی قبیلہ دوس کے لوگ اسلام قبول کر کے یہاں آ جائیں۔ اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلقِ عظیم ہے اور تمام جہانوں پر آپ کی رحمت ہے، کیونکہ آپ نے ان کے حق میں دعا کی حالانکہ لوگوں نے ان کے خلاف دعا کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ مشرکین کے حق میں دعا کرنا، مشرکین کے خلاف دعا کرنے کی ناسخ ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَٰلِمُونَ ﴿١٢٨﴾ (آل عمران:۱۲۸) آپ اس میں سے کسی چیز کے مالک نہیں ہیں، اللہ (چاہے تو) ان (کافروں) کی توبہ قبول فرمائے یا وہ ان کو عذاب دے کیونکہ بے شک وہ ظلم کرنے والے ہیں O۔

اور اکثر علماء کا مختار یہ ہے کہ مشرکین کے خلاف دعا کرنا منسوخ نہیں ہے۔اور مشرکین کے خلاف دعا کرنا جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۹۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مشرکین کے خلاف دعاء کرنے کی توجیہات

اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مشرکین کے خلاف دعا کرنا جائز ہے، اور جن مشرکین کے اسلام لانے کی توقع ہو تو ان کی تالیف قلب کے لیے ان کے خلاف دعا کرنے سے ممانعت کی گئی ہے۔اور مشرکین کے خلاف دعا کرنے کی ممانعت اور جواز میں اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ اگر مشرکین کے خلاف دعا کا یہ تقاضا ہو کہ ان کو کفر میں سرکشی پر زجر و توبیخ کی جائے تو پھر یہ جائز ہے۔اور اگر مشرکین کے خلاف دعاء کا تقاضا یہ ہو کہ ان کو ان کے کفر پر ہلاک کر دیا جائے تو پھر یہ دعا ممنوع ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دعا کی کہ اے اللہ! دوس کو ہدایت دے اور ان کو یہاں لے آ۔اس میں یہ رہنمائی ہے کہ جس دوسری حدیث میں آپ نے یہ دعا کی ہے کہ اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما، کیونکہ وہ جانتے نہیں ہیں۔اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو زیادتی کی ہے اس کو معاف فرما دے، اور یہ مراد نہیں ہے کہ ان کے تمام گناہوں کو معاف فرما دے، کیونکہ کفر کا گناہ نہیں مٹایا جاتا، یا آپ نے جو دعا کی کہ اے اللہ! ان کی مغفرت فرما، اس کا یہ معنی ہے کہ اے اللہ! ان کو اسلام کی ہدایت دے، کیونکہ اسلام کے ساتھ مغفرت صحیح ہے۔یا اس کا معنی یہ ہے کہ اگر یہ اسلام لے آئیں تو پھر ان کی مغفرت فرما۔اور اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جاننے والا ہے۔(فتح الباری ج ۷ ص ۴۴۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

٦١- بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعا: ''اے اللہ! میرے لیے میرے ان کاموں کی مغفرت فرما دے جو میں نے پہلے کیے اور جو میں نے بعد میں کیے''

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا تواضعاً کی ہے اور اپنے نفس کے اوپر گناہ کا شمار کیا ہے۔دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ کی مراد یہ تھی کہ آپ سے سہواً جو اگلے اور پچھلے گناہ ہو گئے ان کو معاف فرما دے۔تیسرا جواب یہ ہے کہ نبوت سے پہلے جو آپ سے ایسے کام ہو گئے ان کی مغفرت فرما دے۔اور ہر حال میں آپ مغفور ہیں، اور آپ کے تمام بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام خواہ وہ پہلے ہوئے

ہوں یا بعد میں ہوئے ہوں، ان کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہے۔ سو آپ نے یہ دعا تواضعاً کی ہے، اس لیے کہ دعا کرنا عبادت ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ آپ نے اپنی امت کی رہنمائی کی ہے اور ان کو تعلیم دی ہے، کیونکہ آپ ہر قسم کے گناہوں سے معصوم ہیں خواہ نبوت سے پہلے ہوں یا نبوت کے بعد ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ آپ نے پہلے جو فاضل کام کیا ہو اور بعد میں جو افضل کام کیا ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۹۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ صَبَّاحٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُوسَى عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَدْعُو بِهَذَا الدُّعَاءِ رَبِّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي وَجَهْلِي وَإِسْرَافِي فِي أَمْرِي كُلِّهِ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي خَطَايَايَ وَعَمْدِي وَجَهْلِي وَهَزْلِي وَكُلُّ ذَلِكَ عِنْدِي اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ وَحَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِنَحْوِهِ۔

(صحیح البخاری: ۶۳۹۸، ۶۳۹۹، صحیح مسلم: ۲۷۱۹، مسند احمد: ۱۹۲۳۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالملک بن صباح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق از ابو موسیٰ از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے: "اے میرے رب! میرے لیے میری خطا کو بخش دے اور میرے جہل کو، اور میرے تمام کاموں میں اسراف کو بخش دے، اور ان کو بخش دے جن کا تجھے مجھ سے زیادہ علم ہے، اے اللہ! میرے لیے میری خطاؤں کو بخش دے اور میرے عمداً کاموں کو اور میرے جہالت سے کاموں کو اور جو کام میں نے سنجیدگی سے کیے اور ہر وہ کام جو میرے نزدیک ہیں، اے اللہ! میرے لیے ان کاموں کی مغفرت فرما دے جو میں نے پہلے کیے اور جو میں نے بعد میں کیے اور جو میں نے چھپ کر کیے اور جو میں نے ظاہراً کیے، تو مقدم کرنے والا ہے اور تو مؤخر کرنے والا ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اور عبید اللہ بن معاذ نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابو اسحاق از ابو بردہ بن ابو موسیٰ از والد خود از نبی ﷺ اسی حدیث کی مثل۔

صحیح البخاری: ۶۳۹۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالملک بن صباح، یہ البصری ہیں۔ اور امام بخاری نے ان کی صرف اسی جگہ حدیث روایت کی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو اسحاق، یہ عمرو بن عبداللہ السبیعی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی موسیٰ۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اس کے بعد یہ حدیث جس سند سے مروی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد ابو بردہ

بن ابی موسیٰ ہیں یعنی عامر، اور جو روایت اس کے بعد ہے ایک سند کے ساتھ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابوبکر بن ابی موسیٰ ہیں، لیکن الکلاباذی نے کہا ہے کہ یہ عمرو بن ابی موسیٰ ہیں۔ اور ابوموسیٰ کا نام عبداللہ بن قیس الاشعری رضی اللہ عنہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اے اللہ! میری خطا کو بخش دے''۔ خطا کا معنی ہے ذنب یعنی گناہ۔

(میں کہتا ہوں: یہاں گناہ سے مراد ہے کہ وہ کام جو بہ ظاہر گناہ ہو اور حقیقت میں گناہ نہ ہو۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''اور میرے جہل کی مغفرت فرما''۔ جہل سے مراد ہے علم کی ضد۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''اور میرے اسراف کو معاف فرما''۔ اسراف کا معنی ہے: حد سے تجاوز کرنا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''فی امری'' یعنی میں نے اپنے کام میں جو اسراف کیا ہو۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''وعمدی'' عمد کا معنی ہے جو سہو کے خلاف ہو اور اس کی ضد ہو، اور جہل سے مراد ہے علم کی ضد اور ہزل کا معنی ہے: سنجیدگی کی ضد، اور عمد کا جو خطا پر عطف ہے، یہ خاص کا عام پر عطف ہے، اس اعتبار سے کہ خطا عام ہے کہ وہ دانستہ ہو یا نادانستہ، یا ایک مقابل کا عطف دوسرے مقابل پر ہے۔ یا خطیئۃ سے مراد وہ کام ہے جو بطورِ خطا ہوا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''انت المقدم'' یعنی تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے مقدم کرتا ہے اس کو توفیق دے کر، اور جس کو چاہتا ہے اپنی مخلوق میں سے اس کو مؤخر کر دیتا ہے اس کو شرمندہ اور رسوا کر کے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۔ ۳۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۹۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيدِ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي مُوسَى وَأَبِي بُرْدَةَ أَحْسِبُهُ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ كَانَ يَدْعُو اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي وَجَهْلِي وَإِسْرَافِي فِي أَمْرِي وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي هَزْلِي وَجِدِّي وَخَطَايَايَ وَعَمْدِي وَكُلُّ ذَلِكَ عِنْدِي۔

(صحیح البخاری: ۶۳۹۸، ۶۳۹۹، صحیح مسلم: ۲۷۱۹، مسند احمد: ۱۹۲۳۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبیداللہ بن عبدالمجید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسرائیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسحاق نے حدیث بیان کی از ابی بکر بن ابی موسیٰ و ابی بردہ، میں گمان کرتا ہوں کہ یہ از ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہے از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ یہ دعا کرتے تھے: ''اے اللہ! میرے لیے میرے گناہ کو بخش دے اور میری جہالت کے کاموں کو اور میں نے جو اپنے معاملہ میں اسراف کیا ہے اس کو بخش دے، اور جن کاموں کو تو مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے ان کو بخش دے، اے اللہ! میں نے مذاق سے جو کام کیے ان کو بخش دے، اور جو سنجیدگی سے کام کیے ان کو بخش دے اور جو میں نے خطا سے کیے اور جو میں نے دانستہ کیے، اور وہ سب تیرے نزدیک ہیں۔

صحیح البخاری: ۶۳۹۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

یہ اس حدیث کی دوسری سند ہے جو محمد بن مثنیٰ سے روایت ہے اور وہ عبیداللہ بن عبداللہ بن عبدالمجید الحنفی البصری سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسرائیل، یہ ابن یونس ہیں جو اپنے دادا ابواسحاق عمرو سے روایت کرتے ہیں از ابوبکر اور ابوبردہ، یہ دونوں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں از حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''میرے ان کاموں کو بخش دے جن کو تو مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے'': یعنی ان گناہوں کو۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''کل ذالك عندی'' یعنی میں ان کاموں کے ساتھ متصف ہوں، سو تو ان کو معاف فرمادے۔

مرتکب کبیرہ کی مغفرت کا بیان

علامہ کرمانی نے بیان کیا ہے کہ علامہ القرافی نے کتاب القواعد میں یہ لکھا ہے کہ جو شخص یہ دعا کرے کہ اے اللہ! میری مغفرت فرما اور تمام مسلمانوں کی، تو یہ محال کی دعا ہے، کیونکہ تمام مسلمانوں میں مرتکب کبیرہ بھی ہے اور مرتکب کبیرہ دوزخ میں داخل ہوگا اور دوزخ میں داخل ہونا مغفرت کے منافی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ یہ ممنوع ہے، کیونکہ ہم اس منافات کو نہیں مانتے، کیونکہ مغفرت کے منافی یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ دوام اور خلود کے لیے دوزخ میں داخل ہے جیسا کہ کفار داخل ہوتے ہیں جب کہ مرتکب کبیرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے دوزخ سے نکل جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل محض سے مغفرت فرمادے گا، پھر بھی دوزخ سے نکل جائیں گے۔ اور اس پر یہ معارضہ بھی ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی تمام مومنین کی مغفرت کے لیے دعا کی ہے:

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (نوح: ۲۸) اے میرے رب! میری، میرے والدین کی اور جو مومن میرے گھر میں داخل ہوں ان کی مغفرت فرما اور جملہ مومنین اور مومنات کی (بھی مغفرت فرما)۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ الکرمانی نے اس قول کو مغلطائی کی اتباع سے نقل کیا ہے جو انہوں نے القرافی سے نقل کیا ہے۔

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس عبارت کے رد میں لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی نے جو اس قول کو القرافی سے نقل کیا ہے اس میں انہوں نے کسی کی اتباع نہیں کی۔ علاوہ ازیں حافظ ابن حجر نے جو مغلطائی کا نام صراحۃً لیا ہے، اس میں ادب کو ترک کردیا ہے۔ اور اگر شیخ علاؤالدین مغلطائی ان کے شاگرد ہوتے یا ان کے ساتھ

پڑھنے میں شریک ہوتے تب بھی ادب کا یہ تقاضا نہیں تھا کہ ان کا نام بغیر تعظیم کے لیتے۔
(علامہ علاؤ الدین مغلطائی متوفی ۷۶۲ھ دراصل حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی دونوں کے استاذ ہیں۔ سعیدی غفرلہ)
پھر حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی شرح کے آخر میں لکھا ہے: مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس باب میں اس مسئلہ کو لکھنے کی کیا مناسبت تھی؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس کی مناسبت تو ہر چیز سے ظاہر ہے، اور اصحاب التحقیق پر وہ چیز ظاہر ہے جو حافظ ابن حجر عسقلانی کو اپنے قصور کی وجہ سے ظاہر نہیں ہوئی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا علامہ عینی پر رد کرنا

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

علامہ عینی نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس مناسبت کا ظہور تو بالکل ظاہر ہے تو ان پر لازم تھا کہ اس مناسبت کا بیان بھی کرتے، اور وہ جو انہوں نے مغلطائی کی طرف سے مدافعت کی ہے اور کہا ہے کہ ان کا نام بغیر تعظیم کے لیا ہے تو خود علامہ عینی اس سے زیادہ شدید بے ادبی کے مرتکب ہوتے ہیں، کیونکہ وہ قاضی عیاض کا نام بغیر کسی تعظیم کے لکھتے ہیں مثلاً یوں نہیں کہتے کہ امام عیاض نے کہا یا شیخ عیاض نے کہا، وہ لکھتے ہیں عیاض نے کہا، حالانکہ قاضی عیاض کا مرتبہ مغلطائی سے بہت زیادہ بڑا ہے۔ تو ان دونوں ناموں میں سے کس کی تعظیم کرنا زیادہ لائق تھا!۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۱۱، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: ان دونوں حدیثوں میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی طرف گناہوں کی نسبت کی ہے خواہ وہ دانستہ ہوں یا نادانستہ ہوں، اور خواہ وہ خلوت میں ہوں یا جلوت میں، جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم ہیں اور نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد آپ سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوا نہ سہواً اور نہ عمداً اس لیے ان دعاؤں کا محمل یا تو یہ ہے کہ آپ نے یہ امت کی تعلیم کے لیے اپنی طرف گناہوں کی نسبت کی ہے کہ ہمیں اس طرح دعا کرنی چاہیے، اور یا گناہوں سے مراد وہ کام ہیں جو بہ ظاہر خلاف اولیٰ ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۶۳۹۸، ۶۳۹۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، ان حدیثوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائے مغفرت کا محمل

میں کہتا ہوں کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعائیں امت کی تعلیم کے لیے کی ہیں۔
امام طبری نے کہا ہے: اگر تم یہ سوال کرو کہ اس کی کیا توجیہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب سے یہ دعا کی کہ رب تبارک وتعالیٰ آپ کے گناہوں کی مغفرت فرمادے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خبر دے دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام گناہوں کی مغفرت فرمادی ہے۔ پھر اپنے رب سے گناہوں کی مغفرت کے سوال کی کیا توجیہ ہے جب کہ وہ گناہ بخشے ہوئے ہیں اور کیا یہ جائز ہے کہ آدمی اپنے رب سے یہ سوال کرے کہ اس کا رب اسے بنو آدم میں سے بنادے، حالانکہ وہ بنو آدم میں سے ہے، اور کیا یہ جائز ہے کہ آدمی اپنے رب سے یہ سوال کرے کہ اس کا رب اس کے لیے دو ہاتھ اور دو پیر بنادے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے دو

ہاتھ اور دو پیر بنا دیے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے نماز میں یہ دعا اس وقت کی جب آپ کی وفات قریب ہوگئی، اور جب یہ آیت نازل ہو چکی تھی:

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ۙ وَرَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا ۙ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ ؔ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۚ (النصر: ۱۔۳)

جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے O اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں O سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں، بے شک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے O

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو توبہ کرنے اور مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا ہے، سو نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرتے تھے اور اس سے استغفار کرتے تھے باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرما چکا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرتا ہوں اور اس سے استغفار کرتا ہوں۔ (صحیح البخاری: ۶۳۰۷)

اور معصوم کا اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرنا اور استغفار کرنا دراصل اس کے درجات میں ترقی اور بلندی کے لیے ہوتا ہے۔ سو آپ کا یہ استغفار آپ کے اخروی درجات میں بلندی اور ترقی کے لیے ہے۔

نبی ﷺ کے استغفار یعنی طلبِ مغفرت کے متعلق معتزلہ کا مذہب

معتزلہ نے کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر نہ کبائر جائز ہیں اور نہ صغائر۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے ان کاموں کی مغفرت فرمائی ہے جو ان سے سہواً سرزد ہوئے اور غفلت سے سرزد ہوئے اور اجتہاد سے سرزد ہوئے، یا وہ کام جو حقیقت میں ان کے منصب کے اعتبار سے نہیں تھا، ایسی چیزوں کی اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرمائی ہے اور ان کو ذنب قرار دیا ہے، کیونکہ ذنب وہی ہے جو عمداً ہو اور قصداً ہو، اور جو عمد اور قصد کے بغیر کام ہو، وہ ذنب نہیں ہوتا۔

علامہ ابن ملقن کہتے ہیں کہ معتزلہ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام صرف انہی کاموں پر استغفار کرتے ہیں جو ان سے بطورِ سہو صادر ہوا ہو یا غفلت سے صادر ہوا ہو، کیونکہ عام مسلمانوں سے بھی جو کام غفلت یا سہو سے صادر ہوا ہو ان پر بھی ان کاموں میں استغفار کرنا واجب نہیں ہے تو انبیاء علیہم السلام پر ان کاموں میں استغفار کرنا کس طرح واجب ہوگا!

اس سوال کا ایک اور جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جو اپنے ذنب پر مغفرت طلب کی، یہ اظہارِ خضوع اور اظہارِ عبودیت کے لیے ہے اور تقصیر کا اعتراف کیا ہے تاکہ اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کریں، جیسا کہ نبی ﷺ تہجد میں اتنا زیادہ قیام کرتے کہ آپ کے پائے مبارک پر ورم آ جاتا، آپ سے کہا گیا کہ آپ کے تو اگلے اور پچھلے ذنب کی تو اللہ تعالیٰ نے مغفرت کر دی ہے پھر آپ اتنی کوشش کیوں کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ (صحیح البخاری: ۱۱۳۰)

پس نبی ﷺ کا دعا میں زیادہ کوشش کرنا اور اپنی خطاؤں کا اور تقصیر کا اعتراف کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف احتیاج کا اقرار

ہے اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ عبادت کرنا حتیٰ کہ آپ کے پیر سوج جائیں، یہ محض اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے تھا، کیونکہ دعا اللہ تعالیٰ کی عظیم عبادت ہے، تا کہ آپ امت کے لیے یہ نمونہ اور سنت قرار دیں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور اس سے مسلسل دعائیں کرنا چاہیے اور بے خوف ہونے کی طرف مائل نہیں ہونا چاہیے، خواہ ان کے اعمال بہت زیادہ ہوں اور ان کی عبادات بہت زیادہ ہوں، تب بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے اور اس سے مغفرت کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔ علامہ المحاسبی نے اسی معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ملائکہ کو اور انبیاء علیہم السلام کو جو اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا ہے، وہ اس کی عظمت کا خوف ہوتا ہے اور اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب کا خوف نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ چونکہ بے نیاز ہے اور جو چاہے کرے اس کا مالک ہے، اس لیے انبیاء علیہم السلام اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے پناہ طلب کرتے ہیں اور اس سے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۳۴۸۔۳۵۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۹۹، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے نفع اور ضرر کے مالک ہیں یا نہیں؟

ابن عثیمین نے کہا ہے: ان دونوں حدیثوں میں یہ دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے نفع کے مالک ہیں نہ ضرر کے مالک ہیں، اسی لیے آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔

شیخ ابن عثیمین کی اس شرح پر مصنف کا تعاقب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نفع رسانی کا ثبوت

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ۔ (التوبہ: ۷۴) اور ان کو صرف یہ ناگوار گزرا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فضل سے مسلمانوں کو غنی کرتے ہیں اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفع رسانی ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ۔ (الاحزاب: ۳۷) اور اے رسول مکرم! یاد کیجئے جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا ہے اور آپ نے بھی۔

جس شخص کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی، وہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ نے ان کو آزاد کر دیا تھا اور یہ آپ کا ان پر انعام ہے جس کا قرآن مجید نے ذکر فرمایا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آپ انعام بھی فرماتے ہیں اور یہ بھی آپ کی نفع رسانی ہے۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن عباس بن عبد المطلب قال یا رسول اللہ! ھل حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے

نفعت ابا طالب بشیء، فانه کان یحوطك ویغضب لك، قال نعم، هو فی ضحضاح من نار، لولا انا لکان فی الدرك الاسفل من النار۔

(صحیح البخاری: ۶۲۰۸، صحیح مسلم: ۲۱۰، مسند احمد: ۱۱۰۷۸)

کہا: یارسول اللہ! کیا آپ نے ابو طالب کو کچھ نفع پہنچایا؟ کیونکہ وہ آپ کی مدافعت کرتے تھے اور آپ کے لیے لوگوں پر غضب ناک ہوتے تھے، آپ نے فرمایا: ہاں، وہ ٹخنوں تک دوزخ کی آگ میں ہیں، اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوتا۔

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نفع پہنچانے کی واضح تصریح ہے۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے گناہ گار عذاب سے نجات پائیں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت سے لوگ جنت میں جائیں گے، اگر کوئی شخص ساری عمر کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتا رہے اور محمد رسول اللہ نہ پڑھے تو وہ ایمان اور اسلام میں داخل نہیں ہوگا اور جنت کا مستحق نہیں ہوگا۔ اور اگر مرنے سے پہلے ایک مرتبہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ لے تو وہ جنت کا مستحق ہو جائے گا۔ سو جن کے نام کا یہ نفع ہے ان کی ذات کی نفع رسانی کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نفع رسانی کا منکر ہو، وہ آپ کا نام نہ لے اور ہمیں جنت میں جا کر دکھا دے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انما انا قاسم واللہ یعطی میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۷۱، صحیح مسلم: ۱۰۳۷، سنن ابن ماجہ: ۲۲۱، مسند احمد: ۱۶۴۰۷، موطا امام مالک: ۱۶۶۷، سنن دارمی: ۲۲۴)

شیخ ابن عثیمین کا انبیاء علیہم السلام کی طرف گناہوں کو منسوب کرنا اور مصنف کا اس پر تعاقب

نیز شیخ ابن عثیمین نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے گناہوں کی معافی طلب کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام سے بھی گناہ ہوتے ہیں۔ (شرح صحیح البخاری، ج ۶ ص ۲۶۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور اگر کسی آیت یا حدیث میں کسی نبی کے لیے ذنب کا لفظ آیا ہے تو وہ اطلاقِ مجازی ہے، اس سے مراد صورتاً ذنب ہے یا ظاہراً ذنب ہے، حقیقۃً ذنب سے انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۲۔ بَابُ: الدُّعَاءِ فِي السَّاعَةِ الَّتِي فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن دعا کرنے کی ساعت

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں جمعہ کے دن کی اس ساعت کو بیان کیا گیا ہے جس میں دعا کے مقبول ہونے کی توقع کی جاتی ہے۔ اور امام بخاری نے کتاب الجمعہ میں یہ باب قائم کیا ہے "باب الساعۃ التی فی یوم الجمعۃ" اور یہ معین نہیں کیا کہ وہ کون سی ساعت ہے نہ وہاں

پر اور نہ یہاں پر، اور اس ساعت کی تعیین میں بہت سے اقوال ہیں جن کا ہم نے کتاب الجمعہ میں ذکر کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۰۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا مُسْلِمٌ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي يَسْأَلُ اللهَ خَيْرًا إِلَّا أَعْطَاهُ وَقَالَ بِيَدِهِ قُلْنَا يُقَلِّلُهَا يُزَهِّدُهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے خبر دی از محمد از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے دن ایک ساعت ایسی ہوتی ہے کہ جب مسلمان اس ساعت میں کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہا ہو تو اللہ تعالیٰ سے جس خیر کا بھی سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس خیر کو عطا فرماتا ہے۔ اور آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا: ہم نے کہا کہ آپ اس ساعت کی کمی اور اختصار کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۹۳۵، ۵۲۹۴، ۶۴۰۰، صحیح مسلم: ۸۵۲، سنن ترمذی: ۴۹۱، سنن نسائی: ۱۴۳۲، سنن ابوداؤد: ۱۰۴۶، سنن ابن ماجہ: ۱۱۳۷، مسند احمد: ۹۹۲۹، موطا امام مالک: ۲۴۲، سنن دارمی: ۱۵۶۹)

صحیح البخاری: ۶۴۰۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل بن ابراہیم، وہ اسماعیل بن علیہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ایوب، اور وہ السختیانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد، وہ ابن سیرین ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "جب مسلمان نماز پڑھ رہا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ سے کسی خیر کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ خیر عطا فرماتا ہے"۔ اس حدیث میں خیر کی قید اس لیے لگائی ہے تاکہ وہ دعا نکل جائے جو انسان کسی گناہ کی دعا کرے یا رحم کے رشتہ کو قطع کرنے کی دعا کرے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۰۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جمعہ کی ساعتِ اجابت کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اس ساعت کو عصر کے بعد آخری ساعت میں

تلاش کرو۔ (سنن ابوداؤد: ۱۰۴۸، سنن نسائی: ج ۳ ص ۱۰۰، المستدرک ج ۱ ص ۲۷۹)

امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اس ساعت کو عصر کے بعد سے لے کر غروبِ آفتاب تک تلاش کرو۔

(سنن ترمذی: ۴۸۹، علامہ نووی نے المجموع میں اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے)

ساعتِ جمعہ کے متعلق علماءِ امت کے اقوال

(۱) یہ ساعت عصر کی نماز کے بعد سے لے کر غروبِ آفتاب تک ہے، یہ ایک جماعت کا قول ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت ابوسعید خدری، حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔

(۲) حسن بصری اور ابوالعالیہ نے کہا: یہ ساعت زوال کے بعد ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۵۵۷۶، مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۴۶۶، الاوسط لابن المنذر ج ۴ ص ۹)

(۳) یہ ساعت طلوعِ فجر سے لے کر طلوعِ شمس تک ہے۔ (المجموع ج ۴ ص ۴۲۳)

(۴) امام ابن ابی شیبہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے: یہ ساعت اذان کے وقت ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ جب مؤذن صبح کی نماز کے لیے اذان دے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۴۶۹، ۵۴۷۰)

(۵) جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو نماز کے ختم ہونے تک یہ ساعت ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النووی ج ۶ ص ۱۴۱۔۱۴۰)

علامہ ابن التین نے کہا: میرے نزدیک یہی قول صحیح ہے۔ اور قاضی عیاض نے کہا کہ امام کے نکلنے سے نماز پڑھانے تک یہ ساعت ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ جب نماز کی اقامت کہی جائے حتیٰ کہ اس سے فراغت ہو جائے۔

(۶) یہ ساعت نمازِ جمعہ کے وقت ہے۔ اس کو علامہ ابن بطال نے محمد بن سیرین سے نقل کیا ہے۔ اور دوسروں نے کہا ہے کہ یہ ساعت تکبیرِ تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۴۶۳)

(۷) زوالِ آفتاب سے لے کر اس وقت تک جب کہ مرد نماز میں داخل ہو۔

یہ ابوالسوار العدوی نے ذکر کیا ہے۔ اور ابن صباغ نے کہا ہے: یہ زوالِ آفتاب سے لے کر امام کے نماز میں داخل ہونے تک ہے۔ اور قاضی ابوالطیب نے کہا: زوالِ آفتاب سے لے کر امام کے خروج تک ہے۔

(۸) جب سورج ایک بالشت سے لے کر ایک ہاتھ تک بلند ہو اس وقت یہ ساعت ہے۔ (التمہید ج ۴ ص ۵۷)

(۹) امام ابن ابی شیبہ نے از حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ مجھے توقع ہے کہ یہ ساعت جمعہ کے دن کئی ساعتوں میں سے ایک ساعت ہے، جب مؤذن اذان دے، یا امام منبر پر ہو، یا نماز کی اقامت ہو رہی ہو۔ (المصنف: ۵۴۶۵)

(۱۰) جمعہ کی اذان کے وقت جب بیع حرام ہو جاتی ہے، اس وقت سے لے کر بیع کے حلال ہونے تک یہ ساعت ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۴۶۷)

(۱۱) یہ جمعہ کے دن کی آخری ساعت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ وہ ساعت ہے جس وقت میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا۔

(مصنف عبدالرزاق: ۵۵۷۵)

(۱۲) یہ ساعت پورا دن مخفی رہتی ہے جیسے لیلۃ القدر مخفی ہے، اور صلوٰۃ وسطیٰ مخفی ہے۔ اور اس کو مخفی رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ لوگ کوشش اور جدوجہد کریں اس کو طلب کرنے میں، جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو مخفی رکھا ہے تا کہ لوگ صالحین کے ساتھ حسن ظن کریں۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۷ ص ۶۱۸۔ ۶۲۱ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابن ملقن نے پانچ اور اقوال ذکر کیے ہیں، لیکن ہم نے جو اقوال ذکر کیے ہیں وہ کافی ہیں۔

۶۳۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ يُسْتَجَابُ لَنَا فِي الْيَهُودِ وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِينَا۔

نبی ﷺ کا یہ ارشاد کہ یہود کے متعلق ہماری دعائیں قبول ہوتی ہیں اور ہمارے متعلق ان کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں نبی ﷺ کے اس ارشاد کا ذکر کیا گیا ہے کہ ہماری جو دعا یہود کے متعلق ہوتی ہے وہ قبول کی جاتی ہے، کیونکہ ہم جو دعا بھی کرتے ہیں وہ حق ہوتی ہے، اور یہود کی ہمارے متعلق دعا قبول نہیں ہوتی، کیونکہ وہ ہمارے خلاف ظلم کی دعا کرتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۰۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ الْيَهُودَ أَتَوُا النَّبِيَّ ﷺ فَقَالُوا السَّامُ عَلَيْكَ قَالَ وَعَلَيْكُمْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ السَّامُ عَلَيْكُمْ وَلَعَنَكُمُ اللهُ وَغَضِبَ عَلَيْكُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَهْلًا يَا عَائِشَةُ عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَإِيَّاكِ وَالْعُنْفَ أَوِ الْفُحْشَ قَالَتْ أَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا قَالَ أَوَلَمْ تَسْمَعِي مَا قُلْتُ رَدَدْتُ عَلَيْهِمْ فَيُسْتَجَابُ لِي فِيهِمْ وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِيَّ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از ابن ابی ملیکہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ یہود نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے: السام علیک، (یعنی آپ پر موت آئے) نبی ﷺ نے فرمایا: "وعلیکم" (یعنی تم پر آئے)، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "تم پر موت ہو، اور تم پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے، اور اللہ تعالیٰ تم پر غضب ناک ہو" پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! نرمی کرو، تم ملائمت کو اختیار کرلو، اور تم ملامت کرنے سے گریز کرو، یا فرمایا: درشت کلامی کرنے سے گریز کرو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا آپ نے نہیں سنا انہوں نے کیا کہا تھا، آپ نے فرمایا: کیا تم نے نہیں سنا کہ میں ان کی دعا ان پر لوٹا دی، پس میری دعا ان کے متعلق قبول

ہوگی اور ان کی دعا میرے متعلق قبول نہیں ہوگی۔

(صحیح البخاری:۲۹۳۵، ۶۰۲۴، ۶۰۳۰، ۶۲۵۶، ۶۳۹۵، ۶۴۰۱، ۶۹۲۷، صحیح مسلم:۲۱۶۵، سنن ترمذی:۲۷۰۱، سنن ابن ماجہ:۳۶۹۸، مسند احمد:۲۴۵۷۰)

صحیح البخاری:۶۴۰۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدالوہاب کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالمجید الثقفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ایوب کا ذکر ہے، وہ سختیانی ہیں۔ اور ابن ابی ملیکہ کا ذکر ہے، وہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی ملیکہ ہیں اور ان کا نام زہیر ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "وعلیکم" اس کا معنی ہے: تم پر موت آئے، کیونکہ قرآن میں ہے:

"كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝" (الرحمٰن:۲۶) "جو بھی زمین پر ہے وہ فنا ہونے والا ہے ۝"

اس حدیث کی شرح عنقریب "باب الدعاء علی المشرکین" میں گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری:۶۴۰۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہود کی دعا قبول نہ ہونے کا سبب

یہود کی دعا ہمارے خلاف اس لیے قبول نہیں ہوتی کہ یہود ہدایت کو ترک کر کے گمراہ ہو چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آیاتِ ظاہرہ سے عناد رکھتے ہیں اور باوجود اس کے کہ وہ آیات ان پر منکشف ہو چکی ہیں، پھر بھی ان کا انکار کرتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کی دعا ہمارے حق میں قبول نہیں ہوتی، کیونکہ وہ ظالم ہیں۔ اور ہمارے خلاف اپنی دعاؤں میں بھی ظلم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ (الرعد:۱۴) اور کافروں کی دعا صرف گمراہی میں ہے ۝

اور یہ ظالم کی دعا کے متعلق اصل اور قاعدہ ہے کہ ظالم جس کے خلاف دعا کرے، اس کی دعا قبول نہیں کی جاتی۔ اللہ تعالیٰ تک اسی کی دعا پہنچتی ہے جو حق کے موافق ہو اور صدق پر مبنی ہو۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۳۵۳۔ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۶۴۔ بَابُ: التَّأْمِينِ — آمین کہنے کا بیان

اس باب میں دعاء کے بعد آمین کہنے کا بیان ہے۔

۶۴۰۲ ۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ الزُّهْرِيُّ حَدَّثَنَاهُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے

هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِذَا أَمَّنَ الْقَارِئُ فَأَمِّنُوا فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُؤَمِّنُ فَمَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔

حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ زہری نے کہا: ہمیں انہوں نے یہ حدیث از سعید بن المسیب بیان کی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب قاری (قرآن پڑھنے والا) آمین کہے تو تم آمین کہو، کیونکہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں، پس جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو جائے تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۷۸۰، ۶۴۰۲، صحیح مسلم: ۴۱۰، سنن ترمذی: ۲۵۰، سنن نسائی: ۹۲۸، سنن ابوداؤد: ۹۳۶، سنن ابن ماجہ: ۸۵۱، مسند احمد: ۷۲۰۳، موطا امام مالک: ۱۹۵، سنن دارمی: ۱۲۴۶)

صحیح البخاری: ۶۴۰۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن عبداللہ کا ذکر ہے، یہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، یہ ابن عیینہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "جب قاری آمین کہتا ہے تو تم آمین کہو" اس سے مراد عام ہے، خواہ وہ اس نماز میں امام ہو یا نماز کے غیر میں قرآن پڑھ رہا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو جائے"، یا تو موافقت سے مراد زمانہ میں موافقت ہے یعنی اسی وقت آمین کہیں اور یا صفت میں موافقت ہے یعنی جس طرح فرشتے خشوع سے آمین کہتے ہیں اسی طرح آمین کہے۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ آمین آہستہ کہنی چاہیے، کیونکہ فرشتے بھی آہستہ آمین کہتے ہیں تو ان کے ساتھ موافقت جب ہی ہوگی جب نمازی آہستہ آمین کہیں گے۔ اور جہراً اور بلند آواز سے آمین کہنے سے فرشتوں کی موافقت نہیں ہوگی۔ سو اس حدیث میں فقہاء احناف کی دلیل ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں"۔ اس سے مراد وہ گناہ ہیں جن کا تعلق اللہ عزوجل کے حقوق کے ساتھ ہے۔ رہے وہ گناہ جن کا تعلق بندہ کے حقوق کے ساتھ ہیں تو جب تک بندہ معاف نہ کرے وہ گناہ معاف نہیں ہوتے۔ نیز علماء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس سے مراد گناہِ صغیرہ ہیں، کیونکہ گناہِ کبیرہ یا اللہ تعالیٰ کے فضلِ محض سے معاف ہوتے ہیں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے اور یا توبہ سے۔

اس حدیث کی مکمل شرح کتاب الصلوٰۃ کے باب "جهر الامام بالتامين" میں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۳،

دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۰۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ اس سے پہلے بندہ کے جتنے بھی گناہ ہوں، وہ آمین کہنے سے معاف ہو جاتے ہیں۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ وضو کرنے سے بھی وضو کرنے والے کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اس کا نماز کی طرف جانا نفل ہوتا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ بشارت دی ہے۔ اور اگر بندہ کے گناہ پہلے معاف ہو چکے ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کے درجات بلند کر دیتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وضو کے بعد اس نے کوئی گناہ کیا ہو تو آمین کہنے سے وہ گناہ معاف ہو جائے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۳۵۴۔ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۰۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آمین کہنے کے متعلق دیگر احادیث

امام ابن ماجہ اور امام ابن خزیمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود کو تمہارے خلاف کسی چیز پر اتنا حسد نہیں ہے جتنا وہ سلام میں اور آمین کہنے میں تمہارے اوپر حسد کرتے ہیں۔
نیز امام ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود نے آمین کہنے پر تمہارے خلاف حسد کیا ہے، تو تم کثرت کے ساتھ آمین کہا کرو۔ اور امام حاکم نے حبیب بن مسلمہ الفہری سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب بھی کوئی جماعت جمع ہو اور وہ ایک دوسرے کے لیے دعا کریں اور دوسرے اس پر آمین کہیں تو اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول فرما لیتا ہے۔
اور امام ابو داؤد نے ابو زہیر النمیری سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس کھڑے ہوئے تھے جو بہت اصرار سے دعا کر رہا تھا، تو آپ نے فرمایا: اس کی دعا کا قبول ہونا واجب ہو گا اگر یہ اس دعا پر مہر لگا دے، اس نے پوچھا: کس چیز کے ساتھ مہر لگاؤں، آپ نے فرمایا: آمین کے ساتھ، پھر وہ ایک مرد کے پاس آیا اور کہا: اے فلاں! آمین کے ساتھ دعا کو ختم کرو اور بشارت کو قبول کرو۔ اور ابو زہیر کہتے تھے کہ آمین اس طرح ہے جس طرح کسی صحیفہ پر مہر لگاتے ہیں۔
(فتح الباری ج ۷ ص ۴۴۶۔ ۴۴۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۰۲، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آمین کہنے میں فرشتوں کی موافقت کا علم کیسے ہو گا؟

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب انسان کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو جائے گی تو اللہ

تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخش دے گا، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک امرِ مجہول پر حکم کو معلق کیا ہے، کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ ہماری آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی یا نہیں ہوگی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب امام آمین کہے گا اور ہم بھی آمین کہیں تو ہم جان لیں گے کہ ہماری آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی یہ علت بیان کی ہے کہ ہم اس وقت آمین کہیں جب امام آمین کہے، پس اس سے معلوم ہوا کہ جس نے امام کے ساتھ آمین کہی تو اس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی۔

یہ آمین اسمِ فعل ہے اور اس کا معنی ہے "استجب" یعنی ہماری دعا کو قبول فرما۔

(شرح صحیح البخاری ج ٦ ص ٢٦٩، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ١٤٢٩ھ)

٦٥۔ بَابُ: فَضْلِ التَّهْلِيلِ — لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے کی فضیلت کا بیان

اس باب میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔

٦٤٠٣۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ فِي يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ كَانَتْ لَهُ عَدْلَ عَشْرِ رِقَابٍ وَكُتِبَ لَهُ مِائَةُ حَسَنَةٍ وَمُحِيَتْ عَنْهُ مِائَةُ سَيِّئَةٍ وَكَانَتْ لَهُ حِرْزًا مِنَ الشَّيْطَانِ يَوْمَهُ ذٰلِكَ حَتّٰى يُمْسِيَ وَلَمْ يَأْتِ أَحَدٌ بِأَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ إِلَّا رَجُلٌ عَمِلَ أَكْثَرَ مِنْهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از سمی از ابی صالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایک دن میں سو مرتبہ پڑھا: "لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک، ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر" تو اس کو دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ہوگا، اور اس کے لیے ایک سو نیکیاں لکھی جائیں گی، اور اس کے ایک سو گناہ مٹا دیے جائیں گے، اور اس دن شام تک اس کی شیطان سے حفاظت رہے گی۔ اور کوئی شخص اس کے اتنی بار پڑھنے سے افضل عمل نہیں کرے گا مگر وہ شخص جو اس سے زیادہ عمل کرے۔

(صحیح البخاری: ٣٢٩٣، ٦٤٠٣، صحیح مسلم: ٢٦٩١، سنن ترمذی: ٣٤٦٨، سنن ابن ماجہ: ٣٧٩٨، مسند احمد: ٧٩٤٨، موطا امام مالک: ٤٨٦)

صحیح البخاری: ٦٤٠٣، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سُمَی، یہ ابوبکر بن عبدالرحمٰن المخزومی کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوصالح، ان کا نام ذکوان الزیات ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں لفظ ''عدل'' مذکور ہے۔ الاخفش نے کہا: یہ زیر کے ساتھ یعنی عِدل ہے اور اس کا معنی ہے: مثل۔
اور یہ لفظ زبر کے ساتھ عَدل بھی ہے۔ کہا جاتا ہے ''عدلت لهذا عدلا حسنا'' یہ بھی مثل کے معنی میں ہے۔
یہ حدیث کتاب بدء الخلق میں ''باب صفة ابليس وجنوده'' میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۳۔۳۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۰۳، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک بن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' اور ''الحمد للہ'' پڑھنے کی فضیلت

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: افضل الذکر التهليل ہے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' اور افضل الدعاء اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ہے۔
(سنن ترمذی: ۳۳۸۳، سنن ابن ماجہ: ۳۸۲۰، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۶ ص ۲۰۸، صحیح ابن حبان: ۸۴۶، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۴۹۸، شعب الایمان للبیہقی ج ۴ ص ۹۰)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اور مجھ سے پہلے نبیوں نے جو افضل ذکر کیا وہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

اور امام طبری نے از سعید بن ابی عروبہ از عبداللہ بن باباہ المکی از حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما، یہ روایت کی ہے کہ جس مرد نے کہا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، تو یہ وہ کلمہ اخلاص ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بغیر کسی عمل کو قبول نہیں کرتا حتیٰ کہ وہ یہ کلمہ کہے۔ پس جب اس نے کہا: الحمد للہ، تو یہ کلمہ شکر ہے، اور اللہ تعالیٰ کسی کا شکر قبول نہیں فرماتا حتیٰ کہ وہ یہ کلمہ کہے۔
(کتاب الدعاء للطبرانی: ۱۶۰۲، مصنف عبدالرزاق: ۲۰۵۷۹)

اور الاعمش نے از مجاہد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے: جس نے کہا ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' اسے چاہیے کہ وہ اس کے بعد کہے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ''۔ (المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۴۳۸)

اور سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے جنت میں ''الحمادون'' داخل ہوں گے، جو لوگ خوشی اور تکلیف میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں۔
(المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۲ ص ۱۹، المعجم الاوسط ج ۳ ص ۲۴۰، المعجم الصغیر ج ۱ ص ۱۸۱، رقم الحدیث: ۲۸۸، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۹۴)

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا بیان

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کہا: ''میں تجھے گواہ کرتا ہوں کہ مجھے صبح کو جو بھی نعمت ملی ہے، وہ صرف تیری طرف سے ملی ہے لاشریك لك لك الحمد والشكر''، تو اس نے اس دن کا شکر ادا کر دیا۔

(سنن ابوداؤد: ۵۰۷۳، الاحاد والمثانی ج ۴ ص ۱۸۳، سنن الکبریٰ للنسائی ج ۶ ص ۵، رقم الحدیث: ۹۸۳۵، شعب الایمان للبیہقی ج ۴ ص ۸۹، صحیح ابن حبان: ۸۶۱، کتاب الدعاء للطبرانی: ۳۰۶)

اور جس شخص کے پاس کوئی ایسی چیز آئی ہو جس کو وہ ناپسند کرتا ہو اور اس نے کہا ''الحمد للہ علی کل حال'' اور جس نے کوئی ایسی چیز دیکھی جس سے وہ خوش ہو اور کہا ''الحمد للہ بنعمتہ تتم الصالحات''۔ (تو اس نے بھی اس دن کا شکر ادا کر دیا)۔

(کتاب الدعاء للطبرانی: ۱۷۶۹، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۴۹۹، شعب الایمان للبیہقی ج ۴ ص ۹۱)

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۱۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

۶۴۰۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ قَالَ مَنْ قَالَ عَشْرًا كَانَ كَمَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ قَالَ عُمَرُ بْنُ أَبِي زَائِدَةَ وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي السَّفَرِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ رَبِيعِ بْنِ خُثَيْمٍ مِثْلَهُ فَقُلْتُ لِلرَّبِيعِ مِمَّنْ سَمِعْتَهُ فَقَالَ مِنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ فَأَتَيْتُ عَمْرَو بْنَ مَيْمُونٍ فَقُلْتُ مِمَّنْ سَمِعْتَهُ فَقَالَ مِنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى فَأَتَيْتُ ابْنَ أَبِي لَيْلَى فَقُلْتُ مِمَّنْ سَمِعْتَهُ فَقَالَ مِنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ يُحَدِّثُهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مَيْمُونٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَوْلَهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَقَالَ مُوسَى حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ دَاوُدَ عَنْ عَامِرٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ أَبِي أَيُّوبَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَقَالَ إِسْمَاعِيلُ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الرَّبِيعِ قَوْلَهُ وَقَالَ آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَيْسَرَةَ سَمِعْتُ هِلَالَ بْنَ يَسَافٍ عَنِ الرَّبِيعِ بْنِ خُثَيْمٍ وَعَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَوْلَهُ وَقَالَ الْأَعْمَشُ وَحُصَيْنٌ عَنْ هِلَالٍ عَنِ الرَّبِيعِ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَوْلَهُ وَرَوَاهُ أَبُو مُحَمَّدٍ الْحَضْرَمِيُّ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ عَنِ النَّبِيِّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالملک بن عمرو نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن ابی زائدہ نے حدیث بیان کی از ابو اسحاق از عمرو بن میمون، انہوں نے کہا: جس نے دس مرتبہ پڑھا تو یہ ایسا ہے جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ایک غلام کو آزاد کیا۔

اور عمر بن ابی زائدہ نے کہا: اور ہمیں عبداللہ بن ابی السفر نے حدیث بیان کی از الشعبی از الربیع بن خثیم اسی کی مثل۔ پس میں نے ربیع سے کہا: تم نے اس حدیث کو کس سے سنا ہے؟ تو انہوں نے کہا: عمرو بن میمون سے، پھر میں عمرو بن میمون کے پاس گیا، میں نے کہا: آپ نے اس حدیث کو کس سے سنا ہے؟ انہوں نے کہا: ابن ابی لیلیٰ سے، پھر میں ابن ابی لیلیٰ کے پاس گیا اور کہا آپ نے یہ حدیث کس سے سنی ہے؟ تو انہوں نے کہا: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے، وہ اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے۔

اور ابراہیم بن یوسف نے کہا از والد خود از ابو اسحاق، انہوں نے کہا: مجھے عمرو بن میمون نے حدیث بیان کی از عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ از حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ اس قول کو از نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور موسیٰ نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی از داؤد از عامر از عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ از ابو ایوب از نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور اسماعیل نے کہا از شعبی از الربیع بن خثیم، ان کا قول۔

اور آدم نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا:

ﷺ كَانَ كَمَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَالصَّحِيحُ قَوْلُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ الْحَافِظُ ابُو ذَرِّ الْهَرَوِيُّ صَوَابُهُ عُمَرُ وَهُوَ ابْنُ اَبِيْ زَائِدَةَ قَالَ اليونينى قلت و على الصواب ذكره ابو عبدالله البخارى فى الاصل كما تراه لا عمرو۔ (صحیح مسلم: ۲۶۹۳، مسند احمد: ۲۳۰۳۴)

ہمیں عبدالملک بن میسرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ہلال بن یسار سے سنا از الربیع بن خثیم اور عمرو بن میمون از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان کا قول۔
اور الاعمش نے کہا اور حصین نے از ہلال از الربیع از حضرت عبداللہ ان کا قول۔
اس کو روایت کیا ابو محمد الحضرمی نے از ابو ایوب از نبی ﷺ: وہ شخص اس کی مثل ہوگا جس نے حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی اولاد سے ایک غلام آزاد کیا۔
ابو عبداللہ (امام بخاری) نے کہا: صحیح قول عبدالملک عمرو کا ہے۔
حافظ ابوذر الہروی نے کہا: صحیح یہ ہے کہ یہ لفظ عمر ہے، اور وہ ابن ابی زائدہ ہیں۔ یونینی نے بیان کیا: میں نے کہا: ابوعبداللہ بخاری نے جو اصل میں ذکر کیا ہے وہی صحیح ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو، یہ لفظ عمرو نہیں ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۰۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن محمد، جو المسندی کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالملک بن عَمرو (عین پر زبر) یہ ابوعامر العقدی ہیں، ان کی کنیت ان کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عُمر بن ابی زائدہ، ان کا نام خالد ہے اور دوسرا قول ہے کہ ان کا نام میسرہ ہے، اور یہ زکریاء بن ابی زائدہ الہمدانی کے بھائی ہیں۔ اور زکریاء کی احادیث ان سے زیادہ ہیں اور زیادہ مشہور ہیں۔ یہ ایک سو انچاس (۱۴۹) ہجری میں فوت ہو گئے تھے۔

عمرو بن میمون کا تذکرہ

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابواسحاق، یہ عمرو بن عبداللہ السبیعی التابعی الصغیر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو بن میمون، یہ الاودی ہیں، یہ تابعی کبیر ہیں، المخضرم ہیں، انہوں نے زمانہ جاہلیت کو پایا تھا اور یہ وہی ہیں جنہوں نے بندروں کے سنگسار کرنے کی حدیث روایت کی ہے اور اس کی حکایت مشہور ہے۔ یہ شام میں رہتے تھے، پھر بغداد میں رہائش اختیار کر لی، انہوں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے یمن اور شام میں سماع کیا ہے۔ اور حضرت عمر بن الخطاب سے اور حضرت ابن مسعود اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم سے سماع کیا ہے، یہ امام بخاری کے نزدیک ہے اور انہوں نے ابن ابی لیلیٰ سے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

سے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع کیا ہے، یہ امام مسلم کے نزدیک ہے، اور یہ حجاج کی حکومت کے دوران وفات پا گئے تھے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''جس نے دس مرتبہ پڑھا''۔ یعنی جس نے دس مرتبہ یہ پڑھا ''لا الٰه الا الله وحدهٗ لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير'' تو یہ شخص اس کی مثل ہوگا جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ایک غلام کو آزاد کیا۔

صحیح البخاری: ۶۴۰۳ میں روایت ہے کہ وہ اس کی مثل ہے جس نے دس غلاموں کو آزاد کیا اور اس حدیث میں ہے کہ وہ اس شخص کی مثل ہے جس نے ایک غلام کو آزاد کیا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ مخفی نہ رہے کہ دونوں حدیثوں میں نسبت محفوظ ہے، کیونکہ سو کی نسبت دس کی طرف ایسی ہے جیسے دس کی نسبت ایک غلام کی طرف ہے۔ اسی طرح امام بخاری نے اختصار کے ساتھ مرسلاً روایت کی ہے۔

اور امام مسلم نے طویل روایت کی ہے، اس میں مذکور ہے ''ہمیں سلیمان بن عبید اللہ ابو ایوب الغیلانی نے حدیث روایت کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عامر یعنی العقدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن ابی زائدہ نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق از عمرو بن میمون، انہوں نے بیان کیا: جس نے لا الٰه الا الله وحدهٗ لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير، دس مرتبہ پڑھا تو وہ اس شخص کی مثل ہے جس نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے چار غلام آزاد کیے۔

پس اگر تم سوال کرو کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے غلام کو آزاد کرنے کے ذکر کی کیا تخصیص ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے غلاموں کو آزاد کرنا، دوسرے غلاموں کے آزاد کرنے پر فضیلت رکھتا ہے، کیونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک دوسرے کی جزو ہیں۔

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

از ابی محمد الحضرمی از ابو ایوب الانصاری روایت ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری نے کہا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو میرے پاس ٹھہرے، تو آپ نے مجھ سے فرمایا: اے ابو ایوب! کیا میں تمہیں نہ سکھاؤں، میں نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: جو بندہ بھی صبح اٹھے اور یہ پڑھے: ''لا الٰه الا الله وحدهٗ لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير'' تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے دس گناہ مٹا دیے جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ دس غلاموں کے آزاد کرنے کے برابر ہے، اور وہ شام تک شیطان سے پناہ میں رہے گا۔ اور جو شخص شام کو یہ کلمات کہے تو وہ بھی اسی طرح ہے۔

ثمامہ بن حزن نے کہا: میں نے ابو محمد سے پوچھا: کیا آپ نے یہ حدیث خود حضرت ابو ایوب سے سنی ہے؟ تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے یہ حدیث حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے سنی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۔۳۴۷ ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۰۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ذکرِ مذکور کے متعلق دیگر احادیث

امام الدارقطنی نے از حماد بن الحسن از حجاج بن نصیر از شعبہ از عبداللہ بن ابی السفر از شعبی از ابن ابی لیلیٰ از حضرت ابوایوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے: جس نے ''لا الٰه الا الله وحدہٗ لاشریك له الملك، وله الحمد وهو علیٰ كل شیء قدیر'' پڑھا تو وہ اس شخص کی مثل ہے جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے دس غلام آزاد کیے۔ (علل الدارقطنی ج ۶ ص ۱۰۲۔۱۰۳)

پھر دوسری جگہ امام دارقطنی نے از عمر بن ابی زائدہ از ابن ابی السفر از الشعبی از الربیع روایت کی ہے اور اس میں ہے از ابی عامر از عمر بن ابی زائدہ از ابی اسحاق از عمرو بن میمون: جس نے ''لا الٰه الا الله وحدہٗ لاشریك له الملك، وله الحمد وهو علیٰ كل شیء قدیر'' دس مرتبہ پڑھا تو وہ اس کی مثل ہے جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے چار غلام آزاد کیے۔

(علل الدارقطنی ج ۶ ص ۱۰۴۔۱۰۵)

امام ابن ابی شیبہ نے از طلحہ از عبدالرحمٰن بن عوسجہ از حضرت البراء روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ''لا الٰه الا الله وحدہٗ لاشریك له الملك، وله الحمد بیدہ الخیر وهو علیٰ كل شیء قدیر'' دس مرتبہ پڑھا، تو وہ اس کی مثل ہے جس نے دس غلام آزاد کیے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۵۹)

اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایک دن میں سو مرتبہ پڑھا ''لا الٰه الا الله وحدہٗ لاشریك له الملك، وله الحمد وهو علیٰ كل شیء قدیر'' تو اس کو دس غلام آزاد کرنے کا اجر ہوگا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۶۱)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۳۵۷۔۳۶۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۰۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور میں اجر کی مقدار میں تعارض کی تطبیق

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے کہ جس نے یہ ذکر کیا اس کا اجر دس غلاموں کو آزاد کرنے کی مثل ہے۔ اور ابواسحاق کی از عمرو بن میمون روایت میں مذکور ہے کہ جس نے دس مرتبہ یہ ذکر کیا تو وہ ایسا ہے جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے چار غلاموں کو آزاد کیا۔ اور ابو محمد الحضرمی سے روایت ہے کہ وہ شخص اس کی مثل ہوگا جس نے اولادِ اسماعیل (علیہ السلام) سے چار غلاموں کو آزاد کیا ہو۔

اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ راجح وہ روایت ہے جس میں چار غلاموں کے آزاد کرنے کا ذکر ہے۔ اور یہ چار غلام اولادِ اسماعیل سے ہیں۔ اور اولادِ اسماعیل سے جو غلام ہیں ان کو عام غلاموں کے اوپر فضیلت ہے۔ اور جس حدیث میں دس غلاموں کے

آزاد کرنے کا ذکر ہے وہ عام غلام ہیں۔ یعنی اولادِ اسماعیل کے چار غلام، دس عام غلاموں کے برابر ہیں۔
اور علامہ قرطبی نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ زیادہ اجر اس کو ملے گا جو ذکر کرتے وقت ان الفاظ کے معانی پر غور کر کے ذکر کرے گا۔ اور اس طرح بھی تطبیق دی گئی ہے کہ جو صبح کی نماز کے بعد یہ ذکر کرے گا اس کو زیادہ اجر ملے گا۔
(فتح الباری ج ۷ ص ۴۴۸ ملخصاً وملتقطاً دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۶۔ بَابُ: فَضْلِ التَّسْبِيحِ — تسبیح پڑھنے کی فضیلت

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
یہ باب تسبیح پڑھنے کی فضیلت میں ہے اور تسبیح ''سبحان اللہ'' کہنا ہے۔ اور یہ اسمِ مصدر ہے۔
اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی ان تمام نقائص سے براءت بیان کرنا جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہیں۔ اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے شریک کی نفی کرنا، اور بیوی کی نفی کرنا، اور اولاد کی نفی کرنا اور تمام رذائل کی نفی کرنا۔
اور کبھی تسبیح کا لفظ بولا جاتا ہے اور اس سے مراد تمام الفاظِ ذکر ہوتے ہیں۔ اور کبھی تسبیح کا لفظ بولا جاتا ہے اور اس سے مراد نفل نماز ہوتی ہے۔ علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: تسبیح کی اصل نقائص سے براءت کو بیان کرنا ہے، پھر اس کا استعمال بہ طور وسعت کے تقرب کی جگہوں میں کیا گیا۔ اور اس کا اطلاق ذکر پر بھی ہوتا ہے اور نفل نماز پر بھی ہوتا ہے، کہا جاتا ہے ''قضیت سبحتی'' یعنی میں نے نفل نماز ادا کی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۷۔۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۰۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ فِي يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از سُمَی از ابی صالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ایک دن میں سو مرتبہ ''سبحان اللہ وبحمدہٖ'' پڑھا، اس کے تمام گناہ مٹا دیے جائیں گے خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ کے مثل ہوں۔

(صحیح مسلم: ۲۶۹۱، سنن ترمذی: ۳۴۶۶، سنن ابن ماجہ: ۳۸۱۲، مسند احمد: ۸۶۱۷)

صحیح البخاری: ۶۴۰۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
یہ وہی سند ہے جو اس سے پہلے باب میں مذکور تھی۔ اور اس میں یہ مذکور تھا کہ جس نے ایک دن میں سو مرتبہ ''لا الہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ۔۔۔ الخ'' پڑھا، اس کو دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ہوگا۔ اور یہاں پر ہے کہ جس نے سو مرتبہ ''سبحان اللہ وبحمدہٖ'' پڑھا تو اس کے تمام گناہ مٹا دیے جائیں گے خواہ وہ سمندر کے جھاگ کے مثل ہوں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "سبحان اللہ" یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے "سبحت" فعل محذوف ہے، اس کا معنی ہے: میں نے تسبیح پڑھی سبحان اللہ۔ اس کا خلاصہ ہے "میں نے اللہ تعالیٰ کی تمام نقائص اور عیوب سے براءت کو بیان کیا"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وبحمدہٖ" اس کا معنی ہے: میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہوں جو میری حمد کے ساتھ مقارن ہے، کیونکہ اس نے مجھے تسبیح پڑھنے کی توفیق دی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فی یوم" علامہ طیبی نے کہا ہے: یوم کا لفظ مطلق ہے اور یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کس وقت میں یہ تسبیح پڑھنی ہے۔

صاحب المظہر نے کہا ہے: اس حدیث میں وقت کا لفظ مطلق ہے اور وہ یہ خبر دیتا ہے کہ یہ اجرِ مذکور اس شخص کے لیے حاصل ہوگا جس نے سو مرتبہ یہ تسبیح پڑھی خواہ اس نے پے در پے اور مسلسل پڑھی ہو یا کئی مجالس میں متفرق طور پر پڑھی ہو، یا بعض تسبیحات دن کے اول میں پڑھی ہوں اور بعض تسبیحات دن کے آخر میں پڑھی ہوں۔ لیکن افضل یہ ہے کہ یہ تسبیحات دن کے اول حصہ میں پے در پے پڑھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اس کے گناہ مٹا دیے جائیں گے خواہ وہ سمندر کے جھاگ کے مثل ہوں"۔ یعنی اللہ کے حقوق میں سے جو حقوق اس نے ضائع کیے ہیں ان کا گناہ مٹا دیا جائے گا، کیونکہ لوگوں کے حقوق اس وقت تک ساقط نہیں ہوتے جب تک کہ اس شخص کا خصم راضی نہ ہو جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۰۶۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عُمَارَةَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں زہیر بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن فضیل نے حدیث بیان کی از عمارہ از ابی زُرعہ، از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دو کلموں کو پڑھنا زبان پر ہلکا ہے اور میزان میں بھاری ہیں، اور رحمٰن کی طرف محبوب ہیں، "سبحان اللہ العظیم، سبحان اللہ وبحمدہٖ"۔

(صحیح البخاری: ۶۶۸۲، ۷۵۶۳، صحیح مسلم: ۲۶۹۴، سنن ترمذی: ۳۴۶۷، سنن ابن ماجہ: ۳۸۰۶، مسند احمد: ۷۱۶۷)

صحیح البخاری: ۶۴۰۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن فضیل، وہ محمد بن فضیل ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمارہ، یہ ابن القعقاع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو زُرعہ، ان کا نام ھرم بن عمر بن جریر البجلی الکوفی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''دو کلمے ایسے ہیں جن کا زبان پر پڑھنا آسان ہے''۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ حدیث میں جو دو کلمے ذکر کیے گئے ہیں وہ ''سبحان الله العظیم'' اور ''سبحان الله وبحمده'' ہیں، اور یہ دونوں کلام ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر کلمے سے مراد کلمہ اصطلاحی نہیں ہے جو مفرد ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد کلمہ لغوی ہے جو کلام کو بھی شامل ہے جیسے کہا جاتا ہے ''کلمة الشهادة'' یا کہا جاتا ہے ''کلمۂ طیبه''، حالانکہ یہ دونوں کلمے بھی کلام ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''یہ دو کلمے میزان میں بھاری ہیں''۔ اس حدیث میں ثقل سے مراد حقیقت ہے کیونکہ اعمال کو میزان کے وقت مجسم کیا جائے گا اور میزان وہ چیز ہے جس میں قیامت کے دن بندوں کے اعمال کو وزن کیا جائے گا۔ اور اس کی کیفیت میں کئی اقوال ہیں، زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ ایک جسمِ محسوس ہے۔ اس کی ایک ڈنڈی ہے اور دو پلڑے ہیں (یعنی ترازو)۔ اور اللہ تعالیٰ اعمال کو ان جسموں کی طرح کردے گا جن کا وزن کردیا جاتا ہے، یا اعمال کے صحیفوں کو وزن کیا جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۔ ۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اعمال کو وزن کرنے کی تحقیق از مصنف

میں کہتا ہوں: علامہ عینی کی یہ عبارت دراصل اس سوال کا جواب ہے کہ وزن تو اس چیز کا کیا جاتا ہے جس کا جسم ہو اور اعمال تو از قبیلِ اعراض ہیں، ان کا وزن کیسے ہوگا؟

اس کا ایک جواب تو علامہ عینی نے دیا ہے کہ اعمال کو جسم بنادیا جائے گا یا صحیفۂ اعمال کا وزن کیا جائے گا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جدید تحقیق سے ثابت ہے کہ اعراض کا بھی وزن کیا جاتا ہے مثلاً حرارت اور برودت اعراض ہیں، اور تھرمامیٹر سے بخار کی مقدار کا وزن کیا جاتا ہے کہ کتنے سینٹی گریڈ بخار ہے یا کتنے فورن ہائیٹ بخار ہے۔ اسی طرح مٹھاس بھی ایک کیفیت اور عرض ہے اور جس مشین سے شوگر کی مقدار معلوم کی جاتی ہے اس سے مٹھاس کا وزن معلوم ہوجاتا ہے، خون کے ایک قطرہ کو اسٹرپ پر لگا کر مشین میں ڈالتے ہیں تو معلوم ہوجاتا ہے کہ اس قطرہ میں کتنے ملی گرام مٹھاس ہے۔ اسی طرح چکنائی بھی عرض ہے، اور اس کی مقدار بھی مشین سے معلوم ہوجاتی ہے کہ انسان نے جو کچھ کھایا ہے اس میں کتنے ملی گرام کولیسٹرول تھا۔ اسی طرح آلات سے ہوا کے دباؤ کی مقدار کا بھی علم ہوجاتا ہے، اور یہ سب اعراض ہیں۔ تو جب انسان آلات کے ذریعہ اعراض کی مقدار اور اس کے وزن کو معلوم کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ جو ان تمام چیزوں کا خالق ہے، اس کے لیے کیا بعید ہے کہ وہ انسان کے اعمال کا میزان میں وزن کرلے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''حبیبتان''، یعنی وہ دو کلمے رحمٰن کے نزدیک محبوب ہیں۔ حبیبتان، حبیبة کا تثنیہ ہے، اور یہ فعیل کا وزن مفعول کے معنی میں ہے یعنی وہ دو کلمے محبوب ہیں۔ اور یہاں مراد یہ ہے کہ ان کلموں کا پڑھنے والا اللہ کے نزدیک محبوب ہوجاتا ہے۔ اور اللہ کی بندہ سے محبت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف خیر اور تکریم کو پہنچاتا ہے۔

یہاں پر سوال یہ ہے کہ جب فعیل کا لفظ مفعول کے معنی میں ہو تو اس میں مذکر اور مؤنث برابر ہوتے ہیں تو پھر یہاں پر اور خاص طور پر جب اس کا موصوف مذکر ہو تو پھر تانیث کی علامت کو لانے کی کیا وجہ ہے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب فعیل کا وزن مفعول کے معنی میں ہو تو وہ مذکر اور مؤنث میں برابر ہوتا ہے، یہ نہیں ہے کہ اس کا مذکر اور مؤنث ہونا واجب ہوتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس کا وجوب مفرد میں ہوتا ہے تثنیہ میں نہیں ہوتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۔ ۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تاء کی آٹھ قسمیں

میں کہتا ہوں: یہاں پر تاء، تانیث کی نہیں ہے بلکہ تاء کی کئی اقسام ہیں:

(۱) وحدت کی تاء: جیسے تمرۃ ایک کھجور، یا دُرّۃ ایک موتی۔

(۲) مصدریت کی تاء: جیسے فاعلیت اور مفعولیت کی تاء، یعنی کسی لفظ کا فاعل یا مفعول بنانا۔

(۳) مبالغہ کی تاء: جیسے علّامۃ، کیونکہ اس لفظ میں علّام سے زیادہ مبالغہ ہے۔

(۴) عوض کی تاء: جیسے عِدۃ، یہ لفظ اصل میں وِعد تھا، واؤ کو حذف کر کے اس کے عوض میں آخر میں تاء لے آئے۔ اسی طرح زِنۃ۔

(۵) زائدہ: جیسے حجارۃ، جمع کا وزن حجار ہے، اور یہ تاء زائدہ ہے۔ اور اسی طرح ملائکۃ، اس میں بھی تاء زائدہ ہے۔

(۶) تذکیر کی تاء: جیسے ثلاثۃ رجال، اور جیسے قرآن کی درج ذیل آیت ہے:

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ (اللہ نے) اس آندھی کو ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک مسلط رکھا۔ (الحاقۃ: ۷)

رِجال اور ایام کے لفظ مذکر ہیں اور ان کا ممیز ثلاثۃ اور ثمانیۃ ہے۔ سو یہ تاء، تانیث کی نہیں ہے بلکہ تذکیر کی ہے۔

(۷) تانیث کی تاء: جیسے ضاربۃ، قائمۃ

(۸) اسمیت کی تاء: یعنی کسی وصف کو اسم بنانے کے لیے آخر میں تاء لگا دیتے ہیں جیسے کافیۃ، شافیۃ۔

اسی طرح یہاں بھی حبیبتان کے اندر تاء، اسمیت کی ہے یعنی حبیب کا لفظ جو کہ وصف تھا اس کے آخر میں تاء لگا کر اس کو اسم بنا دیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اسماءِ حسنیٰ میں سے لفظِ رحمٰن کو خاص کرنے کی توجیہ

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "الی الرحمٰن" یعنی یہ دو کلمے اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ تو بہت ہیں اور یہاں ان اسماء میں سے لفظِ رحمٰن کو خاص کیا گیا ہے، کیونکہ یہاں مقصود اللہ تعالیٰ کی بندوں پر رحمت کی وسعت ہے، کیونکہ وہ تھوڑے عمل کے اوپر بہت ثواب عطا فرماتا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں پر لفظِ رحمٰن کو اس لیے خاص کیا گیا ہو کہ یہ اسم "کلمتان" اور "ثقیلتان" اور

"المیزان" کے مناسب ہیں۔اور رعایتِ سجع اس وقت ممنوع ہے جب کاہنوں کی طرح الفاظ کو ایک وزن اور ایک سجع پر لایا جائے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "سبحان الله"، لفظِ سبحان اللہ تسبیح کا عَلَم ہے جیسے عثمان مرد کا علم ہے۔اور علم کی دو قسمیں ہیں: ایک علم شخصی اور ایک علم جنسی۔اور کبھی یہ عین کے لیے ہوتا ہے اور کبھی معنی کے لیے ہوتا ہے۔پس یہ علم جنسی ہے جو معنی کے لیے ہے۔

اب یہاں یہ سوال ہے کہ آپ نے بتایا کہ سبحان علم ہے، اور یہ لفظ واجب الاضافۃ ہے، اور یہاں بھی اس کی اضافت لفظِ اللہ کی طرف ہے، اور علم مضاف نہیں ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علم کو نکرہ کر دیا جائے تو پھر اس کی اضافت جائز ہے۔

نیز اس حدیث میں لفظ سبحان کا دو مرتبہ ذکر ہے "سبحان الله العظیم" اور "سبحان الله وبحمده": اس تکرار کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علی الاطلاق نقائص سے منزہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کی یہ تسبیح اس کی حمد کے ساتھ مقارن ہے، تا کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ سلبیہ کا بھی ذکر ہو اور صفتِ ایجابیہ کا بھی ذکر ہو۔اللہ تعالیٰ کا نقائص سے بری ہونا صفتِ سلبیہ ہے اور اس کا حمد کے ساتھ مقارن ہونا صفتِ ایجابیہ ہے۔اور حمد صفتِ کمال پر ہوتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ مطلقاً صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے اور مطلقاً نقائص سے بری ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۔۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۰۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کے متعلق دیگر احادیث

امام دیلمی نے از وہب بن منبہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ جو بندہ بھی "سبحان الله وبحمده" کہتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ نے سچ بولا اور میں سبحان ہوں اور میری حمد ہے۔اگر اس نے سوال کیا تو میں اس کے سوال کے مطابق عطا فرماؤں گا، اور اگر وہ خاموش رہا تو میں اس کی اتنی مغفرت کروں گا جس کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔(کنز العمال: ۲۰۲۹)

امام طبری نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ملائکہ کی صلوٰۃ التسبیح ہے۔پس آسمانِ دنیا کے فرشتے سجدہ میں قیامت تک کہتے رہیں گے "سبحان ذی الملك والملکوت" اور دوسرے آسمان کے فرشتے حالتِ قیام میں قیامت تک کہتے رہیں گے "سبحان ذی العزة والجبروت" اور تیسرے آسمان کے فرشتے حالتِ قیام میں قیامت تک کہتے رہیں گے "سبحان الحی الذی لا یموت"۔(تفسیر الطبری: ۶۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ" (الکہف: ۴۶) کی تفسیر میں کہا: "سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اکبر"۔(تفسیر الطبری: ۲۳۰۹۴)

اگر تم سوال کرو کہ بار بار سبحان اللہ اور الحمد للہ کی تکرار کا کوئی قائم مقام ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے اور میں چار ہزار گٹھلیوں پر تسبیح پڑھ رہی تھی تو آپ نے فرمایا: میں تمہارے سامنے ایک کلمہ پڑھوں جو تمہاری تسبیح سے افضل ہو، میں نے پوچھا: وہ

کون سا کلمہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''سبحان اللہ عدد ما خلق''۔

(سنن ترمذی: ۳۵۵۴، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۴ ص ۷۴، المعجم الاوسط ج ۸ ص ۲۳۶، رقم: ۸۵۰۴، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۵۴۷)

امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے گزرے، وہ اپنی جائے نماز پر صبح کے وقت اللہ کا ذکر کر رہی تھیں اور اللہ کی تسبیح کر رہی تھیں، پس آپ اپنے کام سے چلے گئے، پھر دن چڑھنے کے بعد واپس آئے تو آپ نے ان سے پوچھا: تم جب سے اسی جگہ بیٹھی تسبیح پڑھ رہی ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے ایسے کلمات پڑھے ہیں کہ اگر ان کو تمہارے پڑھے ہوئے کلمات کے ساتھ وزن کیا جائے تو وہ راجح ہوں گے، وہ کلمات یہ ہیں: ''سبحان اللہ عدد ما خلق، سبحان اللہ رضا نفسه، سبحان اللہ زنة عرشه، سبحان اللہ مداد کلماته، والحمد للہ مثل ذلك''۔ (صحیح مسلم: ۲۷۲۶، کتاب الذکر والدعاء، باب التسبیح اول النھار وعند النوم)

''سبحان اللہ وبحمدہ'' سے تمام گناہوں کا معاف ہونا آیا صرف متقین کے لیے ہے یا تمام لوگوں کے لیے

بعض علماء نے کہا ہے کہ تسبیح پڑھنے کے یہ فضائل جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں کہ جس نے ''سبحان اللہ وبحمدہ'' ایک سو مرتبہ کہا تو اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ کی مثل ہوں، یہ بشارت ان لوگوں کے لیے ہے جو دین میں بزرگ ہیں اور کاملین ہیں اور بڑے بڑے جرائم سے پاک ہیں اور یہ نہ گمان کیا جائے کہ جس نے یہ تسبیح پڑھی اور اپنی شہوات پر اصرار کیا اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی بے حرمتی کرتا رہا تو وہ بھی سابقین مطہرین کے ساتھ لاحق ہو جائے گا اور ان کے مرتبہ کو پا لے گا خواہ اس میں نہ تقویٰ ہو نہ اخلاص ہو اور نہ اعمالِ صالحہ ہوں۔ اور وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہوں اور اللہ کے دین پر عمل کرنے کے بجائے اپنی خواہشات پر عمل کرتا ہو۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۳۶۴۔۳۶۶ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

اس قول پر مصنف کا تعاقب

میں کہتا ہوں کہ جو کاملین اور متقین ہیں ان کے کب اتنے گناہ ہوتے ہیں جو سمندر کے جھاگ سے زیادہ ہوں۔ سو جب کاملین سو مرتبہ اس تسبیح کو پڑھیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے بے حد و بے حساب درجات کو بڑھا دے گا۔ باقی رہا یہ کہ اگر چور اور ڈاکو اور قاتل اور زانی بھی سو مرتبہ یہ تسبیح پڑھ لیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ بھی معاف کر دے گا۔ تو بھائی اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے، اگر اللہ تعالیٰ مرتکبین کبائر کے گناہ کو بھی معاف فرما دے، تو یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت ہے، آپ کو اس سے کیا تکلیف ہے؟

نیز یہ درست ہے کہ سو مرتبہ یہ تسبیح پڑھنے سے بندہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں خواہ وہ سمندر کے جھاگ سے زیادہ ہوں، لیکن سو مرتبہ یہ تسبیح پڑھنے کی توفیق ہر ایک کو نہیں ہوتی۔ جو قاتل، زانی اور شدید مرتکب کبیرہ ہوں، ان کو یہ توفیق ہی نہیں ہوتی کہ سو مرتبہ یہ تسبیح پڑھیں۔ اب جیسے سنن نسائی میں یہ حدیث ہے کہ جو فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے، اس کے اور جنت کے درمیان صرف موت حائل ہوتی ہے یعنی وہ مرتے ہی جنت میں چلا جائے گا، تو اگر مرتکب کبیرہ یہ پڑھے تو وہ بھی مرتے ہی جنت میں چلا جائے گا، لیکن ہر ایک کو یہ توفیق نہیں ہوتی۔ جو مرتکب کبیرہ ہوں انہیں کہاں نماز پڑھنے کی توفیق ہوتی ہے، چہ جائیکہ فرض

نماز کے بعد مصلاؤ وہ آیت الکرسی بھی پڑھیں۔لیکن اگر بالفرض وہ پڑھ لیں تو ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت کو تنگ نہیں کرتے ،''ان رحمتی وسعت کل شیء'' اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر چیز کو شامل ہے اور بڑے سے بڑا گناہِ کبیرہ کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (الزمر:۵۳)

آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا، بے شک وہی بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے O

میں اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت کا دامن تھام کر دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ میرے اور میرے تمام قارئین کے گناہوں کو معاف فرمائے۔آمین یارب العلمین۔

صحیح البخاری: ۶۴۰۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تسبیح اور تہلیل کی احادیث کا موازنہ

صحیح البخاری: ۶۴۰۳ میں مذکور ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایک دن میں سو مرتبہ کہا ''لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر'' تو یہ اس کے لیے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ہے، اس کے لیے سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے سو گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور وہ شخص اس دن شام تک شیطان سے حفاظت میں رہے گا۔الحدیث۔

اور صحیح البخاری: ۶۴۰۵ میں مذکور ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایک دن میں سو مرتبہ ''سبحان اللہ وبحمدہ'' کہا، اس کے تمام گناہ مٹا دیئے جائیں گے خواہ وہ گناہ سمندر کے جھاگ کی مثل ہوں۔

بہ ظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تسبیح پڑھنے کا ثواب ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھنے سے زیادہ ہے، کیونکہ سمندر کے جھاگ کا عدد وہ سو نیکیوں سے کئی گنا زیادہ ہے، لیکن ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔۔۔الحدیث'' پڑھنے کے متعلق حدیث میں ہے کہ جس نے ایک دن میں سو مرتبہ یہ پڑھا تو یہ اس کی مثل ہے جس نے دس غلام آزاد کیے۔اور غلام آزاد کرنے کا اجر بہت بڑا ہے۔حدیث میں ہے: جس نے اللہ کے لیے غلام کو آزاد کیا تو اس غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں اس شخص کے عضو کو دوزخ سے آزاد کر دیا جائے گا، تو اس سے معلوم ہوا کہ جس کو غلام آزاد کرنے کا اجر ہوگا اس کے تمام گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا۔اور اس کے اندر یہ بھی ہے کہ اس کے سو درجے بڑھا دیئے جائیں گے۔

اور اس کی تائید دوسری احادیث سے ہوتی ہے کہ افضل الذکر ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھنا ہے، اور یہ اس لیے افضل ہے کہ آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام نے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھا۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اللہ کا اسم اعظم ہے۔اور اس سے پہلے تسبیح کی شرح میں

یہ گزر چکا ہے کہ تسبیح پڑھنے سے ان چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہیں۔اور یہ "لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر" کے ضمن میں داخل ہے۔

نیز امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن حبان اور امام حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ سب سے افضل ذکر "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ" پڑھنا ہے۔

بہ ظاہر اس کے معارض یہ حدیث ہے کہ امام مسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے بتائیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ کلام کون سا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ کلام "سبحان اللہ وبحمدہ" ہے، اور ایک روایت میں ہے، آپ سے سوال کیا گیا کہ کون سا کلام سب سے افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ کلام سب سے پسندیدہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ کے لیے پسند کرلیا ہے اور وہ کلام ہے "سبحان اللہ وبحمدہ"۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ "سبحان اللہ وبحمدہ" ان چار کلمات کا اختصار ہو اور وہ یہ ہیں: "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر"۔

سبحان اللہ، میں ان چیزوں سے تنزیہہ ہے جو اللہ عزوجل کی شان کے لائق نہیں ہیں اور اس کی صفات کی نقائص سے تقدیس ہے تو اس میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا معنی مندرج ہوجاتا ہے۔اور "بحمدہ" الحمد للہ کے معنی میں صریح ہے اور یہ اللہ اکبر کے معنی کو شامل ہے۔

اس تمام بحث کے باوجود یہ لازم نہیں آتا کہ سبحان اللہ کہنا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہنے سے افضل ہے، کیونکہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ میں توحید کی تصریح ہے اور تسبیح توحید کو متضمن ہے۔

امام مسلم نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ کلام چار ہیں، تم ان میں سے جس سے بھی ابتداء کرو گے تو اس میں کوئی ضرر نہیں ہے: "سبحان اللہ، والحمد للہ، ولا الٰہ الا اللہ، واللہ اکبر"

کیونکہ ان تمام کلمات کا حاصل اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تنزیہہ ہے، اور جس نے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کی، اس نے اس کی تعظیم کی، اور جس نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کی، اس لیے علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ جب ان اذکار کے متعلق مطلقاً کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ سب سے زیادہ محبوب اذکار ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ اذکار اور ان کی مثل جو دوسرے اذکار ہیں۔

علامہ نووی نے کہا ہے کہ یہ جو حدیث میں ہے کہ افضل الذکر "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ" ہے، اس سے مراد ہے جب بندہ ذکر کرے، ورنہ مطلقاً قرآن افضل الذکر ہے۔

اور علامہ بیضاوی نے کہا ہے کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ کلام سے مراد کلام بشر ہے، کیونکہ "سبحان اللہ، والحمد للہ، ولا الٰہ الا اللہ، واللہ اکبر" میں پہلے تین کا ذکر تو قرآن مجید میں ہے اور چوتھے کا ذکر یعنی "اللہ اکبر" قرآن مجید میں نہیں ہے۔اور جو قرآن مجید میں نہ ہو وہ اس سے افضل نہیں ہوگا جو قرآن مجید میں ہے۔

امام طبری نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب مرد نے کہا ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' تو یہ کلمۃ الاخلاص ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ کسی عمل کو قبول نہیں کرتا۔ اور جب اس نے کہا ''الحمدللہ'' تو یہ کلمۃ الشکر ہے اور بندہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا شکر گزار نہیں ہوتا جب تک کہ الحمد للہ کہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس نے کہا ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' اسے چاہیے کہ وہ اس کے بعد الحمدللہ بھی کہے۔

امام نسائی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! مجھے ایسی چیز کی تعلیم دے جس سے میں تجھے یاد کروں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہیں: ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' الحدیث۔ اور اس حدیث میں ہے کہ اگر سات آسمانوں کو اور جو کچھ ان میں ہے اور سات زمینوں کو ایک پلڑے میں رکھا جائے اور ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو وہ پلڑا راجح ہوگا جس میں ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' ہے۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' سے ذکر کرنا الحمدللہ سے ذکر کرنے پر راجح ہے۔

اور اس کے معارض حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''الحمد للہ'' میزان کو بھر لیتی ہے، کیونکہ بھرنا مساوات پر دلالت کرتا ہے اور راجح ہونا زیادہ ہونے میں صریح ہے، پس ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کا ذکر اولیٰ ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۵۱۔ ۴۵۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۷۔ بَابُ: فَضْلِ ذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ — اللہ عزوجل کے ذکر کی فضیلت کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اللہ کے ذکر کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے اور اللہ کے ذکر سے مراد یہاں پر یہ ہے کہ ان الفاظ کو پڑھا جائے جن کے پڑھنے کی اور جن کے بہ کثرت ذکر کی ترغیب دی گئی ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کا اطلاق کیا جاتا ہے اور اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس عمل کو واجب کیا ہے اس پر دوام اور مواظبت کی جائے۔ یا جس عمل کو اللہ تعالیٰ نے مستحب قرار دیا ہے جیسے قرآن مجید کی تلاوت اور حدیث کو پڑھنا اور علم کا تکرار اور نفلی نمازیں پڑھنا۔

اور امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: زبان کے ذکر سے مراد وہ الفاظ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تحمید اور تمجید پر دلالت کریں۔ اور ذکر بالقلب سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے دلائل میں غور کرنا۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں کہ فلاں کام کرو اور فلاں کام نہ کرو، ان کے دلائل میں غور و فکر کرنا حتیٰ کہ ان کی حکمتوں پر اور ان کے اسرار پر آدمی کو اطلاع حاصل ہو۔ اور انسان کے ظاہری اعضاء کا ذکر یہ ہے کہ اس کے اعضاء اللہ تعالیٰ کی طاعات میں مستغرق رہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۰۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے

رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَثَلُ الَّذِی یَذْکُرُ رَبَّهُ وَالَّذِی لَا یَذْکُرُ رَبَّهُ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ۔ (صحیح مسلم:۷۷۹)

حدیث بیان کی از برید بن عبداللہ از ابی بردہ از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی مثال جو اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور اس کی مثال جو اپنے رب کا ذکر نہیں کرتا زندہ اور مردہ کی مثال ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۰۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے وہ زندہ کی مثل ہے اور اس کا سبب اللہ تعالیٰ کے ذکر کی فضیلت ہے اور یہی باب کا عنوان ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابواسامہ، وہ حماد بن اسامہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بُرید بن عبداللہ، جو اپنے دادا ابو بُردہ سے روایت کرتے ہیں اور ان کا نام عامر ہے اور وہ اپنے والد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور ان کا نام عبداللہ بن قیس ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں اللہ کے ذکر کرنے والے کو زندہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور وجہِ شبہ یہ ہے کہ زندہ بھی کسی چیز سے نفع حاصل کرتا ہے اور کسی چیز سے مدد حاصل کرتا ہے، تو اللہ کا ذکر کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نفع حاصل کرتا ہے اور اس سے مدد حاصل کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا، اس کو مُردہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، کیونکہ مُردہ بھی بہ ظاہر معطل ہوتا ہے اور باطن میں باطل ہوتا ہے، تو اسی طرح جو اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا تو وہ بھی اجر وثواب سے معطل ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۰۸۔ حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیدٍ حَدَّثَنَا جَرِیرٌ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِی صَالِحٍ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِکَةً یَطُوفُونَ فِی الطُّرُقِ یَلْتَمِسُونَ أَهْلَ الذِّکْرِ فَإِذَا وَجَدُوا قَوْمًا یَذْکُرُونَ اللّٰهَ تَنَادَوْا هَلُمُّوا إِلَى حَاجَتِکُمْ قَالَ فَیَحُفُّونَهُمْ بِأَجْنِحَتِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْیَا قَالَ فَیَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ مِنْهُمْ مَا یَقُولُ عِبَادِی قَالُوا یَقُولُونَ

۶۴۰۸۔ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابی صالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں میں گھومتے رہتے ہیں اور ذکر کرنے والوں کو ڈھونڈتے ہیں، پس جب وہ دیکھتے ہیں کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہیں تو آواز دیتے ہیں: آؤ اپنی حاجت کی طرف،

يُسَبِّحُونَكَ وَيُكَبِّرُونَكَ وَيَحْمَدُونَكَ وَيُمَجِّدُونَكَ قَالَ فَيَقُولُ هَلْ رَأَوْنِي قَالَ فَيَقُولُونَ لَا وَاللّٰهِ مَا رَأَوْكَ قَالَ فَيَقُولُ وَكَيْفَ لَوْ رَأَوْنِي قَالَ يَقُولُونَ لَوْ رَأَوْكَ كَانُوا أَشَدَّ لَكَ عِبَادَةً وَأَشَدَّ لَكَ تَمْجِيدًا وَتَحْمِيدًا وَأَكْثَرَ لَكَ تَسْبِيحًا قَالَ يَقُولُ فَمَا يَسْأَلُونِي قَالَ يَسْأَلُونَكَ الْجَنَّةَ قَالَ يَقُولُ وَهَلْ رَأَوْهَا قَالَ يَقُولُونَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا قَالَ يَقُولُ فَكَيْفَ لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا قَالَ يَقُولُونَ لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصًا وَأَشَدَّ لَهَا طَلَبًا وَأَعْظَمَ فِيهَا رَغْبَةً قَالَ فَمِمَّ يَتَعَوَّذُونَ قَالَ يَقُولُونَ مِنَ النَّارِ قَالَ يَقُولُ وَهَلْ رَأَوْهَا قَالَ يَقُولُونَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا قَالَ يَقُولُ فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا قَالَ يَقُولُونَ لَوْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ مِنْهَا فِرَارًا وَأَشَدَّ لَهَا مَخَافَةً قَالَ فَيَقُولُ فَأُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ قَالَ يَقُولُ مَلَكٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ فِيهِمْ فُلَانٌ لَيْسَ مِنْهُمْ إِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ قَالَ هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ رَوَاهُ شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ وَلَمْ يَرْفَعْهُ وَرَوَاهُ سُهَيْلٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(صحیح مسلم:۲۶۸۹،سنن ترمذی:۳۶۰۰،مسند احمد:۷۴۲۳)

آپ نے فرمایا: پھر فرشتے ان لوگوں کا اپنے پروں سے آسمانِ دنیا تک احاطہ کر لیتے ہیں، آپ نے فرمایا: ان کا رب ان سے سوال کرتا ہے حالانکہ وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے میرے بندے کیا کہتے تھے؟ وہ کہتے ہیں وہ تیری تسبیح کرتے تھے اور تیری تکبیر پڑھتے تھے اور تیری حمد کرتے تھے اور تیری تعظیم کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: کیا ان لوگوں نے مجھے دیکھا ہے؟ آپ نے بتایا فرشتے کہتے ہیں: نہیں! اللہ کی قسم! انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا ہے، آپ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اور اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو پھر کس طرح ہوتا؟ آپ نے بتایا: فرشتے کہتے ہیں: اگر وہ تجھے دیکھ لیتے تو اس سے زیادہ عبادت کرتے، اس سے زیادہ تیری بزرگی بیان کرتے اور اس سے زیادہ تیری تسبیح پڑھتے، آپ نے بتایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وہ مجھ سے کس چیز کا سوال کرتے تھے؟ آپ نے بتایا کہ فرشتے کہتے ہیں: وہ تجھ سے جنت کا سوال کرتے تھے، آپ نے بتایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ آپ نے بتایا فرشتے کہتے ہیں: نہیں! اللہ کی قسم! اے رب! انہوں نے جنت کو نہیں دیکھا، آپ نے بتایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: پس اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو پھر کس طرح ہوتا؟ آپ نے بتایا فرشتے کہتے ہیں: اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو ان کو جنت کی بہت زیادہ حرص ہوتی اور بہت زیادہ طلب ہوتی اور اس میں بہت زیادہ رغبت ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: پس وہ کس چیز سے پناہ طلب کرتے تھے؟ آپ نے بتایا فرشتے کہتے ہیں: وہ دوزخ سے پناہ طلب کرتے تھے، آپ نے بتایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے؟ آپ نے بتایا وہ کہتے ہیں: نہیں اللہ کی قسم! انہوں نے دوزخ کو نہیں دیکھا ہے، آپ نے بتایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: پس اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو پھر کیا ہوتا؟ آپ نے بتایا کہ فرشتے کہتے ہیں: اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو اس سے

بہت زیادہ فرار حاصل کرتے اور بہت زیادہ اس سے خوف زدہ ہوتے۔آپ نے بتایا: پس اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: پس میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان کے گناہوں کو بخش دیا ہے۔آپ نے بتایا کہ پھر فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ کہتا ہے: ان ذکر کرنے والوں میں فلاں بندہ تھا جو ان میں سے نہیں تھا، وہ تو کسی کام سے آیا تھا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: یہ وہ بیٹھنے والے ہیں کہ جو ان کے ساتھ بیٹھا ہو وہ بھی نامراد نہیں ہوتا۔

اس حدیث کی شعبہ نے از اعمش روایت کی ہے اور اس کی مرفوع روایت نہیں کی۔

اور اس حدیث کی سہیل نے از والد خود از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے از نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

صحیح البخاری: ۶۴۰۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریر، وہ ابن عبدالحمید ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش وہ سلیمان ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوصالح، وہ ذکوان الزیات ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے فرشتے گھومتے پھرتے ہیں ان کے لیے فضل ہے، وہ ذکر کرنے والوں کو تلاش کرتے ہیں ۔۔الحدیث

علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ جو فرشتے مخلوق کے ساتھ مترتب ہوتے ہیں یہ فرشتے ان پر فضیلت رکھتے ہیں۔

اور علامہ طیبی نے کہا ہے کہ فضل، فاضل کی جمع ہے، یعنی وہ فرشتے فضیلت والے ہیں۔

حدیث مذکور میں اللہ کے ذکر سے مراد عام ذکر ہے یا خاص اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا ذکر ہے

اس حدیث میں مذکور ہے ''وہ فرشتے ذکر کرنے والوں کو تلاش کرتے ہیں''۔ذکر کرنے والوں سے مراد عام ہے خواہ وہ نماز پڑھتے ہوں، قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوں، یا حدیث کی قراءت کرے ہوں، یا علوم کی تدریس کرتے ہوں، یا علماء علمی مسائل میں مباحثہ کرتے ہوں۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۱۔۴۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: بہ ظاہر ذکر کرنے والوں سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تہلیل اور تسبیح کرتے ہوں۔یعنی ''لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا

شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر" پڑھتے ہوں اور "سبحان اللہ وبحمدہٖ" پڑھتے ہوں۔ اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ امام بخاری نے تہلیل اور تسبیح کی فضیلت کی حدیث کے بعد اس حدیث کی روایت کی ہے۔

نیز بہ ظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی ایک جماعت بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہی ہو جیسے صوفیاء کرام مساجد میں حلقے بنا کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں، اور اگر کوئی شخص تنہائی میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا ہو تو بہ ظاہر یہ حدیث اس کو شامل نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضلِ عمیم سے توقع ہے کہ جو شخص تنہائی میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا ہو اور اللہ تعالیٰ سے جنت کو طلب کر رہا ہو اور دوزخ سے پناہ مانگ رہا ہو اس کو بھی یہ حدیث شامل ہوگی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی معیت کعبہ اور لیلۃ القدر سے زیادہ فیض رساں ہے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص ذکر کرنے کے قصد سے ذاکرین کے ساتھ نہ بیٹھا ہو بلکہ اتفاقاً یا کسی کام کی وجہ سے ان کے ساتھ جا بیٹھا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی محروم نہیں کرے گا اور اس کو بھی اپنے فضل سے جنت عطا فرمائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے۔ اور جو لوگ نیک لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست رکھیں اس کا شمار بھی نیکوں میں ہوتا ہے۔ اسی لیے یہ شعر ہے:

یک زمانہ صحبتے با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

غور فرمائیں! کوئی مسلمان کعبہ میں نماز پڑھے تو اس کو اجر تو زیادہ ملتا ہے لیکن کعبہ میں نماز پڑھنا جنت کی ضمانت نہیں ہے، اور کوئی شخص لیلۃ القدر کو پا کر عبادت کرے تو اسے ہزار ماہ سے زیادہ عبادت کا اجر تو ملے گا لیکن اس کی بخشش کی گارنٹی نہیں ہے، لیکن جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے ساتھ کسی مجلس میں رہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنے والا بھی محروم نہیں ہوتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی بخشش کی ضمانت دی ہے، کیونکہ اس سے پہلے حدیث میں مذکور ہے کہ وہ ذکر کرنے والے جنت کا سوال کرتے تھے اور دوزخ سے پناہ طلب کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فرشتو! گواہ ہو جاؤ میں نے ان کو بخش دیا۔ پھر جب کوئی فرشتہ یہ کہے گا کہ ان میں سے کوئی شخص ذکر کرنے کے قصد سے نہیں بیٹھا تھا کسی اور کام سے آ کر بیٹھ گیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ ذکر کرنے والے ایسے ہیں کہ جو ان کے ساتھ آ ملے وہ بھی محروم نہیں ہوتا۔ یعنی اس کو بھی دوزخ سے پناہ ملے گی اور اس کو بھی جنت عطا کی جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کریم کعبہ بھی ہے اور کریم لیلۃ القدر بھی ہے اور اللہ کے نیک بندے بھی کریم ہیں لیکن اللہ کے نیک بندوں کا کرم کعبہ اور لیلۃ القدر کے کرم سے زیادہ ہے۔

اور میرا حال یہ ہے کہ ؎

احب الصالحین ولست منھم لعل اللہ یرزقنی صلاحا

میں خود تو نیک نہیں ہوں لیکن اللہ کے نیک بندوں سے محبت کرتا ہوں شاید اللہ تعالیٰ مجھے بھی نیکی عطا فرمادے۔ آمین

صحیح البخاری: ۶۴۰۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے متعلق دیگر احادیث

اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی تسبیح اور تہلیل کے متعلق متعدد احادیث وارد ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے میرے چچا! مجھے وصیت کیجئے! انہوں نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سوال کیا تھا جس طرح تم نے مجھ سے سوال کیا ہے، پس آپ نے فرمایا: دن اور رات میں سے کوئی دن یا رات نہیں گزرتی مگر اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے صدقہ ہوتا ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے وہ صدقہ کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر سب سے بڑا احسان یہ ہوتا ہے کہ ان کے دل میں وہ اپنا ذکر ڈال دے۔

(الاحاد والمثانی لابن ابی عاصم: ۹۸۷، کشف الاستار: ۶۹۴، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۳۷۔۲۳۶، حافظ نورالدین الہیثمی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں حسین بن عطاء راوی ہے جس کو ابو حاتم وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور امام ابن حبان نے اس کا کتاب الثقات ج ۶ ص ۲۰۹ میں ذکر کیا ہے۔)

(۲) امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، وہ دونوں گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو قوم بھی اللہ کا ذکر کرتی ہے تو فرشتے اس کا احاطہ کر لیتے ہیں اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکینہ نازل کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ان میں ذکر کرتا ہے جو اس کے پاس ہوتے ہیں۔

(صحیح مسلم: ۲۷۰۰، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر)

(۳) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: اللہ تعالیٰ کے ذکر سے زیادہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دینے والی نہیں ہے۔

(سنن ترمذی: ۳۳۷۷، از سفیان از ابی اسحاق، سنن ابن ماجہ: ۳۷۹۰، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۴۹۶، شعب الایمان للبیہقی ج ۱ ص ۳۹۴)

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص رات کی عبادت کی تکلیف برداشت کرنے سے عاجز ہو اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے بخل کرے اور اللہ کی راہ میں دشمن کے خلاف جہاد کرنے سے بزدلی کرے، اسے چاہیے کہ وہ بہ کثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔

(المنتخب لعبد بن حمید: ۶۴۱، مسند البزار: ۴۹۰۴، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۱۱۲۱، شعب الایمان للبیہقی: ۵۰۸)

حافظ نورالدین الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ نے کہا ہے: اس حدیث کی امام بزار، امام طبرانی نے روایت کی ہے اور اس میں ایک راوی ابو یحییٰ القتات ہے اور اس کی توثیق کی گئی ہے اور جمہور نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اور مسند البزار کے باقی رجال صحیح کے رجال ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۷۴)

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور اس میں اللہ کا ذکر نہ کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھیں تو ان کے اوپر وہ حسرت اور ندامت کا باعث ہے، پس اگر اللہ چاہے گا تو انہیں عذاب دے گا اور اگر اللہ چاہے گا تو ان کو بخش دے گا۔ (سنن ترمذی: ۳۳۸۰، المستدرک ج ۱ ص ۴۹۵۔۴۹۴)

(۶) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت کے باغات میں چلا کرو، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! جنت کے باغات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: ذکر کی مجالس، پس تم اللہ کے ذکر میں صبح کرو یا شام کرو اور اپنے دلوں میں ذکر کرو اور جو شخص اسے پسند کرتا ہو کہ وہ جان لے کہ اللہ کے نزدیک اس کا کیا مرتبہ ہے، پس وہ اس پر غور کرے کہ اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا

کیا مرتبہ ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بندہ کو اس مقام پر رکھتا ہے جس مقام پر بندہ اللہ تعالیٰ کو رکھتا ہے۔

(مسند ابو یعلی: ۱۸۶۵، المعجم الاوسط للطبرانی: ۲۵۰۱، المستدرک للحاکم: ۴۹۵۔ ۴۹۴، شعب الایمان للبیہقی: ۵۲۸)

حافظ نور الدین الہیثمی نے لکھا ہے: اس حدیث کی امام ابو یعلی، امام بزار اور امام طبرانی نے روایت کی ہے، اس حدیث کی سند میں عمر بن عبد اللہ مولیٰ غفرہ ہے، اس کی متعدد محدثین نے توثیق کی ہے اور ایک جماعت نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، اور اس حدیث کے بقیہ رجال حدیث صحیح کے رجال ہیں۔

(۷) سالم بن ابو الجعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: ایک آدمی نے ایک سو غلام آزاد کئے، انہوں نے کہا: یہ ایک مرد کے مال سے بہت ہے اور اس سے افضل وہ ایمان ہے جس میں رات اور دن عبادت کا التزام کیا گیا ہو، اور تم میں سے کسی ایک شخص کی زبان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۴۵۵، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۱۹، شعب الایمان للبیہقی: ۶۲۷)

(۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا: اے میرے رب! کونسی عبادت تیرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے؟ تو اللہ عزوجل نے فرمایا: جو بندہ میرا ذکر کرتا ہے اور مجھے بھولتا نہیں ہے۔

(شعب الایمان للبیہقی: ۶۸۱)

(۹) پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتے ہیں، جب تک وہ ذکر کرتے رہیں اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں حتیٰ کہ وہ متفرق ہو جائیں۔ اور فرشتے ان پر اپنے پروں سے سایہ کرتے ہیں جب تک وہ اس جگہ ہوتے ہیں۔ (شعب الایمان للبیہقی: ۶۷)

ان تمام احادیث کو امام طبری نے آداب النفوس میں ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کی فقہ

علامہ ابن الملقن لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو بندہ کو اپنا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کی رغبت دلائی ہے، یہ اس لیے ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اس بندہ کی مغفرت کا سبب ہو جائے اور اس بندہ پر رحمت کا ذریعہ ہو جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ۔ (البقرہ: ۱۵۲) سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔

اللہ تعالیٰ کا بندہ کا ذکر کرنا، بندہ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

ثابت البنانی نے کہا کہ ابو عثمان النہدی نے بیان کیا: میں اس ساعت کو جانتا ہوں جس ساعت میں اللہ تعالیٰ میرا ذکر کرتا ہے۔ ان سے پوچھا گیا: آپ کو اس کا کیسے علم ہوا؟ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ (البقرہ: ۱۵۲) (سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا)۔

علامہ ابن الجوزی نے زاد المسیر (ج ۱ ص ۱۰۷) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ تم اپنی طاعت کے ساتھ مجھے یاد کرو میں اپنی مغفرت کے ساتھ تمہیں یاد کروں گا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ میں نے تمہیں جو نعمت عطا کی ہے تم اس کا شکر ادا کر کے میرا ذکر کرو، اور میں اپنی رحمت کے ساتھ اور نعمتوں میں اضافہ کر کے تمہارا ذکر کروں گا۔

السُدّی نے کہا ہے: جو بندہ بھی اللہ کا ذکر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا ذکر کرتا ہے۔ جب مومن اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ اپنی رحمت کے ساتھ اس کا ذکر کرتا ہے، اور جب کافر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے عذاب کے ساتھ اس کا ذکر کرتا ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ذکر کی دو قسمیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کا حکم دیا ہے یا جن کاموں سے منع کیا ہے ان احکام کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا یعنی اس کو یاد کرنا۔ اور دوسری قسم ہے زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، اور ان دونوں میں اجر ہے مگر احکام کی ادائیگی کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اور ان احکام کو ادا کرنا یہ زبان کے ساتھ ذکر کرنے سے افضل ہے یعنی زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور اس کے امر اور نہی کی مخالفت کرے۔ اور پوری فضیلت اور شرف اس میں ہے کہ جب آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام کی ادائیگی کو بھی یاد رکھے اور زبان سے بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور کسی امر اور نہی کے وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر کو نہ بھولے، نہ زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا بھولے۔

آیا کراماً کاتبین اس ذکر کو بھی لکھتے ہیں جو دل سے کیا جائے؟ اور سلف کے اس میں کیا اقوال ہیں، اس کا بیان عنقریب باب الاعتصام میں آئے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی بندہ تنہائی میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں تنہائی میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور جب میرا بندہ جماعت میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔
(صحیح البخاری: ۷۴۰۵)

اگر تم یہ سوال کرو: کیا بندہ پر کوئی ایسا حال بھی ہوتا ہے جس حال میں اس کے اوپر دل سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا فرض ہو؟
اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں! جن احوال میں اس کے اوپر نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج اور باقی فرائض کو ادا کرنا فرض ہے، ان احوال میں اس پر لازم ہے کہ وہ دل سے اللہ کا ذکر کرے اور اس کو یاد کرے۔ پس اس پر لازم ہے کہ ان فرائض کی ادائیگی میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور جب اپنے عمل سے ان فرائض کو مکمل کرے تب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔ اور جو عبادات نفل ہیں ان میں اگرچہ اس پر دل سے اللہ کا ذکر کرنا فرض نہیں ہے تاہم اگر وہ دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگا تو اس کو بہت نفع حاصل ہوگا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۳۶۸۔ ۳۷۳ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے ان تمام احادیث اور آثار کو اور ان تمام مباحث فقہیہ کو علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی شرح بخاری سے من وعن اخذ کیا ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۱۴۱۔ ۱۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

اور ہم علامہ ابن ملقن کے حوالہ سے اس لیے ذکر کرتے ہیں کہ مخرجین نے علامہ ابن ملقن کی ذکر کردہ تمام احادیث کی تخریج کی ہے ہم اس تخریج کو نقل کرنے کی حرص میں ابن ملقن کے حوالہ سے لکھتے ہیں اور چونکہ علامہ ابن بطال کی شرح پر کسی نے تخریج نہیں کی اس لیے ان کی کتاب کا ذکر نہیں کرتے، اگرچہ علامہ ابن ملقن نے اپنی شرح میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب علامہ ابن بطال کی کتاب ہی کی من وعن نقل ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۰۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ذکر کی اقسام

بعض عارفین سے منقول ہے کہ ذکر کی سات قسمیں ہیں:

(۱) آنکھوں کا ذکر آنسوؤں کا بہنا ہے (۲) کانوں کا ذکر توجہ سے اللہ تعالیٰ کا کلام سننا ہے (۳) زبان کا ذکر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرنا ہے (۴) ہاتھوں کا ذکر ضرورت مندوں کو عطا کرنا ہے (۵) بدن کا ذکر وعدہ کو پورا کرنا ہے (۶) دل کا ذکر اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس سے رحمت کی امید ہے (۷) اور روح کا ذکر اللہ کی تقدیر پر تسلیم اور رضا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر کی فضیلت میں دیگر احادیث

(۱) امام بخاری نے کتاب التوحید کے اواخر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے بندہ کے اس گمان کے ساتھ ہوتا ہوں جو وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے، اگر وہ میرا تنہائی میں ذکر کرے تو میں اس کا تنہائی میں ذکر کرتا ہوں، اور اگر وہ میرا مجلس میں ذکر کرے تو میں اس کا مجلس میں ذکر کرتا ہوں۔

(۲) امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان تم میں سے کسی ایک کے سر کے پچھلے حصہ یعنی گدی کے اوپر اس کے سوتے وقت تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ پر لکھ دیتا ہے: تمہارے لیے لمبی رات ہے سو جاؤ، پس اگر وہ بیدار ہو کر اللہ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، پھر اگر وہ وضو کرے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے، پھر اگر نماز پڑھ لے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے، پھر وہ صبح کو تر و تازہ اور خوش دلی سے اٹھتا ہے ورنہ وہ صبح کو خبیث النفس اور سستی سے مارا ہوا اٹھتا ہے۔

(۳) امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ بھی بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو فرشتے ان کا احاطہ کر لیتے ہیں اور ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور ان میں سکینہ نازل ہوتی ہے۔

(۴) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ کلام وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ کے لیے پسند فرمایا ہے "سبحان ربی وبحمدہ۔۔۔الحدیث"

(۵) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے متعلق فرمایا جو بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں کہ میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے، سو انہوں نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری وجہ سے فرشتوں پر فخر فرماتا ہے۔

(۶) حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ کلام چار ہیں "لا الٰہ الا اللہ، واللہ اکبر، سبحان اللہ، والحمد للہ" تم ان میں سے جس سے بھی ابتداء کرو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں یہ کہتا ہوں کہ "سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ، واللہ اکبر" اللہ تعالیٰ کو ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔

(۸) امام ترمذی اور امام نسائی نے روایت کی ہے اور امام حاکم نے اس کو سندِ صحیح کے ساتھ بیان کیا ہے از الحارث بن الحارث الاشعری، یہ ایک حدیثِ طویل ہے جس میں مذکور ہے: "میں تمہیں یہ حکم دیتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور بے شک اس کی مثال

اس طرح ہے جیسے کوئی شخص کسی دشمن کے تعاقب میں تیزی سے نکلا حتیٰ کہ وہ ایک مضبوط قلعہ پر آیا اور اس نے اپنے نفس کو اس قلعہ میں ان سے حفاظت میں کر لیا، اسی طرح بندہ اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ شیطان سے حفاظت میں رکھتا ہے"۔

(۹) حضرت عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرد نے کہا: یارسول اللہ! اسلام کے احکام مجھ پر بہت زیادہ ہو گئے ہیں، مجھے کسی ایسی چیز کی خبر دیجئے جس کو میں مضبوطی سے پکڑلوں۔ آپ نے فرمایا: تمہاری زبان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہے۔ اس حدیث کی امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور امام ابن حبان اور امام حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور امام ابن حبان نے اس حدیث کی مثل حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

(۱۰) امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور امام حاکم نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو تمہارے اس عمل کی خبر نہ دوں جو تمہارے اعمال میں سب سے بہتر ہے اور تمہارے رب کے نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ ہے اور جس کا درجہ تمہارے درجات میں سب سے بلند ہے اور جو تمہارے لیے سونے اور چاندی کو خرچ کرنے سے بہتر ہے اور تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے دشمن سے مقابلہ کرو، پس تم ان کی گردنوں کو مارو اور وہ تمہاری گردنوں کو ماریں۔ صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: وہ اللہ عزوجل کا ذکر ہے۔

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اوائل جہاد میں مجاہد کی فضیلت میں یہ حدیث آئی ہے کہ مجاہد اس روزہ دار کی طرح ہے جو روزہ چھوڑتا نہیں ہے اور اس شخص کی طرح نماز میں قیام کرنے والا ہے جو قیام سے تھکتا نہیں ہے۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ تمام اعمال صالحہ میں جہاد سب سے افضل ہے۔

اور ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح سے ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اللہ کے ذکر سے مراد وہ ذکر ہے جو کامل ہو، یعنی جس میں زبان کا ذکر بھی ہو اور اس کے ساتھ دل کا ذکر بھی ہو، یعنی دل سے وہ اس ذکر کے معنی پر غور و فکر کرے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کو ذہن میں حاضر کرے۔ اور جس کو یہ ذکر حاصل ہوگا وہ اس شخص سے افضل ہوگا جو کفار سے قتال کرتا ہے اور اس کا ذہن اس میں مستحضر نہیں ہوتا۔ اور یہ کہ جہاد کی افضلیت زبان کے خالی ذکر سے ہے جس کے ساتھ ذکرِ قلب اور تفکر نہ ہو۔ اور جس نے ان دونوں کو جمع کیا مثلاً وہ زبان سے اور قلب سے اللہ کا ذکر کرتا ہے اور ذہن میں اللہ کی عظمت مستحضر ہوتی ہے اور نماز کا حال ہو یا روزہ کا حال ہو یا صدقہ کرنے کا حال ہو، یا کفار سے قتال کرنے کا حال ہو، ہر حال میں اس کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کی عظمت مستحضر رہتی ہے تو وہ انتہائی بلندی کو پہنچ گیا اور حقیقی علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

اور قاضی ابوبکر بن العربی نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ جو بھی نیک عمل ہو اس میں اس کی صحت کے لیے ذکر کی شرط ہے، پس جو شخص صدقہ کرتے وقت یا روزہ رکھتے وقت یا مثلاً کسی بھی نیک عمل کو کرتے وقت دل سے اللہ کا ذکر نہ کرے اور اللہ کی عظمت کو ذہن میں مستحضر نہ رکھے تو اس کا عمل کامل نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا ذکر اس حیثیت سے افضل الاعمال ہے، اور اس کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے کہ مومن کی نیت اس کے عمل سے زیادہ بلیغ ہے۔

مجالسِ ذکر کے مصادیق

اس حدیث میں ذکر ہے: جب اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھے گا کہ میرے بندے کیا کہتے تھے تو فرشتے کہیں گے: تیری تسبیح

کرتے تھے اور تیری تکبیر کرتے تھے اور تیری حمد کرتے تھے۔

اور ابو معاویہ کی روایت میں ہے: فرشتے کہیں گے کہ ہم نے اس کو اس حال میں چھوڑا وہ تیری حمد کرتے تھے اور تیری تمجید کرتے تھے اور تیرا ذکر کرتے تھے۔

اور سہیل کی روایت میں ہے: ہم تیرے ان بندوں کے پاس سے آئے جو زمین میں تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری تکبیر پڑھتے ہیں اور تیری تہلیل کرتے ہیں اور تیری حمد کرتے ہیں اور تجھ سے سوال کرتے ہیں۔

اور امام بزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ تیری نعمتوں کی تعظیم کرتے ہیں اور تیری کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور تیرے نبی پر درود پڑھتے ہیں اور تجھ سے اپنی آخرت اور دنیا کے متعلق سوال کرتے ہیں۔

ان احادیث کے مجموعہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ مجالس ذکر سے مراد یہ ہے کہ وہ مجالس جو اللہ تعالیٰ کے اذکار وارد ہ کی تمام انواع پر مشتمل ہوں جن میں تسبیح ہو اور تکبیر ہو۔ اور یہ ان مجالس پر بھی مشتمل ہیں جن میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی کتاب کی تلاوت ہو اور دنیا اور آخرت کی خیر کی دعا ہو اور جن مجالس میں حدیث نبوی کی قراءت ہو، اور علمِ شرعی کی تدریس ہو اور علمِ شرعی کا مذاکرہ ہو، نفلی نمازوں پر اجتماع ہو۔ تاہم اس میں بحث ہے، زیادہ مشابہ یہ ہے کہ یہ مجالس تسبیح اور تکبیر کی مجالس کے ساتھ اور تلاوتِ قرآن کے ساتھ مخصوص ہیں، اگرچہ حدیث شریف کا پڑھنا، اور علم کی تدریس اور مناظرہ بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں داخل ہیں۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجالسِ ذکر اور ذاکرین میں فضیلت ہے اور ذکر کے لیے جمع ہونے میں فضیلت ہے اور جو ان کے پاس آ کر بیٹھ جائے اس کا بھی انہی میں شمار ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ان ذاکرین کو اپنے فضل سے ان کی تکریم کے لیے جو نعمت عطا فرماتا ہے وہ نعمت ان کے پاس بیٹھنے والے کو بھی عطا فرماتا ہے خواہ وہ ان کے ساتھ اصلِ ذکر میں شامل نہ ہو۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ملائکہ بنو آدم سے محبت کرتے ہیں اور ان میں سے ذاکرین کی تلاش میں زمین میں گھومتے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھے گا: میرے بندے کیا کرتے تھے، کیا سوال کرتے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے زیادہ جاننے والا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کبھی سائل کسی سے سوال کرتا ہے اور جس سے سوال کیا جائے وہ اس سے زیادہ جاننے والا ہوتا ہے، اور یہ اس لیے ہوتا ہے کہ جس چیز کے متعلق سوال کیا گیا ہے اس کے اوپر زیادہ توجہ مبذول کرانا مقصود ہوتا ہے اور اس کے شرف کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ ملائکہ سے جو خصوصیت کے ساتھ اہلِ ذکر کے متعلق سوال کرے گا، اس میں ملائکہ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا:

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ (البقرہ: ۳۰)	کیا آپ ایسے شخص کو نائب بنائیں گے جو زمین میں فساد اور خون ریزی کرے گا حالانکہ ہم آپ کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور آپ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔

گویا کہ اب فرشتوں سے فرمایا گیا ہے: دیکھو میرے بندے کس طرح تسبیح اور تقدیس کر رہے ہیں حالانکہ ان کے او پر شہوات کو مسلط کیا گیا ہے اور شیطان کے وسوسوں کو ان کے او پر ڈالا گیا ہے، تو انہوں نے کس طرح شہوات اور وساوسِ شیطان کا مقابلہ کیا اور تسبیح اور تقدیس میں تمہارے مشابہ ہو گئے۔

(۵) اور اس حدیث سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ بنو آدم سے جو ذکر حاصل ہوتا ہے وہ فرشتوں سے حاصل شدہ ذکر سے اعلیٰ اور اشرف ہے، کیونکہ بنو آدم کا ذکر کثرتِ مشاغل کے باوجود ہے اور ذکر سے روکنے والی متعدد چیزوں کے باوجود ہے اور یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بن دیکھے کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکنے کے لیے نہ کوئی مشغولیت ہے اور نہ کوئی ان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکنے والا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے والے ہیں۔

(۶) اس میں ان زنادقہ کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اس دنیا میں ظاہراً دیکھتے ہیں، حالانکہ صحیح مسلم کی حدیث سے یہ ثابت ہے، حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جان لو کہ تم اپنے رب کو ہرگز نہیں دیکھو گے حتیٰ کہ تم فوت ہو جاؤ۔

(۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو امر محقق ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی قسم تاکید اور تعظیم کے لیے کھانا جائز ہے کیونکہ اس حدیث میں ہے "اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھے گا: کیا بندوں نے مجھے دیکھا ہے؟ تو فرشتے کہیں گے: نہیں اللہ کی قسم! انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا ہے"۔

(۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت تمام خیرات کی انواع پر مشتمل ہے اور دوزخ تمام انواع مکروہہ پر مشتمل ہے۔ اور رغبت اور طلب اللہ تعالیٰ سے ہونی چاہیے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۵۵۔ ۴۵۷، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں ان نعت گو شعراء کا رد ہے جو جنت کی تنقیص اور تحقیر کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: "جنت کی طلب چیز ہے کیا اور بھی کچھ مانگ"۔ حالانکہ انبیاء اور رسل نے خود سید الرسل نے اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کیا ہے۔ مزید اس میں ان شعراء کا بھی رد ہے جو کہتے ہیں "ڈراتا مجھ کو تو کیوں ہے عذابِ قبر سے واعظ" کیوں کہ اس حدیث میں ذکر ہے کہ ذاکرین اللہ تعالیٰ سے جہنم کے عذاب سے پناہ طلب کر رہے تھے۔ اور قبر کا عذاب بھی اللہ کے عذابوں میں سے ایک عذاب ہے جس سے پناہ طلب کرنے کا ذکر متعدد احادیث میں ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے تمام عذابوں سے محفوظ رکھے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۴۰۸، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "فرشتے ان ذکر کرنے والوں کا اپنے پروں سے آسمانِ دنیا تک احاطہ کر لیتے ہیں"۔

اس میں یہ اشکال ہے کہ بہ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے ان ذکر کرنے والوں کو آسمانِ دنیا تک لے جاتے ہیں، اور یہ معلوم ہے کہ ذکر کرنے والے زمین میں ہیں اور ان کو اوپر نہیں اٹھایا گیا۔ تو یا تو اس کی تاویل میں یہ کہا جائے گا کہ اللہ عزوجل ایسے اجسام پیدا فرماتا ہے جو ان ذاکرین کے مشابہ ہوتے ہیں اور ان کو فرشتے آسمانِ دنیا تک لے جاتے ہیں اور یہ صحیح نہیں ہے کہ ہم کہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو آسمانِ دنیا تک لے جاتا ہے اور وہ سوئے ہوئے نہیں ہوتے حتیٰ کہ ہم کہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو نیند

حالت میں آسمانِ دنیا تک لے جاتا ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۲۷۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۸۔ بَابُ: قَوْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" پڑھنے کی فضیلت

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" پڑھنے کی فضیلت کو بیان کیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے باز رہنا اللہ تعالیٰ کی عصمت کے بغیر ممکن نہیں ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے اوپر قوت کا حصول اللہ تعالیٰ کی اعانت کے بغیر ممکن ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۰۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ أَخَذَ النَّبِيُّ ﷺ فِي عَقَبَةٍ أَوْ قَالَ فِي ثَنِيَّةٍ قَالَ فَلَمَّا عَلَا عَلَيْهَا رَجُلٌ نَادَى فَرَفَعَ صَوْتَهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ قَالَ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى بَغْلَتِهِ قَالَ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا ثُمَّ قَالَ يَا أَبَا مُوسَى أَوْ يَا عَبْدَ اللهِ أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى كَلِمَةٍ مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ قُلْتُ بَلَى قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل ابوالحسن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان تیمی نے خبر دی از ابی عثمان از حضرت ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک گھاٹی میں یا بتایا ایک وادی میں چلنا شروع کیا، پس جب ایک مرد اس کی بلندی پر پہنچا تو اس نے بلند آواز سے کہا: "لا الہ الا اللہ واللہ اکبر" اور رسول اللہ ﷺ اپنے خچر پر سوار تھے تو آپ نے فرمایا: بے شک تم نہ کسی بہرے کو پکار رہے ہو اور نہ کسی غائب کو، پھر آپ نے فرمایا: اے ابوموسیٰ، یا فرمایا: اے ابوعبداللہ! کیا میں تمہیں ایسے کلمہ کی رہنمائی نہ کروں جو جنت کے خزانوں میں سے ہے، میں نے کہا: کیوں نہیں، آپ نے فرمایا: "لاحول ولاقوۃ الا باللہ"۔

(صحیح البخاری: ۴۲۰۵، صحیح مسلم: ۲۷۰۴، سنن ترمذی: ۳۴۶۱، سنن ابوداؤد: ۱۵۲۶، سنن ابن ماجہ: ۳۸۲۴، مسند احمد: ۱۹۱۰۲)

صحیح البخاری: ۶۴۰۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبداللہ کا ذکر ہے، وہ ابن المبارک ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سلیمان کا ذکر ہے، وہ ابن طرخان التیمی البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوعثمان کا ذکر ہے، وہ عبدالرحمٰن بن مل النہدی ہیں۔ اور ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، وہ عبداللہ بن قیس ہیں۔

یہ حدیث عنقریب باب "الدعاء اذا علا عقبة" میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اخذ" اس کا معنی ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چلنا شروع کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "او قال فی ثنية" یعنی راوی کو شک ہے کہ اس حدیث میں "ثنية" کا لفظ ہے یا "عقبة" کا لفظ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ راوی حدیث کے الفاظ نقل کرنے میں بہت احتیاط کرتا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ حدیث کے لفظ کو بعینہٖ نقل کرے، جب کہ "عقبة" اور "ثنية" دونوں کا معنی گھاٹی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "کیا میں تمہاری رہنمائی اس کلمہ پر نہ کروں جو جنت کے خزانہ سے ہے؟" اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ وہ کلمہ جنت کے خزانہ سے کس طرح ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ خزانہ کی مثل ہے، کیونکہ جس طرح خزانہ میں نفیس چیزیں اکٹھی کی جاتی ہیں جن سے نفع حاصل کرنے کی توقع ہوتی ہے، اسی طرح اس کلمہ کو پڑھنے کے ثواب میں امورِ کثیرہ ہیں جن کے حصول کی توقع کی جاتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۹۔ بَابٌ: لِلّٰهِ مِائَةُ اسْمٍ غَيْرَ وَاحِدٍ

اللہ تعالیٰ کے ایک کم سو نام ہیں (یعنی ننانوے)

۶۴۱۰۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَفِظْنَاهُ مِنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رِوَايَةً قَالَ لِلّٰهِ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ اسْمًا مِائَةٌ إِلَّا وَاحِدًا لَا يَحْفَظُهَا أَحَدٌ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ وَتْرٌ يُحِبُّ الْوَتْرَ۔

(صحیح مسلم: ۲۶۷۷، مسند احمد: ۷۴۵۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم نے اس حدیث کو ابو الزناد سے محفوظ رکھا ہے از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، ایک کم سو۔ جو شخص بھی ان اسماء کو یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور اللہ وتر (فرد) ہے اور وہ وتر کو پسند کرتا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۱۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبد اللہ، اور وہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ ابن عیینہ ہیں، اور ابو الزناد کا نام ہے عبد اللہ بن ذکوان، اور الاعرج کا نام ہے عبد الرحمٰن بن ہرمز۔

دیگر کتب حدیث میں حدیث مذکور کا ذکر

اس حدیث کی بھی امام مسلم نے کتاب الدعوات میں روایت کی ہے از زہیر بن حرب، اور اس میں مذکور ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسم ہیں، جس نے ان کو یاد کرلیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ وتر (طاق) ہے اور وتر کو پسند کرتا ہے۔

اور دوسری روایت میں ہے: جس نے ان اسماء کو یاد کرلیا اور ایک روایت میں بخاری کے الفاظ کی مثل ہے مگر اس کے آخر میں یہ ہے کہ جس نے ان اسماء کو یاد کرلیا، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اور امام ترمذی نے اس حدیث کی از ابن ابی عمر روایت کی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ اللہ کے لیے ننانوے اسم ہیں جس نے ان کو یاد کیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا ''هو الله الذی لا اله الا هو الرحمٰن الرحيم ۔۔۔ الحديث'' اور امام ترمذی نے ان تمام اسماء کا شمار کیا ہے اور پھر کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس کی تحقیق کہ اللہ تعالیٰ کے جو اسماء حدیث میں مذکور ہیں، ان کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں یا نہیں؟

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ان اسماء کے سوا اور کوئی اسم نہیں ہے، کیونکہ اگر ان اسماء کے سوا اور کوئی اسم ہوتا تو اس عدد کی تخصیص کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ اور دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کا متناہی ہونا ممکن نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنی مدح فرمائی ہے اور اپنی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں، وہ غیر متناہی ہیں۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس حدیث میں ان اسماء کا حصر نہیں ہے، کیونکہ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ان کے علاوہ اور کوئی اسم نہیں ہے بلکہ ان کا معنی یہ ہے کہ ان اسماء کو جس نے یاد کرلیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، کیونکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان اسماء کو یاد کرنے سے بندہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور یہ خبر دینا مقصود نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ان مذکور اسماء میں حصر ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اگرچہ اس سے زیادہ ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء کے معانی ان مذکورہ اسماء میں محصور ہیں، پس اس وجہ سے ان مذکورہ اسماء میں اللہ تعالیٰ کے اسماء کا حصر کیا گیا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس میں دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے مشہور نام لفظِ اللہ ہے، کیونکہ تمام اسماء کی اضافت لفظِ اللہ کی طرف ہوتی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہی اسم اعظم ہے۔

ابو القاسم القشیری نے بیان کیا ہے کہ اس میں یہ دلیل ہے کہ اسم عینِ مسمّٰی ہے، کیونکہ اگر اسم مسمّی کا غیر ہوتا تو پھر یہ اسماء اللہ کے غیر کے ہوتے۔ اور دوسروں نے کہا: اگر اسم مسمّٰی کا غیر ہوتا تو جب حدیث میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسم ہیں تو اس سے لازم آتا ''الٰهة'' متعدد ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اسم سے مراد یہاں پر لفظ ہے۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اسم کا لفظ اس معنی میں بھی آتا ہے، اختلاف اس چیز میں ہے کہ کیا اسم کا اطلاق کیا جائے تو اس سے مسمّٰی کا عین مراد ہوتا ہے اور تعدد اسماء سے مسمّٰی کا تعدد لازم نہیں آتا۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ جن الفاظ کا اللہ سبحانہٗ پر اطلاق کیا جاتا ہے، وہ ایک اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرتے ہیں اور دوسرے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی صفتِ حقیقیہ یا صفتِ غیر حقیقیہ پر دلالت کرتے ہیں، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اعتبارات اور صفات میں تعدد ہو نہ کہ ذات میں تعدد ہو، اور اس میں کوئی استحالہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء کو یاد کرنے کی توجیہات

اس حدیث میں مذکور ہے "جو بھی ان اسماء کو یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا":

یاد کرنے سے مراد یہ ہے کہ دل سے ان اسماء کو پڑھے، پس یہ تکرار سے کنایہ ہے کیونکہ حفظ تکرار کو مستلزم ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حفظ کرنے سے مراد یہ ہے کہ جو ان اسماء کے تقاضوں پر عمل کرے اور ہر اسم کے معنی پر ایمان لائے اور اطاعت کرے۔ اور دوسری روایت میں اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص دعا میں ان اسماء کا شمار کرے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جو ان اسماء کی رعایت کرے اور ان کے تقاضوں کی حفاظت کرے اور ان کے معانی کی تصدیق کرے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ "من احصاھا" کا معنی یہ ہے کہ جو ان کے مجموعہ کی تکرار کرے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "دخل الجنة" یعنی وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ یہاں لفظِ ماضی تحقیقاً ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ ایسا یقیناً ہوگا۔

وَتر کے پسندیدہ ہونے کی وجوہ

اس حدیث میں مذکور ہے "اللہ وَتر ہے" یعنی اللہ واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "یحب الوتر" یعنی اللہ تعالیٰ وَتر (طاق) کو اعمال میں فضیلت دیتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نمازیں پانچ رکھی ہیں، اور طواف میں سات چکر رکھے ہیں، اور اکثر اعمال میں تین دفعہ کرنے کو مستحب قرار دیا ہے، اور آسمان بھی سات پیدا کیے اور زمینیں بھی سات پیدا کیں اور ان سب میں طاق کا عدد ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۳۔ ۴۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ اسی طرح سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم ہے اور قرآن مجید کی منزلیں بھی سات ہیں، اور ہفتہ کے بھی سات دن ہوتے ہیں، اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ طاق کا عدد اللہ کا پسندیدہ عدد ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۴۱۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اسماء کے غیر متناہی ہونے پر دلیل

حدیث مذکور میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء کا ذکر ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان ننانوے اسماء کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اور اسماء نہیں ہیں، بلکہ تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء غیر متناہی ہیں، کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ

اور اگر تمام روئے زمین کے درخت قلم بن جائیں اور تمام سمندر سیاہی ہوں اور اس کے بعد ان میں سات سمندروں کا اور اضافہ

ہو، تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔ (لقمن:۲۷)

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ (الکہف:۱۰۹)

آپ کہیے: اگر میرے رب کے کلمات (کو لکھنے) کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو میرے رب کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے ضرور سمندر ختم ہوجائے گا، خواہ ہم اس کی مدد کے لیے اتنا ہی سمندر اور لے آئیں O

اور حدیث میں جو ان ننانوے اسماء کا ذکر ہے، اس سے مقصود یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے تو ان اسماء کے ساتھ دعا کی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۔ (الاعراف:۱۸۰) اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں، تو ان ہی ناموں سے اس کو پکارو۔

سو اس عدد کا ذکر اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا ان اسماء کے ساتھ کی جائے۔

علامہ المہلب نے کہا ہے: یہ قول دلوں کی طرف زیادہ میلان کرتا ہے۔ اور علامہ نووی نے لکھا ہے کہ اس پر علماء کا اتفاق ہے۔
(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱۷ ص ۵)

کیونکہ اس پر امت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توصیف کرنے والے اس کی کنہ (حقیقت) تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور اس کی حمد و ثنا کرنے والے اس کی صفات کی انتہاء تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس دلیل سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء، ان مذکور اسماء کے علاوہ اور بھی ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ کی صفات متناہی ہوجائیں گی حالانکہ اللہ تعالیٰ کی صفات غیر متناہی ہیں۔ اور یہ ابوالحسن الاشعری کا قول ہے اور اہل علم کی ایک جماعت کا بھی قول ہے۔

علامہ ابن الطیب نے کہا ہے: اس حدیث میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اس سے زیادہ نہیں ہیں لیکن ظاہر یہ ہے کہ جس نے ان اسماء کو بطور تعظیم کے یاد کرلیا وہ جنت میں داخل ہوجائے گا اگرچہ اس کے اور اسماء بھی ہیں۔

اللہ عزوجل کے اسماء کے توقیفی ہونے کی تحقیق

علامہ القابسی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات توقیفی ہیں، یعنی جن اسماء کا ذکر کتاب اور سنت میں آچکا ہے اور کتاب اور سنت میں ان اسماء کے علم سے ہی اللہ تعالیٰ کے اسماء کا علم ہوتا ہے۔ اور جن اسماء کا ذکر کتاب وسنت میں نہ ہو ان کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر اطلاق کرنا جائز نہیں ہے۔ اور قیاس کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ ان کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اس کے اسماء کا کوئی معین عدد مذکور نہیں ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں یہ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ایک کم سو ہیں۔ اور بعض علماء نے اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ننانوے اسماء کا استخراج کیا ہے۔ اور ان میں سے بعض اسماء ہیں اور بعض صفات ہیں۔

علامہ الداؤدی نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے ننانوے اسماء کی تصریح کی ہے۔

علامہ ابن القابسی نے کہا ہے کہ امام مالک نے اپنی سند کے ساتھ کعب الاحبار سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: جو کلمات میں پڑھتا ہوں اگر وہ نہ ہوتے تو یہود مجھے گدھا بنا دیتے، ان سے پوچھا گیا: وہ کیا کلمات ہیں؟ تو انہوں نے بتایا:

اعوذبوجه الله العظيم، الذی ليس له شیء اعظم منه، وبكلمات الله التامات التی لايجاوزهن بر ولا فاجر وباسماء الله الحسنیٰ كلها، ما علمت منها، ومالم اعلم من شر ما خلق وذرأ وبرأ۔ (الموطا: ص ۲۹۰)

میں اللہ کی عظیم ذات کی پناہ میں آتا ہوں، جس سے عظیم کوئی چیز نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے کلمات تامات کی پناہ میں آتا ہوں جن سے کوئی نیک اور بد تجاوز نہیں کر سکتا۔ اور میں اس کی ہر مخلوق کے شر سے جس کو اس نے پیدا کیا ہے اور زمین میں منتشر کیا ہے اس کے تمام اسماء حسنیٰ کی پناہ میں آتا ہوں جن کا مجھے علم ہے اور جن کا مجھے علم نہیں ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ یہ دعا کرتے تھے اور بعض متقدمین بزرگ بھی یہ دعا کیا کرتے تھے۔

اسمِ اعظم کا بیان

حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے سنا ایک مرد یہ دعا کر رہا تھا:

اللهم انی اسالك بانی اشهد انك لا اله الا انت الاحد الصمد الذی لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد۔

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تو ہی عبادت کا مستحق ہے اور تو ہی واحد بے نیاز ہے، جس نے کسی کو جنا ہے اور نہ وہ کسی سے جنا گیا ہے، اور اس کا کوئی ہمسر اور مماثل نہیں ہے۔

تو انہوں نے کہا: اس نے اللہ تعالیٰ کے اسمِ اعظم کے ساتھ دعا کی ہے۔ اور جس نے بھی اس اسم کے ساتھ دعا کی اس کی دعا مقبول ہوگئی، اور جو اس اسم کے وسیلہ سے سوال کرے گا اسے عطا کیا جائے گا۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۸۵۷، مسند احمد ج ۵ ص ۳۶۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۴۷، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۵۰۴)

اور شہر بن حوشب نے حضرت اسماء بنتِ یزید سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم ان دو آیتوں میں ہے: ''وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ'' (البقرہ: ۱۶۳)

(سنن ابوداؤد: ۱۴۹۶، سنن ترمذی: ۳۴۷۸، سنن ابن ماجہ: ۳۸۵۵، مسند احمد ج ۶ ص ۴۶۱)

حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا وہ اسمِ اعظم کہ جب اس کے وسیلہ سے دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ دعا قبول فرمائے، اور جب اس کے وسیلہ سے سوال کیا جائے تو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے، وہ حضرت یونس بن متی علیہ السلام کی دعا ہے، کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا:

فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـنْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ (الانبیاء: ۸۸-۸۷)

پھر انہوں نے تاریکیوں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو پاک ہے، بے شک میں (ہی) زیادتی کرنے والوں میں سے تھا O تو ہم نے ان کی پکار سن لی اور ان کو غم

نجات دے دی، اور ہم اسی طرح مومنوں کو نجات دیتے ہیں O
(المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۵۰۶)

اور دوسرے علماء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم وہ (لفظ) ''اللہ'' ہے۔ کیا تم نے نہیں سنا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۞ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۞ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۞
(الحشر: ۲۲۔۲۴)

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ ہر غیب اور شہادت (باطن وظاہر) کا جاننے والا ہے وہ نہایت رحم فرمانے والا بے حد مہربان ہے O وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ بادشاہ ہے، بہت پاک، ہر نقص سے سالم، امان دینے والا، نگہبان، بہت غالب، نہایت عظمت والا، سب سے بڑا، مشرکین اس کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں اس سے پاک ہے O وہی اللہ ہے خالق، موجد، صورت بنانے والا، تمام اچھے نام اسی کے ہیں، آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں اس کی تسبیح کرتی ہیں، اور وہ بہت غالب بے حد حکمت والا ہے O

''احصاء'' کے معنی کی تحقیق

اس حدیث میں ہے ''جس نے اسماء کا احصاء کیا وہ جنت میں داخل ہو گیا''۔

امام بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ احصاء کا معنی ہے: حفظ کرنا اور یاد کرنا۔ اور یہی صحیح ہے کیونکہ دوسری روایت میں ہے ''مَن حفظها''۔ (صحیح البخاری: ۷۳۹۲)

دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: جس نے دعا میں ان اسماء کا شمار کیا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ جس نے ان اسماء کی عمدہ رعایت کی اور ان اسماء کے تقاضا کی حفاظت کی اور ان کے معانی کی تصدیق کی۔

چوتھا قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ: جس نے ان اسماء کے تقاضوں پر عمل کیا۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ''احصاء'' کا معنی ہے: عقل اور معرفت، پس اس کا معنی ہے: جس نے ان اسماء کی معرفت حاصل کی اور ان کے معانی کو سمجھا اور ان پر ایمان لایا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ اور یہ لفظ ماخوذ ہے ''الحصاۃ'' سے جس کا معنی عقل ہے۔ عرب کہتے ہیں ''فلان ذو حصاۃ'' یعنی وہ شخص عقل والا ہے۔ (غریب الحدیث للخطابی ج ۱ ص ۷۰۳)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۳۷۹۔۳۸۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۱۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام جعفر اور امام ابوزید کے تتبع سے قرآن مجید میں مذکور اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ

امام ابونعیم نے از طبرانی از احمد بن عمرو الخلال از ابن ابی عمر روایت کی ہے کہ ہمیں محمد بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ میں نے ابوجعفر بن محمد الصادق سے الاسماء الحسنیٰ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: وہ قرآن میں ہیں۔ پس ہم سے سفیان نے وعدہ کیا کہ وہ ہمارے لیے قرآن سے یہ اسماء نکالیں گے، پھر انہوں نے تاخیر کر دی۔ پھر ہم ابوزید کے پاس آئے تو انہوں نے ان اسماء کو ہمارے لیے نکالا، پھر ہم نے ان اسماء کو سفیان پر پیش کیا، انہوں نے اس پر چار مرتبہ غور کیا اور کہا: ہاں! وہ یہی ہیں۔ اور اسی کو جعفر ابوزید نے ذکر کیا ہے، انہوں نے کہا: سورۃ الفاتحہ میں پانچ اسماء ہیں: "(۱) اللہ (۲) رب، (۳) الرحمٰن (۴) الرحیم، (۵) مالك"۔ اور سورۃ البقرہ میں یہ اسماء ہیں: "(۶) محیط، (۷) قدیر، (۸) علیم، (۹) حکیم، (۱۰) علی، (۱۱) عظیم، (۱۲) تواب، (۱۳) بصیر، (۱۴) ولی، (۱۵) واسع (۱۶) کاف، (۱۷) رؤف، (۱۸) بدیع، (۱۹) شاکر، (۲۰) واحد (۲۱) سمیع، (۲۲) قابض، (۲۳) باسط، (۲۴) حی، (۲۵) قیوم، (۲۶) غنی، (۲۷) حمید، (۲۸) غفور، (۲۹) حلیم، اور جعفر نے اضافہ کیا: (۳۰) الٰہ، (۳۱) قریب، (۳۲) مجیب، (۳۳) عزیز، (۳۴) نصیر، (۳۵) قوی، (۳۶) شدید (۳۷) سریع، (۳۸) خبیر۔

اور جعفر اور ابوزید نے کہا کہ آل عمران میں یہ اسماء ہیں: (۳۹) وھاب، (۴۰) قائم۔ اور جعفر نے اضافہ کیا (۴۱) الصادق (۴۲) باعث (۴۳) منعم (۴۴) متفضل، اور سورۃ النساء میں یہ اسماء ہیں: (۴۵) رقیب، (۴۶) حسیب، (۴۷) شھید، (۴۸) مقیت (۴۹) وکیل۔

اور جعفر نے اضافہ کیا: (۵۰) علی، (۵۱) کبیر۔ اور سفیان نے اضافہ کیا: (۵۲) عفو۔ اور سورۃ الانعام میں ہے (۵۳) فاطر، (۵۴) قاھر، اور جعفر نے اضافہ کیا: (۵۵) ممیت، (۵۶) غفور (۵۷) برھان۔ اور سفیان نے اضافہ کیا: (۵۸) لطیف (۵۹) خبیر (۶۰) قادر۔ اور سورۃ الاعراف میں ہیں: (۶۱) محی (۶۲) ممیت۔

اور سورۃ الانفال میں یہ اسماء ہیں: (۶۳) نعم المولی و نعم النصیر، اور سورۂ ہود میں یہ اسماء ہیں: (۶۴) حفیظ، (۶۵) مجید (۶۶) ودود، (۶۷) فعال لما یرید۔ اور سفیان نے اضافہ کیا: (۶۸) قریب، (۶۹) مجیب، اور سورۃ الرعد میں ہیں: (۷۰) کبیر، (۷۱) متعال، اور جعفر نے اضافہ کیا ہے کہ سورۃ ابراہیم میں (۷۲) منان، اور جعفر نے اضافہ کیا: (۷۳) صادق، (۷۴) وارث۔ اور سورۃ الحجر میں ہے: (۷۵) خلاق۔ اور سورہ مریم میں ہے: (۷۶) صادق (۷۷) وارث، اور جعفر نے اضافہ کیا ہے: (۷۸) فرد، اور سورۃ طٰہٰ میں صرف جعفر کے نزدیک ہے (۷۹) غفار، اور سورۃ المومنین میں ہے: (۸۰) کریم۔ اور سورۃ النور میں ہے (۸۱) حق مبین، اور سفیان نے اضافہ کیا ہے: (۸۲) نور، اور سورۃ الفرقان میں ہے: (۸۳) ھاد، اور سورۃ السبا میں ہے: (۸۴) فتاح، اور سورۃ الزمر میں ہے (۸۵) عالم، اور یہ صرف جعفر کے نزدیک ہے، اور سورۃ المومن میں ہے (۸۶) غافر، (۸۷) قابل، (۸۸) ذی الطول، اور سفیان نے اضافہ کیا ہے: (۸۹) شدید، اور جعفر نے اضافہ کیا ہے: (۹۰) رفیع، اور سورۃ الذاریات میں ہے (۹۱) رزاق، (۹۲) ذو القوۃ (۹۳) المتین، اور سورۃ الطور میں ہے (۹۴) بر، اور سورۃ القمر میں ہے (۹۵) مقتدر، اور جعفر نے اضافہ کیا ہے (۹۶) ملیك، اور سورۃ الرحمٰن میں ہے: (۹۷) ذو الجلال والاکرام، اور

جعفر نے ضافہ کیا(۹۸) رب المشارقین والمغربین۔ اور سورۃ الحدید میں ہے (۹۹)اول، (۱۰۰)آخر، (۱۰۱) ظاہر، (۱۰۲)باطن، اور سورۃ الحشر میں ہے (۱۰۳)قدوس، (۱۰۴)سلام، (۱۰۵) المومن، (۱۰۶) المھیمن (۱۰۷)العزیز (۱۰۸)الجبار، (۱۰۹) المتکبر، (۱۱۰) خالق، (۱۱۱) الباری، (۱۱۲) مصور، اور جعفر نے اضافہ کیا ہے (۱۱۳) ملك، اور سورۃ البروج میں ہے (۱۱۴)مبدیء (۱۱۵)معید، اور سورۃ الفجر میں ہے (۱۱۶) وتر، یہ صرف جعفر کے نزدیک ہے۔ اور الاخلاص میں ہے:(۱۱۷)الاحد، (۱۱۸)الصمد۔

جعفر اور ابوزید نے جو اسماء قرآن مجید سے نکالے ہیں یہ ان کا آخری بیان ہے۔ اور اس میں شدید اختلاف ہے اور تکرار ہے اور کئی لفظ اسم کے ساتھ وارد نہیں ہیں اور وہ یہ ہیں:

''صادق، منعم، متفضل، منان، مبدیء، معید، باعث، قابض، باسط، برھان، ممیت، معین، باق''۔

اور کئی اسم مضاف ہیں جیسے ''فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰی'' (الانعام: ۹۵) اور جیسے ''قابل التوب'' اور ''شدید العقاب'' اور ''رفیع الدرجات'' اور جیسے ''قَآىِٕمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ'' (الرعد: ۳۳)۔ اور سورۃ الفاطر میں ہے ''فاطر السمٰوٰت'' اور سورۃ الانعام میں ہے ''وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ'' (الانعام: ۶۱)۔ اور ''عالم الغیب'' (الرعد: ۱۰۲)، اور المومن ۳ میں ہے ''غَافِرِ الذَّنْۢبِ'' اور غالب کا لفظ ہے جیسے ''واللہ غالب علیٰ امرہٖ'' اور ''رفیع الدرجات'' میں رفیع ہے۔ اور حافظ اس آیت میں ہے ''فاللہ خیر حفظاً'' (المومن: ۳) اور اس آیت میں ہے ''وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝'' (الحجر: ۹)۔ اور حفی کا لفظ ہے اس آیت میں ''سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْؕ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا۝'' (مریم: ۴۷)۔

اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء کی تفصیل از امام ترمذی

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسم ہیں، جس نے ان کو سمجھ کر یاد کرلیا وہ جنت میں داخل ہوگیا۔ (وہ اسماء یہ ہیں:)

''ھو اللہ الذی لا الہ الا'' (اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں) ''ھو الرحمٰن'' (جو بغیر کسی غرض کے بغیر کسی عوض کے از خود رحم فرمانے والا ہے) ''الرحیم'' (جو آخرت میں رحم فرمانے والا ہے) ''الملك'' (جو حقیقی بادشاہ ہے) ''القدوس'' (جو ہر قسم کے عیب اور نقص سے پاک ہے) ''السلام'' (جو ہمیشہ سلامت رہنے والا ہے) ''المؤمن'' (جو امن اور عافیت دینے والا ہے) ''المھیمن'' (جو نگہبانی کرنے والا ہے) ''العزیز'' (جو غالب ہے) ''الجبار'' (جو صاحب جبروت ہے اور تمام مخلوق اس کے زیر تصرف ہیں) ''المتکبر'' (کبریائی جس کا حق ہے) ''الخالق'' (پیدا کرنے والا ہے) ''الباری'' (ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے) ''المصور'' (صورت بنانے والا ہے) ''الغفار'' (بہت بخشنے والا ہے) ''القھار'' (جو بہت غلبہ اور قہر والا ہے) ''الوھاب'' (بہت عطا کرنے والا ہے) ''الرزاق'' (بہت رزق دینے والا ہے) ''الفتاح'' (رحمت کے دروازے کھولنے والا ہے) ''العلیم'' (بہت زیادہ علم والا ہے) ''القابض'' (تنگی کرنے والا ہے) ''الباسط'' (فراخی کرنے والا ہے) ''الخافض'' (پست کرنے والا ہے) ''الرافع'' (بلند کرنے والا ہے) ''المعز'' (عزت دینے والا ہے) ''المذل'' (ذلت دینے والا ہے) ''السمیع'' (از خود بہت سننے والا ہے) ''البصیر'' (از خود بہت دیکھنے والا ہے) ''الحکم'' (فیصلہ کرنے والا

ہے) ''العدل'' (انصاف کرنے والا ہے) ''اللطیف'' (جوازخودلطف وکرم کرنے والا ہے) ''الخبیر'' (ہر چیز کی ازخودخبر رکھنے والا ہے) ''الحلیم'' (بردبار ہے) ''العظیم'' (بہت عظمت والا ہے) ''الغفور'' (بہت معاف کرنے والا ہے) ''الشکور'' (شکر کی بہت جزاء دینے والا ہے) ''العلی'' (بہت بلند ہے) ''الکبیر'' (بہت بڑا ہے) ''الحفیظ'' (بہت حفاظت کرنے والا ہے) ''المقیت'' (سب کوضروریاتِ زندگی فراہم کرنے والا ہے) ''الحسیب'' (سب کے لیے کافی ہے) ''الجلیل'' (بہت بزرگ ہے) ''الکریم'' (بہت عزت والا ہے) ''الرقیب'' (بہت نگہبان ہے) ''المجیب'' (دعاؤں کو بہت قبول کرنے والا ہے) ''الواسع'' (بہت وسعت والا ہے) ''الحکیم'' (بہت حکمت والا ہے) ''الودود'' (بہت محبت کرنے والا ہے) ''المجید'' (بہت بزرگ ہے) ''الباعث'' (مُردوں کو اٹھانے والا ہے) ''الشهید'' (ازخود ہر چیز پر حاضر ہے) ''الحق'' (ہمیشہ ثابت ہے) ''الوکیل'' (حقیقی کارساز ہے) ''القوی'' (بہت قوت والا ہے) ''المتین'' (بہت مضبوط ہے) ''الولی'' (سرپرست اور مددگار ہے) ''الحمید'' (اس کی بہت تعریف کی ہوئی ہے) ''المحصی'' (شمار کرنے والا ہے) ''المبدیء'' (ابتداءً پیدا کرنے والا ہے) ''المعید'' (لوٹانے والا ہے) ''المحیی'' (زندہ کرنے والا ہے) ''الممیت'' (مارنے والا ہے) ''الحی'' (ہمیشہ زندہ ہے) ''القیوم'' (ازخود قائم ہے) ''الواجد'' (سب کچھ اپنے پاس رکھنے والا ہے) ''الماجد'' (بزرگی اور عظمت والا ہے) ''الواحد'' (اپنی ذات اور صفات میں یکتا ہے) ''الصمد'' (سب سے بے نیاز اور سب اس کے محتاج) ''القادر'' (ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے) ''المقتدر'' (کامل قدرت رکھنے والا ہے) ''المقدم'' (جس کو چاہے آگے کرنے والا ہے) ''الموخر'' (جس کو چاہے پیچھے کرنے والا ہے) ''الاول'' (سب سے پہلے) ''الآخر'' (سب کے بعد) ''الظاهر'' (دلائل کے اعتبار سے سب سے زیادہ ظاہر) ''الباطن'' (اور وجود کے اعتبار سے سب سے مخفی) ''الوالی'' (مالک اور کارساز ہے) ''المتعالی'' (بلند واعلیٰ) ''البر'' (بہت بڑا محسن) ''التواب'' (توبہ قبول کرنے والا) ''المنتقم'' (سزا دینے والا) ''العفو'' (بہت معاف کرنے والا) ''الرؤف'' (بہت مہربانی کرنے والا) ''مالك الملك'' (تمام جہانوں کی ملکیت والا) ''ذوالجلال والاکرام'' (بہت بزرگی اور عزت والا) ''المقسط'' (عدل کرنے والا) ''الجامع'' (تمام مخلوق کو میدانِ حشر میں جمع کرنے والا) ''الغنی'' (جو بے نیاز ہے) ''المغنی'' (جو اپنے بندوں کو بھی بے نیاز بنا دیتا ہے) ''المانع'' (جس چیز کو چاہے منع کرنے والا) ''الضار'' (جس چیز سے چاہے ضرر دینے والا) ''النافع'' (جس چیز سے چاہے نفع دینے والا) ''النور'' (روشن اور واضح) ''الهادی'' (ہدایت دینے والا) ''البدیع'' (ابتداءً بنانے والا) ''الباقی'' (ہمیشہ رہنے والا) ''الوارث'' (سب کے فنا ہونے کے بعد باقی رہنے والا) ''الرشید'' (جس کا ہر فعل درست ہے) ''الصبور'' (سب سے زیادہ صبر کرنے والا)۔

امام ابوعیسیٰ نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے، ہمیں صفوان بن صالح سے متعدد نے یہ حدیث بیان کی ہے مگر ہم اس حدیث کو صرف صفوان سے پہچانتے ہیں۔ (سنن ترمذی: ۳۵۰۷، المستدرک للحاکم: ج ۱ ص ۱۶، رقم الحدیث: ۴۱)

امام ترمذی کے بیان کردہ ننانوے اسماءِ حسنیٰ پر حافظ ابن حجر عسقلانی کا تبصرہ

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

میں نے ان اسماء کا تتبع کیا جو قرآن میں اسم کے صیغہ کے ساتھ مذکور ہیں اور ان کا امام ترمذی کی روایت میں ذکر نہیں ہے۔

وہ یہ اسماء ہیں: (۱) الرب، (۲) الالٰہ، (۳) المحیط، (۴) القدیر، (۵) الکافی، (۶) الشاکر، (۷) الشدید، (۸) القائم، (۹) الحاکم، (۱۰) الفاطر، (۱۱) الغافر، (۱۲) القاھر، (۱۳) المولی، (۱۴) النصیر، (۱۵) الغالب، (۱۶) الخالق، (۱۷) الرفیع، (۱۸) الملیک، (۱۹) الکفیل، (۲۰) الخلاق، (۲۱) الاکرم، (۲۲) الاعلیٰ، (۲۳) المبین، (۲۴) الحفی (۲۵) القریب (۲۶) الاحد (۲۷) الحافظ۔

سو یہ ستائیس اسماء ہیں۔ اور ان ستائیس اسماء کو جب امام ترمذی کی روایت کے ساتھ ملایا جائے جو انہوں نے اسم کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیے ہیں تو ننانوے کا عدد پورا ہو جاتا ہے اور یہ سب اسماء قرآن مجید میں مذکور ہیں، لیکن بعض اسماء اضافت کے ساتھ ہیں جیسے "شَدِيْدِ الْعِقَابِ" (المومن: ۳) اور جیسے رفیع ہے "رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ" میں (المومن: ۱۵)، اور قائم اس آیت میں ہے: "قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ" (الرعد: ۳۳)، اور الفاطر اس آیت میں ہے "فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ" (فاطر: ۱)، اور القاہر ہے اس آیت میں "وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ" (الانعام: ۶۱)، اور المولی والنصیر ہے اس آیت میں "نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ۝" (الانفال: ۴۰)، اور عالم اس آیت میں ہے "عٰلِمُ الْغَيْبِ" (الرعد: ۹)، اور خالق اس آیت میں ہے "خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ" (الانعام: ۱۰۲)، اور الغافر اس آیت میں ہے "غَافِرِ الذَّنْۢبِ" (المومن: ۳) اور غالب اس آیت میں ہے "وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ" (یوسف: ۲۱)، اور رفیع اس آیت میں ہے "رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ" (المومن: ۱۵)، اور الحافظ، یہ اس آیت میں ہے "فاللہ خیر حفظا" (المومن: ۳)، اور اس آیت میں ہے "وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝" (الحجر: ۹)۔

اور امام ترمذی کی روایت میں بھی اس طرح کے اسماء ہیں جیسے المحیی یہ اس آیت میں ہے "لَمُحْيِ الْمَوْتٰى" (الروم: ۵۰)، اور المالک، یہ اس آیت میں ہے "مالک الملک" اور النور، یہ اس آیت میں ہے "نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (النور: ۳۵) اور البدیع، یہ اس آیت میں ہے "بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (الانعام: ۱۰۱)، اور الجامع، یہ اس آیت میں ہے "جامع الناس" (آل عمران: ۲۶)، اور الحکم، یہ اس آیت میں ہے "اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا" (الانعام: ۱۱۴) اور الوارث، یہ اس آیت میں ہے "وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ۝" (الحجر: ۲۳)۔

اور وہ اسماء جو ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور امام ترمذی کی روایت میں ان کا ذکر ہے، اور وہ قرآن مجید میں اسم کے صیغہ کے ساتھ مذکور نہیں ہیں، اور یہ ستائیس اسم ہیں:

القابض، الباسط، الخافض، الرافع، المعز، المذل، العدل الجلیل، الباعث، المحصی، المبدی، المعید، الممیت، الواجد، الماجد، المقدم، المؤخر، الولی، ذوالجلال والاکرام، المقسط، المغنی، المانع، الضار، النافع، الباقی، الرشید، الصبور۔

اگر امام ترمذی کی روایت میں ان اسماء کے ماسوا پر اقتصار کیا جائے اور ان مذکورہ ستائیس کے بدلہ میں ان ستائیس اسماء کا ذکر کیا جائے جن کا میں نے ذکر کیا ہے تو اس سے ننانوے کا عدد پورا ہو جائے گا اور یہ سب قرآن مجید میں مذکور ہیں اور اسم کے صیغہ کے ساتھ وارد ہیں۔ اور ان کے مقامات قرآن مجید میں ظاہر ہیں سوا "الحفی" کے۔ کیونکہ یہ سورۂ مریم میں حضرت ابراہیم کے اس قول میں

مذکور ہے "سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا" (مریم: ۴۷)، اور بہت کم لوگ ایسے ہیں جو اس باریکی پر متنبہ ہوئے ہوں۔

ان متعدد اسماء صفات کا ذکر جو ایک صفت سے مشتق ہیں اور ان کو الگ الگ شمار کرنے کی توجیہ

اس تفصیل کے بعد اب صرف اس چیز میں غور کرنا رہ گیا کہ بعض متعدد اسماء ایک صفت سے مشتق ہیں جیسے: القدیر، المقتدر، القادر، الغفور، الغفار، الغافر، اسی طرح: العلی، الاعلیٰ، المتعال، اور اسی کی مثل ہے: الملك، المليك، المالك، اور اسی کی نظیر ہے: الکریم، الاکرم، اور اسی طرح ہے: القاهر، القهار، اور اسی طرح ہے: الخالق، الخلاق، اور اسی کی مثل ہے: الشاكر، الشكور، اور اسی طرح ہے: العالم، العليم۔

پس اس کی توجیہ میں یہ کہا جائے گا کہ جن علماء نے ان کو الگ الگ اسم شمار کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان اسماء میں فی الجملہ تغایر ہے، کیونکہ بعض اسماء میں ایک زائد خصوصیت ہے جو دوسرے میں نہیں ہے۔ اسی طرح: الرحمٰن اور الرحیم دونوں اسم صفتِ واحدہ سے مشتق ہیں۔ اور اگر ان کو الگ الگ شمار کرنے سے منع کیا جائے تو پھر جو دو اسم ایک معنی میں مشترک ہیں ان کو شمار نہ کیا جائے جیسے الخالق، الباری، المصور، لیکن ان کو شمار کیا جاتا ہے اگرچہ یہ ایجاد اور اختراع کے معنی میں مشترک ہیں۔ اور ان میں ایک اعتبار سے تغایر ہے اور وہ یہ ہے کہ خالق کا معنی ہے: جو ایجاد پر قادر ہو، اور الباری کا معنی ہے: جو جوہرِ مخلوق کا موجد ہو، اور المصور کا معنی ہے: جو صورت بنائے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۱۴، ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کے تتبع سے قرآن مجید میں ننانوے اسماءِ حسنیٰ کی تحقیق جو اسم کے صیغہ کے ساتھ وارد ہیں

(۱) الله (۲) الرحمٰن (۳) الرحيم (۴) الملك (۵) القدوس (۶) السلام (۷) المومن (۸) المهيمن (۹) العزيز (۱۰) الجبار (۱۱) المتكبر (۱۲) الخالق (۱۳) البارى (۱۴) المصور (۱۵) الغفار (۱۶) القهار (۱۷) التواب (۱۸) الوهاب (۱۹) الخلاق (۲۰) الرزاق (۲۱) الفتاح (۲۲) العليم (۲۳) الحليم (۲۴) العظيم (۲۵) الواسع (۲۶) الحكيم (۲۷) الحى (۲۸) القيوم (۲۹) السميع (۳۰) البصير (۳۱) اللطيف (۳۲) الخبير (۳۳) العلى (۳۴) الكبير (۳۵) المحيط (۳۶) القدير (۳۷) المولى (۳۸) النصير (۳۹) الكريم (۴۰) الرقيب (۴۱) القريب (۴۲) المجيب (۴۳) الوكيل (۴۴) الحسيب (۴۵) الحفيظ (۴۶) المقيت (۴۷) الودود (۴۸) المجيد (۴۹) الوارث (۵۰) الشهيد (۵۱) الولى (۵۲) الحميد (۵۳) الحق (۵۴) المبين (۵۵) القوى (۵۶) المتين (۵۷) الغنى (۵۸) المالك (۵۹) الشديد (۶۰) القادر (۶۱) المقتدر (۶۲) القاهر (۶۳) الكافى (۶۴) الشاكر (۶۵) المستعان (۶۶) الفاطر (۶۷) البديع (۶۸) الغافر (۶۹) الاول (۷۰) الآخر (۷۱) الظاهر (۷۲) الباطن (۷۳) الكفيل (۷۴) الغالب (۷۵) الحكم (۷۶) العالم (۷۷) الرفيع (۷۸) الحافظ (۷۹) المنتقم (۸۰) القائم (۸۱) المحى (۸۲) الجامع (۸۳) المليك (۸۴) المتعالى (۸۵) النور (۸۶) الهادى (۸۷) الغفور (۸۸) الشكور (۸۹) العفو (۹۰) الرؤف (۹۱) الاكرم (۹۲) الاعلى (۹۳) البر (۹۴) الحفى (۹۵) الرب (۹۶) الاله (۹۷) الواحد (۹۸) الاحد (۹۹) الصمد (لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد)۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۱۴، ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے پہلے امام جعفر اور امام ابوزید کے حوالہ سے قرآن مجید میں مذکور اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ذکر کیا، پھر اس پر یہ جرح کی کہ ان اسماء میں اختلاف شدید ہے اور تکرار ہے اور کئی ایسے اسماء ہیں جو لفظِ اسم کے ساتھ وارد نہیں ہیں۔ پھر امام ترمذی نے جو اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء ذکر کیے ہیں اس میں یہ اصلاح کی کہ اس میں ستائیس ایسے اسماء کا ذکر نہیں ہے جو قرآن مجید میں ہیں اور امام ترمذی کی روایت میں نہیں ہیں۔ پھر یہ بتایا کہ امام ترمذی کی روایت میں ستائیس ایسے اسماء کا ذکر کیا گیا ہے جو اسماء متقابل ہیں اور قرآن مجید میں ان کا ذکر نہیں ہے۔ اور اگر ان ستائیس اسماء کو ان اسماء سے بدل لیا جائے جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے اور امام ترمذی نے ان کو ذکر نہیں کیا تو ننانوے کا عدد پورا ہو جائے گا اور قرآن مجید کے مطابق ہو جائے گا۔ پھر حافظ ابن حجر عسقلانی نے ازخود قرآن مجید میں وارد ننانوے اسماء ذکر کیے جو صیغہ اسم کے ساتھ قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ اور اس تحقیق میں حافظ ابن حجر عسقلانی منفرد ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ان کو اس کی بہترین جزا عطا فرمائے۔ آمین۔ (سعیدی غفرلہٗ)

آیا اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ ننانوے کے عدد میں منحصر ہیں یا اس سے زائد ہیں؟

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

ننانوے کے عدد میں اختلاف کیا گیا ہے کہ اسماءِ حسنیٰ اس عدد میں منحصر ہیں یا اس سے زیادہ ہیں۔ لیکن ننانوے کا عدد اس لیے مخصوص ہے کہ جس نے ان ننانوے اسماء کو سمجھ کر یاد کر لیا اور ان کے تقاضوں پر عمل کیا تو وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ پس جمہور کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ ننانوے سے زیادہ ہیں اور علامہ نووی نے کہا ہے: علماء کا اس پر اتفاق ہے، پس انہوں نے کہا: اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ننانوے میں حصر نہیں ہے اور اس کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ ان ننانوے اسماء کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا کوئی اور اسم نہیں ہے۔ اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ ان اسماء کو جس نے سمجھ کر یاد کر لیا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ پس اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جس نے ان ننانوے اسماء کو یاد کر لیا وہ جنت میں داخل ہو گیا اور یہ مراد نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ننانوے کے عدد میں منحصر ہیں۔ اور اس کی تائید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے جس کی امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے اور امام ابن حبان نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے اور وہ یہ ہے:

اسألك بكل اسم هولك سميت به نفسك او انزلته فی كتابك او علمته احدا من خلقك او استاثرت به فی علم الغيب عندك۔

اے اللہ! میں تجھ سے تیرے ہر اس اسم کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جس اسم کے ساتھ تو نے اپنا نام رکھا ہے، یا تو نے جس اسم کو اپنی کتاب میں نازل کیا ہے، یا تو نے جس اسم کی اپنی مخلوق میں سے کسی ایک کو تعلیم دی ہے، یا جس اسم کو تو نے اپنے علم غیب میں اپنے ساتھ مخصوص رکھا ہے۔

اور امام مالک نے کعب احبار کی یہ دعا روایت کی ہے:

واسالك باسمائك الحسنیٰ ما علمتُ منها وما لم اعلم۔

اور میں تجھ سے تیرے ان اسماءِ حسنیٰ کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جن کا مجھے علم ہے اور جن کا مجھے علم نہیں ہے۔

امام طبری نے از قتادہ اس حدیث کی مثل روایت کی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس دعا کی مثل کے

ساتھ دعا مانگی۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: اس حدیث میں ان اسماء مخصوصہ کا اس عدد کے ساتھ اثبات ہے۔اور اس حدیث میں ان اسماء کے سوا مزید اسماء کی ممانعت نہیں ہے۔اور ان اسماء کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ ان اسماء کے معانی بہت واضح ہیں۔

اور علامہ ابن بطال نے قاضی ابوبکر بن الطیب سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صرف یہی ننانوے اسماء ہیں بلکہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس نے ان اسماء حسنیٰ کو سمجھ کر یاد کر لیا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

اور حصر نہ ہونے پر دلیل یہ ہے کہ ان اسماء حسنیٰ میں سے اکثر اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات غیر متناہی ہیں۔

نیز اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ ان اسماء حسنیٰ کے ساتھ دعا کرنی چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا۔ اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں، تو ان ہی ناموں سے اس کو پکارو۔ (الاعراف:۱۸۰)

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ یہ ننانوے اسماء ہیں، ان کے ساتھ دعا کی جائے اور ان اسماء کے غیر کے ساتھ دعا نہ کی جائے۔

علامہ ابن بطال نے اس قول کو المہلب سے نقل کیا ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ بہ کثرت احادیث صحیحہ کے اندر ان اسماء کے ساتھ دعا وارد ہے جو اسماء قرآن مجید میں مذکور نہیں ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قیام لیل کی حدیث میں ہے ''انت المقدم وانت المؤخر۔'' وغیر ذالك۔اور مقدم اور مؤخر ان اسماء حسنیٰ میں مذکور نہیں ہیں۔

اور امام فخر الدین رازی نے کہا ہے: جب کہ اسماء صفات میں سے بھی ہیں اور صفات یا ثبوتیہ حقیقیہ ہیں جیسے الحی، یا صفات اضافیہ ہیں جیسے العظیم یا صفات سلبیہ ہیں جیسے القدوس۔ یا حقیقیہ اور اضافیہ ہیں جیسے القدیر۔ یا صفات سلبیہ اضافیہ ہیں جیسے اول اور آخر۔اور یا حقیقیہ اور اضافیہ اور سلبیہ ہیں جیسے الملک۔اور سلوب غیر متناہی ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ غیر متناہی امور کا عالم ہے اور غیر متناہی امور پر قادر ہے۔پس اس میں کوئی امتناع نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس کے متعلق کوئی اسم ہو، پس لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء غیر متناہی ہیں۔

القاضی ابوبکر بن العربی نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار اسم ہیں اور ابن العربی نے کہا: یہ کم ہیں۔اور الفخر الرازی نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے چار ہزار اسم ہیں۔اللہ تعالیٰ ان میں سے ایک ہزار علم کے ساتھ منفرد ہے اور کسی کو ان کا علم نہیں ہے اور بقیہ اسماء کا علم اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو تعلیم کیا۔اور انبیاء علیہم السلام کو ان میں سے دو ہزار اسماء کی تعلیم دی، اور باقی لوگوں کو ایک ہزار اسماء کی تعلیم دی۔اور یہ دعویٰ دلیل کا محتاج ہے۔

اور بعض علماء نے اس قول پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ اس باب کی نفس حدیث سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ وتر ہے اور وتر سے محبت کرتا ہے۔اور جس روایت میں، میں نے اسماء کو لکھا ہے اس میں وتر کا ذکر نہیں ہے۔پس اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ان ننانوے اسماء کے علاوہ اور بھی اسماء ہیں۔

اور جن لوگوں کا مختار یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ان ننانوے اسماء میں حصر ہے جیسے ابن حزم۔اور ابن حزم ان لوگوں میں سے

ہے جن کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کا حصر ننانوے اسماء میں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ایک کم سو ہیں۔ انہوں نے کہا: اگر ان اسماء کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کے اسماء ہوں تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء سو ہوں، اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ایک کم سو ہوں۔

اور ابن حزم کی یہ دلیل حجت نہیں ہے، اس لیے کہ حدیث میں ننانوے اسماء میں حصر اس اعتبار سے ہے کہ جس نے ان اسماء کو یاد کرلیا تو وہ جنت میں داخل ہوگیا۔ اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ وعدہ اس سے ہے جس نے ننانوے سے زائد اسماء کو یاد کیا تو اس نے خطاء کی۔ اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہاں پر کوئی اسم ان اسماء کے علاوہ ہو۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَ ذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اَسْمَآىِٕهٖ ؕ (الاعراف:۱۸۰) اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں، تو ان ہی ناموں سے اس کو پکارو۔ اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں غلط راہ اختیار کرتے ہیں۔

اور مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس نام سے پکارا جائے جو نام کتاب یا سنتِ صحیحہ میں وارد نہیں ہے۔ اور ان میں سے کئی اسماء کا سورۃ الحشر کے آخر میں ذکر کیا گیا ہے اور اس آیت پر یہ سورت ختم کی گئی ہے کہ "له الاسماء الحسنٰی"۔

اور بعض جن لوگوں کو یہ وہم ہوتا ہے کہ اسماءِ حسنیٰ کی تعداد ننانوے سے زیادہ ہے، ان کے وہم کی بنیاد یہ ہے کہ بعض اسماء لفظاً مکرر ہیں جیسے الغافر، الغفار، الغفور۔ پس معدود ان میں سے ایک ہے۔ پس جب اس کا اعتبار کیا جائے اور ان اسماء کو جمع کیا جائے جن کی قرآن مجید میں تصریح ہے اور حدیث صحیح میں تصریح ہے تو وہ اسماء ننانوے سے زیادہ نہیں ہیں۔ اور دوسرے علماء نے کہا کہ الاعراف: ۱۸۰ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اسماءِ حسنیٰ ہیں، ان ہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ یہ وہ اسماء ہیں جن کا حدیث میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء ہیں۔ اگر کسی حدیث میں ان کی تعیین وارد ہو تو اس کی طرف رجوع کرنا واجب ہے ورنہ اسماءِ حسنیٰ کے تتبع کے لیے قرآن مجید وسنتِ صحیحہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید کی طرف حوالہ کرنا زیادہ اقرب ہے اور الحمد للہ! قرآن مجید کے تتبع سے ننانوے کا عدد حاصل ہوگیا جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے۔ پس اسی پر اقتصار کرنا چاہیے۔ اور اس عددِ مذکور کو مکمل کرنے کے لیے احادیثِ صحیحہ کی طرف بھی رجوع کرنا چاہیے اور یہ ایک اور طریقہ ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قوت سے اس پر مدد فرمائے گا۔ آمین

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۶۲۔ ۴۶۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اسماءِ حسنیٰ کے ننانوے کے عدد میں انحصار کی حکمت

امام فخر الدین رازی نے لکھا ہے کہ اکثر علماء کی تحقیق یہ ہے کہ ننانوے میں ان اسماء کا منحصر ہونا یہ امر تعبدی ہے۔ اس عدد کی حکمت عقل سے معلوم نہیں کی جاسکتی، جیسے فرض نمازیں پانچ میں منحصر ہیں یا جیسے رکعات کی تعداد منحصر ہے مثلاً فجر کی نماز دو رکعتوں میں منحصر ہے، ظہر، عصر اور عشاء کی نماز چار رکعتوں میں منحصر ہے اور مغرب کی نماز تین رکعتوں میں منحصر ہے تو یہ بھی امر تعبدی ہے عقل

سے نہیں جانا جاسکتا کہ پانچ نمازیں فرض کیوں ہیں چھ کیوں نہیں ہیں۔ اور فجر کی نماز کی رکعت مثلاً دو کیوں ہیں تین کیوں نہیں ہیں۔ اور اسی طرح نصابِ زکوٰۃ کی مقدار کا معاملہ ہے، مثلاً سونے کا نصاب بیس مثقال سونا ہے (ساڑھے سات تولہ)۔ اور چاندی کا نصاب دو سو درہم ہے (ساڑھے باون تولہ چاندی)۔ تو یہ مقدار بھی عقل سے معلوم نہیں کی جاسکتی، شارع علیہ السلام نے جو مقدار بتادی، بس وہی مقدار معین ہوگئی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ننانوے کے عدد میں انحصار کی حکمت یہ ہے کہ عدد یا زوج (جفت) ہوگا یا فرد (طاق) ہوگا۔ اور فرد، زوج سے افضل ہے۔ اور افراد کی بغیر تکرار کے انتہا ننانوے پر ہوتی ہے، اس لیے کہ سو اور ایک میں واحد یعنی ایک مکرر ہو جاتا ہے۔ اور فرد، زوج سے اس لیے افضل ہے کیونکہ وتر، شفع (دوگانہ) سے افضل ہے، کیونکہ وتر خالق کی صفت ہے اور شفع (دوگانہ، جفت) مخلوق کی صفت ہے اور شفع (جفت) وتر (طاق) کا محتاج ہوتا ہے اور وتر (طاق) شفع (جفت) کا محتاج نہیں ہوتا۔

بعض علماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ سو ہیں، ان کے دلائل

اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ عدد میں کمال سو سے حاصل ہوتا ہے، اس لیے کہ اعداد کی تین اجناس ہیں: اُحاد (اکائی) عشرات (دہائی) اور مئات (سینکڑہ)۔ اور ہزار دوسری اکائی کی ابتداء کی جگہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے اسماء سو ہیں، اللہ تعالیٰ ان میں سے ایک کے علم کے ساتھ منفرد ہے اور وہ ایک اسمِ اعظم ہے، پس اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے کسی کو اس پر مطلع نہیں کیا۔

اور دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء سو ہیں لیکن ایک ان میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔ اور جس اسم کے ساتھ سو کا عدد مکمل ہوتا ہے وہ مخفی نہیں ہے بلکہ وہ لفظِ اللہ ہے۔ اور جن علماء نے اس پر وثوق کیا ہے ان میں سے علامہ سہیلی ہیں، انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ سو ہیں اور وہ جنت کے درجات کے مطابق ہیں۔ اور جس اسم سے سو اسماء مکمل ہوتے ہیں وہ اسم لفظِ ''اللہ'' ہے اور اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے: وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (الاعراف: ۱۸۰)۔ پس اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء ہیں اور ایک اسم ان پر زائد ہے اور اسی سے سو کا عدد مکمل ہوتا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۶۳، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

اس مبحث کی تحقیق کہ آیا اسم مسمّیٰ کا عین ہے یا غیر؟

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

علامہ ابوالقاسم القشیری نے ''شرح اسماء اللہ الحسنیٰ'' میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اسم مسمّیٰ کا عین ہے، انہوں نے کہا: اس حدیث میں اس پر یہ دلیل ہے کہ اسم مسمّیٰ کا عین ہے، کیونکہ اگر اسم مسمّیٰ کا غیر ہو تو پھر اسماء الحسنیٰ اللہ تعالیٰ کا غیر ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا۔ (الاعراف: ۱۸۰) اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں، تو ان ہی ناموں سے اس کو پکارو۔

اور جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو اسماءِ حسنیٰ کے ساتھ پکارے گا یا ان کے ساتھ دعا کرے گا تو لازم آئے گا کہ وہ غیر اللہ کو پکار رہا

ہے یا غیر اللہ سے دعا کر رہا ہے، اس لیے لازماً ماننا پڑے گا کہ یہ اسماءِ حسنیٰ اللہ تعالیٰ کا عین ہیں۔
پھر علامہ القرطبی نے کہا ہے کہ کبھی کہا جاتا ہے کہ اسم مسمّٰی کا عین ہے کہ ہم جب یہ اسم کا کلمہ بولتے ہیں تو اس سے مراد اس کا مسمّٰی ہوتا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے، قرآن مجید میں ہے:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ① (الاعلیٰ:۱) اپنے رب کے نام کی تسبیح پڑھیے جو سب سے بلند ہے O

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اپنے رب کی تسبیح کیجیے، یہ نہیں ہے کہ اپنے رب کے نام کی تسبیح کیجیے۔ پس اسم سے مراد مسمّٰی کا عین ہے۔

پس متکلمین اسم کا اطلاق کرتے ہیں اور ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اسمِ معنوی مسمّٰی کا عین ہے یا نہیں ہے اور ان کا اسمِ لفظی کے اندر اختلاف نہیں ہوتا، اسمِ لفظی سے صرف نحوی بحث کرتے ہیں۔

پھر علامہ قرطبی نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اگرچہ متعدد ہیں لیکن اس کی ذات میں تعدد نہیں ہے اور نہ اس کی ذات میں ترکیب ہے اور نہ اس کی ذات جسمیات کی طرح محسوس ہے اور نہ عقلیات کی طرح محدود ہے، یہ اسماء ان اعتبارات کے لحاظ سے متعدد ہیں جو ذات پر زائد ہیں۔ پھر ان اسماء کی دلالت کے اعتبار سے چار قسمیں ہیں:

(۱) جو لفظ صرف ذاتِ مجردہ پر دلالت کرے جیسے لفظِ ''اللہ''۔ پس یہ لفظ اللہ کی ذات پر مطلقاً دلالت کرتا ہے بغیر کسی قید کے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء کی معرفت ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ رحمٰن اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے اور یہ نہیں کہا جاتا کہ اللہ، رحمٰن کے اسماء میں سے ہے۔ اسی وجہ سے صحیح قول یہ ہے کہ لفظِ ''اللہ'' اسمِ علم ہے، نہ مشتق ہے اور نہ صفت ہے۔

(۲) وہ اسم جو ان صفات پر دلالت کرے جو ذات کے لیے ثابت ہیں جیسے علیم، قدیر، سمیع اور بصیر۔

(۳) وہ اسم جو اللہ تعالیٰ کی طرف کسی چیز کی اضافت پر دلالت کرے جیسے خالق اور رازق، کیونکہ خالق کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی مخلوق ہو جس کا وہ خالق ہو، اور رازق کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی مرزوق ہو جس کو وہ رزق دے۔

(۴) وہ اسم جو کسی چیز کے سلب اور نفی پر دلالت کرے جیسے العلی، القدوس۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے منزہ ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۶۳۔ ۴۶۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں یا عقلی ہیں؟

(توقیفی کا معنی یہ ہے کہ اللہ اور رسول کے واقف کیے بغیر ہمیں اللہ تعالیٰ کے کسی اسم کا علم نہیں ہوسکتا۔ اور عقلی کا معنی یہ ہے کہ عقل کے نزدیک جو معنی اللہ کے لیے ثابت ہو، وہ اللہ تعالیٰ کا اسم ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ اسماءِ حسنیٰ آیا توقیفی ہیں اس معنی میں کہ کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ جو افعال اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں، ان افعال سے اللہ تعالیٰ کا کوئی اسم بنائے۔ (مثلاً قرآن مجید میں ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرہ:۳۱) اور اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھا دیئے۔

اب کوئی شخص یہ کہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے قرآن مجید میں عَلَّمَ کا لفظ آیا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کو معلم کہنا جائز ہے لیکن چونکہ

قرآن اور حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے معلم کا لفظ وارد نہیں ہوا، اس لیے اللہ تعالیٰ پر معلم کا اطلاق جائز نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

اِلّا یہ کہ جب کتاب یا سنت کی کسی نص میں کسی اسم کی تصریح ہو تو اسی کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز ہوگا۔

امام فخر الدین رازی نے کہا ہے: ہمارے اصحاب سے یہ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں۔ اور المعتزلہ اور الکرامیہ نے یہ کہا ہے کہ جب عقل اس پر دلالت کرے کہ فلاں لفظ اللہ تعالیٰ کے حق میں ثابت ہے تو اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کرنا جائز ہے۔

اور القاضی ابوبکر اور الغزالی نے کہا ہے کہ اسماء توقیفی ہیں نہ کہ صفات۔ اور کہا ہے کہ یہی مختار ہے۔

اور امام غزالی نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ نام رکھیں جو آپ نے اپنا نام نہیں رکھا اور نہ آپ کے والد ماجد نے آپ کا وہ نام رکھا، تو جب مخلوق میں یہ جائز نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کے متعلق کیسے جائز ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو اس نام سے پکارا جائے جو نام اللہ تعالیٰ نے اپنا نہ رکھا ہو۔

اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی ایسے اسم اور کسی ایسی صفت کا اطلاق جائز نہیں ہے جس سے نقص کا وہم پیدا ہوتا ہو خواہ نصِ قرآن میں اس کا ذکر آ چکا ہو، جیسے قرآن مجید میں ہے:

فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ (الذٰریٰت:۴۸) پس ہم کیسا اچھا فرش بنانے والے ہیں O

پس اللہ تعالیٰ کی ذات پر ''ماھد'' کا اطلاق جائز نہیں ہے کیونکہ اس کا معنی ہے فرش بنانے والا، کیونکہ یہ معنی موہمِ نقص ہے۔ فرش تو مزدور اور مستری بناتے ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ (الواقعہ:۶۴) اس کو (حقیقت میں) تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں O

سو اللہ تعالیٰ کو ''زارع'' کہنا جائز نہیں ہے، کیونکہ زارع کسان کو کہتے ہیں اور یہ معنی اللہ تعالیٰ کے لیے موہمِ نقص ہے۔

اور اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ (الانعام:۹۵) بے شک اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے۔

سو اللہ تعالیٰ کو ''فالق'' کہنا جائز نہیں ہے، کیونکہ پھاڑنا مخلوق کی صفت ہے، اللہ کی شان کے لائق نہیں ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ (آل عمران:۵۴) اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے (ان کے خلاف) خفیہ تدبیر فرمائی۔

اس آیت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کو ماکر یا مکار کہنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں بے ادبی ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا (الذٰریٰت:۴۷) اور ہم نے آسمان کو (اپنی) قوت سے بنایا۔

سو اس آیت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کو بانی کہنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کا معنی ہے مکان بنانے والا اور یہ مزدور اور مستری بناتے ہیں اور یہ موہمِ نقص ہے۔

اور ابوالقاسم القشیری نے کہا ہے کہ اسماء کو کتاب، سنت اور اجماع سے حاصل کیا جاتا ہے، پس ہر وہ اسم جس کا ذکر کتاب میں ہو یا سنت میں ہو یا اجماع سے ثابت ہو، اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر جائز ہے اور جس میں وارد نہ ہو اس کا اطلاق جائز نہیں ہے خواہ اس کا معنی صحیح ہو۔

اور ابواسحاق الزجاج نے کہا ہے: کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ان اسماء کے ساتھ دعا کرے جن اسماء کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت نہیں کی۔

اور ضابطہ یہ ہے کہ جن اسماء کے ساتھ شریعت نے دعا کی اجازت دی ہو خواہ وہ اسم مشتق ہو یا غیر مشتق ہو، تو وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ اور ہر وہ اسم جس کا اس کی طرف منسوب ہونا جائز ہے خواہ اس میں تاویل کا دخل ہو یا نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۶۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

عقائد کے اعتبار سے اسماءِ حسنیٰ

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

علامہ الحلیمی نے کہا ہے: عقائد کے اعتبار سے اسماءِ حسنیٰ کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) معطلین اور دہریہ کا رد کرنے کے لیے باری تعالیٰ کا اثبات۔ اور اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں: الحی، الباقی، الوارث اور جو اسماء ان کے معنی میں ہوں۔

(۲) مشرکین کا رد کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اثبات۔ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں: الکافی، العلی، القادر (میں کہتا ہوں: اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے یہ اسماء مناسب ہیں: "والٰھکم الٰہ واحد، ھو اللہ احد"۔ سعیدی غفرلہٗ)

(۳) مشبہہ کا رد کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے یہ اسماء ہیں: القدوس، المجید، المحیط وغیرہا۔ (المشبہہ وہ فرقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو کسی مخلوق کے مشابہ مانتا ہے)۔

(۴) ان فلاسفہ کا رد کرنے کے لیے جو کہتے ہیں کہ یہ کائنات علت اور معلول کے طریقہ سے وجود میں آئی ہے۔ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے یہ اسماء ہیں: الخالق، الباری، المصور، القوی۔ یعنی کسی علت کے وجود سے یہ کائنات موجود نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے موجود ہوئی ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ اپنی تخلیق میں مدبر ہے اور اس میں جس طرح چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے۔ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے یہ اسماء ہیں: القیوم، العلیم، الحکیم۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۶۴، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

اسمِ اعظم کی تحقیق

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

امام جعفر طبری، امام ابوالحسن الاشعری اور ان کے بعد علماء کی ایک جماعت مثلاً ابوحاتم بن حبان اور قاضی ابوبکر الباقلانی وغیرہم نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی اسمِ اعظم نہیں ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کے بعض اسماء کو اس کے دوسرے بعض اسماء پر

فضیلت دینا جائز نہیں ہے۔

اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسمِ اعظم کے علم کو اپنے ساتھ خاص کرلیا ہے اور مخلوق میں سے کسی کو اپنے اسمِ اعظم پر مطلع نہیں کیا۔ اور بعض دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسمِ اعظم کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم ''هُوَ'' ہے۔ اس کو امام فخر الدین رازی نے بعض اہلِ کشف سے نقل کیا ہے۔

(۲) لفظِ ''اللہ''۔ کیونکہ یہ وہ اسم ہے جس کا اللہ تعالیٰ کے غیر پر اطلاق نہیں کیا جاتا، اور اس لیے کہ الاسماء الحسنیٰ میں یہی اصل ہے، اس لیے تمام صفات کی اضافت اس کی طرف کی جاتی ہے۔

(۳) ''بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ'' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امام ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ ان کو اسمِ اعظم کی تعلیم دیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا۔ پھر انہوں نے نماز پڑھی اور اس طرح دعا کی:

اللھم انی ادعوك الله، وادعوك الرحمٰن، وادعوك الرحیم، وادعوك باسمائك الحسنیٰ کلھا ما علمت منھا وما لم اعلم۔۔ الحدیث

اے اللہ! میں تجھ سے اللہ کہہ کر دعا کرتی ہوں، اور تجھ سے رحمٰن کہہ کر دعا کرتی ہوں، اور تجھ سے رحیم کہہ کر دعا کرتی ہوں، اور میں تجھ سے تیرے تمام اسماءِ حسنیٰ کے وسیلہ سے دعا کرتی ہوں جن کا مجھے علم ہے اور جن کا مجھے علم نہیں ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم انہی اسماء میں ہے جن کے ساتھ تم نے دعا کی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور اس حدیث سے استدلال میں بحث ہے۔

(۴) ''الرحمٰن الرحیم الحی القیوم'' کیونکہ امام ترمذی نے حضرت اسماء بنت یزید سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا اسمِ اعظم ان دو آیتوں میں ہے: ''وَاِلٰـهُكُمۡ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ‌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ ۝'' (البقرہ: ۱۶۳) اور ''اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الۡحَىُّ الۡقَيُّوۡمُ ۝'' ۔ (آل عمران: ۲)

اس حدیث کی امام نسائی کے سوا باقی اصحاب السنن نے روایت کی ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

(۵) ''الحی القیوم''، کیونکہ امام ابن ماجہ نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ اسمِ اعظم تین سورتوں میں ہے: البقرہ، آل عمران، اور طٰہٰ۔ القاسم راوی نے کہا کہ مجھ سے ابو امامہ نے کہا کہ میں نے ان سورتوں میں تلاش کیا تو میں نے جان لیا کہ یہ ''الحی القیوم'' ہے اور امام رازی نے اس کی تقویت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ دونوں اسم اللہ تعالیٰ کی صفاتِ عظمت اور صفاتِ ربوبیت میں سے ہیں اور دوسرے اسماء عظمت اور ربوبیت پر اس طرح دلالت نہیں کرتے۔

(۶) ''الحنان المنان، بدیع السمٰوٰت والارض، ذوالجلال والاکرام، الحی القیوم'' امام احمد، امام حاکم، امام ابو داؤد اور امام نسائی اور امام ابن حبان نے اس حدیث کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

(۷) "بدیع السموٰت والارض، ذوالجلال والاکرام"، کیونکہ امام ابویعلیٰ نے اپنی سند کے ساتھ بنو طے کے ایک مرد سے روایت کی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا تھا کہ مجھے الاسم الاعظم دکھائے، تو مجھے دکھایا گیا کہ آسمانوں کے ستاروں کے درمیان یہ اسماء لکھے ہوئے تھے۔

(۸) "ذوالجلال والاکرام" کیونکہ امام ترمذی نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد سے سنا، وہ دعا کررہا تھا "یاذا الجلال والاکرام" تو آپ نے فرمایا: تیری دعا قبول ہوگئی اور تو سوال کر۔ اور امام فخر الدین رازی نے اس سے اس پر استدلال کیا ہے کہ یہ اسماء ان تمام صفات پر مشتمل ہیں جو الوہیت میں معتبر ہیں کیونکہ جلال میں تمام سلوب کی طرف اشارہ ہے اور اکرام میں تمام اضافات کی طرف اشارہ ہے۔

(۹) "اللہ لا الٰہ الا ھو الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد" کیونکہ امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام حبان اور امام حاکم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے اس کی روایت کی ہے۔ اور یہ سند کے اعتبار سے تمام اسماء کی روایات پر راجح ہے۔

(۱۰) "رب، رب" کیونکہ امام حاکم نے حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے اس لفظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بڑا اسم رب، رب ہے۔ اور امام ابن ابی الدنیا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ جب بندہ کہتا ہے "یا رب، رب" تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "لبیک عبدی" تو سوال کر تجھے عطا کیا جائے گا۔

(۱۱) "لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظّٰلمین" کیونکہ حضرت یونس علیہ السلام نے ان اسماء کے ساتھ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ اور جو مسلمان مرد جب بھی ان اسماء کے وسیلہ سے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔

(۱۲) "ھو اللہ اللہ الذی لا الٰہ الا ھو رب العرش العظیم" کیونکہ امام فخر الدین رازی نے حضرت زین العابدین سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسمِ اعظم سکھائے تو انہوں نے خواب میں یہ کلمات دیکھے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۶۵۔ ۴۶۶، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

اسماءِ حسنیٰ کے احصاء کی تحقیق

ابن ابی عمر نے از سفیان روایت کی ہے: جس نے ان اسماءِ حسنیٰ کا احصاء کیا، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ امام مسلم اور الاسماعیلی نے اس طریقہ سے روایت کی ہے۔ علامہ خطابی نے کہا: الاحصاء کے کئی معانی ہیں:

(۱) تمام اسماءِ حسنیٰ کو گنے اور ان میں سے کسی ایک اسم پر اقتصار نہ کرے اور تمام اسماءِ حسنیٰ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور تمام اسماءِ حسنیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ثناء کرے تو پھر وہ جنت کا مستحق ہوگا۔

(۲) احصاء کا معنی ہے: طاقت رکھنا، جیسے قرآن مجید میں ہے:

عَلِمَ اَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡهُ (المزمل: ۲۰) اللہ کو علم ہے کہ اے مسلمانو! تم ہرگز اس قیام کا شمار نہیں کر سکو گے۔

یعنی اس قیام کی طاقت نہیں رکھ سکتے۔ اسی طرح حدیث میں ہے "استقیموا ولن تحصوا" یعنی تم مستقیم رہو اور تم ہرگز استقامت کی کنہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ ان اسماءِ حسنیٰ کے تقاضوں پر بندہ عمل کرے اور ان کے معانی کا اعتبار کرے

اور اپنے نفس پر ان معانی کو لازم رکھے۔ پس جب اس نے کہا "الرزاق" تو اللہ کے رزق کے اوپر اعتماد رکھے علیٰ ھذا القیاس۔

(۳) احصاء سے مراد ہے: ان اسماءِ حسنیٰ کے معانی کا احاطہ کرنا اور ان کے معانی کو عقل سے سمجھنا۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کے کرم سے امید ہے کہ جس کو ان اسماء کا احصاء حاصل ہو گیا اور اس کی نیت صحیح ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔ اور یہ مراتبِ ثلاثہ، سابقین اور صدیقین اور اصحابِ یمین کے لیے ثابت ہوتے ہیں۔ اور بعض دوسرے علماء نے کہا ہے کہ احصاء کا معنی ہے: جس نے ان اسماءِ حسنیٰ کو پہچانا اور اس کو ان کی معرفت ہوئی، کیونکہ جس کو ان کی معرفت ہوگی وہ مومن ہی ہوگا اور مومن وہ ہے جو جنت میں داخل ہوتا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۶۶، ملخصاً و ملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

اللہ تعالیٰ اپنی عظیم بارگاہ سے حافظ ابن حجر عسقلانی کو عظیم اجر عطا فرمائے جنہوں نے بہت وسیع اور گہرا مطالعہ کر کے اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ کے تمام پہلوؤں کی تحقیق کی اور متقدمین اور متاخرین شارحین میں سے کوئی بھی اسماءِ حسنیٰ کی اس پایہ کی شرح نہیں کر سکا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۴۱۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اسماءِ حسنیٰ کے متعلق حدیث کی تحقیق

جس حدیث میں ان اسماءِ حسنیٰ کا بیان کیا گیا ہے وہ ضعیف ہے، کیونکہ اس حدیث میں ایسے اسم بھی ہیں جن کا ذکر اس حدیث میں نہیں ہے مثلاً الرب، الشافی۔ اور ان اسماء میں ایسی چیزیں بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے نہیں ہیں جیسے المنتقم، المعز۔ کیونکہ المنتقم اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر صرف قید کے ساتھ کیا ہے، ارشاد ہے:

اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ۝ (السجدہ: ۲۲) بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں ۝

پس اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ ہم ان اسماء کو کیسے حاصل کریں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اسماء کا قرآن مجید میں بیان نہیں کیا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اسماء کا بیان کیا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن قبولیت کی ساعت کو ہم سے مخفی رکھا، اور رمضان کے آخری عشرہ میں لیلۃ القدر کو ہم سے مخفی رکھا تاکہ لوگ اس ساعت کے حصول کے لیے مسلسل جدوجہد کریں، اسی طرح مسلمانوں اور علماء کو چاہیے کہ کتاب و سنت سے ان ننانوے اسماء کو حاصل کریں۔

پھر اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس سے تو اس امت میں ان اسماءِ حسنیٰ کی تعیین میں اختلاف ہوگا۔

تو ہم کہیں گے: اس میں کوئی ضرر نہیں ہے، سو جس شخص نے بھی ننانوے اسماءِ حسنیٰ کتاب و سنت سے نکال لیے اگرچہ تمام ان اسماء پر متفق نہ ہوں تو اس کو بہر حال ثواب اور اجر حاصل ہوگا۔

باقی رہا یہ کہ ان اسماء کے احصاء سے کیا مراد ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان اسماء کی معرفت حاصل کرے اور ان کے تقاضوں پر عمل کرے۔ (شرح صحیح البخاری، ج ۶ ص ۲۷۸، ملخصاً و ملتقطاً، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۷۰۔ بَابُ: الْمَوْعِظَةِ سَاعَةً بَعْدَ سَاعَةٍ — وقفہ وقفہ سے نصیحت کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نصیحت وقفہ وقفہ سے ہونی چاہیے۔ الموعظة کا معنی ہے: نصیحت، کیونکہ اگر لگاتار اور مستقل نصیحت کی جائے تو اس سے سننے والے کے دل میں اکتاہٹ پیدا ہوگی اور یہی معنی اس حدیث کا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نصیحت میں ہماری حفاظت فرماتے تھے اور کئی ایام میں نصیحت فرماتے تھے، کیونکہ آپ ہماری اکتاہٹ کو ناپسند کرتے تھے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس باب کو کتاب الدعوات میں ذکر کرنے کی کیا توجیہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نصیحت کرنے میں غالباً اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی از قبیلِ دعا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۱۱۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي شَقِيقٌ قَالَ كُنَّا نَنْتَظِرُ عَبْدَ اللهِ إِذْ جَاءَ يَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ فَقُلْنَا أَلَا تَجْلِسُ قَالَ لَا وَلَكِنْ أَدْخُلُ فَأُخْرِجُ إِلَيْكُمْ صَاحِبَكُمْ وَإِلَّا جِئْتُ أَنَا فَجَلَسْتُ فَخَرَجَ عَبْدُ اللهِ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِهِ فَقَامَ عَلَيْنَا فَقَالَ أَمَا إِنِّي أُخْبَرُ بِمَكَانِكُمْ وَلَكِنَّهُ يَمْنَعُنِي مِنَ الْخُرُوجِ إِلَيْكُمْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِي الْأَيَّامِ كَرَاهِيَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے شقیق نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ ہم حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ کا انتظار کر رہے تھے، اس وقت یزید بن معاویہ آئے، ہم نے کہا: کیا آپ بیٹھتے نہیں؟ انہوں نے کہا: نہیں! لیکن میں اندر داخل ہوتا ہوں، پس تمہاری طرف تمہارے صاحب کو لے کر آتا ہوں، ورنہ پھر میں آ کر تمہارے پاس بیٹھوں گا، پھر حضرت عبداللہ (ابن مسعود) رضی اللہ عنہ آئے اور وہ ان کا (یزید بن معاویہ کا) ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، پس ہمارے پاس کھڑے ہو گئے، پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے تمہارے آنے کی خبر مل گئی تھی لیکن تمہاری طرف آنے سے مجھے اس چیز نے روکا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزانہ نصیحت کے معاملہ میں ہماری حفاظت فرماتے تھے۔ اور ہماری اکتاہٹ کو ناپسند فرماتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۶۸، ۷۰، ۶۴۱۱، صحیح مسلم: ۲۸۲۱، سنن ترمذی: ۲۸۵۵، مسند احمد: ۴۲۱۶)

صحیح البخاری: ۶۴۱۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''وقفہ وقفہ سے نصیحت کرنا'' اور اس حدیث میں بھی یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں روزانہ نصیحت نہیں کرتے تھے کہ کہیں ہم روز روز نصیحت سننے سے اکتا نہ جائیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن حفص، یہ اپنے والد حفص بن غیاث سے روایت کرتے ہیں از سلیمان از الاعمش از شقیق بن سلمہ۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ہم عبداللہ کا انتظار کر رہے تھے'' اس سے مراد ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔
اور صحیح مسلم کی روایت میں مذکور ہے کہ ہم حضرت عبداللہ کے گھر کے دروازہ کے باہر بیٹھے ہوئے ان کا انتظار کر رہے تھے تو ہمارے پاس سے یزید بن معاویہ گزرے۔
یزید بن معاویہ النخعی الکوفی التابعی ثقہ اور عابد ہیں۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں فارس کے خلاف جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ان کا ذکر صرف اسی مقام پر ہے۔
یہ یزید بن معاویہ وہ نہیں ہے جس کو حضرت معاویہ نے اپنا ولی عہد بنایا تھا اور اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بیعت کا مطالبہ کیا تھا اور انجام کار حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو ظلماً شہید کر دیا گیا۔ کیونکہ اس کا پورا نام ہے یزید بن معاویہ بن ابوسفیان بن حرب، اور اس حدیث کے جو راوی ہیں ان کا نام یزید بن معاویہ النخعی الکوفی ہے، یہ ثقہ راوی ہیں اور عبادت گزار ہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۱۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وقفہ وقفہ سے نصیحت کرنے کا سبب

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی اور ملائمت کا بیان ہے کہ وہ اپنے اصحاب کو تعلیم اور تفہیم میں نرمی فرماتے تھے تاکہ وہ خوشی اور نشاط کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیحت حاصل کریں اور امت کو اس کی اقتداء کرنی چاہیے، کیونکہ جو تعلیم تدریجاً دی جائے اس میں مشقت کم ہوتی ہے اور وہ اس تعلیم کو یاد رکھنے اور حفظ کرنے کی زیادہ داعی ہوتی ہے۔
اور اس حدیث میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی منقبت ہے، کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور عمل میں آپ کی متابعت کرتے تھے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۸۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

تنبیہ: کتاب الدعوات میں ایک سو پینتالیس (۱۴۵) احادیث مرفوعہ ہیں، ان میں سے اکتالیس (۴۱) تعلیقات ہیں اور باقی احادیث موصولہ ہیں۔ اوران میں مکررات ایک سو اکیس (۱۲۱) ہیں اور چوبیس (۲۴) احادیث خالص ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس مقام پر کتاب الدعوات ختم ہوگئی۔ اوراب ان شاءاللہ کتاب الرقاق شروع کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جس طرح اس نے کتاب الدعوات کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائی، اسی طریقہ سے کتاب الرقاق بلکہ پوری صحیح البخاری کی احادیث کی شرح کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۸۱- کِتَابُ الرِّقَاقِ

دلوں کو نرم کرنے والی احادیث پر مشتمل کتاب

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، لکھتے ہیں:

''الرِقاق'' کا معنی

لفظ رقاق، رقیق کی جمع ہے اور یہ رقۃ سے ماخوذ ہے۔علامہ ابن سیدہ نے کہا ہے کہ رقۃ کا معنی رحمت ہے۔اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رقۃ، غلظۃ کی ضد ہے۔صاحب التلویح نے کہا ہے: علماء کی ایک جماعت نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے کہ یہ لفظ الرقائق ہے۔اسی طرح نسفی نے جو صحیح البخاری کا نسخہ لکھا ہے اس میں بھی الرقائق ہے اور یہ لفظ رقیقۃ کی جمع ہے۔اور دونوں کا معنی ایک ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱- بَابُ: مَا جَاءَ فِي الرِّقَاقِ (وَالصِّحَّةِ وَالْفَرَاغِ) وَأَنْ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ

رقاق کا بیان (صحت اور فراغت کا بیان) اور اس کا بیان کہ زندگی درحقیقت وہی ہے جو آخرت کی زندگی ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری کا جو نسخہ المستملی اور الکشمیھنی سے منقول ہے اس میں اس باب کا عنوان ہے ''الصحۃ والفراغ'' اور ''لا عیش الا عیش الآخرۃ'' اور صحیح بخاری کا جو نسخہ کریمہ سے منقول ہے اس میں مذکور ہے ''باب ما جاء فی الرقاق وان لا عیش الا عیش الآخرۃ''۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۱۲- حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ هُوَ ابْنُ أَبِي هِنْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ قَالَ عَبَّاسٌ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِيسَى عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِنْدٍ عَنْ أَبِيهِ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں المکی بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن سعید نے خبر دی، وہ ابن ابی ہند ہیں از والد خود از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دو نعمتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے اکثر لوگ خسارہ میں ہوتے ہیں یا دھوکا کھاتے ہیں۔ان میں سے ایک صحت ہے اور دوسری فراغت ہے۔
اور العباس العنبری نے کہا: صفوان بن عیسیٰ نے ہمیں حدیث

بیان کی از عبداللہ بن سعید بن ابی ہند از والدخود، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی حدیث کی مثل روایت کی۔

(سنن ترمذی: ۲۳۰۴، سنن ابن ماجہ: ۴۱۷۰، مسند احمد: ۳۱۹۷، سنن داری: ۲۷۰۷)

صحیح البخاری: ۶۴۱۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

نعمت کا معنی ہے حالتِ حسنہ، یعنی عمدہ حالت۔ امام فخرالدین رازی نے کہا ہے: نعمت اس منفعت کو کہتے ہیں جس میں کسی غیر کی طرف سے کوئی احسان ہوا ہو، اور مغبون کا معنی ہے بیع میں نقصان اور حقیقت میں یہ رائے کی کمی کو کہتے ہیں گویا کہ آپ نے فرمایا کہ یہ دو امر ایسے ہیں کہ جب ان کو اس جگہ استعمال نہ کیا جائے جہاں استعمال کرنا چاہیے تو ان نعمتوں والے کو اس میں نقصان ہوگا یعنی وہ اس کو نقصان سے فروخت کرے گا جس کے انجام کی تعریف نہیں کی جائے گی، کیونکہ انسان جب صحت کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت نہیں کرے گا تو وہ مرض کے زمانہ میں بطریق اولیٰ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت نہیں کرے گا، اور اسی پر فراغت کا حکم ہے یعنی فراغت کے زمانہ میں بھی وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت اور عبادت نہیں کرے گا تو وہ نقصان زدہ اور فریب خوردہ رہے گا۔ جب انسان تندرست ہوتا ہے اور عبادت کے لیے فارغ نہیں ہوتا کیونکہ وہ معاش کے اسباب کے حصول میں مشغول رہتا ہے۔ پس جب انسان صحت کے زمانہ میں اور فراغت کے زمانہ میں فضائل کے حصول میں کوتاہی کرے تو یہ اس کا پورا پورا غبن اور نقصان ہے۔ اور ایسا کیونکر نہیں ہوگا کیونکہ دنیا تو آخرت کی تجارت کی جگہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۱۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحت اور فراغت کے ایام میں اللہ تعالیٰ کی طاعت اور عبادت نہ کرنا ہی نقصان ہے

اس حدیث میں مذکور ہے "دو نعمتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے اکثر لوگ خسارہ میں ہوتے ہیں یا دھوکا کھاتے ہیں۔ ان میں سے ایک صحت ہے اور دوسری فراغت ہے"۔

بعض علماء نے کہا ہے: اس حدیث سے امت کو اس پر متنبہ کرنا مقصود ہے کہ صحت اور فراغت اللہ تعالیٰ کی دو عظیم نعمتیں ہیں، کیونکہ جب تک انسان کسب معاش میں مشغول ہو یا جب تک انسان بیماری میں رہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور طاعت کے لیے فارغ نہیں ہوتا اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے بیماری سے محفوظ رکھا ہو اور اس کو فراغت عطا فرمائی ہو اور پھر بھی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں کمی کی ہو تو اس کو بہت نقصان ہوا ہے اور اس نے بہت دھوکا کھایا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جو لوگوں کو صحت عطا

کی ہے جب کہ ان کا اس میں کوئی استحقاق نہیں تھا اور ان کی عقلوں کو سلامت رکھا ہے اور ان کے رزق کا متضمن ہو گیا اور پھر ان کو حکم دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور یہ قیاس کریں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو ظاہری نعمتیں دی ہیں اور کیا باطنی نعمتیں دی ہیں اور ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں، پھر جتنی مدت وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کی جزاء میں ان کو دائمی جنت عطا کی جس کی نعمتوں کی کوئی انتہا نہیں ہے اور اس میں ان کے لیے ایسی نعمتوں کو ذخیرہ کیا ہے جن نعمتوں کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خطرہ ہوا، پس جو شخص اس چیز کو بغور دیکھے تو وہ اپنی صحت اور فراغت کا وقت ضائع نہیں کرے گا اور اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اور اس کا شکر بجالانے میں صرف کرے گا اور یہ اعتراف کرے گا کہ جتنا اس کے اوپر عبادت کرنے کا حق تھا وہ ادا نہیں کر سکا۔ پس جو شخص اس طرح نہیں ہوگا اور غفلت میں رہے گا اور جن امور کا ہم نے ذکر کیا ہے ان کے التزام سے سہو کرے گا اور اس کے ایام سہو اور لہو ولعب میں گزریں گے اور اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کے قیام سے عاجز رہے گا تو پھر اس نے اپنے دن نقصان میں گنوائے اور وہ عنقریب نادم ہوگا، جب کہ ندامت اس کو نفع نہیں دے گی۔

امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی مرتا ہے تو وہ نادم ہوتا ہے، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کس چیز پر نادم ہوتا ہے، فرمایا: اگر وہ نیک ہو تو اس پر نادم ہوتا ہے کہ اس نے زیادہ نیکیاں کیوں نہیں کی، اور اگر وہ بدکار ہو تو وہ اس پر نادم ہوتا ہے کہ اس نے بدی سے توبہ کیوں نہیں کی اور بدی کو ترک کیوں نہیں کیا۔
(سنن ترمذی: ۲۴۰۳)

غبن کا معنی ہے نقصان اور دھوکا کھانا، سو جو انسان اپنی صحت کے ایام میں یہ خیال نہ رکھے کہ جب وہ بیمار ہوگا تو عبادت نہیں کر سکے گا اور جو اپنی فراغت کے ایام میں یہ یاد نہ رکھے کہ جب وہ کارِ معاش میں مشغول ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کر سکے گا تو وہ نقصان زدہ ہوگا۔ پس جب انسان نماز، روزہ، حج، جہاد اور دیگر عبادات صحت اور جوانی کے ایام میں نہ کرے تو پھر بڑھاپے کے زمانہ میں تو بہ طریقِ اولیٰ ان عبادات کو نہیں کر سکے گا۔

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے: کبھی انسان تندرست ہوتا ہے اور عبادت کے لیے فارغ نہیں ہوتا، کیونکہ وہ اسبابِ معاش میں مشغول ہوتا ہے۔ اور کبھی وہ اسبابِ معاش سے فارغ ہوتا ہے لیکن تندرست نہیں ہوتا۔ اور جب آدمی تندرست بھی ہو اور فارغ بھی ہو تو پھر اس پر سستی غالب آجاتی ہے اور وہ عبادت اور اطاعت کے فضائل کو حاصل نہیں کر پاتا اور یہی خسارہ ہے۔ اور دنیا تو حصولِ نفع کا بازار ہے اور عمر تھوڑی ہے اور عبادت سے موانع بہت ہیں۔ سو انسان کو غور کرنا چاہیے اور صحت اور تندرستی اور کارِ معاش سے فراغت کو غنیمت جان کر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور طاعت میں صرف کرنا چاہیے اور اگر ایسا نہیں کرے گا تو پھر یہی اس کا نقصان ہے اور یہی اس کا دھوکا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۳۹۷۔۳۹۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۱۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحت اور فراغت کے ضائع کرنے والے کو غبن کے ساتھ مثال دینے کی توجیہ

علامہ طیبی نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکلف کی اس تاجر کے ساتھ مثال بیان فرمائی ہے جس کے پاس اصل پونجی ہو اور وہ

اصل پونجی کی سلامتی کے ساتھ نفع کو ڈھونڈتا ہو، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ انتہائی غور وفکر کے ساتھ اپنی اصل پونجی کو خرچ کرے اور صدق کو اور مہارت کو لازم رکھے تا کہ اسے نقصان نہ ہو۔ پس صحت اور فراغت اصل پونجی ہے اور اس کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان کے ساتھ عمل کرے اور نفس اور دین کے دشمنوں کے ساتھ مجاہدہ کرے تا کہ اسے دنیا اور آخرت کی خیر کا نفع حاصل ہو، اور اسی کے قریب قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ يُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (الصف: ۱۰۔۱۲)

اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں جو تم کو دردناک عذاب سے نجات دے O تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو O وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو ان جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے دریا بہتے ہیں اور عمدہ پاکیزہ مکانوں میں دائمی جنتوں میں یہی بہت بڑی کامیابی ہے O

سو! مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی سے اور شیطان کی دسیسہ کاریوں سے اجتناب کرے تا کہ ایسا نہ ہو کہ اس کی اصل پونجی نفع کے ساتھ ضائع ہو جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اکثر لوگ اس میں نقصان میں مبتلا ہوتے ہیں اور یہ اس آیت کی مثل ہے:

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۝ (سبا: ۱۳)

اے آل داؤد! تم شکر ادا کرنے کے لیے نیک کام کرو، اور میرے بندوں میں شکر کرنے والے کم ہیں O

قاضی ابوبکر ابن العربی نے کہا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ بندہ پر اللہ تعالیٰ کی سب سے پہلی نعمت کون سی ہے؟ پس ایک قول یہ ہے کہ ایمان سب سے پہلی نعمت ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ زندگی سب سے پہلی نعمت ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ صحت سب سے پہلی نعمت ہے۔ اور ایمان کو سب سے پہلی نعمت قرار دینا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ وہ نعمتِ مطلقہ ہے۔ اور زندگی اور صحت یہ دونوں دنیاوی نعمتیں ہیں۔ اور یہ اس وقت تک حقیقی نعمتیں نہیں ہوں گی جب تک ان کے ساتھ ایمان مقرون نہ ہو۔ اور اس وقت اس میں اکثر انسان دھوکا کھاتے ہیں اور ان کا نفع بالکل چلا جاتا ہے یا کم ہو جاتا ہے، پس جس نے اپنے آپ کو اپنے نفس کے ساتھ چھوڑ دیا جو اسے برائی کا حکم کرتا ہے اور ہمیشہ راحت کی طرف اکساتا ہے اور اس نے حدود کی حفاظت کو ترک کر دیا اور اطاعت اور عبادت پر دوام کو چھوڑ دیا تو اس نے دھوکا کھایا اور اس کو اصل پونجی میں نقصان ہوا۔ اور اسی طرح جب انسان کارِ معاش سے فارغ ہو اور پھر وہ عبادت اور اطاعت نہ کرے تو وہ بھی فریب خوردہ ہے اور نقصان زدہ ہے۔ اور کبھی انسان کے لیے عذر ہوتا ہے، اس کے برخلاف جب وہ فارغ ہو تو اس سے عذر اٹھ جاتا ہے اور اس کے خلاف حجت قائم ہو جاتی ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۱۳ اور ۶۴۱۴ میں یہ مذکور ہے کہ اے اللہ! اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، سو تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما۔ اس کی صحیح البخاری: ۶۴۱۲ کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ جو لوگ اپنی زندگی کو دنیاوی عیش و آرام میں خرچ کرتے ہیں

اور آخرت کے لیے عبادت کی تیاری نہیں کرتے تو وہ اپنی صحت اور فراغت کو ضائع کر دیتے ہیں اور اس میں نقصان اٹھاتے ہیں اور دھوکا کھاتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۰۷-۴۱۷، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۶۴۱۳- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ

اللَّهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةْ
فَأَصْلِحِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از معاویہ بن قرۃ، از حضرت انس رضی اللہ عنہ، از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا:
اے اللہ! زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے
سو تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما

(صحیح البخاری: ۲۸۳۴، ۲۸۳۵، ۲۹۶۱، ۳۷۹۵، ۳۷۹۶، ۴۰۹۹، ۴۱۰۰، ۶۴۱۳، ۷۲۰۱، صحیح مسلم: ۱۸۰۵، سنن ترمذی: ۳۸۵۷، مسند احمد: ۱۲۵۳۹)

صحیح البخاری: ۶۴۱۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے دوسرے جزو کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن بشار، وہ بُندار ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے غُندر، وہ محمد بن جعفر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معاویہ بن قرہ بن ایاس المزنی، اور قرہ کے لیے صحابیت ثابت ہے۔
یہ حدیث فضائل انصار میں از آدم گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۱۴- حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ السَّاعِدِيُّ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي الْخَنْدَقِ وَهُوَ يَحْفِرُ وَنَحْنُ نَنْقُلُ التُّرَابَ وَيَمُرُّ بِنَا فَقَالَ

اللَّهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةْ
فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةْ

تَابَعَهُ سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے احمد بن المقدام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الفضیل بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو حازم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سہل بن سعد الساعدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ خندق میں تھے اور آپ خندق کھود رہے تھے اور ہم مٹی کو منتقل کر رہے تھے آپ نے ہمارے پاس سے گزرتے ہوئے کہا:
اے اللہ! زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے
سو تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کی مثل
روایت کی ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۰۹۸، ۶۴۱۴، صحیح مسلم: ۱۸۰۴، سنن ترمذی: ۳۸۵۶، مسند احمد: ۲۲۳۰۸)

صحیح البخاری: ۶۴۱۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے احمد بن المقدام، یہ العجلی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الفضیل بن سلیمان، یہ النمیری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوحازم، یہ سلمہ بن دینار ہیں۔

یہ حدیث بھی فضائل انصار میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کھود رہے تھے۔ اور فضائلِ انصار میں یہ حدیث گزری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے اور انصار خندق کھود رہے تھے۔ اور بہ ظاہر ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں ان دونوں حدیثوں میں اس طرح تطبیق ہے کہ بعض صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خندق کھود رہے تھے اور بعض صحابہ وہ تھے جو مٹی کو منتقل کر رہے تھے۔

اور صاحب التلویح نے کہا ہے کہ یہ جواب غور وفکر کا محتاج ہے اور دوسروں نے کہا: صحیح بخاری کے نسخہ میں یہ مذکور نہیں ہے کہ جب آپ نکلے تو صحابہ خندق کھود رہے تھے، لہٰذا اس کو ساقط کر دینا چاہیے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابٌ: مَثَلِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ

دنیا کے مقابلہ میں آخرت کی مثال

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ (الحدید: ۲۰)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یاد رکھو! دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے، زیب وزینت ہے اور آپس میں فخر کرنا ہے، اور مال اور اولاد میں کثرت کو طلب کرنا ہے اس بارش کی مثل ہے جس کی پیداوار کسانوں کو اچھی لگتی ہے، پھر وہ خشک ہو جاتی ہے تو (اے مخاطب) تو اس کو زرد رنگ کی دیکھتا ہے، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے، اور آخرت میں (فساق کے لیے) سخت عذاب ہے اور (نیکوں کے لیے) اللہ کی طرف سے مغفرت ہے اور خوش نودی ہے اور دنیا کی زندگی صرف دھوکے کا سامان ہے ۝

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان ہے "مثل الدنیا فی الاخرۃ" اصل عبارت یوں ہے: "دنیا کی مثال آخرت کی طرف نسبت کرنے کے اعتبار سے" اور اس عنوان میں فی بمعنی الیٰ ہے جیسے قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

فَرَدُّوْٓا اَیْدِیَهُمْ فِیْٓ اَفْوَاهِهِمْ (ابراہیم:۹) پس انہوں نے اپنے ہاتھوں کو اپنے مونہوں کی طرف لوٹایا۔

اور یہ عنوان مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ یعنی دنیا کی آخرت کے مقابلہ میں مثال کچھ بھی نہیں ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث میں ہے کہ جنت میں ایک چابک جتنی جگہ بھی دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے اس عنوان کی شرح میں لکھا ہے:

یہ عنوان اس حدیث کے بعض الفاظ پر مشتمل ہے جس کو امام مسلم، امام ترمذی اور امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ از المستورد بن شداد رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! دنیا آخرت کے مقابلہ میں صرف ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی ایک شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈالے، پھر دیکھے کہ انگلی، پانی کی کتنی تراوٹ کے ساتھ رجوع کرتی ہے۔ اس کی سند تابعی تک امام بخاری کی شرط پر ہے کیونکہ امام بخاری نے حضرت المستورد رضی اللہ عنہ کی حدیث کی روایت نہیں کی۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۱۷، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، حافظ ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ، کی اس شرح پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر نے جو ذکر کیا ہے اس کی کوئی وجہ نہیں ہے، اور نہ یہ امام بخاری کے دل میں گزرا۔ امام بخاری نے یہ عنوان ذکر کیا ہے، پھر اس کے بعد حضرت سہل کی حدیث روایت کی ہے، کیونکہ وہ حدیث معنی میں اس عنوان کے مطابق ہے۔ اور یہ اسی شخص پر مخفی رہے گا جس کی فہم میں قصور ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

فتح الباری میں اس عبارت کے متصل یہ عبارت ہے کہ "امام بخاری نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث پر اقتصار کیا ہے کہ جنت میں چابک جتنی جگہ بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے" تو جنت میں چابک سے کم جگہ دنیا کی نعمتوں کے کیسے برابر ہوگی۔ پھر یہ حدیث حضرت المستورد رضی اللہ عنہ کی حدیث کے موافق ہوگی۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری، ج ۲ ص ۴۱۲، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

آیت مذکورہ کے مفردات کے معانی

اس آیت میں "لعب ولھو" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: کھیل کود، بے فائدہ اور بے مقصد کام۔ اور ایسی چیزیں جن سے

میں دل لگایا جائے۔

یہاں دنیا کی زندگی سے مراد وہ زندگی ہے جس میں صرف دنیا داری کے کام ہوں، لیکن جس زندگی میں انسان اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرے، وہ یہاں مراد نہیں ہے۔

اور اس آیت میں ''زینۃ'' کا ذکر ہے، اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جن سے انسان خوشنمائی حاصل کرے۔

اور ''تفاخر'' کا معنی ہے: ایک دوسرے پر فخر کرنا جیسے آدمی کہے: میرے پاس اتنا مال ہے اور تمہارے پاس اتنا مال نہیں ہے اور میری اتنی اولاد ہے اور تمہاری اتنی اولاد نہیں ہے۔

اور اس آیت میں مذکور ہے ''غیث'' اس کا معنی ہے کھیتی۔ اور اس آیت میں مذکور ہے ''الکفار'' یہ کافر کی جمع ہے اور کافر کسان کو کہتے ہیں، کفر کا معنی ہے چھپانا، کسان بھی بیج کو مٹی میں چھپا دیتا ہے اس لیے اس کو کافر کہتے ہیں۔ ''اعجب الکفار'' کا معنی ہے: کھیت کو کسان دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ اسی طرح کفار بھی دنیا کی زیب وزینت کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔

اس آیت میں مذکور ہے ''ثم یھیج'' اس کا معنی ہے: پھر وہ کھیت خشک ہو جاتا ہے اور لکڑیاں اور ڈنڈیاں رہ جاتی ہیں۔ اور اس میں دنیا کی مثال دی ہے کہ دنیا کی نعمتیں اور اس کی خوشنمائی اور زیب وزینت بالآخر زائل ہو جاتی ہے۔

اس آیت میں مذکور ہے ''عذاب شدید'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمنوں کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اور اس آیت میں مذکور ہے ''ومغفرۃ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لیے مغفرت اور بخشش کو تیار کر رکھا ہے۔

اور پھر اس آیت میں فرمایا ''کہ دنیا کی زندگی تو صرف دھوکہ کی پونجی ہے'' یہ اس آیت کے پہلے جز کی تاکید ہے۔

باب میں مذکور آیت کی تفسیر از مصنف

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے دنیا کی زندگی مذموم ہے اور آخرت کی زندگی محمود ہے، حالانکہ بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں بھی اچھائی ہے، انبیاء علیہم السلام دنیا ہی میں مبعوث کیے گئے ہیں اور اولیاء اللہ بھی دنیا میں ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

لَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (البقرہ:١٣٠)

بے شک ہم نے ابراہیم کو دنیا میں چن لیا اور وہ آخرت میں نیکوکاروں میں سے ہیں ○

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً (البقرہ:٢٠١)

اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی اچھائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرما۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ فی نفسہ دنیا اور اس کی چیزیں مذموم نہیں ہیں کیونکہ دنیا میں کعبہ اور بیت المقدس بھی ہے، مسجد نبوی بھی ہے اور دیگر مساجد بھی ہیں، قرآن مجید اور دیگر دینی کتب بھی ہیں، انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے مزارات ہیں، دینی مدارس اور دینی لائبریریاں ہیں، اللہ تعالیٰ کے نیک اور برگزیدہ بندے ہیں، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کے مراکز ہیں، دنیا صرف اس اعتبار سے مذموم ہے کہ اس میں اللہ کی اطاعت کے بجائے شیطان کی اطاعت کی جائے اور اس میں وہ چیزیں ہوں جو اللہ کی اطاعت سے غافل کرتی ہیں اور شیطان کی اطاعت کی طرف راغب کرتی ہیں جیسے شراب خانے، قحبہ خانے، قمار خانے، بت

کدے اور رقص و موسیقی کے کلب ہیں اور اس میں ایسی ہی چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔

۶۴۱۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَهْلٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ مَوْضِعُ سَوْطٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَلَغَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن ابی حازم نے حدیث بیان کی از والد خود، از حضرت سہل رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جنت میں چابک جتنی جگہ دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے۔ اور ضرور اللہ کی راہ میں صبح کو نکلنا یا شام کو نکلنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۸۹۲، صحیح مسلم: ۱۸۸۱، سنن ترمذی: ۱۶۶۴، سنن نسائی: ۳۱۱۸، سنن ابن ماجہ: ۲۷۵۶، ۴۳۳۰، مسند احمد: ۲۲۳۶۵)

صحیح البخاری: ۶۴۱۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالعزیز جو اپنے والد ابو حازم سے روایت کرتے ہیں، ان کا نام سلمہ بن دینار ہے اور وہ حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''سبیل اللہ'' کا ذکر ہے اور یہ عام ہے کہ مسلمان بندہ جہاد کے لیے نکلے یا علمِ دین کی طلب کے لیے نکلے یا نماز پڑھنے کے لیے جائے یا حج اور عمرہ کے لیے جائے علیٰ ھذا القیاس۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۱۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جنت کی نعمتوں کا دنیا اور مافیہا سے بہتر ہونے کا سبب

اس کا سبب یہ ہے کہ جنت غیر فانی ہے اور دنیا کی مدت ختم ہونے والی ہے اور زائل ہونے والی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو بیان فرمایا کہ جنت میں ایک چابک جتنی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے یا اللہ کے راستہ میں صبح نکلنا یا شام کو نکلنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، آپ کی مراد یہ ہے کہ اس کا ثواب دنیا و مافیہا سے بہتر ہے تاکہ آپ اپنی امت کو اس پر متنبہ کریں کہ اللہ کے نزدیک دنیا کی بہت کم حیثیت ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے لیے دنیا کے دار جزا ہونے کو پسند نہیں فرماتا۔ اور نہ جنت کو اپنے دشمنوں کے لیے پسند فرماتا ہے بلکہ دنیا تو ایسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ کھیل تماشا ہے اور زیب و زینت ہے اور ایک دوسرے پر فخر ہے اور مال اور اولاد میں کثرت کی وجہ سے ایک دوسرے پر فخر کرنا ہے۔

اور امام ترمذی حضرت مستورد بن شداد الفہری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا آخرت کے مقابلہ

میں ایسے ہے جیسے تم میں سے کوئی آدمی اپنی ایک انگلی کو سمندر میں ڈالے، پھر وہ دیکھے کہ وہ انگلی کتنی تری کو لے کر لوٹی ہے۔
(سنن ترمذی: ۲۳۲۳)

نیز امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر دنیا کی قدر اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو دنیا سے ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔ (سنن ترمذی: ۲۳۲۰)
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۴۰۲ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۱۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دنیا اور آخرت کے تقابل کی مزید وضاحت

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ سورۃ الحدید کی آیت اور اس باب کی حدیث اس آیت کی مثل ہے:

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۗ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ (النساء: ۷۷)

آپ کہیے کہ دنیا کا سامان بہت تھوڑا ہے اور (اللہ سے) ڈرنے والوں کے لیے آخرت بہت بہتر ہے اور تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا O

اس آیت میں جو دنیا کی متاع کی قلت بیان فرمائی ہے یہ فی نفسہٖ دنیا کے اعتبار سے ہے اور آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور اس کی کوئی عظمت نہیں ہے اور اس آیت کو لوگوں کی عقول کے قریب کرنے کے لیے اور تمثیل کے لیے بیان فرمایا ہے ورنہ دنیا متناہی ہے اور آخرت غیر متناہی ہے اور متناہی اور غیر متناہی میں کوئی نسبت نہیں ہے۔ اور اسی طرف حضرت مستورد رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں اشارہ ہے کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی ایک شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈالے اور پھر دیکھے انگلی میں کتنی تری لگتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا اس پانی کی مثل ہے جو انگلی میں تری ہے۔ اور آخرت پورے سمندر کی مثل ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ۭ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْــَٔـلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۝ اِنْ يَّسْــَٔـلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۝ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ ۚ (محمد: ۳۶۔۳۸)

دنیا کی زندگی تو محض کھیل اور تماشا ہے اور اگر تم ایمان پر برقرار رہو اور متقی بن جاؤ تو وہ تمہارے اجر تمہیں عطا فرمائے گا اور تم سے تمہارے اموال طلب نہیں فرمائے گا O اگر وہ تم سے تمہارے اموال طلب کرے، پس شدت سے طلب کرے تو تم بخل کرو گے اور وہ تمہارے دلوں کے زنگ کو ظاہر کر دے گا O ہاں! تم ہی وہ لوگ ہو جن کو یہ دعوت دی جاتی ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو، پس تم میں سے بعض بخل کرتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے تو وہ صرف اپنی جان سے ہی بخل کرتا ہے اور اللہ غنی ہے اور تم (سب اسی کے) محتاج ہو۔

اس مثال کی صورت یہ ہے کہ ایک مرد پیدا ہوتا ہے، پھر پروان چڑھتا ہے، پھر طاقت حاصل کرتا ہے، پھر مال کماتا ہے اور اولاد کو حاصل کرتا ہے اور ریاست حاصل کرتا ہے، پھر اس کے بعد اس کے جسم میں انحطاط شروع ہو جاتا ہے، پس وہ بوڑھا ہو جاتا ہے اور کمزور ہو جاتا ہے اور بیمار ہو جاتا ہے اور اس کو بیماری کے اور مال کی کمی کے اور عزت کی کمی کے حوادث اور نوائب پیش آتے ہیں، پھر وہ مر جاتا ہے، پھر اس کا معاملہ مضمحل ہو جاتا ہے اور اس کا مال اس کے وارثوں کے پاس چلا جاتا ہے اور اس کے حالات متغیر ہو جاتے ہیں، پس اس کا حال ایسا ہے جیسے کسی زمین پر بارش آئی ہو اور اس سے سبزہ پیدا ہوا ہو جو دیکھنے والوں کو اچھا لگتا ہو، پھر وہ سبزہ خشک ہو جائے اور زرد ہو جائے اور چورا چور ہو جائے اور بکھر کر مضمحل ہو جائے۔

حدیث مستورد کی ایک مثال

امام غزالی نے احیاء العلوم میں حضرت المستورد رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی اور اس کے بعد یہ لکھا کہ ”جان لو! کہ اہل دنیا کی ان کی غفلت میں مثال ایسے ہے جیسے چند لوگ ایک کشتی میں سوار ہوئے، پھر وہ ایک جزیرے پر پہنچے جو سبزہ سے لہلہا رہا تھا، وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے اس جزیرہ میں اترے تو ملاح نے ان کو خبردار کیا کہ دیر نہ لگانا اور صرف اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں تم اپنی حاجت پوری کر سکو، اور ان کو اس سے خبردار کیا کہ ایسا نہ ہو کہ کشتی چل پڑے اور تم رہ جاؤ۔ پھر بعض لوگ تو جلدی لوٹ آئے اور ان کو کشتی میں اچھی جگہ مل گئی اور وہ وہاں پر ٹھہر گئے اور دوسرے لوگوں کے کئی فرقے ہیں، پہلا فرقہ وہ ہے جس نے جزیرہ میں پھلوں اور پھولوں کو دیکھا اور جزیرہ میں بہتی ہوئی نہروں کو دیکھا اور جواہر اور معدنیات کو دیکھا، پھر وہ بیدار ہوئے اور جلدی سے کشتی میں پہنچ گئے تو ان کو بھی کشتی میں جگہ مل گئی مگر وہ پہلے لوگوں کی جگہ سے کم تھی سو ان کو فی الجملہ نجات مل گئی۔ دوسرا فرقہ جزیرہ کے جواہر اور پھلوں اور پھولوں کو دیکھنے میں لگ گیا اور وہ وہاں سے پھل اور پھول چن چن کر اکٹھے کرنے لگا اور اس میں اس کو دیر ہو گئی، اور جب وہ کشتی پر پہنچا تو اس کو پہلے لوگوں سے بھی کم جگہ ملی، انہوں نے اپنے نفس کے ساتھ سخاوت نہیں کی تھی کہ وہ جزیرہ میں جو چیزیں دلوں کو لبھا رہی تھیں ان کو چھوڑ دیتے۔ پھر وہ پھل سوکھ گئے اور پھول مرجھا گئے اور تیز آندھیاں چلیں حتیٰ کہ جو کچھ وہ لے کر آئے تھے آندھیوں نے وہ سب کچھ گرا دیا۔ اور تیسرا فرقہ وہ تھا جو جزیرہ کی رعنائی، خوبصورتی اور دلفریبی میں ڈوب گیا، اور ملاح کی وصیت سے غافل ہو گیا۔ پھر انہیں ملاح کی آواز آئی کہ وہ کشتیوں کو لے کر جا رہا ہے۔ پھر کشتی نکل گئی اور وہ جزیرہ کی خشکی میں پڑے رہ گئے حتیٰ کہ ہلاک ہو گئے۔ اور چوتھا فرقہ وہ تھا جس کی غفلت زیادہ شدید تھی اور انہوں نے ملاح کی نداء کو بھی نہیں سنا اور کشتی چلی گئی اور وہ جزیرہ کے اندر رہ گئے، انہیں درندوں نے پھاڑ کھایا اور بعض اس جزیرہ میں بھوک و پیاس سے ہلاک ہو گئے اور بعض ایسے تھے جن کو سانپوں نے اور اژدھوں نے ڈس لیا۔ سو! یہ اہل دنیا کی مثال ہے جب وہ دنیا کی رنگینیوں اور دلفریبیوں میں مشغول ہوتے ہیں اور آخرت سے غافل ہو جاتے ہیں۔ پھر امام غزالی نے اس پر اپنی بات کو ختم کیا کہ یہ کتنی قبیح بات ہے کہ عقلمند آدمی سونے اور چاندی کو جمع کرتا ہے اور ان میں سے کسی چیز کو وہ موت کے بعد اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا اور اللہ ہی سے مدد طلب کی گئی ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۷۰۔ ۲۷۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ

نبی ﷺ کے اس ارشاد کا بیان کہ دنیا میں اس طرح رہو جس طرح مسافر ہو یا کسی راستہ کو عبور کرنے والے ہو

۶۴۱۶۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَبُو الْمُنْذِرِ الطُّفَاوِيُّ عَنْ سُلَيْمَانَ الْأَعْمَشِ قَالَ حَدَّثَنِي مُجَاهِدٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ أَخَذَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِمَنْكِبِي فَقَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ۔

(سنن ترمذی: ۲۳۳۳، سنن ابن ماجہ: ۴۱۱۴، مسند احمد: ۴۷۵۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن عبدالرحمٰن ابوالمنذر الطفاوی نے حدیث بیان کی از سلیمان از الاعمش، انہوں نے کہا: مجھے مجاہد نے حدیث بیان کی از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے کندھے کو پکڑا، پھر فرمایا: دنیا میں اس طرح رہو جس طرح تم مسافر ہو یا رستہ عبور کرنے والے ہو، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ کہتے تھے: جب تم شام کرلو تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب صبح کرلو تو شام کا انتظار نہ کرو۔ اور اپنی تندرستی کے اوقات میں سے کچھ حصہ اپنی بیماری کے اوقات کے لیے رکھو اور اپنی زندگی کے ایام میں سے کچھ حصہ اپنی موت کے لیے رکھو۔

صحیح البخاری: ۶۴۱۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، یہ ابن المدینی ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الطفاوی، اس میں بنو طفاوہ کی طرف نسبت ہے اور طفاوہ بصرہ میں ایک جگہ ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بنوطفاوہ اس جگہ آ کر ٹھہرے ہوں تو اس وجہ سے ان کا نام بنوطفاوہ پڑ گیا، اور العقیلی نے اس کا انکار کیا ہے۔

نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مجاہد، الاعمش نے اپنے صیغہ کے ساتھ مجاہد سے روایت کی ہے، اسی طرح الاعمش کے اصحاب نے ان سے روایت کی ہے اور اسی طرح اصحاب طفاوی نے ان سے روایت کی ہے۔ اور ابن المدینی اس کی تصریح میں متفرد ہیں۔ اور الاعمش نے اس حدیث کو مجاہد سے نہیں سنا، اور انہوں نے اس حدیث کو لیث بن ابی سلیم سے سنا ہے سو انہوں نے اس میں تدلیس کی۔

امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں اس حدیث کی حسن بن قزاعہ کی سند سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: مجھے محمد بن عبدالرحمٰن الطفاوی نے یہ حدیث بیان کی از الاعمش از مجاہد اور امام احمد اور امام ترمذی نے اس حدیث کو سفیان ثوری کی سند سے از لیث بن ابی

سلیم از مجاہد روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے منکب کو پکڑا'' منکب کا معنی بازو اور کندھا ہے۔ اور امام ترمذی کی روایت میں ہے کہ آپ نے میرے جسم کے کسی حصہ کو پکڑا، اور بخاری کی روایت اس مبہم کی تعیین کرتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''تم دنیا میں اس طرح رہو گویا کہ تم مسافر ہو''۔ یہ حدیث نصیحتوں کی تمام اقسام کی جامع ہے، کیونکہ مسافر لوگوں کو بہت کم جانتا پہچانتا ہے، اس میں حسد، عداوت، کینہ، نفاق، نزاع اور باقی تمام رذائل کم ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان تمام رذائل کا منشاء لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے سے ہوتا ہے، کیونکہ جب وہ لوگوں کے درمیان رہتا ہے اور دیکھتا ہے کہ بعض لوگ اس سے زیادہ اچھے حال میں ہیں تو وہ ان سے حسد کرتا ہے۔ اور چونکہ اس کا کسی اجنبی جگہ پہ رہنا بہت کم ہوتا ہے اور نہ اس کے وہاں باغات ہوتے ہیں نہ کھیت ہوتے ہیں اور نہ اہل وعیال ہوتے ہیں اور وہ تمام چیزیں نہیں ہوتیں جو اللہ تعالیٰ سے اشتغال کا منشاء ہیں تو گویا دنیا میں دل لگانے کا کوئی سبب اسے میسر نہیں ہوتا۔

اس جگہ یہ سوال ہے کہ مسافر بھی تو راستہ عبور کرنے والا ہوتا ہے تو اس کو بطریق عطف لانے کی کیا ضرورت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ راستہ عبور کرنا مسافرت کو مستلزم نہیں ہے اور اس میں زیادہ مبالغہ ہے، کیونکہ راستہ عبور کرنے والے کے تعلقات مسافر کے تعلقات سے کم ہوتے ہیں سو یہ عام کا خاص پر عطف ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھ سے فرمایا کہ تم اپنی تندرستی کے اوقات میں سے کچھ بیماری کا حصہ رکھ لو'' یعنی کچھ وقت اپنی بیماری کے لیے رکھو یعنی تندرستی کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں مشغول رہو کیونکہ بیماری کے ایام میں تم اتنی عبادت اور اطاعت نہیں کر سکو گے، اور اپنی زندگی کے ایام میں سے موت کا حصہ رکھو، یعنی اپنی زندگی کے ایام کو غنیمت جانو اور اپنی زندگی کے ایام کو بے فائدہ کاموں میں اور سہو اور غفلت میں نہ گزارو کیونکہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہوجاتے ہیں اور اس کی امیدوں کے چراغ بجھ جاتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۰۔۵۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۱۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابوالزناد نے کہا ہے: اس حدیث میں لوگوں سے کم ملنے جلنے کی ترغیب ہے اور دنیا کی چیزوں سے کم فائدہ اٹھانے کی دلیل ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی المتوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: اس کا بیان یہ ہے کہ مسافر لوگوں سے بہت کم واقف ہوتا ہے اور لوگوں سے بہت کم ملنے جلنے والا ہوتا ہے بلکہ وہ لوگوں سے غیر مانوس ہوتا ہے اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کے پاس سے گزرے جس کو وہ پہچانتا ہو اور جس سے وہ مانوس ہو اور اس کے ساتھ زیادہ ملنا جلنا اختیار کرے، سو وہ اپنے نفس میں خوفزدہ ہوتا ہے۔ اسی طرح جو راستہ عبور کرنے والا ہے وہ بھی اپنے سفر میں زیادہ دور نہیں جاتا، اور اس کے پاس سامان کم ہوتا ہے اور اس کے ساتھ سفر خرچ ہوتا ہے اور سواری ہوتی ہے جو اس کو اس کے مطلوب تک پہنچاتی ہے، یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ دنیا میں بے رغبتی کو

اختیار کرنا چاہیے اور دنیا سے صرف اتنی مقدار لینی چاہیے جس سے گزر بسر ہو جائے جیسا کہ مسافر زیادہ سامان کو نہیں اکٹھا کرتا، اسی طرح مومن بھی دنیا میں زیادہ چیزوں کا محتاج نہیں ہوتا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی نصیحت میں فرمایا: جب تم شام کرو تو صبح کا انتظار نہ کرو، اس میں یہ بتایا کہ تم موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو، کیا پتا تمہیں شام دیکھنی نصیب ہو یا نہ ہو۔ اور دوسرا یہ کہ عمل صالح کی تیاری کرو۔ اور اس پر برانگیختہ کیا ہے کہ لمبی امیدیں نہ باندھو، اور دنیا کی دلفریب اور دل نشیں چیزوں کی طرف مائل نہ ہو۔

نیز فرمایا: ''تم تندرستی کے ایام میں سے کچھ بیماری کے ایام میں رکھو'' یعنی تم صحت کے ایام کو غنیمت جانو۔ اور زیادہ عبادت کرو اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو بعد میں تمہیں کوئی ایسی بیماری ہو جائے کہ تم زیادہ نیک عمل نہ کر سکو۔

اسی طرح فرمایا ''تم اپنی زندگی کے ایام میں سے موت کے لیے حصہ رکھو'' یعنی اپنی زندگی کے ایام کو غنیمت جانو اور ان کو فضول اور بے مقصد کاموں میں نہ گزارو، کیونکہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں اور اس کی امید ختم ہو جاتی ہے۔ اور پھر اس کو اپنے عمل کی کمی کے اوپر ندامت ہوتی ہے۔ سو! یہ حدیث کتنے خیر کے معانی کو جامع ہے۔ اور اسی وجہ سے علامہ نووی نے اس حدیث کو اپنی اربعین میں داخل کیا ہے۔ اور ہم نے اس کی شرح میں اس کی وضاحت کی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۴۰۳۔ ۴۰۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۱۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دنیا سے دل نہ لگانے کی وجوہ

علامہ یحییٰ بن شرف النووی نے کہا ہے کہ دنیا کی طرف مائل نہ ہو اور دنیا کو اپنا وطن نہ بناؤ، اور تم اپنے دل میں یہ خیال نہ جماؤ کہ تم دنیا میں باقی رہو گے۔ اور دنیا سے تم صرف اتنا تعلق رکھو جیسا کہ مسافر کسی اجنبی جگہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔

اور دوسرے علماء نے کہا: راستہ عبور کرنے والا وہ شخص ہے جو راستہ عبور کر کے اپنے وطن کی طلب کرنے کے لیے جاتا ہے، پس جو مرد اس دنیا میں ہے وہ اس غلام کی طرح ہے جس کو اس کے مالک نے کسی کام سے دوسرے شہر بھیجا ہو، اور اس کو یہ کرنا چاہیے کہ جلدی سے وہ کام کرے جس کام کے لیے اس کو بھیجا گیا ہے، پھر وہ اپنے وطن کی طرف لوٹ آئے اور کسی ایسی چیز کے ساتھ دل نہ لگائے جس کا اس کے ساتھ تعلق نہیں ہے۔

اور دیگر علماء نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ مومن اپنے آپ کو دنیا میں اس طرح رکھے جس طرح مسافر ہوتا ہے، پس اپنا دل کسی اجنبی شہر میں نہ لگائے، بلکہ اس کا دل اپنے وطن ہی کے ساتھ متعلق رہے جہاں اس نے واپس جانا ہے، اور اس دنیا میں رہنے کو صرف اس لیے قرار دے تاکہ وہ اپنی حاجت پوری کر لے اور اپنے وطن کی طرف لوٹنے کی تیاری کرے اور مسافر کا یہی طریقہ ہوتا ہے۔ یا اس مسافر کی طرح ہو جو کسی معین جگہ پر قیام نہیں کرتا بلکہ وہ مسلسل سفر کرتا رہتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جو نصیحت کی ہے اس کے موافق درج ذیل حدیث ہے

امام حاکم روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: پانچ چیزوں سے پہلے پانچ چیزوں کو

غنیمت جانو: بڑھاپے سے پہلے جوانی کو غنیمت جانو، بیماری سے پہلے تندرستی کو غنیمت جانو، تنگدستی سے پہلے خوش حالی کو غنیمت جانو، کارِ معاش کی مشغولیت سے پہلے فراغت کو غنیمت جانو، موت سے پہلے زندگی کو غنیمت جانو۔ اس حدیث کی امام ابن المبارک نے کتاب الزہد میں سندِ صحیح کے ساتھ عمرو بن میمون کی مرسل سے روایت کی ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی یہ نصیحت حدیث مرفوع سے حاصل کی گئی ہے اور یہ نصیحت امیدوں کے کم کرنے کو متضمن ہے اور یہ کہ عقلمند آدمی کو چاہیے کہ جب شام ہو جائے تو صبح کا انتظار نہ کرے اور جب صبح ہو جائے تو شام کا انتظار نہ کرے بلکہ یہ گمان کرے کہ اس کی موت اس سے پہلے آ جائے گی۔

اور یہ جو فرمایا ہے ''صحت کے اوقات میں سے مرض کے اوقات کا حصہ رکھو'' یعنی ایسے عمل کرو جن کا نفع تمہیں موت کے بعد حاصل ہو اور صحت کے ایام میں نیک عمل کرنے میں جلدی کرو، کیونکہ کبھی مرض آ جاتا ہے اور آدمی نیک عمل نہیں کر سکتا۔

اس حدیث کا اس حدیث سے تعارض جس میں مذکور ہے کہ بیماری کے ایام میں بندہ کے وہ اعمال لکھے جاتے ہیں جن کو وہ صحت کے ایام میں کرتا تھا اور اس تعارض کا جواب

یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ حدیث صحیح میں یہ وارد ہے کہ جب بندہ بیمار ہو جاتا ہے یا سفر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال میں وہ عمل لکھ دیتا ہے جو وہ صحت اور اقامت کے ایام میں عمل کرتا تھا، کیونکہ یہ حدیث اس شخص کے متعلق وارد ہے جو عمل کرتا ہو، اور اس باب کی حدیث میں جو مرض اور موت سے ڈرایا ہے یہ اس کے متعلق ہے جو بالکل عمل نہیں کرتا، کیونکہ جو بالکل عمل نہیں کرتا وہ اپنے عمل نہ کرنے پر نادم ہوگا اور اپنے مرض کی وجہ سے عمل کرنے سے جو عاجز ہو گیا ہے تو اس پر نادم ہوگا مگر یہ ندامت نفع نہیں دے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب انسان صحت کے ایام میں کوئی نیک عمل کرتا ہو اور پھر بیماری طاری ہونے کی وجہ سے وہ عمل نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے وہ عمل لکھتا رہتا ہے جو صحت کے ایام میں وہ عمل کرتا تھا۔ اور یہاں اس شخص کے متعلق نصیحت کی ہے جو صحت کے ایام میں بالکل عمل نہیں کرتا تھا۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے کندھے کو پکڑ کر یہ فرمایا تھا: دنیا میں مسافر کی طرح رہو''۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ معلم، متعلم کے اعضاء کو تعلیم کے وقت چھوئے اور واعظ لوگوں کو نصیحت کرتے وقت ان کو چھوئے تا کہ ان کا انس حاصل ہو اور تنبیہ حاصل ہو۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس پر حریص تھے کہ امت کو خیر پہنچائی جائے اور آپ نے امت کو برانگیختہ کیا کہ وہ دنیا کو ترک کریں اور صرف قدرِ ضرورت پر اقتصار کریں۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۷۳۔۴۷۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۔ بَابُ: فِي الْأَمَلِ وَطُولِهِ

امید اور اس کے طول کا بیان

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (آل عمران: ۱۸۵)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو، جو شخص دوزخ سے دور کیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہی کامیاب ہے اور دنیا کی زندگی صرف دھوکے کا سامان ہے O

ذَرۡهُمۡ يَأۡكُلُوۡا وَ يَتَمَتَّعُوۡا وَ يُلۡهِهِمُ الۡاَمَلُ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ۝ (الحجر ۳)

آپ ان کو کھانے میں اور (دنیاوی) فائدہ اٹھانے میں چھوڑ دیں اور ان کو ان کی امیدوں میں مشغول رہنے، دیں یہ عنقریب جان لیں گے O

وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ: ارْتَحَلَتِ الدُّنْيَا مُدْبِرَةً وَارْتَحَلَتِ الْآخِرَةُ مُقْبِلَةً وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا بَنُونَ فَكُونُوا مِنْ أَبْنَاءِ الْآخِرَةِ وَلَا تَكُونُوا مِنْ أَبْنَاءِ الدُّنْيَا فَإِنَّ الْيَوْمَ عَمَلٌ وَلَا حِسَابَ وَغَدًا حِسَابٌ وَلَا عَمَلٌ بِمُزَحْزِحِهِ: بِمُبَاعِدِهِ۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دنیا پیٹھ موڑتے ہوئے کوچ کر رہی ہے اور آخرت سامنے سے آرہی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے بیٹے ہیں، پس تم آخرت کے بیٹے بنو اور دنیا کے بیٹے نہ بنو، کیونکہ آج عمل ہے اور حساب نہیں ہے اور کل حساب ہوگا اور عمل نہیں ہوگا۔
مزحزحہ کا معنی ہے: اس کو دور کرنے والا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ امید عمل سے غافل کرتی ہے اور روکتی ہے اور تمام لوگوں کے لیے امیدیں رکھنا مذموم ہے سوائے علماء کے، کیونکہ اگر علماء کسی کام کی امید نہ رکھتے اور منصوبہ نہ بناتے تو پھر وہ کتابوں کی تصنیف اور تالیف نہ کرتے۔ علامہ ابن الجوزی نے اپنے شعر میں اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا ہے:

وآمال الرجال لهم فضوح سوى امل المصنف ذى العلوم

لوگوں کی امیدیں ان کے لیے باعثِ رسوائی ہیں سوائے مصنف کی امید کے جو علوم سے مزین ہے

اور امید میں اور تمنا میں یہ فرق ہے کہ امید کسی سبب سے قائم ہوتی ہے اور تمنا بغیر سبب کے ہوتی ہے۔ اور بعض حکماء نے کہا ہے کہ انسان امید سے علیحدہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ اگر اس سے امید فوت ہو جائے تو پھر وہ تمنا پر اعتماد کرے گا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تمناؤں کی کثرت عقل کو خراب کرتی ہے اور دین کو فاسد کرتی ہے اور قناعت کو دور کرتی ہے۔ اور شاعر نے کہا:

الله اصدق والآمال كاذبة وجل هذا المعنى فى الصدر وسواس

اللہ سب سے زیادہ سچا ہے اور امیدیں جھوٹی ہیں اور اس کا بڑا معنی سینہ میں وسواس ہیں

باب میں مذکور قرآن مجید کی آیات کی تفسیر از علامہ عینی

علامہ عینی لکھتے ہیں:

كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ ؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوۡنَ اُجُوۡرَكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدۡخِلَ الۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَ ؕ وَ مَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ۝ (آل عمران: ۱۸۵)

ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے، اور تمہارے کاموں کی جزا تو قیامت کے دن ہی دی جائے گی، سو! جو شخص دوزخ سے دور کیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہی کامیاب ہے اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے O

علامہ عینی نے کہا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ امید کا جس چیز کے ساتھ تعلق ہے وہ بے کار چیز ہے۔

آل عمران: ۱۸۵ کی تفسیر از مصنف

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کا اس کے سوا اور کوئی مقصود نہیں ہونا چاہیے کہ اس کو دوزخ کے عذاب سے نجات مل جائے اور جنت میں پہنچ جائے اور جو شخص دنیا کی رنگینیوں میں ڈوب کر اللہ تعالیٰ کے احکام سے غافل ہو جائے، اس کے لیے یہ دنیا دھوکے کا سامان ہے اور جس نے اللہ کے احکام کی اطاعت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر عمل کرنے کے لیے دنیا سے تعلق رکھا، اس کے لیے دنیا اچھی متاع ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کی شرح از علامہ عینی

علامہ عینی لکھتے ہیں:

کیونکہ دنیا پیٹھ پھیر کر جانے والی ہے تو اس میں امید رکھنا مذموم ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اسی قول سے بعض حکماء نے اس قول کو اختیار کیا ہے کہ دنیا پیٹھ پھیر کر جانے والی ہے اور آخرت سامنے سے آنے والی ہے اور اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو پیٹھ پھیر کر جانے والی کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور جو سامنے سے آنے والی ہے اس کی طرف پیٹھ کر لیتا ہے۔

صاحب التوضیح (علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ) کہا ہے: ہم نے ابو اللیث السمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں یہ روایت دیکھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت کے پہلوں کی نیکی زہد (دنیا سے بے رغبتی) کے ساتھ ہوگی اور یقین کے ساتھ ہوگی، اور اس امت کے آخری لوگ بخل اور امید سے ہلاک ہو جائیں گے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اس حدیث کو حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور امام طبرانی اور امام ابن ابی الدنیا نے اس کی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کی امام ابن المبارک نے اپنی کتاب الرقائق میں روایت کی ہے۔ اور اس کی نعیم بن حماد نے از سلیمان بن خلاد روایت کی ہے، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از زبید الیامی از مہاجر الطبری۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "آج عمل ہے" اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ آج عمل نہیں ہے بلکہ آج کے دن میں عمل ہے۔ اس کا یہ جواب ہے کہ حضرت علی نے آج کے دن کو نفسِ عمل از روئے مبالغہ کے قرار دیا جیسے کہا جاتا ہے: ابو حنیفہ فقہ ہیں اور ان کا دن روزہ دار ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۱۔ ۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۱۷۔ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ مُنْذِرٍ عَنْ رَبِيعِ بْنِ خُثَيْمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضى الله عنه قَالَ خَطَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم خَطًّا مُرَبَّعًا وَخَطَّ خَطًّا فِي الْوَسَطِ خَارِجًا مِنْهُ وَخَطَّ خُطَطًا صِغَارًا إِلَى هَذَا الَّذِي فِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں صدقہ بن الفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے خبر دی از سفیان، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از منذر از ربیع بن خثیم از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مربع خط بنایا اور اس کے

الْوَسَطِ مِنْ جَانِبِهِ الَّذِي فِي الْوَسَطِ وَقَالَ هَذَا الْإِنْسَانُ وَهَذَا أَجَلُهُ مُحِيطٌ بِهِ أَوْ قَدْ أَحَاطَ بِهِ وَهَذَا الَّذِي هُوَ خَارِجٌ أَمَلُهُ وَهَذِهِ الْخُطَطُ الصِّغَارُ الْأَعْرَاضُ فَإِنْ أَخْطَأَهُ هَذَا نَهَشَهُ هَذَا وَإِنْ أَخْطَأَهُ هَذَا نَهَشَهُ هَذَا۔

درمیان میں ایک خط بنایا جو مربع سے خارج تھا اور اس مربع کے وسط میں چھوٹے چھوٹے خطوط بنائے مربع کی جانب سے وسط میں، آپ نے فرمایا: یہ انسان ہے اور یہ اس کی اجل (موت) اس کا احاطہ کرنے والی ہے یا فرمایا: اس کا احاطہ کر چکی ہے، اور یہ خط جو اس مربع سے خارج ہے یہ اس کی امید ہے اور یہ چھوٹے چھوٹے خطوط اعراض (دنیاوی مشکلات) ہیں، اگر وہ ایک مشکل سے نکل جائے تو دوسری مشکل اس کو ڈس لیتی ہے۔ اور اگر وہ اس سے نکل جائے تو یہ مشکل اس کو ڈس لیتی ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۴۵۴، سنن ابن ماجہ: ۴۲۳۱، مسند احمد: ۳۶۴۴، سنن دارمی: ۲۷۲۹)

صحیح البخاری: ۶۴۱۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے انسان کی امید اور اس کا طول۔ اور اس حدیث میں یہ مثال دی ہے کہ انسان کی امید اور اس کی موت اور اس کی دنیاوی مشکلات اس کو عارض ہوتی رہتی ہیں، اور جب وہ ان مشکلات سے نکل لے تو اس کی موت آ جاتی ہے جب اس کی زندگی کی میعاد پوری ہو جاتی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، وہ ابن سعید القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ ثوری ہیں، وہ اپنے والد سعید بن مسروق سے روایت کرتے ہیں اور سعید منذر بن یعلیٰ سے روایت کرتے ہیں اور ثوری الکوفی ہیں، وہ ربیع بن خثیم سے روایت کرتے ہیں۔ اور یہ چاروں ثوری کوفی ہیں اور عبد اللہ سے مراد ہے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، اور وہ صحابی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مربع خط کھینچا۔ مربع سے مراد یہ ہے کہ اس کے تمام زاویے برابر تھے اور اس کا طول اور عرض برابر تھا۔ اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے چھوٹے خط اس مربع میں کھینچے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ انسان ہے، یعنی یہ خط مثال کے طور پر انسان ہے اور اس کی صفت یہ ہے۔ اور مربع کے وسط میں ایک خط آپ نے کھینچا جو مربع سے باہر نکلا ہوا تھا اور مربع کے جو چار خطوط ہیں یہ انسان کی اجل ہے یعنی انسان کی زندگی کا اس کی اجل نے احاطہ کیا ہوا ہے اور اس کی جو امیدیں ہیں وہ اتنی زیادہ ہیں کہ وہ اس کی زندگی سے باہر نکلی ہوئی ہیں۔

اس مربع کے چاروں طرف جو خطوط ہیں وہ انسان کی اجل یا موت ہے جس نے انسان کو گھیرا ہوا ہے
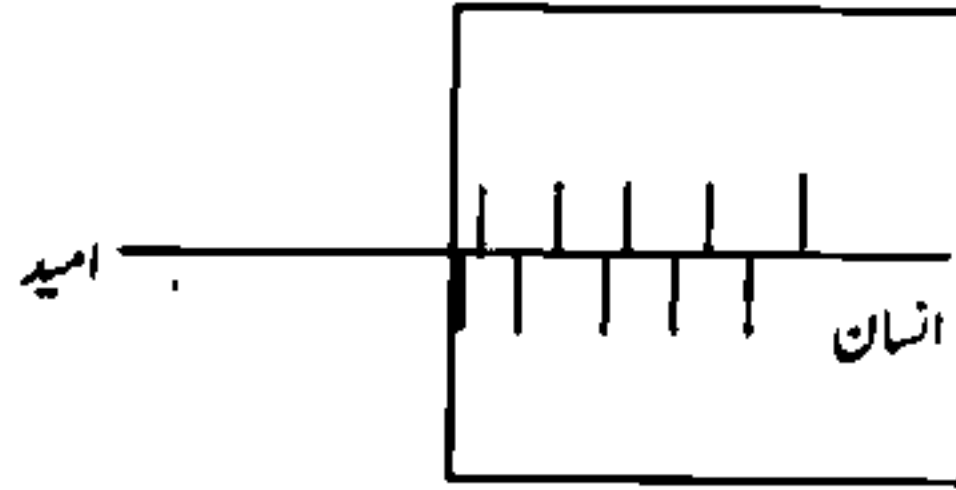
یہ چھوٹے چھوٹے خطوط انسانی کی دنیاوی مشکلات ہیں

اس مثال سے یہ واضح کیا ہے کہ انسان کی امید اس کی زندگی سے باہر نکلی ہوئی ہے اور مشکلات نے اس کا احاطہ کیا ہوا ہے، اس کی امید پوری نہیں ہوتی اور اس کو موت آ جاتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۱۔ ۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۱۸۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ خَطَّ النَّبِيُّ ﷺ خُطُوطًا فَقَالَ هَذَا الْأَمَلُ وَهَذَا أَجَلُهُ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَلِكَ إِذْ جَاءَهُ الْخَطُّ الْأَقْرَبُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی خطوط کھینچے، آپ نے فرمایا: یہ امید ہے اور یہ انسان کی اجل (موت) ہے، پس جس وقت انسان اسی حال میں ہوتا ہے تو اس کے پاس وہ خط آ جاتا ہے جو زیادہ قریب ہوتا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۱۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی خطوط کھینچے اور ان کی درج ذیل صفت ہے:
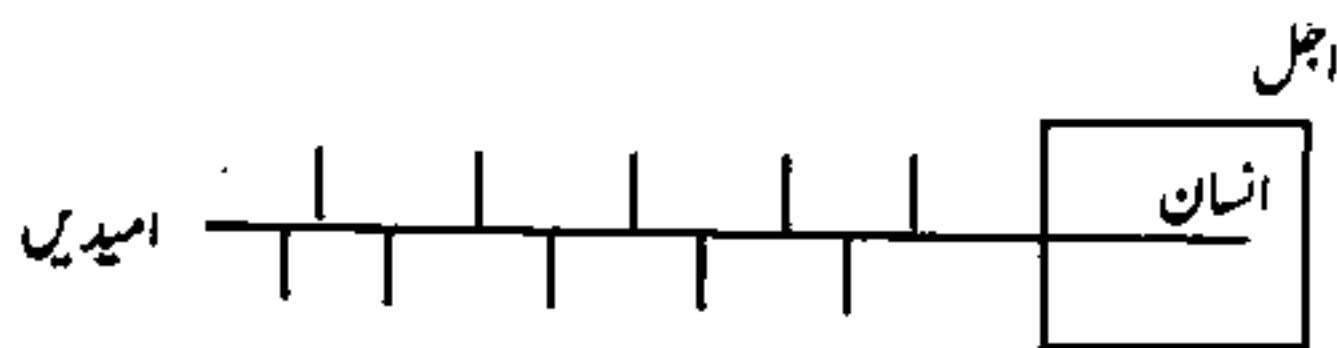
ان خطوط سے ان آفات اور مصائب کی طرف اشارہ ہے جو انسان کو عارض ہوتے ہیں وہ اسی طرح آفات میں مبتلاء ہوتا ہے کہ اچانک جو خط زیادہ قریب ہے وہ اس کے پاس آ جاتا ہے اور وہ اس کی اجل اور اس کی موت ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اس نقشہ میں طویل نقشہ سے اختصار ہے اور دوسرے خطوط آفات ہیں اور جو خط زیادہ قریب ہے وہ اجل اور موت ہے کیونکہ کوئی شک نہیں ہے کہ جو خط محیط ہو وہی تمام خطوط سے زیادہ قریب ہے اور وہی انسان کی اجل اور موت ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۳۔ ۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۱۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امیدیں کم رکھنے کی ترغیب

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ تنبیہ کی ہے کہ وہ امیدیں کم رکھیں اور ان کو موت کا خوف دلایا ہے کہ جس شخص سے اس کی موت کا وقت غائب ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ جس حال میں وہ موت سے دھوکہ میں ہو اور غفلت میں ہو اچانک اس کے اوپر موت آجائے نعوذ باللہ من ذالك۔ پس مومن کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں دی ہیں انہی کے استعمال پر راضی رہے اور اپنی امیدوں اور خواہشات کے خلاف جہاد کرے۔ اور اس باب کے بعد یہ حدیث آئے گی کہ ہمیشہ بوڑھے آدمی کا دل دنیا کی محبت اور لمبی امید میں جوان ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۴۲۰)

قرآن مجید میں ہے:

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوْا وَ يَتَمَتَّعُوْا وَ يُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ○ (الحجر ۳)

آپ ان کو کھانے میں اور (دنیاوی) فائدہ اٹھانے میں چھوڑ دیں اور ان کو ان کی امیدوں میں مشغول رہنے دیں یہ عنقریب جان لیں گے ○

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم!) آپ ان مشرکین کو اس حال میں رہنے دیں کہ یہ دنیا کی چیزیں کھاتے ہیں اور دنیا کی لذات اور شہوات سے نفع اندوز ہوتے ہیں اور اسی حال میں یہ رہیں حتیٰ کہ ان کی موت کا وقت آجائے۔ اور ان کی لمبی امیدیں ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل رکھیں اور اپنی آخرت کے لیے مغفرت کا سامان پہنچانے سے یہ عاجز رہیں جس کی وجہ سے یہ اپنے رب کا قرب حاصل کر سکیں، پس عنقریب یہ کل جان لیں گے جب یہ دوزخ کی آگ پر وارد ہوں گے اور جب یہ اللہ کا کفر کرنے کی وجہ سے عذاب کو دیکھیں گے کہ یہ دنیا کی لذات سے نفع حاصل کرنے کے اندر منہمک رہے اور اس انجام کو پہنچ گئے۔

ابو اللیث السمرقندی کی روایت میں ہے: اس امت کے پہلوں کی بہتری زہد اور یقین کے ساتھ تھی اور اس امت کا آخری حصہ بخل اور لمبی امیدوں کی وجہ سے ہلاک ہوگا، پھر آپ نے فرمایا: جس نے اپنی امید کم رکھی، اللہ تعالیٰ اس کو چار کرامتیں عطا فرماتا ہے:

(۱) وہ شخص اللہ کی اطاعت پر قوی ہوتا ہے، کیونکہ جب اس کو معلوم ہو کہ وہ عنقریب مر جائے گا تو وہ اپنے مستقبل کے لیے ان چیزوں کا اہتمام نہیں کرے گا جو ناپسندیدہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوشش کرے گا اور زیادہ اطاعت کرے گا۔

(۲) وہ شخص اپنے تفکرات کو چھوڑ دے گا، کیونکہ جب اسے معلوم ہوگا کہ وہ عنقریب مر جائے گا تو وہ مستقبل کے لیے پریشان نہیں ہوگا۔

(۳) وہ کم نعمتوں پر راضی ہوگا۔

(۴) اس کا دل منور ہوگا۔ پس مسلمان کو چاہیے کہ اس کی امید کم ہو، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ کس لمحہ میں اور کونسا سانس لیتے وقت وہ مر جائے گا۔ اور مسلمان کو چاہیے کہ بہ کثرت موت کا ذکر کرے۔ کیونکہ چھ خصلتوں کے سوا کوئی مفر نہیں ہے اور وہ یہ ہیں:

(۱) ایسا علم جو اس کی آخرت پر رہنمائی کرے (۲) ایسا رفیق جو اس کی اطاعت کے اوپر مدد کرے (۳) اور دشمن سے بچائے (۴)

دن اور رات کے اختلاف میں جو اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں ان پر غور وفکر کرے (۵) اپنے نفس کے ساتھ انصاف کرے، (۶) موت آنے سے پہلے اس کی تیاری کرے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۴۰۸-۴۱۰، ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۱۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زُہد کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دیگر آثار

امام ابن شیبہ نے المصنف میں اور امام ابن المبارک نے کتاب الزہد میں اپنی سند کے ساتھ از مہاجر بن عمیر روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف یہ ہے کہ تم خواہش کی پیروی کرو گے اور لمبی امید رکھو گے۔ رہا خواہش کی پیروی کرنا تو وہ تم کو حق کے راستہ سے روکتا ہے اور رہا لمبی امید رکھنا تو وہ آخرت کو بھلا دیتا ہے اور بے شک دنیا پیٹھ موڑ کر جارہی ہے۔

اور امام ابن ابی الدنیا نے از الیمان بن حذیفہ از علی بن ابی حفصہ مولیٰ علی روایت کی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف دو خصلتوں کا ہے۔ پھر اس حدیث کا معنی ذکر کیا۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پس خواہش کی پیروی کرنا تمہارے دلوں کو حق سے موڑ دیتا ہے۔ اور لمبی امید رکھنا تمہاری ہمتوں کو دنیا کی طرف پھیر دیتا ہے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چار چیزیں بدبختی سے ہیں، آنکھوں کا خشک ہو جانا، دل کی سختی، لمبی امید اور دنیا کی حرص کرنا۔ اس حدیث کی امام بزار نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

اور حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس امت کے پہلے لوگوں کی نیکی زہد اور یقین سے ہے اور اس امت کے آخری لوگوں کی ہلاکت بخل اور (لمبی) امید سے ہے۔ اس حدیث کی امام طبرانی اور امام ابن ابی الدنیا نے روایت کی ہے۔

زہد کی حقیقت اور زہد کا سبب

ایک قول یہ ہے کہ امیدیں کم رکھنا زہد کی حقیقت ہے، یہ صحیح نہیں ہے بلکہ یہ زہد کا سبب ہے کیونکہ جس نے امیدیں کم رکھیں وہ دنیا سے بے رغبتی کرتا ہے اور لمبی امید رکھنے سے عبادت میں سستی پیدا ہوتی ہے اور توبہ میں تاخیر ہوتی ہے اور دنیا میں رغبت ہوتی ہے اور انسان آخرت کو بھول جاتا ہے اور دلوں میں سختی ہوتی ہے، کیونکہ دل کی نرمی اور دل کی صفائی موت کو یاد رکھنے سے ہوتی ہے اور قبر کو یاد رکھنے سے ہوتی ہے اور ثواب اور عقاب کو یاد رکھنے سے ہوتی ہے اور قیامت کی خوفناک باتوں سے ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ

کیا ابھی تک ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے اور اس حق کے لیے نرم ہو جائیں جو نازل

قَبۡلُ فَطَالَ عَلَيۡهِمُ الۡاَمَدُ فَقَسَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ ؕ وَ كَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ۞ (الحدید:۱۶)

ہو چکا ہے، اوران لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر ان پر طویل زمانہ گزر گیا تو ان کے دل بہت سخت ہو گئے، اوران میں سے بہت سے لوگ فاسق ہیں O

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس کی امید کم ہو اس کے تفکرات کم ہوتے ہیں اور اس کا دل روشن ہو جاتا ہے، کیونکہ جب اس کی موت کا وقت آتا ہے تو وہ عبادت میں کوشش کر رہا ہوتا ہے اور اس کی تشویش کم ہوتی ہے اور تھوڑی چیز پر راضی ہو جاتا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۵۷۴، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۵۔ بَابٌ: مَنْ بَلَغَ سِتِّينَ سَنَةً فَقَدْ أَعْذَرَ اللهُ إِلَيْهِ فِي الْعُمُرِ

جس کی عمر ساٹھ سال کو پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عذر کا کوئی موقع نہیں رکھا

لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ (فاطر:۳۷)

کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں وہ شخص نصیحت قبول کر لیتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا اور تمہارے پاس عذاب سے ڈرانے والا بھی آیا تھا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس کی عمر ساٹھ سال ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اوپر اپنی حجت پوری کر دی ہے، اب اس کو چاہیے کہ وہ استغفار کرے اور اطاعت کرے اور بالکلیہ آخرت کی طرف متوجہ ہو جائے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے اوپر کوئی حجت نہیں رہتی۔ اور حاصل معنی یہ ہے کہ لمبی عمر دے کر اللہ تعالیٰ نے اپنی حجت بندہ پر پوری کر دی ہے اور اس کو عبادت کے لیے ایک مدت عطا فرمائی ہے۔

آیتِ مذکورہ کی تفسیر از علامہ عینی

اس آیت میں فرمایا ہے "کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں انسان نصیحت کو قبول کرتا ہے":

علامہ زمخشری نے کہا: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زجر و توبیخ کی ہے، اللہ تعالیٰ بندوں سے فرماتا ہے اور اس کا یہ قول ہر عمر کو شامل ہے جتنی عمر میں انسان اپنے حال کی اصلاح کر سکتا ہو خواہ وہ عمر کم ہو۔

اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی' اس کے متعلق کئی اقوال ہیں:

مسروق نے کہا: اس سے مراد ہے چالیس سال۔ اور مجاہد نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ اس سے مراد ہے چھیالیس سال۔ اور حضرت ابن عباس سے دوسری روایت ہے کہ اس سے مراد ہے ستر سال، اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اس سے مراد ہے ساٹھ سال، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس کی عمر ساٹھ سال یا ستر سال ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے عمر کے متعلق اس پر حجت تمام کر دی۔

اور اس آیت میں فرمایا ہے''وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ'' یعنی تمہارے پاس عذاب سے ڈرانے والا بھی آیا تھا۔اس کے مصداق میں اختلاف ہے،پس ایک قول یہ ہے کہ اس کا مصداق ہیں رسول اللہ ﷺ۔اور زید بن علی نے کہا کہ اس کا مصداق قرآن ہے، اور عکرمہ،سفیان بن عیینہ اور وکیع نے کہا کہ اس سے مراد ہے بڑھاپا۔اور یہی صحیح ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۴،دار الکتب العلمیہ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

فاطر: ۳۷ کی تفسیر از مصنف

انسان کی ہدایت اور نیکی کو اختیار کرنے اور برائیوں کو ترک کرنے کے لیے کتنی عمر کافی ہے،اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ انسان پر حجت قائم کرنے کے لیے ساٹھ سال کی عمر کافی ہے،اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص کی موت کو مؤخر کر کے اس کی عمر ساٹھ سال کر دی گئی تو اللہ نے اس پر سب سے زیادہ حجت پوری کر دی (اور اس کے لیے کوئی عذر نہیں چھوڑا)۔(صحیح البخاری:۶۴۱۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ساٹھ سال کی عمر والے کہاں ہیں،یہی وہ عمر ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس عمر میں وہ شخص نصیحت قبول کر لیتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا ہو۔(جامع البیان:۲۲۲۰۵ تفسیر امام ابن ابی حاتم:۱۸۰۰۵)

اس کا معنی یہ ہے کہ جس شخص کی اللہ تعالیٰ نے عمر ساٹھ سال کر دی،اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کوئی عذر نہیں چھوڑا،کیونکہ ساٹھ سال انتہائی عرصہ ہے،اس عمر میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی امید ہونی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کا غلبہ ہونا چاہیے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے چالیس سال کی بھی روایت ہے۔

مجاہد کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس آیت کی تفسیر میں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جتنی عمر میں ابن آدم پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو جاتی ہے وہ چالیس سال ہے۔(جامع البیان:۲۲۲۰۱)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ چالیس سال کی عمر میں انسان کی عقل کامل ہو جاتی ہے اور اس کے بعد اس کی عقل ڈھلنی شروع ہو جاتی ہے۔(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۳۱۶،دار الفکر،بیروت،۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں: یہ قول صحیح نہیں ہے،کیونکہ نبی ﷺ کی عمر تریسٹھ سال تھی اور آپ سے زیادہ کسی کی عقل کامل نہیں تھی بلکہ آپ کی عقل سب سے زیادہ کامل تھی۔کتنے صحابہ،فقہاء،تابعین،ائمہ مجتہدین اور علمائے دین ساٹھ،ستر اور اسی سال کی عمر پا کر مرحوم ہوئے اور آخر وقت تک ان کی عقل کامل رہی۔

امام مالک نے کہا: ہمارے شہروں میں لوگ دنیا داری میں مشغول رہتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ میل جول رکھتے ہیں اور جب ان کی عمر چالیس سال کو پہنچ جاتی ہے تو دنیا داری کی مشغولیت اور لوگوں کے ساتھ میل جول کو ترک کر دیتے ہیں اور اپنے آخرت سنوارنے میں مشغول ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ انہیں موت آ جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کی عمریں ساٹھ سے ستر سال کے درمیان ہوں گی اور بہت کم اس سے متجاوز ہوں گے۔(سنن ترمذی:۳۵۵۰،سنن ابن ماجہ:۴۲۳۶،صحیح ابن حبان:۲۹۸۰،مسند ابو یعلیٰ:۵۹۹۰،المستدرک

ج ۲ ص ۷ ۳۲، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۷۰ ۳)

نذیر (ڈرانے والا) کے محامل

پھر فرمایا: اور تمہارے پاس عذاب سے ڈرانے والا بھی آیا تھا۔

اس کی تفسیر میں اختلاف ہے، زید بن علی اور ابن زید نے کہا: اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت ابن عباس اور عکرمہ وغیرہ نے کہا: اس سے مراد بڑھاپا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اہل اور اقارب کی موت ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد کمال عقل ہے۔

جب انسان پر بڑھاپا طاری ہوتا ہے تو وہ سمجھ لیتا ہے کہ اب کھیل کود کی عمر گزر گئی ہے، اور جب اس کے اصحاب اور اقارب گزر جاتے ہیں تو وہ سوچتا ہے کہ اب اس کی کوچ کا وقت بھی آپہنچا ہے اور جب اس کی عقل کامل ہو جاتی ہے تو وہ حقائق امور میں غور وفکر کرتا ہے اور نیک کاموں اور برے کاموں میں فرق کرنے لگتا ہے۔ پس عقل والا آخرت کے لیے عمل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو اجر ہے اس کے حصول کی کوشش کرتا ہے اور اخروی عذاب سے بچنے کی فکر کرتا ہے۔ (تبیان القرآن ج ۹ ص ۶۹۲ - ۶۹۳، فرید بک اسٹال، لاہور)

۶۴۱۹ - حَدَّثَنِي عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ مُطَهَّرٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ مَعْنِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْغِفَارِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ أَعْذَرَ اللّٰهُ إِلَى امْرِءٍ أَخَّرَ أَجَلَهُ حَتَّى بَلَّغَهُ سِتِّينَ سَنَةً تَابَعَهُ أَبُو حَازِمٍ وَابْنُ عَجْلَانَ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ۔ (مسند احمد: ۷۶۵۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبد السلام بن مطہر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن علی نے حدیث بیان کی از معن بن محمد الغفاری از سعید بن ابی سعید المقبری از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس مرد کا عذر زائل کر دیا جس کی موت کو مؤخر کیا حتیٰ کہ اسے ساٹھ سال کی عمر تک پہنچا دیا۔

معن بن محمد کی متابعت ابو حازم اور ابن عجلان نے کی ہے از المقبری۔

صحیح البخاری: ۶۴۱۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد السلام بن مطہر، یہ ابن حسام ابو ظفر الازدی البصری ہیں۔ یہ رجب دو سو چوبیس (۲۲۴) ہجری میں فوت ہو گئے تھے۔ امام بخاری ان سے روایت میں منفرد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن علی، یہ ابن عطاء بن مقدم المقدمی ابو حفص البصری ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے معمر، یہ ابن محمد الغفاری ہیں، ان کی نسبت غفار بن مقبل کی طرف ہے جو حضرت ابو ذر الغفاری رضی اللہ عنہ کا قبیلہ ہے اور اس حدیث میں مذکور ہے سعید بن ابی سعید ذکوان المقبری، ان کی نسبت مدینہ کے مقبرہ کی طرف ہے کیونکہ یہ اس کے پاس رہتے تھے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اعذر اللہ الی امرء": اعذر، باب افعال سے ہے اور اس میں ہمزہ سلب ماخذ کے لیے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس مرد کا اطاعت اور عبادت میں کمی اور گناہوں سے اجتناب کے متعلق عذر زائل کر دیا، کیونکہ اس کی عمر لمبی کر دی حتیٰ کہ اسے ساٹھ سال کی عمر تک پہنچا دیا۔

اطباء کہتے ہیں: انسان کے چار سن ہیں۔ ایک سن طفولیت ہے، یہ بچپن سے جوانی تک ہے۔ دوسرا سن الشباب ہے، یہ جوان ہونے کے بعد سے لے کر ادھیڑ عمر تک ہے۔ اور تیسرا سن کہولۃ ہے، یہ چالیس سال کی عمر سے لے کر ساٹھ سال کی عمر تک ہے۔ اور چوتھا سن شیخوخۃ ہے، پس جب انسان ساٹھ سال کی عمر تک پہنچ جائے تو یہ اس کی عمر کا آخر ہے۔ پھر اس کے اندر اس کی قوت کا ضعف ظاہر ہوتا ہے اور اس کے اعضاء کی قوت میں کمی نمودار ہوتی ہے اور وہ ڈھل جاتا ہے اور موت سے ڈرانے والا آ پہنچتا ہے، یہ وہ وقت ہے جس میں وہ اللہ عزوجل کی طرف رجوع کرتا ہے۔

راقم الحروف کا حال

اس سال یعنی ۱۴۳۴ھ/ ۲۰۱۳ء میری عمر چھہتر (۷۶) سال کی ہو چکی ہے۔ اور جیسا کہ علامہ عینی نے لکھا ہے اب مجھ پر ضعف کا غلبہ ہے اور تمام اعضاء میں قوت کی کمی نمودار ہو گئی ہے۔ صحیح البخاری کی شرح کی نویں جلد تک میں اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا۔ پھر میرے ہاتھوں میں اتنی قوت نہیں رہی کہ میں اپنے ہاتھ سے لکھ سکتا۔ میرے ہاتھ کپکپانے لگتے تھے اور صحیح نہیں لکھا جاتا تھا، الفاظ اور حروف ٹیڑھے لکھے جاتے تھے۔ مجھے انیس سو چوراسی (۱۹۸۴ء) میں ذیابیطس (شوگر) کے مرض کا عارضہ ہوا تھا جس کی وجہ سے میری شوگر اتنی بڑھ گئی کہ میں روٹی کھانے سے عاجز ہو گیا۔ میں صبح ناشتہ میں شوگر فری کے دو پاپے، دوپہر اور شام کو بران بریڈ کے دو سلائس کھا سکتا ہوں۔ اس سے زیادہ کھاؤں تو میری شوگر بڑھ جاتی ہے۔ اور انسان کو اصل قوت گندم کی روٹی سے حاصل ہوتی ہے وہ میں کھا نہیں سکتا۔ بعض اوقات دن کے دس بجے اور شام کے چار بجے دو کیلے کھا لیتا ہوں جس سے کچھ توانائی حاصل ہوتی ہے۔ سو! عمر کے تقاضے اور غذا میں کمی کی وجہ سے مجھے بہت زیادہ جسمانی کمزوری لاحق ہوئی ہے اور ایک لمبے عرصہ سے میری کمر میں درد ہے جس کی وجہ سے بیٹھنے سے تکلیف ہوتی ہے اور ہائی بلڈ پریشر ہے اور کولیسٹرول کی زیادتی ہے۔ ان دونوں امراض کی وجہ سے بھی بہت سارے پرہیز لازم ہیں۔ اور اب عرصہ ایک سال ہوا ایک نئی تکلیف پیدا ہو گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ میرے دونوں گھٹنوں کی ہڈیوں کے درمیان فاصلہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے چلنا پھرنا بھی بہت مشکل ہو گیا ہے اور نماز میں رکوع اور سجود نہیں ہو سکتا، اب کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھتا ہوں۔ ایک وقت تھا کہ میں نے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے سے منع کیا تھا لیکن اب بڑھاپے کی اور گھٹنوں کے درد کے عارضہ کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے پر مجبور ہوں۔ پہلے خود لکھتا تھا اب میرے عزیز شاگرد حافظ محمد جمشید سلمہ لیپ ٹاپ پر کمپوز کرتے ہیں اور میں بولتا ہوں، صبح ایک گھنٹہ بخاری شریف پڑھاتا ہوں اور دن میں ایک ایک گھنٹہ کی دو نشستوں میں صحیح بخاری شریف کی شرح لکھواتا ہوں، اس حال میں میری زندگی گزر رہی ہے، اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

وَ مَنۡ نُّعَمِّرۡهُ نُنَكِّسۡهُ فِی الۡخَلۡقِ ؕ (یس:٦٨) اور ہم جس کو لمبی عمر دیتے ہیں تو ہم اس کی جسمانی بناوٹ کو (ابتدائی حالت کی طرف) پلٹا دیتے ہیں۔

میں ہر لمحہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حالتِ ایمان میں چلتے ہاتھ پیروں کے ساتھ قائم رکھے اور مرتے وقت کلمہ طیبہ نصیب فرمائے۔ اور ہر وقت موت اور آخرت کو یاد کرتا رہتا ہوں۔ صحیح البخاری کی :۶۴۱۹ کی شرح لکھوا رہا ہوں، اور اس کی کل احادیث : ۷۵۶۳ ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے میں بھی دعا کرتا ہوں اور قارئین بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آسانی کے ساتھ یہ شرح مکمل کرادے اور جب تک سانس چلتا رہے اور مجھ میں ہمت اور استطاعت رہے، تصنیف و تالیف کا کام ہوتا رہے۔ جیسا کہ میں نے بتایا کہ مجھے اُنتیس سال سے شوگر کا عارضہ ہے اور میں شوگر اور دیگر میٹھی چیزیں نہیں کھا سکتا اور دماغ کی غذا اصل میں گلوکوز اور شوگر ہے، اور اس مرض کی وجہ سے میرے دماغ کو اتنا گلوکوز نہیں پہنچ سکتا جتنا گلوکوز پہنچنا چاہیے، اس وجہ سے دماغ بھی کمزور ہو گیا ہے اور نسیان کا عارضہ ہو گیا ہے۔ دماغی کام سے ذہن جلدی تھک جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے بہر حال یہ کام کرا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بے حد و بے حساب شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عمر میں اتنی بیماریوں کے باوجود مجھے بہت لوگوں سے اچھے حال میں رکھا ہوا ہے، میں خواہ تکلیف ہو لیکن چل پھر لیتا ہوں اور اپنی ضروریات پوری کر لیتا ہوں، لوگوں کو شوگر کی وجہ سے جو سنگین بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ان سے بچایا ہوا ہے اور اس کا کرم ہے کہ اس نے مجھے صرف اپنا محتاج رکھا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ مجھے صرف اپنا محتاج رکھے اور لوگوں کی احتیاج سے بچائے رکھے۔ اور قارئین کرام دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ تادمِ حیات مجھ سے دین کا یہ کام کراتا رہے تا آنکہ میرا ایمان پر خیر و خوبی کے ساتھ خاتمہ ہو جائے۔ مزید اللہ تعالیٰ کا کرم یہ ہے کہ ابھی مجھے اطلاع ملی ہے کہ شرح صحیح مسلم کا انیسواں ایڈیشن شائع ہوا ہے اور تبیان القرآن کا دسواں ایڈیشن شائع ہوا ہے اور نعمۃ الباری کا پانچواں ایڈیشن شائع ہو چکا ہے اور ابھی حال میں جو ضیاء القرآن نے نعم الباری کی جلدیں شائع کی ہیں ان میں سے بھی آٹھویں اور نویں جلد کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور یہ بھی اللہ عزوجل کا مجھ پر خصوصی فضل و کرم ہے کہ میری زندگی میں میری کتابوں کے اتنے ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مجھے بخش دے اور آخرت کے تمام قسم کے عذاب سے اور قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ اور مامون رکھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

(غلام رسول سعیدی غفرلہٗ)

۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ / ۳۱ مارچ ۲۰۱۳ء

۶۴۲۰ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا أَبُو صَفْوَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رضى الله عنه قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ لَا يَزَالُ قَلْبُ الْكَبِيرِ شَابًّا فِي اثْنَتَيْنِ فِي حُبِّ الدُّنْيَا وَطُولِ الْأَمَلِ قَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يُونُسُ وَابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدٌ وَأَبُو سَلَمَةَ.

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوصفوان عبداللہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب نے خبر دی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ہمیشہ بوڑھے آدمی کا دل دو چیزوں میں جوان ہوتا ہے: دنیا کی محبت میں اور لمبی امید میں۔ لیث بن سعد نے کہا ہے: مجھے یونس نے اور ابن وہب نے از

یونس حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے سعید اور ابوسلمہ نے خبر دی۔

(صحیح مسلم: ۱۰۴۶، سنن ترمذی: ۲۳۳۸، سنن ابن ماجہ: ۴۲۳۴، مسند احمد: ۱۳۲۸۲)

صحیح البخاری: ۶۴۲۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''قلب الکبیر'' کبیر سے مراد ہے بوڑھا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''اثنتین'' اس سے مراد ہے: دو خصلتوں میں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''شابا'' اس کا نام جوان رکھا، کیونکہ مال کی محبت میں اس کا دل مستحکم ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''طول الامل'' اس کا معنی ہے لمبی امید، اور یہاں پر اس سے مراد ہے لمبی زندگی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۴۲۱ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَكْبَرُ ابْنُ آدَمَ وَيَكْبَرُ مَعَهُ اثْنَانِ حُبُّ الْمَالِ وَطُولُ الْعُمُرِ رَوَاهُ شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم بوڑھا ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ دو خصلتیں بڑی ہوتی ہیں: مال کی محبت اور لمبی عمر۔ اس حدیث کی شعبہ نے از قتادہ روایت کی ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۰۴۷، سنن ترمذی: ۲۳۳۹، سنن ابن ماجہ: ۴۲۳۴، مسند احمد: ۱۳۲۸۲)

صحیح البخاری: ۶۴۲۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''یکبر'' یعنی اس سن اور عمر میں بڑا ہو جاتا ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''یکبر معه'' یعنی اس کے ساتھ دو خصلتیں عظیم ہوتی ہیں۔

اس سے پہلی حدیث میں شباب کا ذکر کیا تھا اور شباب سے مراد ہے قوت میں اضافہ۔ اور اس حدیث میں کبر کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد ہے عدد میں اضافہ۔ پس وہ باعتبار کیف کے ہے اور یہ باعتبار مقدار کے ہے۔

علماء نے بیان کیا ہے: ان دو خصلتوں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ابن آدم اپنے دل میں دو چیزوں کو سب سے زیادہ چاہتا ہے۔ ایک عمر ہے اور دوسرا مال کی بقا ہے۔ اور جب وہ محسوس کرتا ہے کہ اب اس کی زندگی سے کوچ کا وقت آ گیا ہے تو اس کی اس سے محبت بڑھ جاتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵٦، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ٦۴۲۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انسانی زندگی کے ادوار

انسان کی زندگی کے چار دور ہیں، ایک دور بچپن کی عمر کا ہے، اس دور میں اس کی مسلسل نشو ونما ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ پندرہ سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے۔ دوسرا دور شباب کی عمر ہے جس عمر میں انسان کی نشو ونما کامل ہو جاتی ہے۔ اور اس کی قوت بڑھتی رہتی ہے یہاں تک کہ پینتیس سال کی عمر کو جب وہ پہنچ جاتا ہے تو قوت کا بڑھنا ٹھہر جاتا ہے اور جب وہ چالیس سال کا ہو جاتا ہے تو اس کے بعد اس میں کمی شروع ہو جاتی ہے۔ اور تیسرا دور کہولہ کی عمر ہے، یہ اس کی زندگی کا وہ دور ہے جس میں انحطاط اور کمی ظاہر ہوتی ہے اور قوت باقی رہتی ہے اور اس کی انتہاء اکثر احوال میں ساٹھ سال پر ہوتی ہے۔ پس جب وہ ساٹھ سال کو پہنچ جاتا ہے تو پھر اس میں قوت کا ضعف اثر انداز ہوتا ہے اور موت کے ڈرانے والے آ پہنچتے ہیں اور وہ بوڑھوں کی عمر میں آ پہنچتا ہے اور اس عمر میں اس کا انحطاط اور کمی زیادہ ہو جاتی ہے اور اخیر عمر تک اس کا ضعف ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ اور یحییٰ بن یمان نے کہا کہ میں نے سفیان بن سعید سے سنا، وہ کہتے تھے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کو پہنچ گیا اسے چاہیے کہ اپنے لیے کفن کو تیار کرے۔

امام مالک نے کہا ہے: ہم نے اپنے شہر کے اہل علم کو اس حال میں پایا کہ وہ دنیا کو طلب کرتے ہیں اور علم کو تلاش کرتے ہیں اور لوگوں سے مل جل کر رہتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے جب کسی ایک کے چالیس سال مکمل ہو جاتے ہیں تو پھر وہ لوگوں سے الگ ہو جاتے ہیں اور عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۴۱۳۔ ۴۱۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ٦۴۱۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس عمر کے بعد عذر کی گنجائش نہیں ہے اس کے متعلق متعدد اقوال

اللہ تعالیٰ انسان کو اتنی عمر عطا فرماتا ہے جس میں وہ نیکیاں کرے اور گناہوں سے بچے اور ثواب کا مستحق ہو اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہے۔ سو! اس کے لیے کتنی عمر کافی ہے اس میں متعدد اقوال ہیں:

(۱) ایک قول یہ ہے کہ جتنی عمر کے بعد انسان کے پاس گناہوں سے بچنے کے لیے اور نیکیوں کے کرنے کے لیے عذر کی گنجائش نہیں رہتی تو وہ چالیس سال کی عمر ہے۔ اس کو امام طبری نے مسروق وغیرہ سے نقل کیا ہے اور ان کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۙ (الاحقاف: ۱۵) حتیٰ کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہو گیا۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ چھیالیس سال کی عمر ہے۔ امام ابن مردویہ نے اس کو از مجاہد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے اور اسی آیت کی تلاوت کی ہے۔ مگر اس حدیث کی سند میں ابن خثیم ہے وہ صادق ہے لیکن اس میں ضعف ہے۔

(۳) یہ ستر سال کی عمر ہے، اس کی امام ابن مردویہ نے از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے اور یہ آیت پڑھی ہے:

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ۖ (فاطر: ۳۷) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں وہ شخص نصیحت قبول کرتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا اور تمہارے پاس عذاب سے ڈرانے والا بھی آیا تھا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس آیت میں ستر سال کی عمر والوں کو عار دلایا ہے اور اس کی سند میں یحییٰ بن میمون راوی ہے اور وہ ضعیف ہے۔

(۴) یہ عمر ساٹھ سال ہے۔ اس قول کے قائلین نے اس باب کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اور امام ابونعیم نے المستخرج میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ عمر جس میں ابن آدم کا عذر زائل ہو جاتا ہے وہ ساٹھ سال ہے۔

(۵) ساٹھ اور ستر میں تردد ہے، اس کے متعلق بھی امام ابن مردویہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ جس کی عمر ساٹھ یا ستر سال ہو تو اللہ تعالیٰ نے عمر کے متعلق اس کا عذر زائل فرمادیا۔ اور زیادہ صحیح قول وہی ہے جو اس باب کی حدیث ہے اور اس میں یہ حدیث بھی داخل ہو جاتی ہے کہ آرزوؤں کے لڑنے کی جگہ ساٹھ اور ستر کے درمیان ہے۔ اس حدیث کی امام ابویعلیٰ نے روایت کی ہے۔

عذر زائل ہونے کا معنی

اس کا معنی یہ ہے کہ اب اس کا کوئی عذر باقی نہیں رہے گا کہ اب اگر وہ یہ کہے کہ اگر اس کی عمر باقی رہتی تو وہ اللہ تعالیٰ کے احکام بجالاتا۔ اس سے یہ کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں انتہائی لمبی عمر دے دی اور تمہیں اس عمر میں نیکیوں کے کرنے اور برائیوں کے ترک کرنے پر قادر کر دیا۔ اور جب اس کے پاس اطاعت کے ترک کرنے کا کوئی عذر نہیں رہے گا جب کہ جو عمر اسے حاصل ہو چکی ہے اس میں وہ اس اطاعت کو کرنے پر قادر تھا تو اب سوائے استغفار کرنے کے اس کے لیے اور کوئی چارہ نہیں ہے اور سوائے اطاعت کرنے کے اور بالکلیہ آخرت کی طرف متوجہ ہونے کے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حجت پوری کیے بغیر کسی کو سزا نہیں دیتا۔

اس کے علاوہ جو حافظ ابن حجر عسقلانی نے شرح کی ہے یہ وہی ہے جس کو علامہ عینی بیان کر چکے ہیں۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۷۷۴۔۴۷۸، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۶۔ بَابُ: الْعَمَلِ الَّذِي يُبْتَغَى بِهِ وَجْهُ اللّٰهِ فِيهِ سَعْدٌ

اس عمل کا بیان جس سے اللہ کی رضا کو طلب کیا جائے

اس باب کے مناسب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ کونسا عمل ہے جس کو اللہ کی رضا کی طلب کے لیے قابلِ شمار قرار دینا چاہیے۔ یعنی جس عمل میں دکھاوا نہ ہو اور نہ سنانا ہو (یعنی وہ کسی کو دکھانے کے لیے یا کسی کو سنانے کے لیے کوئی نیک کام نہ کرے)۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ عینی فرماتے ہیں: یعنی اس باب میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، وہ حدیث کتاب الجنائز میں اپنے طول کے ساتھ گزر چکی ہے ''باب رثاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن خولہ'' میں۔ یعنی حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد مدینہ آئے، پھر مکہ آ کر بیمار ہو گئے اور اسی بیماری میں ان کی وفات ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر افسوس کیا کہ ان کی اسی جگہ وفات ہو گئی جہاں سے انہوں نے ہجرت کی تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۶۔ ۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۶۴۲۲۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ وَزَعَمَ مَحْمُودٌ أَنَّهُ عَقَلَ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَقَالَ وَعَقَلَ مَجَّةً مَجَّهَا مِنْ دَلْوٍ كَانَتْ فِي دَارِهِمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معاذ بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے محمود بن الربیع نے خبر دی اور حضرت محمود کا یہ زعم تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد رکھا ہے اور انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر سے ایک ڈول کے پانی سے ان کے منہ پر کلی کی تھی۔

(صحیح البخاری: ۷۷، ۱۸۹، ۸۳۹، ۱۱۸۵، ۶۳۵۴، ۶۴۲۲، سنن ابن ماجہ: ۶۶۰، مسند احمد: ۲۳۱۰۹)

صحیح البخاری: ۶۴۲۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے معاذ بن اسد، یہ المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ ابن المبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر، یہ ابن راشد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''زعم'' یہ اس لیے کہا کہ جب حضرت محمود بن ربیع کم عمر تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں داخل ہوئے اور آپ نے پانی پیا اور اس پانی سے حضرت محمود بن ربیع کے منہ کے اوپر (شفقت اور پیار سے) کلی فرمائی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۶۴۲۳۔ قَالَ سَمِعْتُ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيَّ ثُمَّ أَحَدَ بَنِي سَالِمٍ قَالَ غَدَا عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ لَنْ يُوَافِيَ عَبْدٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُولُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ يَبْتَغِي بِهِ وَجْهَ اللهِ إِلَّا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ النَّارَ۔

انہوں نے کہا: میں نے حضرت عتبان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے سنا، پھر بنو سالم کے ایک شخص سے، انہوں نے کہا کہ صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور آپ نے فرمایا: جو بندہ بھی قیامت کے دن اس حال میں پیش ہوگا کہ اس نے یہ کلمہ پڑھا ہوگا لا الٰہ الا اللہ، اور اس کو اس نے اللہ کی رضا کی طلب کے لیے پڑھا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کے اوپر دوزخ کی آگ کو حرام کردے گا۔

(صحیح البخاری: ۴۲۴، ۴۲۵، ۶۶۷، ۶۸۶، ۸۳۸، ۸۴۰، ۱۱۸۶، ۴۰۰۹، ۴۰۱۰، ۵۴۰۱، ۶۴۲۳، ۶۹۳۸، صحیح مسلم: ۳۳، سنن ابن ماجہ: ۷۵۴)

صحیح البخاری: ۶۴۲۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "وجہ اللہ" یہ لفظ متشابہات میں سے ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ "وجہ" زائد ہے۔ یا مراد یہ ہے کہ جس نے بطور حق یا بطور اخلاص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا اور بطور دکھاوے اور بطور سنانے کے نہیں کہا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "مگر اللہ اس کے اوپر دوزخ کی آگ کو حرام کر دے گا"۔ اور اس سے پہلے کتاب الصلوۃ میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ جس نے بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا، اللہ تعالیٰ اس کے اوپر دوزخ کی آگ کو حرام کر دے گا۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ وہاں یہ کہاں ہے کہ اللہ اس کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دے گا اور یہاں یہ فرمایا ہے کہ اس کے اوپر دوزخ کی آگ کو حرام کر دے گا۔ پس ان دونوں جملوں میں کیا فرق ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلا جملہ حقیقت کے اعتبار سے ہے، کیونکہ آگ ان چیزوں کو کھا جاتی ہے جو اس میں ڈالے جاتے ہیں اور تحریم فاعل کے مناسب ہے اور یہ دونوں معنی ایک دوسرے کو متلازم ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۷۔ ۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۲۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَمْرٍو عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَقُولُ اللهُ تَعَالَى مَا لِعَبْدِي الْمُؤْمِنِ عِنْدِي جَزَاءٌ إِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهُ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهُ إِلَّا الْجَنَّةُ۔ (مسند احمد: ۹۱۲۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن عبد الرحمٰن نے حدیث بیان کی از عمرو بن سعید المقبری از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندۂ مومن کیلئے میرے پاس اسکے سوا کوئی جزا نہیں ہے کہ جب میں اس کے صاف بچے کو اہل دنیا میں سے اٹھالوں پھر وہ اس پر صبر کرے اور ثواب کی نیت کرے تو میں اس کو جنت عطا کروں۔

صحیح البخاری: ۶۴۲۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے قتیبہ، یہ ابن سعید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یعقوب بن عبد الرحمٰن، یہ الاسکندرانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو، یہ عمرو بن عمرو ہیں جو المطلب المخزومی کے آزاد کردہ غلام ہیں اور یہ حدیث امام بخاری کے تفرادات میں سے ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ثم احتسبہ" یعنی پھر وہ اس بچہ کی وفات کے اوپر صبر کرے اور اللہ تعالیٰ سے اجر کو طلب کرے اور احتساب کا معنی ہے: اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اجر کو طلب کرنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "صفیہ" اس سے مراد ہے "الحبیب المصافی" یعنی خالص دوست جیسے بیٹا اور بھائی اور ہر وہ شخص جس سے انسان محبت کرتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۲۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کی حدیث کی باب سابق کے عنوان کے ساتھ مناسبت

اس باب سے پہلے باب میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ جس کی عمر ساٹھ سال کی ہوگئی تو اس کے عمل نہ کرنے کے عذر کو اللہ تعالیٰ نے زائل کر دیا۔ امام بخاری کو یہ خوف ہوا کہ اس سے یہ گمان کیا جائے گا کہ جس کی عمر ساٹھ سال کی ہوگئی اور وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں پر دائما کاربند رہا تو اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی وعید نافذ ہو جائے گی، اس لیے اس کے بعد امام بخاری نے یہ حدیث ذکر کی جو حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کلمہ طیبہ جب اخلاص کے ساتھ پڑھا جائے تو وہ پڑھنے والے کو نفع پہنچائے گا۔ اور اس سے یہ اشارہ کیا کہ کلمہ اخلاص کو پڑھنا کسی عمر والے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کہ دوسری عمر کے ساتھ اس کا فائدہ نہ ہو۔

اور اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ توبہ اس وقت تک مقبول ہوتی ہے جب تک انسان اس حد پر نہ پہنچے جس حد کے بارے میں یہ منقول ہے کہ اس حد تک پہنچنے کے بعد توبہ مقبول نہیں ہوتی اور وہ یہ ہے کہ انسان غرغرہ موت تک پہنچ جائے، یعنی جب روح اس کے جسم سے نکالی جائے اور وہ اس کے گلے تک پہنچ جائے اور اس کو آخرت کی نشانیاں دکھائی جا رہی ہوں۔ اور ابن المنیر نے بھی اس کی پیروی کی ہے، انہوں نے کہا: اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اعذار توبہ کو منقطع نہیں کرتے۔ اعذار اس جہت سے منقطع ہوتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے بندہ کے لیے اپنے فضل سے قائم کیا ہے اور اس کے باوجود امید باقی ہوتی ہے جیسا کہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے بھی اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضا جوئی کے لیے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے اوپر دوزخ کی آگ کو حرام کر دیتا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۲۴ میں مذکور ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''میرے مومن بندہ کی میرے پاس اس کے سوا کیا جزاء ہے جب دنیا والوں میں سے میں اس کے محبوب بندہ کی روح قبوض کرلوں تو اس کو جنت عطا فرماؤں''۔

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جس نے اپنے محبوب بندہ کی وفات کے او پر صبر کیا اور اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید رکھی تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرمائے گا۔

جس شخص کا ایک بیٹا فوت ہوا ہو اور اس نے اس پر صبر کیا ہو تو اس کے متعلق جنت کی بشارت

علامہ ابن بطال نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو شخص فوت ہو گیا اور اس کا ایک بیٹا تھا تو وہ ان کے ساتھ مل جائے گا جو اس سے پہلے اس کے تین بیٹے یا دو بیٹے فوت ہو چکے ہوں۔ اسی طرح اس سے پہلے گزرا ہے صحابی کا قول ہے اس شخص کی فضیلت جس کا ایک بیٹا فوت ہوا ہو۔ یہ باب کتاب الجنائز میں ہے۔ اس باب میں مذکور ہے: ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال نہیں کیا جس کا ایک بیٹا فوت ہوا ہو اور اس نے اس پر صبر کیا ہو، کیونکہ حدیث میں آپ نے تین کم سن بیٹوں یا دو کم سن بیٹوں کی وفات پر صبر کرنے والوں کو اجر اور جنت کی بشارت دی ہے۔ اور یہ اس سے مانع نہیں ہے کہ جس کا ایک بیٹا فوت ہوا اس کو بھی یہ فضیلت حاصل ہو۔ پس ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بعد یہ سوال کیا گیا ہو کہ جس شخص کا ایک بیٹا فوت ہوا ہو اور اس نے اس پر صبر کیا ہو تو اس کا کیا اجر ہوگا تو آپ نے اس کی خبر دی۔ یا آپ کو یہ علم دیا گیا ہو کہ ایک کا بھی وہی حکم ہے جو زیادہ بیٹوں کی وفات پر صبر کرنے کا حکم ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ کتاب الجنائز میں گزر چکا ہے کہ یہ کس نے سوال کیا تھا اور وہ روایت بھی گزر چکی ہے کہ پھر ہم نے آپ سے ایک کے متعلق سوال نہیں کیا تھا۔ اور مجھے اب تک یہ نہیں مل سکا کہ ایک کے متعلق سوال کرنے والا کون تھا۔ پھر میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ روایت دیکھی جس کی امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے، حضرت جابر بیان کرتے ہیں: ہم نے کہا: یا رسول اللہ! جس نے دو بیٹوں کی وفات پر صبر کیا ہو، تو آپ نے فرمایا: دو بیٹوں کی وفات پر بھی! محمود نے کہا کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا: میرا گمان ہے کہ اگر آپ لوگ ایک کے متعلق سوال کرتے تو آپ ایک کے متعلق بھی خبر دے دیتے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں یہی گمان کرتا ہوں۔ اور اس حدیث کی سند کے رجال کی توثیق کی گئی ہے۔

اور امام احمد اور امام طبرانی نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے تین بیٹے فوت ہو گئے اس نے جنت کو واجب کر لیا، تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اور جس کے دو بیٹے فوت ہوئے ہوں تو آپ نے فرمایا: جس کے دو بیٹے فوت ہوئے ہوں۔ اور طبرانی کی روایت میں یہ اضافہ ہے یا ایک۔ اور اس کی سند میں ضعف ہے۔

اور امام طبرانی کی المعجم الکبیر میں اور المعجم الاوسط میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے تین بچوں کو دفن کیا اور ان پر صبر کیا۔۔۔ الحدیث۔۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے پس ام ایمن رضی اللہ عنہا نے کہا ایک۔۔ پھر آپ خاموش رہے۔۔ پھر آپ نے فرمایا: اے ام ایمن! جس نے ایک بیٹے کو دفن کیا اور اس پر صبر کیا اور اس میں ثواب کی نیت کی تو اس کے لیے بھی جنت واجب ہوگی۔ اور ان دونوں حدیثوں کی سند میں ناصح بن عبد اللہ ہے اور وہ بہت ضعیف ہے۔ اور اس باب کی حدیث کی اس پر دلالت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں الصفیہ کا لفظ ہے، وہ عام ہے کہ بیٹا ہو یا کوئی اور ہو،

کیونکہ اس کا معنی ہے: جو مرنے والا اس شخص کو محبوب ہو۔ اور آپ نے اس کا علیحدہ ذکر کیا اور اس پر جنت کے ثواب کو مرتب کیا جس کا وہ محبوب بندہ فوت ہوگیا ہو اور اس نے اس پر ثواب کی نیت سے صبر کیا ہو۔

اور اس حدیث میں وہ بھی داخل ہو جائے گا جس کو امام احمد اور امام نسائی نے حضرت قرۃ بن ایاس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا کرتا تھا اور اس کے ساتھ اس کا ایک بیٹا ہوا کرتا تھا، آپ نے پوچھا: کیا تم اس بیٹے سے محبت کرتے تھے، اس نے کہا: جی ہاں! پھر اس نے اس بیٹے کو گم پایا، آپ نے پوچھا: اس شخص کو کیا ہوا؟ صحابہ نے بتایا: یارسول اللہ! اس کا بیٹا فوت ہوگیا، تو آپ نے فرمایا: کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ تم جنت کے جس دروازہ سے بھی جاؤ تو تمہارا بیٹا وہاں تمہارا انتظار کر رہا ہو، ایک مرد نے کہا: یارسول اللہ! کیا یہ بشارت اس شخص کے لیے خاص ہے یا ہم سب کے لیے؟ آپ نے فرمایا: یہ بشارت تم سب کے لیے ہے۔ اور اس کی سند صحیح حدیث کی شرط کے مطابق ہے۔ اور اس حدیث کو امام ابن حبان اور امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۷۹۔ ۴۸۰، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

نفوسِ قدسیہ کا ایک وقت میں متعدد جگہوں پر حاضر ہونا

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر نے امام احمد اور امام نسائی کے حوالہ سے جو حضرت قرۃ بن ایاس کی حدیث ذکر کی ہے، اس سے معلوم یہ ہوا کہ جنت کے ہر دروازہ کی یہ صفت ہوگی کہ اس شخص کا بیٹا وہاں اس شخص کے استقبال کے لیے کھڑا ہوگا، یعنی بہ یک وقت اس کا بیٹا جنت کے تمام دروازوں پر موجود ہوگا اور اس میں یہ دلیل ہے کہ ایک شخص ایک وقت میں متعدد مقامات پر ہوسکتا ہے اور اس کی نظیر یہ ہے کہ شب معراج حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قبر میں نماز بھی پڑھ رہے تھے اور مسجد اقصیٰ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں بھی نماز پڑھ رہے تھے اور اسی وقت چھٹے آسمان پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی استقبال کے لیے بھی موجود تھے۔ سو! معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو اور کاملین کو یہ فضیلت عطا فرماتا ہے کہ وہ ایک وقت میں اجساد مکتسبہ یا اجساد مثالیہ کے ساتھ متعدد جگہوں پر جلوہ فرما ہوتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۴۲۳، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

- شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تارکِ نماز کی تکفیر یا عدم تکفیر کی بحث

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے بھی اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضا کو طلب کرنے کے لیے لآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھا، اللہ تعالیٰ اس کے اوپر دوزخ کی آگ کو حرام کر دیتا ہے۔

اس حدیث سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ جو شخص نماز کا تارک ہو اس کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ اور ہمارے نزدیک اس کے دو جواب ہیں:

(۱) نماز کے ترک کی قید سے یہ پتا چلتا ہے کہ اگر کسی شخص نے صرف نماز کو ترک نہیں کیا بلکہ زکوٰۃ کو بھی ترک کیا اور روزہ کو بھی اور حج کو بھی تو اس پر بھی دوزخ حرام ہو جائے گی۔ تو کیا اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ یہ ہے کہ بندہ ہمیشہ نماز کو ترک کرے۔ سو جو شخص نماز کو

ترک کرے اور وہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' اخلاص سے پڑھتا ہے تو ہم کہیں گے: تم جھوٹ بولتے ہو: اگر تم لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اخلاص سے پڑھتے تو تم نماز بھی پڑھتے۔

(۲) ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث عام ہے اور نماز کو ترک کرنے کی جو نصوص ہیں وہ خاص ہیں۔ پس جس نے نماز کو ترک کیا وہ ان نصوص کی وجہ سے اس حدیث سے خارج ہو جائے گا جن میں یہ تصریح ہے کہ نماز کا ترک کرنا کفر ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۲۹۷۔۲۹۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

تارکِ نماز کو کافر قرار دینے کے متعلق احادیث اور آثار

شیخ ابن عثیمین نے وہ احادیث ذکر نہیں کیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ نماز کا عمداً ترک کرنا کفر ہے۔ تاہم اس قسم کی احادیث موجود ہیں:

حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ہمارے اور ان کے درمیان نماز کا عہد ہے، سو جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔

(سنن ترمذی: ۲۶۲۱، مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۱۱ ص ۳۴، مسند احمد: ج ۵ ص ۳۴۶، سنن ابن ماجہ: ۱۰۷۹، صحیح ابن حبان: ۱۴۵۴، الکامل لابن عدی: ج ۳ ص ۸۹۶، المستدرک ج ۱ ص ۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۶۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: بندے اور شرک کے درمیان صرف نماز کو ترک کرنا ہے اور جب بندہ نے نماز کو ترک کیا تو اس نے شرک کیا۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۰۸۰، مسند ابویعلیٰ: ۴۱۰۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جس نے عمداً نماز کو ترک کیا اس نے ظاہراً کفر کیا۔

(المعجم الاوسط: ۳۳۴۸، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۹۸)

نیز علامہ سیوطی نے تارکِ نماز کے متعلق متعدد احادیث نقل کی ہیں:

(۱) امام ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام ابن حبان اور امام حاکم حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ہمارے اور ان کے درمیان نماز کا عہد ہے، جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔

(۲) امام طبرانی نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میرے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے سات چیزوں کی نصیحت فرمائی، فرمایا: اللہ کے ساتھ بالکل شرک نہ کرو خواہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں یا تم کو جلا دیا جائے یا تم کو سولی پر چڑھا دیا جائے، اور نماز کو عمداً ترک نہ کرو، کیونکہ جس نے نماز کو عمداً ترک کیا وہ ملتِ اسلام سے نکل گیا اور معصیت کا ارتکاب نہ کرو کیونکہ اس میں اللہ کی ناراضگی ہے اور شراب نہ پیو کیونکہ اس میں تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

(۳) امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب نماز کے سوا اور کسی چیز کے ترک کو کفر نہیں کہتے تھے۔

(۴) امام طبرانی حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: کفر اور ایمان کے درمیان نماز ہے، جس

نے نماز کو ترک کیا اس نے شرک کیا۔

(۵) امام ابن حبان حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بارش کے دن جلدی نماز پڑھ لو، کیونکہ جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔

(۶) امام اصبہانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عمداً نماز کو ترک کیا اللہ اس کے عمل کو ضائع کر دیتا ہے اور اس کا ذمہ اللہ سے بری ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لے۔

(۷) امام ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جس نے نماز نہیں پڑھی وہ کافر ہے، اور ایک روایت میں ہے: اس نے کفر کیا۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۹۴-۲۹۸، مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ، ایران)

تارکِ نماز کے متعلق امام ابوحنیفہ کا نظریہ

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: جس نے ایک وقت کی نماز ترک کی اور وقت گزر گیا تو اس کو قید کر دیا جائے اور اس وقت تک قید میں رکھا جائے جب تک کہ وہ نماز پڑھنے کا عادی نہ ہو جائے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا مسلمان جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت دیتا ہو، اور میں اللہ کا رسول ہوں اس کی شہادت دیتا ہو اس کو صرف تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے سوا قتل کرنا جائز نہیں ہے: اس نے کسی بے قصور مسلمان کو قتل کیا ہو، شادی شدہ زنا کرنے والا ہو یا دین سے نکلنے والا ہو یعنی جماعت مسلمین کو چھوڑنے والا ہو۔

(صحیح البخاری: ۶۸۷۸، صحیح مسلم: ۱۶۷۶، سنن ترمذی: ۱۴۰۲، سنن نسائی: ۴۰۱۶، سنن ابوداؤد: ۴۳۵۲، سنن ابن ماجہ: ۲۵۳۴، مسند احمد: ۳۶۱۴، سنن دارمی: ۲۲۹۸)

تارکِ نماز کو کافر قرار دینے کی احادیث کا امام ابوحنیفہ کی طرف سے جواب

امام ابوحنیفہ تارکِ نماز کو کافر قرار دینے کی احادیث کو تغلیظ اور زجر و توبیخ پر محمول کرتے ہیں اور یہ تاویل کرتے ہیں کہ نماز کو ترک کرنا کافروں کا فعل ہے اور یہ صورتاً کفر ہے حقیقتاً کفر نہیں ہے۔ اور امام مالک اور امام شافعی تارکِ نماز کے حداً قتل کرنے کو واجب کہتے ہیں، ان کا قول ضعیف ہے اور اس پر کوئی دلیل نہیں ہے، البتہ ایک ضعیف قیاس ہے کہ سب سے بڑا حکم نماز کا ہے اور سب سے بڑی ممانعت قتل کی ہے، اور امام محمد جو تارکِ نماز کو کافر کہتے ہیں یہ قول خارجیوں کے مذہب کے مشابہ ہے جو گناہوں کے سبب سے مومن کی تکفیر کرتے ہیں۔

۷- بَابُ: مَا يُحْذَرُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَالتَّنَافُسِ فِيهَا

دنیا کی تر و تازگی اور اس کی خوش نمائی اور اس میں رغبت کرنے سے ڈرانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں ''زهرة الدنيا'' کا ذکر ہے، یعنی دنیا کی رونق اور اس کی تروتازگی اور اس کی خوش نمائی۔ اور اس باب کے عنوان میں ''تنافس'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز میں رغبت کرنا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۲۵۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُقْبَةَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَمْرَو بْنَ عَوْفٍ وَهُوَ حَلِيفٌ لِبَنِي عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ كَانَ شَهِدَ بَدْرًا مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم بَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ إِلَى الْبَحْرَيْنِ يَأْتِي بِجِزْيَتِهَا وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم هُوَ صَالَحَ أَهْلَ الْبَحْرَيْنِ وَأَمَّرَ عَلَيْهِمُ الْعَلَاءَ بْنَ الْحَضْرَمِيِّ فَقَدِمَ أَبُو عُبَيْدَةَ بِمَالٍ مِنَ الْبَحْرَيْنِ فَسَمِعَتِ الْأَنْصَارُ بِقُدُومِهِ فَوَافَتْهُ صَلَاةَ الصُّبْحِ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَلَمَّا انْصَرَفَ تَعَرَّضُوا لَهُ فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم حِينَ رَآهُمْ وَقَالَ أَظُنُّكُمْ سَمِعْتُمْ بِقُدُومِ أَبِي عُبَيْدَةَ وَأَنَّهُ جَاءَ بِشَيْءٍ قَالُوا أَجَلْ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ فَأَبْشِرُوا وَأَمِّلُوا مَا يَسُرُّكُمْ فَوَاللهِ مَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ وَلَكِنْ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا وَتُلْهِيَكُمْ كَمَا أَلْهَتْهُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ نے حدیث بیان کی از موسیٰ بن عقبہ، انہوں نے بیان کیا کہ ابن شہاب نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے بتایا کہ حضرت المسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی کہ حضرت عمرو بن عوف جو کہ بنو عامر بن لوی کے حلیف تھے اور وہ غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر تھے، انہوں نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو البحرین کی طرف بھیجا کہ وہ وہاں سے جزیہ لے کر آئیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اہل البحرین سے صلح کی تھی اور ان کے اوپر حضرت العلاء بن الحضرمی کو امیر بنایا تھا۔ پھر حضرت ابوعبیدہ بحرین سے مال لے کر آئے، انصار نے ان کے آنے کی خبر سنی تو وہ صبح کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہنچ گئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے مڑ کر دیکھا تو وہ آپ کے سامنے پیش ہوئے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو دیکھا تو آپ مسکرائے اور آپ نے فرمایا: میرا گمان ہے کہ تم کو یہ خبر مل گئی ہے کہ ابوعبیدہ آئے ہیں اور وہ کچھ مال لے کر آئے ہیں، تو انصار نے کہا: جی ہاں! یا رسول اللہ، آپ نے فرمایا: پس خوشخبری لو اور اس کی امید رکھو جو تم کو خوش کرے، پس اللہ کی قسم! مجھے تم پر تنگدستی کا خوف نہیں ہے لیکن مجھے تم پر یہ خوف ہے کہ تم پر دنیا کشادہ کر دی جائے گی جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر دنیا کشادہ کی گئی۔ پھر تم دنیا میں رغبت کرو گے جیسا کہ انہوں نے دنیا میں رغبت کی تھی، اور وہ (دنیا) تم کو عبادت سے غافل کر دے گی جیسا کہ ان کو عبادت سے غافل کر دیا تھا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۵۸، ۴۰۱۵، ۶۴۲۵، صحیح مسلم: ۲۹۶۱، سنن ترمذی: ۲۴۶۲، سنن ابن ماجہ: ۳۹۹۷، مسند احمد: ۱۶۷۸۳)

صحیح البخاری: ۶۴۲۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "دنیا میں رغبت کرنے سے ڈرانا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ مجھے یہ خوف ہے کہ تم پر دنیا کشادہ کردی جائے گی، پھر تم دنیا میں رغبت کرو گے اور دنیا تمہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل کردے گی۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل بن عبداللہ، یہ ابن ابی اویس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ، یہ ابن ابی عیاش ہیں جو اپنے چچا موسیٰ بن ابی عیاش الاسدی سے روایت کرتے ہیں جو حضرت الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن شہاب، یہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے المسور، یہ ابن مخرمہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو بن عوف الانصاری۔

اس سند میں اسماعیل بن ابراہیم کا ذکر ہے جن سے روایت میں امام بخاری متفرد ہیں۔ اور اس میں ایک درجہ کے تین تابعی ہیں اور وہ ہیں موسیٰ، ابن شہاب اور عروہ بن الزبیر۔ اور اس سند میں دو صحابی ہیں اور وہ حضرت المسور اور حضرت عمر بن عوف رضی اللہ عنہما ہیں اور یہ سب مدنی ہیں۔

یہ حدیث "باب الجزیۃ والموادعۃ مع اھل الذمۃ والحرب" میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح بیان کی جاچکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں "البحرین" کا ذکر ہے۔ یہ خلیج فارس کے مغربی ساحل پر ایک چھوٹی سی ریاست ہے جس کا رقبہ اڑھائی سو مربع میل ہے اور ۱۹۷۲ء میں اس کی آبادی دو لاکھ کے قریب تھی۔ (معجم البلدان اردو ص ۶۱)

اس حدیث میں مذکور ہے "حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بحرین سے مال لے کر آئے"۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ دس ہجری میں آئے تھے اور ایک لاکھ اسی ہزار درہم مال غنیمت لے کر آئے تھے۔ اور قتادہ نے کہا: یہ مال اسی ہزار تھا۔

الزہری نے بیان کیا کہ وہ رات کے وقت آئے تھے اور ابن حبیب نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو مال لایا گیا تھا یہ ان میں سب سے زیادہ مال تھا۔ قتادہ نے کہا: آپ نے تمام مال ایک چٹائی پر پھیلا دیا اور کسی سائل کو اس سے محروم نہیں کیا۔ اور بحرین کے رہنے والے مجوسی تھے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مجوس سے جزیہ لینا جائز ہے اور اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وتلھیکم" یعنی دنیا کے مال کی کثرت تم کو آخرت سے غافل کر دے گی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۹۔۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد برحق ہے۔ ہمارے دور میں لوگوں کے پاس دنیا کے مال کی بہت کثرت ہے، سعودی عرب، لیبیا اور ایران میں سیال تیل اور قدرتی گیس کے ذخائر نکل آئے جس کی وجہ سے وہاں کے لوگوں کے پاس مال و دولت کی بہت فراوانی ہے۔ اسی طرح پاکستان میں بھی وڈیروں اور کارخانوں کے مالکان کے پاس بہت پیسہ ہے اور دولت مند لوگ یادِ خدا سے غافل ہیں، عبادت سے قاصر ہیں اور دنیا کی رنگینیوں اور عیش و عشرت میں مشغول رہتے ہیں، سعودی شہزادے یورپی ممالک میں جا کر جوا کھیلتے ہیں اور لاکھوں ریال میز پر ہار کر اٹھتے ہیں۔ اور ہمارے ہاں لوٹ مار کا بازار گرم ہے، مختلف پارٹیاں بھتہ لیتی ہیں، اور اغواء برائے تاوان کرتی ہیں اور لوگوں کی جان، مال اور عزت ان کے ہاتھوں محفوظ نہیں ہے۔ اور لوگ اسلحہ لے کر پھرتے ہیں، راہ چلتے لوگوں کو لوٹ لیتے ہیں۔ اور کسی کی بھی مال و دولت کی حرص کم نہیں ہوتی۔ ہمارے حکمران اربوں ڈالر سوئٹزرلینڈ کے بینکوں میں محفوظ کرا لیتے ہیں اور بین الاقوامی تجارت پر ناجائز کمیشن لیتے ہیں۔ اور یہ سب نتیجہ ہے دنیا میں رغبت اور مال میں حرص کا اور زہد اور قناعت کے نہ ہونے کا۔ اللہ تعالیٰ اس صورتِ حال سے ہم سب کو محفوظ اور مامون فرمائے۔ آمین

۶۴۲۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم خَرَجَ يَوْمًا فَصَلَّى عَلَى أَهْلِ أُحُدٍ صَلَاتَهُ عَلَى الْمَيِّتِ ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ إِنِّي فَرَطُكُمْ وَأَنَا شَهِيدٌ عَلَيْكُمْ وَإِنِّي وَاللهِ لَأَنْظُرُ إِلَى حَوْضِي الْآنَ وَإِنِّي قَدْ أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ أَوْ مَفَاتِيحَ الْأَرْضِ وَإِنِّي وَاللهِ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي وَلَكِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یزید بن ابی حبیب، از ابی الخیر از حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن گھر سے باہر نکلے، پس آپ نے اہلِ احد کے اوپر نماز پڑھی جیسی جنازہ پر نماز پڑھی جاتی ہے، پھر آپ منبر کی طرف واپس آئے، پس آپ نے فرمایا: میں تمہارا پیش رو ہوں، اور میں تمہارے حق میں شہادت دینے والا ہوں، اور بے شک اللہ کی قسم! میں ضرور اب بھی اپنے حوض کی طرف دیکھ رہا ہوں، اور بے شک مجھے تمام زمینوں کے خزانوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں، یا فرمایا: تمام زمینوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں اور بے شک اللہ کی قسم! مجھے تم پر اس کا خطرہ نہیں ہے کہ تم (سب) میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے یہ خوف ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرو گے۔

(صحیح البخاری: ۱۳۴۴، ۳۵۹۶، ۴۰۴۲، ۴۰۸۵، ۶۴۲۶، ۶۵۹۰، صحیح مسلم: ۲۲۹۶، سنن نسائی: ۱۹۵۴، مسند احمد: ۱۶۸۹۳)

صحیح البخاری: ۶۴۲۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں بھی یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے یہ خطرہ ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرو گے۔اور اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اللیث، یہ ابن سعد ہیں۔اور بغیر الف لام کے لیث کی بھی روایت کی گئی ہے۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یزید بن ابی حبیب، اور ان کا نام سوید ہے۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالخیر، یہ مرثد بن عبداللہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اہلِ احد کی طرف گئے اور آپ نے ان پر نمازِ جنازہ پڑھی"۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہاں نمازِ جنازہ سے مراد اہلِ احد کے لیے وہ دعا کرنا ہے جو میت کی نمازِ جنازہ میں دعا کی جاتی ہے۔ اور یہ تاویل اس لیے ضروری ہے کہ کتاب الجنائز میں گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداءِ احد کو ان پر نمازِ جنازہ پڑھنے سے پہلے دفن کر دیا تھا۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

فقہاءِ احناف کا مذہب بیان کرنے میں علامہ عینی کا تسامح

میں کہتا ہوں: یہاں پر علامہ عینی کو تسامح ہوا ہے، کیونکہ امام شافعی کا یہ مذہب ہے کہ شہداء کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جاتی کیونکہ وہ زندہ ہیں اور زندہ کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جاتی۔اور اس کے برخلاف فقہاءِ احناف کا مذہب یہ ہے کہ شہداء کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔اور یہ کہنا صحیح نہیں کہ وہ زندہ ہیں تو ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، کیونکہ شہداء کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے اور زندہ کو تو دفن نہیں کیا جاتا۔اور شہداء کی بیوی سے دوسرا مسلمان نکاح کر سکتا ہے اور زندہ کی بیوی سے تو نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔اور شہداء کا ترکہ تقسیم ہو جاتا ہے اور زندہ کا ترکہ تقسیم نہیں کیا جاتا۔اور نمازِ جنازہ پڑھنا میت کا مسلمانوں پر حق ہے، اس لیے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی اور شہداءِ احد کی اس وقت نمازِ جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی لیکن بعد میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم احد کی طرف گئے تو پھر آپ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔اور اس حدیث میں فقہاءِ احناف کی دلیل ہے اور یہ حدیث امام شافعی کے خلاف حجت ہے، لہٰذا اس حدیث کی اس تاویل کی ضرورت نہیں ہے کہ یہاں نمازِ جنازہ سے مراد صرف دعا ہے۔(سعیدی غفرلہٗ)

فقہائے احناف کے مذہب کی تصریح

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ ھ لکھتے ہیں:

شہید وہ شخص ہے جس کو مشرکین نے قتل کیا یا وہ میدانِ جنگ میں پایا گیا اور اس پر زخم کا اثر تھا یا اس کو مسلمانوں نے ظلماً قتل کیا اور اس کو قتل کرنے سے دیت واجب نہیں ہوئی۔سو اس کو کفن دیا جائے گا اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی اور اس کو غسل نہیں دیا جائے گا کیونکہ وہ شہدائے احد کے حکم میں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا: ان شہداء کو ان کے زخم اور ان کے خون سمیت ڈھانپ دو اور ان کو غسل نہ دو، پس ہر وہ شخص جس کو ہتھیار سے ظلماً قتل کیا گیا اور وہ پاک ہو اور بالغ ہو اور اس کے عوض کوئی

مالی عوض واجب نہ ہوتو وہ شہداء کے معنی میں ہے، پس ان کے ساتھ اس کو ملایا جائے گا اور اثر سے مراد زخم ہے کیونکہ وہ قتل پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح خون کا غیر عادی جگہ سے نکلنا مثلاً آنکھ سے تو وہ بھی زخم پر دلالت کرتا ہے اور امام شافعی نمازِ جنازہ میں ہماری مخالفت کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ تلوار گناہوں کو مٹانے والی ہے، پس وہ شفاعت سے مستغنی ہے اور ہم کہتے ہیں کہ میت پر نمازِ جنازہ پڑھنا اس کی کرامت کے اظہار کے لیے ہے اور شہید اس کرامت کا زیادہ مستحق ہے اور جو گناہوں سے پاک ہوتا ہے وہ دعا سے مستغنی نہیں ہوتا جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور نابالغ بچہ۔ (ہدایہ اولین ص ۱۹۸۔۱۹۷، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور)

صاحب ہدایہ کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ شہید کی نمازِ جنازہ پڑھنا فقہاءِ احناف کا مذہب ہے اور علامہ عینی نے جو زیرِ بحث حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ شہید کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جاتی، کیونکہ شہدائے احد کو نمازِ جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا گیا تھا، سو یہ ان کا تسامح ہے اور علامہ عینی کے مزید مسامحات کو ہم درجِ ذیل عبارت میں واضح کر رہے ہیں۔

علامہ عینی کے تسامح پر دلائل

علامہ عینی حنفی نے صحیح البخاری: ۱۳۴۴، کی شرح میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہی اس پر استدلال کیا ہے کہ شہید کی نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے اس حدیث پر جو اعتراضات کیے ہیں ان کے متعدد جوابات دیے ہیں جن میں سے بعض کو ہم یہاں نقل کر رہے ہیں:

(۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں شہید کی نمازِ جنازہ پڑھنے کی نفی ہے اور حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں شہید کی نمازِ جنازہ پڑھنے کا اثبات ہے اور اثبات کی حدیث نفی کی حدیث پر راجح ہوتی ہے۔

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنے والد اور چچا کی تجہیز اور تکفین کے کاموں میں مشغول تھے اور اس سلسلہ میں مدینہ بھی گئے تھے، پھر جب انہوں نے یہ اعلان سنا کہ شہید کو وہیں دفن کیا جائے جہاں ان کی لاشیں گری ہیں تو انہوں نے ان کی تدفین میں جلدی کی، اس سے معلوم ہوا کہ وہ شہداء کی تدفین کے وقت حاضر نہیں تھے، علاوہ ازیں الاکلیل میں یہ حدیث مذکور ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ پڑھی، پھر دیگر شہداء کو لایا گیا اور ان کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پہلو میں رکھ دیا گیا، پھر آپ نے ان سب کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۳۴۹۶، المستدرک ج ۳ ص ۱۹۹)

(۳) ہمارے اصحابِ احناف نے جن روایات سے شہید کی نمازِ جنازہ پر استدلال کیا ہے، ان کی تعداد شہید پر نماز کی نفی کی روایات سے بہت زیادہ ہے۔

(۴) فوت شدہ مسلمانوں کی نمازِ جنازہ پڑھنا دین میں اصل ہے اور فرضِ کفایہ ہے اور یہ کسی کے فعل کے متعارض کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگی۔

(۵) اگر شہید کی نمازِ جنازہ پڑھنا ناجائز ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بیان فرما دیتے جس طرح آپ نے شہید کو غسل دینے سے منع فرما دیا۔

(۶) بر تقدیر تنزل ہم یہ کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ غزوۂ احد کے دن آپ نے شہداء کی نماز نہ پڑھی ہو اور دیگر صحابہ نے پڑھی ہو، اس لیے آپ نے خود بعد میں ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

(۷) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے اس دن شہداءِ احد کی نماز نہ پڑھی ہو، کیونکہ آپ کا چہرہ مبارک زخمی اور خون آلود تھا اور آپ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا بہت رنج تھا، اور کسی اور دن آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی ہو، جیسا کہ صحیح البخاری: ۴۰۴۲ میں یہ تصریح ہے کہ آپ نے آٹھ سال بعد شہداءِ احد کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

(۸) یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے شہداءِ احد کے علاوہ دوسرے شہداء کی نمازِ جنازہ پڑھی ہے، کیونکہ آپ نے حضرت جعفر، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت رواحہ رضی اللہ عنہم کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی ہے۔

(کتاب المغازی للواقدی ج ۲ ص ۲۱۱، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۴۳۵، دار الفکر، ملا علی قاری نے لکھا ہے: یہ غائبانہ نماز ان کی خصوصیت تھی: مرقاۃ ج ۳ ص ۱۴۱، مکتبہ حقانیہ)

نیز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لشکر بھیجا، وہاں ۱۳۰ مسلمان شہید ہوئے، ان کی نماز جنازہ حضرت عمرو بن العاص نے پڑھائی۔ (نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۱۹)

(۹) حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حضرت عقبہ کی حدیث میں ''صلّی'' کا معنی ہے: آپ نے ان کے لیے دعا کی اور استغفار کیا، کیونکہ حضرت عقبہ نے فرمایا: آپ نے ان کی اس طرح نماز پڑھی جس طرح میت پر نماز پڑھی جاتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۲۴۔۲۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کی عبارت کے اس حوالہ سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ علامہ عینی عمدۃ القاری ج ۲۳ میں اس حدیث کی شرح لکھتے وقت یہ بھول گئے کہ وہ عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۲۵۔ ۲۲۴ میں اس حدیث کی شرح میں کیا لکھ چکے ہیں۔ غالباً علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح علامہ ابن الملقن شافعی کی شرح التوضیح میں دیکھی اور اس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ یہاں ''صلّی'' کا معنی دعا ہے، کیونکہ قبر پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جاتی کیونکہ وہ شہداء ہیں۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۴۲۵، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

سو! علامہ عینی نے اس مقام پر علامہ ابن الملقن شافعی کی شرح دیکھ کر اسی کے مطابق یہاں شرح کر دی اور یہ بھول گئے کہ وہ عمدۃ القاری ج ۸ میں اس کے برخلاف لکھ چکے ہیں۔ اور اس پر بھی توجہ نہیں کی کہ جو کچھ انہوں نے یہاں لکھا ہے وہ شوافع کا مذہب ہے اور فقہاءِ احناف کا مذہب اس کے برخلاف ہے۔

مصنف کی علامہ عینی کے مقابلہ میں تواضع اور انکسار

علامہ بدر الدین عینی حنفی بہت بڑے عالم ہیں اور میں ان کے مقابلہ میں ایک ذرہ ناچیز سے بھی کم ہوں، لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بڑوں کی کسی چیز کی طرف توجہ نہیں ہوتی اور چھوٹوں کی اس چیز کی طرف توجہ ہو جاتی ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ چھوٹا ان بڑوں سے بڑھ گیا۔ میں خود بہت بھلکڑ ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس مقام پر میرے ذہن میں فقہاءِ احناف کا مذہب اور علامہ عینی کی سابق شرح کو تازہ رکھا، لہٰذا میں نے اس پر تنبیہ کرنے کو ضروری سمجھا، اس سے میرا مقصد یہ نہیں تھا کہ میرا علم علامہ عینی سے زیادہ ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۴۲۶ کے دیگر فوائد، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر اور علم کی وسعت، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام خزانوں کا مالک ہونا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ خبر دینا کہ (تمام) مسلمان مشرک نہیں ہوں گے اور دنیا میں رغبت کریں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب کا ثبوت

(۱) اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ میں اب بھی اپنے حوض کی طرف دیکھ رہا ہوں۔

حالانکہ یہ حوضِ کوثر تو قیامت کے دن میدانِ حشر میں قائم ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان موجود ہوتے تھے اور بہ ظاہر صرف صحابہ کو دیکھ رہے ہوتے تھے، اس وقت آپ کی نظر سے آئندہ ہونے والے واقعات اور میدانِ محشر میں قائم ہونے والا حوض بھی اوجھل نہیں تھا، کیونکہ آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ میں اب بھی ضرور اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نظر میں یہ وسعت عطا فرمائی ہے کہ جو چیز ابھی موجود نہیں ہے اور ہزاروں سال بعد موجود ہوگی اس کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھ لیتے تھے اور آپ کو اس دیکھنے پر یقین ہوتا تھا حتیٰ کہ آپ نے اس کو دیکھنے پر قسم کھائی۔

حیرت ہے کہ بعض علماءِ دیوبند نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس کمالِ رؤیت کا اور آپ کی وسعتِ علم کا انکار کرتے ہیں۔

(۲) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روئے زمین کے تمام خزانوں کا مالک بنادیا ہے، کیونکہ آپ نے فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کردی ہیں''۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مجھے یہ خطرہ نہیں ہے کہ تم (سب) میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے''۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ آپ کے بعد بعض مسلمان دین سے مرتد ہو کر مشرک ہو گئے تھے خواہ جبراً ہوئے یا اختیاراً ہوئے، جیسے اندلس میں کئی مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنادیا گیا اور بھارت میں کئی مسلمانوں کو جبراً ہندو بنادیا گیا، شدھی کر دیا گیا۔ اور اس میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کی وسعت کی دلیل ہے، کیونکہ آپ کو علم تھا کہ آپ کے بعد تمام مسلمان مشرک نہیں ہوں گے اور الحمد للہ! آج تک ایسا نہیں ہوا۔ اور اس میں ان علماءِ دیوبند کا بھی رد ہے جو بات بات پر مسلمانوں پر شرک کا فتویٰ لگاتے ہیں اور یا رسول اللہ کہنے پر تمام مسلمانوں کو مشرک قرار دیتے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بعض علومِ غیبیہ کے ماننے کو بھی شرک قرار دیتے ہیں۔ اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ دنیا کے اکثر مسلمان مشرک ہو چکے ہیں اور یہ اس حدیث کی تصریح کے خلاف ہے۔

(۴) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس علم غیب کا ثبوت ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے یہ خطرہ ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرو گے اور ایسا ہی ہوا۔

(۵) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حوض کی خبر دی ہے اور یہ غیب کی خبر ہے اور آپ کا معجزہ ہے۔ یہ فائدہ علامہ عینی نے لکھا ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۲۷ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِنَّ أَكْثَرَ مَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از زید بن اسلم از عطاء بن یسار از حضرت ابوسعید خدری

أَخَافُ عَلَيْكُمْ مَا يُخْرِجُ اللهُ لَكُمْ مِنْ بَرَكَاتِ الْأَرْضِ قِيلَ وَمَا بَرَكَاتُ الْأَرْضِ قَالَ زَهْرَةُ الدُّنْيَا فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ هَلْ يَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ فَصَمَتَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ يُنْزَلُ عَلَيْهِ ثُمَّ جَعَلَ يَمْسَحُ عَنْ جَبِينِهِ فَقَالَ أَيْنَ السَّائِلُ قَالَ أَنَا قَالَ أَبُو سَعِيدٍ لَقَدْ حَمِدْنَاهُ حِينَ طَلَعَ ذٰلِكَ قَالَ لَا يَأْتِي الْخَيْرُ إِلَّا بِالْخَيْرِ إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ وَإِنَّ كُلَّ مَا أَنْبَتَ الرَّبِيعُ يَقْتُلُ حَبَطًا أَوْ يُلِمُّ إِلَّا آكِلَةَ الْخَضِرَةِ أَكَلَتْ حَتَّى إِذَا امْتَدَّتْ خَاصِرَتَاهَا اسْتَقْبَلَتِ الشَّمْسَ فَاجْتَرَّتْ وَثَلَطَتْ وَبَالَتْ ثُمَّ عَادَتْ فَأَكَلَتْ وَإِنَّ هٰذَا الْمَالَ حُلْوَةٌ مَنْ أَخَذَهُ بِحَقِّهِ وَوَضَعَهُ فِي حَقِّهِ فَنِعْمَ الْمَعُونَةُ هُوَ وَمَنْ أَخَذَهُ بِغَيْرِ حَقِّهِ كَانَ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ۔

رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس چیز کا مجھے تم پر زیادہ خطرہ ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے زمین کی برکتوں سے (پیداوار) نکالے گا، عرض کیا گیا: اور زمین کی برکتیں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: دنیا کی تروتازگی، رونق اور زیب وزینت، ایک مرد نے پوچھا: کیا خیر کے بدلہ میں شر آئے گی؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے، پھر آپ اپنی پیشانی سے (پسینہ) پونچھنے لگے، آپ نے فرمایا: وہ سوال کرنے والا کہاں ہے؟ اس نے کہا: میں حاضر ہوں، حضرت ابوسعید نے بیان کیا: ہم نے اس سائل کی تعریف کی جب وہ ظاہر ہوا، آپ نے فرمایا: خیر کے بدلہ میں صرف خیر آتی ہے، بے شک یہ مال سرسبز میٹھا ہے اور بے شک جس چیز کو نہر کا پانی اگاتا ہے وہ حرص کے ساتھ زیادہ کھانے والوں کا پیٹ پھلا کر ہلاک کر دیتا ہے یا ہلاکت کے قریب کر دیتا ہے سوائے اس جانور کے جس نے پیٹ بھر کر کھایا یہاں تک کہ جب اس کی دونوں کوکھیں بھر گئیں تو اس نے سورج کی طرف منہ کر کے جگالی کر لی، پھر اس نے لید اور پیشاب کر دیا، پھر لوٹ کر پھر کھانا شروع کر دیا اور یہ مال میٹھا ہے، جس نے اس کو حق کے ساتھ لیا اور اس کو حق کی جگہ میں رکھا تو یہ اس کے لیے اچھی مدد ہے اور جس نے اس مال کو ناحق طریقہ سے لیا یہ اس کی طرح ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری: ۹۲۱، ۱۴۶۵، ۲۸۴۲، ۶۴۲۷، صحیح مسلم: ۱۰۵۲، سنن نسائی: ۲۵۸۱، مسند احمد: ۱۱۴۵۵)

صحیح البخاری: ۶۴۲۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "دنیا کی تروتازگی" اور اس حدیث میں بھی ذکر ہے کہ زمین کی برکات سے مراد ہے دنیا کی تروتازگی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، وہ ابن ابی اویس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حضرت ابوسعید خدری،

ان کا نام سعد بن مالک بن سنان ہے اوران کی نسبت خدر کی طرف ہے، وہ انصار کی ایک شاخ ہے۔
یہ حدیث کتاب الزکوٰۃ کے اندر ''باب الصدقۃ علی الیتامٰی'' میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''جس چیز کا مجھے تم پر زیادہ خطرہ ہے'' اور کتاب الزکوٰۃ میں مذکور ہے ''جس چیز کا مجھے اپنے بعد تم پر زیادہ خطرہ ہے''۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''زہرۃ الدنیا'' اور کتاب الزکوٰۃ میں یہ اضافہ ہے ''وزینتھا'' یعنی دنیا کی تروتازگی اور اس کی زینت۔ اور ''زھر'' میں اگر زاء پر زبر ہو تو اس سے مراد ہے کسی چیز کا حسن۔ اور اگر زاء اور ہاء دونوں پر زبر ہو یعنی زَھَرۃ تو پھر اس سے مراد ہے زینت اور رونق اور یہ ''زھرۃ الشجرۃ'' سے ماخوذ ہے۔ اور اس سے مراد ہے انواع واقسام کا سامان اور کپڑے اور کھیت اور ایسی دوسری چیزیں جن کے حسن کو دیکھ کر انسان دھوکہ میں پڑ جاتا ہے جب کہ ان چیزوں کی بقاء بہت کم ہوتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''سو! ایک مرد نے کہا'' اس مرد کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''کیا خیر کے بدلہ میں شر آئے گا؟'' یعنی کیا نعمت سزا بن جائے گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ہم نے اس مرد کی تعریف کی جب وہ ظاہر ہوا''۔

یعنی ہم نے اس مرد کی تعریف کی جب وہ اس طرح ظاہر ہوا، اور کتاب الزکوٰۃ میں مذکور ہے کہ پہلے صحابہ نے اس کی مذمت کی تھی اور کہا تھا کہ کیا وجہ ہے کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کر رہے ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے بات نہیں کر رہے۔

اور اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے انہوں نے اس کی مذمت کی اور پھر جب انہوں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا سوال سن کر خاموش ہو گئے تو پھر انہوں نے اس کی تعریف کی، کیونکہ اس کا سوال صحابہ کرام کا اس سے استفادہ کا سبب بن گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''خضرۃ'' اس میں تاء یا تو مبالغہ کے لیے ہے جیسے رجل اور علامۃ میں ہے، یا یہ موصوف کی صفت ہے جیسے ''بقلۃ خضرۃ'' یعنی سرسبز سبزی، یا مال کی اقسام کے اعتبار سے۔ ابن الانباری نے کہا: یہ مال کی صفت نہیں ہے، یہ تشبیہ کے لیے ہے گویا کہ آپ نے فرمایا کہ مال سرسبز اور میٹھی سبزی کی طرح ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''الربیع'' اس کا معنی ہے چھوٹا دریا یعنی نہر، اور اس کی جمع الاربع آتی ہے۔ اور اگانے کی نسبت نہر کی طرف کرنا مجازِ عقلی ہے اور حقیقت میں پیدا کرنے والا اللہ عزوجل ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حبطا'' اس کا معنی ہے بسیار خوری کی وجہ سے پیٹ کا پھول جانا۔ کہا جاتا ہے ''حبطت الدابۃ'' یہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی جانور کسی اچھی چراگاہ میں خوب زیادہ کھائے حتیٰ کہ اس کا پیٹ پھول جائے، پھر وہ مر جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فاجترت'' یہ لفظ اجترار سے بنا ہے، اس کا معنی ہے: اونٹ اپنے معدہ سے کھائی ہوئی چیزوں کو منہ کی طرف لائے، پھر ان کو دوبارہ چبائے اور ہر لقمہ جرہ کہلاتا ہے، اس کو جگالی کہتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وثلطت'' علامہ ابن التین نے کہا: یعنی جو کچھ اس نے اپنے پیٹ میں کھایا تھا اس کو لید کی صورت میں نکال دے، اور اس سے غرض یہ ہے کہ تمام مال حرام نہیں ہے لیکن اس مال کو کثرت کے ساتھ حاصل کرنا مضر ہوتا ہے بلکہ ہلاکت

کا سبب بن جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فنعم المعونة هو" یعنی جس مال کو اس نے حق کے ساتھ حاصل کیا اور حق کے ساتھ خرچ کیا تو وہ مرد کے لیے دنیا اور آخرت میں اچھا مددگار ہے۔ صاحب المغرب نے کہا ہے کہ "المعونة" کا معنی ہے العون یعنی مدد۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ انہوں نے یہ اشارہ کیا ہے کہ یہ مصدر میمی ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اس حدیث میں مومن کے لیے مثال دی ہے کہ وہ دنیا سے صرف اتنا حصہ لے جتنا اس کی ضرورت ہو اور دنیا کی رونق اور زیب و زینت کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھائے ورنہ وہ ہلاکت میں مبتلا ہو جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۰۔ ۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۲۸۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا جَمْرَةَ قَالَ حَدَّثَنِي زَهْدَمُ بْنُ مُضَرِّبٍ قَالَ سَمِعْتُ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ خَيْرُكُمْ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ قَالَ عِمْرَانُ فَمَا أَدْرِي قَالَ النَّبِيُّ ﷺ بَعْدَ قَوْلِهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ يَكُونُ بَعْدَهُمْ قَوْمٌ يَشْهَدُونَ وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ وَيَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمَنُونَ وَيَنْذُرُونَ وَلَا يَفُونَ وَيَظْهَرُ فِيهِمُ السِّمَنُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابو جمرہ سے سنا، انہوں نے کہا: مجھے زہدم بن مضرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے سنا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ ہیں (یعنی صحابہ)، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں (یعنی تابعین)، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں (یعنی تبع تابعین)، حضرت عمران نے کہا: میں نہیں جانتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کے بعد دو مرتبہ فرمایا یا تین مرتبہ فرمایا، پھر ان کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو گواہی دیں گے اور ان کی گواہی طلب نہیں کی جائے گی اور وہ خیانت کریں گے اور امانت داری نہیں کریں گے اور وہ نذر مانیں گے اور نذر پوری نہیں کریں گے، اور ان میں فربہی (یعنی موٹاپا) ظاہر ہوگی۔

(صحیح البخاری: ۲۶۵۱، ۳۶۵۰، ۶۴۲۸، ۶۶۹۵، صحیح مسلم: ۲۵۳۵، سنن ترمذی: ۲۲۲۲، سنن نسائی: ۳۸۰۹، سنن ابوداؤد: ۴۶۵۷، مسند احمد: ۱۹۳۳۴)

صحیح البخاری: ۶۴۲۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ بلا طلب شہادت دینا اور امانت میں خیانت کرنا اور نذر پوری نہ کرنا، یہ وہ امور ہیں جو دنیا اور اس کی تر و تازگی کی طرف رغبت کرنے کی وجہ سے پیدا ہوں گے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے غندر، یہ محمد بن جعفر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو جمرہ، یہ نصر بن عمران الضبعی ہیں۔ اور شعبہ نے اس کو ابوحمزہ (حاء کے ساتھ) ذکر کیا ہے لیکن یہ صرف مسلم کی سند میں ہے بخاری کی سند میں نہیں ہے۔ اور بخاری کی سند میں ابو جمرہ ہی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زہدم، یہ جعفر کے وزن پر ہے، یہ ابن مُضرِّب ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ویخونون" یعنی وہ ظاہراً خیانت کریں گے حتیٰ کہ لوگوں کا ان پر اعتماد نہیں رہے گا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا" یعنی وہ تکبر کریں گے اور ان میں شرف نہیں ہوگا، یا مال کو جمع کریں گے، یا دین سے غافل ہو جائیں گے اور دین کا کم اہتمام کریں گے، کیونکہ جو شخص موٹا ہوتا ہے وہ ریاضت کا اہتمام نہیں کرتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۲ ـ ۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۲۹ ـ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضى الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ يَجِيئُ مِنْ بَعْدِهِمْ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَتُهُمْ أَيْمَانَهُمْ وَأَيْمَانُهُمْ شَهَادَتَهُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی از ابی حمزہ از الاعمش از ابراہیم از عبیدہ از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: تمام لوگوں میں بہترین میرے زمانہ کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں، پھر ان کے بعد ایسے لوگ آئیں گے کہ ان کی شہادت ان کے ایمان پر سابق ہوگی اور ان کا ایمان ان کی شہادت پر سابق ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۲۶۵۲، ۳۶۵۱، ۶۴۲۹، ۶۶۵۸، صحیح مسلم: ۲۵۳۳، سنن ترمذی: ۳۸۵۹، سنن ابن ماجہ: ۲۳۶۲، مسند احمد: ۳۹۵۳)

صحیح البخاری: ۶۴۲۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اسی طرح ہے جس طرح حدیث سابق کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت تھی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدان، یہ عبد اللہ بن عثمان بن جبلہ المروزی کا لقب ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوحمزہ، یہ محمد بن میمون السکری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم، یہ النخعی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبیدہ، یہ ابن عمرو السلمانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد اللہ، وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "ان لوگوں کی شہادت ان کے ایمان پر سابق ہوگی اور ان کا ایمان ان کی شہادت پر سابق ہوگا"۔
علامہ کرمانی نے کہا: اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ دَور ہے۔ پھر یہ جواب دیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی شہادت کے اوپر حرص ہوگی اور وہ اپنی شہادت پر حلف اٹھائیں گے۔ اور کبھی شہادت سے پہلے حلف اٹھائیں گے اور کبھی اس کے برعکس کریں گے۔ یا یہ مثال دی ہے کہ بہت جلدی شہادت دیں گے اور قسم کھائیں گے اور یہ کہ مرد کو اس پر حرص ہوگی حتیٰ کہ اس کو پتا نہیں چلے گا کہ آیا وہ شہادت سے ابتداء کرے یا قسم سے ابتداء کرے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۳۰۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ خَبَّابًا وَقَدِ اكْتَوَى يَوْمَئِذٍ سَبْعًا فِي بَطْنِهِ وَقَالَ لَوْلَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم نَهَانَا أَنْ نَدْعُوَ بِالْمَوْتِ لَدَعَوْتُ بِالْمَوْتِ إِنَّ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم مَضَوْا وَلَمْ تَنْقُصْهُمُ الدُّنْيَا بِشَيْءٍ وَإِنَّا أَصَبْنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا لَا نَجِدُ لَهُ مَوْضِعًا إِلَّا التُّرَابَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی از قیس، انہوں نے کہا: میں نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے سنا اور انہوں نے اس دن اپنے پیٹ کے اوپر گرم لوہے سے سات داغ لگائے ہوئے تھے، انہوں نے کہا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں موت کی دعا کرنے سے منع نہ فرمایا ہوتا تو میں موت کی دعا کرتا اور بے شک (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب دنیا سے چلے گئے اور دنیا نے ان کے اندر کوئی نقص پیدا نہیں کیا اور ہم نے دنیا سے اتنا زیادہ حاصل کیا ہے کہ ہم اس کے لیے مٹی کے سوا اور کوئی جگہ نہیں پاتے۔

(صحیح البخاری: ۵۶۷۲، ۶۳۴۹، ۶۳۵۰، ۶۴۳۰، ۶۴۳۱، ۷۲۳۴، صحیح مسلم: ۲۶۸۱، سنن ترمذی: ۲۴۸۳، سنن نسائی: ۱۸۲۳، مسند احمد: ۲۰۵۶۷)

صحیح البخاری: ۶۴۳۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے دنیا کی رنگینیوں اور دلفریبیوں کے باوجود دنیا سے کچھ حاصل نہیں کیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن موسیٰ، یہ ابن عبدربہ البلخی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، یہ ابن ابی خالد ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے قیس، یہ ابن ابی حازم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خباب، یہ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ ہیں۔

یہ حدیث کتاب المرضیٰ میں ''باب تمنی المریض الموت'' میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''دنیا نے ان کے اندر کوئی نقص پیدا نہیں کیا''۔ یعنی دنیا نے ان میں کسی وجہ سے کوئی نقص نہیں پیدا کیا۔ یعنی وہ مال کو جمع کرنے میں مشغول نہیں ہوئے حتیٰ کہ ان کے کمال میں کوئی کمی آتی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ہم نے اتنا زیادہ مال حاصل کیا ہے کہ ہم اس کے لیے مٹی کے سوا اور کوئی جگہ نہیں پاتے''۔ مٹی سے مراد ہے چار دیواری، کیونکہ اس کے بعد کی حدیث میں ہے وہ چار دیواری بنا رہے تھے۔ اگر یہ لفظ نہ ہوتا تو یہاں اس کی گنجائش تھی کہ اس سے مراد خزانہ ہوتا اور سونے چاندی کو زمین میں دفن کیا جاتا۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ وہ مال کے فتنہ سے نجات نہیں پائیں گے سوا اس کے کہ ان کو مٹی میں دفن کر دیا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۳۔ ۶۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۳۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنِي قَيْسٌ قَالَ أَتَيْتُ خَبَّابًا وَهُوَ يَبْنِي حَائِطًا لَهُ فَقَالَ إِنَّ أَصْحَابَنَا الَّذِينَ مَضَوْا لَمْ تَنْقُصْهُمُ الدُّنْيَا شَيْئًا وَإِنَّا أَصَبْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ شَيْئًا لَا نَجِدُ لَهُ مَوْضِعًا إِلَّا التُّرَابَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از اسماعیل، انہوں نے کہا: مجھے قیس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور وہ اس وقت چار دیواری بنا رہے تھے، انہوں نے کہا: ہمارے وہ اصحاب جو دنیا سے چلے گئے دنیا نے ان میں کوئی کمی نہیں کی، اور ہم نے ان کے بعد ایسی چیزیں پائیں کہ ان کے رکھنے کے لیے ہم مٹی کے سوا اور کوئی جگہ نہیں پاتے۔

(صحیح البخاری: ۵۶۷۲، ۶۳۴۹، ۶۳۵۰، ۶۴۳۰، ۶۴۳۱، ۷۲۳۴، صحیح مسلم: ۲۶۸۱، سنن ترمذی: ۲۴۸۳، سنن نسائی: ۱۸۲۳، مسند احمد: ۲۰۵۶۷)

صحیح البخاری: ۶۴۳۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

یہ حدیثِ سابق کی ایک اور سند ہے، اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن سعید القطان کا ذکر ہے، جو اسماعیل بن ابی خالد سے روایت کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۳۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ خَبَّابٍ رضی الله عنه قَالَ هَاجَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم قِصَّةٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی از سفیان از الاعمش از ابی وائل از حضرت خباب رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی۔۔۔۔ (پھر آگے وہی قصہ بیان کیا ہے)۔

(صحیح البخاری: ۶۴۲۷، ۱۴۶۵، ۲۸۴۲، ۲۸۹۷، ۳۶۳۹، ۳۶۵۰، ۳۶۵۱، ۴۰۸۲، ۴۰۴۲، ۶۴۳۲، ۶۴۳۸، صحیح مسلم: ۹۴۰، سنن ترمذی: ۳۸۵۳، سنن نسائی: ۱۹۰۳، مسند احمد: ۲۶۶۷۲)

صحیح البخاری: ۶۴۳۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن کثیر۔ کثیر قلیل کی ضد ہے اور سفیان بن عیینہ ہیں، اور الاعمش، سلیمان ہیں۔ اور ابووائل، شقیق بن سلمہ ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی احادیث کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دنیا کی تروتازگی اور مال کی کثرت کا فتنہ ہونا

ان احادیث میں اس پر تنبیہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ دنیا کی تروتازگی کے انجام بد سے ڈرتا رہے اور اس کے فتنہ کے شر سے خبر دار رہے اور دنیا کی زیب و زینت کی چیزوں میں رغبت کرنے سے احتیاط کرے اور دنیا کی خوشنمائی جو فانی ہے اس کی طرف مطمئن نہ ہو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت پر ان چیزوں کا خوف تھا اور آپ نے اپنی امت کو ان چیزوں سے ڈرایا کیونکہ آپ کو یہ علم تھا کہ خوشحالی کے ساتھ فتنہ ملا ہوا ہے۔

حضرت عمران اور حضرت عبداللہ کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ تیسرے قرن کے بعد دنیا کا فتنہ زیادہ شدید ہوگا، کیونکہ آپ نے فرمایا کہ ان کی شہادت سابق ہوگی اور ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا اور آپ نے ان کے موٹاپے کو اور ان کی شہادت کو باطل قرار دیا اور ان کی امانت میں خیانت کرنے کا ذکر فرمایا اور دنیا میں ان کی رغبت کا ذکر فرمایا اور یہ بتایا کہ وہ دنیا کو ناجائز طریقہ سے حاصل کریں گے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں فرمایا ہے کہ جس نے دنیا کو ناحق لیا پس وہ اس شخص کی مثل ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی مال کے فتنہ سے ڈرتے تھے، ان سے روایت ہے کہ جب ان کے پاس کسریٰ کے اموال لائے گئے تو انہوں نے اور اکابر صحابہ نے ان اموال پر رات گزاری، پھر جب صبح ہوئی اور دھوپ آئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ رونے کا وقت نہیں ہے یہ تو شکر ادا کرنے کا وقت ہے، کیونکہ آپ کے پاس اتنا کثیر مال آیا ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جس قوم کے اوپر بھی اس مال کو عطا کیا اس قوم نے آپس میں ایک دوسرے کا خون بہایا اور رحم کے رشتوں کو منقطع کیا اور کہا: اے اللہ! تیرے رسول نے اس مال سے منع کیا ہے اور تو نے یہ مال مجھے عطا کیا ہے تاکہ تو مجھے آزمائش میں مبتلاء کرے، اے اللہ! مجھے اس مال کے فتنہ سے بچانا!

پس یہ تمام امور اس پر دلالت کرتے ہیں کہ خوشحالی بلاء ہے اور فتنہ ہے، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیٰ کے فتنہ سے پناہ طلب کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس معنی کی خبر دی ہے، اس نے اپنے رسول سے فرمایا:

وَ لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ۬ لِنَفْتِنَهُمْ فِیْهِ ؕ وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾ (طٰہٰ: ۱۳۱)

اور ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو آزمانے کے لیے دنیا کی آرائش اور زیبائش کی جو چیزیں دے رکھی ہیں آپ ان کی طرف ہرگز آنکھیں نہ پھیلائیں، آپ کے رب کا دیا ہوا ہی بہت بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے O

طٰہٰ: ۱۳۱ کی تفسیر از مصنف

یعنی دوسروں کے پاس جو مال و متاع ہے اور دنیا کی زیب و زینت کی چیزیں ہیں آپ ان کو اچھا سمجھتے ہوئے رغبت سے ان کی طرف لمبی نظر نہ کریں اور یہ تمنا نہ کریں کہ آپ کو بھی ان جیسی چیزیں مل جائیں۔

اس آیت میں ''ازواجا'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے اصنافاً و اشکالاً، یعنی مختلف اقسام اور مختلف شکل و صورت کی چیزیں۔

اور اس آیت میں ''زھرۃ الحیوۃ الدنیا'' کا ذکر ہے یعنی دنیاوی زندگی کی آرائش اور زیبائش کی پُررونق اور چمکتی دمکتی چیزیں۔

اور اس آیت کے اخیر میں فرمایا ''ورزق ربك'' یعنی آخرت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے جو اجر و ثواب کا ذخیرہ کر رکھا ہے، یا دنیا میں آپ کو جو نبوت سے سرفراز فرمایا ہے اور ہدایت پر آپ کو برقرار اور ثابت قدم رکھا ہے وہی بہت بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے مال کو فتنہ کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا:

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۸﴾ (الانفال: ۲۸)

اور یقین رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہیں اور بے شک اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے O

الانفال: ۲۸ کی تفسیر از مصنف

اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو یہ بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال و دولت کی جن نعمتوں سے نوازا ہے اور تمہیں جو اولاد عطا کی ہے، وہ تمہارے لیے امتحان اور آزمائش ہیں تاکہ اس امتحان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ ظاہر فرمائے کہ تم مال اور اولاد میں سے اللہ کے حقوق کس طرح ادا کرتے ہو اور مال اور اولاد کی محبت تمہیں اللہ کے احکام پر عمل کرنے سے مانع ہوتی ہے یا نہیں، اور تم یہ یقین رکھو کہ تم اپنے مال اور اولاد میں سے اللہ کے احکام کے مطابق جو عمل کرتے ہو اس کا اجر و ثواب اللہ ہی کے پاس ہے، سو تم اللہ ہی کی اطاعت کرو تاکہ تمہیں آخرت میں اجرِ جزیل مل جائے۔

اسی وجہ سے اس امت کے صالحین نے اکثر دنیا سے کم مقدار چیز لینے کو اختیار کیا اور صرف اتنی مقدار لی جو ان کی گزر بسر کے لیے کافی ہو، کیونکہ اپنے آپ کو فتنہ پر پیش کرنا محض دھوکہ ہے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں دنیا کی طرف کم رغبت کرنے اور دنیا سے کم حصہ لینے کا ارشاد

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے ''آپ نے فرمایا: خیر کے بدلہ میں صرف خیر آتی ہے، بے شک یہ مال سرسبز میٹھا ہے اور بے شک جس چیز کو نہر کا پانی اگاتا ہے وہ حرص کے ساتھ زیادہ کھانے والوں کا پیٹ پھلا کر ہلاک کر دیتا ہے یا ہلاکت کے قریب کر دیتا ہے سوائے اس جانور کے جس نے پیٹ بھر کر کھایا یہاں تک کہ جب اس کی دونوں کوکھیں بھر گئیں تو اس نے سورج کی

طرف منہ کر کے جگالی کرلی، پھر اس نے لید اور پیشاب کر دیا، پھر لوٹ کر پھر کھانا شروع کر دیا''۔

یہ حدیث دنیا کے مال میں حرص کرنے سے ڈرانے کے لیے بہت کافی اور بہت بلیغ ہے اور دنیا کی تر و تازگی کی طرف مائل کرنے سے بہت زیادہ روکنے والی ہے، کیونکہ مویشیوں کو زمین کی پیداوار بہت اچھی لگتی ہے تو اس کو بہت زیادہ کھاتے ہیں تو بسا اوقات موٹاپے سے ان کا جسم پھٹ جاتا ہے اور وہ ہلاک ہو جاتے ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومن کے لیے یہ مثال بیان کی کہ وہ دنیا سے صرف اتنا لے جس کی اس کو ضرورت ہو، اور دنیا کی تر و تازگی کو دیکھ کر دنیا کو زیادہ حاصل نہ کرے ورنہ ہلاک ہو جائے گا۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں دنیا سے کم حصہ لینے کی ترغیب اور تنبیہ

حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کیا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب دنیا سے چلے گئے اور دنیا نے ان کے اندر کوئی کمی پیدا نہیں کی۔

اس کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں اتنی فتوحات نہیں ہوئی تھیں اور اتنے اموال حاصل نہیں ہوئے تھے جتنے آپ کے بعد لوگوں کو مال حاصل ہوئے اور فتوحات ہوئیں اور اس وقت صحابہ کے پاس صرف اتنی مقدار ہوتی تھی جس سے ان کا گزارا ہو سکے اور وہ بھوک کی حالت میں اپنی کمر سیدھی رکھ سکیں اور انہوں نے دنیا کی لذیذ چیزوں میں سے حصہ نہیں لیا، کیونکہ وہ اس سے ڈرتے تھے کہ اگر انہوں نے دنیا کی لذیذ چیزوں سے حصہ لیا تو آخرت کی لذیذ چیزیں کم ہو جائیں گی۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک درہم کا گوشت خرید کر جا رہا تھا تو آپ نے اس سے پوچھا: تم کہاں جا رہے ہو اور تمہیں اس آیت کا خیال نہیں ہے:

اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۝ (الاحقاف: ۲۰)

(ان سے کہا جائے گا:) تم اپنی لذیذ چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے ہو اور ان سے فائدہ اٹھا چکے ہو، پس آج تم کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور کیونکہ تم نافرمانی کرتے تھے O

دنیا کے عیش اور لذیذ چیزوں سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجتناب کے متعلق احادیث

(۱) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کا ان چیزوں کے سوا اور کسی چیز میں حق نہیں ہے: اس کے رہنے کے لیے گھر ہو، اتنا کپڑا ہو جو اس کی شرمگاہ چھپانے کے لیے کافی ہو، روٹی اور پانی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۳۴۱، مسند احمد: ج ۱ ص ۶۲)

(۲) مُطرّف اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے تو اس وقت آپ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے ''اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝'' (التکاثر: ۱) ''زیادہ کی طلب نے تمہیں غافل کر دیا''۔ آپ نے فرمایا: ابن آدم کہتا ہے: میرا مال، میرا مال۔ اور تمہارا مال صرف وہی ہے جس کو تم نے صدقہ کر کے روانہ کر دیا یا جس کو تم نے کھا کر فنا کر دیا، یا جس کو تم نے پہن کر پرانا کر دیا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۳۴۲، صحیح مسلم: ۲۹۵۸، سنن نسائی: ۳۶۱۵، مسند احمد: ج ۴ ص ۲۴)

(۳) حضرت محصن خطمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص اس حال میں صبح کو اٹھے کہ اس کی

جگہ پر امن ہو اور اس کا جسم عافیت سے ہو اور اس کو اس دن کی روزی میسر ہو تو گویا اس کے لیے تمام دنیا اکٹھی کر دی گئی ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۳۴۶، سنن ابن ماجہ: ۴۱۴۱)

(۴) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ پیش کش کی کہ میرے لیے مکہ کی وادی سونے کی بنا دے، میں نے کہا: نہیں اے میرے رب! میں ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا، پھر جب میں بھوکا ہوں گا تو تجھ سے فریاد کروں گا اور تجھے یاد کروں گا اور جب میں سیر ہو کر کھاؤں گا تو تیرا شکر کروں گا اور تیری حمد کروں گا۔

(سنن ترمذی: ۲۳۴۷، مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۲)

(۵) مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے میرے لیے کھانا منگایا اور فرمایا: میں کبھی سیر ہو کر نہیں کھاتی، پھر میں رونا چاہتی ہوں تو روتی ہوں، میں نے پوچھا: کیوں؟ آپ نے بیان فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حال یاد کرتی ہوں جس حال میں آپ دنیا سے تشریف لے گئے تھے، اللہ کی قسم! آپ نے کبھی لگاتار دو دن روٹی اور گوشت سیر ہو کر نہیں کھایا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۳۵۶، مسند احمد ج ۶ ص ۴۲)

(۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل نے کبھی مسلسل تین دن گندم کی روٹی نہیں کھائی حتیٰ کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۳۵۸، صحیح مسلم الرقم المسلسل: ۷۳۸۳، مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۴)

(۷) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں وہ سب سے پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کی راہ میں خون بہایا اور میں وہ سب سے پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا اور ہم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے تھے اور ہم صرف درخت کے پتے اور اس کی چھال کھاتے تھے اور ہم میں سے ہر شخص بکری کی طرح مینگنیاں کرتا تھا۔ یہ حدیث حسن، صحیح غریب ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۳۶۵، صحیح البخاری: ۳۷۲۸، صحیح مسلم، الرقم المسلسل: ۷۳۵۹، سنن ابن ماجہ: ۱۳۱)

(۸) حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے تو بھوک کی شدت سے وہ نماز میں گر جاتے تھے حتیٰ کہ اعرابی لوگ ان کو مجنون کہتے تھے، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ لیتے تو ان کی طرف مڑ کر فرماتے: ''اگر تم کو یہ پتا چل جائے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس تمہارا کتنا اجر ہے تو تم یہ ضرور چاہو گے کہ تمہارے فقر اور فاقہ میں اور زیادتی کی جائے''۔ (سنن ترمذی: ۲۳۶۸، مسند احمد ج ۶ ص ۱۸)

(۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے! میں بھوک کی وجہ سے اپنے جگر کو زمین کے ساتھ لگائے ہوئے تھا اور میں بھوک کی شدت سے اپنے پیٹ پر ایک پتھر باندھے ہوئے تھا۔ الحدیث

(صحیح البخاری: ۶۴۵۲، صحیح مسلم: ۲۹۶۶، سنن ترمذی: ۲۳۶۵، سنن ابن ماجہ: ۱۳۱)

(۱۰) حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور ہم نے اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھا کر آپ کو اپنے پیٹ پر باندھے ہوئے پتھر دکھائے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر باندھے ہوئے دو پتھر دکھائے۔

(سنن ترمذی: ۲۳۷۱)

(۱۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا دیا تو آپ نے

فرمایا: یہ پہلا طعام ہے جس کو تمہارے باپ نے تین دن کے بعد کھایا ہے۔ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
(مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۳، المعجم الکبیر: ۷۵۰)

(۱۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاحیات چھلنی نہیں دیکھی، نہ کبھی چھنے ہوئے آٹے کی روٹی کھائی۔
(مسند احمد ج ۶ ص ۱۷)

(۱۳) حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ثرید (گوشت کے سالن میں روٹی کے ٹکڑے بھگوئے ہوئے) کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور میں نے آپ کے پاس ڈکار لی تو آپ نے فرمایا: اے ابو جحیفہ! ''قیامت کے دن سب سے زیادہ بھوکے وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں زیادہ سیر ہو کر کھاتے تھے''۔ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۳۶۷۰)

(۱۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پیالہ میں دودھ اور شہد آیا، آپ نے فرمایا: تم ایک گھونٹ پی کر ایک پیالہ میں رکھ دو، مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ یہ حرام ہے، میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ سے دنیا کی زائد نعمتوں کے متعلق سوال کرے، میں اللہ کے لیے تواضع کرتا ہوں اور جو اللہ کے لیے تواضع کرے اللہ تعالیٰ اس کو سربلند کرتا ہے، اور جو تکبر کرتا ہے اللہ عزوجل اس کو سرنگوں کرتا ہے، اور جو میانہ روی کرے اللہ تعالیٰ اس کو مستغنی کر دیتا ہے۔ اور جو موت کو زیادہ یاد کرے اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔ (مجمع الزوائد: ۱۸۲۹۴)

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں زہد کا بیان

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ دس (۱۰) ہجری میں ایک لاکھ اسی ہزار درہم مال غنیمت لے کر آئے تھے، اسی طرح جامع المختصر میں مذکور ہے اور دوسری کتابوں میں مذکور ہے کہ وہ مجوس سے جزیہ لے کر آئے تھے۔ اور قتادہ نے کہا: وہ مال اسی ہزار درہم تھا۔ اور ابن حبیب نے کہا: یہ سب سے زیادہ مال تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ اور زہری نے کہا: رات کو یہ مال آیا تھا۔ اور قتادہ نے کہا: یہ مال چٹائی پر رکھ کر پھیلا دیا گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال میں سے کسی سائل کو محروم نہیں کیا۔ حضرت عباس آئے اور وہ ایک کپڑے میں اتنا مال اکٹھا کرنے لگے جس کو اٹھانے سے عاجز ہو گئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ میری مدد کریں یہ مال اٹھا کر میرے کندھے پر رکھ دیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا حتیٰ کہ انہوں نے اس مال سے کچھ کم کیا اور اس کو اٹھانے پر قادر ہو گئے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۴۲۲۔ ۴۲۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۲۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دنیاوی مال کی محبت سے دور رکھنے کی وجوہ اور فقر کی غنیٰ پر فضیلت

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: ''پس اللہ کی قسم! مجھے تمہارے اوپر فقر کا خوف نہیں ہے''۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مسلمانوں پر فقر کا خوف نہیں تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو یہ علم تھا کہ دنیا مسلمانوں کے اوپر کشادہ کر دی جائے گی اور ان کو مال سے غنیٰ حاصل ہو گا اور اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی غیب کی خبروں میں ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے جس طرح فرمایا تھا اسی طرح واقع ہو گیا۔

علامہ طیبی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر کی اہمیت کو بیان فرمایا ہے، کیونکہ جو باپ اپنی اولاد پر شفیق ہوتا ہے تو وہ اپنی موت کے وقت اولاد کو مال عطا کرنے کی کوشش کرتا ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب پر والد کی طرح شفیق تھے لیکن آپ کا حال مال کے معاملہ میں اس سے مختلف تھا جو والد کا حال اولاد کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں پر فقر کا خوف نہیں رکھتے تھے جیسا کہ باپ اپنی اولاد کے متعلق فقر کا خوف رکھتا ہے لیکن آپ کو یہ خوف تھا کہ ان کو بہ کثرت خوشحالی حاصل ہوگی جو کہ والد کا اپنی اولاد کے لیے مطلوب ہوتا ہے، اور یہاں فقر سے مراد وہ فقر ہے جو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے تھا، یعنی وہ کم چیزوں کو اپنے پاس رکھتے تھے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس میں یہ اشارہ ہو کہ فقر کا ضرر خوشحالی کے ضرر سے کم ہے، اس لیے کہ فقر کا ضرر دنیاوی ہے اور غنیٰ کا ضرر دینی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا'' کہ جب تمہیں دنیا کا مال زیادہ حاصل ہوگا تو تم دنیا میں رغبت کرو گے اور مال سے محبت کرو گے، سو یہ مال کی محبت تمہیں ہلاکت میں ڈال دے گی، کیونکہ مال مرغوب ہوتا ہے اور نفس اس کو طلب کرنے میں راحت حاصل کرتا ہے اور دوسروں کو اس مال کے لینے سے منع کرتا ہے، اس وجہ سے اس کی لوگوں کے ساتھ عداوت اور دشمنی ہوتی ہے جس کا تقاضا ہے ایک دوسرے کو قتل کرنا اور وہ ہلاکت تک پہنچاتا ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا: اس حدیث میں یہ فائدہ ہے کہ دنیا کی تر و تازگی سے بچنا چاہیے، کیونکہ اس کا انجام برا ہے اور اس کا فتنہ ہلاکت کا موجب ہے، پس انسان دنیا کی زیب و زینت اور خوبصورتی سے مطمئن نہ ہو اور اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ فقر غنیٰ سے افضل ہے، کیونکہ دنیا کا فتنہ غنیٰ کے ساتھ مقرون ہے اور غنیٰ سے فتنہ میں وقوع کا خوف ہے جو کبھی انسان کو ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے اور فقیر ان چیزوں سے مامون رہتا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۸۲، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۸۔ بَابُ: قَوْلِ اللهِ تَعَالَىٰ: يَآ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللهِ الْغَرُورُ ۝ إِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۚ إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحٰبِ السَّعِيرِ ۝ (فاطر: ۵۔۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے، سو تمہیں دنیا کی زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈال دے، اور نہ (شیطان) تم کو اللہ کے متعلق دھوکے میں رکھے O بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے، سو تم (بھی) اس کو دشمن بنائے رکھو، وہ اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے کہ وہ دوزخ والے ہو جائیں O

جَمْعُهُ: سُعُرٌ. قَالَ مُجَاهِدٌ: اَلْغَرُورُ: اَلشَّيْطَانُ

سعیر کی جمع سُعر ہے، مجاہد نے کہا: غرور سے مراد شیطان ہے۔

باب مذکور میں درج آیات کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب میں مذکور آیات کی شرح میں لکھتے ہیں:

فاطر: ۵ میں ارشاد ہے: ''بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے''، یعنی اللہ تعالیٰ نے جو یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کو مرنے کے بعد

دوبارہ زندہ کرے گا اور نیکوکاروں کو ثواب دے گا اور بدکاروں کو عذاب دے گا، اس کا یہ وعدہ برحق ہے۔

نیز اس آیت میں فرمایا: ''اور نہ (شیطان) تم کو اللہ کے متعلق دھوکے میں رکھے''۔ شیطان کے دھوکہ کی وجہ سے انسان گناہ کے کام کرے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی تمنا رکھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ غرور سے مراد شیطان ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے شیطان سے دھوکہ کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اور ہمارے لیے شیطان کی دشمنی کو بیان فرما دیا ہے تاکہ ہم شیطان کے بہکانے کی طرف اور وہ جو برائیوں کو خوشنما بناتا ہے اس کی طرف توجہ اور التفات نہ کریں۔

نیز فاطر: ٦ میں فرمایا ہے'' بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے، سوتم (بھی) اس کو دشمن بنائے رکھو''۔ یعنی شیطان کو تم اپنے دشمنوں کے مرتبہ میں قرار دو اور اس کی موافقت کرنے اور اس کی اطاعت کرنے سے اجتناب کرو۔

نیز اس آیت میں فرمایا: ''وہ اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے کہ وہ دوزخ والے ہو جائیں''۔ یعنی شیطان اپنے گروہ کے کافروں کو بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخ والے ہو جائیں۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں بتایا ہے کہ لفظ ''سعیر'' کی جمع ''سُعر'' ہے اور اس کا معنی ہے: دوزخ کا بھڑکنا۔

نیز دوسری تعلیق میں ہے: مجاہد نے کہا: غرور، شیطان ہے۔

مجاہد کا یہ اثر یہاں صرف الکشمیھنی کی روایت میں ہے اور الفریابی نے اس کو اپنی تفسیر میں ورقاء سے وصل کیا ہے۔

''الغرۃ'' کا معنی ہے: بیداری میں غفلت، اور غرور کا معنی ہے: ہر وہ چیز جو انسان کو دھوکہ میں ڈالے، اور شیطان کو غرور اس لیے فرمایا کہ وہ دھوکہ میں ڈالنے والوں کا سردار ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٢٣ ص ٦٤۔٦٥، دارالکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

آیاتِ مذکورہ کی تفسیر از مصنف

آخرت اور عذاب اور ثواب کے دلائل واضح ہو جانے کے بعد جو لوگ قیامت کا انکار کرتے تھے، اس آیت میں ان کو نصیحت کی گئی ہے اور دنیا کی زندگی کا دھوکہ میں ڈالنے کا معنی یہ ہے کہ دنیا کی نعمتیں، اس کی لذتیں، اس کی زیب و زینت اور اس کی رنگینیاں انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت سے غافل کر دیتی ہیں، حتیٰ کہ حشر کے دن وہ کفِ افسوس ملتا رہ جائے، اور نہ شیطان تمہیں اللہ عزوجل کے متعلق دھوکہ میں رکھے، اور وہ دھوکہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو بھولا رہے اور مسلسل گناہ کرتا رہے اور امید یہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کر دے گا، اس کا یہ بھی معنی ہے کہ شیطان انسان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالے کہ تم اپنے گناہوں پر پریشان یا پشیماں نہ ہو، اللہ بہت غفور الرحیم ہے وہ تم کو معاف کر دے گا اور اس طرح شیطان انسان کو توبہ کرنے سے باز رکھے۔

٦٤٣٣۔ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ الْقُرَشِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي مُعَاذُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ حُمْرَانَ بْنَ أَبَانَ أَخْبَرَهُ قَالَ أَتَيْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ بِطَهُورٍ وَهُوَ جَالِسٌ عَلَى الْمَقَاعِدِ فَتَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ قَالَ رَأَيْتُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعد بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از یحییٰ از محمد بن ابراہیم القرشی، انہوں نے کہا: مجھے معاذ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی کہ بے شک حمران بن ابان نے ان کو خبر دی، انہوں نے بیان کیا کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے

النَّبِیَّ ﷺ تَوَضَّأَ وَهُوَ فِی هٰذَا الْمَجْلِسِ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ مِثْلَ هٰذَا الْوُضُوءِ ثُمَّ أَتَی الْمَسْجِدَ فَرَكَعَ رَكْعَتَیْنِ ثُمَّ جَلَسَ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ قَالَ وَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَا تَغْتَرُّوْا۔

پاس وضو کا پانی لے کر آیا اور وہ القاعد (مدینہ میں ایک جگہ) پر بیٹھے ہوئے تھے، پس انہوں نے اچھی طرح وضو کیا، پھر بیان کیا کہ میں نے نبی ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا اور وہ اسی مجلس میں تھے، سو آپ نے اچھی طرح وضو کیا، پھر آپ نے فرمایا: جس نے اس وضو کی مثل کیا، پھر مسجد میں آیا، پھر اس نے دو رکعت نماز پڑھی تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے گناہ کو معاف کر دے گا۔
اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا اور نبی ﷺ نے فرمایا: تم دھوکہ نہ کھانا۔

(صحیح البخاری: ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۴، ۱۹۳۴، ۶۴۳۳، صحیح مسلم: ۲۲۶، سنن نسائی: ۸۴، سنن ابوداؤد: ۱۰۶، سنن دارمی: ۶۹۳)

صحیح البخاری: ۶۴۳۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں دھوکہ نہ کھانے کا ذکر ہے اور اس حدیث میں بھی مذکور ہے کہ تم دھوکہ نہ کھاؤ۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعد بن حفص، یہ ابو محمد الطلحی الکوفی ہیں۔ ان کو الضخم بھی کہا جاتا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شیبان، یہ ابن عبدالرحمٰن ابو معاویہ النحوی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، یہ ابن ابی کثیر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن ابراہیم القرشی، یہ ابن الحارث بن خالد التیمی ہیں اور ان کے دادا حارث صحابی تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معاذ بن عبدالرحمٰن، یہ ابن عثمان بن عبید اللہ التیمی ہیں اور عثمان ان کے دادا ہیں، وہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ صحابی کے بھائی ہیں اور حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان بھی صحابی ہیں رضی اللہ عنہ، امام مسلم نے ان کی حدیث کی اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے ان کا لقب ''شارب الذھب'' تھا یعنی سونے کو پینے والے۔ یہ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ میں ایک ہی دن میں شہید کر دیے گئے تھے۔ اور رہے عبدالرحمٰن بن عبد اللہ بن عثمان جو حضرت طلحہ بن عبید اللہ کے بھائی ہیں اور وہ بھی صحابی ہیں رضی اللہ عنہ، وہ جنگِ جمل میں شہید کر دیے گئے تھے، اور یہ جمادی الاخریٰ ۳۶ھ کا واقعہ ہے۔ اس حدیث کی سند میں ابن ابان کا ذکر ہے اور صحیح البخاری کے دوسرے نسخوں میں حمران بن ابان کا ذکر ہے، اور صرف جرجانی نے یہ روایت کی ہے کہ ابان نے اس کی خبر دی اور یہ خطا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''جس نے نبی ﷺ کے وضو کی مثل وضو کیا''۔ یہ مثلیت اس کو مستلزم نہیں ہے کہ اس کا وضو تمام وجوہ

کے اعتبار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی مثل ہو، کیونکہ یہ بہت مشکل ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پس انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی"۔ اس حدیث میں ان دو رکعتوں کے فرض ہونے کی قید نہیں ہے اور امام مسلم نے ایک روایت میں یہ قید لگائی ہے، اس میں از نافع بن جبیر از حمران روایت ہے "پھر وہ فرض نماز پڑھنے کے لیے گیا اور لوگوں کے ساتھ فرض نماز پڑھی یا مسجد میں گیا"۔ اور عمران سے روایت ہے "پس اس نے فرض نماز پڑھی" اور ایک اور روایت حمران سے ہے "جو مسلمان بھی وضو کرے سو مکمل وضو کرے پھر اس وضو سے وہ پانچ نمازیں پڑھے تو وہ نمازیں ان کے درمیان کے گناہوں کے لیے کفارہ ہو جائیں گی"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے"۔ یعنی جن گناہوں کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ہو، لیکن جن گناہوں کا تعلق حقوق العباد سے ہو، پس وہ اس وقت تک معاف نہیں ہوں گے جب تک کہ اس کے خصم کو راضی نہ کر دیا جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لا تغتروا" یعنی تم دھوکہ نہ کھانا کہ تم گناہوں پر دلیری کرو اور یہ سمجھ کر عمداً گناہ کرو کہ گناہ تو بہر حال معاف ہو جائیں گے، کیونکہ گناہ کا معاف کرنا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۳۳ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دنیا کی زندگی اور اس کی فانی خوشنمائی سے دھوکہ کھانے سے منع فرمایا ہے اور شیطان سے دھوکہ کھانے سے منع فرمایا ہے اور ہمارے لیے شیطان کی عداوت کو بیان فرما دیا ہے تاکہ ہم شیطان کے ورغلانے اور وہ جو شہوات باطلہ کو ہمارے لیے مزین کرتا ہے اس کی طرف توجہ نہ کریں، اور ہمیں اس کی اطاعت کرنے سے ڈرایا ہے اور ہمیں یہ خبر دی ہے کہ شیطان کے پیروکار اور اس کی جماعت دوزخ والے ہیں، پس عقلمند مومن پر واجب ہے کہ وہ شیطان سے پرہیز کرے اور جس چیز سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اور اس کے نبی نے ڈرایا ہے اس سے اجتناب کرے، اور یہ کہ اگر بندہ سے کوئی گناہ ہو جائے تو وہ فوراً اس پر نادم ہو اور اس سے توبہ کرے اور یہ عزم کرے کہ وہ دوبارہ اس جیسے گناہ کو نہیں کرے گا۔ اور جب وہ کوئی نیک کام کرے تو اس نیک کام کو کم قرار دے اور اپنے عمل کو کم سمجھے۔ اور مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے عمل کے اوپر تکیہ نہ کرے۔ اور مجاہد نے غرور کی تفسیر میں کہا کہ اللہ سے دھوکہ کھانے کا معنی یہ ہے کہ بندہ نافرمانی کرے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی تمنا رکھے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۴۲۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۳۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حمران کی دو روایتوں کا خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ حمران نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دو حدیثیں روایت کی ہیں۔ ایک حدیث وہ ہے جس میں یہ قید ہے کہ بندہ دو رکعت نماز پڑھے اور اس نماز میں حدیثِ نفس نہ کرے۔ یعنی کسی کام یا بات میں دل نہ لگائے اور اس کام کو کرنے کا منصوبہ نہ بنائے۔ اور اس کو مطلقاً دو رکعت کے ساتھ ذکر کیا ہے اور فرض نماز کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ وضو کرنے کے بعد بندہ فرض نماز جماعت میں پڑھے یا مسجد میں پڑھے اور اس میں حدیثِ نفس کو ترک کرنے کی قید نہیں ہے۔

نماز پڑھنے سے جو مغفرت حاصل ہوتی ہے وہ عام نہیں ہے

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، اس کو تمام گناہوں کی مغفرت پر محمول نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ جو نماز گناہوں کو مٹاتی ہے یہ وہ نماز ہے جو مقبول ہو اور کسی بندہ کو اس پر اطلاع نہیں ہے کہ اس کی نماز مقبول ہو گئی ہے۔

اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ نماز ان گناہوں کو مٹاتی ہے جو صغیرہ ہوں، پس تم کبیرہ گناہوں کی مغفرت سمجھ کر دھوکہ نہ کھانا، اس بناء پر کہ نماز سے جو گناہ معاف ہوتے ہیں وہ صغیرہ ہیں اور اگر تم یہ سمجھو کہ اس سے عام گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو یہ صحیح نہیں ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ تم صغائر بھی زیادہ نہ کرو، کیونکہ صغائر پر اصرار کرنا اس صغیرہ کو کبیرہ کے حکم میں کر دیتا ہے۔ پھر نماز سے وہ گناہ معاف نہیں ہوتا۔ یا مطلب یہ ہے کہ یہ بشارت اطاعت گزاروں کے ساتھ خاص ہے اور یہ اس شخص کو حاصل نہیں ہو گی جو معصیت کا ارتکاب کرنے والا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۸۶۔ ۴۸۷، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کے آخری جواب میں بحث و نظر ہے، کیونکہ اطاعت گزار تو گناہ کرتے ہی نہیں ہیں نہ صغیرہ اور نہ کبیرہ، تو یہ بشارت ان کے ساتھ کیسے خاص ہو گی؟ دراصل یہ بشارت گناہ گاروں کے لیے ہے کہ وہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے اپنی مغفرت سے مایوس نہ ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو نیکی کی توفیق دی ہے اور انہوں نے جو نمازیں پڑھی ہیں ان نمازوں کی وجہ سے ان کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۴۳۳، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دنیا کی زندگی کا بیان

فاطر: ۵ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۗ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ○ (فاطر: ۵)

اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے، سو تمہیں دنیا کی زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈال دے، اور نہ (شیطان) تم کو اللہ کے متعلق دھوکے میں رکھے ○

اس آیت میں جو دنیا کی زندگی کے دھوکہ میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے، اس سے مراد وہ ہے جس کا درج ذیل آیت میں اشارہ فرمایا ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۞ (آل عمران: ۱۴)

لوگوں کے لیے عورتوں سے خواہشات کی اور بیٹوں کی اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانوں کی اور نشان زدہ گھوڑوں کی اور مویشیوں اور کھیتی باڑی کی محبت خوش نما بنادی گئی ہے، یہ (سب) دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور اللہ ہی کے پاس اچھا ٹھکانا ہے O

آل عمران: ۱۴ کی تفسیر از مصنف

اس آیت میں جن چیزوں کے متعلق فرمایا ہے کہ انسان کے لیے ان کی شہوات کی محبت مزین کی گئی ہے، یہ سب دنیا کی زندگی کا سامان ہے، اور ان سے بہتر چیز آخرت کی نعمتیں ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ ان چیزوں سے محبت نہیں کرنی چاہیے یا ان چیزوں کو چھوڑ دینا چاہیے بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں میں اشتغال اور انہماک نہیں ہونا چاہیے، حتیٰ کہ انسان دنیا کی زینت اور خوشنمائی میں ڈوب کر اللہ تعالیٰ اور آخرت کو فراموش کر بیٹھے، بلکہ انسان معتدل طریقہ پر گامزن ہو، اسلام دینِ فطرت ہے اس میں دین و دنیا دونوں کے احکام موجود ہیں۔ اسلام دہریت اور رہبانیت دونوں کے خلاف ہے، عبادات، معاملات اور سیاسیات کا جامع ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آخرت کی نعمتوں کو دنیا کی نعمتوں سے افضل فرمایا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی نعمتیں فانی ہیں اور آخرت کی نعمتیں باقی ہیں، انسان کو جس وقت دنیا کی نعمتیں حاصل ہوں اس وقت بھی اس کو یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ نہ جانے کب یہ نعمتیں اس کے ہاتھ سے جاتی ہیں، نیز دنیا میں انسان کو اگر کسی ایک وجہ سے راحت میسر ہوتی ہے تو کسی اور طرف سے مصیبت اور پریشانی کا سامنا ہوتا ہے اور دنیا میں کوئی شخص بھی رنج و فکر سے خالی نہیں ہے اس کے برعکس آخرت کی نعمتوں میں کسی اعتبار سے فکر و رنج کی آمیزش نہیں ہوتی ہے۔

نیز شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں:

اگر یہ سوال کیا جائے کہ شیطان کے امر اور نفس امارہ بالسوء کی خواہش میں کس طرح فرق کیا جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نفس امارہ بالسوء شیطان کے حکم کا پیروکار رہتا ہے، کیونکہ نفس امارہ وہی کرتا ہے جس کا حکم شیطان دیتا ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۳۰۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۹۔ بَابُ: ذَهَابِ الصَّالِحِيْنَ — نیک لوگوں کے چلے جانے کا بیان

وَيُقَالُ: الذِّهَابُ الْمَطَرُ

اور کہا جاتا ہے: ذہاب کا معنی ہے: بارش

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں نیک لوگوں کے چلے جانے کا ذکر ہے یعنی ان کی موت کا۔ اور نیک لوگوں کا چلے جانا قیامت کی علامات میں سے ہے اور دنیا کے فنا ہونے کے قریب ہے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے کہا ہے کہ اس تعلیق سے مراد یہ ہے کہ لفظِ ذہاب جانے میں اور بارش کے معنی میں مشترک ہے۔

علامہ عینی حنفی اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس طرح نہیں ہے، کیونکہ جس ذہاب کا معنی جانا ہے وہ لفظ ذَھاب ہے، اور جس ذہاب کا معنی بارش ہے وہ ذِھاب ہے۔ صاحب المحکم نے کہا ہے ''الذھبة بالکسر'' کم بارش اور اس کی جمع ذِھاب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ عینی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: علامہ عینی نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری سے مکمل عبارت نقل نہیں کی۔ اور بعض عبارت کو حذف کر کے اعتراض کر دیا۔ فتح الباری کی مکمل عبارت حسب ذیل ہے:

صرف السرخسی کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ لفظِ ذہاب مشترک ہے جانے اور بارش کے معنی میں۔ اور بعض اہل لغت نے یہ کہا ہے کہ ذھاب کا معنی ہے: کمزور بارش اور یہ ذِھبة کی جمع ہے اور ذھبة میں پہلے لفظ پر زیر ہے اور دوسرے میں جزم ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۸۷)۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی علی صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۱۳۔ ۴۱۲، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

۶۴۳۴۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ بَيَانٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ مِرْدَاسٍ الْأَسْلَمِيِّ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَذْهَبُ الصَّالِحُونَ الْأَوَّلُ فَالْأَوَّلُ وَيَبْقَى حُفَالَةٌ كَحُفَالَةِ الشَّعِيرِ أَوِ التَّمْرِ لَا يُبَالِيهِمُ اللّٰهُ بَالَةً قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ يُقَالُ حُفَالَةٌ وَحُثَالَةٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن حماد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی، از بیان از قیس بن ابی حازم از مرداس الاسلمی، انہوں نے بیان کیا: نبی ﷺ نے فرمایا: نیک لوگ یکے بعد دیگرے چلے جائیں گے، پھر لوگ جَو کی بھوسی یا کھجور کے کچرہ کی طرح باقی رہ جائیں گے جن کی اللہ تعالیٰ کو بالکل پرواہ نہیں ہوگی۔ امام بخاری نے کہا: کہا جاتا ہے حفالة اور حثالة۔ (حفالة اور حثالة دونوں لفظوں کا ایک معنی ہے یعنی تلچھٹ یا بھوسی یا کھل)۔

(صحیح البخاری: ۴۱۵۶، ۶۴۳۴، مسند احمد: ۱۷۷۲۶، سنن دارمی: ۲۷۱۹)

صحیح البخاری: ۶۴۳۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''نیک لوگوں کے چلے جانے کا بیان'' اور اس باب کی حدیث میں ہے ''نیک لوگ یکے بعد دیگرے دنیا

سے رخصت ہو جائیں گے''۔اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن حماد، یہ الشیبانی البصری ہیں۔امام بخاری نے کتاب الحیض میں الحسن بن مدرک کے واسطہ سے ان سے ایک حدیث کی روایت کی ہے۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعوانہ،ان کا نام الوضاح بن عبداللہ الیشکری ہے۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بیان، یہ ابن بشر الاحمسی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے قیس بن ابی حازم،اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مرداس، یہ ابن مالک الاسلمی ہیں اور یہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی،پھر انہوں نے کوفہ میں رہائش اختیار کر لی اور ان کا اہلِ کوفہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''نیک لوگ یکے بعد دیگرے چلے جائیں گے''اس کا معنی ہے:اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی روحوں کو قبض فرمالے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''اور حُفالۃ باقی رہ جائیں گے''۔''حُفالۃ'' کا معنی ہے: بھوسی یا تلچھٹ یا کھل،اس کا معنی ہے: کسی چیز کا اصل جوہر نکلنے کے بعد جو فاضل اور ردّی چیز باقی رہ جاتی ہے اس کو حُفالۃ کہتے ہیں۔علامہ داؤدی نے کہا ہے:حُفالۃ وہ ہے جو جَو کے چھلکوں میں سے چھلنی کے ذریعہ نیچے گر جاتی ہے یعنی بھوسی۔یعنی جب نیک لوگ وفات پا کر دنیا سے گزر جائیں گے تو ردّی اور خراب لوگ باقی رہ جائیں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''اللہ تعالیٰ کو ان کی بالکل پرواہ نہیں ہوگی''۔علامہ خطابی نے کہا:اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہوگی،ان کا کوئی مرتبہ نہیں ہوگا۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۶۔۶۷،دار الکتب العلمیہ ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۳۴ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قیامت کی علامت نیک لوگوں کا دنیا سے گزر جانا ہے

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ نیک لوگوں کی اقتداء کرنے میں رغبت کی جائے اور ان کے طریقہ کی مخالفت سے اجتناب کیا جائے،اس خوف سے کہ اگر ان کی مخالفت کی تو اس کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جن کی اللہ تعالیٰ کو بالکل پرواہ نہیں ہوتی۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے:یہ حدیث اکثر اور غالب امور پر محمول ہے۔اور زمین ان لوگوں سے خالی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی حجت کو قائم کرنے والے ہیں۔پس بعض ان میں سے علم میں راسخ ہوتے ہیں۔

اس اعتراض کا جواب کہ بعض احادیث کے مطابق اخیر زمانہ کے بعض لوگ صحابہ سے افضل ہوں گے

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ ابوامیہ الشعبانی سے روایت کرتے ہیں،انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا،پس میں نے کہا:اے ابوثعلبہ! آپ اس آیت کے متعلق کیا کہتے ہیں؟:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ ؕ (المائدہ:۱۰۵) اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو، جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہوگا۔

تو حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے کہا: سنو، اللہ کی قسم! میں اس کا سوال ان سے کر چکا ہوں جو اس آیت کی خبر رکھنے والے تھے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تھا، آپ نے فرمایا: بلکہ تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو حتیٰ کہ جب تم دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جا رہی ہے اور خواہش کی پیروی کی جا رہی ہے اور دنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے اور ہر رائے رکھنے والا اپنی رائے پر خوش ہو رہا ہے تو تم صرف اپنی فکر کرنا اور عام لوگوں کو چھوڑ دینا، کیونکہ تمہارے بعد صبر کرنے کے ایام آئیں گے اور ان ایام میں صبر کرنا ایسا ہے جیسے کوئی انگاروں کو اپنے ہاتھ میں پکڑ لے، ان میں عمل کرنے والوں کو پچاس مردوں کا اجر ملے گا جو اس کی مثل اجر کرتے ہوں گے اور دوسری حدیث میں یہ اضافہ ہے، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! کیا ان میں سے پچاس لوگوں کا اجر اس شخص کو ملے گا؟ آپ نے فرمایا: تم میں سے پچاس لوگوں کا اجر اس کو ملے گا۔ (سنن ابوداؤد: ۴۳۴۱، سنن ترمذی: ۳۰۵۸، سنن ابن ماجہ: ۴۰۱۴)

بہ ظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اخیر زمانہ میں جو لوگ صبر کے ایام میں عمل کریں گے ان میں سے ایک آدمی کو پچاس صحابہ کے اجر کی مثل اجر ملے گا۔ اور اس سے اخیر زمانہ کے لوگوں کی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر افضلیت لازم آتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام بہرحال بعد کے تمام مسلمانوں سے افضل ہیں خواہ وہ اخیر زمانہ کے ہوں یا نہ ہوں اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میرے اصحاب کو برا نہ کہو، کیونکہ اگر تم میں سے کوئی ایک شخص احد پہاڑ کی مثل سونا بھی خرچ کرے تو کسی ایک صحابی کے دیے ہوئے ایک کلو صدقہ یا آدھا کلو صدقہ کے اجر کے برابر نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۶۷۳، صحیح مسلم: ۲۵۴۰، سنن ترمذی: ۳۸۶۱، سنن ابوداؤد: ۴۶۵۸، سنن ابن ماجہ: ۱۶۱، مسند احمد: ۱۰۶۹۵)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۴۳۰۔۴۳۱ ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

نیک لوگوں کے ہوتے ہوئے قیامت کا واقع نہ ہونا

میں کہتا ہوں: متعدد احادیث میں مذکور ہے کہ جب تک دنیا میں نیک لوگ اور اللہ کا نام لینے والے موجود ہوں گے، اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی۔

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ زمین میں اللہ، اللہ نہ کہا جائے۔ اور دوسری روایت میں ہے: قیامت اس وقت تک کسی شخص پر قائم نہیں ہوگی جب تک کہ وہ اللہ، اللہ کہہ رہا ہوگا۔ (صحیح مسلم: ۱۴۸، سنن ترمذی: ۲۲۰۷، مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۷)

نیز امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت صرف بدکار لوگوں پر قائم ہوگی۔ (صحیح مسلم: ۲۹۴۹، سنن ابن ماجہ: ۴۰۳۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے علم کو قبض نہیں فرمائے گا لیکن علماء کی روحوں کو قبض کر کے علم کو اٹھالے گا حتیٰ کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، ان سے سوال کیا جائے گا پس وہ بغیر علم کے فتوی دیں گے، پس وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(صحیح البخاری:۱۰۰،صحیح مسلم:۲۶۷۳،سنن ترمذی:۲۶۵۲،سنن ابن ماجہ:۵۲،مسند احمد:۶۴۷۵،سنن دارمی:۲۳۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھالیا جائے گا، جہل ثابت ہوگا، خمر پی جائے گی اور زنا کا ظہور ہوگا۔

(صحیح البخاری:۸۰،صحیح مسلم:۲۶۷۱،سنن ترمذی:۲۲۰۵،سنن ابن ماجہ:۴۰۴۵،مسند احمد:۲۱۱۸)

نیز امام بخاری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، میں تمہیں ضرور ایک ایسی حدیث بیان کروں گا جس کو میرے بعد تمہیں کوئی بیان نہیں کرے گا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم کم ہوجائے گا اور جہل ظاہر ہوگا، زنا کا غلبہ ہوگا، عورتیں زیادہ ہوں گی مرد کم ہوں گے حتیٰ کہ پچاس عورتوں کا منتظم ایک مرد ہوگا۔

(صحیح البخاری:۸۰،صحیح مسلم:۲۶۷۱،سنن ترمذی:۲۲۰۵،سنن ابن ماجہ:۴۰۴۵،مسند احمد:۲۱۱۸)

۱۰- بَابُ: مَا يُتَّقَى مِنْ فِتْنَةِ الْمَالِ
مال کے فتنہ اور آزمائش سے اجتناب کا بیان

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارے اموال اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہیں۔ (التغابن:۱۵)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

فتنہ کا معنی کلام عرب میں ہے: آزمائش اور ابتلاء۔ اور قصد سے پھیرنا بھی فتنہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَ اِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ (الاسراء:۷۳)

اور قریب تھا کہ وہ آپ کو اس چیز سے لغزش دے دیتے جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے تاکہ آپ اس (وحی) کے علاوہ کوئی اور بات ہم پر گھڑ دیں۔

الاسراء:۷۳ کی تفسیر از مصنف

ان آیتوں میں ان مصائب اور آزمائشوں کی طرف اشارہ ہے جو کئی برسوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آرہے تھے، مشرکین مکہ سر توڑ کوششیں کر رہے تھے کہ آپ کو دین اسلام کی دعوت سے باز رکھیں اور کسی نہ کسی طرح آپ کے استقلال اور عزم وہمت میں کچھ لچک اور نرمی پیدا کریں، اور اگر آپ بالکل ان کے ہم نوا نہ ہوں تو کم از کم اتنا ہو جائے کہ آپ ان کے باطل خداؤں کی مذمت نہ کریں، اس مقصد کے لیے انہوں نے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کیے، آپ کو سیم وزر کے لالچ بھی دیئے، عرب کی خوبصورت دوشیزاؤں کی پیش کش بھی کی، دھمکیاں بھی دیں، معاشی دباؤ بھی ڈالا، تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور کر دیا اور باہر سے

غلہ پہنچنے پر پابندی لگادی، آپ اور آپ کے اصحاب پر ظلم وستم کی انتہا کردی اور آپ کے ساتھ وہ سب کچھ کرڈالا جو آپ کے عزم اور حوصلہ کو پست کرنے کے لیے کیا جا سکتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان تمام امتحانوں میں آپ کو کامیاب اور سرخرو رکھا، مشرکین طرح طرح کی ترغیبات سے آپ کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرر ہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ثابت قدم رکھا، ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتادیا کہ کوئی انسان خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، وہ صرف اپنی ذاتی طاقت کے بل بوتے پر باطل قوتوں سے مقابلہ نہیں کرسکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی توفیق شامل حال نہ ہو، انسان کسی امتحان اور کسی آزمائش میں کامیاب نہیں ہوسکتا، یہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا پختہ حوصلہ اور عزم واستقلال تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم باطل کے سامنے حق وصداقت کے مسلک پر پہاڑ کی طرح جمے رہے اور کوئی بڑی سے بڑی آزمائش کا سیلاب بھی آپ کو اپنی جگہ سے سرمو ہٹا نہیں سکا۔

اور فتنہ کا معنی احتراق اور جلنا بھی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ (الذریٰت: ۱۳) (آپ کہیے:) جس دن ان کو دوزخ میں جلایا جائے گاO

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں اس آیت کا ذکر کیا گیا ہے:

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (التغابن: ۱۵) تمہارے اموال اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اموال اور اولاد فتنہ ہیں یعنی آزمائش ہیں، کیونکہ یہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے مشغول رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ﴿۱﴾ (التکاثر: ۱) تم کو زیادہ مال کی حرص نے غافل کردیاO

''الھا'' کا معنی ہے: زیادہ ضروری چیز سے غافل ہونا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تم مال اور اولاد کی کثرت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل ہوگئے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۱۵۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عمومی خطاب کر کے اشارہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں میں مال اور اولاد کی محبت پیدا کردی ہے۔ حدیث میں ہے:

امام ترمذی، امام ابن حبان اور امام الحاکم نے حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر امت کے لیے ایک فتنہ ہوتا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

بخل کی مذمت میں احادیث

میں کہتا ہوں: مال کی محبت کی وجہ سے انسان بخل کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ مال اس کے پاس جمع رہے اور اسے خرچ نہ کرنا پڑے اور بخل کی مذمت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر میرے پاس احد پہاڑ کی مثل سونا ہوتا تب بھی مجھے یہ پسند تھا کہ مجھ پر تین راتیں نہ گزریں اور میرے پاس اس میں سے کوئی چیز باقی ہو مگر وہ چیز جس کو میں قرض ادا کرنے کے لیے سنبھال کر رکھوں۔ (صحیح البخاری: ۲۳۸۹، صحیح مسلم: ۹۹۱، سنن ابن ماجہ: ۴۱۳۲، مسند احمد: ج ۲ ص ۲۵۶)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر روز جب بندے صبح کو اٹھتے ہیں تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ان میں سے ایک فرشتہ دعا کرتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس خرچ کا بدل عطا فرما۔ اور دوسرا فرشتہ دعا کرتا ہے: اے اللہ! خرچ نہ کرنے والے کے مال کو تلف کر دے۔ (صحیح البخاری: ۱۴۴۲، صحیح مسلم: ۱۰۱۰، مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۵)

(۳) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور گن گن کر خرچ نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہیں گن گن کر دے گا، اور تم اپنی تھیلی کا منہ بند نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تم پر رزق کو بند کر دے گا اور جتنا تم کر سکتی ہو اتنا خرچ کرو۔ (صحیح البخاری: ۲۵۹۱، صحیح مسلم: ۱۰۲۹، مسند احمد ج ۶ ص ۳۵۴)

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم! خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔ (صحیح البخاری: ۵۳۵۲، صحیح مسلم: ۹۹۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۲)

(۵) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابن آدم! اگر تو ضرورت سے زائد چیز کو خرچ کرے تو یہ تیرے لیے بہتر ہے اور اگر تو اس کو روک کر رکھے تو یہ تیرے لیے بہت برا ہے۔ اور اپنے اوپر بقدر ضرورت خرچ کرنے پر ملامت نہیں کی جائے گی اور اپنے عیال داروں سے خرچ کرنے کی ابتداء کرو۔ (صحیح مسلم: ۱۰۳۶)

(۶) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم ظلم کرنے سے بچو، کیونکہ ظلم قیامت کے دن اندھیرے ہوں گے اور بخل کرنے سے بچو، کیونکہ بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا، ان کو اس پر برانگیختہ کیا کہ وہ خون بہائیں اور اپنے رشتہ داروں کے قتل کو حلال سمجھیں۔ (صحیح مسلم: ۲۵۷۸، مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۳)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! کونسا صدقہ کرنے کا زیادہ اجر ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اس وقت صدقہ کرو جب تم تندرست ہو اور بخیل ہو، تمہیں فقر کا خدشہ ہو اور خوشحالی کی امید ہو اور صدقہ کرنے میں ڈھیل نہ دیتے رہو حتیٰ کہ تمہاری روح گلے تک پہنچ جائے پھر تم کہو: فلاں کے لیے یہ مال ہے اور فلاں کے لیے یہ مال ہے، وہ تو فلاں کے لیے ہو چکا ہے۔ (صحیح البخاری: ۱۴۱۹، صحیح مسلم: ۱۰۳۲، سنن نسائی: ۲۵۴۲، مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۱)

(۸) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا، اس وقت آپ کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے، جب آپ نے مجھے دیکھا تو فرمایا: رب کعبہ کی قسم! وہ لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں، میں نے عرض کیا: آپ پر میرا باپ اور میری ماں فدا ہوں، وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس مال بہت زیادہ ہے سوا ان کے جو اس طرح کریں اور اس طرح کریں اور اس طرح کریں، اپنے آگے سے اور اپنے پیچھے سے اور اپنے دائیں سے اور اپنے بائیں سے (یعنی ہر طرف خرچ کریں) اور وہ بہت کم ہیں۔ (صحیح البخاری: ۶۶۳۸، صحیح مسلم: ۹۹۰، سنن ترمذی: ۶۱۷، سنن نسائی: ۲۴۴۰، مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۲)

(۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سخاوت کرنے والا اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے، جنت

کے قریب ہوتا ہے، لوگوں کے قریب ہوتا ہے، دوزخ سے دور ہوتا ہے۔ اور بخیل اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے، جنت سے دور ہوتا ہے، لوگوں سے دور ہوتا ہے، دوزخ کے قریب ہوتا ہے۔ اور ضرور سخی جاہل اللہ تعالیٰ کے نزدیک بخیل عابد سے زیادہ محبوب ہے۔ (صحیح البخاری:۱۹۶۱)

(۱۰) حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی مرد اپنی زندگی میں ایک درہم صدقہ کرے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اپنی موت کے وقت وہ سو درہم خرچ کرے۔ (سنن ابوداؤد:۲۸۶۶)

۶۴۳۵ـ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ وَالدِّرْهَمِ وَالْقَطِيفَةِ وَالْخَمِيصَةِ إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ وَإِنْ لَمْ يُعْطَ لَمْ يَرْضَ۔ (صحیح البخاری: ۲۸۸۶، ۲۸۸۷، ۶۴۳۵، سنن ابن ماجہ:۴۱۳۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوبکر بن عیاش نے خبر دی از ابی حصین از ابی صالح، از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دینار، درہم اور عمدہ ریشمی کپڑے اور سیاہ چادر کا غلام ہلاک ہو جائے، اگر اس کو دیا جائے تو وہ راضی ہوتا ہے اور اگر اس کو نہ دیا جائے تو وہ ناراض ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائے ضرر کو بددعا سے تعبیر کرنا سخت ترین بے ادبی ہے

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

''دنیا کے ایسے گرویدہ غلام کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بددعا فرمائی''۔ (کشف الباری، کتاب الرقاق، ص۳۸۹، مکتبہ فاروقیہ، کراچی)

شیخ سلیم اللہ خان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کے متعلق بددعا لکھنا سخت ترین بے ادبی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی فعل بد نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ بے شک رسول اللہ میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے۔

(الاحزاب:۲۱)

ان کو یوں لکھنا چاہیے تھا کہ مال سے محبت کرنے والوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعائے ضرر فرمائی یا ان کے لیے زجر و توبیخ فرمائی۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۶۴۳۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''مال کے فتنہ سے اجتناب کا بیان'' اور اس باب کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال کے ساتھ محبت کرنے والوں کے لیے دعائے ضرر فرمائی ہے۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن یوسف، یہ الزمی ہیں، یہ ان کے شہر زم کی طرف نسبت ہے اور ان کو ابن ابی کریمہ کہا جاتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ ان کے والد کی کنیت ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ان کے دادا کا نام ہے اور ان کا نام ہی ان کی کنیت ہے۔ امام بخاری نے ان کی حدیث کو ایک واسطہ کے ساتھ بھی روایت کیا ہے اور بغیر واسطہ کے بھی روایت کیا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوبکر، اور یہ ابن عیاش ہیں جو محدث تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو حصین، ان کا نام عثمان بن عاصم ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو صالح، یہ ذکوان الزیات ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''تعس عبد الدینار و الدرھم'' یعنی دینار اور درہم کے بندے ہلاک ہو جائیں۔ ''التعس'' کا معنی ہے شر۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں شر کو لازم رکھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ''التعس'' کا معنی ہے البعد، یعنی ان کے لیے خیر سے دوری ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ان کی زندگی کے لیے دعائے ضرر ہے۔

''عبد الدینار'' سے مراد ہے جو دینار کا طالب ہو اور دینار کے حصول میں اور دینار کو جمع کرنے میں اور دینار کی حفاظت کرنے میں حریص ہو۔ اسی وجہ سے اسے عبد الدینار فرمایا۔

ہمارے شیخ کے شیخ الطیبی نے کہا ہے: یہاں عبد کے لفظ کو ذکر کے ساتھ خاص کیا ہے تاکہ یہ بتایا جائے کہ وہ دنیا کی محبت اور دنیا کی شہوات میں اس طرح ڈوبا ہوا ہے جیسے کوئی شخص کسی کی قید میں ہو اور اس سے چھٹکارے کی کوئی سبیل نہ پاتا ہو۔ اور مالک الدینار اور جامع الدینار نہیں فرمایا، کیونکہ مطلقاً مال کا مالک ہونا یا مال کو جمع کرنا مذموم نہیں ہے، مذموم یہ ہے کہ مال کو ضرورت سے زیادہ جمع کیا جائے۔

اس حدیث میں ''القطیفة'' کا ذکر ہے، القطیفة کا معنی ہے ریشمی کمبل۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے ''الخمیصة'' اس کا معنی ہے: سیاہ چوکور چادر، جس کو کالی کملی کہا جاتا ہے۔

اس حدیث میں ہے، آپ نے فرمایا ''اگر عبد الدینار کو دیا جائے تو وہ راضی ہوتا ہے اور اگر نہ دیا جائے تو وہ ناراض ہوتا ہے۔''

یہ قرآن مجید کی درج ذیل آیت کے موافق ہے:

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝ (التوبہ: ۵۸)

اور ان (منافقین) میں سے بعض وہ ہیں جو صدقات کی تقسیم میں آپ پر اعتراض کرتے ہیں، اگر ان کو ان صدقات سے دے دیا جائے تو وہ راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان کو ان صدقات سے نہ دیا جائے تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں ۝

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

التوبہ:۵۸ کی تفسیر از مصنف

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حنین سے واپسی پر جعرانہ میں تھے، اسی اثناء میں ایک شخص آپ کے پاس آیا دراں حالیکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں چاندی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مٹھی بھر بھر کر لوگوں کو دے رہے تھے، اس شخص نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) عدل کیجئے۔ آپ نے فرمایا: تمہیں عذاب ہو، اگر میں عدل نہیں کروں گا تو کون عدل کرے گا! اگر میں عدل نہ کرتا تو میں (اپنے مشن میں) ناکام اور نامراد ہو جاتا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس شخص کو قتل کردوں۔ آپ نے فرمایا: معاذ اللہ! کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ میں اپنے اصحاب کو قتل کرتا ہوں، یہ شخص اور اس کے اصحاب قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترتا اور یہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر نشانہ سے نکل جاتا ہے۔ (صحیح البخاری:۳۱۶۸)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت سے جتنا ان کو عطا فرمایا تھا، اگر یہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے خواہ وہ مال کم ہوتا لیکن اس پر خوش ہوتے اور یہ کہتے کہ ہمیں یہ مال کافی ہے اور عنقریب ہمیں اللہ تعالیٰ کسی اور مالِ غنیمت سے عطا فرمائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو دوبارہ اس مرتبہ سے زیادہ عطا فرمائیں گے اور ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے فضل و کرم کی طرف رغبت کرتے ہیں تو یہ ان کے حق میں زیادہ بہتر ہوتا۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص دنیا کی لذات کی وجہ سے دنیا کو طلب کرتا ہے یا دنیا برائے دنیا طلب کرتا ہے تو وہ نفاق کے خطرہ میں ہے اور جو شخص دنیا اس لیے طلب کرتا ہے کہ اس سے عبادات کی انجام دہی میں آسانی ہو، دین کی زیادہ اور موثر طریقہ سے تبلیغ کر سکے تو یہ مستحسن اور محمود ہے۔

۶۴۳۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغَى ثَالِثًا وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوبُ اللهُ عَلَى مَنْ تَابَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو عاصم نے حدیث بیان کی از ابن جریج از عطاء، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اگر ابن آدم کے لیے مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کو تلاش کرے گا اور ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے۔

(صحیح البخاری:۶۴۳۷، صحیح مسلم:۱۰۴۹، سنن ترمذی:۳۷۹۳، مسند احمد:۳۴۹۱)

صحیح البخاری:۶۴۳۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "مال کے فتنہ سے اجتناب کا بیان" اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال سے دنیا کی حرص اور طمع کی مذمت فرمائی ہے اور یہ بیان فرمایا ہے کہ دنیا کی حرص اور طمع کرنا آفت ہے، سو! اس سے اجتناب کرنا واجب ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو عاصم، یہ الضحاک بن مخلد النبیل البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن جریج، یہ عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج المکی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عطاء، یہ ابن ابی رباح ہیں جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سن کر احادیث روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث سنی ہے اور یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جس میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث کا سماع کیا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مکثرین صحابہ میں سے ہیں اور یہ حدیث ان کی کثیر روایات کے مقابلہ میں کم ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے"۔ یعنی قبر اور یہ موت سے کنایہ ہے۔ گویا کہ آپ نے یوں فرمایا کہ ابن آدم دنیا سے اس وقت تک سیر نہیں ہوگا حتیٰ کہ وہ مرجائے۔

حدیث مذکور کی دیگر احادیث کے ساتھ مطابقت

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ اس حدیث میں ہے کہ ابنِ آدم کا پیٹ صرف مٹی بھر سکتی ہے، اور دوسری حدیث میں ہے کہ ابن آدم کا نفس صرف مٹی بھر سکتی ہے، اور تیسری حدیث میں ہے کہ ابن آدم کا منہ صرف مٹی بھر سکتی ہے۔ اور پیٹ کا بھرنا واضح ہے، پھر نفس اور منہ اور آنکھ کے ذکر کی کیا ضرورت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نفس کا ذکر اس لیے ہے کہ عموماً ذات کو نفس سے تعبیر کیا جاتا ہے اور پیٹ کا ذکر جس حدیث میں ہے اس میں نفس کے ذکر سے پیٹ کا ارادہ کیا ہے اور یہ کل کا اطلاق جزو پر ہے۔ اور منہ کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ منہ کے ذریعہ کوئی چیز پیٹ تک پہنچتی ہے۔ اور آنکھ کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ طلب میں اصل آنکھ ہے، جب آنکھ کسی چیز کو دیکھتی ہے اور اس بندہ کو وہ چیز اچھی لگتی ہے تو پھر وہ اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اکثر روایات میں پیٹ کا ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ انسان جو عموماً مال کو طلب کرتا ہے تو لذیذ چیزوں کی تحصیل کے لیے طلب کرتا ہے اور لذیذ چیزوں کو پیٹ میں ڈالنا چاہتا ہے۔

علامہ طیبی نے کہا کہ ابن آدم کا پیٹ صرف مٹی بھر سکتی ہے۔ مٹی کا ذکر اس لیے فرمایا کہ انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، سو مٹی ہی اس کا پیٹ بھر سکتی ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "جو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے"۔ یعنی جو شخص گناہ اور نافرمانی سے رجوع کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کو توبہ کی توفیق دیتا ہے، یا اللہ تعالیٰ اس کی طرف تشدید سے تخفیف کی طرف رجوع فرماتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۹ - ۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۴۳۷- حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا مَخْلَدٌ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ سَمِعْتُ عَطَاءً يَقُولُ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ لَوْ أَنَّ لِابْنِ آدَمَ مِثْلَ وَادٍ مَالًا لَأَحَبَّ أَنَّ لَهُ إِلَيْهِ مِثْلَهُ وَلَا يَمْلَأُ عَيْنَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوبُ اللهُ عَلَى مَنْ تَابَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَلَا أَدْرِي مِنَ الْقُرْآنِ هُوَ أَمْ لَا قَالَ وَسَمِعْتُ ابْنَ الزُّبَيْرِ يَقُولُ ذَلِكَ عَلَى الْمِنْبَرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مخلد نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے عطاء سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر ابنِ آدم کے لیے مال کی ایک وادی کی مثل ہو تو وہ پسند کرے گا کہ اس کے لیے اس کی مثل اور ہو، اور ابنِ آدم کی آنکھ کو مٹی کے سوا اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی، اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے جو اس سے توبہ کرتا ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں از خود نہیں جانتا کہ یہ حدیث قرآن سے ہے یا نہیں ہے؟۔
اور انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے اس حدیث کو منبر پر بیان فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۷۴۳۷، صحیح مسلم: ۱۰۴۹، سنن ترمذی: ۳۷۹۳، مسند احمد: ۳۴۹۱)

صحیح البخاری: ۷۴۳۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد، یہ ابن سلام ہیں اور ابوزید المروزی کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔
اور اس حدیث کی سند میں مخلد کا ذکر ہے، یہ ابن یزید ہیں۔

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں از خود نہیں جانتا کہ یہ حدیث قرآن سے ہے یا نہیں، ان کا مطلب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ قرآن کی وہ آیت ہو جس کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہو۔

(عمدة القاری ج ۲۳ ص ۷۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۴۳۸- حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سُلَيْمَانَ بْنِ الْغَسِيلِ عَنْ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ الزُّبَيْرِ عَلَى الْمِنْبَرِ بِمَكَّةَ فِي خُطْبَتِهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمن بن سلیمان بن الغسیل نے حدیث بیان کی، از عباس بن سہل بن سعد، انہوں نے

يَقُوْلُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ لَوْ أَنَّ ابْنَ آدَمَ أُعْطِيَ وَادِيًا مَلْئًا مِنْ ذَهَبٍ أَحَبَّ إِلَيْهِ ثَانِيًا وَلَوْ أُعْطِيَ ثَانِيًا أَحَبَّ إِلَيْهِ ثَالِثًا وَلَا يَسُدُّ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللهُ عَلَى مَنْ تَابَ۔

کہا: میں نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے منبر پر مکہ میں دورانِ خطبہ سنا، وہ کہہ رہے تھے: اے لوگو! بے شک نبی ﷺ نے فرمایا: اگر ابنِ آدم کو ایک وادی عطا کی جائے جو سونے سے بھری ہوئی ہو تو وہ پسند کرے گا کہ اسے دوسری وادی ملے، اور اگر اسے دوسری وادی عطا کی جائے تو وہ پسند کرے گا کہ اسے تیسری وادی مل جائے، اور ابن آدم کا پیٹ صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے جو اس سے توبہ کرتا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۳۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابونعیم، یہ الفضل بن دُکین ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالرحمٰن بن سلیمان، یہ ابن عبداللہ بن حنظلہ بن ابی عامر الغسیل ہیں۔ یعنی جن کو شہید ہونے کے بعد فرشتوں نے غسل دیا تھا اور وہ اس وقت جنبی تھے۔ اور غسیل، حضرت حنظلہ بن ابی عامر الاوسی تھے رضی اللہ عنہ۔ اور عبداللہ صغار صحابہ میں سے ہیں، ان کو حرہ کے دن شہید کر دیا گیا تھا اور یہ اس دن انصار کی ایک جماعت کے امیر تھے اور حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے اور وہ کبار صحابہ میں سے تھے اور ان کے والد ابوعامر راہب معروف تھے، یہ وہی ہیں جنہوں نے مسجدِ ضرار بنائی تھی اور اسی کے سبب سے قرآن مجید نازل ہوا۔ اور عبدالرحمٰن کا صغار تابعین میں ہوتا ہے۔

اس حدیث کی سند امام بخاری کی صحیح البخاری میں اعلیٰ اسانید میں سے ہے، کیونکہ یہ سند اگرچہ رباعی ہے مگر حکم میں ثلاثیات کے ہے۔ اسی طرح بعض شارحین نے کہا ہے، لیکن یہ حقیقۃً رباعیات میں سے ہے اور بعض شارحین نے جو کہا ہے کہ یہ ثلاثیات کے حکم میں ہے، اس میں بحث ونظر ہے۔ اور حضرت عباس بن حضرت سہل بن سعد ساعدی اور حضرت سہل رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ میں سے ہیں۔ اور اس حدیث کی روایت میں امام بخاری متفرد ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۳۹ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ لَوْ أَنَّ لِابْنِ آدَمَ وَادِيًا مِنْ ذَهَبٍ أَحَبَّ أَنْ يَكُوْنَ لَهُ وَادِيَانِ وَلَنْ يَمْلَأَ فَاهُ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللهُ عَلَى مَنْ تَابَ۔

(صحیح مسلم: ۱۰۴۸، سنن ترمذی: ۲۳۳۷، مسند احمد: ۱۲۳۰۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی، از صالح از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر ابن آدم کے لیے سونے کی ایک وادی ہو تو وہ پسند کرے گا کہ اس کے لیے دو وادیاں ہوں، اور مٹی کے سوا ہرگز کوئی چیز اس کا منہ نہیں بھر سکے گی، اور جو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے، اللہ

تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۳۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالعزیز بن عبداللہ، یہ ابن یحییٰ الاویسی المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم بن سعد بن عبدالرحمٰن بن عوف، یہ بغداد میں قضاء کے عہدہ پر مقرر تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے صالح، وہ ابن کیسان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن شہاب، یہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۴۰۔ وَقَالَ لَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ عَنْ أُبَيٍّ قَالَ كُنَّا نَرَى هَذَا مِنَ الْقُرْآنِ حَتَّى نَزَلَتْ ﴿أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ (التکاثر:۱)

اور ہم سے ابوالولید نے کہا: ہمیں حماد بن سلمہ نے حدیث بیان کی، از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ، از حضرت اُبی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اس حدیث کو قرآن سے سمجھتے تھے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوگئی ''أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ'' (التکاثر:۱)

صحیح البخاری: ۶۴۴۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تعلیقِ مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس تعلیق میں مذکور ہے ابوالولید، اور وہ ہشام بن عبدالملک الطیالسی ہیں۔ الحافظ المزی کا نظریہ یہ ہے کہ یہ حدیث تعلیق ہے اور اس پر بعض شارحین نے اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث وصل میں صریح ہے۔ اور اس میں جو مذکور ہے ''قال لنا''، اس میں اس کے حدیث ہونے کی تصریح ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: صحیح بات وہ ہے جو علامہ المزی نے کہی ہے، اس لیے کہ اس کی سند میں حماد بن سلمہ کا ذکر ہے اور ان کا شمار ان میں نہیں کیا گیا جن سے امام بخاری نے حدیثِ موصول کی روایت کی ہے اور نہ وہ امام بخاری کی شرط کے مطابق ہے۔

نیز اس تعلیق میں مذکور ہے ''عن ثابت'' یہ ابن اسلم البنانی ابومحمد البصری ہیں۔

نیز اس تعلیق میں مذکور ہے ''عن ابی'' یہ حضرت ابی بن کعب الانصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس تعلیق میں صحابی کی صحابی سے روایت ہے۔ (یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے)۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''ہم یہ سمجھتے تھے کہ یہ حدیث قرآن سے ہے حتیٰ کہ سورۃ التکاثر نازل ہوگئی''۔

آیا حدیثِ مذکور سورۃ التکاثر سے منسوخ ہے یا نہیں؟

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ سورۃ التکاثر کی تخصیص کی کیا وجہ ہے حالانکہ یہ سورت اس حدیث کے لیے ناسخ نہیں ہے کیونکہ ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے: جب حکم منسوخ ہو تو پھر تعارض کی شرط ہے، لیکن جب الفاظ منسوخ ہوں تو پھر تعارض کی شرط نہیں ہے۔ پس اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ جب وہ سورت نازل ہوئی جو اس حدیث کے معنی میں ہے (یعنی سورۃ التکاثر) تو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ اس حدیث کی تلاوت منسوخ ہوگئی ہے اور اس کے معنی پر اکتفاء کی۔ اور اس حدیث کی قرآن مجید کے معنی کے ساتھ جو موافقت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں ہے:

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ تم کو زیادہ مال جمع کرنے کی حرص نے غافل کر دیا O حتیٰ کہ تم (مرکر) قبروں میں پہنچ گئے O (التکاثر: ۱-۲)

اور قبروں کی زیارت کی تفسیر موت کے ساتھ کی گئی ہے، یعنی تم کو مال کی کثرت حاصل کرنے نے اتنا مشغول کر دیا ہے حتیٰ کہ تم مر گئے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس تعلیق کا معنی یہ ہے کہ ہم گمان کرتے تھے کہ یہ حدیث قرآن ہے حتیٰ کہ اس حدیث کے معنی میں سورت نازل ہوئی۔ اس وقت ہم نے ان دونوں کے درمیان قیاس کیا اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ یہ قرآن نہیں ہے، لہٰذا یہ حدیث سورۃ التکاثر سے منسوخ نہیں ہے۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ حدیث قرآن تھی اور اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی جب سورۃ ''اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ'' نازل ہوئی۔

اور چوتھا قول یہ ہے کہ یہ حدیث، احادیثِ قدسیہ میں سے ہے، پس اس کی تلاوت قطعاً منسوخ ہوگئی اور اس کا حکم دائماً باقی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷۱-۷۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۳۵ ـــــ ۶۴۴۰ کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انسان کی شدتِ حرص کا بیان

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مال اور اولاد کی محبت پر پیدا کیا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ابن آدم کے لیے سونے کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کو تلاش کرے گا۔۔۔ الحدیث۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے کہ بندے مال میں اضافہ کی حرص کرتے ہیں اور اس کی کوئی انتہا نہیں ہے جس پر جا کر انسان قناعت کر لے اور پھر مزید اضافہ کی تمنا سے رک جائے، پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور ابن آدم کے پیٹ کو تو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے، یعنی جب انسان مر جاتا ہے اور قبر میں پہنچ جاتا ہے تو پھر اس کے پیٹ کو مٹی بھر دیتی ہے اور اس کو دوسری مٹی سے غنی کر دیتی ہے حتیٰ کہ اس کی ہڈیاں بوسیدہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مثال سے دنیا کی حرص اور طمع اور اس میں اضافہ کی خواہش کی مذمت کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر سلف صالحین دنیا کی بہت تھوڑی چیزیں رکھتے تھے اور قناعت کرتے تھے اور زیادہ مال کے حصول سے بھاگتے تھے، کیونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ مال کے فتنہ کا شر ان کو کس طرح عارض ہوگا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوشحالی کے فتنہ کے شر سے پناہ طلب کی ہے۔ اور آپ نے ہر مومن کو یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر فتنہ کے شر سے محفوظ رکھا ہے۔ اور اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتنہ کے شر سے حفاظت کی دعا کی، یہ آپ کی اللہ کے لیے تواضع ہے اور امت کے لیے تعلیم ہے اور ان کو دنیا سے بے رغبتی پر برانگیختہ کرنا ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری، ج ۱۰ ص ۱۶۲۔ ۱۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

باب مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے شروع میں امام بخاری نے اس آیت کا ذکر کیا ہے:

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ (التغابن: ۱۵) تمہارے اموال اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہیں۔

اولاد کی محبت کا آزمائش ہونا

حضرت عبد اللہ بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، اس وقت حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما آئے، وہ دو سرخ قمیصیں پہنے ہوئے تھے اور چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے اترے اور ان کو اپنے سامنے بٹھایا، پھر فرمایا: اللہ عزوجل نے حق ارشاد فرمایا ہے: تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تو صرف آزمائش ہیں، میں نے ان بچوں کی طرف دیکھا کہ یہ چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے ہیں تو میں صبر نہ کر سکا حتیٰ کہ میں نے اپنی بات منقطع کی اور ان کو اٹھایا، اس کے بعد آپ نے خطبہ شروع کیا۔

(سنن ابوداؤد: ۱۱۰۹، سنن ترمذی: ۳۷۷۴، سنن ابن ماجہ: ۳۶۲۰، صحیح ابن حبان: ۶۰۳۹، مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ خطبہ کو منقطع کرنا اور منبر سے اترنا ایسا فتنہ ہے جس کی طرف اولاد کی محبت دعوت دیتی ہے، سو یہ مرجوح ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غیر کے لیے ہے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو فعل تھا وہ بیانِ جواز کے لیے تھا، تو آپ کے حق میں یہ راجح ہے۔ اور کسی کام کا بیانِ جواز کے لیے ہونا اس کو لازم نہیں کرتا کہ اس کا ترک اولیٰ ہو، کیونکہ اس حدیث میں یہ تنبیہ ہے کہ اولاد کی محبت کے کئی مراتب ہیں۔ اور یہ سب سے ادنیٰ مرتبہ ہے۔ اور کبھی اولاد کی محبت کی وجہ سے انسان زیادہ خیر کو ترک کر دیتا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۸۹، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

اہل وعیال کی محبت کی وجہ سے نیک کاموں کے ترک کرنے کا بیان

التغابن: ۱۵ کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے: یہ آیت حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، ان کی

بیوی اور اولاد تھی اور جب وہ جہاد کے لیے جانے لگتے تو وہ رونے لگتے اور کہتے کہ ہمیں کس پر چھوڑ کر جا رہے ہو؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مکہ میں کچھ لوگ مسلمان ہوئے، پھر انہوں نے مدینہ ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کی بیویوں اور ان کی اولاد نے ان کو ہجرت کرنے سے منع کیا اور روکا۔ (سنن ترمذی: ۳۳۱۴، المستدرک ج ۴ ص ۲۹۰)

حرص اور طمع کو ترک کرنے کی فضیلت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے کوئی چیز عطا فرما رہے تھے تو میں کہہ رہا تھا: آپ اس کو دیجئے جس کو مجھ سے زیادہ ضرورت اور احتیاج ہے حتیٰ کہ آپ نے مجھے دوسری بار مال دیا تو میں نے کہا: اس کو دیجئے جو مجھ سے زیادہ اس کا ضرورت مند اور محتاج ہے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس مال کو لے لو، اور تمہارے پاس جو یہ مال آئے اور تم اس کی طرف جھکنے والے نہ ہو اور نہ سوال کرنے والے ہو تو اس کو لے لیا کرو اور جو اس طرح نہ ہو تو اس کی طلب میں اپنے نفس کو نہ تھکاؤ۔ (صحیح البخاری: ۷۱۶۳، صحیح مسلم: ۱۰۴۵)

ابن کعب بن مالک الانصاری اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دو بھوکے بھیڑیے جو بکریوں کے ریوڑ میں بھیجے گئے ہوں وہ ان بکریوں کو اتنا زیادہ خراب کرنے والے نہیں ہیں جتنا کوئی شخص اپنے مال پر حرص کرتا ہے اور اپنے دین کے شرف پر حرص کرتا ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۳۷۶، مسند احمد ج ۳ ص ۴۵۶۔ ۴۶۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دو قسم کے حریص سیر نہیں ہوتے، ایک وہ شخص جو علم میں حرص کرتا ہو وہ سیر نہیں ہوتا، دوسرا وہ شخص جو دنیا میں حرص کرتا ہو وہ سیر نہیں ہوتا۔ (المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۹۲، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۳۵)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: تم احادیث کی زیادہ روایت کرنے سے اجتناب کرو سوا ان حدیثوں کے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں تھیں، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو اللہ عزوجل سے ڈراتے تھے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ عزوجل جس شخص کے ساتھ نیکی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین میں سمجھ عطا فرماتا ہے۔ اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں صرف خازن ہوں، پس جس کو میں خوش دلی سے عطا کروں تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائے گا اور جس کو میں اس کے سوال اور اس کے حرص کی وجہ سے عطا کروں، وہ اس شخص کی مثل ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔ (صحیح مسلم: ۱۰۳۷)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین باتیں فرماتے ہوئے سنا ہے: (۱) اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے! صدقہ دینے سے مال میں کمی نہیں ہوتی۔ (۲) اور جو شخص بھی کسی ظلم اور زیادتی کو اللہ کی رضا کے لیے معاف کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ بلند فرماتا ہے۔ (۳) اور جو بندہ سوال کا دروازہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اوپر فقر کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۳)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے مجھے عطا فرمایا، میں نے پھر سوال کیا تو آپ نے مجھے عطا فرمایا، پھر آپ نے ارشاد فرمایا: ''اے حکیم! یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے جس نے اس مال کو سخاوتِ نفس سے لیا، اس کے لیے اس مال میں برکت دی جائے گی اور جس نے اپنے نفس کو جھکا کر اس مال کو لیا اس کے لیے اس مال میں برکت

نہیں کی جائے گی، وہ اس شخص کی طرح ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا اور اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے"۔ حکیم بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! میں آپ کے بعد کسی سے سوال کر کے اس کے لیے کمی نہیں کروں گا حتیٰ کہ میں دنیا سے جدا ہو جاؤں۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حکیم کو دینے کے لیے بلاتے تھے تو وہ قبول کرنے سے انکار کرتے تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو دینے کے لیے بلاتے تھے تو وہ انکار کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے مسلمانو! میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اس مال فئے سے حکیم کے اوپر اس کا حق پیش کیا اور اس نے اس کو لینے سے انکار کیا، پس حکیم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں کے مال میں سے کسی کے مال کو کم نہیں کیا حتیٰ کہ ان کی وفات ہوگئی۔

(صحیح البخاری: ۱۴۷۲، صحیح مسلم: ۱۰۳۵)

حافظ ابن کثیر الدمشقی متوفی ۷۷۴ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: تین چیزیں ایسی ہیں جس نے ان کو پالیا تو وہ ایمان کی مٹھاس کو پالے گا: (۱) جس شخص کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہو، (۲) اور جو شخص کسی مرد سے محبت کرے تو صرف اللہ تعالیٰ کی وجہ سے اس سے محبت کرے، (۳) اور جس شخص کو آگ میں ڈالا جانا اس سے زیادہ محبوب ہو کہ اس کو کفر کی طرف لوٹایا جائے جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کفر سے نجات دے دی ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۶، صحیح مسلم: ۴۳، سنن ترمذی: ۲۶۲۴، سنن نسائی: ۴۹۸۹، سنن ابن ماجہ: ۴۰۳۳، مسند احمد: 11591)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوگا حتیٰ کہ میں اس کے نزدیک اس کے اہل، اس کے مال اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (صحیح البخاری: ۱۵، صحیح مسلم: ۴۴، سنن نسائی: ۵۰۲۴)

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۴۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ صحیح البخاری کے اس باب کی احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہاں پر ایک باریک نکتہ ہے، وہ یہ ہے کہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن آدم کا ذکر فرمایا ہے کہ اگر ابن آدم کو سونے کی دو وادیاں مل جائیں تو وہ تیسری وادی کی خواہش کرے گا۔ الحدیث۔

اور ابن آدم مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور مٹی کی طبیعت میں سکڑنا اور خشک ہونا ہے اور اس کا ازالہ اس طرح ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس کے اوپر اپنی توفیق کے بادلوں سے بارش نازل فرمائے تو اس میں پاکیزہ اوصاف کے پھل لگ جائیں اور پسندیدہ عادتیں پیدا ہو جائیں اور جو پاکیزہ شہر ہوتا ہے وہ اپنے رب کے اذن سے سبزہ نکالتا ہے اور جو زمین خبیث ہوتی ہے وہ تھوڑی سی چیز نکالتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۚ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا ۚ (الاعراف: ۵۸)

اور جو اچھی زمین ہوتی ہے وہ اپنے رب کے حکم سے اپنی پیداوار نکالتی ہے اور جو خراب زمین ہوتی ہے وہ تھوڑی سی چیز نکالتی ہے۔

پس جس شخص کی توفیق تلافی نہ کرے اور اس کو اس کی حرص کے ساتھ چھوڑ دے تو اس کی حرص اس کو صرف مال کے جمع کرنے پر لگائے رکھتی ہے اور وہ اسی میں ہلاک ہو جاتا ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱۳ ص ۵۱۲، دار الفکر، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۱۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: هٰذَا الْمَالُ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ

نبی ﷺ کے اس ارشاد کا بیان کہ یہ مال سرسبز میٹھا ہے

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ (آل عمران: ۱۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لوگوں کے لیے عورتوں سے خواہشات کی اور بیٹوں کی اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانوں کی اور نشان زدہ گھوڑوں کی اور مویشیوں اور کھیتی باڑی کی محبت خوش نما بنادی گئی ہے، یہ (سب) دنیا کی زندگی کا سامان ہے۔

قَالَ عُمَرُ: اَللّٰهُمَّ اِنَّا لَا نَسْتَطِيْعُ اِلَّا اَنْ نَفْرَحَ بِمَا زَيَّنْتَهُ لَنَا، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ اَنْ اُنْفِقَهُ فِيْ حَقِّهِ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ! بے شک ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے کہ جن چیزوں کو تو نے ہمارے لیے خوشنما بنایا ہے ان پر ہم خوش نہ ہوں اور مسرت کا اظہار نہ کریں۔ اے اللہ! میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ میں ان چیزوں کو حق کے راستہ میں خرچ کروں۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: یہ مال سرسبز میٹھا ہے۔ اس سے کس مال کی طرف اشارہ ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس سے اس مال کی طرف اشارہ ہے جس میں لوگ تصرف کرتے ہیں۔ خضرۃ میں تاء مبالغہ کے لیے ہے یعنی بہت سرسبز ہے۔ اور اسی طرح حلوۃ میں بھی تاء مبالغہ کے لیے ہے یعنی بہت زیادہ میٹھا ہے۔

آل عمران: ۱۴ کی تفسیر از علامہ عینی

اس آیت میں فرمایا ہے: ''زین للناس حب الشهوات من النساء والبنين'' یہ دنیا لوگوں کے لیے خوش نما بنادی گئی ہے، یعنی اس دنیا میں لذیذ چیزوں کی متعدد اقسام ہیں۔ ان میں سے عورتیں بھی ہیں۔ اللہ عزوجل نے خوشنما اور لذیذ چیزوں کے بیان میں عورتوں کے ساتھ ابتداء فرمائی، کیونکہ عورتوں کا فتنہ اور ان کے ساتھ آزمائش بہت شدید ہے، کیونکہ صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے بعد مردوں کے اوپر عورتوں سے زیادہ مضر فتنہ کوئی نہیں چھوڑا۔

اگر عورتوں سے مقصود ان کی لذت سے پاک دامن رہنا ہو اور نکاح کے بعد کثرتِ اولاد ہو تو یہ چیز مطلوب ہے اور مرغوب ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا متاع ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک عورت ہے۔ الحدیث۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کا ذکر کیا اور بیٹوں کی محبت یا تو ایک دوسرے پر فخر کے لیے ہوتی ہے اور زینت کے لیے ہوتی ہے تو یہ بھی اس میں داخل ہے۔ اور یا بیٹوں سے اس لیے محبت کی جاتی ہے تا کہ ان کی وجہ سے نسل میں کثرت ہو اور سیدنا محمد ﷺ کی امت زیادہ ہو، تو یہ قصد بھی محمود اور ممدوح ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو محبت کرنے والی ہوں اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہوں، کیونکہ میں تمہارے سبب سے قیامت

کے دن دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔

اس کے بعد اس آیت میں فرمایا ہے: ''والقناطیر المقنطرة''۔ مفسرین نے قنطار کی تفسیر میں کئی اقوال ذکر کیے ہیں: ضحاک نے کہا: اس سے مراد ہے بہت زیادہ مال۔ ایک قول ہے ایک ہزار دینار۔ اور ایک قول ہے بارہ ہزار دینار، ایک قول ہے چالیس ہزار دینار، ایک قول ہے ستر ہزار دینار، ایک قول ہے اسی ہزار دینار۔

اور امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قنطار بارہ ہزار اوقیہ ہیں، جس میں سے ہر اوقیہ آسمان اور زمین کی چیزوں میں سے زیادہ بہتر ہے۔ اس حدیث کی امام ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے۔

اور امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا: بیل کی کھال میں مشک بھری ہوئی ہو تو یہ قنطار ہے۔

اور اس آیت میں ''الخیل المسومة'' کا ذکر ہے یعنی جن گھوڑوں پر نشان لگے ہوئے ہوں۔ اور ''الانعام'' یعنی آٹھ قسم کے مویشیوں کا ذکر ہے۔ ''والحرث'' یعنی وہ زمینیں جنہیں درخت اگانے اور کھیتی باڑی کے لیے تیار کیا گیا ہو۔

اور امام احمد نے حضرت سوید بن ھبیرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مرد کا بہترین مال وہ گھوڑا ہے جس سے زیادہ نسل پیدا ہو یا باغوں میں کھجور کے وہ شگوفے ہوں جن میں پیوند لگایا گیا ہو یا قلم لگایا گیا ہو۔

اس کے بعد فرمایا: جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے، یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہیں، یعنی یہ دنیا کی زندگی اور اس کی خوشنمائی ہے، فانی ہے، زائل ہونے والی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہترین ثواب اور بہترین اجر ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے متعلق فرمایا کہ ہم اس پر قادر نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں ہمارے لیے مزین فرمائی ہیں، ہم ان پر اظہارِ مسرت کریں۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مال کے فتنہ اور آزمائش کو دیکھا اور یہ دیکھا کہ جن لوگوں کو یہ مال حاصل ہوا وہ اس مال کی خوشنمائی اور زینت کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو گئے تب انہوں نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ میں اس مال کو حق کے راستہ میں خرچ کروں، کیونکہ جس شخص نے مال کو حق کے طریقہ سے لیا اور اس کو حق کے طریقہ میں خرچ کیا تو وہ اس مال کی آزمائش سے محفوظ ہو گیا اور سلامت رہا۔

اور امام مالک کے غرائب میں سے یہ ہے کہ انہوں نے اپنی سند کے ساتھ از یحییٰ بن سعید انصاری روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس مشرق سے مال آیا جس مال کے متعلق کہا گیا کہ یہ کسریٰ کا زیادہ جمع کیا ہوا مال ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا اس مال کو زمین میں پھیلا دیا جائے اور چھپا دیا جائے، پھر آپ نے لوگوں کو بلایا، سو لوگ جمع ہوئے، پھر آپ نے حکم دیا کہ اس مال سے پردہ ہٹا دیا جائے، سو اس مال سے پردہ ہٹا دیا گیا، اس مال میں بہ کثرت زیورات تھے اور جواہر تھے اور ساز و سامان تھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور آپ نے اللہ عزوجل کی حمد و ثناء کی، لوگوں نے پوچھا: اے امیر المومنین! آپ کو کیا چیز رلاتی ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ مال غنیمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیا ہے اور اس مال کے لوگوں سے چھین لیا ہے، پھر فرمایا: جن لوگوں پر بھی یہ مال کھولا جاتا ہے وہ ایک دوسرے کا خون بہاتے ہیں اور ایک دوسرے کی حرمتوں کو حلال کرتے ہیں۔

امام مالک نے کہا: مجھے زید بن اسلم نے حدیث بیان کی کہ اس مال میں سے مناطق اور انگوٹھیاں بچ گئیں اور ان کو اٹھا دیا گیا، تو حضرت عبداللہ بن ارقم نے کہا: آپ کب تک اس مال کو روکے رکھیں گے اور تقسیم نہیں کریں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تم مجھے فارغ دیکھو تو مجھے خبر دینا، پس جب انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فارغ دیکھا تو وہ سامان کھول کر ایک ٹوکرے میں ڈالا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بہت کثیر جانا، پھر دعا کی: اے اللہ! تو نے فرمایا ہے کہ لوگوں کے لیے عورتوں اور بیٹوں کی محبت کو مزین کر دیا گیا ہے، پھر دعا کی کہ جس چیز کی محبت کو تو نے ہمارے لیے مزین کیا ہے، ہم اس پر قدرت نہیں رکھتے تو تو ہمیں اس کے شر سے بچا اور مجھے یہ توفیق دے کہ میں اس کو حق کے راستہ میں خرچ کروں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے نہیں اٹھے حتیٰ کہ اس مال میں سے کوئی چیز بھی باقی نہیں رہی سب کو انہوں نے تقسیم کر دیا۔

ابوزید المروزی کی روایت میں یہ تعلیق ساقط ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۳۔ ۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۴۱۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ يَقُولُ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ وَسَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَعْطَانِي ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِي ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِي ثُمَّ قَالَ هَذَا الْمَالُ وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ قَالَ لِي يَا حَكِيمُ إِنَّ هَذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ فَمَنْ أَخَذَهُ بِطِيبِ نَفْسٍ بُورِكَ لَهُ فِيهِ وَمَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيهِ وَكَانَ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے الزہری سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں: مجھے عروہ اور سعید بن المسیب نے خبر دی از حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا سو آپ نے مجھے عطا کیا، میں نے پھر سوال کیا تو آپ نے مجھے پھر عطا کیا، میں نے پھر سوال کیا تو آپ نے مجھے پھر عطا کیا، پھر آپ نے فرمایا: یہ مال اور بسا اوقات سفیان نے کہا: مجھ سے فرمایا: اے حکیم یہ مال سرسبز میٹھا ہے، سو! جس نے اس مال کو نفس کی پاکیزگی سے لیا اس کو اس مال میں برکت دی جائے گی، اور جس نے اس مال کو نفس جھکا کر لیا تو اس کو اس مال میں برکت نہیں دی جائے گی۔ اور وہ اس شخص کی مثل ہوگا جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔ اور اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۷۲، ۲۷۵۰، ۳۱۴۳، ۶۴۴۱، صحیح مسلم: ۱۰۳۵، سنن ترمذی: ۲۴۶۳، سنن نسائی: ۲۶۰۲، مسند احمد: ۱۵۱۴۶)

صحیح البخاری: ۶۴۴۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے" اور اس حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی ارشاد کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، یہ ابن المدینی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ ابن عیینہ ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عروہ، یہ ابن الزبیر بن العوام ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حکیم، یہ حضرت حکیم بن حزام ہیں جو خویلد الاسدی کے بیٹے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''قال لی یا حکیم!'' یہ مال سر سبز میٹھا ہے۔اس کا معنی ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے حکیم! اور یہ گمان نہ کیا جائے کہ سفیان بن عیینہ نے یہ کہا: اے حکیم۔ کیونکہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی وفات اور سفیان کی ولادت کے درمیان پچاس سال کا عرصہ ہے تو سفیان کیسے کہہ سکتے ہیں: اے حکیم، اس لیے یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''جو اس مال کو نفس جھکا کر لے گا''۔''اشراف نفس'' کا معنی ہے کہ آدمی کسی چیز پر مطلع ہو اور اس کو حاصل کرنے کے درپے ہو مثلاً اپنا ہاتھ بڑھائے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''وہ اس کی مثل ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا''۔یعنی وہ اس کی مثل ہے جس کو جھوٹی بھوک لگی ہو، اور کبھی کتے کو کہا جاتا ہے کہ اس کو جھوٹی بھوک لگی ہے، وہ جتنا بھی کھائے سیر نہیں ہوتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷۴۔۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۴۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دنیا کے سرسبز میٹھے مال سے حصہ لینے والوں کے تین مراتب

بنو آدم کے دلوں میں مال کی اچھائی اور زینت کو پیدا کر دیا گیا ہے اور یہ ان کی فطرت میں ہے، لیکن ان میں سے بعض وہ ہیں جن کی طبیعت میں اس مال کی اچھائی اور خوبصورتی ہمیشہ جاگزین رہتی ہے اور یہ مذموم ہے۔اور بعض وہ ہیں جو مال دنیا کی زیب و زینت میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی رعایت کرتے ہیں اور اس حد پر ٹھہر جاتے ہیں جو ان کے لیے مقرر کی گئی ہے اور یہ مرتبہ نفس کے ساتھ جہاد کرنے سے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حاصل ہوتا ہے اور یہ مرتبہ مذموم نہیں ہے۔اور تیسرا مرتبہ وہ ہے جو اس مرتبہ سے ترقی کرتے ہیں اور دنیا کے مال میں بے رغبتی رکھتے ہیں اور دنیا کے مال کے حصول پر قادر ہونے کے باوجود اس سے اعراض کرتے ہیں، سو! یہ مقام محمود ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی مرتبہ کے تھے جیسا کہ اس باب کی تعلیق میں بیان کیا گیا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۹۳، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۱۲۔ بَابٌ: مَا قَدَّمَ مِنْ مَالِهِ فَهُوَ لَهُ انسان نے جو مال آگے بھیجا ہے وہی اس کا مال ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی جو انسان اپنے مال میں تصرف کرنے کا مکلف کیا گیا ہے تو وہ قیامت کے دن اسی مال کا ثواب پائے گا جس مال کو اس نے صدقہ وخیرات کر کے آگے بھیج دیا۔اور اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے اپنی موت سے پہلے عبادت کی جن مواضع میں اپنا مال بھیجا ہے اسی کا اس کو ثواب ملے گا۔اور بہ ظاہر اس باب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نیکی کے راستہ میں مال کو خرچ کرنا اس سے افضل ہے کہ اس مال کو اپنے وارثوں کے لیے چھوڑ دیا جائے۔

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ حدیث اس کے معارض ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ اگر تم اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑ و تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے وارثوں کو فقراء چھوڑ و، وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، اس لیے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اپنی بیماری کے ایام میں تمام مال کو صدقہ کر دیں۔اور ان کی وارث ان کی ایک بیٹی تھی اور بیٹی اس پر قادر نہیں تھی کہ وہ بازار میں جا کر مال کماتی، تو آپ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے ترکہ میں سے ایک تہائی صدقہ کر دیں اور باقی دو تہائی ان کی بیٹی کو اور بیت المال کو مل جائے۔اور اس باب کی حدیث میں آپ نے اپنے اصحاب کو ان کی صحت کے ایام میں مخاطب کیا ہے اور ان کو اس پر برانگیختہ کیا ہے کہ وہ اپنے مال میں سے کچھ آخرت کے لیے آگے بھیجیں تا کہ اس مال کا انہیں قیامت کے دن نفع حاصل ہو۔

اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ صحابہ اپنے تمام مال کو بیماری کے ایام میں اللہ کی راہ میں خیرات کر دیں کیونکہ ایسا کرنا ان کا اپنے وارثوں کو محروم کرنا ہے اور ان کو فقراء چھوڑنا ہے کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلا کر سوال کریں اور شارع علیہ السلام نے ان کے لیے صرف تہائی مال کی وصیت کو جائز رکھا ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۴۲- حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنِي أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ التَّيْمِيُّ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالِهِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا مِنَّا أَحَدٌ إِلَّا مَالُهُ أَحَبُّ إِلَيْهِ قَالَ فَإِنَّ مَالَهُ مَا قَدَّمَ وَمَالُ وَارِثِهِ مَا أَخَّرَ.

(سنن نسائی: ۳۶۱۲، مسند احمد: ۳۶۱۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابراہیم التیمی نے حدیث بیان کی از الحارث بن السوید، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کس کو اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو اپنا مال زیادہ محبوب ہے، آپ نے فرمایا: پس بے شک اس کا مال وہ ہے جو اس نے آگے بھیج دیا، اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جو اس نے پیچھے چھوڑا۔

صحیح البخاری: ۶۴۴۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ جو باب کا عنوان ہے وہی حدیث میں مذکور ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن حفص، یہ اپنے والد حفص بن غیاث سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سلیمان الاعمش، جو ابراہیم بن یزید بن شریک تیمی سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ الحارث بن سوید التیمی سے روایت کرتے ہیں اور یہ تمام راوی کوفی ہیں اور حضرت عبداللہ سے مراد ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "آپ نے ارشاد فرمایا: انسان کا مال وہ ہے جو اس نے آگے بھیج دیا" یعنی انسان نے اپنی زندگی میں جس مال کو نیکی کے راستوں میں خرچ کر دیا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "اور وارث کا مال وہ ہے جس کو اس نے اپنے پاس رکھا" یعنی جس مال کو اس نے مؤخر کیا، اس کو چھوڑ دیا اور اس میں سے صدقہ اور خیرات نہیں کی حتیٰ کہ وہ مر گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۴۲، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اپنے مال کو آخرت کے لیے روانہ کرنے کی فضیلت

اس حدیث میں مومن کو اس پر متنبہ کیا ہے اور ترغیب دی ہے کہ وہ اپنے مال میں سے آخرت کے لیے روانہ کرے۔ اور اس مال کا خازن اور محافظ نہ بن جائے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس مال کو خرچ کرنے سے روکنے والا نہ بن جائے۔ پھر جس دن اس کو اس مال کے صدقہ کے ثواب کی ضرورت ہوگی اس دن وہ اس سے ناکام اور نامراد ہوگا۔ اور بعض اوقات اس کا وارث اس کے چھوڑے ہوئے مال کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اور نیکی کے راستہ میں خرچ کرے گا اسے اس کا ثواب ملے گا۔

اس حدیث کی یہ تاویل ہے کہ تہائی مال کو صدقہ کیا جائے اور نیکی کے راستہ میں خرچ کیا جائے اور باقی مال کو وارثوں کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ اور اس کی تائید حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے اور اس سے بھی ہوتی ہے کہ ارباب سیرت نے ذکر کیا ہے از ابن شہاب کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنی قوم کے اس گھر کو چھوڑ دوں جس گھر میں میں نے گناہ کیا تھا اور اپنا مال اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں صدقہ کر دوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لیے تہائی مال کا صدقہ کرنا کافی ہے اور آپ نے ان کو یہ حکم نہیں دیا کہ کل مال کا صدقہ کریں۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۱۶۴۔ ۱۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

۱۳۔ بَابٌ: اَلْمُكْثِرُوْنَ هُمُ الْمُقِلُّوْنَ — زیادہ مال دار لوگ اجر و ثواب میں کم تر ہوں گے

وَقَوْلُهُ تَعَالَى: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا — اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ (صرف) دنیا کی زندگی اور اس کی

نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞

(ہود: ۱۵-۱۶)

آسائش کو طلب کرتے ہیں تو ہم ان کے کل اعمال کا صلہ یہیں دے دیں گے اور یہاں ان کے صلہ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی O یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہے اور انہوں نے دنیا میں جو کام کیے وہ ضائع ہو گئے اور جو کچھ وہ کرتے تھے وہ برباد ہے O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان کا معنی ہے: جن لوگوں کے پاس مال زیادہ ہوگا وہ کم ثواب حاصل کریں گے یعنی مال کی کثرت اس مال دار کی نیکیوں کو قیامت کے دن کم کرے گی، جب کہ وہ اس مال کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں نہیں خرچ کرے گا، اور اگر اس نے اس مال کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کیا تو وہ قیامت کے دن نیکیوں سے غنی ہوگا۔

باب مذکور کی آیات کی تفسیر از علامہ عینی

سعید بن جبیر نے کہا ہے: یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں ہے جو اپنے عمل سے اللہ کے غیر کا ارادہ کرتے ہیں، ان کو دنیا میں ان کے عمل کی جزاء دے دی جاتی ہے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: وہ یہود اور نصاریٰ ہیں، اگر وہ کسی مانگنے والے کو عطا کریں یا اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کریں تو ان کو ان کے ان نیک اعمال کی جزاء دنیا میں دے دی جاتی ہے، ان کا رزق وسیع کر دیا جاتا ہے اور ان کے بدن کو تندرست رکھا جاتا ہے۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ وہ منافق لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مال غنیمت عطا کر دیا۔

اور ضحاک نے کہا: یہ وہ مشرکین ہیں جنہوں نے جب کوئی عمل کیا تو ان کو دنیا میں اس عمل کی جزاء دے دی گئی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷۵-۷۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۴۳ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ رُفَيْعٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی الله عنه قَالَ خَرَجْتُ لَيْلَةً مِنَ اللَّيَالِي فَإِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَمْشِي وَحْدَهُ وَلَيْسَ مَعَهُ إِنْسَانٌ قَالَ فَظَنَنْتُ أَنَّهُ يَكْرَهُ أَنْ يَمْشِيَ مَعَهُ أَحَدٌ قَالَ فَجَعَلْتُ أَمْشِي فِي ظِلِّ الْقَمَرِ فَالْتَفَتَ فَرَآنِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از عبد العزیز بن رفیع از زید بن وہب از حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں راتوں میں سے کسی رات میں باہر نکلا تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا چل کر جا رہے تھے اور آپ کے ساتھ کوئی انسان نہیں تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں میں نے یہ گمان

فَقَالَ مَنْ هٰذَا قُلْتُ أَبُو ذَرٍّ جَعَلَنِي اللّٰهُ فِدَائَكَ قَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ تَعَالَهْ قَالَ فَمَشَيْتُ مَعَهُ سَاعَةً فَقَالَ إِنَّ الْمُكْثِرِينَ هُمُ الْمُقِلُّونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا مَنْ أَعْطَاهُ اللّٰهُ خَيْرًا فَنَفَحَ فِيهِ يَمِينَهُ وَشِمَالَهُ وَبَيْنَ يَدَيْهِ وَوَرَائَهُ وَعَمِلَ فِيهِ خَيْرًا قَالَ فَمَشَيْتُ مَعَهُ سَاعَةً فَقَالَ لِي اجْلِسْ هَا هُنَا قَالَ فَأَجْلَسَنِي فِي قَاعٍ حَوْلَهُ حِجَارَةٌ فَقَالَ لِي اجْلِسْ هَا هُنَا حَتّٰى أَرْجِعَ إِلَيْكَ قَالَ فَانْطَلَقَ فِي الْحَرَّةِ حَتّٰى لَا أَرَاهُ فَلَبِثَ عَنِّي فَأَطَالَ اللُّبْثَ ثُمَّ إِنِّي سَمِعْتُهُ وَهُوَ مُقْبِلٌ وَهُوَ يَقُولُ وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنٰى قَالَ فَلَمَّا جَاءَ لَمْ أَصْبِرْ حَتّٰى قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ جَعَلَنِي اللّٰهُ فِدَائَكَ مَنْ تُكَلِّمُ فِي جَانِبِ الْحَرَّةِ مَا سَمِعْتُ أَحَدًا يَرْجِعُ إِلَيْكَ شَيْئًا قَالَ ذٰلِكَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَرَضَ لِي فِي جَانِبِ الْحَرَّةِ قَالَ بَشِّرْ أُمَّتَكَ أَنَّهُ مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ يَا جِبْرِيلُ وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنٰى قَالَ نَعَمْ قَالَ قُلْتُ وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنٰى قَالَ نَعَمْ وَإِنْ شَرِبَ الْخَمْرَ قَالَ النَّضْرُ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا حَبِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ وَالْأَعْمَشُ وَعَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ رُفَيْعٍ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ بِهٰذَا قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ حَدِيثُ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ مُرْسَلٌ لَا يَصِحُّ إِنَّمَا أَرَدْنَا لِلْمَعْرِفَةِ وَالصَّحِيحُ حَدِيثُ أَبِي ذَرٍّ قِيلَ لِأَبِي عَبْدِ اللّٰهِ حَدِيثُ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ مُرْسَلٌ أَيْضًا لَا يَصِحُّ وَالصَّحِيحُ حَدِيثُ أَبِي ذَرٍّ وَقَالَ اضْرِبُوا عَلٰى حَدِيثِ أَبِي الدَّرْدَاءِ هٰذَا إِذَا مَاتَ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ عِنْدَ الْمَوْتِ۔

کیا کہ آپ اس کو ناپسند فرماتے ہیں کہ آپ کے ساتھ کوئی شخص چلے، انہوں نے بیان کیا: پس میں چاند کے سایہ میں چلتا رہا، سو آپ نے مجھے دیکھ لیا، آپ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ میں نے کہا: میں ابوذر ہوں اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فداء کردے۔ آپ نے فرمایا: اے ابوذر! آگے بڑھو، پس میں ایک ساعت تک آپ کے ساتھ چلتا رہا، آپ نے فرمایا: جو دنیا میں زیادہ مال دار ہیں وہی قیامت کے دن اجر وثواب کے لحاظ سے کم ہوں گے، سوا ان کے جن کو اللہ تعالیٰ نے خیر عطا کی، پس اس نے اپنے دائیں جانب اور بائیں جانب اور آگے اور پیچھے اس مال میں سے عطا کیا اور اس میں نیک کام کیے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: پس میں کچھ دیر آپ کے ساتھ چلا، پس آپ نے مجھ سے فرمایا: یہاں بیٹھ جاؤ، پھر آپ نے مجھے ایسی زمین میں بٹھایا جس کے اردگرد پتھر تھے، آپ نے مجھ سے فرمایا: تم یہاں بیٹھ جاؤ حتیٰ کہ میں تمہاری طرف واپس لوٹوں، پھر آپ پتھریلی زمین میں چلے گئے حتیٰ کہ میں آپ کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ آپ مجھ سے کچھ دیر وہاں ٹھہرے رہے اور آپ کا ٹھہرنا طویل ہوگیا۔ پھر میں نے آپ کی آواز سنی اور آپ میری طرف یہ کہتے ہوئے آرہے تھے: خواہ اس نے چوری کی ہو، خواہ اس نے زنا کیا ہو، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بتایا: جب آپ آئے تو میں صبر نہیں کرسکا، حتیٰ کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فداء کرے، آپ پتھریلی زمین کی جانب میں کس سے بات کررہے تھے، میں نے نہیں سنا کہ کوئی آپ کی بات کا جواب دے رہا ہو، آپ نے فرمایا: یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے جو پتھریلی زمین کے ایک جانب میں میرے سامنے پیش ہوئے، انہوں نے کہا: آپ اپنی امت کو یہ بشارت دیجئے کہ جو شخص اس حال میں مرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالکل شرک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوجائے گا، میں نے کہا: اے جبریل! خواہ اس نے چوری کی ہو خواہ اس نے زنا کیا

ہو؟ تو حضرت جبریل نے کہا: جی ہاں!، میں نے کہا: خواہ اس نے چوری کی ہو، خواہ اس نے زنا کیا ہو؟ تو حضرت جبریل نے کہا: جی ہاں، خواہ اس نے شراب پی ہو۔ اور نضر نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں حبیب بن ابی ثابت نے اور الاعمش نے اور عبد العزیز بن رُفیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زید بن وہب نے اسی حدیث کی خبر دی۔

امام ابوعبداللہ (امام بخاری) نے بتایا کہ ابوصالح کی حدیث از ابوالدرداء مرسل ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ ہم نے اس کا ذکر صرف معرفت کے لیے کیا ہے اور صحیح حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی ہے، ابوعبداللہ سے کہا گیا کہ عطاء بن یسار کی از ابوالدرداء جو حدیث ہے؟ امام بخاری نے کہا: وہ بھی مرسل ہے صحیح نہیں ہے اور صحیح حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ اور انہوں نے کہا: ان حدیثوں کو حضرت ابوالدرداء کی ان حدیثوں کی طرف راجع کردو کہ جب بندہ مرتا ہے اور موت کے وقت لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتا ہے۔ (یعنی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مرتے وقت شرک نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ مرتے وقت لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھے)

(صحیح البخاری: ۱۲۳۷، ۱۴۰۸، ۲۳۸۸، ۳۲۲۲، ۶۲۶۸، ۶۴۴۳، ۶۴۴۴، ۷۴۸۷، صحیح مسلم: ۹۴، سنن ترمذی: ۲۶۴۴، مسند احمد: ۲۰۹۰۵)

صحیح البخاری: ۶۴۴۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور اور قرآن مجید کی آیاتِ مذکورہ کے درمیان مطابقت

اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے جو شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرے گا تو اگر اس کو اس گناہ پر آخرت میں عذاب دیا گیا تو بالآخر وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، کیونکہ جو مومن ہے وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا۔ اور ان آیات میں بھی اس کی نفی نہیں ہے کہ وہ اپنی معصیت پر عذاب دیے جانے کے بعد جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریر، اور وہ ابن عبد الحمید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد العزیز، وہ ابی رُفیع الاسدی المکی ہیں، یہ کوفہ میں رہتے تھے اور یہ صغار تابعین میں سے ہیں، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے احادیث کا

سماع کیا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زید بن وہب ابو سلیمان الہمدانی الکوفی، ان کا تعلق قضاعہ سے تھا، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نکل کر گئے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور یہ راستہ میں تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حضرت ابوذر الغفاری رضی اللہ عنہ، ان کے نام کے متعلق زیادہ مشہور یہ ہے کہ ان کا نام جندب بن جنادہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں راتوں میں سے ایک رات میں باہر نکلا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے جارہے تھے'' اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حرۃ المدینہ یعنی مدینہ کی پتھریلی زمین میں عشاء کے وقت جارہا تھا تو انہوں نے جگہ اور وقت کو بیان کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''میں چاند کے سایہ میں چلتا رہا'' یعنی میں ایسی جگہ میں چلتا رہا جہاں چاند کی روشنی تھی تا کہ میں اپنے آپ کو مخفی رکھوں اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس وجہ سے مسلسل چلتے رہے کہ شاید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ضرورت پیش آئے تو وہ آپ کے قریب ہی ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''میں نے کہا ابوذر'' یعنی میں نے کہا: میں ابوذر ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فنفح فیه'' ''نفح فلان بشیء'' کا معنی ہے: فلاں نے اس کو کوئی چیز دی اور ''النفح'' کا معنی ہے: دینا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی الحرۃ'' اس کا معنی ہے: سیاہ پتھریلی زمین، گویا کہ وہ آگ سے جلائی گئی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وہ جنت میں داخل ہوگیا'' یعنی جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کی شہادت دی وہ جنت میں داخل ہوجائے گا خواہ اس نے چوری کی ہو یا زنا کیا ہو۔ اس کے دو معنی ہیں: ایک معنی یہ ہے کہ اس امت کے تمام گناہ معاف کردیئے جائیں گے، دوسرا معنی یہ ہے کہ اگرچہ اس کو اس کے بعض گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں داخل کیا جائے گا پھر دوزخ سے نکال کر اس کو جنت میں داخل کردیا جائے گا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو بے شک اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے۔ (الجن: ٢٣)

سوا گروہ اپنے کسی گناہ کی وجہ سے دوزخ میں داخل کردیا گیا تب بھی اپنے ایمان کی وجہ سے اس کی نجات ہوجائے گی۔

(عمدۃ القاری ج ٢٣ ص ٨٧، دار الکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

صحیح البخاری: ٦٤٤٣، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں مذکور سورۂ ہود کی آیتوں کی تفسیر میں اختلاف اور اس باب میں ان آیتوں کے ذکر کی مناسبت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ (ھود: ۱۵۔۱۶)

جو لوگ (صرف) دنیا کی زندگی اور اس کی آسائش کو طلب کرتے ہیں تو ہم ان کے کل اعمال کا صلہ یہیں دے دیں گے اور یہاں ان کے صلہ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی O یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہے اور انہوں نے دنیا میں جو کام کیے وہ ضائع ہو گئے اور جو کچھ وہ کرتے تھے وہ برباد ہے O

اس آیت میں اختلاف کیا گیا ہے کہ یہ اپنے عموم کے اعتبار سے کفار کے متعلق ہے یا مسلمانوں میں سے جو شخص اپنے عمل کا دکھاوا کرتا ہے اس کے متعلق بھی یہ آیت ہے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے ساتھ اس حدیث کی صحت پر استدلال کیا جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مجاہد قاری اور متصدق کے متعلق روایت کی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک کے متعلق فرمایا کہ تم نے یہ عمل اس لیے کیا تھا تا کہ یہ کہا جائے: یہ عمل کرنے والا ہے، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ روئے جب انہوں نے اس حدیث کو سنا، پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو طول کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کی اصل صحیح مسلم میں بھی ہے۔ وہ حدیث درج ذیل ہے:

شفی الاصبحی بیان کرتے ہیں کہ وہ مدینہ میں داخل ہوئے تو وہاں ایک مرد تھا جس کے پاس لوگ جمع ہو گئے تھے، انہوں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ ابوہریرہ ہیں، پس میں ان کے قریب پہنچا حتیٰ کہ ان کے سامنے بیٹھ گیا، اور وہ لوگوں کو حدیث بیان کر رہے تھے، جب وہ خاموش ہو گئے اور تنہا ہوئے تو میں نے ان سے کہا: میں آپ کو حق کی قسم دیتا ہوں آپ وہ حدیث بیان کریں جس کو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو اور آپ نے اس کو سمجھا ہو اور آپ نے اس کو جانا ہو، تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ایسا کرتا ہوں، میں تمہیں ضرور ایسی حدیث بیان کروں گا جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی، میں نے اس کو سمجھا اور جانا، پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بے ہوش ہو گئے، تھوڑی دیر بے ہوش رہے اور پھر ہوش میں آ گئے، پھر انہوں نے کہا: میں تمہیں ضرور وہ حدیث بیان کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس گھر میں بیان کی اور ہمارے ساتھ میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی نہیں تھا، پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دوسری بار بے ہوش ہو گئے، پھر ہوش میں آئے، پھر انہوں نے اپنے چہرہ پر ہاتھ پھیرا، پھر کہا: میں تمہیں ضرور ایسی حدیث بیان کروں گا جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی ہے اور میں اس وقت اس گھر میں تھا اور ہمارے ساتھ میرے اور آپ کے سوا اور کوئی نہیں تھا، پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بے ہوش ہو گئے، پھر تھوڑی دیر بے ہوش رہے، پھر ہوش میں آ گئے اور کہا: میں تمہیں ضرور وہ حدیث بیان کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس گھر میں بیان کی اور ہمارے ساتھ آپ کے اور میرے علاوہ اور کوئی نہیں تھا، پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بہت شدید بے ہوش ہو گئے، پھر اپنے چہرہ کے بل جھک گئے، میں نے ان کو سہارا دیا، پھر ہوش میں آ گئے، پھر انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ حدیث بیان کی کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں کے درمیان اترے گا تا کہ ان کے درمیان فیصلہ کرے اور ہر امت دو زانو بیٹھی ہو گی، پس پہلے جس شخص کو اللہ تعالیٰ بلائے گا وہ ایک مرد ہو گا جس نے قرآن کو جمع کیا اور ایک وہ مرد ہو گا جو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا اور ایک وہ مرد ہو گا جس کے پاس بہت مال ہو گا، اللہ تعالیٰ قرآن پڑھنے والے سے کہے گا: کیا میں نے تجھ کو اس کا علم نہیں دیا تھا جو میں نے اپنے رسول کو دیا تھا،

وہ کہے گا: کیوں نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم نے اس میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: میں اس قرآن کے ساتھ دن اور رات قیام کرتا تھا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم نے جھوٹ بولا، فرشتے بھی کہیں گے: تم نے جھوٹ بولا، اللہ تعالیٰ فرمائے: گا بلکہ تم نے یہ ارادہ کیا تھا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص قاری ہے اور قرآن کا پڑھنے والا ہے، سو یہ کہا گیا۔ پھر مالدار کو بلایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: کیا میں نے تجھ پر مال کی وسعت نہیں کی تھی حتیٰ کہ تمہیں کسی کا محتاج نہیں کیا؟ وہ کہے گا: کیوں نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو میں نے جو کچھ تمہیں دیا تم نے اس میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا کہ میں رشتہ داروں کے ساتھ میل جول رکھتا تھا اور صدقہ کرتا تھا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے جھوٹ بولا، فرشتے بھی کہیں گے: تم نے جھوٹ بولا، اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا: بلکہ تم نے ارادہ کیا تھا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص بہت سخی ہے، سو یہ کہا گیا۔ پھر اس شخص کو لایا جائے گا جو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا تھا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم کو کس چیز میں قتل کیا گیا؟ وہ کہے گا: مجھے تیرے راستے میں جہاد کرنے کا حکم دیا گیا، سو میں نے جہاد کیا حتیٰ کہ میں قتل کر دیا گیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم نے جھوٹ بولا، فرشتے کہیں گے: تم نے جھوٹ بولا، اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم نے تو یہ ارادہ کیا تھا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص بہت بہادر ہے، سو یہ کہا گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھٹنے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: اے ابوہریرہ! یہ تین اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے وہ پہلے تین ہیں جن پر قیامت کے دن جہنم کو بھڑکایا جائے گا۔

الولید ابوعثمان نے کہا: مجھے عقبہ بن مسلم نے خبر دی کہ شُفَی یہ وہ شخص ہے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تھا اور اس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث سنائی تھی۔ ابوعثمان نے کہا: مجھے العلاء بن ابی حکیم نے حدیث بیان کی کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سیاف تھے تو ان کے پاس ایک مرد آیا اور انہوں نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جب ان لوگوں کو یہ سزا دی گئی تو باقی لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہت روئے حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ وہ ہلاک ہو جائیں گے اور ہم نے کہا: یہ آدمی بری خبر لے کر آیا ہے، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہوش میں آئے اور اپنے چہرہ پر ہاتھ پھیرا اور کہا: اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (ہود: ۱۵۔۱۶)

جو لوگ (صرف) دنیا کی زندگی اور اس کی آسائش کو طلب کرتے ہیں تو ہم ان کے کل اعمال کا صلہ یہیں دے دیں گے اور یہاں ان کے صلہ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی ۝ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہے اور انہوں نے دنیا میں جو کام کیے وہ ضائع ہو گئے اور جو کچھ وہ کرتے تھے وہ برباد ہے ۝

(سنن ترمذی: ۲۳۸۲، مسند احمد ج ۲ ص ۲۱)

امام ابوموسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت خصوصیت سے کفار کے حق میں ہے، کیونکہ ہود: ۱۶ میں ہے کہ ''یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہے اور انہوں نے دنیا میں جو کام کیے وہ ضائع ہو گئے اور جو کچھ وہ

کرتے تھے وہ برباد ہے''۔

اور مومن کا بالآخر ٹھکانا اللہ تعالیٰ کے فضلِ محض کی وجہ سے جنت میں ہوگا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے جنت میں ہوگا۔ اور اس آیت میں جو دوزخ کی وعید فرمائی ہے اور اعمال کے ضائع کرنے کی وعید فرمائی ہے، یہ تو صرف کافر کے لیے ہے۔

اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ وعید اس عمل کے اعتبار سے ہے جس میں ریا واقع ہوا تھا۔ پس اس عمل کرنے والے کو یہ سزا دی جائے گی سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دے۔ اور اعمال ضائع کرنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ اس کے تمام اعمالِ صالحہ ضائع کر دیے جائیں گے جن میں وہ اعمال بھی ہیں جن میں ریا نہیں ہوا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس نے اپنے عمل سے فقط دنیا کے ثواب کا ارادہ کیا اس کو جلدی وہ ثواب دنیا میں دے دیا جائے گا اور آخرت میں اس کو عذاب دیا جائے گا، کیونکہ اس کا قصد صرف دنیا تھی اور اس نے آخرت سے اعراض کیا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت خصوصیت سے مجاہدین کے متعلق نازل ہوئی ہے اور یہ قول ضعیف ہے۔

اور اگر بالفرض یہ کہا جائے کہ یہ آیت عام ہے اور ہر ایک کو شامل ہے تو اس عموم سے ان کو خاص کر لیا جائے گا جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس سزا کو مقدر نہ کیا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ⑱ (بنی اسرائیل:۱۸)

جو شخص (صرف) دنیا کا طلب گار ہو ہم اس کو اسی دنیا میں سے جتنا ہم چاہیں دے دیتے ہیں جس کے لیے ہم ارادہ کریں، پھر ہم اس کا ٹھکانا دوزخ کو بنا دیتے ہیں جس میں وہ مذمت کے ساتھ دھتکارا ہوا داخل ہوگا O

اسی طرح اس قید سے درج ذیل مطلق آیت کو بھی مقید کیا جائے گا:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ⑳ (الشوریٰ:۲۰)

جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیتے ہیں اور جو شخص دنیا کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کو اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں اور اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے O

اور اس تقریر سے یہ اشکال دور ہو جاتا ہے کہ کہا گیا ہے: بعض کفار دنیا میں بہت تنگدست اور مفلوک الحال ہوتے ہیں ان کے پاس مال بھی نہیں ہوتا، صحت بھی نہیں ہوتی اور لمبی عمر بھی نہیں ہوتی، بلکہ وہ اس آیت کے مصداق ہوتے ہیں:

خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪ (الحج:۱۱)

اس نے دنیا اور آخرت کا نقصان سمیٹا، یہی کھلا ہوا نقصان ہے O

اور اس باب میں اس آیت کو ذکر کرنے کی مناسبت یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ جس وعید کا اس حدیث میں ذکر ہے وہ وعید وقتی طور پر ہے دائمی طور پر نہیں ہے، کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ جس مسلمان نے کسی کبیرہ کا ارتکاب کیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور اس میں یہ نہیں ہے کہ دخولِ جنت سے پہلے اس کو عذاب نہیں ہوگا جیسا کہ اس آیت میں اس کی نفی نہیں ہے کہ ریا کار

ریا کی معصیت پر عذاب ملنے کے بعد جنت میں داخل ہو جائے گا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۹۴۔۴۹۵، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۱۴۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا

نبی ﷺ کے اس ارشاد کا بیان کہ میں یہ نہیں پسند کرتا کہ میرے لیے احد پہاڑ کی مثل سونا ہو

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں یہ عنوان اس طرح مذکور ہے کہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میرے لیے احد پہاڑ سونا بن جائے، اور بعض نسخوں میں اس طرح مذکور ہے کہ مجھے اس سے خوشی نہیں ہوتی کہ میرے پاس احد پہاڑ کی مثل سونا ہو۔

(عمدة القاری ج ۲۳ ص ۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۴۴۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ أَبُو ذَرٍّ كُنْتُ أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي حَرَّةِ الْمَدِينَةِ فَاسْتَقْبَلَنَا أُحُدٌ فَقَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ مَا يَسُرُّنِي أَنَّ عِنْدِي مِثْلَ أُحُدٍ هٰذَا ذَهَبًا تَمْضِي عَلَيَّ ثَالِثَةٌ وَعِنْدِي مِنْهُ دِينَارٌ إِلَّا شَيْئًا أَرْصُدُهُ لِدَيْنٍ إِلَّا أَنْ أَقُولَ بِهِ فِي عِبَادِ اللّٰهِ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ وَمِنْ خَلْفِهِ ثُمَّ مَشَى فَقَالَ إِنَّ الْأَكْثَرِينَ هُمُ الْأَقَلُّونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ وَمِنْ خَلْفِهِ وَقَلِيلٌ مَا هُمْ ثُمَّ قَالَ لِي مَكَانَكَ لَا تَبْرَحْ حَتّٰى آتِيَكَ ثُمَّ انْطَلَقَ فِي سَوَادِ اللَّيْلِ حَتّٰى تَوَارٰى فَسَمِعْتُ صَوْتًا قَدِ ارْتَفَعَ فَتَخَوَّفْتُ أَنْ يَكُونَ قَدْ عَرَضَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَأَرَدْتُ أَنْ آتِيَهُ فَذَكَرْتُ قَوْلَهُ لِي لَا تَبْرَحْ حَتّٰى آتِيَكَ فَلَمْ أَبْرَحْ حَتّٰى أَتَانِي قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَقَدْ سَمِعْتُ صَوْتًا تَخَوَّفْتُ فَذَكَرْتُ لَهُ فَقَالَ وَهَلْ سَمِعْتَهُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ ذَاكَ جِبْرِيلُ أَتَانِي فَقَالَ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِكَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحسن بن الربیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو الاحوص نے حدیث بیان کی از الاعمش از زید بن وہب، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ کی پتھریلی زمین میں چل رہا تھا، پس ہمارے سامنے احد پہاڑ آیا، آپ نے فرمایا: اے ابوذر! میں نے عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: مجھے اس سے خوشی نہیں ہوتی کہ میرے پاس اس احد پہاڑ کی مثل سونا ہو اور مجھ پر تین دن گزر جائیں اور اس وقت میرے پاس ایک دینار ہو جس کو میں قرض کی ادائیگی کے لیے محفوظ رکھوں مگر یہ کہ میں اللہ کے بندوں میں اس (سونے کے پہاڑ) کو اس طرح اور اس طرح اور اس طرح تقسیم کروں، اپنی دائیں طرف اور اپنی بائیں طرف اور اپنے پسِ پشت، پھر آپ چلتے رہے، پس آپ نے فرمایا: جو (دنیا میں) زیادہ مال والے ہیں وہ قیامت کے دن (اجر میں) کم ہوں گے، مگر وہ جو اس طرح اور اس طرح اور اس طرح (مال کو تقسیم) کرے، اپنی دائیں جانب اور بائیں جانب اور اپنے پسِ پشت، اور وہ بہت کم ہیں۔ پھر آپ نے مجھ سے فرمایا: تم اسی جگہ رہو، یہاں سے نہ جانا حتیٰ کہ میں تمہارے پاس واپس آؤں۔ پھر آپ رات کی سیاہی

دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ۔

میں چلے گئے حتیٰ کہ آپ غائب ہو گئے، پس میں نے ایک آواز سنی جو بہت بلند تھی۔ پس میں خوف زدہ ہوا کہ کہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی چیز پیش نہ آئی ہو، میں نے ارادہ کیا کہ میں آپ کے پاس جاؤں، پھر میں نے آپ کا یہ ارشاد یاد کیا جو آپ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ یہاں سے نہ جانا حتیٰ کہ میں تمہارے پاس آؤں، پس میں نہیں گیا حتیٰ کہ آپ میرے پاس آئے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے ایک آواز سنی تھی جس سے میں ڈر گیا تھا، پس میں نے آپ سے اس کا ذکر کیا، سو آپ نے فرمایا: کیا تم نے وہ آواز سنی تھی؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے فرمایا وہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے جو میرے پاس آئے تھے، انہوں نے کہا: آپ کی امت میں سے جو بھی اس حال میں مر گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالکل شرک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، میں نے کہا: خواہ وہ زنا کرے، خواہ وہ چوری کرے؟ تو حضرت جبریل نے کہا: خواہ وہ زنا کرے، خواہ وہ چوری کرے۔

(صحیح البخاری: ۱۲۳۷، ۱۴۰۸، ۲۳۸۸، ۳۲۲۲، ۶۲۶۸، ۶۴۴۳، ۶۴۴۴، ۷۴۸۷، صحیح مسلم: ۹۴، سنن ترمذی: ۲۶۴۴، مسند احمد: ۲۰۹۰۵)

صحیح البخاری: ۶۴۴۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میرے لیے احد پہاڑ کی مثل سونا ہو"۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے "مجھے اس سے خوشی نہیں ہوگی کہ میرے پاس احد پہاڑ کی مثل سونا ہو"۔ اور ان میں مناسبت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحسن بن الربیع، یہ ابوعلی البورانی ہیں۔ الرشاطی نے کہا ہے: یہ البواری کی طرف منسوب ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالاحوص، یہ سلام بن سلیم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، یہ سلیمان ہیں۔ باب سابق میں جو حدیث گزری تھی یہ بھی وہی حدیث ہے اور اس میں الفاظ کی کچھ کمی بیشی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "میں اس سونے کے پہاڑ میں سے ایک دینار کو رکھ لوں تا کہ اس سے قرض کو ادا کروں"۔ یعنی میں

نے اگر کسی سے کسی مدت کے ادھار کے لیے کچھ قرض لیا ہو تو اس دینار سے وہ قرض ادا کردوں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ان الاکثرین هم الاقلون یوم القیامة الا من قال هکذا وهکذا وهکذا عن یمینه وعن شماله":

اس حدیث میں "الا من قال" کا معنی کہنا نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے صرف کرنا، یعنی جو لوگ دنیا میں مال دار ہیں وہ آخرت کے اندر نیکی اور اجر کے اعتبار سے کم ہوں گے سوا ان کے جنہوں نے دنیا میں اپنے مال کو اس طرح اور اس طرح اور اس طرح صرف کیا، یعنی اپنی دائیں طرف اور اپنی بائیں طرف اور اپنے پس پشت۔

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مبالغہ کے فرمایا، کیونکہ عطیہ میں اصل یہ ہے کہ جو سامنے ہو اس کو دیا جائے اور یہ چار جہات میں سے ایک جہت ہے۔ اور احمد بن ملاعب کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنے ہاتھ سے چاروں جہت کا ذکر فرمایا۔ یعنی دائیں بائیں سامنے اور پیچھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پھر آپ چلے گئے حتیٰ کہ رات کی سیاہی میں غائب ہوگئے"۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ چاند ان راتوں میں چھپ چکا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۸۰۔۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۴۵۔ حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ شَبِيبٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ يُونُسَ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم لَوْ كَانَ لِي مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّنِي أَنْ لَا تَمُرَّ عَلَيَّ ثَلَاثُ لَيَالٍ وَعِنْدِي مِنْهُ شَيْءٌ إِلَّا شَيْئًا أَرْصُدُهُ لِدَيْنٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے احمد بن شبیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از یونس، اور اللیث نے کہا: مجھے یونس نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، (انہوں نے کہا:) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میرے پاس احد پہاڑ کی مثل سونا ہو تو مجھے اس سے خوشی ہوگی کہ میرے اوپر تین راتیں نہ گزریں اور میرے پاس ان میں سے کوئی چیز باقی بچے سوا اس چیز کے جس کو میں قرض کی ادائیگی کے لیے محفوظ رکھوں۔

(صحیح البخاری: ۲۳۸۹، ۶۴۴۵، ۷۲۲۸، صحیح مسلم: ۹۹۱، سنن ابن ماجہ: ۴۱۳۲، مسند احمد: ۹۶۹۴)

صحیح البخاری: ۶۴۴۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت بالکل ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے احمد بن شبیب، یہ ابن سعید الحبطی ہیں، یہ حبطات بنی تمیم کی طرف نسبت ہے اور یہ بصری ہیں

امام بخاری ان سے روایت میں منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ مومن کو مال کی کثرت کی تمنا نہیں کرنی چاہیے سوا اس صورت کے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی اطاعت میں مال کے خرچ کرنے پر مسلط کردے تا کہ شارع علیہ السلام کی اقتداء اس کو حاصل ہو۔

(۲) اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ مومن کو اس طاعت کے ادا کرنے کی طرف جلدی کرنی چاہیے جو مطلوب ہو، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرض کی ادائیگی میں جلدی فرماتے تھے۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بہ کثرت قرض ہوتا تھا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی مدد کرنے کے لیے اور ان کی غم گساری کرنے کے لیے اپنی حاصل شدہ روزی میں سے ان کو عطا فرماتے تھے اور اپنی ضرورت کے اوپر ضرورت مندوں کی ضرورت کو ترجیح دیتے تھے۔

(۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کے پاس مال قلیل ہو تو اس پر راضی رہنا چاہیے اور عیش پرستی کے ترک پر صبر کرنا چاہیے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

(۵) میں کہتا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو قرض لے کر ضرورت مندوں کی مدد کرتے تھے اور غریبوں کی غم گساری کرتے تھے، ہم کم از کم اتنا تو کریں کہ ہمارے پاس جو فاضل مال ہو اور ہماری ضرورت سے زائد ہو وہ ہم دیگر ضرورت مندوں کو دے دیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۴۴۵، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کثرتِ مال کی تمنا سے ممانعت

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ مال کی کثرت کسی شخص کو قیامت کے دن نیکیوں کی کمی کی طرف لے جاتی ہے جب کہ وہ اس مال کو اللہ کی اطاعت میں خرچ نہ کرے، اور اگر وہ اس مال کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرے تو وہ قیامت کے دن نیکیوں سے مالا مال ہوگا۔

اور اس حدیث سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ اغنیاء کی فقراء پر فضیلت ہے، کیونکہ اس حدیث میں اس مال دار کا استثناء فرمایا ہے جو اپنے مال سے دائیں جانب، بائیں جانب اور آگے پیچھے نفع پہنچائے۔ اور علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ فقیر اور غنی میں کون افضل ہے اور اس کو ان شاء اللہ میں باب فضل الفقر میں ذکر کروں گا۔

سورہ ہود کی آیت: ۱۵۔ ۱۶ کے متعلق مفسرین نے کہا ہے: ان آیتوں کے الفاظ تو عام ہیں لیکن یہ خصوصیت سے کفار کے متعلق ہیں، کیونکہ ہود: ۱۶ میں فرمایا ہے کہ "ان لوگوں کو آخرت میں صرف دوزخ کا عذاب ہوگا اور ان کے کیے ہوئے کام ضائع ہو جائیں گے"۔ اور امام بخاری نے اس باب میں ان آیتوں کا ذکر مومنین کو ڈرانے کے لیے کیا ہے تا کہ وہ اپنے افعال میں کفار کے افعال کے مشابہ نہ ہوں کہ وہ دنیائے فانی کی زینت کے حصول میں مشغول ہو جائیں۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۱۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

تنبیہ: علامہ ابن بطال نے جو اس حدیث کے فوائد ذکر کیے ہیں ان کو علامہ ابن ملقن نے نقل کیا ہے اور ان سے علامہ عینی نے نقل کیا ہے اور ان فوائد کو ہم علامہ عینی کی شرح میں بیان کر چکے ہیں۔

صحیح البخاری: ۶۴۴۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مناسب دیگر احادیث

امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے سنا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر یہ آیت پڑھ رہے تھے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿٤٦﴾ (الرحمٰن: ۴۶) اور جو اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے سے ڈرتا ہو اس کے لیے دو جنتیں ہیں O

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! خواہ اس شخص نے زنا کیا ہو، خواہ اس شخص نے چوری کی ہو؟ تو آپ نے فرمایا: خواہ اس نے زنا کیا ہو، خواہ اس نے چوری کی ہو، میں نے دوبارہ عرض کیا تو آپ نے دوبارہ فرمایا، میں نے پھر تیسری مرتبہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا: ہاں! خواہ اس نے یہ کام کیے ہوں وہ ابوالدرداء کی ناک کو خاک میں لتھیڑتا ہوا جنت میں چلا جائے گا۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں تصریح کی ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے علاوہ ہے اگرچہ اس کا معنی وہی ہے۔

اور امام طبرانی کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ جس شخص نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا وہ جنت میں داخل ہو گیا، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خواہ اس نے زنا کیا ہو، خواہ اس نے چوری کی ہو وہ ابوالدرداء کی ناک کو خاک میں لتھیڑتا ہوا جنت میں چلا جائے گا۔

نیز ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس میرے رب کی طرف سے آنے والا آیا، پس اس نے پڑھا:

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١١٠﴾ (النساء: ۱۱۰) اور جو شخص برا کام کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے، پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت بخشنے والا نہایت مہربان پائے گا O

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! خواہ اس نے زنا کیا ہو، خواہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا: ہاں! پھر میں نے جب یہ تین بار کہا تو آپ نے فرمایا: عویمر (حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ) کی ناک کو خاک میں لتھیڑتا ہوا وہ جنت میں چلا جائے گا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ پس میں نے دیکھا کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اپنی ناک پر انگلیاں مار رہے تھے۔

اور واہب بن عبداللہ المغافری نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے پڑھا "لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر" وہ جنت میں داخل ہو گیا، میں نے عرض کیا: خواہ اس نے زنا کیا ہو، اور خواہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا: خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو، میں نے پھر کہا: خواہ اس نے زنا کیا ہو، خواہ اس نے چوری کی ہو، وہ ابوالدرداء کی ناک کو خاک میں لتھیڑتا ہوا جنت میں چلا جائے گا۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: پھر میں لوگوں میں اس بشارت کی نداء کرنے کے لیے نکلا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے ملے اور انہوں نے کہا: واپس جاؤ، کیونکہ لوگ جب یہ بشارت سن لیں گے تو اسی پر تکیہ کر لیں گے، پھر میں واپس گیا اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول بتایا تو آپ نے فرمایا: عمر نے سچ کہا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: یہ آخری اضافہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی ہے۔ اور عنقریب اس کی تفصیل سے شرح باب "من جاھد فی طاعۃ اللہ" میں آئے گی۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت ادب کرتے تھے اور آپ کے احوال کا مطالعہ کرتے تھے اور آپ سے محبت کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کے اوپر کوئی ایسی چیز نہ عارض ہو جس سے آپ کو ایذاء پہنچے۔

(۲) اس حدیث سے اکابر کے ساتھ حسنِ ادب کا اظہار ہوتا ہے، اور یہ کہ جب چھوٹا یہ دیکھے کہ بڑا اکیلا ہے اور اس کے ساتھ حفاظت کے لیے کوئی نہیں ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور بیٹھا ہوا ہے اور نہ کوئی اور لازم ہے تو وہ اس کی اجازت کے بغیر اس کے پاس نہ جائے، اس کے برخلاف جب بڑا کسی مجمع میں ہو مثلاً مسجد میں یا بازار میں تو وہ اس کے ساتھ جہاں جگہ مناسب ہو بیٹھ جائے۔

(۳) اس حدیث کے شروع میں ہے "حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا" اس سے معلوم ہوا کہ کسی مرد کو کسی غرضِ صحیح کی وجہ سے اس کی کنیت کے ساتھ تعبیر کرنا جائز ہے، جب کہ اس کی کنیت اس کے اسم سے زیادہ مشہور ہو خاص طور پر اس وقت جب اس کا اسم اس کے اور دوسروں کے درمیان مشترک ہو اور اس کی کنیت منفرد ہو۔

(۴) کسی بڑے کے جواب میں چھوٹے کا لبیک اور سعدیک کہنا ادب کے زیادہ قریب ہے۔

(۵) جب کسی شخص نے اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے جانا ہو تو اس کا اکیلے جانا جائز ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو وہاں ٹھہرا کر خود اکیلے چلے گئے تھے۔

(۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ تم یہیں ٹھہرے رہنا اور یہاں سے مت جانا اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو یہ خیال آیا کہ کہیں اکیلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی نامناسب امر نہ پیش آ جائے، تو ان کی رائے یہ تھی کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کے باوجود جا کر دیکھیں، لیکن پھر انہیں یاد آیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سے نہ جانے کا حکم دیا تھا تو اس سے معلوم ہوا کہ شیخ کے حکم پر عمل کرنا اپنی رائے اور مصلحت کی بہ نسبت زیادہ افضل ہے بلکہ واجب ہے۔

(۷) نیز اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جب طالب اپنے شیخ سے کوئی ایسی بات سنے جو اس کے نزدیک دلائلِ شرعیہ کے خلاف ہو تو وہ اپنے شیخ کی طرف مراجعت کرے حتیٰ کہ اس کا حل معلوم ہو، کیونکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے نزدیک آیات اور آثار سے یہ ثابت تھا

کہ مرتکب کبیرہ کو دوزخ میں عذاب ہوگا، اور جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ جس نے شرک نہیں کیا وہ جنت میں داخل ہوگا تو انہوں نے اس کے متعلق سوال کیا کہ خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو، اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ان دو کبیرہ گناہوں پر اقتصار کیا کیونکہ یہ دو گناہ حقوق اللہ کی معصیت اور حقوق العباد کی معصیت میں دو مثالیں ہیں۔ اور ایک اور روایت میں ہے خواہ اس نے خمر پی ہو، اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ بھی بہت بڑا کبیرہ گناہ ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے عقل میں خلل واقع ہو جاتا ہے اور عقل ہی کی وجہ سے انسان کو جانوروں کے اوپر شرف عطا کیا گیا ہے، اور جب عقل میں خلل ہو جائے تو پھر عقل ہی تو انسان کو بقیہ کبائر سے روکنے والی ہے۔ اس وجہ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق استفسار کیا۔

(۸) جب شیخ یہ دیکھے کہ طالب سوال کرنے میں اصرار کر رہا ہے تو وہ اس کی ڈانٹ ڈپٹ کرے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ خواہ اس نے زنا کیا ہو یا چوری کی ہو وہ ابوذر کی ناک کو خاک میں لتھیڑتا ہوا جنت میں داخل ہو جائے گا۔

(۹) امام بخاری نے کتاب اللباس میں اس حدیث کو اس صورت پر محمول کیا ہے کہ جب کوئی شخص موت کے وقت توبہ کرے، اور دوسروں نے اس پر محمول کیا ہے کہ اس حدیث میں جو ارشاد ہے کہ جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا یہ عام ہے کہ ابتداءً جنت میں داخل ہو یا اپنی معصیت کی سزا پانے کے بعد جنت میں داخل ہو، اور پہلا محمل حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے اور دوسرا محمل زیادہ اولیٰ ہے تاکہ دلائل میں تطبیق ہو۔

(۱۰) اس حدیث میں اہل سنت کی دلیل ہے اور خوارج اور معتزلہ کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ جب بغیر توبہ کے مر گیا تو وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا لیکن اس حدیث سے ان کا رد کرنے میں یہ اعتراض ہے کہ کعب بن ذھل نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہ اس شخص کے حق میں ہے جس نے کوئی برا کام کیا یا اپنی جان پر ظلم کیا، پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا۔ اور اس حدیث کی سند امام طبرانی کے نزدیک جید ہے، خلاصہ یہ ہے کہ وہ شخص جنت میں صرف کلمہ شہادت کی وجہ سے داخل نہیں ہوگا بلکہ توبہ کرنے کی وجہ سے جنت میں داخل ہوگا، اور خوارج اور معتزلہ بھی یہی کہتے ہیں کہ توبہ کرنے کے بعد جنت میں داخل ہوگا۔

(۱۱) بعض علماء نے اس حدیث کو اپنے ظاہر پر محمول کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اس امت کی خصوصیت ہے، کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ اپنی امت کو بشارت دیجئے کہ آپ کی امت میں سے جو بھی اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے شرک نہ کیا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ احادیث صحیحہ میں یہ وارد ہے کہ اس امت کے بعض گناہ گاروں کو عذاب دیا جائے گا، کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کا اشارہ لکھا ہے اور مکمل حدیث ذکر نہیں کی، مکمل حدیث درج ذیل ہے:

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہمارے نزدیک مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ درہم ہو اور نہ کوئی سامان ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نمازیں اور روزے اور زکوٰۃ کو لے کر آئے گا۔ اور اس نے کسی شخص کو گالی دی ہوگی، کسی شخص پر تہمت لگائی ہوگی، اور کسی شخص کا مال کھایا ہوگا، کسی شخص کا خون بہایا ہوگا، کسی شخص کو مارا ہوگا، پس اس کو بٹھایا جائے گا اور اس کی نیکیاں اس شخص کو دی جائیں گی اور جب اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی اور ابھی اس شخص کا حق پورا

نہیں ہوا ہوگا تو پھر اس شخص کے گناہ اس کے اوپر ڈالے جائیں گے، پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(سنن ترمذی: ۲۴۱۸، مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۳)

امام ابوعیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

سو اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بعض گناہ گار لوگوں کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ سو مطلقاً یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ جس نے بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

(۱۲) بعض احادیث میں ہے کہ جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت دی وہ جنت میں داخل ہو گیا، اور بعض احادیث میں ہے: جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت دی اس کو دوزخ پر حرام کر دیا گیا۔ بعض علماء نے ان حدیثوں کی یہ تاویل کی ہے کہ یہ حدیثیں فرائض اور امر اور نہی کے نزول سے پہلے کی ہیں اور یہ تاویل سعید بن المسیب اور الزہری سے مروی ہے۔ یہ تاویل اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس حدیث میں زنا اور چوری کا بھی ذکر ہے یعنی احکام کے نازل ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت تھی۔

(۱۳) علامہ نووی نے کہا ہے کہ اہلِ سنت کا مذہب یہ ہے کہ گناہ گار اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت داخل ہے، اور بے شک جو شخص توحید اور رسالت کی شہادت پر یقین کرتے ہوئے فوت ہوا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ پس اگر وہ دین دار ہو یا گناہوں سے محفوظ ہو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت میں داخل ہو جائے گا اور دوزخ پر حرام کر دیا جائے گا اور اگر اس نے بعض احکام کو ضائع کیا ہو یا بعض ممنوعہ چیزوں پر عمل کیا ہو اور بغیر توبہ کے مر گیا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے اوپر وعید نافذ ہو جائے، سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس کو معاف کرنا چاہے، پس اگر وہ اس کو عذاب دینا چاہے گا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے جنت میں چلا جائے گا۔

(۱۴) اس حدیث میں اس کی ترغیب دی ہے کہ تمام نیکی کے راستوں میں اپنے مال کو خرچ کرنا چاہیے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم زہد کے اعلیٰ درجات میں تھے، کیونکہ آپ نے اس کو پسند نہیں کیا کہ دنیا میں سے کوئی چیز آپ کے پاس ہو مگر آپ اس کو اس کے مستحقین میں خرچ کریں، یا جس کا آپ کے اوپر حق ہو اس کے حق کی ادائیگی میں خرچ کریں۔

(۱۵) اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی عبادات کے اوپر قرض کی ادائیگی کو مقدم کرنا چاہیے۔

(۱۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرض کا لینا جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک درہم ہو تو میں قرض کی ادائیگی کے لیے رکھوں گا۔ علامہ ابن بطال نے یہ قید لگائی ہے کہ تھوڑا قرض لیا جائے، کیونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ میں ایک دینار کو قرض کی ادائیگی کے لیے رکھوں گا، کیونکہ اگر آپ کے اوپر ایک دینار سے زیادہ قرض ہوتا تو آپ صرف ایک دینار کو قرض کی ادائیگی کے لیے نہ رکھتے، کیونکہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ عمدہ قرض ادا کرنے والے تھے۔

(۱۷) اور علامہ ابن بطال نے کہا: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اتنا قرض نہیں لینا چاہیے کہ جو اس پر محیط ہو جائے اور اس کے پاس اس قرض کو ادا کرنے کے لیے مال نہ ہو اور وہ اس کو ادا کرنے سے عاجز ہو جائے، لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ علامہ ابن بطال نے لفظِ ''ایک دینار'' سے یہ سمجھا ہے، حالانکہ دوسری روایت میں تین دینار کے الفاظ بھی ہیں۔ اور تین دینار کا محمل یہ ہے کہ ایک دینار کو آپ قرض کی ادائیگی کے لیے رکھیں، ایک دینار کو اپنے اہل پر خرچ کرنے کے لیے رکھیں، اور ایک دینار کو آپ مہمان پر خرچ

کرنے کے لیے رکھیں۔

(۱۸) اس حدیث میں اس کی بھی ترغیب ہے کہ قرض جات کی ادائیگی کرنی چاہیے اور امانات کو ادا کرنا چاہیے۔

(۱۹) قاضی عیاض نے کہا ہے: اس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے کہ فقر غنی پر افضل ہے اور بعض علماء نے اسی حدیث سے غنی کی فقر پر افضلیت کو ثابت کیا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کا ماخذ واضح ہے۔

(۲۰) اور اس حدیث میں اس پر برانگیختہ کیا ہے کہ آدمی اپنی زندگی اور صحت کے اندر مال کو خرچ کرے اور یہ انتظار نہ کرے کہ موت کے وقت اپنے مال کی وصیت کر دے گا، اور حدیث میں ہے کہ تم صدقہ کرو جب کہ تم تندرست ہو اور مال کے خرچ کرنے پر بخیل ہو، کیونکہ اکثر اغنیاء اپنے پاس سے مال کے نکالنے میں بخل کرتے ہیں جب تک کہ وہ عافیت میں رہیں اور انہیں امید ہو کہ وہ زندہ رہیں گے اور انہیں فقر کا خوف ہوگا۔ پس جو شخص شیطان کی مخالفت کرے اور اپنے نفس پر قہر کرے اور آخرت کو ترجیح دے وہ کامیاب ہو گیا۔ اور جس نے اس میں بخل کیا وہ وصیت میں ظلم کرنے سے محفوظ نہیں رہے گا۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۵۰۱۔ ۵۰۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کے اور بھی بہت زیادہ فوائد ذکر کیے ہیں، لیکن ہم نے زیادہ اہم فوائد کا انتخاب کیا ہے۔

۱۵۔ بَابٌ: اَلْغِنَى غِنَى النَّفْسِ

غنی حقیقت میں وہ ہے جس کا دل غنی ہو

وَقَوْلُ اللهِ تَعَالَى: اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ۝ (المومنون: ۵۵۔ ۶۳)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا وہ یہ گمان کر رہے ہیں کہ ہم مال اور اولاد سے جو ان کی مدد کر رہے ہیں O تو ان کو بھلائیاں پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں نہیں) بلکہ یہ سمجھ نہیں رہے O بے شک جو لوگ اپنے رب کے جلال سے ڈرتے رہتے ہیں O اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں O اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے O اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) جو کچھ دیتے ہیں وہ خوف زدہ دلوں کے ساتھ دیتے ہیں (اس یقین کے ساتھ) کہ وہ اللہ کی طرف لوٹنے والے ہیں O وہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور وہی نیکیوں میں سب سے بڑھنے والے ہیں O اور ہم ہر نفس کو اس کی طاقت کے مطابق ہی مکلف کرتے ہیں اور ہمارے پاس ان کا نوشتہ اعمال ہے جو حق کے ساتھ کلام کرتا ہے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا O (نہیں نہیں!) بلکہ ان کے دل اس سے غفلت میں ہیں اور اس کے سوا ان کے اور (بھی) برے اعمال ہیں جن کو وہ کرنے والے

قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: لَمْ يَعْمَلُوهَا لَا بُدَّ مِنْ أَنْ يَعْمَلُوهَا۔ ہیں O ابن عیینہ نے کہا: انہوں نے ان احکام پر عمل نہیں کیا جن پر عمل کرنا ان کے لیے ضروری تھا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ غنی درحقیقت وہ شخص ہے جس کا دل غنی ہو، خواہ اس شخص کے پاس مال کثیر ہو یا قلیل ہو۔

باب میں مذکور آیات کی شرح از علامہ عینی

یہ سورہ مومنون کی نو آیات ہیں اور امام بخاری کی ان آیات کو ذکر کرنے سے غرض یہ ہے کہ مطلقاً مال میں خیر نہیں ہے۔

المومنون: ۵۵ اور ۵۶ میں فرمایا: ''اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ۔۔۔الآیۃ'' ''کیا وہ یہ گمان کر رہے ہیں کہ ہم مال اور اولاد سے جو ان کی مدد کر رہے ہیں، تو ان کو بھلائیاں پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں نہیں) بلکہ یہ سمجھ نہیں رہے''۔

یہ آیت کفار کے متعلق نازل ہوئی ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کے معارض نہیں ہے جس میں آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے کثرتِ مال اور کثرتِ اولاد کی دعا کی تھی۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کیا یہ کفار یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم انہیں جو کچھ مال عطا کرتے ہیں اور ان کے مال میں اضافہ کرتے ہیں اور ان کی اولاد میں اضافہ کرتے ہیں وہ ان کے کاموں کی جزاء ہے اور خیر ہے، نہیں! بلکہ وہ ان کے لیے ڈھیل ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا کہ نیکیوں میں جلدی کرنے والے کون ہیں، سو فرمایا: ''بے شک جو لوگ اپنے رب کے جلال سے ڈرتے رہتے ہیں O اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں'' (المومنون: ۵۷۔۵۸)

اور یہ آیت اور اس کے بعد کی آیات میں ان متقین کی مدح ہے۔

نیز فرمایا: ''اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے O اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) جو کچھ دیتے ہیں وہ خوف زدہ دلوں کے ساتھ دیتے ہیں (اس یقین کے ساتھ) کہ وہ اللہ کی طرف لوٹنے والے ہیں O'' (المومنون: ۵۹۔۱۰)۔ یعنی وہ لوگ زکوٰۃ اور صدقات ادا کرتے ہیں دراں حالیکہ ان کے دل خوف زدہ ہوتے ہیں، انہیں یہ خوف ہوتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ ان کے یہ صدقات قبول نہ کیے جائیں۔

نیز فرمایا: ''وہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور وہی نیکیوں میں سب سے بڑھنے والے ہیں'' (المومنون: ۶۲)۔ یعنی وہ لوگ نیک کاموں میں سبقت کرتے ہیں اپنی وسعت کے مطابق۔

نیز فرمایا: ''اور ہم ہر نفس کو اس کی طاقت کے مطابق ہی مکلف کرتے ہیں اور ہمارے پاس ان کا نوشتہ اعمال ہے جو حق کے ساتھ کلام کرتا ہے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا'' O (المومنون: ۶۳) اور ہمارے پاس کتاب ہے یعنی لوح محفوظ ہے جو حق کے ساتھ کلام کرتی ہے یعنی ان کے عمل کی حق کے ساتھ شہادت دیتی ہے۔

نیز فرمایا: ''(نہیں نہیں!) بلکہ ان کے دل اس سے غفلت میں ہیں اور اس کے سوا ان کے اور (بھی) برے اعمال ہیں جن کو وہ

کرنے والے ہیں O'' (المومنون: ۶۳)۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے متقین کا ذکر چھوڑ کر کفار کا ذکر شروع کیا یعنی وہ قرآن پر ایمان لانے سے غافل ہیں۔ یہ مقاتل کا قول ہے۔ اوران کے اور بھی برے کام ہیں جو شرک کے علاوہ ہیں۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

سفیان بن عیینہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا جس میں فرمایا ہے''اس کے سوا ان کے اور (بھی) برے اعمال ہیں جن کو وہ کرنے والے ہیں'' (المومنون: ۶۳)۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کے برے اعمال لکھے گئے جن پر مرنے سے پہلے ان پر عمل کرنا ضروری تھا تاکہ ان کے اوپر کلمۂ عذاب ثابت ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۸۲۔ ۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب میں مذکور کی آیات کی شرح از مصنف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''کیا وہ یہ گمان کر رہے ہیں کہ ہم مال اور اولاد سے جو ان کی مدد کر رہے ہیں O تو وہ ان کو بھلائیاں پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں نہیں) بلکہ یہ سمجھ نہیں رہے۔'' (المومنون: ۵۵۔ ۵۶)

کافروں کے کفر کے باوجود ان کو نعمتیں دینے کی وجوہ

یہ امداد تو ان کو صرف گناہوں میں ڈھیل دینے کے لیے ہے اور ان کو معاصی کی دلدل میں زیادہ کھینچنے کے لیے ہے اور وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ان کی زیادہ نیکیوں کا ان کو صلہ مل رہا ہے، نہیں نہیں یہ تو حیوانات اور بہائم کے مشابہ ہیں، ان میں کوئی سمجھ اور شعور نہیں ہے کہ یہ اس پر غور کرتے کہ یہ استدراج اور ڈھیل ہے یا ان کی نیکیوں کا انعام ہے۔

امام رازی نے یہ روایت ذکر کی ہے کہ یزید بن میسرہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں میں سے کسی نبی کی طرف یہ وحی کی: کیا میرا بندہ اس پر خوش ہوتا ہے کہ اس پر دنیا کشادہ کر دی گئی حالانکہ وہ مجھ سے بہت دور ہوتا ہے اور وہ اس پر افسوس کرتا ہے کہ میں اس سے دنیا اٹھا لیتا ہوں حالانکہ وہ میرے قریب ہوتا ہے۔

مومنین کی تحسین کی پانچ وجوہ

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''بے شک جو لوگ اپنے رب کے جلال سے ڈرتے رہتے ہیں O اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں O اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے O اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) جو کچھ دیتے ہیں وہ خوف زدہ دلوں کے ساتھ دیتے ہیں (اس یقین کے ساتھ) کہ وہ اللہ کی طرف لوٹنے والے ہیں O وہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور وہی نیکیوں میں سب سے بڑھنے والے ہیں O'' (المومنون: ۵۷۔ ۶۱)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی مذمت فرمائی تھی اور ان آیتوں میں حسب ذیل پانچ وجوہ سے مومنین کی تحسین فرمائی ہے:

(۱) مومنین اپنے رب سے ڈرتے ہیں، مقاتل اور کلبی وغیرہ نے کہا کہ وہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں، اور بعض مفسرین نے کہا: وہ اپنے رب کے ڈر سے دائماً اس کی اطاعت کرتے ہیں اور تحقیق یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں اپنے رب کا خوف کامل

درجہ کا ہوگا، وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ناراض ہونے سے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے حد خوفزدہ ہوگا، اور جس شخص کا یہ حال ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بہت دور رہے گا۔

(۲) اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں، اس کا معنی یہ ہے کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی ذات اور صفات پر نشانیاں بکھری ہوئی ہیں، جو لوگ نشانیوں میں غور اور فکر کر کے صاحبِ نشان تک پہنچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر ایمان لاتے ہیں۔

(۳) اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے، اس سے مراد شرک جلی نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اس کو مستلزم ہے کہ اس کے ساتھ شرک نہ کیا جائے بلکہ اس سے مراد شرک خفی ہے یعنی وہ ریا کاری نہیں کرتے، اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں، کسی کو دکھانے اور سنانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے۔

(۴) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں جو کچھ دیتے ہیں وہ خوف زدہ دلوں کے ساتھ دیتے ہیں، اس سے مراد وہ تمام کام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان پر لازم کر دیے ہیں، خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو جیسے نماز اور زکوٰۃ اور خواہ ان کا تعلق حقوق العباد سے ہو جیسے لوگوں کی امانتیں ادا کرنا اور ان کے قرض ادا کرنا اور ان کے معاملات میں عدل وانصاف کرنا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے اس آیت (المومنون:۶۰) کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا اس آیت کے مصداق وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں اے صدیق کی بیٹی! اس کے مصداق وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور صدقہ کرتے ہیں، اس کے باوجود وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ ان کی عبادتیں قبول نہ کی جائیں۔ (سنن ترمذی:۳۱۷۵، سنن ابن ماجہ:۴۱۹۸، المستدرک ج ۲ ص ۳۹۴)

(۵) وہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں، اس کا معنی یہ ہے کہ وہ بہت رغبت اور اہتمام سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور انہیں یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ کہیں یہ عبادت اپنے وقت سے موخر نہ ہو جائے اور کہیں اس عبادت کی ادائیگی میں کوتاہی نہ ہو جائے، اور فرمایا: ''وہی نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں'' یعنی وہ دوسرے لوگوں سے پہلے نیکی کرنا چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ظلم نہ کرنے کی وجوہ

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور ہم ہر نفس کو اس کی طاقت کے مطابق ہی مکلف کرتے ہیں اور ہمارے پاس ان کا نوشتہ اعمال ہے جو حق کے ساتھ کلام کرتا ہے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا O (نہیں نہیں!) بلکہ ان کے دل اس سے غفلت میں ہیں اور اس کے سوا ان کے اور (بھی) برے اعمال ہیں جن کو وہ کرنے والے ہیں O'' (المومنون:۶۲۔۶۳)۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مخلص مومنوں کی صفات اور ان کے اعمال کی کیفیت کا بیان فرمایا تھا، اور بندوں کے اعمال کے احکام میں سے دو حکم بیان فرمائے، ایک حکم یہ ہے کہ وہ اپنے کسی بندے کو اس کی طاقت سے زیادہ کام کا مکلف نہیں کرتا، اور دوسرا حکم یہ ہے کہ اللہ کے پاس ایک کتاب میں بندوں کے اعمال لکھے ہوئے محفوظ ہیں اور وہ کتاب حق کے ساتھ کلام کرتی ہے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا۔

ظلم اس طرح متصور ہو سکتا ہے کہ ان کو ان کے جرم سے زیادہ سزا دی جائے یا ان کی نیکی سے کم ثواب دیا جائے یا ان کو اس

جرم کی سزا دی جائے جو انہوں نے نہیں کیا، یا ان کو ان کی طاقت سے زیادہ کام کا مکلف کیا جائے۔ اور اس قسم کا ظلم وہی کر سکتا ہے جو بندوں کی طاقت سے بے خبر ہو یا بندوں کے کئے ہوئے کاموں اور اس پر مرتب ہونے والی سزا یا جزا سے لاعلم ہو، اور اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا علم مخفی نہیں اور اس کا بے خبر ہونا محال ہے اور اللہ تعالیٰ کا ظلم کرنا بھی محال ہے۔ اور یہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی بندہ کا کوئی حق نہیں ہے اور اجر و ثواب دینا اس کا فضل ہے اور گناہوں پر گرفت کرنا اور سزا دینا اس کا عدل ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کی جناب میں کسی طرح بھی ظلم کا تصور نہیں ہو سکتا۔

٦٤٤٦ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ حَدَّثَنَا أَبُو حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلَكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوبکر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوحصین نے حدیث بیان کی از ابی صالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: سامان کی کثرت سے غنی نہیں ہوتا لیکن غنی دل کے مستغنی ہونے سے ہوتا ہے۔

(صحیح مسلم: ١٠٥١، سنن ترمذی: ٢٣٧٣، سنن ابن ماجہ: ٤١٣٧، مسند احمد: ٧٣١٤)

صحیح البخاری: ٦٤٤٦، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور اور قرآن مجید کی آیاتِ مذکورہ کے درمیان مناسبت

مال کا خیر ہونا لذاتہ نہیں ہوتا بلکہ متعلق کے اعتبار سے ہوتا ہے، اگر مال کا متعلق خیر ہو تو وہ مال خیر ہوتا ہے۔ اسی طرح جس آدمی کے پاس مال کثیر ہو وہ لذاتہ غنی نہیں ہوتا بلکہ اپنے تصرف کے اعتبار سے غنی ہوتا ہے۔ اگر وہ فی نفسہٖ غنی ہو تو واجبات اور مستحبات اور دیگر نیکی کے راستوں میں اور عبادت کے طریقوں میں خرچ کرنے میں توقف نہیں کرے گا۔ اور اگر وہ فی نفسہٖ فقیر ہو تو وہ اپنے مال کو اپنے پاس روک کر رکھے گا اور اس کے خرچ کرنے سے باز رہے گا اس خوف سے کہ کہیں وہ مال ختم نہ ہو جائے، سو وہ صورتاً بھی فقیر ہے اور معنیً بھی فقیر ہے اور اگر مال اس کے ہاتھ میں ہو لیکن وہ نہ اس سے دنیا کا نفع حاصل کرے اور نہ آخرت کا نفع حاصل کرے تو وہ مال اس کے اوپر عذاب بن جائے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں احمد بن یونس کا ذکر ہے، وہ احمد بن عبداللہ بن یونس التیمی الیربوعی الکوفی ہیں اور وہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوبکر کا ذکر ہے، وہ ابن عیاش القاری ہیں، مشہور یہ ہے کہ وہ کوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوحصین کا ذکر ہے، ان کا نام عثمان بن عاصم الاسدی الکوفی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوصالح کا ذکر ہے، وہ ذکوان الزیات ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''غنیٰ کثرتِ عرض سے نہیں ہوتا'': عَرَض (اس میں عین اور راء دونوں پر زبر ہے) سے مراد ہے دنیا کا ساز وسامان اور متاع۔ امام ابوعبید نے کہا ہے: العروض ساز وسامان ہیں اور یہ حیوان اور زمین کے ماسوا ہیں، وہ چیزیں جو کیل اور وزن میں داخل نہیں ہوتیں، اور ابن فارس نے کہا: عرض ہر وہ مال ہے جو نقد نہ ہو اور اس کی جمع عروض ہے۔ اور اگر اس میں صرف عین پر زبر ہو یعنی عَرض تو اس کا معنی ہے: انسان کو جو دنیا میں حصہ ملتا ہے، قرآن مجید میں ہے:

تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۗ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (الانفال:٦٧)

تم اپنے لیے دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے لیے) آخرت کا ارادہ فرماتا ہے، اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ۗ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَ دَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۗ وَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (الاعراف:١٦٩)

اور اگر ان کے پاس اس طرح کا اور سامان آ جائے تو وہ اس کو بھی لے لیں گے، کیا ان سے کتاب میں یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے متعلق حق کے سوا کچھ نہیں کہیں گے، اور انہوں نے وہ سب کچھ پڑھ لیا جو تورات میں تھا اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے آخرت کا گھر سب سے بہتر ہے، کیا تم (یہ بات) نہیں سمجھتے O

اس حدیث کے معنی کا حاصل یہ ہے کہ حقیقی غنیٰ کثرتِ مال سے معتبر نہیں ہوتا بلکہ وہ نفس کا مستغنی ہونا ہے اور نفس کا دنیا پر حرص نہ کرنا ہے۔ اسی لیے تم دیکھتے ہو کہ اکثر مال دار لوگوں کا دل فقیر ہوتا ہے اور وہ زیادہ مال کے حصول کی کوشش کرتے ہیں، اس کی وجہ ان کی مال جمع کرنے پر شدتِ حرص ہے تو گویا کہ وہ فقیر ہیں، اور جس کا نفس غنی ہوتا ہے، وہ بابِ رضا سے متعلق ہے، وہ اللہ کی قضاء کے اوپر راضی ہوتے ہیں، کیونکہ ان کو یہ علم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو اجر ہے وہ ختم ہونے والا نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۸۳۔ ۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۴۶، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مالِ دنیا پر حرص کرنے والے کا غنی نہ ہونا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ کوئی شخص مال اور اسباب اور ساز وسامان کی کثرت کی وجہ سے غنی نہیں ہوتا، کیونکہ بہت سارے لوگ ایسے ہیں جن کے پاس مال بہت زیادہ ہوتا ہے لیکن وہ فی نفسہٖ فقیر ہوتے ہیں، ان کو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے وہ اس پر قناعت نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ مال میں اضافہ اور زیادتی کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور یہ پرواہ نہیں کرتے کہ یہ مال ان کے پاس کہاں سے آتا ہے، پس گویا کہ وہ مال کے اعتبار سے فقیر ہیں کیونکہ ان کو مال کے جمع کرنے پر بہت زیادہ طمع، لالچ اور حرص ہوتی ہے، اور حقیقت میں غنی وہ ہے جو دل سے مستغنی ہو، جس شخص کے پاس تھوڑا مال ہو اور وہ اس پر قناعت کرے اور زیادہ کی حرص نہ

کرے اور نہ اس کی طلب میں بہت زیادہ مبالغہ کرے، پس گویا کہ وہ ہمیشہ غنی ہے اور جس کا نفس مستغنی ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی قضاء پر اور تقدیر پر راضی ہے اور اپنے متعلق اللہ تعالیٰ کے حکم کو تسلیم کرتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے پاس اجر ہے وہ ابرار کے لیے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو اپنے نیک اولیاء کے لیے مقدر کیے وہ بہت عمدہ ہیں۔

حسن بصری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس پر راضی رہو جو تمہارے لیے تقسیم کیا گیا ہے تو تم تمام لوگوں سے زیادہ شکر گزار ہو گے۔ (سنن ترمذی: ۲۳۰۵، مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۰)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ (المومنون: ۵۵۔۵۶)

کیا وہ یہ گمان کر رہے ہیں کہ ہم مال اور اولاد سے جو ان کی مدد کر رہے ہیں ○ تو وہ ان کو بھلائیاں پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں نہیں) بلکہ یہ سمجھ نہیں رہے ○

یہ آیت کفار کے متعلق نازل ہوئی ہے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے جو مال اور اولاد کی کثرت کی دعا کی تھی، سو یہ آیت اس کے معارض نہیں ہے۔ اور مفسرین نے اس کے معنی میں یہ کہا ہے کہ یہ لوگ کیا یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نے جو ان کے مال اور اولاد میں اضافہ کیا ہے وہ ان کی بہترین جزاء ہے؟ نہیں بلکہ وہ استدراج ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو ڈھیل دی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ (المومنون: ۶۳)

(نہیں نہیں!) بلکہ ان کے دل اس سے غفلت میں ہیں اور اسکے سوا ان کے اور (بھی) برے اعمال ہیں جن کو وہ کرنے والے ہیں ○

یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی حکمت سے غافل ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ڈھیل دینے کے لیے جو ان کے مال اور اولاد میں کثرت کی ہے، اس کے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ راضی ہے، حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں ہے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۱۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۴۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دل کے مستغنی ہونے کی وضاحت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''غنی حقیقت میں وہ ہوتا ہے جس کا دل مستغنی ہے'' اور اس کی اصل صحیح مسلم میں اور صحیح ابن حبان میں ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مال کی کثرت غنی ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! اور آپ نے فرمایا: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مال کی قلت فقر ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: غنی دل کا غنی ہونا ہے اور فقر دل کا فقر ہے۔

علامہ القرطبی نے لکھا ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو غنی نفع بخش ہو یا جس کا نفع عظیم ہو یا جس غنی کی مدح کی گئی ہو، وہ

نفس کا مستغنی ہونا ہے، اور اس کا بیان یہ ہے کہ جب نفس مستغنی ہوگا تو وہ زیادہ طمع نہیں کرے گا اور اس کو جو بھی چیز حاصل ہوگی وہ اس کو عظیم سمجھے گا اور غنی کی زیادہ مدح اس لیے کی گئی ہے کہ جس کا نفس فقیر ہوتا ہے وہ دنیا پر حریص ہوتا ہے اور وہ اس کو رذائلِ امور میں مبتلاء کر دیتا ہے اور گھٹیا افعال میں مشغول کر دیتا ہے، کیونکہ اس کی ہمت پست ہوتی ہے اور اس کا بخل زیادہ ہوتا ہے اور اس کی مذمت بہت زیادہ کی گئی ہے۔ اور وہ شخص ہر حقیر سے زیادہ حقیر ہوتا ہے اور ہر ذلیل سے زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص نفس کے مستغنی ہونے سے متصف ہوتا ہے، وہ اللہ کے دیے ہوئے پر قناعت کرنے والا ہوتا ہے، اور بغیر ضرورت کے زیادتی اور اضافہ کی حرص نہیں کرتا اور لوگوں سے سوال نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی رہتا ہے، گویا کہ ہمیشہ وہ مال کو پانے والا ہے، اور جو شخص نفس کے فقر کے ساتھ متصف ہو، وہ اس کے برخلاف ہوتا ہے، کیونکہ اس کو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، وہ اس پر قناعت نہیں کرتا بلکہ ہمیشہ زیادتی اور اضافہ کا طالب رہتا ہے، پھر جب اس کو مطلوب نہیں ملتا تو وہ غمگین ہوتا ہے اور افسوس کرتا رہتا ہے، گویا کہ وہ مال کا محتاج ہے اور اس کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ اس سے مستغنی نہیں ہے، پس وہ غنی نہیں ہے، پھر نفس کا غنیٰ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قضاء پر راضی ہو اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو تسلیم کرے، اور اس کو یہ یقین ہو کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ خیر ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے، پس وہ حرص سے اعراض کرنے والا ہے۔

علامہ طیبی نے کہا ہے: انسان کو چاہیے کہ اپنے اوقات کو غنیٔ حقیقی میں صرف کرے اور تحصیل کمالات میں خرچ کرے نہ کہ مال کو جمع کرنے میں، کیونکہ مال کو جمع کرنے میں لگا رہے گا تو اس سے اس کا فقر زیادہ ہوگا۔ اور نفس کا غنیٰ اس کے دل کے مستغنی ہونے سے حاصل ہوگا بایں طور کہ وہ تمام معاملات میں اپنے رب کا محتاج ہو اور اس کے نزدیک یہ متحقق ہو کہ دینے والا اور منع کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے، پس وہ اس کی قضاء پر راضی ہو اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرے، اور مصائب کے دور کرنے میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہو، پھر اس کا دل اپنے رب کی طرف محتاج ہوگا اور اپنے رب کے علاوہ دوسروں سے وہ مستغنی ہوگا۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۵۰۳۔۵۰۴، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۱۶۔ بَابُ: فَضْلِ الْفَقْرِ — فقر کی فضیلت کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں فقر کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے، فقیر سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی ہو اور اس پر صابر ہو اور اس کے قول اور فعل سے کوئی ایسی چیز ظاہر نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی موجب ہو، اور وہ کوشش اور جدوجہد کو ترک نہ کرے۔ اور ایسے سوال میں مشغول نہ ہو جو انجام کار ذلت اور رسوائی ہے۔ اور جو اس زمانہ کے فقراء ہیں ان میں سے اکثر ان صفات کے ساتھ موصوف نہیں ہوتے۔ اور ان لوگوں کا فقر وہی ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ طلب کی ہے۔ رہا اس میں اختلاف کہ فقیر صابر افضل ہے یا غنی شاکر افضل ہے تو یہ بہت مشہور ہے اور اکثر جماعت نے اس میں بحث کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٤٤٧ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّهُ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ عَلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ لِرَجُلٍ عِنْدَهُ جَالِسٍ مَا رَأْيُكَ فِي هَذَا فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ أَشْرَافِ النَّاسِ هَذَا وَاللهِ حَرِيٌّ إِنْ خَطَبَ أَنْ يُنْكَحَ وَإِنْ شَفَعَ أَنْ يُشَفَّعَ قَالَ فَسَكَتَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم ثُمَّ مَرَّ رَجُلٌ آخَرُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَا رَأْيُكَ فِي هَذَا فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ هَذَا رَجُلٌ مِنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِينَ هَذَا حَرِيٌّ إِنْ خَطَبَ أَنْ لَا يُنْكَحَ وَإِنْ شَفَعَ أَنْ لَا يُشَفَّعَ وَإِنْ قَالَ أَنْ لَا يُسْمَعَ لِقَوْلِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم هَذَا خَيْرٌ مِنْ مِلْءِ الْأَرْضِ مِثْلَ هَذَا۔

(صحیح البخاری: ٦٤٤٧، سنن ابن ماجہ: ٤١٢٠)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عبدالعزیز بن ابی حازم نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا تو آپ نے دوسرے مرد سے کہا جو آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا: اس مرد کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: یہ مرد معزز لوگوں میں سے ہے، اللہ کی قسم! یہ اس بات کے لائق ہے کہ اگر یہ کسی کو نکاح کا پیغام دے تو اس کے ساتھ نکاح کر دیا جائے، اگر یہ کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول کی جائے، حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے کہا: پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، پھر ایک اور مرد گزرا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق پوچھا: اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ تو اس مرد نے کہا: یا رسول اللہ! یہ مرد فقراء مسلمین میں سے ہے، یہ اس لائق ہے کہ اگر یہ کسی کو نکاح کا پیغام دے تو اس کا نکاح نہ کیا جائے، اگر یہ کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش نہ قبول کی جائے، اور اگر یہ کوئی بات کہے تو اس کی بات نہ سنی جائے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ شخص اس دنیاوی معزز شخص سے بہتر ہے خواہ ایسے معزز شخص تمام روئے زمین میں بھرے ہوئے ہوں۔

صحیح البخاری: ٦٤٤٧، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "فقر کی فضیلت" اور اس حدیث میں دو مردوں کا ذکر ہے، ایک مرد معزز تھا اور دوسرا مرد پسماندہ تھا اور یہ باب اس دوسرے مرد کے متعلق ہے، سو اس طرح حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، یہ ابن ابی اویس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالعزیز بن ابی حازم، ان کا نام سلمہ بن دینار ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "حری" اس کا معنی ہے: جدیر اور لائق۔
اس حدیث میں مذکور ہے "لایشفع" یہ مجہول کا صیغہ ہے۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے "لا یسمع" یہ بھی مجہول کا صیغہ ہے، یعنی اس کی بات کی طرف توجہ نہ کی جائے اور اس کی بات کو نہ سنا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۸۴۔۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۴۸۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ قَالَ عُدْنَا خَبَّابًا فَقَالَ هَاجَرْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ نُرِيدُ وَجْهَ اللهِ فَوَقَعَ أَجْرُنَا عَلَى اللهِ فَمِنَّا مَنْ مَضَى لَمْ يَأْخُذْ مِنْ أَجْرِهِ مِنْهُمْ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ قُتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ وَتَرَكَ نَمِرَةً فَإِذَا غَطَّيْنَا رَأْسَهُ بَدَتْ رِجْلَاهُ وَإِذَا غَطَّيْنَا رِجْلَيْهِ بَدَا رَأْسُهُ فَأَمَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ أَنْ نُغَطِّيَ رَأْسَهُ وَنَجْعَلَ عَلَى رِجْلَيْهِ شَيْئًا مِنَ الْإِذْخِرِ وَمِنَّا مَنْ أَيْنَعَتْ لَهُ ثَمَرَتُهُ فَهُوَ يَهْدِبُهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا: میں نے ابووائل سے سنا، انہوں نے کہا: ہم نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی عیادت کی، انہوں نے بتایا: ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی، ہم اللہ کی رضا کا ارادہ کرتے تھے، سو ہمارا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو گیا، پس ہم میں سے بعض دنیا سے گزر گئے اور انہوں نے اپنے اجر میں سے کچھ بھی نہیں لیا، ان میں سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہیں، وہ غزوۂ احد میں شہید کر دیے گئے، انہوں نے ایک چادر چھوڑی تھی، جب ہم اس چادر سے ان کا سر ڈھانپتے تو ان کے پیر کھل جاتے تھے، اور جب ان کے پیروں کو ڈھانپتے تو ان کا سر کھل جاتا تھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ان کا سر ڈھانپ دیں اور ان کے پیروں کے اوپر اذخر گھاس رکھ دیں، اور ہم میں سے بعض وہ ہیں کہ جن کے اجر کا پھل پک گیا اور وہ اس کو چن رہے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۱۲۷۶، ۳۸۹۷، ۳۹۱۳، ۳۹۱۴، ۴۰۴۷، ۴۰۸۲، ۶۴۳۲، ۶۴۴۸، صحیح مسلم: ۹۴۰، سنن ترمذی: ۳۸۵۳، سنن نسائی: ۱۹۰۳، مسند احمد: ۲۶۶۷۲)

صحیح البخاری: ۶۴۴۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے اور ان کے

فقر کا بیان ہے کہ انہوں نے صرف ایک چھوٹی چادر چھوڑی تھی جس سے ان کا پورا جسم نہیں ڈھانپا جاسکتا تھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحمیدی، ان کا نام عبداللہ بن زبیر بن عیسیٰ ہے جو اپنے اجداد میں سے ایک کی طرف منسوب ہیں جن کا نام حُمید تھا۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، وہ سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابووائل، وہ شقیق بن سلمہ ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجنائز میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جاچکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی''۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی تو آپ کے ساتھ صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت خباب رضی اللہ عنہ ساتھ نہیں تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہجرت کی۔ اور معیت سے مراد ہجرت کے حکم میں مشترک ہونا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''نرید وجه الله'' یعنی ہم اللہ عزوجل کی رضا کو طلب کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے جو ہجرت کا ثواب تیار کررکھا ہے اس کو طلب کرتے تھے۔ پس وہ اجر ثابت ہوگیا، یعنی اللہ تعالیٰ نے چونکہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اجر عطا فرمائے گا تو اس کے وعدہ کے اعتبار سے وہ اجر ہمارے لیے ثابت ہوگیا، یا ازراہِ کرمِ الٰہی ثابت ہوگیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس کے جواب میں بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے اس لیے اس کے وعدہ کے اعتبار سے ہماری جزاء ثابت ہوگئی ورنہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

اس حدیث میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، ان کا نام ہے مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبدمناف بن عبدالدار بن قصی، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قصی میں جمع ہوجاتے ہیں، یہ غزوۂ احد میں شہید کردیے گئے تھے اور یہ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا اٹھانے والے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''نمرة'' اس کا معنی ہے: چادر۔ اور یہ اصل میں اون کا دھاری دار تہبند تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۸۵۔۸۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۴۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا سَلْمُ بْنُ زَرِيرٍ حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اطَّلَعْتُ فِي الْجَنَّةِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ وَاطَّلَعْتُ فِي النَّارِ فَرَأَيْتُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلم بن زریر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابورجاء نے حدیث بیان کی از حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ، از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، وہ بیان کرتے

أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ تَابَعَهُ أَيُّوبُ وَعَوْفٌ وَقَالَ صَخْرٌ وَحَمَّادُ بْنُ نَجِيحٍ عَنْ أَبِي رَجَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔

ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جنت میں جھانکا تو میں نے دیکھا کہ اکثر اہل جنت فقراء ہیں اور میں نے دوزخ میں جھانکا تو میں نے دیکھا اکثر اہلِ دوزخ عورتیں ہیں۔
ابورجاء کی متابعت ایوب اور عوف نے کی ہے۔
اور صخر اور حماد بن نجیح نے کہا از ابی رجاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

(صحیح البخاری: ۳۲۴۱، ۵۱۹۸، ۶۴۴۹، ۶۵۴۶، صحیح مسلم: ۲۷۳۷، سنن ترمذی: ۲۶۰۲، مسند احمد: ۲۰۸۶)

صحیح البخاری: ۶۴۴۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالولید، ان کا نام ہشام بن عبدالملک الطیالسی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سلم بن زریر، زریر، عظیم کے وزن پر ہے اور یہ العطاردی البصری ہیں، اور ابورجاء کا نام عمران بن تیم العطاردی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۸۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۵۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ لَمْ يَأْكُلِ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى خِوَانٍ حَتَّى مَاتَ وَمَا أَكَلَ خُبْزًا مُرَقَّقًا حَتَّى مَاتَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابومعمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن ابی عروبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی میز نما تخت پر کھانا نہیں کھایا، اور آپ نے کبھی باریک چپاتی نہیں کھائی حتیٰ کہ آپ کی وفات ہوگئی۔

(صحیح البخاری: ۵۴۱۵، ۶۴۵۰، سنن الترمذی: ۱۷۸۸، سنن ابن ماجہ: ۳۲۹۲، مسند احمد: ۱۱۹۱۶)

صحیح البخاری: ۶۴۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ یہ حدیث بھی فقر پر دلالت کرتی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابومعمر کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن محمد بن عمرو بن الحجاج ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبدالوارث کا ذکر ہے، یہ ابن سعید البصری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں خوان کا لفظ ہے، یہ وہ چیز ہے جس کے اوپر کھانا رکھ کر عیش پرست لوگ کھاتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۸۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۵۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ لَقَدْ تُوُفِّيَ النَّبِيُّ ﷺ وَمَا فِي رَفِّي مِنْ شَيْءٍ يَأْكُلُهُ ذُو كَبِدٍ إِلَّا شَطْرُ شَعِيرٍ فِي رَفٍّ لِي فَأَكَلْتُ مِنْهُ حَتَّى طَالَ عَلَيَّ فَكِلْتُهُ فَفَنِيَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از والد خود، از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کی وفات ہوگئی اور میری دیوار کی الماری میں ایسی کوئی چیز نہیں تھی جو کسی جاندار کے کھانے کے قابل ہوتی، سوا جَو کے جو میری الماری میں رکھے ہوئے تھے، میں اس سے کھاتی رہی حتیٰ کہ مجھ پر کافی عرصہ گزر گیا، پھر میں نے ان کو ناپ کر دیکھا کہ کتنے ہیں تو وہ ختم ہوگئے۔

(صحیح البخاری: ۳۰۹۷، ۶۴۵۱، صحیح مسلم: ۲۹۷۳، سنن ترمذی: ۲۴۶۷، سنن ابن ماجہ: ۳۳۴۵، مسند احمد: ۲۴۲۴۷)

صحیح البخاری: ۶۴۵۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

یہ حدیث بھی اختیاری فقر کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن ابی شیبہ، یہ ابوبکر ہے اور ابوشیبہ ان کے علاتی (باپ شریک) دادا ہیں اور وہ ابن محمد بن ابی شیبہ ہیں اور ان کا نام ابراہیم ہے، اور وہ اصل میں واسط کے رہنے والے تھے پھر کوفہ میں رہنے لگے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابواسامہ، ان کا نام حماد بن ابواسامہ ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام، یہ ابن عروہ ہیں جو اپنے باپ عروہ بن الزبیر سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "رف" یہ ایک چوڑی لکڑی ہے جس کی دو طرفیں دیوار میں نصب ہوتی ہیں اور یہ گھروں میں بنے ہوئے طاق کے مشابہ ہوتی ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ یہ حدیث کتاب الوصایا کی اس حدیث کے خلاف ہے جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی

وفات کے وقت نہ کوئی دینار چھوڑا نہ درہم اور نہ کوئی اور چیز۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی اس سے کوئی مخالفت نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث سے یہ مراد ہے کہ نبی ﷺ نے ایسی کوئی چیز نہیں چھوڑی جو آپ کے ساتھ مخصوص ہوتی، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو بیان کیا ہے، یہ وہ چیز ہے جو ان کے ساتھ مخصوص تھی۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''ذو کبد'' کبد کے معنی ہیں جگر اور یہ تمام جانداروں کو شامل ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کتاب البیوع میں یہ حدیث گزری ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے طعام کو ناپا کرو تا کہ تمہیں اس میں برکت دی جائے'' اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ناپنے کی وجہ سے برکت چلی گئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں جو برکت کا اثبات ہے وہ بیع کے وقت ہے، اور جو برکت کی نفی ہے وہ خرچ کرنے کے وقت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۸۷۔۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

باب مذکور کی احادیث کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فقر اور غنٰی کی ایک دوسرے پر افضلیت کا بیان

بہ ظاہر ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فقر کی غنٰی پر فضیلت ہے، لیکن اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ شارع علیہ السلام نے فقر کو اعمال کے اعتبار سے افضل قرار دیا ہے اور غنٰی زیادہ عزت والا ہے۔ اور فضیلت کفاف میں ہے یعنی سوال نہ کرنے میں اور بھوک روکنے کے لائق کھانا کھانے میں۔ اور علماء نے اس مسئلہ میں بہت طویل بحث کی ہے اور اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ بعض علماء نے فقر کو غنٰی پر فضیلت دی ہے اور جن لوگوں نے اس میں کتابیں لکھی ہیں ان میں ابن الفخار ہیں۔ اور دوسرے علماء نے غنٰی کو فقر پر فضیلت دی ہے۔ اور جن علماء نے اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں ان میں علامہ ابن قتیبہ ہیں۔

فقر کی غنٰی پر فضیلت میں احادیث

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یوں دعا کرتے تھے: ''اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ اور مجھے مسکینی کی حالت میں موت عطا فرمانا، اور میرا مساکین کے گروہ میں حشر کرنا''۔

(سنن ترمذی: ۲۳۵۲، سنن ابن ماجہ: ۴۱۲۶، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۳۲۱)

(۲) نبی ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! جو مجھ پر ایمان لایا اور جس نے میرے لائے ہوئے دین کی تصدیق کی تو تو اس کے مال میں اور اولاد میں کمی کرنا۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۱۳۳)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: فقراء جنت میں اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے داخل ہوں گے ۔۔۔۔۔ الحدیث (سنن ترمذی: ۲۳۵۴)

(۴) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا میں مال والے قیامت کے دن اجر کے اعتبار سے کم ہوں گے سوا اس کے جو اس طرح اور اس طرح مال کو صدقہ کرے۔ (صحیح البخاری: ۶۴۴۴) اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس سے خوشی

نہیں ہوگی کہ میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو۔

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صرف دو چیزوں میں رشک کرنا مناسب ہے، ایک وہ مرد جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ اس مال کو حق کے راستہ میں ختم کر دے۔ (صحیح البخاری: ۷۳، صحیح مسلم: ۸۱۶)

(۶) اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اگر تم نے اپنے وارثوں کو اغنیاء چھوڑا تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو فقراء چھوڑ دو وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم اپنا بعض مال اپنے پاس رکھو وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔

مؤخر الذکر دونوں حدیثوں کی تخریج گزر چکی ہے۔

(۷) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: وہ مفلس ہیں ان کے پاس مال نہیں ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۴۸۰)

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حالت کی مذمت نہیں فرماتے تھے جس میں فضیلت ہو۔

فی نفسہٖ فقر میں فضیلت ہے نہ غنیٰ میں فضیلت ہے بلکہ فضیلت میانہ روی میں ہے

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: اس مسئلہ میں سب سے بہتر جو میں نے دیکھا وہ علامہ احمد بن نصر الداؤدی کا قول ہے، انہوں نے کہا: فقر اور غنیٰ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائشیں ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ اپنے بہترین بندوں کی آزمائش کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ صابرین کے صبر کو ظاہر فرمائے، اور مال پر اترانے والوں کی سرکشی کو ظاہر فرمائے۔ اور یہ مسئلہ غیر راسخ علماء پر مشکل ہو گیا۔ پس بعض علماء نے غنیٰ کی فقر پر فضیلت میں کتابیں لکھیں، اور دوسرے بعض علماء نے اس کے برعکس کیا۔ اور وہ اس طریقہ سے غافل ہوئے جس پر برانگیختہ کرنا واجب ہے اور مستحب ہے۔

اور مجھے توقع ہے کہ جس شخص کی نیت صحیح ہوگی اور وہ اخلاص سے عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی نیت کے مطابق اچھی جزاء دے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۞ (الانبیاء: ۳۵)

اور ہم تم کو بری اور اچھی حالت میں مبتلا کر کے آزماتے ہیں اور تم سب لوگ ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے O

وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ ۖ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوسًا ۞ (بنی اسرائیل: ۸۳)

اور جب ہم انسان کو کوئی انعام دیتے ہیں تو وہ (بجائے شکر کے) منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرتا ہے اور جب اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو مایوس ہو جاتا ہے O

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۞ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۞ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۞ (المعارج: ۱۹۔۲۱)

بے شک انسان کم حوصلہ پیدا کیا گیا ہے O جب اس پر مصیبت آئے تو گھبرا جاتا ہے O اور جب اسے نفع پہنچے تو بخل کرتا ہے O

فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ۞ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ۞ (الفجر: ۱۵۔۱۶)

پس لیکن جب انسان کو اس کا رب عزت اور نعمت دے کر آزمائے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھے عزت دی O اور جب اس کا رب اس کو (مصیبت سے) آزمائے اور اس پر اس کا رزق تنگ کر

دے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا O

وَ لَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ۝ (الشوریٰ:۲۷)

اگر اللہ اپنے سب بندوں پر رزق کشادہ کر دیتا تو وہ ضرور زمین میں سرکشی کرتے، لیکن اللہ جتنا چاہے ایک اندازے سے رزق نازل فرماتا ہے، بے شک وہ اپنے بندوں کی مکمل خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے O

وَ لَوْ لَاۤ اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَیْهَا یَظْهَرُوْنَ ۝ (الزخرف:۳۳)

اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ تمام لوگ کافروں کا گروہ بن جاتے تو ہم رحمٰن کا کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھت چاندی کی بنا دیتے اور ان کی وہ سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں O

كَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤی ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی ۝ (العلق:۶۔۷)

بے شک انسان ضرور سرکشی کرتا ہے O اس نے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لیا ہے O

نیز حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تم پر فقر کا خوف نہیں ہے، مجھے تم پر یہ خطرہ ہے کہ دنیا تم پر کھول دی جائے گی۔۔۔الحدیث۔(صحیح البخاری:۳۱۵۸، ۶۴۲۵، صحیح مسلم:۲۹۶۱)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقر کے فتنہ سے بھی پناہ طلب کرتے تھے اور غنٰی کے فتنہ سے بھی پناہ طلب کرتے تھے، پس اس سے یہ معلوم ہوا کہ بقدرِ ضرورت سے زائد جتنی چیز ہو وہ آزمائش ہے اور اس آزمائش سے وہی سلامت رہتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ بچائے رکھے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو قلیل ہو اور کافی ہو وہ اس سے بہتر ہے جو کثیر ہو اور غافل کرنے والا ہو۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۷، صحیح ابن حبان:۳۳۲۹، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۴۴۴)

اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس جب کسریٰ کے اموال لائے گئے تو انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جس قوم کے اوپر بھی اس مال کو کھول دیا وہ آپس میں ایک دوسرے کا خون بہائے گی اور رحم کے رشتوں کو قطع کرے گی، اے اللہ! ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے مگر یہ کہ ہم اس سے خوش ہوں جس کو تو نے ہمارے لیے خوش نما بنا دیا۔ اے اللہ! تو نے اس مال کو اپنے رسول سے روک لیا ان کے اکرام کے لیے، اور تو نے اس مال کو مجھ پر کھول دیا تاکہ تو مجھ پر آزمائش کرے، اے اللہ! اس مال کو حق کے راستہ میں خرچ کرنے پر مجھے مسلط فرما دے اور مجھے اس مال کے فتنہ سے بچا۔

یہ احادیث اور آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ فضیلت بقدرِ ضرورت مال میں ہے نہ کہ فقر کی فضیلت ہے جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے، بلکہ غنٰی اور فقر دونوں آزمائشیں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کے فتنوں سے پناہ طلب کرتے تھے۔ اور اس پر یہ آیات دلالت کرتی ہیں:

وَ لَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل:۲۹)

اور اپنا ہاتھ اپنی گردن تک بندھا ہوا نہ رکھو اور نہ اس کو بالکل کھول دو کہ ملامت زدہ اور درماندہ بیٹھے رہو O

وَالَّذِیْنَ اِذَاۤ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَ لَمْ یَقْتُرُوْا وَ كَانَ

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ وہ فضول خرچ کرتے ہیں

بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا﴿۶۷﴾ (الفرقان:۶۷)

اور نہ بخل کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا میانہ روی پر ہوتا ہےO

وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّ ارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَ اكْسُوْهُمْ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴿۵﴾ وَ ابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰۤی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَ لَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا ؕ وَ مَنْ كَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ ۚ وَ مَنْ كَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ ؕ وَ كَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیْبًا﴿۶﴾ (النساء:۵-۶)

اور کم عقلوں کو اپنے مال نہ دو جن کو اللہ نے تمہاری گزر اوقات کا ذریعہ بنایا ہے اور اس مال میں سے ان کو کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے خیر خواہی کی بات کہوO اور یتیموں کا (بہ طور تربیت) امتحان لیتے رہو حتیٰ کہ جب وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں اور تم ان میں سمجھ داری (کے آثار) دیکھو تو ان کے مال ان کے حوالے کردو، اور ان کے مال کو فضول خرچ کر کے ان کے بڑے ہونے کے خوف سے جلدی جلدی نہ کھاؤ، اور جو (یتیم کا ولی) مال دار ہو وہ (ان کا مال کھانے سے) بچتا رہے، اور جو حاجت مند ہو وہ دستور کے موافق کھالے، پھر جب تم ان کے مال ان کے حوالے کرو تو ان پر گواہ بنالو، اور اللہ کافی ہے حساب لینے والاO

اور اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کے لیے مال کی تحسین کی، اور یہ اس غنیٰ کے متعلق ہے جس میں سرکشی نہ ہو۔ اور اگر ان کے پاس اس سے زیادہ مال ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع فرماتے۔ اور لوگوں کے ہاتھ صدقات سے کوتاہ ہو جاتے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے وہ باز رہتے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تمہاری کیا رائے ہے میں تم کو ایک ایسے لشکر میں بھیجوں کہ جس سے اللہ تعالیٰ تمہیں سلامتی کے ساتھ لے آئے اور تمہیں مال غنیمت ملے اور میں تمہارے لیے مال میں رغبت کروں تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا ہجرت کے وقت جو بھی مال تھا وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے، تو آپ نے فرمایا: جو مال صلاحیت والا ہو وہ اس مرد کے لیے ہوتا ہے جو صلاحیت والا ہو۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۹۷، صحیح ابن حبان: ۳۲۱۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مال کے حصول پر برانگیختہ کیا اور آپ کسی شخص کو اس چیز پر برانگیختہ نہیں کرتے تھے جس سے اس کا حصہ اللہ کے نزدیک کم ہو جائے۔

لہٰذا یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ فقر اور غنیٰ میں سے کوئی ایک دوسرے سے افضل ہے، کیونکہ یہ دونوں آزمائشیں ہیں۔ اور اس قول کا قائل گویا کہ یوں کہتا ہے کہ انسان کے ہاتھ کا چلا جانا اللہ کے نزدیک اس کی ٹانگ کے چلے جانے سے افضل ہے۔ اور اس کی سماعت کا چلا جانا اس کی بصارت کے چلے جانے سے افضل ہے۔ پس یہاں کوئی نعمت دوسرے سے افضل نہیں ہے، بلکہ یہ آزمائش ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمائش میں مبتلاء کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ صابرین اور شاکرین کو دوسروں سے ممتاز کرے۔ اور میرے علم کے مطابق کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے فقر کی دعا کی ہو اور نہ کسی ایک کے لیے فقر کی دعا کی ہو جس کے لیے آپ خیر کا ارادہ کرتے تھے، بلکہ آپ یہ دعا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بقدر ضرورت عطا فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ سے آپ فقر کے فتنہ سے بھی پناہ طلب کرتے تھے اور غنیٰ کے فتنہ سے بھی پناہ طلب کرتے تھے۔

فقر کو افضل نہ قرار دینے پر ایک اعتراض کا جواب

یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے تھے "اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ اور مجھے حالت مسکینی میں وفات دے اور میرا حشر مساکین میں کرنا"۔ (سنن ترمذی: ۲۳۵۲)

اگر اس حدیث کی نقل ثابت ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے ایسی مسکینی میں زندہ رکھ جو میانہ روی سے تجاوز نہ کرے یا آپ کا ارادہ یہ تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف احتیاج کو ظاہر فرماتے تھے۔ اور اس کی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کے اموال کو اور فدک اور خیبر میں جو آپ کا حصہ تھا اس کو ترک کر دیا تھا، پس یہ جائز نہیں ہے کہ آپ کے متعلق یہ گمان کیا جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہوں کہ آپ کے ہاتھ میں کچھ نہ رہے اور آپ اس پر قادر ہوں کہ آپ اپنے ہاتھ سے اموال کو خرچ کریں۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے اے اللہ! جو مجھ پر ایمان لایا ہو اور اس نے میرے لائے ہوئے دین کی تصدیق کی ہو تو اس کے مال اور اس کی اولاد میں کمی کر۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۱۳۳)

اس حدیث کی نقل صحیح نہیں ہے اور نہ اس کا اعتبار کرنا درست ہے اور اگر آپ نے قلتِ مال کی دعا کی ہو تو اس کا محمل یہ ہے کہ آپ نے یہ دعا کی کہ ان کو بقدرِ ضرورت رزق عطا فرما۔ اور رہا یہ کہ آپ نے قلتِ اولاد کی دعا کی ہو تو یہ دعا آپ مسلمانوں کے لیے کیسے کر سکتے ہیں اور جس چیز کو مشاہدہ رد کرتا ہو تو اس کی نقل صحیح نہیں ہے اور احادیث باہم متناقض اور مخالف نہیں ہوتیں اور آپ کیسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت کرتے اور حضرت ابولبابہ کو اور حضرت ابو سعد رضی اللہ عنہما کو یہ حکم دیتے کہ ان کے پاس جو مال ہے اس کو اپنے پاس باقی رہنے دیں اور فرماتے کہ یہ مال خیر ہے۔ پھر اس حدیث کے مخالف وہ حدیث ہے کہ آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے کثرتِ مال اور کثرتِ اولاد کی دعا کی اور یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان کو عطا فرمایا ہے اس میں برکت نازل فرمائے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری بیٹی نے شمار کر کے بتایا کہ حجاج کے بصرہ آنے تک میری پشت سے ایک سو بیس سے زائد بچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے پیدا ہوئے اور اس کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ ساٹھ سال زندہ رہے اور ان کی اولاد ہوئی۔ اور آپ نے ان کے لیے کثرتِ مال کی دعا کی اور یہ بھی دعا کی کہ جو کچھ ان کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اس میں برکت نازل فرمائے۔ (صحیح البخاری: ۶۳۳۴)

میں کہتا ہوں: بہ ظاہر علامہ ابن ملقن کا یہ کہنا مشکل نظر آتا ہے کہ حجاج بن یوسف کے بصرہ آنے کے بعد حضرت انس ساٹھ سال زندہ رہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ۹۳ھ میں فوت ہوئے ہیں اور حجاج ۷۳ھ میں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد بصرہ گیا ہے تو اس کے بعد وہ بیس (۲۰) سال زندہ رہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اس سوال کا جواب کہ جو شخص فقر یا غنیٰ کی آزمائش میں مبتلا ہو ان میں سے کون زیادہ افضل ہے جب کہ ان میں سے ہر ایک کا حال درست ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال صحیح نہیں ہے، کیونکہ کبھی ان لوگوں کے لیے فقر اور غنیٰ کی آزمائش کے علاوہ اور بھی اعمال ہوتے ہیں جن کی وجہ سے ایک شخص دوسرے شخص سے افضل ہوتا ہے۔

پھر اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب ان دونوں کا حال برابر ہے تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فقیر پر فقر کی وجہ سے صبر اور تھوڑے مال پر قناعت اور اللہ کی تقسیم پر رضا واجب ہوتی ہے اور وہ اس واجب کو ادا کرتا ہے اور غنی پر مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور شکر بجالانا اور تواضع کرنا واجب ہوتا ہے اور وہ اس واجب پر عمل کرتا ہے تو ان دونوں مردوں میں کون زیادہ افضل ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ فقراء اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور جن کے پاس مال کا حصہ ہے وہ رد کے گئے ہوں گے۔ (سنن ترمذی: ۲۳۵۴)

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ ان مالداروں کو جنت میں جانے سے روک لیا جائے گا جو مال پر فخر کرتے ہوں گے اور اپنے پاس مال جمع کرتے ہوں گے، لیکن جو مال میں اللہ کا حق سے ادا کرتے ہیں اور اس پر فخر نہیں کرتے اور مالی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اس کی حفاظت کرتے ہیں، پس یہ وہ لوگ نہیں ہیں جن سے پہلے فقراء کو جنت میں داخل کیا جائے۔

اس تاویل کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو گزر چکی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رشک کرنا صرف دو خصلتوں میں مستحسن ہے، ایک وہ مرد جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور اس مال کو اسے حق کے راستہ میں خرچ کرنے پر مسلط کر دے۔
(صحیح البخاری: ۷۳)

اس سے معلوم ہوا کہ ان دو مرتبوں سے کوئی اور مرتبہ بلند نہیں ہے ورنہ شارع علیہ السلام اس پر رشک کرنے کی ترغیب نہ دیتے۔

نیز ایک حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھوڑوں کی تین قسمیں ہیں، ایک گھوڑا مرد کے لیے اجر کا سبب ہوتا ہے، دوسرا گھوڑا مرد کے گناہوں پر ستر کا سبب ہوتا ہے، اور تیسرا گھوڑا اس کے اوپر گناہ کا سبب ہوتا ہے۔ پس جو گھوڑا اس کے لیے گناہوں کا بوجھ ہے، سو یہ وہ مرد ہے جس نے گھوڑے کو فخر اور دکھاوے کے لیے باندھا۔ (صحیح البخاری: ۲۸۶۰)

پس یہ تیسری قسم والا یوم حساب میں دخولِ جنت سے روکا جائے گا لیکن جس نے گھوڑا اجر کے لیے رکھا اور یا گناہوں پر پردہ کے لیے رکھا تو وہ اس میں داخل نہیں ہے۔

البتہ یہ بات ضرور ہے کہ غنیٰ کی آفات بہت زیادہ ہیں اور مال داروں میں سے نجات پانے والے بہت کم ہیں، کیونکہ غنیٰ کی آفات میں سے وہی شخص سلامت رہتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

سوالِ مذکور کا ایک اور جواب

علامہ مہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ فقراء کا اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے داخل ہونا فقر کی غنیٰ پر افضلیت کو واجب نہیں کرتا، کیونکہ جنت میں پہلے داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں کوئی فضیلت ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر ہیں اور آپ جنت میں پہلے نہیں جائیں گے حتیٰ کہ آپ اپنی امت کی شفاعت کریں گے، اسی طرح نیک مومنین بھی اپنے لوگوں کی شفاعت کریں گے جو ان سے نچلے درجہ میں ہوں گے اور قیامت کے دن دیکھا جائے گا اور جس کا حساب کم سے کم ہوگا اس کو پہلے جنت میں بھیجا جائے گا، تو اسی وجہ سے فقراء کو پہلے بھیجا جائے گا کیونکہ ان کے اوپر اموال کے حساب کا غلبہ نہیں ہوگا۔ تو ان کا اغنیاء سے پہلے جنت میں جانا اس وجہ سے ہوگا۔ پھر اس کے بعد مال داروں سے حساب لیا جائے گا پھر، وہ جنت میں داخل ہوں گے اور وہ جنت کے اندر ان درجات کو پائیں گے جن درجات کو فقراء نے نہیں پایا تھا۔

جنت میں اکثر فقراء کے ہونے سے فقر کی فضیلت کا جواب

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ میں جنت پر مطلع ہوا تو میں نے دیکھا جنت میں اکثر فقراء ہیں۔ (صحیح البخاری:۶۴۴۹)
یہ حدیث بھی فقیر کی افضلیت کو واجب نہیں کرتی اور اس کا معنی صرف یہ ہے کہ فقراء کی تعداد دنیا میں اغنیاء کی تعداد سے زیادہ ہے، تو اسی طرح وہ جنت میں بھی زیادہ ہوں گے۔ جیسا کہ تم کہو کہ دنیا میں فقراء زیادہ ہیں تو یہ تعداد کے اعتبار سے ہے فضیلت کے اعتبار سے نہیں ہے اور ان کی حالت کے اعتبار سے ہے، اور ان کو ان کے فقر نے جنت میں داخل نہیں کیا، وہ فقر کے باوجود نیک کام کرنے کی وجہ سے جنت میں داخل ہوئے، کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ جب فقیر نیک نہ ہو تو فقر کی وجہ سے اس کو کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوگی۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث سے فقر کی فضیلت کا جواب

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے ایک شخص گزرا تو آپ نے اس شخص سے پوچھا جو آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تمہاری اس شخص کے متعلق کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: یہ مرد معزز لوگوں میں سے ہے اور اللہ کی قسم! یہ اس لائق ہے کہ اگر یہ نکاح کا پیغام دیا جائے تو اس کا نکاح کر دیا جائے اور اگر یہ شفاعت کرے تو اس کی شفاعت قبول کی جائے، حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے، پھر ایک اور مرد گزرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کے متعلق پوچھا کہ اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ! یہ مرد فقراء مسلمین میں سے ہے، یہ اس لائق ہے کہ اگر یہ نکاح کا پیغام دے تو اس کا نکاح نہ کیا جائے اور اگر یہ سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہ کی جائے اور اگر یہ کوئی بات کرے تو اس کی بات نہ سنی جائے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر اس کی مثل لوگوں سے (یعنی معززین میں سے) تمام روئے زمین کو بھر دیا جائے تب بھی یہ (مسلمان فقیر) ان سے بہتر ہے۔ (صحیح البخاری:۶۴۴۷)
اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے صرف فقر کی وجہ سے اس کا افضل ہونا لازم نہیں آتا اور حدیث میں اس پر دلیل نہیں ہے کہ وہ اپنے فقر کی وجہ سے افضل ہے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر فقیر نیک نہ ہو تو ہر نیک مالدار اس سے افضل ہوگا۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جواب

حضرت خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی اور ہم صرف اللہ کی رضا کا ارادہ کرتے تھے تو ہمارا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ثابت ہو گیا، پس ہم میں سے بعض نے اپنے اجر میں سے کوئی حصہ نہیں لیا، ان میں سے حضرت مصعب بن عمیر تھے جو غزوۂ احد میں شہید کر دیئے گئے اور انہوں نے ایک ایسی چادر چھوڑی کہ اگر ہم اس سے ان کا سر ڈھانپیں تو ان کے پیر کھل جاتے تھے اور اگر پیروں کو ڈھانپیں تو ان کا سر کھل جاتا تھا، تو ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کے سر کو ڈھانپ دیا جائے۔ اور ان کے پیروں پر اذخر گھاس رکھ دیں اور ہم میں سے بعض وہ ہیں جن کے عمل کا پھل پک گیا اور وہ اس کو چن رہے ہیں۔
(صحیح البخاری:۶۴۴۸)
اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کی ہجرت دنیا کو پانے کے لیے نہیں تھی اور نہ کسی نعمت کو جلد حاصل کرنے کے لیے تھی، ان کی ہجرت محض اللہ کی رضا کے لیے تھی تاکہ ان کو آخرت میں جنت کا ثواب ملے اور دوزخ سے نجات ہو جائے۔ پس ان میں سے جو

صحابی اس سے پہلے شہید ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اوپر شہروں کو فتح کرتا تو انہوں نے کہا: وہ دنیا سے گزر گئے اور انہوں نے دنیا سے کوئی اپنے اجر کا حصہ نہیں لیا اور ان کا اجر آخرت میں بہت زیادہ ہے۔ اور جو صحابہ ان میں سے باقی رہ گئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا فتح کر دی اور انہوں نے دنیا کی پاکیزہ چیزیں حاصل کیں، انہیں یہ خوف ہوا کہ کہیں ان کی طاعت کا اجر انہیں دنیا میں نہ مل گیا ہو اور ان کی ہجرت کا ثواب انہیں دنیا میں مل گیا ہو، کیونکہ وہ آخرت کی نعمتوں پر زیادہ حریص تھے۔

میں کہتا ہوں: یہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا کمال تواضع ہے اور اللہ رب العالمین سے کمال درجہ کا خوف ہے ورنہ جن صحابہ پر شہر فتح کیے گئے اور اللہ کی نعمتوں کو کھولا گیا ان میں حضرات خلفاء راشدین ہیں جو افضلیت میں تمام صحابہ سے آگے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

تخت نما میز پر کھانا نہ کھانے کا جواب

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تخت نما میز پر کھانا نہیں کھاتے تھے اور پتلی چپاتی کھاتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ اس لیے کرتے تھے کیونکہ آپ نے پاکیزہ چیزوں کو اور حلال چیزوں کو آخرت کی دائمی حیات کے لیے چھوڑ دیا تھا اور آپ اس پر راضی نہیں تھے کہ آپ فانی دنیا میں ان سے کوئی نعمت حاصل کریں، کیونکہ آپ افضلِ دارین کو اختیار کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اختیار دیا تھا کہ آپ نبی اور بندے ہوں یا نبی اور بادشاہ ہوں تو آپ نے بندہ رہنے کو اختیار کیا۔ پس آپ پر لازم تھا کہ آپ اللہ کے لیے اس چیز کو پورا کریں جس کو آپ نے اختیار کیا تھا۔ اور دینی عبادات کو بجالانے کے لیے مال میں رغبت کی جاتی ہے تاکہ اس سے آخرت کے ثواب پر مدد حاصل کی جائے اور شارع علیہ السلام مغفور ہیں، ان وجوہ سے آپ کو مال کی ضرورت نہ تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کا جواب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف تھوڑے سے جَو کھائے تھے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جب وفات ہوئی اور الماری میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی جاندار کھاتا سوائے تھوڑے سے جَو کے جو ایک الماری میں تھے، پس میں اس سے کھاتی رہی حتیٰ کہ عرصہ گزر گیا، پھر میں نے ایک دن ان کی پیمائش کی تو وہ ختم ہو گئے۔ (صحیح البخاری: ۶۴۵۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث صرف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میانہ روی کو بیان کرنے کے لیے ہے اور آپ صرف اتنی مقدار کھاتے تھے جس سے بھوک مٹ سکے۔

علامہ ابن الملقن کے نزدیک غنیٰ فقر سے افضل ہے

علامہ ابن الملقن شافعی لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ غنی شاکر فقیر صابر سے افضل ہے، کیونکہ غنیٰ وہ حالت ہے جس حالت میں شارع علیہ السلام کی وفات ہوئی اور وہ اکمل الحالات ہے۔

اور سیدی ابوعلی الدقاق سے سوال کیا گیا کہ غنیٰ یا فقر میں کون زیادہ افضل ہے تو انہوں نے کہا: غنیٰ زیادہ افضل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت غنیٰ کے ساتھ کی ہے اور فقر مخلوق کی صفت ہے اور حق تعالیٰ کا وصف مخلوق کے وصف سے افضل ہے اور یہ بہت عمدہ استدلال ہے۔

اور رہا تھوڑی مقدار پر قناعت کرنا تو یہ بلند درجہ ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی چیز کا سوال کرتے تھے جو افضل الاحوال ہو۔ حدیث میں ہے:

امام ابن ماجہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر غنی اور ہر فقیر قیامت کے دن یہ تمنا کرے گا کہ اس کو گزارہ کے لائق دیا جاتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۱۴۰)

علامہ قرطبی نے کہا ہے: اس بناء پر جو لوگ مقدارِ ضرورت کے اوپر قناعت کرتے ہیں تو وہی اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے داخل ہوں گے، کیونکہ وہ متوسطین ہیں اور وسط کو اللہ تعالیٰ نے عدل فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔ (البقرہ: ۱۴۳) اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۴۵۵۔۴۶۸ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۵۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بہ قدرِ ضرورت حصولِ مال کی فضیلت

بعض علماء نے بقدرِ ضرورت مال کے حصول کو افضل قرار دیا ہے۔

علامہ القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں: اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے نبی کے لیے تین حالات رکھے ہیں: (۱) فقر (۲) غنی (۳) بقدرِ ضرورت مال کا ہونا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی حالت فقر تھی، آپ نے اس کے واجبی حقوق کو نفس کے مجاہدہ کے ساتھ قائم کیا، دوسری حالت یہ تھی کہ آپ کو بکثرت فتوحات حاصل ہوئیں جس سے آپ اغنیاء کی حد کو پہنچ گئے، پھر آپ نے غنی کے حقوقِ واجبہ کو ادا کیا اور مستحقین کے اوپر مال کو خرچ کیا اور غرباء کی غم گساری کی اور باوجود اس کے کہ آپ کے پاس صرف اتنا مال تھا جو آپ کے اہل وعیال کی ضروریات کو پورا کرتا پھر بھی آپ ضرورت مندوں کے لیے ایثار فرماتے تھے۔

اور تیسری حالت آپ کی یہ تھی کہ آپ کے پاس بقدرِ ضرورت مال تھا اور اسی حالت میں آپ کی وفات ہوئی اور یہ وہ حالت ہے جو اس غنی سے سلامت ہے جو سرکشی کا موجب ہوتا ہے اور اس فقر سے بھی سلامت ہے جو درد اور تکلیف کا موجب ہوتا ہے۔ اس کے باوجود جس شخص کے پاس صرف بقدرِ ضرورت مال ہو اس کا بھی فقراء میں شمار ہوتا ہے، کیونکہ وہ دنیا کی لذیذ چیزوں سے بے نیاز رہتا ہے بلکہ وہ بقدرِ ضرورت سے زیادہ کے حصول پر اپنے نفس سے مجاہدہ کر کے صبر کرتا ہے۔ پس اس کا حال فقر سے فوت نہیں ہوتا مگر وہ ضرورت کے قہر اور سوال کی ذلت سے محفوظ رہتا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس سے پہلے احادیث میں گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کے مستغنی ہونے کی ترغیب دی ہے۔ حدیث میں ہے:

امام ترمذی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس چیز پر راضی ہو جاؤ جس کی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تقسیم کی ہے تو تم تمام لوگوں سے زیادہ غنی ہو گے۔

اور اس سے زیادہ صحیح وہ ہے جس کی امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: وہ شخص کامیاب ہوگیا جس کو اسلام کی ہدایت دی گئی اور اس کو بقدرِ ضرورت رزق دیا گیا اور اس نے قناعت کی۔

اس حدیث کی مثل امام ترمذی اور ابن حبان نے بھی روایت کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے: ان اوصاف میں فضیلت ہے اور حصول بقدرِ ضرورت بغیر زیادتی اور نقصان کے کفاف ہے۔

علامہ القرطبی نے کہا ہے: الکفاف وہ ہے جو حاجات سے رو کے اور ضروریات کو پورا کرے اور مال داروں کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو۔ اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو ان صفات کے ساتھ متصف ہو اس کو اپنا مطلوب حاصل ہوگا اور وہ دنیا اور آخرت میں اپنے مرغوب کے ساتھ کامیاب ہوگا اور اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! آلِ محمد کا رزق قوت بنا، یعنی اتنا بنا جو ان کی رمقِ حیات کو قائم رکھنے کے لیے کافی ہو اور جو ان کو سوال کی ذلت تک نہ پہنچائے اور اس میں ایسا زائد مال نہ ہو جو ان کو عیش و عشرت پر اور دنیا کی تر و تازگی اور زیب و زینت پر برانگیختہ کرے۔ اور اس میں ان کی دلیل ہے جو الکفاف یعنی بقدرِ ضرورت مال کے حصول کو افضل قرار دیتے ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے اور اپنی آل کے لیے اسی حال کی دعا کرتے تھے جو افضل الاحوال ہو اور آپ نے یہ دعا کی ہے: اے اللہ! آلِ محمد کا رزق قوت بنا دے یعنی ان کو بقدرِ ضرورت مال عطا فرما۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: بہترین امور وہ ہیں جو درمیانی ہوں۔

اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کی امام عبداللہ بن المبارک نے کتاب الزہد میں سندِ صحیح کے ساتھ القاسم بن محمد بن ابی بکر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا: ایک مرد وہ ہے جس کے عمل کم ہیں اور گناہ بھی کم ہیں وہ افضل ہے، یا وہ مرد افضل ہے جس کے عمل کثیر ہیں اور گناہ بھی کثیر ہیں؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں کسی چیز میں سلامتی سے تجاوز نہیں کروں گا۔ پس جس شخص کو اتنا مال حاصل ہوا جو اس کے لیے کافی ہو اور اس نے اس پر قناعت کی ہو اور وہ مال کی آفات سے بچا رہا اور فقر کی آفات سے بھی بچا رہا تو وہ زیادہ بہتر ہے۔

اور اس سلسلہ میں ایک ایسی حدیث ہے جو اس مسئلہ میں نص کا درجہ رکھتی ہے۔

امام ابن ماجہ نے سندِ ضعیف کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر غنی اور ہر فقیر قیامت کے دن یہ تمنا کرے گا کہ اسے دنیا میں بقدرِ ضرورت مال دیا گیا ہوتا۔

میں کہتا ہوں: یہ تمام حقائق درست ہیں، لیکن ان مذکورہ امور سے اصل سوال کا جواب نہیں ملتا اور وہ یہ ہے کہ غنی یا فقر میں سے کونسی چیز افضل ہے؟ کیونکہ نزاع اس کے متعلق ہے جو ان دو میں سے کسی ایک وصف کے ساتھ متصف ہو۔ اسی لیے علامہ داؤدی نے اس کلام کے آخر میں یہ کہا کہ یہ سوال کرنا کہ فقر اور غنی میں سے کون افضل ہے، درست نہیں۔ کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ فقیر کے پاس کوئی ایسا عملِ صالح ہو جو غنی کے پاس نہ ہو تو فقیر افضل ہو جائے گا، اسی طرح غنی کے پاس کوئی ایسا افضل عمل ہو جو فقیر کے پاس نہ ہو تو غنی افضل ہو جائے گا۔ سوال اس وقت پیدا ہوگا جب دونوں برابر ہوں، یعنی ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک ایسا عمل ہو جو دوسرے کے عمل کے مقابلہ کا ہو۔ انہوں نے کہا: اس صورت میں ان میں کون افضل ہوگا اس کا علم اللہ کے پاس ہے۔

اسی طرح ابن تیمیہ نے کہا ہے، لیکن انہوں نے کہا: جب فقیر اور غنی دونوں تقویٰ کے اندر مساوی ہوں تو وہ فضیلت میں بھی برابر ہیں۔

اور اس سے پہلے ابن دقیق العید کی بحث گزر چکی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ فقراء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جس طرح ہم نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، اسی طرح اغنیاء بھی نمازیں پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں لیکن کچھ ایسی عبادات ہیں جو وہ کر سکتے ہیں اور ہم نہیں کر سکتے وہ حج کرتے ہیں، عمرہ کرتے ہیں اور جہاد کرتے ہیں، صدقہ وخیرات کرتے ہیں اور ہم یہ عبادات نہیں کر سکتے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں ایسی چیز بتاتا ہوں کہ اگر تم اس پر عمل کرو تو ان کی فضیلت کو پالو گے اور وہ تم سے بڑھ نہیں سکیں گے الا یہ کہ وہ بھی وہی عمل کریں۔ پھر آپ نے بتایا کہ تم نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر کہو۔ (صحیح البخاری: ۸۴۳)

امام مسلم نے اس حدیث کے بعد یہ اضافہ کیا ہے: پھر فقراء مہاجرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئے اور کہا: ہمارے مال دار بھائیوں نے یہ عمل سنا تو انہوں نے بھی یہ عمل کیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے یہ فضل عطا فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۵۹۵)

اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ غنی فقیر سے افضل ہے، کیونکہ غنی کو مالی عبادات کرنے کی وجہ سے زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے الا یہ کہ افضل کی تفسیر اشرف کے ساتھ کی جائے، یعنی جو وصف نفس کی صفات میں سے اشرف ہے پس نفس فقر کے سبب سے جن اخلاق مذمومہ سے متصف ہوتا ہے سو فقیر ریاضت کر کے ان اخلاق مذمومہ کو زائل کرے تو ایسا کرنا اس کے لیے باعث شرف ہے اور اس اعتبار سے فقر کو غنی پر ترجیح ہو جائے گی۔ اور اسی معنی کے اعتبار سے جمہور صوفیاء نے یہ کہا ہے کہ فقیر صابر غنی شاکر سے افضل ہے، کیونکہ اس کا مدار نفس کی تہذیب اور اس کی ریاضت پر ہے۔ اور یہ غنی کی بہ نسبت فقر میں زیادہ ہوتی ہے۔

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے: اختلاف کی صورت اس فقیر میں ہے جو حریص نہ ہو اور اس غنی میں ہے جو بخیل نہ ہو، کیونکہ یہ بات مخفی نہیں کہ جو فقیر قانع ہو وہ غنی بخیل سے افضل ہے۔ اور یہ کہ جو غنی نیکی میں خرچ کرنے والا ہو وہ اس فقیر سے افضل ہے جو حریص ہو۔ پس انہوں نے کہا کہ فی نفسہ مال ممنوع نہیں ہے بلکہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادات سے مانع ہے اور اسی طرح اس کے برعکس بھی ہے۔ پس کتنے غنی ایسے ہیں جن کو ان کا غنی اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں رکھتا اور کتنے فقیر ایسے ہیں جو اپنے فقر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے کہا: اور اگر تم یہ دیکھو کہ اکثر اور زیادہ کون ہے تو فقیر خطرات سے غنی کی بہ نسبت زیادہ دور ہوتا ہے، کیونکہ غنی کا فتنہ فقر کے فتنہ سے زیادہ شدید ہے۔

علامہ ابن جریر طبری نے کہا: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ صابر کی آزمائش شاکر کی آزمائش سے زیادہ شدید ہوتی ہے، البتہ میں اس طرح کہتا ہوں جیسا کہ مطرف بن عبداللہ نے کہا کہ اگر میں مال کے حصول پر شکر کروں تو یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں مصیبت میں مبتلاء ہو کر صبر کروں۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں یہ مرکوز ہے کہ وہ صبر کم کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق صبر کرنے والے کم پائے جاتے ہیں بہ نسبت ان کے جو اپنی استطاعت کے مطابق اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

بعض علماء نے فقر کو فضیلت دی اور بعض نے غنی کو فضیلت دی اور بعض نے بقدر ضرورت مال کے حصول کو فضیلت دی، اور یہ

محلِ خلاف سے خارج ہے اور وہ یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کس کا حال اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ افضل ہے، آیا بندہ کے پاس مال کم ہو یہ افضل ہے تا کہ اس کا دل مالی غفلات سے فارغ ہو اور وہ مناجات کی لذت کو پائے، یا یہ افضل ہے کہ وہ مال کو حاصل کرے تا کہ وہ نیکی اور صلۂ رحمی اور صدقہ وخیرات کی زیادہ عبادات ادا کر سکے۔ اور جب یہ معاملہ ہے تو افضل وہ ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور جمہور صحابہ نے اختیار کیا کہ دنیا کا مال کم لیا جائے اور دنیا کی تر و تازگی اور لذائذ سے اعراض کیا جائے۔

رہا یہ امر کہ جس شخص کو اس کی کوشش کے بغیر دنیا کا مال حاصل ہو مثلاً میراث سے حاصل ہو یا غنیمت سے حاصل ہو تو کیا اس کے لیے یہ افضل ہے کہ وہ جلدی سے اس تمام مال کو نیکی کے راستوں میں خرچ کر دے حتیٰ کہ اس کے پاس کچھ بھی باقی نہ رہے یا اس کے لیے یہ افضل ہے کہ وہ اس مال کو صدقہ وخیرات میں صرف کرے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ آدمی اپنے پاس بقدرِ ضرورت مال رکھے اور یہ دعویٰ کرنا کہ جمہور صحابہ دنیا کا مال کم لیتے تھے اور زہد اختیار کرتے تھے، یہ ممنوع ہے، کیونکہ فتوحات کے بعد ان کا حال دو قسم پر تھا، بعض صحابہ وہ تھے جنہوں نے اس مال کو اپنے رب کا تقرب حاصل کرنے میں خرچ کیا، نیکی کے کاموں میں مال کو صرف کیا، رشتہ داروں کو عطا کیا، غرباء کی غم گساری کی اور اپنے دل سے مستغنی بھی رہے۔ اور بعض وہ تھے کہ جو اپنے پہلے حال پر قائم رہے جس طرح فتوحات سے پہلے ان کے پاس کم مال تھا اسی کیفیت پر قائم رہے اور جس نے سلف صالحین کی سیرت کا مطالعہ کیا اس سے یہ چیز مخفی نہیں ہوگی۔ اس معاملہ میں ان کی خبریں بے شمار ہیں۔

امام مسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس غنی سے محبت کرتا ہے جو متقی ہو اور اپنے آپ کو مخفی رکھے۔ متقی سے اس حدیث میں مراد یہ ہے کہ وہ گناہوں کو ترک کرے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرے اور خفی سے مراد یہ ہے کہ وہ ریا کاری اور دکھاوے کو ترک کرے۔ اور یہ حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے جو ہم نے کہا ہے کہ کمال اس میں ہے کہ انسان میانہ روی کو اختیار کرے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۰۵۔۵۰۷، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

فقر اور غنیٰ میں موازنہ کے متعلق حرفِ آخر

ہم نے فقر اور غنیٰ کے متعلق جو ابحاث نقل کی ہیں ان سے ہم نے یہی سمجھا ہے کہ غنی کو فقیر پر افضلیت حاصل ہے، اور واضح رہے کہ غنی سے مراد یہ نہیں ہے جس کے پاس مال و دولت کی کثرت ہو خواہ وہ اس مال و دولت میں اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق ادا کرے یا نہ کرے، بلکہ غنی سے مراد ایسا غنی ہے جو اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال و دولت سے مال و دولت کے متعلق جو اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں ان پر عمل کرے اور اللہ تعالیٰ کے احکام بجالائے اور بندوں کے جو اس پر حقوق ہیں ان کو بھی ادا کرے اور خود سادگی سے زندگی گزارے اور عیش و عشرت میں پڑ کر اللہ تعالیٰ کے احکام سے غافل نہ ہو اور غریبوں کی امداد کرنے سے بے پرواہ نہ ہو اور مال و دولت پر مغرور نہ ہو۔ سو ایسا غنی فقیر پر حسبِ ذیل تین وجوہ سے افضل ہے:

(۱) غنی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور فقیر مخلوق کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت مخلوق کی صفت سے افضل ہے، اس لیے غنی چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت سے متصف ہے اس لیے وہ فقیر سے افضل ہے۔

(۲) فقیر کے پاس چونکہ مال نہیں ہوتا اس لیے وہ بہت ساری مالی عبادات کرنے سے قاصر ہوتا ہے مثلاً حج اور عمرہ کرنا، زکوٰۃ ادا

کرنا، قربانی کرنا اور نفلی صدقات وخیرات کرنا اور اس قسم کی دوسری مالی عبادات فقیر نہیں کرسکتا جب کہ غنی یہ تمام عبادات بجالاتا ہے، اس لیے بھی وہ فقیر سے افضل ہے۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتدائی حال فقر تھا اور آپ کے پاس مال کی فراوانی نہیں تھی لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے فتوحات کے ذریعہ آپ کو بکثرت مال فئے عطا فرمایا حتیٰ کہ وفات سے پہلے آپ کی ملکیت میں فدک کے باغات تھے اور بنونضیر کی آمدنی بھی آپ کو حاصل تھی اور آپ کا یہ حال غنی کا حال تھا۔ سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بھی غنی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت بھی غنی ہے اس لیے غنی فقیر سے افضل ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۵۱، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

غنی کی فقیر پر افضلیت کا بیان

کتنے غنی ایسے ہوتے ہیں جو ہزاروں فقیروں سے افضل ہوتے ہیں اور کتنے فقیر ایسے ہوتے ہیں جو ہزاروں اغنیاء سے افضل ہوتے ہیں، پھر اگر عوارض سے قطع نظر کر کے فی نفسہ فقر اور غنیٰ کی طرف نظر کی جائے تو غنی احسن اور افضل ہے، کیونکہ اس سے خاص نفع اور عام نفع حاصل ہوتا ہے جو فقر کی وجہ سے حاصل نہیں ہوتا۔

اور علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ غنی شاکر افضل ہے یا فقیر صابر۔ بعض علماء نے کہا: غنی شاکر افضل ہوتا ہے، کیونکہ غنی سے امت کو وہ خیر اور نفع حاصل ہوتا ہے جو فقیر سے حاصل نہیں ہوتا۔ اور بعض علماء نے کہا کہ بلکہ فقیر صابر افضل ہوتا ہے، کیونکہ وہ مصائب اور قلتِ مال پر صبر کرتا ہے، سو وہ صابرین میں سے ہے، لیکن جب ہم نے اس پر من حیث الاطلاق نظر کی تو غنی شاکر افضل ہے، کیونکہ مال کے ساتھ مبتلاء ہونا بھی ایک مصیبت ہے، مال سے متعلق اپنی ذمہ داریاں ہیں۔ پس اگر وہ مال کے حقوق بجالائے اور ان کا شکر ادا کرے تو اس کی مشقت فقیر کے صبر کرنے کی مشقت سے زیادہ ہوگی، کیونکہ بہت سارے اغنیاء وہ ہیں جو فخر اور غرور میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۳۲۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۷۔ بَابٌ: كَيْفَ كَانَ عَيْشُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ وَتَخَلِّيهِمْ مِنَ الدُّنْيَا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کس طرح زندگی بسر کرتے تھے اور دنیا کو چھوڑے رکھتے تھے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی کیفیت اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی زندگی کی کیفیت کا بیان ہے اور اس کا بیان ہے کہ انہوں نے دنیا کی لذیذ چیزوں کو اور دنیا کی عیش پرستی کو ترک کر رکھا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۵۲۔ حَدَّثَنِي أَبُو نُعَيْمٍ بِنَحْوٍ مِنْ نِصْفِ هٰذَا الْحَدِيثِ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ ذَرٍّ حَدَّثَنَا مُجَاهِدٌ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَقُولُ أَللّٰهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ إِنْ كُنْتُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے ابونعیم نے یہ حدیث نصف کے قریب بیان کی اور نصف دوسرے راوی نے بیان کی، ہمیں عمر بن ذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں

لَأَعْتَمِدُ بِكَبِدِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْجُوعِ وَإِنْ كُنْتُ لَأَشُدُّ الْحَجَرَ عَلَى بَطْنِي مِنَ الْجُوعِ وَلَقَدْ قَعَدْتُ يَوْمًا عَلَى طَرِيقِهِمُ الَّذِي يَخْرُجُونَ مِنْهُ فَمَرَّ أَبُو بَكْرٍ فَسَأَلْتُهُ عَنْ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللهِ مَا سَأَلْتُهُ إِلَّا لِيُشْبِعَنِي فَمَرَّ وَلَمْ يَفْعَلْ ثُمَّ مَرَّ بِي عُمَرُ فَسَأَلْتُهُ عَنْ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللهِ مَا سَأَلْتُهُ إِلَّا لِيُشْبِعَنِي فَمَرَّ فَلَمْ يَفْعَلْ ثُمَّ مَرَّ بِي أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ فَتَبَسَّمَ حِينَ رَآنِي وَعَرَفَ مَا فِي نَفْسِي وَمَا فِي وَجْهِي ثُمَّ قَالَ يَا أَبَا هِرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الْحَقْ وَمَضَى فَتَبِعْتُهُ فَدَخَلَ فَاسْتَأْذَنَ فَأَذِنَ لِي فَدَخَلَ فَوَجَدَ لَبَنًا فِي قَدَحٍ فَقَالَ مِنْ أَيْنَ هَذَا اللَّبَنُ قَالُوا أَهْدَاهُ لَكَ فُلَانٌ أَوْ فُلَانَةُ قَالَ أَبَا هِرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الْحَقْ إِلَى أَهْلِ الصُّفَّةِ فَادْعُهُمْ لِي قَالَ وَأَهْلُ الصُّفَّةِ أَضْيَافُ الْإِسْلَامِ لَا يَأْوُونَ إِلَى أَهْلٍ وَلَا مَالٍ وَلَا عَلَى أَحَدٍ إِذَا أَتَتْهُ صَدَقَةٌ بَعَثَ بِهَا إِلَيْهِمْ وَلَمْ يَتَنَاوَلْ مِنْهَا شَيْئًا وَإِذَا أَتَتْهُ هَدِيَّةٌ أَرْسَلَ إِلَيْهِمْ وَأَصَابَ مِنْهَا وَأَشْرَكَهُمْ فِيهَا فَسَاءَنِي ذَلِكَ فَقُلْتُ وَمَا هَذَا اللَّبَنُ فِي أَهْلِ الصُّفَّةِ كُنْتُ أَحَقُّ أَنَا أَنْ أُصِيبَ مِنْ هَذَا اللَّبَنِ شَرْبَةً أَتَقَوَّى بِهَا فَإِذَا جَاءَ أَمَرَنِي فَكُنْتُ أَنَا أُعْطِيهِمْ وَمَا عَسَى أَنْ يَبْلُغَنِي مِنْ هَذَا اللَّبَنِ وَلَمْ يَكُنْ مِنْ طَاعَةِ اللهِ وَطَاعَةِ رَسُولِهِ ﷺ بُدٌّ فَأَتَيْتُهُمْ فَدَعَوْتُهُمْ فَأَقْبَلُوا فَاسْتَأْذَنُوا فَأَذِنَ لَهُمْ وَأَخَذُوا مَجَالِسَهُمْ مِنَ الْبَيْتِ قَالَ يَا أَبَا هِرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ خُذْ فَأَعْطِهِمْ قَالَ فَأَخَذْتُ الْقَدَحَ فَجَعَلْتُ أُعْطِيهِ الرَّجُلَ فَيَشْرَبُ حَتَّى يَرْوَى ثُمَّ يَرُدُّ عَلَيَّ الْقَدَحَ فَأُعْطِيهِ الرَّجُلَ فَيَشْرَبُ حَتَّى يَرْوَى ثُمَّ يَرُدُّ عَلَيَّ الْقَدَحَ فَيَشْرَبُ حَتَّى يَرْوَى ثُمَّ يَرُدُّ

مجاہد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ بیان کرتے تھے: اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، بے شک میں بھوک کی وجہ سے اپنے جگر (پیٹ) کو زمین پر لگا لیتا تھا اور بے شک میں بھوک کے سبب سے اپنے پیٹ پر پتھر کو باندھ لیتا تھا، اور ایک دن میں اس راستہ پر بیٹھ گیا جہاں سے صحابہ نکلتے تھے، سو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گزرے، میں نے ان سے کتاب اللہ کی ایک آیت سے متعلق سوال کیا، میں نے ان سے یہ سوال صرف اس لیے کیا تھا کہ وہ مجھے پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیں، سو وہ گزر گئے اور انہوں نے ایسا نہیں کیا، پھر میرے پاس سے حضرت عمر گزرے، میں نے ان سے بھی کتاب اللہ کی آیت سے متعلق سوال کیا، میں نے ان سے یہ سوال صرف اس لیے کیا تھا کہ وہ مجھے پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیں، سو وہ بھی گزر گئے اور انہوں نے بھی ایسا نہیں کیا، پھر میرے پاس سے ابوالقاسم ﷺ گزرے، آپ نے جب مجھے دیکھا تو آپ مسکرائے اور آپ نے جان لیا جو کچھ میرے دل میں ہے اور جو میرے چہرہ میں تاثرات تھے، پھر آپ نے فرمایا: اے اباہر! میں نے عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: میرے ساتھ چلو، اور آپ چل پڑے، میں آپ کے پیچھے آیا، آپ گھر میں داخل ہوئے، پس آپ نے اجازت طلب کی، پھر آپ نے مجھے اجازت دی، آپ گھر میں گئے تو آپ کو ایک پیالہ میں دودھ ملا، آپ نے پوچھا: یہ دودھ کہاں سے آیا؟ گھر والوں نے بتایا کہ یہ فلاں مرد نے یا فلاں عورت نے آپ کے لیے ہدیہ بھیجا ہے، آپ نے فرمایا: اے اباہر! میں نے عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: اہل صفہ سے جا کر ملو اور ان کو میرے لیے بلا کر لاؤ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: اہل صفہ اسلام کے مہمان تھے، وہ گھر والوں کے ساتھ نہیں رہتے تھے اور نہ کسی اور کے ساتھ اور نہ ان کے پاس مال تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی صدقہ آتا تو آپ

عَلَيَّ الْقَدَحَ حَتَّى انْتَهَيْتُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَقَدْ رَوِيَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ فَأَخَذَ الْقَدَحَ فَوَضَعَهُ عَلَى يَدِهِ فَنَظَرَ إِلَيَّ فَتَبَسَّمَ فَقَالَ أَبَا هِرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ بَقِيتُ أَنَا وَأَنْتَ قُلْتُ صَدَقْتَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ اقْعُدْ فَاشْرَبْ فَقَعَدْتُ فَشَرِبْتُ فَقَالَ اشْرَبْ فَشَرِبْتُ فَمَا زَالَ يَقُولُ اشْرَبْ حَتَّى قُلْتُ لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أَجِدُ لَهُ مَسْلَكًا قَالَ فَأَرِنِي فَأَعْطَيْتُهُ الْقَدَحَ فَحَمِدَ اللهَ وَسَمَّى وَشَرِبَ الْفَضْلَةَ۔

آتا تو آپ اس صدقہ کو اہل صفہ کے پاس بھیجتے اور خود اس میں سے کچھ بھی نہیں لیتے تھے اور جب آپ کے پاس کوئی ہدیہ آتا، تو آپ ان کو بلاتے اور خود بھی اس میں سے لیتے اور ان کو بھی اس میں شریک کرتے، سو یہ مجھے برا لگا، میں نے دل میں کہا: یہ اتنا سا دودھ اہلِ صفہ کے مقابلہ میں کیا ہوگا اور میں زیادہ حق دار تھا کہ میں اس دودھ سے کوئی گھونٹ پاتا اور اس سے قوت حاصل کرتا، پھر جب اہل صفہ آجائیں گے تو آپ مجھے حکم دیں گے تو پھر میں ان کو یہ دودھ پیش کروں گا اور یہ توقع نہیں ہے کہ پھر اس دودھ سے مجھے بھی کچھ ملے گا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے سوا میرے لیے اور کوئی چارہ کار نہیں تھا، پس میں اصحابِ صفہ کے پاس آیا اور ان کو بلایا، سو وہ آئے، پس انہوں نے اجازت طلب کی، آپ نے ان کو اجازت دی اور وہ گھر کے اندر اپنی اپنی مجالس میں بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا: اے ابا ہر! میں نے عرض کیا: لبیک یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: یہ دودھ لو اور ان کو دو، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: میں نے وہ دودھ کا پیالہ لیا اور ایک مرد کو میں دیتا وہ پیتا حتیٰ کہ وہ سیر ہو جاتا، پھر وہ مجھ کو پیالہ واپس کر دیتا، پھر میں دوسرے مرد کو وہ دیتا سو وہ پیتا حتیٰ کہ سیر ہو جاتا، پھر وہ مجھے پیالہ لوٹا دیتا، حتیٰ کہ وہ دودھ پی کر سیر ہو جاتا، پھر مجھ پر پیالہ لوٹا دیتا، حتیٰ کہ میں اخیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور سب لوگ سیر ہو چکے تھے، آپ نے وہ پیالہ پکڑا اور اس کو میرے ہاتھ پر رکھا، پھر میری طرف دیکھا، پھر آپ مسکرائے، پھر آپ نے فرمایا: اے ابا ہر! میں نے کہا: لبیک یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: اب میں باقی ہوں اور تم باقی ہو، میں نے عرض کیا: آپ نے سچ فرمایا یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: بیٹھو، سو پیو، پس میں بیٹھا اور میں نے پیا، آپ نے فرمایا: پیو، سو میں نے پھر پیا، آپ مسلسل فرماتے رہے پیو حتیٰ کہ میں نے کہا: نہیں اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں تو اس دودھ کے لیے

اب کوئی راستہ ہی نہیں پاتا، آپ نے فرمایا: پس مجھے دکھاؤ، پس
میں نے آپ کو پیالہ دیا، سو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور بسم اللہ
پڑھی اور باقی ماندہ دودھ پی لیا۔

(صحیح البخاری: ۵۳۷۵، ۶۲۴۶، ۶۴۵۲، سنن ترمذی: ۲۴۷۷، مسند احمد: ۱۰۳۰۱)

صحیح البخاری: ۶۴۵۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بسر کرنے کے طریقہ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی زندگی بسر کرنے کے طریقہ کی خبر دی ہے۔

امام بخاری نے اس حدیث کا بعض حصہ کتاب الاستئذان میں مختصراً روایت کیا ہے، وہاں اس کی روایت از ابونُعیم از عمر بن ذر از محمد بن مقاتل از حضرت عبداللہ از عمر بن ذر سے کی ہے۔ پھر یہاں کتاب الرقاق میں اس حدیث کو دوبارہ ذکر کیا ہے اور یہاں اس کی فقط ابونعیم سے طویل روایت کی ہے۔ اور امام ترمذی نے اس حدیث کی کتاب الزہد میں روایت کی ہے اور امام نسائی نے اس حدیث کی کتاب الرقاق میں روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث کی سند میں امام بخاری نے یہ ذکر کیا ہے کہ ''ابونعیم نے یہ حدیث نصف کے قریب بیان کی اور نصف دوسرے راوی نے بیان کی''۔

علامہ کرمانی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس میں اشکال ہے کہ باقی نصف حدیث بغیر سند کے باقی رہے گی اور پھر وہ نصف مبہم ہے، آیا وہ نصف اول ہے یا آخر ہے۔

پھر اس کا انہوں نے یہ جواب دیا کہ امام بخاری نے اس پر اعتماد کیا ہے جو انہوں نے کتاب الاطعمہ میں یوسف بن عیسیٰ المروزی سے روایت کی ہے۔ اور وہ اس حدیث کے نصف کے قریب ہے۔ پس شاید کہ امام بخاری نے نصفِ مذکور سے اس کا ارادہ کیا ہے جو ابونعیم کی روایت ہے جس کو کتاب الاطعمہ میں ذکر نہیں کیا تھا۔ پس یہ پوری حدیث مسند ہو جائے گی۔ حدیث کا بعض حصہ یوسف سے مروی ہے اور بعض حصہ ابونعیم سے مروی ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''اللہ الذی لا الٰہ الا ھو'' اس جملہ سے پہلے واؤ قسمیہ محذوف ہے، اصل میں یوں ہے ''واللہ الذی'' یعنی اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لاعتمد بکبدی علی الارض'' یعنی میں اپنے پیٹ کو زمین کے ساتھ چپکا رہا تھا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''لاشد الحجر علی بطنی'' یعنی میں اپنے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت ہے: ہم میں سے کسی ایک پر ضرور ایسے ایام آتے تھے کہ اسے ایسی کوئی چیز میسر نہیں ہوتی تھی جس سے وہ اپنی پشت کو سیدھا رکھ سکے حتیٰ کہ ہم میں سے کوئی ایک پتھر لیتا اور اس کو اپنے پیٹ کے گڑھے میں رکھتا، پھر اس کے اوپر کپڑا باندھ دیتا تا کہ پشت سیدھی رہے۔ اور پیٹ پر پتھر باندھنے کا فائدہ یہ ہے کہ کھڑے ہونے میں کمر سیدھی رہے، یا اس لیے کہ پیٹ میں جو غذاء موجود ہے وہ جلدی جسم میں حلول نہ کرے۔ اور کبھی انتڑیوں کی ایک طرف مستور ہو جاتی اور ضعف کم ہو جاتا، یا پتھر کی ٹھنڈک سے بھوک کی گرمی کم ہو جاتی۔ یا اس میں کسرِ نفس کی طرف اشارہ ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ ابنِ آدم کا پیٹ صرف مٹی بھر سکتی ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: پیٹ پر پتھر باندھنے کو بعض لوگوں نے سبب اشکال قرار دیا، انہوں نے یہ وہم کیا کہ حجر کا لفظ غلط لکھا گیا ہے، اصل میں یہ حجز تھا زاء کے ساتھ، راء کے ساتھ نہیں تھا۔ اور حجز اس پٹی کو کہتے ہیں جس سے انسان اپنی کمر کو باندھ لیتا ہے، لیکن حجاز کے لوگوں کی یہ عادت تھی کہ جب انہیں بھوک بہت زیادہ لگتی اور ان کا پیٹ دوہرا ہو جاتا یا اس میں گڑھا پڑ جاتا اور ان کا سیدھا کھڑا ہونا مشکل ہو جاتا تو اس وقت وہ پتلے پتلے پتھروں کے پرت اپنے پیٹ پر باندھ لیتے تا کہ وہ سیدھے کھڑے ہو سکیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: جن لوگوں نے پیٹ پر پتھر باندھنے کا انکار کیا، ان میں امام ابن حبان بھی ہیں، انہوں نے اپنی صحیح میں اس کا انکار کیا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "علی طریقھم" یعنی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا جو راستہ تھا جس راستہ سے وہ اپنے گھروں سے مسجد کی طرف جاتے تھے وہاں بیٹھ گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لیشبعنی" یہ لفظ الاشباع سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: کسی بھوکے کو پیٹ بھر کر کھلا دینا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پھر میرے پاس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گزرے اور انہوں نے مجھے کھانا نہیں کھلایا اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ گزرے، انہوں نے بھی کھانا نہیں کھلایا" اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے سوال کو ظاہر پر محمول کیا، گویا وہ واقعی اس آیت کے متعلق معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ یا یہ کہ ان دونوں کے پاس اس وقت کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو اس وقت وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کھلا سکتے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بعد میں افسوس ہوا کہ وہ کیوں نہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر میں لے گئے اور ان کو کھانا کھلاتے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "واخذوا مجالسھم من البیت" یعنی اصحابِ صفہ میں سے ہر ایک آ کر اس جگہ بیٹھ گیا جو جگہ اس کے بیٹھنے کے لائق تھی۔ اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ اصحابِ صفہ کا عدد کتنا تھا اور کتاب الصلوٰۃ کے ابواب المساجد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ میں نے ستر اصحابِ صفہ کو دیکھا۔ الحدیث۔ اور حلیۃ الاولیاء میں مذکور ہے کہ ان کی تعداد اس وقت سو کے قریب تھی۔ اور ابونعیم نے کہا ہے کہ اہلِ صفہ کی تعداد مختلف حالات کے اعتبار سے مختلف ہوتی تھی، بسا اوقات وہ جمع ہوتے تو زیادہ ہوتے تھے، بسا اوقات وہ کسی غزوہ میں یا کسی سفر میں گئے ہوتے تھے تو ان کی تعداد کم ہوتی تھی۔ اور کہا گیا ہے کہ یہاں پر ان کی تعداد ستر سے زیادہ تھی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو دودھ دیا تو آپ مسکرائے، کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ گمان تھا کہ ان

کے لیے دودھ نہیں بچے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قال بقیت انا وانت" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوہریرہ! اب میں اور تم باقی رہ گئے ہو۔ یہ اہلِ صفہ کے حاضرین کے اعتبار سے ہے۔ رہے وہ لوگ جو گھر میں تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل تو ان کا اس روایت میں تعارض نہیں ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس وقت گھر میں اور کوئی نہ ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ گھر والے اپنے حصہ کا دودھ پہلے پی چکے ہوں۔ اور جواب پیالہ میں دودھ رکھا ہوا تھا وہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ تھا۔

اس روایت میں مذکور ہے "فحمد اللہ وسمی" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور بسم اللہ پڑھی اور دودھ پیا۔ آپ نے حمد اس لیے کی تاکہ اللہ تعالیٰ کی برکت حاصل ہو، اور بسم اللہ اس لیے پڑھی تاکہ کسی مشروب کو پیتے وقت سنت قائم ہو۔

اس حدیث میں بہ کثرت فوائد ہیں جسے وہ شخص نکال سکتا ہے جس کی نظر میں وسعت ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۸۹۔۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۵۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا قَيْسٌ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدًا يَقُولُ إِنِّي لَأَوَّلُ الْعَرَبِ رَمَى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللهِ وَرَأَيْتُنَا نَغْزُو وَمَا لَنَا طَعَامٌ إِلَّا وَرَقُ الْحُبْلَةِ وَهَذَا السَّمُرُ وَإِنَّ أَحَدَنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ مَا لَهُ خِلْطٌ ثُمَّ أَصْبَحَتْ بَنُو أَسَدٍ تُعَزِّرُنِي عَلَى الْإِسْلَامِ خِبْتُ إِذًا وَضَلَّ سَعْيِي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از اسماعیل، انہوں نے کہا: ہمیں قیس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں پہلا عرب ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر مارا اور ہم نے اپنے آپ کو دیکھا، ہم اللہ کی راہ میں جہاد کرتے تھے اور ہمارے پاس کھانا نہیں ہوتا تھا سوائے کیکر کے پتوں کے اور اس درخت کے، اور ہم میں سے کوئی ایک بکری کی طرح قضائے حاجت میں مینگنیاں کرتا تھا، وہ مینگنیاں خشک ہوتی تھیں جڑی ہوئی نہیں ہوتی تھیں۔ اب یہ بنو اسد میرے اسلام کے عمل پر ملامت کرتے ہیں۔ (اگر ایسا ہے تو) پھر تو میں ناکام ہوگیا اور میری کوشش رائیگاں ہوگئی۔

(صحیح البخاری: ۳۷۲۸، ۵۴۱۲، ۶۴۵۳، صحیح مسلم: ۲۹۶۶، سنن ترمذی: ۲۳۶۵، سنن ابن ماجہ: ۱۳۱، مسند احمد: ۱۶۲۱)

صحیح البخاری: ۶۴۵۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی زندگی بسر کرنے کی کیفیت کا بیان ہے اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء جہاد کے دوران کیکر کے درخت کے پتے کھاتے تھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، یہ ابن سعید القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، یہ ابن ابی خالد ہیں۔ اور قیس کا ذکر ہے، یہ ابن ابی حازم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سعد کا ذکر ہے، وہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لاول العرب" یعنی میں ضرور پہلا عرب ہوں۔ اور سنن ترمذی کی روایت میں مذکور ہے: میں وہ پہلا مرد ہوں جس نے اللہ کی راہ میں کفار کا خون بہایا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الحبلة" یہ کیکر کے درخت کا پھل ہے یا عام کانٹے دار درختوں کا پھل ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "السمر" اس سے مراد ہے کیکر یا ببول کا درخت۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ماله خلط" یعنی وہ مینگنیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی یا جڑی ہوئی نہیں ہوتی تھیں کیونکہ بہت زیادہ خشک ہوتی تھیں، تری نہیں ہوتی تھیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تعزرنی" یعنی بنو اسد مجھے دین کے احکام کی تعلیم دیتے ہیں اور احکام اور فرائض پر واقف کرتے ہیں۔ یہ "تعزیز السلطان" سے ماخوذ ہے یعنی ادب سکھا کر کسی کو سیدھا کرنا۔

اس جگہ یہ سوال ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے یہ کیسے جائز ہوا کہ وہ اپنی مدح کریں، حالانکہ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ اپنی مدح کو ترک کرے، کیونکہ اپنی مدح کرنے سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب جاہلوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ پر یہ طعن کیا کہ وہ اچھی طرح سے نماز نہیں پڑھتے تو پھر وہ اپنی فضیلت اور اپنی مدح کا ذکر کرنے اور اس کو ظاہر کرنے پر مجبور ہو گئے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۵۴۔ حَدَّثَنِي عُثْمَانُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ ﷺ مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِينَةَ مِنْ طَعَامِ بُرٍّ ثَلَاثَ لَيَالٍ تِبَاعًا حَتَّى قُبِضَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از ابراہیم از الاسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، انہوں نے فرمایا: جب سے سیدنا محمد ﷺ مدینہ آئے کبھی آل محمد نے مسلسل تین دن گندم کا طعام سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا حتیٰ کہ آپ کی وفات ہو گئی۔

(صحیح البخاری: ۵۴۱۶، ۶۴۵۴، صحیح مسلم: ۲۹۷۰، سنن نسائی: ۴۴۳۲، سنن ابن ماجہ: ۳۳۴۴، مسند احمد: ۲۳۶۳۱)

صحیح البخاری: ۶۴۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کی گزران اس طرح بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے تین دن مسلسل سیر ہو کر گندم نہیں کھایا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عثمان کا ذکر ہے، وہ ابن ابی شیبہ ہیں۔ اور جریر کا ذکر ہے، وہ ابن عبد الحمید ہیں، اور منصور کا ذکر ہے، وہ ابن المعتمر ہیں۔ اور ابراہیم کا ذکر ہے، وہ النخعی ہیں۔ اور الاسود کا ذکر ہے، وہ ابن یزید ہیں۔ اور یہ تمام راوی کوفی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "حتیٰ قبض" اس میں یہ اشارہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں اقامت کی پوری مدت اسی حالت پر برقرار رہے اور وہ دس سال ہیں۔ اور ان دس سالوں میں آپ کے سفر کے ایام ہیں اور آپ کے غزوات کے ایام ہیں اور حج اور عمرہ کے ایام ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قلتِ خوراک کے متعلق دیگر روایات

امام محمد بن سعد نے اس حدیث کو ابراہیم نخعی سے اس طرح روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستر خوان سے روٹی کا ایک ٹکڑا تک نہیں اٹھایا گیا حتیٰ کہ آپ کی وفات ہو گئی۔

اور امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل نے گندم کی روٹی سالن کے ساتھ سیر ہو کر کبھی نہیں کھائی۔

نیز امام مسلم کی ایک اور روایت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی روٹی اور زیتون کے تیل کو ایک دن میں دو مرتبہ نہیں کھایا۔

نیز ایک اور سند کے ساتھ روایت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: اللہ کی قسم! کبھی آپ نے ایک دن میں دو مرتبہ روٹی اور گوشت کو سیر ہو کر نہیں کھایا۔

اور امام محمد بن سعد نے شعبی کی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر چار ماہ ایسے آئے جن میں آپ نے گندم کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۵۵۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ هُوَ الْأَزْرَقُ عَنْ مِسْعَرِ بْنِ كِدَامٍ عَنْ هِلَالٍ الْوَزَّانِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ مَا أَكَلَ آلُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم أَكْلَتَيْنِ فِي يَوْمٍ إِلَّا إِحْدَاهُمَا تَمْرٌ۔ (صحیح مسلم: ۲۹۷۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن ابراہیم بن عبد الرحمٰن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی اور وہ الازرق ہیں از مسعر بن کدام از ہلال الوزان از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل نے کبھی ایک دن میں دو مرتبہ کھانا نہیں

کھایا مگر ان دو کھانوں میں سے ایک کھانا کھجوریں ہوتی تھیں۔

۶۴۵۶۔ حَدَّثَنِي أَحْمَدُ ابْنُ أَبِي رَجَاءٍ حَدَّثَنَا النَّضْرُ عَنْ هِشَامٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ فِرَاشُ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ أَدَمٍ وَحَشْوُهُ مِنْ لِيفٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے احمد بن ابی رجاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں النضر نے حدیث بیان کی از ہشام، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

(صحیح مسلم: ۲۰۸۲، سنن ترمذی: ۱۷۶۱، سنن ابوداؤد: ۴۱۴۶، سنن ابن ماجہ: ۴۱۵۱، مسند احمد: ۲۴۹۳۰)

صحیح البخاری: ۶۴۵۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''فراش'' کا لفظ ہے اور دوسری حدیث میں اس کی جگہ ''ضجاع'' کا لفظ ہے اور اس کا معنی بھی بستر ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۵۷۔ حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا هَمَّامُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ كُنَّا نَأْتِي أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ وَخَبَّازُهُ قَائِمٌ وَقَالَ كُلُوا فَمَا أَعْلَمُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم رَأَى رَغِيفًا مُرَقَّقًا حَتَّى لَحِقَ بِاللهِ وَلَا رَأَى شَاةً سَمِيطًا بِعَيْنِهِ قَطُّ۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۳۳۹، مسند احمد: ۱۱۸۸۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ہدبہ بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کی روٹی پکانے والا کھڑا ہوا تھا، انہوں نے کہا: کھاؤ، میں نہیں جانتا کہ کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پتلی چپاتی دیکھی ہو حتیٰ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ واصل ہو گئے، اور نہ کبھی آپ نے اپنی آنکھوں سے بھنی ہوئی مسلم بکری دیکھی۔

صحیح البخاری: ۶۴۵۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''مرققا'' علامہ ابن الاثیر نے بیان کیا: یہ وہ روٹیاں ہیں جو بڑی بڑی اور پتلی ہوں، ان کو رقیق اور

رقاق کہا جاتا ہے جیسا کہ طویل اور طوال ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "سمیطا" یعنی بھنی ہوئی۔ بکری کو ذبح کرنے کے بعد اس کی کھال اور اون کو اتار لیا جاتا ہے، پھر اس کو گرم پانی میں ڈال دیتے ہیں اور یہ اس لیے کیا جاتا ہے تا کہ بکری کا گوشت گل جائے یا بھن جائے۔ اور اس حدیث سے غرض یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھانے پینے میں لذیز نعمتوں کو اختیار نہیں فرماتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۵۸ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ كَانَ يَأْتِي عَلَيْنَا الشَّهْرُ مَا نُوقِدُ فِيهِ نَارًا إِنَّمَا هُوَ التَّمْرُ وَالْمَاءُ إِلَّا أَنْ نُؤْتَى بِاللُّحَيْمِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی، از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ ہمارے اوپر ایسا مہینہ آتا جس میں ہم آگ نہیں جلاتے تھے، اس مہینہ میں صرف کھجور اور پانی ہوتا تھا، سوا اس کے کہیں سے تھوڑا سا گوشت آجائے۔

(صحیح مسلم: ۲۹۷۲، سنن ترمذی: ۲۴۷۱، سنن ابن ماجہ: ۴۱۴۴، مسند احمد: ۲۴۲۱۷)

صحیح البخاری: ۶۴۵۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گھر والوں کی زندگی بسر کرنے کی کیفیت کا بیان ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، اور وہ القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام، وہ ابن عروہ ہیں۔ یہ حدیث امام بخاری کی متفرد روایات میں سے ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لحیم" یہ لحم کی تصغیر ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ اشارہ کیا کہ وہ گوشت بہت تھوڑا سا ہوتا تھا۔ اور ایک روایت میں لحم بھی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۵۹ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأُوَيْسِيُّ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد العزیز بن عبد اللہ الاویسی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن

عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ لِعُرْوَةَ ابْنَ أُخْتِي إِنْ كُنَّا لَنَنْظُرُ إِلَى الْهِلَالِ ثَلَاثَةَ أَهِلَّةٍ فِي شَهْرَيْنِ وَمَا أُوقِدَتْ فِي أَبْيَاتِ رَسُولِ اللهِ ﷺ نَارٌ فَقُلْتُ مَا كَانَ يُعِيشُكُمْ قَالَتْ الْأَسْوَدَانِ التَّمْرُ وَالْمَاءُ إِلَّا أَنَّهُ قَدْ كَانَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ جِيرَانٌ مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَ لَهُمْ مَنَائِحُ وَكَانُوا يَمْنَحُونَ رَسُولَ اللهِ ﷺ مِنْ أَبْيَاتِهِمْ فَيَسْقِينَاهُ

ابی حازم نے حدیث بیان کی از والدخود از یزید بن رومان از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، انہوں نے عروہ سے کہا: اے میرے بھانجے! بے شک ہم دو مہینوں میں تین مرتبہ چاند کی پہلی تاریخ کو دیکھتے تھے اور ان مہینوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں آگ نہیں جلتی تھی۔ میں نے عرض کیا: پھر آپ کی زندگی کس چیز سے بسر ہوتی تھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: دو سیاہ چیزیں: کھجور اور پانی، مگر یہ کہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار میں سے کچھ پڑوسی تھے جن کو دودھ دینے والی اونٹنیاں بطورِ عطیہ دی گئی تھیں اور وہ اپنے گھروں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دودھ کا عطیہ دیتے تھے، سو ہم اس کو پیتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۲۵۶۷، ۶۴۵۸، ۶۴۵۹، صحیح مسلم: ۲۹۷۲، سنن ترمذی: ۲۴۷۱، سنن ابن ماجہ: ۴۱۴۵، مسند احمد: ۲۴۰۴۰)

صحیح البخاری: ۶۴۵۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی حازم، وہ عبدالعزیز ہیں اور ان کے والد سلمہ بن دینار ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یزید بن رومان کا ذکر ہے، یہ ابوروح الاسدی المدنی ہیں جو حضرت الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "من ابیاتهم" اور کتاب الهبه میں یہ حدیث ہے اس میں "من البانهم" کا لفظ ہے، یعنی وہ اپنے دودھ میں سے ہمیں دودھ بھیجتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ابن اختی" یعنی اے میرے بھانجے اور اس میں حرفِ نداء محذوف ہے۔ اور عروہ کی والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما تھیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "منائح" یہ منیحہ کی جمع ہے اور "منیحة" اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کو کوئی مرد دوسرے کو دے کہ اس کا دودھ نکال کر پی لیا کرو، یا کوئی بکری ہو جس کو اس لیے دیا جائے کہ دودھ پینے کے بعد وہ اونٹنی یا بکری واپس کر دی جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فیسقیناه" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں وہ دودھ پلاتے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٤٦٠ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُمَارَةَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اللَّهُمَّ ارْزُقْ آلَ مُحَمَّدٍ قُوتًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن فضیل نے حدیث بیان کی از والد خود از عمارہ از ابی زرعہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! آل محمد کو قُوت عطا فرما، (یعنی اتنا رزق دے جس سے ان کی رمقِ حیات برقرار رہے)۔

(صحیح مسلم: ١٠٥٥، سنن ترمذی: ٢٣٦١، سنن ابن ماجہ: ٤١٣٩، مسند احمد: ٩٤٦١)

صحیح البخاری: ٦٤٥٩، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

یہ حدیث باب کے عنوان کے اس طرح مطابق ہے کہ اس میں کھانے کے لیے صرف اتنی مقدار کی طلب کا بیان ہے جس سے رمقِ حیات برقرار رہے۔ اور زہد کا مرتبہ اس سے زیادہ ہے۔ اور نبی ﷺ کی زندگی اسی سادگی سے بسر ہوتی تھی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن محمد کا ذکر ہے، جو المسندی کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں محمد بن فضیل کا ذکر ہے اور فضیل، فضل کی تصغیر ہے۔ یہ ابن غزوان الضبی الکوفی ہیں۔ اس حدیث کی سند میں جس محمد کا ذکر ہے، یہ اپنے والد فضیل سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد عمارہ سے روایت کرتے ہیں، وہ ابن القعقاع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوزرعہ، وہ بوڑھے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''قُوت'' کا ذکر ہے، یعنی وہ رزق جو تھوڑی مقدار میں ہو۔

(عمدۃ القاری ج ٢٣ ص ٩٥، دار الکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

باب مذکور کی احادیث کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ٨٠٤ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی ﷺ کی سادہ حیات اور بھوک و پیاس برداشت کرنے کا بیان

امام ابن جریر طبری نے کہا ہے: شارع علیہ السلام، صحابہ اور تابعین میں سے سلف صالحین نے سادہ زندگی اختیار کی اور فقر اور فاقہ کی تلخی پر صبر کیا اور سخت اور موٹے کپڑے پہننے کی مشقت کو برداشت کیا اور غنی کی حلاوت اور اس کی نعمتوں کو ترک کر دیا اور صرف اتنی مقدار خوراک پر گزارہ کیا جس سے ان کی کمر سیدھی رہ سکے اور رمقِ حیات قائم رہے، جیسے ہمارے نبی علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی

کئی دن بھوکے رہتے تھے اور بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے اور زندگی کی سختی کو ترجیح دیتے تھے اور اس پر صبر کرتے تھے، حالانکہ آپ کو یقین تھا کہ اگر آپ اپنے رب سے یہ سوال کریں کہ وہ آپ کے لیے مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنادے اور چاندی بنادے تو اللہ تعالیٰ ضرور ایسا کرتا اور ہمیشہ سے نیکوکار اسی طریقہ پر گامزن رہے ہیں۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھتے تھے اور گزرنے والے صحابہ سے قرآن کی آیت پوچھتے تھے تاکہ وہ ان کے حال پر مطلع ہو کر انہیں کچھ کھانا کھلائیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بھوک کی شدت والی حدیث کے فوائد

(۱) صحیح البخاری: ۶۴۵۲ سے معلوم ہوا کہ اپنی حاجت کو مخفی رکھنا اس کے ظاہر کرنے سے بہتر ہے اور صالحین اور صابرین کے اخلاص کے مشابہ ہے۔ اگرچہ یہ جائز ہے کہ انسان اپنے باطنی حال کی خبر دے اور اس سے اپنی ضرورت کو بیان کرے جس سے یہ توقع ہو کہ وہ اس کی حاجت کو پورا کرے گا۔

(۲) اس میں نبوت کے علوم میں سے عظیم علم ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جان لیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے دل میں کیا ہے جس کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نہیں جان سکے تھے۔

(۳) اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ ہے کہ تھوڑا سا دودھ آپ کی برکت سے اتنا زیادہ ہو گیا کہ اس کو تمام اصحابِ صفہ نے پی لیا۔

(۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کے لیے ایثار کرتے تھے اور تمام عرب سے زیادہ آپ جواد تھے، کیونکہ آپ نے خود نہیں پیا اور اصحابِ صفہ کو دودھ پلایا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اصرار کر کے دودھ پلایا۔ اور آپ نے دنیا کی کوئی چیز اپنے لیے خاص نہیں کی۔

(۵) نیز ایک حدیث میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو حکیم بننے سے خوشی ہو اسے چاہیے کہ کم خوراک کھائے، کیونکہ جب اس کا پیٹ بھر جاتا ہے تو وہ حکمت کے نور کو چھپا دیتا ہے۔

(۶) مالک بن دینار نے کہا: میں نے عبداللہ رازی سے سنا کہ اللہ کا علم رکھنے والے یہ کہتے ہیں کہ سیر ہو کر کھانا دل میں شقاوت کو پیدا کرتا ہے اور بدن کو کمزور کرتا ہے۔

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے، میں نے آپ سے سوال کیا، آپ نے پوچھا: بھوک سے سوال کر رہے ہو، سو میں رونے لگا، آپ نے فرمایا: مت روؤ، کیونکہ حساب کی شدت بھوکے شخص کو نہیں پہنچے گی جب اس سے حساب لیا جائے گا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۴۷۵۔۴۸۰ ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

بابِ مذکور کی احادیث کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور (صحیح البخاری: ۶۴۵۲) کے مزید فوائد

(۱) اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مسلسل دودھ پینے کے لیے فرمایا تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! میں تو اب اس دودھ کے لیے کوئی راستہ ہی نہیں پاتا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کا بہت زیادہ پیٹ بھر کر کھانا پینا بھی جائز ہے، اتنا زیادہ کے اس کے بعد مزید کھانے پینے کی گنجائش نہ رہے۔ اور چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو مقرر رکھا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ جائز ہے۔ اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ بہت زیادہ سیر ہو کر کھانا پینا جائز نہیں ہے، ان کا یہ قول صحیح نہیں ہے۔ اور جب دودھ زیادہ پینا جائز ہے تو بہت رقیق ہوتا ہے اور آسانی سے جسم میں نفوذ کر جاتا ہے تو جو اس سے کثیف غذائیں ہوں گی، ان کو کھانا کیوں نہیں جائز ہوگا۔ لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اس صورت کے ساتھ مخصوص ہو، کیونکہ اس حال میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو شدید بھوک لگی ہوئی تھی اور امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ دنیا میں زیادہ سیر ہو کر کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن زیادہ بھوکے ہوں گے۔ اور اسی باب میں حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: اس حدیث کی امام حاکم نے روایت کی ہے اور امام احمد نے اس کو ضعیف قرار دیا، اور نیز اس باب میں حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کے بھرے ہوئے پیٹ سے اور کوئی برا برتن نہیں ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جن احادیث میں پیٹ بھر کر کھانے کی مذمت ہے وہ ان لوگوں کے لیے ہے جو عادتاً بہت زیادہ پیٹ بھر کر کھاتے ہوں، کیونکہ اس کی وجہ سے عبادت میں سستی ہوتی ہے (اور اس سے متعدد موذی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں مثلاً ذیابیطس (ڈائیبٹیز) بلند فشار دم (ہائی بلڈ پریشر) اور فالج۔ سعیدی غفرلہ)۔

اور جواز اس صورت پر محمول ہے جو کبھی کبھار بہت زیادہ بھوک کے غلبہ سے زیادہ سیر ہو کر کھائے۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کو اپنی حاجت اور ضرورت چھپانی چاہیے اور اشارہ کے ساتھ اپنی ضرورت کو بیان کرنا اس کو ظاہر کرنے اور صراحتاً بیان کرنے سے بہتر ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے قرآن مجید کی آیت کے متعلق دریافت کیا کہ شاید وہ ان کے بھوکے ہونے کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کو چاہیے کہ اپنی ضرورتوں کے اوپر اپنے احباب اور اپنے خدام کی ضرورتوں کو ترجیح دے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بجائے خود دودھ پینے کے اصحابِ صفہ کو دودھ پلایا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا۔

(۴) نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بعض صحابہ بہت تنگدست تھے اور اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے کہ انہوں نے شدید بھوک کے باوجود کسی کے آگے اپنا ہاتھ نہیں پھیلایا اور کسی سے صراحتاً یہ سوال نہیں کیا کہ ان کو کھانا کھلائے اور صرف تعریض اور اشارہ پر اکتفاء کیا۔

(۵) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی اطاعت اپنی ذاتی ضرورت کو پورا کرنے پر مقدم ہے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو شدید بھوک لگی ہوئی تھی، اس کے باوجود جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اصحابِ صفہ کو بلاؤ اور ان کو دودھ پلاؤ، تو

انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت کی اور اپنی بھوک پیاس کی پرواہ نہیں کی۔
(۶) اس حدیث میں اہل الصفہ کی فضیلت ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے گھر بلا کر انہیں دودھ پلایا۔
(۷) اصحابِ صفہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بغیر اجازت کے داخل نہیں ہوئے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب کسی کو بلایا جائے اور وہ بلانے والے کے گھر پہنچ جائے تو اس کی اجازت کے بغیر گھر میں داخل نہ ہو۔
(۸) اس حدیث میں مذکور ہے: اصحابِ صفہ آنے کے بعد ان میں سے ہر ایک اپنی مناسب جگہ پر بیٹھ گئے، اس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو اس جگہ پر بیٹھنا چاہیے جو اس کے لیے مناسب ہو۔
(۹) اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس جگہ بیٹھ گئے جہاں سے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما گزرے اور ان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔
(۱۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابو ہر! اس سے معلوم ہوا کہ اپنے خادم کو کنیت کے ساتھ بلانا جائز ہے اور کنیت میں ترخیم کرنا بھی جائز ہے۔ (ترخیم کا مطلب ہے منادیٰ کے آخری حرف کو تخفیف کی غرض سے حذف کر دینا)۔
(۱۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی بزرگ شخص کا اپنے خادم کو بلانا جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بلایا۔
(۱۲) اس حدیث میں فراست کا ثبوت ہے، فراست کا مطلب ہے: قرائن کی بناء پر کسی امرِ غیبی کو معلوم کر لینا، مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر جو بھوک کے آثار تھے اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بھوک کو جان لیا۔
(۱۳) جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بلایا تو انہوں نے کہا: لبیک، اس سے معلوم ہوا کہ لبیک کے ساتھ جواب دینا جائز ہے۔
(۱۴) جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ گھر پہنچے تب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر گھر میں داخل ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خادم کو مخدوم کے گھر اجازت لے کر جانا چاہیے۔
(۱۵) اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر پہنچے تو آپ نے وہاں دودھ کا ایک پیالہ دیکھا تو آپ نے گھر والوں سے پوچھا: یہ دودھ کا پیالہ کہاں سے آیا ہے تو انہوں نے بتایا کہ فلاں نے آپ کے لیے ہدیہ بھیجا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس میں سے بعض فقراء کو بھی عطا فرماتے تھے اور اگر صدقہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو تناول نہیں فرماتے اور جو صدقہ کا مستحق ہوتا آپ اس کو عطا فرما دیتے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دودھ کے متعلق معلوم کیا کہ دودھ کہاں سے آیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جب گھر میں کوئی کھانے پینے کی چیز آئے تو اس کے متعلق تفتیش اور تحقیق کرنی چاہیے۔
(۱۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اصحابِ صفہ کو دودھ پلا رہے تھے تو جب وہ ان کو دودھ پلا چکے تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب تم پیو، تو اس سے معلوم ہوا کہ جو قوم کا ساقی ہو اس کو آخر میں پینا چاہیے۔
(۱۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعد دودھ پیا، اس سے معلوم ہوا کہ گھر کے مالک کو سب کے آخر میں کھانا چاہیے۔
(۱۸) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد کر کے اور بسم اللہ پڑھ کر دودھ پیا، اس سے معلوم ہوا کہ کھانے پینے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کرنی

چاہیے اور بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔

(۱۹) اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نادار صحابہ کا اور اپنے خدام کا خیال رکھتے تھے، اسی وجہ سے جب آپ کے پاس دودھ آیا تو آپ نے اصحابِ صفہ کو بلایا اور ان کو دودھ پلایا۔

(۲۰) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ ہے کہ ایک پیالہ دودھ میں اتنی برکت ہوگئی کہ وہ تمام اصحابِ صفہ کے لیے کافی ہوگیا اور پھر بھی اتنا بچ گیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اتنا زیادہ سیر ہوکر پیا کہ مزید پینے کی ان کے جسم میں گنجائش نہیں رہی۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۵۱۷، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۱۸۔ بَابُ: الْقَصْدِ وَالْمُدَاوَمَةِ عَلَى الْعَمَلِ میانہ روی اور کسی (نیک) عمل پر مداومت کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ میانہ روی مستحب ہے اور یہ کسی کام میں اعتدال کو قائم رکھنا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ افراط اور تفریط کے درمیان متوسط طریقہ کو اختیار کرنا صحیح ہے۔ اور مداومت کا مطلب یہ ہے کہ کسی نیک عمل پر مداومت کی جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۶۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا أَبِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَشْعَثَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي قَالَ سَمِعْتُ مَسْرُوقًا قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَيُّ الْعَمَلِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَتِ الدَّائِمُ قَالَ قُلْتُ فَأَيَّ حِينٍ كَانَ يَقُومُ قَالَتْ كَانَ يَقُومُ إِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے خبر دی از شعبہ از اشعث، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے مسروق سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کونسا عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک زیادہ پسندیدہ تھا؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: الدائم، میں نے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو کس وقت اٹھتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: آپ اس وقت اٹھتے تھے جب آپ مرغ کی اذان سنتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۱۱۳۲، ۶۴۶۱، ۶۴۶۲، صحیح مسلم: ۷۴۱، سنن نسائی: ۱۶۱۶، سنن ابوداؤد: ۱۳۱۷، مسند احمد: ۲۵۱۴۳، موطا امام مالک: ۴۲۲)

صحیح البخاری: ۶۴۶۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان کے دو جز ہیں: میانہ روی اور دائمی عمل۔ اور حدیث مذکور عنوان کے دوسرے جز کے مطابق ہے یعنی دائمی

عمل کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدان، یہ عبداللہ بن عثمان بن جبلہ المروزی کا لقب ہے۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اشعث، یہ ابن ابی شعثاء ہیں اور ان کا نام سلیم بن الاسود ہے۔ یہ حدیث کتاب التہجد میں باب ''من نام عند السحر'' میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ مسروق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس وقت اٹھتے تھے یعنی نیند سے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: جب آپ صارخ کو سنتے تھے، صارخ کا معنی ہے: بلند آواز سے چیخنا اور پکارنا۔ یہاں اس سے مراد ہے مرغ کی اذان کی آواز۔ علامہ الکرمانی نے کہا ہے: یا موذن کی آواز۔ لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم موذن کی اذان سے بہت پہلے اٹھتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۶۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ كَانَ أَحَبُّ الْعَمَلِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ الَّذِي يَدُومُ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی از مالک از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک زیادہ پسندیدہ عمل وہ تھا جس پر عمل کرنے والا ہمیشہ عمل کرے۔

(صحیح البخاری: ۱۱۳۲، ۶۴۶۱، ۶۴۶۲، صحیح مسلم: ۷۴۱، سنن ابوداؤد: ۱۳۱۷، سنن نسائی: ۱۶۱۶، مسند احمد: ۲۵۱۴۳، موطا امام مالک: ۴۲۲)

صحیح البخاری: ۶۴۶۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث بھی عنوان کے جز ثانی کے مطابق ہے یعنی کسی عمل پر دوام کرنا۔ اور امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۶۳۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَنْ يُنَجِّيَ أَحَدًا مِنْكُمْ عَمَلُهُ قَالُوا وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللهُ بِرَحْمَةٍ سَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَاغْدُوا وَرُوحُوا وَشَيْءٌ مِنَ الدُّلْجَةِ وَالْقَصْدَ الْقَصْدَ تَبْلُغُوا۔

(صحیح مسلم: ۲۸۱۶، سنن ابن ماجہ: ۴۲۰۱، مسند احمد: ۷۱۶۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی از سعید المقبری از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کو ہرگز اس کا عمل نجات نہیں دے گا، صحابہ نے پوچھا: آپ کو بھی یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: اور مجھ کو بھی، سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے، تم درست کام کرو اور درمیانی کام

کرو، اور صبح کے وقت میں عمل کرو اور شام کے وقت میں عمل کرو،
اور کچھ رات کے اندھیرے کے وقت میں اور میانہ روی کو لازم
رکھو، میانہ روی کو لازم رکھو (منزل پر) پہنچ جاؤ گے۔

صحیح البخاری: ۶۴۶۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان کا پہلا جز ہے القصد یعنی میانہ روی، اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ نے میانہ روی کا حکم دیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے آدم، یہ ابن ابی ایاس ہیں اور ان کا نام عبدالرحمٰن ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی ذئب، ذئب کا معنی بھیڑیا ہے اور ان کا نام محمد بن عبدالرحمٰن ہے۔ اس حدیث کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لن ینجی" یعنی تم میں سے کوئی شخص ہرگز نجات نہیں پا سکتا یا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ولا انا" علامہ کرمانی نے کہا ہے: جب تمام لوگ جنت میں صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے داخل ہوں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذکر کے ساتھ تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ کے متعلق قطعی دلیل سے یہ ثابت ہے کہ آپ جنت میں داخل ہوں گے اور آپ اللہ کی رحمت سے ہی جنت میں داخل ہوں گے تو جو آپ کے علاوہ کوئی شخص ہے وہ تو بطریق اولیٰ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر داخل نہیں ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الا ان یتغمدنی اللہ برحمۃ" یعنی سوا اس صورت کے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں مجھے چھپالے، جب اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی رحمت سے چھپالے تو کہا جاتا ہے "تغمدہ اللہ برحمتہ" اور جب تم کسی شخص کو چھپالو تو کہا جاتا ہے "تغمدت فلانا" اور اسی سے ماخوذ ہے "غمد السیف" یعنی تلوار کی میان، کیونکہ جب تم نے تلوار کو میان میں رکھ لیا تو تم نے تلوار کو اس کے غلاف میں چھپالیا۔ اور سہیل کی روایت میں ہے "الا ان یتدارکنی" سوا اس صورت کے کہ اللہ تعالیٰ اس کا تدارک کرے اور اس کی تلافی کرے۔

ایک سوال کا جواب

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْۤ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ یہ وہ جنت ہے جس کے تم اپنے اعمال کی وجہ سے وارث کیے گئے ہو۝ (الزخرف: ۷۲)

اس جگہ سوال یہ ہے کہ حدیث میں مذکور ہے کہ کوئی شخص اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہوگا اور قرآن مجید کی اس آیت میں مذکور ہے کہ تم اپنے (نیک) اعمال کی وجہ سے جنت کے وارث کیے گئے ہو۔ سو اس حدیث میں اور قرآن مجید کی آیت میں کس طرح تطبیق ہوگی؟

علامہ ابن بطال نے اس کا جواب دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جنت کے درجات اور مراتب اعمال کی وجہ سے ملیں گے اور جنت کے درجات اعمال کے اعتبار سے مختلف ہیں اور حدیث اس پر محمول ہے کہ جنت میں نفس دخول اور اس میں دوام اللہ کے فضل کے بغیر نہیں ہوگا۔ البتہ جنت کے درجات اعمال کے اعتبار سے ملیں گے۔

پھر اس جواب پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (النحل: ۳۲)

تم پر سلام ہو، تم جنت میں داخل ہو جاؤ، ان (نیک) کاموں کی وجہ سے جو تم کرتے تھے O

اس آیت میں تصریح ہے کہ جنت میں دخول بھی اعمال کے سبب سے ہوگا۔

اس کا جواب علامہ ابن بطال نے اس طرح دیا کہ یہ لفظ مجمل ہے اور حدیث نے اس کو بیان کر دیا ہے اور اصل عبارت یوں ہے کہ تم جنت کے منازل اور جنت کے محلات میں داخل ہو جاؤ اپنے اعمال کی وجہ سے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "سددوا" یعنی سداد کا قصد کرو اور سداد کا معنی ہے ثواب۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ قول اور عمل میں میانہ روی کو اختیار کرو اور وہی صواب ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وقاربوا" یعنی تم عمل میں افراط اور زیادتی نہ کرو، تم عبادت کرنے میں بہت زیادہ کوشش کرو گے تو وہ تم کو تھکا دے گی، پھر تم عبادت کرنے سے اکتا جاؤ گے اور عمل کو چھوڑ دو گے، اس لیے تم حد سے زیادہ عمل نہ کرو بلکہ درمیانی عمل کرو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "القصد القصد" یہ برانگیختہ کرنے کے لیے منصوب ہے، یعنی طریق متوسط کو لازم رکھو اور اس منزل پر پہنچ جاؤ جو تمہارا مقصود ہے۔ اس میں عبادت گزاروں کو مسافروں کے ساتھ تشبیہ دی ہے گویا کہ فرمایا کہ تم تمام اوقات میں عبادت نہ کرو بلکہ خوشی کے اوقات میں عبادت کرنے کو لازم رکھو، کچھ صبح کے وقت کچھ شام کے اخیر میں اور کچھ رات کے بعض حصہ میں، اور اپنے نفسوں پر رحم کرو۔

اس حدیث میں اس آیت سے اقتباس ہے:

وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝ (ہود: ۱۱۴)

اور دن کی دونوں طرفوں میں اور (ابتدائی) رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم رکھیے، بے شک نیکیاں، گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، یہ ان لوگوں کے لیے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں O

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۴۶۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ عَنْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد العزیز بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان نے

الرَّحْمَنِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ سَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَاعْلَمُوا أَنْ لَنْ يُدْخِلَ أَحَدَكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ وَأَنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ۔

حدیث بیان کی از موسیٰ بن عقبہ از ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: درست کام کرو اور درمیانی کام کرو، اور جان لو کہ تم میں سے ہرگز کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا اور بے شک تمام اعمال میں سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ وہ کام ہیں جن میں سب سے زیادہ دوام ہو خواہ وہ تھوڑے ہوں۔

(صحیح البخاری: ۶۴۶۳، صحیح مسلم: ۲۸۱۸، سنن ابن ماجہ: ۴۲۰۱، مسند احمد: ۲۴۴۲۰)

صحیح البخاری: ۶۴۶۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں بھی باب مذکور کے دوسرے جز کے ساتھ مطابقت ہے یعنی درمیانی عمل۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالعزیز بن عبداللہ، وہ ابن یحییٰ بن عمرو بن اویس العامری الاویسی المدنی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سلیمان، وہ ابن بلال ابوایوب القرشی التیمی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے موسیٰ بن عقبہ، وہ ابن ابی عیاش الاسدی المدنی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں جو مذکور ہے "سددوا وقاربوا" ان کے معانی بیان ہو چکے ہیں۔ اور اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ "تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا" اس کی شرح بھی گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ادومها" یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے، اس پر یہ سوال کیا گیا ہے کہ جس چیز میں ہمیشہ دوام ہوگا وہ قلیل کیسے ہوگی جب کہ دوام کا معنی ہے: تمام زمانوں کو شامل ہونا اور اس کی مقدار معیّن نہیں ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ دوام سے مراد ہے عرف کے موافق کسی کام کو ہمیشہ کرنا اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہر مہینہ وہ کام کیا جائے یا ہر دن وہ کام کیا جائے اور اس پر عرف میں دوام اور مواظبت کا اطلاق آجائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۶۵۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّهَا قَالَتْ سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ أَيُّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن عرعرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از سعد بن ابراہیم از ابی سلمہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان

الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ قَالَ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ وَقَالَ اكْلَفُوا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيقُونَ۔

(صحیح مسلم: ۷۸۲، سنن نسائی: ۷۶۲، مسند احمد: ۲۴۹۰۳)

کرتی ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سے اعمال اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں؟ آپ نے فرمایا: جن میں زیادہ دوام ہوخواہ وہ تھوڑے ہوں۔اور آپ نے فرمایا: اتنے اعمال کو کرو جن کی تم طاقت رکھتے ہو۔

صحیح البخاری: ۶۴۶۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب سابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعد بن ابراہیم، یہ ابن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں۔یہ بھی تابعین میں سے ہیں اور اپنے زمانہ کے فقہاء اور صالحین میں سے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''اکلفوا'' علامہ کرمانی نے کہا ہے: تکلیف کا معنی ہے: اس کام کا حکم دینا جو تم پر دشوار ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے''ماتطیقون'' اس کا معنی ہے: کسی کام کے حصول کے لیے اپنی کوشش کو صرف کرنا اور اس سے مراد ہے جس کام کی تم ہمیشہ طاقت رکھو اور مستقبل میں اس کام کے کرنے سے عاجز نہ ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۶۶۔ حَدَّثَنِي عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ سَأَلْتُ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ عَائِشَةَ قُلْتُ يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ كَيْفَ كَانَ عَمَلُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم هَلْ كَانَ يَخُصُّ شَيْئًا مِنَ الْأَيَّامِ قَالَتْ لَا كَانَ عَمَلُهُ دِيمَةً وَأَيُّكُمْ يَسْتَطِيعُ مَا كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَسْتَطِيعُ۔

(صحیح مسلم: ۷۸۳، سنن ابوداؤد: ۱۳۷۰، مسند احمد: ۲۳۶۴۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از ابراہیم از علقمہ، انہوں نے کہا: میں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: اے ام المومنین! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل کس طرح تھا؟ کیا آپ کسی عمل کو کسی دن کے لیے خاص کر لیتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: نہیں! آپ کا عمل دائمی ہوتا تھا، اور تم میں سے کون اتنی طاقت رکھتا ہے جتنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرنے میں طاقت رکھتے تھے۔

صحیح البخاری: ۶۴۶۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریر، یہ ابن عبد الحمید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے منصور، یہ ابن المعتمر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم، یہ النخعی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علقمہ، یہ علقمہ بن قیس ہیں اور وہ ابراہیم نخعی کے ماموں تھے، اور اس حدیث کی سند کے تمام راوی کوفی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ''ھل کان یخص شیئا من الایام'' یعنی کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی دن کوئی مخصوص عبادت کرتے تھے جس عبادت کو وہ دوسرے ایام میں نہیں کرتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: نہیں۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کے معارض دوسری حدیث ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ میں نے نہیں دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے مہینہ کے علاوہ کسی اور مہینہ میں نفلی روزے رکھتے ہوں۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ان میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ سفر کرتے تھے، پس ہر مہینہ جو آپ تین روزے رکھا کرتے تھے وہ سفر کی وجہ سے بعض مہینوں میں نہیں رکھ سکتے تھے تو ان روزوں کو آپ شعبان میں جمع کر لیتے تھے، اور آپ عبادت تازگی اور خوشی کے ساتھ کرتے تھے جب آپ جہاد سے فارغ ہوتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''دیمۃ'' اس کا معنی ہے دائماً اور دیمۃ اصل میں اس بارش کو کہتے ہیں جو مسلسل ہوتی رہتی ہے اور اس کے اندر نہ بادل کی گرج ہوتی ہے اور نہ بجلی کی چمک ہوتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''تم میں سے کوئی شخص عمل کی اتنی طاقت نہیں رکھتا جتنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طاقت رکھتے تھے''۔ یعنی عبادت کی مقدار اور عبادت کی کیفیت جس میں خشوع اور خضوع ہوتا تھا، اس کی تم لوگ طاقت نہیں رکھتے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۶۷ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الزِّبْرِقَانِ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ سَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَأَبْشِرُوا فَإِنَّهُ لَا يُدْخِلُ أَحَدًا الْجَنَّةَ عَمَلُهُ قَالُوا وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللهُ بِمَغْفِرَةٍ وَرَحْمَةٍ قَالَ أَظُنُّهُ عَنْ أَبِي النَّضْرِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ وَقَالَ عَفَّانُ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ سَدِّدُوا وَأَبْشِرُوا قَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن الزبرقان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن عقبہ نے حدیث بیان کی از ابی سلمہ از عبد الرحمٰن از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: درست کام کرو اور میانہ روی سے کرو اور بشارت لو، کیونکہ تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا، صحابہ نے عرض کیا اور نہ آپ کو یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: اور نہ مجھے، سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مغفرت اور رحمت سے ڈھانپ لے۔

مُجَاهِدٌ قَوْلًا سَدِيدًا وَسَدَادًا صِدْقًا.

امام بخاری نے کہا: میرا گمان ہے از ابی النضر از ابی سلمہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔
اور عفان نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی از موسیٰ بن عقبہ، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے ابوسلمہ سے سنا از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: درست کام کرو اور بشارت لو۔
اور مجاہد نے کہا: قولا سدیدًا و سدادًا اس کا معنی ہے: صدقًا

(صحیح البخاری: ۶۴۶۳، صحیح مسلم: ۲۸۱۸، سنن ابن ماجہ: ۴۲۰۱، مسند احمد: ۲۴۴۲۰)

صحیح البخاری: ۶۴۶۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی آخری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یعنی مجاہد نے کہا: سداد اور سدید کا معنی ہے: ''العدل المعتدل الکافی'' جو خلل کو بھر دے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے:
مغلطائی کا یہ زعم ہے اور ہمارے شیخ ابن الملقن بھی ان کے تابع ہوئے ہیں کہ طبری نے مجاہد کی تفسیر کو از موسیٰ بن ہارون از عمرو بن طلحہ از اسباط از السدی از ابن نجیح از مجاہد وصل کیا ہے اور یہ وہم فاحش ہے۔ سدی کی ابن ابی نجیح سے کوئی روایت نہیں ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اس سے متصل حافظ ابن حجر عسقلانی کی عبارت اس طرح ہے:
اور نہ امام طبری نے اس سند سے کوئی روایت نقل کی ہے، امام طبری نے ایک دوسری سند کے ساتھ لکھا ہے: از سدی از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس، ان کے اس قول کی شرح میں ''قولا سدیدا'' اور قولِ سدید وہ ہے جب کوئی ان سے کہے جو اس کی موت کے وقت حاضر ہوں، اپنے نفس کو مقدم رکھو اور اپنی اولاد کے لیے ترکہ چھوڑو۔ اور انہوں نے مجاہد کے اثر کی روایت کی از ورقاء از ابن ابی نجیح اور انہوں نے یزید بن زریع سے بھی روایت کی از سعید بن ابی عروبہ از قتادہ۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۲۶، دارالمعرفہ، بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، کی اس عبارت پر علامہ عینی متوفی ۸۵۵ھ، درج ذیل اعتراض کرتے ہیں:
میں کہتا ہوں: ادب کی رعایت کرنا مطلوب ہے اور کاش کہ ابن حجر یوں کہتے: شیخ مغلطائی متوفی ۷۶۲ھ نے کہا یا شیخ علاؤ الدین نے کہا، کیونکہ ان کو علاؤ الدین بھی کہا جاتا ہے حالانکہ وہ ان کے شیخ کے شیخ ہیں، کیونکہ کتنی مرتبہ ابن حجر اپنے شیخ کا ذکر اپنی شرح میں تعظیم کے ساتھ کرتے ہیں حالانکہ انہیں علم ہے کہ جب مثبت اور نفی جمع ہوں تو مثبت کے قول کو لیا جاتا ہے کیونکہ اس کو زیادہ علم ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ مثبت نافی پر اس وقت مقدم ہوتا ہے جب نفی کا عدد معین ہو، لیکن جب کہ وہ عدد غیر معین ہو جیسا کہ طبری میں ہے اور طبری میں اس کے خلاف موجود ہے، پس اب مثبت نفی کے اوپر مقدم نہیں ہوگا۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۱۷، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

۶۴۶۸ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَلَّى لَنَا يَوْمًا الصَّلَاةَ ثُمَّ رَقِيَ الْمِنْبَرَ فَأَشَارَ بِيَدِهِ قِبَلَ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ قَدْ أُرِيتُ الْآنَ مُنْذُ صَلَّيْتُ لَكُمُ الصَّلَاةَ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ مُمَثَّلَتَيْنِ فِي قُبُلِ هَذَا الْجِدَارِ فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن فلیح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از ہلال بن علی نے کہا کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، پھر آپ منبر پر چڑھ گئے، پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے مسجد کے قبلہ کی طرف اشارہ کیا، پس فرمایا: ابھی جب میں نے تم کو نماز پڑھائی تھی تو مجھے جنت اور دوزخ دکھائی گئی، اور ان دونوں کی صورتوں کی اس دیوار کے سامنے مثال بنائی گئی تھی اور میں نے آج کے دن کی مثل خیر اور شر کو نہیں دیکھا۔ میں نے آج کے دن کی مثل خیر اور شر کو نہیں دیکھا۔

(صحیح البخاری: ۹۳، ۵۴۰، ۷۴۹، ۴۶۲۱، ۶۳۶۲، ۶۴۶۸، ۶۴۸۶، ۷۰۸۹، ۷۰۹۰، ۷۰۹۱، ۷۲۹۴، ۷۲۹۵، صحیح مسلم: ۲۳۵۹، مسند احمد: ۱۱۶۳۳)

صحیح البخاری: ۶۴۶۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: کسی عمل کو ہمیشہ کرنا اور اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ آپ کو جنت اور دوزخ کی مثال دکھائی گئی، کیونکہ جنت کی طرف رغبت ہوتی ہے اور دوزخ سے ڈرایا گیا ہے اور ان دونوں کو نمازی کے سامنے رکھ دیا گیا ہے تاکہ نمازی جنت کی طلب میں اور دوزخ کے ڈر سے ہمیشہ عمل کرے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن فلیح، یہ اپنے والد فُلیح بن سلیمان المغیرہ الخزاعی سے روایت کرتے ہیں اور ایک قول ہے کہ وہ اسلمی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہلال بن علی، اور یہ ہلال بن ابی میمونہ ہیں اور ان کو ہلال بن ابی ہلال بھی کہا جاتا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ثم رقی" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "قبلة المسجد" یعنی مسجد کے قبلہ کی جہت کی طرف۔
اس حدیث میں مذکور ہے "فی قبل هذا الجدار" یعنی اس مسجد کی دیوار کے آگے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی احادیث کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دائمی عمل خواہ کم ہوں ان کی ترغیب کی توجیہ

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: شارع علیہ السلام نے اپنی امت کو میانہ روی پر اور دائمی عمل کرنے پر برانگیختہ کیا ہے خواہ عمل کم ہوں، اس خوف سے کہ اگر امت زیادہ عمل کرے تو کہیں تھک کر اصلاً عمل کو چھوڑ نہ دے۔ اور اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہینہ میں کوئی ایسا عمل نہیں کرتے تھے جو دوسرے ایام میں نہ کریں، پھر اس پر شعبان کے روزوں سے اعتراض کر کے اس کا جواب دیا ہے جس کو علامہ عینی نے اپنی شرح میں ذکر کر دیا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۶۴۶۸ میں جنت اور دوزخ کی مثال دکھانے کی توجیہ

اس کی دو وجہیں ہیں: ایک یہ کہ لوگ جنت کو دیکھ کر اس کی رغبت کی وجہ سے عمل میں کوشش کریں اور دوزخ کو دیکھ کر اس کے ڈر کی وجہ سے برے اعمال کو ترک کریں۔ سو لوگوں کو چاہیے کہ جب وہ نماز پڑھیں تو اپنے ذہن میں جنت اور دوزخ کو اپنی آنکھوں کے سامنے حاضر کر لیں جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہیں اور دوسرے تفکرات کو چھوڑ دیں جو شیطان ان کو مختلف چیزیں نماز میں یاد دلاتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب وہ دوزخ کی مثال کو دیکھیں اور جنت کی مثال کو دیکھیں تو یہ ان کے لیے صبر کا باعث ہو اور نیک عمل کو دائماً کرنے کا باعث ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت تک پہنچانے کا اور دوزخ سے نجات کا باعث ہو۔

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کی وجہ سے جنت میں دخول

صحیح البخاری: ۶۴۶۴ میں مذکور ہے "تم میں سے کسی شخص کو بھی اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا"۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت اور اس کا فضل ثابت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کی وجہ سے بندوں کو جنت میں درجات اور منازل ملتے ہیں۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا دس گنا اجر دیتا ہے اور ایک گناہ پر ایک ہی سزا دیتا ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداءً بندوں کو غیر متناہی نعمتیں دی ہیں جب کہ بندوں کا ان نعمتوں کے مقابلہ میں کوئی فعل نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو معتدل بشر پیدا کیا، پھر اس کو نعمتِ اسلام سے مشرف کیا، اس کو صحت اور عافیت کی نعمت دی، اس کو اپنی نعمت سے رزق عطا کیا اور اپنے نفس کے اوپر

رحمت کو لازم کرلیا۔ اور اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بے شمار ظاہری اور باطنی نعمتیں ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۴۸۵۔۴۸۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

بابِ مذکور کی احادیث کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۶۴۶۴ میں مذکور ہے ''تم میں سے کسی شخص کو بھی اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا''۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ عمل سے جنت نہیں ملتی اور قرآن مجید کی حسبِ ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ عمل سے جنت ملتی ہے، اس اعتراض کے متعدد جوابات

اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ یہ وہ جنت ہے جس کے تم اپنے اعمال کی وجہ سے وارث کیے گئے ہو ○ (الزخرف: ۷۲)

اور فرمایا:

سَلٰمٌ عَلَیْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ تم پر سلام ہو، تم جنت میں داخل ہو جاؤ، ان (نیک) کاموں کی وجہ سے جو تم کرتے تھے ○ (النحل: ۳۲)

قاضی عیاض نے کہا: اس آیت اور حدیث میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ آیت میں جو اجمال تھا حدیث نے اس کی تفصیل کر دی ہے۔ اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ اور طاعت کی وجہ سے عمل کی توفیق اور ہدایت ہوتی ہے اور ان میں سے ہر چیز کا عمل کرنے والا اپنے عمل سے مستحق نہیں ہوتا، یہ توفیق محض اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل سے ملتی ہے۔

علامہ ابن الجوزی نے کہا: اس سے چار جواب حاصل ہوتے ہیں:

(۱) عمل کی توفیق اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ملتی ہے، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی رحمتِ سابقہ نہ ہو تو انسان کو نہ ایمان حاصل ہوگا اور نہ طاعت حاصل ہوگی جس کی وجہ سے نجات ہوتی ہے۔

(۲) بندہ کے منافع اس کے مالک کے لیے ہوتے ہیں، پس اس کے عمل کا مستحق بھی اس کا مالک ہوتا ہے۔ پس جب بھی بندہ کو کوئی جزا دی گئی تو وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوتی ہے۔

(۳) بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں نفسِ دخول تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہے اور درجات کا حصول بندہ کے اعمال سے ہوتا ہے۔

(۴) اطاعت کے اعمال تھوڑے زمانہ میں ہیں اور ان کا ثواب کبھی ختم نہیں ہوتا، پس جو انعام کبھی ختم نہیں ہوتا اس عمل کی جزاء میں جو ختم ہو جاتا ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوگا اعمال کے سبب سے نہیں ہوگا۔

علامہ کرمانی کا یہ جواب کہ ''بما کنتم تعملون'' میں باء سببیت کی نہیں ہے الصاق اور مصاحبت کی ہے

نیز علامہ کرمانی نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ ''بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ'' (النحل: ۳۲) میں باء سببیت کی نہیں ہے بلکہ الصاق اور مصاحبت کے لیے ہے یعنی تم جنت میں داخل ہو جاؤ جب کہ تمہارے ساتھ تمہارے اعمال ملے ہوئے ہوں یا تمہارے اعمال تمہارے مصاحب ہوں۔ یعنی بندہ کے جنت میں دخول کے مقابلہ میں کوئی عمل نہیں ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی بندہ پر رحمت نہ ہوتی تو وہ بندہ کو جنت میں داخل نہ فرماتا، کیونکہ عمل دخولِ جنت کو واجب نہیں کرتا اور نہ دخولِ جنت کا عوض ہے۔ اور نہ بندہ کا عمل اللہ تعالیٰ کی نعمت کے مقابلہ میں ہے بلکہ بندہ کے تمام اعمال اللہ تعالیٰ کی کسی ایک نعمت کے مقابلہ میں بھی نہیں ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتیں اس کے شکر کو واجب کرتی ہیں اور بندہ ان تمام نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتا، چاہیے تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کے مقابلہ میں بندوں کے نیک اعمال ہوں لیکن بندہ کے نیک عمل کرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اس کو بے شمار نعمتیں عطا کر دی ہیں۔ سو اگر اللہ تعالیٰ اس حالت میں بندہ کو عذاب دے تو وہ اس کو عذاب دے گا اور اس کا ظلم نہیں ہوگا، اور اگر اللہ تعالیٰ اس حالت میں بندہ پر رحم فرمائے تو یہ رحمت اس کے عمل سے بہتر ہے جیسا کہ امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے تقدیر کے مسئلہ میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان والوں اور تمام زمین والوں کو عذاب دے تو وہ عذاب دے گا اور یہ اس کا ظلم نہیں ہوگا، اور اگر وہ رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے لیے بہتر ہے۔

بندہ کی مغفرت کے متعلق جبریہ اور قدریہ کا مذہب

جبریہ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ عمل کسی اعتبار سے بھی دخولِ جنت کا سبب نہیں ہے اور قدریہ یہ کہتے ہیں کہ جنت بندہ کے اعمال کا سبب ہے اور حدیث سے ان دونوں کے دعویٰ کا بطلان ظاہر ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ظاہری طور پر بندہ کے اعمال دخولِ جنت کا سبب ہیں اور حقیقت میں عمل جنت میں دخول کا سبب نہیں ہے، جنت میں دخول کا سبب صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ واللہ اعلم

علامہ نووی کا یہ جواب کہ ظاہر آیات کا معنی ہے جنت میں دخول عمل سے ہوتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جنت میں دخول اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوتا ہے

علامہ نووی نے کہا ہے: کہ ظاہر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں دخول اعمال کے سبب سے ہے اور اس میں تطبیق اس طرح ہے کہ اعمال کی توفیق اور ہدایت اور اخلاص اور اعمال کو قبول فرمانا یہ محض اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل سے ہے، پس یہ کہنا صحیح ہے کہ بندہ محض عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہوا اور یہی حدیث کی مراد ہے۔ اور یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ وہ عمل کے سبب سے داخل ہوا کیونکہ اس کا عمل اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل کی وجہ سے ہے۔

علامہ المازری نے کہا ہے: اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اطاعت کے اوپر اللہ تعالیٰ کا ثواب عطا فرمانا اس کا فضل ہے، اس طرح نافرمانوں سے انتقام لینا اور ان کو سزا دینا یہ اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہے کہ وہ اطاعت گزار کو عذاب دے اور نافرمان پر انعام فرمائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا اور اس کی خبر صادق ہے اور اس کے خلاف نہیں ہو سکتا، اور یہ حدیث اہل سنت کے موقف کی تقویت کرتی ہے اور معتزلہ کا رد کرتی ہے کیونکہ انہوں نے کہا کہ بندہ کے عمل کی وجہ سے

اس کو جنت ملتی ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۲۳۔ ۵۲۴، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۱۹۔ بَابٌ: الرَّجَاءِ مَعَ الْخَوْفِ

امید کے ساتھ خوف کا بیان

وَقَالَ سُفْيَانُ مَا فِي الْقُرْآنِ آيَةٌ أَشَدُّ عَلَيَّ مِنْ: لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ (المائدہ: ۶۸)

اور سفیان نے کہا: مجھ پر قرآن مجید کی کوئی آیت اتنی زیادہ سخت نہیں ہے جتنی یہ آیت ہے "تم (دینِ برحق کی) کسی چیز پر نہیں ہو جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو قائم نہ کرو اور اس کو جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید کے ساتھ عذاب کے خوف کو رکھنا مستحب ہے، اور امید کو خوف سے منقطع نہ کیا جائے اور خوف کو امید سے منقطع نہ کیا جائے، کیونکہ اگر امید کو خوف سے منقطع نہ کیا تو اس سے تکبر کا خطرہ ہے اور اگر خوف کو امید سے منقطع نہ کیا تو اس سے اللہ کی رحمت سے مایوسی کا خطرہ ہے اور ان میں سے ہر ایک مذموم ہے۔ اور امید سے مقصود یہ ہے کہ اگر اس سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن رکھے اور یہ امید رکھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے گناہ کو معاف فرمادے گا، اسی طرح اگر اس نے کوئی اطاعت کی ہے تو یہ امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس اطاعت کو قبول فرمائے گا۔ رہا وہ شخص جو گناہ میں ڈوبا رہا اور بغیر ندامت کے اور اس گناہ کو ترک کیے بغیر یہ امید رکھتا رہا کہ اللہ تعالیٰ اس سے مواخذہ نہیں فرمائے گا تو یہ غرور اور دھوکا ہے۔

امام ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کی ہے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۝ (المومنون: ۶۰)

اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) جو کچھ دیتے ہیں وہ خوف زدہ دلوں کے ساتھ دیتے ہیں (اس یقین کے ساتھ) کہ وہ اللہ کی طرف لوٹنے والے ہیں ۝

کیا اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جو شخص چوری کرتا ہے اور زنا کرتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! اس سے مراد وہ شخص ہے جو روزہ رکھتا ہے اور صدقہ وخیرات کرتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور اس کو یہ خوف ہوتا ہے کہ اس سے یہ عبادات قبول نہیں کی جائیں گی۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں سفیان کا ذکر ہے، اس سے مراد سفیان بن عیینہ ہیں۔

اس آیت کے شروع میں اس طرح مذکور ہے:

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ (المائدہ:۶۸)

آپ کہیے کہ اے اہل کتاب! تم (دین برحق کی) کسی چیز پر نہیں ہو جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو قائم نہ کرو اور اس کو جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے۔

اور یہ آیت ان پر زیادہ سخت اس وجہ سے تھی کیونکہ یہ اس کو مستلزم ہے کہ جو کچھ کتب الٰہیہ میں لکھا ہوا ہے اس کا علم ہو اور اس کے تقاضا پر عمل ہو اور اس کی تفسیر سورۃ المائدہ میں گزر چکی ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ زیادہ سخت خوف والی آیت درج ذیل ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۚ (آل عمران: ۱۳۰۔۱۳۱)

اے ایمان والو! دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ ○ اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے ○

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ آیت جس سے سفیان بن عیینہ کو زیادہ خوف تھا وہ یہ ہے:

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَاۤ اَمَانِیِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۚ (النساء: ۱۲۳)

(اللہ کا وعدہ) نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی خواہشوں پر، جو شخص کوئی برا کام کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی اور وہ اللہ کے مقابلہ میں اپنے لیے کوئی حمایتی پائے گا نہ مددگار ○

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس آیت کی باب کے عنوان کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جو شخص ان احکام پر عمل نہ کرے جو اس کتاب میں مذکور ہیں جو اس میں نازل کی گئی ہیں تو اس کو نجات حاصل نہیں ہوگی اور اس کی امید بغیر ان احکام پر عمل کیے اس کو نفع نہیں دے گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۶۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَمْرِو بْنِ اَبِیْ عَمْرٍو عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِیْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الرَّحْمَةَ يَوْمَ خَلَقَهَا مِائَةَ رَحْمَةٍ فَاَمْسَكَ عِنْدَهٗ تِسْعًا وَّتِسْعِيْنَ رَحْمَةً وَّاَرْسَلَ فِیْ خَلْقِهٖ كُلِّهِمْ رَحْمَةً وَّاحِدَةً فَلَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ بِكُلِّ الَّذِیْ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الرَّحْمَةِ لَمْ يَيْئَسْ مِنَ الْجَنَّةِ وَلَوْ يَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ بِكُلِّ الَّذِیْ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْعَذَابِ لَمْ يَاْمَنْ مِنَ النَّارِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی از عمرو بن ابی عمرو از سعید بن ابی سعید المقبری از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کو پیدا کیا تو اس نے سو رحمتیں پیدا کیں، اس نے ننانوے رحمتیں اپنے پاس رکھ لیں اور ایک رحمت تمام مخلوق میں بھیج دی، اگر کافر کو ان تمام رحمتوں کا علم ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں تو وہ جنت سے مایوس نہیں ہوگا۔ اور اگر مومن کو ان تمام عذاب کا علم ہو جائے جو اللہ کے پاس ہیں تو وہ دوزخ سے بے خوف نہیں ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۶۰۰۰، ۶۴۶۹، صحیح مسلم: ۲۷۵۲، سنن ترمذی: ۳۵۴۱، سنن ابن ماجہ: ۴۲۹۳، مسند احمد: ۲ ۹۳۲۶، سنن دارمی: ۲۷۸۵)

صحیح البخاری: ۶۴۶۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''ثواب کی امید کے ساتھ عذاب کا خوف ہونا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے ''اگر کافر کو اللہ کی ان تمام رحمتوں کا علم ہو جائے جو اس کے پاس ہیں تو وہ جنت سے مایوس نہیں ہوگا اور اگر مومن کو ان تمام عذاب کا علم ہو جائے جو اللہ کے پاس ہیں تو وہ دوزخ سے بے خوف نہیں ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مکلف کو اگر تحقق ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس کتنی رحمت ہے تو وہ اپنی امید کو بالکل منقطع نہیں کرے گا اور اگر اس کو تحقق ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس کتنا عذاب ہے تو وہ عذاب کے خوف کو بالکل ترک نہیں کرے گا۔ پس اس لیے یہ چاہیے کہ بندہ خوف اور امید دونوں کے درمیان رہے۔ پس نہ تو وہ بہت زیادہ امید رکھے حتیٰ کہ وہ مرجئہ میں سے ہو جائے جو کہتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ کسی معصیت کا کوئی ضرر نہیں ہوتا اور نہ خوف میں افراط کرے حتیٰ کہ خوارج اور معتزلہ میں سے ہو جائے جو کہتے ہیں کہ جس نے گناہِ کبیرہ کیا جب وہ بغیر توبہ کے مر گیا تو دوزخ میں رہے گا بلکہ خوف اور امید دونوں کے درمیان ہونا چاہیے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ۝ (بنی اسرائیل: ۵۷)

جن لوگوں کی یہ (مشرکین) عبادت کرتے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف قریب ترین وسیلہ تلاش کرتے ہیں اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شک آپ کے رب کے عذاب سے ڈرنا ہی چاہیے O

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ حدیث امام بخاری کی منفرد روایات میں سے ہے اور یہ حدیث کتاب الادب میں اس باب میں گزر چکی ہے ''باب جعل الله الرحمة مائة جزء''۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''جب اللہ تعالیٰ نے رحمت کو پیدا کیا تو سو رحمتوں کو پیدا کیا''۔ اس رحمت سے وہ رحمت مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں میں رکھی ہے اور یہ رحمت مخلوق ہے۔ اور جو رحمت اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''سو رحمتیں'' اس کا مطلب ہے کہ سو قسم کی رحمتیں پیدا کیں یا ایک رحمت کے سو اجزاء پیدا کیے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اگر کافر ان تمام رحمتوں کو جانتا ہوتا جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں'' تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوتا۔ اس حدیث میں کافر کے ذکر کو مقدم کیا ہے، کیونکہ رحمت کی کثرت اور وسعت اس کا تقاضا کرتی ہے کہ ہر ایک اس رحمت کی توقع رکھے۔ اور اس حدیث میں مضارع کا صیغہ استعمال کیا ہے ماضی کا نہیں اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ کافر کو یہ علم نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ رحمت کے سو افراد ہیں۔ اور اس حدیث کے ذکر کرنے سے غرض یہ ہے کہ افراد کی تعمیم کی جائے، اس پر یہ سوال ہے کہ بعض احادیث میں مذکور ہے کہ رحمت کے سو جزو ہیں، لہٰذا تعمیم عموم اجزاء کے لیے ہوگی نہ کہ عموم افراد کے لیے اور اجزاء کو مبالغۃً افراد کے منزلہ میں نازل کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۱۔ ۱۰۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۶۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن رکھنے کا بیان

حدیث میں ہے "تم میں سے کوئی شخص ہرگز نہ مرے مگر وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن رکھتا ہو"۔ یہ حدیث عنقریب صحیح البخاری کی کتاب التوحید میں آئے گی۔

نیز امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک نوجوان پر داخل ہوئے اور وہ موت کے قریب تھا، آپ نے اس سے پوچھا: تم اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو؟ اس نے کہا: میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈرتا ہوں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دو وصف کسی بندہ کے دل میں ایسے وقت میں جمع نہیں ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عطا کرے گا جس کی وہ امید رکھتا ہو اور اس سے وہ محفوظ رکھے گا جس سے وہ ڈرتا ہو، اور شاید کہ امام بخاری نے اپنے باب کے عنوان میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن جب کہ یہ حدیث ان کی شرط کے موافق نہیں تھی تو انہوں نے اس حدیث کو وارد نہیں کیا، لیکن وہ حدیث روایت کی جس سے یہ چیز اخذ کی جاسکتی ہے اگرچہ وہ مقصود کی تصریح میں اس کے برابر نہیں ہے۔

کافر کا جنت کی طمع کرنا

یہ حدیث برائی سے اجتناب کرنے کی محرک ہے خواہ برائی صغیرہ ہو اور اطاعت کو لازم رکھنے کی ترغیب دیتی ہے خواہ اطاعت تھوڑی سی ہو۔ یہاں پر ایک اشکال ہے کہ جنت کافر کے لیے پیدا نہیں کی گئی اور کافر کو جنت کی طمع اور خواہش بھی نہیں ہے تو وہ جنت کی تمنا کیسے کرے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص اپنے کفر کا اعتقاد نہ رکھتا ہو اس کا جنت کی تمنا کرنا بعید نہیں ہے اور یہ حدیث مومن کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت میں ترغیب دینے کے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتنی وسیع رحمت ہے کہ اگر کافر کو اس کی وسعت کا علم ہو جائے جس کے لیے یہ مقدر کر دیا گیا ہے کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوگا اور اس کے لیے رحمت میں سے کوئی حصہ نہیں ہے تب بھی وہ جنت کی امید رکھے گا اور اس سے مایوس نہیں ہوگا۔ یا تو اس وجہ سے کہ اس کو جو یہ یقین ہے کہ وہ باطل پر ہے اور اسی پر عناداً وہ مستمر رہا ہے تو اس سے اگر قطع نظر کر لی جائے تو وہ بھی جنت کی توقع رکھے گا اور جب کافر کا یہ حال ہے تو مومن جنت کی تمنا کیوں نہیں کرے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی ہدایت دی ہے۔ اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ جب قیامت کے دن ابلیس اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کو دیکھے گا تو وہ بھی شفاعت کی توقع رکھے گا۔ اس حدیث کی امام طبرانی نے حضرت جابر اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما سے المعجم الاوسط میں

روایت کی ہے اور اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ جوانی اور صحت کے زمانہ میں خوف کا غلبہ رہنا چاہیے تا کہ آدمی گناہوں سے بچتا رہے۔ اور بڑھاپے اور ضعف میں اور کمزوری میں اللہ تعالیٰ سے امید کا غلبہ رہنا چاہیے۔

خوف کے متعلق قرآن مجید کی درج ذیل آیات ہیں:

اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّ هُمْ یَلْعَبُوْنَ ۝ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (الاعراف:۹۹-۹۸)

اور کیا بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب چاشت کے وقت آجائے جب وہ کھیل کود میں مشغول ہوں O تو کیا وہ اللہ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہیں؟ حالانکہ اللہ کی خفیہ تدبیر سے صرف وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو تباہ و برباد ہونے والے ہوں O

وَ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَ ادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (الاعراف:۵۶)

اور زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ کرو، اور اللہ سے ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے دعا کرو، بے شک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے O

اور رجاء (امید) کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَ لَا تَایْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یَایْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (یوسف:۸۷)

اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ کی رحمت سے تو کافر ہی مایوس ہوتے ہیں O

(فتح الباری ج ۷ ص ۵۲۷-۵۲۸، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۲۰- بَابُ: الصَّبْرِ عَنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ

جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے، ان سے صبر کرنا

وَقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ (الزمر:۱۰)

اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: صرف صبر کرنے والوں کو ہی ان کا پورا پورا بے حساب اجر دیا جائے گا O

وَقَالَ عُمَرُ: وَجَدْنَا خَیْرَ عَیْشِنَا بِالصَّبْرِ

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نے صبر کے ساتھ اپنی بہترین زندگی پائی۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے صبر کرنے میں کوشش کرنی چاہیے۔ اور المحارم محرمة کی جمع ہے۔ الجوہری نے کہا: حرمت کا معنی ہے جس چیز کا کرنا جائز نہ ہو اور اسی طرح المحرمة ہے۔

اور صبر کے معنی ہیں: نفس کو روکنا، اور کبھی یہ عن کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور یہ معاصی میں ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے "صبر عن

الزنا'' اس نے زنا کرنے سے اپنے آپ کو روکا، اور کبھی یہ علیٰ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے ''صَبَرَ علی الصلوۃ'' اس نے نماز پڑھنے پر صبر کیا، اور کبھی صبر کا لفظ فی کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور اس کا معنی ہے: مصائب کے اوپر جزع فزع کرنے، بے چینی اور گھبراہٹ کا اظہار کرنے اور رونے اور چلانے سے اپنے آپ کو روکنا۔

امام بخاری نے یہاں تعلیق میں الزمر: ۱۰ کو ذکر کیا ہے اور اس آیت کا ''الصبر عن محارم اللہ'' پر عطف ہے۔ اور اس کا مطلب یہی ہے کہ جو لوگ عبادت کی مشقت پر صبر کرتے ہیں یا جو لوگ مصائب میں جزع فزع کرنے سے اپنے آپ کو روک کے رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو پورا پورا اجر بغیر حساب کے عطا فرماتا ہے۔

دوسری تعلیق میں امام بخاری نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا: ''ہم نے اپنی بہترین زندگی صبر کے ساتھ پائی''۔ یہاں پر صبر کا لفظ باء کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے اور یہ باء الصاق کے لیے ہے یعنی ہماری بہترین زندگی صبر کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اس اثر کو امام احمد نے کتاب الزہد میں سند صحیح کے ساتھ مجاہد سے روایت کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۷۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ اللَّيْثِيُّ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّ أُنَاسًا مِنَ الْأَنْصَارِ سَأَلُوا رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَمْ يَسْأَلْهُ أَحَدٌ مِنْهُمْ إِلَّا أَعْطَاهُ حَتَّى نَفِدَ مَا عِنْدَهُ فَقَالَ لَهُمْ حِينَ نَفِدَ كُلُّ شَيْءٍ أَنْفَقَ بِيَدَيْهِ مَا يَكُنْ عِنْدِي مِنْ خَيْرٍ لَا أَدَّخِرْهُ عَنْكُمْ وَإِنَّهُ مَنْ يَسْتَعِفَّ يُعِفَّهُ اللهُ وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللهُ وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللهُ وَلَنْ تُعْطَوْا عَطَاءً خَيْرًا وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عطاء بن یزید اللیثی نے خبر دی، انہوں نے بتایا کہ انہیں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انصار کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، پس ان میں سے جس کسی نے بھی سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عطا فرمایا حتیٰ کہ آپ کے پاس جتنا بھی مال غنیمت تھا وہ سب ختم ہو گیا۔ پھر جب اپنے ہاتھوں سے خرچ کرنے سے ہر چیز ختم ہوگئی تو آپ نے ان سے فرمایا: میرے پاس جو مال بھی ہوگا میں اس کو تم سے جمع کر کے نہیں رکھوں گا اور بے شک جو سوال سے رکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو روک کے رکھتا ہے اور جو صبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو صبر عطا فرماتا ہے۔ اور جو مستغنی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو غنی کر دیتا ہے۔ اور تمہیں ہرگز کوئی عطاء نہیں دی جائے گی جو صبر سے اچھی اور وسیع ہو۔

(صحیح البخاری: ۱۴۶۹، ۶۴۷۰ صحیح مسلم: ۱۰۵۳، سنن ترمذی: ۲۰۲۴، سنن نسائی: ۲۵۸۸، سنن ابوداؤد: ۱۶۴۴، مسند احمد: ۱۱۴۸۰، موطا امام مالک: ۱۸۸۰، سنن دارمی: ۱۶۴۶)

صحیح البخاری: ۶۴۷۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، یہ الحکم بن نافع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شعیب، یہ ابن ابی حمزہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں الزہری کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم الزہری سے روایت کرتے ہیں اور ان کا ذکر بخاری میں بہت زیادہ ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوسعید کا ذکر ہے، یہ حضرت سعد بن مالک الخدری رضی اللہ عنہ ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

ضرورت کے وقت سوال کرنے کا جواز

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں سائل کو ایک مال سے دو مرتبہ دینے کا ثبوت ہے، اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب سائل کو دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو اس سے اچھے طریقہ سے عذر پیش کیا جائے، اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم اور آپ کی جود و سخا کا بیان ہے کہ آپ بار بار دینے سے اکتاتے نہیں تھے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے لوگوں کو صبر کرنے اور بے نیازی اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے پر وصیت کی ہے اور اللہ عزوجل کے رزق کا انتظار کرنے کی ترغیب دی ہے اور آپ نے یہ بتایا ہے کہ مومن کو جو چیزیں دی گئی ہیں ان میں سب سے اچھی چیز صبر ہے، کیونکہ صبر کی جزاء لامحدود ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (الزمر: ۱۰) صرف صبر کرنے والوں کو ہی ان کا پورا پورا بے حساب اجر دیا جائے گا ۝

اس حدیث میں مذکور ہے کہ انصار کے کچھ لوگوں نے سوال کیا تو آپ نے ان کو عطا فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت سوال کرنا جائز ہے، تاہم ضرورت کے باوجود سوال نہ کرنا اور صبر کرنا زیادہ اولیٰ اور افضل ہے تاکہ اس کے پاس بغیر سوال کے اللہ تعالیٰ کا رزق آئے۔ (شرح ابن بطال ج ۳ ص ۴۶۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

سوال کی ممانعت اور سوال کی حدِ جواز کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پاس اتنا مال ہو جو اس کو سوال سے مستغنی کر دے، پھر بھی اگر اس نے لوگوں سے سوال کیا تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر خراشیں ہوں گی، آپ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! سوال سے مستغنی ہونے کی کیا مقدار ہے، آپ نے فرمایا: اس کے پاس پچاس درہم ہوں یا اتنی مقدار کا سونا ہو۔ (سنن ابوداؤد: ۱۶۲۶، سنن ترمذی: ۶۵۰، سنن نسائی: ۲۵۹۱)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اس حال میں سوال کیا کہ اس کے پاس اتنا مال تھا جو اس کو سوال سے غنی کر سکے تو وہ صرف آگ کی کثرت کر رہا ہے، مسلمانوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! سوال سے غنی کرنے والے مال کی کیا مقدار ہے، یا پوچھا: اس غنیٰ کی کتنی مقدار ہے جس کے باوجود سوال نہیں کرنا چاہیے، آپ نے فرمایا: جس سے وہ

ایک رات اور ایک دن سیر ہو کر کھانا کھا سکے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۶۲۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غنی کے لیے صدقہ حلال ہے اور نہ اس شخص کے لیے جو قوی ہو اور اس کے اعضاء صحیح ہوں۔ (سنن ابوداؤد: ۱۶۳۴، سنن ترمذی: ۶۵۲)

صبر کے متعلق قرآن مجید کی آیات

عبادات پر صبر کرنا:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ (البقرہ: ۴۶-۴۵)

اور صبر اور نماز (کے ذریعہ) سے مدد حاصل کرو اور بے شک نماز ضرور دشوار ہے، سوا ان لوگوں کے (جو اللہ کی طرف) جھکنے والے ہیں O جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں O

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۡ وَ اِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۭ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ (آل عمران: ۱۲۰)

اگر تمہیں کوئی اچھائی حاصل ہو تو ان کو بری لگتی ہے اور اگر تم کو کوئی برائی پہنچتی ہے تو یہ اس سے خوش ہوتے ہیں، اور اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو ان کا مکر و فریب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، بے شک اللہ ان کے تمام کاموں کو محیط ہے O

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (آل عمران: ۱۴۲-۱۴۱)

اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو گناہوں سے پاک کر دے اور کافروں کو مٹا دے O کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے تم میں سے مجاہدوں اور صبر کرنے والوں کو (دوسروں سے) ممتاز نہیں کیا O

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (آل عمران: ۱۴۶)

اور کتنے نبیوں کے ساتھ (مل کر) اللہ والوں نے اللہ کی راہ میں قتال کیا، تو اللہ کی راہ میں مصائب پہنچنے کی وجہ سے نہ وہ سست ہوئے اور نہ کمزور پڑے اور نہ دبے، اور اللہ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے O

وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ (یونس: ۱۰۹)

اور آپ اسی کی اتباع کیجئے جس کی آپ پر وحی کی جاتی ہے حتیٰ کہ اللہ فیصلہ فرمائے، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے O

وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝ (المدثر: ۷)

اور اپنے رب کی خاطر صبر کیجئے O

وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝

اور دن کی دونوں طرفوں میں اور (ابتدائی) رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم رکھئے، بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، یہ ان لوگوں

وَاصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝ (ہود: ۱۱۴۔۱۱۵)

کے لیے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں O اور صبر کیجئے، پس بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا O

مصائب پر صبر کرنا

وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَىۡءٍ مِّنَ الۡخَـوۡفِ وَالۡجُـوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيۡنَ ۝ الَّذِيۡنَ اِذَآ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌ ۙ قَالُوۡٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّـآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ ۝ اُولٰٓـئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٌ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ ۝ (البقرہ: ۱۵۵۔۱۵۷)

اور البتہ ہم تم کو کچھ ڈر، بھوک اور (تمہارے) مالوں، جانوں اور پھلوں کے نقصان میں ضرور مبتلا کریں گے، اور ان صبر کرنے والوں کو بشارت دیجئے O جن کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں O یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے خصوصی نوازشیں ہیں اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت پر ثابت قدم ہیں O

لَتُبۡلَوُنَّ فِىۡۤ اَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ وَلَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَمِنَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡۤا اَذًى كَثِيۡرًا ؕ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ۝ (آل عمران: ۱۸۶)

بے شک تم اپنی جانوں اور مالوں میں ضرور آزمائے جاؤ گے، اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے تم ان سے اور مشرکوں سے ضرور بہت سی دل آزار باتیں سنو گے اور اگر تم صبر کرتے رہے اور اللہ سے ڈرتے رہے تو یہ ضرور بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے O

وَلَقَدۡ كُذِّبَتۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ فَصَبَرُوۡا عَلٰى مَا كُذِّبُوۡا وَاُوۡذُوۡا حَتّٰٓى اَتٰٮهُمۡ نَصۡرُنَا‌ ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ‌ ۚ وَلَقَدۡ جَآءَكَ مِنۡ نَّبَاِى الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۝ (الانعام: ۳۴)

آپ سے پہلے بھی کتنے ہی عظیم رسولوں کی تکذیب کی گئی، سو انہوں نے اس تکذیب اور ایذاء رسانی پر صبر کیا حتیٰ کہ ان کے پاس ہماری مدد آ پہنچی اور اللہ کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے، اور بے شک آپ کے پاس رسولوں کی خبریں آ چکی ہیں O

وَجَآءُوۡۤ اَبَاهُمۡ عِشَآءً يَّبۡكُوۡنَ ۝ قَالُوۡا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبۡنَا نَسۡتَبِقُ وَتَرَكۡنَا يُوۡسُفَ عِنۡدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئۡبُ‌ ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ بِمُؤۡمِنٍ لَّنَا وَلَوۡ كُنَّا صٰدِقِيۡنَ ۝ وَجَآءُوۡ عَلٰى قَمِيۡصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ‌ ؕ قَالَ بَلۡ سَوَّلَتۡ لَـكُمۡ اَنۡفُسُكُمۡ اَمۡرًا‌ ؕ فَصَبۡرٌ جَمِيۡلٌ‌ ؕ وَاللّٰهُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوۡنَ ۝ (یوسف: ۱۶۔۱۸)

اور وہ رات کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے O انہوں نے کہا: اے ابا! ہم ایک دوسرے کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کر رہے تھے، اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے ساتھ چھوڑ دیا تھا، پس اس کو بھیڑیے نے کھا لیا اور آپ ہماری بات ماننے والے نہیں ہیں خواہ ہم سچے ہوں O اور وہ اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا لائے، (یعقوب نے) کہا: (بھیڑیے نے تو خیر نہیں کھایا) بلکہ تمہارے دل نے ایک بات گھڑ لی ہے، پس اب صبر جمیل کرنا ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے O

صبر کی جزاء

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ (النحل:٩٦)

جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا اور جن لوگوں نے صبر کیا ان کو ہم ان کے نیک کاموں کی ضرور جزاء دیں گے O

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿١١٠﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿١١١﴾ (المومنون:١٠٩-١١١)

بے شک میرے بندوں میں سے ایک گروہ یہ کہتا تھا: اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے تو ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحم فرما اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے اچھا ہے O تو (اے کافرو!) تم نے ان کا مذاق اڑایا حتیٰ کہ (اس مشغلہ نے) تمہیں میری یاد (بھی) بھلا دی اور تم ان پر ہنسا کرتے تھے O بے شک میں نے آج ان کے صبر کی اچھی جزاء دی اور بے شک وہی کامیاب ہیں O

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿٧٣﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿٧٤﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿٧٥﴾ (الفرقان:٧٣-٧٥)

اور جب ان لوگوں کو اللہ کی آیتوں کے ساتھ نصیحت کی جائے تو وہ ان آیتوں پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے O اور وہ لوگ یہ دعا کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقین کا امام بنا دے O یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کی جزاء میں جنت کی بلند عمارات دی جائیں گی اور وہاں ان کو دعا اور سلام پیش کیا جائے گا O

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۗ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۗ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿١٠﴾ (الزمر:١٠)

آپ کہیے: اے میرے ایمان دار بندو! اپنے رب سے ڈرتے رہو، جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک کام کیے ہیں ان کے لیے اچھا اجر ہے اور اللہ کی زمین بہت وسیع ہے، صرف صبر کرنے والوں کو ہی ان کا پورا پورا بے حساب اجر دیا جائے گا O

اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ﴿٥﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ﴿٦﴾ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ﴿٧﴾ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ﴿٨﴾ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ﴿٩﴾ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ﴿١٠﴾ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً

بے شک نیکوکار ایسے مشروب کے جام پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہے O اس چشمہ سے اللہ کے بندے پئیں گے وہ اس چشمہ کو جہاں چاہیں گے بہا کر لے جائیں گے O وہ نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کا شر پھیلا ہوا ہے O وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں O (ابرار کہتے ہیں:) ہم تم کو صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں ہم تم سے اس کے عوض نہ کوئی صلہ چاہتے ہیں نہ ستائش O بے

وَسُرُوْرًا ۝ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝ (الدہر: ۵-۱۲)

شک ہم اپنے رب سے اس دن کا خوف رکھتے ہیں جو بے حد ترش اور سخت ہے O سو اللہ نے ان کو اس دن کے شر سے بچالیا اور ان کو تروتازگی اور فرحت عطا فرمائی O اور ان کے صبر کی جزاء میں ان کو جنت اور ریشمی لباس عطا فرمایا O

صبر کے متعلق احادیث

(۱) حضرت عثمان بن حنیف بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس عرض کیا: آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے عافیت میں رکھے، آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں دعا کر دوں اور اگر تم چاہو تو تم صبر کرو وہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے، اس نے کہا: آپ دعا کر دیجئے، تو آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے اور یہ دعا کرے:

اللھم انی اسالك واتوجه الیك بنبیك محمد نبی الرحمة یا محمد انی توجهت بك الی ربی فی حاجتی هذه لتقضی لی، اللهم فشفعه فی۔

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد نبی الرحمت کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد! میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف اس حاجت میں متوجہ ہوا ہوں تاکہ میری حاجت پوری کی جائے، اے اللہ! پس تو آپ کی شفاعت کو میرے متعلق قبول فرما۔

(سنن ترمذی: ۳۵۷۸، سنن ابن ماجہ ص ۹۹ طبع کراچی، مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۸، مستدرک ج ۱ ص ۵۱۹)

(۲) حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کا ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں ملا، اس نے کہا: کیا آپ مجھے اس طرح عامل نہیں بناتے جس طرح آپ نے فلاں شخص کو عامل بنایا ہے۔ آپ نے فرمایا: تم لوگ عنقریب میرے بعد اپنے اوپر دوسروں کی ترجیح کو پاؤ گے سو تم صبر کرنا حتیٰ کہ تم حوض پر مجھ سے ملاقات کرو۔ (صحیح البخاری: ۳۷۹۲، صحیح مسلم: ۱۸۴۵)

(۳) حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعض ان ایام میں جن میں آپ کا دشمن سے مقابلہ ہوا، آپ انتظار فرما رہے تھے حتیٰ کہ جب سورج غروب کے قریب ہو گیا تو آپ صحابہ میں کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا: اے لوگو! دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو، پس جب تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو تو تم صبر کرنا، اور یاد رکھو کہ جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۰۲۴، صحیح مسلم: ۱۷۴۲)

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عطاء سے کہا: کیا میں تمہیں ایک ایسی عورت نہ دکھاؤں جو اہل جنت میں سے ہے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں، تو انہوں نے کہا: یہ سیاہ فام عورت، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، اس نے کہا: مجھ پر مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور میں برہنہ ہو جاتی ہوں، آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے، آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو تم صبر کرو اور تمہیں جنت مل جائے گی اور اگر تم چاہو تو میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تندرست کر دے، اس عورت نے کہا: میں صبر کروں گی، پھر کہا: میں برہنہ ہو جاتی ہوں، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ میں برہنہ نہ ہوں، تو آپ نے اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ (صحیح البخاری: ۵۶۵۲، صحیح مسلم: ۲۵۷۶)

(۵) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ میں کھڑے ہوئے، پس آپ نے ان سے ذکر کیا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اللہ پر ایمان لانا افضل اعمال ہیں، ایک مرد نے کھڑے ہوکر کہا: یارسول اللہ! یہ بتایئے اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کردیا جاؤں تو مجھ سے میرے گناہ مٹا دیئے جائیں گے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کردیے جاؤ اس حال میں کہ تم صبر کرنے والے ہو، ثواب کی نیت کرنے والے ہو، آگے بڑھ کر حملہ کرنے والے ہو، پیٹھ پھیرنے والے نہ ہو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا: میں نے کس طرح کہا تھا، اس نے کہا: یہ بتایئے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کردیا جاؤں تو کیا میرے گناہ مٹ جائیں گے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اس حال میں کہ تم صبر کرنے والے ہو، ثواب کی نیت کرنے والے ہو، آگے بڑھ کر حملہ کرنے والے ہو، پیٹھ پھیرنے والے نہ ہو، سوائے قرض کے، کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے ابھی بتایا ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۸۸۵)

(۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ بیان کرتی ہیں، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طاعون کے متعلق سوال کیا تو نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو خبر دی کہ طاعون ایک عذاب تھا جسے اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا تھا بھیج دیتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس طاعون کو مومنین کے لیے رحمت بنا دیا۔ پس جو بندہ بھی طاعون میں مبتلاء ہو اور وہ اس شہر میں صبر کرتا ہوا ٹھہرے اور یہ یقین رکھے کہ اس کو وہی مصیبت پہنچے گی جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے لکھ دی ہے تو اس کو شہید کی مثل اجر ملے گا۔ (صحیح البخاری: ۵۷۳۴)

(۷) حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو ان کو مصیبت میں مبتلاء کردیتا ہے، سو جو صبر کرے تو اس کے لیے صبر کا اجر ہوگا اور جو بے قرار ہو تو اس کے لیے بے قراری ہوگی۔

(الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۲۸۳)

(۸) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، بے شک اللہ عزوجل نے فرمایا: جب میں اپنے بندہ کو اس کی دو محبوب چیزوں کی مصیبت میں مبتلاء کرتا ہوں، سو وہ اس پر صبر کرتا ہے تو میں اس کے عوض میں اس کو جنت عطا کرتا ہوں، آپ کی مراد اس کی دونوں آنکھیں تھیں۔ (صحیح البخاری: ۵۶۵۳)

(۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کھانا کھا کر شکر ادا کرنے والا اس کے منزلہ میں ہے جو روزہ رکھنے والا صبر کرنے والا ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۴۸۶، سنن ابن ماجہ: ۱۷۶۴، مسند احمد: ۷۷۹۳)

(۱۰) حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مومن کے حال پر تعجب ہوتا ہے، اس کا ہر حال خیر ہے اور یہ صرف مومن کے لیے ہے، اگر اس کو خوشی حاصل ہو تو وہ شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لیے خیر ہے، اور اگر اس کو مصیبت پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لیے خیر ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۹۹۹)

(۱۱) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ عزوجل کی مومن کے لیے قضاء وقدر پر تعجب کرتا ہوں، اگر اس کو خیر حاصل ہو تو اپنے رب کی حمد کرتا ہے اور شکر ادا کرتا ہے، اور اگر اس پر کوئی مصیبت آئے تو اپنے رب کی حمد کرتا ہے اور صبر کرتا ہے، اور مومن کو ہر چیز میں اجر دیا جاتا ہے حتیٰ کہ جو لقمہ وہ اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں رکھتا ہے اس میں بھی۔

(مسند احمد: ۱۴۸۷۔ حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی امام احمد نے روایت کی ہے اور اس کی اسانید اور رجال سب صحیح ہیں۔ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۰۹)

(۱۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کو تقسیم کیا تو ایک مرد نے کہا: یہ وہ تقسیم ہے جس سے اللہ عزوجل کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا، پس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور میں نے آپ کو اس بات کی خبر دی، سو آپ ناراض ہوئے حتیٰ کہ میں نے آپ کے چہرہ میں ناراضگی کے آثار دیکھے، پھر آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، ان کو اس سے زیادہ ایذاء پہنچائی گئی تھی سو انہوں نے صبر کیا۔ (صحیح البخاری: ۳۴۰۵، صحیح مسلم: ۱۰۶۲)

(۱۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں بیمار تھا، پس میرے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے اور میں یہ دعا کر رہا تھا: اے اللہ! اگر میری مدتِ حیات پوری ہوگئی ہے تو مجھے اس میں راحت عطا فرما اور اگر وہ موخر ہے تو اس کو مجھ سے اٹھالے اور اگر کوئی مصیبت ہے تو مجھے اس پر صبر کرنے والا بنادے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم نے کس طرح دعا کی تھی؟ تو میں نے وہ دعائیہ کلمات دہرائے، تو آپ نے اپنے پیر سے ان کو مارا اور دعا کی: اے اللہ! اس کو عافیت عطا فرما یا کہا: اس کو شفاء عطا فرما، پھر اس کے بعد مجھے کبھی درد نہیں ہوا۔ (سنن ترمذی: ۳۵۶۴)

(۱۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر کے پاس بیٹھی ہوئی رو رہی تھی، آپ نے فرمایا: اللہ سے ڈر اور صبر کر، اس نے کہا: آپ میرے پاس سے ہٹیں، کیونکہ آپ کو میری جیسی مصیبت نہیں پہنچی اور اس نے آپ کو نہیں پہچانا تھا، اسے بتایا گیا کہ یہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر آئی، وہاں اس نے آپ کے دربانوں کو نہیں پایا اس نے کہا: میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا، آپ نے فرمایا: صبر تو صرف اس وقت معتبر ہوتا ہے جب پہلی بار صدمہ پہنچا ہو۔
(صحیح البخاری: ۱۲۸۳، صحیح مسلم: ۹۲۶)

(۱۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ان بیٹیوں کی پرورش کے ساتھ مبتلاء ہوا اور اس نے ان پر صبر کیا تو وہ بیٹیاں اس کے لیے دوزخ کی آگ سے حجاب بن جائیں گی۔ (سنن ترمذی: ۱۵۶۱)

(۱۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے امیر سے کوئی ناگوار بات دیکھی تو وہ اس پر صبر کرے، کیونکہ جو شخص جماعتِ مسلمین سے ایک بالشت بھی باہر نکلا اور مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔
(صحیح مسلم: ۱۸۴۹)

(۱۷) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مومن لوگوں سے مل جل کر رہتا ہے اور ان کی تکلیف دہ باتوں پر صبر کرتا ہے اس کو اس مومن سے زیادہ اجر ملتا ہے جو لوگوں سے مل جل کر نہیں رہتا اور ان کی تکلیف دہ باتوں پر صبر نہیں کرتا۔ (سنن ترمذی: ۲۵۰۷، سنن ابن ماجہ: ۴۰۳۲، مسند احمد: ۵۰۲۲)

۶۴۷۱۔ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ عِلَاقَةَ قَالَ سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ يَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّي حَتَّى تَرِمَ أَوْ تَنْتَفِخَ قَدَمَاهُ فَيُقَالُ لَهُ فَيَقُولُ أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں خلاد بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مسعر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زیاد بن علاقہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ بیان کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز پڑھتے حتیٰ کہ آپ کی

پنڈلیوں پر ورم آجاتا یا آپ کے دونوں قدم سوج جاتے، آپ سے کہا جاتا (آپ اتنی عبادت کی کوشش کیوں کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے تمام خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت فرمادی ہے) تو آپ فرماتے: کیا پس میں اللہ کا زیادہ شکر ادا کرنے والا بندہ نہ بنوں۔

(صحیح البخاری: ۱۱۳۰، ۴۸۳۶، ۶۴۷۱، صحیح مسلم: ۲۸۱۹، سنن ترمذی: ۴۱۲، سنن نسائی: ۱۶۴۴، سنن ابن ماجہ: ۱۴۱۹، مسند احمد: ۱۷۷۷۴)

صحیح البخاری: ۶۴۷۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے صبر اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت پر صبر کیا حتیٰ کہ آپ کے دونوں قدم سوج گئے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خلاد بن یحییٰ، یہ ابن صفوان ابو محمد السلمی الکوفی ہیں، انہوں نے مکہ میں رہائش رکھی اور مکہ ہی میں ۲۱۳ھ میں فوت ہوگئے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مسعر، یہ ابن قدام الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زیاد، یہ ابن عِلاقہ ہیں (عین پر کسرہ اور لام پر زبر)۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "حتی ترم" یہ اصل میں تورم تھا، واؤ کسرہ اور علامتِ مضارع کے درمیان واقع ہوئی تو اس کو حذف کردیا کیونکہ یہ ورم یرم کے باب سے ہے۔ اور ورم کا معنی ہے سوج جانا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "او تنتفخ" علامہ کرمانی نے کہا کہ اَو کا لفظ تنویع کے لیے ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ راوی کو شک ہو۔ اور دوسروں نے وثوق سے کہا کہ شک کے لیے ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فیقال لہ" یعنی آپ سے کہا جاتا "انک قد غفر اللہ لک ما تقدم من ذنبک وما تاخر" اس کا معنی ہے: آپ کے تمام اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت کردی گئی ہے۔ تو آپ جواب میں فرماتے: کیا میں اللہ تعالیٰ کے اس فضلِ عظیم اور اس نعمت پر شکر ادا نہ کروں جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ خاص کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۴۔۱۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کلی مغفرت کے اعلان کا آپ کے ساتھ مخصوص ہونا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی یہ خصوصی نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں آپ کی کلی مغفرت کا اعلان فرمادیا ہے تاکہ آپ آخرت

میں اطمینان اور تسلی کے ساتھ اپنی امت کی شفاعت کر سکیں ورنہ جن انبیاء علیہم السلام کی دنیا میں مغفرت کا اعلان نہیں فرمایا وہ قیامت کے دن طلبِ شفاعت پر اپنا عذر پیش کریں گے۔

حدیث میں ذکر ہے کہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس شفاعت کے لیے جائیں گے تو وہ عذر پیش کریں گے، وہ کہیں گے: میں اس کے لیے نہیں ہوں لیکن تم ابراہیم کے پاس جاؤ کیونکہ وہ خلیل الرحمٰن ہیں، پھر لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو وہ کہیں گے: میں اس کے لیے نہیں ہوں لیکن تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلیم ہیں، پھر لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو وہ کہیں: میں اس کے لیے نہیں ہوں تم عیسیٰ کے پاس جاؤ وہ اللہ کی (پسندیدہ) روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ پھر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے: میں اس کے لیے نہیں ہوں، لیکن تم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جاؤ، تو وہ میرے پاس آئیں گے، سو میں کہوں گا: میں ہی اس کے لیے ہوں، پس میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا، سو مجھے شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ مجھے ایسے حمد کے کلمات الہام فرمائے گا جن کے ساتھ میں اس کی حمد کروں گا اس وقت مجھے وہ کلمات مستحضر نہیں ہیں، پس میں اللہ تعالیٰ کی ان کلمات سے حمد کروں گا اور سجدہ میں گر جاؤں گا تو مجھ سے کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھایئے، آپ کہیے آپ کی بات سنی جائے گی، آپ سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا اور آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔۔۔ الحدیث (صحیح البخاری: ۷۵۱۰، صحیح مسلم: ۱۹۳)

چونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مغفرتِ کلی کا اعلان فرما دیا ہے اس لیے آپ اطمینان اور تسلی کے ساتھ اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے ورنہ دیگر تمام انبیاء علیہم السلام شفاعت کرنے سے گریز فرمائیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کی آپ کے اوپر بہت بڑی نعمت ہے اور بہت خاص انعام ہے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کی عظیم اور خصوصی نعمت کا زیادہ شکر ادا نہ کروں!

صحیح البخاری: ۶۴۷۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صبر اور شکر کا موازنہ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت پر صبر کرنے کا بیان ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو اتنی زیادہ نماز پڑھتے تھے کہ آپ کے دونوں قدم سوج جاتے تھے اور آپ فرماتے تھے: کیا میں اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر کرنے والا بندہ نہ بنوں۔

سلف صالحین نے شکر کی تعریف میں اختلاف کیا ہے، امام طبری نے کہا: بعض علماء نے کہا ہے: بندہ اپنے رب کی نعمتوں پر اس کی حمد وثناء کرے تو یہ رب کا شکر ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جو کچھ مقدر کیا ہے اس پر راضی رہے۔ اور اس کے لیے جو خیر اور شر کو مقدر کیا ہے اس کو تسلیم کرے تو یہ شکر ہے۔

اور ربیع بن انس نے اور دوسروں نے کہا ہے: بندہ کا شکر یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی عبادت کرے، یہ السدی اور محمد بن کعب سے مروی ہے۔ اور دوسرے علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا یہ اقرار کرنا کہ وہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا کی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کے ساتھ اس پر فضل کیا ہے اس کا کوئی حق نہیں تھا کہ اس کو یہ نعمتیں دی جاتیں، یہ محض اس کا فضل ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا شکر

ہے۔اور انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا اور اس کا شکر ادا کرنا دونوں کا ایک معنی ہے، یہ حضرت ابن عباس اور حضرت زید رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

اور امام طبری نے کہا: صحیح یہ ہے کہ بندہ کے شکر کا معنی یہ ہے کہ وہ یہ اقرار کرے کہ یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے دی ہے اس کے غیر نے نہیں دی۔ قرآن مجید میں ہے:

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۞ (سبا: ۱۳)

سلیمان جو کچھ چاہتے تھے وہ (جنات) ان کے لیے بنادیتے تھے، قلعے اور مجسمے اور حوضوں کے برابر ٹب، اور چولہوں پر جمی ہوئی دیگیں، اے آلِ داؤد! تم شکر ادا کرنے کے لیے نیک کام کرو، اور میرے بندوں میں شکر کرنے والے کم ہیں O

اگر تم یہ سوال کرو کہ صبر اور شکر میں کس کا مرتبہ زیادہ ہے، تو کہا جائے گا: ان میں سے ہر ایک کا بلند درجہ ہے اور شریف مرتبہ ہے، اور جو عافیت اور آسانی میں ہو وہ اس کی مثل نہیں ہے جو فاقہ اور مصیبت میں مبتلا ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۞ (الزمر: ۱۰)

صرف صبر کرنے والوں کو ہی ان کا پورا پورا بے حساب اجر دیا جائے گا O

صبر کی فضیلت کے متعلق یہ حدیث ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اہلِ عافیت یہ پسند کریں گے کہ دنیا میں ان کی کھالوں کو قینچی سے کاٹ دیا جاتا جب وہ مصیبت میں مبتلاء لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ثواب دیکھیں گے۔ (سنن ترمذی: ۲۴۰۲)

اور امام ابن ابی الدنیا نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، پس فرمایا: تمہیں بشارت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لیے کل خیر کو نازل فرمادیا ہے۔ بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹادیتی ہیں، میں نے عرض کیا: آپ پر میرا باپ اور میری ماں فداء ہوں، وہ نیکیاں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: پانچ نمازیں، اور میرے پاس آپ تشریف لائے، پس فرمایا: تمہیں بشارت ہو کہ بے شک اللہ عزوجل نے ایسی خیر نازل فرمادی ہے کہ اس کے بعد شر نہیں ہوگا، میں نے عرض کیا: آپ پر میرا باپ اور میری ماں فداء ہوں، وہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "جو بھی ایک نیکی لے کر آیا اللہ تعالیٰ اس کو دس نیکیوں کی مثل اجر عطا فرمائے گا"۔ میں نے عرض کیا: اے میرے رب! میری امت کے اجر کو اور زیادہ کر، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۞ (البقرہ: ۲۶۱)

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی طرح ہے جس نے سات ایسے خوشے اگائے کہ ہر خوشے میں سات سو دانے ہیں، اور اللہ جس کے لیے چاہے ان کو دگنا کر دیتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا بہت علم والا ہے O

میں نے عرض کیا: اے میرے رب! میری امت کو اور زیادہ اجر عطا فرما تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ⑩ صرف صبر کرنے والوں کو ہی ان کا پورا پورا بے حساب اجر دیا جائے گاO (الزمر:۱۰)

اور امام طبرانی نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک جنت میں ایک درخت ہے جس کا نام ہے شجرة البلوىٰ، قیامت کے دن وہ مصیبت زدہ لوگوں کو دیا جائے گا، پس ان کے لیے کوئی صحیفہ اعمال بلند نہیں کیا جائے گا اور نہ ان کے لیے میزان کو نصب کیا جائے گا، پس ان کے اوپر ان کا اجر انڈیل دیا جائے گا، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ''اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ⑩'' (الزمر:۱۰)۔

(المعجم الکبیر: ۲۷۶۰، حافظ الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ نے کہا ہے: اس حدیث کی سند میں ایک راوی سعد بن طریف ہے اور یہ بہت ضعیف ہے۔ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۰۵)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۴۹۵۔۴۹۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارة الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۷۱، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

صبر کا مقام اور مرتبہ

اللہ تعالیٰ کے نزدیک صبر کرنے والوں میں سب سے زیادہ مرتبہ ان کا ہے جو اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کے ارتکاب پر صبر کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی مشقت برداشت کرنے پر صبر کرتے ہیں اور جس نے ایسا کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے خالص اور پسندیدہ بندوں میں سے ہوتا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں صبر سے زیادہ اچھی اور صبر سے زیادہ وسیع کوئی نعمت نہیں دی گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ایمان کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: صبر اور سخاوت۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۳، شعب الایمان: ۹۷۱۰)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو سوال کرنے سے رکے گا اللہ تعالیٰ اس کو روک کر رکھے گا اور جو صبر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو صبر عطا فرمائے گا۔ اور جو استغناء کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو غنی کر دے گا۔ اور یہ اس آیت کی مثل ہے:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ⑤ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ⑥ پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہاO اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہاO (اللیل:۵۔۶)

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۱۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

تنبیہ: اس کے بعد ہم نے جو علامہ ابن الملقن کی شرح ذکر کی ہے، وہ تمام کی تمام علامہ ابن بطال کی اسی حدیث کی شرح سے نقل ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۷۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صبر کے متعدد معانی

صبر کے مفہوم میں فرائض اور واجبات کا کرنا اور مکروہات اور محرمات سے رکنا بھی داخل ہے۔ اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب بندہ کو مکروہات اور محرمات کے قبیح ہونے کا علم ہو اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس لیے حرام کیا ہے تاکہ اس کا بندہ رذائل کے ارتکاب سے محفوظ رہے، پس یہ علم عقلمند کو ان رذائل کے ترک کرنے پر برانگیختہ کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ اللہ تعالیٰ سے اور بندوں سے حیاء بھی ہے اور یہ خوف ہے کہ کوئی اس کو رذیل کام کرتے ہوئے دیکھے گا تو اس کی مذمت کرے گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر ناراض ہوگا تو پھر وہ اس رذیل کام کو اپنے انجام کی خرابی کی وجہ سے ترک کر دیتا ہے۔ اور بندہ اللہ تعالیٰ کے دیکھنے اور سننے کی جگہ میں ہوتا ہے۔ سو یہ خوف بندہ کو ان برے کاموں کے ارتکاب سے روکتا ہے۔ اور اس کی یہ وجہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بندہ کو نعمتیں عطا کی ہیں، بندہ ان کی رعایت کرتا ہے، کیونکہ معصیت اور گناہ عموماً نعمت کے زوال کا سبب ہوتا ہے اور اس کی یہ وجہ بھی ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے، کیونکہ محب اپنے آپ کو اپنے محبوب کے ناپسندیدہ کاموں سے روکتا ہے اور اس کام پر اپنے آپ کو قائم رکھتا ہے جو اس کے محبوب کو پسند ہوتا ہے۔ اور صبر کی تعریف جو سب سے عمدہ کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ نفس کو ناپسندیدہ چیز سے روکنا صبر ہے۔ اور زبان کو اللہ تعالیٰ کی شکایت کرنے سے روکنا صبر ہے اور مصائب کو برداشت کرنا اور کشادگی کا انتظار کرنا صبر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں صبر کرنے والوں کی تحسین فرمائی ہے۔ اور کتاب الایمان کے شروع میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ ''صبر نصف ایمان ہے''۔

امام راغب اصفہانی نے کہا ہے: صبر کا معنی ہے تنگی کے وقت میں اپنے آپ کو روکنا۔ سو صبر کا معنی ہے کہ عقل یا شرع جس چیز کا تقاضا کرتی ہے اس پر اپنے نفس کو روکنا۔ اور اس کے متعلقات کے اعتبار سے اس کے معنی مختلف ہوتے ہیں۔ اگر فقط مصیبت میں گھبراہٹ اور بے قراری سے اپنے آپ کو روکنا ہو تو اس کو مطلقاً صبر کہا جاتا ہے۔ اگر دشمن کے مقابلہ میں فرار سے اپنے آپ کو روکنا ہو تو اس کو شجاعت کہا جاتا ہے۔ اور اگر فحش کاموں سے اپنے آپ کو روکنا ہو تو اس کو عفت کہا جاتا ہے۔ اور اگر فضول کلام سے اپنے آپ کو روکنا ہو تو اس کو کتمان کہا جاتا ہے۔

صبر اور شکر کے محامل

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب ہے اور واجب کا ترک کرنا حرام ہے۔ اور نفس کو واجب کے فعل کے ساتھ مشغول رکھنا فعلِ حرام سے صبر کرنا ہے۔ اور حاصل یہ ہے کہ شکر کرنا طاعت پر صبر کرنے کو متضمن ہے اور معصیت سے صبر کرنے کو متضمن ہے۔

بعض ائمہ نے کہا ہے: صبر شکر کو مستلزم ہے، کیونکہ شکر صبر کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ اور ان میں سے ایک چلا جائے تو دوسرا بھی چلا جاتا ہے، پس جس شخص کو کوئی نعمت حاصل ہو تو اس پر فرض ہے کہ اس نعمت پر شکر ادا کرے اور صبر کرے۔ رہا شکر تو واضح ہے اور رہا صبر تو وہ معصیت سے اپنے آپ کو روکے رکھے، اور جو شخص کسی مصیبت میں مبتلاء ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ صبر کرے، اور رہا شکر تو وہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کے حق کو ادا کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا بندہ کے اوپر مصیبت میں بھی عبادت کا حق ہے جیسا کہ بندہ کے اوپر حالتِ نعمت میں عبادت کا حق ہے۔

پھر صبر کی تین قسمیں ہیں: ایک قسم ہے معصیت اور گناہ سے صبر کرنا، پس وہ گناہ اور معصیت کا ارتکاب نہ کرے اور دوسری قسم

ہے: طاعت پر صبر کرے، یعنی اطاعت اور عبادت کو ادا کرے، اور تیسری قسم ہے: مصیبت پر صبر کرے، یعنی مصیبت کے حال میں اپنے رب کی شکایت نہ کرے۔ اور مرد کے لیے ان تینوں میں سے کوئی ایک قسم ضروری ہے۔ پس صبر اس کو ابداً لازم ہے اور اس سے اس کا خروج نہیں ہے اور صبر ہر کمال کے حصول کا سبب ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے: کبھی صبر اللہ کے لیے ہوتا ہے اور کبھی اللہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ پہلی قسم وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر صابر ہو اور اس کی رضا کا طالب ہو، پس اطاعت اور عبادت کی مشقت پر صبر کرے اور معصیت سے رک کر صبر کرے، کیونکہ شہواتِ باطلہ اس کو معصیت پر ابھارتی ہیں اور وہ شہوت کے ان تقاضوں پر صبر کرے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا تھا:

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ۚ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ کَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۳﴾ (یوسف: ۳۳)

اے میرے رب! مجھے قید ہونا اس گناہ سے پسند ہے جس کی طرف مجھے یہ (عورتیں) دعوت دیتی ہیں اور اگر تو نے ان کی سازش مجھ سے دور نہ کی تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا O

دوسری قسم یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کر دے بایں طور کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قوت کے حوالے ہو۔

اور بعض علماء نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر صبر کرنا اس کی تقدیر پر راضی ہونا ہے اور اللہ کے لیے صبر کرنا اس کی محبت پر صبر کرنا ہے اور اس کے ساتھ صبر کرنا وہ اس کی مشیت اور ارادہ کے ساتھ متعلق ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۵۲۹۔۵۳۱، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۷۱، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صبر کی اقسام

صبر کی تین قسمیں ہیں: ایک قسم ہے اللہ کی طاعت پر صبر کرنا، دوسری قسم ہے اللہ تعالیٰ کی معصیت سے صبر کرنا، اور تیسری قسم ہے اللہ تعالیٰ کی تقدیروں پر صبر کرنا، عام ازیں کہ وہ تقدیریں رنج پہنچانے والی ہوں یا خوشی دینے والی ہوں۔

رہا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت پر صبر کرنا تو وہ یہ ہے کہ انسان اپنے رب کی اطاعت اس طرح کرے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو اس عبادت کے ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اطاعت صبر کی محتاج ہوتی ہے، خاص طور پر وہ اطاعت جس میں مشقت ہو مثلاً روزہ، اور بے شک روزہ نفوس پر دشوار ہوتا ہے، اسی وجہ سے رمضان کے مہینہ کو شہر الصبر کہا جاتا ہے۔ اسی طرح جہاد بھی نفوس پر مشکل اور دشوار ہوتا ہے اور اس میں بھی صبرِ طویل کی ضرورت ہوتی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دشمن سے ملاقات کے وقت ثابت قدم رہنے کا حکم دیا ہے، اور انہی میں سے حج کرنا ہے کیونکہ اس میں مشقتِ مالیہ بھی ہے اور مشقتِ بدنیہ بھی ہے، خاص طور پر اس لیے کہ جب انسان مکہ جاتا ہے تو اپنے وطن سے دور ہوتا ہے اور اطاعت پر صبر یہ ہے کہ نفس کو اطاعت پر روکے رکھے حتیٰ کہ اس کو بر طریقِ مطلوب ادا کر دے، اور یہ نفس کی مشقت اور بدن کی مشقت پر مشتمل ہے۔ اور بدن کی مشقت یہ

ہے کہ اس میں بہت زیادہ نقل وحرکت کرنی پڑتی ہے اور نفس کی مشقت یہ ہے کہ اس میں انسان اپنے نفس کو ذلیل کرتا ہے۔

دوسری قسم ہے معصیت پر صبر کرنا: یعنی نفس کو گناہوں اور معاصی کے افعال سے روکنا جب اس کا نفس چاہتا ہے کہ وہ زنا کرے تو وہ اپنے آپ کو زنا سے روکے یا اس کا نفس چاہتا ہے کہ وہ نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرے تو وہ اپنے نفس کو روکے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھے تو یہ معاصی پر صبر کرنا ہے۔

تیسری قسم ہے تقدیر پر صبر کرنا کیونکہ تقدیر میں جو مرض لکھا ہوا ہے یا فقر لکھا ہوا ہے یا جلدی موت لکھی ہوئی ہے تو ان سب چیزوں کے لیے صبر کی مشقت کی ضرورت ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت پر صبر کرنا یہ افضل ہے، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی معصیت سے رک کر نفسانی خواہشات پر صبر کرنا اس کا مرتبہ ہے، اور پھر تیسرا مرتبہ ان تقدیروں پر صبر کرنے کا ہے جو اس کے لیے رنج کا باعث ہیں۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۳۴۳۔ ۳۴۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۱۔ بَابٌ: وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اور جو اللہ پر توکل کرتا ہے تو وہ اسے کافی ہے

(الطلاق: ۳)

قَالَ الرَّبِيعُ بْنُ خُثَيْمٍ: مِنْ كُلِّ مَا ضَاقَ عَلَى النَّاسِ۔ ربیع بن خثیم نے کہا: (توکل) ہر اس چیز سے ہے جو لوگوں کے اوپر تنگ اور دشوار ہو۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان ہے "جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرے تو وہ اسے کافی ہے"۔

توکل کا لغوی معنی ہے: کسی چیز کی پناہ لینا اور اس پر اعتماد کرنا۔ اور اصطلاح میں توکل کا معنی ہے: اپنے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا اور اسباب سے قطع نظر کرنا۔ اور توکل کا یہ معنی نہیں ہے کہ اسباب کو چھوڑ دیا جائے اور جو چیز مخلوق سے حاصل ہونے والی ہے اس پر اعتماد کیا جائے، کیونکہ یہ بسا اوقات توکل کی ضد کی طرف لے جاتی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی گھر میں بیٹھا یا مسجد میں اور اس نے کہا کہ میں کوئی کام نہیں کروں گا حتیٰ کہ میرے پاس میرا رزق آجائے، تو امام احمد نے کہا: یہ آدمی علم سے جاہل ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میرے رزق کو میرے نیزوں کے سائے کے نیچے رکھا ہے۔ اور نیز آپ نے فرمایا: اگر تم اللہ پر ایسا توکل کرو جو توکل کرنے کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس طرح رزق دے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیتا ہے، صبح کو وہ بھوکے اٹھتے ہیں اور شام کو بھرے ہوئے پیٹ کے ساتھ واپس آتے ہیں، پس آپ نے بتایا کہ وہ صبح اور شام رزق کی طلب میں نکلتے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم تجارت کرتے تھے اور باغات میں کام کرتے تھے اور ان کی اقتداء کرنا واجب ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یہ تعلیق الربیع بن خثیم سے منقول ہے، یہ کوفی ہیں اور کبار تابعین میں سے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مصاحبت میں رہے ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے کتاب الزہد میں سند جید کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان سے یہ کہتے تھے: اگر تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھ لیتے تو تم سے محبت کرتے۔

اور الربیع بن خثیم نے کہا: توکل ہر اس چیز سے ہے جو لوگوں پر تنگ اور دشوار ہو، ان کی مراد یہ ہے کہ جس نے اللہ پر توکل کیا تو وہ اس کو کافی ہے، یہ ہر اس چیز سے ہے جو لوگوں پر تنگ اور دشوار ہو۔ علامہ کرمانی نے کہا: یعنی اللہ پر توکل کرنا ہر اس چیز سے عام ہے جو لوگوں پر دشوار ہو، یعنی توکل کی کسی ایسے کام میں خصوصیت نہیں ہے جو مشکل اور دشوار ہو بلکہ تمام ان امور میں توکل کرنا چاہیے جن میں لوگ تنگ ہوتے ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۷۲۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ حُصَيْنَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ كُنْتُ قَاعِدًا عِنْدَ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ فَقَالَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ هُمُ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ وَلَا يَتَطَيَّرُونَ وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح بن عبادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حصین بن عبدالرحمٰن سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں سعید بن جبیر کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا: میری امت میں سے ستر ہزار جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے اور یہ وہ لوگ ہیں جو دم نہیں کراتے ہوں گے اور نہ بد فال نکالتے ہوں گے اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہوں گے۔

(صحیح البخاری: ۵۷۰۵، ۶۴۷۲، صحیح مسلم: ۲۲۰، سنن ترمذی: ۲۴۴۶، مسند احمد: ۲۴۴۴)

صحیح البخاری: ۶۴۷۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق، یہ امام بخاری کے شیخ ہیں۔ الغسانی نے کہا ہے کہ میں نے اس نام کو اپنے مشائخ کے پاس منسوب نہیں پایا (یعنی یہ لکھا ہوا نہیں پایا کہ اسحاق کس کے بیٹے تھے اور کس کی طرف منسوب تھے)۔ لیکن امام بخاری کی الصحیح الجامع میں بہ کثرت روایات اسحاق بن ابراہیم سے ہیں اور بعض نے کہا کہ یہ اسحاق بن منصور ہیں۔

دم کرانے کی ممانعت اور جواز کا محمل

اس حدیث میں مذکور ہے "لایسترقون" یعنی وہ دم کرنے کو طلب نہیں کرتے، اس کا معنی ہے کہ کوئی شخص کسی آفت میں مبتلاء

ہو یا بیماری میں مثلاً اس کو بخار ہو یا مرگی ہو یا کوئی اور آفت ہو اور وہ تعویذ کو طلب کرے، یا کسی بزرگ کے پاس جائے اور کہے کہ اس بیماری میں مجھے دم کر دو۔ اور بعض احادیث میں دم کرنے کا جواز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی کو نظر لگ جائے تو اس کے لیے دم کو طلب کرو، یعنی ایسے بندہ کو طلب کرو جو اس کو دم کرے۔ اور اس حدیث میں ممانعت ہے کہ وہ لوگ دم کرانے کو طلب نہیں کرتے ہوں گے۔ اور اس میں تطبیق اس طرح ہے کہ ان کلمات کے ساتھ دم کرنے سے منع فرمایا ہے جو عربی زبان کے بغیر ہوں، یا اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات اور اس کے کلام اور اس کی کتابوں میں جو کلام ہے اس کے بغیر ہوں، اور اس صورت میں منع ہے کہ جب وہ اعتقاد یہ رکھے کہ دم کرنے سے لامحالہ قطعی طور پر مرض زائل ہو جائے گا یا بیماری دور ہو جائے گی۔ اور دم کو طلب کرنے کا ثبوت اس صورت میں ہے جب کہ قرآن کے الفاظ سے دم کیا جائے یا اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات سے یا عربی الفاظ سے، اور اس میں یہ ارادہ نہ ہو کہ یقینی اور قطعی طور پر دم کرنے سے وہ آفت دور ہو جائے گی۔

بدفالی کا معنی

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "لایتطیرون" یعنی وہ پرندوں سے بدفالی نہیں نکالتے ہوں گے، کیونکہ اسلام سے پہلے جاہلیت میں لوگوں کی یہ عادت تھی کہ وہ پرندہ کو اڑاتے، اگر وہ دائیں طرف اڑتا ہوا جاتا تو اس سے نیک فال لیتے اور اگر وہ بائیں طرف اڑتا ہوا جاتا تو اس سے بدفال لیتے۔ اور "طیرۃ" اسے کہتے ہیں جو برائی میں ہوتی ہے اور فال اس کو کہتے ہیں جو نیکی میں ہوتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۵۔۱۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۷۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے "وہ لوگ دم نہیں کراتے ہوں گے": علامہ ابوالحسن القابسی نے کہا ہے: اس حدیث میں اس دم کی نفی ہے جو لوگ زمانہ جاہلیت میں دم کراتے تھے (جس دم میں شرکیہ الفاظ ہوتے تھے)، لیکن جس دم میں کتاب اللہ کے الفاظ ہوں تو ایسا دم جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا دم کیا ہے اور ایسا دم کرانے کا حکم دیا ہے اور یہ دم توکل کے منافی نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ولا یتطیرون" یعنی وہ پرندوں سے بدفالی نہیں نکالتے ہوں گے، جیسا کہ ظہورِ اسلام سے پہلے لوگوں کی عادت تھی کہ وہ پرندوں کے اڑنے سے بدفالی نکالتے تھے، اور بدفالی کو "الطیرہ" کہا جاتا ہے اور نیک فال کو فال کہا جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نیک فال کو پسند کرتے تھے۔

نظرِ بد لگنے اور دم کرانے کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا یا آپ نے حکم فرمایا کہ نظر لگنے کے بعد دم کو طلب کیا جائے۔ (صحیح البخاری: ۵۷۳۸، باب: رقیۃ العین)

اور امام بخاری نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے اہل بیت کے لیے ہر زہریلے جانور کے ڈسنے سے دم کرانے کی رخصت دی۔ (صحیح البخاری: ۵۷۴۱، باب: رقیۃ الحیۃ والعقرب)

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے آپ کو یا اپنے مال کو یا اپنے بھائی کو دیکھے اور وہ اس کو اچھا لگے تو اس کو چاہیے برکت کی دعا کرے، کیونکہ نظر کا لگنا برحق ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۵۱)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! جعفر کے بچوں کو نظر بہت جلد لگ جاتی ہے تو کیا ہم ان کے لیے دم کرا لیا کریں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! کیونکہ اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت کر سکتی ہے تو نظر کا لگنا تقدیر پر سبقت کرے گا۔ (سنن ترمذی: ۲۰۵۹)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نظر لگنے کے سوا دم نہ کراؤ۔ (الموطا ص ۵۸۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک یہودیہ سے کہا: تم مجھ پر دم کرو، میں تم پر اللہ کی کتاب سے دم کروں گا۔ (الموطا ص ۵۸۴)

حضرت شفاء بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی، تو آپ نے فرمایا: تم ان کو (یعنی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو) پھوڑے کا دم کیوں نہیں سکھاتیں جس طرح تم نے ان کو لکھنا سکھایا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۸۸۷)

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا جائز ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سانپ کے ڈسنے میں بنو عمرو بن حزم کو دم سکھایا، اور ایک حدیث کے الفاظ ہیں: تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہو، تو وہ اس کو نفع پہنچائے۔ (صحیح مسلم: ۲۱۹۹، ۲۲۰۰)

نظر بد کی تعریف میں فقہاء اسلام کے اقوال

علامہ ابن ملقن کہتے ہیں: جو شخص کسی چیز کو اچھا سمجھتے ہوئے دیکھے، اور اس کے دیکھنے میں حسد کی ملاوٹ ہو اور دیکھنے والا خبیث الطبع ہو جیسے زہریلے جانور ہوتے ہیں تو اس کے دیکھنے سے نظر لگ جاتی ہے۔ اور اگر یہ قید نہ ہو تو ہر عاشق جب اپنے معشوق کو دیکھے تو اس کو نظر لگ جائے، کیونکہ وہ بھی اس کو اچھا سمجھتے ہوئے دیکھتا ہے، مگر ہر عاشق کے دیکھنے میں حسد کی ملاوٹ نہیں ہوتی اور وہ خبیث الطبع بھی نہیں ہوتا۔

قاضی عیاض نے کہا ہے: بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ جب کسی شخص کے متعلق مشہور ہو کہ اس کی نظر لگ جاتی ہے تو اس سے اجتناب اور احتراز کرنا چاہیے اور امام اور سربراہ کو چاہیے کہ اس شخص کو لوگوں کے پاس جانے سے روکے اور اس کو یہ کہے کہ وہ اپنے گھر میں رہے اور اگر وہ تنگدست ہو تو اس کے کھانے پینے کی چیزیں اور اس کی ضروریات کی چیزیں اس کو مہیا کرے، کیونکہ اس کا ضرر کچا لہسن اور کچی پیاز کھا کر مسجد میں آنے سے زیادہ ہے، جس کو کھا کر مسجد آنے والے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں داخل ہونے سے منع فرما دیا تھا تا کہ وہ لوگوں کو ایذاء نہ دے، اور اس کا ضرر جذام والی عورت سے بھی زیادہ ہے جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے ساتھ طواف کرنے سے روک دیا تھا۔

حافظ ابو عمر بن عبد البر نے کہا ہے: کبھی نیک آدمی کی بھی نظر لگ جاتی ہے اور نظر لگنے کا تعلق نہ نیکی کے ساتھ ہے اور نہ فسق کے ساتھ ہے۔ (التمہید ج ۱۳ ص ۶۹)

علامہ قرطبی مالکی نے کہا ہے: اگر کسی شخص کی نظر لگنے سے نقصان ہوتا ہو اور یہ بات معلوم ہوگئی ہو کہ جب بھی وہ کسی چیز کے متعلق اس کو عظیم قرار دیتے ہوئے کلام کرتا ہے یا اس کو اچھا سمجھتے ہوئے کلام کرتا ہے تو اس چیز پر اس کی نظر لگ جاتی ہے اور اگر بار بار ایسا ہوتا ہے اور یہ اس کی عادت ہو جاتی ہے تو جو چیز اس کی نظر لگنے سے ضائع ہو جائے گی اسے اس کا تاوان دینا ہوگا اور اگر وہ عمداً اپنی نظر لگا کر کسی کو قتل کر دے تو اس کو قتل کیا جائے گا، جیسے جادوگر اپنی نظر لگنے سے کسی کو قتل کر دے تو اس کو قتل کیا جاتا ہے۔
(المفہم ج ۵ ص ۵٦٨)

علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ نظر لگانے والا جب کسی چیز پر نظر لگاتا ہے تو اس کی قوت سے اس چیز میں تاثیر ہوتی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نظر لگانے والے کی آنکھ میں زہر ہوتا ہے تو جب وہ اپنی آنکھ کھول کر کسی چیز کی طرف دیکھتا ہے تو وہ زہر اس چیز پر اثر انداز ہوتا ہے۔ (عارضۃ الاحوذی ج ۸ ص ۲۱۵۔۲۱٦)

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ نظر سے کوئی چیز فاسد بھی ہوتی ہے اور کوئی چیز ضائع بھی ہو جاتی ہے جب نظر لگانے والا اس چیز کو دیکھتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ عادت جاری کر دی ہے کہ جب ایسا شخص کسی چیز کو دیکھے تو اس چیز میں اللہ تعالیٰ ضرر پیدا کر دیتا ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۳۹۸۔۴۰۵ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۷۰۴، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نظر بد کی تعریف اور اس کے ازالہ کا طریقہ

نظرِ بد حسد کرنے والا لگاتا ہے اور یہ معروف ہے اور حسد کرنے والا وہ شخص ہے جس کے دل میں برائی کی محبت بھری ہوئی ہوتی ہے، اور جب وہ کسی شخص کو خوش دیکھتا ہے تو وہ مغموم ہوتا ہے اور جب کسی شخص کو بدحالی میں مبتلا دیکھتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا نفس خبیث ہوتا ہے، ان کے منہ سے خبیث ہوا نکلتی ہے حتیٰ کہ جس چیز پر وہ نظر لگاتے ہیں اس چیز پر وہ خبیث ہوا پہنچ جاتی ہے اور اس کو ہلاک یا ضائع کر دیتی ہے۔

اس مصیبت کو زائل کرنے کا طریقہ: اس مصیبت کو زائل کرنے کا طریقہ یا تو قرآن مجید کی آیتیں پڑھنا ہے، یعنی قرآن مجید کی آیات پڑھ کر دم کیا جائے۔ اور یا یہ طریقہ ہے کہ جس نے نظر لگائی ہے اس کو وضو کرایا جائے، پھر اس کے وضو سے جو قطرات گریں ان قطرات کو اس کے سر پر ڈالا جائے جس کو اس نے نظر لگائی ہے یا وہ قطرات اس کی کمر پر ڈالے جائیں، یا وہ قطرات اس کو پلائے جائیں تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے شفاء ہو جائے گی۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں مذکور ہے "لایسترقون" یعنی وہ لوگ کسی سے دم نہیں کرائیں گے، صحیح مسلم کے بعض الفاظ میں مذکور ہے "ولا یرقون" یعنی وہ دم نہیں کریں گے، لیکن یہ راوی کا وہم ہے کیونکہ انسان کا کسی دوسرے انسان کو دم کرنا ممنوع نہیں ہے بلکہ یہ امور

مسنونہ مستحبہ میں سے ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دم کرتے تھے۔

(۲) اس حدیث میں مذکور ہے "ولا یتطیرون" یعنی وہ بدفالی نہیں نکالیں گے، بدفالی کبھی زمانہ سے متعلق ہوتی ہے اور کبھی جگہ سے متعلق ہوتی ہے۔ زمانہ سے بدفالی کے متعلق ہونے کی مثال یہ ہے جیسا کہ عرب کہتے تھے کہ شوال کے مہینہ میں عقدِ نکاح بدفالی ہے، اور بدھ کے دن کسی کام کے کرنے میں بھی بدفالی نکالتے تھے اور ان میں سے کسی بات کی کوئی اصل نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شوال کے مہینہ میں نکاح کیا اور ان کا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام ازواج سے زیادہ تھا۔ اور جگہ کے ساتھ بدفالی کا تعلق یہ ہے کہ جیسے کوئی کہے: فلاں جگہ جانے سے نقصان ہوگا، اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدفالی نکالنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ بدفالی اوہام اور تخیلات کے دروازے کو کھولتی ہے اور اللہ تعالیٰ پر توکل سے دور کرتی ہے اور نیک فال نکالنا جائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نیک فال نکالتے تھے، کیونکہ اس سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۹۳۔ ۳۹۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: اسی طرح ہمارے ہاں رواج ہے کہ صفر کے مہینے میں نکاح یا نکاح کی بات کو بدفالی تصور کیا جاتا ہے، سو اس کی بھی دین میں کوئی اصل نہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۲۲۔ بَابُ: مَا يُكْرَهُ مِنْ قِيلَ وَقَالَ — لوگوں کی باتیں نقل کرنے کی کراہت

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قیل اور قال مکروہ ہے، یعنی یہ بات کہی گئی تھی اور فلاں نے یہ کہا۔ اس سے مقصود ہے لوگوں کی باتوں کو نقل کرنا فلاں نے اس طرح کہا اور فلاں نے اس طرح کہا۔ اور اس طرح کہا گیا اور اس طرح کہا گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۷۳۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْهُمْ مُغِيرَةُ وَفُلَانٌ وَرَجُلٌ ثَالِثٌ أَيْضًا عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ وَرَّادٍ كَاتِبِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ مُعَاوِيَةَ كَتَبَ إِلَى الْمُغِيرَةِ أَنِ اكْتُبْ إِلَيَّ بِحَدِيثٍ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ فَكَتَبَ إِلَيْهِ الْمُغِيرَةُ إِنِّي سَمِعْتُهُ يَقُولُ عِنْدَ انْصِرَافِهِ مِنَ الصَّلَاةِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَ وَكَانَ يَنْهٰى عَنْ قِيلَ وَقَالَ وَكَثْرَةِ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةِ الْمَالِ وَمَنْعٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایک سے زیادہ لوگوں نے خبر دی ان میں سے مغیرہ ہیں اور فلاں ہیں اور ایک تیسرا مرد بھی ہے اور شعبی سے روایت ہے از ورّاد کاتب المغیرہ بن شعبہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب لکھا کہ وہ ان کی طرف ایسی حدیث لکھ کر بھیجیں جس کو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو، انہوں نے بیان کیا، پس حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف مکتوب لکھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا

وَمَاتِ وَعُقُوقِ الْأُمَّهَاتِ وَوَأْدِ الْبَنَاتِ وَعَنْ هُشَيْمٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ وَرَّادًا يُحَدِّثُ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنِ الْمُغِيرَةِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

جب آپ نماز پڑھ کر مڑ رہے تھے، آپ تین مرتبہ ذکر کر رہے تھے: ''لا الٰه الا الله وحدهٗ لاشریك لهٗ له الملك وله الحمد وهو علیٰ کل شیءٍ قدیر'' اور انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ قیل اور قال سے اور زیادہ سوال کرنے سے اور مال کو ضائع کرنے سے منع فرماتے تھے اور اپنی چیز کو منع کرنے سے اور دوسروں کی چیزوں کو مانگنے سے اور ماؤں کی نافرمانی کرنے سے اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع فرماتے تھے۔

اور از ہشیم، وہ بیان کرتے ہیں: ہمیں عبد الملک بن عمیر نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے ورّاد سے سنا وہ یہ حدیث بیان کرتے تھے از حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ۔

(صحیح البخاری: ۸۴۴، ۱۴۷۷، ۲۴۰۸، ۵۹۷۵، ۶۳۳۰، ۶۴۷۳، ۶۶۱۵، ۷۲۹۲، صحیح مسلم: ۵۹۳، سنن نسائی: ۱۳۴۱، سنن ابوداؤد: ۱۵۰۵، مسند احمد: ۱۸۱۷۷، سنن دارمی: ۱۳۴۹)

صحیح البخاری: ۶۴۷۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن مسلم، یہ طوسی ہیں پھر بغدادی۔ اور اس حدیث کی سند میں ہشیم کا ذکر ہے، یہ ابن بشیر الواسطی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مغیرہ کا ذکر ہے، یہ ابن مقسم الضبی ہیں۔

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ''فلان'' یہ مجالد بن سعید ہیں۔ امام ابن خزیمہ نے اپنی سند میں از زیاد بن ایوب اور یعقوب بن ابراہیم الدورقی روایت کی ہے، ان دونوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایک سے زیادہ لوگوں نے خبر دی، ان میں سے مغیرہ اور مجالد ہیں۔

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ''اور ایک تیسرا مرد'': کہا گیا ہے کہ یہ داؤد بن ابی ہند ہیں، کیونکہ امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں داؤد بن ابی ہند وغیرہ سے از شعبی روایت کی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ زکریا بن ابی زائدہ ہوں، یا اسماعیل بن ابی خالد ہوں، کیونکہ امام طبرانی نے از طریق الحسن بن علی بن راشد روایت کی ہے از ہشیم بن مغیرہ از زکریا بن ابی زائدہ۔ اور مجالد اور اسماعیل بن ابی خالد یہ سب شعبی سے روایت کرتے ہیں اور شعبی کا نام عامر بن شراحیل ہے۔ اور ورّاد حضرت مغیرہ کے آزاد کردہ غلام اور ان کے کاتب ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کثرتِ سوال سے منع فرمایا ہے'' یعنی ان مسائل سے منع فرمایا ہے جن کی ضرورت نہیں ہوتی، یا لوگوں کے اموال کے متعلق سوال کرنے سے منع فرمایا ہے، یا لوگوں کے احوال کے متعلق سوال کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے'' یعنی مال کو اس کے غیر محل میں رکھا جائے یا مال کو ناحق خرچ کیا جائے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ''منع'' اور ''ھات'' سے منع فرمایا ہے، یعنی اپنی چیز دینے سے منع کرے اور دوسروں کی چیز طلب کرے، یعنی تم پر یہ حرام کیا گیا ہے کہ جس چیز کا دینا تم پر واجب ہے اس کو منع کرو اور جس چیز کا لینا تمہارے لیے جائز نہیں ہے اس کو تم طلب کرو۔ اور آپ نے بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع فرمایا ہے، یہ وہ بیٹی ہے جس کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا، زمانہ جاہلیت میں لوگ ایسا کرتے تھے، جب کسی تنگدست کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی تو وہ اس کو مٹی میں دبا دیتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جس نے صبح کی نماز کے بعد سو مرتبہ سبحان اللہ کہا اور سو مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہا، اس کے گناہوں کو بخش دیا جائے گا خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (سنن نسائی: ۱۳۵۰)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی کو پڑھا، اس کو موت کے سوا کوئی چیز جنت میں داخل ہونے سے مانع نہیں ہے۔ (عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: ۱۰۰، موسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت)

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۷۳، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قیل وقال سے ممانعت کی توجیہ

قیل وقال سے مراد ہے: کسی بات کو بغیر ثبوت کے نقل کرنا۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ کہا گیا یا فلاں نے کہا اور اس کا ثبوت ذکر نہیں کیا۔ اور اس سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ انسان بسا اوقات دوسرے کی بات نقل کرنے میں لغزش کھاتا ہے اور قیل وقال کا دوسرا معنی یہ ہے کہ زیادہ باتیں کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ جب انسان زیادہ باتیں کرتا ہے تو اس سے لغزش زیادہ ہوتی ہے، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے، پس خاموش رہنا زیادہ باتیں کرنے سے زیادہ اولیٰ ہے۔

کثرتِ سوال سے ممانعت کی توجیہ

کثرتِ سوال سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کے علم کے متعلق زیادہ سوالات کیے جائیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہو گئے کہ وہ اپنے انبیاء علیہم السلام سے زیادہ سوالات کرتے تھے اور اختلاف کرتے تھے۔ اور اس کا محمل یہ ہے کہ جس سوال کی ابھی ضرورت پیش نہیں آئی اس کے متعلق سوال کیا جائے، کیونکہ اس میں بلا ضرورت وقت کو ضائع کرنا ہے۔ کثرتِ سوال کی دوسری قسم یہ ہے کہ لوگ مباحثہ اور مناظرہ کریں اور احتمالاتِ عقلیہ نکالیں مثلاً یہ سوال کریں کہ رحمٰن عرش پر مستوی

ہے تو کیسے؟ کیونکہ یہ سوال بدعت ہے۔اسی طرح حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے جب رات کا تیسرا حصہ باقی رہ جائے۔تو اس پر سوالات کرنا کہ رب آسمانِ دنیا پر کیسے نازل ہوتا ہے۔

ماؤں کی نافرمانی کرنے سے ممانعت

اس حدیث میں ''عقوق'' کا لفظ ہے، یہ ''عق'' سے بنا ہے جس کے معنی قطع کرنے کے ہیں، یعنی ماں کا حق قطع کرنا۔اور اس کی تصریح اس لیے کی ہے کہ ماں کا باپ کی بہ نسبت حسنِ صحبت میں زیادہ حق ہے، کیونکہ ماں کمزور ہوتی ہے اور وہ اپنے حق کو غالباً وصول نہیں کرسکتی، اس کے مقابلہ میں باپ قوی ہوتا ہے اگر بیٹا اس کا حق منقطع کرے تو باپ اس سے اپنا حق لے سکتا ہے اور ماں اپنے ضعف اور رقت اور نرمی کی وجہ سے اپنا حق نہیں لے سکتی، اس لیے آپ نے ماؤں کی نافرمانی سے منع فرمایا ورنہ باپوں کی نافرمانی کرنا بھی ممنوع ہے۔

بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کی ممانعت

اس حدیث میں ''واد'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا۔اور زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی جہالت اور بیوقوفیوں کی وجہ سے اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کردیتے تھے، کیونکہ وہ اس میں اپنی ہتک اور عار محسوس کرتے تھے کہ وہ بیٹی کا باپ کہلائیں۔قرآن مجید میں ہے:

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ ۚ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (النحل:۵۸۔۵۹)

اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا منہ سارا دن سیاہ رہتا ہے اور وہ غم زدہ رہتا ہے O وہ اس بشارت کو برا سمجھنے کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا رہتا ہے (وہ سوچتا ہے) کہ ذلت کے ساتھ اس کو رکھ لے یا اس کو (زندہ) زمین میں دبا دے، سنو! وہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں O

یعنی وہ اس فکر میں غلطاں و پیچاں رہتا ہے کہ کیا وہ اس لڑکی کو ذلت و رسوائی کے ساتھ اپنے پاس رکھ لے یا زمین میں دبا دے، اور اکثر زمانہ جاہلیت میں اپنی بیٹی کو زمین میں دبا دیتے تھے حتیٰ کہ ذکر کیا ہے کہ ان میں سے اپنی بیٹی کے لیے گڑھا کھودتا اور جب غبار اڑ کر اس کی ڈاڑھی پر گرتا تو وہ غبار اپنی ڈاڑھی سے جھاڑتا اور پھر اپنی بیٹی کو دفن کرتا، اور بعض اوقات وہ اپنی بیٹی کو دفن کررہا ہوتا اور بیٹی پکار رہی ہوتی ابا ابا، اور وہ اپنی بیٹی کو دفن کردیتا۔قرآن مجید میں ہے:

وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۙ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ (التکویر:۸۔۹)

اور جب زندہ درگور (لڑکی) سے سوال کیا جائے گا O وہ کس گناہ میں قتل کی گئی؟ O

بہ ظاہر یہ چاہیے تھا کہ قاتل سے سوال کیا جاتا کہ تم نے اس لڑکی کو کس گناہ کی وجہ سے زندہ درگور کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال اور جواب اس قاتل کی تذلیل کے لیے کیا جائے گا جیسے عیسائیوں کی تذلیل کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا جائے گا:

ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ ؕ (المائدہ:۱۱۶)

کیا آپ نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا اور معبود بنالو؟ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کہیں گے: اے اللہ! تو پاک ہے، میرے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ میں وہ بات کہتا جس کا مجھے حق نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مقتولہ سے اس لیے سوال کیا جائے گا کہ وہ قاتل کے خلاف کیا دعویٰ کرتی ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۳۵۶۔۳۶۰، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۳۔ بَابٌ: حِفْظِ اللِّسَانِ

زبان کی حفاظت کرنے کا بیان

وَقَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔

وَقَوْلِهٖ تَعَالٰی: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾ (ق:۱۸)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ جو بات بھی کہتا ہے (اس کو لکھنے کے لیے) اس کا محافظ (فرشتہ) منتظر ہوتا ہے O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ زبان کو ان باتوں کے کہنے سے محفوظ رکھا جائے جو باتیں شرعاً جائز نہیں ہیں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم جو کچھ باتیں کرتے ہیں اس پر ہم سے مواخذہ کیا جائے گا، آپ نے فرمایا: تمہیں تمہاری ماں روئے اے ابن جبل! اور لوگوں کو ان کے نتھنوں کے بل دوزخ میں صرف ان کی زبانوں کی کاٹی ہوئی فصل گرائے گی۔ (سنن ترمذی: ۲۶۱۶، سنن ابن ماجہ: ۳۹۷۳)

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

آیت مذکورہ میں جو "رقیب" اور "عتید" کے الفاظ ہیں اس سے مراد وہ دو فرشتے ہیں جو تمام چیزوں کو لکھتے ہیں، اسی طرح حسن اور قتادہ نے بیان کیا ہے۔ اور عکرمہ نے اس کو خیر اور شر کے ساتھ خاص کرلیا ہے، یعنی وہ صرف خیر اور شر کی باتیں لکھتے ہیں۔

اور پہلی تفصیل کی تقویت اس سے ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۚۖ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ (الرعد:۳۹)

اللہ جس چیز کو چاہے مٹا دیتا ہے، اور (جس چیز کو چاہے) ثابت رکھتا ہے اور اصل کتاب اسی کے پاس ہے O

اس کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے کہ انسان جو بھی کلام کرتا ہے فرشتے اس کو لکھ لیتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ اس کو مٹا دیتا ہے جس میں انسان کا نہ کوئی فائدہ ہے اور نہ کوئی نقصان اور اس میں اس کو ثابت رکھتا ہے جس میں اس کا کوئی فائدہ یا کوئی نقصان ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۷۔۱۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۴۷۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ سَمِعَ أَبَا حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ۔

(صحیح البخاری: ۶۸۰۷، سنن ترمذی: ۲۴۰۸، مسند احمد: ۲۲۳۱۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن ابی بکر المقدمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے ابو حازم سے سنا، از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ از رسول اللہ ﷺ، آپ نے فرمایا: جو میرے لیے اس چیز کا ضامن ہو جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان میں ہے اور اس چیز کا ضامن ہو جو اس کی دو ٹانگوں کے درمیان میں ہے تو میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔

صحیح البخاری: ۶۴۷۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "زبان کی حفاظت کرنا" اور اس حدیث میں مذکور ہے "جو میرے لیے اس چیز کا ضامن ہو جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان میں ہے" اس سے مراد ہے کہ وہ زبان کی حفاظت کرے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے المقدمی، یہ محمد بن ابی بکر مذکور کے اجداد میں سے ایک ہیں اور ان کا نام ہے محمد بن ابی بکر بن علی بن عطاء بن مقدم ابو عبداللہ، جو المقدمی البصری کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن علی، یہ اس محمد مذکور کے چچا ہیں اور یہ مدلس ہیں، لیکن امام بخاری نے ان کے سماع کی تصریح کی ہے اور "حدثنا" کہا ہے۔

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سہل بن سعد، یہ حضرت سہل بن سعد بن مالک الساعدی الانصاری رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "جو میرے لیے اس کا ضامن ہو گیا جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان میں ہے" اور اس سے مراد زبان ہے۔ یعنی اس نے زبان سے کوئی جھوٹ نہیں بولا، چغلی نہیں کی، غیبت نہیں کی، کوئی خلاف شرع بات نہیں کی۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "جو اس چیز کا ضامن ہو گیا جو اس کی دو ٹانگوں کے درمیان ہے" یعنی شرمگاہ۔ اور اس نے اپنی شرمگاہ کو ناجائز محل میں استعمال نہیں کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب سے بڑی آزمائش دنیا میں بندہ کے اوپر زبان اور شرمگاہ ہے اور جو ان کے شر سے بچ گیا تو وہ کسی بڑے شر سے بھی بچ جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۷۵۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن

أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ۔

سعد نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از ابی سلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ نیکی کی بات کہے ورنہ خاموش رہے، اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے، اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو وہ مہمان کی تکریم کرے۔

(صحیح البخاری: ۵۱۸۵، ۶۰۱۸، صحیح مسلم: ۴۷، سنن ابن ماجہ: ۳۶۷۲، سنن دارمی: ۲۰۳۶، مسند احمد: ۷۵۷۱)

صحیح البخاری: ۶۴۷۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔ اور اس حدیث کے رجال کا کئی مرتبہ ذکر کیا جا چکا ہے اور اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھنے کی خصوصیت کی توجیہ اور نیک بات کہنے اور پڑوسی کو ایذاء نہ دینے اور مہمان کی تکریم، ان تین اوصاف کی خصوصیت کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے "جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے"۔ اس حدیث میں اللہ پر ایمان اور یوم آخرت پر ایمان کی تخصیص کی گئی ہے، اس میں مبدأ اور معاد کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ انسان کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہوتی ہے اور اس دنیا میں انسان کی انتہا آخرت کے دن ہوگی۔

نیز اس حدیث میں تین چیزوں کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے۔ ایک یہ ہے کہ وہ نیک بات کہے اور دوسری یہ ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کو ایذاء نہ پہنچائے، اس میں قول اور فعل کی اصلاح کی طرف اشارہ ہے، اور یا مقیم اور مسافر کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ جو ارشاد فرمایا کہ "وہ اپنے پڑوسی کو ایذاء نہ پہنچائے" اس میں برے اوصاف کو خالی کرنے کا ذکر ہے اور یہ جو فرمایا "وہ نیک بات کہے" یا فرمایا "مہمان کی تکریم کرے" اس میں اچھے اوصاف کے ساتھ مزین کرنے کی طرف اشارہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۸۔۱۰۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٤٧٦۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا لَيْثٌ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيِّ قَالَ سَمِعَ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ الضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ جَائِزَتُهُ قِيلَ مَا جَائِزَتُهُ قَالَ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید المقبری نے حدیث بیان کی از حضرت ابی شریح الخزاعی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میرے

وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَسْكُتْ۔

دونوں کانوں نے سنا اور میرے دل نے یاد رکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مہمانی تین دن تک ہے (اور اسی میں اس کا) جائزہ ہے، (یعنی اس کی خصوصی مہمان نوازی)، آپ سے پوچھا گیا: اس کے جائزہ کی کیا مدت ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک دن اور ایک رات، اور جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے مہمان کی تکریم کرے اور جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ وہ نیک بات کہے ورنہ خاموش رہے۔

(صحیح البخاری:۶۰۱۹، ۶۱۳۵، ۶۴۷۶، صحیح مسلم:۴۸، سنن ترمذی:۱۹۶۷، سنن ابوداؤد:۳۷۴۸، مسند احمد:۲۰۶۲۶، موطا امام مالک:۱۷۲۸)

صحیح البخاری:۶۴۷۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالولید، اور وہ ہشام بن عبدالملک ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوشریح، ان کا نام خویلد الخزاعی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "جائزتہ" یعنی مہمان کو اس کا جائزہ یعنی خصوصی مہمان نوازی عطا کرو۔ اور یہ فعلِ محذوف "اعطوا" کی وجہ سے منصوب ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یوم ولیلۃ" یعنی اس کی خصوصی مہمان نوازی ایک دن اور ایک رات ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ مہمان کی مہمان نوازی تین دن تک کی جائے، اور ایک دن اور ایک رات اس کی خصوصی مہمان نوازی کی جائے یعنی اس میں اچھے اچھے کھانے کھلائے جائیں اور باقی دو دن جو گھر میں عام کھانا پکا ہوا ہو وہ کھلا دیا جائے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۴۷۷۔ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ يَزِيدَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مَا يَتَبَيَّنُ فِيهَا يَزِلُّ بِهَا فِي النَّارِ أَبْعَدَ مِمَّا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن حمزہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن ابی حازم نے حدیث بیان کی از یزید از محمد بن ابراہیم از عیسیٰ بن طلحہ بن عبیداللہ التیمی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بندہ کسی بات کے

بَيْنَ الْمَشْرِقِ۔

(صحیح البخاری: ۶۴۷۸، صحیح مسلم: ۲۹۸۸، مسند احمد: ۸۷۰۳)

ساتھ کلام کرتا ہے اور اس پر غور نہیں کرتا (کہ وہ کتنی بری بات ہے) اس بات کی وجہ سے وہ دوزخ میں پھسل کر گرتا جاتا ہے اور مشرق سے بھی زیادہ دوری کے فاصلہ پر چلا جاتا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۷۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے''زبان کی حفاظت'' اور اس باب کی حدیث میں ذکر ہے کہ انسان تدبر کے بغیر کوئی بات کہہ دیتا ہے اور اس کے نتیجہ میں وہ پھسل کر دوزخ میں بہت دور چلا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زبان کی حفاظت کرنی چاہیے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم بن حمزہ، یہ الاسدی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی حازم، یہ عبدالعزیز ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یزید، یہ ابن عبداللہ ہیں اور ابن الہاد کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن ابراہیم، یہ التیمی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عیسیٰ بن طلحہ یہ ابن عبیداللہ التیمی ہیں۔ اور طلحہ بن عبیداللہ تیمی، یہ صحابی ہیں اور ان دس صحابہ میں سے ایک ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں جنت کی بشارت دی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''مایتبین فیھا'' یعنی کوئی بندہ کوئی بات کہتا ہے اور اس کی برائی میں تدبر اور تفکر نہیں کرتا اور یہ کہ اس برائی کی وجہ سے اس کے اوپر کیا عذاب مرتب ہوگا۔

اس حدیث میں کلمہ کا ذکر کیا گیا ہے اور اس سے مراد کلام ہے، جیسے کہا جاتا ہے''کلمۃ الشھادۃ''۔

اس حدیث میں مذکور ہے''یزل بھا'' یعنی وہ اس بات کی وجہ سے پھسل کر دوزخ میں جا گرتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''ابعد مما بین المشرق'' یعنی اس کے اور مشرق کے درمیان جتنی مسافت ہے اس سے بھی زیادہ دور جا کر وہ دوزخ میں گرتا ہے۔

اس جگہ یہ سوال کیا گیا ہے کہ لفظ بین کا تقاضا ہے کہ اس کا متعدد اسماء پر دخول ہو۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ مشرق متعدد ہیں، کیونکہ گرمیوں کا مشرق اور ہے اور سردیوں کا مشرق اور ہے اور ان کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہے اور وہ کرہ فلک کا نصف ہے۔ یا ایک ضد کا اطلاق کیا ہے اور اس کے مقابل دوسری ضد کا ارادہ کیا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جب آدمی کوئی بات کہے تو بات کہنے سے پہلے اس کے اوپر غور کرلے کہ کہیں اس کا نتیجہ اس کے حق میں عذاب کا موجب تو نہیں ہے۔ پھر اگر مصلحت کا تقاضا ہو کہ وہ بات کہی جائے تو کہے ورنہ خاموش رہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۹۔۱۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۷۸ ـ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيرٍ سَمِعَ أَبَا النَّضْرِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ يَعْنِي ابْنَ دِينَارٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللهِ لَا يُلْقِي لَهَا بَالًا يَرْفَعُهُ اللهُ بِهَا دَرَجَاتٍ وَإِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللهِ لَا يُلْقِي لَهَا بَالًا يَهْوِي بِهَا فِي جَهَنَّمَ۔

(مسند احمد: ۸۲۰۶، موطا امام مالک: ۱۸۴۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبداللہ بن منیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے ابوالنضر سے سنا، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمٰن بن عبداللہ یعنی ابن دینار نے حدیث بیان کی از والد خود از ابوصالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: بے شک بندہ ایک بات کہتا ہے جس میں اللہ کی رضا ہوتی ہے اور وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا، اور اللہ تعالیٰ اس بات کی وجہ سے اس کے درجات بلند کر دیتا ہے، اور ایک بندہ کوئی بات کہتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہوتی ہے وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا اور وہ اس بات کی وجہ سے جہنم میں جا گرتا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۷۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن منیر کا ذکر ہے، یہ المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوالنضر کا ذکر ہے، یہ ہاشم بن القاسم التیمی الخراسانی ہیں۔ ان کا ذکر کتاب الوضو میں ہو چکا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں عبدالرحمٰن کا ذکر ہے، جو اپنے والد عبداللہ بن دینار سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوصالح کا ذکر ہے، یہ ذکوان الزیات ہیں۔ اس حدیث کی سند میں تین تابعی ایک درجہ کے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "من رضوان اللہ" یعنی وہ بات ایسی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کا باعث ہوتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لایلقی لہا بالا" بال کے معنی ہیں: دل اور اس جملہ کا معنی یہ ہے کہ اس کے دل میں اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بات بہت عمدہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے درجات بلند فرما دیتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من سخط اللہ" یعنی بندہ ایسی بات کہتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہوتا ہے، اس کے دل میں اس کے سنگین نتائج کا خیال نہیں ہوتا اور اس بات کی وجہ سے پھسل کر دوزخ میں جا گرتا ہے کیونکہ دوزخ کے طبقات نیچے کی طرف ہیں، پس وہ نیچے جا گرتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی احادیث کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زبان کی حفاظت کی اہمیت اور ضرورت

زبان کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ وہ بات نہ کہے جو بات نہیں کہنی چاہیے اور جو بات حق ہو اس کو ضرور کہے اور اس میں خاموش رہنے کی گنجائش نہیں ہے۔حدیث میں ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ان لوگوں کے گناہ زیادہ ہوں گے جو لوگ بے مقصد باتوں میں غور وفکر کرتے رہے۔
(الطبرانی:۷۔۸۵۴،شعب الایمان:۱۰۸۷)

امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی آدمی کے اچھے اسلام کی صفت یہ ہے کہ وہ بے مقصد باتوں کو ترک کردے۔(سنن ترمذی:۲۳۱۷،سنن ابن ماجہ:۳۹۷۶)

امام مالک نے کہا ہے: جو شخص اپنی باتوں کو اپنے اعمال میں شمار نہیں کرتا وہ زیادہ باتیں کرتا ہے۔اور کہا جاتا ہے کہ جس کو یہ علم ہو کہ اس کی باتیں بھی اس کے عمل میں سے ہیں تو وہ باتیں کم کرتا ہے۔

اور بعض متقدمین نے کہا کہ اگر ہمارے صحائفِ اعمال جن میں ہمارے اعمال لکھے جاتے ہیں ہمارے پاس ہوتے تو ہم باتیں کم کرتے۔

اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اکثر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتے تھے، وہ کہتے یہ بات اس طرح ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اور یہ بات اس طرح ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

کم باتیں کرنے کے متعلق سلف صالحین کے اقوال

حسن بصری یہ کہتے تھے: اے ابنِ آدم! تمہارا دن تمہارا مہمان ہے، اس کی اچھی ضیافت کرو، اگر تم اس کی اچھی ضیافت کرو گے تو وہ تمہاری تعریف کرتا ہوا رخصت ہوگا اور اگر تم اس کی بری ضیافت کرو گے تو وہ تمہاری مذمت کرتا ہوا رخصت ہوگا۔

عمر بن عبدالعزیز نے رباح بن عبید سے کہا کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ ایک مرد رات کے اندھیرے میں ظلم کرتا ہے، پھر وہ مظلوم مسلسل ظالم کو بد دعائیں دیتا ہے حتیٰ کہ اس سے اپنا حق پورا کرلیتا ہے اور ظالم اپنی نیکیاں اس پر ڈال دیتا ہے۔

نیز حسن بصری نے کہا: کوئی بندہ اس وقت تک حقیقتِ ایمان کو نہیں پاسکتا حتیٰ کہ کسی شخص کا ایسا عیب نہ بیان کرے جو عیب خود اس میں بھی موجود ہے حتیٰ کہ وہ اپنے نفس سے اس عیب کی اصلاح کرلے، کیونکہ جب وہ ایسا کرے گا تو وہ اپنے نفس میں پائے جانے والے عیب کی اصلاح کرلے گا۔

بعض اہل علم نے کہا ہے: کوئی شخص سلطان کے سامنے کسی مسلمان کی چغلی نہ کھائے، کیونکہ وہ چغلی بسا اوقات اس مسلمان کی ہلاکت کا سبب بن جاتی ہے اگر چہ چغل خور کا یہ ارادہ نہیں ہوتا لیکن اس کی وجہ سے وہ ہلاکت میں مبتلاء ہوجاتا ہے۔

کم گوئی کے متعلق احادیث

امام ابن ابی الدنیا نے خاموشی کے فوائد کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام "الصمت" ہے، اس میں درج ذیل احادیث ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! نجات کا سبب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اپنی زبان کو قابو میں رکھو اور

اپنے گھر کو وسیع رکھو اور اپنے گناہوں پہ روؤ۔ (سنن ترمذی: ۲۴۰۶)

حضرت اسود بن اصرم المحاربی بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے وصیت کیجئے تو آپ نے پہلے فرمایا: اپنے ہاتھ اور اپنی زبان کو قابو میں رکھو، پھر فرمایا: سوائے خیر کے اپنا ہاتھ نہ بڑھاؤ اور اپنی زبان سے نیکی کے سوا کوئی بات نہ کہو۔

(الطبرانی: ۸۱۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بندہ کا ایمان اس وقت تک مستقیم نہیں ہوگا حتیٰ کہ اس کا دل مستقیم ہو جائے اور اس کا دل اس وقت تک مستقیم نہیں ہوگا حتیٰ کہ اس کی زبان مستقیم ہو جائے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۸، شعب الایمان للبیہقی ج ۱ ص ۴۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو خاموش رہا اس نے نجات پالی۔

(سنن ترمذی: ۲۵۰۱، مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۹)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۰۲۔۵۰۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

باب مذکور کی احادیث کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کم گوئی کے متعلق مزید احادیث

حضرت سفیان بن عبداللہ الثقفی بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کس چیز کا مجھ پر سب سے زیادہ خوف کرتے ہیں، تو آپ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا: اس کا۔ اس حدیث کی امام ترمذی نے روایت کی ہے اور کہا ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اور صحیح البخاری کی کتاب الایمان میں یہ حدیث گزر چکی ہے، کامل مسلمان وہ شخص ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ کے شر اور ضرر سے محفوظ رہیں۔

اور امام احمد اور امام ابن حبان نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اپنی زبان کو خیر کی بات کے سوا روکے رکھو۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں اس چیز کی خبر نہ دوں جس کے اوپر ہر چیز کا دارومدار ہے، آپ نے زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: اس کو روک کے رکھو۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہمارا اپنی باتوں کی وجہ سے مواخذہ کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: اور لوگوں کو دوزخ میں جو منہ کے بل گرایا جائے گا وہ ان کی زبانوں کی کٹی ہوئی فصلوں کی وجہ سے ہے۔ اس حدیث کی امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے اور امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔

اور امام طبرانی نے اپنی روایت میں یہ اضافہ کیا ہے: پھر تم ہمیشہ سلامت رہو گے جب تک زبان خاموش رہے گی۔ اور جب تم کلام کرو گے تو یا تمہارے حق میں لکھا جائے گا یا تمہارے خلاف۔

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لمبی خاموشی کو لازم کرلو، کیونکہ یہ شیطان کو بھگانے والی ہے۔ اس حدیث کی امام احمد اور امام طبرانی اور امام ابن حبان اور امام حاکم نے روایت کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۳۴ ۵، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۲۴۔ بَابُ: اَلْبُكَاءِ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ — اللہ عزوجل کے خوف سے رونے کا بیان

اس باب میں اللہ عزوجل کے خوف سے رونے کی فضیلت کا بیان ہے۔

۶۴۷۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي خُبَيْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ رَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عبید اللہ، انہوں نے کہا: مجھے خبیب بن عبد الرحمٰن نے حدیث بیان کی از حفص بن عاصم از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات آدمی (میدانِ حشر میں) اللہ تعالیٰ کے سائے میں ہوں گے۔ (ان میں سے) ایک وہ مرد ہے جو اللہ عزوجل کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں آنسو بہائیں۔

(صحیح البخاری: ۶۶۰، ۱۴۲۳، ۶۴۷۹، ۶۸۰۶، صحیح مسلم: ۱۰۳۱، سنن ترمذی: ۲۳۹۱، سنن نسائی: ۵۳۸۰، مسند احمد: ۹۳۷۳، موطا امام مالک: ۱۷۷۷)

صحیح البخاری: ۶۴۷۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، وہ قطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبید اللہ بن عمر، وہ العمری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خُبیب بن عبد الرحمٰن، یہ الخزرجی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

یہ حدیث ایک حدیث کا قطعہ ہے اور مکمل حدیث درج ذیل ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سات مردوں کو اس دن اپنے سائے میں رکھے گا جس دن اللہ تعالیٰ کے سائے کے سوا اور کسی کا سایا نہیں ہوگا۔ (۱) امام عادل (۲) وہ شخص جو اپنے رب کی عبادت میں جوان ہوا (۳) وہ شخص جس کا دل مساجد میں معلق رہے (۴) وہ دو مرد جو اللہ سے محبت رکھیں اسی کی محبت میں جمع ہوں اور اسی کی محبت میں جدا ہوں (۵) جس مرد کو کوئی خوبصورت اور اقتدار والی عورت گناہ کی دعوت دے اور وہ مرد کہے: میں اللہ سے ڈرتا ہوں (۶) وہ مرد جو چھپا کر صدقہ دے حتیٰ کہ بائیں ہاتھ کو پتا نہ چلے کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے (۷) جو مرد تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہیں۔

(صحیح البخاری: ۶۶۰، ۱۴۲۳، ۶۴۷۹، ۶۸۰۶، صحیح مسلم: ۱۰۳۱، سنن ترمذی: ۲۳۹۱، سنن نسائی: ۵۳۸۰، مسند احمد: ۹۳۷۳، موطا امام مالک: ۱۷۷۷)
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اللہ کے سائے کی توجیہ

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے ''ظل'' یعنی سائے کا ذکر ہے، جس چیز سے سورج کی روشنی یا دن کی روشنی چھپ جائے وہ چیز اس کا سایا ہوتی ہے۔ (قاموس ص ۱۰۲۸، موسسۃ الرسالہ، بیروت) عرف میں سایہ کسی جسم کا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے، اس لیے اس کا سایا ہونا محال ہے، اس لیے اس حدیث کی تاویل میں کہا جاتا ہے: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایا ہے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام سعید بن منصور نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث ذکر کی ہے کہ سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سائے میں رکھے گا۔ اور سائے کی اضافت جو اللہ کی طرف ہے یہ تعظیم اور تشریف کے لیے ہے جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ میں ہے۔
(فتح الباری ج ۲ ص ۲۵۴، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے کے متعلق احادیث

(۱) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کے لیے خوشی ہو جو اپنے نفس کا مالک ہو اور اس کا گھر وسیع ہو اور وہ اپنے گناہ پر روتا ہو۔ (الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۲۳۲)

(۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اصحاب کی طرف سے کوئی چیز پہنچی، سو آپ نے خطبہ دیا، پس فرمایا: مجھ پر جنت اور دوزخ پیش کی گئیں، پس میں نے آج کی مثل خیر اور شر کی کوئی اور چیز نہیں دیکھی اور اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو اور زیادہ روؤ، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سے زیادہ سخت دن کوئی نہیں آیا تھا، انہوں نے کہا: صحابہ نے اپنے سر ڈھانپ لیے اور ان سے رونے کی آواز آ رہی تھی۔
(صحیح البخاری: ۴۶۲۱، صحیح مسلم: ۲۳۵۹)

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: دو آنکھوں کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی، ایک وہ آنکھ جو اللہ عزوجل کے خوف سے روتی ہو اور دوسری وہ آنکھ جس نے اسلام کی سرحد کی حفاظت کرتے ہوئے رات گزاری۔ (سنن ترمذی: ۱۶۳۹۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔)

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی اللہ تعالیٰ کے خوف سے رویا وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا حتیٰ کہ دودھ تھن میں واپس لوٹ جائے اور اللہ کی راہ میں اڑنے والا غبار اور جہنم کا دھواں جمع نہیں ہوگا۔
(سنن ترمذی: ۱۶۳۳، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۲، سنن ابن ماجہ: ۲۷۷۴)

(۵) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو دو قطروں اور دو اثروں سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہے: ایک آنسو کا وہ قطرہ جو اللہ کے خوف سے نکلا ہو اور دوسرا خون کا وہ قطرہ جو اللہ کی راہ میں بہایا گیا ہو۔ اور رہے دو اثر تو ایک وہ اثر ہے جو اللہ کے راستہ میں جسم پر لگا ہو، اور دوسرا وہ اثر ہے جو اللہ کے فرائض میں سے کسی فریضہ کی ادائیگی پر آیا ہو۔
(سنن ترمذی: ۱۶۶۹)

(۶) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ کو یاد کیا اور اس کی دونوں آنکھوں نے اللہ کے خوف سے آنسو بہائے حتیٰ کہ زمین پر اس کے آنسو گرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو عذاب نہیں دے گا۔

(المستدرک ج ۴ ص ۲۶۰)

(۷) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! روؤ، اگر تم کو رونا نہ آئے تو زبردستی روؤ، کیونکہ دوزخی دوزخ میں روئیں گے حتیٰ کہ ان کے آنسو ان کے چہروں پر اس طرح بہہ رہے ہوں گے: گویا کہ وہ پانی کی نہریں ہیں، پھر ان کے آنسو منقطع ہو جائیں گے، پس ان کی آنکھوں سے آنسو بہیں گے، پس اگر چشمے ان آنسوؤں میں چلائے جائیں تو وہ چل سکیں گے۔ (مسند ابویعلیٰ: ۴۱۳۴، شرح السنہ للبغوی ۴۴۱۸)

صحیح البخاری: ۶۴۷۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سلف صالحین کا خوفِ خدا سے رونا

مطرف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور رونے کی وجہ سے آپ کے سینہ سے ایسی آواز آ رہی تھی جیسے چکی پیسنے کی آواز ہوتی ہے۔ (یا جیسے دیگچی میں پانی کے جوش کی آواز ہوتی ہے)۔

(سنن ابوداؤد: ۹۰۴، سنن نسائی: ۱۲۱۳)

یہ انبیاء اور صالحین کی سیرت ہے، اللہ تعالیٰ کا خوف ان کے دلوں میں بلا یا ہوا ہوتا ہے اور ان پر خوفِ خدا غالب ہوتا ہے گویا کہ وہ حساب کا معائنہ کر رہے ہیں۔

یزید رقاشی بیان کرتے ہیں، انہوں نے کہا: ہائے افسوس! عبادت گزار مجھ پر سبقت لے گئے اور انہوں نے اپنے گناہ پر نوحہ کیا، وہ اپنے گناہ پر رو رہے تھے اور یزید اپنے گناہ پر نہیں روتے تھے انہوں نے اس کا نام نوحہ اس لیے رکھا کہ وہ اپنے نفس کے اوپر روتے ہوئے بہت افسوس کرتے تھے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۵۰۔۵۱)

امام ابن المبارک نے از مجاہد ذکر کیا ہے کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کا طعام خشک گھاس تھا، وہ خوفِ خدا سے اس قدر روتے تھے کہ اگر ان کی آنکھوں پر آگ رکھی جاتی تو وہ آگ نہ جلتی۔ اور آنسوان کے چہرہ پر بہتے رہتے تھے۔ (کتاب الزہد لابن المبارک: ۴۷۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو سرگوشی میں بات کی تھی وہ یہ تھی کہ عبادت گزاروں نے ایسی عبادت نہیں کی جیسے کوئی بندہ میرے خوف سے روتا ہے اور جو لوگ میرے خوف سے روتے ہیں ان کا ایسا رفیق ہوتا ہے جس میں ان کا کوئی شریک نہیں ہوتا۔

(الطبرانی ج ۱۲ ص ۱۲۰۔۱۲۱، شعب الایمان للبیہقی ج ۷ ص ۳۴۵، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۰۳)

وہیب بن الورد بیان کرتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کچھ کہا، تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: اے ابا جان! بے شک حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھ خبر دی ہے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک غار ہے جس کو وہی قطع کر سکتے ہیں جو خوفِ خدا سے رونے والے ہیں۔

اور حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی ہے کہ جب تم دیکھو کہ فضول لوگ ہنس رہے ہیں تو تم اپنے آنکھوں میں رونے کا سرمہ پہناؤ۔

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بھائی حضرت داؤد علیہ السلام مسلسل اپنی خطاء پر پوری زندگی روتے رہے اور وہ اون کے کپڑے پہنتے تھے اور بالوں کے بستر پر لیٹتے تھے، ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن روزہ چھوڑتے تھے، اور جَو کی روٹی نمک کے ساتھ کھاتے تھے اور اپنے مشروب کو آنسوؤں کے ساتھ ملاتے تھے اور وہ اپنی (ظاہری) خطاء کے بعد کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھے گئے، اور نہ وہ آسمان کی طرف نظر اٹھاتے تھے اپنے رب سے حیاء کرتے ہوئے۔ اور یہ ان کی مغفرت کے اعلان کے بعد ہوا۔ اور جب وہ اپنی (ظاہری) خطاء کا ذکر کرتے تو بے ہوش ہو کر گر جاتے اور مضطرب ہو جاتے۔

اور محمد بن کعب اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں:

وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ (ص:۲۵) اور بے شک ان کے لیے ہماری بارگاہ میں خاص تقرب ہے اور بہترین ٹھکانا ہے O

انہوں نے کہا ''زلفیٰ'' وہ ہے کہ جو شخص سب سے پہلے پیالہ سے پانی پیے گا وہ حضرت داؤد اور ان کے بیٹے ہیں علیہما الصلوٰۃ والسلام۔

بعض علماء نے کہا: یہ ان کے لیے مخصوص ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے اپنے آنسوؤں کو پیتے تھے۔

اور حضرت عثمان جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو روتے حتیٰ کہ ان کی ڈاڑھی آنسوؤں سے بھیگ جاتی، ان سے کہا جاتا کہ آپ جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو اس قدر نہیں روتے اور قبر پر آ کر اتنا روتے ہیں تو انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قبر آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے، پس اگر بندہ کو یہاں نجات ہو گئی تو بعد کی منازل آسان ہیں اور اگر یہاں نجات نہیں ہوئی تو بعد کی منازل زیادہ سخت ہیں۔ (سنن ترمذی: ۲۳۰۸، سنن ابن ماجہ: ۴۲۶۷، مشکوٰۃ: ۱۳۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اگر تمہیں ان چیزوں کا علم ہو جن کا مجھے علم ہے تو تم کم ہنسو اور روؤ زیادہ۔ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: اور تم پہاڑوں کی طرف نکل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کو بلند آواز سے پکار رہے ہو۔

(سنن ترمذی: ۷ ۲۶۳، سنن ترمذی: ۲۳۱۲)

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: (اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:) مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم ہے! جس بندہ کی آنکھ دنیا میں میرے خوف سے روئے گی مگر میں جنت میں اس کو زیادہ ہنساؤں گا۔ (شعب الایمان ج ۱ ص ۴۸۹)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی بندہ کی کھال میں اللہ کے خوف سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جیسے درخت کے سوکھے پتے جھڑتے ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۲۲۵، مسند البزار ج ۴ ص ۱۴۸)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۰۸۔ ۵۱۲، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۲۵۔ بَابُ: الْخَوْفِ مِنَ اللهِ — اللہ تعالیٰ سے خوف اور ڈرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ خوف اور ڈرنے کا بیان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا خوف اس پر ایمان کے لوازم میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ (آل عمران:۱۷۵)

وہ شیطان ہی ہے جو اپنے چیلوں کے ذریعہ ڈراتا ہے، سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو بہ شرطیکہ تم مومن ہو O

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۸۰۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ رِبْعِيٍّ عَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كَانَ رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ يُسِيئُ الظَّنَّ بِعَمَلِهٖ فَقَالَ لِأَهْلِهٖ إِذَا أَنَا مُتُّ فَخُذُوْنِي فَذَرُّوْنِي فِي الْبَحْرِ فِي يَوْمٍ صَائِفٍ فَفَعَلُوْا بِهٖ فَجَمَعَهُ اللّٰهُ ثُمَّ قَالَ مَا حَمَلَكَ عَلَى الَّذِي صَنَعْتَ قَالَ مَا حَمَلَنِي إِلَّا مَخَافَتُكَ فَغَفَرَ لَهٗ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از ربعی از حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: تم سے پہلی امتوں میں ایک مرد تھا جو اپنے عمل کے بارے میں بدگمانی کرتا تھا، اس نے اپنے گھر والوں سے کہا: جب میں مر جاؤں تو مجھے پکڑنا اور سمندر میں کسی گرمی کے دن میں بکھیر دینا، سو انہوں نے ایسا کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے (اس کے ذرات) کو جمع کر لیا، پھر فرمایا: تو نے جو کام کیا ہے اس پر کس چیز نے برانگیختہ کیا؟ اس نے کہا: مجھے صرف تیرے خوف نے برانگیختہ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف فرما دیا۔

(صحیح البخاری: ۳۴۵۲، ۳۴۷۹، ۶۴۸۰، سنن نسائی: ۲۰۸۰، مسند احمد: ۲۲۸۴۴)

صحیح البخاری: ۶۴۸۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف" اور اس حدیث کے آخر میں ہے "اس شخص نے کہا کہ اے اللہ! مجھے تیرے خوف نے اس وصیت یا اس کام پر برانگیختہ کیا"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں جریر کا ذکر ہے، وہ ابن عبد الحمید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں منصور کا ذکر ہے، وہ ابن المعتمر ہیں۔

اوراس حدیث کی سند میں ربعی کا ذکر ہے، یہ ربعی بن حراش ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں حذیفہ کا ذکر ہے، یہ حذیفہ بن یمان ہیں۔اوراس سند کے تمام رجال کوفی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''تم سے پہلی امتوں میں ایک مرد تھا'' یعنی وہ مرد بنی اسرائیل میں سے تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''وہ اپنے عمل کے متعلق بدگمانی کرتا تھا''۔یعنی وہ شخص گناہ کے کام کرتا تھا اور وہ مردوں کے کفن چراتا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''مجھے سمندر میں بکھیر دینا''۔یعنی میرے جسم کے ذرات کوکسی گرمی کے دن سمندر میں بکھیر دینا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۱۔۱۱۲، دارالکتب العلمیہ ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۸۱۔ حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ سَمِعْتُ أَبِي حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَبْدِ الْغَافِرِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ذَكَرَ رَجُلًا فِيمَنْ كَانَ سَلَفَ أَوْ قَبْلَكُمْ آتَاهُ اللهُ مَالًا وَوَلَدًا يَعْنِي أَعْطَاهُ قَالَ فَلَمَّا حُضِرَ قَالَ لِبَنِيهِ أَيَّ أَبٍ كُنْتُ لَكُمْ قَالُوا خَيْرَ أَبٍ قَالَ فَإِنَّهُ لَمْ يَبْتَئِرْ عِنْدَ اللهِ خَيْرًا فَسَّرَهَا قَتَادَةُ لَمْ يَدَّخِرْ وَإِنْ يَقْدَمْ عَلَى اللهِ يُعَذِّبْهُ فَانْظُرُوا فَإِذَا مُتُّ فَأَحْرِقُونِي حَتَّى إِذَا صِرْتُ فَحْمًا فَاسْحَقُونِي أَوْ قَالَ فَاسْهَكُونِي ثُمَّ إِذَا كَانَ رِيحٌ عَاصِفٌ فَأَذْرُونِي فِيهَا فَأَخَذَ مَوَاثِيقَهُمْ عَلَى ذَلِكَ وَرَبِّي فَفَعَلُوا فَقَالَ اللهُ كُنْ فَإِذَا رَجُلٌ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ أَيْ عَبْدِي مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا فَعَلْتَ قَالَ مَخَافَتُكَ أَوْ فَرَقٌ مِنْكَ فَمَا تَلَافَاهُ أَنْ رَحِمَهُ اللهُ فَحَدَّثْتُ أَبَا عُثْمَانَ فَقَالَ سَمِعْتُ سَلْمَانَ غَيْرَ أَنَّهُ زَادَ فَأَذْرُونِي فِي الْبَحْرِ أَوْ كَمَا حَدَّثَ وَقَالَ مُعَاذٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ سَمِعْتُ عُقْبَةَ سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از عقبہ بن عبدالغافر از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ۔آپ نے ایک مرد کا ذکر کیا جو ان لوگوں میں سے تھا جو پہلے گزر چکے ہیں، یا فرمایا: جو تم سے پہلے گزر چکا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو مال عطا کیا تھا اور اولاد دی تھی یعنی اس کو مال اور اولاد عطا کی تھی ، نبی ﷺ نے بتایا کہ جب اس پر موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا: میں تمہارے لیے کیسا باپ تھا؟ اس کے بیٹوں نے کہا: آپ ہمارے لیے بہترین باپ تھے، اس نے کہا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی خیر جمع نہیں کی۔قتادہ نے اس کی تفسیر کی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے پاس کسی خیر کو ذخیرہ نہیں کیا۔اور جب وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دے گا، پس غور سے سنو! جب میں مرجاؤں تو تم مجھ کو جلا دینا حتیٰ کہ جب میں کوئلہ ہوجاؤں تو مجھ کو کوٹ کر پیس دینا یا کہا: مجھ کو پیس دینا، پھر جب گرمیوں میں آندھی چلے تو اس آندھی میں مجھے اڑا دینا، پھر اس نے اپنے بیٹوں سے اس پر پکا وعدہ لیا اور کہا: میرے رب کی قسم کھاؤ (کہ تم ایسا کرو گے) سو اس کے بیٹوں نے ایسا کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے (اس

کے ذرات سے) فرمایا: ہوجا، سو وہی مرد کھڑا ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندے! تجھے اس کام پر کس نے برانگیختہ کیا؟ اس نے کہا: تیرے خوف نے، یا تجھ سے ڈرنے کی وجہ سے ایسا کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ تلافی کی کہ اس پر رحم فرمایا۔

سو میں نے یہ حدیث ابوعثمان کو بیان کی تو انہوں نے کہا: میں نے یہ حدیث سلمان سے سنی ہے لیکن اس میں یہ اضافہ ہے "تم میرے ذرات کو سمندر میں اڑا دینا" یا جس طرح انہوں نے حدیث بیان کی۔

اور معاذ نے کہا: اور مجھے شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ، انہوں نے کہا کہ میں نے عقبہ سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے سنا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(صحیح البخاری: ۳۴۷۸، ۶۴۸۱، ۷۵۰۸، صحیح مسلم: ۲۷۵۷، مسند احمد: ۱۱۳۲۷)

صحیح البخاری: ۶۴۸۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

یہ حدیث بھی باب کے عنوان کے ساتھ اس طرح مطابق ہے کہ اس میں پچھلی امتوں کے ایک مرد کے خوف خدا کا ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں موسیٰ کا ذکر ہے، اور وہ ابن اسماعیل التبوذکی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں معتمر کا ذکر ہے، جو اپنے والد سلیمان التیمی سے روایت کرتے ہیں۔ اور عقبہ کا ذکر ہے، وہ ابن عبدالغافر ابونہار الازدی العوذی البصری ہیں۔ اور ابوسعید کا ذکر ہے، یہ حضرت سعد بن مالک الخدری رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث مذکور ہے "فلما حضر" یعنی جب اس مرد کے پاس موت کی علامات آئیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لم یبتئر" یہ فعل الابتئار سے بنا ہے اور یہ البار سے باب افعال ہے، اس کا معنی ہے: اس نے نہیں ذخیرہ کیا یا نہیں چھپایا۔ اسی طرح اس کی قتادہ نے تفسیر کی ہے۔ اور "البئیرۃ" کا اصل معنی ہے: الذخیرۃ اور الخبیئۃ یعنی چھپائی ہوئی چیز۔ اہل لغت نے کہا ہے "بئرت الشیء" اور "ابتئرت" کا معنی ہے: اس نے کسی چیز کو چھپایا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وان یقدر علی اللہ یعذبہ" یہ جملہ شرطیہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ اسی ہیئت اور اسی حال

میں قیامت کے دن اٹھایا گیا اور ہر شخص نے اس کو پہچان لیا، پس جب وہ پانی میں بکھری ہوئی راکھ ہوجائے گا یا ہوا میں بکھری ہوئی راکھ ہوجائے گا تو ہوسکتا ہے وہ مخفی رہے۔ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں ہے کہ "اگر مجھ پر میرا رب قادر ہوا تو مجھے نہیں بخشے گا"۔

اس پر یہ سوال کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مرد کی کیسے مغفرت کردی جس کو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر شک تھا، جس نے یہ وصیت کی کہ اگر اللہ مجھ پر قادر ہوا تو نہیں بخشے گا اور وہ اس سے جاہل تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس لیے معاف کردیا کہ اس نے اپنی صحت کے ایام میں معاصی سے توبہ کی اور اس پر نادم ہوا، اسی لیے اس نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ اس کو آگ میں جلادیں اور اس کی راکھ کو سمندر میں یا ہوا میں اڑادیں اس وجہ سے کہ اس کو اپنے رب کے عذاب کا خوف تھا اور ندامت توبہ ہوتی ہے۔

اس جگہ یہ اعتراض ہے کہ ندامت کا توبہ ہونا اس امت کی خصوصیت ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے قابیل سے یہ حکایت فرمائی ہے:

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِى الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِىْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِىَ سَوْءَةَ اَخِىْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝ (المائدہ: ۳۰۔۳۱)

تو اس (قابیل) نے اپنے بھائی (ہابیل) کے قتل کا منصوبہ بنایا، سو اس کو قتل کردیا اور وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگیا O پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کرید رہا تھا تا کہ وہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی لاش چھپائے، اس نے کہا: ہائے افسوس! میں اس کوے جیسا بھی نہ ہوسکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپادیتا، پس وہ پچھتانے والوں میں سے ہوگیا O

ان آیات سے واضح ہوا کہ قابیل بھی اپنے بھائی ہابیل کو قتل کرنے پر نادم ہوا تھا، لیکن اس کی یہ ندامت توبہ قرار نہیں پائی اور وہ عذاب کا مستحق ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو مذکور ہے "ان یقدر علی ربی لا یغفرلی" کہ اگر میرا رب مجھ پر قادر ہوا تو میری مغفرت نہیں فرمائے گا۔ تب یہ اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بارے میں شک کرنا تو کفر ہے۔ اس صورت میں اس کا یہ جواب ہوگا کہ اس کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشے گا اور عقل کے نزدیک یہ محال نہیں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل سے کسی کافر یا مشرک کو بخش دے۔ ہم اس کو ناجائز اس لیے کہتے ہیں کہ اب اللہ تعالیٰ یہ آیت نازل فرماچکا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس گناہ کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو اس سے کم (گناہ) ہو اس کو جس کے لیے چاہے بخش دیتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے فضلِ عمیم اور اس کے وسیع غنٰی سے یہ بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر یا مشرک کو بخش دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کسی کافر کا کفر ضرر نہیں دیتا اور نہ کسی مومن کے ایمان سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ ہوتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض اس وقت ہوگا جب ''ان یقدر علی ربی'' میں یقدر کو قدرت سے ماخوذ مانا جائے، لیکن قدر کا معنی تنگی بھی آتا ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۚ اور جس پر اس کے رزق کو تنگ کیا جائے تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے۔ (الطلاق:۷)

اور اب اس حدیث کا یہ معنی ہوگا کہ اگر اللہ نے مجھ پر تنگی کی یعنی اپنی رحمت کو مجھ پر تنگ کر دیا، اور اس نے اپنے خالق کو عجز اور عدمِ قدرت کے ساتھ متصف نہیں کیا۔

اور اس کا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس لیے بخش دیا کیونکہ اس کی عقل پر یہ معنی غالب تھا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کے عذاب کے ڈر کی وجہ سے ایسی بے قراری طاری تھی جس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو معذور قرار دیا۔ اور یہ اس صورت میں کفر ہوتا ہے جب کوئی کفر کا قصد کرے اور وہ ان الفاظ کے معانی کو سمجھتا ہو۔

اور اس کا چوتھا جواب یہ ہے کہ چونکہ وہ اصل میں موحد تھا تو اس کی اصلِ توحید کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا اور اس توحید کے ساتھ اس کی معصیت نے اس کو ضرر نہیں پہنچایا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی وہ روایت جس کو امام بخاری نے بنی اسرائیل کے قصہ میں ذکر کیا ہے اس میں اس طرح ہے کہ اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میرے لیے لکڑیاں جمع کرو اور اس میں آگ جلاؤ حتیٰ کہ جب میرا گوشت آگ کھا لے اور ہڈیاں رہ جائیں تو ان ہڈیوں کو اٹھا لینا اور ان کو کوٹنا اور پیسنا اور پھر گرمی کے دن تیز ہوا میں بکھیر دینا یا سمندر میں ڈال دینا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۲۔ ۱۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۸۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کے متعلق احادیث اور آثار

امام بخاری نے اس حدیث کو بنی اسرائیل کے قصص میں ذکر کیا ہے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص کفن چور تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کفن چور کو اس کے خوف کی شدت کی وجہ سے بخش دیا۔ (صحیح البخاری: ۳۴۵۲، کتاب الانبیاء)

پس اللہ تعالیٰ کا سب سے قریب وسیلہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے اور بے شک مومن اللہ تعالیٰ کے ڈھیل دینے سے بے خوف نہیں ہوتا۔

الربعی نے کہا: میں نے حضرت داؤد کی زبور کی ابتداء میں یہ لکھا ہوا پایا: حکمت کی اصل رب تبارک وتعالیٰ کا خوف ہے، اور سلف صالحین کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف پلایا گیا تھا۔ وہ اپنے نیک اعمال کو کم خیال کرتے تھے اور اس سے ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں ان کی نیکی غیر مقبول نہ ہو، اس کے باوجود کہ وہ گناہِ کبیرہ سے بچتے رہتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا:

وَ الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ (المومنون:۶۰) اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) جو کچھ دیتے ہیں وہ خوف زدہ دلوں کے ساتھ دیتے ہیں (اس یقین کے ساتھ) کہ وہ اللہ کی طرف

لوٹنے والے ہیں ○

انہوں نے پوچھا: کیا اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جو شخص چوری کرتا ہے اور زنا کرتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں! اس سے مراد وہ شخص ہے جو روزہ رکھتا ہے اور صدقہ وخیرات کرتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور اس کو یہ خوف ہوتا ہے کہ اس (کی طرف) سے یہ عبادات قبول نہیں کی جائیں گی۔

اور مطرف بن عبداللہ نے کہا کہ مجھ پر دوزخ کے عذاب کا اتنا زیادہ خوف ہے جو مجھے اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرنے سے روک دیتا ہے۔

سو یہ ان علماء ربانیین کی صفت ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے تھے اور اپنے آپ کو ظالمین اور خاطئین سے شمار کرتے تھے حالانکہ وہ عبادت میں بہت زیادہ کوشش کرنے والے ہوتے تھے لیکن وہ اپنے نیک اعمال پر اعتماد نہیں کرتے تھے، وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے اور اپنی خطاؤں کا اعتراف کرتے تھے۔

اور حکماء میں سے ایک حکیم نے کہا: جب تم یہ جاننا چاہو کہ اللہ کے نزدیک تمہاری کیا قدر ومنزلت ہے تو تم یہ دیکھو کہ تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی کتنی قدر ومنزلت ہے۔

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اس سے ڈراتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا تو اللہ تعالیٰ اس کو ہر چیز سے ڈراتا ہے۔ (مسند الشہاب: ۴۲۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ابنِ آدم کے اوپر ان کا خوف مسلط کر دیا جن سے ابن آدم ڈرتا ہے اور اگر ابنِ آدم صرف اللہ سے ڈرتا تو اللہ تعالیٰ اس کے اوپر کسی کا خوف مسلط نہ فرماتا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ابنِ آدم کو اس کے سپرد کر دیا جس کی وہ امید رکھتا ہے، پس اگر ابنِ آدم صرف اللہ سے امید رکھتا تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے غیر کے سپرد نہ فرماتا۔ (کنز العمال: ۵۸۶۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک نوجوان کے پاس گئے جو مرض الموت میں تھا، آپ نے اس سے پوچھا: تمہاری کیا کیفیت ہے؟ اس نے کہا: میں اللہ تعالیٰ (سے مغفرت) کی امید رکھتا ہوں یا رسول اللہ! اور اپنے گناہوں پر عذاب سے ڈرتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی بندہ کے دل میں یہ کیفیت نہیں ہوگی مگر اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عطا فرمائے گا جس کی وہ امید رکھتا ہے اور اس سے بے خوف رکھے گا جس سے وہ ڈرتا ہے۔ (سنن ترمذی: ۹۸۳، سنن ابن ماجہ: ۴۲۶۱)

اللہ تعالیٰ کے خوف کی علامات

علامہ ابو اللیث نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خوف کی علامتیں سات چیزوں میں ظاہر ہوتی ہیں:

(۱) زبان میں خوف کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف زبان کو جھوٹ بولنے سے اور غیبت کرنے سے اور چغلی کرنے سے اور فضول باتیں کرنے سے روکتا ہے اور بندہ کی زبان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تلاوت اور علمی مباحث کے مذاکرہ میں مشغول رکھتا ہے۔

(۲) پیٹ میں اللہ تعالیٰ کے خوف کی علامت یہ ہے کہ پیٹ میں کم غذا جائے اور وہ بھی حلال ہو اور ضرورت کے مطابق کھائے۔

(۳) آنکھوں میں خوفِ خدا کی علامت یہ ہے کہ حرام چہروں کی طرف اور حرام چیزوں کی طرف نہ دیکھے اور نہ دنیا کی طرف رغبت

کی آنکھ سے دیکھے، دنیا کی طرف اس کا دیکھنا عبرت کے لیے ہو۔

(۴) کانوں میں اللہ تعالیٰ کے خوف کی علامت یہ ہے کہ فضول اور بے مقصد باتوں کو نہ سنے۔

(۵) قدموں میں اللہ تعالیٰ کے خوف کی علامت یہ ہے کہ بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے کسی جگہ چل کر نہ جائے۔ اور اس کا چل کر جانا صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہو۔

(۶) بندہ کے ہاتھوں میں اللہ تعالیٰ کے خوف کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے ہاتھ کو کسی حرام چیز کی طرف نہ بڑھائے، صرف اس چیز کی طرف ہاتھ بڑھائے جس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہو۔

(۷) دل میں اللہ تعالیٰ کے خوف کی علامت یہ ہے کہ وہ دل سے لوگوں کی دشمنی اور بغض اور حسد کو نکال دے اور دل میں نصیحت کو داخل کرے اور مسلمانوں کے لیے شفقت اور خیر خواہی کو داخل کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے معاملہ میں ڈرتا رہے اور اس کی اطاعت خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو اور وہ ریا کاری اور نفاق سے ڈرتا رہے۔

جب بندہ ان ساتوں امور کو حاصل کرلے گا تو وہ ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾ (الزخرف: ۳۵)

اور آخرت کا اجر آپ کے رب کے پاس (صرف) متقین کے لیے ہے O

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۱۴۔ ۵۲۳ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۸۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے خوف کے متعلق آیات، احادیث اور آثار

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ (المائدہ: ۴۴)

سو تم لوگوں سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی صفت بیان فرمائی ہے:

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ (النحل: ۵۰)

وہ اپنے اوپر اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور وہ وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے O

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی صفت بیان فرمائی ہے:

اَلَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾ (الاحزاب: ۳۹)

جو لوگ اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا اور کسی سے نہیں ڈرتے، اور اللہ حساب لینے کے لیے کافی ہے O

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت کا ذکر اس حدیث میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا علم رکھتا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔

اور علماء کی صفت اس آیت میں ہے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَٰٓؤُا ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ﴿۲۸﴾ (فاطر:۲۸) اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں، بے شک اللہ غالب ہے، بہت بخشنے والا ہے O

مقربین کو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف اس لیے ہوتا ہے کہ ان سے اس کا مطالبہ ہوتا ہے جس کا مطالبہ ان کے غیر سے نہیں ہوتا۔ پس وہ اس مرتبہ کی رعایت کرتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ان پر واجب ہے کہ وہ اپنے مرتبہ کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں تو چونکہ ان کا مرتبہ بہت بڑا ہوتا ہے اس لیے ان پر شکر کا وجوب بھی بہت زیادہ ہوتا ہے۔

پس اگر بندہ مستقیم ہو تو وہ خراب عاقبت سے ڈرتا رہتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِۦ وَأَنَّهُۥٓ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۲۴﴾ (الانفال:۲۴) اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو، جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہارے لیے حیات آفرین ہو، اور یقین رکھو کہ انسان اور اس کے دل کے درمیان اللہ حائل ہے اور بے شک تم اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے O

اور اگر وہ کم درجہ کا ہو اور گناہوں کی طرف مائل ہو تو وہ اپنے برے کاموں سے اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور ان برے کاموں پر جب وہ نادم ہوتا ہے تو اس ندامت سے اس کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اور جب وہ توبہ کر کے ان گناہوں کو اپنے نفس سے اکھاڑ پھینکتا ہے تو ان کو اس سے فائدہ ہوتا ہے، کیونکہ جب کسی کام کی برائی کی معرفت ہو جائے تو پھر اس برے کام کے کرنے کی وجہ سے دل میں خوف ہوتا ہے اور جو اس برے کام پر اللہ تعالیٰ کی وعید ہوتی ہے، اس وعید کی تصدیق کی وجہ سے دل میں خوف ہوتا ہے اور اس وجہ سے خوف ہوتا ہے کہ وہ توبہ سے محروم نہ ہو جائے، اور اس وجہ سے خوف ہوتا ہے کہ کہیں اس کا شمار ان لوگوں میں نہ ہو جن کی اللہ تعالیٰ مغفرت نہیں کرنا چاہتا، تو وہ اپنے گناہ سے ڈرتا ہے اور اپنے رب سے اس بات کا طالب ہوتا ہے کہ وہ اس کو ان میں داخل کر دے جن کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے گا۔ اور اس باب میں وہ حدیث داخل ہے کہ ایک مرد کو ایسی عورت گناہ کی دعوت دیتی ہے جو خوبصورت ہو اور مال دار ہو اور وہ مرد یہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور گناہ کے ارتکاب سے باز رہے۔ اور وہ حدیث جو اس سے پہلے گزر چکی ہے کہ تین اصحاب غار میں بند ہو گئے تو ہر ایک نے اپنے کسی نیک عمل کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ اس غار سے نجات عطا فرمائے، سو ایک مرد اللہ کے خوف کی وجہ سے ایک عورت کے ساتھ بے حیائی کے ارتکاب سے باز رہا اور وہ مال بھی چھوڑ دیا جو مال اس نے اس عورت کو عطا کیا تھا، اور اس کا داعیہ محض اللہ تعالیٰ کا خوف تھا۔ اور اس میں وہ قصہ بھی داخل ہے جو ایک مرد نے وصیت کی تھی کہ موت کے بعد اس کو جلا کر اس کی راکھ ہوا میں بکھیر دی جائے یا سمندر میں ڈال دی جائے اور اس وصیت کا باعث بھی اللہ تعالیٰ کا خوف تھا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۳۷، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

''نعم الباری'' جلد ثالث عشر (۱۳) کی تکمیل

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری جلد ثالث عشر کا افتتاح 2 رجنوری 2013ء بروز بدھ، ۱۹ صفر المظفر ر 1434ھ کو ہوا اور آج اس کا اختتام 14 اپریل 2013 بروز اتوار/ ۳ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۴ھ کو ہو گیا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کا بے حد وحساب شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھ کو یہ عظیم نعمت عطا فرمائی کہ میرے ہاتھوں نعم الباری کی تیرہویں (۱۳) جلد کی تکمیل کرادی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر کمال فضل اور احسان ہے اور اس کے رسول برحق سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی میرے حال پر کمال توجہ اور عنایت ہے۔ میں انتہائی ناکارہ اور گناہوں میں ڈوبا ہوا ہوں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ مجھ پر مسلسل اپنی نعمتوں کی بارش فرماتا رہتا ہے۔

اس جلد میں دو سو پچپن (۲۵۵) احادیث کی شرح نہایت تفصیل کے ساتھ آ گئی ہے۔ بارہویں جلد میں، میں نے شرح کم کی تھی اس وجہ سے اس میں (۵۴۸) احادیث کی شرح آ گئی تھی، لیکن اس جلد میں میں نے زیادہ توسع سے کام لیا ہے، کیونکہ قارئین جب کتاب پڑھتے ہیں تو وہ چاہتے ہیں کہ اس میں ان کو حدیث کی شرح میں خاطر خواہ مواد مل جائے، اس لیے میں نے عواقب سے بے پرواہ ہو کر اس جلد کو شرح وبسط کے ساتھ کمپوز کرایا۔ اس جلد کی کمپوزنگ یہیں پر حافظ محمد جشید ہاشمی سلمہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے اور اس کی پروف ریڈنگ بھی یہیں پر ہمارے معزز اور مکرم عزیز سید عمیر الحسن البرنی زید حبہٗ نے نہایت جانفشانی اور عرق ریزی سے کی ہے۔ اس جلد کی تکمیل تین مہینے اور بارہ ایام میں ہوئی ہے۔

نعم الباری جلد ثالث عشر (۱۳) کتاب الاستئذان سے شروع ہوئی ہے اور اس کے بعد کتاب الدعوات ہے اور پھر اس کے بعد کتاب الرقاق ہے، اس جلد میں کتاب الرقاق مکمل نہیں ہو سکی اور کتاب الرقاق میں کل ترپن (۵۳) ابواب ہیں اور ان میں سے پچیس (۲۵) ابواب کی شرح اس تیرہویں جلد میں آ گئی ہے۔ بقیہ ابواب کی شرح ان شاء اللہ چودھویں جلد میں آئے گی۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو قبول فرمائے اور نعم الباری کو مقبول اور مشکور فرمائے اور صحیح البخاری کے بقیہ ابواب اور احادیث کی شرح مجھے مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اس جلد میں میں نے جو مباحث لکھے ہیں محبین اور موافقین کو ان کی وجہ سے دین پر استقامت عطا فرمائے اور مخالفین اور معاندین کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔

میں اس جلد کی تکمیل میں اپنے تمام معاونین اور محسنین کا صمیم قلب سے شکر گزار ہوں اور ان کے لیے دعا گو ہوں۔ خصوصاً مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن زید حبہم و لطفہم اور محترم حفیظ البرکات شاہ صاحب شکر اللہ سعیہم اور صاحبزادہ حبیب الرحمٰن محبوبی (بریڈ فورڈ) اور مشہور عالمی اسکالر حافظ عبدالمجید (برسٹل) اور مولانا حامد قیوم (ناروے) اور حافظ محمد اکرم ساجد صاحب مدظلہٗ (پروف ریڈر)، مولانا مختار احمد صاحب، مولانا مفتی محمد اسماعیل نورانی زید علمہم، حافظ محمد جشید ہاشمی سلمہ، علاوہ ازیں اندرونِ ملک و بیرونِ ملک کے تمام معاونین کے لیے دعا گو ہوں۔

خصوصاً میری دینی بہن ثمینہ ہیں اور میری سگی بہن شمیم اختر ہیں، اللہ تعالیٰ ان دونوں کو سلامت رکھے اور ان کی دعاؤں اور محبتوں سے مجھے مستفید رکھے۔

میں تقریباً تیس سال سے شوگر، ہائی بلڈ پریشر اور کمر کے درد کے عوارض میں مبتلاء ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ کولیسٹرول اور

اس کے لواحق بھی ہیں اور ابھی تقریباً ایک سال سے گھٹنوں کی دو ہڈیوں کے درمیان فاصلہ ہو جانے کی وجہ سے گھٹنوں میں شدید تکلیف ہے جس کی وجہ سے میں چلنے پھرنے سے تقریباً معذور ہو گیا ہوں، عصاء کے سہارے تھوڑا بہت چل پھر لیتا ہوں۔ میں نے نعم الباری کی کسی جلد میں غالباً لکھا تھا کہ کرسی پر بیٹھ کر عذرِ شدید کے بغیر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، لیکن اب گھٹنوں کی تکلیف کی وجہ سے میں رکوع اور سجود کرنے پر قادر نہیں ہوں اور کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے پر مجبور ہوں۔ مسجد تک چل کر جانا میرے لیے بے حد مشکل اور تقریباً ناممکن ہے اس لیے اپنے کمرہ کے برابر والے کمرہ میں نماز پڑھتا ہوں، دو تین ساتھی میرے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور ایک ساتھی نماز پڑھا دیتے ہیں۔ اس طرح مجھے جماعت کے ثواب کی امید ہے۔ بہر حال لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ میں بے حد مشکلات، تکلیفوں اور بیماریوں میں نعم الباری کا یہ کام کر رہا ہوں اور خواہش یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ مجھے اس قابل رکھے کہ میں یہ شرح لکھواتا رہوں تو میں لکھواتا رہوں۔ اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان یہ ہے کہ میری سماعت اور بصارت درست ہے، میں چشمہ کے بغیر لکھنے پڑھنے کا کام کر لیتا ہوں اور آلہ سماعت کے بغیر سن لیتا ہوں اگرچہ دور سے کوئی بات کرے یا پست آواز ہو تو سننے میں دشواری ہوتی ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ سے دعا ہے اور تمنا بھی یہی ہے کہ جب تک میں دین کا کام کر سکتا ہوں کرتا رہوں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اور میرے معاونین اور قارئین کو اور میرے تلامذہ کو دنیا میں کسی کا محتاج نہ کرے، صحت اور عافیت کے ساتھ حالتِ ایمان میں ہم سب کا خاتمہ فرمائے اور ہمیں دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا اہل بنا دے اور آخرت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائے، اور آخرت کے مراحل کو ہمارے لیے آسان فرما دے، قبر کے عذاب، دوزخ کے عذاب، قیامت کی ہولناکیوں اور میدانِ محشر کی سختیوں سے ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے اور اپنے بے پایاں فضل و کرم سے ہم سب کو جنت الفردوس عطا فرمائے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین حمد الشاکرین، والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین اکرم الاولین والآخرین شفیع المذنبین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی
بلاک ۱۵ فیڈرل بی ایریا، کراچی ۳۸

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد ثالث عشر (۱۳) کی ڈائری

افتتاح: ۱۹ صفر المظفر / 1434ھ / 2/ جنوری 2013ء بروز بدھ

تقویم میلادی	تقویم ہجری	دن	ایک ماہ کے صفحات	کل صفحات	ایک ماہ کی احادیث	تعدادِ حدیث
2 جنوری 2013ء	۱۹ صفر المظفر ۱۴۳۴ھ	بدھ	=	=	=	۶۲۲۶
یکم فروری 2013ء	۱۹ ربیع الاول ۱۴۳۴	جمعۃ المبارک	۲۱۰	۲۱۰	۳۹	۶۲۶۵
یکم مارچ 2013ء	۱۸/ ربیع الثانی	جمعۃ المبارک	۲۹۰	۵۰۰	۵۶	۶۳۲۱
یکم اپریل 2013ء	۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ	پیر	۳۱۲	۸۱۲	۱۰۵	۶۴۲۶
14 اپریل 2013	۳ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۴	اتوار	۱۹۶	۱۰۰۸	۲۵۵	۶۴۸۱

مصادر التحقیق فی نعم الباری

کتب سماویہ

۱۔ قرآن مجید

۲۔ تورات

۳۔ زبور

۴۔ انجیل

کتب احادیث

۵۔ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی 150ھ، مسند امام اعظم، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی، المکتبۃ الامدادیہ، مکہ مکرمہ ۱۴۳۱ھ

۶۔ امام مالک بن انس اصبحی، متوفی 179ھ، موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1409ھ، المکتبۃ التوفیقیہ، دار المعرفہ بیروت، 1420ھ

۷۔ امام عبداللہ بن مبارک حنفی، متوفی 181ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۸۔ امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی، متوفی 183ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

۹۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، موطا امام محمد، مطبوعہ: نور محمد، کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۱۰۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1407ھ

۱۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، المسند، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1400ھ

۱۲۔ امام سلیمان بن داؤد الجارود شافعی، متوفی 204ھ، مسند ابوداؤد الطیالسی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1425ھ

۱۳۔ امام محمد بن عمر بن واقد شافعی، متوفی 207ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت، 1404ھ

۱۴۔ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی شیعی، متوفی 211ھ، مصنف عبدالرزاق، مطبوعہ: مکتب اسلامی بیروت 1390ھ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۱۵۔ الامام الجلیل ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی، متوفی 216ھ، مسند ابوعوانہ، دار المعرفہ بیروت

۱۶۔ امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی شافعی، متوفی 219ھ، المسند، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت

۱۷۔ امام سعید بن منصور خراسانی مکی شافعی، متوفی 227ھ، سنن سعید بن منصور، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، دار الصمیعی 1428ھ

۱۸۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، المصنف، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی 1406ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۱۹۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
۲۰۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: مجلس علمی، بیروت 1427ھ
۲۱۔ امام احمد بن حنبل، متوفی 241ھ، المسند، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت، 1398ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دار الفکر، بیروت 1415ھ، موسسۃ الرسالہ، بیروت 1420، عالم الکتب، بیروت 1419ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ
۲۲۔ امام ابوعبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی شافعی، متوفی 255ھ، سنن دارمی، مطبوعہ: دار الکتاب العربی 1407ھ، دار المعرفہ، بیروت 1420ھ
۲۳۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، صحیح بخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1430ھ، دار ارقم، بیروت، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1431ھ، دار الفکر بیروت 1421ھ، موسسۃ الرسالہ 1431ھ، دار المعرفہ، بیروت 1425ھ، دار العلم الحدیث: 1426ھ
۲۴۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، الادب المفرد، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1412ھ
۲۵۔ امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری شافعی، متوفی 261ھ، صحیح مسلم، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ، دار الفکر، بیروت 1424ھ
۲۶۔ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ شافعی، متوفی 273ھ، سنن ابن ماجہ: مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1415ھ، دار الجیل، بیروت، دار الفکر، بیروت 1421ھ
۲۷۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی 275ھ، سنن ابو داؤد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ، دار الفکر بیروت، 1421ھ
۲۸۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی 275ھ، مراسیل ابوداؤد، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
۲۹۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفی 279ھ، سنن ترمذی، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1422ھ، دار الجیل، بیروت 1998ء، دار المعرفہ بیروت 1423ھ
۳۰۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفی 279ھ، شمائل محمدیہ، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ، 1415ھ
۳۱۔ حافظ ابوبکر عمرو بن ضحاک بن مخلد الشیبانی، متوفی، 287ھ، کتاب السنہ، المکتب الاسلامی 1400ھ
۳۲۔ امام ابن ابی عاصم شافعی، متوفی 287ھ، الاحاد والمثانی، مطبوعہ: دار الرایہ، ریاض، 1411ھ
۳۳۔ امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار شافعی، متوفی 292ھ، البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت
۳۴۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، سنن نسائی، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1412ھ، دار الفکر، بیروت، 1421ھ
۳۵۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، عمل الیوم واللیلہ، مطبوعہ: موسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت 1408ھ

۳۶۔ امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1411ھ موسسۃ الرسالہ 1421ھ
۳۷۔ امام ابو بکر محمد بن ہارون الرویانی شافعی، متوفی 307ھ، مسند الصحابہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۳۸۔ امام احمد بن عالی المثنی التمیمی شافعی، متوفی 307ھ، مسند ابو یعلی موصلی، مطبوعہ: دار المامون التراث، بیروت، 1404ھ
۳۹۔ امام عبد اللہ بن علی بن جارود نیشاپوری شافعی، متوفی 307ھ، المنتقی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1417ھ
۴۰۔ امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ شافعی، متوفی 311ھ، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت 1395ھ
۴۱۔ امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق شافعی، متوفی 316ھ، مسند ابو عوانہ، مطبوعہ: دار الباز، مکہ مکرمہ
۴۲۔ امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، تحفۃ الاخیار، مطبوعہ: دار بلنسیہ، ریاض 1420ھ
۴۳۔ امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، مشکل الآثار، مطبوعہ: مکتبہ دار الباز 1415ھ
۴۴۔ امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، شرح معانی الآثار، مطبوعہ: مطبع مجتبائی، پاکستان لاہور، 1404ھ، قدیمی کتب خانہ کراچی
۴۵۔ امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، شرح مشکل الآثار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1427ھ
۴۶۔ امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ مسند الطحاوی، مطبوعہ: مکتبۃ الحرمین، دبئی 1426ھ
۴۷۔ امام ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی شافعی، متوفی 322ھ، کتاب الضعفاء الکبیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ
۴۸۔ امام ابو بکر احمد بن مروان بن محمد الدینوری القاضی المالکی، متوفی 333ھ، المجالسۃ وجواہر العلم، دار ابن حزم بیروت، 1419ھ
۴۹۔ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفی 354ھ، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت، 1407ھ
۵۰۔ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفی 354ھ، الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1425ھ
۵۱۔ امام ابو بکر محمد بن الحسین بن عبد اللہ الآجری الشافعی، متوفی 360ھ، کتاب الشریعہ، مطبوعہ: موسسۃ الریان 1429ھ
۵۲۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم صغیر، مطبوعہ: مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ 1388ھ، مکتبہ اسلامی، بیروت 1405ھ
۵۳۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم کبیر، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت
۵۴۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم اوسط، مطبوعہ: مکتبۃ المعارف، ریاض 1405ھ، دار الفکر بیروت، 1420ھ
۵۵۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، مسند الشامیین، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1409ھ
۵۶۔ حافظ ابو بکر احمد بن محمد بن اسحاق الدینوری المعروف بابن السنی، شافعی، متوفی 364ھ، کتاب عمل الیوم واللیلۃ، مطبوعہ: موسسۃ الکتب الثقافیہ، 1408ھ

۵۷۔ امام عبد اللہ بن عدی الجرجانی شافعی، متوفی 365ھ، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۵۸۔ امام ابو حفص عمر بن احمد المعروف بابن شاہین شافعی، متوفی 385ھ، الناسخ والمنسوخ من الحدیث، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۵۹۔ امام الحافظ علی بن عمر الدار قطنی، متوفی 385ھ، سنن الدار قطنی، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت، لبنان 1422ھ

۶۰۔ امام عبد اللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ شافعی، متوفی 396ھ، کتاب العظمۃ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۶۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری شافعی، متوفی 405ھ، المستدرک، مطبوعہ: دار الباز، مکہ مکرمہ، دار المعرفہ بیروت، 1427ھ، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1420ھ

۶۲۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن عمر واقد الواقدی شافعی، متوفی 407ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۶۳۔ امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی شافعی، متوفی 430ھ، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ، دار الکتب العربی 1407ھ

۶۴۔ امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی شافعی، متوفی 430ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دار النفائس، بیروت

۶۵۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان

۶۶۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب الاسماء والصفات، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت

۶۷۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، معرفۃ السنن والآثار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۶۸۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1423ھ

۶۹۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب الآداب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

۷۰۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب فضائل الاوقات، مطبوعہ: مکتبۃ المنارہ، مکہ مکرمہ 1410ھ

۷۱۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1401ھ

۷۲۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، الجامع لشعب الایمان، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1423ھ

۷۳۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، البعث والنشور، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1414ھ

۷۴۔ امام ابو عمر یوسف ابن عبد البر قرطبی مالکی، متوفی 463ھ، جامع بیان العلم وفضلہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۷۵۔ حافظ ابی بکر عبد اللہ بن محمد بن عبید بن سفیان القرشی المعروف بابن ابی الدنیا، متوفی 184ھ، موسوعہ الامام ابن ابی الدنیا، مکتبۃ العصریہ، بیروت

۷۶۔ امام محمد بن فتوح الحمیدی شافعی، متوفی 488ھ، الجمع بین الصحیحین، مطبوعہ: دار ابن حزم 1423ھ

۷۷۔ امام ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی شافعی، متوفی 509ھ، الفردوس بماثور الخطاب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

۷۸۔ امام حسین بن مسعود بغوی شافعی، متوفی 516ھ، شرح السنہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۷۹۔ علامہ عمر بن عبد العزیز ابن مازہ البخاری الحنفی الملقب بالصدر الشہید التوفی 536ھ، شرح الجامع الصغیر، دار الکتب العلمیہ بیروت 1427ھ

۸۰۔ امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفی 571ھ، تاریخ دمشق الکبیر، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ

۸۱۔ امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفی 571ھ، تہذیب تاریخ دمشق، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1407ھ

۸۲۔ امام ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، جامع المسانید، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ

۸۳۔ امام مجد الدین بن محمد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری شافعی، متوفی 606ھ، جامع الاصول، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ، دار ابن کثیر، بیروت 1432ھ

۸۴۔ امام ذکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری شافعی، متوفی 656ھ، الترغیب والترہیب، مطبوعہ: دار الحدیث، قاہرہ 1407ھ، دار ابن کثیر، بیروت 1414ھ

۸۵۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، التذکرہ فی امور الآخرہ، مطبوعہ: دار البخاری، مدینہ منورہ

۸۶۔ امام محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی شافعی، متوفی 676ھ، الاذکار من کلام سید الابرار، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز 1417ھ

۸۷۔ امام محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی، متوفی 676ھ، ریاض الصالحین، قدیمی کتب خانہ، کراچی

۸۸۔ امام ابو محمد علی بن زکریا المنبجی الحنفی، متوفی 686ھ، اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب، دار خضر، بیروت 1419ھ

۸۹۔ امام محی الدین تبریزی شافعی، متوفی 742ھ، مشکوۃ، مطبوعہ: اصح المطابع، دہلی، دار ارقم، بیروت، دار ابن حزم 1423ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت

۹۰۔ امام علی بن عبد الکافی تقی الدین سبکی الشافعی، متوفی 746ھ، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، مطبوعہ: الدائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد، دکن

۹۱۔ تاج الدین علی بن عبد اللہ بن الحسن الارزدیلی التبریزی الشافعی، متوفی 746ھ، المعیار فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعۃ التی استشہد بہا الفقہاء، دار الاصلاح 2009ء

۹۲۔ امام شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابو بکر المعروف بابن قیم الجوزیہ حنبلی، متوفی 751ھ، جلاء الافہام فی فضل الصلوۃ والسلام علی محمد خیر الانام، مطبوعہ: دار الکتاب العربی، بیروت 1417ھ، دار الطباعۃ المحمدیہ 1388ھ

۹۳۔ حافظ جمال الدین عبد اللہ بن یوسف زیلعی حنفی، متوفی 762ھ، نصب الرایہ، مطبوعہ: مجلس علمی سورۃ ہند، 1357ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۹۴۔ حافظ ابو الفرج زین الدین عبد الرحمن بن احمد بن رجب الحنبلی البغدادی الدمشقی، متوفی 795ھ، احوال القبور واحوال اہلہا الی النشور، دار الکتب العربی، بیروت 1418ھ

۹۵۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، مجمع الزوائد، مطبوعہ: دار الکتاب العربی، بیروت 1402ھ، دار الفکر،

بیروت 1414ھ
۹۶۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، کشف الاستار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1404ھ
۹۷۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، تقریب البغیہ بترتیب احادیث الحلیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1420ھ
۹۸۔ امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی، متوفی 840ھ، اتحاف الخیریۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرہ، مطبوعہ: مکتبہ دارالکتب العلمیہ، بیروت 1442ھ
۹۹۔ امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی، متوفی 840ھ، زوائد ابن ماجہ علی الکتب الخمسہ، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1414ھ،
۱۰۰۔ حافظ علاؤالدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمانی حنفی، متوفی 845ھ، الجوہر النقی، مطبوعہ: نشرالسنہ ملتان
۱۰۱۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 848ھ، تلخیص المستدرک، مطبوعہ: مکتبہ دارالباز، مکہ مکرمہ
۱۰۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفی 852ھ، المطالب العالیہ، مطبوعہ: مکتبۃ دارالباز، مکہ مکرمہ، درالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۱۰۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفی 852ھ، نتائج الافکار فی احادیث الاذکار، مطبوعہ: دارابن کثیر، 1421ھ
۱۰۴۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفی 852ھ، تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث رافعی الکبیر، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، 1417ھ
۱۰۵۔ امام زین الدین ابوالعباس احمد بن عبداللطیف الزبیری حنفی متوفی 893ھ، التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت، 1430ھ
۱۰۶۔ امام عبدالرحمن بن عبدالسلام بن عبدالرحمن بن عثمان الصفوری الشافعی، متوفی 894ھ، نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ
۱۰۷۔ حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاوی الشافعی، متوفی 902ھ، القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع، مطبوعہ: مکتبۃ المؤید، دمشق 1408ھ
۱۰۸۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ
۱۰۹۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جامع الاحادیث الکبیر، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1414ھ
۱۱۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جمع الجوامع، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1421ھ
۱۱۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، البدور السافرہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ، دارابن حزم، بیروت 1414ھ
۱۱۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۱۱۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الخصائص الکبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۱۱۴۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفّٰی 974ھ، الصواعق المحرقۃ فی الرد علی اہل البدع والزندقہ، مطبوعہ: مکتبۃ القاہرہ، مصر 1385ھ

۱۱۵۔ علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری حنفی، متوفّٰی 975ھ، کنز العمال، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت

۱۱۶۔ حافظ عبد الرؤف بن علی بن زین العابدین المناوی الشافعی، متوفّٰی 1031ھ، کنوز الحقائق من حدیث خیر الخلائق، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۱۱۷۔ امام محمد بن سلیمان المغربی المالکی، متوفّٰی 1094ھ، جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد، مطبوعہ: مکتبہ ابن کثیر 1418ھ

۱۱۸۔ امام ابوعبداللہ محمد بن درویش الحوت البیرونی الحنفی، متوفّٰی 1276ھ، اسنی المطالب فی احادیث مختلف المراتب، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1412ھ

۱۱۹۔ الحافظ ابوالفیض احمد بن محمد بن الصدیق الغماری الحسنی الشافعی، متوفّٰی 1380ھ، المداوی لعلل الجامع الصغیر وشرح المناوی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1996ھ

۱۲۰۔ علامہ محمد ناصر الدین البانی المتوفّٰی 1420ھ، سلسلہ احادیث صحیحہ، انصار السنہ پبلی کیشنز لاہور، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع 1420ھ

۱۲۱۔ مولانا صالح بن عبداللہ بن حمید، نضرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم، دارالوسیلہ للنشر والتوزیع 1425ھ

۱۲۲۔ مولانا عبدالسلام بن محمد بن عمر علوش، کتاب الجامع فی الاحادیث القدسیہ، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامی، 1426ھ

کتب تفاسیر

۱۲۳۔ امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء حنفی، متوفّٰی 207ھ، معانی القرآن، مطبوعہ: بیروت

۱۲۴۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفّٰی 310ھ، جامع البیان، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت 1409ھ، دارالفکر بیروت

۱۲۵۔ امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی شافعی، متوفّٰی 327ھ، تفسیر القرآن العظیم، مطبوعہ: نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ

۱۲۶۔ امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی، متوفّٰی 333ھ، تاویلات اہل السنہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۲۷۔ امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی، متوفّٰی 370ھ، احکام القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، 1400ھ

۱۲۸۔ امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی، متوفّٰی 427ھ، تفسیر الثعلبی، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1422ھ

۱۲۹۔ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک القشیری الشافعی، متوفّٰی 465ھ، تفسیر القشیری المسمّٰی لطائف الاسرار، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۱۳۰۔ علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری شافعی، متوفی 468ھ، الوسیط، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۱۳۱۔ امام شیخ الاسلام ابوالمظفر السمعانی الشافعی، متوفّٰی 489ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ: دارالوطن، ریاض 1418ھ

۱۳۲۔ علامہ محمود بن عمر زمخشری معتزلی، متوفّٰی 538ھ، الکشاف، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ،

۱۳۳۔ علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المالکی التوفی 543ھ، احکام القرآن، مطبوعہ: دار الفکر بیروت
۱۳۴۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفی 606ھ تفسیر کبیر، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ
۱۳۵۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفی 606ھ، اسرار التنزیل وانوار التاویل، مطبوعہ: دار الکتب الوثاق، بغداد، عراق 1990ء
۱۳۶۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1415ھ
۱۳۷۔ قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی، متوفی 685ھ، انوار التنزیل واسرار التاویل، مطبوعہ: دار فراس للنشر والتوزیع، مصر
۱۳۸۔ علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی، متوفی 710ھ، مدارک التنزیل، مطبوعہ: دار الکتب العربیہ، پشاور
۱۳۹۔ علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن مخلوف ثعالبی، متوفی 857ھ، تفسیر الثعالبی، مطبوعہ: موسسۃ العالمی للمطبوعات، بیروت
۱۴۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جلالین، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۱۴۱۔ علامہ اسماعیل حقی حنفی، متوفی 1137ھ، روح البیان، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ
۱۴۲۔ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی، متوفی 1223ھ، تفسیر صاوی، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1421ھ
۱۴۳۔ علامہ السید عبداللہ سبَر، متوفی 1242ھ، تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ: دار الاسوہ للطباعۃ والنشر، 1421ھ
۱۴۴۔ علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی، متوفی 1270ھ، روح المعانی، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت، دار الفکر بیروت 1417ھ
۱۴۵۔ نواب صدیق حسن بھوپالی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، فتح البیان، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۱۴۶۔ شیخ محمود الحسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، حاشیۃ القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور
۱۴۷۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، بیان القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور
۱۴۸۔ علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی بریلوی، متوفی 1367ھ خزائن العرفان
۱۴۹۔ مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی بریلوی، متوفی 1391ھ، نور العرفان، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، گجرات
۱۵۰۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفی 1399ھ، تفہیم القرآن، مطبوعہ: ادارہ ترجمان القرآن، لاہور
۱۵۱۔ غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی بریلوی، متوفی 1406ھ، التبیان العظیم فی تفسیر سورۃ التحریم، مطبوعہ: مکتبہ فانوس پبلی کیشنز، پاکستان 2003ء
۱۵۲۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری حنفی بریلوی، متوفی 1418ھ، ضیاء القرآن، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
۱۵۳۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1428ھ
۱۵۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، انوار تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1431ھ
۱۵۵۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہ، ترجمہ وتحقیق وتخریج تفسیر خازن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور 1427ھ
۱۵۶۔ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی حنفی بریلوی غفرلہ، برکات القرآن، ترجمہ تفسیر مدارک التنزیل، فرید بک اسٹال لاہور 1430ھ

شروح احادیث

۱۵۷۔ امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی 318ھ، الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، مطبوعہ: دار الفلاح 1430ھ

۱۵۸۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388ھ، معالم السنن، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۵۹۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388ھ، اعلام السنن، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۶۰۔ علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال مالکی، متوفی 449ھ، شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1420ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۱۶۱۔ حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، الاستذکار (شرح الموطا)، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت، 1413ھ

۱۶۲۔ حافظ ابوعمرو بن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، التمہید، مطبوعہ: مکتبۃ القدوسیہ، لاہور 1404ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۶۳۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی 543ھ، القبس فی شرح موطا بن انس، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۶۴۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی 543ھ، عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح الترمذی، دار الکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ

۱۶۵۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی 544ھ، اکمال المعلم بفوائد مسلم، مطبوعہ: دار الوفاء بیروت 1419ھ

۱۶۶۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، کشف المشکل علیٰ صحیح البخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1444ھ

۱۶۷۔ امام ابومحمد عبدالجلیل بن موسیٰ اندلسی مالکی، متوفی 608ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1416ھ

۱۶۸۔ امام عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری شافعی، متوفی 656ھ، مختصر سنن ابوداؤد، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت

۱۶۹۔ علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی، متوفی 656ھ، المفہم مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت 1417ھ

۱۷۰۔ علامہ ابوعبداللہ فضل اللہ بن الحسن التورپشتی الشافعی، متوفی 661ھ، کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنہ، مکتبہ نزار مصطفیٰ 1422ھ

۱۷۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، شرح مسلم، مطبوعہ: نور محمد اصح المطابع، کراچی 1375ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1417ھ

۱۷۲۔ امام ابومحمد عبداللہ بن ابی حمزہ الاندلسی المالکی، متوفی 699ھ، بہجۃ النفوس، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1428ھ

۱۷۳۔ علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی 736ھ، فتح الباری، دار ابن الجوزی، ریاض 1417ھ

۱۷۴۔ علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی 736ھ، الاحادیث والآثار، مطبوعہ: مکتبۃ الرشید 1429ھ

۱۷۵۔ علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی، متوفی 743ھ، شرح الطیبی، ادارۃ القرآن 1413ھ

۱۷۶۔ حافظ علاء الدین مغلطائی ابن قلیج بن عبداللہ الحنفی المتوفی 762ھ، شرح ابن ماجہ، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1424ھ

۱۷۷۔ علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی، متوفی 786ھ، تحقیق الکواکب الدراری شرح البخاری، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ

۱۷۸۔ علامہ محمد بن بہادر الزرکشی المتوفی 794ھ، التنقیح لالفاظ الجامع الصحیح، دارالکتب العلمیہ بیروت 1424ھ
۱۷۹۔ علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن، متوفی 804ھ، التوضیح لشرح الجامع الصحیح، مطبوعہ: وزارۃ الاوقاف، قطر 1429ھ
۱۸۰۔ امام قاضی بدر الدین الدمامینی المالکی، متوفی 827ھ، مصابیح الجامع، مطبوعہ: دارالنور 1431ھ
۱۸۱۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلیفہ وشتانی مالکی، متوفی 828ھ، اکمال اکمال المعلم، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ
۱۸۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تغلیق التعلیق علی صحیح البخاری، المکتب الاسلامی بیروت 1420ھ
۱۸۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، فتح الباری، مطبوعہ: دارنشر الکتب الاسلامیہ، لاہور 1401ھ، بیروت 1420ھ، دارالمعرفہ، بیروت 1426ھ
۱۸۴۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری، مکتبۃ الرشد، ریاض 1418ھ
۱۸۵۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار، مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت
۱۸۶۔ حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، عمدۃ القاری، مطبوعہ: ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر 1348ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۱۸۷۔ حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، شرح سنن ابوداؤد، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع 1420ھ
۱۸۸۔ علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی، متوفی 895ھ، مکمل اکمال المعلم، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ
۱۸۹۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، ارشاد الساری، مطبوعہ: مطبع میمنہ مصر 1306ھ
۱۹۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، التوشیح علی الجامع الصحیح، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ بیروت 1420ھ
۱۹۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1412ھ
۱۹۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، بیروت 1418ھ
۱۹۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الرسائل العشر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1409ھ
۱۹۴۔ علامہ ابویحییٰ زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926ھ، تحفۃ الباری فی شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1425ھ
۱۹۵۔ علامہ ابویحییٰ زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926ھ، منحۃ الباری بشرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1426ھ
۱۹۶۔ علامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، اشرف الوسائل الی فہم الشمائل، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ
۱۹۷۔ علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ، فیض القدیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفی الباز،

مکہ مکرمہ 1418ھ

۱۹۸۔ علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ، شرح الشمائل، مطبوعہ: اصح المطابع، کراچی

۱۹۹۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۲۰۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۲۰۱۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، مرقات، مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ، ملتان 1390ھ

۲۰۲۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار المرفوعہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۲۰۳۔ شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی غیر مقلد، متوفی 1025ھ، تحفۃ الذاکرین، مطبوعہ: مطبع مصطفی البابی، مصر 1350ھ

۲۰۴۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، اشعۃ اللمعات، مطبوعہ: مطبع تیج کمار لکھنو، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۲۰۵۔ علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر الخفاجی المصری الحنفی، متوفی 1069ھ، نسیم الریاض فی شرح الشفاء قاضی عیاض، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۲۰۶۔ شیخ نورالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1073ھ، تیسیر القاری فی شرح صحیح بخاری، مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۲۰۷۔ امام محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المصری المالکی، متوفی 1122ھ، شرح الزرقانی (شرح موطا امام مالک)، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ

۲۰۸۔ شیخ ابوالطیب صدیق بن حسن الحسینی القنوجی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، عون الباری لحل ادلۃ الصحیح البخاری، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ

۲۰۹۔ امام محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی، متوفی 1398ھ، الفجر الساطع علی الصحیح الجامع، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1430ھ

۲۱۰۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، لامع الدراری علی جامع البخاری، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی

۲۱۱۔ شیخ عبدالرحمن مبارک پوری غیر مقلد، متوفی 1325ھ، تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ

۲۱۲۔ شیخ وحیدالزمان غیر مقلد، متوفی 1328ھ، تیسیر الباری ترجمہ وتشریح صحیح بخاری، مطبوعہ: نعمانی کتب خانہ، لاہور 1990ھ

۲۱۳۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جامع الاحادیث مطبوعہ: مکتبہ مرکز اہلسنت برکات رضا، گجرات 1422ھ

۲۱۴۔ شیخ انور شاہ کشمیری دیوبندی، متوفی 1352ھ، فیض الباری، مطبوعہ: مطبع حجازی، مصر 1375ھ

۲۱۵۔ شیخ شبیر احمد عثمانی دیوبندی، متوفی 1369ھ، فتح الملہم، مطبوعہ: مکتبۃ الحجاز، کراچی

۲۱۶۔ الشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی الحنفی، متوفی 1414ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دارالکلم الطیب، بیروت 1430ھ

۲۱۷۔ شیخ محمد بن زکریا بن محمد کاندھلوی دیوبندی، اوجز المسالک الی موطا امام مالک، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۲۱۸۔ شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی، متوفی 1421ھ، شرح صحیح بخاری، مکتبۃ الطبری، 1429ھ

۲۱۹۔ ابو محمد عبداللہ بن مانع الروقی، الحلل الابریزیہ من التعلیقات البازیہ علی صحیح البخاری، دارالتدمریہ، ریاض 1428ھ

۲۲۰۔ شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی، کشف الباری، مطبوعہ: مکتبہ فاروقیہ، کراچی
۲۲۱۔ شیخ محمد تقی عثمانی دیوبندی، انعام الباری شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الحراء

کتب اصول احادیث

۲۲۲۔ علامہ ابوبکر محمد بن موسیٰ بن عثمان بن حازم الحازمی الہمدانی التوفی 584ھ، کتاب الفیصل فی علم الحدیث، مکتبۃ الرشد، ریاض 1428ھ
۲۲۳۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، تقریب النواوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ
۲۲۴۔ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، تدریب الراوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ
۲۲۵۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح نخبۃ الفکر، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ

کتب اسماء الرجال

۲۲۶۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، التاریخ الکبیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1422ھ
۲۲۷۔ امام احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، منہج الامام النسائی فی الجرح والتعدیل، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1424ھ
۲۲۸۔ امام ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی شافعی، متوفی 436ھ، تاریخ بغداد، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۲۲۹۔ حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی شافعی، متوفی 742ھ، تہذیب الکمال، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1414ھ
۲۳۰۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، میزان الاعتدال، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
۲۳۱۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، الکاشف، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1418ھ
۲۳۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تہذیب التہذیب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۳۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ج، تقریب التہذیب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۳۴۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ اللآلی المصنوعہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۲۳۵۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، طبقات الحفاظ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۲۳۶۔ حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی الشافعی، متوفی 923ھ، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1422ھ
۲۳۷۔ علامہ محمد بن طولون شافعی، متوفی 953ھ، الشذرہ فی الاحادیث المشتہرہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ
۲۳۸۔ علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی شافعی، متوفی 963ھ، تنزیہ الشریعہ المرفوعہ عن الاخبار الشریعہ الموضوعہ
۲۳۹۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی 986ھ، تذکرۃ الموضوعات، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1401ھ

۲۴۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، موضوعات کبیر، مطبوعہ: مکتبہ مجتبائی دہلی
۲۴۱۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ، مطبوعہ: دار الباز للنشر والتوزیع 1405ھ
۲۴۲۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، مطبوعہ: مکتبہ المطبوعات الاسلامیہ، حلب 1389ھ
۲۴۳۔ علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی، متوفی 1164ھ، کشف الخفاء ومزیل الالباس، مطبوعہ: مکتبہ الغزالی، دمشق
۲۴۴۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز 1415ھ
۲۴۵۔ یوسف عبدالرحمن المرعشلی معجم المعاجم والمشیخات، مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ

کتب لغت

۲۴۶۔ امام اللغۃ خلیل بن احمد فراہیدی، متوفی 175ھ، کتاب العین، مطبوعہ: انتشارات اسوہ، ایران 1414ھ
۲۴۷۔ امام ابوعبید القاسم بن سلام الہروی الشافعی، متوفی 224ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۲۴۸۔ امام ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری، متوفی 276ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1408ھ
۲۴۹۔ علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی، متوفی 398ھ، الصحاح، مطبوعہ: دار العلم، بیروت 1404ھ
۲۵۰۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی شافعی، متوفی 502ھ، المفردات، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ 1418ھ
۲۵۱۔ علامہ نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد النسفی الحنفی، متوفی 537ھ، طلبۃ الطلبہ فی الاصلاحات الفقہیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۲۵۲۔ امام ابونصر احمد بن محمد سمرقندی حنفی، متوفی 550ھ، انیس الفقہاء، فی تعریفات الالفاظ المتداولۃ بین الفقہاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ،
۲۵۳۔ علامہ محمد بن اثیر الجزری الشافعی، متوفی 606ھ، نہایہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۲۵۴۔ علامہ محمد بن ابوبکر بن عبدالقادر رازی حنفی، متوفی 660ھ، مختار الصحاح، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ
۲۵۵۔ علامہ یحیی بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۵۶۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی، متوفی 711ھ، لسان العرب، مطبوعہ: نشر ادب الحوزہ، قم ایران، دار صادر، بیروت 2003ء
۲۵۷۔ علامہ علی بن محمد بن علی الجرجانی الحنفی، متوفی 816ھ، کتاب التعریفات، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت
۲۵۸۔ علامہ مجدالدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی، متوفی 817ھ، القاموس المحیط، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت
۲۵۹۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی 986ھ، مجمع بحار الانوار، مطبوعہ: مکتبہ دار الایمان، مدینہ منورہ 1415ھ

۲۶۰۔ علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفّٰی 1205ھ، تاج العروس، مطبوعہ: المطبعۃ الخیریہ، مصر
۲۶۱۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفّٰی 1867ء، المنجد، مطبوعہ المطبع الفاثولیکہ، بیروت 1927ء
۲۶۲۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفّٰی 1867ء، المنجد مترجم، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی
۲۶۳۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفّٰی 1867ء، المنجد فی الاعلام، مطبوعہ: دارالمشرق، بیروت 1976ء
۲۶۴۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفّٰی 1867ء، المنجد فی اللغت، مطبوعہ: انتشارات اسلام 1379ء
۲۶۵۔ مولانا محمد غیاث الدین، غیاث اللغات (فارسی)، مطبوعہ: مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۲۶۶۔ الحاج مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات (اردو)، مطبوعہ، مطبع فیروز سنز لمیٹڈ
۲۶۷۔ سعدی الوجیب، القاموس الفقہی لغۃ واصطلاحا، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، پاکستان
۲۶۸۔ غلام احمد پرویز، متوفّٰی 1985، لغات القرآن، ادارہ طلوع اسلام گلبرگ لاہور 1984ء
۲۶۹۔ قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری حنفی، دستور العلماء، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، بیروت 1421ھ
۲۷۰۔ ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری، قائد اللغات، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور

کتب تاریخ، سیرت وفضائل

۲۷۱۔ امام ابومحمد عبدالملک بن ہشام المعافری، متوفّٰی 218ھ، السیرۃ النبویہ، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ
۲۷۲۔ امام محمد بن سعد، متوفّٰی 230ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ: دارصادر، بیروت 1388ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ
۲۷۳۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفّٰی 310ھ، تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ: دارالقلم، بیروت
۲۷۴۔ امام ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سھل السامری الخرائطی، متوفّٰی 327ھ، مکارم الاخلاق ومعالیہا ومحمود طرائقہا ومرضیہا، مطبوعہ: مطبع المدنی، موسسۃ السعودیہ، 1411ھ
۲۷۵۔ امام ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی، متوفّٰی 405ھ، اعلام النبوۃ، داراحیاء العلوم، بیروت 1408ھ
۲۷۶۔ امام ابوسعید عبدالملک بن ابی عثمان نیشاپوری شافعی، متوفّٰی 406ھ، شرف المصطفیٰ، مطبوعہ: دارالبشائر الاسلامیہ، مکہ مکرمہ 1424ھ
۲۷۷۔ امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی، متوفّٰی 463ھ، تاریخ بغداد، دارالفکر بیروت، 1424ھ
۲۷۸۔ حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی، متوفّٰی 463ھ، الاستیعاب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۷۹۔ امام محی السنہ الحسین بن مسعود بن محمد الفراء البغوی الشافعی، متوفّٰی 510ھ، الانوار فی شمائل النبی المختار، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ
۲۸۰۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفّٰی 544ھ، الشفاء، مطبوعہ: عبدالتواب اکیڈمی، ملتان، دارالفکر بیروت 1415ھ
۲۸۱۔ امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد الخثعمی السہیلی، متوفّٰی 581ھ، الروض الانف فی تفسیر سیرۃ النبویہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۲۸۲۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، الوفاء، مطبوعہ: مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد
۲۸۳۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، مولد العروس الشہیر بابن الجوزی، مطبوعہ: المکتبۃ الثقافیہ، بیروت
۲۸۴۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر شافعی، متوفی 630ھ، اسد الغابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، دارالفکر بیروت
۲۸۵۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی 630ھ، الکامل فی التاریخ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۸۶۔ علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان شافعی، متوفی 681ھ، وفیات الاعیان، مطبوعہ: منشورات الشریف الرضی، ایران
۲۸۷۔ امام ابوجعفر احمد الشہیر بالمحب الطبری، متوفی 694ھ، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۸۸۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، سیر اعلام النبلاء، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1417ھ
۲۸۹۔ شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ الحنبلی، متوفی 751ھ، زاد المعاد، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1419ھ
۲۹۰۔ حافظ علاؤ الدین ابوعبداللہ مغلطائی بن قلیج، متوفی 762ھ، الاشارۃ الی سیرۃ المصطفیٰ وتاریخ من بعدہ من الخلفاء، مطبوعہ: دارالقلم، دمشق 1416ھ
۲۹۱۔ علامہ تاج الدین ابونصر عبدالوہاب سبکی شافعی، متوفی 771ھ، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۲۹۲۔ حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی 774ھ، البدایہ والنہایہ، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1418ھ
۲۹۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، الاصابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۹۴۔ شیخ عبدالرحمٰن الثعلبی، متوفی 875ھ، الانوار فی آیات النبی المختار، مطبوعہ: دار ابن حزم 1426ھ
۲۹۵۔ علامہ نورالدین علی بن احمد سمہودی شافعی، متوفی 911ھ، وفاء الوفاء، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ
۲۹۶۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
۲۹۷۔ علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، متوفی 942ھ، سبل الہدیٰ والرشاد، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۲۹۸۔ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، مدارج النبوۃ، مکتبہ نوریہ، سکھر پاکستان 1397ھ
۲۹۹۔ علامہ محمد عبدالباقی زرقانی مالکی، متوفی 1124ھ، شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1393ھ
۳۰۰۔ شیخ عبداللہ بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی، متوفی 1242ھ، مختصر سیرۃ الرسول، مطبوعہ: المکتبۃ السلفیہ 1399ھ

کتب فقہ حنفی

۳۰۱۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (کتاب الاصل)، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی
۳۰۲۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (شرح الکافی)، مطبوعہ: دارالمعرفہ بیروت، 1398ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۳۰۳۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: مصطفائی ہند 1291ھ

۳۰۴۔ امام محمد بن الشہیر الحاکم الشہید البلخی الحنفی، متوفی 344ھ، الکافی، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ،

۳۰۵۔ امام ابوبکر الرازی الجصاص المتوفی 370ھ، شرح مختصر الطحاوی، فتاوی فی الفقہ الحنفی، مکتبۃ الکریمیہ کانسی روڈ کوئٹہ

۳۰۶۔ ابواللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمر قندی، متوفی 373ھ، خزانۃ الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ، امجد اکیڈمی، لاہور 1397ھ

۳۰۷۔ امام ابواللیث نصر بن محمد ابراہیم السمر قندی المتوفی 373ھ، فتاوی ابواللیث سمرقندی، السیاۃ بختلف الروایۃ، مکتبہ محمدیہ 1423ھ

۳۰۸۔ امام ابواللیث نصر بن محمد ابراہیم السمر قندی، متوفی 373ھ، خزانۃ الفقہ، المکتبۃ الغفوریہ العاصمیہ، کراچی

۳۰۹۔ شیخ الاسلام قاضی القضاۃ ابوالحفص علی بن الحسن بن محمد السغدی الحنفی المتوفی 461ھ، النتف فی الفتاوی، مکتبہ عثمانیہ، کوئٹہ

۳۱۰۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، المبسوط، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت 1398ھ

۳۱۱۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، شرح سیر کبیر، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامیہ، افغانستان 1405ھ

۳۱۲۔ علامہ علاؤالدین محمد السمر قندی، متوفی 539ھ، تحفۃ الفقہاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۳۱۳۔ الامام الاکمل الفقیہ الامجد طاہر بن عبدالرشید البخاری، متوفی 542ھ، خلاصۃ الفتاوی مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

۳۱۴۔ الوزیر عون الدین ابوالمظفر یحیی بن محمد ہبیرہ، متوفی 560ھ، الافصاح عن معانی الصحاح، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۱۵۔ علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی، متوفی 587ھ، بدائع الصنائع، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۳۱۶۔ علامہ حسین بن منصور اوز جندی، متوفی 592ھ، فتاوی قاضی خان، مطبوعہ: کبری بولاق، مصر 1310ھ

۳۱۷۔ علامہ حسین بن منصور اوز جندی، متوفی 592ھ، شرح الزیادات، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۱۸۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، ہدایہ اولین وآخرین، مطبوعہ: شرکت علمیہ، ملتان

۳۱۹۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، کتاب التجنیس والمزید، مطبوعہ: ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ 1424ھ

۳۲۰۔ علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری، متوفی 616ھ، المحیط البرہانی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1424ھ

۳۲۱۔ علامہ عبداللہ بن محمود بن مودود حنفی، متوفی 683ھ، الاختیار لتعلیل المختار، مطبوعہ: دار فراس للنشر والتوزیع

۳۲۲۔ امام فخر الدین عثمان بن علی، متوفی 743ھ، تبیین الحقائق، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی 1421ھ

۳۲۳۔ علامہ محمد بن محمود بابرتی، متوفی 786ھ، عنایہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت 1415ھ

۳۲۴۔ علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی، متوفی 786ھ، فتاوی تاتارخانیہ مطبوعہ: ادارۃ القرآن کراچی 1411ھ

۳۲۵۔ علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، بنایہ، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1411ھ

۳۲۶۔ علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی 861ھ، فتح القدیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۳۲۷۔ علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی 956ھ، غنیۃ المستملی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور 1412ھ

۳۲۸۔ امام شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی، متوفی 962ھ، جامع الرموز، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

۳۲۹۔ علامہ زین الدین بن نجیم، متوفی 970ھ، البحر الرائق، مطبوعہ: علمیہ، مصر 1311ھ

۳۴۰۔ امام شہاب الدین احمد محمد بن علی بن حجر الہیتمی، متوفی 974ھ، الفتاوی الکبری الفقہیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۴۱۔ امام سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم الحنفی، متوفی 1005ھ، النہر الفائق، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی

۳۴۲۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، فتح باب العنایہ، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۴۳۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، مناسک ملا علی قاری، مطبوعہ: ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ 1417ھ

۳۴۴۔ ملا نظام الدین، متوفی 1061ھ، فتاویٰ عالمگیری، مطبوعہ: مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر، 1310ھ

۳۴۵۔ علامہ ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الفقیہ المصری الحنفی، متوفی 1069ھ، امداد الفتاح شرح نور الایضاح ونجات الارواح، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ

۳۴۶۔ علامہ محمد سلیمان داماد آفندی، متوفی 1078ھ، مجمع الانھر فی شرح ملتقی الابحر، مطبوعہ: المکتبۃ الغفاریہ، کوئٹہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۳۴۷۔ علامہ خیر الدین رملی، متوفی 1081ھ، جامع الفصولین، مکتبۃ القدس، کوئٹہ 1300ھ

۳۴۸۔ علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی، متوفی 1088ھ، الدر المختار، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۴۹۔ علامہ السید اسعد بن ابی بکر آفندی الحنفی المتوفی 110ھ، الفتاوی الاسعدیہ فی الفقہ الحنفیہ، المکتبۃ الحقانیہ، کوئٹہ 1431ھ

۳۵۰۔ علامہ شاہ عبد العزیز محمد دہلوی، متوفی 1229ھ، فتاویٰ عزیزی، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1390ھ

۳۵۱۔ علامہ احمد بن محمد طحطاوی، متوفی 1231ھ، حاشیۃ الطحطاوی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۳۵۲۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، منحۃ الخالق، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مصر 1311ھ

۳۵۳۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، تنقیح الفتاوی الحامدیہ، مطبوعہ: دارالاشاعۃ العربی، کوئٹہ

۳۵۴۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، رسائل ابن عابدین شامی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور

۳۵۵۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، ردالمحتار، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ

۳۵۶۔ علامہ شاہ محمد مسعود محدث دہلوی، متوفی 1309ھ، فتاویٰ مسعودی، سرہند پبلی کیشنز 1407ھ

۳۵۷۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، فتاویٰ رشیدیہ، مطبوعہ: محمد سعید اینڈ سنز، کراچی

۳۵۸۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، احسن الفتاویٰ، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی 1425ھ

۳۵۹۔ امام احمد رضا خان بریلوی، متوفی 1340ھ، العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور 1427ھ

۳۶۰۔ علامہ سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی، متوفی 1356ھ، فتاویٰ مہریہ، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور 1418ھ

۳۶۱۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفی 1367ھ، بہار شریعت، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 1416ھ

۳۶۲۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفی 1367ھ، فتاویٰ امجدیہ، مطبوعہ: مکتبہ رضویہ 1419ھ

۳۶۳۔ شیخ محمد شفیع دیوبندی، متوفی 1396ھ، جواہر الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی 1395ھ

۳۶۴۔ مولانا نور اللہ نعیمی بصیر پوری حنفی بریلوی، متوفی 1403ھ، فتاویٰ نوریہ، مطبوعہ: کمبائن پرنٹرز، لاہور 1983ء

۳۶۵۔ مولانا وقار الدین حنفی بریلوی، متوفی 1413ھ، وقار الفتاویٰ، مطبوعہ: بزم وقار الدین 1997ء
۳۶۶۔ الشیخ اسعد محمد سعید الصاگرجی الحنفی التوفی 1414ھ، الفقہ الحنفی وادلتہ، دار الکلم الطیب، بیروت 1420ھ
۳۶۷۔ مولانا محمد عبداللہ نعیمی حنفی بریلوی، متوفی 1982ء، فتاویٰ مجددیہ نعیمیہ، ناشر: مفتی اعظم سندھ اکیڈمی 1411ھ
۳۶۸۔ شیخ الاسلام علامہ الشیخ عبدالغنی النابلسی الحنفی النقشبندی التوفی 1123ھ، فتاوی النابلسی المسماۃ بنھایۃ المراد فی شرح ہدایہ، ابن العماد، مکتبہ حقانیہ کوئٹہ 1429ھ
۳۶۹۔ مفتی اہلسنت علامہ سید شجاعت علی قادری حنفی بریلوی، متوفی 1993ء، فقہ اہلسنت، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1978ء
۳۷۰۔ مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمن حنفی بریلوی غفرلہ، تفہیم المسائل، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، 1407ھ
۳۷۱۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی، انوار الفتاویٰ، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1428ھ
۳۷۲۔ شیخ سعید بن علی السمرقندی الحنفی الفتاویٰ فی الحیل والمخارج المسمی بجنۃ الاحکام وجنۃ الخصام، المکتبۃ الحقانیہ، کوئٹہ 1431ھ
۳۷۳۔ شیخ عبدالحمید محمود طہمار، الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید، المکتبۃ الحقانیہ کوئٹہ 1418ھ

کتب فقہ شافعیہ

۳۷۴۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، الام، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1403ھ
۳۷۵۔ علامہ ابوالحسین علی بن محمد حبیب الماوردی شافعی، متوفی 450ھ، الحاوی الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1414ھ
۳۷۶۔ علامہ ابواسحاق شیرازی، متوفی 455ھ، المہذب، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت، 1393ھ
۳۷۷۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی 676ھ، شرح المہذب، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت 1423ھ
۳۷۸۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی 676ھ، روضۃ الطالبین، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ
۳۷۹۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، الفتاوی الحدیثیہ، 1419ھ

کتب فقہ مالکیہ

۳۸۰۔ امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی، متوفی 256ھ، المدونۃ الکبریٰ، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت
۳۸۱۔ امام ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی المالکی، متوفی 494ھ، المنتقیٰ شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1331ھ
۳۸۲۔ قاضی عبدالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی، متوفی 595ھ، بدایۃ المجتہد، مطبوعہ: دار الفکر بیروت
۳۸۳۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن الخطاب المغربی، متوفی 954ھ، مواہب الجلیل لشرح مختصر خلیل، مطبوعہ: مکتبۃ النجاح، لیبیا
۳۸۴۔ علامہ علی بن عبداللہ بن الخرشی، متوفی 1101ھ، الخرشی علی مختصر خلیل، مطبوعہ: دار صادر، بیروت
۳۸۵۔ علامہ ابوالبرکات، احمد دردیر مالکی، متوفی 1197ھ، الشرح الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

۳۸۶۔ علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی، متوفی 1219ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۸۷۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، المغنی، مطبوعہ: دار الحدیث قاہرہ، 1425ھ
۳۸۸۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، الکافی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۳۸۹۔ شیخ ابو العباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، مجموعۃ الفتاوئی، مطبوعہ: ریاض، دار الجیل، بیروت 1418ھ
۳۹۰۔ شیخ ابو العباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1424ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت 1426ھ
۳۹۱۔ علامہ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن فتاح مقدسی، متوفی 763ھ، کتاب الفروع، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت
۳۹۲۔ علامہ ابو الحسین علی بن سلیمان مرداوی، متوفی 885ھ، الانصاف، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1387ھ
۳۹۳۔ علامہ موسیٰ بن احمد صالحی، متوفی 960ھ، الاقناع، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ
۳۹۴۔ شیخ منصور بن یونس البھوتی الحنبلی، متوفی 1015ھ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۳۹۵۔ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابن باز حنبلی، متوفی 1420ھ، 1999ء، مجموع فتویٰ ومقالات متنوعہ، مکتبۃ المورد، ریاض 1427ھ

کتب فقہ غیر مقلدین

۳۹۶۔ شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی، متوفی 456ھ، المحلی بالآثار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۳۹۷۔ شیخ محمد بن علی شوکانی، متوفی 1250ھ، نیل الاوطار، مکتبۃ الکلیات الازہریہ، مصر 1398ھ، دار الوفاء، 1421ھ
۳۹۸۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری، متوفی 1367ھ، فتاویٰ ثنائیہ، مطبوعہ: النور اکیڈمی، مکتبہ ثنائیہ سرگودھا
۳۹۹۔ مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی، متوفی 1805ھ، فتاویٰ نذیریہ، مکتبۃ المعارف الاسلامیہ، پاکستان 1333ھ
۴۰۰۔ شیخ حافظ عبداللہ محدث روپڑی، متوفی 1920ھ، فتاویٰ اہلحدیث، مطبوعہ: دار احیاء السنۃ النبویہ، پاکستان 1404ھ

کتب اصول فقہ

۴۰۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، الرسالہ، مطبوعہ: مطبع امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1312ھ
۴۰۲۔ فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی حنفی، متوفی 482ھ، اصول بزدوی، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
۴۰۳۔ علامہ ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی الحنفی، متوفی 483ھ، اصول السرخسی، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت
۴۰۴۔ امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفی 505ھ، مستصفیٰ، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1294ھ
۴۰۵۔ علامہ علاؤ الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری الحنفی، متوفی 730ھ، کشف الاسرار، مطبوعہ: دار الکتاب العربی 1411ھ

۴۰۶۔ علامہ جمال الدین اسنوی، متوفی 772ھ، شرح المنہاج، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1403ھ
۴۰۷۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی، متوفی 861ھ، تحریر، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1403ھ
۴۰۸۔ علامہ ابن امیر الحاج حنفی، متوفی 879ھ، التقریر والتحریر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1403ھ
۴۰۹۔ بحر العلوم عبد العلی بن نظام الدین حنفی، متوفی 1225ھ، فواتح الرحموت، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبری، بولاق مصر 1294ھ
۴۱۰۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل
۴۱۱۔ علامہ محمد امین بن عمر بن عابدین شامی حنفی، متوفی 1252ھ، شرح شرح المنار للعلامۃ الشامی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی

مذاہب اربعہ

۴۱۲۔ امام ابوبکر احمد بن علی الجصاص الرازی المتوفی 370ھ، مختصر اختلاف العلماء، دار البشائر الاسلامیہ، 1417ھ
۴۱۳۔ علامہ عبد الوہاب شعرانی حنفی، متوفی 973ھ، میزان الشریعۃ الکبریٰ، مطبوعہ: مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر 1359ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۴۱۴۔ علامہ عبد الرحمٰن الجزیری، الفقہ علی مذاہب الاربعہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت
۴۱۵۔ الفتاویٰ الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ القاہرہ، 1400ھ
۴۱۶۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1405ھ
۴۱۷۔ موسوعۃ الفقہ الاسلامی، مطبوعہ: القاہرہ 1410ھ

کتب شیعہ

۴۱۸۔ شیخ ابوجعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الاصول من الکافی، دار الکتب الاسلامیہ، تہران
۴۱۹۔ شیخ ابوجعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الفروع من الکافی، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران
۴۲۰۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، تہذیب الاحکام، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران
۴۲۱۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، الاستبصار، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران
۴۲۲۔ نہج البلاغہ (مع فارسی)، مطبوعہ: انتشارات زرین، ایران
۴۲۳۔ نہج البلاغہ (مع اردو)، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز
۴۲۴۔ شیخ عز الدین عبد الحمید بن ابی الحدید، متوفی 656ھ، شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ: موسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان ایران
۴۲۵۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، بحار الانوار، مطبوعۃ المطبعۃ الاسلامیہ، تہران 1392ھ
۴۲۶۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حق الیقین، مطبوعہ: خیابان ناصر خسرو، ایران 1347ھ
۴۲۷۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، جلاء العیون (مترجم)، مطبوعہ: انصاف پریس، لاہور
۴۲۸۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حیات القلوب (مترجم) مطبوعہ: حمایت اہل بیت وقف، لاہور

۴۲۹۔ شیخ محمد بن حسین طباطبائی، متوفی 1293ھ، المیزان، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، ایران 1302ھ

کتب متفرقات

۴۳۰۔ ابو المعالی عبد الملک الجوینی الشہیر بامام الحرمین الشافعی، متوفی 478ھ، مغیث الخلق فی ترجیح القول الحق، مطبوعہ: مکتبہ قدوسیہ، لاہور 1400ھ
۴۳۱۔ امام ابو الفتح ظہیر الدین الولوالجیہ حنفی، متوفی 540ھ، الفتاوی الولوالجیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۴۳۲۔ ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن ابوبکر الدمشقی المعروف بابن قیم حنبلی، متوفی 751ھ، الداء والدواء، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ، 1410ھ
۴۳۳۔ علامہ علی بن سلطان القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، القائلین بوحدۃ الوجود، مطبوعہ: دار المامون للتراث 1415ھ
۴۳۴۔ میر عبد الواحد بلگرامی حنفی، متوفی 1016ھ، سبع سنابل، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1402ھ
۴۳۵۔ ملا باقر مجلسی شیعی، متوفی 1110ھ، ضیاء العیون، مطبوعہ: ایرانی کتب خانہ
۴۳۶۔ شیخ سید محمد اسماعیل دہلوی دیوبندی، متوفی 1246ھ، تقویۃ الایمان، مطبوعہ: مطبع علیمی، اندرون لاہور
۴۳۷۔ مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی حنفی، متوفی 1258ھ، شمائم امدادیہ، مطبوعہ: مدنی کتب خانہ، ملتان 1405ھ
۴۳۸۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ، آب حیات، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان 1413ھ
۴۳۹۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ، تحذیر الناس، دار الاشاعت، کراچی
۴۴۰۔ ابو الحسنات محمد عبد الحی لکھنوی حنفی، متوفی 1304ھ، سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت 1408ھ
۴۴۱۔ شیخ محمود بن حسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، الجہد المقل فی تنزیہ المعز والمذل، مکتبہ مدینہ، لاہور 1409ھ
۴۴۲۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، ملفوظات، حامد اینڈ کمپنی، لاہور
۴۴۳۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین، حامد اینڈ کمپنی، لاہور، 1401ھ
۴۴۴۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، احکام شریعت، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 2002ء
۴۴۵۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الامن والعلی، شبیر برادرز، لاہور 1396ھ
۴۴۶۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جمل مجلیۃ ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصیۃ، صدیقی پبلشرز 2009ء
۴۴۷۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ، مطبوعہ: موسسۃ رضا الجامعۃ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ
۴۴۸۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، انباء الحی، موسسۃ رضا الجامعہ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ
۴۴۹۔ شیخ خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی، متوفی 1346ھ، البراہین القاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ، مطبوعہ: مطبع بلالی، ڈھونڈ
۴۵۰۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، تحقیق الحق فی کلمۃ الحق، گولڑہ شریف، اسلام آباد 1421ھ
۴۵۱۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، ملفوظات مہریہ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لمیٹڈ، لاہور 1406ھ

۴۵۲۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفّٰی 1356ھ، اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان وما اھل بہ لغیر اللہ، گولڑہ شریف، کتب خانہ درگاہ غوثیہ 1421ھ
۴۵۳۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفّٰی 1356ھ، شمس الہدایہ فی اثبات حیات المسیح، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لاہور، 1406ھ
۴۵۴۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفّٰی 1356ھ، مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز 1415ھ
۴۵۵۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفّٰی 1356ھ، تصفیہ ما بین السنی والشیعہ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور 1399ھ
۴۵۷۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفّٰی 1364ھ، حفظ الایمان مع بسط البنان وتغیر العنوان، مکتبہ تھانوی، کراچی
۴۵۸۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفّٰی 1364ھ، امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق
۴۵۹۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفّٰی 1364ھ، جمال الاولیاء
۴۶۰۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفّٰی 1399ھ، خلافت وملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور 1975ھ
۴۶۱۔ مولانا محمد عبداللہ معمار امرتسری غیر مقلد، محمدیہ پاکٹ بک بجواب احمدیہ پاکٹ بک، المکتبۃ السلفیہ، لاہور 1391ھ
۴۶۲۔ ابوالحسنات علامہ محمد اشرف سیالوی حنفی بریلوی، انبیاء سابقین اور بشارات سید المرسلین، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 1998ء
۴۶۳۔ شیخ عبدالحی الکتانی، نظام الحکومت النبویہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت
۴۶۴۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، متوفّٰی 1985ء، دو اسلام، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی
۴۶۵۔ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، انشورنس اسلامی معیشت میں، مطبوعہ: اسلامی پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور 1982ء
۴۶۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مطبوعہ: دانش گاہ پنجاب، لاہور
۴۶۷۔ میر عبدالواحد بلگرامی، سبع سنابل، حامد اینڈ کمپنی، لاہور
۴۶۸۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، صحیفہ ہمام بن منبہ، اکیڈمی آف لائف اینڈ لیٹرز
۴۶۹۔ عقیدہ ختم نبوت، الادارہ لتحفظ العقائد الاسلامیہ، پاکستان
۴۷۰۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری، دیوبندی، متوفّٰی 1346ھ، المہند علی المفند، ادارہ اسلامیات 1404ھ
۴۷۱۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری، حسین احمد دیوبندی، متوفّٰی 1377ھ، منظور نعمانی، عقائد علماء دیوبند اور حسام الحرمین، دار الاشاعت، کراچی
۴۷۲۔ شیخ حسین احمد دیوبندی، متوفّٰی 1377ھ، الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب، میر محمد کتب خانہ، کراچی
۴۷۳۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی، متوفّٰی 2009ء، تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور، ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ 1407ھ
۴۷۴۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی، متوفّٰی 2009ء، عبارات اکابر، مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ
۴۷۵۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفّٰی 2000ء، تحفۂ قادیانیت، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان 2001ء
۴۷۶۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفّٰی 2000ء، اختلاف امت اور صراط مستقیم، مکتبہ بینات بنوری ٹاؤن، کراچی 1399ھ

۴۷۷۔ مخدوم محمد ہاشم سندھی، متوفی 1174ھ، ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول، مکتبہ لدھیانوی، کراچی 1995ء

۴۷۸۔ محمد الیاس برنی، قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت 2001ء

۴۷۹۔ مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری بریلوی، متوفی 1354ھ، فتاویٰ دیداریہ، مطبوعہ: مکتبۃ العصر، گجرات

۴۸۰۔ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی حنفی بریلوی، متوفی 2003ء، مقالات مفتی اعظم، مطبوعہ: بزم رضا، لاہور 1428ھ

۴۸۱۔ مولانا محمد منشاء تابش قصوری حنفی بریلوی غفرلہ، دعوت فکر، مطبوعہ: مکتبہ اشرفیہ، مرید کے شیخوپورہ 1403ھ

۴۸۲۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، حیات استاذ العلماء، مطبوعہ: دار الاسلام لاہور 1433ھ

۴۸۳۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، توضیح البیان، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1422ھ

۴۸۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، ذکر بالجہر، مطبوعہ فرید بک اسٹال، لاہور 1427ھ

۴۸۵۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تذکرۃ المحدثین، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1426ھ

۴۸۶۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، مقالات سعیدی، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1428ھ

۴۸۷۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، مقام ولایت ونبوت، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1426ھ

۴۸۸۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تاریخ نجد وحجاز، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 2004ء

۴۸۹۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہ، حقائق شرح صحیح مسلم ودقائق تبیان القرآن، فرید بک اسٹال لاہور، 1425ھ

۴۹۰۔ مولانا غلام نصیر الدین گولڑوی حنفی بریلوی، غفرلہ سفر آخرت کی منازل، فرید بک اسٹال لاہور، 1427ھ